بسلسلہ مطبوعات دفتر رسالہ مولوی حمیدیہ پریس دہلی

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ

رسالہ مولوی دہلی کے خریداروں کیلیے

تفسیر لوحِ محفوظ

اعنی

بیان السبحان

مولفہ و مفسرہ

[illegible] علامہ سید الدائم جلالی البخاری مدظلہ

[illegible] حقوق اشاعت دائمی

حمیدیہ پریس دہلی میں چھپوا کر مولوی میں شایع کیا

رسالہ مولوی دہلی کے خریداروں کیلئے

تفسیر لوح محفوظ

اعنی

بیان السبحان

الم تا سبحان الذی (سورۃ الکھف 6 رکوع)

مولفہ و مفسرہ

الفاضل علامہ سید الدائم جلالی البخاری مدظلہ

باخذ حقوق اشاعت دائمی

حمیدیہ پریس دہلی میں چھپوا کر مولوی میں شائع کیا

بسلسلہ مطبوعات دفتر رسالہ مولوی حمیدیہ پریس دہلی

ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر

رسالہ مولوی دہلی کے خریداروں کیلیے

تفسیر لوح محفوظ

یعنی

بیان السبحان

مولفہ و مفسرہ

لفاضل علامہ سید الدائم جلالی البخاری مدظلہ

باخذ حقوق اشاعت دائمی

خالد بن حمید نے

حمیدیہ پریس دہلی مین چھپوا کر مولوی مین شایع کیا

تفسیر بیان السبحان

مقدمہ

باسمہ الاکرم

الحمد للہ الذی لا الٰہ الا ھو سبحٰنہ وتعالیٰ عما یشرکون وطیبات الصلاۃ والسلام علیٰ من انزل علیہ الکتاب تبیانا لکل شئ وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون۔ وعلیٰ آلہ وصحبہ خیر امۃ اخرجت للناس جعلہ ائمۃ یھدون بامرہ لما صبروا وکانوا بآیاتہ یوقنون۔ اولئک ھم المؤمنون حقا واولئک ھم الفائزون

چونکہ علم تفسیر اشرف برتر اور تمام علوم میں زیادہ مہتم بالشان ہے کیونکہ قرآن پاک ہر کلام سے افضل اعلیٰ اور بزرگ ہے تمام حکمت ومحاسن کا سرچشمہ ہے اور ریاض قدس کا ایک لہلہاتا ہوا چمن ہے گمراہوں کا ہادی پیاسوں کی تسکین پیاسوں کے لئے صاف نکھرا ہوا چشمہ ہے طالبان سعادت کیلئے حصول سعادت کا ذریعہ ہے اور ہوشمند دماغ رکھنے والے انسان سعادت حقیقیہ کے ہی خواہشمند ہوتے ہیں اسلئے میں نے کلام پاک کی ایک نافع اور رہنمایت بخش تفسیر لکھوں لیکن تفسیر سے قبل چند مبادی کا جاننا ضروری ہے اسلئے ذیل میں چند مقالات

مقالۂ اول ١

فضائل القرآن

فضیلت قرآن کے ثبوت کے لئے صرف یہ امر کافی ہے کہ یہ وہ کلام ربانی ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لئے بارگاہ قدس سے رب العلا نے نازل فرمایا اور جسطرح خدائے پاک کی کوئی حقیقت ماہیت اور فضیلت وجود نہیں جان سکتا اسی طرح قرآن کے شرف کا اندازہ بھی قلب بشری کے اندازہ سے خارج ہے۔ میرا مدعا یہاں صرف یہ ہے کہ تمام نہم فضائل جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں کسی قدر بیان کر دئے جائیں کیونکہ سب کے احاطہ کرنے کی نہ مجھے قدرت ہے اور نہ میری بضاعت علمی ہی اس کی کفالت کر سکتی ہے۔ ہر زمانہ میں مختلف علماء نے فضائل قرآنی کے بیان کے لئے مستقل اور بسیط کتابیں تصنیف کیں اور کر رہے ہیں اور کرتے رہینگے کیونکہ قرآن پاک روز قیامت تک اپنی حالت اصلیہ پر قائم رہیگا۔ اسلئے اسکے فضائل بھی ذی علم اور بصیرت کیش طبقہ علیٰ رؤس الاشہاد بیان کرتا رہیگا۔ فضائل قرآن دو قسم کے ہیں (١) پورے قرآن کے فضائل جن کا تعلق کسی سورت یا معین آیت سے خصوصیت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ مجموعۂ قرآن کے ذو فضائل ہیں (٢) وہ فضائل جو بعض سورتوں یا آیتوں کے ساتھ مخصوص ہیں گویا اول الذکر فضائل عامہ ہیں اور دوسرا لذکر امتیازی اور خصوصی فضائل ہیں۔

فضائل قرآن قسم اول

حضرت علیؓ نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عنقریب فتنے برپا ہونگے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان سے محفوظ رہنے کی کیا تدبیر ہے؟ فرمایا کتاب اللہ۔ اس میں گذشتہ اقوام کے واقعات آیندہ لوگوں کے متعلق پیشین گوئیاں اور موجودہ لوگوں کے لئے احکام ہیں۔ یہ حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے مجنون کی بڑ نہیں ہے سرتابی کرنے والوں کی اس سے قوت ٹوٹ جاتی جو شخص اس کے سوا کہیں اور سے ہدایت کا طالب ہوگا راہ راست سے دور کر دیگا۔ یہی حبل المتین ہے۔ ذکر حکیم ہے صراط مستقیم ہے۔ اس سے لوگوں کے خیالات میں کجی پیدا نہ ہوگی۔ اس سے علماء سیر نہیں ہوتے ہیں یہ بار بار تلاوت کرنے سے پرانا اور فرسودہ نہیں ہوتا ہے اس کے عجائبات کبھی اختتام پذیر نہ ہونگے جس نے اس کے احکام بیان کئے وہ سچا رہا اور جس نے اسکے ارشاد پر عمل کیا ثواب پایا۔ اور جس نے اسکے [illegible] کیا اور جس نے اسکی دعوت مانی راہ راست پائی (ترمذی)

عقبہ بن عامر [illegible] سے حدیث میں ہے کہ اگر کسی کھال [illegible]

آل نہیں کھائیگی یعنی جس کے دل میں قرآن ہو وہ دوزخ میں نہیں جائیگا (رواہ احمد وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث مرفوع ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آسمان وزمین اور ان کی درمیانی چیزوں میں سب سے زیادہ قرآن محبوب ہے (دارمی)

حضرت ابن اوس کی حدیث مرفوع ہے کہ جو مسلمان سوتے وقت بستر پر جاکر قرآن کی کوئی سورت پڑھتا ہے خدا تعالیٰ اسکے واسطے ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے تاکہ بیدار ہونے تک کوئی موذی اُس کے پاس نہ آسکے (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث ہے کہ جسکے سینہ میں قرآن ہے اُس کے اندر نبوت داخل ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اُس کے پاس وحی نہیں بھیجی جاتی ہے (رواہ الحاکم وغیرہ)

حضرت انس کی حدیث ہے کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے اُس میں خیر کی کثرت ہوتی ہے اور جس میں نہیں پڑھا جاتا ہے اُسمیں خیر کی قلت ہوتی ہے (بزار)

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ دولت قرآن کی موجودگی میں مالی افلاس ہیچ ہے اور بدون قرآن کے تونگری بیکار ہے (ابویعلی وطبری)

حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے شبانہ روز اُس کی تلاوت میں مشغول رہتا ہے اُسکے حرام وحلال کی پابندی کرتا ہے خدا تعالیٰ اُس کے خون وگوشت کو آگ پر حرام کر دیگا اور سفرۂ کرام کے ساتھ اُسکو شامل کر دیگا اور بالآخر قیامت کے دن قرآن اُسکے لئے حجت ہوگا (طبرانی فی الصغیر)

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ قرآن شافع اور مقبول الشفاعۃ ہے جس نے قرآن کو آگے کر لیا قرآن اُس کو جنت کو لے جائے گا اور جس نے پس پشت ڈالدیا تو اُس کو دوزخ کو لے جائیگا۔

حدیث انسؓ میں ہے کہ حاملانِ قرآن عرفاءِ اہل جنت میں سے ہیں (طبرانی)

حدیث انسؓ میں ہے کہ اہلِ قرآن ہی اہل اللہ اور خاصانِ حق ہیں۔ (نسائی - ابن ماجہ - حاکم)

حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ خیر الکلام کتاب اللہ ہے (مسلم)

حضرت معاذ بن انس کی حدیث میں ہے کہ جس شخص نے راہ خدا (جہاد) میں بھی تلاوت قرآن کی اُس کو شہداء صدیقین اور صالحین کے ساتھ شامل کر دیا جائیگا (رواہ احمد)

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اپنی اولاد کو قرآن پڑھایا قیامت کے روز اُسکو جنت میں ایک تاج پہنایا جائیگا (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

حضرت معاذ بن انسؓ کی حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا اُس کو کامل طور پر حاصل کیا اور اُسپر عمل بھی کیا قیامت کے دن اُس کے باپ کو ایک تاجِ کرامت پہنایا جائیگا کہ اگر وہ دنیا میں ہوتا تو اُسکی روشنی آفتاب کے نور سے بھی بہتر ہوتی پھر اُس شخص کے مرتبہ کا کیا بیان جو خود قرآن پر عامل ہو (ابوداؤد - حاکم - احمد)

حضرت علیؓ کی روایت میں ہے کہ جس نے قرآن پڑھا اور تہ دل سے اُسکو اپنا پشت پناہ بنایا اُس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا تو اللہ تعالیٰ اُسکو جنت میں داخل فرمائیگا اور اُس کی شفاعت اُسکے خاندان کے ایسے دس آدمیوں کے حق میں قبول فرمائیگا جو آگ کے مستحق ہوں گے (ترمذی - ابن ماجہ - احمد)

حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ قرآن کو (یعنی تفسیر واحکام قرآن کو اپنے سینہ میں) جمع کرنیوالے کے لئے ایک دعاءِ مستجاب لازم ہوتی ہے چاہے دنیا میں اُس کو جلد لیلے چاہے آخرت کے لئے باقی رکھ چھوڑے (طبرانی فی الاوسط)

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓنے مرفوعًا روایت کی ہے کہ جو مؤمن قرآن کی تلاوت کرتا ہے وہ ترنج کی طرح ہے جسکا مزہ بھی خوشگوار ہوتا ہے اور خوشبو بھی پسندیدہ اور جو مؤمن قرآن کی تلاوت نہیں کرتا وہ چھوارے کی طرح ہے جسکا مزہ تو اچھا ہے لیکن خوشبو نہیں ہے اور قرآن خوان فاجر گل سنبل کی طرح ہوتا ہے جسکی خوشبو تو مہکتی ہے مگر مزہ تلخ ہوتا ہے اور جو فاجر قرآن خواں نہو وہ اندرائن کی طرح ہے جسکا مزہ بھی تلخ ہوتا ہے اور خوشبو بھی نہیں ہوتی (بخاری ومسلم)

حضرت عثمانؓ کی حدیث ہے حضور اطہرؐ نے فرمایا تم میں افضل وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا (بخاری ومسلم)

کلام اللہ کی فضیلت دیگر کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت مخلوق پر (بیہقی)

جسکے اندر قرآن کا کوئی حصہ نہیں وہ ویران کھنڈر کی طرح ہے (ترمذی وحاکم)

اگر تو صبح کو جاکر کلام پاک کی ایک آیت سیکھے تو وہ سو رکعت نماز پڑھنے سے افضل ہے (ابن ماجہ)

جو شخص کلام الٰہی کا علم حاصل کرکے اُسکی پیروی کرے گا خدا تعالیٰ اُسکو گمراہی سے ہدایت پر لائے گا اور قیامت کے دن اُسکو حساب کی خرابی سے محفوظ رکھے گا (طبرانی)

قرآن پاک ایک مضبوط رسی ہے جسکا ایک کنارہ خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے اور دوسرا کنارہ تمھارے ہاتھ میں اسکو مضبوط پکڑلو پھر کبھی برباد نہوگے (ابن ابی شیبہ)

حاملانِ قرآن اُس روز خدا بر تر کے سایہ میں ہونگے جس روز سوا اُس کے سایہ کے کہیں سایہ نہ ملے گا (دیلمی)

روزہ اور قرآن بندے کے لئے شفاعت کریں گے (حاکم)

قرآن پڑھا کرو قیامت کے دن قرآن شفیع ہوگا (مسلم)

ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص تلاوت قرآن میں مشغول ہونے کی وجہ سے ذکر و دعا نہ کر سکے خدا تعالےٰ اُسکو دُعا کرنیوالوں سے بہتر عطا کریگا اور کلام اللہ کا شرف دیگر کلاموں پر ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی بزرگی تمام مخلوق پر (ترمذی و دارمی)

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے قرآن کا علم حاصل کرو اور اسکی تلاوت کرو کیونکہ جو شخص قرآن کا علم سیکھ کر اُس کی تلاوت کرتا ہے اُسکے لئے قرآن اُس برتن کی طرح ہے جسمیں مشک خالص بھرا ہو اور پاکیزہ خوشبو کی لپٹیں ہر طرف مہک رہی ہوں اور جو شخص علوم قرآن سیکھنے کے بعد سوتا رہتا ہے اُسکے لئے قرآن اُس برتن کیطرح ہے جسمیں مشک بھرا ہو لیکن برتن سربند ہو (ترمذی - ابن ماجہ - نسائی - ابن حبان)

ابن عباسرضؓ کا قول ہے اے گروہ اسلام تم یہود و نصاریٰ سے کیوں مسائل پوچھتے ہو تمہاری وہ کتاب جو رسول پاک پر نازل ہوئی وہ بالکل تازہ اور غیر محرف ہے تم اُس کی تلاوت کرتے رہو اُسمیں آمیزش کا کہیں نام نہیں اور خدا تعالیٰ نے تم کو اہل کتاب کی حالت پر مطلع کر دیا ہے کہ اُنہوں نے اپنی اپنی کتابوں کو متغیر کر دیا اور خود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہنا شروع کر دیا کہ یہ خدا کی کتاب ہے جو کتاب ہمارے پاس ہے وہ بالکل آمیزش سے پاک ہے پھر کیوں تم اُن سے مسائل پوچھتے ہو۔ (بخاری)

جس خانہ خدا میں کوئی قوم کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے اور باہم درس دیتے ہیں اُن پر سکون کا نزول اور رحمتِ الٰہی کا فیضان ہوتا ہے فرشتے ہر طرف سے اُن کو گھیر لیتے ہیں اور خدا تعالےٰ اپنے پاس والوں میں اُن کا تذکرہ کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

ابن مسعودرضؓ نے فرمایا جس شخص نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسکو ایک نیکی کا ثواب ملیگا اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ (ایک حرف کی تلاوت کے عوض دس ثواب ملینگے) اور میرا مدعا یہ نہیں ہے کہ الم ایک حرف ہے بلکہ (اس میں تین حرف ہیں) الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے۔

(رواہ الترمذی وقال صحیح)

خدا تعالیٰ کسی کی طرف ایسی نظر رحمت نہیں فرماتا جیسی خوش آوازی سے قرآن پڑھنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے (مسلم)

(قیامت کے دن) خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے قرآن خواں سے فرمائیگا کہ تلاوت شروع کر اللہ درجات منزلت پر عروج کر اور ترتیل سے پڑھ جیسے تو دنیا میں تلاوت کرتا تھا کیونکہ تیرا درجہ تلاوت کی اخیری آیت پر ہے (بخاری - ترمذی)

فضائل قرآن قسم دوم

یعنی وہ احادیث صحیحہ خاص سورتوں کے فضائل کے متعلق وارد ہیں۔ یہاں یہ امر بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ علاوہ تمام فضائل کے ہر آیت و سورت کے لئے کچھ خصوصی اسرار اور پوشیدہ راز ہیں لیکن عام لوگوں کے فہم و ادراک کے احاطہ سے وہ بالاتر ہیں کیونکہ انوار و معارف کی دانش و سمجھ اُسی وقت ہوسکتی ہے اور علوم مخفیہ کا حصول اُسی وقت ممکن ہے جب دل نورانی ہوں وجدانیات صحیح ہوں اور انسان کے اندرونی مشاعر روشن ہوں اور چونکہ عوام کے دل و دماغ نور فیضان سے خالی ہوتے ہیں اس لئے اُن کے لئے اُن پوشیدہ اسرار اور سربستہ رازوں کو جاننا ناممکن ہے جو آیات و سور قرآنی کے اندر محفوظ ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسرار معرفت اور نور کشفی کا محض بیان بجائے مفید ہونے کے عامی قلوب کے لئے مضر ہے کیونکہ مادی قوتوں کے نیچے میں گرفتار ہوتے ہوئے اُن نورانی معارف تک رسائی اور حقیقت کا انکشاف قطعًا ناممکن ہے بلکہ نقصان رساں ہے۔ ممکن بلکہ ہے کہ حرص و ہوا و کینہ و انتقام کے سبب اُن سے انکار کر بیٹھیں اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عوام کے طبقہ کی رسائی فہم کے موافق آیات و سور کے بعض معتبر فضائل بیان کر دیں ممکن ہے خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ عوام اور تاریک دماغ رکھنے والوں کو بھی راہ راست کی ہدایت کر دے اور وہ اس سے تدریجی ترقی کر کے پوشیدہ معارف کی کوئی خاص مقدار حاصل کر سکیں۔

ایک خاص ملحوظ ہدایت

نوح بن مریم - میسرہ بن عبدربہ اور بعض دیگر صوفیہ نے ہر سورت کے فضائل میں اپنی طرف سے روایات بنائی ہیں لیکن جب ان موضوع روایات کا اُن سے ثبوت طلب کیا گیا تو بالآخر اُن کو اقرار کرنا پڑا کہ چونکہ لوگ علم فقہ اور تواریخ و قصص میں دلی انہماک رکھتے تھے اور تلاوت قرآنی سے غافل تھے اسلئے ہم نے نیک نیتی سے یہ روایات اپنی طرف سے بنا کر لوگوں کے سامنے بیان کر دیں تاکہ لوگوں کو تلاوت قرآن کا شوق پیدا ہو۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے مفصل بیان کر دیا ہے کہ یہ تمام روایات موضوع ہیں لیکن زمخشری بیضاوی اور واحدی وغیرہ نے انہی موضوع روایات کو اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے جو کسی طرح قابل اعتماد نہیں۔ علامہ خطیب نے سراج میر، نہایۃ

وضاحت و تنقید کے ساتھ مذکورہ روایات پر ریمارک کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب صحیح روایات موجود ہیں تو غلط روایات بنانے کی کیا ضرورت ہے۔

الفاتحة۔ حضرت ابی بن کعب کی حدیث میں وارد ہے کہ خدا تعالیٰ نے تورات و انجیل میں سے کسی کتاب میں ام الکتاب ایسی سورت نازل نہیں فرمائی ہے اسی کا نام سبع المثانی ہے (ترمذی۔ نسائی حاکم)

حسن بصری رضؓ سے باسناد صحیح مروی ہے کہ خدا تعالیٰ نے کتب سابقہ کے علوم و معارف کو قرآن میں جمع کر دیا اور قرآن مجید کے علوم و معارف کو سورۂ فاتحہ میں۔

حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ قرآن میں بہتر سورت الحمد للہ رب العلمین ہے (رواہ احمد وغیرہ)

حدیث انسؓ میں بروایت بیہقی و الحاکم اور حدیث ابوسعید بن المعلیٰ میں بروایت بخاری وارد ہے کہ سورۂ فاتحہ اعظم القرآن اور افضل القرآن ہے۔

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ سورۂ فاتحہ دو تہائی قرآن کی برابر ہے (رواہ ابو عبید وغیرہ)

(سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران) حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے اور شیطان اسکو سنتا ہے تو وہاں سے نکل جاتا ہے (رواہ ابو عبید وغیرہ) اسکے متعلق حضرت ابن مسعودؓ ابو ہریرہؓ اور عبد اللہ بن مغفلؓ سے بھی احادیث مروی ہیں۔

نواسؓ بن سمعان کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن قرآن پاک اور اس پر عمل کرنیوالے سامنے لائے جائینگے اور انکے آگے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہونگی حضور انورؐ نے ان دونوں سورتوں کے متعلق تین مثالیں فرمائی ہیں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں جیسے ابر ہیں یا پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں جنمیں بجلی چمک رہی ہے یا پرندوں کا جھنڈ پر کھولے ہوئے برابر چھایا ہوا ہے۔ یہ دونوں سورتیں اپنے قاری کے لئے قیامت کے دن حصول رحمت الٰہی کے لئے باعث حجت ہونگے (مسلم و ترمذی)

حدیث بریدہؓ میں ہے حضورؐ نے فرمایا سورۂ بقرہ سیکھو اسکا حاصل کرنا برکت ہے اور چھوڑنا حسرت ہے اور بیہودہ آدمیوں کو اسکی توفیق نہ ہوگی۔ (رواہ احمد)

سہل بن سعد کی روایت میں ہے کہ ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے جس نے اپنے حجرہ میں اس کو دن میں پڑھا تین دن تک شیطان اس میں داخل نہ ہوگا اور جس نے رات کو پڑھا تین رات تک شیطان وہاں نہیں آئیگا (رواہ ابن حبان)

جس نے سورۂ بقرہ پڑھ لی وہ تاج جنت سے سرفراز فرمایا جائے گا (بیہقی)

حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ جس نے کسی رات کو سورۂ بقرہ اور آل عمران کی تلاوت کی وہ اہل قنوت میں لکھا جائیگا (رواہ ابو عبید)

مکحولؒ کی روایت ہے کہ جس نے جمعہ کے روز سورۂ آل عمران پڑھی اس پر رات تک ملائکہ درود پڑھتے ہیں (رواہ البیہقی)

(آیۃ الکرسی) حضرت ابی بن کعبؓ کی حدیث میں ہے کہ کتاب الٰہی میں سب سے بزرگتر آیت الکرسی ہے (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ ہر چیز کی چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے اور اسی میں ایک آیت ہے جو تمام آیات کی سردار ہے یعنی آیۃ الکرسی (ترمذی۔ حاکم)

ابوامامہؓ کی روایت میں ہے کہ جو شخص ہر فریضہ کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اسکے واسطے سوا موت کے جنت میں داخل ہونے سے اور کوئی چیز مانع نہیں (نسائی۔ ابن حبان)

انسؓ کی روایت ہے کہ آیت الکرسی چہارم قرآن ہے (احمد)

(خواتیم البقرۃ) یعنی آمن الرسول سے آخر تک۔ ابومسعودؓ کی روایت میں ہے کہ جو شخص کسی رات کو سورۂ بقرہ کی آخری دونوں آیات پڑھتا ہے تو اس کی (نجات کے لئے) یہ دونوں آیات کافی ہیں (رواہ البخاری والمسلم و الاربعۃ)

نعمان بن بشیر کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی جسمیں سے دو آیات نازل فرما دیں جو سورۂ بقرہ کے اخیر میں ہیں ان کی امتیازی شان یہ ہے کہ جس مکان میں ان کی تلاوت کی جاتی ہے تین رات تک شیطان اس کے قریب نہیں آتا۔ (حاکم)

(خاتمۂ آل عمران) حضرت عثمان بن عفانؓ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص آخر آل عمران کو رات میں پڑھے تو اسکے لئے قیام شب کا ثواب لکھا جاتا ہے (بیہقی)

(سورۂ ہود) حضرت علیؓ کی حدیث میں ہے کہ کسی منافق کو سورۂ ہود، یٰسین، دخان، عم یتساءلون حفظ نہیں ہوتی ہیں۔ (طبرانی)

(آخر اسراء) حضرت معاذ بن انسؓ کی روایت ہے کہ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا آیت عزت ہے۔

(سورۂ کہف) حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں ہے کہ جس نے جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھی اُسکے لئے دونوں جمعوں کے درمیان روشن نور ہوگا (حاکم)

حضرت ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ جس نے سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کرلیں وہ دجال سے محفوظ ہوگیا (مسلم)

حضرت معاذ بن انس سے مروی ہے کہ جس نے سورۂ کہف کا اول اور اخیر حصہ پڑھا اُسکے لئے سر سے پانوؤں تک نور ہوگا اور جس نے کل سورت پڑھی اُسکے لئے آسمان سے زمین تک نور ہوگا (احمد)

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ جس شخص نے آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا رات کو پڑھی اُسکے لئے عدن سے مکہ تک نور ہوگا (بزار)

(سورۂ الم السجدہ) حضرت مسیّب بن رافع سے مروی ہے کہ قیامت کے روز الم سجدہ اپنے قاری کو اپنے دونوں بازوؤں کے درمیان لئے ہوئے آئیگی (ابو عبید)

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ سورۂ الم السجدہ اور تبارک الذی دیگر سورتوں سے ساٹھ درجہ بلند مرتبہ رکھتی ہیں (ابو عبید)

(سورۂ یٰس) معقل بن یسار کی حدیث میں ہے کہ یٰسین قرآن کا دل ہے جو شخص خدا تعالیٰ اور دار آخرت کو چاہتا ہے وہ جب یٰسین پڑھیگا خدا اُسکو بخشدیگا۔ تم لوگ مُردوں کے واسطے اسکو پڑھا کرو (ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہر چیز کا قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب سورۂ یٰسین ہے جس نے سورہ یٰسین کی قرأت کی تو دس قرآن کی قرأت کا ثواب اُسکو ملے گا (ترمذی۔ دارمی)

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ جس نے محض رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے سورۂ یٰسین کسی رات پڑھی خدا تعالیٰ اُس کی مغفرت کردیتا ہے (طبرانی۔ دارمی)

حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص پابندی کے ساتھ ہر رات سورۂ یٰسین پڑھتا ہوا اسی حالت میں مرجائے تو شہید مرتا ہے (طبرانی)

(حوامیم) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہر چیز کا مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز حوامیم ہیں (ابو عبید)

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حوامیم زینتِ قرآن ہیں (حاکم)

(دخان) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی رات حم الدخان پڑھتا ہے ستر ہزار فرشتے صبح تک اُسکے استغفار کرتے ہیں (ترمذی)

(مفصلات) ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ہر چیز کا خلاصہ ہوتا ہے اور قرآن کا خلاصہ مفصلات ہیں (دارمی)

(سورۂ رحمٰن) حضرت علیؓ کی روایت میں ہے کہ سورۂ رحمٰن عروس القرآن ہے (بیہقی)

(مسبحات) عرباضؓ بن ساریہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات خواب سے قبل مسبحات پڑھتے اور فرماتے کہ ان میں ایک آیت ہے جو ہزار آیات سے بہتر ہے (احمد۔ ترمذی۔ سنن ابوداؤد) ابن کثیر کہتے ہیں کہ جس آیت کیطرف اشارہ کیا گیا اُس سے مراد یہ آیت ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

(سورۂ حشر) حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور پاک نے ایک شخص کو نصیحت فرمائی کہ سوتے وقت سورۂ حشر پڑھا کرو اس رات کو اگر مروگے تو شہید مروگے (ابن السنی)

حضرت معقل بن یسارؓ کی روایت میں ہے کہ جو شخص صبح ہونے کے بعد سورۂ حشر کی اخیری تین آیات پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مؤکل فرماتا ہے جو برابر شام تک اُسکے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ اُس روز مرتا ہے تو شہید مرتا ہے اگر شام کو مذکورہ آیات پڑھتا ہے تو رات بھر اُس کے لئے یہ مرتبہ ہوتا ہے (ترمذی)

حضرت ابو امامہؓ کی حدیث میں ہے کہ جس نے رات یا دن میں سورۂ حشر پڑھی پھر اُس روز یا اُس رات کو وہ مرگیا تو اللہ نے اُسکے لئے جنت واجب کردی (بیہقی)

(سورۂ تبارک) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ قرآن میں ایک سورت ہے جس کی ۳۰ آیات جس شخص کے واسطے شفاعت کریگی اُس کی مغفرت ہوجائے گی یہ سورت تبارک الذی ہے (رواہ الاربعۃ والحاکم و ابن حبان)

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ سورت مانعہ منجیہ ہے یعنی عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے (ترمذی)

ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں ہے مجھے آرزو ہے کہ یہ ہر مؤمن کے قلب میں ہو (حاکم)

ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ جو شخص سورۂ تبارک الذی پڑھتا ہے خدا تعالیٰ اُسکو عذاب قبر سے محفوظ فرماتا ہے (نسائی)

(سبح اسم ربك الاعلیٰ) ابو تمیمؓ کی روایت سے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو افضل المسبحات
ہے (ابو عبید)

یکن الذین کفروا) اسمٰعیل المزنی کی روایت میں ہے
رۂ مذکورہ کے پڑھنے والے کی نسبت خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے
بھے بشارت ہو میں تجھکو جنت میں جگہ دونگا اور تو راضی ہو جائیگا
نعیم)

زلزلۃ) حضرت انس کی روایت کردہ حدیث میں سورۃ
زلزلت کی قرأت کو نصف قرآن کے مساوی قرار دیا گیا ہو (ترمذی)

رۂ عادیات) حضرت حسن کی مرسل روایت میں سورۃ
ت اور سورۂ عادیات میں سے ہر ایک کو نصف قرآن کے
ی قرار دیا گیا ہے (ابو عبید)

رۂ تکاثر) سورۂ تکاثر کی قرأت کو حضرت ابن عمرؓ کی
یت میں ہزار آیات کی قرأت کے برابر فرمایا گیا ہے (حاکم)

رۂ کافرون) حضرت انسؓ کی روایت میں اسکو چہارم
کے متادل اور مساوی قرار دیا ہے (ترمذی)

ت نوفلؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ سورۂ قل یا ایہا الکافرون
ھ سو یا کرو کیونکہ یہ سورت شرک سے بیزاری اور برارت کا
ہار کرتی ہے (رواہ الحاکم واحمد)

ن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ سوتے وقت اس سورت
ھا کرو کیونکہ یہ شرک سے نجات ہے۔ (رواہ ابو یعلیٰ)

رۂ فتح) حضرت انس کی روایت میں ہے کہ سورۂ اذا جاء
اللہ کی قرأت چہارم قرآن کی برابر ہے (ترمذی)

رۂ اخلاص) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے
ھو اللہ احد تہائی قرآن کی برابر ثواب رکھتی ہے (مسلم)
عبداللہ بن شخیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے
ض الموت میں سورۂ اخلاص پڑھی وہ قبر میں فتنہ اور ضغطہ
محفوظ رہیگا اور قیامت کے دن فرشتے اسکو اپنے ہاتھوں
ل صراط سے پار کرینگے (طبرانی)
ی روایت میں ہے کہ جو شخص نماز میں قل ہو اللہ احد سو بار
ھے خدا تعالیٰ اس کے واسطے دوزخ سے براءت لکھتا ہے (طبرانی)
ضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص (روزانہ) قل ہو
احد دس بار پڑھتا ہے اسکے لئے جنت میں ایک محل بنایا جاتا
اور جو شخص بیس۲۰ بار پڑھتا ہے اسکے لئے دو محل اور جو شخص تیس۳۰
پڑھتا ہے اسکے لئے تین محل تیار ہوتے ہیں (طبرانی)
ت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ جو شخص نماز فجر کے بعد

بارہ۱۲ مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھتا ہے وہ گویا چار بار قرآن ختم کرتا ہے
ایسا شخص اپنے زمانہ کے موجودہ آدمیوں سے بہتر ہوتا ہے بشرطیکہ
تقویٰ رکھتا ہو (طبرانی فی الصغیر)

ایک صحیح روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص کا دستور تھا کہ نماز میں
الحمد اور سورت پڑھنے کے بعد سورۂ اخلاص بھی پڑھتا تھا بلکہ دوسروں
کو نماز پڑھاتا تب بھی یہی کرتا تھا حضور گرامی کو جب اس بات کی
اطلاع ہوئی تو ارشاد فرمایا اس سے دریافت کرو کہ ایسا فعل
کیوں کرتا ہے؟ اُس شخص نے عرض کیا کہ اس سورت میں خداوند
قدوس کی توحید کا بیان ہے اسلئے مجھے اس سے بہت زیادہ
محبت ہے۔ فرمایا اسکو آگاہ کردو کہ خدا تعالیٰ اُسکو محبوب رکھتا ہے۔

ایک اور صحیح روایت میں آتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
جب غزوۂ تبوک تشریف لیگئے اور وہاں کفار سے مقابلہ نہوا تو
حضورؐ نے وہاں چند روز قیام فرمایا حضرت جبرئیلؑ نے آکر
اطلاع دی کہ فلاں صحابی کا مدینہ میں انتقال ہوگیا۔ آپ اُسکے
جنازہ کی نماز پڑھنی پسند فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ یہ فرماکر حضور
اقدس صلعم فوراً کھڑے ہو گئے اور تمام صحابہ نے جنکی تعداد ستر
ہزار تھی حضورؐ کے پیچھے صف بندی کی آپنے نماز پڑھائی جب
سلام پھیرا تو ملاحظہ فرمایا کہ سوا صحابہ کی صفوں کے دو صفیں ملائکہ
کی بھی نماز میں شریک تھیں اور ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے
حضورؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا کہ اس شخص کا یہ مرتبہ کیوں ہے؟
حضرت جبرئیلؑ نے کہا یا رسول اللہؐ! اس شخص کو قل ہو اللہ احد
سے بہت محبت تھی یہانتک کہ اُٹھتے بیٹھتے اس کی تلاوت
کیا کرتا تھا۔ (کما فی الصحیح)

(سورۂ فلق اور سورۂ ناس) حضرت عقبہؓ کہتے
ہیں حضورؐ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسی سورتیں سکھاؤں
جن کی مثل خدا تعالیٰ نے تورات انجیل اور زبور میں نازل نہیں
فرمائیں؟ میں نے عرض کیا ارشاد فرمائیے۔ فرمایا قل ھو اللہ
اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس (احمد)
ابن عباسؓ کہتے ہیں حضورؐ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز جس سے
پناہ کے خواستگاروں نے پناہ چاہی کیا میں اُن سب سے افضل چیز
تم کو بتادوں؟ میں نے عرض کیا فرمائیے۔ ارشاد فرمایا وہ قل
اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہے (احمد)
حضرت عبداللہ بن خبیبؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضورؐ نے
مجھے فرمایا تم صبح شام تین بار قل ہو اللہ احد اور معوذتین پڑھ لیا کرو
یہ تمہارے لئے ہر چیز سے کفایت کریگی (رواہ ابوداؤد والترمذی)

ضمیمہ مقالۂ اوّل
خواصِ قرآن

کلامِ ربانی کے خواص اور انوار و تاثیر بے حساب ہیں ذہنِ انسانی اُن کے احاطہ سے قاصر ہے اور تحریر یا تقریر میں لانا تو اُن کا بالکل نا ممکن ہی ہے لیکن اُن میں سے بعض کا تذکرہ احادیث و آثار و اقوال سلف میں آیا ہے اور اکثر اولیاءِ کرام کے تجربہ سے مستند اور صحیح ثابت ہو چکا ہے لیکن یہ تمام برکات و انوار بصدقِ یقین کمالِ ایمان صداقتِ قول اور اکلِ حلال پر مبنی ہیں ورنہ بہت سے قرآن کی تلاوت کرنیوالے ایسے ہیں کہ قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترتا پھر دل میں تاثرِ ایمان میں نور قلب میں کشادگی اور روح میں انبساط کس طرح پیدا ہو سکتا ہے اور کس طرح قرآنی برکات و انوار سے وہ فائدہ اندوز ہو سکتے ہیں۔ قرآن پاک کی ہر آیت درحقیقت صالحین کی زبان کی شفا ہے اسلئے تاریک دماغ رکھنے والے اور پرستارانِ مادیت ہرگز خواص و تاثراتِ قرآن کا انکار کرنے کی جرأت نہ کریں کیونکہ یہ اُن کی ہوا پرستی اور بیہودہ حرص بننے کا تصور ہے اندھے کو روشنی سے کیا فائدہ۔ عنین کو لذت جماع کا کیا احساس۔ ذیل میں ہم خواص قرآن کے متعلق مختصر صحیح احادیث نقل کرتے ہیں:۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ قرآن کی ہر آیت شفا ہے لیکن صالحین کی زبان سے۔

ابن مسعودؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ تم دو شفاؤں کا التزام کرلو شہد (کا استعمال) اور قرآن (کی تلاوت) (ابن ماجہ)

واثلہ بن اسقع کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضورِ گرامیؐ سے دردِ حلق کی شکایت کی تو حضورؐ نے اُسکو قرأتِ قرآن کا حکم دیا (بیہقی)

حضرت جابرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ سورۂ فاتحہ سوا موت کے سب بیماریوں کی دوا ہے (بیہقی وغیرہ)

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر کے دوران میں ایک مقام پر فروکش ہوئے وہاں کے باشندوں نے ہماری میزبانی نہ کی اتفاقاً رات کو ایک باندی دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا ہے اور اُسکو سخت تکلیف ہے اگر آپ حضرات میں سے کوئی جھاڑنا جانتا ہو تو چلئے یہ سنکر ہم میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ ہمارا خیال بھی نہ تھا کہ اُس کو کوئی منتر آتا ہے کہنے لگا مجھے جھاڑنا تو آتا ہے لیکن چونکہ تم لوگوں نے ہماری میزبانی نہیں کی اس لئے جب تک تم لوگ اجرت مقرر نہ کر دو گے میں نہیں جھاڑوں گا بالآخر اُن لوگوں نے (۳۰ بکریاں) اجرت دینی منظور کرلی اور اُس شخص نے جا کر جھاڑ دیا اور سردار اچھا ہو گیا اور اُجرت مقررہ پوری پوری اُس نے ادا کر دی۔ ہم نے اپنے دوست سے کہا کہ ہمارے خیال میں یہ بات نہ تھی کہ آپ بچھو کا منتر جانتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا خدا کی قسم مجھے منتر نہیں آتا میں نے تو صرف سورۂ فاتحہ دم کر دی تھی الخ (بخاری وغیرہ)

حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے اوپر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کی تھی۔ (طبرانی)

حضرت انسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب تم نے بستر پر پہلو رکھکر سورۂ فاتحہ و اخلاص پڑھ لی تو سوا موت کے ہر چیز سے محفوظ ہو گئے (بزار)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ جس مکان میں سورۂ بقر پڑھی جائے اُس میں شیطان داخل نہیں ہوتا (مسلم)

حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ میں حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہی تھا کہ ایک اعرابی نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ میرا بھائی بیمار ہے۔ دریافت فرمایا کیا بیماری ہے؟ عرض کیا آسیب ہے۔ فرمایا میرے پاس لے آ۔ وہ حسب الحکم لے آیا حضورؐ نے مذکورۂ ذیل سور و آیات اُس پر پڑھ کر دم کردیں وہ فوراً اس طرح اٹھ بیٹھا کہ گویا اُسکو کوئی بیماری ہی نہ تھی۔ سورۂ فاتحہ۔ سورۂ بقر کی ابتدائی آیات۔ سورۂ اعراف کی یہ آیت ان ربکم اللہ الخ سورۂ مؤمنون کی اخیری آیت یعنی فتعالی اللہ الملک الحق الخ سورۂ جن کی ایک آیت یعنی و انہ تعالیٰ جد ربنا الخ سورۂ صافات کی دس آیات سورۂ حشر کی اخیری تین آیات۔ سورۂ اخلاص۔ فلق۔ ناس۔ (رواہ عبد اللہ بن احمد فی زوائد المسند باسناد حسن)

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھے کچھ تعلیم فرمائیے جو میرے لئے مفید ہو۔ فرمایا آیت الکرسی پڑھا کر آیت الکرسی تیری جان۔ اولاد اور گھر کی حفاظت کریگی یہانتک کہ تیرے گھر کے آس پاس کے گھروں کی بھی حفاظت کریگی (مجاہد)

حسنؓ سے مرسلاً مروی ہے کہ بستر پر لیٹتے وقت آیۃ الکرسی پڑھا کرو اس سے کید الجن سے محفوظ رہو گے (دینوری)

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کیا جانو

[illegible]ش ہو جاتے تو اُس کے کانوں میں یہ آیت پڑھی جاتی ہے اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (بیہقی)

مقالۂ دوئم

تفسیر کی ضرورت و اقسام

تفسیر کی ضرورت اور طریقہ حصول

جب آدمی ایمان سے مستفید [illegible] مرضیات الٰہی کا پابند ہوتا ہے خدا تعالیٰ کے کلام مقدس کی [illegible]وت کرتا ہے اُس کے اوامر و نواہی پر عامل ہوتا ہے اور کلام [illegible] کے معانی و مقاصد جاننے کر اپنے نفس اور شیطانی دبا وی خواہشات [illegible] کنارہ کش ہوتا ہے تو رحمت الٰہی میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے [illegible] کے دل سے جسمانی تاریک پردے اُٹھ جاتے ہیں روحانی [illegible]ار و معارف کا فیضان ہونے لگتا ہے اور کتاب اقدس کا وہ [illegible] انکشافات بارگاہ قدس سے حاصل ہوتا ہے جو اسکو نہ پہلے سے [illegible] تھا نہ آیندہ کو حاصل ہو سکتا تھا۔ قرآن میں ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا طبرانی کی روایت میں آیا [illegible] جب آدمی علم کے موافق عمل کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو ایسی چیز کا [illegible]م عطا کرتا ہے جس سے وہ واقف نہیں ہوتا۔ ہمارے اس بیان سے [illegible]ت ہو گیا کہ آدمی کے لئے حسب استعداد قرآنی علوم سے واقفیت [illegible] تفسیر و تاویل نہایت ضروری ہے اگرچہ اسکے معانی و معارف کا [illegible] طاقت بشری سے خارج ہے ایک معمولی بازاری انسان سے [illegible] اولوالعزم پیغمبروں تک کے واسطے اسکے علوم و انوار غیر [illegible] ہیں لیکن پھر بھی ہر شخص جو حاصل کرنے کی کوشش کرے وہ بقدر کوشش محروم نہیں رہ سکتا کیونکہ کلام پاک کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ ہر طبقہ کا انسان اپنے حوصلہ کے موافق معانی و معارف اس سے حاصل کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے شیخ جوینی نے ارشاد فرمایا ہے کہ علم التفسیر سہل دشوار ہے۔ عامی آدمی کے لئے مدارج ترقی حاصل کرنے اور انوار قدس و برکات سرمدی کے فیضان قبول کرنے کے دو طریقے ہیں (۱) ظاہر تفسیر کو سمجھ کر نہایت تن دہی اور روحانی قوت کے ساتھ اسپر کاربند ہو۔ ہر وقت فضل الٰہی کا منتظر اور امیدوار رہے یہانتک کہ اُسکی روح کے سامنے جسمانی پردے اُٹھ جائیں اور عروس حقیقت کا روشن چہرہ نظر آ جائے (۲) ظاہر تفسیر سمجھ کر عمل کرے اور قلب کی بھی حفاظت رکھے۔ عروج کا یہ طریقہ بہت جلد

کامیاب کرنیوالا ہے کیونکہ صحابہ کرام کی ایسی سرعت سیراب ناممکن ہے۔ رسول اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک سے جو فیض و برکت اُن کو حاصل ہوتا تھا وہ اب نہیں ہو سکتا لیکن فیض بالکل مسدود نہیں اور حصول برکات و معارف کی اب بھی راہ کشادہ ہے خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ دوسری جگہ توجہ نہ کرنیوالوں کو زجر و توبیخ کی ہے اور فرمایا ہے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ایک اور آیت میں ہے فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا اور غور کر کے سمجھنے کی کوشش کرنیوالوں کی مدح فرمائی ہے ارشاد فرمایا ہے يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ لہٰذا بقدر امکان حصول معارف کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ ظاہری معانی اور تفسیر الفاظ کو سمجھ کر پابندی کے ساتھ عمل پیرا ہو کر کشف حقیقت کی طرف کامل توجہ کرنی چاہیے تاکہ روح میں روشنی و انبساط پیدا ہو جائے اور حواس مادی کے پردوں کی تاریکی دور ہو جائے اور انقباض روحانی کے ذرائع بند ہوتے چلے جائیں۔

تفسیر کے اقسام

تفسیر کے چار اقسام ہیں یا یوں کہنا چاہیئے کہ تفسیر چار طرح کی ہوتی ہے

(۱) عام فہم تفسیر یعنی وہ تفسیر جسکو عرب اپنی زبان میں جانتے ہیں مثلاً حضرت بلقیس ملکۂ سبا کے متعلق قرآن پاک میں آیا ہے وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ "بلقیس کو ہر چیز دی گئی تھی اور اُس کا تخت بڑا تھا" اس سے عرب کا عامی آدمی یہی مطلب سمجھتا ہے کہ بلقیس کو ہر چیز خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی تھی کوئی چیز ایسی نہ تھی کہ اسکو نہ ملی ہو۔

(۲) وہ تفسیر جس کو علماء جانتے ہیں مثلاً آیت مذکورہ میں ہی علماء اس حقیقت کو جانتے ہیں اور دانشمند انسان اس بات سے واقف ہیں کہ بلقیس کو آسمان زمین کائنات فضائی اور کواکب نجوم کی طاقت حاصل نہ تھی نہ تمام عالم کی زمین اُسکے قبضہ میں تھی دنیا کے تمام سرسبز لہلہاتے جنگل دنیا کا ہر پھل اور میوہ اور کل روئے زمین کا زر و جواہر اُسکے پاس موجود نہ تھا اسلئے لامحالہ آیت مذکورہ کے یہ معنی ہیں کہ ملکۂ سبا کو اس کے مناسب حال ہر چیز عطا کی گئی تھی۔

(۳) وہ تفسیر جسکو خاص خاص علماء جانتے ہیں یا اولیاء صلحاء اُمت اور ائمہ کرام اُس سے واقف ہوتے ہیں یا ظاہر لفظ کے دو معنی ہوتے ہیں اور کسی خاص قرینہ کی وجہ سے کوئی ایک معنی مراد ہوتے ہیں دوسرے معنی مقصود نہیں ہوتے اگرچہ

ظاہر لفظ دوسرے معنی کا بھی محتمل ہوتا ہے۔

(۴) وہ تفسیر جس سے سوا خدائے عز وجل کے کوئی واقف نہیں یا وہ راز ہائے مخفی جو خدا اور اس کے رسول کے درمیان دائر ہیں کسی غیر کو ان پر اطلاع نہیں۔

یہاں اس امر کو جان لینا ضروری ہے کہ کبھی ایک ہی آیت میں دو اعتبارات ہوتے ہیں ایک اعتبار سے اسکو عام طبقہ جانتا ہے زباندان لوگ اس سے واقف ہوتے ہیں اور دوسرے اعتبار سے اسکو کوئی نہیں جانتا مثلاً جنت کی راحت، خوشی اور دوزخ کی تکلیف وایذاء۔ ہم جنت کے عیش ونعمت کو جانتے ہیں ہم کو اس کا علم یقینی ہے دوزخ کے عذاب وعقاب پر ایمان رکھتے ہیں ہم کو اس پر راسخ عقیدہ ہے لیکن اسکی کیفیت لذت یا رنج وعذاب کی چگونگی کا واقعی احساس ہم کو نہیں اور نہ ہمکو کبھی ہو سکتا ہے۔

مقالۂ سوم

کیفیت تفسیر و آداب مفسر

کیفیت تفسیر

علماء محققین کا قول ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی تفسیر اور استنباط احکام چاہتا ہو تو اسکو مذکورہ ذیل ہدایات پر عمل کرنا چاہیئے:۔

(۱) خود کتاب الٰہی میں احکام اور تفصیلی مسائل کی تلاش کرے کیونکہ کلام اقدس میں جو حکم یا معنی ایک جگہ مجمل ہے دوسری جگہ مفسر ہے اور جو مسئلہ ایک مقام پر اختصار وایجاز کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہ دوسرے مقام پر تفصیل وبسط کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ اور لَیَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ وغیرہ آیات مضمون بالا پر ضمنی دلالت کر رہی ہیں۔

(۲) اگر مذکورہ بالا صورت فہم وادراک سے باہر ہو اور احکام تفصیلی کے استنباط کے لئے ذہنی فکر ونظر کافی نہ ہو تو پھر آیت کی تفسیر رسول انورؐ کی احادیث میں تلاش کرنی چاہیئے کیونکہ حدیث بالکل تفسیر قرآن ہے مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ اسی بناء پر امام شافعیؒ کا قول ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم فرمایا وہ قرآن مجید سے معلوم کیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ الخ اور حدیث میں بھی وارد ہے کہ مجھے قرآن مجید اور اسکی مثل عطا کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے حدیث نبی کے واسطے قرآن سے ہی اصل دریافت کی بارہا خود بیان کرنیوالے حضرت عکرمہ نے بھی اسی کا اتباع کیا۔

(۳) اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آیت قرآنی کی تفسیر نہ ملے تو پھر صحابۂ کرام کے اقوال میں تلاش کرنی چاہیئے، کیونکہ یہ لوگ اسلام کے آفتاب اور ستارے تھے ہر قول وعمل میں رسول اطہرؐ کے پیرو اور نمونہ تھے، مشکوٰۃ نبوت سے اکثر وبیشتر حاصل ہوئی تھی پھر فطرتاً ان کی عقل مستقیم حواس صحیح اور مشاعر باطنہ منور ہونے کے قابل تھے۔ یہ بزرگ ہستیاں شاہد منازل الوحی تھیں انکی تفسیر مثل مرفوع کے ہے کما ذکرہ الحاکم۔

(۴) اگر کلام الٰہی کی تفسیر اقوال صحابہ میں بھی نہ ملے تو پھر صحابہ کو دیکھنے والوں اور ان کی صحبت سے مستفید ہونیوالوں کے اقوال میں تلاش کی ضرورت ہے کیونکہ یہ لوگ اگرچہ بلا واسطہ تو تجلیات نبوت سے محروم تھے لیکن ایسی ہستیوں سے استفادہ کر چکے تھے جو آفتاب نبوت کے پرتو جمال تھیں جنکے نفوس قدسیہ اور ارواح روشن تھیں۔ تابعین کے کلام میں غلطی کا احتمال کم ہے ان کی تفسیر بھی معتبر ہے۔

(۵) اگر تابعین کے اقوال بھی تفسیر کے لئے ناکافی ہوں تو تبع تابعین کے کلام کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے مثلاً سفیان ثوری وغیرہ کیونکہ یہ لوگ ائمۂ دین تھے باورع اور متقی تھے اپنی طرف سے قرآن پاک کی تفسیر کر کے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے کا انکی جانب احتمال نہیں ہو سکتا ان کی رفتار گفتار اور اطوار گناہ وطغیان سے معصوم اور ہر قول وفعل غلطی اور کجروی سے محفوظ تھا اسلئے ان حضرات کی طرف غلط تاویل یا اختراعی تفسیر کو منسوب کرنا سراسر زیادتی ہے۔ انکے حالات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا ہر عمل وقول کسی تابعی سے حاصل کیا ہے۔

(۶) جدید قول دماغی اختراع اور احداث بدعت سے پرہیز رکھے۔ اپنی طرف سے ایجاد کر کے کوئی تاویل وتفسیر نہ کرے ہاں فوائد اور عرائس البیان کی صورت میں اگر دماغی قویٰ پر زور دیکر اور تمام ذہنی طاقتوں سے مدد لیکر خالص نیت اور صاف ارادہ سے کوئی مفید مطلب ظاہر کرے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ بعض صوفیۂ کرام نے کیا ہے۔

(۷) اگر صحابۂ کرام کے اقوال میں باہم تعارض نظر آتا ہو تو جہاں تک ممکن ہو ان تمام اقوال کو ایک اجتماعی شکل میں ظاہر کرنے کی کوشش کرے۔ اور ایسا قول اختیار کرے جس میں سب داخل ہوں کیونکہ طریقۂ قرآن اور سنت رسول اللہؐ باہم مخالف

باب میں اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے اقوال بھی سنت رسولؐ کے خلاف نہیں ہیں۔ اگر ان اقوال میں موافقت اور مطابقت ممکن نہ ہو تو اس باب میں جو تفسیر مسموع مرفوع ہو اسی پر اکتفا کیا جاوے اور اگر مرفوع حدیث نہ ہو تو قواعد اصول کے موافق مختلف اقوال میں سے کسی کو ترجیح و تقویت دے بلکہ میرا تو خیال ہے اور بعض علماء نے اس کی تصریح بھی کی ہے کہ اقوال صحابہ میں کہیں تعارض نہیں ہے ظاہری تعارض صرف چند وجوہ کی بنا پر نظر آتا ہے۔

بعض سلف سے بعض روایات ثابت ہی نہیں ہوتی ہیں اور اگر ثبوت روایت ہوتا بھی ہے تو نہایت ضعف کے ساتھ پھر ان کے بعد کو آنیوالے مفسرین ان روایات کو نہایت آزادی کے ساتھ لے لیتے ہیں اور سلسلۂ اسناد بھی حذف کر دیتے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان روایات کا مطلب و مفہوم سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے اور روایات میں باہم تعارض نظر آتا ہے حالانکہ تعارض نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسناد صحیح ہوتی ہے تنقیدی نظر کے اعتبار سے روایت درست ہوتی ہے لیکن راوی اسکے مفہوم سمجھنے میں غلطی کرتا ہے اور اصلی مفہوم کو چھوڑ کر اپنے مفہوم کو روایت کرتا ہے جس سے تعارض پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ راوی کو مفہوم سمجھنے میں بھی غلطی نہیں ہوتی لیکن اصل روایت کردہ تفسیر کسی خاص موقع و محل کے ساتھ خصوصیت رکھتی تھی اور راوی اس کو بطور عموم روایت کرتا ہے موقع و محل کا لحاظ نہیں کرتا جس سے تعارض پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل تفسیر بطور نص و صراحت کے صحیح ہوتی ہے اور دوسرے صحابی سے اسکے خلاف بطور اشارہ اور دلالت کے مروی ہوتی ہے اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہوتی کیونکہ اصل تفسیر تو نص و صراحت کے اعتبار سے ہوتی ہے اور دوسری تفسیر اشارہ و دلالت کے اعتبار سے لیکن دیکھنے والے کو تعارض کا دھوکہ ہو جاتا ہے۔ کبھی تفسیر میں اختلاف صرف اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے ایک لفظ کے دو معنی ہوتے ہیں کوئی امام ایک معنی مراد لیتا ہے اور کوئی امام دوسرے معنی اور ان میں کوئی تعارض واقع نہیں ہوتا کیونکہ اشتراک لفظی و معنوی کا دائرہ کلام عربی میں وسیع ہے کبھی ایک جگہ ایک لفظ بطور اطلاق کے استعمال کیا جاتا ہے اور دوسرا لفظ بطور تقیید کے اور اسی بنا پر حکم میں اختلاف ہو جاتا ہے وغیرہ۔

آداب مفسر

درحقیقت یہ موضوع کوئی مستقل نہیں ہے بلکہ آداب مفسر وہی ہیں جو کیفیت تفسیر کے عنوان کے تحت میں بیان کر دیے گئے۔ چونکہ مفسر کے لئے چند مزید شرائط کی پابندی ضروری ہے اس لئے اس موضوع کو جدا اور مستقل صورت میں بیان کیا جاتا ہے۔ شیخ ابوطالب طبری نے اوائل تفسیر میں چند شرائط بیان کئے ہیں جن کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) مفسر صحیح اعتقاد رکھتا ہو سنت پر قائم ہو کیونکہ جس کے اعتقاد میں نقص ہوا سکو دنیوی معاملات میں امین نہیں سمجھا جاتا تو اسرار الٰہی میں اسکی بات پر کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے اور واقعی ایسے شخص کی تفسیر فتنہ انگیزی کا سبب ہوگی جس طرح کہ باطنیہ۔ معتزلہ۔ روافض۔ ملاحدہ اور نواصب وغیرہ فرقوں نے کیا۔

(۲) مفسر زبردست عالم اور راسخ فی العلم ہو کیونکہ روشن اور محفوظ قلب میں شیطانی اور نفسانی وسوسے داخل نہیں ہوتے ہیں لہذا جو علم اُس میں حاصل ہوگا وہ حق تعالیٰ کی جانب سے ہوگا نفسانی خواہشات کو اس میں دخل نہ ہوگا۔

(۳) مفسر کا قلب صالح ہو یعنی راسخ اعتقاد سنت نبوت اور اجماع سلف کے موافق ہو کیونکہ یہی نور ربانی ہے اور اسی سے بندہ عالم ربانی بن جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔

(۴) مفسر کی نیت نیک ہو۔ تفسیر سے مقصود مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام کا اعلان ہو۔ دل میں خلوص اور خیالات میں صفائی ہو دنیا سے بے رغبتی ہو طمع نفسانی مقصود نہ ہو کیونکہ خواہشات نفسانی اصل مدعا پر پردہ ڈالدینگی اور مفسر طالب زر بنجائیگا۔ طالب حق نہیں رہے گا۔

مقالۂ چہارم

طبقاتِ مفسّرین

طبقات مفسرین کے علم سے قبل اس بات کو جان لینا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید اپنے رسولِ گرامیؐ پر نازل فرمایا اور قرآن پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے واقعات و مواقع کو مدنظر رکھتے ہوئے مکمل ۲۳ سال میں نازل ہوا اور ہم تک یہ نعمتِ بے بہا خدا کے محبوب بندوں اور پاک ہستیوں کے ذریعہ سے پہونچی جن کو گروہ صحابہ کہا جاتا ہے اسلئے گروہ صحابہ محبت عادل محبتِ الٰہی اور محسنِ اسلام و مسلمین ہے کیونکہ اسی کے واسطے سے یہ کلام اقدس ہم تک پہنچا ہے اب کسی کو یہ کہنے کی گنجائش باقی نہیں

رہی کہ کلام پاک صحیح اور قطعی طور پر ہم کو نہیں ملا۔ حضرت عثمان رضؓ نے مصاحف کی نقلیں کرا کے تمام ممالک میں بھیجدیں اور موجودہ قرآن متواتر ہم تک پہونچ گیا۔ ہاں قرآن کی تفاسیر متواتر نہیں بلکہ جن صحابہ کی طرف منسوب کردہ تفاسیر ہم تک پہونچی ہیں تو اُن میں ناقلین تفسیر اور درمیانی راویوں پر ایک تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے کہ ان کا حافظہ قابل اعتماد ہے یا نہیں کیونکہ تقریباً تمام صحابہ تفسیر قرآنی کو مثل قرآن حفظ رکھتے تھے کوئی کتاب تصنیف کردہ نہ تھی اور ان کے بعد آنیوالے تابعین کا بھی یہی دستور تھا لیکن تابعین کے اخیر دور میں روافض و خوارج کی چند ٹکڑیاں پیدا ہوگئیں اس وقت جماعت عادلہ کے ممتاز افراد نے احتیاط کی اور تحقیق کی کہ یہ شخص جو یہ تفسیر روایت کر رہا ہے پوشیدہ رافضی تو نہیں ہے لہذا تبع تابعین بلکہ تابعین کے اخیر دور میں تصنیفات کا سلسلہ شروع ہو گیا چنانچہ امام مالک کا موطا طبقہ سوم کی تصنیف ہے۔ تبع تابعین نے اپنی جماعت سے تمام اہل بدعت اور کمزور حافظہ رکھنے والوں کو نکالدیا اور درجۂ ثقاہت سے خارج کردیا اور جماعت عادلہ [illegible] حافظہ میں بھی اگر ضعف ہوا تو اس کی روایت [illegible] کیا تبع تابعین کے بعد ان کے اتباع آئے یعنی جو تھا طبقہ آیا تو اس طبقہ نے صحیح و ضعیف کو علیحدہ علیحدہ کرنے کی اور بھی زائد کوشش کی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اسی قسم کی تالیفات ہیں پھر طبقہ پنجم اور ششم نے تفاسیر آیات اور تاویل کلام پاک کے متعلق کتابیں لکھیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے کتب تفاسیر و حدیث کے چار طبقے قائم کئے ہیں (۱) موطا و صحیحین (۲) سنن ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ مسند احمد۔ (۳) وہ کتب جو بخاری و مسلم کے ہمعصر طبقہ نے یا متقدمین نے بغیر التزام صحت کے تصنیف کیں یا التزام صحت کیا مگر وہ کتابیں مشہور نہ ہوئیں مثلاً مسند شافعی صحیح ابن حبان وغیرہ (۴) وہ کتب جن کے اندر سب رطب یابس صحیح غلط روایات موجود ہیں مثلاً مستدرک حاکم کتب دیلمی و ابن شاہین وغیرہ۔ اس مختصر تمہید کے جان لینے کے بعد ذیل کے مقالہ پر ایک بسیط نظر ڈالنی چاہیئے تحقیقی نظر ڈالنے سے مفسرین کے سات طبقات معلوم ہوتے ہیں (۱) صحابہ (۲) تابعین (۳) تبع تابعین (۴) اتباع تبع تابعین (۵) مخالطین (۶) اہل الرائی (۷) اہل فن۔ ہم ذیل میں ہر ایک کی تفصیل درج کرتے ہیں:-

(۱) طبقہ صحابہ۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن پاک کی تفسیر کا مرجع خود کلام پاک ہی ہے یا حدیث یا قول صحابی تفسیر ہوسکتا ہے۔ صحابہ کرام تفسیر قرآن میں انتہائی احتیاط اور رعایت تحفظ ملحوظ رکھتے تھے اور بغیر کافی احتیاط و رعایت کے کلام اقدس کی تفسیر کوئی لفظ زبان سے نہ نکلتے تھے چنانچہ بعض اکابر کا قول ہے کہ اگر قرآن میں کوئی ایسا لفظ زبان سے نکالا جسکا مجھے علم نہیں ہے تو مجھ کونسا آسمان مجھے اپنے نیچے چھپائیگا اور کونسی زمین مجھے اپنی سطح پر اٹھائیگی (کمارد فی السنن) اور حدیث مرفوع ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے قرآن میں رائے سے کچھ کہا وہ کافر ہوگیا (اخرجہ اصحاب الصحاح والسنن) اسی بناء پر صحابہ تفسیر قرآنی میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ سے بہت قلیل تفسیر مروی ہے اور جن صحابہ نے تفسیر قرآن بیان فرمائی اُن میں سے ذیل زیادہ مشہور ہیں۔ چاروں خلفائے راشدین رضؓ۔ ابن مسعود رضؓ ابن عباس رضؓ۔ ابی بن کعب رضؓ۔ زید بن ثابت رضؓ۔ ابوموسیٰ اشعری رضؓ اور عبداللہ بن زبیر رضؓ۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ سے تفسیر کا بہت ہی قلیل حصہ مروی ہے کیونکہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ پوشی ہونے کے بعد مسیلمہ کذاب وغیرہ نے نبوت کا دعوی بہت زور سے شروع کردیا تھا نیز کچھ دیہاتی مسلمان بھی مرتد ہوگئے۔ اوّل تو حضرت صدیق کی مدت خلافت ہی دو سال تھی اس پر کفار و مشرکین کی یورش مرتدوں کی سرتابی اور گردن کشی یہ تمام اسباب تھے جنھوں نے صدیق اکبر رضؓ کو تفسیر کی طرف توجہ کرنے کا کافی موقعہ نہیں دیا۔ مرتدوں اور معاندوں کے قضیئے سے فارغ ہونے کے بعد سید الصدیقین نے افواج اسلامی کو جہاد شام و عراق کے لئے روانہ کیا یہانتک کہ آپ کی زندگی میں دمشق تک فتح ہوگیا پھر آپ کو کسی قدر اطمینان بھی تھا اکثر صحابہ موجود تھے جو تفسیر کلام پاک کا کام بخوبی انجام دیتے تھے اسلئے آپ کو اس طرف کوئی خاص توجہ کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہوئی اور نہ آپ نے بذات خاص تعلیم کی طرف کوئی مخصوص توجہ کی بلکہ امر خلافت اعلائے کلمۂ توحید استیصال شرک اور استحکام بناء اسلام کی طرف ہی ہمیشہ توجہ مبذول رکھی اور اسی میں ہمہ گرم عمل رہے۔

حضرت فاروق اعظم رضؓ سے روایات تفسیری بہت کم مروی ہیں کیونکہ آپ کی مدت خلافت گو طویل رہی لیکن دور فاروقی میں تمام اکابر صحابہ موجود تھے جو لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اسلئے آپ نے بھی تفسیر کی طرف کوئی مستقل التفات نہ کیا بلکہ بلاد شام فارس اور مصر وغیرہ کی فتوحات ممالک محروسہ کا حل و عقد عاملوں اور گورنروں کا عزل و نصب بیت المال کا بجا صرف اور دیگر

ضروری مہمات میں آپ کا دورِ خلافت بھی ختم ہوگیا۔

حضرت عثمان رضؓ کے دور میں خلافت فاروقی کے فتوحات کا بقیہ حصہ پایۂ تکمیل کو پہونچا آپ کے زمانہ میں بھی صحابہ بکثرت تھے اور تعلیم کے کام میں مصروف تھے۔ خلافت عثمانی میں اگرچہ فتن وفسادات کے دروازے کھل گئے تھے۔ جابجا باغی پارٹیاں سازشوں میں منہمک تھیں لیکن علی الاعلان مذہبی فرقہ بندی نہ ہوئی تھی پھر صحابہ تبلیغ دین اور تفسیر قرآن کیلئے کافی تھے اسلئے آپ سے بھی تفسیر قرآن کے متعلق کچھ زائد روایات نہیں ہیں۔

حضرت علی کرا رضؓ کا زمانہ آیا تو فتنے اپنے انتہائی ترقی کو پہونچ گئے پہلے خفیہ سازشیں ہوتی تھیں اب علی الاعلان مذہبی فرقے بن گئے۔ ایک طرف خارجیوں کا فرقہ پیدا ہوا تو دوسری طرف رافضیوں کا درمیان تنہا اہل سنت کا فرقہ رہا اُسکے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اکثر صحابہ شہید ہوگئے جو کچھ رہے اُنہوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی ان اختلافات اور مشاجرات میں اسد اللہ رضؓ سے بہت سے لوگوں نے قرآن کے متعلق مسائل دریافت کرنے شروع کر دیے اور تابعین کے لئے سوا اسد اللہ کی ذات کے تفسیر قرآن کے لیے اور کوئی مرجع نہ رہا۔ صدیق اکبر رضؓ کے اکثر خطبات میں رسول پاک ؐ کے زمانہ کی یاد دہانی اور اسلام پر قائم رہنے کی نصیحت ہے اور اوامر ونواہی کی پابندی اور احکام شریعت کے اتباع کی تلقین ہے لیکن فاروق اعظم رضؓ کے خطبات میں مشاورت نظام عدل کا اجراء اور آئندہ آنیوالے فتنوں کی اطلاع اور اُن سے علیحدہ رہنے کی ہدایت ہے۔ حضرت عمر رضؓ جانتے تھے کہ میرے بعد فتنوں کا دروازہ کھل جائیگا جو پھر کسی طرح بند نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے جب حضرت حذیفہ رضؓ کے سامنے آنے والے فتنوں کا تذکرہ کیا تو حضرت حذیفہ رضؓ نے کہا امیر المومنین آپکو اُن فتنوں سے کیا تعلق آپ کے اور اُن کے درمیان تو ایک بند دروازہ ہے۔ اسی طرح آپ نے فتح بیت المقدس کے وقت ایک عیسائی پادری سے دریافت فرمایا تھا کہ تو نے مجھے کس طرح پہچانا تو نے کیوں مجھے اپنا شہر سپرد کردیا تجھکو کیا معلوم کہ میں رسول پاک ؐ کا خلیفہ دوم ہوں؟ اُس نے عرض کیا کہ ہماری کتابوں میں رسول اللہ ؐ کے خلفاء اور جانشینوں کے حلیے اور صفات موجود ہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا اچھا میرے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اُس نے کہا آپ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتداروں میں سے ایک شخص جانشین ہوگا جسکا یہ حلیہ اور یہ صفات ہونگے حضرت عمر رضؓ نے فرمایا رحم اللہ عثمان رضؓ۔ پھر آپ نے پوچھا کہ ان کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اُس نے حضرت علی رضؓ کا حلیہ بیان کیا اور کہا کہ وہ خون میں تربتر ہوگا۔ حضرت عمر رضؓ نے اُسکے سر پر ایک چپت رسید کیا اور فرمایا او خبیث تو اُن کی مذمت کرتا ہے خدا علی رضؓ پر رحم کرے۔ پادری نے عرض کیا امیر المومنین! میری غرض مذمت نہیں ہے بلکہ مدعا یہ ہے کہ وہ ایسے وقت خلیفہ ہونگے کہ تلوار نیام سے باہر ہوگی اور خون رواں ہوگا ورنہ وہ شخص خود مرد صالح ہوگا۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضؓ کا غصہ فرد ہوا۔ اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ فاروق اعظم رضؓ آئندہ پیدا ہونے والے فتنوں سے واقف تھے اسی لئے خطبات میں اُن سے بچنے کی ہدایت فرمائی اور نظام عدل کو قائم رکھنے کی نصیحت کی۔ اسکے علاوہ فتوحات اسلامیہ کا بھی آپ کے دور میں زور تھا اسی لئے آپ نے اپنے خطبات میں جہاد کے احکام کی تنظیم فوج اور سپہ سالار کی اطاعت کی تاکید کی لیکن وہ علوم خاص جو خدا تعالیٰ کی طرف سے فاروق اعظم رضؓ کے دل میں پوشیدہ تھے اُنکے اظہار کی ضرورت درپیش نہ ہوئی اور نہ آپ نے اُن کو ظاہر کیا دیگر صحابہ اسکے لئے کافی موجود تھے۔ ہاں اسد اللہی دور میں اُس گنج مدفون کے اظہار کی حاجت درپیش ہوئی اسی لئے رسول گرامی ؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی رضؓ اُس کا دروازہ ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اقدس میں اور خلافت صدیقی۔ فاروقی اور عثمانی کے دور میں اس شہر کا دروازہ کھولنے اور علوم مطلوبہ کے نکالنے کی ضرورت اس وجہ سے نہ ہوئی کہ شہر کے اندر رہنے والے سب معارف الٰہیہ کے عارف اور اسرار حقہ کے رازدار تھے باہم اظہار و افشار کی حاجت نہ تھی۔ حضرت علی رضؓ کے دور میں واقف اسرار ہستیاں مفقود ہوگئیں لوگوں کے دلوں پر نادانی کے پردے چھا گئے اسلئے اُن علوم مخزونہ کو ظاہر کرنے کی ضرورت پڑی۔ یہی وجہ تھی کہ اسد اللہ نے تابعین کی استقامت کے لئے بہت سے اخبار ایسے ارشاد فرمائے جن سے لوگوں کو صدق رسالت اور صدق خلافت پر اطمینان کامل ہو جائے اور امت اسلامیہ کا ایمان راسخ اور پختہ بن جائے لیکن لوگوں نے اُس سے ناجائز فائدہ اٹھایا کسی نے درجۂ نبوت آپ کو دیا۔ کسی نے درجۂ الوہیت۔ خلاصہ یہ کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تفسیری روایات بہت ہیں کیونکہ باب رحمت کا اسوقت کھلنا مقدر ہوچکا تھا اور اس فیض رحمت کا قیامت تک اس امت کے واسطے جاری ہونا مشیت الٰہی میں تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو علم شہر کے اندر رہتا اور شہر کے ہی ارکان اُس سے خود مستفید ہوتے۔ ابو الطفیل نے حضرت علی رضؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے دوران تقریر میں فرمایا تھا جو کچھ مجھسے چاہو دریافت کرو خدا کی قسم جو کچھ مجھسے پوچھوگے تم کو

بتاؤں گا مجھسے کتاب اللہ کے متعلق دریافت کرو۔ خدا کی قسم جو آیت نازل ہوئی میں خوب جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں پہاڑ میں اتری یا دامن کوہ میں۔ ابونعیم رح نے حلیہ میں بروایت ابن مسعود رض بیان کیا ہے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا اور ہر حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور علی بن ابی طالب رض کو ظاہر و باطن دونوں کا علم ہے۔ ابونعیم نے بروایت سلیمان الاحمسی ایک اور جگہ بیان کیا ہے کہ سیدنا علی رض نے ارشاد فرمایا واللہ جو آیت نازل ہوئی مجھے ضرور معلوم ہے کہ کس بارہ میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی میرے رب نے مجھے سمجھدار دل اور خوب دریافت کرنیوالی زبان عطا فرمائی تھی۔ لیکن باوجود اس قدر کثرت تفاسیر کے پھر بھی حضرت علی رض سے اتنی تفاسیر کے متعلق احادیث مروی نہیں ہیں جسقدر ابن مسعود رض سے ہیں کیونکہ حضرت علی رض ابتداءِ خلافت سے آخر دم تک قتال وجہاد میں مشغول رہے کبھی باغیوں سے جنگ ہوئی تو کبھی خارجیوں سے اور ابن مسعود رض کو یہ موانع پیش نہ آئے۔

ابن مسعود رض خود فرماتے ہیں قسم ہے خدا ئے وحدہٗ لا شریک کی کہ جو کوئی آیت نازل ہوئی مجھے ضرور علم ہے کہ کس شخص کے بارہ میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور اگر مجھے علم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم کوئی موجود ہے اور لوگ سفر کر کے اس کے پاس جاتے ہیں تو میں جانے کو تیار ہوں (رواہ ابن جریر وغیرہ)

اب رہے حضرت ابن عباس رض تو ان کو رسول اطہر نے دعا دی تھی کہ اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِیْلَ الٰہی اسکو دین کی سمجھ عطا کر اور تاویل کا علم دے۔ ایک روایت میں عطاءِ حکمت کی دعا ہے۔ ابن عباس رض خیر الامۃ اور ترجمان القرآن تھے حضرت ابن مسعود رض کا قول ہے کہ ابن عباس رض اچھے ترجمان القرآن ہیں (بیہقی) ابن عباس رض خود فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رض مجھے بھی بزرگانِ بدر کے ساتھ شامل کرتے تھے اور ان کے جلسہ میں داخل ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ حضرت عمر رض کا یہ فعل بعض بزرگوں کو ناگوار ہوا اور انہوں نے عرض کیا امیر المؤمنین آپ اس بچہ کو ہمارے ساتھ کیوں شامل کرتے ہیں ایسے تو ہمارے لڑکے موجود ہیں۔ حضرت عمر رض نے فرمایا اس طفل کا مرتبہ تم جانتے ہو۔ ایک روز مجھے بلا کر فاروق اعظم رض نے ان میں بٹھا کر فرمایا کہ آپ لوگ اذا جاء نصر اللہ کے کیا معنی سمجھے ہیں بتلائیے۔ حاضرین میں سے ایک شخص بولا ہم کو نصرت و فتح کے وقت حمد و استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رض نے مجھسے فرمایا ابن عباس! تو بھی یہی کہتا ہے؟ میں نے عرض کیا جی نہیں۔ فرمایا پھر تو کیا کہتا ہے؟ میں نے کہا اس سے مراد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہے جسکی خدا تعالیٰ نے حضور کو اطلاع دی ہے۔ فرمایا جو تیرا قول ہے وہی میں بھی جانتا ہوں (بخاری)

ابن عباس رض کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رض نے حاضرین جلسہ سے فرمایا کہ آیت اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ الخ کس شخص کے بارہ میں نازل ہوئی ہے سب نے جواب دیا اللہ اعلم۔ حضرت عمر رض کو غصہ آ گیا اور فرمایا صاف بتاؤ جانتے ہو یا نہیں؟ میں نے عرض کیا مجھے اس آیت کا کچھ علم ہے۔ فرمایا بھتیجے بیان کر اور اپنے آپ کو حقیر مت سمجھ۔ میں نے عرض کیا یہ اعمال کی مثال بیان کی گئی ہے فرمایا کن اعمال کی؟ پھر خود ہی فرمایا یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے طاعت الٰہی پر عمل کیا ہو لیکن اخیر میں شیطان کے بہکانے سے ایسی بداعمالیاں کیں کہ اس کے تمام اعمال صالحہ غرق ہو گئے (بخاری) ابونعیم نے باسناد صحیح بیان کیا ہے کہ ایک بار حضرت عمر رض کے پاس مہاجرین کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی اور لیلۃ القدر کی تاریخ کے متعلق گفتگو تھی۔ سب نے اپنے اپنے علم کے موافق بیان کیا۔ فاروق اکبر رض نے ابن عباس رض سے فرمایا تم کیوں خاموش ہو تم بھی کچھ بیان کرو کم سنی کی وجہ سے شرم نہ کرو۔ ابن عباس رض نے کہا امیر المؤمنین! اللہ وتر ہے وتر کو پسند کرتا ہے اس نے سات دن بنائے انسان کو سات رنگ سے پیدا کیا ہمارے اوپر سات آسمان بنائے اور نیچے سات زمینیں مخلوق کیں سات مکرر آیات نازل فرمائیں۔ سات رشتہ داروں سے نکاح کو حرام کیا سات پر میراث تقسیم کی ہمارے جسم میں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کے سات طواف کا حکم دیا صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگانے کی سنت تا کی رمی جمار کی تعداد سات مقرر کی لہذا میری رائے میں شب قدر بھی رمضان کے اخیری ہفتہ کی طاق راتوں میں ہے۔ حضرت عمر رض خوش ہوئے اور فرمایا سوائے اس بچہ کے میرے ساتھ کسی نے موافقت نہیں کی۔

اب رہے ابی بن کعب۔ ابوسعید خدری۔ زید بن ثابت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم تو ان سے تفسیر کے متعلق کثیر احادیث مروی ہیں۔

مذکورہ بالا دس مشہور صحابہ کے علاوہ بعض دیگر صحابہ سے بھی تفسیری احادیث منقول ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے مثلاً حضرت انس رض۔ ابوہریرہ رض۔ ابن عمر رض۔ جابر بن عبداللہ رض۔ ابوموسیٰ اشعری رض وغیرہم سے کہیں کہیں کوئی تفسیر منقول ہے۔

۲-طبقۂ تابعین

تابعین درحقیقت صحابہ کے شاگرد اور انہی کے خرمن علم کے خوشہ چین تھے تابعین کبھی تو صحابی سے تفسیر روایت کرتے ہیں اور کبھی بدون اسناد کے خود تفسیر بیان کرتے ہیں لیکن یہ یقینی امر ہے کہ انھوں نے صحابہ سے تعلیم حاصل کی کیونکہ رائے سے تفسیر حرام ہے اسی وجہ سے جس میں اجتہاد کو دخل نہیں وہ بمنزلہ مرفوع کے ہے کیونکہ ان حضرات نے کسی صحابی کے ذریعہ سے ہی رشد وہدایت پائی ہے اور زبان اگرچہ ان کی ہے لیکن دماغ اُن ہی کا ہے۔

ترتیب تابعین۔ شیخ ابن تیمیہ نے بیان کیا ہے کہ تابعین میں تفسیر کے زیادہ عالم وہ تابعین ہیں جو مکہ کے باشندہ تھے کیونکہ یہ لوگ حضرت ابن عباس رضؓ کے شاگرد اور ندیم تھے۔ مثلاً مجاہد بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ مولائے ابن عباسؓ، سعید بن جبیر اور طاؤس وغیرہم اسکے بعد کوفہ والے تابعین کا مرتبہ ہے کیونکہ یہ لوگ ابن مسعود رضؓ کے علم سے استفادہ کرنیوالے ہیں۔ ان کے بعد مدینہ والے تابعیوں کا درجہ ہے مثلاً زید بن اسلم اور انکے بیٹے عبدالرحمن اور مالک بن انسؒ وغیرہ

تابعین میں سب سے عالم تفسیر کون تھا

تمام تابعین میں مجاہد کا مرتبہ علم تفسیر میں سب سے برتر ہے کیونکہ انھوں نے تیس مرتبہ قرآن حضرت ابن عباسؓ کو سنایا خود فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ ہر آیت پر توقف کرکے ابن عباسؓ سے اسکے نزول وکیفیت کو دریافت کیا۔ علامہ خسیفؒ کا قول ہے کہ مجاہد سب سے زیادہ عالم تفسیر تھے۔ سفیان ثوری کا قول ہے کہ اگر تم کو مجاہد کی تفسیر صحیح اسناد سے پہونچ جائے تو تمہارے لئے کافی ہے ابن تیمیہ کہتے ہیں اسی لئے شافعی اور بخاری وغیرہ علماء نے مجاہد کی تفسیر پر اعتماد کیا ہے۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ تفسیر کو چار علماء سے حاصل کرو۔ مجاہد۔ سعید بن جبیر۔ عکرمہ اور ضحاک۔ قتادہ کہتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح علم مناسک میں زیادہ عالم تھے۔ اور سعید بن جبیر علم تفسیر میں فائق تھے اور عکرمہ علم السیر میں مقدم تھے، اور حسن بصری علم حلال وحرام میں سابق تھے۔

مندرجۂ ذیل علماء بھی تابعین میں سے زیادہ معتبر تسلیم کئے گئے ہیں:۔ حسن بصری۔ عطاء بن ابی رباح۔ عطاء بن ابوسلمہ خراسانی۔ محمد بن کعب قرظی۔ ابو العالیہ۔ ضحاک۔ عطیہ عوفی۔ قتادہ۔ زید بن اسلم۔ مرۃ الہمدانی۔ ابو مالک۔ ربیع بن انس عبدالرحمن بن زید وغیرہ۔

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

۳-طبقۂ تبع تابعین

مذکورۂ بالا طبقہ تابعین کے بعد ایک اور طبقہ آیا جس نے تفاسیر میں کتابیں تصنیف کیں جن میں اقوال صحابہ اور تابعین کو جمع کیا۔ مثال کے طور پر ہم ذیل کے اسماء پیش کرتے ہیں۔

تفسیر سفیان بن عیینہ۔ تفسیر وکیع بن جراح۔ تفسیر شعبہ بن حجاج۔ تفسیر یزید بن ہارون وعبدالرزاق وآدم بن ابی ایاس واسحاق بن راہویہ وغیرہ۔ ان حضرات نے اسناد کے ساتھ اقوال صحابہ وتابعین کو جمع کیا۔ لیکن چونکہ ان کا علمی تبحر امتیاز بفضل وسعت معلومات اور کثرت معارف ان کے دماغ کو ارتقاء کے اعلیٰ چوٹی پر پہونچا چکا تھا اسلئے انھوں نے اس امر سے چشم پوشی یا تسامح کیا کہ عوام کا طبقہ اتنی قابلیت نہیں رکھتا کہ سلسلۂ اسانید کے قوت وضعف میں تنقید وامتیاز کرسکے اُسکو نہیں معلوم کہ کون راوی عادل ہے اور کون مجروح۔ ان بزرگوں نے اپنے تبحر علمی پر بھروسہ کرکے ضعیف اسانید بھی بغیر تنبیہ کے لکھدیں کیونکہ یہ خود تو ضعیف وقوی کی معرفت بخوبی رکھتے تھے دوسروں کی حالت کو بھی انھوں نے اپنی حالت پر قیاس کیا اور جو سرمایۂ علمی ان کے خزانۂ دماغ میں جمع تھا دوسروں کو بھی انھوں نے اسکا شریک سمجھ لیا اسلئے سوا محققین کے عوام کو ان کی روایات کے صحیح وغلط ہونے میں امتیاز نہ ہوسکا اور ان کی تفسیریں ہر قوی وضعیف روایت سے بھری رہیں۔

۴-طبقۂ اتباع تبع تابعین

مذکورۂ بالا طبقہ کے بعد مفسرین کا ایک اور طبقہ آیا جس نے سب کا استیعاب کیا اور صحیح وغلط روایات میں امتیاز وانتخاب نہیں کیا لیکن انہیں سے بعض نے صرف اسانید صحیحہ کا التزام کیا۔ مثلاً تفسیر شیخ ابن جریر طبری۔ تفسیر ابن ابی حاتم۔ ابن ماجہ۔ حاکم۔ ابن مردویہ۔ ابن حبان۔ ابن منذر وغیرہ ان سب میں سلسلۂ اسناد بجانب صحابہ وتابعین وتبع تابعین مذکور ہے اور ابن ابی حاتم نے تو صحت سند کے ساتھ التزام کے ساتھ تفسیر وتالیف کی ہے اور ابن جریر نے ترجیح اقوال وتوجیہ مذاہب کی کی طرف بھی توجہ کی ہے۔

۵-طبقۂ مخالطین

مفسرین کے اس پانچویں طبقہ نے تو تفسیر میں ایک عجیب جدت طرازی کی سلسلۂ اسناد بالکل حذف کردیا صرف اقوال واحادیث کی نقل شروع کردی۔ قوی وضعیف اور صحیح ومریض سب خلط ہوگئے کوئی صحت وغلطی کا معیار نہ رہا معلوم نہیں کہ راوی اس کا کون ہے عادل ہے یا

مجروح حافظ ہے یا غیر حافظ۔ شرائط روایت کا جامع ہے یا نہیں بہر حال اس طبقہ نے تفسیر کے اعتبار کو کم کر دیا۔

۶۔ طبقہ اہل الرائی

مذکورۂ بالا طبقہ کے بعد بہت زیادہ خرابی پیدا ہوگئی جسکی صورت یہ ہوئی کہ جسکے دماغ میں کوئی مضمون آیا اُس نے آیت کی تفسیر میں قطعی اور یقینی طور پر اُسکو لکھدیا اور اپنی رائے درج کر دی اور آئندہ پیدا ہونے والی نسلوں نے اُسکو نقل کرنا شروع کر دیا اور اس بات کا لحاظ نہ کیا کہ اسکی اصل کہاں ہے واقعی یہ روایت درست بھی ہے یا استاذوں کی طبع زاد ہے بلکہ یہ گمان کر لیا کہ شیخ بہت محقق شخص تھا اُس نے خواہ مخواہ ایسا ہی قول نقل کیا ہوگا جسکی اصل صحیح ہوگی بالآخر ایسے ہی غیر محقق اقوال پر اعتماد بڑھتا گیا اور یہ تحقیق نہ کی گئی کہ سلف صالحین سے اس بارہ میں کیا مروی ہے چنانچہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کے متعلق دس اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ حالانکہ جرح و تعدیل کے قانون کو پیش نظر رکھکر اگر دیکھا جائے تو صرف ایک روایت قابل اعتماد اور پایۂ ثبوت کو پہونچی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس طبقہ [illegible] حُسن عقیدت اور کورانہ تقلید کو زیادہ قابل وثوق قرار دیا اور اس پر اپنی روایت بلکہ درایت کا بھی تعمیری سلسلہ قائم کر دیا۔

۷۔ طبقہ اہل فن

اس طبقہ کی تفسیریں درحقیقت قرآن کی تفسیریں نہیں ہیں بلکہ اُن میں ہر رطب و یابس اچھا بُرا مفید مضر حکایات و قصص۔ فلسفہ منطق طبعیات۔ الٰہیات۔ ریاضیات۔ مسائل صرف۔ قواعد نحو فنون بلاغت۔ علم کلام کے مباحث عقلیہ۔ فرقہ بندیاں۔ ایک دوسرے پر ردّ و قدح اور مجتہدین کے جوابات و خلافیات موجود ہیں جس شخص کو جس فن میں تبحر و شغف تھا اُس نے قرآن مجید کی تفسیر میں اُسی پر زور دیا بلکہ اُسی پر اقتصار و حصر کیا اگر کوئی نحوی عالم تفسیر لکھنے بیٹھا تو آیات قرآنی کے وجوہ اعراب اور مسائل نحو یہ لکھتا چلا گیا نہ تحقیق معانی کا لحاظ کیا نہ روایت و درایت کو دخل دیا نہ فنون بلاغت کا اظہار۔ بلکہ وہی اپنی طبیعت کے رجحان کے ماتحت مبنی۔ معرب۔ منصرف۔ غیر منصرف۔ منصوب۔ مرفوع۔ مجرور اور عوامل و معمولات کی بحث فضول چھیڑ دی۔ اگر کسی کو تاریخ کے فن میں توغل تھا تو اُس نے ہر تر و خشک قصے جغرافی حالات عرب عاربہ اور عرب مستعربہ کی بحثیں اور عرب بائدہ و باقیہ کی بارینہ رٹ لگائی اُسکو اس سے غرض نہیں کہ قرآن کا اصل مقصود کیا ہے احکام مقصود ہیں یا اصلاحی مواعظ یا دنیا کے لئے تعمیری قوانین یا قوموں کی زندگی اور موت کا اظہار یا ادائے حقوق کی تعلیم یا اعمال و عقائد کی صحت یا عالم میں امن کی اشاعت۔ چنانچہ ثعلبی کی تفسیر میں یہ مواد بہت ملیگا۔ اسی طرح فقیہ نے تفسیر لکھی تو کتاب الطہارت سے آخر تک ابواب فقہ و اصول و دلائل لکھتا چلا گیا اور اختلافات مجتہدین کے جوابات اور خلافیات نقل کرتا چلا گیا دیکھو تفسیر قرطبی اسی مواد سے لبریز ہے۔ یہی حالت علم کلام والے کی تھی۔ اگر کوئی متکلم تفسیر لکھنے بیٹھا تو اُس نے مباحث عقلیہ۔ فلاسفہ کے اقوال اور اُن پر ردّ شروع کر دی۔ اصل تفسیر سے کوئی تعلق نہ رکھا تفسیر کبیر اسی قسم کے مباحث سے پُر ہے گویا تفسیر نہیں بلکہ مناظرات کا مجموعہ ہے۔ اسی بناء پر بعض محققین نے تفسیر کبیر کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں سوا تفسیر کے سب کچھ ہے۔

مذکورۂ بالا طبقات مفسرین کے علاوہ اہل الرائی کے زمانہ سے ایک اور فرقہ بھی پیدا ہوگیا جس نے تفسیریں لکھکر عقائد اسلامی کی جڑیں ہلا دیں۔ یہ فرقہ اہل بدعت اور ملاحدہ کا تھا اسی نے آیت کی تفسیر میں پوشیدہ طور پر اپنی اختراع کردہ بدعتوں کو بھی ظاہر کر دیا۔ چنانچہ شیخ بلقینی نے فرمایا کہ میں نے کشاف میں بہت جگہ زمخشری کا معتزلی ہونا سمجھ لیا مثلاً آیت فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ کی تفسیر میں صاحب کشاف کہتا ہے کہ "جو شخص آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ اپنی مراد پر فائز ہوگیا" اسکے بعد لکھتا ہے کہ جنت سے بڑھکر اور کونسی کامیابی ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ دیدار باری تعالیٰ مسلمانوں کو نہ ہوگا جو سراسر بدعت اور عقیدۂ اہل سنت کے خلاف ہے۔ اسی طرح ملحدین کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے إِنْ هٰذَا إِلَّا فِتْنَتُكَ یعنی "یہ نہیں ہے مگر تیرا فتنہ" ملحد کہتا ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں ہستی خدا کی ہے۔ حالانکہ اہل سنت نے فتنہ کے معنی آزمائش کرنے کے لکھے ہیں۔

قابل اعتبار کونسی تفسیر ہے

مذکورۂ بالا بیان پڑھنے والا دریافت کر سکتا ہے کہ آخر اس زمانہ میں کونسی تفسیر موجودہ تفاسیر میں زیادہ قابل اعتبار ہے اور ہم کس تفسیر پر اعتماد کر سکتے ہیں؟ تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ابن جریر طبری کی تفسیر اور امام ابن کثیر کی تفسیر زیادہ قابل اعتبار ہیں۔ علماء محققین نے اتفاق کیا ہے کہ تفسیر طبری کی مثل کوئی تفسیر تالیف نہیں ہوئی اور امام ابن کثیر کی تفسیر تو ایک نعمت بے بہا ہے اس میں اکثر روایات مع الاسناد ہیں اور جن اسانید کو حذف کر دیا ہے اُن کا حوالہ دیا ہے اور خود حافظ الحدیث معتمدین سے ہیں چنانچہ کشف الظنون

ں تفسیر کی مفصل تعریف موجود ہے۔

تفسیر لوح محفوظ میں کن کتابوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے

فضائل القرآن اور خواص القرآن کے ابواب میں جن روایات کو جن جن کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے اُس کا حوالہ دیدیا گیا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ کتب ذیل سے مطالب اخذ کئے گئے ہیں:-

تفسیر طبری - تفسیر ابن کثیر - کشف الظنون - کتب صحاح و سنن
معالم التنزیل - سراج المنیر - جلالین وغیرہ

کیا صوفیہ کا کلام تفسیر کا حکم رکھتا ہے؟

تفسیر اتقان کے مؤلف کا قول ہے کہ صوفیہ کا کلام تفسیر نہیں ہے۔ ابن صلاح کہتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن واحدی نے لکھا ہے کہ شیخ ابوعبدالرحمن سلمی نے حقائق التفسیر لکھی ہے - ابن صلاح کہتے ہیں اگر سلمی کا یہ اعتقاد ہو کہ حقائق التفسیر تفسیر ہے تو یہ کفر ہے کیونکہ قابل تقلید و معتبر اہل تصوف سے آیات کے متعلق کوئی لفظ زبان یا قلم سے نکلا ہے تو اسکو تفسیر کے طور پر نہیں کہا ہے اور نہ اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ آیت میں یہی معنی مقصود لفظ ہے ورنہ ملاحدہ باطنیہ کا مذہب ہو جاتا۔ علامہ نسفی نے عقائد میں لکھا ہے کہ قرآن و حدیث اپنے ظاہری یعنی حقیقی یا مجازی معنی پر ہیں اور ظاہر سے پھیر کر ایسے معانی جن کا باطنیہ فرقہ دعویٰ کرتا ہے مراد لینا محض الحاد و بیدینی ہے - علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ ملحدین باطنیہ مدعی ہیں کہ نصوص کے اندر ایسے معانی ہیں جن کو سوا تعلیم دینے والے کے کوئی نہیں جانتا یعنی باطنیہ فرقہ کا دعویٰ ہے جس پیر سے بیعت کی ہے وہی اُن کو خوب جانتا اور تعلیم دیتا ہے۔ ہاں محققین مشائخ جو کہتے ہیں کہ نصوص سے ظاہر معنی مراد ہیں اور باوجود اسکے نصوص میں بعض ایسے اشارات ہیں جن میں اور ظاہری معنی میں مطابقت ممکن ہے تو یہ واقعی کمال ایمان اور محض عرفان ہے - قدماء مشائخ اور اولیاء کرام کے اقوال کو دیکھنے اور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے اقوال و اشارات عین معرفت ہیں بلکہ نصوص سے خود مستفاد ہیں لیکن پڑھنے والے اور دیکھنے والے کے لئے یہ ضرور ہے کہ اپنی دلی توجہ سے بارگاہ قدس کی جانب متوجہ ہو۔ خواہشات نفسانیہ اور جذبات شیطانیہ سے کنارہ کش ہو عقل کی روشنی میں اُن اشارات پر غور کرے تو صاف ثابت ہو جائیگا کہ اولیاء کرام نے جو کچھ کہا یا لکھا ہے وہ حق ہے نصوص قرآنیہ کے خلاف نہیں بلکہ یا تو نفس آیت سے مستفاد ہے یا نصوص کثیرہ اور آیات متعددہ کو ترتیب لطیف دیکر جمع کرنے سے اُن لطائف کا افادہ ہوتا ہے اور وہ تمام نکات سمجھ میں آجاتے ہیں جو مقدس اہل تصوف نے بیان کئے ہیں۔ اولیاء کرام کا فرقہ محققین امت اور حکماء ربانیین کا فرقہ ہے ہاں باطنیہ فرقہ ضرور بیدین نفس کا بندہ شیطانی خیالات کا متبع اور نصوص قرآنی کے معانی کا منکر ہے۔ کبھی یہ فرقہ اپنے کشف و الہام کے دعویٰ سے لوگوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے اور عوام بیچاروں کو علم نہیں ہوتا کہ یہ الہام شیطانی ہے یا رحمانی کیونکہ کوئی شخص اپنے قیاسات اور اپنی عقل کے زور سے الہام و کرامت اور استدراج شیطانی میں فرق نہیں کرسکتا۔ اسی بناء پر خدا تعالیٰ نے ہم کو نہایت آسانی سے الہام و استدراج میں فرق کرنے کا طریقہ بتادیا ہے اور ایک معیار فارق قائم کردیا ہے کہ جو شخص سنت و شریعت کا پابند ہو وہ ولی ہے اور جو شخص دائرہ سنت سے خارج ہو شریعت نبوی کا پابند نہ ہو وہ کتنے ہی کرشمے اور شعبدے دکھلائے لیکن ہم اُس کے ہرگز معتقد نہ ہوں کیونکہ وہ خود سیدھے راستے سے بھٹکا ہوا ہے تو دوسروں کو کس طرح راہ راست بتا سکتا ہے ہم کو کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ نے اپنے لطف و رحم کی بناء پر اُسکو اوامر و نواہی کی پابندی سے معذور رکھا ہے یا وہ شیطان کا نمائندہ ہے لہذا جو لوگ صوفیہ کے لباس میں پیر بنے ہوئے لاکھوں مرید رکھتے ہیں اگر وہ شریعت اور اتباع سنت سے خارج ہیں تو اگرچہ وہ ہوا پر اُڑتے ہوں لیکن اُن کی حالت ہرگز قابل اطمینان نہیں۔ معلوم نہیں وہ شیطان کے اتباع میں کمال رکھتے ہیں اور وحی شیطانی سے لوگوں کو شعبدے اور کرشمے دکھاتے ہیں یا خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کے دل میں الہام و القاء ہوتا ہے۔

میرا مدعا اس تمام تقریر سے یہ ہے کہ قرآن کے علوم و معارف غیر متناہی اور عجائب بے شمار ہیں قرآن علوم اولین و آخرین کا مجموعہ ہے کچھ معانی ظاہری نظر سے معلوم ہو جاتے ہیں اور کچھ اُن ظاہری معانی پر پابندی کرنے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اسلئے پہلے ظاہر تفسیر کا حفظ اور اُس پر استقامت ضروری ہے کیونکہ ظاہر معنی کی پابندی کے بغیر باطنی معنی تک رسائی ناممکن ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے اپنی معلوم کردہ چیز پر عمل کرلیا تو پھر خدا تعالیٰ اُسکو ایسے امر کا علم عطا کرتا ہے جس سے وہ واقف نہیں مطلب یہ کہ جس نے ظاہری تفسیر پر عمل کیا اُسکو تاویلات باطن کا علم ہو جاتا ہے اور یہ علم کسبی اور حاصل کردہ نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ اپنی عنایت سے بخشدیتا ہے اور اُس حدیث کا یہی مطلب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ میں نے تفسیر لوح محفوظ میں لغوی معنی بیان کرنے کے بعد مقصود بیان کے عنوان سے ہر آیت کے ذیل میں کچھ فوائد لکھے ہیں اُن میں سے بعض تو منصوص ہیں اور بعض نص سے مستفاد ہوتے ہیں۔ ان فوائد میں اور باطنیہ فرقہ کے باطنی معنی میں بڑا فرق ہے۔ یہ آیت سے مستفاد ہیں اور نص کے مطابق ہیں اور وہ نہ آیت سے مستفاد ہیں نہ نص کے مطابق بلکہ شیطانی الہام و القاء ہے۔

مقالہ پنجم

مکّی اور مدنی سورتوں کا بیان

بعض سورتوں کے مکّی اور مدنی ہونے میں اگرچہ علماء کا اختلاف ہے اور مکّی و مدنی ہونے کا معیار بھی جدا ہے کوئی صرف نقل پر اس کا دار و مدار سمجھتا ہے اور کسی نے سیاق و سباق کو بھی دخل دیا ہے لیکن ہم ابوجعفر نحاس بیہقی اور بعض دیگر علماء کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ذیل کا مقالہ لکھتے ہیں۔

یہ بھی جان لینے کی ضرورت ہے کہ مدنی سور و آیات سے مراد وہ سورتیں بھی ہیں جو اطراف مدینہ یا تبوک وغیرہ میں نازل ہوئیں اور مکّی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو مکہ میں یا اطراف مکہ مین یا طائف وغیرہ میں نازل ہوئیں باقی ہر ایک کی تفصیل ہم آئندہ مستقل فصل میں لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

آجکل جس ترتیب سے قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے لوح محفوظ کی یہی ترتیب ہے اور صحابہ کا اسی پر قطعی اجماع ہے حضرت ابن مسعود رضؓ نے سورتوں کے قصیر طویل اور وسط ہونے کے اعتبار سے اگرچہ دوسری طور پر جمع کیا ہے لیکن ترتیب لوح محفوظ میں اُن کو بھی اختلاف نہیں

مکّی سورتیں حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ ذیل کی سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں:-

سورۂ انعام باستثناء تین آیات قل تعالوا الخ - سورہ اعراف یونس - ھود - یوسف - رعد - ابراھیم - حجر - نحل (سورۂ نحل میں سے آخری تین آیات مستثنیٰ ہیں) سورۂ بنی اسرائیل کہف - مریم - طٰہٰ - انبیاء - سورۂ حج (سورۂ حج میں تین آیات یعنی ھذان خصمان اختصموا الخ مستثنیٰ ہیں) سورۂ مومنون - فرقان شعراء (سورۂ شعراء میں آخری پانچ آیات مستثنیٰ ہیں - سورۂ نمل قصص - عنکبوت - روم - لقمان - (سورۂ لقمان میں سے آیت ولوان مافی الارض من شجرۃ اقلام مستثنیٰ ہے - سورۂ الم سجدہ (اس میں بھی تین آیات یعنی افمن کان مؤمنا الخ مستثنیٰ ہیں - سورۂ سبا - فاطر - یٰس - صٰفٰت - صٓ - زمر (سورۂ زمر میں بھی تین آیات یعنی قل یاعبادی الذین اسرفوا الخ مستثنیٰ ہیں) حوامیم سبعہ - قٓ - ذاریات - طور - نجم - قمر رحمٰن - واقعہ - صف - سورۂ تغابن (اس میں سے چند آیات مستثنیٰ ہیں) سورۂ ملک - نٓ - الحاقۃ - سورۂ نوح - جن مزمل (اس سے دو آیات یعنی ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ الخ مستثنیٰ ہیں - سورۂ مدثر سے آخر قرآن تک سواء سورۂ زلزال فتح - اخلاص - فلق اور ناس کے تمام سور مکی ہیں۔

مدنی سورتیں سورۂ انفال - براءت - نور - احزاب محمد - فتح - حجرات - حدید اور اس کے بعد کی تمام سورتیں سورۂ تحریم تک مدنی ہیں - زلزال - اخلاص فلق - ناس وغیرہ

آیات قرآن کی تعداد قرآن پاک کی آیات کی تعداد چھ ہزار ہے بعض کے نزدیک ۶۲۱۴ ہے - بعض نے ۶۲۱۹ بیان کی ہے - بعض نے چھ ہزار کے بعد ۲۲۵ یا ۲۲۶ یا ۲۳۶ کی تعداد ظاہر کی ہے۔

کلمات و حروفِ قرآنی حروف قرآنی بقول مجاہد ۳۲۱۱۸۰ - اور بقول عطاء ۳۲۳۰۱۵ - اور بقول بعض ۳۴۰۷۴۰ ہیں - اور کلمات قرآن کی تعداد عطاء بن یسار تابعی نے ۷۷۴۳۹ بیان کی ہے۔

مقالۂ ششم

حضری و سفری آیات و سُوَر

حضر کی حالت میں تو اکثر قرآن نازل ہوا ہے لہٰذا اُس کا بیان فضول ہے - ہم ذیل میں وہ مثالیں ذکر کرنی چاہتے ہیں جن کا نزول دوران سفر یا حالت سفر میں ہوا اور کس مقام پر ہوا

(۱) وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّى حجۃ الوداع کے سال دوران سفر میں اس آیت کا نزول ہوا۔

(۲) لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا عمرۂ حدیبیہ میں بروایت ابن جریر عن الزہری۔

(۳) وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ بروایت مسلم حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔

(۴) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا سفر حج میں بروایت صحیحین نزول ہوا

(۵) اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ الخ مقام حمراء الاسد میں نازل ہوئی - (بیہقی)

(۶) اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا غزوۂ فتح مکہ میں کعبہ کے اندر نازل ہوئی (رواہ ابن مردویہ)

(۷) اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ مقام عسفان میں ظہر و عصر کے درمیان نازل ہوئی (اخرجہ احمد عن ابی العیاش -

(۸) اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ الخ عرفات میں جمعہ کی نماز کے بعد

حجۃ الوداع کے سال نازل ہوئی (صحیح)

(۹) آیت تیمم کا نزول مقام بیداء یا ذات الجیش میں ہوا۔

(۱۰) اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ الخ کا نزول بدر میں ہوا (ترمذی)

(۱۱) اول انفال کا نزول بدر سے واپسی میں ہوا۔

(۱۲) لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ الخ کا نزول غزوۂ تبوک میں ہوا (ابن جریر)

(۱۳) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ الخ غزوۂ تبوک کے سفر میں نازل ہوئی (بروایت ابن ابی حاتم)

(۱۴) خاتمۃ النحل کا نزول بروایت بیہقی و بزار غزوۂ احد میں ہوا اور بروایت ترمذی وحاکم بروز فتح مکہ۔

(۱۵) اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا الخ سفر ہجرت میں نازل ہوا (ترمذی)

(۱۶) سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا صلح حدیبیہ کے بعد مقام حدیبیہ یا اس کے اطراف میں نازل ہوئی۔

(۱۷) سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ بدر میں نازل ہوئی۔

(۱۸) اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ اوسط ایام تشریق میں حج وداع میں نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری بالاتفاق سمجھ کر خطبۂ وداع میں اس کو پڑھا۔

مقالۂ ہفتم

رات اور دن کی آیات

اکثر قرآن کا نزول دن میں ہوا ہے تفصیل کے ساتھ تو عربی کے بعض مستقل رسالوں میں بیان کیا گیا ہے ہم یہاں اجمالاً رات کی آیات بیان کرتے ہیں۔

(۱) اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ الخ رات کو نازل ہوئی (صحیح ابن حبان)

(۲) يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الی قولہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ رات میں نازل ہوئی (ترمذی)

(۳) سورۂ انعام رات کو مکہ میں نازل ہوئی اور وقت نزول اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے (طبرانی)

(۴) وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ الخ حضرت کعب وغیرہ کے بارہ میں آخری تہائی رات میں نازل ہوئی (بخاری وغیرہ)

(۵) سورۂ مریم رات کو نازل ہوئی (طبرانی)

(۶) آیت حجاب رات میں نازل ہوئی۔

(۷) سورۂ انا فتحنا رات کو نازل ہوئی۔

(۸) سورۂ والمرسلات شب عرفہ میں ۹ ذی الحجہ کو غار میں نازل ہوئی (رواہ الاسماعیلی)

ہدایت خاص آیت تیمم اور آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ الخ صبح کے وقت نازل ہوئی۔ حاکم نے جو بروایت جابر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ زیادہ سچا خواب وہ ہوتا ہے جو دن کا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دن میں وحی کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے یہ روایت صحیح نہیں بلکہ منکر ہے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوا حضرت عائشہ ؓ کے کسی اور بیوی کے لحاف میں ہوئے تو وحی نازل نہیں ہوئی۔

مقالۂ ہشتم

سردی و گرمی کے موسم میں نازل شدہ آیات

جو آیات وسور سفر حجۃ الوداع میں نازل ہوئیں وہ سب گرمی کے موسم میں نازل ہوئیں جیسے اول مائدہ اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ اور آیت دَین اور سورۂ نصر اور سورۂ نساء کی آخری آیت۔ اسی طرح جو آیات غزوۂ تبوک میں نازل ہوئیں وہ بھی گرمائی ہیں۔ باقی جو آیات غزوۂ احزاب میں نازل ہوئیں وہ سرمائی ہیں۔ نیز آیات اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ اور آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ الی آخر الآیات۔ یہ کل آیات بھی سردی کے ایام میں نازل ہوئیں۔

بستر پر خواب کی حالت میں نازل شدہ آیات

حالت خواب میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اگرچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب بھی بیداری کی طرح واجب العمل تھا۔ بعض لوگوں نے سورۂ کوثر کو وحی منامی کہا ہے لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بھی منامی نہیں بلکہ ایک معمولی اونگھ کے وقت نازل ہوئی تھی ہاں بستر پر لیٹے ہوئے بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں مثلاً وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اور وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا الخ وغیرہ

ارضی سماوی اور فضائی آیات کا بیان

آسمان و زمین کے درمیان میں ہونے کی حالت میں کسی آیت کا

کا نزول ثابت نہیں۔ ہاں آسمان پر حضور ص کے تشریف لیجانے کی حالت میں مذکورہ ذیل آیات بروایت شیخ ہبۃ اللہ نازل ہوئی ہیں آیت وَمَامِنَّا اِلَّا وَ لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ الخ آیت زخرف یعنے وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا الخ اور سورہ بقر کی اخیری دو آیات یعنی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ الخ مذکورہ بالا آیات کے علاوہ تمام قرآن زمین پر ہی نازل ہوا۔

سب سے اوّل قرآن کا کونسا حصہ نازل ہوا

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کی جو روایت ہے اسمیں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اول سورۂ اقرأ نازل ہوئی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری۔ عبید بن عمیر اور مجاہد کی روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے لیکن صحیحین میں حضرت جابر رض کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے سورہ مدثر نازل ہوئی اور عمرو بن شرحبیل تابعی کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے اول الحمد مع بسم اللہ نازل ہوئی۔ ان روایات میں گو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ سب سے اول اقرأ نازل ہوئی یعنی مَا لَمْ یَعْلَمْ تک۔ مکمل سورت نازل نہ ہوئی پھر الحمد مع بسم اللہ کے نازل ہوئی۔ پھر مدثر نازل ہوئی۔ اسکے بعد وحی متواتر آنے لگی۔

سب سے اخیر میں کونسی آیت نازل ہوئی

اس امر میں صحابہ کے اقوال میں بظاہر اختلاف ہے کہ سب سے اخیر میں کونسی آیت یا کونسی سورت نازل ہوئی۔ حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ سب سے آخر میں آیت کلالہ نازل ہوئی اور سب سے اخیری سورت براءۃ ہے۔ ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ سب سے آخری آیت آیت ربوا یعنی یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا ہے۔ ابن ابی حاتم نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ کل قرآن سے اخیری آیت وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَ ھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ہے۔ اسکے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نو شب زندہ رہے۔ زہری رض نے بروایت سعید بن مسیب کہا ہے کہ نزول میں سب سے اخیری آیت آیت مداینت ہے۔ ابن عباس رض کہتے ہیں کہ مکمل سورت سب سے اخیر میں سورت اذا جاء نصر اللہ نازل ہوئی۔ (مسلم) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سب سے اخیر میں سورۂ مائدہ کا اخیری حصہ اور اذا جاء نصر اللہ نازل ہوئی۔

مقالۂ دہم

کیفیت جمع قرآن

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں قرآن اس زمانہ کی طرح مجموعہ نہ تھا اور نہ کسی ایک کاغذ پر بحیثیت مجموعی لکھا ہوا تھا بلکہ صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ نیز نزول وحی کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ آیات کو حضرت علی رض۔ زید بن ثابت اور بعض دیگر صحابہ سے بکری کے شانہ کی ہڈی یا ٹھیکرے یا کھجور کے پوست وغیرہ پر لکھوا دیا کرتے تھے۔ خطابی کہتے ہیں کہ حضور انور نے قرآن پاک کو اسواسطے جمع نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نسخ تلاوت اور زیادت کا وقت حضور ص کے اخیری دم حیات تک باقی رکھا تھا اور سرکار عالی واقف تھے کہ خدا تعالیٰ نے اسکو کتاب کریم فرمایا ہے اور حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے تو خود اسکی حفاظت فرمائیگا اور ضائع نہ ہونے دے گا۔ انتہیٰ۔

رسول اطہر صلی اللہ علیہ وسلم نے جن رقعات پر قرآن لکھوایا تھا حضرت صدیق رض نے اپنے دور خلافت میں اُن رقعات کو تلاش کرایا حضرت عمر رض اور حضرت زید بن ثابت رض کو حکم دیا کہ آپ دونوں حضرات مسجد کے دروازہ پر جاکر بیٹھ جائیں اور جو شخص کوئی آیت پیش کرے اور دو گواہ بھی ثبوت کے لئے لائے تو آپ وہ آیت لکھ لیں۔ اسی لئے عبد خیر نے باسناد صحیح روایت کی ہے کہ حضرت علی رض نے فرمایا خدا ابوبکر پر رحمت نازل فرمائے کیونکہ قرآن جمع کرنے میں سب سے زیادہ ثواب ابوبکر رض نے حاصل کیا اور سب سے پہلے قرآن جمع کیا (ابن ابی داؤد) توضیح کے لئے ذیل کا مقالہ دیکھو۔

جب صدیق اکبر رض باجماع صحابہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے تو اُس وقت عرب کے اکثر باشندے تقریبًا مرتد ہو چکے تھے۔ زکوٰۃ کی فرضیت سے صاف انکار کر دیا تھا اور جماعت مسلمین سے بالکل خارج ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی ایک فوج بقیادت خالد بن ولید اُن کے مقابلہ کیلئے بھیجی۔ صحابہ نے جاکر قتال و جہاد کیا۔ جب مسیلمہ کذاب اور سجاح کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو چونکہ غنیم کی فوجی طاقت بہت زیادہ زبردست تھی صرف مسیلمہ کی فوج ساٹھ ہزار تھی اور مسلمانوں کی فوج کی تعداد بہت کم تھی اسلئے بہت صحابہ شہید ہو گئے اور شہداء میں اکثر وہ لوگ تھے جو قرآن کے حافظ اور قاری تھے۔ حضرت ابوبکر رض کو اس شہادت عامہ سے خوف پیدا ہوا کہ اگر صحابہ کی شہادت کا سلسلہ یونہی قائم رہا تو

مبادا قرآن تلف ہو جائے اور شہداء کے سینوں ہی میں محفوظ رہتے ہوئے اُن کے ساتھ ساتھ دفن ہو جائے اور عام مسلمان مکمل قرآن سے محروم ہو جائیں۔ اس خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت عمر رضہ سے مشورہ کیا اور الہام الٰہی کے بعد جمع قرآن کا حکم دیا اور حضرت عمر رضہ و زید بن ثابت رضہ کو اس کام پر مامور فرمایا اور صرف لوگوں کی یادداشت اور حفظ پر ہی اعتماد و اکتفا نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے واقعات تلاش کرائے اور مزید اطمینان کے لئے یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ جو شخص کسی رقعہ کے ثبوت کے لئے دو گواہ یا ایک گواہ جسکی گواہی دو گواہوں کی برابر ہو پیش کرے تو اُس آیت کو لے لیا جائے۔ چنانچہ حضرت خزیمہ رضہ کے پاس سورہ براءۃ ملی اور کوئی دوسرا شاہد نہ تھا تو حضرت ابوبکر رضہ نے صرف خزیمہؓ کی شہادت کو ہی قبول فرمایا لیکن اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ سورہ براءۃ کسی اور کو یاد نہ تھی۔ یاد تو بہت صحابہ کو تھی لیکن کسی اور کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی موجود نہ تھی۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کے وقت لوگوں کی صرف یادداشت کو کافی نہ سمجھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی تحریر کو ضروری خیال کیا اور اس تحریر کے ثبوت کے لئے دو گواہوں کی گواہی بھی لازم قرار پائی اس طرح مکمل قرآن جمع ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اسی پر حل و عقد کا دارمدار تھا۔ دور صدیقی ختم ہونے کے بعد جب خلافتِ فاروقی کا عہد آیا تو وہ مجموعۂ قرآن حضرت عمر رضہ کے پاس آ گیا اور اخیر وقت تک آپ ہی کے پاس رہا پھر حضرت عمر رضہ کی وفات کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ رضہ کے پاس پہونچ گیا۔

فاروق اکبر رضہ کی وفات کے بعد جب حضرت عثمان ذو النورین خلیفہ ہوئے تو آپ نے حضرت علی رضہ بلکہ تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا مجھے اطلاع ملی ہے کہ لوگوں کی قرأتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور مسلمان آپس میں کہتے ہیں کہ ہماری قرأت تمہاری قرأت سے اچھی ہے اور چونکہ اس سے کفر کا اندیشہ ہے لہذا میری رائے ہے کہ ایک ایسا قرآن بالاجماع لکھوایا جائے جس پر سب لوگ متفق ہوں حضرت علی رضہ فرماتے ہیں جب ہم سب نے باتفاقِ آرا حضرت عثمانؓ کی تجویز کو پسند کر لیا تو حضرت عثمان رضہ نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضہ کے پاس پیام بھیجا کہ آپ کے پاس جو مصحف ہے وہ مجھکو دیدیجئے۔ میں اُس کے بہت سے مصاحف لکھوا کر اصل مصحف آپ کو واپس کر دونگا۔ حضرت حفصہ رضہ نے مصحف دیدیا اور حضرت عثمان رضہ نے بہت سی نقلیں کرا کے عراق شام اور حلد روم وغیرہ میں وہ نقلیں بھیجدیں لیکن چونکہ ہر قوم و فرقہ کی قرأت مختلف۔ محاورات جدا کیفیت اعراب و ادائے حروف الگ الگ تھی اور حضرت عثمانؓ اس اختلاف کو دور کرنا چاہتے تھے اسلئے صرف قرأت قریش پر اعتماد کیا کیونکہ قریش کے محاورہ کے موافق ہی قرآن نازل ہوا تھا اور اس قرأت صحیحہ کی تلاش میں بہت کوشش کرنی پڑی۔ دور دور سے صحابہ کو بلوایا گیا اور بالآخر باجماع صحابہ یہ قرآن موجودہ حیثیت سے جمع ہو گیا اور ایک ہی قرأت پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

کیفیت نزول قرآن

کیفیت نزول کے متعلق اصح قول یہ ہے کہ قرآن پاک اسی موجودہ ترتیب کے موافق ۲۴ رمضان کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت المعمور یا بیت العزت میں یکبارگی نازل فرمایا گیا پھر بیت المعمور سے حسب حاجت بلحاظ حوادث و وقائع تھوڑا تھوڑا جبرئیلؑ کے ذریعہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا یہانتک کہ ۲۳ برس کی مدت میں کل قرآن نازل ہو گیا۔ یہی معنی حاکم بیہقی نسائی وغیرہ نے ابن عباس رضہ سے بوجوہ متعددہ روایت کیے ہیں اور مذکورہ ذیل آیات سے اس مضمون کی تائید بھی ہوتی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا۔ دوسری آیت ہے وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا۔ بہرحال جب حسب ضرورت حضرت جبرئیلؑ بحکم الٰہی تھوڑا تھوڑا قرآن لاتے تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن آیات کو اُنکے اصلی مواقع پر کاتبوں سے لکھوا دیتے اور حافظوں کو یاد کرا دیتے تھے جسطرح کہ کسی شاعر کے دیوان سے کوئی شخص مختلف اشعار اور غزلیں بلا لحاظ تقدیم و تاخیر کے یاد کر لے اور پھر اپنے یاد کردہ اشعار کو دیوان کی اصلی ترتیب کے موافق ایک جا جمع کر کے شائع کرے یہی حال قرآن کا تھا کہ اصل میں لوح محفوظ سے اترنے کے وقت جمع تھا پھر حضور پر تدریجاً تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت وقت نازل ہوتا رہا اور حضورؐ نے ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہر آیت کو اُس کے اصلی مقام پر قائم کر کے لکھوایا اور یاد کرایا۔

قرآن کے تدریجی نزول کے اسباب

رہی یہ بات کہ قرآن تورات کی طرح کیوں مجموعی حیثیت سے نازل نہ ہوا اور ایک ایک دو دو آیات کے نازل ہونے میں کیا حکمت و مصلحت ہے اور اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں کیا خوبی و لطافت

ے تواسکے سمجھنے کے لئے بصیرت کوش دماغ کی ضرورت ہے۔ اجمالاً صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ تنظیم قرآن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گرامی کا اعزاز۔ امت محمدیہ کی تکمیل۔ تثبیت واتقان۔ اظہار معجزات تعمیل احکام کی آسانی۔ قوی روحانی کی تکمیل۔ سہولت حفظ اور انس خاطر وغیرہ تدریجی نزول کے نمایاں فوائد ہیں۔ اگر قرآن تورات کی طرح لکھا لکھایا مدون صورت میں نازل ہوتا تو نہ تو قرآن کی عظمت کا اسقدر مظاہرہ ہوتا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گرامی کو امتیازی اعزاز حاصل ہوتا نہ امت محمدیہ کے عقائد و اخلاق اور اقوال و افعال کی اتنی نمایاں اصلاح ہوتی نہ لوگوں کے دلوں میں ایمان و تصدیق کو اتنی پختگی اور رسوخ حاصل ہوتا نہ تعمیل احکام اور اوامر و نواہی کی پابندی میں سہولت ہوتی بلکہ یک دم مالا یطاق بار پڑجاتا جسکے تحمل کی طاقت اکثر میں نہ تھی نہ قوی روحانی اور اخلاق باطنی کی تکمیل ہوسکتی کیونکہ دس روز کی دوا ایک روز میں پلانے سے بجائے فائدہ کے مریض کی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے پھر مجموعۂ قرآن ایک کامل معجزہ قرار پاتا حسب مواقع ہر ہر آیت معجزہ نہ قرار پاتی اور نہ معجزات کا یہ غیر متناہی سلسلہ قائم ہوسکتا اور اسکی وجہ سے دعوت اسلام کامل طور پر فائدہ بخش نہ ہوسکتی۔ دشواری حفظ اور وحشت خاطر تو ظاہر ہی ہے کیونکہ پورے قرآن کو دیکھنے اسکو یاد کرنے کی اکثر صحابہ کو ہمت بھی نہ ہوتی اور لوگوں کے دلوں میں بجائے انس کے وحشت اور بجائے الفت کے نفرت پیدا ہوجاتی۔ خلاصہ یہ کہ اگر قرآن مجموعی یکدم نازل ہوجاتا تو اغراض اسلامی کی تکمیل نہ ہوسکتی۔

مقالۂ دہم

شانِ نُزُول

اسباب نزول کے متعلق علماء نے مستقل رسالے اور کتابیں لکھی ہیں امام بخاری کے استاد شیخ علی بن المدینی نے ایک جدا تصنیف کی ہے واحدی اور ابن حجر نے بھی اس موضوع پر تالیفات کی ہیں علامہ سیوطی نے لباب النقول اسی عنوان پر لکھی ہے۔ اسباب نزول معلوم کرنے سے آیت کے مطلب سمجھنے میں بہت سہولت ہوجاتی ہے۔

امام ابن دقیق العید اور ابن تیمیہ کا قول ہے کہ سبب نزول معلوم ہونا فہم قرآن کے لئے قوی مددگار ہے مثلاً جب آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا الخ نازل ہوئی یعنی جو لوگ اپنی حرکات پر بغیر شائستہ افعال کے اتراتے ہیں ان کو عذاب الٰہی سے دور مت خیال کرو۔ مروان بن حکم اس آیت سے سمجھے کہ یہ حالت تو ہمارے نفوس کی بھی ہے اسلئے ہم کو خوف ہے کہ ہم بھی عذاب الٰہی سے نہیں بچینگے

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم نے مطلب غلط سمجھا۔ واقعہ یہ تھا کہ حضور گرامیؐ نے اہل کتاب سے کچھ دریافت فرمایا تھا۔ انھوں نے اصل واقعہ کو چھپاکر دروغ بافی سے کام لیا اور اپنی تعریف کے خواہاں ہوئے اسوقت خدا تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرماکر ان کی تفضیح فرمائی۔ (صحیحین) آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے شائستہ فعل نہ کیا بلکہ لوگوں کے دکھانے کو کوئی کام کیا تاکہ لوگ اس فعل کی وجہ سے اسکو شائستہ اور نیک سمجھیں اور پھر اس بیوقوف جاہل نے فریب نفس سے دھوکہ کھاکر لوگوں کے استحسان اور اظہار پسندیدگی سے اپنے دل میں خوشی محسوس کی تو ایسا آدمی عذاب الٰہی سے دور نہیں ہے۔ علاوہ ازیں سبب نزول معلوم ہونے سے آیت کے تخصیص حکم کی دلیل ملجاتی ہے۔ نیز کبھی آیت کا حکم عام ہوتا ہے اور بیوقوف نادان اسکو خاص حکم سمجھتے ہیں لیکن شان نزول معلوم ہونے کے بعد تعمیم حکم واضح ہوجاتی ہے۔

شان نزول کے اقسام

صحابہ و تابعین سبب نزول کو عام معنی پر مستعمل کرتے تھے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جن چند امور پر آیت صادق آتی ہے انمیں سے بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یا بعد کو واقع ہوئے پس اسی کو سبب نزول قرار دیدیا گیا اور اس موقع پر جمیع قیود کا منطبق ہونا کچھ ضرور نہیں بلکہ اصل حکم کا انطباق کافی ہے (۱)۔ اور کبھی ایک حادثہ جو حضور اقدسؐ کے عہد میں واقع ہوا اور حضورؐ نے اس کا حکم کسی آیت سے مستنبط کرکے وہاں اس آیت کو پڑھدیا تو وہی سبب نزول قرار پایا۔ گویہ آیت اس سے پہلے نازل ہوگئی ہو۔ اور کبھی صورت مذکورہ میں صحابہ خود کہتے تھے کہ اس حادثہ میں خدا نے یہ آیت نازل فرمائی اور کبھی محدثین اس موقع کو جس میں صحابہ نے آیت کو مناظرہ کے وقت سند پکڑا تھا یا بطور مثال اس آیت کو ذکر کیا تھا یا حضور والا نے بطور استشہاد اس آیت کو تلاوت فرمایا تھا شان نزول کہدیتے ہیں۔ امور مذکورہ بالا کی توضیح کے لئے ذیل کی ہدایات کا مطالعہ کرو۔

ہدایت (۱) اگر آیت کا نزول کسی سبب خاص میں ہوا ہو تو خاص معنی مراد نہیں ہونگے بلکہ عام حکم مراد ہوگا۔ اگر سبب خاص پر انحصار ہوگا تو کسی اور دلیل سے نہ کہ آیت کے شان نزول سے۔ ابن جریر نے سعید مقبری اور محمد بن کعب کا مکالمہ نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ سبب خاص ہو لیکن آیت کا حکم عام ہوتا ہے۔ سعید مقبری نے کہا تھا کہ بعض کتابوں میں آیا ہے کہ اللہ کی مخلوق میں بعض آدمیوں کی زبانیں شہد سے زیادہ شیریں اور دل ایلوے سے زیادہ تلخ ہوں گے یہ لوگ بھیڑوں کے اون کا لباس پہنینگے اور دین کے عوض دنیا کو کھینچیں گے۔ محمد بن کعب کہنے لگے اسکی تصدیق

کتاب الٰہی میں موجود ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ سعیدؓ بولے مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کس شخص کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ابن کعبؓ نے فرمایا آیت کسی خاص شخص کے متعلق نازل ہوتی تھی اور اُسکا حکم عام ہوتا تھا یعنی جس شخص کے متعلق حکم کی ضرورت ہوئی اُسکے متعلق آیت کا نزول ہوا جس سے معلوم ہوگیا کہ اس شخص کا یہ حکم ہے اور اسی طرح جو شخص ایسا ہوگا اُس کا بھی یہی حکم ہوگا۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ صحابہ و تابعین کی اکثر روایات میں وارد ہوا ہے کہ بعض آیات بعض مخصوص اشخاص کے متعلق نازل ہوئی ہیں مثلاً آیت خلع ثابت بن قیس کی بیوی کے متعلق نازل ہوئی اور آیت کلالہ جابر بن عبداللہ رضؓ کے بارہ میں نازل ہوئی لیکن اس کا مقصود یہ نہیں ہے کہ آیت کا حکم انہی خاص لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسے واقعہ میں یہ حکم نازل ہوا۔

ھدایت (۲) اگر آیت کا کلام ہی عام نہو بلکہ صراحۃً کسی شخص کے ساتھ آیت کی خصوصیت ہو تو ظاہر ہے کہ آیت کا حکم اسی شخص کے لئے مخصوص ہے مثلاً سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى حضرت ابوبکر رضؓ کے متعلق نازل ہوئی اور تمام صحابہ و تابعین متفق ہیں کہ اس آیت میں حضرت ابوبکر رضؓ کی مدح کی گئی ہے علاوہ ازیں الاتقی میں الف لام سے بھی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے تو یہ حکم عام نہیں بلکہ مخصوص ہے۔

ھدایت (۳) ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جب صحابی یا ثقہ تابعی کے قول سے ثابت ہو کہ یہ آیت اس بارہ میں نازل ہوئی تھی تو اس سے مراد کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ اس آیت کا سبب نزول یہ واقعہ تھا اور کبھی یہ مراد ہوتی ہے کہ سبب نزول تو دوسرا امر ہے لیکن یہ امر بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض نے ایک امر کو سبب نزول قرار دیا اور بعض نے دوسرے امر کو شان نزول بیان کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک نے تو حقیقی سبب نزول بیان کر دیا اور دوسرے نے آیت کے عام حکم کے تحت میں جو افراد داخل ہیں اُن میں سے ایک فرد کو بیان کر دیا۔

ھدایت (۴) صحابی نے جو سبب نزول بیان کیا وہ بمنزلہ مسند مرفوع کے ہوتا ہے اور اگر ثقہ تابعی نے بیان کیا تو وہ حدیث مرسل کی طرح ہے۔ اگر سبب نزول میں مختلف روایات ہوتی ہیں تو صحیح اسناد والی روایت معتبر ہوتی ہے اور اگر دونوں صحیح الاسناد ہوتی ہیں لیکن ایک میں مجمل بیان ہوتا ہے اور دوسری میں مفصل تو مفصل روایت معتبر ہوتی ہے اور اگر دونوں روایتوں کے بیان کردہ واقعات منفصل ہوتے ہیں اور دونوں واقعات متصل ہوتے ہیں تو دونوں کو سبب نزول قرار دیا جاتا ہے اور اگر ایک مکی اور دوسرا مدنی واقعہ ہوتا ہے تو اول کو سبب نزول قرار دیا جاتا ہے اور دوسرے واقعہ کا حکم پہلے واقعہ کے حکم سے نکالا جاتا ہے۔

ھدایت (۵) کبھی سبب نزول ایک ہی واقعہ ہوتا ہے اور اسی واقعہ کے متعلق متعدد آیات چند سور میں نازل ہوتی ہیں مثلاً حضرت ام سلمہ رضؓ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے مردوں کا ذکر تو فرمایا اور عورتوں کا ذکر فضیلت ہجرت میں نہیں ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ الخ۔ نیز دوسری آیت نازل ہوئی اِنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى الخ (رواہ الحاکم)

کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی آیت یا سورت دو بار نازل ہوئی یعنی نزول کے واقعات تو دو ہوتے ہیں لیکن آیت ایک ہی دو بار نازل ہوتی ہے تاکہ گذشتہ نزول کی یاد دہانی ہو جائے۔ اور حصول عبرت کی طرف توجہ ہو جائے۔ مثلاً مکہ میں سورۂ اخلاص مشرکوں کے جواب میں نازل ہوئی اور مدینہ میں یہود و نصاریٰ کے جواب میں نازل ہوئی۔ اسی طرح سورۂ نحل کا اخیری حصہ، سورۂ روم کا ابتدائی حصہ۔ آیت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ۔ آیت اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ۔ اور آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ دو دو بار نازل ہوئیں۔

ھدایت (۶) ایسا بھی ہوا ہے کہ آیت نازل ہوگئی اور واقعہ بعد کو پیش آیا مثلاً مکہ معظمہ میں آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ نازل ہوئی۔ حضرت عمر رضؓ کو اس آیت کے سمجھنے میں حیرانی ہوئی لیکن بعد کو جنگ بدر کے دن کفار پشت پھیر کر بھاگے تو مطلب سمجھ میں آگیا۔ اسی طرح جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ مکہ میں نازل ہوئی لیکن اس کا واقعہ خواہ جہاد کو قرار دیا جائے جیسا کہ ابن مسعود رضؓ سے مروی ہے یا فتح مکہ کو کہا جائے بہرصورت بعد کو ظاہر ہوا۔

کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حکم پہلے جاری ہوگیا اور آیت بعد کو نازل ہوئی۔ مثلاً مکہ میں نماز کے ساتھ وضو کا بھی حکم تھا رسول گرامیؐ نے ہمیشہ با وضو نماز ادا کی حالانکہ آیت وضو مع حکم تیمم کے سفر جہاد سے واپسی کے وقت بیداء میں صبح کے وقت نازل ہوئی۔ (صحیح) شیخ سیوطی کہتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت مکہ میں ہوئی حالانکہ آیت الجمعہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت اور مصارف زکوٰۃ کی تعیین ابتدائے ہجرت میں ہو چکی تھی لیکن آیت اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ

الخ ۹ھ میں نازل ہوئی

مقالہ یازدہم

اختلافِ قرأت

علماءِ حدیث کا اتفاق ہے کہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہمایوں ان القرآن انزل علی سبعة احرف کلها شاف کاف تنقید رواۃ اور قانون جرح و تعدیل کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے لیکن اسکے مطلب میں اختلاف ہے کوئی تو کہتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن سات قرأتوں پر نازل ہوا ہے جنمیں سے ہر ایک کافی شافی ہے لیکن صاحب اتقان نے اس معنی کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ ساتوں قرأتوں میں اختلافِ محاورات کا اختلاف نہیں بلکہ صرف لب ولہجہ اور طرز ادا یا اخفاء اظہار، مد و قصر، تفخیم و امالہ، وغیرہ کا ہے۔ کوئی واقعی اور حقیقی اختلاف نہیں ہے بلکہ حدیث میں جو سات حروف مذکور ہیں اُن سے مراد قبائل قریش کے سات محاورات ہیں چنانچہ سہولت کے لئے حضور نے ہر قبیلہ کو اُسکے محاورہ میں قرآن پڑھنے کی اجازت دیدی تھی لیکن لکھوانے یا یاد کرانے کے وقت اُسی محاورہ کا لحاظ رکھا جو خاص حضور کے قبیلہ کی زبان تھی حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب قرآن جمع کیا گیا تو اس میں بھی اسی محاورہ کے موافق عمل کیا گیا اور باقی وجوہ قرأت کو جن کی عارضی اجازت دیدی گئی تھی کتابت میں نہ لایا گیا۔ گویا حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں وہ سات حروف و محاورات باقی نہ رہے اگرچہ اپنے طور پر ہر قبیلہ پڑھنے کا مجاز تھا پھر حضرت عثمانؓ نے مصحف صدیقی کے پانچ سات نسخے نقل کرا کے اطراف و جوانب میں بھیجے اُن میں بھی ایک ہی محاورہ کو ملحوظ رکھا لیکن چونکہ یہ سب نسخے کوفی خط میں تھے اور کوفی خط میں حروف کی شکلیں ایک دوسرے سے مشابہ ہوتی ہیں اور نقطے نہیں ہوتے اسلئے یعلمون۔ تعلمون۔ یا یقول۔ تقول کا فرق ظاہر نہوا لیکن حافظ حرف بحرف اُسی طرح پڑھتے تھے جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور انہی کے حفظ و صحت پر اُن لوگوں کو بھی وثوق و اعتماد تھا جن کے پاس صرف لکھے ہوئے قرآن تھے۔ ان حفاظ میں مذکورۂ ذیل آٹھ صحابیؓ امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابیؓ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ثابتؓ۔ حضرت ابو درداءؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔ حضرت ابن مسعودؓ۔ پھر ان حضرات کے شاگرد مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ اور شام میں پھیل گئے اور قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔ چنانچہ **مدینہ** میں ابن مسیب۔ عروہ۔ سالم۔ عمرو بن عبد العزیز۔ سلیمان۔ عطاء۔ معاذ قاری۔ زہری۔ مسلم بن جندب عبد الرحمٰن بن ہرمز۔ اور زید بن اسلم ہوئے۔ **مکہ** میں ابن ابو ملیکہ عکرمہ۔ مجاہد۔ طاؤس۔ عطاء بن ابی رباح اور عبید ہوئے۔ **کوفہ** میں شعبی۔ نخعی۔ ابن جبیر۔ عبید بن نضیلہ۔ زر بن حبیش عبد الرحمٰن سلمی۔ عمرو بن میمون۔ ربیع۔ حارث بن قیس۔ عمرو بن شرحبیل۔ عبیدہ۔ مسروق۔ اسود اور علقمہ ہوئے۔ **بصرہ** میں قتادہ۔ ابن سیرین۔ حسن بصری۔ یحییٰ بن یعمر۔ نصر بن عاصم ابو رجاء اور ابو العالیہ ہوئے۔ **شام** میں مغیرہ بن ابو شہاب مخزومی وغیرہ ہوئے۔ ان تابعین میں سے امتیازی پایہ اور مہارت کاملہ مذکورۂ ذیل اشخاص کو حاصل تھی۔

مدینہ میں ابو جعفر اور ابن نصاح اور نافع کو **مکہ** میں عبد اللہ بن کثیر۔ حمید بن قیس اور محمد بن محیصن کو **کوفہ** میں یحییٰ بن وثاب عاصم بن ابی النجود۔ سلیمان اعمش حمزہ اور کسائی کو **بصرہ** میں عبد اللہ بن ابی اسحاق۔ عیسیٰ بن عمر اور ابو عمرو بن علاء اور عاصم اور یعقوب حضرمی کو اور **شام** میں عبد اللہ بن عامر۔ عطیہ بن قیس کلابی۔ اسمٰعیل۔ یحییٰ بن حارث اور شریح بن یزید حضرمی کو شہرت کاملہ حاصل ہوئی اور یہی ائمہ قرأت مانے گئے۔ خصوصیت کے ساتھ مذکورۂ ذیل سات اشخاص تو متبحر ماہر تسلیم کئے گئے۔

نافع مدینہ میں رہتے تھے ستر تابعین کے شاگرد تھے۔ ابن کثیر مکی یہ عبد اللہ بن سائب صحابی کے شاگرد تھے۔ ابو عمرو عماء تابعین کے شاگرد تھے اور بصرہ میں رہتے تھے۔ عبد اللہ بن عامر شامی یہ حضرت ابو درداءؓ اور حضرت عثمانؓ کے تلامذہ کے شاگرد تھے عاصم کوفی یہ تابعین کے شاگرد تھے۔ یہی ساتوں قاری ائمہ قرأت مانے جاتے ہیں۔ انمیں سے ہر ایک کے دو دو شاگرد ہوئے۔ نافع کے دو شاگرد قالون اور ورش تھے۔ ابن کثیر کے قنبل اور بزی بالواسطہ شاگرد تھے۔ ابو عمرو کے بالواسطہ دوری اور سوسی شاگرد تھے۔ ابن عامر کے شاگرد بالواسطہ ہشام اور ذکوان تھے۔ عاصم کے دو تلمیذ ابو بکر بن عیاش اور حفص تھے۔ حمزہ کے بالواسطہ تلمیذ خلف اور خلاد تھے اور کسائی کے شاگرد دوری اور ابو الحارث تھے۔

حفص کی قرأت ہندوستان میں رائج ہے علم تجوید میں سب سے پہلے ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے پھر احمد بن جبیر کوفی نے پھر اسمٰعیل مالکی نے پھر ابو جعفر ابن جریر طبری نے پھر ابو بکر محمد جوانی نے پھر ابو بکر بن مجاہد نے اور اخیر میں جزری اور شاطبی نے کتابیں لکھیں اور اس فن کو مکمل کیا۔

(مقدمہ ختم ہوا)

معارف لوح محفوظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

بندۂ خدا دائم جلالی عفی عنہ کہتا ہے کہ علم تفسیر تمام علوم کا سرتاج مقصود کل راس المال اور غرض اصلی ہے، اسی پر کمال ایمان اور معرفت الٰہی موقوف ہے۔ تمام علوم کے حاصل کرنے سے مسلمان کی اصلی غرض یہ ہے کہ کتاب الٰہی کی سمجھ اور دانش پیدا ہو جائے تاکہ صحیح عقائد، حق معارف، محاسن اخلاق، اعمال صالحہ اور اداء حقوق کی صحیح تعلیم حاصل ہو کر انسان کو فلاح دارین اور قرب الٰہی نصیب ہو جائے جسم صاف، روح پاکیزہ، خیالات صحیح، جذبات صادقہ اور وجدانیات میں راستی و درستی پیدا ہو جائے۔ اور رحمت الٰہی شامل حال ہو کر ظلوم وجہول انسان کا دنیا و دین میں بیڑا پار کر دے۔ لیکن علم تفسیر اور صحیح تعلیم قرآن صرف علم نبوت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ سردار دو عالم کی ذات بابرکات ہی کتاب و حکمت کی تعلیم دینے والی، تزکیہ اخلاق کرنے والی اور لوگوں کو تاریکی سے روشنی میں لانے والی تھی۔ عرب ایک بے آب وگیاہ ملک تھا، نہ نہروں کی شادابی تھی، نہ دریاؤں کی تروتازگی، نہ زراعت نہ سبزی، خارزار ریگستان تھا، پتھر اور ریت تھا پھر اسیر باشندگان عرب کی فلاکت اور نکبت اسباب معیشت کی تنگی، اخلاق کی پستی، کل قوم خانہ بدوش، ذری ذری سی بات پر جنگ وجدال کرنے والی، معمولی سی بات پر آدمی کے عزیز ترین خون کو جانوروں کے خون سے زیادہ ارزاں سمجھنے والی۔ قومی جرگہ کمزور کو کہا جاتا تھا دوسرا گروہ آکر ان کے خون کا پیاسا ہو جاتا تھا، بتوں کی پرستش اور شیطانی اوہام میں کل باشندگان ملک گرفتار تھے۔ جنوں سے فریاد کی جاتی تھی، بھوتوں پریتوں کی منتیں مانی جاتی تھیں، شعر شاعری پر ناز تھا۔ ڈھال تلوار سے ایک دوسرے کی تواضع تھی، لیکن بایں ہمہ خدائے حکیم نے اس قوم میں عمدہ فضائل اور شمائل کریمہ کا مادہ بھی مدفون کر دیا تھا۔ صدق طینت، وفاء عہد اور شرافت ذاتی کے ایسے جواہر بے بہا اُن کے اندر موجود تھے کہ اولاد اسمٰعیل میں کے ایک کروڑ افراد میں کسی کا نسب مخلوط اور غیر خالص نہ تھا۔ کون نہیں جانتا کہ معدن جواہر سے جو خاک آلود جواہر اور زر ریزے برآمد ہوتے ہیں وہ مٹی کے ٹھیکروں سے جن پر چینی کا رنگین پالش کر دیا گیا ہو بہر حال بہتر ہوتے ہیں۔

اُس وقت روم و فارس کی قومیں اپنی نفیس پوشاک، صاف ستھرے جو منزلہ اور پنج منزلہ عمارات اور راحت و آرام کے تمام اسباب کی فراہمی پر نازاں تھیں لیکن سؤر کے کان میں ریشم کا ڈورا باندھنے یا کتے کی گردن میں جواہر کا پٹہ باندھنے سے کیا حاصل عرب اسی پست ترین حالت میں گدڑی کے لعل تھے۔ معلم جہاں نے جب اپنی ہدایت و ارشاد سے نور ایمان اور روشنی معارف سے آراستہ کر دیا تو اُس وقت جوہر ذاتی کا ظہور ہوا اور چند سال کی مدت میں تمام محاسن اخلاق سے آراستہ ہو کر کل عالم کے لئے ہادی کامل بن گئے۔ یہ اُنہی کے نفوس قدسیہ کی کوششوں کا طفیل ہے کہ ہم تک قرآن کریم پہنچا اور ہم کو راہ حق معلوم ہوئی۔ لہٰذا ہم کو اُنہی کی پیروی کرتے ہوئے قرآن مجید کے معارف جاننا اور کلام پاک کی تفسیر سمجھنا فرض قطعی ہے اور چونکہ صحابہ کرام کی تفسیریں اور علوم قرآنیہ کی تعلیم ہم تک بواسطہ تابعین و تبع تابعین وغیرہ کے پہنچیں اور تابعین وغیرہم نے ہی صحابہ کے چراغ معرفت سے روشنی کا اقتباس کیا تھا اور ان ہی کے ذریعہ سے اُس روشنی نے ہمارے دلوں کو منور کیا۔ اسلئے قرآن کی تفسیر سمجھنے کے لئے ہمکو انہی حضرات کی تالیفات اور تفاسیر پیش نظر رکھنی لازمی ہیں۔ بحمد اللہ میں نے اپنی اس تفسیر کی تالیف میں اکابر ائمہ کی تفسیروں کو پیش نظر رکھا ہے اور اُنہی سے اقتباس کیا ہے۔ لیکن آیت کا مطلب بیان کرنے کے بعد دو باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔

(۱) نکات قرآنی بیان کئے ہیں کیونکہ قرآن مجید اُس متکلم کا کلام ہے جو حکمت و فصاحت کا پیدا کرنے والا ہے، اُس کا کلام تمام رموز حکمت اور نکات معرفت کا سرچشمہ ہے۔ لہٰذا بیجا نہیں کہ ہم بقدر امکان غور کر کے اُسکے سربستہ راز سمجھنے اور جان لینے کی کوشش کریں۔

(۲) مقصود بیان بھی ہر آیت یا چند آیات کے مجموعہ کے بعد ظاہر کیا گیا ہے تاکہ سطحی نظر رکھنے والا طبقہ جو زبان عربی سے واقف نہیں اُسکو معلوم ہو جائے کہ کلام پاک کی اس آیت یا مجموعہ آیات

سے حاصل اور نتیجہ کیا نکلا۔ ہم کو قرآن اس آیت میں کیا تعلیم دینی چاہتا ہے اور ہم کو اس سے اصلاح عقائد، درستی اخلاق اور تکمیل انسانیت کی قوانین کا کس حد تک استنباط کرنا چاہئے۔ وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

تفسیر شروع کرنے سے پہلے اس امر کو بھی جان لینا ضروری ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک قرأت سے پہلے تعوذ پڑھ لینا سنت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۔ مطلب یہ ہے کہ جب تلاوت قرآن کا ارادہ کرے تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھ لینا چاہئے۔
تعوذ پڑھنے کے متعلق حدیث میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھ کر نماز شروع کرتے تو اول تکبیر کہتے۔ پھر سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ فرماتے۔ پھر تین بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے پھر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ پڑھتے تھے۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

حضرت جبیر بن مطعم رض کی روایت اس طرح ہے کہ حضور اقدس جب نماز میں داخل ہوتے تو تین مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اور تین بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا اور تین دفعہ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا فرماتے۔ پھر اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ پڑھتے تھے (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

حضرت ابو امامہ باہلی رض کی روایت میں ہے کہ حضور والا جب نماز کو کھڑے ہوتے تو تین بار تکبیر کہتے پھر تین بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور تین بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فرماتے پھر ایک بار اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ فرماتے تھے (احمد)

اسکے علاوہ اور بہت احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قرأت قرآن سے قبل تعوذ پڑھنا سنت ہے۔

تعوذ پڑھنے میں ایک نکتہ عقلی یہ ہے کہ جو کچھ آدمی منہ سے لغو اور بیہودہ کلمات کہتا ہے اس سے منہ کی طہارت ہوجاتی ہے پھر اسمیں خدائے برتر سے استعانت، قدرت کاملہ کا اظہار اور اپنی عاجزی کا اقرار بھی ہے اور اس بات کا صریحی اقبال ہے کہ مجھکو اس دشمن باطنی یعنی شیطان سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں میں اس کے مقابلہ کے لیے تجھسے پناہ جوئی کرتا ہوں میں تجھسے دعا کرتا ہوں کہ میرے رب! کو اس خبیث دشمن سے محفوظ رکھ تاکہ میرا انجام مردہ نہ ہو جائے کیسی دوسرے کافر دشمن کا مارا ہوا شہید ہوتا ہے لیکن اس مردود دشمن کا مارا ہوا مردود ہوتا ہے۔ بس تیری ہی پناہ کا خواستگار ہوں۔ اب میں خدا سے مدد کی خواستگاری کرکے تفسیر شروع کرتا ہوں۔

قرآن مجید کے اسمائے صفتی

قرآن - وحی - عربی - علم - حق - عجب - صدق - مجید - زبور - نذیر - بلاغ - امر - صحف - مثانی - فصل - قیم - حبل - حکیم - علی - ذکر - شفاء - رحمۃ - نور - کلام مبین - کتاب کریم - ہدیٰ - فرقان - موعظۃ - مبارک - حکمت بالغہ - مہیمن - قول - نبأ عظیم - تنزیل - احسن الحدیث - متشابہ - مرفوعۃ - مطہرۃ - مکرمۃ - قصص - عزیز - بشیر - بشریٰ - منادی - عدل - تذکرۃ - ہادی - بیان - بصائر - روح - صراط مستقیم - العروۃ الوثقیٰ -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے ہے جو نہایت بخشش والا بڑا مہربان ہے
شیخ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ سورۂ نمل کے علاوہ قرآن میں جو بسم اللہ ہے وہ جزو قرآن ضرور ہے لیکن سورۃ کا جزو نہیں ہے بلکہ ہر سورۃ کے شروع میں ایک سورۃ کو دوسری سورۃ سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے ذکر کی گئی ہے۔ ہاں سورۂ نمل میں جو اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آیا ہے وہ سورۃ کا جزو ہے کیونکہ سنن ابوداؤد میں باسناد صحیح بروایت ابن عباس رض مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کا فصل نہیں پہچانتے تھے یہانتک کہ آپ پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نازل ہوئی داؤد ظاہری، شیخ جصاص اور ابو الحسن کرخی کا یہی قول ہے۔ اور یہی مسلک امام ابوحنیفہ رح کا ہے۔ حدیث مذکور کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ہے بلکہ مستقل آیت ہے۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کو اپنے درمیان اور اپنے بندہ کے درمیان نصفا نصف قرار دیا ہے"۔ اس حدیث میں بسم اللہ کو شمار نہیں کیا گیا ہے۔ اگر بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو قرار دیا جائیگا تو نصفا نصف تقسیم نہ ہوگی۔ مزید برآں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہریہ نمازوں میں سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھتے تھے اور بسم اللہ کو جہر سے نہ پڑھتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بسم اللہ جزو فاتحہ نہیں

ورنہ اسکی کوئی وجہ نہیں کہ ایک آیت تو سری پڑھی جائے اور باقی سورۃ جہر کے ساتھ پڑھی جائے۔ بسم اللہ کو جہر کے ساتھ نہ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے اور سفیان ثوری وامام احمد وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔

بسم اللہ کے فضائل نقلیہ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ کے متعلق استفسار کیا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے اسقدر قریب ہے جیسے آنکھ کی سفیدی اور سیاہی میں قرب ہے (ابن حاتم وابن مردویہ)

حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عیسیٰؑ بن مریم کو اُن کی والدہ نے معلم کے سپرد کیا۔ معلم نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھو۔ حضرت عیسیٰ نے کہا بسم اللہ کیا ہے؟ معلم نے کہا مجھے علم نہیں۔ حضرت عیسیٰ نے کہا ب سے مراد بہاءِ الٰہی ہے اور س سے سناءِ الٰہی اور م سے مملکت الٰہی یعنی اللہ سب کا معبود و مالک ہے۔ دین و دنیا میں کافروں اور مسلمانوں پر رحم کرنے والا اور آخرت میں صرف مسلمانوں پر رحیم ہے۔ (ابن جریر۔ ابن مردویہ)

حضرت بریدہ رضؓ کی روایت میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو سوائے سلیمان علیہ السلام کے کسی پیغمبر پر نازل نہیں ہوئی اور وہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے۔

حضرت ابن مسعود رضؓ کا قول ہے کہ جو شخص انیس[19] زبانیہ یعنے عذاب کے فرشتوں سے بچنا چاہتا ہو تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھا کرے تاکہ بسم اللہ کے ہر حرف کی وجہ سے خدا تعالیٰ اُسکو عذاب کے ایک فرشتہ سے محفوظ رکھے۔ (اس اثر کو ابن عطیہ اور قرطبی نے ذکر کیا ہے۔)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو نہم کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جاتا ہے وہ ناقص و نا تمام رہتا ہے۔ یعنی اُس میں برکت نصیب نہیں ہوتی اگرچہ وہ بظاہر کمل معلوم ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ واربعین رہاوی وابن صلاح ونووی وغیرہ)

بسم اللہ کا مطلب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا مطلب یہ ہے کہ میں اُس خدائے بزرگ کا نام لیکر شروع کرتا ہوں جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا تمام عالم کا موجد اور پیدا کرنیوالا ہے واحد و یکتا ہے۔ کیف وکم مکان وزمان جگہ اور مکان سے پاک ہے۔ اُس نے ہم کو پیدا کیا روحانی اور جسمانی نعمتیں اپنی رحمت سے عطا کیں اُس کا فیض عام ہے۔ چرند پرند درند کافر ومسلم زندیق وموحد سب اُس کے خوان کرم کے پروردہ ہیں لیکن آخرت میں اُس کی نعمتوں سے فیضیاب ہونے والے اور رحمت عامہ سے فائدہ اٹھانے والے صرف موحد خدا پرست اور مسلمان ہونگے۔ کافروں کو اُس روز اُسکے دامن رحمت میں پناہ نہیں ملیگی۔

نکات:- (۱) جسطرح ذاتِ خدا بابرکت ہے اُسی طرح اُس خدائے قدوس کا نام بھی متبرک ہے۔ اسی وجہ سے بِاللہ نہیں کہا بلکہ بِسْمِ اللّٰهِ فرمایا۔

(۲) اس آیت میں تین لفظ بیان کئے ہیں۔ اللہ۔ رحمٰن رحیم۔ اس کا نکتہ یہ ہے کہ ہر شخص کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ اول وہ زمانہ جبکہ اسکی روح بالکل آزاد تھی یہ جسم اور اسکا کوئی ذرہ عالم ہستی میں نہیں آیا تھا بلکہ عالم امر میں ہر شخص کی روح اس مادی کثافت سے علیحدہ شاداں وشادماں نہایت مسرت وخوشی کے ساتھ نور محض کے درجہ پر تھی پھر یہ زمانہ آیا کہ اُس نور محض کو اس قفس عنصری اور مادی قید میں بند کردیا گیا۔ اُس کے واسطے کھانے پینے کی ضروریات اور اصول وجود کے اعتبار سے تمام حوائج لازم قرار پائے۔ سوم وہ زمانہ جبکہ مرنیکے بعد یہ روح آزاد ہوگی اور جس قدر اُس میں جسمانی کثافت اور مادی آلایش کا اثر ہوگا اتنا ہی اُس پر عذاب اور قرب الٰہی سے دوری ہوگی۔ یہ تین حالتیں ہر انسان کی ہیں پہلے لفظ اللہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ موجود کو معدوم کرنیوالا اور نیست کو ہست کرنے والا ہے، اُسکی ذات تمام عیوب سے پاک ہے کسی قسم کا نقصان اور خرابی اُس کی ذات جامع صفات میں نہیں ہے۔ اسکے بعد لفظ رحمٰن ذکر کیا اس سے یہ مراد ہے کہ خدائے برتر جسطرح عالم کا خالق اور موجد ہے اسی طرح تمام عالم اپنے بقا میں بھی اُسی کا محتاج ہے وہ دنیا کے ہر ذرہ کی پرورش کا ذمہ دار ہے اُسکے دامن رحمت میں کائنات عالم کے ہر فرد کو پناہ دینے کی گنجایش ہے اُسکی رحمت عامہ جس طرح آسمانوں پر ہے اُسی طرح زمین کے نیچے بھی ہے۔ قعر سمندر کے ا۔ رچھوٹا سا آبی جانور جس طرح اُسکے خوان کرم سے بہرہ اندوز ہے

اسی طرح پہاڑوں کی سب سے اونچی چوٹیوں پر بھی کوئی ہستی اسکے کرم سے محروم نہیں۔ کافر بھی اُسی کے خرمن کا خوشہ چین ہے اور مسلمان بھی اُسی کا دست نگر۔ پھر تیسرے درجہ پر لفظ رحیم ذکر کیا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں یعنی اس مادی زندگی کے بعد بھی لوگ اُس کے محتاج ہوں گے وہاں بھی اسی کی رحمت اُن کے شامل حال ہوگی۔ توحید پرست طبقہ وہاں بھی اسکے کرم سے فیضیاب ہوگا۔ اپنے بندوں کی فردگذاشتیں اور لغزشیں وہی معاف فرماکر اپنے قرب میں جگہ عنایت فرمائیگا۔

(۳) عموماً دنیا کا دستور ہے اور ایک عام رواج ہے کہ کسی کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کرنے کے صرف دو اسباب ہوتے ہیں یا تو اُس کی طرف سے تکلیف وضرر رسانی کا اندیشہ ہوتا ہے جو اطاعت گزاری پر مجبور کرتا ہے یا اُس سے کوئی لالچ اور حصول منافع کی طمع وابستہ ہوتی ہے جو فرمانبرداری کا باعث ہوتی ہے اور اگر دونوں باتیں یعنی طمع وخوف اکٹھی ہیں تو وہاں فرماں برداری کے ساتھ محبت بھی ہوتی ہے کیونکہ صرف خوف، وحشت ونفرت کا سبب ہے اور محض امید جرأت وبے باکی کا ذریعہ ہے۔ خداتعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے جلال ذاتی سے ڈرانا اور رحمت صفاتی کا امیدوار بنانا چاہتا ہے۔ لفظ اللّٰہ کے ذکر کرنے سے جلال جبروتی اور ہیبت غیر متناہی کا اظہار مقصود ہے اور رحمٰن ورحیم سے ترغیب وطمع کی طرف اشارہ ہے۔ اور تینوں کے مجموعہ کے ذکر کرنے سے یہ مطلب ہوگیا کہ بندہ کو خداوند تعالیٰ سے خوف وامید رکھکر خالص دل سے خداوند تعالیٰ کی محبت نظری اپنے دل میں رکھنی چاہئے اور درجہ بدرجہ ترقی کرکے عشق ومحویت کے درجہ پر پہونچنا چاہئے۔

(۴) دنیا میں انسان دو طرح کے ہیں ایک تو وہ خالص محبت رکھنے والا طبقہ جو بغیر کسی خوف ولالچ کے صرف خدائے قدوس کا نام سنکر خیالات ماسوا اپنے دماغ سے نکالدیتا ہے اور بلا لحاظ رحمت وغضب صرف محبت ذاتی مع اسکو اطاعت الٰہی پر مجبور کرتی ہے بلکہ احساس محبت بھی اُس کو نہیں رہتا صرف محویت اور فنا فی الذات ہی اُسکے ذوق کے لئے کافی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے تو لفظ اللّٰہ کا ذکر کافی سمجھا گیا کیونکہ اللّٰہ اُس جامع صفات ذوالجلال کی ذات گرامی کا مخصوص نام ہے جسکی ذات میں محویت وفنا عارف کا مقصود اصلی ہے۔ دوسرے طبقہ میں وہ انسان ہیں جو ذات محض کے ساتھ محبت ذاتی نہیں رکھتے بلکہ اُن کی محبت صفاتی ہوتی ہے یعنی اُن کو خداتعالیٰ کی طرف سے نعمتوں کے حصول کی امید ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ جلال کبریائی کی طرف مائل ہوتے ہیں اس طبقہ کے لئے لفظ رحمٰن ورحیم ذکر کیا گیا۔

(۵) رحمت کے دو حصے یا دو شاخیں ہیں۔ اول تو یہ کہ ہر چیز کی ضروریات اور حاجات پوری کردی جائیں۔ اسباب حیات وبقاء حیات مہیا کردیئے جائیں، جو جو مرغوب اشیاء ہیں وہ اسکو دیدی جائیں۔ دوسری وہ رحمت ہے جس میں تمام مخالف اور غیر موافق اشیاء کو دور کردیا جاتا ہے، مقصد کے خلاف جو جو امور ہوتے ہیں اُن کو دفع کردیا کردیا جاتا ہے گویا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ درحقیقت رحمت کبیرہ مقدم الذکر رحمت ہے اور مؤخر الذکر رحمت صغیرہ ہے یا رحمت کبیرہ کے شرائط میں داخل ہے۔ خداتعالیٰ نے پہلے معنی کی طرف لفظ رحمٰن سے اشارہ کیا اور دوسرے معنی کی طرف لفظ رحیم سے۔

مقصود بیان:۔ ہر چیز میں مؤثر حقیقی صرف خداتعالیٰ ہے اور اُس کا وجود تمام عالم کے لئے موجد اور علت بقاء ہے۔ خداتعالیٰ نے ہی تمام عالم کو پیدا کیا ہے۔ وہی تمام عالم کی ہستی ونیستی کا مالک ہے اُس میں کوئی عیب ونقصان نہیں۔ وہ تمام عالم پر رحم کرنے والا ہے۔ مسلمان کو ہر کام میں اُسی کا نام برکت کے لئے لینا چاہئے اُس سے ہر کام میں مدد کی التجا کرنی چاہئے۔ خداتعالیٰ کا مخلوق کے پیدا کرنے سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں بلکہ مخلوق کو پیدا کرنا اور عمر طبعی تک پہنچانا اُسکے رحم وشفقت کا ایک مظاہرہ ہے انسانوں کو چاہئے کہ ایک دوسرے پر رحم کریں۔ غریبوں پر امیر، مظلوموں پر حاکم، بیکسوں پر بادشاہ مہربانی کریں۔ اگر کسی کو فائدہ پہونچائیں تو عوض لینے کی امید نہ رکھیں بلکہ محض خوشنودی خدا کے لئے صفت رحم کو کام میں لائیں۔ خداتعالیٰ کے جلال کبریائی سے خوف کرنا اور جمال صفاتی کی امید رکھنی چاہئے۔ خدا کو واحد یکتا جامع صفات کمالیہ جاننا اور صفات نقصان سے بری سمجھنا چاہئے۔ وغیرہ

سُورَۃُ الفَاتِحَۃ

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں سات آیات ۲۵ کلمات اور ۱۲۶ حروف ہیں۔ سورۂ فاتحہ کے اسماء حسب ذیل ہیں:۔

سورۃ الحمد۔ اُمُّ الکتاب۔ فاتحۃ القرآن۔ السبع المثانی۔ وافیہ۔ شافیہ۔ رقیہ۔ نور۔ سورۃ الصلوٰۃ۔ سورۃ السوال۔ سورۃ تعلیم المسئلۃ۔ سورۃ الحمد الاولیٰ۔ سورۃ الحمد القصریٰ۔ سورۃ المناجات۔ سورۃ التفویض۔ سورۃ الدعاء۔ الصلوٰۃ۔ الکنز۔ الشفاء۔ کافیہ۔ اساس۔

سورۃ الشکر - اُمُّ القرآن - قرآن عظیم -

فضائل سورۂ فاتحہ

امام احمد - بخاری - ابوداؤد - نسائی - اور ابن ماجہ نے بروایت ابوسعید بن معلی بیان کیا ہے کہ ایک روز میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی - میں نماز تمام کر کے خدمت گرامی میں حاضر ہوا - ارشاد فرمایا ابوسعید تمہارے لئے حاضری سے کونسا امر مانع ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا - فرمایا کیا خدا تعالیٰ نے تم کو میرے حکم کی تعمیل کے وجوب کیلئے ارشاد نہیں فرمایا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ - پھر فرمایا کہ مسجد سے باہر جانے سے قبل میں تم کو قرآن کی اعظم سورۃ بتاؤں گا - اس کے بعد حضور والا میرا ہاتھ پکڑے ہوئے باتیں کرتے چلے - میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں تجھکو قرآن کی ایک بزرگترین سورۃ بتاؤنگا - فرمایا ہاں وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے - یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھکو عطا ہوا ہے -

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت بھی اسی طرح ہے لیکن اس میں اتنا زائد ہے کہ حضور نے فرمایا میں تجھکو ایسی سورت بتاؤں گا جسکی مثل توریت انجیل بلکہ قرآن میں بھی نازل نہیں ہوئی -

امام احمد نے حضرت جابرؓ کی روایت نقل کی ہے - جابرؓ فرماتے ہیں ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا - حضور اس وقت پیشاب سے فارغ ہوئے تھے - میں نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ - حضور نے کوئی جواب نہیں دیا - میں نے دوبارہ کہا السلام علیک یا رسول اللہ - حضور نے پھر بھی جواب نہیں دیا - میں نے سہ بارہ پھر یہی عرض کیا پھر بھی آپ نے کوئی جواب نہیں دیا - پھر حضور ایک طرف کو چل دیے میں پیچھے پیچھے ہو لیا - حضور مکان پہنچکر اندر تشریف لے گئے اور میں مغموم مسجد میں آکر بیٹھ گیا - تھوڑی دیر میں سرکار والا طہارت کر کے باہر تشریف لائے اور فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - پھر فرمایا جابر! کیا میں تجھکو قرآن کی بزرگترین سورۃ بتاؤں میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ضرور فرمائیے ارشاد فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الخ پڑھا کرو -

شان نزول شروع شروع جب سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحرا کی جانب تشریف لیجاتے تو یا محمد کی آواز کان میں آتی - حضور ادھر نظر اٹھا کر دیکھتے تو زمین و آسمان کے بیچ میں معلق تخت جس پر ایک نورانی شخص بیٹھا ہوا نظر آیا کرتا تھا - یہ حالت دیکھ کر حضور خوف زدہ ہو کر واپس آجایا کرتے تھے - چند بار ایسا ہونے پر حضور نے سارا قصہ حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے جو توریت کے ماہر اور زبردست عالم تھے ذکر کیا - ورقہ نے تسلی دیکر کہا کہ اے محمدؐ! تم خوف نہ کرو بلکہ کان لگا کر سنو کہ وہ کیا کہتا ہے - اسکے بعد جب حضور صحرا کو تشریف لیگئے اور حسب دستور یا محمد! کی آواز کان میں آئی تو حضور نے لبیک کہا اور سنا کہ کیا آواز آتی ہے - آواز آئی اے محمدؐ! میں جبرئیل خدا کا فرشتہ ہوں اور آپ اس امت کے نبی ہیں اول کہو اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه و اشهد ان محمدا عبده و رسوله اب پڑھو الحمد للّٰه رب العالمین (دلائل النبوۃ - بیہقی و دارمی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ

ہر تعریف اللہ ہی کو زیبا ہے جو تمام جہان کا موجد و مربی نہایت مہربان رحیم ہے

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۙ

روز جزا کا مالک ہے

تفسیر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ - یعنی ہر قسم کی تعریف و ثناء ازل سے ابد تک جہاں کہیں اور جب کبھی اور جس طور پر ہو یا ہوتی ہو یا ہوئی ہو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے مخصوص ہے اور ہر حمد و شکر کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے اسکے سوا کسی مخلوق کو یا کسی بنائے ہوئے معبود کو بالکل دخل نہیں ہے کیونکہ وہی تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے - ہر حسن اور ہر خوبی اسکے اندر موجود ہے اس کا علم وجود قدرت اکمل و افضل و اقویٰ ہے اور چونکہ اسکے علم کی طرح کسی کا علم نہیں اور اسکے وجود کی مثل کسی کا وجود نہیں اور اسکی قدرت کی مانند کسی کو قدرت نہیں - اگر کسی میں صفت علم و قدرت یا وجود یا مادۂ ایجاد ہے بھی تو وہ درحقیقت اسی کا عطیہ ہے - حقیقت میں وہی موجود ہے وہی موجد ہے وہی علیم و معلم ہے وہی قادر و قدرت بخش ہے - تمام عالم وجود ظلی ہے اسی کا وجود حقیقی ہے - تمام دنیا حادث و ممکن ہے وہی قدیم و واجب ہے اسلئے وہی ہر حمد و ستایش کا مستحق ہے خواہ وہ ستائش زبان سے ہو یا دل سے ہو یا دماغ سے ہو یا اعضاء ظاہری سے ہو یعنی زبان سے ہو یا جنان سے یا ارکان سے بہرحال اسی کو ہر حمد و

شکر زیبا ہے۔ اسکے آگے ارشاد ہوتا ہے۔

رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ یہ درحقیقت پہلے دعوی کی دلیل نما صفت ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی قابل ستایش اور لائق عبادت کیوں ہے اسلئے کہ اُسی نے تمام عالم کو پیدا کیا عدم سے وجود میں اور تاریکی سے روشنی میں لایا، جانِ عزیز عطا فرمائی۔ لاکھوں نعمتیں جسمانی اور روحانی عطا فرمائیں، بلا استحقاق گوناگون انعام سے سرفراز فرمایا، اسباب طاعت مہیا فرمائے اور مزید احسان یہ کیا کہ انبیا ؤ رسل ہدایت کے واسطے بھیجے۔ لہذا وہی قابل حمد اور لائق پرستش ہے۔ مطلب یہ کہ اُسی نے ہمکو نعمت وجود سے سرفراز فرمایا، جسمانی ترقی تدریجا عطا فرمائی اور روحانی روشنی کے ذرائع بھی مہیا کیے۔ لہذا ہمارا جسم اور ہماری روح اُسی کی مرہون منت ہوئی اسلئے اُسی کی تعریف وعبادت بہر کیف ہم پر واجب ہے۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یہ رب العالمین کی دلیل ہے یعنی خدا تعالےٰ کے مربی موجد اور درجہ کمال کو پہونچانے کا ثبوت کیا ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ وہ دنیا میں ہر چیز پر اور ہر شے پر رحم کرنے والا ہے سرکش اور جاہل انسان کی بداعمالیوں، فتنہ انگیزیوں اور افترا پردازیوں کے باوجود اس نے اپنے ظل عاطفت کو تنگ نہیں کیا۔ کسی کو اپنے فیض سے محروم نہیں کیا۔ کسی کو اُسکے شرک کفر یا گناہ کے عوض اپنی رحمت عامہ سے مایوس ومحروم نہیں کیا۔ خلعت وجود کسی کے بدن سے اُسکے جرم کے پاداش میں نہیں اُتارا۔ کسی کا رزق بند نہیں کیا اور فرماں برداری کی جزا علاوہ فلاح دنیوی کے آخرت میں بھی عقیدت کیش اور توحید پرستوں کو عطا فرمانے کا وعدہ کیا جسکو یقینًا وہ مرحمت فرمائیگا۔ اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت اُسکے رب العالمین ہونے کا ہوسکتا ہے۔ اسکے آگے ارشاد ہوتا ہے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ یہ الرحمن الرحیم کا ثبوت ہے یعنی خدا تعالےٰ نے دنیا میں جو جو نعمتیں عطا فرمائیں وہ تو ہر شخص کافر ہو یا موحد دیوانہ ہو یا فرزانہ بچہ ہو یا بوڑھا سب جانتے ہی ہیں۔ آخرت میں بھی وہ اپنے فرماں برداروں اور طاعت شعاروں کو ثواب بے حساب عطا فرمائیگا۔ کوئی وہاں اُسکی مزاحمت نہ کرسکے گا وہی نیکیوں کی جزا بلکہ گناہوں کی معافی عطا فرمائیگا اور ایمان والوں کو اپنے قرب خاص میں جگہ مرحمت کریگا کیونکہ وہی روز جزا کا مالک ہے جو چاہیگا کریگا اور جسطرح احکام نافذ فرمائیگا کوئی روک ٹوک نہ کرسکیگا وہی مختار کامل ہوگا۔ جسطرح دنیا میں صفت ایجاد وتربیت اُسکے لئے مخصوص ہے اسی طرح آخرت میں بھی وہ قادر مطلق اور مختار علی الاطلاق ہوگا اور ہر قسم کی جزا دینے پر قادر رہوگا۔

آیات مذکورہ کے معنی اور سلسلۂ ارتباط بیان مذکور کے بالکل برعکس بعض مفسرین نے لکھا ہے یعنی مابعد کو ماقبل کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ خدا ئے برتر جامع صفات کمالیہ کا نام ہی استعانت اور تبرک کے لائق ہے اور وہی تمام صفات ومحاسن کا جامع ہے اسلئے ہر قسم کی حمد خواہ قولی ہو یا فعلی یا تصوری اُسی کے لئے موزون ہے اور چونکہ وہی علیم قدیر اور واحد ویکتا اور تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے اُس کے وجود وصفات میں کوئی شریک نہیں اسلئے وہی تمام عالم کا موجد مربی اور جسمانی وروحانی ترقیاں دیکر درجۂ کمال کو پہونچانے والا ہے عالم کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے وجود اور بقاء وجود میں اُس کا محتاج ہے اور چونکہ وہی موجد ومربی ہے اسلئے دنیا ودین میں ہر بڑی چھوٹی نعمت ہر شخص کو اُسی کے رحم وکرم سے ملی ہے اور ملے گی اور چونکہ وہی نعمتوں کا دینے والا اور اپنی مخلوق پر رحم کرنے والا ہے اسلئے اُسی کو روز آخرت میں جزا وسزا کا استحقاق ہے۔ وہی روز قیامت کا بلا شریک ومعاند مالک ومختار ہے۔

نکات:۔ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں نظریہ اور عملیہ اور ان دونوں کی اصلاح کا نام ہدایت، نجات، سعادت اور فلاح ہے لیکن ان قوتوں کی خرابی کثافت اور تاریکی کا نام گمراہی شقاوت بدبختی عذاب سرمدی الم روحانی اور بربادی ہے۔ رہی یہ بات کہ ان قوتوں کی اصلاح کیونکر ہو۔ تو اول ان امور کو جان لینے کی ضرورت ہے جنکی وجہ سے یہ قوتیں تباہ وبرباد ہوکر عذاب سرمدی الم روحانی اور شقاوت میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔ ان قوتوں کی تباہی کے آٹھ اسباب ہیں:۔

(۱) خدا کے وجود کا انکار یا اُسکے صفات کمالیہ کے ثبوت کا انکار یا کائنات عالم میں سے کسی چیز کو وجود میں مستقل اور خدا سے غنی جاننا۔ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ کائنات میں سے کوئی چیز بھی از خود پیدا ہوجاتی ہے اور جب تک طبیعت کا تصرف قائم رہتا ہے اُس چیز کا وجود ہماری نظروں کے سامنے رہتا ہے لیکن جب نیچرل تصرف ختم ہوجاتا ہے اور طبیعت حفظ وجود چھوڑدیتی ہے تو وہ چیز ہماری نظروں سے غائب ہوتی ہے۔ لیکن واقع میں اُس کا وجود رہتا ہے جسطرح کہ اس زنجیر کا گول

گھیرا جسکی ہر کڑی دوسری سے وابستہ ہو اور اُس کا گول چکر ہو تو جو حلقہ ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے ہم اُسکو موجود سمجھتے ہیں اور جو نظروں سے غائب ہوجاتا ہے ہم سمجھتے ہیں وہ فنا ہوگیا حالانکہ اُس زنجیر کی کہیں سے نہ ابتدا ہے نہ انتہا ۔ نہ اُسکی کوئی کڑی مرتی ہے نہ زندہ ہوتی بلکہ نظر کے سامنے آجاتی ہے یا نظر سے غائب ہوجاتی ہے اور زنجیر کے اس دائرہ کی یہ حرکت طبعی اور خود بخود ہے نہ کوئی اس کا محرک ہے نہ فاعل نہ کوئی خدا ہے نہ خدا کی کوئی صفت۔

(۲) خدا کے وجود اور اُسکے صفات کا تو اقرار ہو اور اس بات کا بھی اقبال ہو کہ خدا خالق ہے عدم سے وجود میں لانیوالا اور نیست سے ہست کرنیوالا ہے لیکن مخلوق کو پیدا ہونے کے بعد خالق کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ اسکی زندگی کے جسقدر شروط و ذرائع تھے وہ سب موجود ہوگئے اب خدا کو اسکے بقار وجود میں کیا دخل ہے گویا مطلب یہ کہ خدا خالق وجود تو ہے لیکن بقار وجود میں کسی شی کو اُسکی ضرورت نہیں۔

(۳) خدا ضرور موجود ہے صفات کمال سے متصف بھی ہے لیکن بعض چیزیں اور بھی ازلی ابدی ہیں مستقل وجود رکھتی ہیں اُن کو الوہیت کے کچھ اختیارات حاصل ہیں مثلاً آگ پانی ۔ ہوا زمانہ روح مادہ وغیرہ۔

(۴) خدا موجود ہے واحد ہے رازق ہے خالق ہے ۔ اُس نے ہماری تربیت بھی کی ہے اور کرتا بھی ہے لیکن کبھی وہ بخیل بھی ہوجاتا ہے ظلم و حق تلفی بھی کرلیتا ہے اسلئے ہمکو اُس سے محبت نہیں ہم اُسکے فرستادوں سے دشمنی کرنے پر مجبور ہیں اور اُن کے بتائے ہوئے راستہ کی خلاف ورزی کرنیکا ہم کو حق ہے۔

(۵) خدا و انبیاء کا اقرار ہو لیکن حشر جسمانی عذاب ثواب اعمال کی جسمانی سزا جزا کا انکار ہو۔

(۶) خدا انبیاء روز قیامت اور روز قیامت کی جزا سزا اور حشر جسمانی کا اقرار ہو لیکن بعض اشخاص کی نسبت یہ عقیدہ ہو کہ یہ ہماری شفاعت کرینگے خدا سے مقابلہ کرکے ہم کو نجات دلاوینگے خدا کو عذاب نہ دینے دینگے اسلئے ہم اُن کو خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک کہتے ہیں۔

(۷) خدا کی توحید، رسالت کی حقانیت، قیامت کی واقعیت حشر نشر جنت دوزخ اور حساب کتاب کی صحت کا یقین ہے لیکن ہماری زبان اور ہاتھ پاؤں احکام خدا کی تعمیل کرنے سے قاصر ہیں ۔ نیکی کی بجائے بدی اور بھلائی کی جگہ ہم بُرائی کرتے ہیں کیونکہ ہم اپنی زبان اور اعضائے جسمانی سے مجبور ہیں ۔ خدا نے ہم کو کیوں ایسے اعضار دیے جو ہمارے قابو میں نہیں کیونکہ ہم کو ایسی قوت غضبیہ اور شہوانیہ عطا کی جسکو ہم روک نہیں سکتے۔

(۸) خدا نے ہمکو سب کچھ ٹھیک اور درست عطا کیا لیکن قصور یہ صرف ہمارا ہے زبان سے ہم جھوٹ فحش اور کفریہ کلمات بکتے ہیں ہاتھ پاؤں سے امور حرام یا مکروہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ ہیں قوت نظریہ و عملیہ کی خرابی اور الم روحانی کے اصول ثمانیہ ۔ اب ان کا علاج کس طور پر ہونا چاہئے اور اسکے اصلاح و درستگی کی کیا شکل ہے ۔ کونسا طریقہ ایسا اختیار کیا جائے جس سے ہماری یہ دونوں قوتیں صحیح اور درست ہوجائیں کیونکہ عالم میں ہر مذہب اور روشن ہوش رکھنے والا اسی کا مدعی ہے کہ ہمارا پیش کردہ نظریہ ہی اصلاح نفس کا بہترین اور واحد ذریعہ ہے پھر ہم کونسی راہ اختیار کریں ۔ تو اول الذکر عقیدہ کی تردید کی تو خدا تعالیٰ نے یہ صورت بتائی کہ تم اپنی روحانی جسمانی وہبی اور کسبی قوتوں سے اُس خدائے واحد لاشریک کی ستائش کرو جو واحد دیکھتا ہے اپنے صفات میں کمال رکھتا ہے ، تمام کا خالق موجد اور مدبر ہے حکیم ہے مؤثر حقیقی ہے ازلی ہے ابدی ہے نہ اُس کی ابتدا ہے نہ انتہا ۔ ہر چیز اُس کی محتاج ہے کوئی شی از خود نہیں بس وہ اللہ ہے اور کل مخلوق اُسکی بنائی ہوئی ہے ۔ دوسرے تیسرے اور چوتھے خیال کی تردید رب العالمین کے لفظ سے ہو رہی ہے یعنی خدا ہر چیز کا موجد ہے ہر چیز کو نیست سے ہست اور نیس سے ایس وہی لایا ہے اور فقط یہی نہیں کہ وہ موجد اسباب و شرائط ہے بلکہ پیدا ہونے کے بعد بقار وجود اُسکے بغیر نہیں ہوسکتا ۔ وہ ہر شے کو پیدا کرکے بقار وجود کے تمام ضروریات و حوائج مہیا کرتا رہتا ہے ۔ ہر موجود کو رفتہ رفتہ جسمانی و روحانی ترقی کے اعلیٰ زینہ پر پہونچاتا ہے ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ بخل یا ظلم کی وجہ سے ضروریات ترقی میں سے کوئی چیز بچا رکھے اور نہ دے ۔ جب وہ موجد ہے تو وجود کو باقی رکھنے کے جتنے اسباب ممکن ہیں سب کو مہیا کرنیوالا بھی وہی ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اُس کے علاوہ کسی چیز کا وجود مستقل ہو وہی پیدا کرنیوالا اور تربیت کرنیوالا ہے اور جب غیر اللہ میں سے کسی چیز کا وجود ہی مستقل نہیں ہے تو پھر وہ اوصاف الوہیت کی کیسے مالک بن سکتی ہے ۔ وہ نہ بخیل ہے نہ ظالم ہر شخص کو اُسکی استعداد و قابلیت کے موافق اُس نے اپنی رحمت سے فیضیاب کیا ہے ۔ اس کے بعد نمبر پنجم و ششم کے خیالات کی تردید مالک یوم الدین کے لفظ

سے ہوتی ہے یعنی خدا روز جزا کا مالک ہے جسطرح عذاب ثواب پیدا ہوگا دیگا جسمانی عذاب ثواب ناممکن نہیں یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید پھر عذاب و ثواب کے انکار کے کیا معنی۔ وہ روز جزا کا مالک و مختار ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ کوئی اُس سے زبردستی سفارش کرکے کسی کو نجات دلادے یا عذاب نہ دینے دے یا قیامت کے دن کوئی اُس کے احکام کی روک ٹوک کرے یا اُسکے فیصلہ سے سرتابی کرے۔ اب رہا ساتواں خیال تو گو اُسکی تردید ہر ایک لفظ سے ہوسکتی ہے لیکن رحمن و رحیم کے لفظ سے خصوصیت کے ساتھ اس خیال کا استیصال ہوجاتا ہے کیونکہ خدا مہربان شفیق اور رحیم ہے اُس لئے ہم کو ہاتھ پاؤں اور زبان ناجائز و حرام امور کے ارتکاب کے لئے نہیں دی ہے نہ اُس نے ہم کو شہوانی و غضبی قوتوں کو علی الاطلاق رہا کرنے کا حکم دیا ہے صرف اپنے کرم سے ہم کو جائز خواہشات کے پورا کرنے اور صحیح انتقام لینے کیلئے یہ قوتیں عطا کی ہیں تاکہ ہم ان قوتوں سے جائز طور پر بہرہ اندوز ہوا اور اپنی قوت عقلیہ کا ان کو تابع بنادو نہ یہ کہ ان کو مطلق العنان چھوڑ دو کیونکہ مطلق العنان چھوڑ دینا یا مطلق العنان چھوڑنے کا حکم دینا رحم و مہربانی کے خلاف ہے اور خدا رحمن و رحیم ہے۔ اب رہا آٹھویں کفر کا علاج تو اسکی صاف اور واضح ترکیب یہ ہے کہ خدا کو واحد لاشریک موجد عالم، مربی جہان، منعم، عادل، جواد اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف سمجھو زبان سے ان باتوں کا اقرار کرو، دلی توجہ اُسکی طرف کرو، اعضاء ظاہری سے اُسکے حکم کی تعمیل کی کوشش کرو۔ جب یہ تینوں امور تم کو حاصل ہوجائینگے تو خوف و رجاء کے مجموعہ سے تم کو محبت و عشق کا درجہ حاصل ہوجائیگا اور عشق سے آگے بڑھکر رضا پھر تسلیم پھر فنا فی الذات کا رتبہ ملیگا اور توحید ثابت کے درجہ میں پہونچکر تم کو نجات ابدی، فلاح دائمی اور سعادت سرمدی نصیب ہوجائے گی۔ (تفسیر اتقان و کبیری وغیرہ)

مقصود بیان:- توحید ذاتی و صفاتی کی تبلیغ۔ اس امر کا اظہار کہ خدا ہی سب کا پیدا کرنیوالا اور روزی دینے والا ہے اُسی سے ہر کام میں امداد کی خواستگاری کی جائے۔ حشر جسمانی حساب کتاب اور اعمال کی جزا سزا ضرور ہوگی۔ خدا کی رحمت سے تمام عالم کا وجود اور بقاء ہے۔ خدا تعالیٰ کی کوئی خاص غرض اور ذاتی نفع اس عالم کی پیدایش سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف اُسکی رحمت ہے کسی کے گناہ یا کفر کی وجہ سے خدا اپنا رزق و فیض بند نہیں کرتا ہے مومن کو اس بات کی تعلیم دینی مقصود ہے کہ ہر کام شروع کرنے سے قبل خدا کا نام بطور تبرک لیا کرے اور پھر حمد اُسکی حمد و ثنا اور اقرار احسان کیا جائے۔ اُسکے بعد عرض مدعا کرے۔ بندوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت کا برتاؤ اور مہربانی کا معاملہ کرنا چاہئے۔ ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنی لازم ہے۔ احسان کے معاوضہ سے قطع نظر کرکے صرف رحم کو اپنا نصب العین بنانا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم جو کچھ سلوک کسی کے ساتھ کرتے ہیں کسی کی مدد کرتے ہیں یا کسی کو کچھ مال دیتے ہیں درحقیقت وہ خدا کا فعل ہے ہم صرف دینے کا ذریعہ ہیں ورنہ دینے والا دراصل خدا ہے۔ اسکے علاوہ خدا کے جلال ذاتی سے خوف دلانا اور رحمت الٰہی کا امید وار کرنا بھی ان آیات سے مقصود ہے۔ اس امر کی تعلیم بھی مقصود ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا زندہ رکھنے والا اور اعمال کی جزا دینے والا ہے تو پھر کیوں غیر اللہ کی پرستش کی جائے۔ سوائے خدا کے کوئی لائق پرستش نہیں ہے۔ گویا تبلیغ ایمان اور تحذیر عن الکفر بھی اس آیت کا مقصود ہے۔ وغیرہ۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ تمام دنیا یعنی محسوس غیر محسوس علوی سفلی زمینی آسمانی بسیط مرکب حیوانات جمادات اور نباتات کو پیدا کرنے والا روزی دینے والا درجۂ کمال کو پہنچانے والا اور بالآخر اُن کے اعمال کی جزا دینے والا ہے اُسکے سوا اس مخلوق میں کوئی تاثیر حقیقی پیدا نہیں کرسکتا۔ ہماری حیات اور بقاء حیات کا فاعل حقیقی وہی ہے۔ تو جب یہ تمام امور ثابت ہیں تو پھر واقعی ہماری عبادت اور استعانت کا وہی مستحق ہے کسی دوسرے کو اسمیں قطعًا دخل نہیں ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہم تیری ذات اور صفات کا اقرار کرچکے اس سے ہمارے دل پر تیری عظمت کا نقشہ اس طرح جم گیا کہ ہم تجھکو حاضر سمجھنے لگے اور ہر وقت اپنے دل میں موجود یقین کرنے لگے۔ تو ہمارا خالق مربی اور بلاغرض پرورش کرنے والا ہے اسلئے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔ ہمارے ظاہری اعضاء باطنی قویٰ اور جان و مال سے جو پرستش ہوسکتی ہے وہ تیرے ہی لئے مخصوص ہے اُس میں کوئی شریک نہیں۔ ہم تجھی کو سجدہ اور رکوع کرتے ہیں تیرا نام تبرک کے لئے لیتے ہیں۔ تیری تقدیس تسبیح اور تمجید کرتے ہیں۔ مصائب و حاجات میں تجھی کو پکارتے ہیں تجھی سے دعا مانگتے ہیں تیرے احکام و فرائض کی تعمیل کرتے۔ تیرے ہی لئے مالی قربانیاں کرتے، زکوٰۃ خیرات اور صدقات دیتے ہیں۔ تیری آیات و عجائبات میں

دل سے عذر و خوض کرتے ہیں اور اُن کا رخ سب کو تیری ہی طرف متوجہ کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ ہر طرح کی عبادت کو تیرے لئے ہی مخصوص کرتے ہیں لیکن اس تمام عبادت و عرفان کا سرچشمہ تیری ہی امداد ہے۔ ہم بذات خود کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر کسی کام کا ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے تو تو ہی اسکا پیدا کرنیوالا ہے پھر اُس کام کے سرانجام دہی کے لئے ضروری اور غیر ضروری آلات و اسباب و ساز و سامان مہیا کر دینا بھی تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور فقط اتنا ہی نہیں کہ تو اُس کام کی تکمیل کے لئے سامان فراہم کر دیتا ہے بلکہ جو رکاوٹیں اور موانع درمیان میں حائل ہوتے ہیں اُن کو بھی تو ہی دُور کرتا ہے اور پھر باوجود اسباب کی موجودگی اور موانع کے نہ ہونے کے یا موانع کی موجودگی اور اسباب کے نہ ہونے کے تو ہی اُس کام کو پورا کرنے والا ہے سو اس کام کے ہونے نہ ہونے کا تجھی کو اختیار ہے۔ اسباب و موانع پر اُس کام کے ہونے نہ ہونے کا دار و مدار نہیں۔ کبھی اسباب ہوتے ہیں اور کوئی رُکاوٹ بھی نہیں ہوتی پھر بھی کام نہیں ہوتا اور کبھی اسباب نہیں ہوتے اور رُکاوٹیں ہوتی ہیں پھر بھی کام ہو جاتا ہے۔ یہ سب تیری ہی قدرت کا کرشمہ ہے اسلئے ہم ہر کام میں تجھی سے مدد کے خواستگار ہیں اور رہینگے اور وقتاً فوقتاً تجھی سے اعانت کے جویاں ہیں اور رہینگے۔ تو ہم کو عبادت کی توفیق عطا فرما۔ کیونکہ یہ عبادت بھی تیری امداد کے بغیر ہم سے نہیں ہو سکتی اور نہ ہم میں ایسی قوت ہے کہ تیری مدد کے بغیر تیری عبادت کر سکیں۔

نکات :- اس آیت میں چند نکتے ہیں اول تو یہ کہ عبادت صرف ذریعہ ہے اور عابد کا مقصود اصلی صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ عبادت کے ثواب و جزا کا خیال بیچ میں رُکاوٹ ہے۔ پھر یہ کہ ہر شخص کی عبادت حضور قلب سے ہونا دشوار ہے اسلئے اچھوں کے ساتھ بُروں کو بھی شامل ہو کر عبادت کرنی لازم ہے۔ اسکے علاوہ جبتک آدمی عجز و انکسار کا مجسمہ نہ بنے اُسوقت تک روحانی ارتباط و نیاز نہیں پیدا ہوتا اور بغیر نیاز کے عبادت ہیچ ہے۔ اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ خدا حاضر ناظر ہے۔ ہر چیز سے اُسکا وجود مقدم ہے۔ تربیت و رحم کی وجہ سے اُسی کو استحقاق معبودیت و اعانت ہے وغیرہ

مقصود بیان :- سوا خدا کے اور کسی کی پرستش حرام ہے شرک کے ہر دو اقسام یعنی عبادت اور استعانت سے آدمی کو پرہیز کرنا لازم ہے۔ تمام اسباب و موانع کی باگ ڈور خدا ہی کے دست قدرت میں ہے۔ عبادت میں حضور قلب شرط ہے۔ عبادت کے لئے جماعت ضروری ہے تاکہ اچھوں کی عبادت کے ساتھ بُروں کی عبادت بھی شامل ہو کر درجۂ قبولیت کو پہونچ جائے۔ عبادت مالی ہو یا بدنی یا قلبی سب کا مرکز اور مرجع خدا تعالیٰ ہے۔ عبادت کی توفیق دینے والا بھی خدا ہے۔ غرور کی عبادت مقبول نہیں نہ عالم غرور سے عالم سرور کی جانب اور اشتغال خلق سے بارگاہ قدس کی طرف جانے کا نام عبادت ہے۔ خدا جسکو چاہتا ہے جس بات کی توفیق دیتا ہے۔ ہر دعا سے پہلے کچھ عبادت کرنی لازم ہے تاکہ دعا کے تقرب و مقبولیت کا ذریعہ ہو جائے وغیرہ۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

ہم کو سیدھے راستہ پر چلا

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ

اُن لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے بخشش کی ہے نہ اُن لوگوں

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

کی راہ پر کہ جن پر تو خفا ہوا ہے اور نہ اُن کی راہ پر کہ جو گمراہ ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں اظہار عبادت، اقرار عبودیت اور اعانت کی خواستگاری کی گئی تھی یعنی یہ کہا گیا تھا کہ الٰہی ہم تیری پرستش کرتے ہیں اور تجھی سے مدد کی خواستگاری کرتے ہیں اب اصل مدعا کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ ہم کو سیدھا راستہ بتا کہ منزل مقصود تک پہنچا دے۔ آیت کا خلاصۂ مطلب جان لینے سے قبل اس بات کو جان لینا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) خدا تعالیٰ ہمارے دل میں نیک بات کا ارادہ پیدا کرتا ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ نے ہم کو ظاہری اور باطنی حواس، روشن عقل، اور درک و دانش کی قوت عطا فرمائی ہے تاکہ ہم سیدھے راستہ پر چلیں۔

(۳) انبیاء، رسل، علماء، اولیاء اور دیگر رہبرانِ دین کو ہماری ہدایت کیلئے بھیجا تاکہ ہم اُنکے اقوال پر عمل کریں اور اُن کے افعال کی تقلید کریں اور قدم بقدم چلیں۔

(۴) کتابیں، صحیفے اور صحیح قوانین ہمارے لئے بھیجے تاکہ ہم کو کسی چیز کی صحت و غلطی اور حق و باطل کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔

(۵) ہمارے روحانی جذبات کو شیطانی اور نفسانی ڈاکوؤں کی دست برد سے محفوظ رکھا اور اُن تمام خطرات سے آگاہ فرمایا جو شیاطین جن و انس وغیرہ سے ہم کو در پیش ہونے والے تھے۔

اب یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ صراطِ مستقیم کے کیا معنی ہیں اور سیدھے راستہ کی ہدایت کرنے کے کیا معنی۔ صراط مستقیم

سے مراد ہر وہ قول و فعل ہے جو زیادتی کمی اور افراط و تفریط کی طرف مائل نہ ہو۔ ٹھیک وسط میں ہو۔ قوت شہوانیہ کی ضروریات میں بھی اعتدال ہو نہ بالکل شہوانیات کو مُردہ کر دیا جائے کہ کسی چیز کی خواہش ہی نہ ہو نہ اتنا مطلق العنان چھوڑ دیا جائے کہ جا بیجا، حق و ناحق، جائز و ناجائز، سب طریقوں سے اپنی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کے پیچھے آدمی پڑ جائے۔ اسی طرح قوت غضبیہ کے مقتضیات کے پورا کرنے میں بھی آدمی اعتدال کو ملحوظ رکھے نہ تو حیوان نما انسان بن جائے اور نہ اس قدر جاہل لٹھ ہو جائے کہ معمولی سی بات پر خاندانوں کے خاندانوں کو فنا کر ڈالے نہ جذبات انتقام اُسکے اس قدر سرد پڑ جائیں کہ عزت و حمیت کے موقعہ پر بھی اُسکو جوش شجاعت نہ آئے اور ڈرکر بے عزتی کو گوارا کرلے۔ اسی طرح قوت عقلیہ میں بھی اعتدال کا لحاظ رکھے۔ جب تینوں قوتوں میں اعتدال پیدا ہو جائے گا تو سیدھا راستہ ملجائیگا اور یہی راہ اسلام ہے۔ اب اس راہ اسلام کے مختلف مراتب ہیں اور انہی مراتب کے اختلاف کی وجہ سے آیت کے معنی میں اختلاف ہو سکتا ہے جنکی تفصیل ہم ذیل میں لکھتے ہیں:

(۱) عام لوگوں کی ہدایت کے تو یہ معنی ہیں کہ خلوص، یقین اور درستی ایمان کے ساتھ شریعت کے فرائض و نوافل کی پابندی کی جائے۔ کوئی فرض، واجب، سنت، مستحب ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ ریا و عجب سے یہ عبادت خالی ہو۔ اخلاق، عادات رفتار، گفتار، اطوار میں شریعت کی موافقت اختیار کی جائے۔ قوانین اسلام کی راہ راست سے سرمو کجروی نہ ہونے پائے۔ حقوق نفس، حقوق والدین و اقربا، واجب ادا کر دیئے جائیں وغیرہ۔ اس وقت یہ معنی ہونگے کہ الٰہی تو ہمکو شریعت اسلامیہ کا پابند بنا۔ فرائض اسلامی ہم سے ادا کرا۔ خالص ایمان اور نور یقین ہم کو عطا کر تاکہ ہم تیرے رسول کی پیروی کریں اور طبقہ عوام سے نکلکر ہم تیرے دوستوں کے طبقہ میں داخل ہو جائیں۔

(۲) صالحین کی ہدایت۔ اس وقت ہدایت کے یہ معنی ہونگے کہ الٰہی تو ہم کو نور معرفت اور ایقان کی روشنی عطا کر۔ قوانین اسلام کا پابند رکھ۔ اپنی رضامندی کا راستہ بتا اور وہ راہ باریک جس میں عقل و حواس کام نہیں کرتے اور ہزاروں شیاطین و رہزن انھیں موجود ہیں اُن سے بچاکر ہم کو اپنی راہ پر چلا تاکہ ہم خطرات و وسوسوں سے بچکر اصلاح قلب کر سکیں اور تیرے نور معرفت سے اپنے دل کو روشن کر لیں اور تیرے اولیاء کے زمرہ میں داخل ہو جائیں

(۳) اولیاء کی ہدایت۔ اس کے چار درجات ہیں اور ہر درجہ دوسرے کے اوپر ہے۔ پہلا درجہ معمولی اولیاء امت کا ہے۔ دوسرا درجہ شہداء کا ہے۔ تیسرا درجہ صدیقین کا ہے۔ چوتھا درجہ انبیاء کا ہے اور ان سب سے اخیر میں فناء ذاتی ہے۔ عام مسلمان جب صالحین کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں تو وہاں سے ترقی کر کے معمولی اولیاء کے درجہ میں آتے ہیں اور معمولی ولایت کے مرتبہ سے اور آگے بڑھ کر شہادت کا درجہ ہے جس میں انسان اپنا تن من دھن، رضا و ارادہ یہانتک کہ اپنی زندگی راہ خدا میں قربان کر دیتا ہے۔ اس سے آگے صدیقوں کا رتبہ ہے اور صدیقوں سے آگے انبیاء کا اور انبیاء کے مرتبہ سے آگے کچھ نہیں صرف فناء ذاتی اور حمد محض کا درجہ مل جاتا ہے جس کے مالک ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے اسی لئے حضور نے فرمایا ہے لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي یعنی حمد کا جھنڈا اُس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ الٰہی تو اپنے طاعات و قوانین کا پابند بنا اور اُن پر پابند رکھ، نور معرفت عطا کر، نفسانی خطرات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھ ہمارے دل کو اپنے نور سے منور کر دے، ہماری رضا و ارادہ کو اپنی راہ میں قربان کرنے کی توفیق عطا فرما اور بالآخر ہم کو صداقت کے مرتبہ میں پہنچا دے۔ اسی کی تفصیل طرف صراط الذین انعمت علیہم میں اشارہ کیا گیا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی ہم کو اُن لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ الٰہی جسطرح تو نے اپنے اُن بندوں کو راہ راست پر ڈالکر منزل مقصود کو پہونچایا جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے اسی طرح ہم کو راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرما تاکہ راہ راست دیکھنے کے باوجود ہم گمراہ نہ ہو جائیں بلکہ سیر جلکر مقصود اصلی تک پہونچ جائیں اور نجات ہم کو حاصل ہو جائے کیونکہ منزل مقصود تک پہونچانا بھی تیرے ہی دست قدرت میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے جن لوگوں پر انعام فرمایا اُن کا ذکر آیت ذیل میں ہے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہی ایسے لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ جس شخص کو ان بزرگ ہستیوں کی رفاقت نصیب ہو اُس سے زیادہ خوش قسمت اور کون ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ادنیٰ درجہ والوں یعنی صالحین کیلئے وہ نعمتیں مہیا فرمائی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی کے دماغ میں اُن کا تصور و خیال آیا (کما فی المشکوٰۃ) جب صالحین کے یہ مراتب ہیں تو اعلیٰ درجات کا کیا قیاس و اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ بندہ ابتدا

میں رہنمائی پاتا ہے حق و باطل کے طریقے اُسکے سامنے واضح ہوجاتے ہیں اور وہ بظاہر مسلمان ہوجاتا ہے پھر اس رہنمائی کے بموجب مقصود تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پہونچانے والا چونکہ صرف باری تعالےٰ ہے اس لئے اُسی سے درخواست کرتا ہے کہ تو ارحم الراحمین اور ہادی ہے اپنے فضل سے مجھے ایسا راستہ بتا دے بلکہ ایسے راستہ کے ذریعہ منزل مقصود تک پہنچا دے جس سے تیرے نعمت برداراور منت کش بندے مقصود تک پہونچے ہیں۔

ابن کثیر نے بروایت علیؓ بیان کیاہے کہ صراط مستقیم سے مراد کتاب الٰہی ہے (ابن جریر۔ احمد۔ ترمذی) ابن مسعودؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صراط مستقیم سے دین اسلام مراد ہے۔ یہی قول حضرت جابر، محمد بن حنفیہ اور عبدالرحمن بن زید وغیرہ سے مروی ہے۔

سنن کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن کے احکام پر پابندی کی نصیحت فرمائی تو ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور کو اسکا خوف نہ کرنا چاہیئے ہم خود تو پڑھتے ہی ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھائینگے اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائیگی۔ حضورؐ نے بطور تعجب کے فرمایا کہ میں تو تجھے فقہاء مدینہ میں سے جانتا تھا اور تو نے ایسی بات کہی۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ ان یہود و نصاریٰ کی بغل میں بھی کتاب ہے لیکن انکو اس سے کیا فائدہ ہے

علامہ سیوطی نے اتقان میں بیان کیا ہے کہ نواس بن سمعانؓ نے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے صراطِ مستقیم مثالاً فرمایا ہے۔ یعنی خدا نے ایک صراطِ مستقیم بنائی اور صراط کے دونوں جانب دیواریں ہیں جن میں بغیر کواڑ کے دروازے ہیں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں صراط کے اس کنارہ پر ایک شخص بیٹھا ہے اور اوپر کی جانب بھی ایک شخص ہے۔ اس سرے پر بیٹھا ہوا آدمی کہتا ہے لوگو! سب کے سب اس راہ میں آجاؤ اور کجراہی مت اختیار کرو۔ اور جب کوئی راہگیر اُن دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنا چاہتا ہے تو دوسرے سرے والا شخص پکار کر کہتا ہے ارے بیوقوف یہ دروازہ مت کھول کیونکہ اگر اسکو کھولیگا تو اندر جا پڑیگا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمثیل کا مطلب بیان فرمایا کہ صراطِ مستقیم اسلام ہے اور دونوں دیواریں حدودِ الٰہی ہیں اور دروازے محرمات شرعیہ ہیں اور ورے کنارہ پر بیٹھا ہوا شخص کتاب الٰہی ہے اور بالائی سرے پر پکارنے والا ہر مسلمان کے دل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ ہوتا ہے (ابن ابی حاتم) (ترمذی۔ نسائی وغیرہ)

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ صراط مستقیم سے مراد وہ راستہ ہے جس پر رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ تھے۔ اور یہی قول صحیح بھی ہے کیونکہ جس نے شیخین کی اقتدا کی وہ حق کا تابع ہوا اور جو حق کا تابع ہوا وہ اسلام کا تابع ہوا اور جو اسلام کا تابع ہوا وہ قرآن پاک کا تابع ہوا۔ لہٰذا مذکورہ بالا تمام اقوال ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ (اتقان)

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ یہ الذین انعمت علیہم کی توضیح ہے یعنی ہم کو اُن لوگوں کی راہ پر نہ چلا جو صراط مستقیم سے ہٹ کر افراط کی جانب مائل ہوگئے ہیں اور اس وجہ سے اُن پر تیرا غضب نازل ہوگیا اور نہ اُن لوگوں کی راہ پر چلا جو تفریط کی جانب متوجہ ہوگئے ہیں اور اس وجہ سے وہ گمراہ ہوگئے۔ اُن کے دلوں پر گناہ کا زنگ چڑھ گیا لیکن اُن کو پھر بھی قلب کے زنگ آلود ہونے کا احساس نہ ہوا اور ویسے ہی گمراہ رہے اُسوقت اُن کے دلوں پر جہالت و گناہ کے پردے پڑگئے اور دل میں تاریکی پیدا ہوگئی مگر باایں ہمہ اب بھی اُن کو شعور نہ آیا اور دل کی تاریکی اُن کو نظر نہ آئی گناہوں سے وہ دست کش نہ ہوئے۔ اعمال و عقائد کی غلطی نے اُنکے دلوں پر تسلط حاصل کرلیا، کفر کی تخم ریزی اُن کے اقوال افعال اور اعتقادیات میں ہوگئی تو اب اُن کے دلوں پر کفر کی مہر لگ گئی اور دل میں ہدایت کی طرف سے بندش پیدا ہوگئی لیکن اُنہوں نے اسکے باوجود اس کفر کی مہر کو توڑنے کی کوشش نہ کی تو اب شرک و گمراہی کے قفل اُن کے حواس و مشاعر کے دروازوں پر لگ گئے اور وہ قطعاً گمراہ ہوگئے اُن کے ہدایت یافتہ ہونیکی بالکل امید نہیں رہی الٰہی ہمکو ان گمراہوں کی راہ پر نہ چلا۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ الٰہی ہم تجھسے صالحین کی راہ چاہتے ہیں جسطرح تو نے انکو مقصد پر پہونچا دیا اسی طرح ہم کو بھی پہونچا دے مغضوب علیہم سے یہودی اور وہ لوگ جو یہودیوں کی طرح عقائد رکھتے ہیں مراد ہیں۔ یہودیوں کا عقیدہ خراب ہوگیا اُنہوں نے والنستہ حق سے سرتابی کی اسلئے اُن پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ ضالین سے عیسائی اور اُن کے مشابہ لوگ مراد ہیں۔ عیسائیوں نے حق کو پہچانا ہی نہیں اور گمراہی میں بھٹکتے پھرے۔ ترمذی اور امام احمد نے ایک صحیح روایت اسی قول کی تائید میں بیان کی ہے جسکے اخیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا کہ یہود مغضوب علیہم ہیں اور نصاریٰ ضالین ہیں۔ یہی بات حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور حضرت ابوذرؓ و حضرت ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ و دیگر صحابہ و تابعین سے بھی ثابت ہے اور یہی

حق قبول ہے۔

نکات:- (۱) آدمی کی سعادت کامل اور نجات صحیح یہ ہے کہ اُسکے عقائد بھی صحیح ہوں اور اعمال و اقوال بھی درست - نہ عقائد میں کمی یا مبالغہ ہو نہ اقوال و افعال میں کوتاہی جن کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوگئیں اُن کو کامل سعادت اور پوری نعمت حاصل ہوگئی لیکن اگر کسی کا عقیدہ خراب ہو خدا تعالیٰ کی ذات صفات احوال قیامت وغیرہ کے متعلق غلط عقیدہ اور غلط خیال رکھتا ہو اور اپنے اختراعی توہمات کو ہی عرفان تصور کرکے مست ہو رہا ہو اُس پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور جس کے افعال و اقوال خراب ہوں فضائل حمیدہ اور فرائض دینیہ کے ادا کرنے سے بے بہرہ اور افعال قبیحہ کا مرتکب ہو وہ گمراہ ہے اور منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا - ایسے لوگ بھی سعادت کامل حاصل نہیں کرسکتے - لہذا مومن کو چاہئے کہ عقیدہ بھی صحیح رکھے اور فرائض الٰہی کا بھی پابند ہو تاکہ مکمل نجات اور پوری سعادت کا مستحق ہوجائے۔

(۲) مومن ظاہر و باطن خدا کا فرماں بردار ہوتا ہے اُس پر خدا تعالیٰ کا پورا انعام ہوتا ہے اور کافر و منافق پر خدا کا غضب ہوتا ہے اور ازلی گمراہی حاصل ہوتی ہے یعنی منافقوں پر خدا کا غضب ہوتا ہے اور کافر گمراہ ہیں۔

مقصود بیان:- ہر چیز یہانتک کہ ہدایت کی بھی دعا خدا ہی سے کرنی چاہئے - والضالین اہل انعام کا جوار ڈھونڈنا چاہئے - انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کو جو بزرگیاں اور مراتب عطا ہوئے ہیں وہ محض انعام الٰہی تھا - مقصود تک پہنچانے والا خدا تعالیٰ ہی ہے کسی کو اپنے علم پر نازاں نہ ہونا چاہئے کیونکہ خالی علم حاصل کرلینے سے ہی اصل مقصد حاصل نہیں ہوجاتا بلکہ جب علم کے موافق خدا تعالیٰ ہدایت بھی کرے تو آدمی مراد کو پہنچتا ہے - دیکھو یہود و نصاریٰ کو توریت و انجیل عطا ہوئی جو ہدایت کے لئے کافی تھی مگر وہ لوگ منزل مقصود تک نہ پہونچ سکے - خدا تعالیٰ کے غضب اور ضلال سے پناہ مانگنی چاہئے اور جسطرح ظاہر میں پناہ مانگتا ہے اُسی طرح باطن میں بھی پناہ مانگنی چاہئے - غیر مذہب والوں کا طریقہ اور وضع اور مشابہت قطعًا ناجائز ہے - کیونکہ مشابہت باطنی ہو یا ظاہری دونوں گمراہی کی شاخیں ہیں - صراط مستقیم اور سیدھا راستہ وہی ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے کسی طرف کو جھکنا نہ چاہئے ورنہ راہ راست چھوٹ جائیگی - اعتدال اور توسط بہترین چیز ہے - گویا خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے - وغیرہ -

پوری سورت کا خلاصہ بیان

انسان کو چاہئے کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات مقدس کا پرتو اپنی روح کی آنکھوں سے دیکھنا چاہے تو خدائے قدوس کی حمد و ثنا اور اُسکے صفات و کمالات کا ذکر کرے تاکہ اُس ذات گرامی کے ساتھ گونہ لگاؤ اور مناسبت پیدا ہوجائے - جب مناسبت پیدا ہوجائے اور سیر الی اللہ کرنے کا شوق پیدا ہو تو عبادت کا توشہ اور استعانت کی سواری بھی ساتھ لیلے اور سیدھے راستہ کی بھی تلاش کرے اور جب سیدھا راستہ ملجائے تو رفقائے سفر بھی ایسے ساتھ ہونے چاہئیں کہ جنکی وجہ سے راستہ کی دشواریاں اور تکلیفیں دور ہوجائیں اور اسکے ساتھ ساتھ اس کا بھی لحاظ رہے کہ راستہ میں جھاڑ جھنکاڑ اور گھنا جنگل نہ ہو تاکہ اُن میں کہیں اُلجھکر نہ رہ جائے جس سے اصلی راستہ گم ہوجائے اور غضب الٰہی میں مبتلا ہو جتنے خطرات اور وسوسے دل میں پیدا ہوں اُن کو دور کردے - قوت شہوانیہ اور غضبیہ کے افراط و تفریط کے جھاڑ جھنکاڑ راستہ سے صاف کردے اسکا حاصل اور نتیجہ یہ ہوگا کہ معرفت الٰہی کا پرتو قلب پر پڑجائیگا جس سے قلب روشن ہوجائیگا۔

ہدایت خاص:- سورۂ حمد تمام قرآن کا نچوڑ ہے - اسمیں عقائد و اعمال کی اصلاح بھی ہے - خدا تعالیٰ کی ذات، صفات جلالیہ اور جمالیہ کا بیان بھی ہے - تہذیب نفس، ادب اور اخلاق کی تعلیم بھی ہے پورا علم شریعت، طریقت اور حقیقت اسمیں موجود ہے - انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کی تعریف بھی ہے - منافقین اور کافرین کی برائی بھی ہے - سیر من اللہ اور سیر الی اللہ کی طرف دلچسپ لطیف اشارات بھی ہیں - فرمانبرداری اور اطاعت کی طرف ترغیب اور نافرمانی و سرتابی سے تہدید و منع بھی ہے - خلاصہ یہ جو کچھ پورے قرآن میں ہے وہ اس ایک سورۃ میں ہے فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن میں ان امور کا مفصل بیان ہے اور اس سورت میں اجمالی اشارات ہیں - قرآن سے امور مذکورہ کا استنباط اکثر سمجھدار لوگ کرسکتے ہیں اور اس سورت سے مضامین بالا کا اقتباس صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کے حواس روشن، مشاعر منور، دل صاف، روح مستعد ہو اور دماغ میں ملکۂ دانش اور پھر خدا کی توفیق بھی شامل حال ہو۔

سورۂ بقرہ

اس سورت کا نام سورۂ بقرہ اس لئے ہے کہ اس میں بنی اسرائیل

کے زمانہ کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جسمیں خدا تعالیٰ نے اُن کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اور اُس کا مفصل قصہ اسی سورت میں مذکور ہے۔ اس سورت کا نام فسطاط القرآن اور سنام القرآن بھی ہے

اس سورت میں ۴۰ رکوع ۲۸۷ یا ۲۸۶ آیات ۶۲۱۲ الفاظ اور ۲۵۰۰۰ حروف ہیں

یہ سورت مدنی ہے اور قرآن کی سورتوں میں سب سے بڑی ہے مدینہ میں سب سے اخیر میں یہی نازل ہوئی ہے لیکن اس کی بعض آیات مدنی نہیں ہیں۔ مثلاً وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ الخ اور فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ الخ اور لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ الخ

شانِ نزول

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا دَور دورہ تھا اور تمام عرب ان کو مسلم رہبر اور قائد مانا کرتے تھے۔ اسلام جب مدینہ میں پہونچا اور اسکی روشنی نے سعید روحوں کو منوّر کرنا شروع کیا تو اہل کتاب کو یہ امر نہایت شاق گذرا کیونکہ اس سے اُن کی وجاہت اور وقعت اور مالی منافع میں کمی واقع ہوئی۔ اسلئے سب اہل کتاب مع اپنے متبعین کے اسلام کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوگئے اور نورِ اسلام کو اپنے مُنہ کی بھاپ سے گُل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ان سب کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا یہ رأس المنافقین تھا بظاہر مسلمان ہوگیا تھا لیکن باطن میں کافر تھا۔ اسی وجہ سے اسکو مسلم آزاری کا زیادہ موقع سہولت کے ساتھ ملجاتا تھا۔ اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے ان کج بحثوں کے ضرر کو دفع کرنے اور شکوک و شبہات کی اصلاح کے لئے یہ سورت نازل کرنی شروع کی۔ تمام دشمنانِ اسلام کے گروہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں دو حصے تھے۔ ایک تو وہ تھے جو کھلم کھلا مسلمانوں کے مخالف تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے انکار کرتے تھے۔ توحید و رسالت کے ماننے والے نہ تھے۔ یہ فرقہ تو کافروں کا تھا دوسرا گروہ منافقوں کا تھا جو بظاہر مدعیان اسلام تھے اور باطن میں خبیث ترین کافر تھے۔ مذکورہ صدر گروہ تو مسلمانوں کے دلوں پر اس قدر شکوک و شبہات نہ ڈال سکتا تھا کیونکہ مسلمان جانتے تھے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں ان کا کوئی قول قابلِ تسلیم و اتباع نہیں لیکن مؤخر الذکر گروہ کافر و مسلمانوں کے لئے بہت نقصان دہ تھا۔ ان کا پیشوا یعنی مالک بن صیف یہودی مسلمانوں کے دلوں میں بہت زیادہ شک ڈالا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کتاب وہ نہیں ہے جسکی خبر گذشتہ آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس شک کو پہلے رفع کیا اور پھر چار آیات مسلمانوں کی مدح میں اور دو آیات کافروں کی مذمت میں اور تیرہ آیات منافقوں کے احوال کے بیان میں نازل فرمائیں۔

ربط: - سورۂ بقر میں اُن تمام مضامین کی تشریح ہے جو سورۂ فاتحہ میں بیان کئے گئے تھے۔ سورۂ حمد میں جو مضامین اجمالی طور پر بیان کئے گئے تھے اس سورت میں اُن کی تفصیل ہے۔ چنانچہ الحمد للہ رب العالمین کی شرح شروع کے تین رکوع میں کردی گئی۔ رب العالمین کے مضامین اجمالی تھے اُن کی تفصیل میں آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا، پھل پھول، میوہ اناج اور تمام اُن چیزوں کی پیدایش کا ذکر کیا گیا ہے جس سے تمام عالم کی تربیت معلوم ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کو بزرگی عطا کرنا، اُن کو ہر طرح کی نعمتیں مرحمت کرنا، اولادِ اسمٰعیلؑ میں نبی کو پیدا کرنا، کعبہ کو حرمت و عزت بخشنا، مکہ کے باشندگان کے لئے رزق رسانی کا وعدہ وغیرہ وغیرہ یہ سب تربیت عالم کے انواع مظاہر ہیں۔ پھر من و سلویٰ بنی اسرائیل کو عطا کرنا، ابر کا سایہ کرنا، سلطنت زائلہ کا واپس ملنا، فرعون سے نجات حاصل ہونا وغیرہ الرحمٰن الرحیم کی شرح ہے۔ پھر گائے کو ذبح کرکے اُسکے گوشت سے مقتول کی لاش کو مارنا اور اُس کا زندہ ہوجانا اور اپنے قاتل کا نام بتانا اور بنی اسرائیل کی سرتابیوں پر طرح طرح کی سزا دینا اور کفار و منافقین کا جہنم میں جانا یہ سب مالک یوم الدین کی توضیح ہے۔ پھر فرائض دینی کے ادا کرنے کا حکم، تسبیح، تکبیر اور تہلیل وغیرہ کے مسائل، شرک و بُت پرستی کی ممانعت، محبّتِ الٰہی کی تعلیم وغیرہ یہ سب ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تفسیر ہے۔ پھر قرآن کا متقیوں کے لئے ہدایت ہونا، اخلاق و فضائل کی وضاحت، احکام طلاق و نکاح وغیرہ اور صلۂ رحمی، والدین کی اطاعت اور اقارب و اجانب کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم سب اھدنا الصراط المستقیم کی تفصیل ہے۔ پھر حضرت ابراہیم و یعقوب و دیگر انبیاء (علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے اقوال و احوال اور اُن پر انعام الٰہی ہونا وغیرہ سب صراط الذین انعمت علیہم کی تشریح ہے اور فرعون کا غرق ہونا، نمرود کا حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں تباہ ہونا اور یہود پر مصائب نازل ہونا سب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی توضیح ہے۔ خلاصہ یہ کہ جن مضامین کو

سورۂ حمد میں اجمالاً بیان کیا گیا تھا اُن کی تفصیل اس سورت میں کردیگئی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے ہے جو نہایت بخشش والا بڑا مہربان ہے

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ شبہ نہیں

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

پرہیزگاروں کے لئے رہنما ہے

تفسیر الٓمّٓ - یعنی الف - لام - میم - کیونکہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کتاب الٰہی سے ایک حرف پڑھا اُسکے واسطے ایک نیکی ہے اور اُس نیکی کا ثواب دس گونا ہے لیکن میری مراد یہ نہیں ہے کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (ترمذی وغیرہ) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ متشابہات میں بعض امور کیطرف اشارہ ہوتا ہے - چنانچہ الم میں الف سے آلاءِ الٰہی - لام سے لطفِ الٰہی اور میم سے ملکِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے بعض لوگوں نے کہا کہ الف سے اللہ - لام سے جبرئیلؑ اور میم سے محمدؐ کی طرف اشارہ ہے - یعنی یہ قرآن اللہ کی طرف سے جبرئیلؑ کے واسطہ سے محمدؐ پر نازل ہوا -

ابن کثیر نے کہا کہ کل حروف مقطعات جو قرآن میں وارد ہیں اور اُنتیس سورتوں میں آئے ہیں بحذف مکرر اُن کی تعداد صرف ۱۴ ار بجاتی ہے جس کا مجموعہ نص حکیم قاطع له سر ا ہوتا ہے یعنی یہ کتاب حکیم حقیقی کی طرف سے متضمن اسرار ہے - بعض اکابر نے بیان کیا کہ الف سے انا لام سے اللہ اور میم سے اعلم کی طرف اشارہ ہے یعنی اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ یعنی میں معبود برحق ہوں اور سب سے زیادہ جاننے والا ہوں -

لیکن حق یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل کوئی نہیں جانتا یہ خدا اور اُس کے رسول کے درمیان رموز ہیں جن پر ہمارا ایمان لانا فرض اور ضروری ہے اور یہی ہمارا فرض ہے کہ اُن سے جو کچھ بھی مراد ہو اُسکو حق جانیں - اور متشابہات صرف حروف مقطعات نہیں بلکہ عذاب قبر کی کیفیت، شہیدوں کی حیات، جنت دوزخ کے احوال وغیرہ سب متشابہات میں ہیں اور ان پر ہمارا ایمان لازم ہے کیونکہ ہماری عقل اور بینائی اُن امور میں نابینا اور عنین کی طرح ہے - نابینا خود کو نہیں دیکھ سکتا اُسکو نہیں معلوم کہ روشنی کیسی ہوتی ہے - بیان کرنے سے نور کی کیفیت اسکی سمجھ میں نہیں آسکتی - اسی طرح عنین کو کیفیت جماع ثمرۂ بیان سے حاصل نہیں ہوسکتا یہ چیزیں وجدانی ہیں جن لوگوں کو خدا تعالیٰ مشاہدہ کرنے اور محسوس کرنے کی قوت عطا کریگا وہی جان لینگے اُن کے لئے بیان بیکار ہے - حدیثوں میں بھی اسمیں غور کرنے کی ممانعت آئی ہے حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال سے مختلف زجر آمیز روایات کا ثبوت اُن لوگوں کے حق میں ملتا ہے جو متشابہات میں گفتگو کرتے ہیں - ہاں تفسیر کی علماء راسخین کو اجازت ہے - بہرحال ہم حروف مقطعات کے اس تفسیر میں کوئی معنی بیان نہیں کرینگے -

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ - یعنی یہ وہی کتاب ہے جس کا گذشتہ کتابوں میں وعدہ کیا گیا تھا اسکے حق اور سچا ہونے میں کسی عقلمند کو شبہ نہیں ہوسکتا بشرطیکہ خواہشات نفسانی اور لذائذ شیطانی کا خیال ترک کرکے خالص دل سے طالب حق بن کر اسپر غور کرے - جو شخص ایسا کریگا اور صفائی دل، تہذیب نفس اور جذبات صادقہ کے ساتھ حقانیت کی روشنی میں اسکو سوچیگا تو ضرور سمجھ لیگا کہ اس کتاب کے حق اور الہامی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اُسکو یقین ہوجائیگا کہ پہلی تمام الہامی کتابیں منسوخ ہوچکیں اور یہ اُنکے لئے ناسخ ہے - اسکے مطالب و مضامین اسقدر صاف اور سلجھے ہوئے ہیں کہ عقل انسانی اُن کو یقینی طور پر تسلیم کرتی ہے اور جس کتاب کے مضامین یقینی اور قطعی ہوں کسی قسم کے ریب اور شک کو اُن میں دخل نہو وہ بلاشبہ منجانب اللہ ہوگی اسکی کیا وجہ ہے اسلئے کہ

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ کتاب پرہیزگار لوگوں کو راہ راست بتاتی ہے - اسکے مضامین اور قواعد گمراہوں کو سیدھا راستہ بتانیوالے اور بھٹکے ہوؤں کو راہ پر لانے والے ہیں - محاسن اور اخلاق کی یہ کتاب تعلیم دیتی اور افعال ذمیمہ سے روکتی ہے پھر عقلمند آدمی کو غور کرنے کے بعد اسکے الہامی ہونے میں کیا شک رہ جائیگا اور جن کی قسمت میں خدا تعالیٰ نے متقی بننا لکھدیا ہے وہ کس طرح اسکی حقانیت ہدایت اور مخزن کمال ہونے میں شبہ کرسکتے ہیں - تقوی کے کیا معنی ہیں اور متقی کس کو کہتے ہیں اسکی توضیح کیلئے مختلف احادیث آئی ہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ متقین سے یہی مومن مراد ہیں جو شرک سے بچتے اور طاعت الٰہی پر عمل کرتے ہیں -

حسن بصریؓ فرماتے ہیں کہ متقی وہ لوگ ہیں جو حرام سے بچتے اور فرائض ادا کرتے ہیں -

ترمذی میں ایک حدیث آئی ہے حضور والاؐ نے ارشاد فرمایا بندہ

متقین کے درجہ کو اُس وقت پہونچتا ہے جب اُن چیزوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے جنہیں کوئی ہرج نہیں ہے تاکہ اُن چیزوں میں نہ پڑ جائے جن میں گناہ ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں متقی وہ قوم ہے جو شرک و بت پرستی سے بچتی ہے خالص خدا ہی کی عبادت کرتی ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے فاروق اعظمؓ سے کہا تھا کہ جس طرح خاردار راستہ میں سے دامن سمیٹ کر کوشش کے ساتھ آپ نکلجاتے ہیں بس یہی حالت متقی کی ہوتی ہے۔

حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ کامل تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے خدا کے خوف حجاب سے پرہیز رکھے اگرچہ ایک ذرہ برابر ہو یہاں تک کہ بعض ایسی چیزیں ترک کردے جن کو حلال جانتا ہو لیکن دغدغۂ حرام کی وجہ سے خوف کرتا ہو کہ شاید یہ چیز اسکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہوجائے۔ یہی معنی ایک جماعت صلحاء و تابعین سے مروی ہیں۔

درحقیقت تقویٰ کے عرف شریعت میں یہ معنی ہیں کہ بندہ اُن چیزوں کو ترک کردے جو آخرت میں اُس کے لئے مضر ہیں۔ اور اس کے تین درجات و مراتب ہیں۔

(۱) شرک و کفر نہ کرے اور دائمی عذاب سے بیخوف ہوجائے۔ اس لحاظ سے ہر مسلمان کو خواہ وہ کیسا ہی ہو متقی کہہ سکتے ہیں۔

(۲) ہر طرح کے گناہ سے بچنا خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

(۳) سوا خدا تعالیٰ کے اور کسی کا خیال بھی دل میں نہ لانا تمام خطرات اور خیالات سے آئینۂ دل کو صاف کرکے ہمہ تن جمال جہان آرا میں محو ہوجانا۔ یہ تقویٰ حقیقی تقویٰ ہے اور اس مرتبہ کے متقی صرف انبیاء و اولیاء ہوتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں تقویٰ کے تینوں معنی مراد ہوسکتے ہیں کیونکہ قرآن سے اعلان توحید، ترک صغائر و کبائر اور فنا فی الذات ہونے کے مطالب و مضامین اخذ کئے جاتے ہیں۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ کتاب الٰہی کافروں کو توحید کا راستہ دکھانیوالی فاسقوں اور گناہگاروں کو صغائر و کبائر سے بچنے کی ہدایت کرنے والی اور صالحین کو اولیاء شہداء اور صدیقین کے مراتب تک پہونچنے کا طریقہ دکھانے والی ہے پھر کس طرح اس کی حقانیت و اعجاز میں شک ہوسکتا ہے۔

مقصود بیان: ۔ پہلی کتابوں میں جس کتاب الہامی کا وعدہ کیا گیا تھا وہ یہی قرآن ہے۔ آدمی کو اس میں غور و خوض کرکے اسکی خوبیاں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جو سمجھدار اور فہیم طبقہ ہے اگر وہ غور سے کام لے تو پھر اسکو قرآن کی صداقت و حقانیت اور ہادی ہونے میں شک نہیں ہوسکتا۔ قرآن کے اندر ہر طبقہ کے انسانوں کے لئے مواد ہدایت موجود ہے۔ انسان ترقی کرکے ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک پہونچ سکتا ہے۔ مسلمان کو چاہئے کہ پہلے نواہی سے پرہیز رکھے اوامر کا پابند ہو پھر مشتبہات اور مشکوکات کو بھی چھوڑ دے تاکہ صلحاء کے درجہ تک رسائی ہو پھر ان حلال چیزوں سے بھی کنارہ کش ہوجائے جو معرفت الٰہی سے حجاب ہوجانے کا ذریعہ قرار پاسکتی ہوں۔ اسکے آگے ماسوا اللہ کو ترک کردے۔ کوئی شخص بغیر اتقاء کے مسلمان نہیں ہوسکتا۔ بغیر طلب حق کے ہدایت مجسم سے بھی رہنمائی نہیں ہوسکتی۔ طلب صادق حصول حقانیت کے لئے شرط ہے۔ جو شخص طلب صادق رکھتا ہے اور متقی بننا چاہتا ہے اُسکو خدا تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ راہ راست دکھا دیتا ہے وغیرہ۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ

متقی وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور باقاعدہ پابندی سے

الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ

نماز پڑھتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں

تفسیر یعنی متقی وہ لوگ ہیں جن کے عقائد درست ہوں جو چیزیں اُن کو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں اُن پر بھی اُن کا ایمان ہو، بدنی اور مالی فرائض ادا کرتے ہوں، اوامر و نواہی کے پابند ہوں خلاصہ یہ کہ اُن کی قوت نظریہ اور عملیہ دونوں صحیح ہوں۔ آیت مذکورہ کے تین ٹکڑے ہیں۔ ہم ہر ایک کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

(۱) ایمان بالغیب۔ غیب اُس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے غائب ہو اور اسکے مدارج مختلف اشخاص کیلئے مختلف ہوتے ہیں۔ عام آدمیوں کے لئے خدا تعالیٰ ملائکہ، کتابیں، رسول، روز قیامت، تقدیر الٰہی، عذاب قبر، دوزخ، جنت، حشر نشر، پل صراط، میزان وغیرہ سب غیب کا حکم رکھتی ہیں لیکن جس قدر مراتب میں ترقی ہوتی جائیگی انکشاف بڑھتا جائیگا تو جو چیز غیب میں داخل تھی پھر اُس کا مشاہدہ ہونے لگیگا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معراج میں دوزخ جنت حور قصور وغیرہ کو دیکھ لیا تو اُس وقت آپ کے واسطے یہ غیب نہیں رہا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو جن جن چیزوں کا انکشاف عطا فرما دیا تو وہ چیزیں بھی معائنہ میں داخل ہوگئیں اگرچہ ہمارے لئے وہ غیب کا حکم رکھتی ہیں۔ ابو العالیہ نے اس غیب سے جو آیت میں مذکور ہے ہستی باری تعالیٰ، ملائکہ، آسمانی کتابیں، رسول، روز آخرت

جنت ، دوزخ اور حشر مراد لیا ہے - حضرت قتادہ رضؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت کے نزدیک جنت و دوزخ کا حال جو قرآن میں مذکور ہے سب غیب میں داخل ہے -

(۲) اقامت صلوٰۃ - حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نماز کی اقامت یہ ہے کہ اُس کا رکوع اور سجدہ پورا کیا جائے - اچھی طرح تلاوت کی جائے اور خشوع و خضوع سے نماز میں توجہ کیجئے حضرت قتادہ رضؓ نے اور زیادتی کی ہے کہ نماز کے اوقات کی پابندی اور وضو کا التزام بھی رکھے - ابن حبان نے درود اور التحیات کو بھی اسمیں داخل کیا ہے - اور درحقیقت نماز تمام بدنی عبادتوں کی جڑ ہے - اسکے التزام سے تمام گناہوں کی رغبت مٹ جاتی ہے - امور ممنوعہ کا ارتکاب انسان چھوڑ دیتا ہے - یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں نماز کو اسلام اور کفر کے درمیان فارق قرار دیا ہے -

(۳) اداء صدقہ - صحابہؓ پر ابتداء ہی سے زکوٰۃ فرض ہوئی تھی لیکن اُسکی کوئی خاص مقدار واجب نہ تھی بلکہ رسول پاکؐ نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو اُس وقت میں بھی آدمی کے خرچ سے جو کچھ فاضل بچتا تھا اسکو صدقہ کر دینا واجب تھا - پھر ہجرت کے دوسرے سال تخفیف فرما کر زکوٰۃ کی مقدار معین کر دی - اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ میں زکوٰۃ ادا کرنی مراد ہے لیکن ابن عباس رضؓ کے دوسرے قول نیز ابن مسعود رضؓ اور دیگر صحابہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی بچوں کو نفقہ دینا آیت میں مراد ہے - ابن جریر رضؓ کہتے ہیں کہ آیت میں یہ مراد ہے کہ متقین وہ شرعی حقوق جو مال سے تعلق رکھتے ہیں ادا کرتے ہیں خواہ فرض زکوٰۃ ہو یا متعلقین کے مصارف یا اقارب و اجانب کے ادائے حقوق سب اسمیں شامل ہیں -

آیت مذکورہ کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ متقی لوگ خصائل حمیدہ اور شمائل پسندیدہ کے حامل ہوتے ہیں ، امور منکرہ اور احکام ممنوعہ سے پرہیز رکھتے ہیں ، وہ خدا کا حق بھی ادا کرتے ہیں اور بندوں کا بھی - اُن کا عقیدہ بھی صحیح ہوتا ہے اور اعمال و اقوال بھی - وہ عبادت بدنی بھی کرتے ہیں اور حقوق مالی بھی ادا کرتے ہیں

مقصود بیان :- مؤمن کا عقیدہ درست ہونا چاہئے فرائض مذہبی اُنکو ادا کرنا چاہئیں اور محرمات سے پرہیز رکھنا ضروری ہے - ایمان تمام نیکیوں کی جڑ ہے - نماز تمام بدنی عبادات کی سردار ہے - اسی کے اندر روزہ بھی داخل ہے کیونکہ نماز کے اندر وہ تمام چیزیں ممنوع ہیں جو روزہ کی حالت میں ممنوع ہیں - زکوٰۃ بھی اسلام کا ایک ضروری جزو ہے - تقویٰ کسی کی میراث نہیں بلکہ جسکے عقائد و اعمال صحیح ہونگے وہ متقی ہے - راہ خدا میں اگر مال دیا جائے تو اعتدال کا لحاظ رکھنا چاہئے - ایسا نہ کیا جائے کہ کل مال دیکر آدمی خود فقیر ہو جائے - آدمی کو اپنی قوت علمیہ اور عملیہ کی تکمیل ضروری ہے - درحقیقت دینے والا خدا ہے - دینے والے کو بھی خدا ہی نے دیا ہے -

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ

اور جو آپ پر اُتاری ہوئی کتاب (قرآن) پر اور جو کتابیں آپ سے پہلے (اور

مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ

نبیوں پر) اُتاری گئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کا بھی وہ

يُوْقِنُوْنَ ؀

یقین رکھتے ہیں -

تفسیر یؤمنون بالغیب سے خدا تعالیٰ کی ذات و صفات ، وجود ملائکہ ، کتب الٰہیہ اور روز قیامت پر ایمان لانا مراد تھا - آیت مذکورہ میں اُس عام معنی کے ایک حصہ کی خصوصیت کے ساتھ تصریح کر دی تاکہ یہود و نصاریٰ کے دعوی کی تردید ہو جائے کہ ہمارا بھی کتب سماویہ پر ایمان ہے - آیت کا مطلب یہ ہے کہ غیب پر ایمان لانیوالے متقی وہ لوگ ہیں جن کا ایمان خدا کے تمام صحیفوں پر ہو جو وحی آپ پر نازل ہوئی ہے اُس پر بھی اور جو وحی گذشتہ پیغمبروں پر بھیجی گئی تھی اُس پر بھی ہو اور وحی بھی عام ہے خواہ یہی وحی متلو ہو جسکو جبرئیلؑ خدا کی طرف سے بالفاظ مقررہ ادا کرتے تھے یا وحی غیر متلو ہو اور بلا توسط جبرئیلؑ اور بلا تخصیص الفاظ صرف دل میں القاء ہوا ہو یا انکشاف روحانی ہو یا الہامی مضامین ہوں جن کو مختلف پیغمبروں نے اپنی عبارتوں میں تعبیر کر کے لکھوا دیا تھا - بہر حال ان تمام صحیفوں ، کتابوں ، الہاموں اور انکشافوں کو وہ لوگ برحق مانتے ہیں اور آخرت پر بھی اُن کو یقین کامل ہے - دنیا کے رنج و راحت کو وہ ہیچ سمجھتے ہیں ایسے لوگ ہی ایمان بالغیب رکھنے والے ہیں - یہود و نصاریٰ مؤمن بالغیب نہیں ہیں کیونکہ یہودیوں کا ایمان تو انجیل و قرآن دونوں پر نہیں ہے اور عیسائی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے اور ایمان بالغیب اُس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کل آسمانی وحی پر ایمان نہ ہو -

مقصود بیان - ایمان بالغیب کی کیفیت کا بیان اور اُس کے حصول کی ترغیب - یہود و نصاریٰ مؤمن بالغیب نہیں ہیں - آخرت ہی درحقیقت یقین کے قابل ہے اور دنیا کے لذائذ

و مصائب توفانی اور زوال پذیر ہیں ان پر یقین اور بھروسہ نہ کرنا چاہئے۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے راستہ پر ہیں اور یہی لوگ

الْمُفْلِحُوْنَ۝

کامیابی حاصل کرنیوالے ہیں

تفسیر جب خدا تعالیٰ متقیوں کے اوصاف گذشتہ آیات میں بیان کر چکا اور سعادت کی مکمل تفصیل ختم ہو گئی تو اب اُس سعادت کے نتیجہ کو اس آیت میں ذکر کرتا ہے یعنی پہلے یہ بیان کیا گیا کہ قرآن سے پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اور پرہیزگاری خدا کی ہدایت ہے اور خدا کی ہدایت کا نتیجہ کیا ہے وہ اس آیت میں مذکور ہے کہ فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن متقین کا اوپر بیان ہو چکا وہی اپنے رب کی جانب سے ہدایت کاملہ پر ہیں اور انہی کو دین و دنیا میں کامیابی حاصل ہو گی۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آیت میں ہدایت سے مراد نور و استقامت ہے اور فلاح سے مراد خیر و خوبی کا حصول اور بدی سے نجات ہے۔ یعنی انہی لوگوں کو خدا کی طرف سے نور و استقامت حاصل ہے اور انہی کو ہر بدی اور برائی سے نجات ملتی ہے اور یہی کامیاب ہونگے۔

مقصود بیان :۔ ہر نور، استقامت اور ہدایت خدا کیطرف سے حاصل ہوتی ہے۔ مسلمان کو چاہئے کہ خدا ہی سے استقامت اور ہدایت کے حصول کی دعا کرے۔ متقی ہی آخرت میں صاحب فلاح ہونگے جن لوگوں کو خدا کی طرف سے دنیا میں ہدایت حاصل ہوتی ہے وہی آخرت میں کامیاب ہونگے۔ وجود فلاح ہدایت پر مترتب ہے۔ آیت میں اس امر کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ جسطرح تربیت جسمانی کرتا ہے اُسی طرح اپنی ہدایت سے تربیت روحانی بھی کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کو جسمانی اور روحانی پرورش کیلئے چھوٹا سا چھوٹا سوال بھی اُسی سے کرنا چاہئے۔ آیت میں ایک بلیغ ترین پیرایہ میں تقویٰ کی ترغیب بھی دیگئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ

یہ یقینی امر ہے کہ کافرین و منکرین کو خواہ آپ (عذاب الٰہی سے)

اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى

ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ تو ایمان لائینگے نہیں (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے

قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ

انکے دلوں اور انکے کانوں پر مُہر لگا دی ہے اور انکی آنکھوں پر پردہ ہے

وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۝

اور (آخرت میں) انکے لئے بڑا عذاب ہے

تفسیر آیت خَتَمَ اللّٰهُ الخ ولید بن مغیرہ۔ عتبہ۔ شیبہ اور ابوجہل وغیرہ کفار کے بارہ میں نازل ہوئی جن کی موت اللہ کے ازلی علم میں کفر پر ہی تھی۔

جبکہ خدا تعالیٰ نے سعید روحیں رکھنے والوں کا حال اور نتیجہ بیان فرما دیا تو مزید توضیح کے لئے اہل شقاوت کا حال و مآل بیان کرنا شروع کیا تاکہ دانشمند طبقہ اول الذکر فرقہ کے حال و مآل کو پڑھ کر اُسکی طرف راغب ہو اور مؤخر الذکر فرقہ کی حالت و نتیجہ پر غور کر کے اُس سے اعراض و گریز کرے اور چونکہ اہل شقاوت دو طرح کے تھے ایک تو وہ جو کھُلم کھلا حق کے مخالف تھے جنکو کافر کہا جاتا تھا اور دوسرے وہ جو ظاہر میں تو اہل حق کے موافق تھے اور باطن میں اُن کے مخالف تھے۔ مسلمانوں سے بالکل تضاد اور تقابل کافروں کو ہی تھا کیونکہ مسلمان ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں مؤمن ہوتا ہے اور کافر دونوں حالت میں مخالف اور منکر ہوتا ہے اسلئے آیت میں پہلے کفار کا حال بیان فرمایا۔ گذشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ قرآن متقین کے لئے ہدایت ہے کافروں کے لئے نہیں، حالانکہ ضرورت اسی امر کی تھی کہ کافروں کے لئے ہدایت ہو کیونکہ متقی تو خود ہدایت یافتہ ہیں اُن کو ہدایت کی کیا ضرورت ہے۔ آیات مذکورہ میں ایک استدلالی اور برہانی صورت میں اس خیال کی تردید فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کسی وجہ سے کُفر یا شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں یا گناہوں کا زنگ اُنکے دلوں پر چڑھ گیا ہے لیکن درحقیقت وہ نور ازلی سے محروم نہیں ہیں اُنکو ضرور قرآن سے ہدایت ہو گی اور وہ شرک کفر اور معاصی سے کنارہ کش ہو کر ضرور راہِ راست پر آ جائینگے۔ لیکن جو لوگ ازلًا انوار الٰہی سے محروم ہیں ازلی بدنصیب ہیں اُن کو تم اتمام حجت کیلئے کتنا ہی عذاب الٰہی سے ڈراؤ لیکن اُن کو نہ قرآن سے راہِ راست مل سکتی ہے نہ تمہارے خوف دلانے سے اُنکے دلوں میں خوف پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ یہ لوگ ازلی بدنصیب ہیں انکے دلوں پر معاصی اور تمرد کے زنگ چھائے ہوئے ہیں یہ نظر صحیح سے اعراض کرتے اور گمراہی میں منہمک رہتے ہیں کفر و معاصی کو پسند کرتے اور ایمان سے نفرت کرتے ہیں اسی بنا پر ان کے دلوں کے اندر حقانیت و صداقت کا نفوذ نہیں ہو سکتا انکے کان حق

بات کے سننے سے نفرت کرتے ہیں اور آنکھیں نابینا ہیں آیات بینات اور قدرت الٰہی کو نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ جب انکی یہ حالت ہے تو خدا نے بھی انکے دلوں پر غفلت جہالت اور قساوت کے پردے ڈال دئے انکے کانوں کو بہرا کر دیا اور آنکھوں کی بینائی چھین لی۔ بس اب مہر الٰہی کی وجہ سے انکے دل بہائم کے ایسے دل ہو گئے۔ حق و صداقت تبلیغ و تعلیم اور انذار و ہدایت ان کے لئے بے سود ہے نہ آنکھوں سے ان کو حقانیت دکھتی ہے نہ کانوں سے سچائی کی باتیں سُن سکتے ہیں نہ عقل حواس اور مشاعر سے درک حقیقت کر سکتے ہیں کیونکہ تم اور قرآن حقائق اشیاء کو بدل نہیں سکتے۔ جو ازلاً نور الٰہی سے محروم ہیں اُن کو یہاں کون منوّر کر سکتا ہے ورنہ تمہاری تبلیغ اور قرآن کی ہدایت میں کوئی قصور نہیں لیکن ازلی بدقسمتوں کو بھلائی نصیب نہیں ہو سکتی جبلی کجروی اور طبعی تاریکی ان کو کفر و معصیت کیطرف بیخودی کی حالت میں دوڑاتی ہے اُمور فطرت سے ان کو دلی نفرت ہے یہی وجہ ہے کہ انکے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں اور کسی طرح حق و صدق کی قابلیت انمیں باقی نہیں رہی۔ اب لامحالہ انکے لئے تکلیف دہ اور اذیت رساں عذاب تیار ہے جس سے کسی طور پر ان کو رہائی نہیں مل سکتی۔ وہ اسکی سزا ضرور بھگتیں گے۔

مقصود بیان:- سعادت و شقاوت ازلی اور فطری چیز ہے جو ازلاً شقی ہے اُسکو تمام نصائح بے سود ہیں۔ خدا تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جو شخص خود کفر و گناہ سے دلی محبت اور نور ایمان سے قلبی نفرت رکھتا ہے خدا تعالیٰ بھی اُسکو گمراہ کر دیتا ہے۔ سعادت و شقاوت کی پیدائش خدا کے حکم سے ہے لیکن انکے اسباب کا ارتکاب کرکے بندہ خود ان دونوں میں سے کسی ایک کا مستحق بن جاتا ہے۔

آیت میں اخبار بالغیب۔ واقعی پیشینگوئی اور کفر و شرک سے ترہیب بھی ہے۔ اس امر کی طرف ایک لطیف ترین اشارہ بھی ہے کہ محرومانِ قسمت کے رہنمائی کے تینوں ذرائع بیکار ہوتے ہیں نہ تو اُن میں خود ہی اتنی عقل ہوتی ہے کہ غور کرکے راہ راست اختیار کریں نہ اُن کی آنکھوں میں ایسی قوت بینائی ہوتی ہے کہ آیاتِ الٰہی اور نشانہائے قدرت کو دیکھ کر حق و باطل کا امتیاز کر سکتے ہوں اور نہ اُنکے کانوں میں ایسا مادہ شنوائی ہوتا ہے جس سے مخبر صادق کے کلام حق کو سُن سکیں تَحْسَبُوْا خُسْرًا نَّا مُّبِيْنًا۔ جب خدا تعالیٰ کفار کے احوال بیان کر چکا تو اب گمراہوں کے دوسرے فرقے یعنی اہلِ نفاق کی حالت بیان فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔

ایمان لائے (یعنی اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کرتے ہیں) حالانکہ وہ مؤمن نہیں ہیں

تفسیر مدینہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو بظاہر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم اللہ، رسول اور روز قیامت پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے اور اس سے مقصود اُن کا صرف یہ تھا کہ مسلمانوں میں مل کر دنیوی منافع سے بہرہ اندوز ہوں اور اُن تمام سختیوں سے محفوظ ہو جائیں جو کفار پر ہونے والی تھیں۔ یہ گروہ منافقین کا تھا اور ان میں سرگروہ عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے سے قبل اہل مدینہ نے بالاتفاق اس کو مدینہ کا سردار بنانا چاہا تھا لیکن جب حضور گرامی تشریف لے آئے اور لوگوں کی مُردہ تاریک روحوں میں ایک نئی زندگی کی روشنی پیدا کر دی تو اُس وقت ابن اُبی کا کوئی اعزاز اور امتیاز قائم نہ رہا۔ اسی بنا پر اس شخص کو اہل اسلام سے حسد اور بغض پیدا ہو گیا مگر غلبۂ اسلام کی وجہ سے یہ اپنے خبث باطن کو ظاہر نہ کر سکا اور لوگوں کے ساتھ خود بھی بظاہر مسلمان ہو گیا لیکن یہ اور اس کے رفیق یہود درپردہ اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے اور آفتاب پر خاک ڈالکر چھپانے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ منافقین قبائل اوس اور خزرج کے بعض افراد تھے اور یہی قول ابو العالیہ، حسن، قتادہ اور سدی وغیرہ کا ہے۔ بہرحال آیت مذکورہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مدینہ اور اطراف مدینہ کے رہنے والے تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ یعنی منافق کہتے ہیں کہ ہم خدا اور روز قیامت پر ایمان لے آئے اور احکام میں مسلمانوں کی طرح ہو گئے۔ حالانکہ یہ لوگ نہ تو پہلے ایمان لائے نہ اب آئندہ مؤمن ہو سکتے ہیں۔ یہ مؤمنین کے دائرہ سے ہی خارج ہیں نہ ان کا خدا پر ایمان ہے نہ قیامت پر نہ نبی و قرآن پر۔

مقصود بیان:- منافقوں کی حالت کی مزید توضیح فرمائی تاکہ سچے ایمانداروں کو اُن کے افعال و اقوال دیکھ کر دھوکا نہ ہو۔ جو شخص زبان سے اسلام اور ایمان ظاہر کرے مگر دل میں بالکل منکر ہو وہ مؤمن نہیں۔ جو شخص دل میں متردد اور مذبذب ہو اور زبان سے اقرار اسلام کرے وہ بھی منافق ہے۔ جس شخص کے دل میں حب دنیا طلب عز و جاہ اور غلبۂ شہوات کی وجہ سے تصدیق اور یقین نہ ہو اور دنیا کے منافع و مصالح ایمان پر مقدم سمجھتا ہو وہ بھی مؤمن نہیں اگرچہ بظاہر اسلامی احکام اور شرائع اسلام سے بہرہ اندوز ہو۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا

یہ لوگ اللہ سے اور مؤمنین سے دغابازی کرتے ہین اور (واقع میں)

يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؕ

وہ سوائے اپنے آپ کے اور کسی کو دغا نہیں دیتے اور ان کو سمجھ نہیں

تفسیر یہ گذشتہ آیت کا تتمہ ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ دھوکے باز ہیں خدا سے اور مسلمانوں سے فریب کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت یہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں لیکن ان کو اس کا شعور نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ منافق خدا اور مسلمانوں کو دھوکا اور فریب دینا چاہتے ہیں کہ خبث باطن کے باوجود اظہار اسلام کرتے ہیں اور فی الحقیقت یہ اپنے آپ کو فریب دے رہے ہیں۔ خدا علام الغیوب ہے اس کو یہ دھوکا نہیں دے سکتے اور نہ مسلمانوں کو فریب دے سکتے ہیں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو انکی مکاری کی اطلاع دیتا رہیگا۔ مکر کا اثر نہ خدا پر پڑ سکتا ہے نہ مسلمانوں پر بلکہ مکر السئ انہی پر پڑیگا، دنیا میں بھی انکی رسوائی اور ذلت ہوگی اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی سے ہمکنار ہونا پڑیگا لیکن اس بدیہی بات کا ان کو احساس و شعور بھی نہیں یہ نہیں جانتے کہ خدا کو کون دھوکا دے سکتا ہے اور مکر کرنے سے اپنا ہی نقصان ہے انتہائے جہالت سے اتنی موٹی بات بھی انکی سمجھ میں نہیں آتی۔

مقصود بیان:۔ جو لوگ مسلمانوں اور صوفیوں کی ایسی شکل بنا کر لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں وہ خود اپنا نقصان کرتے ہیں دھوکہ بازی قطعاً حرام ہے۔ خصوصاً احکام اسلام میں دھوکہ بازی کرنی سخت جرم ہے وغیرہ۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ

ان کے دلوں میں (شک اور نفاق کی) بیماری ہے سو اللہ تعالیٰ نے انکی بیماری کو بڑھا دیا

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○

ان کو دردناک عذاب اس وجہ ہوگا کہ وہ (آیات خداوندی کو) جھٹلاتے تھے

تفسیر یہ گذشتہ آیت کی علت ہے۔ پہلی آیت میں ذکر کیا گیا تھا کہ یہ لوگ اگرچہ ایمان کے مدعی ہیں لیکن درحقیقت یہ مؤمن نہیں ہیں صرف فریب دہی ان کا اصل مقصد ہے لیکن فریب دہی کا وبال انہی کی طرف عائد ہونیوالا ہے کیونکہ ان کے دل بیمار ہیں الخ۔

علماء تابعین مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس اور ابو العالیہ وغیرہ کے نزدیک آیت مذکورہ میں مرض سے مراد دل کا مرض یعنی شک و نفاق ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مرض سے مراد جسمانی بیماری نہیں ہے بلکہ دینی مرض مقصود ہے کیونکہ جسطرح بدنی بیماری سے بدن کمزور ہو جاتا ہے اسی طرح دین میں شک کرنے سے دین ضعیف ہو جاتا ہے اور جسطرح معمولی بیماری موت اور زندگی کی بیچ کی حالت ہے اسی طرح نفاق بھی کفر و اسلام کے بین بین حالت کا نام ہے اسی لئے نفاق کو مرض فرمایا وجہ یہ ہے کہ منافقوں کے دل نفاق کی وجہ سے مریض تو تھے ہی اب جوں جوں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں اور انہوں نے اُن آیات کو دل سے نہیں مانا تو ان کا مرض نفاق دن بدن بڑھتا ہی گیا۔ آیت کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ انکی فریب بازی کی وجہ صرف یہ ہے کہ انکی فطرت میں صحت و سلامتی نہیں اور دل پر مرض شک عارض ہے لہذا جسقدر فطرت کو درست کرنے والی اور روح کو صحت بخشنے والی باتیں رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی گئیں اور انہوں نے اُن سے خلاف ورزی کی تو ان کے اُس اصلی مرض کو ترقی ہوتی گئی اور جس طرح جسمانی امراض کا نتیجہ موت ہے اسی طرح روحانی امراض کا ثمرہ اُس عالم میں عذاب الیم ہے۔

بات یہ ہے کہ آسمانی پانی ہر درخت اور تخم کی بالیدگی اور نشو و نما کا باعث ہے مگر کسی درخت میں اُسی پانی سے کانٹے اور کڑوے پھل پیدا ہوتے ہیں اور جسکا تخم اچھا ہوتا ہے اُس سے عمدہ اور خوشبودار پھل نکلتے ہیں، اسی طرح قرآن کریم سے مؤمنوں کو شفاء اور کج فطرت رکھنے والوں کیلئے زیادتی مرض کا سبب ہوتا ہے اور اسکی وجہ صرف اُنکی فطری تکذیب ہوتی ہے۔

مقصود بیان:۔ ہدایت و گمراہی یا سعادت و شقاوت محض اصلی استعداد اور سرشتی قابلیت کے موافق ہوتی ہے ازلی بیماروں کی روح کا مزاج فاسد ہوتا ہے اُن سے ویسے ہی افعال ناشائستہ سرزد ہوتے ہیں۔ تمام امور کا خالق خدا ہی گو بظاہر ان امور کی اسناد مختلف ظاہری اسباب کی طرف ہوتی ہے اس امر کی طرف بھی ایک نازک ترین اشارہ ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مجبور نہیں ہے بلکہ اختیار رکھتا ہے اور اسی اختیار کی وجہ سے وہ سزا جزا کا مستحق ہوتا ہے، جھوٹ بولنا حرام ہے، تکذیب قرآن سے روح بیمار ہو جاتی ہے، ہر عمل کی جزا یقینی ہے، خدا ظالم نہیں ہے کہ بن سئے کسی کو عذاب دے بلکہ عذاب کا سبب صرف اعمال ہیں۔ منافق کا درجہ کافر سے بدتر ہے کافر کو صرف ایک قلبی بیماری

ہوتی ہے اور اسکی سزا بھی آخرت میں ملیگی۔ منافقوں کے دلوں میں دو ہوتی ہیں لہذا سزا بھی دگنی ملتی ہے آخرت میں جو سزا ملیگی وہ تو بہر صورت، کافروں کی سزا سے بڑھکر ہے باقی دنیا میں بھی انکو سزا ملتی ہے جس دین کو دل نہیں چاہتا ہے اسکو بکراہت خاطر قبول کرنا پڑتا ہے اور پھر بادل ناخواستہ جہاد میں شریک ہونا پڑتا ہے اور جبرًا اپنے خیر خواہوں سے لڑنا پڑتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم ملک میں فساد مت پھیلاؤ

قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ

تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (بھلائی اور) اصلاح کرتے ہیں درحقیقت یہ لوگ

الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۝

فسادی ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے

تفسیر ابن عباس رضؓ، ابن مسعود، اور دیگر بعض صحابہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ میں فساد سے مراد کفر و معصیت ہی ابو العالیہ کہتے ہیں منافقین کا فساد یہ تھا کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے کیونکہ زمین و آسمان کی صلاحیت تو خدا تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ربیع بن انس، مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے فساد کے ایک عام معنی بیان کئے ہیں وہ یہ کہ منافقوں نے جب ملک میں خدا کی نافرمانی پھیلائی اور جن امور سے اُن کو منع کیا گیا تھا اُن کا ارتکاب کیا، فرائض الٰہی کو ادا نہ کیا دین اسلام میں شک پیدا کیا، مسلمانوں کی تکذیب کی اور جب کبھی موقع آیا کافروں کی امداد کی تو اس سے ملک میں فساد پیدا ہوا جسکو وہ اپنی دانست میں اصلاح سمجھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافقوں پر قلبی مرض یہانتک غالب آگیا ہے کہ اُن کو نیک و بد میں بھی تمیز نہیں رہی کیونکہ جب مسلمان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خدا تعالیٰ اُن سے فرماتے ہیں کہ تم ملک میں فساد نہ ڈالو دوغلاپن نہ کرو اسلام کی تکذیب سے کنارہ کش ہو جاؤ باطن میں بھی کافروں کے طرفدار نہ بنو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو بھلائی اور اصلاح کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت یہ لوگ مفسد ہیں ہمیشہ فساد کرتے رہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فساد ہو سکتا ہے کہ انکے دوغلے پن سے کافر تو یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلام میں کوئی نور و خوبی نہیں ہے یہ لوگ اسلام میں داخل ہو کر بھی برابر معصیت میں مبتلا ہیں اور اندرونی طور پر ہماری طرف مائل ہیں اگر اسلام میں خوبیاں ہوتیں تو یہ کیوں ہماری طرف رجحان رکھتے ادھر مسلمانوں کو بھی انکی ذات سے ضرر پہنچتا تھا کہ ایک مدعی اسلام کو بیباک دیکھ کر دوسروں کے دلوں سے بھی خوف کے مٹ جانے کا اندیشہ ہوتا تھا لہذا منافق دونوں طرف فساد برپا کرتا تھا کافروں کے اندر بھی غلط فہمی پھیلاتا تھا اور مسلمانوں کو بھی ورغلاتا تھا۔

مقصود بیان:۔ احکام الٰہی کی پابندی اور اخلاق کی درستی سے عالم میں اصلاح ہوتی ہے اور گناہوں کے ارتکاب سے انتظام عالم میں خلل آتا ہے۔ جب انسان اپنے عیب کو عیب نہیں سمجھتا تو تباہ ہو جاتا ہے۔ شعور و احساس کا فوت ہونا بڑی بلا ہے کافروں سے دینی معاملات میں دلی دوستی کرنا قطعًا حرام ہے۔ دوغلے پن کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں نکلتا

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا

اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم (بھی) ایمان لاؤ جسطرح (اور) لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ

کیا ہم بھی ایمان لے آئیں جسطرح بیوقوف ایمان لے آئے ہیں سمجھ لو یقینًا یہی

هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۝

بیوقوف ہیں لیکن جانتے نہیں

تفسیر اس آیت میں منافقوں کی حالت کا بیان ہے یعنی جب منافقوں سے ناصح کہتا ہے کہ صحابہ کی طرح تم بھی سچے دل سے خدا تعالیٰ پر، ملائکہ پر، خدا کی کتابوں پر، اُسکے رسولوں پر روز قیامت اور جنت دوزخ وغیرہ پر ایمان لاؤ فتنہ و فساد ترک کردو۔ ان فانی لذات سے کنارہ کش ہو جاؤ اور مردان خدا کیطرح عالم فانی کو چھوڑ کر عالم باقی کو اختیار کرو اور غیر فانی لذتوں کے حصول کے لئے تن من دھن سب کچھ قربان کردو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بیوقوفوں کیطرح ایمان لے آئیں خیالی جنت و دوزخ کے لئے مقاصد دنیا چھوڑ بیٹھیں دنیا دین سے مقدم ہے آخرت کی نعمتیں کس نے دیکھی ہیں جسکو یہاں عیش و آرام ہے بس ہر جگہ عیش و آرام ہے یہ لطف زندگانی یہ مزے اور یہ جلسے کون چھوڑے اُدھار پر نقد کو کون ہاتھ سے دے یہ لوگ تو احمق ہیں کہ دنیوی عیش و آرام اور چین و راحت چھوڑ کر شب و روز ایک موہوم خدا کی یاد میں موہومی مقاصد کے لئے مشغول ہیں اپنے منافع پر بھی نظر نہیں کرتے

ہمارے لئے تو یہی مناسب ہے کہ دنیا سازی سے کام لیں ایک طرف ہو جانا عقلمندی کے خلاف ہے اپنی قوم سے بھی ملے رہیں اور مسلمانوں سے بھی کیونکہ اگر مسلمان مغلوب ہو گئے تو برادری والوں کی نظر سے نہیں گرینگے اور اگر مسلمانوں کا دور دورہ ہوا اور ان کا وقت آیا تو بھی ہمارا مدعا ہاتھ سے نہ جائیگا۔ اسکی تردید میں خدا تعالی فرماتا ہے کہ درحقیقت احمق و بیوقوف یہی لوگ ہیں انجام بین نہیں عاقبت اندیش نہیں، فانی اور زوال پذیر لذتوں کو لازوال نعمتوں پر مقدم سمجھتے ہیں اس عالم بقا کے مقابلہ میں جسکا زمانہ غیر متناہی ہے ان لذائذ فانیہ پر فریفتہ ہونا اور اس یقینی امر کے لئے تیاری نہ کرنا نہایت حماقت و سفاہت ہے جسطرح نادان بچے ذرا سی ناپاک مٹھائی سے بہل جاتے ہیں اور قیمتی جواہرات ہاتھ سے دیدیتے ہیں اسی طرح ان لوگوں کی حالت ہے یہ نہیں سمجھتے کہ عالم آخرت برحق ہے وہاں جانا حق ہے رسول بھی برحق ہیں اور اُن کا وعدہ بھی سچا ہے تو پھر مذبذب رہنا اور دوغلاپن کرنا سراسر حماقت ہے لیکن یہ لوگ امراض روحانی میں گرفتار ہیں۔ ان کو برے بھلے کا امتیاز نہیں رہا ان کو انجام کی خبر نہیں۔

مقصود بیان:۔ جس کام کا نتیجہ اچھا ہو اسی کا اختیار کرنا عقلمندی ہے۔ حماقت و عقلمندی کا معیار یہ دنیوی عقل نہیں ہے بلکہ جس شخص میں دینی عقل ہو وہی عقلمند ہے خواہ دنیا کے معاملات میں بیوقوف ہو اور جس شخص کو مذہبی فہم و دانش نہیں وہ بیوقوف ہے خواہ دنیا کے کاموں میں تیز ہو۔ صحابہ کا ایمان یا اُن جیسا ایمان ہی معتبر ہے اُن کے طریقہ کے علاوہ اور تمام ایمان کی شاخیں لغو ہیں۔ اتباع صحابہ لازم آیت میں دقیق پیرایہ میں ایمان لانے کی طرف بھی اشارۃً امر کیا گیا ہے انجام بینی اور عاقبت اندیشی عقل کا کام ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا

اور یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں (تو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاچکے اور جب

خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ

تنہائی میں اپنے شیطانوں (سرداروں) کے پاس جاتے ہیں (تو) کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ

ہم تو مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں انکے تمسخر کی اللہ ان کو جزا دیتا ہے

وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

اور اُن کو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بہکے پھریں

تفسیر یہ منافقوں کی حالت کا تتمہ ہے پہلے اُن سے کہا گیا تھا کہ برے خصائل کو چھوڑ دو فتنہ و فساد خدا کی زمین پر بپا نہ کرو۔ اپنے گناہوں سے انتظام عالم میں خلل نہ ڈالو۔ اس کے بعد کہا گیا کہ ایمان لے آؤ نیک اعمال کرو۔ لیکن منافقوں نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا بلکہ نفاق اور دوغلاپن قائم رکھا۔ چنانچہ اسی نفاق کی صورت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ ابومالک کہتے ہیں کہ آیت میں شیاطین سے مراد منافقوں کے سرداران رئیس ہیں۔ ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ منافقوں کے ساتھی بھی شیاطین میں داخل ہیں اور وہ یہودی بھی مراد ہیں جو مالداری کی وجہ سے منافقوں کے سردار بنے بیٹھے اور اسلام کے متعلق اُن کے دلوں میں شک ڈالتے اور تکذیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آمادہ کرتے تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ہر جنس میں جو سرکش اور متمرد ہو وہ اُس جنس میں شیطان ہے۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ جب منافق مسلمانوں سے ملتے تھے تو اُنکے خوش کرنے کو کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں۔ لہذا جو مال غنیمت تم کو جہاد میں حاصل ہوا ہے اُس میں سے ہم کو بھی حصہ دو لیکن جب اپنے سرداروں کے پاس تنہائی میں جاتے تھے تو اُن سے کہتے تھے کہ درحقیقت دین میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم مسلمان نہیں ہوئے۔ اسکے جواب میں سرداراُن سے کہتے تھے کہ تم تو مسلمانوں کے پاس جاکر دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہو اور اُن سے ایمان کا عہد کر چکے ہو پھر ہم کیسے یقین کرلیں کہ تم دین میں ہمارے ساتھ ہو۔ یہ بد باطن فرقہ جواب دیتا تھا کہ تم اطمینان رکھو واقعی ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں سے بطور دل لگی اور مذاق کے لا الہ الا اللہ کہتے ہیں کیونکہ وہ بیوقوف اور سیدھے سادے آدمی ہیں ہماری اس بات کو سچ جانکر ہم کو اپنے پوشیدہ راز بتا دیتے ہیں اور دلی ارادوں سے مطلع کر دیتے ہیں اور فوائد میں شریک بنا لیتے ہیں۔ اسکی تردید میں خدا تعالی فرماتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کیا ہنسی اور دل لگی کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو کیا بیوقوف بنا رہے ہیں خدا اس دھوکہ بازی اور استہزاء کی جزا دے رہا ہے کہ ایسی خراب حالت میں اُن کو چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی اس سرکشی اور حماقت میں سرگرداں پھرتے رہیں جسکا نتیجہ دنیا میں بھی خراب ہے مسلمانوں اور کافروں میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی سخت عذاب ہے لیکن اُن کو اسکا علم نہیں کہ ہمارے ساتھ یہ مراعات کیوں ہے۔

مقصود بیان:۔ خدا تعالی ضرور اعمال انسانی کی سزا دیتا ہے۔ اگر آدمی خود گناہ میں گھستا چلا جائے تو خدا تعالی بھی ڈھیل چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ انسان بعض دنیوی فوائد کے حصول سے خوش ہوتا

ہے اور درحقیقت وہ فوائد اسکے۔ لیے زہر قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے مقدس لوگوں سے ہنسی کرنی خدا تعالیٰ سے ہنسی کرنی ہے اور انکا ادب خدا کا ادب اور اُن سے محبت کرنی خدا سے محبت کرنی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی طرف سے خود بدلہ لیتا ہے۔ وغیرہ۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی

فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ

سو نہ سود مند ہوئی اُنکو اُنکی تجارت اور نہ وہ ہدایت یاب ہوئے

تفسیر یہ بھی سزائے نفاق کا ضمیمہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی حاصل کر لی یعنی وہ جوہر انسانی جوہر انسان کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک فطری ہدایت ہے اگر اُسپر عوارض اور موانع پیش نہیں آتے تو اُسکی وجہ سے ہر انسان نیکی اور حیات ابدی کے راستہ پر چل سکتا ہے۔ ان منافقوں نے اپنی بداعمالیوں سے اس نورِ فطرت کو بجھا دیا اور جو طبعی ہدایت ان کو حاصل کرنی چاہیئے تھی اُسکو نظرانداز کر کے اپنے اندر اخلاق رذیلہ اور ملکات فاسدہ پیدا کر لئے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ہم نے یہ سودا بڑا اچھا کیا، مُنہ سے کلمۂ توحید کہدیا اور اُسکی بدولت دنیوی منافع حاصل کر لئے اس سے زیادہ سود مند تجارت اور کیا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس تجارت میں اُن کو نفع نہوا انہوں نے اپنی عمر عزیز اور بے بہا نورِ فطرت صرف کر کے دنیا کے زوال پذیر منافع اور نفسانی فوائد حاصل کر لئے۔ یہ تجارت فائدہ کی نہوئی بلکہ درحقیقت نطرتًا ان کو تجارت کرنی آتی ہی نہیں ہے کیونکہ تجارت یہ تھی کہ اپنی جان و مال کو خدا کی راہ میں صرف کر کے حیات ابدی حاصل کرتے مگر انہوں نے اصل مال (فطرت سلیمہ) کو بھی برباد کر دیا

مقصود بیان:- انسان اگر خواہشات نفسانی اور ترغیبات شیطانی کو اپنے دل سے دُور کر دے تو پھر نورِ فطرت اُسکو سیدھے راستہ کیطرف لیجاتا ہے۔ گمراہی اور ہدایت فطری چیزیں ہیں اگر فطری نورِ ہدایت کو انسان بجھا دے تو پھر ہدایت ملنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ ہر انسان کو ہدایت حاصل کرنے کی خود کوشش کرنی چاہیئے۔ عمر نہایت عزیز اور بے بہا چیز ہے جسکا عوض صرف روحانی روشنی اور حیات ابدی ہو سکتی ہے۔ دنیوی مال و دولت اور عیش و آرام حاصل کرنے کیلئے اس جوہر گرانبہا کو صرف کرنا حماقت ہے۔

منافقوں کی حالت کی مزید تشریح کیلئے خداوند تعالیٰ نے آئندہ آیات میں دو مثالیں بیان فرمائیں جس شخص کو کسی قدر ایمان کے موافق اسرار الٰہی کا کچھ علم ہو وہی ان مثالوں کی حقیقت کافی طور پر سمجھ سکتا ہے۔ پہلی مثال ذیل کی آیات میں مذکور ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا

ان لوگوں کی مثال اُس شخص کی ایسی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب

أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ

اس نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا لے گیا اللہ تعالیٰ اُن کی روشنی

وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ

اور چھوڑ دیا اُن کو تاریکیوں میں کہ دیکھ نہیں سکتے بہرے

بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

گونگے اندھے ہیں کہ وہ نہیں پھر سکتے

تفسیر ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ اور قتادہؒ اور سدیؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو اُس زمانہ میں کچھ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے لیکن بعد کو وہ منافق ہو گئے تو اُنکی مثل ایسی ہوئی جیسے کسی شخص نے تاریک رات میں آگ جلائی اور جب اُسکے کرکٹ کے جلنے کی وجہ سے آس پاس روشنی پیدا ہو گئی تو تمام خوف انگیز اور ایذا رساں چیزیں اُسکو صاف نظر آنے لگیں لیکن کچھ ہی دیر کے بعد آگ بجھ گئی تو اب اُسکی حالت یہ ہو گئی کہ کسی موذی چیز سے بچنے کی اُس میں طاقت نہ رہی اور نہ کوئی ایذا رساں چیز اُسکو دکھائی دینی ممکن رہی۔ یہی حال منافق کا ہے کہ اوّل شرک کی تاریکی میں پڑا تھا پھر مسلمان ہوا تو حلال و حرام اور نیک و بد کو پہچاننے لگا پھر دوبارہ کفر میں پڑ گیا تو حلال و حرام اور خیر و شر کا امتیاز باقی نہ رہا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ منافقوں کی حالت میں آگ کی روشنی نقطہ یہی تھی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ یہ منافق کی مثل ہے جو کبھی دیکھتا ہے اور کبھی نہیں دیکھتا پھر اُسکی قلبی نابینائی اُسپر چھا جاتی ہے۔ عکرمہ، حسن ربیع بن انس اور عبدالرحمن بن زید سے یہی قول مروی ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ آیت میں فقط ایسے ہی منافقوں کا انحصار نہیں ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے بلکہ ایسے منافق بھی آیت کے حکم میں داخل ہیں جنہوں نے صرف زبان سے اظہار اسلام کیا تھا اور دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن منافقوں کی

نسبت یہ گمان ہو کہ وہ پہلے ایمان لائے تھے پھر کافر ہو گئے (جیسے
کہ ابن عباس وغیرہ کے قول سے ظاہر ہے) تو درحقیقت نورِ ایمان
اُن کے دل کے اندر جاگزین نہیں ہوا تھا بلکہ یہ ایک تصدق تھا جو حواس
ظاہرین اور دماغی مشاعر میں پیدا ہوا تھا اور اُس سے ایک روشنی ظاہر
ہوئی تھی اور دوسری قسم میں ایسا بھی نہ تھا اور نہ درحقیقت دلی
تصدیق کا نور ان دونوں میں سے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا کیونکہ کبھی
ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی کارِ خیر کا ارادہ کرتا ہے اور پھر انسانی حواس
اور نفسانی خطرات اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ آدمی اپنی واقعی
حالت بھی دریافت نہیں کر سکتا۔ بہر حال آیت کا مطلب یہ ہے کہ
ان منافقوں کی حالت ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی ہو اور
جونہی اُسکی روشنی سے آس پاس کی چیزیں نظر آنے لگیں فوراً روشنی
گُل ہو گئی اور آگ بجھ گئی اور وہ شخص حیران پریشان رہ گیا کوئی
چیز سجھائی نہیں دیتی۔ دوست دشمن اور اچھے بُرے کا امتیاز
نظر جاتا رہا۔ یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ نورِ فطرت جو خدا تعالیٰ
نے ہر انسان کے دل میں ودیعت رکھا ہے ذرا چمکا تھا اور ہر خیر و
شر کے پہچاننے اور سعادت و شقاوت پر مطلع ہونے کا وقت آیا تھا
تو عین وقت خدا تعالیٰ نے اُسکو بجھا دیا یعنی اُنکے نفاق، تعصب، عناد
حُبِ جاہ و مال کے اندھیاؤں نے اُس چراغ فطرت کو بالکل گُل
کر دیا۔ اب یہ بالکل بہرے ہو کر رہ گئے کسی ہادی اور رہنما کی بات
تک نہیں سُن سکتے اور گونگے بھی ہو گئے کہ اپنے قلبی مرض کو حکیم
روحانی سے بیان کر کے علاج پذیر بھی نہیں ہو سکتے اور اندھے
بھی ہو گئے کہ آثارِ قدرت دیکھ کر راہ پر نہیں آ سکتے اور جب ہدایت
کے تمام راستے بند ہو گئے تو اب ان کے ہدایت پر آنے کی کوئی صورت
نہیں رہی۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہدایت کی
مشعل جلائی اور رسول گرامی کو مبعوث فرما کر دین اسلام کو روشن
کیا تو تمام مخلوق کو اس روشنی میں منزل مقصود کا راستہ مل گیا لیکن
منافق اندھے بن گئے کیونکہ جب آنکھ میں روشنی اور نور نہیں تو مشعل
سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے اور اگر نرے اندھے ہوتے تو بھی غنیمت تھا
کیونکہ اندھا کسی کو پکار کر اسکی رہنمائی میں منزل مقصود تک پہونچ
سکتا ہے مگر جب بہرا اور گونگا بھی ہو تو اُسکے راہ پر آنے کی بالکل
اُمید نہیں ہو سکتی۔ حاصل یہ کہ منافقوں کے پاس نہ عقل کی آنکھ
ہے کہ سیدھا راستہ خود پہچان کر اسلام لے آئیں نہ کسی رہنما کی طرف
رجوع ہے کہ کسی اللہ والے کا دامن پکڑ کر اسکی رہنمائی میں منزل
تک پہونچ جائیں اور نہ خود حق بات پر کان لگاتے ہیں پھر بھلا ایسے
شخص کے راستہ پر آنے کی کیونکر اُمید ہو سکتی ہے۔

مقصود بیان :- دین اسلام روشنی ہے اور کفر تاریکی۔ اگر
آدمی خود عقل سے سیدھا راستہ تلاش نہ کر سکے تو کسی دوسرے
سے پوچھنا چاہیے ورنہ کم از کم اگر کوئی واقف کار خود بخود رہنمائی کرے
تو اُسکی بات کان رکھکر سُننا چاہیے۔ نورِ ایمان کو نفاق، تعصب اور
دیگر اندرونی اخلاق گناہوں کی تیز ہوائیں گُل کر دیتی ہیں جب
انسان خود گمراہ ہونا چاہتا ہے تو خدا بھی اسکو اندھیرے میں چھوڑ دیتا
اور ایمان کی روشنی اُس سے چھین لیتا ہے۔ خدا جسکو اُسکی بداعمالیوں
کی وجہ سے گمراہ کر دیتا ہے پھر اُسکو راہ راست نہیں مل سکتی۔
منافق کے اندر روحانی روشنی نہیں ہوتی کہ جسکی وجہ سے حق و
باطل اور خیر و شر کا وہ امتیاز کر سکے وغیرہ۔
اس مثال کے بیان کرنیکے بعد خدا تعالیٰ منافقوں کے
احوال کی توضیح کے لئے دوسری مثال بیان فرماتا ہے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ
یا (ان کی مثال) آسمانی بارش جیسی ہو کہ جسمیں اندھیرے اور گرج

وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ
اور بجلی ہو اپنے کانوں میں انگلیاں کئے لیتے ہیں کڑک کے

الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ
مارے موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہیں

بِالْكَافِرِينَ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ
منکرین کو قریب ہے کہ بجلی اُچک لیجاوے ان کی آنکھیں

كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ
جب چمکتی ہے انکے لئے (تو) اسمیں چلنے لگتے ہیں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے ان پر

قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ
(تو) کھڑے رہجاتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو انکے کان اور آنکھیں سلب کر لیتا

تفسیر مدینہ کے دو منافق بھاگ کر مدینہ کی طرف چلے راستہ میں
بارش آگئی جسمیں کڑک چمک اور گرج بہت زیادہ تھی
اندھیرا گھپ ہو گیا۔ یہ دونوں حیران پریشان کھڑے رہ گئے۔ جب ذرا
بجلی چمکتی تھی تو دو قدم چل لیتے تھے اور جب پھر اندھیرا چھا جاتا تھا تو
کھڑے ہو جاتے تھے اور کڑک چنے کی ہولناک دہل کے مارے موت کے

ڈر سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے۔ آخر حیران ہو کر کہنے لگے کہ کاش صبح ہو اور بادل کھلے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں واپس جا کر بیعت کر لیں۔ چنانچہ صبح ہوئی تو یہ حاضر خدمت ہوئے اور بیعت کر لی انکی مثال اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ بالا میں بیان فرمائی

علامہ نیشا پوری اور محقق سیوطی نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں پوری حالت کی پوری حالت سے تو تشبیہ موجود ہی ہے مگر ہر ہر حصہ کو دوسرے حصہ سے بھی مشابہت ہے چنانچہ نزول قرآن جو زندگی جاوید کا سبب ہے اسکو بارش سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ بارش سے تمام نباتات و حیوانات کی زندگیاں اور نشو و نما وابستہ ہے اور نزول قرآن حیات ابدیہ کا ذریعہ ہے اور قرآن میں جو کفر و نفاق مذموم کا بیان ہے وہ تاریکیاں ہیں۔ پھر اس کفر و نفاق پر جو عذاب دوزخ کی سخت وعید و تہدید ہے وہ مشابہ برعد ہے اور قرآن کے اندر جو وحدانیت الٰہی اور آیات قدرت کے جو روشن دلائل مذکور ہیں وہ مشابہ برق ہیں۔ یہ وہی دلائل و براہین ہیں جو انکے دلوں کو ہلا کر بے قابو کر دیتے تھے لیکن پھر بھی وہ انکو سننا نہ چاہتے تھے اور اس وعید و تہدید کے سننے سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور اس خوف سے اپنی عورتوں اور بچوں کو مارتے تھے کہ کہیں ان آیات کو سن کر وہ اسلام کی طرف مائل نہ ہو جائیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ بارش اور چمک دمک موت تھی۔ پھر اگر قرآن میں کوئی بات اپنی خواہش کے موافق ان کو ملجاتی تو دو قدم اسلام پر چلتے تھے اور اخیر میں جب ان کی خواہش کی تاریکی ہجوم کرتی تھی تو رک جاتے تھے لیکن یہ رکنا انکے لئے مفید نہ تھا کیونکہ خدا کو ان پر ہر طرح سے قابو تھا اور خدا کی گرفت سے بچکر وہ جا نہیں سکتے تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان منافق لوگوں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو بارش سے ڈر کر (کہ جس میں سراسر نفع ہے گو بظاہر کڑک چمک اور رات کی تاریکیاں بھی ہیں) کسی قحط سالی کے مقام میں چلے جائیں بس یہی حالت ان لوگوں کی ہے کہ قرآن سے (جو کہ آسمانی بلکہ روحانی پانی اور روح کو تر و تازہ کرنیوالی بارش ہے) اور قرآن کے اوامر و نواہی اور عبادات و احکام کی مشقتوں سے ڈر کر کفر کے گھر میں اور نفاق کی اندھیری کوٹھری میں چھپنا چاہتے ہیں اور قرآن کی نفس کش باتوں سے (کہ جو کڑک اور گرج کے مشابہ ہیں) اور اسکی قدرتی روحانی روشنی سے (کہ جو بجلی کی طرح ہے) ڈرتے ہیں اور اسکو باعث موت خیال کر کے نفاق اور غفلت کی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں تاکہ یہ آواز کان میں نہ پڑے اور اس سے مر نہ جائیں۔ اب یہ موت اگرچہ نفس امارہ کی موت ہے روح کی موت نہیں ہے بلکہ روح کیلئے تازگی، شادابی اور حیات ابدی ہے اور موت بھی ہو تو خدا سے کیونکر بھاگ سکتے ہیں اس کے

احاطۂ قدرت سے کوئی باہر نہیں خصوصاً کفار کو تو وہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے پھر یہ حرکت سراسر حماقت اور نہایت درجہ کی سفاہت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ منافق نفسانی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں جیسے وہ مسافر جو اندھیری رات میں جا رہا ہو بارش برس رہی ہو بادل گرج رہے ہوں بجلی چمک رہی ہو ان مصائب سے یہ غریب پریشان ہو جاتا ہو اگر ذرا بجلی چمکتی ہو تو دو چار قدم آگے بڑھا لیتا ہو لیکن پھر حیران پریشان کھڑا رہجاتا ہو۔ اسی طرح منافق حیران ہیں جب ذرا وعظ و نصیحت ہوتے ہیں تو سنبھل جاتے ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر میں نصیحت کا اثر دل سے مٹا کر اسی گمراہی اور کفر کی تاریکی میں گھسجاتے ہیں یہ نہیں خیال کرتے کہ بارش میں گرج چمک اور کڑک سب کچھ ہوتا ہے لیکن نتیجہ میں کھیتوں کی سرسبزی شادابی اور درختوں کی تر و تازگی ہوتی ہے اسی طرح اسلام میں ابتداءً محنت سختی اور افلاس سب ہی کچھ ہے لیکن نتیجہ و انجام فلاح دارین ہے۔

مقصود بیان:- دکھ کے ساتھ سکھ اور رنج کے ساتھ راحت ہے۔ ظاہری تکلیف اندرونی راحت کا اگر سبب ہو تو بہتر ہے۔ ابتدائی مشقت انجام کی آسائش کا باعث ہو تو اسکو اختیار کر لینا چاہئے۔ احکام اسلامی اگرچہ قیود معلوم ہوتے ہیں لیکن روح کو عذاب و اندوہ سے آزاد کرنیوالے ہیں اسلئے قابل برداشت ہیں۔ موت سے کسی شخص کو کسی تدبیر سے رہائی ملنی ناممکن ہے۔

لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ میں ایک لطیف ترین اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جسقدر چیزیں اسباب و علل کے ساتھ وابستہ ہیں کور بصیرت والے تو انہی اسباب و علل کو ان چیزوں کا فاعل حقیقی اور موجد و مولد جانتے ہیں کیونکہ ان کی عقل کی آنکھوں میں نور حقیقی نہیں ہوتا ان کی نظر بس اسی سبب و مسبب اور علت و معلول تک رسائی رکھتی ہے لیکن جن کی چشم بصیرت وا ہے وہ کوتاہ نظری سے کام نہیں لیتے اور ان تمام اسباب کی علت تلاش کرتے ہیں اور ان اسباب و علل کو واسطہ محض جان کر مسبب الاسباب کیطرف وجود اشیاء کو منسوب کرتے ہیں کیونکہ درحقیقت اسی کے قبضۂ قدرت میں تمام اسباب و مسببات کا وجود و بقا ہے وغیرہ۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں

تفسیر یہ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ موت کے خوف سے بجلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں یا ان کی آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں اور کڑک و گرج کی آواز

سن کر کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں تاکہ اسکی دہل سے مر نہ جائیں لیکن خدا انکی آنکھوں کا نور بینائی اور کانوں کی سماعت زائل کر سکتا ہے خواہ کتنی ہی محفوظ رکھنے کی کوشش کریں کیونکہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔

مقصود بیان:۔ خدا کے قبضۂ و اختیار کا دائرہ غیر متناہی ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے لیکن مصلحت خاص کی وجہ سے نہیں کرتا۔ وہ دنیا کے تمام کافروں منکروں اور قوانین الٰہی سے روگردانی کرنیوالوں کو یکدم ہلاک کر سکتا ہے لیکن اپنی حکمت بالغہ کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا۔ خدا نے انسان کی ہدایت اور کامیابی کے تمام ذرائع مہیا کر دیے ہیں لیکن انسان ان کو اپنے لئے قید سمجھکر ان سے بھاگتا ہے اور حیات ابدی کو اپنے لئے موت سمجھتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ

اے لوگو! تم اپنے اس پروردگار کی پرستش کرو جسنے پیدا کیا تم کو

وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہوئے ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ

تفسیر

ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں یا ایہا الناس سے مکہ والوں کو خطاب ہوتا ہے اور یا ایہا الذین امنوا سے اہل مدینہ مخاطب ہوتے ہیں کیونکہ مکہ میں مسلمان کم اور کافر زیادہ تھے اسلئے بصورت عموم خطاب کرنا مناسب تھا اور مدینہ میں مسلمان زیادہ اور کافر کم تھے اسلئے صرف مسلمانوں کو خطاب کرنا موزوں تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ قرآن کے خطابات کا محل و مورد اگرچہ خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔ جہاں عام لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں تمام دنیا کے انسان خطاب میں داخل ہیں اور جہاں صرف مسلمانوں کو خطاب کیا ہے وہاں تمام دنیا کے مسلمان حکم میں داخل ہیں۔

گذشتہ آیات میں سب سے پہلے مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ قرآن اہل تقوی اور متبعین شریعت کے لئے باعث ہدایت ہے پھر کافروں کی حالت بیان کی گئی۔ اخیر میں منافقوں کے نفاق کی کیفیت کا اظہار کیا گیا۔ اب سب کو مجملاً مخاطب کیا گیا کیونکہ تینوں فرقوں کے احوال بیان کرنے سے عموماً عقلمند انسان سعادت اور ہدایت کے مشتاق بنگئے تھے۔ لہذا مقصود اصلی یعنی توحید و عبادت کا بیان مناسب معلوم ہوا تاکہ توحید و عبادت سے وہ وصف تقوی جس کا اشتیاق پیدا ہوگیا تھا اور جس سے سعادت ابدی اور ہدایت سرمدی معرض ظہور میں آتی ہے حاصل ہو جائے اور چونکہ عبادت کا استحقاق اسی وقت خصوصیت کے ساتھ ہو سکتا ہے جبکہ تمام لوگ اپنے وجود اور بقائے وجود میں خدا کے محتاج ہوں اسلئے اول کا بیان تو لعلکم تتقون تک کیا اور دوسری بات کا بیان آئندہ آیات میں آتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔ اے لوگو! اپنے رب کو واحد جانو اور اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو نہ اعتقاد میں نہ صفت میں نہ فعل میں کیونکہ وہی تمہارا اور تمہارے اسلاف کا پیدا کرنیوالا ہے اسی نے تمام سابق و لاحق انسانوں کو پیدا کیا لہذا وہی الوہیت و عبادت کے لائق ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جو خالق ہوگا وہ مخلوق نہ ہوگا دوسرے اپنے ایجاد و وجود اور ہستی میں اس کے محتاج ہیں وہ اپنے وجود میں دوسروں کا محتاج نہیں لہذا قابل پرستش وہی ذات مقدس ہے نہ کہ تمہارے خیالی معبود اور وہی پروردگار اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہاری اس عبادت گذاری اور اطاعت شعاری سے اسکا کوئی ذاتی فائدہ والبستہ نہیں ہے بلکہ تمہارا ہی نفع ہے تم کو صفت تقوی حاصل ہو جائیگی اور آتش جہنم سے بچ جاؤگے۔ کیونکہ جب بندہ اپنی روح اور اپنے تمام اعضائے جسمانی سے خداوند تعالی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسکے آگے سر نیاز خم کرتا ہے تو اسکی روح پر انوار الٰہی کی چمک پڑتی ہے اور روح کے روشن ہونے سے تقوی اور سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ معبودیت کے استحقاق کا معیار خالقیت ہے جب خدا تعالے نے تمہاری ہستی عدم سے پیدا کی تو تمہاری ہستی کا معبود بھی وہی ہو سکتا ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ

جس نے تمہارے واسطے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کی

بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ

چھت بنائی اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس پانی سے

مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ

میوے پیدا کئے تمہارے رزق کے لئے

تفسیر

یہ استحقاق معبودیت و الوہیت کی دوسری صورت کا بیان ہے یعنی معبودیت کے استحقاق کا معیار ایک تو خالقیت ہے اور دوسرا تربیت یعنی بقائے زندگی کے اسباب مہیا کرنا اور ہستی انسانی کو تدریجاً کمال تک پہونچا دینا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ہی نے تم کو پیدا کرنے کے بعد تمہاری بقائے حیات کے تمام اسباب مہیا کئے ہیں زمین کو تمہارے آرام کے لئے نرم فرش بنایا ایک چوتھائی

زمین کو پانی سے باہر نکال دیا۔ پھر اسکو نہ اس قدر نرم کیا کہ دلدل ہو جائے نہ ایسا سخت اور مدور کیا کہ رہنا ناممکن ہو جائے اور انسان لوٹ پڑتے بلکہ ایسا موزون و مناسب بنایا کہ سب لوگ آرام سے اس پر رہتے سوتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ پھر آسمان کو خیمہ کی طرح تمہارے لئے چھت بنا دیا روشنی و تاریکی کا انتظام کیا اس کے بعد تم کو اس سطح زمین پر رکھا اور روزمرہ تمہاری پرورش اور تربیت کا انتظام بھی کر دیا اوپر سے پانی برسایا اور اس سے رنگا رنگ کے پھول و پھل پیدا کئے جن کو تم کھانے استعمال کرتے ہو اور مزے اڑاتے ہو۔ حاصل مطلب یہ نکلا کہ خدا ہی نے تم کو پیدا کیا نیست سے ہست بنایا اور اسی نے تمہاری بقاء حیات کے ذرائع پیدا کئے رہنے کی جگہ، کھانے کیلئے رنگا رنگ کی غذا اور پہننے کے لئے لباس عطا فرمایا۔ لہذا تم اپنی ایجاد ہستی اور بقاء ہستی میں اسی کے محتاج ہو اور جب تمہاری کل ہستی اسی کے احسان کی منت کش بلکہ اسی کے احسان پر موقوف ہے تو پھر اسی کو مستحق الوہیت سمجھو شرک نہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور تم علم رکھتے ہو

تفسیر یہ گذشتہ دلائل کا نتیجہ ہے یعنی جب استحقاق الوہیت و معبودیت خدا کو ہے تمام مخلوق کو پیدا کرنا آسمان کو خیمہ اور زمین کو فرش بنا کر اس بہترین مکان میں تم کو رکھنا اور قسم قسم کے کھانے کھلانا جب اسی کا فعل ہے تو تمہارے واسطے بھی لازم ہے کہ تم خیالی معبودوں اور وہمی دیوتاؤں کو اسکے ساتھ ذات صفات اور افعال میں شریک نہ بناؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمہاری ہستی اور بقاء ہستی کا فاعل حقیقی وہی ہے۔

مفصود بیان: خدا واحد لاشریک ہے تمام عالم کو پیدا کرنے والا اور پرورش جسمانی و روحانی کرنیوالا ہے۔ اس نے آسمان زمین پانی اور سبزہ درخت اور اس کے پھل پہاڑ اور اسکی پیداوار سب کچھ انسانوں کے فائدے کیلئے بنایا ہے وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ دنیا اسکی محتاج ہے اور جو کسی کا محتاج نہ ہو وہی قابل معبودیت ہوتا ہے۔ پانی ابر سے پیدا ہوتا ہے، پانی سے پھل پھول اور سبزہ پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کی اصلی غرض اتقاء و پرہیزگاری ہے۔ اور اتقاء و پرہیزگاری پرستش الٰہی سے پیدا ہوتی ہے جسقدر پرہیزگاری بڑھتی جائیگی اور خواہشات نفسانی سے دماغ صاف ہوتا جائیگا وحدانیت الٰہی کا مشاہدہ ہوتا جائے گا۔

یہ تمام مصنوعات اور آیات بینات وجود الٰہی اور توحید ربانی کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں اور اسی کے لئے استحقاق معبودیت ثابت کرتی ہیں آیت میں خدا تعالیٰ نے نازک ترین انداز میں اپنی نعمتوں اور بخششوں کا اظہار، عبادت کا حکم اور اسکا انجام کار، محبت الٰہی پیدا کرنے کے مضامین، استحقاق الوہیت، تمام عالم کی پیدائش کی ابتدا، اپنے وجود قدرت، ارادہ، علم اور دیگر صفات کمال کا بیان کر دیا اور بت پرستی بلکہ مخلوق پرستی کی ممانعت کلی کر دی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا

اور اگر تم شک میں ہو اس کتاب سے جو ہم نے اپنے بندہ پر اتاری ہے تو لے آؤ

بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ

اس جیسی ایک سورت اور بلا لو اپنے حمایتوں کو

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا

اللہ کے سوا اگر تم (اپنے دعوی میں) سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کرو

وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ

اور کبھی کر ہی نہ سکو گے تو ڈرو اس آگ (کے عذاب) سے جسکا ایندھن آدمی (کافر)

وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ

اور پتھر (بت) ہیں جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں خدا تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا تھا اور اپنی توحید کا اعلان کر کے ایمان لانے کی دعوت دی تھی لیکن عبادت مقبول عند اللہ اور غیر مقبول عند اللہ کا امتیاز و فرق صرف عقل سے نہیں ہو سکتا اس میں نبی اور الہام کی سخت ضرورت ہے جب تک نبی کا توسط نہ ہو یہ مادی مخلوق نور مجرد سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتی اسلئے ضرور ہوا کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دلیل سے ثابت کی جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے وہ منجانب اللہ ہے تم پر رسول اللہ کا اتباع اور قرآن کریم کی پیروی لازم ہے بس یہی وجہ ہے کہ اعلان توحید کے بعد اقرار رسالت کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ فرمایا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یعنی اگر تم کو قرآن میں کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا ہے اور یہ شک تمہارا ابداہۃً نور عقلی پر مبنی ہے تو ہم تم کو بتا چکے ہیں کہ عقل والے

کے لئے سوچنے کے بعد کوئی شک اسمیں باقی نہیں رہتا اور اگر تم کو اوہام بشری اور وساوس شیطانی کی وجہ سے کچھ شک ہو تو جہ ما فی اوہام سے منہ موڑ کر ذرا قلب سلیم کی جانب رجوع کرو تو نور عقل سے یقیناً تمہارا شک زائل ہو جائیگا کیونکہ شک صرف اس امر میں تم کو ہے کہ یہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خود ساختہ ہے ۔ تو

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ تم بھی اسکے مثل ایک سورۃ بنا لاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے کسی مخلوق کی تعلیم و تربیت کا منت کش نہیں بنایا تم بھی خوب واقف ہو کہ محمد صلعم نے کسی بندہ سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور تم لوگوں نے پڑھ پڑھا کر فصاحت و بلاغت میں دعوی کمال پیدا کیا ہے اسلئے اگر محمد صلعم باوجود ان پڑھ اور اُمی ہونیکے قرآن اپنی طرف سے بنا سکتے ہیں تو تم باوجود دعوی کمال کے اس سے بہتر فصیح و بلیغ بنا سکتے ہو لہذا ایک سورت ہی کم از کم اسکی مثل بنا لاؤ اور تنہا نہ بنا سکتے ہو تو

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ تو اپنے مددگاروں کو بلاؤ اور فصحا و بلغا کو جمع کرکے اُن سے بھی امداد حاصل کرو اور دوسری قوموں کی مدد ہی سے اسکی مثل بنا لاؤ اگر تم اس دعوی میں سچے ہو کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ محمدؐ کا خود تراشیدہ ہے

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ ۔ اب اگر مقابلہ نہ کر سکو یعنی جب تم کو اعجاز کلام سے معلوم ہوگیا کہ تم اسکا مقابلہ نہیں کر سکے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو قطعاً معلوم ہوگیا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور بداہتہً ثابت ہوگیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق ہیں تو اُن سے سرتابی کرنی اُنکی نبوت کا انکار کرنا اور اُن کے احکام کی تعمیل نہ کرنی عذاب جہنم کا موجب ہے لہذا تم کو اُن سے بچنا چاہیئے کیونکہ جہنم کی آگ معمولی آگ نہیں ہے بلکہ ایسی آگ ہے

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے معمولی دنیوی آگ کا کوئی تحمل نہیں کر سکتا پھر ایسی آگ کسطرح قابل برداشت ہو سکتی ہے جو پتھروں اور آدمیوں سے روشن ہوگی اور پتھروں میں تمہارے دیوتاؤں کی مورتیاں، پہاڑوں کے پتھر اور گندھک وغیرہ کی چٹانیں بھی ہونگی جنمیں سے بعض کا جلنا تمہاری سوختگی کا باعث ہوگا اور بعض کے جلنے سے تمہارے بدن جلکر کوئلہ کی طرح ہو جائینگے اور یہ بھی خوب سمجھ لو کہ یہ آگ ہر شخص کے لئے نہیں ہوگی بلکہ

أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ اسکی تیاری صرف اُن لوگوں کیلئے ہے جو احکام اسلام، نبوت محمدیہ، اعجاز قرآن اور حقانیت شرع کے منکر ہیں لہذا تم کو انکار نہ کرنا چاہیئے (تفسیر مجاہد، قتادہ، ابن جریر، ابن کثیر، زمخشری، رازی ۔ نیز تفسیر ابن مسعود، ابن عباس و حسن بصری وغیرہ)

پوری آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم کو اس کلام میں جسکو ہم نے اپنے بندہ محمدؐ پر نازل کیا ہے کچھ شک ہو کہ یہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں اور یہ نبی برحق ہے یا نہیں تو قطع نظر دیگر معجزات اور نشانہائے نبوت کے تم خاص اس کلام کا ہی مقابلہ کر کے دیکھو کیونکہ ہر قسم کا کلام بنانے میں تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کم نہیں تم بھی اہل زبان ہو اور تم بھی خاص اُسی شہر اور اُسی ملک اور اُسی قوم کے افراد ہو کہ جسکے محمدؐ ہیں بلکہ تم اُن سے اس قوت کلامیہ میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہو تم شعر و شاعری اور سخن پروری کے مشتاق ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے عمر سے تم عبادت ریاضت اور گوشۂ تنہائی میں ساکت و صامت دیکھتے ہو ۔ تم ہر مجلس و میلے میں شاعری اور خطابت کا مقابلہ کرنے جاتے ہو اور محمد صلعم تو طبعاً اس سے نفرت کرنیوالے ہیں لیکن اس قوت کلامی کے باوجود تم سے ایک سورت کی برابر بھی کلام نہیں بنایا جاتا ۔ تم کو نہایت زور اور دعوی کے ساتھ مقابلہ کیلئے بلایا جاتا ہے اور اجازت بھی دی جاتی ہے کہ ایک نہیں بلکہ سب ملکر کوشش کرو اور پھر اپنے ان معبودوں سے بھی مدد لو جنکو تم ہر قسم کی قدرت اور اختیار کا مبدء اور ہر طرح کا حاجت روا جانکر پوجتے ہو پھر جب تم سے ایک سورۃ کی برابر نہ بن سکا اور نہ کبھی بن سکیگا تو یقین کر لو کہ یہ اُس شخص کا کلام ہے جو تمام عالم سے قدرت میں زائد ہے اُس کا مقابلہ اور اُسکے کلام کی تکذیب کرنا اپنے لئے جہنم میں ٹھکانا بنانا ہے جسکی آگ بہت سخت اور تیز ہے معمولی آگ نہیں ہے اُس میں آدمی اور پتھر جلتے ہیں تم کو لازم ہے کہ اُس آگ سے بچنے کا سامان کرو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو سچا جانو اور احکام اسلام پر صدق دل سے ایمان لاکر کاربند ہو جاؤ کیونکہ منکروں کیلئے وہ آگ تیار کیگئی ہے جب تم منکر نہ ہوگے تو اُس آگ میں داخل بھی نہ ہوگے ۔

نکات :- (۱) شہداء کے معنی مختلف آتے ہیں ۔ حاضر، مدد کرنے والا ۔ حاکم ۔ گواہی دینے والا ۔ آیت میں چاروں معنی بن سکتے ہیں ۔ یعنی جو فصیح و بلیغ حاضر اور موجود ہوں اُن کو بلاؤ اور اُن سے مدد لو یا تم اپنے مددگاروں کو مدد کیلئے بلاؤ ۔ یا فیصلہ کرنیوالوں کے پاس اس مقابلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے جاؤ دیکھو وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں یا گواہوں کو بلاؤ تاکہ وہ اظہار کریں کہ تمہارا کلام قرآن کی طرح ہے یا نہیں ۔

(۲) آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کھٹوڑا کھوڑا کر کے

نازل ہوا ہے جسکی صورت یہ تھی کہ لوح محفوظ سے تو یکدم پورا بیت المعمور تک نازل ہوا تھا مگر وہاں سے دنیا میں حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا (۳) جس امر میں مخالفین کو بڑا دعویٰ تھا اُسی میں اُن کو عاجز بنا کر قرآن کا منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیا۔ (۴) معجزۂ قرآنی ثابت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کر دی۔ (۵) خدا کے سوا جسقدر باطل معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور اُن سے مرادیں مانگتے ہیں یا قادر مطلق یا مختار عام جانتے ہیں ان سب کی نہایت خوبی سے تردید کر دی۔ (۶) کفر کی سزا دوزخ کو قرار دیا (۷) اس بات کو واضح کر دیا کہ دوزخ پیدا ہو چکی ہے وغیرہ۔

مقصود بیان: کسی کو قرآن کی حقانیت، اسلام کی صداقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی میں شک وشبہ نہ کرنا چاہئے انکار کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ بڑا سا بڑا نبی مرسل یہانتک کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے بندے اور عبادت گذار بندے تھے۔ مختلف مصالح اور حکمتوں کے ماتحت حسب ضرورت قرآن تھوڑا تھوڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دنیا میں نازل ہوا لیکن یہ بات باعث شک نہیں ہو سکتی۔ تمام دنیا کے انسان، جنات بلکہ تمام مخلوقات بھی جمع ہو کر قرآن کی ایک سورت کی برابر بھی فصاحت، بلاغت، مضامین کی جامعیت، ربط عبارت، شستگی معنی اور افادہ عام کے اعتبار سے کوئی کلام نہیں بنا سکتے۔ مقابلۂ قرآن سے عاجز ہونے کی یہ ایک زبردست پیشینگوئی ہے جو اب تک صادق ہوئی اور آئندہ بھی صادق ہوگی پیشین گوئی کی صداقت بھی ایک معجزہ ہے۔ جہنم صرف اعتقادی یا عملی منافقوں کے واسطے تیار کیا گیا ہے۔ اسلام کی حقانیت میں شک وشبہ کرنا بھی کفر ہے۔ دوزخ کی آگ کی کیفیت اس آگ کی کیفیت سے جدا ہے۔ عذاب سے ترہیب و تہدید اور شک وشبہ کی ممانعت پر بھی آیت دلالت کرتی ہے وغیرہ۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

اور (اے محمدؐ!) بشارت دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے کہ بیشک اُنکے لئے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا

باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں جب کبھی ان کو اس میں سے کھانے کو

مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ

کوئی پھل دیا جائیگا کہینگے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمکو پہلے کھانے کو ملا تھا

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ

اور وہ دیے جائینگے ایکسی جیسے پھل اور اُنکے لئے اُسمیں پاکیزہ بیبیاں ہوں گی

وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

اور وہ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے

تفسیر

گذشتہ آیات میں کفار کی حالت بیان کی گئی تھی اور ان کو نصیحت کی گئی تھی کہ جہنم سے بچنے کا سامان کریں۔ ان آیات میں مؤمنوں کی حالت کا بیان ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس کا اظہار کر دیا جائے کہ وہ نافرمانی کا نتیجہ تھا تو یہ فرماں برداری کا ثمرہ ہے تاکہ ترہیب کے ساتھ ترغیب بھی ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور حکم الٰہی کے موافق اعمال صالحہ کئے اُن کو بشارت دیدو کہ:۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کہ اُن کے لئے جنت میں مکانات ہیں اور اُن مکانات کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ جنت کی نہریں کوہ مشک کے نیچے سے جاری ہیں۔ یہی قول حضرت ابن مسعودؓ کا ہے (ابن ابی حاتم)

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ یعنی جتنی مرتبہ اہل جنت کو جنت کے پھل دیے جائینگے وہ کہینگے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو اس سے پہلے دیدیے گئے تھے۔ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ نے اسکے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ جب اہل جنت کے پاس جنت کا کوئی خاص قسم کا پھل لایا جائیگا اور وہ اسکی ظاہری شکل وصورت پر نظر کرینگے تو آپس میں کہینگے کہ یہ تو ویسا ہی پھل معلوم ہوتا ہے جو ہم کو اس سے پہلے دنیا میں دیا گیا تھا (سدی) حضرت قتادہ، عبدالرحمن بن زید اور شیخ طبری نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔ لیکن حضرت عکرمہ اور ربیع بن انس وغیرہ نے آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اہل جنت کو جنت کا میوہ ایک وقت عطا ہوگا جسکی لذت اور مزہ سے وہ واقف ہو جائینگے پھر دوسرے وقت اسی شکل وصورت کا پھل اُن کو دیا جائیگا جسکو دیکھ کر وہ کہینگے کہ یہ تو وہی نظر آتا ہے جو ہم کو اس سے پہلے مل چکا ہے۔

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا یعنی اہل جنت کو یہ رزق باہم ایک دوسرے کا ہمشکل ملیگا لیکن ذائقہ اور کیفیت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ یعنی اہل جنت کے لئے جنت میں بہترین مرغوب خاطر مکانات اور عمدہ عمدہ میوے اور غذا ئیں ہی فقط نہ ہونگی بلکہ اور بھی مرغوب طبع چیزیں اُن کو ملینگی۔ پاک صاف ستھری اور ہر قسم کے میل کچیل اور غلاظت وکثافت سے مبرا بیویاں بھی اُن کو وہاں نصیب ہونگی جنکے اندر انسانی لوازم میں سے کوئی نجاست نہ ہوگی اور یہ تمام نعمتیں عارضی نہ ہونگی کہ کچھ مدت کے بعد زائل ہو جائیں یا اُن سے لیلی جائیں یا اہل جنت

کو جنت سے نکال دیا جائے بلکہ جنتی

وَّهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ جنت کے اندر ہمیشہ ہمیش رہینگے موت سے مامون اور زوال نعمتوں سے محفوظ ہونگے نہ اُن کو کفر کا خوف ہوگا نہ مرنے کا ڈر بلکہ یہ تمام نعمتیں دائمی اور سرمدی ہونگی۔

آیات مذکورہ کا حاصل مطلب اور خلاصہ یہ نکلا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے اچھے کام بھی کیے احکام اسلام کی تعمیل کی اور اوامر و نواہی کے پابند رہے اُن کو مرنے کے بعد اُس عالم میں ایسے باغ عنایت ہونگے جنمیں نہریں بہتی ہونگی اور ان باغوں کے میووں میں عجیب لطف ہوگا کہ شکل و صورت اور رنگ و بو تو یکساں ہوگی اور مزے الگ الگ ہونگے یہانتک کہ جب کوئی میوہ اُن کو ملیگا تو ہم شکل ہونے کی وجہ سے وہ یہ سمجھینگے کہ یہ تو ہم ابھی کھا چکے ہیں مگر کھانے کے بعد اُن کو نیا لطف حاصل ہوگا اور اُن کو جسطرح مکانات اور کھانے عمدہ عنایت ہونگے اسی طرح اُنس دلچسپی کیلئے پاکیزہ بیویاں بھی ملینگی کہ جو ہر قابلِ نفرت چیز سے پاک ہونگی کوئی کراہت انگیز چیز نہ اُنکی صورت میں ہوگی نہ سیرت میں اور یہ اہلِ جنت غمِ پیری، خوفِ موت، الم افلاس اور اندیشۂ انقطاع سے قطعًا محفوظ ہونگے ہمیشہ عیش و آرام کے ساتھ جنت میں رہینگے۔

مقصود بیان: ۔ ایمان صرف اعتقاد کا نام ہے اعمال صالحہ جزو ایمان نہیں ہیں بغیر اعمال صالحہ کے بھی صرف تصدیق قلبی اور اقرار زبانی سے آدمی مؤمن ہوسکتا ہے۔ ہاں تکمیل ایمان اعمال صالحہ سے ہوتی ہے۔ جنت کی بشارت اُنہی لوگوں کے لئے ہے جو ایمان بھی رکھتے ہوں اور اعمال صالحہ کے بھی مالک ہوں۔ مؤمنوں کیلئے ایک جنت نہیں ہے بلکہ بہت سی جنتیں ہیں۔ جنت کے پھل رنگ بو اور شکل میں باہم ملتے جلتے ہونگے اور مزے میں مختلف۔ جنت کی عورتیں تمام کثافت بشری سے پاک صاف ہونگی۔ اہل جنت نہ کبھی مرینگے نہ کبھی جنت سے نکالے جائینگے۔ آیت میں ایمان اور اعمال صالحہ کی دعوت احسن اسلوب کے ساتھ دیگئی ہے اور مؤمن با عمل کے ثواب کا بھی بیان کردیا گیا ہے تاکہ گزشتہ آیات کے پڑھنے سے انسانی طبیعتوں پر جو خوف طاری ہوگیا ہو وہ اس بشارت سے جاتا رہے اور انسان بیم و امید کے درمیان راستہ اختیار کرکے مؤمن کامل بنجائے جنت کی چیزوں کی حقیقت اور اندرونی کیفیت دنیوی اشیاء کے حقائق اور کوائف سے بالکل غیر ہوگی۔ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ میں علم مبدء کی طرف اشارہ تھا اور اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ الخ سے علم معاش کیطرف ان آیات میں علم معاد کا بیان مقصود ہے۔ وغیرہ۔

اگلی آیت میں خداوند تعالیٰ منافقوں کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اظہار حقیقت فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا

بیشک اللہ کچھ شرماتا نہیں کہ بیان کرے مثال کسی مچھر کی یا اس سے بھی

فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ

حقیر ترین چیز کی تو جو لوگ ایمان لاچکے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے

مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ

انکے رب کیطرف سے اور جو کافر ہے وہ کہتے ہیں کیا مقصد تھا

اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِیْ

اللہ تعالیٰ کا اس مثال دینے سے؟ گمراہ کرتا ہے اللہ اس مثال سے بہتوں کو اور ہدایت

بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ

کرتا ہے اس سے بہتیروں کو اور انہیں کو گمراہ کرتا ہے جو بدکار ہیں جو

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ

توڑتے ہیں اللہ کے اقرار کو اسکے پختہ ہونے کے بعد اور کاٹتے ہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

جسکے جوڑنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اور ملک میں فساد

فِی الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

پھیلاتے پھرتے ہیں یہی لوگ زیاں کار ہیں

تفسیر اس سے پیشتر جبکہ خدا تعالیٰ نے منافقوں کی حالت کی وضاحت کیلئے دو تمثیلیں بیان فرمائی تھیں اور پھر اثبات نبوت کے لئے فرمایا تھا کہ اگر اس قرآن کو منجانب اللہ تسلیم نہیں کرتے تو تم بھی اسکی مثل ایک سورت بنالاؤ لیکن وہ عاجز ہوکر مقابلہ نہ کرسکے تو ایسی حالت میں اور کوئی بات تو بن نہ پڑی مگر یہ عیب نکالا کہ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو تعجب ہے کہ خدا ایسا جلیل القدر ہونیکے باوجود ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں دیکر اثباتِ مدعا کرتا ہے۔ اسکے علاوہ ایک صورت یہ بھی تھی کہ قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے جانوروں کی تمثیلیں مختلف آیات میں بیان فرمائی تھیں کہیں یہ کہا گیا تھا کہ کافروں کے معبود ایسے ضعیف اور بے بس ہیں کہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کرسکتے بلکہ اگر مکھی اُن کے مُنہ پر بیٹھ جائے تو اُڑا بھی نہیں سکتے۔ کہیں یہ کہا گیا تھا کہ کافروں کا دین مکڑی کے جالے

کی طرح سے ان تمثیلوں کو سُن کر بعض لوگ کہنے لگے کہ مسلمانوں کا خدا بھی عجیب خدا ہے جسکو ایسی حقیر چیزوں کے نام لینے میں مطلق شرم نہیں آتی۔ اُس وقت آیات مذکورہ کا نزول ہوا۔ خدا تعالیٰ اُن کے جواب میں فرماتا ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا کہ خدا تعالیٰ کسی مثال کو بیان کرنا نہیں چھوڑ سکتا خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر چیز کی۔ یہ بیوقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ ہمارے نزدیک ہماری ساری مخلوق برابر ہے خواہ مچھر ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر کوئی اور چیز ہو چھوٹا بڑا ہماری نظر میں برابر ہے کیونکہ سب خدا ہی کی مخلوق ہے سب کو اسی نے پیدا کیا۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ اب ایماندار لوگ تو جانتے ہیں اور جن کو معرفت الٰہی حاصل ہے یہی سمجھتے ہیں کہ یہ پروردگار کی جانب سے حق ہے۔ نور معرفت سے بھی لوگ حقائق اشیاء کو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے اصل مقصود کیا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا باقی رہے کافر تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسکے ساتھ مثال بیان کرنے سے کیا ارادہ کیا ہے کیونکہ ان کو جہالت کی وجہ سے آیت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا خدا تعالیٰ اسکے ذریعہ سے بہتوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے۔ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہ فرماتے ہیں کہ جنکو خدا ہدایت کرتا ہے وہ مؤمنین ہیں کہ امثلۂ قرآن کی تصدیق سے اُن کا نور ہدایت اور دوبالا ہو جاتا ہے اور جن کو گمراہ فرماتا یا گمراہ چھوڑتا ہے وہ منافقین ہیں کہ کلام الٰہی کے انکار سے اُن کی تاریکی ضلالت میں اور تاریکی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ یعنی اس سے خدا تعالیٰ سوائے فاسقوں کے اور کسی کو گمراہ نہیں کرتا صرف فاسقوں کو اس نور تک رسائی کی اجازت نہیں دیتا اسلئے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ابو العالیہ اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ فاسقین سے منافقین مراد ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فاسقین سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جنہوں نے دانستہ کفر کیا۔ گو یا فاسقین سے عام طبقہ مراد ہے خواہ یہودی ہوں یا علماء عیسائیت یا منافق۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ حد سے خارج ہو گئے تھے اسلئے خدا نے انکو گمراہ اور بھٹکتا چھوڑ دیا۔ مفسر مواہب الرحمٰن کا قول ہے کہ جو شخص امر حق اور سنت صحیح سے باہر ہو وہ فاسق ہے لیکن فسق کے مراتب ہیں جو شخص عمل سنت سے خارج ہو وہ اعتقادی مبتدع ہے اور جو شخص حرام کا مرتکب ہو اُسکو اصطلاح میں فاسق کہتے ہیں اور جو شخص عقائد اسلام سے خارج ہو وہ منافق ہے اور اسمیں کفار و مشرکین بھی داخل ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ یعنی ہماری بیان کردہ مثالوں پر وہی اعتراض کرتے اور گمراہ بنتے ہیں جن کا شیوہ اور دستور العمل فسق و معصیت ہے۔ یہ لوگ اللہ کے اُس اقرار کو توڑتے ہیں جو ازل میں کیا تھا اور جس چیز کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا تھا اُسکو کاٹتے ہیں اور تفرقہ کرتے ہیں۔ انبیاء میں سے بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ صلۂ رحمی نہیں کرتے۔ اقارب کے ساتھ نیک برتاؤ اور سلوک نہیں کرتے اور نہ محمدؐ پر ایمان لاتے ہیں۔ جس عہد شکنی کا اس آیت میں ذکر ہے اُس سے کونسی عہد شکنی مراد ہے اور اس حکم میں کون لوگ داخل ہیں؟ تو اکثر علماء کا قول ہے کہ آیت میں تمام مشرک کافر اور منافق مراد ہیں اور عہد سے مراد ایک تو وہ عہد ہے جو ازل کے روز سب آدمیوں سے خدا نے اپنی توحید اور اتباع احکام کا لیا تھا دوسرے دنیا میں آیات الٰہی اور پیغام رسالت بھی میثاق الٰہی میں داخل ہے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ آیت میں صرف منافق مراد ہیں اور منافق کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک تو غالب ہونے کی دوسرے مغلوب ہونے کی۔ غلبہ کے وقت تو منافق میں چھ اخلاق رذیلہ ہوتے ہیں اگر اُسکے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔ خدا کے عہد کو توڑتا ہے۔ اہل قرابت سے قطع تعلق کرتا ہے۔ زمین پر فتنہ و فساد برپا کرتا ہے۔ بات کہتا ہے تو جھوٹی کہتا ہے۔ اور وعدہ کرتا ہے تو اُسکو پورا نہیں کرتا۔ اگر منافق مغلوب ہوتا ہے تو صرف تین باتیں اُس کے اندر رہ جاتی ہیں جھوٹ۔ وعدہ خلافی اور خیانت۔ سدی کہتے ہیں کہ عہد سے وہ اقرار ایمان مراد ہے جو قرآن کے اندر مذکور ہے۔ ابن جریر نے منافقوں کے ساتھ یہود و نصاریٰ کو بھی داخل کیا ہے ابن حبان کا بھی یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یعنی ایسے ہی لوگ خسارہ میں ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خاسر کا لفظ اگر اہل اسلام کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے کفر مراد ہوتا ہے اور اہل اسلام کی طرف منسوب ہوتا ہے تو گناہ مراد ہوتا ہے اور یہاں مقدم الذکر معنی مراد ہیں۔ یعنی کفر۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ مچھر یا اُس سے بھی چھوٹی چیز کے ساتھ مثال دینے سے نہیں رک سکتا کیونکہ مثال سے غرض ایک حال کا اظہار ہوتا ہے اور امر معقول کو محسوس بنا کے دکھانا اور سمجھانا

مقصود ہوتا ہے جیسا حال ہوگا اسی قسم کی چیز سے مثال دیجائیگی خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ مثال دینے میں خوبی یہ ہونی چاہئے کہ جس چیز کی مثال دی ہے وہ اس تمثیل کے مناسب ہو۔ لہذا جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور خدا نے اُن کو نورِ فطرت سے منور کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ مثال درست ہے اور خدا تعالیٰ نے ہمارے سمجھانے کے لئے بیان کی ہے۔ اور جو کافر ہیں نورِ بصیرت سے محروم ہیں وہ طعن کرتے ہیں کہ خدا کو ایسی رکیک مثالوں سے کیا غرض ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ نظر رکھنے والے لوگ اُن پر غور و فکر کر کے بہترین نتیجہ نکالتے ہیں اور کور بصیرت رکھنے والے نکتہ چینیاں کر کے فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ اور یہ گروہ فاسقوں کا ہوتا ہے جو میثاق ازلی کو توڑتے ہیں۔ زمین پر چوری، فتنہ فساد کفر و ظلم، الحاد و بدینی پھیلاتے ہیں اور جس بات کے قائم رکھنے کا خدا سے انہوں نے وعدہ کیا تھا اور خدا نے بھی انکو حکم دیا تھا اُسکو قائم نہیں رکھتے۔ نہ حقوق الٰہی ادا کرتے ہیں نہ حقوق عباد۔ لہذا یہی لوگ بدنصیب اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔ دنیا میں بھی اپنے اعمالِ بد کا خمیازہ بھگتیں گے اور آخرت میں بھی عذاب سرمدی میں مبتلا ہوں گے۔

مقصود بیان :- خدا تعالیٰ کی نظر میں تمام مخلوق مساویانہ حیثیت رکھتی ہے۔ نورِ فطرت رکھنے والے اور معرفت الٰہی سے متصف ہونے والے حقائق اشیاء اور اغراض الٰہی کو اپنے نورِ معرفت سے جانتے ہیں۔ جن لوگوں کے نورِ فطرت پر جہالت کے پردے پڑے ہیں وہ مصالح الٰہی کو نہیں سمجھ سکتے۔ حدودِ الٰہی سے سرتابی کرنے والے فاسق ہیں۔ اوامر و نواہی کی پابندی نہ کرنے والے بھی فاسق ہیں اور دائرۂ ایمان سے خارج ہونے والے بھی فاسق ہیں۔ جو شخص خود احکام شرع سے سرکشی کرتا ہے اور نورِ فطرت پر جہالت کے پردے ڈالتا ہے خدا اُس کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

آیت میں امورِ ذیل کی تعلیم بھی بہترین اور لطیف انداز میں دی گئی ہے :-

حقوق محبت، حقوق ملت، حقوق اخوت، حقوق قرابت حقوق وطن۔ اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا حکم۔ دروغ بافی، افترا پردازی۔ فتنہ انگیزی، خونریزی، اخفاء حق، شرک، کفر اور دیگر روحانیت سوز اخلاق کی ممانعت۔ اقرار توحید و رسالت، انبیاء اور کتب الٰہیہ پر ایمان، صلۂ رحمی کرنے اور آیاتِ الٰہیہ میں غور کرنے کی ہدایت وغیرہ

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ

تم اللہ (اور اُسکی صفات) کا کسطرح انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم معدوم تھے پھر تم کو زندگی دی

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

پھر تم کو موت دیگا پھر زندہ کرے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

تفسیر گذشتہ آیات میں جب قرآن پاک کا اعجاز اور منزل من اللہ ہونا ثابت ہو گیا اور مخالفین کے اعتراضات کا بھی جواب ہو گیا تو اب یہاں سے آیت یَا بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا تک خدا تعالیٰ اپنی اُن نعمتوں کا اظہار کرتا ہے جو تمام دنیا کے لئے عام ہیں۔ کوئی شخص اور کوئی قوم اُن کے لئے مخصوص نہیں اور ان نعمتوں کے ذکر کے دوران میں مبدء و معاد کے متعلق بہت سی باتیں بھی بتاتا ہے تاکہ قرآن کا اعجاز خوب دلنشین ہو جائے۔ (حقانی و بیضاوی)

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ۔ یعنی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت، خالقیت اور دیگر صفات کا کس طرح انکار کرتے ہو وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا حالانکہ تم بے جان تھے بالکل معدوم تھے نہ تم میں کوئی حس تھی نہ حرکت۔ فَأَحْيَاكُمْ پھر خدا ہی نے تم کو زندگی عطا کی نیست سے ہست کیا مطلب یہ کہ خدا تمہارا موجد اور خالق ہے۔ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ پھر کچھ زمانہ کے بعد تم کو وہی ماریگا اُسکی گرفت سے تم بچ نہیں سکتے بلکہ دائرہ اختیار میں ہو وہ تم کو مار سکتا ہے پھر تم کو حیات جدید عطا کریگا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے مُردہ خاک تھے پھر خدا نے زندہ کیا۔ پھر دوسری بار اجل مقرر کے وقت موت آئیگی۔ پھر دوبارہ قیامت کے دن زندگی عطا کی جائیگی۔ بس یہی دو موتیں اور دو زندگیاں آیت میں مراد ہیں۔ یہی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ اور ایک جماعت صحابہ و تابعین سے منقول ہے۔ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ یعنی کچھ زمانہ کے بعد پھر اُسی کے پاس تم کو واپس لیجایا جائیگا اور وہاں پہنچکر اقرار ربوبیت اور اقبال توحید کرو گے لیکن اُس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ پہلے ہم نیست تھے پھر خدا نے ہمکو موجود کیا اور پھر مرنا ہے اور پھر قیامت کے دن زندہ ہو کر حساب دینا، خدا کے پاس جانا اور جزا و سزا بھگتنا ہے تو پھر کیوں ایمان نہیں لاتے کیوں انکار کرتے ہو۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ جس نے ایسے انعامات کئے اسقدر تم پر احسانات کئے اور آئندہ اُسی سے بہتری کی امید اور بُرائی کا خوف ہو اور وہی تمام کفر و ایمان اور اچھے بُرے اعمال کی جزا و سزا دینے والا ہو پھر اُسی کی نافرمانی کیجائے اور اُسکے رسول کی خلاف ورزی کر کے قرآن و رسالت کا انکار کیا جائے

یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

مقصود بیان: انسان حادث اور ممکن ہے خدا نے اسکو نیست سے ہست کیا ہے، خدا نے ہی یہ زندگی عطا فرمائی ہے، زندہ کرنا اور مارنا خدا ہی کے اوصاف ہیں، حشر جسمانی اور حساب کتاب برحق ہے، خدا کے پاس ضرور لوٹ کر جانا پڑیگا۔ آیت میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ تمام روحیں خدا ہی کے پاس سے آئی تھیں اور اسی کے پاس پھر سب کو جانا پڑیگا۔ آیت میں احوال مبدء، معاش، معاد اور کیفیت معاد کی طرف بھی ایک دقیق تلمیح ہے۔ اس جگہ صرف ایجاد و خلق کا مضمون بیان کیا گیا۔ آئندہ آیت میں بقاء وجود کا بیان ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ

وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزیں بنائیں پھر

اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

آسمانوں کے بنانے کا ارادہ کیا تو سات آسمان ہموار بنا دیئے

وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

اور وہ ہر چیز سے واقف ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان فرمایا تھا کہ خدا تعالی نے ہی انسان کو خلعت ہستی سے سرفراز فرمایا ہے، اسکا وجود اسی کا بارکش احسان ہے لہذا وہی معبود و مسجود ہونے کے لائق ہے اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ خدا تعالی نے تم کو معدوم سے موجود تو کیا ہی تھا لیکن موجود کرنے کے بعد یوں ہی سرگرداں اور بے سروسامان نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ تمہاری روح اور جسم کے لئے تمام عالم ارضی کو پیدا کیا تاکہ تم اس سے فوائد حاصل کرو۔ نباتات، معدنیات، حیوانات سب تمہارے منافع کے لئے۔ نفس نباتی، نفس حیوانی اور جمادات میں صورت کمالیہ اور تاثیرات گوناگوں تمہارے ہی فائدہ کے لئے پیدا کیں جنمیں سے بعض کا تو استعمال تمہارے لئے براہ راست فائدہ رساں ہے اور بعض کا استعمال بالواسطہ نفع بخش ہے۔ زہر و تریاق جڑی بوٹی، جواہر اور فلزات، غلہ، پھل میوہ اور مختلف سبزیاں سب تمہارے ہی فائدہ کے لئے ہیں اور فقط یہی نہیں بلکہ زمین کو ایک مجموعی حیثیت سے پیدا کرنے کے بعد اس نے آسمان بنانے کا ارادہ کیا اور فوراً سات آسمان ٹھیک ٹھیک بغیر کسی خرابی ناہمواری اور رخنہ کے بنا ڈالے تاکہ آسمانی آباء کے اثرات ارضی امہات قبول کریں اور اس سے تمہارے مفید مطلب اشیاء پیدا ہوں۔ پھلوں میں پختگی پیدا ہو۔ سمندروں میں مد و جزر ہو، بخارات و دخانات سے بارش، بجلی، کڑک، گرج، برف اولا بن کر فائدہ رساں اشیاء کی پیدائش کا سبب ہو اور ان چیزوں کو خدا نے لاعلمی میں نہیں پیدا کیا بلکہ خدا تعالی ہر چیز کی حالت پیدائش، غرض پیدائش اور کیفیت پیدائش کو خوب جانتا ہے اسلئے اس کا یہ فعل بیکار نہیں اور نہ اس کو اس خلق عالم میں کوئی دشواری ہو سکتی تھی مطلب یہ کہ خدا ہی تم کو ہست کرنے والا ہے اور تمہاری پرورش روحانی اور جسمانی کے لئے اس نے یہ تمام کائنات عالم پیدا کی پھر یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ تم اسکو چھوڑ کر دوسری مخلوق کی پرستش کرتے رہو اور اس سے سرتابی کرتے رہو۔ حالانکہ تمہارا وجود اور تمہارے وجود کے اسباب اسکی قدرت سے باہر نہیں۔

مقصود بیان: زمین کی پیدائش آسمانوں کی پیدائش سے پہلے ہے اگرچہ درستی اور ہمواری بعد کو ہوئی ہے۔ دنیا کا ذرہ ذرہ خدا نے انسان کے فوائد کے لئے بنایا ہے اور تربیت ارواح و اجسام انکے ذریعہ سے خدا تعالی کرتا ہے۔ ہر چیز انسان کی تربیت میں سرگرم عمل ہے پھر خدا کی ناشکری کرنی عاقل سے بعید ہے۔ آسمان سات ہیں اور ہموار ہیں۔ کوئی رخنہ یا کمزوری یا نیچا اونچا پن انمیں نہیں ہے۔ خدا تمام چیزوں کی پیدائش، وقت پیدائش اور کیفیت پیدائش سے واقف ہے کوئی ذرہ کلی ہو یا جزئی مادی ہو یا غیر مادی اُسکے علم سے خارج نہیں ہے۔ اس کو ہر ہر چیز کا تفصیلی علم ہے۔

اصل میں عالم کی تمام چیزیں انسان کے لئے مباح پیدا کی گئی تھیں لیکن بعد کو منافع خصوصی اور مصالح ذاتی کی وجہ سے بعض کو حرام کر دیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ

اور (اے محمد! یاد کرو) جب تیرے ربّ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک

خَلِیْفَةً قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ

نائب بنانیوالا ہوں۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ اسکو نائب بناتے ہیں جو اسمیں

یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ

پھیلائے اور خون بہائے اور ہم تو آپکی حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس بیان کرتے

لَكَ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

تفسیر احساناتِ الٰہی کے تین مراتب ہیں۔ نیستی سے ہست کرنا بقائے ہستی کے تمام اسباب ولوازم پیدا کرنا۔ اعزاز افزائی فرمانا۔ چنانچہ مقدم الذکر دونوں احسانات کو گذشتہ آیات میں بیان کردیا گیا۔ یہاں تیسرے احسان کا ذکر ہے۔ فرشتوں کو خدا تعالیٰ نے جسم نوری بنایا ہے اُن کے اندر مادی کثافت اور شہوانی وغضبی کدورت نہیں ہے خواہشات نفسانیہ سے وہ بالکل پاک ہیں اُن کے افعال میں سہو و خلل بھی ممکن نہیں وہ عقل خالص ہیں نہ اوہام وخیالات کا وہاں ہجوم ہے کہ عقل پر پردہ پڑجائے نہ جذبات نفسانی اُن کو ہیجان میں لاسکتے ہیں نہ کھانے پینے کی ضرورت ہو لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ اور جب ایسی پاک اور نور محض مخلوق پر خدا تعالیٰ نے انسان کو فضیلت عطا فرمائی تو اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز افزائی ہوسکتی ہے اور تکمیل احسان کا اس سے زیادہ اور کونسا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جمعہ کی آخری ساعت میں پیدا کیا اور اُنکے اندر تین قوتیں پیدا کیں۔ ملکیت، شہوت اور غضب۔ اب اگر آدمی قوت شہوانیہ کا اتباع کرتا ہے اور قوت ملکیہ کو مغلوب کرلیتا ہے تو اسکا نام گناہ ہے یا قوت غضبیہ کو غلبہ دیتا ہے تب بھی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے پھر شرع یا صرف اُسکی عقل اگر اُسکو اعتدال پر لے آئے گی تو صفت عدل اور رحمت سب کا ظہور ہوگا لہذا اگر حاکم نے موافق شریعت حکم دیا تو وہ نائب شرع اور خلیفۂ الٰہی ہے اور ظالم بصفت غضب متصف ہے اور مظلوم بصفتِ رحمت اور اگر انسان نے خود ہی اپنی عقل کے حکم سے توبہ کرلی تو وہ خود خلیفۂ الٰہی ہوا۔ اسی معنی کی طرف آیات ذیل میں لطیف اشارہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ یعنی تم کو اے محمد! اظہار کرنا چاہئے کہ جب ملائکہ سے تمہارے پروردگار نے فرمایا تھا کہ میں زمین پر اپنے نائب اور جانشین پیدا کرنے والا ہوں۔ سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہ کے اقوال سے استنباط کرکے آیت کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا الٰہی یہ خلیفہ کیسا ہوگا؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا خلیفہ درحقیقت اُسکی ذریات اور نسل ہوگی۔ شیخ سیوطی نے اسی تاویل کو اختیار کیا ہے۔ طبری فرماتے ہیں کہ روایت مذکورہ کی بناء پر آیت کے معنی یہ ہونگے کہ میں اپنی طرف سے زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں جو میری مخلوق کے درمیان میرے حکم کے موافق عدل جاری کرنے میں میرا نائب ہوگا۔ اسکا مطلب یہ نکلا کہ حضرت آدمؑ اور اُنکی نسل میں سے جو لوگ شرع کے موافق احکام عدل جاری کرنیوالے ہیں سب خلیفہ ہیں۔ لیکن بعض مفسرین نے خلیفہ کے معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ خلیفہ سے نائب خدا مراد نہیں ہے بلکہ حضرت آدمؑ کی اولاد جو ایک دوسرے کی جانشین ہے یہی مراد ہے۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ فرشتے بولے کہ کیا تو زمین پر اپنا جانشین ایسی مخلوق کو بنائیگا جو وہاں اپنے گناہوں سے فتنہ و فساد کریگی اور خون ریزی کریگی اور اگر عبادت و معرفت مقصود ہے تو اُسکے لئے ہم کافی ہیں) ہم تیری تسبیح و حمد اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

مجاہد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ روئے زمین پر خدا تعالیٰ نے اول جنات کو آباد کیا تھا جب ان میں فسق و فجور کی کثرت ہوگئی تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان کو پہاڑوں اور جزیروں میں لیجاکر آباد کردو اور زمین پر ان کی جگہ تم آباد ہوجاؤ۔ غرض جنات کے قائم مقام فرشتے ہوئے اور ان سب کا افسر ابلیس کو بنایا گیا جو ہزارہا برس عبادت میں صرف کرچکا تھا۔ آخر کار جب ابلیس کے نفس شیطانی میں تکبر پیدا ہوا اور سمجھا کہ مجھکو آسمان و زمین اور جنت کا اتنا بڑا ملک صرف اسوجہ سے عطا ہوا ہے کہ میں اللہ کے نزدیک اُسکی ساری مخلوق سے افضل ہوں اُسوقت خدا تعالیٰ نے ابلیس اور تمام گروہ ملائکہ پر اپنا خلیفہ یعنی حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور چونکہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے علم ہوچکا تھا کہ آدمؑ کی نسل میں نیک و بد دونوں قسم کے لوگ ہونگے نیز جنات کا فسق و فجور اور انجام دیکھ ہی چکے تھے اور اپنے معصوم ہونے سے واقف ہی تھے اس لئے بطور تعجب اور دریافت حکمت کے عرض کرنے لگے کہ ہم معصوم بندوں پر ایسی قوم کو ترجیح دینی جسمیں عصیان اور اطاعت دونوں قسم کے مادے موجود ہیں معلوم نہیں کس مصلحت پر مبنی ہے۔ اسکے علاوہ فرشتوں کو یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اللہ پاک کچھ ہی مخلوق کیوں نہ پیدا فرمائے بہرحال اُسکو علم وواقفیت میں ہم سے فوقیت نہیں ہوسکتی کیونکہ ہم محض عقل اور صرف نور ہیں ہماری سرشت میں علم سے روکنے والا کوئی حجاب نہیں پھر ہم نے اپنی عمر میں وہ دیکھا ہے جو اب پیدا کی ہوئی مخلوق کو نصیب نہیں ہوسکتا حالانکہ خداوند تعالیٰ کو اس مٹی کے پتلے میں اپنا فیضان بھرنا اور اپنی تجلیات ذاتیہ کا عکس ڈالنا مقصود تھا اسلئے مختلف رنگا رنگ کی مرکب ایک مٹھی خاک لی اور مختلف اقسام کے پانی سے اُسکا خمیر کرکے ایک پتلا بنایا اور اُس میں خاص روح پھونکی اور اس مشتِ خاک کی فرشتوں پر فضیلت ظاہر کرنے کو دُنیا بھر کی چیزوں کے نام آدمؑ کو بتادیے اسکے بعد فرشتوں سے مقابلہ کرایا تو علی الاعلان تمام فرشتوں پر آدمؑ کی علمی فضیلت کا اظہار ہوا اور فرشتوں کے ظاہر و پوشیدہ ہر دو خیالات کا جواب ہوگیا۔ [illegible]

اور اسباب فضیلت کیطرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ یعنی خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اس خلافت کے اندر جو اسرار حکمت ہیں اُن کو میں ہی جانتا ہوں تم اُن سے واقف نہیں میں تجلیات ذاتیہ کا اظہار اور عکس اس مشت خاک پر ڈالونگا اور اس خاکی نسل میں نبی، صدیق، شہید، عابد، زاہد، ابرار، اولیاء، صلحاء، علماء مقرب بندے اور خشوع خضوع کرنیوالی ہستیاں میں پیدا کرونگا تم جامع صفات رحمت ہو اور یہ خاکی پتلا میری تمام صفات کا جامع ہوگا لہذا اسکی تسبیح و تقدیس تمہاری تسبیح و تقدیس سے افضل ہوگی۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دیے پھر ان کو پیش کیا فرشتوں

الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

پر اور فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو

تفسیر حسب تجویز خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا جسکی کیفیت حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرشتے کو حکم دیا کہ زمین سے ہر جگہ کی تھوڑی تھوڑی مٹی لیکر ہر قسم کے پانی سے خمیر کر کے اسکا ایک پتلا بنائے حسب الحکم فرشتے نے مکہ اور طائف کے درمیان مقام نعمان اسی طرح کا ایک پتلا بنایا اور خدا تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے اسکی صورت ہاتھ پاؤں، ناک، کان، منہ اور آنکھیں بنائیں اور کچھ مدت تک اس خشک پتلے کو اسی حالت میں رکھا۔ فرشتے اس عجیب و غریب صورت کو دیکھ کر حیران ہوتے اور تعجب کرتے تھے کہ خدا جانے اسمیں کیا حکمت و راز ہے جو خلیفہ بنایا جائیگا اور ابلیس اسکو دیکھ کر دل میں کہتا تھا کہ یہ کیا حقیر چیز ہے لیکن جب قلب کو دیکھا تو حیران ہو گیا کہ عجب نہیں اسمیں کوئی لطیفۂ ربانی ہو۔ اسکے بعد خدا تعالیٰ نے روح کو اس پتلے میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ جب روح اس تنگ و تاریک خاکی حجرے میں بحکم الٰہی داخل ہوئی اُسی وقت حضرت آدمؑ کو چھینک آئی۔ حضرت آدمؑ نے الہام الٰہی سے الحمد للہ کہا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے یرحمک اللہ جواب عطا ہوا۔ پھر حضرت آدمؑ کو حکم ہوا کہ تم فرشتوں کی جماعت کے پاس جاکر السلام علیکم کہو۔ جو کچھ وہ جواب دیں تمہاری اولاد اور نیز تمہارے لئے وہی باہم تحیت ہے حضرت آدمؑ نے فرشتوں کی جماعت سے السلام علیکم کہا اور فرشتوں نے وعلیکم السلام جواب دیا۔

پھر خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں القاء کر دیا کہ فلاں چیز کا یہ نام ہے اور فلاں چیز کا یہ نام ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسماء سے یہی نام مراد ہیں جو لوگوں میں متعارف ہیں مثلاً انسان، چرپایہ، زمین، آسمان، پہاڑ، میدان، خشکی، تری، گھوڑا، گدھا، دیگ، ہانڈی، پیالہ وغیرہ (ابن ابی حاتم و ابن جریر) مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہر چیز کا نام سکھایا۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ ملائکہ کے نام بھی سکھائے تھے۔ حمید شامی کہتے ہیں کہ ستاروں کے نام بھی بتائے تھے لیکن ابن جریر نے اس معنی کو پسند کیا ہے کہ حضرت آدمؑ کو اُنکی اولاد اور ملائکہ وغیرہ سب کے نام سکھائے تھے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی سرشت میں خدا تعالیٰ نے اجزاء مختلف اور قوائے متباینہ رکھے تھے جن سے اُن کو طرح طرح کے معقولات، محسوسات، حقائق اشیاء، اُنکے خواص اور نام، اصول علم، قوانین صنعت اور اُن کے آلات کی کیفیت کا علم حاصل ہو سکے۔ پھر جب حضرت آدمؑ کو فضیلت علم حاصل ہو گئی جو تمام صفات کمالیہ کی سرتاج ہے اور جسپر مدار خلافت ہے تو خدا تعالیٰ نے اُن چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے دربار عام میں پوچھا کہ تم مجھکو ان چیزوں کے نام تو بتاؤ اگر تم اپنے اس دعوی میں سچے ہو کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (اور تسبیح و تقدیس کو علم اشیاء لازم ہے) اسلئے ہم مستحق خلافت ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کے معنی مختلف روایتوں میں مختلف آئے ہیں حسن و قتادہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے بڑھ کر علم والا پیدا نہیں کریگا تو تم اپنے علم سے ان چیزوں کے خواص اور افعال بیان کرو۔ ضحاک کی روایت میں یہ معنی مذکور ہیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ خدا تعالیٰ زمین پر خلیفہ نہیں پیدا کریگا تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ابن مسعودؓ، ابن عباس اور دیگر صحابہ سے یہ معنی منقول ہیں کہ تم ان لوگوں کے نام بتاؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ آدمؑ کی اولاد سب کی سب زمین پر فساد اور خونریزی کریگی۔ ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ ملائکہ کو ارشاد ہوا تھا کہ تم انکے نام بتاؤ اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ میں نے تمہارے سوا کسی دوسرے کو زمین پر خلیفہ کیا تو اسکی ذریت میں فساد و خونریزی ہوگی اور جبکہ تم ان چیزوں کے خواص و افعال ہی نہیں جانتے جو تمہارے سامنے موجود ہیں تو پھر جو چیزیں آئندہ ہونگی اُنکو کسطرح جان سکو گے اور علم ہوگا تو تسبیح و تقدیس کسطرح بدرجۂ کمال کر سکو گے

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ

فرشتے بولے تو پاک ذات ہے نہیں ہم کو علم مگر جتنا تو نے ہمکو سکھا دیا

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝

بیشک تو ہی علم والا (اور) حکمت والا ہے

تفسیر لیکن چونکہ فرشتوں میں وہ قوت نہ تھی جس سے حقائق اشیاء اور جزئیات امور کا علم ہو سکے اسلئے نہ بتا سکے اور عرض کرنے لگے کہ تیری ہی شان پاک ہے ہم کو تیرے تعلیم کردہ علم کے سوا اور کچھ واقفیت نہیں البتہ تو ہی علیم و حکیم ہے۔ ملائکہ نے ادب کے ساتھ پہلے تسبیح کہی جس سے معلوم ہو کہ ہر عیب و نقص جناب باری سے دور ہے اور اسکی شان خوبی و کمال کا مجموعہ ہے اور جب خدا تعالیٰ کسی مخلوق میں علم پیدا کرتا ہے تو وہ مخلوق اسی قدر علم رکھتی ہے جتنا اسکو عطا کیا گیا۔

قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ

ارشاد ہوا کہ اے آدم! بتا دو انکو ان چیزوں کے نام سو جب بتا دیئے آدم نے

بِاَسۡمَآئِهِمۡ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّـكُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ

انکو ان چیزوں کے نام تو اللہ نے فرمایا کیوں! کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ میں

غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاَعۡلَمُ مَا

آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کو جانتا ہوں اور مجھ کو معلوم ہے جو

تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ۝

تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

تفسیر جب فرشتوں کا عجز ظاہر ہو گیا اور انہوں نے اپنی کم علمی اور بے مائگی کا اعتراف کرتے ہوئے اقرار قصور کر لیا تو خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو حکم دیا کہ ان کو ان اشیاء کے نام بتاؤ اور ان اشیاء کے ناموں سے ان کو مطلع کر دو۔

فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ یعنی جب بحکم الحکم حضرت آدمؑ نے فرشتوں کو جب ان مخلوقات کے نام بتائے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے تمام چیزوں کے نام بتانے شروع کئے اور فرمایا تم جبرئیل ہو تم میکائیل ہو تم اسرافیل ہو اسی طرح تمام اسماء بتلائے یہانتک کہ حقیر ترین پرندوں کے نام بھی بیان کر دیئے۔ مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری اور قتادہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّـكُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ تو خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو متنبہ کرنے کیلئے فرمایا تم اپنے دل میں کیا سمجھتے تھے کیا میں نے تم سے پہلے ظاہر نہ کر دیا تھا کہ میں ہر چیز کی حکمت و مصلحت اور زمین و آسمان کے ہر پوشیدہ راز سے واقف ہوں اور تمہارے دلوں کے مطالب اور ظاہر حال سے بھی آگاہ ہوں۔ آیت کے اخیر ٹکڑے کی تفسیر میں صحابہ نے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

ابن عباس رضؓ کا قول ہے کہ ملائکہ کو اشارہ ہوا تھا کہ تمہارا ظاہر بھی مجھکو معلوم ہے اور باطن میں جو ابلیس نے چھپایا ہے وہ بھی مجھے معلوم ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ کبر و غرور اگرچہ نورانی ملائکہ میں نہ تھا بلکہ فقط ابلیس میں تھا لیکن جب کوئی قوم اکٹھی ہوتی ہے تو اُن میں سے بعض کا فعل سب کی طرف مبہم طور پر منسوب کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ یہ لشکر بہت تجربہ کار ہے لڑا بھڑا مارا مرا اور بھاگا بھگایا ہوا ہے، حالانکہ کل لشکر ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس گروہ ملائکہ میں کبر و غرور صرف ابلیس نے ہی چھپایا تھا مگر اجمالی نسبت سب کی طرف کر دی گئی ہے اسی کے قریب وہ قول ہے جو تفسیر سدی میں ابن مسعود اور دیگر صحابہ کا منقول ہے کہ فرشتوں نے جو بات ظاہر کی تھی وہ تو یہی تھی کہ جو لوگ خونریزی اور فساد کرینگے اُن کو خلیفہ کس طرح بنایا جائیگا اور جو امر مخفی رکھا تھا اُس سے مراد کبر و غرور ہے جو ابلیس کے دل میں تھا۔ یہی قول سعید بن جبیر، مجاہد، سدی، ضحاک اور سفیان ثوری سے منقول ہے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس، حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کا ظاہر قول تو یہی تھا کہ ہم لوگ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں پھر کیا حکمت ہے کہ ایسی مخلوق خلیفہ ہو جو فساد و خونریزی کریگی اور باطنی بات یہ تھی کہ ہم سے زیادہ عالم اور بزرگ کوئی مخلوق نہ ہوگی۔

مقصود بیان - فتنہ و فساد قوت شہوانی کا کام ہے اور خونریزی قوت غضبی سے تعلق رکھتی ہے اور علم قوت عقلیہ کا فعل ہے ان تینوں امور کے ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ انسان میں تینوں قوتیں رکھی گئی ہیں۔ علم تمام صفات کمالیہ سے اشرف و افضل ہے اور اسی پر استحقاق خلافت کا دارومدار ہے کیونکہ علم کے بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا اور فیصلہ صحیح کرنے کی قوت نہ ہو تو استحقاق خلافت نہیں ہو سکتا۔ علم کا درجہ عبادت سے بھی بڑھ کر ہے اسی وجہ سے تسبیح و تقدیس سے افضل علم کو قرار دیا گیا۔ حضرت آدم کو کل اشیاء کا علم عطا کیا گیا تھا۔ انسان کا علم فرشتوں سے زیادہ ہے اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ آیت میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی تعلیم کیطرف بھی ہے کہ اعتراف قصور اور توبہ سے قبل خدا کی تسبیح کرنی چاہیئے اور اسکو تمام عیوب و نقصانات سے پاک کہا جائے اسکے بعد اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ کل علم خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ حکمت کا مرتبہ علم سے بڑھ کر ہے۔ اسی وجہ سے علیم کے بعد حکیم کا لفظ ذکر کیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے علم سے باہر تمام عالم میں کوئی ذرہ نہیں ہے۔ ظاہر باطن اور اول آخر سب کا خدا کو علم ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

مگر ابلیس نے نہ کیا انکار کیا اور غرور کیا اور ہوگیا کافروں میں سے

تفسیر یہ چوتھی نعمت ہے۔ پہلے حضرت آدم کے واسطے علمی عزت افزائی تھی اور یہ عملی قدر بخشی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کرانے کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب آدمؑ کی علمی فضیلت ثابت ہوچکی تو خدا تعالیٰ نے اُن کو اپنی نیابت عطا فرمائی اور سب کو اس تخت نشینی سے مطلع کرکے سجود و تعظیم کی نذر پیش کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ حضرت آدمؑ کی فضیلت کا عملی طور پر مظاہرہ ہوجائے۔

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُنہی انکار کرنے والے یا خلافت آدم میں چون وچرا کرنیوالے فرشتوں سے فرمایا کہ اب آدم کا استحقاق خلافت ظاہر ہوگیا اب تم سب اسکی تعظیم و تکریم کرو اور سجدۂ تعظیمی اسکے سامنے بجالاؤ۔ حسب الحکم فوراً سب فرشتے سجدہ میں گر پڑے (کیونکہ نور محض تھے اُن میں سرکشی اور سرتابی کا مادّہ نہ تھا) ہاں ابلیس نے انکار کیا (ابلیس بھی فرشتوں میں داخل تھا اگرچہ اسکی سرشت ناری تھی اور فرشتوں کی خلقت نوری۔ لیکن عبادت، ریاضت اور اطاعت و مجاہدہ کی وجہ سے فرشتوں کی جماعت میں داخل کرلیا گیا تھا اور اسکو بھی فرشتوں میں شمار کرلیا گیا تھا) اور غرور کرکے کہنے لگا کہ میں ان کو سجدہ نہیں کرونگا یہ خاکی ہے میں ناری ہوں، یہ اب کی مخلوق ہے اور میری عمر طویل ہے، میں ہزاروں برس عبادت و ریاضت میں گذار چکا ہوں، پھر اس عجیب الخلقت کثیف پتلے کو کس طرح سجدہ کر سکتا ہوں اور درحقیقت خدا تعالیٰ کو تو پہلے ہی علم تھا کہ یہ منکرین کے گروہ میں داخل ہے۔ احکام الٰہی سے سرکشی کرنے والا ہے۔

تقریر مذکورۂ بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم جو فرشتوں کو ملا تھا وہ مناظرہ ومباحثہ کے بعد کا واقعہ ہے لیکن بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جونہی حضرت آدمؑ کے خاکی پتلے میں خدا تعالیٰ نے روح ڈالی فوراً فرشتے سجدہ میں گر پڑے اور بعد کو مناظرہ ومباحثہ کی نوبت آئی۔

مقصود بیان:۔ حسد سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے جس نے شیطان کا ستیاناس کردیا اور اسکو راندۂ بارگاہ بنادیا خدا کی مرضی پر راضی رہنا چاہیئے۔ شیطان اسکی مرضی پر راضی نہ ہوا اسلئے اُسکا نتیجہ خراب ہوا۔ انسان اپنے علم، عبادت، ریاضت اور اطاعت پر مغرور نہ ہو کیونکہ اعتبار انجام کا ہے۔ معلوم نہیں انجام کیسا ہو۔ شیطان کی ہزاروں برس کی عبادت انجام میں اُسکے لئے مفید نہ ہوئی۔ خدا تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرنی اور اسکی شان میں گستاخی کرنی سخت گناہ ہے۔ انسان کو نعمت الٰہی پر مغرور ہوکر نافرمانی نہ کرنی چاہیئے بلکہ ادائے شکر کرنا چاہیئے۔ آخر میں تکبر انسان کو کافر کرسکتا ہے۔ حکم الٰہی بجالانے میں جلدی کرنی چاہیئے۔ ڈھیل اور سستی نہ کرنی چاہیئے۔ کوئی حیلہ وحجت بھی نہ ہونی چاہیئے۔ احکام الٰہی جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اُن میں قیاس آرائی اور دماغ تراشی سے کام نہ لے کیونکہ اُن کی واقعی حقیقت معلوم ہونا محال ہے سوا خدا کے ان سے کوئی واقف نہیں۔ خدا تعالیٰ کی صنعت و حکمت میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور نہ اسکی اجازت ہے۔ اُس کی حکمت بالغہ کا ہم کو علم نہیں اسی وجہ سے بعض اشیاء کی پیدائش کو ہم نقصان دہ اور غیر مفید خیال کرتے ہیں اور درواقع میں اُن چیزوں کا وجود فائدہ رساں اور ضروری ہوتا ہے۔ ہم کو خدا کے علم و حکمت میں کسی گستاخی اور بے باکی کی اجازت نہیں ہے۔ کبر وغرور خواہ سینہ کے اندر چھپا ہوا ہو لیکن بہرحال ممنوع ہے اور ذلت کے غار میں گراتا ہے۔ آیت کے اخیر ٹکڑے میں ایک دقیق ترین لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس بطور عبادت ہے انکے اندر لطیفۂ محبت نہیں ہوتا۔ ما تکتمون کے لفظ سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وغیرہ۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اور بافراغت اسمیں سے کھاؤ جہاں چاہو اور اس درخت کے پاس بھی

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

نہ پھٹکنا کہ گنہ گار ہوجاؤ گے

تفسیر یہ گذشتہ آیات کا ضمیمہ اور تتمۂ خلافت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں سکونت اختیار کرو۔ اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں۔ حضرت آدمؑ کو زوج کی کیا ضرورت تھی اور یہ زوجہ کس طرح پیدا ہوئیں اور جنت سے کیا مراد ہے؟ اسکے متعلق مفسرین نے بیان کیا

ہے کہ ابلیس جب جنت سے نکالدیا گیا اور حضرت آدمؑ جنت میں تنہا رہ گئے تو اُنکی طبیعت گھبراتی تھی اور عالم میں سلسلۂ توارث وخلافت جاری کرنا اصل مقصود تھا اسلئے خدا تعالیٰ نے حضرت حوّا کو پیدا کیا اور فرمایا کہ آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت سے مراد بھی وہی جنت ہے جس کا وعدہ مسلمانوں سے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اہل سنت کا یہی قول ہے۔ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ جنت میں سکونت کا حکم صرف ایک ساعت بلکہ اس سے بھی کم مقدار میں جنت کے اندر رہنے سے پورا ہو سکتا تھا اسلئے مذکورہ بالا حکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس جنت میں سے فراخی کے ساتھ جہاں تم دونوں کا دل چاہے کھاتے رہو لیکن

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ اس درخت کے پاس بھی نہ جانا (کھانا تو درکنار) کیونکہ اگر اسکے پاس جاؤگے تو خرابی میں پڑ جاؤگے۔ محققین علماء کا قول ہے کہ درخت کوئی معیّن نہ تھا بلکہ مراد یہ تھی کہ اس نوع کے درخت کے پاس نہ جانا۔ شجرہ سے مراد سعید بن جبیر، محمد ابن قیس، جادہ بن ہبیرہ اور شعبی؛ سدی کے قول کے مطابق درخت انگور ہے۔ بعض صحابہ کے نزدیک گیہوں کا درخت مراد ہے۔ مجاہد، قتادہ ابن جریج وغیرہ کا قول ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ بعض لوگوں نے کھجور کا درخت بیان کیا ہے۔

مقصود بیان: - حضرت آدمؑ وحضرت حوّاؑ کو جنت میں بالکل آزاد رکھا گیا تھا سوائے مخصوص قسم کے ہر چیز کے کھانے کی اجازت تھی۔ جو شخص امور مشتبہہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ یقیناً حرام امور میں پھنس جاتا ہے اسلئے مسلمان کو مشتبہ امور سے بھی پرہیز رکھنا چاہئے۔ خداوند تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرنے یا خلاف ورزی کرنے سے انسان درحقیقت خود اپنا نقصان کرتا ہے، معتوب بارگاہ الٰہی ہوتا ہے اور خسارہ اٹھاتا ہے۔ امر خدا کی تعمیل میں مہلت، غرض تلاش کرنی اور چون چرا کرنا ناجائز ہے

لگا یا آدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى اے آدم میں تجھکو ایسا درخت بتاتا ہوں کہ جسکے کھانے سے تو ہمیشہ زندہ رہیگا اور تجھکو لازوال سلطنت ملیگی اور یہ الفاظ بھی کہے کہ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۝ تم کو تمہارے رب نے اس درخت کے کھانے سے صرف اس وجہ سے منع کیا ہے کہ کھانے کے بعد تم دونوں کے فرشتہ (نور مجسم) ہو جانے یا دائمی طور پر زندہ رہنے کا خوف تھا بالآخر حضرت آدم وحوّا شیطان کے بہکائے میں آ گئے اور درخت ممنوعہ کھا لیا۔ کھاتے ہی لباس جنت بدن سے دور ہو گیا اور شیطانی اغوا اُس نعمت لازوال سے دور ہونے اور جنت سے نکالے جانے کا سبب ہوا۔ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۝ جب حضرت آدمؑ نے شیطان کے بہکانے سے ناواقفی کی حالت میں پھل کھا لیا تو عتاب الٰہی شروع ہوا کیونکہ انبیاء کی بھول اور خطاء اجتہادی بھی قابل گرفت ہے۔ جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جگہ تمہارے رہنے کے قابل نہیں ہے چلو اترو زمین پر جا کر رہو وہاں باہمی عداوت کی تکلیف اٹھاؤ اور موت تک وہیں رہو اور اپنی معیشت کے اسباب فراہم کرو تم اس لباس لطیف، منزل شریف، رزق کریم اور راحت عمیم کے لائق نہیں ہو۔

مقصود بیان: - شیطان کے اغواء کرنے کے اسباب بے انتہا ہیں۔ ہر طریقہ سے شیطان بہکاتا ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے عتاب الٰہی کا سبب درحقیقت انسان کی نافرمانی ہے۔ جنت پیدا ہو چکی ہے۔ انسان زندگی میں تو زمین پر رہتا ہے لیکن مرنے کے بعد بھی زمین میں ہی رہیگا۔ باہم بغض وعداوت فطری ہے۔ وقت خاص تک انسانوں کو جائز منافع دنیا سے متمتع پذیر ہونے کی اجازت ہے۔ دنیا ایک سرائے ہے اور انسان اسمیں مسافر ہے اسلئے دنیا کو صرف قیام گاہ بلکہ قرارگاہ ہی سمجھنا چاہئے۔ دائمی یا گاہ خیال کرکے یہاں کے لذائذ سے وابستہ دل نہ ہونا چاہئے۔ وغیرہ۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا

پھر شیطان نے اُن دونوں کو وہاں سے ڈگا دیا پس نکلوا دیا اُن کو اس آرام سے

فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ

جسمیں وہ تھے اور ہم نے حکم دیا کہ اُتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور

لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۝

تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنے کو جگہ اور (دنیوی) سامان ایک معیّن وقت تک ہے

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ

پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے سیکھ لئے (اور دعا کی) تو اللہ متوجہ ہوا آدم پر

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝

بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

تفسیر

یعنی حضرت آدمؑ وحوّا کو درخت کے پاس جانے کی ممانعت کر دی گئی تھی لیکن شیطان نے اُن دونوں کو بہکایا اور کہنے

تفسیر

یعنی حضرت آدمؑ جب جنت سے نکالے گئے تو فوراً اُن کو اس غلطی اور قصور کا احساس ہوا بہت پشیمان ہوئے اور

مدت تک پریشان حال زمین پر اپنے گناہوں پر روتے اور سرگردان پھرتے رہے۔ بالآخر خدا تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش زن ہوا اور حضرت آدم ؑ کی ندامت و بیقراری پر رحم آیا اور حضرت آدم ؑ کے دل میں یہ دعاء القاء فرمائی رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ٥ حضرت آدم ؑ نے ان کلمات کو پڑھ کر دعا کرنی شروع کی اپنے قصور کو برا سمجھکر دلی سوز و گداز اور ندامت آلود اشکوں کے ساتھ آیندہ کیلئے ترک گناہ کا مصمم ارادہ کرکے بارگاہ الٰہی میں سر بسجود ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی کیونکہ خدا تعالیٰ یقیناً توبہ قبول کرنے والا اور بندوں پر ہر حالت میں رحمت و مہربانی کرنیوالا ہے۔

مقصود بیان:۔ ترک گناہ، اعتراف جرم، عزم ترک اور توبہ کی تعلیم، اس بات پر تنبیہ کہ دعاء بھی خدا کی طرف سے انسان کے دل میں القاء ہوتی ہے یہ بھی اسی کی رحمت ہے کہ وہ دعاء کی توفیق دیتا ہے اور پھر خود ہی توبہ قبول کرتا ہے۔ خدا سے زیادہ کوئی توبہ قبول کرنے والا نہیں ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي

ہم نے حکم دیا کہ تم سب کے سب یہاں سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری

هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جانب سے ہدایت پہونچے تو جو کوئی چلیگا میری ہدایت پر تو اُن کو نہ کوئی ڈر ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ٥

اور نہ وہ غمگین ہوں گے

تفسیر حضرت آدم ؑ کی توبہ تو قبول ہو گئی تھی لیکن زمین پر رہنا جنت سے نکالا جانا، دوزخ کا خوف اور اسباب معیشت کی فراہمی یہ سب اُنکی تکالیف اور افکار کے اسباب تھے اسلئے ارشاد ہوتا ہے کہ تم زمین پر چلے جاؤ اور کچھ فکر نہ کرو وہاں بھی تم پر میری نظر عنایت رہیگی اور میری رحمت شامل حال ہو گی لیکن اگر میری جانب سے تمہارے پاس میری ہدایت یعنی انبیاء، خلفاء، کتب اور عقل فطری پہونچے تو اُسکا اتباع کرنا جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا اب آیندہ کو ایسا نہ کرنا میری ہدایت کے بموجب چلنا کیونکہ جو شخص میری ہدایت اور اسباب ہدایت کے بموجب چلیگا اُسکو کبھی دوزخ کا خوف نہ ہوگا اور نہ جنت سے محرومی کا غم ہوگا میں اُسکو پھر دوبارہ ان مصائب ارضی اور اسباب معیشت کی فراہمی سے آزاد کرکے جنت میں داخل کر دونگا اور دوزخ سے محفوظ رکھونگا البتہ دنیا میں اُسکو وہی ملیگا جو مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ

اور جو نافرمانی کرینگے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہی

أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٥

دوزخی ہوں گے وہ اُسمیں ہمیشہ رہیں گے

تفسیر ہاں جو شخص میری ہدایت کو نہ مانیگا، احکام انبیاء، ہدایت کتب اور عقل سلیم کی رہنمائی قبول نہ کریگا اور ہماری نشانیوں کی تکذیب کریگا، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کو جھوٹا کہیگا اور آثار قدرت کا جو ذات واحد قدوس پر دلالت کرتے ہیں انکار کریگا وہ یقیناً ہمیشہ ہمیش کیلئے دوزخی ہوگا کبھی اُسکو رہائی نہ ملیگی، کبھی جنت کی صورت دیکھنے کو نہ ملیگی، دوزخ کی آگ فراق الٰہی کی آگ غم و الم کی آگ اور سب سے بڑھ کر اپنے کفر و شرک کی آگ میں جلتا رہیگا۔

ھدایت:۔ اوپر کی آیت میں ھُدًی سے مراد بروایت ابوالعالیہ انبیاء اور کتب الٰہیہ ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ھُدًی سے مراد حضرت ذات محمدی ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ قرآن مراد ہے۔

مقصود بیان:۔ ہدایت محض توفیق الٰہی ہے کسی بندہ کے بس کی بات نہیں ہے اور خدا کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور باقی گمراہی ہی گمراہی ہے۔ کسی شخص کی عقل ہدایت کیلئے کافی نہیں ہے کیونکہ آلائش مادی اور اوہام و وساوس سے آلودہ ہے۔ جنتی جنت میں ہمیشہ رہینگے نجات اُنہی کا حصہ ہے جو ہدایت الٰہی کے پیرو ہیں۔ کافر ہمیشہ دوزخ میں رہینگے دوزخ سے کبھی رہائی نہ ملیگی۔ ترہیب و ترغیب، اتباع شریعت کی تعلیم، نجات کا وعدہ، عذاب کی وعید، سب کچھ آیت کے مضمون سے مقصود ہے۔

بعض ضروری امور حضرت آدم ؑ زمین پر ضرور تشریف لائے تھے اور بروایت قوی کوہ سراندیپ (سیلون یا لنکا) میں اُترے تھے۔ لیکن آپنے سکونت کہاں اختیار کی اسکی کوئی تحقیق نہیں۔ حضرت حوّا جدّہ میں اتری تھیں اور وہیں سکونت پذیر ہوئی تھیں اسی لئے جدّہ کو جدّہ کہتے ہیں۔ کیونکہ جدّہ عربی زبان میں دادی کو کہتے ہیں چونکہ تمام آدمیوں کی دادی وہاں نازل ہو کر اقامت گزین ہوئی تھیں اسی لئے اُس مقام کا نام جدّہ رکھدیا گیا۔ حضرت آدم و حوّا کی ملاقات بمقام عرفات میں ہوئی اور وہیں فراق جنت کے بعد ہر ایک نے دوسرے کو پہچانا۔ کعبہ حضرت آدم ؑ نے بہدایت حضرت جبرئیل ؑ بنایا تھا۔ سب سے پہلے دنیا میں یہی تعمیر ہوئی حضرت

کی زبان عربی تھی۔ عرب سے نکلکر جدہ میں یا فلسطین یا شام میں ہر دو حضرات نے سکونت اختیار کی تھی بعض لوگوں کے نزدیک مصر کو وطن بنایا تھا۔ حضرت آدمؑ کی عمر نو سو تیس سال کی ہوئی۔ قبر کا پتہ معلوم نہیں حضرت حوا کی قبر کے کچھ نشانات جدہ میں موجود ہیں۔

جب خدا تعالی توحید، نبوت اور معاد کے دلائل بیان کر چکا اور اسکی تائید میں ایجاد، القاء وجود اور عام نعمتوں کا ذکر کر چکا اور انسان کی عزت افزائی کا بھی پورا بیان ختم ہوگیا تو اب خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کو ان کی مخصوص نعمتیں یاد دلاکر اس طرف متوجہ فرماتا ہے کیونکہ کائنات انسانی میں بنی اسرائیل سے زیادہ انعامات الٰہی کا مورد کوئی نہیں ہوا ہے۔ بنی اسرائیل میں جتنے پیغمبر گذرے کسی کی نسل میں اتنے پیغمبر نہیں ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ

اے اسرائیل کی اولاد میری اُن نعمتوں کو جو میں نے تم پر کی ہیں یاد کرو

عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِيٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ

اور تم میرا اقرار پورا کرو میں تمہارا اقرار پورا کروں اور تم مجھی سے

فَارْهَبُونِ وَآمِنُوا بِمَآ أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا

ڈرتے رہو اور ایمان لاؤ اس (قرآن) پر جو میں نے اُتارا ہے جو تصدیق کرتا ہے اُس

مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا أَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا

(توریت) کی جو تمہارے پاس ہے اور نہ ہو جاؤ اسکے پہلے منکر اور نہ لو

بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝

میری آیتوں کے عوض میں تھوڑا مول اور تم مجھی سے ڈرتے رہو

تفسیر اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ ایل کے معنی اللہ اور اسر کے معنی بندہ یعنی عبداللہ۔ اولاد اسرائیل سے مراد یہود ہیں اور خطاب اُن یہود کو ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ و اطراف مدینہ میں موجود تھے۔ شیخ عبدالحق رحؒ نے سیر میں نقل کیا ہے کہ مدینہ میں یہودیوں کی سکونت حضرت موسیٰؑ یا حضرت سلیمانؑ کے زمانہ سے تھی کیونکہ غرق فرعون کے بعد جب وہ ملک شام میں آکر آباد ہوئے اور شام سے کعبہ کی زیارت کیلئے آئے توراۃ میں بمقام یثرب وہ آثار پائے گئے جو توریت میں خاتم الانبیاءؐ کے وطن ہجرت کے متعلق مذکور تھے۔ نیز وحی نبوت سے بھی اُنکو اطلاع دیگئی اسلئے یہود کی ایک جماعت نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی کہ ہم لوگ یہیں رہنا چاہتے ہیں تاکہ پیغمبر آخر الزمان کی بعثت و نبوت پر ایمان لائیں۔ اجازت ملنے کے بعد یہ لوگ یہیں رہ پڑے اور ہر نبوت خاتم الانبیاء کا شوق انکا دلگیر تھا اور یہاں تک نوبت پہونچ گئی تھی کہ جب کوئی مرنے لگتا تھا تو وہ اپنی اولاد کو وصیت کر دیتا تھا کہ تیرے زمانہ میں حضور خاتم الانبیاءؐ کا ظہور ہو تو میرا اسلام عرض کر کے میرے اسلام لانے کی کیفیت عرض کر دینا۔ اسی طرح ایک مدت دراز گذر گئی۔

انکی آبادی کے بعد یمن کے دو باشندے اوس و خزرج بھی یہاں آکر آباد ہوگئے۔ یہودیوں کی بھی نسل رفتہ رفتہ بڑھ گئی اور یمنی قبائل بھی کثیر ہوگئے۔ اوس و خزرج کی اولاد یہودیوں پر غالب آگئی لیکن کچھ زمانہ کے بعد اوس و خزرج میں باہم نفاق و شقاق ہوا اور جنگ و جدال کے معرکے ہونے لگے۔ کچھ یہود اوسیوں کے اور کچھ خزرجیوں کے طرفدار ہوگئے۔ یہ یمنی قبائل بُت پرست تھے اور یہودی اپنے دین پر قائم تھے اور جب کبھی یمنیوں سے تنگ ہوتے تھے تو اُن کو بددعا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ الٰہی ہم کو نبی آخر الزمان کے طفیل سے ان لوگوں کی شرارت سے محفوظ رکھ اور ان یمنیوں سے کہتے تھے کہ عنقریب زمانہ آنیوالا ہے کہ ہم پیغمبر آخر الزمان کی زیر حمایت تم لوگوں سے جہاد کرینگے۔ لیکن جب حضور گرامیؐ کی بعثت ہوئی تو اس زمانہ میں کچھ یمنی لوگ مدینہ کے باشندے قریش سے معاہدہ کرنے اور حج ادا کرنے کی غرض سے مکہ آئے اور چونکہ یہودیوں سے خاتم النبیینؐ کی شناخت اور علامات سُن چکے تھے اسلئے فوراً ایمان لے آئے یہودیوں کے دلوں میں عداوت کی آگ اس بات سے اور زیادہ بھڑک اٹھی اور انصار کو بہکانے کیلئے توریت میں تحریف کر کے اور معانی بگاڑ کر بیان کرنا شروع کر دیے۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے تشریف لائے تو یہودیوں نے دانستہ انکار کیا۔ اسپر خدا تعالی نے وہ تمام نعمتیں اجمالی طور پر یاد دلائیں جو حضرت موسیٰؑ کے وقت سے دور محمدیؐ تک یہودیوں کے شامل حال رہی تھیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ يَا بَنِيٓ إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ یعنی اے یہودیو! میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جو تمہارے باپ دادوں کو میں نے عنایت کی تھیں۔ عذاب فرعون سے اُن کو نجات دی، فرعون کو غرق کیا، اُن کے واسطے دریائے نیل کا راستہ کھولدیا ورنہ فرعون اُن کو قتل کر ڈالتا۔ بیابان جنگل میں من و سلویٰ ایسی غذا بے محنت اُن کو عطا کی ورنہ بھوکوں مرجاتے۔ ان کے علاوہ بہت سے انعام اُنپر کیئے اور توریت میں یہ سب مذکور ہیں جنکو تم پڑھتے ہو اور تم کو معلوم ہیں۔ اگر یہ انعامات نہ ہوتے تو اُن کی نسل عالم ہستی ہی میں نہ آتی

اور نہ تمہارا وجود ہوتا۔ لہٰذا اُن انعامات کو یاد کرو۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اور میرے اُس پیمان کو پورا کرو جو تم نے کیا تھا کہ نماز با قاعدہ پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، میرے رسولوں پر ایمان لانا اور خدا تعالیٰ کو قرض حسنہ دینا۔ اگر اس عہد پر قائم رہو گے تو

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ میں اُس عہد کو پورا کرونگا جو میں نے تمہارے بارہ نقیبوں سے کیا تھا کہ میں تمہارے تمام گناہ معاف کر دوں گا اور تم کو جنت میں داخل کرونگا۔

وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ اور مجھی سے امیدوار رہتے ہوئے خوف بھی کرو۔ شیطانی اوہام کی وجہ سے کسی کو اپنی رجاء اور خوف کا مرکز نہ بناؤ۔ یہ مت خیال کرو کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جاؤ گے تو عام یہودی تمہاری سیادت سے نکل کر محمد صلعم کے تابع ہو جائینگے اور جو کچھ تم کو نذرانہ دیا کرتے تھے وہ بند ہو جائیگا۔ اُس حقیر دنیوی مال کا لالچ نہ کرو بلکہ دائمی نجات کی مجھ سے امید رکھو اور میرے ہی عذاب کا خوف کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جو عذاب گذشتہ بنی اسرائیل پر نازل ہوا ہے وہ تم پر بھی نازل ہو جائے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ یعنی اُس قرآن پر ایمان لاؤ جو ان صحیفوں اور کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس موجود ہیں۔ تمہاری کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو نشانات صفات اور علامات مذکور ہیں اور جس شریعت کا ذکر ہے اسکی تصدیق اس قرآن سے ہوتی ہے (ابو العالیہ، مجاہد، ربیع بن انس اور قتادہ سے اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے) لہٰذا تم اسکو سچ جانو اور انکار کرنیوالوں میں سے تم اوّل نہ ہو یعنی اہل کتاب میں سے تم انکار کرنے میں سب سے اوّل نہ بنو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت کا علم جسطرح تم کو حاصل ہے اوروں کو وہ واقفیت نہیں ہے (ابن عباس و ابو العالیہ)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ۔ یعنی دنیا کا فائدہ چند روزہ زوال پذیر اور بیمقدار ہے تم رشوتیں لیکر میری آیات کو نہ بدلو۔ صفات و نشانات محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تمہاری کتابوں میں مذکور ہیں دنیوی مال کی لالچ سے اُن کو تحریف نہ کرو اور اس قلیل منافع کو میری آیات پر ترجیح نہ دو اور مجھی سے ڈرتے رہو کیونکہ مشیت الٰہی کے خلاف کسی کو ایک ذرہ نہیں مل سکتا۔ خالق و رازق وہی موجد و مبدع وہی ہے۔

مذکورہ آیات کا خلاصہ مطلب تفسیری یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اے بنی اسرائیل اب میں نے تمہارے دین کی اصلاح اور افراط و تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راستہ بتانیکے لئے قرآن اور نبی آخر الزمان کو بھیجا ہے۔ تم میری گذشتہ مہربانیوں اور عنایتوں پر خیال کر کے میرے اُس عہد کو پورا کرو جو میثاق کے دن تم نے مجھ سے کیا تھا کہ ہم تیری اطاعت کرینگے تیرے پیغمبروں کا حکم مانینگے اور پھر وقتاً فوقتاً اس عہد کی تجدید و توثیق بھی تم کرتے رہے ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو میں بھی اپنا عہد پورا کرونگا، دنیا میں تمہاری عزت و شوکت اور زائل شدہ سلطنت واپس دیدونگا اور آخرت میں تم کو حیات ابدیہ اور نجات حقیقیہ سے سرفراز کرونگا اور اس عہد کا وفا کرنا یہ ہے کہ اس نبی آخر الزمان اور قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہارے اصول دین مطالب تورات اور دیگر کتب سماویہ کی تصدیق کرتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو اب تم اہل علم یا اہل کتاب میں سب سے اوّل منکر بن کر اغراض دنیوی کے عوض جو بالکل بیمقدار ہیں میری آیات کو نہ بیچو اور میرے عذاب سے خوف کرو۔

مقصود بیان:۔ ایفائے عہد کی تعلیم، گذشتہ انعامات الٰہی کو یاد کرنے کا حکم، امید و خوف کا مرکز صرف ذات خداوندی کو قرار دینے کا وجوب، قرآن پر ایمان لانے کا امر، اس امر کی تصریح کہ قرآن احکام تورات کا مصدق ہے اگرچہ فروعی اختلاف ہے۔ احکام شریعت کو مالی لالچ یا کسی اور طمع کی وجہ سے چھپانا، بدلنا، فروخت کرنا، حرام ہے۔ عالم ناسوت سے بیزار ہو کر عالم لاہوت کی طرف رجوع کرنا چاہئے یعنی شرک جلی سے احتراز کیا جائے۔ یہ تقویٰ کا پہلا مرتبہ ہے۔ گناہ و شرک خفی سے احتراز کیا جائے یہ دوسرا مرتبہ ہے۔ غیر اللہ کے توسل سے نظر اٹھالی جائے یہ تیسرا مرتبہ ہے۔ اپنی ہستی کو بھی فراموش کر دیا جائے یہ چوتھا مرتبہ ہے۔ لفظ فَاتَّقُوْنِ سے چاروں معنی کیطرف اشارہ ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور جان بوجھ کر

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

حق کو نہ چھپاؤ

تفسیر یعنی صحیح میں غلط نہ ملاؤ اور نہ حق کو دانستہ چھپاؤ۔ پہلی آیات میں صحت نظریات کا حکم تھا۔ یہاں درستی عملیات کا امر کیا جاتا ہے۔ علمائے یہود کا دستور تھا کہ کتب انبیاء میں عمداً کسی خاص مدعا اور غرض کو ثابت کرنے کیلئے کچھ گھٹا بڑھا دیا کرتے تھے یا جو کتابیں کسی حادثہ کی وجہ سے تلف ہو جاتی تھیں یا ناقص ہو جاتی تھیں انکے نام پر اپنی تصنیف کردہ کتابوں کو ملا دیا کرتے تھے۔ کبھی شرح کے طور پر کچھ لکھدیتے تھے لیکن متن و شرح اور قدیم و جدید میں کوئی امتیازی نشان نہ بناتے تھے جس سے معلوم ہو سکے کہ کونسا حصہ اصلی ہے اور کونسا حصہ بڑھایا ہوا ہے اور تمام بنی اسرائیل میں کوئی حافظ بھی نہ تھا نہ اصل کتب دینیہ ملتی تھیں بلکہ جس کاہن، راہب اور عالم کے پاس جو حصہ تھا وہ تھا۔ ان وجوہ کی بناء پر کتاب میں گھٹانا بڑھانا خصوصاً کسی مالی لالچ کے وقت بہت آسان تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت سے قبل حضورؐ کے متعلق کتب انبیاء میں بشارتیں دیکھ کر بنی اسرائیل سرکار عالیؐ کے ظہور کے منتظر تھے اور محامد محمدی بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن ظہور نبوت کے بعد رشک خاندانی، حسد ذاتی اور طمع دنیوی کی وجہ سے اُن بشارتوں کو اُلٹنے پلٹنے لگے اور کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا اور مسائل فقہیہ میں تاویلات و توجیہات کرنے لگے اسلئے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ حق میں اپنی طرف سے باطل کو نہ ملایا کرو اور جان بوجھکر حق کو نہ چھپایا کرو کیونکہ تمہاری گمراہی سے اور ہزاروں گمراہ ہوتے ہیں (حقانی و معالم التنزیل مع زیادت) اسکی وجہ یہ ہے کہ اول تو حق کو چھپانا گناہ ہی ہے پھر جان بوجھکر پوشیدہ کرنا اور سخت گناہ ہے۔ پھر ایمان سے خود محروم ہونا کس قدر نقصان ہے۔

پھر دوسروں سے حق کو چھپانا اور سچ کا اظہار نہ کرنا اُنکی محرومی اور ثبات کفر کا سبب ہے یہ بھی بڑا گناہ ہے۔ پھر دوسروں کو دھوکہ دیکر کفر میں ڈالنا، آیاتِ الٰہی کو کوڑیوں کے مول بیچنا اور ملک میں فساد پھیلانا گناہ در گناہ ہے اسلئے مذکورۂ بالا ارشاد ہوا۔

مقصود بیان :- معلاتِ الٰہی میں خلط و خبط نہ کیا جائے۔ کشف کو خیال سے، فہم کو وہم سے، فراست کو قیافہ سے، الہام کو وسوسہ سے اور حقیقت کو شک سے، بندگی کو ربوبیت سے، شریعت کو رسم و عادات سے، اخلاص کو ریاکاری سے اور کرامات کو سکاری سے مخلوط نہ کیا جائے۔ بلکہ بقول شیخ سہل آخرت کو دنیا سے خلط نہ کیا جائے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرو

تفسیر اس سے پہلے کی آیت میں بُری باتوں کی ممانعت تھی اس آیت میں اچھی باتوں کے اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور عبادت مالی و بدنی فرض کیجاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق کو باطل سے نہ ملاؤ، خالص دل سے ایمان لاؤ اور باقاعدہ ترتیل اور تعدیل ارکان کے ساتھ وقت کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھو تاکہ تمہارے دل نرم پڑ جائیں، دلوں کی سیاہی زائل ہو جائے اور زکوٰۃ بھی ادا کرو تاکہ مال میں برکت ہو اور فقراء و مساکین کے حقوق ادا ہو کر مساوات انسانی کا مظاہرہ ہو جائے اور فقط یہ ہی نہیں کہ گھر نماز پڑھ لیا کرو بلکہ صحابہ کی جماعت کے ساتھ جنکی نماز میں رکوع ایک جزو ضروری ہے شامل ہو کر نماز پڑھا کرو۔ اپنے مذہب کی نماز جسمیں رکوع نہیں ہے ترک کر دو مسلمانوں کے ساتھ ملکر پڑھو۔

مقصود بیان :- نماز و زکوٰۃ کی فرضیت، جماعت کا وجوب، مساوات انسانی کا مظاہرہ، فرائض جسمانی اور حقوق مالی ادا کرنے کا حکم، وغیرہ۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ

کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو بھلائی کا اور اپنے آپ کو بھولجاتے ہو

وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَ

حالانکہ تم کتاب (الٰہی) پڑھتے ہو تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو اور

اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ۚ وَإِنَّهَا

تم سہارا پکڑو صبر کا اور نماز کا اور بیشک نماز

لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ الَّذِينَ يَظُنُّونَ

ضرور دشوار ہے مگر اُن عاجزی کرنیوالوں پر (نہیں) جن کو خیال ہے

أَنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

کہ وہ ضرور اپنے پروردگار سے ملینگے اور بلاشبہ اُسکی طرف لوٹیں گے

تفسیر یہ آیت علماء یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ علماءِ یہود باشندگان مدینہ اُن یہودیوں سے جو ایمان لائے تھے کہا کرتے تھے کہ تم دینِ اسلام پر قائم رہو، اطاعت محمدؐ یہ کئے جاؤ یہی سچا مذہب ہے لیکن خود اسلام سے گریز کرتے تھے أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ یعنی کیا تم لوگوں کو تو اسلام لانے، اسلام پر ثابت قدم رہنے، اطاعتِ الٰہی تقویٰ اور امور خیر کے اختیار کرنے صوم و صلوٰۃ کے ادا کرنے اور رشوتیں لیکر حق پوشی نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہو اور خود ان ہدایات پر عامل نہیں ہوتے اور اختیارِ خیر کے موقع پر گویا اپنے نفسوں کو بھولجاتے ہو خود اُن پر عمل پیرا نہیں ہوتے حالانکہ تم توراۃ پڑھتے ہو جسکے اندر دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت کی کس قدر سخت ممانعت ہے کیا تم نہیں سمجھتے کہ اپنے آپکو عذاب میں ڈالنا کیسی بُری حرکت ہے کیونکہ اگر سمجھتے ہوتے تو اس حرکت سے باز آجاتے۔ مطلب کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم توراۃ کی تلاوت کرتے ہو اور اسمیں اعمال صالحہ کی نہایت تاکید ہے اور خود عمل نہ کرنے اور محض دوسروں کو نصیحت کرنے پر بڑی تہدید ہے مگر تم خود عمل نہیں کرتے دوسرے لوگوں کو وعظ و تدریس کرنے کیلئے آمادہ رہتے ہو کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔ وجہ یہ ہے کہ تمہارے نفس سرکش ہیں وہ ان اعمالِ حسنہ، قیدِ شریعت اور روحانی صفائی کو پسند نہیں کرتے لہذا اسکا روحانی علاج یہ ہے کہ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ۔ تم روزہ نماز سے نفس کو

مشقت کشی کا عادی بناؤ کیونکہ روزہ میں کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا صبر کرنا اور نفسانی خواہشات کو روکنا پڑتا ہے اور پھر نماز میں مشغول ہو کر تمام اعضاء جسم کو عبادت میں مصروف رکھنا، روح کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا، تسبیح و تقدیس کرنا، قرآن پڑھنا، دل کو حاضر رکھنا ان سب کا مجموعہ روح کیلئے تازگی بخش ہے، نفس کی تیزی کو توڑ دیتا ہے حب مال وجاہ کو زائل کر دیتا ہے اور ہر قسم کی نفسانی خواہش کو جو عمل خیر سے مانع ہوتی ہے یہ مردہ کر دیتا ہے۔

شیخ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں صبر سے روزہ مراد ہے کیونکہ روزہ خواہشات کو توڑ دیتا ہے یعنی اس سے سرداری و مال کی خواہش ٹوٹ جائیگی اور نماز کا حکم اسلئے دیا کہ اس سے بارگاہ الٰہی میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے لہذا علم کا غرور جاتا رہیگا اور نماز روزے کے مجموعہ سے یہودیوں کے تینوں اخلاق ذمیمہ زائل ہو جائینگے نہ حب مال وجاہ رہیگی، نہ غرور علم۔ ابن حیان فرماتے ہیں کہ نماز سے مراد تمام فرائض دینی ہیں اور صبر سے مراد خواہشات نفسانی کی بندش ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے خواہشات شیطانی کو زائل کرو پھر فرائض دینی ادا کرو گویا نواہی و اوامر کے پابند ہو جاؤ۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الخ اور یہ نماز بھی کافروں اور منافقوں کے واسطے دشوار بات ہے اسکے متحمل بھی وہی لوگ ہوتے ہیں جو خدا کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم کو خدا سے ملنا ہے۔ ابن عباس اور مجاہد کے نزدیک خاشعین سے وہ سچے مومن مراد ہیں جو آیات الٰہی کو سچا اور دل سے مانتے ہیں۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ خاشعین سے وہ لوگ مراد ہیں جو عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں۔ ابن حبان کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بارگاہ الٰہی میں عجز و انکسار کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ ضحاک نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ نماز سب پر ثقیل ہے سوائے ایسے لوگوں کے جو خشوع خضوع کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے اور اسکے وعدہ و وعید کو سچا جانکر اسکے عذاب سے ڈرتے اور اسکے ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں۔

مجاہد و ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں لفظ ظن آیا ہے اسکے معنی یقین کے ہیں مبیضاوی نے آیت میں ظن کے معنی توقع کے لکھے ہیں یعنی جو خدا سے ملنے کے متوقع ہیں۔ رازی کا قول ہے کہ آیت میں ملاقات سے مراد موت ہے اور ظن سے مراد انتظار یعنی جو لوگ موت کے انتظار میں ہیں انپر نماز گراں نہیں ہے کیونکہ نماز میں ان کو مناجات الٰہی حاصل ہوتی ہے اور جس بات کے انتظار میں یہ لوگ ہیں اس کے مقابلہ میں نماز کی مشقت ہیچ ہے۔

مقصود بیان:- خود پابند احکام ہونے کا وعظ اور بعد کو دوسروں کو نصیحت کرنے کا حکم، لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ جو خود پابند نہیں وہ دوسروں کو نصیحت بھی نہ کرے۔ کیونکہ خود پابند عمل ہونا واجب ہے اور دوسروں کو پابند بنانا دوسرا واجب ہے۔ ایک واجب کے ترک سے دوسرے واجب کی ممانعت نہیں ہو سکتی۔ تمام اوامر و نواہی کی تعلیم قوت شہوانیہ کا زور توڑنے کا حکم، نماز ادا کرنے کا وجوب، اس بات کا حکم کہ مرنیکے بعد یقیناً خدا کے سامنے جانا اور حساب کتاب دینا ہے، فروتنی اور عاجزی کرنیوالوں کی مدح، قیامت پر ایمان رکھنے والوں کی لطیف پیرایہ میں تعریف۔ تعمیل احکام شریعت میں اگر تساہل یا تردد ہو تو نماز روزے سے استعانت کا حکم وغیرہ

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل! تم یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر

عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

کی ہیں اور اس بات کو کہ میں نے تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دی

تفسیر چونکہ بنی اسرائیل کو اہل علم اور انبیاءزادے ہونے کی وجہ سے چند غرور اور تعصب تھا اسلئے خدا تعالیٰ نے دوبارہ انکی نعمتوں کو یاد دلایا اور فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم میری نعمتوں کو یاد کرو اور اس بات کو بھی یاد کرو کہ میں نے ایک زمانہ میں تمہارے آباؤ اجداد کو اس زمانہ کے تمام انسانوں پر شرف عطا کیا تھا۔ بڑے بڑے بادشاہ اور متبرک لوگ تمہارے خاندان کو مقدس اور متبرک جانکر ادب سے نذریں پیش کرتے تھے اور تمہارے خاندان کی عزت و حرمت اور علم و نبوت کی شہرت عالمگیر تھی۔ ابو العالیہ، مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور اسمٰعیل بن ابی خالد کا قول ہے کہ عالمین سے مراد بنی اسرائیل کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ تمام عالم پر فضیلت مقصود نہیں ہے کیونکہ امت محمدیہ بحکم نص تمام امتوں سے افضل ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا

اور اس دن سے ڈرتے رہو کہ کوئی شخص کسی شخص کے کام نہ آئیگا

وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا

اور نہ قبول ہوگی اس کی جانب سے سفارش اور نہ لیا جائیگا اس سے کوئی

عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

بدلا اور نہ ان کی کچھ مدد کی جائے گی

تفسیر یعنی اگر تم اپنی سرکشی اور تعصب سے باز نہیں آتے اور تم الٰہی کے حق کو ادا نہیں کرتے اور شریعت کی خلاف ورزی اور بُت پرستی کرنے کی وجہ سے تم اپنی سلطنت وحشمت اور نبوت کو خاک میں ملا چکے تو خوب سمجھ رکھو اور ڈرتے رہو کہ ایک روز ضرور مرنا ہے اور مرنے کے بعد قیامت کے دن خدا کے سامنے حساب کتاب دینے کیلئے جانا ہے۔ اُس روز وہاں کوئی شخص عذاب الٰہی کو کسی طریقہ سے دفع نہ کر سکیگا نہ تو کوئی شخص تمہاری ذمہ داری کر سکیگا کہ تمہاری جانب سے تمام حقوق ومحاسبہ اپنے سر پر لیلے اور نہ کوئی اپنی وجاہت ذاتی کی وجہ سے تمہاری سفارش کر کے عذاب کو معاف کرا سکیگا اور نہ کوئی مال و دولت یا کوئی اور معاوضہ دیکر تمہارے جرم کا عوض دے سکیگا اور نہ یہ ممکن ہوگا کہ کوئی خدا سے مقابلہ کر کے تمہاری مدد کرے اور اس صورت سے تمہاری نجات ہو جائے۔ جب دفع عذاب کے یہ کل طریقے ناممکن ہیں اور رہائی کی کوئی شکل نہیں ہے تو پھر تم کو عذاب الٰہی کا خوف کرنا چاہئے اور شریعت محمدی کا پیرو بن جانا چاہئے۔

مقصود بیان:- ترغیب وترہیب، بنی اسرائیل پر احسان کرنے کا بیان، دفع عذاب کا عدم امکان۔ اس امر کی تصریح کہ کوئی شخص کافروں کو فائدہ نہ پہنچا سکیگا، خدا پر کوئی غالب نہیں آسکتا کافروں کی کوئی سفارش نہیں کر سکتا، کوئی کسی کے گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا، کوئی مال عوض نہیں دے سکتا وغیرہ۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ

(اور یاد کرو) جب فرعون والوں سے ہم نے تم کو رہائی دی وہ تم کو بُری

سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَ

تکلیف پہنچاتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور

يَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ

تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اسمیں تمہارے رب کیطرف سے بڑی آزمائش تھی

تفسیر حضرت یوسفؑ نے بنی اسرائیل کو مصر میں لاکر آباد کیا تھا اور [illegible] ان کی تعداد لاکھوں تک پہونچ گئی تھی فراعنہ مصر کو ان پردیسیوں کا مصر میں رہنا پسند خاطر نہ تھا اور خود برسر حکومت ہونے کی وجہ سے ان سے ٹیکس لیتے اور ذلیل کام کراتے تھے۔ عورتوں سے سوت کتواتے اور کپڑا بنواتے اور مردوں سے راج مزدوری کا کام لیتے اور کھیت جُتواتے تھے۔ یہ بیچارے اس مصیبت میں تو مبتلا تھے ہی کہ ایک شب فرعون مصر یعنی ولید بن مصعب بن ریان نے خواب دیکھا اور صبح کو تمام کاہنوں کو جمع کر کے تعبیر پوچھی کہ شب کو میں نے بیت المقدس (یروشلم) کی طرف سے ایک آگ آتی دیکھی جس نے تمام مصر کو گھیر لیا اور چُن چُن کر ایک ایک قبطی (خاندان عمالقہ کے افراد) کو جلا دیا۔ یہ سُن کر تمام کاہنوں نے بالاتفاق کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہونیوالا ہے جو آپکی ہلاکت اور زوال سلطنت کا سبب ہوگا۔ فرعون نے یہ سنتے ہی تمام دائیوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو وہ فوراً قتل کر دیا جائے البتہ لڑکی چھوڑ دی جائے۔ غرض اس شورش میں نوّے ہزار معصوم بچے پیدا ہوتے ہی مارے گئے۔ اُس وقت سرداران قبط نے متفق ہو کر فرعون سے التجا کی کہ یہ بنی اسرائیل شودر ہیں تمام ذلیل کام ان یہودیوں سے ہی متعلق ہیں اگر یہ قتل عام اسی طرح جاری رہا اور بچے یونہی مارے جاتے رہے اور بوڑھے لوگ تو مر ہی رہے ہیں تو انجام کار ذلیل کام بھی ہم ہی کو کرنے ہونگے۔ یہ سنکر فرعون نے حکم میں ترمیم کی کہ ایک سال قتل جاری رہا کرے اور دوسرے سال بند رہے۔ جس سال یہ قتل موقوف تھا اُس سال حضرت موسیٰؑ کے بڑے بھائی حضرت ہارون پیدا ہوئے اور جس سال قتل جاری تھا اُس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون سے اپنی لطیف حکمت کی وجہ سے محفوظ رکھا۔ اسی قصہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے بنی اسرائیل! اُس نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے تم کو فرعون کے ساتھیوں سے نجات دی تھی وہ لوگ تم کو سخت تکلیفیں دیا کرتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کیا کرتے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا کرتے تھے۔ لیکن اس مصیبت سے ہم نے تم کو نجات دی اور اس مصیبت ونجات میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی بھاری آزمائش تھی۔

مقصود بیان:- بنی اسرائیل پر احسان وانعام کا بیان اور رسول اللہؐ کے زمانہ کے یہودیوں کو دعوت اسلام، اس امر کیطرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ جب انسان پر مصائب انتہا کو پہونچ جاتے ہیں اور انسان صبر کرتا ہے تو خدا اُسکی مدد کرتا ہے۔ آیت سے ایک امر یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خدا کی آزمائش کی مختلف صورتیں ہیں کبھی تو تکلیف ومصائب میں مبتلا کر کے آزمائش کیجاتی ہے اور کبھی راحت وآرام پہنچا کر امتحان کیا جاتا ہے وغیرہ۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ

(اور یاد کرو) جب ہم نے تمہارے واسطے دریا کو پھاڑ کر تم کو نجات دیدی

فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ

اور فرعون والوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھتے رہے

تفسیر حضرت موسیٰؑ کی بعثت سے قبل فرعون اور فرعون کے ہم قوم بنی اسرائیل پر بڑے مظالم کیا کرتے تھے اور بنی اسرائیل اس امید پر ان مظالم کو برداشت کرتے رہتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر ہم میں خدا تعالیٰ مبعوث فرمائیگا جسکی وجہ سے ہم کو اس بلا سے نجات ملجائے گی لیکن موسیٰؑ کی بعثت کے بعد بھی ان کی تکلیفوں میں کمی نہ ہوئی بلکہ اور اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت موسیٰؑ فرعون کو مختلف معجزات کے ذریعہ ہدایت کرتے تھے کہ اس ظلم پرستی کو چھوڑدے اور میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے تاکہ میں ان کو ان کے آباؤ اجداد کے ملک شام میں لیجاؤں لیکن فرعون نے نہ مانا۔ موسیٰ کے قول سے سرتابی کی بلکہ موسیٰ کے قتل کے درپے ہوگیا۔ بالآخر بحکم خدا موسیٰؑ بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر مصر سے باہر نکل گئے۔ اور فرعون کو خبر بھی نہ ہوئی۔ عمرو بن میمون وغیرہ تابعین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لیکر بحرِ قلزم پر پہونچے، سمندر بھرا ہوا تھا اور نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ حضرت یوشعؑ بن نون نے حضرت موسیٰؑ سے عرض کیا کہ فرمایئے خدا تعالیٰ نے آپ کو کدھر جانے کا حکم دیا ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے سمندر کیطرف اشارہ کیا حضرت یوشع نے فوراً سمندر میں گھوڑا ڈالدیا لیکن دھار میں پہونچکر موجوں کے تھپیڑے سے پھر کنارہ پر آگئے تین بار اسی طرح واقعہ ہوا، اسوقت بنی اسرائیل نے گھبرانا شروع کیا اتنے میں فرعونیوں کا لشکر نظر آیا جو بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا تھا بنی اسرائیل لشکر کو دیکھکر اور خوف زدہ ہوگئے اور کہنے لگے اب ہم ضرور گرفتار ہوجائینگے اور موسیٰؑ سے کہنے لگے کیا مصر میں قبرستان نہ تھے کہ تم ہم کو یہاں مرنے لائے اب ہم تمہارے کسی جادو کا یقین نہیں کرسکتے۔ حضرت موسیٰؑ نے جھڑکا اور فرمایا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وہی مجھے راستہ بتائیگا۔ بالآخر موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ سمندر میں لاٹھی مارو۔ حضرت موسیٰؑ نے بارہ قبائل کے بارہ راستوں کے لئے بارہ جگہ لاٹھی ماری جس سے سمندر بارہ جگہ سے پھٹ گیا، پانی بلکہ کیچڑ بھی خشک ہوگیا، ہر گروہ کا ایک خشک راستہ بن گیا پھر حکم ہوا کہ اب سمندر پار ہوجاؤ۔ سب لوگ خشک راہوں سے سمندر پار ہوگئے اتنے میں فرعون بھی مع لشکر کے دوسرے کنارہ پر آپہونچا۔ ہامان نے کہا کہ موسیٰؑ بزورِ ساحری اس شان سے پار نکل گیا آپ بقوت خدائی اتر چلیئے۔ فرعون اگرچہ پار جانا نہیں چاہتا تھا لیکن حمیت سے شرم کھاکر دریا میں گھس گیا اور اسی خشک راستہ میں گھوڑا ڈالدیا کیونکہ بحکم الٰہی اسوقت تک خشک راستے موجود تھے۔ بنی اسرائیل دوسرے کنارہ پر ہراساں و ترساں کھڑے ہوئے تھے، تھوڑی دیر میں سمندر برابر ہوگیا اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہوگیا۔ لیکن بنی اسرائیل پر پھر بھی خوف طاری تھا، جب سمندر نے فرعون کی ناپاک لاش باہر پھینکی گئی تب بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کا یقین ہوا اور مطمئن ہوئے یہ واقعہ ماہ محرم روز عاشورہ کا ہے۔ صحیح روایت سے یہ واقعہ بھی ثابت ہے کہ جب بنی اسرائیل سمندر کو پار کررہے تھے تو خدا تعالیٰ نے ہر خشک راہ میں اِدھر اُدھر سوراخ کھولدیے تھے تاکہ ہر گروہ دوسرے کے عبور کی حالت بھی دیکھ سکے۔ اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہماری اس نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے بحرِ قلزم کو تمہارے لئے پھاڑدیا تھا اس میں خشک راستے بنادیے تھے اور ان راستوں کے ذریعہ سے تم کو فرعون سے نجات دی تھی لیکن وہی چیز جو تمہارے لئے باعثِ رحمت تھی فرعون والوں کیلئے باعث عذاب ہوئی اور ہمنے تمہاری نظروں کے سامنے انکو غرق کردیا۔

مقصود بیان:۔ قدرت الٰہی کا اظہار، اس امر کی طرف اشارہ کہ جو چیز فرمانبردار بندوں کیلئے باعث رحمت ہوتی ہے وہ سرکش انسانوں کیلئے ذریعۂ عذاب ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کا ثبوت۔ اس امر پر تنبیہ کہ خدا تعالیٰ انسانوں کی ایک وقت خاص تک رسّی ڈھیلی چھوڑتا ہے لیکن بالآخر گرفت کرتا ہے تو پھر رہائی ناممکن ہوتی ہے وغیرہ۔

وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ

اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُونَ

تم نے بچھڑا بنالیا اسکے بعد اور تم ظلم کررہے تھے

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ

پھر ہمنے اسپر بھی تم سے درگذر کی شاید تم

تَشْكُرُونَ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ

احسان مانو اور یاد کرو جب ہمنے عطا کی موسیٰ کو کتاب اور قانون فیصل

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۝

تاکہ تم ہدایت پاؤ

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کے وہ حالات بیان کرتا ہے جو بحرِ قلزم سے پار اتر کر ظہور پذیر ہوئے۔ آیات کی تفسیر سے قبل اصل قصہ جان لینا ضروری ہے۔

جب موسیٰؑ بحرِ قلزم کو عبور کرکے کوہِ طور کے پاس پہونچے تو خدا تعالیٰ

نے حکم دیا کہ تیس روز تک ترک دنیا کر کے تم ہماری عبادت کرو تاکہ اس دوران میں جسمانی اور مادی کثافت کم ہو کر روحانیت غالب ہو جائے اور خدا سے ہمکلام ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ حسب الحکم حضرت موسیٰؑ کوہ طور کے جنگل میں عبادت، ریاضت اور مجاہدہ کیلئے چلے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کے جانے کے بعد بنی اسرائیل مطلق العنان ہو گئے اور چونکہ انکی فطرت میں محسوس پرستی کا خمیر تھا اسلئے محسوس معبودوں کی تلاش میں سرگرم رہے۔ بنی اسرائیل جب مصر سے آئے تھے تو قبطیوں سے کچھ زیور عاریۃً شادی کے بہانہ سے لیکر آئے تھے۔ وہ زیور بھی ان کے پاس موجود تھا، سامری ایک پُرفن بازیگر تھا اور حضرت جبرئیلؑ کو اس نے پہلے دیکھا تھا، غرق فرعون کے وقت جب حضرت جبرئیل بشکل بشری گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تھے اسوقت جبرئیلؑ کے گھوڑے کی خاکِ قدم اس نے تھوڑی سی اٹھا لی تھی وہ بھی اسکے پاس محفوظ تھی پس اس نے حضرت موسیٰؑ کی غیبت اور بنی اسرائیل کی بیوقوفی سے فائدہ اٹھایا اور قبطیوں والے زیور کو ڈھالکر ایک بچھڑا بنایا اور اسکے پیٹ میں اثر جبرئیلؑ کی خاک ڈالدی، بچھڑا چلانے لگا۔ سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا رب ہے۔ حضرت ہارون نے بنی اسرائیل کو بہت سمجھایا کہ بیوقوفو! دیکھو یہ خدا کی آزمائش ہے۔ حضرت موسیٰؑ صرف ایک ماہ کے لئے گئے ہیں تم ان کو آنے دو، ایسا کھلا ہوا شرک نہ کرو لیکن کسی نے ان کا کہنا نہ مانا اور مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت ہارونؑ خاموش ہو گئے ادھر حضرت موسیٰؑ کو دس روز کی مزید تاخیر ہو گئی کیونکہ بجائے تیس دن کے خدا تعالیٰ نے توسیع کر کے ایک چلہ مقرر کر دیا تھا۔ بیوقوف اسرائیلی ویسے ہی محسوس پرستی کی طرف مائل تھے، سامری نے اغوا کرنے میں اور اضافہ کیا۔ کہنے لگا کہ دیکھو تمہارا اور موسیٰ کا خدا تو یہ ہے۔ موسیٰ بھٹک کر کوہ طور کی طرف گئے ہیں اور اسی وجہ سے ابتک نہیں آئے۔ پس پھر کیا تھا سوائے بارہ ہزار آدمیوں کے سب بیوقوف گوسالہ پرستی میں مشغول ہو گئے۔ مدت مقررہ کے بعد جب حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر سے احکام کی تختیاں لیکر آئے تو بنی اسرائیل کو اس باطل پرستی میں دیکھ کر غضبناک ہو گئے تختیاں پھینکدیں حضرت ہارون پر خوب ناراض ہوئے اور سخت بازپرس کی۔ حضرت ہارون نے معقول معذرت کی۔ سامری سے دریافت کیا تو اس نے کل واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اسکو بددعا دی جس سے وہ کوڑھی ہو گیا اور کوئی اسکے پاس تک نہ آتا تھا اور نہ وہ کسی کو چھو سکتا تھا، اسی حالت میں وہ مر گیا۔ بالآخر خدا تعالیٰ کیطرف سے حکم آیا کہ اس بچھڑے کو دریا میں پھینکدو اور تمہاری توبہ قبول ہونے کی صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔ چنانچہ ایک دن میں ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ اخیر میں حضرت موسیٰؑ نے رو کر التجا کی تو معافی کا حکم آیا، اسکے بعد دوبارہ حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر گئے تو بہت سے احکام لائے جو تختیوں پر لکھے ہوئے تھے اور وہی احکام کا مجموعہ توراۃ کے نام سے موسوم ہوا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اس نعمت کو یاد کرو جبکہ ہم نے موسیٰ سے ایک چلہ کا وعدہ کیا اور حکم دیا کہ چالیس شب تم عبادت کرو چالیس شب گذرنے پر تم کو توریت عطا کیجائیگی جسکے اندر ہدایت اور نور ہوگا۔ حسب الحکم موسیٰ کوہ طور کے غار کیطرف گئے انکے جانے کے بعد تم نے بنائے ہوئے گوسالہ کو معبود بنا لیا اور خود اپنے لئے خرابی کی۔ جو چیز قابل پرستش نہ تھی اسکی عبادت کرنے لگے لیکن پھر بھی ہم نے تم پر احسان کیا اور تمہارے جرم سے درگذر کی تاکہ تم ہمارے احسان کا شکریہ ادا کرو اور اس احسان کو بھی یاد کرو کہ ہم نے تمہاری ہدایت کیلئے موسیٰ کو ایک کتاب یعنی توراۃ دی جسکے ذریعہ سے حق و باطل، حلال و حرام اور احکام شیطانی و رحمانی میں امتیاز ہوتا تھا اور اس سے مقصود صرف تمہاری ہدایت تھی۔

مقصود بیان:- عبادت و صفائے نفس کے لئے چند روز کے لئے عارضی طور پر تعلقات دنیا ترک کر دینے جائز ہیں، شرک بڑا ظلم ہے، دین الٰہی اور کتاب سماوی بڑی نعمت ہے، اسکا شکر ادا کرنا واجب ہے یعنی اسکے مطابق عمل کرنا واجب ہے ہم جنس کی شرارت سے بچنا چاہئے کیونکہ آدمی آدمی کیلئے شیطان سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص کسی کو ہدایت کرے تو اگر کتاب الٰہی اور قول پیغمبر کے موافق اسکی بات ہو تو ماننا چاہئے ورنہ اسکو جھوٹا اور گمراہ جاننا چاہئے ورنہ سوائے بربادی کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ جو چیز خلاف عادت واقع ہو اس کو کرامت ہی نہ سمجھ لینا چاہئے جب تک شرع کے مطابق نہ ہو، اگر شرک کر کے کوئی مرتد ہو جائے اور پھر نادم ہو کر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے، ہدایت کو کتاب الٰہی ہی سے تلاش کرنا چاہئے، کتاب الٰہی سے حق و باطل، کفر و اسلام، ہدایت و گمراہی، نور و تاریکی میں امتیاز ہو جاتا ہے وغیرہ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ

اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! تم نے بیشک

ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا

گوسالہ کو (معبود) بنا لینے سے اپنے اوپر ظلم کیا سو توبہ کرو تم

إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اپنے خالق کی جانب اور اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے

عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

تمہارے خالق کے نزدیک پھر اللہ متوجہ ہوا تم پر یقیناً وہی توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے

تفسیر جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ع کو کوہ طور پر بنی اسرائیل کے گمراہ ہوجانے سے آگاہ فرمایا اور موسیٰ ع تورات لئے واپس آئے اور بنی اسرائیل کو اپنی گمراہی کا احساس ہوا تو افسوس کرنے لگے اور نادم ہوکر توبہ کرنی شروع کردی۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول ہونے کے لئے ایک دوسرے کو قتل کرنا لازم قرار دیا کیونکہ جس شخص کو آخرت کا پختہ یقین ہوتا ہے اور اُس سے مغفرت کا پختہ وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ لامحالہ اس دارِفانی کو چھوڑ کر آخرت کو پسند کرتا ہے اور یہ بھی درحقیقت ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ بالآخر بنی اسرائیل نے اپنے اہل قرابت کو مارنا شروع کیا، ہزاروں آدمی مارے گئے۔ پھر حضرت موسیٰ ع ہی کو رحم آیا اور خدا تعالیٰ سے معافی کی دعا کی اور خدا نے معاف فرمادیا۔ اسی قصہ کو آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ع نے اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اے قوم والو تم نے گوسالہ پرستی کرکے خود اپنے لئے خرابی پیدا کی ہے اب اپنے خالق کے سامنے توبہ کرو اور توبہ کی صورت یہ ہے کہ باہم خود ہی ایک دوسرے کو قتل کرو یہی تمہارے لئے خالق کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر جب موسیٰ ع کی ہدایت کے موافق تم نے عمل کیا تو خدا نے تمہاری توبہ قبول کی کیونکہ خدا تعالیٰ تواب رحیم ہے۔

سعید بن جبیر نے بروایت ابن عباس رض بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا تھا کہ قبول توبہ کی صرف یہ شکل ہے کہ اگر باپ بیٹے سے یا بیٹا باپ سے ملے تو قتل کردے۔ بنی اسرائیل نے اس حکم کی تعمیل کی اور خدا تعالیٰ نے قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا (ابن جریر)

اس روایت کی تفصیل ابن عباس رض کی دوسری روایت میں آئی ہے کہ جب قتل کا حکم صادر ہوا تو جن لوگوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی اُن کو اس حکم سے مطلع کیا گیا انہوں نے سر تسلیم جھکا دیا اور جنھوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی وہ تلوار لیکر اُٹھے اور اُس وقت ایک تاریکی چھاگئی اور انہوں نے گوسالہ پرستوں کو قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ ع کی دعا سے تاریکی دور ہوئی اور قتل کا حکم معاف ہوا۔ مجاہد کی روایت میں مقتولین کی تعداد ستر ہزار ظاہر کی گئی ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ تاریکی دور ہونے کے بعد حضرت موسیٰ ع مقتولین کی لاشیں دیکھ کر غمگین ہوئے تو خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ موسیٰ کیوں غمگین ہوتے ہو جو لوگ مقتول ہوئے وہ میرے پاس زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں اور جو لوگ باقی رہے ہیں میں نے اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ یہ فرحت آگین پیام سن کر حضرت موسیٰ ع اور بنی اسرائیل کا غم دور ہوا۔

مقصود بیان:- آیت میں ایک لطیف ترین اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہو خواہ بُت پرست ہو یا جاہ پرست یا زندہ پرست یا مُردہ پرست یا حکومت پرست بہرحال جو غیر اللہ کا پرستار ہو اُسکے لئے مناسب ہے کہ نفس کے گوسالہ کی قربانی کرے، قوت شہوانیہ و غضبیہ کے افعال کو دائرۂ شریعت کے اندر محدود کردے، حکم الٰہی کے خلاف نفس سے کوئی کام نہ لے، اپنی رضا و ارادہ کو تسلیم حکم الٰہی میں فنا کردے اس سے حیات جاودانی اور غذاء روحانی حاصل ہو جائیگی۔ آیت اس مضمون پر بھی دلالت کرتی ہے کہ خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ امور تعلیم فرماتا ہے جن سے حیات جاودانی وابستہ ہے اور گناہ گار بلکہ مرتد بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ایک اشارہ اس بات کیطرف بھی ہے کہ چونکہ خدا ہی خالق کائنات ہے اسلئے اُسکو قتل نفس کا حکم صادر کرنے کا اختیار ہے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى

اور (یاد کرو) جب کہا تم نے کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تم پر یقین نہ کرینگے جبتک اللہ کو

اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ

اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں تو تم کو بجلی نے آپکڑا اور تم دیکھتے رہے

ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

پھر تمہارے مرنے پیچھے ہمنے تم کو زندہ کر اٹھایا تاکہ تم احسان مانو

تفسیر ابن جریر، بغوی اور سیوطی نے بیان کیا ہے کہ جب گوسالہ پرستی کی سزا میں بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا حکم ہوا تو موسیٰ ع نے ستر شخص اپنی قوم میں سے منتخب کئے اور ان لوگوں کو لیکر کوہ طور پر معذرت کیلئے گئے۔ ان لوگوں نے موسیٰ ع سے کہا کہ تم اپنے رب سے کلام کرو ہم سنتے ہیں اس ہمکلامی کی وجہ سے موسیٰ ع کا چہرہ ایسا منور ہوگیا تھا کہ ان کو دکھائی نہ دیتا تھا اسوجہ سے کہنے لگے کہ ہم نے صرف باتیں سنی ہیں لیکن جب تک خدا کو بالمشاہدہ اور علی الاعلان آنکھوں کے سامنے نہ دیکھ لیں گے ہم کو ہرگز یقین نہ ہوگا۔ اس گستاخی پر ایک بجلی گری اور سب مر گئے۔ حضرت موسیٰ ع نے جو یہ دیکھا تو عرض کیا الٰہی میں اُنکو بنی اسرائیل کے سامنے کیا ہی

دینے کیلئے ساتھ لایا تھا اب یہ تو مر گئے۔ میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دونگا تب خدا نے دوبارہ پھر اُن کو زندہ کر دیا۔ یہی واقعہ آیت میں بیان کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ ہماری اُس عنایت کو بھی یاد کرو کہ جب تم نے موسیٰؑ سے کوہ طور پر کہا تھا کہ ہم تمہارے قول پر صرف سننے سے ایمان نہیں لائینگے اور نہ اس طرح یقین کر سکتے ہیں تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں پھر تم کو اس گستاخی کی سزا یہ ملی کہ بجلی گری اور تم کو ہلاک کر دیا اور تم اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے لیکن ہم نے تم کو پھر زندہ کیا تاکہ تم اسکا تو شکریہ ادا کرو اور شریعت موسوی کو دل و جان سے قبول کرو۔

ربیع بن انس کہتے ہیں کہ آیت میں صعق سے مراد موت ہے اور ان لوگوں کی موت وہ موت مقررہ نہ تھی جو ہر آدمی کو آتی ہے بلکہ یہ موت بطور سزا دہی کے واقع ہوئی تھی۔ اسکے بعد ان کو زندہ کر دیا گیا تھا تاکہ قدرتِ الٰہی کا معائنہ کریں اور اپنی موت مقررہ تک زندگی کے نفوس پورے کریں۔ یہی قول حضرت قتادہ کا ہے۔

سدی اور محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب یہ لوگ بجلی سے جلکر مر گئے تو حضرت موسیٰؑ کھڑے ہو کر رونے لگے اور دعا کرنے لگے کہ الٰہی میں بنی اسرائیل کو کیا کہونگا، ہزاروں وہاں مارے گئے اور جو اچھے اچھے چھانٹے گئے تھے وہ یہاں ہلاک ہو گئے لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ یعنی الٰہی اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھکو پہلے ہی ہلاک کر دیتا کیا تو ہمکو ایسے فعل کی وجہ سے ہلاک کریگا جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا ہے یہ تو تیرا امتحان ہی امتحان ہے" بالآخر خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ پر وحی نازل فرمائی کہ یہ نشتر بھی انہی گوسالہ پرستوں میں سے ہیں۔ لیکن خدا نے اُن کو پھر زندہ کر دیا الخ۔

مقصود بیان: - خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی موجب سزا ہی۔ ہر شخص کا مرتبہ علیحدہ ہے جب تک استعداد حاصل نہو مشاہدہ کی طلب بھی حرام ہے اور مشاہدہ کی استعداد ہو تو معائنہ کی درخواست ناجائز ہے جوں جوں قابلیت میں اضافہ ہوتا جائے مراتب قرب بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل تجلی غضبی میں گرفتار ہوئے تھے موتِ مقدر سے نہ مرے تھے اسلئے خدا تعالیٰ نے انکو دوبارہ زندہ فرما دیا۔ دنیا میں مشاہدۂ الٰہی تو ممکن ہی لیکن معائنہ ناممکن ہے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ

اور (یاد کرو) ہم نے تمپر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ

وَالسَّلْوَىٰ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا

اُتارا (اور ہم نے حکم دیدیا کہ ہمنے جو بہترین چیزیں تم کو رزق دی ہیں اُنمیں سے کھاؤ اور

ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ وَإِذْ

ان لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور یاد کرو جب

قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ

ہم نے حکم دیا کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں پس کھاؤ اسمیں سے جہاں

شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ

چاہو با فراغت اور گھسو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے جاؤ

نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ فَبَدَّلَ

تو ہم بخشدینگے تمہارے قصور اور زیادہ دینگے نیک بندوں کو تو بدل ڈالا

الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا

شریروں نے قول کو (اور کہنے لگے وہ قول) جو بتایا گیا تھا اُن کو پس ہمنے نازل کیا

عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا

ان شریروں پر آسمانی عذاب ان کی عدول حکمی کے

يَفْسُقُونَ وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا

سبب سے اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے پانی مانگا تو ہمنے حکم دیا

اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

کہ مار اپنی لاٹھی پتھر پر (لاٹھی کا پتھر پر مارنا تھا کہ اُسمیں سے بارہ چشمے

عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا

بہ نکلے (اور) ہر قوم نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا (اور ہمنے حکم دیا) کھاؤ

وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ

اور پیو خدا کے رزق میں سے (مگر) ملک میں فساد پھیلاتے مت پھرو

تفسیر ان آیات کی تفسیر سے قبل ہم آیات کا پورا قصہ لکھنا چاہتے ہیں تاکہ آیات کا مضمون اچھی طرح سمجھ میں آجائے اس کے بعد آیت کے ہر ہر ٹکڑے کو علیحدہ علیحدہ بیان کرینگے۔

جب بنی اسرائیل کو قوم عمالقہ سے جہاد کرنیکے لئے ملک شام کو جانے کا حکم ہوا تو چلنے کو تو چلدیے لیکن راستہ میں قوم عمالقہ کی جسمانی قوت اور شان و شوکت

اطلاع ہوئی تو تعمیل حکم میں جھجکے اور تغافل کیا۔ اسپر انکو بیابان عرب کے ایک سنسان میدان میں چالیس سال تک حیران پریشان پھرنے کی سزا ملی۔ بہتیرا چلتے تھے لیکن اپنے آپ کو جہاں سے چلے تھے وہیں پاتے تھے آخرکار جب دھوپ کی تیزی اور بھوک پیاس کی شدت سے گھبرا اُٹھے تو موسیٰؑ سے دعا کے خواستگار ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ کی دعا سے سارے دن اُن پر بادل سایہ کرتا تھا اور روزانہ فجر سے طلوع آفتاب تک ترنجبین یا اوس اور شئے جو دھنیئے کے دانوں کی طرح ہوتی تھی ادرک کے پتوں پر جم جاتی تھی جسکو لیکر بنی اسرائیل روٹیاں پکا کر کھاتے تھے لیکن چونکہ یہ چیز شہد سے زیادہ شیریں تھی تو اُکتا کر یہ سلونا منہ کرنے کے خواہشمند ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے انکے ڈیروں خیموں کے پاس بٹیریں بکثرت جمع ہونے لگیں جن کو نہایت آسانی سے یہ پکڑ لیتے تھے اور دونوں لطیف چیزوں سے پیٹ بھر لیا کرتے تھے مگر یہ حکم تھا کہ ہر روز اپنے کھانے کی مقدار جمع کر لیا کرو ہاں جمعہ کے روز دو دن کی خوراک لے لیا کرو کیونکہ ہفتہ کے دن یہ آسمانی رزق نہیں اتریگا اسلئے صرف جمعہ کے دن تو دو روز کی خوراک لے لیا کرو اور دیگر ایام میں کسی دن اگلے روز کا کچھ فکر نہ کرنا اور اگلے دن کیلئے کچھ جمع نہ کرنا۔ یہ لوگ عرصہ تک بے محنت آسمانی کھانے کھاتے رہے۔ آخر خلاف حکم الٰہی من وسلویٰ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے کھانا نازل ہونا بند ہو گیا اور جمع کیا کرایا سب سڑ گیا۔ بالآخر جب مشقت سفر سے تھک گئے اور حضرت موسیٰؑ سے رہائی کی التجا کی تو خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دریائے یردن کے کنارہ تک پہنچا کر کنعان کی تمام زمین دکھائی اور فرمایا کہ تم خود تو اس ملک میں جانے نہ پاؤ بلکہ تمہاری موت یہیں ہو گی۔ ہاں بنی اسرائیل سے کہدینا کہ میں تم کو یہ ملک دیتا ہوں اور عنقریب تم اس شہر یریحو کو جسکو اریحا کہا جاتا ہے فتح کر دو گے لہذا جب تم اس ملک میں داخل ہو تو خدا کی نعمتیں اور طرح طرح کے میوے کھانا لیکن اسکے شکریہ میں یہ بات ضرور ہے کہ شہر کے ساتوں دروازوں میں سے جس دروازہ میں داخل ہو تو اپنی فتح و بہادری پر نہ اترانا بلکہ سجدہ کرتے ہوئے نہایت عاجزی سے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا ہم تمہارے گناہ معاف کر دینگے اور تم میں سے جو لوگ نیک ہیں اُن کو اسکے معاوضہ میں اور زیادہ عطا کرینگے۔ جب حضرت یوشع بن نون کے عہد نبوت میں بنی اسرائیل نے یہ ملک اور شہر فتح کیا تو بجائے تواضع اور استغفار کے اور بدکار بن گئے اور طرح طرح کی بدکاریاں اور حکم الٰہی میں دل لگیاں کرنے لگے۔ چنانچہ حِطَّةٌ (استغفار) کی بجائے حِنْطَةٌ فِی شَعْرَةٍ یعنی گیہوں اور جَو کہتے ہوئے داخل ہوئے اور سجدہ کی بجائے بچوں کی طرح سرین کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں جا گھسے۔ اس عدول حکمی پر آسمانی عذاب نازل ہوا۔ ران میں پھوڑے کی وبا پھیلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دم ستر ہزار آدمی مر گئے، اسکے علاوہ اجنبی بادشاہوں کے ہاتھوں سے تباہ و برباد ہوئے اور اپنے افعال بد کا نتیجہ بد پایا۔

خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ایک احسان اور بھی چند بار کیا تھا وہ یہ کہ بیابان رفیدیم، ایلیم اور قادس وغیرہ میں جب بنی اسرائیل تھے اور پانی نہ ملا تھا اور حضرت موسیٰؑ سے پیاس کی شکایت کی تھی تو حضرت موسیٰؑ نے بحکم الٰہی اپنا عصا پتھر پر مارا تھا جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ ہی فرقے تھے ہر فرقہ کا ایک جدا گھاٹ [illegible] ہو گیا تھا۔ آیات مذکورہ میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اب ہم ذیل میں آیات کی تفسیر کرتے ہیں:۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ۔ یعنی یاد کرو جب ہمنے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کیا تھا تاکہ تم دھوپ کی تیزی اور آفتاب کی تمازت سے محفوظ رہو غمام ایک سپید ابر تھا جس سے دن بھر وادی تیہ میں بنی اسرائیل پر سایہ ہو جاتا تھا۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى اور ہم نے تم پر ترنجبین اور بٹیریں نازل کی تھیں۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ مَنّ ایک چیز تھی جو درختوں پر جم جاتی تھی۔ مجاہد کہتے ہیں مَنّ ایک قسم کا گوند تھا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ گاڑھے شیرہ کی شکل میں اوس کی طرح گرتی تھی۔ سدی کہتے ہیں کہ ادرک کی پتیوں پر گرتی تھی۔ قتادہ کا قول ہے کہ تیہ میں برف کیطرح گرتی تھی جسکا رنگ دودھ سے زیادہ سپید اور مزہ شہد سے زیادہ شیریں ہوتا تھا اور فجر سے طلوع آفتاب تک اسکی ریزش ہوتی تھی۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ مَنّ ایک چیز شہد کی طرح ہوتی تھی جسکو پانی میں گھول کر پیتے تھے۔ وہب ابن منبہ کا قول ہے کہ مَنّ باریک میدہ کی طرح نازل ہوتی تھی جسکی روٹی پکا کر کھاتے تھے۔ ابن کثیر نے ایک حدیث مختلف طرق سے استخراج کی ہے کہ کماۃ (کھمبی) بھی مَنّ کی ایک قسم ہے (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سلویٰ ایک پرند سمانی (لوا یا بٹیر) کے مشابہ تھا۔ ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن مجاہد، شعبی، ضحاک، حسن، عکرمہ، اور ربیع وغیرہ سے مروی ہے کہ سلویٰ اسی بٹیر کو کہتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ سلویٰ ایک پرند تھا جسکا رنگ مائل بسرخی تھا ہوائے جنوبی اُسکو تیہ میں لاتی تھی۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ یعنی ہم نے جو رزق تم کو عطا کیا اُسمیں سے پاک اور صاف ستھرا کھاؤ نہ بغیر ذبح کئے کھاؤ نہ سڑا کر کھاؤ یعنی جمع نہ کرو اس سے یہ چیزیں سڑ جائینگی۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ لیکن اُن لوگوں نے

حکم نہ مانا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اشیاءِ مذکورہ سڑ گئیں، اس سے انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ اپنے ہی لئے خرابی کی ۔ آسمانی رزق بند ہو گیا۔

حاصل یہ کہ جب بنی اسرائیل تیہ میں گرفتار ہوئے تو خدا تعالیٰ نے اُن کو آیات قدرت دکھائیں اور اُن کے ایمان کو پختہ کیا لیکن اُنہوں نے سرتابیاں اور نافرمانیاں کیں اور کہنے لگے کہ ہمکو یہ غذا پسند نہیں۔ ایک ہی قسم کی غذا کب تک کھائے جائیں، اسکے علاوہ اس سنسان بیابان میں پھرتے پھرتے ہم تنگ آ گئے، مشقت سفر سے اُکتا گئے اب ہم آبادی میں جانا چاہتے ہیں ۔ اسپر خدا نے حکم دیا۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ کہ اس آبادی یعنی اریحا یا یریحا یا ایلیا میں داخل ہو فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا اور وہاں جا کر جو کچھ چاہو فراخی اور وسعت کے ساتھ کھاؤ کسی چیز کی ممانعت نہیں۔ ہر طرح کا اناج اور میوہ وہاں بکثرت ہے۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ الخ لیکن شہر کے دروازہ میں داخل ہو تو فتح کے غرور میں سرمست نہ ہونا بلکہ نہایت عاجزی اور فروتنی کے ساتھ شکر الٰہی میں جھکے ہوئے داخل ہونا اور استغفار کہتے جانا۔ اگر تم اس حکم کی تعمیل کروگے تو ہم تمہارے قصور معاف کر دینگے اور تم نیکوکار ہو جاؤ گے اور مرتبہ محسنین میں داخل ہو جاؤ گے اور محسنین کی نعمتوں میں ہم مزید اضافہ کرتے ہیں لہذا تم کو بھی دوبالا نعمت عطا کرینگے اور دیگر ممالک کی حکومت تم کو مرحمت فرمائیں گے۔ ابن عباس رضؓ وغیرہ صحابہ کے نزدیک سجدہ سے مراد آیت میں رکوع ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ لیکن ظالموں نے بات کو بدل ڈالا جو قول اُن سے کہا گیا تھا اُسکو بگاڑ ڈالا۔ حِطَّةٌ کو حِنْطَةٌ فِيْ شَعْرَةٍ بنا لیا اور سجدہ و رکوع کی بجائے سُرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا الخ لہذا ہم نے ظالموں پر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے ایک پلید عذاب نازل کیا طاعون میں اُن کو مبتلا کیا کہ یکدم ستر ہزار مر گئے۔ صحیحین میں طاعون کو رجز کہا گیا ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى الخ یعنی اے بنی اسرائیل تم اُس نعمت الٰہی کو بھی یاد کرو کہ جب تم نے موسیٰؑ سے پیاس کی شکایت کی اور پانی بیابان میں کہیں موجود نہ تھا تو موسیٰ نے ہم سے پانی کیلئے دعا کی۔ ہم نے حکم دیا کہ پتھر پر لاٹھی مارو۔ موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی فوراً پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے یعنی تمام فرقوں نے علیحدہ علیحدہ اپنا چشمہ دریافت کر لیا اور ہر ایک کا گھاٹ جدا جدا ہو گیا اور ہم نے کہدیا کہ خدا کا رزق کھاؤ پیو لیکن زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ اعتقاد توحید میں شیطانی وسوسہ نہ قبول کرو۔ احکام توریت قبول کرنے سے انکار نہ کرو، جہاد سے پہلوتہی نہ کرو اور خدا کی ناشکری نہ کرو۔

حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی دو شاخہ تھی پانچ گز لمبی تھی۔ اس کا دو شاخہ سرا اندھیرے میں چمکتا تھا اور اس کا نام علیق تھا (سراج، معالم التنزیل) مقاتل کا قول ہے کہ عصا کا نام نبقہ تھا حضرت آدمؑ اسکو جنت سے ساتھ لائے اور بطور توارث حضرت شعیبؑ کو پہونچی تھی اور شعیبؑ سے حضرت موسیٰ کو ملی تھی مگر یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔

مقصود بیان:- قدرت الٰہی کا ثبوت۔ بغیر اسباب کے رزق پہونچانے کا بیان۔ خدا کی رحمت اور رافت و تربیت کا اظہار۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ احکام الٰہی سے سرتابی کر کے انسان خود اپنا نقصان کرتا ہے خداوند تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا۔ تکبر، رعونت اور غرور کی ممانعت۔ فروتنی، انکسار اور تواضع کا حکم۔ بنی اسرائیل کی سرشت بد اور فطرت سیئہ کا اظہار اور اس بات کی طرف ایک لطیف تلمیح کہ خدا کی گرفت کا دائرہ وسیع ہے اور جس شخص پر دنیوی یا اُخروی عذاب ہوتا ہے یا ہو گا وہ اُسی کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ رزق الٰہی کی اباحت و حلت کا بیان۔ کفر و شرک، عصیان، طغیان، حق تلفی اور بد اخلاقی کی ممانعت یہ سب فساد کی شکلیں ہیں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ

اور (یاد کرو) جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ

تو آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے زمین کی اُگائی ہوئی چیزیں

مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا

یعنی ساگ　اور ککڑی　اور گیہوں　اور مسور　اور

وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى

اور پیاز عطا کرے موسیٰ نے کہا کیا تم اُس چیز کو جو ادنیٰ ہے بہتر چیز کے بدلے

بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

میں لینا چاہتے ہو (تم بڑے احمق ہو) اتر پڑو کسی شہر میں تو تم کو ملیگا جو کچھ تم مانگتے ہو

تفسیر خداوند تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بے محنت و مشقت کے لطیف غذا عنایت فرمائی صاف ستھرا شیریں پانی پینے کو مرحمت کیا لیکن فطری جہالت رکھنے والے کور بصیرت انسان کہنے لگے:-

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ موسیٰ ہم ایک قسم کے

پر صبر نہیں کر سکتے ہر روز ہم کو من وسلویٰ ہی ملتا ہے ہم کو یہ بات پسند نہیں ہے ہماری طبیعت اور چیزوں کو بھی چاہتی ہے فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا الخ آپ ہمارے لئے خدا سے دعا کیجئے کہ زمین کی سبزیاں، ترکاریاں، ککڑیاں، گیہوں، مسور، پیاز ہم کو عطا کرے اس سے ہمارا ذائقہ بدلیگا اور کچھ لطف حاصل ہوگا۔ ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے تو ہماری طبیعت اکتا گئی۔

ابن عباس رض، مجاہد، ربیع بن انس اور سعید بن جبیر کے نزدیک فوم بمعنی لہسن ہے لیکن دوسرے مفسرین نے فوم بمعنی گیہوں لکھا ہے۔ قرطبی نے بروایت عطا و قتادہ بیان کیا ہے کہ فوم اس غلہ کو کہتے ہیں جسکی روٹی پکائی جاتی ہے خواہ کوئی غلہ ہو۔ بنی اسرائیل نے ان چیزوں کی خواہش صرف اسوجہ سے کی کہ وہ نعمت الٰہی کے لائق نہ تھے جس چیز کے لائق تھے اسی چیز کی خواہش کی کیونکہ یہ لوگ لطافت، نورانیت کی بہ نسبت مادی کدورت کی طرف زیادہ مائل تھے اور ان چیزوں کو اس مادی زبان کے ذائقہ میں دخل ہے اسلئے انہوں نے اپنی فطرت کے مطابق غذا کی استدعا کی۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الخ۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا تم بھی عجیب احمق ہو افضل کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اور اعلیٰ کو چھوڑ کر ردی چیز کو چاہتے ہو۔ وہ رزق الٰہی جو لطیف و بابرکت ہے بغیر محنت و مشقت کے تم کو ملتا ہے اور اسکا مزہ اور لطافت مناسب روحانیت ہے اور اسکو کھا کر تم درجات آخرت حاصل کرنے کے واسطے فارغ البال ہو، ایسے بیش بہا سہل الحصول لطیف غذا کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو مانگتے ہو جو صرف اسی جسمانی زبان کے مزہ سے متعلق ہیں اور اسکے باوجود بغیر مشقت اور محنت کے وہ تم کو حاصل بھی نہیں ہو سکتیں اور وہ لطافت بھی حاصل نہ ہوگی جو عبادت کے مناسب ہے آخر کیوں اسکو پسند کرتے ہو۔ لیکن بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کا فرمان نہ مانا۔ مجبور ہو کر موسیٰ نے دعا کی اور حکم الٰہی ہوا کہ اِهْبِطُوْا مِصْرًا الخ کسی شہر میں جا کر اترو، وہاں تمہاری خواہش کی چیزیں مل جائینگی۔ مصر سے مصر فرعون مراد نہیں ہے، عام شہر بلکہ چند شہر مراد ہیں کیونکہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی اور چھ لاکھ آدمیوں کا اجتماع خلاف عادت ہے۔ مراد یہ ہے کہ وادی تیہ کے قریب قریب جو دیہات، آبادیاں اور شہر ہیں ان میں جا کر اترو۔ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ سدی، قتادہ اور ربیع بن انس سے بھی یہی مروی ہے۔

مقصود بیان:۔ جو لوگ فطرتاً نورانیت اور روشنی روح سے محروم ہیں وہ سرمایۂ حیات میں سے ان چیزوں کے خواستگار ہوتے ہیں جن سے ان کی جسمانی اور مادی کثافت میں اضافہ ہو اور نور روحانیت اور بجھتا چلا جائے۔ قوت شہوانیہ کا مقتضا اور خواہش بیجا طور پر پورا کرنا قوت روحانیت کے مردہ ہونے کی دلیل ہے۔ یکسوئی اور مادہ پرست انسانوں سے علیحدگی ہی نور فطری کو چمکانے اور روشن کرنے کا ذریعہ ہے اور مادی تمدن رکھنے والوں سے اختلاط مادی قویٰ کو روحانی قوت پر غالب کر دیتا ہے۔ بنی اسرائیل کور بصیرت تھے ان کو لطیف و کثیف اور روحانیت و مادیت کا امتیاز نہ تھا اسی لئے لطیف کو چھوڑ کر کثیف کے خواہاں ہوئے۔ عام انسانوں کی طبیعت جدت اور نیرنگی کی خواہاں ہوتی ہے خواہ مطلوب متروک سے ادنیٰ ہی ہو۔ وغیرہ۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ

اور ان پر ذلت اور محتاجی کی مار پڑی اور وہ اللہ کے غضب

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

میں آ گئے یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ

کرتے تھے اور نبیوں کا ناحق خون کرتے تھے

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ

(اور) یہ اسوجہ سے (بھی) کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھے جاتے تھے

تفسیر جب بنی اسرائیل نے من وسلویٰ اور لطیف نعمتوں پر صبر نہ کیا اور سبزیاں، ترکاریاں ان کو منظور خاطر ہوئیں تو آبادی کے قریب جا کر ان کو کاشتکاری وغیرہ کی اجازت دیگئی۔ پہلے خدا تعالیٰ نے ان کو عزت عطا کی تھی، انکے آبا و اجداد کو حضرت موسیٰ اور یوشع وغیرہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا تھا اور فرمانبرداری کے صلے میں تمام عالم پر ان کو بزرگی و شرف عطا کیا تھا اور ممالک شام، یمن، مصر وغیرہ کی حکومت انکے سپرد فرمائی تھی لیکن انکی اولاد میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے توحید الٰہی کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کیا اور طاعت و عدل کو چھوڑ کر انبیاء و صالحین کی قبروں کی پرستش شروع کر دی۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے ہر قوم و قبیلے اور ہر شہر و گاؤں میں ایک ہی وقت بکثرت نبی مبعوث فرمائے۔ ان کے علاوہ خاص خاص علماء اور بھی تھے جو بغیر کسی دنیوی طمع کے ان کو نصیحت کرتے تھے لیکن بنی اسرائیل کے قلوب اس قدر سیاہ ہو چکے تھے کہ جو کوئی دین توحید کی ان کو نصیحت کرتا وہ اس کے دشمن ہو جاتے اسکو گمراہ سمجھتے یہانتک کہ قتل کر دیتے۔ چنانچہ ایک زمانہ میں تین سو علماء و صلحاء کو قتل کیا۔ جب نوبت اس حد تک پہونچ گئی تو خدا تعالیٰ نے اپنی نعمت و فضیلت ان سے واپس لیلی اور دریائے غضب میں موج آئی اور مذکورۂ ذیل ان کا انجام ہوا:۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ الخ یعنی اُن کفر پسند بنی اسرائیل پر ذلت وخواری کی مار پڑی اول ایرانیوں نے اُن کو برباد اور ذلیل کیا پھر رومیوں کے غلام ہوئے اور اخیر میں مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کیا اپنی حکومت جاتی رہی نہ وہ پہلی سی عزت رہی نہ حکومت۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی خدا تعالیٰ کا اُن پر غضب نازل ہوا ضحاک اور سعید بن جبیر نے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ وہ غضب الٰہی کے مستوجب ومستحق ہو گئے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ غضب الٰہی اُن پر طاری ہو گیا۔ ابن جریر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان حرکات کا آخری رجوع غضب الٰہی کی طرف ہوا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ الخ مطلب یہ ہو کہ یہ سزا اور عذاب انکے واسطے سخت نہ سمجھنا چاہئے اور نہ اسکو نا انصافی پر مبنی سمجھنا چاہئے بلکہ اُنکے عظیم الشان تصور کو دیکھنا چاہئے کہ آیات قدرت، معجزات نبوت اور کتب الٰہیہ کا متواتر انکار کرتے جاتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، اسی لئے خدا تعالیٰ نے اُن کو ذلت، مسکنت اور غضب کی سزا دی۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں نے ایک ہی وقت میں تین سو انبیاء کو قتل کیا تھا (ابو داؤد، طیالسی)

آیت کے اخیر ٹکڑے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فقط انہوں نے کفر اور قتل انبیاء ہی کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ اعمال، اقوال اور عقائد میں یہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کو یوسف نجار کا بیٹا اور جادوگر کہتے تھے اور حضرت مریمؑ کو بدکاری کا الزام لگاتے تھے یہ سب اُن کی بہتان بندی اور افترا پردازی تھی پس اسی بنا پر اُنکے لئے ذلت آخرت کے باوجود ذلت دنیا بھی مقرر کی گئی اور دین و دنیا میں عذاب الٰہی اُن پر مسلط ہوا۔

مقصود بیان:۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تاکہ نعمت باقی رہے کیونکہ جس قوم کو جو نعمت عطا ہوتی ہے جب تک وہ قوم شکریہ پر قائم رہتی ہے اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی نعمت میں کوئی تغیر نہیں فرماتا لیکن جب وہ قوم خود اُسکو بدل ڈالتی ہے اور فسق و فجور میں پڑ کر شرع الٰہی پر قائم نہیں رہتی تو خدا تعالیٰ بھی نعمت زائل کر دیتا ہے۔ ایک خاص اشارہ آیات میں اس طرف بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ کبھی رضاء الٰہی میں اپنے اختیار و پسند کو دخل نہ دے اور خدا داد نعمت کا جو کچھ نتیجہ نکلے اُس پر راضی رہے یہ ہوس نہ کرے کہ بجائے اسکے اگر ایسا ہوتا تو بہتر ہوتا کیونکہ کسی چیز کے خیر و شر سے وہ خود ناواقف ہے اُسکو معلوم نہیں کہ اگر کام اُسکی خواہش کے مطابق ہو گیا تو کیسا نتیجہ برآمد ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ثبات، یقین اور استقامت دین کی دعا کرتا رہے۔ ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ جسم خاکی کی تکمیل ایسے امور و اسباب سے کرتا ہے جو حصول نورانیت کے مانع نہ ہوں بلکہ تکمیل معارف کیلئے مددگار ہوں کیونکہ حصول کمالات کے لئے بقاء جسم ضروری ہے۔ آیت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عذاب الٰہی اگرچہ سخت ہو پھر بھی جرم کے مقابلہ میں سخت نہیں ہوتا۔ صرف سزا کو دیکھ کر خدا کو ظالم و بے انصاف نہ کہا جائے بلکہ اپنے قصور کو دیکھا جائے اور اس پر غور کیا جائے کہ یہ سزا ہمکو ہمارے قصور و جرم کی ہی ملی ہے۔

آیت سے تین امور یہ بھی واضح ہوتے ہیں (۱) بنی اسرائیل ناشکری اور کفر و شرک میں مبتلا تھے (۲) انبیاء کو انہوں نے قتل کیا تھا مثلاً زکریا یحییٰ وغیرہ (۳) قول، فعل اور عقیدہ میں یہ حد سے آگے بڑھ گئے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى
یقیناً جو لوگ مسلمان ہے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی

وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
اور بے دین (انمیں سے) جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ
اور نیک کام کرے تو انکے لئے ان کے پروردگار کے پاس انکا ثواب ہے اور

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
نہ ان کو کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

تفسیر اس سے پہلی آیت میں یہود کی ذلت اور اُن پر قہر الٰہی کا نازل ہونا بیان کیا گیا تھا جس سے یہود کو مایوسی ہوئی کہ اب ہمارا بارگاہ الٰہی میں کہاں ٹھکانا ہے ہم کچھ بھی کریں ہمارے آباؤ اجداد کے جرائم معاف نہیں ہو سکتے اور نہ ہماری دینی و دنیوی ذلت دور ہو سکتی ہے تو آیات مذکورہ میں اُس مایوسی کو دور کیا گیا ہے۔

ابن کثیر نے آیات کی اس طرح تفسیر بیان کی ہے کہ خدا کو کسی کی ذات سے عداوت نہیں اور نہ خاندانی وجاہت دیسی کو اُسکے نزدیک کوئی امتیاز و اعتبار ہے بلکہ صرف ایمان و اعمال پر دارمدار ہے کوئی بھی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مؤمن ہوں یا ذُرّیت اسرائیلی کے یہودی یا حضرت عیسیٰؑ کے عہد کے نصاریٰ یا اپنے زمانہ کے صابی بہرحال زبانی دعویٰ معتبر نہیں بلکہ انمیں سے جسکا حقیقی اور خالص ایمان خدا پر اور روز قیامت پر ہوگا اور اعمال نیک ہونگے تو اُسکو اجر ضرور خدا سے ملیگا نہ اُسکو عذاب کا خوف ہوگا نہ اس بات کا رنج ہوگا کہ ہائے ہم نے

کیوں عمر کو ضائع کیا اور غلط مذاہب اور لغو خیالات کی پابندی کو نجات کا راستہ سمجھکر جہنم کو پہونچے۔

یہود درحقیقت یہودا کی طرف منسوب ہیں۔ یہودا حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بڑے بیٹے کا نام تھا۔ چونکہ سلطنت یہودا کی اولاد میں رہی تھی اسلئے بادشاہوں کے خوش کرنے کو لوگوں نے اپنے آپ کو یہودی کہلانا شروع کردیا اور رفتہ رفتہ سب قوم کا لقب یہودی ہوگیا۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے مددگاروں اور اتباع کرنیوالوں کو کہا جاتا ہے چونکہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نصرت و مدد کی تھی اسلئے اس لقب سے موسوم ہوئے۔ صابئین کے معنی میں اختلاف ہے۔ مجاہد، عطار، سعید بن جبیر اور حسن بصری سے روایت ہے کہ یہ لوگ بے دین تھے۔ ابوالعالیہ، ربیع بن انس، سدی، ابوالشعثار، جابر بن زید، ضحاک اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ صابی جماعت زبور پڑھتی ہے اور اہل کتاب ہے۔ قتادہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ زبور پڑھتے، قبلہ رُخ نماز پڑھتے تھے اور ملائکہ کی پرستش کرتے تھے۔ ابوالزناد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عراقی تھے تمام انبیاء کو مانتے تھے اور یمن کی طرف رُخ کرکے پنجوقتہ نماز ادا کرتے تھے۔ بعض لوگ ان کو نوحؑ کی امت قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ ستارہ پرست کہتے ہیں۔ بہرحال کچھ بھی ہو آیت سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ صابی اہل کتاب ہی تھے اگرچہ رفتہ رفتہ مذہب میں تغیرات کرکے ستارہ پرست یا ملائکہ پرست یا کچھ اور بن گئے ہوں جس طرح کہ عیسائی اور یہودی رفتہ رفتہ شرک کرنے لگے۔

مقصود بیان:۔ خدا کے نزدیک وجاہت ذاتی، عزت خاندانی اور دولت و حکومت کا اعتبار نہیں ہے۔ جو شخص سچے دل سے مؤمن ہوگا نیک اعمال رکھتا ہوگا وہی خدا کے نزدیک معزز اور باکرامت ہے۔ یہودی، عیسائی اور صابی اپنے اپنے زمانہ میں حق پر تھے اب دور محمدی میں یہودیت عیسائیت اور صابئیت کا کمال یہی ہے کہ محمد صلعم پر ایمان لایا جائے ورنہ نبوت محمدی کی انکار کی صورت میں نہ کوئی حقیقی معنی میں یہودی رہ سکتا ہے نہ کوئی سچا عیسائی نہ صابی۔ زبانی دعوی سے کچھ بھی کہہ لیا جائے۔ وغیرہ۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تمپر طور کو معلق کردیا

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ

یہ لو جو ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو کچھ اسمیں ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ

تاکہ تم (عذاب الٰہی سے) بچ جاؤ پھر اسکے بعد تم نے روگردانی کی

فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ

تو اگر اللہ کا فضل اور اُس کی مہربانی تم پر نہ ہوتی تو تم ضرور

الْخٰسِرِيْنَ ۝

تباہ حالوں میں ہوتے

تفسیر موسیٰ کو حکم ہوا تھا کہ کوہ طور پر آکر چلہ کشی کرو تو تم کو توریت ملے۔ حسب الحکم حضرت موسیٰؑ وہاں جاکر عبادت میں مشغول ہوئے۔ ادھر یہودیوں نے سامری کے اغوا سے سونے چاندی کا بچھڑا پوجنا شروع کردیا۔ حضرت موسیٰؑ کو مطلع کیا گیا کہ اپنی قوم کی خبر لو وہ مشرک بن گئی۔ یہ حکم پاکر حضرت موسیٰؑ واپس آئے۔ دیکھا تو واقعی دگرگوں حالت تھی۔ بالآخر خدا تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اگر یہ مشرک لوگ باہم ایک دوسرے کو قتل کریں تو بیشک آخرت کے دائمی عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ ورنہ اسکے علاوہ ان کی توبہ قبول ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اُسوقت سب گھبرا گئے کہ کیا کریں۔ آنکھوں دیکھتے اور اپنے ہاتھوں اپنے بھائی بندوں کا خون کرنا تو بہت مشکل ہے اور ایسا کئے بغیر بھی چارہ نظر نہیں آتا۔ غرض موسیٰؑ دست بدعا ہوئے اور حضرت موسیٰؑ کی دعا سے ایک سیاہ بادل ابر سے اُترا جس سے تمام قوم پر اندھیرا چھا گیا اور اندھادھند ایک نے دوسرے کو خواہ باپ ہو یا بیٹا قتل کرنا شروع کیا۔ شام تک ستر ہزار قتل ہوئے۔ تب حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ بارگاہ صمدی میں گڑگڑائے اُسوقت بادل دور ہوا اور باقیماندہ قوم کو معافی مل گئی۔ اسکے بعد جب موسیٰؑ نے ان کے سامنے آسمانی کتاب یعنی توراۃ پیش کی اور اُسکے احکام پر پابند ہونے کا حکم دیا تو وہ پھر شرارت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے تو ایسے سخت احکام نہیں مانے جاتے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کو پابند بنانے کی ایک صورت کی کہ ہلاک کرنا تو مناسب نہ سمجھا بلکہ بچوں کی طرح زبردستی عہد لیا جسکی شکل یہ ہوئی کہ پہاڑ اُن کے سروں پر معلق کردیا اور فرمایا کہ یا تو توریت پر عمل کرنے کا عہد کرو۔ ورنہ سب دباکر ہلاک کردیے جاؤگے۔ اُسوقت چارناچار ان کو ماننا پڑا۔ اسی قصہ کیطرف آیات میں۔ اشارہ ہے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ۔ اور اُسوقت کے میثاق کو یاد کرو جبکہ تمہارے آباؤ اجداد کے سروں پر کوہ طور کو معلق کردیا

تھا۔ طور اُس پہاڑ کو کہتے ہیں جسپر سبزہ ہو اور اُس پہاڑ کا نام بھی ہے جہاں حضرت موسٰیؑ کو شرف مناجات حاصل ہوا تھا اور توریت ملی تھی ابن عباسؓ، مجاہد، عطار، عکرمہ، حسن، ضحاک اور ربیع بن انس وغیرہ کے نزدیک یہاں کوہ طور ہی مراد ہے۔

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ یعنی ہم نے تمہارے آباؤ اجداد سے کہا تھا کہ اب توریت کو عزم قوی اور میثاق فرمان پذیری کے ساتھ پیلو اور مضبوطی کے ساتھ اسپر کاربند ہو جاؤ۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ اور جو احکام و مسائل توریت میں ہیں اُن سے نصیحت حاصل کرو، اخلاق ظاہر و باطن درست کر لو اور معارف و حقائق سے آراستہ ہو جاؤ۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اور امید رکھو کہ اس اطاعت و فرمان پذیری کے ذریعہ سے تم کو عذاب الٰہی سے نجات مل جائیگی۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ جب یہودیوں نے قبول احکام سے انکار کر دیا تو خدا تعالیٰ نے پہاڑ کو انکے سروں پر معلق کر دیا اور قریب تھا کہ اُن کے سروں پر گر پڑے۔ یہودی گھبرا کر سجدہ میں گر پڑے لیکن کنکھیوں سے دیکھتے رہے۔ اسوقت اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور عذاب دور کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہود اب بھی اسی طرح سجدہ کرتے ہیں کہ ایک آنکھ کا کچھ حصّہ کھلا رکھتے ہیں اور اُس سے دیکھتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی سجدہ بہتر ہے اسی سے عذاب الٰہی دور ہوا تھا۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ یعنی اس کے کچھ دنوں کے بعد ہی تم عہد پر قائم نہ رہے اور احکام توریت کی خلاف ورزی کرنے لگے فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ اب اگر خدا کا فضل اور اُسکی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں ہی تباہ ہو جاتے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت شمویلؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، اور دیگر انبیاءؑ کو بھیجکر نصیحت فرمائی اور ان حضرات نے سمجھایا اور یہودیوں کو راہ راست پر لائے۔ یہ خدا کا فضل تھا ورنہ یہودی تو اپنی تباہی کا سامان کر ہی چکے تھے۔

مقصود بیان:۔ خدا تعالیٰ رحیم ہے اور طریقۂ ہدایت کو خوب جانتا ہے کبھی عذاب دیکر کبھی نعمتوں سے سرفراز کر کے کبھی ڈرا دھمکا کر اور کبھی صرف سمجھا کر نصیحت فرماتا ہے اور اس سب سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ گنہگار انسان عذاب سے بچ جائے کسی کو عذاب سے بچانے یا عذاب دینے کے ساتھ غرض وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ انسان ہی کے اعمال کا نتیجہ ہے اور اُسی کی بہبودی یا تباہی اس سے وابستہ ہے۔ مختلف انبیاء، ریفارمر اور علماء و صلحاء وجہ عام انسانی حالت اور بد اخلاق کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمائے یا اس دور اسلامی میں مخلص علماء و صلحاء پیدا ہوتے رہتے ہیں یہ صرف خدا کی رحمت ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ میری مخلوق

عذاب میں مبتلا نہ ہو اور انکی نصیحت سے فرمانبردار بنجائے۔ وغیرہ

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ

اور جن لوگوں نے تم میں سے ہفتہ کے بارہ میں زیادتی کی تھی انکو تم جان چکے ہو

فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهَا

تو ہمنے ان سے کہدیا کہ ہو جاؤ تم بندر ذلیل پس ہمنے بنایا اس واقعہ کو

نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

عبرت اُنکے لئے جو روبرو تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت (بنایا)

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

واسطے پرہیزگاروں کے

تفسیر حضرت موسٰیؑ کے بعد یوشعؑ، پھر کالبؑ، پھر یوقناؑ، پھر حزقیلؑ وغیرہ انبیاء ہوئے اور بنی اسرائیل کے اخلاق کی اصلاح کرتے رہے لیکن بنی اسرائیل کچھ دنوں تک تو نصیحت مانتے تھے بعد کو پھر بت پرستی میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت الیاسؑ، الیسعؑ اور ذوالکفل وغیرہ کو یکے بعد دیگرے مبعوث فرمایا لیکن تبلیغ فساد یہ بھی کہ پیغمبر علیحدہ ہوتا تھا اور بادشاہ علیحدہ۔ پیغمبر کے پاس کوئی مادی طاقت حکومت اور اسباب جنگ نہ ہوتا تھا کہ بنی اسرائیل کو مجبور کر کے شریعت موسوی کا پابند بنائے اور بادشاہوں کے پاس حکومت، دولت اور سامان جنگ ہوتا تھا اسلئے بادشاہوں کی وجہ سے ہی فساد شریعت ہوتا تھا۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو نبی بنا کر بھیجا اور بادشاہت سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت داؤدؑ نے تمام بنی اسرائیل کو بزور سلطنت مطیع بنایا اور جس سرکشی سے انبیاءؑ کو قتل کرتے تھے اُسکی سزا اُن کو ملگئی۔ حضرت داؤدؑ کے ہی زمانہ میں ملک شام کے غربی جانب سمندر کے کنارے ایک آبادی تھی جسکا نام ایلہ تھا اسمیں تقریبًا اسّی ہزار یہودی آباد تھے اور انکی تجارت کا مدار مچھلیوں پر تھا انہی کا قصّہ آیت مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے جسکی تفصیل بروایت ابن عباسؓ یہ ہے کہ اہل ایلہ کیلئے سنیچر کا دن عبادت کیلئے مخصوص طور پر مقدس بنایا گیا تھا اور حکم تھا کہ اس دن شکار نکرنا بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی جب حد سے آگے بڑھ گئی تو خدا تعالیٰ نے انکو آزمائش میں مبتلا کیا اور نتیجتًا یہ صورت کر دی کہ ہفتہ ہی کے دن تمام مچھلیاں پانی کی سطح پر تیر کر آجایا کرتی تھیں اور باقی ایام میں پانی کے اندر رہتی تھیں۔ اس طرح ایک مدت دراز گذر گئی۔ ایک روز ایک شخص

نے سنیچر کے روز ایک مچھلی پکڑ کر ڈور سے باندھ کر دریا میں چھوڑ دی اور دریا کے کنارے ایک کیل گاڑ کر ڈوری کا کنارہ اس کیل سے باندھ دیا تاکہ مچھلی جا نہ سکے پھر اتوار کا دن ہوا تو اُسکو پکڑ لایا - اسی طرح اُس نے دوسرے سنیچر کو بھی کیا - رفتہ رفتہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اسی طرح خفیہ طور پر یہ حرکت کرنی شروع کر دی اور اسی طرح ایک زمانہ دراز گذر گیا خدا تعالیٰ نے اُن پر کوئی عذاب نازل نہیں فرمایا - پھر یہ لوگ بہت دلیر ہو گئے اور علی الاعلان دریا کے قریب قریب گھرے حوض کھود لئے اور دریا سے نالیاں کاٹ کر حوضوں تک پہنچا دیں - ہفتہ کے دن حسب معمول مچھلیاں پانی کی سطح پر آتی تھیں اور نالیوں میں ہوتی ہوئی حوضوں میں آ جاتیں لیکن انکی گہرائی اور پانی کی قلت کی وجہ سے نکل نہ سکتی تھیں - اتوار کے دن بنی اسرائیل مچھلیاں پکڑ لیتے تھے اور علانیہ بازاروں میں فروخت کرتے - حضرت داؤدؑ نے منع فرمایا کہ ایسی حرکت نہ کرو حضرت داؤدؑ کے ہمراہ بارہ سو یہودی تو متفق ہوئے بلکہ پہلے ہی سے یہ لوگ اس گناہ میں شریک نہ تھے اور دوسروں کو بھی اس جرم سے منع کرتے تھے باقی یہود کے دو گروہ ہو گئے ایک علی الاعلان نافرمانی کرنے والا اور مچھلیاں پکڑ کر فروخت کرنیوالا تھا اور دوسرا گروہ خود تو شکار نہ کرتا تھا لیکن دوسروں کو شکار کرنے سے منع بھی نہ کرتا تھا بلکہ ناصح گروہ سے کہتا تھا کہ جس قوم کو خدا ہلاک کرنا چاہتا ہے تم اُسکو کس طرح نصیحت کر سکتے ہو - بہرحال اس یوم عبادت کی بے حرمتی حکم الٰہی کی نافرمانی اور تعدی و گناہ کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس بیباک فرقہ کو ایک روز بندر کی صورت پر مسخ کر دیا، دل بھی اُنکے بندروں کے دل کی طرح بے عقل ہو گئے اور صورتیں تو بندروں کی ایسی ہو ہی گئیں - (حضرت مجاہدؒ کا یہی قول اور یہی مطلب ہے) اور تین روز کے اندر اندر سب مجرم گروہ اپنے اپنے مکانوں کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا -

آیت کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل تم قطعاً خوب جانتے ہو کہ کن لوگوں نے سنیچر کی بےحرمتی کرنے میں حد سے تجاوز کیا تھا - لہٰذا خدا نے بھی اُن ظالموں کے متعلق کہدیا کہ ملعون بندر فوراً بن جاؤ، وہ لوگ بندر بن گئے اور تین دن کے اندر سر پٹک کر مر گئے اور یہ واقعہ اگرچہ بنی اسرائیل کے ایک فرقہ کا ہوا تھا لیکن درحقیقت یہ اگلی پچھلی قوموں کی عبرت حاصل کرنے کیلئے کیا گیا تھا تاکہ خدا کی نافرمانی اور محرمات الٰہی کی شکست کا وبال اُنکے پیش نظر ہو اور وہ سرتابی کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اور جن لوگوں کے اندر پرہیزگاری کا مادہ ہے یا اُن کے مقدر میں پرہیزگار رہنا لکھدیا گیا ہے وہ اس واقعہ سے نصیحت حاصل کریں -

مقصود بیان :- حصولِ عبرت اور نصیحت پذیری کی تعلیم - خدا تعالیٰ کی قوت و جلال کا اظہار، نافرمانی و سرتابی اور محرماتِ الٰہی کی شکست کا وبال - اس امر کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ جن کے اندر تقویٰ کا مادہ ہے اور فطرتاً اُن کے اندر نور چمک رہا ہے وہی آیاتِ قدرت سے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں -

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ

اور (یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تم کو حکم فرماتا ہے

اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ

کہ تم ایک گائے حلال کرو وہ کہنے لگے کیا تو ہم سے دل لگی کرتا ہے

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ

موسیٰ نے کہا میں نادانوں میں سے ہو جانے کی اللہ کی پناہ مانگتا ہوں

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۭ قَالَ

وہ بولے پوچھو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ بیان فرمادے ہمارے لئے وہ گائے کیسی ہے موسیٰ

اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ

نے کہا اللہ فرماتا ہے وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بچھیا

عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ

اُن دونوں میں بیچ کی راس ہو اب کرو جو تم کو حکم دیا گیا ہے

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ

وہ بولے پوچھو ہمارے لئے اپنے رب سے بیان کرے ہمارے واسطے اُسکا رنگ کیسا ہے

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ

موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے زرد کہ خوب گہرا ہو اُس کا

لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

رنگ دیکھنے والوں کو خوش کرتے وہ بولے پوچھو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ بیان فرمادے

لَّنَا مَا هِىَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ

ہمارے واسطے کہ وہ کس قسم میں ہے یہ گائے ہمیں مشتبہ ہو گئی اور ہم

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ

خدا نے چاہا تو ضرور ہدایت یاب ہونگے موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے

اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي

کہ وہ ایک گائے ہے نہ تو محنت والی کہ جوتے زمین کو اور نہ پانی دیتی ہو

الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا قَالُوا الْـٰٔنَ

کھیتی کو صحیح سالم ہو کوئی داغ دھبہ اسمیں نہ ہو وہ کہنے لگے تم اب

جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ

لائے ہو ٹھیک پتہ پس انہوں نے گائے کو حلال کیا اور لگتے نہ تھے کہ کرینگے

تفسیر ابن ابی حاتم، ابن جریر، عبید بن حمید، آدم بن ابی ایاس کی تفسیروں سے نیز تفسیر معراج وغیرہ سے اقتباس کرکے ذیل میں پورا قصہ جو آیات مذکورہ بالا سے متعلق ہے لکھا جاتا ہے اس قصہ میں بھی آیات قدرت اور دلائل معرفت بہت ہیں جنمیں سے بعض کو مقصود بیان میں انشاء اللہ ہم بیان کرینگے۔

تفسیروں میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک آدمی تھا اسکے پاس ایک بچھیا تھی اور بیوی بھی اسکی بہت خدا پرست تھی۔ مرتے وقت اس نے اپنی بیوی کے مشورہ سے اس بچھیا کو جنگل میں چھڑوا دیا اور خدا تعالیٰ کی امانت میں دیدیا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی میں اس گائے کو تیری امانت میں اپنے چھوٹے بچہ کیلئے دیتا ہوں اسکے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا یتیم بچہ کو نیک والدہ پرورش کرتی رہی۔ جب لڑکا بالغ ہوا تو وہ بھی بہت سعید نکلا۔ ماں کے خلاف حکم کوئی کام نہ کرتا تھا اور ہمہ تن ماں کی خدمت گذاری اور اطاعت شعاری میں مصروف تھا۔ ایک روز اسکی والدہ نے خوش ہوکر کہا کہ بیٹا فلاں جنگل میں ایک گائے تیرے باپ نے خدا کی ودیعت میں تیرے لئے سپرد کی تھی تو اسکو جاکر لے آ۔ بیٹا جنگل کو گیا اور امانت الٰہی کا نام لیکر گائے کو آواز دی۔ گائے فوراً دوڑتی چلی آئی۔ یہ گائے نہایت خوشنما صاف بے داغ تھی۔ نہ بچہ تھی نہ بوڑھی درمیانی عمر کی تھی۔ یہ شخص گائے کو لیکر اپنی والدہ کے پاس آیا۔ والدہ نے اجازت دیدی کہ اسکو بیچ کر بازار میں فروخت کرکے اپنی اہل وعیال کی پرورش کا سامان درست کرلے لیکن جو دام لگیں میرے مشورہ کے بغیر نہ دینا۔ یہ شخص گائے کو بازار لیگیا ایک خریدار نے کچھ قیمت لگائی اس نے کہا اچھا مگر میں اپنی والدہ سے دریافت کرلوں۔ خریدار نے کہا اگر تم بغیر مشورہ کے مجھے دیدو تو دو چند قیمت دیتا ہوں لیکن اس سعید انسان نے گائے نہ دی اور والدہ سے آکر تذکرہ کیا۔ والدہ نے منع کردیا۔ دوسرے روز اسی خریدار نے اور دو چند قیمت لگائی اور اسی طرح روز قیمت میں اضافہ کرتا رہا۔ لیکن نیک بیٹے کی نیک ماں ہمیشہ دینے سے انکار کرتی رہی۔ ایک روز اس عورت نے کہا کہ بیٹا اس خریدار سے مشورہ کرنا کہ گائے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ واقعی ہم کو فروخت کردینا چاہئے یا نہیں۔ کیونکہ عورت خدا پرست تھی سمجھ گئی کہ یہ خریدار یا تو کوئی فرشتہ ہے یا کوئی خدا رسیدہ بزرگ۔ الغرض لڑکے نے جاکر اس شخص سے ماں کا پیام کہا۔ اس نے جواب دیا کہ اپنی والدہ سے میرا سلام کہنا اور کہدینا کہ عنقریب بنی اسرائیل کو اس گائے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ہموزن سونا دیکر خریدینگے اس وقت تم فروخت کرنا بالفعل مت بیچو۔

اب ہم اس قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا مالدار تھا اور اسکی کوئی اولاد نہ تھی بھتیجے موجود تھے ان کے علاوہ کوئی اور وارث نہ تھا ایک روز مشورہ کرکے ایک بھتیجے نے اپنے چچا کو قتل کرکے لاش کو گاؤں کے رقبہ سے باہر دوسرے گاؤں کے رقبہ میں پھینکدیا اور صبح کو خود ہی اس کے خون کا مدعی ہوا اور دوسرے گاؤں کے آدمیوں پر قتل کا الزام لگایا اور دیت کا مطالبہ کیا۔ اس گاؤں کے آدمیوں نے انکار کیا اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ دونوں گاؤنوں کے آدمی لڑائی کیلئے تیار ہوگئے۔ لیکن کچھ لوگ سمجھدار بھی تھے۔ انہوں نے کہا بھائیو لڑائی کیوں کرتے ہو، رسول خدا آخر موجود ہیں ان سے چلکر دریافت کرو جس شخص کا نام وہ بتادیں بس وہی قاتل ہے۔ چنانچہ بالاتفاق سب حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مدعی نے عرض کیا یا نبی اللہ! ان گاؤں والوں نے میرے چچا کو قتل کیا ہے مجھے قصاص دلوائیے یا دیت دلوا دیجئے۔ وہ لوگ چونکہ بے قصور تھے اسلئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگوں کو دیت ادا کردینے میں کچھ دقت و دشواری نہیں ہے لیکن مقتول کے بھتیجے ہم پر الزام لگاتے ہیں اور ہمکو اس بات کی شرم ہے کہ یہ الزام ہم پر ہمیشہ قائم رہیگا اور مقتول کے خاندان والے ہم سے ہمیشہ دشمنی کرینگے لہذا ہم چاہتے ہیں کہ آپ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے تاکہ قاتل کا نام دریافت ہوجائے۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی۔ حکم الٰہی ہوا کہ ایک گائے کو ذبح کرکے اسکے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارو۔ مقتول زندہ ہوکر خود ہی اپنے قاتل کا نام بتادیگا۔ حضرت موسیٰؑ نے لوگوں کو اللہ پاک کا حکم سنا دیا۔ اسپر وہ لوگ لگے جھگڑا کرنے اور گائے کے متعلق سوال پر سوال کرنے شروع کردیے وہ گائے کیسی ہو کس رنگ کی ہو کس عمر کی ہو کس قسم کی ہو؟ آخر سب کا

جواب دیدیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی گائے اُسی یتیم لڑکے کے پاس ملی جسکے عوض ہموزن سونا دیا گیا۔ بنی اسرائیل نے بادل ناخواستہ اُسکو خریدا اور ذبح کر کے اُسکے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا مقتول فوراً زندہ ہو گیا اور اپنے بھتیجوں کے نام بتا دیے اور ظاہر کر دیا کہ فلاں بھتیجے نے مجھے قتل کیا ہے۔ اس مقتول کا نام عامیل تھا غرض قاتل سے قصاص لیا گیا۔ اب ہم آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی الخ یعنی اُس واقعہ کو یاد کرو جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے اُن کی استدعا کے جواب میں کہا تھا کہ قاتل کا نام معلوم کرنے کی یہ صورت ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ بنی اسرائیل نہایت بیباکی اور بدتمیزی سے کہنے لگے کہ کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو۔ یہ مذاق کا کونسا موقعہ ہے ہم قاتل کا نام دریافت کرتے ہیں تم گائے ذبح کرنے کو کہتے ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا میں جاہل نہیں ہوں پیغمبر ہوں ایسے موقعہ پر مذاق کرنا جہالت ہے اور میں جاہلوں کے گروہ میں داخل ہونے سے بھی خدا کی پناہ چاہتا ہوں تم گائے ذبح کرو۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اچھا خدا سے دریافت کرو کہ گائے کا سن کیا ہونا چاہیئے؟ بنی اسرائیل کا مقصود اس چون وچرا سے تاخیر تعمیل اور سرتابی وطغیانی تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو ایسی بوڑھی ہو جسکی نسل ہی منقطع ہو گئی ہو اور نہ اسقدر بچی ہو کہ نر کے قابل نہ ہو بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ اب تم تاخیر نہ کرو بلکہ جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اُسکی فوراً تعمیل کرو۔ ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کو معمولی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن چونکہ اُنھوں نے خود اپنے واسطے سختی کو پسند کیا اسلئے خدا تعالیٰ بھی اُنکے واسطے قیود میں اضافہ کرتا گیا غرض بنی اسرائیل بولے کہ اچھا خدا سے دعا کیجئے کہ اُس گائے کا رنگ کیا ہونا چاہیئے اس کا بیان بھی ضروری ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے صاف کھلے ہوئے زرد رنگ کی ہونی چاہیئے جسکا رنگ ایسا ہر نواز ہو اور آنکھوں کو بھلا معلوم ہوتا ہو۔ گویا انتہائی شفاف ہونے سے اُسکے رنگ میں دھوپ چھائیں نظر آتی ہو اور اسکا رنگ بدلتا ہو اور ایک لہر سی معلوم ہوتی ہو۔ بنی اسرائیل بولے کہ ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا ہمارے فہم میں گڑبڑ ہو گئی آپ خدا سے دعا کیجئے کہ ہم کو مکمل طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ گائے ایسی ہوگی اور اس صفات وحلیہ کی ہوگی اور انشاء اللہ ہم مقصد کو پہونچ جائینگے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے وہ گائے ایسی ہو کہ کاشتکاری کے کام نہ آتی ہو نہ تو کھیتیاں جوتتی ہو نہ کھیتوں کو سینچتی ہو اُس سے محنت کا کوئی کام نہ لیا جاتا ہو کسی طرح کا اُس میں کوئی نقص وعیب نہ ہو اور بے داغ ہو کوئی دھبہ نہو۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہاں آپ نے سچ بات کہی اور پورا بیان کیا۔ بالآخر بنی اسرائیل نے ایسی گائے ذبح کر دی لیکن اُنھوں نے اتنے سوال جواب اور حیلے حجت سے کام لیا کہ اُنکے ارادہ سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کام نہ کرینگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر بنی اسرائیل انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی ذبح نہ کر سکتے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ

اور (یاد کرو) جب تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو پھر ایک دوسرے پر دھرنے لگے اور اللہ

مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ

فاش کرنیوالا تھا جو تم چھپاتے تھے تو ہم نے کہا اس مُردہ کو گائے کے ٹکڑے سے مارو

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح اللہ تعالیٰ مُردے جلاتا اور تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ○

سمجھ جاؤ

تفسیر

یہ گذشتہ آیات کا تتمہ ہے بلکہ گذشتہ آیات سے اصل مقصود یہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا۔ یعنی اُس واقعہ کو یاد کرو اور اُس سے عبرت حاصل کرو جبکہ تمہارے اسلاف میں سے ایک شخص نے دوسرے شخص کو قتل کر دیا تھا پھر اُسکے قاتل کے متعلق تم نے باہم اختلاف کیا تھا دو فریق ہو گئے تھے اور ہر ایک نے دوسرے پر قتل کا الزام لگایا تھا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ لیکن جس چیز کو تم چھپاتے تھے اُسکو خدا ضرور ظاہر کر دینے والا تھا۔ اُس سے کوئی بات مخفی نہیں ہے وہ قاتل کا نام بتا سکتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اُنکو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب انہوں نے گائے ذبح کر لی اور ہنوز قاتل کی سمجھ میں نہ آیا کہ اُس کی بدکاری کس طرح ظاہر ہوگی۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ گائے کا ایک ٹکڑا لیکر مقتول کی لاش پر مارو۔ وہ فوراً زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیگا۔ چنانچہ جب گائے کا ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا گیا تو مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جسوقت مقتول زندہ ہو کر اٹھا تھا تو اُسکی لاش سے خون جاری تھا حالانکہ اُسوقت اُسکو قتل اور دفن ہوئے ایک زمانہ گذر گیا تھا۔ پھر اُس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا۔ سدی کہتے ہیں اُس نے اپنے بھتیجے کا نام بتایا تھا۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ نام بتانے کے بعد وہ

بدستور سابق مردہ ہو گیا۔ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔ یعنی خدا تعالیٰ نے جسطرح اس مقتول کو مرنے کے بعد زندہ کر دیا اسی طرح خدا مُردوں کو زندہ کر دے گا اسمیں کسی طرح شک و شبہ کی گنجایش نہیں ہے۔ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ اور خدا تعالیٰ تم کو اپنے آثارِ قدرت اور آیات قوت دکھاتا ہے تاکہ تم کو سمجھ حاصل ہو اور تم غور کرو کہ جسطرح خدا ایک مردہ کو مرنے کے بعد زندہ کر سکتا ہے اور وہ مُردہ گذشتہ زندگی کا واقعہ بیان کر سکتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ سب مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور سب اپنی گذشتہ زندگیوں کے واقعات بتا سکتے ہیں۔

مقصود بیان: آیات سے ضمنًا اور اشارۃً مندرجہ ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں:۔ تقرب باری تعالیٰ پیش نظر رہنا چاہیئے۔ حکم باری تعالیٰ کی تعمیل کی جائے۔ یتیم کو بہر صورت ممکن فائدہ پہنچانے کی کوشش کیجائے۔ خدا کے بھروسہ پر جو کام کیا جاتا ہے اُسکا نتیجہ بہترین ہوتا ہے۔ اسلئے خدا پر توکل کرنا چاہیئے۔ اولاد پر شفقت و رحمت کی جائے۔ ماں کے احکام کی پابندی کی جائے۔ والدہ کی اطاعت کا ثمرہ بالآخر اچھا نکلتا ہے۔ خدا سے دعا کرو اسلئے کے واسطے لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی نیاز نذر پیش کرے۔ جو چیز خدا کی نذر نیاز میں پیش کی جائے وہ بہترین اور بیش بہا ہونی چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو عمدہ ہونی چاہیئے۔ درحقیقت مؤثر خداوند تعالیٰ ہے۔ اسباب صرف امارات اور ذرائع ہیں۔ بنی اسرائیل سخت جاہل تھے تعمیل حکم الٰہی میں تاخیر اور ٹالم ٹول کرنا چاہتے تھے معرفتِ الٰہی سے قطعًا نا آشنا تھے قدرتِ الٰہی اور رازِ خداوندی سے بالکل ناواقف تھے بے موقعہ مذاق کرنا جہالت کی علامت ہے اور کسی پیغمبر اور ریفارمر کے لائق نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آثارِ قدرت درحقیقت آیات الٰہی ہیں جنکو بصیرت کوش دماغ ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہی ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ ان کو ضرور زندہ کریگا بعث جسمانی حق ہے۔ دوبارہ زندگی میں پہلی زندگی کے واقعات انسان ضرور بتائیگا اسلئے حساب کتاب حق ہے۔ پورے قصہ میں ایک دقیق ترین اشارہ اور باریک لطیفہ اور بھی ہے جسکی وضاحت ذیل کی تقریر پر غور کرنے سے ہوتی ہے۔ نفس انسانی یعنی نفس کی قوت شہوانیہ ایک گائے ہے اور ٹھیک جوش جوانی کے زمانہ میں نفس انسانی یعنی وہی قوت شہوانیہ کی گائے نظر زیب خوش منظر اور جاذب توجہ ہوتی ہے۔ اس تقریر کے سمجھنے کے بعد غور کرنا چاہیئے کہ جو شخص اپنے نفس امارہ کی حقیقی موت چاہتا ہو اسکو اپنے نفس کی گائے عین جوش جوانی کے زمانہ میں جبکہ یہ گائے جاذب نظر ہو طلب دنیا میں ذلیل نہ ہو اور دنیوی میل کا کوئی داغ اسپر نہ ہو اور معاصی کا کوئی عیب و نقصان بھی نہ ہو ایسی حالت میں قوت شہوانیہ کی گائے کو

ذبح کر دینا چاہیئے۔ اُس کا زور توڑ دینا چاہیئے تاکہ روح کو نئی زندگی حاصل ہو اور وہ تمام ملک ملکوت اور لاہوت کے واقعات کا اظہار کرے اور عقل و وہم کے درمیان جو اختلاف و تنازع رہتا ہے وہ رفع ہو جائے (اور) قاتل یعنی وہم کا پتہ چل جائے اور پھر اُس سے قصاص لے لیا جائے یعنی ہر قسم کے شک و تردد کو دور رکھ کے صادق ایمان اور پختہ یقین حاصل کر لیا جائے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ

پھر اسکے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے

كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

پتھر کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بعض پتھر تو ایسے ہیں

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ

کہ ان سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں

فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ

اور انمیں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض انمیں سے ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے

مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

گر پڑتے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے خبردار ہے

تفسیر

جب گذشتہ آیات میں یہود کو ترہیب اور ترغیب کامل طور پر کر دی گئی اور نصیحت و عبرت کے مضامین کی انتہا ہو گئی تو اب فرماتا ہے کہ ان واقعات و عجائبات قدرت کے دیکھنے کی تم کو ایک مساوات ہو گئی تم پر اس کا اب کوئی اثر نہیں ہوتا اور تم چکنے گھڑے کی طرح ہو گئے۔ گناہ کرتے کرتے تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے جسطرح پتھر میں کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اسی طرح تمہارے دلوں میں انبیا کی نصیحت اثر نہیں کرتی بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ تم سنگدل ہو۔ پتھروں سے تو کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے اور اُن میں تو کچھ تاثر کا مادہ بھی ہے کیونکہ بعض پتھروں کے اندر سے پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں جن سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے بعض پتھروں کی جھریوں سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے اور بعض پتھر پہاڑ کی چوٹیوں سے گرتے ہیں گویا ہیبت الٰہی سے لرز کر سجدہ میں گرتے ہیں اور تمہارے دلوں میں یہ بات بھی نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم پتھروں سے بھی زیادہ سخت دل ہو۔

ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ جب مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور پھر بدستور مردہ ہو گیا تو یہودیوں کو ان آیات الٰہی کے دیکھنے

سے نرم دل ہونا چاہئے تھا کیونکہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تھا مگر بجائے اسکے انہوں نے اور تکذیب کرنی شروع کر دی اور کہنے لگے واللہ ہم نے تو نہیں مارا ہے اسی لئے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قلوب پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ بعض پتھروں سے تو بحکم الٰہی دریا جاری ہو جاتے ہیں اور بعض شق ہو جاتے ہیں اور بعض بخوف الٰہی گر پڑتے ہیں۔ اور اُن قلوب میں قدرت الٰہی اور خوف خداوندی کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ یحییٰ ابن یعقوب کہتے ہیں کہ جن پتھروں سے نہریں جاری ہوتی ہیں وہ اُن کے گریہ وزاری کی کثرت ہے اور جن پتھروں سے پھٹکر صرف کسی قدر پانی بہتا ہے وہ گریہ کی قلت ہے اور جو پتھر بخوف الٰہی گر پڑتے ہیں وہ دل کا خشوع و خضوع ہے اور بغیر آنسو کے گریہ ہے۔ امام رازی اور قرطبی وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ پتھروں کا گریہ حقیقی معنی میں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں ہر جنس کے واسطے اپنی معرفت کے لئے جدا جدا فہم پیدا فرمایا ہے۔ یہی سلف خلف اور تمام اہل سنت کا مذہب ہے۔

مقصود بیان: بعض انسانوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں، دنیا کی کوئی نصیحت و عبرت اُن کے لئے سود مند نہیں ہوتی اگرچہ فیض الٰہی برابر جاری ہے لیکن قابلیت علیحدہ علیحدہ ہے۔ جامد اور بے جان مخلوق بھی خدا تعالیٰ سے خوف کرتی اور اُسکی توحید و ربوبیت کا اقرار کرتی ہے اگرچہ اُسکا طریقہ معرفت جدا ہے۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ لوگوں کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور فیض ہدایت کا قصور ہے بلکہ یہ کفار و مشرکین کی استعداد کا فتور ہے ورنہ فیض ہدایت عام ہے۔ اہل بصیرت کے لئے آیت میں ایک خاص ہدایت اور بھی مضمر ہے وہ یہ کہ قلوب چار قسم کے ہیں ایک تو وہ جو نور الٰہی سے منور اور اُسمیں مستغرق ہو جاتے ہیں اور اُن سے علم کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ یہ قلوب انبیاء خاصان خدا اور اولیاء کرام کے ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ قلوب جو ان علوم سے ایک خاص حصہ حاصل کر کے جمع رکھتے ہیں اور پھر اُسکو پھیلا کر دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں یہ علماء راسخین کے قلوب ہیں۔ تیسرے وہ دل ہیں جن کے اندر صرف خشوع و اطاعت ہوتی ہے ہر وقت خوف الٰہی سے لرزتے ہیں لیکن اُنکے دل سے نہ علم کی نہریں جاری ہیں اور نہ اُنکے حصۂ علم سے عوام کو نفع پہنچتا ہے یہ زاہدوں عابدوں اور پرہیزگاروں کے دل ہیں۔ چوتھے وہ قلوب ہیں جن پر علم کا اثر تک نہیں پہنچتا اور نہ وہ خوف الٰہی سے نرم ہوتے ہیں بلکہ ہدایت سے مایوس، غرور سے پُر، خواہشات نفسانی سے لبریز اور سرکشی میں کامل ہوتے ہیں۔ ایسے قلوب کو موجودات عالم میں سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جا سکتی اسی لئے فرمایا کہ اُن کے

دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ

کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہود تمہارا کہنا مان لینگے حالانکہ انہی میں کے

فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ

کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سُنتے تھے پھر سمجھے پیچھے اُس کو

مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

بدل دیتے تھے اور وہ جانتے (بھی) تھے

تفسیر یعنی اے مسلمانو! کیا تم کو اس بات کی آرزو ہے کہ یہ یہودی تمہاری بات مان لینگے حالانکہ انکے اسلاف میں سے موسیٰ کے زمانہ میں اور اُن کے بعد بھی ایک فریق ایسا تھا کہ کلام الٰہی کو سُنکر دانستہ تحریف کرتا تھا۔ جب ان کے اسلاف کی یہ حالت تھی تو پھر تم کو اُن کے مقلدین سے ایمان کی کس طرح امید ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ شریر طینت اور خبیث جبلت ہیں ان سے ایمان کی طمع نہ رکھو۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دیتا ہے کہ ان لوگوں کی سرشت خراب ہے تم کو ان سے امید نہ رکھنا چاہئے کہ یہ اسلام قبول کرینگے کیونکہ ان کے اسلاف تو باوجودیکہ نبی وقت یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق پر جانتے تھے اور توریت کو آسمانی کتاب مانتے تھے پھر بھی اغراض نفسانیہ کی وجہ سے اُس میں تحریف کرتے تھے پھر یہ بھی بجائے خود ہیں ان کے نزدیک تو تمہارا دین اور قرآن حق ہی نہیں۔ یہ کس طرح تمہاری بات مان سکتے ہیں۔

مقصود بیان: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کے اسلام سے مایوسی اور پیشین گوئی۔ اسلاف یہود کی شریر طینتی کا بیان مسلمانوں کو تسلی۔ وغیرہ

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا

اور جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب

خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا

تنہائی میں ایکدوسرے کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم بتلائے دیتے ہو مسلمانوں کو جو کچھ

فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

ظاہر کیا اللہ نے تم پر تاکہ وہ جھگڑیں تم سے اسکے ذریعہ سے تمہارے رب کے پاس تو کیا سمجھتے نہیں

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ

کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ لوگ جو چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں سب اللہ کو معلوم ہے

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم عام دیدیا تھا کہ مدینہ میں سوا مسلمان کے کوئی نہ داخل ہونے پائے۔ اس پر بعض یہودی مسلمانوں کی خبریں معلوم کرنے کی غرض سے منافقانہ اسلام لائے اور صبح کو اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے مسلمانوں سے ملتے جلتے اور اپنا اعتبار جتانے کو توراۃ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد اور تعریفیں بھی کھول کر دکھاتے تھے اور شام کو واپس جا کر جب اپنے شیاطین الانس یعنی سرداران یہود اُبی اور کعب بن اشرف اور وہب بن منبہ وغیرہ کے پاس بیٹھتے تو وہ ان کو ملامت کرتے تھے کہ بیوقوفو! تم اپنے علم اور اپنی کتاب میں سے مسلمانوں کو کیوں سند اور ثبوت دیے دیتے ہو یہ مسلمان دلیل پیش کرینگے کہ خدا کے ہاں یعنی توریت میں ہمارے نبی کی تعریف موجود ہے اسپر آیت مذکور نازل ہوئی۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا یعنی جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں دیکھو رسول عربی کے نام کے طفیل سے ہم لوگ تھوڑا زمانہ ہوا کہ تم لوگوں پر فتحمندی کی دعا مانگا کرتے تھے اور حکم توریت کے موافق خود ان کے منتظر تھے۔ (محمد بن اسحاق عن ابن عباس)

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ الخ لیکن جب باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور تنہائی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو مسلمانوں سے صرف ظاہر میں ایمان کا اقرار کیا تھا اور دل سے ہم مومن نہیں ہیں غرض جب یہ لوگ اپنے خواندہ گروہوں سے تنہائی میں ملتے ہیں اور اُن کے خوش کرنے کو اظہار کرتے ہیں کہ آپ لوگ مطمئن رہیں ہم دل سے مسلمان نہیں ہیں تو وہ لوگ جواب دیتے ہیں اور ملامت کرتے ہیں کہ تم دنیوی مصلحت سے ایمان ظاہر کرتے ہو اور دل سے نہیں مانتے ہو تو خیر یہ بہتر ہے لیکن اُن سے ایسی باتیں کیوں ظاہر کرتے ہو کہ محمد بیشک پیغمبر برحق ہیں اور ہمکو توریت میں اُن پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور ہم مدت سے انکے ظہور کے منتظر تھے اور زمانۂ جاہلیت میں انہی کے فضائل بیان کرتے تھے اور انہی کے نام پاک کا واسطہ دلاکر اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ منافقین مسلمانوں سے تو خوشامد کے لیئے مذکورہ باتوں کا اظہار کردیا کرتے تھے اور یہاں سے جاکر جب اپنے علما سے ملتے تھے تو وہ کہتے تھے اور ملامت کرتے تھے کہ تم مسلمانوں سے یہ باتیں کیوں ظاہر کرتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں کہ وہ انہی باتوں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمپر حجت قائم کرینگے کہ انہوں نے جان بوجھ کر کفر کیا ہے

پھر ہم سب کے سب عذاب میں گرفتار ہونگے۔ خدا تعالیٰ اسکی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ کسقدر احمق ہیں کیا ان کو یہ نہیں معلوم کہ خدا تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

مقصود بیان:۔ یہودیوں کے ایک خاص گروہ کے نفاق اور حماقت کا بیان۔ توراۃ میں محامد محمدی موجود ہونے کی طرف ایک لطیف اشارہ۔ خدا کے علم کی وسعت اور اسکے عالم الغیب ہونے کا ثبوت۔ وغیرہ۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ

اور کچھ لوگ انمیں سے اَن پڑھ ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے آرزوؤں کے

وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ

اور یہ ان کا خیال ہی خیال ہے تو بڑی خرابی ہے اُن لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے

الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ

کتاب لکھتے ہیں پھر کہدیتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سے ہے

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ

تاکہ لیویں اسکے ذریعہ سے تھوڑے سے دام تو بڑی خرابی ہے انپر انکے ہاتھوں سے لکھے

أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ

ہوئے کی اور بڑی خرابی ہے انکے واسطے ان کی کمائی سے

تفسیر یہود چونکہ پیروں اور پیغمبروں کی اولاد تھے اس لئے خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنی خصوصیت ظاہر کرتے تھے کبھی کہتے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور کبھی کہتے کہ سوا چند روز کے یعنی جتنے دن ہم نے گوسالہ پرستی کی اُسکے علاوہ ہم کو دوزخ کی آگ مس بھی نہ کریگی کبھی کہتے کہ جنت ہمارے باپ دادا کی میراث ہے ہمارے سوا اُسمیں کوئی نہیں جائیگا ان خود تراشیدہ باتوں اور اختراعی خوش خبریوں پر ناخواندہ عوام پھولے نہیں سماتے تھے اُن کی حماقت ظاہر کرنے کو خدا تعالیٰ نے وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ نازل فرمایا لیکن جو لوگ پڑھے لکھے تھے مذہبی عالم تھے انکی کیفیت ہی عجیب تھی۔ انھوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ توراۃ میں اس طرح لکھا دیکھا تھا کہ نبی آخر الزمان کی آنکھیں سرگیں، بال گھونگر یالے، قد متوسط اور صورت نہایت دلکش ہوگی۔ ان علماء نے حسد کی وجہ سے اسکو مٹا دیا اور لکھدیا کہ نبی آخر الزمان کا قد لمبا، آنکھیں نیلی، اور بال سیدھے ہونگے انکے متعلق خدا تعالیٰ نے فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ نازل فرمایا۔

آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ انہیں سے جو لوگ بے پڑھے لکھے ہیں اور علم سے واقف نہیں اُنکی تو یہ کیفیت ہے کہ توراۃ وغیرہ آسمانی کتب سے تو واقف نہیں ہیں کہ حقیقت کا علم ہو سکے صرف چند خیالی ڈھکوسلے اپنے دلوں میں جما رکھے ہیں۔ مثلاً ہم خدا کے محبوب ہیں، بیٹے ہیں۔ ہم ہی جنت میں جائینگے، ہمارے باپ دادا انبیاء اور پیر تھے وہ ہمکو دوزخ سے چھڑا لینگے۔ اگر ہمکو عذاب ہوا بھی تو چند روز کیلئے ہوگا۔ استحقاق جنت ہمارے خاندان ہی کو حاصل ہے۔ باقی جو پڑھے لکھے آدمی تھے وہ اُمراء کی مرضی کے مطابق غلط مسائل اور جھوٹی روایات لکھ کر دیدیا کرتے تھے اور کہدیا کرتے تھے کہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے توراۃ میں موجود ہے اس ذریعہ سے اُن کو کچھ مال اور مرتبہ ملجاتا تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اُنکے اس لکھنے پر بھی تُف ہے اور اس کمائی پر بھی تُف ہے۔

مقصود بیان :۔ ولایت، نبوت، یا علم و پیشوائی خاندانی میراث نہیں ہے۔ جنت کا کوئی ٹھیکیدار نہیں۔ خیالی ڈھکوسلے کچھ فائدہ بخش ثابت نہیں ہو سکتے۔ اُمراء کی خوشنودی کیلئے احکام الٰہی میں تحریف کرنی حرام ہے اور تحریف سے جو کمائی حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئیگی بھی نہیں بجز گنتی کے چند روز کے

قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ

آپ کہدیجئے کیا تم نے اللہ سے کوئی اقرار لیا ہے کہ وہ اپنے اقرار کے خلاف

اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

نہ کرے گا یا اللہ پر (جھوٹ) بولتے ہو جو تم جانتے نہیں ہو

تفسیر اس آیت میں پہلے مضمون کی تکمیل کی گئی ہے اور یہود کے فاسد خیالات کا بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا الخ۔ یعنی یہودی کہتے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ اگر ہم کو آگ میں بھی کریگی تو چند روز کیلئے جتنے دنوں ہمنے گوسالہ پرستی کی تھی یعنی چالیس روز یا سات روز۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ الخ تم اُن سے کہدو کہ کیا تم نے خدا سے اسکا کوئی عہد لیلیا ہے کہ خدا اپنے عہد سے خلاف ورزی نہ کریگا اور تم کو باوجود کفر شرک اور گناہوں کے عذاب نہ دیگا یا بغیر علم و دانش کے یونہی افترا بندی کرتے ہو جسکا کوئی ثبوت تمہارے پاس موجود نہیں ہے۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ

اصل بات یہ ہے کہ جو شخص گناہ کرے اور اُسکے گناہ اُس کو گھیر لیں

فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہینگے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ایسے لوگ

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہینگے

تفسیر اس آیت میں یہود کے خود تراشیدہ خیالات کی اور اُن کے خواص و عوام کی جو بر خود غلط ہو رہے تھے تردید ہے اور مدلل طور پر ایک کاری ضرب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ یعنی اصل بات یہ ہے کہ جو شخص گناہ کرتا ہو اور اُسکے گناہ چاروں طرف سے اُسکو گھیر لیں کہ کسی طرف سے ایمان و اصلاح کے داخل ہونے کی جگہ نہ رہے اور دل سیاہ ہو کر بالکل بند ہو جائے تو فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۔ ایسے لوگ دائمی جہنمی ہیں ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہینگے۔ ابن عباس، مجاہد، ابو وائل، ابو العالیہ، حسن، قتادہ اور ربیع بن انس وغیرہ کا قول ہے کہ آیت میں خطیئہ سے مراد شرک ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا الخ ہاں جو لوگ سچے مومن ہیں اور اُن کے اعمال بھی اچھے ہیں وہ ضرور جنت میں جائینگے اور ہمیشہ وہاں رہینگے۔ حاصل مطلب یہ کہ کوئی ہو مشرک کافر عذاب میں مبتلا ہوگا اور مومن فرماں بردار جنت میں جائینگے۔

مقصود بیان :۔ مشرک کا دائمی جہنمی ہونا اور مومن صالح کا ہمیشہ کے لئے جنتی ہونا آیت سے ثابت ہے۔ کفر شرک اور معاصی سے ترہیب ہے اور ایمان و اصلاح عمل کی طرف ترغیب ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ

اور (یاد کرو) جب ہمنے اقرار لیا بنی اسرائیل سے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت

إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ

نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنا اور رشتہ داروں

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا

اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ (بھی) اور لوگوں سے نیک بات کہنا

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ

اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا پھر تم سب پھر گئے

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ

سوائے تھوڑے آدمیوں کے تم میں سے اور تم ہو ہی پھر جانیوالے

تفسیر یہاں سے چند آیات تک خدا تعالیٰ یہود کے اُس خیال فاسد کی تردید فرماتا ہے جو اُن کے لئے گمراہ کن تھا کہ جز چند روز کے لئے ہم دوزخ میں رہینگے اور اس زعم فاسد کی تردید مدلل طور پر آیت میں کیگئی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تورات میں تم سے عہد لیا تھا کہ تم حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرو گے، فرائض انسانی اور فرائض جسمانی بھی پورے پورے طور پر میثاق کرو گے یعنی سوائے خدا کے کسی کی پرستش نہ کرو گے، والدین کے ساتھ قرابت داروں کے ساتھ بیکسوں اور یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور تمام لوگوں سے اچھی بات کہو گے نرمی سے اُن سے کلام کرو گے اور اُن کے فائدہ کی بات کہو گے اور نماز و زکوٰۃ ٹھیک ٹھیک ادا کرو گے لیکن بجز تھوڑے سے لوگوں کے تم نے اُس عہد کو توڑ دیا منہ موڑ کر چلدیئے میثاق سے خلاف ورزی کی اور جو شخص ایسا مضبوط عہد توڑے کیا وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیگا۔

مقصود بیان:۔ آیت کے تفصیلی مضامین تو ظاہر ہی ہیں اجمالی صورت میں خدا تعالیٰ فرائض خلق و فرائض خالق کی ادائیگی کی تعلیم دینی چاہتا ہے۔ شرک کی ممانعت، والدین سے حسن سلوک، اقارب کی پرورش یتیموں اور غریبوں کی ہمدردی کا حکم دیتا ہے۔ نماز اور روزہ کا امر کرتا ہے وغیرہ۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے اقرار لیا کہ آپسمیں خون نہ بہانا

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ

اور جلا وطن نہ کرنا اپنوں کو اپنے گھروں سے پھر

اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ

تم نے اقرار کیا اور تم گواہ ہو پھر وہی تم ہو

تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ

کہ آپسمیں خون کرتے ہو اور اپنے ایک فریق کو ان کے گھروں سے

مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ

نکال دیتے ہو ان کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی گناہ اور ظلم کے ساتھ

الْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ

مدد کرتے ہو اور اگر وہی لوگ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو عوض دیکر چھڑا لیتے ہو

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ

حالانکہ تمپر ان کا نکالنا ہی حرام کیا گیا تھا تو کیا تم کتاب کی بعض بات کو

بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ

مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو پس کوئی سزا نہیں

مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ

ایسے شخص کی جو تم میں سے ایسا کرے بجز رسوائی کے دنیوی زندگی

الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ

میں اور قیامت کے دن لوٹا دیے جاوینگے سخت سے سخت

الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

عذاب کی طرف اور اللہ بے خبر نہیں ہے اس سے جو تم کرتے ہو

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ

یہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید لیا

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

تو نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ ان کو مدد دی جائیگی۔

تفسیر رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی مدینہ میں رہتے تھے وہ پہلی آیت کے مضمون کے متعلق کہتے تھے کہ یہ بُرائیاں تو ہمارے بزرگوں کی ہیں ہم بنی یعقوب ہیں اُن سے بڑے ہیں اسلئے ہم کو آتش دوزخ صرف چند روز کے لئے چھوئیگی پھر ہم لوگ چھوٹ جائینگے انکے اس خیال کی تردید خداوند تعالیٰ ان آیات میں کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے توریت میں قول و قرار لیا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا، کسی کو جلا وطن نہ کرنا اور اگر اپنی قوم میں سے کسی کو کسی کا غلام یا باندی یا دوسرے کا قیدی پاؤ تو عوض دیکر رہا کرا لینا۔

اسکے بعد بنی قریظہ جو یہود کا ایک فرقہ تھا قبیلۂ اوس کا حلیف ہو گیا تھا کہ وقت پر ہم تمہاری مدد کرینگے اور دوسرے قبیلہ یعنی بنی نضیر نے خزرج سے ایسا ہی معاہدہ کر لیا تھا اب جس وقت اوس و خزرج میں لڑائی ہوتی تو بنو قریظہ اور بنی نضیر اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کرتے تھے اور انکے ساتھ ملکر اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرتے تھے اور جب ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر غالب آتا تو اسکے گھروں کو مسمار کر دیتا آبادی کو ویران اور باشندوں کو جلاوطن کر دیتا تھا لیکن اگر کوئی ہم قوم گرفتار ہو کر آتا تو سب جمع ہو کر چندہ سے اسکو رہا کرا لیتے تھے۔ اگر کوئی کہتا کہ تم عوض دیکر کیوں رہا کراتے ہو؟ تو کہتے کہ اللہ سے ہمارا قول و قرار یہی ہے۔ لیکن جب ان سے دریافت کیا جاتا کہ لڑتے کیوں ہو جلاوطن کیوں کرتے ہو اور آبادیاں کیوں ویران کرتے ہو؟ تو کہتے کہ ہم سے اپنی لوگوں کی ذلت نہیں دیکھی جاتی جن سے ہم معاہدہ کر چکے ہیں غرض چار احکام میں سے ایک حکم یعنی قیدی کے رہا کرانے کے حکم کو تو مانتے تھے باقی تین احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے اور قول و قرار کے خلاف ایک دوسرے کو ہلاک کرتے، جلاوطن کرتے اور بھائی بندوں کے مقابلہ میں دوسروں کی مدد کرتے تھے۔ اسی تفصیل کی طرف آیات میں اشارہ ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ الخ یعنی تم کو نے اچھے ہو اسوقت کو یاد کرو جبکہ ہمنے تمہارے اسلاف سے بھی عہد لیا تھا کہ آپس کے لوگوں کا خون نہ بہائینگے اور ان کو انکے گھروں سے نکال کر باہر نہ کرینگے اور تمہارے اسلاف نے اسکا اقرار کیا تھا اور اس عہد کو مانا تھا اور تم بھی اس بات کو دل سے حق جانتے ہو کہ تمہارے بزرگوں سے یہ عہد لیا گیا تھا لیکن اب تم کو اس قول و اقرار کے بعد کیا ہو گیا ہے کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے اور انکو جلاوطن کرتے ہو اور اپنی ہی قوم والوں پر چڑھائی کرتے ہو انکے مقابلہ میں غیروں کو مدد دیتے ہو اور توریت کے احکام کی خلاف ورزی کر کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہو اور ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہو حالانکہ بھائی بندوں کو قتل کرنا اور جلاوطن کرنا تمہارے لئے توراۃ میں حرام کر دیا گیا تھا۔ ہاں اگر تمہارے پاس وہ لوگ قیدی بنا کر لائے جاتے ہیں تو فدیہ دیکر تم ان کو رہا کراتے ہو تو کیا توریت کے بعض احکام کو تم مانتے ہو اور بعض سے سرتابی کرتے ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم انکے منکر ہو فدیہ دیکر رہا کرانے کا حکم تو مانتے ہو اور باقی تینوں احکام کو غلط جانتے ہو بس ایسے لوگوں کی تو یہی سزا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں ان کی رسوائی اور ذلت ہو اور فقط دنیوی ذلت پر ہی کفایت نہ کیجائیگی بلکہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائینگے (قرآن کا

یہ حکم یا پیشین گوئی پوری ہوئی۔ بنو قریظہ تو نہایت ذلت کے ساتھ قتل کئے گئے اور قبیلۂ اوس ہی نے جو ان کا حلیف تھا ان کو قتل کیا باقی بنو نضیر اور قینقاع کو ملک شام کی طرف جلاوطن کیا گیا) خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہارے کرتوت سے غافل نہیں ہے تمام باتوں کا اسکو علم ہے ہاں اس نے کافروں کیلئے مہلت دے رکھی ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الخ۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ عام یہودیوں کی بلکہ تمام سلف و خلف کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے کہ یہ تمام فرقہ ہی ایسا ہے۔ انہوں نے آخرت کی کچھ پرواہ نہ کی اور اس جہان کے عیش و آرام کے حاصل کرنے کے بدلے میں دنیا فانی کو حاصل کرنا مقدم سمجھا اس لئے یہ ہمیشہ عذاب میں رہینگے نہ انکے عذاب میں کسی قسم کی تخفیف ہو گی اور نہ کوئی ان کی مدد کرے گا۔

مقصود بیان: حب الوطنی اور محبت قومی کی تعلیم اپنی قوم کے خلاف غیروں کو مدد دینے کی ممانعت۔ خونریزی اور جلاوطن کرنے کی حرمت۔ اپنی قوم کے خلاف جتھہ بندی کرنے اور ان کو قتل و جلاوطن کرنے پر تنبیہ و تہدید۔ ہم قوم قیدیوں غلاموں اور باندیوں کو عوض دیکر رہا کرا لینے کی بہترین تعلیم۔ اسی امر کیطرف ایک لطیف اور دقیق ترین اشارہ کہ جو شخص قوم کی غداری کرتا ہی غیروں کو اپنی قوم کے خلاف مدد دیتا ہے اسکو علاوہ عذاب آخرت کے دنیوی رسوائی اور ذلت سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اخروی زندگی پر اس فانی زندگی اور اسباب زندگی کو ترجیح دینے والے عذاب میں مبتلا ہونگے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بعد ہم نے متواتر

بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ

رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات دیئے

وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ

اور روح پاک (جبرئیل) سے ہم نے انکو مدد دی تو کیا جب کبھی تمہارے پاس کوئی

رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ

رسول تمہاری خواہش کے خلاف کوئی حکم لیکر آیا تو تم نے تکبرانہ اعراض کیا

فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ

ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کر ڈالتے تھے

تفسیر انسان کو خدا نے دو قوتیں یعنی نظری و عملی عطا فرمائی ہیں۔ انہی دونوں قوتوں کی اصلاح سے نجات ابدی وابستہ ہے گذشتہ آیات تک تو بنی اسرائیل کی وہ خرابیاں بیان کیگئی تھیں جو قوت عملیہ سے تعلق رکھتی تھیں مثلاً اقارب اور اجنبیوں کے حقوق نہ ادا کرنا۔ ایسا قوت کی خرابی اور فساد سے انسان بہت زیادہ گناہگار ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا اسلئے گذشتہ آیات کے بعد بھی بنی اسرائیل کے اس دعوی کا کامل ابطال نہیں ہوا تھا کہ ہم چند روز سے زائد دوزخ میں نہیں رہ سکتے اب اس آیت میں کامل طور پر ان کے باطل دعوی کی تردید کردی کیونکہ قوت نظری کی مکمل خرابی یہ ہے کہ انبیاء کی تکذیب کیجائے انکو قتل کیا جائے اور جو احکام مرضی کے خلاف ہوں ان کو متکبرانہ انداز میں ٹھکرا دیا جائے چنانچہ اسی مطلب کی وضاحت کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ یعنی ہم نے موسیٰ کو توریت عطا کی لیکن جب یہودیوں نے اسکے احکام کی خلاف ورزی کی اور اپنی خواہشات کے موافق اسمیں تحریف و تبدیل کرلی تو ہم نے موسیٰؑ کے بعد متواتر انبیاء بھیجے جو احکام توریت کی پابندی کرتے تھے اور یہ انبیاء موسیٰؑ کے قدم بقدم چلے آتے تھے لیکن بالآخر یہودیوں نے انبیاء کو قتل کرنا شروع کیا اور توریت میں پھر تحریف کرنے لگے تو اسوقت اخیر میں وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انجیل دیکر توریت کے بعض احکام مثل جہاد و حرمت گوشت شتر و شراب وغیرہ کو منسوخ کیا لیکن چونکہ انکے ماننے کے واسطے معجزات کی بھی ضرورت تھی اسلئے خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو معجزات بھی دیئے اور روح القدس کو ان کی امداد پر مقرر کیا (روح القدس سے مراد بعض کے نزدیک حضرت جبرئیلؑ۔ بعض کے نزدیک انجیل اور بعض کے نزدیک خود حضرت عیسیٰؑ کی روح مقدس ہے) لیکن یہودی سرکشی سے باز نہ آئے حضرت زکریاؑ و یحییٰؑ کے قتل کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے جانی دشمن بن گئے اور انجیل و توریت میں مرضی کے خلاف جو احکام تھے اُن کو تحریف کردیا۔ انبیاء کی بے ادبی کی۔ ان پر تشنیع کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ الخ۔ ان یہودیوں کی عجیب حالت ہے جب بھی کوئی رسول انکی مرضی کے خلاف احکام الٰہی لایا۔ انہوں نے متکبرانہ انداز میں اُس سے اعراض کیا اور اخیر میں انبیاء کے ایک فرقہ کو تو قتل کرڈالا اور دوسرے فریق کی تکذیب کی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے موسیٰ کو توراۃ عطا کی اور وقتاً فوقتاً دین موسوی کی اصلاح کے لئے پے در پے انبیاء بھیجے۔ اخیر میں حضرت عیسیٰؑ کو کھلے کھلے معجزات دیکر بھیجا لیکن یہود کی خباثت پھر بھی نہ گئی یہانتک کہ جب کسی رسول نے اُن کی مرضی کے خلاف کوئی حکم دیا تو سرکشی کرکے ٹالدیا اور اسپر بھی بس نہ کیا بلکہ بہت سے انبیاء کو تو جھٹلایا اور بہت کو ناحق قتل کردیا۔ اور اسکے باوجود محبت الٰہی اور نجات ابدی کے دعوے دار بنے رہے۔

مقصود بیان:- موسیٰ کو توریت دیگئی۔ توریت کی تائید کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء بھیجے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تائید روح مقدس سے کی گئی۔ یہودی غرور کے ساتھ احکام انبیاء کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ بہت سے انبیاء کو انہوں نے قتل کردیا تھا۔ توریت میں تحریف کرتے تھے۔ وغیرہ۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ

اور کہتے ہیں ہمارے دل غلافوں میں ہیں بلکہ پھٹکار دی ہے اُن کو اللہ نے

بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اُن کے کفر کی وجہ سے تو بہت کم ایمان لاتے ہیں

تفسیر جبکہ قرآن مجید نے یہودیوں کے شبہات باطلہ کا بالکل استیصال کردیا اور کوئی معقول جواب اور قابل قبول دلیل اُنکے پاس نہ رہی تو جاہلانہ جواب پر اُتر آئے اور کہنے لگے ہم اپنے دین پر ثابت قدم ہیں آپکی کوئی بات قبول نہ کریں گے ہمارے دلوں پر غلاف ہیں جس کے اندر خزانہ علوم مخفی ہے غیر دین کی بات ہمارے دلوں میں داخل نہیں ہوسکتی اور نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے اسکے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ غلاف ولاف کچھ نہیں ہے بلکہ اُنکے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن پر لعنت اور پھٹکار کردی ہے اسی لئے آیات الٰہی میں سے کم باتوں پر ایمان لاتے ہیں (یعنی بعض دلوں پہ یہ لعنت کا حجاب نہیں ہے اسی وجہ سے یہ لوگ ایمان لے آتے ہیں اور اکثر کے دلوں پر لعنت کا حجاب ہے۔

مقصود بیان:- یہودیوں پر خدا کی لعنت ہے۔ اور لعنت کی وجہ صرف اُن کا کفر ہے۔ وغیرہ۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

اور جب انکے پاس اللہ کے ہاں سے کتاب آپہونچی جو تصدیق کرتی ہے اس کتاب

لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ

کی جو اُنکے پاس ہے اور اس سے پہلے فتح طلب کیا کرتے تھے

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ښ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا

کافروں پر سو جب آیا ان کے پاس جسکو پہچان رکھا تھا

كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

تو انکار کرنے لگے | پس اللہ کی پھٹکار | کافروں پر۔

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یہودیوں کی جب کبھی قبائل اوس وخزرج سے لڑائی ہوتی تھی اور ہزیمت نظر آتی تھی تو نبی اُمی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے اور دشمن پر فتح وغلبہ چاہتے تھے اور یہ پاک وسیلہ لاتے ہی فوراً ان کو فتح حاصل ہوجاتی تھی اور جب حضور والا خود تشریف فرما ہوئے تو یہودی کافر ہوگئے اور ایمان نہ لائے۔ ایک بار حضرت بشیر بن براء، داؤد بن سلمہ اور معاذ بن جبل نے ان لوگوں سے کہا کہ یہودیو! تم تو اس سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دشمن پر فتحیاب ہونے کی دعا کیا کرتے تھے پھر اب کیا وجہ ہے کہ ایمان نہیں لاتے اسکے علاوہ ہم جب حالت شرک میں تھے تو تم ہم سے محمد ﷺ کی توصیف اور حلیہ مبارک بیان کیا کرتے تھے اب ذرا انصاف سے دیکھو کہ بجنسہ وہی حلیہ ہے۔ یہ سُن کر سلام بن مشکم یہودی نے جواب دیا کہ یہ وہ نہیں ہیں جن کا ہم ذکر کرتے تھے اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب ان یہود کیلئے خدا کیطرف سے ایک ایسی کتاب آئی جسمیں اصول دین موسوی کی تصدیق ہے اور جو کفار ومشرکین کے مقابلہ میں بمنزلہ شاہد عدل کے ہے تو یہ لوگ اُسکے منکر ہوگئے اور مزید طرفہ یہ ہوا کہ جس نبی آخر الزمان کے یہ منتظر تھے اور جسکے توسل سے کافروں کے مقابلہ میں فتحیاب ہونے کی دعائیں کیا کرتے تھے جب وہی جانا پہچانا نبی اُن کے پاس آیا تو اُسکا انکار کر بیٹھے اب ایسے انکار کرنیوالوں پر صرف اُنکے کفر کی وجہ سے خدا کی لعنت ہے۔

آیت کے اخیری ٹکڑے کے ثبوت میں مفسرین نے سلمہ بن قیس کی ایک روایت نقل کی ہے سلمہ کہتے ہیں کہ ہمارے محلہ میں ایک یہودی رہتا تھا ایک روز اُس نے ہم سے عالم آخرت کے ثواب و عذاب کا تذکرہ کیا۔ ہم نے دلیل دریافت کی۔ کہنے لگا عنقریب مکہ اور یمن کی طرف سے ایک نبی مبعوث ہوگا وہ اس بات کو ثابت کریگا ہم نے پوچھا وہ کب ظاہر ہوگا؟ اُس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ اگر یہ لڑکا عمر طبعی کو پہونچا تو دیکھ لیگا۔ چند روز کے بعد حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی خبر مشہور ہوئی تو ہم نے اُس یہودی سے کہا کہ اب تو ایمان کیوں نہیں لاتا؟ اس نے شرمندہ ہوکر کہا یہ وہ شخص نہیں ہیں

نکات اور توضیح قصہ محمد بن اسحاق، مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہ علماء نے بیان کیا ہے کہ جب توریت نازل ہوئی اور بنی اسرائیل ایمان لائے اور توریت میں حضور گرامی اور امت محمدیہ کے فضائل پڑھے اور یثرب یعنی مدینہ کیطرف ہجرت فرما ہونے کا قصہ دیکھا تو ایماندار اسرائیلیوں کو بڑا اشتیاق ہوا جب حضرت موسیٰ کی وفات کے زمانۂ دراز کے بعد بخت نصر نے ملک شام کو پامال اور بیت المقدس کو ویران کردیا تو اسرائیلیوں نے اس حادثہ میں سوائے ممالک عربیہ کے کہیں اور مامن وملجا نہ پایا اسی طرف چل دیے اور چونکہ اسرائیلی علماء واقف تھے کہ پیغمبر آخر الزمان قصبۂ ذات النخل یعنی مدینہ میں ہجرت کے بعد تشریف لائیں گے اسلئے تلاش کرتے رہے کہ قصبۂ ذات النخل کہاں ہے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے یثرب پر گذر ہوا تو یہیں رہ پڑے۔ یہ لوگ ہارون کی نسل کے تھے۔ انمیں سے ایک جماعت خیبر کو بھی چلی گئی تھی۔ مدت تک یہاں بڑے کروفر سے رہتے رہے۔ زمانۂ دراز کے بعد یعرب بن قحطان کی اولاد میں سے قبائل اوس وخزرج جو ملک سبا کے رہنے والے تھے یثرب کو آئے اور یہودیوں پر غالب آگئے اور یہودیوں پر اس قدر مظالم کئے کہ یہودی تنگ آگئے اور مجبور ہوکر دعا کرنے لگے کہ الٰہی ہمکو پیغمبر آخر الزماں سے جلد مدد دے۔ قبائل اوس وخزرج اُن کی اس دُعا کو سُن کر تعجب کرتے اور دریافت کرتے یہ کیا بات ہے؟ یہودی جواب دیتے کہ وہ نبی عظیم الشان ہونگے اور ہم اُن کی حمایت میں تم کو ہلاک کرینگے۔ کچھ زمانہ کے بعد قبائل اوس وخزرج میں باہم نفاق ہوا اور قریب سو برس کے باہم قتال رہا۔ یہودیوں کے بھی دو فرقے ہوگئے۔ ایک فرقہ اوس کا مددگار بن گیا اور دوسرا خزرج کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے قریب ہی ان میں باہم ایسی خونریز جنگ ہوئی جو عرب میں ابتک یادگار ہے۔ اس جنگ کا نام یوم البعاث ہے۔ پھر جب حضور تشریف لائے تو قبائل اوس وخزرج نے تو حضور کی تصدیق کی اور یہودی اسی عداوت کی وجہ سے کفر پر جم گئے اور فقط یہی نہیں بلکہ اوس وخزرج والوں کو بہکانا شروع کیا لیکن اُن کا اغوا سود مند نہ ہوا اور اوس وخزرج والے انصار کے نام سے موسوم ہوگئے۔

مقصود بیان: حسد وعداوت بُری بلا ہے انسان کو جہنم میں لیجاتی ہے۔ کتنا سرکش انسان ہو اسلام اُسکو مدارج عالیہ پر پہونچا دیتا ہے۔ یہود نہایت متعصب، حاسد اور کینہ توز قوم ہے۔ کافر خدا کی رحمت سے دور ہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور ظہور کا حال یہ اسرائیلی پہلے سے جانتے تھے۔ قرآن اور توریت اصول میں متحد ہیں۔ قرآن اصول توریت کی تصدیق کرتا ہے۔ وغیرہ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا

بُرے مول خریدا انہوں نے جانوں اپنی کو کہ اُس کا انکار کرتے ہیں

بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا أَنْ يُنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

جو اتارا ہے اللہ نے اس حسد میں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس پر چاہتا

عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَاءُوْ بِغَضَبٍ

ہے اپنا فضل (وحی) نازل فرما دیتا ہے سو وہ غصہ پر غصہ کے

عَلٰى غَضَبٍ وَّلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

مستحق ہو گئے اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے

تفسیر مجاہد کہتے ہیں کہ یہودیوں نے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپایا حالانکہ ان سے عہد لیا گیا تھا کہ حضور کے اوصاف ظاہر کریں مگر انہوں نے نفسانی خواہشات کی وجہ سے حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کیا اور حسد و بغاوت نفس کی وجہ سے کفر پر اڑے رہے۔ ان آیات میں اسی مطلب کی وضاحت کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ الخ یعنی خدائی احکام اور آسمانی کتاب کو چھوڑ کر اپنے نفسانی خواہشات کو جو یہودیوں نے قابل ترجیح سمجھا اور آسمانی احکام کا انکار کیا یہ بڑی بات ہے۔ انکے کفر کرنے اور خواہشات نفس کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اس بات پر حسد ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے رسول اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کو نسل عربی سے پیدا کر کے اپنی رحمت نبوت اور قرآن سے کیوں سرفراز فرمایا اور بندوں میں سے اپنی مشیت کے موافق کیوں حامل رحمت کا انتخاب کیا۔ اس سرکشی حسد اور کفر کا نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند تعالیٰ کے دوبالا غضب میں مبتلا ہو گئے۔ شروع میں آیات الٰہی کا انہوں نے انکار کیا اور انبیاء کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا اس بناء پر ان پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ اور کافروں کیلئے اہانت کن عذاب دنیا و آخرت میں مقرر کیا ہے انہوں نے کفر کیا اسلئے خدا نے انکو ذلت و خواری میں مبتلا کیا اور آخرت میں انکے لئے عذاب مقرر کیا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہود نے جو قرآن کا صرف اس وجہ سے انکار کر دیا کہ خدا تعالیٰ کیوں جس پر چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے وحی نازل کرتا ہے ہمارے خاندان میں کیوں نبی کو مبعوث نہ کیا تو ان کی اس بیع و تجارت کا نتیجہ اچھا نہیں ہے انہوں نے اپنی جان اور حیات ابدی کو دے کر کفر کو لے لیا۔ یہ بڑی بات ہے اسکے عوض ان پر دوچند غضب الٰہی نازل ہوا اور آخرت میں تو اس کا ثمرہ عذاب ہی ہے۔

مقصود بیان:۔ یہودی خداوند تعالیٰ سے ضد کرتے تھے خدا مختار مطلق ہے جسکو اہل اور قابل جانتا ہے اسکو اپنے فضل و رحمت سے سرفراز فرماتا ہے اور نبی بناتا ہے۔ نبوت کسبی شئے نہیں ہے نہ کسی کی میراث ہے نہ کسی کی خاندانی وجاہت و اعزاز کو اس میں دخل ہے۔ یہودی دانستہ صرف ضد سے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے تھے ورنہ فی الحقیقت حضور کی نبوت سے اچھی طرح واقف تھے۔ خصوصیت کے ساتھ کافروں کو جو عذاب ہوگا وہ اہانت آمیز اور ذلیل کن ہوگا اور اس عذاب سے مقصود علاوہ جسمانی تکالیف کے ذلت و خواری بھی ہوگی۔ ہاں مسلمانوں کو جو عذاب ہوگا اس سے مقصود مسلمانوں کی ذلت و حقارت نہ ہوگی بلکہ صرف گناہوں کی نجاست دور کرنے کے لئے ان پر عذاب ہوگا۔ وغیرہ۔

مذکورہ بالا متعدد آیات میں یہ امر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہودیوں کا ایمان فی الحقیقت توریت پر بھی نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کو بھی یہ لوگ نہیں پہچانتے تھے لیکن صراحۃً اس بات کو ثابت نہیں کیا گیا تھا۔ آئندہ آیات میں خدا تعالیٰ یہود کے اس دعویٰ ایمان کا صراحۃً مدلل رد کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے اتارا ہے اس پر ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں

نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَاءَهٗ

کہ ہم تو اسی پر ایمان لائیں گے جو ہم پر اتارا گیا ہے اور اسکے ماسوا کا کفر کرتے ہیں

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ

حالانکہ وہ سچا ہے جو انکے پاس ہے اسکی تصدیق بھی کرتا ہے کہدو کہ پھر اللہ کے

أَنْبِيَاءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

پیغمبروں کو کیوں قتل کرتے ہو اگر تم ایماندار ہو

تفسیر یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ ان کو دلی ایمان اور نفسانی دعویٰ میں امتیاز نہیں رہا تھا کیونکہ انکے دلوں پر مہر لگی ہوئی تھی اسلئے وہ قلبی تصدیق اور نور ایمان سے واقف ہی نہ تھے۔ خیالی اقرار کو ہی ایمان سمجھتے تھے۔ حالانکہ فی الحقیقت ان کا یقین و ایمان دلوں میں نہ تھا۔ بلکہ صرف اندرونی حواس تک اس کی انتہا تھی۔ لہذا اوپر کی آیات میں خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کی عبرت کے واسطے یہودیوں کا حال بیان فرمایا جس کی تفصیل یہ ہے وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ۔ یعنی جب یہودیوں وغیرہ سے کہا جاتا ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے محمد پر نازل فرمایا ہے اسکو مانو اور اسکی پیروی کرو کیونکہ یہ توریت و انجیل کی بشارت کے موافق ہے۔ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر نازل کی گئی ہے اسکو تو ہم مانتے ہیں یہودی کہتے ہیں کہ ہم توریت کو مانتے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں ہم انجیل کو مانتے ہیں

وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ اور اپنی کتاب کے علاوہ اور کتابوں سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں یعنی یہودی اور نصرانی قرآن کو نہیں مانتے وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ۔ حالانکہ قرآن بالکل سچا ہے یا سچی خدا کی کتاب ہے کیونکہ اُن کتابوں کی اصول کے اعتبار سے تصدیق کرتا ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس ہیں یعنی ان کے انبیاء پر نازل کی گئی ہیں۔ اور جب یہ لوگ قرآن کو نہیں مانتے تو جس چیز کی قرآن تصدیق کر رہا ہے اسکو سچا نہیں مانتے پھر ان کا یہ دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ہمارا اپنی اپنی کتاب پر ایمان ہے۔ کیونکہ ایمان باللہ کے واسطے یہ لازم ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اُس سب کو مانا جائے اگرچہ بعض اعمال و جزئیات میں کتب قدیمہ پر عمل نہ کیا جائے لیکن اصول اشتراک کی وجہ سے سب کو حق مانا جائے۔ اب اگر ایسی صورت میں بھی ان کو مومن ہونے کا دعویٰ ہے تو خدا تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ اے نبی آپ کہدیجئے اگر تم سچی توریت پر ایمان رکھتے ہو تو پہلے انبیاء کو تمہارے اسلاف کیوں قتل کیا کرتے تھے اور تم اُن کے اس فعل کو کیوں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہو۔ اب اگر وہ جواب دیں کہ انبیاء معجزات نہیں لائے تھے کہ ہم کو اُن کی شناخت ہوتی۔ کیونکہ

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اور موسیٰ تمہارے پاس کھلی کھلی نشانیاں لیکر آئے تھے مگر پھر تم نے اُنکی غیر حاضری میں

مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا

بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ناحق کوش تھے اور جب ہم نے تمہارا اقرار لیا اور تمہارے اوپر

فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ؕ

طور کو اٹھا لیا (اور کہدیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اسکو مضبوطی سے لو اور اُسکے احکام سنو

قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ

تو بولے ہم نے سن تو لیا مگر مانا نہیں۔ بات یہ تھی کہ اُنکے کفر کی وجہ سے بچھڑا اُنکے دلوں میں رچ

بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

گیا تھا کہہ: اگر تم ایمانداری کا دعویٰ کرتے ہو تو تمہارا (یہ) ایمان تم کو بُرے کام سکھاتا ہے

تفسیر موسیٰ تمہارے پاس کھلے کھلے (نو) معجزات یقیناً لائے تھے لیکن اُنکے بعد تم نے گوسالہ کو معبود بنا لیا اور خود اپنا نقصان کیا جو قابل پرستش نہ تھا اُسکی پرستش کی اور جو عبادت کے قابل تھا اُسکی عبادت ترک کر دی۔ پھر گوسالہ پرستی کے بعد تم کو تنبیہ کی گئی اور توریت عطا کی گئی لیکن پھر بھی تم نے اُس کے احکام کی تعمیل سے انکار کیا تو خدا تعالیٰ نے کوہ طور کو تمہارے سروں پر معلق کر دیا اور فرما دیا کہ جو احکام ہم نے تم کو عطا کئے اُن کو مضبوطی کے ساتھ لینا اور سختی کے ساتھ اُن پر عمل کرو اور احکام کو اچھی طرح سے سنو یہ عہد تم سے لے لیا۔ لیکن یہودیوں نے کہا کہ ہم نے سن تو لیا لیکن ہم اسکو مانتے نہیں ہیں۔ یعنی ظاہر میں تو انہوں نے کہدیا تھا کہ ہم نے سُن لیا تاکہ کوہ طور ان کے سروں پر سے ہٹ جائے لیکن باطن میں یہی کہا کہ ہم نہیں مانینگے کیونکہ کفر کی وجہ سے اُنکے دلوں میں گوسالہ کی محبت سرایت کر گئی تھی اور شراب کی طرح رگ و پے میں پھیل گئی تھی اے نبی تم اُن سے کہدو کہ اگر تم ایسی حالت میں ایماندار ہو تو تمہارا یہ ایمان جس چیز کا تم کو حکم دیتا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے بلکہ باطل ہے تمہارا ایمان تم کو آیاتِ الٰہی کے انکار انبیاء کی مخالفت اور قتل۔ محمد صلعم کی نبوت سے انکار اور قرآن کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیتا ہے تو یہ حق نہیں ہے۔ تم دعویٰ ایمان میں بالکل جھوٹے ہو۔ تمہارے دلوں میں قطعاً ایمان نہیں ہے۔

مقصود بیان:۔ اگر قرآن پر ایمان نہ ہو تو کسی کتاب الٰہی پر ایمان نہیں کیونکہ قرآن آسمانی کتب کے اصول کی تصدیق کرتا ہے۔ قتل انبیاء کفر ہے کوئی آسمانی کتاب اسکی اجازت نہیں دیتی۔ زیادہ سرکش اور معاند انسانوں کو سختی اور زبردستی کے ساتھ بھی پابندِ احکام بنانا جائز ہے کیونکہ انسان اور جاہل انسان بچوں کی طرح ہے اور اسکی ضد بھی بچوں کی ہٹ سے کم نہیں جسطرح شفیق والدین اور سرپرست اولاد کو زبردستی راہ راست کی ہدایت کر سکتے ہیں اسی طرح سرکش انسانوں کو سختی کے ساتھ پابند شریعت بنانا جائز ہے یہودی سخت منافق تھے ظاہر میں تو کہدیا کرتے تھے کہ ہم مانتے ہیں اور باطن میں ہی سرتابی کرنے کا خیال جاگزین تھا وغیرہ۔

۔ یہود کا ایک خام خیال یہ بھی تھا کہ جنت ہمارے لئے مخصوص ہے نجات ابدی ہمارا ہی حصہ ہے۔ سعادت اخروی ہم کو ہی حاصل ہوگی کوئی مذہب اور قوم اسمیں شریک نہیں ہو سکتا اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تورات کے ہم وزن کوئی کتاب اور موسیٰ کی برابر کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ پھر ہم کسی اور کتاب یا اور نبی کو کیوں مانیں اور تورات و موسیٰ کے مقابلہ میں کیوں کسی کی اصل جانیں یہ خیالات نسل انسان کی ترقی اور کامیابی میں سب سے بڑھ کر سدراہ ہے اور سعادت بشری کے حق میں زہر قاتل ہے خدا تعالیٰ اسی خیال کو ذیل کی آیات میں باطل کرتا ہے اور ایک روشن دلیل بیان کرتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ

کہدو کہ اگر دارِ آخرت کی خوبی خدا کے ہاں تمہارے ہی لئے مخصوص ہو اور لوگوں

خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

کے لئے نہیں ہے تو مرنے کی آرزو کرو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اگر تم سچے ہو

تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہدیجئے کہ اگر خدا تعالیٰ کے ہاں صرف تمہارے ہی لئے سعادت اُخروی منحصر ہے اور دوسرے لوگ اس سے محروم ہیں تو تم موت کی تمنا کرو کیونکہ جسکے واسطے جنت اور سعادت اخروی یقینی ہو تو ضرور وہ موت کی تمنا کریگا اسواسطے کہ جنت کی نعمتیں لازوال اور عدیم النظیر ہیں اور وہاں کے عیش و آرام اور راحت و چین دائمی اور پائدار ہے لہذا اُس کے حصول کی دعا کرنا اور زینۂ موت پر چڑھ کر وہاں پہونچنا ایک لازمی امر ہے۔ اسکے بعد خداوند تعالیٰ بطور پیشین گوئی اور اظہار غیب کے یہودیوں کے انکار کو ظاہر فرماتا ہے۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

اور وہ اپنے گناہوں کے پیش نظر ہونیکی وجہ سے کبھی موت کی آرزو نہیں کرینگے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ

اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

تفسیر یعنی جو کفر، بدکاریاں، تحریف تورات، قتل انبیاء، انکار قرآن عداوت رسول اللہ صلعم ارتداد صریح اور افعال ذمیمہ ان سے سرزد ہوچکے ہیں اور ان کی وجہ سے جہنم میں ان کا داخل ہونا قطعی ہے اسوجہ سے یہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کرینگے۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ موت کی تمنا سے مباہلہ امر مرت کیلئے دُعا کرنا مراد ہے کیونکہ جب حضور اقدس صلعم نے یہودیوں کو دعا دی کہ آؤ موت کیلئے دعا کریں فریقین میں سے جو شخص جھوٹا ہوگا وہ ہلاک ہوجائیگا تو یہودیوں نے مہلت مانگی اور عرض کیا اچھا تھوڑا توقف کیجئے ہم غور کرلیں پھر آپس میں کہنے لگے کہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ شخص پیغمبر ہے اگر اس سے مباہلہ کیا تو سب تباہ ہوجائینگے۔ اس مشورہ کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مباہلت سے انکار کیا اور کہنے لگے ہمارے لئے ہمارا مذہب ہے اور آپ کے لئے آپ کا مذہب ہے۔ ابن عباس رضؓ سے مرفوعاً مروی ہے اور سلسلہ اسناد بھی صحیح ہے کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو سب مر جاتے اور جس جگہ جو یہودی ہوتا وہ اُسی جگہ مرجاتا جانبر نہ ہوسکتا۔ ابن کثیر قتادہ ابوالعالیہ اور ربیع بن انس وغیرہ کے نزدیک بھی اس آیت میں تمنائے موت سے مباہلہ اور دعائے موت مراد ہے۔

جب یہودیوں نے باوجود دعویٰ ایمان کے مباہلہ سے انکار کیا تو صریح ثابت ہوگیا کہ جس چیز پر یہ ایمان و یقین کا دعویٰ کرتے ہیں درحقیقت اسپر ان کا ایمان و یقین نہیں ہے اسلئے ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں کفر و شرک کرکے اپ آپ کو جنت اور رضائے الٰہی سے محروم کرتے ہیں یہ لوگ درحقیقت جہنمی ہیں جہنمی ہونیکا ان کو یقین ہے ہی اسلئے

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ

اور تم سب لوگوں سے زیادہ انکو جینے کا حریص پاؤ گے بلکہ مشرکین سے بھی زیادہ

اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا

ان میں سے ہر ایک دل سے خواہشمند ہے کہ اسکی ہزار برس کی عمر ہو حالانکہ

هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

درازی عمر اس کو عذاب سے نہیں چھڑا سکتی اور اللہ انکے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر یعنی یہودیوں کو تمام لوگوں سے زیادہ اس دنیوی زندگی کی آرزو ہے یہانتک کہ جو لوگ مشرک ہیں مثلاً عرب کے بت پرست ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے ہندو وغیرہ (ابن ابی حاتم و حاکم) ان سے بھی زیادہ ان کو جینے کی حرص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرک تو آخرت کے قائل ہی نہیں ہیں اسلئے اُنکے لئے سعادت و فلاح صرف اسی حیات فانی سے وابستہ ہے۔ اسی بناء پر ان کو دنیوی زندگی کی حرص زیادہ ہوتی ہے لیکن یہودیوں کی عجیب کیفیت ہے کہ باوجود اقرار آخرت کے اور باوجود دعویٰ نجات ابدی کے ان کو مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کے خواستگاری کی آرزومندی اور ہزار برس جینے کی حرص ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں اور انکو اپنے جہنمی ہونیکا یقین ہے۔ ان یہودیوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ مدت طویل تک زندہ رہے لیکن یہ دراز عمر اُسکو عذاب الٰہی سے رہائی نہیں دے سکتی بالآخر جہنم میں جانا ہے۔ دنیوی عیش کی امید اور اخروی عذاب کے خوف سے کتنے ہی یہ طول حیات کے خواستگار ہوں لیکن بالآخر مر کر عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ کیونکہ خدا اُن کے اعمال و افعال سے بخوبی واقف ہے۔

ماحصل مطلب یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک پیشینگوئی ہے کہ یہ لوگ جیسے دنیادار ہیں ان کا دعویٰ زبانی ہے وہ اپنی بداعمالی کے نتیجہ بد کو خوب سمجھتے ہیں اسلئے وہ کبھی موت کی آرزو نہیں کرینگے بلکہ یہ تمام لوگوں سے یہانتک کہ مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کے خواستگار اور آرزومند ہیں۔ ہزار برس جینے کی حرص کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک دنیا کے آگے کسی چیز کی وقعت نہیں یہ روحانی برکت سے بے نصیب ہیں۔ اس جہان کی طمع کاری پر شیفتہ ہیں۔ اخروی نجات سے قطعی مایوس ہیں اسلئے عمر طویل کے آرزومند ہیں کہ جہانتک ہو سکے دنیاوی لذائذ و تنعمات سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں اور جہانتک ممکن ہو عذاب سے محفوظ رہیں۔ جب تک ان کی زندگی ہو

عذابِ آخرت سے بچ نہیں سکتے خدا ان کی بداعمالیوں کو خوب دیکھ رہا ہے انکے کرتوت خدا سے مخفی نہیں پھر تھوڑی عمر ہو یا زیادہ انکی بداعمالی کی سزا ان کو ضرور دی جائیگی

فائدہ:۔ علماء محققین کے نزدیک دنیا کی محنت و مشقت یا مصیبت کے جزع فزع پر موت کی تمنا کرنی ممنوع ہے لیکن اگر شوقِ آخرت میں موت کی خواہش کرے یا حفاظتِ ایمان کیلئے مرنے کا آرزومند ہو تو جائز ہے ابن کثیر وغیرہ علماء نے یہی تحقیق کی ہے۔

مقصود بیان:۔ موت ایک پردہ ہے جو انسان کی اس مادی زندگی اور حیات ابدیہ کے درمیان حائل ہے سعید روح رکھنے والے اس پردہ کے ہٹتے ہی سعادت اخروی سے ہمکنار ہوجاتے ہیں اور جو قطرتاً یا عملاً گناہگار دل رکھتے ہیں وہ اس حجاب کے دور ہونے کے بعد طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ یہودی نجاتِ ابدی کے مدعی تھے لیکن جھوٹے تھے اسی لئے ان کو دنیوی زندگی کی زیادہ حرص تھی۔ یہودیوں کا ایمان روزِ قیامت اور اسکے حساب کتاب پر ضرور رکھتا اگرچہ اس نورِ ایمان کو دنیوی لالچ و خوف کی تاریکی نے چھپا لیا تھا۔ خدا تعالیٰ کے علم سے انسان کے اعمال کا کوئی حصہ مخفی نہیں ہے۔ وغیرہ۔

جب اعمالِ قبیحہ اور گناہوں کی شامت و نحوست سے قلب پر تاریکی کا غلاف ہوجاتا ہے اور نورِ فطرت چھپ جاتا ہے تو ملکِ آخرت اور نعمتِ حقیقی کی لذت موہوم اور صرف خیالی معلوم ہونے لگتی ہے اور جسمانی کدورت بڑھ کر دنیا اور کوائفِ دنیا کی چاہت بڑھ جاتی ہے۔ انسان دنیا کے ہوا و ہوس اور نفس پرست انسانوں سے مانوس ہوجاتا ہے۔ انبیاء صلحاء، علماء، ملائکہ اور نورانی مخلوق سے اسکو عداوت ہوجاتی ہے کیونکہ روشنی و ظلمت اور کدورت و نورانیت میں ضد ہے اسی لئے خبیث یہودیوں نے حضرت جبرئیل سے عداوت پیدا کرلی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے ذیل کی آیات میں اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ

کہدو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتا جبرئیل نے تو خدا کے حکم سے یہ قرآن

بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى

تمہارے دل میں ڈالا ہے حالانکہ یہ پہلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ایمان والوں

وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

کیلئے ہدایت و خوشخبری ہے جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا

وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

اور اسکے رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو تو بلاشبہ اللہ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے

تفسیر ان آیات کے شانِ نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ہم تمام روایتوں کو چھوڑ کر صرف دو روایتیں نقل کرتے ہیں۔

(۱) ابن جریر، احمد، حاکم اور طبرانی وغیرہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ ایک بار کچھ یہودی عبداللہ بن صوریا کی زیر قیادت حضورؐ والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے چار سوالات کا جواب دیدیجئے اگر آپ صحیح جواب دیدینگے تو ہم ایمان لے آئینگے۔ بہر حال قول اقرار کے بعد ابن صوریا نے عرض کیا کہ فرمائیے سب سے پہلے حضرت یعقوب نے اپنے اوپر کس چیز کو حرام کیا تھا۔ نبی امی جسکا ذکر توراۃ میں ہے اسکی کیا علامت ہے پیٹ کے اندر بچہ نر اور مادہ کس طرح ہوجاتا ہے اور کیوں ہوجاتا ہے آپکے پاس خبریں اور وحی کون لاتا ہے۔ حضور والا نے ان سے میثاق اور اقرار ایمان لیکر ارشاد فرمایا تم کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوب کو ایک شدید مرض لاحق ہوا تھا اور جب مرض طویل ہوگیا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے صحت عطا فرمادیگا تو میں اپنا مرغوب ترین کھانا پینا ترک کردونگا اور وہ غذا ہرگز نہیں کھاؤنگا جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے یعنی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ۔ خدا تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرمادی اور انہوں نے نذر پوری کی۔ باقی وہ نبی امی جسکا توراۃ میں ذکر ہے اسکے صفات میں سے یہ بات ہوگی کہ انکی آنکھیں سوئینگی لیکن دل بیدار رہیگا۔ نر و مادہ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ تم لوگ جانتے ہو کہ مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی رقیق اور زرد۔ ان دونوں پانیوں میں سے جو پانی غالب آجاتا ہے بچہ ویسا ہی ہوجاتا ہے۔ باقی وحی میرے پاس جبرئیل لاتے ہیں اور ہر نبی کے پاس جبرئیل ہی وحی لیکر جاتے تھے۔ یہودی بولے آپنے سب کچھ ٹھیک فرمایا لیکن جبرئیل ہمارا جانی دشمن ہے۔ جبرئیل کے مزاج میں سختی بہت ہے وہی عذاب نازل کرتا اور لوگوں کو ہلاک کرتا ہے اگر میکائیل آپ کے پاس وحی لاتے تو ہم بلاشبہ ایمان لے آتے۔ اس قصہ کے بعد آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔

(۲) قاضی بیضاوی وغیرہ نے آیات کا شانِ نزول ایک یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ یہودیوں کے مدرسہ میں تشریف لیگئے اور ان سے جبرئیل کے متعلق کچھ استفسار کیا۔ یہودی کہنے لگے کہ جبرئیل تو ہمارا دشمن ہے ہمارے اسرار اور رازوں سے محمدؐ کو مطلع کرتا ہے اور یہی عذاب نازل کیا کرتا ہے ہاں میکائیل مرفہ الحال اور سلامتی کا فرشتہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا اچھا خدا تعالیٰ کے نزدیک ان دونوں کا کیا مرتبہ ہے؟ یہودیوں نے جواب دیا جبرئیل خدا کے دائیں جانب ہے اور میکائیل بائیں جانب اور باہم ان دونوں میں دشمنی ہے۔ فاروق اعظمؓ نے یہ سنکر ارشاد فرمایا

اگر واقعہ یہی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو پھر ان دونوں میں دشمنی نہیں ہو سکتی۔ تم لوگ گدھوں سے بھی زیادہ بیوقوف ہو۔ جو شخص ان دونوں میں سے کسی کا دشمن ہوگا وہ درحقیقت خدا کا دشمن ہوگا۔ یہ فرما کر حضرت عمرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اُدھر حضرت جبرئیلؑ آیات مذکورہ لیکر پہلے سے پہونچ چکے تھے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا عمرؓ! تمہارے پروردگار نے تمہاری موافقت کی۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ یعنی جو شخص جبرئیلؑ کا دشمن ہو وہ اپنی عداوت میں جل مرے جبرئیل کو وہ کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتا اور نہ جبرئیل کا کوئی ایسا جرم ہے جو عداوت انگیزی کا سبب ہو اگر اُس نے یہ قرآن تم پر نازل کیا ہے تو فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ بحکم خدا نازل کیا ہے اپنی طرف سے نہیں ایجاد کیا ہے یہ کلام الٰہی ہے اور یہ کوئی نئی کتاب نہیں بلکہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اس سے گذشتہ کتابوں کی تصدیق ہوتی ہے قرآن کہتا ہے کہ انجیل توراۃ وغیرہ کتب حق تھیں اور خدا کی طرف سے نازل شدہ تھیں اور فقط یہ گذشتہ کتابوں کی تصدیق ہی نہیں کرتا بلکہ خود بھی قوانین عدل اور ضوابط نجات سے پُر ہے۔ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ جذبۂ ایمان رکھنے والوں کیلئے بشارت اور ہدایت ہے راہ راست دکھاتا ہے اور راہ راست پر چلنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے۔ اسکے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اس لعنت کے مصداق فقط یہودی ہی نہیں ہیں اور نہ صرف جبرئیل کی عداوت ہی موجب پھٹکار ہے بلکہ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ جو شخص خدا کا دشمن ہو اُس کی ذات و صفات کا منکر ہو اُسکے احکام کو نہ مانتا ہو قانون شریعت کا کفر کرتا ہو وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ اور جو شخص خدا کے فرشتوں اُس کے رسولوں اور خصوصیت کے ساتھ جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو وہ کافر ہے اور اس کفر کا نتیجہ بد خود اُسکو اٹھانا پڑے گا۔ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ۔ کیونکہ اللہ کافروں کا دشمن ہے کافروں کو اُن کی دشمنی کی سزا دینے والا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جبرئیل جو کچھ کرتا ہے حکم الٰہی سے کرتا ہے اُس نے قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بحکم خدا نازل کیا ہے اب جو اُس کا دشمن ہے خدا کا دشمن ہے۔ اسکے علاوہ تم کو خود قرآن پر غور کرنا چاہئے۔ غور کرنے کے بعد کوئی صحیح دماغ اور روشن حواس رکھنے والا انسان اس کا منکر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن تمام گذشتہ کتب الہامی کی تصدیق کرتا ہے اسکے اصول اور قوانین حرف بحرف دیگر کتب الہامیہ کے موافق ہیں اسلئے جو لوگ انبیاء کے پیرو ہیں وہ کسی طرح اس کا انکار نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا انکار درحقیقت اُن کا انکار ہے باقی جو لوگ کسی سابق نبی یا گذشتہ کتاب کے مقلد نہیں ہیں بلکہ جو کتاب مصالح دینی، فوائد دنیوی اور سعادت انسانی کا مجموعہ ہو اُسکو ماننے والے ہیں تو وہ بھی قرآن کا انکار نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن وادی جہالت میں بھٹکنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔ افراط و تفریط سے بھولے ہوئے انسان کو نکال کر اعتدال کا راستہ بتاتا ہے اور سعادت دارین سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ مزید براں جو فرقہ اہل ایمان ہے انکار و کفر کے داغ اُن کے نورانی دل پر نہیں لگے ہیں تو اُن کے لئے یہ قرآن باعث بشارت ہے۔

اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کی ذات صفات کا منکر ہو یا اُس کے فرشتوں اور رسولوں کو نہ مانتا ہو خصوصًا جسکو مقرب ترین فرشتوں یعنی جبرئیل اور میکائیل سے دشمنی ہو تو وہ یقینًا کافر ہے اور کافر کا ٹھکانا کہیں نہیں نہ اُس کو سعادتِ دارین حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ خدا کافروں کا دشمن ہے۔

مقصود بیان:۔ قرآن تین فرقوں کے نزدیک واجب التسلیم ہونا چاہئے (۱) وہ جو لوگ جو کسی آسمانی کتاب کو مانتے ہیں اور اُسکے احکام کی تقلید کرتے ہوں۔ (۲) جو لوگ کسی آسمانی کتاب کو اندھا دُھند نہیں مانتے بلکہ ہر قانون اور ہر کتاب کو عقل کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی محض مقلد نہیں بلکہ تنقید اور تبصرہ کا مادہ بھی اُن میں ہے۔ (۳) جو لوگ ایمان لا چکے ہیں خدا سے محبت رکھتے ہیں لیکن اطمینان بخش اور تسلی خیز باتوں کے خواستگار ہیں۔ ان تینوں فرقوں کو قرآن گمراہی سے نکال کر ہدایت کی سطح پر لاتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کو خوشنودی الٰہی کی خوشخبری دیتا ہے۔ آیات سے امور ذیل پر بھی روشنی پڑتی ہے جس شخص کی فطرت جذبۂ ایمان سے خالی ہے اُسکو قرآن سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن اُسکی سعادت کا ذمہ دار ہے۔ کسی ایک فرشتہ یا ایک کتاب الٰہی یا ایک پیغمبر برحق کا انکار کل کا انکار ہے اور یہ صریح کفر ہے عقل انسانی ہدایت اور حصول سعادت کیلئے ناکافی ہے بغیر کتاب الٰہی کے کسی کو نجات کا صحیح اور کامل راستہ نہیں مل سکتا۔ وغیرہ

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا

اور ہم نے تمہارے پاس کھلی ہوئی آیات بھیجی ہیں اور سرکشوں کے سوا کوئی

إِلَّا الْفَاسِقُونَ ۝ أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ

اُن کا انکار نہیں کرتا۔ کیا یہ لوگ جب کوئی قول قرار کرینگے تو انہیں کا کوئی نہ

فَرِيقٌ مِّنْهُم ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَمَّا جَاءَهُمْ

کوئی فریق اُس قول قرار کو پھینک دیگا (ایک فریق نہیں) بلکہ انمیں سے اکثر بے ایمان ہیں اور جب

رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ

انکے پاس خدا کی طرف سے رسول آیا جو انکی کتاب کی بھی تصدیق کرتا ہے تو ان

فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ

اہل کتاب کے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اسطرح پس پشت پھینک دیا

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

گویا ان کو کچھ خبر ہی نہیں ہے

تفسیر علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ ابن صوریا یہودی نے جو فدک کا رہنے والا تھا اور یہودیوں میں بڑا عالم تھا حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا محمد! تمہاری جو نشانیاں ہمکو معلوم تھیں اُن میں سے کوئی نشانی بھی تم میں نہیں پائی جاتی اور نہ خدا نے تمہارے نبی ہونے کی کوئی دلیل بیان کی اسکی تردید میں آیات مذکورہ نازل ہوئیں وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ یعنی ہم نے تیرے کھلی ہوئی اور واضح آیات نازل کی ہیں دیکھنے والوں کے لئے اُن سے تمہاری نبوت کا واضح ثبوت ہوتا ہے کیونکہ ایک امی شخص جب توریت و انجیل کا لب لباب بیان کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی معرفت کے اسرار و حقائق ظاہر کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت نبوت ہو سکتا ہے۔ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ سوائے ان نافرمانوں کے ان آیات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ جو لوگ طاعت الٰہی و حد ایمان سے خارج ہیں اور اُن کی عادت ہی یہ ہے وہی لوگ ان واضح نشانیوں کا انکار کر سکتے ہیں اور یہودی چونکہ نافرمان اور حد ایمان سے خارج ہیں اسلئے منکر ہیں اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا سے لَا يُؤْمِنُوْنَ تک کیونکہ یہودیوں نے جب معرفت الٰہی اور پابندی شریعت کا کوئی عہد باندھا تو ایک فریق نے فوراً اسکی خلاف ورزی کی اور میثاق و معاہدہ کو پس پشت ڈالدیا بلکہ ایک فریق پر ہی کیا منحصر ہے ان میں سے اکثر مومن نہیں ہیں عہد کرکے اسکی خلاف ورزی کرتے ہیں

سدی کہتے ہیں کہ یہودیوں نے جب توریت اور قرآن کو ایک دوسرے کے موافق پایا تو توریت کے احکام کو بھی ترک کر دیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنی کتاب پر بھی ایمان چھوڑ دیا اب اسی کے بیان کے لئے ذیل کی آیات نازل ہوئیں۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ الخ یعنی اہل کتاب کی سرتابی اور نقض عہد کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کے پاس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور توریت وغیرہ کی تصدیق کی تو اہل کتاب نے اپنی کتاب کو بھی پس پشت پھینکدیا اور اسکے احکام کے بھی پابند نہ رہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو توریت وغیرہ کے الہامی ہونے کا بھی علم نہیں ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے انکار کے لئے یہ عذر پیش کرنا کہ چونکہ اسکو جبرئیل لائے ہیں اسلئے ہم اسکو تسلیم نہیں کر سکتے سراسر بارد عذر ہے کیونکہ بصیرت گوش و دماغ اور بصر افروز آنکھیں رکھنے والوں کے لئے اسمیں بالکل واضح اور کھلی ہوئی نشانیاں نبوت کی موجود ہیں کوئی ایسی بات ایسی نہیں کہ صحیح حواس رکھنے والا اُس کا انکار کر سکے۔ ہاں جسکی عادت ہی نافرمانی کی چلی آتی ہے وہ ضرور انکار کرتا ہے اور یہودیوں کی چونکہ نافرمانی کی عادت ہے اسلئے یہ انکار کرتے ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب کبھی احکام الٰہی پر پابند رہنے کا معاہدہ کیا ہمیشہ اسکی خلاف ورزی کی اور سب سے بڑھ کر انکے نقض معاہدہ کا ثبوت یہ ہے کہ جب انہی کی کتاب کی تصدیق رسول نے کی اور انہی ابدال و کلمات کی ان کو تعلیم دی جو توراۃ میں موجود ہیں تو انہوں نے توراۃ پر بھی عمل ترک کر دیا۔

مقصود بیان:- قرآن اور دیگر معجزات ثبوت نبوت کے لئے کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ معجزہ نبوت کو ثابت کرتا ہے اور سوا اس شخص کے جو حد شرع سے خارج ہو کوئی معجزہ کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہودی ہمیشہ عہد الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ قرآن توریت وغیرہ کے اصول کی تائید کرتا ہے عہد الٰہی کی شکست حرام ہے وغیرہ۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ

اور اس سحر کے پیچھے پڑ گئے جو سلیمان کے عہد میں شیطان پڑھا (پڑھایا) کرتے تھے

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ

اُس زمانہ میں بھی سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا تھا جو لوگوں کو

النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

جادو سکھایا کرتے تھے اور (اس سحر کے پیچھے پڑ گئے) جو بابل میں ہاروت ماروت

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

دو فرشتوں پر اُتارا گیا تھا۔ حالانکہ ہاروت ماروت اسوقت تک کسی کو کچھ نہ سکھاتے

يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا

تھے جبتک یہ نہ کہدیتے تھے کہ ہم تو صرف آزمائش کیلئے ہیں تم کافر نہ بنو مگر لوگ ان سے ایسی

مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ

باتیں سیکھتے تھے جن سے میاں بی بی میں تفریق ڈالدیں حالانکہ بغیر حکم خدا کے وہ

بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ

اُس جادو سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے اور ایسی باتیں بھی سیکھتے تھے جو انکو ضرر رساں

وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ

مفید نہ تھیں۔ اور یہ جان چکے تھے کہ جو اسکا خریدار ہوا اُسکے لئے آخرت میں کوئی حصہ

مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

نہیں ہے اور جس مول پر انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا وہ بہت بُرا ہے کاش ان کو سمجھ ہوتی

تفسیر ابن کثیر نے بروایت سدی ان آیات کے شان نزول کے متعلق ایک تفصیلی قصہ لکھا ہے جسکو مختصر کر کے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں

ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں شیطان حسب معمول آسمان تک چڑھ جاتے اور فرشتوں میں باہم احکام الٰہی کا تذکرہ جو ہوتا تھا اُسکو غور سے سنتے تھے اور جب اُنکو معلوم ہو جاتا کہ فلان تاریخ فلاں وقت یہ حادثہ ہوگا تو نیچے واپس آکر اپنے اطاعت شعاروں یعنی انسان نما شیطانوں کے دلوں میں اُن تمام واقعات کا الہام و القاء کر دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو کاہن کہا جاتا تھا کاہن کو اگر ایک واقعہ اتفاقی صورت میں معلوم ہوتا تو وہ اُسکے ساتھ دس جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا اور لوگ ان باتوں کو اپنی کتابوں اور بیاضوں میں لکھ لیتے رفتہ رفتہ بنی اسرائیل میں اس بات نے اعتقادی شکل قبول کر لی کہ شیطان یعنی جنات غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس قسم کی سب بیاضوں کو جمع کر کے ایک صندوق میں رکھ کے اپنے تخت کے نیچے دفن کرا دیا اور لوگوں میں اس طرح کی کفر آمیز باتیں کرنے کی تہدیدی ممانعت کرا دی۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد شیطانوں نے جاہلوں کو ورغلایا اور دفن شدہ کتابیں نکلوا کر کہا کہ انہی کتابوں کی بدولت حضرت سلیمانؑ جن و انس پر حکومت کرتے تھے درحقیقت نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے اور جادو سے ہی انہوں نے سب کو مسخر کر رکھا تھا۔ بنی اسرائیل نے اُن کتابوں کو مطالعہ کر کے کفریات کی پیروی کی اور برابر حضرت سلیمانؑ کو جادوگر جانتے رہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حضرت سلیمانؑ کو سرکار عالی نے زمرۂ انبیاء میں داخل کیا تو یہودی کہنے لگے دیکھو یہ سلیمانؑ کو انبیاء کی فہرست میں شمار کرتے ہیں حالانکہ سلیمان جادوگر تھے نبی نہ تھے۔ یہود کے اس خیال کی تردید مذکورہ آیات میں خدا تعالیٰ نے فرما دی۔ ارشاد ہوتا ہے وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ۔ یعنی بنی اسرائیل نے اُس سحر و کفر کی پیروی کی جو حضرت سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین جن و انس پڑھا کرتے تھے۔ معارف نبوت اور احکام الٰہی سے اسکا کوئی تعلق نہ تھا صرف شیطانوں کا شائع کردہ باطل خیال تھا کہ سلیمان جادوگر ہیں جادو کے زور سے انہوں نے سب کو مسخر کر لیا ہے۔ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ۔ حالانکہ سلیمان نے کفر نہ کیا نہ سحر کے زور سے کسی کو مسخر کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے اور لوگ

اُنکی پیروی کرتے تھے وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ اور بنی اسرائیل نے اُس سحر کی پیروی کی جو (بطور امتحان) ہاروت و ماروت کو مقام بابل میں عطا کیا گیا تھا۔ یہ ہاروت و ماروت بہت نیک تھے اور یہانتک ان کی نیک نیتی کی نوبت پہنچی تھی کہ لوگ ان کو فرشتہ کہنے لگے تھے حالانکہ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ وہ دونوں فرشتہ نما انسان جس کسی کو کلمات سحر سکھاتے تھے تو کہدیا کرتے تھے کہ ہم خدا کی طرف سے تمہاری آزمایش کیلئے مقرر ہیں تم کو تعلیم سحر تو دیتے ہیں مگر تم اس پر عمل نہ کرنا ورنہ کافر ہو جاؤ گے حق و باطل اور کفر و ہدایت میں امتیاز تم کو کرنا چاہئے اگرچہ ہمارا تعلیم کردہ سحر بھی خارق عادت ہے لیکن چونکہ اس کا دار و مدار خبث نفس باطنی نجاست اور محبت شیاطین پر ہے اسلئے تم کو اس سے احتراز کرنا چاہئے اور وہ تعلیم تورات حاصل کرنا چاہئے جو طہارت نفس پاکیزگی روح اور نور معرفت پر مبنی ہے فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ۔ لیکن یہ خبیث انسان اُن کی تنبیہ پر عمل نہ کرتے تھے اور ایسے ایسے خبیث عمل اُن سے سیکھتے تھے جسکے استعمال سے میاں بیوی میں تفریق ہو جائے اور فقط سیکھنے پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ اُسکو استعمال کر کے زوجین میں نفاق و فراق کرا دیتے تھے۔ حالانکہ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ۔ بغیر حکم الٰہی وہ کسی کو اُس سحر سے بھی کچھ ضرر نہیں پہونچا سکتے جسطرح عالم محسوسات میں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت پر تمام تصرفات موقوف رکھے ہیں اسی طرح غیر محسوسات میں بھی تاثیر اُسی کے ارادہ اور مشیت سے وابستہ ہے اگرچہ ساحر کو قدرت الٰہی نظر نہ آئے اور وہ اپنے ہی عمل کی تاثیر سمجھے۔ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ لیکن یہ لوگ تاثیر قدرت سے غافل تھے اور وہی باتیں سیکھتے تھے جو اُنکے لئے غیر مفید بلکہ ضرر رساں تھیں کیونکہ ساحر جبتک شیاطین سے مناسبت حاصل نہ کرے۔ جب تک طہارت نفس مکارم اخلاق اور کرامت ظاہر و باطن کو ترک نہ کرے اور جب تک ایمان و نور معرفت کو اپنے سینہ سے نہ نکالدے اُسوقت تک اُسکے سحر میں تاثیر نہیں ہو سکتی اور بنی اسرائیل نے ان سب باتوں پر عمل کیا لہذا برباد ہو گئے اور سوا نقصان و ضرر کے کوئی حقیقی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ اور ان لوگوں کو اس بات کا بھی علم تھا کہ جو شخص ایمان و ہدایت اور تعلیم کتاب الٰہی کو چھوڑ کر سحر و کفر کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور اُس پر عمل کرتا ہے اُسکے لئے آخرت میں سعادت کا کوئی حصہ نہیں ہے لیکن اُنہوں نے اس علم کے باوجود حصۂ آخرت کو چھوڑ کر حظ دنیا کو ترجیح دی۔ اور یہ نہ سمجھے کہ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ۔ جس چیز کے عوض اپنے آپ کو خرید رہے ہیں اور جس بات کو اپنے نفس کی سعادت و فلاح کا ذریعہ سمجھے ہیں وہ بُری

بات ہے۔ سعادت کا ذریعہ نہیں ہے

چند ہدایات :- بابل ضرور کسی شہر یا آبادی کا نام تھا لیکن یہ آبادی کہاں تھی؟ اس کے متعلق مورخین بمفسرین کا اختلاف ہے کوئی اس سے نصیبین مراد لیتا ہے کوئی نہاوند اور کوئی کوہ دماوند۔ ابن عباس و ابن مسعودؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کوفہ مراد ہے۔ ابن کثیر نے بابل سے عراق مراد لیا ہے۔ بعض کے نزدیک بلاد یورپ میں کوئی شہر تھا اور صحیح یہ ہے کہ بابل سے وہی بابل مراد ہے جہاں نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ کیلئے لاٹ بنائی تھی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ علماء ہیئت کے نزدیک بابل کی بلندی بحر اوقیانوس یا بحر ظلمات سے ستر درجہ ہے اور خط استوا سے بعد عرضی ۳۲ ہے

(۲) ہاروت ماروت دو فرشتے تھے یا دو انسان تھے۔ اس کا فیصلہ کسی مرفوع حدیث سے تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اسکے متعلق کوئی مرفوع حدیث نہیں صرف اقوال صحابہ ہیں اور وہ اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں اسلئے کوئی قابل یقین نہیں۔ اکثر کتب حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے جنکو آزمائش کے لئے انسانی جامہ میں بھیجا گیا تھا اور مادی قویٰ اُن کو عطا کئے گئے تھے۔ لیکن بیضاوی وغیرہ مفسرین نے تحقیق کے ساتھ آخری فیصلہ کر دیا ہے کہ ہاروت ماروت دو شاہزادے تھے جو نہایت متقی پرہیزگار خدا ترس اور صالح تھے۔ لوگ اُن کی نیکی کی وجہ سے اُن کو فرشتے سمجھتے تھے۔ یہی قول اقرب الی التحقیق ہے

مقصود بیان :- خدا تعالیٰ کی آزمائش کا دائرہ بہت وسیع ہے، ہر صورت سے خدا امتحان کرتا ہے۔ سحر باطل سے بھی غیر محسوس سا میں تاثیر ہو جاتی ہے اگرچہ سحر سے تبدیل اعیان ناممکن ہے۔ حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کبھی باہم مشابہ نظر آتے ہیں جن میں امتیاز کرنے کے لئے صرف اس امر کو جان لینا چاہئے کہ کس تعلیم کا مدار طہارت نفس پاکیزگی روح اور مکارم اخلاق پر ہے اور کونسی تعلیم خبث طینت نجاست باطن اور گندگی روح کو چاہتی ہے اگرچہ دنیوی نتیجہ اور اشیاء عالم میں تصرفات کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوں لیکن طاہر ونجس میں تفرقہ مشکل نہیں اول تعلیم روحانی اور ربانی ہے اور دوسری ضلالت شیطانی و نفسانی ہے۔ اگر سحر میں کلمات کفر کی آمیزش نہ ہو، نور ایمان کی روشنی گل نہ ہوتی ہو، شیطان کی دوستی نہ کرنی پڑتی ہو تو ایسے سحر کا سیکھنا جائز ہے لیکن عمل کرنا حرام ہے۔ یہودی اوراق پارینہ سے حاصل کردہ کلمات کفر کو ہدایت تورات پر ترجیح دیتے تھے وغیرہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ

اور اگر یہ ایمان لے آتے اور متقی بن جاتے تو ثواب ملتا جو اللہ کے نزدیک

اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

بہتر ہے۔ کاش ان کو سمجھ ہوتی

تفسیر یعنی ان لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال دیا لیکن اگر یہ رسول اور کتاب الٰہی پر ایمان لے آتے اور معاصی کو چھوڑ کر متقی بن جاتے تو ان کو دائمی لازوال ثواب ملتا جو بہرحال انکے کفریات اور بیہودہ لغویات سے بہتر ہے۔ ثواب الٰہی کا معمولی حصہ بھی ان کے بڑے سے بڑے منافع سے افضل ہے کاش ان کو اس حقیقت کا پتہ ہوتا کہ ثواب الٰہی کس قدر عظیم الشان ہے۔

مقصود بیان :- ایمان و اتقاء کی تعلیم ترغیب ثواب، سعادت اخروی کی فلاح دنیوی پر فضیلت وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا

مسلمانو! تم راعنا مت کہو بلکہ

انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

اُنظرنا کہا کرو اور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے

تفسیر خطیب نے سراج المنیر میں لکھا ہے کہ مسلمان آنحضرت صلعم کی مجلس میں بیٹھ کر حضور کے نصائح و مواعظ سنا کرتے تھے اور جب کوئی بات اچھی طرح سمجھ میں نہ آتی تھی تو عرض کرتے تھے رَاعِنَا یعنی حضور ہماری رعایت کیجئے ہم نہیں سمجھے مکرر ارشاد فرمائیے۔ یہودی بھی یہی لفظ بولتے تھے اور اس سے دوسرے معنی مراد لیتے تھے یعنی بیوقوف شیخی باز کیونکہ راعن کے معنی احمق اور شیخی باز کے ہیں اور کبھی زبان دبا کر کہتے تھے رَاعِيْنَا یعنی اے ہمارے چرواہے۔ حضرت سعدؓ اس بات کو سمجھ گئے اور کہنے لگے اے دشمنان خدا اب اگر میں نے تم سے یہ لفظ سنا تو خدا کی قسم تم کو قتل کر دونگا۔ یہودی بولے تم لوگ خود بھی تو یہ کہتے ہو ہمارا کیا قصور ہے اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تم لفظ رَاعِنَا ہی کو چھوڑ دو جسکے دو معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ اس لفظ کے معنی اگرچہ اچھے پیرایہ میں تم مراد لیتے ہو لیکن کافروں کو اس لفظ کے دوسرے معنی میں استعمال کرنے کا موقع مل جاتا ہے لہذا تم یہ لفظ ہی چھوڑ دو بلکہ اسکے مرادف دوسرا لفظ یعنی اُنْظُرْنَا بولو تاکہ مطلب ادا ہو جائے اور کافروں کو بھی بدتہذیبی کا حیلہ نہ ملے اور خوب غور کرکے دل کے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ سنا کرو (تاکہ تم کو طلب رعایت اور تکرار کی ضرورت ہی نہ پڑے) ان یہودیوں کیلئے تو عذاب الیم مہیا ہے انکے دلوں میں کینہ اور دشمنی پوشیدہ ہے اس لئے

بد تہذیبی اور توہین رسول کے حیلے ڈھونڈھتے ہیں تم ان کو بد تہذیبی کا موقعہ ہی نہ دو۔

مقصود بیان :- قول وفعل میں کافروں کی مشابہت حرام ہے۔ کافروں سے ولی دوستی ناجائز ہے کیونکہ ان کے پیش نظر ہر وقت توہین اسلام ہے۔ نبیؐ کی توہین خواہ صراحۃً یا اشارۃً یا کنایۃً بہر صورت حرام ہے بلکہ اہل سنت کے نزدیک کفر ہے۔ آیت میں تہذیب ادب اور قواعد مجالست کی تعلیم دی گئی ہے فرق مراتب کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے۔ ابرار و صلحاء اور ائمہ و علماءؒ کی نصیحت و فرمان کو دل کے کانوں سے سننے کی طرف بھی ایک تلمیح ہے۔ توہین کرنیوالوں کو تہدید و دھمکی بھی دی گئی ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو منکر اسلام ہیں وہ پسند نہیں کرتے کہ

أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ

تم پر تمہارے پروردگار کیطرف سے بھلائی (یعنی وحی) نازل کیجائے حالانکہ خدا

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

اپنی رحمت کیلئے جسکو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے کیونکہ خدا بڑے فضل والا ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں مشابہت کفار سے منع کیا گیا تھا اس آیت میں اُس حکم کی علت بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو کفار کی کینہ توزی کی اطلاع دی گئی ہے تاکہ مسلمانوں کو کفار کی مشابہت سے قطعی نفرت پیدا ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :- دیگر مشرکین ہوں یا اہل کتاب ان میں سے کوئی نہیں چاہتا اور پسند نہیں کرتا کہ پروردگار کی طرف سے کوئی وحی یا علم دین یا نصرت و امداد تم پر نازل ہو (مشرکین عرب تو وحی کے قائل نہ تھے لیکن جہالت سے حسد کرتے اور نہایت جلن سے کہتے کہ بنی ہاشم میں ایک پیغمبر ہوا اور تمام عرب کے ہاتھ اُسکی طرف پھیلے ہوئے ہیں ہم اسکو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے (سیوطی) چنانچہ ابو جہل کہتا تھا کہ بنو ہاشم نے فضائل و محاسن حاصل کئے تھے لیکن ہم نے بھی کوشش کی اور کافی بلند جگہ سے جب اُنکے درجہ پر پہونچے تو اب اُنہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم میں ایک پیغمبر ہے اب تم کیسے برابری کر سکتے ہو تو واللہ ہم اُس کو ہرگز نہیں مانینگے۔ باقی اہل کتاب ضرور بعثت رسول کے منتظر تھے لیکن اُنکا خیال تھا کہ نبی اسرائیلی ہوگا کیونکہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں برابر نبوت چلی آئی ہے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ اسلئے وہ جانتے تھے کہ ہم میں سے ہی کوئی نبی ہوگا۔ جب اولاد اسمٰعیل میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اُن کو حسد ہوا اور رشک سے سرتابی کرنے لگے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ خدا اپنی رحمت سے جس شخص کو چاہتا ہے نوازتا ہے کیونکہ وہ بڑے فضل والا ہے۔ خاندانی وجاہت اور نسلی امتیاز کو فضل الٰہی میں کیا دخل ہے

فضل خدا میراث نہیں۔ خدا تعالیٰ تو ذوالفضل اور حکیم ہے۔ اسکی حکمت و مشیت میں کسی کو دخل نہیں جسکو چاہتا ہے اپنی رسالت سے سرفراز کرتا ہے۔

مقصود بیان :- کفار و مشرکین کو مسلمانوں سے دلی عناد ہے اور انکو اسلام کے قواعد و ضوابط پر رشک ہوتا ہے۔ وحی ہو یا علم دین یا نصرت و امداد سب خداداد چیزیں ہیں۔ نبوت وہبی چیز ہے۔ کسب کو اسمیں دخل نہیں اتقاء و زہد اور ریاضت و عبادت سے نبوت حاصل نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ازل میں مقدر فرما دیا تھا کہ فلاں شخص پیغمبر ہوگا اُسمیں حامل رسالت ہونے کی صلاحیت ہے۔ بے ادب لوگ مدارج قرب و ادب سے بے بہرہ ہیں اور اپنی رعونت نفس سے دھوکا کھا کر نبوت کو کسبی قرار دیتے ہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ

ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اُسکو بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُس جیسی

مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اور نازل کر دیتے ہیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر یہاں سے خدا تعالیٰ یہود کے شکوک و شبہات کا جواب دیتا ہے جو وہ قرآن اور اسلام کے متعلق کرتے تھے اور اہل اسلام کے دلوں میں وسوسے ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہے اور تمہاری شریعت الہامی ہے تو پھر منسوخ کرنیکے کیا معنی۔ خدا تعالیٰ کے احکام ہمیشہ یکساں رہتے ہیں اُن میں تغیر تبدل ناممکن ہے۔ اگر یہ شریعت و قرآن منجانب اللہ ہے تو احکام توراۃ وغیرہ کو اس نے کیوں منسوخ کیا اور پھر خود ہی اس شریعت کے بعض احکام کو ایک وقت نافذ کیا اور دوسرے وقت موقوف کیا۔ کیا خدا تعالیٰ کو پیشتر اس حکم کی قباحت کا علم نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے ان شبہات کے ازالہ کے لئے آیت بالا نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یعنی اُسکے حکم یا تلاوت یا حکم و تلاوت دونوں کو موقوف کرتے ہیں یا بالکل تمہارے ذہن سے اُسکے الفاظ فراموش کر دیتے ہیں تو اسمیں خاص حکمت و مصلحت مضمر ہوتی ہے پہلی آیت سے زائد مفید آیت نازل کرتے ہیں اور یہ آیت ثواب میں بھی پہلی آیت سے یا تو بڑھ کر ہوتی ہے یا اُسکی مثل ہوتی ہے۔ لیکن فوائد و مصالح کے لحاظ سے بڑھکر ہی ہوتی ہے۔ کیا تم واقف نہیں کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے جب چاہتا ہے ایک حکم دیتا ہے پھر اپنی مشیت سے اُس حکم کو بدل دیتا ہے اور ایسا حکم دیتا ہے جسمیں ثواب کی کثرت، فوائد کی زیادتی اور مشقت کی سہولت ہوتی ہے یا مشقت میں پہلے حکم کی برابر ہی ہوتا ہے لیکن دقائق حکمت اور تکمیل نفس کے اعتبار سے اکمل ہوتا ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ نے پہلے توراۃ نازل کی پھر انجیل سے اُس کے بعض احکام مثلاً جہاد و حرمت شراب وغیرہ کو منسوخ کیا پھر قرآن سے وہ احکام بھی منسوخ کر دیئے

اور قرآن میں سے بھی جسوقت جو حکم چاہا اپنی حکمت بالغہ اور مشیت کاملہ سے منسوخ فرما دیا۔ حاصل آیت یہ ہے کہ قرآن میں جو بعض آیات کی تلاوت منسوخ ہوئی یا آیت کا حکم صرف منسوخ ہوا اور تلاوت باقی رہی یا تلاوت و حکم دونوں منسوخ کر دیے گئے یا رسول اللہ صلعم کے ذہن سے اس آیت کا حکم اور الفاظ بالکل فراموش کرا دیے گئے۔ یہ سب مصلحت پر مبنی ہے۔ خدا تعالےٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں اور زمانہ کی ضرورتوں کو اچھی طرح جانتا ہے جیسا وقت اور موقع دیکھتا ہے ویسا ہی حکم نازل کر دیتا ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ اول تو قانون کی ترمیم حاکم کے اختیار میں ہے کسی دوسرے شخص کو اس پر طعن کرنے کا حق نہیں دوسرے باقتضائے زمانہ حکم کا بدلنا تو حاکم کے مدبر اور انتہائی دانا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو اپنی مخلوقات میں تصرف کرنے کا حق ہے کسکی مجال ہے کہ اس پر نکتہ چینی کر سکے۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی اللہ ہی کیلئے ہے

وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ

اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار

تفسیر کیا تم کو نہیں معلوم کہ آسمان و زمین خدا ہی کا ہے خدا ہی ان کا مالک اور حاکم ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے تم کو اس پر حرف گیری کرنے اور نکتہ چینی کرنے کا کیا حق ہے۔ خدا تعالیٰ کا کتنا احسان ہے کہ اس نے تمہاری سہولت کے لئے تدریجاً اور رفتہ رفتہ احکام نازل فرمائے۔ اگر وہ یکدم نازل فرما دیتا تو دشواری اور بار پڑ جاتا لیکن خدا نے تمہاری سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا نہیں کیا کیونکہ سوا خدا کے تمہارا کوئی دوست و مددگار نہیں۔ اگر وہ اپنی رحمت سے تدریجی احکام نازل نہ کرتا اور بعض احکام کو منسوخ نہ کرتا تو کون اس سے منسوخ کرا سکتا۔

ہدایت خاص :۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ نسخ انہی آیات میں ہوا ہے جن سے امر و نہی یا کسی حکم کی حلت و حرمت کا تعلق تھا ان آیات میں نسخ نہیں ہو سکتا جن میں توحید و صفاتِ باری تعالیٰ کا بیان، اخلاق کریمہ کی تعلیم، افعال ذمیمہ کی ممانعت، گذشتہ اقوام کی خبریں، آئندہ واقعات کی پیشینگوئی یا احوالِ آخرت کی اطلاع یا وعدہ و عید کے مضامین ہیں۔

مقصود بیان :۔ خدا کی مصلحتوں میں بندوں کو دخل نہ دینا چاہئے خدا تعالیٰ کا ہر حکم ہمارے فائدہ کے لئے ہوتا ہے۔ خدا کی کوئی ذاتی غرض اس سے وابستہ نہیں ہے۔ زمانہ کی ضروریات اور انسانوں کے اختلاف قابلیت کی وجہ سے نسخ ضروری چیز ہے۔ بلکہ تمام احکام کا نزول انسان کو مصیبت میں ڈالنے والا اور بشری تکالیف میں اضافہ کرنے والا ہے۔ چونکہ تمام عالم خدا کا پیدا کیا ہوا ہے اسلئے وہ جسطرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور اس کی مصلحتوں کو کوئی جان نہیں سکتا اور نہ کسی کو جہالت سے نکتہ چینی کرنے کا حق ہے وغیرہ۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ

کیا تم اپنے رسول سے بھی ویسے ہی (لغو) سوالات کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے

مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

پہلے موسیٰ سے ہو چکے ہیں اور جس نے ایمان کے عوض کفر لے لیا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ

تو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا

تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ بھی موسیٰ کی طرح آسمانی کتاب لائیں اور پتھر سے نہریں نکالیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئینگے۔ اسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ بعض روایات میں یہ شان نزول ہے کہ کفار قریش نے حضورؐ سے عرض کیا تھا کہ اگر آپ ہم کو اپنے خدا کو کھلم کھلا دکھا دیں اور ہم خدا کو علی الاعلان دیکھ لیں تو ایمان لے آئینگے۔ مجاہد، سدی اور قتادہ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ کفار قریش نے حضور سے یہ درخواست کی تھی کہ اس کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیجئے ارشاد فرمایا اچھا مگر شرط یہ ہے کہ جسطرح بنی اسرائیل کے لئے آسمانی مائدہ تھا ویسے ہی یہ سونے کا پہاڑ تمہارے لئے ہوگا۔ قریش نے اس سے انکار کیا اور اپنی بات سے لوٹ گئے۔ اسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کیا تم اپنے رسول سے بھی ویسے ہی سوال کرنے چاہتے ہو جیسے موسیٰ سے کئے گئے تھے کہ ہم کو کھلم کھلا دیدار الٰہی کرا دو ہمارے لئے پتھر سے نہریں نکالدو اور مجموعی کتاب لے آؤ۔ یہ تمہارے سوالات بیہودہ اور لغو ہیں ایمان لانے اور معرفت حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے۔ تمہارا ارادہ بھی یہی ہے کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ویسی ہی بیہودگی کرو جو قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارات نبوت اور دلائل معجزات اس بات کے واسطے قطعی آیات و علامات ہیں کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق ہیں اور یہ واضح ایمان موجود ہے تو پھر تم کفر کو ایمان پر کیوں ترجیح دیتے ہو۔ جو شخص ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے گا وہ سیدھے سادھے راستہ سے سرتابی کرے گا اور گمراہ ہو جائے گا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ

باوجودیکہ حق اُنپر ظاہر ہوچکاہے مگر اپنے دلی حسد کی وجہ بہت سے اہل

إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ

کتاب دل سے خواہشمند ہیں کہ تمہارے مسلمان ہونیکے بعد بھی لوٹا کر تم کو

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ

کافر بنادیں سو تم درگذر کرو اور خیال میں بھی نہ کرو تا وقتیکہ

يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

خدا اپنا حکم نہ بھیجے بلاشبہہ خدا سب کچھ کرسکتاہے

تفسیر عکرمہ نے بروایت ابن عباس بیان کیاہے کہ حیی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہودیوں کو سب سے زائد عرب پر حسد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کے فضائل گذشتہ کتب میں مذکور ہیں اولاد اسمٰعیل میں سے مبعوث فرمایا اسلئے جہانتک ممکن تھا یہ لوگ عرب کو اسلام سے بہکاتے تھے۔ انہی کے متعلق آیۃ مذکورہ نازل ہوئی۔ معالم التنزیل میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ایک قصہ لکھاہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں نے حضور صلعم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے شکست پائی تو یہودیوں نے حضرت حذیفہ اور حضرت عمار کو بہکانا شروع کیا اور کہنے لگے کہ اگر تم دین برحق پر ہوتے تو کیوں شکست کھاتے اب اگر تم ہمارے دین کی طرف رجوع کروگے تو زیادہ ہدایت پاؤگے۔ حضرت عمار بن یاسر نے جواب دیا کہ تم لوگ واقف ہو کہ عہد شکنی کا کیا حکم ہے۔ یہودی بولے کہ عہد توڑنے کا بڑا گناہ ہے حضرت عمار نے فرمایا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کرلیاہے کہ جبتک زندہ ہوں تیرے دین اسلام پر قائم رہونگا اور تیرے رسول برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پھرونگا لیکن تم لوگ بدعہد ہو کہ معاہدۂ توریت کو توڑ بیٹھے۔ اسکے بعد حضرت حذیفہ نے جواب دیا میں تو اس بات پر راضی ہوچکا کہ خدا تعالیٰ میرا رب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے پیغمبر ہیں اسلام میرا دین ہے قرآن میرا پیشوا ہے کعبہ میرا قبلہ ہے مؤمنین میرے بھائی ہیں اور کفار میرے دشمن ہیں۔ اسکے بعد ہردو حضرات حضور والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کردیا اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ارشاد الٰہی کا حاصل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اگرچہ قرآن اور رسول کی حقانیت بالکل واضح طور پر معلوم ہوگئی۔ بنی اسرائیل کو ثابت ہوگیا کہ توراۃ انجیل اور دیگر کتب انبیاء میں خاتم النبیین کے جو فضائل وصفات بیان کئے گئے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود ہیں لیکن چونکہ مادۂ حسد اُن کے دلوں میں راسخ ہے اور کینہ توزی اُن کی سرشت میں داخل ہے اسلئے باوجود انکشاف حق کے یہی چاہتے ہیں کہ تم کو بھی دوبارہ لوٹاکر کافر بنادیں اور جیسے خود ہیں ویساہی تم کو بھی کردیں مگر تم ان کے حسد کے مقابلہ میں حتی الامکان ان سے درگذر کرو۔ انتقامی شکل نہ اختیار کرو۔ یہانتک کہ خدا اُن کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کردے اور تم کو کوئی خاص حکم نہ دیدے اور یہ نہ سمجھو کہ ان کی یہ مکاری اور اغوا ہمیشہ جاری رہیگا اور خدا ان کو سزا نہ دیگا۔ خدا ان کو ضرور دنیا و آخرت میں سزا دیگا کیونکہ خدا سب کچھ کرسکتا ہے (اس آیت میں جس قطعی فیصلہ کا وعدہ کیا گیاہے اُس کا بیان آیت جہاد میں کردیا گیاہے جسکی تعمیل میں مسلمانوں نے کچھ یہودیوں کو قتل کیا اور کچھ کو جلاوطن کرکے ملک شام کیطرف نکالدیا)

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا

اور تم ٹھیک ٹھیک نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور جو بھلائی آگے سے اپنے

لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا

لئے بھیجوگے اللہ کے ہاں اُسکو پاؤگے بے شک اللہ تمہارے

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

اعمال کو خوب دیکھ رہاہے

تفسیر یہ آیت گذشتہ آیت کا تتمہ ہے۔ پہلی آیت میں عفو و درگذر کرنے کا حکم دیاگیا تھا اور یہ بھی امر کیا گیا تھا کہ تم کسی اغوا کرنے والے کے بہکانے میں نہ آؤ۔ ایمان پر ثابت قدم رہو لیکن پھر یہ شبہہ ہوتا تھا کہ جب انتقام کی ممانعت ہے اور عفو و درگذر کا حکم ہے تو دشمنوں سے عوض لینے کی اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ تو اس کے متعلق ارشاد ہوتاہے کہ تم دشمنوں کے پیچھے بلکہ اپنی روح کو درست کرنے کی فکر کرو۔ عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت نماز ہے تم پابندی کے ساتھ اُسکو ادا کرتے رہو اور مالی عبادت سے بھی غافل نہ رہو زکوٰۃ ادا کرو (تاکہ آپس میں مساوات و اتحاد کا مظاہرہ ہو اور دشمن خود تمہاری قوت اور تمہارے خلوص کو دیکھ کر پست حوصلہ ہوجائیں) اسکے علاوہ جو نیکی تم کروگے خواہ مخلوق خدا کے ساتھ نیک سلوک ہو یا فرائض الٰہی کی ادائیگی ہو وہ ضائع نہ جائیگا۔ مرنے کے بعد سب کی جزا تم کو آخرت میں خدا کی طرف سے ملیگی تمہارے کسی عمل کی جزا سے خدا غافل نہیں ہے۔ تم جو کچھ کررہے ہو اُسکو خدا خوب دیکھ رہاہے۔

مقصود بیان: - بنی اسرائیل کی کینہ توزی اور حسد باطنی کا اظہار رسول اطہر اور قرآن کی گذشتہ بشارات سے موافقت کا بیان، عفو و درگذر

کے تکلم و اہتمام کی ممانعت: خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی تصریح، فرائض بدنی و مالی ادا کرنے کا امر، مساوات عام اور اخوت اسلامی کی تکمیل کیطرف لطیف اشارہ، حسن سلوک اور عمل خیر کی تلقین اور جزا و ثواب کا یقینی وعدہ وغیرہ۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا

اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ سوا ان لوگوں کے جو یہودی یا نصرانی ہیں اور کوئی

أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

جنت میں ہرگز نہ جائیگا۔ یہ انکی من مانی آرزوئیں ہیں۔ کہدو کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَ

پیش کرو۔ بات تو یہ ہے کہ جس نے اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دیا اور

هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ

وہ نیکوکار بھی ہے تو اسکا اجر اسکے رب کے پاس موجود ہے ایسے لوگوں کو نہ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

(عذاب کا) ڈر ہے نہ (گذشتہ زندگی کا) غم ہے

تفسیر اس سے پہلی آیات میں یہود کی حسد پروری اور اعتراض کا بیان تھا۔ یہاں ان کے اعتراضات کی تکمیل کی جاتی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل مسلمانوں کو اسلام پر نکتہ چینی کیکے تو مزلزل بنانا ہی چاہتے ہیں اور اسکی تائید میں یہ بھی کہتے ہیں کہ جنت ہمارا ہی حصہ ہے تم کتنی ہی عبادت کرو کتنے ہی خدا پرست بن جاؤ لیکن نجات سے محروم ہو۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہود کہتے ہیں ہم جنت کے ٹھیکیدار ہیں ہمارے سوا کسی کو سعادت اخروی حاصل نہیں ہو سکتی اور نجران کے عیسائیوں کا قول ہے کہ حیات ابدی اور جنت حقیقی ہمارا حصہ ہے کسی مذہب والے کو روح کا اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یہ ان کی خام خیالی ہے (اگر نجات صرف یہودیت یا عیسائیت میں منحصر ہو تو گذشتہ انبیاء اور انکی امتیں کہاں جائینگی) تم ان سے کہدو کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو ثبوت پیش کرو کوئی عقلی یا شرعی دلیل بیان کرو۔ قتادہ کے نزدیک برہان سے گواہ مراد ہیں اور ربیع بن انس اور سدی کے قول کے موافق دلیل و حجت مراد ہے۔ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ یعنی تمہارا دعوی نفسانیت پر مبنی ہے جنت میں ہر کوئی کیوں نہیں داخل ہو سکتا جس شخص کو خدا چاہیگا سعادت اخروی نصیب کریگا تم خدا کے فضل و رحمت کے ٹھیکیدار کیسے ہو سکتے ہو

کیونکہ عام کلیہ ہے کہ جو شخص توحید و صفات الٰہی پر ایمان رکھتا ہو۔ شریعت الٰہی پر اس نے عمل کیا ہو اور خدا کی پرستش اسطرح کی ہو کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم خدا اسکو دیکھ رہا ہے یعنی خلوص دلی سے وہ عبادت الٰہی میں سرگرم ہو اور خدا کو حاضر ناظر جانتا ہو مطلب یہ کہ خالص اور پکا مسلمان ہو تو ایسے شخص کو خدا ضرور اجر عطا فرمائیگا اور سعادت اخروی سے سرفراز فرمائیگا پھر نہ تو اس کو عذاب الٰہی کا خوف ہوگا نہ عمر کو ضائع کرنے کا غم۔

مقصود بیان: فضل الٰہی کا کوئی ٹھیکیدار نہیں بلکہ جو سچے دل سے دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر خدا کی پرستش کرے وہی ناجی ہے۔ بلا ثبوت خام خیالی کے ساتھ کسی عقیدہ کو جمالینا یا بلا دلیل اپنے اختراع سے کوئی فیصلہ شرعی صادر کرنا ناجائز ہے۔ ہر حکم شرعی کے لئے کوئی ثبوت شرعی ہونا ضرور ہے وغیرہ۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَ

اور یہودی تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی (ٹھیک مذہب پر) نہیں ہیں اور

قَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ

نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی ٹھیک مذہب پر نہیں ہیں حالانکہ یہ سب

يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

(اللہ کی) کتاب پڑھتے ہیں۔ ان کی سی باتیں جاہل (بت پرست) بھی کہتے

مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

چلے آئے ہیں سو اللہ قیامت کے دن ان کے جھگڑے کا

فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

خود فیصلہ کر دیگا

تفسیر علامہ سیوطی نے اس آیت کے شان نزول میں لکھا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہودیوں کے بڑے بڑے عالم بھی حاضر ہوئے۔ علماء یہود میں سے رافع بن حرملہ یہودی نے خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب انجیل کا انکار کیا اور حضرت عیسیٰؑ کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے اور صاف کہدیا کہ عیسائیو تمہارا تو کچھ بھی مذہب نہیں ہے۔ اس پر عیسائیوں میں سے ایک شخص نے تورات کے آسمانی کتاب ہونے سے انکار کیا اور حضرت موسیٰؑ کی شان میں بے ادبی کی اور مذہب یہود کو لغو و بیہودہ بتایا اس وقت یہ پوری آیت يَخْتَلِفُونَ تک نازل ہوئی آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہودی تو عیسائیوں کو بدراہ بتاتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے اور عیسائی یہودیوں کو بدراہ کہتے ہیں اور حضرت موسیٰؑ کی شان میں گستاخی

کرتے ہیں حالانکہ ہر ایک فرقہ اپنی اپنی کتاب پڑھتا ہے ۔ یہودی تورات پڑھتے ہیں جسمیں آئندہ آنیوالے روح القدس کی تصدیق موجود ہے اور عیسائی انجیل پڑھتے ہیں جسمیں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے اور اکثر احکام توریت اُن پر لازم ہیں لیکن محض نفسانیت سے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں ۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ اور اہل کتاب ہی پر کیا منحصر ہے یہ خیالات کچھ انہی میں نہیں ہیں بلکہ ان سے پیشتر عرب کے بت پرست اور ایران کے مجوس جن کو آسمانی کتاب کا علم نہ تھا اور نہ وہ اہل کتاب تھے وہ بھی اسی خام خیالی میں مبتلا تھے اور اپنے عقائد و اعمال ہی کو حق کہتے تھے حالانکہ اُن کی گمراہی تمام الہامی مذہب رکھنے والوں کے نزدیک تسلیم شدہ امر ہے ۔ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔ لہٰذا خدا تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کا فیصلہ کریگا اور اختلافی مسائل کا تصفیہ کریگا اور دکھادیگا کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر، کون مستحق نجات ہے اور کون سزاوار عتاب ۔

مقصود بیان :- ہر فرقہ و ملت والا بر خود غلط بنا ہوا نجات کا ٹھیکیدار ہے ۔ یہودی عیسائیوں کو اور عیسائی یہودیوں کو گمراہ کہتے ہیں ۔ توریت میں حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق اور انجیل میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے جو لوگ علم دین نہ رکھتے ہوں اور الہامی کتاب اُن کے پاس نہ ہو وہ در حقیقت جاہل ہیں اگرچہ دنیوی علوم میں زبردست ماہر ہوں ۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ انصاف کریگا کسی کی حق تلفی نہیں کریگا ۔ وغیرہ ۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا

اور اُس سے زیادہ ناحق کوش کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اُسکا نام لینے سے

اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ

روکتے اور اُنکے اُجڑ جانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ یہ لوگ خود اس قابل نہ تھے کہ

اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا

مسجدوں میں بیباک ہو کر گھسیں خصوصیت کے ساتھ اُنکے لئے دنیا میں

خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا

تفسیر اس آیت کا حکم اگرچہ عام ہے ۔ ہر وہ شخص جو مسجد میں ذکر خدا کرنے سے منع کرے اور مسجد کو ویران کرنے کی کوشش کرے اس حکم کے ذیل میں داخل ہے لیکن شان نزول کے اعتبار سے مفسرین کا اختلاف ہے ۔ ابن عباسؓ، حسن، مجاہد، قتادہ، سعید بن ابی عروبہ، سدی اور ابن جریر وغیرہ کے قول کے موافق تو آیت مذکورہ میں اُن عیسائیوں کی تفضیح و تشنیع کی گئی ہے جنہوں نے بخت نصر کی مدد سے بیت المقدس میں گوبر ڈالا ۔ مقام صخرہ میں خنزیر ذبح کئے، یروشلم کو تباہ کیا یہودیوں کو قتل کیا اور بیت المقدس کو خراب کیا ۔ لیکن عبدالرحمٰن بن زید، سعید بن جبیر اور ابن کثیر وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب کے متعلق نازل ہوئی ہے جسکا قصہ یہ ہے کہ ۶ھ ماہ ذیقعدہ کے پہلے ہفتہ کو پیر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کے مدینہ سے روانہ ہوئے اور مکہ میں پہنچکر عمرہ کرنا چاہا لیکن مشرکوں نے حضورؐ کو عمرہ نہ کرنے دیا ۔ حضورؐ نے فرمایا اس بیت العتیق سے تو کسی کو روکا نہیں جاتا ہے پھر تم مجھکو کیوں روکتے ہو؟ مشرکین کہنے لگے کہ ہم ایسے لوگوں کو نہیں آنے دینگے جنہوں نے بدر کے روز ہمارے باپ چچا اور بھائیوں کو قتل کیا ہے گویا انہوں نے مسجد حرام کو ویران کرنے کی کوشش کی اور ذکر خدا سے مسلمانوں کو روکا میرے نزدیک یہی اخیری شان نزول زیادہ صحیح ہے ۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح دیگر مشرکین عرب بھی مسلمانوں سے دلی عداوت رکھتے ہیں اور ظلم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اس سے بڑھکر اور کیا ظلم ہو سکتا کہ فریضۂ مذہبی سے روکتے ہیں ۔ مسجد حرام، مسجد ابوبکر اور مکہ کے اطراف میں مسلمانوں نے عبادت کیلئے جو مقامات مخصوص کرلئے تھے اُن میں خدا کا نام لینے نہیں دیتے اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ان مساجد کو برباد کرنے بے رونق بنانے اور تباہ و ویران کرنے میں کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان لوگوں کو خود ان مقامات مقدسہ میں انتہائی ادب اور خوف سے جانا چاہئے تھا ۔ اسکے برخلاف یہ ایسے متبرک مقامات میں کوڑا گندگی اور مرے ہوئے جانوروں کی انتڑیاں ڈالتے ہیں ۔ لامحالہ ان لوگوں کو اور انکے مددگاروں کو دنیا میں بھی رسوائی اور فضیحت نصیب ہوگی اور آخرت میں تو ان کے لئے ایک زبردست عذاب الٰہی موجود ہی ہے ۔

مقصود بیان :- مساجد کے احترام و ادب کی تعلیم ۔ فریضۂ مذہبی کے ادائیگی کی ممانعت نہ کرنے کا حکم ۔ مساجد و معابد کو تباہ و برباد کرنے کی ممانعت ۔ بالآخر خدا پرستوں کے غالب آجانے کی پیشین گوئی ۔ دنیا میں ظالموں کے رسوا ہونے اور آخرت میں عذاب عظیم میں مبتلا ہونے کی تصریح لطیف پیرایہ میں ترغیب و ترہیب، یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر مشرکوں کے دعویٰ حقانیت کی تردید، ظلم کی ممانعت ۔ ذکر خدا سے روکنے کو ظلم عظیم قرار دینا وغیرہ ۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ

پورب پچھم تو اللہ ہی کا ہے جسطرف منہ کرو اس طرف اللہ ہی کا

وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

رُخ ہے ۔ بیشک اللہ فراخ رحمت والا با خبر ہے

اس آیت کی شان نزول تین طرح سے بیان کی گئی ہے:۔

(۱) حضرت ربیعہ اور عبداللہ بن عامر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار مسلمان کسی سفر جہاد میں تھے شب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن تاریکی کی وجہ سے قبلہ کی سمت محسوس نہ ہوئی ہر چند کوشش کی مگر قبلہ کا صحیح رخ معلوم نہ ہوسکا۔ آخر کار سب نے اپنے اپنے خیال اور غالب گمان کے اعتبار سے جدھر قبلہ سمجھا اُسی طرف کو رخ کرکے نماز پڑھ لی صبح کو حضور والا کی خدمت میں یہ قصہ عرض کر دیا اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی سمت ترک کرکے کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو یہود نے طعن کیا اسکی تردید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

(۳) بعض مفسرین نے شان نزول میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار مدینہ منورہ سے آرہے تھے اور سواری ہی پر بیٹھے ہوئے نوافل کی نیت باندھ لی۔ کبھی کبھی اونٹنی جدھر جاتی تھی رُخ کرکے چلنے لگتی تھی اور قبلہ کی طرف روئے مبارک نہ رہتا تھا اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اوّل شان نزول کی بناء پر حاصل مطلب یہ ہے کہ قبلہ کی جانب نماز کی حالت میں رُخ کرنا فرض بیشک ہے لیکن یہ امر تعبدی ہے مقصد تو اللہ کو سجدہ کرنا ہے اسلئے اگر کسی تاریکی وغیرہ کے عذر سے قبلہ کی صحیح سمت نہ معلوم ہوسکے تو جدھر کو بھی منہ کرکے اللہ کو سجدہ کرلوگے تمہارا سجدہ ہوجائیگا کیونکہ قبلہ تو ایک جانب ہے اور اللہ ہر طرف ہے کسی خاص سمت میں محدود نہیں ہے البتہ جہاں قبلہ کی سمت معلوم ہوسکے وہاں ہمارے حکم کی تعمیل کی بناء پر ضرور قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھو۔

متوسط الذکر شان نزول کی بناء پر یہ مطلب ہوگا کہ مشرق و مغرب یعنی تمام عالم خدا کا بنایا ہوا اور اُسی کی ملک ہے کسی کو اُس کی مخلوق اور ملک کے احکام میں کیا دخل ہے جدھر چاہتا ہے اُدھر کو رُخ کرکے اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اُسکے واسطے کوئی جہت مخصوص نہیں ہر طرف اُسی کی جلوہ پاشی ہے اور پھر اُسکا دائرۂ ظہور اور وسعت علمی بھی لامحدود ہے۔ جدھر کو منہ کرکے عبادت کی جائے اُدھر اُسی کا ظہور ہے اور اُسکو علم ہے پہلے بیت المقدس قبلۂ نماز تھا اب اُس نے کعبہ کیطرف رُخ کرکے اپنی پرستش کا حکم دیدیا کیونکہ وہ ہر طرف ہے۔

مؤخر الذکر صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ چونکہ معبود برحق کسی خاص حد اور معین جہت میں محدود نہیں اسلئے اگر سواری پر غیر سمت کو بھی مُنہ کرکے نوافل پڑھ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک بہتر مطلب آیت کا یہ ہوسکتا ہے جو ہر سہ شقوق کو جامع ہے کہ تمام عالم خدا کا بنایا ہوا ہے۔ ہر جگہ خدا تعالیٰ کو سجدہ کیا جاسکتا ہے تمام زمین محل سجدہ ہے لہذا جس جگہ (قبلہ کی طرف رخ کرکے) نماز ادا کروگے وہ خدا ہی کے واسطے ہوگی کیونکہ اُسکی جلوہ ریزیاں کہیں محدود نہیں ہیں اور نہ اسکی انوار پاشیوں کا دائرہ تنگ ہے نہ اُسکی وسعت علمی سے کوئی چیز خارج ہے لہذا مشرق میں ہو یا مغرب میں جنوب میں ہو یا شمال میں کھلے میدان میں ہو یا تنگ و تاریک حجرہ میں بہرحال اُسکے لئے سجدہ ہوگا اور اُس کو ضرور اس کا علم ہوگا۔

مقصود بیان:۔ تمام عالم خدا کی ملک ہے اُسکی پرتو فگنی سے کوئی ذرہ خالی نہیں۔ خدا جسم و جسمانیت سے منزہ ہے۔ اُسکی کوئی مخصوص جہت اور محدود سمت نہیں۔ اُسکا دائرہ علم وسیع ہے اور ضیا ریزی احاطۂ حصر سے خارج ہے۔ تمام دنیا اُسی کا پرتو ہے۔ زمین پر ہر جگہ نماز جائز ہے قبلہ مسجود نہیں بلکہ قبلہ نما ہے۔ درحقیقت مسجود لا محدود ہے وغیرہ۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا

اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے حالانکہ وہ پاک ذات ہے البتہ جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ بَدِيْعُ

زمین و آسمانوں میں ہے اُسی کا ہے سب اُسی کے تابعدار ہیں۔ وہ آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا

زمین کا موجد ہے۔ اور جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اُس کی نسبت صرف اتنا

يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

کہدیتا ہے کہ ہوجا وہ فوراً ہوجاتا ہے

تفسیر وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت الوہیت اور صفات کمالیہ کا اعتقاد بندوں پر فرض کیا ہے اہل کمال اپنے نور معرفت سے پہچانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تمام صفات کمال سے موصوف ہے نہ وہ کسی مخلوق سے مشابہ ہے نہ کوئی مخلوق اُس سے مشابہت رکھتی ہے۔ خدائے قادر جسم، جہت، شکل، صورت، مکان، زمان، کیف، کم، جوہر، عرض سے پاک ہے اور ہر اُس چیز سے منزہ ہے جو مخلوق ہے یا مخلوق کے تصور خیال، قیاس اور وہم میں آسکتی ہے۔ اسلئے گذشتہ آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی مخصوص جہت نہیں لہذا جس شخص کا اسیر ایمان ہے وہ تو مومن ہے اور جو اس راستہ سے بھٹکا اور کجروی اختیار کی تو اُس کا ایمان اپنے تصورات اور دماغی تراشیدہ صورتوں پر ہے جو کچھ اُسکے تصور میں قائم ہوا اُسی کو اُس نے اپنا خدا بنالیا۔ مؤخر الذکر فرقے

تین تھے۔ عیسائی تو حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ یہودی عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور ان کے دیکھا دیکھی عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ان تینوں فرقوں کا رد ان آیات میں کیا گیا ہے۔ اور رد کے واسطے پانچ دلائل بیان کئے گئے ہیں پہلی دلیل لفظ سُبْحٰنَهٗ سے دوسری دلیل لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے۔ تیسری دلیل كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ سے۔ چوتھی دلیل بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے اور پانچویں دلیل آیت کے اخیر ٹکڑے سے مستنبط ہوتی ہے جسکی تفصیل ہم انشاء اللہ ذیل میں لکھیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے لئے بیٹا بنا رکھا ہے حالانکہ یہ بات ان کی بے ادبی گستاخی اور بدتہذیبی پر دلالت کرتی ہے اور سراسر افترا اور بہتان ہے کیونکہ سُبْحٰنَهٗ۔ خدا تعالیٰ ان بہتان تراشیوں اور بے ادبیوں سے پاک ہے۔ بیٹا باپ کے ہمسر و مشابہ اور مجانس ہوتا ہے اور خدا کے ساتھ مجانست و مشابہت نہ عزیر کو تھی نہ مسیح کو نہ فرشتوں کو پھر کس طرح ان کو اسکی اولاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ سب مخلوق اور مجبور وہ خالق مختار۔ یہ سب اپنے وجود میں محتاج۔ وہ موجد قادر مطلق۔ پھر کس طرح ان کی خدا سے مشابہت ہو سکتی ہے۔ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ دوسری دلیل ہے یعنی آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کی مخلوق و مملوک ہے۔ خالق و مخلوق اور مالک و مملوک میں والد و ولد کے تعلقات کس طرح ہو سکتے ہیں۔ بیٹا باپ کے ساتھ نوعیت میں حصہ دار ہوتا ہے اور مملوک مالک کے ساتھ اشتراک رکھ نہیں سکتا۔ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ یعنی آسمان و زمین اور ان کی تمام کائنات اسکی مطیع و فرمانبردار حکم کی تابع اور خشوع و خضوع کے ساتھ حلقہ بگوش ہے کوئی اُس سے انحراف نہیں کر سکتا کوئی اُسکے فرمان سے سرتابی و گردن کشی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی خدا کا بیٹا ہوتا تو حلقہ بگوش نہ ہوتا کیونکہ اُس میں بھی خدائی کا جز رہو تا جو استغنا اور استقلال کا موجب ہے لیکن بجائے استقلال و استغنا کے سب اُسی کے مطیع ہیں اُسکی تقدیر سے کوئی خارج نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا کہ خدا وحدہٗ لا شریک ہے نہ اسکی نظیر ہے نہ شبیہ نہ مثل نہ مانند۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ چوتھی دلیل ہے یعنی خدا نے تمام عالم کو عدم سے وجود کا جامہ پہنایا۔ نہ کوئی مادہ و صورت پہلے سے موجود تھا کہ اُس نے ان دونوں میں صرف ارتباط پیدا کر دیا ہو نہ زمانہ اور کیف تھا کہ صرف کیفیت بدلی ہو بلکہ تکوین و صنعت سے بالاتر وہ موجد عالم ہے بغیر کسی تشبیہ و تمثیل کے اُس نے عالم کو بنایا ہے نہ اسکا کوئی جز ہے نہ بیٹا کیونکہ بیٹا باپ کے مادہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب عالم عدم سے وجود میں بغیر کسی قدیم مادہ کے آیا تو پھر اس میں کوئی شخص کس طرح خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ یہ پانچویں دلیل ہے یعنی ولد کی پیدائش تو رفتہ رفتہ تدریجاً مختلف تبدیلیاں اور تغیرات ہونے کے بعد مختلف اوقات

میں پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ نیز بیٹے کی پیدائش اور ضروریات پیدائش کی تکمیل باپ کے اختیار سے بھی خارج ہوتا ہے لیکن خدا قادر مطلق اور موجد کامل ہے جب ارادۂ الٰہیہ کسی چیز کی ایجاد سے متعلق ہوتا ہے اور وہ کسی کو عالم ہست میں لانا چاہتا ہے تو فوراً بغیر کسی توقف اور تدریجی تکمیل کے وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے پھر کس طرح کوئی اُس کا بیٹا یا وہ کسی کا باپ ہو سکتا ہے۔

مقصود بیان :۔ خدا تعالیٰ زمان مکان حیثیت یگانگی تغیر تبدیل کم کیف احتیاج اور افتقار وغیرہ سے پاک ہے اور دنیا کا وہ خالق ہے عالم اُسکے قبضہ قدرت میں ہے جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے عدم محض سے عالم کو ہست کیا سب اُس کے قولی فعلی اور حالی فرمانبردار ہیں اور منقاد ہیں کوئی سرتابی نہیں کر سکتا اسکی تقدیر کی خلاف ورزی ناممکن ہے ارادۂ الٰہی کے ساتھ ساتھ فوراً اشیاء کا وجود ہو جاتا ہے نہ وہاں زمانہ لگتا ہے نہ آن نہ منٹ نہ سکنڈ وغیرہ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ

اور جاہل کہتے ہیں کہ ہمسے خدا خود کیوں نہیں کہدیتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی

اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کیوں نہیں آتی | اسی طرح ان سے پہلے کے لوگ

مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا

کہا کرتے تھے ان سب کے دل ایک ہی سے ہیں۔ ہم تو یقین کرنیوالوں

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

کیلئے نشانیاں کھول کر بیان کر چکے ہیں

تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ رافع بن حریملہ یہودی نے حضور والا کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ رسول ہیں تو خدا ہمسے کہدے تاکہ ہم سُن لیں یا کوئی کھلی ہوئی نشانی ظاہر ہو جس سے ہمکو شناخت ہو جائے اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (محمد بن اسحاق) مجاہد کہتے ہیں یہ نصرانیوں کی گفتگو تھی۔ ابن جریر نے سیاق کا لحاظ کرتے ہوئے اسی کو پسند کیا ہے۔ ابو العالیہ ربیع بن انس، قتادہ اور سدی قائل ہیں کہ یہ کفار عرب کا قول تھا۔ ابن کثیر اور سیوطی کا یہی مختار ہے۔ بہر حال حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نور ایمان سے بے بہرہ ہیں معرفت الٰہی سے ناآشنا ہیں، حقیقت رسالت کا اُن کو علم نہیں ازلاً کور بصیرت ہیں، باوجود کھلے ہوئے معجزات اور واضح آیات کے یہی کہتے ہیں کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کی رسالت کا اظہار خدا ہم سے کیوں نہیں کر دیتا۔ ہم سے وہ بذات خود گفتگو کرنا چاہئے یا کوئی ایسی کھلی ہوئی نشانی ظاہر ہو جانی چاہئے جس سے ہم کو شبہ باقی نہ رہے اور ہم کو سحر کا احتمال بھی نہ رہے۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

مِثْلَ قَوْلِهِمْ۔ تم کو ان کے قول کی طرف کوئی خاص التفات نہ کرنی چاہئے نہ کوئی مخصوص اثر لینا چاہئے کیونکہ اگلے انبیاء کی قومیں بھی ایسی ہی باتیں کر چکی ہیں انہوں نے بھی اپنے پیغمبروں سے یونہی سرکشی اور کفر کیا تھا اور خدا سے ہم کلام ہونے کی خواستگاری کی تھی۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ ان سب کے دل ایک طرح کے ہیں۔ یہ کفار عرب اور یہود و نصاریٰ سب گمراہی میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ کفر و عناد سرکشی گمراہی اور ہٹ دھرمی سب کا شیوہ ہے ان کے دل ٹیڑھے ہیں کسی معجزہ پر ایمان نہیں لائینگے۔ ورنہ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔ ایمان فطری اور معرفت جبلی رکھنے والوں کے لئے تو ہم نے کھلے کھلے معجزات و آیات ظاہر کر دیے ہیں جو انکی یقین افزائی اور بصیرت افروزی کیلئے کافی ہیں لیکن جو لوگ فطرۃً کور دماغ رکھتے ہیں جنکی آنکھوں پر گمراہی کے پردے پڑے ہیں انکی سمجھ میں کیا آسکتا جب ہمارا کلام نہیں سمجھ سکتے اور اسکو سحر پر محمول کرتے ہیں تو پھر ہمارا اختطاب کیونکر سن سکتے ہیں اور بغیر مجاہدہ کا مرتبہ طے کئے ہوئے مشاہدہ کے درجہ پر کس طرح پہونچ سکتے ہیں۔

مقصود بیان:۔ جو لوگ ازلی شقی ہیں جنکے دلوں پر گمراہی کے قفل لگے ہیں اور آنکھوں پر جہالت کے پردے پڑے ہیں۔ اور کان استماع حق سے بہرے ہیں ان کے لئے تمام ہدایات بے سود ہیں نہ ان کو نبی سے فائدہ پہونچ سکتا ہے نہ ولی سے نہ قرآن سے نہ معجزہ و کرامت سے۔ ہاں جو لوگ سعید روحیں رکھتے ہیں چراغِ ایمان سے انکی روحیں روشن ہیں اُنکے لئے معمولی ہدایت بھی کافی ہے۔ تمام کفار نفس کفر و عناد میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں فرق صرف مراتب کا ہے کسی کا کفر کم ہے کسی کا زائد۔

اس سے آئندہ آیت میں رسول اللہ صلعم کو تسلی دی گئی ہے اور فرمادیا گیا ہے کہ آپ کسی کو ہدایت یاب کرنیکے ذمہ دار نہیں نہ آپ سے یہ دریافت کیا جائیگا کہ یہ شخص دوزخی کیوں ہوا۔ ہدایت یاب کرنا یا گمراہ چھوڑ دینا تو خدا کے ہاتھ میں ہے جو سرشتی گمراہ ہیں اُن کو کون ہدایت کر سکتا ہے۔ اندھے کو چراغ سے کیا فائدہ۔ چنانچہ ارشاد ہے

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا

ہم نے بلاشبہ تم کو حقانیت کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور تم سے

تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ

دوزخیوں کی کچھ باز پرس نہ ہوگی

تفسیر یعنی ہم نے تم کو ہدایت نامہ قرآن دیکر بھیجا تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو جنت کی خوشخبری دو اور دوزخ سے ڈراؤ جو لوگ حاملانِ ایمان ہیں جن کے دماغ شک و وہم کی کثافت سے پاک ہیں اور جن کی روحیں یقین کی حلاوت سے آشنا ہیں اور اعمال نیک ہیں اُن کو خوشنودی الٰہی کی بشارت سُنادو اور جو لوگ تاریک دماغ رکھتے ہیں، اختراعی شکوک اور بے بنیاد اوہام میں مبتلا ہیں ایمان و یقین کا جگمگاتا ستارہ اُن کے سیاہ دلوں پر پرتو افگن نہیں ہوا جن کے علمی و عملی قویٰ ناقص ہیں اُن کو عذاب الٰہی سے خوف دلاؤ۔ ابن عباس رضہ کے نزدیک حق سے مراد قرآن ہے اور سیوطی نے حق سے ہدایت مراد لی ہے یعنی قرآن و حدیث۔ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ یعنی تم سے یہ دریافت نہ کیا جائیگا کہ یہ لوگ دوزخی کیوں ہوئے۔ تمہارا کام صرف پیغام الٰہی پہونچا دینا ہے ماننا نہ ماننا بندوں کا کام ہے اسکا حساب خدا تعالیٰ خود کرلیگا آپ اس بات کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ راہ راست دکھا دینے کے بعد منزل مقصود تک پہونچا بھی دیں آپ صرف راہنما اور راہبر ہیں نہ کہ موصل اور کامیاب کن یہ کام صرف خدا کا ہے۔ واللہ الہادی و بیدہ و ازمۃ المقاصد والمبادی۔

مقصود بیان:۔ نور ایمان سے منور کرنا یا کفر کی تاریکی میں چھوڑ دینا خدا تعالیٰ کے مخصوص قبضۂ قدرت میں ہے کسی انسان کو اسمیں دخل نہیں ہے نہ نبی کو نہ ولی کو نہ مقرب فرشتے کو۔ پیغمبر کا کام صرف رہنمائی ہے حضور اقدس کو خدا تعالیٰ نے نیک لوگوں کو خوشخبری سُنانے کو اور بد اطوار اشخاص کو دوزخ سے ڈرانے کو قرآن دیکر بھیجا اور فرمادیا کہ جو اس قانونِ الٰہی کی پابندی کریگا وہ رحمت الٰہی سے سرفراز ہوگا اور جو اسکی خلاف ورزی کریگا وہ عذاب میں گرفتار ہوگا۔ وغیرہ

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى

تم سے یہودی اور نہ عیسائی اُس وقت تک ہرگز خوش نہ ہونگے جب تک تم ان کا

تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ وَلَئِنِ

دین نہ اختیار کرلوگے (اے محمد) کہدو کہ درحقیقت اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے۔ اور اگر

اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ

علم آچکنے کے بعد بھی تم ان کی نفسانی خواہشات پر چلوگے

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

تو تم کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے والا) نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار

تفسیر گذشتہ آیت میں بتایا تھا کہ جو نور ایمان سے بے بہرہ ہیں اُن کے لئے کوئی معجزہ مفید نہیں۔ اب یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ کتاب حق یعنی توریت و انجیل کی تعظیم و پابندی کرتے ہیں اُن کو تو توراۃ و انجیل کی بشارت ہی کافی ہے اور رسول کا ہر معجزہ اُنکے لئے باعث طمانینت ہے باقی وہ لوگ جو توراۃ و انجیل کے احکام کی ہی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ہوا و ہوس کے پابند ہیں اُن کے لئے معجزات بھی بیکار رہیا وہ اپنی

خیالی باتوں سے نہیں ہٹینگے۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ آیات و معجزات اسلیئے نہیں ہیں کہ یہ لوگ ان کو دیکھنے کے بعد راہ حق کی طرف رجوع کر لینگے۔ کیونکہ ان گمراہان ازلی کا مقصود صرف تعنت وعناد ہے راہ حق پر آنا ہی یہ نہیں چاہتے۔ انہوں نے جو یہ ٹھہرا راستہ اپنے باطل خیالات کے موافق اختیار کر رکھا ہے اس سے ایک انچ نہیں ہٹ سکتے۔ لہذا اگر اس گمراہی اور کجروی میں تم انکی موافقت کرو تو راضی ہونگے ورنہ انکی خوشنودی اور رضامندی قطعًا ناممکن ہے۔ خلاصہ یہ کہ آپ ایسی چیزوں کی خواہش چھوڑ دیجئے جس سے یہ لوگ موافق ہوکر راضی ہوجائیں بلکہ رضاء الٰہی کی جستجو کیجئے اور جو پیغام رسالت آپ کو دیا گیا ہے وہ پہونچا دیجئے (ابن جریر) قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ اوران سے کہدیجئے کہ جس ہدایت وحق پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہو یعنی اسلامی عقائد وقوانین وہی حقیقی ہدایت ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے یا سمجھتے ہو سب گمراہی ہے لیکن اس علم حقانیت اور تصریح ہدایت کے بعد بھی بالفرض وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ سے وَلَا نَصِيرٍ تک۔ اگر آپ یا آپکی امت کے لوگ ان گمراہوں کی گمراہی کی پیروی کرینگے اور ہوا پرستی کی طرف مائل ہوکر اتباع حق سے کنارہ کش ہونگے تو پھر خدا سے کوئی بچانے والا نہیں ہے کیونکہ آپ کے پاس وحی اور دین حق آچکا ہے۔ اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنے اہل کتاب ہونے پر ناز نہ کرنا چاہئے کیونکہ:۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسکو کما حقہ پڑھتے رہتے ہیں

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ

یہی لوگ اسپر یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ

وہی نقصان پانے والے ہیں

تفسیر درحقیقت اہل کتاب وہی ہیں جو اسکو عمدہ طور سے پڑھتے اسپر عمل کرتے اور ایمان رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن سلام، شاہ نجاشی، کعب احبار، و رفقا نزر و می وغیرہ۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حق تلاوت یہ ہے کہ جب ایسی آیت پر پہونچے جسمیں جنت کا ذکر ہے تو خدا تعالیٰ سے جنت کی خواستگاری کرے اور جب ایسی آیت پڑھے جسمیں دوزخ کا ذکر ہے تو عذاب جہنم سے پناہ مانگے (ابن ابی حاتم) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں قسم ہے اس خدائے پاک کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے حق تلاوت یہ ہے کہ کتاب الٰہی کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھے اور جسطرح خدا تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اسی طرح پڑھے، کلمات کو اپنی جگہ سے تحریف نہ کرے اور بے موقع ان کی تاویل بھی نہ کرے۔ حضرت قتادہ، ابن عباسؓ، سدی، حسن بصری، عکرمہ، عطار، مجاہد، ابو رزین اور ابراہیم نخعی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔ اور جو شخص اس قرآن کا انکار کرتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہونے والے اور نقصان اٹھانیوالے ہیں۔ کیونکہ قرآن کے انکار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان اپنی کتاب پر بھی نہیں ہے اور نہ توریت وانجیل کی بشارات کی تصدیق کرتے ہوئے انکو قرآن کا انکار نہ کرنا چاہئے تھا۔

مقصود بیان: ہر گمراہ فرقہ یا شخص یہی چاہتا ہے کہ سیدھی راہ چلنے والا بھی ہماری راہ پر آجائے۔ ہدایت وضلالت کے امتیاز کا معیار عقل نہیں بلکہ نقل ہے۔ جو چیز خدا کے نزدیک ہدایت ہے وہی ہدایت ہے اور جو دماغی تراشیدہ ہدایت ہے وہ گمراہی ہے۔ توریت وانجیل وغیرہ پر صحیح ایمان رکھنے سے قرآن پر ایمان لانا لامحالہ ضروری ہوجاتا ہے اور قرآن کے انکار سے دیگر کتب سماویہ کا انکار بھی لازم آتا ہے۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ

اے اولاد یعقوب میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں تم پر کرچکا ہوں

عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ وَاتَّقُوا

اور اسکو بھی یاد کرو کہ (اُس زمانہ میں) سارے جہان پر تمکو فوقیت عطا کی تھی اور

يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا

اس دن سے ڈرو جبکہ کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئیگا اور نہ اس کا

يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا

معاوضہ قبول کیا جائیگا اور نہ سفارش کام آئیگی اور

هُمْ يُنْصَرُونَ

نہ ان کی مدد کی جائیگی

تفسیر بقاعی وغیرہ مفسرین نے اس آیت کا ارتباط ماقبل سے اس طرح بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابتدا سورت میں بنی اسرائیل کو نعمتوں کی یاددہانی کی تھی پھر درمیان میں ان کے عیوب بدکاریاں ظاہر کیں جس سے قصہ کو طول ہوگیا اب اخیر میں پھر نعمتوں کی یاددہانی فرماتا ہے گویا بقول حرالی کلام کا اخیر حصہ ابتدائی حصہ سے مرتبط ہوگیا۔ لیکن یہ تاویل رکیک ہے بلکہ

امام ابن کثیر نے تحقیق کے بعد فرمایا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کو اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی امی ہیں جنکا ذکر توراۃ و انجیل وغیرہ میں آیا ہے اور انہی صفات کے حامل ہیں جو گذشتہ کتب الٰہی میں مذکور ہیں لہذا یہی تم پر انعامات کثیرہ کا ذریعہ ہے اب تم کو اپنے چچازاد بھائیوں یعنی عربوں پر حسد نہ کرنا چاہیئے کہ خاتم المرسلین کیوں ان میں پیدا ہوئے کیونکہ تمہارے لئے بھی تو یہ وہی نعمت ہیں جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں تم کو عنایت کر چکا ہوں میں نے تمہارے اسلاف کو انکے تمام ہمعصر لوگوں پر فضیلت عطا کی تھی لہذا ان نعمتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ شکر گذاری کے ساتھ محمد ﷺ پر ایمان لاؤ کیونکہ تمام انبیاء اور علماء ایمان لا چکے وہ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اسکی رضامندی کے خواہاں تھے پھر تم کیوں خدا کی نافرمانی کرتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہو۔ یہ خیال مت کرو کہ جو لوگ اپنے رب عز وجل کی خوشنودی کے خواستگار رہے وہ نافرمانی کرنے والوں سے راضی ہونگے یا سفارش کرینگے یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا تم کو اس دن کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے کہ کوئی شخص کسی کے ذرہ برابر کام نہ آئیگا یہ نہ ہو سکیگا کہ تمہارا بار کوئی اور اپنے سر لیلے کیونکہ کوئی نفس خود مختار نہ ہوگا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ اور نہ وہاں معاوضہ دیکر کسی کی خلاصی ممکن ہوگی تم کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکا اب ہم کو عذاب نہ ہوگا قیامت کے دن کوئی معاوضہ مقبول نہ ہوگا وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ اور نہ کسی کی سفارش (کافروں کے لئے) مفید ہوگی یعنی کافروں کی کوئی سفارش کریگا ہی نہیں وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ اور نہ خدا کے مقابلہ میں آکر زبردستی کوئی نجات دلا سکیگا کسی کو مجال نہ ہوگی کہ کافروں کا مددگار بن سکے۔ جب چاروں ذرائع خلاصی و نجات کے کام نہ آئینگے تو تمہارا یہ خیال کر لینا کہ ہمارے انبیاء و پیشوا ہم کو نجات دلا دینگے بالکل غلط ہے لہذا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا چاہیئے تاکہ قیامت کے عذاب سے محفوظ رہ سکو

مقصود بیان :- ترغیب و ترہیب لطیف پیرایہ میں۔ دعوت اسلام حقانیت اسلام کی طرف دقیق ترین اشارہ۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے مالک مختار اور واحد قہار ہونے کی تصریح۔ کفار کے عدم نجات کا اظہار۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ

اور جب ابراہیمؑ کی انکے پروردگار نے چند باتوں کی آزمائش کی تو انھوں نے ان کو پورا کر دیا

إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي

اللہ نے فرمایا میں تمکو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے کہا اور میری اولاد میں سے

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ

اللہ نے فرمایا میری نبوت ظالموں کو نہیں ملے گی

تفسیر یہود و نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ نبوت و علم ہمارا موروثی ہے۔ حامل رسالت صرف اولاد اسحاق چلی آئی ہے۔ بنی اسماعیل میں کوئی نبی نہ مبعوث ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے اسلئے ہم اسماعیلی نبی پر ایمان نہیں لا سکتے۔ خداوند تعالیٰ نے اسکی تردید گذشتہ آیات میں بہترین صورت کے ساتھ کر دی۔ ترہیب و ترغیب تذکیر و وعظ اور تکمیل دلائل کے ساتھ ساتھ دعوت اسلام دی۔ لیکن اب یہاں سے پارہ سیقول تک تردید کا دوسرا طریقہ اختیار کیا جسکو تمام دنیا کی تاریخ دان اقوام تسلیم کرتی ہیں وہ یہ کہ اسماعیل ہوں یا اسحاق دونوں ابراہیمؑ کے بیٹے تھے اور حضرت ابراہیمؑ کی ذات ہی انکو نبوت ملی تھی۔ اول خود حضرت ابراہیمؑ کو ہی پیشوا اور امام بنایا گیا تھا۔ بعد کو یہ پیشوائی ان کی اولاد میں بطور توارث جاری رہی لیکن حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی قبولیت اس شرط سے کی گئی تھی کہ نافرمان اور سرکش انسان پیشوا نہ ہو سکینگے۔ لہذا فرمانبردار اور خدا پرست انسانوں ہی کے لئے امامت و نبوت مخصوص رہی خواہ وہ اسماعیلی ہوں یا اسرائیلی سلسلۂ نسب کو کوئی دخل نہیں۔ ہیں سب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ الٰہی مکہ والوں کے لئے انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمانا۔ یہ دعا قبول ہوئی اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود میں تشریف فرما ہوئے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں باوجود سرکشی اور طغیان کے انبیاء ہمیشہ بنتے چلے جائیں اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہر شخص باوجود خدا پرست اور مجسمۂ اخلاق ہونے کے خلعت نبوت سے محروم رہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل اگر تم کو اپنے نسب پر فخر ہے اور امتیازی شرف کے مدعی ہو تو اعمال کی بھی تو اصلاح کرو اور اپنے مورث اعلیٰ یعنی ابراہیم کی طرف صحیح نسبت رکھنے کیلئے ان کی توحید پر بھی قائم رہو اور اس واقعہ کو یاد کرو کہ جب پروردگار نے چند باتوں سے ابراہیمؑ کا امتحان لیا تھا اور ابراہیم امتحان میں پورے اترے تھے۔ وہ باتیں کیا تھیں جن سے حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا گیا اسکے متعلق مختلف صحابہ کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور اسکی تائید حضرت عائشہ رضؓ اور حسن بصریؒ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ بعض احکام تو طہارت روحانی سے متعلق تھے اور معرفت الٰہی ان سے وابستہ تھی مثلاً توحید ایمان بالغیب شمس و قمر اور دیگر ستاروں کی الوہیت سے روگردانی وغیرہ اور دس احکام طہارت جسمانی سے متعلق تھے۔ مونچھیں کتروانی، کلی کرنی، ناک صاف کرنی، مسواک کرنی، سر کے بالوں کی بیچ سے مانگ نکالنی، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنے۔ موئے زیر ناف کی اصلاح، ختنہ کرانا، پانی سے استنجا کرنا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا امتحان خدا تعالیٰ نے ایمان جان مال اور اولاد کے اعتبار سے لیا تھا

جسکو حضرت ابراہیمؑ نے کامل طریقہ پر پورا کیا۔ نمرود کے مقابلہ میں غیر اللہ کی پرواہ نہ کی۔ جوش توحید سے سرشار ہو کر والہانہ انداز میں آگ میں کود پڑے بجز خدا کے دنیا و مافیہا کی طرف توجہ۔ ایمان کی آزمایش اس طرح پوری کی کہ محض ایمان بچانے کے لئے ترک وطن کیا۔ ہجرت کر کے ملک شام کو چلے گئے مالی قربانی کی یہ شکل تھی کہ کل مال مہمان نوازی اور مسلم پروری میں لٹا دیا۔ اور بالآخر اولاد کو بھی راہ خدا میں صرف خوشنودی خدا کے حصول کیلئے قربان کر دیا غرض حضرت ابراہیمؑ تو تمام روحانی و جسمانی قربانیوں میں پورے اترے اگر بنی اسرائیل بھی مدعی شرف ہیں تو ان کو بھی اپنے مورث اعلیٰ کی طرح امتحان الٰہی میں ثابت قدم رہ کر اپنے جدِ اعلیٰ کے اخلاق و اطوار اختیار کرنے چاہئیں ورنہ صرف سلسلۂ نسب امتیازی شرف کا سبب نہیں بن سکتا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے اور مجاہد وغیرہ اسکے راوی ہیں کہ قوانین اسلام کے تین حصے ہیں دس کا ذکر تو سورۂ برارت کی آیت اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الخ میں آیا ہے اور دس کا بیان اول سورۂ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور سورۂ سَاَلَ سَائِلٌ میں ہے۔ اور اخیری دس کا تذکرہ سورۂ احزاب کی آیت اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ الخ میں آیا ہے اور ان سب کو حضرت ابراہیمؑ نے پورا کیا تھا۔

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا یعنی جب حضرت ابراہیمؑ خدا تعالیٰ کی آزمایش میں پورے اترے تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا اور نبی بنانے والا ہوں۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔ حضرت ابراہیم نے عرض کیا بہت اچھا لیکن میری نسل میں سے بھی امام و نبی بنائیے۔ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عہدِ نبوت و امامت ظالموں اور کافروں کو شامل نہیں ہو سکتا۔ کافر اور فاسق نبی نہیں ہو سکتے۔ خدا پرست، دیندار، فرمانبردار اور حاملانِ معرفت ہی انبیاء ہوں گے۔

مقصود بیان:۔ حضرت ابراہیمؑ کو آزمائش کے بعد نبوت کا مرتبہ ملا تھا۔ خاصانِ خدا کی سخت ترین آزمائشیں کی جاتی ہیں۔ جو مواہب عظمیٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و اولیاء کو ملتی ہیں وہاں سب سبب و نسب کی جڑ کٹ جاتی ہے نبوت، امامت، ولایت کسی فاسق اور کافر کو نہیں ملسکتی خواہ اسکو کتنی ہی نسبی شرافت حاصل ہو۔ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں۔ وغیرہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط

اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کی زیارت گاہ اور امن کی جگہ بنایا اور کہدیا کہ

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی ط

مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو

تفسیر

یعنی اے اولاد ابراہیمؑ اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب ہم نے کعبہ کو مرجع خلائق اور تمام لوگوں کے لئے جائے امن بنا دیا تھا۔ خانۂ کعبہ سے مومنوں کی خواہش کبھی سیر نہیں ہوتی۔ آتے ہیں لوٹ جاتے ہیں۔ پھر شوق و جذب سے مجبور ہو کر والہانہ انداز میں رجوع کرتے ہیں (علی بن ابی طلحہ، ابن ابی حاتم، ابو العالیہ، عطاء و حسن وغیرہ) اور جائے امن ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ دورِ جاہلیت میں اطراف مکہ میں لوگ کشت و خون کرتے تھے لیکن مکہ والوں سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ اگر کوئی پردیسی آدمی کسی کو قتل کر کے حرم کے اندر آجاتا اور مقتول کا بیٹا اپنے باپ کے قاتل کو حرم کے اندر پالیتا تب بھی جنبش نہیں کرتا تھا۔ قصاص لینا اور قتل کرنا تو درکنار۔ یہ تمام باتیں حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے اثرات ہیں لہذا اے اولادِ اسرائیل تم بھی اس بات سے نصیحت حاصل کرو اور اپنے محترم بزرگ کی پیروی کرو اور نبی آخر الزمان کی اطاعت کرو جو دینِ ابراہیمی کی دعوت دیتا ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی۔ حضرت عمر فاروقؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب حجۃ الوداع میں اس مقام پر سے گزرے جہاں کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ ملکر خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی تو عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مقام ابراہیم یہی ہے حضور نے ارشاد فرمایا ہاں یہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو کیا حضور ہم اسکو نماز کی جگہ مقرر نہ کر لیں؟ اسوقت حضرت عمرؓ کی منشاء کے مطابق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی آخر الزمان کی اطاعت کرو جو دینِ ابراہیمی کی دعوت دیتا ہے اور مقام ابراہیم کو نماز کیلئے مقرر کر لو۔ ابن کثیر اور بیہقی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت تک یہ پتھر جسکو مقام ابراہیم کہا جاتا ہے کعبہ سے متصل تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو سیلاب آیا اس سے یہ پتھر بہہ گیا۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ اسکو منگا کر کعبہ کے پاس ایک جگہ نصب کر دیا اور اس کے آس پاس پتھروں کی دیوار چن دی۔ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانے کا یہ معنی ہے کہ طوافِ کعبہ کے بعد دو رکعت نماز اس پتھر کے سامنے پڑھو اور بحالتِ مجبوری اسکے قریب قریب پڑھ لو۔ یہ دو رکعتیں واجب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طواف کے بعد مقام ابراہیم کی طرف رخ کر کے دو رکعتیں پڑھی تھیں۔

مقصود بیان:۔ سب کو طریقۂ ابراہیمی کا اتباع کرنا چاہئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہی کعبہ کو تعمیر کیا تھا اور آپ نے ہی کعبہ کو مرجع خلائق اور جائے امن بنانے کی دعا کی تھی۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنی خوشی سے بالعزا دکعبہ کو تعمیر نہیں کیا تھا جس سے لوگ اعتراض کرنے لگیں کہ کعبہ کو جہت عبادت قرار دینا شرک کی علامت ہے کعبہ بھی پتھروں کا ایک مکان ہے۔ اس مکان کو دیگر مکانوں پر کیوں امتیازی شرف حاصل ہے۔ بلکہ ابراہیم و اسمٰعیل نے ہمارے حکم کی تعمیل کی تھی ہم نے ہی ان کو تعمیر و طہارت کعبہ کا حکم دیا تھا اور

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا

اور ابراہیم و اسمعیل کو ہم نے حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنیوالوں

بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ

اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف کر دو

تفسیر ہم نے ہی ابراہیم و اسماعیل کو حکم دیا تھا کہ بیت العتیق کو جو ہمارا جلوہ گاہ خاص ہے طواف کرنے والوں اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے نجاست و گندگی سے پاک صاف رکھو (تفسیر حسن بصری) یا بتوں سے پاک صاف رکھو (ابن عباسؓ) یا بتوں سے فحش کلام سے کفر انگیز اور بہتان آمیز الفاظ سے پاک رکھو اور اس میں شرک نہ ہونے دو (مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، ابو العالیہ عبید بن عمیر، قتادہ وغیرہ) گویا مدعا یہ ہے کہ نشانِ قدرت تو اسمیں موجود ہی ہے کہ کوئی جانور بیٹ نہیں کرتا اور بد تمیزی کے ساتھ اوپر سے نہیں گذرتا۔ نشان شریعت بھی ہونا چاہئے۔ لہذا نجاست باطنی یا نجاست ظاہری کوئی کعبہ کے اندر نہ ہونی چاہئے۔ ہر کثافت سے کعبہ کو پاک رہنا چاہئے۔ شیخ ابن کثیر نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ طائفین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اطرافِ عالم سے زیارت بیت اللہ کیلئے جاتے ہیں یعنی غیر ملکی لوگ طائفین سے مراد ہیں اور عاکفین سے اہل مکہ مراد ہیں۔

مقصود بیان :- کعبہ کے اندر سوائے عبادت، ریاضت، خدا پرستی اور تذکیر و وعظ کے دنیوی مشاغل ناجائز ہیں۔ کعبہ کو ہر قسم کی نجاست سے پاک صاف رکھنا چاہئے۔ نجاست اعتقادی یعنی شرک و کفر۔ نجاست اعمالی یعنی قتل، زنا، شرابخواری، لڑائی جھگڑا، فتنہ فساد وغیرہ بد افعالیاں اور نجاست اقوالی یعنی تہمت، کذب، افتراء، غیبت، فضول بکواس، فحش بیانی، کفر آمیز یا گناہ آفریں کلمات، وغیرہ کی کعبہ کے اندر حرمت قطعی ہے۔ کعبہ کی طہارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ صرف شریعت محمدیہ میں ہی نہیں ہے۔ آیت سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ کفار کا داخلہ کعبہ کے اندر ممنوع ہے کوئی غیر مسلم مجاز نہیں کہ تفریح کے لئے کعبہ کے اندر جائے یا تعمیر و اصلاح کے لئے داخل ہو۔ ایک لطیف ترین اشارہ اس امر کیطرف بھی ہے کہ مشرکین کعبہ کے اندر جو بت پرستی کی نجاست پھیلاتے ہیں یا یہود و نصاریٰ جو کعبہ کا حج و طواف کرتے یہ سراسر غلط ہے اور سنتِ ابراہیم بلکہ بنائے کعبہ کے تقتضا کے خلاف ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا

اور یاد کرو کہ جب ابراہیم نے کہا پروردگار اسکو امن کا شہر بنا دے

اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ

اور یہاں کے رہنے والوں میں اُن لوگوں کو پھل عطا فرما جو اللہ

مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ

اور روز آخرت پر ایمان لائیں۔ اللہ نے فرمایا اور جو منکر ہوگا اسکو بھی

قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ

کچھ دنوں مزے اڑانے دونگا اور بالآخر اسکو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کرونگا

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ

اور وہ برا ٹھکانا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں چند رسوم کعبہ کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہاں سے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تمام برکت و سعادت اور رسوم طیبہ جنکا پہلے ذکر کیا گیا وہ ابراہیمؑ کی دعا سے ظہور پذیر ہوئی ہیں یاد کرو کہ جب ابراہیم بنائے کعبہ سے فارغ ہوتے تو خداوند تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی تو نے کعبہ کو مرجع خلائق اور امن گاہ تو بنایا ہے لیکن یہاں ایک شہر دارالامن بھی بنا دے تاکہ آنیوالوں کے لئے ہر قسم کا آرام رہے اور تیرے اس گھر کی کافی نگہداشت بھی ہو سکے وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور یہاں کے رہنے والوں میں سے جن لوگوں کا ایمان خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور روز قیامت پر ہو ان کو (مادی اور روحانی) پھل عنایت فرما (یہاں کے باشندوں کو رزق و روزی بھی عطا کر اور نبوت و امامت سے بھی سرفراز فرما) حضرت ابراہیمؑ نے کفار کے لئے رزق و روزی کی دعا نہیں کی کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ میرا عہدِ نبوت کافروں کو نہیں پہونچیگا۔ اس فرمان سے حضرت ابراہیمؑ کو خیال ہوا کہ کافروں کے واسطے رزق کی بھی دعا کرنی خلاف ادب ہے اور رزق الٰہی کا دروازہ یہاں کے کافروں کیلئے بھی بند ہے لیکن چونکہ رزق مادی اور رزق روحانی میں فرق ہے۔ نبوت اور جسمانی پرورش کا سامان جدا جدا چیزیں ہیں نبوت کا ہر شخص سزاوار نہیں ہو سکتا اور رزق الٰہی سے ہر نیک و بد فیضیاب ہوتا ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے فرمایا قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ کہ رزق روحانی یعنی نبوت و امامت و ولایت تو خاص مومنوں کے لئے ہی مخصوص ہے لیکن حیات جسمانی کے سرمایہ میں تمام دنیا شریک ہے خواہ کافر ہو یا مومن نیک ہو یا بد روزی سب کو ملیگی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مومنین کو بہرہ اندوزی کا موقع ہمیشہ ملتا رہیگا اور کفار کو صرف اس دنیوی زندگانی

میں جنکی مقدار قلیل ہے مزہ اُڑانے اور فیض عام سے بہرہ اندوز ہونے کی مہلت دونگا پھر کچھ زمانہ کے بعد مجبور کرکے دوزخ میں لے جاؤنگا جو نہایت خراب جگہ ہے

خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل کی یہ دعا قبول فرمائی مکہ کو دارالامن بنایا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی کفار مکہ کے اندر کشت و خون نہیں کرتے تھے بلکہ اگر کوئی بر طلیبی مکہ سے باہر کسی کو قتل کرکے شہر کے اندر آجاتا تھا تو کوئی اُس سے قصاص نہیں لے سکتا تھا۔ اور رزق دینے کی یہ شان اختیار کی کہ مکہ جیسے خشک ریگستانی مقام میں طائف سے ہر قسم کا غلہ میوہ سبزیاں اور ارضی پیداوار کا ذخیرہ اہل مکہ کے لئے ہر وقت مہیا کرنے کا سامان درست فرمادیا اگرچہ مکہ میں سبزیاں میوہ جات اور دیگر قسم کے پیداوار میں سے کوئی جنس نہیں ہوتی ہے لیکن طائف کی سرزمین چونکہ بہت سیر حاصل ہے اسلئے وہاں سے ہر قسم کی چیز کی درآمد کا سلسلہ جاری ہے۔ اب رہی رزق روحانی یعنی نبوت امامت ولایت وغیرہ کی دعا کی قبولیت تو اسکی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں رسول اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرح عالم میں کوئی نبی نہیں پیدا ہوا۔ صدیق اکبرؓ کی طرح صداقت و امامت میں کسی نبی کے جانشین کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔ فاروق اعظمؓ کی عدالت، امامت، نور قلبی اور کشف روحانی کی مثال صفحات تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ذوالنورین کی حیا کس نبی کے مصاحب اور حواری کو حاصل ہوئی۔ اسد اللہ کی شجاعت اور علم کے امتیازی پایہ کو کونسا عالم پہونچا پھر دیگر اولیاء امت جنکی تعداد کروڑوں سے بھی متجاوز ہے سب آفتاب فاران کے پرتو نہیں تو اور کیا ہیں۔ مزید براں امت محمدیہ کو اشرف الامم اور شہید علی الناس بنایا گیا۔ یہ سب حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی دعا کی تاثیر اور خداداد برکت و سعادت ہے

مقصود بیان:۔ دنیوی زندگی چند روزہ ہے۔ خداوند تعالیٰ کے خوان کرم سے کوئی محروم نہیں۔ کفر و اسلام کو روزی میں دخل نہیں۔ رزق روحانی صرف مومنین کو عطا ہوتا ہے

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ

اور یاد کرو جب ابراہیم و اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے (اور کہہ رہے تھے)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبَّنَا

اے ہمارے پروردگار ہماری طرف سے اسکو قبول فرما بیشک تو خوب سننے والا باخبر ہے اے ہمارے پروردگار

وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً

ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک گروہ کو اپنا فرمانبردار

مُّسْلِمَةً لَّكَ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَاۚ

بنا اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے دکھا اور ہم کو معاف فرما

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

کیونکہ تو ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے

تفسیر یہاں سے ایک چند آیات میں خدا تعالیٰ تعمیر کعبہ، حضرت ابراہیم و اسماعیل کی دعا، حج کے احکام، خاتم النبیین کی نبوت، امت مسلمہ کا شرف اور بعض دیگر امور کو لطیف پیرایہ میں بیان فرماتا ہے کیونکہ اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کی دعا اپنی اولاد کے متعلق مجمل مذکور تھی یہاں اُسکی تفصیل بیان کرنی منظور ہے اور کعبہ کا ذکر بھی کچھ مختصر سا آیا تھا اسکی بھی وضاحت مطلوب ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور حج و طواف وغیرہ کی شرعیت ثابت ہو جائے اور بنی اسرائیل کو حضور والا کی نبوت کا انکار اور کعبہ کو قبلہ بنانے پر طعن کرنے کا موقع باقی نہ رہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ۔ اُس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم و اسمٰعیل کعبہ کی دیواریں چنے جاتے تھے یعنی ابراہیمؑ چن رہے تھے اور اسماعیل پتھر اور گارا اُٹھا کر دے رہے تھے۔ لیکن چونکہ نیک بندوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے اعمال کے غیر مقبول ہونے سے ڈرتے جاتے ہیں اسی طرح یہ دونوں بزرگ بھی کعبہ بناتے میں نہایت عجز و انکساری سے دعا کرتے جاتے تھے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ اے ہمارے رب! تو ہماری اس کوشش کو قبول فرما کیونکہ تو ہماری دعاؤں کو خوب سنتا ہے اور ہمارے دلی اخلاص کو خوب جانتا ہے۔ وہیب ابن الورد جب اس آیت کو پڑھتے تو روتے اور کہتے کہ خلیل اللہ علیہ السلام بیت اللہ کو تعمیر کرتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو (ابن ابی حاتم) رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ اے ہمارے رب! ہمکو ہمیشہ اپنی فرمانبرداری پر قائم رکھیو اور ہمیشہ ہمکو اپنی طاعت گذاری اور فرمان پذیری کی توفیق عطا فرمائیو تاکہ تیری مرضی کے خلاف ہم سے کوئی فعل سرزد نہ ہو اور ہمارے بعد بھی ہماری اولاد میں اپنے فرمانبردار لوگ پیدا کیجیو۔ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ اور جو کچھ تو نے عبادت و حج کے قوانین مقرر کئے ہیں وہ بھی ہم کو تعلیم کردے اور اگر ہم سے کوئی فروگذاشت ہوگئی ہو یا ہوجائے یا ہماری نسل کے جو قصور ہوں اُن کو تو اپنے رحم سے معاف فرمادے کیونکہ تو بڑا معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ یہاں اس لطیف نکتہ پر غور کرنا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک امت مومنہ کے لئے کتنا اہتمام فرمایا۔ پہلے اپنے دو اولوالعزم پیغمبروں سے کعبہ بنوایا پھر اُن سے دعا کرائی اور چونکہ خانہ کعبہ کو تمام مساجد و مکانات پر شرف حاصل ہے اسلئے ظاہر ہے کہ جس امت مسلمہ کیلئے اس عظیم المنزلت مکان کی تعمیر کرائی گئی اُسکا مرتبہ کیا ہوگا اور صرف یہ ہی نہیں ہے بلکہ حدیث میں بھی اس قسم کا مضمون آیا ہے۔ باقی قرآن تو صاف الفاظ میں نہایت بلند آہنگی سے کہہ رہا ہے کہ جَعَلْنٰكُمْ

أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ پھر حیف ہے اُن یہودیوں عیسائیوں اور پرستاران ہوا و ہوس پر کہ ایسے عظیم الشان و الا مرتبت نبی کی نبوت سے انکار کرتے تھے اور ایسی شریف المنزلت امت میں داخل ہونا نہ چاہتے تھے اور ایسے عالی مرتبہ کعبہ کو قبلۂ نماز اور عبادت گاہ بنانے پر طعن و تشنیع کرتے تھے اور خدائے قدوس کے پاک مکان کو کفر و شرک بت پرستی اور گناہوں کی نجاست سے آلودہ کرتے تھے۔

مقصود بیان:۔ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہے۔ حضرت آدمؑ کا بنایا ہوا کعبہ گر گیا تھا اور نمونہ بھی اسکی زمین میں دفن ہو چکی تھی۔ ہر عمل خیر کے وقت بھی انسان کو خوف کرتے رہنا چاہئے کہ مبادا یہ عمل مردود ہو اور تمام کیا کرایا رائگاں جائے۔ بڑا سا بڑا عابد زاہد ہو یا کوئی ولی یا عالم یا امام سب کو تواضع، انکسار، فروتنی اور مسکینی اپنا شعار بنا لینا چاہئے۔ کیونکہ کوئی شخص سوا انبیاء کے معصوم نہیں۔ پھر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل جیسے اولو العزم انبیاء نے جو کہ صغائر و کبائر تمام گناہوں سے معصوم تھے اپنی انتہائی عجز و انکساری سے عفو لغزش کی دعا کی تو غیر معصوم انسان کس گنتی میں ہیں۔ انسان کو باوجود انتہائی نیکی کے ثبات و استقامت کی دعا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ شیطان قوی ہے۔ ممکن ہے بہکا کر گمراہ کر دے اور توفیق خیر خدا تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے لہذا استقامت کی دعا اسی سے کرنی لازم ہے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عبادت کے رسوم یا طریقے خدا ہی کی تعلیم کردہ الٰہیہ ہیں۔ کسی انسان کی عقل اسکی کفیل نہیں ہو سکتی۔ ان آیات میں تعلیم دعا کیطرف بھی ایک خاص اشارہ ہے۔ انسان کو چاہئے کہ دعا مانگنے سے پہلے اور دعا مانگنے کے درمیان میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا، اسکے احسان کا اظہار، ربوبیت کا اقرار اور اپنی بندگی کا اعتراف کرنا چاہئے۔ وغیرہ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

اے ہمارے پروردگار انہیں سے ہی ایک پیغمبر پیدا کرنا جو انکے سامنے تیری آیات

اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

پڑھے اور اُن کو کتاب و شریعت سکھلائے اور انکو شرک سے پاک صاف کر دے

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

بلاشبہ تو غالب و دانا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمنی طور پر دعائے ابراہیمی میں دخل تھا۔ حضرت ابراہیم نے صرف ایک امت مسلمہ کے لئے دعا کی تھی۔ اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ صراحۃً اپنی دعا میں حضور گرامی کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس امر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ کعبہ کی حفاظت اور نگہداشت امت مسلمہ کریگی لیکن امت مسلمہ کو ضرورت ایک سردار کی ہوگی جو ہر طرح سے اس امت مرحومہ کی قیادت کریگا اور تمام سعادات و برکات اسی کے چشمۂ فیض سے وابستہ ہونگی۔ مطلب یہ ہے کہ الٰہی امت مسلمہ کیلئے ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمانا اور یہ رسول نہایت عظیم الشان عالی مرتبہ ہو۔ اسکے اندر روحانی اوصاف و اخلاق اور نور معارف موجود ہوں جس سے عام و خاص جاہل و عالم، تاریک دماغ رکھنے والے اور نور فطرت کے حامل سب یکساں فیضیاب ہوں اور ہر شخص اسکے چشمۂ فیض سے سیراب ہو۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ یعنی عام لوگوں کو تیری آیات اور مقدس کلام پڑھ کر سنائے اُن کو شریعت الٰہیہ کے ظاہری احکام بتائے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ یعنی جو لوگ عالم ہیں لیکن علماء میں ان کا مرتبہ امتیازی نہیں بلکہ عمومی ہے تو ایسے علماء کو وہ کتاب مقدس کی تعلیم دے، احکام اور ادلہ بتائے، فروع و اصول سے واقف کرے اور دلائل توحید و نبوت سمجھائے۔ وَالْحِكْمَةَ یعنی جو لوگ علماء میں امتیازی شرف رکھتے ہیں، قوت اجتہاد کے مالک ہیں، علمی تبحر اور وسعت معارف کی وجہ سے صرف احکام و ادلہ کا علم ان کے لئے سیر کن نہیں ہے بلکہ انکو اسرار و حقائق کی ضرورت ہے تو ایسے لوگوں کو وہ اسرار شریعت کی تعلیم دے، حقائق و معارف الٰہیہ بتائے۔ رموز کتاب سے واقف کرے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ یہ مرتبہ خاصان خاص کا ہے، اولیاء امت ہی اس مرتبہ سے سرفراز ہیں، انکے نفوس قدسیہ ہو بہو کمالات نبوت کا آئینہ ہیں، جن کے اندر نور نبوت چمکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ نبی روشن روح رکھنے والوں کے تزکیہ کا بھی سبب ہو، اُن کے آئینۂ دل میں اپنی روحانی تعلیم کے پانی سے تمام سیاہی اور زنگ دور کرکے اپنے فیوض قدس اور نور رسالت سے اُن کو منور کر دے۔

مقصود بیان:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور تمام امت اسلامیہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کا نتیجہ ہے امت اسلامیہ میں چار طبقات ہیں۔ عام، خاص، خاص الخاص و اخص الخاص۔ عام کی ہدایت کیلئے صرف معجزات اور ظاہری آیات قرآنیہ اور فرامین نبویہ مخصوص ہیں۔ خاص کی ہدایت کیلئے احکام و ادلہ، فروع و اصول، دلائل توحید و براہین رسالت کا علم ضروری ہے۔ خاص الخاص کے افادہ کیلئے اسرار شریعت، حقائق و معارف اور رموز کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ اخص الخاص میں تخلیۂ رذائل اور تحلیہ بالفضائل کا مادہ تو موجود ہی ہوتا ہے، انکی روحیں سعید اور دل مادۂ ہدایت سے لبریز ہوتے ہیں لیکن تخلیہ کے بعد انکے قلوب کی صفائی اور تجلیہ و تزکیہ کی بھی احتیاج ہے اور یہ سب کام جس حسن و خوبی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیئے وہ عدیم النظیر ہیں۔ اسلئے حضور والا اشرف المخلوقات، اشرف الانبیاء اور خاتم النبیین ہوئے۔ سچ ہے کلموا الناس علی قدر عقولهم۔ آیت میں ایک لطیف تلمیح اس طرف بھی ہے کہ ہر شخص

کا فرض ہو کہ وہ ہر مرتبہ کو طے کر کے اوپر والے درجہ میں پہونچنے کی کوشش کرے تاکہ انتہا پر پہونچکر کمالات محمدیہ کا مکمل آئینہ اور مجسمۂ اخلاق بنجائے اسی لئے حضور ؐ نے فرمایا ہے کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ

اور ابراہیم کے طریقہ سے کون منہ پھیر سکتا ہے سوائے اُن کے جس کی

سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي

خود عقل جاتی رہی ہو کیونکہ بلاشبہ ہمنے اُن کو دنیا میں بھی منتخب

الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ

کرلیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوں (کے زمرہ) میں ہوں گے

تفسیر حضرت عبداللہ بن سلام نے، جو یہودی عالم تھے اور یہودیت چھوڑ کر حضور کے دست حق پرست پر بیعت کر کے مسلمان ہوچکے تھے اپنے دونوں بھتیجوں سلمہ اور مہاجر کو بلاکر کہا کہ تم خود ذرا تورات دیکھو اسمیں اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ اِنِّیْ بَاعِثٌ مِّنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ نَبِیًّا اِسْمُهٗ اَحْمَدُ فَمَنْ اٰمَنَ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدٰی وَرَشَدَ وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِهٖ فَهُوَ مَلْعُوْنٌ۔ یعنی میں اسمٰعیل کی اولاد میں سے ایک نبی پیدا کرونگا جس کا نام احمد ہوگا جو اُسپر ایمان لائیگا وہ ہدایت پائیگا اور جو کفر کریگا اُسپر خدا کی پھٹکار مہربان چچا کا یہ کلام سُن کر سلمان تو مسلمان ہوگئے لیکن مہاجر نے انکار کیا اور نہ مانا۔ اسکے بارہ میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

گذشتہ آیت میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا نقل کی گئی تھی اور وہ دعا قبول بھی ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف بھی لائے تعلیم قرآن، تبلیغ سنت اور تزکیۂ نفوس بھی کیا اعمال توحید اور استیصال شرک بھی کیا اور یہ تمام باتیں بعینہ ملت ابراہیمی میں موجود تھیں تو گویا حضور اقدس ؐ نے ملتِ ابراہیمی کی تجدید کی۔ لہذا جو شخص شریعت اسلامیہ کا منکر ہے وہ ملت ابراہیمی کا منکر ہے اور ملت ابراہیمی چونکہ دوامی ہے کوئی سلیم عقل رکھنے والا اُس سے انکار نہیں کرسکتا اسلئے ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ۔ ملتِ ابراہیم یعنی توحید الٰہی، تزکیۂ نفوس، تعلیم اخلاق، تبلیغ احکام الٰہی وغیرہ سے وہی شخص انکار اور اعراض کرتا ہے جو نادان ہو احمق ہو اپنے نفس کو بھی نہ پہچانتا ہو۔ کہ ہر نفس مخلوق ہے اور خدا اُس کا خالق ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنی مخلوقیت اور خدا کی خالقیت کو پہچان لیگا وہ کس طرح کفر و شرک کرسکتا ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ کافر و مشرک ملتِ ابراہیمی سے خارج ہیں خصوصًا یہود و نصاریٰ ملت ابراہیمی سے بدرجۂ اولی خارج ہیں کیونکہ اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہوسکتی ہے کہ مسیح یا عزیر کو خدا کا بیٹا کہا جائے۔

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ

یہ گذشتہ کی علت ہے یعنی ملتِ ابراہیمی حق ہے اور اُس کا حکم استمراری ہے اس سے کوئی عقلمند انکار نہیں کرسکتا کیونکہ ابراہیم ؑ کو خدا تعالی نے دنیا میں سرفراز کیا تھا، نبوت و حکمت کا مرتبہ عطا کیا تھا اور اُن کی اولاد میں ہمیشہ نبوت قائم رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور آخرت میں تو انکو اپنی مخصوص نعمتوں کے لئے منتخب کر ہی لیا ہے۔ پھر ایسے اولوالعزم اور ذیشان نبی کی ملت سے کون ذی ہوش اعراض کرسکتا ہے۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ

جب اُنکے رب نے اُن سے کہا کہ فرمانبردار بنجاؤ تو اُنہوں نے کہا کہ میں

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ

رب العالمین کا فرمانبردار ہوگیا اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو بھی اسی کی وصیت

وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ

کی تھی اور یعقوب نے بھی کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمہارے لئے اس دین کو

الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

پسند کیا ہے۔ لہذا حالتِ اسلام کے علاوہ اور کسی حالت پر نہ مرنا

تفسیر اِذْ قَالَ سے لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تک۔ یہ گذشتہ آیت کی علت ہے یعنی ہم نے ابراہیم کو اتنی عزت و کرامت کیوں عطا کی تھی اسلئے کہ جب ہم نے اُس سے کہا کہ توحید خالص کو اختیار کر اور خدا تعالی کی اطاعت و فرمانبرداری پر قائم رہ تو اُس نے فقط یہ ہی نہیں کہا کہ اچھا بلکہ نہایت خوشی سے کہا کہ میں نے اپنا تن من دھن اپنے رب العلا کے سپرد کیا میں اُس کی رضا پر راضی اور اُسکے احکام کے سامنے اپنا سر تسلیم جھکاتا ہوں۔ اور فقط اتنا ہی نہیں کہ خود توحید الٰہی اور احکام خداوندی کو تسلیم کیا۔ بلکہ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ابراہیم نے اور اُس کی اولاد میں سے یعقوب ؑ نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کردی کہ اسی ملت توحید پر قائم رہنا کیونکہ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ اے بچو! خدا نے تمہارے لئے اسی دین و ملت کو منتخب فرمایا ہے۔ توحید الٰہی، تہذیب اخلاق، ادائے حقوق، اور کفر و شرک سے بیزاری کو تمہارا دین قرار دیا ہے لہٰذا مرتے مرتے بھی تم مسلمان رہنا اور اپنا جان و مال خدا تعالی کے سپرد کر کے اُسی کے احکام

کے پابند رہنا۔ حضرت ابراہیمؑ کے آٹھ بیٹے تھے۔ اسماعیلؑ۔ اسحاق۔ مدین
مدان۔ زمران۔ یقان۔ اسباق یا شیق اور شوخ یا سوخ۔ حضرت یعقوب
کے بارہ بیٹے تھے۔ روبن۔ شمعون یا سمعون۔ لاوی۔ یہوذا۔ ریلون یا
ریالون۔ یشجر۔ جاد۔ دان۔ نفتالی۔ آشر۔ یوسف۔ بنیامین (خازن)

مقصود بیان:۔ ملت ابراہیمی دوامی ہے یعنی اُسکے اصول توحید باری، تزکیہ نفس، ادائے حقوق، اقامت عدل وغیرہ لازوال اور غیر قابل نسخ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ہمیشہ اُنہی کی اولاد میں نبوت رہی حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں تمام انبیاء ہوئے صرف رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے نبی بناکر بھیجے گئے۔ دین ابراہیمی بدیہی اور مسلم الثبوت ہے بصیرت آگین دماغ رکھنے والے اُسکا انکار نہیں کر سکتے۔ جو شخص اپنے نفس سے جاہل ہو اُسکو وجود باری اور توحید خداوندی کا علم قطعاً نہیں ہو سکتا اور جو اپنے نفس کو جانتا ہے اپنی مخلوقیت حدوث امکان احتیاج اور فنا سے واقف ہے وہ ضرور خدا کے خالق قدیم واجب مستغنی اور باقی ہونے کا قائل ہوگا اور یہی ملت ابراہیمی کا بنیادی پتھر ہے۔ خدا تعالیٰ بے محل اپنی نبوت کسی کو نہیں دیتا پیغمبروں میں برداشت رسالت کی استعداد ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے علم ازلی میں اُن کی قابلیت اور معلومیت ثابت ہوتی ہے اسلئے اُن کو پیغمبر بنایا جاتا ہے۔ ملت ابراہیمی بلکہ دین الٰہی کا اصل منشا یہی ہے کہ اپنا تن من دھن گویا اپنا کل سراپا اور محبوب ترین چیزیں خوشنودی الٰہی کے حصول کیلئے قربان کردی جائیں یہی شریعت اسلامی کی تعلیم ہے۔ عالم اور عارف باللہ کیلئے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ خود اپنے اعتقاد و اعمال کی اصلاح کرلے اور اپنی کشتی بچا کرلے جائے بلکہ اپنے متعلقین خصوصاً اولاد کو بھی اوامر و نواہی پر پابند رہنے کی نصیحت کرے۔ ایمان یا اسلام درحقیقت وقت اخیر کا ہی قابل اعتبار ہے ورنہ تمام عمر مسلمان رہ کر مرتے وقت کافر بن جانا موجب وبال ہے۔ وغیرہ۔

یہودیوں نے جب حضرت یعقوبؑ کا ذکر سُنا تو حضور اقدسؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابوالقاسم آپ کو علم بھی ہے حضرت یعقوب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹوں کو کیا وصیت کی تھی۔ اُنہوں نے وفات کے وقت اپنی ساری اولاد کو بلاکر کہا تھا کہ تم اپنے مذہب یہودیت کو ہرگز نہ چھوڑنا ہمیشہ یہودی رہنا۔ پھر ہم آپ کے کہنے میں آکر اُنکی وصیت کی کس طرح مخالفت کر سکتے ہیں۔ اُس وقت آیت مندرجہ ذیل اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ سے وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ تک نازل ہوئی۔

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ اِذۡ

کیا تم لوگ اُسوقت موجود تھے کہ جب یعقوب کی موت کا وقت آیا تو

قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا

انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کسکی پرستش کروگے؟ بیٹوں نے کہا

نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ

ہم تمہارے اور تمہارے باپ دادا ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کے معبود

وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ

خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اُسی کے ہم فرمان بردار ہیں

تفسیر خدا تعالیٰ اس آیت میں یہود کے اُس قول کی تردید فرماتا ہے کہ یعقوب نے وفات کے بعد اپنے بیٹوں کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اور فرماتا ہے کہ تم کو کیا معلوم کہ یعقوب نے مرتے وقت اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی۔ کیا تم اُن کی وفات کے وقت وہاں موجود تھے۔ تم لوگ نہ اُس زمانہ میں موجود تھے نہ اور کوئی طریقہ صحیح علم کا تمہارے پاس ہے نہ توریت میں اسکا بیان ہے پھر تم کو یہ کہاں سے خبر ہوئی۔ بات یہ تھی کہ یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ میرے بعد تم کس کی پرستش کروگے؟ بیٹوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے اور آپ کے اسلاف یعنی ابراہیم اسحاق اور اسمٰعیل کے معبود کی پرستش کرینگے جسکی آپ اور آپ کے اہل سلف پرستش کرتے تھے وہی ہمارا بھی معبود ہے کیونکہ وہی قابل پرستش خدائے واحد و یگانہ ہے اور ہم تو اُسی پر ایمان لاچکے ہیں ہمارا اخلاص اُسی کے لئے ہے اور جان مال اُسی کے لئے مخصوص ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو وصیت کرنے کی ضرورت اسواسطے پڑی اور یہ سوال و جواب کا سلسلہ اسلئے قائم کیا کہ اُس زمانہ میں حضرت یعقوب مصر میں وارد تھے وہیں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ مصر کیا دشاہ کے علاوہ عام قبطی کافر تھے اسلئے حضرت یعقوب کو اپنی اولاد کی طرف سے بھی خطرہ ہوا کہ کہیں صحبت بد کی وجہ سے یہ بھی غیر اللہ کی پرستش نہ کرنے لگیں۔ لڑکے اس خطرہ کو سمجھ گئے اور اطمینان دلانے کے لئے نہایت صفائی سے کہدیا کہ ہم اسلام پر قائم رہینگے۔

آیات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہودیو! تم اُس زمانہ میں موجود نہ تھے جب اسرائیل کا انتقال ہوا نہ تمہارا یہ یہودی مذہب تھا تم تو موسیٰؑ کے زمانہ میں ہوئے اور تمہارا مذہب بھی موسیٰؑ کے زمانہ سے شروع ہوا۔ پھر تمہارا یہ کہنا کہ یعقوبؑ نے یہودی رہنے کی اولاد کو وصیت کی تھی بالکل غلط ہے۔ یعقوبؑ نے تو صرف اخلاص توحید اور شرک و کفر سے محترز رہنے کی وصیت کی تھی اور یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو تعلیم دیتے ہیں پھر تم دین اسلام سے کیوں انکار کرتے ہو۔ یہ تمہارے مورث اعلیٰ یعنی اسرائیل کی وصیت کے موافق ہے۔

مقصود بیان:۔ اولاد پر شفقت اور اُن کی بہی خواہی مسلمانوں کا فرض ہے خصوصاً دینی سعادت اور عاقبت کی فلاح و بہبودی کے ذرائع اختیار کرنے کی نصیحت کرنی تو لازمی ہے۔ یہی سنت انبیاء ہے۔ پرستش غیر اللہ حرام ہے

صحبت بد سے ہر شخص کے خراب ہونیکا خطرہ ہوتا ہے خواہ وہ کسی متقی عالم کا بیٹا ہو یا
کسی عابد و ولی اللہ کا پیرزادہ و یا کوئی نبی زادہ - انسان کو پہلے توحید ذات، تنزیہ
صفات کے مدارج طے کرنے چاہئیں اور پھر رضاؤ تسلیم کے مرتبہ میں پہونچکر
فنا ارادہ کی صفت اختیار کرنی چاہیئے - جیسطرح حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے
پہلے توحید کا اقرار کیا اور بعد کو وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ کہدیا - وغیرہ

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ

وہ تو ایک جماعت تھی سو گزر گئی جو اس نے کمایا اُسکے ہی لئے مفید تھا جو تم کماؤ

مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ

وہ تمہارے ہی لئے مفید ہے تم سے اُنکے اعمال کی کچھ بازپرس نہ ہوگی

تفسیر جب حضرت ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی مذکورہ بالا آیات میں مدح کیگئی اور خداوند تعالیٰ نے ان کے مدارج عالیہ اور
اعمال صالحہ کا بیان فرمایا تو یہودی اپنی جہالت سے دعویٰ کرنے لگے کہ یہ لوگ
ہمارے باپ دادا ہیں ہمارے گناہ و بداعمالیاں قابل مواخذہ نہیں ہیں کیونکہ
یہ اسلاف اور ان کے نمایاں کارنامے ہماری نجات کے لئے کافی ہیں - اس
خیال کی تردید کے لئے خدا تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ :- یہ امت تو گذر گئی - جو کام اُنہوں نے کئے اُسکے
فوائد و منافع تو اُنہی کے لئے مخصوص ہیں تم کو اُن کے نتائج اعمال سے کیا سروکار
تم نے جو کچھ کیا اُسکا فائدہ تمہارے لئے مخصوص ہوگا - اگر تم نے اپنے اعمال
میں رضائے الٰہی کا وسیلہ پایا ہے تو اپنے اسلاف کے ساتھ ملائے جاؤ گے ورنہ
تم کو اُن سے کوئی تعلق نہیں تم کو ان پر تکیہ اور بھروسہ کر کے کفر شرک اور
فسق و فجور میں مبتلا نہ ہونا چاہئے اور تم سے اُنکے اعمال کی بھی بازپرس نہ
ہوگی یعنی تم کو نہ اُن کی نیکیوں سے کوئی فائدہ پہونچیگا نہ وہ تمہاری بدکاریوں
کے ذمہ دار ہونگے بلکہ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا کفیل ہوگا - کافر کا کوئی
ساتھی نہ ہوگا - الغرض نجات کا مدار ایمان و توحید پر ہے جو لوگ اسلام و توحید
سے غافل ہو کر کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ ہرگز مغفور نہیں اور نہ
نیکیوں سے اُنکی کوئی وابستگی قائم رہ سکتی ہے۔

مقصود بیان :- کل آیات سے غرض یہ ہے کہ مؤمن احمق نہیں ہوتا
اگرچہ دنیوی معاملات میں بعض لوگ نافہم ہوں اور کافر کفر پر رہتے ہوئے
عقلمند نہیں ہوتا اگرچہ دنیوی امور میں اسکی عقل تیز ہو - جو شخص ملت ابراہیمی
کی اتباع کرنی چاہے اُس میں مندرجہ ذیل امور ہونے لازم ہیں - غیر حق
سے لگاؤ بالکل چھوڑ دے - جو چیز حق سے مانع ہو اُس سے کنارہ کش ہو جائے
امر قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دے ، نفس سرکش سے بقوت تمام مقابلہ
کرے تاکہ اُسکو مغلوب کرلے اور اُسکے شر سے محفوظ رہے - خلق خدا پر
شفقت کرے ، اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ صداقت ہمدردی اور انصاف کا
برتاؤ کرے - آیات قدرت میں غور و خوض کر کے مصنوعات سے صانع کی صفت
قدرت احاطۂ علمی اور ارادہ کاملہ پر استدلال کرے - اپنے تمام مرغوبات اور
خواہشات رضاء الٰہی کے حصول کیلئے ترک کر دے - مال جان عیش آرام سب
راہ خدا میں قربان کر دے - کورانہ تقلید اور اندھا دھند پیروی نہ کرے - اپنے
اسلاف کے کارناموں پر تکیہ کر کے اعمال صالحہ سے غافل نہ بنجائے - صحبت بد
کے اثر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے - اوامر و نواہی کا پابند ہو جائے - امر
بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنالے - اور بالآخر توحید محض اور محبت
صرف کے دریائے بے پایاں میں غرق ہو جائے تاکہ فنا کے مرتبہ سے نکل کر
بقا کے مرتبہ میں پہنچ جائے - یہی ملت ابراہیمی کے اصول تھے - اور یہی
شریعت اسلامیہ کا اصل نقطۂ نظر ہے۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ

اور کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو راہ راست پا جاؤ گے (اے محمدؐ) تم کہدو

بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

نہیں ہم تو ابراہیم کے طریقہ پر چلینگے جو حق کیطرف مائل تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے

تفسیر معالم التنزیل میں بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ
نجران یمن کے نصاریٰ اور مدینہ کے یہودی مثلاً کعب بن اشرف،
مالک بن صیف، وہب بن یہودا اور ابو یاسر بن اخطب وغیرہ میں باہم مخاصمہ
ہوا - ہر ایک اپنی حقانیت کا دعویدار ہوا - ہر فریق نے دوسرے کی تکفیر کی -
ابن صوریا کہنے لگا کہ ہم لوگ جس مذہب پر ہیں اُسکے سوا تمام مذاہب کی بناء
گمراہی پر ہے - یہی شخص صحابہ سے کہنے لگا کہ تم بھی ہمارے ہی مذہب کو مانو تو
ہدایت پاؤ گے - اسی طرح نجران کے عیسائی بھی کہنے لگے اُسوقت آیت مذکورہ
نازل ہوئی - مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی بنجاؤ
یعنی یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی بنجاؤ
تو تم راہ راست پر آجاؤ گے - اسکی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول
تم کہدو کہ ہم نہ یہودیوں کا اتباع کر سکتے ہیں نہ عیسائیوں کا - ان دونوں
فریقوں نے اپنی اپنی ملت کو بگاڑ رکھا ہے ، اصول مسائل اور بنیادی مباحث
میں انہوں نے تحریف کر ڈالی - عقائد خراب کر لئے - توحید کی بجائے تثنیہ
اور تثلیث کے قائل ہو گئے - ہم صرف ملت ابراہیم کا اتباع کرتے ہیں - ابراہیم
کی ملت کے اصول و مبانی کے ہم پیرو ہیں اور عقائد میں بھی اُن ہی سے
متفق ہیں کیونکہ ابراہیم نے باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کر لیا تھا - غیر اللہ
کی پرستش سے منہ موڑ لیا تھا - ابراہیم مشرک نہ تھے - لہٰذا عقائد اور اصول
احکام میں ہم اُنہی سے متفق ہیں اور تم اُن کی ملت حنیفہ سے خارج ہو - تم

توحید شرک آمیز یا شرک توحید آمیز کے قائل ہو اسلئے ہم تمہارے مذہب کا اتباع نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اصل مدعا کا اظہار کرتا ہے اور مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے اصول ایمان کی تبلیغ فرماتا ہے۔

قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ

(مسلمانو!) تم کہدو ہم تو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہمپر نازل کیگئی ہے

اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

اور ان احکام پر جو ابراہیمؑ اسماعیلؑ اسحاقؑ یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى

اُتارے گئے اور اس کتاب پر جو موسیٰؑ عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کو اُن کے

وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ

رب کی طرف سے دی گئی ہم ان میں سے کسی ایک کی بھی تفریق

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ فَاِنْ

نہیں کرتے اور ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں اب اگر وہ

اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ

تمہارا سا ایمان لے آویں تو بلاشبہ راہ حق پر آ گئے اور

اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ

اگر انحراف کریں تو (سمجھ لو کہ) یہ صرف ضد کی وجہ سے کرتے ہیں عنقریب اُنسے

اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اللہ تمہارا انتقام لیگا کیونکہ وہ خوب سننے والا جاننے والا ہی

تفسیر قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ یعنی اے مسلمانو! تم کہدو کہ ہم نے خدا کو مان لیا بیشک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہمارا اور تمام عالم کا رب ہے اپنی ذات و صفات میں حق ہے وہ خالق رازق اور مخلوق کو ضرر یا نفع پہونچانیوالا ہے وہی اعمال کا حساب کتاب لینے والا اور اُن پر جزا سزا دینے والا ہے نہ کوئی اُسکا بیٹا ہے نہ وہ کسی کی اولاد نہ اُسکا کوئی سہیم ہے نہ مثل وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور ہم نے اُس چیز کو بھی مان لیا اور دل سے سچ جانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی خفی یا وحی جلی

کے ذریعہ نازل کیگئی ہے یعنی قرآن و حدیث پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اور ہم کو اُن صحیفوں پر بھی یقین ہے جو حضرت ابراہیم پر نازل کئے گئے تھے اور پھر اسماعیل اسحاق یعقوب اور یعقوب کی نسل پر بھی یعنی مؤخر الذکر تمام انبیاء اور اُن کی اولاد سب صحف ابراہیمی پر عمل کرنے کیلئے مکلف بنائی گئی تھی ہمارا ان سب پر ایمان ہے۔ شیخ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ پر دس صحیفے نازل کئے گئے تھے۔ شیخ ابن کثیر بروایت ابوالعالیہ و ربیع و قتادہ کہتے ہیں کہ اسباط سبط کی جمع ہے۔ اسباط سے مراد حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے اور اُن کی نسل ہے کیونکہ حضرت یعقوبؑ کے ہر بیٹے کی اولاد میں ایک کثیر گروہ ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ انبیاء پر جو کچھ خدا نے نازل فرمایا ہمارا سب پر ایمان و یقین ہے۔ اور خصوصًا وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حضرت موسیٰ و عیسیٰ کو جو توریت و انجیل عطا کی گئی تھی ہم اُسپر بھی ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ کتابیں آسمانی تھیں خدا تعالیٰ نے ان کو مخلوق کی ہدایت کیلئے عطا کی تھیں اور یہ پیغمبر برحق تھے اور فقط اتنا ہی نہیں بلکہ وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ خدا تعالیٰ کے تمام پیغمبروں کو حق جانتے ہیں خواہ اُن کا ذکر آیا ہو یا نہ آیا ہو چاہے اُنکے نام بھی ہم کو معلوم ہوں لیکن ہم مجمل طریقہ پر سب پر ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب خدا کے فرستادے اور معصوم تھے مبلغین توحید تھے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ - ہم ان انبیاء میں سے کسی کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کو مانیں اور دوسرے کو نہ مانیں ایک کا اقرار اور دوسرے کی تکفیر کریں ایک کو سچا اور دوسرے کو جھوٹا جانیں۔ ہم کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کی تکذیب نہیں کرتے۔ سب اپنے اپنے زمانہ میں حق پر تھے اور اُن کی شریعت اُسی زمانہ میں واجب العمل تھی۔ حضرت معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ حضور اطہر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ توریت انجیل اور زبور پر ایمان لاؤ لیکن قرآن مجید تمہارے لئے (عمل کے واسطے) کافی ہے (رواہ ابن حاتم) وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ - الوہیت خالص خدا تعالیٰ کے واسطے ہے اُسی نے تمام انبیاء کو اعلان توحید کے لئے بھیجا البتہ احکام عملی میں اپنی حکمت و مشیت کے موافق ہر زمانہ میں اختلاف کر دیا تو اسلئے ہمارا مقصود حقیقی تو خدا تعالیٰ کی اطاعت گذاری خالص فرمانبرداری رضا و تسلیم اور اُسی کے احکام کی تعمیل ہے ہم اُسی کے مخلص و مطیع ہیں اُس نے جس زمانہ میں جیسا چاہا حکم دیا ہم کو سب پر ایمان و یقین ہے۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا - اب اگر یہ یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرک و کافر اُس چیز پر ایمان لے آئیں جسپر تمہارا ایمان ہے تمام انبیاء کو حق جانیں کسی میں باہم تفریق نہ کریں تمام کتب الٰہیہ پر یقین رکھیں قرآن کو سچا جانیں اور محمدﷺ کو برحق مانیں کفر و شرک اور تثنیہ و تثلیث کے قائل نہ ہوں

تو یہ بھی یقیناً راہ راست پر ہو جائینگے۔ معالم التنزیل میں بیان کیا ہے کہ ابن عباس رض کی یہی قرأت ہے اور ابن مسعود رض کی قرأت میں بھی یہی معنی آتے ہیں وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ۔ اور اگر یہ لوگ اس بات سے اعراض اور روگردانی کریں تمام انبیاء اور کتب الٰہیہ کو حق نہ جانیں کسی کا اقرار اور کسی کی تکفیر کریں۔ قرآن کو سچا اور محمد صلعم کو برحق نہ جانیں تو یہ درحقیقت مخالفت ہی ہیں حق کی مخالفت کرتے ہیں اور صداقت کے دشمن ہیں۔ راہ مستقیم کو چھوڑ کر کوئی فرقہ گمراہی میں کسی سمت اور شق کو چل رہا ہے اور کوئی کسی سمت کو۔ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ خدا تعالیٰ عنقریب تم کو ان پر فتح عطا فرمائیگا کیونکہ تمہارے الفاظ اور دعاؤں کو سنتا اور افعال و ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تمہاری کوشش رائگاں نہ جائیگی اور تمہاری قولی فعلی اور قلبی سعی برباد نہ ہوگی۔ اس آیت میں مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے اور کامیابی کی پیشین گوئی کی ہے چنانچہ تھوڑی مدت کے بعد ہی یہ وعدہ پورا کیا گیا۔ ہجرت کے تیسرے سال فرقہ بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور ملک شام کی جانب نکالدیا گیا اور ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ احزاب سے فراغت پا کر ہتھیار بھی نہ کھولے تھے کہ بنو قریظہ پر جہاد کا حکم ہوا اور تمام یہودی سوا عورتوں اور بچوں کے مارے گئے اور پھر نجران کے عیسائی بھی مطیع ہو گئے۔

مقصود بیان:- یہودیت اور عیسائیت دونوں سیدھے راستے نہیں ہیں اور نہ نجات و سعادت کے کفیل ہونے کے اہل ہیں بلکہ ملتِ ابراہیمی ہی ہدایت کا راستہ اور صراطِ مستقیم ہے۔ مسلمان ملتِ ابراہیمی کا اتباع دو امور میں کرتے ہیں (۱) اصولِ احکام اور قواعد و مبانی: یعنی جو اصولِ اعمال اور قواعدِ احکام حضرت ابراہیم کے مذہب میں تھے وہی شریعت اسلامیہ میں ہیں۔ اسکی طرف لفظ ملۃ اور حنیف سے ایک بلیغ اشارہ کیا گیا ہے۔ (۲) عقائد و ایمان یعنی توحید ذات و صفات اقرار قیامت و بعث جسمانی حساب کتاب جنت و دوزخ عذاب ثواب تمام انبیاء کی تصدیق وغیرہ یہ عقائد بھی ملت اسلامیہ کے ہیں۔ لہٰذا دین ابراہیمی اور مذہب اسلام باہم متحد و متفق ہیں۔ رہا فروعی اختلافات تو یہ ہر زمانہ اور اہل زمانہ کے مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہوتا رہتا ہے اس سے اصول میں اختلاف لازم نہیں آتا۔ مسلمان پر لازم ہے کہ جن انبیاء کا تذکرہ قرآن یا حدیث میں آ گیا ہے اُن کی تصدیق تو تفصیلاً کرے اور جن کا تذکرہ نہیں آیا ہے اُن کی صداقت پر اجمالی ایمان رکھے۔ ایک نبی کی تکفیر بھی تمام انبیاء کی تکفیر ہے۔ آیت میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء اور کتب الٰہیہ پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے سے اصل غرض خدا تعالیٰ کی اطاعت گذاری فرماں برداری ہے۔ اسی کے احکام کی تعمیل میں اپنا جان مال اولاد تمام اندرونی اور بیرونی قویٰ عقل شہوت اور غضب کو صرف کرنا مقصود ہے نشست و برخاست، خورد و نوش، خواب و بیداری زندگی اور موت اُسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہونی چاہیئے۔ ہر حالت اور ہر وقت میں وہی ایک خیال پیش نظر رہنا چاہیئے۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اسی مضمون کی طرف ایما ہے۔ آیت کے اخیر ٹکڑے میں یہود و نصاریٰ کو تہدید و وعید اور مسلمانوں کی کامیابی و نصرت کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

(تم کہدو) ہم نے تو اللہ کا رنگ لے لیا اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے

وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ

اور ہم تو اُسی کی عبادت کرتے ہیں

تفسیر عیسائیوں کا دستور تھا کہ لڑکے کے یوم ولادت سے ساتویں روز اُسکو زرد پانی سے نہلاتے تھے اور ایک رنگین حوض میں غوطہ دیتے تھے اس پانی کو معمودیہ کہتے تھے اور اب بھی یہ بپتسمہ کرنے کی رسم جاری ہے عیسائی اس فعل کو نجات و حصول سعادت کا ذریعہ جانتے تھے۔ خدا تعالیٰ آیت مذکورہ میں اسکی تردید کرتا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ تو ایک رسم کی پابندی ہے اور یہ بیسود ہے زرد رنگ رنگا تو کیا اور سرخ رنگ رنگا جب کیا سب لاحاصل ہے۔ اصل رنگ تو مقدس دین اور اللہ کی شریعت ہے جسکو اللہ کا رنگا ہوا رنگ کہنا چاہیئے اس مبارک اور پاک رنگ سے بہتر اور کون سا رنگ ہو سکتا ہے۔ ظاہری رنگ سے کپڑا وغیرہ رنگ جاتا ہے اور اس خدائی رنگ سے روح و دل رنگین ہو جاتا ہے۔ اطاعت و توحید کا اثر مسلمان کے رگ و پے اور رونگٹے رونگٹے میں سرایت کر جاتا ہے اور مسلمان کا ریشہ ریشہ اُسی کی عبادت میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ یہ رنگ حقیقی ہے جو نجات و سعادت کا کفیل ہو سکتا ہے اور اس سے بے چین روحوں کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے باقی دنیا کے دیگر رنگ دل اور روح کو رنگین نہیں کر سکتے۔

مقصود بیان:- مسلمان کے ریشے ریشے اور رونگٹے رونگٹے میں محبت الٰہی پیوست ہونی چاہیئے اور اُسکے بدن و روح کا ذرہ ذرہ عبادت الٰہی میں سرگرم رہنا چاہیئے۔ سوا خدائے قدوس کے کسی کو لائق پرستش نہ سمجھا جائے دنیا کا ہر کام اور ہر شغل اور ہر خیال محض رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہونا چاہیئے۔ ظاہر پرستی بے وقعت چیز ہے۔ نہ یہ راہ نجات ہے نہ طریقۂ سعادت۔

مسلمان اور کافر کی ظاہری شکل اگرچہ ایک سی ہے لیکن مسلمان کا باطن اُس رنگ فطری سے رنگین ہوتا ہے جو ہر وقت اُس کو نشۂ توحید سے سرشار رکھتا ہے۔ خداوند تعالیٰ ظاہری شکلوں کو نہیں دیکھتا بلکہ نیت و عمل کو دیکھتا ہے۔ وغیرہ۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ

(اے محمدؐ!) کہدو کیا اللہ کے دین میں ہم سے حجت کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا بھی رب ہے

اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ

اور تمہارا بھی ہمارے کرتوت ہمارے لئے ہیں اور تمہارے کرتوت تمہارے لئے اور ہم تو اسی کے مخلص ہیں

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

کیا تم اسکے قائل ہو کہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى

اولاد یعقوب یہودی یا عیسائی تھے

قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

(اے محمدؐ!) کہدو کیا تم زیادہ واقف ہو یا اللہ - اور اس سے بڑھکر ناحق کوش کون ہے

كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

کہ جسکے پاس اللہ کیطرف سے گواہی ہو اور وہ اُسکو چھپائے اور خدا تمہارے اعمال سے

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ

بیخبر نہیں ہے - وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی اُسکے کرتوت اسکے لئے تھے

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

اور تمہارے کرتوت تمہارے لئے تم سے اُنکے اعمال کی بازپرس نہ ہوگی

تفسیر قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ - محی السنت نے معالم میں اور سیوطی نے تکملہ میں اس آیت کی شان نزول یہ تحریر کی ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم کو کتاب الٰہی یعنی توراۃ تم سے پہلے ملی ہے اور ہمارا قبلہ یعنی بیت المقدس بھی تمہارے قبلہ سے سابق ہے اور ہمیں لوگوں میں انبیاء ہوتے چلے آئے ہیں - عرب میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا - لہذا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوتے تو ہمیں میں سے ہوتے - بنی اسماعیل میں سے نہ ہوتے یہود کے اس خیال کی تردید خداتعالیٰ پوری آیت میں کرتا ہے - مطلب یہ ہوکہ اے نبی! تم اُن سے دریافت کرو کہ تم جو نبوت کو اپنی میراث سمجھے ہوئے ہو اور کہتے ہو کہ نبی اسرائیلی ہی ہونا چاہئے اسکی کیا وجہ اور کیا ثبوت ہے - تم فضل خدا اور رحمتِ الٰہی کو اپنے لئے مخصوص سمجھتے ہو یہ کیوں - کیا تمہارا خدا سے کوئی رشتہ ہے کہ سوا تمہاری قوم کے کہیں نبی نہ ہو یا تمہارے اعمال و افعال تم کو

نبوت کا مستحق قرار دیے ہوئے ہیں وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ - اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ خدا کا تم سے کوئی رشتہ یا تعلق خصوصی ہے جسنے تم کو مخصوص طور پر حامل نبوت بنادیا ہے اور ہم اُس تعلق سے محروم ہیں اسلئے ہم میں کوئی نبی نہیں ہوسکتا تو یہ تمہارا گمان غلط ہے - خدا جسطرح تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے اُسکا کسی مخلوق سے رشتہ نہیں - اُسکے نزدیک بحیثیت مخلوق ہونے کے سب بندے برابر ہیں وہ سب کا خالق محسن رازق اور پروردگار ہے جسطرح چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے اپنے فضل و رحمت سے برگزیدہ فرمادیتا ہے - لہذا تمام بندے جب اُسی کی مخلوق ہیں تو سب اُسی کے فضل کے امیدوار ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں - وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ اور اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ تمہارے اعمال و افعال ایسے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ تم کو حامل نبوت بناتے ہیں تو تمہارے لئے تمہارے اعمال مفید ہیں اور ہمارے لئے ہمارے اعمال - ہم امیدوار ہیں کہ اگر اُسکے فضل و رحمت سے ہمارے اعمال قبول ہوں تو وہ اپنی رحمت سے ہم کو سرفراز فرمائے - اور چونکہ تم نے راہِ مستقیم کو چھوڑدیا - تمہاری اطاعت میں اخلاص اور عقائد میں توحید نہ رہی ظاہر پرستی میں مبتلا ہوکر تم اپنے عقائد و اعمال خراب کرچکے اور ہم اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں اُسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں جانتے نہ اعتقاد میں نہ اعمال میں پھر تم نے کیوں نبوت کو اپنی میراث سمجھ لیا اور رسالتِ الٰہی کو اپنے لئے مخصوص کرلیا - ماحصل یہ کہ رحمتِ الٰہی میں ہم تم دونوں مشترک ہیں اور اعمال میں ہم تم سے بہتر ہیں - ہمارے اعمال شرک سے پاک ہیں اور تم توحید شرک آمیز کے قائل ہمارے اعمال میں خلوص و بندگی اور تمہارے اعمال میں ظاہر پرستی - پھر کیوں نبی اسرائیل میں نبی ہوا اور بنی اسماعیل میں نہ ہوا اور فقط یہی نہیں کہ تم ہماری ہدایت اور حقانیت ہی کے منکر ہو بلکہ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى - تم تو ظاہر حق کے بھی منکر ہوا اور ایسی باتیں کرتے ہو جو عقل و نقل کے مخالف ہیں نہ روایت سے اُن کی صحت ثابت ہوسکتی ہے نہ درایت سے - تم قائل ہو کہ ابراہیم اسمٰعیل اسحاق یعقوب اور انکی تمام نسل یا یہودی تھے یا عیسائی - یعنی یہودی کہتے ہیں کہ یہ سب حضرات یہودی تھے اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہ سب عیسائی تھے - اور تم سے جب انکا ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو کہتے ہو کہ ہم کو اسکا بخوبی علم ہے اور یہ تمام گروہ اسلاف ہم کو نجات دلادیگا تو قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ اے رسول آپ ان سے کہدیجئے کہ خدا زیادہ عالم ہے یا تم اور یہ تو یقینی امر ہے کہ خدا زیادہ عالم ہے اسلئے اُس نے جو فرمایا ہے وہی حق ہے کہ ابراہیم اور مذکورہ تمام انبیاء موحد تھے یہودیت و نصرانیت تو مدتوں بعد کو پیدا ہوئی اور اخیر میں جب یہودیت و عیسائیت میں لوگ تعصب کرنے لگے فسق و فجور میں پڑگئے - دین کو ایک کھیل بنالیا - تمام راہ حق اور معارف توحید مٹ گئے تو خدا نے

اپنے برگزیدہ نبی کو مبعوث فرمایا اور اُسکی بشارتیں پہلے ہی سے تورات انجیل اور دیگر صحف میں دیدیں تم توریت وغیرہ میں پڑھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے یعنی وہ خالص توحید جسپر ابراہیم تھے اور تم پڑھتے تھے کہ خاتم الانبیاء کے یہ اوصاف وشرف اور یہ حلیہ ہے لیکن تم اس واضح شہادت کو چھپاتے ہو وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ اُس شخص سے زیادہ ناحق کوش اور ظالم کون ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسکے پاس کوئی شہادت واقعی ہو اور وہ اُسکا اظہار نہ کرے اور خصوصًا ایسے عظیم الشان رسول اور الٰہی والا مرتبت امت کے متعلق شہادت جو افضل الخلق ہے اور جسپر کہ حصول نجات موقوف ہے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ تم کو اس بات پر ناز نہ ہونا چاہیے کہ ابراہیم و اسمٰعیل وغیرہ ہمارے اسلاف تھے وہ ہم کو ہر حالت میں عذاب سے بچا لینگے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ تمہارے اعمال اور کرتوت سے غافل نہیں ہے۔ وہ خوب دیکھتا سنتا اور جانتا ہے تم کو تمہارے اعمال کی ضرور سزا دیگا اور گذشتہ انبیاء و صلحاء کے اعمال و افعال تمہارے لئے سودمند نہ ہونگے۔ دین میں نسب کو دخل نہیں اپنی اپنی کرنی اور اپنی اپنی بھرنی۔ جس شخص کو اُسکے اعمال جنت میں نہ لیجا سکینگے اسکو اُس کا نسب آگے نہ بڑھا سکے گا۔

مقصود بیان:۔ خدا کا کسی سے کوئی خاص رشتہ اور خصوصی تعلق نہیں۔ جو شخص خدا کے سامنے عجز و نیاز اور دلی اخلاص سے پیش آتا ہے وہی محبوب اور رحمت الٰہی کا مستحق ہے۔ دین حق درحقیقت اسلام ہے ابراہیم۔ اسمٰعیل اسحاق یعقوب اور انکی نسل والے یہودی اور عیسائی نہ تھے بلکہ خالص موحد اور مسلم تھے۔ ان حضرات کا اسلام اور ہماری شریعت اسلامیہ دونوں متحد ہیں۔ تورات۔ انجیل۔ زبور صحف ابراہیم اور دیگر صحائف الٰہی میں رسول اقدس اور حضور کی امت کے متعلق پیشینگوئیاں موجود تھیں اور باوجود ترمیم و تغییر کے اب بھی موجود ہیں۔ شہادت حق کا چھپانا حرام ہے کسیکو دوسرے کے اعمال نجات نہیں دلا سکتے نہ ایک کا عمل دوسرے کو سودمند ہے

دوسرا پارہ

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ

اب بیوقوف لوگ کہینگے کہ ان (مسلمانوں) کو اس قبلہ (بیت المقدس) سے

عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ

کس چیز نے پھیر دیا جسپر یہ تھے | تم کہدو کہ پورب پچھم

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ

خدا ہی کا ہے | جس کو چاہتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

سیدھے راستہ پر چلاتا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں خدا تعالیٰ نے یہود و منافقین کی نکتہ چینیاں اور اُن کا جواب ذکر فرمایا تھا۔ اعداء اسلام کا ایک زبردست اعتراض یہ بھی تھا کہ تحویل قبلہ کیوں ہوئی پہلے ایک قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنی اور پھر اس سے روگردانی کرنی جہالت مذا پر دلالت کرتی ہے خدا اسی واقعہ کو بطور اخبار بالغیب کے ان آیات میں بیان کرکے اُسکا جواب بھی ذکر فرماتا ہے۔

تحویل قبلہ کا مختصر بیان

ابن عباسؓ اور دیگر جمہور مفسرین کا قول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں ہجرت سے قبل تشریف فرما تھے تو کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے۔ بعض روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی جہت میں نماز کو کھڑے ہوتے کہ سامنے کے رخ پر پہلے کعبہ آجاتے پھر مدینہ پھر بیت المقدس جسکی وضاحت اس نقشہ سے ہوتی ہے

اسی بنا پر بعض لوگوں کو دھوکا ہوا اور انہوں نے یہ روایت کی کہ حضور والا مکہ میں بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے اور تحویل قبلہ دوبارہ ہوئی ہے لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح یہی ہے کہ مکہ میں بھی قبلہ یہی بناء ابراہیمی تھی ہاں بیت المقدس بھی جہت کے سامنے واقع تھا لیکن اس سے بیت المقدس کا قبلہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ الحاصل جب حضور بعد الہجرت کے بعد مدینہ میں تشریف لائے تو باختلاف روات نو یا دس یا سولہ یا سترہ مہینے قبلہ یہود یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز ادا کی پھر دوسرے سال ماہ رجب کی پندرہ تاریخ کو پیر کے دن نماز عصر میں بیت المقدس سے مُنہ موڑ کر کعبہ کیطرف رُخ پھیرنے کا حکم دیا گیا اور حضورؐ نے مع جماعت صحابہ کے نماز کے اندر ہی حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے قبلۂ ابراہیمی کیطرف رخ پھیر لیا اور کعبہ کیطرف مُنہ پھیرے ہوئے نماز پوری کی۔ اس تحویل پر یہود و منافقین و مشرکین طعن کرنے لگے۔ یہود کہنے لگے کہ خدا اپنے احکام کو کیوں منسوخ کرتا ہے کیا اُسکو پہلے سے مصلحت کا علم نہیں۔ مزید براں اُن کو یہ بھی ناگوار تھا کہ باوجود اتباع سلسلۂ انبیاء کے یہ نبی عربی کعبۂ انبیاء کو چھوڑ کر

جاہلیت کے کعبہ کی طرف رخ کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی نہیں ہے جسکی تورات میں خبر دیگئی تھی۔ اور منافقین کے نزدیک تو کوئی جہت قابل ترجیح ہی نہ تھی اُنکے نزدیک یہ فعل ہی لغو اور بے سود تھا۔ رہے مشرکین تو وہ عجیب مخمصہ میں تھے لوگوں سے کہتے تھے کہ محمدؐ تو دین کے بارہ میں خود ہی متحیر ہیں کبھی یہود کے قبلہ کو اچھا سمجھکر اُس طرف نماز پڑھتے ہیں اور کبھی اُس سے مُنہ موڑ کر کعبہ کیطرف سجدہ کرتے ہیں۔ ان اعتراضات کی خبر بطور پیشین گوئی کے مذکورہ آیات میں ظاہر کی گئی ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب بیوقوف لوگ کہینگے۔ ابن کثیرؒ کے نزدیک بیوقوفوں سے مشرکین عرب مراد ہیں (الزجاج) مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے پڑھے لکھے یہودی مراد ہیں۔ سدی کے قول کے بموجب منافق مراد ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بروایت حضرت براء بن عازب بیان کیا ہے کہ سفہاء سے مراد اہل کتاب ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ سفہاء سے کوئی خاص فرقہ مراد نہیں بلکہ سب کے حق میں آیت کا حکم قائم ہے۔

مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا - یعنی عنقریب بیوقوف لوگ کہینگے یہ مسلمان لوگ بیت المقدس سے کیوں پھر گئے۔ مطلب یہ کہ یہ بیوقوف لوگ رازِ الٰہی سے واقف نہیں نہ خاصانِ خدا یا ان کا اعتقاد ہے کعبہ کیطرف مُنہ کرکے نماز پڑھنے پر یہ لوگ اعتراض کرینگے۔ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ - تم ان سے کہدو کہ مشرق و مغرب جنوب و شمال سب جہتیں اُسی کی بنائی ہوئی ہیں وہی ان سب کا بغیر کسی خصوصیت کے مالک ہے اُسکی ذاتی خصوصیت کسی خاص مقام سے نہیں ہر جگہ اور ہر سمت اُسکے لئے یکساں ہے ہر مقام پر اُسکی جلوہ پاشی اور ضیا افگنی ہے ہاں کسی مصلحت و راز کی وجہ سے کسی ایک جہت کو اپنی عبادت کے لئے مخصوص فرما دیتا ہے اور یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ جس شخص کو چاہتا ہے اُسکی طرف ہدایت کرتا ہے اور سیدھا راستہ بتاتا ہے بلکہ مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور اُنہی میں سے صحابہ ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

(اے امت محمدیہ) اسیطرح ہمنے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم اور لوگوں کے مقابلہ

عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا

(بروز قیامت) گواہ بنو اور تمہارے رسول تمہاری صداقت کے گواہ بنیں۔

تفسیر وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا - اے مسلمانو! جسطرح ہمنے تم کو راہِ راست کی ہدایت کی اور تمہارے قبلہ کو افضل بنایا اسی طرح تم کو تمام امتوں میں افضل اور عادل بنایا (سیوطی) لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا - اس آیت کے مفسرین نے دو مطلب بیان کئے ہیں (۱) ہم نے تم کو افضل و عادل اسلئے بنایا تاکہ ہر امر خیر میں تم لوگوں کے ہادی اور رہبر ہو جس بات کو تم اچھا یا بُرا کہدو اُس میں تم خدا تعالیٰ کیطرف سے گواہ مانے جاؤ اور رسول تمہارا ہادی اور رہبر ہے یعنی جو کچھ خدا تعالیٰ اپنے نبی کے قلب پر القا کرے تم خود اسکی تعمیل کرو اور دوسروں کو اسکی تعلیم دو۔ (۲) اکثر مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہمنے تم کو تمام امتوں سے افضل و برتر اسلئے بنایا تاکہ تم لوگوں میں قیامت کے دن گواہ ہو اور رسول تمہارے گواہ ہوں۔ امام احمدؒ نے بروایت ابوسعید خدریؓ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن حضرت نوحؑ کو بلا کر دریافت کیا جائیگا کہ کیا تم نے احکام الٰہی کی تبلیغ کر دی تھی۔ حضرت نوح عرض کرینگے جی ہاں۔ پھر حضرت نوحؑ کی امت کو بلایا جائیگا اور دریافت کیا جائیگا کہ کیا تم کو احکام الٰہی پہنچا دیے گئے تھے۔ امت نوح کہیگی ہمارے پاس تو کوئی عذاب الٰہی سے ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ اُسوقت حضرت نوح سے خطاب ہوگا کہ تمہاری گواہی کون دیسکتا ہے حضرت نوح عرض کرینگے محمدؐ اور انکی امت۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرماکر آیت مذکورہ تلاوت کی اور فرمایا اس آیت کا یہی مطلب ہے تم لوگ حضرت نوحؑ کے گواہ ہوگے اور میں تمہارا گواہ ہونگا (بخاری - ترمذی - ابن ماجہ - نسائی) حضرت جابر بن عبداللہؓ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں اور میری امت احوال خلق پر مطلع ہوگی اور ہر شخص ہمارے پاس آئیگا اور جس پیغمبر کی امت نے اُسکی تکذیب کی ہوگی اُسکے واسطے ہم ہی گواہی دینگے کہ اس نے اپنے پروردگار کا پیغام ان لوگوں تک پہونچا دیا تھا (ابن کثیر) حاصل روایات یہ ہے کہ قیامت کے دن جب سب اگلے پچھلے لوگ میدان میں جمع ہونگے تو ہر امت کے کافر طبقہ سے کہا جائیگا کہ کیا تم کو کسی نے احکام الٰہی کی تبلیغ نہیں کی تھی؟ تو سب کہینگے مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ۔ پھر ان منکرین انبیاء سے مطالبہ کیا جائیگا اور بطور اتمام حجت حکم ہوگا کہ اپنے گواہ لاؤ۔ تمام انبیاء امت محمدی کو گواہی میں پیش کرینگے کافر کہینگے کہ یہ لوگ تو ہمارے بعد آئے تھے ان کو ہماری حالت کا کس طرح علم ہو سکتا ہے؟ یہ غلط کہتے ہیں۔ اُمت محمدیہ عرض کریگی کہ ہم کو اسکا علم خدا کی سچی کتاب یعنی قرآن سے ہوا ہے۔ اسکے بعد رسول پاکؐ سے امت کی حالت دریافت کیجائیگی تو حضورؐ اپنی امت کی عدالت اور صدق کی گواہی دینگے۔

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رؤساء یہود نے حضرت معاذؓ سے کہا تھا کہ ہمارا قبلہ یعنی بیت المقدس سارے انبیاء کا قبلہ ہے تمہارے نبی بھی خوب جانتے ہیں ہم تمام انسانوں میں برتر اور ہر امت سے افضل ہیں لیکن اب انہوں نے ہمارے مقدس قبلہ کو حسد اور بغض کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ معاذ بن جبلؓ نے فرمایا تم کو بزرگی کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے امت محمدیہ تمام امتوں سے افضل ہے۔ اسکی تصدیق میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

مقصود بیان:۔ تمام انبیاء بھائی بھائی ہیں کوئی ایک دوسرے کے

خلاف نہیں بلکہ ہر ایک دوسرے کا مؤید و مصلح ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک اصلی اور دوامی خصوصیت حاصل تھی اسلئے اسکے برخلاف طعن کرنے کو حماقت سے تعبیر کیا۔ خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی جہت مکان اور جگہ مخصوص نہیں لیکن بعض مقامات خصوصیت کے ساتھ مظاہر پرتو اور جلوہ گاہ نور قدرت ہیں اور اسکا علم صرف ہدایت الٰہی سے ہوتا ہے۔ تمام عادل آمر بالخیر اور ناہی عن المنکر تھے ان سب کی ہدایت اور تعلیم واجب العمل ہے انکی تعلیم و تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و ارشاد کا پرتو اور ظل ہے۔ اجماع صحابہ حجت قطعی ہے کیونکہ جس امر پر تمام صحابہ کا اتفاق ہو جائے اگر وہ امر باطل اور خلاف حق ہو تو عدالت صحابہ میں رخنہ لازم آئیگا۔ اور چونکہ صحابہ کا عادل ہونا قطعی ہے لہذا جس امر پر صحابہ کا اجماع ہو جائے وہ بھی یقینی اور قطعی واجب العمل ہے۔ آیت میں اس امر کیطرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے اور گواہوں کی عدالت ثابت کرنے کیلئے ثقہ لوگوں کی تصدیق ہونی چاہیئے۔ ایک پوشیدہ تلمیح اس طرف بھی ہے کہ قاضی کو بغیر شہادت کے محض اپنے علم پر فیصلہ نہ کرنا چاہیئے۔ مدعی پر لازم ہے کہ ثبوت دعوی کیلئے گواہ پیش کرے۔ قاضی کسی گواہ کے بیان پر جرح نہیں کر سکتا۔ مدعا علیہ کو جرح کا حق ہے۔ گواہی کی شہادت کیلئے معاینہ یا تفصیل معاینہ ضروری نہیں بلکہ اگر اسکو یقینی خبر معلوم ہو خواہ اسکا معاینہ نہ ہو تب بھی گواہی دے سکتا ہے۔ احکام الٰہی میں قوت واہمہ کو دخل دینا اور چون و چرا کرنا بیوقوفوں یعنی غیر مسلموں کا کام ہے اور جنکو نور فطرت سے کچھ روشنی حاصل ہے وہ چون و چرا نہیں کرتے۔ وغیرہ

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ

(اے محمد) جس قبلہ پر آپ قائم تھے اسکو قبلہ بنانے سے ہماری صرف غرض تھی کہ رسول

مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ

کی پیروی کرنیوالے اور ایڑیوں کے بل لوٹ جانیوالے نمایاں ہو جائیں

وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ

یہ بات اگرچہ شاق گذری مگر ان لوگوں پر شاق نہیں گذری جنکو اللہ نے ہدایت دی ہے

تفسیر یہ آیت یَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ تک تتمہ اور اسکی تفسیر ہے اور تحویل قبلہ کے ایک مخفی راز کا اظہار ہے مطلب یہ ہے کہ چند روز بیت المقدس (قبلہ) کیطرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا سر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے فرماں برداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہو جائے کیونکہ جو لوگ صادق الیقین اور سچے جاں نثار ہیں اور دل سے رسول اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ بلا خوف و تردد حضور کے حکم کو قبول کر لیتے ہیں خواہ انکے رسم خاندانی اور حمیت قومی کے خلاف ہی ہو اور جو لوگ رسم و رواج خاندان، تقلید آباء اور تعصب ملی و قومی میں گرفتار ہیں وہ نکتہ چینیاں کرتے اور راہ راست سے کجروی اختیار کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیت المقدس کیطرف سجدہ کرنے اور پھر اسکو چھوڑ کر اصلی قبلہ کیطرف رجوع کرنے کا حکم دینے سے مقصود یہ ہے کہ ہمکو دونوں فرقوں میں امتیاز ہو جائے (سیوطی) یعنی ایسا علم ہو جائے جس پر ثواب یا عذاب دیا جا سکے۔ کیونکہ ویسے تو خدا تعالیٰ کو اپنے علم ازلی کے اعتبار سے ہر چیز کا علم ہے لیکن اس پر ثواب عذاب مترتب نہیں بلکہ ثواب عذاب اس علم ظہوری پر مترتب ہے جو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً یعنی اپنے شعائر مذہبی رواج ملی اور رسم قومی کو چھوڑنا اگرچہ بہت بھاری بات ہے یہ امر بہت دشوار ہے کہ کسی کے کہنے سے اپنے رسم و رواج اور مسلمات مذہبی کو ترک کر دیا جائے لیکن إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے راہ راست بتا دی یا مقصود اصلی میں کامیاب کرنا چاہا اور جہالت کے پردے انکے دلوں سے دور کر دیے انکے لئے یہ کچھ بھی دشوار نہیں وہ اطاعت رسول کو اپنے ملکی اور ملی رواجوں سے مقدم سمجھتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ ذیل روایت تحریر کی ہے۔ کچھ لوگ مسجد قبا میں فجر کی نماز میں مشغول تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا رات (یعنی کل زوال کے بعد) حضور اقدسؐ پر قرآن کی ایک آیت نازل ہوئی ہے جسمیں حضورؐ کو کعبہ کیطرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی سب لوگوں نے کعبہ کیطرف منہ کر لیے۔ ترمذی اور مسلم کی روایت میں ہے کہ مسجد قبا والے صحابہ رکوع میں تھے اور اسی ہیئت میں وہ کعبہ کیطرف گھوم گئے۔

مقصود بیان:۔ جو لوگ ازلی شقی ہیں نور فطرت سے انکے دل محروم ہیں ان کو احکام شریعت میں تردد و شک اور گرانی ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کو توفیق الٰہی سے روشنی ایمان حاصل ہے اور دلوں پر جہالت و گمراہی کے پردے نہیں پڑے ہیں وہ احکام شریعت کی تعمیل میں کوئی دشواری اور ثقل محسوس نہیں کرتے۔ ہر رسم و رواج کو مرضی الٰہی پر قربان کر دیتے ہیں صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور فرماں برداری میں نہایت ثابت قدم اور راسخ العقیدہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل انکے لئے واجب التقلید تھا اور وہ حضور کے ہر قول و فعل پر بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اور اللہ تمہارا ایمان اکارت کرنے والا نہیں ہے کیونکہ اللہ

بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ○

لوگوں پر یقیناً شفیق و مہربان ہے

تفسیر حیی بن اخطب اور دیگر یہود نے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے شک ڈالنے کیلئے دریافت کیا کہ تم لوگ جو نماز بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے ہو وہ ہدایت پر مبنی تھی یا گمراہی تھی۔ اول الذکر صورت میں تو تم نے اُسکو ترک کر دیا اور اب گمراہی میں مبتلا ہو گئے اور مؤخر الذکر تقدیر پر تم نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا اور تم میں سے جو مسلمان اُس زمانہ میں مرا ہے جبکہ تم لوگ بیت المقدس کیطرف نماز پڑھتے تھے تو وہ گمراہی پر مرا۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ درحقیقت ہدایت و گمراہی کا معیار حکم خدا کی تعمیل اور عدم تعمیل ہے۔ ہدایت وہی ہے جسکا خدا تعالیٰ نے حکم دیا اور گمراہی وہ جسکی خدا نے ممانعت فرمائی۔ یہ خاموش کن جواب سن کر شیطان کہنے لگے کہ اچھا تمہارے پاس اُن لوگوں کی نجات و ہدایت کے متعلق کیا ثبوت موجود ہے جو بیت المقدس کیطرف نماز پڑھتے کے زمانہ ہی میں مرے ہیں (یعنی اسعد بن زرارہ، ابو امامہ، براء بن عازب) یہ اعتراض سُن کر مذکورہ شہداء کے رشتہ دار اور اہل قرابت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! حضور کو خدا تعالیٰ نے قبلۂ ابراہیمی کی طرف پھر جانے کا حکم دیا لیکن ہمارے اُن بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو بیت المقدس کیطرف نماز پڑھتے تھے اور اُسی زمانہ میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ جو پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھ چکے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے حکم کا تم نے اتباع کیا ہے ثانی قبلہ کی طرف نماز پڑھنے سے خدا تعالیٰ اُس پہلی عبادت کو ضائع اور برباد نہیں فرمائیگا بلکہ اُس کا پورا پورا ثواب عطا فرمائیگا۔ خدا نے ہی تم کو یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ تم نافرمانی اور سرکشی سے باز رہے خصوصًا تحویل قبلہ میں نکتہ چینیاں کر کے تم نے ایمان کو زائل نہیں کیا۔ یہ تم پر فضل الٰہی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ خدا تعالیٰ تم پر بڑا مہربان و شفیق ہے کہ تم کو ایمان خالص اور اتباع کامل کی توفیق عطا فرمائی اور تم تحویل قبلہ پر کوئی خوردہ گیری نہ کر سکے۔

مقصود بیان:۔ خدا تعالیٰ ظالم نہیں کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ تعمیل احکام اور فرماں برداری کرنے والے مستحق ثواب ہیں ایمان کا فرد کامل یا جزء اعظم یا شرط اولین نماز ہے۔ گویا نماز کو ہی ایمان کہنا بے جا نہیں۔ خدا تعالےٰ اپنی رحمت و شفقت سے انسان کی بہتری اور سعادت و فلاح چاہتا ہے۔ لیکن انسان خود اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کے اسباب تیار کرتا ہے۔ وغیرہ

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

تمہارا آسمان کیطرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھنا ہم دیکھ رہے ہیں لہذا جس قبلہ کو

قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

تم پسند کرتے ہو اُسی کی طرف ہم تم کو پھیرتے ہیں اب تم مسجد حرام کیطرف اپنا رُخ

الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

پھیر لیا کرو اور (مسلمانو) تم جہاں کہیں ہو اُسی کی طرف اپنا رُخ کر لیا کرو

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ

اور اہل کتاب بلاشبہہ خوب واقف ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ) اُن کے پروردگار کی

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ

طرف سے یقینًا برحق ہے اور اللہ اُن کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے

تفسیر اکثر مفسرین قائل ہیں کہ یہ آیت سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ معالم التنزیل میں ہے کہ یہ آیت اگرچہ تلاوت میں مؤخر ہے لیکن معنی میں مقدم ہے کیونکہ یہی شروع قصہ ہے۔ **واقعہ نزول** یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کو کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا انتہائی شوق تھا اور حضور والا وحی کے انتظار میں بار بار مُنہ کو آسمان کی طرف اٹھاتے تھے گویا قلب مبارک میں یہ توقع و امید تھی کہ خدا تعالیٰ مجھکو کعبہ کیطرف متوجہ ہونے کا حکم دیدیگا اور حضور کا یہ شوق علاوہ مصالح تبلیغی کے اس امر پر بھی مبنی تھا کہ کعبہ قبلۂ ابراہیمی ہے سب سے پرانا قبلہ ہے اور حضور والا کو اُسکی طرف انتہائی رغبت تھی اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ لیکن تفسیر ابن کثیر میں شان نزول کو دوسرے الفاظ میں قدرے تغیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد جب مدینہ میں تشریف لائے اور مدینہ کے باشندے اکثر یہود تھے تو خدا تعالیٰ نے حضور کو حکم دیا کہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں۔ یہودی اس سے بہت خوش ہوئے اور حضور نے سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھی لیکن حضور کی دل سے خواہش یہی تھی کہ میرا قبلہ وہی ہو جو قبلۂ ابراہیمی ہے اسلئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے اور آسمان کی طرف انتظار وحی میں بار بار نظر اٹھاتے تھے اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ یعنی ہم آپکے اظہار رغبت کو جانتے تھے جو ترقی مراتب کی وجہ سے بیت الحرام کو قبلہ بنانے کے متعلق تھی۔ اگرچہ ادب و تہذیب سے صراحۃً اسکا سوال نہ تھا۔ لہذا ہم تم کو اُس قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں جسکی طرف تم کو رغبت ہے۔ اب تم مسجد حرام یعنی اُس مسجد کیطرف

اپنا رخ پھیر لو جہاں قتل دگناہ اور قصاص وخونریزی حرام ہے اور جو خدا کے نزدیک نہایت محترم و معظم ہے۔ اس سے آگے عام امت کو حکم دیا جاتا ہے وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ یعنی یہ مکہ اور نواح مکہ کی ہی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تم جس جگہ اور جہاں کہیں ہو اور فرض نماز پڑھنی چاہو تو کعبہ کی طرف منہ کر لیا کرو۔ اس سے آگے یہودیوں کو متنبہ کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ یعنی تحویل قبلہ کے متعلق یہودی جو کچھ اعتراض کرتے ہیں یہ ان کی محض حق پوشی اور باطل کوشی ہے کیونکہ روایات نسلی کی بناء پر یہود خوب واقف تھے کہ قبلۂ ابراہیمی افضل اور برحق ہے اور قبلۂ ابراہیمی کی طرف نماز پڑھنی اور بیت المقدس کو چھوڑ کر اسکی طرف متوجہ ہونا اُن کی کتابوں میں موجود ہے اور بیت المقدس کا منسوخ ہونا بھی اُن کے علم میں ہے پھر بغض وعناد سے تحویل پر اعتراض کرنا اُنکی حق پوشی کو ظاہر کرتا ہے۔

سدی کے نزدیک اہل کتاب سے یہودی مراد ہیں اور کتاب سے تورات لیکن دیگر علماء نے اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ دونوں فرقے مراد لئے ہیں اور کتاب بھی تورات وانجیل دونوں کو شامل ہے کیونکہ یہود ونصاریٰ دونوں کی کتابوں میں قبلۂ ابراہیمی کی فضیلت بیت المقدس کا نسخ اور حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع القبلتین ہونے کا بیان موجود ہے اور معترض بھی دونوں فرقے ہی تھے۔ اس سے آگے یہودیوں کو زجر کیجاتی ہے۔ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ۔ یعنی خدا اُن کی مکاریوں اور دھوکا بازی سے غافل نہیں اُسکو ان فتنہ انگیزیوں کا بخوبی علم ہے عنقریب انکو اس کا بدلہ دیگا۔

مقصود بیان:۔ آیت مذکورہ میں رسول گرامی کے ادب نفس اور تہذیب قلبی کی طرف ایک خاص اشارہ ہے کہ حضور والا اپنی زبان سے اپنی خواہش کا اظہار نہیں فرماتے تھے اور کمالِ ادب کی وجہ سے بارگاہِ الٰہی میں تحویل قبلہ کی درخواست نہیں کرتے تھے بلکہ امیدوارانہ آسمان کیطرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھا کرتے تھے۔ مزید براں آیت سے حضور کی عظمت شان اور علو مرتبہ کا بھی مظاہرہ ہوتا ہے کہ آپکی خواہش مرضی الٰہی کے مطابق واقع ہوئی اور قلب مبارک میں وہی بات پیدا ہوئی جو ارادۂ الٰہی میں تھی اور مصالح اساسی جسکے اندر مضمر تھے۔ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہت کعبہ کیطرف رُخ کرنا کافی ہے جس شخص کی نظر کے سامنے کعبہ موجود نہ ہو اُسکے لئے بالکل سیدھا اور محاذات بخط مستقیم ضروری نہیں۔ بلکہ کعبہ کی سمت نماز پڑھتے وقت منہ کرنا اور دل سے محاذات کی نیت کر لی کافی ہے۔ تمام امت اسلامیہ کے لئے کعبہ کیطرف نماز میں منہ رکھنا ضروری ہے لیکن سفر کے دوران میں سواری پر نفلیں پڑھنی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے اوصاف اخلاق قبلۂ ابراہیمی کی فضیلت اور حضور کا جامع القبلتین ہونا مذکور تھا لیکن یہود محض عناد وحسد اور تعصب ملی کی بناء پر تحویل قبلہ پر معترض تھے۔ حالانکہ اہل عبادت خفی نہیں اور نہ وہ انسانوں کے حرکات سے ناواقف ہے وغیرہ۔

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ

(اے محمد!) اگر تم اہل کتاب کے سامنے ساری دلیلیں پیش کر دوگے

آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ

تب بھی وہ تمہارے قبلہ کو نہ مانینگے اور تم بھی اُنکے قبلہ کو ماننے والے

قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ

نہیں ہو اور اُن میں سے ایک دوسرے کے قبلہ کو نہیں مانتے اور اگر

اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ

اُس علم کے بعد جو تمہیں پہنچا ہے تم اُنکی خواہشوں پر چلے

الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ

تو ایسی حالت میں تم بھی بلاشبہہ نافرمانوں میں سے ہوجاؤگے جن لوگوں کو

آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ

ہم نے کتاب دی ہے وہ رسول کو ایسا پہچانتے ہیں

كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ

جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر ان میں سے کچھ لوگ

لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ الْحَقُّ مِن

دانستہ حق کو چھپاتے ہیں حق بات وہی ہے

رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝

جو تمہارے رب کی طرف سے ہے لہذا تم شک کرنیوالوں میں سے نہ ہوجانا

تفسیر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو مخالفین کے حق پر آنے کی انتہائی آرزو تھی کہ یہ کسی طرح گمراہی سے نکل کر ہدایت پر آجائیں خواہ معجزات کو دیکھ کر ہی ہو لیکن چونکہ اہل کتاب شقی ازلی تھے اور اس شقاوت باطنی کی وجہ سے وہ حدانکار سے آگے بڑھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اغوا کرنے اور بیت المقدس کی طرف حضور کو دوبارہ پھیرنے کیلئے طرح طرح کی دماغ آرائی اور دھوکہ دہی سے کام لینا چاہتے تھے چنانچہ بعض لوگوں نے کہا تھا کہ اگر ہمارے قبلہ کیطرف آپ نماز پڑھنے

رہتے تو ہم آپ پر ضرور ایمان لے آتے اور آپ کے دین کو سچا سمجھتے لیکن اب تو ہم آپ پر ایمان نہیں لا سکتے اسلئے خدا تعالیٰ اپنے رسول سے فرماتا ہے کہ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ اگر بالفرض آپ ان کو ہر قسم کے معجزات دکھا دینگے اور تحویل قبلہ کی ہر دلیل و حجت انکے سامنے پیش کر دینگے تب بھی یہ آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے اور نہ آپ کے قبلہ کو مانینگے یعنی صدق نبوت اور قبلۂ ابراہیمی کی فضیلت کو جانتے ہوئے یہ لوگ صرف تعصب ملی اور رسم قومی سے کعبہ کے منکر ہیں انکے سامنے کتنے ہی دلائل و براہین بیان کئے جائیں لیکن وہ ہرگز نہیں مانینگے۔ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ اور نہ آپ اُن کے قبلہ کو مان سکتے ہیں یعنی آپ کو بھی اُنکے قبلہ کا اتباع نہ کرنا چاہئے۔

بعض مفسرین نے ان آیات کا اور مطلب بیان کیا ہے وہ یہ کہ اگر آپ انکے سامنے تمام معجزات و دلائل ظاہر کر دینگے تب بھی یہ آپ کے قول و فعل اور مرضی کو نہیں مانینگے نہ توحید شرک آمیز سے باز آئینگے نہ اقرار نبوت و تصدیق رسالت اور اتباع احکام الٰہی کرینگے۔ لہذا آپ بھی ان کے مدعا کی کچھ پرواہ نہ کیجے اور نہ انکو ہدایت کرنیکی آرزو کیجے کیونکہ انکو آپ سے ہی تعصب نہیں کہ آپکے قبلہ ہی سے کورانہ انکار کرتے ہوں بلکہ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ انکی ضد و کد اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتا نہ دوسرے کے مذہب و ملت کی تصدیق کرتا ہے یہود نصاریٰ کی تکفیر کرتے ہیں اور عیسائی یہود کو کافر جانتے ہیں۔ یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس ہے اور عیسائیوں کا قبلہ بیت اللحم یعنی جائے پیدائش مسیح جو یروشلم کے شرقی جانب ہے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ یہ گذشتہ ممانعت کی تاکید ہے یعنی آپ کو ہرگز انکے کہے پر عمل نہ کرنا چاہئے لیکن بالفرض اگر آپ اُن کی خواہشات اور ہوا پرستیوں کے تابع ہونگے تو برا کرینگے اور خود اپنا نقصان کرینگے۔ یہ خطاب اگرچہ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن چونکہ رسول اللہ معصوم اور ہر گناہ سے محفوظ تھے اسلئے باحسن اسلوب افراد امت کو غیر مسلموں کی متابعت اور اُن کی ہوا پرستیوں کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ حضرت عمر فاروق رضی نے حضرت عبداللہ بن سلام کو جو پہلے یہودی عالم تھے (اور پھر مسلمان ہو چکے تھے) یہ آیت سنائی تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی نے جواب دیا بیشک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا کہ یہی وہی نبی ہیں جنکی تعریف توریت میں موجود ہے بلکہ مجھکو اپنے بیٹے کے بیٹے ہونے میں شک ممکن ہے کیونکہ عورتوں کا واقعی حال خدا جانے۔ کیا معلوم کہ شوہر کی عدم موجودگی میں اُن سے کیا حرکات سرزد ہو جاتی ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے میں شک و شبہ کی گنجایش نہیں کیونکہ خدا کی بتائی ہوئی علامات سب کی سب حضور میں موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بصیرت کوش اور حق پرست اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہی وہ رسول اللہ ہیں جن کا حال گذشتہ آسمانی کتابوں میں بیان کر دیا گیا ہے (زمخشری۔ بیضاوی۔ بغوی) یا حق پرست اہل کتاب محمد صلعم کی حقانیت نبوت کو پہچانتے ہیں (مجاہد و قتادہ) یا مطلب یہ ہے کہ حق پرست اہل کتاب جانتے ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ حق ہے اور خدا کی طرف سے ہے (ابن کثیر) حاصل یہ ہے کہ صحیح عقل والے اہل کتاب رسول اللہ کی ذات یا نبوت یا حقانیت اسلام پر بالکل اسی طرح بدیہی یقین رکھتے ہیں جیسا اپنی اولاد کے اولاد ہونے کو جانتے ہیں۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ لیکن انہی میں سے علماء کا ایک گروہ تو عمداً جان بوجھکر حق کو چھپاتے ہیں اُنکو کتب الٰہیہ کے مطالعہ سے معلوم ہے کہ نبی عربی کے یہ صفات ہونگے اور وہ جامع القبلتین ہونگے لیکن وہ دانستہ کتمان حق کرتے ہیں مگر ان کی اس حق پوشی سے کیا ہوتا ہے کیونکہ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ کیونکہ حق تو وہی ہے جسکو خدا ظاہر کرتا ہے اُسمیں شک و شبہ کی گنجایش نہیں ہے لہذا تم کو قطعاً حقانیت میں شک نہ کرنا چاہئے اور نہ شکی دماغ رکھنے والوں کی تقلید کرنی چاہئے (یہ تعلیم درحقیقت امت محمدیہ کو ہے)

کل آیات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ انصاف پسند اور حق پرست اہل کتاب تو تم کو کچھ الزام دینگے نہیں کیونکہ اول تمہارا کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا پھر چند مہینے بیت المقدس کا قبلہ ہونا پھر بدستور کعبہ کا قبلہ ہو جانا سب کچھ گذشتہ آسمانی کتابوں کی تحریر کے موافق ہے ہاں ظالم ضدی اور سرکش کا فر جن کو حق و ناحق سے کچھ سروکار نہیں خواہ نخواہ الزام دینے سے کام ہے وہ تو کسی صورت میں اب بھی الزام دینے سے نہ چوکینگے لیکن ان کا عدم وجود عند اللہ برابر ہے ان کی کسی لغویات کا اعتبار کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے۔ لہذا اُنکے کسی قول کو باعث شک انگیزی نہ خیال کرنا چاہئے۔

مقصود بیان:۔ جو لوگ نظری اور جبلی گمراہی میں گرفتار ہیں وہ کسی طرح راہ روشن پر نہیں آ سکتے خواہ اُن کو تمام معجزات و دلائل واضحہ دکھا دیئے جائیں ان کی سرشت میں ہوا پرستی خواہشات کی غلامی بندۂ بندگی شہوت ہے نہ ان کا کوئی منصوص قبلہ ہے نہ خوشنودی خدا ہے بلکہ اتباع نفس اصلی غرض ہے اسی لئے انہوں نے الگ الگ قبلے مقرر کر رکھے ہیں کسی مسلمان کو امور دین اور اصلاح عقائد و اعمال میں کسی غیر مسلم کا کورانہ اتباع نہ کرنا چاہئے۔ تمام غیر مسلم صرف توہمات میں مبتلا ہیں اور اُن کے قول و فعل کی بنا خیال آرائی اور الفاظ تراشی پر ہے۔

مسلمانوں کی تعلیم وحی حق اور الہام صادق پر مبنی ہے۔ جو لوگ سعید رہتے ہیں اور اُن کے حواس و مشاعر چراغ فطرت سے روشن ہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن آفتاب اسلام کی روشنی سے ضرور ضیاء اندوز ہوتے ہیں اور جو انسان کور باطن اور بیمار حواس والے ہیں اور صحیح وجدانیات نہیں رکھتے اُن کو علم حقیقت کی روشنی سے بھی کوئی حاصل نہیں اندھے کو باوجود علم آفتاب کے سورج کی روشنی سے کیا فائدہ۔ کسی مسلمان کو شریعت کے کسی حکم میں شک و تردد نہ کرنا چاہیئے۔ شک و تردد موجب کفر ہے وغیرہ۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

ہر ایک کا ایک رُخ ہے جسکی طرف وہ مُنہ کرتا ہے سو تم نیکیوں کیطرف سبقت کرو

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ

تم جہاں کہیں ہوگے اللہ تم کو ایک جگہ جمع کر لے گا بلاشبہ

اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

خدا سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں اتباع اہل کتاب سے ممانعت کیگئی تھی اس آیت میں اسی کی تائید ہے اور یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جب امر حق دلائل قطعیہ سے ثابت ہوجائے تو پھر اُس میں کسی کی موافقت یا مخالفت کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے کیونکہ کوئی انسان تمام اولاد آدم کو کسی دنیوی امر میں بھی متفق الرائے اور متحد الخیال نہیں کر سکتا پھر دینی امور میں کس طرح سب ایک نقطہ پر جمع ہوسکتے ہیں۔ ہر شخص کا عقیدہ میل قلبی اور رجحان خاطر جدا گانہ ہے ہر قوم و ملک کا ایک خاص عقیدہ کی طرف رجحان ہوتا ہے۔ لہٰذا متفق الرائے کرنے کا خیال دل سے نکالدینا چاہیئے اور دوسروں کی استمالت و خوشنودی مزاج کے لئے عقیدۂ صحیحہ اور اعمال حسنہ کی قربانی نہ کرنی چاہیئے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ہر شخص اور ہر قوم کا رُخ علیحدہ علیحدہ اور جدا گانہ ہے تم سب کو متحد الخیال بنانے کی کوشش فضول نہ کرو بلکہ جو نیک باتیں مقصود اصلی ہیں اُن کے اختیار و حصول کی کوشش کرو استقبال کعبہ میں اگر یہ لوگ مخالف ہیں تو ہونے دو کیونکہ استقبال کعبہ مقصود بالذات نہیں بلکہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے جانچنے کا معیار ہے لیکن سب کا مقصود اس سے یہی ہے کہ حکم الٰہی کی فرماں برداری کی جائے لہٰذا اسمیں جھگڑا اور مخالفت مناسب نہیں اور چونکہ محمد صلعم تمام عالم کے لیئے رسول ہیں اور آپکی دعوت تمام مخلوق کے لئے عام ہے اس لئے جو قبلہ آپ کا ہے وہی تمام عالم کا قبلہ ہونا چاہیئے اور یہی فرماں پذیری اور عصیان کیشی کی کسوٹی ہے اس قبلہ سے انحراف بیکار ہے۔ قبلہ مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ اصل مدعا تو مرضیات الٰہی اور طاعات ہیں لہٰذا اس میں تردد و شک بیجا ہے بلکہ نیکیاں جہاں پاؤ کماؤ۔

ابن عباس رضؓ نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ ہر مذہب و ملت والے کا ایک قبلہ ہے جسکی جانب وہ اپنا رُخ کرتا ہے اور اسکو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قبلہ وہی ہے جسطرف مسلمان متوجہ ہیں۔

ابو العالیہ نے یہ معنی بیان کئے کہ یہود کے لئے ایک جدا قبلہ ہے اور نصرانیوں کا علیحدہ قبلہ ہے لیکن اے امت محمدی خدا نے تم کو ایک خاص قبلہ کی ہدایت کی ہے اور یہی حقیقی قبلہ ہے۔ مجاہد، عطاء، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی وغیرہ نے بھی اسی مطلب کی تائید کی ہے۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا یعنی یہ اختلاف جہات اور باہمی تفرقہ تو اسی عالم میں ہے ورنہ آخرت میں تو سب کو اللہ تعالیٰ ایک ہی جہت اور ایک ہی روش پر جمع کر کے لے آئیگا۔ تم مجتمع الاجزاء ہو یا متفرق الاجزاء آسمانی فضاء میں تمہارے ذرات پھیلے ہوئے ہوں یا زمین کی تہ میں منتشر ہوں پہاڑ کی چوٹی پر ہوں یا قعر سمندر کے اندر بہرحال خدا تعالیٰ تم کو حشر میں اکٹھا کریگا اور اُسوقت سب کا قبلہ ایک ہی ہوگا یعنی ذات خداوندی ہی سب کا قبلۂ امید اور مرجع آمال ہوگی۔ اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جب ذرات مادی قعر سمندر اور فضاء آسمانی میں منتشر ہوجاینگے اور انکی صورت نوعیہ بالکل تبدیل ہوجائیگی تو پھر خدا تعالیٰ ان کو کس طرح جمع کر سکتا ہے کیونکہ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ خدا بلاشک و شبہ سب کچھ کر سکتا ہے کوئی چیز اُسکے دائرۂ قدرت سے خارج نہیں لہٰذا اسکی توحید و الوہیت پر قائم رہو اور اُسکے احکام کی تعمیل کرو۔

مقصود بیان :- امر حق کے ثبوت و وضاحت کے بعد کسی کی مخالفت کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ اگرچہ ہر ایک قوم بلکہ ہر مذہب و ملت والے کا قبلہ جداگانہ ہے لیکن قبلہ درحقیقت قبلہ نہیں بلکہ قبلہ نما ہے۔ اصل مقصود نیکی کا حصول اور بدی سے اجتناب ہے۔ خدا تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے بعث جسمانی، حشر اجساد، اجتماع فی الحشر، حساب کتاب سزا جزا برحق ہے وغیرہ۔

چند اسرار

آیات مذکورۂ بالا کا جو اصلی مدعا تھا وہ تو ہم سطور بالا میں تحریر کرچکے ذیل میں ہم آیات محولہ کے چند اسرار لکھتے ہیں جنکو نور عرفان رکھنے والے انسان اگر مقصود بیان سے تعبیر کریں تو بے جا نہ ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص جہت ہے یعنی ہر روح کے واسطے وجود ذات اور حقیقت صفات کی طرف جدا جدا راستے اور طریقے ہیں اور ہر روح کا علیحدہ علیحدہ قبلہ ہے ارواح قدسیہ کی توجہ عین العیان یعنی خالص ذات کیطرف رہتی ہے اور ارواح جلالیہ کا قبلہ خالص صفات ہیں انوار و ارواح وغیرہا کا رُخ عین القدس کیطرف ہوتا ہے اور ارواح بقائیہ یعنی وہ ارواح جو خود فنا ہو کر

بقاءِ قدم سے باقی ہیں اُن کا مرکز توجہ عین الابد ہے اور ارواح شائقۃ انوار مشاہدہ کی مشتاق ہیں۔ شوق سے بھری ہوئی روحوں کی توجہ مشاہدہ انوار پر رہتی ہے اور ارواح مؤانسہ کیلئے جاذب توجہ حسن الصفات ہے اور ارواح روحانیہ کا قبلہ غیب کے باغات ہیں۔

اب انہیں سے ہر روح کی توجہ کا نقطہ علیحدہ ہے اگرچہ تمام ارواح رحمانیہ اپنے قبلہ کیطرف قصد کرتی اور الوہیت وصمدیت کے مقام کیطرف کشش رکھتی ہیں لیکن پھر بھی ہر ایک کا مطلع جدا ہے بعض روحیں از خود رفتہ ہیں (والہات) بعض شوق سے لبریز ہیں (شائقہ) بعض انس سے پُر ہیں۔ (مونسہ) بعض عاشق ہیں بعض اپنی ہستی سے فنا ہیں (فانیہ) اور بعض فنا ہو کر بقاءِ قدم سے باقی ہیں (باقیہ) بعض نشۂ عشق میں سرمست ہیں اور ادب الٰہی کے مقامات مشاہدات اور معاینات کے کشف کے خوف سے اور غیب کے علوم سے باادب ہو کر خوفناک بیہوش ہیں (ساکرہ) اور بعض اگرچہ شوق و جذب کے نشہ سے فناءِ ہستی کر چکے ہیں لیکن بقاءِ قدم سے باقی رہ کر دوبارہ ہوش میں آگئے ہیں اگرچہ یہ ہوش اپنا ہوش نہیں ہے بلکہ ہوش بالقدم ہے (صاحیہ) لہٰذا ان سب کے مدارج اور مراکز توجہ جب جدا جدا ہیں تو

تم کو توحید و تجرید کی استعدادات سے سب سے اعلیٰ مقام فناء کیطرف دوڑنا چاہئے اور سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا چاہئے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کیونکہ اہل معرفت کی تمام ارواح جنکو عالم صفات کی سیر میسر ہوئی ہے وہ ازلی تقدیر کے موافق حضور و حضور الٰہی میں پہونچیگیں اور خدا تعالیٰ سب کو شرفِ حضور عطا فرمائیگا۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا آگے بڑھنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں کو مقام استقامت سے بھی بہرہ اندوز کر سکتا ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ

اور (اے محمدؐ!) جہاں کہیں سے تم نکلو (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام کیطرف کر لیا کرو۔ کیونکہ یہی بات تمہارے رب کی طرف سے یقینی ہے

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

اور اللہ تمہارے اعمال سے بیخبر نہیں ہے اور (اے محمدؐ) تم جہاں کہیں سے نکلو (نماز میں) اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف رکھنا اور (مسلمانو) تم جہاں کہیں بھی ہو (نماز میں) اپنا رُخ اُسی کی طرف

شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

رکھنا تاکہ لوگوں کا تم پر کوئی الزام قائم نہ رہے مگر اُن میں سے جو لوگ ناحق کوش ہیں سو تم اُن سے خوف نہ کرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور تاکہ میں تم پر اپنی نعمت بھرپور کر دوں اور تاکہ تم ہدایت پاؤ

تفسیر

نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم خدا تعالیٰ نے تین بار ذکر فرمایا ایک مرتبہ فَوَلِّ وَجْهَكَ الخ اوپر ذکر کر دیا گیا۔ دوسری اور تیسری مرتبہ اس آیت میں ذکر کیا گیا۔ یہ تکرار بے فائدہ نہیں ہے بلکہ اس کے تین وجوہ ہیں:-

(۱) پہلی مرتبہ ذکر کرنے سے تعمیم احوال مراد ہے یعنی ہر حالت میں نماز قبلہ ابراہیمی کی جانب پڑھنی چاہئے۔ دوسری بار ذکر کرنے سے تعمیم مکان کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر جگہ قبلہ کی طرف رُخ کرنا لازم ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں اقامت کی صورت ہو یا سیر کی۔ وطن ہو یا غیر وطن۔ تیسری بار ذکر کرنے سے تعمیم زمانہ مقصود ہے یعنی ہر زمانہ میں صبح شام ظہر عصر زمانۂ امن ہو یا زمانۂ جہاد بہرحال سمتِ قبلہ ضروری ہے۔

(۲) تحویل قبلہ ایک عظیم الشان حکم تھا اور ابن عباسؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ احکام اسلامی میں سب سے اول بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم منسوخ ہوا ہے تو جب یہ حکم ناسخ سب سے پہلی مرتبہ ذکر کیا گیا تو دل میں خیالات و اوہام کا اثر پڑنا فطرت بشری کے مقتضا میں داخل تھا اور توہم ہو سکتا تھا کہ شاید یہ حکم دائمی نہ ہو عارضی ہو چند روز کے بعد پھر بیت المقدس ہی قبلہ قرار پائے۔ اسی بناء پر بہت سے اشخاص کو ایک حیرت ہو گئی اور وہ استعجابی شبہ میں پڑ گئے لیکن جن کو خدا تعالیٰ نے قلب سلیم عطا کیا تھا اور نورِ معرفت نے اُنکے مشاعر وجدانیہ کو روشن کر رکھا تھا اُن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل پر یقین کامل تھا مگر پھر بھی اہل کتاب کا اغواء اور ضلالت انگیزی کا سلسلہ برابر جاری تھا اسلئے دوبارہ وہی پہلا حکم دیا تاکہ اہل کتاب کا فتنہ فرو ہو جائے اور ظاہر ہو جائے کہ یہ حکم ازلی ہے اور گذشتہ کتابوں میں بھی مذکور ہے کوئی امر عجیب یا فوق العادت نہیں ہے لیکن اگر کمزور دماغ اور متزلزل ایمان رکھنے والوں کو پھر بھی امر قبلہ میں کوئی خلجان باقی رہ گیا ہو تو اسکے ازالہ کے لیئے تیسری مرتبہ یہی حکم دیا تاکہ حتمی صورت میں تحویل قبلہ کا حکم ظاہر ہو جائے اور اہل کتاب کو قطعاً مایوسی ہو جائے کہ اب یہ نبی ہمارے قبلہ کیطرف رجوع نہیں کر سکتے

(۳) خدا تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا ذکر تین آیات میں فرمایا لیکن ہر مرتبہ اسکی علت علیحدہ علیحدہ اور جداگانہ ذکر کی تاکہ معلوم ہو جائے کہ بیت المقدس سے کعبہ کیطرف پھیر دینے کی مختلف علتیں اور مصالح ہیں اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور انتہائی خواہش پوری کرنے کے لئے اور شان رسالت کے اکرام و تعظیم کے مظاہرہ کے لئے فرمایا قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ دوسری مرتبہ اپنی عادت اور قانون فطرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا اور اسکے ضمن میں نسخ کو مشروع کیا اور امت محمدیہ کے لئے سہولت مہیا فرمائی اور غیب کی خبر دی کہ گذشتہ کتابوں میں بھی یہ حکم مذکور ہے کوئی امر عجیب نہیں ہے۔ تیسری مرتبہ ذکر کرنے کی علت یہ بیان کی کہ مسلمانوں پر تکمیل نعمت ہو جائے اور مخالفین کے لئے کوئی دلیل باقی نہ رہے اور اہل کتاب جو طعن کرتے تھے کہ جس نبی کا گذشتہ کتابوں میں ذکر ہے وہ تو قبلہ ابراہیمی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیگا اور محمدؐ چونکہ بیت المقدس کی سمت نماز پڑھتے ہیں اسلئے یہ وہ نبی نہیں ہو سکتے جن کی بشارت دیگئی ہے۔ تیسری بار ذکر کرنے سے اُن کے طعن کی بیخ کنی اور دلائل کا ازالہ مقصود ہے اور اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ گذشتہ کتابوں میں جس نبی کا ذکر ہے کہ وہ جامع القبلتین ہوگا وہ یہی نبی ہے اب شک و شبہ کی بالکل گنجایش باقی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مشرکین کی بیجا حجت کا بھی استیصال ہو گیا۔ مشرکین کہتے تھے کہ محمدؐ اتباع ابراہیمی کے تو مدعی ہیں لیکن قبلۂ ابراہیمی کو چھوڑ کر قبلۂ اہل کتاب کیطرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اسلئے خدا تعالیٰ نے حکم دیدیا کہ تم قبلۂ ابراہیمی کی طرف رُخ رکھو (بیضاوی) امام فخر الدین رازیؒ نے اس تکرار حکم کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم اُس شخص کے لئے ہے جو مکہ میں کعبہ کے پاس موجود ہو اور دوسرا حکم اُسکے لئے ہے جو مکہ میں تو ہو لیکن کعبہ سے غیر حاضر ہو اور تیسرا حکم مکہ سے باہر والوں کے لئے ہے۔ قرطبی کہتے ہیں اول حکم اُس شخص کیلئے ہے جو مکہ میں ہو خواہ کعبہ کے پاس ہو یا نہ ہو۔ اور دوسرا حکم غیر ممالک والوں کیلئے ہے اور تیسرا حکم اُن لوگوں کے لئے ہے جو سفر میں ہوں وغیرہ۔

وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ یعنی بیت المقدس سے کعبہ کیطرف رُخ پھیرنا ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے حق ہے کسی قسم کے شک و شبہ کی اسمیں گنجایش نہیں ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ہ یعنی خدا تعالیٰ تمہارے اعمال و افعال سے ناواقف نہیں ہے تم کو تمہارے اعمال کا ثواب عظیم عنایت فرمائیگا۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی تم جہاں اور جس جگہ سے نکلو اور کہیں کو جاؤ اپنا رخ کعبہ کیطرف نماز میں رکھو۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ط اور جہاں کہیں ہو جس شہر میں ہو جس ملک میں ہو سفر میں ہو حضر میں ہو بہرحال تم سب استقبال کعبہ کرو۔ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ تاکہ لوگوں کو تم پر کعبہ کے متعلق یا صحت نبوت میں نکتہ چینی اور خوردہ گیری کا موقع ہی باقی نہ ہے۔ ابن کثیرؒ کے نزدیک لِلنَّاسِ سے اہل کتاب مراد ہیں۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین عرب دونوں فرقے مراد ہیں کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلۂ ابراہیمی کی طرف توجہ کی تو اہل کتاب کہنے لگے کہ پیغمبر اپنے آباؤ اجداد کے مکان اور قوم کے دین کیطرف مائل ہو گیا اور مشرکین کہنے لگے کہ محمدؐ عنقریب ہمارے دین کیطرف بھی رجوع کر لینگے جسطرح ہمارے قبلہ کیطرف رجوع کر لیا۔ یہی قول مجاہد، عطاء، ضحاک، قتادہ، سدی اور ربیع بن انس کا ہے۔ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ہاں جو لوگ ظالم ہیں حق پوشی اور باطل کوشی کرتے ہیں وہ تو بہرحال جھگڑا کئے جائینگے لیکن تم کو اس فضول مکابرے اور جھگڑے کی پرواہ نہ کرنی چاہئے۔ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي یعنی تم کو ان کے طعنوں کا خوف نہ کرنا چاہئے اور نہ اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ یہ تم کو حج و طواف نہ کرنے دینگے بلکہ میری فرماں پذیری مدنظر رکھو اور نافرمانی سے ڈرتے رہو میں ہی نصرت و امداد دیتا رہوں تم کو ان پر غالب کر دونگا۔

وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ لہٰذا تم کو مجھی سے خوف کرنا چاہئے تاکہ میں تمہاری امداد کروں اور اپنی نعمت مکمل طور پر تم کو عطا کروں۔ محی السنۃ نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ مسلمان کے لئے تکمیل نعمت صرف داخلۂ جنت سے ہو گی۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں نعمت کاملہ یہ ہے کہ اسلام پر ہی خاتمہ ہو۔ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ اور اسلئے بھی تم کو مجھی سے خوف کرنا چاہئے تاکہ راہ راست تم کو ملجائے اور جس معاملہ میں دوسری قومیں کجراہ یا گمراہ ہیں تم اُس ضلالت سے بچ جاؤ۔

مقصود بیان: تحویل قبلہ کا بار بار حکم، سفر حضر، وطن، غیر وطن اقامت و سیر میں صبح شام دوپہر سہ پہر ہر وقت کعبہ کیطرف نماز میں رخ کرنے کا ارشاد۔ اعدائے اسلام کی کمزور دلائل کا ابطال اس امر کی تصریح کہ جن سرکش انسانوں کے پاس مقابلہ اور مناظرہ کے وقت کوئی معقول دلیل نہیں باقی رہتی وہ خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہیں لیکن اُن کا جھگڑا بے سود ہے اُس سے کوئی ضرر نہیں پہونچ سکتا۔ غیر اللہ سے خوف کرنے کی ممانعت اور صرف واحد قدوس سے ڈرنے کا حکم۔ مسلمانوں کو تکمیل نعمت کرنیکے بعد منت کش بنانا۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کی ہدایت اور تربیت اخلاق کیلئے تمام ضروری ذرائع مہیا کرتا ہے لیکن انسان اپنے اعمال سے خود ہلاک ہوتا ہے وغیرہ

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ

(یہ بھی ایسا ہی احسان ہے) جیسا کہ ہم نے تمہارے لئے تمہارے ہی لوگوں میں سے ایک عظیم الشان

اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

رسول بھیجا ہے جو ہماری آیات تمہارے سامنے پڑھتا ہے اور تمکو پاک صاف بناتا ہے اور تم کو قرآن و

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ فَاذْكُرُوْنِيْ

شریعت کی تعلیم دیتا ہے اور جن باتوں سے تم ناواقف تھے وہ تم کو سکھلاتا ہے لہذا تم میری یاد میں لگے رہو

اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ

میں تم کو یاد رکھونگا ۔ اور میرا احسان مانو اور ناشکری نہ کرو

تفسیر

مخالفین نے اعتراض کیا تھا کہ شریعت محمدیہ میں نسخ ہوتا ہے جسطرح کہ قبلہ منسوخ ہوگیا ۔ اس شبہہ کا ازالہ خداوند تعالیٰ نے سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ سے لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تک کردیا اور چونکہ تحویل قبلہ کو ایک نعمت قرار دیا اسلئے اُسکے ساتھ دوسری نعمت کی بھی یاد دہانی کی۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جسطرح کعبہ کو قبلہ بنا کر ہم نے تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کی اسی طرح یہ بھی ہمارا عظیم الشان اور عدیم النظیر احسان ہے کہ ایک عالی مرتبہ رسول کو تمہارے لئے مبعوث فرمایا اور تمہاری قوم میں سے ہی اُسکو پیدا کیا یعنی اگرچہ تمام انبیاء اولاد اسرائیل سے ہوتے چلے آئے ہیں اور نبوت و حکومت دونوں بطور توارث بنی اسرائیل میں رہی ہیں لیکن اب ہماری عنایت تمہارے حال پر مبذول ہوئی اور نبی مکرم کو ہم نے تمہاری قوم میں سے پیدا کیا ۔ اور اُس نبی نے تمہاری سعادت اور نجات ابدی کے واسطے ہر ممکن ذرائع مہیا کئے ۔ اول تو یہ کہ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وہ تمہارے سامنے ہماری آیات تلاوت کرتا ہے ۔ جو جو نشانیاں تورات میں بیان کی گئی ہیں وہ اُن کا مظاہرہ کرتا ہے اُسکی زبان وحی شریعت ہے وہ تم کو ہدایت کرتا اور حق و باطل کا فرق دکھاتا ہے وَيُزَكِّيْكُمْ دوسرے یہ کہ وہ تزکیۂ نفوس اور تہذیب ارواح کرتا ہے ۔ نجاست بت پرستی ۔ کفر ۔ یہودیت اور شرک نصرانیت سے تم کو پاک کرتا ہے وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور تیسرے یہ کہ تمام نجاستوں اور کثافتوں سے پاک صاف کرکے تم کو زیور اخلاق سے آراستہ کرتا ہے قرآن و حدیث کی تعلیم دیتا ہے ۔ فرائض شناسی اور ادائیگی حقوق سکھاتا ہے ۔ تمہارے اخلاق پاکیزہ ۔ عادات مستقیم کرتا اور اقوال و افعال و اطوار میں راستی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے خود مجسمۂ اخلاق بنکر تم کو بھی پیکر تہذیب بناتا ہے :

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور بالآخر تمہاری ہدایت تجلیہ تزکیہ اور تحلیہ کرکے تم کو ایسی چیز سکھاتا ہے جسکا تم کو علم نہ تھا ۔ ان تمام مدارج کو طے کراکے نور معرفت سے تم کو روشن کردیتا ہے لہذا مقتضائے عقل یہ ہے کہ جب میں نے تم کو اپنے نبی کے وجود گرامی سے سرفراز کیا جس سے تم کو سعادت دارین حاصل ہوئی تو تمہارا فرض ہے کہ فَاذْكُرُوْنِيْ میری یاد کرو زبان سے میری تسبیح تحمید ، تہلیل تکبیر کرو اور کتاب کی تلاوت کئے جاؤ اپنے تمام لطائف باطنیہ اور اندرونی قوی کو میری طرف متوجہ رکھو اور اتنی محویت حاصل کرو کہ اپنے نفوس کو بھی بھول جاؤ ۔ نیز اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کو میرے اوامر و نواہی پر کاربند رہنے میں مصروف رکھو ۔ اَذْكُرْكُمْ ۔ اگر تم ایسا کروگے تو میں بھی تم کو ثواب عطا کرونگا ۔ اپنا نور تقدس تم پر فائض کرونگا اپنی رحمت تم پر نازل کرونگا اور اپنے قرب میں تم کو جگہ عنایت کروں گا ۔

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ اور میری ان تمام نعمات کا زبان دل اور اعضاء سے شکریہ ادا کرو ۔ عصیاں کوشی اور نافرمانی کرکے کفران نعمت نہ کرو ۔

مقصود بیان : ۔ مومنین کو ذکر شکر اور تفکر کی ہدایت ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور علو مرتبہ کا اظہار ۔ مومنین عرب کی تفضیلت کی طرف اشارہ ۔ اس بات کی طرف ایک خاص تلمیح کہ نبی کا مبعوث کرنا انسانوں پر خدا تعالیٰ کا مخصوص احسان ہے اگر انبیاء نہ ہوتے تو انسان کو ہدایت حاصل نہ ہوتی ۔ آیات میں اس بات کی طرف بھی ایک لطیف کنایہ ہے کہ انسان کو پہلے اپنے نور عقل اور چشم بصیرت سے باطل و حق میں امتیاز کرنا چاہئے ۔ پھر باطل پرستی کی تمام نجاستوں اور کثافتوں کو آئینۂ دل سے صاف کردینا چاہئے ۔ اسکے بعد قرآن و حدیث کا اتباع کرکے روح کی جلاء کرنی لازم ہے تاکہ اخیر میں نور معرفت اور آفتاب احدیت کے قبول پر تو سے وہ منور ہوجائے گویا یہ انسان کی تربیت روحانی کے تدریجی مراتب ہیں کہ پہلے انسان گمراہی کو چھوڑتا ہے ممنوعات اور امور منکرہ سے کنارہ کش ہوتا ہے پھر امور حسنہ اور اخلاق فاضلہ سے اپنے نفس کو آراستہ کرتا ہے اور بالآخر اُس کا اصلی مدعا یعنی آفتاب قدس کی جلوہ ریزی اُسکو حاصل ہوجاتی ہے ۔ آیت میں اُن لوگوں کی تردید ہے جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب والے بھی سعادت روحانی حاصل کرسکتے ہیں یا مسلمان شریعت اسلامیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھی شاہد قدم سے ہمکنار ہوسکتے ہیں ۔ یہ صراحۃً گمراہی ہے ۔ کوئی شخص بغیر اتباع قرآن و حدیث کے فلاح و سعادت نہیں پاسکتا اور نہ اُسکے دل پر نور معرفت کی ضیاء پاشی ہوسکتی ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ

مسلمانو (مصیبت کے وقت) صبر اور نماز سے

وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

مدد لو کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کا حامی ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کیا تھا اور اپنے اُس خصوصی احسان کا ذکر فرمایا تھا جو بعثتِ رسول کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور پھر اُس پر شکر کرنے اور کفرانِ نعمت نہ کرنے کا حکم دیا تھا لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور اوامر و نواہی کی پابندی بغیر تکلیف برداشت کئے اور بدون نفسانی و مالی قربانی کے مکمل طور پر نہیں ہو سکتی اور اس قسم کے بارِ گراں کو برداشت کرنے کے لئے کوئی سہارا بھی ہونا چاہئے جسکی اعانت سے اس بارِ گراں کا تحمل آسان ہو جائے اور قوم و ملت کی عزت برقرار رہے اسلئے آیت مذکورہ میں صبر و صلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! صبر کرو جو اوامرِ الٰہی ہیں اُنکو بجا لاؤ اگرچہ تم کو اُنکے اختیار کرنے اور بجا لانے میں بڑی بھاری مشقت اور درد و تکلیف برداشت کرنی پڑے۔ خواہشاتِ نفسانی کو روک کر عفت حاصل کرو۔ فضول چیزوں کی خواہش ترک کر کے زہد و قناعت اختیار کرو اور انتقام سے اپنی طبیعت کو روک کر صفتِ حلم پیدا کرو۔ راز داری اور متانت کو حاصل کرو۔ بھوک پیاس اور مرغوباتِ نفس کے ترک کا اپنے کو خوگر بناؤ اور نماز بھی ادا کرو۔ اس سے بندہ کو خدا سے تقرب ہو جاتا ہے روح منور ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے گناہ سے انسان کنارہ کش ہونے لگتا ہے۔ یہی باتیں تم کو اطاعتِ رسول کا پابند بنا دینگی اور انہی کی مدد سے تم احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہو جاؤ گے۔ صبر و صلوٰۃ کے متعلق ہم ذیل میں چند احادیث نقل کرتے ہیں جن سے آیت کے مفہوم کی تاکید ہوتی ہے۔

ابن کثیر کا قول ہے کہ بندہ کو اگر نعمتِ الٰہی ملے تو شکر کرنا چاہئے نہ ملے تو صبر ضروری ہے اور نماز تمام خصائلِ خیر خصوصاً ذکر شکر اور صبر کو جامع ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مؤمن کی خوب حالت ہے خدا تعالیٰ اُسکے لئے جو حکم جاری فرماتا ہے اُس میں اُسکی بہتری ہی ہوتی ہے۔ اب اگر اُس کو خوشی حاصل ہوئی اور اُس نے شکر کیا تو اُسکو ثواب ملیگا اور اگر خلافِ مرضی کوئی بات پیش آئی اور اُس نے صبر کیا تب بھی ثواب ملے گا۔ حدیث میں نماز کو معراج المؤمنین فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مہم درپیش ہوتی تو بہت جلد نماز کیطرف رجوع فرماتے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ یہ گذشتہ کلام کی علت ہے۔ یعنی اے مسلمانو! صبر و صلوٰۃ سے دفعِ مصیبت اور حصولِ عافیت کے خواہاں بنو کیونکہ صبر کرنے والوں کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔ جو لوگ جہادِ بدنی اور مقابلۂ نفسانی کرتے ہیں، اعدائے ظاہر و باطن کے دفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے نفس کو اُن چیزوں پر روکتے ہیں جو نفس پر شاق گذرتی ہیں خواہ اوامر کی پابندی ہو یا نواہی سے اجتناب بہرحال خدا کی توفیق اُن کے شاملِ حال ہوتی ہے خدا اُن کو مدعا میں کامیاب کرتا ہے۔

مقصود بیان: آیت میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ کافروں سے جہاد کرنے کی بہ نسبت نفسانی مجاہدہ بہت سخت ہے طاعاتِ الٰہی کو بجا لانا اور ممنوعات سے پرہیز رکھنا جہادِ اکبر ہے اس مفہوم کو لفظ صبر و صلوٰۃ سے ادا کر دیا۔ آیت مذکورہ اس بات کو بھی واضح کرتی ہے کہ جو شخص کوشش کرتا ہے قوتِ شہوانی و غضبی کو زیر کر کے عقل سے کام لیتا ہے خدا بھی اُسکو کامیاب کرتا ہے۔ ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کسب اور تحمل مشقت کامیابی کی کنجی ہے دنیوی مقاصد ہوں یا دینی قربانی کے بغیر کسی مقصود کا حصول نہیں ہو سکتا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

اور جو لوگ راہِ خدا میں مارے جائیں اُن کو مُردہ

اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

نہ کہو نہ تو زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھتے ہو

تفسیر جنگِ بدر میں چودہ مسلمان جنمیں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصاری تھے شہید ہو گئے۔ لوگوں نے اُن کا نام لے لیکر کہنا شروع کیا کہ فلاں فلاں شخص مر گئے اور دنیوی نعمتیں اُن سے چھوٹ گئیں اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (معالم) گذشتہ آیت میں جہادِ اکبر یعنی صبر و صلوٰۃ کا حکم تھا۔ اس آیت میں شہداء کی اخروی کامیابی بیان کرتے ہوئے جہادِ اصغر یعنی مقابلۂ کفار کی ترغیب دی جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ شہداء کو مُردہ نہ کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں قربِ الٰہی اُنکو حاصل ہے عرشِ رحمٰن کے نیچے اُنکے مسکن ہیں جو مراتب اُنکے ہیں کسی دوسرے کے ہو نہیں سکتے۔ جب اُن کو اس قسم کی حیاتِ ابدی حاصل ہے تو درحقیقت زندگی اُنہی کی زندگی ہے۔ ہاں کفار و مشرکین جن کی روحوں کو مرنے کے بعد عذاب دیا جاتا ہے اور طرح طرح کی تکالیف اُن کو برداشت کرنی پڑتی ہیں مُردہ درحقیقت یہ ہیں اور انہی کو میت کہا جا سکتا ہے کیونکہ دنیوی عیش و آرام اور راحت و آسایش بھی چھوٹی اور آخرت میں بھی چین نصیب نہ ہوا باقی جن لوگوں کو اس فانی عیش کے بعد نعمتِ عظمیٰ لازوال زندگی اور جلوۂ قدرت کی ضیا اندوزی حاصل ہوئی وہ مُردہ نہیں ہو سکتے ؎

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ یعنی درحقیقت شہداء زندہ ہیں عالمِ برزخ میں اُن کو پیکرِ نورانی اور لباسِ قدسی عطا ہوتا ہے۔ ہر قسم کی لذت نعمت اور راحت اُن کو میسر ہے لیکن اُن کی حیاتِ جاودانی کو تمہاری یہ آنکھیں اور یہ حواس محسوس نہیں کر سکتے جو اجسامِ کثیفہ کے احساس کے لئے مخصوص ہیں اور اس سے ایک بخیہ بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔

مقصود بیان: شہداء کی حیاتِ جاودانی کی تصریح۔ اس

امر کی تصریح کہ اس مادی زندگی سے برتر ایک اور لازوال زندگی ہے جو شہداء کو میسر ہے۔ شہداء کی حیات ابدی کا احساس و شعور ان کثیف حواس سے نہیں ہوسکتا کیونکہ ظلمت و نور میں بُون بعید ہے۔ جہاد اکبر و اصغر کی ترغیب۔ نورِ معرفت حاصل کرنے اور عشق کی تلوار سے اپنے نفس کی قربانی کرنے کیطرف اشارہ۔ شہداء (خواہ بدنی ہوں یا نفسانی) کے واسطے ہر قسم کی لذت، نعمت، آرام، عیش، قربِ الٰہی اور نورِ قدس کے حصول کا اعلان وغیرہ۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ

اور یقیناً ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مالی و جانی نقصان اور

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَ

پھلوں کی کمی (کی تکلیف سے) تمہاری آزمائش

الثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ

کرینگے مگر (اے محمد) ایسے صابر لوگوں کو خوشخبری سنادو کہ جب

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ

اُن پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو بلاشبہ اللہ ہی کے ہیں اور

اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ

اُسی کی طرف بالآخر جانیوالے ہیں انہی لوگوں پر انکے پروردگار کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

صد آفرین اور رحمت ہے اور یہی لوگ راہ راست پر ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں صبر کا حکم اور اُسکے نتائج و فوائد بیان کیئے گئے تھے یہاں اطلاع دی جاتی ہے کہ ضرور تم کو دولتِ صبر سے بہرہ ور کیا جائیگا اور تم کو طرح طرح کے مصائب برداشت کرنے پڑینگے یہ پیش گوئی اور آیندہ کے متعلق خبر اسلئے دی جارہی ہے تاکہ مسلمانوں کو تسکین خاطر اور اطمینان حاصل ہوجائے تاکہ آئندہ مصائب کے برداشت کرنے کیلئے وہ دلیری اور جرأت کے ساتھ تیار ہوجائیں اور راہِ ثبات سے ان کے قدم نہ ڈگمگانے لگیں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ و آیندہ ہم ضرور تمہاری آزمائش کرینگے اور مطیع و نافرمان کو علیحدہ علیحدہ کرنے کے لئے کسی قدر مخالفین اور اعداء کے خوف میں بھی مبتلا کرینگے۔ قحط سالی بھوک پیاس نقصان مالی امراض جسمانی مرگ اولاد و اعزہ۔ پیداوار ارضی اور ثمرات باغات کی تباہی وغیرہ بھی تم کو پیش آئیگی۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے جو مصائب ہوسکتے ہیں خواہ دشمنوں کی ضرر رسانی یا دوستوں کی کمی یا جسمانی تکالیف یا اولاد و اعزہ کی موت یا نقصان مالی سب چیزیں تم کو پیش آئینگی لیکن نعمتِ آخرت اور ثواب الٰہی کے مقابلہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں بلکہ حیاتِ ابدی کی نعمتوں کے مقابلہ میں یہ بالکل ہیچ اور بےمقدار ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے خوف سے مراد خدا کا خوف ہے۔ بھوک سے مراد رمضان کے روزے نقصان مالی سے مراد زکوٰۃ و صدقات نقصان جان سے مراد امراض اور نقصان ثمرات سے مراد اولاد کی موت ہے کیونکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد انسان کے دل کا پھل ہوتی ہے (معالم) وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ یعنی جو شخص مذکورہ تپاؤں کے بعد کھرا نکلیگا اور چھوٹے بڑے دُکھ پر صبر کریگا اُسکو دنیوی کامیابی نیک نامی فتح و ظفر اور حیات جاودانی کی خوشی حاصل ہوگی۔ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ یہ صبر کرنے والوں کا بیان ہے یعنی جو شخص بڑی چھوٹی مصیبت اور مذکورۂ بالا آزمائش میں ثابت قدم رہے اور مصیبت نازل ہونیکے وقت زبان سے بھی اس بات کا اقرار کرے کہ سب کچھ خدا نے ہی دیا تھا ہماری ہستی بھی خدا کا انعام ہے اور بالآخر رجوع بھی ہمارا اُسی کی طرف ہوگا اور دل سے بھی یقین رکھے کہ ہم سب اپنے پروردگار کیطرف جانے والے ہیں اور دماغ سے بھی اس امر کا تصور کرے کہ یہ تمام نعمتیں خداداد ہیں جو نعمتیں خدا نے واپس لے لی ہیں وہ باقی ماندہ نعمتوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں تو ایسے لوگ دنیا و دین میں کامیاب ہوتے ہیں اور دنیوی فتح و ظفر کے ساتھ ساتھ سعادت آخرت سے بھی ہمکنار ہونگے۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ یہ خوشخبری کا بیان ہے یعنی ایسے لوگوں پر خدا کی گوناگوں رحمتیں اور نعمتیں نازل ہوتی ہیں اور اُس کا لطف و احسان اُنکے شامل ہوتا ہے وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ یہ صابروں کو بیخوف کرنے کیلئے فرمایا یعنی صبر کرنیوالے اشخاص راہِ راست پر ہیں توفیقِ الٰہی انکے شامل حال ہے دنیا میں بھی اس راہ مستقیم پر چل کر یہ فتح و ظفر اور کامرانی سے ہم آغوش ہونگے اور آخرت میں بھی اسی طریق مستقیم سے جنت میں پہونچ جائیں گے اور عذاب الٰہی سے محفوظ رہیں گے۔

مقصود بیان:۔ استقامت دینی اور ثابت قدمی کی ترغیب کوشش محنت اور تحمل مصائب کی ہدایت۔ صبر اور برداشت تکالیف کے ساتھ ظفر و کامرانی کی وابستگی۔ بے صبری بزدلی اور جزع و فزع کی ممانعت مبدأ و معاد اور نعمات الٰہی میں غور و خوض کرنے کا حکم اور اس بات پر یقین رکھنے کا ارشاد کہ عالم ہستی کی تمام نعمتیں دینے والا اور پھر واپس لینے والا

وہی خدا کیا ہے۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ خدا نے غیر متناہی احسانات وانعامات سے انسان کو سرفراز فرمایا ہے اُن میں سے اگر بعض نعمتوں کو واپس بھی لیتا ہے تو صرف یہ آزمایش کرنے کیلئے کہ کون شخص ان نعمتوں کا حقیقی معطی ذات الٰہی کو خیال کرتا ہے اور کون اپنے نفس کو ان چیزوں کا مالک حقیقی جانتا ہے اور کون رضاء الٰہی پر صبر کرتا ہے اور کون جزع فزع کرتا ہے۔ آیت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ محنت و کوشش کرنیوالے تمام عالم ہستی کی حیات و ممات کا مالک حقیقی خدا کو جاننے والے مصائب و آلام اور دُکھ درد پر صبر کرنیوالے اور ان مشقتوں کو لاپروائی و بے احساسی سے دفع کر کے قوانین شریعت اور ہدایت وحی کے بموجب آگے بڑھنے والے ہی راہ راست پر ہیں۔ جو لوگ دنیوی مال اور کامیابی کو اپنا دست رنج اور حاصل کردہ جانتے ہیں یا مصائب و آلام پر بے صبری کا اظہار کرتے ہیں یا مبدأ و معاد پر غور نہیں کرتے یا ظفر و کامرانی کے حصول کی جائز کوشش نہیں کرتے وہ گمراہ اور بےراہ ہیں ایسے لوگوں کو نہ دنیوی بہبودی حاصل ہو سکتی ہے نہ دینی سعادت وغیرہ۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ

صفا و مروہ خدا کی طرف سے دو آداب گاہ مقرر ہیں

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

لہٰذا جو شخص کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اُس کے لئے ان دونوں کا چکر لگانے

أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا

میں کوئی ہرج نہیں ہے اور جو شخص اپنے شوق سے کوئی نیک کام کرے

فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ

تو بیشک خدا قبول کرنے والا باخبر ہے

تفسیر آیت متصلہ میں صبر و صابرین کی مدح اور آزمایش الٰہی کا ذکر تھا۔ یہاں صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنے کا ذکر کر کے اس طرف ایک مخفی اشارہ کیا گیا ہے کہ فقط یہ امتحان اور صبر کرنے کا حکم تمہارے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے اولوالعزم انبیاء اور عارفین اس امتحان میں مبتلا کئے گئے اور انہوں نے مصائب پر صبر کیا اسلئے خدا نے انکے مراتب و درجات اسقدر بلند کئے کہ اُنکے تعمیر کردہ مکان اور دیگر معمولی مقامات بھی اُنکے نام کے لگنے کی وجہ سے اسقدر متبرک ہو گئے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو اپنی عبادت کیلئے مخصوص امتیاز عطا فرما دیا دیکھو حضرت ابراہیمؑ کی آزمایش کی گئی نوجوان اکیلا بیٹا اسمٰعیل اُن سے جُدا کر کے ایک لق و دق بیابان میں ڈالدیا گیا۔ اسمٰعیلؑ کی والدہ ہاجرہ کو تنہائی اور بھوک پیاس تپش آفتاب کی تکلیف دیگئی لیکن چونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا اسلئے خدا تعالیٰ نے انہی کی بدولت معمولی پہاڑیوں کو جن کا نام صفا و مروہ تھے ایسی برکت اور عظمت عطا فرمائی کہ اُنکے درمیان طواف کرنے کو اپنی عبادت کے شعائر اور مخصوص علامات میں داخل کر لیا۔

جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو بحکم الٰہی حضرت خلیل اللہؑ اس لق و دق بیابان اور خشک میدان میں چھوڑ کر چلے گئے اور حضرت ہاجرہ کی مشک کا پانی ختم ہو گیا اور پیاس کی شدت اور بچے کے تڑپنے سے بیقرار ہو کر خدا کی طرف ملتجی ہوئیں اور اسی حالت اضطراب میں کبھی اس پہاڑی پر اور کبھی اُس پہاڑی پر ظہور رحمت الٰہی کی امید میں گھومتی رہیں تو اسوقت خدا تعالیٰ نے ہاجرہ کی دُعا قبول فرمائی اور فرشتہ نے آواز دی ہاجرہ تجلی رحمت کا ظہور ہو گیا تیرے اور تیرے بچہ کیلئے خدا نے چشمہ جاری کر دیا جو بھوک و پیاس دونوں سے بےغم کر دیگا اُسی وقت سے یہ جگہ محل اجابت قرار پائی۔ دور جاہلیت میں صفا و مروہ پر دو بت رکھے تھے ایک کا نام اساف اور دوسرے کا نام نائلہ تھا۔ اساف دیوتا تھا اور نائلہ دیوی۔ اہل عرب حج تو ابتدا ہی سے کرتے چلے آئے لیکن جہالت و کفر کی وجہ سے کچھ غلطیاں کرنے لگے تھے توحید کی بجائے کعبہ کے اندر شرک کرنے لگے تھے صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے تھے اور حضرت ہاجرہ کی گویا نقل کرتے تھے لیکن دوران سعی میں اساف و نائلہ کو بوسے دیا کرتے تھے۔ جب آفتاب اسلام طلوع ہوا اور تمام بت توڑ دیے گئے تو اساف و نائلہ کو بھی توڑ دیا گیا لیکن چونکہ صفا و مروہ کے درمیان اہل جاہلیت دور کفر میں دوڑا کرتے تھے اسلئے مسلمان اس سعی کرنے سے جھجکے تو آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ صفا و مروہ عبادت الٰہی کے مخصوص نشانات اور امتیازی آداب گاہوں میں سے ہیں جسطرح کعبہ عرفہ مزدلفہ منیٰ اور تمام مساجد خدا کی عبادت کے مقامات ہیں اسی طرح صفا و مروہ کی پہاڑیاں بھی عبادت الٰہی کے مخصوص مقامات ہیں۔ ان مقامات مقدسہ کی بزرگی میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ جو شخص کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اور اجابت دعا کے لئے ان مقامات میں طواف کرنا چاہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا تو ان کے درمیان طواف کرنے میں کوئی ہرج نہیں بدستور ثواب کا کام ہے۔ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنی نیکی ہے اور جو شخص بلا جبر و اکراہ اپنی خوشی اور رغبت خاطر سے نیکی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اسکے ثواب کو رائگاں نہیں فرماتا بلکہ اُسکو قبول فرماتا ہے کیونکہ فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔ خدا تعالیٰ بندوں کی نیکیوں کا قدردان بھی ہے اور اُن کے اعمال سے واقف بھی ہے ایسا نہیں ہے کہ کسی کے اعمال کی اُسکو اطلاع نہ ہو یا اطلاع ہو لیکن وہ قدردانی نہ کرے اور اعمال کا ثواب عطا نہ فرمائے۔

مقصود بیان: بعض مقامات مخصوص طور پر تجلی گاہ رحمت ہیں جن میں سے صفا و مروہ بھی ہیں۔ حج میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لگانی ضروری ہے خواہ واجب ہو یا رکن۔ نیکی وہی معتبر ہے جو بخوشی خاطر اور دلی رغبت سے ہو۔ جبر و اکراہ اور زبردستی کی نیکی غیر مقبول ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کے اعمال رائیگاں نہیں فرماتا ہے اور کوئی چیز اُسکے احاطۂ علم سے خارج بھی نہیں ہے۔

اسرار و نکات

گذشتہ کتب الٰہی میں ایک پیش گوئی درج ہے کہ جاء اللّٰہ من سیناء واستعلن بساعیر و اشرق من جبال فاران یعنی نورِ الٰہی موسیٰؑ کے زمانہ میں وادی سیناء سے نکلا اور حضرت عیسیٰ کے عہد میں کوہ ساعیر سے ظاہر ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فاران کی پہاڑیوں یعنی صفا و مروہ وغیرہ سے طلوع ہوا۔ آیت مذکورہ میں لفظ من شعائر اللہ سے اس امر کیطرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ صرف ظاہری دوڑ لگانی اور طواف کرنا کافی نہیں ہے بلکہ حاجی کو چاہیے کہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرتے وقت مشاہدہ کے نور میں مستغرق ہوکر قدرت الٰہی کی روشنی کا مطالعہ کرے اور دونوں پر نظر ڈال کر بشریت کی کدورتوں سے پاک ہوجائے اور مقام معرفت کے ساتھ ساتھ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو اور جسطرح بیت اللہ کا حجاب حرم ہے اور حرم کا حجاب مکہ ہے اور مکہ کا حجاب یہ پہاڑیاں ہیں اور جب تک ان سب پردوں کو طے نہ کیا جائے کعبہ تک رسائی نہیں ہوسکتی اسی طرح خیمۂ حضوری تک ملکوت و جبروت کے ہزاروں پردے ہیں جب تک اُن کو طے نہ کیا جائے بارگاہ قدس میں حضور نہیں ہوسکتا الخ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ

جو لوگ اُن کھلی نشانیوں کو اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں جو ہم کتاب

وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ ۙ

(توریت) میں نازل کر چکے ہیں باوجودیکہ ہم اُن کو لوگوں کے سامنے کتاب (توریت) میں

اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ

کھول کر بیان کر چکے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور تمام عالم کے لعنت کرنے والے

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ

بھی لعنت کرتے ہیں البتہ جن لوگوں نے توبہ کرلی اور اپنی حالت درست کرلی اور صاف صاف بیان

اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

کر دیا اُن کی خطاؤں کو میں معاف کر دونگا کیونکہ میں بڑا معاف کرنے والا مہربان ہوں

تفسیر

جب براہین و دلائل سے یہود و نصاریٰ کے شکوک کا ازالہ کر دیا گیا تو اب اصل مدعا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور منافقین کو ترہیبانہ عبارت میں نصیحت کیجاتی ہے۔

جلال الدین سیوطی رح فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ یہود کے متعلق نازل ہوئی۔ لیکن ابوالعالیہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ مطلق اہل کتاب کے حق میں اتری ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اسمیں داخل ہیں اگرچہ یہود اس مذمت کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ اُن کی کتاب میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف زیادہ مشرح تھے اور فاران کے پہاڑوں کے فضائل مفصل مذکور تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ آیت کا حکم ہر اُس شخص کے لئے عام ہے جو حق کو چھپاتا ہو کیونکہ عموم لفظ کا اعتبار ہے خصوص سبب کا نہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین شریعت اور ذاتی اوصاف تمام کتب انبیاء میں مذکور ہیں۔ فاران کی پہاڑیوں کے فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں اولاد اسمٰعیل پر فضل و رحمت کا وعدہ کتب سابقہ میں مشرح بیان کر دیا گیا ہے مگر اہل کتاب ان تمام ہدایات اور بشارات کو چھپاتے ہیں اور عام جاہلوں کو شکوک و شبہات میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں اور ہماری واضح کردہ آیات و ہدایات پر پردہ ڈالتے ہیں اسلئے جو لوگ اس فعل کے مرتکب ہیں اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ان پر خدا کی اور تمام عالم کی لعنت ہے فرشتے جنات آدمی چرند پرند اور درند سب کی اُن پر لعنت برستی ہے دنیا میں بھی اُن کو رسوائی ذلت اور بے برکتی نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی وہ نجات سے محروم رہینگے۔

لاعنون سے مراد ابوالعالیہ ربیع بن انس اور قتادہ کے نزدیک ملائکہ اور مومنین ہیں۔ ابن عطیہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے لیکن ابن عباسؓ کے قول کے موافق جن و انس کے علاوہ اور مخلوق مراد ہے۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ جب زمین پر خشک سالی ہوتی ہے تو مویشی کہتے ہیں کہ یہ آدمیوں کے گناہوں کی وجہ سے ہے خدا تعالیٰ نافرمانوں پر لعنت کرے ابن کثیر کہتے ہیں کہ بعض مخلوق کی لعنت بزبان حال ہوتی ہے اور بعض کی بزبان مقال۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا یہ گذشتہ کلام کی استثناء ہے یعنی ہاں جن لوگوں نے شرک کفر بدعت اور کتمان حق وغیرہ سے توبہ کرلی۔ دل سے حق کی طرف رجوع کر لیا اعمال صالحہ سے اپنے نفس کی اصلاح کرلی اور تائید توبہ کے لئے پھر اُن امور کو علی الاعلان بیان بھی کر دیا جن کو پہلے مخفی رکھتے تھے اور امانت الٰہی کو ظاہر کر دیا تو فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ ایسے لوگوں کو خدا بھی معاف فرما دیتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ معاف کرنیوالا اور اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے اُن کی گذشتہ بداعمالیوں پر نظر نہیں فرماتا بلکہ اپنے عفو و مغفرت کے پانی سے اُن کی گذشتہ سیہ کاریاں دھو ڈالتا ہے۔

مقصود بیان :- پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ آیات قدرت کو چھپانے والے فطری گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اسلئے فطرت الٰہی کا ہر ذرہ اُن پر لعنت کرتا ہے۔ کتمان حق حرام ہے۔ جو شخص فیصلۂ الٰہی اور حکم شرعی کو چھپاتا ہے وہ وعید کا مستحق ہے۔ توحید الٰہی بعثت انبیاء اور دیگر آیات رشد فطری چیزیں ہیں جو بالکل واضح طور پر خدا نے بیان کر دی ہیں۔ ان کا چھپانا قانون فطرت کی خلاف ورزی کرنا ہے۔ وغیرہ۔

دوسری آیت میں تبلیغ و ہدایت کو ایک لطیف پہلو سے ظاہر کیا گیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ زبانی توبہ کافی نہیں بلکہ شرک و بدعت کو چھوڑ کر اعمال کی بھی اصلاح لازم ہے اور جو گذشتہ تقصور ہو گئے ہوں اُن کا بالکل استیصال ضروری ہے اور ایسے امور کے ظاہر کرنے کی ضرورت ہے جن سے توبہ کا عملی مظاہرہ ہو اور شک و شبہہ کی گنجایش نہ رہے۔

ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مختلف مذاہب کے مذہبی لیڈر اگر سچے دل سے توبہ کرلیں اور صلاحیت اعمال کے ساتھ ساتھ اپنی گذشتہ غلطیوں کا اعتراف کرلیں تو اُن کی توبہ مقبول ہے خواہ اس سے قبل انکے ہاتھوں مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہونچا ہو۔ گویا آیت میں درس مساوات اور اخوت اسلامی کی تعلیم دیگئی ہے کہ صاف دل سے مسلمان ہونے کے بعد موروثی مسلمانوں اور ان توبہ شعار نومسلموں میں کوئی امتیاز و فرق باقی نہیں رہتا خداوند تعالیٰ کے نزدیک دونوں کی حیثیت مساویانہ ہے کیونکہ خدا رحیم ہے اسکی صفت رحم اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ یہ اطاعت شعار نومسلم نسلی مسلمانوں سے درجہ میں کم رہیں۔ وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

جو لوگ کافر ہے اور کفر ہی پر مرے

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ

اُن پر خدا کی اور فرشتوں کی اور سب

النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا

آدمیوں کی پھٹکار وہ ہمیشہ پھٹکار ہی میں رہینگے اُن کے

يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ

عذاب میں بالکل تخفیف نہ کیجائیگی اور نہ اُنہیں مہلت دی جائے گی

تفسیر یہ ازلی اشقیاء کا بیان ہے یعنی وہ فطری کافر جنہوں نے کفر کو اختیار کیا خواہ حق کو چھپا کر یا کسی اور صورت سے یعنی خدا کی وحدانیت اور حضور خاتم النبیین صلعم کی رسالت کا انکار کرکے بہر صورت جنہوں نے شرک و بدعات سے توبہ نہ کی اور دم اخیر تک کافر رہے اور کفر ہی کی حالت میں مرے نہ توبہ کی نہ اعمال کی اصلاح کی تو ان مردود ازلی پر ہمیشہ خدا تعالیٰ کی اور تمام علوی سفلی مخلوق کی لعنت برستی ہے ہمیشہ یہ رحمت خداوندی سے دور رہینگے کبھی نجات نہ ہوگی تمام دنیا کی مخلوق انکے واسطے حالی یا مقالی بد دعا کرتی ہے اور ان کے اعضاء اور انکی حالت ان پر لعنت کرتی ہے لیکن اس فطری لعنت کا ان کو احساس نہیں ہوتا۔ ہمیشہ یہ لوگ اسی لعنت میں رہینگے کبھی سعادت اخروی انکو حاصل نہ ہوگی اور نہ کبھی فطری لعنت سے بچ سکینگے عذاب الٰہی ان پر سے کبھی کم نہ ہوگا ہمیشہ مصائب و آلام میں مبتلا رہینگے اور نہ اُن کو مہلت دیجائیگی یعنی کبھی اور کسی وقت عذاب الٰہی سے رہائی نہ ملیگی۔

مقصود بیان :- اعمال کا دارومدار انجام پر ہے اگر مرتے وقت آدمی کافر رہا تو وہ کافر رہا اور تمام عمر کفر کرنے کے بعد آخر وقت علامات موت ظاہر ہونے سے قبل ایمان لے آیا تو احکام اسلام اُس پر جاری ہونگے۔ کفر و شرک خلاف عقل و فطرت ہے اسلئے کفار پر تمام عالم ہستی بیا شک کہ کفار کے اعضاء و جوارح بھی حالی لعنت کرتے ہیں۔ کفار کے عذاب میں کبھی کمی نہ ہوگی اور نہ ان کو عذاب سے کبھی رہائی ملیگی کیونکہ ازلی اشقیاء کا کفر غیر محدود ہے لہذا اُن کا عذاب بھی غیر محدود رہے وغیرہ۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اور تمہارا معبود تو خدائے واحد ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

بڑا مہربان و رحیم ہے

تفسیر تفسیر سراج وغیرہ میں مذکور ہے کہ کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنے پروردگار کے اوصاف بیان کیجئے اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

پہلے بیان کیا گیا تھا کہ نافرمان اور کافر مستحق لعنت ہیں خدا کی اور تمام کائنات کی اُن پر لعنت ہوتی ہے تو یہ شیطانی وسوسہ پیدا ہوسکتا تھا کہ خدا تعالیٰ ان کافروں اور عصیان شعاروں کو عذاب نہیں دےسکتا یا نہیں دیگا کیونکہ صرف وہی معبود واللہ نہیں ہے بلکہ عیسیٰ عزیرا ہرمن اور دیگر لاکھوں معبود عالم میں موجود ہیں یہ اپنی طاقت سے اپنے پرستاروں کو عذاب سے بچالینگے یا کم از کم سفارش کرکے رہائی دلا دینگے اسی خیال کے ابطال کیلئے آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اس شیطانی وسوسہ کا ازالہ کردیا گیا مطلب یہ ہے کہ خدا کی ذات پاک کا کوئی نظیر نہیں وہ اپنی صفات میں یکتا ہے اپنے افعال میں واحد ہے کوئی چیز اسکے مشابہ نہیں کوئی

اُس کا شریک نہیں وہ معبود برحق ہے واحد و یکتا ہے لیکن وحدت و تعدد سے بالاتر۔ کم و کیف ماہیت و صورت مکان و زمان امکان و حدوث سب سے بری ہے۔ وہ ایک ہے لیکن وحدت بھی اُسکی عارض نہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگرچہ مستحق عبادت وہی اللہ ہے مگر دیگر معبودوں کا وجود بھی عالم میں ہے کیونکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اُس کے سوا عالم میں کسی معبود برحق کا وجود ہی نہیں وہی واجب قدیم جامع صفات کمالیہ اور علۃ العلل ہے۔ اُسکے علاوہ تمام عالم ممکن حادث اور ناقص ہے۔ دوسرا کوئی کس طرح لائق پرستش اور مستحق عبادت ہو سکتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ دنیا و آخرت میں حصولِ سعادت و فلاح تو اُسی پر موقوف ہے۔ چھوٹی بڑی نعمت۔ تربیت جسمانی و روحانی صحت و دولت۔ علم و ہدایت۔ اسلام و ایمان اور آخرت میں نجات سب اُسی کی دی ہوئی چیزیں ہیں۔ تمام عالم کو اُسی نے پیدا کیا۔ لوازم حیات مہیا کئے۔ لباس وجود عطا کیا۔ جسمانی اور روحانی قوی مرحمت فرمائے توجب وہی ان تمام چیزوں کی علت اور وہی فاعل حقیقی ہے اور دنیا و دین میں سب اُسی کی رحمت کے محتاج ہیں تو کس کا مُنہ ہے کہ معبودیت کا دعویٰ کر سکے۔

مقصود بیان:۔ توحید ذات و صفات کا اعلان۔ اس امر کا تلمیح آمیز بیان کہ معبود حقیقی اور قابل پرستش صرف وہی خدائے یگانہ ہے کسی اور کو نہیں۔ روحانی و جسمانی دنیوی و دینی کل نعمتیں اُسی کی عطا کردہ ہیں۔ خدا مخلوق پر ہمیشہ رحم کرتا ہے۔ دنیا میں تو کافر و مسلم گناہگار اور فرمانبردار سب اُسکے خوان رحمت کے ریزہ چین ہیں اور آخرت میں اُسکی رحمت سے صرف مسلمان بہرہ ور ہونگے۔ عالم کائنات میں سوا اُسکے کوئی معبود موجود نہیں۔ وغیرہ۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي

لوٹ پھیر میں اور اُن جہازوں (کے چلنے) میں جو لوگوں کے فائدہ

الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ

کی چیزیں لیکر چلتے ہیں اور بارش کے پانی میں جسکو اللہ اوپر

مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ

سے اُتارتا اور زمین کے مُردہ ہونے کے بعد پھر اُس پانی سے اُسکو

مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ

زندہ کرتا ہے اور اُس نے زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں

الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ

کے چلانے میں اور اُس بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان

وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ

گھرا ہوا ہے (غرض) ان سب چیزوں میں سمجھدار لوگوں کیلئے اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں

تفسیر علامہ سیوطی اور مفسر معالم التنزیل نے بیان کیا ہے کہ جب مشرکوں نے خدا تعالیٰ کے مذکورہ اوصاف مقدس کو سنا کہ وہ واحد فرد یگانہ بے ہمتا لاشریک لہ جامع صفات اور متوحد بالذات ہے۔ کل عالم کا فاعل حقیقی اور موجودات عالم کا علۃ العلل ہے تو تعجب کرتے ہوئے برہان و دلیل کے طالب ہوئے کیونکہ وحدانیت ذات و توحید صفات عقلی مسائل تھے۔ قوانین نظرت سے ان کا اثبات ضروری تھا اسلئے خدا تعالیٰ نے اس آیت کو مکمل نازل فرمایا۔ اس آیت میں توحید ذات و صفات وجود باری اور اُسکے صفات کامل ہونے کی آٹھ دلیلیں بیان کی گئی ہیں جو نور بصیرت رکھنے والے کیلئے آئینہ ہدایت ہیں۔ (۱) آسمان زمین کی پیدائش (۲) رات دن کا تعاقب (۳) سمندر میں جہازوں کا چلنا اور دیگر دریائی عجائبات (۴) ابر سے بارش کا برسنا (۵) بارش سے خشک زمین کا سرسبز ہونا (۶) حیوانات کا اس غذا سے پرورش پانا اور توالد و تناسل کے ذریعہ سے بڑھنا (۷) ہوا کا تبادلہ (۸) آسمان و زمین کے درمیان ابر کا معلق ہونا۔ چنانچہ سب سے پہلے آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر ہوتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جسکا مطلب یہ ہوکہ کسقدر زبردست اجسام رکھنے والے آسمان اور کیسی گول اور عظیم القطرہ زمین خدا نے پیدا کی۔ آسمان متعدد بنائے پھر اُن میں لاکھوں روشن ستارے پیدا کئے۔ ستاروں میں کوئی بڑا کوئی چھوٹا کوئی سرخ کوئی سفید کوئی سیارہ کوئی ثابت پیدا کیا ان سب کی طبیعت ایک ہے۔ مادہ ایک ہے پھر یہ اختلاف کیوں ہے۔ یہ اختلاف لون تغایر جسم امتیاز صغر و کبر تفاوت حجم کیا خود بخود ہو گیا۔ آسمان کیا خود بخود بغیر ستون کے قائم ہیں۔ کل زمین کا ایک مادہ اور ایک قوام ہے۔ پھر اختلافِ رنگ و خاصیت کیوں ہے۔ پیداوار کی صلاحیت میں کیوں تغایر ہے پانی کے بیچ میں زمین کیوں معلق ہے۔ کونسی کشش اور قوت جذب اسکو بیچ میں رکنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر قدرت جذب سے یہ بیچ میں قائم ہے اور زمین میں بھی مثل دیگر ستاروں کے ہے تو پھر یہ کشش میں توازن اور مساوات

کس نے قائم کی۔ اس سب کے علاوہ یہ تمام اجسام مرکب ہیں او حادث ہیں۔ کیا باوجود حدوث وافتقار کے یہ فاعل مختار اور قادر مطلق سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ دلیل فطرت ہم کو بتا رہی ہے کہ اس تمام ہستی کی علۃ العلل خدائے یگانہ بے ہمتا ہے وہی قادر مطلق مختار کل ہے یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید لا الٰہ الا اللہ

وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ یہ دوسری دلیل ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ رات دن کا باہم تعاقب کہ رات جاتی ہے اور دن آتا ہے پھر رات دن کا مختلف فصلوں میں چھوٹا بڑا ہونا پھر مختلف ممالک میں خط استوا سے دوری اور نزدیکی کے اعتبار سے رات دن کی مقدار میں تفاوت کیوں ہے۔ کیا آفتاب کی ذاتی رفتار اس تناسب و تفاوت کی علت ہو سکتی ہے۔ کیا آفتاب کی حرکت از خود ہے۔ کیا یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ کیا خدا اس لیل و نہار کا خالق، مبدع اور علت اختلاف نہیں ہے۔ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ۔ یہ تیسری دلیل ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ سمندر کے غیر معدود عجائبات، طرح طرح کی پیداوار اور ایک قسم کے پانی میں مختلف رنگ مختلف شکل مختلف اقسام اور مختلف انواع کے جانوروں کا پیدا ہونا۔ قعر سمندر کے اندر شکم صدف میں در یتیم کا پرورش پانا سطح آب پر بڑے بڑے بھاری جہازوں کا لاکھوں ٹن وزن لیکر جانا اور پانی کا باوجود رقیق اور سیال ہونے کے اُن کے بار کا اٹھانا اور پھر ان جہازوں کے ذریعہ سے ایک ملک کی پیداوار یا مصنوعات کا دوسرے ملک میں پہونچکر وہاں کے لئے اسباب راحت و عیش مہیا کرنا وغیرہ کیا قدرت الٰہی کے آثار نہیں ہیں۔ پانی کا زمین کو محیط ہونا اور سمندر سے اٹھکر مانسون ہوا کا چلنا اور پھر اس سے پانی برسکر بالآخر سمندر میں آکر شامل ہو جانا اور اس سلسلۂ غیر متناہی کا برابر قائم رہنا کیا خداوند تعالیٰ کی علی الاطلاق قدرت اور وحدانیت ذات پر دلالت نہیں کرتا ہے

وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ۔ یہ چوتھی دلیل ہے یعنی ابر سے بارش کا نازل ہونا اور ہزاروں من پانی کا وزن لیکر ابر کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور حسب ضرورت کروڑہا کروڑ قطروں کو برسا کر ایک سیلاب عظیم تیار کر دینا خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ظاہر اثبوت نہیں تو اور کیا ہے۔

فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا یہ پانچویں دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بارش سے خشک اور تپتی ہوئی مردہ زمین میں از سر نو جان پڑنا اور عریان زمین کا سبز مخملی لباس پہن لینا، پھل پھول اور مختلف قسم کے اناج کا پیدا ہونا جس سے تمام زندہ کائنات کی زندگی وابستہ ہے کیا برہان توحید اور ثبوت وجود باری نہیں ہے کیا یہ تمام امور خود بخود سرانجام پاتے ہیں۔ پانی کی طبیعت ایک۔ مادہ ایک۔ زمین کا مادہ ایک۔ صورت نوعیہ ایک۔ پھر پیداوار میں یہ بین اختلاف کیوں ہے۔ پانی کی شکل میں زمین کو غذا پہونچنا اور پھر اس سے مختلف رنگ کے پھل پھول اور غلہ پیدا ہونا مختلف اشکال ہیئت اور طرح طرح کے درخت پیدا ہونا کیا خدا کی شان صناعی کو واضح نہیں کر رہا ہے۔ آفتاب ایک ماہتاب ایک اور ایک ہی شعاعی گرمی یا سردی۔ زمین کا مادہ واحد۔ پانی کی خاصیت واحد۔ پھر ایک درخت کا شیریں دوسرے کا تلخ ہونا کسی پھول کا سرخ ہونا کسی کا زرد کسی کا سبز کسی کا سفید ہونا کیا یہ سب نیرنگیاں اسی قادر مطلق کے دست قدرت کی نہیں ہیں جو اس تمام محسوس اور نیم محسوس کائنات کے پس پردہ جلوہ گر ہے

وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ۔ یہ چھٹی دلیل ہے حاصل یہ ہے کہ زمین پر ہزاروں قسم کے جانور پھیلے ہوئے ہیں جنکی گنتی انسانی قدرت سے خارج ہے بعض توالد و تناسل کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں تخم ہوتا ہے تخم سے خون، خون سے ہڈی گوشت پوست بنتا ہے پھر ایک مکمل جانور حساس متحرک بن جاتا ہے۔ بعض بغیر تخم کے پیدا ہوتے ہیں برساتی پانی سے مٹی میں ہزارہا مینڈک اور طرح طرح کے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں پھر ادنیٰ درجہ کے حیوان مثلاً خراطین یعنی کیچوے سے لیکر اعلیٰ درجہ کے مکمل انسان تک ایک منظم سلسلہ درجہ بدرجہ ارتقائی اور ترتیبی صورت میں مربوط ہے۔ یہ اسرار الٰہی کا مجموعہ اور جمال قدرت کا آئینہ نہیں تو اور کیا ہے۔ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ یہ ساتویں دلیل ہے یعنی پروا پچھوا اور جنوبی و شمالی ہوا کا چلنا اور باہم ہوا کا تبادلہ استعمالی ہوا اور اجزاء ابر و خانیہ کا دور ہونا۔ اجزاء نسیم اور آکسیجن کا حاصل ہونا۔ صبح اور شام کی ہوا میں سستی اور اعتدال ہونا رات کی ہوا میں خنکی اور دن کی ہوا میں تیزی و گرمی ہونا یہ سب رازہائے قدرت کا خزانہ یا خزانۂ مخفی کی کنجی نہیں تو اور کیا ہے۔ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ یہ آٹھویں دلیل ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ابر کا آسمان و زمین کے درمیان معلق ہونا نہ اوپر کو اٹھنا نہ نیچے گرنا بلکہ ہوا کے جھونکوں سے ادھر ادھر پھرنا حالانکہ اگر ان اجزاء ابر بخاری میں پانی کے اجزاء غالب ہوں تو ان کو نیچے گر جانا چاہیئے اور ہوائی اجزاء زائد ہوں تو کبھی نہ برسنا چاہیئے۔ لیکن اسکے برخلاف ابر فضا میں معلق ہے نہ نیچے گرتا ہے نہ جامد و راکد ہو کر ایک جگہ جم جاتا ہے۔ یہ سب آثار قدرت اور براہین توحید نہیں تو اور کیا ہے۔

لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ یعنی تمام مصنوعات مذکورہ عقل و بصیرت رکھنے والے طبقہ کے لئے شمع راہ ہیں اور ایک وجود موجود قادر مطلق مختار کل مرید اکمل حکیم و علیم واحد و یگانہ صانع کا پتہ دیتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ زمین آسمان کی پیدایش، رات دن کا تعاقب و اختلاف، ہزارہا من بوجھ لادکر جہازوں کا سمندر میں چلنا۔ آسمان سے بارش کا برسنا اور خشک زمین کا اس سے سرسبز ہونا پھر ہر قسم کے حیوانات کا اس غذا سے پرورش پاکر توالد و تناسل اور توالید کے ذریعہ سے بڑھنا اور زمین پر پھیلنا ابر کا بلا سہارے زمین و آسمان کے درمیان معلق رہنا۔ غرض یہ سب امور قدرت کے کرشمے اور پرتو حق کے مظاہرات ہیں اور یہ چیزیں سب کی سب ممکنات عالم میں سے ہیں جن کا وجود و عدم یکساں ہے اور کسی ایک شق کا ظاہر ہونا بغیر مرجح کے ناممکن ہے ضرور ایک ایسے مرجح کی ہستی لازمی ہے کہ جب چاہے موجود کرے اور جب چاہے معدوم کرے اور

وہ ذات واجب الوجود وحدہٗ لا شریک ہے جو یگانہ و فرد ممتنع النظیر و احد بیمثال قادر ذوالجلال مختار علی الاطلاق عالم حقائق حکیم کامل اور صناع بیمثال ہے کیونکہ نعوذ باللہ اگر متعدد خدا ہوں تو باہم اختلاف سے عالم کا نظم و نسق برہم ہوجائے اور متفق ہوں تو دو فاعلوں کا ایک فعل واثر پر اجتماع لازم آئیگا بہرحال تمام افراد ممکنہ اور حوادث وواقعات صناع لم یزل کی وحدانیت ثابت کر رہے ہیں اور بزبان حال بول رہے ہیں کہ وحدہٗ لا شریک لہ لا الٰہ الا ھو ھو الرحمٰن الرحیم۔

مقصود بیان:۔ آیات قدرت کے مشاہدہ کی تعلیم مصنوعات سے صانع پر استدلال کرنے کی طرف اشارہ عقل و بصیرت رکھنے والوں کی فضیلت و شرافت کی تصریح۔ توحید ذات وصفات کا وضوح۔ قدرت کاملہ کے محیط کل ہونے کا بیان وغیرہ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے علاوہ اور شریک بنا رکھتے ہیں جن سے

يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ

ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی خدا سے کرنا چاہیے البتہ جو لوگ ایماندار ہیں انکو اللہ

حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ

کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص ظالموں کی اُس وقت کی حالت دیکھے

الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

جبکہ وہ عذاب کو دیکھینگے تو معلوم ہوگا کہ ہر طرح کی قوۃ اللہ ہی کو ہے اور بیشک اللہ کا

شَدِيْدُ الْعَذَابِ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا

عذاب سخت ہے جبکہ کافروں کے پیشوا اپنے مریدوں سے

مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ

بیزار ہوں گے اور کافر عذاب کو دیکھینگے اور اُنکے باہمی تعلقات

بِهِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ

منقطع ہوجائیں گے اور پیروی کرنے والے مرید کہینگے کہ کاش

اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ

ایک بار ہم کو پھر دنیا میں جانا ملجائے تو ہم بھی اُن سے ایسے ہی الگ ہوجائیں جیسے یہ

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو ان کے سامنے باعث افسوس بنا کر

عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝

لانے گا اور وہ دوزخ سے کبھی نکلنے والے نہ ہوں گے

تفسیر گذشتہ آیات سے خدا کی ذات صفات وحدانیت اور خالق کائنات ہونا ثابت ہوگیا لیکن بعض بیوقوف باوجود کھلی ہوئی دلیلوں کے پھر شرک میں مبتلا ہیں اُن کا بیان آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ الخ میں کیا گیا ہے۔ جلال الدین سیوطی رح کے نزدیک انداد سے مراد بت ہیں اور بعض کے قول کے موافق وہ سردار اور مذہبی پیشوا مراد ہیں جن کی فرمانبرداری حکم شریعت کے خلاف کفار کیا کرتے تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ آیت میں عام معنی مراد ہے یعنی ہر وہ چیز جو ذکر اللہ سے غافل کرے وہی مراد ہے۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ بعض بیوقوف نافہم لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بناتے ہیں غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔ ہوا پرستی، نفس پرستی، دنیا پرستی، جاہ پرستی، حکومت پرستی، بت پرستی، ستارہ پرستی غرض یہ کہ غیر اللہ پرستی کرتے ہیں اور يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ اُن کی ایسی تعظیم تکریم کرتے ہیں جیسی خدا کی کرنی چاہیئے تھی اور ہر وقت غیر اللہ کی طرف ایسا میلان خاطر رکھتے ہیں جو سوائے خدا کے اور کسی کی طرف سزاوار نہ تھا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ لیکن جو لوگ خدا سے ہی نفع ضرر کو وابستہ جانتے ذات وصفات الٰہی میں کسی کو شریک نہیں کرتے ہیں اور سچے دل سے خدا پر ایمان لے آئے ہیں نہ تو احکام الٰہی کی فرماں برداری میں اپنا جان مال فدا کرنے کو تیار ہوتے ہیں اُسی کی عبادت کرتے ہیں اور اُس کے حکم کے مقابل کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ کافر لوگ جو غیر اللہ سے محبت اور پرستش کرتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ انکے معبود مصیبت کے وقت انکے کام آئینگے تو ان کا یہ خیال غلط ہے (اگرچہ محبت کا تقاضا یہی ہے کہ مصیبت کے وقت محبوب محب کے کام آئے) کیونکہ قیامت کے دن جب یہ باطل کوش لوگ عذاب الٰہی کو دیکھینگے اور انکو معلوم ہوجائیگا کہ پوری قدرت اور کامل قدرت و غلبہ خدا ہی کے لئے ہے اور عذاب الٰہی بہت سخت ہے اور خدا ہی کے قبضہ میں عذاب دینا ہے (اور یہ باطل معبود ہمکو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتے) تو اسوقت انکی خواہش ہوگی کہ کاش دنیا میں ہم شرک و نافرمانی نہ کرتے کیونکہ جن چیزوں کو انہوں نے اپنا معبود و خدا بنا لیا تھا وہ تو بالکل مجبور ہونگی

انکی کسی طرح امداد نہ کرسکیگی۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ یعنی عذاب الٰہی کا وقت ایسا ہولناک ہوگا کہ انکے دنیوی پیشوا اور امام بھی اظہار بیزاری کرینگے اور عذاب الٰہی کو دیکھ کر ان کا ساتھ نہ دینگے اور انکی خلاصی و نجات کے تمام ذرائع ٹوٹ جائینگے

عطاء نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ اسباب سے مراد مودت و دوستی ہے۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے یعنی دنیوی دوستی و مودت وہاں کام نہ آئیگی اور جسقدر دوستی کے تعلقات تھے قیامت کے دن اجنبیت اور غیریت سے بدلجائینگے کوئی دوست کسی کو فائدہ نہ پہونچا سکیگا۔ ابن عباسؓ کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اسباب سے مراد رشتہ داری اور قرابت ہے۔ بعض کے نزدیک اعمال مراد ہیں۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ بیوقوت جن ملائکہ کو دنیا میں پوجتے تھے وہ بھی ان سے قیامت کے دن اظہار بیزاری کرینگے اور کہینگے (تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ) اور یہ بھی کہینگے (سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ) یعنی چونکہ غیراللہ کی پرستش ایک سخت خوفناک چیز ہے پس ملائکہ باوجود عصمت کے خوف کھائینگے اور اپنی طرف اس نسبت باطل کے منسوب ہونے سے بھی اظہار براءت کرینگے۔

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا۔ یعنی وہ وقت نہایت حسرت کا ہوگا جب باطل پرستوں کو رہائی کا کوئی راستہ نہ ملیگا اور نجات سے مایوس ہوجائینگے تو انتہائی حسرت و افسوس کے ساتھ مجبور ہوکر کہینگے کہ کاش ہم کو ایک بار لوٹ کر دنیا میں جانا پھر ملجاتا تو اب کی بار ہم شرک نہ کرتے اور ان باطل پیشواؤں سے بالکل بیزار ہوتے جسطرح آج یہ ہم سے بیزاری کررہے ہیں۔

كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ آرزو بے سود ہوگی صرف اسوجہ سے لوٹ کر جانے کی انکو تمنا ہوگی کہ انکے اعمال انکے لئے باعث حسرت و ندامت ہونگے اور خدا تعالیٰ یونہی انکے اعمال کو انکے لئے باعث صد حسرت و افسوس بنا کر دکھائیگا۔

وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ۔ یہ حال تو دوزخ میں داخل ہونے سے قبل کا ہوگا اور صرف عذاب الٰہی کے دیکھنے سے ان کی یہ کیفیت ہوگی مگر جب دوزخ میں داخل کردیے جائینگے تو پھر کبھی نہ نکل سکینگے یا مطلب یہ ہے کہ مذکورۂ بالا تمنا ان کی پوری نہ ہوگی دوزخ میں پڑے پڑے اس طرح کی حسرتناک آرزوئیں کرتے رہینگے اور دوزخ سے کبھی نکلنا میسر نہ ہوگا۔

مقصود بیان:۔ غیراللہ کی پرستش کی ممانعت خواہ کسی قسم کی پرستش ہو نفس پرستی ہو یا شہوت پرستی یا غضب پرستی یا دماغ پرستی یا ہوا پرستی یا جاہ پرستی یا حکومت پرستی۔ بتوں کی عبادت ہو یا شیطانوں کی یا آفتاب و ماہتاب کی یا دیگر ستاروں کی یا فرشتوں کی یا پیروں کی یا قبروں کی یا انبیاء و اولیاء کی یا موالید ثلٰثہ اور عناصر اربعہ میں سے کسی کی بہرحال غیراللہ کی پوجا کرنی یا ایسی تعظیم تکریم کرنی جو خداوند تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے حرام ہے۔

محبت الٰہی کی تعلیم اور آسمانی اوامر و نواہی پر کاربند ہونے کیطرف اشارہ۔ مؤمنین کاملین کی پختگی ایمان اور ثبات عقیدہ کی مدح۔ اعمال کفار کے ہیبتناک نظارہ کا بیان۔ خدا تعالیٰ کے غالب قادر قوی اور ذات و صفات میں متفرد ہونے کا اظہار۔ قیامت کے دن ہر قسم کی امداد سے کافروں کے مایوس و محروم ہوجانے کی تصریح۔ کفار پر دائمی عذاب ہونے کی نص۔ وغیرہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا

لوگو زمین کی پیدا وار میں سے حلال طیب کھاؤ

طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ

اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ وہ

لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ

کھلا ہوا دشمن ہے وہ تو تم کو بدکاری اور بیحیائی اور بے سمجھے

وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

بوجھے خدا پر بہتان لگانے پر آمادہ کریگا

تفسیر

بیضاوی نے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے اوپر عمدہ کھانا اور پہننا حرام کرلیا تھا ان کے حق میں آیت مذکورہ نازل ہوئی لیکن قرطبی و سیوطی وغیرہ نے اس کو مجروح قرار دیا ہے اور راجح روایت یہ بیان کی ہے کہ قبائل بنی ثقیف۔ خزاعہ۔ عامر اور بنی مدلج کے کفار کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا تھا جنہوں نے سانڈ وغیرہ جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آیت کا مورد کچھ ہی ہو بہرحال عموم لفظ کا اعتبار ہے خصوص سبب غیر معتبر ہے اسلئے آیت کے حکم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو عمدہ کھانا پہننا چھوڑ دے اور از روئے اعتقاد لذائذ جائز کو اپنے اوپر حرام کرلے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو از روئے زمین کی پیداوار میں سے

جو چیزیں شرعاً حلال ہیں اور اُن کی حلت میں کسی قسم کا شبہہ بھی نہیں ہو اُنکو کھاؤ اُن کی حلت میں شک نہ کرو۔

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ - خطوات شیطان سے مراد شیطان کے راستے ہیں (زجاج) یا وہ گناہ مراد ہیں جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے (ابو عبیدہ) یا خدا کی مطلق نافرمانی مراد ہے (قتادہ و سدی) یا وہ امور قبیحہ مراد ہیں جنکو شیطان آراستہ و دلکش بنا کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے (سعید بن جبیر: اختارہ السیوطی)

شعبی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی قربانی کرنیکی نذر مانی حضرت مسروق نے اسکو فتویٰ دیا کہ مینڈھا ذبح کردے اور فرمایا یہ فعل خطوات شیطان سے ہے۔

ابن ابی حاتم نے روایت کی ہو کہ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں کچھ نمک اور چند کھیرے پیش کئے گئے۔ آپ نے کھانا شروع کیا۔ حاضرین بھی کھانے میں مشغول ہو گئے۔ لیکن ایک شخص الگ ہو گیا۔ ابن مسعود نے حکم دیا اس شخص کو بھی دینا چاہیئے۔ اُس شخص نے عرض کیا میرا دل نہیں چاہتا۔ ابن مسعود نے فرمایا کیا تمہارا روزہ ہے؟ اُس نے عرض کیا جی نہیں۔ ابن مسعود نے فرمایا پھر کیا بات ہے؟ اُس نے کہا میں نے نذر مانی ہے کہ کھیرے کبھی نہ کھاؤنگا۔ ابن مسعود نے فرمایا یہ فعل خطوات شیطان سے ہے تم کو کھانا چاہیئے اور قسم کا کفارہ ادا کردینا چاہیئے۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں جو قسم یا نذر غصہ میں ہو وہ خطوات شیطان سے ہو

آیت کا مطلب یہ ہو کہ مسلمانو! شیطان کی پیروی نہ کرو کہ حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام بنالو یہ شیطانی حرکت ہے اس سے پرہیز رکھو۔

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ؀ کیونکہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اسکی دشمنی انہی لوگوں کو نظر آتی ہے جو نور بصیرت رکھتے ہیں اور جو کور دماغ لوگ ہیں وہ شیطان کو دوست سمجھتے ہیں اور حقیقت امر سے بے بہرہ ہیں۔

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ - یہ شیطان کے عدو مبین ہونے کا ثبوت ہے یعنی شیطان بے سود اور بری باتیں تمہارے دلوں میں ڈالتا اور گناہ و بدی کیطرف تم کو مائل کرتا ہے اور عقلی و شرعی منکرات کے ارتکاب کا تم کو مشورہ دیتا ہے۔ سوء سے مراد وہ چیز ہے جو عقلاً قبیح ہو اور فحشاء سے مراد امر منکر ہے جو شرعاً قبیح ہو۔

وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؀ اور شیطان تم کو اس طرف بھی مائل کرتا ہے کہ غیر یقینی باتوں کو حکم الٰہی کہو اور اپنے دماغی اختراعیات کو حلال یا حرام کہنے لگو۔

مقصود بیان :- دنیا کی کل حلال چیزوں کا کھانا پینا پہننا اور استعمال کرنا مباح ہے لیکن ان چیزوں کی حلت میں کوئی شرعی شبہہ نہ ہونا چاہیئے حلت و حرمت کا حکم اپنی عقل سے تراشنا حرام ہے۔ جو چیز شرعاً حلال ہو وہی حلال ہے اور جو چیز شرعاً حرام ہے وہ حرام ہے۔ حلال کو حرام یا حرام کو حلال جاننا گمراہی ہے۔ دماغی توہمات یا قیاسی الجھنوں کا اتباع کرنا حرام ہے بشرطیکہ قیاس کی علت منصوصہ نہ ہو اور ظن مجتہد کا رجوع کسی شرعی قانون کی طرف ہو۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام پر چلو تو کہتے ہیں

بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ

نہیں، ہم تو اسی پر چلینگے جس پر ہم نے اپنے دادا کو پایا ہے بھلا اگر اُن کے

اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ؀

باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور گمراہ ہوں

تفسیر گذشتہ آیات میں اُن لوگوں کو زجر و تنبیہ کی گئی تھی جو حلال شرعی کو حرام کر لیتے ہیں اور ظنیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں چونکہ یہودی بھی انہی لوگوں میں داخل تھے کیونکہ یہودی بھی احکام قرآنی کے خلاف حلال کو حرام جانتے اور دماغی تراشیدہ احکام کی پیروی کرتے تھے اسلئے اس آیت میں یہودیوں کی حالت بیان کی گئی۔

ابن کثیر اور بغوی نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ حضور والا نے جب یہودیوں کو ایمان کی ترغیب اور اسلام کی دعوت دی تو رافع بن حرملہ اور مالک بن عوف کہنے لگے محمدؐ! ہم تو اُسی طریقہ پر چلینگے جس پر ہمارے باپ دادا چلتے تھے کیونکہ وہ ہم سے زیادہ عقلمند تھے اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں کی حماقت کی بھی عجیب حالت ہو جب ان سے احکام الٰہی پر کاربند رہنے اور عمل پیرا ہونے کو کہا جاتا ہے تو قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا کہتے ہیں ہم باپ دادا کے رواج کے مقابلہ میں احکام الٰہی کا اتباع نہیں کر سکتے ہم نے تو اپنے اسلاف کو جن رواجوں اور رسموں پر عمل کرتے پالیا اُنہی کو مانینگے اور اُنہی پر عمل کرینگے۔ خدا تعالیٰ اس قول کی تردید فرماتا ہے اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ کیا یہ لوگ اپنے اسلاف کی کورانہ تقلید اور اندھا دھند پیروی کئے جائینگے اگرچہ انکے باپ دادا امور دینی میں عقل نہ رکھتے ہوں مسائل الٰہی سے واقف نہ ہوں اور نہ راہ حق پر ہوں۔ انکی جہالت قابل تعجب ہے۔

مقصود بیان :- اگر باپ دادا یا خاندانی بزرگ کسی غلط راستے پر ہوں اور اُن کے افعال احکام الٰہی کے خلاف ہوں تو اُن کی پیروی نہ کیجئے جس شخص میں خود قوت نظر اور ملکۂ اجتہاد ہو اُسکو دوسرے کی تقلید کرنی ناجائز ہے باقی انبیاء یا ائمۂ مجتہدین کے اقوال کو ماننا تو یہ تقلید نہیں بلکہ اتباع ما انزل اللہ ہے۔ گویا ممانعت اس بات کی ہے کہ کسی غیر کا قول احکام دینی کے متعلق بلا دلیل مان لیا جائے اور چونکہ یہ معنی تقلید مجتہدین میں نہیں پائے جاتے اسلئے اُن کی تقلید درحقیقت اتباع ما انزل اللہ ہے۔ ہاں جو لوگ اصحاب نظر ہیں اُنکے لئے کسی مجتہد کی تقلید بھی ناجائز ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ

اور کافروں کو نصیحت کرنیوالے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جانور کے پیچھے چلا رہا ہو

بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ

جو سوائے پکارنے اور چلانے کی آواز کے اور کچھ نہ سنتا ہو یہ لوگ بہرے گونگے

عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○

اندھے ہیں اسی وجہ سے کچھ نہیں سمجھتے

تفسیر یعنی ان کافروں کو سمجھانا ایسا ہے جیسے کوئی شخص جنگلی جانوروں کو بلائے اور وہ سوائے چیخ پکار اور محض آواز کے کچھ بھی نہیں سنتے اور بلا سمجھے بوجھے محض آواز سے ایک طرف کو چل کھڑے ہوتے ہیں یہی حال ان کا ہے جو نہ علم و خرد رکھتے ہیں نہ عالم کی بات مانتے ہیں بلکہ باپ دادا کے رسموں کی پابندی بلا سمجھے بوجھے کرتے ہیں۔ آیت کی تفسیر میں چار قول بیان کئے گئے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں لیکن صحیح مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس گمراہی اور جہالت میں کافر پڑے ہیں ان کی مثال چوپایوں کے اس چلتے ہوئے ریوڑ کی طرح ہے جسکو راہ پر چلانے کے لئے چرواہا آواز دیتا ہے لیکن وہ مویشی اس کی بات نہیں سمجھتے صرف آواز سنتے ہیں۔ شیخ ابو العالیہ۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ عطاء۔ حسن بصری۔ قتادہ۔ عطاء خراسانی اور ربیع بن انس نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ کفار باپ دادوں کا اتباع کرتے ہیں اور حقیقت حال سے ناواقف ہیں کہ یہ گمراہی ہے یا ہدایت۔ اس اتباع میں ان کی حالت ان مویشیوں کی طرح ہے جو چرواہے کی صرف آواز سنتے ہیں اور مفہوم نہیں سمجھتے۔

ابو البقاء نے کہا ہے کہ آیت میں کفار کے ہادی کو چرواہے سے تشبیہ دی گئی ہے اور کفار کو بہائم سے۔

قطرب نے اسی طرح تفسیر کی ہے کہ کافر جو اپنے بتوں کو پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے چرواہا اپنے گلہ کو پکارتا ہے حالانکہ ان جانوروں کو اس کا علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہیں کہاں۔ ابن جریر نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔

عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کافر جو اپنے پتھر سے بنے ہوئے دیوتاؤں کو پکارتے ہیں اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص رات میں چیخ پکار کرے سوائے آواز بازگشت کے اسکو کوئی چیز جواب نہیں دیتی اور نہ سنتی ہے اور جو آواز لوٹ کر آتی ہے اسکی کچھ حقیقت نہیں۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○ یعنی یہ لوگ اندھے بہرے اور گونگے ہیں۔ نور بصیرت انکے دماغوں میں نہیں کہ آفتاب حق کو دیکھ سکیں۔ گوش معرفت انکے گراں ہیں جسکی وجہ سے یہ حق بات نہیں سن سکتے اور نطق صداقت کی ان کو طاقت میسر نہیں کہ اعلان حق یا کلمۂ صداقت زبان پر لا سکیں۔ حاصل یہ کہ عقل نورانی سے محروم ہیں اسلئے دینی سمجھ اور رفاہیت حق سے بے نصیب ہیں

مقصود بیان:۔ کفار بالکل جانوروں کی طرح ہیں جو چرواہے کی آواز پر بلا سمجھے بوجھے چل دیتے ہیں۔ کفار نور فطرت اور ضیاء عقل سے محروم ہیں اگرچہ ظاہری حواس اور باطنی دماغی مشاعر انکے درست ہیں لیکن بصیرت معرفت اور حقانیت سے بالکل خالی ہیں اسی لئے انکو ہدایت کی سمجھ اور حق کی ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔ آیت میں اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ جن لوگوں کی عقل روحانی پر جہالت کے پردے پڑے ہوں نور فطرت گمراہی کے قفلوں کے اندر بند ہو ان کو راہ راست مل ہی نہیں سکتی۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ

آیت میں تبلیغ نما ترہیب اور کفر و جہالت سے زجر و توبیخ بھی ہے اور کفار کی فطری پستی کا بھی اظہار ہے وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا

مسلمانو! ہماری دی ہوئی پاک چیزیں کھاؤ

رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ

اور اگر تم اللہ ہی کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکر بھی کرو

تفسیر پہلی آیت کا تو مورد خاص تھا لیکن اس آیت میں اکل حلال کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اے مسلمانو ہم نے تم کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اس میں سے انہی چیزوں کو کام میں لاؤ اور وہی چیز کھاؤ جو شرعاً حلال ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک کھانے سے نفع اٹھانا مراد ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ طیبات سے پاک کمائی مراد ہے۔ صرف پاک طعام ہی مراد نہیں ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ رزق حلال مراد ہے۔

وَاشْكُرُوا لِلَّهِ اور خدا کا شکر ادا کرو زبان کو بھی اسکی حمد و شکر میں صرف کرو اور باقی دیگر اعضاء و جوارح کو بھی اسی کے حکم کی تعمیل اور اسی کی فرماں برداری میں مشغول رکھو۔ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ۔ اگر تم واقعی اسی کی پرستش کرتے ہو کہ وہی معبود ہے اور جانتے ہو کہ خدا ہی نے تم کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ بیہقی وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میرا اور جن و انس کا حال ایک متعجب انگیز ہے پیدا تو میں کرتا ہوں اور پرستش غیروں کی کیجاتی ہے۔ رزق میں دیتا ہوں اور شکر اوروں کا ادا کیا جاتا ہے۔

مقصود بیان:۔ افراط و تفریط دونوں شرعاً ناجائز ہیں تفریط تو یہ ہے کہ جو چیزیں شرعاً حلال ہیں ان کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا جائے۔

اسکی تردید و ممانعت آیت سابقہ میں کردی گئی تھی۔ اس آیت میں افراط کی ممانعت ہے۔ حلال کیطرف ترغیب اور حرام سے اجتناب کرنے کی ہدایت ہے اور اس امر کیطرف بھی اشارہ ہے کہ جن پاک چیزوں کو تم عبادت سمجھ کر نہیں کھاتے ہو یہ خیال غلط ہے اُن کا ترک کرنا عبادت نہیں ہے۔ خدا نے تم کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں اُن کو اپنے اوپر حرام کر لینا کفرانِ نعمت ہے تم کو کفرانِ نعمت نہ کرنا چاہئے بلکہ شکر الٰہی بجا لانا چاہئے اور شکر بھی صرف زبان سے کافی نہیں بلکہ دل زبان اور تمام اعضاء و جوارح کو طاعت الٰہی اور فرماں پذیری میں صرف کرنا چاہئے صرف زبانی یہ دعوٰی کرنا کہ ہم خدا کی پرستش کرتے ہیں کافی نہیں ہے جب تک اس کا عملی ثبوت نہ ہو۔

ہدایت خاص تمام حلال اور پاکیزہ چیزوں کا کھانا لازم ہی نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔ ہاں بعض وقت بعض اشیاء کا کھانا واجب ہوتا ہے۔ مثلاً اگر نہ کھانے سے خوفِ ہلاکت ہو تو بقدر سد رمق کھانا واجب ہے اور کبھی کھانا مستحب ہوتا ہے مثلاً افطاری ولیمہ اور مہمانوں کے ساتھ کھانا وغیرہ

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ

اُس نے بیشک صرف مُردار کو اور خون کو اور سور کے گوشت

الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

کو اور اُس چیز کو جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے ہاں جو کوئی

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ

ناچار ہو جائے مگر عدول حکمی کرنیوالا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اُسپر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

خدا غفور رحیم ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں حلال چیزوں کے کھانے اور حرام چیز سے اجتناب کرنے کی ہدایت تھی اہل عرب نے بہت سی حلال چیزوں کو حرام اور حرام [illegible] کو حلال سمجھ رکھا تھا کیونکہ اُنکو حلت و حرمت کا کوئی شرعی علم نہ تھا صرف رواج و رسم کے اعتبار سے جو چیز اُنکے نزدیک حلال تھی اُسکو حلال جانتے تھے اور جو چیز حرام تھی اُسکو حرام جانتے تھے۔ حلال و حرام کا مسئلہ چونکہ تفصیل کا محتاج تھا اسلئے اُسکو بیان کیا جاتا ہے۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے اُنمیں سے صرف مذکورہ ذیل اشیاء حرام ہیں (۱) مُردار خواہ کسی قسم کا ہو خود بخود مر جانے یا شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو یا حلقوم نہ کاٹا گیا ہو یا بغیر اللہ کے نام کے کاٹا گیا ہو یا مشرک نے کاٹا ہو یا دیوار سے گر کر مر گیا ہو یا اُسکو کسی درندے نے پھاڑ کر مار ڈالا ہو یا گلا گھونٹنے سے وہ مر گیا ہو یا جھٹکا کرنے سے مرا ہو وغیرہ (ٹڈی اور مچھلی مستثنٰی ہیں)

وَالدَّمَ یہ دوسری قسم ہے یعنی خون روان کا کھانا بھی حرام ہے خواہ اُسکو پکا کر کھایا جائے یا سینک کر یا جما کر یا ویسے ہی پی لیا جائے۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ یہ تیسری قسم ہے یعنی سور کا گوشت پوست ہڈی چربی رگ پٹھا کھال وغیرہ سب حرام ہیں۔ آیت میں اگرچہ صرف گوشت کا بیان ہے لیکن گوشت پر ہی حصر نہیں ہے بلکہ گوشت ہی چونکہ سب سے بڑھ کر قابلِ انتفاع چیز تھی اسلئے اُسکو ہی ذکر کر دیا اور باقی اجزاء حکماً اسمیں داخل ہیں۔

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ یہ اخیری قسم ہے یعنی جس چیز پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو سوائے خدا کے کسی اور کے نام پر اُسکو نامزد کیا گیا ہو یا ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا مثلاً شیخ سدو کا بکرا۔ سید احمد کبیر کی گائے۔ کالی بھوانی کا سانڈ وغیرہ۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے ضحاک۔ مجاہد اور قتادہ وغیرہ مفسرین کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارنا مقصود ہے یعنی جو چیز غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جائے وہ حرام ہے۔ ربیع بن انس اور عطاء خراسانی وغیرہ علماء نے غیر اللہ کے نام پر نامزد ہونا مراد لیا ہے یعنی جس چیز کو غیر اللہ کے نام سے نامزد کر دیا گیا ہو خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو تو وہ حرام ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہٗ نے اسی معنی کو پسند کیا ہے اور ہم نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ ہاں جو شخص مذکورہ اشیاء کے کھانے یا استعمال کرنے پر مجبور ہی ہو جائے مثلاً کوئی حلال چیز پاس موجود نہ ہو اور بھوک کی وجہ سے چل پھر نہ سکے یا کسی سخت مرض میں مبتلا ہو جائے اور ان کے استعمال کے بغیر چارہ نہ ہو یا کوئی ظالم مذکورہ اشیاء کے کھانے پر مجبور کرے اور اسکو یقین ہو جائے کہ اگر میں نہ کھاؤنگا تو یہ ظالم مجھکو مار ڈالے گا یا میرے کسی عزیز و رشتہ دار کو مار ڈالیگا یا ہاتھ پاؤں کو کاٹ ڈالے گا۔

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ تو ایسی مجبوری کی صورت میں بقدر ضرورت مذکورہ چیزوں کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس کھانے سے نہ تو لذت مطلوب ہو نہ حد ضرورت سے زائد تجاوز کرے۔ لیکن ایسے وقت میں بھی یہ چیزیں پاک نہیں ہو جاتیں ہیں بدستور نجس ہیں مگر مجبوری کی وجہ سے ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اب اگر کھانے میں کمی بیشی یا بے اعتدالی ہو جائے تو خدا غفور رحیم ہے خود بے اعتدالی نہ کرنی چاہئے۔

غیر باغ ولا عاد کی تفسیر مختلف صورت سے کیگئی ہے بعض نے تو یہ مطلب بیان کیا ہے کہ رہزن نہ ہو خلیفۃ المسلمین سے باغی نہ ہو اور نہ کسی کار معصیت کے لئے نکلا ہو۔ لہذا جو شخص رہزنی کرنے ڈاکہ ڈالنے خلیفہ سے بغاوت کرنے یا کسی اور گناہ کرنے کے ارادہ سے سفر کو نکلا ہوا اور مذکورہ چیزوں کے استعمال پر مجبور ہو جائے تو اسکے لئے جائز نہیں۔ مجاہد سعید بن جبیر اور شافعی و امام احمد کا یہی قول ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں غیر باغ ولا عاد کے یہ معنی ہیں کہ اسکو حلال جاننے والا نہ ہو۔ سدی کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ خواہش نفسانی پوری نہ کرنی چاہتا ہو۔ ابن ایاس کہتے ہیں کہ مردار کو بھون کر ایسا نہ بنالے کہ کھانے کی رغبت و خواہش پیدا ہونے لگے اور صرف اسقدر ساتھ لے لے کہ رزق حلال ملجائے۔ جب رزق حلال ملجائے تو مردار کو پھینکدے۔

مقصود بیان: جن اشیاء کو کفار نے حرام سمجھ رکھا تھا انمیں سے واقعی شرعی حرام اشیاء کی تفصیل۔ توحید ذات و صفات کے اظہار و اعلان کے لئے اُن تمام چیزوں کی ممانعت جو شرک کا شبہہ بھی پیدا کرتی ہوں۔ مجبور و مضطر شخص کو اکل حرام کی اجازت لیکن بقدر رفع ضرورت اس امر کی طرف اشارہ کہ مقصود نیت کا حسن و اصلاح ہے اگر نیت درست ہے اور عمل میں کمی بیشی یا بے اعتدالی ہو گئی ہے تو خدا تعالیٰ معاف کرنیوالا ہے۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جہانتک ممکن ہو انسان کو اپنی زندگی بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر خوف ہو جائے کہ ہلاکت پیدا ہو جائیگی تو اکل حرام بھی جائز ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اصلاح زندگی کا حکم دیتا ہے۔ افساد زندگی خلاف منشاء الٰہی ہے۔ ہلاکت نفس حکم شرعی کے خلاف ہے اسی لئے قتل و خودکشی حرام ہے۔ وغیرہ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ

جو لوگ اُن آیات کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کی ہیں

وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ

اور اسکے عوض قلیل معاوضہ لے لیتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹوں میں (اللذیذ غذا

فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ

نہیں بلکہ) آگ بھرتے ہیں اور قیامت کے دن اللہ ان سے بات بھی نہ کریگا

الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(اور نہ ان کو پاک صاف کریگا اور خصوصیت کے ساتھ انکے لئے دردناک عذاب ہوگا

تفسیر یہ آیت یہودی علماء کے حق میں نازل ہوئی جنکو عام یہودیوں نے اپنا سردار مقرر کرلیا تھا۔ عوام کی کھیتی باڑیوں میں یہ حصہ دار رہتے اسکے علاوہ تحفے ہدیے بھی انکو خوب ملتے تھے۔ جب نبی آخر الزمان مبعوث ہوئے تو ان کو اپنی سیادت و ریاست کے زوال کا خوف پیدا ہوا اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور حلیہ تورات سے محو کردیا۔ یا تغیر و تبدل کرکے اظہار کرنا شروع کیا۔ اسکے علاوہ روپیہ پیسہ لیکر یہ عوام کے جذبات کے موافق خلاف حق فیصلے بھی دیا کرتے تھے جسطرح کہ آجکل کے پیشہ ور مفتی کیا کرتے ہیں۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام اور آیات الٰہی کو چھپاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور حلیہ ظاہر نہیں کرتے تاکہ اُن کی ریاست زائل نہ ہو بلکہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ لکھا کر کہتے ہیں کہ یہ توریت الٰہی ہے اور کتاب الٰہی کو چھپانے کے عوض کچھ دنیوی حقیر مال حاصل کرنا چاہتے ہیں عوام کی کھیتی باڑی میں حصہ ہدیہ تحفہ اور کچھ روپیہ پیسہ اس کتمان حق کے عوض ان کو ملجاتا ہے تو أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ یہ لوگ درحقیقت کھانا نہیں کھاتے بلکہ دوزخ کی آگ اپنے پیٹ میں بھرتے ہیں کیونکہ یہ حرام کمائی انکے واسطے آتش دوزخ کا سبب ہے وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اور قیامت کے دن خدا تعالیٰ ان سے مہربانی سے کلام نہ کریگا ابن جریر کے قول کے موافق یہ مطلب ہے کہ خدا بالکل اُن سے کلام نہیں کریگا۔ ابن کثیر کا بھی یہی قول ہے۔ مفسرین کے نزدیک صحیح معنی وہی ہیں جو ہمنے بیان کردیئے وَلَا يُزَكِّيهِمْ اور وہ گناہوں کی آلایش سے کبھی اُن کو پاک کریگا کہ اپنی عصیان شعاری اور معصیت کوشی کی گندگی سے صاف ہوکر وہ عذاب الٰہی سے رہائی پاسکیں وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بلکہ اُن کیلئے سخت تکلیف دہ اور الم رساں عذاب ہوگا اور یہ عذاب انہی کیلئے مخصوص ہوگا۔

مقصود بیان: کتمان حق حرام ہے۔ کتمان حق کی اجرت و کمائی بھی حرام ہے۔ خلاف شرع اجرت لے کر فتویٰ دینا ناجائز ہے۔ عذاب الٰہی گناہگار مسلمان کے لئے ایسا ہے جیسے سونے کو تپانے سے اسکی کثافت دور ہو جاتی ہے اور سونا خالص نکل آتا ہے یا لوہے کو آگ میں ڈالنے سے زنگ اور میل دور ہو کر صاف ہو جاتا ہے۔ عذاب الٰہی سے مسلمانوں کے گناہوں کی کثافت بھی دور ہو جائے گی اور وہ پاک صاف ہوکر دوزخ سے نکل آئے گا۔ لیکن دوامی عذاب صرف کفار کے لئے ہی مخصوص ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بدلے گمراہی اور ثواب کی بجائے عذاب

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ

مول لیا سو ان کو آگ کی کس قدر

عَلَى النَّارِ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

سہار ہے۔ یہ بات اسلئے ہے کہ اللہ ہی نے کتاب برحق نازل کی ہے

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ

اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ پرلے درجہ کی پھوٹ میں پڑے ہیں

تفسیر چونکہ یہودی علماء کا جرم سخت تھا لہذا آیت مذمت کو مکرر بصورت عتاب بیان کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ فرقہ بہت ہی سرکش و گمراہ ہے انہوں نے فطری ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو حاصل کر لیا اور وہ مغفرت الٰہی جس کا یقینی وعدہ نیکوکاروں سے کیا گیا ہے اسکو ترک کر کے عذاب الٰہی کو ترجیح دی اور مول لیا ایسے امور کو اختیار کیا جو ضلالت انگیز اور باعث عذاب تھے اور جو چیزیں ہدایت کی ممدو معاون تھیں اور انکی وجہ سے مغفرت یقینی تھی اُن سے پہلو تہی کی۔

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۔ اظہار تعجب کے طور پر کہا گیا ہے یعنی انہوں نے جو اس قدر اسباب دوزخ کو اختیار کیا تو گویا قصداً دوزخ میں جلنے کو پسند کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو آتش جہنم کے برداشت کی بہت کافی طاقت ہے جب تو اسقدر دلیری کے ساتھ انھوں نے اسباب جہنم کو اختیار کیا۔ تعجب ہے کہ ان کو عذاب الٰہی کے برداشت کی کیسی طاقت ہے اور وہ کونسی قوت ہے کہ جس نے ان کو اس آتش دوزخ کے تحمل پر دلیر بنایا (سیوطی۔ ابو البقا۔ مجاہد۔ حسن بصری) یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ آگ میں کس قدر صابر اور قائم ہیں (زجاج) یا دوزخیوں ایسے عمل کرنے پر کس قدر جمے ہوئے ہیں (کسائی۔ قطرب) یہی قول ابن عباس سدی۔ عطاء اور ابو عبیدہ کا ہے۔ گویا نار سے اعمال اہل نار مراد ہیں اور صبر کے معنی جم جانے اور قائم رہنے کے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۔ یعنی ان لوگوں کو عذاب الٰہی کے برداشت کی طاقت تو واقع میں نہیں ہے اور نہ ان میں اسقدر دلیری ہے کہ آگ کے تحمل پر صبر کر سکیں لیکن خدا تعالیٰ نے انکو سفیہ و احمق بنا دیا ہے اور انکو اپنی سفاہت و حماقت کا احساس نہیں جو درحقیقت خود ایک عذاب ہے اور یہ عذاب صرف ڈھکوسلے ہی نہیں اور نہ صرف ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے بلکہ عذاب دائمی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا نے حقانیت و صداقت کی حامل کتاب نازل کی تھی اور انہوں نے اُسکے بعض حصے چھپائے تحریف و تغیر کیا اور باہم اختلاف کرنے لگے۔ کتاب سے قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی یہود نے قرآن کے وہ احکام تو تسلیم کر لئے جو ان کی توریت کے موافق تھے اور جو احکام مخالف توریت تھے اُن کو نہ مانا۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۔ یعنی خدا نے جو کتاب کو صداقت و حقانیت کا پیامبر بنا کر بھیجا تھا لیکن اختلاف کرنیوالوں نے اُسمیں بیجا تاویلیں کیں بعض کا اقرار اور بعض کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حق و ہدایت سے بہت دور جا پڑے۔ راہ مستقیم کو چھوڑ کر ادھر ادھر پگڈنڈیوں پر مارے مارے پھرنے لگے۔

مقصود بیان: ۔ ہر انسان کو فطری ہدایت حاصل ہے لیکن بعض لوگ اس نور فطرت کو بجھا کر کسی گمراہی کی تاریکی میں جا پڑتے ہیں۔ فطرتاً ہر انسان کے لئے مغفرت الٰہی اور سعادت ابدی موجود ہے لیکن براہو ہوا وہوس اور شیطانی جذبات کا جو انسان کو عذاب میں ڈالتے ہیں۔ اسباب عذاب کا اختیار کرنا گویا دوزخ کو اختیار کرنا ہے کیونکہ سنکھیا کھا کر مرنا یقینی ہے۔ گناہ و کفر کر کے دوزخ میں داخل ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر خدا اپنی رحمت سے مسلمانوں کو معاف کر دے تو یہ اُسکا احسان ہے۔ کتاب الٰہی میں بیجا تاویلیں دماغی اختراع اور ذہنی تراش خراش کو دخل دینا حرام ہے۔ تفسیر کتاب وہی ہے جسکا مدار نقل پر ہے (وغیرہ)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ

نیکی نہیں ہے مشرق و مغرب کی طرف رُخ کرنے میں ہی

وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

بلکہ نیک تو وہ ہے جو اللہ پر اور روز آخرت پر

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى

اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور انبیاء پر یقین رکھتا ہو اور باوجود

الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ

خواہش مال کے اُس مال کو رشتہ داروں اور یتیموں اور

الْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ

فقیروں اور مسافروں اور سائلوں اور بردوں کے آزاد کرانے کے

فِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ

صرف میں لاتا ہو اور ٹھیک ٹھیک نماز پڑھتا ہو اور زکوۃ دیتا ہو

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ

اور (نیک وہ ہیں جو) وعدہ کرنے کے بعد اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہوں اور تنگی

فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ

حالت اُن لوگوں کی ہے جو تنگی اور تکلیف اور لڑائی کے وقت صبر کرتے ہیں

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ بعض لوگوں نے جو مباح چیزوں کو از خود صرف رواجی پابندی کی وجہ سے حرام قرار دیکر اُن سے اجتناب کرنے کو باعثِ ثواب خیال کر رکھا ہے تم ایسا نہ کرو بلکہ شریعت نے جس چیز کو حلال کر دیا ہے اُس سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہاں اس بات کا بیان کرنا مقصود ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے رسوم کو جو اصولِ مذہب نہیں ہیں اصولِ حسنات سمجھ رکھا ہے اور انہی کو باعثِ نجات خیال کرتے ہیں اور در حقیقت جو اصولِ نجات ہیں اور سعادتِ دارین کے بنیادی پتھر ہیں اُن کی طرف نگاہِ غلط انداز سے بھی نہیں دیکھتے۔ رسم و رواج اور ظاہر پرستی پر اپنے نفس کو پابند رکھنا اور اصولِ سعادت و نجات کو ترک کرنا نیکی نہیں ہے کیونکہ نیکی اور سعادت کے اصول دو ہی ہو سکتے ہیں (۱) عقائد و خیالات کی اصلاح (۲) اعمال و افعال اور اقوال کی درستگی۔ موخر الذکر شق میں حقوقِ الٰہی کی ادائیگی اقربا، اجانب اور اعدا کی حق شناسی، اخلاقِ فاضلہ اور ملکاتِ حسنہ کا حصول، دنیا میں عافیت و امن پھیلانے کی کوشش، یتیموں مسکینوں فقیروں اور مسافروں کی غمخواری، غلاموں کی ہمدردی اور اُن کے آزاد کرنے کی سعی وغیرہ تمام امورِ حسنہ داخل ہیں۔ اسلئے صرف آبا و اجداد کے رسموں کی پابندی کرنی اور پرانی لکیر کو پیٹنا موجبِ نجات نہیں ہو سکتا بلکہ مغزِ حیات اور روحِ زندگی کا دار و مدار صرف اصولِ ہدایت کی پابندی پر ہے۔ جو ان قوانینِ فطرت پر عمل پیرا ہوگا سعید ہوگا اور جو ان نیچرل قواعد کی خلاف ورزی کریگا شقاوت سے ہم آغوش ہونا پڑیگا۔ سب سے پہلے تصحیح عقائد اور اصلاح معلومات کو بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ زیادہ تر نجات و حیاتِ ابدی کا مدار اسی پر ہے اسلئے سب سے اول اسی کے بیان کو واضح کیا گیا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ - آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرق مغرب کی طرف منہ پھیرنا ہی نیکی کی بات نہیں ہے اور نہ نیکی کا اسپر حصر ہے بلکہ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ نیکی درحقیقت اس شخص کی نیکی ہے جو خدا پر ایمان لاتا ہے۔ ذاتِ باری کو تمام کائنات کا مبدء سمجھتا ہے کل عالم کی عنانِ ایجاد و تربیت اُسی کے دستِ قدرت میں جانتا ہے اُسکی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہیں خیال کرتا۔ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اور معاد پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ یقین رکھتا ہے کہ ایک روز یہ عالمِ ہستی فنا ہو جائے گا صرف ذاتِ محض باقی رہ جائیگی جسطرح جانبِ ابتدا میں بھی وہی خدائے واحد قدوس تھا اور اس کائنات آسمانی و زمینی کا کوئی ذرہ نہ تھا اسی طرح جانبِ انتہا میں بھی وہی وحدہٗ لاشریک رہ جائیگا اور کل دنیا فنا ہو جائیگی اور پھر وہی احد قہار سب لوگوں کو جزا سزا کیلئے پیدا فرمائیگا جسطرح پہلی بار اُس نے دنیا کو پیدا کیا تھا جزا سزا حساب کتاب جنت دوزخ وغیرہ کا وجود یقینی ہے۔ وَالْمَلَائِكَةِ اور فرشتوں پر بھی وہ ایمان رکھتا ہے۔ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کا فرمانبردار معصوم بندہ خیال کرتا ہے ایک کو دوسرے کا دشمن نہیں جانتا خصوصاً حضرت جبرئیلؑ کو حاملِ وحی سمجھتا ہے۔ وَالْكِتَابِ اور چونکہ ہدایتِ خلق کے لئے کتابِ الٰہی کی ضرورت ہے اسلئے ایمان رکھتا ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی کتابیں حق ہیں خدا تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں لوگوں کی ہدایت کیلئے مختلف انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی تھیں اور سب کے آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب مبین یعنی قرآن کو نازل فرمایا۔ اور چونکہ پیامِ الٰہی کے حامل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنکے نفوس قدسی صفات ہوں اور مادی کدورت اُنکے اندر کم ہو آئینہ کی طرح اُنکے دو رخ ہوں ایک رخ مادی اور دوسرا نورانی جو نورانی جہت سے فیضِ فیاض قبول کرکے عوام تک پہونچا سکیں وَالنَّبِيِّينَ اسلئے اُس کا ایمان انبیاء پر بھی ہوتا ہے۔ وہ دل سے تصدیق کرتا ہے کہ خدا کے تمام فرستادے حق پر تھے مخلوق کو گمراہی سے نکالکر روشنی میں لانا چاہتے تھے۔ مخلوق کی ہدایت کے لئے آفتابِ ارشاد تھے اور خود گناہوں سے معصوم تھے۔

اس سے آگے اعمال و افعال کی اصلاح و تصحیح کے متعلق ارشاد ہوتا ہے وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ - یعنی فقط معلومات و عقائد ہی کی اصلاح ہی نہیں بلکہ اس نے اخلاق و اعمال بھی درست ہوں اقارب اجانب سے ہمدردی کرتا ہو اگرچہ اُسکو مال کی ضرورت ہو اور دلی رغبت و میلان بھی مال کی طرف ہو لیکن غیروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتا ہو اور اسی جذبۂ ایثار کے ماتحت اقربا کی پرورش اپنے مال سے کرتا ہو۔ وَالْيَتَامَىٰ اور صرف اقربا ہی کی غمخواری نہیں بلکہ غیروں کی مواسات کا بھی کفیل ہو۔ اُن مفلوک الحال ستم زدہ بچوں کی کفالت کا بار اٹھاتا ہو جن کے باپ کا سایہ اُن کے سروں سے اٹھ گیا ہو اور بیچارے شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے ہوں۔ وہ شفقتِ پدری کی بجائے اُن کو بسترِ خاک نصیب ہوا اور آغوشِ مادر کے عوض خدا کے خاکی فرش کی گود۔ وَالْمَسَاكِينَ نیز اُن باعزت غریبوں کی بھی پرورش کرتا ہو جو حیا کی وجہ سے نہ تو سوال کر سکتے ہیں نہ خود اُنکے پاس اس قدر مال ہے کہ اپنے عیال کو کھلا کر اُنکی شکم سیری کر سکیں اور نہ عوام کو اُن کی حالت پر اطلاع ہے کہ کوئی اُنکی خبر گیری کر سکے۔ اسکے علاوہ وَابْنَ السَّبِيلِ اُن خانہ بدوشوں کی بھی ہمدردی کرتا ہو جو اعزہ و احباب سے دور غریب الوطن غیر ممالک میں سرگردان پریشان پھرتے ہیں نہ کوئی مونس نہ غمخوار نہ ہمدم نہ ہمراز۔ وَالسَّائِلِينَ اور اُن سوال کرنیوالوں کو بھی اپنے مال میں حصہ دار بناتا ہے جو اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر دستِ سوال دراز کرتے ہیں۔ وَفِي الرِّقَابِ اور اخیر میں اُن بندگانِ خدا کی آزادی کی بھی کوشش

کرتا ہے اور حتی الامکان اُن غلاموں کی رہائی میں صرفِ مال سے دریغ نہیں کرتا جن کی ضمانِ اختیار کسی بندہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ غریبوں کو نہ اپنے نفس پر اختیار ہے نہ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی پر صبح سے شام تک عرق ریزی کرتے ہیں لیکن شام کو صرف یہی نہیں کہ دن بھر کا کمایا ہوا مال اُن کے آقا کی ملک میں داخل ہو جائے بلکہ انتہائی ذلت کے ساتھ رات کو آقا کی پیش خدمتی کرنی پڑتی ہے۔ بیچاروں کی زندگی بہائم سے بھی بدتر ہے۔

یہ تو حقوق مالی کا تذکرہ تھا اور حقوق مالی بھی وہ جو شریعت کے مقرر کردہ فرض یعنی زکوٰۃ سے خارج تھے۔ اس سے آگے فرائض بدنی اور زکوٰۃ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ فرائض بدنی میں نماز جزءِ اعظم تھی اس لئے اُسی کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ یعنی مخلوقِ خدا کی ہمدردی و غمخواری کرنے کے بعد وہ فرائض بدنی بھی ادا کرتا ہو۔ پابندی کے ساتھ پنجگانہ نماز نہایت خشوع خضوع کے ساتھ تعدیل ارکان ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرتا ہو تاکہ روح کی روشنی، بدن کی صفائی اور تندرستی صبر و استقامت کی توفیق اور اتحادِ ملی و قومی کا مظاہرہ ہو اور ان تمام مدارج کو طے کرنے کے بعد رضاءِ خالق اور قربِ الٰہی حاصل ہو جائے۔

وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ۔ گذشتہ حقوق مالی اگرچہ فرائض انسانی میں داخل تھے لیکن چونکہ شرعاً اُن مصارف کی کوئی مقدار نہ تھی اسلئے یہاں زکوٰۃ کا ذکر کیا یعنی گذشتہ حقوق کی ادائیگی کے باوجود وہ زکوٰۃ مقررہ بھی ادا کرتا ہو اور تعمیل حکمِ الٰہی کو اپنا مخصوص مطمح نظر قرار دیتا ہو۔ صرف اسی خیال پر اکتفا نہیں کرتے کہ ہم حقوق مالی ادا کر چکے اب مزید صرف کی کیا ضرورت ہے۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا۔ یعنی مذکورہ خصائل و صفات کے حاملین کے یہ اوصاف بھی ہوں کہ جو وعدہ و عہد کرتے ہوں اُسکو پورا کرتے ہوں کافروں سے ہوں یا مسلمانوں سے دوستوں سے ہوں یا دشمنوں سے عزیزوں سے ہوں یا غیروں سے بہرحال اپنے وعدہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ تجارتی لین دین اقتصادی اور جنگی معاہدات، کفار سے صلح و جنگ کے معاہدے، صدق امانت دیانت وغیرہ تمام اوصاف حمیدہ اس کلیہ میں داخل ہیں۔ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ اور خصوصیت کے ساتھ صبر و استقامت کا مادہ اُن میں انتہائی درجہ پر ہو۔ فقر و افلاس میں بھی صبر سے کام لیتے ہوں۔ افلاس کو چھپانے، دستِ سوال دراز نہ کرنے اور شکر خدا ادا کرنے کی طرف ہر وقت دھیان رکھتے ہوں۔

وَالضَّرَّآءِ اور مصیبت کے وقت بھی استقامت و ثبات کو ہاتھ سے نہیں کھوتے۔ جزع فزع نہیں کرتے۔ بڑی بڑی ناگہانی مصائب میں

ثابت قدم رہتے ہیں۔ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت بھی دلیری اور پائیداری سے کام لیتے ہیں۔ وطن و قوم کی حفاظت، مذہب و ملت کی حمایت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے دشمن کے سامنے جمے رہتے ہیں۔ تلواروں کی چھاؤں سے پشت نہیں موڑتے۔ اپنی جان سے دریغ نہیں کرتے۔ اپنے خون کو اسلامی مقاصد کے مقابلہ میں عزیز نہیں سمجھتے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا۔ یہی لوگ صادق الیقین ہیں صدیقوں کا مرتبہ انہی کو حاصل ہے۔ قوت نظریہ انہی کی مکمل اور روشن ہے۔ عقائد و خیالات انہی کے صحیح ہیں۔ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ اور یہی متقی ہیں۔ اعمال و اقوال انہی کے صحیح ہیں۔ شرک گناہ اور فساد فی الارض سے یہی طبقہ بچنے والا ہے۔ یہی زمین پر امن و عافیت پھیلانے کے کوشاں ہیں۔ انہی کی قوت عملیہ درست ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ اوصاف رکھنے والوں کا نفس مزکی، نظری و عملی قوتیں صحیح اور عقائد و اعمال درست ہیں۔

مقصود بیان:- ایمان کامل کی تعلیم یعنی اس بات پر ایمان لانے کی ہدایت کہ خدا واحد لاشریک قادر مطلق حکیم علیم موجد رازق اور معید ہے۔ کل کائنات کی عنان ایجاد و تربیت اُسی کے ہاتھ میں ہے اور حیات و ممات کا وہی فاعل ہے۔ پھر دونوں نورانی مخلوق پر بھی ایمان ضروری ہے ایک وہ طبقہ جو نور مجسم اور صفاء محض ہے یعنی فرشتے۔ دوسرے وہ لوگ جن کا تعلق اس مادہ اور مادیات سے بھی ہے اور جنہوں نے اپنی مادی قوتوں کو روحانی قوت سے زیر کر لیا ہے یعنی گروہ انبیاء۔ اسکے علاوہ روز قیامت اور اُسکے تمام تفصیلی مسائل پر بھی ایمان ضروری ہے اور قوانین الٰہی کی آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی لازم ہے۔ اعزہ و احباب، دوست دشمن اپنا بیگانہ یتیم مسکین مسافر وغیرہ کی پرورش کا حکم بھی دیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ دشمن سے بھی عدل کیا جائے۔ غلاموں کے آزاد کرانے قیدیوں کو رہا کرانے اور قرضداروں کا قرض ادا کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔ ایفاءِ وعدہ، پابندی معاہدہ اور قول کی پاسداری کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اخیر میں صبر و استقلال بلند حوصلگی مصائب و امراض میں ثبات، دشمنانِ دین کے مقابلہ میں پائیدار اور قائم رہنے کا بھی ارشاد ہے۔ نماز پر پابند رہنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی بھی صراحت کی گئی ہے۔ گویا اصول سعادت، مساوات، قوانین ترقی اور نجات کے قواعد کی مکمل طور پر تعلیم دی گئی ہے اور آباؤ اجداد کے رسوم کی کورانہ تقلید سے منع کیا گیا ہے جن کے اندر سوائے پوست کے مغز کا فقدان ہے۔ وغیرہ۔

پیرا ایمان خالص یہ آیت ہم کو درس مساوات اور اتحادِ ملی و قومی کا سبق دیتی ہے اسکے اندر نجات و ترقی کے بے بہا خزانے مخفی ہیں۔ کاش مسلمان اسکو اپنے لئے چراغ ہدایت بنا لیں تو اس طرح اقوامِ عالم کی نظروں میں ذلت اٹھانی نہ پڑے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ

مسلمانوں — تم پر مقتولین کا قصاص لازم کر دیا گیا ہے

فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ

آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور

الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ

عورت کے بدلے عورت اب اگر کسی کو اُسکے (مسلمان) بھائی کیطرف سے معاف

شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ

کر دیا جائے تو دستور کے مطابق (دیت کا) مطالبہ اور خوش معاملگی سے اسکو ادا کرنا چاہئے

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى

یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی کر دی گئی ہے اور اسکی رحمت ہے اب اگر اسکے بعد

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ

کوئی زیادتی کریگا تو اسکے لئے دردناک عذاب (موجود) ہے اے عقلمندو حکم قصاص میں

حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

تمہاری زندگی ہے — تاکہ تم (خون ریزی سے) — باز آجاؤ

تفسیر ابن کثیر نے تفسیر میں ذکر کیا ہے اور بغوی نے قتادہ اور مقاتل بن حیان کی روایت نقل کی ہے کہ مدینہ میں یہودیوں کے دو گروہ آباد تھے۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ زمانہ اسلام سے قبل ان دونوں گروہوں میں جنگ ہوئی۔ بنو قریظہ مغلوب ہوئے اور اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ چونکہ بنو نضیر بنو قریظہ سے زیادہ شریف مشہور تھے اسلئے اگر کوئی نضیری کسی قریظہ والے کو قتل کر دیتا تو نضیری کو اُسکے عوض قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ستر وسق کھجوریں دیت میں ادا کر دی جاتی تھیں اور اگر کوئی قریظی کسی نضیری کو مار ڈالتا تو اُسکو قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا اور اتفاقاً اگر اُس سے دیت بھی لی جاتی تو دوگنی یعنی دو سو وسق۔ خدا تعالیٰ نے اس تفریق کو مٹانے اور مساوات کا مظاہرہ کرنے کے لئے آیت مذکورہ نازل کی۔

سعید بن جبیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ زمانۂ اسلام سے کچھ دنوں پہلے عرب کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں سخت لڑائی ہوئی ایک قبیلہ دوسرے پر غالب آیا اور اوس نے دوسرے قبیلہ کے بہت سے غلاموں اور عورتوں کو مار ڈالا جب حضور اقدس صلعم مبعوث ہوئے تو یہ لوگ جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے لیکن پہلی لڑائی کے عوض لینے کا خیال دلوں میں چلا جاتا تھا اور چونکہ شکست خوردہ قبیلہ عالی خاندان شمار ہوتا تھا اسلئے اُس نے فاتح قبیلہ سے کہا کہ ہم تو اپنے ہر مقتول غلام کے عوض تم میں سے آزاد شخص کو اور عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کرینگے اُسوقت دل کو چین ہوگا اسپر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ صحیح قول یہ ہے کہ آیت مذکورہ کا حکم منسوخ ہے اور آیت مائدہ اسکی ناسخ ہے۔ آیت کا ماحصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! مقتولین کے قتل عمد کا قصاص اور قصاص میں مساوات و عدل کا لحاظ تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔ قصاص کا حکم فرض ہے خواہ کوئی کسی کو قتل کرے۔ مثلاً اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ اگر کوئی آزاد آدمی کسی دوسرے آزاد شخص کو قتل کر دے تو اُسی قاتل کو قصاص میں قتل کرنا لازم ہے۔ قاتل کی شرافت حسب و نسب اور وجاہت و مالداری پر نظر نہ کرنی چاہئے کیونکہ حریت میں قاتل و مقتول دونوں برابر ہیں اور ایسا بھی نہ کرنا چاہئے کہ ایک کے عوض سینکڑوں غیر مجرموں کو قتل کر ڈالو اور غصہ میں آکر قاتل کے خاندان کو تباہ کر دو۔ نہ یہ بات مناسب ہے کہ مقتول کی وجاہت و شرافت کے لحاظ سے قاتل کو اور قاتل کے تمام طرفداروں کو مار ڈالو بلکہ عدل و مساوات کو ملحوظ رکھو۔ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ اور اگر کسی غلام نے دوسرے غلام کو قتل کر دیا ہو تو عوض میں اُسی غلام کو قتل کرو۔ اس بات کا مطالبہ نہ کرو کہ ہم اسکے آقا کو بھی مارینگے یا اپنے غلام کے عوض آزاد شخص کو قتل کرینگے۔ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى اور اگر عورت کسی عورت کو مار ڈالے تو قاتلہ عورت کو ہی قتل کرو اُسکے شوہر اولاد اور بھائی بندوں کو قتل نہ کرو اور نہ اس بات کی خواہش کرو کہ ہم مقتولہ کے عوض مقابل قوم کے مرد کو قتل کرینگے فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ۔ اب اگر مقتول کے تمام وارث اپنے مسلمان بھائی کو یعنی قاتل کو قصاص معاف کر دیں یا بعض وارث معاف کر دیں اور بعض معاف نہ کریں فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ اور دیت ادا کرنی باہم طے ہو جائے تو سہولت اور حسن سلوک کا لحاظ رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ قاتل کے وارث اگرچہ مفلس اور تنگدست ہوں مگر فی الفور ادا کرنے کا تقاضا کیا جائے بلکہ مہلت دی جائے اور ایسا بھی نہ کرنا چاہئے کہ انتہائی زیادتی سے پیش آئیں یا خلاف شریعت امور کا مطالبہ کریں مثلاً قاتل سے کہیں کہ اپنی جورو بیٹی یا بہن کو ہمارے حوالے کر دو یا اپنی اولاد کو ہماری غلامی میں دیدو یا تو خود ہماری غلامی کو اختیار کر لے اسی طرح قاتل کو بھی لازم ہے کہ مقتول کے وارثوں کے احسان کو فراموش نہ کرے۔ جو معاوضہ طے پا گیا ہے اُسکو بلا حیلہ و حجت ادا کر دے اگر مہلت کا بھی مطالبہ کرے تو مدت وعدہ کے اندر ادا کر دے۔

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ یہ حکم دیت تمہارے لئے خدا کی طرف سے سہولت کی وجہ سے ہے اور اُسکی رحمت ہے ورنہ قصاص ہی فرض

رہتا اور دیت کافی نہ ہوتی۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝
اب جو شخص اس قرارداد کے بعد پھر زیادتی کریگا دیت لینے کے بعد بھی قاتل کو مار ڈالیگا یا اقرار ادا کے بعد ادا نہ کریگا تو اسکے واسطے دنیا میں بھی سخت عذاب ہے اور دین میں بھی۔ دنیا میں اُس سے قصاص لیا جائیگا اور آخرت میں جہنم میں جائیگا۔

ہدایت خاص ۱

آیت مذکورہ میں جو آزاد کے مقابل آزاد کو غلام کے مقابل غلام کو اور عورت کے مقابل عورت کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم ہے اس سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ عورت کے مقابل مرد کو یا غلام کے مقابل آزاد کو قتل نہ کیا جائے گا کیونکہ اول تو یہ آیت ہی منسوخ ہے جسطرح ہمنے اوپر بیان کردیا۔ دوسرے عورت اور غلام کا تذکرہ بطور تمثیل کے ہے۔ تیسرے یہ کہ اہل عرب آزاد مرد کے مقتول ہونے کا تو قصاص لیتے ہی تھے خواہ اُس کا قاتل کوئی ہو غلام ہو عورت ہو یا آزاد مرد ہو صرف معاوضہ اور قصاص لینے میں زیادتی سے کام لیتے تھے باقی مقتول عورت یا مقتول غلام کا قصاص نہیں لیا جاتا تھا اسکی تردید آیت میں ہوگئی۔ اسکے علاوہ شان نزول میں بیان کردیا گیا ہے کہ بنو قریظہ یا کسی دوسرے مغلوب قبیلہ نے مطالبہ کیا تھا کہ ہم اپنے مقتول غلام کے عوض آزاد شخص کو قتل کرینگے اور مقتول عورت کے عوض مرد کو مارینگے چونکہ یہ حکم و قول ظلم آمیز اور خلاف انصاف تھا کرے کوئی بھرے کوئی اسلئے آیت میں اس کا رد کردیا گیا۔ مقصود درحقیقت مساوات کا درس دینا ہے یہ مدعا نہیں ہے کہ عورت کا قاتل مرد یا غلام کا قاتل حر ہو تو قصاص نہ لیا جائے۔

ہدایت خاص ۲

گذشتہ امتوں پر قصاص لینا اور مار ڈالنا ہی واجب تھا لیکن مسلمانوں کے لئے یہ سہولت ہوگئی کہ اگر مقتول کے وارث قصاص معاف کر کے مال پر راضی ہوجائیں تب بھی جائز ہے۔ اسی کی طرف لفظ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝
مطلب یہ ہے کہ اے دانشمند انسانو! تمہارے لئے قصاص میں ایک عظیم الشان زندگی مضمر ہے۔ رسم قصاص اور مساویانہ مبادلہ سے ایام جاہلیت کی سفاکی اور خاندانوں کے ہزاروں افراد کا تہ تیغ ہوجانا رہیگا اسکے علاوہ لوگوں کو عبرت ہوگی۔ جب قاتل کو قصاص میں قتل کردیا جائیگا تو قانونِ عدل کے خوف سے کوئی کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہ کریگا جسکے نتیجہ میں اُس شخص کی جان بھی بچیگی جسکو قتل کرنے کا ارادہ کیا جاتا اور ارادہ کرنیوالے کی جان بھی محفوظ رہیگی۔ خلاصہ یہ کہ قانون قصاص کے اندر سوشل اور معاشرتی اصلاح و حیات مضمر ہے۔

تنبیہ

قصاص لینے کا حق حاکم کو ہے ہاں مطالبۂ قصاص کا حق مقتول کے وارثوں کو ہے۔ قصاص کے واسطے قتل عمد ضروری ہے۔ قتل خطا یا شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت لازم ہے جسکی تعداد سَو اونٹ یا دس ہزار درہم ہے۔

مقصود بیان:۔ عرب کی دیرینہ صدہا سالہ خانہ جنگیوں کا خاتمہ۔ سفاکیوں کی خوں ریزیوں کی اور قتال و جدال کی بندش، مساوات انسانی کا درس، زمین پر امن و صلاح کا اعلان۔ معاشرتی اصلاح، کینہ توزیوں کی بیخ کنی، اس بات کی طرف اشارہ کہ قاتل نے اگرچہ مقتول کو قتل کردیا ہے پھر بھی مقتول کے وارثوں کا وہ مسلمان بھائی ہے اسلئے حتی الامکان اسکو معاف کردینا چاہئے۔ اس لفظ اَخِیْہِ سے ایثار رحم اور عفو کے جذبات کو حرکت دینی مقصود ہے۔ عدل اور انصاف کی طرف بھی آیت میں ہدایت کی گئی ہے زیادتی اور ظلم کی ممانعت کی گئی ہے۔ زیادتی کرنے والے کو سزا کا خوف دلایا گیا ہے اور بالآخر لفظ یا اولی الالباب سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ذرا عقل سے سوچنا چاہئے اور غور کرنا چاہئے کہ قانون قصاص و مساواتِ عوض کس قدر منافع سے لبریز ہے۔

کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ
تم پر لازم کیا جاتا ہے کہ جس وقت تم میں سے کسی کے مرنے کا وقت آجائے اور وہ کچھ

اِنْ تَرَکَ خَیْرَاۨ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ
مال چھوڑے تو ماں باپ اور رشتہ داروں کیلئے حسبِ دستور وصیت کر جائے

بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَہٗ بَعْدَ
خدا سے ڈرنے والوں پر یہ حکم لازم ہے۔ پھر اگر سننے کے بعد بھی کوئی اس

مَا سَمِعَہٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَہٗ
(وصیت) میں تبدیل تغیر کریگا تو تبدیل کا گناہ صرف تبدیل کرنے والے پر ہوگا

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ
بیشک اللہ خوب سنتا اور جانتا ہے لیکن اگر کسی کو وصیت کنندہ کیطرف سے طرفداری

جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَھُمْ فَلَآ اِثْمَ
یا بے انصافی کا اندیشہ ہو اور وہ سب کے آپس میں صلح کرادے تو اُس پر کچھ گناہ

عَلَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝
نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر

زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ میت کے کل مال کا وارث صرف بیٹا ہوتا تھا۔ ماں باپ اور دیگر اعزاء و اقارب سب محروم ہوتے تھے اس آیت میں حکم دیا گیا کہ ماں باپ اور دیگر اعزاء کو کل ترکہ کی تہائی مال میں وصیت کرنی فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اُس پر تین راتیں گذریں اور اُسکے پاس وصیت نامہ لکھا ہوا نہ ہو (صحیحین) لیکن اس آیت کے بعد جب آیت میراث نازل ہوئی اور تمام وارثوں کے حصے علیحدہ علیحدہ مقرر کر دیے گئے تو اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا (سیوطی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرما دیا کہ ہر حقدار کا حق مقرر کر دیا گیا اب کسی وارث کے لئے وصیت نہیں ہے (صحیحین) ہاں جو اہلِ قرابت محروم الارث ہو جائیں یا با شرعاً اُن کا کوئی حق ہی مقرر نہ کیا گیا تو اُن کے حق میں آیت کا حکم باقی ہے لیکن حکم وجوبی نہیں ہے بلکہ تہائی مال میں سے وصیت کرنے کا اختیار ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر علامات موت ظاہر ہو جائیں اور خیال ہو جائے کہ اب انتقال ہو جائیگا خواہ بعد کو انتقال نہ ہو بلکہ تندرستی ہو جائے اور مال کثیر بھی ترکہ میں باقی چھوڑے یعنی اداءِ قرض اور تجہیز و تکفین کے بعد مال کثیر رہ جانے کا بھی خیال ہو تو ایسی صورت میں (تہائی مال میں) وصیت کرنی فرض ہے۔ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ اور یہ وصیت کرنی والدین اور دیگر اقارب کے واسطے ہے۔ لیکن دستور کے موافق ہونی چاہئیں یہ نہیں کہ کل مال یا نصف مال وصیت میں دیدے بلکہ تہائی مال میں وصیت کرنی چاہئے اور ایسا بھی نہ کرنا چاہئے کہ کسی دولت مند کی رعایت سے اُسکو زیادہ مال دینے کی وصیت کرے۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ یہ حکم وصیت مسلمانوں پر حق لازم کر دیا گیا۔ اسکی خلاف ورزی حرام ہے فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ ہاں اب جو شخص مال پر قبضہ کرنے کے بعد یا گواہ اور وصیت پر اطلاع پانے کے بعد اصل وصیت کے مفہوم کو پوشیدہ کر لیگا اور اُس کو بدل کر ظاہر کریگا فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ تو اس تبدیل و تحریف کا گناہ بدلنے والے کی گردن پر ہوگا۔ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ خدا تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں۔ وصیت کرنے والے کی وصیت کو بھی سنتا اور جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیل کو بھی فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ہاں اگر کسی کو یہ خوف پیدا ہوا کہ موصی انصاف کے طور پر وصیت نہ کریگا اور کسی موصی لہٗ کی طرف زیادہ مائل ہو جائیگا یا موصی نے وصیت خلافِ انصاف کی اور اُسکے مرنے کے بعد جھگڑا پیدا ہو گیا اور کسی شخص نے وصیت میں کچھ کمی زیادتی کر کے وارثوں میں باہم صلح کرا دی تو اس تبدیل و تغیر میں اصلاح کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ اسکی نیت اچھی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ اور اگر اس اصلاحی کوشش میں کچھ خلافِ وصیت اس سے بات ہو جائے تو اُسکی گرفت نہ ہوگی خدا معاف کرنے والا ہے

تنبیہ کتنے مال کی موجودگی میں وصیت واجب تھی اسکے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ۔ مجاہد۔ عطا۔ سعید بن جبیرؓ ابو العالیہ۔ عطیہ۔ ضحاک۔ سدی۔ ربیع۔ مقاتل۔ قتادہ اور زہری وغیرہ کے نزدیک مال کی کوئی مخصوص مقدار نہ تھی بلکہ اداءِ قرض اور ضروری مصارف کے بعد بقیہ مال میں وصیت واجب تھی لیکن اکثر علماء کے نزدیک کثرت مال لازم جسکی تعیین مقدار کے لئے ہزار دینار یا پانچسو دینار یا ساٹھ دینار مقرر کیگئی ہے لیکن اصح یہ ہے کہ اسکی تعیین عرف پر موقوف ہے کوئی مقدار مخصوص نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک بھی وصیت کے لئے مال کثیر کا باقی رہنا ضروری تھا۔

مقصود بیان: - صلہ رحمی اور کنبہ پروری کی تعلیم۔ تمام رشتہ داروں سے مساوات اور انصاف کرنے کی ہدایت۔ کسی ایک کی حق تلفی اور دوسرے کیطرف میلان خاطر رکھنے کی ممانعت۔ نیت اصلاح کی اجازت وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

مسلمانو! تم پر روزے ایسے ہی فرض کر دیے گئے ہیں

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کر دیے گئے تھے تاکہ تم

تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

پرہیزگار بن جاؤ (روزوں کی فرضیت) گنتی کے چند دن ہیں ہاں تم میں سے جو شخص

مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ

بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں گن کر رکھ لے

أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ

اور جن میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو تو وہ (ہر روزہ کے) بدلہ میں ایک مسکین کو

مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ

کھانا دیدیں اور جو شخص اپنی خوشی سے نیکی کرے تو یہ اُسکے لئے اور بھی اچھا ہے

وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

اور اگر تم سمجھدار ہو تو (سمجھ لو کہ) روزہ رکھنا (فدیہ دینے سے) اچھا ہے

گذشتہ آیت میں قصاص کا حکم دیا گیا تھا جو حیات دنیوی کا موجب ہے اب روزہ رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ روزہ حیات ابدی کا ذریعہ ہے۔ روزہ سے انسان کی مادی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں اور روحانی قوت غالب آجاتی ہے جسکی وجہ سے دل میں نور مادہ سے تجرد اور کثافت جسمانی سے پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روزہ دار کی روح کو اس خاکی جسم کو چھوڑنے کے بعد حیات ابدی حاصل ہوتی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں روزہ رکھنا تم پر فرض کر دیا گیا ہے تمہارے واسطے لازم ہے کہ دن بھر کھانے پینے اور لذت جنسی حاصل کرنے سے صرف رضا جوئی خالق کی نیت سے رُکے رہو یہ بھی مناسب ہے کہ تمہارے شہوانی اور غضبی قوتوں کے جسقدر ناجائز اقتضائیات ہیں اُن سے بھی کنارہ کش رہو۔ جھوٹ، غیبت، افتراء، ایذا رسانی، چوری، قماربازی، غصہ، غضب، انتقام، فحش گوئی وغیرہ سے پرہیز رکھو۔ ذکر و فکر میں اپنے نفس کو روکے رکھو كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ یعنی روزہ کی فرضیت صرف تمہاری نہیں ہوئی بلکہ تم سے قبل جسقدر امتیں گذری ہیں سب پر روزہ فرض تھا۔ یہ الفاظ تاکید حکم اور لوگوں کو ترغیب دینے اور نفوس انسانی کو روزہ سے مانوس کرنے کیلئے کہے گئے ہیں تاکہ لوگ روزہ رکھنے کی کوشش کریں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تم کو روزہ کا حکم صرف اسلئے دیا گیا کہ تم متقی بن جاؤ تمہارے نفسانی خواہشات کا زور ٹوٹ جائے بدن کا تزکیہ اور قلب کی طہارت ہو جائے۔ شیطان کے راستے مسدود ہو جائیں اور ہر قسم کے گناہ سے تم محفوظ رہ سکو۔ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ روزہ تم کو رکھنا پڑیگا ایسا ہرگز نہیں بلکہ روزہ رکھنے کا حکم چند معدود دنوں کے واسطے ہے۔ بس چند مقررہ ایام میں روزہ رکھنا اور باقی سال میں بے روزہ رہنا پورے سال بھر روزہ رکھنے کا حکم نہیں ہے فقط رمضان کے روزے رکھنے کافی ہیں لیکن اس میں یہ سہولت ہے کہ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ تم میں سے اگر کوئی بیمار ہو روزہ نہ رکھ سکتا ہو یا روزہ رکھنے سے مرض بڑھجاتا ہو یا مسافر ہو تو رمضان کے روزے نہ رکھے بلکہ اتنے ہی دن دوسرے زمانہ میں روزے رکھ لے۔ مریض تندرست ہو جائے تو رکھ لے اور مسافر اپنے گھر آجائے تو اس فرض کو ادا کرلے اور اس سے بڑھکر سہولت یہ ہے کہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ کہ جو شخص ناطاقت ہو زیادہ کمزور اور بوڑھا ہو یا امیر و دولتمند ہو کہ روزہ رکھنے سے مشقت اٹھانی پڑتی ہو تو روزہ رکھنا لازم نہیں بلکہ ایک فقیر کو دو وقتہ کھلا دے۔ یہ اُسکے روزہ کا بدلہ ہو جائیگا۔ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ لیکن اگر کوئی دولتمند اپنی طرف سے نیکی کرے خود روزہ بھی رکھے اور مسکین کو کھانا بھی کھلا دے تو یہ بہت بہتر ہے۔ یا ایک مسکین کے کھانے سے زیادہ دیدے تو اور بہتر ہے مگر وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ

تَعْلَمُونَ روزہ رکھنا تمہارے لئے بہت ہی اچھا ہے اگر تم کو اسکی نفسیات خوبی اور فوائد جسمانی و روحانی کا علم ہو جائے تو تم ضرور روزہ ہی کو پسند کروگے لہذا تم روزہ ہی رکھنا چاہئے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

وہ ماہ رمضان ہے جسمیں قرآن نازل کیا گیا

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَ

جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت اور امتیاز حق و باطل کے صاف صاف

الْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

حکم موجود ہیں لہذا تم میں سے جو شخص (حالت اقامت و صحت میں) اس مہینہ کو پائے

وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ

تو اسکے روزے ضرور رکھے اور جو شخص بیمار یا مسافر ہو تو اور دنوں میں اسکی برابر

أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ

گن کر رکھ لے اللہ تم پر نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنی

بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ

نہیں چاہتا اتنا روزوں کے شمار کا حکم اسلئے ہے کہ تم تعداد پوری کرلو اور اس

عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

بات پر خدا کی عظمت بیان کرو کہ اُس نے تم کو ہدایت دی اور اسلئے تاکہ تم احسان مانو

تفسیر یہ آیت بر بنائے مذہب جمہور گذشتہ آیت کی ناسخ ہے یعنی پہلی آیت میں اُمراء وغیرہ کو روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ یہاں سے اس تخییر کے حکم کو باطل کیا گیا اور چونکہ پہلے مبہم طور پر ایاما معدودات کہا تھا یہاں اسکی وضاحت کردی۔ حضرت معاذ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ یہی قول حسن بصری سدی اور حضرت ابن عمر وغیرہ کا ہے۔ سیوطی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ ایام معدودہ سے مراد ماہ رمضان ہے اور ماہ رمضان کے روزوں کیلئے اسلئے خصوصیت دی گئی کہ اسی ماہ میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لئے راہ راست دکھانیوالا اور حق و باطل میں تفریق و تمیز کرنے کے لئے کھلی کھلی علامات اور واضح دلائل کا حامل ہے۔ یہ شرافت ماہ رمضان کو ہی حاصل ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ لہذا جو شخص رمضان کے مہینے کو پائے اُسپر پورے رمضان کے روزے رکھنے لازم ہیں۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ہاں جو شخص مریض ہو روزہ رکھنے سے مجبور ہو یا مسافر ہو تو وہ دوسرے زمانہ میں اتنی ہی گنتی پوری کرلے۔ رہا وہ بوڑھا جسمیں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں اُس کا حکم پہلے بیان کردیا گیا اور وہی باقی رہا۔ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ یہ احکام میں نرمی صرف اسوجہ سے ہے کہ خدا تعالیٰ تم کو مشقت و دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا ہے بلکہ تمہاری سہولت و آسانی اُسکو مقصود ہے۔ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ یعنی مرض یا سفر کی وجہ سے جو روزے قضا ہوگئے ہوں اُن کی تعداد کو محفوظ رکھو تاکہ اُسی شمار کے موافق قضا روزے رکھ سکو اور قضا شدہ روزوں کی تعداد پوری کرسکو۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے قضا کا حکم تم کو دیا اور سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ ترک کرنے کی اجازت دیدی اور پھر اُسی تعداد کے موافق قضا روزے رکھنے کا قاعدہ تم کو بتا دیا تاکہ تم خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو اور اسکی عظمت و ربوبیت کا اقرار کرو۔ ابن مسعودؓ تکبیر میں یہ الفاظ کہتے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر ولله الحمد۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ روزہ داروں پر حق ہے جب ماہ شوال کو دیکھیں تو تکبیر کہیں کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولتکبروا اللہ۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے روزہ کے قانون میں تمہارے لئے سہولت اسلئے دے رکھی ہے کہ تم اُسکا شکر ادا کرو اور زبان ارکان اور دل سے اُسکی ستائش کرو۔ زبان کو اُسکی تعریف میں مشغول رکھو اعضاء سے اُسکی اطاعت و فرمان پذیری کرو اور دل سے اُسکی تصدیق کرو۔

کل آیات کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع اسلام میں ہر ماہ تین دن یعنی ایام بیض کا روزہ رکھنا فرض تھا۔ نیز عاشورہ کا روزہ بھی ہر سال لازم تھا اسکے بعد رمضان کے روزے فرض ہوئے اور جو روزے پہلے فرض تھے بعد کو سنت رہ گئے لیکن اسمیں بھی آسانی رکھی گئی تھی کہ مقدور والے اگر رمضان میں روزے نہ رکھیں اور ہر روزہ کے عوض ایک محتاج کا پیٹ بھردیں تو یہ بھی کافی ہوسکتا تھا لیکن پھر بھی روزہ رکھنا مناسب تھا کیونکہ روزہ رکھنے کی فضیلت روزہ رکھنے ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اسلئے اگر باوجود فدیہ دینے کے روزہ بھی رکھ لیا تو روزہ فرضیت سے بری کردیتا تھا اور فدیہ نفل بن کر موجب ازدیاد ثواب ہوجاتا تھا چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے کہ آیت أَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ نازل ہونے پر مسلمانوں کو اختیار رہا جس نے چاہا روزہ رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا فدیہ دیدیا۔ لیکن جب آیت فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ الخ نازل ہوئی تو گذشتہ حکم منسوخ ہوگیا اب غریب امیر سب کو رمضان کے سارے روزے رکھنے فرض ہیں البتہ مسافر اور مریض کو اب بھی اجازت ہے کہ اگر وہ رمضان میں روزے نہ رکھیں تو بعد میں اسکی قضا کرلیں ہاں جو شخص بہت بوڑھا یا ایسا بیمار ہو کہ اب صحت کی توقع نہ ہو تو اسکے لئے فی روزہ ایک مسکین کو پیٹ بھر کر کھلانے کا حکم اب بھی قائم ہے۔

مقصود بیان:- فرضیت روزہ کا عمومی حکم، خواہ دولتمند ہو یا نادار، امیر ہو یا مفلس بادشاہ ہو یا فقیر سب پر یہ حکم ناطق مساویانہ طور پر لازم ہے۔ اس سے اسلامی احکام کی مساوات پسندی اور تعادل کا پتہ چلتا ہے۔ فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی کرنے کی طرف لطیف اشارہ۔ مادی قوتوں کے زور توڑنے کی طرف نادر تلمیح۔ روزہ تمام الہامی شریعتوں کا جزو لازم ہے۔ اسکی صراحت کرکے مسلمانوں کے لئے تسکین خاطر اور طمانیت قلبی کے مواد کی فراہمی۔ رمضان کی حرمت برکت اور کرامت کا اظہار۔ قرآن کی عظمت اور عزت کی تصریح اور اس بات کا ضمناً بیان کہ قرآن حق و باطل میں تفرقہ کرنے والا بھولے ہوؤں کو راہ راست دکھانیوالا ہے۔ اسکے اندر حقیقت بین نظر رکھنے والوں کے لئے وہ واضح دلائل اور کھلے معجزات و نشانات ہیں جو بصیرت کوش اور ہدایت طلب لوگوں کے لئے چراغ راہ بن سکتے ہیں۔ حمد و شکر اور اظہار عظمت الٰہی کا حکم وغیرہ

ضروری ہدایت اول تمام قرآن لوح محفوظ سے نقل ہوکر ۲۴ رمضان کو پہلے آسمان پر نازل ہوگیا تھا۔ پھر تیئیس ۲۳ سال میں بقدر ضرورت تھوڑا تھوڑا اترتا رہا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیمؑ پر پہلی رمضان کو صحیفے اترے تھے اور موسیٰؑ پر توریت ۶ رمضان کو نازل ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ پر انجیل ۱۳ رمضان کو اتری۔ حضرت داؤدؑ پر زبور ۱۸ رمضان کو نازل ہوئی باقی دیگر انبیاء پر بھی صحیفے ایک دفعہ ہی نازل ہوئے تھے مگر قرآن پاک کو دونوں فضیلتیں مرحمت ہوئیں یعنی ایک دفعہ آسمان دنیا پر پہونچا اور وقتاً فوقتاً حسب ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل ہوتا رہا۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ

اور جب تم سے میرے بندے میری بابت پوچھیں تو (کہدو کہ) میں قریب ہی ہوں

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا

دعا کرنیوالا جب مجھسے دعا کرتا ہے تو میں اسکی دعا قبول کرتا ہوں لہذا مناسب ہے کہ وہ

لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ

بھی میرا حکم مانیں اور مجھپر ایمان لائیں تاکہ سیدھی راہ پر آجائیں

تفسیر اسکے شان نزول میں علماء کا اختلاف ہے۔ معاویہ بن حیدہ قشیری سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اقدس صلعم کی

خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا پروردگار کیا ہمارے پاس ہی ہے کہ ہم آہستہ دعا مانگیں یا دور ہے کہ پکار پکار کر دعا کریں؟ حضور والا یہ سنکر خاموش ہو گئے اسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (اخرجہ ابن ابی حاتم و ابن جریر و ابن مردویہ و ابوالشیخ الاصبہانی)

جامع الاصول کی روایت سے جو حضرت نعمان بن بشیر کے حوالہ سے ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضور والا نے ایک روز فرمایا دعا کرنی عبادت ہے پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا رب کیا قریب ہی کہ اس سے آہستہ سے دعا کریں یا دور ہے کہ پکار کر مانگیں۔ اسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (اخرجہ رزین)

عطا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آیت اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کس وقت دعا کرنی بہتر ہے؟ اسپر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

شیخین کی روایت میں ہے کہ کسی جہاد پر حضور اقدس مع صحابہ کے تشریف لیگئے تھے واپسی میں لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کہنی شروع کی۔ حضورؐ نے فرمایا لوگو! تمہارا رب نہ بہرا ہے نہ دور ہے اس وقت آیت مندرجۂ بالا نازل ہوئی اور حضور کے کلام کی تصدیق ہو گئی (صحیحین) بہرحال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ میرے بندے اگر آپسے دریافت کریں کہ ہمارا رب قریب ہے یا دور تو ان سے کہدو کہ میں تمہارے قریب ہی ہوں۔ میری رحمت قدرت اور علم ان سے نزدیک ہی ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ دعا کرنیوالے جب اور جسوقت مجھسے (بخلوص قلب) دعا کرتے ہیں تو میں انکی دعا قبول کرتا ہوں۔ دعا کے لئے کوئی خاص وقت ضروری نہیں کہ کسی مقررہ وقت دعا کی جائے تو میں قبول کروں اور اس مخصوص وقت کے علاوہ کیجائے تو نہ قبول کروں۔ پھر جب میری رحمت اتنی وسیع ہے کہ میں ہر وقت دعا کی شنوائی کرتا ہوں کسی وقت میرا باب رحمت بند نہیں فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ تو میرے بندوں پر بھی لازم ہے کہ بتقاضائے اطاعت فرماں برداری کریں میرے احکام کی تعمیل کریں اور مجھے واحد لاشریک عالم قادر مجیب اور خلاق عالم جانیں۔ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ تاکہ میرے باب رحمت تک ان کی رسائی ہو سکے اور اصل مدعا یعنی قرب خدا حاصل ہو جائے۔

مقصود بیان :-

ہر وقت صبح ہو یا شام، آدھی رات کا وقت ہو یا دوپہر کا بہر صورت اور بہر حال دعا قبول ہوتی ہے لیکن شرائط دعا کا التزام ضروری ہے یعنی خلوص دلی، شریعت الٰہی کی پابندی اور ایمان صحیح۔ ان شرائط کی موجودگی میں آدمی ہمیشہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے کیونکہ وعدۂ الٰہی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کبھی کبھی شرائط مذکورہ کی عدم موجودگی میں بھی صرف خلوص دلی کی وجہ سے دعا قبول ہو جاتی ہے عقائد و اعمال کی اصلاح اور شریعت اسلامی کی پابندی ہی معرفت الٰہی کا زینہ ہے۔ جو لوگ اسکی خلاف ورزی کے باوجود عرفان اور خدا رسی کے مدعی ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰى

روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی بیبیوں سے قربت کرنی حلال

نِسَآىِٕكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ

کر دی گئی ہے وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو

لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ

اللہ کو علم ہوا کہ تم چوری سے اپنا نقصان کرتے تھے

اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ

سلئے اس نے عنایت فرمائی اور تمہاری خطا سے درگذر کی اب

بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

تم ان سے قربت کرو اور اس (اولاد) کی طلب کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھدی ہے

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ

اور کھاتے پیتے رہو تا وقتیکہ فجر کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری

الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ

سے ممتاز نہ ہونے لگے پھر

اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَى الَّیْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ

روزے کو رات تک پورا کرو اور جب مسجدوں میں اعتکاف کی

وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ

حالت میں ہو تو عورتوں سے ہم بستری نہ کرو یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں

اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ

ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ اسی طرح اللہ اپنے احکام

اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝

لوگوں کیلئے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں

تفسیر یہ آیات احکام صیام کا تتمہ اور ضمیمہ ہیں۔ علماء مفسرین نے لکھا ہے کہ ابتداء اسلام میں روزہ دار کیلئے کھانا پینا اور منافع جنسی سے بہرہ اندوز ہونا عشاء کی نماز پڑھنے اور سونے سے قبل قبل جائز تھا لیکن عشاء کی نماز پڑھنے یا بغیر نماز پڑھے سو جانے سے یہ چیزیں ممنوع قرار پاتی تھیں چنانچہ ابو صرمہ صحابی کا ایک قصہ اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابو صرمہ دن بھر کام کرنے کے بعد شام کو تھکے ماندے گھر میں آئے روزہ افطار کرنے کے بعد بیوی سے کھانا طلب کیا چونکہ کھانا موجود نہ تھا اسلئے بیوی کہیں سے لینے گئی۔ کھانے کے آنے میں دیر ہو گئی اور یہ سو گئے کچھ دیر کے بعد بیوی نے آکر بیدار کیا لیکن چونکہ خواب کے بعد بیدار ہو کر کھانا ممنوع تھا اسلئے انہوں نے نہ کھایا اور روزہ پر دوسرے دن روزہ رکھ لیا۔ دوسرے روز بہت کمزوری ہو گئی اور حضور والا کو اسکی اطلاع دی گئی اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اسی طرح دیگر واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے۔ ایک بار حضرت عمر فاروق رضؓ دیر تک خدمت حضور میں حاضر رہنے کے بعد رات گئے گھر میں آئے اور بیوی سے قربت کا ارادہ کیا۔ بیوی نے عذر کیا کہ میں سو گئی تھی لیکن جذبات سے مجبور ہو کر حضرت عمر تمتع اندوز ہو گئے۔ اسی طرح حضرت کعب سے بھی حرکت سرزد ہو گئی۔ صبح کو فاروق اعظم رضؓ روتے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت خواہ ہوئے تو آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں صبح صادق تک کھانے پینے اور دیگر اقتضائیات نوعی پورا کرنے کی اجازت دیدی ہے خواہ نماز عشاء کے بعد یا قبل اسی طرح سو کر اٹھنے کے بعد ہو یا سونے سے پہلے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کی شب میں بیوی سے قربت حلال کر دی گئی ہے کیونکہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عورتیں مردوں کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا مردوں کو عورتوں سے اور عورتوں کو مردوں سے طبعی رغبت ہوتی ہے عورتیں مردوں کیلئے پردہ پوش ہوتی ہیں اور مرد عورتوں کے لئے عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ یعنی خدا کو معلوم ہے کہ تم آپس میں مخفی طور سے ملا کرتے تھے اور خود اپنا نقصان کرتے تھے فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ پھر خدا نے تم پر عنایت کی اور تمہاری گذشتہ غلطیوں سے درگذر فرمائی۔ یہانتک تو پہلے قانون کا نسخ تھا اس سے آگے ممنوعات سابقہ کی اجازت دی جاتی ہے فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ لیکن اب تم عورتوں سے قربت کر سکتے ہو وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ لیکن اس قربت میں تم کو اس چیز کی ضرور طلب مدنظر ہونی چاہئے جو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کر دی اور لکھدی ہے۔ مراد یہ ہے کہ صرف خواہش نفسانی پورا کرنے اور تمتع جنسی حاصل کرنے کے لئے ہی عورتوں سے قربت نہ کرو بلکہ جماع کا اصل مقصود طلب اولاد ہونی چاہئے۔ ابو ہریرہ ابن عباس انس شریح مجاہد عکرمہ سعید بن جبیر اور بعض دیگر صحابہ و تابعین سے یہی تفسیر مروی ہے بعض لوگوں نے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ جو چیز خدا نے تمہارے لئے مباح کر دی ہے اُسی کا قصد کرو یعنی خلاف محل کی خواہش نہ کرو۔ ابن جریر کے نزدیک عام مفہوم مراد لینا صحیح ہے۔ یہانتک تو حلت جماع کا بیان تھا۔ آگے کھانے پینے کی اجازت دی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ اور اُسوقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح صادق کا سپید ڈورا رات کے سیاہ ڈورے سے نمودار نہ ہو جائے یعنی افطار کے بعد سے صبح صادق تک کھاؤ پیو۔ شروع میں اس آیت کے اخیر میں لفظ مِنَ الْفَجْرِ نازل نہ ہوا تھا اسلئے بعض صحابہ کو غلط فہمی ہوئی اور وہ سیاہ و سفید ڈورے سے یہی معمولی سیاہ سفید تاگے سمجھ گئے۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ من الفجر نازل نہ ہوا تھا اور بعض لوگ جب روزہ کا ارادہ کرتے تو دونوں پاؤں کے درمیان سفید و سیاہ تاگے باندھ لیتے اور جب تک سفید و سیاہ تاگوں میں رنگ کا امتیاز نظر نہ آتا برابر کھاتے پیتے رہتے۔ اخیر میں جب لفظ من الفجر نازل ہوا تو لوگ سمجھے کہ سفید و سیاہ تاگوں سے دن اور رات مراد ہیں (بخاری) امام احمد نے حضرت عدی بن حاتم کی ایک روایت نقل کی ہے۔ عدی کہتے ہیں کہ جب آیت حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ نازل ہوئی تو میں نے دو ڈورے ایک سفید دوسرا سیاہ تکیے کے نیچے رکھ لئے پھر میں نے اُن کو دیکھنا شروع کیا۔ جب مجھے اُن کی سیاہی اور سفیدی کا امتیاز ہو گیا تو اُسوقت میں نے کھانا پینا ترک کیا۔ صبح ہوئی تو سب سے پہلے میں حضور کی خدمت میں پہنچا اور کیفیت واقعہ عرض کی۔ فرمایا کیا تم نے ایسا کر لیا تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے (کہ اتنے بڑے رات و دن تکیے کے نیچے آ گئے) اس سے مراد یہ ہے کہ رات کی سیاہی اور تاریکی سے صبح کی روشنی نمودار ہو جائے (تو اُسوقت کھانا پینا چھوڑ دو) (صحیحین)

فائدہ آیت سے سحری کھانے کا استحباب ظاہر ہوتا ہے کیونکہ کھانے پینے کی اجازت سپیدۂ صبح نمودار ہونے تک دی گئی ہے اور سحری کھانے میں بھی بالکل اخیری وقت کھانے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی اجازت و رخصت سے فائدہ اٹھانا مستحب ہے

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ یہ روزہ کی انتہا کا بیان ہے۔ جب سپیدۂ صبح نمودار ہو تو کھانا پینا ترک کر دو اور روزہ رکھ لو پھر روزہ کو شام تک قائم رکھو۔ جونہی شام ہو جائے یعنی آفتاب غروب ہو جائے تو روزہ پورا ہو گیا افطار کر لو۔

فائدہ اس آیت سے نہ کار روزہ رکھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے انتہاء روزہ کی حد ابتداء شب کو قرار دیا ہے۔ آیت سے افطار میں جلدی کرنے کا بھی استحباب ظاہر ہوتا ہے۔ رخصت الٰہی سے فائدہ اندوز ہونا مستحب ہے۔

مقصود بیان:۔ قانون صیام میں لوگوں کے واسطے سہولت مہیا کرنی۔ اس بات کی تصریح کہ روزہ سے مقصود کسر شہوت ہے نہ کہ شہوت کشی۔ روزوں کی راتوں میں جماع جائز ہے۔ روزہ کی مقدار صبح صادق سے لیکر ابتداء شب تک ہے۔ شب کو روزہ جائز نہیں۔ اخیری وقت سحری کھانی مستحب ہے۔ افطار میں جلدی کرنی بہتر ہے۔ صوم وصال منع ہے عورتیں مردوں کی پردہ پوش ہیں اور مرد عورتوں کے۔ عورتیں اور مرد جنسی میلان میں برابر ہیں۔ خلاف محل قربت حرام ہے۔ قربت سے مقصود اولاد ہونی چاہئے جو اختلاط صنفی کا پھل ہے نہ محض شہوت رانی اور نفسانی انتشار کا پورا کرنا مقصود نہ ہونا چاہئے۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ۔ حضرت ابن عباس قتادہ۔ ضحاک اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ لوگ حالت اعتکاف میں مسجد سے نکلکر اپنی بیویوں سے قربت کیا کرتے تھے تو آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اور بحالت اعتکاف قربت سے ممانعت کر دی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم مسجدوں کے اندر گوشہ نشین ہو گئے ہو تو اس زمانہ میں عورتوں سے جماع نہ کرو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف کی دو شرطیں ہیں (۱) ایک دن کامل کم از کم بیٹھنا (۲) مسجد میں روزہ کے ساتھ بیٹھنا۔ شافعیؒ کے نزدیک یہ دونوں باتیں شرط نہیں ہیں بلکہ افضل ہیں۔ اعتکاف کے یہ معنی ہیں کہ تقرب الٰہی کی نیت سے مسجد میں چند روز یا چند ساعت یا جس قدر ہو سکے گوشہ نشینی اختیار کر لی جائے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا یہ خدا کی قائم کردہ حدیں اور اسی کے مقرر کردہ قوانین ہیں تم ان کے مرتکب نہ ہو۔ ارتکاب تو کیا معنی ان کے پاس بھی نہ جاؤ (یعنی تم کو ان کے اسرار معلوم نہیں۔ انکی اتباع تو عبودیت سے ہوتی ہے اور انتہاء ربوبیت پر خدا تعالیٰ نے احکام ربوبیت کی مقام عبودیت میں حدبندی کر دی ہے لہٰذا تم کو بلا چون وچرا اسکی پابندی کرنی چاہئے) كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ یعنی خدا تعالیٰ نے جسطرح یہ حدود و قوانین مقرر کئے ہیں اسی طرح لوگوں کے فائدہ اور ہدایت کے لئے احکام کی تفصیل اور قوانین کا امتیازی اظہار کرتا ہے تاکہ لوگ متقی بن جائیں شرک ومعاصی سے بچ جائیں۔

مقصود بیان:۔ تمام شیطانی وسوسوں نفسانی اوہام اور دنیوی رزق کو چھوڑ کر چند روز کے لئے دلی توجہ اور روحانی خلوص سے خدا کی یاد کرنے کے لئے مسجد میں گوشہ نشین ہو جانے کا حکم۔ گوشہ نشینی کے دوران میں مباشرت یعنی اقتضاء صنفی کو پورا نہ کرنے کی ہدایت۔ قوانین اسلام کا حدود الٰہی یا خدا کی قائم کردہ حدود ہونے کا بیان اور ممنوعات سے پرہیز رکھنے کا وجوب۔ قوانین اسلام اور حدود شرعیہ کا اصل مدعا لوگوں کی ہدایت اور ان کو متقی بنانا ہے۔ وغیرہ

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ اور

تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا

اس مال کو اپنے حق میں فیصلہ کرانے کیلئے حاکموں کو نہ دو تاکہ لوگوں کے مال میں سے

مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

جو کچھ ہاتھ لگے دیدہ دانستہ ناحق اُڑا لو

تفسیر احکام صیام کے بیان میں رات کو کھانے پینے اور جماع کرنے کی اجازت دیدی تھی لیکن بعض صورتیں ایسی تھیں جن میں ان جائز کردہ چیزوں سے بالکل فائدہ اٹھانا ممنوع تھا۔ مثلاً دوران اعتکاف میں مباشرت ناجائز ہے اسی طرح بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں باوجود روزہ نہ ہونے کے بھی کھانا پینا ناجائز ہے اسکی تفصیل آیت مذکورہ میں بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ تم لوگ آپس میں ناجائز طور پر اور ناحق اپنا مال نہ کھاؤ یعنی اگر اپنا مال ہو تب بھی ناجائز اور ممنوع طور پر نہ کھاؤ۔ فضول خرچی عیاشی اور دیگر لہو ولعب میں اپنا مال برباد نہ کرو۔ اور دوسرے کا مال ہو تب بھی اُسکے حصول کے ناجائز ذرائع اختیار نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ غصب نہ کرو۔ سود کا لین دین نہ کرو۔ خیانت دغا فریب حیلہ سازی، دھوکہ دہی اور رشوت وغیرہ سے پرایا مال حاصل نہ کرو۔

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اور دیدہ ودانستہ رشوت دیکر مال کو حکام رسی کا ذریعہ بنا کر پرایا مال بھی نہ اڑاؤ۔ گویا مدعا یہ ہے کہ کسی طرح پرایا مال حاصل کرنے کے ناجائز ذرائع اختیار نہ کرو نہ تو خود دھوکہ فریب دغابازی چوری خیانت وغیرہ سے کمائی کرو نہ حکام کو رشوت دیکر غیر کا حق چھیننا اور جھوٹے مقدمات کی ڈگریاں لینے کی کوشش کرو۔ یہ دنیا وآخرت میں روسیاہی کا سبب ہے۔

مقصود بیان:۔ حصول مال کے تمام ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی ممانعت۔ رشوت دیکر حکام تک رسائی پیدا کرنی اور پھر اس رسائی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی حرمت وغیرہ۔

فائدہ ابن عباس اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ آیت کا حکم اُس شخص کے حق میں ہے جس پر کسی کا کچھ مالی حق ہو مگر گواہ نہ ہوں اسلئے یہ شخص منکر ہو اور حکام سے اپیل کرے حالانکہ اُسکو خوب علم ہے کہ مجھ پر حق واقعی ہے اور اس طرح میں پرائی حق تلفی کر رہا ہوں۔ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حاکم نے صورت مقدمہ کو دیکھ کر خلاف واقع حکم دیدیا تو اس حکم سے نہ حرام حلال ہو جاتا ہے نہ حلال حرام۔ صرف ظاہر میں اس کا اجراء ہوگا۔ ناجائز ڈگریاں حاصل کرنے والا اور اس طرح سے پرایا مال ہضم کر جانے والا خدا کے ہاں ماخوذ ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں بھی ایک انسان ہوں اور مدعی مدعا علیہ جھگڑا لیکر میرے پاس آتے ہیں اور بعض لوگ اپنی حجت بیان کرنے میں فریق ثانی سے زیادہ طرار اور زبان آور ہوتے ہیں اسلئے میں (ظاہر بیان کو دیکھ کر) اگر اُسکو ڈگری دیدوں تو درحقیقت وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا چاہے اُسکو لے یا چھوڑ دے۔ مطلب یہ کہ لاعلمی میں اگر میں کسی مدعی کو خلاف واقعہ ڈگری دیدوں تو اُسکو اس سے فائدہ نہ اٹھانا چاہئے۔ کیونکہ حقیقت میں یہ ناجائز اور موجب عذاب آخرت ہے۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ

(اے محمد) لوگ تم سے چاند کی بات پوچھتے ہیں تم کہدو کہ وہ شناخت وقت

لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ

کا ذریعہ ہے آدمیوں کے (کاروبار کا) بھی اور حج کا بھی

تفسیر رمضان ۔ شوال ۔ حج ۔ محرم اور دیگر ایام کا اسلامی حساب چاند سے لگایا جاتا تھا اسلئے ایک روز حضرت معاذ بن جبل رضی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا سبب ہے کہ چاند پہلی رات میں تو دھاگہ کی طرح باریک ہوتا ہے اور پھر دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے یہانتک کہ چودھویں تاریخ گول ٹکیہ کی طرح ہو جاتا ہے پھر روز بروز گھٹنا شروع ہوتا ہے اور آخر میں پھر اصلی حالت پر دھاگہ کی طرح باریک رہ جاتا ہے اُس پر یہ آیت نازل ہوئی (بیضاوی ۔ کشاف ۔ امام راغب ۔ سیوطی وغیرہ) چونکہ یہ سوال علم ہیئت کے متعلق تھا جسکے سمجھنے کی اُس زمانہ کے صحرا نورد خانہ بدوش بدویوں میں صلاحیت نہ تھی اور نہ اسکی حقیقت و ماہیت بیان کرنے سے معاش و معاد کی کوئی غرض وابستہ تھی اسلئے انتہائی درجہ بلاغت کو مدنظر رکھتے ہوئے اصل جواب کو نظرانداز کرتے ہوئے فائدہ بتا دیا اور چاند کی اس کمی بیشی سے جو لوگوں کے کاروبار اور معاملات وابستہ تھے اُس کا اظہار کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ تم سے چاند کی حقیقت و ماہیت اور کمی بیشی کے اسباب دریافت کرتے ہیں۔ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ تم جواب دیدو کہ چاندوں سے لوگوں کے دنیوی اور دینی کاروبار کا وقت اور زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ چاندوں کی روزانہ تاریخوں سے مہینے اور مہینوں سے برس بنتے ہیں یہی چاند کے گھٹنے بڑھنے کے فائدے ہیں

مقصود بیان :- تعیین اوقات کا ذریعہ چاند ہے۔ چاند سے ہی اسلامی حساب کی ابتدا اور انتہا ہوتی ہے خواہ دنیوی معاملات ہوں یا دینی سب کا حساب چاند سے ہی لگانا چاہئے۔ آیت میں اس امر کیطرف بھی ایک لطیف ترین نازک اشارہ ہے کہ جن چیزوں کے حقائق و اسرار سمجھنے کی آدمی میں قابلیت نہ ہو اُن کے متعلق سوال کر کے اپنا اور جواب دینے والے کا خواہ مخواہ وقت ضائع نہ کرنا چاہئے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگر کوئی اپنی ناسمجھی اور بیوقوفی کی وجہ سے اس قسم کا غیر مفید اور خلاف محل سوال کر بیٹھے تو جھڑکنا زجر کرنا اور ترشروئی سے انکار کر دینا نہ چاہئے بلکہ ایسا جواب دینا چاہئے جو اُسکے لئے بکار آمد ہو اگرچہ وہ اپنی بیوقوفی کی وجہ سے اس طور سے سوال نہ کر سکا جسطرح اُسکو کرنا چاہئے تھا۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ

اور یہ نیکی نہیں ہے کہ گھروں کے اندر پشت مکان کی طرف سے

ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا

داخل ہو بلکہ نیک تو وہ ہے جو گناہوں سے بچتا رہے اور گھروں میں

الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ مراد کو پہونچو

تفسیر اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ ہم چند اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے بروایت جابر اور عوفی نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ سوائے قریش کے عرب کے دیگر قبائل جب گھر سے نکلکر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے تھے اور پھر گھر میں کسی کام کے لئے آنے کی ضرورت ہوتی تھی تو دروازے سے داخل ہونا حرام سمجھتے تھے بلکہ پس پشت سے چھت کے اوپر چڑھ کر دیوار پھاند کر آیا کرتے تھے۔ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں دروازہ سے داخل ہوئے اور حضور کے ساتھ رفاعہ بن تابوت یا قطبہ بن عامر انصاری بھی داخل ہو گئے۔ لوگوں نے رفاعہ یا قطبہ سے سبب دریافت کیا اور کہا کہ تم تو تاجر ہو قریش نہیں ہو پھر تم کیوں احرام کے بعد دروازہ سے داخل ہوئے۔ رفاعہ بولے میں

بھی حضور کے ذہن پر ہوں اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بخاری اور ابوداؤد دونے بروایت براء بن عازبؓ بیان کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں احرام باندھنے کے بعد لوگ دروازوں سے گھروں میں داخل ہونے کو گناہ جانتے تھے اسپر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حضرت براء کی دوسری روایت میں ہے کہ انصار کا قاعدہ تھا جب سفر حج سے مدینہ کو واپس آتے تو کوئی شخص اپنے گھر میں دروازہ سے داخل نہ ہوتا اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔

حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض قوموں کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص بقصد سفر گھر سے نکلتا اور پھر کسی مصلحت کی وجہ سے سفر کو جانا نہ چاہتا تو واپسی میں دروازہ سے گھر میں نہ آتا بلکہ پشت کی طرف سے دیوار پھاند کر داخل ہوتا تھا۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔

سراج۔ معالم میں محمد بن کعب کا قول منقول ہے کہ جب کوئی اعتکاف کرتا تو گھر میں دروازہ سے داخل نہ ہوتا یہی دستور تھا۔ اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ اہل مدینہ جب عید سے لوٹتے تھے تو گھروں میں پشت کی طرف سے داخل ہوتے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ امر موجب نیکی ہے اسکی تردید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ مکانوں کی پشت کی طرف سے پھاند کر یا نقب لگا کر یا کسی اور صورت سے اندر داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے نہ اسکو نیکی میں دخل ہے اور نہ حالت احرام میں ایسا کرنا موجب ثواب ہے۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى بلکہ نیکی والا شخص تو وہ ہے جو خدا سے ڈرتا ہے متقی ہو تمام ممنوعات سے الگ رہتا ہو شریعت الٰہیہ کا پابند ہو شرک اور تمام معاصی کو اُس نے ترک کر دیا ہو۔ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا تم گھروں میں آیا کرو تو دروازوں سے آیا کرو خواہ احرام کی حالت ہو یا غیر احرام کی۔ سفر سے واپس آؤ یا کہیں اور سے بہرصورت قاعدہ کی پابندی ضروری ہے ہر کام دستور و قاعدہ کے مطابق ضروری ہے پس پشت سے کود کر یا نقب لگا کر گھروں میں آنا دستور کے خلاف ہے لہذا تم دستور و قانون کی پابندی کرو اور نیکی کے اصول کی محافظت رکھو اُس کی خلاف ورزی نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تقویٰ اختیار کرو یہی کامیابی اور فلاح کی کنجی ہے۔ اسی سے سعادت و حصول نجات وابستہ ہے۔

مقصود بیان:۔ قانون فطرت کی تعلیم اور خلاف ورزی کرنے کی ممانعت۔ ہر کام کو اُسکے راستے سے کرنے کی ہدایت اور ہر مقصود کے حصول کے لئے اسباب عادی اور مناسب تدابیر پر عمل کرنے کی طرف مخفی اشارہ۔ اس امر کی صراحت کہ گھروں میں پس پشت سے بلکہ دروازوں سے داخل ہونا بھی موجب سعادت و نجات نہیں فلاح و کامیابی کا دار و مدار عقائد و اعمال کی اصلاح پر ہے لہذا انہی دونوں قوتوں یعنی قوت عملیہ اور علمیہ کی اصلاح و تکمیل کرنی ضروری ہے تاکہ فلاح و بہبود حاصل ہو۔ وغیرہ

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی راہ خدا میں اُن سے لڑو

وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ

مگر زیادتی نہ کرو خدا کو زیادتی کرنے والے پسند نہیں ہیں

تفسیر

تقویٰ کی ایک شاخ چونکہ اعلان حق اور عدل فطرت کی اشاعت بھی ہے اور گذشتہ آیت میں تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا اس لئے یہاں جہاد کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ہجرت سے قبل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار سے لڑنے کی اجازت نہ تھی بلکہ حکم ہوا تھا کہ اگر تم غیر مسلموں کے مظالم سے تنگ آگئے اور ناقابل برداشت ان کی چیرہ دستیاں ہو گئی ہیں تو تم ترک وطن کر دو۔ چنانچہ حبش کو کچھ صحابہ نے ہجرت کی پھر دوبارہ ہجرت مدینہ کیطرف ہوئی۔ اس ہجرت میں حضور اقدس اور تمام صحابہ شریک تھے۔ آگے پیچھے سب لوگ مدینہ سے چلے گئے۔ مدینہ پہونچنے کے کچھ زمانہ کے بعد کافروں کی بیجا زیادتیوں کی مدافعت کا حکم ملا اور جنگ بدر، اُحد، خندق وغیرہ واقع ہوئیں پھر ۶ھ ہجری میں حضور اقدسؐ نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ حج کا حکم اُسوقت تک نہ آیا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضور حج کے ہی ارادہ سے چلے تھے بہرحال سرکار عالی مع گروہ صحابہ کے مقام حدیبیہ تک جو مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر تھا پہونچے تو اطلاع ملی کہ قریش لڑنے پر آمادہ ہیں اور مکہ میں داخل نہ ہونے دینگے۔ مجبوراً حضور نے وہیں پڑاؤ ڈالدیا اور دس سال کے لئے اہل مکہ سے ایک معاہدہ ہوا جسمیں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کرلیں تین روز کے واسطے مکہ اُنکے لئے خالی کر دیا جائیگا خلاصہ یہ کہ صلح ہوگئی اور حضورؐ صحابہ کے واپس تشریف لیگئے۔ پھر دوسرے سال آپنے قضاء عمرہ کا ارادہ کیا تو مسلمانوں کو خیال ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار معاہدہ کی خلاف ورزی کریں اور ہم کو عمرہ نہ کرنے دیں ہم احرام باندھے ہونگے حرم کی سرزمین ہوگی اور مہینہ بھی وہ ہوگا جسمیں قتال حرام ہے۔ ہم اُنکی مدافعت کس طرح کر سکینگے اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں تم سے جو لوگ لڑیں یا لڑنا چاہیں تم بھی اُنسے لڑو لیکن جوش حمیت، حفظ مال، غیرت جاہلیت، نام آوری، شہرت اور اظہار شجاعت کے لئے نہیں بلکہ راہِ خدا میں لڑو۔ خدا کا بول بالا کرنا اور حمایت حق کرنی مقصود ہو پھر اپنی طرف سے زیادتی نہ کرو۔ قتال میں پہل اور

ابتدار نہ کرو۔ بچوں عورتوں اور بڈھوں کو نہ مارو۔ سبز درختوں کو نہ کاٹو۔ عہد شکنی نہ کرو کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ کی توضیح میں ایک جماعت سلف نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عورتوں سے بچوں سے اور بہت زیادہ بوڑھوں سے اپاہج اور لنجوں سے تارک الدنیا فقیروں سے اندھوں سے اور دیوانوں سے نہ لڑو یعنی جو خود لڑائی کے قابل نہ ہوں اُن سے نہ لڑو۔ زیادتی نہ کرنے میں یہ معنی بھی داخل ہیں کہ کسی مقتول کو مُثلہ نہ کرو۔ ناک کان اور اعضاء تناسلی نہ کاٹو۔ فریب دھوکہ نہ کرو۔ کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت بریدہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس نے جہاد میں مذکورہ افعال کرنے کی ممانعت فرما دی تھی۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے جو معنی ہم نے بیان کئے اُن کی تائید حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ بعض لوگ شجاعت سے لڑتے ہیں بعض جوش حمیت سے اور بعض نام آوری و شہرت حاصل کرنے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے۔ ان میں فی سبیل اللہ کون ہے؟ فرمایا جو شخص محض اسلئے لڑے کہ خدا کا بول بالا ہو وہ مقاتل فی سبیل اللہ ہے۔

مقصود بیان :۔ اعلان حق اور اشاعت عدل کیلئے لڑنے کی ترغیب۔ غرض نفسانی، ذاتی خصومت، حصول شہرت و نام آوری اور دیگر نفسانی جذبات کے لئے قتال کرنے کی ممانعت یعنی اس بات کیطرف لطیف اشارہ کہ مسلمان کا اصل مطمح نظر، ملک گیری، جاہ طلبی اور حکومت پسندی نہ ہونا چاہیئے بلکہ اشاعت کلمۃ اللہ مقصود اصلی ہونا چاہیئے۔

نہ لڑنے والے طبقہ کو چھوڑ دینے کا حکم یعنی بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور دیگر کمزور ہستی رکھنے والوں سے لڑنے کی ممانعت گویا غیر مجرموں اور بےقصوروں سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت۔ مُثلہ کرنے یا جذبات نفسانی کے ماتحت دشمنوں سے کوئی اور ناشائستہ حرکت کرنے کی حرمت۔ اپنی طرف سے ہر طرح زیادتی کرنے کا امتناع اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنیکی ممانعت وغیرہ

وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ

اور جہاں پاؤ اُن کو قتل کرو اور جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے

مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ

تم بھی وہاں سے ان کو نکال دو کیونکہ شرک خوں ریزی سے بھی

مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ

بڑھ کر ہے مگر اُن سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو

الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ

تاوقتیکہ وہ تم سے اُس جگہ نہ لڑیں لیکن اگر وہ تم سے (وہاں) لڑیں تو

فَاقْتُلُوْھُمْ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ۝ فَاِنِ

تم بھی اُن کو مارو ان کافروں کی یہی سزا ہے پھر اگر وہ

انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْھُمْ

(شرک سے) باز آجائیں تو اللہ غفور رحیم ہے اور یہاں تک اُن سے لڑو

حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ

کہ شرک باقی نہ رہے اور خالص اللہ ہی کا دین رہجائے

لِلّٰہِ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝

اب اگر وہ (شرک سے) باز آجائیں تو سوا ظالموں کے کسی پر دراز دستی نہ ہونی چاہئے

تفسیر وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ۔ حاصل یہ ہے کہ اگر تم میں اور کفار میں کوئی معاہدہ قائم نہ ہو تو اُن کو جہاں پاؤ قتل کرو حرم کے اندر رہوں یا باہر کعبہ کے پاس ہوں یا کسی اور جگہ۔

وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ اور جسطرح اُنہوں نے تم کو مکہ سے نکال دیا تھا تم بھی اُن کو مکہ سے نکالدو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہم نے قابل احترام مقام میں خوں ریزی کی یا مقدس جگہ میں کفار سے قتال کیا کیونکہ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ کفار وہاں فتنہ و فساد کرتے ہیں۔ کفر و شرک کرتے ہیں جس سے زمین پر فساد پھیلتا ہے اور قتال و خونریزی کی بنیاد پڑتی ہے اور فتنہ درحقیقت خونریزی سے بھی زیادہ سخت چیز ہے اس سے مخلوق خدا تباہ ہوجاتی اور آبادیاں ویران ہوجاتی ہیں لہذا تم کو اُن سے لڑنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے۔ ہاں مسجد حرام کا پھر بھی احترام ضرور ہے وہاں قتل و غارت سے حتی الامکان اجتناب رکھنا لازم ہے کہ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ مسجد حرام کے پاس اُس وقت تک لڑائی نہ کرو جب تک کفار تم سے وہاں جنگ نہ کریں تم اپنی طرف سے پیش دستی اور سبقت نہ کرو فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ لیکن اگر کفار مسجد حرام کا احترام نہ کریں اور خانہ کعبہ کی عزت و حرمت کا اُن کو لحاظ نہ رہے اور تم سے مقاتلہ ہی کریں تو مجبوراً اُن کو وہیں مار ڈالو کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ کیونکہ ان کافروں کی یہی سزا ہے بغیر اس سزا دہی کے یہ باز نہ آئینگے۔ فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہاں اگر کفار باز آجائیں شرک و کفر چھوڑ دیں اور توبہ کرلیں تو خدا معاف کرنے والا ہے تم بھی

اُن سے قتال نہ کرو۔

چونکہ جہاد اصلی عبادت نہیں ہے بلکہ اعلان حق اشاعت توحید اور کفار کی مدافعت کے لئے اسکا حکم ہے اسلئے کھلے الفاظ میں ارشاد ہے:۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ یعنی کفار سے اُسوقت تک لڑو جب تک سطح زمین پر فتنہ و فساد شرک و کفر اور پرستش غیر اللہ باقی ہے تاکہ یہ فتنہ اور پرستش غیر اللہ روئے زمین پر باقی نہ رہے۔ کسی کا مرکوز مین پر قتل خون ریزی اور تباہی و ہلاکت آفرینی کی مجال نہ رہے اور احکام الٰہی پر بے روک ٹوک عمل ہونے لگے۔

چونکہ اشاعت توحید اور بندش فساد کے بعد جہاد کی اجازت نہیں اسلئے ارشاد ہوتا ہے:۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ اگر لوگ شرک۔ کفر۔ سرکشی۔ طغیان اور فتنہ و فساد سے باز آجائیں تو پھر ان پر زیادتی کرتے جہاد کرنے اور خون ریزی کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اسکی اجازت تو اور لوگوں کے حق میں ہے جو ظالم ہوں ناحق کوش ہوں شرک و فساد کر رہے ہوں اور توحید کی اشاعت کے بعد یہ لوگ ظالم نہ رہے لہذا جہاد کی اجازت بھی نہیں۔

اخیری دونوں آیات سے واضح ہوتا ہے کہ حکم جہاد صرف اصلاح عالم اور روئے زمین پر امن چین اور توحید پھیلانے کے لئے تھا اور جب تک اس خاکدان میں یہ خرابیاں باقی رہینگی حکم جہاد قائم رہیگا۔

مقصود بیان:۔ اگر کفار مسلمانوں کے استیصال اور مضرت رسانی کے درپے ہوں تو مدافعت ضروری ہے۔ حرم کے اندر قتل و خونریزی حرام ہے اور صرف اسوجہ سے حرام ہے کہ یہ عظمت الٰہی کے منافی ہے اگر عظمت الٰہی کی بقا ر حرم کے اندر مدافعت پر موقوف ہو تو وہاں بھی خون ریزی جائز ہے۔ توبہ سے گذشتہ گناہ یہاں تک کہ قتل و غارت کے جرائم بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ دین الٰہی کا اصل منشاء عالم میں امن چین پھیلانا۔ قانون عدل جاری کرنا اور سب لوگوں کو نقطۂ توحید و اصلاح اعمال پر لانا ہے۔ جو شخص اسکے مدعا کی تکمیل سے مانع آئے گا اُس سے قتال کرنا واجب ہے۔ وغیرہ۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ

حرمت کا مہینہ حرمت کے مہینے کے مقابل ہے اور ادب رکھنے کی چیزوں

قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا

میں عوض معاوضہ ہے لہذا جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اُس پر ویسی ہی

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

زیادتی کرو جیسی اُس نے تم پر کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ

اور جانے رہو کہ اللہ پرہیز گاروں کا ساتھی ہے

تفسیر

یہ گذشتہ حکم جہاد کا تتمہ ہے۔ دور جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں اہل عرب چار مہینوں یعنی ذیقعدہ ذی الحجہ محرم اور رجب کا احترام کرتے تھے۔ ان مہینوں میں قتال و جدال نہ کرتے تھے اسکے علاوہ حرم کی سرزمین تو ہمیشہ قتال و خون ریزی سے محفوظ رہتی تھی۔ جب ماہ ذیقعدہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ نے عمرہ نہ کرنے دیا اور آئندہ سال عمرہ قضا کر لینے پر باہمی صلح ہوگئی تو ماہ ذیقعدہ ۷ھ میں حسب معاہدہ عمرہ قضا کرنے کے لئے حضور مع صحابہ تشریف لے چلے۔ مسلمانوں کے دل میں اُسوقت دو خیال پیدا ہوتے وہ یہ کہ اگر کفار مانع آئے اور جس طرح گذشتہ سال عمرہ نہ کرنے دیا اس سال بھی عمرہ کرنے سے روکا تو کیا کیا جائیگا کس طرح قتال اور جنگ مدافعانہ کی جا سکتی ہے۔ اول تو یہ ماہ ذیقعدہ ہے جو واجب الاحترام ہے۔ قتل و خون ریزی اس مہینے میں مناسب نہیں۔ دوسرے حرم کی سرزمین میں لڑائی کیونکر ممکن ہے۔ اس خیال کی تردید اور حکم جہاد کی تکمیل کیلئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ پہلے خیال کے ازالہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ ماہ حرام ماہ حرام کے مقابل ہے۔ گذشتہ سال کا ماہ حرام اور اس سال کا ماہ حرام دونوں برابر ہیں گذشتہ سال اسی ماہ حرام میں کفار نے تم کو روکا لڑنے کے لئے تیار ہوگئے اور اس مہینے کی حرمت کا لحاظ نہ کیا اسی طرح تم بھی ماہ حرام میں اُن سے قتال کر سکتے ہو۔ رہا حرمت حرم کا خیال تو اُس کے ازالہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ یعنی تمام حرمتیں مساویانہ حیثیت رکھتی ہیں جسطرح تم کعبہ کی سرزمین کو محترم جانتے ہو اُنکے نزدیک بھی وہ واجب الاحترام ہے۔ جب اُنہوں نے حرمت حرم کا لحاظ نہ کیا اور ہتک کعبہ کیا تو تمہارے لئے بھی اُنکی مدافعت جائز ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ہاں اگر کوئی تم پر زیادتی کرے جنگ میں پیش دستی اور سبقت کرے اور حرم کے اندر جنگ کرنے سے نہ رُکے اور نہ احترام ماہ کا لحاظ رکھے۔ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ تو تم بھی اُس کا بدلا لو لیکن بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ عوض میں زیادتی نہ ہونی چاہئے جتنی ایذا اور مضرت اُس نے تم کو پہونچائی ہو تم بھی اُتنی ہی تکلیف اُسکو پہونچاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ مگر اُس مقابلہ و انتقام میں جذبات نفسانی

کو دخل نہ دو۔ خدا سے ڈرتے رہو خود ابتداء نہ کرنا اور اپنی طرف سے زیادتی بھی نہ کرو قانونِ عدل اور ارتقاءِ نفس کا لحاظ رکھو کیونکہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ تم کو جان لینا چاہیے کہ خدا تعالیٰ تقویٰ والوں کی ہی مدد کرتا ہے۔ جو لوگ حق پر ہوتے ہیں خدا سے ڈرتے ہیں قانون عدل کا لحاظ رکھتے ہیں اُنہی کی نصرت خدا تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم تقویٰ کا لحاظ رکھکر کفار سے مقابلہ کروگے تو خدا تعالیٰ تمہاری بھی مدد فرمائیگا اور دشمنوں پر کامیاب کریگا۔

مقصود بیان: انتقام جائز ہے اور کفار سے قتال بھی جائز ہے بشرطیکہ جذباتِ نفسانیہ کے ماتحت نہ ہو۔ زیادتی کسی پر جائز نہیں خواہ ظالم ہو یا عادل۔ کافر ہو یا مسلم۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں حق کی طرفداری اور اعلانِ صداقت کی حمایت کرتے ہیں اُن کو خدا اُن مقاصد میں کامیاب کرتا ہے اور ہر طرح اُن کی امداد فرماتا ہے۔ حرمتِ الٰہی کا احترام ضروری ہے لیکن اگر قانونِ الٰہی کی شکست ہو رہی ہو تو اس وقت شریعت خداوندی کی حفاظت لازم ہے خواہ اس میں کسی حرمتِ الٰہیہ کی خلاف ورزی ہو جائے۔ وغیرہ۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا	
اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو	اور اپنے ہاتھوں
بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ	وَاَحْسِنُوْا
اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو	اور نیکی کرو
اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ	
کیونکہ اللہ نیکوں سے محبت کرتا ہے	

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں چونکہ علماء کا بہت اختلاف ہے اور اس میں متعدد اقوال ہیں اسلئے ہم اول آیت کا سلیس مطلب بیان کرتے ہیں پھر اسباب نزول بیان کرینگے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ہر کار خیر میں جہاں مال کے صرف کرنے کی ضرورت ہو صرف کرو۔ خصوصاً جہاد کی تیاری میں تو ضرور مال صرف کرو۔ کیونکہ اگر صرف نہ کروگے تو تمہارے دشمن تم پر غالب آجائینگے۔ اس صورت میں تم خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالوگے اور وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ خود اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا ممنوع ہے۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ راہ خدا میں صرف کرو لیکن اتنا صرف نہ کرو کہ خود بالکل نادار ہو کر دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرو کیونکہ اگر ایسا کروگے تو ہلاکت میں پڑ جاؤگے اور تم کو خود اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان مہیا نہ کرنا چاہئے۔ نیز یہ معنی بھی جائز ہیں کہ اگرچہ جہاد کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یونہی بغیر ساز و سامان کے اپنے سے بہت زیادہ قوی دشمن کے مقابلہ کو نکل کھڑے ہو کیونکہ یہ تو خود اپنی ہلاکت اپنے ہاتھوں مول لینی ہے۔

آیت کا مطلب ایک اور بھی ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جان و مال دونوں راہِ خدا میں صرف کرو لیکن اس سے یہ غرض نہیں کہ کتنا ہی قوی اور زبردست دشمن ہو اُسکے مقابلہ کے لئے تنہا تیار ہو جاؤ یا تم کو خود جہاد کے لئے کتنے ہی مال کی ضرورت ہو دوسروں کو اپنا کل سامان دیکر خود محتاج بن جاؤ اور دوسروں سے سوال کرتے پھرو۔ یہ خود اپنے لئے ہلاکت آفرینی کا سامان مہیا کرنا ہے وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ یعنی حکم جہاد کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہر وقت خونخوار بنے رہو اور برسرِ پیکار رہو بلکہ جہاد و قتال کا چونکہ موقع علیحدہ ہے اسلئے نیکی کرنے کی عادت پیدا کرو خدا تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔

اسبابِ نزول ہم ذیل میں ذرا تفصیل کے ساتھ آیت مذکورہ کی شانِ نزول بیان کرتے ہیں اگرچہ تطویل ہو جائیگی لیکن یہ طوالت فائدہ آمیز ہے۔ ذیل کی تمام روایات صحیح ہیں ان میں سے بعض تو سبب نزول ہیں اور بعض سبب نزول میں داخل ہیں۔

امام بخاری نے بروایت حضرت حذیفہ بیان کیا ہے کہ آیت وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ نفقہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عطاء، قتادہ، ضحاک، سدی، حسن بصری اور مقاتل سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

یزید بن ابی حبیب سے بروایت ابو عمران منقول ہے کہ کسی مہاجر نے قسطنطنیہ میں کفار سے مقابلہ کے وقت دشمن کی صف پر حملہ کیا اور صف کو متفرق کر دیا۔ لوگ کہنے لگے کہ اس مہاجر نے خود اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا تھا۔ ابو ایوب انصاری بھی موجود تھے۔ فرمانے لگے ہم اس آیت سے بہت زیادہ واقف ہیں ہمارے ہی حق میں یہ آیت اتری ہے ہم نے حضورِ اقدس کا ساتھ دیا تھا اور معرکوں میں حضور کے ہمرکاب رہے تھے اور حضور کی مدد بھی کی تھی۔ جب اسلام کی اشاعت بہت زیادہ ہو گئی تو ہم انصاریوں نے آپس میں کہا کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ رہنے کی عزت عطا فرمائی ہے اور حضور کی مدد کرنے کا شرف ہم کو مرحمت فرمایا ہے لیکن اب اسلام کی اشاعت بہت ہو گئی اور مسلمان بکثرت ہو گئے اور ہمنے اپنے مال و اولاد اور عزیز اقارب کو چھوڑ کر حضور کے ہمرکاب رہنے کو پسند کیا تھا اپنے تعلقات قرابت اور مال کی کچھ پرواہ نہ کی تھی مگر اب لڑائی ختم ہو گئی کوئی جھگڑا قصہ باقی نہ رہا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم اپنے گھر بار کی طرف رجوع کریں بال بچوں

میں جا کر رہیں اُسوقت ہمارے حق میں آیت وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الخ نازل ہوئی گویا اہل و مال کو اختیار کرنا اور بال بچوں کے ساتھ جا کر رہنا اور جہاد ترک کرنا ہی موجب ہلاکت تھا اور یہی آیت میں مراد ہے (ابو داؤد، ترمذی، النسائی، عبد بن حمید - ابن جریر - ابن ابی حاتم - ابن مردویہ - حافظ ابو یعلیٰ - ابن حبان - حاکم)

ایک شخص نے حضرت براء بن عازبؓ سے کہا کہ اگر میں تنہا دشمن پر حملہ کروں تو کیا میں خود اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالوں گا - فرمایا نہیں آیت لاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ تو نفقہ کے متعلق نازل ہوئی ہے (رواہ ابن مردویہ والحاکم)

تہلکہ یہ ہے کہ آدمی گناہ کا ارتکاب کرے اور توبہ نہ کرے اس صورت میں وہ خود اپنی ہلاکت آفرینی کا سبب ہوگا (ترمذی وغیرہ)

ابن عباسؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ آیت ولاتلقوا جنگ کے متعلق نہیں ہے بلکہ نفقہ کے متعلق ہے. مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لیگا تو خود اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال لیگا۔

ضحاک بن ابی جبیرہ سے مروی ہے کہ انصار صدقہ دیا کرتے تھے اور اپنے مال میں سے کچھ حصہ راہ خدا میں خرچ کیا کرتے تھے ایک سال قحط پڑا اسلئے انصار راہِ خدا میں کچھ خرچ نہ کر سکے اس پر آیت ولاتلقوا بایدیکم الخ نازل ہوئی۔

حسن بصری فرماتے ہیں القاء الی الہلاک سے مراد بخل ہے۔

نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ آدمی کوئی گناہ کرے اور پھر کہے کہ میرا یہ گناہ ہرگز معاف نہیں کیا جائیگا تو ایسے شخص کے حق میں خدا نے نازل فرمایا ہے ولاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔ (ابن مردویہ) مطلب یہ ہے کہ مغفرت سے مایوس ہونا ہلاکت میں پڑنا ہے بلکہ توبہ کرکے نیکی میں اضافہ کرنا چاہئے - حسن - ابن سیرین، ابو قلابہ اور عبیدۃ السلمانی سے بھی یہی مروی ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے بروایت ابن عباس بیان کیا کہ تہلکہ عذاب الٰہی ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ محمد بن کعب آیت ولاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کی تفسیر میں کہتے تھے کہ پہلے جب مجاہد راہ خدا میں جہاد کرتے تھے تو لوگ اپنا خورد و نوش وغیرہ کا سامان بھی ہمراہ لیتے تھے جسکے پاس زادراہ زیادہ ہوتا تھا وہ دوسروں کو تقسیم کر دیتا تھا اور یہانتک ایثار سے کام لیتا تھا کہ خود اُسکے پاس کچھ نہ رہتا تھا اور وہ دوسروں کا دست نگر بنجاتا تھا اُسوقت خدا تعالیٰ نے آیت وانفقوا فی سبیل اللہ ولاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ نازل فرمائی۔

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں حکم دیتے وہاں جہاد کرنے کے لئے لوگ جایا کرتے تھے لیکن بہت سے لوگ بغیر توشہ کے جایا کرتے تھے یا تو اُن کے پاس ہوتا ہی نہ تھا یا میسر ہو سکتا تھا لیکن خود نہ لیجاتے تھے اُسوقت خدا تعالیٰ نے حکم دیا وانفقوا فی سبیل اللہ ولاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ یعنی جو کچھ میسر ہو اُسکو زادراہ کے طور پر ساتھ لے لیا کرو اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالیں - تہلکہ سے یہ مراد ہے کہ آدمی بھوک پیاس یا چلنے کی تکلیف سے مر جائے اور جن لوگوں کے پاس زادراہ زائد ہوتا تھا اُنکو حکم دیا گیا وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔

حضرت عمرو بن عاص کے قول سے آیت کا مفہوم عام معلوم ہوتا ہے کیونکہ دمشق کے محاصرہ کے وقت ایک شخص اکیلا دشمن کے مقابلہ کے لئے لپکا - لوگوں نے اُس کے اس فعل کو خلاف شریعت خیال کیا اور حضرت عمرو بن عاص سے یہ واقعہ کہا - آپ نے اُس شخص کو بلایا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ولاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ - بات یہ تھی کہ عمرو بن عاص کے نزدیک آیت عام معنی پر محمول ہے - ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سپہ سالار بنا کر جہاد پر بھیجا - اتفاقاً ایک روز وہاں انکو احتلام ہوگیا. سخت سردی پڑ رہی تھی اسلئے انہوں نے غسل نہ کیا اور تیمم کرکے نماز پڑھا دی - مدینہ میں پہونچے تو حضور سے یہ واقعہ عرض کیا گیا - حضور اقدسؐ نے عمرو بن عاص سے سبب دریافت کیا - عمرو بن عاص نے یہی آیت پڑھکر سنا دی - حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا اے فقیہ عمرو بن عاص - اسکے آگے حضور نے کچھ نہیں فرمایا - اس سے معلوم ہوا کہ عمرو عاص کا اجتہاد ٹھیک تھا ورنہ حضور ضرور کچھ فرماتے۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ جو واقعات روایت کئے گئے یہ سب آیت کی تفسیر میں معتبر ہیں دنیوی ہو یا دینی - بہرحال جو امر آدمی کے لئے ہلاکت آفرینی کا سبب ہو سکتا ہو وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔

مقصود بیان: - راہ خدا میں جان و مال سے دریغ نہ کرنا چاہئے بغیر زادراہ کے سفر کرنا خلاف شرع ہے. خود اپنی ہلاکت کے اسباب پیدا کرنا ناجائز ہے - گناہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے بشرطیکہ توبہ کا اظہار بھی کرے یعنی گناہ چھوڑ دے اور نیکوکاری کرنی شروع کردے وغیرہ

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا

اور اللہ کی رضامندی کے لئے حج و عمرہ کو پورا کرو اب اگر تم کو روک دیا جائے تو جو

اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ

قربانی میسر ہو وہ کردو اور تا وقتیکہ قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہونچ جائے

حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

سر نہ منڈاؤ اور اگر تم میں سے کوئی

مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ

بیمار ہو یا اسکے سر میں تکلیف ہو تو اُسپر فدیہ لازم ہے

صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ

روزے ہوں یا صدقہ یا قربانی پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے اور کوئی شخص

تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ

عمرہ کو حج سے ملا کر نفع اٹھائے تو جو قربانی میسر آئے (کرنی لازم ہے)

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ

اور جسکو قربانی میسر نہ آئے تو حج کے زمانے میں تین روزے

وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

اور واپس آکے سات روزے رکھے یہ پورے دس ہو گئے

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ

مگر یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کا گھر بار مسجد حرام کے پاس (یعنی مکہ میں)

الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

نہ ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے

تفسیر

گذشتہ آیات میں احکام صیام و جہاد کا بیان کیا گیا تھا اور حکم جہاد کے دوران میں حج و عمرہ کا بھی تذکرہ آیا تھا اسلئے ان آیات میں حج و عمرہ کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ آیات کی تفسیر کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو شرعی اصطلاحات ان آیات میں استعمال کی گئی ہیں انکی مختصر توضیح کر دی جائے تاکہ آیات کا مطلب سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

عمرہ صرف طواف کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا نام ہے یعنی بیرون حرم سے احرام باندھ کر کعبہ کا طواف کرنا پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنی پھر سر منڈا کر احرام کھول دینا۔ حج کے واسطے زمانہ مقرر ہے مگر عمرہ کے لئے کوئی زمانہ مقرر نہیں سال کے کل ایام میں عمرہ جائز ہے۔ ہاں عرفہ کے دن اور ایام تشریق میں اور دسویں ذی الحجہ کو مکروہ ہے۔

افراد میقات یا حل سے صرف حج کی نیت کرکے احرام باندھے مکہ میں پہونچکر پہلے طواف قدوم کرے پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لگائے پھر ۸ ذی الحجہ کو منا میں رات کو اقامت کرکے ۹ ذی الحجہ کی صبح کو عرفات کو جائے۔ شام تک وہیں رہے۔ غروب کے بعد عرفات سے چلکر مزدلفہ میں جاکر رات کو قیام کرے۔ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو منا میں واپس آئے اور مکہ کی سمت والے جمرہ پر سات کنکریاں مار کر قربانی کرکے سر منڈا کر احرام کھول دے عورتیں سر کے بالوں کی ایک لٹ بھی کتر دیں پھر اسی روز یا دوسرے یا تیسرے روز طواف زیارت کرے اور پھر تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارے لیکن شروع اس جمرہ سے کرے جو عرفات کی جانب ہے۔

قران حج و عمرہ دونوں کی یکدم نیت کرکے احرام باندھے مکہ میں پہونچکر اول عمرہ کرے پھر بغیر احرام کھولے ۸ ذی الحجہ کو حج کے افعال شروع کرے۔ نویں تاریخ کو قربانی کرنا بھی اسپر واجب ہے۔ اس قربانی کو دم قران کہتے ہیں۔ اگر قربانی میسر نہ آئے تو دس روزے رکھے تین روزے نویں تاریخ تک اور سات روزے حج سے فارغ ہو کر۔

تمتع اس میں حج و عمرہ دونوں کی نیت علیحدہ علیحدہ کرنی ہوتی ہے پہلے عمرہ کیا جاتا ہے پھر احرام کھول کر آٹھ تاریخ کو حرم کے اندر کسی جگہ سے احرام باندھ کر حج کے افعال کیئے جاتے ہیں۔ تمتع کرنیوالے پر بھی ۹ تاریخ کو قربانی کرنی واجب ہے اور بصورت مجبوری دس روزے رکھنے لازم ہیں (حقانی و مواہب الرحمٰن و ابن کثیر)

اب ہم آیت کی تفسیر شروع کرتے ہیں:۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حج و عمرہ کی تکمیل خدا کے واسطے کرو یعنی نیت میں خلوص رکھو دونوں کے شروط و ارکان میں کمی نہ کرو اور شروع کرکے ناتمام نہ چھوڑو۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ یعنی اگر بحالت احرام تم کو راستہ میں رکجانا پڑے اور حج و عمرہ نہ کر سکو خواہ دشمن کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے تو اس صورت میں قربانی کا ایک جانور خواہ بکری ہو یا گائے یا اونٹ جو میسر آئے بھیجدو اور جب خیال ہو جائے کہ قربانی کعبہ میں پہونچکر ذبح ہو گئی ہوگی تو احرام کھولدو اور سر منڈالو اور عذر دفع ہو جائے تو آئندہ کبھی حج و عمرہ کی قضا کر لو۔

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ لیکن جب تک قربانی کا جانور مکہ میں پہونچکر ذبح نہ کر دیا جائے اسوقت تک سر نہ منڈاؤ اور نہ احرام کھولو۔ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ حضرت کعب بن عجرہ احرام باندھے ہوئے ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور احرام باندھے ہوئے چونکہ مدت زائد ہو گئی تھی اسلئے سر سے جوئیں گر رہی تھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا کیا تجھکو سر کے کیڑوں سے اذیت ہو رہی ہے۔ کعب نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اچھا تو سر منڈا دے اور تین روزے رکھ لے یا تین صاع چھوارون کا ایک ٹوکرا چھ مسکینوں کو دیدے ورنہ ایک بکری ذبح کر دے اسوقت آیت

مذکورہ نازل ہوئی۔ (صحاح ستہ)

مطلب یہ کہ جو شخص مریض ہو یعنی احرام کے بعد اسکو کوئی مجبور کن مرض لاحق ہو گیا ہو یا سر میں جوئیں پڑ جائیں کہ اُن سے بہت تکلیف ہو یا کوئی اور وجہ ایسی درپیش ہو جائے کہ سر منڈانا پڑ جائے تو سر مُنڈا دینا چاہئے لیکن اسکے بدلہ میں قربانی کرنی چاہئے یعنی کم از کم ایک بکری ذبح کرنا چاہئے ورنہ چھ مساکین کو تین صاع طعام دیدے اور اگر کچھ میسّر نہ آئے تو تین روزے رکھ لے۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ پھر اگر حالت امن میں جبکہ کوئی روک ٹوک نہ ہو کوئی عمرہ کے ساتھ حج کو ملا کر ترتیب وار ادا کرے خواہ دونوں کے لئے ایک ہی احرام باندھے (قِران) یا دو احرام علیحدہ علیحدہ باندھے (تمتع) تو شکرانہ میں ایک قربانی کرنی چاہئے جو بھی میسر ہو بکری ہو یا گائے یا اونٹ۔

وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ لیکن اگر کسی کو کوئی قربانی میسر نہ آئے تو دس دن کے روزے رکھنے چاہئیں تین تو دوران حج میں دسویں تاریخ تک اور سات واپسی کے بعد اپنے گھر جا کر ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی حج کو عمرہ کے ساتھ ملا کر ادا کرنا اُس شخص کے لئے جائز ہے جو مکہ یا میقات کے اندر کا باشندہ نہ ہو کیونکہ اُسی کو اس سہولت کی ضرورت ہے اہل مکہ کو اسکی ضرورت نہیں وہ جب چاہیں عمرہ علیحدہ کر سکتے ہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی احکام الٰہی کی پابندی رکھو خلاف ورزی نہ کرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ اگر خلاف ورزی کرو گے تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب سخت ہے وہ سخت سزا دیگا۔ آیات کا خلاصہ یہ نکلا کہ اگر کوئی مسلمان حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اور کسی دشمن یا مرض یا کسی اور مانع کی وجہ سے حج و عمرہ پورا کرنے سے معذور ہو جائے تو اُس پر واجب ہے کہ قربانی کا جانور فدیہ کے طور پر خود یا کسی کے ذریعہ سے حرم میں پہونچا کر ذبح کرائے۔ اُس وقت احرام کھولنا اور بال منڈانا جائز ہو جائیگے۔ ہاں اگر سر میں زخم یا جوؤں کی تکلیف ہو تو سر منڈا کر فدیہ دینا لازم ہے تین روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو تین صاع (تقریباً نو سیر) گیہوں خیرات کرے یا کم از کم ایک بکری ذبح کر دے۔ اور جو شخص ایام حج (شوال ذیقعد اور نو دن ذی الحجہ کے) میں احرام باندھ کر حج و عمرہ دونوں ادا کرنا چاہے تو شکرانہ میں ایک قربانی واجب ہے اور میسر نہ ہو تو نویں تاریخ سے قبل چھٹی تاریخ سے یا ساتویں تاریخ سے تین روزے رکھے اور سات روزے حج کے بعد گھر جا کر رکھے مگر یہ تمتع کا جواز اُسی شخص کے لئے مخصوص ہے جو مکہ یا اطراف مکہ کا رہنے والا نہ ہو جو شخص مقامی باشندہ ہوگا اسکو اس سہولت سے فائدہ اُٹھانا جائز نہیں۔

مقصود بیان: حج و عمرہ کے احکام کا بیان۔ کفار کی ممانعت مرض کی تکلیف یا کسی اور مانع کی وجہ سے اگر حج و عمرہ نہ ہو سکے تو بشرائط شرعی احرام کھولکر پھر کبھی قضا کرنے کا حکم۔ احکام حج و عمرہ میں سہولت مدنظر رکھنے کی صراحت۔ تمام اعمال و عبادات خصوصاً حج وغیرہ میں خلوص قلبی رکھنے اور خالص خوشنودی الٰہی ملحوظ رکھنے کی ہدایت۔ احکام الٰہی کی خلاف ورزی اختیار کرنے پر عذاب کا ترتب وغیرہ۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ

حج کے چند مہینے مقرر ہیں لہٰذا جس شخص نے ان مہینوں میں (نیت کرنے کے بعد) اپنے اوپر

الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي

حج کو لازم کر لیا تو پھر حج میں نہ عورتوں سے قربت (جائز) ہے نہ عدول حکمی نہ جھگڑا

الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ

اور نیکی کا کوئی کام کرو خدا اسکو جانتا ہے

تفسیر اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ یعنی حج شروع کرنے کے چند مہینے مقرر ہیں۔ باتفاق مفسرین حج کے احرام و تکمیل کے ایام ماہ شوال ذیقعد اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں۔ امام ابو حنیفہ صاحب کے نزدیک ذی الحجہ کا دسواں دن بھی داخل ہے اور شافعیؒ کے نزدیک صرف دسویں شب داخل ہے دسواں دن خارج ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ ایام حج میں شمار کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ اب جو شخص اس زمانہ میں حج کا التزام کرے یعنی احرام باندھ لے تو احرام سے لیکر انتہاء حج تک فَلَا رَفَثَ عورتوں سے قربت، اختلاط اور وہ اسباب اختیار نہ کرے جو دواعی جماع ہیں۔ وَلَا فُسُوْقَ اور فحش زبانی شہوت انگیز قصے گالی گلوچ اور دیگر گناہ کا ارتکاب نہ کرے وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ اور نہ لڑائی جھگڑا ہاتھا پائی اور دیگر قتال و خوں ریزی کے دواعی کا ارتکاب کرے۔

ابن عباسؓ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رَفَث سے مراد جماع اور جماع کی تعریض ہے اور عورتوں کے سامنے اس قسم کا ذکر کرنا بھی رفث کے حکم میں داخل ہے۔ گویا عورتوں کی موجودگی میں شہوت انگیز ذکر ممنوع ہے لیکن ابن عمر سے مروی ہے کہ رفث سے مراد جماع ہے یا فحش یا لغو بکنا مراد ہے اس بنا پر عورتوں کی موجودگی ضروری نہیں اسی تفسیر کو ہمنے اختیار کیا ہے۔ فسوق دراصل حدود شرعیہ سے خارج ہو جانے کو کہتے ہیں اسی لئے ابن عباسؓ کے نزدیک کل معاصی فسوق میں داخل ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں

کہ فسوق کفر اور عصیان کے درمیانی درجہ کا نام ہے۔ ابن عمرؓ کے نزدیک فسوق سے
حرم کے اندر ارتکاب معاصی کرنا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ فسوق سے مراد
بدزبانی اور برا بھلا کہنا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ آیت میں فسوق سے مراد
وہ فعل ہے جسکا ارتکاب حالت احرام میں منع ہے مثلاً ناخن تراشنا شکار کرنا
بال کترنا وغیرہ۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ فسوق سے مطلق معاصی مراد لینا ہی
حق ہے اور یہی بہتر ہے۔

جدال کے معنی ہیں قتل کرنا اور لڑائی جھگڑا کرنا۔ لا جدال فی الحج
کے مفسرین نے دو معنی بیان کئے ہیں (۱) یعنی وقت کی تعیین اور اس کے
مناسک میں اب کوئی جھگڑا اور اختلاف نہیں رہا اللہ تعالیٰ نے ان تمام
امور کی وضاحت کردی۔ مجاہد و سدی نے یہی تفسیر کی ہے اور ثبوت میں
اس روایت کو پیش کیا ہے جو حضرت عبدالرحمن سے مروی ہے کہ اہل عرب
موقف حج کے متعلق جھگڑا کیا کرتے تھے اور ہر ایک مدعی تھا کہ ہمارا موقف
ہی موقف ابراہیمی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس جھگڑے کو قطع کردیا اور اپنے رسول
کو مناسک حج سکھا دیے۔ قاسم بن محمد فرماتے ہیں جدال فی الحج کا یہ معنی
ہے کہ بعض لوگ کہیں حج کل ہوگا اور بعض کہیں نہیں آج ہوگا۔ (۲) ابن عباسؓ
کہتے ہیں کہ جدال نہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے ساتھی سے جھگڑا نہ کرو کہ اسکو
غصہ آجائے۔ ابن مسعود، عطاء، ابو العالیہ، عکرمہ اور ابراہیم نخعی وغیرہ
سے یہی تفسیر مروی ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ عام مفسرین نے
یہی معنی لکھے ہیں۔

مقصود بیان :- فحش و بدزبانی، جھگڑا خصومت، گالی گلوچ
اور دیگر معاصی سے دوران حج میں باز رہنے کی ہدایت، قوت شہوانیہ
وغضبیہ کے اقتضائیات پورے کرنے کی ممانعت۔ اس امر کی طرف مخفی
تنبیہ کہ عبادت الٰہی بغیر خلوص قلبی اور جذبۂ روحانیت کے بیکار ہے اگر قوت
روحانی مادی قوتوں سے مغلوب ہے اور ارکان عبادات یا منشاء عبادات
کی ادائیگی نہ ہوسکی تو ایسی عبادات بے سود ہے۔ وغیرہ۔

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ط

اور نیکی کا کوئی کام کروگے خدا اس کو جانتا ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں شر اور بدکاری سے بچنے کی ہدایت تھی اس
آیت میں حصول خیر کے متعلق ترغیب دی جاتی ہے گویا
نیکوکاری حاصل کرنے کی انتہائی تاکید کردی کیونکہ بدی اور شر کی ممانعت سے
خیر اور نیکی ویسی ہی لازم آتی ہے پھر نیکی کی ترغیب بھی موجود ہے تو گویا حصول
خیر کی تاکید ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ نیکی ہو سکے نہایت کوشش کرکے حاصل
کرو ہر عمل کی جزا یقینی ملیگی کیونکہ ایام حج حصول قربت الٰہی کا زمانہ ہے باب
رحمت کھلا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کو اس زمانہ میں اپنے بندوں کی طرف خاص توجہ
ہے بندہ کی کوئی نیکی اسکے دائرۂ علمی سے خارج نہیں۔

مقصود بیان :- نیکی کرنے کی ترغیب، جزا کا وعدہ، علم الٰہی کی
وسعت۔ کسی جزئی واقعہ کے بھی اسکے علم سے خارج نہ ہونے کی صراحت اور اس
امر کی طرف اشارہ کہ آدمی کا مطمح نظر محض خیر ہونی چاہئے وغیرہ۔

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَ

اور زاد راہ لے لیا کرو اور خرچ لینے میں سب سے بڑا فائدہ (سوال سے) بچنا ہے

اتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

اور عقلمندو مجھسے ڈرتے رہو

تفسیر یمنی قافلہ نے حج کا ارادہ کیا اور اپنے آپ کو متوکل کہتے
ہوئے بلا زاد راہ ساتھ لئے گھروں سے نکل کھڑے ہوتے
مگر مکہ میں پہونچے تو لوگوں سے سوال کرنے لگے اور حاجیوں کے لئے وبال
جان بن گئے۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے (بخاری ابوداؤد)
حاصل ارشاد یہ ہے کہ تم کو توشہ ہمراہ لیکر حج کرنا چاہئے اور اپنا سامان
ضرور ساتھ لے لینا چاہئے جو سفر کے لئے کافی ہو اور لوگوں پر بار نہو۔
ابن جریر اور ابن مردویہ نے بروایت ابن عمرؓ آیت مذکورہ کا شان
نزول یہ بیان کیا ہے کہ لوگوں کا دستور تھا جب احرام باندھتے اور زاد راہ
ہمراہ ہوتا تو پھینکدیتے اور از سر نو زاد راہ مہیا کرتے اسکی ممانعت کے واسطے
آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن الزبیر، ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، شعبی،
نخعی، سالم بن عبداللہ، قتادہ، ربیع اور سعید بن جبیر وغیرہ سے بھی یہی
تفسیر مروی ہے۔ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ۔ مقاتل کہتے ہیں کہ جب
آیت تَزَوَّدُوا نازل ہوئی تو ایک نادار مسلمان نے کھڑے ہوکر عرض کیا
یا رسول اللہ ہم کو راہ کے توشہ کے لئے تو کافی چیز ملتی نہیں پھر کیا کریں؟
فرمایا صرف اتنا زاد راہ فراہم کرلو جس سے لوگوں سے مانگنے کی ضرورت
نہ پڑے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سفر کے لئے توشہ لینا ضروری ہے اور
بہترین توشہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلانے سے بچ جاؤ
وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ۔ آیات مذکورہ بالا میں زاد راہ ہمراہ
لینا مذکور تھا یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ ظاہری توشہ کافی نہیں
ہے جو سفر حج کے لئے لوگ لیا کرتے ہیں۔ بلکہ حقیقی توشہ کی بھی ضرورت
ہے تم عقلمند ہو غور کرو کہ یہ میدان جو دنیا سے آخرت تک لمبا ہے اس کو
قطع کرنے کے لئے بھی توشہ کی ضرورت ہے اور جسطرح حج میں اجتماع ہوتا
ہے اسی طرح میدان قیامت میں جمع ہونا ہے لہٰذا احکام الٰہی کی پابندی
کرو۔ اوامر و نواہی پر کاربند ہو خلوص قلبی سے عبادات ادا کرو اور اپنے
اقوال افعال اور اطوار میں غیر اللہ کا خیال چھوڑ دو صرف خوف خدا اور

پرہیزگاری کو اپنے لئے زادراہ بناؤ۔

مقصود بیان: ظاہری اور باطنی توشہ ہمراہ لینے کا حکم۔ نورِ وحدت ہمراہ لیکر ازلیت کے اس لمبے بیابان کو طے کرکے ملک غیب کی سیر کی طرف اپنا مہ نورِ حق گم کردینے سے ترہیب، حالات مشاہدہ و مراقبہ میں غیراللہ کی طرف توجہ نہ کرنے کا حکم، اس امر کی وضاحت کہ توشہ بقدرِ ضرورت لازم ہے لیکن اس میدان حیات کو طے کرنے اور منزل قدس تک پہونچنے کے لئے کس توشہ کی ضرورت ہے وہ باطنی توشہ ہے یعنی شروع میں تمام معصیت آمیز امور سے کنارہ کشی کی جائے اور اوامر و نواہی پر عمل کیا جائے اس سے آگے بڑھ کر مشتبہات کو بھی ترک کردیا جائے اور پھر آگے بڑھکر دنیا کی تمام چیزوں سے دست برداری دیدی جائے اور انتہا یہ ہو کہ اپنی ہستی کو بھی فراموش کردیا جائے۔ گویا اب تمام عالم سے اجتناب و تقوٰی محض ذاتِ الٰہی کے لئے ہوگیا۔ حاصل یہ کہ محض رضاجوئی خالق نصب العین ہونا چاہئے۔ اسی زادراہ سے اتنا لمبا سفر طے ہوگا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ

تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل (تجارتی نفع) طلب کرو

تفسیر عکاظ۔ ذی المجنہ اور ذی المجاز مکہ کے اطراف میں تجارتی منڈیاں تھیں۔ عرب لوگ سالانہ ان میں جمع ہوکر لین دین اور دیگر کاروبار کی تکمیل کرتے تھے لیکن موسم حج کے زمانہ میں ہر قسم کی خرید فروخت سے پرہیز کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ یادِ الٰہی کے ایام ہیں اس خیال و رواج کے ابطال کے لئے آیت بالا نازل ہوئی (ابوداؤد بروایت ابن عباس)

مطلب یہ ہے کہ موسم حج میں اگر تم لوگ تجارتی کاروبار یا کرایہ وغیرہ سے رزق الٰہی اور فضلِ خداوندی کی تلاش کرو تو کوئی حرج نہیں ہے یعنی مقصود تو رضاءِ مولا ہے یہ امور اس میں حارج نہیں پھر کیوں اور کسطرح ممنوع ہوسکتے ہیں

مقصود بیان: تجارت کی ترغیب لیکن اکل حلال جسکو فضل رب سے تعبیر کیا ہے حاصل کرنے کی ہدایت۔ آیت میں اگرچہ بظاہر تجارت کی اجازت ہے لیکن فضائل و محامد حاصل کرنے کی طرف بھی ایک خاص اشارہ ہے جو ایسے ہی مجمع سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ فضلِ رب کا لفظ عام ہے جو ہر قسم کی خیر اور نیکی کو شامل ہے مثلاً تبادلہ خیالات۔ اہل اسلام کے اتحاد کا مظاہرہ۔ باہم میل محبت اور تعلقات کی توسیع۔ پان اسلامزم کی ہدایت۔ ایک ملک کے مال کی دوسرے ملک میں فروخت اور پھر اس سے وہاں کے لوگوں کا بہرہ اندوز ہونا۔ مسلمانوں کے جمود کا علاج وغیرہ۔

فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ

پھر جب تم عرفات سے لوٹو — تو مشعر حرام کے پاس

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ

اللہ کی یاد کرو اور جسطرح اس نے تم کو بتا دیا ہے ویسے ہی تم اسکی یاد کرو

وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ

اگرچہ اس سے پہلے تم — ناواقف تھے

تفسیر درمیان میں کچھ احکام ذیلی بیان کردیئے گئے۔ اب پھر احکام حج کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جب تم عرفات سے چلو یعنی عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ میں آکر شب کو رہو اور صبح کو تڑکے سے منا کو جانے لگو تو مشعرالحرام (مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے جسکو قزح بھی کہتے ہیں) کے پاس تکبیر و تہلیل کیا کرو۔ اور اس بات پر خدا کا حمد و شکر ادا کرو کہ تم پہلے گمراہ تھے۔ خدا نے تم کو ہدایت اور آداب حج سکھائے۔ توحید خالص کی تعلیم دی اور جو شرک کی باتیں تم نے عبادت الٰہی میں ملا رکھی تھیں اُن سے منع کیا۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں ہم کو لیکچر دیا حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے آگاہ رہو کہ مشرکوں کا قاعدہ تھا جب آفتاب پہاڑ کی چوٹیوں پر اس طرح نظر آتا تھا جسطرح مردوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو غروب سے قبل ہی مشرک و بت پرست یہاں سے چل دیتے تھے لیکن ہم یہاں سے غروب آفتاب کے بعد چلتے ہیں اسی طرح مشرک لوگ مشعرالحرام سے اس وقت چلتے تھے جب آفتاب پہاڑوں کی چوٹیوں پر ایسا نظر آنے لگتا تھا جیسا مردوں کے سروں پر عمامہ لیکن ہم وہاں سے سورج نکلنے سے قبل ہی چلتے ہیں ہماری راہ مشرکوں کی راہ سے علیحدہ ہے۔ اس حدیث کا تتمہ حضرت جابر سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ عرفات میں جب شام کا وقت ہوا اور سورج کی ٹکیہ غائب ہوگئی تو حضور والا اسامہ کو ردیف بناکر قصواء اونٹنی پر سوار ہوکر چلے اونٹنی کی باگ اتنی کھینچے تھے کہ اس کا سر کجاوہ کے اگلے حصہ سے لگتا تھا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو آہستہ آہستہ چلنے کا اشارہ کرتے چلے جاتے تھے۔ بالآخر مزدلفہ پہونچے وہاں نماز مغرب و عشاء کو ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا کیا پھر لیٹ رہے۔ جب فجر طلوع ہوگئی تو اذان و اقامت کے بعد نماز فجر ادا کی اور فجر کی نماز پڑھ کر قصواء پر سوار ہوکر چل دیئے۔ مشعرالحرام کے پاس پہونچے تو قبلہ کیطرف منہ کرکے دعا مانگی اور تکبیر و تہلیل و تحمید میں برابر مشغول رہے یہانتک کہ خوب اجالا ہوگیا۔ اسکے بعد طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہوگئے یہ مکمل حدیث كَمَا هَدَاكُمْ کی تفسیر ہے۔

مقصود بیان: ذکر و شکر تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل کا حکم اور اس امر کی صراحت کہ ہادی برحق خداوند تعالیٰ ہے۔ یہ بھی اسی کی ہدایت ہے کہ آداب عبادت مسلمانوں کو معلوم ہوئے۔ وغیرہ۔

ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

پھر تم بھی وہیں سے واپس پھرو جہاں سے اور لوگ واپس ہوتے ہیں

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اور اللہ سے طلب مغفرت کرو کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر قریش چونکہ کعبہ کے متولی اور کلید بردار تھے اس لئے انہوں نے اپنے واسطے ہر بات میں کچھ امتیازی خصوصیات قائم کر رکھی تھیں اور کسی بات میں دیگر قبائل عرب کو برابر رکھنے کو اپنا ہتک خیال کرتے تھے۔ چنانچہ تمام عرب حج کے موقعہ پر بمقام عرفات جمع ہو کر قیام کرتے تھے اور قریش اپنی نخوت و غرور کے جذبہ کے ماتحت عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرنے کو اپنے لئے توہین خیال کرتے تھے اسلئے عرفات سے ورے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور وہیں سے مکہ لوٹ آتے تھے۔ اس آیت میں اسی کی ممانعت کر دی گئی اور عرفات سے چلنے کا حکم دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جسطرح اور لوگ عرفات سے لوٹ کر آیا کرتے ہیں تم بھی وہاں سے لوٹ آیا کرو۔ یہ نہیں کہ صرف حرم کی سرحد تک گئے۔ مزدلفہ میں قیام کیا اور خدا پرستی کے دعوے میں سرمست ہو کر یہیں سے لوٹ آئے۔ باقی اس عبادت میں جو فروگذاشت ہو جائے تو اسکی معافی کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرو خدا بخشنے والا ہے بخشدیگا مگر دانستہ تو ایسی حرکت نہ کرو کہ شرافت خاندانی یا کعبہ کے کلید بردار ہونے کے گھمنڈ میں اپنے کو دوسروں سے ممتاز سمجھنے لگو یہانتک کہ طریق عبادت میں بھی تفریق کرنے لگو۔

مقصود بیان:۔ درس مساوات۔ کبر و نخوت کا استیصال اس امر کیطرف لطیف اشارہ کہ انسان سے عبادت میں حسب مرتبہ کوئی نہ کوئی قصور ہو ہی جاتا ہے اسلئے مناسب ہے کہ عبادت سے فراغت کے وقت استغفار کیا کرے تاکہ جو فروگذاشت ہوگئی ہو وہ معاف ہی ہو جائے وغیرہ۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو

كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ

جیسا کہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ

تفسیر اکثر صحابہ و تابعین سے مروی ہے کہ اہل عرب دور جاہلیت میں جب مناسککم فرائض حج سے فارغ ہو جاتے تو بمقام منا مسجد و پہاڑ کے درمیان تین روز تک جمع رہتے اور ہر ایک اپنے باپ دادا کی خوبیاں فضائل قتل و غارت اور کشت و خون کے واقعات فتحمندیوں اور ظفریابیوں کے اعلان اپنی نام آوری اور شجاعت کا اظہار نہایت زور شور سے کرتے تھے فصیح نظم و نثر اور بلیغ عبارتوں میں اسلاف کے مفاخر اور خاندانی تفوق برسر عام بیان کرتے تھے لیکن جب نور ایمان سے اُن کے دل منور ہو گئے اور سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس قبیح رسم کی بجائے تسبیح تہلیل تحمید تکبیر اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرو اور جس گرما گرمی اور کثرت سے اپنے آبا و اجداد کا تذکرہ کرتے تھے اسی جذب شوق۔ شور محبت اور زور و ادب کے ساتھ بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر خدا کی یاد کیا کرو کیونکہ اُس رسم بد کی بنا تو جہالت اور قومی تعصب پر تھی اور اسکی کثرت میں حق کی صراحت اور صداقت کا اعلان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ الخ یعنی مناسک و فرائض حج سے فارغ ہونے کے بعد جس کثرت اور شور محبت سے اپنے آباؤ اجداد کی یاد کیا کرتے تھے ویسے ہی بلکہ اُس سے بھی زیادہ خدا کی یاد کیا کرو۔

ابن جریج نے بروایت عطا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جسطرح بچہ اماں ابا کہتا ہے اور سوا ماں باپ کی پکار اور یاد کے اُس کا کوئی اور دھیان نہیں رہتا اسی طرح تم بھی ادائے مناسک کے بعد یاد الٰہی کرو اُسکے دھیان سے غافل نہ رہو۔ ضحاک اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے اور ایک روایت ابن عباس سے بھی اسی قسم کی آئی ہے۔ یہ مطلب اگرچہ لطیف ہے لیکن شان نزول کے خلاف ہے اسلئے ہم نے پہلے مطلب کو اختیار کیا۔

مقصود بیان:۔ یاد الٰہی کی کثرت۔ جذب عشق۔ کشش عشق اور شور محبت کی ہدایت۔ قومی تعصب۔ بیجا حمیت اور رسوم قبیحہ کو مٹا دینے کیطرف اشارہ۔ مفاخر آبا اور فضائل اسلاف کو اپنے لئے باعث شرف خیال کرنیکی ضمنی ممانعت۔ اکتساب محاسن اور ذاتی خوبیاں حاصل کرنے کا حکم وغیرہ۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا

بعض آدمی تو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب دنیا میں ہم کو دیدے

وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ

اور آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہے اور بعض لوگ

مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ

کہتے ہیں اے [illegible] ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور

فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ

انہی لوگوں کیلئے انکے کئے کا اچھا حصہ ہے اور خدا جلد حساب لینے والا ہے

تفسیر ابن کثیر اور سعید بن جبیر نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ عرب کے کچھ دیہاتی موقف پر آکر دعا مانگتے اور کہتے الٰہی اس سال بارش خوب برسا، سبزہ اُگا۔ ارزانی عطا کر اور اولاد کی کثرت کر۔ انکی دعا میں آخرت کے مقاصد میں سے کوئی مقصد شامل نہ ہوتا تھا انہی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۔ بعض لوگ تو صرف دنیا کے واسطے دعا مانگتے ہیں ان کوتاہ نظروں کے سامنے آخرت کی کوئی خوبی و بہتری قابل التفات نہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ یہ آیت مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو موقف پر جاکر دنیا و دین کی بہتری کی دعا مانگتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ دارین کی بہبودی کے خواہاں ہیں ان کی نظر صرف دنیوی منافع پر ہی مقصور نہیں ہے بلکہ یہ لوگ وسیع النظر ہیں دنیوی منافع کے ساتھ ساتھ دینی فلاح کے بھی خواستگار ہیں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہنے کی بھی دعا کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۔ یہ مومنین کے اعمال کے نتیجہ کا بیان ہے یعنی ان لوگوں کی کوشش سودمند ہے جو نیک اعمال اور فلاح دارین کی دعا یہ لوگ کرتے ہیں اسکی جزا انکو ضرور ملیگی اور خداتعالیٰ نیکوں اور بدوں کے اعمال کا حساب بہت جلد کریگا اور عنقریب امتیاز ہو جائیگا کہ کون دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی کا جویاں تھا اور کس کی ہمت صرف دنیا پر منحصر تھی۔

مقصود بیان: ۔ فلاح دارین کی دعا کرنے کی ہدایت اور دونوں جہان کی بہبودی حاصل کرنے کی کوشش کرنے کی طرف ضمنی اشارہ۔ اس امر کی صراحت کہ صرف دعا سے خیر و فلاح حاصل نہیں ہو سکتی جب تک عملی طور پر اسکے حصول کی کوشش نہ کیجائے۔ اگر دنیوی فلاح پیش نظر ہے تو اسکے ذرائع و وسائل اختیار کرنے چاہئیں اور دینی مقاصد مرغوب خاطر ہیں تو عقائد و اعمال کی اصلاح لازم ہے۔ یہ درحقیقت اسنے توکل اور رہبانیت کی بیخ کنی ہے۔ خود اعتمادی اور قوت عمل پیدا کرنے کا زرین پیام ہے اور قانون قدرت کا اس سے مظاہرہ کرنا مقصود ہے کہ ہر جزا عمل سے وابستہ ہے اور ہر نتیجہ کوشش پر موقوف ہے۔ ہاں خود اعتمادی اور کوشش کو موجب نخوت و غرور اور سبب انکار قدرت نہ ہونا چاہئیے۔ اگرچہ ہر چیز کا وجود سبب سے وابستہ ہے لیکن مسبب خداتعالیٰ ہے اسلئے اُس سے دُعا کرنی بھی لازم ہے ۔ ع کسب کن پس تکیہ بر جبار کن ٭

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ

اور چند گنتی کے دنوں میں اللہ کی یاد کرو اب اگر کوئی (منا سے)

تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ وَمَنْ

دو ہی دن میں جلدی چلا گیا تو اُسپر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو

تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

ٹھہرا رہا اُسپر بھی کچھ گناہ نہیں ہے (یہ) اسکے لئے ہے جو پرہیزگاری کرے اور اللہ سے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ

ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ تم کو اُسکے پاس اکٹھا کر جمع کیا جائے گا

تفسیر یہ آیت ایام تشریق کی تکبیرات کے وجوب کو ظاہر کر رہی ہیں۔ حاجی ۱۰ ذی الحجہ کو طواف وغیرہ کے بعد تین دن کے لئے منا میں جاکر ٹھہرتے ہیں۔ اسلئے حکم ہوتا ہے کہ تشریق کے چند دنوں میں یاد الٰہی کیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ایام کھانے پینے اور یاد الٰہی کرنے کے ہیں (الصحیح) فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۔ عہد جاہلیہ میں دو قسم کے آدمی تھے بعض لوگ تو صرف دو روز منا میں قیام کرنے اور رمی جمار کرنے کو واجب خیال کرتے تھے اور تیسرے دن وہاں ٹھیرنے کو گناہ جانتے تھے اور بعض لوگ تین دن ٹھہرنا ضروری سمجھتے تھے اور صرف دو روز ٹھیرنے کو گناہ خیال کرتے تھے۔ ان دونوں فرقوں کی تردید میں آیت نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایام تشریق کے صرف دو دن میں رمی جمار کرکے واپس چلا آئے تو اُسپر کوئی گناہ نہیں ہے۔

وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ اور جو شخص تیسرے روز بھی ٹھیرا رہے اور کنکریاں پھینکے اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ لِمَنِ اتَّقٰی مگر یہ حکم صرف متقی اور مومن کے لئے ہے جو شرک سے احتراز رکھتا ہے اور جو لوگ مشرک ہیں یا حج میں ممنوعات سے انہوں نے اجتناب نہیں کیا ہے تو انکو نہ دو روز ٹھیرنا مفید ہے نہ تین روز۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۔ لہٰذا تم کو خدا سے خوف کرنا اور شرک سے بچنا چاہئے خوب سمجھ لو کہ خدا کے سامنے جانا ہے وہی تم کو سزا و جزا دیگا اور وہی مختار کل ہوگا۔

مقصود بیان: ۔ ایام تشریق میں تکبیروں کا وجوب۔ گیارہویں یا بارہویں تاریخ کو منا سے واپس آجانے کی اجازت۔ اس امر کی صراحت کہ اعتبار درحقیقت تقویٰ کا ہے۔ جو شخص شرک سے پرہیز رکھتا ہے اور عقائد و اعمال کی اصلاح کرتا کرتا ہے اُسکے سب اعمال مقبول ہیں اور جو شخص صرف رسم کی پابندی کرنے کے لئے عبادات خصوصًا افعال حج کرتا ہے اُس کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ظاہر

پرستوں کے خیالات کا ابطال ہے اور غلامانِ رسول کی ذہنیت کی صریح تردید ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ

اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ اُن کی باتیں دنیوی زندگانی میں تم کو بھی معلوم

الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ

ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی باتوں پر خدا کو گواہ بناتے ہیں حالانکہ وہ

اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ

سخت جھگڑالو ہیں اور جب لوٹ کر جاتے ہیں تو زمین پر فساد

لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَ

پھیلانے اور زراعت و مویشی کو تباہ کرنے کیلئے دوڑتے پھرتے ہیں حالانکہ

اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ

اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو

اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

تو غرور اُن کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے پس اُسکے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے

تفسیر بقول سدی یہ آیت اخنس بن شریق زہری کے حق میں نازل ہوئی: اخنس نہایت دلکش صورت اور گوش نشیں کلام کا مالک تھا باتیں نہایت شیریں کرتا تھا اور بظاہر مسلمان ہو گیا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب بڑھانے کے لئے میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں حضور پر ایمان لے آیا ہوں اور مسلمانوں کا دلی دوست ہوں مگر دل میں یہ سخت ترین منافق تھا اور مسلمانوں سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ حضور اقدس ؐ کے پاس سے یہ لوٹکر جا رہا تھا راستہ میں مسلمانوں کی کچھ کھیتیاں اور زمین جوتنے کے گدھے نظر پڑے اس کمبخت نے کھیت جلا دیے اور گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں ان سب واقعات کو آیات مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر آیات کا حکم عام ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بعض لوگ ایسے ہیں کہ دنیوی زندگانی میں اُنکا کلام تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے بڑے شیریں کلام خوش گو نظر آتے ہیں وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ۔ بات بات پر خدا کی قسم کھاتے ہیں اور خدا کو گواہ کرکے کہتے ہیں کہ ہم آپ سے دل سے محبت رکھتے ہیں اور جو زبان سے کہتے ہیں وہی ہمارے دل میں بھی ہے ہمارا ظاہر و باطن موافق ہے وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ حالانکہ حقیقت میں وہ تمہارا اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے تم سے اور مسلمانوں سے بہت زیادہ خصومت رکھتا ہے۔ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا اور جب تمہارے پاس سے اُٹھکر جاتا ہے تو ملک میں فساد کرنے کی کوشش کرتا اور دل سے سعی کرتا ہے کہ تم کو تباہ کر دے وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ اور تمہاری کھیتیاں اور کھیتیوں کے جانوروں کی نسل کو فنا کرنا چاہتا ہے یعنی زراعت کو اُجاڑنا اور زراعت کے جانوروں کو ہلاک کرنا اُس کے فساد کا ثبوت ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ مگر خدا پسند نہیں فرماتا کہ اُسکی زمین پر تباہی اور بربادی پھیلے لوگوں کا امن و چین برباد ہو اور ملک میں فتنہ و فساد پھیل جائے بلکہ اُسکو امن و آشتی اصلاح و عافیت پسند ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف کر اس بدکاری سے باز آ جا ملک میں تباہی نہ پھیلا اور لوگوں کے امن کو تباہی و غارت سے تبدیل نہ کر اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ تو اُسکی حمیتِ کفر اور غیرتِ جاہلانہ جوش میں آ جاتی ہے اور مزید گناہ کرنے پر اُسکو اُبھارتی ہے فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ۔ ایسے آدمی کی سزا کے لئے جہنم بہت کافی ہے وہ یہ خیال نہ کرے کہ خدا تعالیٰ مجھکو اسکی سزا نہ دیگا خدا ضرور اُسکو جہنم میں داخل کریگا اور جہنم بدترین مقام ہے ایسے ہی منافق اور سرکش لوگ وہاں داخل ہونگے اور رہینگے۔

مقصود بیان :۔ منافقوں کی حالت کا انکشاف۔ دنیا میں تباہی پھیلانے اور ملک میں فساد انگیزی کرنے کی ممانعت، صلح و آشتی اور امن چین کا اعلانِ عام مفسدانِ عالم اور اسلام پر نکتہ چینیاں کرنیوالوں کے سر پر ایک پتھر شکن ضرب، کھیتیاں اجاڑنے اور کھیتی کے جانوروں کو خواہ مخواہ ہلاک کرنے کا قطعی امتناع، اس امر کی وضاحت کہ بعض جاہل بدعت کوش اپنے آپ کو عالم اور نورِ معرفت سے آراستہ ظاہر کرتے ہیں اپنی جاذبِ نظر صورت اور دلکش شیریں مقالی کے ذریعہ مومنین کو حق سے روکتے گمراہی کی طرف کھینچتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ لمبی داڑھی پاکیزہ شکل عالمانہ یا صوفیانہ لباس پھر اُس پر تسخیر کن گفتگو اور دلنشین وجاہت یہ سب اُن کے آلاتِ حرب ہوتے ہیں اور اسی سامان کی بدولت وہ مومنوں کے دلوں کو فتح کر لیتے ہیں اور بھولے بھالے پاک طینت مومنوں کو اپنا معتقد بنا کر اُن کا مال اُڑاتے ہیں یہ نہایت بد طینت لوگ ہیں مسلمانوں کے اور اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں بظاہر تو یہ اپنی شب بیداری ورم آلود پانوؤں زرد چہرے لمبے چغے اور زیر ناف داڑھی کو اپنی صفائی باطن اور نورِ ہدایت کا گواہ بناتے ہیں لیکن مسلمانوں کی تباہی اسلام کی بربادی اور خدا کی زمین پر فتنہ و فساد کا بیج بونے میں کمی نہیں کرتے۔ یہ لوگ نفس کے بندے اور ہوا و ہوس کے غلام

ہیں۔ اعاذ اللہ المسلمین منہم۔ یہ ہیں بے عمل شرارت انگیز مولوی جاہل مزار پرست صوفی شیطان کے چیلے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضاجوئی کے لئے اپنی جان

مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ

دیدیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی شفیق ہے

تفسیر خدا تعالیٰ نے درحقیقت چار فرقوں کا بیان کیا ہے پہلا فرقہ تو وہ تھا جو صرف دنیا کا طالب تھا ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی طلب دنیا پر اسکی نظر مقصور تھی ان کوتاہ نظر لوگوں کا بیان فمن الناس من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا ومالہ فی الاٰخرۃ من خلاق میں ہوگیا۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جو دنیا کا بھی طالب تھا اور دین کا بھی یعنی دنیوی اسباب اور مال ومتاع کی بھی اُن کو طلب تھی تاکہ آخرت کی تیاری میں کوئی نقصان نہ واقع ہو۔ ان لوگوں کا بیان ومنھم من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار میں ہوگیا۔ تیسرا فرقہ وہ تھا جو ظاہر میں آخرت کا طالب تھا اور باطن میں اُس کا مرکز طلب صرف دنیوی نفع تھا یہ لوگ منافق تھے ان کا بیان ومن الناس من یعجبک قولہ الخ میں ہوگیا۔ چوتھا فرقہ وہ تھا جو مخلص وصادق تھا اپنا جان مال خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے صرف کرتا تھا اور پھر بھی شرمندہ تھا کہ یہ ہدیہ بارگاہ رب العزت میں پیش کرنے کے قابل نہیں۔ اس فرقہ کا بیان آیات مذکورہ میں کیا گیا ہے۔ اس آیت کا شان نزول بھی اگرچہ خاص ہے لیکن چونکہ خصوصیت سبب سے حکم میں خصوصیت نہیں پیدا ہوتی اسلئے آیت کا حکم عام ہے تمام انصار ومہاجرین بلکہ صلحاء امت بھی اس حکم میں شریک ہیں۔

ابن کثیر نے بروایت سعید بن مسیب بیان کیا ہے کہ حضرت صہیبؓ بن سنان مکہ سے ہجرت کرکے جب مدینہ کو آنے لگے تو مشرکین قریش نے ان کا پیچھا کیا اور راستہ میں آگھیرا حضرت صہیبؓ اپنی سواری سے اتر پڑے اور ترکش سے تیر نکال کر بولے اے جماعت قریش تم جانتے ہو کہ میں مشہور تیرانداز ہوں اگر تم نے مجھ تک آنا چاہا تو پہلے اپنے ترکش کے سارے تیر خرچ کرونگا پھر تلوار سے جہانتک قوت کام دیگی تم کو قتل کرونگا جب تھک جاؤنگا تو اُس وقت تم مجھکو پکڑ سکو گے لیکن اسمیں تمہاری سیکڑوں لاشیں زمین پر تڑپتی نظر آئینگی اسلئے بہتر یہ ہے کہ واپس چلے جاؤ۔ اور اگر مال کی طلب ہے تو مکہ میں جہاں جہاں میرا مال ہے سب بتلائے دیتا ہوں جاکر لیلو۔ کفار اس بات پر راضی ہوگئے۔ حضرت صہیبؓ اُن کو سارا مال بتاکر مدینہ کو چل دیئے اُدھر مدینہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ صہیبؓ نے بڑی سودمند تجارت کی۔ حضرت صہیبؓ کے پہونچنے سے قبل حضرت عمر فاروقؓ ایک جماعت صحابہ کے ساتھ حرہ تک اُن کے استقبال کے لئے آئے۔ حضرت صہیبؓ کی جماعت سے ملاقات ہوئی توسب لوگوں نے کہا آپ کی تجارت بہت سودمند ہوئی۔ صہیبؓ نے جواب دیا خدا کرے آپ کی تجارت بھی نافع ہو اور کبھی خسارہ نہو لیکن حقیقت تو بتائیے کیا بات ہے؟ لوگوں نے نازل شدہ آیت تلاوت کی اور بیان کیا کہ یہ آیت آپکے متعلق نازل ہوئی آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی فروخت کرڈالتے ہیں اور جان کے عوض رضاء الٰہی حاصل کرتے ہیں سو ان پر خدا بھی مہربانی کرتا ہے کیونکہ اُن بندوں پر خدا رحم کرتا ہے جو ماسوی اللہ کو چھوڑکر صرف خدا کا حق عبودیت ادا کرتے ہیں اور جان ومال کی پرواہ نہیں کرتے۔

مقصود بیان:۔ محبت خدا ورسول اور ثبات اسلامی کی ترغیب، حیات ابدی حاصل کرنے کیلئے بدل وجان کوشش کرنے کیطرف اشارہ، دنیا اور موجوداتِ دنیا یہانتک کہ اپنی جان کو بھی رضاء مولا میں قربان کردینے کی صراحت، اس امر کی وضاحت کہ جو خدا کا ہوجاتا ہے اور حق عبودیت ادا کرتا ہے خدا بھی اُسپر مہربانی کرتاہے یعنی رافت ورحمتِ الٰہی کا سبب جذب طاعت وعبودیت ہے وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً

مسلمانو اسلام میں پورے پورے آجاؤ

وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ

اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا

کھلا ہوا دشمن ہے پھر اگر کھلی کھلی نشانیاں آچکنے کے بعد بھی تم نے

جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞

لغزش کی تو جانے رہو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ بعض لوگ مرضیات الٰہی کے طالب اور پختہ مؤمن ہیں اور بعض لوگ بظاہر مؤمن اور باطن میں منافق ہیں اس آیت میں مؤمنین اہل کتاب کو

(بروایت ابن عباسؓ) تنبیہ فرمائی اور حکم دیا کہ رسول اللہؐ کے تمام احکام و شرائع کا اتباع ظاہر و باطن ہر صورت میں کرنا چاہیئے تاکہ عمل میں کوئی نفاق کا شبہہ بھی باقی نہ رہے۔ حضرت عکرمہ سے ابن کثیرؒ نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن یامین، اسد بن کعب، اسید بن کعب، سعید بن عمر، قیس بن زید وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ لوگ پہلے یہودی تھے جب مسلمان ہو گئے تو ان میں سے بعض کو خیال پیدا ہوا کہ اگر حالتِ اسلام میں ہم سنیچر کی عظمت چھوڑ دینگے تو خوف ہے کہ کہیں ویسا عذاب نہ نازل ہو جائے جو حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں نازل ہوا تھا۔ اسی طرح توریت پر عمل نہ کرنے سے بھی انکو عذاب الٰہی کا خوف ہوا اسلئے حضور والا سے ایک روز عرض کیا یا رسول اللہ ہم پہلے ہفتہ کے دن کی عظمت کیا کرتے تھے اب بھی ہم کو اُسکی تعظیم کرنے کی اجازت دیدیجے۔ اسکے علاوہ ہمارے لئے یہ بھی مُباح فرما دیجے کہ ہم رات کی عبادت میں تورات کی تلاوت کیا کریں۔ اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

سِلْم سے مراد ابن عباس، طاؤس، ضحاک، عکرمہ، قتادہ سدی اور بعض دیگر علماء کے نزدیک اسلام ہے لیکن بعض مفسرین نے فرماں برداری اور اطاعت کے معنی بھی لئے ہیں۔

کَآفَّۃً کے معنی ابن عباسؓ نے سب لوگ لکھے ہیں اور مجاہد کے نزدیک کَآفَّۃً سے مراد تمام اعمال و افعال ہیں۔

بہر حال آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام و مسائل کو ماننا لازم ہے۔ اوامر پر عمل اور نواہی سے امتناع ضروری ہے۔ ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ جن احکام کو دل چاہا مانا نہ دل چاہا نہ مانا۔ گذشتہ شریعتوں کے احکام اسلامی احکام کے مقابلہ میں واجب العمل بلکہ جائز بھی نہیں رہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ تم کو ہرگز احکام الٰہی میں تفریق نہ کرنی چاہیئے۔ اسلام کے کُل سہام یعنی نماز روزہ حج زکوٰۃ جہاد امر بالخیر نہی عن الشر وغیرہ پر نہایت کوشش کے ساتھ کاربند رہنا چاہیئے۔ گذشتہ شریعت کے احکام کی طرف اسلامی احکام کے مقابلہ میں میلان نہ چاہیئے کیونکہ یہ شیطان کی پیروی ہے اور شیطان مومنوں کا کھلا ہوا دشمن ہے مگر اس کی دشمنی دیکھنے کے لئے ایمان کی آنکھیں اور دماغ کی روشنی چاہیئے۔ **فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ** اب اگر آیات عقلیہ معجزات نبویہ اور آثار نصرت دیکھنے کے بعد بھی تم نے لغزش کی حقانیت اسلام کے ثبوت کے بعد بھی احکام اسلامی سے تم نے عدول کیا تو تم سے انتقام لیا جائیگا اور افعال کی سزا دی جائیگی اور تم کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ہم دنیا میں موجود ہیں ہم کو کس طرح سزا دی جا سکتی ہے

کیونکہ **وَاللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ** خدا تعالیٰ سزا دینے پر بڑی قوت رکھتا ہے۔ سب پر غالب ہے کوئی بھاگنے والا اُس سے بھاگ نہیں سکتا اور کوئی زبردست طاقت والا اُس پر غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر عذاب میں دیر ہو جائے تو اس سے دلیر مت ہو جاؤ اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے خدا تعالیٰ حکیم ہے حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

مقصود بیان:۔ تمام اسلامی احکام پر کاربند رہنے کی ہدایت، کتب سابقہ کے احکام پر اسلامی احکام کے مقابلہ میں عمل پیرا ہونیکی ممانعت، عداوتِ شیطان کی صراحت، باوجود علم کے عمل نہ کرنے پر سخت وعید، قدرتِ الٰہی کے غیر متناہی اور لامحدود ہونے کی طرف ایماء، اہل بصیرت کے واسطے کامل نصیحت، رضا بقضا کی تعلیم، تقدیری امور پر اظہار اطمینان، سکون و اسلام اطاعت و انقیاد اور قدرتِ الٰہی کے سامنے رشتہ درگردن ہونے کا حکم، کائنات سے روگردانی، اسباب کی طرف سے بے التفاتی اور تمام رنج و راحت غم و خوشی دُکھ اور سکھ میں ثابت القلب اور مومن باللہ رہنے کا امر وغیرہ۔

شیخ ابو عثمان کا قول ہے کہ آیت فان زللتم من بعد ما جاءتکم البینات الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس نے حق تعالیٰ کو بصفت الوہیت پہچان لیا اور یقین کر لیا کہ وہی الٰہ برحق اور معبود مطلق ہے اُسکے سوا کوئی قابل پرستش نہیں وہی تمام صفات کمال کا جامع ہے لیکن اس جاننے کے باوجود اگر اس شخص نے مدارج قرب کو چھوڑ کر مادی اور نفسانی مراتب کی طرف رجوع کیا تو اس نے شرک کیا اور اس کا یہی عذاب ہے کہ خدا تعالیٰ اسکو اپنے قرب اور مشاہدہ سے محروم کر دے اور اپنے اسرار کا حامل نہ بنائے اگرچہ عبادت میں یہ شخص اپنے آپ کو فنا کر دے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ

کیا وہ اسکے منتظر ہیں کہ ابر کے سائبانوں میں اللہ اور فرشتے

الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ

اُن کے پاس آجائیں اور کام ہی تمام کر دیا جائے اور اللہ ہی کی طرف

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞ سَلْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ

تمام امور لوٹائے جائینگے (اے محمدؐ) بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھو کہ ہمنے اُنکو کس قدر

اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

واضح نشانیاں دیں اور جو شخص اللہ کی نعمت مل چکنے کے بعد اُسکو بدل ڈالے تو یقیناً اللہ کا عذاب سخت ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں وعید و عذاب کا تذکرہ کیا گیا تھا اور احکام اسلامی سے انحراف کرنے پر سزا کی وعید تھی۔ اس آیت میں احکام اسلامی سے

سرتابی کرنیوالوں کے لئے وحشت انگیز وعید ہے خصوصیت کے ساتھ ویسرکش متمرد یہود جنہوں نے اپنی نخوت سے موسیٰ کے زمانہ میں ہی قبول توریت اور احکام توحید سے اعراض و انحراف کیا تھا اُنکی طرف خصوصی اشارہ ہے ارشاد ہوتا ہے کہ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ جولوگ اسلام میں داخل ہونے سے انکار کرتے ہیں وہ لوگ تو صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا تعالیٰ خود اپنے فرشتوں کو لیکر بادلوں میں آجائے اور اسلامی احکام کی خود تبلیغ کرے تب شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں۔ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۔ حالانکہ جو فیصلہ ہونا تھا ہو چکا تھا حقانیت اسلام کے دلائل پیش کئے جا چکے براہین فطری اور معجزات نبوی بھی ظاہر کردیئے گئے اب یہ یقینی امر ہے کہ ماننے والے کو ثواب نہ ماننے والے کو عذاب ہوگا اور سب کے سب خدا کے پاس جائینگے وہی ان کے حساب کتاب اور ثواب عقاب کا مالک ہے۔ سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُم مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۔ یعنی جو ازلی شقی ہیں وہ ہرگز ایمان نہیں لا سکتے دیکھو ہم نے بنی اسرائیل کے سامنے کس قدر دلائل واضحہ بیان کئے شلاً دریائے نیل کو اُن کے لئے خشک کیا مصر پر ان کو فتح دی۔ خدا کی آواز سننی چاہی تو اُن کو آواز سنائی۔ من وسلویٰ کو اُن کے لئے نازل کیا لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ نعمتوں کے شکر کی بجائے کفران کیا۔ وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص خداداد نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے دلائل واضحہ اور ثبوت فطری کے باوجود کفر کرتا ہے تو خدا اُسکو عذاب دیتا ہے اور معمولی عذاب نہیں بلکہ بہت سخت عذاب کیونکہ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ خدا تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

مقصود بیان:۔ شان باری تعالیٰ میں گستاخی کرنے پر سخت وعید اس بات کی طرف اشارہ کہ ثبوت حقانیت اسلام کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ خود آکر بادلوں کے پردہ میں بولے بلکہ کسی چیز کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے عقلی دلائل اور فطری ثبوت کافی ہے عقلی دلائل اور فطری ثبوت کو نہ ماننے والے ازلی شقی ہیں نور عقل و معرفت سے بے بہرہ ہیں اسلئے مستوجب عذاب ہیں۔ اسلامی اصول و احکام کے موافق عقل ہونے کیطرف لطیف ایما کیا گیا ہے اور اس امر کو واضح کردیا گیا کہ دین الٰہی فطری ہوتا ہے لیکن کو عقل والوں کو نہیں سوجھتا۔

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ

کافروں کے لئے دنیوی زندگانی (چونکہ) آراستہ کیگئی ہے (اسلئے یہ مسلمانوں

مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ

سے مستخر کرتے ہیں حالانکہ جو لوگ پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن ان سے

يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

اونچے درجہ پر ہونگے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

تفسیر

اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایات ہیں:۔ (۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ شلاً ابوجہل وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی جو مال ودولت پر نازاں تھے اور اس متاع فانی پر اتراکر فقراء اہل ایمان شلاً عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، صہیب بلال اور خباب وغیرہ پر ہنستے تھے۔ سیوطی نے اسی کو اختیار کیا ہے گویا یہ آیت واقعہ بدر سے پہلے نازل ہوئی ہے کیونکہ بدر میں ابوجہل کا انتقال ہوگیا تھا۔ (۲) قتادہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی وغیرہ کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا یہ منافق طبقہ دنیوی عیش وعشرت کے نشہ میں سر گراں ہوکر مفلس مہاجرین سے مذاق کرتے تھے اور کہتے تھے دیکھو محمد انہی کے ساتھ غالب ہونے کا گمان رکھتے ہیں۔ (۳) عطاء کا قول ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی سرداران کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی جو فقراء مہاجرین سے استہزاء کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ بغیر لڑائی کے تم کو ان یہودیوں کا مال عطا کیا جائیگا۔ (معالم التنزیل)

بہر حال آیت سے عام کفار مراد ہیں جو دنیوی ثروت وجاہ اور مال ومنال میں سرمست ہوکر مفلس مسلمانوں کو ستاتے اور اُن پر آوازے کستے ہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ توحید الٰہی رسالت محمدی قرآن اور سزا جزا وغیرہ کے منکر ہیں صرف اسی فانی زندگی کے عیش وآرام پر اپنی نظر کو مقصور رکھتے ہیں اپنے مال کو مصارف دینی میں خرچ نہیں کرتے بلکہ وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا مسلمانوں پر آوازے کستے ہیں اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں ایسے لوگوں کی دنیوی زندگی بظاہر آراستہ پیراستہ کردی گئی ہے لیکن زوال پذیر اور قریب الانقطاع ہے اس لئے اسکو باطنی زینت حاصل نہیں ہے صرف آزمائش وامتحان ہے وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ باطنی آراستگی کے مالک مسلمان ہیں قیامت کے دن مؤمنوں کے درجات بہت بڑھ چڑھ کر ہونگے اور کفار نہایت ذلت وپستی میں ہونگے۔ مسلمان دنیا میں اتقاء نفس سے گذارا کرتے ہیں لہو ولعب عیش طرب اُن کے لئے جاذب توجہ اور دلکشی کا سامان مہیا نہیں کرسکتا یہ لوگ دنیوی جائز مال سے اگرچہ پرہیز نہیں کرتے مگر محبت مال سے ضرور سبکدوش ہوتے ہیں۔ ان کی اصلی غرض شرک وکفر سے اجتناب کرنا ہے۔ کفار کو اپنے مال ودولت پر نازاں نہ ہونا چاہئے کیونکہ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔ خدا جسکو چاہتا ہے بے حساب نعمت عطا فرماتا ہے۔ دین میں تو مسلمانوں کے لئے لازوال نعمتیں مخصوص ہی ہیں لیکن

ممکن ہے کہ کافروں کا یہ سب مال مؤمنوں کی ملک میں آجائے مال دنیا تو خدا کے اختیار میں ہے جسکو چاہتاہے دیتا ہے۔

مقصود بیان:۔ دنیا کے فانی اور زائل ہونے کی طرف اشارہ اموال دنیوی اور جاہ و دولت واقعی ظاہری آراستگی اور شیطانی گمراہی کے اسباب ہیں اسکی طرف لطیف تلمیح، مسلمانوں کو تسکین و تشفی، دنیوی کامیابی اور فلاح آخرت کا وعدہ، اس امر کی صراحت کہ تمام اسباب مسبب مطلق کے ہاتھ ہیں جدھر چاہتاہے اسباب راحت کو پھیر دیتا ہے، کسی کو نادار مفلس اور فقیر جان کر مذاق کرنے کی ممانعت، اتقاءِ نفس کی فضیلت دنیا کی ناپائیداری کی تصویر وغیرہ۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً تف فَبَعَثَ اللّٰهُ

لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے — پھر اللہ نے انبیاء

النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ

کو بھیجا — خوشخبری دینے والے اور ڈرانیوالے بنا کر اور انکے ساتھ

مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا

سچی کتاب بھیجی — تاکہ جس بات میں لوگ اختلاف کریں اسمیں خدا تعالی

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ

فیصلہ کر دے — اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہی لوگ اپنے پاس

اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا

کھلے کھلے احکام آنے کے بعد آپس کی ضد سے اس میں اختلاف کرنے

بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا

لگے — تو اللہ نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو وہ راہِ حق دکھادی جسمیں

فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ

ان لوگوں نے اختلاف کر رکھا تھا — اور اللہ جسے چاہتاہے۔

يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

سیدھا راستہ دکھاتا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ دنیوی مال و متاع کو باعث فخر خیال کرنا اور موجب ہدایت جاننا غلطی ہی ہدایت اس مال پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہدایت کے تو اسباب ہی اور ہیں۔ یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ دنیوی رزق و روزی میں کافر و مؤمن ہونے کو کچھ دخل نہیں دنیا کی افزودگی سے یہ سمجھ لینا کہ ہم خدا کے منظور نظر ہیں بالکل غلط ہے کیونکہ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ابتدائے فطرت میں تو سب لوگ فطری طور پر ایک ہی خیال کے آدمی تھے خدا کی وحدانیت کے قائل تھے ہوا و ہوس اور دنیوی لذائذ کو ہیچ سمجھتے تھے لیکن نسل انسانی زائد ہوئی تو لوگوں نے باہم تفرقہ شروع کر دیا حقیقی نور کم ہوتا گیا۔ لوگ طبیعت و ہوس کے بندے ہو کر ٹیڑھے راستوں پر چلنے لگے اوہام پرستی شہوت رانی اور تعصب و جہالت نے ان کی عقل کو کمزور کر دیا کوئی کسی طرف جانے لگا کوئی کسی طرف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ تو خدا نے اپنے اسرارِ معرفت کے واقف کار لوگ بھیجے جو احکام الٰہی کو لوگوں تک پہونچا سکیں اور لوگوں کی تمام کجراہیوں کو دور کر کے عدالت کا ایک سیدھا راستہ قائم کر دیں۔ سیدھے راستہ پر چلنے والوں کو خوشنودی خدا اور دائمی نجات کی خوشخبریاں دیدیں اور خلاف ورزی کرنیوالوں کو عذاب سرمدی اور قہر الٰہی سے ڈرائیں وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اور خدا نے اپنا قانونِ عدالت بھی اُن کو عطا فرمایا جو بالکل ٹھیک اور صحیح تھا نہ افراط کی جانب مائل تھا نہ تفریط کی طرف۔ بعض انبیاء کو مستقل کتاب دی بعض کو صحیفے دیئے اور بعض کو گذشتہ شریعت کی تجدید کا حکم دیا۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ تاکہ ہر نبی لوگوں کے اختلافی مسائل میں کتاب آسمانی کے موافق فیصلہ کر دیا کرے اور تمام لوگ راہِ راست پر آجائیں۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ لیکن جن پر نفسانیت اور گمراہی غالب تھی وہ کھلی کھلی آیات و دلائل دیکھنے کے باوجود صرف سرکشی اور مادی قوی کے حد اعتدال سے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے مخالف رہنے اور کتاب الٰہی کے احکام و عبارت میں باہم اختلاف کرنا شروع کر دیا عبارتیں بدل ڈالیں معنی میں غلطیاں اور رکیک تاویلیں کیں سیدھے سادے حکم کو توڑ مروڑ کر کے اپنے مطلب کے موافق بنانے کی کوشش کی۔ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ لیکن خدا نے اپنے فضل و عنایت سے اختلافی امور میں ایمانداروں کو سیدھا راستہ بتا دیا اور جو واقعی حق تھا اس کا انکشاف اُن پر کر دیا کیونکہ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ خدا تعالی مختار ہے جسکو چاہتاہے اعتدال کا راستہ بتاتا ہے افراط و تفریط سے منع کرتا اور روکتا ہے اور جسکو چاہتاہے گمراہی اور کجروی میں ہی چھوڑ دیتا ہے کوئی اُس سے بازپرس کرنے والا نہیں۔

مقصود بیان:۔ تمام عالم میں شروع میں توحید کامل تھی لیکن

انسانوں نے اپنے ہوا وہوس اور شہوت وغضب کے ماتحت کجراہی اختیار کی ۔ انسانی عقل راہ راست اور قانون عدالت تلاش کرنے سے قاصر ہے ۔ ہر شخص کی رائے اور عقل جدا ہے ۔ خالص عقل کا جذبات نفس سے امتیاز ناممکن ہے اسلئے کچھ واقف اسرار بندوں کو خدا نے بھیجا جنکے دو رخ تھے ایک روشن روحانی دوسرا تاریک مادی ۔ روحانی روشن رخ میں چونکہ فیض قدسی کے قبول کرنے کی قابلیت تھی اسلئے اُسی سمت سے اُن کو قانونِ عدل ملا ۔ انہوں نے اس قانونِ عدل کے موافق تاریک سمت والوں کے اختلاف مٹانے کی کوشش کی ۔ اختلاف عموماً اور دینی تفرقہ خصوصاً بُری بلا ہے ۔ دنیا میں گمراہی اسی اختلاف وعناد کی وجہ سے پھیلی ۔ خدا نے ہر زمانہ میں اس تفرقہ حق وباطل کے دفع کرنے کے لیے انبیاء وکتب بھیجے ۔ ہادی برحق خدا ہے نہ نبی کسی کو موحد بنا سکتا ہے نہ کتاب آسمانی ۔ جن لوگوں کی قسمت میں ہدایت و سعادت تھی وہ تفرقہ سے کنارہ کش ہوکر راہ راست پر آگئے اور جو فطرتی ہوا پرست اور کج منش تھے وہ بدستور گمراہ رہے ۔ وغیرہ ۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ

مسلمانو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ گذشتہ

مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم ۖ مَّسَّتْهُمُ

لوگوں کی سی حالت تمہیں پیش نہیں آئی ۔ اُنہیں سختی بھی

الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ

پہونچی اور تکلیفیں بھی اور اُن کو جھڑجھڑا دیا گیا یہاں تک کہ رسول

الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ

اور رسول کے ساتھ والے مومن (گھبرا کر) کہنے لگے کہ اللہ کی مدد

نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ

کب ہوگی (ہم نے کہا) سنو اللہ کی مدد قریب ہی ہے

تفسیر اس آیت میں مسلمانوں کو صبر وتوکل ثابت قدمی تحمل مصائب جسمانی ومالی تکالیف اٹھانے کی ترغیب اور دنیوی ناکامی سے بے دل نہ ہونے کی ہدایت ، طلب مولا امر حق اور استحقاق آخرت کا حکم دیا جاتا ہے ۔ اس کے شان نزول دو بیان کیے گئے ہیں سدی وقتادہ کے نزدیک تو یہ آیت غزوۂ خندق کے متعلق نازل ہوئی جب کہ مسلمانوں کو مشقت وتکلیف دشمنوں کا خوف موسمی سردی تنگدستی اور اسباب معیشت کی تنگی چاروں طرف سے گھیرے ہوئی تھی اور مسلمان ہر قسم کی اذیت میں مبتلا تھے ۔

شیخ ابن کثیر اور علامہ سیوطی کا مختار یہ ہے کہ جنگ احد کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ رسول پاک مع صحابہ کے جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ کو تشریف لائے اور کل مال و اسباب مکہ میں ہی رہ گیا جس پر کافروں نے قبضہ کرلیا تو ان کو بڑی دشواری اور تکلیف کا مقابلہ کرنا پڑا پھر یہاں پہونچکر تنگدستی اور افلاس میں بھی اطمینان نصیب نہ ہوا مدینہ کے یہود مخالف تھے اور ہر وقت نقصان پہونچانے کے کوشاں تھے کچھ منافق تھے بظاہر دوست اور دل میں سخت ترین دشمن ۔ پھر مکہ کے کفار کے حملوں کا خوف بھی قبائل عرب الگ برسر پیکار نظر آتے تھے اُسوقت مسلمانوں کو تسکین واطمینان دلانے کے لیے آیت مذکورہ نازل ہوئی ۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ طلب حق اور استحقاق آخرت بغیر تکلیف برداشت کیے ناممکن ہے تم ویسے ہی ثواب آخرت اور نجات ابدی حاصل کرنی چاہتے ہو صرف ایمان لانا ہی ابدی زندگی حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ تم کو ہر قسم کی مصیبت برداشت کرنی چاہیے ۔ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم ابھی تو تم پر وہ مصائب وشدائد نہیں آئے جو گذشتہ انبیاء اور اُن کے فرماں برداروں پر آچکے ہیں وہ آروں سے چیرے گئے آگ میں جلائے گئے اُن کے گھر بار لوٹ لیے گئے ۔ مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ ۔ فقر وفاقہ افلاس و ناداری اور اُس پر جسمانی تکالیف میں وہ لوگ مبتلا ہوئے مگر راہ حق پر ثابت قدم رہے ۔ وَزُلْزِلُوا بلکہ اُن پر یہاں تک مصیبت پڑی کہ بُرا حال ہوگیا مصیبتوں نے اُن کے دل کو ہلا دیا ۔ بدنی قوتوں میں لرزہ پیدا کیا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ اور وہ ایسے بے قرار ہوئے کہ باوجودیکہ انبیاء کو اور اُنکے ہمراہی مسلمانوں کو امدادِ الٰہی کا یقین تھا لیکن اضطراری حالت میں پکار اٹھے کہ خدا کی مدد کب آئیگی اور کب ہماری ان تکلیفوں کا خاتمہ ہوگا ۔ بالآخر غیب سے اُن کو بشارت ہوئی أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ اور اُن سے کہدیا گیا کہ یقین رکھو اور متنبہ ہوجاؤ کہ مددِ الٰہی اور ظفر وکامرانی عنقریب آئیگی اور ان تمام مصائب کا خاتمہ ہوجائیگا ۔

مقصود بیان :۔ مسلمانوں کو تسکین وتشفی ، جہاد کرنے اور ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے کی ہدایت ، صبر وتحمل توکل وثبات کوشش وجان بازی کی ترغیب ۔ اس امر کی صراحت کہ بغیر تکالیف برداشت کیے اور بلا تحمل مصائب کے عیش وراحت مل نہیں سکتی یہ بھی ایک امر واضح ہوتا ہے کہ مددِ الٰہی بھی اُسی شخص کے شامل حال ہوتی ہے جو اپنی مدد خود کرتا ہے ۔ آیت سے اس بات پر بھی ایک

ضمنی استدلال ہو سکتا ہے کہ دنیا کے کل مصائب جسمانی و مالی تکالیف سب خداوند تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہیں جو مسلمانوں کا استقلال و تحمل آزمانے کے لئے کئے جاتے ہیں وغیرہ۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ

(اے محمد) وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تم اُن سے کہدو کہ جو کچھ

خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَ

مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کو رشتہ داروں کو یتیموں کو

الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ

محتاجوں کو اور مسافروں کو دو اور تم جو کچھ نیکی

خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○

کروگے اللہ اُس کو خوب جانتا ہے

تفسیر عمرو بن جموح نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم کیا چیز (کار خیر میں) صرف کریں اور کس کو دیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ گویا سوال کے دو حصے تھے ایک یہ کہ کونسی چیز صرف کریں اونٹ گائے بکری روپیہ پیسہ غلہ کپڑا۔ دوسرا حصہ یہ تھا کہ کس مصرف و محل میں خرچ کریں۔ خدا تعالیٰ نے دونوں سوالوں کا جواب آیت میں دیدیا پہلے حصہ کا ضمنی اور دوسرے کا صریحی۔

مطلب یہ ہے کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا چیز صرف کریں؟ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ تم اُن سے کہدو کہ جو فائدہ کی چیز تم صرف کرو کپڑا ہو یا غلہ یا جانور یا روپیہ پیسہ وغیرہ بہر حال جو مفید چیز ہو اور اسکو تم راہ خدا میں خرچ کرنا چاہو۔ یہ سوال کے پہلے حصہ کا ضمنی جواب ہو گیا۔ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ تو اپنے نفس و اولاد کے ضروری مصارف کے بعد والدین کو قرابتداروں کو اور اُن یتیم بچوں کو جو نابالغ ہوں اور سر سے شفقت پدری کا سایہ اٹھ گیا ہو پھر اُن مسکینوں کو دو جو محتاج ہوں یا اُن کو بقدر کفایت نہ ملتا ہو پھر اُن مسافروں کو جو راہ میں خرچ ختم ہوجانے کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہوں اگرچہ گھر پر دولتمند ہوں۔ یہ سوال کے دوسرے حصہ کا صریحی جواب ہے۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ خلاصہ یہ کہ جو کچھ تم نیکی کروگے حلال مال راہ خدا میں صرف کروگے خدا اُس سے بخوبی واقف ہے تمہارا دیا ہوا ضائع نہ جائیگا جزا یقینی ملیگی۔

ہدایت خاص :۔ یہ حکم نفل صدقات کا ہے یہاں سے یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ زکوٰۃ تو ماں باپ کو دینی جائز نہیں ہے پھر کس طرح والدین کو دیں۔ مطلب یہ ہے کہ خیرات کے یہ مصارف ہیں زکوٰۃ کے مصارف دوسری جگہ بیان کئے گئے ہیں۔

دو امر اور بھی آیت سے معلوم ہو گئے۔ اول یہ کہ صدقات و خیرات میں زیادہ جاذب توجہ چیز قابل صرف و محل کا لحاظ ہے اگر مصرف کی موزونیت کا لحاظ نہ کیا جائے تو خیرات ضائع یا قلیل الاجر ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ کیا چیز دینی چاہئے۔ اس کا تعین تو انسان کی ہمت و وسعت پر موقوف ہے اور اس امر پر اس کا دار و مدار ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت کتنی ہے انسان میں جتنی وسعت ہو اور جتنی خدا سے محبت ہو اُتنا دینا چاہئے۔ ہاں مذکورہ مصارف میں صرف کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

مقصود بیان :۔ خیرات و صدقات کی ترغیب۔ مستحقین کے حقوق کی ترتیب۔ مذکورہ مصارف کے علاوہ بھی ہر نفقۂ خیر کی اجازت اور ثواب کی صراحت۔ اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ درحقیقت قابل دریافت یہ بات ہے کہ کہاں صرف کیا جائے۔ خیرات کس کو دی جائے۔ یہ بات قابل سوال نہیں کہ کیا چیز صرف کیجائے کیونکہ یہ بات تو نہایت واضح ہے۔ وغیرہ۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى

تم پر جہاد فرض کیا گیا اگرچہ وہ تم پر شاق ہے لیکن ممکن ہے کہ تم کو

اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ

ایک چیز شاق معلوم ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ

تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

کہ ایک چیز کو تم دل سے پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بُری ہو (اسکو) اللہ

لَا تَعْلَمُوْنَ ○

جانتا ہے تم ناواقف ہو

تفسیر گذشتہ آیت میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا تھا اس آیت میں جان قربان کرنے کا حکم ہوتا ہے کیونکہ قوم و ملت کا بقاء بغیر جان و مال کی قربانی کے ناممکن ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے تو جنگ مدافعانہ کی بھی اجازت نہ تھی بلکہ صبر و برداشت کا حکم تھا پھر مدینہ میں تشریف لائے تو دشمنوں کی مدافعت کی اجازت ملگئی اور اجازت ہوگئی کہ جو شخص تم سے لڑے تم بھی لڑو جو شخص تم کو مارے تم بھی مارو لیکن یہ جنگ صرف دفاعی تھی اور اسکی اجازت صرف کفار کی دراز دستیاں روکنے کے لئے دی گئی تھی۔

اس حکم دفاعی کے باوجود جب کفار اپنی چیرہ دستیوں اور ظلم تعدیوں سے باز نہ آتے تو اب جہاد کا حکم دیا جاتا ہے اور مدافعت کفار فرض کیجاتی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ تم پر دشمنوں سے لڑنا اور انکی مدافعت کرنا واجب کردیا گیا ہے۔ اگرچہ جہاد کا حکم تم کو ناگوار ہوگا کیونکہ اپنا سر ہتیلی پر رکھنا اعداء دین کو قتل کرنا اگرچہ وہ قرابتدار اور شناسا ہوں بہت سخت کام ہے گھر میں بیٹھنا اہل وعیال کے ساتھ معاشرت رکھنی امن چین اور راحت وآرام سے رہنا اگرچہ ہر شخص کو طبعی طور پر مرغوب ہوتا ہے اور اسکے مقابلہ میں جفاکشی تحمل مصائب جان ومال کی قربانی شاق ہوتی ہے لیکن وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ ہوسکتا ہے بلکہ ہوتا ہے کہ بعض چیزیں انسان کی طبیعت کو شاق گذرتی ہیں اور واقع میں وہ اسکے لئے مفید ہوتی ہیں کون شخص چاہتا ہے کہ اہل وعیال وطن وقوم عزیز واقربا دولت ومال عیش وآرام کو چھوڑ کر خانہ بدوش ہوکر دھوپ اور ریگستان میں سفر کرے جان کو ہتیلی پر رکھکر دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ آسائش چھوڑ کر جفاکشی اور راحت چھوڑ کر مالی وبدنی مصائب برداشت کرے لیکن اس جفاکشی اور تحمل مصائب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے قوم وملک کی آزادی شیرازۂ ملت کی بندش توحید الٰہی کا اعلان مال ودولت اور عزت وجاہ کا حصول عزت وحریت کا بقاء دشمنوں پر غلبہ اور خصوصًا ثواب اخروی اور مرضی الٰہی کی تحصیل۔ لہذا چونکہ ایثار وجاں بازی کے نتائج عمدہ ہیں اسلئے ان نتائج کا سبب بھی قابل عمل ہے۔ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ اور یہ بھی ہوسکتا ہے بلکہ ہوتا ہے کہ بعض چیزیں انسان کو فطرتًا مرغوب ہوتی ہیں ہر شخص کا میلان طبع ان کی جانب ہوتا ہے لیکن واقع میں وہ ضرر رساں اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔ ہر شخص فطری طور پر چاہتا ہے کہ بیوی بچوں کے ساتھ نہایت امن چین کے ساتھ رہے نہ سفر کی تکلیف نہ مال کی بربادی نہ تکدر خاطر نہ دشمنوں کے مقابلہ میں جان کا خطرہ نہ دھوپ ولو کی برداشت کرنے کی ضرورت لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے قوم وملت کی غلامی شیرازۂ ملک کا انتشار۔ شرک وکفر فتنہ وفساد ظلم وجور کی اشاعت۔ ذلت وغلامی۔ دشمنوں کا غلبہ ادبار ونکبت کا حصول عزت وجاہ کی تباہی اور بالآخر عذاب الٰہی اور غضب خداوندی کا نزول۔ لہذا چونکہ بزدلی جبن اور آرام طلبی کے نتائج برے ہیں اسلئے ان نتائج کے اسباب بھی واجب الترک ہیں لیکن وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝ یہ تمام مصالح واسباب ومسببات کی ترتیب حکم جہاد کی حکمت اور مدافعت اعداء کا فائدہ خدا ہی جانتا ہے انسان کو اس کا صحیح علم نہیں اسلئے مفید کو مضر اور مضر کو مفید سمجھنے لگتا ہے۔

مقصود بیان: ۔ قومی وطنی اور ملی شیرازہ بندی کا حکم جفاکشی مالی ایثار اور جانی قربانی کی ہدایت۔ اس بات کا پرزور اعلان کہ فتنہ وفساد اور ظلم وشرک کی بیخ کنی ہر مسلمان کا فرض ہے تاکہ خدا کا بول بالا ہو قوم وملک دشمنوں کے پنجہ سے آزاد رہے مسلمانوں کو عزت اور غلبہ حاصل ہو۔ آیت میں بزدلی آرام طلبی اور کاہلی کی ضمنی ممانعت ہے۔ مصائب کے تحمل اور تکالیف کی برداشت کرنے کی ہدایت ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہوا وہوس اور مادی قوتوں کا اقتضاء پورا کرنے سے بالآخر انفرادی تباہی قومی بربادی ملی ووطنی غلامی اور جمہوری وشخصی ذلت اور افلاس ونکبت کا حصول لازمی ہے وغیرہ۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ

(اے محمدؐ) تم سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں

قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ

تم کہدو کہ اسمیں لڑنا بڑا گناہ ہے　مگر اللہ کی راہ سے روکنا

اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ

اور اسکو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور اسکے رہنے والوں کو وہاں سے

اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ

نکالدینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فساد تو قتل سے بھی زیادہ

الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ

سخت ہے　اور وہ تم سے برابر لڑتے رہینگے یہانتک کہ اگر انکا بس چلے تو

عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ

تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں　اور تم میں سے جو شخص اپنے دین

مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ

سے مرتد ہوجائیگا　اور کفر کی حالت میں ہی مرجائیگا تو ایسے لوگوں کے

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَ

دنیا ودین میں اعمال اکارت جائیں گے　اور

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝

یہی لوگ دوزخی ہیں　جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے صحابہ کا کچھ تھوڑا سا فوجی دستہ حضرت عبداللہ بن جحش کی زیر کمانڈ بطن نخلہ کیطرف روانہ کیا۔ راستہ میں قریش کے ایک قافلہ سے جو طائف سے آرہا تھا ان کا مقابلہ ہوگیا۔ لڑائی میں مسلمانوں نے عمر حضرمی کو مار ڈالا لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ ماہ رجب کا چاند دیکھا گیا اور صحابہ اسکو جمادی الثانی کی ۳۰ تاریخ سمجھے تھے۔ غرض اسپر کفار نے طعن شروع کیا کہ دیکھو محمد قابلِ احترام مہینوں میں لڑائی کرنے کی اپنے ساتھیوں کو اجازت دیتے ہیں اور ماہِ حرام کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ مسلمانوں نے حضور اقدس ﷺ سے ان چاروں محترم مہینوں میں جہاد کرنے کا حکم دریافت کیا اسپر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ لوگ آپ سے ماہہائے حرام میں لڑنے اور جہاد کرنے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہ کیا ان مہینوں میں جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ۔ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ اگرچہ ان مہینوں میں لڑائی کرنی بُری بات ہے وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لیکن راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا ایسی تدبیریں کرنی کہ لوگ اسلام نہ لائیں اور تبلیغ ایمان نہ کرسکیں وَكُفْرٌۢ بِهٖ اور دین الٰہی کا انکار کرنا خدا اور رسول یا اسلام کے اصولی احکام کو نہ ماننا وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور کعبہ کے حج یا عمرہ سے یا اس میں اور عبادت وغیرہ سے خدا کے پاک بندوں کو روکنا۔ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اور جو لوگ کعبہ کے واقعی مستحق ہیں اور وہاں کے رہنے والے ہیں اُن کو نکال کر شہر بدر کردینا جیسا کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے نزدیک ماہ حرام میں قتال کرنے سے زیادہ سخت ہیں مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے اگر بھول کر یا دھوکہ سے ماہ حرام میں قتال کیا تو تم نے طعنے دینے شروع کر دیئے۔ ماہ حرام میں قتال کرنا بالفرض اگر گناہ بھی ہو تب بھی یہ گناہ اس سے زیادہ سخت ہے کہ لوگوں کو راہ خدا سے روکو مسجد الحرام سے روکو حج و عمرہ اور نماز طواف وغیرہ نہ ادا کرنے دو۔ دین الٰہی کا انکار کرو اور جو لوگ مسجد الحرام میں عبادت کرنے کے مستحق ہیں اُن کو مکہ سے نکال دو کہ مجبور ہو کر وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں گویا کافروں اور مسلمانوں کے فعل میں دو طرح سے فرق ہے اول تو یہ کہ لشکر اسلام کا یہ فعل عمداً نہ تھا صرف اشتباہِ تاریخ کی وجہ سے ایسا ہوگیا تھا اور کفار کے مذکورہ بالا تمام افعال قصداً اور بالارادہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ ماہ حرام میں قتال کرنا بہت خفیف بات ہے اور مذکورہ بالا امور نہایت سخت ہیں لہٰذا جو شخص شدید معاصی کا مرتکب ہو وہ کیونکر ایسے شخص کو طعن کرسکتا ہے جو نادانستہ کوئی خفیف ترین حرکت کر بیٹھا ہو۔ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ اور شرک کرنا ملک میں فتنہ و فساد مچانا اور مؤمنوں کو ستانا تو ماہ حرام میں جنگ کرنے سے بہت زیادہ سخت چیز ہے۔ یہ مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ جب کفار نے ان مہینوں کا احترام نہ کیا ان مہینوں میں تم کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں عمرہ نہ کرنے دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دین اسلام سے انحراف کیا تو اگر تم عوض لینے کے لئے اس مہینہ میں قتال کرو بھی تو کیا گناہ ہے۔ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا تم کو ہرگز یہ شبہہ نہ چاہیئے کہ ہم نے ماہ حرام میں کفار سے جنگ کی خدا جانے یہ کتنا بڑا جرم ہے کیونکہ یہ کفار تمہارے دین کے دشمن ہیں جبتک ان کا بس چلیگا تم کو دین اسلام سے پھیرنے کے لئے تم سے برابر لڑتے رہینگے لہٰذا تم بھی ان کو مارو اور اپنے دین پر قائم رہو کافروں کے فریب میں نہ آؤ۔ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ کیونکہ تم میں سے جو شخص بھی اپنے دین اسلام کو چھوڑ کر کفر کی حالت پر مریگا اور اسلام لانے کے بعد دوبارہ کافر ہوجائیگا اور اسی حالت کفر پر اس کا انتقال ہوجائیگا تو اُس کا گذشتہ کیا کرایا سب ملیامیٹ ہوجائیگا۔ دنیا میں بھی اُس کے اعمال کی پاداش یعنی فتح و نصرت وغیرہ اُسکو نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی اُسکی سزا جہنم ہوگی جہاں داخل ہونے کے بعد پھر کبھی چھٹکارا نہ ملیگا۔

مقصود بیان:۔ ماہ حرام میں جنگ دفاعی جائز ہے شرک و کفر فتنہ و فساد فرائضِ الٰہی یا واجباتِ شرعی کی ادائیگی سے بندش۔ ماہ حرام میں قتال کرنے سے بہت زیادہ بدتر ہے۔ معابد و مساجد سے کسی مسلمان کو ادائے فریضہ یا عبادتِ الٰہی یا کوئی اور عمل خیر کرنے سے نہ روکنا چاہیئے۔ تبلیغ اسلامی میں رکاوٹیں پیدا کرنی یا مسلمانوں کو کفر کی طرف مائل کرنا بدترین جرم ہے۔ مرتد کے وہ تمام نیک اعمال جو حالتِ ارتداد سے قبل اُس نے کئے برباد جاتے ہیں اُن کی جزا نہ ملیگی۔ مرتد نجاتِ اخروی سے ہمیشہ کے لئے اُسوقت محروم ہوسکتا ہے جبکہ کفر کی حالت پر مرا ہو (اگر مرتد ہونے کے بعد پھر مسلمان ہوگیا تو ایسے شخص کے قبول اسلام میں علماء کا اختلاف ہے) جہاد درحقیقت جنگ دفاعی یا اعلاءِ کلمۃ اللہ کرنے کے لئے لڑنے کا نام ہے نہ کہ زبردستی لوگوں کو پکڑ کر مسلمان بنانے کا۔ وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی

وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ

اور راہ خدا میں جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے

رَحْمَتَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
امیدوار ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب گذشتہ آیات میں عبداللہ بن جحش اور اُنکے ہمراہیوں کے متعلق صراحۃً بیان کر دیا گیا کہ یہ لوگ ملزم نہیں ہیں اور ان حضرات کو گناہگاری کی فکر نہ رہی تو اُس وقت ان کو ثواب کی امید ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ اب کیا ہم اس بات کی طمع رکھیں کہ یہ لڑائی ہمارے لئے ایک غزوہ ہوگی اور جہاد کرنے والوں کا ثواب ہم کو ملیگا اسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ عموماً مومنین اور خصوصاً وہ لوگ جنہوں نے راہِ خدا میں ترک وطن کیا تمام گناہوں کو چھوڑا۔ نیز وہ لوگ جنہوں نے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جانی و مالی قربانیاں کیں اور جہاد کیا یہی لوگ واقعی طور پر رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہیں اور ان کو رحمت کا امیدوار ہونا چاہئے کیونکہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے جو غلطی ان سے ہوگئی ہوگی وہ معاف فرمائیگا اور اپنی رحمت سے ان کو جزا عطا فرمائے گا۔

مقصود بیان: مومنوں کو عموماً اور اُن لوگوں کو خصوصاً ثواب کا امیدوار کرنا جنہوں نے رضاءِ مولا کے لئے گھر بار مال متاع اور تمام ناجائز خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کی۔ راہِ خدا میں تن من دھن نثار کر دیا اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی ہر امکانی کوشش کی۔ آیت میں نفسانی خواہشات کے ترک کرنے کی جانب ایماء ہے۔ اور جہاد مالی بدنی قلمی بلکہ حمایتِ اسلام کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے کی طرف ضمنی اشارہ ہے۔ وغیرہ۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ
(اے محمد) تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم کہدو
فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَ
کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ فائدے بھی ہیں مگر
اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ
ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے

تفسیر پہلے خدا تعالیٰ نے دو امور بیان کئے تھے جن سے شیرازۂ ملی و قومی منتشر ہو جاتا ہے اب وہ امور بیان کئے جاتے ہیں جن کے ارتکاب سے قومی و مذہبی بربادی لازم آتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ معاذ بن جبل رضؓ اور انصار کی ایک جماعت نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ شراب سے تو عقل جاتی رہتی ہے اور قمار سے مال برباد ہوتا ہے ہم کو ان کے متعلق حکم دیجئے کہ کیا کریں اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

عرب میں شراب نوشی اور قمار بازی کا مدت سے دستور تھا اور اہل عرب ان دونوں چیزوں کے عموماً بہت زیادہ دلدادہ تھے۔ کل جزیرۂ عرب میں چند افراد ہی اس سے محفوظ رہے ہونگے جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف فرما رہے صحابہ بدستور اپنے قدیمی خو بو پر قائم رہے جب سرکار مدینہ تشریف لائے تو بتدریج شراب اور جوے کی ممانعت ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی اور قمار و شراب کی اس آیت میں کچھ مضرت ظاہر کر کے مسلمانوں کی طبیعت کو عادتِ طبعی سے جو طبیعتِ ثانیہ ہو چکی تھی پھیرنے کی کوشش کی لیکن اس آیت سے ان چیزوں کی حرمت کی وضاحت نہ ہوئی۔ صحابہ برابر ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے رہے لیکن پہلے کی بہ نسبت ضرور ان کے استعمال میں کمی آگئی۔ اسکے بعد آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى نازل ہوئی اور مسلمانوں کو شراب پی کر نماز کو کھڑے ہونے کی ممانعت کر دی گئی پھر کچھ دنوں بعد آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ الخ سے دونوں چیزوں کی حرمت واضح طور پر کر دی گئی اور اس تدریجی ممانعت سے اہل عرب نے مالوفِ طبعی کو ترک کیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اہل عرب آپ سے شراب اور جوے کی حلت و حرمت کے متعلق استفسار کرتے ہیں کہ آیا یہ چیزیں جائز ہیں یا ناجائز۔ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ تو آپ اُن سے کہدیجئے کہ ان دونوں چیزوں کے ارتکاب میں بڑا گناہ ہے اور منافع بہت تھوڑے ہیں صرف تجارتی یا تعلیقی موہومی فائدہ ہیں۔ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ مگر ان کا گناہ اور مضرت نفع کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ شراب سے عقل اور صحت برباد ہو جاتی ہے نسل انسانی کی افزائش میں کمی آجاتی ہے حواس میں جلادت دماغ میں تاریکی اور نور روحانی میں سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ قمار سے مال برباد ہوتا ہے اقتصادیات اور معیشت انسانی پر اس کا برا اثر پڑتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ وبال آخرت گردن پر سوار رہتا ہے۔

مقصود بیان: شراب اور جوے کے تجارتی اور ذہنی منافع کی طرف صراحت ایماء اور اس بات کا اظہار کہ ان چیزوں میں بھی کچھ نہ کچھ منافع ضرور ہیں مثلاً شراب نوشی سے کچھ دیر کے لئے

سرور فرحت اور ازالۂ افکار حاصل ہو جاتا ہے۔ جُوا کھیلنے سے بھی تفریح طبعی اور کبھی کبھی مال کا بھی حصول ہو جاتا ہے لیکن انکی مضرت ان کی نفع کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ بعض لوگ لفظ من نفعهما سے استدلال کرتے ہیں کہ نص قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ شراب میں کچھ صحت جسمانی کا سامان موجود ہے حالانکہ یہ غلط ہے هما کی ضمیر اس مفہوم پر دلالت نہیں کرتی اہل عربیت اور قواعد داں طبقہ اس سے بخوبی واقف ہے۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۗ

اور تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تم کہدو جو کچھ حاجت سے بچے

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح اللہ تم سے صاف صاف حکم بیان کرتا ہے تاکہ

تَتَفَكَّرُونَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ

دنیا اور دین کے متعلق تم غور کرو

تفسیر ایک بار حضرت معاذ بن جبل رض اور حضرت ثعلبہ رض نے حضور گرامی کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ یوں تو ہمارے پاس غلام بھی ہیں مویشی بھی ہیں نقد مال بھی ہے روپیہ پیسہ وغیرہ سب کچھ موجود ہے اور خدا تعالیٰ اپنی راہ میں خرچ کرنے کا اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے یہ فرمائیے کہ ہم کیا چیز صرف کریں؟ اُسوقت یہ آیت اتری ارشاد ہوتا ہے وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ۔ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ راہِ خدا میں کیا خرچ کریں؟ مویشی دیں روپیہ پیسہ دیں باندی غلام دیں کیا دیں اور کتنا دیں؟ قُلِ الْعَفْوَ۔ آپ اُن سے کہدیجے کہ جو چیز بھی تمہاری ضروریات سے زائد ہو تمہارے حوائج اور مصارف اور لوازم زندگی سے بچے اُسکو خیرات کردو۔ اور قدر ضرورت سے زائد نہ رکھو لیکن ایسا بھی نہ کرو کہ اپنی ضرورت کی چیز بھی دے ڈالو اور پھر دوسروں کے دست نگر بن جاؤ۔

تفسیر مدارک و زاہدی وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ہر مسلمان اپنی ضرورت سے زائد چیز خیرات کردیا کرتا تھا۔ کاشتکار صرف اتنا غلہ رکھتا تھا کہ ایک سال کے لئے کافی ہو جائے اور باقی دے ڈالتا تھا اور پیشہ ور لوگ صرف قوت یومیہ رکھ لیتے تھے اور باقی خیرات کردیا کرتے تھے لیکن جب آیت زکوٰۃ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ آیت زکوٰۃ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ یعنی یہ حکمت آمیز حکم خدا تعالیٰ نے تم کو دیا ہے (تاکہ اسلام میں قوت اخوت و مساوات کا مظاہرہ۔ احکام الٰہی کی اشاعت اور دین میں لوگوں کو استقامت حاصل ہو۔ تم کسی کے دست نگر بھی نہ ہو۔ سوال کی ذلت بھی نہ اٹھانی پڑے اور برادران اسلام کی امداد و غمخواری بھی ہو جائے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ فانی اور زوال پذیر مال جو دنیا میں کسی طرح تمہارے پاس ہمیشہ کے لئے نہیں رہ سکتا تھا آخرت میں تمہارے لئے جمع ہو جائے) خدا تعالیٰ ایسے ہی پُر مصلحت اور حکمت آمیز احکام کھولکر بیان فرماتا ہے تاکہ دنیا و آخرت پر غور کرنے کا تم کو موقع ملے اور تم غور کر سکو کہ دنیا فانی ہے زوال پذیر ہے اور آخرت دائمی ہے دنیا کا کوئی حصہ درخور اعتنا نہیں۔ اسکے کسی مال کی طرف میلان طبع اور دلبستگی نہ ہونی چاہیئے۔ ہاں بقدر ضرورت مال لازم ہے تاکہ اپنے اسلام میں بھی ضعف نہ ہو ذلت سے بھی ہمکنار ہونا نہ پڑے اور مسلمان بھائیوں کی بھی پوری پوری ہمدردی ہو جائے۔

مقصود بیان:۔ اخوت اسلامیہ، اتحاد بین المسلمین، اور مساوات انسانیہ کا کامل ترین مظاہرہ۔ اپنے لازمی ضروریات کی موجودگی میں دوسروں کو دینے کی طرف ایمار بشرطیکہ دینے کے بعد پچھتانا یا ذلت اٹھانی پڑتی ہو۔ احکام اسلامی کے حکمت آمیز اور پُر مصلحت ہونے کی صراحت۔ دنیوی اور دینی احکام میں غور کرنے اور سوچنے کی دعوت۔ وغیرہ۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ

اور تم سے یتیموں کی بابت دریافت کرتے ہیں تم کہدو کہ اُنکی بھلائی

لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ

کا کام کرنا بہتر ہے اور اگر تم (کھانے پینے میں) اُنکو اپنے ساتھ شریک رکھو تو وہ تمہارے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ

بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون بگاڑتا اور کون سنوارتا ہے اور اگر اللہ

اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

چاہتا تو تم کو مشکل میں ڈالدیتا بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر جب آیت ولا تقربوا مال الیتیم نازل ہوئی اور یتیموں کا مال کھانے کی سخت ممانعت ہو گئی تو جو لوگ یتیموں کی کفالت اور سرپرستی کیا کرتے تھے اُن کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خوف کے مارے انہوں نے یتیموں کا مال اُن کی تجارت اور کھانا پینا سب کچھ علیحدہ کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان یتیم بچوں نے جو کچھ کھایا

کھایا۔ باقی سڑ گیا یہ بات بھی بڑی تکلیف دہ ثابت ہوئی اُدھر یتیموں کا تجارتی نقصان ہونے لگا تو مجبوراً صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ یتیموں کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ اور علیحدہ کھانا پینا کرنے میں بہت دقت ہے ہم کیا کریں اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں اور یتیموں کے متعلق استفسار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یتیموں کا مال اگر ہماری غذا میں مل جائے اور ہم اُسکو کھالیں تو وہ موجب عذاب ہے اُن کو ساتھ ملا کر کھلانے سے گناہ گار ہوتے ہیں یتیموں کا مال اپنے مال سے جُدا کر کے الگ اُنکے واسطے کھانا تیار کراتے ہیں تو دشواری پیش آتی ہے اور یتیموں کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ آپ اُن سے کہدیجئے کہ یتیموں کی خیر خواہی مدنظر ہے اُن کی اصلاح بہتر ہے خواہ اصلاح مالی ہو یا تعلیم و تربیت کے لحاظ سے ہو بہرحال اُنکی بہتری اور فلاح ہو تو اُن کے لئے بھی بہتر ہے اور تمہارے لئے بھی۔ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ لہذا اگر تم اُنکو اپنے ساتھ ملا لو خواہ اس صورت سے کہ اُن کا کھانا پینا اپنے ساتھ کر لو یا اُنکے تجارتی مال کو اپنے تجارتی مال کے ساتھ ملا کر تجارت کر دیا آپس میں ہی نکاح بیاہ کر لو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں واجب الرحم ہیں بھائی کا بھائی پر حق ہوتا ہے لہذا تم پر حق ہے کہ اُن کی خیر طلبی کرو لیکن بد نیتی کو دخل نہ دو اُن کے مال کو غبن نہ کرو نہ اُن کے مال سے خود فائدہ اٹھانے کا لالچ کرو کیونکہ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ خدا تعالیٰ بدنیت اور نیک نیت کو خوب جانتا ہے اُسکو علم ہے کہ کون یتیم کا خیر خواہ اور کون بدخواہ ہے اور یہ تو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانی کر دی ورنہ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اگر خدا چاہتا تو تم کو دشواری میں بھی چھوڑ سکتا تھا اور وہی سخت حکم جاری رکھتا کہ یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ اُس کا کھانا پینا اور تجارتی کاروبار وغیرہ سب علیحدہ رکھو مگر خدا تعالیٰ غالب ہے اُسکے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں اور اُس کے تمام کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے اسلئے اُس نے تمہاری سہولت کے لئے یہ حکم دیدیا۔

مقصود بیان: یتیم کی بہبودی اور خیر خواہی کی تعلیم۔ یتیم کے منافع کے لئے اُس کے مال سے جو مصارف کئے جائیں اُن کا جواز۔ اخوت اسلامی کا اظہار۔ اخوت و مساوات کا واسطہ دیکر رحم کرنے کی ہدایت۔ نیک نیتی کے ساتھ یتیم کی تعلیم و تربیت یا زیادتی مال کے واسطے اُس کے مال میں تصرف کرنے کی اجازت۔ اس امر کی صراحت کہ خدا عالم الغیب ہے نیک نیت اور بدنیت سے واقف ہے۔ اس بات کی تصریح کہ خدا تعالیٰ نے احکام اسلامی میں سہولت و آسانی کو مدنظر رکھا ہے

اس امر کی طرف بھی آیت میں ایماء ہے کہ اگر خدا تعالیٰ سخت ترین احکام بھی نازل فرماتا تب بھی اُسکو ظالم و جابر نہیں کہا جا سکتا۔ وغیرہ۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لے آئیں کیونکہ مشرک

مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ

عورت اگرچہ تم کو اچھی معلوم ہو مگر اُس سے ایک مؤمن باندی بہرحال بہتر ہے

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ

اور مشرکوں کے ساتھ نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لے آئیں کیونکہ مشرک مرد

مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ

اگرچہ تم کو اچھا معلوم ہو مگر ایک مومن غلام بہرحال اُس سے بہتر ہے

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

وہ (مشرک) تم کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی عنایت سے

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ

جنت و مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لئے

اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

کھول کھول کر احکام بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

تفسیر

عناق نامی ایک عورت نہایت حسینہ جمیلہ تھی بہت سے لوگ اُس سے نکاح کرنے کے آرزومند تھے مگر اُس نے کسی سے نکاح کا اقرار نہ کیا۔ ایک صحابی ابن ابی مرثد غنوی تھے اُن سے نکاح کرنے پر وہ رضامند ہو گئی۔ چونکہ عناق ایمان نہ لائی تھی اور حالت شرک پر تھی اسلئے ابن ابی مرثد نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسکے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ

حاصل مطلب یہ ہے کہ جب تک شرک پرست عورتیں مسلمان نہ ہو جائیں تم اُن سے نکاح نہ کرو ہاں اگر مسلمان ہو جائیں تو خیر۔ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اپنی مسلمان سیاہ فام باندی کو غصہ کی حالت میں کسی حرکت پر مار دیا۔ جب غصہ فرو ہوا تو اس نازیبا حرکت

پر بہت نادم ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے یہ غلطی ہو گئی اسکی تلافی یہ ہو سکتی ہے کہ اسکو آزاد کر کے نکاح میں لے آؤں ۔ غرض حضور کے مشورے سے آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لیا ۔ لوگوں نے طعنے دینے شروع کئے کہ باندی سے نکاح کر لیا اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی ۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مشرک عورت اگرچہ تمہاری دلکشی کے سامان کی حامل ہو حسین ہو جمیل ہو اسکی صورت وغیرہ تمہارے لئے جاذب نظر اور دل نشین ہو لیکن اُس سے حقیر سی مسلمان باندی بہتر ہے پھر باندی سے نکاح پر طعنے دینے اور مشرک عورتوں سے نکاح کرنا یہ کیا حماقت ہے صحیحین میں بروایت حضرت ابو ہریرہ منقول ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار باتوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے ۔ مال ۔ جمال ۔ شرافت نسبی اور دینداری تم کو دیندار عورت کی جستجو کرنی چاہئے ۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۔ یہ گذشتہ حکم کا تتمہ ہے پہلے مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت تھی اس آیت میں مشرک مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح ناجائز قرار دیا ۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۔ یعنی مشرک مردوں کا مال جمال وجاہت وحکومت خواہ کتنی ہی جاذب توجہ ہو لیکن اُن سے بہتر ایک معمولی مسلمان غلام ہے لہذا مشرکوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو ۔

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔ یہ سابق حکم کی علت ہے یعنی مسلمان باندی حسین وجمیل دولتمند مشرک عورت سے بہتر ہے اور مسلمان ادنیٰ غلام بڑے دولتمند صاحب وجاہت کافر سے بہتر ہے کیونکہ کافر انسان کو خدا کی نافرمانی سرکشی اور گناہ کی دعوت دیتے ہیں جسکا نتیجہ دوزخ ہے ۔ حاصل دلیل یہ ہوا کہ مشرکوں سے ربط نکاح نہ پیدا کرو کیونکہ اس قسم کے نکاح سے دین و دنیا دونوں برباد ہو جائینگے ۔ معاش و معاد میں خلل پڑیگا ۔ زن و شوہر کا ایک نازک معاملہ ہوتا ہے اگر اختلاف مذہب کی وجہ سے محبت باہم نہ ہوئی تو لطف زندگی ختم ہو گیا اور محبت ہوئی تو کافر کے رسوم کفر اور لوازم شرک سے چشم پوشی کرنی پڑیگی جس سے دین برباد ہو جائیگا کوئی مسلمان اپنے گھر میں غیر اللہ کی پرستش کیونکر گوارا کر سکتا ہے ۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ یعنی کفار تم کو دوزخ میں جانے کی دعوت دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ اپنے ارادہ سے تم کو جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم ایسے اعمال و اسباب اختیار کرو جس سے تمہاری مغفرت ہو جائے اور جنت میں داخل ہو جاؤ اسی لئے اُس نے اپنے رسول کے اتباع کا حکم دیا اور قانون عدل نازل فرمایا ۔ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ اور لوگوں کے سامنے اپنے احکام اور قوانین کھول کر خدا تعالیٰ بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ اُن کی حکمت و مصلحت پر غور کر کے نصیحت حاصل کریں اور نعمت ایمان کی قدر کریں اور سب کے سب قانون شریعت کے پابند ہو جائیں ۔

مقصود بیان :۔ بت پرستوں اور مسلمانوں کے درمیان سلسلۂ نکاح جاری کرنے کی بندش ۔ حسن و جمال مال و منال عزت و حکومت کے مقابلہ میں دینداری اور صلاح اعمال کی ترجیح اور اس بات کی صراحت کہ کافر کیسے ہی دولتمند ہوں یا صرف لونڈی اور دلکش حسن رکھتے ہوں کیسی ہی اُن کو دنیوی عزت حکومت اور وجاہت حاصل ہو لیکن فقیر ترین مومن کے ایمان کے مقابل نہیں ہو سکتے آیت میں ایماء آمیز ایک صراحت یہ بھی ہے کہ اگر سلسلۂ نکاح مسلمان کا کافر کے ساتھ قائم ہو گیا تو نظام امن میں فساد لازم آئے گا کسی طرح ایک کو دوسرے سے وابستگی نہیں ہو سکتی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان کو کافر سے یا تو کنارہ کش ہونا پڑیگا یا اُسکے ساتھ جہنم میں جانا پڑے گا ۔ احکام شریعت کے حسن و مصلحت پر غور کرنے کی دعوت بھی دی گئی ہے تاکہ بصیرت کوش طبقہ اسرار احکام سے واقف ہو اور غور کرے کہ کوئی شرعی حکم خلاف عقل و فطرت نہیں ہر حکم میں بلاد و عباد کی اصلاح مضمر ہے اور ہر قانون شرع سے فتنہ و فساد کی بیخ کنی مقصود ہے ۔ وغیرہ ۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى

اور تم سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں تم کہدو یہ گندگی ہے

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ

لہذا حالت حیض میں عورتوں (کی قربت) سے علیحدہ رہو اور تا وقتیکہ وہ

حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ

پاک نہ ہو جائیں اُن سے قربت نہ کرو جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو جدھر سے

مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

اللہ نے تم کو اجازت دی ہے اُنکے پاس جاؤ بیشک اللہ توبہ کرنیوالوں کو

التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

دوست رکھتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے

تفسیر حائضہ عورتوں کے متعلق اہل کتاب نے بہت افراط و تفریط سے کام لیا تھا۔ اسلام نے جہاں دنیا کے سامنے دیگر قوانین اعتدال پیش کئے وہاں اس معاملہ میں بھی راہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی۔ یہود میں اس درجہ افراط تھا کہ اپنی حائضہ عورتوں سے بالکل جدا ہو جاتے تھے نہ اُن کے ساتھ کھاتے پیتے تھے نہ اُن سے بات کرتے تھے نہ پاس بیٹھتے بلکہ اُن کو بالکل علیحدہ مکان میں رکھتے تھے اور کسی قسم کا تعلق اُن سے نہ رکھتے تھے۔ انکے برخلاف عیسائی بہت ہی تفریط کرتے حائضہ عورتوں سے علاوہ اختلاط اور اشتراک نشست و برخاست اور قیام و طعام کے کبھی کبھی قربت سے بھی نہ چوکتے تھے۔ جب ان دونوں فرقوں میں مباحثہ ہوا تو حضرت ثابت بن دحداح نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ یہودی اور عیسائی تو ایسا کرتے ہیں ہم حیض کی حالت میں اپنی عورتوں سے کیا معاملہ کریں اسلامی حکم سے ہمکو مطلع فرمایئے اسپر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ نے اعتزال کے ظاہری معنی لئے اور حائضہ عورتوں کو بالکل علیحدہ کر کے اپنی کوٹھری سے باہر کر دیتے تھے لیکن اسمیں بڑی دقت و تکلیف برداشت کرنی پڑی اسلئے چند اعرابیوں نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ سردی بہت سخت ہے اور کپڑے ہمارے پاس کم ہیں اگر ہم حائضہ عورتوں کو کپڑے دیتے ہیں تو باقی گھر والے مرے جاتے ہیں اور گھر والوں کو دیتے ہیں تو حائضہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے کیا کیا جائے؟ ارشاد فرمایا تم کو تو صرف جماع سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ حالت حیض میں عورتوں سے کیا معاملہ کریں اُنکے ساتھ رہیں یا نہ رہیں قربت کریں یا نہ کریں؟ قُلْ هُوَ اَذًى۔ آپ اُن سے کہدیجے کہ حیض ایک گندگی ناپاکی ہے یعنی اس میں قربت کرنی طہارت و پاکیزگی کے خلاف ہے پھر ایذاء دماغی و نفسانی کے علاوہ اسمیں جسمانی ایذاء بھی ہے طرح طرح کی بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ۔ لہذا حالت حیض میں عورتوں کو علیحدہ کر دو اُن سے قربت نہ کرو یعنی سونا کھانا پینا رہنا سہنا اُن کے ساتھ ممنوع نہیں صرف جماع و قربت سے پرہیز رکھو۔ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں غسل نہ کرلیں یا مدت غسل تک نہ پہونچ جائیں اُس وقت تک اُن سے قربت نہ کرو جماع کرنے سے پرہیز رکھو۔ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ۔ جب عورتیں بالکل پاک ہوجائیں غسل کرلیں تو حکم الٰہی کے موافق اُن سے برمحل قربت کرو خلاف محل قربت کا ارتکاب نہ کرو۔ اور قربت میں اسی امر کو ملحوظ رکھو جس کا خدا تعالیٰ حکم دے چکا ہے یعنی طلب نسل و اولاد یعنی جماع کو صرف شہوت رانی کا ذریعہ نہ بناؤ بلکہ اصلی مقصود کو پیش نظر رکھو۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ یعنی تم کو حالت حیض کے علاوہ طہارت کی صورت میں ہر نائدہ اندوز ہونے کا اختیار ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شہوت نفسانی میں انہماک تمہارے لئے جائز ہے ایسا نہ کیا کرو کہ لذت کے حصول میں ہر وقت غرق رہو اور پاکی ناپاکی کی بھی پرواہ نہ کرو بلکہ خدا کی طرف بھی رجوع کرو جماع کو نفسانی اقتضاء کا آلہ اور شہوت پرستی کا ذریعہ نہ بنالو کیونکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی لوگ پسندیدہ ہیں جو اُسکی طرف رجوع کرنیوالے اور طہارت منش ہیں پاکیزگی جسم اور پاکیزگی روح دونوں کے خوگر ہیں۔

مقصود بیان:۔ راہ اعتدال اختیار کرنے کی ہدایت اور افراط و تفریط سے باز داشت۔ لواطت کی حرمت۔ اس امر کی صراحت کہ جواز جماع سے مقصود طلب اولاد اور افزائش نسل انسان ہے۔ طہارت نفسانی و جسمانی حاصل کرنے کی طرف لطیف ترغیب۔ اس طرف ایک نازک ترین ایماء کہ قوانین اسلام میں جسطرح صفائے روحانی اور اصلاح باطنی کا لحاظ رکھا گیا ہے اسی طرح ظاہری اخلاق کی درستگی اور جسمانی صحت پر بھی نظر رکھی گئی ہے کوئی قانون ایسا نہیں پیش کیا گیا جو روحانی اصول و آداب کے خلاف ہو یا جسمانی حفظان صحت کے قواعد کے مخالف ہو۔ اقتضاء مادی کو پورا کرنا اگرچہ جائز رکھا گیا ہے لیکن آیت میں صراحت کر دی گئی کہ اس میں بھی رجوع الی اللہ طہارت نفس اور صفائے روح کا لحاظ رہے اور ان لذائذ میں سراپا غرق ہوکر صحت بدن اور زیر کی روح کو فنا نہ کر دیا جائے۔ وغیرہ۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى

تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں تم اپنی کھیتی میں جس طریقہ سے

شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

چاہو جاؤ اور اپنے لئے پیش خیمہ بھیجدو اور اللہ سے ڈرو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جانے رہو کہ تم کو اُس سے ضرور ملنا ہے اور (اے محمد) ایمانداروں کو خوشخبری سنادو

تفسیر یہود کا عقیدہ تھا کہ اگر عورت سے برمحل ہی قربت کی جائے مگر طریقہ معروف کے خلاف کی جائے مثلاً عورت کی پشت مرد کے منہ کی طرف ہو تو اس سے بھینگا حمل پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں نے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکے متعلق استفسار کیا تو تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ عورتیں تمہارے لئے کھیت کی زمین کی طرح ہیں اور مرد کاشتکار ہے اور نطفہ تخم ہے تم اپنے کھیتوں میں ہر طرح سے داخل ہو سکتے ہو لیکن محل کاشت کا لحاظ ضروری ہے محل کاشت کے علاوہ خلاف محل جائز نہیں اور اصل مدعا کا لحاظ بھی لازمی ہے کہ طلب اولاد اصل مدعا ہونا چاہیئے۔ ورنہ جب کھیت سے پیداوار نہ حاصل ہوئی یا پیداوار کے لئے تخم ریزی نہ کی گئی تو کاشت فضول ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اولاد صالح آدمی کے لئے ایک صدقہ جاریہ ہے جو مرنے کے بعد قائم رہتا ہے۔ خلاصۂ بیان یہ ہے کہ جماع سے اصل غرض نسل انسانی کی افزائش ہونی چاہیئے اور فتنۂ نفس سے محفوظ رہنا مقصود ہونا چاہیئے صرف اشتہاء نفس کا رفع اصلی مدعا نہ ہونا چاہیئے بلکہ۔ وَقَدِّمُوا لِاَنفُسِكُمْ اس کاشتکاری میں اپنے لئے پہلے سے نیک نیت کر لو اور نسل انسانی کی افزائش کو مطمح نظر بنا لو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور خوف خدا اپنے ارادوں میں اور اعمال میں قائم رکھو یعنی مقصود صرف خوشنودئ خدا کو بناؤ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ اور خوب سمجھ رکھو کہ ضرور تم کو ایک روز خدا سے ملنا ہے اُسکے سامنے جانا ہے وہ تمہارے ارادے اور نیت سے واقف ہے اُسوقت تمہارے تمام مخفی ارادوں کا اظہار ہو جائے گا۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اور وہ مسلمان خالص مؤمن قابل بشارت ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے ہر حکم کو سچا مفید واجب العمل سمجھا ہے اور اُسپر عمل پیرا ہونے کو ضروری خیال کیا۔

مقصود بیان:۔ لطیف پیرایہ میں سلسلۂ ازدواج و نکاح کی غرض کا بیان۔ آداب مباشرت کی تعلیم یعنی اس امر کا اظہار کہ شہوت نفس کی حالت میں بھی کسی کام کو بغیر صدق نیت کے شروع نہ کریں۔ کسی حالت میں اتقاء نفس کے خلاف کوئی کام نہ کریں۔ جماع میں بھی صدق نیت کے ساتھ تحصیل عفت، نسل انسانی کی افزائش اور صدقۂ جاریہ کو پیش نظر رکھیں۔ آیت سے ضمنی طور پر اغلام کی حرمت محض شہوت رانی کے لئے جماع کی ممانعت اور عورتوں کو عیاشی کا آلہ سمجھنے سے بازداشت اور امتناع کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ قانون فطرت کی تعلیم اور اخلاق فاضلہ کے اختیار کرنے کی ہدایت بھی آیات سے مترشح ہوتی ہے وغیرہ

فائدہ:۔ ابن جریر نے بروایت ابن عباس رضی بیان کیا ہے کہ آیت قدموا لانفسکم کے یہ معنی ہیں کہ شروع صحبت سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا کرو۔ صحیح بخاری میں ابن عباس سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص قربت کا ارادہ کرے اور یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا تو اگر اس صحبت میں اُن کے لئے کوئی بچہ مقدر میں ہوگا تو شیطان اُسکو ضرر نہ پہونچا سکیگا۔ غالباً اسی حدیث کی بنا پر بعض مفسرین نے قَدِّمُوا لِاَنفُسِكُمْ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس جماع سے اولاد صالح کی خواہش کرو۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ

اور اللہ کو اپنی قسموں کی آڑ نہ بنا لو کہ (بخدا)

تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ

ہم سلوک نہ کرینگے اور پرہیزگار نہ بنینگے اور لوگوں میں ملاپ نہیں کرائینگے

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اور اللہ سنتا اور جانتا ہے

تفسیر اس آیت کے شان نزول میں دو روایتیں ہیں۔ ایک تو صاحب بیضاوی نے نقل کی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کی بہن کو طلاق رجعی دیدی لیکن چند روز کے بعد صلح کا ارادہ کیا اور رجوع کی خواہش کی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے قسم کھالی کہ نعمان سے کلام نہ کرونگا اور میاں بیوی میں صلح نہ ہونے دونگا۔ دوسری روایت ابن جریر نے بروایت ابن جریج بیان کی کہ مسطح بن اثاثہ حضرت ابو بکر صدیق رض کا خالہ زاد بھائی تھا جب حضرت عائشہ رض کی پاکدامنی اور برات کے متعلق قرآن میں صراحت آگئی تو حضرت ابو بکر رض نے قسم کھائی کہ مسطح کو جو میں مصارف دیا کرتا تھا اب نہ دونگا اس نے عائشہ پر تہمت لگائی اور منافقوں کے ساتھ شریک ہوگیا اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی اور حضرت ابو بکر رض نے قسم توڑ کر کفارہ ادا کیا۔

صحیح یہ ہے کہ آیت کا شان نزول کوئی خاص نہیں بلکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہوتے تھے لوگوں کا دستور تھا کہ خدا کی قسمیں کھا بیٹھتے تھے کہ میں اپنے ماں باپ سے نہ ملونگا یا فلاں شخص سے صلح نہ کرونگا یا بیوی سے میل نہ کرونگا یا فلاں شخص کے مصارف کی خبرگیری نہ کرونگا۔ اس کے علاوہ بعض لوگ بات بات پر خدا کی قسم کھایا کرتے تھے اور خدا کی قسم کو تکیۂ کلام بنا کر نام الٰہی کی بے توقیری کرتے تھے ان سب کے متعلق آیت کا نزول ہوا۔

حاصل ہدایت یہ ہے کہ تم جو خدا تعالیٰ کے نام کو اپنی اچھی بُری قسموں کی آڑ بناتے ہو اور خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ ہم لوگوں کے ساتھ اب سلوک و احسان نہ کرینگے نیکی نہ کرینگے باہم صلح نہ کرائینگے ایسا نہ کرو۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم نیکی کرنے پر جو بار بار خدا کی قسمیں کھاتے ہو اور واللہ باللہ کہتے رہتے ہو اسمیں خدا کے نام کی بد تہذیبی اور بے ادبی ہے تم خدا کے نام کو اپنی نیکی کا بھی نشانہ نہ بنالو اور قسم کو تکیہ کلام نہ کر لو۔ اس سے گناہ و معاصی پر قسم کھانے کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ معلوم ہو گئی کیونکہ جب امور خیر پر قسم کھانے کی اور بار بار قسم کو تکیہ کلام بنانے کی ممانعت کر دی گئی تو امور شر پر تو بدرجۂ اولیٰ قسم کھانے کی ممانعت ہو گئی۔ حاصل یہ کہ آیت میں کم قسم کھانے کی ترغیب ہے یا امور ممنوعہ پر قسم کھانے کی ممانعت ہے۔ مؤخر الذکر تفسیر کو سیوطی نے پسند کیا ہے اور مقدم الذکر تفسیر بیضاوی اور شیخ ابو حیان نے ذکر کی ہے۔

میری رائے میں اخیر کے معنی بہتر ہیں اگر شان نزول کو خاص تسلیم کیا جائے اور مقدم الذکر معنی اُس وقت صحیح ہیں جب شان نزول میں عموم اختیار کیا جائے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ یعنی خدا تعالیٰ خوب سنتا اور جانتا ہے اگر تم قسم کھاؤ گے تو ضرور وہ اُسکو سنے گا اور اُسکے نام کی عزت ترک کر دو گے تو یہ بھی اُس کے احاطۂ علمی سے خارج نہیں۔ اس میں ممانعت قسم کی تاکید ہے اور خلاف ورزی کرنے والے کے لئے وعید ہے۔

مقصود بیان :- کار خیر سے باز رہنے کی قسم کھانے کی ممانعت قسم کو تکیۂ کلام بنانے اور نام خدا کی بے توقیری کرنے سے باز داشت نیکی خدا ترسی اقربار کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور لوگوں میں صلح کرانے کی ترغیب۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ نیکی کرنا یا مسلمانوں میں صلح کرانا یا کسی کے ساتھ سلوک و احسان کرنا تو خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے ہونا چاہئے۔ اس میں جذبات نفسانیہ کو دخل دینا بیجا ہے۔ گویا للہیت ایثار اور خلوص کی مبارک تعلیم دیگئی ہے اور اخلاق فاضلہ کے حصول کی رغبت دلائی گئی ہے۔ وغیرہ۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ

اللہ تمہاری اُن قسموں کا مؤاخذہ نہیں کریگا جو بیہودہ (طور پر زبان سے نکلجاتی

لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ

ہیں) بلکہ اُن قسموں کی پکڑ کریگا جن کا ارادہ تمہارے دلوں نے کیا ہے اور

اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

اللہ بخشنے والا بردبار ہے

تفسیر چونکہ قسم کا ذکر گذشتہ آیت میں کیا گیا تھا اسلئے قسم کے احکام یہاں بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کسی جھونٹی بات پر بلا ارادہ تمہاری زبان سے قسم نکل گئی یا ارادہ کر کے قسم کھائی اور وہ جھونٹی تھی لیکن قسم کھانے والا اسکو صحیح سمجھتا تھا تو ایسی قسم ساقط الاعتبار ہے خدا تعالیٰ اس کا تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں کریگا ہاں اگر کسی آیندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قصداً قسم کھائی اور پھر قسم کی خلاف ورزی کی تو خدا تعالیٰ مواخذہ کریگا۔ اگر اس کا کفارہ دیدو گے تو خدا تعالیٰ معاف فرما دیگا کیونکہ خدا غفور رحیم ہے۔

مقصود بیان :- بلا ارادہ قسم کھانے پر کوئی مواخذہ نہیں قصداً با لارادہ قسم کھا کر اُس کی خلاف ورزی کرنا قابل گرفت ہے لیکن کفارہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے آیت میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ خدا نادانستہ اور بلا ارادہ فعل کی گرفت نہیں کرتا ہاں اگر ارادہ و قصد کے ساتھ کسی معصیت اور خلاف شریعت حرکت کا ارتکاب کیا جائے تو اُس کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔

اب ہم ذیل میں قسم کے اقسام اور علمار کے مختلف اقوال نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ عظیم الشان مسئلہ خوب واضح طور پر سمجھ میں آجائے۔

اقسامِ قسم :- اہل حنفیت کے نزدیک قسم کے تین اقسام ہیں

(۱) یمین لغو۔ یعنی اگر کسی گذری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ نکل گئی یا نکلی تو ارادہ سے مگر قسم کھانے والا اپنے گمان میں اُس کو راست سمجھتا تھا یہ شرعاً ساقط الاعتبار ہے اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ۔

(۲) یمین منعقدہ جو کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کھائی جائے۔ اگر اس قسم کی خلاف ورزی کریگا تو کفارہ واجب ہوگا یعنی ایک باندی یا غلام آزاد کرنا پڑیگا اور اسکی وسعت نہ ہوگی تو دس محتاجوں کو پیٹ بھر کر کھانا اور متوسط لباس دینا پڑیگا اور بالکل توفیق نہ ہوگی تو متواتر تین روزے رکھنے پڑینگے

(۳) یمین غموس۔ جو قصداً کسی گذشتہ معاملہ کے جھونٹی قسم کھائی جائے اس کا گناہ اتنا زیادہ ہے کہ کفارہ سے بھی نہیں جاتا توبہ و استغفار لازم ہے۔

اختلافِ علمار ذیل میں یمین لغو کے متعلق علمار کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں :- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ لغو صرف مذاق اور ہزل میں ہوتا ہے۔ مثلاً آدمی کہتا ہے لا واللہ یا بلیٰ واللہ۔ ابن عمر، شعبی، عروہ بن زبیر، ابو صالح، ابو قلابہ اور زہری کا یہی قول ہے۔

لیکن دوسری روایت حضرت عائشہؓ سے یہ بھی ہے کہ لغو اُس شی کو کہتے ہیں کہ سچ جانکر آدمی اُس پر قسم کھاتا ہے اور واقع کے خلاف ہو۔ یہی قول ابو ہریرہ رضؓ، ابن عباس رضؓ سلیمان بن یسار، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، حسن، زرارہ، ابو مالک، عطار خراسانی،

سدی، مکحول، مقاتل، طاؤس، قتادہ اور اکثر دیگر تابعین و علماء کا ہے۔
امام مالک امام احمد اور امام ابوحنیفہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ہم نے تفسیر میں ایسے معنی بیان کیے ہیں جو دونوں روایتوں کو جامع ہے۔

ابراھیم کہتے ہیں لغو قسم یہ ہے کہ آدمی کسی چیز پر قسم کھائے اور پھر اسکو بھول جائے۔

زید ابن اسلم کہتے ہیں لغو قسم یہ ہے کہ کوئی شخص کہے میری آنکھیں پھوٹ جائیں یا میرا کل مال تباہ ہو جائے اگر میں یہ فعل نہ کروں یا یہ فعل کروں۔

طاؤس نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ لغو قسم یہ ہے کہ تم غصہ کی حالت میں کسی بات کے متعلق قسم کھا لو۔
لیکن سعید بن جبیر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس فرماتے تھے لغو قسم یہ ہے کہ تم حلال کو اپنے اوپر حرام کر لو۔

تنبیہ امام شافعیؒ کے نزدیک یمین غموس میں کفارہ لازم ہے لیکن امام مالک امام احمد اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک غموس میں کفارہ نہیں۔ ابن جحر نے اسی کو پسند کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ

جو لوگ اپنی بیبیوں سے علیحدہ رہنے کی قسم کھا بیٹھیں اُن پر چار مہینے علیحدہ

أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

رہنا لازم ہے پھر (اس مدت میں) اگر وہ رجوع کر لیں تو خدا غفور رحیم ہے

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

اور اگر طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے

تفسیر لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ یعنی جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں کہ اپنی عورتوں سے قربت نہ کرینگے اُن کو چار ماہ تک رُکنا لازم ہے فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اب اگر اس مدت کے اندر اُنہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور عورتوں سے قربت کر لی تو جو ضرر عورتوں کو انہوں نے پہونچایا ہے اس کو خدا معاف کرنے والا ہے۔ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ اور اگر اُنہوں نے رجوع نہ کیا اور مدت گذر گئی اور عورتوں کو چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تو طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ خدا تعالیٰ اُن کے قول کو سننے والا اور اُن کے ارادہ کو جاننے والا ہے۔
ان آیات میں ایلاء کا حکم بیان کر دیا گیا۔ عرب میں دستور تھا کہ بیوی سے خفا ہو کر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اب تیرے پاس نہ آؤنگا اس قسم کے مارے نہ تو پھر عورت کے پاس آتے تھے نہ اسکو طلاق دیتے تھے اسکی وجہ سے عورت کو بڑی پریشانی ہوتی تھی خدا تعالیٰ نے اس طرح کی قسم کھانے کے احکام بیان کر دیے کیونکہ یہ بھی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

وضاحت :- اگر کوئی قسم کھائے کہ میں اپنی بیوی سے صحبت نہ کرونگا اسکی چار صورتیں ہیں (۱) کوئی مدت معین نہ کرے غیر معین مدت تک کے واسطے قسم کھالے (۲) مدت کی تعیین کر دے اور صرف چار ماہ کے واسطے ترک صحبت کی قسم کھائے۔ (۳) چار ماہ سے زائد کی قید لگائے مثلاً چھ مہینے سات مہینے صحبت نہ کروں گا۔ (۴) چار ماہ سے کم کی قید لگائے مثلاً تین ماہ دو ماہ ایک ماہ وغیرہ کے واسطے عہد کر کے ترک قربت کی قسم کھالے۔
مقدم الذکر تینوں صورتیں شرعاً ایلاء کہلاتی ہیں اور ان تینوں کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ دیگا اور بی بی سے قربت کر لیگا تو کفارہ دینا پڑیگا اور نکاح باقی رہیگا اور اگر چار مہینے یوں ہی گذر گئے رجوع نہ کیا تو عورت پر طلاق پڑ جائیگی لیکن جدید نکاح سے پھر بیوی حلال ہو سکتی ہے۔ اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ قسم اگر توڑ دیگا تو کفارہ لازم آئیگا اور قسم پوری کر لیگا تب بھی نکاح باقی رہیگا اور کفارہ بھی لازم آئیگا۔ هٰذا ملخص ما فی التفاسیر۔

مقصود بیان :- احکام معاشرت میں خصوصی سہولت۔ صلح آشتی اور ابقاء نکاح کی ضمنی ہدایت۔ مدتِ ایلاء گذرنے کے بعد طلاق کا وقوع اور مزید طلاق دینے کی عدم ضرورت۔ عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا سبق اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ عورتوں کو ضرر اور رنج نہ پہونچایا جائے اور اگر غصہ کی حالت میں اُنکو پہونچ جائے تو استمالت اور نرمی سے اسکی تلافی کرنی چاہیئے۔ اس صورت میں خدا تعالیٰ گذشتہ قصور معاف فرما دیگا۔ وغیرہ۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے)

قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا

روکے رہیں اور اگر اُن کا ایمان اللہ اور روز قیامت پر ہے تو

خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ

اُنکے لئے جائز نہیں کہ جو چیز اللہ نے اُنکے رحم کے اندر پیدا کی ہو

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ

اُسکو چھپالیں اس مدت میں اُن کے شوہروں کو

بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ

رجوع کر لینے کا زیادہ استحقاق ہے بشرطیکہ اُنکو اصلاح حال مقصود ہو

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪

اور عورتوں کا حق بھی مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا (مردوں کا حق) عورتوں پر

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

دستور کے مطابق ہے مگر مردوں کو عورتوں پر کچھ فوقیت ضرور ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں ایلاء کا بیان کیا گیا تھا جو طلاق کا پیش خیمہ ہے یا بذات خود طلاق ہے ان آیات میں مطلقہ عورتوں کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ ایام جاہلیت میں طلاق کی عدت کے بارہ میں لوگ بڑا جھگڑا و گڑا کرتے تھے عورتوں کو طلاق دیکر سال سال بھر الگ رہتے تھے اور پھر اس پر دعوی کرتے تھے اس لئے بیچاری عورت اس دوران میں نہ تو کہیں اور نکاح کر سکتی تھی نہ شوہر اُسکے ضروری مصارف کی خبر گیری کرتا تھا اس طرح عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا اسماء بنت یزید انصاریہ کو ان کے شوہر نے طلاق دی تھی۔ عدت کے لئے کوئی مدت مقرر نہ کی تھی۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے آیات مذکورہ میں مطلقہ عورت کی عدت بیان کر دی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ جن عورتوں کو طلاق مکمل دیدی گئی ہو یعنی رسم زنانہ کے بعد اُن کو طلاق دی گئی ہو تو اُن کو تین حیض یا تین حیض کی مدت یعنی تین مہینے تک اپنے آپ کو جدید نکاح سے روکنا چاہئے وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اور جو چیز خدا نے اُن کے رحم کے اندر پیدا کی ہو اُسکو پوشیدہ نہ کریں حیض کو ٹھیک ٹھیک حساب کے ساتھ ظاہر کریں دوسرے شوہر کے ساتھ جلد نکاح کر لینے کی غرض سے حساب حیض کو چھپانا جائز نہیں اسی طرح اگر پہلے شوہر کا بچہ رحم میں ہو تو اسکو بھی مخفی نہ کریں اور اس بات کا خوف نہ کریں کہ لمبا ہے وضع حمل کا کون انتظار کریگا اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اگر اُن کو خدا اور روز قیامت پر ایمان ہے اور وہ یقین رکھتی ہیں کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے جانا ہے اور ہر ظاہر و مخفی بات کا حساب کتاب دینا ہے تو ایسی ناجائز حرکت کا ارتکاب نہ کرنا چاہئے۔ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اگر عورت کا زمانہ عدت ختم نہ ہوا ہو (اور طلاق کی پوری تعداد بھی نہ ہوئی ہو) تو مردوں کو اختیار ہے کہ عورتوں سے رجوع کر لیں یعنی زمانہ عدت کے اندر اگر مرد طلاق سے رجوع کرنا چاہیں تو ان کو مستقلاً اختیار ہے عورت کی رضامندی کو دخل نہیں ہے (اگر عدت کے بعد رجوع کرنا چاہا تو عورت کی رضامندی لازم ہے۔ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا یعنی شوہروں کو واپسی کا اختیار تو ہے اور عورتوں کی رضامندی بھی ضروری نہیں ہے لیکن اس واپسی سے غرض اصلاح اور آپس کی بہبودی ہونی چاہئے عورت کو دکھ یا نقصان پہونچانے کی غرض نہ ہو باہمی حقوق کی نگہداشت مقصود ہو اگر یہ شرط متحقق نہ ہوگی تو مردوں کو رجوع کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ جسطرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اُسی طرح حسن سلوک احسان اور خوبی معاشرت کے حقوق عورتوں کے مردوں پر بھی ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ عورتوں کے حقوق سلب کر لئے جائیں حقوق میں دونوں برابر ہیں تفاوت صرف کیفیت حقوق میں ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر عورتوں اور مردوں کے حقوق مساویانہ ایک دوسرے پر ہیں تو عورتیں مطلق العنان خود مختار اور شتر بے مہار ہو جائیں اور ہر وقت شوہر سے اختلاف رائے اور لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار رہیں آزادی کامل یا مظاہرۂ بیحیائی کا مطالبہ کریں کیونکہ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ مردوں کو پھر بھی ایک مخصوص فوقیت حاصل ہے اُن کے اعضاء قوی ہیں ہر قسم کی محنت برداشت کر سکتے ہیں عقل میں نقصان نہیں۔ تدبر آل اندیشی اور جفا کشی میں ان کو امتیاز حاصل ہے۔ عورتیں عموماً کوتاہ بین نازک اندام کم قوت اور ناقص الفہم ہوتی ہیں مراد یہ ہے کہ عموماً مرد عموماً عورتوں سے امور مذکورہ کے اعتبار سے افضل ہیں۔ اب اگر کوئی خاص عورت امور مذکورہ میں مردوں سے افضل یا اُن کے مساوی ہو جائے تو کلیہ نہیں ٹوٹتا۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ خدا تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے اُس نے اپنی حکمت سے مردوں اور عورتوں میں یہ تفاوت جسمی و عقلی اور اختلاف فرائض صنفی پیدا کیا۔ مردوں کے فرائض علیحدہ بنائے اور اُن کے اعضاء بھی ویسے ہی بنائے۔ عورتوں کے فرائض جدا مقرر کیے اور ویسے ہی خلقت اعضاء اُن کو عنایت کی۔ مردوں اور عورتوں کو مساویانہ حقوق دیے پھر اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور نظم عالم قائم رکھنے کے لئے مرد کو بعض امور میں عورت پر فضیلت عطا کی اور درجہ بڑھایا۔

مقصود بیان: مطلقہ عورت کی مدت کا بیان۔ جدید شوہر کرنے کی جلدی میں حیض کے حساب میں غلطی کرنے یا پہلے شوہر کے حمل کو چھپانے کی ممانعت۔ مردوں کو رجوع کا مستقل حق حاصل ہونا۔

عورتوں کو دُکھ دینے اور ضرر پہونچانے کی غرض سے رجوع کرنے کی ممانعت انسان کے ہر دو صنف کے مساویانہ حقوق کا اعلان۔ ہر ایک کے فرائض زندگی اور واجبات حیات کی علیحدگی۔ مساوات و اتحاد قائم رکھنے کے لئے مرد و زن کے واسطے بعض امتیازی خصوصیات۔ اس تفاوت خلقی اور اختلاف فرائض اور مردوں کی امتیازی خصوصیت کے پُرحکمت ہونے کی طرف اشارہ۔ وغیرہ۔

چند مسائل

جو عورتیں جوان ہوں اور رسم زفاف کی ادائیگی کے بعد اُن کو طلاق دی گئی ہو تو اُن کی عدت کی میعاد تین حیض ہیں۔ جو عورتیں بہت بوڑھی ہو گئی ہوں کہ ان کو حیض نہ ہوتا ہو یا بہت کم سن ہوں کہ استقرار حمل کے قابل نہ ہوں اُن کی عدت تین ماہ ہے۔ حاملہ کو اگر طلاق دی تو وضع حمل تک اُسکی عدت ہے جب بچہ پیدا ہو جائے خواہ دو برس میں یا طلاق کے دوسرے روز بہر صورت اسکی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ طلاق میں نیت ضروری نہیں اور نہ طلاق کی اطلاع عورت کو ضروری ہے۔

یکلخت دے ڈالے۔ اب دو طلاقوں کے بعد یا تو حسن معاشرت اور صلح صلاح سے عورت مرد مل کر رہیں عورت پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو ورنہ اچھی طرح اور حسن سلوک سے چھوڑ دے پھر رجوع نہ کرے عدت گذر جانے کے بعد عورت جس سے چاہے نکاح کرلے یا ویسے نہ چھوڑے تو تیسری طلاق دیکر چھوڑ دے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو خوش معاملگی اور حسن معاشرت کے ساتھ ہو عورت کو دق نہ کرے اور نہ اُس کے عیوب دنیا کے سامنے بیان کرتا پھرے نہ اُس کو گالی کوسنا دے نہ جسمانی تکلیف پہونچائے۔

مقصود بیان:۔ مردوں کی زیادتی اور تعدی کی بندش۔ حسن معاشرت اور خوش معاملگی کی تعلیم۔ عورت رکھنے اور چھوڑنے میں فرض شناسی اور خوش سلوکی کی ہدایت۔ عورتوں پر ظلم و جور کرنے اور اُن کو معلق رکھنے سے بازداشت۔ خلاصہ یہ کہ حقوق صنفی کا اظہار۔ نظام عالم کو درست رکھنے کی تلقین اور اتحاد و محبت کے ساتھ باہم برتاؤ کرنے کا حکم اور امن عامہ کے اسباب کا اعلان۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ

طلاق دو بار (تک) ہے اسکے بعد یا تو حسن سلوک کے ساتھ روک رکھنا چاہئے

اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ

یا حسن خلق کے ساتھ آزاد کر دینا

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

اور جو چیز تم عورتوں کو دے چکے ہو اُسمیں سے کچھ واپس لینا تمہارے لئے

شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ

جائز نہیں البتہ اگر زوجین کو اندیشہ ہو کہ احکام الٰہی پر قائم نہ رہ سکینگے

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا

لہٰذا اگر تم کو اندیشہ ہو کہ زوجین احکام خدا پر قائم نہ رہ سکینگے تو اُس

جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ

مال کو (لے لینے میں) کوئی حرج نہیں جو عورت اپنا پیچھا چھڑانے کیلئے مرد کو دے

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو جو لوگ اللہ کی

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

حدوں سے آگے بڑھتے ہیں وہی ناحق کوش ہیں

تفسیر

گذشتہ آیت میں جب مردوں کو مستقل طور پر طلاق کے بعد رجوع کر لینے کا حق دیدیا گیا تو بعض لوگ اپنی عورتوں کو بے تعداد طلاق دیدیتے تھے پھر عورتوں کو ایذا پہونچانے کی غرض سے جب اُن کی عدت پوری ہونے کے قریب ہوتی تو فوراً اُن سے رجعت کر لیتے تھے۔ وہ بیچاریاں بین بین حالت میں رہتی تھیں نہ تو بیویوں کا سا برتاؤ اُنکے ساتھ ہوتا تھا اور نہ بالکل تعلق ہی منقطع ہوتا تھا کہ اس شوہر سے جدا ہو کر دوسرا شوہر کرلیں۔ چنانچہ ایک بار کسی انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کہ واللہ میں تجھے ایسا کر کے چھوڑونگا کہ تو نہ شوہر والی ہو گی نہ بے شوہر والی۔ یہ کہکر انصاری نے اُسکو طلاق دیدی اور جب عدت گذرنے کا وقت قریب آیا تو رجعت کرلی پھر اُسکو طلاق دیدی اسی طرح اُس نے کئی بار کیا۔ عورت نے حضرت عائشہ سے جاکر شکایت کی حضرت عائشہ رضی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

یعنی صرف دو طلاق تک رجوع کرنے کا حق ہے اور دونو طلاقیں بھی الگ الگ باری باری سے دینی چاہئیں یہ نہیں کہ سیکڑوں طلاقیں

تفسیر

یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور اُن کی بی بی جمیلہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جمیلہ کو ثابت نے ایک باغ مہر میں دیا تھا جمیلہ نے وہ باغ واپس کرکے خلع کرنا چاہا اور شوہر سے

علیحدہ ہو جانے کی درخواست کی تو یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی - یہ آیت
پہلی آیت کا تکملہ ہے پہلی آیت میں عورتوں سے حسن سیرت اور خوش معاشگی
سے پیش آنے کا حکم تھا اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ تم نے
عورتوں کو دیدیا ہے خواہ مہر ہو یا بطور بخشش کے زیور کپڑا جوڑا ہو اور
دیگر سامان دیا ہو ان میں سے کچھ زبردستی اور عورت کی ناراضگی سے
واپس نہ لو - اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ہاں اگر
مرد نے دو طلاقیں دیدی ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو خیال ہو
کہ اب ہماری قانون شریعت کے موافق حسن سلوک کے ساتھ نہ گذرے گی
اور آیندہ نبھاؤ اچھا نہ ہوگا تو آئندہ کی تو تو میں میں سے یہی بہتر ہے
کہ اگر عورت اپنی خوشی کچھ مال دیکر اپنے نفس کو آزاد کرانا چاہے تو اس
سے مال لیکر آزاد کر دیا جائے - فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ
اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ - یہ زوجین کے اولیاؤ
سرپرستوں کو خطاب ہے یعنی اب اگر تم کو قرائن اور کیفیت احوال
سے یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں میں گذارا نہیں ہو سکتا - قوانین
اسلام کے موافق یہ آپس میں مل کر نہیں رہ سکتے اور عورت کچھ مرد کو
دیکر گلوخلاصی کرانی چاہتی ہے تو تم مت روکو مرد کو چاہئے کہ مال قبول
کرلے اور اسکو چھوڑ دے - علماء نے بیان کیا ہے کہ اگر عورت سرکش
ہے تو دیے ہوئے مہر سے زائد بھی لینا جائز ہے اور اگر مرد کی طرف
زیادتی ہے تو دیے ہوئے مہر سے زائد لینا ہرگز جائز نہیں -
تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا یعنی مذکورہ بالا احکام خدائی
قوانین ہیں جو سب لوگوں کو ایک حد مخصوص کے اندر لاکر کاربند اور عمل
پیرا بنانے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں - ان قوانین میں غریب امیر
شریف رذیل عالم جاہل اور بادشاہ وفقیر کی کوئی تفریق نہیں -
تم کو ان سے بہر صورت تجاوز اور سرتابی نہ کرنی چاہئے - وَمَنْ یَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ کیونکہ جو لوگ قوانین الٰہی
سے سرتابی کرتے ہیں اور ان کے دائرہ سے آگے بڑھتے ہیں وہ بیجا
بات کرتے ہیں اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں وبال آخرت مول لیتے ہیں

مقصود بیان :- نظام عالم کی درستگی اور بقاء کیلئے قانون
خلع کا اجراء - دنیا و تباہی سے دنیا کو بچانے کے لئے خلع کی شرط پر
کاربند ہونے کی ہدایت - حتی الامکان زوجین میں صلح کرانے اور
میل جول پیدا کرنے کی کوشش کرنے کا ضمنی امر اور بصورت
مایوسی یا بوقت مجبوری خلع کرنے سے نہ روکنے کا حکم - قوانین الٰہی
میں مساوات عامہ کا اظہار اور امتیاز نسلی قومی وجاہت ذاتی شرف
حاکمانہ تفوق اور علم و دولت کی برتری و فضیلت کی بناء پر کسی کو عام قانون
سے مستثنیٰ کرنے کی نفی - قوانین الٰہی پر پابند رہنے اور احکام شریعت
کے سامنے رشتہ در گردن اور حلقہ بگوش رہنے کی نصیحت - بصورت
خلاف ورزی عذاب کی وعید - وغیرہ -

فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی

پھر اگر مرد عورت کو طلاق دیدے تو اسکے بعد وہ عورت اسکے لئے حلال نہیں

تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا جُنَاحَ

تاوقتیکہ وہ کوئی دوسرا شوہر نہ کرلے اب اگر دوسرے شوہر نے اسکو طلاق دیدی تو پہلے

عَلَیْھِمَآ اَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا

شوہر اور اس عورت پر کوئی گناہ نہیں اگر پھر (نکاح کرکے) مل جائیں بشرطیکہ یہ خیال ہو

حُدُوْدَ اللّٰہِ ۭ وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ یُبَیِّنُھَا

کہ احکام خدا کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کے احکام ہیں سمجھدار آدمیوں کے لئے

لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝

خدا ان کو صاف صاف بیان کرتا ہے

تفسیر یہ آیت عائشہ بنت عبد الرحمن کے بارہ میں نازل ہوئی
جنہوں نے اپنے شوہر رفاعہ سے طلاق پانے اور ایام
عدت گذارنے کے بعد عبد الرحمن بن زبیر سے نکاح کرلیا لیکن انہوں
نے قبل جماع طلاق دیدی تو عائشہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
سے پہلے شوہر یعنی رفاعہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی -
حضور نے ارشاد فرمایا نہیں جب تک جماع کے بعد طلاق نہ ہو حلالہ
درست نہیں اور پہلے شوہر کے نکاح میں آنا جائز نہیں -
آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے دو طلاقیں دینے کے
بعد تیسری طلاق بھی دیدی تو اب اس شوہر کو رجوع کرنے کا حق نہیں
رہا اور عورت اس کے لئے حرام ہوگئی دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا
ہاں اگر یہ عورت کسی اور شخص سے نکاح کرلے اور دوسرے شوہر
سے قربت صحیح بھی ہو جائے اور پھر وہ طلاق بھی دیدے تو زمانہ
عدت گذرنے کے بعد پہلے شوہر سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے -
فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ
اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ پہلے دو طلاق دینے کا اختیار دیا گیا تھا
پھر ذیلی حکم خلع کا دیا گیا - اسکے بعد حلالہ کا جواز ظاہر کیا گیا - یہ آیت
حلالہ والی آیت کا تتمہ ہے - گویا حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب عورت
زوج ثانی سے نکاح کرلے اور پھر یہ شوہر بھی منافع صنفی سے بہرہ اندوز

ہونے کے بعد اُسکو طلاق دیدے اور طلاق کے بعد زمانہ عدت بھی گذر جائے تو اب کوئی ہرج نہیں ہے کہ عورت اور زوج اول باہم میل کر لیں اور جدید نکاح کر لیں بشرطیکہ یہ خیال ہو کہ ہم قانونِ الٰہی کے موافق نہایت اتحاد و ملاپ کے ساتھ گذارا کر سکینگے اور ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کریں گے لیکن زوج ثانی سے یہ شرط نہ کرلی جائے کہ تجھے نکاح کے بعد طلاق ضرور دینی ہوگی عورت کا تیرے ساتھ نکاح صرف اس وجہ سے کیا جا رہا ہے کہ پہلے شوہر سے عورت کے نکاح کا جواز ہو جائے۔ حدیث میں ایسے لوگوں پر لعنت کا حکم آیا ہے۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ یعنی مذکورۂ بالا خلع اور حلالہ کے احکام خدا کے قائم کردہ قوانین ہیں خدا نے سمجھدار اور ذی فہم لوگوں کے منافع کے لئے ان کو بیان کیا ہے تاکہ ہوشیار اور زیرک دماغ رکھنے والا طبقہ اسکے فوائد پر غور کرے اور سمجھے کہ ان احکام کے تحت میں کیا اسرار و مصالح ہیں خلع سے کس قدر حقوق نسوانی کی تکمیل، مساوات صنفی کا اظہار، نظام معاشرت کی درستگی اور قانونِ تمدن کی اصلاح ہوتی ہے اور حلالہ میں کیسے کیسے راز پوشیدہ ہیں۔ شوہر اول اپنے فعل مکروہ یعنی طلاق کی پوری سزا برداشت کر لیتا ہے اور دوبارہ نکاح کرنے کے بعد پھر اُسکو طلاق دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لوگوں کو جب اس قانون کا علم ہوتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اسوقت جوش غضب میں آکر طلاق دیدی اور پھر رجوع نہ کیا تو آئندہ پچھتانا پڑے گا۔ عورت کے برادر اور لوگ ہو جائینگے اگر ہم دوبارہ نکاح کرنا چاہینگے تو جبتک کوئی دوسرا شوہر منافع جنسی اُس سے حاصل نہ کرلے ہم نکاح نہ کر سکینگے اس حمیت انگیز خیال کی وجہ سے اکثر لوگ طلاق جیسے مکروہ فعل کیطرف اقدام نہ کرینگے اور مغلوب الغضب نہ بنینگے۔

مقصود بیان:۔ حلالہ کا جواز۔ شوہر اول کو اُسکے فعل مکروہ کی کافی سزا برداشت کرنے کا رجوبی امر۔ طلاق کی کراہت کا ضمنی اظہار۔ مدنیت عامہ اور اصلاح معاشرت کیلئے عدیم المثال قانون کا اجراء۔ حقوق صنفی کی ادائگی کیطرف لطیف اشارہ۔ نظام معاشرت کی اصلاح۔ اختلاط نطفہ اور اشتراک فی النسب سے محفوظ رکھنے کیلئے عدت کا لزوم۔ قانون الٰہی کی پابندی کا بغیر کسی تفریق و امتیاز کے وجوبی حکم وغیرہ۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے کو ہوں

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ

تو یا تو حسن معاشرت کے ساتھ اُن کو روک رکھو یا حسن سلوک سے اُن کو

بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا

آزاد کردو اور تکلیف دینے کے لئے اُن کو نہ روک رکھو کہ پھر ان پر زیادتی کرنے لگو

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

اور جو شخص ایسا کرے گا وہ کچھ اپنا ہی کھوئے گا

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا

اور اللہ کے احکام کا مذاق نہ اُڑاؤ اور اللہ نے جو

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ

احسان تم پر کیے ہیں اُن کو یاد کرو اور جو کتاب و شریعت اُس نے تم پر

الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

نازل کی ہے اُس سے تمہیں نصیحت دیتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اور جانے رہو کہ خدا سب کچھ جانتا ہے

تفسیر ثابت بن یسار نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور جب عدت گذرنے کے تین دن باقی رہے تو رجعت کرلی پھر اسکے بعد دوسری مرتبہ طلاق دیدی اور پھر عدت کے ختم ہونے سے تین روز قبل رجعت کرلی اور پھر طلاق دیدی اسی طرح تین مرتبہ کیا اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اس فعل کی ممانعت کردی گئی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب عورت کو طلاق دیدی جائے اور عدت کا زمانہ ختم ہونے کے قریب ہو تو یا تو رجعت کر لینی چاہیے لیکن عورت کو ضرر و تکلیف پہونچانے کے لئے نہیں بلکہ دستور کے مطابق اصلاح معاشرت اور اتحاد و الفت کے لیے یا اُسکو آزاد کر دینا چاہیے لیکن آزادی میں بھی اُسکو ضرر پہونچانے کا خیال نہ کیا جائے تنگ نہ کیا جائے زدوکوب لعن طعن اور دراز دستی نہ کی جائے بلکہ حسن سلوک اور شرافتِ انسانی کو مدنظر رکھکر آزاد کر دیا جائے۔ اگر اُسکو روکا جائے اور رجعت کرنے کا خیال ہو تب بھی اُس کو دکھ پہونچانے اور اُس پر زیادتی کرنے کے ارادہ کو دور رکھا جائے۔ دستور کے موافق خوش معاملگی اور حسن سیرت کے ساتھ اُسکو روکا جائے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ اگر کوئی شخص عورت

پر زیادتی کرنی چاہیگا اور اُسکو ضرر و تکلیف پہونچائیگا خواہ رجعت کی صورت میں یا آزادی کی صورت میں تو وہ خود اپنا نقصان کریگا اپنے فعل کا وبال اُسکو برداشت کرنا ہوگا۔ عورت کی حق تلفی کا عذاب اُسکی گردن پر ہوگا۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ طلاق دیدی اور کہدیا کہ ہم نے تو یونہی دل لگی میں کہدیا تھا۔ اسی طرح غلام آزاد کردیا اور کہدیا کہ ویسے ہی مذاق سے ہم نے آزاد کیا تھا اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی محل مذاق نہیں ہیں انکو لہو و لعب کی طرح بے وقعت نہ سمجھو بلکہ احکام شریعت کی پابندی کرو جو لفظ شریعت کے مطابق زبان سے نکالو اُس پر عمل بھی کرو۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور جو نعمتیں خدا تعالیٰ نے تم کو عطا فرمائی ہیں اُن کو یاد کرو اور شکریہ ادا کرو تم پہلے گمراہ تھے خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرما کر نور ایمان سے تمہارے دلوں کو روشن کیا ذلت کے بعد عزت اور ضعف کے بعد قوت عنایت کی بد افعالی اور زیاں کاری کی بجائے اخلاقِ فاضلہ سے تم کو آراستہ کیا۔ یہ سب خدا داد نعمتیں ہیں ان کا شکر واجب ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ قرآن پاک اور حکمت (وحی خفی یعنی احادیث رسول اللہؐ) سے تم کو سرفراز کیا اور ان پر عامل ہونے کی تم کو ہدایت کی لہذا تم کو نہایت کوشش سے حکم الٰہی پر کاربند ہونا چاہئے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور خدا سے ڈرنا چاہئے۔ اتقاء نفس اور تعمیل حکم الٰہی کا التزام کرنا چاہئے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور سمجھ رکھنا چاہئے کہ خدا سب کچھ جانتا ہے زبان سے جو لفظ طلاق یا غلام کو آزاد کرنے کے متعلق تم نکالتے ہو اور جو نیت رکھتے ہو اُس سے بھی واقف ہے اور یہ بھی اُسکو علم ہے کہ تم اُسکے احکام کا مذاق اُڑاتے ہو یا نہیں۔

مقصود بیان:۔ نہایت بلند آہنگی سے حقوق نسوانی کے تحفظ کا اعلان۔ عورت کو چھوڑنے اور رکھنے کی دونوں صورتوں میں شرافت انسانی اور قانون عدل پر کاربند رہنے کا درس۔ عورتوں کی حق تلفی کرنے والوں اور اُن پر زیادتی کرنے والوں کے لئے سخت وعید۔ حالت صلح و جنگ دونوں میں قانون عدالت کی پابندی کی مسلمانوں کو ہدایت۔ خدا داد نعمتوں کی یاد دہانی اور اُن کا شکریہ ادا کرنے کا وجوبی حکم۔ اس امر کی ضمنی صراحت کہ احادیث رسول ؐ اور قرآن پاک نعمت عظمیٰ ہے اور تمام جسمانی و روحانی نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے یعنی پیدائش اور تربیت بھی نعمتیں ہیں مال و دولت عزت و جاہ سب نعمتیں ہیں لیکن سب سے بڑھ کر نعمت قرآن اور سنت رسول ؐ ہے کیونکہ یہی حیاتِ حقیقیہ کے حصول کا سرچشمہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے احاطۂ علمی کا بیان اور اس بات کی تصریح کہ کوئی چیز اُس کے دائرہ علمی سے خارج نہیں۔ وغیرہ۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی پوری عدت کو پہونچ جائیں

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

تو پھر اُن کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ

بشرطیکہ دستور کے مطابق وہ باہم رضامند ہو جائیں یہ

يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

نصیحت اُسکو کیجاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور روز آخرت پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ

ایمان رکھتا ہے یہ تمہارے لئے بڑی مفید اور پاکیزہ بات ہے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اور اللہ واقف ہے تم ناواقف ہو

تفسیر معقل بن یسار مزنی نے اپنی بہن کا نکاح حضرت عبداللہ بن عاصم سے کیا تھا۔ عبداللہ نے کسی بات پر اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور عدت پوری ہو گئی۔ اسکے بعد پھر اُنہوں نے اسی مطلقہ بیوی کو نکاح کا پیام بھجوایا اور وہ بھی رضامند ہو گئی لیکن حضرت معقل نے کہا کہ عبداللہ میں نے اپنی بہن کو تیرے نکاح میں دیکر تیری عزت افزائی کی تھی لیکن تو نے قدردانی نہ کی اور اُسکو طلاق دیدی اب تو پھر نکاح کرنا چاہتا ہے پس اب نکاح ہونا ناممکن ہے میں ہرگز اب تیرے ساتھ نکاح نہ ہونے دونگا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حضرت معقل نے آیت کو سن کر عبداللہ بن عاصم کو خود بلا کر اپنی بہن کا دوبارہ اُن کے ساتھ نکاح کر دیا۔

آیت کا ماحصل مطلب یہ ہے کہ جب تم عورتوں کو ایک یا دو طلاقیں دے چکو اور اُن کی عدت کا زمانہ ختم ہو جائے تو اب اگر اُن کے شوہر اور وہ باہم نکاح جدید کرنے پر بخوشی رضامند ہوں تو اُن کو عورت کے

سر پرست نہیں روک سکتے لیکن شرط یہ ہے کہ دستور کے موافق نکاح ہو یں ایسا نہو کہ چھپے چوری کر لیں یا پہلے سے یارانہ گانٹھ کر بعد کو نکاح کریں بلکہ نہایت شرافت و پاکیزگی کے ساتھ باعزت طریقہ پر نکاح کرنا چاہیں تو پہلے شوہروں سے بھی کر سکتی ہیں کسی کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ذٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

یعنی یہ نصیحت مسلمانوں کے لئے ہے وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اُن کا ایمان خدا اور روز آخرت پر ہے وہ یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ تعمیل احکام کی ہم کو جزا دیگا۔

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ - یہ فعل یعنی تراضی زوجین کی صورت میں اُن کو نکاح سے نہ روکنا عورت اور مرد کے اولیاء کے نہایت پاکیزگی اور صفائی کا کام ہے کیونکہ دو طلاق دینے کے بعد ضرور میاں بیوی کو ایک دوسرے سے تعلق خاطر رہتا ہے یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ عورت کو تیسری طلاق نہیں دیتا اور جب تعلق خاطر باقی رہا اور نکاح جدید سے اُن کو روکا گیا تو زنا کا خوف ہے ممکن ہے کہ وہ خفیہ تعلقات پیدا کر لیں جس سے بدنامی عزت کی بربادی اور وبال دنیوی واخروی دونوں کے گردن پر رہیگا لہذا مناسب یہی ہے کہ اُن کا باہم نکاح ہونے دیا جائے اس میں زنا کا احتمال نہیں بدنامی اور خاندانی عزت کی بربادی کا شبہہ نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ کیا وارق ہیں اُن کو ایک دوسرے سے لگاؤ بھی ہے اور اس نکاح کا نتیجہ اچھا ہوگا اور نکاح نہ کرنے کا ثمرہ بُرا نکلیگا

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اسکو خدا ہی جانتا ہے لوگوں کو اس کا علم نہیں نہ کوئی اس اجازت نکاح کے فوائد سے واقف ہے کہ ان دونوں میاں بیوی کے نکاح کرنے سے کیا فوائد بر آمد ہونگے اور نکاح نہ کرنے دینے سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہونگی۔

مقصود بیان: ـ اگر مرد نے عورت کو دو طلاقیں دیدیں اور عدت کا زمانہ ختم ہوگیا تو دوبارہ بغیر حلالہ کے زوجین نکاح کر سکتے ہیں کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

آیت میں چند امور کی طرف لطیف اشارات کئے گئے ہیں۔ محبت زوجین کے جذبات کی رعایت: نکاح جدید کو عار و ننگ خیال کرنے کی ممانعت۔ مرد و عورت کے خفیہ معاہدات کی بازداشت۔ شرافت انسانی اور عزت خاندانی کو باقی رکھنے کی کوشش: نکاح سے قبل یارانہ یا خفیہ طور پر نکاح کر لینے سے امتناع۔ زنا اور دواعی زنا سے اجتناب کی لازمی ہدایت۔ طہارت نفسانی پاکیزگی اخلاق اور محاسن تمدن حاصل کرنے کا حکم۔ حمیت جاہلیت اور مضرت انگیز قومی یا خاندانی رسوم کی بیخ کنی۔ مدنیت اور اجتماع انسانی کو تباہ کرنے والے رسم و رواج کے ترک کر دینے کا امر۔ وغیرہ۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ

كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ

پلائیں یہ حکم اس کا ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہتا ہو

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ

اور جس کا وہ بچہ ہے اُس پر عورتوں کا کھانا اور کپڑا

بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا

حسب دستور لازم ہے مگر کسی کو برداشت سے زائد تکلیف نہ دیجائے

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ

نہ تو ماں کو اسکے بچہ کی وجہ سے نقصان پہونچایا جائے نہ باپ کو اُسکے بچہ

بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ

کی وجہ سے اور وارث پر بھی ایسا ہی لازم ہے پھر اگر

اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ

ماں باپ باہمی رضامندی اور مشورہ سے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا

تو کوئی ہرج نہیں ہے اور اگر تم اپنے بچوں کو کسی سے دودھ پلوانا چاہو

اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا

تو کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ جو اُن کو دینا ٹھہرایا ہے وہ حسن سلوک کے

اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا

ساتھ دیدو اور خدا سے ڈرتے رہو اور جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

کہ اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر

ان آیات میں دودھ پلانے کا حکم ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ حکم اُن عورتوں کے لئے مخصوص ہے جن کو طلاق دی گئی ہے

اکثر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے ابن جریر کا بھی یہی مختار ہے۔ لیکن بعض لوگ عموم حکم کے قائل ہیں۔

طلاق کے بعد مرد و عورت میں ایک دشمنی و بغض پیدا ہو جاتا ہے اگر مطلقہ عورت کا کوئی شیرخوار بچہ رہ جائے تو اس کے دودھ پلانے کے متعلق جھگڑا ہوتا ہے۔ عورت خواہ مخواہ یا کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلینے کی وجہ سے اس بچہ کی طرف سے بے التفاتی کرتی ہے اور اسکو دودھ پلانے سے انکار کرتی ہے اور شوہر کو اسکی پرورش میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف بغض و عناد کی وجہ سے مرد مطلقہ عورت سے بچہ کو چھیننا چاہتا ہے تاکہ عورت کو بچہ کی جدائی کی تکلیف ہو۔ اسلئے آیات مذکورہ میں ان تمام امور کا فیصلہ کر دیا گیا۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔ یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں۔ استحقاق اجرت ان کو دو سال دودھ پلانے کا ہے اور یہ حکم اس شخص کو دیا جاتا ہے جو مدت رضاعت کی تکمیل کرانی چاہے یعنی دو سال سے زائد دودھ پلانے پر عورت کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اگر اپنی خوشی سے زائد مدت تک پلائے تو استحقاق اجرت کا دعوی نہیں کر سکتی۔ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور بچوں کے باپ پر لازم ہے کہ رضاعت کی اجرت میں بچوں کی ماں کو دستور کے موافق روٹی کپڑا یا نقد تنخواہ دے یعنی نہ عورتوں کو تکلیف دی جائے کہ ان سے بچہ چھین لیا جائے یا اجرت بہت ہی کم دی جائے اور نہ مرد پر زیادتی کیجائے کہ اسکے حوصلہ سے زائد اس پر عورت کے مصارف کا بار ڈالا جائے بلکہ حیثیت کے موافق نان و نفقہ کی خبر گیری کی جائے۔ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔ خلاصہ یہ کہ کسی شخص کو فریقین میں ناقابل برداشت یا تکلیف دہ کام پر مجبور نہ کیا جائے۔ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا یعنی نہ تو بچہ کی ماں کو تکلیف دی جائے کہ اسکی اولاد چھین لی جائے یا دو برس سے زائد زبردستی دودھ پلوایا جائے یا اجرت رضاعت نہ دی جائے یا نان و نفقہ اسکو کم دیا جائے۔ وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ اور نہ باپ کو ضرر پہونچایا جائے کہ شیر خوار بچہ کی پرورش اسکے سر ڈالدی جائے یا نان و نفقہ کا اتنا گراں بار اسکے سر پر ڈالدیا جائے کہ اس میں برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو۔ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ اور اگر باپ نہ ہو تو اسکے وارثوں پر بھی اسی طرح کا نان نفقہ واجب ہے جسطرح باپ پر واجب تھا فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ اب اگر والدین باہمی مشورہ اور رضامندی کے بعد بچہ کا دودھ (دو سال سے کم میں) چھڑانا چاہیں اور مدت رضاعت کی تکمیل نہ کرنی چاہیں فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا تو کوئی ہرج نہیں ہے ان کو اختیار ہے کیونکہ والدین کو جتنی شفقت و محبت اپنی اولاد سے ہو سکتی ہے اتنی دوسرے کو نہیں ہو سکتی اور والدین جسقدر اپنی اولاد کے مصلحت بین ہوتے ہیں اتنا غیر آدمی نہیں ہو سکتا۔ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ یہ خطاب والد اور والدہ دونوں کو ہے یعنی اگر ماں باپ کو یہ منظور ہو کہ بچہ کو کسی دائی کا دودھ پلائیں اور اس میں والدہ کی یا والد کی کوئی مصلحت ہو فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ تو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے بشرطیکہ مقررہ اجرت بخوبی کامل طور پر بسہولت ادا کر دی جائے کچھ رگڑا جھگڑا یا کمی بیشی نہ کی جائے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ خدا سے ڈرتے رہو نیت اچھی رکھو اور شرع الٰہی کے مطابق اعمال پر کاربند رہو یہ نہ خیال کرو کہ ہمارے اس فعل کی کس کو خبر ہوگی۔ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ کیونکہ خدا تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ تمہارے ہر فعل کو دیکھتا اور ہر نیت کو جانتا ہے۔

مقصود بیان: آیت میں عورت کو دودھ پلانے کی اور بچہ پر شفقت کرنے کی طرف ایک لطافت آمیز ترغیب ہے یعنی یہ کہا گیا کہ عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ مقصد یہ ہے کہ چونکہ وہ تمہاری ہی اولاد ہے اور تمہارا جزو ہے وہ تمہاری شفقت و محبت کی مستحق ہے اسلئے تم کو دودھ پلانا چاہئے اور باپ کے سر نہ مار دینا چاہئے۔ اسی طرح باپ کو رحم دلانے کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ چونکہ اس بچہ کے تم باپ ہو اسلئے اسکی سرپرستی نگہداشت تربیت اور اسکی حفاظت جان کے اسباب مہیا کرنا تمہارا فرض ہے تم پر لازم ہے کہ اسکو ماں کے سر پر خواہ مخواہ نہ ڈالدو بلکہ رضاعت کی اجرت مقدرت کے موافق ادا کرو۔

آیت میں مساوات صنفی، تحفظ حقوق، اولاد پر رحم و شفقت اور اصول تمدن کا زرین ذخیرہ موجود ہے۔ ناقابل برداشت یا تکلیف دہ امور پر مجبور کرنے کی ممانعت ہے۔ دایہ سے دودھ پلوانے کی اجازت کی بھی صراحت ہے۔ دو سال سے کم میں بشرط رضامندی والدین دودھ چھڑانے کی بھی اباحت ہے اور اخیر میں نیک اعمالی ادائیگی حقوق اور حسن نیت کیطرف ترہیب نما ترغیب ہے۔

چند مسائل

دو برس کامل دودھ پلانا ضروری نہیں بلکہ والدین باہم مشورہ کرکے اگر دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑا دیں تو جائز ہے لیکن اگر صرف عورت یا صرف مرد

بغیر دوسرے کی رضا مندی کے دودھ چھڑانا چاہے تو جائز نہیں۔

آیت کا حکم اگرچہ مطلقہ عورت کے متعلق ہے لیکن اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ حکم عام ہے بیوی کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں بیوی کا نان نفقہ بحق زوجیت ہے۔

دودھ پلانے کی مدت زائد سے زائد دو سال ہے اس سے زائد جائز نہیں۔

ماں اگر معذور نہ ہو تو اُسپر اپنے بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے اور اگر منکوحہ ہو یا عدت میں ہو تو اُجرت لینا جائز نہیں کیونکہ پہلی صورت میں اُسکو نان نفقہ بحق زوجیت اور دوسری صورت میں بحق عدت ملیگا اجرت کی ضرورت نہیں۔

اگر عدت ختم ہو گئی تو بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں۔

اگر عدت ختم ہو جائے اور عورت دودھ پلانے سے انکار کرے تو اُس سے جبرا دودھ نہ پلوایا جائیگا یعنی اُجرت دینے کے باوجود پھر بھی جبر نہ کیا جائیگا ہاں اگر بچہ دوسری عورت کا دودھ نہ پیئے تب جبر کیا جائے گا۔

اگر ماں دودھ پلانا چاہے تو باپ کے لئے جائز نہیں کہ اُس سے چھڑا کر دوسری انا کا دودھ پلائے۔ ہاں اگر ماں کا دودھ بچہ کو نقصان دیتا ہو تو دوسری کا دودھ پلانا جائز ہے۔

باپ موجود ہو تو بچہ کی پرورش کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور جب باپ مرجائے اور بچہ کا مال (بطور ترکہ) موجود ہو تو بچہ کے مال میں سے اُسکی پرورش کا صرف دیا جائیگا۔ اگر بچہ مفلس ہو باپ نے ترکہ نہ چھوڑا ہو تو باپ کے جو قریبی عزیز اور محرم ہیں اور شرعاً مستحق میراث ہیں اُنکے ذمہ بچہ کی تربیت کے مصارف ہونگے۔

انا کا دودھ پلوانا جائز ہے لیکن جو اجرت طے ہو جائے اُسکی ادائیگی بلا کم وکاست اور بغیر رگڑے جھگڑے کے ضروری ہے۔ وہ اُسکو دینی لازم ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ

اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور بیبیاں

اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ

چھوڑ جائیں تو عورتوں کو چار ماہ دس روز اپنے آپ کو

اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

روک رکھنا چاہیئے پھر جب وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

تو شریعت کے مطابق جو کچھ وہ اپنے حق میں کریں تم پر اُس کا

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

کچھ گناہ نہیں اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر عدت تین طرح کی ہوتی ہے (۱) عدت طلاق اس کے حکم اور مقدار کا گذشتہ آیات میں ذکر ہو گیا (۲) عدت وفات اس کا بیان اس آیت میں کیا گیا (۳) عدت اُس حاملہ کی جس کا شوہر مرگیا ہو اس کا حکم آیت واولات الاحمال میں ذکر کیا گیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:-

جن عورتوں کے شوہر مرجائیں اور وہ حاملہ بھی نہوں تو اُنپر لازم ہے يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا کہ چار ماہ دس شب نکاح جدید اور مناسبات نکاح سے پرہیز رکھیں زیب وزینت سرمہ خوشبو وغیرہ سے الگ رہیں اور بغیر ضرورت خاص اُس گھر سے باہر نہ نکلیں جس گھر میں شوہر نے وفات پائی ہے تاکہ نکاح سابق کی عزت حرمت کا بقاء ہو فانی کے اسباب ومناسبات سے اجتناب اور شوہر سے محبت کے جذبات کا مظاہرہ ہو سکے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ شوہر کا بچہ شکم میں ہے یا نہیں۔ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ہاں جب عدت مقررہ ختم ہو جائے اور چار ماہ دس روز گذر جائیں فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ تو اب کسی مسلمان کو حق نہیں کہ اُن کو اُن کے شخصی تصرف اور ذاتی استحقاق نکاح سے روکے وہ آزاد ہیں زیب وزینت کر سکتی ہیں سرمہ اور خوشبو لگا سکتی ہیں نکاح کر سکتی ہیں لیکن یہ تمام امور شرع عزت خاندان اور حرمت اسلام کے موافق ہونی چاہئیں کوئی فعل ختم عدت کے بعد بھی ایسا نہ ہونا چاہئے جس سے بدچلنی کا شبہ ہو سکے اب اگر کوئی روکیگا اور عورت کو اُس کے جائز حق سے محروم کریگا تو وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ چونکہ خدا تعالیٰ کو بندوں کے تمام اعمال کی خبر ہے اسلئے وہ اس حق تلفی کی سزا دیگا۔

مقصود بیان: جس عورت کا شوہر مرجائے اُس کے لئے چار ماہ دس روز عدت کرنے اور سوگ کرنے کا وجوب بشوہر سابق کے عزت وحرمت کی پاسداری۔ محبت زوجیت کا مظاہرہ خلط نطفہ کی ضرورت کی طرف لطیف اشارہ اور حسن فروشی کی ایک ناقابل زوال حکمت آمیز ضمنی ممانعت۔ عورتوں کے حقوق

کے تحفظ کی صراحت اور اُن کو اپنے نکاح کا مستقل اختیار لیکن قانون شرع اور خاندانی رقومی عزت کی پاسداری اُن کے لئے ضروری ہے اگر ملی قومی یا شرعی نقطۂ نگاہ سے اُن کا نکاح ناجائز ہو یا بد وضعی کا شبہہ تو ہر مسلمان مرد ہر مسلمان عورت کو روک سکتا ہے عَلَيْكُمْ میں خطاب تمام مسلمانوں کو ہے حمیت جاہلیت یا رسم قومی کی بنا پر عورتوں کو اُن کے جائز حقوق سے محروم کر دینے پر وعید۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ

اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ عورتوں سے نکاح کا

خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ

پردہ پردہ میں پیام دو یا دل میں چھپائے رکھو

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا

اللہ کو معلوم ہے کہ تمہیں اُن عورتوں کا خیال ضرور پیدا ہوگا لیکن

تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا

اُن سے نکاح کا وعدہ خفیہ نہ کرو ہاں رواج کے مطابق

مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ

بات کر لو تو کوئی ہرج نہیں اور جبتک مقررہ میعاد پوری نہ ہو جائے

يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

عقد نکاح کا قصد نہ کرو اور جانے رہو کہ اللہ تمہارے دلوں

مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا

کی بات جانتا ہے لہذا اُس سے ڈرتے رہو اور جان لو

أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

کہ اللہ بخشنے والا بردبار ہے

تفسیر

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ یعنی جس عورت کا شوہر مرگیا ہو اُسکے ساتھ نکاح کرنا یا کھلم کھلا نکاح کا پیام بھیجنا تو ناجائز ہے لیکن اگر پردہ پردہ میں پیام بھیجو جس سے نکاح کی خواہش ٹپکتی ہو مگر صراحت نہ ہو۔ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ یا اُن سے نکاح کرنے کا ارادہ اپنے دل میں چھپائے رکھو بالکل اظہار نہ کرو تو کوئی ہرج نہیں ہے کیونکہ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ خدا کو معلوم ہے کہ تم صبر نہ کرسکو گے بیوہ عورتوں سے ضرور نکاح کرو گے اور اُسکو نکاح کا پیام بھیجو گے اسلئے خدا نے تمہارے لئے پردہ پردہ میں نکاح کی خواہش کے اظہار کی اجازت دیدی۔ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا۔ لیکن تم کو تعریضی پیام بھیجنے کی اجازت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ خلوت و تنہائی میں پوشیدہ طور پر تم عورتوں سے نکاح کا وعدہ لے لو۔ یہ تو صریحی پیام سے بھی بدتر ہے۔ إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا۔ ہاں دستور کے موافق کوئی بات کہو تعریضًا نکاح کا پیام بھیجو وہ الفاظ جو بدنیتی سے پاک ہیں استعمال کرو تو تمہارے لئے مباح ہے پھر اگر پردہ پردہ پیام بھیجنے میں عورت کی رضامندی کا خفا آمیز اظہار ہو جائے تو وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ جب تک عدت مقررہ پوری نہ ہو جائے اسوقت تک عقد نکاح کا ارادہ نہ کرو اور اظہار رضامندی کے باوجود دوران عدت میں نکاح نہ کرو۔ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ اور یقین رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا اُس سے واقف ہے لہذا تم کو اُس سے خوف کرنا چاہئے عورتوں کے متعلق کوئی بدنیتی نہ کرو اور نہ تنہائی میں اُن سے عہد و پیمان لو یہ خیال نہ کرو کہ سوا ہمارے اسکو کون جانتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ انسان کے دلی ارادوں سے بھی واقف ہے۔ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ اگر سزا میں تاخیر ہو تو دلیر نہ ہونا چاہئے کیونکہ خدا غفور ہے اور سب سے بڑھکر حلم رکھتا ہے اپنے حلم کی وجہ سے وہ فورًا عذاب نہیں دیتا ہے۔

مقصود بیان: ۔ طہارت نفس، پاکیزگی اخلاق، صفائے ظاہر و باطن اور شرافت انسانی کی تعلیم، عزت و حرمت کے باقی رکھنے کا حکم، ممنوع شی کے ارتکاب کی طرف جو چیزیں مائل کرنے والی ہیں یا جن امور سے امر ممنوع کے ارتکاب کا اندیشہ ہے اُن کی بھی ممانعت مرد و عورت کے خفیہ عہد و پیمان اور میثاق نکاح سے بازداشت، تہذیب اخلاق، رونق تمدن اور اصلاح معاشرت کی تکمیل کیطرف اشارہ، اُس بیوقوف کور بصیرت شخص کے سر پر ایک کاری ضرب جو خدا کے تحمل و پردہ پوشی سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور جانتا ہے کہ میرے اس فعل کا خدا کو علم نہیں اور اپنی اس جہالت کی وجہ سے اور زیادہ گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ وغیرہ۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا

جب تک تم نے عورتوں سے قربت نہ کی ہو اور نہ مہر معین کیا ہو اگر

لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ صلے

(ایسی صورت میں) تم عورتوں کو طلاق دیدو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے

وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ

اور مطلقہ عورتوں سے سلوک کرو فارغ البال شخص پر اسکی حیثیت کے مطابق اور نادار

قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ

پر اسکی حیثیت کے مطابق حسب دستور سلوک کرنا ضرور ہے یہ بات نیکوں پر لازم ہے

تفسیر طلاق کی ایک قسم اوپر بیان کر دیکی یعنی جس عورت کا مہر معین کر دیا گیا ہوا ور اُسکو قربت کے بعد طلاق دی ہو تو اُسکا پورا مہر ادا کرنا واجب ہے۔ یہاں دوسری قسم کا ذکر ہے جو بالکل پہلی قسم کی ضد ہے یعنی اُس عورت کو طلاق دی جبکہ نہ تو مہر معین کیا گیا تھا نہ اُس سے قربت کی گئی ہے تو اگر ایسی صورت پیش آجائے وَمَتِّعُوْهُنَّ تو ایسی عورتوں کو کم از کم کچھ خرچ دیدینا چاہئے جس کی مقدار باعتبار سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کم از کم تین کپڑے یعنی ایک جوڑا اور زائد سے زائد نصف مہر مثل ہے۔ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ لیکن یہ حکم سب کے لئے یکساں نہیں ہے بلکہ وسعت و تنگدستی کے اعتبار سے فرق ہے۔ جو لوگ دولتمند اور فراخ دست ہیں اُن کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہئے۔ حضرت امام حسن رضی نے دس ہزار درہم دیے تھے اور جو تنگدست مفلس ہیں اُن کو اپنے مقدور کے موافق دینا چاہئے یعنی کم از کم ایک جوڑا۔ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ عورت کو یہ سامان دستور کے موافق دینا چاہئے اُسکی حق تلفی نہ کرنی چاہئے لیکن یہ حق وجوبی نہیں ہے بلکہ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ اُن لوگوں پر حق ہے جو نیکی کرنی چاہتے ہیں

مقصود بیان:- اپنے قول کی پاسداری کی تعلیم اور اس امر کا اظہار کہ صرف زبانی نکاح سے بھی عورت کے حقوق متعلق ہو جاتے ہیں خواہ اُس کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور نہ اُس سے منافع صنفی حاصل کئے ہوں ناقابل برداشت حکم کی بندش اور عامۃ الناس کیلئے سہولت کا لحاظ۔ وغیرہ

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

اور اگر قربت سے پہلے تم نے اُن کو طلاق دی ہو

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا

اور اُن کا مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو مقرر کردہ مہر کا نصف حصہ

فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ

دینا لازم ہے ہاں اگر عورتیں معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جسکے

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا

اختیار میں عقد نکاح ہے (تو کچھ نہ دینا بھی جائز ہے) اور معاف کر دینا

اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ

پرہیزگاری کے بہت ہی قریب ہے اور آپس کے احسان کو نہ بھولو

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے

تفسیر اوپر طلاق کی دونوں قسمیں اُن کے احکام اور عدت و مہر کا بیان کر دیا گیا یہاں طلاق کی تیسری صورت بیان کی جاتی ہے یعنی وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً اگر نکاح کے وقت عورت کا مہر مقرر کر دیا مگر قربت سے قبل اُسکو طلاق دیدی تو ایسی عورت کے لئے مہر ضروری ہے لیکن فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ مقرر کردہ مہر کا نصف کیونکہ منافع صنفی حاصل نہیں کئے ہیں اور مہر مقرر ہو چکا ہے لہذا دونو پہلوؤں کا لحاظ ضروری ہے تاکہ نہ عورت کی حق تلفی ہو نہ مرد پر زیادتی ہو۔ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ ہاں اگر عورت خود معاف کر دے اور مہر بالکل نہ لے اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ یا شوہر اپنی طرف سے درگذر کرے اور پورا مہر دیدے تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے (الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے حضرت علی اور اکثر صحابہ کے نزدیک شوہر ہی مراد ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ رح کا قول ہے اور اسی کے مطابق ہم نے تفسیر لکھی ہے لیکن حسن مجاہد اور شافعی وغیرہ کے نزدیک اس سے مراد عورت کے سرپرست ہیں مطلب یہ ہے کہ عورت خود معاف کر دے اور اگر عورت نابالغ ہو تو اُس کے ولی معاف کر دیں تو کوئی حرج نہیں ہے) وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى یعنی صورت مذکورہ میں نصف مہر ادا کرنا واجب ہے لیکن اگر عورت معاف کر دے بالکل نہ لے یا مرد درگذر کرے پورا مہر دیدے تو جائز ہے بلکہ بہتر ہے اتقاء نفس کے زیادہ قریب ہے۔ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ مرد کے واسطے یہی موزوں ہے کہ کل مہر دیدے کیونکہ مرد کو خدا تعالیٰ نے فضیلت عطا کی ہے ہر جگہ سے کما سکتا ہے۔ عورت ضعیف الخلقت اور نازک اندام ہے لہذا فضیلت صنفی کو فراموش نہ کرنا چاہیئے اور

قوی الخلقت کو نازک اندام رکھنے والی صنف کے ساتھ مراعات کرنی چاہئے
اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ اور خدا سے اسکے اجر کا طلبگار ہونا چاہئے وہ سب کے اعمال کا نگراں ہے کسی کی نیکی ضائع نہ کریگا۔

مقصود بیان: جس عورت سے قربت نہ کی ہو اور مہر مقرر کر دیا ہو اسکو طلاق کے بعد نصف مہر دینے کا جواز لیکن کل مہر دینے کی فضیلت۔ مروت، تسامح، چشم پوشی، بلند حوصلگی اور ایثارِ نفس کی تلقین۔ اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ عورتوں کے حقوق میں جہاں تک ہو سکے احتیاط سے کام لینا چاہئے ایک روپیہ کی بجائے دو روپے دینے چاہئیں۔ گویا تحفظ حقوق نسوانی کی طرف ایک وعدہ آمیز ترغیب ہے اور عمومی مساوات و ہمدردی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

ہدایت خاص

ابن مردویہ نے بروایت حضرت علیؓ بیان کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ مسلمان اپنے ہاتھ کی چیز کو دانت سے پکڑ کر رکھیگا اور احسان و تفضل کرنا بھول جائیگا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ۔ بدکار لوگ ہونگے جو مجبور و مضطر لوگوں کے ہاتھ فروخت کرینگے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس ضرورت سے زائد مال ہو تو اپنے مسلمان بھائی کی طرف بھی بڑھا دو اور اسکو ہلاکت میں مبتلا نہ کرو کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے اس کو غمگین نہیں کرتا اور نہ اس کو محروم رکھتا ہے۔ جب کسی کے پاس سوال کرنے والا آئے اور اسکے پاس کچھ نہ ہو تو سائل کے لئے دعا ہی کر دے۔ (رواہ ابن ابی حاتم)

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ

نمازوں کی پابندی رکھو خصوصاً بیچ کی نماز

الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ

کی اور اللہ کے آگے مؤدب کھڑے رہا کرو

تفسیر کلام ربانی کا دستور ہے کہ انسانی معاملات اور عبادات کی ملی جلی تعلیم دیتا ہے اگر چند مسائل حقوق انسانی کے متعلق بیان کئے جاتے ہیں تو پھر دو چار آیات میں فرائض الٰہی کا بھی تذکرہ کر دیا جاتا ہے تاکہ کسی کو یہ شبہ کرنے کا موقع نہ ملے کہ قرآن صرف ایک شق کو اختیار کرتا ہے انسانی حقوق کے ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے حقوق الٰہی سے تعرض نہیں کرتا یا فرائض خداوندی ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور اصول تمدن، اصلاح اخلاق اور نظام عالم کی وابستگی سے اسکو کوئی سروکار نہیں۔ گذشتہ آیات میں طلاق عدت مہر اور بعض دیگر امور کا بیان تھا جن کا تعلق حقوق انسانی سے تھا اور انتظامِ عالم کی اصلاح اُن کے ساتھ وابستہ تھی۔ اب ان آیات میں فریضۂ الٰہی کی ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے۔ آیت مذکورہ کے شان نزول میں مفسرین نے ایک روایت لکھی ہے کہ لوگ عصر کی نماز پڑھنے میں تاخیر کر دیتے تھے یہانتک کہ آفتاب غروب ہونے کے قریب ہو جاتا تھا۔ اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دیگر اہل کتاب کی طرح مسلمان بھی نماز میں اشارہ یا بات کر لیا کرتے تھے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے نماز میں بولنا اور اشارہ کرنا ترک کر دیا۔

صلوٰۃِ وسطیٰ کو خدا تعالیٰ نے مبہم ہی رکھا ہے تاکہ اسکی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں لوگ کل نمازوں کی پابندی رکھیں۔ اسی وجہ سے اسکی مراد میں صحابہ میں بڑا اختلاف ہوا ہے کیونکہ پانچوں نمازوں میں سے ہر نماز دو دو نمازوں کے درمیان ہے اس اعتبار سے ہر نماز صلوٰۃ وسطیٰ (درمیانی نماز) ہو سکتی ہے۔ کسی نے اس سے فجر کی نماز کسی نے ظہر کی نماز کسی نے عشاء کی نماز اور کسی نے عصر کی نماز مراد لی ہے۔ ہر شخص نے اپنی سمجھ کے موافق بیان کیا تاہم راجح قول یہی ہے کہ صلوٰۃِ وسطیٰ سے عصر کی نماز مراد ہے کیونکہ عصر کی نماز ٹھیک وسط میں ہے اس سے قبل دن کی دو نمازیں یعنی فجر و ظہر ہیں اور اسکے بعد رات کی دو نمازیں یعنی مغرب وعشاء واقع ہیں۔ گویا اس کا وسط ہونا دو حیثیت سے ہے ایک تو یہ کہ یہ دو دو نمازوں کے درمیان ہے یعنی دن کی دو نمازیں اس سے مقدم ہیں اور رات کی دو نمازیں اس سے مؤخر ہیں۔ اس کے علاوہ رات کی نماز شروع ہونے سے قبل اور دن کی نمازیں ختم ہونے کے بعد اس کا وقت ہے اسلئے اسی کو درمیانی نماز کہا جا سکتا ہے۔ صحیحین کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

حاصل کلام یہ ہے کہ:- مسلمانو! (جہاں تم حقوق کی نگہداشت کرتے ہو وہاں فرائض الٰہی کی ادائیگی میں بھی کوشش کرو۔ نماز روزانہ کا فرض ہے اس کا بھی لحاظ رکھو) کل نمازوں کی پابندی کرو۔ خصوصیت کے ساتھ عصر کی نماز کا تو بہت ہی لحاظ رکھو یعنی یہ ہی وقت بازاری کاروبار کا ہے ایسا نہ ہو کہ تم کاروبار میں مشغول رہ کر اس نماز کی طرف سے غافل ہو جاؤ۔ تم کو تمام کام چھوڑ کر عصر کی نماز ادا کرنی چاہئے اور نمازوں کی ادائیگی میں عجلت نہ کیا کرو۔ نہ اس دوران میں کوئی اشارہ یا کلام کیا کرو بلکہ خدا کے سامنے ادب سے خاموش رہا

کرو اور نہایت خشوع و خضوع سے کھڑے ہوا کرو۔ یہ فرض ناقابل نسخ ہے کسی حالت میں اسکی معافی نہیں۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ

اب اگر تم کو (دشمن کا) خوف ہو تو پیادہ یا سوار (پڑھ لیا کرو) پھر جب اطمینان

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا تم کو سکھایا جو تم نہ جانتے تھے

تفسیر یہاں تک کہ اگر تم دشمن کے مقابلہ پر ہو اور خوف ہو کہ کہیں دشمن حملہ نہ کر دے اُس وقت بھی یہ فریضہ معاف نہیں ہاں اسکے بعض احکام و شرائط میں تخفیف ضرور ہے اگر دشمن کا خوف ہو تو تم میں سے جو سوار ہو وہ سواری کی حالت میں اور جو پیادہ ہو پیادہ ہونے کی حالت میں نماز پڑھو نہ رکوع سجود کا لحاظ ضروری ہے نہ قبلہ رو ہونے کا۔ مقصود محافظت اور پابندی ہے۔ نماز ترک نہ کرو۔ جب خوف کی حالت نہ ہو امن چین ہو جائے تو پھر اُنہی ارکان و شرائط کے ساتھ نماز ادا کرو جو تعلیم کر دیے گئے ہیں۔ قبلہ کی طرف رخ کرو رکوع اور سجدہ قعود و قیام کا التزام کرو۔

مقصود بیان: ۔ فریضۂ بدنی یعنی نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید۔ صلوٰۃ خوف بوقت قتال کی ترکیب۔ لڑائی کے وقت ارکان و شرائط نماز کا سقوط۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ اختیار و امن کی حالت میں فرض الٰہی کے ظاہری ارکان بھی ساقط نہیں ہوتے۔ ہاں اضطرار یا خوف کی حالت میں ظاہری شرائط و ارکان کی پابندی لازم نہیں مگر نفس فریضہ ادا کرنا ضروری ہے۔ وغیرہ۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں

اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا

تو لازم ہے کہ اپنی بیبیوں کے لئے سال بھر تک کے خرچ اور

اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ

گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر جائیں پھر اگر وہ عورتیں خود نکل جائیں

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

اور شریعت کے مطابق کچھ اپنے حق میں کر لیں تو اُس کا تم پر کچھ گناہ

مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

نہیں ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے

تفسیر درمیان میں نماز کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا تاکہ حقوق ناس کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ فریضۂ الٰہی اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی اہمیت بھی محفوظ رہے۔ اب پھر اُنہی انسانی معاملات کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

معالم میں محی السنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت حکیم بن حارث طائف سے مدینہ کو ہجرت کر کے آئے انکے ہمراہ والدین اولاد اور بیوی وغیرہ ورثاء موجود تھے۔ مدینہ میں ان کا انتقال ہو گیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اور اولاد کو اُن کا ترکہ تقسیم کر دیا بیوی کو کچھ نہیں دیا بلکہ وارثوں کو حکم دیدیا کہ اس عورت کو اس کے شوہر کے ترکہ میں سے ایک سال کا نفقہ دیدیں اور سکونت کے لئے جگہ بھی اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

زمانۂ جاہلیت میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی اور میت وصیت کر جاتا تھا کہ عدت کے اندر ہی اسکو نکال باہر کر دینا۔ وارث بیچاری عورت کو میت کی وصیت کے موافق دوران عدت میں ہی نکال کر باہر کر دیتے تھے اور نان نفقہ کچھ نہ دیتے تھے وہ بیچاری اس زمانہ میں نہ تو جدید نکاح کر سکتی تھی نہ اُسکی معاش کا کوئی ذریعہ ہوتا تھا۔ اسلام میں بجائے ایک سال کے عدت کی مدت چار ماہ دس روز رکھی گئی اور چونکہ اس وقت تک آیت میراث نازل نہ ہوئی تھی اور عورت کا کوئی شرعی حصہ ترکہ میں مقرر نہ کیا گیا تھا اسلئے یہ رعایت رکھی گئی کہ اگر بیوہ اپنے متوفی شوہر کے ترکہ میں ایک سال تک رہنا چاہے تو رہ سکتی ہے۔ سال بھر تک ترکہ میں ہی سے اسکو نان نفقہ اور سکونت کا مکان ملیگا کوئی اُسکو ان حقوق سے محروم نہیں کر سکتا اور اگر چار ماہ دس روز عدت کرنے کے بعد بقیہ ایام میں نہ رہنا چاہے تو اُسکو اختیار ہے عدت کے بعد جہاں چاہے چلی جائے اور جس سے چاہے نکاح کر لے۔ جب آیت میراث نازل ہو گئی اور شوہر کے ترکہ میں سے عورت کے لئے چوتھا یا آٹھواں حصہ مقرر کر دیا تو سال بھر کے نفقہ اور سکونت کا حکم منسوخ ہو گیا چنانچہ جمہور اسلام کے نزدیک یہ آیت منسوخ الحکم ہے اور عدت والی آیت یا میراث والی آیت اسکی ناسخ ہے لیکن ابن جریر وغیرہ نزدیک اس آیت کا حکم بدستور باقی ہے۔ چار ماہ دس روز کا نفقہ تو عدت کی وجہ سے ملیگا اور سات ماہ بیس ایام کا نفقہ حسب وصیت ملنا

ضروری ہے۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مرنے کے قریب ہوں ان پر لازم ہے کہ اپنی بیویوں کے متعلق ورثاء کو وصیت کر دیں کہ ہماری بیویوں کو سال بھر تک نان نفقہ اور سکونت کا مکان دینا ان کو نکال نہ دینا مکان ہی میں ان کو رکھنا۔ فَإِنْ خَرَجْنَ لیکن اگر وہ اپنی خوشی سے چلی جائیں تمہاری طرف سے اُن پر جبر و زیادتی نہ ہو اور وہ خود کہیں نکاح جائز طور پر کرنا چاہیں فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ تو جو کچھ وہ زیب و زینت عدت کے بعد کریں اور دستور کے موافق ذاتی تصرف کرنا چاہیں تمہارے لئے اُن کے فعل سے کوئی نقصان نہیں ہے نہ تم کو روکنے کا حق ہے۔ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ خدا تعالیٰ غالب اور حکیم ہے اُس کا کوئی فعل و حکم حکمت سے خالی نہیں ہے رسم جاہلیت کو اُس نے اپنی حکمت سے باطل فرمایا۔ عورت کے حقوق کا تحفظ کیا عورت کو مختار بنایا وارثوں کو ممانعت کی کہ زبردستی بیوہ کو گھر سے نہ نکالو لیکن اگر عدت کے بعد وہ خود چلی جائے اور نکاح کرنا چاہے تو تم نہ روکو۔

مقصود بیان: حقوق نسوانی کا بیان۔ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت یہاں تک کہ اپنے انتقال کے بعد بھی بیوہ کی آسائش کا ضروری لحاظ۔ بیوہ پر زیادتی کرنے اور اس کے بیکس ہونے کی حالت میں محتاج مطلق بنا کے گھر سے نکال دینے کی ممانعت۔ رسوم جاہلیت کا ابطال۔ بیوہ کو عدت کے بعد تمام انسانی فطری اختیارات کی تفویض اور عدت کے بعد شرعی زیب و زینت اور شریفانہ نکاح کی اجازت وغیرہ

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى

اور طلاق دی ہوئی عورتوں سے خوش خلقی کے ساتھ سلوک کرنا پرہیزگاروں

الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

پر لازم ہے — اسی طرح تمہارے فائدہ کے لئے اللہ اپنے احکام تمہارے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو

تفسیر: اس آیت میں مطلقہ عورت کے نفقہ کا بیان ہے اور پہلی آیت میں بیوہ کے مصارف و سکونت کا ذکر کیا گیا تھا ارشاد ہوتا ہے کہ جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی ہو اُن کی عدت کے زمانہ کے لئے مصارف ضروری دینے واجب ہیں (بیضاوی و مدارک) مگر توفیق و مقدور کے موافق ہونے چاہئیں دولتمند پر اُس کی حیثیت کے مطابق ضروری ہیں اور غریب پر اُسکے مقدور کے لائق۔

بعض لوگوں نے آیت کا ایک شان نزول بیان کیا ہے وہ یہ کہ جب اُس عورت کو نفقہ دینے کا حکم دیا گیا جس سے قربت نہ کی ہو اور نہ اُس کا مہر مقرر کیا ہو اور قربت سے قبل ہی طلاق دیدی جائے تو ایک شخص کہنے لگا کہ خدا تعالیٰ نے حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ فرمایا ہے لہذا میں اگر احسان کرنا چاہونگا تو دونگا اور احسان نہ کرنا چاہونگا تو نہ دونگا۔ اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ نفقہ اور متعہ دینا واجب ہے جس عورت کو طلاق دی جائے خواہ کوئی ہو اور کسی حالت میں طلاق دی گئی ہو قبل قربت یا بعد از قربت بہر حال نفقہ ضرور ہے (البتہ مقدار نفقہ میں تفاوت ہے) حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ خدا تعالیٰ نے یہ حق ایمانداروں اور خدا ترسوں پر لازم کر دیا ہے کسی کو اس سے انحراف کی اجازت نہیں ہے۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے یہ حکمت آمیز اور پُر مصلحت حکم دیا اسی طرح خدا تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم اُن کے منافع و مصالح پر غور کرو اور سمجھو کہ یہ احکام کس قدر فوائد سے لبریز ہیں۔ اصول تمدن، آداب معاشرت، امن عامہ اور اصلاح اخلاق میں ان کو کس قدر دخل ہے۔

مقصود بیان: نان نفقہ دینے کا وجوبی حکم۔ مطلقہ عورت کے استحقاق کا اظہار۔ مطلقہ کو نفقہ دینے میں مرد و عورت دونوں کے واسطے اعتدال اور توسط کی ہدایت اور کمی بیشی کی ممانعت۔ وغیرہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

(اے محمدؐ) کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں

وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ

سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے — پھر اللہ نے ان کو حکم دیا

اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ

کہ مرجاؤ (وہ مرگئے) پھر اللہ نے اُن کو زندہ کیا بلا شبہ اللہ لوگوں پر

فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ

بڑا فضل کرنے والا ہے — مگر اکثر آدمی نہیں مانتے

تفسیر: ایک بار قوم بنی اسرائیل میں طاعون پھیلا بعض لوگ ڈر کے مارے وطن چھوڑ کر بھاگ گئے لیکن موت کے پنجہ سے کہاں بھاگ سکتے خدا تعالیٰ کے حکم سے سب کو ایکدم موت آگئی

اور آٹھ دن یا اس سے زائد مُردہ رہے پھر حضرت حزقیل کی دعا سے زندہ ہو گئے مگر بدتوں تک موت کا اثر اُن کے بدن پر قائم رہا جو کپڑا استعمال کرتے تھے وہ کفن کی طرح ہو جاتا۔ اس طرح بلا سبب موت اور بلا سبب حیات کا اُنکو مشاہدہ ہو گیا۔ شیخ ابن کثیر نے اس قصہ کو ذرا مفصل لکھا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ کسی ضلع یا بستی کے رہنے والے بنی اسرائیل وبا میں مبتلا ہو گئے جب بیماری کی کثرت ہوئی تو مرنے کے خوف سے یہ بھاگ کر جنگل کو چلے گئے کچھ ٹیلوں پر چڑھ گئے۔ خدا تعالیٰ نے دو فرشتے اُنکی موت کے لئے مسلط فرمائے ایک نے نشیبی زمین میں پہونچکر اور دوسرے نے بلندی پر چڑھ کر کرخت لہجہ میں آواز دی سب مرجاؤ۔ یکدم سب کے سب مر گئے۔ کتنے روز کے بعد جب دوسری بستی والوں کو اطلاع ہوئی اور اُنہوں نے دفن کرنے کا ارادہ کیا تو چونکہ لاشوں میں تعفن آگیا تھا بدبو کی وجہ سے وہ دفن نہ کر سکے مجبوراً لاشوں کے گرداگرد پتھر اور لکڑیاں ڈالدیں اور احاطہ کر دیا تاکہ کوئی جانور اندر جاکر کسی لاش کو کھا نہ سکے کچھ زمانہ کے بعد لاشیں گل کر خاک ہو گئیں اور ہڈیاں پڑی رہیں ایک زمانۂ دراز کے بعد حضرت حزقیل جو حضرت موسیٰؑ کے بعد تیسرے خلیفہ تھے اُدھر سے گذرے اور خداوند تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے ہاتھ پر انکو زندہ کر دے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت حزقیل کی دعا قبول فرمائی اور تمام پراگندہ خاک کو جمع کر کے گوشت پوست کی شکل میں تبدیل فرما کر اُنکے اندر روح ڈالی اور سب لوگ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور خیال کرنے لگے کہ خواب دراز کے بعد ہم بیدار ہوئے ہیں اور بالآخر سب نے توحید و قدرت الٰہی کا اقرار کیا۔

حاصل آیت یہ ہے کہ کیا اے نبی آپ کو اُن لوگوں کا قصہ نہیں معلوم جو ہزارہا کی تعداد میں اپنی آبادیوں سے موت کے ڈر کے مارے بھاگ کر نکلے تھے کہ کہیں یہ وبا ہم کو بھی نہ کھالے۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا لیکن خدا تعالیٰ نے اُن کے متعلق حکم دیا کہ مرجاؤ۔ حسب الحکم وہ مر گئے اور کوئی زندہ نہ بچا۔ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ پھر مدت کے بعد اُن کو زندہ کیا اپنی قدرت کاملہ کا تماشا دکھایا اور ثابت کر دیا کہ موت و حیات خدا کے اختیار میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ لوگوں پر مہربانی فرماتا ہے واضح دلائل اور کھلے کھلے ثبوت و آیات اُن کو دکھاتا ہے اور اُن کو راہ فلاح پر چلنے کی دعوت دیتا ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ لیکن اکثر آدمی خدا کی مہربانیوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے نفس و شیطان کے پھندے میں پھنسے رہتے ہیں انعام الٰہی کی ناشکری کرتے ہیں قضاو قدر سے بھاگتے ہیں۔

مقصود بیان :- حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرنے کی ممانعت، قضاو قدر پر راضی رہنے کی صراحت، اس بات پر یقین رکھنے کی ہدایت کہ موت و زندگی سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں آئی ہوئی موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور بن آئی کو کوئی لا نہیں سکتا۔ آیت میں مذکورۂ ذیل امور کی بھی ہدایت ہے :- موت کا ایک وقت مقرر ہے، نامردی اور بزدلی فضول بلکہ مضرت رساں ہے، خدا قادر مطلق ہے جسطرح مار سکتا ہے اسی طرح زندہ بھی کر سکتا ہے، حشر جسمانی بھی اُس کے نزدیک دشوار نہیں، چونکہ آئندہ آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اسلئے یہاں جہاد و جنگ پر جرأت دلائی ہے - وغیرہ -

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جانتے رہو کہ

اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○

اللہ سننے والا باخبر ہے

تفسیر یعنی جب موت کا ایک وقت مقرر ہے اور قضاء الٰہی سے رہائی ناممکن ہے تو پھر ایسی موت اختیار کرنی چاہئے جو خوشنودیٔ خدا کا سبب ہو لہذا راہ خدا میں جہاد کرو، اشاعت اسلام اعلان توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے دشمنان دین سے لڑو اور سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ تمہارے اقوال کو سنتا ہے اور تمہارے احوال کو جانتا ہے وہ واقف ہے کہ تم میں سے کون راہِ خدا میں قربان ہونے کا حوصلہ رکھتا ہے اور کون ہمت ہار کر بزدل بن کر رہ جاتا ہے۔

مقصود بیان :- جہاد کی ترغیب، اشاعتِ اسلام اور اعلانِ توحید کا ضمنی حکم، جزا و سزا کی طرف ایماء وغیرہ۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

ہے کوئی ایسا کہ اللہ کو قرض حسنہ دے

فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ

تاکہ اللہ اُس کے دیئے ہوئے قرض کو چند گنا بڑھائے اور اللہ تنگدستی بھی

وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

کرتا ہے اور فراخدستی بھی اور اُسی کے پاس تم سب کو لوٹکر جانا ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں راہِ خدا میں قتال کرنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا یہاں راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ جہاد مالی اور جانی دونوں قسم کا ہوتا ہے پہلے جہاد جانی کا

تذکرہ ہوا اور یہ جہاد مالی کا بیان ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :- کون شخص خدا کو قرض حسن دینا چاہتا ہے یعنی کون شخص راہ خدا میں اپنا مال صرف کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ قرض حسن وہ نہیں ہے جسکا کوئی ثمرہ حاصل نہ ہو اور بے سود چلا جائے بلکہ فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ خدا تعالیٰ اُسکے دیئے ہوئے قرض سے سود در سود اور ضعف در ضعف بڑھا کر اسکو عطا فرمائیگا جسکی مقدار دس گونہ سے لیکر سات سو بلکہ چودہ سو گونہ تک ہو گی۔ لہٰذا ایسا مفید اور ثمرہ انگیز قرض دینے میں تم کو پیش قدمی کرنی چاہئے اور راہِ خدا میں اپنا مال صرف کرنا چاہئے کیونکہ اگر نہ دوگے تو چونکہ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ رزق و مال کی تنگی فراخی خدا ہی کے دست قدرت میں ہے اسلئے شاید وہ بھی تم کو نہ دے اور پھر آخرت میں تو دینے اور نہ دینے کا نتیجہ ملیگا ہی کیونکہ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ سب کو اُسی کے سامنے جانا ہے اُسی نے پیدا کیا تھا اور واپس پھر وہی بلائیگا فیاضی و بخل کا نتیجہ وہی دیگا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضرت ابو الدحداحؓ نے خدمت اقدسؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسولؐ اللہ کیا خدا تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ ارشاد فرمایا ہاں۔ ابو الدحداح نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ دست مبارک دراز کیجے۔ حضورؐ نے اُنکی طرف ہاتھ پھیلا دیا۔ ابو الدحداح نے دست مبارک پکڑ کر عرض کیا میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دیا (اس باغ میں چھ سو درخت کھجوروں کے تھے) پھر ابو الدحداح نے اپنی بیوی کو آواز دی کہ باغ میں سے نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے مولا کو قرض دیدیا۔

مقصود بیان :- اخوت عامہ، مساوات اسلامیہ، ایثار نفس، مالی قربانی، اعلانِ اسلام، اشاعت توحید، فقیروں کی غمخواری، مسکینوں کی ہمدردی، بیکسوں کی امداد، کافروں سے جہاد اور ضرورتمندوں کی پرورش کرنے کی طرف لطیف ترین ترغیب، ثواب کی امید اور عذاب کا خوف دلانا اس امر کیطرف ایمار کہ جو ضرورتمند اور محتاج طبقہ کو نہیں دیتا خدا بھی اسکو نہیں دیتا۔ رزق و مال، تنگی و فراخی، زاد و ستد سب اُسی کے دست قدرت میں ہے۔ وغیرہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ

(اے محمدؐ) کیا تم کو موسیٰؑ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت

مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ

کی حالت معلوم نہیں جبکہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

کہ ہمارا ایک بادشاہ مقرر کر دیجے تاکہ ہم راہِ خدا میں لڑیں

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ

نبی نے کہا اگر تم پر جہاد فرض کر دیا گیا تو بہت ممکن ہے

اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ

تم نہ لڑو　　کہنے لگے ہم راہ خدا میں کس طرح جہاد

فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا

نہ کرینگے　　حالانکہ ہم اپنے وطن اور بال بچوں سے

وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا

نکالے جا چکے ہیں لیکن جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو اُن میں سے

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

چند آدمیوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

تفسیر یہ قصہ بھی مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے اور ہر قسم کی قربانی کرنے کے واسطے تیار ہو جانے کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ سے گیارہ سو سال پہلے کا ہے توراۃ میں اسکی بہت بڑی تفصیل ہے۔ ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کچھ مفصل بیان کریں تاکہ قرآن کا بیان کردہ قصہ واضح طور پر سمجھ میں آجائے لیکن ہم توریت سے نقل کرنی نہیں چاہتے بلکہ علماءِ اسلام مثلاً بغوی ابن کثیر محی السنۃ اور دیگر علماء کی روایتوں پر اعتماد کرتے ہوئے ذیل میں کسی قدر بسیط مقالہ لکھتے ہیں :-

حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل میں یوشع بن نون خلیفہ ہوئے اور توریت پر عمل کرنے کی انہوں نے لوگوں کو ہدایت کی حضرت یوشع کے بعد کالب بن یوقنا خلیفہ ہوئے پھر حزقیل خلیفہ ہوئے حزقیل کے بعد بنی اسرائیل میں بہت بری بری بدعتیں پھیل گئیں۔ عہودِ الٰہی فراموش کر دیے گئے یہانتک کہ بعض لوگوں نے بت پرستی بھی شروع کر دی۔ اُس وقت حضرت الیاس مبعوث ہوئے اسی طرح انبیاء کا سلسلہ قائم رہا اور بنی اسرائیل کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ اخیر میں حضرت یسع نبی بنا کر بھیجے گئے لیکن بنی اسرائیل کی سرکشیاں بڑھتی گئیں۔ بنی اسرائیل کے پاس ایک صندوق تھا جسکو تابوت سکینہ کہا جاتا تھا۔

اُس کے اندر توریت کا نسخہ حضرت موسیٰ کی عصا اور حضرت ہارون کا جبہ
تھا۔ یہ صندوق نہایت متبرک تھا جب تک بنی اسرائیل احکام الٰہی کی
تعمیل کرتے رہے تو کوئی قوم ان پر ظفریاب نہ ہو سکی لیکن جب اُنکی نافرمانیاں
اور سرکشیاں حد سے گذر گئیں اور عہد توریت کو انہوں نے بالکل فراموش
کر دیا تو خدا تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا اور مختلف لڑائیوں
میں ان کو شکستیں اٹھانی پڑیں اور ایک جنگ میں تو تابوت بھی ان سے
چھین لیا گیا۔ محی السنۃ نے معالم میں بیان کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل
گناہ و سرکشی میں غرق ہو گئے تو ان کے دشمن ان پر غالب آنے لگے
چنانچہ ان کا ایک سب سے بڑا دشمن ظاہر ہوا اور انکی بیخ کنی کے درپے
ہو گیا۔ یہ قوم بلشا شا تھی جو بحر روم کے کنارے مصر و فلسطین کے درمیان
رہتی تھی انہی کو عمالقہ کہا جاتا ہے ان کے بادشاہ کا نام جالوت تھا
قوم بلشا شا بنی اسرائیل پر غالب ہو گئی انکے بہت ممالک انہوں نے فتح
کر لئے عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لیگئے ان میں سے صرف شہزادے
اور شہزادیاں ۴۴۰ تھے۔ عمالقہ نے ان پر جزیہ بھی مقرر کیا۔ خلاصہ یہ کہ
بنی اسرائیل کو عمالقہ کے ہاتھوں بُری طرح ذلت نصیب ہوئی اور ناقابل
برداشت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔

لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کی نسل میں ہمیشہ
نبوت چلی آتی تھی لیکن اُن کی نسل میں سے کوئی باقی نہ رہا صرف ایک
حاملہ عورت بچی تھی۔ بنی اسرائیل اس عورت کی بہت نگہداشت کرتے تھے
اور امیدوار تھے کہ اس کے شکم سے شاید نرینہ فرزند پیدا ہو اور وہ ہماری
زائل شدہ عزت پھر واپس دلا دے اور اُس کی وجہ سے ہماری یہ ذلت
دور ہو جائے عورت بھی دعا کرتی تھی کہ الٰہی مجھے فرزند نرینہ عطا فرما۔
بالآخر خدا تعالیٰ نے اُس عورت کو لڑکا عنایت فرمایا۔ عورت نے لڑکے
کا نام اشموئیل رکھا جسکے معنی عبرانی میں یہ ہیں کہ خدا نے میری دعا سُنلی
بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس لڑکے کا نام شمعون تھا بالآخر اشموئیل
یا شمعون نے بہترین تربیت پائی علوم توریت حاصل کئے اور بالغ ہونے
کے بعد خلعت نبوت سے اُسکو سرفراز کیا گیا۔ حضرت شموئیل نے دعوت
توحید دینی شروع کی اور لوگوں کو تورات کے اوامر و نواہی پر پابند رہنے
کی نصیحت کی۔ بنی اسرائیل نے اسکی تکذیب کی اور کہنے لگے تم نے نبوت کے
دعوی میں بہت جلدی کی قبل از وقت دعوی کر دیا ابھی تم نبی نہیں ہوئے ہو
اگر تم واقع میں نبی ہو تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو جسکی زیر قیادت
ہم دشمن پر غالب آئیں۔ اس درخواست کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے
بادشاہ کا تقرر نبی کے ہاتھ میں ہوتا تھا بادشاہ کی حکومت پر رعایا متفق
ہوتی تھی اور بادشاہ نبی کا فرماں بردار ہوتا تھا۔ ایک شخص نبی اور بادشاہ
نہ ہوتا تھا۔ لاوی بن یعقوب کی اولاد میں نبوت ہوا کرتی تھی اور یہودا بن
یعقوب کی اولاد میں سلطنت۔ جب قوم نے حضرت شموئیل سے بادشاہ
کے تقرر کی درخواست کی تو حضرت شموئیل نے کہا ایسا نہ ہو کہ بادشاہ مقرر
کر دیا جائے اور دشمنوں کی مدافعت تم پر فرض کر دی جائے اور پھر تم
انحراف کر جاؤ۔ سب لوگوں نے پختہ عہد کر لیا۔ حضرت شموئیل بادشاہ
کی تلاش میں نکلے انکے پاس ایک لاٹھی تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے
حکم ہوا تھا کہ اتنا دراز قد اگر تم کو مل جائے تو اُسی کو بادشاہ بنا لو چنانچہ
بڑی تلاش کے بعد بنیامین بن یعقوب کی نسل میں ایک شخص شاول
نامی ملا اسی کو عربی میں طالوت کہا جاتا ہے۔ یہ قوم کا موچی یا سقا یا
چرم‌ساز تھا لیکن نہایت تندرست تن آور قوی الجثہ اور تمام بنی اسرائیل
سے زائد ذی علم تھا۔ حضرت شموئیل نے بنی اسرائیل سے کہا کہ خدا تعالیٰ
نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ بنی اسرائیل بولے کہ یہ تو نہ انبیاء
کی نسل سے ہے نہ سلاطین کی نسل سے نہ لاوی کی اولاد سے ہے نہ
یہودا کی اولاد سے پھر ہم اسکو کس طرح بادشاہ تسلیم کر لیں۔ ہم بادشاہت
کے اس سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس کے علاوہ یہ شخص ذلیل قوم کا بھی ہے
اور بالکل نادار ہے نہ اسکے پاس نسلی شرافت ہے کہ اپنی خاندانی
وجاہت سے لوگوں کو قابو میں لے آئے نہ مال ہی ہے کہ روپیہ دیکر
رعایا کو مسخر کر سکے۔ شموئیل بولے لوگو! کیا خدا کے انعام میں تمہارا تحکم
ہے وہ جسکو چاہتا ہے دیتا ہے اور طالوت تو تم سے قد آور اور طاقتور
بھی ہے علم میں بھی تم سے زائد ہے پھر بادشاہ کے لئے اور کس بات
کی ضرورت ہے اور اگر اب بھی تم کو اُسکی بادشاہت میں کچھ شبہ ہے
اور خیال کرتے ہو کہ میں نے اپنی طرف سے اُسکو بادشاہ بنایا ہے
خدا نے اُسکو مقرر نہیں کیا ہے تو اسکے ثبوت میں میں کہتا ہوں کہ وہ
تابوت جو دشمن تم سے چھین کر لیگئے ہیں طالوت اُسکو لے آئیگا۔ اس
شرط پر سب رضامند ہو گئے۔ چنانچہ طالوت اُس متبرک صندوق کی
تلاش میں بحکم پیغمبر چلدیا اور جنگل میں ایک بیل گاڑی پر اُسکو آتا ہوا
دیکھا کیونکہ دشمنوں کے واسطے وہ تابوت منحوس ثابت ہوا تھا اُنہوں
نے خیال کیا کہ یہ نحوست بنی اسرائیل میں ہی پھیلانا چاہئے اسلئے ایک
گاڑی پر صندوق کو رکھکر بیلوں کو ہانک دیا تھا طالوت اُس صندوق
کو لے آیا اور قوم نے اُسکی سلطنت تسلیم کر لی۔ طالوت نے لشکر جمع کیا
اور تین لاکھ یا ایک لاکھ یا اسی ہزار یا ستر ہزار بہرحال ایک جرار
فوج لیکر عمالقہ سے مقابلہ کرنے کے لئے چلدیا۔ حضرت شموئیل نے
طالوت سے کہا کہ یہ لوگ تعداد میں تو بہت ہیں لیکن حکم الٰہی ہے کہ
ان کی آزمائش کی جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون شخص عہد کی پابندی
کرنے والا اور مصائب پر صبر کرنے والا ہے اور کون شخص عہد شکن
بزدل ہے۔ چنانچہ پیغمبر کے حکم کے بموجب طالوت نے قوم سے کہا کہ

بھائیو! راستہ میں دریائے شاردق آنے والا ہے اور تم کو پیاس کی شدت ہے لیکن خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ کوئی شخص ایک چلو سے زائد پانی نہ پیئے۔ اگر کوئی اس سے زائد پیئے گا تو میرے ساتھ سے رہجائیگا اور میری قوم سے بھی خارج سمجھا جائیگا۔ سب نے وعدہ کر لیا۔ طالوت فوج کو آگے بڑھائے چلے جب دریائے شاردق سے عبور کا موقع آیا تو سوا ۳۱۰ آدمیوں کے کوئی صبر نہ کر سکا۔ سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ دوسرے کنارے پہنچے تو کہنے لگے اب تو ہم میں جالوت اور اسکی فوج کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے ہم اُس سے نہیں لڑ سکتے لیکن تعمیل احکام کرنیوالی قلیل جماعت بولی کہ آدمیوں کی کثرت اور قوت پر فتح وظفر موقوف نہیں ہے بلکہ خدا کی امداد پر موقوف ہے بہت سی قلیل تعداد کثیر جماعت پر بحکم الٰہی غالب آجاتی ہے لیکن ان عہد شکن بزدلوں نے ایک نہ مانی اور بالآخر طالوت کو قلیل جماعت کے ہمراہ چھوڑ دیا۔ طالوت کے ہمراہیوں میں جتنے آدمی باقی تھے وہ سب پکے مؤمن اور صابر تھے لیکن پھر بھی طالوت کو خیال ہوا کہ جماعت قلیل ہے کسی طرح ان کو جرأت دلائی جائے تاکہ ہر شخص جاں نثاری کے لئے تیار ہو جائے چنانچہ قوم میں اعلان کر دیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کریگا میں اُس کا نکاح اپنی بیٹی کے ساتھ کر دونگا لیکن اس اعلان کے باوجود کسی کو قتل جالوت کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ جالوت بڑا دیوہیکل الشان تھا اسکے علاوہ فاتح قوم کا بادشاہ تھا۔ بالآخر حضرت شموئیل سے درخواست کی کہ آپ دعا کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ جالوت کو کون شخص قتل کریگا۔ حضرت شموئیل نے دعا کی۔ حکم ہوا کہ ایشا کا ایک لڑکا جالوت کو قتل کریگا۔ ایشا طالوت کے ہمراہیوں میں سے تھے اور اُن کا سلسلۂ نسب یہودا بن یعقوب سے ملتا تھا یعنی ایشا بن عوید بن عابو بن سلمون بن نحشون بن عمران بن رام بن عمر بن فارص بن یہودا بن یعقوب۔ ایشا کے بارہ بیٹے تھے گیارہ قد آور خوش رو طاقتور اور ایک کوتاہ قامت ضعیف الجثہ۔ حضرت شموئیل نے ایشا کے بیٹوں کو طلب کیا۔ ایشا نے طاقتور بیٹوں کو پیش کر دیا اور کمزور بیٹے کو عار کی وجہ سے پیش نہ کیا۔ حضرت شموئیل نے فرمایا ان میں سے کوئی اس قابل نہیں ہے بارہویں بیٹے کو لاؤ۔ چنانچہ ایشا نے داؤد کو پیش کیا۔ حضرت شموئیل نے کہا ہاں یہی شخص قتل کریگا پھر اپنے ہاتھ سے حضرت داؤد کو زرہ پہنائی اور جنگ کے لئے بھیجدیا۔ حضرت داؤد نے چلتے میں چند پتھر اٹھا کر اپنے توبرہ میں رکھ لئے اور گوپھن لئے چلدیے جب جالوت کی فوج کے مقابل طالوت کی فوج نے صف بندی کی اور جالوت میدان میں نکل آیا اور اپنا حریف طلب کیا تو حضرت داؤد اُس سے لڑنے چلے۔ پتھروں کی جھولی گلے میں ڈالی اور گوپھن ہاتھ میں لی امدادِ الٰہی کے بھروسہ پر نہایت جرأت و ہمت سے چلدیے اور جالوت کے مقابلہ پر جا کر کھڑے ہو گئے اور ایک پتھر گوپھن میں رکھکر ایسا کھینچ کر مارا کہ جالوت کے خود پر پڑا اور دماغ کو پاش پاش کرتا ہوا نکل گیا فوج میں اُس کے ریزے متفرق ہو گئے اور جالوت کے علاوہ تقریباً پچیس تیس اُس سے مقتول ہوئے۔ طالوت کی فوج کو فتح ہو گئی اور بالآخر چالیس سال سلطنت کرنے کے بعد طالوت کا انتقال ہو گیا اور حضرت داؤد بادشاہ بنائے گئے اور یہی سب سے پہلے شخص ہوئے کہ بنی اسرائیل کے نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ اب ہم اصل آیات کی تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اے نبی کیا آپ کو اُس اسرائیلی جماعت کے قصہ کا علم نہیں جو موسیٰ کے بعد ہوئی تھی کیا اُس جماعت کا قصہ کچھ کم تعجب انگیز ہے اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ اُنھوں نے اپنے نبی یعنی شموئیل سے کہا تھا کہ اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اُسکے زیر قیادت راہِ خدا میں دشمنوں سے جنگ کریں اور وہ ہمارا ملکی سیاسی اور جنگی انتظام کرے۔ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا نبی نے فرمایا تمہاری حالت کو دیکھ کر تو یہ امید ہوتی ہے کہ اگر بادشاہ مقرر کر دیا گیا اور تم پر جہاد فرض ہو گیا تو راہِ خدا میں قتال نہیں کرو گے اور بزدلی کر کے بیٹھ رہو گے۔ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ قوم کہنے لگی یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم جہاد نہیں کرینگے آخر ہمارے جہاد نہ کرنے اور بیٹھ رہنے کا کیا سبب ہے اور کیا وجہ کہ ہم راہِ خدا میں قتال نہ کریں۔ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا۔ حالانکہ دشمنوں نے ہم کو ہمارے وطن سے نکالا ہمارے بچوں کو گرفتار کر کے لیگئے اور اولاد سے ہمکو جدا کیا ہم خود دشمنوں پر دانت پیسے بیٹھے ہیں۔ یعنی علاوہ حکمِ خدا کی تعمیل کے ہمارے جذبات انتقام بھی جہاد پر ہم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جذبات کی وجہ سے ہم دشمنوں سے لڑنے پر مجبور ہیں۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ بالآخر اُن کا بادشاہ (طالوت کو) مقرر کر دیا گیا اور جہاد کا وجوبی حکم اُن کو دیدیا گیا لیکن حکمِ جہاد کے بعد سوا بعض کے اکثر لوگ اپنے عہد و میثاق سے انحراف کر گئے (طالوت کے ساتھ سے رہ گئے یہ قصہ آیندہ آیات میں آتا ہے) اپنے پیمان سے پھر گئے جہاد کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ۔ اور خدا تعالیٰ اُن ظالموں کو خوب جانتا ہے جنھوں نے عہد شکنی کی تھی ضرور اُن کو سزا دیگا۔

مقصود بیان:- ملکی انتظام، سیاست عامہ، دشمنوں کی

مدافعت، مفسدوں کی بیخ کنی اور امن عام کی حفاظت کے لئے بادشاہ کا ہونا ضروری ہے۔ بادشاہ کا انتخاب قابلیت اور جوامر حکومت کے لحاظ سے ہونا چاہیئے، وطن اور اہل وعیال سے انسان کو فطری محبت ہوتی ہے، اعدائے وطن اور دشمنان اولاد کی مدافعت کے لئے آدمی کے جذبات انتقام برانگیختہ ہوجاتے ہیں، انسان کی دماغی حالت ہر وقت یکساں نہیں رہتی ایک وقت غیر معمولی جرأت یا فطری سہل انگاری کی وجہ سے ایک چیز کو آسان جانتا ہے اور اسی کا طالب ہوتا ہے لیکن جب وہ چیز آپڑتی ہے تو ڈر کر اس سے بھاگتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ

اُن کے نبی نے کہا کہ خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر

طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ

کیا ہے کہنے لگے اُس کی ہم پر کیسے

الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

سلطنت ہوسکتی ہے ہم اُس سے حکومت کے زیادہ قابل ہیں

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ

اُسکو تو کچھ مالی وسعت بھی میسر نہیں نبی نے کہا

اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً

خدا تعالیٰ نے اُسکو تم پر فوقیت عطا کی ہے اور عقل وجسم میں اُسکو

فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ

زیادتی مرحمت کی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

دیتا ہے اور اللہ بڑا وسیع الرحمت اور دانا ہے

تفسیر جب بنی اسرائیل نے بادشاہ کے تقرر کی اصرار کے ساتھ درخواست کی اور جہاد کرنے کی خود رغبت ظاہر کی تو حضرت شموئیل یا شمعون نے کہا کہ خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے تم اسکی بیعت کرلو۔ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ۔ کہنے لگے اسکی ہم پر حکومت وبادشاہت کیسے ہوسکتی ہے وہ خاندان نبوت کے ذریات سے نہیں اسباط سلطنت سے نہیں ذلیل قوم کا آدمی ہے موچی ہے یا چرواہا یا سقا ہم سلطنت کے اس سے زیادہ مستحق ہیں وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ اور نہ اسکو وسعت مال اور دولتمندی ہی حاصل ہے کہ مالی قوت اسکی حکمرانی میں مددگار بن سکے اور مال خرچ کر کے وہ انتظام ملک وسیاست کرسکے قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ۔ نبی نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اسکو تم پر برتری اور شرافت عطا کی ہے بادشاہ بننے کا وہی لائق ہے کیونکہ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ اسکو قوت جسمانی اور وسعت علم حاصل ہے قوی ہیکل اور شاندار آدمی ہے فنون حرب میں تم سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ اسکے علاوہ خدا تعالیٰ جسکو چاہتا ہے دیتا ہے کسی کو چون وچرا کرنے کا حق نہیں خدا کے انعام پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ خدا تعالیٰ کا علم کامل اور فضل وسیع ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے ہر شخص کی لیاقت واستحقاق کا اسکو علم ہے اور اسکے انعام کا دائرہ بھی وسیع ہے جو مستحق ہوتا ہے اسکو انعام الٰہی پہونچتا ہے شرافت نسبی، پیشہ کی بزرگی اور نسلی امتیاز کو فضل الٰہی کے استحقاق میں دخل نہیں ہے۔

مقصود بیان:۔ انسان اپنی مادی سرشت کے اعتبار سے دوسروں پر بزرگی اور تفوق کا خواہاں ہوتا ہے اگر اکتسابی فضیلت اور حاصل کردہ علوم وفنون سے بے بہرہ ہو تو پھر شرافت نسبی ہی کو اپنی فضیلت وتفوق کا سبب قرار دیتا ہے۔ جسمانی تندرستی بدنی قوت اور روحانی آراستگی یعنی وسعتِ علم خدا کے تمام انعامات کے سرتاج ہیں اور انہی کے تفاوت سے انسانوں کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے۔ امتیاز نسلی، پیشہ کی بزرگی اور دولتمندی کو فضیلت انسانی میں دخل نہیں ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ

اور اُن کے نبی نے اُن سے کہا اُس کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ

يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تمہارے پاس ایک صندوق آئیگا جسمیں اللہ کی جانب سے تسکین اور نسل

وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ

موسیٰ وہارون کے بقیہ تبرکات ہونگے اور اسکو فرشتے اٹھا لائیں گے

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اگر تم ایمان رکھتے ہو تو بیشک اس میں تمہارے لیے پوری نشانی ہے

تفسیر بالآخر جب بنی اسرائیل نے طالوت کی حکومت تسلیم کر لی اور طالوت کی لیاقت کا کوئی امتیازی ثبوت طلب کیا تو پیغمبر نے فرمایا کہ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ - اُسکی حکومت و سلطنت کا ثبوت اور لیاقت و استعداد کی علامت یہ ہے کہ تابوت تمہارے پاس آجائیگا یعنی وہ صندوق تم کو مل جائیگا جو جالوت تم سے چھین کر لے گیا ہے۔ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ جسکے اندر وہ چیزیں ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے اطمینانِ قلب اور سکونِ خاطر کا ذریعہ بنایا ہے اور جسکو سامنے رکھکر تم دشمنوں سے لڑتے تھے تو تم کو گھبراہٹ نہ ہوتی تھی۔ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ اور جس کے اندر موسیٰ اور ہارون کے تبرکات موجود ہیں یعنی حضرت موسیٰ کی لاٹھی حضرت ہارون کا عمامہ یا جبّہ توریت کا نسخہ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اب تم اگر یہ خیال کرو کہ طالوت اُسکو بغیر جنگ کے کیسے لیکر آئیگا تو یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ فرشتے خود اٹھا کر لاتے ہونگے اور طالوت کے حوالے کر دینگے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ - اس تابوت کے مل جانے میں تمہارے لئے طالوت کی سلطنت برحق ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے جس صندوق کو تم اسقدر کثیر جماعت ہونے کے باوجود حاصل نہ کر سکے وہ تنہا طالوت لے آئیگا اب تم کو یقین رکھنا چاہئے کہ طالوت کو خدا ہی نے بادشاہ مقرر کیا ہے جب ہی اُسکے لئے ایسے اسباب مہیا کر دیگا۔

مقصود بیان:- بزرگوں کے تبرکات بھی بہت باوقعت اور قابلِ عظمت چیزیں ہیں اُن کو عظمت و تقدس کی نظر سے دیکھنا جائز ہے کسی خارقِ عادت اور عاجز کن فعل کا اظہار انسان کی فضیلت و کمال پر دلالت کرتا ہے۔ مقابلہ کے وقت آگے بڑھنے سے ہی آدمی کا جوہر کمال ہوتا ہے خدا تعالیٰ جو کام کرنا چاہتا ہے اُس کے اسباب بھی ویسے ہی فراہم کر دیتا ہے

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ

غرض جب طالوت فوجیں لیکے چلدیا تو اُس نے کہا (لوگو) ایک

اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ

نہر کے ذریعہ سے اللہ تمہاری آزمایش کریگا جو شخص اُسکے پانی کو پیئے گا

فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ

نہ وہ میرے گروہ میں سے ہوگا اور جو اسکو نہ پیئے گا وہ میرے گروہ میں ہوگا

اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا

ہاں جو اپنے ہاتھ کا چلو بھر لیگا (تو کوئی ہرج نہیں) غرض چند لوگوں کے

مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ

علاوہ سب نے پانی پی لیا پھر جب طالوت مومنوں کو ہمراہ لے کر

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا

نہر سے آگے بڑھا تو کہنے لگے آج تو ہم میں جالوت اور اسکے لشکر

الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ

سے مقابلہ کی طاقت نہیں لیکن جن لوگوں کو یقین تھا

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ

کہ خدا کو مُنہ دکھانا ہے اُنہوں نے کہا بسا اوقات چھوٹا گروہ

قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ

خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آ گیا ہے

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اور اللہ صبر کرنے والوں کا حامی ہے

تفسیر فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ - بالآخر طالوت کو سبھوں نے بادشاہ مان لیا طالوت اُس صندوق کو بھی لے آیا اور دشمن کے مقابلہ کے لئے فوج بھی جمع کر لی اور سب بخوشی اُسکے ساتھ چلنے کو بھی تیار ہو گئے اور طالوت سب کو اپنی زیر کمانڈ لیکر چل بھی دیا۔ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ تو طالوت نے کہا کہ آگے دریائے شاروق آئیگا تم کو پیاس کی شدت ہوگی لیکن خدا تعالیٰ تمہارے صبر و استقلال اور تحمل مصائب کی آزمائش کرنی چاہتا ہے تم وہاں پانی نہ پینا۔ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ کیونکہ جو شخص اُس دریا کا پانی پیئے گا وہ میرا ساتھی نہیں ہے میرے ہمراہیوں سے خارج سمجھا جائیگا وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ اور جو شخص وہاں کا پانی بالکل نہ چکھے گا وہ ضرور میرا ہے اور میرا ساتھی ہونے کا مستحق ہے۔ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ہاں وہ بھی میرا ہمراہی ہے جو اپنے ہاتھ سے صرف ایک چلو لے کر پی لے زیادہ نہ پیئے۔ لیکن اکثر لوگوں نے طالوت کے حکم کی خلاف ورزی کی اور فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا سوائے بعض کے سب نے خوب سیر ہو کر پیا فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طالوت جب اپنے ہمراہیوں کو اور اُن لوگوں کو جنہوں نے

دشمن سے لڑنے کا قول قرار کیا تھا۔ لے کر دریا کے پار پہونچا تو قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ اکثر لوگ کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت کے اور اُسکی فوج کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے ہم تو آگے نہیں بڑھ سکتے۔ لیکن قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ۔ جن لوگوں کا یقین کامل خدا پر تھا اور اُن کا دل سے ایمان تھا کہ ہم کو مرنے کے بعد خدا کے سامنے جانا ہے یعنی جن لوگوں نے طالوت کے حکم کی اطاعت کی تھی اُنھوں نے کہا کہ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ تھوڑی جماعت مقابلہ کے وقت بحکم الٰہی بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے لہذا ہم کو بھی یقین ہے کہ ہم دشمن پر غالب آئینگے اگرچہ ہماری جماعت صرف تین سو دس آدمیوں کی ہے ہم کو ان بزدل عہد شکنوں کی ضرورت نہیں ہے چلو ان کو چھوڑ دو۔

مقصود بیان:۔ ہوا و ہوس کو بالکل ترک کر دینے والے خدا کے خالص بندے ہیں اور اگر دنیوی آلائش میں کسی قدر آلودہ بھی ہو جائیں تب بھی غنیمت ہی نجات کی امید اور منزل مقصود پر پہونچنے کا خیال ہو سکتا ہے لیکن جو لوگ ہوا و ہوس اور دنیوی لذات میں غرق ہیں احکام الٰہی کیطرف سے اُنکے دلوں پر قفل لگے ہیں وہ کبھی مقصود تک نہیں پہونچ سکتے۔ اور کبھی اُن کو نجات نہیں مل سکتی۔ صبر، استقامت اور تحمل مصائب انسان کے ایمان کی کسوٹی ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا

اور جب یہ لوگ جالوت اور اُسکی فوجوں کے مقابلہ کیلئے میدان میں نکلے تو دعا کی

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

پروردگار ہم کو استقلال عطا کر اور ہمارے قدم جمائے رکھ

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ فَهَزَمُوْهُمْ

اور ہم کو کافروں پر فتح عنایت کر بالآخر انہوں نے کافروں کو بحکم خدا

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ

شکست دیدی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے داؤد کو

اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ

حکومت اور نبوت عطا کی اور جو چاہا اُن کو سکھا دیا

تفسیر بالآخر بزدلوں کو چھوڑ کر یہ صادق الیقین جان فروش جماعت آگے بڑھ گئی اور جالوت کے مقابلہ پر پہنچ گئی۔ جب جالوت اور اُسکی فوج کے مقابلہ میں جاکر میدان میں یہ لوگ کھڑے ہوئے اور صف بندی ہوگئی تو اُسوقت ان مؤمنوں نے خدا سے صبر و استقامت اور فتح و نصرت کی دعا کی اور قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا کہنے لگے الٰہی ہم پر اپنی صبر کی بارش کر وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمارے قدم کافروں کے مقابلہ میں جما دے یعنی ہمارے دلوں میں جرأت پیدا کر دے کہ ہم کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں راہ فرار اختیار نہ کریں وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ہم کو جالوت اور اُسکی فوج کے مقابلہ میں ظفریاب کر دے۔ اس استقامت صبر جان نثاری اور صدق یقین کا نتیجہ کیا ہوا کہ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ۔ ان مؤمنوں نے جالوت کی فوج کو مار بھگایا اور حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ اور خدا نے حضرت شموئیل اور طالوت کی وفات کے بعد حکومت اور نبوت دونوں حضرت داؤد کو عطا فرما دیں حالانکہ حضرت داؤد سے قبل ایک شخص کو مجموعی طور پر دونوں نعمتوں سے خدا تعالیٰ نے کسی کو سرفراز نہیں فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰ کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی شخص نبی بھی ہوا ہو اور بادشاہ بھی وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ اور مذکورہ انعام کے علاوہ حضرت داؤد کو خدا تعالیٰ نے اپنی مشیت کے موافق کچھ علوم اور بھی خصوصیت کے ساتھ عطا فرمائے مثلاً زرہ بنانا پرندوں کی بولی سمجھنا توریت کو لحن سے پڑھنا۔

مقصود بیان:۔ صبر و استقامت کی تعلیم، راہ خدا میں جان فروشی اور ایثار کرنے کی تلقین۔ خدا پر بھروسہ کرنے اور مصائب میں اُسی سے امداد کی التجا کرنے کی ہدایت۔ اس امر کی صراحت کہ فتح و ظفر خدا کے دست قدرت میں ہے۔ مادی طاقت کی کمی بیشی پر شکست و فتح موقوف نہیں۔ جذبات ایثار اور جرأت و ہمت انسان کا فرض ہے ؎

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

جو شخص خدا پر بھروسہ کر کے اس کی راہ میں ایثار نفس اور قربانی کرتا ہے خدا بھی اُس کی مدد کرتا ہے اور اپنے انعامات سے اُس کو سرفراز فرماتا ہے۔ دنیوی حکومت اور دشمنوں پر کامیابی بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔ دنیوی فنون و علوم بھی خداداد انعام ہے وغیرہ۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

اور اگر اللہ بعض لوگوں سے بعض کو دفع نہ کرتا

لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ

تو زمین میں فساد پھیل جائے مگر اللہ سارے جہان پر

فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ

تفضل کرنے والا ہے یہ اللہ کی قدرت کی سچی نشانیاں ہیں

نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○

کہ ہم تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں اور بیشک تم ضرور پیغمبروں میں سے ہو

تفسیر اس آیت میں جہاد کا فائدہ اور حکمت بیان کی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ شبہ کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ جہاد سے عالم میں خون ریزی اور فساد ہوتا ہے اور انسان کے محترم خون کا بہانا اور زمین پر فساد کرنا کونسا مصلحت آمیز فعل ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کو پست نہ کرتا تو ملک کا انتظام بگڑ جاتا۔ انتظام عالم ہی اس پر وابستہ ہے کہ آج ایک قوم غالب اور برسرِ حکومت ہے تو کل دوسری قوم۔ جو لوگ خدا کے سچے فرمانبردار اور عدالتِ الٰہی کو اُسکے بندوں میں قائم کرنیوالے ہیں قانونِ انصاف پر عمل کرنیوالے ہیں وہ حاکم ہوتے ہیں۔ پھر جب یہ عدل پرستی اور انصاف شعاری چھوڑ دیتے ہیں تو خدا تعالیٰ اپنی زمین کی حکومت کے لئے دوسری قوم کو منتخب فرمالیتا ہے اور اسی طرح نظام عالم قائم ہے خدا نہیں چاہتا کہ اس نظم میں خرابی پیدا ہو کیونکہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر ہمیشہ مہربانی کرتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ امن عامہ میں فساد پیدا ہو جائے۔ جب کوئی قوم سرکشی طغیان اور ظلم و ستم کرنے لگتی ہے تو خدا تعالیٰ امن عام اور نظم عالم کو برقرار رکھنے کے لئے دوسری عادل قوم کو اس کا جانشین بنا دیتا ہے اور یونہی اس عالم کا انتظام درست رکھتا ہے تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ یعنی طالوت و جالوت کا قصہ گنہگاروں اور ظالموں کی تباہی نیکوکاروں اور ایماندار منصفوں کی فتح یہ خدا کی طرف سے آیات ہیں اس سے خدا مفسدوں کے شر کو دفع کرتا ہے اگر یہ نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو ویران کر دیں لہذا یہ اعتراض لغو ہے کہ انبیاء کا کام لڑائی نہیں بلکہ اصلاح اخلاق و درستگی اعمال ہے کیونکہ انبیاء کا کام یہ ہے کہ وہ قوانین دنیا والوں کے واسطے جاری کریں جن سے امن عام ہو اور مفسدوں کی شرارت کی بیخ کنی ہو خدا کی زمین پر فساد نہ ہو کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے اور آپ بھی نبی ہیں لہذا آپ کا فرض بھی یہی ہے کہ قانون عدل کا اجرا کریں اور اس کا اجرا بغیر جہاد کے ہو نہیں سکتا اسلئے اشاعت اسلام کیلئے جہاد ایک ضروری چیز ہے۔

مقصود بیان:۔ اعلانِ توحید کے لئے جہاد کی ضرورت اور اشاعت اسلام کیلئے مدافعت اعداء کی اہمیت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرسل ہونا اور مرسلین کے طریقہ پر چلنے کی صراحت۔ گذشتہ انبیاء کے جہاد کرنے کی تصریح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی سُنت فطریہ پر چلنے کی طرف اشارہ ہے۔

پارۂ سوئم شروع

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى

ان رسولوں میں سے ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی

بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ

ہے انہیں سے کسی سے تو اللہ نے کلام کیا اور کسی کے مراتب بلند

دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

کئے اور عیسیٰ بن مریم کو ہم نے کھلی کھلی نشانیاں

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَ

دیں اور روح القدس سے ان کو قوت بھی دی اور

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ

اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے جو

بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

ان کے بعد تھے کیونکہ ان کو کھلی کھلی نشانیاں پہونچ چکی تھیں

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ

لیکن ان میں پھوٹ پڑ گئی تو کوئی ان میں سے ایمان پر رہا اور کوئی

مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ

کافر ہو گیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے مگر

اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ

اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں مختلف انبیاء کا ذکر آیا تھا اور مفسد طبقہ کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ ان آیات میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ شر و فساد کو دفع کرنے والا انبیاء ہی کا گروہ ہے ہر نبی نے اپنے زمانہ میں شر و فساد کی بیخ کنی ہے اور ہر ایک کو خدا تعالیٰ نے جداگانہ خصوصیت عطا فرمائی تھی اور اس امتیاز خصوصی کی وجہ سے اُن کے مراتب میں باہم اختلاف تھا کوئی کسی قسم کی تفضیلت رکھتا تھا کوئی کسی قسم کی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا تمام انبیاء خدا کے پیغمبر تھے اور ہم نے بعض کو بعض پر (خصوصی امتیاز دیکر) تفضیلت عطا فرمائی تھی۔ سلسلۂ انبیاء چونکہ غیر محدود ہے سب کا تذکرہ موجب طوالت تھا اسلئے بنی اسرائیل کے سرگروہ حضرت موسیٰ کا اور بنی اسرائیل کے سب سے اخیری نبی یعنی حضرت عیسیٰ کا اور افضل البشر حضرت خاتم الانبیاء کا آئندہ آیات میں ذکر کرنا کافی سمجھا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

مِنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ۔ مذکورہ رسولوں میں سے ایک رسول تو وہ تھے جن سے خدا تعالیٰ نے بغیر وساطت فرشتے کے کلام کیا تھا اور شرف خطاب اُن کو عطا کیا تھا یعنی حضرت موسیٰ۔ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ اور ایک وہ تھے جنکے درجات دیگر انبیاء سے بہت زیادہ بلند کئے اُن کو خاتم الانبیاء اشرف البشر اور رسول مطلق بنایا اُن کی دعوت اسلام قیامت تک تمام لوگوں کے لئے عام کر دی کسی خاندان کسی قوم یا کسی ملک کی خصوصیت نہ تھی بلکہ ہر ایک کو دین محمدی میں داخل ہونا ضروری قرار دیا۔ دیگر انبیاء سے معجزات بھی اُن کو زیادہ عطا کئے شق القمر، گریۂ ستون، جمادات اور بہائم کا سلام، ابر کا سایہ فگن ہونا، درختوں کا بولنا وغیرہ اُن کو معجزات عطا فرمائے اور سب سے بڑھ کر واضح اور خصوصی معجزہ قرآن پاک اُن کو مرحمت کیا وَاٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ اور اسرائیلی انبیاء کے اخیر میں عیسیٰ کو رسول بناکر بھیجا اور اُن کو کھلے کھلے عام فہم معجزات عطا کئے۔ مادرزاد نابینا کا اچھا کرنا، مُردہ کو زندہ کرنا، مبروص کو شفایاب کرنا وغیرہ یہ کھلے کھلے اور واضح آیات وعلامات اُن کی رسالت کے قرار دیئے اور فقط یہی نہیں بلکہ ایک امتیازی نشان اُن کو اور عطا کیا کہ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ جبرئیل کو اُن کی امداد کے لئے مامور کیا جہاں عیسیٰ بن مریم جاتے تھے جبرئیل اُن کے ساتھ رہتے تھے۔ ان سب لوگوں نے بحکم الٰہی دنیا میں ہدایت پھیلائی شر و فساد کا استیصال کیا۔ اشاعت توحید میں جان و مال سے دریغ نہ کیا۔

حاصل یہ کہ مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء ہدایت خلق پر مامور ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو ہدایت کی اور معجزات دکھا کر راہ توحید پر لائے وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ اور اگر خدا تعالیٰ سب لوگوں کو ہدایت کرنی اور راہ توحید پر لانا چاہتا تو سب توحید و ہدایت پر قائم رہتے۔ اور مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ انبیاء کے بعد آنیوالے لوگ یعنی اُنکے امتی باہم اختلاف اور قتل و خونریزی نہ کرتے سب اپنے نبی کی تعلیم پر قائم رہتے کیونکہ نبی کے ذریعہ سے دلائل واضحہ تو اُنکو مل ہی گئے تھے اور تعلیم رسول کی صداقت میں کوئی شبہہ بھی نہ رہا تھا لیکن سب کو ہدایت کر دینا اور کافروں گنہگاروں کا دنیا میں موجود نہونا مصلحت الٰہی کے خلاف تھا اسلئے اُس نے سب کو ہدایت نہ کی بلکہ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا۔ انبیاء کے امتی وفات انبیاء کے بعد دینی عقائد و اصول میں نیز دنیوی فوائد کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔ لڑائی جھگڑے ہونے لگے اور قتل و خونریزی کی تک نوبت پہونچی۔ گویا ہدایت یافتہ فرقہ کی ٹکڑیاں ہو گئیں۔
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بعض لوگ اپنے ایمان پر قائم رہے اور جو کچھ نبی نے اُن کو تعلیم کیا تھا اُس پر کاربند رہے وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ۔ اور بعض لوگ کافر بن گئے۔ مثلاً عیسائی شروع میں موحد تھے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم پر تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد ان میں اختلاف و تفرقہ ہو گیا جو موحد فرقہ تھا اُسکو تثلیثیوں نے قتل کر دیا یہودیوں کی بھی یہی حالت ہوئی حضرت عزیر ان کی ہدایت کو آئے تھے اُن کو اکثر لوگ خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوْا لیکن اگر خدا چاہتا کہ وہ اختلاف و جدال باہم نہ کریں سب دین واحد پر قائم رہیں تو ایسا ہو جاتا وَلٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔ مگر خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی اُس کے فعل میں دخل نہیں دے سکتا اس کی مصلحت اسی میں تھی کہ یہ لوگ باہم جنگ و جدال کریں اور باہم اختلاف و تنازع پیدا کریں اُس کی مصلحت میں کون دخل دے سکتا ہے۔

مقصود بیان:- بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت اور امتیازی خصوصیت کی وجہ سے مرتبہ کی بلندی۔ رسول اقدس فداہ ابی و امی کی فضیلت عامہ اور سید الانبیاء ہونے کی تصریح۔ دنیا میں کفر و گمراہی اور گناہ و ظلم کا ہونا خدا کی مشیت ہے لیکن مرضی الٰہی سے نہیں ہے۔ دنیا میں کفر و گناہ کا وجود بھی مصلحت سے خالی نہیں تمام انبیاء کے امتیوں میں اصول دین اور عقائد کے اعتبار سے تفرقہ ہوتا چلا آیا ہے۔ ہر امت میں کچھ لوگ ہدایت و ایمان پر قائم رہے ہیں اور کچھ گمراہ ہو گئے۔ خدا تعالیٰ اپنے ارادہ اور فعل میں مختار مطلق ہے اُسکے ارادہ میں کوئی دخل دے سکتا ہے نہ فعل میں۔ وغیرہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ

مسلمانو! ہماری دی ہوئی روزی میں سے اُس دن کے آنے سے

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَ

پہلے راہِ خدا میں کچھ خرچ کرو جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی

لَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ

نہ دوستی نہ سفارش اور کافر اپنا ہی نقصان کرنے والے ہیں

تفسیر

نیرنگی بیان قرآن پاک کا ایک امتیازی وصف ہے پہلے جہاد کا حکم دیا تھا پھر وہ قصص بیان کیے جن سے جہاد کی طرف رغبت اور خواہش پیدا ہوتی ہے لیکن رغبت اور خواہش کے باوجود بعض لوگ ناداری اور مصارف کی کمی کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکتے اسلیئے ان آیات میں راہِ خدا میں مال صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

مسلمانو! ہم نے جو تم کو اس قدر رزق اور مال عطا کیا ہے تم اسمیں سے کچھ حصہ ہی ہماری راہ میں دیدو۔ یعنی یہ سب کچھ خدا کا ہی دیا ہوا ہے تو کوئی دشوار بات نہیں بلکہ قرین انصاف یہ ہے کہ اُسی کے دیے ہوئے مال میں سے تھوڑا سا ہی اُس کی راہ میں خرچ کردو۔ سدی سیوطی اور زمخشری وغیرہ کے نزدیک یہاں راہ خدا میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ مراد ہے اور اکثر تابعین کے نزدیک اس سے مراد خیرات ہے۔ بعض کے نزدیک راہِ خدا میں دینا مطلق مراد ہے خواہ زکوٰۃ ہو صدقہ ہو نفل ہو کچھ بھی ہو۔

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۔ یعنی اُس دن کے آنے سے پہلے راہ خدا میں خرچ کرو جس روز کہ کوئی اپنا مالی عوض دیکر اپنی رہائی نہ کرا سکیگا یعنی اُس روز تمام مال بیکار ہوگا۔ اگر ایک گناہ کے بدلے میں انسان تمام روئے زمین کے خزانوں کو دینا چاہیگا تو قبول نہ ہوگا۔ اور نہ کسی کی دوستی اپنے دوست کے کام آئیگی یعنی قیامت کے دن کوئی دوست دوسرے دوست کا عذاب اپنی گردن پر لینے کو تیار نہ ہوگا اور نہ کسی کی سفارش کام آئیگی یعنی بغیر حکم الٰہی کے کوئی سفارش نہ کریگا۔ جب نجات کے یہ تینوں راستے بند ہونگے اور چوتھی صورت تو ناممکن ہی ہے کہ کوئی زبردستی عذاب الٰہی سے بچا لے لہذا تم کو اُس روز کے آنے سے قبل ہی اپنی زندگی میں کچھ نہ کچھ راہِ خدا میں دینا چاہیئے۔

وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔ یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ کا یا فرائض اسلامی کا یا روز قیامت اور حساب کتاب وغیرہ کا انکار کرتے ہیں وہ باطل کوش ہیں ظالم ہیں۔ اس انکار کا وبال خود اٹھائینگے۔ روز قیامت ضرور ہوگا اور اُس روز کوئی کسی کی مدد نہ کرسکیگا۔

مقصود بیان :- زندگی میں خیرات کرنے کا حکم لیکن اسراف اور کل مال کے خرچ کر ڈالنے کی ممانعت کی طرف لطیف اشارہ۔ اس امر کی صراحت کہ قیامت کے دن اپنے اعمال کے سوا نہ کسی کی دوستی کام آئیگی نہ لاکھوں کروڑوں کی دولت۔ اور نہ کسی کی شفاعت کافروں کو نجات دلاسکیگی۔ ہاں مسلمانوں کو صلحاء اور انبیاء کی شفاعت مفید ہوگی لیکن یہ شفاعت بغیر اجازت الٰہی نہ ہوگی۔ آیت سے دو امر اور بھی واضح ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر شخص کی موت اُسکے لیئے ابتدائی قیامت ہے کیونکہ حکم دیا گیا کہ قیامت آنے سے قبل راہ خدا میں خرچ کرو جسکا مطلب یہ ہے کہ مرنے سے قبل خرچ کرو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص کی موت اُسکے لیئے ابتدائی قیامت ہے اگرچہ قیامت کبریٰ کا ایک دن مقرر ہے۔ دوسرے یہ کہ کافر ہی حقیقی ظالم ہیں جنکی عدم نجات کی صراحت ہے اگرچہ ہر گناہگار مسلمان بھی اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور اس اعتبار سے وہ بھی ظالم ہے لیکن کامل ظلم کے مرتکب کفار ہی ہیں کیونکہ سب سے بڑا گناہ اور ظلم شرک ہے اس سے زیادہ اور ظلم کیا ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور توحید جو آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے اُس کا انکار کیا جائے۔ وغیرہ۔

گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیئے مبعوث فرمائے جنمیں سے حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور حضور خاتم الانبیاء بھی تھے۔ ان لوگوں نے وحی ربانی کی تبلیغ اور توحید ذات و صفات کا جو تمام عقائد صحیحہ کا سرچشمہ ہے دنیا میں اعلان کیا اور اصول ہدایت میں سب نے باہم ایک دوسرے کی تائید کی وہ اصول ہدایت جو عقائد صحیحہ کا سنگ بنیاد ہیں کیا ہیں اُن کا بیان ذیل کی آیات میں کیا گیا ہے۔ آیت الکرسی آیت قدسی صفات ہے۔ بروایت حضرت ابی بن کعب قرآن کی تمام آیات سے عظمت درجہ میں بڑھی ہوئی ہے۔

اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا

اللہ ہی معبود ہے اسکے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں وہ ہمیشہ زندہ ہے اور (عالم کو)

تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي

قائم رکھنے والا ہے اسکو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند جو کچھ آسمانوں میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ
اور زمین میں ہے اُسی کا ہے اُس کی بلا اجازت اُسکے سامنے

یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ
کون سفارش کر سکتا ہے وہ آیندہ اور گذشتہ سب کو

اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ
جانتا ہے اور اُس کے علم کے کسی حصہ کا

مِّنْ عِلْمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ
احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے اُسکی سلطنت آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُهُمَا
زمین کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے اور اندونوں کی نگہبانی اُسپر گراں نہیں ہے

وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○
اور وہ عالی مرتبہ اور عظیم القدر ہے

تفسیر اللہ یعنی ذات جامع الصفات واقع میں موجود ہے جو ہر صفت کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ لفظ اللہ منکرین کے لئے ضرب کاری ہے کیونکہ عالم ہستی میں اُسکے وجود کا انکار نا ممکن ہے بلکہ اس کا مطلب اگر یہ کہا جائے کہ عالم کائنات میں سوا اُسکے کسی کا وجود اصلی اور حقیقی ہی نہیں ہے تو بیجا نہیں ہے حاصل یہ کہ وہی موجود ہے سب معدوم ہیں وہی ہست ہے سب نیست ہیں وہی اصل ہے سب سایہ ہیں۔ ہو الکل۔ ہو ہو۔ چونکہ یہ مفہوم معمولی اور سطحی عقل رکھنے والوں کی سمجھ سے بالاتھا اسلئے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ وہی جامع الصفات ہے عالم کائنات میں سوائے اُسکے کوئی الوہیت رکھنے والا معبود نہیں۔ وہ معبودیت میں متفرد ہے واحد قدوس ہے جو وحدت و تعدد سے بھی پاک ہے۔ بےمثل و بے ہمتا یگانہ و فرد وحدہٗ لاشریک لہٗ عظمت کما لیہ اسی کے لئے ہے۔ اُسکی ازلیت بلا سبب اور ابدیت بلا علت ہے۔ تمام صفات نقصان سے منزہ ہے اسکی توحید توحید سے بھی پاک ہے۔ بس ھو ھو لا اِلٰہ الا ھو۔ اس سے آگے توحید صفات کا بیان کیا گیا ہے۔
اَلْحَیُّ وہ زندہ ہے تمام مخلوق کی زندگی اُس کی حیات کا پرتو ہے دائم البقاء ہے لم یزل ولا یزال ہے عالم میں جسطرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ یتصرف کیف یشاء و یحکم ما یرید۔
اَلْقَیُّوْمُ۔ خود بذات خود قائم ہے اور مخلوق کو قائم رکھنے والا ہے۔ مخلوق اُسکی وجہ سے موجود اور باقی ہے۔ الحی القیوم کے یہ معنی بھی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی سے زندوں کا قیام ہے اور اُسکی قیومیت سے مُردے زندہ ہو جاتے ہیں۔ وہ معدوم میں روح حیات ڈالنے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ اپنی ازلیت و ابدیت میں مستقل ہے اور مخلوق کی زندگی موت روزی اور اعمال یعنی ہر چیز کا قیام و انتظام اُسی کے دست قدرت میں ہے۔
لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ اُسکو اونگھ آتی ہے نہ نیند یعنی اُسپر نہ اونگھ کو غلبہ ہو سکتا ہے نہ نیند کو کیونکہ وہ قیوم مطلق ہے۔ دنیا کا نظم و نسق اُسکی ذات سے وابستہ ہے۔ اگر سو جائے تو انتظام عالم درہم برہم ہو جائے۔
لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ آسمان و زمین اور ان کی تمام کائنات کا وہی موجد ہے سب اُسی کے مملوک ہیں اور اسی کے غلبۂ قدرت کے زیر حکومت ہیں۔ کل عالم اسی کا مقہور، مملوک اور زیر نگین ہے۔ وہی سب کا خالق ہے مربی ہے قائم رکھنے والا ہے اور بالآخر فنا کرنے والا ہے۔
مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔ وہ مختار کل ہے مالک الملک ہے قہار مطلق اور واحد قدوس ہے کس کو مجال ہے کہ اُسکے سامنے بغیر اُسکی اجازت کے گناہگاروں کی نجات کے لئے سفارش کر سکے۔ اگر انبیاء اولیاء وغیرہ شفاعت کرینگے بھی تو اُسی کے حکم اور اُسی کی اجازت سے ورنہ کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک ماضی حال اور استقبال سب برابر ہیں۔ اُس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے خواہ ہزاروں سال پہلے واقعات ہوئے ہوں یا موجودہ زمانہ میں ہوں یا آئندہ کبھی ہوں۔ مجاہد کہتے ہیں آیت کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ دنیا و آخرت کا عالم ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا علم قدیم کامل طور پر تمام کائنات کا دنیا و دین میں احاطہ کرنے والا ہے۔ اُس پر عالم کا کوئی ذرہ مخفی نہیں۔ عالم واقع میں کوئی چیز ہو ظاہر ہو یا پوشیدہ کلی ہو یا جزئی کہیں ہو اور کبھی ہو وہ جسطرح ہے خدا تعالیٰ اُس کو ویسے ہی اچھی طرح جانتا ہے اور اُس کا علم نفس الامر کے مطابق ہے۔
وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ اور مخلوق اُسکے علم کے کسی حصہ پر مطلع نہیں ہو سکتی ہاں جو علم خدا تعالیٰ خود اپنی

طرف سے مرحمت کرنا چاہے اور جن جن چیزوں کی اطلاع خود دینی چاہی اُس پر مخلوق مطلع ہو سکتی ہے۔ گویا حاصل یہ نکلا کہ بندوں کے پاس جو علم و اطلاع کے اسباب ہیں حواس ظاہری مشاعر باطنی اور عقل یہ سب تاثیر الٰہی کے بغیر اپنے فعل کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ شیخ ابن کثیر کہتے ہیں احتمال ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم بندوں کو صرف اتنا ہے جتنا اُس نے خود رسولوں اور فرشتوں کے ذریعہ سے عطا فرما دیا اس سے زائد اُس کی ذات مقدس اور صفات کاملہ کا کسی کو علم نہیں۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ - اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے سعید بن جبیر اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ اُس کا علم تمام آسمانوں اور زمینوں کو قائم رکھے ہوئے ہے بعض لوگوں نے کرسی کے معنی قدرت اور عظمت بیان کئے ہیں یعنی اُسکی قدرت کاملہ اور عظمت باہرہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا انتظام درست رکھے ہوئے ہے اور انکے وجود کو باقی رکھنے والی ہے۔ ان دونو معانی کے علاوہ اور تمام تفسیروں میں رکیک تاویلوں کی ضرورت پڑتی ہے اسلئے ہم نے اُن کو قلم انداز کر دیا۔

وَلَا يَئُودُهٗ حِفْظُهُمَا اور خدا تعالیٰ پر آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اور اُن کے نظم کو قائم رکھنا کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہے نہ اُن کے انتظام سے تھکتا نہیں ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ یعنی خدا تعالیٰ ہر چیز سے عالی مرتبہ اور رفیع الشان ہے بلکہ اُسکی رفعت شان اور بلندی مرتبہ کے مقابلہ کسی کو کوئی بزرگی حاصل ہی نہیں ہے کہ کچھ نسبت ہو سکے۔ یا یہ معنی کہ خدا تعالیٰ نے اپنی سلطنت اور حکومت و غلبہ کے لحاظ سے بہت رفیع الشان ہے اور قہر و تسلط کے اعتبار سے عظمت و کبریائی کا مالک ہے (سیوطی) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے اوصاف کوئی کتنے ہی بیان کرے لیکن حقیقت اوصاف کی تہ تک کوئی نہیں پہونچ سکتا اور نہ اُسکی ذات تک کسی کی رسائی ہے اُسکے صفات لوگوں کی قوت بیان سے عالی اور اُسکی ذات مخلوق کی رسائی فکر سے عظیم و برتر ہے۔

مقصود بیان :- انسان کی قوت نظریہ کی اصلاح۔ عقائد صحیحہ کی تعلیم۔ توحید ذات و تنزیہ صفات کا بیان۔ وحدت الوجود بلکہ وحدۃ الشہود کی طرف لطیف ایماء۔ صفات قدیمہ کی تفصیل۔ اوصاف ذاتیہ اوصاف فعلیہ اضافیہ اور غیر اضافیہ کی تصریح۔ مشابہت مخلوقات سے پاکی۔ تمام عیوب و نقصانات سے برأت۔ قدرت کاملہ کا اظہار خدا تعالیٰ کا عالم سے مستغنی ہونے اور دنیا کا اُسکی طرف اپنے وجود اور بقاءِ وجود میں محتاج ہونا وغیرہ۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ

دین میں زبردستی نہیں ہے کیونکہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی

مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ

ہے پس جس نے بتوں کا انکار کیا اور

یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ

اللہ پر یقین رکھا اُس نے ایک مضبوط قبضہ

الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ سننے والا اور دانا ہے

تفسیر اس آیت کے شان نزول میں چند روایات آئی ہیں انصار میں بعض عورتوں کے بچے زندہ نہ رہتے تھے اور وہ نذر کر لیا کرتے تھے کہ اگر یہ بچہ زندہ رہا تو ہم اسکو یہودی مذہب میں داخل کر دینگے۔ یہ واقعہ دور اسلامی سے پہلے کا ہے جب بنو نضیر جلا وطن کئے گئے تو ان میں انصار کے بیٹے بھی تھے جو مذکورہ نذر کے موافق یہودی تھے۔ انصار نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم نے اپنی اولاد کو یہودی مذہب پر پہلے اسواسطے کر دیا تھا کہ یہودی مذہب ہمارے مذہب سے بہتر تھا ہم بت پرست تھے وہ اہل کتاب تھے۔ اب خدا تعالیٰ نے ہم کو دین اسلام عطا فرما دیا لہٰذا اب ہم اپنی اولاد کو مسلمان ہونے پر مجبور کرینگے اُس وقت آیۂ مذکورہ نازل ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لڑکوں کو یہودی مذہب پر رہنے کا اختیار دیدیا اسلام پر مجبور نہ کیا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص حصین سالمی انصاری تھے اُن کے دو لڑکے عیسائی تھے اور خود وہ مسلمان تھے ان کے لڑکوں کو شامی تاجروں نے عیسائی بنا لیا تھا اور لڑکوں نے تاجروں کے ساتھ شام کو جانے کا ارادہ کر لیا تھا تو حصین کو یہ بات شاق ہوئی اور حضور اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کیا میں دونوں لڑکوں کو جبریہ مسلمان بنا لوں۔ اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور حضور اقدس نے جبریہ مسلمان کرنے کی اجازت نہ دی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ گمراہی اور ہدایت میں امتیاز ہو چکا ہے آیات واضحہ سے ثابت ہو گیا کہ ایمان و اسلام ہدایت ہے اور کفر گمراہی ہے لہٰذا دین اسلام میں داخل کرنے کیلئے کسی پر جبر کرنا اور زبردستی مسلمان بنانا جائز نہیں۔ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ - اب جو شخص شیطانوں اور بتوں کا انکار کریگا گمراہی

کا اتباع نہ کریگا ہر قسم کا کفر و شرک چھوڑ دیگا اور دل سے توبہ کر لے گا وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان لے آئیگا یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا اُسی طرح خدا کو مانیگا اور عقائد کی صحت کریگا فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى تو وہ ایک مضبوط قبضہ کو پکڑ لیگا توفیق الٰہی اُسکے شامل حال ہو گئی اور خدا اُس کا حافظ و وکیل ہو گیا۔ لَا انْفِصَامَ لَهَا اور یہ قبضہ کمزور نہیں ہے بلکہ وہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا ہمیشہ سعادت اور توفیق اُسکے شامل حال رہیگی اور خدا اُس کا حافظ و ناصر رہیگا۔ لیکن وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ زبانی ایمان دلی کفر کے ہوتے ہوئے معتبر نہیں ہے خدا ظاہری الفاظ کو سنتا اور باطنی عقائد کو جانتا ہے اُسکو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

مقصود بیان: جبریہ تلوار کے زور سے ایمان و اسلام پھیلانے کی ممانعت۔ نفاق یعنی ظاہری اسلام اور باطنی کفر پر وعید۔ اس امر کی صراحت کہ اسلام کی حقانیت دلائل و براہین سے ثابت ہو چکی ہے اب بصیرت کوش دماغ کی ضرورت ہے جبر و اکراہ سے صرف زبانی اسلام کا اقرار کیا جا سکتا ہے۔ کسی کے دل میں ایمان کو جاگزین نہیں کیا جا سکتا اور دلائل و نبوت کو دیکھ کر جو ایمان حاصل ہوگا وہ دل میں جم جائیگا لہٰذا اکراہ کی ضرورت نہیں بلکہ تبلیغ برہانی کی ضرورت ہے اور دلیل کے ساتھ اعلانِ اسلام لازم ہے۔

آیت میں مذکورہ ذیل امور کی طرف بھی لطیف اشارات کئے گئے ہیں۔ علم ازلی میں ہر چیز کا فیصلہ ہو چکا۔ سعادت و شقاوت کا ذہین پر امتیاز کر دیا گیا اُسی کے مطابق مقبول بندوں سے علامات سعادت اور بدبختوں سے آثار شقاوت ظاہر ہوتے ہیں اور چونکہ ازل کا لکھا مٹ نہیں سکتا لہٰذا کسی کو مجبور کر کے مسلمان کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں اور نہ اس اکراہی اسلام سے کوئی فائدہ ہے۔ جو لوگ شیطانی ہوا و ہوس دنیوی لہو و لعب نفس امارہ اور گمراہی آمیز جذبات سے پاک ہیں اُنہی کو توفیق الٰہی ملتی ہے اُنہی کی خدا امداد کرتا ہے اور اُنہی کی ہمیشہ مدد کرتا رہیگا۔ خدا تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کی امداد ترک نہیں فرماتا ہے۔ بلکہ اُن کی امداد کرتا رہتا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ

اللہ مؤمنوں کا کارساز ہے۔ اُن کو تاریکیوں سے روشنی میں

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

نکال کر لاتا ہے اور منکران اسلام کے کارساز

اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ

شیطان ہیں جو اُن کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں

النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

لے جاتے ہیں یہی دوزخی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ہیں جسمیں وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر گذشتہ آیت میں ظاہر کیا گیا تھا کہ کفر و ہدایت میں امتیاز کر دیا گیا ہے۔ اس آیت میں ہدایت و گمراہی کے نتیجہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

جو لوگ ازلی مؤمن ہیں خدا تعالیٰ کے علم ازلی میں اُن کا مؤمن ہونا ثابت ہو چکا ہے اُن کا خدا تعالیٰ دوست مددگار اور کفیل ہے اُن کو گمراہی کی تاریکی اور شبہات کی اندھیریوں سے نکال کر نور ایمان کے کھلے راستے کی طرف لاتا ہے اور اپنی توفیق عنایت فرماتا ہے جسکی وجہ سے وہ کفر و تردد سے نکل کر ہدایت یاب ہو جاتے ہیں اور کفر و گمراہی کی ہزاروں تاریکیاں اُن کے لئے نور عرفان سے حجاب نہیں باقی رہتیں۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔ اور جو لوگ ازلی کافر ہیں اُن کے دوست اور مددگار شیطان (کعب بن اشرف۔ حیی بن اخطب وغیرہ) ہیں جو فطری نور توحید سے نکال کر اُن کو کفر و شرک اور شبہات کی تاریکیوں میں لیجاتے ہیں یعنی ظاہری اسباب کے اعتبار سے کفر و شرک اختیار کرنے اور نور فطری کو بجھانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یہ آیت بروایت بیضاوی ایک مرتد قوم کے حق میں نازل ہوئی۔ اور تفسیر سراج میں بروایت ابن عباس بیان کیا گیا ہے کہ ایک قوم حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائی تھی اور بعثت سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اُن کا ایمان تھا لیکن حضور کے مبعوث ہونے کے بعد آنحضرت کی رسالت کے منکر ہو گئے اور مقاتل کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت کا نزول اُن یہودیوں کے متعلق ہوا تھا جو رسول گرامی پر بعثت سے قبل ایمان رکھتے تھے اور بعثت کے بعد منکر ہو گئے۔ مگر سب سے بہتر وہی تفسیر ہے جو ہم نے بیان کر دی۔ اب آگے ان شیطانوں کی دوستی کا نتیجہ بیان ہوتا ہے اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ یعنی یہ ازلی کافر اور شیطانوں کے پیرو کار ابدی دوزخی ہیں ہمیشہ دوزخ میں رہینگے

کبھی وہاں سے نکلنے کے قابل نہ ہونگے۔

مقصود بیان:۔ آیت میں امور ذیل کیطرف اشارہ کرنا مقصود ہے خدا تعالیٰ نے مؤمنوں کو عدم کی تاریکی سے نکالکر انوار قدم میں داخل کیا۔ امتحان کے اندھیرے سے نکال کر مشاہدہ کی روشنی کی طرف لایا۔ نفس پرستی کی ظلمت سے کھینچکر ربوبیت جمال کے نور کیطرف پہونچایا۔ معمولی مراتب ذات و درجات کی لذت (جو انوار جمال کیلئے پردے تھے) پردے اٹھاکر ذات وصفات کا مشاہدہ کرایا۔ تمام مادیت کی آلائش اور بشریت کی کدورت اپنی شفقت کے پانی سے دھوکر نور ہدیت میں اُن کو داخل فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ جذبات نفسانیہ کی تاریکیوں سے نکالکر علم الیقین بلکہ حق الیقین بلکہ عین الیقین کے نور تک پہونچادیا۔ لیکن جن لوگوں نے عجائبات قدرت اور حکیم مطلق کے انوار صنعت دیکھ کر اُن کو چھپایا اور جو پرتو اُن کی عقل میں پیدا ہوئے تھے اور جو چمک اُنکے حواس پر جلوہ افگن ہوئی تھی اُسکو پوشیدہ کر کے نفسانی خواہشات اور غفلت کے پردوں میں جا پڑے تو ایسے لوگوں کے دوست اور مددگار وہ لوگ ہیں جو خیالی باطل تصویروں پر اُن کو فریفتہ کرتے ہیں اور دوزخ کی آگ میں اُن کو ہمیشہ کے لئے داخل کرنے کا سبب ہیں۔ آیت سے ذیل کے امور پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ایمان نور ہے کفر اندھیری اور سیاہی ہے۔ ایمان واسلام کی طرف ترغیب کفرو شرک سے ترہیب اور ایمان باللہ پر نجات ابدی کا وعدہ وغیرہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ

(اے محمدؐ) کیا تم کو اُس شخص کی حالت معلوم نہیں جس نے ابراہیمؑ سے

رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ

اللہ کے متعلق اس غرور پر حجت کی تھی کہ اللہ نے اُسکو بادشاہت دی تھی جبکہ

اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ

ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو پیدا کرتا اور مارتا ہے کہنے لگا

اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ

میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیمؑ نے کہا تو اللہ

یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا

سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو سورج کو

مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ

مغرب سے نکال یہ سُن کر وہ کافر بھونچکا ہو گیا اور اللہ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ

بے انصافوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ مؤمنوں کو خدا تعالیٰ اپنی نصرت عنایت فرماتا ہے اور اُسی کی توفیق سے اُن کو نور ہدایت حاصل ہوتا ہے اور کافروں کو جہالت کی تاریکی میں اُن کے پیشوا اور مقتدا ڈالتے ہیں اور راہ حق سے گمراہ کرتے ہیں۔ اب اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کے مناظرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ گویا یہ آیت پہلی آیت کا ثبوت ہے۔ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی مدد کی اور نمرود کے مددگاروں نے اُسکو اور زیادہ گمراہ کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ غالب آگئے اور نمرود لاجواب ہوگیا۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

اے نبی! کیا آپ کو اُس شخص کا قصہ معلوم نہیں جس نے ابراہیمؑ سے اُنکے پروردگار کے متعلق مناظرہ کیا تھا اور مکابرہ کرکے غالب آنا چاہتا تھا۔ یہ شخص نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح شاہ بابل تھا۔ یا نمرود بن فالخ بن عابد بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح تھا۔ دنیا کے اکثر ممالک اسکے زیر نگین تھے اسکی عمر چارسو سال تھی۔ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اُس نے وجود الٰہی کا انکار صرف اس وجہ سے کیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اُسکو سلطنت عطا فرمائی تھی۔ اُس نے بجائے شکر وحمد کے برعکس تکبر وغرور کیا اور خدا بن بیٹھا اور لگا خدا کی ہستی کے متعلق جھگڑا کرنے۔ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ یعنی نمرود نے حضرت ابراہیمؑ سے سوال کیا کہ جب تم مجھے اپنا خدا اور پروردگار نہیں مانتے تو بتاؤ تمہارا خدا کون ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے کہا میرا خدا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے زندگی اور موت اُسکے قبضہ و اختیار میں ہے۔ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ۔ نمرود نے دو واجب القتل قیدیوں کو بلاکر ایک کو قتل کرادیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا پھر کہنے لگا یہ کیا بڑی بات ہے یہ تو میں بھی کرسکتا ہوں بلکہ میں ہی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کا یہ احمقانہ جواب سُنا کہ میں کچھ اور کہتا ہوں یہ کچھ اور جواب دیتا ہے۔ میرا مدعا عدم سے وجود میں لانا اور وجود سے عدم میں لیجانا تھا اور یہ

شاہ مخواہ کا جھگڑا کرتا ہے اور خدائی کے دعوی سے باز نہیں آتا تو بولے اچھا اگر تم کو خدائی کا دعوی ہے تو خدا تعالیٰ مشرق سے سورج نکالتا ہے تم مغرب سے نکالو کیونکہ جو شخص زندہ کرنے اور مارنے پر قادر ہوگا وہ ضرور موجودات عالم میں بھی اپنی مرضی کے مطابق تصرف کر سکتا ہے اور تمہارا دعوی ہے کہ تم ہی مارتے اور زندہ کرتے ہو تو جو شخص مارتا اور جلاتا ہے وہی کائنات کے وجود اور نظام میں متصرف ہے اور اسی کے اختیار میں مخلوق کی ذات اور تسخیر کواکب اور ستاروں کی تمام حرکات ہیں لہذا یہ آفتاب جو مشرق سے نکلتا اور مغرب میں ڈوبتا ہے اگر تمہارے ہی تصرف سے ایسا ہوتا ہے تو اسکو ذرا مغرب سے طلوع کر کے دکھاؤ۔ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ۔ یہ مسکت تقریر سنکر وہ کافر خدا کے وجود کا منکر متحیر اور لاجواب ہوگیا۔ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ اور خدا تعالیٰ کافروں کو راہ راست نہیں دکھاتا ہے اُن کے دل میں کوئی حجت و دلیل صحیح القا نہیں فرماتا ہے اور بالآخر یوں ہی لاجواب ہو کر رہجاتے ہیں کیونکہ حق پر باطل غالب نہیں آسکتا۔

مقصود بیان: ۔ زندہ کرنا مارنا۔ سورج کو مشرق سے نکالکر مغرب میں غروب کرنا یعنی کل نظام عالم خدا ہی کے دست قدرت میں ہے کوئی نظام قدرت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی مدد فرماتا ہے اور حقانیت سے بھری ہوئی روشن دلیلیں اُن کے دل میں ڈالتا ہے۔ نظام کائنات وجود الٰہی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں ہو سکتا اور نظام مصنوعات کا باقاعدہ انتظام اور ایک ضابطہ کے ماتحت قائم رہنا خدا تعالیٰ کی ربوبیت اور پروردگاری کو ظاہر کرتا ہے یہ تمام انتظام مخلوق کی پرورش کے لئے جاری ہے۔ انسان میں خدا تعالیٰ نے دونوں قوتیں کامل طور پر ودیعت رکھی ہیں عقل و روحانیت اگر غالب ہوتی اور بصیرت و دانش کا مادہ قوی ہوتا ہے تو آدمی بڑی سی بڑی مصیبت اور ہولناک خطرات سے بھی نہیں ڈرتا اور نہ دنیا کا کوئی ملکی یا مالی لالچ اسکو حقانیت سے روک سکتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے باوجود شدید خطرات کے حق سے منہ نہ موڑا۔ اور اگر انسان کے حسیات خیالات جذبات اور تمام احساسی قوتوں پر تاریکی غالب ہوتی ہے اور بصیرت کور ہوجاتی ہے تو وہ واضح ترین حق کا بھی اقرار نہیں کرتا بلکہ بصیرت فطری کے خلاف خدائی کے دعوی تک پہونچ جاتا ہے جیسا کہ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں کیا۔ آیات میں طالبان حق کے لئے ایک درس عبرت اور ذخیرۂ نصیحت ہے۔

اظہار حق میں بے باکی اور جرأت اختیار کرنے کی تعلیم ہے اور متکبر ترین بادشاہ کے سامنے بھی اخفاء حق نہ کرنے کا اشارہ ہے خصوصًا علماء اور اصحاب بصیرت کے لئے تو ایک خاص تلقین ایما رہے کہ حق کے جاننے کے بعد کسی طاغوتی طاقت جبروتی حکومت اور پرجلال سلطنت کی پرواہ نہ کرنا چاہئے اور اظہار حق میں کسی جابر ظالم اور پرشکوہ حاکم کا خوف نہ کرنا چاہئے۔ وغیرہ۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ

یا تم نے اُن جیسے (بزرگ کیحالت پر بھی کبھی غور کیا) جو ایک ویران بستی کیطرف سے

خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي

گزرے اور وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری پڑی تھی کہنے لگے اس بستی کو خدا

هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ

اسکی ویرانی کے بعد اب کس طرح زندہ کریگا اسپر خدا نے انکو سو سال کیلئے

مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ

مُردہ کر دیا پھر اُن کو زندہ کر کے فرمایا تم کتنی دیر تک پڑے رہے

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ

بولے ایک دن یا ایک دن سے کم اللہ نے فرمایا

بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ

نہیں بلکہ تم سو سال پڑے رہے اب تم اپنے کھانے پینے کی

طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَ

چیزوں کو دیکھو کہ سڑی تک نہیں اور

انْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ

اپنے گدھے کو بھی غور سے دیکھو اور ہم تم کو لوگوں کیلئے نمونہ قدرت بنانا چاہتے

وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ

ہیں اور اُسکی ہڈیوں کو بھی دیکھو کہ کس طرح ہم اُنکو جنبش دینے کے بعد

نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ

گوشت پہناتے ہیں پھر جب اُن پر اس بات کی وضاحت ہوگئی بولے

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

مجھکو معلوم ہے کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر ان آیات کی تفسیر لکھنے سے قبل ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ جو قصہ ان آیات میں مذکور ہے اُسکو مختصر طور پر لکھدیں تاکہ آیات کا مطلب آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ حضرت عیسٰی کی پیدائش سے چار سو سال قبل بنی اسرائیل نے حضرت شعیا پیغمبر کو قتل کرڈالا اور طرح طرح کے فسق و فجور اور کفر و شرک میں مبتلا ہوگئے تو خدا تعالیٰ نے قانونِ قدرت کے مطابق بخت نصر شاہ بابل کو اُن پر مسلط کیا۔ بخت نصر نے بنی اسرائیل پر چڑھائی کی بیت المقدس کو بالکل تباہ کردیا مکانات کو مسمار کردیا۔ بنی اسرائیل کی بستیاں برباد کردیں اور بنی اسرائیل کو گرفتار کرکے ایک حصہ کو اپنے ساتھ باندی غلام بناکر لیگیا ایک حصہ کو قتل کرڈالا۔ اور تیسرے حصہ کو وہیں ملک شام میں خانہ بدوشانہ زندگی گذارنے کے لئے چھوڑ دیا۔ جب بیت المقدس بالکل ویران ہوگیا تو ایک روز اُدھر سے ایک اسرائیلی نبی کا گذر ہوا۔ راویوں میں اختلاف ہے کہ یہ کون نبی تھے۔ وہب بن منبہ اور عبداللہ بن عبید کہتے ہیں کہ وہ ارمیاء بن خلقیا یعنی خضرؑ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ خرقیل بن بوار تھے۔ مجاہد کی روایت میں ہے کہ کوئی اور اسرائیلی نیک شخص تھا پیغمبر نہ تھا لیکن مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت عزیرؑ تھے بہرحال نبی کا گذر جو اُس ویران بستی کی طرف سے ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ شہر بالکل ویران پڑا ہے مکانات کی دیواریں گرگئی ہیں اور چھتیں نیچے آگئی ہیں۔ یہ تعجب سے بولے جانے یہ بستی خداوند تعالیٰ کیسے آباد کریگا اور کس طرح آباد کریگا یہ تو بالکل ویران و تباہ حال پڑی ہے خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ ایسی ویران بستیوں کو بھی آباد کردیتا ہے لیکن جانے کیسے کرتا ہے گویا انہوں نے صنعت و قدرت کے مشاہدہ کی خواہش کی۔ یہ اُسوقت ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے انگوروں اور انجیروں کی ٹوکری اور ایک پیالہ شراب پاس رکھی تھی اور سواری کا گدھا درخت سے بندھا تھا یہ اپنے خیال میں غرق تھے کہ نیند آگئی اور خدا تعالیٰ نے انکی روح قبض کرلی اُدھر گدھا بھی مرگیا اُس کا گوشت پوست گل سڑ کر خاک ہوگیا صرف ہڈیاں صاف سپید باقی رہ گئیں۔ نبی اسی مُردہ حالت میں ستر سال تک وہاں پڑے رہے ستر سال کے بعد بخت نصر کا انتقال ہوگیا گرفتار شدہ بنی اسرائیل کو رہائی ملی وہ یا اُن کی نسلیں پھر بابل اور اطراف شام سے آکر بیت المقدس میں آباد ہوگئیں اور آبادی کو بھی تیس سال ہوگئے اُسوقت ان پیغمبر کو خدا تعالیٰ نے مشاہدۂ قدرت کے لئے زندہ کیا۔ اور بروایت حضرت علیؓ سب سے پہلے انکی آنکھوں کو قوت حیات عطا کی تاکہ وہ اپنی جدید زندگی کا بھی مشاہدہ کرسکیں۔ اس سے آگے جو قصہ ہوا اُس کے سمجھنے میں کچھ دشواری نہیں ہے آیت سے خود واضح ہوجائیگا اسلئے ہم اُسکو ترک کرتے ہیں اور آیات کی تفسیر کیطرف رجوع کرتے ہیں۔

گذشتہ آیات میں خدا تعالیٰ کی صنعت۔ نظم کائنات اور شان ربوبیت کا اظہار کیا گیا تھا۔ یہ آیات بھی اُسی مقصود کی تائید میں بیان کی گئی ہیں ارشاد ہوتا ہے:۔

اے نبی کیا آپ کو اُس شخص کا بھی قصہ معلوم ہے جو ایک ویران بستی کی طرف سے گذرا تھا جسکے مکانات کی چھتیں دیواروں کے گرنے کی وجہ سے نیچے آگئی تھیں یعنی کیا آپ کو عزیر کا قصہ معلوم ہے جن کا گذر بیت المقدس کی طرف سے ہوا تھا گدھے پر سوار تھے انجیروں کی ٹوکری اور شراب سے بھرا ہوا برتن ساتھ تھا جب بیت المقدس کی طرف سے گذرے تو دیکھا کہ تمام بستی کے مکانات گرگئے ہیں کیونکہ بخت نصر نے شہر کو تباہ و برباد کیا تھا تو اظہار تعجب اور قدرت الٰہی کے مشاہدہ کی خواہش کرتے ہوئے قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا بولے کہ خدا تعالیٰ اس ویران شدہ بستی کو پھر کس طرح اور کیونکر زندہ کریگا۔ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ اور اسی حالت پر سو برس تک اُن کو رکھا سو برس تک وہیں پڑے رہے۔ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ پھر اُن کو زندہ کرکے دریافت فرمایا تم کتنی مدت تک یہاں رہے اور یہاں پر رہنے کی تمہاری کل مدت کتنی ہے۔ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ۔ چونکہ حضرت عزیر دن کے ابتدائی حصہ میں سوئے تھے اور غروب آفتاب کے وقت زندہ کئے گئے اسلئے کہنے لگے میں یہاں پر ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم رہا ہوں حضرت عزیر کا گمان ہوا کہ جس روز میں سویا تھا یہ وہی دن ہے۔ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ خدا تعالیٰ نے فرمایا نہیں تم ایک دن یہاں نہیں رہے بلکہ سو برس رہے ہو اور مردہ بے حس پڑے رہے ہو۔ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ اب اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھ لو کہ باوجود اس قدر طویل مدت گذرنے کے وہ بگڑی نہیں ہیں خدا تعالیٰ نے انکی وہی کیفیت باقی رکھی ہے جو سو برس پہلے تھی (اعمال انسانی کے حساب اور اُنکی یادداشت کے لئے تمہارے لئے یہ آئینۂ بصیرت ہے جو خدا سو برس تک انجیر اور شراب کو صحیح سالم بغیر کسی تعفن کے قائم رکھ سکتا ہے وہ انسان کو اُس کے گذشتہ اعمال بھی قیامت میں بالکل ویسے ہی یاد دلا سکتا ہے جیسے اُس نے کئے تھے) آگے ارشاد ہوتا ہے وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو کہ اُس کا کیا حال ہے۔ حضرت عزیر نے دیکھا کہ گدھے کی صرف ہڈیاں ہی باقی تھیں اور گوشت پوست سب گل کر خاک ہوگیا تھا۔ ارشاد ہوا کہ یہ سب قدرت

کا کرشمہ ہم نے تمہاری نظر کے سامنے پیش کیا تاکہ تم صنعتِ الٰہی کا مشاہدہ کرو اور اپنی آنکھوں سے قدرت الٰہی کا معائنہ کرلو اور یہ وجہ بھی ہے کہ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ کہ ہم تم کو حشر جسمانی کے ثبوت کے لئے لوگوں کے واسطے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں یعنی لوگ تمہاری کیفیت اور واقعہ کو دیکھ کر سمجھ لینگے اور یقین کر لینگے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے انسان کو دوبارہ پھر ویسے ہی زندہ کر سکتا ہے جسطرح وہ پہلے تھا اور تمام اعمال کا حساب کتاب بھی لے سکتا ہے اور انسان کو دوبارہ زندہ ہونے کے بعد سے گذشتہ اعمال بھی یاد ہو سکتے ہیں۔ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا اور گدھے کی ہڈیاں دیکھ ہم کس طرح اُن کو اکٹھا کر کے زندہ کرتے ہیں ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا۔ پھر ہم اُن مجتمع ہڈیوں کو گوشت پوست اور رگ پٹھوں کے لباس سے آراستہ کر کے اُن میں جان ڈالتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عزیر نے حکم کی تعمیل کی اور خدا تعالیٰ نے ہڈیوں کو گوشت پوست پہنا کر جان ڈالکر زندہ گدھا پیش نظر کر دیا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ جب حضرت عزیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور مشاہدہ سے تمام کیفیت اُن پر ظاہر ہو گئی تو کہنے لگے میں یقین رکھتا ہوں اور علم الیقین سے عین الیقین بلکہ حق الیقین کے درجہ پر پہونچ گیا اور آنکھوں سے معائنہ کرنے کے بعد خود اپنے اوپر اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ آزما لیا کہ خدا تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔ بوسیدہ ہڈیوں کو پھر از سر نو زندہ کر کے اُن کا حساب کتاب کر سکتا ہے اور حشر اجسام روز قیامت میں ضرور ہوگا۔ خدا کے نزدیک یہ کچھ دشوار نہیں ہے۔

مقصود بیان:۔ مجاہدہ سے ایمان کی طرف ایمان بالغیب سے معائنہ کی طرف اور معائنہ سے مشاہدہ اور وجدان کی طرف ترقی ہو سکتی ہے۔

پہلے انسان کو علم الیقین ہوتا ہے اسکے بعد ترقی کر کے عین الیقین کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ اس کے حاصل ہو جانے کے بعد آخری درجہ حق الیقین کا ہے جس سے انسان مشاہدہ اور وجدان کی طرف ترقی کر سکتا ہے۔

مثلاً کسی صادق القول اور معتبر آدمی نے کہا کہ چھت کے نیچے حوض ہے تم جا کر وہاں پانی پی سکتے ہو اور پیاس بجھا سکتے ہو اور چونکہ یہ شخص قابل اعتماد تھا اسلئے اُسکے کہنے سے حوض کا یقینی علم ہو گیا یہ تو علم الیقین اور ایمان بالغیب کا مرتبہ ہے ہر مؤمن کو یہ حاصل ہے اس سے آگے بڑھ کر اگر کسی نے خود جا کر حوض کو دیکھ لیا اور آنکھوں سے معائنہ کر لیا کہ حوض موجود ہے تو اسکو عین الیقین کا درجہ حاصل ہو گیا۔ گویا ایمان بالغیب سے ترقی کر کے معائنہ کے مرتبہ پر آدمی پہونچا یہی قصہ حضرت عزیر کا ہوا اُن کو ایمان بالغیب تھا وہ یقین رکھتے تھے کہ حشر جسمانی ضرور ہوگا اور اس مردہ بستی کو خدا ضرور زندہ کر سکتا ہے مگر معائنہ کے طالب ہوئے تو گدھے کو مار کر پھر اُن کے سامنے زندہ کر کے دکھا یا گیا۔ پھر اگر آدمی جا کر خود اُس حوض سے پانی پی لے اور پیاس بجھا لے تو اب اسکو حق الیقین حاصل ہو جائیگا اور خود مشاہدہ کر لیگا اور بذاتِ خاص اُسکو پانی کا وجدان ہو گیا اور سیرابی کی لذت سے وہ خود آشنا ہو جائیگا۔ حضرت عزیر پر علم اور عین کے دونوں درجات تو گذر گئے تھے اب تیسرا مرتبہ اُن کو مشاہدہ اور وجدان کا عطا گیا کہ اپنے آنکھوں میں قوت حیات عطا کی گئی تاکہ وہ خود اپنی جسمانی ساخت کی تبدیلی اور اعضاء کی تازہ حیات مشاہدہ کر لیں۔ بالآخر جب سب مراتب اُن کو حاصل ہو گئے تو اُنہوں نے اقرار کر لیا۔ اب مجھے مشاہدہ سے معلوم ہو گیا کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔ اگرچہ اُن کو پہلے سے بھی یقین تھا لیکن اس یقین اور اس یقین میں بڑا فرق ہے۔

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کو یقین کے تمام مراتب یکدم نہیں عطا کر دیے جاتے ہیں بلکہ ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف رفتہ رفتہ ترقی دی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں امور ذیل کی طرف لطیف اشارات فرمائے ہیں۔ حشر جسمانی اور حساب کتاب حق ہے۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے جو چیزیں بہت جلد تغیر پذیر ہیں اُن کو تغیر سے روک سکتا ہے اور جو چیز کم تغیر کو قبول کرتی ہے اُسکو بہت جلد فنا کر سکتا ہے یعنی موجودات عالم سب اُسی کے قدرت و اختیار کے زیر نگین ہیں يَتَصَرَّفُ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۔ انسان پر لازم ہے کہ مجاہدہ عقل کے ساتھ ایمان بالغیب حاصل کر کے اور پھر مصنوعات پر غور و فکر کر کے ایمانی مراتب میں ترقی کرتا جائے اور بالآخر قائل ہو جائے کہ ما عرفناک الا بنور معرفتک وما عرفناک حق معرفتک ایمان بالغیب رکھنے والا مقام تحیر اور تعجب میں ہو سکتا ہے یعنی خدا تعالیٰ کی صنعت کو دیکھ کر تعجب اور تحیر کرنا ایمان کے مخالف نہیں ہے

ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس قدر ایمان کی روشنی میں اضافہ ہوتا جائے گا اور قرب الٰہی بڑھتا جائے گا اُتنا ہی ادب حاصل ہوتا جائے گا۔ وغیرہ۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ

اور جب ابراہیم نے کہا پروردگار مجھے دکھا دے تو مردوں کو کسطرح

تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی

زندہ کریگا اللہ نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں ہے ابراہیم نے کہا یقین کیوں نہیں ہے

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً

میں دل کی تسکین چاہتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا تو چار پرند

مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ

لو اور اپنی طرف اُن کو ہلالو پھر (کاٹ کر) ہر پہاڑ پر

عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ

اُن کا ایک ٹکڑا رکھدو اس کے بعد اُن کو آواز دو

يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئینگے اور یقین رکھو کہ اللہ زبردست دانا ہے

تفسیر یہ آیات بھی سابق آیات کے مضمون کی تاکید کر رہی ہیں ان میں بھی شان ربوبیت اور قدرت اقدس کے کرشمے دکھا کر مصنوعات سے صانع کی طرف انتقال کرنے کا ایمار کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ اے نبی اُس قصہ کو بھی یاد کرو کہ جب ابراہیم نے اپنے رب سے عرض کیا تھا الٰہی تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے؟ حضرت ابراہیمؑ کے اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز حضرت ابراہیمؑ کا ایک مُردار جانور کیطرف سے گذر ہوا جو دریا کے کنارے پڑا تھا سمندر کی مچھلیاں بھی اُسکو کھاتی تھیں اور صحرائی جانور بھی اُس سے فائدہ اٹھاتے تھے اور شکاری پرندے بھی اُس کا گوشت نوچتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ نے تعجب کیا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا الٰہی یہ تو مجھے یقین ہے کہ تو اس کے تمام اجزار کو جمع کرکے پھر اسکو زندہ فرمائیگا۔ اسکے ذرات ہر جگہ سے اکٹھے کریگا خواہ ہوا میں ہوں یا قعر سمندر میں یا روئے زمین پر بہرحال تیری قدرت سے خارج نہیں ہو سکتے لیکن مجھے دکھا دے کہ تو اُسکو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کیا تو میری قدرت پر ایمان نہیں لایا کیا تجھکو حشر اور بعث جسمانی میں کچھ شک ہے کیا تجھکو یقین نہیں کہ اسکے اجزار جمع کرنا اور پھر اُس میں دوبارہ زندگی کی روح پھونکنا میری قدرت سے خارج نہیں ہے۔ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا میرا ایمان تو ضرور ہے میں تیری قدرت کاملہ پر یقین رکھتا ہوں اور حشر جسمانی کی تصدیق کرتا ہوں لیکن میری یہ درخواست صرف اطمینان قلبی یعنی ایمان بالمشاہدہ حاصل کرنے کے لئے ہے میں اپنی آنکھوں سے کیفیت احیار کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ خدا تعالیٰ نے فرمایا تو اگر اطمینان قلبی مقصود ہے اور مشاہدۂ قدرت کرنا چاہتے ہو تو چار پرندے پکڑ لو اور اُن کو اپنے اوپر ہلالو۔ پھر اُن کا سر تو کاٹ کر اپنے ہاتھ میں رہنے دو اور باقی جسم کو خوب کوٹ کر قیمہ کر لو۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا پھر سب کو ملا کر تھوڑا تھوڑا حصہ اپنے مقام کی مختلف پہاڑیوں پر رکھ آؤ۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا پھر اُن کو علیحدہ آوازیں دو اور بلاؤ تو سب پرندے تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائینگے یعنی پروں کے اجزار باہم ملکر پر بن جائینگے گوشت کے اجزار سے مکمل گوشت ہو جائیگا۔ اسی طرح ہڈی کھال پٹھا رگ وغیرہ درست ہو جائیگا اور ہر پرندہ علیحدہ تمہاری آواز پر لبیک کہتا ہوا بغیر سر کے پانوؤں سے دوڑتا ہوا تمہارے پاس آجائیگا اور اپنے سر سے آکر مل جائیگا۔ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اور جان لو کہ خدا تعالیٰ تمام عالم پر غالب ہے اُس کے تسلط و غلبہ سے کوئی چیز سرتابی نہیں کر سکتی وہ حکیم بھی ہے اُسکی صنعت حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اُسکے نزدیک حشر جسمانی دشوار نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حکم الٰہی کے بموجب چار پرندے یعنی مور، مرغ کبوتر اور کوّا لیکر سب کو ریزہ ریزہ کرکے مختلف پہاڑیوں پر رکھ دیا اور پھر صنعت الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اپنی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کے فعل احیار کا معاینہ کیا اور اطمینان قلبی جو دیکھنے سے متعلق تھا اُسکو حاصل کر لیا۔

مقصود بیان:۔ بروایت بیضاوی احتمال ہے کہ آیت میں مور سے مراد دنیوی عیش و عشرت زیب و زینت اور آرائش و آسائش ہو اور مرغ سے مراد نفس کا جوش انتقام تہور اور صولت ہو اور کوّے سے مراد نفس کی پلیدی خست امید اور چالاکی ہو اور کبوتر سے اشارہ علو مرتبہ کی طلب اور خواہش نفسانی میں جلد پھنس جانے کی طرف ہو۔ حاصل مراد یہ کہ جو شخص دائمی بقار اور لازوال زندگی چاہتا ہے اُسکو چاہیئے کہ دنیوی خواہشات لذائذ لہو و لعب اور تمام مزخرفات کو چھوڑ دے اور اس طاؤس نظر فریب کو ٹکڑے کر دے۔ جوش انتقام غرور اور صولت کو بھی زائل کر دے اور اس آزار رساں مرغ کو ذبح کر ڈالے۔ نفس کی اُمید، مکاری اور خباثت کو بھی دفع کر دے اور اس نجس مکار امید شعار کو حلال کر ڈالے۔ اسکے علاوہ درجۂ نفسانی کے عادی طلب کو بالکل چھوڑ دے اور خواہشات کے پھندے میں نہ پھنسے اور اس کبوتر کا بھی قیمہ کر دے نتیجہ یہ ہوگا کہ دوامی زندگی اور حقیقی بقار حاصل

ہو جائیگی - آیت میں امور ذیل کی طرف بھی لطیف اشارات ہیں - ازدیادِ ایمان کی خواہش - مشاہدہ و معائنہ کے ذریعہ سے ایمان استدلالی کی پختگی مصنوعات پر حقیقی نظر ڈالکر وجود قدرت صانع پر استدلال - حشر جسمانی کا ثبوت - قدرت کاملہ کا تمام کائنات کو محیط ہونا - ضمنی ترہیب و ترغیب - خداوند تعالیٰ کا مالک حقیقی اور متصرف ہونا وغیرہ -

بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ چار پرندوں سے یہی چار عناصر مراد ہیں جن سے انسان بنا ہے ان میں سے ہر ایک کی طبیعت جدا جدا ہے اور ہر ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑکر اپنے مرکز کی طرف بھاگنا چاہتا ہے لیکن بحکم خدا یہ سب مجتمع ہیں لیکن ایک وقت ضرور ایسا آئیگا کہ یہ سب جدا جدا ہوکر اپنے مرکزی پہاڑ پر چلے جائینگے اور انسان مرجائیگا - لیکن جسطرح حضرت ابراہیمؑ نے چاروں پرندوں کو آواز دیکر بلا لیا تھا اسی طرح پھر خدا تعالیٰ ان کو قیامت کے دن جمع کرکے دوبارہ پیدا فرما دیگا -

بھی ضائع نہیں جاسکتا - ہر نیکی کا سات سو گونہ اجر ملیگا بلکہ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ جسکے لئے چاہیگا خدا اس سے بھی زائد بڑھا دیگا اور اس کا بھی دوگونہ سہ گونہ کر دیگا کیونکہ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ - خداوند تعالیٰ کا فضل وسیع ہے اُس کے ہاں کوئی کمی نہیں - اور جو زیادتی کا مستحق ہے اُس کو بھی جانتا ہے - لہٰذا جس شخص کو زیادتی کا مستحق سمجھیگا اُسکو اس سے بھی دوگنا چوگنا عطا فرمائیگا -

مقصود بیان :- راہ خدا میں خرچ کرنے کی طرف ترغیب - اس امر کی صراحت کہ خدا کی فرمانبرداری میں صرف کیا ہوا مال ضائع نہیں جاسکتا - بلکہ جمع رہتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے - ایک دانہ سے سیکڑوں ہزاروں کے درجہ تک پہونچ جاتا ہے - اس بات کیطرف بھی ایما ہے کہ خدا کی دین اسی تعداد پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ مثال کے طور پر ہے خدا جسکو چاہیگا اس سے بھی زائد دیگا -

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِيْ

جو لوگ اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اُن کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ

اُس دانہ کی سی مثال ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوں

سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَ

اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور

اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

جسکو چاہتا ہے اللہ اس سے بھی دوگنا دیتا ہے اور اللہ وسیع فضل والا دانا ہے

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِيْ سَبِيْلِ

جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے

اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ

ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں

اَذًى ۙ لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ

ستاتے ہیں اُنہیں اُن کے کئے کا ثواب انکے رب کے ہاں ملیگا اور نہ

عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اُنہیں خوف ہوگا اور نہ وہ غم کھائیں گے

تفسیر جب گذشتہ آیات میں ذات و صفات اور قیامت کا ثبوت کافی طور پر ہوچکا تو اب روز قیامت کے لئے تیاری کرنے اور ذخیرہ جمع کرنے کا ضمنی حکم دیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو جزا اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو - ارشاد ہوتا ہے کہ :-

جو لوگ خدا تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری میں اپنا مال صرف کرتے ہیں یعنی محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے کار خیر میں مال دیتے ہیں كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ - اُن کو ایک روپیہ کے سات سو روپئے ملینگے جسطرح ایک دانہ بونے کے بعد درخت پیدا ہوتا ہے اور درخت میں سات بالیاں آتی ہیں اور ہر بال میں سو دانے ہوتے ہیں تو گویا ایک دانہ کے سات سو دانے بن جاتے ہیں اسی طرح خداوند تعالیٰ کی راہ میں دیا ہوا مال

تفسیر یہ گذشتہ آیات کے مضمون کی تاکید ہے - بروایت کلبی یہ آیت حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں نازل ہوئی - غزوۂ تبوک کی تیاری کے لئے حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار سواریاں راہِ خدا میں دی تھیں جنمیں سے ۹۵۰ عربی گھوڑے اور ۵۰ اونٹ تھے اور حضرت عبدالرحمٰن نے چار ہزار دینار خدمت اقدس میں پیش کئے تھے - حاصل ارشاد یہ ہے کہ :-

جو لوگ راہِ خدا میں (محض خدا کی خوشنودی کیلئے) اپنا مال دیتے ہیں خواہ کسی قسم کا مال ہو اونٹ ہوں گھوڑے ہوں نقد روپیہ ہو یا اور سامان ہو ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى پھر دینے کے بعد اُس شخص پر احسان نہیں جتاتے کہ شکستہ حال تھا میں نے اسکو دیا ہے اور نہ ایذا دیتے ہیں یعنی جسکو دیتے ہیں اُس کا

دراز نہیں کرتے وغیرہ بلکہ دینے سے صرف طاعت الٰہی اور راحت مسلمان مقصود ہوتی ہے۔ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ تو ان کے دیے ہوئے مال کا معاوضہ خدا کے پاس جمع رہتا ہے اُن کا صرف ضائع نہیں جا سکتا۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اور اُن پر قیامت کے دن نہ عذاب کا خوف ہوگا نہ گذشتہ دیے ہوئے مال کا غم و افسوس۔ اب بعض لوگوں کے پاس مال نہیں ہوتا اور سائل اڑ کرتے ہیں کہ ہم کو دو۔ اس کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

نرمی سے جواب دینا اور درگذر کرنا اُس صدقہ سے بہتر ہے

صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝

جسکے بعد ایذا پہونچے اور اللہ بے پروا اور بردبار ہے

تفسیر یعنی اگر مال موجود نہو تو بھلی بات کہدینی سائل کو دعا دینی اور اُسکی الحاح سے درگذر کرنا اُس خیرات سے بہتر ہے جسکے بعد لینے والے کو دینے والے کی طرف سے ایذا پہونچے اور تکلیف اٹھانی پڑے لہذا تم کو دینے کے بعد ایذا نہ دینی چاہیئے اور نہ احسان جتانا چاہیئے۔ اگر دینے کے بعد احسان جتاؤ گے یا شروع سے ہی نہ دو گے تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ ہوگا تمہارا ہی ہوگا۔ کیونکہ خدا تمہارے دینے نہ دینے دونوں سے بے پروا ہے اور سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا ہے بڑا حلیم ہے۔

مقصود بیان: دینے کے بعد سائل پر احسان جتایا جائے اور نہ کوئی ایسا فعل کیا جائے کہ اسکو اذیت پہونچے۔ اخلاص کے ساتھ جو چیز دیجائے اُس کا اجر ضرور ملیگا اگر دینے کیلئے کوئی چیز موجود نہو تو سائل کو کوئی نرمی سے جواب دیدیا جائے یا اُسکے واسطے دعا ہی کر دیجائے۔ اگر سائل اڑ کرے تو اُس سے چشم پوشی کیجائے زجر نہ کیجائے۔ دینے کے بعد اذیت پہونچانے اور احسان جتانے سے تو انکار بہتر ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ

مسلمانو احسان جتا کر اور ایذا دے کر اپنی خیرات کو اُس شخص

بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ

کی طرح ضائع نہ کرو جو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ

رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

کرتا ہے اور اللہ اور روز قیامت پر یقین نہیں

الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ

رکھتا تو اُسکی مثال ایسی ہے جیسے چکنا پتھر جسپر کچھ مٹی پڑی ہو

فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا

اُس پر زور کا مینھ برس جائے اور اُس کو صاف کر کے چھوڑ دے اُنکو

يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ

اپنے کیے کا کوئی ثواب ہاتھ نہ لگے گا اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

کافروں کی قوم کو سیدھا راستہ نہیں دکھاتا

تفسیر یہ بھی گذشتہ حکم کے ساتھ متصل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:- اے مسلمانو دی ہوئی خیرات کو احسان جتا کر اور سائل کو اذیت پہونچا کر برباد نہ کرو۔ ایسی خیرات و صدقہ کا ثواب نہیں ملتا جسکو دینے کے بعد احسان رکھا جائے یا سائل کو دکھ دیا جائے سخت سست کہکر دبایا جائے یا دینے کے بعد کوئی ایسا فعل کیا جائے جس سے اُس غریب کو ایذا پہونچے۔ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یعنی جیسے کافر اور منافق مال خرچ کرتے ہیں لیکن ان کی نیت ثواب کی نہیں ہوتی بلکہ نام آوری، شہرت اور دکھاوٹ مقصود ہوتی ہے۔ ان کو دینا نہ دینا دونوں برابر ہیں ان کو دینے کا ثواب کوئی نہ ملیگا تم اپنی خیرات کو اس طرح اکارت نہ کرو۔ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ ان کافروں اور منافقوں کے خیرات کرنے کی اور رائگاں جانے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پتھر کی چٹان پر کچھ مٹی اور دانے پڑے ہوں لوگوں کو دیکھ کر خیال ہو کہ اسمیں سبزی جم جائیگی اور کھیتی ہو جائیگی اور غلہ پیدا ہو جائیگا لیکن فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا۔ جب اُس پر ایک موسلادھار پانی پڑا تو مٹی اور دانے بہ گئے صاف چٹان نکل آئی نہ دانہ رہا نہ کھیتی کی امید۔ یہی حالت ان منافقوں کی ہوگی ظاہری خیرات کو دیکھ کر لوگ خیال کرتے ہیں کہ ان کو بڑا ثواب ملیگا لیکن چونکہ ان کے پاس ایمان اور اخلاص نہیں صرف دکھانے اور نام آوری کے لئے ان کی سخاوت ہوتی ہے اس لئے جب قیامت کا دن ہوگا تو انکے پاس کوئی عمل خیر نہ ہوگا۔ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا اور جو کچھ انہوں نے کیا کرایا تھا اُس کا اجر ان کو رتی برابر نہ ملیگا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔ خدا تعالیٰ کافروں کو راہِ راست

نہیں دکھاتا۔ دینے کے بعد احسان جتانا اذیت پہونچانا اور ریاکاری یہ سب کافروں کی خصلتیں ہیں اور خدا تعالیٰ ان سے لاپرواہ ہے جو شخص ایسا فعل کریگا خدا تعالیٰ اُس کو اس فعل کے ساتھ چھوڑ دیگا اور کبھی ہدایت نہیں کریگا۔

مقصود بیان:- دینے کے بعد احسان جتانے یا اذیت پہونچانے سے خیرات کا ثواب جاتا رہتا ہے۔ شہرت و نام آوری کے لئے دینا بے سود ہے۔ صدقہ کے ثواب کے لئے اخلاص شرط ہے۔ کافر و منافق کی خیرات کا کچھ ثواب نہ ملیگا۔ کافروں اور منافقوں کے دل ایمان نہ ہونے کی وجہ سے پتھر کی چٹان کی طرح ہیں جس پر نہ بارش کا پانی رُک سکتا ہے نہ دانہ اُگ سکتا ہے وہ تو بہ جاتے ہیں اور اُن کے اعمال خیر مثل اُس مٹی اور دانے کے ہیں جو پتھر کی چٹان پر ہو اور قیامت کا دن موسلا دھار بارش کی مثال ہے جسطرح موسلا دھار بارش سے پتھر دھلکر صاف ہوجاتا ہے اور مٹی دانہ سب بہ جاتا ہے اسی طرح قیامت کے دن کافروں اور منافقوں کے تمام اعمال خیر اکارت جائینگے۔ دینے کے بعد احسان جتانا یا سائل کو ایذا پہونچانی یا نام آوری و شہرت کے لئے دینا کافروں کی خصلتیں ہیں ان سے پرہیز لازم ہے۔ جو شخص ان خصائل کو اختیار کریگا خدا تعالیٰ اُس کو کبھی اجر نہ دیگا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ

اور جو لوگ خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اور

ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ

اپنے دلی اعتقاد سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں

اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا

اُن کی مثال اُس باغ کی سی ہے جو بلندی پر واقع ہو اُس پر زور سے

وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ

مینھ پڑا تو اُس میں دو چند پھل آئے اور اسپر اگر

لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

زور کا مینھ نہ پڑا تو شبنم ہی کافی ہے اور خدا تمہارے اعمال کو

بَصِيْرٌ ۝

دیکھ رہا ہے

تفسیر

خدا تعالیٰ کا دستور ہے کہ اچھوں کے مقابلہ میں بدوں کا اور بدوں کے مقابلہ میں نیکوں کا ذکر فرماتا ہے اور ہر ایک فرقہ کا نتیجہ اُس کے ساتھ ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو نیکی کی طرف رغبت اور بدی سے خوف ہو۔ پہلی آیت میں کافروں منافقوں اور اُن کے دینے کا بیان کیا گیا تھا جسکی بنا ریاکاری پر تھی اور پھر اُسکا نتیجہ بھی ذکر کردیا تھا کہ ایسے دینے سے کوئی حاصل نہیں اب یہاں اخلاص مند مؤمن طبقہ کی خیرات کا ذکر کرتا ہے اور ہزار گونہ ثواب کی امید دلاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے دلجمعی اخلاص اور ایمان کے ساتھ اپنا مال راہِ خدا میں صرف کرتے ہیں اُنکے دینے کی مثال ایسی ہے جیسے كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ٹیلہ پر کوئی باغ ہو وادی میں نہو اور اُسپر موسلا دھار پانی برسے تو اُسکی پیداوار دگنی ہوجاتی ہے میوہ دو چند پیدا ہوتا ہے فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ اور اگر موسلا دھار پانی اُسپر نہ پڑا تو خفیف بارش بھی اُسکے لئے کافی ہے پھل ضرور آتا ہے یہی حالت اخلاص مند مؤمن طبقہ کے دینے کی ہے کہ تھوڑا دے یا بہت بہرحال ثمر ضرور ملیگا اور باغ خشک نہ ہوگا۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۝ اور خدا تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور غرض کو بھی جانتا ہے اگر اخلاص و ایمان کے ساتھ دوگے تو تم کو جزا و ثواب دیگا اور اگر احسان جتا کر یا ریاکاری کرنیکے واسطے دوگے تو خیرات برباد جائیگی اور تمہاری خیرات کے باغ میں پھل نہ آئے گا۔ خلاصہ بیان یہ نکلا کہ مال خرچ کرنے کا ثواب حاصل کرنے کے لئے ایمان کی شرط کے علاوہ اخلاص کی بھی شرط ہے کہ محض حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے اُسکی راہ میں صرف کیا جائے جسطرح نماز بغیر وضو کے درست نہیں اسی طرح خیرات بلا اخلاص معتبر نہیں اسکے بعد سائل کو ستانا یا احسان جتلانا اس اجر کو برباد کرنیوالا فعل ہے۔ لہذا بقاءِ ثواب کے لئے ترک احسان اور قطع ایذا شرط ہے گویا علاج کے لئے ایک تو دوا کا استعمال ضروری ہے دوسرے مضر اشیاء سے پرہیز بھی لازمی ہے۔ معلوم ہوا کہ مرض بخل کا علاج اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ اخلاص پیدا کیا جائے اور احسان جتانے اور ستانے سے پرہیز کیا جائے اور جب شرط صحت و بقا دونوں پائی جائینگی تو تھوڑی سی خیرات بھی حق تعالیٰ قدردانی کے ساتھ قبول فرماکر اُسکو پوری ترقی عنایت فرمائیگا اور ایسا بڑھائیگا جیسے عمدہ زمین میں ایک دانہ جم کر سیکڑوں دانے بن جاتا ہے اور وہ دانے جم کر سلسلہ بسلسلہ چند سالوں میں ہزارہا من کے خرمن اور

۔۔۔ ذخیرہ بن جاتے ہیں۔

مقصود بیان :- اخلاص مندی کے ساتھ خیرات کرنے کی ترغیب۔ دل جمعی اور اخلاص قلبی کی خیرات کی روز افزون ترقی۔ مسکینوں اور غریبوں کی غمخواری اور ہمدردی کی ضمنی تعلیم۔ مساوات اسلامیہ کا مظاہرہ۔ بغیر احسان جتلائے اور بغیر ایذا پہونچائے اخلاص کے ساتھ تھوڑی سی خیرات کرنے پر بھی قدر اور اجر کا یقینی وعدہ وغیرہ۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ

بھلا تم میں سے کوئی اسکی خواہش کریگا کہ کھجوروں اور

نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

انگوروں کا اُسکے پاس ایک باغ ہو جسکے اندر نہریں جاری

الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ

ہوں ہر قسم کے پھل اُس میں اُسکے لئے ہوں اور

اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ

اُسکو بڑھاپا آگیا ہو اور اُس کے ناتوان بچے ہوں

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ

یک دم اُس باغ پر بگولا چل گیا جسکے اندر آگ تھی تو وہ باغ جل گیا

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ

اسی طرح تمہارے سامنے اللہ احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو

تفسیر گزشتہ آیات میں اخلاص مند طبقہ کا ذکر تھا اور اخلاص کی خیرات کو باغ سے تشبیہ دی گئی تھی۔ ان آیات میں خیرات کو باغ سے ضرور تشبیہ دی ہے لیکن ریاکاروں احسان جتانیوالوں اور سائلوں کو ایذا پہونچانیوالوں کو سخت وعید و تنبیہ کی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :-

کیا تم میں سے کوئی شخص اس امر کو پسند کریگا کہ اُس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جسکو نہایت جانفشانی سے تمام عمر میں پرورش کیا ہو تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور درختوں کے نیچے نہریں بھی جاری ہوں جنکی وجہ سے درخت ہرے بھرے اور شاداب رہتے ہوں۔ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اور ہر قسم کے پھلوں کی پیداوار اُسکے باغ میں ہو طرح طرح کے پھل درختوں میں لگے ہوئے ہوں اور اُسکو امید قوی ہو بلکہ یقین ہو کہ یہ میرے کام آئینگے وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ اور اُس غریب پر زمانۂ پیری بھی آگیا ہو اور بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہو آیندہ کو باغ کے پرورش کرنے یا کسی قسم کی اور کمائی کرنے کی ہمت و طاقت بھی نہو۔ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ اور اُسکے چھوٹے چھوٹے بہت سے بچے بھی ہوں جو کمزور ہوں اس کا ہاتھ نہ بٹا سکتے ہوں اُن کی کمائی کی بھی امید نہو بلکہ خود اُن کی روزی کی فکر ہو فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ اسی دوران میں ایک باد سموم آتش بار آئے اور تمام باغ جل جائے یکدم سب پر جھلسا پھر جائے اور اسکی امیدیں خاک میں ملجائیں سوائے حسرت و افسوس کے کوئی چارہ باقی نہ رہے نہ آئندہ کمائی کا کوئی توقعہ باقی رہا نہ اولاد سے کمائی کی کوئی امید بلکہ اُن کا بار بھی اسی کی گردن پر رہا۔ دونوں آیتوں کو ملا کر خلاصہ یہ نکلا کہ رضاء حق اور برکت اجر حاصل ہونے کے لئے اخلاص کافی ہے گو ادنیٰ درجہ کا ہو البتہ برکت و ترقی خود متفاوت ہے جسقدر اخلاص زیادہ اور ترک احسان و قطع ایذا بیش ہوگا اُسی قدر اجر میں زیادتی اور برکت میں افزونی ہوگی اور اگر دینے کے بعد احسان جتلایا یا سائل کو ستایا تو تمام دیا دلایا خاک میں ملجائیگا گویا لگا لگایا لہلہاتا ہوا باغ آگ کے بگولہ سے جھلسکر راکھ بن جائیگا اور دینے کے سارے انوار و برکات سلب ہو جائینگے۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ خدا تعالیٰ نے جسطرح گزشتہ مثالیں بیان کرکے احکام صحیحہ ثابت کئے اسی طرح خدا تعالیٰ اپنی آیات نصیحت تمہارے لئے بیان کرتا ہے تاکہ تم اُن میں غور کرو اور عبرت حاصل کرو اور سوچو کہ کیسی بہترین اخلاقی تعلیم خدا تعالیٰ نے ہمکو عطا کی ہے جس سے ہم کو دنیوی اور دینی منافع کا بیش بہا ذخیرہ ہاتھ آسکتا ہے۔

مقصود بیان :- جو شخص ایسے کام کرتا ہے جو بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں اور پھر اُن کے ساتھ بدکام بھی ملا دیتا ہے مثلاً سخاوت کے ساتھ احسان بھی ملا دیتا ہے تو ایسے شخص کے ہاتھ سوا حسرت و افسوس کے کچھ نہیں آئیگا ابتدائی اور ظاہری عیش و طرب اور دولت و جاہ پر مغرور نہ ہونا چاہئے اور نہ اس فانی عیش کے نشہ میں سرمست ہو کر نتیجہ کی طرف سے غافل ہونا چاہئے کیونکہ اعتبار انجام کا ہے۔ اگر لذت اخروی اور سعادت حقیقی حاصل نہیں تو یہ چیزیں بالکل فضول ہیں ایک آفت ارضی یا سماوی ان کو فنا کرنے کیلئے کافی ہے۔ آیت میں آیات الٰہی احکام شرعی اور ہدایات فرقانی پر غور کرنے اور اُن سے عبرت اندوز ہونے کی دعوت دی گئی ہے اور ایک بصیرت افروز مثال بیان کرکے حقیقی ہمدردی اور غمخواری کی اجمالی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمان کا کوئی دینی دنیوی کام اخلاص سے خالی نہونا چاہئے۔ آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جاہ طلبی نام و نمود کی خواہش

اور شہرت کی خواستگاری مسلمان کا شعار نہ ہونا چاہیے بلکہ ہر کام میں مرضی الٰہی کی جستجو پیش نظر رہنی چاہیے وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

مسلمانو اپنی پاک کمائی میں سے خرچ کرو اور اُس

مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

چیز میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی (خرچ کرو)

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ

اور ناپاک مال پر نیت نہ رکھو کہ اُس میں سے (خدا کی راہ میں) تو خرچ کرنے

بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا

لگو حالانکہ تم خود اُس کو لینا پسند نہ کرو گے ہاں اگر آنکھیں بند کر لو (تو لے لوگے)

اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝

اور جانے رہو کہ اللہ بے پروا خوبیوں والا ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں راہِ خدا میں صرف کرنے کا بیان تھا اور مختلف مثالیں دیکر اس بیان کی وضاحت کی گئی تھی۔ اب یہاں زکوٰۃ دینے کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ زکوٰۃ فرض اسلامی ہے۔ پہلے مطلق خیرات کرنے کا حکم تھا جب خیرات کرنے پر لوگوں کی طبیعت کو آمادہ کر دیا تو اصلی مقصود کی طرف میلان کیا۔ اسکے علاوہ پہلی آیات میں صرف کرنے کا تو حکم دیدیا گیا تھا لیکن کیفیت و مقدار نہ بتائی گئی تھی یعنی یہ ظاہر نہ کیا گیا تھا کہ کس قسم کا مال صرف کیا جائے حلال یا حرام اچھا یا برا اور کتنا صرف کیا جائے کل یا بعض بہت یا تھوڑا۔ ان آیات میں اس تمام مضمون کو بیان کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

اے مسلمانو! تم نے تجارت صنعت و حرفت یا کسی اور ذریعہ سے جو کچھ کمائی کی ہو اُس کا کچھ حصہ راہ خدا میں خرچ کرو مگر یہ حصہ عمدہ اور کھرا ہونا چاہیے یعنی اپنی کمائی میں سے کچھ عمدہ حصہ خیرات کرو یا زکوٰۃ میں ادا کرو خراب اور ردی چیز نہ دو۔ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا اور تمہاری کمائی کو اس میں دخل نہیں ہے مثلاً میوہ غلہ وغیرہ اُسمیں سے بھی کچھ اچھا اور کھرا حصہ غریبوں کو دو یعنی کل نہ دو کچھ حصہ دو اور برا نہ دو اچھا دو۔ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ۔ اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایات ہیں ہم وہ روایت لکھتے ہیں جو ہماری تنقیح و تحقیق کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ ابن جریر نے بروایت حضرت براء بن عازب بیان کیا ہے کہ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی۔ انصار کا دستور تھا کہ جب کھجوریں توڑنے کے دن آتے تو اپنے باغوں میں سے گدر نیم پخت کھجوریں لاکر مسجد اقدس کے دو ستونوں کے درمیان رسی سے لٹکا دیتے تھے اور فقراء مہاجرین اُن کو کھایا کرتے تھے لیکن بعض انصاری اچھی کھجوروں کے ساتھ کچھ ناقص اور ناکارہ کھجوریں بھی لاکر لٹکا دیتے تھے اور اسکو جائز سمجھتے تھے اُسپر آیت مذکورہ نازل ہوئی (رواہ ابن مردویہ والحاکم وصححہ علی شرط الشیخین) حاصل ارشاد یہ ہے کہ ناکارہ اور ردی مال راہ خدا میں دینے کا ارادہ نہ کرو یہ کونسا انصاف ہے کہ تم خود تو ایسے ناکارہ مال کو لینے پر بغیر سہل انگاری اور تسامح کے راضی نہیں ہوتے ہو اور اپنے لئے اسکو پسند نہیں کرتے اور راہِ خدا میں ایسا ردی مال دیتے ہو (آخر فقراء مہاجرین بلکہ عام محتاج مسلمان تمہارے بھائی ہیں تو قرین انصاف یہی بات ہے کہ جو چیز تم اپنے لئے پسند نہ کرو وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرو) اور یہ تمام ہدایت تمہارے ہی نفع کے لئے ہے جیسا دو گے ویسا اجر پاؤ گے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ۔ کیونکہ خدا کو تو تمہارے ان صدقات اور زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے وہ لا پرواہ ہے اور بہر حال محمود ہے۔

مقصود بیان:۔ اگر سب مال اچھا ہو یا کچھ اچھا اور کچھ ناقص ہو تو ایسی صورت میں عمدہ مال راہ خدا میں صرف کرنے کا حکم اس امر کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ جو بات انسان اپنے لئے پسند نہ کرے اور جو چیز اپنے حق میں لینا نہ چاہے وہ خدا تعالیٰ کے حق کی ادائیگی میں دینا گوارا نہ کرے یعنی جو کام اپنے لئے پسند نہ کرے اور جس چیز کے لینے پر خود راضی نہ ہو وہ اپنے محتاج مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ آیت میں مساوات اور اخوت اسلامیہ کا ایک زرین درس ہے اور آخیر میں اس بات کی صراحت ہے کہ خدا تعالیٰ اچھے برے مال سے بے نیاز ہے اُسکو نہ عمدہ مال کی ضرورت ہے نہ ردی مال۔ جو کچھ انسان دیتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے جسطرح کہ بینک میں روپیہ جمع کر دیا جاتا ہے اچھا جمع کیا جائیگا اچھا ملیگا برا جمع کیا جائیگا برا ملیگا۔ وغیرہ۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ

شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور بری بات کا حکم

بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ

دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش و برکت کا وعدہ

وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ

کرتا ہے اور اللہ وسیع رحمت والا اور آگاہ ہے جسکو چاہتا ہے سمجھ عطا

مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ

کرتا ہے اور جسکو سمجھ مل گئی اُسکو بڑی خوبی

خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

مل گئی اور سمجھدار ہی نصیحت مانتے ہیں

تفسیر انسان اپنے نفسانی جذبات اور شیطانی حسیات کے ماتحت یہ خیال کرتا ہے کہ اگر خیر خیرات کرونگا تو مفلس ہو جاؤنگا اور میرا مال تباہ ہو جائیگا اس خیال کو دفع کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے شیطان تم کو افلاس و ناداری سے ڈراتا ہے اور یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اگر تم صدقات و خیرات کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے لہذا نہ دینا بہتر ہے وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ اور تم کو بخل کرنے اور زکوٰۃ نہ دینے پر آمادہ کرتا ہے اور دل میں ڈالتا ہے کہ بخل کرنا اور زکوٰۃ نہ دینا بہتر ہے وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا اور خدا تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر بخل نہ کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے تو میں تمہاری مغفرت کرونگا اور دنیا میں بھی تمہارے مال میں برکت اور زیادتی عطا کرونگا یعنی بجائے افلاس کے تمہارے مال میں اور زیادتی ہو گی۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اور خدا کے پاس کوئی کمی نہیں ہے تم یہ خیال نہ کرو کہ اگر ہم اپنا یہ مال دیدینگے تو اور کہاں سے ملیگا خدا کا فضل وسیع ہے اُسکے انعام میں تنگی نہیں اور وہ خرچ کرنیوالے کی حالت کو بھی خوب جانتا ہے اور اُسکی آمدنی کے ذرائع سے بھی بخوبی واقف ہے (یعنی اُس کا فضل وسیع اور علم کامل ہے وہ آمدنی بھی زیادہ کر سکتا ہے اور تحصیل کے ذرائع بڑھا سکتا ہے) يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ خدا تعالیٰ جسکو چاہتا ہے اپنے احکام کی حقیقت اور وہ علم جو مقارن بالعمل ہے عنایت فرماتا ہے اگرچہ ظاہری حواس رکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے سے مال کم ہو جائیگا لیکن زکوٰۃ کی حکمت اور حقیقت اُسی شخص کو معلوم ہو سکتی ہے جسکے پاس عقل کی آنکھیں ہوں کور بصیرت نہ ہو احکام دین کی سمجھ جس شخص کو خدا نے عطا فرمائی ہے وہ سمجھتا ہے کہ زکوٰۃ و خیرات کو کس قدر نظام معاشرت، نسق تمدن، اخوت اسلامیہ، اتحاد اہل اسلام، قوت ملت اور افزونی مال میں دخل ہے اس سے کس قدر مال میں برکت اور زیادتی ہے۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ اور جس شخص کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نور بصیرت اور فقاہت دینی عطا ہو جائے اُسکو واقع میں ایک بہترین راہ معرفت اور سعادت ابدیہ حاصل ہو گئی۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ اس کلام کی حقیقت و حکمت اور اس سے نصیحت و عبرت صرف اہل دانش ہی حاصل کر سکتے ہیں مادی حواس والوں کی سمجھ میں آنے کی یہ باتیں نہیں ہیں۔

مقصود بیان: ۔ فوائد زکوٰۃ کی طرف لطیف اشارات۔ اس امر کی صراحت کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں فزونی اور برکت حاصل ہوتی ہے۔ اس بات کی وضاحت کہ احکام شرعیہ خلاف عقل نہیں ہے لیکن بصیرت صحیحہ اور عقل روشن کی ضرورت ہے جب تک ان کثیف حواس کا پردہ نہ اٹھا دیا جائے اُسوقت تک احکام شرعیہ کے منافع سے کوئی بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ

اور جو کچھ تم خیرات میں صرف کرو یا منت مانو

نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَا

تو اللہ اُس سے واقف ہے اور بے انصافوں کا کوئی مددگار نہیں

تفسیر یہ آیت بھی گذشتہ کلام کی تاکید و تائید ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو کچھ تم فی سبیل اللہ صرف کرو گے یا جو کچھ تم راہِ خدا میں دینے کی نذر مانو گے اور پھر اُس نذر کو پورا کرو گے تو یہ ضائع نہ جائیگا سب خدا کے ہاں جمع رہیگا اور خدا اس کا اجر عطا فرمائیگا کیونکہ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ خدا تعالیٰ اُس سے واقف ہے اُس کی جزا تم کو ضرور دیگا وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ باقی جو لوگ زکوٰۃ صدقات خیرات اور ایفاء نذر سے منع کرتے ہیں وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں یا جو لوگ بلا محل صرف کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اُنکے واسطے عذاب الٰہی سے کوئی بچانے والا اور مدد کرنے والا قیامت کے دن نہ ہوگا اُن کو عذاب ضرور دیا جائیگا۔

مقصود بیان: ۔ ایفاء نذر وغیرہ کی ترغیب و ثواب کا وعدہ نہ زکوٰۃ نہ دینے والوں یا منع کرنیوالوں یا بلا محل صرف کرنیوالوں کیلئے وعید وغیرہ۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ

اگر تم ظاہر میں خیرات کرو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر

تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ

اُسکو چھپاؤ اور اُسکو محتاجوں کو دو تو وہ تمہارے حق میں زیادہ

لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ

بہتر ہے اور تمہارے کچھ گناہوں کو دور کر دیگا اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

تمہارے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر ابن ابی حاتم نے بروایت شعبی بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے حق میں ہوا تھا۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنا نصف مال لاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول اللہؐ نے استفسار فرمایا کہ اپنے متعلقین کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ عرض کیا نصف مال میں نے اُن کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ اپنا کل مال نہایت مخفی طور پر لائے اور چھپا کر حضور والا کو دیدیا رسول پاکؐ نے دریافت فرمایا کہ اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ عرض کیا خدا تعالیٰ اور اُسکے رسول کا وعدہ۔ حضرت عمرؓ یہ جواب سن کر رونے لگے اور کہنے لگے ابوبکر! آپ پر میرے والدین نثار۔ ہم نے جس امر خیر میں آگے بڑھنا چاہا ہم کو سبقت نصیب نہ ہوئی آپ ہم سے آگے بڑھ گئے۔ اُسپر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ماحصل مطلب یہ ہے کہ اگر تم کھلم کھلا خیرات کرو اور بغیر چھپائے ادا کرو تو اچھا ہے۔ اسمیں کوئی ہرج نہیں ہے۔ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اور اگر چھپا کر فقیروں اور حاجتمندوں کو دو تو اور بہتر ہے یعنی خیرات کرو اگرچہ ظاہری اور کھلے طور پر بھی بہتر ہے اور اسمیں فقیر وغنی کی تحقیق ضروری نہیں مگر خصوصیت کے ساتھ فقیروں کو چھپا کر دینا بہت ہی بہتر ہے کھلم کھلا دینے سے افضل ہے۔ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ اور اسکے ذریعہ سے تمہارے بعض گناہوں کا اُتار ہو جائیگا خدا تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ اور خدا تعالےٰ تمہارے اعمال کی خوب اطلاع رکھتا ہے۔ ظاہر و پوشیدہ دینا اور فقراء و مساکین کو بخشش کرنی یہ سب خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔ باطنی اور ظاہری حالت کو جانتا ہے جسطرح کھلم کھلا دیے ہوئے صدقہ کو جانتا ہے اسی طرح پوشیدہ خیرات سے بھی واقف ہے دونوں کی جزا دیگا۔

مقصود بیان: خیرات و صدقات چھپا کر دینا افضل ہے اگرچہ بغیر چھپائے دینا بھی موجب ثواب ہے اور تلاش و تحقیق کرکے فقیروں کو دینا بہتر ہے اگرچہ بغیر تحقیق حال کے دینا بھی جائز ہے خیرات سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ اس اخیری فقرہ سے قوت اسلامیہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور فقراء کی امداد و غمخواری کیطرف خصوصی ترغیب دی گئی ہے کہ شخصی گناہوں کی معافی کو توبہ کے علاوہ قوم وملت کے احتیاج مند طبقہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر وابستہ کیا گویا بانئ اسلام کے ضابطہ کے ماتحت ایک زرین تعلیم دی وغیرہ۔

لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي

انکیں راہ راست پر لانا تمہارا ذمہ نہیں ہے بلکہ خدا جسکو چاہتا ہے راہ

مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ

راست پر لاتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرو سو اپنے لئے

وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا

تا وقتیکہ تم اللہ کی رضامندی کے لئے خرچ نہ کرو اور جو کچھ مال

تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ

تم خیرات کرو گے وہ تم کو پورا پہونچا دیا جائیگا اور تمہاری حق تلفی نہ کیجائیگی

تفسیر محی السنۃ نے بروایت سعید بن جبیر معالم میں بیان کیا ہے کہ شروع میں مسلمان ذمی فقیروں کو صدقہ کا مال دیا کرتے تھے لیکن جب مسلمان غریب بہت ہو گئے اور مسلمانوں میں احتیاج مند طبقہ کی کثرت ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کو صدقہ کا مال دینے کی ممانعت فرمادی تاکہ یہ لوگ اپنی محتاجی سے تنگ آکر اسلام میں داخل ہو جائیں اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ماحصل ارشاد یہ ہے کہ:-

تم اگرچہ ہدایت بیانی پر مکلف ہو اور لوگوں کو راہ راست بتانا تمہارا فرض ہے مگر ہدایت توفیقی تمہارا کام نہیں ہے کسی کو منزل مقصود پر پہونچا دینا تم پر لازم نہیں ہے صرف نصیحت کرنا تمہارا فعل ہے پھر اس قسم کی تدبیریں کرنے سے کیا حاصل وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ بلکہ ہدایت توفیقی تو خدا کا کام ہے۔ منزل مقصود پر پہونچانا اُسی کے اختیار میں ہے جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا اور اُسکے دل میں اسلام کی طرف رغبت پیدا کرتا ہے لہذا تم کو صدقہ کی بندش نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ جو کچھ تم راہ خدا میں دوگے جو صدقہ خیرات کرو گے وہ تمہارے ہی لئے مفید ہے اسکا ثواب تم ہی کو ملیگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر قسم کا دینا مفید ہے بلکہ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ تم کو صرف حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرنا

چاہیئے۔ اب رہا یہ کہ واقع میں لینے والا کون ہے اسکی تحقیق لازم نہیں ہی کافر ذمی ہو یا مسلمان کوئی بھی واقع میں ہو تم کو اخلاص نیت رکھنا لازم ہے۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ اور جو مال راہ خدا میں دوگے (مسلمان کو یا کافر ذمی کو) بہرحال اُس کا اجر تم کو پورا پورا ملیگا۔ اس لحاظ سے کہ تم نے ذمی کو دیا ہے مسلمان کو نہیں دیا۔ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ تمہاری حق تلفی نہیں کیجائیگی اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی جتنا تمہارا حق ہے اتنا ضرور ملے گا۔

تحقیق حق

مفسرین اور علماء کا اختلاف ہے کہ کافر یا مالدار وغیرہ کو زکوٰۃ و صدقہ کا مال دینا جائز ہے یا نہیں یہ اختلاف چونکہ طویل ہے اسلئے ہم آخری فیصلہ مجمل لکھے دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ مخلوق الٰہی رزق دیے جانے میں مساوی ہے لہذا اگر کوئی کافر یا فاجر بھوکوں مرتا ہو تو اسکو صدقہ دینا موجب ثواب ہے اور اگر ایسی حالت نہو تو صدقہ کے واسطے مراتب ہیں مثلاً کوئی شخص ایک آدمی کا کھانا دینا چاہتا ہے تو اولی یہ ہے کہ اپنے کسی محتاج رشتہ دار کو دے اور محتاج رشتہ داروں میں اگر ایک متقی اور دوسرا فاسق ہو تو متقی کو ترجیح دے اس میں زیادہ فضیلت ہے لیکن اگر فاسق کو دیدیا تو ثواب ضرور ملیگا ضائع نہیں جائیگا علی ہذا القیاس جو محلہ دار مسلمان اور متقی ہو وہ اُس محلہ دار سے صدقہ پانے کا زیادہ مستحق ہے جو کافر ہو یا فاسق مسلمان ہو۔ یہ تفصیل تو اُس صدقہ کی ہے جو نفل ہو یعنی خیرات دینے کا یہ حکم ہے۔ رہا صدقۂ واجبہ یا زکوٰۃ وغیرہ تو زکوٰۃ کے متعلق تمام علماء نے بالاتفاق کہا ہے کہ اسکے مستحق مسلمان فقیر ہیں کیونکہ مسلمان تونگروں سے زکوٰۃ کا مال لیاجاتا ہے لہذا مسلمان فقیروں کو دینا چاہیئے اور جس شہر یا جس بستی سے لیا ہے وہیں کے محتاج مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔ دوسری جگہ لیجانا مکروہ ہے۔ رہا صدقۂ فطر تو عام علماء تو اسکو زکوٰۃ کے حکم میں داخل کرتے ہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر ذمی فقیروں کو بھی دیدیا جائے تو جائز ہے لیکن اولی یہی ہے کہ مسلمان اہل احتیاج کو دے۔

مقصود بیان:۔ مخلوق الٰہی کی عمومی پرورش کرنے اور سب کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم۔ اسلامی رواداری کا ایک بہترین مظاہرہ خلاف شرع ایسی تدبیر کرنا جس سے مجبور ہو کر لوگ بکراہت خاطر مسلمان ہو جائیں اس فعل کی ممانعت۔ اس امر کی صراحت کہ کوئی عالم کوئی ولی اور کوئی نبی یہانتک کہ حضور خاتم الانبیاءؐ بھی کسی کافر کی حقیقت نہیں پلٹ سکتے کسی کے اختیار میں ہدایت کی توفیق عطا کرنا اور قلبی حالت کو پلٹ دینا نہیں ہے یہ فعل صرف خدا تعالیٰ کا ہے نبی یا کسی دوسرے مبلغ کا فرض صرف بیانی ہدایت کرنی ہے اور بس۔ آیت سے ایک کاری ضرب اُن جاہل صوفیوں پر پڑتی ہے جو اہل تصوف کو بدنام کرنیوالے ہیں اور مدعی ہیں کہ ہم اپنے مریدوں کی قلبی حالت بدل دیتے ہیں اور تمام شیطانی وسوسوں کو اُن کے دماغ سے اپنی توجہ کے ذریعہ سے نکالکر اُن کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ

(خیرات) اُن محتاجوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے

اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ

ہوں　ملک میں چل پھر نہ سکتے ہوں

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ

سوال نہ کرنے کی وجہ سے انجان اُن کو دولتمند جانتا ہو

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ

تم انکی صورت سے انکو پہچان جاؤ لپٹ جھپٹ کر وہ لوگوں سے نہ مانگتے

اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ

ہوں اور جو کام کی چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے اللہ اُسکو جانتا ہے۔

تفسیر

تقریباً چارسو آدمی ترک وطن کرکے اور تمام گھر بار اور مال و منال سے دستکش ہو کر مدینہ کو چلے آئے تھے اور خدمت اقدسؐ میں حاضر رہتے تھے مسجد پاک کے پاس ایک چبوترہ تھا رات کو سب اُس پر پڑے رہتے تھے۔ اکثر عبادت تلاوت قرآن اور تعلیم احادیث میں مشغول رہا کرتے تھے نہ کھانے کی پرواہ تھی نہ دیگر ضروریات انسانیہ کی کسی نے کھانے کو لادیا کھالیا ورنہ بھوکے سو گئے۔ ہاں اگر کہیں جہاد پر کوئی فوجی دستہ بھیجا جاتا تو اُس میں بھرتی ہو کر یہ بھی جاتے تھے یا کہیں تبلیغ کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہوتی تو اس خدمت کو بھی یہ انجام دیتے تھے گویا یہ لوگ صرف دینی خدمات پر مامور تھے دنیا اور معاملات دنیا سے بالکل علیحدہ ہو گئے تھے۔ مدینہ میں ان کا نہ گھر تھا نہ رشتہ دار نہ مدینہ سے باہر یہ کہیں کمائی کرنے جاسکتے تھے۔ ان میں سے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہ، حضرت بلال۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔ ان لوگوں کو اصحاب صُفّہ کہا جاتا ہے اور انہیں کے حق میں آیت مذکورہ کا نزول ہوا تھا۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ صدقات و خیرات تقسیم کرنی اگرچہ سب کو جائز ہے لیکن اُن ضرورتمند لوگوں کو دینا زیادہ مناسب ہے جنہوں نے خدمت دین کے لئے اپنے نفسوں کو محصور کر رکھا ہے سوائے عبادت تلاوت

تعلیم وتعلم جہاد اور تبلیغ کے دنیا کا کوئی کام نہیں کرتے۔ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ جہاد تبلیغ اور عبادت وتلاوت میں مشغول رہنے کی وجہ سے تجارت اور معاش کے حصوں کے لئے ملک میں سفر نہیں کرسکتے چل پھر نہیں سکتے یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ چونکہ وہ کسی سے سوال نہیں کرتے اور دستِ آز دراز کرنے سے بچتے ہیں اسلئے ناواقف لوگ اُن کو دولتمند اور غنی خیال کرتے ہیں حالانکہ واقع میں وہ دولتمند نہیں ہیں بلکہ سخت ضرورت مند ہیں۔ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ہر سمجھدار آدمی اُن کی صورت دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ یہ عبادت گذار اور فاقہ رسیدہ ہیں اُن کے چہرہ سے تواضع اور انکسار کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا لپٹنا اور اڑ جانا تو بجائے خود رہا وہ کسی سے سوال ہی نہیں کرتے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو ضرور دو اور صدقات وخیرات کا مال ان کو کھلاؤ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ اور (انکے علاوہ بھی) جو مال راہ خدا میں تم صرف کروگے اور فقیر پروری کی نیت رکھوگے یا کارِ خیر میں خرچ کروگے خدا اس سے بخوبی واقف ہے اُس کی جزا ضرور تم کو عطا فرمائیگا۔

مقصود بیان :- سوال سے پرہیز کرنے خصوصاً اڑ کر نہ کرنے کے متعلق ضمنی ہدایت، اصحاب صفہ کی مدح، جن لوگوں نے مشاغل دینی میں انہماک رکھنے کی وجہ سے ترک دنیا کردیا ہو اُن کو امور دین کی تکمیل سے اتنا موقع ہی نہ ملتا ہو یا ایسے اسباب ہی فراہم نہ ہو سکتے ہوں کہ کسب معاش کرسکیں ایسے لوگوں کو دینے کی فضیلت جہاد تبلیغ عبادت اور تلاوت قرآن کی طرف مخفی ترغیب وغیرہ۔ آیت کے حکم میں پڑھانیوالے علماء پڑھنے والے طلباء مراقبہ اور جہاد نفسانی کرنے والے صوفی اور مجاہدین فی سبیل اللہ داخل ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ
جو لوگ رات دن اور ظاہر باطن اپنا مال راہ خدا میں
وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
خرچ کرتے ہیں تو اُن کا ثواب اُن کے رب کے
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
پاس ہے نہ اُن کو ڈر ہوگا نہ وہ غم کھائیں گے

تفسیر اس آیت کی شان نزول میں مختلف روایات ہیں۔ ابن عباس کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس چار درم تھے آپ نے ایک درم شب کو خیرات کیا ایک درم دن میں ایک درم چھپا کر اور ایک درم کھلم کھلا۔ اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (ابن مردویہ)

ضحاک نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ جب آیت لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا الخ نازل ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بہت دینار اصحاب صفہ کو بھیجے اور حضرت علیؓ نے بھی آدھی رات کے وقت ایک وسق چھوارے اُن کو بھیجے تو خدا تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چار ہزار درہم خیرات کئے تھے ایک ہزار رات کو ایک ہزار دن کو ایک ہزار چھپا کر اور ایک ہزار علانیہ۔ اُس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔

بعض مفسرین نے اسکو جنگ تبوک کی تیاری کا واقعہ لکھا ہے یعنی جب جیش عسرت کی تیاری کا حکم ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کو جانے کا ارادہ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ نے فوج مجاہدین کی کافی امداد کی سواریاں دیں زاد راہ دیا ہتھیار خرید کر دیئے اُس وقت انہی حضرات کے متعلق آیت کا نزول ہوا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ راہ خدا میں رات کو یا دن کو پوشیدہ یا علانیہ اپنا مال راہ خدا میں صرف کرتے ہیں اُن کی بخشش کا ثواب اور اجر خدا کے ہاں موجود رہیگا جو قیامت کے دن اُن کو ملیگا۔ قیامت کے دن اُن کو کسی طرح کا خوف نہ ہوگا نہ کمی اجر کا نہ عذاب الٰہی کا نہ عدم مغفرت کا اور نہ گذشتہ دیئے ہوئے مال اور گذشتہ کیئے ہوئے اعمال کا اُن کو غم وافسوس ہوگا۔

مقصود بیان :- مطلق خیرات کرنے کی طرف ترغیب۔ کھلم کھلا ہو یا چھپا کر دن میں ہو یا رات میں بہر صورت ہر طرح خیرات کرنی موجب ثواب ہے (لیکن اخلاص نیت اور ایمان شرط ہے) عند ربہم کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر روپیہ یا مال اُن کے پاس یا کسی اور کے پاس جمع ہوتا تو تلف ہونے کا اندیشہ ہوسکتا لیکن چونکہ اسکا اجر پروردگار کے پاس جمع رہتا ہے اسلئے کسی طرح ضائع نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اُس میں نقصان کا اندیشہ ہے کیونکہ جب خدا نے اُن کی نیک اعمالی اور تعمیل احکام کے بغیر خود بخود اُن کو پرورش فرمایا اور وہ اُن کا پروردگار ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اب جبکہ وہ حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں اور ہدایت شرعی پر عمل کرتے ہیں اُن کے اجر میں کسی قسم کی کمی ہو۔ خدا تعالیٰ نے لیل ونہار اور سر وعلانیہ کے الفاظ سے چار امور کی طرف لطیف اشارات کئے ہیں رات میں دینے سے یہ مراد ہے کہ لینے والے کو شرمندگی نہ ہو۔ اور دن میں دینے سے یہ غرض ہے کہ لینے والا اپنے کو لینے والا اور دینے والا اپنے کو دینے والا نہ سمجھے ہر ایک

دوسرے سے حیا کرے چھپکر دینے سے یہ فائدہ ہے کہ دینے والے کے دل میں صفا و اخلاص پیدا ہوا اور علانیہ دینے سے اس طرف ایما رہے کہ اسکو دیتے ہوئے دیکھ کر اور لوگ بھی اس راہ خیر کو اختیار کریں۔ وغیرہ۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) کھڑے نہ ہو سکینگے مگر

کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ

اُس شخص کی طرح جسکو شیطان نے لپٹ کر خبط الحواس

مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا

کر دیا ہو اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ

الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ

تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور

وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ

سود کو حرام کیا ہے پس جس شخص کے پاس اُسکے رب کی طرف سے نصیحت

مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ

پہونچ چکی اور وہ (سود خواری سے) باز آ گیا تو اسی کا ہے جو وہ پہلے لے چکا اور اُسکا

اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جن لوگوں نے پھر سود لیا وہ دوزخی

النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ہیں جسمیں وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر مال کے زیادہ ہونے کی دو صورتیں ہیں دنیوی اور دینی یعنی مال کی افزونی اور راس المال پر زیادتی یا تو دنیا میں ہو سکتی ہے یا دین میں۔ گذشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ آخرت میں مال کا دوگنا چوگنا بلکہ صد ہا گنہ اجر ملنے کی صرف یہ صورت ہے کہ راہ خدا میں اُسکو صرف کیا جائے۔ اب رہی دنیوی زیادتی تو اُسکی بھی دو ہی صورتیں ہیں سود یا تجارت۔ اصل مال میں زیادتی یا سود پر قرض دینے سے ہوتی ہے یا تجارت کرنے سے اسکی تفصیل کے لیے ان آیات کا نزول ہوا۔ اسکے علاوہ صدقہ و خیرات کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد سود کی برائیاں بیان کرنا اور اُسکو حرام کر دینا گویا صدقہ و خیرات کے بیان کی تکمیل ہے کیونکہ جس طرح صدقہ و خیرات سے انسان کی رحمدلی اور مسکینوں کی دستگیری کا مظاہرہ ہوتا ہے اسی طرح سود سے سنگدلی اور غریبوں پر سخت گیری کا اظہار ہوتا ہے گویا سود صدقہ کی پوری ضد ہے۔ صدقہ میں منفعت بلا معاوضہ دینا ہوتا ہے اور سود میں منفعت بلا معاوضہ اصل مال سے زیادہ لینا ہوتا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ چونکہ سود خوار آدمی محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ سخت گیری سے پیش آتا تھا اور اسکی سخت گیری سے اُن مسکینوں کو دہشت اور حیرانی ہوتی تھی اسلیئے اُنکا یہ فعل عالم آخرت میں آسیب بنکر اُن کے سر پر سوار ہوگا اور قیامت کے دن جب یہ لوگ قبروں سے اٹھینگے تو اس فعل بد کی سزا میں عذاب الٰہی سے ایسے بدحواس ہونگے جیسے کوئی آسیب زدہ یا جن رسیدہ شخص بدحواس ہوتا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا۔ یہ سزا ان سود خواروں کو اسلیئے ملے گی کہ انہوں نے سود و بیع میں کوئی فرق نہیں کیا تھا اور کہنے لگے تھے کہ سود اور بیع میں فرق ہی کیا ہے جسطرح دس روپیہ کی چیز کو پندرہ روپیہ میں بیچنا درست ہے اسی طرح دس روپیہ دیکر پندرہ روپیہ لے لینا بھی جائز ہے کیونکہ وہ بھی روپیہ کا نفع ہے اور یہ بھی روپیہ کا۔ اگر ہم دس روپیہ قرض نہ دیتے تو اتنی مدت میں دس روپیہ کی تجارت سے پندرہ کر لیتے لہذا بیع اور سود دونوں ایک ہی طرح ہیں بلکہ ربٰوا میں تو کوئی شبہہ ہی نہیں ہو سکتا اگر جواز میں شبہہ ہو سکتا ہے تو بیع کے لیکن چونکہ بیع سے تو فوائد حاصل ہوتے ہیں اسلئے بیع بھی حلت و جواز میں سود کی طرح ہے۔ خدا تعالیٰ سود خواروں کی قیاس آرائی کی تردید فرماتا ہے وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا کہ تمہارا یہ قیاس غلط ہے خدا نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام اور خدا کی تحلیل و تحریم بغیر مصلحت کے نہیں ہوتی۔ گذشتہ بیان سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جب سود حرام ہے تو حرمت سود سے قبل جو سودی کاروبار کیئے گئے وہ سب حرام ہوئے پھر اُن کا کیا حکم ہے اس شبہہ کے دفع کرنے کے لیے ارشاد ہوتا ہے فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ۔ یعنی اس ممانعت کے آنے سے قبل جو کچھ کسی نے لیا وہ اُس کا ہو گیا دنیا میں اُس کا کوئی مطالبہ نہیں آخرت میں اُس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے چاہے معاف کرے چاہے حساب کرے لیکن یہ حکم اس وقت ہے کہ ممانعت کے بعد وہ سودی کاروبار سے باز رہے اور سود خواری چھوڑ دے اور سود کو بیع کی طرح نہ سمجھے وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ ممانعت کے بعد جو لوگ دوبارہ ایسی حرکت کرینگے اور سود کو حلال سمجھینگے اور خدا

کے حکم کی تحقیر کرینگے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہینگے قطعی اور دوامی جہنمی ہونگے

مقصود بیان:۔ سود کی حرمت۔ بیع شرعی کی حلت۔ سودی کاروبار کرنے والے کے عذاب کی صراحت۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ دنیا میں جس قسم کے گناہ انسان کریگا مثلاً کسی پر ظلم کریگا اور اسکو اس ظلم سے ایک خاص قسم کی اذیت پہونچیگی تو اس کے گناہ کی یہی نوعیت قیامت کے دن صورت مجسم بن کر اسکے سامنے آئیگی اور گناہ کی صورت کو عذاب کی صورت میں یا عذاب کی صورت کو گناہ کی صورت میں ظاہر کیا جائیگا۔ آیت سے یہ امر بھی معلوم ہوتا ہے کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال سمجھنے والا یعنی شرعی حرمت وحلت کے برعکس عقیدہ رکھنے والا کافر ہے۔ اور اگر عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے صرف حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے مثلاً سود کھاتا ہے تو وہ کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ

اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور اللہ کسی ناشکرے گناہگار کو پسند نہیں کرتا جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ٹھیک ٹھیک نماز پڑھی

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور زکوۃ ادا کی انہیں ان کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں ہے

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اور نہ انہیں کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے

تفسیر یعنی سود خواروں کو اپنی کثرت مال پر نازاں نہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہم نفع حاصل کررہے ہیں درحقیقت وہ خود اپنا نقصان کررہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک سود کا روپیہ کوئی وقعت نہیں رکھتا عالم آخرت میں اس سے کچھ نفع نہ ہوگا اگرچہ دنیا میں افزونی معلوم ہوتی ہے مگر واقع میں یہ بربادی ہے ہاں صدقہ وخیرات سے اگرچہ بظاہر مال کم ہوتا ہے لیکن عالم آخرت میں بڑھتا ہے۔ جب کوئی شخص اخلاص کے ساتھ راہ خدا میں تھوڑی سی چیز بھی دیتا ہے تو آخرت میں خدا تعالیٰ اس میں بہت افزونی کرتا ہے یہانتک کہ مرنے کے بعد اس کا اجر پہاڑ کی برابر معلوم ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ سود میں گرچہ مال کی کثرت دکھتی ہے اور صدقہ وخیرات سے مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے لیکن دنیا میں ہی خدا تعالیٰ سود کی برکت کھو دیتا ہے اور سودی مال سود خوار کے کام نہیں آتا چور چھوڑ کے مرجاتا ہے اور جمع کردہ مال تباہ ہوجاتا ہے باقی جس مال کی زکوۃ ادا کردی گئی ہو اس میں برکت ہوتی ہے صاحب مال کو اس مال سے نفع اٹھانے کا موقعہ ملتا ہے اپنی زندگی میں وہ خود بھی اس سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اور اسکے بعد اسکی اولاد کے کام آتا ہے تلف نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سودی مال خواہ کتنا ہی زیادہ ہوجائے لیکن انجام اسکا قلت کی طرف ہوتا ہے۔ یہ حدیث مرفوعاً بھی مروی ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے اور سود خواروں کے دونوں فرقوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ یعنی خدا تعالیٰ دونو قسم کے لوگوں کو عذاب دیگا۔ جن لوگوں نے سود کھایا اور سود کو حلال جانا اور یہ عقیدہ رکھا کہ سود بھی بیع کی طرح حلال ہے یہ لوگ کافر ہیں انکو خدا تعالیٰ عذاب دیگا آخرت میں بھی ان پر عذاب ہوگا اور دنیا میں بھی انکے مال کی برکت زائل ہوجائیگی مال سے یہ فائدہ نہ اٹھا سکینگے خواہ مخواہ جمع کردہ روپیہ تلف ہوجائیگا اور بالآخر عذاب دنیوی ان پر غالب ہوگا۔ سود خوار آخر میں مفلس یا جذامی ہوتا جائیگا اور جو لوگ سود کو حرام جانتے ہوئے کھاتے ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سود واقع میں حرام ہے لیکن اسکے باوجود سودی کاروبار کرتے ہیں وہ گناہگار ہیں ان کو بھی خدا تعالیٰ دینی اور دنیوی عذاب دیگا بہرحال یہ دونو فرقے خدا کو پسند نہیں سود کا کاروبار ہی خدا کے نزدیک واجب الترک ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ گذشتہ آیت میں کافر اور مسلم سود خواروں کا ذکر کیا گیا تھا اور ان نافرمانوں کا تذکرہ کیا گیا تھا جو شرعی حلت وحرمت کے موافق عقیدہ ہی نہیں رکھتے یا عقیدہ رکھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ نیز ان لوگوں کا بیان بھی ہوا تھا جو زکوۃ صدقہ دینے سے بچتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس سے مال کم ہوجاتا ہے اس آیت میں مذکورہ بالا اشخاص کی ضد کا بیان ہے یعنی کافروں کے مقابل مؤمن بدکاروں کے مقابل نیکوکار اور سود خواروں کے مقابل زکوۃ وصدقات دینے والے اس آیت میں مذکور ہیں کیونکہ نیرنگی بیان قرآن کے امتیازی اوصاف میں سے ہے ہر ضد کے بعد اسکی ضد کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ ترغیب کے بعد ترہیب یا انذار کے بعد بشارت بدرجہ کامل حاصل ہوجائے

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ مؤمن ہیں کافر نہیں ہیں اور مؤمن بھی فاسق نہیں بلکہ نیکوکار ہیں نیکیاں کرتے ہیں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور فرائض الٰہی کے پابند ہیں نمازیں باقاعدہ کل ارکان وواجبات کے ساتھ بپابندی وقت ادا کرتے ہیں اور زکوۃ بھی دیتے ہیں اپنے مال میں سے ہر بار کا شرعی حصہ نکال کر اپنے مال میں افزونی وبرکت پیدا کرتے ہیں لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ایسے لوگوں کو خدا ضرور اجر دیگا ان کا

کوئی عمل ضائع نہ جائیگا پروردگار کے پاس ہر نیک عمل کا ثواب جمع رہیگا۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور قیامت کے دن ان کو نہ تو اپنے اعمال واجر کے فوت کا خوف ہوگا اور نہ گذشتہ کیئے ہوئے اعمال پر افسوس وغم ہوگا بلکہ وہ تمام اعمال اُن کے کام آئینگے۔

مقصود بیان:۔ سودی مال میں برکت نہیں ہوتی۔ سودی مال سود خوار کے کام نہیں آتا عموماً سود خوار اپنے مال کے منافع سے محروم ہوتا ہے اور بری طرح زندگی بسر کر کے مرجاتا ہے اور آخر کو وہ مال برباد ہوجاتا ہے۔ زکوٰۃ خیرات سے مال میں بجائے کمی کے افزونی اور برکت ہوتی ہے۔ زکوٰۃ دینے والا مالی منافع سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ آیت میں اس امر کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ سودی کاروبار کو حلال سمجھنے والا کافر ہے اور صرف سود خوار جو سود کو حلال نہیں سمجھتا گناہگار ہے اور بڑا گناہگار ہے۔ کسی نیکی کا اجر ضائع نہ جائیگا۔ آخرت میں سب کا ثواب ملیگا۔ آیت سے مقصود امور ذیل کا اظہار کرنا بھی ہے۔ سود خواری سے بازداشت۔ سود خواری کو زوال مال کا سبب جاننے کی مخالفت ایمان اسلام نماز زکوٰۃ اور کل اعمال خیر کی طرف نازک ترغیب اور ہر عمل صالح کے ثواب کی بشارت۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اگر اہل ایمان میں سے ہو

مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

تو جو کچھ سود رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ

اور اگر ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے

وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ

تیار رہو اور اگر تم توبہ کرتے رہو تو اصل رقمیں تمہاری

اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

ہیں نہ کسی قسم کا تم نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے

تفسیر زمانۂ جاہلیت میں بنی عمر ثقفی اور بنی مغیرہ مخزومی سود پر باہم لین دین کیا کرتے تھے۔ جب فتح مکہ کے بعد یہ لوگ مسلمان ہوگئے اور حضور والا نے سود کی حرمت کا اعلان کیا تو قبیلۂ بنی عمر نے کہا ہم اس حکم کو اس شرط پر ماننے کے لئے تیار ہیں کہ ہمارا پچھلا سود جو دوسرے لوگوں پر ہے وہ بدستور واجب الادا رہے اور دوسروں کا سود جو ہمارے اوپر ہے وہ ساقط ہوجائے۔ اسکے بعد قبیلۂ مذکور نے قبیلۂ بنی مغیرہ مخزومی سے پچھلے سود کا سخت تقاضا شروع کیا۔ قبیلۂ بنی مغیرہ نے گھبرا کر حضرت عتاب بن اسید سے جو اُس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حاکم تھے استغاثہ کیا اور کہا بڑے ظلم کی بات ہے کہ تمام اہل مکہ قرض وسود سے سبکدوش ہوجائیں اور ہم اب تک بدستور اسی لعنت میں گرفتار رہیں۔ حضرت عتاب نے من وعن واقعہ لکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ کو بھیجدیا۔ اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور بنی عمر نے پچھلا سود لینے سے توبہ کی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

مسلمانو اگر تم سچا ایمان رکھتے ہو اور مخلص مؤمن ہو تو خدا سے ڈرو اُسکے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو اور پچھلا سود جو تمہارا کسی پر رہ گیا ہو اُسکو چھوڑ دو ہرگز اُسکے لینے کا قصد نہ کرو یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرو اور پچھلا سود جو تمہارا کسی پر رہ گیا ہو اُسکو چھوڑ دو اُسکے لینے کا قصد نہ کرو یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی خواہ عقیدہ کی حیثیت سے نہ ہو صرف عملی اعتبار سے ہو بہرحال خلوص ایمان کے مخالف ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور اگر تم اس حکم کی خلاف ورزی کروگے تو پھر خدا ورسول کی طرف سے تم کو جنگ کا اعلان ہے کیونکہ سخت تاکید اور شدید وعید کے باوجود سود لینا اور غریبوں کا دل دکھانا گویا خدا ورسول سے جنگ کرنا ہے لہٰذا خدا کی طرف سے بھی تم کو جنگ کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ہاں اگر اس فعل سے تم توبہ کرلوگے اور سود لینے سے باز آجاؤگے تو جو تمہارا اصلی مال اور واقعی قرض ہے وہ واجب الادا ہے تم کو ملیگا نہ تم پر زیادتی کیجائیگی نہ تم کو غریبوں پر زیادتی کرنے کا حق ہے نہ تم کسی کی حق تلفی کرو کہ اصل مال کے علاوہ سود بھی لو اور نہ تمہاری حق تلفی ہوگی کہ اصل مال بھی نہ دلوایا جائے اس اعلان جنگ کے بعد بنی عمر نے توبہ کی اور کہنے لگے ہم کو خدا سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

مقصود بیان:۔ زمانۂ کفر کا سود حالت اسلام میں لینے کی ممانعت۔ بصورت انکار کفر کا لزوم اور مسلمان حاکم کو ایسے منکر فرقہ سے جہاد کرنے کا حکم اور اس امر کیطرف لطیف اشارہ کہ جو شخص سود کا تقاضا کرے اُسکو اصل حق یعنی نفس قرض سے بھی محروم رکھا جائے اس کا اصلی مال بھی نہ دلایا جائے۔ اگر سود لینے سے توبہ کرے تو اصلی مال جو واقع میں واجب الادا تھا اُسکو دیدیا جائے۔ مساوات عامہ کا قانونی حیثیت سے اعلان۔ وغیرہ۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ

اور اگر کوئی تنگ دست ہے تو فراخی تک مہلت دینی چاہیئے

وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اور اگر تم سمجھدار ہو تو معاف کر دینا تمہارے حق میں بہتر ہے

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ

اور اُس دن سے ڈرو جس میں خدا کی طرف تم کو لوٹایا جائیگا

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

پھر ہر شخص کو اُسکے کرتوت کا پورا بدلا دیا جائیگا اور اُن کی حق تلفی نہ کی جائیگی

تفسیر

جب سود کے وصول باقی کی ممانعت ہو گئی تو بنی عمر نے اصل قرض کا سخت تقاضا شروع کیا بنی مغیرہ مہلت چاہتے تھے اور بنی عمر ایک دن کی مہلت نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم نے سود چھوڑا تو اصل قرض کے ادا کرنے میں کیوں مہلت دیں اور کیوں اپنی واجبی رقم کا سختی کے ساتھ مطالبہ نہ کریں۔ ہمارا تمام قرضہ جس طرح بن پڑے ابھی ادا کرو۔ اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اور یہ اتفاقی بات بھی ہے کہ جب وہ سود جو قرضدار پر چڑھا ہوا ہے قرضخواہ کو وصول کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور آیندہ سود لینے سے منع کر دیا گیا تو قرضخواہ کا قرضدار کو تنگ کر کے اصل مال وصول کرنا طبعی بات ہے کیونکہ ظاہری نفع کی جو امید تھی جسکی وجہ سے مہلت دے رہا تھا وہ تو منقطع ہو گئی۔ مگر جو قرضدار تنگدست اور مفلوک الحال ہیں اُن کے واسطے اسمیں بڑی دقت ہے وہ کہاں سے لاکر قرض ادا کریں خود نان شبینہ کو محتاج پھر اُن سے فوراً قرض کس طرح ادا ہونا ممکن ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے قرضخواہوں کو مذکورہ بالا رحم مہربانی اور فطری غمخواری کی ہدایت فرمائی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ :-

اگر کوئی قرضدار تنگ دست ہو اصل مال بھی فوراً ادا نہ کر سکتا ہو تو اُسکو اُس مدت تک کے واسطے مہلت دینی چاہیئے کہ اُسکو مال میسر آجائے اور وہ فراخدست ہو جائے۔ یہ تو وجوبی حکم تھا۔ آگے قرض خواہوں کو استحبابی حکم دیا جاتا ہے وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اگر بالکل قرض ہی معاف کر دو غریبوں اور تنگدستوں کو اصل مال سے ہی سبکدوش کر دو تو یہ اور بھی اچھا ہے تمہارے لئے بہتر ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ کاش تم کو علم ہو جائے کہ کسی تنگدست قرضدار کو قرض کے مطالبہ سے سبکدوش کرنا کس قدر بہتر اور کیسے اجر جزیل کا موجب ہے۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن خدا اپنے سایہ میں لے لیگا۔ (مسلم) وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ۔ یہ وعدہ نما وعید ہے ارشاد ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کے ہول اور عذاب سے ڈرو تم سب کو اُس روز خدا تعالیٰ کے سامنے لوٹ کر جانا ہے اور جزئی جزئی حساب دینا ہے وہ انصاف کا دن ہے۔ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ہر شخص کو اُس روز اُسکے اعمال کی سزا جزا پوری پوری دی جائیگی ذرہ برابر کمی بیشی نہ ہوگی وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور کسی پر قطعاً ظلم نہ ہوگا حق تلفی نہ ہوگی بدیوں میں اضافہ یا نیکیوں میں کمی نہ ہوگی۔ لہذا احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرو قرضداروں پر زیادتی نہ کرو۔

مقصود بیان :- غریبوں مسکینوں اور مجبور الحال لوگوں کے ساتھ رحم کرم غمخواری اور ہمدردی کرنے کی ترغیب۔ نادار قرضدار کو اتنی مہلت دینے کا وجوبی حکم کہ اُسکو ادائے قرض کے لائق مل جائے حساب کتاب سزا جزا کے لازمی ہونے کی صراحت۔ اس امر کیطرف تلمیح کہ سب لوگ خدا کے پاس سے ہی آئے ہیں تمام ارواح و اجسام کو اُسی نے پیدا کیا ہے اور یہ قطرات سب اُسی سمندر کے ہیں اور اُسی آفتاب کے سب مظاہر ہیں لہذا عقلاً یہ بات بھی ضروری ہے کہ قطرے سمندر میں جا کر شامل ہو جائیں اور یہ تمام شعاعیں اُسی آفتاب قدس کی طرف رجوع کریں۔ لَا يُظْلَمُوْنَ کہنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر تم مفلس قرضدار کو قرض سے سبکدوش کر دوگے تو امید یقینی رکھو کہ خدا تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے میں جو تم سے تساہل ہو گیا ہے یا تم ادا نہ کر سکے ہو خدا تعالیٰ قیامت کے دن اُسکو معاف فرما دیگا کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ تم اپنے حقوق واجبہ سے اگر دست بردار ہو جاؤ گے تو خدا تعالیٰ قیامت کے دن اپنے حقوق تم کو معاف فرما دیگا ورنہ تم کو کیا حق ہے کہ مخلوق خدا سے اپنے حقوق وصول کرو اور خدا کے حقوق ادا نہ کرو۔

ہدایت خاص

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ پورے قرآن پاک میں سب سے اخیری آیت جو نازل ہوئی وہ یہی وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد نو راتیں حضور اقدس صلعم اس دار فانی میں رہے۔

سود کے چند مسائل

سود دو قسم کا ہوتا ہے (۱) سود قرضی (۲) سود بیعی۔ اول الذکر کی یہ صورت ہوتی ہے کہ کوئی کسی شخص کو قرض دیتا ہے اور ادا کرنے کی ایک خاص میعاد مقرر ہوتی ہے اور اُس پر ماہواری شرح مقرر کر لی جاتی ہے

اور ماہواری سود وصول کیا جاتا ہے اگر میعاد کے اندر قرضدار سے روپیہ ادا نہیں ہو سکتا تو سود کو اصل رقم میں داخل کر کے پھر اس پر مزید سود قائم کیا جاتا ہے اور قرضدار کو مزید مہلت دیدی جاتی ہے اور یہ سود در سود کا سلسلہ اصل رقم سے چہار چند بلکہ صد چند وصول ہو نے کے بعد بھی قائم رہتا ہے اسکو نسیہ بھی کہتے ہیں۔ موخر الذکر سود کی یہ صورت ہے کہ گیہوں جو یا اور جنس سوا نقد کے وزن کر کے دی جائے یا ناپ کر دی جائے اور پھر اس سے زائد وصول کی جائے۔ شرعًا سود کی یہ دونو قسمیں حرام ہیں۔ مقدم الذکر صورت کی حرمت تو اسی آیت سے واضح ہوتی ہے۔ شروع میں ابن عباسؓ اس کی حلت کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ سود قرض یعنی نسیہ جائز ہے مگر تحقیق کے بعد انہوں نے اس رائے سے رجوع کر لیا۔ دوسری قسم کو سود تفضل بھی کہتے ہیں یہ بھی شرعًا حرام ہے لیکن اسکی تفصیل قرآن پاک میں مذکور نہیں ہے البتہ حدیث کی صحیح کتابوں میں آتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یداً بید والفضل ربوا۔ یعنی سونے کے مقابل سونا۔ چاندی کے عوض چاندی گیہوں کے عوض گیہوں جو کے عوض جو کھجور کے عوض کھجور اور نمک کے عوض نمک فروخت کرو لیکن ان کا تبادلہ مساویانہ اور دست بدست ہونا چاہئے کمی بیشی نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ سود ہو جائیگا اور یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ ایک من گیہوں آج لے لئے اور ایک ماہ کے بعد مثلاً ایک من گیہوں دیدیے یہ بھی جائز نہیں۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ ایک من ردی گیہوں ۳۰ سیر عمدہ گیہوں کے عوض دیدیے جائیں تو جائز ہو جائیگا تو یہ بھی غلط ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جَیِّدُھَا وَرَدِیُّھَا سَوَاءٌ یعنی اچھے برے کھرے کھوٹے اس حرمت میں سب برابر ہیں۔ اچھوں کے عوض اچھے ہوں یا برے بہر صورت مساویانہ تبادلہ ہونا چاہئے۔

حدیث مذکورہ میں مذکورہ بالا چھ چیزوں میں تبادلہ کے وقت کمی بیشی حرام قرار دیگئی ہے باقی دنیا کی دیگر اشیاء کا حکم اسی سے استخراج کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عرب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زیادہ رواج انہی چیزوں کے تبادلہ کا تھا اور معاش کا زیادہ دار مدار بھی انہی پر تھا اسلئے حضورؐ نے انہی اشیاء میں سود کی حرمت کا اظہار کر دیا باقی اشیاء کو مفصل ذکر کرنا ناممکن تھا اس لئے ان کا ذکر چھوڑ دیا البتہ علماء امت اسلامیہ جنکو خدا تعالیٰ نے اجتہاد کی روشنی عطا کی ہے وہ ضرور اس سے تمام اشیاء کے تبادلہ کا حکم نکالتے ہیں ہم ذیل میں حضرت امام ابو حنیفہ صاحبؒ کے مسلک کی تحقیق کرتے ہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں دو شرطیں لگائی ہیں مثلاً بمثل اور یداً بید یعنی مقدار میں برابری ہو یعنی اگر ایک چیز وزن ہو کر بکتی ہو تو جس چیز سے اس کا تبادلہ کیا جا رہا ہے اس کا بھی وزن سے بکنا ضروری ہے اگر پہلی چیز ناپ کر فروخت کی جاتی ہو تو دوسری چیز کا بھی ناپ کر فروخت کیا جانا ضروری ہے۔ پھر دونوں میں جنسی اتحاد بھی ضروری ہے۔ اگر گیہوں فروخت کئے جائیں تو عوض میں گیہوں ہی ہونے ضروری ہیں اور جو فروخت کئے تو عوض میں جو کا ہونا ہی لازم ہے۔ دوسری شرط حضورؐ نے دست بدست بیع ہونے کی لگائی ہے۔ ان دونوں شرطوں کا لحاظ کرتے ہوئے امور ذیل پر روشنی پڑتی ہے:۔

اگر سونا سونے کے عوض یا چاندی چاندی کے عوض بہر حال دو ہمجنس چیزوں کا باہم تبادلہ کیا تو دونوں مقدار میں برابر ہونے چاہئیں اور دست بدست فوراً فروخت ہونی چاہئے۔

اگر دو چیزوں کا تبادلہ کیا گیا جو مختلف الجنس ہیں ایک سونا ہے اور ایک چاندی اور مقدار میں دونوں ایک سی ہیں یعنی دونوں تول کر یا دونوں ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں تو کمی بیشی جائز ہے مگر ادھار بیچنا جائز نہیں مثلاً سونے کے عوض چاندی خریدی تو یہ جائز ہے کہ سونا تولہ بھر اور چاندی چالیس تولہ ہو لیکن دست بدست قبضہ ہونا چاہئے۔

اگر دونوں چیزیں ایک ہی جنس کی ہوں مگر قدر میں اشتراک نہ ہو ایک وزن سے فروخت ہوتی ہو اور دوسری ناپ کر مثلاً ایک پشاوری لنگی وزن سے فروخت ہوتی ہو اور دوسری پشاوری لنگی ناپ کر بکتی ہو تو تبادلہ میں تفاوت جائز ہے یہ جائز ہے کہ ایک پشاوری لنگی کے عوض دس لنگیاں لیلی جائیں مگر یہاں بھی دست بدست قبضہ ضروری ہے ادھار پر تبادلہ جائز نہیں اگر ایک چیز ایک جنس کی جو وزن ہو کر بکتی ہے ایسی چیز کے عوض فروخت کی جو اور جنس کی بھی ہے اور وزن ہو کر فروخت نہیں کیجاتی ہے مثلاً نقد روپیہ سے کپڑا خریدا تو ادھار پر خرید و فروخت بھی جائز ہے اور کمی بیشی بھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم

مسلمانو جب ایک میعاد مقررہ تک کے لئے تم

بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَ

آپس میں قرض کا لین دین کیا کرو تو اسکو لکھ لیا کرو اور

لْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَ

تم میں سے لکھنے والے کو چاہئے کہ انصاف سے لکھے اور

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ
کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح اللہ نے اس کو سکھایا ہے
فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ
لکھ دے اور جس پر قرض ہے وہ لکھواتا جائے
وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا
اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے اور اس میں سے کچھ کانٹ چھانٹ نہ کرے
فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ
پس اگر قرضدار بے عقل یا کمزور ہو یا
ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ
خود لکھوا نہ سکتا ہو تو مناسب ہے کہ اس کا کارکن
وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ
انصاف سے لکھوائے اور اپنے آدمیوں میں سے دو مردوں کو
مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
گواہ کرلیا کرو اور دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد
وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ
اور دو عورتیں ہوں جن گواہوں میں سے تم پسند کرتے ہو
أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا
تاکہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد
الْأُخْرَى وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا
دلا دے اور جس وقت گواہوں کو شہادت کیلئے بلایا جائے تو انکار نہ کریں
وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا
اور میعاد مقررہ تک لکھنے میں کاہلی نہ کرو چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا
إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ
اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے اور

لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَى أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ
گواہی کے لئے بہت درست ہے اور لگتا ہے کہ اس سے تم کو شبہ نہ پڑے ہاں اگر
تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا
سودا دست بدست ہو جس کا لین دین تم آپس میں
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا
کرتے ہو تو نہ لکھنے میں تم پر کوئی گناہ
تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ
نہیں ہے اور خرید فروخت کے وقت گواہ کرلیا کرو
وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ
لیکن نہ کاتب کو تکلیف دی جائے نہ گواہ کو اور اگر
تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ
ایسا کروگے تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرو
وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○
اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

تفسیر

بیع سلم اور سود میں چونکہ بہت قریبی مشابہت تھی صرف نتیجہ کا فرق تھا ایک کے نتیجہ میں تباہی اور بربادی حاصل ہوتی تھی اور دوسرے کے نتیجہ میں فارغ البالی اور خوشحالی۔ اسلئے سود کی حرمت سے اس طرف گمان جاسکتا تھا کہ شاید بیع سلم اور مدت معینہ کے لئے قرض دینا بھی حرام ہو۔ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں اس امر کی وضاحت فرمادی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو جب تم بیع سلم یعنی بدنی کیا کرو اور قیمت نقد دے کر مبیع کی وصولی کے لئے کوئی مدت معین کرلیا کرو یا مبیع فوراً وصول کرکے قیمت ادا کرنے کی کوئی میعاد مقرر کرلیا کرو بہرحال تم کو مناسب ہے کہ پیمانہ وزن اور میعاد وغیرہ لکھ لیا کرو تاکہ آئندہ رگڑا جھگڑا نہ ہو۔

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ اور کاتب کے لئے بھی مناسب ہے کہ لکھ دے لیکن انصاف کے ساتھ لکھنا لازم ہے کاتب پر واجب ہے کہ مال وقت قیمت وغیرہ کے لکھنے میں کمی بیشی نہ کرے ٹھیک ٹھیک لکھے بائع مشتری میں سے کسی کی جنبہ داری نہ کرے مگر کاتب پر لکھنا فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ

فَلْيَكْتُبْ - کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے کیونکہ جسطرح خدا تعالیٰ نے اُس پر احسان کیا ہے کہ اُسکو لکھنا سکھایا اسی طرح وہ بھی لوگوں کی تحریر لکھنے سے انکار نہ کرے بلکہ لکھدے - وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا اور جس شخص پر ادا لازم ہے اُس پر بھی واجب ہے کہ ٹھیک ٹھیک مطالبہ کے موافق مضمون لکھوائے کانٹ چھانٹ نہ کرے اور خدا کا خوف رکھے - فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ - اب اگر مطالبہ دار بیوقوف ہو یا بہت کمزور ہو یعنی نابالغ بچہ یا بہت زیادہ پیر فرتوت ہو یا لکھوانا جانتا نہ ہو یا کوئی اور وجہ ہو کہ لکھوا نہ سکتا ہو فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ تو اُس کا سرپرست باپ دادا وصی یا شرعی حاکم انصاف کے ساتھ دستاویز لکھوا دے کمی بیشی نہ کرے اور دستاویز لکھنے کے بعد معاملہ کی پختگی کے لئے وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ دو مرد گواہ مسلمانوں میں سے لیلو اور اُن کو گواہ بنالو کافر کو گواہ نہ بناؤ - فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ اور اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہی کافی ہیں یعنی ایک مرد ضروری ہے اور دوسرے مرد کے قائم مقام دو عورتیں ہیں - مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ - اور یہ گواہ دینی اعتبار سے قابل پسند ہوں حُر ہوں بالغ ہوں عاقل ہوں دیوانہ نہوں فاسق نہ ہوں - جس معاملہ کی گواہی دیں اُس سے خوب واقف ہوں - گواہی سے اُن کا کوئی خاص نفع نہ ہو اور کوئی مضرت دفع بھی نہیں ہوتی ہو - حافظہ بھی اُن کا صحیح ہو نسیان یا غلط گوئی میں مشہور نہ ہوں بیمروت اور لالچی نہ ہوں - مدعا علیہ سے ان کو ذاتی عداوت بھی نہ ہو - ایسے گواہوں کو گواہ بناؤ - رہی یہ بات کہ ایک مرد کی بجائے دو عورتوں کی کیوں ضرورت ہے؟ اسلئے کہ عورتوں کی قوت واہمہ قوی ہوتی ہے اور حافظہ بہ نسبت مردوں کے کمزور ہوتا ہے - أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ - ممکن ہے ایک بھولجائے تو دوسری اُسکو یاد دلادیگی - لہذا دو عورتیں ہونی ضروری ہیں - وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا - اور جب گواہوں کو ادائے شہادت کے لئے یا کسی واقعہ کا گواہ بننے کے لئے بلایا جائے تو انکار نہ کریں گواہوں پر واجب ہے کہ جب حاکم ادائے شہادت کے لئے بلائے تو حاضر عدالت ہوں یا کسی معاملہ کے وقت اگر کسی کو گواہ بننے کے لئے بلایا جائے تو اُس پر لازم ہے کہ گواہ بنجائے - وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ اور اس حکم کا کافی لحاظ رکھو معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا بہرحال جب کوئی میعادی معاملہ ہو تو اُسکے لوازم لکھنے میں کاہلی نہ کرو - یہ خیال نہ کرو کہ ایسے معاملات دن رات ہوتے رہتے ہیں لکھ کر کیا ہوگا زبانی لین دین ہی کافی ہے - ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ - کیونکہ لکھنے میں تین فوائد ہیں - اول تو یہ کہ حق العبد کی حفاظت رہیگی ایک کا حق دوسرے کے پاس نہ جائیگا نہ رہیگا منصفانہ کارروائی قائم رہیگی - وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ - دوسرے یہ کہ گواہوں کو ادائے شہادت میں آسانی ہوگی - لکھا ہوا دیکھ کر گواہ کو اپنی گواہی یاد آجائیگی اور بغیر سہولت کے ساتھ گواہی دے سکیگا - وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا - تیسرے یہ کہ اہل معاملہ کا دل صاف رہیگا ایک کو دوسرے کی طرف بدگمانی کا موقع نہ ملیگا اور انکار کی جرأت نہ ہوگی -

کل آیت کا خلاصہ یہ نکلا کہ بیع سلم جائز ہے خواہ قیمت نقد اور مبیع اُدھار ہو یا مبیع نقد اور قیمت اُدھار لیکن میعاد مقرر ہونی ضروری ہے مثلاً یہ کہ محرم تک قیمت ادا کردونگا یا سو روپیہ جو اسوقت لئے ہیں اس کا غلہ فلاں تاریخ کو دیدونگا - اس معاملہ کا لکھا لینا مناسب ہے تاکہ باہمی نزاع اور اختلاف کا احتمال نہ رہے - اور کاتب کے لئے مستحب ہے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے اور مطالبہ دار اگر بیوقوف آدمی ہو یا بچہ ہو یا بہت زیادہ بوڑھا اور بدحواس ہو تو ان کا ہر معاملہ ان کا ولی یعنی باپ دادا یا وصی یا شرعی حاکم کرے اور لکھوانے کے بعد معاملہ کی پختگی کے لئے دو مسلمان بالغ عاقل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالینی چاہئیں کیونکہ اصل دعویٰ کے ثبوت کا مدار انہی گواہوں پر ہے - گواہی کے لئے واقعہ کا خود مشاہدہ کرنا یا دستاویز کو سُن لینا کافی ہے گواہوں کے دستخط لازم نہیں ہیں لیکن اگر کر دیے جائیں تو بہتر ہے تاکہ گواہ کو دستاویز پر اپنے دستخط دیکھ کر یاد آجائے - دستاویز لکھنے کے تین فوائد ہیں - دونوں اہل معاملہ کے حقوق کا تحفظ رہیگا - دلوں میں صفائی رہیگی - شک کرنیکا موقع نہ ملیگا اور گواہوں کو گواہی دینے میں سہولت ہوگی -

إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ - گذشتہ حکم بیع سلم یا قرض کا تھا جسمیں لکھنے کی تاکید کیگئی تھی یہ حکم دست بدست لین دین کا ہے یعنی اگر باہم فوری لین دین ہو مشتری قیمت فوراً دیدے اور مبیع پر قبضہ کرلے اور بائع مبیع اُسی وقت دیدے اور قیمت پر قبضہ کرلے تو فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا - نہ لکھنے میں کوئی ہرج نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں نزاع کا احتمال ہی نہیں ہے نہ مشتری کو بدگمانی کرنے کا موقع مل سکتا ہے نہ بائع کو اسی طرح کوئی دوسرے سے رگڑا جھگڑا بھی نہیں کرسکتا - وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ لیکن دست بدست لین دین میں بھی بہتر یہ ہے کہ گواہ تو کرہی لیا کرو کیونکہ دست بدست معاملہ میں بھی کبھی تنازع ہو ہی جاتا ہے مثلاً ایک شخص نے کسی سے کوئی چیز خریدی اور اُس پر قبضہ کرلیا اور بائع سے کہا چلو مکان پر پہونچکر قیمت دونگا - بائع مشتری کے ساتھ ہولیا - اتفاقاً راستہ میں اُسکی قیمت زیادہ لگی اور بائع نے مشتری اول سے انکار کردیا کہ میں نے تمہارے ہاتھ فروخت نہیں کی ہے تو خواہ مخواہ جھگڑا ہوگا - اس قسم کی ہم ذیل میں ایک حدیث لکھتے ہیں جو حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضؓ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا فردیہاتی سے ایک گھوڑا خریدا اور اُسکو اپنے پیچھے پیچھے بلالیا کہ مکان پر پہونچکر قیمت دیدونگا اعرابی ساتھ ہولیا

لیکن حضور والا تیز جا رہے تھے اور اعرابی آہستہ آہستہ جا رہا تھا اسلئے پیچھے رہ گیا۔ لوگوں نے اعرابی کے پاس گھوڑا دیکھ کر اسکی قیمت لگانی شروع کی کیونکہ اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو خرید چکے ہیں سبالآخر کسی شخص نے رسول اللہ صلعم کی قیمت سے زائد قیمت لگائی اعرابی کے دل میں بے ایمانی آئی اور حضور صلعم کو آواز دیکر بولا اگر اس قیمت پر آپ گھوڑے کو خریدتے ہیں تو خرید یے ورنہ میں اس شخص کے ہاتھ گھوڑا فروخت کئے دیتا ہوں۔ حضور پاک صلعم اعرابی کی آواز سن کر ٹھہر گئے اور ارشاد فرمایا میں تو تجھسے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں۔ اعرابی بولا واللہ میں نے تمہارے ہاتھ فروخت نہیں کیا ہے۔ حضور صلعم نے فرمایا نہیں میرے تیرے درمیان ایجاب قبول پورا ہو چکا ہے۔ اسی میں نزاع بڑھ گیا اور لوگ جمع ہونے لگے۔ مسلمان حضور اقدس صلعم کی تصدیق کرتے تھے اور جو کافر ہوتا تھا وہ اعرابی کو حق بجانب کہتا تھا۔ بالآخر اعرابی نے کہنا شروع کیا کہ اچھا گواہ لاؤ جو گواہی دے کہ میں نے یہ گھوڑا آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اور میرے آپ کے درمیان ایجاب قبول ہو گیا ہے گواہ کوئی موجود نہ تھا تھوڑی دیر میں حضرت خزیمہ بن ثابت بھی پہنچ گئے اور اعرابی کا یہ کلام سن کر کہنے لگے ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ فروخت کیا ہے الخ۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دست بدست معاملہ میں اگرچہ تحریر لکھوانے کی ضرورت نہیں تاہم گواہ بنا لینے بہتر ہیں تاکہ نزاع کا کوئی احتمال ہی نہ رہے۔

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ۔ سابق آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے صحیح صحیح لکھدے اور گواہ گواہ بننے یا گواہی دینے سے انکار نہ کرے ٹھیک ٹھیک واقعی گواہی دیدے۔ اس حکم سے فریقین معاملہ کو موقع مل سکتا تھا کہ کاتب سے جو چاہیں جھوٹ سچ لکھوالیں اور پھر اجرت بھی نہ دیں اُس غریب کے ضروری کام کاج میں بھی نقصان پیدا کر دیں اگر وہ بیکار ہو تو پکڑ کر بلوالیں اگر کہیں سلسلۂ معاش پر لگا ہوا ہو تو اسکی روزی کا سلسلہ بند کرا کے اپنی دستاویز لکھوالیں گویا فن کتابت و تحریر اُسکے لئے وبال ہو جائے اور دنیا میں لکھنے والوں کی زندگی دوبھر بنجائے۔ اسی طرح اہل معاملہ ہر شخص کو جو گواہی دینے کی شرعی قابلیت رکھتا ہو پکڑ کر گواہ بنا سکتے تھے۔ کوئی اپنے ضروری کام میں مشغول ہو مگر اسکو مجبور کر کے بلوا کر گواہ بنا سکتے تھے اور پھر زبردستی اُس سے گواہی بھی دلوا سکتے تھے اسکے علاوہ اگر گواہ کسی غیر مقام میں ہوا اور وہاں سے عدالت تک جانے میں کچھ صرف ہوتا ہو تو اُس صرف کا بار گواہ کی گردن پر ڈال سکتے تھے اور اُس سے کہہ سکتے تھے کہ ہم صرف ورف کو نہیں جانتے گواہی تم کو بہرحال دینی ہوگی۔ ان تمام نقصانات کی بندش کیلئے خداوند تعالیٰ نے صرف دو لفظ فرما دیے کہ نہ کاتب کو نقصان و مضرت پہنچائی جائے نہ گواہ کو۔ اس مختصر کلام سے فریقین معاملہ کی ہر قسم کی زیادتی کا استیصال ہو گیا۔ اور قطعی ممانعت ہو گئی کہ جس بات سے کاتب و گواہ کو دینی یا دنیوی ضرر پہنچتا ہو وہ فعل نہ کیا جائے۔

وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ۔ یہ گذشتہ وجوبی احکام کی خلاف ورزی کرنے پر وعید ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم گذشتہ ممانعتوں کا ارتکاب کرو گے تو یہ خدا کی نافرمانی ہے جسکا وبال مرتکب پر عائد ہوگا۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ۔ لہذا تم کو خدا سے ڈرنا چاہئے اُسکے اوامر و نواہی پر کاربند رہنا چاہئے۔ جو کام کرنے کا اُس نے حکم دیا ہے اُسکو کرنا چاہئے اور جس فعل کے کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اُسکو نہ کرنا چاہئے۔ چون و چرا قطعاً نہ کرنا چاہئے اور احکام الٰہی کی تنقید نہ کرنا چاہئے کیونکہ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ۔ خدا تعالیٰ خود تم کو ایسے احکام کی تعلیم دیتا ہے جن پر تمہاری فلاح دارین اور سعادت موقوف ہے لہذا اُسکے احکام کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہئے۔

مقصود بیان:۔ بیع سلم اور ربٰوا کے فرق کی طرف اشارہ۔ بیع سلم کی اجازت۔ بیع سلم میں واجب الادا چیز کی میعاد ادا لکھنے کی ضرورت۔ ناپ تول قیمت اور دیگر امور ضروری لکھنے کی ہدایت۔ کاتب کو لکھنے کا استحبابی امر اور انصاف کے ساتھ لکھنے کی ہدایت۔ کمی بیشی اور تراش خراش کرنے یا کسی فریق کی جانبداری کرنے کی ممانعت۔ اگر کاتب کو لکھنے کے لئے بلایا جائے تو انکار نہ کرنے کا استحبابی حکم اور اس امر کی صراحت کہ جس شخص کو خدا نے اپنی نعمت عطا کی ہے اُسکو چاہئے کہ مخلوق خدا کے فائدہ میں اُسکو صرف کرے۔ کتابت و تحریر بھی خدا کی ایک نعمت ہے اسلئے کاتب کو لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہئے۔ مطالبہ دار کو ہدایت کہ خلاف واقعہ کوئی بات نہ لکھوائے۔ اگر مطالبہ دار کسی وجہ سے مجبور ہو اور لکھوا نہ سکتا ہو تو اُسکے ورثا صحیح صحیح لکھوا سکتے ہیں۔ دستاویز پر مطالبہ دار ہی کے دستخط ضروری نہیں ہیں۔ ہر معاملہ میں دو مسلمان عاقل بالغ آزاد متقی مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری اور کافی ہے (مگر زنا اس حکم سے مستثنیٰ ہے قرآن میں دوسری جگہ اس کا حکم علیحدہ بیان کر دیا گیا ہے کہ چار گواہ ہونے لازم ہیں) معاملات میں دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ عورتوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اور وہم قوی ہوتا ہے ہر گواہ کو واقعہ یاد رکھنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ایک کو یاد ہو تو وہ دوسرے کو یاد دلا سکتا ہے۔ گواہ کے واسطے مشاہدہ بھی ضروری نہیں ہے بلکہ اگر معاملہ ختم ہونے کے بعد بھی اُن کو گواہ بنایا جائے تو انکی گواہی مقبول ہے۔ گواہوں کو اگر طلب کیا جائے تو گواہ بننے یا گواہی دینے سے انکار کی ممانعت۔ دستاویز سے حقوق العباد کا تحفظ، عدل و انصاف اور شہادت میں شاہدوں کو سہولت اور اہل معاملہ میں باہم صفائی رہتی ہے، کوئی کسی کی طرف سے بدگمان نہیں ہو سکتا، کوئی کسی کا حق نہیں مار سکتا۔ دست بدست تجارت میں دستاویز ضروری نہیں مگر گواہ بنا لینے مستحب ہیں خواہ ایک ہی آدمی ہو۔ جس بات سے کاتب یا گواہ کو کوئی دینی

یا دنیوی ضرر پہونچتا ہو اُس بات کو اختیار کرنے کی ممانعت۔ خلاصہ یہ کہ امن عام، رفاہِ خلق، امور تمدن کی تکمیل، باہمی صلح، میل ملت، مال حلال کا تحفظ، دیانت، سچائی اور مصالح عباد کا ایک بے بہا خزانہ ان آیات کے اندر مضمر ہے جو دنیا کا کوئی قانون آج تک نہ پیش کر سکا نہ پیش کر سکتا ہے متمدن حکومتوں کے قوانین اس قانون کے مقابلہ میں تحفظ حقوق کے اعتبار سے بہت پست درجہ پر ہیں۔ دنیا کی کوئی مذہبی کتاب ایسا اصلاحی لائحہ عمل آجتک نہ پیش کر سکی۔ گواہوں کی شہادت مقبول یا مردود ہونے کا معیار، کاتب اور گواہ کو نقصان و ضرر نہ پہونچانے کی ہدایت، حق تلفی اور تغلب کی بیخ کنی کا ضابطہ اس سے بہتر ناممکن ہے۔ وغیرہ۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ ملے

فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ

تو کوئی چیز رہن با قبضہ ہونا چاہئے اور اگر تم میں سے ایک دوسرے کا

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَ

اعتبار کرلے تو جسکا اعتبار کیا گیا ہے اسکو دوسرے کی امانت ادا کر دینی چاہئے اور

لْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ

اپنے رب سے ڈرنا چاہئے اور گواہی کو نہ چھپاؤ

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

جو شخص اسکو چھپائیگا اُسکا دل گنہ گار ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر گذشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ اگر اُدھار پر خرید و فروخت کی جائے تو دستاویز لکھوالی جائے تاکہ ہر فریق معاملہ کو اطمینان ہو جائے۔ اس آیت میں اطمینان کی ایک دوسری صورت کا اظہار کیا گیا ہے یعنی کسی چیز کا رہن رکھدینا۔ رہن رکھدینا جمہور کے نزدیک سفر و حضر دونوں میں جائز ہے اگر کوئی عذر ہو تو رہن رکھدینا مباح ہے بلکہ بعض صورتوں میں لازم ہے۔ لیکن اسکی ضرورت سفر میں عموماً زیادہ ہوتی ہے جہاں نہ کاتب ملتا ہے نہ گواہ تو اطمینان کے لئے کوئی چیز رہن رکھدی جاتی ہے۔ مجمل ارشاد یہ ہے کہ اگر تم سفر کی حالت میں ہو یعنی کسی معذوری کی حالت میں ہو جسطرح کہ سفر میں معذوری ہوتی ہے وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ اور لکھنے والا نہ ملے یا دوات نہ ملے یا قلم نہ ہو یا کاغذ نہو یا کوئی گواہ نہ مل سکے یا کوئی اور عذر ہو تو کوئی چیز رہن رکھدینی چاہئے لیکن شئ مرہونہ پر مرتہن کا قبضہ لازم ہے ورنہ رہن نہ سمجھا جائیگا صرف زبانی جمع خرچ سے کوئی چیز رہن نہیں ہو جاتی ہے فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔ لیکن اگر دائن کا مدیون پر اعتبار ہو اور بغیر دستاویز لکھائے اور بغیر رہن رکھے وہ اُدھار کا معاملہ کرلے اور صرف دوسرے کی ذات پر اعتماد رکھے فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ تو مدیون پر بھی لازم ہے کہ دائن کا حق امانت سمجھ کر ادا کرے اور پورا پورا ٹھیک میعاد پر اُس کو پہونچا دے دینے میں حیلہ حجت نہ کرے۔ آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں اپنا مال کسی کے پاس رہن رکھدے تو مرتہن پر لازم ہے کہ راہن کے مال کو امانت سمجھے اُس میں کوئی تصرف نہ کرے اور نہ اُس سے مالی نفع اٹھائے بلکہ جب اُس معاملہ کی تکمیل ہو جائے اور کاروبار صاف ہو جائے تو مال مرہونہ راہن کو پورا پورا بغیر حیلہ حجت کے دیدے۔ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ اور قرض کے ادا کرنے میں خدا سے ڈرتا رہے۔ دائن کا قرض مثل امانت کے ہے اور امانت کی ادائگی لازم ہے اس میں خیانت نہ کرے اور کسی طرح یہ خیال نہ کرے کہ اگر میں یہ زر امانت ادا کردونگا اور قرض کا مال دیدونگا تو نادار ہو جاؤنگا اور فاقہ مرجاؤنگا کیونکہ خدا تعالیٰ رب ہے پرورش کا کفیل ہے۔ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی حقدار کا حق بغیر کسی کی گواہی کے ضائع ہوتا ہو اور وہ اسکو طلب کرلے تو گواہ کو ادائے شہادت سے انکار کرنا یا اُس پر اُجرت لینا حرام ہے یا حقدار کو علم نہو کہ میرا معاملہ فلاں شخص کو معلوم ہے مگر گواہ جانتا ہے کہ میری گواہی نہ دینے سے اُس کا حق تلف ہو جائیگا تب بھی ادائے شہادت واجب ہے۔ اور اصل واقعہ بیان نہ کرنا یا غلط بیان کرنا بھی کتمانِ شہادت میں داخل ہے جس میں محض زبان ہی گناہگار نہیں ہوتی بلکہ عزم معصیت کی وجہ سے دل بھی گناہگار رہیگا۔ کتمانِ شہادت سے دل بھی بگڑ جاتا ہے بلکہ اس کا سرچشمہ ہی دل ہے۔

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی دینی تو کبیرہ گناہوں میں بدتر گناہ ہے مگر اخفاءِ شہادت بھی یہی حکم رکھتا ہے۔

مقصود بیان:۔ بحالت مجبوری رہن رکھنا جائز ہے۔ رہن کی تکمیل بغیر قبضہ کے نہیں ہوتی یعنی جب تک شئ مرہونہ پر قبضہ نہ کرلیا جائے رہن معتبر نہیں۔ کسی کا قرض امانت ہے جسطرح امانت میں خیانت کرنا جرم ہے اسی طرح قرض ادا نہ کرنا بھی حرام ہے۔ امانت میں بدنیتی جائز نہیں۔ اسی طرح کسی قرض کو بدنیتی سے روک لینا یا ادا کرنے میں حیلہ حجت کرنا بھی ناجائز ہے۔ اخفاءِ شہادت کبیرہ گناہ ہے اور ادائے شہادت لازم ہے وغیرہ۔ مذکورہ بالا تمام ہدایات بھی کائنات انسانی کے حقوق کا تحفظ لوازم تمدن کی تکمیل۔ اخلاق فاضلہ کی تعلیم اور کسی غریب کی حق تلفی نہ ہونے دینے کی تلقین مقصود ہے تاکہ عالم میں فتنہ فساد جنگ جدال بے ایمانی اور

بد دیانتی پیدا نہو اور تمام غریب امیر شاہ و فقیر مساویانہ حیثیت سے اپنے اپنے حقوق کے ساتھ رہیں کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ جو کچھ

تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ

تمہارے دلوں میں ہے اسکو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ اُس کا حساب تم سے

بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ

لے گا پھر جسکو چاہیگا بخشدیگا اور جسکو چاہیگا عذاب

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

دے گا اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں اخفاء شہادت اور نیت خیانت کی ممانعت کی گئی تھی اُسی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے اور وعید آمیز ممانعت کیجاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ آسمان زمین کے درمیان اور ان میں جو کچھ ہے یعنی کائنات عالم سب خدا ہی کی بنائی ہوئی پیدا کی ہوئی ہے اُسی کے قبضہ میں ہے اُسی کی تابع فرمان ہے اس لئے وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ جو کچھ تمہارے دلوں کے اندر ہے یعنی جو خیانت کی نیت اخفاء شہادت کا ارادہ اور گناہ کا مصمم عزم تمہارے دلوں میں ہے اسکو تم ظاہر کرو یا چھپاؤ بہرحال قیامت کے دن اُس کا حساب خدا تعالیٰ تم سے کریگا۔ حساب کے بعد فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ جس شخص سے چاہیگا درگذر فرمائیگا اور اُسکے دلی ارادوں کو ظاہر نہ فرمائیگا اور جسکو عذاب دینا چاہیگا اسکو عذاب دیگا معاف نہ کریگا۔ اسکو مغفرت کرنے یا عذاب دینے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے جسکو چاہے بخشے جسکو چاہے عذاب دے۔

مقصود بیان:۔ اگر گناہ کا مصمم ارادہ کر لیا جائے لیکن کسی ناگہانی اور غیر اختیاری وجہ سے گناہ کا ظہور نہو سکے تو چونکہ خدا تعالیٰ دلی ارادوں سے واقف ہے اسلئے ایسے ارادے بھی قابل مواخذہ ہیں لیکن خدا تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اس قسم کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ وغیرہ۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ

رسول سنے اور ایمان والوں نے اُن احکام کو مان لیا جو پروردگار کیطرف سے

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ

رسول پر اُتارے گئے سب کے سب اللہ پر اور اُسکے فرشتوں پر اور

كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ

اُسکی کتابوں پر اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لے آئے (اور کہنے لگے کہ ہم اُسکے

رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ

رسولوں میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں سمجھتے اور بولے ہم نے سنا اور مان لیا

رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

اے ہمارے پروردگار ہم تیری بخشش کے خواستگار ہیں اور تیرے ہی طرف لوٹنا ہے

تفسیر حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ وغیرہ صحابہ نے جب آیت وَاِنْ تُبْدُوْا الخ سے یہ سمجھا کہ خدا تعالیٰ اعضاء ظاہری اور وساوس قلبی دونوں کا حساب لیگا تو انکے دل کانپ گئے اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دو زانو بیٹھ کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! دل تو ہمارے قبضہ میں نہیں ہیں بہت سے وسوسے دل کے اندر آتے ہیں اگر ان پر مواخذہ ہوا تو پھر ہمارا کہاں ٹھکانا لگیگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری عرضداشت سُن کر ارشاد فرمایا جو کچھ حق تعالیٰ کا حکم ہے تم اسکو بغیر چون وچرا کے مان لو۔ یہود و نصاریٰ کی طرح حجتیں نہ کرو۔ آقا کے حکم میں حجتیں کرنی بندہ کا کام نہیں ہے۔ وہ خود تمہاری طاقت اور اپنے حکم سے واقف ہے۔ تم پر لازم ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح سمعنا وعصینا نہ کہو بلکہ یوں کہو سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر الخ۔ گویا اس آیت میں صحابہ کرام کی فضیلت ایمانی اور علو مرتبہ کو ظاہر کیا گیا ہے اور گذشتہ آیت کے حکم کو منسوخ کیا گیا ہے (رواہ احمد ومسلم وابوداؤد فی ناسخہ وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم) بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری دعا صحابہ کو تعلیم فرمائی تھی:۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرًا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین۔ (احمد، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم، بیہقی)

شان نزول کے بیان کے بعد اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ خدا کی طرف سے جو احکام (سخت یا آسان) رسول پر نازل کئے گئے ہیں اُن پر رسول اور تمام مؤمن بندے ایمان رکھتے ہیں اُنکی تعمیل میں کوئی چون وچرا نہیں کرتے۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

وَرُسُلِہٖ - ہر شخص خواہ رسول ہو یا عام مؤمن خدا کی ذات وصفات، وحدت قدرت، علم، ارادہ، مشیت، خلق وغیرہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اُسکے تمام فرشتوں پر ایمان رکھتا ہے جبرئیل ہو میکائیل ہو یا کوئی اور فرشتہ ہو کسی کا انکار نہیں کرتا۔ خدا کی تمام کتابوں پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ تمام صحیفے توریت انجیل زبور اور قرآن کو خدا کی کتابیں جانتا ہے ان میں سے کسی کا انکار نہیں کرتا۔ اور خدا کے تمام پیغمبروں پر بھی ایمان رکھتا ہے کسی کی تکذیب نہیں کرتا اور ہر ایک پیغمبر کو خدا کا بندہ اور فرستادہ جانتا ہے خدا یا خدا کا بیٹا نہیں جانتا اور جو احکام ان پیغمبروں نے اپنے زمانہ میں دیے ہیں اُن کو حق جانتا ہے - لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ - تمام ایماندار لوگ قائل ہیں کہ ہم خدا کے پیغمبروں میں باہم تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں جسطرح کہ یہود ونصاریٰ کرتے ہیں ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے پیغمبر کی تکذیب کرتا ہے وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا یعنی خدا کے خاص مؤمن بندے کہتے ہیں کہ الٰہی ہم نے تیرا فرمان سنا اسکو قبول کیا جس چیز کے تو نے کرنے کا حکم دیا ہے اُسکو بدل وجان کرینگے اور جس کام کی ممانعت کی ہے اُس سے پرہیز رکھینگے ہر طرح تیرے حکم کی اطاعت کرینگے - غُفْرَانَکَ رَبَّنَا - الٰہی ہم تیری طرف سے معافی اور درگذر کے طالب ہیں تو ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے کیونکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ - بالآخر تیرے ہی پاس لوٹ کر جانا ہے قیامت کے دن تو سب کو قبروں سے اٹھائیگا حساب کتاب لیگا اور عذاب ثواب دیگا لہذا تو ہم کو معاف فرمادے۔

مقصود بیان :- احکام الٰہی کی تصدیق اور تعمیل کرنی چاہئے تمام انبیاء کل آسمانی کتابوں اور خدا کے سب فرشتوں پر ایمان لانا لازم ہے تفریق بین الانبیاء کفر ہے - خدا سے مغفرت کی دعا مانگنی چاہئے اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ حشر جسمانی جنت دوزخ عذاب ثواب حساب کتاب وغیرہ اخروی کیفیات سب حق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مؤمن تھے یعنی حضور اقدس کا باطن تمام نفسانی کدورتوں اور شیطانی وسوسوں سے پاک صاف تھا - جو کچھ عالم جبروت کے صفات قلب گرامی پر منکشف کئے گئے سب کو رسول اکرم نے صدق اخلاص سے قبول کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر مؤمن خواہ عارف ہوں یا صدیق مشاہدہ کے درجہ پر فائز ہوں یا مرتبۂ قرب میں ہوں مخلصین کے طبقہ میں ہوں یا محسنین کے گروہ میں۔ رضا وتسلیم کے رتبہ والے ہوں یا توکل کے بہرحال حضور کے علاوہ ہر مؤمن کامل کا مشاہدہ یقینی ہوتا ہے اور ہر ایک کو کمال ایمان حاصل ہوتا ہے۔ صفات جبروت ان پر بھی منکشف ہوتے ہیں لیکن تجلی کا مشاہدہ کسی لباس میں ہوتا ہے خالص اور صرف مشاہدہ نہیں ہوتا نفسانی وسوسوں سے ان کو خلاصی نہیں ہوتی وغیرہ۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ؕ لَہَا مَا
اللہ کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتا اسکے کمائے ہوئے کا

کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا
نفع بھی اُسی کے لئے ہے اور اُسکے کئے ہوئے کا ضرر بھی اُسی کیلئے ہے (دعا کرو)

لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ
اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو اُسکا مواخذہ ہم سے نہ کرنا

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ
اے ہمارے پروردگار ہم سے پہلے لوگوں پر جیسا بار گراں تو نے ڈالا تھا ہم پر ویسا

عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
بھاری بوجھ نہ ڈالنا اے ہمارے پروردگار ہم سے ایسا بوجھ نہ اٹھوانا

مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ
جسکے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگذر کر اور ہم کو بخش

لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا
دے اور ہم پر رحم کر تو ہمارا حامی ہے کافروں کے

عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ع
مقابلہ میں ہماری مدد کر

تفسیر اسکے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ تم کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ہم دلی وسوسوں سے بچ نہیں سکتے اور نہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ان سے کنارہ کش رہیں کیونکہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا - خدا تعالیٰ ہر شخص کو اُسکی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتا اور کسی پر ناقابل برداشت بار نہیں ڈالتا - بلکہ لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ - ہر شخص جو معمولی سی خواہ بلا ارادہ ہی ہو نیکی کرتا ہے اُسکے لئے نیکی کا فائدہ مخصوص ہے اور جو قصداً گناہ کرتا ہے اُسکا عذاب اسی کی گردن پر لدا ہوا ہے یعنی اعمال جوارح اور اعضاء کے افعال پر عذاب ثواب ہوگا اگرچہ حساب اُن ارادوں کا بھی ہوگا جنکے کرنے کا پختہ اور مصمم عزم کرلیا گیا ہو اور پھر کسی وجہ سے نہیں کیا ہو مگر عذاب اُن پر نہ ہوگا۔ اس سے

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اس طرح دعا کرنی چاہئے:۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا یعنی الٰہی اگر ہم بھول چوک کر کوئی گناہ کر بیٹھیں تو ہم سے اس کا مواخذہ نہ کرنا جسطرح تو بنی اسرائیل سے کرتا تھا۔ بنی اسرائیل جب بھول چوک کر بھی کوئی گناہ کر بیٹھتے تو فوراً کوئی سزا ملجاتی اور کھانے پینے کی کوئی حلال چیز حرام کردی جاتی اور اگر قصداً گناہ کرتے تھے تو ایسے گناہ کی توبہ تو سوائے اپنی جان دیدینے کے کوئی اور نہ تھی۔ قصداً گناہ کی سزا صرف قتل تھی مگر یہ فضل الٰہی ہے کہ بطفیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امت مرحومہ پر بھول چوک معاف ہے اور قصداً گناہ کی معافی کا دروازہ توبہ خالص سے کھل جاتا ہے۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا۔ الٰہی ہم پر ایسا بار نہ ڈال جیسا تو نے گذشتہ لوگوں پر ڈالا تھا۔ گذشتہ لوگوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ بنی اسرائیل کیلئے احکام بہت سخت تھے۔ تعمداً گناہ کی سزا قتل تھی۔ زکوٰۃ میں چہارم مال دینے کا حکم تھا۔ اگر کپڑے پر کہیں نجاست لگجاتی تو دھونے سے پاک نہیں ہوتی تھی بلکہ اتنی جگہ کو کاٹ دینے کا حکم تھا۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ الٰہی ہم پر وہ تکالیف اور مصائب نہ ڈال جنکے برداشت کرنیکی ہم میں طاقت نہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ خدا تعالیٰ میری امت پر ایسی قوم کو مسلط نہیں فرمائیگا جو ان کو قتل کرنا اور نیست و نابود کرنا مباح سمجھے اور نہ ان کو قحط عام کی سزا میں مبتلا کریگا نہ غرقابی کا عذاب انکو دیا جائیگا۔ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا۔ ہمارے تمام گناہوں کو معاف کردے جو قصور ہم نے کئے ہوں سب کو مٹا دے اور پھر ہمکو اپنی مغفرت میں چھپالے وَارْحَمْنَا اور مغفرت سے بڑھ کر ہم پر رحمت نازل فرما درجات قرب عطا کر دوزخ سے بچانے کے بعد جنت میں داخل فرما۔ اور پھر جنت میں بھی مراتب مرحمت فرما۔ أَنْتَ مَوْلَانَا تو ہی ہمارا آقا مالک اور ہمارے کل کاموں کا ذمہ دار ہے۔ تو ہی ہمارے کام بنانے والا ہے اور چونکہ تو ہی ہمارا مولا ہے فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ٥ لہذا دنیا میں بھی تو ہماری مدد فرما کافروں پر غلبہ عطا کر۔ دلائل و ثبوت میں بھی ہم کو غالب کر اور حکومت و جنگ میں بھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس دعا کو بھی قبول فرما لیا۔

مقصود بیان:۔ مذکورۂ ذیل امور کے متعلق دعا کرنے کی ہدایت دنیوی شان و شوکت، جاہ و جلال، دولت، حشمت، عزت و حکومت، اعلانِ اسلام، اشاعت امن، ازالۂ فساد، کفار پر غلبہ، برہان و دلیل کی قوت اور اخروی سعادت یعنی عذاب سے نجات، جنت میں داخلہ، گناہوں کی معافی، رحمت کا نزول اور منازل قرب کا حصول وغیرہ۔

آیت میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ خدا ہی کو اپنا مولا اور مددگار و کفیل سمجھے۔ چھوٹی سی چھوٹی بھی اسی سے طلب کرے دنیا پرست اور مغروران حکومت سے التجا کرنی بے سود ہے نہ ان کے پاس کچھ ہے نہ دے سکتے ہیں۔ ذات باری ہی ہر چیز کی کفیل ہے وہی دینے والا وہی دلوانے والا ہے۔

آیت سے ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کو دین و دنیا دونوں کی بھلائی کے لئے دعا کرنی چاہئے کیونکہ دنیا سے دین وابستہ ہے۔ غلبۂ دینی دنیوی طاقت کے حصول پر موقوف ہے۔ لہذا دونوں سعادتوں کے حصول کی استدعا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

سُورَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۂ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اسمیں دو سو آیات اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

الٓمّٓ ○ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ○

الم۔ اللہ ہی مستحق عبادت ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غیر فانی اور سب کو

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

تھامنے والا ہے (اے محمد) اُس نے تم پر کتاب برحق نازل کی جو پہلی کتابوں کی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ

تصدیق کرتی ہے اور اس سے پہلے اسی نے توریت

الْاِنْجِيْلَ ۙ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ

انجیل لوگوں کی ہدایت کے لئے اُتاری اور اُسی نے

اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

معجزات کو اُتارا جن لوگوں نے اللہ کی آیات کو نہ مانا

اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○

اُن کے لئے خصوصیت کے ساتھ عذاب ہے اور اللہ زبردست اور بدلا لینے والا ہے

تفسیر اس سورت میں دو سو آیات اور بیس رکوع ہیں چونکہ اسمیں آل عمران کا قصہ بیان کیا گیا ہے اسلئے آل عمران نام رکھدیا گیا۔

الٓمّٓ سنہ ۹ھ میں تقریباً ساٹھ عیسائی نجرانی (علاقۂ یمن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کے لئے مدینہ میں عصر کے وقت آئے۔ ان لوگوں کے

سردار چودہ آدمی تھے جن میں تین امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ اول عاقب یعنے عبدالمسیح۔ دوم عاقب کا مشیر خاص پادریوں کا سرگروہ ایہم۔ سوم ابوحارثہ بن علقمہ بکری۔ سب سے زیادہ ابوحارثہ وجاہت و اعزاز رکھتا تھا۔ کیا بیسار عرب کا بھی سردار تھا۔ شاہان روم کی طرف سے اسکو جاگیریں عطا کی گئی تھیں اور بادشاہِ روم کے دربار میں اسکی عزت و توقیر بھی بہت تھی اور واقع میں بھی یہ علم و فضل میں امتیازی پایہ رکھتا تھا جو کسی دوسرے عالم کو حاصل نہ تھا۔ یہ شخص دل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین رکھتا تھا اور جانتا تھا کہ جس نبی اعظم کی بشارتیں توریت و انجیل میں دی گئی ہیں وہ یہی ذات گرامی ہے لیکن حُبِّ مال و عزت و دولت کی پاسداری، حکومت و جاہ کی کشش اسکو مسلمان نہ ہونے دیتی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر میں مسلمان ہوگیا تو شاہی معتوب ہوکر منصب جاگیر سے محروم کر دیا جاؤنگا۔ قومی اعزاز و وجاہت بھی خاک میں ملجائیگی۔ ان شیطانی وسوسوں نے اسے مسلمان نہ ہونے دیا۔ الغرض ساٹھ عیسائیوں کا قافلہ مدینہ میں پہونچا۔ حارث بن کعب ان کے پیچھے آرہے تھے اول مسجد میں پہونچکر انہوں نے نماز ادا کی حضور اقدس صلعم نے انکی مزاحمت نہ کی اور ارشاد فرمایا ان کو مشرق کی طرف رُخ کرکے ہی نماز پڑھنے دو۔ نماز کے بعد عبدالمسیح اور ایہم نے سلسلۂ کلام شروع کیا۔ ہم ذیل میں مکالمہ نقل کرتے ہیں:-

حضور والا۔ تم ایمان لے آؤ۔ **عیسائیؔ**۔ ہم آپ سے پہلے لاچکے۔

حضور والا۔ تم غلط کہتے ہو تین وجہ سے تم مسلمان نہیں ہوسکتے تم خدا کا بیٹا ہونے کے قائل ہو۔ صلیب کی پرستش کرتے ہو اور سور کھاتے ہو۔

عیسائیؔ۔ اگر یسوع خدا کا بیٹا نہیں تو اُس کا باپ کون شخص تھا؟

حضور والا۔ کیا تم جانتے ہو کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟

عیسائیؔ۔ جی ہاں۔

حضور والا۔ کیا تم کو معلوم ہے کہ ہمارا رب حی لایموت ہے کبھی اسکو فنا نہیں اور عیسیٰ فانی ہیں اُن کو موت آسکتی ہے۔ **عیسائیؔ**۔ جی ہاں۔

حضور والا۔ تم جانتے ہو کہ ہمارا رب قیوم ہے ہر شے کی حفاظت فرماتا اور اُسکو رزق دیتا ہے۔ **عیسائیؔ**۔ جی ہاں

حضور والا۔ تو کیا عیسےٰ بھی ان امور میں سے کوئی کام کر سکتے ہیں؟

عیسائیؔ۔ نہیں۔

حضور والا۔ کیا تم قائل ہو کہ خدا تعالیٰ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں؟ **عیسائیؔ**۔ جی ہاں۔

حضور والا۔ کیا عیسیٰ بھی سوا اُس علم کے جو خدا تعالیٰ نے اُن کو عطا کیا تھا اور کسی چیز سے واقف تھے؟ **عیسائیؔ**۔ نہیں۔

حضور والا۔ تو ہمارے پروردگار نے ماں کے پیٹ میں جسطرح چاہا بنادیا ہمارا پروردگار نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ **عیسائیؔ**۔ ہاں ایسا ہی ہے۔

حضور والا۔ کیا تم کو علم ہے اور تم قائل ہو کہ عیسیٰ کو اُنکی والدہ نے اپنے شکم میں اسی طرح رکھا جسطرح دوسری عورتیں حمل کو رکھا کرتی ہیں پھر عیسیٰ بھی طرح پیدا ہوئے جسطرح اور بچے پیدا ہوتے ہیں پھر عیسیٰ کو ویسے ہی غذا ملتی رہی جیسے آدمی کے بچوں کو ملا کرتی ہے پھر وہ خود کھاتے پیتے اور پائخانہ پیشاب کو جاتے رہے؟ **عیسائیؔ**۔ جی ہاں ایسا ہی ہوا۔

حضور والا۔ تو جس شخص کی یہ حالت ہو وہ اُس درجہ پر کس طرح پہونچ سکتا ہے جو تم گمان کر رہے ہو (یعنی خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے)

عیسائی علماء یہ مسکت جواب سن کر خاموش ہوگئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اب بھی تم کو میرے دعوی میں کچھ شبہہ باقی ہے تو آؤ ہم تم اپنی اولاد کو لیکر باہر میدان میں نکلیں اور خدا سے دعا کریں کہ جھوٹے پر خدا کی مار ہو۔ عیسائی دعوت مباہلہ سُن کر عرض کرنے لگے ہم اس کا جواب مشورہ کرنے کے بعد دینگے۔ چنانچہ باہمی مشورہ کے بعد اس چیلنج پر راضی نہ ہوئے اور نجران کو واپس چلے گئے۔ اُسی دوران میں سورۂ آل عمران ابتداء سے تراسی آیات تک نازل ہوئی (ربیع بن انس) شان نزول بیان کرنے کے بعد ہم تفسیر شروع کرتے ہیں۔

الٓمٓ کی صحیح تفسیر تو یہی ہے کہ اس کی مراد معلوم نہیں۔ خدا ہی اپنی مراد سے بخوبی واقف ہے لیکن بعض مفسرین نے قیاس آرائی کرکے کچھ تاویلی معنی بھی اسکے لکھے ہیں جنمیں سے بہتر معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ الف سے اللہ اور لام سے جبرئیل اور میم سے محمدؐ مراد ہیں۔ یعنی یہ سورت یا یہ قرآن اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیل کے ذریعہ سے محمد رسول اللہؐ پر نازل کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اس جگہ سے عیسائیوں کے عقیدہ کا مدلل رد کیا گیا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ عالم میں موجود ہے اور تمام صفات کمال کا جامع ہے کوئی صفت نقصان اُس میں پیدا نہیں ہوسکتی چونکہ خدا تعالیٰ واحد محض ہے کسی قسم کی اُس میں ترکیب نہیں اسلئے حضرت عیسےٰؑ روح القدس اور خدا کے مجموعہ کو اللہ کہنا جائز نہیں اور چونکہ اللہ تمام صفات نقصان سے پاک اور اوصاف کمال کو جامع ہے اسلئے اُسکو بیٹے کی ضرورت نہیں کہ اُسکی جانشینی کرے یا اُس کا ہاتھ بٹائے اور نہ یہ جائز ہے کہ عیسیٰ کی شکل میں خدا نے ظہور کیا ہو۔ حاصل یہ ہے کہ وہ واحد حقیقی ہے معبود کل ہے۔ جامع کمالات ہے اُس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں نہ عیسیٰ نہ صلیب نہ کوئی اور۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ یہ گذشتہ قول کا ثبوت ہے یعنی خدا واحد لاشریک اور مستحق عبادت کیوں ہے؟ اسلئے کہ وہ حی ہے واجب الوجود ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج نہیں پھر کل عالم کا موجد بھی ہے مربی اور رازق بھی ہے تمام دنیا کی ہستی اور کل عالم کا بقاء اُسی کی ذات سے وابستہ ہے لہٰذا وہی معبود کل اور مستحق پرستش عالم ہے کوئی اُس کا شریک و سہیم نہیں وہی جامع کمالات ہے نقصان و عیب سے پاک ہے۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ۔ اُسی

واحد قدوس نے دوبار قرآن برحق نازل فرمایا یعنی اول لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر پھر دوبارہ تھوڑا تھوڑا کرکے آسمان دنیا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک ایک تو خود ہی حقانیت کو حاوی ہے جو مضامین اس میں بیان کئے گئے اُن کی بنا رشاعرانہ تراش خراش اور دماغی بلند پردازی پر نہیں ہے بلکہ تمام مضامین حقائق سے لبریز ہیں۔ دوسرے یہ کہ اصول کے مخالف نہیں سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اُن کتابوں میں جو فطری اصول ہدایت بیان کئے گئے ہیں وہ اس میں بھی بیان کئے گئے ہیں تو چونکہ قانون فطری اور سنت الٰہیہ کے خلاف اس میں کوئی بات نہیں ہے لامحالہ خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ مِن قَبْلُ ۔ یعنی جس خدا نے قرآن کو دوبارہ نازل فرمایا اُسی نے توریت و انجیل کو اس سے پہلے ایک ایک بار نازل فرمایا تھا تو اُن کے منزل من اللہ ہونے اور صادق ہونے کا کیا ثبوت تھا۔ بس یہی تھا هُدًى لِّلنَّاسِ کہ یہ کتابیں طلبگاران ہدایت کے لئے باعث ہدایت تھیں اور لوگوں کو سیدھا راستہ بتاتی تھیں تو چونکہ یہی وصف قرآن کا ہے اسلئے یہ بھی خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے صرف توریت و انجیل ہی نازل نہیں فرمائی بلکہ ان کے علاوہ صحیفے اور کتابیں بھی اُتاریں جو حق و باطل کفر و اسلام، ظلم و انصاف، حق و ناحق اور فساد و امن کے درمیان فارق تھیں اُن کی ہدایت سے نور و تاریکی میں امتیاز ہو جاتا تھا اور راہِ حق صاف نظر آجاتی تھی۔ لہٰذا اس زمانہ میں خدا نے قرآن مجید اُتارا تاکہ حق و باطل اور گمراہی و ہدایت میں امتیاز ہو جائے إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ اب اسقدر دلائل حقانیت اور ثبوت رسالت کے بعد بھی جو لوگ قرآن کے منکر ہونگے اور رسول اللہ صلعم کی رسالت کو نہ مانینگے محض تمرد و سرکشی سے تکذیب کرینگے لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ تو ایسے باغیوں کے لئے ہی خدا کا عظیم الشان عذاب تیار ہے کبھی اس عذاب سے اُن کو رہائی نہ ہوگی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ خدا کس طرح عذاب دیسکتا ہے جزا سزا کیونکر ہوگی ہم تو مرکر فنا ہو جائینگے۔ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ کیونکہ خدا تو غالب و توانا ہے زبردست و قوی ہے۔ اُس پر کوئی غالب نہیں بلکہ وہ سب پر قوی ہے اپنے وعدہ و وعید کو پورا کرسکتا ہے کوئی شخص اُسکو روک نہیں سکتا اُن جو لوگ اُسکے پیام کے حاملین کو اور اُسکی نازل کردہ کتابوں کو نہیں مانتے اور اُسکے احکام سے سرتابی کرتے ہیں اُن کو سخت عذاب دینے والا بھی ہے لہٰذا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کا انکار کرنے والوں کو ضرور عذاب دیگا۔

مقصود بیان:۔ کل آسمانی کتابوں کا مطمح نظر اور نقطۂ خیال ایک ہی ہے یعنی لوگوں کو ہدایت کرنی اور راہِ راست دکھانی۔ قرآن پاک گذشتہ کتابوں کے اصول کی تصدیق و تائید کرتا ہے اگرچہ فروعی اختلاف بھی رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے گمراہوں کی ہدایت کے لئے ایسے روشن دلائل قائم کردیئے ہیں جن بصیرت اندوز دماغ دیکھ کر اور اُن پر غور کرکے ہدایت و صلاح کا مواد مہیا کرسکتے ہیں اور حق و باطل میں کھلا ہوا امتیاز کرسکتے ہیں۔ جو لوگ دلائل قدرت اور آیات الٰہی کو نہیں مانتے، مصنوعات کو دیکھ کر وجود صانع کا یقین نہیں رکھتے اور خدا تعالیٰ کے نازل کردہ احکام عدل کا انکار کرتے ہیں وہی حقیقی گمراہ ہیں اور عذاب کے مستحق ہیں کیونکہ اگر خود اُنہوں نے اپنی فطرت سلیمہ سے جستجوئے حق نہ کی تو آیات الٰہی کو دیکھ کر اعتراف صداقت کرنا چاہیئے تھا اور راہ راست پر آجانا لازم تھا اور چونکہ اُنہوں نے آیاتِ الٰہی سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا بلکہ اُلٹا حق کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کی لہٰذا یہی عذاب شدید کے سزاوار ہیں۔ آیت میں امور ذیل کی طرف بھی لطیف اشارات ہیں:—

خدا تعالیٰ واجب الوجود اور موجد عالم ہے۔ عالم اپنی ایجاد اور بقائے وجود دونوں میں اُس کا محتاج ہے۔ انسان کی فطرت قانون عدل بنانے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے ایک ضابطہ و اصلاح نازل ہونا ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ کا قانون عدل فطری ضابطہ ہے جنمیں سے ہر پچھلے قانون سے سابق قانون کی تائید ہوتی ہے اور تردید بھی ہوتی ہے تو صرف فرعی تغیر ہوتا ہے اصولی ترمیم نہیں ہوتی وغیرہ۔ حضرت عیسیٰؑ اپنی ہستی میں خدا کے محتاج تھے بقائے وجود میں بھی اُسی کے دست نگر تھے۔ لہٰذا خدا نہیں ہوسکتے۔ حضرت عیسیٰؑ کی ذات سے بقائے عالم وابستہ نہیں۔ لہٰذا خدا نہیں ہوسکتے۔ جو تمام صفات کمال کو جامع اور نقائص و عیوب سے پاک ہو وہی معبود برحق ہونیکا مستحق ہے اور اُسی کو خدائی زیبا ہے۔ حضرت عیسیٰ میں بحیثیت کمال نہ تھا آلائش بشریت سے پاک نہ تھے اپنی حیات میں مستقل نہ تھے لہٰذا خدا نہیں ہوسکتے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ
اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے نہ زمین میں

وَلَا فِي السَّمَاءِ ○ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ
نہ آسمان میں وہی رحم کے اندر جیسی چاہتا ہے

فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا
تمہاری صورت بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○
وہی زبردست حکمت والا ہے

تفسیر

اس آیت سے بھی حضرت عیسٰیؑ کے اللہ اور ابن اللہ ہونے کی تردید کرنی مقصود ہے اور الوہیت باری تعالیٰ کا اثبات مطلوب ہے۔ پہلی آیات میں حضرت عیسٰیؑ کے ابن اللہ ہونے کی دو دلیلیں بیان کی گئی تھیں۔ اول یہ کہ خدا کو حی لایموت ازلی ابدی اور واجب الوجود ہونا چاہیے اور حضرت عیسٰیؑ ایسے نہ تھے لہذا خدا نہیں ہو سکتے اور چونکہ بیٹا باپ کے مشابہ ہونا چاہیے اور حضرت عیسٰیؑ میں صفت مذکورہ نہ تھی لہذا ابن اللہ بھی نہیں ہو سکتے۔ دوسرے یہ کہ خدا موجد رازق مربی اور ہستی کائنات کے بقار کا سرچشمہ ہونا چاہیے اور حضرت عیسٰیؑ نہ موجد تھے نہ رازق نہ مربی نہ عالم کے بقار وجود کی علت لہذا خدا نہیں ہو سکتے اور چونکہ یہ صفات اُن میں نہ تھیں اگر ابن اللہ ہوتے تو ان صفات میں مشابہت ضرور ہوتی لہذا خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔ اس آیت میں تیسری دلیل بیان کیجاتی ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا کو عالم کل ہونا چاہیے عالم کا کوئی ذرہ اُس سے پوشیدہ نہ ہونا چاہیے اور خدا تعالیٰ سے آسمان و زمین یعنی عالم کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں ہے لہذا وہی خدا واحد قدوس ہے اور حضرت عیسٰیؑ میں یہ صفت نہ تھی اگر اُن کو کچھ علم بھی تھا تو خدا داد اور عطیہ الٰہی۔ لہذا نہ خدا ہو سکتے ہیں نہ خدا کے بیٹے
هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ۔ اس آیت سے نجرانی عیسائیوں کے سوال کا جواب اور تردید آمیز اثبات الوہیت ظاہر ہوتا ہے۔ عیسائیوں نے کہا تھا کہ اگر خدا عیسٰیؑ کا باپ نہیں تو اور کون ہے؟ ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ میں تم لوگ جھگڑا کر رہے ہو اور اُس کے باپ کا نام دریافت کر رہے ہو حالانکہ باپ کا وجود اور اُسکے وجود سے بیٹے کی ہستی کا وابستہ ہونا صرف ظاہر بین نظر رکھنے والوں کے لئے ہے درحقیقت پیدا کرنا باپ کا فعل نہیں اور نہ شکم مادر میں کسی بچہ کو ہیئت خاص اور شکل معین کا لباس پہنانا کسی باپ کے قبضہ میں ہے بلکہ خدائے قدوس ہی رحم مادر کی قوت مصورہ کے ذریعہ سے بچہ کو ایک صورت مخصوص عطا فرماتا ہے اور جو شکل عطا کرنی چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ کل عالم کا وہی خلاق ہے لہذا شکم مریمؑ میں عیسٰیؑ کو بھی اُسی نے پیدا کیا اور جو صورت چاہی مرحمت فرمائی اور تم کو یہ تسلیم ہے کہ آدمی کے بچوں کی طرح عیسٰیؑ شکم مادر میں رہے اور آدمیوں کی طرح پیدا ہوئے لہذا خدا نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن مسعودؓ اور بہت سے دیگر صحابہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ چالیس روز میں نطفہ رحم کے اندر بستہ خون کی شکل قبول کرتا ہے پھر چالیس روز میں مضغہ گوشت بنتا ہے پھر چالیس روز کے بعد شکل و ہیئت رنگ و طبیعت کی تکمیل ہوتی ہے پھر ایک فرشتہ کچھ مٹی لا کر اس قوام میں ملاتا ہے اور حکم الٰہی کے بموجب زیادہ شقی یا سعید ہونا اور رزق کی مقدار اور عمر کا اندازہ اور تمام آنے والے دکھ سکھ لکھتا ہے (پھر جب انسان پیدا ہوتا ہے تو سابق تحریر کے خلاف نہیں کر سکتا) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اس آیت میں کل دلائل الوہیت و وحدانیت کا خلاصہ بیان کر دیا گیا یعنی معبود برحق اُسکے سوا کوئی نہیں نہ کوئی سزاوار پرستش ہے وہ قادر مطلق ہے اپنی بادشاہت میں غالب ہے سب سے زیادہ قوی اور زبردست ہے پھر عالم کل حکیم علی الاطلاق بھی ہے کائنات کا کوئی ذرہ اُس سے مخفی نہیں اُسکی کوئی صنعت حکمت سے خالی نہیں لہذا وہی واحد قدوس معبود مطلق اللہ برحق وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔

مقصود بیان:- لوازم الوہیت کا بیان اور اس امر کا اظہار کہ خدا عالم کل ہے کسی سے ناواقف نہیں۔ دنیا میں جو فعل اچھا ہوتا ہے یا بُرا بڑا یا چھوٹا کلی یا جزئی خدا تعالیٰ کو بلا واسطہ سب کا علم ہے۔ خدا صاحب ارادہ ہے اور اپنے ارادہ سے جسطرح چاہتا ہے عالم کو پیدا کرتا ہے یعنی مضطر و مجبور نہیں اُس کا کوئی فعل اضطراری نہیں۔ رنگ قوام ترکیب اعضاء شکل، ہیئت بدنی، قوت و ضعف اور کل انسانی ساخت اُسی کے دست قدرت میں مرہون ہے۔ خدا قادر مطلق اور حکیم کامل ہے جسطرح اقتضاء حکمت ہوتا ہے ویسے ہی ہر شخص کی صورت اور کیفیت جسمانی بناتا ہے۔ وغیرہ۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ

(اے محمدؐ) اُسی نے تم پر کتاب نازل کی جسکی کچھ آیتیں تو

مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ

پکی ہیں جو کتاب کی جڑ ہیں اور کچھ دوسری دورُخی ہیں

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا

پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فساد پھیلانے اور (اپنی خواہش کے مطابق

تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ

مرادی معنی کی تلاش کے لئے دورُخی آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے

تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ

ہیں حالانکہ اُس کا اصل مطلب سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا اور

الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ

جو علم میں ثابت قدم ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اسپر ایمان لائے

كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل والے ہی نصیحت پذیر ہوتے ہیں

تفسیر

جب عیسائیوں کو اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے کوئی عقلی ثبوت نہ ملا اور ہر طرح عاجز ہو گئے تو جاہلانہ انداز میں کہنے لگے عیسٰیؑ کو

آسمانی کتابوں میں خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اور آپکے قرآن میں بھی اُن کو روح اللہ و کلمۃ اللہ کہا گیا ہے تو ہم اس بات کو اپنی عقل کے احاطہ سے خارج سمجھکر صرف کلامِ الٰہی کا اتباع کر کے حضرت عیسیٰ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس کا جواب خدا تعالیٰ نے ان چند آیات میں دیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہی قرآن پاک نازل فرمایا ہے جسکے اندر ہر قسم کا کلام ہے اور ہر کلام کا مقصود جدا ہے۔ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ اُس میں کچھ کلام تو بالکل صریح اور واضح ہے جسکا مطلب بالکل صاف ہے تاویل اور احتمال کی گنجائش ہی نہیں یہی کلام قرآن شریف کا سنگ بنیاد ہے اسی پر احکام شریعت، اصلاح اور سعادتِ آخرت کا مدار ہے۔ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور کچھ کلام اُس کتاب میں ایسا بھی ہے کہ کسی مصلحت اور رمز کی وجہ سے اُسکے الفاظ ایسے لائے گئے ہیں جنکے کئی معنی اور پیچیدہ مطلب ہوتا ہے اور ہر پہلو دوسرے پہلو کا ہمسر ہوتا ہے (مثلاً لفظ ابن سے حقیقی بیٹا مراد ہوتا ہے کبھی بھتیجا بھی مراد ہوتا ہے جیسے ابراہیم بن آزر حالانکہ ابراہیم بن تارخ تھے اور تارخ آزر کے بھائی کا نام تھا اور کبھی پیار میں نوکر اور بندہ کو بھی بیٹا کہدیا جاتا ہے۔ اسی طرح باپ کے لفظ سے حقیقی باپ مراد ہوتا ہے اور کبھی مجازی باپ یعنی بادشاہ ذی مرتبہ لوگ بھی مراد ہوتے ہیں اور کبھی پروردگار عالم بھی مراد ہوتا ہے) فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ اب جن لوگوں کے دماغ کج رو ہیں وہ ان مبہم الفاظ کے پیچھے پڑجاتے ہیں (حالانکہ ان پر اصل مقصود یعنی اصلاح باطن کا مدار نہیں ہوتا) یہ بات کیوں کرتے ہیں ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ صرف اسلئے کہ اپنی خواہش کے موافق اُن الفاظ کے معانی گھڑلیں اور فتنہ و فساد کی طلب میں سرگرم ہوں یعنی اپنے اغراض نفسانی کی تکمیل کے لئے کج باطن لوگ متشابہات کے پیچھے پڑجاتے ہیں اور اپنے باطل عقائد کو ان متشابہ مبہم الفاظ سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ حالانکہ ان مبہم الفاظ کے اصل معانی اور واقعی مراد کا علم سوائے خدا کے کسی کو بھی نہیں (اور ان کو کتاب الٰہی میں صرف آزمائش کے لئے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ہر فرقہ کا اُس کی قابلیت کے لحاظ سے امتحان ہوتا ہے جاہل طبقہ کا امتحان تو اس طرح ہوتا ہے کہ اُسکو غور و فکر کرنے اور علم حاصل کرنے کی کوشش کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ذی علم طبقہ کی آزمائش کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بعض امور میں اُن کو دماغی جولانی سے روکا جاتا ہے اور چونکہ کتاب الٰہی ہر دو فرقوں کیلئے ہدایت ہے اسلئے آزمائش کے دونوں طریقے پیش نظر رکھے گئے تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون احکام الٰہی کی تعمیل میں اپنی دماغی قربانی کرتا ہے اور کون گریز کرتا ہے) وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا باقی جو لوگ اہل علم اور خدا پرست ہیں وہ ان ظاہر الفساد معانی کو ترک کر کے اُس کلام کی اصلی مراد کو خدا کے سپرد کردیتے ہیں کہ ان مبہم الفاظ کی اصلی غرض کا اسی کو علم ہے ہماری سعادت کا اسکے جان لینے پر مدار نہیں ہے۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ اور سمجھانے سے وہی لوگ سمجھتے ہیں جو سمجھدار ہیں جن کے دماغ ٹھوس ہیں۔ عقلمند ہی جانتے ہیں کہ قرآن میں متشابہات کو ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے اور ہم کو ان پر غور و خوض کرنے سے کیوں منع کیا گیا ہے۔

خلاصۂ مدعا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے واسطے خدا تعالیٰ نے روح اللہ اور کلمۃ اللہ وغیرہ نہایت مہربانی محبت اور خصوصیت کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور حضرت عیسیٰ بھی محبت میں اللہ کو باپ کہدیا کرتے تھے کیونکہ حقیقی رب اور خالق برحق وہی ہے لیکن عیسائیوں کو اُن کی غلط فہمی اور کور دماغی نے کافر بنا دیا۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کو واقعی خدا کا بیٹا سمجھ بیٹھے۔ عیسائیوں کی تردید میں خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہماری بعض باتیں ایسی مبہم اور مشتبہ المراد ہیں جن کا اصل مطلب بس ہم ہی جانتے ہیں (یا قرآن و حدیث کے ذریعہ سے صراحۃً یا اشارۃً بتا دیتے ہیں) گمراہ لوگ اپنی طرف سے اُن کے معانی ایجاد کرنے لگتے ہیں یہ اُن کی غلطی ہے۔

مقصود بیان:- قرآن میں دو قسم کی آیات ہیں۔ اول تو وہ آیات جن کے معانی واضح ہیں۔ دوم وہ آیات جو مبہم اور مشتبہ المعنی ہیں۔ آیات محکمات پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ آیات متشابہات کا نزول صرف علماء اور ذی عقل طبقہ کی آزمائش کے لئے ہوا ہے۔ متشابہات کے حقیقی معنی اور اصل تاویل سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں۔ راسخ فی العلم وہی لوگ ہیں جو بلا چون و چرا کل قرآن کو خدا کی طرف سے نازل شدہ جانتے ہیں وغیرہ۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ

اے ہمارے رب راہ راست پر لانے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا کر

هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

ہم کو اپنی سرکار سے نعمت عطا فرما بے شک تو

الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ

بڑا دینے والا ہے اے ہمارے رب تو بیشک اُس روز لوگوں کو جمع کریگا جسکے

لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ع

وجود میں کوئی شک نہیں ہے بلاشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے

تفسیر یہ راسخین فی العلم کا قول ہے یعنی جب کامل مؤمن دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص مبہم آیات کے پیچھے پڑا ہوا ہے تو کہتے ہیں الٰہی جسطرح تو نے ان لوگوں کے دل حق سے پھیر دیئے کہ یہ متشابہات پر غور و خوض

کرنے لگے اس طرح تو ہمارے دلوں کو حق سے نہ پھیر دینا کیونکہ تو ہمکو ہدایت کر چکا ہے اور متشابہات پر غور و خوض نہ کرنے کی نصیحت کر دی ہے اور داعیہ خیر ہمارے دلوں میں تو نے پیدا کر دیا ہے لہذا اب داعیہ شر ہمارے دلوں میں پیدا نہ کر دینا۔ حدیث میں وارد ہے کہ بنی آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جسطرح چاہتا ہے اُن کو پھیر دیتا ہے۔

وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ یعنی اگرچہ ہم کو کوئی استحقاق نہیں نہ ہم کسی معاوضہ کے حقدار ہیں۔ نہ ہم نے ایسی اطاعت و فرمانبرداری کی ہے کہ ہم کو اجر دینا تجھپر واجب ہو جائے پھر بھی تو ہم کو اپنی طرف سے ہمارے ذاتی استحقاق کے بغیر ہر طرح کی رحمت عطا فرما۔ رزق، معاش، تندرستی، قوت جسمانی، دولت و عزت، جاہ و حکومت امن و عافیت، اولاد وغیرہ عطا کر۔ خصوصًا نور ایمان اور روشنی توحید سے ہمارے دلوں کو منور کر جسکے انوار ہمارے ظاہری اعضاء پر بھی نمودار ہوں پھر مرنے کے وقت سکرات سے محفوظ رکھ۔ قبر اور حشر کے عذاب سے بچا اور بالآخر اپنا دیدار نصیب فرما کیونکہ تو بلا استحقاق بخشنے والا ہے۔ لہذا تجھی سے رحمت کی امید ہے۔ ہم نے یہ دینی سعادت کی خصوصیت اس وجہ سے کی ہے کہ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ تو لامحالہ بلاشک و شبہہ ایک دن سب اگلے پچھلے لوگوں کو جمع فرمائیگا اور اُن کو حساب کتاب کے بعد عذاب ثواب دیگا اور وعدہ ضرور پورا ہوگا کیونکہ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ہ یہ وعدہ خدا کا ہے اور خدا تمام عیوب سے پاک ہے اس لئے وعدہ خلافی بھی نہیں کرتا کیونکہ وعدہ خلافی بھی عیب ہے۔ لہذا تو ہم کو ہدایت پر قائم رکھ اور اخروی سعادت سے فیض یاب فرما۔

مقصود بیان: گمراہ کرنا اور ہدایت پر لانا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ خدا تعالیٰ ہی انسان کے دل میں شر و خیر کا داعیہ پیدا کرتا ہے۔ ہدایت کے بعد گمراہی زبردست ضلالت ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کی درخواست کرنی لازم ہے۔ قیامت اور حشر جسمانی ضرور ہوگا۔ خدا تعالیٰ پر لازم نہیں کہ کسی بندہ کو ثواب عطا فرما دے یا کوئی نعمت بھی دے۔ وہ خود بلا استحقاق اور بلا معاوضہ بندوں کو دنیوی نعمتوں سے بھی سرفراز کرتا ہے اور آخرت میں بھی مؤمنوں کو سعادت عطا فرمائیگا۔ خدا تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے اسکی ذات سے وعدہ کی خلاف ورزی محال ہے۔ آیت میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ دنیا و دین کی ہر چیز خدا ہی سے طلب کیجئے۔ خصوصًا نجات اخروی کے لئے تو دعا کرنی بہت زیادہ لازم ہے۔ وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ

جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے مال اور اُنکی اولاد خدا کے سامنے بالکل کام

وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ

نہ آئے گی اور یہی لوگ

هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ

دوزخ کا ایندھن ہیں (ان کی حالت بھی) فرعون والوں

وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اور اُن سے پہلے والوں کی سی ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ

تو اللہ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُنکی گرفت کی اور اللہ کا عذاب سخت ہے

تفسیر سابق آیت میں اہل ایمان کی حالت کا بیان تھا اس آیت میں مؤمنوں کی ضد یعنی کافروں کی حالت کا تذکرہ ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں کی وہ مالی اور خاندانی قوت جو دنیا میں اُن کو حاصل تھی خدا کے عذاب کا کوئی ذرہ دفع نہ کر سکیگی۔ خدا کے مقابلہ میں مال و اولاد کے کام نہ آنے کی دو صورتیں خیال میں آ سکتی ہیں یا دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ خدا کے فضل و رحمت کی ضرورت ہی نہو اُسکی بجائے مال و اولاد ہی کافی ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ مال و اولاد خدا کے مقابل ہو کر اُسکے عذاب سے بچالے۔ آیت میں دونوں کی نفی کر دی گئی۔ ہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال کا نافع ہونا یا ولد صالح کا صدقۂ جاریہ بننا اور اولاد کی نیکو کاری سے باپ کا منتفع ہونا اور بات ہے۔ اسکو مقابلہ میں کام آنا نہیں کہا جاتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سختی کے وقت آدمی اپنے مال و اولاد پر بھروسہ کر کے سختی کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے لیکن قیامت کی حالت دنیا کی حالت سے خلاف ہے وہاں کوئی چیز عذاب الٰہی کے مقابلہ پر سودمند نہو گی یہانتک کہ دنیوی مال و منال اور کثرت اولاد بھی عذاب خدا کو دفع نہ کر سکیگی بلکہ أُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ یہ کافر طبقہ دوزخ کا ایندھن ہوگا جسطرح ایندھن میں آگ جلد لگجاتی ہے اسی طرح ان میں آگ کی تاثیر ہوگی۔ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا۔ یعنی ان کافروں کا طریقہ (تکذیب رسول اور انکار حق) ایسا ہی ہے جیسے فرعون کے طرفداروں کا حضرت موسیٰ اور شریعت موسی کے ساتھ تھا یا اُن سے بھی قبل عاد و ثمود و طسم و جدیس وغیرہ اقوام کا تھا جنہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی تھی اور پھر فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ اُن کی سرتابیوں کی اور خطا کاریوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اُن کی گرفت

کی بھی اور عذاب میں مبتلا کیا تھا کیونکہ خدا کا عذاب سخت ہے جسطرح گذشتہ سرکش اقوام کو انکار حق کرنے کے بعد اُن کی دولت و قوت خدا کے عذاب سے نہ چھڑا سکی اسی طرح اس گناہگار کفر شعار طبقہ کو بھی کوئی طاقت خدائی گرفت سے نہ بچا سکے گی۔

مقصود بیان:- الکفر کفر ملۃ واحدۃ کی طرف اشارہ یعنی کفر کسی قسم کا ہو کفر ہے۔ فرعون کے ساتھی بلکہ اُس سے بھی پہلے کے کافر اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافر خواہ نجران کے عیسائی ہوں یا مدینہ کے یہود یا عرب کے مشرک بلکہ آئندہ آنیوالے کافر بھی سب ایک حکم میں مندرج ہیں کسی قسم کا کفر ہو اور کسی فرقہ کا ہو اور کسی زمانہ میں ہو سب غضب الٰہی کا موجب ہے۔ آیت میں لطافت آمیز طریقہ پر دنیوی قوت و دولت کی بے ثباتی بے وقعتی اور بے سود ہونے کیطرف اشارہ کیا گیا ہے اور نتیجہ کی حالت کا نقشہ کھینچکر ظاہر کر دیا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت غضب الٰہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایک یہ امر بھی آیت سے واضح ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں ہے۔ بےقصور کسی کو سزا نہیں دیتا بلکہ انسان کی خطا کاریاں خود سبب عذاب بنتی ہیں۔ وغیرہ۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ

(اے محمدؐ) کافروں سے کہدو کہ عنقریب تم مغلوب ہوگے اور دوزخ کی طرف

اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○

ہانک کر لیجائے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے

تفسیر حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ بدر سے کفار کو شکست دینے کے بعد واپس آئے تو بازار بنی قینقاع میں یہودیوں کو جمع کرکے فرمایا اے جماعت یہود مسلمان ہو جاؤ ورنہ قریش کی طرح تم کو بھی ذلت اٹھانی پڑیگی۔ یہودی بولے محمد! قریش تو بالکل ناتجربہ کار اور جنگ سے ناواقف تھے اُن کو شکست دیکر تم کو مغرور نہ ہونا چاہئے۔ جب ہم سے لڑوگے تو معلوم ہوگا کہ ہم کس قدر بہادر جنگ آزما اور ثابت قدم ہیں اُسوقت آیت مذکورہ لاولی الابصار تک نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ ان کافر یہودیوں سے آپ کہدیجئے کہ گھبراؤ نہیں عنقریب تم مغلوب ہوگے اور تم کو ذلت اٹھانی پڑیگی۔ یہ پیشینگوئی قرآن کا ایک نہایت واضح اکھلا ہوا اعجاز ہے۔ قبل از وقت بطور دعویٰ کے یہودیوں کے مغلوب ہونے کی صراحت کی گئی اور یہ نہیں فرمایا گیا کہ جنگ میں تم کو شکست ہوگی بلکہ جنگ میں شکست ہو یا جلاوطنی کی ذلت ہو یا کسی قسم کی اور مغلوبیت ہو سب کا عمومی اعلان کر دیا گیا اور یہ اعلان حرف بحرف پورا ہوا۔ خیبر کے یہودیوں نے جزیہ دیا۔ بنو قریظہ قتل کئے گئے اور بنو نضیر کو مدینہ چھوڑکر ملک شام کو جلاوطن ہونا پڑا۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ یعنی دنیوی ذلت و مغلوبیت ہی تم کو نصیب نہوگی بلکہ تم کو دولت ایمان آخر تک نصیب نہوگی اور قیامت کے دن جہنم میں جانا پڑیگا۔ یہ بھی ایک پیشینگوئی ہے کہ یہودی ایمان نہیں لائینگے بلکہ آخر وقت تک کافر ہی رہینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہودی ایمان نہ لائے

مقصود بیان:- دشمنان اسلام کی ذلت کی صراحت اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ اعدائے دین کے پاس دولت ہو یا قوت جرأت و ہمت ہو یا وجاہت بہرحال اُن کی کوئی طاقت حق پر غالب نہیں آسکتی اور بالآخر حقانیت کے سامنے باطل کو سر جھکانا پڑتا ہے۔ آیت میں آئندہ واقعات کے متعلق صراحت کے ساتھ اعلان بھی ہے اور اعجازی پیشینگوئی بھی ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ

ابھی تمہارے لئے اُن دو فوجوں (کی لڑائی) میں نمونۂ قدرت ہو چکا ہے

فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ

جو ایک دوسرے سے گتھ گئی تھیں ایک تو راہِ خدا میں لڑ رہی تھی اور دوسری کافر

یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ

تھی جو مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے اپنی دو چند دیکھ رہی تھی اور اللہ جسکو چاہتا ہے اپنی

بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ○

مدد سے قوت دیتا ہے آنکھوں والوں کے لئے اسمیں بلاشبہ عبرت ہے

تفسیر پہلی آیت میں پیشینگوئی کی گئی تھی کہ یہودیوں کو باوجود قوت عزت اور شان و شوکت کے مسلمانوں کے مقابلہ میں ذلت اٹھانی اور ذلت کھانی پڑیگی۔ اس دعویٰ سے کافر و مسلمان ہر شخص کے دل میں یہ بات پیدا ہو سکتی تھی کہ کفار کے پاس دولت طاقت اور عزت ہے۔ مسلمان غریب مفلس ہیں نہ انکے پاس طاقت ہے نہ دولت نہ سامان جنگ فنون حرب سے واقفیت۔ پھر یہ ضعیف جماعت کس طرح اس قدر کثیر اور عظیم الشان گروہ پر غالب آسکتی ہے۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے بطور مثال کے جنگ بدر کا واقعہ ذکر کیا ہے جسمیں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی بالکل بے سر و سامان تھے اور کفار کی جماعت کثیر تھی قوت و سامان بھی انکے پاس بہت زائد تھا لیکن اسکے باوجود خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحیاب فرمایا اور سرداران کفر مارے گئے۔ جنگ بدر کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو چھوڑکر مدینہ تشریف لے آئے تب بھی کفار کی ستم شعاریاں اور مسلم آزاریاں ختم نہوئیں طرح طرح سے مسلمانوں کو تنگ کرنے

کی کوشش کی جاتی تھی کبھی مدینہ کے یہودیوں کو اغوا کر کے مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جاتا تھا کبھی مسلمانوں کی بیرونی تبلیغ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کی جاتی تھیں جو لوگ مسلمان ہو کر مدینہ آنا چاہتے تھے اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ جب مسلمان بہت تنگ ہو گئے تو اُنہوں نے بھی کفر کا زور توڑنا چاہا اور ایسی تدبیریں کرنی چاہیں کہ اسلام کو قوت اور کفر کو شکست ہو ماہ رمضان میں ۳۱۳ مسلمان جمع ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب کو ہمراہ لیکر مدینہ سے چل دیے تاکہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جو ملک شام سے آرہا تھا اُسکو راستہ میں روک دیں۔ ابوسفیان کو بھی اسکی اطلاع ہو گئی اور وہ کسی دوسرے راستہ سے بچکر نکل گیا۔ اُدھر مکہ کے قریش کو جب اطلاع ہوئی کہ مسلمان قریش کے قافلہ کو لوٹنا چاہتے ہیں تو اُن کا بھی ایک انبوہ کثیر عتبہ بن ربیع کی زیر قیادت چل دیا اور چاہ بدر (اس کنوئیں کو بدر اسلئے کہتے ہیں کہ یہ بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ کا بنایا ہوا تھا۔ اصل بانی کے نام پر کنوئیں کا نام رکھدیا گیا) کے قریب مسلمانوں اور کافروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مسلمان کل ۳۱۳ تھے جنمیں مقداد بن عمرو اور مرثد ابن ابی مرثد صرف دو شخص گھوڑے کے سوار تھے یعنی صرف دو گھوڑے تھے اور ستر اونٹ تھے۔ آٹھ تلواریں اور چھ زرہیں تھیں باقی لوگوں کے پاس لٹھ پتھر تبر وغیرہ تھے۔ اس جماعت مسلمہ میں ۷۷ مہاجرین اور ۲۳۶ انصار تھے۔ مہاجرین کے علم بردار حضرت علی رض اور انصار کے صاحب نشان سعد بن عبادہ تھے۔ کفار کے لشکر کی تعداد ۹۵۰ تھی۔ عتبہ بن ربیعہ اور ابوجہل وغیرہ اُن کی فوج کے سردار تھے اور سو گھوڑے اُن کے پاس تھے۔ شروع میں مسلمان کافروں کی تعداد کو اپنی آنکھوں سے بہت زیادہ دیکھتے تھے لیکن جنگ شروع ہو جانے اور غیبی فرشتوں کی کمک آنے کے بعد ہر دو فریق ایک دوسرے کو قلیل جانتے تھے۔ بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ابوجہل، عتبہ اور دیگر سرداران قریش مارے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو چاہ بدر میں پھنکوا دیا اب ہم تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ تم کو جنگ بدر کے واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے جب میدان میں مسلم و کافر ہر دو فریق ایک دوسرے کے مقابلہ پر صف آرا ہوئے۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ایک فرقہ تو محض خوشنودئ خدا حاصل کرنے اور اُسکا بول بالا کرنے کے لئے لڑ رہا تھا وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ اور دوسرا فرقہ کافر تھا محض عناد و تعصب اور باطل کوشی کے لئے اڑ رہا تھا۔ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ یہ مسلمان کافر گروہ کو (شروع میں) اپنے سے دوچند یعنے بہت زیادہ دیکھ رہے تھے اور اپنی آنکھوں سے کفار کی کثرت معائنہ کر رہے تھے لیکن وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ کامیابی اور ظفر فوج کی قوت و ضعف پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ فتح کا دارومدار خدا کی مدد پر ہے اور خدا اپنی مدد سے جسکو چاہتا ہے سرفراز فرماتا ہے اور جسکو چاہتا ہے ظفریاب کرتا ہے۔ لہذا اُسی نے مسلمانوں کو کامیاب و کفار کو مغلوب کیا۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ۔ اس واقعہ میں صاحبان بصیرت کے لئے ایک ذخیرۂ عبرت ہے کہ خدا تعالیٰ نے حق کوش قلیل جماعت کو باطل پرست کثیر جماعت پر ظفریاب فرمایا لہذا تم کو اس سے عبرت حاصل کرکے ایمان لے آنا چاہئے اور مادی طاقت پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے۔

مقصود بیان: حق باطل پر غالب آتا ہے اگرچہ بظاہر باطل کا غلبہ نظر آئے۔ خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی مدد کرتا ہے اور اُن کو ذلیل نہیں ہونے دیتا۔ کامیابی کا دارومدار مادی طاقت اور افرادی کثرت پر نہیں ہے بلکہ ظفر و فتح خدا کی امداد کے ساتھ وابستہ ہے۔ آیت میں لطیف ترین پیرایہ میں صداقت و حقانیت کی طرفداری کرنے اور ایمان و اسلام کی طرف مائل ہونے اور غیبی قوت پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ وغیرہ۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ

لوگوں کے لئے آراستہ کر دی گئی ہے خواہشات کی محبت یعنی عورتیں

وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ

بیٹے سونے اور چاندی کے ڈھیر

الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

لگے ہوئے اور شائستہ گھوڑے

وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ

اور مویشی اور کھیتیاں مگر یہ دنیوی زندگی کا سروسامان

الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ

ہے اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں نہایت لطافت و بلاغت کے ساتھ دعوت اسلام دی گئی تھی۔ اسلام سے روکنے والے اور ایمان سے منع کرنے والے کچھ اسباب بھی ہیں جن کو حیات دنیا کا سروسامان کہا جاتا ہے لہذا تکمیل دعوت کے لئے لازم سمجھا گیا کہ اس ارباب تعیش کی بے ثباتی اور فنا کا نقشہ کھینچکر لوگوں کے سامنے رکھدیا جائے تاکہ ان جاذب توجہ اسباب سے اُن کی طبیعت برداشتہ ہو کر حق کی طرف راغب ہو جائے ارشاد ہوتا ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ دنیا کے رہنے والے افراد انسانی کے لئے خواہشات نفس کے حصول کی محبت فطری طور پر باعث دلکشی بنا دی گئی ہے انسان کو اپنی نفسانی خواہش

سکے پیدا ہونے کی بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے لیکن اسکی دلکشی کے اسباب جدا جدا ہیں مثلاً عورتیں اور لڑکے ۔ عورتوں سے مردوں کو جسقدر دلبستگی اور اُنس ہوتا ہے وہ کسی اور چیز سے نہیں ہوتا ۔ انہی کی محبت انسان کو دونوں عالم سے غافل بلکہ خود فراموش کر دیتی ہے پھر عموماً لوگ یہی خواہش کرتے ہیں کہ ہمارے لڑکے ہوں لڑکیاں نہوں تاکہ وقت پر ہمارے لئے مددگار و معین بھی ہو سکیں اور ہمارے جانشین بھی بن سکیں لیکن اس نظام تمدن اور بقاء حیات کے لئے مال کی بھی ضرورت ہے ۔ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ لہذا انسان کو سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیروں سے بھی دلی شغف اور اُنس خاطر ہوتا ہے پھر اسکے بعد آرام و آسائش اور عیش و طرب کے مظاہرہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اسکے لئے عمدہ گھوڑوں کی اور مختلف چوپایوں کی خواہش ہوتی ہے لیکن ان سب کا باعث بقاء و سبب قوام چونکہ غذا ہے خواہ غلہ ہو یا میوہ یا کچھ اور بہرحال ان سب کے پیدا کرنے کے لئے کھیتی اور کاشت کی ضرورت پڑتی ہے ۔ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ سب دنیوی زندگی کی ضروریات یا عیش و طرب کا سامان ہے جسکی طرف سطحی نظر والے انسان کو کشش ہوتی ہے ۔ عموماً انسان اپنی فطری اقتضاء کی وجہ سے ان محسوس اور نیم محسوس فانی چیزوں پر فریفتہ ہوتا ہے لیکن وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ عمدہ ٹھکانا تو خدا ہی کے پاس ہے جو وسیع اور لازوال نعمتیں اور روحانی و جسمانی لذتیں خدا کے پاس ہیں اُنکے مقابلہ میں یہ فانی عیش و طرب کے سامان ہیچ و بے مقدار ہیں لہذا عاقل انسان کو اس ملمع نقش و نگار اور بے حقیقت سامان تعیش پر غش نہونا چاہئے ۔ ان چیزوں کو بقدر ضرورت صرف اس خیال سے استعمال کرنا چاہئے کہ حقیقی غیر فانی زندگی اور دائمی لازوال نعمتیں حاصل ہوں ۔

مقصود بیان :۔ انسان کے فطری شہوانی اقتضاء کا بیان ۔ اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ انسان لذت جنسی حاصل کرنے اور اپنی نسل باقی رکھنے کے لئے سب سے اول عورتوں کی طرف مائل ہوتا ہے پھر اس ازدواجی تعلق سے جو نتیجہ اور پھل حاصل ہوتا ہے اُس میں سے عمدہ اور بہترین ثمرہ کا یعنی لڑکے کا طالب ہوتا ہے لڑکی کو پسند نہیں کرتا ۔ پھر چونکہ قوام حیات اور تدبیر خانگی کے لئے مال و دولت کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے سونے چاندی کے ڈھیروں کا طلبگار بنتا ہے پھر اسکو نام و نمود اور ضرورت سے زائد آسائش کی خواہش ہوتی ہے اور اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے تو مویشیوں اور سواریوں کی طرف رغبت کرتا ہے اور آخیر میں چونکہ یہ فانی زندگی بغیر غذا کے قائم نہیں رہ سکتی اسلئے کھیتی کی ضرورت پڑتی ہے ۔ آیت میں اس بات کی طرف بھی خاص تلمیح ہے کہ یہ تمام چیزیں فانی ہیں انسان کو لازم ہے کہ ان کو دنیا منتہائے نظر نہ بنائے بلکہ اُن روحانی و جسمانی لذتوں کی طرف مائل ہو اور اُنہی کو اپنا مرکز خیال بنائے جو خدا تعالیٰ کے پاس موجود ہیں اور لازوال ہیں ۔ وغیرہ ۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ

(اے محمد) تم کہدو کیا ان سب سے بہتر چیزیں میں تم کو بتاؤں پرہیزگاروں

اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کے لئے اُن کے رب کے ہاں گھنے باغات ہیں جن کے اندر

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ

نہریں جاری ہیں جنمیں وہ ہمیشہ رہینگے اور صاف ستھری بیبیاں ہیں

وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اور اللہ کی خوشنودی ہے اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں دنیا کی ناپائیداری دکھا کر اسکی طرف سے بے اعتنائی اور بے التفاتی کی جانب توجہ دلائی گئی تھی اس آیت میں آخرت کی نعمتوں کی طرف رغبت دلائی جا رہی ہے اور چونکہ ان نعمتوں سے سرفراز ہونے والے صرف وہی لوگ ہیں جو دنیا اور آسائش دنیا کو اپنا مرکز خیال نہیں بناتے ہیں بلکہ ان تمام کدورتوں اور آلائشوں سے دامن بچا کر نکل جاتے ہیں اسلئے آگے ارشاد ہوتا ہے لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی اے رسول کہدیجئے کہ کیا اس فناپذیر دنیوی سامان سے بہتر چیز جو عاقل کے لئے مرکز توجہ ہونی چاہئے میں تم کو بتا دوں وہ کیا چیزیں ہیں جو انسان کا اصلی مطمح نظر ہونے کے قابل ہیں ۔ وہ اس فانی دنیا کی طرف سے بے التفاتی کرنے والوں کے لئے خدا کے پاس جسمانی اور روحانی لذتیں ہیں ۔ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جسمانی لذائذ میں سے تو وہ جنتیں ہیں جنکے اندر نہریں بہتی ہونگی (جنمیں رنگا رنگ کے پھول خوش الحان پرندے اور بہترین نفیس مکانات ہونگے ۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جنتی لوگ ان میں ہمیشہ رہینگے نکالے جانے کا اندیشہ نہ ہوگا ۔ وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اور وہاں خوبصورت خوش سیرت ہر کثافت و نجاست سے پاک حیض و نفاس اور تمام آلائشوں سے منزہ بیویاں ہونگی یعنی مادی نظر رکھنے والے انسان کے دماغ میں جو لذتیں آسکتی ہیں وہ سب وہاں ہونگی مگر ہونگی سب لازوال بلاخوف وخطر کدورت و آلائش سے پاک ۔ باقی جو لوگ اونچی نظر رکھتے ہیں اور جلوۂ محبوب کے طالب ہیں اُن کے لئے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ جسمانی جنت اور سامان جنت کے علاوہ ایک روحانی جنت بھی ہوگی جسکی پر کیف سرمستی سے وہ ہر وقت مخمور رہینگے وہ لطف آمیز مدہوشی تھوڑی

سی بھی بہت بڑی ہوگی یعنی رضاء الٰہی کا حصول اور نور قدس کی لمعہ پاشی مذکورۂ بالا تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہوگی۔ وَاللّٰهُ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ یہ آیات بالا کے کل مضمون کے متعلق ایک اجمالی حکم ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال اقوال اور نیت کو خوب دیکھ رہا ہے اسکو معلوم ہے کہ کس کا فعل کس ارادہ سے ہے لہٰذا ویسی ہی اسکو جزا دیگا لیکن کم از کم شرک سے بچنے کے بعد جنت کا استحقاق ہوجاتا ہے۔ اب رہے مدارج جنت تو وہ افعال و اعمال کے تفاوت کے لحاظ سے متفاوت ہیں جیسے جیسے اعمال ہونگے ویسے ہی اسکے رتبے ہونگے کسی کو جنۃ الیقین ملیگی کسی کو جنت مکاشفہ کسی کو جنت مشاہدہ۔ یہانتک کہ جن کے اعمال کا دار مدار صرف مرضی الٰہی کے حصول پر ہے وہ رضوانِ الٰہی کے درجہ پر فائز ہونگے

مقصود بیان: - خدا تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے لئے جسمانی و روحانی لذائذ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ چونکہ تقویٰ کے مراتب مختلف ہیں اسلئے ان لذائذ کے درجات بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جو لوگ صرف شرک سے بچتے ہیں اعمال کی اصلاح نہیں کرتے وہ جسمانی لذت یعنی جنت پانے کے مستحق ہوجاتے ہیں اور جو لوگ اعمال اقوال اور اطوار کی بھی اصلاح کرتے ہیں اور دنیا و مافیہا کی رضاءِ الٰہی کے حصول کے مقابلہ میں پرواہ نہیں کرتے وہ رضوانِ الٰہی کے مستحق ہیں۔ آیت سے امور ذیل کی بھی وضاحت ہورہی ہے :- جنت ہمیشہ رہیگی اور اہل جنت وہاں ہمیشہ رہینگے۔ جنت کی معمولی نعمت دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے لیکن جنت کی تمام نعمتوں سے تھوڑی سی رضوانِ الٰہی بڑھ کر ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کی حالت سے ناواقف نہیں ہے جس شخص کے جس نیت سے اور جتنے اعمال ہونگے ویسی ہی اسکو جزا ملیگی۔

نتیجۂ آیت کیا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا دوام۔ دنیوی عیش و طرب کی بے قداری اور آخرت کی رفعت شان۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم بلاشبہ ایمان لائے پس ہماری

لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ

خطائیں معاف کرنے اور ہمکو دوزخ کے عذاب سے بچا لے (قابل مدح حالت پر گزرنے والے)

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ

صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور اللہ کے فرمانبردار اور راہ خدا میں خرچ کرنیوالے

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝

اور وقت آخر شب میں استغفار کرنے والے ہیں

تفسیر

یہ بندوں کی حالت کا بیان ہے یعنی وہ خدا کے بندے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے رب ہم ایمان لے آئے تیری ذات و صفات کو لاشریک جانتے ہیں تیرے رسول کی بھی ہم نے تصدیق کی اور حشر نشر، جنت دوزخ، ملائکہ، انبیاء وغیرہ کو بھی مانتے ہیں لیکن گناہگار ہیں گو ہمارا عقیدہ خالص ہے ہم مشرک نہیں ہیں مستحق نجات ہوگئے ہیں مگر ہمارے اعمال درست نہیں ہیں ہم خطاکار بندے ہیں اور تو اپنے وعدہ کے بموجب فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہم کو جنت تو ضرور عطا فرمائیگا لیکن ہماری درخواست ہے کہ ہمارے گناہوں سے درگزر فرما۔ ہماری خطاکاریوں کا کوئی مواخذہ نہ کر اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بالکل ہی نجات دیدے اور شروع سے ہم کو مرحمت فرما دے۔ اس سے آگے نیک اعمال فرمانبردار بندوں کا بیان ہے جنھوں نے ایمان کے ساتھ ساتھ نیکوکاری کو اپنا شعار بنایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :- اَلصّٰبِرِيْنَ یعنی خصوصیت کے ساتھ نیک بندے وہ ہیں جو طاعت الٰہی پر اپنے نفوس کو قائم رکھتے ہیں اور ناجائز خواہشات نفسانی سے کنارہ کش رہتے ہیں اور اپنی نفسانی قوتوں کو شریعت کے بموجب روکتے ہیں۔ وَالصّٰدِقِيْنَ دوسرے وہ لوگ ہیں جو زبان کے ہاتھ کے پاؤں کے اور ہر عمل کے سچے ہیں۔ زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں تو اعمال بھی ویسے ہی کرتے ہیں شریعت کے ہر حکم کو سچا جانتے ہیں وَالْقٰنِتِيْنَ تیسرے وہ لوگ جو عبادت الٰہی میں سرگرم ہیں خدا سے ہر وقت ڈرتے ہیں اور عاجزی سے اسکے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔ وَالْمُنْفِقِيْنَ چوتھے وہ لوگ ہیں جو راہِ خدا میں اپنا حلال مال خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور زکوٰۃ کے علاوہ اسلام و مسلمانوں کی تقویت کے لئے خیرات بھی کرتے ہیں۔ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ پانچویں وہ لوگ ہیں جو پچھلی رات خواب غفلت اور راحت و آرام کو چھوڑ کر اٹھتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کے خاص بندے ہیں جن کے واسطے جنت میں عالی درجات ہیں۔

مقصود بیان: - شرک کرنے ہی سے جنت کا استحقاق ہوجاتا ہے لیکن اعمال کی سزا اٹھانے کے بعد جنت میں داخلہ ہوگا یا خدا شروع سے معاف فرمادیگا اور بغیر سزا دیے جنت عطا کردیگا۔

آیت میں چند ضروری امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ نفسانی خواہشات میں اعتدال پیدا کرنا چاہیے اور افراط و تفریط کی کثافت سے نفس کو پاک صاف کرلینا چاہیے۔ ایمان کے ساتھ ساتھ قول و فعل کی بھی درستگی کرنی چاہیے۔ فرائض الٰہی یعنی بدنی عبادت بھی کامل طور پر خلوص کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔ مسلمانوں کی غمخواری کرنی چاہیے اور صرف زبانی ہمدردی ہی

نہیں بلکہ غریب و ہتمندوں کی مالی امداد بھی کرنی چاہئے یعنی حقوق الٰہی ادا کرنے کے بعد حقوق عباد کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ پھر یہ تمام حقوق ادا کرنے کے بعد بھی یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اب ہم پاک صاف ہو گئے بلکہ اپنی لغزشوں اور خطا کاریوں کا اعتراف کر کے خدا تعالیٰ سے خاص قبولیت کے وقت معافی کی دعا کرنی چاہئے۔ گویا آیت میں درستگی عقائد، حقوق اللہ کی ادائیگی، اصلاح نفس، تہذیب اخلاق، انتظام خانگی، امداد قومی، اعانت ملی وملکی کا ایک بے بہا گنجینہ پوشیدہ ہے اور سب سے اخیر میں اعجاز نما ہدایت ہے کہ انسان اپنے فرائض کی تکمیل سے باوجود انتہائی کوشش کرنے کے بھی قاصر رہتا ہے۔ اسلئے اسکو اپنی کمزوری کا اعتراف اور اُس کی معافی کی درخواست کرنی لازم ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

اللہ اور فرشتے اور علم والے شاہد ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی

وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

معبود نہیں اللہ قائم ہے ساتھ انصاف کے نہیں کوئی معبود مگر

هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ

وہ بھی زبردست حکمت والا ہے بیشک (حق) دین خدا کے

اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

نزدیک اسلام ہے اور اہل کتاب نے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اُن کے پاس علم آنے کے بعد ہی آپس میں سرکشی کر کے

الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ

اختلاف کیا اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار

اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

کریگا تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے

تفسیر

کلبی سے مروی ہے کہ ملک شام کے دو عیسائی عالم مدینہ میں آئے اور شہر کو دیکھ کر کہنے لگے یہ شہر تو اُس شہر کی طرح معلوم ہوتا ہے جسمیں پیغمبر آخر الزماں ہونگے۔ اسکے بعد خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور حلیۂ مبارک دیکھ کر عرض کیا کیا آپ محمدؐ ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ بولے کیا آپ احمد ہیں؟ ارشاد فرمایا ہاں میرا نام محمدؐ بھی ہے اور احمد بھی۔ عرض کیا ہم آپ سے ایک سوال کرتے ہیں اگر آپ صحیح جواب دینگے تو ہم آپ پر ایمان لے آئینگے۔ حضورؐ نے فرمایا اچھا۔ کہنے لگے اچھا بتائیے کہ کتاب الٰہی میں سب سے بڑھ کر کون سی گواہی ہے؟ اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور دونوں دانشمند مسلمان ہو گئے۔

آیت میں تین قسم کی شہادت کا بیان ہے۔ خدا کی گواہی، فرشتوں کی گواہی اور علماء کی گواہی۔ علماء سے مراد علماء حق ہیں انکی گواہی یہ ہے کہ زبان سے توحید کا اقرار کرتے ہیں اور دل سے اُس کا عقیدہ رکھتے ہیں یا یہ مراد ہے کہ ازل میں سب لوگوں نے اقرار ربوبیت کرتے ہوئے شَہِدْنَا کہا تھا۔ فرشتوں کی گواہی صرف اقراری اور شہودی ہے کیونکہ فرشتوں کو کسی قدر تجلیات الٰہی کا مشاہدہ حاصل ہے۔ باقی رہا خدا تعالیٰ کا خود اپنی توحید کی شہادت دینے کا بیان تو اُسکے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ہم ذیل میں مختصر طور پر لکھتے ہیں:۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے چار ہزار سال پہلے پیدا کیا اور ارواح کو پیدا کرنے سے چار ہزار برس پہلے ہر شخص کا رزق معین فرمایا تو جس زمانہ میں آسمان تھا نہ زمین تری تھی نہ خشکی اُس وقت خدا تعالیٰ نے خود اپنی ذات کے واسطے شہادت دی اور فرمایا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

زجاج کا قول ہے کہ شاہد اُسی کو کہتے ہیں جو کسی کو جاننے کے بعد اُسکی حالت بیان کرے۔ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنی وحدانیت کا ہم پر انکشاف کر دیا۔ بس یہی شہادت الٰہی ہے۔

بیضاوی کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اسقدر ظاہر ہے کہ جیسے گواہ اپنی آنکھوں دیکھی چیز پر یقینی گواہی دیتا ہے۔

ابن کثیر اور طبری وغیرہ نے شہادت اللہ کے معنی اظہار اور تبیین بیان کئے ہیں یعنی خدا تعالیٰ نے عالم کائنات میں ایسے دلائل اور آیات قائم کر دیے ہیں جن کو دیکھنے کے بعد توحید الٰہی بالکل واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ:۔ خدا تعالیٰ نے مصنوعات کے اندر ایسے دلائل اور بینات قائم کر دیے ہیں جن سے ہر سمجھدار شخص اُس کی اُلوہیت و توحید پر استدلال کر سکتا ہے۔ اسکے علاوہ مخلوقات میں سے وہ نورانی طبقہ جسکو کسی قدر معائنہ بھی حاصل ہے وہ بھی اسکی قدوسیت و توحید کا اقرار کرتا ہے اور انبیاء اولیاء علماء وغیرہ بھی خدا کو واحد جانتے ہیں اور زبان سے اُسکی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور ان میں سے ہر شخص خدا کو ذات کے اعتبار سے ہی واحد نہیں جانتا بلکہ صفات میں بھی اُسکو یکتا و بے مثال سمجھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ صفت عدل میں متفرد ہے۔ عالم کو اُس نے عدل کے ساتھ پیدا کیا اور عدل ہی کے ساتھ

باقی رکھا۔ لہذا سب کے نزدیک مسلم ہے کہ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ خداوند قدوس اپنی ذات و صفات میں یکتا و بے مثال ہے۔ تمام مخلوق اُسکے زیر نگین ہے اور کل مصنوعات کو اُس نے اپنی حکمت سے پیدا کیا اور حکمت سے ہی قائم رکھا اور دنیا والوں کی اصلاح کے لئے اُس نے اپنی حکمت بالغہ اور قوت غالبہ سے قانون عدل بنایا۔ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ یعنی جب عقائد مذکورہ ہر ذی ہوش اور بصارت کوش زائغ رہنے والے کے نزدیک واجب التسلیم ہیں اور عقل سلیم رکھنے والا اسکا مقر ہے تو جو مذہب ان عقائد کا اعلان کریگا وہ ضرور حقانی اور مقبول ہوگا اور اسلام ان عقائد کا اعلان کرتا ہے لہذا یہی مقبول مذہب ہے اور اسکے خلاف ہر مذہب مردود ہے۔ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ یعنی گذشتہ انبیاء و صلحاء کا بھی یہی مذہب تھا اور ہر ایک توحید و اسلام کا علمبردار تھا اور اسی کی اشاعت انہوں نے کی تھی لیکن اُن کے بعد یہ یہودی و عیسائی باہم لڑنے جھگڑنے لگے کوئی توحید پر قائم نہ رہا کسی نے دین حق سے روگردانی کی۔ یہ تفرقہ اس وجہ سے نہیں پیدا ہوا کہ مخالفین توحید کو تعلیم الٰہی کا علم نہ تھا۔ علم تو ضرور تھا انبیاء اسکی تبلیغ کر چکے مگر صرف ضد حسد اور شیطانی جذبات نے اُن کو تعلیم الٰہی سے روگردانی پر آمادہ کیا جسکی وجہ سے اُنہوں نے دین اسلام کا انکار کر دیا۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ لیکن جو شخص آیات قدرت اور خدا تعالیٰ کے قائم کردہ دلائل سے انکار کریگا خدا اُس کا خود حساب لے لیگا۔ یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ کروڑہا کروڑ انسانوں کا ایک دن میں کس طرح حساب لیا جائیگا کیونکہ خدا تعالیٰ بہت جلد محاسبہ کرنے والا ہے اُس کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے۔

مقصود بیان: حقانیت اسلام کے برحق ہونے کی صراحت۔ توحید وجودی اور شہودی کی طرف اشارہ اور اس امر کی جانب ایماء کہ دلائل و براہین مشاہدہ و معائنہ نیز نص و تصریح سے توحید الٰہی ثابت ہے۔ تمام انبیاء توحید و اسلام کے علمبردار تھے۔ رسول گرامی فداہ ابی و امی کچھ اسلام کے موجد تھے موجد نہ تھے۔ اسلام کے سوا خدا کے ہاں کوئی مذہب مقبول نہیں اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ دلائل سے ثابت ہے کہ اسلام اُن فطری قواعد کا حامل تھا جسکی اشاعت تمام انبیاء کرتے چلے آتے ہیں لہذا اسکے سوا خدا ہی کے لئے کوئی مذہب ایجاد کرنا خلاف فطرت اور واجب الرد ہے اسلام و توحید کے خلاف جن لوگوں نے مذاہب ایجاد کئے یا تعلیم انبیاء کی مخالفت کی وہ صرف عناد اور نفسانیت سے کی حق سمجھتے ہوئے اس فعل کا ارتکاب انہوں نے نہیں کیا۔ آیت سے اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ آدمی محض نفسانی جذبات سے مغلوب ہو کر حق پوشی اور باطل کوشی کرنے لگتا ہے ورنہ دل سے وہ بھی حق کو حق ہی جانتا ہے وغیرہ۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ

اب اے محمد اگر یہ تم سے جھگڑا کریں تو کہدو کہ میں نے اور میرا اتباع کرنیوالوں

وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

نے تو اللہ کے آگے سر جھکا دیا اور اہل کتاب اور اَن پڑھ لوگوں (مشرکین عرب

وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ

سے) کہدو کہ تم بھی کیا سر جھکاتے ہو۔ اگر وہ بھی مسلمان ہو جائیں تو

اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ

سیدھے راستہ پر آجائینگے اور اگر اسلام سے منہ پھیر لیں تو تمہارا کام تو صرف احکام

وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ع ۱۱

پہنچا دینا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر

گذشتہ آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ اسلام فطری مذہب ہے اور تمام انبیاء اسی مذہب پر تھے اور یہی دین حق ہے۔ اب اتمام حجت کے طور پر ارشاد ہوتا ہے کہ سابق بیان کے باوجود بھی اگر یہود و نصاریٰ اور مشرکین خواہ مخواہ آپ سے جھگڑا کریں اور ہر شخص اپنے مذہب کی حقانیت و قدامت کا مدعی ہو تو آپ اُن سے کہدیجے کہ ایک بات ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کُن ہے وہ یہ کہ فطری دین وہی ہو سکتا ہے جو توحید و اسلام اور رضائے مولا کے حصول کی تعلیم دے میں اور میرے پیرو تو اپنے اعمال اقوال اطوار رفتار بلکہ ذات و نفس کو بھی خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں ہمارے سب کام خدا بر وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لئے ہیں ہم نے اپنی زندگیاں اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دی ہیں۔ ہم اُسکو وحدہٗ لاشریک جانتے ہیں۔ وہ کل عمدہ صفات سے متصف اور عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ تمام انبیاء بلا تفریق برحق تھے۔ قیامت حشر نشر ثواب عذاب وغیرہ بھی برحق ہے۔ خلاصہ یہ کہ اُسکے تمام فرمان برحق ہیں اور ہم اُسکے احکام کی اشاعت کیلئے اپنا تن من دھن قربان کرنے کو تیار ہیں۔ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ تو کیا تم لوگ بھی (خواہ یہودی ہو یا عیسائی یا مشرک) اس بات کے لئے تیار ہو کیا تم بھی احکام الٰہی کی اشاعت اور اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو یا نہیں۔ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ اب اگر وہ اسکو مان لیں اور شریعت محمدی کے تمام احکام کو تسلیم کرلیں تو وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائینگے اور منزل مقصود پر پہنچ جائینگے

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ اور اگر نہ مانیں تو آپ کا کوئی حرج نہیں ہے زبردستی اسلام میں داخل کرنا یا کسی کے قلب کو پھیر دینا تو آپ کا کام ہی نہیں ہے بلکہ صرف احکام الٰہی کو پہونچا دینا آپ پر لازم ہے ماننا نہ ماننا اُن کا فعل ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ۔ خدا اپنے بندوں کی حالت خود خوب دیکھتا ہے دنیا و دین میں اُن کے اعمال کی اُن کو سزا جزا دیگا

محی السنۃ نے تفسیر معالم میں ذکر کیا ہے کہ آیت فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا پڑھ کر حضور والا نے اہل کتاب کو سنائی تو بولے ہم تو مسلم ہیں خدا کے احکام کو بدل و جان مانتے ہیں۔ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا یہود یو! کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عزیر خدا کے بندے اور اُسکے رسول تھے؟ بولے معاذ اللہ وہ بندہ نہ تھے۔ اُس وقت خدا تعالیٰ نے آیت فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ نازل فرمائی۔

مقصود بیان:۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان کی نشست برخاست، خور و خواب، نیند و بیداری یہانتک کہ زندگی و موت کا اصل مقصد رضاءِ الٰہی کا حصول ہونا چاہئے اور حقیقی معنی میں احکام الٰہی کا حلقہ بگوش اور رشتہ در گردن ہونا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اسکی تعلیم سوا اسلام کے کوئی مذہب نہیں دیتا۔ نبی یا جانشین نبی کا فرض ہے کہ وہ احکام شریعت کی تبلیغ کر دے اور لوگوں تک پیام الٰہی پہونچا دے۔ ماننا نہ ماننا اُن کا فعل ہے سمجھا دینا مبلغ کا کام ہے۔ ہدایت دینا خدا کے اختیار میں ہے اور کسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ اگر کوئی نہ مانیگا تو واعظ سے اُس کی بازپرس نہ ہوگی۔ وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ
جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیاء کو

النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ
ناحق قتل کرتے ہیں اور انصاف کرنے کا مشورہ دینے والوں

بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
کا خون کرتے ہیں اُن کو تکلیف دہ عذاب کی خوشخبری

اَلِيْمٍ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ
سنا دو یہی وہ لوگ ہیں، جن کا کیا کرایا دنیا و دین

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝
میں اکارت ہے اور اُن کا کوئی مددگار نہیں

تفسیر

گزشتہ آیت میں بیان کیا گیا تھا اور حکم دیا گیا تھا کہ ہر مسلمان پر احکام الٰہی کی تعمیل اور رضاءِ مولا کی جستجو فرض ہے اس بیان کو سن کر ہر جھگڑالو مدعی دعوٰی کر سکتا تھا اور ہر اہل کتاب کہہ سکتا تھا کہ ہمارا مذہب انہی باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور ہم نے اسی تعلیم کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ پھر ہم تمہارے دین میں کیوں داخل ہوں اور کیوں اسلام قبول کریں۔ اس خیال کا ازالہ اس مکمل آیت میں کیا گیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جو لوگ احکام الٰہی کو نہیں مانتے اور اوامر و نواہی کی پابندی نہیں کرتے اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ پیام الٰہی کے حاملوں کو قتل کرتے ہیں اور وہ انبیاء جو اوامر و نواہی پر پابند رہنے کی انکو ہدایت کرتے ہیں اُنہی کو یہ لوگ مار ڈالتے ہیں وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ اور اس سے بڑھ کر سرکشی و طغیان کی انتہائی حد کو پہونچتے ہیں کہ عام لوگوں میں سے جو شخص ظلم نہ کرنے انصاف کو قائم رکھنے انبیاء کو قتل نہ کرنے اور اوامر و نواہی پر پابند رہنے کی اُنکو ہدایت کرتا ہے اُسکو بھی یہ جفاکار قتل کر ڈالتے ہیں فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ایسے ظلم شعاروں کو آپ اطلاع دیدیجے بلکہ خوشخبری سنا دیجے کہ تمہارے لئے تکلیف دہ عذاب الٰہی تیار ہے۔ قیامت کے دن تم بہت زبردست الم رساں عذاب میں مبتلا ہوگے اور عذاب الیم کی اطلاع ہی تمہارے لئے بشارت ہے کیونکہ تمہارا گناہ بہت ہی بڑا ہے۔

محی السنۃ نے معالم میں بروایت ابن جریج بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسٰی حضرت عیسٰی اور حضرت داؤد علیہم السلام کو تو کتابیں ملی تھیں باقی ان میں سے اور کسی نبی پر کتاب نازل نہیں ہوئی بلکہ وحی آتی تھی۔ ہر فرقہ کے واسطے ایک ہی زمانہ میں بہت سے انبیاء ہوا کرتے تھے۔ ہر شہر میں پچاس پچاس سو سو کی تعداد میں ہوتے تھے اور ہر نبی اپنے آدمیوں کو نصیحت کرتا تھا لیکن قوم میں سے کچھ شقی ناصح کو ہی قتل کر دیتے تھے۔ لیکن قوم والوں میں سے کچھ لوگ نصیحت ماننے والے بھی ہوتے تھے نبی کے قتل کے بعد یہ ہدایت یافتہ لوگ بدکرداروں کو نصیحت کرتے تھے لیکن یہ گمراہ فرقہ اُن کو بھی قتل کر ڈالتا تھا۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت حضرت ابوعبیدہ بن جراح بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن سب سے سخت عذاب کس شخص کو ہوگا؟ ارشاد فرمایا اُس شخص کو جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا اُس شخص کو قتل کیا ہو جو امر و نواہی پر پابند رہنے کی نصیحت کرتا ہو۔ پھر حضور نے آیت ان الذین یکفرون بایٰت اللہ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ، تا تلاوت فرمائی۔ اسکے بعد فرمایا ابوعبیدہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں سورج چڑھتے چڑھتے ۴۳ انبیاء کو یکدم

قتل کر ڈالا تھا پھر بنی اسرائیل میں سے ۱۷۰ مومنوں نے ان قاتلوں کو نصیحت کی نیکی کرنے اور بدی سے باز رہنے کا حکم دیا تو اُسی روز سورج غروب ہونے سے پہلے ان قاتلوں نے اُن کو بھی قتل کر ڈالا۔ خدا تعالیٰ نے انہی قاتلوں کا آیت کریمہ میں تذکرہ کیا ہے۔ شیخ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بروایت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے دن چڑھتے تین سو انبیاء کو قتل کر ڈالا تھا اور پچھلے دن میں اُن کی کھیتیاں فروخت کرنے کا بازار لگایا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفصیلی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰؑ کو قتل کیا تھا جن کو حضرت عیسیٰؑ نے تبلیغ احکام کے لئے بھیجا تھا۔ پھر ان کے خون کے عوض خدا تعالیٰ نے بخت نصر کو مسلط فرمایا جس نے ستر ہزار بنی اسرائیل کو ایک دن میں فنا کر دیا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ یعنی ان لوگوں کے اعمال اور نیکیاں دنیا و دین میں اکارت چلی گئیں نہ دنیا میں ان کو گذشتہ نیکیوں کا ثمرہ ملا نہ دین میں ملیگا۔ مطلب یہ کہ چونکہ بغیر اسلام و ایمان کے ان کی نیکیاں تھیں اسلئے رائگاں گئیں۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ عذاب الٰہی سے اُن کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ دنیا میں خدا کے مؤاخذہ سے کوئی اُن کو بچا سکا۔ بخت نصر نے ان میں سے ستر ہزار آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور کوئی ان کا مددگار نہ تھا۔

آیت میں خطاب اُن بنی اسرائیل کو کیا گیا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور اُن کو الزام دینے کے لئے اُن افعال کا تذکرہ کیا گیا ہے جنکے مرتکب اُن کے اسلاف تھے وہ خود نہ تھے تو بظاہر اس سے لازم آتا ہے کہ گناہگاروں کا جرم ناکردہ گناہوں کے سر تھوپا گیا۔ لیکن اس کی دو وجہیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اہل کتاب اپنے اسلاف کے اعمال کو نظر استحسان سے دیکھتے تھے اور انکی ثنا خوانی کرتے تھے اُن کے اسلاف کے کارنامے ذکر کرکے اُن کو اُن کے خیال سے روکا گیا۔ دوسرے یہ کہ جو خیالات اُن کے باپ دادا کے تھے وہی انکے بھی تھے جسطرح اُنکے اسلاف نے انبیاء و مومنین کو قتل کیا تھا یہ بھی حضور اقدسؐ اور صحابہ کے خون کے پیاسے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو انکی مکاریوں سے محفوظ رکھا

مقصود بیان:۔ قتل انبیاء کفر ہے۔ مومن کے قتل کی سزا جہنم ہے۔ احکام الٰہی کی تبلیغ فرض ہے۔ ظالم حاکم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کرنی لازم ہے اور موجب ثواب ہے۔ کفر کرنے سے گذشتہ اعمال برباد ہو جاتے ہیں اُن کا ثواب نہیں ملیگا۔ حالت کفر میں کوئی نیک عمل مقبول نہیں۔ گناہ پر رضامندی اور اسکو نظر استحسان سے دیکھنا بھی گناہ ہے۔ بدکردار نافرمانوں کا دنیا و دین میں کوئی مددگار نہیں۔ اور عذاب الٰہی سے اُن کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ انصاف و عدل کرنا اور اسکی نصیحت کرنی واجب ہے۔ ظلم سے عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل نے بہت سے انبیاء کو قتل کیا تھا۔ وغیرہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ
(اے محمد) کیا تم نے اُن لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جن کو (علم) کتاب کا ایک حصہ

الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ
دیا گیا تھا اب وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ کتاب اللہ اُن کا

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ
فیصلہ کردے مگر ان میں کا ایک گروہ رخ پھیر کر مڑ جاتا

مُّعْرِضُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا
ہے یہ (کل باتیں) اسلئے ہیں کہ اُن کا قول ہے کہ دوزخ کی آگ

النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ
ہم کو صرف گنتی کے چند روز لگے گی اور اُن کی

فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ فَكَيْفَ اِذَا
افترا پردازیوں نے اُن کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اُسوقت کا اُن کا کیا حال ہوگا

جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ
جب ہم اُن کو اس روز جمع کرینگے جس (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے اور ہر شخص کو

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝
اُسکے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور اُن کی حق تلفی نہیں کی جائیگی

تفسیر ان آیات کی شان نزول کے متعلق دو روایتیں پیش کیجاتی ہیں دونوں کا حاصل یہ ہے کہ یہودیوں کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کے مدرسہ میں تشریف لیگئے۔ وہاں چند یہودی جمع تھے حضورؐ نے اُن کو توحید کی دعوت دی۔ یہودیوں میں سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید بولے کہ آپ کس دین پر ہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا دین ابراہیمی پر۔ کہنے لگے وہ تو یہودی تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اچھا توریت لاؤ یہی ہمارے تمہارے درمیان

فیصلہ کن ہے۔ لیکن یہود اسپر راضی نہ ہوئے اور منہ موڑ گئے (معالم)

دوسری روایت کلبی نے بیان کی ہے کہ خیبر کے یہودیوں میں سے کسی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا توریت میں ایسے اشخاص کیلئے رجم کا حکم ثابت تھا لیکن یہودیوں نے اپنی طرف سے اسمیں ترمیم کی تھی جو رذیل شخص ہوتا اُسکو تو رجم کی سزا دیتے تھے اور جو شریف اور دولتمند ہوتا تھا اُس کا منہ کالا کرکے گدھے پر سوار کرکے تشہیر کرتے اور کوڑے لگاتے تھے۔ چونکہ یہ مرد و عورت شریف تھے اسلئے انہوں نے ان کو رجم کی سزا دینی مناسب نہ سمجھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے کہ آپ فیصلہ کر دیجے۔ اُن کو خیال تھا کہ قرآن کے بموجب انکی سزا ہلکی ہوگی۔ حضور اقدس نے دونوں کو سنگسار کر دینے کا حکم دیا۔ یہ سن کر نعمان بن اوفیٰ اور عدی بن عمرو کہنے لگے محمد! آپ نے ہمپر ظلم کیا ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا میرے اور تمہارے درمیان توریت فیصلہ کن ہے۔ کہنے لگے ہاں یہ انصاف کی بات ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کون شخص توریت کا بڑا عالم ہے بولے عبداللہ بن صوریا۔ چنانچہ ابن صوریا کو فدک سے بلایا گیا۔ حضورؐ نے توریت کا وہ پارہ جسمیں رجم کی آیت تھی منگوایا اور ابن صوریا سے فرمایا پڑھو۔ اُس نے پڑھنا شروع کیا۔ جب آیت رجم پر پہونچا تو اُسپر ہتیلی رکھ لی اور آگے بڑھ گیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فوراً عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس نے آیت رجم کو چھوڑ دیا اور پھر خود اٹھکر اُسکا ہاتھ ہٹا کر آیت رجم پڑھ دی جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت زنا کریں اور گواہ موجود ہوں تو دونوں کو سنگسار کیا جائے۔ اور اگر عورت حاملہ ہو تو وضع حمل تک انتظار کیا جائے۔ بالآخر حضورؐ والا نے دونوں مجرموں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حسب الحکم اُن کو پتھروں سے قتل کر دیا گیا اور یہودی غصہ ہو کر واپس چلے گئے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ دیکھو یہ اہل کتاب حق پرستی کے مدعی ہیں حالانکہ انہوں نے مذہب انبیاء میں تحریف کرکے اپنی طرف سے ڈھکوسلے بنا رکھے ہیں اور قانون شریعت میں ترمیم کرکے اپنی طرف سے جدت طرازی کی ہے۔ ان کو توریت عطا کی گئی تھی تاکہ اُسپر عمل کریں لیکن جب توریت کے احکام ہی کی پابندی کی دعوت ان کو دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسی کے فیصلہ کو مان لو تو اسکو بھی نہیں مانتے۔ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ اور غصہ سے منہ پھیر کر کچھ لوگ پشت موڑے چلے جاتے ہیں۔ تو جب اپنی مذہبی کتاب کے متعلق ان کا یہ حال ہے تو قرآن و اسلام کے متعلق ان کے خیالات کا کیا ٹھکانا ہے۔

آیت میں کتاب اللہ سے مراد توریت ہے اور قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور لِيَحْكُمَ کا فاعل رسول اللہؐ ہیں اور احتمال ہے کہ کتاب اللہ ہی فاعل ہو۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ یعنی درحقیقت انکی بددینی اور گمراہی کا سبب یہ ہے کہ ان کے علماء و اسلاف نے دین الٰہی میں تراش خراش کرکے اپنی طرف سے چند ڈھکوسلے بنا رکھے ہیں (۱) مثلاً انکا قول ہے کہ صرف چند روز کے واسطے ہم دوزخ میں جائینگے یعنی ۴۰ دن۔ یا ۷ دن صرف ہم دوزخ میں رہینگے کیونکہ ہم حضرت ابراہیم کی نسل میں ہیں۔ اسکے علاوہ حضرت یعقوب سے خدا نے وعدہ کرلیا ہے کہ تیری اولاد کو دوزخ میں نہیں ڈالونگا مگر صرف قسم پوری کرنے کو۔ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ لیکن جب قیامت کا یقینی دن ہوگا اور ہم ان سب کو اُس روز جمع کرینگے وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور ہر شخص کو اُسکے اچھے برے اعمال کی پوری پوری سزا جزا ملیگی نہ تو نیکی میں کمی کی جائیگی نہ بدی میں اضافہ کیا جائیگا تو اُس روز ان کو اپنے تراشیدہ اقوال اور دین الٰہی میں ترمیم کی حقیقت معلوم ہو جائیگی۔

مقصود بیان: ۔ قرآن کے بعض قوانین سابق کتب الٰہیہ کے قوانین کے مطابق ہیں۔ غیر مسلموں کا باہمی فیصلہ اُنکی مذہبی کتاب کے موافق ہونا چاہیئے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی طرف سے کچھ تراشیدہ قوانین بنا رکھے تھے جنکو وہ دینی قوانین سمجھتے تھے۔ قانون الٰہی شریف رذیل شاہ فقیر سب کے واسطے برابر ہے اسمیں کسی وجاہت دولت عزت اور حکومت کو دخل نہیں۔ دین میں بدعت اور رسوم کو دخیل بنانا حرام ہے۔ آیت میں ترہیب آمیز ترغیب اور بشارت آمیز وعید بھی ہے تاکہ دعوت اسلام نہایت لطیف پیرایہ میں مکمل ہو جائے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ

(اے محمدؐ!) تم دعا مانگو کہ اللہ تمام ملک کے مالک تو جسکو چاہے سلطنت عطا

تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ

کرے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسکو چاہے

مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ

عزت دے اور جسکو چاہے ذلت دے بھلائی تیرے ہی قبضہ میں ہے

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

بلاشبہ تو سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر معالم میں بروایت انسؓ و ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا تو اپنی اُمت کو

ملک فارس و روم کی فتح کی بشارت دی۔ یہودی اور منافق اس خبر کو سن کر بولے یہ تو بہت دور کی باتیں ہیں محمد کہاں اور فارس و روم کی سلطنت کہاں۔ اُنکی قوت اور عظمت شان کے مقابلہ میں انکی کیا ہستی ہے۔ کیا محمد کو مکہ مدینہ کافی نہ ہوا کہ سلطنت روم و فارس کی طمع کرنے لگے۔ اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بیہقی سے روایت ہے کہ جب جنگ احزاب کی تیاری کے لئے مدینہ کے آس پاس خندق کھودنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا اور فی کس دو گز زمین کی تعیین کر دی اور لوگوں نے کھودنا شروع کر دیا تو کھودتے کھودتے ایک بڑا پتھر اڑ گیا جسمیں کدال کام نہیں کرتی تھی۔ صحابہ نے حضرت سلمان کو حضور کی خدمت میں بھیجا آپ تھک کر مسجد میں جا کر سو گئے تھے حضرت سلمان نے جا کر واقعہ کی اطلاع دی۔ حضور تشریف لائے اور وضو کر کے کدال ہاتھ میں لیکر پتھر پر ایک ضرب ماری جس سے وہ ٹوٹ گیا اور اُسمیں سے ایک ایسی چمک نکلی کہ مدینہ کے دونوں کنارے روشن ہو گئے حضور ﷺ نے اور مسلمانوں نے اللہ اکبر کہا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا اس چمک سے مجھے حیرہ کے مکان دکھ گئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کتے کے دانت ہیں پھر حضور ﷺ نے دوسری چوٹ ماری اور اُسمیں سے بھی ایسی ہی بجلی کوندی اور حضور نے ارشاد فرمایا اس روشنی سے مجھے روم کے سرخ مکانات دکھنے لگے پھر تیسری ضرب لگائی اور ایسی ہی بجلی کوندی اور حضور ﷺ نے فرمایا اس چمک میں مجھے صنعا کے مکانات نمودار ہو گئے اور مجھے جبرئیل نے خبر دی ہو کہ میری امت ان سب ممالک پر غالب ہو گی۔ منافق یہ سن کر مسلمانوں سے کہنے لگے کیا تم اپنے نبی کے قول سے متعجب نہیں کرتے کہ تم کو جھوٹے وعدے اور خوشخبریاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے یثرب سے حیرہ کے مکانات دیکھ لیے اور تم اسکو تم فتح کر دگے۔ حالانکہ تم لوگ خوف سے خندق کھودتے ہو اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ تم خدا سے دعا کرو اے اللہ تو آسمان و زمین کا جسمانی اور روحانی سلطنتوں کا (یعنی بادشاہت اور نبوت کا) اور قوت و غلبہ کا مالک ہے جسطرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے تو جسکو چاہتا ہے حکومت و سلطنت عطا کرتا ہے اور جسکے قبضہ سے نکالنا چاہتا ہے نکال لیتا ہے وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ اور جس قوم کو چاہتا ہے سلطنت و حکومت دیکر عزت عطا فرماتا ہے اور جس قوم کو ذلت دینی چاہتا ہے اُس سے حکومت چھین کر ذلیل کرتا ہے۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وہ تیرے ہی دست قدرت میں اچھائی برائی نیکی بدی۔ عزت و ذلت اور سلطنت و زوال سلطنت۔ خزائن دولت دنیا و آخرت۔ سامان دنیا و نعماء عقبیٰ سب کچھ موجود ہے (تو ہمکو حکومت و دولت اور خیر دنیا و آخرت عطا فرما اور نعماء عقبیٰ سے سرفراز فرما) کیونکہ تو سب کچھ کر سکتا ہے تیری قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ یہانتک کہ

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ

رات کو (گھٹا کر) دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

اور جاندار کو بیجان سے پیدا کرتا ہے اور بے جان کو

مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

جاندار سے اور جسکو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے

تفسیر تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے جتنا حصہ دن کا بڑھاتا ہے اُتنا ہی حصہ رات کا گھٹا دیتا ہے اور جتنا حصہ رات کا بڑھاتا ہے اُتنا ہی حصہ دن کا گھٹا دیتا ہے اور ایک کو کم کر کے دوسرے میں داخل کر دیتا ہے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ظلم کے بعد انصاف اور انصاف کے بعد ظلم یا عزت کے بعد ذلت اور ذلت کے بعد عزت پیدا کرتا ہے۔ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے۔ یعنی کھیتی کو دانہ سے اور دانہ کو کھیتی سے۔ بیج کو درخت سے اور درخت کو بیج سے مرغی کو انڈے سے اور انڈے کو مرغی سے انسان کو بیجان نطفہ سے اور نطفہ کو انسان سے۔ مردہ دلوں (کافروں اور فاسقوں) کو زندہ دلوں (مؤمنوں) سے اور زندہ دلوں کو مردہ دلوں سے۔ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اور فقط خلق عالم اور ایجاد ہی تیرے دست قدرت میں نہیں ہے بلکہ تربیت و پرورش بھی تیرے ہی قبضہ میں ہے جسکو چاہتا ہے بے انتہا رزق دیتا ہے اور جسکو چاہتا ہے تنگدست بناتا ہے۔ لہذا تو ہم کو سلطنت عزت انصاف رزق کامل نور شریعت اور حیات حقیقی مرحمت کر اور محکومیت، ذلت، ظلم، تنگی رزق، گمراہی، بیدینی اور مردہ دلی سے بچا۔

مقصود بیان:۔ اس امر کی صراحت کہ عالم کا خالق اور فاعل حقیقی خدا تعالیٰ ہے۔ ظلمت و نور، عزت و ذلت، حاکمیت و محکومیت فراخی و تنگی اُسی کے قبضہ میں ہے۔ وہی اپنی صناعی و خلاقی سے بیجان سے جاندار کو اور جاندار سے بیجان کو پیدا کرتا ہے۔ کافروں سے مؤمن اور صالح اولاد پیدا کرتا ہے اور انبیاء و اولیاء کی اولاد کو کافر کر دیتا ہے۔ گویا تمام عالم میں روحانی و جسمانی تصرف اُسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہی شہنشاہ اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے بادشاہوں کے قلوب اسی کے ہاتھ میں ہیں جسطرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے خواہ ظلم کی طرف یا عدل کی طرف۔ لہذا ہر قسم کی التجا اُسی سے کرنی چاہیے اور

حکومت و سلطنت ، ہویا نارِ خلیلیہ سب کی دعا اُسی سے کی جاتے ۔ وغیرہ

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ

مؤمن مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست

دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

نہ بنائیں جو ایسا کرے گا اللہ کے

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا

ذمہ میں بالکل نہیں ہے ہاں اس وقت یہ فعل جائز ہے کہ ان کے شر سے

مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ

کسی طرح بچنا چاہو اور خدا تم کو اپنے (قہر) سے ڈراتا ہے

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانا ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں بیان تھا کہ ذلت عزت حکومت قوت سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے - اس آیت میں حکم ہوتا ہے کہ کافروں کا جاہ و حشم دولت و قوت دیکھ کر مسلمانوں کو اُنکی موالاۃ نہ کرنی چاہئے ۔ معالم میں بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ حجاج بن عمرو یہودی اور ابن الحقیق انصاری نیز قیس بن زید انصاری کے درمیان دوستی تھی - ان انصار سے رفاعہ بن منذر ، عبداللہ بن جبیر اور سعید بن خیثمہ وغیرہ نے کہا کہ تم ان یہودیوں سے پرہیز کرو ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ تم کو تمہارے دین کی طرف سے اغوا کریں مگر ان لوگوں نے نہ مانا اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

مقاتل بن حبان کہتے ہیں کہ یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے اہل و مال کے تحفظ کے خیال سے مشرکین مکہ کو بذریعہ خط کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ سے مطلع کیا تھا اور راست گوئی کی وجہ سے اُن کا قصور معاف ہوا کیونکہ واقع میں حاطب مسلمان تھے اور مسلمانوں کے دلی دوست تھے ۔

کلبی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول عبداللہ ابن ابی اور اُسکے ساتھیوں کے حق میں ہوا تھا جو یہود و مشرکین سے محبت رکھتے تھے اور اُن کو مسلمانوں کی خبریں پہونچاتے تھے ۔ بہرحال حاصل ارشاد یہ ہے کہ : مؤمنوں کو چھوڑ کر مسلمان کافروں کو اپنا دلی دوست اور رازدار نہ بنائیں اور ہرگز کافروں کے اندرونی دوست نہ بنیں ۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ ۔ جو شخص ایسا کریگا وہ مسلمان نہ شمار ہوگا ۔ المرء مع من احب ۔ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ ہاں اگر کافروں کی طرف سے مال و جان کے متعلق اندیشہ ہو اور کفار کی حکومت یا غلبہ ہو تو ایسی حالت میں ظاہری دوستی میں کوئی ہرج نہیں ہے مگر دل میں پھر بھی نفرت و بے باکی لازم ہے ۔ کیونکہ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۔ درحقیقت خوف تو خدا سے کرنا چاہئے اور اُسی سے ڈرنا چاہئے - کافروں کی شان و شوکت اور نام و نمود سے ڈرنا اور مرعوب ہونا مناسب نہیں ہے - وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۔ سب کو خدا کی طرف جانا ہے اور وہی مرجع کل ہے - اگر کافروں سے دلی دوستی کروگے تو خدا سزا دیگا - [۱]

مقصود بیان :- یہودی ہوں یا عیسائی ، ہندو ہوں یا مجوسی ، جینی ہوں یا سکھ بہرحال ہر غیر مسلم سے دینی ترک موالات کرنی ہر مسلم کا فرض اولین ہے - اگر جان یا مال کا اندیشہ ہو تو ظاہری موالات کا اظہار جائز ہے ۔ کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے مقابلہ میں مدد دینی قطعًا حرام ہے

آیت کے سیاق سے مذکورہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے مسلمانوں کی ہمدردی ، ظاہری اور باطنی بہی خواہی ، اسلام اور مسلمانوں کو قوت پہونچانی مسلمان پر واجب ہے - اسلام یا مسلمانوں کو ضرر پہونچانا یا دنیوی لالچ کی وجہ سے کفار کی خوشامد کرنی ناجائز ہے - دنیوی لالچ یا جان و مال کے خطرہ کے وقت بھی خدا کا خوف لازم ہے - کوئی فعل ایسا نہ کرنا چاہئے جو حکم شریعت کے خلاف ہو ۔

آیت ہم کو اسلام کی ہمدردی ، کفر سے بیزاری اور مسلمانوں کی عمومی خیر خواہی کی تعلیم دیتی ہے - وغیرہ

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

(اے محمدؐ) کہدو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُسکو چھپاؤ یا ظاہر کرو

---

[۱] کافروں سے مسلمانوں کی محبت چار طرح کی ہوسکتی ہے (۱) کافروں کی ملت و مذہب کو اچھا جانکر اُن سے محبت کی جائے اور دلی میلان اُن کی طرف کیا جائے ۔ یہ قطعًا حرام ہے ۔ ایسے فعل کا مرتکب کافر ہے ۔

(۲) کافروں کے مذہب کو تو بُرا سمجھتا ہو مگر دنیوی معاملات میں خوش خلقی اور حسن سلوک سے کافروں کے ساتھ پیش آتا ہو - یہ اسلامی رواداری ہے اور جائز ہے ۔

(۳) کافروں کے مذہب کو بُرا جانتا ہو مگر کسی دنیوی لالچ کی وجہ سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اُنکی مدد کرتا ہو اور مسلمانوں کے راز اُن کو بتاتا ہو یہ کبیرہ گناہ ہے مگر کفر نہیں ہے لیکن اگر اس فعل پر قائم رہیگا تو بالآخر کفر میں پڑ جائیگا ۔

(۴) کافروں کی طرف دلی میلان تو نہ ہو اور نہ اُن کے مذہب کو اچھا جانتا ہو لیکن کفار کی حکومت ہو یا اس شخص کو کفار کی طرف سے جانی ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ظاہری موالات اس حد تک جائز ہے کہ احکام اسلامی میں رخنہ نہ پیدا ہو ۔

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اللہ اُسکو جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اُسکو

الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يَوْمَ

بھی جانتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے (اُس دن کو یاد کرو کہ جس دن

تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ

ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی اور بدی کو اپنے سامنے پائے گا

وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا

اور دل سے چاہیگا کہ کاش اُس بدی کے اور اُس کے

وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ

درمیان بڑا فاصلہ ہوتا اور خدا تم کو اپنے (قہر سے) ڈراتا

نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ۧ

ہے اور خدا بندوں پر بڑا مہربان ہے

تفسیر جب گزشتہ آیت میں مومنوں کو کفار سے موالات کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور وقت ضرورت صرف ظاہرداری کی اجازت دیدی گئی تو چونکہ دل کی حالت کوئی شخص نہیں جانتا ہے اسلئے کافروں سے دوستی کرنے والے لوگ دل سے کافروں کی طرف میلان کر سکتے تھے اور یہ خیال کر سکتے تھے کہ ہماری ظاہری حالت کو لوگ جانتے ہیں ضمیر کی کیفیت سے کون واقف ہے۔ ان منافقوں کے اس خیال کو رد کرنے کیلئے ارشاد ہوا کہ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ تم (کفار کی دوستی) دل میں چھپاؤ یا قول و فعل سے ظاہر کرو بہرحال خدا تعالیٰ کو اُس کا علم ہے اور علم ہو جائیگا کیونکہ ظاہر و باطن کی کیفیت جانتا ہے اور نہ صرف تمہاری ہی حالت سے واقف نہیں ہے بلکہ زمین آسمان کی کل کائنات کا اُسکو علم ہے کوئی ذرہ اُس سے مخفی نہیں ہے لہذا کافروں سے موالات نہ کرو ورنہ خدا تعالیٰ تم کو اس کی سزا دیگا۔ کیونکہ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کافروں سے موالات کرنے والوں کو بہرحال عذاب بھی دے سکتا ہے۔ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا اور اُس روز کی حالت پر غور کرو جبکہ اپنے نیک اعمال کو سامنے حاضر پائیگا اور اس سے اُسکو مسرت ہوگی۔ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ اور اپنے بداعمال کو بھی سامنے موجود پائیگا اور اس سے اُس کو اس قدر غم و قلق ہوگا کہ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا۔ اُسکی دلی آرزو ہوگی کہ کاش یہ بداعمالیاں مجھسے بہت زیادہ دور ہو جائیں اور میرے سامنے نہ آئیں وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ اور خدا تعالیٰ اپنی ذات کا تم کو خوف دلاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم مجھسے ڈرو میرے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو ورنہ سزا برداشت کرنی ہوگی۔ اور یہ خوف دلانا صرف اس وجہ سے ہے کہ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ خدا تعالیٰ بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے اپنے احکام پر پابند رہنے کی ہدایت کرتا ہے اور بصورت خلاف ورزی وعید و تہدید کرتا ہے اور تمام اعمال کے انجام سے بندوں کو پہلے سے خبردار کرتا ہے تاکہ آئندہ پچھتانا نہ پڑے۔

مقصود بیان: کافروں سے خفیہ طور پر موالات کرنی بھی حرام ہے۔ قیامت کے دن بدکردار شخص اپنی بداعمالیاں دیکھ کر ندامت و افسوس کریگا۔ کل اعمال کی سزا جزا پہلے سے بیان کر دینا اور عواقب امور کا اظہار کر دینا بھی خدا کی مہربانی ہے ورنہ خدا پر لازم نہیں ہے کہ لوگوں کو دنیا میں اُن کے افعال کے نتیجہ سے خبردار کرے و عیرہ ترہیب و ترغیب و عدو وعید۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ

(اے محمدؐ) تم کہدو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت

اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

کریگا اور تمہارے گناہ تم کو بخشدیگا اور اللہ غفور

رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ

رحیم ہے (اے محمدؐ) کہدو کہ اللہ اور رسول کے کہنے پر چلو

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اب اگر وہ نہ مانیں تو اللہ بھی نہ ماننے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے

تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کعبہ کے اندر کچھ قریشی اشخاص بتوں کی پوجا کر رہے تھے۔ مورتیوں کو خوب بنایا سجایا تھا اُن پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے تھے۔ اتنے میں حضور والا بھی اندر داخل ہوئے کیفیت حاضرہ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا قریش والدتم نے اپنے آباؤ اجداد یعنی حضرت اسمٰعیل و حضرت ابراہیم علیہما السلام کے طریقہ سے روگردانی کر لی۔ کفار بولے ہم تو ان کو اللہ تعالیٰ کی محبت کیلئے پوجتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے ہمارا قرب بڑھ جائے اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

آیت کا حکم عام ہے اور محبت الٰہی کے مدعیوں کو آزمانے کے لئے

معیار صداقت و کذب ہے اگر وہ طریقۂ محمدی پر نہیں ہیں تو جھوٹے ہیں اُنکو خدا تعالیٰ سے محبت نہیں۔ محبت الٰہی کے دعویٰ میں آدمی سچا اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ تمام اقوال افعال اور اطوار میں شرع محمدی کا اتباع کرے اور سر مو اُس سے تجاوز نہ کرے۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ جس شخص نے ہمارے حکم کے خلاف کوئی کام کیا وہ کام غیر مقبول ہے۔

آیت میں دو قسم کی محبتوں کا ذکر ہے (۱) بندہ کی محبت خدا سے (۲) خدا کی محبت بندہ سے۔ اول الذکر محبت کے یہ معنی ہیں کہ سوا خدا کے کسی طرف میلان خاطر نہ رکھے ہر وقت اُسکے احکام کی تعمیل میں سرگرم رہے اور جن چیزوں کے ارتکاب کو اُس نے منع کر دیا ہے اُن سے باز رہے۔ گویا محبت اگرچہ دلی فعل ہے لیکن اُسکے ثبوت کے لئے عملی ظہور لازم ہے جبتک اطاعت الٰہی نہ ہوگی محبت کا دعویٰ غلط ہے۔ اور موخر الذکر محبت کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ بندہ سے راضی ہو اور اُسکو ثواب عطا فرمائے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ ان مشرکوں سے کہدیجئے اگر تم کو محبت الٰہی کا دعویٰ ہے اور تقرب خداوندی کے خواستگار ہو تو اُس کے احکام کی تعمیل کرو اور چونکہ احکام الٰہی بغیر واسطہ کے بندوں تک نہیں پہنچ سکتے لہذا میری پیروی کرو اور میرے احکام کو مانو۔ میری اطاعت سے تم کو یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ خدا تعالیٰ تم سے راضی ہو جائیگا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیگا اور اجر جزیل عطا فرمائیگا۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ جو پہلے گناہ کر چکے ہو اُنکو نا قابل معافی نہ خیال کرو کیونکہ خدا غفور رحیم ہے۔ اگر میرے احکام کی اطاعت کروگے تو خدا تعالیٰ معاف فرما دیگا۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ یعنی اگر یہ لوگ خیال کریں کہ احکام الٰہی کی اطاعت تو خیر ضروری ہے غیر خدا کے احکام کو کیوں مانیں تو آپ ان سے کہدیجئے کہ خدا اور رسول دونوں کی فرمانبرداری لازم ہے۔ رسول کی فرمان پذیری بعینہٖ خدا کی اطاعت ہے۔ اگر یہ اس بات کو مان لینگے اور اطاعت رسول کرنے لگینگے تو محبت الٰہی کے دعویٰ میں سچے سمجھے جائینگے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ اور نہ مانینگے تو دعویٰ محبت میں جھوٹے ہیں ایسے کافروں سے خدا محبت نہیں کرتا نہ اُن کو رضا الٰہی حاصل ہو سکتی ہے۔

مقصود بیان: ۔ محبت اگرچہ قلبی فعل ہے لیکن اُسکے ثبوت کے لئے عملی مظاہرہ ضروری ہے۔ محبوب کے اوامر و نواہی پر پابند ہونے کے بغیر دعوےٰ محبت غلط ہے۔ اتباع رسول سے خدا بھی راضی ہو جاتا ہے اور بندوں سے محبت کرتا ہے۔ خدا اور رسول کی اطاعت ایک ہی چیز ہے اور ایک کی نافرمانی سے دوسرے کی نافرمانی لازم آتی ہے۔ جو شخص سنت رسول اللہ کا پیرو نہیں وہ محبت الٰہی کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ ایسے شخص سے خدا بھی محبت نہیں کرتا۔ اسلام سے تمام سابق گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی خلاف ورزی کفر ہے۔

ہدایات خاص: ۔ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ بندہ برابر نوافل کے ذریعہ سے مجھسے قرب کا طالب ہوتا ہے یہانتک کہ میں اُسکے کان ناک اور ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ محبت الٰہی جب بندہ کے دل میں متمکن ہوتی ہے تو جتنے اسکے اعضاء ظاہری و باطنی ہیں سب خدا تعالیٰ کے حکم کے موافق کام کرتے ہیں اور اس شخص کے اختیار میں نہیں رہتے بلکہ یہ خود ہی اپنے ارادے اور خواہشوں سے خالی ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں محبت و ایمان کا نور قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر قلب سے تمام بدن کے رگ و ریشہ میں پھیلتا ہے یہانتک کہ آدمی باطن کی آنکھ سے نور ہی نور دیکھتا ہے اور جب اسپر قائم رہتا ہے تو پھر سوا اُن خیالات کے جو قضا و قدر کے موافق ہیں اور کچھ خیال ہی نہیں آتا اور سب اعضاء اسی کے موافق کام کرتے ہیں اور دل ان پر حکم چلاتا ہے اور دل پر خدا تعالیٰ کی حکومت ہوتی ہے اب جو بات یہ شخص زبان سے نکالتا ہے وہی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ بات اسکے ذاتی ارادہ سے نہیں ہوتی بلکہ وہی ہوتی ہے جو تقدیر الٰہی میں ہوتی ہے۔ اسوقت اسکا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا بیماری صحت سب کام باعث ثواب ہوتے ہیں اور کمال محبت اسکو حاصل ہو جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ

اللہ نے سارے عالم میں سے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم

وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۙ ذُرِّیَّۃً ۢ بَعْضُھَا

اور خاندان عمران کو انتخاب کر لیا ہے ان میں سے ایک دوسرے

مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

کی اولاد ہیں اور اللہ سنتا اور جانتا ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ محبت الٰہی کے مدعی کے لئے اتباع رسول لازم ہے۔ اس سے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی اطاعت کرانی چاہتے ہیں حالانکہ آدمی آدمی سب برابر ہیں ہم کیوں انکی اطاعت کریں یہ بھی ہمارے ہی خاندان میں سے ایک آدمی ہیں۔ اس شبہہ کا جواب خدا تعالیٰ نے ان آیات میں دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا کر رکھی تھی ہمیشہ سے یہی دستور چلا آیا ہے کہ ہر زمانہ میں خدا کا برگزیدہ بندہ جسکو خداوند تعالیٰ خود منتخب کر لیتا ہے دیگر لوگوں سے افضل و بزرگ ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت آدمؑ حضرت نوحؑ جنکو آدم ثانی کہا جاتا ہے حضرت ابراہیمؑ جو آدم ثالث تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد یعنی حضرت اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ وغیرہ پھر عمران کے دونوں صاحبزادے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ

یہ سب الگ الگ ایک دوسرے کی نسل میں تھے اور انسان تھے فرشتے نہ تھے۔ لہذا یہ خیال غلط ہے کہ ہم اپنے ہی قوم والے کی کیوں اطاعت کریں کیونکہ خدا تعالیٰ ہر شخص کے گفتار کو سنتا اور رفتار کو جانتا ہے جیسا مناسب سمجھتا ہے ویسا کرتا ہے (یعنی خدا تعالیٰ نے عمران کی بیوی کے قول کو بھی سنا تھا اور اسکی نیت کا بھی خدا کو علم تھا۔ ان دونوں باتوں کا بیان آئندہ آیت میں آتا ہے)

حضرت ابراہیم کے صاحبزادے حضرت اسحٰق کی اولاد میں نبوت حضرت عیسیٰ کے زمانہ تک رہی اور حضرت ابراہیم کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سوا حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے اور کوئی نبی نہیں ہوا۔

عمران دو تھے ایک تو حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے والد تھے یہ عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب تھے۔ دوسرے عمران حضرت مریم کے والد حضرت زکریا کے ہم زلف حضرت یحییٰ کے خالہ زاد بھائی اور حضرت عیسیٰ کے نانا تھے یہ عمران بن ماثم یا عمران بن ماثان۔ یہودا کی نسل میں سے تھے اور دونوں خدا کے محترم نبی تھے۔ دونوں کے درمیان بروایت محمد بن اسحٰق ۱۸۰۰ برس کا فصل تھا

مقصود بیان: نبی اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل ہوتا ہے۔ انبیا کا مرتبہ اولیا سے بڑھ کر ہے۔ حضرت آدم صرف خلیفہ ہی نہ تھے بلکہ نبی بھی تھے۔ نبی کی اطاعت لازم ہے وغیرہ۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ

جبکہ عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب جو کچھ میرے پیٹ میں ہے

لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّكَ

میں اسکو (دنیوی کاروبار سے) آزاد کر کے تیری نذر کرتی ہوں تو میری طرف سے قبول فرما کیونکہ

اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ

تو سنتا اور جانتا ہے غرض جب عمران کی بیوی کو وضع حمل ہوا تو اس نے کہا

رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰىؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

پروردگار میرے تو لڑکی پیدا ہوئی ہے حالانکہ جو کچھ اسکے پیدا ہوا تھا خدا اس سے

وَضَعَتْؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰىۚ وَاِنِّیْ

خوب واقف تھا اور لڑکا اس لڑکی کی طرح نہیں (ہو سکتا) تھا اور میں نے

سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا

اس کا نام مریم رکھا اور میں اسکو اور اسکی اولاد کو شیطان لعین سے بچا کر

مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ

تیری پناہ میں دیتی ہوں بالآخر خدا نے اسکو خوشی سے قبول کیا

حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًاۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا

اور اس کی اچھی طرح نشو ونما کی اور زکریا کو اس کا کفیل بنا دیا

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَۙ وَجَدَ

جب زکریا اسکے پاس حجرہ میں جاتے تھے تو اس کے پاس کھانا (یعنی میوہ)

عِنْدَهَا رِزْقًاۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَاؕ

رکھا ہوا پاتے (ایک دن) بولے مریم تمہارے پاس یہ کہاں سے آیا

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ

مریم نے کہا یہ خدا کے پاس سے آیا ہے خدا جسکو چاہتا ہے بلا شبہ

مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○

بے حساب روزی دیتا ہے

تفسیر حضرت زکریا کے ہم زلف یعنی عمران بن ماثم کی بیوی حنہ بنت فاقوذ حاملہ ہی تھیں کہ عمران کا انتقال ہو گیا۔ حنہ نے یہ سمجھ کر کہ شاید میرے لڑکا پیدا ہوگا یہ نذر مانی تھی کہ الٰہی میں اسکو تمام دنیا کے کاروبار سے آزاد کر کے تیرے گھر یعنی بیت المقدس کی خدمت کے واسطے چھوڑ دونگی اُس زمانہ میں ایسی نذر ماننی صحیح بلکہ موجب ثواب تھی اور حضرت زکریا کے خاندان میں تو بیت المقدس کی تولیت آہی رہی تھی اور حضرت زکریا کے کوئی اولاد بھی اُس وقت تک نہ تھی اس لئے جانشین کی بھی ضرورت تھی۔ ان خیالات کو پیش نظر رکھکر حنہ نے مذکورہ بالا نذر مانی لیکن جب خیال کے خلاف لڑکی یعنی حضرت مریم پیدا ہوئیں تو چونکہ نرینہ اولاد کو ہی بیت المقدس کی خدمت کے واسطے مقرر کر دینے کا دستور تھا اسلئے حنہ کو تردد ہوا کہ دنیا ہو یا دین ہر صورت لڑکی لڑکے کی برابر نہیں ہو سکتی پھر نذر کیونکر پوری ہو گی اسلئے نہایت حسرت و افسوس سے کہنے لگیں کہ الٰہی اب کیا ہو سکتا ہے لڑکی پیدا ہوئی ہے میں نذر کس طرح پوری کروں اور خدا تعالیٰ کو اس لڑکی کے پیٹ سے ایک جلیل القدر پیغمبر یعنی حضرت عیسیٰ کو بطور معجزہ کے پیدا کرنا مقصود تھا اور وہ بجائے لڑکے کے لڑکی کے پیدا ہونے کی مصلحت سے خوب واقف تھا اور خدا کے نزدیک ایسی لڑکی لڑکوں سے بدرجہا افضل تھی اسلئے اُس نے بخوشی حنہ کی نذر قبول فرمائی۔ غرض حنہ حضرت مریم کو لیکر بیت المقدس میں گئیں اور وہاں کے خدام اور مجاوروں سے کہا کہ لو یہ نذرانہ اس مقدس گھر

کی خدمت کے لئے ہے اسکی سرپرستی اور غور پرداخت کرو۔ مجاوروں نے سُنا تو ہر ایک نے حضرت مریم کی کفالت کی رغبت ظاہر کی کیونکہ وہ اُن کے سردار عمران مرحوم کی صاحبزادی تھیں اور عمران بیت المقدس کے امام تھے۔ اُس وقت حضرت زکریا نے کہا کہ میں مریم کی کفالت کا سب سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میں اس لڑکی کا خالو ہوں اور اسکی خالہ ماں کی طرح ہی غور و پرداخت کریگی۔ بالآخر جب جھگڑا بڑھا تو قرعہ ڈالنے پر فیصلہ ہوا۔ انیس آدمیوں نے جو کفالت چاہتے تھے نہر اردن میں توریت لکھنے کے قلم ڈالے کہ جس کا قلم پانی میں بیٹھ جائیگا وہی کفیل ہوگا۔ یہ دولت اللہ پاک نے حضرت زکریا کے نصیب میں لکھی تھی اسلئے اُن کا قلم پانی میں ٹھیر گیا اَوروں کے قلم بہہ گئے۔ حضرت زکریا نے مریم کی پرورش شروع کردی اور ایک مستقل حجرہ سب سے الگ اُن کے لئے بنا دیا جس میں سوا حضرت زکریا کے کوئی غیر نہیں جا سکتا تھا۔ حضرت زکریا جب حجرہ کے اندر مریم کے پاس جاتے تو سردی کے زمانہ میں گرمی کے اور گرمی کے زمانہ میں سردی کے میوے موجود پاکر تعجب کرتے تھے۔ ایک روز دریافت کرنے لگے کہ مریم تمہارے پاس یہ میوے کہاں سے آتے ہیں؟ حضرت مریم نے جواب دیا خدا کے پاس سے آتے ہیں خدا جسکو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اب ہم تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا عمران کی بیوی (حنہ بنت فاقوذ) نے جناب باری میں عرض کیا الٰہی میں تیرے خانۂ پاک کی خدمت اور تیری عبادت کے لئے اُس حمل کو نذر کرتی ہوں جو میرے شکم کے اندر ہے اُسکو دنیا کے کسی کاروبار میں مشغول نہ کرونگی۔ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ تو میرا یہ نذرانہ قبول فرما تو ہی میری دعا کو سننے والا اور نیت کو جاننے والا ہے۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا لیکن جب لڑکی پیدا ہوئی اور امید کے خلاف بات ظاہر ہوئی کیونکہ لڑکیوں کو خدمت بیت المقدس کے واسطے مامور کرنے کا دستور نہ تھا تو حنہ کو تردد ہوا اور معذرت کے ساتھ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى کہنے لگیں پروردگار یہ تو لڑکی پیدا ہوئی اب میں کیا کروں نذر کیسے پوری کروں۔ حالانکہ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ۔ حنہ کے شکم سے جو لڑکی پیدا ہوئی تھی اُسکی حکمت و مصلحت سے خدا ہی خوب واقف تھا کہ آئندہ اس لڑکی کے بطن سے ایک عظیم الشان نبی بطور معجزہ کے پیدا ہوگا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کا سبب ہوگا اور اُنکی گمشدہ بھیڑوں کو پھر راہ پر لے آئیگا۔ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى اور ہر لڑکا ہر لڑکی کی طرح نہیں ہوسکتا یا جو لڑکی پیدا ہوئی تھی اُسکی طرح وہ لڑکا نہیں ہوسکتا تھا جسکی حنہ نے آرزو کی تھی۔ مطلب یہ کہ بعض لڑکیاں لڑکوں سے اتقاء میں افضل ہوتی ہیں وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ یہ حنہ کا قول ہے یعنی الٰہی میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور میں شیطان مردود کے اغوار سے اسکی اور اسکی اولاد کی حفاظت چاہتی ہوں اور اسکو اور اسکی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے پیدا ہونے کے بعد شیطان اُسکو چھوتا ہے جسکی وجہ سے وہ چلانے لگتا ہے سوا مریم اور اُن کے فرزند کے (رواہ البخاری والمسلم) کہ ان دونوں کو شیطان نے مس نہیں کیا۔ یعنی انبیاء تو مس شیطان سے محفوظ ہوتے ہیں لیکن انبیاء کے علاوہ صرف حضرت مریم کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ شیطان نے اُن کو مس نہیں کیا تھا۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ۔ جب حنہ نے اخلاص کے ساتھ نذر پیش کی تو خدا تعالیٰ نے اچھی طرح لڑکی کا نذرانہ بھی قبول کرلیا (اگرچہ اُس زمانہ کے دستور کے خلاف تھا) یعنی بیت المقدس کی خدمت کے لئے خدا تعالیٰ نے مریم کو قبول کرلیا اور درجات آخرت کے اعتبار سے بھی مریم کو پسند فرمالیا۔ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور مریم کو اچھی اٹھان اٹھایا اور اچھی طرح بڑھایا۔ عفت و عصمت اور حسن اعضاء مریم کو عطا کیا اور جنت کے میوے دنیا میں اُن کو مرحمت فرمائے جن کا بیان اگلی آیت میں آتا ہے۔ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا۔ اور حضرت مریم کے افعال تعلیم، تربیت اور غور و پرداخت کا خدا تعالیٰ نے زکریا کو ذمہ دار بنایا۔ یعنی حضرت زکریا کی زیرسرپرستی مریم کو دیدیا گیا۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا۔ جب حضرت زکریا اُس بالاخانہ پر جس میں مریم کو سب سے علیحدہ رکھا جاتا تھا تو وہاں عجب عجب پھل اور میوے رکھے ہوئے ملتے تھے۔ گرمی کے زمانہ میں جاڑے کے اور جاڑے کے زمانہ میں گرمی کے میوہ جات نظر آتے تھے۔ ایک روز تعجب سے قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا۔ حضرت زکریا نے دریافت کیا مریم یہ تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں؟ مریم اُس وقت بچی ہی تھیں قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہنے لگیں خدا کے پاس سے آتے ہیں جنت سے خدا تعالیٰ میرے لئے بھیجتا ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ خدا تعالیٰ جسکو چاہتا ہے بغیر مشقت و تکلیف کے بے انتہا عطا فرماتا ہے۔ خدا کی بخشش کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ محنت و مشقت ہی کی جائے۔

مقصود بیان: ۔ حضرت مریم پیدائشی طور پر نفس کے اتباع شیطان کے اغواء اور توجہ الی غیر اللہ سے آزاد تھیں۔ طاعت الٰہی میں مشغول اور مشاہدۂ تجلیات میں سرگرم تھیں۔ آیت سے واضح ہوتا ہے کہ کرامت اولیاء حق ہے۔ خرق عادت ممکن ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی فرماں برداری کا ثمرہ دنیا میں بھی عنایت کرتا ہے۔ اولیاء و اصفیاء پر خدا تعالیٰ کی خصوصی نظر عنایت ہوتی ہے۔ بعض اولیاء کا تعلق خدا سے ایسا ہوتا ہے کہ انبیاء کو بھی اُس کا علم نہیں ہوتا مگر اس سے فضیلت انبیاء میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ خدا تعالیٰ کسی نذر کی کمیت کیفیت اور حالت کو نہیں دیکھتا بلکہ اخلاص قلبی پر نظر فرماتا ہے۔ نذر تھوڑی ہو یا بہت صفائی نیت کے ساتھ مقبول ہونے کے قابل

ہوتی ہے۔ انبیاء اولیاء اور صلحا ہر کا کسی کے صلب یا بطن سے پیدا ہونا بھی اللہ تعالیٰ
پر خدا کا فضل و انعام ہے یہ فضل الٰہی بغیر محنت و مشقت کے بھی حاصل ہو جاتا ہے
خدا کی دین میں کسی سابق محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکے انعامات و احسانات
کا بندوں کے افعال و اعمال پر دارومدار نہیں ہے اگرچہ نیک کام خدا تعالیٰ کی
رضامندی اور بدکام خدا کی ناراضگی کے اسباب ہیں جسکی کفالت میں کوئی چیز
ہو یا کسی کی تربیت کسی کی زیر سرپرستی ہو تو سرپرست و کفیل پر لازم ہے
کہ ہر طرح سے اسکی نگرانی اور غور و پرداخت کرے۔ اگر خلاف اصول اور خارج
از عادت کوئی بات پیدا ہو تو سبب دریافت کرے وغیرہ۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ

اُس وقت زکریا نے اپنے رب سے دعا مانگی بولے اے پروردگار مجھے اپنی

لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ

سرکار سے اولاد صالح مرحمت فرما تو بے شک دعا کو

الدُّعَاءِ ○ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ

سنتا ہے ابھی تک زکریا مسجد میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے

يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ

کہ فرشتوں نے اُن کو آواز دی کہ خدا تعالیٰ تم کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا

جو کلمۃ اللہ (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بے رغبت

وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ○ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ

اور نبی اور پاکبازوں میں سے ہوگا زکریا نے کہا پروردگار اب مجھے

لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ

بڑھاپا آگیا اور میری بی بی بانجھ ہے میرے لڑکا کیسے ہوگا

قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ○ قَالَ

فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے زکریا نے کہا

رَبِّ اجْعَل لِّي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ

پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے اللہ نے فرمایا تمہاری نشانی یہ کہ تین

النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُر رَّبَّكَ

روز تک تم سوا اشارہ کرنے کے لوگوں سے کلام نہ کر سکوگے اور اپنے رب کی

كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ○ ع ۱۲

کثرت سے یاد کرو اور صبح شام پاکی بیان کرو

تفسیر بیت المقدس کی خدمت حضرت زکریا کے خاندان میں تھی
لیکن اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اور ننانوے ۹۹ سال کی عمر
ہو چکی تھی۔ ان کی بیوی ایشاع یا اشیع یا الیساع بنت فاقوذ بھی بانجھ تھیں
اور ان کی عمر بھی اٹھانوے ۹۸ برس کی ہو چکی تھی۔ حضرت مریم اگرچہ بیت المقدس
کی خادمہ بنادی گئی تھیں لیکن پھر بھی وہ عورت ذات تھیں۔ جب حضرت
زکریا نے مریم کے پاس خلاف موسم اور خلاف عادت قدرت خدا کا
کرشمہ دیکھا تو اولاد کی خواہش نے جوش مارا اور خیال کیا کہ کچھ تعجب
نہیں کہ خدا تعالیٰ مجھے بھی باوجود بوڑھے ہونے کے کوئی بچہ عنایت فرمادے
جو خدا خلاف موسم میوہ عطا فرماتا ہے کیا عجب ہے کہ بوڑھے بانجھ والدین
کو بھی اولاد نصیب کردے بس وہیں خدا تعالیٰ سے دعا کی اور دعا قبول
ہونے کی بشارت پر بمقتضائے بشریت اپنی بیوی کے بانجھ ہونے پر نظر کرکے
تعجب کے طور پر بول اٹھے کہ الٰہی اگر میری دعا تو نے قبول فرمالی ہے
تو کوئی علامت مقرر فرمادے۔ ارشاد ہوا بس یہی علامت ہے کہ تم سے
تین دن بات نہ ہوسکیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت زکریا تین روز تک
کسی سے بات نہ کرسکے اور دن رات صبح شام ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔
یہی قصہ آئندہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:-
هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً
طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ جب حضرت زکریا نے مریم کے پاس
خلاف موسم پھل رکھے دیکھے اور قدرت الٰہی کا مشاہدہ کیا تو اولاد کی
خواہش دل میں موجزن ہوئی فوراً خدا سے دعا کی اور آدھی رات کو عرض
کیا الٰہی اگرچہ مجھ میں اور میری بیوی میں اولاد کی قابلیت نہیں رہی لیکن تو
خلاف وقت بھی عنایت فرما سکتا ہے مجھے اپنی طرف سے ایک نیک بچہ
عنایت فرما تو ہی دعا کو قبول فرمانے والا ہے۔ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَ
هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ حضرت زکریا کی دعا قبول ہوئی اور
مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت جبرئیل نے آواز دی اور کہا
إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ خدا تعالیٰ آپکو
یحییٰ کے پیدا ہونے کی خوشخبری دیتا ہے یعنی آپ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا اور
اس کا نام یحییٰ ہوگا اور وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کریگا۔ حضرت عیسیٰؑ کے روح اللہ
ہونے کا قائل ہوگا اور لوگوں کو روح اللہ کی بشارت دیگا۔ وَسَيِّدًا

وَّحَصُوْرًا اور لوگوں کا سردار ہوگا لوگ اُس کا اتباع کرینگے اور اپنا پیشوا بنا لینگے اور واقع میں بھی وہ اسی قابل ہوگا کیونکہ اُسکو نفسانی خواہشات اور معاصی کی طرف از خود رغبت نہ ہوگی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے فطری طور پر اُسکی تمام گناہوں کی بندش ہوگی وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ اور وہ نبی بھی ہوگا اور طبعًا نیک ہوگا گناہوں سے معصوم ہوگا نہ گناہ کا ارتکاب کریگا نہ خدا کی نافرمانی کا کبھی ارادہ کریگا۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ حضرت زکریاؑ نے تعجب سے کہا الٰہی میرے لڑکا کیسے ہوسکتا ہے اور کہاں سے ہوسکتا ہے۔ قانون فطرت ہے کہ بوڑھے باپ اور بانجھ ماں کے اولاد نہیں ہوتی ہے وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ اور میں تو بہت بوڑھا ہوگیا ہوں ننانوے سال یا ایکسو بیس برس کی میری عمر ہوگئی ہے وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ اور میری بیوی بھی بانجھ ہے پھر کس طرح اولاد ہونی ممکن ہے۔ قَالَ كَذٰلِكَ حضرت جبرئیلؑ نے کہا خدا کا حکم ایسے ہی ہے اُسکو کسی واسطہ اور ذریعہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بغیر ذریعہ اور سبب ظاہری کے بھی اَللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی چیز اُسکو تکمیل فعل سے نہیں روک سکتی یعنی کسی شئ کے پیدا ہونے کو حق تعالیٰ کی صرف مشیت کافی ہے واسطے یا سبب کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ واسطے اور سبب کو بھی تو بالآخر اُس نے اپنی خالص مشیت سے بنایا ہے اُسکے لئے تو اور سبب نہیں ہے۔ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً یعنی جب حضرت زکریا کے دل میں بہت شوق پیدا ہوا اور انسانی جذبہ نے مجبور کیا کہ جسکی بشارت دیگئی ہے وہ جلد ہوجائے تو عرض کیا پروردگار میری بیوی کے حاملہ ہونے کی کوئی نشانی مقرر فرما دے تاکہ مجھکو علم ہوجائے کہ اب استقرار حمل ہوگیا۔ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ارشاد ہوا استقرار حمل کی علامت یہ ہے کہ تین شبانہ روز تم لوگوں سے زبان سے بات نہ کرسکو گے یعنی زبان میں تلفظ کی طاقت نہوگی ذکر الٰہی تو کرسکو گے مگر لوگوں سے بات نہ کرسکو گے (اس آیت سے قدرت الٰہی کے کمال کیطرف بھی اشارہ ہے کہ جسطرح خدا تعالیٰ بغیر اسباب کے کسی چیز کو پیدا کردیتا ہے اسی طرح اسباب کی طاقت بھی سلب کرسکتا ہے اسباب کی موجودگی کے باوجود مسبب کا وجود نہیں ہوتا جسطرح کہ زبان میں گویائی کی طاقت بھی ہے کوئی مرض بھی نہیں ہے ذکر الٰہی پر بھی زبان چلتی ہے مگر لوگوں سے گفتگو کرنا ناممکن ہوگئی۔ اِلَّا رَمْزًا اور بوقت ضرورت کے وقت اشارے کنائے اور ہاتھ پانوؤں سر وغیرہ کے ایماء سے تم اظہار مدعا کرسکو گے لیکن تم پر بھی لازم ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا کہ خدا تعالیٰ کی یاد کی کثرت کرو اور اپنی نیت کو تمام خطرات سے خالی کرکے مناجات میں دل کو ہر تشویش و فکر سے پاک رکھو وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ اور صبح شام خدا کی پاکی بیان کرتے رہا کرو یعنی صبح کے دن میں اور شام کے دن میں نماز میں مشغول رہو اور خدا تعالیٰ کو تمام عیوب و نقائص سے پاک سمجھو اور زبان سے تسبیح الٰہی کا اقرار کرو۔

مقصود بیان:- دوسرے کی نعمت دیکھ کر فطرتًا دنیا پرست انسان کے دل میں رشک و حسد پیدا ہوتا ہے لیکن خدا کے روحانی بندے کسی سے رشک حسد نہیں کرتے اگرچہ اُن کو بھی نعمتِ الٰہی کے حصول کی خواہش ہوتی ہے مگر وہ اس خواہش میں برکتِ الٰہی کے جویاں ہوتے ہیں۔ اولاد کی پیدائش اگرچہ فطرةً والدین کی قابلیت کے ساتھ وابستہ ہے لیکن کبھی خداوند تعالیٰ اسکے خلاف بھی کردیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز ناممکن نہیں وہ ہر قسم کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے لیکن خلوص نیت اور نیک اعمال شرط ہے۔ نبی کی تصدیق کرنی لوگوں کا پیشوا اور مقتدا ہونا اور خواہشات نفسانی کی طرف سے طبعًا نفرت ہونا بھی انعام الٰہی ہے۔ انسان بدکار ہو یا نیکوکار جلیل القدر نبی ہو یا شیطان مجسم بہرحال اقتضاء بشری سے خالی نہیں اور خداوند تعالیٰ کی ظاہری قدرت کو دیکھ کر شروع میں تعجب کرتا ہے۔ چند روز کے واسطے دنیا سے الگ تھلگ رہ کر صفائی نفس اور ذکر الٰہی کی کوشش کرنی ناجائز نہیں ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ سے معانی غیب میں سے کسی بات کا طالب ہو اُسپر لازم ہے کہ زبان کو فضول بکواس سے بند کرے اور دل کو شیطانی وسواس سے خالی کرکے ظاہر و باطن میں مشغول بحق ہو۔

اب ہم ذیل میں حضرت مریمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کے کچھ مختصر واقعات ذکر کرتے ہیں تاکہ گذشتہ اور آئندہ آیات کا مطلب آسانی سے سمجھ میں آسکے:-

جب بیت المقدس کے اندر رہتے رہتے حضرت مریمؑ کو ایک عرصہ ہوگیا اور جوان ہوگئیں تو اب خدا تعالیٰ کو اپنی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہوا اور ایک جلیل القدر عظیم الشان نبی کی پیدائش ایک پاکدامن عصمت مآب عورت کے بطن سے منظور ہوئی۔ ایک روز حضرت مریم غسل حیض سے فارغ ہوکر اپنے حجرہ میں بیٹھی تھیں کہ آدمی کی شکل میں حضرت جبرئیل نظر آئے۔ حضرت مریمؑ نے غیر مرد کو سامنے آتے دیکھ کر خدا سے پناہ چاہی اور فرمایا اگر تو پاکدامن شخص ہے تو یہاں کیوں آیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا میں فرشتہ ہوں اور خدا تعالیٰ تجھکو ایک سعادتمند فرزند کی بشارت دیتا ہے۔ مریمؑ نے کہا میں کسی مرد کے پاس نہیں اور نہ میں بدکار ہوں پھر لڑکا کیونکر ہوسکتا ہے حضرت جبرئیل بولے خدا کا یونہی حکم ہے خدا ایسے ہی کردیتا ہے۔ پھر جبرئیل نے قریب آکر حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونکدیا جس سے وہ حاملہ ہوگئیں اور جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو حضرت مریم بیت اللحم کے ایک گوشہ میں کھجور کے ایک خشک درخت کے نیچے جاکر پڑ گئیں۔ الغرض حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے اور آپ کی برکت سے اس خشک درخت میں فورًا تر و تازہ اور پختہ کھجوریں آگئیں۔ یہودیوں کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو گروہ کے گروہ حضرت مریم کو لعنت ملامت کرنے کے لئے آنے لگے اور کہنے لگے تیرے ماں باپ تو نہایت پاکدامن اور عفت شعار تھے۔ تو نے یہ

کیا کیا؟ چونکہ فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو بتا دیا تھا کہ تیرے لڑکے کا نام عیسیٰ مسیح بن مریم ہوگا وہ شیر خوارگی کی حالت میں ہی کلام کریگا اسکو خدا تعالیٰ کتاب حکمت اور توریت و انجیل کا علم عطا فرمائیگا۔ وہ لوگوں سے کہیگا کہ میں خدا کی طرف سے معجزات لیکر آیا ہوں توریت کی تکمیل اور تائید کرنے آیا ہوں نہ کہ تردید و تکذیب۔ میں تم پر سے سخت احکام کا بار ہلکا کرنے آیا ہوں۔ جو چیزیں تم پر تمہاری سرکشی و طغیانی کی وجہ سے حرام کردی گئی ہیں میں اُن میں سے بعض اشیاء تمہارے لئے مباح کردونگا وغیرہ اسلئے حضرت مریمؑ نے جواب دیا اسی لڑکے سے پوچھو۔ یہی تمہارے سوال کا جواب دیگا۔ یہودی کہنے لگے شیر خوار بچہ کیا کہہ سکتا ہے ہم اس سے کیا جواب طلب کریں۔ یہ سنتے ہی حضرت عیسیٰؑ بول اٹھے میں خدا کا برگزیدہ بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب و حکمت عطا فرمائی ہے۔ میری ماں پاکدامن ہے۔ اسکے بعد اور معجزات بھی حضرت عیسیٰؑ سے ظہور پذیر ہوئے جس سے لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ بالآخر حضرت عیسیٰؑ نے تبلیغ شروع کردی اور یہودیوں نے سخت تکلیفیں دینی شروع کیں۔ حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰؑ کے جان کے خطرہ سے اپنے چچازاد بھائی یوسف نجار کے ہمراہ حضرت عیسیٰؑ کو ملک مصر میں لے گئیں اور وہیں حضرت عیسیٰؑ جوان ہوئے اور ملک شام میں آگئے۔ یہودیوں نے اس سے پہلے حضرت زکریاؑ کو شہید کردیا تھا کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ حضرت زکریا ہی عیسیٰؑ کے باپ ہیں پھر اُن کے جوان صاحبزادے حضرت یحییٰؑ کو بھی (جو حضرت عیسیٰؑ سے چھ ماہ بڑے تھے اور لوگوں کو توحید کی تعلیم دیتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کرتے تھے) بادشاہ وقت نے قتل کرادیا۔ اسکے بعد حضرت عیسیٰؑ ملک شام سے آکر جلیل اور یروشلم وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں وعظ فرماتے رہے لیکن یہودیوں کو ہر روز ان سے عداوت بڑھتی گئی۔ باوجودیکہ حضرت عیسیٰؑ نے توریت کی تصدیق کی اور شریعت موسوی میں حسب ضرورت بہ حکم الٰہی ترمیم کی اور بعض حرام چیزوں کو حلال کردیا۔ روز شنبہ کے احکام میں بھی سہولت کردی اور تمام قیدیں اٹھادیں اور معجزات بھی دکھائے مگر یہود کور باطن ہوچکے تھے انکی اندرونی احساسی طاقت مفقود ہوچکی تھی ان کو کوئی بات مفید نہ ہوئی۔ جب آپ نے یہود کی سرکشی حد اعتدال سے بڑھکر دیکھی تو ایک روز تنگ ہوکر فرمان نافذ فرمایا۔ یہ فرمان سنکر بارہ مرید جنکو حواری کہا جاتا ہے یعنی شمعون عرف پطرس۔ اندریاس یعقوب بن زبدی۔ حلفائی عرف تہدی۔ شمعون کنعانی۔ یعقوب بن حلفائی۔ یوحنا۔ برتھولما۔ فلپوس۔ تھوما۔ متی۔ یہودا اسکریوتی۔ حضرت کے مرید اور شاگرد خاص ہوگئے اور چونکہ ملک شام میں اُس وقت یہودیوں کی سلطنت نہ تھی بلکہ رومیوں کی تھی اور قیصر کی طرف سے وہاں ایک گورنر ہیروڈیس رہتا تھا اسلئے حضرت عیسیٰؑ اپنے مددگاروں کو لیکر وہاں چلے گئے اور اطراف ملک میں وعظ فرماتے رہے۔ ہر شہر میں سیکڑوں مرد و عورت آپ کے مواعظ سے فائدہ اٹھانے لگے اور جوق جوق آپ کے مذہب میں داخل ہونے لگے۔ اس پر یہود کی اور بھی آتش حسد بھڑک اٹھی اور اس حد تک انکی دشمنی بڑھی کہ وہ مسیح کے قتل کا موقع تلاش کرنے لگے اور جو پاک انسان بنی اسرائیل کی گمی ہوئی بھیڑوں کو راہ پر لانا چاہتا تھا اسی کی جان کے پیچھے پڑگئے۔ حضرت عیسیٰؑ ملک شام سے گھومتے گھومتے پھر یروشلم کی طرف آنکلے تھے اور آپ کا دستور تھا کہ دن کو شہر یروشلم میں آکر بیت المقدس میں وعظ فرمایا کرتے تھے اور شام کو زیتون کی پہاڑی پر کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر عبادت الٰہی بجالاتے تھے اس عرصہ میں عید فسح (عیدالفطر) کے موقعہ پر یہودیوں کے تمام سردار کاہن اور علماء جمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ کسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو قتل کردیں۔ یہ اسی فکر میں تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے ایک شخص یہودا نامی نے ان سے کچھ روپیہ لیکر حضرت عیسیٰؑ کے کل واقعات کی ان کو اطلاع دیدی اور یہ بھی کہدیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھیوں کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے صرف دو تلواریں ہیں وہ مقابلہ کے وقت بھاگ جائینگے تم ہر طرح سے اپنا کام کرسکتے ہو۔ یہ سنکر یہودیوں کی ایک جماعت ہتیار لیکر زیتون کے پہاڑ پر جا پہونچی۔ جناب مسیح کو بھی یہ حالت معلوم ہوگئی تھی کہ میرے ساتھیوں سے مقابلہ نہو سکیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہودیوں کی جماعت کو دیکھ کر حواری بھاگ گئے اور یہود حضرت مسیح کو گرفتار کرکے منہ پر طمانچے مارتے ہوئے اور مذاق اڑاتے ہوئے شہر میں لائے۔ صبح کو تمام یہودی جمع ہوئے اور حضرت سے پوچھا اگر تو وہی مسیح ہے تو ہم سے کہدے۔ حضرت نے فرمایا اگر میں کہوں بھی تو تم کو یقین نہ آئیگا۔ آخر سب لوگ آپ کو پلیٹس کے پاس لیگئے۔ یہ یہودیوں کا حاکم تھا اور قیصر سے باغی ہوگیا تھا۔ پلیٹس نے کہا میرے نزدیک ان کا کوئی جرم مستوجب قتل نہیں یہودیوں نے جب بہت زیادہ اصرار کیا تو پلیٹس نے حضرت عیسیٰؑ کو اسی حالت میں ہیروڈیس حاکم شام کے پاس بھیجدیا لیکن ہیروڈیس نے بھی حضرت عیسیٰؑ کے قتل سے انکار کیا اور پھر واپس پلیٹس کے بھیجدیا پلیٹس نے آپکو چھوڑدینا چاہا مگر یہودیوں نے غل مچادیا کہ ایسا نہ کرنا۔ مجبوراً پلیٹس نے کہا اچھا میں تمہارے کہنے سے اسکو سولی دیتا ہوں لیکن اس کا وبال تم پر اور تمہاری اولاد پر رہیگا۔ یہودیوں نے اس بات کو منظور کرلیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی عجیب حالت تھی اور ایک بیخودی کی کیفیت آپ پر طاری تھی۔ آخرکار پلیٹس نے سولی دینے کا حکم دیا۔ جس مکان میں حضرت عیسیٰؑ بند تھے اُسکے اندر ایک شخص شمعون اقرابیخی کو بھیجا گیا تاکہ اندر سے حضرت عیسیٰؑ کو لے آئے۔ اِدھر شمعون اندر پہونچا اُدھر خدا تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ عیسیٰ کو اٹھالو اور شمعون کی صورت عیسیٰ کی طرح کردو۔ حکم الٰہی کے بموجب شمعون کی صورت بدلکر حضرت عیسیٰؑ کی طرح ہوگئی اور آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ شمعون کو جب اندر حضرت عیسیٰ نہ ملے تو وہ باہر نکلکر آیا۔ لوگوں نے

فوراً اسی کو عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا - وہ ہرچند کہتا تھا کہ میں شمعون ہوں عیسیٰ نہیں ہوں لیکن اپنی آنکھوں کی تکذیب کون کرسکتا تھا - بالآخر اسکو سولی دیدی گئی -
اس واقعہ کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۳۳ سال کی تھی - صرف ڈھائی تین برس نبوت کو ہوئے تھے -

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ

اور جب فرشتوں نے کہا مریم تم کو خدا تعالیٰ نے برگزیدگی عطا کی

وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ

اور صاف ستھرا کیا اور سارے جہان کی عورتوں میں تمہارا انتخاب کیا۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ

مریم اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہا کرو اور سجدہ کیا کرو اور نماز پڑھنے والوں

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ

کے ساتھ نماز پڑھا کرو (اے محمد) یہ غیب کی خبریں ہم وحی کے ذریعہ سے

نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

تم کو پہنچاتے ہیں - حالانکہ اُس وقت تم اُن کے پاس موجود نہ تھے جبکہ

يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَ

وہ اپنے قلموں کو (بطور قرعہ کے) ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کریگا اور

مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝

نہ تم اُنکے پاس اُس وقت تھے جبکہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے

تفسیر حضرت زکریا اور یحییٰ کا قصہ الحاقی طور پر ذکر کیا گیا تھا اصل مقصود حضرت مریم و عیسیٰ کا تذکرہ تھا - چنانچہ اس آیت میں پھر اصل مدعا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے - ارشاد ہوتا ہے کہ جبرئیل نے جب مریم سے کہا کہ خدا نے تجھکو بزرگی عطا فرمائی ہے تیرا مرتبہ نہایت بلند اور عالی بنایا ہے واقع میں تو خدا کی مقبول بندی ہے - وَطَهَّرَكِ اور تجھے خدا نے مردوں کی قربت اور تمام بشری آلائشوں سے پاک کردیا ہے - تیری مادی قوتوں کو مغلوب کردیا ہے وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور تیرا مرتبہ اتنا اونچا کردیا ہے کہ تیرے زمانہ کی جتنی عورتیں ہیں سب پر تجھکو فضیلت عطا فرمائی ہے - يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ - لہذا مریم تجھے بھی تہ دل سے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے پروردگار کی اطاعت کرنی چاہئے اور شکریہ کے طور پر اُسکی عبادت میں سرگرم رہنا چاہئے - لیکن تیری نماز (ان عام یہودیوں کی طرح نہ ہونی چاہئے کہ نماز میں رکوع نہیں کرتے بلکہ تیری نماز) میں رکوع ضرور ہونا چاہئے جس طرح خالص ایماندار یہودی رکوع کرتے ہیں - مطلب یہ کہ اولیاء اور اُن اہل محبت کے ساتھ شامل ہوکر جو نرم دل ہوکر خدا کی طرف جھک پڑتے ہیں تجھکو بھی بارگاہ الٰہی میں جھکنا چاہئے تاکہ تجھکو اہل جماعت کی برکت نصیب ہو اور اولیاء کی صحبت سے بندگی میں استحکام ہو اور صفائی قلب حاصل ہو۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ - یہ زکریا اور مریم کے واقعات اور یحییٰ و عیسیٰ کی پیدائش کے قصے اور مریم کی کفالت وسرپرستی کے تنازعات غیب کی خبریں ہیں تم کو ان کا علم نہ تھا کیونکہ تم نے انجیل و توراۃ نہیں پڑھی اور نہ اہل کتاب کی صحبت میں رہے - بلکہ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ہم وحی کے ذریعہ سے تم کو ان واقعات کی اطلاع دے رہے ہیں ورنہ تمہارے پاس کوئی علم کا ذریعہ نہ تھا اور وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ اور نہ تم اُس وقت موجود تھے جبکہ (مریم کی والدہ بنی الکاہن کے پاس مریم کو لائی تھیں) مریم کا کفیل بننے کے لئے لوگ ہزاروں میں اپنے اپنے (توریت لکھنے کے) قلم بطور قرعہ کے ڈال رہے ہے اور سب نے فیصلہ کرلیا تھا کہ جسکا قلم پانی میں ٹھہر جائے وہی مریم کی غوربرداخت اور کفالت کرے - وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اور نہ تم اُس وقت موجود تھے جبکہ لوگ باہم مریم کی کفالت کے متعلق جھگڑ رہے تھے بلکہ یہ غیر معلوم واقعات ہم وحی کے ذریعہ تم کو بتا رہے ہیں۔

مقصود بیان: - حضرت مریم ؑ خدا کی برگزیدہ بندی تھیں نبی نہ تھیں نہ خدا کی بیوی تھیں - حضرت مریم ؑ نے کبھی کسی مرد سے قربت نہیں کی نہ حرام نہ حلال - ان کے نفسانی قوی مغلوب ہوگئے تھے - آیت میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ اپنے انعام سے سرفراز فرمائے اُس پر لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کی اور زیادہ اطاعت کرے - ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جماعت کے ساتھ مل کر عبادت کرنے سے خواہ عبادت فرضی ہو یا نفلی - برکت حاصل ہوتی ہے اور عبادت قابل قبولیت ہوجاتی ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات کا علم صرف وحی سے ہوا - ورنہ وحی سے قبل حضور ان باتوں سے لاعلم تھے قرعہ ڈالنا صرف دل خوش کرنے کے لئے جائز ہے - جو چیز انسان کے دماغ اور ذہن سے غائب ہو یعنی جس چیز کا انسان کو علم نہ ہو وہ غیب کے حکم میں داخل ہے - لیکن یہ غیب لغوی ہے - آیت میں معجز نما تبلیغ کا بھی مظاہرہ کیا گیا ہے اور لطافت آمیز دعوت اسلام بھی دی گئی ہے کہ ایسے واقعات جن کو اہل کتاب بھی بہت کم جانتے ہیں اُن کے متعلق ایسا محقق فیصلہ ایک بے پڑھے لکھے آدمی کی زبان سے ہونا اگر وحی الٰہی پر مبنی نہیں تو اور کیا ہے - وغیرہ

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ

جس وقت کہ فرشتوں نے کہا تھا مریم خدا تعالیٰ تم کو اپنے کلمہ کی بشارت

بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسے بن مریم ہوگا

وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○

اور دنیا دین میں وہ باعزت اور مقرب بندوں میں سے ہوگا

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا

اور گہوارہ میں ہونے کے زمانہ میں اور نیز ادھیڑ عمر میں وہ (یکساں)

وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

لوگوں سے بات چیت کریگا اور نیک بندوں میں سے ہوگا

تفسیر یہ بھی حضرت جبرئیل کا قول ہے یعنی اے مریم تجھ کو خدا تعالیٰ ایک سعادت مند فرزند کی بشارت دیتا ہے جو بغیر باپ کے صرف حکم الٰہی سے پیدا ہوگا اور فقط لفظ کن اُس کی پیدائش کا سبب ہوگا۔ حضرت عیسیٰؑ کو اسی وجہ سے کلمۃ اللہ کہا گیا۔ اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ چونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا اس لئے کسی مرد کی طرف اسکا سلسلۂ نسب منسوب نہ ہوگا بلکہ اُس کا نام تیرے نام پر ہوگا یعنی مسیح عیسی بن مریم وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ دنیا دین میں خدا کے نزدیک وہ باوجاہت اور ذی رتبہ ہوگا۔ دنیا میں جاہِ نبوت سے سرفراز ہوگا اور آخرت میں مراتب عالیہ اُس کو حاصل ہونگے وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ اور وہ خدا کے مقرب بندوں میں سے ہوگا یعنی نبی مقرب ہوگا وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا اور اُسکو یہ خصوصیت حاصل ہوگی کہ معمولی انسان بڑے ہوکر باتیں کرتے ہیں مگر وہ شیر خوارگی کی حالت میں بھی لوگوں سے بات چیت کریگا اور میانہ عمر میں پہونچکر تو لوگوں کو ہدایت کرے گا ہی۔ وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور خلاصہ یہ کہ وہ خدا کے نیک بندوں میں سے ہوگا۔ عقائد، افعال، اقوال اور اُسکی کل رفتار حیات صلاح و نیکی پر مبنی ہوگی اور وہ انبیاء کے درجۂ صلاح پر فائز ہوگا۔

مقصود بیان: معمولی انسان جس طرح شیر خوارگی کی حالت میں اپنے نفس پر کوئی اختیار نہیں رکھتا بلکہ قدرت و مشیت کے تابع ہوتا ہے مشیت جب چاہتی ہے اُسکی زبان کھولتی ہے، جب چاہتی ہے اُسکے پاؤں میں رفتار کی طاقت پیدا کرتی ہے اسی طرح خدا کے کامل بندے بڑے ہوکر بھی اپنے ارادہ کو ارادۂ الٰہی میں فنا کر دیتے ہیں۔ اُن کا ہر فعل ذاتی ارادہ سے خالی ہوتا ہے بلکہ ذات الٰہی کا تصرف اُن کے ہر فعل سے ظاہر ہوجاتا ہے۔ یکلم الناس فی المھد وکھلا میں اس بات کی طرف لطیف تنبیہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب انسان کو پوری قوت عطا فرمادے تو اُسکے واسطے زیبا نہیں کہ اُس قوت کو حکم الٰہی کے خلاف استعمال کرے بلکہ اپنے ارادہ کو ارادۂ الٰہی کے تابع بنادے اور قضا و قدر سے جنگ کرنے کے درپے نہو۔ اس اَمر کی طرف بھی ایک مخفی اشارہ ہے کہ ہر انسان شروع میں مجبور محض ہوتا ہے اور عبودیت خالصہ کے درجہ میں ہوتا ہے اب جو خدا کے نیک بندے ہیں وہ بڑھ کر بھی اسی درجہ پر رہتے ہیں اور جو بدکردار و تمرد شعار طبقہ ہے اُس میں انانیت اور رعونت آجاتی ہے اور وہ اپنی قوتوں کا اپنے آپ کو عالم مطلق خیال کرنے لگتا ہے اور عبودیت الٰہی سے روگرداں ہوکر خناس شیطانی سے مغلوب ہوکر دعوی کرنے لگتا ہے کہ میں نے ایسے ایسے کمالات پیدا کئے۔ میں نے اتنا مال کمایا میں نے اپنی قوت بازو اور زور شمشیر سے حکومت حاصل کی۔ لیکن اول الذکر طبقہ ان تمام رعونتوں اور تمکنت شعاریوں کے مظاہرہ سے خالی ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہر فعل کا فاعل حقیقی اور ہر تصرف کا متصرف اصلی خدا کو جانتا ہے اور اپنے کل افعال کو اُسی کے افعال کا پرتو سمجھتا ہے۔ اُس وقت اس میں ضیاء ربوبیت جلوہ افگن ہوتی ہے اور آفتاب الوہیت کی اس پر پرتو اندازی ہوتی ہے یہ جو کچھ زبان سے نکالتا ہے وہ پورا ہوجاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ اسی درجہ پر فائز تھے۔ بچپن میں تو خدا نے اُن سے کلام کروایا ہی تھا لیکن جوانی میں بھی اُن کے اندر خدا بول رہا تھا۔ اسی وجہ سے وہ جذامی اور مبروص اور مادر زاد نابینا کو صرف چھوکر اچھا کر دیتے تھے۔ لیکن باذن اللہ۔ پرندے میں روح پھونکتے اور مردے کو زندہ کر دیتے تھے مگر یہ بھی باذن اللہ۔ خدا کے ہر کامل بندہ کی یہی حالت ہوتی ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ

مریم نے کہا پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوگا مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک

بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ

نہیں لگایا فرشتہ نے کہا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

جب کسی کام کو وہ کرنا چاہتا ہے تو اُس سے صرف یہ کہدیتا ہے کہ ہوجا وہ فوراً ہوجاتا ہے

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَ

اور (یہ بھی بشارت دی کہ) وہ کہنا اور دانائی کی باتیں اور توریت و

الْاِنْجِيْلَ ۚ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ

انجیل سکھائیگا اور بنی اسرائیل کے پاس پیغمبر ہو کر جائیگا (اور کہیگا)

اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ

کہ میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی تمہارے پاس لایا ہوں میں

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ

پرند کی صورت مٹی کی بناتا ہوں

فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

اور اسمیں پھونک مارتا ہوں تو وہ بحکم خدا پرند ہو جاتا ہے

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ

اور میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور بحکم خدا

الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ

مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے ہو یا گھروں میں

وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ

رکھ آتے ہو اُس کو بتا دیتا ہوں اگر تم

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ

ایماندار ہو تو اس میں تمہارے لئے (میری صداقت کی) نشانی ہے

تفسیر

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۭ یعنی جبرئیل کے جواب میں تعجب و حیرت سے حضرت مریم نے کہا کہ میرے کیسے اولاد پیدا ہو سکتی ہے عادت الٰہی تو یہ ہے کہ جوڑے سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا نہ جائز نہ ناجائز۔ قَالَ كَذٰلِكِ۔ جبرئیل نے کہا خدا کا حکم یونہی ہے کہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ خدا تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اسکو کسی واسطے اور ذریعہ کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا۔ جب کسی کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو باپ ہو یا نہو، اسباب موجود ہوں یا نہوں، بہر صورت فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ وہ اُس چیز کے پیدا ہونے کا صرف حکم دیتا ہے بس فوراً وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے یعنی اُسکی قدرت بہت بڑی ہے کسی چیز کے پیدا کرنے میں وہ اسباب کا محتاج نہیں۔ اگرچہ عموماً مسبب کا وجود ظاہری اسباب کے مہیا ہونے کے ساتھ وابستہ ہے۔ مگر وہ اسکے خلاف بھی کر سکتا ہے۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ اور خدا تعالیٰ اس لڑکے کو بغیر پڑھے لکھے (اور بغیر کسی مدرسہ میں حاضری دیئے) فن تحریر سکھائیگا، حکمت کی باتیں بتائیگا یعنی تہذیب اخلاق اور علم باطن عطا کریگا اور توریت و انجیل کے احکام کی تعلیم دیگا وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور فقط یہی نہیں بلکہ ایک معزز پیغمبر بنا کر بنی اسرائیل کی ہدایت پر مامور کریگا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ بہترین خوشنویس تھے ایک زبردست فلاسفر اور حکیم تھے، توریت و انجیل کے احکام کے ماہر تھے جو امور توریت میں قابل ترمیم تھے اُن کو آپ نے بدل ڈالا تھا اور باقی بدستور قائم رکھے تھے۔ اور نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ کہ میں خدا کا فرستادہ ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں تم کو میرے احکام کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنی حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ میں تمہارے پاس خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اپنی رسالت کی صداقت اور ثبوت کے کچھ معجزات بھی تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ مثلاً اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ تمہارے سامنے مٹی کی شکل پرندہ ایک مورت گھڑتا ہوں اور پھر اس میں پھونک مارتا ہوں وہ فوراً بحکم الٰہی زندہ پرندہ بن جائیگا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے چمگادڑ کے شکل کے متعدد پرندے بناتے تھے اور اُن پر خدا کا نام لیکر پھونک مارتے تھے تو وہ بحکم الٰہی زندہ پرندے بنکر اُڑ گئے تھے لیکن اتنا فرق تھا جسکو وہب بن منبہ نے بیان کیا ہو کہ جب تک وہ نظر کے سامنے رہتے تھے اُڑا کرتے تھے اور نظر سے غائب ہو جاتے تو گر کر مرجاتے تھے انکی زندگی پائیدار نہوتی تھی وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ یعنی دوسری بات یہ کہ میں بہت سی لاعلاج بیماریوں کو صرف چھو کر یا دم کر کے اچھا کر دیتا ہوں مثلاً مادرزاد نابینا کی آنکھیں روشن کر دیتا ہوں اور پیدایشی برص والے کو تندرست کر دیتا ہوں (حالانکہ یہ بیماریاں تمام اطباء کے نزدیک لاعلاج ہیں حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں چونکہ طب کا بہت زور تھا جالینوس وغیرہ اطباء موجود تھے اسلئے حضرت عیسیٰؑ نے اُن بیماریوں کے اچھا کرنے کا دعویٰ کیا جو باتفاق اطباء لاعلاج تھیں) وَاُحْىِ الْمَوْتٰى یعنی تیسری بات یہ کہ میں مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں جنکی جان نکل چکی ہوں اُن میں جان ڈالدیتا ہوں لیکن بِاِذْنِ اللّٰهِ یہ تمام کام خدا کے حکم اور اذن سے میں کرتا ہوں نہ کہ میں اپنی طرف سے

کوئی طاقت نہیں اور نہ ذاتی طور پر میں ایسا کر سکتا ہوں - جلال الدین سیوطی اور
محی السنۃ نے اپنی تفسیروں میں بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام نے چار شخصوں کو زندہ کیا تھا - ایک تو حضرت عیسیٰ کا ایک دوست
عازر نام تھا - جب اُسکے مرنے کا وقت قریب آیا تو اُسکی بہن نے حضرت
عیسیٰ کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ کا دوست عازر مر رہا ہے ذرا تشریف لائیے
چونکہ حضرت عیسیٰ کی جائے سکونت اور عازر کی رہائش گاہ میں تین روز
کی مسافت تھی اسلئے حضرت عیسیٰ جب اپنے ہمراہیوں کو لیکر پہنچے تو عازر کو مرے
تیسرا روز تھا - مسیح نے میت کی بہن سے فرمایا میرے ساتھ اسکی قبر پر چلو -
حسب الحکم وہ ساتھ ہولی اور جاکر حضرت کو عازر کی قبر پر کھڑا کر دیا - آپ نے
بارگاہ الٰہی میں دعا کی - عازر فوراً زندہ ہو کر قبر سے نکل آیا اور مدتوں جیتا رہا
یہانتک کہ اسکی اولاد ہوئی - دوسرے ایک بڑھیا کا اکلوتا بیٹا مر گیا تھا لوگ
اسکی نعش تابوت پر رکھے لئے جارہے تھے اور بڑھیا پیچھے پیچھے روتی
چلاتی جارہی تھی کہ حضرت عیسیٰ کی طرف سے گذر ہوا - آپ نے بڑھیا
پر ترس کھا کر دعا فرمائی اور مردہ زندہ ہو کر تابوت کے اوپر ہی اٹھ بیٹھا
اور بہت زمانہ تک زندہ رہا - سوئم ایک شخص عشر ٹیکس وصول کیا کرتا تھا
اسکی بیٹی مر گئی تھی دوسرے روز مسیح گرامی نے اسکو باذن اللہ زندہ کیا یہ بھی
ایک زمانہ تک جیتی رہی اور اسکی اولاد بھی ہوئی - چہارم ایک بار جناب مسیح سام
بن نوح کی قبر پر تشریف لے گئے اور اُن کو باذن الٰہی زندہ کیا وہ زندہ ہو کر قبر
سے نکل آئے لیکن کچھ دیر کے بعد پھر آپ نے ارشاد فرمایا سام معجزہ کا اظہار
ہو گیا اب تم قبر میں چلے جاؤ اور مر جاؤ - سام نے عرض کیا لیکن یہ شرط ہے
کہ خدا تعالیٰ مجھکو سکرات کی تلخی سے محفوظ رکھے - چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سام
فوراً مردہ ہو گئے اور قبر میں دفن کر دیے گئے - وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ
وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ - چوتھی بات یہ کہ گھروں کے اندر جو کچھ تم
کھاتے ہو اور جو کچھ کھانے کے لئے تم جمع رکھتے ہو اسکی اطلاع میں تم کو
دے سکتا ہوں - چنانچہ آپ بتادیا کرتے تھے کہ تم نے آج فلاں چیز کھائی
اور فلاں چیز کھانے کے لئے رکھ چھوڑی ہے - حضرت عمار بن یاسرؓ اور قتادہؒ
سے اسکے متعلق روایات آئی ہیں - اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ - یعنی ان مذکورہ معجزات میں تمہارے لئے میری صداقت و
رسالت کا نشان ہے بشرطیکہ تم میں ایمان کی روشنی ہو اور ایمان لانا چاہو
ورنہ عناد کی حالت میں تو ہزاروں معجزات بھی بے سود ہیں - جب آنکھوں
میں نور نہ ہو تو آفتاب سے کیا فائدہ -

مقصود بیان :- حضرت مریم ہمیشہ دوشیزہ رہیں کبھی کسی مرد سے
قربت نہیں کی - حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے صرف حکم الٰہی سے پیدا ہوئے -
خدا تعالیٰ کے ارادہ میں اور اُس چیز کے پیدا ہونے میں جسکا ارادہ کیا گیا ہو
فصل نہیں ہوتا ہے اِدھر ارادہ ہوا اُدھر وہ چیز فوراً پیدا ہو گئی - گویا
کسی شئی کا وجود ہی ارادہ الٰہی ہے - حضرت عیسیٰ بہترین خوشنویس تھے تہذیب
اخلاق کے ماہر تھے - عالم باعمل تھے اور توریت و انجیل کے احکام سے خوب
واقف تھے - حضرت عیسیٰ کی دعوت رسالت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی
اور کسی قوم کے واسطے نہ تھی اور نہ اسرائیلیوں کے علاوہ کسی اور پر حضرت
عیسیٰ کے دین کی پیروی اور احکام انجیل کی تعمیل ضروری تھی - حضرت عیسیٰ
کے معجزات بہت تھے لیکن عظیم الشان معجزات یہ تھے کہ آپ شکل پرندہ
ایک مٹی کی مورتی بنا کر اُسپر پھونک مار کر اُسکو زندہ کر دیا کرتے تھے - لاعلاج
مریضوں کو صرف ہاتھ سے چھو کر اچھا کر دیا کرتے تھے - مُردوں کو زندہ کر دیتے
تھے - لیکن یہ تمام امور حضرت عیسیٰؑ کی ذاتی طاقت پر مبنی نہ تھے - اسی لئے وہ
خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے بلکہ ان سب میں حکم الٰہی اور طاقت خداوندی
مضمر تھی اور حضرت عیسیٰ ان افعال کی تکمیل میں اذن الٰہی کے محتاج تھے -
مگر الوہیت حضرت عیسیٰ میں حلول نہیں کر گئی تھی - حضرت عیسیٰ کھائی پی ہوئی
چیزیں اور جمع کردہ ذخیرہ بتا دیا کرتے تھے - یہ سب حضرت عیسےٰ کے کھلے
کھلے معجزات تھے جن سے اُنکی رسالت کی تصدیق ہوتی تھی - آیت میں ایک
لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ کور باطن اور ضدی دماغ رکھنے والوں کو کوئی
ہدایت اور کوئی معجزہ مفید نہیں ہو سکتا - نور رسالت اور ضیاء ہدایت دیکھنے
کے لئے بصیرت کوش دماغ اور نورانی عقل کی ضرورت ہے - یہ غلط ہے کہ
انبیاء خود اپنی طرف سے ہر وقت معجزات کا اظہار کر سکتے ہیں - بلکہ آیت سے
صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی معجزہ پیدا کرتا اور اپنی مشیت و مرضی سے جسکے
ہاتھ پر اُسکا ظہور کرانا چاہتا ہے کرا دیتا ہے - گویا اعجاز کی صفت درحقیقت
خدا تعالیٰ کے واسطے ہی ہے - انبیاء کو ظاہر میں صرف اس کرامت سے سرفراز
فرمایا جاتا ہے کہ بپردہ صورت بہیئت میں ان لوگوں سے ظہور ہوتا ہے ورنہ انبیاء میں ایسی
ذاتی طاقت کوئی نہیں ہوتی کہ جب چاہیں معجزہ کا اظہار کر دیں -

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ

اور مجھ سے پہلے جو توریت نازل ہوئی اُسکی تصدیق کرتا ہوں اور

لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ

میری نبوت کی یہ غرض ہے کہ جو بعض چیزیں تم پر حرام کر دی گئی ہیں انکو تمہارے لئے حلال

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ

کر دوں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں لہذا تم خدا سے ڈرو

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ

بلاشبہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہے لہذا اُسکی عبادت کرو یہ سیدھا

مُّسْتَقِيمٌ ۝ فَلَمَّآ أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ

راستہ ہے بالآخر جب عیسیٰ نے اُن کی طرف سے انکار دیکھا تو

قَالَ مَنْ أَنصَارِىٓ إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ

بولے کوئی ہے جو خدا کے واسطے میری مدد کرے حواری بولے

نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا

ہم اللہ کے رسول کے حامی ہیں ہم اللہ پر ایمان لاتے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم

مُسْلِمُونَ ۝ رَبَّنَآ آمَنَّا بِمَآ أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا

فرمانبردار ہیں اے ہمارے رب جو کچھ تو نے نازل کیا ہمکو اُسکا یقین ہے اور ہم تیرے

الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَكَرُوا

رسول کے پیرو ہیں تو ہم کو (توحید و رسالت کی) شہادت دینے والوں کے ساتھ لکھ لے اور

وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝ ع ۱۲ / ۱۳

(یہودیوں نے) مکر کیا اور اللہ نے اُسکا عوض دیا اور اللہ سب سے بہتر خوش تدبیر ہے

تفسیر

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ ۔ حضرت عیسیٰ نے یہ بھی کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس رسول ہوکر اس شان سے آیا ہوں کہ توریت کے جو احکام و مسائل مجھسے پہلے موجود ہیں میں انکی تصدیق کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اپنے زمانہ میں واجب العمل تھے لیکن وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِى حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ توراۃ کے کل احکام اب بھی واجب العمل ہیں بلکہ میرے رسول بنا کر بھیجنے کی غرض یہ ہے کہ جو چیزیں توراۃ میں تم پر حرام کردی گئی تھیں اُن میں سے بعض اشیاء کو میں تمہارے لئے حلال کردوں۔ یعنی غرض یہ ہے کہ توریت کے بعض احکام تو برقرار رکھوں اور بعض کو منسوخ کردوں۔ بنی اسرائیل پر جو چیزیں حرام کردی گئی تھیں وہ دو طرح پر تھیں ایک تو اُن کی اصلاح حال و مآل کے لئے بطور ارشاد و ہدایت کے حرام کردی گئی تھیں۔ مثلاً زنا چوری جھوٹ بہتان سؤر کا گوشت وغیرہ۔ یہ احکام تو حضرت عیسیٰ نے بدستور سابق برقرار رکھے اور انمیں سے کسی حکم میں ترمیم بھی نہیں کی۔ دوسرے وہ چیزیں تھیں جن کو بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے وقتاً فوقتاً حرام کردیا گیا تھا۔ ان چیزوں کو حضرت عیسیٰؑ نے بحکم الٰہی حلال کردیا مثلاً چربی مچھلی اور پیٹ کی چربی پنجوں والے اور خار رکھنے والے پرندے سنیچر کے دن شکار کی حرمت وغیرہ۔ یہ تمام احکام شریعت عیسوی میں منسوخ کردیے

گئے۔ ابن کثیر اور دیگر محققین کا یہی قول ہے کہ دین عیسوی سے دین موسوی کا کچھ حصہ منسوخ ہوگیا اور کچھ بدستور باقی رہا۔ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ یعنی میرا دعویٰ رسالت بے ثبوت نہیں ہے بلکہ میں پروردگار کے عطا کردہ کچھ معجزات بھی لایا ہوں جن سے میری رسالت کا نشان ظاہر ہوتا ہے لہٰذا تم خدا سے ڈرو اور جو کچھ توحید الٰہی اور تعلیم شریعت کے متعلق میں تم کو احکام دوں ان کو مانو۔ إِنَّ اللَّهَ رَبِّى وَرَبُّكُمْ یہ آیت سابقہ کی اصل غرض ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہارے سامنے معجزات پیش کئے اور تم نے اسکو سحر پر محمول کیا ایسا نہ کرو کیونکہ کوئی جادوگر عقائد و اعمال کی اصلاح کی دعوت نہیں دیتا اور میں تم کو قوت نظریہ و عملیہ کے استکمال کیطرف بلاتا ہوں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے عقائد کی اصلاح کرلو۔ خداوند قدوس میرا اور تمہارا سب کا موجد، خالق، رازق اور مربی ہے اُسکی وحدانیت کا عقیدہ رکھو اور کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ اس سے تمہاری نظری قوت درست ہوجائیگی فَاعْبُدُوهُ اور اُس کی اطاعت کرو اُسکے احکام کی تعمیل کرو اور اُسکے اوامر و نواہی پر پابند رہو اس سے تمہاری قوت عملیہ درست ہوجائے گی۔ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ یہی خدا تک اور سعادت ابدی کا سیدھا راستہ ہے اسی سے نجات حقیقی حاصل ہوسکتی ہے۔ عقائد و اعمال کی اصلاح پر ہی حیات حقیقی اور نجات اخروی موقوف ہے۔ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ جب حضرت عیسیٰؑ نے دیکھا کہ بنی اسرائیل میری نصیحت نہیں مانتے اور میرے معجزات کا بھی انکار کرتے ہیں اور اچھی طرح سے سمجھ گئے کہ یہ کفر پر جمے رہینگے تو قَالَ مَنْ أَنصَارِىٓ إِلَى اللَّهِ ۖ فرمایا لوگو! دین الٰہی کی پیروی اور احکام حق کی اشاعت میں میرے مددگار کون ہیں؟ اسکا جواب بنی اسرائیل نے سوائے کفر و سرکشی کے اور کچھ نہ دیا۔ لیکن قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ چند دھوبی یا شکاری جن کے عقیدے شستہ اور صاف تھے اور سعادت ازلی کی سپیدی انکے دلوں میں چمک رہی تھی بول اٹھے کہ ہم دین حق کی پیروی کرینگے اور ہم شریعت الٰہی کے واسطے ہر طرح سے مددگار ہیں۔ آمَنَّا بِاللَّهِ ہم خدا پر ایمان لے آئے اور آپ کو رسول برحق یقین کرلیا۔ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ لیکن دلی ایمان اور قلبی یقین کا علم تو صرف خدا ہی کو ہے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ کم از کم اس بات کے گواہ رہیں کہ ہم آپکے احکام کی تعمیل کرنیوالے ہیں اور آپکی فرمان پذیری کرنے والے ہیں۔ اسکے بعد حواریوں نے خدا سے دعا کی رَبَّنَآ آمَنَّا بِمَآ أَنزَلْتَ ۔ الٰہی جو انجیل تو نے نازل فرمائی ہم اُسکو سچا جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ تیری طرف سے نازل شدہ کتاب ہے۔ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی کی اور فرمانبرداری بھی قبول کرلی۔ گویا ہم نے اپنے عقائد و اعمال دونوں کی اصلاح کرلی اور جو ہدایت کا اصلی مقصود تھا وہ ہم کو حاصل ہوگیا۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ لہٰذا ہم کو اُن لوگوں کی فہرست میں شامل کرلے جو تیری

وحدانیت کا اقرار کرنیوالے اور تیرے رسول کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہیں۔
بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد امت اسلامیہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے
ابن عباسؓ کی ایک روایت اسی کی تائید میں پیش کی ہے جو تفسیر ابن کثیر میں
موجود ہے اور صحیح الاسناد ہے۔

شیخ دہلوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے دھوبیوں سے فرمایا
تم کپڑے دھویا کرتے ہو آؤ میں تم کو دلوں کو دھونا سکھلا دوں۔ دھوبیوں
میں دو آدمی ہدایت پا کر حضرت عیسٰیؑ کے ساتھ ہو لئے اور یہی اصلی
حواری تھے پھر باقی لوگوں میں سے جو تابع ہوتے گئے وہ بھی تبرکاً اسی
خطاب سے مشرف ہوئے۔ وَمَكَرُوا یعنی جو لوگ ازلی شقی اور کور مغز
تھے انہوں نے حضرت عیسٰیؑ کے ضرر پہنچانے کیلئے مکر کیا۔ مطلب یہ کہ بنی اسرائیل
نے حضرتؑ کو شہید کرنے کی خفیہ تدبیریں کیں۔ محی السنۃ نے معالم میں بروایت
ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ اپنے حواریوں کو ساتھ لیکر آئے اور
علی الاعلان بنی اسرائیل کو وعظ کرنا شروع کیا۔ یہودیوں نے حضرت عیسٰیؑ
کو ساحر اور زناکار کہنا شروع کیا اور حضرت مریمؑ کو بھی گالیاں دیں۔
حضرت عیسٰیؑ نے انکے واسطے بد دعا کی اور خدا تعالیٰ نے گالیاں دینے والوں کو
سور کی شکل پر مسخ کر دیا۔ یہ دیکھ کر یہود کے دل میں خوف پیدا ہوا اور انہوں
نے خفیہ ایک آدمی کو مقرر کر دیا کہ ظاہر میں حضرت عیسٰیؑ سے ملجائے اور موقعہ
پا کر اُن کو قتل کر دے۔ بعض مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یہودی
اپنی خفیہ ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ لوگوں کو ایمان لانے سے انہوں نے
روکا حضرت عیسٰیؑ کے ایک حواری کو بھی لالچ دیکر ملا لیا اور پوشیدہ طریقہ
سے حضرت عیسٰیؑ کو گرفتار بھی کر لائے اور لاکر ایک مکان میں بند کر دیا۔
لیکن وَمَكَرَ اللّٰهُ خدا نے بھی خفیہ تدبیر کی کہ جب یہود نے حضرت عیسٰیؑ
کو صلیب پر لٹکانے کے لئے ایک آدمی کو مکان کے اندر بھیجا تو خدا تعالیٰ
نے حضرت عیسٰیؑ کو تو اٹھا لیا اور اُس شخص کی صورت حضرت عیسٰیؑ کی طرح
کر دی۔ لوگوں نے اسی کو حضرت عیسٰیؑ کے دھوکہ میں سولی دیدی اور
اُن کو آخر تک بلکہ اس زمانہ تک یہی یقین رہا کہ ہم نے عیسٰیؑ کو صلیب پر
لٹکا دیا۔ حالانکہ جس شخص کو سولی دی وہ اور شخص تھا اور عیسٰیؑ اٹھالئے
گئے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ o اور خدا تعالیٰ خفیہ تدبیر کرنے کا
اُن سے زیادہ دانا ہے اُس نے ایسی تدبیر کی کہ اُنکی تدبیر اُلٹی پڑی۔

مقصود بیان:۔ حضرت عیسٰیؑ نے اُن چیزوں کو تو حلال ہی رکھا
جو توریت میں حلال کر دی گئی تھیں لیکن جو چیزیں دین موسوی میں حرام
تھیں اُن میں سے بعض اشیاء کو حلال کر دیا۔ انجیل تورات کی ناسخ تھی۔
ہر نبی کی بعثت کا اصلی مدعا لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہوتی
ہے۔ حضرت عیسٰیؑ نے نہایت بلند آہنگی سے توحید کا اعلان کیا تھا۔
اصلاح عقائد و اعمال ہی سعادت ابدیہ اور نجات اُخرویہ کے حصول کا
راستہ ہے۔ غیر موحد نجات سے قطعاً محروم ہیں۔ بنی اسرائیل نہایت سرکش
اور طاغی قوم تھی معجزات و بینات دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتی تھی۔ حضرت
عیسٰیؑ کے پیرو بھی کچھ آدمی ہو گئے تھے۔ جنکو حواری کا خطاب ملا تھا حضرت
عیسٰیؑ کو ضرر پہنچانے کی بہت سی خفیہ تدبیریں یہودیوں نے کی تھیں۔ خدا تعالیٰ
نے بھی حضرت عیسٰیؑ کو بچانے اور یہودیوں کی تدبیروں کو غیر مؤثر بنانے
کے لئے ایسی تدبیر کی جسکا یہودیوں کو پتہ بھی نہ چلا۔ خدا تعالیٰ کی کوئی تدبیر
ضرر رساں نہیں بلکہ مخلوق کے فائدہ کے لئے ہوتی ہے۔

آیات مذکورہ ہم کو ذیل کا درس دے رہی ہیں۔ ہر شریعت دوسری
شریعت کے جزوی احکام کی ناسخ ہوتی ہے لیکن اصولی اعتبار سے اُسکی مؤید
ہوتی ہے۔ لوگوں کی علمی اور عملی قوتوں کی راستی اور تکمیل ہی تمام حاملان وحی کا
اصلی مدعا تھا۔ سچا مسلمان وہی ہے جسکے عقائد بھی صحیح ہوں اور اعمال بھی
شرع کے موافق ہوں۔ جو شخص تعلیم نبوی کے خلاف کوئی اصلاحی اسکیم پیش کرتا
ہے وہ شریعت و اسلام دونوں سے بے بہرہ ہے۔ معجزہ اور سحر یا استدراج
و کرامت کا معیار امتیاز یہی ہے کہ ایک اعمال و اخلاق اور عقائد
و خیالات کی اصلاح کا علمبردار ہے اور دوسرا ہوا و ہوس شیطانی
توہمات اور نفسانی جذبات کی طرف مائل کرتا ہے۔ ایک کی بناء
طہارت باطن پر ہے اور دوسرے کا دارومدار خباثت نفس پر۔ اگرچہ
دونوں کی صورتیں بظاہر ایک سی معلوم ہوتی ہیں۔ صرف خرق عادت
یا نیرنگی تصرفات ہی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی یہ بات تو جادوگروں
سے بھی ہو جاتی ہے۔ وغیرہ

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ
جب عیسٰیؑ سے اللہ نے کہا اے عیسٰیؑ میں تمہاری مدت پوری کرونگا اور
رَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ
تم کو اپنی طرف اٹھا لونگا اور ان کافروں کی نجاست سے تم کو پاک صاف
كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ
کرونگا اور تمہاری پیروی کرنیوالوں کو کافروں پر قیامت تک
كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
غالب رکھوں گا اسکے بعد تم سب کو میرے پاس لوٹ آنا ہے
فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○
میں تمہارے باہمی اختلافات کا فیصلہ کروں گا

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا

پھر جن لوگوں نے انکار کیا ہے اُن کو دنیا و دین میں

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ○

سخت عذاب دونگا اور اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ

اور جو لوگ مومن اور نیکوکار ہیں اللہ اُنکے کئے کا اُن کو پورا پورا

أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○ ذَٰلِكَ

ثواب دیگا اور اللہ نا فرمانوں کو پسند نہیں کرتا یہ جو

نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ○

ہم تم کو پڑھ کر سُنارہے ہیں اللہ کی آیات اور پُر از حکمت تذکرے ہیں

تفسیر إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ - یہ قصہ یہود کا تتمہ ہے - جب یہودیوں نے حضرت عیسٰی کو ایک مکان کے اندر بند کردیا اور باہم فیصلہ کرلیا کہ ان کو سولی دیدی جائے تو شدت غم سے حضرت عیسٰی پر ایک بیخودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور خدا وند عالم سے اور مطلق سے مدد کی التجا کی۔ حکم ہوا عیسٰی گھبراؤ نہیں یہ تم کو صلیب نہیں دے سکتے - میں تمہاری عمر پوری کرونگا (کشاف) یا یہ معنی کہ میں تم کو اپنے قبضہ میں کرونگا یعنی ان یہودیوں کا دسترس تم پر نہیں ہونے دونگا (بیضاوی) یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جسمانی کثافت تمہاری ہلکی کردونگا (تفسیر کبیر) اور پھر وَرَافِعُكَ إِلَيَّ تم کو دنیا سے بغیر موت کے اٹھالونگا وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور ان کافر یہودیوں کے جوار سے تم کو علیحدہ کرلونگا یعنی یہ تم کو نہ مار سکینگے میں زندگی ہی میں تم کو ان سے بچا لونگا - حضرت موسٰیؑ کی وفات سے ۱۵۰۰ سال بعد حضرت عیسٰی پیدا ہوتے سکندر یونانی کے حملۂ بابل کو اُسوقت ۵۰ سال گذر چکے تھے - اکثر مفسرین کا قول ہے کہ جس وقت حضرت عیسٰی کو قید خانہ سے آسمان پر اٹھا لیا گیا اُسوقت آپ کی عمر ۳۳ سال کی تھی - گویا دیگر انبیاء کے قاعدہ کے خلاف آپ کو نبوت چالیس برس کی عمر سے پہلے مل گئی تھی - پھر جب قرب قیامت میں آپ کا نزول ہوگا تو سات برس اور زندہ رہینگے اور چالیس سال عمر دنیوی کا پوری کرلینے کے بعد آپ کی وفات ہوگی - یہی معنی آیت إِنِّي مُتَوَفِّيكَ کے ہیں یعنی میں تم کو تمہاری پوری عمر کو پہنچا دونگا - بخاری و مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسٰیؑ نازل ہونگے اور شریعت محمدیہ کے موافق عملدرآمد کرینگے - دجال کو قتل کرینگے سوروں کو مارینگے یعنی عام طور پر جو نصاریٰ سور کو کھاتے ہیں یہ حکم منسوخ ہوجائیگا - صلیب کو توڑ ڈالینگے یعنی عیسائی صلیب کی پرستش کرتے ہیں حضرت عیسیٰ اسکی اہانت کرینگے اور صلیب کو توڑ کر پھینکدینگے اور جزیہ کا حکم موقوف کردینگے یعنی اُسوقت سوائے ایمان کے اور کچھ مقبول نہ ہوگا یہ نہ ہوسکیگا کہ غیر مسلم لوگ ذمی بنکر رہیں - نزول کے بعد سات برس تک زندہ رہنا مسلم کے حدیث سے ثابت ہے اور ابو داؤد کی روایت میں چالیس سال زندہ رہنا بیان کیا گیا ہے - دونوں روایتوں کی مطابقت اس طرح ممکن ہے کہ ۳۳ سال کی عمر حضرت عیسٰی کی اُسوقت تھی جب اُسکو اٹھایا گیا اور سات سال بعد نزول رہینگے کل چالیس برس ہوگئے وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور ان لوگوں کو جنہوں نے تمہاری تصدیق کی اور تم کو سچا جانا قیامت تک اُن لوگوں پر غالب رکھونگا جنہوں نے تمہاری تکذیب کی یا تکذیب کرینگے - مراد یہ کہ مسلمان ہوں یا عیسائی بہر صورت تمہارے ماننے والوں کو یہودیوں پر قیامت تک غالب رکھونگا چنانچہ ایسا ہوا - حضرت عیسٰی کے چالیس برس کے بعد شاہ طیطوس رومی ملک شام کو تاراج کرتا ہوا یروشلم پر چڑھ آیا شہر کو تباہ کرکے بیت المقدس کو مسمار کرڈالا - لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا - ہزاروں کو اسیر کرکے باندی غلام بنایا اور اُسوقت سے ابتک دنیا میں کوئی یہودی حکومت قائم نہ ہوسکی اور یہودی کبھی بھی مسلمانوں اور عیسائیوں پر غالب نہ آسکے - ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ○ یعنی مذکورہ بالا سزا تو یہودیوں کو دنیا میں ملیگی پھر قیامت کے دن سب کو خدا تعالیٰ کے پاس جانا ہوگا اور دینی اختلافات کا وہی فیصلہ کریگا - ابن کثیر کہتے ہیں کہ جب حضرت عیسٰی کو خداوند تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا تو جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے اُن کے چند گروہ ہوگئے - بعض تو اپنے ایمان پر قائم رہے خدا کو واحد لاشریک اور حضرت عیسٰیؑ کو خدا کا بندہ اور رسول برحق یقین کرتے رہے - یہ فرقہ تو حقیقی طور پر حضرت عیسٰیؑ کا متبع اور پیرو تھا - بعض نے غلو کیا اور حضرت عیسٰیؑ کو بجائے عبداللہ اور رسول اللہ کے ابن اللہ سمجھنے لگے اور بعض تثلیث کے قائل ہوگئے - ان سب فرقوں کا قرآن پاک نے رد کردیا - تین سو برس تک ان لوگوں میں یونہی اختلافات رہے - بالآخر جب فلاسفر قسطنطین شاہ یونان نے مذہب عیسائی اختیار کیا تو اس نے دین مسیح کو بالکل ہی بدل ڈالا انجیل میں تحریف کی کچھ بڑھایا کچھ گھٹایا اور ایک مجموعۂ قوانین بنا کر اُس کا نام امانت کبریٰ رکھا - اس خیانت کبریٰ میں قسطنطین نے سود کو حلال کردیا عیسائیوں کے لئے مشرق کو قبلۂ نماز مقرر کیا - روزوں میں دس روزوں ..... کا اضافہ کیا یہانتک کہ مذہب مسیحائی بالکل بدل گیا قسطنطین اعظم نے اپنے نام پر ایک شہر قسطنطنیہ بھی آباد کیا اور تقریبًا بارہ ہزار گرجا بھی تعمیر کرائے اسکے بعد اسکے جانشین بادشاہ بھی ایسے ہی ہوتے آئے اور ہمیشہ یہ لوگ یہود پر غالب اور حاکم رہے اور ان کو ذلیل و خوار کرتے رہے - جب خدا تعالیٰ نے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ نے لوگوں کو تعلیم دی کہ تمام ملائکہ مرسلین اور کل کتب الٰہی پر ایمان لانا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جو شخص کسی ایک نبی کا بھی منکر ہوگا یا کسی پیغمبر کی توہین کریگا وہ کافر ہے اور لوگوں نے حضور اقدس صلعم کی اس روشن تعلیم کو قبول کیا تو واقع میں اسی امت اسلامیہ کا ہر نبی سے قرب بڑھ گیا۔ کیونکہ مدعیان اتباع نے تو اپنے اپنے پیغمبر کے اقوال کو بدلتہ الاتفا۔ کوئی اہانت نبی اور مخالفت کی وجہ سے کافر ہوا۔ کوئی تعظیم نبی میں اسقدر غلو کرنے لگا کہ اُس نبی کی تعلیم وہدایت کے راستے سے بالکل ہٹ گیا اور واقع میں اُس کا مخالف ہوگیا گو بظاہر اسکی پیروی کا دعویدار رہا مگر امت مسلمہ نے ہر نبی کو اور اسکی تعلیم کو سچا جانا اور قرآن کو ہر نبی کی تعلیم کا مؤید و مصدق سمجھا لہذا حضرت عیسیٰ کے پیرو یہی لوگ قرار پاتے اور آیت اَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ میں بھی یہی علمبرداران توحید مراد ہیں۔ جبتک یہ لوگ اپنی توحید و ایمان پر قائم رہے اور شریعت کے پابند رہے ہمیشہ تمام غیر مسلموں پر غالب رہے اب چونکہ حقیقی اتباع پیغمبران میں بھی نہیں ہے اسلئے یہ مغلوب ہوگئے لیکن پھر بھی جو اسلامی اقوام ہدایت رسول پر برقرار ہیں وہ اب بھی دنیائے کفر پر بھاری ہیں اور قیامت تک بھاری رہینگی۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا یہ سابق آیت کا بیان اور تتمہ ہے یعنی قیامت کے دن خدا تعالیٰ دینی اختلافات کا تو فیصلہ کریگا ہی لیکن جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور توحید سے بھی روگردان ہوگئے اُن کو سخت عذاب دیگا۔ فِى الدُّنْيَا دنیا میں بھی ان کو عذاب دیگا ذلت خواری محکومیت غلامی اور قتل وقید کی سزا دیگا جسطرح شاہ طیطوس نے بنی اسرائیل کو قتل و غارت کیا یا مسلمانوں کے مقابل سلطنت روم تباہ و برباد ہوگئی اور عیسائیوں کو نہایت ذلت کے ساتھ جزیہ دینا پڑا۔ وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی میں یہ لوگ گرفتار ہونگے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ باقی مومن اور نیکوکار بندوں کو خدا تعالیٰ اُنکے اعمال اور اُن کی کوششوں کی پوری پوری جزا دیگا دنیا میں بھی اُن کو عزت حکومت سلطنت اور غلبہ عطا فرمائیگا اور آخرت میں بھی اپنی رحمت سے اُن کو ڈھانک لیگا۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ کافروں کی ذلت دنیوی اور عذاب اخروی کی وجہ صرف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بے انصافوں اور باطل کوشوں کو پسند نہیں فرماتا ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ یہود کے قصہ کو ختم کرکے رسول پاک کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ ہم یہ آیات اور تمہاری صداقت رسالت کی نشانیاں اور قرآن حکیم یعنی وہ قرآن جسکے کل قوانین نہایت حکمت اور دانشمندی پر مبنی ہیں تم کو سناتے ہیں۔ اصل مطلب یہ ہے کہ ان پرانے واقعات اور اختلافی قصوں کا تم کو علم نہ تھا اور نہ یہودیوں کی سرکشی اور عیسائیوں کی تحریف سے تم واقف تھے۔ ہم نے تم کو قرآن کے ذریعہ سے انکا علم عطا فرمایا اور فقط اسی اخبار بالغیب کو تمہاری صداقت رسالت کی نشانی

نہیں قرار دیا بلکہ قرآن پاک کے قوانین و احکام کو پُر حکمت اور عقل کے مطابق بنایا

آیات مذکورہ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے پانچ وعدے فرمائے تھے (۱) عمر پوری کرکے وقت مقررہ پر وفات دینا اس میں دشمنوں سے محفوظ رکھنے اور قتل سے بچانے کی بشارت ہے۔ یہ وعدہ قریب قیامت پورا ہوگا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں مفصل مذکور ہے (۲) آسمان پر اٹھا لینے کا وعدہ جو اُسی وقت پورا ہوچکا (۳) دشمنوں کی تہمت اور کفار سے علیحدہ رکھنے کا وعدہ اُسکو اس طرح پورا کیا گیا کہ حضور سرور کائنات صلعم نے یہود کے بیجا الزامات طعن نسب، دعویٰ الوہیت، تہمت زنا وغیرہ کو بالتصریح دفع فرما دیا (۴) متبعین عیسیٰ کا کفار پر غلبہ چونکہ حضرت عیسیٰ کی تصدیق اہل اسلام اور نصاریٰ دونوں کرتے ہیں اسلئے دنیوی سلطنت میں یہودیوں پر دونوں کو غلبہ حاصل ہے۔ اگرچہ نصاریٰ کا اعتقاد حضرت عیسیٰ کے متعلق شرک آمیز ہے اور حضور اقدس صلعم کی رسالت کے یہ لوگ منکر ہیں مگر اس کا وبال انکو آخرت میں برداشت کرنا ہوگا۔ (۵) قیامت کے دن اختلافیات کا عملی فیصلہ کرنا کہ اہل حق جنت میں جائیں اور اہل باطل دوزخ میں سو یہ قیامت کے دن ہوگا۔

مقصود بیان :- حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور اپنی عمر مقررہ پوری کرنے پھر دنیا میں آئینگے۔ جو بہتان تراشیاں اور افتراپردازیاں یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کے متعلق کی تھیں اسلام نے اُن سب کو دفع کرکے حضرت عیسیٰ کی ذات مبارک کو پاک صاف کردیا۔ خداوند تعالیٰ اپنے نیک اور حق پرست بندوں کی ہر وقت مدد کرتا ہے (اگر مناسب ہوتا ہے تو قتل و ہلاکت سے بھی نجات دیتا ہے اور اگر مصلحت اسی میں ہوتی ہے اور غلبہ دینی اور اشاعت توحید اسی پر مبنی ہوتی ہے کہ خدا کے مبلغ بندہ کی جان کام آئے تو اُسکی جان جانے کے بعد اُسکی اصلی غرض دنیا میں پوری ہوجاتی ہے گو اُسکو ذاتی فائدہ نہیں پہونچتا) یہودی اور دیگر غیر مسلم ہمیشہ مسلمانوں کے زیر نگین رہیں گے بشرطیکہ مسلمان حقیقی مسلمان رہیں۔ عیسائی یا مسلمان یہودیوں اور دیگر اہل کفر سے کبھی مغلوب نہ ہونگے۔ جو لوگ ناحق کوش ظلم پر دوش اور سرکش و طاغی ہیں اُن کو غلامی ذلت محکومیت اور افلاس و نکبت سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے اُن کی دلیری و جاہت جاہ و حشم دولت و حکومت خاک میں مل جاتی ہے اور انصاف پسند عدل پرست طبقہ ان پر غالب آجاتا ہے۔ حق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔

قرآن پاک باعتبار اس کے بھی معجز ہے کہ گذشتہ غیر معلوم اور اختلافی تاریخی امور کا ایسا صحیح فیصلہ کرتا ہے کہ تاریخ کے ماہر بھی عش عش کر جاتے ہیں اور اس حیثیت سے بھی اس کا اعجاز ہے کہ وہ قوانین عدل لوگوں کو تعلیم دیتا ہے جو پُر منافع حکمت سے لبریز عقل سلیم کے مطابق اور تمدن دنیوی اور نجات اُخروی کے لئے مفید اور نہایت کارآمد ہیں۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ

اللہ کے نزدیک عیسیٰ (کی پیدائش کی) مثال ایسی ہے جیسے آدم کے پتلے کو

مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ○ الْحَقُّ

خدا نے مٹی سے بنایا پھر اُس سے کہا (زندہ) ہو جا وہ فوراً (زندہ) ہو گیا

مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ○

یہ سچی بات تمہارے رب کی طرف سے ہے تم کہیں شک کرنیوالوں میں سے نہ ہو جانا

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ

اب جبکہ تم کو یقینی علم ہو چکا ہے اگر کوئی تم سے عیسیٰ کے متعلق حجت

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَ

کرے تو اُس سے کہدو کہ آؤ ہم مل کر اپنے اور تمہارے

أَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا

بیٹوں کو اور اپنی اور تمہاری بیبیوں کو بلائیں اور ہم تم خود بھی

وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ

شامل ہوں پھر گڑگڑا کر (دعا کریں) اور جھوٹوں پر اللہ کی

عَلَى الْكَاذِبِينَ ○ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ

لعنت کریں بلا شبہہ سچا بیان تو

الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ

یہی ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ ہی بلا شبہہ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ

زبردست حکمت والا ہے اس پر بھی اگر وہ رخ پھیر لیں تو اللہ

عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ○ ع ۹ ۱۴

مفسدوں سے خوب واقف ہے

تفسیر إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ حضرت عیسیٰ کا قصہ جو قرآن میں مذکور ہے اُسکو سُن کر نجران کے عیسائی

علماء خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے محمد آپ یسوع کو گالی دیتے ہیں اور بندۂ خدا بتاتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا معاذ اللہ میں کہیں اللہ کے پیغمبر کو گالی دے سکتا ہوں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ خدا کے بیٹے نہ تھے بلکہ مقبول بندے اور پیغمبر تھے۔ کہنے لگے یہی تو گالی ہے۔ اچھا آپ عیسیٰ کے سوا کوئی آدمی ایسا بتا سکتے ہیں کہ بغیر باپ کے پیدا کیا گیا ہو؟ اسی وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی جسمیں حضرت عیسیٰ کو ندرت حال اور بلا باپ کے پیدا ہونے میں حضرت آدم علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ غرابت حال اور بلا باپ کے پیدا ہونے میں عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت آدم بلا باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ عیسیٰ کے تو صرف باپ نہ تھے ماں سے پیدا ہوئے تھے اور آدمؑ کے تو ماں باپ دونوں نہ تھے۔ بلکہ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ۔ خدا تعالیٰ نے مٹی کا پتلا بنا کر ہو جانے کا حکم دیا بس آدم ہو گئے۔ یہی حال حضرت عیسیٰؑ کا ہوا خدا تعالیٰ نے فرمایا (بغیر باپ کے ہی) ہو جا۔ حضرت عیسیٰؑ پیدا ہو گئے۔ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ۔ یعنی عیسیٰ کے متعلق حق بات خدا کی طرف سے یہی ہے فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ کسی کو اس معاملہ کے متعلق اس صراحت کے باوجود اب کوئی شک نہ کرنا چاہئے بلکہ شک کرنیوالے گروہ میں شامل بھی نہ ہونا چاہئے۔ شاہ قسطنطین نے اپنے عقائد کفریہ کی تبلیغ زبردستی کی تھی۔ جن علماء انجیل نے اُسکے عقائد سے انکار کیا اُن کو قتل کرا دیا اور جو لوگ بچ گئے وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ باقی جتنے بچ گئے سب سے اُس نے زبردستی اُس محضر پر دستخط لے لئے جسمیں حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا لکھا تھا۔ جب عوام میں یہ غلغلہ پھیل گیا تو دوسری ملت والوں نے نصرانیوں کے کسی قول پر اعتماد نہ کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بالکل ہی شک کرنے لگے کہ جانے وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے بھی یا نہیں چنانچہ عیسائیوں کی ایک جماعت خود یہودیوں کے ساتھ ہو کر حضرت مریم پر بہتان تراشیاں کرنے لگی کہ مریم کا یوسف نجار سے جائز یا ناجائز تعلق تھا اور عیسیٰؑ یوسف ہی کے بیٹے تھے۔ جب حضور اقدسؐ مبعوث ہوئے تو عیسائی اسی شش و پنج اور تردد میں تھے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی امر حق سے مطلع فرمایا اور اعلان عام کر دیا کہ اب کوئی شک کرنیوالوں میں بھی نہ ہو۔ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ۔ جب وفد نجران نے حضرت عیسیٰؑ کے معاملہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کیا تو حضورؐ نے اُن کو مباہلہ کرنے کا چیلنج دیا۔ عیسائیوں نے شرحبیل، عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن قیص کو خدمت گرامی میں بھیجا اور اتنی مہلت کے طالب ہوئے کہ غور کر کے کوئی رائے قائم کر سکیں۔ حضور والا نے مہلت دیدی۔ شرحبیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم خوب جانتے ہو کہ جس قوم نے کسی نبی سے مباہلہ

کیا وہ قوم ضرور تباہ ہوگئی لہذا اس پیغمبر سے صلح کرلو اور اپنے گھر لوٹ چلو سب نے جب اس رائے سے اتفاق کرلیا تو حضور اقدس صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے چل دیئے۔ حضور والا حسنؓ حسینؓ حضرت علیؓ اور جناب سیدہؓ کو ہمراہ لئے مباہلہ کرنے کے ارادہ سے باہر تشریف لائے اور اہل بیت سے فرمایا جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا لیکن وفد نجران نے مباہلہ کرنے سے انکار کردیا اور جزیہ ادا کرنا قبول کرلیا (دلائل النبوۃ) ابوداؤد نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وفد نجران نے اس شرط پر صلح کرلی کہ سال میں دو ہزار حلّے ادا کیا کرینگے ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار رجب میں۔ اسکے علاوہ تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس تیس ہر قسم کے ہتیار بھی دیدیا کرینگے۔ امام احمد نے مسند میں بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ اگر وہ مباہلہ کرنے کے ارادہ سے باہر نکلتے تو فوراً وہیں ہلاک ہوجاتے اور لوٹ کر گھر جانا نصیب نہوتا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اس یقینی اطلاع اور قطعی خبر کے بعد بھی جو شخص آپ سے خواہ مخواہ جھگڑا کرنا چاہے اور مجادلہ کے لئے تیار ہوجائے فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ تو اُن سے کہدیجئے کہ آؤ ہم اپنے بچوں کو بلالیں تم اپنے بچوں کو بلالو۔ ابناء سے مراد حسنؓ وحسینؓ ہیں وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ ہم اپنی عورتوں کو یعنی اپنی نسل یا اہل والی عورتوں کو بلالیں تم اپنی عورتوں کو بلالو۔ نساءنا سے مراد حضرت فاطمہؓ وغیرہا ہیں۔ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ اور ہم تم اپنے اپنے ذاتی قرابت والوں کو بھی بلالیں اور سب کو جمع کرنے کے بعد ثُمَّ نَبْتَهِلْ گڑگڑاکر دعا کریں فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ اور کہیں کہ الٰہی ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو تو اس پر اپنی لعنت کر۔ خلاصہ یہ کہ جب دلائل کو تم نہیں مانتے شواہد کو تم نہیں مانتے عقل ونقل اور درایت و روایت کو تم تسلیم نہیں کرتے تو آخری فیصلہ یہ ہوسکتا ہے کہ خدا سے ہم تم دعا کریں اور گڑگڑا کر کہیں کہ الٰہی ہم میں سے جو جھوٹا ہو اُس پر تیری پھٹکار پڑے۔ بس یہی اظہار صداقت کی ایک سبیل ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ یعنی حضرت عیسٰی کے متعلق یہی مذکورہ بیان حق ہے جسمیں کوئی شک نہیں ہے وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ کیونکہ سوائے خداوند تعالیٰ کے کوئی معبود برحق عالم کائنات میں نہیں اور نہ ہونا ممکن ہے۔ لہذا عیسٰی نہ تو خدا تھے نہ خدا کے بیٹے نہ الوہیت کے اجزاءِ ثلثہ میں سے ایک جزء بلکہ خدا کے پاک بندے اور جلیل القدر رسول تھے خدا نے بغیر باپ کے صرف اپنے حکم سے اُن کو پیدا کیا تھا۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور خدا تعالیٰ ہی تمام کائنات پر غالب ہے کوئی ذرۂ مخلوق اُسکے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا وہ جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے۔ اُسی نے عیسٰی کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور وہ اپنے کل افعال میں حکیم بھی ہے اُسکا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ حضرت عیسٰی کو بغیر باپ کے پیدا کرنا بھی حکمت سے خالی نہیں۔ وہ اس فعل سے اپنا نشان قدرت ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ اب ان کھلے کھلے دلائل اور صحیح صحیح بیان کے باوجود بھی اگر یہ عیسائی اعراض کریں اور اس بیان صداقت کو نہ مانیں تو یہ مفسد ہیں اور خدا تعالیٰ مفسدوں کی حالت سے بخوبی واقف ہے ان کو جستجوئے حق مقصود نہیں بلکہ فتنہ وفساد مطلوب ہے۔ یہ بلا دلیل کفر وشرک کرتے ہیں نامناسب باتیں زبان سے نکالتے ہیں۔ لوگوں کو دین اسلام سے روکتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی بہکاتے ہیں۔ لہذا عقوبت اور سزا کے مستوجب ہیں اور خدا تعالیٰ ان کو سزا دیگا۔

مقصود بیان :۔ حضرت آدمؑ اور حضرت عیسٰیؑ دونوں بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور اس ندرت پیدائش میں دونوں شریک تھے۔ وضاحت حق اور علم صداقت کے بعد انسان کو شک وتردد میں نہ رہنا چاہئے بلکہ شک کی گزرہ میں داخل بھی نہ ہونا چاہئے۔ اگر اسلام وکفر کا مقابلہ ہو اور ہر طرح کے روشن براہین سننے کے بعد بھی مقابل نہ مانے تو آخری فیصلہ مباہلہ کی صورت میں ہوسکتا ہے تاکہ اظہارِ صداقت ہوجائے۔ نواسے بھی بیٹے ہوتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسنؓ وامام حسینؓ کو مباہلہ کے وقت ہمراہ لیا تھا۔ قریب ترین خاندان والے مثل ایک ذات کے ہوتے ہیں۔ انسان کو اپنی اولاد اور قریب ترین رشتہ داروں سے بہ نسبت دیگر اشخاص کے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے یعنی گاڑھی بھر دوستی تل برابر خون کے مساوی نہیں ہوسکتی۔ اظہار صداقت اور اعلانِ حق میں انسان کو اپنی عزیز ترین قربانی کرنے سے بھی دریغ نہ کرنا چاہئے۔ یہانتک کہ اپنے اہل عیال، بھائی برادر، قریب ترین رشتہ دار اور نفس کو بھی قربانی کے لئے پیش کردینا چاہئے۔ اگر انسان کو اپنے عقیدہ کا خود راسخ یقین نہیں ہوتا تو وہ خطرہ آمیز اور مخدوش قربانی کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ صداقت اور دروغ کو جانچنے کا معیار اولاد اور بھائی برادروں کی جان کی بازی لگادینا اور اپنے نفس کو قربانی کے لئے پیش کردینا ہے۔ جو شخص حق کا طالب نہو صرف جھگڑا کرنا اور اپنی وجاہت کو برقرار رکھنا اُس کو مقصود ہو تو وہ مفسد ہے خود بھی گمراہ ہے اور دنیا کو بھی دھوکہ میں رکھتا ہے۔ طلب حق اور جستجوئے صداقت ہر شخص پر فرض ہے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ پیدائش عیسٰی میں بھی اُسکو اپنی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود تھا۔ وغیرہ۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ

(اے محمد) تم کہدو کہ اے اہل کتاب تم ایک بات پر آجاؤ جو ہمارے تمہارے

بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ

درمیان برابر (مسلم) ہے وہ یہ کہ سوا خدا کے کسی کی پرستش نہ کریں اور کسی چیز

بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ

کو اُس کا شریک نہ بنائیں اور خدا کو چھوڑ کر ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا

نہ بنائے پھر اب بھی اگر وہ رخ پھیر لیں تو (مسلمانو) تم کہدو کہ گواہ رہو

مُسْلِمُوْنَ ○

ہم بلاشبہ ہم فرمانبردار ہیں

تفسیر سابق آیات میں خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے متعلق مخالفین کے تمام شبہات زائل کردیے اور آخر ان کو مباہلہ کیلئے بلایا اور اعلام عام کردیا کہ اگر سچے ہو تو مع قرابتیوں کے آؤ مباہلہ کرو جو جھوٹا ہوگا وہ غارت ہو جائیگا۔ یہ تمام دلائل اصول موضوعہ پر مبنی تھے اور برہانی و ایقانی دونوں قسم کے تھے اب کلام کا رنگ بدل کر ایسے دلائل بیان کئے جاتے ہیں جو علوم متعارفہ اور مقدمات مسلمہ پر مبنی ہیں یعنی ایسے رنگ سے اثبات مدعا اور دعوت اسلام دی جا رہی ہے جسکو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں اور چونکہ اس مدعا کا ثبوت اُنہی کے تسلیم کردہ مقدمات پر مبنی ہے لامحالہ اُن کو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑیگی یا تو اپنے مسلمات سے بھی انکار کردینگے یا پھر مدعا کو مان لیں گے۔ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے یہودیو اور عیسائیو آؤ ایک بات کو مان لو جو ہمارے تمہارے دونوں کے لئے برابر ہے اور دونوں فریق اسکو مانتے ہیں کوئی فریق اُس سے انکار نہیں کرسکتا وہ یہ کہ ہم کو اور تم کو دونوں کو تسلیم ہے کہ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ کہ عبادت و پرستش صرف خدا کیلئے مخصوص ہے لہذا ہم کو اور تم کو اُسی خدائے واحد کی عبادت کرنی چاہئے کوئی ایسا فعل نہ کرنا چاہئے جس سے پرستش غیر اللہ کا شبہ ہو۔ خدائے واحد لاشریک کی عبادت کرنا ہمارا اور تمہارا دونوں کا مسلمہ ہے لہذا تم کو صلیب کی پرستش نہ کرنا چاہئے اور نہ عیسیٰ کو اپنا معبود قرار دینا چاہئے دوسرے یہ کہ ہم اور تم دونوں اس عقیدہ میں متفق ہیں کہ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا خدا واحد لاشریک لہ ہے ذات و صفات میں اُس کا کوئی شریک نہیں لہذا تم پر لازم ہے کہ کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ نہ عیسیٰ کو اسکا بیٹا کہو نہ عزیر کو خدائی کا حصہ دار قرار دو نہ کسی کو صفت الوہیت سے متصف مانو۔ تیسرے یہ کہ ہم اور تم دونوں متفق الخیال ہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دے یا اطاعت غیر اللہ کا حکم دے اُس کا حکم نہ ماننا چاہئے لہذا وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ تم پر لازم ہے کہ خدا کو چھوڑ کر کوئی کسی کو رب نہ بنائے۔ علماء دین اور ائمہ مذہب کو خدائی کا درجہ نہ دے۔ اگر ائمہ ملت اطاعت الٰہی کے خلاف کوئی حکم دیں تو اُن کے حکم کو نہ مانے لہذا تمہارے اسلاف اور سابق علماء نے جو عیسیٰ اور عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دیا یا مریم کو تثلیث کا جزو بنایا یا سور کو حلال قرار دیا یا توریت و انجیل میں ترمیم و تحریف کردی انہیں سے کسی بات کو تسلیم نہ کرو بلکہ جس بات کو خدا تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اُسکو حرام جانو اور جس چیز کو حلال کیا ہے اسکو حلال سمجھو فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ اب اگر تم ان باتوں کو مانتے ہو تو مانو اور اسکے موافق عمل کرو ورنہ ہم تم کو گواہ کرکے کہے دیتے ہیں کہ ہم تو ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں ہمارا یہی عقیدہ ہے اور اسی کے موافق عمل کرتے ہیں اور خالص مسلمان ہیں۔

ہدایت خاص غور کرنے کا مقام ہے کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر لطیف پیرایہ میں کل دلائل بیان کئے اور ایسا اتمام حجت کیا کہ مخالف کو کوئی سبیل انکار و اعتراض کی باقی نہ رہی۔ شروع میں حضرت عیسیٰ کا حال بیان کیا اور جو مختلف تغیرات اُن پر واقع ہوئے اُن کو تفصیل وار بیان کرکے ثابت کردیا کہ ان تغیرات و احوال کی موجودگی میں عیسیٰ میں صفت الوہیت نہیں ہوسکتی۔ پھر جب باوجود ان واضح دلائل کے مخالفین کا عناد اور بیجا تعصب دور نہوا تو انتہائی اعجاز کے ساتھ اُن کو مباہلہ کی دعوت دی اور چیلنج کردیا کہ اگر تم میں صداقت کا کوئی ذرہ موجود ہے تو آؤ جان اور عزیزوں کو بازی لگا دو جو جھوٹا ہوگا وہ تباہ و برباد ہو جائیگا لیکن جب مخالفین نے اس بات کو بھی نہ مانا اور انکے دل میں کچھ شبہ پیدا ہوا کہ شاید یہ نبی سچا ہو۔ اگر سچا ہوا تو مباہلہ کرکے ہم غارت ہو جائینگے۔ اس خیال کے ماتحت اُنہوں نے دعوت مباہلہ قبول نہ کی بلکہ جزیہ دینا قبول کرلیا۔ اسکے بعد ایسے امور مسلمہ کو پیش کرکے مدعا کا اثبات کیا جن کو سارے انبیاء اور کل اقوام عالم تسلیم کرتی ہیں۔ لیکن اخیر میں جب تمام دلائل اور مواعظ بے سود ثابت ہوئے اور پتھر نہ پسیجے اور محروم ازلی نے کسی نصیحت سے فائدہ نہ اُٹھایا تو بالآخر کہدیا کہ تم ان کو گواہ کرکے کہدو کہ ہم تو مسلمان ہیں ان تمام امور کو تسلیم کرنیوالے اور انہی ہدایات پر عمل کرنے والے ہیں تم مانو یا نہ مانو۔

مقصود بیان: ان آیات میں امور ذیل کی طرف لطیف اشارات ہیں۔ ہر بصیرت کوش و دماغ رکھنے والا خدا کو ذات و صفات میں واحد جانتا

ہے اُسی کو قابل پرستش اور مستحق الوہیت سمجھتا ہے اور اُسکے حکم کے خلاف دنیا کے بڑے سے بڑے شخص کے مشورہ کو بھی نہیں مانتا۔ مسلمان پر لازم ہے کہ خدا کو واحد سمجھے صفات الوہیت میں کسی کو اس کا شریک نہ کرے۔ فقیروں عالموں اماموں اور پیروں کا قول یا فعل یا عقیدہ اگر حکم الٰہی کے خلاف ہو تو ہرگز اُن کی پیروی نہ کرے۔ حکومت پرستی، شہرت پرستی، عزت پرستی، جاہ پرستی، دولت پرستی، پیر پرستی، امام پرستی، قبر پرستی، گنبد پرستی غرضکہ سوا عبادت الٰہی کے ہر قسم کی پرستش سے بیزار رہے یہانتک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صفت خدائی میں شریک نہ کرے اور نہ اُنکی عبادت کرے اور نہ ایسا عقیدہ رکھے جس سے اُنکی پرستش کا شبہہ ہو اور نہ ایسا عملی مظاہرہ کرے جس سے پرستش کا دھوکہ ہو سوا خدا کے کسی کو احکام کی حلت و حرمت کا مالک نہ سمجھے۔ شریعت کے خلاف جو شخص علمبردار ہدایت ہو اُسکی پیروی نہ کرے خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو عقائد دین کی تبلیغ فرض ہے اگر کوئی گمراہ ہو تو اُسکی اصلاح کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ اپنے اسلام کو چھپا کر نہ رکھے۔ کورانہ تقلید شخصی حرام ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ

اے اہل کتاب تم ابراہیم کے متعلق کیوں حجت کرتے ہو حالانکہ

مَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ

توارت و انجیل تو اُنکے بعد اُتاری گئی ہیں

بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ

کیا تم کو اتنی بھی سمجھ نہیں سنتے ہو تم

حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ

اُن باتوں میں تم جھگڑ چکے ہو جن کا تم کو کچھ علم تھا پھر اب اُن باتوں میں

فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ

کیوں حجت کرتے ہو جنکی تم کو کچھ خبر نہیں اور خدا واقف ہے

اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا

تم ناواقف ہو ابراہیم نہ یہودی تھے

وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ

نہ عیسائی بلکہ حق پرست فرمانبردار تھے

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ

اور مشرکوں میں سے نہ تھے ابراہیم سے سب سے زیادہ

بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَ

قریبی تعلق رکھنے والے وہی لوگ ہیں جو اُنکی راہ پر چلیں اور یہ نبی اور

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(انکے ساتھی) مسلمان اور مسلمانوں کا اللہ کارساز ہے

وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ

اہل کتاب میں سے ایک گروہ دل سے خواستگار ہے کہ کاش تم کو گمراہ کردے

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کرتے ہیں اور سمجھتے بھی نہیں

تفسیر يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ ابن جریر اور محمد بن اسحٰق وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ نجران کے عیسائی اور مدینہ کے یہودی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ یہودیوں نے کہا کہ ابراہیم یہودی تھے اور دین ابراہیمی پر ہم ہیں اور عیسائی کہنے لگے نہیں بلکہ ابراہیم عیسائی تھے اور ہم اُنکے مذہب پر ہیں۔ اُسوقت خداتعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا جسکا مطلب یہ ہے کہ توریت و انجیل جن پر تمہارے مذہبوں کا دارمدار ہے وہ تو حضرت ابراہیمؑ کے بعد نازل ہوئی ہیں پھر ابراہیم یہودی یا نصرانی کیسے ہوسکتے ہیں۔ ماحصل ارشاد یہ ہے کہ اے اہل کتاب تم ابراہیم کے متعلق کیوں خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہو کیونکہ تم میں سے ہر فریق اس بات کا مدعی ہے کہ ابراہیم ہمارے ہی دین پر تھے وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ جس توارت و انجیل پر تمہارے مذہب کا دارمدار ہے وہ ابراہیم کے بعد نازل کی گئی تھیں پھر ابراہیم کس طرح یہودی یا عیسائی ہوسکتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ سے تقریبًا ایک ہزار سال بعد کو پیدا ہوئے تو توارت بھی حضرت ابراہیمؑ سے اتنی ہی مدت بعد نازل ہوئی اور یہودی مذہب بھی اتنی ہی مدت بعد کو ہوا۔ اور حضرت عیسیٰؑ حضرت موسیٰؑ سے ۱۹۷۵ سال بعد کو پیدا ہوتے اور پھر انجیل نازل ہوئی اور انجیل کے نزول کے بعد عیسائی مذہب پھیلا تو ایسی صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ ابراہیم عیسائی یا موسائی ہوں۔
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ کیا تم کو اتنی بھی سمجھ نہیں جس شخص کو ہزاروں برس گذر گئے

اسکو بعد میں آنیوالے پیغمبروں کا امتی قرار دیتے ہو۔ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ اے جھگڑالو گروہ ہو! تم نے موسیٰ اور عیسیٰ کے متعلق جھگڑا کیا تو خیر تم کو اُن کے متعلق کچھ علم تھا بھی۔ لیکن فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ایسے معاملہ میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جسکا تم کو قطعی علم نہیں یعنی وحی کے ذریعہ سے کوئی یقینی خبر تم کو معلوم نہیں۔ مطلب یہ کہ جس چیز کا تم کو قدرے علم تھا اُس میں تم جھگڑے اور لڑ پڑے پھر ایسے امر میں کیوں دخل انداز ہوتے ہو جسکا تم کو بالکل علم نہیں۔ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ اور خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے وہی حضرت ابراہیمؑ کے حال کو جانتا ہے وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ تم کو اس کا مطلق علم نہیں سچی بات یہ ہے کہ مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا۔ ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی نہ موسیٰؑ کی امت میں داخل تھے نہ عیسیٰ کی۔ وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا بلکہ یکطرفہ فرمانبردار اور تمام باطل مذاہب کو چھوڑ کر دین حق کی طرف مائل ہونیوالے تھے اور مسلم تھے یعنی موحد تھے۔ احکام الٰہی کے تابعدار، کعبہ کیطرف نماز پڑھنے والے اور تمام احکام میں ملت اسلامیہ کے موافق تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ اور مشرکین میں سے نہ تھے نہ تو یہودی تھے کہ عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے لگتے۔ نہ عیسائی تھے کہ مسیح کو ابن اللہ کہتے نہ اور کسی قسم کا شرک کرتے تھے۔ لہٰذا تم سب کا دعویٰ غلط اور خلاف عقل و نقل ہے۔ إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ یعنی ابراہیمؑ سے واسطہ اور تعلق نسل کے اعتبار سے نہیں ہو بلکہ تعلق کی خصوصیت اور محبت اُنکے اتباع کے ساتھ وابستہ ہے۔ سب سے زیادہ خصوصیت اور قربت ابراہیمؑ سے اُنہی لوگوں کو ہو سکتی ہے جو اُنکے زمانہ میں یا بعد کو اُنکے پیرو اور متبع تھے اور اُنکے طریقہ پر چلتے تھے۔ وَهَٰذَا ٱلنَّبِىُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ اور ابراہیمؑ سے خصوصی قربت محمدؐ کو اور اُن لوگوں کو ہے جو حضور پر ایمان لائے کیونکہ محمدؐ کی شریعت اکثر امور میں شریعت ابراہیمی کے موافق ہے اور آپؐ کا طریقہ وہی ہے جو ابراہیمؑ کا تھا۔ تم لوگوں کو ابراہیمؑ سے خصوصی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تمہارا طریقہ اُنکے طریقہ سے غیر ہے۔ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُؤْمِنِينَ اور فقط یہی نہیں ہے کہ مؤمنوں کو ابراہیم سے خصوصی تعلق اور قرب ہے بلکہ خدا مؤمنوں کا حامی ہے۔ اُسی کے زیر حمایت تمام مؤمن ہیں۔ اعتبار صرف ایمان کا ہے خواہ کسی قوم اور کسی خاندان کا ہو۔ چونکہ رسول عربیؐ کے پیرو مؤمن ہیں اسلئے خدا کے نزدیک معزز اور مقرب ہیں۔ خدا اُن کا حامی ہے خواہ نسل ابراہیمی میں ہوں یا نہ ہوں۔

مقصود بیان: جھگڑا کرنا بہر حال بُرا ہے خواہ ایسی چیز کے متعلق ہو جسکا علم ہو یا مجہول چیز کے متعلق ہو۔ اگر نامعلوم مباحث میں محض عناد کی وجہ سے جھگڑا کیا جائے تو بدترین ہے۔ ابراہیمؑ کی شریعت اکثر امور میں شریعت اسلامیہ کے مطابق تھی۔ تمام انبیاء ایک غرض یعنی دعوت توحید لیکر آئے تھے۔ لہٰذا سب سے زیادہ قرب انبیاء سے مؤمنوں کو ہوتا ہے عجمی ہو یا عربی، اسرائیلی ہو یا اسماعیلی کسی نسل اور کسی خاندان اور کسی ملک کا ہو اگر مؤمن ہو تو اُسی کو ابراہیمؑ بلکہ تمام انبیاءؑ سے خصوصی تعلق ہے۔ اعتبار عقائد و اعمال کا ہے۔ نسلی قرابت ساقط الاعتبار ہے یہودی اور عیسائی اگرچہ اہل کتاب کہلاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر مشرک ہیں آیات مذکورہ بالا ہم کو حسن عمل، صلاح عقیدہ، اختیار اخلاق فاضلہ اور اجتناب افعال قبیحہ کا درس دے رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ نسبی امتیاز ہیچ ہے۔ اعتبار اعمال کا ہے ورنہ اسلاف کے کارناموں پر فخر کرکے اُن سے اپنا رشتہ جوڑنا اور مُردہ ہڈیوں کو چچوڑنا بے سود ہے۔ مسلمان کو ایسے اعمال و افعال اختیار کرنے چاہئیں کہ آئندہ نسلیں اُس سے رشتہ جوڑنے کو فخر سمجھیں نہ یہ کہ خود دوسروں کی فضیلت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھے۔

وَدَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ۔ قبائل بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع کے یہودیوں نے حضرت عمار بن یاسر حضرت حذیفہ اور حضرت معاذ کو بہکا کر اپنے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی اُسپر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ تم کو بہکانا چاہتا ہے اور ورغلا کر اسلام سے پھیرنا چاہتا ہے۔ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ حالانکہ اس اغواء کا نقصان خود اُنہی پر عائد ہوتا ہے۔ مسلمان اُنکے بہکانے سے گمراہ نہیں ہو سکتے اور گمراہ کرنے کا وبال خود اُن کی گردن پر رہیگا لیکن وَمَا يَشْعُرُونَ ان کے حواس اور مشاعر ہی خراب ہو گئے ہیں ان کو ایسی کھلی ہوئی بات کا بھی احساس نہیں کہ اس اغواء کا نقصان کس کو پہنچیگا۔

مقصود بیان: مسلمانوں کے عدم ارتداد کی صراحت اور اس امر کا بیان کہ گمراہ کرنیوالے پر وبال گمراہی عائد ہوتا ہے۔ وغیرہ

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ

اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو

وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ۝ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَلْبِسُونَ

حالانکہ تم خود قائل ہو اے اہل کتاب تم کیوں حق کو

ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ وَتَكْتُمُونَ ٱلْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

باطل کے ساتھ ملائے دیتے ہو اور حق کو دانستہ چھپاتے ہو

تفسیر ابن کثیر نے آیت یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ اَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اے اہل کتاب تم قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو یعنی قرآن کے اندر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آیات آئی موجود ہیں اس سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ یہ حق ہے۔ دیگر مفسرین نے یہ مطلب بیان کیا کہ اے اہل کتاب تم توریت و انجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہو اور ان کو سچا جانتے ہو پھر خدا تعالیٰ کی جو آیات محمدؐ کے متعلق ان میں موجود ہیں ان کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم کو علم ہے کہ یہ آیات محمدؐ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل کے ساتھ آمیختہ کرتے ہو کیوں حق کی تحریف و تبدیل کرتے ہو کیوں حق کی بجائے باطل کو اپنی طرف سے قائم کرتے ہو کیوں سچ میں جھوٹ ملاتے ہو۔ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ کیوں محمدؐ کے اوصاف کو چھپاتے ہو حالانکہ دل میں تم جانتے ہو کہ وہ حق ہیں اور توریت و انجیل میں لکھے ہوئے ہیں۔

مقصود بیان:۔ رسول اللہؐ کے احوال و اوصاف اور امتیازی علامات توریت و انجیل میں مذکور تھے۔ سچ میں جھوٹ کو اور حق میں باطل کو ملانا گناہ ہے۔ حقانیت و صداقت کو چھپانا سخت گناہ ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اٰمِنُوْا

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ مسلمانوں پر جو کتاب نازل

بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ

کی گئی ہے اُس پر دن کے اول حصہ میں تو ایمان ظاہر کرو

وَاکْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ۚۖ وَ

اور دن کے اخیری حصہ میں انکار کر جاؤ شاید وہ (مسلمان بھی) مرتد ہو جائیں

لَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ ؕ قُلْ اِنَّ

اور سوا ہم اُن لوگوں کے جو تمہارے دین پر چلیں اور کا یقین نہ کرو (اے محمد) تم کہدو

الْهُدٰی هُدَی اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ

کہ ہدایت تو درحقیقت اللہ ہی کی ہدایت ہے (اہل کتاب یہ بھی کہتے تھے کہ ہرگز تم یقین

مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْکُمْ عِنْدَ رَبِّکُمْ ؕ قُلْ

نہ کرنا کہ جیسا دین تم کو دیا گیا ایسا اور کسی کو بھی دیا جا سکتا ہے یا تمہارے رب کے سامنے یہ تم کو

اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

کہ اللہ کا فضل تو اُسکے قبضہ میں ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ۙ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ

اور اللہ وسیع رحمت والا جاننے والا ہے جسکو چاہتا ہے اپنی رحمت سے

یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝

خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

تفسیر عبداللہ بن صیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب اس طرح دین اسلام کے زور کو توڑنا چاہئے کہ صبح کو تو محمدؐ پر ایمان لے آؤ اور شام کو مرتد ہو جاؤ اور کہدو کہ ہم نے توریت میں خوب دیکھا بھالا اور اپنے علماء سے بھی پوچھ لیا وہ نشانیاں جو توریت میں ہیں محمدؐ میں نہیں ملتیں شاید اس دھوکہ سے مسلمان مذبذب اور متردد ہو کر اپنے دین سے پھر جائیں اُس وقت یہ آیت وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ سے وَاسِعٌ عَلِیْمٌ تک نازل ہوئی اور خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہودیوں کے مکر سے آگاہ کر دیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ عبداللہ بن صیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف نے باہم مشورہ کیا اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ کہ جس قرآن کو مومن مانتے ہیں اور جو اسلام ان کی ہدایت کے واسطے نازل ہوا ہے اُسکی تصدیق شروع دن میں تو کر لو اور صبح کی نماز مسلمانوں کے ساتھ پڑھ لو تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے وَاکْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لیکن دل سے تصدیق نہ کرو بلکہ بہکانے کے لئے ایسا کرو اور پھر پچھلے دن میں قرآن و اسلام کا انکار کر دو عصر کی نماز مسلمانوں کے ساتھ نہ پڑھو لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ شاید یہ مسلمان خصوصًا مومن اہل کتاب بھی اسلام سے پھر جائیں۔ بات یہ تھی کہ اسلام سے قبل اہل عرب یہودیوں کو ذی علم جانتے تھے اور علمی معاملات میں ان پر اعتماد کرتے تھے اسلئے یہودیوں نے عام لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ تدبیر نکالی کہ جب ہم اسلام میں داخل ہو کر پھر برگشتہ ہو جائینگے تو عمومًا عرب چونکہ ہم کو اہل علم جانتے ہیں اسلئے خیال کرینگے کہ ایسے عالم مسلمان ہونے کے بعد جو مرتد ہو گئے تو واقعی اسلام حق مذہب نہیں ہے۔ اس حیلہ سے ممکن ہے کہ مسلمان اسلام کو چھوڑ دیں اور مسلمانوں کا زور ٹوٹ جائے۔ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ اور یہودیوں نے یہ بھی آپس میں مشورہ کیا کہ جو شخص تمہارے دین کے خلاف ہو اس کی تصدیق نہ کرو اُسکو سچا نہ جانو کیونکہ صرف تمہارا ہی مذہب حق اور مبنی بر

ہدایت ہے قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اے محمد آپ ان سے کہد کیجئے کہ ہدایت و حقانیت تو وہی ہے جسکو خدا ہدایت کہے یعنی اسلام ہی حق اور مبنی بر ہدایت ہے۔ اسکے سوا دیگر مذاہب کو اختیار کرنا گمراہی ہے اس لئے تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ جو شخص یہودیت کی موافقت نہ کرے اسکو سچا نہ جانو۔ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ یعنی یہودی کہتے ہیں کہ جو شخص تمہارے مذہب کے موافق نہو اسکی تصدیق نہ کرو کیونکہ اگر اس کو سچا جانوگے اور اس کی آوردہ کتاب کو نازل من اللہ مان لوگے تو خرابیاں پیدا ہونگی اول تو یہ کہ جو فضیلت حکمت اور کتاب الٰہی تم کو عطا کی گئی ہے وہ دنیا میں کسی کو نہیں دی گئی ہے اب اگر اپنے مذہب کے مخالف کو بھی سچا جانوگے تو وہ بھی اس فضیلت میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائیگا۔ اور نبوت و کتاب الٰہی کی خصوصیت تمہارے ہی ساتھ نہ رہیگی۔

اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ۔ دوسری بات یہ کہ مقابلہ کے وقت مسلمان تم پر غالب آجائینگے اور استدلال کرینگے کہ تم قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ہو تو یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤ کیونکہ قرآن اسی کا حکم دیتا ہے۔ اسکے رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اے نبی ان یہودیوں سے کہدیجئے کہ فضل و رحمت تو خدا کے قبضہ میں ہے جس قوم کو چاہتا ہے فضیلت نبوت اور کتاب عطا کرتا ہے فضل خدا میں تمہارا ٹھیکہ نہیں ہے کہ سوا تمہارے خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے دوسروں کو سرفراز نہ کرے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اور خدا کا فضل بہت وسیع ہے وہی خوب جانتا ہے کہ کون شخص اسکے فضل کا اہل ہے جو مستحق ہوتا ہے خدا تعالیٰ اپنا فضل و انعام اسکو عطا کرتا ہے۔ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وہی اپنی نبوت سے جسکو چاہتا ہے سرفراز کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اس کا فضل بڑا ہے اسکی رحمت میں کوئی تنگی نہیں کسی شخص کو اسکے فضل کے روکنے کا استحقاق نہیں۔

خلاصہ آیات کا یہ نکلا کہ یہود کی مذکورہ مکاریوں کے دو سبب ہیں۔ اوّل تو ان کو اس بات کا حسد ہے کہ جیسا دین اور جیسی کتاب اور شریعت ہم کو دی گئی ویسی مسلمانوں کو بھی دی گئی ایسا کیوں کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ اگر ہم انکی بات کی تصدیق کرینگے تو وہ ہمارے مسلمات سے ہم کو قائل کرینگے اسلئے یہی ضروری ہے کہ جو تمہارے دین پر نہ چلے اسکی بات ہی کو نہ مانو کیونکہ اگر ان کی بات سچ مانوگے تو وہ بھی صاحب شریعت و کتاب ماننے پڑینگے اور پھر وہ تم پر الزام قائم کرینگے۔ یہودیوں نے اپنے خیال میں خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت کو اپنے خاندان میں ہی منحصر سمجھ لیا تھا۔ حالانکہ خدا کی رحمت عام ہے اس نے کسی خاندان کے لئے پٹہ نہیں لکھدیا ہے وہ سب کا خدا ہے اس غرور میں کہ ہمیشہ کے لئے فضیلت ہمارے ہی خاندان کو حاصل ہے نیک کاموں کی طرف سے اعراض کرنا بری باتوں کو اختیار کرنا اور فضل خدا کو اپنے لئے مخصوص سمجھنا خام خیالی ہے۔ خدا کے ہاں نسب کا اعتبار نہیں بلکہ تقویٰ اور اوامر و نواہی کی پابندی پر حقیقت کا دار و مدار ہے۔

مقصود بیان: نبوت و رسالت کسی ریاضت، عبادت، تقویٰ و محنت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ فضل الٰہی ہے خدا جسکو چاہتا ہے دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ نبوت کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ نفاق فی الدین اور اغواء مسلمین حرام ہے۔ مسلمانوں کو دین سے ورغلانے کی نیت کرنی بھی کفر ہے۔ ہدایت و گمراہی کا فیصلہ آسمانی کتاب کر سکتی ہے۔ ویسے تو ہر شخص اپنی حقانیت کا مدعی ہوتا ہے۔ امتیاز نسب، شرافت خاندان، وجاہت دنیوی اور دولت و جاہ پر خدا کا فیضان موقوف نہیں ہے۔ نہ خدا نے کسی قوم کے لئے پٹہ لکھدیا ہے کہ انہی پر میری رحمت ہوگی اور دیگر اقوام میرے فضل سے محروم رہینگی۔ بد اعمالی اور ترک محاسن کے باوجود فضیلت کا دعویٰ کرنا لغو ہے۔ خدا تعالیٰ کا کام کسی علت و سبب کے تابع نہیں ہے وغیرہ۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ

اور بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں کہ اگر تم انکے پاس ایک خزانہ امانت رکھو

يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ

تو وہ تم کو (عند الطلب) ادا کریں اور بعض ایسے ہیں کہ اگر تم انکے پاس ایک دینار

لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ

امانت رکھو تو نہ دیں تاوقتیکہ تم ان کے سر پر برابر کھڑے نہ رہو

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ

اسکی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا قول ہے کہ ان پڑھ لوگوں کے مال (مارنے) کا ہم پر

سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ

کوئی جرم نہیں ہے اور وہ دانستہ اللہ پر جھوٹ

يَعْلَمُوْنَ ۝

جوڑتے ہیں۔

تفسیر اہل کتاب میں دو قسم کے آدمی تھے اول وہ لوگ جو دنیوی معاملات اور لین دین میں امانتدار اور سچے تھے۔ دوسرے وہ لوگ جو دنیوی امور میں خیانت کرتے تھے اور چونکہ عموماً ایسا

ہوتا ہے کہ جو لوگ دنیوی معاملات میں امین ہوتے ہیں وہ دینی معاملہ میں بھی امین ہوتے ہیں اور جو آپس کے لین دین وغیرہ میں ایمان فروش ہوتے ہیں وہ اپنے مذہبی معاملہ میں بھی خائن ہوتے ہیں اور اپنے مذہبی احکام کے پابند نہیں ہوتے۔ اسلئے دونوں فرقوں کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون دیندار اور مذہب کا پابند ہے اور کون خائن گمراہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس ایک قریشی شخص نے دو ہزار اشرفیاں امانت رکھی تھیں کچھ دنوں کے بعد اس نے واپسی کا مطالبہ کیا۔ ابن سلام نے فوراً بے چون و چرا ادا کردیں اور فنحاص بن عازوراء یہودی یا کعب بن اشرف یہودی کے پاس ایک قریشی نے ایک اشرفی امانت رکھی اور قریشی کے طلب کرتے وقت انکار کر بیٹھا۔ ان دونوں کی حالت کا آیت میں بیان ہے۔ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض لوگ مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ ایسے امین ہیں کہ اگر تم انکے پاس ڈھیروں دینار امانت رکھو تو مطالبہ کے وقت وہ بلا چون و چرا ادا کر دیتے ہیں وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اور بعض اہل کتاب ایسے خائن اور بے ایمان ہیں کہ اگر ایک دینار بھی تم اُن کے پاس امانت رکھو تو ادا نہیں کرتے بلکہ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا جب تک اُس کے پاس کھڑے رہو اور اپنے مال کو نظر میں رکھو اُس وقت تک وہ اقراری رہتا ہے اور جب وہاں سے علیحدہ ہو جاؤ تو انکار کر دیتا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ۔ یہ خیانت و انکار ان کا محض اس بنا پر ہے کہ جو ان کے دین کا مخالف ہو اُس پر وہ ظلم کرنے کو حلال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان اَن پڑھ عربوں کا مال لینا ہمارے لئے جائز ہے۔ ان کا مال غبن کرنے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسکو ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔ حضرت قتادہ اور سدی سے مروی ہے کہ یہودی کہتے تھے جو مال ہم نے عرب سے لے لیا اسکی واپسی کا ان کو ہم سے استحقاق نہیں ہے اور اُن کا مال واپس نہ دینے میں ہمارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے خدا نے ہم کو یہی حکم دیدیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے قریش سے کچھ مال خریدا اور قیمت قرض رہی۔ بیچنے والے قریش مسلمان ہو گئے اور انہوں نے قیمت کا تقاضا کیا۔ یہودی کہنے لگے تمہارا ہم پر کچھ حق نہیں ہے تم نے اپنا دین ترک کر دیا ہے اُس وقت کے دین پر نہیں ہو اور تبدیل مذہب کے بعد کوئی حق ہم پر باقی نہیں رہتا ہماری کتاب میں یہی حکم ہے۔ اسکی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ یہ لوگ دیدہ و دانستہ خدا پر افترا بندی کرتے ہیں جان بوجھکر ایسے احکام خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں جو واقع میں اس کے احکام نہیں ہیں۔

(ابو صعصعہ کی روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ سے کسی نے کہا جہاد میں ہم کو مرغی بکری اور دیگر قسم کا مال ملتا ہے اور یہ مال اُن کا فروں کا ہوتا ہے جو جزیہ دیکر ہمارے زیر تحفظ آچکے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا پھر تمہاری اس مال کے متعلق کیا رائے ہے؟ اس شخص نے کہا ہماری رائے میں اس مال میں ہمارے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا یہ بات تو ایسی ہی ہے جیسے اہل کتاب کہتے تھے کہ لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ الخ۔

حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جب اہل کتاب نے لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ کہا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دشمنانِ خدا جھوٹے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے پامال ہے سوائے امانت کے۔ اگر زمانۂ جاہلیت میں کسی نے کسی کے پاس کوئی امانت رکھی ہے تو وہ ادا کرنی ہوگی خواہ نیکوکار کی ہو یا فاجر کی (رواہ ابن ابی حاتم والطبرانی) تفسیر سراج میں ہے کہ آیت میں امانت کا لفظ قرض کو بھی شامل ہے۔

مقصود بیان: ۔ امانت میں خیانت کرنی حرام ہے۔ امانت کسی کی ہو کافر کی ہو یا مسلم کی دوست کی یا دشمن کی بہرحال اُسکی ادائیگی واجب ہے۔ خدا پر افترا بندی کرنی اور جو حکم شریعت میں نہیں ہے اُسکو حکم شریعت کہنا سخت جرم ہے۔ وغیرہ۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ

بیشک جس شخص نے اپنا اقرار پورا کیا اور گناہ سے بچتا رہا تو یقینی

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○

بات ہے کہ اللہ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے

تفسیر یہ آیت سابق کا تردید آمیز تتمہ ہے۔ یعنی یہ خیال کرنا کہ اَن پڑھ عربوں کا ہم پر کوئی حق نہیں ہے اور ہمارے واسطے تبدیل مذہب کرنے والوں کی ہر قسم کی حق تلفی روا ہے بالکل غلط ہے بلکہ جو شخص اپنا عہد پورا کرتا ہے اور جو وعدہ خدا سے اس نے لیا ہے اُسکو وفا کرتا ہے اور بداعمالیاں ترک کر کے اعمال حسنہ کو اختیار کرتا ہے اور خدا سے ڈرتا ہے تو خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ شخص پسندیدہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اہلِ تقویٰ کو پسند فرماتا ہے۔

مقصود بیان: ۔ ادائے امانت اور ایفائے وعدہ کا حکم، متقیوں کی مدح وغیرہ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ

جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض حقیر معاوضہ

ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

لے لیتے ہیں — انہی کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور نہ اُن سے اللہ بات کریگا اور نہ قیامت کے دن انکی طرف (نظر رحمت سے) دیکھیگا

وَلَا يُزَكِّيهِمْ ص وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

اور نہ انکو پاک صاف کریگا اور انکے لئے خصوصیت کے ساتھ تکلیف دہ عذاب ہوگا

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ

بلاشک انہیں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبان کو کتاب (توریت) پڑھنے کے وقت

لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ج وَ

مروڑتا ہے تاکہ تم (اسکی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو) کتاب کا جزو خیال کرو حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں

يَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ

کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے

عِنْدِ اللّٰهِ ج وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

نازل شدہ نہیں ہے اور دانستہ وہ اللہ پر جھوٹ

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○

بولتے ہیں

تفسیر إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا۔ اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ یہودی علماء کے حق میں اس کا نزول ہوا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہودیوں نے توریت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محامد صرف اپنی قومی وجاہت اور ذرائع معاش کو برقرار رکھنے کے لئے اڑا دیے تھے اُنکے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے بازار میں اپنا اسباب فروخت کرنے کے لئے رکھا اور خریداروں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ واللہ مجھے اس مال کی اتنی قیمت ملتی تھی۔ حالانکہ اُس کا یہ قول واقع کے خلاف تھا وہ صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتا تھا تو اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی (بخاری) حضرت اشعث بن قیس کہتے ہیں کہ میرا ایک یہودی سے زمین کے متعلق جھگڑا تھا زمین یہودی کے قبضہ میں تھی مگر ملک میری تھی اور یہودی ملکیت سے منکر تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُسکو کھینچ کر لایا اور واقعہ عرض کیا۔ حضور نے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو پھر یہودی سے قسم لیلے۔ میں نے عرض کیا حضور یہ تو قسم کھا جائیگا اور میرا مال لے اُڑیگا۔ اُسوقت آیت إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ الخ نازل ہوئی۔

صحیح یہ ہے کہ آیت کا سبب نزول کچھ بھی ہو مگر حکم عام ہے حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اُس میثاق و عہد کے عوض جو خدا سے اُنھوں نے کیا تھا کہ تیرے رسول پر ایمان لائینگے اور اُسکی مدد کرینگے اور اپنی قسموں کے عوض دنیوی حقیر مال حاصل کرتے ہیں حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے امانت الٰہی کو ادا نہیں کرتے اور خدا کو گواہ کر کے جھوٹی قسمیں کھا کر دنیوی حقیر بمقدار مال لینا چاہتے ہیں أُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں انکو قیامت کے دن عافیت و نجات نصیب نہ ہوگی۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ اور قیامت کے دن خدا اُن سے کلام نہ کریگا۔ یعنی سخت ناراض ہوگا اور ایسا کلام اُن سے نہیں فرمائیگا جس سے اُن کو مسرت حاصل ہو وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور نہ اُن کی طرف نظر عنایت کریگا وہ رحمت الٰہی سے قیامت کے دن محروم ہونگے وَلَا يُزَكِّيهِمْ اور نہ گناہوں سے اُن کو پاک کر کے جنت میں داخل فرمائیگا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بلکہ اُن کے واسطے خصوصیت کے ساتھ دُکھ کا عذاب ہوگا اور تکلیف دہ سزا ہوگی وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ۔ یہ آیت بھی علماء یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی جو توریت و انجیل کے الفاظ بدلکر اپنی طرف سے کچھ عبارتیں اُن میں شامل کر دیتے تھے اور ٹیڑھی زبان پھیر پھیر کر اُسکو پڑھتے تھے اور لوگوں پر ظاہر کرتے تھے کہ یہ عبارت بھی کتاب الٰہی کی ہے حالانکہ وہ عبارتیں اُن کی طبعزاد اور تراشیدہ ہوتی تھیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اہل کتاب میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی کتاب کو لوٹ پلٹ کر کے پڑھتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور بعض دیگر احکام مثلاً آیت رجم وغیرہ کو اڑا کر اُسکی بجائے اپنی طرف سے عبارتیں ملا دیتا ہے لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ تاکہ تم لوگ اُس تحریف شدہ عبارت کو خدا کی نازل کردہ کتاب کا جزو سمجھو حالانکہ وہ کتاب الٰہی کا جزو نہیں ہوتا ہے بلکہ اُن کا طبعزاد ہوتا ہے وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور تحریف کرنے کے بعد اپنی ترمیم کو وہ خدا کا نازل کردہ کلام کہتے ہیں اور دعوی

کرتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نازل کردہ کلام نہیں ہوتا ہے بلکہ محض اُن کا دماغی اختراع کردہ ہوتا ہے وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ اور دانستہ یہ لوگ خدا پر افترا بندی کرتے ہیں جو کلام الٰہی نہیں ہے اُسکو کلام الٰہی قرار دیتے ہیں اور یہ خدا پر صریحی بہتان اور دروغ بافی ہے۔

مقصود بیان :- جھوٹی قسمیں کھانے کی ممانعت، جھوٹی قسم کھا کر اور خدا کو گواہ کرکے جھوٹ بولے اور اس طرح دنیوی دولت پیدا کرنے پر سخت وعید۔ اس امر کی طرف ضمنی اشارہ کہ جو لوگ خدا کے پاکباز بندے ہیں اُسکے اوامر و نواہی کے پابند ہیں اُسکے رسول کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ اُن سے راضی ہوگا اُنکے حال پر نظر رحمت فرمائیگا اور خوش ہو کر اُن سے کلام کریگا۔ کتاب الٰہی میں تحریف کرنی اور اپنی طرف سے گھٹانا بڑھانا اور تبدیل تغیر کرنا کفر ہے اور پھر کلام الٰہی کی بجائے اپنا تراشیدہ کلام لکھکر اُسکو کلام الٰہی قرار دینا تو اس سے زیادہ سخت جرم ہے۔ کلام پاک میں الفاظ کی تبدیل تغیر کرنا زبان بگاڑ کر اُن کو پڑھنا یا اُن کے معنی غلط بیان کرنا اور اپنی رائے سے تغیر کرنا حرام ہے۔ آیت میں افترا، کذب و بہتان کی ضمنی ممانعت بھی ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ

کسی آدمی کو زیبا نہیں کہ اللہ تو اُسکو کتاب اور

الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا

سمجھ اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو

عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا

چھوڑ کر میرے پرستار بن جاؤ بلکہ (اُسکو یہ کہنا زیبا ہے کہ) تم اللہ والے

رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا

بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھاتے رہتے ہو اور

كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا

خود بھی پڑھتے ہو اور نہ (یہ زیبا ہے کہ) وہ تم کو حکم دے کہ تم

الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ

فرشتوں کو اور انبیاء کو رب بنالو بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ

بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ع ٩ / ١٦

کہ تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد وہ تم کو کفر کرنے کا حکم دے

تفسیر

جب عیسائیوں سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے عقائد فاسد ہیں الوہیت مسیح تثلیث اور روح القدس کی شرکت الوہیت ہونا خلاف درایت ہے تو وہ مجبوراً کہنے لگتے ہیں کہ اگرچہ یہ احکام عقل و درایت سے ثابت نہیں ہیں لیکن نقل سے ثابت ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے پھر بعض الفاظ ایسے انہوں نے فرمائے ہیں جن سے روح القدس کا شریک الوہیت ہونا ثابت ہوتا ہے ہم اُن کے کلام کو سچا جانتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان آیات میں اس خیال کی تردید کرتا ہے۔

محمد بن اسحاق سے بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ یہ آیت مدینہ کے یہود اور نجران کے نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب یہود کے علماء اور نجرانی عیسائی حضورؐ کی خدمت میں جمع ہوئے اور نبی برحق نے اُن کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی یہودی نے کہا محمدؐ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جسطرح نصاریٰ مسیح کی پرستش کرتے ہیں ہم آپ کی عبادت کریں۔ رئیس نصاریٰ نے جب ابو رافع کا یہ قول سنا تو وہ بھی کہنے لگا ہاں محمدؐ کیا آپ ہم سے اسی کے خواستگار ہیں اور اسی کی ہم کو دعوت دیتے ہیں۔ حضور اقدسؐ نے جواب دیا معاذ اللہ ہم سوا خدا کے کسی کی پرستش کرنا نہیں چاہتے نہ ہم غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں نہ ہم کو خدا نے اسواسطے بھیجا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے۔ اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

مقاتل و ضحاک کا قول ہے کہ یہ آیت نجرانی عیسائیوں کے رد میں نازل ہوئی کیونکہ اُن کا قول تھا کہ مسیح نے ہم کو اپنی پرستش کا حکم دیا ہے۔ معالم میں ایک روایت صحیح یہ بھی ہے کہ کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم حضور کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جسطرح آپس میں ہم ایک دوسرے کو کرتے ہیں کیا حضور کو ہم سجدہ نہ کیا کریں؟ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذ اللہ! ہرگز جائز نہیں کہ کوئی شخص کسی کو سجدہ کرے بلکہ تم کو اپنے نبی کی تعظیم تکریم کرنی چاہئے اور قدر شناسی کرنی چاہئے اُس وقت مذکورہ بالا آیت اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تک نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے خلعت بشری اور جامۂ کمال انسانی سے سرفراز فرمایا اور پھر کتاب الٰہی کا علم بھی عطا فرمایا اور فقط علم ہی نہیں بلکہ فہم شریعت کی قوت بھی اُسکو مرحمت کی اور اپنی طرف سے ایک نور روحانی اُسکو عنایت فرمایا جسکی وجہ سے علم شریعت کی سمجھ اُسکو حاصل ہوگئی اور فقط یہی نہیں بلکہ اُسکو اُسکے زمانہ کے انسانوں سے امتیاز بھی عطا کیا اور مرتبۂ نبوت سے سرفراز فرمایا ایسے شخص کو کسی طرح سزاوار

نبی تھا اور نہ وہ ایسا کر سکتا ہے کہ کہنے لگے لوگو خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ اور میری عبادت کرنے لگو۔ مطلب یہ کہ اس بلند مرتبہ پر پہنچکر نبی کو اپنا بندہ ہونا بلکہ تمام عالم کا محتاج بندہ ہونا اور خدائے قدوس کا پروردگار عالم اور معبود کل ہونا خوب واضح ہو جاتا ہے پھر وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ معبود مطلق کو چھوڑ کر میرے پرستار بن جاؤ۔ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے اور یہی کہنا سزاوار ہے کہ خدا پرست اللہ والے بن جاؤ۔ ابن عباسؓ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ حکماء علماء اور صاحبان حلم ہو جاؤ یعنی اس حکمت کو حاصل کرو جو خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو عطا کی ہے اور اس سمجھ کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جو علم نبوت سے حاصل ہوتی ہے اور عقل کلی اور دانش سلیمہ حاصل کرو یا یہ کہ فقیہ بن جاؤ اور فقاہت دینی حاصل کرو (حسن بصری وغیرہ) یا اہل تقویٰ بن جاؤ (ربیع بن انس، قتادہ وغیرہ) بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ یعنی اپنی کتاب کی تعلیم اور تدریس کے موافق خدا پرست بنے رہو پیغمبر تم کو یہی حکم دے سکتا ہے۔ لہذا تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ مسیح نے ہمکو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا یعنی وہ تم کو نہ اپنی عبادت کا حکم دے سکتا ہے نہ یہ حکم دے سکتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء کو اپنا رب سمجھو اور خدا کی ربوبیت میں دوسرے کو شریک کرلو لہذا فرقہ صابئیہ نے جو ملائکہ پرستی کی اور یہود نے عزیر پرستی اور نصاریٰ نے مسیح پرستی کی یہ بالکل حرام ہے کسی نبی نے ان کو ایسا حکم نہیں دیا۔ بھلا عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ ایسا مرتبہ شناس روشن عقل اور نور قلبی رکھنے والا نبی اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ تم کو مسلمان اور مومن ہو جانے کے بعد کفر کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ جو شخص قرب الٰہی اور مشاہدہ کے مقام پر پہونچ جاتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ مخلوق کا رئیس بنے اور لوگ اسکی عزت و حرمت کریں کیونکہ جو شخص درجۂ توحید خالص پر پہنچ جاتا ہے وہ اپنے نفس کا کچھ بھی وزن نہیں سمجھتا۔ خداوند تعالیٰ کے جلال و عظمت کے سامنے اپنی کچھ قدر و قیمت نہیں جانتا اور تجلی حق کے سامنے اپنی ہستی کو نابود خیال کرتا ہے اور ہمیشہ اس بات سے شرمندہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود پاک کے سامنے اس کا کچھ بھی وجود ہو اس لئے وہ حق تعالیٰ سے حیا کر کے اپنے آپ کو فنا کر دینا محبوب سمجھتا ہے لیکن جب وہ اپنے اوپر خدا کی نعمتیں دیکھتا ہے کشف جمال قرب وصال عزت علم کبریا عظمت قہر لطف وغیرہ نعماء الٰہی سے اپنے آپ کو سرفراز دیکھتا ہے تو پھر دوسرے انسانوں کی حالت پر افسوس کر کے ان پر مہربان ہوتا ہے اور ان کو بھی خدا تعالیٰ کی عبادت اور مرضیات الٰہی کے حاصل کرنے کی طرف بلاتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ تم بھی عالم حکیم فقیہ عابد اور ربانی بن جاؤ

آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ یہ تو مسلم امر ہے کہ عیسیٰ بشر تھے اور جلیل القدر بشر تھے تمام بشری نعمتیں ان کو حاصل تھیں کتاب و شریعت اور نبوت سے وہ سرفراز تھے پھر ایسا برگزیدہ اور صاحب معرفت انسان کس طرح کسی کو حکم دے سکتا ہے کہ خدا کو چھوڑ کر مجھی کو خدا سمجھ کے پوجو۔ ایسا حکم نہیں دے سکتا اور نہ وہ یہ حکم دے سکتا ہے کہ سوائے خدا کے کسی نبی ولی یا فرشتہ کو اپنا رب اور معبود سمجھو بلکہ اس کی ہدایت یہی ہوگی کہ تم سب اللہ والے اور خدا پرست ربانی بنو کیونکہ اسلام کے بعد کافر ہونے کی وہ ہرگز تعلیم نہیں دے سکتا۔

مقصود بیان :۔ انسان کو جتنے علم و کشف اور قرب و وصال کے مراتب حاصل ہوتے جاتے ہیں اتنا ہی اسکو اپنے عجز و جہالت و احتیاج کا یقین بڑھتا جاتا ہے یہانتک کہ عارفان حق شناس اپنے وجود کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ کسی عارف حقیقت سے حکم الٰہی کے خلاف کسی امر کا صدور محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء معصوم ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی نعمتیں اگرچہ جسمانی بھی بے انتہا ہیں مگر روحانی نعمتیں یعنی علم کتاب فہم شریعت اور کمال نبوت سب سے بڑھکر نعمتیں ہیں۔ نبی ہونے کے بعد کسی کا گمراہ ہونا محال ہے۔ ہر نبی خدا پرستی اور توحید و تمجید کی تعلیم دیتا ہے۔ آیت مذکورہ سے ضمنی طور پر مذکورۂ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔ اسلام کے بعد کفر اختیار کرنا یا کفر کی تلقین کرنی بدترین جرم ہے جو عارف حقیقت کے لئے کسی طرح سزاوار نہیں ہے۔ علم کے ساتھ عمل اور معرفت کے ساتھ عجز و انکسار لازم ہے حقیقت طریقت اور معرفت شریعت سے کوئی جدا چیزیں نہیں ہیں بلکہ جسکو شریعت کا صحیح علم حاصل ہو جاتا ہے اسکو یہ تمام مدارج حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہاں علم کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔ غیر اللہ کو رب یا معبود سمجھنا یا سجدہ کرنا یا کوئی ایسی تعظیم کرنی جو خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کفر ہے۔ فرق مراتب بہرحال لازم ہے۔ انبیاء اولیاء اور دیگر پیشوایان امت کی ان کے مراتب کے موافق عظمت و حرمت کرنی ضروری ہے۔ کوئی نبی اپنی عزت و عظمت کا خواستگار نہیں ہوتا بلکہ جس چشمہ سے خود سیراب ہوا ہے اسی کی طرف لوگوں کی تشنہ روحی پر رحم کر کے سب کو بلاتا ہے۔ وغیرہ۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ

اور جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب اور شریعت

مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ

ہم تم کو دیں اور پھر اسکے بعد کوئی رسول تمہارے پاس آئے جو ان کتابوں

لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ

کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور اسپر ایمان لانا اور ضرور بالضرور اسکی مدد کرنا۔ اللہ

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ۭ قَالُوْٓا

کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کو قبول کرتے ہو انبیاء نے عرض کیا

اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ

ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ

الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

گواہ ہوں اس کے بعد جو لوگ رخ پھیر لیں گے

فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

تو وہی نافرمان ہیں

تفسیر وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ اس آیت کا تفسیری معنی سمجھنے سے قبل اس امر کو جان لینا ضروری ہے کہ اس آیت میں رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ سے کونسا رسول مراد ہے اور میثاق انبیاء کے کیا معنی ہیں:—

(۱) رسول مصدق سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے اور میثاق انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر نبی سے ازل ہی میں عہد لے لیا تھا کہ محمد کی رسالت کی تصدیق کرنا۔ مطلب یہ کہ ہر نبی کو حکم دیدیا تھا کہ تم اپنے بعد آنیوالے نبی کی تصدیق کرنا اور اسکی مدد کرنا بشرطیکہ تم اسکے زمانہ تک زندہ رہو ورنہ اپنی امت کو ہدایت کر جانا کہ میرے بعد جو نبی پیدا ہو تم اسکی ہدایت کو قبول کرنا اور ہر طرح سے اسکی مدد کرنا اور اس طرح یہ سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے گویا ہر نبی کو حکم دیدیا گیا کہ محمدؐ پر ایمان لانا اور اگر تم کو ان کا زمانہ نصیب ہو تو ان کی پیروی اور مدد کرنا۔ یہی مضمون ایک صحیح حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر موسیٰؑ و عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ طاؤس حسن بصری اور قتادہ وغیرہ نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

(۲) حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی مبعوث فرمایا اس سے عہد لے لیا کہ جب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کروں اور تم اس وقت زندہ ہو تو ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور یہ بھی حکم دیدیا تھا کہ تم اپنی امت سے عہد لے لینا کہ جب محمدؐ مبعوث ہوں اور تم لوگ اس وقت زندہ ہو تو ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی امداد کرنا۔ اس روایت میں صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ ہر نبی سے براہ راست خاتم النبیین نے محمدؐ کی رسالت کی تصدیق کرائی تھی اور حضورؐ کے اتباع کا عہد لے لیا تھا۔

(۳) یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ رسول مصدق سے ہر آئندہ آنیوالا نبی مراد ہے اور میثاق انبیاء سے مراد وہ میثاق اور عہد ہے جو خدا تعالیٰ نے ازل میں ہر قوم سے لے لیا تھا کہ اپنے زمانہ کے نبی پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا اسکے اوامر و نواہی اور شریعت کی پابندی کرنا پھر اس نبی کے بعد اگر کوئی اور نبی آئے اور وہ سابق نبی کی شریعت کی تصدیق کرے تو تم اسکی تصدیق کرنا اور ہر طرح سے اس کی امداد کرنا۔ یہ مطلب بالکل صاف ہے اسلئے ہم تفسیر اسی مطلب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کرتے ہیں اگرچہ ابن کثیر نے اور ابن جریر نے متقدم الذکر دونوں معنی کو اختیار کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ — اے اہل کتاب تم کو یاد کرنا اور نصیحت قبول کرنا چاہئے کہ جب انبیاء کے متعلق ہم نے ان کی امتوں سے ازل ہی میں عہد لے لیا تھا یا نبی وقت کے زمانہ میں ہی اس کی امت سے اقرار لے لیا تھا اور حکم دیدیا تھا لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ کہ دیکھو میں نے تم کو جو کتاب صحیفہ اور نوشتہ ہدایت اور دانش و عقل عطا کی ہے تم کو اسکے موافق عمل کرنا چاہئے ثُمَّ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ پھر اگر کوئی رسول، تمہاری کتاب و شریعت کی تصدیق کرنیوالا آئے اور تم کو اس کا زمانہ دیکھنا نصیب ہو لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور یقینی طور پر اس کی مدد کرنا کسی طرح اس سے سرتابی نہ کرنا۔ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ اور پھر خدا نے تم سے یہ بھی فرمایا تھا کہ کیا تم کو اس کا اقرار ہے اور تم اس پر میرا عہد و ذمہ قبول کرتے ہو اگر انحراف تو نہیں کرو گے اسکو دل سے قبول کرتے ہو۔ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا تو سب نے جواب میں کہا تھا ہم اس کا اقرار کرتے ہیں آئندہ آنیوالے نبی پر ضرور ایمان لائینگے اسکی مدد کرینگے اور اسکی پیروی کرینگے۔ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ خدا تعالیٰ نے فرمایا تو اب تم اپنے اس اقرار و میثاق کے گواہ رہنا اسکو بھول نہ جانا اور آئندہ آنے والی نسلوں کے متعلق بھی شاہد رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ اس قول و قرار کا گواہ ہوں۔ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اب جو لوگ اس قول و قرار اور اخذ و قبول کے بعد اپنے عہد سے پھر جائینگے آئندہ نبی کی تصدیق نہ کرینگے اس پر ایمان نہ لائینگے تو وہ سرکش ہونگے طاعت الٰہی کے دائرہ سے خارج ہونگے اور حلقۂ کفر میں داخل ہو جائیں گے۔

لیکن اہل کتاب نے میثاق الٰہی کو فراموش کر دیا۔ یہودیوں نے تو نہ زکریاؑ کو مانا نہ یحییٰؑ کو نہ عیسیٰؑ کو نہ رسول اللہ صلعم کو اور عیسائیوں نے حضور اقدس کی رسالت کا تو کھلم کھلا انکار کیا اور عیسیٰؑ کو بھی اس طرح مانا گویا نہ مانا۔ بہرحال دونوں فرقے اپنے عہد کو فراموش کر گئے اور ان کی کتابوں میں جو میثاق مذکور تھا

اُس سے روگرداں ہوگئے۔

مقصود بیان: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سالار انبیاء تھے۔ ہر نبی نے حضورؐ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی ہے۔ تمام انبیاء کو حضورؐ کے اتباع کی آرزو تھی۔ ہر رسول سابق رسول کے دین کی تصدیق کرتا ہے۔ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنے زمانہ کے رسول پر ایمان لائے اور اشاعتِ دین میں اس کی ہر ممکن مدد کرے۔ ہر نبی نے اپنی امتیوں کو جمع کر کے ہدایت کردی تھی کہ آئندہ ایک عظیم الشان جلیل القدر نبی اس اس حلیے اور ان ان اوصاف کا پیدا ہوگا تم ضرور اُس پر ایمان لانا۔ اور اسلامی دنیا کے ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ
کیا اللہ کے دین کے سوا اور دین کے طلبگار ہیں حالانکہ آسمانوں میں اور

فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ
زمین میں جو مخلوق ہے وہ خوشی ناخوشی اُسی کے فرماں بردار ہیں اور سب کو اسی کی طرف

يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
لوٹ کر جانا ہے (اے محمدؐ) تم کہدو ہم تو ایمان لائے اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہم پر نازل

وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
ہوئی اور اُن (کتابوں) پر جو ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحٰقؑ

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَ
یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ پر نازل کی گئیں اور اُن (کتابوں) پر جو موسٰیؑ اور

عِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
عیسٰیؑ اور دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ملیں ہم انمیں سے کسی میں فرق

اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝
نہیں کرتے اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں

تفسیر اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ۔ تفسیر معالم وغیرہ میں مذکور ہے کہ اہل کتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے آپس کا جھگڑا پیش کیا۔ یہودی بھی دین ابراہیمی پر قائم رہنے کے مدعی تھے اور عیسائی بھی یہی دعویٰ کرتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا ہر دو فریق دین ابراہیمی سے خارج ہیں۔ بولے ہم آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے اور آپ کے مذہب کو قبول نہیں کرسکتے آپ کا فیصلہ غلط ہے۔ اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصلِ فرمان یہ ہے کہ: کیا یہ لوگ دین الٰہی کے علاوہ کسی اور دین کے طالب ہیں۔ کیا اطاعتِ الٰہی سے خارج ہونا چاہتے ہیں کیا خدا سے تمرد و سرکشی کرنی چاہتے ہیں کیا اسلام کے خلاف کسی اور مذہب کو اختیار کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔ آسمانوں کے فرشتے اور زمین کی تمام موجودات چار و ناچار خدا کی مطیع فرمان ہے۔ مومن تو دلائل فطری پر غور کر کے بخوشی سرِ تسلیم جھکاتے ہیں اور کافر منکر ملحد وغیرہ مجبوراً حکم تقدیر کے سامنے تابع اور مقہور ہوتے ہیں کسی کو جرأت نہیں کہ نظامِ قدرت اور قانونِ فطرت کے خلاف علمبرداری کرسکے یا موت سے نجات پاسکے یا اُن فطری دلائل کو مٹاسکے جو خود منکرین کی ذات میں موجود ہیں۔ یہ لوگ اس امر کی قدرت نہیں رکھتے کہ جو حکم ان پر جاری کیا گیا ہے اُس سے اپنے نفوس کو باز رکھیں اور نظامِ قدرت سے خارج ہو جائیں چونکہ اسلام توحیدِ ذات وصفات کا علمبردار اور قانونِ فطرت پر لوگوں کو پابند رکھنے کا اعلان کرتا ہے اور توحیدِ الٰہی کے علمبرداروں میں کوئی تفریق نہیں کرتا سب کو صادق القول تسلیم کرتا ہے اسلئے ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا۔ اے نبی آپ کہدیجئے کہ میں اور میرے پیرو مسلمان سب خدا پر اور اُس کتاب پر ایمان لائے جو ہم پر نازل ہوئی ہے ہم خدا کو واحد لاشریک جامع صفات کمال اور عیوب ونقائص سے پاک خیال کرتے ہیں اور اُسکے نازل کردہ اوامر ونواہی کے پابند ہیں اور اُسکے تمام احکام کو برحق جانتے ہیں۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اور ہم اُن شریعتوں اور صحیفوں پر بھی ایمان لائے جو ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب اور نسل یعقوب پر نازل ہوئی تھیں۔ سب کو برحق جانتے ہیں اور ہر نبی کو سچا اور توحید کا علمبردار سمجھتے ہیں وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ اور جو کتابیں اور صحیفے موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو دیئے گئے سب پر ہمارا ایمان ہے ہم سب کی تصدیق کرتے ہیں اور سب کو توحید کا پیامبر جانتے ہیں۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ہم انبیاء میں تفریق نہیں کرتے کہ بعضوں کی تصدیق کریں اور بعضوں کی تکذیب بلکہ سب کو خدا کے سچے بندے اور رسول اور توحید کے داعی سمجھتے ہیں۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ اور ہم اُسی کے فرماں بردار اُس کے احکام کے سامنے سر تسلیم جھکانے والے اور اُسی کے لئے اپنی عبادت کو مخصوص کرنے والے ہیں یعنی تمہاری طرح نہیں ہیں کہ بعض انبیاء کی تصدیق کریں اور بعض کی تکذیب، کبھی عزیر کی پرستش کریں اور کبھی مسیح کی، کبھی ایک کو خدائی کا حصہ دار قرار دیں کبھی دوسرے کو، کبھی خدائی کے ٹکڑے کر کے تین خدا مانیں، بلکہ ہم خالص موحد رضا بر رضا، راضی بقضا، پرخوش، سب انبیاء کو ماننے والے اور سب کو توحید ذات وصفات کا حامل و پیامبر جاننے والے ہیں۔ ہم نہ عقیدہ میں شرک کرتے ہیں نہ اعمال میں۔

مقصود بیان:۔ اسلام دین الٰہی ہے، قانون فطرت اور توحید کا علمبردار ہے یعنی تمام انبیاء کا دین تھا، مسلمان تمام انبیاء کو برحق سمجھتا ہے۔ کائنات عالم کا حدوث ذاتی ظاہر کرتا ہے کہ خدا واحد لاشریک ہے۔ ہر شخص کو جاننا چاہئے خدا کے وجود و وحدانیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ غافل دلائل عقلی اور مشاہدہ قدرت سے اس پر ایمان لاتا ہے اور بیوقوف مرنے کے وقت مشاہدہ کر لیتا ہے۔ نظام عالم اور ترتیب موجودات اور قوانین فطرت وجود باری پر دلالت کرتے ہیں۔ مسلمان پر لازم ہے کہ عبادت صرف خدا ہی کی کرے۔ ذات و صفات میں کسی کو اس کا شریک نہ جانے۔ جو طریق تعظیم ذات الٰہی کے واسطے مخصوص ہے وہ کسی مخلوق کے سامنے بجا نہ لاتے یعنی غیر اللہ کو سجدہ نہ کرے۔ ریاکاری، ہوس، شہرت اور دنیوی وجاہت و ریاست حاصل کرنے کے لئے عبادت نہ کرے، بلکہ عبادت کا اصل مقصود رضاء مولا کو سمجھے اور اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے عبادت کرے۔ راہ مولا میں اپنا تن من دھن قربان کرنے میں دریغ نہ کرے۔ فیصلۂ قضا پر نکتہ چینی نہ کرے اور ناراض نہ ہو بلکہ اپنی صحت و بیماری خواب و بیداری، نشست و برخاست اور زندگی و موت کو خدا ہی کی خوشنودی کے لئے وقف کر دے۔ وغیرہ۔

آیت اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ کی
مزید ہدایت آمیز تشریح

اس آیت کی مکمل تفسیر اور مقصود بیان تو ہم سطور بالا میں تحریر کر چکے ہیں لیکن چونکہ اس کے اندر رشد و ہدایت کا ایک بے بہا گنجینہ پوشیدہ ہے اسلئے ہم اسکے نکات و اسرار کے متعلق ایک مختصر ہدایت آمیز مقالہ لکھتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا مطلب علماء راسخین نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے تمام مرادوں کی جڑ اور کل حاجات کے پورا کرنے کا سرچشمہ میری بندگی ہے پھر بندگی سے روگردانی کرنے والے کہاں سے صفائی عیش چاہتے ہیں۔ حالانکہ میرے قرب سے عارفوں کو خنکی حاصل ہوتی ہے، میرے وصل سے الطاف حاصل ہوتے ہیں مشاہدۂ قدس کی حلاوت ملتی ہے اور یہ تمام لذتیں انہی کو حاصل ہوتی ہیں جو خالص موحد ہیں لیکن جو شخص نفسانی خواہشات اور شیطانی ہوا و ہوس میں گھر جاتا ہے وہ میری عبودیت سے روگرداں ہے اور جو شخص میری عبودیت و عبادت سے روگرداں ہوا وہ میری وحدانیت و فردانیت کے دیدار سے دور جا پڑا اور جو میری ربوبیت کے جمال سے محروم رہا وہ ہوا پرست ہے خواہشات کے تاریک گڑھوں میں گرتا ہے اور گمراہی کے جنگلوں میں ہلاک ہوتا پھرتا ہے۔ جو شخص الوہیت و ازلیت کے سوا دوسرے حقائق و اوصاف کا طالب ہوتا ہے وہ باطل پر حق کا دھوکا کھا کر تباہ ہو جاتا اور شیطان کی غلطیوں میں پڑ کر برباد ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اگر آگے بڑھنے سے رک جاتا ہے تو عناد و تعصب کی منزل میں پڑ جاتا ہے اور آگے بڑھتا ہے تو نفس کے ٹیڑھے راستہ میں چلتا ہے اور بالآخر اپنے سر پر ذلت و بلا کی خاک ڈال کر مر جاتا ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا طلبگار ہوگا تو ہرگز وہ دین اس سے

مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

قبول نہ کیا جائیگا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا

تفسیر یہ آیات سابقہ کا تتمہ اور نتیجہ ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جب آیات سابقہ سے معلوم ہو گیا کہ مشاہدۂ ربوبیت بغیر عبودیت کے نہیں ہو سکتا اور بدون توحید و بندگی کے درجۂ قرب حاصل نہیں ہو سکتا اور اسلام ہی توحید و عبودیت کا پیامبر ہے یہی رضا بقضا اور طاعت و انقیاد کی تعلیم دیتا ہے یہی قانون قدرت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے اور قوانین فطرت دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے تمام انبیاء اور کتب الٰہیہ کی یہ تصدیق کرتا ہے اور سب حاملان پیام الٰہی کا یہی مذہب تھا تو اب دین اسلام کے علاوہ جو شخص کوئی اور دین طلب کریگا اور اختیار کریگا خدا کے ہاں اسکو درجۂ قبولیت حاصل نہ ہوگا اس کا کوئی عمل اور ریاضت و مجاہدہ مقبول نہیں ہے۔ وہ حقیقی بندگی سے محروم ہے اور اسکی کل کری کرائی محنت آخر میں برباد جائیگی اور قیامت کے دن نقصان اٹھانا پڑیگا اور خسارہ میں رہیگا

مقصود بیان:۔ اسلام کی دعوت، غیر مذاہب کے نامقبول ہونے کی صراحت کا فروں اور غیر مسلموں کے تمام نیک اعمال برباد جانے کی وضاحت وغیرہ۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

ایسی قوم کو اللہ کیوں راہ راست پر لائے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکی ہو

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ

اور یہ گواہی دے چکی ہو کہ رسول برحق ہیں۔ اور انکے پاس کھلے کھلے معجزات

الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

آ چکے ہوں اور اللہ ظالموں کو راہ راست پر نہیں لایا کرتا

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ

ان کی جزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا

اور فرشتوں کی اور تمام آدمیوں کی پھٹکار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝

نہ تو انکے عذاب میں تخفیف کی جائیگی اور نہ اُن کو مہلت دی جائیگی

تفسیر كَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا ۔ بارہ مسلمان جنہیں طعمہ بن ابیرق اور حارث بن سوید انصاری بھی تھے مرتد ہو کر مدینہ سے نکل کر مکہ کو چلے گئے اور مشرکین مکہ سے مل گئے ۔ اُن کے متعلق یہ آیت ظالمین تک نازل ہوئی ۔ بات یہ ہوئی کہ حارث بن سوید وغیرہ مرتد ہونے کے بعد پشیمان ہوئے اور اپنے بھائی جلاس بن سوید کو لکھ کر بھیجا کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کر کہ حارث کفر سے توبہ کرنا چاہتا ہے کیا اُس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ جلاس نے حارث کا عریضہ خدمت گرامی میں پیش کیا جس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی اور حضورؐ نے قبول توبہ کا وعدہ فرمایا ۔ جلاس نے بھائی کو یہ آیت لکھکر بھیجدی ۔ حارث نے لکھا میں خوب جانتا ہوں کہ میرے غلط نہیں سنا میرے بھائی نے غلط نہیں کہا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بھائی سے جھوٹ فرمایا اور نہ خدا نے اپنے رسول سے جھوٹ ارشاد فرمایا خدا سب سے زیادہ سچا ہے پھر میں کیوں نہ تائب ہوں غرض حارث اُسی وقت مسلمان ہو کر مدینہ کو چل دیے اور اچھے مسلمان ہوئے (رواہ ابن جریر والنسائی والحاکم وابن حبان وقال الحاکم صحیح الاسناد)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ :- تعجب ہے ایسی قوم کو خدا تعالیٰ کیونکر ہدایت کرے اور کس طرح راہ راست پر آنے کی توفیق دے كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ جو مومن ہونے کے بعد کافر ہو گئی حالانکہ پہلے وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ انہوں نے خود شہادت دی تھی کہ رسول اللہ برحق ہیں اور سچے ہیں وَّجَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ اور کھلے کھلے دلائل ومعجزات بھی اُن کے سامنے پیش کئے جا چکے ۔ دلالت قدرت اور برہان معجزات سے رسول اللہ کی صداقت بھی اُن پر واضح ہو گئی پھر ایسے ازلی گمراہوں کو خدا کس طرح ہدایت کرے یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے پہلے کتب سابقہ میں بشارتیں دیکھ کر اُن پر ایمان رکھتے تھے اور رسول اللہ کے برحق ہونے کی گواہیاں بھی دیا کرتے تھے اور اسکے باوجود رسول گرامیؐ کے بیشمار معجزات بھی دیکھ چکے لیکن پھر بھی عناد سے منکر ہو گئے ایسے تیرہ باطن سیاہ قلب ازلی بدنصیبوں کو کیونکر ہدایت ہو ۔ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ خدا تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں فرماتا ہے جو لوگ کفر میں اسقدر منہمک ہو جاتے ہیں اُن کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی ۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ بس ایسے لوگوں کی تو یہی سزا ہے کہ ہمیشہ ان پر خدا کی فرشتوں کی اور مومنوں کی لعنت وپھٹکار ہوتی ہے یہ تو دنیا میں سزا ہے اور آخرت میں ان کے عذاب کے لئے جہنم تیار ہے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۔ یہ لوگ لعنت و دوزخ میں ہمیشہ رہینگے کبھی انکے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی اور نہ کبھی ان کو عذاب سے مہلت ملیگی ۔

مقصود بیان :- مرتد کا عذاب کافر سے بھی سخت ہے ۔ جو لوگ معاصی اور خطاؤں میں انہماک رکھتے ہیں اور انتہائی درجہ پر پہونچ جاتے ہیں اُن کو خدا بھی ہدایت نہیں کرتا ۔ مرتد ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ۔ اہل ارتداد اور تارکان حق پر کائنات عالم بزبان فطرت لعنت کرتی ہے

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ

ہاں جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور

اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

حالت کی اصلاح کر لی تو اللہ یقیناً غفور رحیم ہے

تفسیر ہاں جن لوگوں نے مرتد ہونے کے بعد سچے دل سے توبہ کر لی اور اخلاص کے ساتھ مسلمان ہو گئے اور اعمال بھی نیک کرنے لگے تمام کفریہ حرکات کو چھوڑ دیا تو اُن کو خدا معاف کر دیگا اُن کی توبہ قبول کر لیگا کیونکہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔

مقصود بیان :- مرتد کی توبہ مقبول ہے بشرطیکہ صدق دل سے کرے اور مسلمانوں کی طرح اعمال کرنے لگے اسلام کے اوامر ونواہی کا پابند ہو جائے

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا

جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے

كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ

گئے تو اُن کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور یہی گمراہ ہیں

تفسیر قتادہ، عطا خراسانی اور حسن بصری کے نزدیک یہ آیت یہود ونصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے توریت وانجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پائے تھے اور اُن پر ایمان لائے تھے پھر رسول اللہ مبعوث ہوئے تو حضورؐ کی رسالت کو نہ مانا اور اس کفر میں اس طرح زیادتی کی کہ اپنے عناد پر جمے رہے ۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ یہود کے متعلق نازل ہوئی جو پہلے تو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے پھر عیسیٰؑ کا انکار کرکے کافر ہو گئے

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر کے کفر میں اضافہ کرلیا صحیح یہ ہے کہ آیت کا حکم اُن تمام لوگوں کو شامل ہے جنہوں نے کفر کے بعد توبہ تو کی مگر خالص نیت اور سچے دل سے نہ کی صرف زبانی توبہ کرلی۔

حاصل فرمان یہ ہے کہ جو لوگ مومن ہونے کے بعد مرتد ہو گئے پھر صدق دل سے توبہ نہ کی بلکہ پیغمبر کا مقابلہ کر کے ہمیشہ کفر میں بڑھتے گئے ایسے لوگوں کی ظاہری توبہ مقبول نہیں یہی لوگ گمراہ ہیں اصلی گمراہی کا انحصار انہی میں ہے ان کو راہ ہدایت کبھی نصیب نہ ہوگی۔

بزار نے بروایت عکرمہ عن ابن عباس بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے پھر مرتد ہو گئے کچھ دنوں کے بعد پھر مسلمان ہو گئے لیکن دوبارہ مرتد ہو گئے پھر سہ بارہ مسلمان ہونا چاہا اور اپنی قوم والوں سے کہا بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری توبہ کے متعلق دریافت کرو۔ قوم والوں نے خدمت گرامی میں عرض کیا اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ابن عباس کی ایک اور روایت میں ہے کہ کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے لیکن اپنے ارتداد کی حالت چھپانے کے لئے اُنہوں نے مناسب سمجھا کہ ظاہرا توبہ کرلیں اور دل میں کفر کو پوشیدہ رکھیں اُن کے متعلق آیت کا نزول ہوا ہے۔ یہ مطلب وہی ہے جو ہم نے تفسیری معنی میں بیان کیا ہے۔

شیخ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ آیت کا نزول ایسے لوگوں کے حق میں ہے جنہوں نے حالت شرک میں بداعمالیاں کیں اور پھر بداعمالیوں سے توبہ کرنی چاہی لیکن شرک سے توبہ نہ کی تو ان کی توبہ مقبول نہیں۔ بہر حال

مقصود بیان یہ ہے کہ اگر مرتد صرف سطحی اور ظاہری توبہ کرے صدق نیت اور خلوص قلبی نہ ہو تو اُسکی توبہ مقبول نہیں اور جو صدق دل سے توبہ کرے اُسکی توبہ مقبول ہے اور اسلام کے احکام اُس پر جاری ہو نگے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن

جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت ہی میں مر گئے تو اُن میں سے

يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ

کسی کی طرف سے زمین بھر سونا قبول نہ کیا جائیگا اگرچہ (عذاب سے بچنے

افْتَدَىٰ بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا

کے لئے) وہ معاوضہ میں دے اُنہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہوگا اور

لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ ع

ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا

تفسیر یہ کافروں کی تیسری قسم کا بیان ہے پہلے اُن مرتدوں کا حکم بیان کیا گیا جو صدق دل سے مسلمان ہو گئے پھر اُن مرتدوں کا حکم ظاہر کیا گیا جو صرف زبانی توبہ کرتے ہیں خلوص نیت نہیں ہوتا۔ اب اُن کافروں کے حکم کا بیان ہے جو توبہ ہی نہیں کرتے۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کافر ہیں اور مرتے دم تک کافر رہتے ہیں توبہ نہیں کرتے، تو ظاہر ہے کہ یہ مسلمان نہیں ہیں مسلمانوں کے احکام ان پر جاری نہیں ہو سکتے ان کے لئے آخرت میں عذاب یقینی ہوگا فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ۔ ایسے کافروں کی نجات نہیں اگر بفرض محال زمین بھر سونا اپنے کفر اور گناہوں کے عوض ان میں سے کوئی دیکر عذاب سے چھوٹنا چاہیگا تو ہرگز قبول نہ ہوگا اور عذاب سے رہائی نہ ملیگی۔ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ اور اُنکے لئے خصوصیت کے ساتھ تکلیف دہ عذاب ہوگا اور کوئی مددگار بھی ان کا نہ ہوگا کہ زبردستی خدا کے عذاب سے رہائی دلا سکے۔ خلاصہ یہ کہ وہاں نہ زور کام دیگا نہ زر۔

مقصود بیان: حالت شرک کی کل خیر خیرات بے سود ہے۔ خدا عادل ہے رشوت نہیں لیتا۔ خدا غالب و قوی ہے اُسکے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا۔

چوتھا پارہ

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ

تم نیکی کے درجوں کو ہرگز نہ پہنچو گے جبتک تم اُن چیزوں میں سے کچھ نہ خرچ کرو گے جو تم کو عزیز ہیں

وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ اُس کو یقیناً جانتا ہے

تفسیر سابق آیات میں کافروں کی حالت کا بیان تھا اور اس امر کی صراحت تھی کہ قیامت کے دن روئے زمین کے خزانے دیکر بھی عذاب الٰہی سے نجات نہ ہوگی۔ اس آیت میں مومنوں کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس قسم کا مال راہ مولا میں خرچ کرنے سے کمال ایمان کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد ہے لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ حاصل یہ ہے کہ ابرار اور نیکوکاروں کا درجہ اور کمال ایمان کا مرتبہ جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جبکہ اپنے محبوب نفس اور مرغوب خاطر چیزوں میں سے کچھ حصہ راہ مولا میں خرچ کرو۔ یعنی جن چیزوں سے تم کو دلی محبت اور طبعی رغبت ہے اُن سے کنارہ کش ہو جاؤ محبت الٰہی کے غلبہ اور جوش کی وجہ سے مرغوبات نفس کو اُسکی راہ میں قربان کردو تب کمال ایمان کا درجہ حاصل ہوگا۔

مرغوب خاطر اور محبوب طبع چیز کو راہ خدا میں قربان کرنیوالوں کے

چار طبقات ہیں۔ (۱) اہل معاملات۔ (۲) اہل حالات۔ (۳) اہل معرفت (۴) اہل توحید۔ ان چاروں کے تفصیلی حالات تو مدیث و تصوف کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ آیت میں مراد یہ ہے کہ جو لوگ خواہشات نفسانیہ سے دستکش ہونے والے محبت دنیا محبت مال محبت جاہ محبت عزت و حشم محبت دولت و حکومت محبت احباب و اولاد یہاں تک کہ محبت نفس کو محبت الٰہی کے مقابلہ میں ہیچ سمجھنے والے ہیں اور دنیا و مافیہا کو رضاء مولا کے حصول کے لئے قربان کر دیتے ہیں وہی کمال ایمان کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ یعنی تم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرو گے خواہ تھوڑا ہو یا بہت بشرطیکہ حسن نیت کے ساتھ ہو خدا تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے وہ تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے اور نیت کو بھی جزا اس کو ضرور دیگا۔

مقصود بیان :- مال حلال کی محبت جائز ہے۔ اسراف حرام ہے اور کل مال خرچ کر کے حیران اور پراگندہ دل ہو جانا جائز نہیں۔ حرام مال سے خیرات کرنی موجب ثواب نہیں۔ جب تک محبت الٰہی دنیا کی ہر چیز سے یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی زائد نہ ہو اس وقت تک جنت میں داخلہ ناممکن ہے۔ ایک مسلمان کا نقطۂ نظر صرف محبت خدا اور اسکی رضا جوئی ہی ہونا چاہئے۔ جو لوگ غیر اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور اس محبت کو محبت الٰہی پر ترجیح دیتے ہیں وہ بندۂ نفس ہیں۔ خیرات تھوڑی ہو یا بہت اگر حسن نیت کے ساتھ ہے تو مقبول ہے ورنہ مردود۔ خداوند تعالیٰ نیت کو دیکھتا ہے مقدار مال کی اسکے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وغیرہ

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

توریت کے اتارے جانے سے پہلے سب کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل کیلئے

اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ

حلال تھیں باستثناء ان چیزوں کے جو یعقوب نے خود اپنے اوپر

اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ

حرام کر رکھی تھیں (اے محمد) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو توریت کو

فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَمَنِ افْتَرٰى

لا کر ذرا اس کو پڑھو پھر اسکے بعد جو لوگ

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

اللہ پر جھوٹ جوڑیں وہی بلاشبہ

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا

ہٹ دھرم ہیں کہہ دو کہ اللہ نے سچ فرمایا سو اب تم دین ابراہیمی

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

پر چلو جو ایک مسلم موحد تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے

تفسیر ایک بار یہودیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ محمد! آپ دعوی کرتے ہیں کہ میں ملت ابراہیمی پر ہوں اور پھر آپ اونٹ کا دودھ اور گوشت کھاتے ہیں حالانکہ ابراہیم اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ نہیں کھاتے تھے اس وقت ان کے رد میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ :- تم لوگ جن کھانوں کی حرمت کا دعوی کرتے ہو وہ تمام کھانے حلال تھے ہاں جو کھانے پینے کی چیزیں یعقوب نے نذر کی وجہ سے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں وہ ان پر بھی حرام ہو گئی تھیں اور ان کے بعد بنی اسرائیل پر بھی حرام ہو گئی تھیں اور یہ حرمت نزول توریت سے پہلے ہوئی تھی ابراہیم کے وقت میں نہ تھی۔ تمہارا یہ قول غلط ہے کہ ابراہیم پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام تھا۔ حضرت یعقوبؑ کو عرق النسا کا مرض تھا انھوں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ مجھکو اس بیماری سے شفا عطا فرما دیگا تو میں اونٹ کا گوشت اور دودھ ترک کر دونگا۔ اس نذر کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یعقوبؑ کو اونٹ کا گوشت اور دودھ تمام کھانے پینے کی چیزوں میں زیادہ مرغوب خاطر تھا گویا حضرت یعقوب کی نذر تھی کہ اگر خدا نے مجھے شفا دیدی تو بطور شکریہ کے میں نفسانی مرغوبات و خواہشات سے دستکش ہو جاؤنگا۔ چنانچہ جب خدا تعالیٰ نے اُن کو صحت عطا کر دی تو انہوں نے ایفاء نذر کیا اور اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔ پھر چونکہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) پر اُن کی خود آورد حرمت ان اشیاء کی ہو گئی تھی اسلئے بنی اسرائیل پر حرمت بدستور قائم رہی۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ یعنی اگر تم اس دعوی میں سچے ہو کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ ابراہیم کے لئے حرام کر دیا گیا تھا تو اپنی تحریف کردہ تورات ہی لاؤ اور اسکو پڑھو تاکہ صدق و کذب ظاہر ہو جائے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کے بموجب یہودیوں سے توریت پیش کرنے کو فرمایا تو یہودی بالکل مبہوت اور لاجواب ہو گئے اور تورات نہ لاسکے گویا اپنے کذب کا خود اعتراف کر لیا اس لئے ارشاد ہوتا ہے فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ

بَعْدِ ذٰلِكَ - چونکہ ثابت ہو گیا کہ اونٹ کے گوشت وغیرہ کی حرمت یعقوبؑ کی طرف سے تھی ابراہیمؑ کے عہد میں نہ تھی اسلئے اب جو لوگ دیدہ و دانستہ خدا تعالیٰ پر بہتان تراشی اور کذب بندی کرینگے اور گوشت شتر کی تحریم کو خدا کی طرف منسوب کرینگے اور دعوی کرینگے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے اونٹ کے گوشت کو حرام کر دیا تھا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ تو یہی ناحق کوش اور حق سے گذر کر باطل کی طرف جانیوالے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو حق کی وضاحت کر چکا۔ جب یہودیوں کا افتراء باطل خود اُن کی اعتقادی کتابوں سے بھی ظاہر ہو گیا اور بالکل کھلی ہوئی حجت اُن پر قائم ہو گئی جسکو کسی طرح وہ دفع نہ کر سکتے تھے تو اب خدا تعالیٰ اپنے رسول اطہر کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ اے رسولؐ آپ کہدیجئے کہ خدا تعالیٰ اپنے ہر قول میں سچا ہے جو خبریں وہ اپنے بندوں کی اطلاع کے لئے دیتا ہے وہ سب سچی ہوتی ہیں۔ لہذا تم پر لازم ہے کہ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ ملت ابراہیم کی پیروی کرو اور جس طریقہ پر ہیں ہوں اُس میں داخل ہو جاؤ ابراہیمؑ کے اندر جو اوصاف تھے اُن کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ شوق، عشق، محبت وخلت، مروت وفتوت، سخاوت، شجاعت، علم، امانت، دینداری اور رافت، مہمانوں کی ضیافت، عزت، مصیبت پر صبر، نعمت پر شکر، غیر اللہ سے انقطاع، صرف خدا پر اعتماد، درد محبت میں اشک ریزی اور آہ وزاری، صدق واخلاص، توحید، تجرید وغیرہ تمام امور میں ابراہیمؑ کی پیروی کرو اور سر مو طریق ابراہیمی سے تجاوز نہ کرو۔ اب اگر تمہارا یہ دعوی ہو کہ ہم تو ملت ابراہیمی پر قائم ہیں ہم کو تمہارے اتباع کی اور مسلمان ہونے کی کیا ضرورت ہے تو تمہارا یہ خیال غلط ہے کیونکہ تم باطل کوش ہو حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور ابراہیم باطل سے رو گرداں ہو کر حق کی طرف مائل ہونے والے تھے تم مشرک ہو عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہو اور ابراہیم مشرکین میں سے نہ تھے لہذا تم کو اپنے ان عقائد سے توبہ کر کے ملت اسلامی میں داخل ہو جانا چاہئے تاکہ ملت ابراہیمی کی پیروی صحیح معنی میں ہو سکے۔

مقصود بیان:- نذر کا ایفاء واجب ہے۔ نذر ماننی جائز ہے۔ (بشرطیکہ حکم الٰہی میں نذر کو دخیل نہ سمجھے) نذر ماننی انبیاء کا طریقہ ہے خدا تعالیٰ کے بعض احکام بعض سے منسوخ ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہؐ اپنی رسالت اور تبلیغ احکام میں سچے تھے۔ اسی وجہ سے اسقدر بلند آہنگی اور بے باکی کے ساتھ اپنے قول کی صداقت کے دعویدار رہے۔ مذہبی احکام میں مناظرہ جائز ہے مگر حسن اسلوب اور احقاق حق مد نظر رکھنا چاہئے۔ جھگڑا کرنا جائز نہیں۔ خداوند تعالیٰ پر بہتان تراشی اور کذب بندی حرام ہے۔ اسلام اور ملت ابراہیمی باہم موافق ہیں۔ یہود مشرک تھے اگرچہ شرک خفی میں مبتلا تھے۔ غیر مسلموں کی کتابوں کو مناظرہ کے وقت پیش کر کے اُن سے استدلال کرنا اور انہی کتابوں سے حجت قائم کرنا جائز ہے۔ الزامی جواب دینا بشرطیکہ جھگڑے کا قطع کرنا مقصود ہو جائز ہے۔ حضرت ابراہیمؑ موحد محض، متوکل علی اللہ اور حق کوش تھے لہذا مسلمانوں کو بھی حق پوش نہ ہونا چاہئے۔ بعض حلال اور مرغوب خاطر چیزوں کا ترک کرنا جائز ہے بشرطیکہ اُن سے مجاہدہ نفسانی اور ریاضت روح مقصود ہو اور کثافت مادی دور کرنی مد نظر ہو لیکن ان کو حرام سمجھنا کفر ہے۔ وغیرہ

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ

سب سے پہلے جو مکان لوگوں کے لئے قائم کیا گیا وہ یہی ہے جو مکہ میں ہے

مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ

بڑی برکت والا اور سارے جہان کیلئے رہنما ہے اُس میں بہت سی کھلی کھلی نشانیاں ہیں

مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ

ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ بھی ہے اور جو شخص اُسمیں داخل ہو جائے وہ امن میں ہو جاتا ہے

تفسیر یہود کا اہل اسلام اور پیشوائے اسلام پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ لوگ کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں حالانکہ ہمارا قبلہ یعنی بیت المقدس کعبہ سے پہلے بنا ہے اور یہی انبیاء سلف کا قبلہ رہا ہے یہود کے اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ - حاصل ارشاد یہ ہے کہ سب سے پہلے روئے زمین پر جو مکان خدا کی عبادت، مخلوق کی رہنمائی اور دنیا میں برکت پھیلانے کے لئے بنایا گیا وہ گھر یہی ہے جو مکہ میں ہے یعنی کعبہ مکرمہ حضرت آدمؑ نے اسکو بنایا پھر جب سیلاب وغیرہ سے وہ عمارت گر گئی تو حضرت ابراہیمؑ نے انہی بنیادوں پر اُسکو بنا دیا اور بیت المقدس کو حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کیا۔ اور اگر پیدائش عالم کے اعتبار سے لحاظ کیا جائے تو فرشتوں نے کعبہ کو مسجد اقصیٰ سے چالیس سال پہلے بنایا۔ بہر حال یہود کا یہ خیال غلط ہے کہ بیت المقدس کعبہ سے زیادہ قدیم ہے۔ پھر اس قدامت کے علاوہ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ - کعبہ میں ہزاروں قسم کی روحانی برکتیں اور دنیا کے لئے ہدایت کا ذخیرہ بھی موجود ہے کروڑہا انسان اسی سرچشمہ ہدایت سے سیراب ہوئے اور ہوتے ہیں اور ہوتے رہینگے۔ پھر روحانی برکات کے علاوہ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ اسمیں ہزاروں کھلی ہوئی حقانیت کی نشانیاں اب تک موجود ہیں جن سے اسکی قدامت اور حقانیت واضح ہوتی ہے۔ مثلاً مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ایک مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر بعینہ موجود ہے جسپر حضرت ابراہیمؑ

کے قدموں کے نشانات بھی موجود ہیں۔ ہزاروں برس ہو گئے طوفان بھی آئے آندھیاں بھی چلیں لاکھوں کروڑوں انسانوں نے اسکو ہاتھ بھی لگائے لیکن آج تک وہ نشانات بدستور قائم ہیں۔ دوسرے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ الٰہی اس مکان کو جائے امن اور جائے پناہ کر دینا۔ چنانچہ آج تک کعبہ جائے امن اور مقام پناہ ہے۔ جو شخص وہاں بصدق دل جاتا ہے دنیا و آخرت کی بلاؤں سے نجات پاتا ہے نہ وہاں آدمی کو قتل کیا جاتا ہے نہ جانور کی خون ریزی ہوتی ہے نہ گھاس اور درخت کاٹے جاتے ہیں، کسی قاہر و جابر بادشاہ کی یہ مجال آج تک نہ ہوئی کہ وہ کعبہ پر چڑھ کر جاتا اور اس کو گرا دیتا۔ ابرہہ شاہ حیرہ گرانے کے لئے اپنی فوج اور ہاتھیوں کو لیکر گیا تھا تو تباہ ہو گیا تمام فوج ناگہانی عذاب میں مبتلا ہو گئی بہت سے لوگ چیچک میں مبتلا ہو کر فنا ہو گئے خود بادشاہ بھی نہایت ذلت و تکلیف سے مر گیا۔ اسکے برعکس بیت المقدس چند بار مسمار کر دیا گیا۔ بخت نصر شاہ بابل نے بیت المقدس کو ڈھا کر یہودیوں کا قتل عام کیا۔ شاہ کیرش والی ایران نے تباہ کیا۔ حاصل یہ کہ بیت المقدس کو نہ کعبہ کی برابر روحانی برکتیں حاصل ہیں نہ قدامت نہ رہنمائی کی مرکزیت نہ اور کوئی اسکے ابدی عبادتگاہ ہونے کا ثبوت موجود ہے۔

مقصود بیان:۔ کعبہ کی عبادت گاہ ہونے کی قدامت کا اظہار۔ اس امر کی صراحت کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے بموجب کعبہ امن گاہ عالم ہے۔ کعبہ میں حقانیت کے زندہ ثبوت موجود ہیں۔ انبیاء کے معجزات حق ہیں۔ کوئی مجرم خانہ کعبہ کے اندر سے نہیں پکڑا جا سکتا۔ وغیرہ۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ کی خوشنودی کیلئے کعبہ کا حج کریں جنہیں وہاں تک

اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ

پہونچنے کی طاقت ہو اور جو (اس حکم کو) نہ مانیگا تو اللہ سارے

عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○

جہان سے بے پروا ہے

تفسیر سابق آیات میں ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا تھا کہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا تعمیر کردہ اور برکات و آیات کا مخزن ہے، روحانی انوار بھی اس میں موجود ہیں اور جسمانی برکات بھی اور پھر سب سے اول روئے زمین پر یہی عبادتگاہ قائم ہوئی اور یہیں سے ہدایت کے پیاسوں کو تسکین ایمانی حاصل ہوئی۔ لہٰذا اس آیت میں حکم دیا جاتا ہے کہ تمام لوگوں پر عمر میں ایک بار اس خانۂ مقدس کی زیارت فرض ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ہر شخص پر لازم ہے کہ محض رضا جوئی خالق اور برکات روحانی اور انوارِ قدس حاصل کرنے کے لئے عمر بھر میں ایک مرتبہ ضرور اس سرچشمۂ ایمان سے فیضیاب ہو مگر صرف کعبہ کے پتھروں کو جا کر دیکھنے سے کوئی حاصل نہیں بلکہ نور بصیرت اور چشم حقیقت سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور اصل غرض مشاہدۂ جمالِ الٰہی ہے۔ جو شخص اس مقصد کو لیکر جائے (خواہ اسکے ضمن میں دیگر تجارتی اور علمی اقتصادی فوائد بھی حاصل ہو جائیں) وہ ملت ابراہیمی پر ہے۔ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا یہ سابق جملہ کا تکملہ ہے یعنی خدا تعالیٰ ظالم اور نا انصاف نہیں کہ ہر کس و ناکس کو مجبور کر کے کعبہ کی زیارت کا حکم دے بلکہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو جسمانی تندرستی اعضاء میں قوت زاد راہ کی فراہمی و واپسی کی مالی قوت رکھتا ہو راستہ پر امن ہو کوئی حج سے مانع بھی نہ ہو سواری بھی مل سکتی ہو عورت کا محرم بھی موجود ہو بالغ بھی ہو دیوانہ بھی نہ ہو اپاہج اندھا اور مجبور بھی نہ ہو گھر پر بھی واپسی تک کے مصارف موجود ہوں اور متعلقین کی طرف سے بھی اطمینان ہو کہ میری غیبت میں ان کی عزت حرمت میں کوئی فرق نہ آئیگا اور مصارف کی طرف سے یہ فارغ البال رہیں گے تو ایسی صورت میں کعبہ مکرمہ کی زیارت فرض ہے وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ ابن کثیر نے بروایت عکرمہ بیان کیا ہے کہ جب آیت ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ نازل ہوئی تو یہود کہنے لگے ہم بھی تو مسلمان ہیں۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے مسلمانوں پر بشرط استطاعت حج فرض کیا ہے۔ یہودی بولے نہیں حج ہم پر کسی طرح فرض نہیں ہم اسکو کسی طرح نہیں مان سکتے اس وقت خدا تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو شخص فریضۂ حج کا انکار کرے اس کی فرضیت کو تسلیم نہ کرے تو نہ کرے خدا تعالیٰ کو کسی کی عبادت کی ضرورت نہیں وہ جن و انس اور فرشتوں کی پرستش سے بے نیاز ہے۔ فریضۂ حج کے انکار اور عدم تسلیم سے اس کا کوئی ہرج نہیں ہے یعنی جو شخص انوار جمال کا مشاہدہ نہ کرنا چاہے تو اس سے خدا کا کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ اسی کور بخت کا نقصان ہے۔

مقصود بیان:۔ عمر بھر میں بشرط استطاعت ایک بار حج فرض ہے۔ فریضۂ الٰہی کی ادائیگی گو رسمی طور پر فرض ہے مگر مقصود اصلی قرب الٰہی کا حصول ہے، خدا تعالیٰ با انصاف ہیں استطاعت نہ ہو تو حج فرض نہیں۔ تمام احکام الٰہی اور عبادت بندگان کا فائدہ مخلوق ہی کی طرف راجع ہے، خدا کی اس سے کوئی غرض وابستہ نہیں وہ تمام عالم سے بے نیاز، فرائض الٰہی کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ دنیا میں کفر پھیلنے سے خدا کا ذاتی نقصان نہیں

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

تم کہدو اے اہل کتاب تم اللہ کے احکام کیوں نہیں مانتے

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○ قُلْ يٰۤاَهْلَ

اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے کہدو اے اہل

الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ

کتاب تم کیوں دیدہ دانستہ مومنوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے

اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَ

ہو اور راہ حق میں کجی نکالنے کے خواستگار رہو اور

مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے

تفسیر قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ الخ اس آیت کا مضمون سابق آیات کا نتیجہ ہے۔ حاصل یہ ہو کہ اے اہل کتاب تم کیوں قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کا انکار کرتے ہو کیوں آیات الٰہی کو نہیں مانتے حالانکہ خدا تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو خوب جانتا ہے اور ضرور تمہاری بدکاریوں کی سزا دیگا۔ پھر تعجب ہے کہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے کے اسباب فراہم کرتے ہو۔ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ۔ پہلی آیت میں اہل کتاب کی گمراہی پر تعجب تھا اس آیت میں اُن کے اغواء اور ضلالت انگیزی پر تعجب کیا گیا ہے یعنی اے اہل کتاب تم خود تو گمراہ ہو مگر اوروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہو تم کیوں دین الٰہی سے لوگوں کو روکتے ہو کیوں مسلمانوں کو بہکاتے ہو اور کیوں اسلام کا ارادہ رکھنے والوں کو ورغلاتے ہو کیوں رسول اللہ کے وہ اوصاف جو توریت وانجیل میں مذکور ہیں چھپاتے ہو اور رسول برحق کی تکذیب کرتے ہو اور مسلمان ہونے والوں کے دلوں میں شک وشبہ ڈالتے ہو (یعنی کیا تم کو عذاب الٰہی کا خوف نہیں) تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ۔ تم خود ٹیڑھے راستہ پر چلنا چاہتے ہو حالانکہ تم خوب واقف ہو کہ سیدھا راستہ اسلام ہے پھر اسکو دانستہ چھوڑ کر گمراہ بنتے ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ دین اسلام ہی حق ہے اور اس کے خلاف تمام راستے غلط ہیں وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ یعنی خدا تمہارے اعمال سے لاعلم نہیں ہے اسکو تمہارے ہر فعل کی خبر ہے وہ خوب واقف ہے کہ تم خود بھی کفر میں مبتلا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہو۔ گذشتہ بشارات کو چھپاتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکار کرتے ہو اور دوسرے مسلمانوں کو بھی گمراہ کرتے ہو۔ اُن کے دلوں میں اسلام کی طرف سے شک وشبہ ڈالتے ہو اور ایمانداروں میں فتنہ وفساد ڈلوانا چاہتے ہو۔ یاد رکھو کہ خدا تم تمہاری بداعمالیوں کی جزا دیگا۔ صرف اُس نے اپنے حلم کی وجہ سے ایک وقت مقررہ تک ڈھیل چھوڑ رکھی ہے۔

مقصود بیان: ۔ اہل کتاب کافر ہیں مفسد ہیں فتنہ انگیز ہیں۔ اہل اسلام کے دشمن ہیں مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق پیدا کرانا چاہتے ہیں۔ علماء اہل کتاب حقانیت اسلام اور صداقت قرآن سے واقف تھے اور واقف ہیں آیت میں تبلیغ کا ایک نہایت لطافت انگیز پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ مشفقانہ خطاب بھی ہے اور تہدید آمیز عتاب بھی ہے۔ وعدہ نما طرز گفتگو بھی ہے اور وعید آفریں زجر بھی ہے۔ آیت میں اس امر کی صراحت ہے کہ مذہب اسلام ہی خدا رسی کا ایک سیدھا راستہ ہے اور باقی تمام کج مج پگڈنڈیاں ہیں جو منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہونچا سکتیں۔ وغیرہ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا

مسلمانو! اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق کا

مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ

کہنا مانوگے تو مومن ہونے کے بعد تم کو پھر لوٹا کر

اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ○ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ

کافر بنا دیں گے اور تمہارے لئے کافر ہونا کس طرح زیبا ہے

وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ط

حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور اُس کا رسول تم میں موجود ہے

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى

اور جو شخص اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہا اُسی کو سیدھے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ع ۱۰

راستہ کی ہدایت کی گئی

تفسیر سابق آیات میں اہل کتاب کو نصیحت وہدایت کی گئی تھی اور ضمنی حکم دیا گیا تھا کہ تم اپنی ان فتنہ پردازیوں اور ضلالت انگیزیوں کو چھوڑ دو مسلمانوں کو گمراہ نہ کرو۔ اب روئے سخن مسلمانوں کی طرف کیا جاتا ہے اور اُن کو اہل کتاب کی لچھے دار تقریروں کے جال میں نہ پھنسنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ ۔ شیخ سیوطی، علامہ بغوی اور ابن کثیر نے بروایت محمد بن اسحاق بن یسار بیان کیا ہے کہ یہ آیت صراط مستقیم تک قبائل اوس وخزرج کے متعلق نازل ہوئی۔ اوس وخزرج دو خاندان مدینہ کے قدیمی باشندے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں ان میں زبردست عداوت تھی بہت مرتبہ باہم خونریزیاں ہوچکی تھیں خصوصًا جنگ بعاث تو بڑا خوں ریز معرکہ ہوا تھا لیکن مسلمان ہونے کے بعد یہ آپس میں بھائی بھائی ہو گئے تھے نہ کینہ باقی رہا تھا نہ دشمنی۔ ایک روز یہ سب لوگ نہایت اتفاق واتحاد کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اُدھر سے ایک یہودی عالم شاس بن قیس اپنے ہمراہ ایک اور جوان یہودی عالم کو لئے ہوئے گزرا اور مسلمانوں کے اتفاق کا یہ مظاہرہ دیکھ کر جل گیا کچھ دیر سوچ کر اپنے ہمراہی یہودی کو انکے پاس بھیجا اور یہ نصیحت کردی کہ تم وہاں جاکر بیٹھو اور ان مسلمانوں کو گزشتہ لڑائیاں یاد دلاؤ اور ان معرکوں میں جو طرفین نے رجز کے اشعار پڑھے تھے وہ بھی گا کر سناؤ۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ انکے دلوں کی مُردہ عداوت زندہ ہوجائیگی اور چونکہ سیدھے سادھے لوگ ہیں اسلئے فورًا جوش میں آکر باہم دست بگریباں ہوجائینگے اور ممکن ہو کہ شدت غضب میں کشت وخون تک نوبت پہونچ جائے۔ یہ تلمیذ شیطان فورًا چلا گیا اور اپنے پیر مغاں کی ہدایت کے بموجب جاکر واقعات گذشتہ کا تذکرہ کرتا رہا اور جوش انگیز اشعار بھی سنائے چونکہ یہ سب لوگ نومسلم تھے اگرچہ پختہ مومن تھے مگر حمیت جاہلیت ان میں اُس وقت تک موجود تھی فورًا سب جوش میں آگئے، آتش غضب کو اشتعال ہوا ہر فریق نے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دیں اپنے ہتیار طلب کئے اور اعلان کر دیا گیا کہ میدانِ حرہ میں کشت وخون ہوگا۔ حضور اقدس کو جب اس واقعہ کی خبر پہونچی تو حضورؐ فورًا صحابہ کو ہمراہ لئے جا پہونچے سب کے جوش کو ٹھنڈا کیا اور فرمایا آئیں تم یہ جاہلیت کی پکار کیسے مچا رہے ہو میں تمہارے سامنے موجود ہوں خدا تعالیٰ نے تم کو شرف اسلام عطا کیا امور جاہلیت کو دفع کیا اور تم میں باہم میل جول محبت پیدا کی۔ پھر یہ کیسا جاہلانہ فعل ہے۔ حضور والا کی یہ تقریر سنکر سب کے سب سخت نادم ہوئے اور افسوس کرنے لگے کہ ہم سے یہ کیا حرکت ہوئی۔ فورًا ہتیار پھینک دیے ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے اور رونے لگے اور سر جھکائے ہوئے حضورؐ کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم اہل کتاب کے اس یہودی فرقہ کا کہنا مانوگے تو یہ ایسی تدبیریں اور ضلالت انگیزیاں کریگا کہ تم دوبارہ کافر بن جاؤگے۔ لہذا تم کو انکی بات نہ ماننی چاہئے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ تعجب ہے کہ تم یہ کفر وجاہلیت کی حرکت کس طرح اختیار کرنے کو تیار ہوتے ہو اور کیونکر آپس کی خون ریزی اور تباہی پر آمادہ ہوجاتے ہو وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ حالانکہ قرآن کی آیات کی تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہے یعنی چشمۂ ہدایت تمہارے سامنے موجود ہے جس سے تم دم بدم سیراب ہوتے رہتے ہو پھر تم کیسی تلاوت بدلے ہو کہ غور نہیں کرتے۔ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ اور تم میں رسول اللہ بھی موجود ہیں یعنی رسول اللہ کا وجود پاک، تمہارے لئے عین رحمت ہے پھر کون صورت گمراہی کی پیدا ہوسکتی ہے۔ حاصل یہ کہ مشاہدۂ جمال اور حق الیقین کے حصول کے سب ذرائع موجود ہیں رسول اللہ بھی ہادی موجود ہیں جن کے وجود سراپا جود سے انوار قدس کی پرتو افگنی کو تم خود دیکھ رہے ہو اور قرآن بھی جو کہ سرچشمۂ ایمان اور آفتاب ہدایت ہے تمہارے سامنے موجود ہے پھر اس ناطق ہدایت کے باوجود کافرانہ حرکت کرنی کہاں کی عقلمندی ہے۔ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ جو شخص پختہ ایمان اور صفائے قلب سے رحمتِ الٰہی کا دامن ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے وہ سیدھے راستہ پر لگجاتا ہے پھر اسکو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ لہذا تم پر بھی لازم ہے کہ ہدایت آلہی کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو کسی کی اگر مگر میں نہ آؤ کسی کی رخنہ اندازیوں سے متاثر نہو اس طرح سیدھے راستہ پر چلے جاؤگے۔

مقصود بیان: ۔ آیت میں اتحاد واتفاق ہمیل محبت اور اخوت کی تعلیم دی گئی ہے۔ نفاق اور تفرقہ کی ممانعت کی گئی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی آپس کی خوں ریزی اور فتنہ وفساد کافرانہ حرکت ہے گویا مسلمانوں کو سخت ترین ہدایت کی گئی ہے کہ جب تک باہم میل محبت برادری اور اتفاق قائم نہ رکھوگے جبتک ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ضرر کو اپنا نقصان نہ سمجھیگا اُسوقت تک مسلمانی کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ ضمنی طور پر اس بات کی بھی تلقین کی گئی ہے کہ کافروں سے اس قدر خلط کرنا سخت مضر ہے۔ انکو راز دار بنانے سے پرہیز کیا جائے۔ خصوصًا یہودی بدترین دشمن اسلام ہیں۔ آیات میں مذکورۂ ذیل امور کیطرف لطیف اشارات بھی ہیں۔ قرآن پاک کی تدبر آمیز تلاوت کرنے سے دل میں ایسی صفائی اور ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے کہ شیطانی وسواس خود بخود دور ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح رسول پاکؐ کی صحبت میں رہنے اور سردار انور کا کلام اقدس سننے سے بھی مؤمنوں کے دلوں میں ایسی تاثیر اور ایسا نور پیدا ہوتا ہے کہ پھر دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت اُس کو دور نہیں کرسکتی رحمتِ الٰہی کے دامن کو پکڑ لینا اور احکام اسلام کی پابندی کرنا ہی عین ہدایت ہے۔ اسکے بعد کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں رہتی انسان خود بخود واصل بحق اور مقرب بارگاہ الٰہی ہوجاتا ہے وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ		
مسلمانو!	اللہ سے ڈرو	جیسا ڈرنے کا حق ہے

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَ		
اور اسلام کے سوا	اور کسی حالت پر نہ مرنا	اور

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

سب ملکر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور ایکدوسرے سے علیحدہ نہو اور

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً

اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو جو تم پر ہے کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے

فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ

تو اسی نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی جسکی وجہ سے تم بفضل خدا بھائی

اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ

بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے

فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

تو اُس نے تم کو اُس سے بچا لیا۔ اللہ تمہارے فائدہ کیلئے اسی طرح اپنے احکام

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر قائم رہو

تفسیر سابق آیات میں باہم کینہ وبغض رکھنے کی ہدایت تھی اور ضمنی طور پر باہمی اتحاد و اتفاق کا بھی حکم دیا گیا تھا یہاں صاف طور پر سبیل محبت اخوت و موالات کی تاکید کی گئی ہے۔ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ مسلمانو! خدا سے ایسا ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے یعنی اُس کی اطاعت کرو نافرمانی نہ کرو۔ شکر کرو کفرانِ نعمت نہ کرو۔ اُس کو ہر وقت یاد کرو کسی وقت فراموش نہ کرو۔ اُس کی راہ میں جہاد کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔ عدل و انصاف پر قائم رہو یہانتک کہ اپنے ماں باپ اولاد اور خود اپنی ذات کے لئے بھی ناانصافی نہ کرو۔ عہدِ الٰہی پر نہایت مضبوطی کے ساتھ جمے رہو۔ شریعت کے قوانین حلت وحرمت کے پابند رہو۔ تقدیر الٰہی پر رضامند رہو۔ حق عبودیت ادا کرو اور حق ربوبیت پہچانو۔ یہانتک کہ خداوند ذوالجلال کے مشاہدہ انوار میں تمام خلق سے دلچسپی اور وابستگی کو ترک کردو اور اپنی ذات کو ذات الٰہی میں اور اپنی صفات کو صفاتِ الٰہی میں فنا کردو (یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنی طاقت کے بموجب مکلف ہے اور وہی اُسکے لئے حق تقویٰ ہے) وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اور ایسے اسباب مہیا کرو کہ مرنے کے وقت توحید و اسلام پر قائم رہو زبان اور دل کو لغزش نہ ہو۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا اور رحمت و نصرت الٰہی کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ سب ملکر پکڑے رہو۔ باہمی اتفاق و اتحاد رکھو۔ مگر اس اجتماعی طاقت اور تعداد کی کثرت پر نازاں نہو بلکہ رحمت و نصرت کے خدا سے ہی امیدوار رہو اور سب ملکر اسلام پر قائم رہو۔ وَلَا تَفَرَّقُوا اور آپس میں تفرقہ ونفاق نہ کرو۔ جب مسلمان ہونے کے بعد ایک مرکز پر جمع ہوگئے ہو تو اب متفرق نہو بس ملت اور محبت سے رہو۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا اور خدا تعالیٰ کی اُس نعمت کبریٰ کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے ہر شخص دوسرے کے خون کا پیاسا تھا اور حقوق انسانی غصب کئے جارہے تھے۔ بندوں کی باہم حق تلفیاں ہورہی تھیں تو خدائے برتر نے تمہارے دلوں میں باہم ایک دوسرے کی الفت پیدا کی اور سب مسلمان ہوکر خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے۔ ہر شخص دوسرے کا مددگار ہوگیا۔ عداوت وبغض کی بجائے محبت اور نفاق وشقاق کی بجائے اتحاد و اتفاق پیدا ہوگیا اور یہ سب کچھ خدا کی رحمت سے ہوا ورنہ تمہارا خدا پر کوئی حق نہ تھا نہ تمہارے اعمال اس قابل تھے کہ خدا تعالیٰ اپنی عنایت سے تم کو اس حد تک سرفراز فرماتا۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ اور تم لوگ ہلاکت کے بالکل قریب پہونچ چکے تھے کفر وعناد اور شرک وخون ریزی و برادرکشی کی وجہ سے دوزخ کے کنارے پہونچ چکے تھے قریب تھا کہ آگ کے غار میں گرجاؤ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا خدا تعالیٰ نے تم کو دوزخ سے بچا لیا۔ اسلام و ایمان سے سرفراز کیا عداوت کی بجائے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کی۔ جنگ وجدال اور قتل و خونریزی کی بجائے ایک کو دوسرے کا بہی خواہ ہمدرد اور مددگار بنایا۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ یعنی جسطرح خدا تعالیٰ نے تم پر مذکورہ بالا احسانات کئے اسی طرح خداوند تعالیٰ تمہاری ہدایت کے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے اور کھولکر ظاہر کرتا ہے۔ اب نصیحت قبول کرنا نہ کرنا تمہارا فعل ہے۔

مقصود بیان:۔ اتفاق واتحاد خدا تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے اور نفاق وشقاق لعنت ہے۔ آیت میں مواخات مسلمین کی تعلیم اور الفت و اتحاد کی تلقین کی گئی ہے۔ اجتماع و اتحاد کے باوجود کثرت تعداد اور فراہمی اسباب پر اعتماد نہ کرنے بلکہ خدا تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

حکم دیا گیا ہے کہ ہر مسلمان پر ایسے اسباب کی فراہمی لازم ہے جن کی وجہ سے نبطاہر اسلام و توحید پر مرنے کے وقت استقامت ہو یعنی اوامر و نواہی پر کاربند رہنا ہر مسلمان کا فرض ہے حسب استطاعت اور بقدر امکان ہر شخص کو احکام شریعت کی تعمیل کرنی لازم ہے وغیرہ۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے

وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

اور اچھے کاموں کا حکم دیتی رہے اور بُری باتوں سے

الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَلَا

روکتی رہے اور یہی لوگ مرادوں کو پہنچنے والے ہیں اور

تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا

تم اُن لوگوں کی طرح نہ بنا جو کھلی کھلی نشانیاں آ چکنے کے بعد بھی

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

پھوٹ میں پڑ گئے اور باہم اختلاف کرنے لگے کیونکہ انہی لوگوں

لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ يَّوْمَ تَبْيَضُّ

کے واسطے عذاب عظیم مخصوص ہے۔ اُس دن کو یاد کرو جبکہ کچھ چہرے

وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

روشن ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ تو جن لوگوں کے

اسْوَدَّتْ وُجُوْهُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

چہرے سیاہ ہونگے (اُن سے کہا جائیگا کہ) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے تھے

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○

اب اپنے اُس کفر کی سزا میں عذاب چکھو

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُھُمْ فَفِيْ

اور جن لوگوں کے چہرے روشن ہونگے وہ اللہ کی

رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ○

رحمت میں ہوں گے جسیں وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ - یہ گذشتہ آیت کا تتمہ ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں تم میں ایک گروہ مخصوص طور پر ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہو، قرآن و حدیث کی طرف لوگوں کو بلاتا ہو، نیک کام کرنے کی ہدایت کرتا ہو اور بدکاری سے روکتا ہو۔ یہ مبلغین اسلام اور واعظان توحید کا گروہ ہی یقیناً آخرت میں کامیاب ہونے والا ہے۔ اس آیت کے مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہمیشہ ان میں ایک گروہ ایسا رہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے۔ اسی کا نام فرض کفایہ ہے کہ اتنے آدمی اس حکم شرعی کو جن سے بقدر حاجت کام چل رہا ہو انجام دیں تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص کو شریعت کا پورا حکم معلوم ہو اور قرائن سے ظن غالب سمجھتا ہو کہ نصیحت کرنے میں مجھے کوئی قوی ضرر نہ پہونچیگا تو امور واجبہ کی امر و نہی مستحب ہے اور عام اُمت پر لازم ہے کہ ایک جماعت ایسی تیار کریں جن کو مسائل شرعیہ کا پورا علم ہو اور امر و نواہی کی قدرت حاصل ہو۔ اگر کسی بستی میں کوئی آدمی بھی ایسا نہ ہوگا تو سب مسلمان گناہگار ہونگے۔ الحمد للہ کہ علماء و طلباء کی جماعت سے یہ فرض ہمیشہ ادا ہوتا رہا ہے اور اب بھی ادا ہو رہا ہے اور یہ گروہ تمام مسلمانوں کو اس فرض سے سبکدوش بنا رہا ہے۔ نیز مشائخ حق کا گروہ بھی اس فرض کو بدرجۂ اتم انجام دیتا رہا اور اب بھی انجام دے رہا ہے۔ مگر رعونت پرست ذریات شیاطین میرے کلام سے خارج ہے ان سے بجائے فائدہ کے اسلام کو ضرر پہونچ رہا ہے انہوں نے ہی اسلام کی روح مسلمانوں کے دلوں سے نکال لی اور صرف بوسیدہ مٹی کر کے چھوڑ دیا۔ خدا اس بدشعار گروہ سے مسلمانوں کو نجات عطا فرمائے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ - اور اُن یہود و نصاریٰ کی طرح نہ بنا کہ جب ان کے پاس آیات بیّنات اور احکام الٰہی آ چکے اور حلت و حرمت واضح ہوگئی تو کچھ زمانہ کے بعد ان میں پھوٹ پڑ گئی اور مذہبی جھگڑے کرنے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک الذین تفرقوا سے بدعتی مراد ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے دین میں جدت طرازی اور دماغ تراشی سے کام لیا اور اپنے دماغی اختراعیات کو احکام اسلام قرار دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے اور نصاریٰ کے بہتر فرقے بن گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائیگی اور سوا ایک فرقہ کے سب جہنم میں جائینگے اور وہ ناجی فرقہ جماعت (جمہور مسلمین) کا ہے (ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ حاکم۔ احمد وغیرہ) ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ وہ ناجی فرقہ کون ہے؟ فرمایا جو اس راہ پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ آج ہیں۔ بہرصورت آیت کے مصداق وہ لوگ ہیں جو شرک سے پرہیز کر کے سنتِ نبوی اور طریقۂ صحابہ پر چلتے ہیں اور جماعتِ مسلمین میں تفرقہ نہیں کرتے۔ حضرت ابوذر

سے مروی ہے کہ سرورِ عالم صلعم نے فرمایا جس شخص نے جماعت کو بالشت بھر چھوڑا اُس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکالدی (ابوداؤد) وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ یعنی قیامت کے دن جن لوگوں کے چہرے نورِ الٰہی اور روشنیٔ اعمال سے روشن ہونگے اور بعض لوگ خدا کے عذاب اور اپنی بداعمالیوں سے روسیاہ ہوں گے۔

آیت میں بقول ابن جریر و ابن کثیر قیامت کا دن ہی مراد ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر امت کے گنہگار اور اہل بدعت فرقہ پر خداوند تعالیٰ کا سخت عذاب ہوگا اور قیامت کے دن عذاب الٰہی اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے وہ روسیاہ ہونگے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ یہ گذشتہ آیت کے آخری فقرہ کی تفصیل ہے یعنی جن کافروں کے قیامت کے دن منہ سیاہ ہوں گے بداعمالیوں کی سیاہی اُن کے چہروں پر ہوگی اور ایمان کی روشنی سے وہ محروم ہونگے وہ تو دوزخ میں ڈالدیئے جائینگے اور اُن سے کہا جائے گا کہ اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ تم خداتعالیٰ سے روزِ الست میں اقرار کر چکے تھے اور ایمان لے آئے تھے، خدا کی وحدانیت کا اقرار کرلیا تھا تعجب ہے کہ تم پھر دنیا میں جاکر کافر بن گئے اور میثاقِ ازلی کی پرواہ نہ کی۔ یا یہ مطلب کہ جو نورِ بصیرت خداتعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا تھا تم اسکو چھوڑ کر کیوں کفر میں پڑ گئے۔ اب تمہاری یہ سزا ہے کہ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ کہ اپنے کفر کے عوض عذاب برداشت کرو اور اپنے اعمال کا نتیجۂ بد اٹھاؤ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ باقی وہ ایماندار بندے جن کے چہرے منور ہونگے اور اُن کی نیک اعمالیوں کا نور اُنکے چہروں پر جگمگاتا ہوگا اور رحمتِ الٰہی کی روشنی سے اُن کے منہ چاند کی طرح ہونگے فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ تو یہ لوگ جنت میں داخل کئے جائینگے خداتعالیٰ اپنے کرم و رحمت سے اُن کو جنت عطا کرے گا۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ یہ مومن جنت میں ہمیشہ رہینگے کبھی وہاں سے نکالا نہ جائیگا اور رحمتِ الٰہی اُن سے کبھی منقطع نہ ہوگی۔

مقصود بیان:۔ مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کرنیوالوں کا ایک فرقہ ہونا لازم ہے۔ مبلغین کے فرقہ کو احکام اسلام کی تبلیغ بغیر کسی خوف و خطر اور بغیر طمع و لالچ کے کرنا چاہیئے۔ مبلغین کو تبلیغ کے لئے ہر قسم کی جائز آزادی دینی حکومتِ اسلامیہ پر فرض ہے۔ مسلمانوں کو عموماً باہمی تفرقہ سے پرہیز کرنا چاہیئے خصوصاً مذہبی جھگڑے اور نفاق انگیزیاں تو غرضِ اسلام کے سراسر خلاف ہیں۔ تفرقہ سے برکت اور اجتماعی قوت زائل ہوجاتی ہے۔ جس قوم میں تفرقہ اور نفاق ہوتا ہے اُس پر خداتعالیٰ کا عذاب ہوتا ہے۔ دنیا میں بھی وہ ذلیل خوار اور محکوم غلام و مفلس ہوتی ہے اور آخرت میں بھی عذاب الیم میں مبتلا ہوگی۔ خداتعالیٰ ظالم نہیں ہے۔ عذاب اور دوزخ صرف انسان کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے خدا خود کسی کو دوزخ میں بھیجنا نہیں چاہتا مگر سیاہ کاریاں دوزخ میں داخل ہونے کے اسباب ہیں۔ جنت میں داخلہ خدا کی رحمت پر موقوف ہے خدا پر لازم نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ہر مومن صالح کو جنت عطا کرے کیونکہ ایمان و صالح اعمال تو اُسکی دی ہوئی نعمتوں کے شکریہ کیلئے بھی کافی نہیں ہے پھر خواہ مخواہ خدا پر کسی کا کس طرح لازمی حق ہوسکتا ہے۔ وغیرہ۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ

یہ اللہ کی آیات ہیں جن کو ہم ٹھیک ٹھیک تم کو سناتے ہیں

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلِلّٰهِ

اور اللہ دنیا کے لوگوں کی حق تلفی کرنی نہیں چاہتا اور جو کچھ

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى

آسمانوں میں اور زمین میں ہے خدا ہی کا ہے اور

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ع ۸

تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جائینگے

تفسیر تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ مذکورہ بالا آیات یعنی کافروں کی ذلت و رسوائی اور عذاب میں گرفتاری اور مومنوں کی عزت و حرمت اور قرب سے سرفرازی یہ خدا کے بیان کردہ واقعات ہیں وحی سے ثابت ہیں منزہ ہوکر رہینگے۔ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی ہر شخص کو اُس کے اعمال کی سزا ملیگی خداتعالیٰ اپنی طرف سے کسی پر ظلم کرنا نہیں چاہتا کہ بغیر جرم کے عذاب دے یا کم قصور پر زیادہ سزا دے اُس سے صدورِ ظلم محال ہے۔ اگرچہ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آسمان و زمین کی کل مخلوق کو اُسی نے پیدا کیا ہے سب اُسی کی ملک ہے۔ اُسی کی طرف محتاج ہے۔ ہر شئی کی پیدائش اور بقائے حیات کا سبب اوّل وہی ایک ذات ہے اور وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ آخرت میں بھی سب کا رجوع اُسی کی طرف ہوگا۔ دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے سب کا سلسلہ اُسی کی ذات پر ختم ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں وہ جو کچھ چاہے کرسکتا ہے کوئی اُس سے سرتابی نہیں کرسکتا نہ اُس کے حکم کو رد کرسکتا ہے مگر خداتعالیٰ کسی کی حق تلفی نہیں کرنا چاہتا۔

مقصود بیان:۔ قولِ الٰہی میں دروغ محال ہے۔ خداتعالیٰ سے ظلم کا صدور ناممکن ہے۔ خدا کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ تمام عالم کی ابتدا بھی خداتعالیٰ ہی سے ہے اور اس سلسلہ کا اختتام بھی اُسی کی ذات پر ہے۔ وغیرہ۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ

جو اُمتیں لوگوں کی اصلاح کے لئے پیدا کی گئیں اُن میں تم سب سے بہتر ہو کہ نیک

بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ

کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان

بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا

رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو اُن کے لئے

لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ

بہتر تھا مگر اُن میں سے کچھ ہی مؤمن ہیں اور اکثر نافرمان ہیں

لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ

سوائے خفیف ایذا اور کچھ نہ تمہارا نہ بگاڑ سکینگے اور اگر تم سے لڑیں گے

يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ ضُرِبَتْ

تو پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلینگے اور پھر اُن کو مدد بھی نہ ملیگی یہ جہاں بھی پائے جائیں

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ

ذلت ان پر مسلط کر دی گئی ہے ہاں خدا کے عہد

اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ

اور لوگوں کے عہد میں آجائیں تو خیر اور یہ اللہ کے غضب میں گرفتار

اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا

ہو گئے اور ان کے لئے محتاجی لازم کر دی گئی اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی آیتوں

يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ

کا انکار کرتے رہے اور انبیاء کا ناحق خون بہاتے رہے

ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝

یہ صرف اس لئے کہ انہوں نے نافرمانیاں کیں اور حد مقرر سے بڑھ گئے

تفسیر كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ اس آیت میں امت اسلامیہ کا اشرف الامم ہونا ظاہر کیا جاتا ہے تاکہ عام لوگوں کو خصوصاً اہل کتاب کو اسلام کی طرف میلان خاطر ہو۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ :-

اے امت محمدیہ تم اُن تمام امتوں سے افضل و اشرف ہو جو دنیا میں پیدا ہوئی ہیں ہمیشہ سے تم کو تمام اقوام پر برتری و بزرگی عطا کی گئی ہو کیونکہ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ تم توحید کے علمبردار ہو۔ خدا کی وحدانیت، رسول اللہ کی رسالت، قرآن کی صداقت اور خدا کے تمام احکام کی حقانیت پر تمہارا ایمان ہے جس سے تمہاری قوت نظریہ صاف ستھری اور روشن ہو جاتی ہے اور فقط ایمان ہی نہیں بلکہ اُسکے مطابق عمل بھی ہے تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، امور خیر کے اختیار کرنے کی ہدایت کرتے ہو اور بُری باتوں سے بچنے کی نصیحت کرتے ہو اور یہ اوصاف دیگر اہل کتاب میں نہیں ہیں اسلئے تم کو اُن پر فضیلت و شرافت حاصل ہے یعنی شرافت و بزرگی کسی کی میراث نہیں بلکہ جس کے عقائد و اعمال درست ہونگے، جسکی قوت نظریہ و عملیہ کامل ہوگی، جو انسانیت کاملہ کے درجہ پر فائز ہوگا وہی اشرف افضل اور برگزیدہ ہوگا اور چونکہ امت اسلامیہ توحید کی دلدادہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شیفتہ ہے جہاں معصیت کو ہاتھ سے روکنے کی قوت ہوتی ہے وہاں ہاتھ سے روکتی ہے اور جہاں اسکی قدرت نہیں وہاں زبان سے ہی ہدایت کرتی ہے ورنہ قلب سے ہی اُس سے نفرت کرتی ہے۔ لہذا یہی اشرف الامم خیر الاقوام اور اولادِ آدم میں سب سے زیادہ افضل ہے۔ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ اور اگر اہل کتاب بھی توحید الٰہی پر تمہاری طرح خالص ایمان لے آتے اور خدا کو واحد رسول کو برحق جانتے تو ان کے لئے بھی بہتر ہوتا مگر یہ لوگ ایمان نہ لائے بلکہ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ۔ ان میں سے صرف بعض اشخاص مومن ہیں مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ اور اکثر نافرمان ہیں دائرہ ایمان سے خارج ہیں۔ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى یعنی خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب میں سے یہودی بہت سرکش اور اسلام کے دشمن ہیں مگر تم کو کچھ ضرر نہیں پہونچا سکتے ہاں زبان سے تم پر طعن تشنیع کرینگے تمہاری بدگوئیاں کرینگے دھمکیاں دینگے مگر اس سے سوا معمولی اذیت اور رنج کے اور تمہارا کچھ نقصان نہیں وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ اور اگر لڑنے کے لئے تمہارے مقابلہ پر آئینگے تو پیٹھ دیکر بھاگ نکلینگے اُن کو تاب مقاومت نہ ہوگی۔ یہ مؤمنوں کی فتح اور یہود کی شکست و مغلوبیت کا دائمی وعدہ ہے۔ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ۔ پھر اُن کو کبھی نصرت و فتح نہیں مل سکتی بلکہ تم کو ہمیشہ ان پر غلبہ اور فتح حاصل رہیگی۔ یہ آیت معجزہ نبوت ہے ہمیشہ مسلمانوں نے ایسا ہی پایا۔ اسکے بعد یہودیوں کا کبھی کوئی جھنڈا آج تک بلند نہ ہوا نہ کبھی ان کو غلبہ حاصل ہوا۔ ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے مغلوب اور ذلیل رہے اور مسلمان ان پر غالب رہے اور رہینگے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا

ان پر ذلت کی مُہر کردی گئی ہے یہ جہاں کہیں ہونگے ان پر ذلت کی مار رہیگی کبھی ان کو حکومت حاصل نہیں ہوسکتی اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ہاں اگر یہ بناہ الٰہی میں آجائیں اور مسلمان ان کو اپنی بناہ میں لیکر ذمی ہونے کا پروانہ لکھدیں یا اور لوگ ان کو بناہ دیدیں اور یہ جزیہ ادا کریں تو ان کو بناہ مل سکتی ہے اور غلامی کی حکومت بغیر کسی استقلال اور خود مختاری کے نصیب ہوسکتی ہے۔ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ یہ لوگ اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں جو کام کرتے ہیں خدا کی ناراضگی کا کرتے ہیں وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ اور ہمیشہ کے لئے ان پر محتاجی اور دوسروں کی دست نگری کی مُہر کردی گئی ہے ہمیشہ یہ مغلوب و محکوم رہینگے مگر خدا تعالیٰ نے ان پر یہ ظلم نہیں کیا بلکہ یہ انہی کے اعمال کا خمیازہ اور سزا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اس ذلت اور غلامی کا سبب یہ ہے کہ ہمیشہ یہ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے رہے ہیں۔ مختلف انبیاء نے معجزات دکھاکر ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر انھوں نے دیدہ و دانستہ انکار کیا اور وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ فقط انکار و کفر ہی نہیں بلکہ ان کی گمراہی اس حد تک پہونچ گئی کہ قصداً ناحق سمجھتے ہوئے انبیاء کو قتل کرتے رہے بہت سے انبیاء کو مختلف زمانوں میں انہوں نے قتل کردیا ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ان کی سرتابی نافرمانی اور ظلم و زیادتی کی وجہ سے ان پر ذلت غلامی محکومیت محتاجی اور مغلوبیت کی ہمیشہ کے لئے مُہر کردی اب ان کو کبھی عزت و حکومت حاصل نہیں ہوسکتی۔

مقصود بیان:۔ شرافت و فضیلت کسی کی نسلی میراث نہیں جسکے عقائد و اعمال اچھے ہونگے وہی اشرف افضل ہے۔ امت اسلامیہ تمام اقوام سے اپنے عقائد و اعمال کی وجہ سے افضل ہے مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کے بعد دوسروں کو بھی ہدایت کرنیکی کوشش کرے اجماع امت قطعی حجت ہے۔ جمہور اسلام کا کبھی گمراہی پر اجتماع نہیں ہوسکتا۔ آیت میں مؤمنوں کی فتح اور یہودیوں کی شکست کا دائمی اور حتمی وعدہ کیا گیا ہے۔ اس امر کی بھی صراحت کردی گئی ہے کہ نافرمانی اور سرکشی سے ذلت اور غلامی نصیب ہوتی ہے۔ ایک لطیف اشارہ کہ مسلمانوں کو احکام الٰہی کا پابند رہنا چاہئے ہمیشہ دشمنوں پر غالب اور دنیا میں باعزت رہینگے ورنہ ذلیل و خوار ہو جائینگے وغیرہ۔

لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ

مگر یہ سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے　ایک فرقہ

قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ

راہ راست پر بھی ہے جو اوقات شب میں بحالت سجدہ اللہ کے کلام کو

يَسْجُدُوْنَ ○ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

پڑھتا ہے　اللہ اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہے

وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

نیک کاموں کا حکم دیتا ہے　اور بری باتوں سے

الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

روکتا ہے اور اچھی باتوں کی طرف دوڑ پڑتا ہے　یہی لوگ

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ

نیکوں میں سے ہیں　اور وہ کسی قسم کی نیکی کریں

فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ○

اسکی ناقدری نہیں کی جائیگی　اور اللہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے

تفسیر لَيْسُوْا سَوَاۗءً - محمد بن اسحاق اور عوفی وغیرہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، اسد بن عبید اور اسید بن عبید مذہب یہودیت کو ترک کرکے اسلام میں داخل ہوگئے۔ ان کے علاوہ چالیس نجرانی عیسائی اور بیاسی حبشی اور چار رومی بھی مسلمان ہوگئے تو یہودیوں نے طعن شروع کئے کہ ان لوگوں نے نہایت برا کیا اپنے باپ دادوں کا مذہب چھوڑ دیا اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی جسمیں اہل اسلام کی مدح اور کفار کی مذمت کی گئی ہے اور بتلا دیا گیا ہے کہ اسلام بہرحال پسندیدہ ہے خواہ کسی کا ہو مسلمان حبشی ہو یا رومی یا نجرانی یا مدنی بہرحال بہتر ہے اور کفر بہرصورت قابل مذمت ہے خواہ باپ دادا کا مذہب ہی کیوں نہو اور ان کی اولاد نے ان کی دیکھا دیکھی اور ان کی تقلید میں ہی کیوں نہ اختیار کیا ہو۔

آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا اہل کتاب اور ایماندار اہل کتاب برابر نہیں ہوسکتے دونوں میں بڑا فرق ہے اہل کتاب میں سے بعض لوگ مؤمن ہیں اور بعض کافر اور مجرم ہیں۔ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ اہل کتاب میں سے بعض لوگ تو حق پر ثابت و قائم ہیں توریت و انجیل پر ان کا عمل تھا اور پھر مسلمان ہوکر یہ قرآن پر عمل کرنے لگے تمام احکام اسلام کے پابند ہوگئے خصوصاً يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ عشاء اور تہجد وغیرہ کی نمازوں میں رات کو نہایت عاجزی کے ساتھ آیاتِ قرآنی کو پڑھتے ہیں

شب بیداری کرتے اور کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ یقین رکھتے ہیں کہ خدا واحد ہے اور روز قیامت ضرور ہوگا۔ بعث جسمانی اور عذاب و ثواب حساب کتاب بھی ضرور ہوگا۔ دونوں جملوں کی غرض یہ ہے کہ قوت علمیہ اور عملیہ دونوں اُن کی درست ہیں نہ عقائد میں غلطی ہے نہ اعمال میں خرابی وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور لوگوں کو نیکی اختیار کرنے کی ہدایت اور بدی سے پرہیز کرنے کی نصیحت کرتے ہیں وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ اور فقط یہی نہیں کہ دوسروں کو نیکی اختیار کرنے کی ہدایت کرتے ہوں اور خود نہ کرتے ہوں یا دوسروں کو برائی اور گناہ سے بچنے کی نصیحت کرتے ہوں اور خود اُس پر عمل نہ کرتے ہوں بلکہ ہر نیکی اور کار خیر کی خود بھی بدل و جان بغیر سستی و کاہلی کی کوشش کرتے ہیں۔ ہادی بھی ہیں اور مہتدی بھی ناصح بھی اور عامل بھی وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ۔ بس یہی لوگ خدا کے نیک بندوں میں شامل ہیں رسول اللہ صلعم کے صحابہ کے گروہ میں داخل ہیں وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ جو نیکی یہ کرینگے ضائع نہ جائیگی اُسکے ثواب سے یہ لوگ محروم نہ رہینگے بلکہ ہر نیک عمل کی جزا ضرور ملے گی وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ مگر ایمان و تقوی شرط ہے خدا خوب جانتا ہے کہ کون شخص ایمان و تقوی کے ساتھ نیک عمل کرتا ہے۔ ہر نیک عمل کا مبدا اور ہر خیر کا سنگ بنیاد ایمان ہے۔ مؤمن کی ہر نیکی مقبول ہے اور کافر کی کوئی نیکی اور خیر خیرات مقبول نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض لوگ ضرور مؤمن شب بیدار جزا و سزا کا یقین رکھنے والے اور ہر نیک کام میں کوشش کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ صلعم کی تصدیق رسالت میں کوئی حیلہ حجت نہیں کرتے۔ دنیا کے فانی تجملات اور زرق برق پر اپنے دل کو مائل نہیں کرتے۔ اور بعض لوگ کافر منکر جھگڑالو بدکار اور بداعمال ہیں یہ دونوں فرقے برابر نہیں ہیں۔ پہلا فرقہ تو کسی ملک کا باشندہ اور کسی طرح کا نسب رکھنے والا اور کسی قوم سے تعلق رکھنے والا ہو بہرحال نیک ہے نیکوں میں اُس کا شمار ہے اور دوسرا فرقہ گو کیسا ہی شریف النسب باوجاہت اور معزز و مکرم ہو مگر خدا کے نزدیک مردود ہے۔ پہلے فرقہ کے ہر نیک عمل کی جزا ملیگی اور دوسرے فرقہ کے تمام اعمال اور عمر بھر کا کیا کرایا اکارت جائیگا۔

مقصود بیان:۔ تمام انسان مساوی حیثیت نہیں رکھتے کوئی نیک ہے کوئی بد، کوئی صالح کوئی شریر۔ اعمال کا سنگ بنیاد ایمان ہے کوئی عمل بغیر ایمان کے مقبول نہیں مسلمان پر لازم ہے کہ خود بھی ہدایت کا پابند ہو اور دوسروں کو بھی احکام آلہی پر پابند رہنے کی نصیحت کرے تلاوت قرآن اور شب بیداری اور رات کو نماز میں نہایت خشوع خضوع کے ساتھ کلام پاک پڑھنا اور پھر قرآنی ہدایت کے بموجب لوگوں کو نصیحت کرنی ایک مسلمان کا شعار ہونا چاہئے۔ وغیرہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ
جن لوگوں نے کفر کیا اُن کو نہ اُن کا مال ہرگز اللہ کے عذاب سے

وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ
بچا سکے گا اور نہ اُن کی اولاد اور یہی لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○
دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر گذشتہ آیات میں ایماندار گروہ کا بیان تھا اور اُن کے اعمال حسنہ کے ثواب کی صراحت تھی۔ اس آیت میں اہل ایمان کے مقابل فرقے یعنی اہل کفر کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے کیونکہ یہ قرآن کی نیرنگی بیان کی خصوصیات میں سے ہے کہ نیک اور بد لوگوں کا تذکرہ پہلو بہ پہلو کرتا ہے تاکہ ترغیب و ترہیب اور بشارت و انذار کا فائدہ کامل طور پر حاصل ہو جائے اور لوگوں کو اسلام کی طرف رغبت اور کفر سے بیزاری پیدا ہو۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔ یعنی قیامت کے دن کوئی طاقت عذاب الٰہی کا کوئی ذرہ کافروں سے دفع نہ کر سکیگی نہ اُس روز اُن کو دنیوی دولتمندی سے کچھ فائدہ ہوگا کہ رشوت دیکر عذاب الٰہی سے چھوٹ جائیں نہ کثرت اولاد سے کچھ نفع ہوگا کہ زبردستی خدائی گرفت سے نجات ملجائے کوئی صورت عذاب الٰہی سے بچنے کی نہ ہوگی۔ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ اصل دوزخی یہی لوگ ہیں انہی کے واسطے دوزخ بنائی گئی ہے ہمیشہ ہمیش یہ دوزخ میں ہی رہینگے کبھی اور کسی صورت سے رہائی ممکن نہ ہوگی۔

آیت مذکورہ بقول مقاتل ابن حبان بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی اور بعض کے نزدیک مشرکین قریش مراد ہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ موسائی ہوں یا عیسائی، خانہ کعبہ کے مجاور ہوں یا کسی شرابخانہ کے پیر مغاں جو لوگ بھی اوصاف حمیدہ اور عقائد صحیحہ سے بے بہرہ ہیں آیت کا حکم سب کو بطریق عموم شامل ہے

فائدہ چونکہ عموماً انسان کا اعتماد دو چیزوں پر زائد ہوتا ہے مال اور اولاد اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو یا اپنی دولتمندی اور کثرت مال کی امداد سے اُس سے رہائی پانے کی کوشش کرتا ہے اور رہائی پا جاتا ہے یا کثرت اولاد کے زور سے اُس مصیبت کو دفع کرتا ہے لہذا آیت میں انہی دونوں چیزوں کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ کیا اگرچہ قیامت کے دن دنیوی کوئی طاقت اور کوئی امداد کافروں کے واسطے مفید

نہ ہوگی نہ زور و زر سے اُن کی رہائی ممکن ہوگی نہ زور سے نہ دنیوی عزت و حکومت اور وجاہت و شخصیت سے۔

مقصود بیان :- کافروں پر عذاب ہمیشہ ہونے کی صراحت۔ دعوتِ اسلام کی لطیف پیرایہ میں تکمیل۔ عذاب سے ترہیب۔ اس بات کا عمومی حکم کہ امتیاز نسلی، دنیوی جاہ و حشم، دولت و ثروت، وجاہت، حکومت، عزت و فوقیت قیامت کے دن بے سود ہے۔ کسی پیغمبر کی امت میں برائے نام اپنے آپ کو داخل سمجھنا اور پھر ہدایت رسول کے خلاف عمل کرنا کوئی نتیجہ خیز امر نہیں ہے۔ نجات کا دار و مدار صحت عقائد و اعمال پر ہے۔ اور اعمال صحیحہ کے ثواب کا حصول صحت عقائد پر موقوف ہے۔ کافروں کے اعمال قابل ثواب نہیں وغیرہ۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

یہ لوگ جو کچھ دنیا کی اس زندگی میں خرچ کرتے ہیں اُسکی مثال

كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ

اُس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو اور وہ اُن لوگوں کی کھیتی کو جلاکر تباہ کردے

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ

جنہوں نے اپنا نقصان خود اپنے ہاتھوں کیا ہو اور اللہ اُن کی حق تلفی نہیں

اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

کرتا بلکہ وہ خود اپنا بگاڑ کرتے ہیں

تفسیر مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا سابق آیت میں بیان کیا تھا کہ قیامت کے دن کفار کو اُن کا مال کچھ نفع نہ دیگا اس سے شبہ ہوتا تھا کہ نفع کیوں نہ دیگا وہ بھی غریبوں یتیموں اور بیکسوں کو پیسہ دیتے ہیں رفاہِ عام کیلئے مسافرخانے بنواتے ہیں اور کنوئیں کھدواتے ہیں پھر نفع سے کیوں محروم رہ سکتے ہیں یہ بیچارے کارِ خیر میں اپنا مال صرف کرتے ہیں اگر ثواب سے محروم رہینگے تو یہ ان پر سراسر ظلم ہوگا اور عقلاً کی حق تلفی ہوگی۔ اس شبہ کو خدا تعالیٰ نے مدلل طور پر بصورت تمثیل دور فرمایا جسکا خلاصہ یہ ہے کہ شرط ایمان مفقود ہونے کی وجہ سے ان کے یہ تمام مصارفِ خیر اکارت جائینگے اور ایسے برباد ہوجائینگے جیسے پالا پڑنے سے ہری بھری کھیتی برباد ہوجاتی ہے اور اس کی استعداد نشو و نما بھی غارت ہوجاتی ہے اسی طرح کفر ساری نیکیوں کو اکارت کردینے والی بلا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ کفار جو کچھ خرچ کرتے ہیں اور جس نیت سے صرف کرتے ہیں خواہ رسول اللہ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور لشکر کشی کرنے میں یا بتوں کی منتوں میں یا باہمی فخر و مقابلہ میں یا ریاکاری میں یا حصول شہرت و نام آوری میں یا محض غریبوں یتیموں وغیرہ کی امداد میں یا اور کسی کارِ خیر وغیرہ میں بہرحال اُسکی مثال ایسی ہے كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ جیسے وہ ہوا جسکے اندر پالا ہوتا ہے (عکرمہ، سعید، حسن، قتادہ، ربیع، ضحاک وغیرہ) یا جیسے وہ گرم ہوا ہوتی ہے جسکے اندر آگ کی لپیٹ ہوتی ہے (عطاء، مجاہد، ابن عباسؓ وغیرہ) اور نافرمان سرکش قوم کی کھیتی کو لگتی ہے تو اسکو تباہ و برباد کردیتی ہے نشو و نما کی قوت بھی کھیتی میں نہیں چھوڑتی اور ان بدکار کاشتکاروں کو اس ہری بھری کھیتی سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہیں ملتا اگرچہ زمین کو جوتتے ہیں بیج بوتے ہیں کھیتی پھولکر سرسبز ہوتی ہے لیکن اُن کی بداعمالیاں اُس شاداب کھیتی سے بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ اُن کو نہیں دیتیں اور اُن کی بدکاریاں انتہائی سرد یا انتہائی گرم زہریلی ہوا کی شکل میں سرسبز کھیتیوں کو تباہ کردیتی ہیں۔ اب اس سے یہ خیال کرنا کہ خدا نے ان پر ظلم کیا ہے غلط ہے کیونکہ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ بلکہ اس بربادی کے اسباب اُن کے اپنے اعمال ہیں انھوں نے اپنی کفر شعاریوں سے خود اپنے کو تباہ کیا۔

مقصود بیان :- انسان کی بداعمالی اُسکو دنیا و دین میں تباہ کردیتی ہے۔ تمام وبال گناہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کافروں کا کوئی نیک عمل موجب ثواب نہیں۔ ایمان تمام حسنات کی جڑ ہے۔ خدا کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ خود انسان اپنے برباد و تباہ ہونے کے اسباب فراہم کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً

مسلمانو! تم اپنے (بھائیوں) کے سوا کسی کو اپنا راز دار نہ بناؤ

مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا

کیونکہ یہ تمہارے تباہ کرنے میں کسی طرح کی کمی نہیں کرتے دل سے چاہتے ہیں

مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ

کہ تم تکلیف میں پڑجاؤ ان کی دشمنی انہی کے منہ سے ظاہر ہوچکی ہے

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ

اور ان کے دلوں میں جو دشمنی چھپی ہے وہ بہت بڑھ کر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو

الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ

تو ہم نے تمہارے لئے صاف صاف نشانیاں بیان کردی ہیں۔ سنتے بھی ہو

تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ

تم اُن سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے اور تم تمام کتابوں کو

كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڮ وَاِذَا خَلَوْا

مانتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب باہم اکیلے

عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ

ہوتے ہیں تو غصہ کے مارے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں - اے محمد! کہدو

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

تم اپنے غصہ میں (جل کر) مر جاؤ اللہ بلاشبہ دلوں کی باتوں کو

الصُّدُوْرِ ۝ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ

جانتا ہے اگر تم کو کوئی بھلائی پہونچتی ہے تو ان کو بُرا لگتا ہے

وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ

اور اگر تم کو کوئی بُرائی پہونچتی ہے تو یہ اُس سے خوش ہوتے ہیں لیکن اگر

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ

صبر رکھو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا فریب تم کو کچھ ضرر نہیں

شَيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ۱۲ ع

پہونچا سکتا یہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ بلا شبہ اللہ کے بس میں ہے

تفسیر

يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ - بعض سیدھے سادھے مسلمان یہود اور منافقین سے ہمسائگی اور رشتہ داری کی وجہ سے میل جول رکھتے تھے اور چونکہ ایام جاہلیت میں اُن سے عہد و پیمان ہو گئے تھے اسلئے اُن کو اپنا رازدار سمجھتے تھے - اس آیت میں حکم دیدیا گیا کہ مسلمانوں کے علاوہ کافروں کو اپنا رازدار اور دوست نہ بناؤ ان پر اعتماد نہ کرو۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! ان کافروں کو خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا منافق یا مشرک اپنا رازدار اور معتمد نہ بناؤ ان سے باطنی دلبستگی نہ کرو اور کسی طرح ان سے موالات نہ کرو نہ امداد کی امید رکھو۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا تعالیٰ نے جو نبی مبعوث فرمایا اور جو خلیفہ مقرر کیا اُس کے واسطے دو بطانہ (لمبہ) ناک اور ملئہ شیطان) مقرر فرما دیے - ایک تو اسکو بھلائی کا امر کرتا ہے اور خیر کا مشورہ دیتا ہے اور دوسرا بدی کا حکم دیتا ہے اور شر کا مشورہ دیتا ہے اور معصوم وہی رہا جسکو اللہ نے گناہ سے بچا لیا (بخاری نسائی)

حضرت عمر بن خطابؓ سے صحابہ نے عرض کیا امیر المؤمنین یہاں ایک غلام حیرہ کا رہنے والا نہایت ہوشیار محرر ہے اگر آپ اُسکو اپنا منشی مقرر فرما لیتے تو بہتر ہوتا - فرمایا تو اس صورت میں میں مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسروں کو رازدار بنا لیتا - ایک اور روایت میں آیا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عیسائی غلام سے فرمایا کہ اگر تو مسلمان ہو جاتا تو ہم تجھسے مسلمانوں کے کام میں مدد لیتے - لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا - یہاں سے کفار کے ساتھ ترک موالات کرنے کی وجوہ بیان کی گئی ہیں (۱) کفار تمہاری مضرت رسانی اور ایذا رسانی میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں نہ کوتاہی کرینگے - تمہاری بربادی میں ہر وقت کوشاں ہیں - وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ (۲) تم پر مصیبت پڑنے کو دل سے چاہتے ہیں ان کی قلبی خواہش ہے کہ تم مصائب میں گرفتار رہو اور تکلیفوں میں مبتلا ہو - قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ (۳) ان کے مُنہ سے دشمنی اور عداوت کی بعض باتیں نکلجاتی ہیں اور زبان سے وہ الفاظ ظاہر ہو جاتے ہیں جن سے دشمنی اور کینہ پروری کا پتہ چلتا ہے - وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ (۴) ان کے دلوں میں جو کینہ اور بغض پوشیدہ ہے وہ اس ظاہری عداوت سے بہت بڑھ کر ہے جسکا اظہار بے ساختہ اُنکی زبانوں سے ہو جاتا ہے - قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ - یہ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر حکم دیدیا گیا کہ ہم نے ان کی عداوت کے ثبوت اور ان کی دشمنی کے علامات کھولکر بیان کر دیے اب اگر تم سمجھدار ہو تو سمجھو اور ان سے موالات نہ کرو - ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ اور ہوشیاری کے ساتھ سمجھ لو کہ آخر اُن سے موالات کرنے کی وجہ کیا ہے کیوں اُن سے دوستی کرتے ہو وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ (۵) وہ تم کو نہیں چاہتے اور تم کو اپنا دوست نہیں جانتے پھر اُن سے دوستی اور موالات کرنی حماقت ہی - وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ (۶) اور تمہارا ایمان کل کلام الٰہی پر ہے خواہ توریت ہو یا انجیل زبور ہو یا قرآن اور اُن کا ایمان تمہاری کتاب یعنی قرآن پر نہیں پھر موالات کیسی اور دوستی کے کیا معنی وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (۷) جب وہ تم سے ملتے ہیں تو نفاق سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور تنہائی میں تم پر غصہ کے مارے انگلیاں چباتے ہیں (دانت پیستے ہیں اور اپنی بوٹیاں خود کاٹتے ہیں) یعنی چونکہ اُن کا تم پر کچھ بس نہیں چلتا تو خود ہی جل جل کر رہ جاتے ہیں - قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ - یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے یعنی وہ لوگ حسد اور جلن کے مارے مرے جاتے ہیں تم بھی اُن سے کہدو کہ یونہی مرتے دم تک جلے جاؤ اور حسد کرتے رہو تم ہمارا

کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ یعنی لوگ کتنا ہی اپنے حسد کو چھپائیں اور دلوں میں کینہ پوشیدہ رکھیں مگر چھپا نہیں سکتے کیونکہ خدا تعالیٰ اندرونی اسرار کو بھی خوب جانتا ہے دلوں کی باتیں بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ درحقیقت ایک پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی یہودی اور منافقین مرتے دم تک اپنی کامیابی نہ دیکھ سکے اور یونہی حسد سے جلکر مر گئے۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ (۸) یہ آٹھویں وجہ ہے یعنی اگر تم کو کوئی ادنیٰ کامیابی اور بھلائی چھو بھی جاتی ہے تو ان کو ناگوار ہوتا ہے اور رنج پہونچتا ہے وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (۹) اور اگر تم پر کوئی بھاری مصیبت بھی آپڑتی ہے تب بھی اُن کو کوئی صدمہ نہیں ہوتا بلکہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ حاصل غرض یہ ہے کہ جب اُن کی دشمنی اور کینہ پروری کی یہ حالت ہے تو پھر ایسے دشمنوں سے موالات کرنی اُن کو معتمد سمجھنا اور رازدار بنانا سراسر حماقت ہے لہذا تم کو اُن سے ہرگز دوستی اور یارانہ نہ کرنا چاہئے۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا مذکورہ بالا آیات کے بعد انسان کو قدرتاً خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جب اس کینہ پرور طبقہ کی عداوت کی یہ حالت ہے تو پھر اس سے بچاؤ اور اس کی مدافعت کس طرح ممکن ہے۔ اس خیال کے ازالہ کے لئے فرمایا کہ اگر تم اُن کی اذیت طعن تشنیع اور مضرت رسانی پر صبر کروگے وَتَتَّقُوْا اور خدا کا خوف کر کے اُن کی موالات سے باز رہوگے صرف خدا سے ڈروگے اُن کی موالات و دوستی کی طرف پیش دستی نہ کروگے لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا تو پھر اُن کا مکر و نفاق تم کو کوئی نقصان نہ پہونچا سکیگا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم اُن کی تمام مکاریوں شرانگیزیوں اور بدباطنیوں کو محیط ہے۔ وہ ان منافقوں کی نیتوں اور ارادوں کو بھی جانتا ہے تم کو اُن کے شر سے محفوظ رکھیگا اور خود تمہاری نگہداشت کریگا ہرگز اُن کو اُن کے ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیگا

مقصود بیان:۔ کفار سے موالات کرنے کی نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ممانعت۔ اس بات کی طرف لطیف اشارہ کہ حاسد دوسرے کو نقصان نہیں پہونچا سکتا صرف خود دل میں جلتا اور مرتا رہتا ہے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ صبر سے کام لے۔ کفار سے مقابلہ کے وقت سب مسلمان متفق الرائے اور متحد العمل ہو جائیں۔ اس صورت میں خدا تعالیٰ ضرور مسلمانوں کی مدد فرماتا ہے۔ وغیرہ۔

اب آگے کے بیان میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو جنگ اُحد کا واقعہ یاد دلاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ چونکہ مسلمانوں نے اُس روز صبر نہ کیا اور ہدایت الٰہی پر عمل نہ کیا تو مسلمانوں پر کس قدر مصیبت آئی اور حضرت حمزہؓ جیسے کیسے جلیل القدر صحابہ شہید ہو گئے۔ حالانکہ بدر کی لڑائی میں باوجود قلت سامان اور کمی فوج کے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا کیونکہ وہاں مسلمان صابر اور ثابت قدم رہے۔ ہم ذیل میں جنگ احد کا مختصر واقعہ ذکر کرتے ہیں تاکہ آیات کا مطلب صاف سمجھ میں آسکے۔

جنگ اُحد کا واقعہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، زہری، قتادہ، اور سدی وغیرہ سے مروی ہے اور ابن کثیر نے بھی بیان کیا ہے کہ جب ۱۷ رمضان ۲ھ کو جنگ بدر میں مشرکین کو فاش شکست اٹھانی پڑی اور بہت سے مارے گئے مگر وہ تمام مال مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا جو ابوسفیان کے قافلہ کے پاس تھا اور یہ قافلہ صحیح سالم مکہ پہونچ گیا تو مقتولین بدر کی اولاد اور بقیۃ السیف لوگوں نے ابوسفیان سے کہا کہ یہ سب مال مسلمانوں سے لڑنے کے لئے رکھ چھوڑو اور لڑائی شروع کردو۔ حسب مشورہ مشرکوں نے ۳ھ میں تین ہزار فوج جمع کی جس میں دو سو گھوڑے کے سوار بھی تھے اور اعدائے اسلام کا یہ لشکر مدینہ کے قریب کوہ احد کے پاس اُترا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز مدینہ میں پڑھ کر مالک بن عمرو کے جنازہ کی نماز پڑھی اور نماز کے بعد مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے۔ مدینہ کے اندر ہی خندق کھود کر رہیں یا باہر میدان میں نکلکر قتال کریں۔ ایک گروہ کی جس میں عبداللہ بن ابی بھی تھا یہ رائے ہوئی کہ مدینہ کے اندر ہی قیام کیا جائے مشرک ہار جھک مار کے واپس چلے جائینگے اور اگر مدینہ کے اندر آئینگے تو ہم تو اُن کے مقابلہ پر جا کر لڑینگے اور ہماری عورتیں اور بچے اوپر بالاخانوں سے اینٹ پتھر مارینگے۔ حضور اقدسؐ بھی اسی رائے کی طرف مائل تھے۔ لیکن دوسرے گروہ نے کہا کہ یہ بزدلی ہے ہم تو باہر میدان میں نکلکر لڑینگے ورنہ کفار کی ہمت بڑھ جائیگی اور وہ خیال کرینگے کہ مسلمان ڈر کے مارے چھپ رہے۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے آس پاس گائیوں کا گلہ ذبح کر دیا گیا ہے اور یہ بھی میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار میں رخنہ پڑ گیا ہے (یعنی مسلمانوں کو شکست ہوگی) اور یہ بھی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کر لئے ہیں اس سے مراد مدینہ ہے (لہذا مناسب یہی ہے کہ باہر نکلکر نہ لڑیں) لیکن نوجوان لڑاکو فرقہ نے نہ مانا۔ بالآخر حضور اقدس صلعم حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں تشریف لیگئے اور سامان جنگ سے آراستہ ہو کر باہر تشریف لائے۔ یہ دیکھ کر لوگ اپنے مشورہ پر نادم ہوئے کہ ہم نے رسول اللہؐ کی رائے کے خلاف جرأت کر کے رائے دی، ندامت کے ساتھ بہت معذرت کرنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر حضور کی رائے باہر نہ نکلنے کی ہے تو بہتر ہے یہیں قیام فرمایئے۔ ارشاد فرمایا کسی نبی کے واسطے سزاوار نہیں کہ سامان جنگ پہنکر پھر بغیر حکم الٰہی کے لوٹے اب جو کچھ خدا چاہیگا وہ ہوگا۔ اس کے بعد موجب فرمان نبوی مسلمانوں نے بھی ایک ہزار فوج جمع کی اور ۷ یا ۱۴ شوال ۳ھ

کو بروز شنبہ مدینہ سے نکلکر چلدیئے۔ جب مقام شوط میں پہونچے تو عبداللہ بن ابی منافق اپنی تین سو کی جماعت لیکر مسلمانوں سے علیحدہ ہوکر واپس آگیا اور کہنے لگا فضول لڑائی میں اپنی کون جان دے اگر ڈھب کی لڑائی ہوتی تو ہم لڑتے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکلنا اُس کی رائے کے خلاف تھا خیر حضور نے بالبقیہ سات سو آدمیوں کو لیکر احد کے قریب پہونچ گئے اور مقام عدوہ قریبہ میں لشکر کی پشت کوہ اُحد کی جانب کرکے فروکش ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں کوئی لڑائی شروع نہ کرے پھر پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت زیر قیادت عبداللہ بن جبیرؓ درۂ احد پر مامور فرمائی اور سخت تاکید کے ساتھ ہدایت کردی کہ ہم غالب ہوں یا مغلوب تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا ورنہ گھاٹی میں سے ہوکر مشرکین پیچھے سے آپڑینگے اور مسلمان بیچ میں گھر جائینگے۔ اسکے بعد مصعب بن عمیر کو پرچم جنگ دیکر صفوف جنگ کو آراستہ کیا۔ مشرکین قریش نے بھی صف آرائی کی۔ میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو مقرر کیا اور لواءِ جنگ بنی عبدالدار کے حوالہ کیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ شروع میں مسلمانوں کو غلبہ رہا اور کفار پشت پھیر کر بھاگے۔ مورچہ کے سواروں نے جب مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست دیکھی تو مال غنیمت کے لالچ میں دوڑ پڑے اور مورچہ خالی چھوڑ دیا۔ حضور اقدس صلعم نے ہر چند آوازیں دیکر منع کیا مگر ایک نے نہ سنا۔ اس نافرمانی اور بے صبری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزیمت خوردہ کافر مورچہ کو خالی دیکھ کر پیچھے سے آپڑے اور آگے بھاگنے والے بھی لوٹ پڑے۔ آگے سے تو لڑائی ہو ہی رہی تھی پیچھے سے کفار نے مسلمانوں کو تیروں پر رکھ لیا اس ناگہانی مصیبت سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور قریب قریب اکثر مسلمان منتشر ہوگئے۔ بہت سے جلیل القدر صحابہ شہید ہوگئے۔ حضور اقدس صلعم کے دانت میں ایک پتھر آکر لگا جس سے دندان مبارک ٹوٹ گیا اور سر مبارک میں بھی زخم آیا خود کی کڑی پیشانی مبارک میں گڑ گئی اور ایک گہرے گڑھے میں سرکار عالم گر پڑے۔ کفار نے یورش کی۔ حضرت طلحہؓ کا ہاتھ حضور اقدس صلعم کے بچانے میں شل ہوگیا۔ لیکن جب مسلمانوں کو پھر ہوش آیا کہ رسول اللہ کو چھوڑکر ہم بھاگے ہیں تو لوٹ پڑے اور ایسے بے جگری سے لڑے کہ کفار بھاگ نکلے۔ یہ مختصر واقعہ ہم نے ذکر کردیا مفصل قصہ دوران تفسیر میں ذکر کرتے جائینگے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ

(اے محمد) جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلکر مسلمانوں کو لڑائی کے

مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ

موقعوں پر بٹھا رہے تھے — اور اللہ سنتا اور جانتا ہے — جبکہ

هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ

تم میں سے دو گروہوں نے بزدلاپن کرنا چاہا تھا مگر خدا اُن کا مددگار تھا

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ

اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے — اور بدر کی لڑائی میں

اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

اگرچہ تم کمزور تھے مگر اللہ نے تم کو فتحیاب کیا لہٰذا تم اللہ کی نافرمانی سے بچو تاکہ تم

تَشْكُرُونَ ۝ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ

شکرگزار ہو جاؤ — (اے محمد) جب تم مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا

يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ

تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے آسمان سے اُتار کر

مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ۝ بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا

تمہاری مدد کرے — اللہ ضرور کافی ہے — اگر تم ثابت قدم رہوگے

وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ

اور نافرمانی سے پرہیز رکھوگے اور کافر یکدم تم پر آپڑینگے — تو تمہارا پروردگار

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝

پانچہزار فرشتوں سے جو نشاندار گھوڑوں پر سوار ہونگے تمہاری مدد کریگا

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ

اور اللہ نے تمہاری یہ امداد (فرشتوں کے ذریعہ سے) صرف تمہارے خوش کرنے اور

قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ

تمہارے دلی اطمینان کے لئے کی (ورنہ) فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے

اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ

جو زبردست اور حکمت والا ہے۔ مدد پہونچانے سے غرض یہ ہے کہ اللہ

الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝

کچھ کافروں کو ہلاک کردے یا انکو ذلیل کردے تاکہ ناکام ہوکر وہ لوٹ جائیں

تفسیر

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ - یعنی اے محمد! جب آپ اپنے گھروالوں کے پاس سے صبح کو نکل کر چلے تھے یعنی مطلب کہ جب مدینہ سے صبح کے وقت (۷ شوال ۳ھ کو شنبہ کے دن جنگ احد کے لئے مسلمانوں کا لشکر ہمراہ لیکر) نکلے تھے تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (اور علدہ کہ قریبہ پر پہونچکر گھاٹی کے پاس کوہ احد کیطرف پشت کرکے مسلمانوں کو کافروں سے لڑنے کے لئے اُن کی جگہوں پر قائم کر رہے تھے - وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور خدا تعالیٰ تمہاری باتوں کو سُننے والا اور حالتوں کو جاننے والا ہے یعنی اُس نے تمہارا وہ کلام سُنا تھا جو تم تیراندازوں کی جماعت سے کہہ رہے تھے کہ تم اس گھاٹی سے مت ہٹنا خواہ ہم غالب ہوں یا مغلوب ایسا نہو کہ گھاٹی کو خالی دیکھ کر کفار پیچھے سے آکر مسلمانوں پر حملہ کریں - اور خدا کو تمہاری حالت کا بھی علم تھا کہ تم میں دو فرقے تھے ایک کی رائے مدینہ سے باہر نکلکر دشمن سے لڑنے کی تھی اور دوسرا فرقہ مدینہ کے اندر ہی رہ کر دشمن کی مدافعت کرنے کی رائے رکھتا تھا اور عبداللہ بن ابی اپنی تین سو کی جماعت لیکر مقام شوط سے واپس آگیا تھا - اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا جبکہ تم ہی میں سے دو گروہوں نے بزدلی کرنے کا ارادہ کرلیا تھا یعنی انصاریوں کے دو گروہوں بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے دلوں میں بھی وسوسہ پیدا ہوگیا تھا کہ عبداللہ بن ابی کی طرح ہم بھی لڑائی سے روگرداں ہوجائیں اور مدینہ کو واپس چلے جائیں - یہ دونوں گروہ مسلمانوں کی فوج کے دونوں بازو تھے ایک میمنہ پر تھا دوسرا میسرہ پر - وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا مگر خدا اُن کا مددگار اور ناصر تھا اُسی نے اُن کو ثابت قدم رکھا اور بزدلی کو اُن کے دلوں سے دور کیا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور ایمانداروں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے یعنی فوج کی قلت اور سامان کی کمی اور ظاہری طاقت کی بے سروسامانی کا لحاظ نہ کرنا چاہئے - فتح و شکست درحقیقت خدا کے ہاتھ میں ہے وہ کمزور جماعت کو بھی طاقتور لشکر پر غالب کرسکتا ہے اور بے سروسامان مومنوں کو باشان و شوکت کافروں پر فتح یاب کرسکتا ہے لہذا اُسی پر بھروسہ اور اعتماد کرنا چاہئے - دیکھو وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ خدا تعالیٰ نے بدر کے موقعہ پر تمہاری مدد کی تھی اور تم کو کافروں پر کامیاب کیا تھا حالانکہ اُس زمانہ میں وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ تم کمزور اور بے سروسامان تھے یعنی کوئی مادی طاقت تمہارے پاس نہ تھی نہ زیادہ فوج تھی نہ سامانِ جنگ - صرف تین سو تیرہ آدمی تھے وہ بھی پیدل صرف چند گھوڑے اور زرہیں تھیں اور کفار ایک ہزار تھے تمام سامانِ حرب سے آراستہ تھے اور تھے بھی مکہ کے چوٹی کے بہادر - مگر خدا کی مدد تمہارے شامل حال ہوئی اور کفار شکست کھا کر بھاگے فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ خدا تعالیٰ نے تم کو بدر میں باوجود بے سروسامانی اور قلت تعداد کے اس لئے فتح دی کہ تم اُس کا شکریہ ادا کرو - لہذا اب خدا سے ڈرو اور کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو - اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ - یعنی مدد غیبی کا وہ دن تھا جسدن اے محمد آپ مسلمانوں کو تسلی و اطمینان دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تین ہزار فرشتے بھیجکر تمہاری مدد کریگا - لہذا تم اپنی قلت اور بے سروسامانی اور کفار کی کثرت اور اُن کے اسباب حرب پر خیال کرکے ہراساں نہو - بَلٰى - یہ امداد غیبی تمہارے لئے کافی ہے (سورہ انفال میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے کیونکہ جنگ احد کے شروع میں ایکہزار فرشتوں کی امداد عطا کی گئی تھی پھر تین ہزار کی پھر پانچ ہزار کی) اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا یعنی اگر تم کافروں کے مقابلہ میں جمے رہوگے اور صبر کروگے اور حکم الٰہی کی مخالفت سے ڈرتے رہوگے اُسکی نافرمانی نہ کروگے - وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ اور کفار دفعتہً تم پر آپڑینگے تو خدائے تعالیٰ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ پانچہزار فرشتے بھیجکر تمہاری امداد کرے گا جو سدھے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہوکر امتیازی علامات کے ساتھ آکر موجود ہوجائینگے - حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت علی رضؓ وغیرہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احد کے دن فرشتے نازل ہوئے اُن کے عمامے سُرخ سفید اور زرد تھے اور گھوڑوں کی ابالیں سپید تھیں - اکثر تابعین کی روایت میں آیا ہے کہ فرشتوں نے جنگ احد میں قتال نہیں کیا تھا صرف مسلمانوں کی تعداد بڑھانے اور کفار پر رعب ڈالنے کے لئے مسلمانوں کی فوج کے ساتھ شامل ہوگئے تھے ہاں جنگ بدر میں ضرور قتال میں شریک ہوئے تھے - ابن عباس رضؓ کا بھی یہی قول ہے - واللہ اعلم - وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ یعنی فرشتوں کا بھیجنا اسلئے نہیں تھا کہ تم اُن پر اعتماد کر بیٹھو بلکہ یہ تو صرف تمہارے اطمینان اور دلجمعی کے لئے خدا نے بھیجے تھے فتح و ظفر اس پر نہ تھی - اس سے مقصود تمہاری گھبراہٹ اور بزدلی کو دور کرنا اور تم کو فتح کی خوش خبری دینا تھا ورنہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فتح تو خدا کے قبضہ میں ہے اُسی کے حکم سے کامیابی وابستہ ہے اُسکو ان ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں اور نہ فتح ان اسباب پر موقوف ہے فتح و ظفر کی کفیل صرف اُس کی تائید ہے - الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ کیونکہ وہی سب پر غالب ہے اُسکی طاقت و قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں اور وہی اپنے افعال میں حکیم ہے اُس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں لہذا بغیر کثرت فوج اور تکمیل سامان کے وہی فتح عطا کرتا ہے - لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا - یعنی بدر میں اُس نے تمہاری مدد اسلئے کی تھی کہ کافروں کے سرداروں کو ہلاک کردے کہ اُن میں کے مُدٹ مارے جائیں - اَوْ

یَکْبِتَهُمْ یا اُن کو ہزیمت و فراری کی ذلت نصیب کرے اور وہ فَیَنْقَلِبُوْا خَآئِبِیْنَ O نہایت ناکامی اور ذلت کے ساتھ واپس چلے جائیں۔ بدر کی لڑائی میں ستّر سرداران قریش مارے گئے تھے اور ستّر قید ہوئے تھے جنگ اُحد میں ۱۶ یا ۲۰ کفار مارے گئے اور ۷۰ مسلمان شہید ہوئے۔

مقصود بیان :۔ فطرتِ انسانی ظاہری اسباب کی طرف میلان رکھتی ہے۔ انسان طبعًا انہی اسباب کو علت تامہ اور سبب اول سمجھتا ہے۔ وجود اشیاء، اسباب خارجیہ ساتھ وابستہ نہیں ہے اگرچہ مربوط ضرور ہے۔ فتح و شکست تائید غیبی پر موقوف ہے سامان اور آدمیوں کی قلت کثرت پر موقوف نہیں ہے لیکن تائید غیبی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب مسلمان متفق اور متحد ہو جائیں اور جفاکشی ہمت استقلال اور ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ دیں۔ گویا آیتہا میں صبر، استقلال، جرأت اور اتحاد کو فتح و ظفر کی علت تامہ سمجھنا بھی غلط ہے۔ باوجود ہمت اور جرأت کے تائید الٰہی پر نظر رکھنی لازم ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ

(اے محمد) تم کو کچھ اختیار نہیں ہے چاہے اللہ اُن کو توبہ نصیب کرے

اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ O وَلِلّٰهِ مَا فِي

چاہے اُن کو سزا دے کیونکہ وہ ناحق کوش ہیں اور جو کچھ آسمانوں میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ

اور زمین میں ہے خدا ہی کا ہے جسے چاہے وہ معاف کر دے

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O ۱۳ ع ۹

اور جسے چاہے سزا دے اور خدا غفور رحیم ہے

تفسیر جنگ احد میں جب فرمانِ نبوی کی مخالفت کی وجہ سے مسلمان کافروں کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے تو صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مع خاص چند رفقاء حضرت ابوبکر صدیق رض، حضرت علی رض، حضرت عباس رض، حضرت طلحہ رض وغیرہ کے رہ گئے۔ اُس وقت حضور گرامی مرتبت دلیری و شجاعت کے ساتھ اپنی سواری سے نیچے اُتر کر کھڑے ہو گئے اور تنہا لڑنے کا قصد فرمایا۔ اسی لڑائی میں عتبہ بن ابی وقاص کے پتھر سے حضور والا کے اگلے چار دانت دو اوپر کے اور دو نیچے کے شہید ہو گئے (بعض روایات میں صرف ایک دانت کا شہید ہونا مذکور ہے) اور سر میں بھی چوٹ آئی جس سے خون بہکر چہرۂ مبارک پر آیا اور چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اس وقت حضورؐ نے بددعا کرنی چاہی اور فرمایا وہ لوگ کیونکر فلاح (وعافیت) پا سکتے جنہوں نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے سرخ بنا دیا

اتنے میں تادیب کے طور پر آپ کو درگذر کی تعلیم دینے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ خدا تعالیٰ کو انہی کافروں کو بالآخر مسلمان کرنا اور انہی کے ہاتھوں سے اسلام کے بڑے بڑے کام لینا تھا۔ چنانچہ خالد بن ولید، عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ کیسے نامور بہادر اور جلیل القدر مسلمان ہو گئے۔ اگر حضور بددعا کر دیتے تو یہ سب اسی وقت فنا ہو جاتے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اے نبی آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے اختیار تو صرف خدا کو ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ خدا چاہیگا تو ان کو توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیگا اور یہ سچے مخلص مسلمان بن جائینگے۔ اور اگر چاہیگا تو توبہ کی توفیق ان کو نہ دیگا بلکہ ان کو عذاب دیگا مگر یہ عذاب خدا تعالیٰ ظلم کے ساتھ نہ دیگا وہ ظالم نہیں ہے بلکہ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ یہ خود ظالم ہیں باطل کوش ہیں اور ناحق پر ہیں ان کو عذاب دینا اور ان کے کرتوت کی سزا دینی ظلم نہیں ہے۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آسمان و زمین کی تمام کائنات خدا ہی کی مخلوق و مملوک ہے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اُن کی ہدایت و ضلالت اور کفر و اسلام اور عذاب و ثواب کا بھی وہی مالک ہے يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وہ جسکو چاہیگا دنیا میں توبہ کی توفیق دیکر آخرت میں اُس کے گناہ معاف کر دیگا اور عذاب سے بچا دیگا اور جسکو عذاب دینا چاہیگا اُس کو دنیا میں توبہ کی توفیق نہ دیگا اور آخرت میں عذاب دیگا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور خدا تعالیٰ اپنے اطاعت شعار بندوں کو معاف فرمانے والا اور توحید پرست لوگوں پر آخرت میں رحم کرنے والا ہے

ہدایت خاص بوجوہ متعددہ مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز فرمایا تھا کہ قریش کے آدمی اہل امانت ہیں چند روز کے بعد راہِ خدا میں یہ لوگ جو جانبازیاں کرینگے اُن کے مقابلہ میں تم کو اپنے اعمال حقیر معلوم ہونگے اور واقع میں بھی حضرت خالد بن ولید وغیرہ سے ایسا ہی سرزد ہوا۔ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے آئندہ حالات کی بذریعہ وحی ربانی اطلاع ہو چکی تھی لیکن اسکے باوجود آپنے فورًا اُن کے حق میں بددعا کرنے کا ارادہ کیا اُسکی وجہ یہ تھی کہ حضور اقدسؐ نے چاہا کہ یہ مجرم اور کافر جو اس قدر شرک و کفر میں انہماک رکھتے ہیں اور کسی طرح سمجھانے بجھانے سے بھی نہیں مانتے بلکہ حق پرستوں کی جانیں لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تو یہ جلال الٰہی کے لائق نہیں ہیں۔ ان سے میدانِ کبریائی پاک ہو جانا چاہیے۔ حضورؐ کی یہ خواہش صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ آپ کو جمال پاک پر غیرت آتی اور جسکو انتہائی محبت محیط ہو جاتی ہے اُس کو یہ لحاظ بھی نہیں رہتا کہ ارادۂ الٰہی ایسے لوگوں کے حق میں جو مستور ہیں اور حجاب میں پوشیدہ ہیں وہ امتحان کے پردوں میں چھپے ہوتے ہیں کیونکر جاری ہوتا ہے لہذا خدائے رحیم نے ایک

لطف آمیز عتاب فرمایا کہ آپ کس خیال میں ہیں کیا آپ نے میری سابق عنایت کو مشاہدہ نہیں کیا کہ ان لوگوں کے حق میں میں نے کس کیفیت سے پردوں کے اندر اپنی مشیت کو چھپا رکھا ہے۔ آپ ذرا ازل کی طرف غور سے نظر کریں یہ لوگ آپکے وسیلہ سے میرے اطاعت شعار بندے بن جائینگے اگر آپ اس غیرت جلالی کو ترک کر کے امر مشیت کی طرف نظر کرینگے تو پھر اس بددعا کرنے کا خیال بھی نہ کرینگے۔ اسی کی طرف اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ سے اشارہ کیا کہ خدا کے دست قدرت میں ان کا ایمان و کفر ہے آپ کو کیا ان کے امر کا علم نہیں ہے کہ ازل میں ان کے حق میں کیا حکم ہو چکا ہے۔

مقصود بیان:۔ رسول گرامی کو نہایت لطیف و بلیغ پیرایہ میں رحم و کرم کی تعلیم دی گئی ہے اور امر ازلی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور بددعا کرنے سے ضمنی ممانعت کر دی گئی ہے اور اشارۃً سمجھا دیا گیا ہے کہ ان کو تباہ کرنا مصلحتِ الٰہی کے خلاف ہے اگرچہ اسوقت شدید ترین کافر ہیں لیکن عنقریب مخلص ترین بہادر مسلمان ہو جائیں گے اور اسلام کو انہی سے قوت حاصل ہوگی۔ واللہ غفور رحیم کہنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے آپ سے بدتمیزی کی اور اپنے نبی کے محترم خون کی قدر نہ کی لیکن آپ کو درگذر کرنی چاہیئے خدا غفور رحیم ہے۔ آپ کو بھی خلق کرم سے کام لینا چاہیئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا

مسلمانو! سود دُگنا چوگنا

مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○

اور اس دوزخ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

اور خدا و رسول کا کہنا مانو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ

اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ

جسکا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین کی برابر ہے۔ جو ان پرہیزگاروں کیلئے

لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ

تیار کی گئی ہے جو فراخی و تنگدستی میں راہِ خدا میں

الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے

عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

درگذر کرتے ہیں اور اللہ بھلائی کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے

تفسیر زمانہ جاہلیت میں بنی ثقیف والے بنی نضیر کو ایک مدت مقررہ کے اندر ادا کرنے کی شرط پر کچھ سودی روپیہ قرض دیتے تھے اور ادا نہ ہونے پر سود کو اصل رقم میں ملا کر سب پر پھر سود قائم کرتے تھے اور اس طرح کچھ زمانہ میں سود در سود اور بالائے سود ہو کر قرضدار کی تمام جائداد اور مال و اسباب قرض میں خرد برد ہو کر قرضخواہ کی ملک میں آجاتا تھا اسوقت خدا تعالیٰ نے خصوصیت کیساتھ سود در سود کی ممانعت میں آیت نازل فرمائی۔ آیات سود کی تمام تحقیق ہم سورۂ بقرہ میں لکھ آئے ہیں وہاں پر پڑھنا چاہیئے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۔ مسلمانو! اگرچہ تم پر سود لینا دینا مطلقاً حرام ہے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ سود در سود اور بالائے سود سے پرہیز رکھو اور سود خواری چھوڑ دو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ تقویٰ اختیار کرو اور ہر بات میں متقی بن جاؤ تاکہ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تم کو سعادت دارین حاصل ہو۔ یہ خیال نہ کرو کہ سود خواری ترک کرنے سے مالی نقصان اٹھانا پڑیگا۔ مالی نقصان نہ ہوگا بلکہ دنیا میں بھی فلاح و کامیابی حاصل ہوگی اور دین میں بھی سعادت نصیب ہوگی نقصان کچھ نہ ہوگا وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ اور اس دوزخ سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ کافروں کے لئے بنائی گئی ہے جس میں کافر ہمیشہ رہینگے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت میں مسلمانوں کو سخت تہدید ہے کہ ربوٰا وغیرہ ممنوعات الٰہی سے پرہیز کریں۔ حاصل یہ کہ تمام نافرمانیوں کو ترک کر دو اور کل محرمات شرعیہ سے اجتناب کرو جنمیں سے ایک سود کا کاروبار بھی ہے اور پھر وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ خدا و رسول کے احکام کی پابندی کرو اور اس بات کے امیدوار رہو کہ اس اطاعت شعاری سے خدا تعالیٰ تم پر رحم فرمائیگا۔ بروایت محمد بن اسحاق اس آیت میں اُن لوگوں پر عتاب ہے جنہوں نے اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ عطاء بن ابی رباح سے مرسلاً مروی ہے کہ صحابہ نے ایک بار خدمت مبارک میں عرض کیا یارسول اللہ کیا بنی اسرائیل

کو خدا کے نزدیک ہم پر تفضیلت حاصل تھی کہ جب اُن میں سے کوئی شخص گناہ کرتا تھا تو صبح کو اُسکے دروازہ پر لکھا ہوتا تھا کہ تیرے گناہ کا کفارہ یہ ہے تجھے ایسا کرنا چاہیئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوال سن کر کچھ دیر خاموش رہے اسنے میں یہ آیت نازل ہوئی (اخرجہ عبد بن حمید وغیرہ) گویا آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو بنی اسرائیل پر برتری حاصل ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے تمہارے واسطے نیک کاموں کو باعث ثواب بھی بنایا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ نیک کاموں سے گناہ کا کفارہ بھی ہو جاتا ہے۔

مغفرت سے مراد ابن عباسؓ کے نزدیک اسلام یا توبہ ہے۔ حضرت علیؓ کے نزدیک ادائے فرض۔ انسؓ اور سعید بن جبیرؓ کے نزدیک نماز جماعت کی تکبیر اولیٰ۔ بعض کے نزدیک اخلاص اور بعض کے نزدیک جہاد مراد ہے۔ اور ظاہر معنی یہ ہیں کہ مغفرت سے ہر وہ چیز مراد ہے جو موجب مغفرت ہے یعنی اعمال صالحہ خواہ اخلاص ہو عبادت ہو جہاد ہو نماز ہو یا کچھ اور ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز کو حاصل کرنے کی طرف دوڑو جسکی وجہ سے مغفرت الٰہی تمہارے شامل حال ہو جائے۔ اس دوڑنے کا حکم دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جسمانی عالم ایک قید خانہ ہے اور عالم ارواح راحت کا اصلی مرکز ہے تو جسطرح پرندہ قفس سے چھوٹ کر نہایت شوق و ذوق باغ میں جاتا ہے اسی طرح تم بھی عوائق جسمانی کو توڑ کر عالم ارواح اور قرب الٰہی کی طرف نہایت شوق سے دوڑو اور اس مادی زندگی کو اپنا مقصود اصلی نہ بنالو بلکہ اسکو ایک قید خانہ سمجھو۔ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اور اُس جنت کے اسباب حصول کیطرف دوڑو جسکا عرض اور چوڑان تمام عالم کی برابر ہے۔ مراد یہ ہے کہ جنت کے عرض کو اگر مثال میں بیان کیا جا سکتا ہے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ عرض میں زمین و آسمان کی وسعت کی برابر ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ جنت کی وسعت فی نفسہٖ بھی آسمان و زمین کی برابر ہے بلکہ یہ کلام بطور تمثیل کے ہے (ابن عباس) اس کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنت دوزخ نہ آسمان پر ہے نہ زمین پر بلکہ خدا ہی علیم ہے کہ کہاں ہے۔ ہاں لطافت و کثافت کے اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ جنت آسمانوں کے اوپر اور دوزخ زمین کے نیچے ہے جیسا کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ وہ جنت اُن لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اُن بندوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو صاحب اتقاء ہیں۔ یعنی جنت میں داخلہ کا اصلی سبب نہ زور ہے نہ زر نہ حسب نہ نسب بلکہ تقویٰ اور اعمال صالحہ رکھنے والوں کو ہی اس میں جانے اور رہنے کا حق ہے۔ آگے آیات میں اہل اتقاء کے اوصاف حمیدہ بیان کئے جاتے ہیں اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یعنی اہل اتقاء کی پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ تنگی فراخی افلاس و مالداری میں راہ خدا میں اپنا مال علم و حکمت اور جان خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ صدقہ، خیرات، زکوٰۃ وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ مساکین، فقراء، یتامیٰ اور دیگر اہل احتیاج کی کفالت کرتے ہیں۔ علم و حکمت سے بھی لوگوں کو فیضیاب کرتے ہیں۔ احکام شرع کی تبلیغ کرتے ہیں اور جہاد میں بھی تن من دھن سے شریک ہوتے ہیں وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ یہ اہل اتقاء کی دوسری صفت ہے یعنی اہل اتقاء وہ لوگ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں باوجود قابو کے بدلا نہیں لیتے اگرچہ انتقام کی قوت رکھتے ہیں مگر غصہ کو خود ہی مارتے ہیں انتقام حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو کشتی میں دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غضب کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکے (رواہ الامام البخاری والمسلم) وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔ یہ اہل تقویٰ کی تیسری صفت ہے یعنی اہل اتقاء وہ لوگ ہیں جو اپنے حقوق کا بھی دوسروں سے مطالبہ نہیں کرتے بلکہ درگذر اور چشم پوشی کرتے ہیں اگر اُن کی کوئی شخص حق تلفی کرتا ہے تو باوجود مطالبۂ حق کی قوت کے وہ معاف کر دیتے ہیں۔ اگر غریبوں مفلسوں پر اُن کا قرض ہوتا ہے تو مطالبہ نہیں کرتے۔ حدیث میں آیا ہے جو تجھسے میل ملت ترک کر دے تو اُس سے مل اور جو تیری حق تلفی کرے تو اُسکو معاف کر دے اور جو تجھ سے بُرائی کرے تو اُس سے بھلائی کر۔ ان ہر سہ اوصاف کے حامل محسن کہلاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اہل اتقاء وہ لوگ ہیں جو محسن ہیں جنکی قوت علمیہ اور عملیہ درست ہے جو اپنی شہوانی اور غضبی قوتوں کو مغلوب رکھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور خدا تعالیٰ نیکو کاروں کو ثواب عطا فرماتا ہے۔ یعنی جو لوگ ایمان و اسلام کے تمام درجات طے کر کے مرتبۂ احسان پر فائز ہو جاتے ہیں اُن سے خدا تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے خدا اُن کی محبت ضائع نہیں کرتا۔ ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احسان و عفو کی ضمنی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ جنگ احد میں کافروں نے جب حضرت حمزہؓ کو شہید کر کے اُن کا بند بند جدا کر دیا اور صورت بگاڑ دی تو حضور اکرمؐ بہت غمگین ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں قابو پاؤنگا تو ستر کافروں کو مُثلہ کروں گا۔

مقصود بیان:۔ سود در سود کی خصوصی ممانعت۔ اس امر کا ضمنی بیان کہ سود خواری ترک کرنے سے مالی نقصان نہیں ہوتا۔ سود خواروں کو سخت وعید۔ اس بات کی صراحت کہ رسول اللہ صلعم کی فرمان پذیری سے مسلمان رحم الٰہی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ضمنی طور پر اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضورؐ کی نافرمانی سے آدمی عتاب الٰہی میں مبتلا ہوتا ہے۔ دنیا مسلمان کا قید خانہ ہے یہاں سے عوائق مادی کو توڑ کر اصلی مرکز راحت یعنی عالم ارواح میں پہونچنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس دنیا کو اصل مقصد قرار دینا اسلام کے خلاف ہے۔ جنت پیدا ہو ضرور

ہو چکی ہے لیکن نہ آسمان پر ہے نہ زمین پر نہ اُسکے اوپر نہ اسکے نیچے جنت بہت زیادہ فراخ ہے تمام عالم سے بڑی ہے ۔ جنت میں داخلہ زور زر حسب نسب وجاہت وعزت جاہ و حکومت اور طاقت شاہی سے نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ اعمال صالحہ اور اتقاء ہی دخول جنت کے اسباب ہیں ۔ آیت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اتقاء صرف دعویٰ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک عملی چیز ہے ۔ جو لوگ سخی ہیں مسلمانوں کے بہی خواہ اور ہمدرد ہیں ۔ حلیم اور بردبار ہیں، عفیف ہیں اور مطالبۂ حقوق سے درگزر کرنے والے ہیں ۔ وہی متقی ہیں ۔ اتقاء کا صرف دعویٰ فضول ہے ۔ وغیرہ

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا

اور اُن لوگوں کے لئے جنت تیار کیگئی ہے کہ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے

اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ

حق میں خرابی کر لیتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ۙ وَلَمْ

ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے ۔ اور وہ

يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

دانستہ اپنے (برے) کاموں پر اصرار نہیں کرتے

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

یہی لوگ جن کی جزا اُنکے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے

وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اور وہ گھنے باغات ہیں جن کے اندر نہر بہا بہتی ہیں جنہیں وہ ہمیشہ

فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○

رہینگے اور اچھے کام کرنیوالوں کا کیسا اچھا بدلہ ہے

تفسیر پہلی آیات میں بیان تھا کہ اہل اتقاء وہی لوگ ہیں جو سخی حلیم اور عفو شعار ہیں ۔ یہ تو وہ لوگ تھے جن سے کسی قسم کا گناہ سرزد ہی نہ ہوا صرف نیکی ہی اُن کا شعار رہا ۔ اب اُن لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لی اور چونکہ جرم سے توبہ کرنے والا مثل غیر مجرم کے ہوتا ہے اسلئے ان کو بھی متقین میں داخل کر کے اُن کی تفصیلی حالت بیان کی جا رہی ہے ۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ۔ یعنی متقی وہ لوگ بھی ہیں کہ اگر اُن سے زنا وغیرہ کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو جاتا ہے اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یا کوئی گناہ صغیرہ اور ناحق بات ہو جاتی ہے جو واقع میں اُن کو نہ کرنی چاہئے تھی ۔ پھر اس صدور گناہ کے بعد وہ تین باتیں اختیار کرتے ہیں اوّل تو یہ کہ پہلے وہ خدا کو بھولے ہوئے ہوتے ہیں جسکی وجہ سے اُن سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے پھر جب اُن کو ہوش آتا ہے تو ذَكَرُوا اللّٰهَ خدا کو یاد کرتے ہیں اور عذاب الٰہی کا خوف اُن پر طاری ہو جاتا ہے ۔ اور دوسری بات یہ کہ جب خدا تعالیٰ کا عذاب اُن کو یاد ہوتا ہے اور دل میں خدا کی یاد آتی ہے فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ تو اپنے گناہوں کی خدا سے معافی چاہتے ہیں ۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ کوئی گناہ کرے پھر اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر خدا تعالیٰ سے استغفار کرے تو ضرور اللہ تعالیٰ اُس کو بخشدیتا ہے (رواہ احمد والترمذی واہل السنن والبزار وابن حبان والدار قطنی) اس کے آگے بطور جملہ معترضہ کے ارشاد ہوتا ہے کہ استغفار خدا ہی سے کرنا چاہئے کیونکہ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ سوا خدا کے اور کون شخص گناہ معاف کر سکتا ہے ۔ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله پڑھتا ہے اُسکے واسطے جنت کے آٹھوں دروازے کھولدیے جائینگے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو (مسلم) وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا یہ تیسری بات کا بیان ہے یعنی وہ لوگ گناہ پر اڑتے نہیں ہیں بلکہ جو کچھ اُن سے ہو گیا ہے اُس پر ندامت کرتے ہیں اور آئندہ گناہ کرنے سے باز رہتے ہیں اور وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ یہ یقین کر کے کہ جو کچھ انھوں نے کیا وہ برا کام تھا اسکو ترک کر دیتے ہیں یہ لوگ بھی متقی ہیں ۔ ان سے اگرچہ جرم ہو گیا ہے لیکن توبۃ النصوح کر کے یہ بھی غیر مجرموں کی طرح ہو جاتے ہیں ۔ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ان سب لوگوں کے اعمال کی جزا یہ ہے کہ خدا اُن کو معاف فرما دیتا ہے اپنی رحمت سے اُن کو چھپا لیتا ہے اور وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ پھر اُن کو جنتیں ملتی ہیں اور خٰلِدِيْنَ فِيْهَا دوامی طور پر ملتی ہیں کبھی اُن کو وہاں سے نہ نکالا جائیگا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۔ اور یہ مغفرت و جنت اطاعت شعار بندوں کے لئے بہترین جزا ہے جو اُن کو بفضل الٰہی ضرور ملیگی ۔

مقصود بیان :۔ توبہ سے گذشتہ صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں اور آدمی متقی بن جاتا ہے ۔ خالص توبہ کے چار شرائط ہیں ۔ دل سے

خداکی طرف رجوع کرے۔ پچھلے گناہ کی معافی طلب کرے۔ گناہ کی سزا کو یاد کرکے خشوع وخضوع کرے۔ آئندہ کو گناہ کرنے سے باز رہے۔ آیت میں گنہگاروں کو توبہ کی رغبت دلائی گئی ہے۔ وغیرہ۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ
تم سے پہلے بہت واقعات گذر چکے ہیں تم ملک میں چل پھر کر

فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○
دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کار کیسا ہوا

هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ
یہ لوگوں کو فہمائش ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت

لِلْمُتَّقِينَ ○ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ
ونصیحت ہے اور اگر تم مسلمان ہو تو ہمت نہ ہارو اور رنج

الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ إِنْ يَمْسَسْكُمْ
نہ کرو کیونکہ تم ہی غالب رہو گے اگر تم کو زخم

قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ
لگے ہیں تو ایسے ہی اس قوم کو بھی زخم لگے ہیں اور یہ

الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ
ایام تو ہم ادلتے بدلتے رہتے ہیں اور اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ

اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ
اللہ کو ایمانداروں (کے ایمان) کا علم ہو جائے اور تم میں سے بعض کو شہید بنائے

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ
اور اللہ بے انصافوں کو دوست نہیں رکھتا اور تاکہ اللہ تعالیٰ

الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ○
ایمان والوں کو نکھار دے اور کافروں کو مٹا دے

تفسیر جنگ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور پانچ مہاجر اور تقریباً ساٹھ انصاری شہید ہوگئے اور مسلمان اس سے شکستہ دل ہوئے تو آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ نازل ہوئی جسکا حاصل مطلب یہ ہے کہ ایسے واقعات تو گذشتہ قوموں میں بھی ہوتے چلے آئے ہیں پہلے بھی جب کافروں کا دینداروں سے مقابلہ ہوا تو شروع میں غلبہ کفار کو ہوا اور مسلمان اُن کے ہاتھوں سے ایذاء اٹھاتے رہے۔ پھر آخر میں خدا نے کافروں کی گرفت کی تو ایسی سخت کی کہ اُن کو سطح ہستی سے مٹا دیا۔ یہ سنت الٰہی ہے کہ کبھی کسی کو غلبہ دیتا ہے کبھی کسی کو لیکن انجام کار دیندار ہی غالب ہوتے ہیں۔ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ لہذا اگر تمہارا دل چاہے تو زمین پر چل پھر کر دیکھئے کہ اُن لوگوں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی تھی وہ کس طرح مال ودولت حکومت وسامان اور سر بفلک عمارتیں چھوڑ کر تباہ ہو گئے اور کس طرح غضب الٰہی میں مبتلا ہوگئے۔ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ یہ قرآن سب لوگوں کی حالت کھول کر بیان کرتا ہے اور سب کے لئے سبب عبرت ہے وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ مگر اس سے ہدایت اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جن کے اندر تقویٰ کا مادہ ہے جو مومن ہیں اور شرک سے بچتے ہیں لہذا تم کو بھی اس سے نصیحت وہدایت حاصل کرنی چاہئے وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا اور کافروں کے مقابلہ سے سست نہ بن جاؤ اور نہ گذشتہ شکست کا غم کرو اور منافقوں کے مذاق اُڑانے سے رنجیدہ ہو اسلئے وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ کہ انجام کار تم ہی غالب رہو گے اور ایسے غالب ہو جاؤ گے کہ گویا کبھی مغلوب ہوئے ہی نہ تھے بشرطیکہ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ تم ایمان پر قائم رہو کافروں کیطرف میلان نہ کرو اور نصرت الٰہی کا یقین رکھو۔ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ اور اگر تم یہ خیال کرو کہ جنگ اُحد میں مسلمان شہید ہوگئے اور ہم کو شکست ہوئی تو اس پر بھی غور کرو کہ آخر بدر میں کفار کو بھی ہزیمت اٹھانی پڑی تھی اور وہ بھی مارے گئے۔ یہ فتح وظفر تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے دنیا میں یکساں زمانہ نہیں رہتا کبھی فتح ہے کبھی شکست کبھی رنج کبھی راحت وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ یہ زمانہ کا الٹ پھیر ہے جسکو ہم ہمیشہ کرتے ہیں کبھی دینداروں کو فتح دیتے ہیں کبھی کافروں کو کبھی ایک کو غالب اور دوسرے کو مغلوب کرتے ہیں کبھی اُسکو غالب اور اسکو مغلوب۔ ان آیات میں بدر میں مسلمانوں کی کامیابی اور احد میں شکست کی طرف اشارہ ہے۔ بدر کا واقعہ ہم سورۂ بقرہ میں لکھ آئے ہیں جنگ احد کی کیفیت یہ ہوئی کہ جب مسلمانوں اور کافروں کی صفیں آراستہ ہوئیں تو مشرکین کی فوج میں سے ابوعامر پچاس آدمیوں کو ہمراہ لیکر باہر نکلا اور مسلمانوں پر پتھر برسانے لگا جب مسلمانوں نے پتھر مارے تو وہ اُلٹا بھاگا پھر مسلمان تیر اندازوں نے سوارانِ کفار پر تیر مارنے شروع کئے تو وہ بھاگ نکلے۔ طلحہ بن ابی طلحہ نے (جو قریش کا علمبردار تھا) جب اپنے سواروں کو بھاگتا دیکھا تو خود میدان میں نکلکر آیا اور آواز دی هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ

مقابلہ کو کون آتا ہے۔ اِدھر سے حضرت علیؓ نے بڑھ کر اُسکو تلوار سے قتل کر دیا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے یہ دیکھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور
یکدم مشرکوں پر حملہ کیا اُن کے پرے پھٹ گئے۔ پھر کفار کا علم عثمان
بن ابی طلحہ نے لیا اُسکو عاصم بن ثابت نے تیر سے دو ٹکڑے کر دیا پھر اسکے
بھائی حارث نے جھنڈا سنبھالا تو اُسکو بھی عاصم نے مار ڈالا۔ پھر کلاب
بن ابی طلحہ نے علم اٹھا لیا اُسکو زبیر بن عوام نے قتل کر دیا پھر ارطاۃ
بن شرحبیل نے لے لیا تو اُسکو حضرت علیؓ نے مار ڈالا۔ اسی طرح جب کفار
کے متواتر علمبردار مارے گئے تو اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ سرپٹ
بھاگ نکلے مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ پہاڑی مورچہ پر جو تیر انداز
مقرر تھے اُنھوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو گئی اور اب یہ مقام
چھوڑ دینا کچھ مضر نہیں ہے تو تقریباً چالیس آدمیوں نے مورچہ چھوڑ دیا
اور مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے
جو اس تیر انداز رسالہ کے کمانڈر تھے ہر چند منع کیا اور رسول اللہؐ کا
فرمان یاد دلایا مگر کون سنتا تھا۔ مجبوراً حضرت عبداللہ اور تقریباً نو دس
آدمی اور وہیں مورچہ پر رہے اور باقی تو لوٹ میں مشغول ہو ہی گئے تھے
جب کفار کی فوج سرپٹ بھاگ نکلی تو کچھ دور تک اُنہوں نے مُنہ لوٹا کر
نہ دیکھا جب کچھ ہوش درست ہوئے اور خالد بن ولید نے مُنہ پھیر کر دیکھا
تو پہاڑی مورچہ خالی پایا فوراً عکرمہ بن ابی جہل کے دستہ کو بھی اپنے
ہمراہ لیکر لوٹ پڑا مسلمان تو مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہی تھے پیچھے
سے آکر غنیم کی فوج نے غفلت کی حالت میں یکدم حملہ کر دیا۔ اس سے
پہلے پروا ہوا چل رہی تھی اسی وقت سے پچھوا ہوا ہو گئی اور ساٹھ ستر
مسلمان شہید ہو گئے کیونکہ کچھ تو مسلمان کفار کے ہاتھوں سے شہید ہوئے
اور کچھ ایسے گھبرائے کہ اُن کو اپنی بیگانی فوج میں امتیاز نہ رہا اور آپس
میں ہی کشت و خون کرنے لگے۔ جب مسلمانوں کو اس طرح شکست ہوئی
تو ایک شیطان نے آواز دی سنو محمدؐ قتل کر دیے گئے یہ آواز سُننا تھا
کہ صحابہ بغیر تحقیق حال کے بھاگ نکلے اور حضور اقدسؐ کے ہمراہ صرف چودہ
مسلمان ثابت قدم رہے اور برابر کافروں کے تیر مارتے رہے کافروں
نے گھیر لیا مگر اُن کا کچھ بس نہ چلا بالآخر انہوں نے پتھر برسانے شروع
کئے ایک پتھر حضورؐ کے دندانِ مبارک پر آکر لگا جس سے اوپر نیچے کے
چار دانت یا دو دانت شہید ہو گئے اور لب مبارک بھی زخمی ہو گیا کچھ
زخم چہرہ پر بھی آئے۔ بالآخر حضور اقدسؐ قدرے قدرے پیچھے کو ہٹتے
گئے جب پہاڑی کی جڑ میں پہونچ گئے تو اوپر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ مگر
چڑھ نہ سکے۔ حضرت طلحہؓ نے بیٹھ کر اپنے کاندھے پر اٹھا کر حضورؐ کو اوپر
چڑھا دیا۔ مشرکین نے ہر چند ٹیلہ پر پہونچنے کی کوشش کی مگر نہ پہونچ سکے
ابو سفیان نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر آواز دی کیا محمدؐ ہیں۔ کیا ابو بکرؓ ہیں۔
کیا عمرؓ ہیں۔ حضور اقدسؐ نے جواب دینے سے منع کر دیا تھا۔ کسی نے
جواب نہیں دیا۔ ابو سفیان کہنے لگا یہ سب لوگ مارے گئے اگر کوئی زندہ ہوتا
تو ضرور بولتا۔ اس وقت حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے اور بول اٹھے او دشمنِ خدا
تو جھوٹا ہے ابھی تیرے دُکھ دینے والے یہ لوگ باقی ہیں۔ بالآخر جب صحابہ
کو حضورؐ کی سلامتی کی خبر ملی تو سب آکر جمع ہو گئے اور بعض لوگ تو اُسی
وقت جان سے ہاتھ دھو کر کفار کی فوج پر جا پڑے تھے جب اُن کے کان
میں دشمن کی آواز پہونچی تھی کہ محمدؐ قتل ہو گئے اور اُنہوں نے خیال کر لیا
تھا کہ اب حضورؐ کے بعد زندگی بیکار ہے۔ انہی واقعات کی طرف آیت
میں اشارہ ہے کہ یہ زمانہ کا لوٹ پھیر ہے کبھی یوں ہوتا ہے کبھی یوں۔
اس سے بد دل نہ ہونا چاہئے اور کفار کے مقابلہ سے ہمت نہ ہارنی
چاہئے۔ دیکھو بدر میں کفار کو شکست ہوئی مگر وہ پھر جمع ہو کر آئے لہذا
تم کو شکست کے بعد بھی بزدل نہ بننا چاہئے۔

اب ذیل میں مسلمانوں کی ہزیمت کی غرض و حکمت بیان کی جاتی ہے۔
وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی مسلمانوں کی شکست کی چار مصلحتیں
ہیں۔ اول تو یہ کہ ظاہری طور پر ایمانداروں کی حالت معلوم ہو جائے
اور ہر دو فریق بالکل نمایاں طور پر ایک دوسرے سے متمیز ہو جائیں کیونکہ
کیونکہ مصیبت کے وقت ہی اپنا بیگانہ پرکھا جاتا ہے اسی کسوٹی پر کھرے
کھوٹے کی جانچ ہوتی ہے وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الظّٰلِمِيْنَ دوسرے یہ کہ اکثر مسلمانوں کو شہادت کے درجے دینے
مقصود تھے اور کفار کو رفتہ رفتہ عذاب کی طرف بڑھانا غرض تھا کیونکہ
خدا تعالیٰ کو ستمگاروں سے محبت نہیں ہوتی وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے
کہ کافروں کو عذاب میں ترقی ہو وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
تیسرے یہ کہ اس تکلیف میں مبتلا کرنے سے خدا کو مسلمانوں کا نکھارنا مقصود
تھا کیونکہ مصائب و تکالیف سے تصفیۂ قلب ہو جاتا ہے اور آگ میں
تپانے سے سونا نکھر نکل آتا ہے۔ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ اور چوتھی
غرض یہ بھی کہ کفار ملیامیٹ کر دیے جائیں تاکہ غالب آنے سے اُن کی
جرأت بڑھ جائے اور پھر مقابلہ کا حوصلہ کریں اور رفتہ فی النار ہوں۔ یا
یہ مطلب کہ جہاں کہیں اہل حق کی خون ریزی ہوتی ہے تو اُن کا خون رنگ
لاتا ہے غیرتِ حق جوش میں آتی ہے اور کفار کو سطح ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔

مقصود بیان:۔ قانونِ فطرت ہے کہ کبھی کسی قوم کا غلبہ ہوتا ہے
کبھی کسی قوم کا۔ جو لوگ صابر، جفاکش اور متحد القوت ہوتے ہیں اُن کو
غلبہ ہوتا ہے اور جو قوم بزدل اور پراگندہ رائے رکھتی ہے وہ تباہ
ہو جاتی ہے۔ آیت میں امور ذیل کی صراحت کی گئی ہے۔ دعوتِ
قرآن تمام عالم کے لئے عام ہے مگر اس سے فائدہ اندوز وہی قوم ہوتی
ہے جو ازلی سعید ہے۔ انسان کو صفحاتِ تاریخ کا مطالعہ اور واقعات

عالم کی سیر کرنی چاہئے تاکہ عبرت، استقلال، خود داری، اور ربقا جمہوری کا جوش پیدا ہو۔ شکست سے بد دل اور پست ہمت نہ ہونا چاہئے بلکہ زخمی ہو کر اور زیادہ جوش سے کام لینا چاہئے۔ مصائب کے وقت ہی کھرا کھوٹا اور اپنا بیگانہ معلوم ہوتا ہے۔ تکلیف و مصیبت میں پڑنے ہی سے ایمان کا نکھار ہوتا ہے۔ اہلِ حق کی خونریزی سے غیرتِ حق جوش میں آجاتی ہے۔ وغیرہ

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم جنت میں (یونہی) چلے جاؤ گے حالانکہ تم میں سے

اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ

جہاد کرنے والوں کا اللہ نے ابھی امتیاز نہیں کیا اور نہ اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ

الصّٰبِرِيْنَ ○ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ

اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو جانچ لے اور تم تو موت کے آنے سے پہلے ہی اسکی

الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ

آرزو کیا کرتے تھے اب تم نے اس کو

رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○

آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا

تفسیر اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ اس آیت میں مسلمانوں کو کافروں سے مقابلہ کرنے اور جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لئے جوش دلایا جا رہا ہے اور یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ شکست کی چار اغراض تو وہی ہیں جو سابق میں مذکور ہیں اُن کے علاوہ ایک غرض اور بھی ہے۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ مسلمانو! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ویسے ہی جنت میں داخل ہونے کا استحقاق تم کو ہو جائیگا حالانکہ مخلص مؤمن اور دو غلے منافق دونوں اظہار ایمان و اسلام میں برابر ہیں۔ ہر فرقہ ایمان کا مدعی ہے۔ عام طور پر کھرے کھوٹے اور مخلص غیر مخلص کا ابھی تک امتیاز نہ ہوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ اور خدا تعالیٰ کو ابھی علم ظہوری تفصیلاً حاصل نہ ہوا کہ تم میں سے خالص دل سے اُس کی راہ میں جہاد کرنے والا کون ہے اور جہاد سے جان چرانے والا کون ہے اور وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ مصائب کے وقت ثابت قدم رہنے والا اور جان مال کو قربان کرنے والا کون ہے اور میدان سے پیچھے ہٹنے والا کون ہے۔ غرض یہ کہ اس شکست میں ایک راز اور بھی ہے وہ یہ کہ عام مسلمانوں کو اور رسول اللہ کو نیز خدا کو امتحان عام کے بعد معلوم ہو جائے کہ رضائے مولا کے لئے جنگ میں ثابت قدم رہنے والے اور اُس کی راہ میں تن من دھن سے کوشش کرنیوالے کون کون لوگ ہیں اور مصیبت کے وقت اپنے اسلام پر ثبات و پختگی سے رہنے والے اور ہر قسم کی قربانی کے لئے آمادہ رہنے والے کون کون اشخاص ہیں وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ۔ بعض صحابہ کہا کرتے تھے کہ کاش بدر جیسی لڑائی پھر ہو تو ہم بھی کافروں سے لڑ کر دل کی ہوس نکالیں یا تو شہید ہوں اور ثواب پائیں یا زندہ واپس آئیں اور ثواب جہاد کے علاوہ مالِ غنیمت ساتھ لائیں اور غازی بھی کہلائیں۔ لیکن جب جنگ احد ہوئی تو بعض کے سوا سب کے پاؤں اُکھڑ گئے اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں جب لڑائی نہ ہوئی تھی اُس وقت تو تم شہادت کی آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش بدر کی لڑائی کی طرح پھر ہو اور ہم کو شہادت کا ثواب حاصل ہو وَلَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ لیکن جب تمہاری آنکھوں کے سامنے وہ موقعہ آگیا اور جنگ کا وقت آگیا اور شہادت کا میدان سامنے نظر آنے لگا تو پھر تم کیوں پیچھے ہٹ گئے اور کیوں تم نے راہِ فرار اختیار کی۔

مقصود بیان:۔ جہاد فرض کفایہ ہے۔ شہادت کی آرزو کرنی چاہئے ہے۔ راہِ خدا میں جہاد کرنا اور مصیبت کے وقت ثابت قدم رہنا موجب ثواب ہے۔ آیت میں ضمنی بیان ہے کہ حصول ثواب کوشش کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ خدا کی رحمت بغیر ذاتی سعی کے نہیں مل سکتی۔ آیت میں جہاد ثبات صبر اور قربانی کرنے کی تنبیہ آمیز لطیف ترغیب بھی ہے اور امتحان میں پورا اُترنے کی نہایت لطافت کے ساتھ ہدایت ہے۔ وغیرہ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ

اور محمد تو صرف رسول ہی ہیں اُن سے پہلے اور بہت سے

قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئْنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

رسول گذر چکے ہیں تو اب اگر اُن کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں

انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ

کیا تم ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے اور جو کوئی ایڑیوں کے بل

عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا

پلٹ جائیگا وہ خدا کا کچھ ہرگز نہ بگاڑ سکے گا

وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○ وَمَا كَانَ

اور اللہ شکر کرنیوالوں کو عنقریب ثواب دیگا اور بغیر حکم خدا کے

لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا
تو کوئی شخص مر ہی نہیں سکتا موت کا ایک وقت مقرر

مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ
لکھا ہوا ہے اور جو شخص دنیوی ثواب کا خواستگار ہوگا ہم اُسکو دنیا ہی

مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ
میں سے دینگے اور جو شخص ثواب آخرت کا خواستگار ہوگا ہم اُسکو اسی میں

مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ○
سے دینگے اور عنقریب ہم شکر کرنیوالوں کو جزا دینگے

تفسیر جب جنگ احد میں مسلمانوں کو کچھ ہزیمت ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے تو کسی دشمن نے آواز دی کہ محمدؐ تو قتل کر دیے گئے۔ اس پر بعض منافق بولے کہ اگر محمدؐ نبی ہوتے تو مارے نہ جاتے۔ بعض کہنے لگے کہ جب نبی نہ رہے تو پھر اپنا مذہب کیوں نہ اختیار کر لیا جائے۔ بعض ہمت ہار بیٹھے اور بعض بھاگ کھڑے ہوئے بعض نے کفار سے طلب امن کو جائز قرار دیا اور بعض پختہ ایمان رکھنے والے حضرات کہنے لگے کہ جب رسول اللہ ہی نہ رہے تو ہم زندہ رہ کر کیا کرینگے جس حق پر حضورؐ نے جان دی اُسی پر ہم جان دینگے اور اگر آپ قتل بھی ہو گئے تو خدا تعالیٰ حی وقیوم ہے لہذا مناسب ہے کہ لڑتے جاؤ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فتح نصیب فرمائے یا ہم کو بھی شہید بنا کر حضور اقدسؐ سے ملا دے۔ یہ لوگ اسی شش وپنج اور سراسیمگی میں تھے کہ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ نے حضورؐ کو دیکھ کر پہچانا اور پکار کر کہا کہ مسلمانوں یہ ہیں رسول اللہ زندہ اور صحیح سلامت ہیں۔ بالآخر سب جمع ہو گئے۔ حضورؐ نے اُن کو ملامت فرمائی۔ سب نے معذرت کی اور عرض کیا یہ خبر سن کر ہمارے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور دل ٹوٹ گئے تھے۔ اُس وقت آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ نازل ہوئی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں محمدؐ تو صرف رسول ہیں معبود نہیں ہیں اُن سے مقصود صرف رسالت ہے اس رسالت کی تکمیل میں اس امر کو کیا دخل ہے کہ وہ مرینگے یا نہ مرینگے۔ احکام الٰہی وہ تم کو پہونچا چکے۔ مقصود رسالت پورا ہو گیا۔ فنا دنیا میں ہر شخص کے لئے ہے اُن سے پہلے بھی رسول آئے اور چلے گئے۔ انبیاء نے فرض تبلیغ ادا کیا اور مر گئے اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ اب اگر وہ مر بھی جائیں یا بفرض محال قتل بھی ہو جائیں تو وہ معبود تو نہیں تھے کہ اُن کی عبادت میں فرق آجائیگا تو کیا اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ اب تمہارے لئے یہ مناسب ہوگا کہ ایڑیوں کے بل اسلام سے پلٹ جاؤ اور معبود حقیقی کی عبادت چھوڑ دو یعنی جب میں نے اپنے نبی کی زبان سے تم کو اپنے معبود اور پروردگار ہونے کی خبر دیدی اور اپنے رسولؐ کی رسالت سے تم پر اپنی عبادت واجب کر دی اور شان الوہیت دکھا دی اور تم نے اب بالواسطہ میری الوہیت کو پہچان لیا تو پھر تم کو کیا ہو گیا کہ صرف رسول اللہ کا درمیانی پردہ اُٹھ جانے سے تم نے تزلزل کیا اور امتحان کے وقت حقائق ایمان و اخلاص میں مضطرب ہو گئے۔ اگر تم میری الوہیت ربوبیت اور معبودیت کے مشاہدہ پر قائم رہتے تو درمیانی واسطے کے الگ ہو جانے سے بھی تمہارے مشاہدہ میں کوئی فرق نہ آتا اور برابر میری عبادت کئے جاتے وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا۔ جو شخص ایڑیوں کے بل اسلام سے پلٹ جائیگا وہ خدا کا نقصان ذرہ برابر نہ کریگا بلکہ اپنا ہی نقصان کریگا۔ خدا نے تو اپنے رسول کے ذریعہ سے اسکو ہدایت کر دی اب ہدایت پر قائم رہنا نہ رہنا اُس کا فعل ہے۔ ہدایت پر قائم رہیگا فائدہ اٹھائیگا۔ اسلام سے روگردانی کریگا اپنا ہی نقصان کریگا۔ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے دین پر قائم رہنے والے خدا کی بندگی اور اطاعت کرنے والے اسکو معبود جاننے والے اور نعمتِ ایمان و اسلام کا شکر یہ ادا کرنیوالے ہیں اُن کو خدا تعالیٰ جزا عنقریب عنایت فرمائیگا۔ رسول کی وفات اور عدم وفات کو اسمیں کوئی دخل نہیں ہے۔ حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب حضور کی زندگی ہی میں فرمایا کرتے تھے کہ جب خدا تعالیٰ نے ہم کو ہدایت کر دی تو واللہ اب ہم اُلٹے پاؤں نہیں پلٹینگے۔ واللہ اگر حضور کی وفات ہو گئی یا بالفرض آپ شہید ہو گئے تو ضرور مرتے دم تک میں اسی راہ پر لڑتے جاؤنگا جس پر رسول اللہ لڑے (رواہ الطبرانی) حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ شاکرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین پر قائم رہے یعنی صحابہ۔ اور ابو بکرؓ تمام شاکرین کے امیر ہیں۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ ہر شخص کی موت خدا کے حکم سے آتی ہے اور موت کا ایک وقت مقرر ہے جسمیں تقدیم تاخیر ناممکن ہے اگر وقت آگیا ہے تو فرار سے نجات نہیں مل سکتی اور وقت نہیں آیا ہے تو میدان جنگ میں گھس جانے اور جان لڑا دینے سے بھی موت نہیں آسکتی۔ پھر یہ سراسیمگی اور فراری تم نے کیوں اختیار کی۔ اس آیت میں نامردوں کو ہمت و جوش دلایا ہے جنگ پر ابھارا ہے اور میدانِ حرب میں بڑھ کر دادِ شجاعت دینے کی ترغیب دلائی ہے اور نہایت مدلل طریقہ سے جہاد پر آمادہ کیا ہے۔ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ جنگ احد میں چونکہ تیر اندازوں کی جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی اور مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے کے لئے کافروں کے پیچھے پڑ گئے تھے اور عبد اللہ بن جبیرؓ اپنے دس ہمراہیوں کے ساتھ حسبِ

ہدایت موجبہ پر قائم رہے تھے اسلئے آیت مذکورہ میں تعریضاً اوّل فرقہ پر عتاب اور موخرالذکر گروہ کی مدح کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اعمال کی صرف دنیا میں ہی جزا چاہتے ہیں اور اُن کی ہمت محض دنیوی ثواب ہی پر مقصور ہے تو ہم اُن کو دنیوی ثواب ہی بقدر قسمت عطا کرتے ہیں مال غنیمت وغیرہ ان کو ملجاتا ہے اور آخرت میں اُن کا حصہ نہیں ہوتا۔ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا اور جو لوگ ثواب اُخروی کے طالب ہوتے ہیں اور جنت کی خواستگاری کرتے ہیں اُن کو ثواب دنیا کے علاوہ ہم آخرت میں بھی جزا دینگے جنت عنایت کرینگے اور پھر اس ثواب وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ اخروی کے علاوہ ایک خصوصی انعام اور بھی ہے جو اپنے شکر گزار اور ثابت قدم بندوں کو ہم خود ہی عطا فرمائینگے یعنی دیدار الٰہی۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے ارشاد فرمایا میں نے اپنے پرہیزگار بندوں کے لئے وہ نعمت رکھی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی کے دل میں اُس کا خیال گذرا یعنی حواس و عقل سے بالاتر ہے۔ اس سے مراد دیدار الٰہی ہے۔

مقصود بیان: ۔ رسول کا فرض تبلیغ احکام ہے۔ ہر رسول پر یہ موت جسمانی ضرور وارد ہوگی اور ہوئی۔ رسول نہ خود معبود تھے اور نہ اُن کی وفات سے خدا اور بندوں کا تعلق منقطع ہوا ہے۔ اسلام و توحید کو ترک کرنے سے خدا کا کچھ نقصان نہیں ہوتا انسان کا خود ہی نقصان ہوتا ہے۔ کوئی اُسکو واحد جانے یا نہ جانے اُسکے لئے دونوں برابر ہیں۔ انسان کو اپنی ہمت صرف دنیوی دولت و مال، عزت و حکومت، جاہ و حشم پر مقصور نہ کرلینی چاہئے بلکہ اصل مقصود یعنی سعادت اُخروی کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ کچھ انعامات خدا تعالیٰ کے ایسے بھی ہیں جو مخلص ایمانداروں کو اور اُن عارف باللہ ہستیوں کو ملتے ہیں جو مصائب کے وقت ثابت القلب رہتے ہیں اور اُن کے قدم راہ حق سے ڈگمگاتے نہیں ہیں۔ وغیرہ

وَكَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ

اور بہت سے انبیاء ایسے گذرے ہیں جنکی معیت میں بہت سے اللہ والے لڑے

فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

اور راہِ خدا میں جو مصائب اُن پر آئے اُن کی وجہ سے

وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ

وہ کمزور نہ ہوئے نہ ہمت ہاری کہ سست پڑے نہ دبے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں سے

الصّٰبِرِیْنَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا

محبت کرتا ہے اور اس بات کے سوا وہ کوئی اور بات ہی نہ کہتے تھے

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا

کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ بخشدے اور جو زیادتیاں ہمارے اعمال میں ہم سے

وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ

ہو جائیں اُنکو بھی بخشدے اور ہمکو ثابت قدم رکھ اور کافروں کی قوم پر ہم کو فتح عنایت فرما

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَحُسْنَ ثَوَابِ

پس اللہ نے اُن کو دنیوی بدلا بھی دیا اور آخرت کا اچھا

الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ ع ۱۵

بدلا بھی اور اللہ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے

تفسیر وَكَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ یہ گذشتہ آیات کے مضمون کی تاکید ہے اور جنگ احد میں فرار ہونیوالوں کو عتاب آمیز اور مدلل طرز میں جہاد کا جوش دلایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اُفتاد صرف تم پر ہی نہیں واقع ہوئی اور نہ یہ کوئی نئی بات ہے بلکہ بہت سے انبیاء ایسے گذرے ہیں کہ خدا پرستوں اور اللہ والوں کی جماعت اُن کے ہمراہ ہوکر کافروں سے لڑی ہے اور زخمی بھی ہوئی ہے شکست بھی کھائی ہے لیکن کسی نے راہ فرار اختیار نہ کی اور فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ نہ زخمی ہونے یا راہِ خدا میں مصائب اُٹھانے سے پست ہمت اور بزدل ہوئے اور وَمَا ضَعُفُوْا نہ جہاد سے نامرد ہوکر بیٹھ رہے اور وَمَا اسْتَكَانُوْا نہ دشمن کے سامنے اُنہوں نے ہتیار رکھکر سر عجز خم کیا نہ کفار کے سامنے پست پڑے وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ اور خدا تعالیٰ اُنہی لوگوں کو اجر جزیل اور ثواب کافی عنایت فرماتا ہے جو جہاد میں ثابت قدم اور مرضی مولا کے طالب رہتے ہیں جن کے ارادے غیر متزلزل اور ہمتیں پائیدار ہوتی ہیں۔ یہ جملہ درمیان میں صرف مسلمانوں کو اُبھارنے کے لئے بیان کیا گیا۔ اب پھر جملہ اوّل کے مفہوم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا یعنی اگرچہ اُن کے بڑے بڑے ساتھی راہِ خدا میں شہید ہوگئے خود بھی وہ زخمی ہوئے اپنی جماعت کی شکست اور کفار کا غلبہ بھی وہ دیکھ رہے تھے مگر اُن کی زبان سے ایسے وقت میں بھی یہی الفاظ نکلتے تھے کہ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا الٰہی ہمارے قصور معاف کردے ہم سے جو گناہ سرزد ہوگئے ہوں اُن کو بخشدے۔ وَاِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا اور جو زیادتیاں ہماری طرف سے ہوگئی ہوں اُن سے درگذر فرما یعنی یہ شکست اور مغلوبیت ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور ہماری بد افعالیاں ہی اسکی ذمہ دار ہیں تو ہماری غلطیوں کو معاف فرما وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

ہم کو کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رکھ ہماری ہمتوں میں تزلزل اور
پستی اور جوش شجاعت میں کمی نہ پیدا کر بلکہ ہم کو نیز ثابت القلب بنائے
اور استقامت عطا فرمادے وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ
اور کافروں پر ہم کو ظفریاب کردے فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا
لہذا اُن کی استقامت اور ثباتِ ایمان کو دیکھتے ہوئے خدا نے اُن کی
دُعا قبول فرمائی اور فتح ونصرت عافیت وحکومت اُن کو عطا فرمائی۔ وہ
کافروں پر غالب ہوگئے وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ اور فقط دنیوی
حکومت وغلبہ ہی نہیں بلکہ ثوابِ آخرت میں بھی استحقاق سے زائد اُن کو
عنایت کیا کیونکہ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں
کا اجر جزیل عطا فرمایا کرتا ہے اور خدا کے نزدیک وہی بندے پسندیدہ ہیں جو
اطاعت شعار اور فرمانبردار ہیں۔

مقصود بیان: مسلمانوں کے دلوں میں جوش شجاعت، جہاد کا ولولہ اور استقامت وصبر کا جذبہ پیدا کرنا مقصود ہے۔ اس طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو شکست اور مغلوبیت سے پست حوصلہ اور کم ہمت نہ ہونا چاہئے۔ یہ قدیم سے سنت الٰہی چلی آئی ہے کہ مومنوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ امتحان کے وقت اور زیادہ استقامت، پائیداری، صبر اور اخلاص وایمان سے کام لے اور پراگندگی وسراسیمگی کو پاس نہ آنے دے اور یہ یقین رکھے کہ فتح وشکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ شکست ومغلوبیت ہماری ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے لہذا خدا سے اول اپنے جرائم کی معافی کی دعا کی جائے اور پھر فتح وظفر کی استدعا کے ساتھ ساتھ استقامت وجرأت کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ جب یہ تینوں باتیں موجود ہونگی تو خدا تعالیٰ ضرور ظفریاب فرمائیگا۔ حاصل یہ کہ مسلمان پر لازم ہے کہ شکست وافتادِ مصائب کے وقت سب سے پہلے اپنے گناہوں سے استغفار کرے پھر خدا سے نصرت کی دعا اور پھر جرأت وہمت سے مقابلہ کرے۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ
مسلمانوں — اگر تم کافروں کا کہنا

كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا
مانوگے تو یہ تم کو ایڑیوں کے بل (اسلام سے) لوٹا دینگے پھر تم ہی

خٰسِرِيْنَ ○ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ
نقصان اٹھاؤ گے — بلکہ اللہ تمہارا — حامی ہے — اور وہی بہترین

النّٰصِرِيْنَ ○ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا
مددگار ہے — ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب

الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ
ڈالدینگے کیونکہ انہوں نے ایسی چیز کو اللہ کا شریک مانا ہے جس کی (الوہیت کی)

بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ
اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری اور ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ

مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ○
ظالموں کا — بُرا ٹھکانا ہے

تفسیر جب جنگ احد کی شکست پر مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے تو منافقوں کو موقع ہاتھ آیا۔ بعض تو الزام دینے لگے کہ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ مدینہ میں رہ کر لڑو تاکہ گھروں کی پناہ بھی ملجائے اگر ہمارا کہنا مانا جاتا تو آج یہ بُرا وقت کیوں دیکھنا پڑتا اور بعض منافق خیر خواہی کے پردے میں مسلمانوں کو بہکانے لگے کہ اب آئندہ کبھی جہاد پر دلیری نہ کرنا چاہئے ورنہ پھر ایسی مصیبت پیش آئیگی۔ اس اغوار اور گمراہی کی بیخ کنی کرنے اور کفار کے مکر سے آگاہ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور حکم دیدیا کہ دشمن کا فریب کھاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو اگر تم کافروں کے کہنے پر چلوگے اور ان کے مشورہ پر عمل کروگے تو يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ تو یہ ایسی تدبیریں سمجھائینگے جن سے تم پھر کافر بن جاؤگے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا ودین میں ذلیل وخوار ہوگے نہ دنیوی عزت حکومت غلبہ اور نصرت حاصل ہوگی اور نہ دینی سعادت نصیب ہوگی کیونکہ یہ کافر تمہارے دوست اور مددگار نہیں ہیں۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ بلکہ خدا تعالیٰ تمہارا مددگار اور فتح وظفر عنایت کرنے والا ہے وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ اور وہی بہترین معاون ومددگار ہے لہذا تم اسی کی اطاعت وفرماں برداری کرو تاکہ دارین میں سرخرو ہو کافروں کا کہنا نہ مانو۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ گذشتہ آیت سے شبہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی مدد خدا نہیں کرتا ہے اور نہ خدا نے پہلے مدد کی ورنہ یہ شکست ہی کیوں ہوتی اور پھر جب اسقدر فاش شکست ہوگئی تو آئندہ کو فتح ونصرت کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ تو اس خیال کو اس آیت میں دور کیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ ہم کافروں کے دلوں میں عنقریب تمہارا خوف ڈالدینگے اور اُن پر تمہارا رعب چھائیگا۔ چنانچہ جب

جنگ احد سے واپسی میں کافروں نے ایک دوسرے کو لعنت ملامت کی کہ تم نے غلطی کی مسلمانوں کو چھوڑ کر چلے آئے اتنی زبردست فتح تم نے حاصل کی تھی مسلمان بالکل ضعیف اور شکستہ ہو چکے تھے اُن کو چھوڑ کر نہ آنا چاہیئے تھا بلکہ بیخ کنی کی ضرورت تھی لہذا مناسب ہو کہ پھر واپس چلو اور مسلمانوں کا خاتمہ کر دو۔ یہ مشورہ طے پانے کے بعد کافروں نے واپسی کا ارادہ کیا مگر خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈالدیا اور وہ واپس نہ آئے۔ یہ قول عام مفسرین کا ہے مگر ابن کثیر اور طبری وغیرہ نے بیان کیا ہو کہ رعب ڈالنے کا مصداق جنگ احزاب ہے۔ پندرہ ہزار کافر ہتیار بند مدینہ پر چڑھ کر آئے لیکن اُن کی ہمتیں شکستہ ہوگئیں اور وہ نہایت ذلت کے ساتھ بھاگ کر چلے آئے۔ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا یہ سابق آیت کے مفہوم کی علت ہے یعنی خدا تعالیٰ نے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اس لیئے ڈالدیا کہ اُنہوں نے خدا کی عبادت میں ایسی چیزوں کو شریک کر لیا ہے جنکی پرستش کی کوئی دلیل اور جنکی عبادت کا کوئی عقلی نقلی اور فطری ثبوت نہیں محض اپنے دماغ اور قیاس سے اُنہوں نے غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی ہے اور ناحق کو حق کے ساتھ آمیختہ کر دیا ہے۔ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ چونکہ اُنہوں نے ناحق کوشی اور حق پوشی کی ہے توحید و حقانیت کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کیا ہے لہذا یہ ظالم ہیں اور ظالموں کا ٹھکانا دوزخ ہے جس سے بدتر اور کوئی جگہ ہو نہیں سکتی۔

مقصود بیان: کفر انسان کے دل کو کمزور کر دیتا ہے۔ توحید و اسلام سے دل میں شجاعت اور پیشقدمی کا ولولہ پیدا ہوتا ہے مسلمان کا رعب کافر پر چھا جاتا ہے بشرطیکہ مسلمانوں کے اندر حقانیت کا جذبہ ہو۔ اگر مسلمان خدا کی اطاعت و فرمان پذیری پر قائم رہیں تو خدا تعالیٰ اُنکی مدد کرتا ہے اور دشمنوں پر اُن کو ظفریاب فرماتا ہے۔ وغیرہ۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ

اللہ نے اپنا وعدہ تم کو سچا کر دکھایا جب کہ اللہ کے حکم سے تم اُن کو

بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ

خوب قتل کر رہے تھے یہانتک کہ تمہاری مرغوب چیز اللہ نے تم کو دکھا دی لیکن

وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ

تم نے بزدلی کی اور معاملہ میں جھگڑا کرنے لگے اور خلاف حکم کیا تم میں سے بعض تو

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ

دنیا کے طالب تھے اور بعض آخرت کے

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ

پھر اللہ نے تمہارے آزمانے کی غرض سے تم کو اُن کی طرف سے پھیر دیا اور تم کو معاف کر دیا

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور ایمان والوں پر اللہ بڑا فضل رکھتا ہے

تفسیر محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ جب احد سے واپس ہو کر مسلمان مدینہ میں آئے تو بعض منافقوں نے کہنا شروع کیا کہ خدا تعالیٰ نے تو فتح کا وعدہ کیا پھر یہ شکست کیوں ہوئی؟ درحقیقت نہ خدا کوئی چیز ہے نہ اُس نے کوئی وعدہ کیا تھا یہ سب ڈھکوسلے ہیں اسکی تردید میں یہ آیت مکمل نازل ہوئی۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ پوری آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں تمہاری خاطر خواہ جیت ہوگئی تھی لیکن چونکہ تم نے خود رسول اللہ کے فرمان کی مخالفت کی اور خلاف حکم رسول مورچہ چھوڑ دیا اور مال غنیمت کے پیچھے پڑ گئے رسول اللہ نے ہر چند آوازیں دیں لیکن تم نے ایک نہ سُنی اسلیئے معاملہ برعکس ہوگیا خدا تعالیٰ نے دشمنوں کے رخ سے تم کو پھیر دیا وہ گھاٹی کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اُن کا خوف تم پر چھا گیا اور ہزیمت اٹھانی پڑی اور باوجودیکہ یہ شکست تمہارے فعل کا نتیجہ تھا مگر اللہ نے اس کو سزا قرار نہ دیا بلکہ اس میں مصلحت تھی کہ تمہاری آزمائش ہو جائے اور منافقوں کا نفاق کھل جائے اب خدا نے تمہارا یہ قصور معاف کر دیا آخرت میں اسپر مواخذہ نہوگا۔

آیت کا مطلب یہ ہو کہ خدا تعالیٰ نے جو نصرت و فتح کا وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اُس نے اُسی وقت پورا کر دیا جب تم کافروں کو کاٹ رہے تھے اور بحکم الٰہی اُن کو تہس نہس کر رہے تھے اور وہ پشت پھیر کر بھاگے تھے اور اُن کو شکست ہوگئی تھی حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ لیکن جب تم خود پست ہمت ہوگئے اور اُس حکم میں (جو گھاٹی پر قائم رہنے کا تم کو رسول اللہ نے دیا تھا) آپس میں جھگڑا کرنے لگے کوئی کہنے لگا کہ اب تو ہمارے ساتھی غالب ہوگئے ہیں ہم کو لوٹ میں شریک ہونا چاہیئے اور بعض لوگ کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ کے حکم کی مخالفت نہ کرینگے وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ اور تم نے رسول اللہ کے فرمان سے سرتابی کی حالانکہ فتح و نصرت آنکھوں سے تم کو خدا نے دکھا دی تھی اور مرکز کو چھوڑ کر لوٹ کی طرف متوجہ ہوگئے صرف چند آدمی مورچہ پر باقی رہ گئے۔ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا۔ اس وقت تم میں سے بعض لوگ تو دنیا کے طالب تھے جنہوں نے مرکز کو چھوڑ کر کفار کو لوٹنا شروع کر دیا تھا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ اور بعض آدمی آخرت کے خواہاں تھے اُنہوں نے رسول اللہ کی نافرمانی نہ کی اور حسب ہدایت مورچہ پر قائم رہے ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ تو اُسوقت تمہاری ان تمام غلطیوں کے بعد خدا تعالیٰ نے کفار کی طرف سے تمہارے منہ پھیر دیئے۔ کیونکہ نصرت الٰہی سے مقصود طلب دنیا نہ تھی بلکہ درجات آخرت کی ترقی اور رضاء مولا

کی جستجو اصل نقطۂ نظر تھا۔ تم نے نصرتِ الٰہی کی ناشکری کی۔ لہٰذا خدا نے فتح کو شکست سے تبدیل کر دیا۔ لِیَبْتَلِیَکُمْ تاکہ تم میں سے مخلص اور غیر مخلص کی آزمائش ہو جائے اور منافق و مسلم کی حالت بالکل کھل جائے۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ خیر خدا نے تمہاری غلطی معاف کر دی آخرت میں اس کام سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا کیونکہ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ خدا تعالیٰ تمام عالم پر مہربان ہے مؤمنوں کے گناہ اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے

مقصود بیان:- خدا کا وعدہ ضرور پورا ہوتا ہے۔ خدا کے وعدہ میں کذب محال ہے۔ نفاق و شقاق اور باہمی تنازع موجب وبال ہے۔ اتحاد سے فتح اور نصرت الٰہی شامل حال ہوتی ہے اور اختلاف سے شکست و ہزیمت، ذلت و مغلوبیت۔ فتح و شکست خدا کے ہاتھ میں ہے اتفاق و نفاق اُن کے ظاہری اسباب ہیں۔ رسول اللہ صلعم کے فرمان کی مخالفت سے وبال آتا ہے۔ جہاد بلکہ مسلمان کا ہر فعل لوجہ اللہ ہونا چاہیئے۔ طلبِ دنیا کو اس میں دخل نہ ہونا چاہیئے۔ اگر طلبِ دنیا کے لیئے جہاد کیا جائے گا تو کامیابی نصیب ہونی دشوار ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے مصیبت و غم مومنوں کی آزمائش کے لیئے آتا ہے تاکہ مخلص و غیر مخلص کی حالت ظاہر ہو جائے۔ جنگِ اُحد میں مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی تھی یا کفار سے شکست کھا کر بھاگ گئے تھے اُن کا گناہ خدا نے معاف کر دیا۔ گناہ کبیرہ بھی معاف ہو سکتا ہے۔ گناہ کبیرہ کرنے کے بعد بھی مسلمان مسلمان رہتا ہے۔ دنیا میں ہر قسم کی مصیبت اپنی بد اعمالی کی وجہ سے آتی ہے مسلمانوں کو شکست خدا کی نافرمانی کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ وغیرہ۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور پچھلی صف

يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ

میں رسول تم کو پکار رہے تھے اس کے عوض میں اللہ نے تم کو غم پر غم دیا

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ

تاکہ فوت شدہ چیز اور آئی ہوئی مصیبت پر تم غم نہ کیا کرو

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے پھر اس غم کے بعد اللہ نے

مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

تمہارے لئے اطمینانی حالت نازل کی یعنی اونگھ (مسلط کر دی) جو تمہارے ایک گروہ پر

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ

چھا گئی اور ایک گروہ جسکو اپنی جانوں کی پڑی تھی وہ اللہ پر جاہلیت کی

بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ

طرح ناحق بدگمانیاں کر رہا تھا کہہ رہا تھا کیا ہمارا

لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں ہے (اے محمد) کہدو کہ سب کام

كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ

اللہ ہی کے قبضہ میں ہے یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے تھے جن کا اظہار

لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ

تم پر نہیں کرتے تھے کہتے تھے کہ اگر ہمارا کچھ اختیار ہوتا

مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ

تو ہم یہاں مارے نہ جاتے (اے محمد) کہدو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تب بھی

الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

جن کے مقدر میں مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ ضرور نکل کر اپنے مقتل میں آ موجود ہوتے

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا

اور (اس اختیار کی وجہ یہ ہے) تاکہ اللہ اس چیز کی آزمائش کرے جو تمہارے سینوں میں ہو

فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ

دونوں جماعتوں کے مقابلہ کے دن تم میں سے جو لوگ پشت پھیر کر بھاگ گئے تھے

اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ

اُن کو محض اُن کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے لغزش دیدی تھی

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

اور اللہ اُن کو بلاشبہ معاف کر چکا کیونکہ اللہ غفور و حلیم ہے

تفسیر إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ یعنی اپنی اس نافرمانی کو یاد کرو کہ تم سرپٹ بھاگے چلے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ اخیری جماعت میں کھڑے ہوئے تم کو پکار رہے تھے کہ إِلَيَّ عِبَادَ اللهِ خدا کے بندو ادھر آؤ ادھر آؤ میں یہاں ہوں مگر کسی نے نہ سنا۔ اصل واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب کافروں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگنے لگے تو مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے پکارنا شروع کیا کہ آگے مت جاؤ میری طرف آؤ مگر لوگ بے تحاشا مال غنیمت کے لالچ میں بھاگے چلے جارہے تھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اس سے حضور اقدسؐ کو بہت رنج ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید جو اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور کافروں کے فوج کے قائد تھے درّہ کو خالی پاکر آپڑے اور مسلمانوں کی پشت کی طرف سے حملہ کردیا مسلمان چونکہ غافل تھے اس ناگہانی حملہ سے ایسے سراسیمہ ہوئے کہ آپس کے آدمیوں کو بھی دشمن کی فوج سمجھنے لگے اور خود ہی کٹ مرے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں حضرت حذیفہؓ کے والد کو مار ڈالا۔ ہر چند حذیفہ کہتے تھے کہ لوگو یہ میرے باپ ہیں مگر کسی نے نہ سنا اسی گھبراہٹ میں اکثر انصار شہید ہوئے۔ ابن قمیہ ملعون نے حضور اقدس کے رخسار مبارک کو زخمی کردیا اور آپ کی طرف بڑھا مصعب بن عمیر نے روکا تو ابن قمیہ نے مصعب بن عمیر کو شہید کردیا اور سمجھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کردیا اور یہ خبر جاکر اپنے ساتھیوں کو سنائی۔ فوراً کسی کافر نے آواز دی کہ محمدؐ قتل کردیے گئے۔ یہ سنتے ہی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھاگے اور ایسے بدحواس ہوئے کہ مڑ کر پیچھے نہ دیکھا۔ حضور والا سات یا نو یا بارہ جانبازوں کے ساتھ میدان میں جمے رہے پھر تھوڑی دیر کے بعد صحابہ کو حضورؐ کی سلامتی کی اطلاع ملی تو سب جمع ہوگئے۔ حضرت طلحہ نے اُس روز بڑی جانبازی کی کچھ اوپر اسی زخم کھائے مگر میدان سے کنارہ کش نہ ہوئے آیات قرآنی میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ یعنی تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہ مانا اور سرپٹ کفار کے پیچھے مالِ غنیمت کے لالچ میں پڑ گئے اور رسول اللہؐ کو رنج پہونچایا تو اس کے عوض خدا نے بھی تم پر غم ڈالدیا۔ یا یہ مطلب کہ تمہاری سرتابی کی وجہ سے خدا نے تم پر غم بالائے غم ڈالا ایک مالِ غنیمت فوت ہونے کا غم دوسرا شکست کا رنج۔ مگر چونکہ طلب دنیا بھی بہ نیتِ دین تھی اسلئے خدا نے اس ہزیمت کو بھی تمہاری پختہ ارادی اور ثباتِ ایمان کا ذریعہ بنا دیا۔ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ اور اس لیئے تم کو اس مصیبت میں مبتلا کیا کہ جو مالِ غنیمت تم سے فوت ہوگیا اور جو شکست تم کو ہوئی اُس پر تم رنجیدہ نہ ہو یعنی تم عادی ہوجاؤ کسی کامیابی کے فوت ہونے یا شکست پڑنے سے غمگین نہ ہوجایا کرو جس طرح کہ اس شکست سے ایسے بدحواس ہوئے کہ اسلام کی مدد و حمایت اور خدا کی فتح و نصرت کو بھی بھول گئے۔ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اور خدا کو تمہارے تمام اعمال کی پوری پوری اطلاع ہے کوئی حرکت تمہاری اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا۔ اس شکست میں جو لوگ شہید ہوئے وہ ہوگئے اور جو میدان سے ہٹ گئے وہ ہٹ گئے جو دس بارہ آدمی میدان میں باقی رہے اُن پر اللہ کی طرف سے اونگھ طاری ہوگئی تاکہ کسل و ملال دفع ہوکر چستی اور ہمت پیدا ہوجائے اور یہ صورت ہوئی کہ سب کی ٹھوریاں سینہ سے لگ گئیں اور تلواریں ہاتھوں سے گرنے لگیں۔ حضرت زبیرؓ کہتے ہیں میں اسی اونگھ کی حالت میں خواب کی طرح معتب بن قشیر منافق کا قول سُن رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ جسکا بظاہر مطلب تو یہ تھا کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی ہمارا کچھ اختیار نہیں ہے سب اختیار اللہ ہی کو ہے مگر واقع میں اس قول سے منافقوں کا یہ مطلب تھا کہ ہماری رائے پر چلتے تو یہ شکست اٹھانی نہ پڑتی۔ خدا تعالیٰ نے اس مکمل آیت میں اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے منافقوں کے اس قول کی تردید فرمادی۔ حاصل آیت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس غم و اندوہ کے بعد کسل و تھکان دور کرنے کے لئے تم پر ایک اونگھ مسلط کردی جو يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ تم میں سے ایک گروہ پر چھا گئی اور جو مومن میدان جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب جمے رہے تھے اُن کی آنکھیں جھپک گئیں۔ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ لیکن جو گروہ منافقوں کا تھا اُسکو اپنی جانوں کی پڑی تھی اُسکو یقین نہ تھا کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فتح نصیب کریگا بلکہ اُس کا خیال تھا کہ اب رسول اللہ اور مسلمان کبھی زندہ بچکر نہیں آسکتے۔ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ط یہ لوگ خدا کے متعلق جاہلوں کی طرح بالکل غلط دماغ تراشیاں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور شہید ہوجائینگے بچ کر نہیں آسکتے اور یہ بھی يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ط وہ کہتے تھے کہ جس ظفر و فتح کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اُس میں سے کچھ بھی حاصل نہوا اور ہمارا اس میں کیا بس ہے سب معاملات تقدیری ہیں۔ تدبیر تقدیر پر غالب نہیں آسکتی۔ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ط درمیان میں جملہ معترضہ منافقوں کے خیال کی تردید کے لیے لایا گیا یعنی اے نبی آپ کہدیجئے کہ ہاں جو کچھ خدا چاہتا ہے کرتا ہے اُسکی مشیت میں کسی کو دخل نہیں۔ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ یعنی اگرچہ بظاہر تو وہ یہی کہتے ہیں کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی مگر درحقیقت اس سے مراد ان کی اور ہے جو انکے دلوں کے اندر پوشیدہ ہے ظاہر اور کچھ کہتے ہیں اور باطن میں اس کے خلاف خباثت پوشیدہ رکھتے ہیں يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ

شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارا بس ہوتا اور ہمارے قول پہ عمل کیا جاتا تو پھر یہ شکست کیوں ہوتی اور کیوں اس طرح مارے جاتے ہم مدینہ سے نہ نکلتے تو ہرگز قتل نہ ہوتے۔ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اے نبی آپ ان سے کہدیجئے کہ اگر تم مکانات کے اندر بھی چھپکر بیٹھ رہتے لیکن جس شخص کی قسمت میں قتل ہونا لکھا تھا وہ ہرگز نہ بچ سکتا لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ بلکہ میدان کارزار میں نکل کر ضرور مارا جاتا اور گھر میں بیٹھ رہنا سودمند نہوتا غرض یہ کہ قضاء الٰہی تو لامحالہ ہونے والی ہے جن لوگوں کے مارے جانے کے متعلق ازلی حکم ہوچکا تھا اگر تم اُن کو گھر میں لیکر بیٹھ بھی رہتے اور جہاد سے نافرمانی کرتے تب بھی وہ لوگ نکلکر کسی بہانہ سے وہاں پہونچتے جہاں اُن کا مقتل تقدیر میں لکھا جاچکا ہے۔ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ خدا تعالیٰ نے جنگ احد میں یہ شکست و ہزیمت اس واسطے تم پر مسلط کی کہ تمہارے سینوں میں جو نفاق و اخلاص پوشیدہ ہے اُسکی آزمائش ہوجائے اور لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ کون مخلص ہے اور کون منافق وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ پھر جن لوگوں کے دلوں میں خالص ایمان اور یقین ہے اُس کا نکھار ہوجائے اس مصیبت کی کسوٹی سے اُن کے ایمان میں اور پختگی پیدا ہوجائے اور عام لوگوں کو اُن کے خلوص ایمانی کا پتہ لگجائے مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ امتحان اسلئے تھا کہ خدا کو پہلے سے مومن و منافق کا امتیاز نہ تھا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ خدا کو تو ضرور بہرصورت دلی خیالات اور ارادوں کا علم ہے یہ امتحان صرف عام لوگوں کی واقفیت کے لیئے لیا گیا تاکہ لوگوں کو مخلص وغیر کی تمیز ہوجائے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ جس روز کہ مسلمانوں اور کافروں کی جماعتیں آپس میں بھڑ گئی تھیں اُس روز جو مسلمان پشت پھیر کر میدانِ قتال سے بھاگے تھے اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا اُن کو اُنہی کی بعض بداعمالیوں کی شامت کی وجہ سے شیطان نے ڈگمگا دیا تھا اور چونکہ اُنہوں نے فرمان رسول کی مخالفت کی تھی اسلئے شیطان نے اُن کو فرار پر آمادہ کیا۔ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ مگر خیر خدا نے اُن کا قصور معاف کردیا کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ خدا تعالیٰ غفور ہے گناہگاروں کی گرفت فوراً نہیں کرتا ہے بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کرلیں۔

مقصودِ بیان: مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کرنی تباہی و بربادی کا موجب ہے۔ کسی مقصود کے فوت ہونے یا مقابلہ میں شکست ہوجانے سے بددل اور پست ہمت نہ ہونا چاہیئے۔ جو لوگ راہ خدا میں بیدریغ کوشش کرتے ہیں اور خدا کے بھروسہ پر حق سے نہیں ہٹتے اُن کی خدا بہرصورت امداد کرتا ہے خواہ تمام دنیا اُن کو چھوڑ دے مگر اُن کا مولا اُن کو نہیں چھوڑتا۔ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی جس شخص کی قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ ضرور پورا ہوکر رہیگا خواہ اُس سے بچنے کی ہزار تدبیریں کی جائیں مگر کوئی تدبیر مفید نجات نہیں ہوسکتی۔ خدا کے نیک اور حق کوش بندوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا۔ جو لوگ خود بداعمالیاں کرتے ہیں اُن کو ہی شیطان بھی بہکاتا ہے۔ تمام وبال بداعمالیوں سے آتا ہے۔ خدا کسی گناہگار کی گرفت فوراً نہیں کرتا ہے بلکہ اُس کو توبہ کرنے کی مہلت دیتا ہے۔ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

مسلمانو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو

كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي

اسلام کے منکر ہوگئے اور اپنے بھائیوں کے متعلق جبکہ وہ ملک میں سفر کو نکلتے

الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا

ہیں یا جہاد میں ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو

مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ

نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (اسکی وجہ یہ ہے) اللہ اس خیال کو انکے دلوں میں

حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَ

باعث حسرت بنائے اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور

اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ

اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے اگر تم خدا کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ

مارے بھی جاؤ یا مرجاؤ تب بھی اللہ کی بخشش اور

رَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ وَلَئِنْ مُّتُّمْ

مہربانی اُس مال سے بہتر ہے جسکو وہ جمع کرتے ہیں کیونکہ اگر تم مرجاؤ

اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ○

یا مارے جاؤ تو لامحالہ اللہ ہی کے پاس جمع کیے جاؤگے

تفسیر

سابق آیات میں ذکر تھا کہ منافق کہتے ہیں اگر جنگ میں ہم کو اختیار ہوتا تو ہم مدینہ سے باہر نہ نکلتے اور یہاں قتل نہ کئے جاتے اُس کا جواب دیکر اس آیت میں خدا تعالیٰ مومنوں کو تنبیہ کرنا چاہتا ہے کہ ایسے سست اعتقاد اور عالم اسباب پر دلی توکل کرنے والے نہ بن جاؤ۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تم ان منافقوں کی طرح بد عقیدہ اور خدا سے بے اعتمادی کرنے والے نہ بن جاؤ اور اُس منکر قدرت فرقہ کی طرح انکار قدرت نہ کرو جو ایک تو خود ہی بد عقیدہ کافر ہیں وَقَالُوا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى دوسرے اپنے اُن برادری والوں سے جو اپنے کاروبار کے لئے کہیں چل پھر کر جاتے ہیں اور کسی ملک میں بحالت سفر بتقضاءِ الٰہی مرجاتے ہیں یا کہیں جہاد پر جاتے ہیں اور وہاں بحکم خدا مارے جاتے ہیں لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو ہرگز نہ مرتے اور نہ مارے جاتے کیونکہ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ان باتوں سے دل میں محض حسرت و افسوس پیدا ہوتا ہے اور خواہ مخواہ عذاب روحانی اٹھانا پڑتا ہے قضاءِ الٰہی تو کسی طرح سے ٹالے نہیں ٹل سکتی وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ خدا ہر جگہ اسباب موت پیدا کر سکتا ہے اور بچا بھی سکتا ہے سفر یا جہاد سے بیٹھ رہنا موت کو نہیں روک سکتا اور نہ جہاد میں شریک ہونے سے خواہ مخواہ زندگی قطع ہو جاتی ہے وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اور تمہارے اعمال سے خدا خوب واقف ہے مرنے کے بعد ہر ایک کو اُسکے اعمال کی سزا یا جزا دیگا۔ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ اور بالفرض اگر تم راہِ خدا میں مارے گئے یا خوشنودیٔ خدا کے لئے اپنی موت سے مرگئے تو اس سے بہتر اور کونسی بات ہو سکتی ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ خدا کی ادنیٰ مغفرت اور قلیل ترین رحمت اُس تمام مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جسکو تم جمع کرتے ہو اور اپنے خیال میں اُسکو بہتر سمجھتے ہو کیونکہ کل مال و منال یہیں رہ جائیگا اور رحمتِ الٰہی کام آئیگی وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ اور اگر تم غزوہ غیرہ میں مرگئے یا مارے گئے تو یوں ہی نیست نابود نہ ہو جاؤ گے بلکہ ایک دوسرے پیکر میں حیاتِ جاودانی پاؤ گے اللہ کے پاس جمع کئے جاؤ گے اور یہ شہادت تقرب الٰہی کے حصول کا سبب یا ترقی درجات کا باعث یا مغفرت و بخشش کا موجب ہو گی پھر موت سے بچکر گھروں میں بیٹھ رہنا اور اہل نفاق کے مشورہ کے مطابق عمل کرنا بالکل حماقت ہے اول تو بغیر حکم الٰہی موت آ نہیں سکتی اور اگر مرنے کا وقت ہی آگیا ہے تو کسی طرح موت ٹل نہیں سکتی۔ لہٰذا یوں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر سات کوٹھڑیوں کے اندر بند ہو کر مرنے سے یہ بہتر ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرو زندگی ہے تو بچ جاؤ گے موت آئی ہے تو مرجاؤ گے اور درجۂ شہادت پاؤ گے۔

مقصود بیان:۔ آیت میں امور ذیل کی نہایت بلیغ پیرایہ میں تعلیم دی ہے۔ تقدیر و حکم الٰہی پر سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ ظاہری اسباب بن آئی موت کو لا نہیں سکتے۔ میدان کارزار میں نکلکر اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا تمام دنیا کے عیش و آرام اور مال و منال سے بہتر ہے۔ آیت مذکورہ میں خدا سے بد اعتمادی کرنے، تدبیر پر بھروسہ کرنے تقدیر الٰہی میں شک کرنے اور جہاد سے بیٹھ رہنے کو بقاءِ حیات کا سبب جاننے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور جہاد پر نہایت بلاغت کے ساتھ مسلمانوں کو ابھارا گیا ہے۔ وغیرہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ

یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ (اے محمد) تم اُن کو نرم دل ملے اور اگر تم

فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص

کج خلق اور سخت دل ہوتے تو تمہارے پاس سے وہ منتشر ہو جاتے

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

پس تم اُن کو معاف کر دو اور اُن کے لیے استغفار کرو اور معاملہ میں ان سے مشورہ

فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

لیا کرو اس کے بعد اگر تمہارا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ رکھو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ

کیونکہ اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اگر خدا تمہاری مدد

اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ

کرے تو کوئی پھر تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہی تم کو بے مدد چھوڑ دے تو پھر

ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ

اس کے بعد تمہاری کون مدد کر سکتا ہے مسلمانوں پر لازم ہے

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں

تفسیر

جنگ احد میں جو لوگ بھاگ گئے تھے یا بھاگنے کا انھوں نے ارادہ کیا تھا مدینہ پہونچنے کے بعد اس پر مسلمانوں میں انگشت نمائی ہونے لگی اور مخلص مسلمان اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے اور

مشوروں میں بھی اُن کو شریک نہ کیا جاتا تھا نہ کسی بات میں اُن سے صلاح لی جاتی تھی اس بات سے اُن کی دلشکنی ہوتی تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو لعنت ملامت کچھ نہ کی اور نہ کسی برتاؤ میں فرق کیا۔ چونکہ یہ حرکت اُن سے بمقتضائے بشریت سرزد ہوگئی تھی واقع میں وہ متردد یا ضعیف الایمان نہ تھے اسلئے خدا نے اُن کو معاف کر دیا اور اپنے رسول کو بھی حکم دیا کہ اُن سے درگذر کریں اُن کے لیئے استغفار کریں اور مشورہ میں اُنکو شریک کریں تاکہ اُن کی دلشکنی نہ ہو۔ اس سے اصل مقصود صحابہ اور اُمتِ اسلامیہ کو تعلیم دینی ہے کیونکہ حضور تو اُن کی طرف سے کشیدہ خاطر ہی نہ تھے نہ اُن پر انگشت نمائی کرتے تھے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ چونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ ان لوگوں کے لئے نرم دل اور رحیم ہیں یعنی باوجودیکہ اُنہوں نے آپ کی مخالفت کی مگر آپ نے پھر نرمی سے کام لیا وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ اور اگر آپ درشت مزاج اور بداخلاق ہوتے آپ کا دل سخت ہوتا اور آپ اُن کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے تو وہ آپ کے پاس جمع نہ ہوتے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ لہذا آپ خود بھی اُن کے قصور کو معاف کر دیجئے اور وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ خدا سے بھی اُن کے عام گناہوں کی مغفرت کے لیئے دعا کیجئے۔ کعب احبار کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ آسمانی کتابوں میں رسول آخر الزماں کے یہ اوصاف مذکور تھے کہ وہ بداخلاق اور درشت مزاج نہ ہونگے بازاروں میں بک بک کرتے نہ پھرینگے بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دینگے بلکہ معاف کر دینگے اور درگذر کرینگے۔ چنانچہ حضور کے یہی اخلاق کریمانہ رہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ اور جنگ وغیرہ کے معاملات میں اُن سے مشورہ کر لیا کیجئے تاکہ اُن کی دلشکنی نہ ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے حق میں نازل ہوئی اور انہی ہر دو حضرات سے مشورہ کرنے کا حکم ہوا۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور جب مشورہ کے بعد کسی کام کا پختہ ارادہ ہو جائے تو ظاہری ساز و سامان اور خارجی اسباب پر اعتماد نہ کرو بلکہ خدا پر بھروسہ کرو اور اُسی کے سپرد تمام کام کر دو کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ توکل کرنے والے خدا کو محبوب اور پسند ہیں توکل کرنے والوں کو خدا دنیا میں کامیاب کرتا اور آخرت میں ثواب دیتا ہے اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر خدا تم کو فتحیاب کرنا چاہیگا تو چاہے ظاہری اسباب کامیابی فراہم نہوں پھر بھی تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور تم کو ہی فتح حاصل ہوگی۔ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ اور اگر تمہاری بدکاریوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے خدا تمہاری مدد نہ کریگا اور ذلیل کرنا چاہیگا تو پھر کیسا ہی ساز و سامان تمہارے پاس ہو اور حصول مقاصد کے کتنے ہی ذرائع تم فراہم کر لو مگر کسی میں طاقت نہیں کہ تمہاری مدد کر سکے لہذا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ مؤمنوں کو خدا ہی کی ذات پر بھروسہ اور اعتماد کرنا چاہیئے۔ دنیوی اسباب کو باعث کامیابی سمجھنا چاہیئے۔

مقصود بیان:۔ حضور اقدسؐ کے اخلاق کریمانہ اور مزاج نرم تھا۔ خوش خلقی لوگوں کو تسخیر کرنے والی ہے۔ بدخلقی سے نفرت اور بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ ہر امر میں مشورہ کرنا مناسب ہے۔ کسی کام کا پختہ ارادہ کرنے کے بعد خدا کے بھروسہ پر اُسکو شروع کر دینا چاہیئے۔ اسباب ظاہری پر توکل اور اعتماد نہ کیا جائے۔ خودرائی اور استبداد ناجائز چیزیں ہیں۔ وغیرہ۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ

اور خیانت کرنی نبی کی شان نہیں اور جو شخص خیانت کریگا وہ

بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا

قیامت کے دن اُس چیز کو لیکر آویگا جسمیں اُس نے خیانت کی ہوگی اسکے بعد ہر شخص نے

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَفَمَنِ اتَّبَعَ

جیسا کیا ہوا اُسکا بدلہ پورا پورا دیا جائیگا حق تلفی نہیں کیجائیگی بھلا جس شخص نے خدا کی

رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ

مرضی کے مطابق کام کیئے وہ کیا اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب میں آ گیا اُس

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ هُمْ دَرَجٰتٌ

(مؤخر الذکر) کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے اللہ کے ہاں لوگوں کے درجات

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

مختلف ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اُسکو دیکھ رہا ہے

تفسیر جنگ بدر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کو ملا اُس میں ایک دھاری دار سرخ چادر گم ہوگئی اسپر کسی بد باطن منافق نے امین خدا یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شبہ کیا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۔ مطلب یہ ہے کہ خیانت کرنی کسی نبی کی شان نہیں ہے اور محمدؐ تو اشرف الکونین ہیں پھر وہ خیانت کس طرح کر سکتے ہیں کیونکہ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ جو شخص خیانت کریگا وہ قیامت کے دن خیانت کردہ حق کو لیئے ہوئے آئیگا اور پھر ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا کسی کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہوگی۔

اور انبیاء کو اس پر حق الیقین ہوتا ہے پھر وہ کس طرح خیانت کر سکتے ہیں أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اس کے علاوہ نبی ہمیشہ رضامندی الٰہی کے تابع ہوتا ہے اور خیانت کرنے والا ناراضگی حاصل کر کے اپنا ٹھکانا جہنم میں بناتا ہے تو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں کیا دو ضدین باہم جمع ہو سکتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی نبی خیانت نہیں کر سکتا۔ حاصل ہدایت یہ ہے کہ اگر نبی بعض امور میں تم سے مشورہ نہ کرے اور بعض احکام آسمانی کے مصالح اس خیال سے تم پر ظاہر نہ کرے کہ وہ تمہاری سمجھ سے بالاتر ہیں تو تم کو یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ پیغمبر نے خیانت کر لی کیونکہ نبی خدا کا امین ہوتا ہے اُسکی شان خیانت نہیں نبی کو حق الیقین ہوتا ہے کہ جو کوئی دنیا میں خیانت کریگا قیامت کو اُسکی خیانت ظاہر کیجائیگی اور پھر ہر شخص کو اُسکے اعمال کی پوری سزا دیجائیگی لہٰذا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کے تقسیم کے وقت کوئی مصلحت ملحوظ رکھیں یا مال غنیمت میں کا کوئی حصہ بیت المال میں جمع رکھیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے یا کسی وجہ سے مال غنیمت کی تقسیم میں دیر ہو جائے تو تم کو نبی کی طرف خیانت کرنے کا خیال ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی اہل صلاح اور انبیاء سعادت روحانی اور کمال مراتب کے لحاظ سے مختلف درجات پر فائز ہیں۔ مطلب یہ کہ انکے مراتب میں اگرچہ تفاوت ہے لیکن خیانت کرنی ان میں سے کسی کے شایان شان نہیں۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ اور خدا سب لوگوں کے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ ہر شخص کو اس سے ڈرنا چاہئے اور امانت میں خیانت نہ کرنی چاہیئے۔ خیانت اگرچہ بندوں سے چھپ جائے مگر خدا سے نہیں چھپ سکتی۔

مقصود بیان: آیت مذکورہ میں تہذیب الاخلاق، اصلاح معاشرت اور اصول تمدن کے بہت سے زرّین خزانے مضمر ہیں مثلاً مسلمان پر لازم ہے کہ کسی پر بدگمانی نہ کرے خصوصاً اپنے سردار کی نسبت بدگمانی کرنے سے قطعًا باز رہے تاکہ قوم و ملت کی شوکت و برکت قائم رہے پیشواؤں اور سرداروں کا ادب ملحوظ رکھا جائے۔ خیانت سے قطعًا پرہیز رکھا جائے نہ مال میں خیانت کی جائے نہ رازداری میں نہ احکام الٰہی میں نہ کسی قسم کی امانت میں نہ حاکم و سردار کی اطاعت میں۔ نہ نوکر آقا کے حقوق میں نہ آقا نوکر کے حقوق میں نہ بیوی شوہر کے مال آبرو اور عصمت میں نہ شوہر بیوی کے واجبی استحقاق میں۔

آیت میں ایک لطیف اشارہ عصمت انبیاء کے متعلق بھی ہے اور اس بات کا بھی ضمنی اظہار ہے کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال متشکل ہو کر آئیں گے۔ وغیرہ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ

مسلمانوں پر بلاشبہ اللہ نے احسان کیا کہ اُن کے لئے اُنہی

فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو اللہ کا کلام اُن کو پڑھ کر

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

سناتا ہے اور (شرک سے) اُن کو پاک کرتا ہے اور کتاب و عقل کی باتیں انکو سکھاتا ہے

وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

اگرچہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے

تفسیر

سابق آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کا جرم سرزد نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی معصوم ہوا کرتے ہیں اب اس آیت میں صحابہ بلکہ عام مؤمنوں پر اپنے اُس فضل کا اظہار کیا جا رہا ہے جو کہ بعثت رسول کی شکل میں ظاہر ہوا اور یہ دکھایا جا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے رسول کو اُن کے تزکیۂ اخلاق اور ہدایت و ارشاد کے لئے بھیجا ہے ہر رسول خود خیانت ایسی قبیح حرکات کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ خدا کا یقینًا خصوصیت کے ساتھ صحابہ پر اور عمومًا تمام مؤمنوں پر بڑا احسان و فضل ہے کہ اُس نے ایک عظیم الشان جلیل القدر رسول اُنہی میں سے پیدا کیا کوئی فرشتہ یا جن نہ بھیجا کہ اختلاف نوعی کی وجہ سے وہ اُسکی ہدایت سے فائدہ نہ اٹھا سکتے پھر کسی اور ملک کا باشندہ اور کسی غیر عربی خاندان کے فرد کو بھی نبی بنا کر مبعوث نہ فرمایا کہ اُسکی زبان سمجھنے میں ان کو دشواری پیش آتی بلکہ اُنہی کے شہر و ملک کے ایک شخص کو نبی بنایا جسکی ابتداء عمر سے لیکر انتہاء جوانی تک کے کل حالات کا اُن کو علم تھا اور وہ اچھی طرح واقف تھے کہ اس رسول مکرم کا کل حصۂ عمر تمام انسانی سیہ کاریوں سے پاک ہے پھر اُس نبی برحق نے معجزات و کرامات بھی اُن کو دکھائے تاکہ اُن کے دلوں میں تصدیق رسالت کی طرف سے کوئی شبہ باقی نہ رہے اور سب سے بڑا زندہ معجزہ یہ کہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے قرآن پاک پیش کیا جسکی سلاست بلاغت اور جامعیت بالکل کھلا ہوا معجزہ تھی۔ اور پھر فقط قرآن کی تلاوت ہی نہیں کی بلکہ وَيُزَكِّيْهِمْ اُس پیارے رسول نے اُن کو کفر و شرک کی نجاستوں سے صاف و پاک کر کے ایمان و توحید کے پانی سے غسل دیا شہوانی اور غضبی قوتوں کو صاف و ستھرا کیا اخلاق کو درست کیا اور پاکیزہ بنایا اور دنیا

دین کی سعادت حاصل کرانے کے لئے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ۔
قرآنِ مقدس اور اپنی سنت گرامی کی تعلیم دی جو سراسر حکمت اخلاق پر
مبنی تھی دنیا کا کوئی روشن خیال اور فلسفی حقیقت شناس دماغ رکھنے والا
انسان اسکی سنت پر حکمت کو مضر نہیں ثابت کرسکتا اور نہ خلاف فطرت
کہہ سکتا ہے۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اگرچہ تمام عرب
والے بلکہ عموماً دنیا والے بعثت رسول سے قبل بالکل کھلی ہوئی گمراہی اور مادی
تاریکی میں پڑے ہوئے تھے بے علمی بے عقلی بد خلقی کشت و خون خانہ بدوشی
وحشت و بربریت فسق و فجور بت پرستی اور خانہ جنگیوں میں مبتلا تھے مگر
رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بھائی بھائی بنا دیا اصول تمدن سکھائے
اصلاح معاشرت تہذیب اخلاق اخوت نوعی اتحاد قومی اور اتفاق ملی کی
تعلیم دی اور غیر اللہ کی پرستش کی نجاست سے اُن کو پاک صاف کرکے مجسمہ
ہدایت وارشاد بنا دیا۔

مقصود بیان:۔ رسول اللہ صلعم لوازم انسانیت میں دیگر انسانوں
کی طرح تھے۔ رسول اللہ صلعم بندوں کو بلا واسطہ خدا سے ملا دینے والے تھے
رسول اللہ صلعم کی سنت بعینہ ہدایت قرآنی کے موافق تھی۔ رسول اللہ صلعم
کی بعثت تین امور کے واسطے تھی۔ احکام الٰہی کی تبلیغ، تزکیۂ اخلاق، تجلیۂ روح
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی
خصوصاً عرب کی حالت اخلاق، معاشرت اور تمدن قومی کے اعتبار سے
بہت خراب تھی۔ آیت سے ہم کو امور ذیل کا سبق ملتا ہے: نشست و برخاست
رفتار و گفتار اور زندگی کے ہر حرکت و سکون میں حضور علیہ السلام کے احکام وافعال
کی پیروی کی جائے۔ ہم پر فرض ہے کہ اپنے اخلاق اعمال اور عقائد کی اصلاح
کے بعد دوسروں کی عاقبت کی کوشش کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی تعلیم دنیا میں پھیلائیں۔ قرآن پاک قوانین عدل کی بہترین کتاب ہے
اس کے اندر ملی اور قومی اصلاح کے تمام ضوابط موجود ہیں حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بغیر کسی شخص کا تعلق براہ راست خدا
سے نہیں ہوسکتا۔ وغیرہ۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا

کیا جب تم پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہو یہ کہاں سے آپڑی حالانکہ

قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ

اس سے دوچند تم (کافروں کو) پہونچا چکے ہو (اے محمد) کہدو کہ یہ تمہاری ہی آمدہ

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَمَآ اَصَابَكُمْ

بلاشبہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے اور دونوں جماعتوں

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ

کے مقابلہ کے دن جو مصیبت تم پر آئی وہ بحکم خدا آئی اور (اس کا سبب یہ تھا)

الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ

کہ اللہ ایمان والوں کا امتیاز کرلے اور اُن لوگوں کی تعیین کردے جو منافق تھے

وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(جب) اُن سے کہا گیا کہ آؤ راہِ خدا میں لڑو

اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ

یا دشمنوں کو ہٹا ہی دو تو کہنے لگے اگر ہم لڑنا جانتے تو بیشک تمہارا ساتھ دیتے

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ

یہ لوگ اُس روز بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب تھے

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

اپنی زبان سے وہ باتیں کہہ رہے تھے جو اُن کے دلوں میں نہ تھیں

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا

اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اُس سے خوب واقف ہے یہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے

لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ

(گھر) بیٹھ کر اپنے بھائیوں کے متعلق کہا تھا کہ اگر انھوں نے ہمارا کہنا مانا ہوتا تو مارے

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ

(اے محمد) تم کہدو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے اوپر سے ہی

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

موت کو ٹالدو

تفسیر

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ عبداللہ بن ابی وغیرہ منافق کمزور
مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالتے تھے کہ اگر یہ رسول
برحق ہیں تو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست کیوں ہوئی اور باوجود نصرت
الٰہی کے وعدہ کے یہ مصیبت اسلام پر کہاں سے آئی؟ اس شبہ کا جواب اس
مکمل آیت میں دیا جارہا ہے:۔ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ

قَتَلْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ۔ یہ کیا بات انصاف کی
ہے کہ تم تو کافروں کو بدر میں قتل بھی کر چکے اور گرفتار بھی کر کے لے آئے ستر
کو قتل کیا اور ستر کو گرفتار کیا اب تم پر اُس سے آدھی مصیبت جب آپڑی
کہ تمہارے ساٹھ ستر آدمی شہید ہوئے اور گرفتار کوئی نہیں ہوا تو تم
کہنے لگے کہ ہم پر یہ مصیبت کہاں سے آپڑی حالانکہ اس سے دوگنی مصیبت
میں تم کافروں کو ڈال چکے ہو۔ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اے نبی
آپ ان کو جواب دیدیجئے کہ یہ تمہاری ہی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے اگر تم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی نہ کرتے اور پہاڑ
کی گھاٹی پر جمے رہتے تو یہ مصیبت نہ آتی۔ آیت کے یہی معنی ربیع بن انس محمد بن
اسحق اور سدی وغیرہ نے بیان کیے ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے
جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر آزاد کرنے کے متعلق اشارہ ہے کیونکہ جب
جنگ بدر میں ستر مشرک گرفتار ہوکر آئے تو دشمن نے مالی فدیہ دیکر اُن کو رہا
کرنے کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکر رض کی رائے ہوئی کہ ان کو چھوڑ دیا جائے
حضرت عمر رض کا خیال ہوا کہ نہ چھوڑا جائے بلکہ قتل کر دیا جائے۔ حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر رض کا دل حضرت ابراہیم ع کے دل کی طرح
نرم ہے اور عمر رض کا قول نوح ع کے قول کی طرح سخت ہے۔ پھر حضرت ابوبکر رض
کے قول کو حضور اقدس نے پسند فرمایا۔ یہ فعل مرضی الٰہی کے خلاف ہوا۔
حضرت جبرئیل عتاب آمیز حکم لیکر آئے۔ حضرت علی رض کی روایت سے معلوم
ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل ع نے آکر کہا محمد! آپ کی قوم نے قیدیوں کے حق میں
جو فیصلہ کیا وہ خدا کو پسند نہیں۔ خدا نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ان کو دو باتوں
میں سے ایک بات کا اختیار دیدو یا تو یہ قیدیوں کو قتل کر دیں اور اگر فدیہ
لیکر چھوڑتے ہیں تو یہ شرط ہے کہ جتنے کافروں کو یہ رہا کرینگے آئندہ اُتنے
ہی مسلمان شہید ہونگے۔ حضور والا نے مسلمانوں کو بلا کر اُن کو حکم الٰہی سنایا
مسلمانوں نے جواب دیا یہ ہمارے بھائی بند ہیں اگر ہم فدیہ لیکر آزاد کر دینگے
تو زر فدیہ سے ہم کو تقویت حاصل ہوگی۔ اب اگر ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید
ہو جائینگے تو کیا حرج ہے کوئی بُری بات نہیں ہے چنانچہ احد کے دن ستر
مسلمان شہید ہوگئے (رواہ ابن جریر والنسائی والترمذی) گویا آیت میں
اس طرف اشارہ ہے کہ یہ شکست تو تمہاری خود آوردہ ہے تم گرفتارانِ بدر
کو رہا کرتے وقت شرط کر چکے تھے کہ ہم ستر مسلمانوں کی شہادت پر رضامند
ہیں مگر ان بھائی بندوں کو قتل کرنا ہم کو پسند نہیں لہذا اُسی شرط کی بنا پر
تم میں سے ستر مسلمان شہید ہوگئے اب بددل اور کم ہمت کیوں بنے جاتے
ہو یہ تو تقدیر الٰہی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہ خدا سب کچھ
کر سکتا ہے تم کو مدد بھی دے سکتا تھا اور تمہارے اقرار کے بموجب تم کو ہزیمت
بھی دے سکتا ہے مگر درحقیقت یہ ہزیمت نہیں ہے بلکہ وَمَا اَصَابَكُمْ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ جنگ احد کے دن جب کافروں

اور مسلمانوں کی جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئی تھیں اور تم کو مصیبت
اٹھانی پڑی تھی تو یہ مصیبت بحکم الٰہی اور بمشیت ایزدی تھی اور اس سے مقصود
صرف یہ تھا کہ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا
کہ عام طور پر خالص اہلِ ایمان اور دوغلے منافقین کی حالت کا انکشاف
ہو جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ منافق ہیں اور یہ مخلص مومن ہیں
یہ دوست ہیں اور یہ دشمن ہیں۔ منافقوں کی اُس روز عجب حالت ظاہر ہوگئی۔
وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جب مسلمانوں نے
اُن سے کہا کہ پیچھے کیوں ہٹتے ہو کیوں مدینہ کو لوٹے جاتے ہو آؤ آگے
بڑھو راہِ خدا میں جہاد کرو اور اگر لڑتے نہیں ہو تو کم از کم اَوِ ادْفَعُوْا
ہمارے ساتھ رہ کر ہی دشمنوں کو دفع کرو تمہارے ساتھ رہنے سے ہماری
تعداد کی کثرت معلوم ہوگی اور دشمن خوف کھا کر بھاگ جائیگا اور صرف تمہارے
ساتھ ہونے سے ہی دشمن کی مدافعت ہو سکیگی تم لڑو یا نہ لڑو یہ تم کو اختیار
ہے قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ کہنے لگے ہم کو تو لڑائی آتی
ہی نہیں ہے اگر ہم کو ڈھب کی لڑائی معلوم ہوتی تو ہم تمہارا کہنا مانتے
اور تمہارے ساتھ رہتے۔ یہ درحقیقت مسلمانوں پر طعن ہے کہ تم اصول
جنگ سے ناواقف ہو تم نے ہماری رائے پر عمل نہ کیا اور مدینہ سے باہر
نکلکر لڑنے پر آمادہ ہوگئے تو گویا ہم فنونِ حرب سے ناواقف قرار پائے
لہذا ہم تمہارے ساتھ شامل نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔
هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ہ اُس روز اُن کی
حالت کا انکشاف ہوگیا۔ اس سے قبل اگرچہ بظاہر وہ مسلمانوں کے
ساتھ ملے جلے معلوم ہوتے تھے لیکن اُس روز ظاہر ہوگیا کہ مسلمانوں
کی بہ نسبت کافروں سے ان کا تعلق قریبی ہے يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ
مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ یہ منہ سے کہتے ہیں مگر جو خباثتیں ان کے دلوں
میں بھری ہوئی ہیں وہ ظاہر کے مخالف ہیں اگر ان کے کہنے کے مطابق مدینہ
کے اندر ہی رہ کر دشمنوں کی مدافعت کی جاتی تب بھی یہ مسلمانوں کا ساتھ
نہ دیتے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ہ خدا کو اُن کے پوشیدہ نفاق کی
بہت زیادہ اطلاع ہے وہ خوب جانتا ہے کہ وہ بظاہر مسلمانوں سے ملے
ہوئے ہیں اور باطن میں کافروں سے قربت رکھتے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا
لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا یہ منافق عجب ازلی شقی
ہیں ایک تو خود جنگ و جہاد سے بزدلی کے ساتھ بیٹھ رہے پھر شہدائے احد
کے متعلق جو انہی کے برادری والے تھے کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے
اور مدینہ سے باہر نکلکر لڑائی نہ کرتے تو مارے نہ جاتے گویا یہ خود بھی گمراہ ہیں
اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے
قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ہ اے
نبی تم ان سے کہدو کہ اگر تمہارا یہ قول صحیح ہے کہ جہاد نہ کرنے سے زندگی باقی

رہتی ہے اور موت نہیں آتی تو تم اپنی موت ہی کو دفع کر دو اور گھر میں چھپکر موت سے بچ جاؤ۔ تفسیر سراج میں مذکور ہے کہ جس روز منافقوں نے شہدائے احد کے متعلق یہ بات کہی تھی کہ اگر یہ جہاد میں شریک نہ ہوتے تو نہ مارے جاتے اُسی روز بتقضائے الٰہی ستر منافق مر گئے۔ حاصل مطلب یہ نکلا کہ موت کسی طرح دفع نہیں ہو سکتی اگر قضا آئی ہے تو جنگ میں شامل ہونا اُسکا بہانہ ہو جاتا ہے ورنہ گھر پر بھی موت اپنے مقررہ وقت پر ضرور آئیگی پلنگ پر ایڑیاں رگڑ کے نفاق کی حالت میں کتے کی موت مرنا جہاد میں شہادت پانے کی برابر نہیں ہو سکتی لہٰذا جہاد میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑکر مر جانا کسی طرح بُرا نہیں ہے۔

مقصود بیان: اگر کسی کام میں مسلمان کو سو بار ناکامی ہو جائے پھر بھی ہمت نہ ہارنی چاہیے۔ ہمت کا قائم رہنا عقلمندی اور کامیابی کی دلیل ہے۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ نامردی اور بدنصیبی کی موت سے جوانمردی اور سعادت کی شہادت افضل ہے۔ آیت میں منافقوں کی بُزدلی گمراہی ضلالت انگیزی اور نفاق آفرینی کی صراحت ہے اور مسلمانوں کو اُس سے احتراز کرنے اور اُنکے قول کو نہ ماننے کا ضمنی اشارہ ہے۔ مذکورۂ بالا آیت میں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اہل حق کی شکست بھی بارادۂ الٰہی ہوتی ہے اور کسی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے ورنہ باطل میں یہ قدرت نہیں کہ حق پر غالب آسکے یہ قدرت محض خدا تعالیٰ ہی کو ہے کہ جسکو چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے۔ شکست اور ناکامی انسان کی شامت اعمال سے پیدا ہوتی ہے ورنہ خدا کا وعدہ سچا ہوتا ہے اسکی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اور جو لوگ راہ خدا میں شہید ہو گئے تم اُن کو

اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ

مُردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اُن کے پروردگار کے پاس

يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ

اُن کو روزی دی جاتی ہے اللہ نے جو کچھ اپنے فضل سے اُن کو دیا ہے

فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ

اُنہیں وہ مگن ہیں اور اُن کے پیچھے والے لوگ جو ابھی تک اُن میں جا کر شامل

يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ

نہیں ہوئے اُن کے متعلق بھی اس بات کی اُنکو خوشی ہے کہ اُن کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا

وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ

نہ غم اللہ کے فضل و کرم سے وہ

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

خوشیاں منا رہے ہیں اور اللہ ایمان والوں کا اجر

اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع ۱۷

ضائع نہیں کرتا ہے

تفسیر وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احد کے روز جب تمہارے بھائی شہید ہوئے تو خدا تعالیٰ نے اُنکی روحوں کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھا وہ جنت کی نہروں پر آتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں پھر سونے کی اُن قندیلوں میں جو (جنت میں روشنوں پر) لٹک رہے ہیں لوٹ جاتی ہیں جب ان شہداء کو ہر طرح کا عیش و آرام وہاں ملا تو بولے کاش جو کرم خدا تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیا اُس سے ہمارے بھائی بند واقف ہو جاتے تاکہ جہاد سے نفرت نہ کرتے اور لڑائی میں سستی اور بُزدلی سے کام نہ لیتے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری طرف سے اُن کو خبر پہونچاتا ہوں اُسوقت خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں (رواہ احمد وابن جریر والحاکم وابن حمید والبیہقی وھو صحیح علی شرط الشیخین) ایک اور روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہ اور اُنکے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ قتادہ ربیع اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آیت کا نزول شہدائے احد کے حق میں ہوا ہے اگرچہ آیت کا حکم تمام شہداء کو عام ہے۔

خلاصہ ارشاد یہ ہے کہ راہِ خدا میں جن کو شہادت حاصل ہو جائے وہ مرتے نہیں ہیں اُن کو مُردہ نہ سمجھو بلکہ اُن کو حیات جاودانی اور عیش دائمی حاصل ہے بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وہ حقیقت میں زندہ ہیں قرب الٰہی اُنکو حاصل اور سعادت ابدی اُن کے شامل حال ہو گئی ہے اگرچہ جسمانی اعتبار سے اُنکی زندگی باقی نہیں رہی ہے مگر حقیقی زندگی کے تمام آثار اُن میں موجود ہیں يُرْزَقُوْنَ اُن کو رزق دیا جاتا ہے جنت کی بیشمار نعمتیں جلوۂ الٰہی اور مشاہدۂ انوار اُنکو نصیب ہوتا ہے۔ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اور جو کچھ خدا نے اُن کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اور جو عظیم الشان عنایت اُن کے شامل حال ہے اُس سے وہ بہت خوش ہیں وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ اس آیت کے مفسرین نے دو مطلب بیان کیے ہیں (۱) محمد بن اسحاق اور سدی

نے یہ معنی بیان کیئے ہیں کہ شہدار کو جب خدا تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں اور انوار قدس کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے اور وہ ہر طرح اپنے مقصد میں کامیاب اور خوش ہوتے ہیں تو اب اُن کو اپنے اُن احباب و اقربار کی طرف سے فکر ہوتی ہے جو دنیا میں زندہ ہیں کہ خدا جانے وہ کیسے اعمال کرتے ہیں اور مر کر کہاں جاتے ہیں اور اُن کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے کاش اُن کو ہمارے اس انعام و اکرام کی جو حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہمارے حال پر فرمایا ہے اطلاع ہوجاتی لہذا ان کو وہاں خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ تمہاری برکت سے اُن کو بھی کچھ خوف دغم نہ ہوگا وہ بھی عنقریب تمہارے پاس آجائینگے اور اسی نعمت میں اُن کو بھی حصہ ملیگا جسمیں سے تم کو ملا ہے۔ (۲) سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ جب شہدارِ احد جنت میں داخل ہوئے اور مراتب شہداء پر فائز ہوئے اور تجلیاتِ ربانی سے فیضیاب ہوئے تو اُن کی خواہش ہوئی کہ کاش ہمارے وہ بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں مطلع ہوجاتے کہ ہم کو کس قدر اجر جزیل اور نعمت کاملہ خدا نے عطا فرمائی ہے تاکہ وہ بھی ہماری طرح جہاد میں شریک ہوکر اور لڑ کر رتبہ شہادت حاصل کرتے اور یہی نعمتیں اُن کو بھی ملتیں جو ہم کو ملی ہیں اُن کی اس خواہش کے مطابق خدا تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی اور رسول اللہؐ نے لوگوں کو شہدار کی حالت کی خبر دی اور پھر خدا نے اُن شہداء کو آگاہ کردیا کہ تمہاری پوری حالت کی خبر تمہارے بھائی بندوں تک پہونچادی گئی۔ وہ لوگ یہ سُن کر خوش ہوئے۔ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ - یہ پہلے کلام کی تاکید ہے یعنی خدا کی دی ہوئی نعمت اور اُسکے مزید فضل سے یہ لوگ نہایت خوش ہوتے ہیں اور اس بات سے بھی اُن کو خوشی حاصل ہوتی ہے کہ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ خدا تعالیٰ مومنوں کے اعمال رائگاں نہیں فرماتا بلکہ پورا اجر اُن کو عطا فرماتا ہے۔ اسی وجہ سے خدا نے ان شہیدوں کی کوششوں کو بارآور کیا اور اپنی بیشمار نعمتیں اُن کو عنایت فرمائیں اور وہ اس خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔

مقصود بیان: - جہاد کی ترغیب، اعمال حسنہ کی لطیف ترین پیرایہ میں ہدایت، ہر نیک عمل کی مسلمان کو پوری پوری جزا ملنے کی صراحت، کافروں کی تمام نیک اعمالیاں برباد جانے اور غیر مفید ہونیکی طرف ضمنی اشارہ، راہ حق میں تن من دھن قربان کردینے اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے جان و مال سے دریغ نہ کرنے کی زبردست نصیحت۔ وغیرہ۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ

جن لوگوں نے زخم لگنے کے بعد بھی — اللہ و رسول کا

مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ

کہنا مانا — اُن میں سے نیکوکار اور پرہیزگاروں کے لیئے

وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ

بڑے اجر ہیں — یہ وہی لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا تھا

النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ کے لیئے بڑا سامان جمع کیا ہے تم اُن سے ڈرتے رہنا

فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ

مگر اس بات سے اُن کا ایمان اور بھی بڑھ گیا اور بول اٹھے کہ ہم کو اللہ کافی ہے

وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ

اور وہی اچھا کارساز ہے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے فضل و کرم سے بغیر کسی طرح کا

اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا

دُکھ پہونچے لوٹ آئے — اور اللہ کی

رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝

رضا پر چلے — اور اللہ بڑے فضل والا ہے

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ

یہ (مخبر) محض شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے تم کو ڈراتا ہے

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

مگر تم اُن سے اندیشہ نہ کرو اور مجھ ہی سے ڈرو اگر سچے مسلمان ہو

تفسیر

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ - یہ آیت حمراء الاسد کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی جسکی تفصیل یہ ہے کہ جب ہفتہ کے دن پچھلے پہر حضور اقدسؐ جنگ احد سے واپس ہوئے اور قریش مکہ کی طرف لوٹ گئے تو اتوار کی صبح کو اچانک ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ ابوسفیان مقام روحاء میں پہونچ کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ ہم نے بڑی غلطی کی چند مسلمان رہ گئے تھے انکو یونہی چھوڑ دیا۔ اگر مدینہ میں داخل ہوکر اُن کا بھی استیصال کردیتے تو آئے دن کے جھگڑوں سے نجات ملجاتی لیکن صفوان بن امیہ اُسکو اس خیال سے روکتا تھا کہ کہیں معاملہ دگرگوں نہ ہوجائے اور لڑائی کا پانسہ نہ پلٹ جائے۔ یہ سُن کر حضور اقدسؐ نے منادی کرادی کہ جو لوگ کل کی لڑائی میں میرے ساتھ تھے وہ پھر تیار ہوجائیں حکم گرامی کا سننا تھا کہ فدائیان حق جو زخموں سے چور

اور تھکے ماندے تھے پھر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت اسد کے نو زخم تھے عقیل بن نعمان کے تیرہ زخم تھے۔ عقبہ بن عامر کے بھی نو زخم تھے اور خراش بن صمہ کے دس زخم تھے اور بعض صحابہ تو اس قدر خستہ حال تھے کہ باہم مسلمان ان کو باری باری سے اپنی پشت پر لاد کر لے جا رہے تھے۔ مزید براں نہ کسی کا علاج نہ مرہم پٹی صرف فرمانِ نبوی کی تعمیل تھی جس حال میں تھے اُسی حال میں چل کھڑے ہوئے۔ حضور اقدس ؐ کے ہمرکاب اُس روز ستر مسلمان تھے جن میں سے صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ ذوالنورینؓ شیر خداؓ طلحہؓ زبیرؓ سعدؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوعبیدہ بن جراحؓ ممتاز ہستیاں تھیں۔ جب مدینہ سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر موضع حمراء الاسد میں پہونچے تو اونٹ ذبح کر کے کھاتے اور دن بھر لکڑیاں جمع کر کے شب کو آگ جلاتے تھے۔ اتفاقاً اس مقام پر معبد خزاعی سے ملاقات ہوئی۔ یہ اسوقت تک مسلمان نہوئے تھے معبد نے یہاں سے روانہ ہو کر ابوسفیان سے ملاقات کی جو مقام روحاء میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے سامان درست کر رہا تھا۔ ابوسفیان نے معبد سے مسلمانوں کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے مسلمانوں کی خداداد شوکت پوری طرح ظاہر کر کے کہا کہ مسلمان تمہارے پیچھے کثیر جماعت لا رہے ہیں جو کل موجود نہ تھے وہ بھی آج موجود ہیں یہ سنکر ابوسفیان گھبرایا اور کہا یہ سچ ہے۔ معبد نے قسم کھائی اور جواب دیا خود آنکھوں سے دیکھ لوگے اب گھوڑے نظر آئے جاتے ہیں تم کو خود معلوم ہو جائیگا۔ ابوسفیان اور اُسکے ہمراہی خوف زدہ ہو کر چل کھڑے ہوئے راہ میں قبیلہ عبدالقیس کا ایک قافلہ ملا جو مدینہ جا رہا تھا اس سے ابوسفیان نے کہا کہ لوگو میں تمہارے یہ سارے اونٹ بازار عکاظ میں کشمش سے بھر دونگا تم ایک چال چلو وہ یہ کہ محمدؐ سے نلکر کہنا کہ ابو سفیان نے تمہارے استیصال کے لیئے ایک جرار لشکر فراہم کیا ہے۔ چنانچہ یہ قافلہ جب حمراء الاسد میں پہونچا تو قافلہ والوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچائی تو سب نے بالاتفاق نہایت استقلال سے کہا کہ اللہ ہم کو کارساز کافی ہے۔

بعض مفسرین نے آیت اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ کا شان نزول بدر صغریٰ کو قرار دیا ہے کہ کفار مکہ جنگ احد سے لوٹتے وقت کہہ گئے تھے کہ آئندہ سال بدر میں لڑائی ہوگی لیکن پھر کفار کی ہمت نہوئی اور نعیم بن مسعود اشجعی کو کچھ روپیہ کا لالچ دیا کہ جا کر مسلمانوں کو خوف دلائے۔ تاکہ نہ آنے کا الزام مسلمانوں کے سر رہے مگر مسلمان نہ ڈرے اور وقت پر بدر میں آ پہونچے چونکہ کفار نہ آئے اسلیئے جنگ نہ ہوئی بدر کے قریب ایک بازار لگا کرتا تھا مسلمانوں نے وہاں خوب خرید و فروخت کی اور کافی نفع اٹھایا یہ ۴ھ کا واقعہ ہے۔ اب ہم تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اُن پاک طینت اور فرمانبردار مؤمنوں کا اجر ضائع نہیں فرمائیگا جنہوں نے باوجود ہزیمت خوردہ اور زخمی ہونے کے بھی خدا اور اُس کے رسول کے فرمان سے سرتابی نہ کی اور ہمہ تن اطاعت کو اپنا شعار بنالیا۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ ان میں سے جو لوگ اوامر و نواہی کے پابند ہیں نیکیاں کرتے اور ممنوعات سے بچتے ہیں اُن کے لیئے قیامت کے دن بہترین ثواب ہے اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ یہی وہ مخلص وفا شعار بندے ہیں کہ جب نعیم بن مسعود اشجعی نے ان سے آکر کہا کہ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ مکہ والوں نے تمہارے مقابلہ کے لئے ایک عظیم الشان جرار لشکر جمع کیا ہے اسلیئے تم کو اُن سے ڈرنا چاہیئے اور مقام بدر میں لڑنے کو نہ جانا چاہیئے بلکہ مدینہ کو واپس چلا جانا مناسب ہے۔ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا تو اس کلام سے اُن کے ایمان میں اور پختگی پیدا ہوگئی بجائے خوف زدہ ہونے کے اور جرأت بڑھ گئی یعنی کفار کی کثرت کی خبر سن کر اُن کے دل میں خدا کی طرف رجوع کرنے کا اور جذبہ بڑھ گیا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ۔ اور کہنے لگے ہم فوج کی کثرت اور ساز و سامان کی افزونی پر اعتماد نہیں کرتے اور نہ فوجی طاقت سے ڈرتے ہیں ہمارا بھروسہ خدائے واحد پر ہے وہی ہمارے لئے کافی اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے۔ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ اس توکل علی اللہ اور خدائی اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا کہ مؤمن صحیح سلامت اور مالی منافع حاصل کر کے بدر سے مدینہ کو واپس آئے لَمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ کوئی جسمانی نقصان اُن کو نہ پہنچا نہ کوئی زخمی ہوا نہ قتل ہوا اور مالی منافع کے علاوہ وَاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ خدا اور اُسکے رسول کی فرمان پذیری سے خوشنودی خدا حاصل ہوئی اور رحمت خداوندی اُن کے شامل حال ہوگئی۔ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ کیونکہ اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں پر بالآخر کرم کرتا ہے اور انجام میں اُن ہی کو کامیاب کرتا ہے اور اُن کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ درحقیقت نعیم بن مسعود شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے تم کو ڈراتا تھا اور اُن کی کثرت و غلبہ کا تم کو خوف دلاتا تھا مگر فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ تم کو اُن سے قطعاً خوف نہ کرنا چاہیئے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ محض مجھ سے ڈرنا چاہیئے میری نافرمانی نہ کرنی چاہیئے ہر وقت میری رضا جوئی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم سچے ایماندار ہو اور یقین رکھتے ہو کہ فتح و شکست میرے ہی دستِ قدرت میں ہے فوجِ اعداء کی افزونی اور کمی کو اس میں دخل نہیں ہے۔

مقصود بیان:۔ جہاد حق پر برانگیختگی۔ اوامر و نواہی پر پابند رہنے کی ہدایت۔ احکام رسول کی بہرصورت اور بہرحالت تعمیل کی فرضیت۔ شرکاء احد اور شرکاء بدر صغریٰ کی مدح۔ اس امر کی طرف واضح اشارات کہ فتح و نصرت، فوج کی کثرت و فراوانی پر موقوف نہیں ہے بلکہ امداد الٰہی سے

وابستہ ہے۔ خدا کی مدد کے سامنے ساز و سامان تھوڑا ہو یا بہت اور فوج اعداد کم ہو یا زیادہ دونوں برابر ہیں۔ جو شخص خالق کی رضا جوئی کے لئے گھر سے نکلتا ہے کوئی دشمن اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ خدا تعالیٰ اسکو ہر صدمہ اور ہر تکلیف سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگر جہاد کی نیت خالص ہو اور جہاد کے ذیل میں تجارتی کاروبار بھی کر لیا جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ مومن پر لازم ہے کہ دنیا میں سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرے اور اعانتِ حق میں کسی کی دشمنی کی پرواہ نہ کرے۔ وغیرہ۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي

جو لوگ کفر میں سرگرم رہتے ہیں اُن سے تم کو اندیشہ نہ کرنا

الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ

چاہیئے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ

اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں اُن کو (خیر کا) کوئی حصہ نہ دے

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○

اور اُن کے لئے خصوصیت کے ساتھ بڑا عذاب ہے

تفسیر یہ آیت کفار اہل مکہ اور منافقوں کے حق میں نازل ہوئی۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ایک قوم مرتد ہو گئی تھی اور کفار کی قوت بازو بن گئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے ارتداد سے غم لاحق ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ یہ سابق آیات سے مربوط ہے اور اُنہی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے نبی تم کو ان منافقوں اور کافروں کی حالت پر غم نہ کھانا چاہیئے اور نہ اس بات کا کچھ رنج کرنا چاہیئے کہ یہ کفر کی تیاری اور کوشش کرتے ہیں اور کفر میں بہت زیادہ دوڑ دھوپ کر رہے ہیں کیونکہ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا یہ خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے دین الٰہی میں کوئی ضعف نہ پیدا کر سکینگے جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہ ہو کر رہیگا یہ لوگ ان کا فرانہ ریشہ دوانیوں سے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں کیونکہ ان کے غلو فی الکفر کی وجہ سے يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ خدا کی مشیت اور ارادہ میں یہی ہے کہ یہ آخرت میں ہر قسم کی سعادت سے محروم رہیں اور کبھی ان کو نجات نصیب نہ ہو۔ اور چونکہ انہوں نے ایمان و آخرت کو چھوڑ کر کفر اور دنیا کو اختیار کر رکھا ہے اسلئے خدا بھی چاہتا ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

یہ لوگ دوامی عذاب میں رہیں اور ہمیشہ ہمیش دوزخ میں پڑے سزا بھگتتے رہیں اور چونکہ جو مشیت الٰہی ہے وہ ضرور ہو کر رہیگا لہذا ان کافروں کا غم کھانا بے سود ہے۔

مقصود بیان:۔ کفار کی گمراہی پر غم کھانا یا اُن کے کافر ہونے کی وجہ سے مسلمان کو ڈرنا نہ چاہیئے۔ خدا کو کسی کے کافر ہو جانے سے کوئی نقصان نہیں پہونچتا ہے نہ کوئی خدا کو نقصان پہونچا سکتا ہے۔ انسان کی انتہائی سرکشی کی وجہ سے خدا بھی چاہتا ہے کہ یہ سعادت سے محروم ہو جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر کو مول لیا وہ

لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے بلکہ اُن کے لئے دردناک عذاب مخصوص ہے

تفسیر إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ یعنی جن لوگوں نے نور فطرت کو چھوڑ کر تاریکی کو اختیار کیا اور ایمان سے اعراض کر کے کفر کو پسند کر لیا یعنی منافق اور عام مشرک لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا یہ خدا کو ہرگز کچھ نقصان نہ پہونچا سکینگے دین الٰہی کی اشاعت اور توحید الٰہی کی حقانیت میں ان کے کفر و نفاق سے کوئی خرابی نہ پیدا ہوگی بلکہ ان کے کفر کا وبال خود انہی پر پڑیگا کیونکہ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ان کی سرکشیاں، نفاق انگیزیاں اور کفر شعاریاں عذاب الیم بنکر خود انہی کو قیامت کے دن جلائینگی۔

مقصود بیان:۔ نور فطرت کی خلاف ورزی کرنے والے دین الٰہی میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتے نہ توحید الٰہی کی صداقت میں کسی کے کفر سے کوئی کمزوری آسکتی ہے بلکہ خود انسان خسارہ اٹھاتا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ

کافر یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو اُن کو ڈھیل دے رہے ہیں

خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا

یہ ان کے حق میں بہتر ہے ہم تو صرف اسلئے اُن کو ڈھیل دے رہے ہیں کہ وہ

إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ○ مَا كَانَ اللَّهُ

گناہ میں بڑھتے جائیں اور بالآخر اُن کو ذلت کی سزا ملنی ہے اللہ ہرگز ایسا نہیں

لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ

کہ پاک ناپاک کی تمیز کیئے بغیر مسلمانوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے

يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

جس حالت پر تم ہو — اور اللہ ایسا بھی نہیں

لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي

کہ غیب کی باتوں پر تم کو مطلع کر دے — بلکہ اپنے پیغمبروں میں سے جسکو

مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے — لہذا تم اللہ اور اسکے پیغمبروں پر

رُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ

ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور پرہیزگاری رکھو گے تو تمہارے لئے

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

بڑا اجر ہے

تفسیر

جنگ احد کے بعد مشرکین مکہ اپنی فتحیابی اور کامرانی پر نازاں ہو کر نہایت فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ہم حق مذہب پر ہیں اور مسلمان بالکل غلط راستہ پر ہیں ہم کامیاب اور غالب ہیں اور مسلمان ذلیل و مغلوب ہیں ہمارے پاس دولت و مال ہے ثروت و جاہ ہے مسلمان مفلوک الحال خانہ برباد اور مفلس ہیں ان کے پاس نہ دنیوی ثروت ہے نہ اسباب معاش نہ عزت و جاہ نہ گھر نہ در۔ مدینہ میں خانہ بدوشی کی حالت میں نہایت ذلت و فاقہ کشی سے گذارہ کر رہے ہیں خدا تعالیٰ اس آیت میں منافقین اور مشرکوں کے اس قول کا جواب دیتا ہے کہ:- وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ان کافروں کو یہ گمان ہرگز نہ کرنا چاہئے کہ ہم نے جو ان کو تھوڑی ڈھیل دے رکھی ہے یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور یہ وجہ اسباب دنیوی اور سامان عیش ان کے واسطے مفید ہے کیونکہ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ہم ان کو ڈھیل صرف اس وجہ سے دے رہے ہیں کہ ان کی طغیانیاں گناہگاریاں اور بدشعاریاں بڑھتی رہیں اور ان کی نافرمانیاں مرتبہ کمال کو پہنچ جائیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ جب ان کے معاصی انتہا کو پہنچ جائیں گے تو اس وقت ہم ان کی گرفت کریں گے اور قیامت کے دن ان کو بہت ذلت انگیز عذاب میں گرفتار کریں گے گویا ان کی عمر و دولت کی فراوانی اور دنیوی جاہ و عیش کی ترقی ان کے لئے خدا کی مہربانی نہیں ہے بلکہ قہر ہے جسقدر ان کو ڈھیل ملتی جائیگی اتنی ہی غضب الٰہی میں زیادتی ہو جائیگی۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ منافقوں کا ایک اعتراض جنگ احد کے بعد یہ بھی تھا کہ یہ نبی برحق کس طرح ہو سکتے ہیں حالانکہ ان کی حمایت کرنے والوں کو ایسی فاش شکست اٹھانی پڑی اگر یہ سچے ہوتے تو مسلمان کیوں اس قدر مصائب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ اس اعتراض کو دفع کرتا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:- اے مدعیانِ اسلام خدا کو یہ منظور تھا کہ مصائب میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کرے کہ کون کھرا اور پکا مومن ہے اور کون کھوٹا منافق ہے کیونکہ مصیبت ہی ایمان کے جانچ کرنے کی زبردست کسوٹی ہے خدا تعالیٰ یہ نہیں کر سکتا کہ کھرے کھوٹے اور اچھے برے کو یوں ہی مخلوط حالت میں چھوڑ دے اور لوگوں کو معلوم نہ ہو سکے کہ کون مخلص ایماندار ہے اور کون بے ایمان منافق۔ اب ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ آخر خدا کو امتحان کی کیا ضرورت ہے وہ تو عالم الغیب ہے ہر شخص کی اچھی بری حالت کو جانتا ہے اور اخلاص و نفاق سے واقف ہے پھر کیوں خواہ مخواہ لوگوں کو مصائب میں مبتلا کر کے جانچتا ہے اور ایسا کیوں نہیں کرتا کہ اپنے غیبی علم کے موافق عام لوگوں کو مطلع کر دے کہ فلاں شخص پختہ مومن ہے اور فلاں شخص ریاکار منافق ہے۔ اس کا جواب خدا تعالیٰ دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ خداوند تعالیٰ کی مقتضائے حکمت کے یہ بات سراسر خلاف ہے کہ تم سب کو اسرار غیب پر مطلع کر دے اور ہر شخص کو قبل از وقوع معلوم ہو جائے کہ فلاں کام ایسا ہوگا (اس سے انتظام عالم میں فساد بپا ہو جائیگا) بلکہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وہ لوگوں میں سے جس شخص کو مناسب سمجھتا ہے اپنی رسالت کے واسطے مخصوص کر لیتا ہے اور اسی رسول کو بقدر مناسب امور غیب پر مطلع فرماتا ہے اور جزوی واقعات سے ان کو آگاہ کر دیتا ہے (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جزوی علم غیب تھا منافقوں کے نفاق سے حضور واقف تھے جنگ احد میں پیش آنے والی شکست کا بھی آپ کو علم تھا مگر مصلحت الٰہی کے بموجب حضور اس کا اظہار نہ فرماتے تھے) فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ لہذا تم کو خدا و رسول پر ایمان لانا چاہئے جو کچھ رسول اللہ فرمائیں اس پر یقین رکھنا چاہئے رسول اللہ کے ہر قول کو سچا جاننا چاہئے اور اس کی تعمیل کرنی چاہئے کیونکہ وہ بعلم الٰہی اس کی مصلحتوں سے واقف ہیں وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ اور یہ نہ سمجھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہارا ایمان لانا اور ان کے احکام کی تعمیل کرنا بیکار جائیگا۔ نہیں۔ بلکہ اگر تم دل سے خالص ایمان لاؤ گے اور کفر و نفاق سے بچ کر تقویٰ اختیار کرو گے تو تم کو بڑا ثواب ملیگا۔

مقصود بیان:- مسلمانوں پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے وہ ترقی درجات کا باعث ہوتی ہے۔ اور کافروں کی درازی عمر دولت دنیوی کی فراوانی اور عیش و عشرت کی ترقی ان کے لئے مزید عذاب کا سبب ہے خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے لیکن یہ دنیا دار الاسباب ہے اگر وہ سب عالم کو

امور غیب پر مطلع کر دیتا تو عالم میں فساد پیدا ہو جاتا۔ مصائب کے وقت ثبات قلب اور استقامت اُنہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو خالص مومن ہیں۔ قانون عدل جاری کرنے اور اسرار غیب کا حامل ہونے کے لئے انبیاء کا وجود ضروری ہے۔ آیت میں استقامت صبر رسول اللہ کی پیروی اوامر و نواہی پر کاربند رہنے کی خاص ہدایت ہے اور امور غیب پر مطلع ہونے کی جستجو نہ کرنے کے متعلق ضمنی اشارہ ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے کچھ عنایت فرما دیا ہے اور وہ اس

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ ۖ بَلْ هُوَ

سے بخل کرتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ یہ بخل اُنکے لئے بہتر ہے نہیں بلکہ وہ

شَرٌّ لَهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ

اُن کے حق میں بُرا ہے عنقریب قیامت کے دن اُسی چیز کا اُن کو طوق پہنایا

يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ

جائیگا جسکو خرچ کرنے میں وہ بخل کرتے تھے اور آسمان و زمین کا وارث

وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ع ۱۸ ۹

اللہ ہی ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں جہاد میں بنفس خود شامل ہونے کی ترغیب تھی یہاں راہِ خدا میں مال صرف کرنے کی ہدایت کیجاتی ہے اور نہایت لطیف انداز میں برانگیختہ کیا جا رہا ہے کہ رضاءِ مولا کے حصول کے لئے مال صرف کرنے سے دریغ نہ کرو گویا جان و مال دونوں راہِ خدا میں خرچ کرو اور جان و مال کو محبت الٰہی پر قربان کردو۔ حاصل آیت یہ ہے کہ جو لوگ خداداد نعمتوں پر بخل کرتے ہیں باوجود اپنی ضروریات سے زائد ہونے کے اہل احتیاج کو نہیں دیتے اور جمع کردہ مال کی محبت کو ہروقت طوق گلو بنائے رکھتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم یہ فعل اچھا کر رہے ہیں یہ جمع شدہ مال ہمارے کام آئیگا اور ہم اسکی وجہ سے مالدار اور باعزت کہلاتے ہیں یہ فعل اُن کے لئے اچھا نہیں ہے۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ بلکہ یہ کنجوسی اُن کے لئے بہت بری ہے یہ کہاں کی خوبی ہے کہ خداداد مال کو اس طرح ضرورتمند مخلوق خدا سے بچا کر رکھا جائے اور اُسی کا دیا ہوا مال اُسی کی خوشنودی کے لئے نہ صرف کیا جائے سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جس مال کو انہوں نے کنجوسی کرکے جمع کیا ہوگا عنقریب قیامت کے دن اُسی مال کا اُن کو طوق عذاب پہنایا جائیگا جسطرح دنیا میں انہوں نے محبت مال کو طوق گلو بنا رکھا تھا اسی طرح قیامت کے دن یہ کنجوسی طوق عذاب کی شکل میں انکی گلوگیر ہوگی اور کسی طرح جدا نہ ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور پھر اُس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن یہ مال ایک اژدہائے زہریلے دار کی شکل میں ہوکر اسکی گردن کا طوق ہوگا اور اسکی باچھوں کو کاٹیگا اور چیریگا اور کہیگا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں (رواہ البخاری) وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ یہ اصل مقصود کی تائید ہے یعنی اے مسلمانو آخر تم بخل کیوں کرتے ہو کیوں راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے کیا تمہاری گرہ سے کچھ صرف ہوتا ہے زمین و آسمان اور ان کی تمام کائنات کا مالک تو خدا ہے اُسی نے یہ تمام چیزیں بنائیں وہی سب کچھ دیتا ہے اور آئیں تمہاری یہ مجازی ملک اور ظاہری تصرفات بھی نہ رہینگے وہی کل چیز کا ظاہری اور باطنی مالک ہوگا پھر بخل کرنے کی کیا وجہ۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ اور خدا کو تمہارے اعمال کی بخوبی اطلاع ہے تمہارا کوئی فعل اُس سے پوشیدہ نہیں اگر بخل کروگے خدا اُسکی سزا دیگا راہ خدا میں صرف کروگے تو جزا ملیگی۔

مقصود بیان: اس آیت میں بخل کی صریح ممانعت، جان مال صرف کرنے اور ہر قسم کی انتہائی کوشش امر مرضی مولا کے حصول کے لئے کرنے کی خصوصی ہدایت ہے اور واضح طور پر پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ راہ خدا میں اپنی جان یا مال یا علم وغیرہ صرف کرنے میں دریغ کرتے ہیں وہ مستحق عذاب ہیں۔ قیامت کے دن یہ سب خزانے عذاب کی شکل اختیار کرلینگے۔ آیت میں ضمناً یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان کو محبت مولا میں ہر چیز یہانتک کہ اپنی جان بھی قربان کر دینی چاہئے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ

اللہ نے اُن لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا تھا کہ

اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ۘ سَنَكْتُبُ

اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں اُن کے اس قول کو

مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ

اور ناحق انبیاء کی خون ریزی کو ہم لکھتے ہیں

وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ

اور (قیامت کے دن) کہینگے کہ جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو یہ

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

تمہارے خود کردہ کاموں کی سزا ہے   اللہ اپنے

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

بندوں پر ظلم نہیں کرتا

تفسیر جب آیت وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو راہ خدا میں صرف کرنے کا حکم دیا تو کم بخت یہود بطور مذاق کے کہنے لگے کہ محمد! تمہارا پروردگار تو فقیر و محتاج ہے ہم سے قرض مانگتا ہے ہم مالدار ہیں یہود کا مقصود اس آیت قرآنی کی تکذیب تھی اور وہ بھی بصورت مذاق جو کفر در کفر ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۔ حاصل حکم یہ ہے کہ جن یہودیوں نے کہا تھا کہ خدا محتاج فقیر ہے اور ہم دولتمند ہیں خدا اُن کے قول سے واقف ہے۔ محمد بن اسحاق نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ یہودیوں کے مدرسہ میں تشریف لیگئے جہاں بہت سے یہودی اپنے ایک عالم فنحاص کے پاس جمع تھے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا فنحاص خدا سے خوف کرو اور محمدؐ پر ایمان لے آؤ کیونکہ خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ برحق رسول ہیں اور تمہاری توریت میں اُن کے اوصاف کا بیان موجود ہے فنحاص بولا خدا کی قسم ہم کو اللہ کی احتیاج نہیں وہی ہمارا محتاج ہے ہم اسکے سامنے نہیں گڑگڑاتے وہی ہم سے گڑگڑا کر مانگتا ہے ہم اُس سے زیادہ تونگر ہیں اگر وہ ہم سے تونگر ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا وہ ہم کو سود کھانے سے منع کرتا ہے حالانکہ خود ہم سے قرض مانگتا ہے اور اُس پر چند گنا سود دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ یہ تقریر سن کر ابو بکر سخت غضبناک ہوئے اور زور سے ایک تھپڑ مارا اور فرمایا اُس پاک پروردگار کی قسم جسکے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہمارا تم لوگوں سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا او دشمن خدا جسقدر تجھ سے ممکن ہو ہماری تکذیب کر فنحاص وہاں سے اٹھکر حضور گرامی کی خدمت میں حاضر ہوا اور بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ دیکھئے آپ کے یار نے ہم کو کس قدر ذلیل کیا حضورؐ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا کیوں ابو بکر کیا بات ہوئی؟ کس وجہ سے تم نے اسکو مارا؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دشمن خدا نے بہت ہی سخت بات کہی تھی اور بڑی بدتمیزی کی تھی۔ یہ کمبخت کہتا تھا کہ خدا فقیر ہے ہم سے قرض مانگتا ہے ہم اُس سے زیادہ تونگر ہیں ہم کو اُس کی کوئی احتیاج نہیں وہ ہم کو سود کھانے سے منع کرتا ہے اور خود ہم سے سود در سود پر قرض مانگتا ہے بارگاہ الٰہی میں یہ بدتمیزی مجھ سے نہ سنی گئی اور محض لوجہ اللہ مجھے غصہ آیا جسکو میں ضبط نہ کر سکا اور بے ساختہ میں نے اسکو مار دیا۔ حضورؐ نے یہ سن کر فنحاص کی طرف توجہ کی فنحاص کم بخت صاف انکار کر گیا اور کہنے لگا کہ میں نے اس میں سے ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے۔ اسپر خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضؓ کی تصدیق اور فنحاص کی تکذیب کے لئے آیت مذکورہ نازل فرمائی اور بطور وعید کے فرمایا سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا یعنی ہم اُن کے قول کو اُن کے نامۂ اعمال میں لکھتے جاتے ہیں مطلب یہ کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیدیا ہے کہ وہ انکی گستاخیاں لکھ لیں تاکہ قیامت کے دن اُن کے اقوال و اعمال کی سزا دیجائے۔ اور یہ گستاخی کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ان کے بزرگ تو یہانتک گستاخ تھے کہ داعیانِ حق اور انبیاء قوم کو قتل کر دیتے تھے اور یہ بھی چونکہ اپنے آباؤ اجداد کے اس قبیح فعل کو پسند کرتے ہیں لہذا یہ بھی انہی کے حکم میں داخل ہیں ہم ان کی قولی گستاخیاں بھی لکھتے جاتے ہیں۔ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور وہ فعلی گستاخیاں جو ظالمانہ قتل انبیاء کی شکل میں ان سے سرزد ہوئی ہیں وہ بھی ہم برابر لکھ رہے ہیں۔ وَنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ اور قیامت کے دن ہم فرشتوں کے ذریعہ سے کہلوائینگے کہ اپنے اعمال اور گستاخیوں کی پاداش میں آج دوزخ کا عذاب چکھو مگر یہ اُن کے فعل سے زائد سزا نہ ہو گی بلکہ اُن کا یہ جرم نہایت قبیح اور بُرا ہے اسلئے ہم نے اُن کے واسطے یہ سزا تجویز کی ہے ورنہ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ خدا اپنے بندوں پر ظلم بالکل نہیں کرتا ہے کسی کی حق تلفی نہیں کرتا کسی کو اس کی بداعمالیوں سے زائد عذاب نہیں دیتا۔

مقصود بیان:۔ خدا کی شان میں گستاخی حرام اور موجب عذاب ہے خدا تعالیٰ کسی کی حق تلفی نہیں فرماتا نہ وہ ظالم ہے بلکہ ہر شخص خود اپنے لئے اسباب عذاب مہیا کرتا ہے۔ حکم الٰہی سے سرتابی موجب وبال ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا

یہ لوگ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو حکم دے رکھا ہو کہ کسی

نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ

رسول پر ایمان نہ لانا   تاوقتیکہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے

تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ

جسکو (آسمانی) آگ کھا جائے (اے محمد) کہدو کہ تمہارے پاس مجھ سے پہلے

قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ

بہت سے رسول معجزات اور یہی چیز لیکر آچکے ہیں جو تم کہہ رہے ہو پس اگر تم سچے ہو تو

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِن كَذَّبُوكَ

تم نے ان کو کیوں قتل کر دیا — اس کے بعد بھی اگر وہ تم کو جھٹلائیں

فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُو

تو پروا نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں جو معجزات

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝

اور صحیفے — اور روشن کتاب لے کر آئے تھے

تفسیر ایک مرتبہ کعب بن اشرف مالک بن حنیف وہب بن یہودا زید بن تابوت فنحاص بن عازورا اور حیی بن اخطب یہودی بولے کہ اے محمد! اللہ نے ہم کو توریت میں حکم دیا ہے کہ ہم تاوقتیکہ نبی سے نیاز کا معجزہ نہ دیکھ لیں کہ وہ خدا کے نام کی نذر کرے اور آسمان سے آگ اتر کر اسکو کھا لے اسوقت تک ہم ایمان نہ لاویں اگر تم یہ معجزہ دکھا سکتے ہو تو دکھاؤ ہم تم پر ایمان لے آئینگے اس وقت آیت اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ نازل ہوئی - انبیاء بنی اسرائیل میں سے بعض پیغمبروں کا یہ معجزہ ہوا تھا کہ کوئی چیز جاندار یا بیجان اللہ کے نام کی نکال کر کسی میدان یا پہاڑ پر رکھدی اور غیب سے ایک آگ نمودار ہوئی اور اسکو جلا گئی یہی قبولیت نیاز کی علامت تھی۔ یہودیوں نے بہانہ ڈھونڈھ کر یہ بات نکالی کہ چونکہ تم کو اے محمد! یہ معجزہ نہیں ملا ہے اور ہم کو حکم ہے کہ اس معجزہ کے بغیر ایمان نہ لائیں اسلئے تم پر ایمان نہیں لاتے چونکہ پہلا جز یعنی حق تعالیٰ کا ایسا حکم دینا دعوٰی بلا دلیل تھا بہت سے انبیاء بنی اسرائیل نے بھی یہ معجزہ نہ دکھلایا تھا اسلئے اسکو چھوڑ کر دوسرے جز کا جواب دیا گیا جسکا حاصل یہ ہے کہ تم نے ان انبیاء کے ساتھ کیا کیا جن کو یہ معجزہ دیا گیا تھا اگر ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تو ممکن تھا تمہارا قول قابل اعتبار رہوتا - آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے توریت وغیرہ میں ہم کو حکم دیدیا ہے کہ جبتک کوئی رسول اپنی نذر پیش نہ کرے اور ایک آگ آسمان سے اتر کر اس کو نہ کھا لے اس وقت تک تم اس پر ایمان نہ لانا لہٰذا حسب الحکم ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لاسکتے جب تک تم بھی ہم کو یہ معجزہ نہ دکھادو قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ تو اے نبی آپ ان سے کہدیجئے کہ مجھسے قبل بہت سے انبیاء زکریا یحیٰی وغیرہ نے تمہارے سامنے کثیر معجزات پیش کیے اور جس معجزہ کے تم خواستگار ہو یہ معجزہ بھی دکھایا فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تو اگر تم واقعی سچے ہو اور اس معجزہ کے پیش کرنے پر ہی تمہارا ایمان موقوف ہے تو پھر تم نے انکی کیوں تکذیب کی اور ان کو کیوں قتل کیا - فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی دی جا رہی ہے - ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اے نبی اگر ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو سچا رسول نہ جانا اور آپکے قول پر ایمان نہ لائے تو اس میں آپ کا کچھ قصور نہیں ہے انکی یہ عادت ہمیشہ سے چلی آئی ہے اس سے قبل بھی بہت سے جلیل القدر رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ جو کھلے کھلے معجزات بھی لیکر آئے تھے اور وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ اور پر حکمت آسمانی صحیفے بھی لائے تھے اور روشن دلائل رکھنے والی کتابیں یعنی توریت و انجیل و زبور بھی لائے تھے لہٰذا آپ کو صبر کرنا چاہیئے جسطرح گذشتہ پیغمبروں نے صبر کیا۔

مقصود بیان : — معاندانہ سرکشی اور جاہلانہ سوال کی ضمنی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت صبر اور ثبات کا حکم۔ یہودیوں کے عناد اور طغیان کا اظہار - اس امر کی صراحت کہ حق و صداقت کے اثبات و اظہار کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے ہزاروں واضح دلائل ہدایت انگیز صحیفے اور سود مند سعادت خیز کتابیں نازل کردیں مگر ازلی شقیوں نے ہدایت حاصل نہ کی۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ

ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے — اور لا محالہ قیامت کے دن

اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ

تم سب کو پورا پورا بدلہ دیا جائیگا تو جو شخص دوزخ سے دور رکھ کر

النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا

جنت میں پہونچا دیا گیا اس کا تو کام بن گیا — اور

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ لَتُبْلَوُنَّ

دنیا کی زندگی تو محض دھوکہ کا سودا ہے تمہارے مال اور جانوں میں

فِىْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ

(کمی کر کے) تمہاری آزمائش ضرور کیجاوے گی — اور جن لوگوں کو

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے — اور وہ لوگ

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ

شرک کرتے ہیں اُن سے ضرور بہت سی ایذا کی باتیں سنوگے اور اگر

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

صبر کرتے رہوگے اور پرہیزگار بنے رہوگے تو بلاشبہ یہ بڑی ہمت کے کام ہیں

تفسیر پہلی آیت میں بیان تھا کہ اگر یہ کافر آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو صبر کیجئے گذشتہ انبیاء کی بھی تکذیب کی گئی تھی اور اُنہوں نے بھی صبر کیا تھا۔ اب یہاں ترہیب آمیز ترغیب یا بشارت آمیز انذار کے طور پر ہر شخص کے نتیجہ کا بیان ہے تاکہ بصیرت رکھنے والے ہدایت و اسلام کی طرف پیش قدمی کریں اور کفر و گمراہی سے جہاں تک ممکن ہو جلد فرار کریں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔
كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ ہر شخص کو جسمانی موت کا مزہ چکھنا ہے ہر انسان ضرور مریگا وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس کے بعد قیامت کے دن سب کو اُن کے اپنے اپنے اعمال کی پوری سزا جزا ملیگی کسی پر عذاب ہوگا کسی کو ثواب ملیگا۔ مؤمن اور نیکوکار شخص کو جنت ملیگی اور کافر بداطوار کو دوزخ میں رہنا پڑیگا۔ اُس روز فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ جو شخص دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کردیا گیا اُسکو کامیابی حاصل ہوگئی جو اصل مدعا تھا وہ مل گیا۔ جنت کے ناز و نعم عیش و عشرت دائمی سعادت اور پھر اُس پر دیدارِ الٰہی کا حصول ہوگیا اب رہا دنیوی زندگی میں عیش و طرب اور راحت و آرام جو چند روزہ ہے وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ وہ صرف دھوکہ اور فریب ہی یعنی جو لوگ دنیائی زندگی اور اس کے عیش و آرام مال و دولت جاہ و حشم اور زن و فرزند ہی کو اصل مدعا سمجھتے ہیں وہ دھوکہ میں ہیں یہ سب چیزیں عالم خواب کی طرح چند روز کے بعد خواب و خیال ہو جائینگی لہذا مسلمانوں کو یہاں کی تکلیف اور مصیبت کی کوئی پرواہ نہ کرنا چاہیئے یہ دنیا دارِ امتحان ہے لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ تم کو یہاں مالی نقصانات بھی برداشت کرنے ہونگے ارضی و سماوی مصائب و حوادث سے تمہارا مال بھی تباہ ہوگا اور جانی تکالیف بھی برداشت کرنی ہونگی مگر یہ سب کچھ تمہاری آزمائش کے لئے کیا جائیگا تاکہ غیر اللہ کی محبت یہانتک کہ جان و مال کی وابستگی بھی تم کو نہ رہے۔ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ اور یہودیوں عیسائیوں اور مشرکوں کی طرف سے طعن تشنیع پھبتیاں مذاق گالیاں اور ناگوار کلمات سننے پڑینگے۔ اس آیت کا نزول احد سے قبل ہوا۔ شان نزول وہ ہے جو بخاری نے بیان کی ہے کہ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کو تشریف لے چلے راستہ میں عبداللہ بن ابی منافق کے جلسہ کی طرف سے گذر ہوا مجلس میں مسلمان یہودی اور مشرکین سب ہی جمع تھے حضور اقدسؐ نے وہاں ٹھیر کر نصیحت کرنی اور اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ ابن ابی نے کچھ ایسے کلمات کہے جو مسلمانوں کو ناگوار گذرے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اُسکی تردید کی لوٹ پھیر کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکوں مسلمانوں اور یہودیوں میں باہم گالی گلوچ شروع ہوگئی اور ہاتھا پائی تک نوبت پہونچی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رنگ دیکھ کر سب کو ٹھنڈا کیا اور پھر خاموش اٹھکر سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لے گئے اور جاکر سعد سے ابن ابی کی شکایت کی۔ سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور کی تشریف آوری سے قبل اس علاقہ کے لوگ ابن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے والے تھے لیکن جب حضور یہاں تشریف لے آئے تو وہ ناکام رہ گیا اسی بات کی اُس کو جلن ہے حضور درگذر فرمائیں چنانچہ حضورؐ نے معاف کردیا۔ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اب اگر تم لوگ اس اذیت و تکلیف پر صبر کروگے اور پرہیزگاری سے کام لوگے تو یہ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ بڑی اولوالعزمی کی بات ہے۔

مقصود بیان:۔ موت جسم پر طاری ہوتی ہے اور روح باقی رہنے والی چیز ہے۔ مسلمانوں کو پختہ اور کامل مؤمن بنانے کے لیے قبل از وقوع اس بات کا بیان کہ تم کو آئندہ جانی و مالی نقصانات برداشت کرنے ہونگے کہیں صبر و استقامت کو ہاتھ سے نہ چھوڑ دینا۔

آیت میں کفار کی طرف سے ایذا رسانی پر صبر کرنے اور اتقاءِ الٰہی پر قائم رہنے کی خاص ہدایت ہے اور اس بات کا صاف بیان ہے کہ مصائب پر صبر کرنا اور راضی بقضاء رہنا بڑی اولوالعزمی کا کام ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور جب اہل کتاب سے اللہ نے عہد لیا تھا

الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ

کہ اس کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور پوشیدہ نہ کرنا

فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا

مگر اُنہوں نے اس عہد کو پس پشت پھینکدیا اور اس کے عوض

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○

قلیل قیمت حاصل کرلی تو بہت بری چیز انہوں نے مول لی

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ

جو لوگ اپنی حرکات پر خوش ہوتے ہیں اور

يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا

بے کئے کاموں پر تعریف ہونے کو پسند کرتے ہیں تم

تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ

اُن کو یہ خیال نہ کرنا کہ عذاب سے بچ رہیں گے

لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اُن کے لئے دردناک عذاب ہے اور آسمان و زمین کی سلطنت

١٩

وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ع

١٠

خدا ہی کی ہے اور اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

تفسیر وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یہ آیت مَا يَشْتَرُوْنَ تک یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو اپنے آپ کو اہل کتاب اور اطاعت شعار امت کہا کرتے تھے اور محمدؐ پر ایمان نہ لاتے تھے اور حضورؐ کے اوصاف اور احکام حقہ چھپاتے تھے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ دیکھو یہودیوں سے خدا تعالیٰ نے عہد و میثاق لے لیا تھا کہ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ تم اس کتاب کو بہرحال لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور محمدؐ کے جو اوصاف اس کے اندر مندرج ہیں اُن کو ظاہر کرنا کسی دنیوی مطلب اور مالی فائدہ کے لئے بھی وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ اس کا کوئی حکم نہ چھپانا اور تحریف نہ کرنا لیکن فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ ان یہودیوں نے اس عہد و میثاق کو پس پشت ڈال دیا اور اُس پر عمل نہ کیا بالکل اُسکی طرف سے بے پرواہ ہوگئے۔ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اور اُسکے اختفار کے عوض دنیوی حقیر اور فنا پذیر مال کو پسند کرلیا۔ اپنی سرداری اور ریاست برقرار رکھنے کے لئے اور عام قوم والوں سے مال حاصل کرنے کے لیئے توریت کے اصل احکام کو چھپا دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پوشیدہ کرلیئے۔ خلاصہ یہ کہ اصلی احکام کو حقیر دنیوی دولت کے عوض بیچ ڈالا اور امراء و رؤساء نیز عوام کی خوشنودی مزاج کے لیئے احکام کو بگاڑ بگاڑ کر بیان کیا کیونکہ ان کو خوف تھا کہ اگر اصل واقعات بیان کر دیے جائینگے اور حضور اقدسؐ کے وہ اوصاف ظاہر کر دیے جائینگے جو توریت میں مندرج ہیں تو عام یہودی مسلمان ہو جائینگے اور پھر انکی دینی سرداری جاتی رہیگی۔ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ پس ان کی یہ خرید و فروخت بہت ہی بری ہے نفع کے عوض خسارہ اور فائدہ کے بدلہ میں نقصان انہوں نے لیا ہے۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا یہ آیت منافقوں کے متعلق اُتری جو جہاد میں جاتے وقت ادھر اُدھر کتر جاتے تھے اور نہ جانے پر خوش ہوتے تھے اور جب حضور اقدسؐ جہاد سے واپس تشریف لاتے تھے تو وہ لوگ خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر جہاد میں شریک نہ ہونے کے حیلے بہانے اور عذر معذرت کرتے تھے اور نہایت دیدہ دلیری سے عرض کرتے تھے کہ حضور ہماری خواہش تو ہمرکابی میں چلنے کی تھی لیکن کچھ کام لگ گیا اس وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کرسکے۔ منافقوں کا اس سے مقصود یہ تھا کہ بن کیئے کاموں پر اُن کی تعریف کی جائے اور اُن کو مخلص مؤمن سمجھا جائے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ فریب اور دھوکہ دیکر اکڑتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو فریب دے لیا یعنی جو منافق اکر جھوٹے حیلے بہانے کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے خوب دھوکہ دیا۔ وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا اور اگرچہ وہ جہاد میں شریک نہیں ہوتے مگر بن کیئے کاموں پر اپنی تعریف و مدح کو دل سے چاہتے ہیں اُن کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ بغیر نیکی کیے لوگ اُن کی تعریفیں کریں۔ اے نبی! تم ایسے لوگوں کو سچا خیال نہ کرو اور یہ نہ سمجھ لو کہ واقع میں یہ راست گو ہیں فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ اور یہ بھی نہ گمان کرو کہ ان کو عذاب سے نجات پانے کا کوئی مقام مل جائیگا کیونکہ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ان کے لیئے بہت تکلیف دہ اور دردرساں عذاب تیار ہے ان کو کبھی رہائی نہیں مل سکتی خصوصیت کے ساتھ وہ عذاب الیم انہی کے لیئے تیار کیا گیا ہے خدا کی مار اور اُسکی سزا سے یہ لوگ ہرگز نہ بچیں گے اُن کو اس فعل کی سزا ضرور ملیگی خدا کی گرفت سے یہ لوگ باہر نہیں ہوسکتے کیونکہ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمین آسمان کی ایجاد بقاء اور حکومت کا خدا ہی مالک ہے بارش رزق اور نباتات کے خزانے اُسی کے دست قدرت میں ہیں وہ فقیر و محتاج نہیں ہے اور نہ مجبور و لاچار ہے وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ ان ازلی بدنصیبوں کو دنیا و دین میں عذاب بھی دے سکتا ہے۔

مقصود بیان:- کتمانِ حق اور دنیوی لالچ یا خوف کی وجہ سے تغیر احکام حرام ہے۔ اصلی احکام شریعت کا اظہار بلا کسی خوف و طمع کے واجب ہے۔ رؤساء اور اُمراء کی خوشنودی مزاج حاصل کرنے کے لئے کتمانِ حق حرام ہے۔ توریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے اوصاف و حالات بیان کر دیے گئے تھے مگر یہودیوں نے اُن کو دنیوی طمع کی وجہ سے چھپا لیا

اور توریت کو بدل ڈالا۔ اس سے ثابت ہوا کہ توریت میں تحریف کر دی گئی ہے اور یہ موجودہ کتاب اصل توریت میں نہیں ہے۔

عموماً کسی کو فریب دینا اور خصوصاً اہل حق کو دینی امور میں دھوکہ دینا حرام ہے۔ دین کی آڑ پکڑ کے دنیوی دولت حاصل کرنی ناجائز ہے۔ جو نیکی انسان نے نہ کی ہو اور پھر دنیا والوں کے ذہن میں یہ بات جمانا چاہتا ہو کہ میں نے یہ نیکی کرلی ہے سخت گناہ اور نفاق ہے۔ ان آیات میں مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہے کہ ظاہر و باطن کو ایک رکھنا چاہئے باطن میں غاصب ڈاکو اور ظاہر میں مقدس پیشوا بننا سخت جرم ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ

زمین و آسمان کی پیدائش اور رات دن کے

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

لوٹ پھیر میں اُن عقلمندوں کے لئے (خدا کی عظمت کی) بہتیری نشانیاں ہیں

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا

جو اُٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے

وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ

اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش میں

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ

غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار تونے انکو بیکار

هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ

نہیں پیدا کیا ہے تو پاک ہے ہم کو دوزخ کے عذاب سے

النَّارِ ○ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ

بچا اے ہمارے پروردگار جسکو تو دوزخ میں ڈالے

فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

تو بلاشبہ تونے اُسکو رسوا کردیا اور گنہگاروں کا کوئی بھی

أَنْصَارٍ ○ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ

مددگار نہیں اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کو ایمان کا

لِلْإِيْمَانِ أَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا

اعلان کرتے سنا یعنی یہ کہتے سنا کہ اپنے رب پر یقین رکھو تو ہم ایمان لے آئے، ہمارے رب

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ

تو ہمارے گناہ معاف کردے اور ہماری برائیاں ہم سے دور کردے اور

تَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ○ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا

نیک لوگوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ کر۔ اے ہمارے رب! تو نے اپنے پیغمبروں

وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ

کی معرفت ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ ہمکو عطا کر اور قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ○ فَاسْتَجَابَ

رسوا نہ کر بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ پس اُن کے رب نے انکی دعا

لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّيْ لَا أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ

قبول فرمائی اور کہدیا کہ میں تم سے کسی محنتی کی محنت ضائع نہیں کرتا

مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ

مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کی

بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَأُخْرِجُوْا مِنْ

جنس سے ہو لہذا جن لوگوں نے اپنے دیس چھوڑے اور اپنے گھروں سے

دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا

نکالے گئے اور میری راہ میں اُن کو دکھ پہنچایا گیا اور لڑے اور مارے گئے

لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ

میں اُنکے گناہ ضرور دور کردونگا اور ان کو ایسے باغوں میں اُن کو پہونچا دونگا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ

جنکے نیچے نہریں بہتی ہونگی یہ اللہ کے ہاں سے اُن کو بدلہ ملے گا

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○

اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے

تفسیر

سابق آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ خدا سب کچھ کرسکتا ہے آسمان و زمین کی حکومت اُسی کے قبضہ میں ہے اس پر بعض لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بڑے بڑے معجزات محض عناد کے طور پر طلب کیے۔ کہنے لگے اگر کوہ صفا سونے کا ہو جائیگا تو ہم ایمان لے آئینگے اُس وقت آیت مذکورہ مکمل نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ یعنی آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں جو کچھ نشانات قدرت اور عجائب ہیں کہ ایک مادہ سے مختلف اشیاء کثیف ولطیف سیاہ وسپید روشن اور تاریک کس طرح بنائی گئی ہیں آسمانوں پر کیسے روشن ستارے اور زمین پر کیسے کیسے ہر قسم کے درخت، جاندار اور بیجان مخلوق پیدا کی گئی ہے اور کس طرح نظم کائنات نہایت مرتب صورت میں قائم ہے ادنیٰ مرتبہ سے اعلیٰ کی طرف ترقی اور اعلیٰ درجہ سے ادنیٰ درجہ کی طرف انحطاط کیسا باقاعدہ ہے۔ پھر رات دن کے بدلنے میں کیسے عظیم الشان نشانات قدرت الٰہی ہیں۔ چاند اور سورج کی باقاعدہ رفتار اور وقت معین پر ان کا طلوع وغروب دن اور رات کا چھوٹا بڑا ہونا اور مناسب باضابطہ رفتار کے ساتھ ان کی کمی بیشی یہ سب اشیاء اور حالات بتا رہے ہیں یعنی کہ کائنات عالم تغیر پذیر اور فانی ہے۔ کسی کو کسی حالت میں بقا و دوام نہیں ان سب چیزوں کی پیدائش اور رفتار تغیر میں غور و فکر کرنے کے بعد قدرت الٰہی اور عجز مخلوق کی لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ عظیم الشان نشانیاں عقلمند طبقہ کی ہدایت کے لئے موجود ہیں باقی جو لوگ کودن اور جاہل دماغ رکھنے والے ہیں اور نور بصیرت سے بالکل محروم ہیں اُن کو اس شمع ہدایت سے کچھ فائدہ نہیں مل سکتا۔ جس شخص کی عقل جسقدر پاک اور ہوا و ہوس کے غلبہ سے صاف ہوگی اور نور ایمان سے منور ہوگی اُسی قدر اُس کو آسمان و زمین کی پیدائش اور اختلاف شب و روز اور دیگر عجائب کائنات میں قدرت الٰہی کا کمال نظر آئے گا۔

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ یہ عقلمند طبقہ کے اوصاف کا بیان ہے کہ نور بصیرت رکھنے والے لوگ وہ ہیں جو کائنات عالم کے تغیرات اور عجائب صنعت پر غور کر کے خدائے قدوس کا وجود واحد برحق مان کر اُسکی یاد زبان دل اور روح سے کرتے ہیں اور ہمہ تن اُسی کی یاد میں ڈوبے رہتے ہیں پھر اتفاقی طور پر یاد الٰہی نہیں کرتے بلکہ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ ہر وقت کھڑے بیٹھے لیٹے اُسی کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ ہر وقت ایک خیال اور ہر آن ایک دُھن اُن کو لگی رہتی ہے۔ جو کام کرتے ہیں اُسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اُن کی نشست برخاست، رفتار گفتار، حرکت سکون، خواب و بیداری، کسب و معاش، نکاح و لذت سب چیز خدا کی رضا جوئی کے لئے وقف ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس آیت سے نماز کی طرف اشارہ ہے یعنی کھڑے ہو کر بیٹھ کر لیٹ کر جسطرح ممکن ہوتا ہے نماز پڑھتے ہیں۔

وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور زمین و آسمان کی پیدائش پر غور و فکر کر کے وجود باری اور اُسکی قدرت کاملہ پر اس سے استدلال کرتے ہیں اور بالآخر اسی تفکر و تدبر کے راستہ سے خدائے قدوس کی عظمت جبروت جلال قدرت وسعت علمی اور حکمت و وحدت کے قائل ہو کر پکار اُٹھتے ہیں کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اے پاک پروردگار تو نے ان چیزوں کو بیکار اور غلطی سے بلا ارادہ و اختیار کے پیدا نہیں کیا ہر چیز میں تیری لاکھوں حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں اور عالم میں کسی چیز کا وجود بیکار نہیں ہے۔ سچ ہے۔ (شعر)

اِذَا الْمَرْءُ كَانَتْ لَهٗ فِكْرَةٌ ۔۔۔ فَفِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ عِبْرَةٌ

ہر ورقے دفتر یست ز معرفت کردگار

سُبْحٰنَكَ الٰہی تو ہر قسم کے نقصان و عیب سے پاک ہے تو باطل آفرین نہیں۔ تیری قدرت خلاقہ کامل ہے اور تو اپنی ذات و صفات میں یگانہ و بے ہمتا ہے۔ ہم بقدر امکان تیری تنزیہ و تقدیس بیان کرتے ہیں اور منکر قدرت نہیں ہیں لہذا فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ تو ہم کو آتش دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ یعنی ہم کو اپنی طرف سے نیک اعمال اور اپنی رضا جوئی کی توفیق عطا فرما کیونکہ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ الٰہی جسکو تو نے ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کیا یعنی جسکو تو نے ایمان و توبہ کی توفیق عطا نہ فرمائی اور وہ کافر ہی رہا تو اُس پر تیری طرف سے بڑی رسوائی اور خواری پڑی وہ تیری رحمت سے دور ہو گیا اور ہلاک ہو گیا اور دائمی طور پر سعادت و نجات سے محروم ہو گیا۔ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ کیونکہ قیامت کے دن کافروں کا کوئی مددگار نہ ہوگا کوئی عذاب الٰہی سے نجات نہ دلسکیگا۔ کسی کی مجال نہیں کہ خدا کے سامنے دم مارے۔

رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا الٰہی فطری سو فطری ہدایت کے علاوہ ہم نے ایک منادی کو ندائے ایمان دیتے ہوئے بھی سنا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ اُس پاک پروردگار کو ذات و صفات میں یگانہ و لاشریک سمجھو جو تمہارا خالق رازق زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے ہر دم تم اُس کے محتاج ہو۔ یہ ندا سُن کر ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے (منادی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی یا قرآن مجید ہے) مگر ہم سے اُس کے احکام کی پوری تعمیل نہ ہو سکی اور بہت سے گناہ اور خطا کاریاں ہم سے سرزد ہو گئیں۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا تو اے ہمارے پروردگار تو ہمارے تمام گناہ معاف فرما دے اور اپنی رحمت سے اُن کو چھپا لے۔ وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا اور ہماری سیاہ کاریاں اور خطائیں

باکل مٹادے اور راہِ ایمان پر ہمیشہ ہم کو قائم رکھ یہاں تک کہ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ جب ہم مرنے لگیں تو ہماری روحوں کو قبض کرکے نیکوکار اطاعت شعار بندوں کے زمرہ میں شامل کردے۔ الٰہی اگرچہ ہم سخت گناہگار ہیں مگر رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اے پروردگار! تو ہم کو اپنے وعدہ کے موافق حیات ابدی اور سعادت سرمدی عنایت کرنا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے قیامت کے دن کافروں کیطرح ذلیل وخوار نہ کردینا۔ ہم کو تیرے وعدہ میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے مگر اپنے گناہوں کو دیکھتے ہوئے یہ خیال پیدا ہوتا ہے ورنہ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے تیری طرف سے وعدہ کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ خداتعالیٰ نے قرآن میں مردوں کا تو بار بار ذکر فرمایا ہے لیکن عورتوں کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ عقلمند انسان خدا کو واحد قادر اور خلاق عالم جانکر اُسکی وحدانیت ربوبیت اور تنزیہ کے قائل ہوگئے اور اپنے گناہوں سے اُنہوں نے توبہ استغفار کی تو خدا نے بھی اُن کی دعا قبول فرمائی اور فرمادیا کہ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى میں کسی کی محنت رائگاں نہیں کرتا تم میں سے کوئی ہو مرد یا عورت میں کسی کی کوشش اکارت نہیں کرتا ہوں کیونکہ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ مرتبۂ انسانیت میں تم سب میرے نزدیک برابر ہو سب ایک ہی نسل کے ہو باہم ایک دوسرے سے پیدا ہوئے ہو۔ مرد عورتوں سے اور عورتیں مردوں سے پیدا ہوتی ہیں فرق صرف نیکوکاری اور بداعمالی کا ہے جن کے اعمال نیک ہیں اُن کے مراتب اعلیٰ ہیں اور جو بداعمال ہیں وہ مستحق عذاب ہیں۔ لہٰذا فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا جن لوگوں نے خدا پرستی کی دھن میں اور اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ترکِ وطن کیا۔ غیراللہ کی پرستش چھوڑدی ہوا و ہوس اور شیطانی جذبات سے کنارہ کشی اختیار کرلی وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ اور اپنے گھروں سے خدا پرستی کے جرم میں نکالے گئے اور اُن کو اُن کے دشمنوں نے جلاوطن کردیا جیسے صحابہ قریش اور مہاجرین کبار تھے کہ اہل مکہ نے اُن کو وحدت پرستی کے جرم میں مکہ سے نکال کر باہر کردیا وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ اور خدا کے راستہ میں دینداری اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے جرم میں اُن کو جسمانی اور روحانی تکلیفیں دی گئیں اُن کے دشمنوں نے اُن کو صرف اعلانِ توحید کے جرم میں ہر طرح سے ستایا وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا اور وہ دینِ الٰہی کی حمایت کے لئے اعداءِ اسلام سے لڑے مرے غازی اور شہید ہوئے تو لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ایسے لوگوں کی خطاکاریاں اور غلط شعاریاں میں ضرور مٹادونگا اور عذاب سے رہائی دیکر وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ضرور۔ بالضرور اُن کو سرسبز جنتوں میں داخل کردونگا۔ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مگر یہ سب کچھ جو ہم عنایت کرینگے وہ اُن کے اعمال کے استحقاق کی وجہ سے نہیں عنایت کرینگے بلکہ یہ عوض صرف اپنی رحمت اور فضل سے دینگے وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ اور پھر اس سے بڑھ کر خداتعالیٰ ایک اور اجر جزیل اور ثواب جمیل عنایت کریگا یعنی سعادت ابدی اور دیدار پُر انوار۔

مقصود بیان :- کائناتِ عالم اور موجودات فطری کے تغیرات پر نظر غائر ڈالنے اور اُن سے عبرت حاصل کرنے کی ہدایت اور مصنوعات سے وجود صانع پر استدلال کرنے کی لطف آمیز تعلیم۔ آیاتِ الٰہی اور حقائق اشیاء میں غور کرنے والوں کی مدح۔ دل وجان اور ارکان وزبان سے ہر وقت یادِ الٰہی کرنے کے متعلق لطیف ترین پیرایہ میں ارشاد۔ اس امر کی صراحت کہ عقل ونقل اور درایت وروایت دونوں نہایت بلند آہنگی سے خداتعالیٰ کے واحد اور خلاق حکیم ہونے کی ندا کررہی ہیں۔ خدا کے وعدہ میں عدم کذب کی صراحت بحیثیت عمل ونسل۔ انسان کی دونوں صنفوں یعنی مرد وعورت کے مساوی ہونے کی وضاحت۔ اعلان حق وصداقت اور اعلاءِ توحید کے لئے مصائب تکالیف اور صعوبتیں برداشت کرنے کی مدح۔ اس امر کی تشریح کہ نیکیاں گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہیں وغیرہ۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ○

کافروں کی شہروں میں آمد ورفت تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ

یہ تو تھوڑی سی پونجی ہے اسکے بعد ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری

الْمِهَادُ ○ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ

جگہ ہے ہاں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے اُن کے لئے

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

گھنے باغات ہونگے جن کے اندر نہریں بہتی ہونگی اُن میں وہ ہمیشہ

فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ

رہینگے یہ مہمانی اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس

اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ○

ہے وہ نیکوں کے لئے بہتر ہے

تفسیر بعض مسلمانوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم دیکھتے ہیں کہ دشمنان

خدا تو نہایت فراخ حالی فارغ البالی اور عیش و عشرت میں ہیں اور ہم لوگ تنگدستی اور افلاس میں مبتلا ہیں۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی:۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ۔ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بالاخانہ پر کھجور کی کھری چٹائی پر حضور لیٹے ہوئے ہیں اور کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تکیہ سر مبارک کے نیچے رکھا ہے اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ روم کا بادشاہ باوجود عیسائی ہونے کے اور ایران کا بادشاہ باوجود مجوسی ہونے کے تو انتہائی عیش و عشرت میں ہوں اور حضور والا باوجود رسول خدا ہونے کے ایسی حالت میں ہوں یہ افسوس ناک بات ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلام سُن کر اٹھ بیٹھے اور نہایت استقلال سے فرمایا اے عمر! تم اس خیال میں پڑ گئے کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ اُن کے واسطے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت ہو۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ:۔ اے طالبان حق ان کافروں کا بغرض تجارت ملکوں ملکوں کا سفر کرنا اور حصول جاہ و مال کے لئے دنیا کے شہروں میں پھرنا اور دولتمند ہونا تم کو غلطی میں نہ ڈالے تم انکی دولتمندی کو وقیع سمجھ کر یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ مسلمان باوجودیکہ خدا کے مقبول بندے ہیں پھر کیوں مفلس ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ یہ دنیا کی چند روزہ بہار ہے جسکا مرتے ہی نام و نشان مٹ جائیگا اور انجام دوزخ ہے پھر ایسے حقیر متاع کا کیا اعتبار ہے جو چند روز کے بعد فنا ہو جانے والی اور انجام میں دوزخ میں داخل کرنے والی ہے۔ نفع تو دین کا نفع ہے جو مسلمانوں کا حصہ ہے۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ ہاں حیات جاودانی اور سعادت ابدی اُن نیکوکار بندوں کا حصہ ہے جو اپنی ہر رفتار گفتار اور طور طریق میں خدا سے ڈرتے ہیں لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُن کے لئے خصوصیت کے ساتھ وہ سرسبز اور شاداب باغ ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ اُنکے اندر رہینگے کبھی وہاں سے نہ نکالے جائینگے۔ نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ چونکہ وہ نیکوکار مؤمن بندے اس دنیا میں مسافروں کی طرح بسر کرتے ہیں اور مسافر کے لئے منزل مقصود میں عیش و آرام کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مذکورۂ بالا نعمتیں بطور ضیافت اور طعام مہمانی کے اُن کو ملینگی۔ اور ان کے علاوہ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ جو جو انعامات اور برکات و انوار خدا کے پاس ہیں وہ نیکوکار پاک باطن آدمیوں کے لئے مخصوص ہیں اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ عمرو ابن عاص نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ ابرار وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے باپ دادا اور بزرگوں کی خدمت گذاری کی اور بیٹے پوتے یعنی اولاد کی نگہداشت حقوق میں حسن سلوک سے کام لیا کیونکہ جسطرح تیرے والدین کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیری اولاد بھی تجھ پر حق رکھتی ہے (رواہ ابن مردویہ) حسن بصری کا قول ہے کہ ابرار وہ لوگ ہیں جو چیونٹی کو بھی نہیں ستاتے حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ ہر مؤمن کے لئے موت بہتر ہے اور ہر کافر کے لئے زندگی خراب اور موت بدتر ہے۔ اگر کسی کو اس قول کی تصدیق مطلوب ہو تو آیت وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ پڑھے۔

مقصود بیان:۔ دنیا اور اسباب دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کا اظہار اور اس امر کی طرف اشارہ کہ عزت و اکرام اور فرق مراتب دنیوی دولت و جاہ اور ثروت و عزت سے نہیں ہے نہ ان چیزوں کو جاذب قلب ہونا چاہیئے بلکہ فضیلت و عزت اسلام اور اعمال حسنہ کے ساتھ وابستہ ہے یہ متاع دنیوی ناپائیدار ہے بے مقدار ہے اور عیش جاودانی کے مقابلہ میں ہیچ ہے آیت میں اس بات کو بھی ضمناً ظاہر کر دیا گیا ہے کہ دنیا میں عموماً کافروں اور سرکش بندوں کے لئے عیش آرام اور رفاہیت ہوتی ہے۔ مگر یہ ایک خواب سے بڑھ کر نہیں۔ اور مسلمان نیکوکار بندے دنیا میں اکثر صاحب افلاس ہوتے ہیں تاکہ مالی کشش ان کو اپنی طرف مائل کرکے سعادت آخرت کے حصول سے غافل نہ کر دے

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ

اور بعض اہل کتاب میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو

بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ

اللہ پر اور اُس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی اور اُس کتاب پر جو انپر نازل کیگئی

اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ

ایمان لاتے ہیں اللہ کے آگے جھکے رہتے ہیں اللہ کے احکام کے عوض

اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

تھوڑے دام (دنیوی مال) نہیں لیتے ان ہی لوگوں کا اجر ان کے پروردگار

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○

کے پاس ہے بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے

تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نجاشی شاہ حبش کی وفات کی خبر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھنے کے لیئے صحابہ کو میدان میں نکلنے کا حکم دیا بعض صحابہ نے کہا کہ ہم حبشی کی کیا نماز پڑھیں۔ اسپر نجاشی کے مؤمن خالص اور سچے مسلمان ہونے کے اظہار کے واسطے یہ آیت نازل

ہوئی۔ بعض کے نزدیک حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھیوں کے متعلق جو یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے اس آیت کا نزول ہوا عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ نجران کے چالیس عیسائیوں کے متعلق یہ آیت اتری جن میں سے ۳۲ حبشی اور ۸ رومی تھے اور یہ سب کے سب مسلمان ہو گئے تھے۔ بہرحال مورد خاص ہو یا عام آیت کا حکم ان تمام اہل کتاب کو شامل ہے جو اپنا مذہب چھوڑ کر سچے دل سے مسلمان ہو گئے ہوں خواہ عیسائی ہوں یا یہودی وغیرہ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ: وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ حاصل یہ ہے کہ حبشی رومی عربی اور ایرانی ہونے کو اسلام میں کوئی دخل نہیں نہ کہیں کی سکونت سے مراتب قرب میں اضافہ یا انحطاط ہو سکتا ہے۔ بعض اہل کتاب بھی ایسے ہیں جن کا ایمان خدا پر بھی ہے خدا کو احد خالق رازق وحدہٗ لاشریک لہٗ اور رب العالمین جانتے ہیں اور قرآن پر بھی ان کو یقین ہے وہ دل سے اور زبان سے قرآن کو کلام الٰہی گزشتہ شریعتوں کا ناسخ اور واجب الاتباع قوانین ہدایت کا مجموعہ جانتے ہیں۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ اور توریت وانجیل کو بھی کلام الٰہی جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ قرآن سے قبل ان کے احکام بھی واجب العمل تھے۔

خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ اور اس ایمان سے ان کا مقصود سوا دینی فلاح کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ وہ خدا سے ڈرتے ہیں اور اُسی کے سامنے انتہائی عاجزی و فروتنی کا اظہار کرتے ہیں۔ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ اور عام علماء اہل کتاب کی طرح اپنی کتابوں میں تحریف نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور اپنی کتابوں کے اصلی احکام میں کوئی تبدیل تغیر نہیں کرتے اور دنیوی دولت کے عوض جو نہایت ہی حقیر ہے احکام الٰہی کو فروخت نہیں کرتے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ایسے نیک عہد اور ایماندار اطاعت گذار بندوں کا خصوصی اجر خدا کے پاس موجود ہے جو اُن کو ضرور قیامت کے دن ملیگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملیگا ایک تو اس وجہ سے کہ حضور کی رسالت سے قبل اپنے مذہب پر اخلاص کے ساتھ پابند تھے دوسرا اس وجہ سے کہ بعثت نبوی کے بعد حضور اقدس کے پیرو ہو گئے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ خدا تعالیٰ بلاشبہ تمام مخلوق کا بہت جلد حساب لے لیگا اور ہر ایک کو اُسکے اعمال کی سزا یا جزا عنایت فرمائیگا۔

مقصود بیان: سب آدمی ایک سے نہیں ہیں۔ اعداء اسلام کے گروہ میں بھی بعض نورانی باطن والے خدا کے سعادتمند بندے ہوتے ہیں جو نہایت صفات طینت اور روشن بصیرت رکھتے ہیں۔ اسلام اور صفاء روحانی میں سکونت قومیت ظاہری حسن و قبح اور اختلاف رنگ و نسل کو دخل نہیں ہے۔ خدا کے تمام بندے برابر ہیں۔ فرق صرف ایمان و اعمال کا ہے جو آسمانی قوانین عدل کو ہمیشہ سے ملتے چلے آئے ہیں وہ بہت زیادہ قابل مدح ہیں۔ اس آیت میں نہایت بلیغ پیرایہ میں دعوت اسلام دی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا

مسلمانو! صبر کرو اور مقابلہ پر مضبوطی رکھو

وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اور جہاد کے لیے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کو

تُفْلِحُوْنَ ۝ ع ۲۰ ۱۱

مراد حاصل ہو

تفسیر: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا یہ مکمل آیت تمام اسلامی ہدایات کا گنجینہ اور کل قرآنی نصائح کا نچوڑ ہے اور بیشمار فوائد کی حامل ہے۔ اسی وجہ سے مختلف مفسرین نے مختلف طور پر ہر لفظ کی تفسیر کی ہے اور صحابہ و تابعین نے ہر جملہ کے جدا جدا معنی بیان کئے ہیں۔ ہم ذیل میں جو مختصر تفسیر کہتے ہیں وہ کل تفسیر معانی کا مختصر مجموعہ ہے۔

انسان کے علمی اور عملی فضائل دو باتوں پر موقوف ہیں (۱) ہر وقت رضاء مولا کا طالب ہو اُس سے ڈرتا رہے اور ہر آن ایک دُھن میں لگا رہے شرک نہ کرے۔ خدا کے حقوق باقاعدہ انتہائی شوق اور جانفشانی اور تن دہی سے ادا کرے (۲) دنیوی امور اور معاملات میں کوئی خرابی سقم اور بیہودگی نہ ہونے دے۔ مؤخر الذکر کی دو قسمیں ہیں (۱) خود مشقت اٹھانی تکلیف برداشت کرنی اور ضبط و استقامت قائم رکھنی (۲) ایثار کرنا غیروں کو تکلیف نہ دینا۔ انسانی حقوق ادا کرنا۔ اس میں بھی شق ثانی دو طرح پر ہے (۱) غیروں کے واجبی حقوق ادا کیئے جائیں اور اُن کو ناجائز تکلیف نہ دی جائے (۲) غیروں کے تمام خواہ واجبی ہوں یا نہوں ادا کیئے جائیں اور کسی کو جائز یا ناجائز کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ صلہ رحمی اور کنبہ پروری کیجائے۔ گویا فضائل انسانی کا حصر چار اقسام میں ہو گیا اس آیت میں ان چاروں اقسام کی نہایت بلیغ انداز میں کامل ہدایت موجود ہے۔

قسم دویم کی طرف تو آیت کے مذکورہ بالا ٹکڑے میں اشارہ ہے ارشاد ہوتا ہے مسلمانو! صبر کرو۔ یعنی:۔

دنیا کے تمام مصائب بیماری افلاس قحط خوف غم رنج دُکھ درد سفر خانہ بدوشی فاقہ حکومت کے جور و استبداد اولاد کی موت وغیرہ پر صبر کرو۔

فرائض الٰہی کے ادا کرنے میں جو کچھ دشواریاں اور صعوبتیں پیش آئیں

روزہ میں بھوک پیاس کی تکلیف ہو جہاد میں گرمی سردی سفر میں تھکان دشمن سے مقابلہ اور جان کا خطرہ پیش آئے ندائے حق اعلان صداقت تبلیغ احکام میں نصیحت وہدایت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ میں جو کچھ مصائب اُٹھانے پڑیں جسقدر طعن تشنیع گالیاں زبان درازیاں جیرہ دستیاں اور پھبتیاں برداشت کرنی پڑیں سب پر صبر کرو۔

نفس کا جوش شہوت اور ہیجان غضب روکنے میں جو دشواری اور مشقت پیش آئے اُس پر استقامت رکھو۔ جذبات نفسانیہ کے بندے نہ بنو۔ ممنوعات الٰہیہ اور محرمات شرعیہ سے نفس کو روکے رکھو اور ہر ناجائز خواہش کو دبانے میں جو کوشش ومشقت برداشت کرنی پڑے اُس پر صبر کرو۔

ذات وصفاتِ الٰہی کے پہچاننے اور علوم حقہ کے حاصل کرنے میں جسقدر غور وفکر شب بیداری ترک لذائذ اور مراقبۂ نفس کرنا پڑے سب پر صبر کرو۔ **وَصَابِرُوْا** یہ قسم سوئم کا بیان ہے یعنی مسلمانو! لوگوں کے واجبی اور ضروری حقوق ادا کرو۔ مطلب یہ کہ دشمنوں اور دوستوں کی بداخلاقیاں ہمسایوں اور عزیزوں کی ریشہ دوانیاں خاندان والوں اور شناسائوں کی مکاریاں اور چالاکیاں یگانہ وبیگانہ کی جیرہ دستیاں صبر کے ساتھ برداشت کرو اپنے نفس کو جوش انتقام اور ہیجانِ غضب سے روکو۔ **وَرَابِطُوْا** یہ قسم چہارم کا بیان ہے یعنی مسلمانو! اپنے دلوں کو باندھے رکھو۔ محبت الٰہی میں اپنے دلوں کو باندھو نفس کو لگائو تمام بدنی اور روحانی قوتوں کو مصروف رکھو۔ یا جہاد کے لئے اپنے گھروں پر گھوڑوں کی پرورش کرو۔ یا غنیم سے اپنی فوج کو محفوظ رکھنے کے لئے رات کو نگرانی میں اپنے کو لگائے رکھو یا نماز وجماعت کے انتظار میں دل کو معلق رکھو یا کار خیر کے ساتھ دل کو وابستہ رکھو یا کنبہ پروری اور صلۂ رحمی میں ہر وقت اپنے خیالات اور قوتوں کو آمادہ رکھو۔ **وَاتَّقُوا اللّٰہَ** یہ قسم دل کا بیان ہے یعنی مسلمانو! شرک نہ کرو۔ رضاءِ مولا کے طالب رہو۔ ہر وقت اُس سے ڈرتے رہو اُسکے احکام کی خلاف ورزی سے بچتے رہو غیر اللہ کی محبت سے کنارہ کش رہو۔ محبت مال محبت احباب۔ محبت اولاد اور محبت نفس کو محبت الٰہی پر قربان کردو اُس کے حقوق نہایت کوشش شوق اور رغبت خاطر سے ادا کرو اور ما سوی اللہ کے خیال کو ترک کردو۔ **لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ** ۝ یہ چاروں نصائح اگر اپنے واسطے لائحۂ عمل بناؤگے اور اس مکمل ہدایت کے بموجب عمل کروگے تو امید ہے کہ دنیوی اور دینی سعادت حاصل کرلوگے

مقصود بیان:۔ اس آیت کا اصل مقصود قوت فکریہ کی درستگی عقائد کی اصلاح، تہذیب اخلاق، حسن معاشرت، ایثار، حقوق اللہ اور حقوق الناس کی ادائیگی۔ تمام خلق کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور دیگر فضائل وخصائل کے حصول کی طرف ترغیب دینا ہے جسکی ضمنی تفصیل ہم تفسیری معنی کے ذیل میں لکھ آئے ہیں۔ آیت میں مساوات ملی وقومی، موالات باہمی اور مذہبی غمخواری کی تعلیم دی ہے۔ اخوت اسلامیہ اور معاونت واتحاد کی خصوصی ہدایت کی ہے۔ گویا ضمنی اشارہ اس طرف ہے کہ مال وجاہ عزت وحکومت حسن صورت اور شرافت نسب قابل فخر چیزیں نہیں ہیں۔ فقیر ہوں یا امیر بادشاہ یا مسکین سید ہو یا جولاہا یوسف ثانی ہو یا نفرت انگیز صورت رکھنے والا مذہب وملت کے اعتبار سے سب برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ ہر ایک دوسرے کا بھائی ہے۔ تفرقۂ ملی موجب وبال ہے۔ آیت مذکورہ میں خصوصیت کے ساتھ مصائب کے برداشت کرنے دوسروں کی طرف سے ایذاء پر صبر کرنے اور اعداءِ اسلام سے مقابلہ کے وقت اتفاق واتحاد کے مظاہرہ کے ساتھ استقامت کو قائم رکھنے کی ہدایت ہے اور سب سے اخیر میں اسلامی تصوف کا ایک بے بہا گنجینہ ہے یعنی رضاءِ مولا کی جستجو اور خوفِ خدا مطلب یہ کہ مسلمان کے ہر فعل وقول میں ہر حرکت وسکون میں مرضی مولا کی جستجو کا جذبہ ضرور پوشیدہ رہنا چاہئے۔ عبادت ریاضت فتوحات عالم جہاد وجنگ تجارت زراعت صنعت حرفت اور تمام شخصی جمہوری ملکی ملی معاملات میں رضاءِ مولا کی دُھن ضرور لگی رہنی چاہیئے۔ اور ہر ساعت خوف خدا ضرور دامنگیر رہنا چاہیئے۔ دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی اتقاءِ نفس لازم ہے اور جنگ وجہاد کے موقعہ پر بھی۔ وغیرہ

سُوْرَۃُ النِّسَاءِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّسَبْعُوْنَ وَسَبْعُ اٰیَۃٍ وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُکُوْعًا

سورہ نساء مدینہ میں نازل ہوئی اسمیں ایک سو ستتر آیات اور ۲۴ رکوع ہیں

یہ سورت بروایت ابن عباس وعبداللہ بن زبیر وزید بن ثابت مدنی ہے نقاش کا قول ہے کہ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرتے وقت نازل ہوئی۔ علقمہ کہتے ہیں اس سورت کا ابتدائی حصہ مکی ہے۔ قرطبی کا قول ہے کہ سوا ایک آیت یعنی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا کے یہ پوری سورت مدنی ہے صرف یہ آیت فتح مکہ کے دن عثمان بن طلحہ حجبی کے حق میں نازل ہوئی۔

اس سورت میں ۱۷۵ یا ۱۷۶ یا ۱۷۷ آیات ہیں اور ۳۰۴۵ کلمات ہیں اور ۱۶۰۳۰ حروف ہیں۔ سورۂ نساء کہنے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں عورتوں کے احکام نکاح ومیراث وغیرہ زیادہ مذکور ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

ایک شخص سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کی بی بی کو پیدا کیا

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا

اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا اور اللہ سے

اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ ۚ

ڈرتے رہو جسکے وسیلہ سے تم ایک دوسرے سے مدد مانگتے ہو اور قطع قرابت سے

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○

بھی ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تمہارا نگہبان ہے

تفسیر اہل عرب دور جاہلیت میں جہاں دیگر وحشت و بربریت کا کامل ترین ثبوت پیش کرتے تھے وہاں خصوصیت کے ساتھ یتیموں کے حقوق کی نگہداشت اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور خوبی معاشرت کے لحاظ سے بہت ہی پیچھے تھے۔ یتیموں کا مال اپنا مال خیال کرتے تھے اور مال طیب سمجھ کر ہضم کر جاتے تھے۔ عورتوں کو جانوروں سے زیادہ بدتر خیال کرتے تھے۔ ایک ایک شخص کے پاس بیسیوں عورتیں ہوتی تھیں نکاح و ازواج کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی۔ عورتوں کو مال غنیمت خیال کیا جاتا تھا۔ قرآن پاک کی سابق سورت میں مبدأ و معاد، وحدت ذات و صفات اور دیگر عقائد صحیحہ کی تعلیم دیدی گئی۔ جہاد، نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ وغیرہ کے احکام بھی بیان کر دیئے گئے لہذا اس سورت میں اصلاح معاشرت وغیرہ کے لیے اُن احکام کا بیان کرنا ضروری ہوا جن کا تعلق خصوصی حق العباد سے ہے اور حقوق العباد میں سب سے اہم اور لازمی حقوق یتیموں اور عورتوں کے تھے کیونکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اہل عرب ان دونوں زیردست ہستیوں کے حقوق ادا کرنے میں بہت پیچھے تھے اسلیے اس سورت کی ابتدا ہی میں خاص طور پر یتیموں اور عورتوں کے حقوق کی نگہداشت کی ہدایت ہے اور چونکہ اہل عرب کا اسلامی دور عہد جاہلیت سے بہت زیادہ قریب تھا ابھی تک اُن میں جاہلیت کی خو بو موجود تھی اور قانون اسلامی کی پابندی کے وہ خوگر نہ تھے اسلیے مساوات نوعی اور اتحاد نسلی کا نظریہ پیش کرتے ہوئے خدا سے ڈرنے کی مکرر ہدایت کی گئی تاکہ اول تو خود ہی اسپر غور کریں کہ عورتیں اور یتیم بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ انسانیت کے اعتبار سے ہمکو اُن پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ آدمیت کے لحاظ سے جو حقوق ہمارے ہو سکتے ہیں وہی ان زیردست کمزور ہستیوں کے بھی ہو سکتے ہیں اور پھر اسکے بعد بھی اگر اس ضعیف الخلقت مخلوق کی ادائیگی حقوق میں کچھ جیلی پس و پیش ہو تو خدا سے خوف کیا جائے اور اُسکی نافرمانی و عذاب کے ڈر سے اس بیچاری کمزور کائنات انسانی پر رحم کیا جائے اور اسکی حق تلفی نہ کی جائے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ سے خطاب کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ یہ بربریت و وحشت انسانیت کے خلاف ہے اگر تم کو کامل انسان بننا ہے تو مخلوق خدا کی حق تلفی نہ کرو۔ ایک یہ لطیف رمز ہو سکتا ہے کہ تم سب انسانی اعتبار سے برابر ہو کسی کو کسی پر نسلی تفوق و برتری حاصل نہیں پھر کیوں کمزور صنف اور ضعیف افراد انسان کی حق تلفی کرتے ہو اور کیوں اپنے کو اُن سے برتر سمجھتے ہو ارشاد ہوتا ہے کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ اے لوگو! خدا کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرو وہ تمہارا رب ہے خالق رازق زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے اُس کی شان ربوبیت اس بات کی موجب ہے کہ اُسکی اطاعت و فرماں پذیری کرو۔ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اُسی رب نے تم کو ایک شخص واحد سے پیدا کیا تم سب آدم ہی کی اولاد ہو پھر حسب نسب شکل و صورت مال و جاہ اور حکومت و حشمت پر فخر کرنا اور قوت و خاندان پر نازاں ہونا عقل و مروت کے خلاف ہے تمام بنی آدم برادری میں برابر ہیں سب سے رحم دلی اور ہمدردی کرنی چاہیئے۔ تم سب کو ایک شخص سے پیدا کرنے کی یہ صورت ہوئی کہ اول وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا خدا نے اُسی ایک شخص یعنی آدمؑ سے اُن کی بیوی حوا کو پیدا کیا۔ حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ حضرت آدمؑ کے نطفہ کو اس میں کوئی دخل نہ تھا اسی وجہ سے حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی بیوی قرار دیا۔ کعب، وہب اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حواؑ کی پیدائش حضرت آدمؑ کے جنت میں جانے سے پہلے ہو چکی تھی۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ جنت میں سو رہے تھے کہ حضرت حوا کو بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جب حضرت حوا پیدا ہو گئیں تو وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً پھر ان دونوں کے جوڑے سے خدا نے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ حضرت آدمؑ کے صلبی بیٹے بیس اور صلبی بیٹیاں بیس تھیں۔ کل چالیس اولاد ہیں تھیں پھر اس اولاد کی اولاد ہوئی اور اس طرح نسل انسانی کی افزائش ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام آدمی ایک ہی نسل ایک ہی باپ ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔ سب کے حقوق انسانی برابر ہیں کسی کو کسی پر برتری نہیں لہذا کسی کو کسی کی حق تلفی کرنے کا کوئی استحقاق نہیں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ اور اس خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو جسکے واسطے سے تم باہم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اس کا نام لیکر اور اس کا واسطہ دیکر بھیک مانگتے ہو اور انتہائی مجبوری اور مایوسی کے وقت اُسی کا نام لیکر ایک دوسرے سے حقوق طلب کرتے ہو اور تمام باطل معبودوں کا خیال ترک کر دیتے ہو۔ وَالْأَرْحَامَ اور باہمی رشتہ و ناتے کو ضائع کرنے سے پرہیز رکھو۔ صلہ رحمی اور کنبہ پروری کا لحاظ رکھو۔ عزیزوں سے رشتہ داری

قطع نہ کرو۔ اقربار کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرو۔ وہ محتاج ہوں تو ان کی بقدر امکان پرورش کرو اور بہر صورت اُن کی دلجوئی کرتے رہو۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ۝ اور یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہاری نگرانی کر رہا ہے تمہارے تمام حالات اُس کے پیش نظر ہیں وہ تم کو تمہارے اعمال کی سزا جزا دیگا اور اعمال کی سزا بھگتنے میں تم سب برابر ہو۔ دنیوی فخر و شیخی وہاں کام نہ آئیگی۔ امیر ہو یا فقیر خوش جمال ہو یا بد صورت قوی ہو یا کمزور سب کو اپنے اعمال کا بدلہ ملیگا۔

مقصود بیان:۔ مساوات انسانی اور اتحاد نوعی کا اظہار۔ تفاخر و تفوق کی ممانعت۔ کمزوروں پر رحم اور مہربانی کی تعلیم۔ اعزا کے حقوق کی نگہداشت اور اقربار کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنے کا غیر مصرح حکم۔ اتقاء نفس اور عقیدۂ توحید کی ہدایت۔ احکام الٰہی پر کاربند رہنے کا ارشاد۔ اور کل انسانوں کو اعمال کی سزا جزا ملنے کی طرف ایک لطیف اشارہ۔

وَاٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا

اور یتیموں کو اُن کا مال دیدو اور حرام کو حلال کے عوض

الۡخَبِیۡثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ

نہ لو اور اُن کے مالوں کو اپنے مالوں

اِلٰۤی اَمۡوَالِکُمۡ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حُوۡبًا کَبِیۡرًا ۝

کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ یہ بڑا گناہ ہے

تفسیر اس آیت سے یتیموں کے تین حقوق بیان کئے جاتے ہیں پہلا حق یہ ہے کہ وَاٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَهُمۡ جس وقت یتیم بالغ اور ہوشیار ہو جائیں اور اُن کا مال تمہاری سرپرستی اور تحویل میں ہو تو اُن کا مال اُن کو واپس کر دو کسی قسم کی خورد برد یا ادائیگی میں حیلہ حجت نہ کرو۔ یہ آیت قبیلۂ غطفان کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی یہ شخص اپنے یتیم بھتیجے کا سرپرست تھا جب بھتیجا بالغ ہوگیا اور اُس نے چچا سے اپنے مال کا مطالبہ کیا تو اُس نے دینے سے انکار کیا۔ غرض معاملہ بارگاہ رسالت تک پہونچا تو یہ آیت مال دیدینے کے حکم میں نازل ہوئی اور اُس شخص نے بموجب فرمان نبوی بھتیجہ کا مال واپس کر دیا۔

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِیۡثَ بِالطَّیِّبِ یہ دوسرا حق ہے سعید بن مسیب، زہری، نخعی اور ضحاک و سدی کے نزدیک طیب سے مال حلال اور خبیث سے مال حرام مراد ہے۔ لیکن دیگر مفسرین نے طیب سے کھرا مال اور خبیث سے کھوٹا مال مراد لیا ہے۔ اہل عرب کا دستور تھا کہ جب اُنکے پاس یتیم کا مال رکھا ہوتا تھا اور اُن کو خیال ہوتا تھا کہ یہ مال واجب الادا ہے تو اُسی قسم کا دوسرا کھوٹا اور ردی مال یتیم کے کھرے اور عمدہ مال کی بجائے رکھدیتے تھے اور اچھا قیمتی مال نکال لیتے تھے اسکی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ یتیموں کے اچھے مال و اسباب کو اپنے بُرے مال متاع سے نہ بدل لیا کرو۔ وَلَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰۤی اَمۡوَالِکُمۡ یہ تیسرا حق ہے یہ بھی عرب کا دستور تھا اور اب بھی بے ایمان بدنیت لوگ ایسا کرتے ہیں کہ یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر صرف کرتے ہیں حالانکہ اپنا صرف زیادہ ہوتا ہے اور یتیم کا کم مگر یتیم کے مال کی مقدار زائد اور اپنے مال کی مقدار کم نیکر سب کو ملا کر صرف کرتے ہیں اس میں یتیم کا نقصان ہوتا ہے مثلاً یتیم کے لیئے اُسکے مال میں سے کھانا پکایا اور اُس میں کسی قدر اپنا کھانا ملا کر ساجھا کر لیا بیچارے یتیم کے لئے پاؤ بھر کافی تھا مگر اُسکے مال میں سے دو سیر لیا اور اپنے گھر کے صرف کے لیئے دو سیر کی ضرورت تھی مگر اپنے مال میں سے صرف پاؤ بھر لیا اور کھانے میں سب شریک ہو گئے یہ بھی بد دیانتی ہے اسکی بھی ممانعت کر دی۔ مطلب یہ ہے کہ یتیموں کا مال بے ایمانی کے ساتھ اپنے مال میں ملا کر نہ کھا جایا کرو۔ اِنَّهٗ کَانَ حُوۡبًا کَبِیۡرًا ۝ ان تینوں باتوں میں سے ہر بات بڑے گناہ کی ہے تم کو اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

مقصود بیان:۔ یتیموں کے حال پر شفقت اور مہربانی کرنے کی ہدایت۔ اُن کا مال واپس کرنے کا حکم اور ہر قسم کی بددیانتی اور اُن کے مال میں بے ایمانی کرنے کی ممانعت۔ اور اس امر کی ضمنی صراحت کہ یتیم اگرچہ لاوارث ہے مگر اُسکے مال میں خورد برد اور تغلب تصرف کرنا گناہ کبیرہ ہے وہ قابل رحم اور حسن سلوک کا مستحق ہے کسی طرح اُس کی حق تلفی نہ کی جائے۔

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی

اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارہ میں انصاف نہ کر سکو گے

فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی

تو دو دو تین تین چار چار عورتوں سے حسب پسند

وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا

نکاح کر لو اور اگر تم کو انصاف نہ کرنے کا اندیشہ ہو

فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ ذٰلِکَ

تو ایک ہی سے نکاح کرنا یا (وہ عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں) جو تمہاری مملوک

أَدْنٰٓى أَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ؕ

اسمیں لگتا ہے کہ تم ایک طرف نہ جھک پڑو

تفسیر امام بخاری نے بروایت عائشہ صدیقہ رض بیان کیا ہے کہ عہد جاہلیت میں عرب کا دستور تھا کہ جو یتیم لڑکیاں اُن کی نگرانی اور سرپرستی میں ہوتی تھیں اُن کے مال وجمال کی وجہ سے خود اُن سے نکاح کر لیتے تھے اور چونکہ لڑکیاں ہر طرح اُن کے قابو میں ہوتی تھیں اسلیئے مہر بھی بہت کم مقرر کرتے تھے اور نکاح کے بعد حقوق ازدواجی کی بھی نگہداشت نہ کرتے تھے (اپنی سرپرستی کے احسان کی تلافی میں گویا باندیوں کی طرح سمجھتے تھے) اس بات کی ممانعت کے لئے خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ حاصل آیت یہ ہے کہ جب تم یتیم لڑکیوں سے شادی کرتے وقت اُن کے حقوق ادا نہ کر سکو اور انصاف نہ کر سکو تو پھر اُن سے نکاح بھی نہ کرو دنیا میں عورتوں کا کال نہیں جس سے چاہو جائز طور پر نکاح کرو مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ عرب میں چونکہ دستور تھا کہ جتنی عورتوں سے چاہتے تھے نکاح کرتے چلے جاتے تھے دس بیس تیس۔ بہرصورت کوئی حد خاص مقرر نہ تھی اور تمدن انسانی کیلئے یہ بات مقرر تھی اسلیئے اس آیت میں حد مقرر کردی۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ:۔ تم جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو کر لو خواہ ایک سے کرو، دو سے کرو، تین سے کرو، چار سے کرو مگر اس سے زائد کسی سے نکاح ایک وقت میں نہ کرو۔ لیکن تعدد ازدواج کے وقت مساوات اور برابری ہونی چاہیئے۔ نان نفقہ اور شب باشی میں مساوات ہونی لازم ہے کمی بیشی حرام ہے۔ ہاں۔ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا اگر تم کو خوف ہو کہ ہم سب بیویوں کو نان نفقہ مساویانہ حیثیت سے نہ دے سکینگے یا شب باشی میں سب کے ساتھ برابری کا سلوک نہ کر سکینگے تو پھر چند بیویاں نہ کرنی چاہئیں یہ عدل کے خلاف ہے لہٰذا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ایک پر اکتفا کرنی چاہیئے چونکہ اہل عرب بلکہ اس زمانہ کے اچھے خاصے مولوی اور مشائخ بھی دو بیویوں کے حقوق مساویانہ حیثیت سے ادا نہیں کرتے جس سے دل چاہتا ہے مزے اُڑاتے ہیں اور دوسریوں کو قید میں ڈالکر جلاتے ہیں اسلیئے آیت میں اس خرابی اور معاشرت سوز حرکت کی بیخ کنی کرنے کے لیئے حکم دیدیا گیا کہ اگر عدل وانصاف نہیں کر سکتے اور سب کو مساویانہ حیثیت سے نہیں رکھ سکتے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو چند بیویاں نہ کرو یا صرف باندیوں سے حاجت روائی کر لیا کرو جو بلا نکاح حلال ہیں اور اُن میں مساوات بھی ضروری نہیں۔ ذٰلِكَ أَدْنٰٓى أَلَّا تَعُوْلُوْا یہ گذشتہ قانون تم کو انصاف وعدل کی طرف قریب کرنے والا ہے اور کسی ایک طرف جھک جانے سے روکنے والا ہے لہٰذا اس قانون پر کاربند ہونا ضروری ہے۔

مقصود بیان:۔ یتیموں کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم بشرط عدل چار عورتوں تک نکاح کی اجازت اور عدم عدل کے خوف کے وقت تعدد ازدواج کی ممانعت۔ حقوق نساء کی نگہداشت کا حکم اور اُن کے انسانی واجبات کے ادا کرنے کی ہدایت وغیرہ۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۝ؕ

اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دے دیا کرو

تفسیر زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا نکاح کرتے تھے اور جو مہر اُن کا تجویز ہوتا تھا وہ اُن کو نہ دیتے تھے بلکہ شوہروں سے وصول کر کے خود لے لیتے تھے۔ اس حرکت کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

علی بن ابی طلحہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ نِحْلَةً سے مراد مہر ہے۔ حضرت عائشہؓ، قتادہ، مقاتل اور ابن جریج کے نزدیک اس سے مراد فریضہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے مہر خود نہ لے لیا کرو بلکہ چونکہ یہ مہر اُن کا ہے اسلیئے اُنہی کو دیا کرو اُن کے حق واجب میں تغلب نہ کر لیا کرو۔

مقصود بیان:۔ عورتوں کے حقوق کی نگہداشت کا امر اور اُن کے واجب حقوق میں تغلب کرنے کی ممانعت۔ آیت میں ضمنی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ شوہر پر مہر واجب ہے خواہ مہر مقرر کردہ یا مہر مثل وغیرہ۔

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا

پھر اگر خوشی دل سے وہ تم کو اسمیں سے کچھ چھوڑ دیں

فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا ۝ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ

تو اس کو شوق سے نہایت خوشگواری سے کھاؤ اور کم عقلوں کو

أَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّ

اپنے مال نہ دو کیونکہ اللہ نے اُن کو تمہارے لئے ذریعہ معاش بنایا ہے ہاں

ارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ

ان میں سے اُن کو کھلاؤ پہناؤ اور نرمی سے اُن سے

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى

گفتگو کرو اور یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک

اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا

کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہونچ جائیں اور تم اُن میں صلاحیت دیکھو

فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ

تو اُن کے مال اُن کے حوالہ کردو اور اُن کے مال فضول خرچی کے ساتھ

اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ

اور اس اندیشہ میں جلدی کرکے نہ کھا جاؤ کہ یہ بڑے ہو جائینگے جو شخص

غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا

مالدار ہو اُسکو (یتیم کے مال سے) الگ ہی رہنا چاہیئے ہاں جو نادار ہو

فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ

وہ واجبی طور سے کھا سکتا ہے اور جب اُن کے حوالے اُن کے مال

اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

کردو تو اسپر گواہ کرلیا کرو اور حساب لینے کے لیئے

حَسِيْبًا ○

اللہ کافی ہے

تفسیر مذکورۂ بالا آیت میں بیان تھا کہ عورتوں کا مہر اُن کو دیدو جو نہ کھاؤ اس سے بعض لوگوں کو شبہہ ہوا کہ اگر عورتیں بخوشی اپنے مہر میں سے کچھ معاف کرنا چاہیں تو یہ بھی ناجائز ہے اس خیال کا ازالہ اس آیت میں کردیا گیا کہ :-

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــــًٔـا مَّرِيْٓــــًٔـا

یعنی اگر عورتیں بخوشی خاطر مہر کا کچھ حصہ تم کو بخشدیں تو اُسکے کھانے میں کوئی ہرج نہیں ہے وہ تمہارے لیئے پاکیزہ اور محمود العاقبۃ ہے آخرت میں تمہارے واسطے موجب مواخذہ نہوگا۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ یہ خطاب سرپرستوں کو ہے خواہ مجنون اور بیوقوفوں کے سرپرست ہوں یا نابالغ بچوں کے پھر بچے بھی یتیم ہوں یا نہوں۔ یہ معنی ابن کثیر وغیرہ نے بیان کئے ہیں۔ مگر ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب صرف یتیموں کے سرپرستوں کو ہے۔ سفہا سے کیا مراد ہے اسمیں مختلف اقوال ہیں۔ ضحاک، ابن عباس، ابن مسعود، حکم بن عتیبہ اور حسن بصری کے نزدیک وہ بیوقوف عورتیں یا نابالغ لڑکیاں اور لڑکے مراد ہیں جو بے ڈھنگے پن سے مال برباد کر ڈالتے ہوں۔ سعید بن جبیر کے نزدیک یتیم لڑکے اور لڑکیاں مراد ہیں۔ مجاہد عکرمہ اور قتادہ کے نزدیک عورتیں مراد ہیں ظاہر آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم بچے مراد ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو یتیم بچے بیوقوف نادان اور کم عقل ہوں اُن کو اُن کا وہ مال جو تمہاری تحویل اور نگرانی میں ہے مت دو کیونکہ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا اس مال کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لیئے گذر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے اگر ان کو دیدو گے تو وہ اپنی کم عقلی سے برباد کر ڈالینگے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل مالی منافع سے اُن کو محروم کردو نہیں بلکہ وَّارْزُقُوْھُمْ فِيْھَا وَاكْسُوْھُمْ اُن یتیموں کا کھانا پینا اور کپڑا اُسی مال میں سے دو اور اُن کے نان نفقہ کی نگرانی کرو یعنی جب تک اُن کا مال اُنکے سپرد نہ کیا جائے اُس وقت تک اصل مال میں سے یا اُسکے تجارتی نفع میں سے کھانا کپڑا دینا چاہیئے۔ اور چونکہ اُن کے قبضہ میں مال نہ دینے سے اُن کو نظرتاً رنج ہوگا اسلیئے اُن کی تسلی اور دلاسے کے لیئے وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا اُن سے شفقت کا برتاؤ کرو اور اُن کو نرمی سے سمجھاؤ کہ یہ مال تمہارا ہی ہے۔ ہم نگراں ہیں جب تم ہوشیار ہو جاؤ گے تو تم کو دیدیا جائیگا۔ مگر اس قانون سے تم ناجائز فائدہ اٹھا کر یتیموں کا مال ہضم کر جانے کا خیال نہ کرو۔ بلکہ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى یتیموں کا دین اور دنیا کے معاملات میں اُن کے بالغ ہونے سے قبل امتحان کرلو اُن کو کاروبار تجارت میں لگا کر دیکھ لو یا جو کچھ اُن کے آباؤ اجداد کا کاروبار اور پیشہ ہے اُسمیں لگا دو۔ اگر زمیندار کا لڑکا ہے تو زمینداری کے کام میں لگا کر اُس کی آزمایش کرلو اور کسی پیشہ ور کا لڑکا ہے تو اُس پیشہ میں مشغول کرکے دیکھ لو۔ حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یہانتک کہ جب وہ مدت بلوغ کو پہونچ جائیں مثلاً لڑکا ہو تو اُسکو احتلام ہونے لگے اور لڑکی ہو تو حیض شروع ہو جائے۔ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا اور تم کو اُنمیں دنیوی کاروبار کے متعلق کچھ بھی ہوشیاری معلوم ہو فَادْفَعُوْٓا اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ تو پھر اُن کا مال اُن کے حوالہ کردو کچھ حیلہ حجت نہ کرو۔ وَلَا تَاْكُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا۔ عرب میں عام رواج پڑ گیا تھا کہ یتیموں کے سرپرست اس خوف سے کہ بالغ ہو کر یہ اپنا مال واپس لے لینگے جلدی جلدی فضول خرچ میں کھا پی کر بیٹھ رہتے تھے۔ اس امر کی ممانعت کے لیئے یہ آیت نازل ہوئی یعنی اپنی سرپرستی کی حالت میں تم یتیموں کا مال فضول خرچی کے ساتھ یہ خیال کرکے نہ اُڑا دو کہ آئندہ یہ بڑے ہو کر اپنا مال واپس لے لینگے اور ہم تمتع اندوزی سے محروم ہو جائیں گے۔ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ یہ مضمون سابق کا تتمہ ہے یعنی اگر یتیم کا سرپرست غنی ہو تو اُسکو یتیم کے مال کی نگہداشت اور اُسکی کفالت کا معاوضہ نہ لینا چاہیئے اور اگر فقیر ہو تو یتیم کی تربیت و سرپرستی اُسکے مال کی نگہداشت اور اُسکے

تجارتی کاروبار میں مشغول رہنے کا معاوضہ دستور کے موافق اتنا لیلے جتنا کسی غیر کو ان خدمات کے عوض دیا جاتا۔ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۔ یہ آیت آیہ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا کا تکملہ ہے۔ یعنی جب یتیم ہوشیار ہوجائیں اور تم اُن کا مال اُن کے حوالہ کرو تو گواہوں کے سامنے اُن کے سپرد کرنا تاکہ آئندہ کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ اور خیانت کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ پورا پورا مال اُن کا دیدو کیونکہ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ حساب لینے کو اللہ کافی ہے اگر اُن کو بچہ سمجھ کر اُن کے مال میں خیانت کروگے تو خدا کے محاسبہ سے نہیں بچ سکتے۔

مقصود بیان: ۔عورتوں سے جبریہ مہر معاف کرانے کی ممانعت ضمنی عفو مہر کی صریحی اجازت۔ مال برباد کرنیوالے کم عقل لوگوں کو مالی تصرفات سے روکنے کا حکم۔ ہوشیار نابالغ بچہ کے تصرفات تجارت کی صحت کی صراحت یتیموں پر شفقت: مہربانی کرنے کی ہدایت یتیموں کا مال خورد برد کرنے کی ممانعت۔ اُن کے مال میں ہر قسم کی خیانت کرنے سے باز داشت۔ سرپرستوں کو بشرط احتیاج یتیموں کے مال میں سے اُن کی خدمات کے عوض مناسب معاوضہ لینے کا جواز۔ قطع حجت کے لیئے یتیموں کا کاروباری امتحان لینے کا حکم۔ یتیموں کا مال واپس کرتے وقت گواہوں کو روبرو رکھنے کی ہدایت

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

والدین اور رشتہ داروں کے ترکہ میں سے مردوں کا بھی

وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا

حصّہ ہے اور عورتیں بھی ماں باپ اور اقربار کے

تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ

ترکہ میں حصہ دار ہیں تھوڑا مال

مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝

ہو یا بہت یہ حصّہ مقرر کردہ ہے

تفسیر دور جاہلیت میں نابالغ لڑکوں اور عورتوں کو میراث میں سے کوئی حصّہ نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میراث اُس کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑ سکے اور چونکہ نابالغ اولاد یا عورتیں کوئی اپنے عزیز یعنی مرنیوالے کی طرف سے اُسکی زندگی میں اُن کا مددگار رہ کر اُسکی طرف سے دشمن سے نہ لڑ سکتے تھے اسلیئے اُس کے مرنے کے بعد اُسکی میراث میں سے کوئی حصہ بھی اُن کو نہ ملتا تھا الغرض جب اسلام نے عالم میں ایک نئی روح پھونکی اور مسلمانوں میں حضرت اوس بن ثابت انصاری یعنی حضرت حسان کے بھائی کا انتقال ہوا تو میت کے دونوں چچازاد بھائی یعنی سوید اور عرفجہ تمام میراث کا مال لیگئے اور متوفی کی بیوی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا کالے یونہی محروم رہ گئے کسی کو کچھ نہ ملا۔ مجبوراً میت کی بیوی خدمت گرامی میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ میرا خاوند جنگ احد میں شہید ہوگیا اور دو لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا۔ میراث کا تمام مال سوید اور عرفجہ نے لیا مجھے حبہ بھی نہیں ملا اب فرمائیے کہ میں ان پر کہاں سے خرچ کروں اور کیونکر افلاس میں ان کا نکاح کردوں اسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید اور عرفجہ کو بلاکر حکم دیا کہ اوس بن ثابت کا ترکہ ابھی یونہی رہنے دو عورتوں کا بھی اسمیں حصہ ہے لیکن ابھی اسکی مقدار معلوم نہیں ہوئی۔ اسکے بعد يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ پوری آیت میراث نازل ہوئی حاصل ارشاد یہ ہے کہ والدین اور اقربار کے ترکہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کا مقررہ شرعی حصہ ہے ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ جسطرح مردوں کو حصہ پہونچتا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی پہونچتا ہے۔

مقصود بیان: ۔عورتوں اور مردوں کی باعتبار استحقاق ترکہ کے مساوات۔ اور اس امر کی صراحت کہ حقوق قرابت یا ازلادہونے کے اعتبار سے لڑکے اور لڑکیاں دونوں برابر ہیں۔ مال قلیل ہو کہ کثیر دونوں فریق اُس کے مستحق ہیں۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى

اور اگر بانٹتے وقت (دیگر) رشتہ دار

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ

اور یتیم اور محتاج لوگ آجائیں تو اُس میں سے کچھ اُن کو بھی

مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

دیدیا کرو اور نرمی سے اُن سے کہدیا کرو

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ

اور یہ خوف کرنا چاہیئے کہ اگر ہم اپنے بعد ناتوان بچے

ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا

چھوڑ جائیں تو ہم کو اُن پر کتنا ترس آئیگا اسلیئے مناسب ہے کہ اللہ

اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ

سے ڈریں اور سیدھی طرح بات کریں جو

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا

لوگ ناجائز طور پر یتیموں کا مال کھاتے ہیں

اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ

وہ لوگ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور

سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۠ ع ۱۰

۱۲

عنقریب دوزخ میں داخل ہونگے

تفسیر وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ چونکہ وارث اور اقربا دو قسم کے ہوتے ہیں قریبی تعلق رکھنے والے اور دور کا رشتہ رکھنے والے اور وارث قریب کی موجودگی میں بعید وارث محروم الارث ہوتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ مالی وراثت کی تقسیم کے وقت دور کا رشتہ رکھنے والے اور یتیم بچے اور نان شبینہ کو محتاج فقیر بھی موجود ہوتے ہیں۔ جو لوگ مستحق میراث ہیں وہ تو ترکہ میں سے حصے لیتے ہیں اور یہ بیچارے منہ تکتے رہ جاتے ہیں اسلئے استحبابی حکم دیا جاتا ہے کہ جب تقسیم کے وقت محروم الارث رشتہ دار یا یتیم یا مسکین فقیر آنکلیں تو اگرچہ اُن کو ترکہ میں سے دینا واجب نہیں ہے مگر رحم انسانی کا تقاضا ہے کہ اُن کو بھی کچھ دیدو اور نرم کلامی سے پیش آؤ۔ اور اُن سے کہدو کہ بھائی یہ میراث فلاں فلاں اشخاص کا حق ہے جو شرعًا اسکے مستحق ہیں تمہارا خدا بھلا کرے بس تم اتنا ہی لے لو۔ اسکے آگے خدا ترسی کا حکم دیا جاتا ہے اور رحم و مہربانی کی بلیغ ترین مدلل طرز میں تعلیم دی جاتی ہے تاکہ سخت ترین دل رکھنے والے انسان کا بھی دل پسیج جائے اور وہ بیکس یتیموں پر شفقت کرنے لگے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْهِمْ۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ تم کو اس بات کا خیال کرنا چاہیے کہ اگر تمہارے پیچھے تمہارے ننھے ننھے بچے بیکس اور بے بس رہ جائیں تو تم کو یہ خیال کر کے کہ ہمارے بعد یہ بیکسی اور لاچاری کی مورتیاں لوگوں کے سامنے بسور بسور کر ننھے ننھے ہاتھ پھیلائینگی کس قدر ترس آتا ہے لہذا ایسے ہی دوسرے یتیم بچوں اور لاوارث کمزور مخلوق پر رحم کھاؤ۔ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ اور خدا سے ترس کھا کر اُن سے نہایت نرمی اور تسلی کا کلام کرو۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝ اس آیت میں یتیموں کا مال کھانے اور اُن کے حق میں خیانت سے مکرر وعید کی جاتی ہے کیونکہ یتیم کا وارث دنیا میں کوئی نہیں ہوتا نہ کنار مادر نہ دوش پدر۔ نہ اُن کے سروں پر کوئی شفقت کا ہاتھ پھیرنے والا ہوتا ہے نہ اُن کے آہ و بکا اور نا داری پر کوئی رحم کھانے والا ہوتا ہے اسلئے اُن کے مال کو کھانا سخت ترین جرم ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونگے اور وہاں یتیموں کا مال کھانے کے عوض آگ کھانی پڑیگی۔

مقصود بیان :۔ یتیموں بیکسوں کے حال پر رحم کرنے کی تعلیم۔ دوسروں کو اور دوسروں کے بچوں کو اپنی جان اور اپنے بچوں کی طرح سمجھنے کی ہدایت انسانی فرائض کے مقتضا کو پورا کرنے اور رحم و مہربانی کی خصوصی تلقین۔

یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ

اللہ تمہاری اولاد کے بارہ میں تم کو حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ

مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً

دو لڑکیوں کے برابر ہو اور اگر دو سے زائد تمام

فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ ج

لڑکیاں ہی ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے

وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ ط

اور اگر ایک لڑکی ہے تو اُس کے لئے آدھا ہے

وَ لِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ

اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے کل ترکہ کا چھٹا

مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ

حصہ ہے بشرطیکہ میت کی کوئی اولاد ہو اور اگر

یَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ

اولاد نہو اور اُس کے ماں باپ ہی وارث ہوں تو اُسکی ماں کے لئے

الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ

ایک تہائی ہے پھر اگر میت کے بھائی ہوں تو اُس کی ماں کے لئے

السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ
چھٹا حصہ ہے یہ تقسیم ترکہ اُس وصیت کے اجراء کے بعد ہوگی جو میت کر جائے

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ
اور ادائے قرض کے بعد ہوگی تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تم کو نہیں معلوم

اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ
کہ انمیں سے تمہارے لئے زیادہ نفع رساں کونسا ہے لہذا اللہ کیطرف سے میراث مقرر کردی گئی

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَلَكُمْ
کیونکہ اللہ دانا اور حکیم ہے اور تمہاری

نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ
بیبیوں کے ترکہ میں سے تمہارے لئے نصف ہے بشرطیکہ

لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ
اُن کی کوئی اولاد نہو اگر اُن کی اولاد ہو تو اُس وقت اُن کے

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
ترکہ میں سے تمہارے لئے چہارم ہے یہ تقسیم بھی اُس وصیت کے اجراء کے بعد ہوگی

يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ
جو بیبیاں کر جائیں اور ادائے قرض کے بھی بعد ہوگی۔ اور تمہارے ترکہ میں سے

مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ
بیبیوں کو چوتھائی ملیگا بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہو اگر

كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ
تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ اُن کو ملے گا

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ
یہ تقسیم اُس وصیت کے اجراء کے بعد ہوگی جو تم کر جاؤ اور ادائے قرض کے بھی بعد ہوگی

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ
اور اگر کوئی مورث مرد یا عورت کلالہ ہو اور اُس کا

وَّلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے

السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ
چھٹا حصہ ہے اور اگر ایک سے زائد ہوں تو ترکہ کی

شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى
تہائی میں سب شریک ہیں یہ تقسیم بھی اجراء وصیت موصی اور ادائے قرض

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ
کے بعد ہوگی بشرطیکہ اوروں کا نقصان نہ کیا ہو یہ فرمان خدا

اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ○ تِلْكَ حُدُوْدُ
ہے اور اللہ جاننے والا با حلم ہے یہ اللہ کے قوانین

اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ
ہیں جو شخص اللہ کی اور اُسکے رسول کی اطاعت کریگا اللہ اُس کو

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
اُن گھنے باغوں میں داخل کریگا جن کے اندر نہریں بہتی ہونگی انمیں وہ ہمیشہ رہینگے

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَمَنْ يَّعْصِ
اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ
اُسکے رسول کی نافرمانی کریگا اور اُسکی حدود سے بڑھ جائیگا اللہ اُسکو دوزخ میں

نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ ع ۱۳
داخل کردیگا جسکے اندر وہ ہمیشہ رہیگا اور اُسکو ذلت کی مار ہوگی

تفسیر

یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ط یہاں سے میت کی میراث میں تمام مستحقوں کے حصوں کا بیان ہے چونکہ یہ سلسلہ بیان کسی قدر طویل اور پیچ درپیچ ہے اور بعض اہل میراث کا ذکر بھی نص میں نہیں ہے اسلئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اولاً اُن تمام اہل میراث کے حقوق کا خلاصہ ذکر کردیں جنکا بیان اسی آیت میں ہے

یا حدیثیں آیا ہے تاکہ آیات کے سمجھنے میں سہولت ہو پھر ہر آیت کے جدا جدا تفسیری معنی بیان کرینگے۔

شرعاً استحقاق میراث تین وجہوں سے ہوتا ہے۔ بنسب[1] بنکاح[2]۔ ولاء[3]

قسم اول نسب

نسب کے چند اقسام ہیں (۱) میت کے بیٹے اور بیٹیاں ملی جلی باقی رہی ہوں۔ تو اس صورت میں لڑکے کو دوہرا حصہ اور لڑکی کو اکہرا حصہ ملیگا۔ (۲) کوئی بیٹا نہو بلکہ دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے لڑکیوں کو دیئے جائینگے اور ایک حصہ دیگر وارثوں کو ملیگا۔ (۳) صرف ایک بیٹی ہو بیٹا نہ ہو تو کل مال کا نصف اسکو ملیگا اور نصف دوسرے وارثوں کو دیا جائیگا۔ (۴) صرف ایک ہی بیٹا ہو اسکو کل ملیگا۔ (۵) صرف چند بیٹے ہوں تو برابر بطور تقسیم کر لینگے۔ (۶) ماں باپ اور اولاد باقی رہے تو کل مال کے چھ حصے کر کے ایک ماں کو ایک باپ کو اور چار اولاد کو تقسیم کر دیئے جائینگے اس صورت میں اگر ایک ہی بیٹا ہوگا تو چاروں حصے لے لیگا اور اگر چند لڑکے ہونگے تو برابر بانٹ لینگے اور لڑکے اور لڑکیاں ہونگی تو بیٹے کو دوہرا حصہ اور بیٹی کو اکہرا حصہ ملیگا اور اگر صرف ایک بیٹی ہوگی تو چار حصوں میں سے دو حصے لے لیگی اور بقیہ دو حصے بھی باپ لے لیگا گویا باپ کے تین حصے ہو جائینگے اور دو بیٹی کے اور ایک ماں کا۔ اور اگر دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہیں تو کل مال کے چھ حصے کر کے ایک ایک ماں اور باپ کو اور دو ثلث یعنی چار حصے بیٹیوں کو دیدیئے جائینگے۔ (۷) ماں باپ باقی ہوں اور کوئی وارث نہ ہو تو کل مال کے تین حصے کر کے ایک ماں کو اور دو باپ کو ملینگے۔ (۸) ماں باپ ہوں اولاد نہ ہو اور زوجین میں سے کوئی ہو اس صورت کا بیان آیت میں نہیں ہے۔ اکثر صحابہ کے نزدیک کل مال کا چوتھائی شوہر کا اور بقیہ مال میں سے ایک تہائی ماں کا اور دو تہائیاں باپ کو ملینگی اور اگر شوہر مرا ہے تو بھی چوتھا حصہ بیوی کا اور بقیہ مال میں سے ایک حصہ ماں کا اور دو حصے باپ کے ہونگے (۹) میت کی اولاد نہ ہو ماں باپ اور بہن بھائی ہوں اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ ملیگا بہن بھائی محروم رہینگے اور بقیہ ترکہ باپ کو ملجائیگا۔ نانی دادی ماں کے نہ ہونے کی صورت میں مثل ماں کے ہیں اور نانا دادا باپ نہونے کے وقت مثل باپ کے ہیں۔ ہم نسبی وارثوں میں سے بہن بھائی کے حصّوں کی تعیین آیات کے تفسیری معنی کے ذیل میں بیان کرینگے۔

قسم دوم نکاح

اگر خاوند لاولد مرے تو کل مال کا چوتھائی حصہ بیوی کو ملیگا اور اگر کوئی لڑکا لڑکی بھی ہو خواہ اسی بیوی سے یا اور بیوی سے تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملیگا اور اگر بیوی لاولد مرے تو شوہر کو نصف ملیگا اور اگر کوئی اولاد بھی ہو تو چہارم ملیگا۔

قسم سوئم ولاء

ولاء یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا آزاد کردہ غلام ہو اور مرجائے اور اسکے اقارب نہوں تو اسکی میراث آزاد کرنے والے کو ملیگی یا دو اجنبی شخص باہم معاہدہ کرلیں کہ میں مرجاؤں تو میری میراث تم لے لینا اور تم مرجاؤگے تو تمہاری میراث میں لے لونگا اور اس صورت میں کوئی مرجائے اور اسکے اقارب بھی نہوں تو یقیناً میراث اس کے معاہد دوست کو ملے گی۔ اس قسم کا بیان قرآن میں نہیں ہے۔ حدیثوں سے میراث کی یہ قسم ثابت ہوتی ہے۔

اب ہم تفسیری معنی بیان کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیٓ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ اگر اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں موجود ہوں تو حسب ہدایت شریعت مرد کو عورت سے دوہرا حصہ ملیگا۔ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ اور اگر لڑکا نہو لڑکیاں دو یا دو سے زائد ہوں تو کل ترکہ دو تہائیاں ان کو ملینگی وَاِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَہَا النِّصۡفُ اور اگر صرف ایک لڑکی باقی ہو لڑکا کوئی نہو تو کل مال کا نصف اسکو ملیگا وَلِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ اور اگر میت کے ماں باپ اور اولاد موجود ہو تو کل مال کے چھ حصے کر کے ایک حصہ باپ کو ایک حصہ ماں کو اور بقیہ اولاد کو ملیگا۔ فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ اور اگر اولاد نہ ہو صرف ماں باپ ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ ملیگا اور دو حصے باپ کو ملیں گے۔ فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ اور اگر بہن بھائی ماں باپ موجود ہوں اولاد نہ ہو تو ماں کو چھٹا حصہ ملیگا بقیہ باپ کو ملجائیگا اور بہن بھائی محروم الارث ہونگے مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ لیکن یہ تمام تقسیم میراث میت کی ثلث مال سے وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد کی جاوے گی جب تک کل قرض ادا نہ کر دیا یا تہائی مال کے اندر جو وصیت ہو اسکو پورا نہ کر دیا جائے کسی وارث کو کچھ نہ ملیگا اٰبَآؤُکُمۡ وَاَبۡنَآؤُکُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ لَکُمۡ نَفۡعًا یہ قانون میراث اگرچہ عام رواج کے خلاف ہے لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ماں باپ یا اولاد میں سے تم کو زیادہ نفع دینے والا کون ہے۔ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا o یہ خدا کا مقرر کردہ فرض ہے اسمیں چون و چرا کی گنجایش نہیں خدا خود علیم و حکیم ہے اس کا کوئی فعل اور حکم مصلحت سے خالی نہیں ہوتا وَلَکُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَکَ اَزۡوَاجُکُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہُنَّ وَلَدٌ اگر بیوی مرجائے اور اولاد نہو تو شوہر کو نصف مال ملے گا۔ فَاِنۡ کَانَ لَہُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡنَ اور اگر عورت مرے اور اس کی اولاد ہو تو شوہر کو چہارم حصہ ملیگا۔ مگر یہ تمام حصص مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ۔ اجراء وصیت اور ادائے قرض کے بعد دیئے جائینگے وَلَہُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّکُمۡ وَلَدٌ اور اگر شوہر مرجائے اور اسکی اولاد نہ ہو تو بیوی کو خواہ ایک ہو یا زیادہ کل ترکہ میں سے چہارم حصہ ملیگا فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ وَلَدٌ فَلَہُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ اور اگر متوفی کے اولاد ہو خواہ اس بیوی سے یا کسی

دوسری بیوی سے تو بیوی کو کل ترکہ کا آٹھواں حصہ ملیگا لیکن مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ اجراءِ وصیت اور ادائے قرض کے بعد وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ اور اگر متوفی مرد یا متوفیہ عورت کے اصول و فروع نہ ہوں نہ باپ دادا نانا ماں نانی دادی ہوں نہ اولاد ہو وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ اور صرف بہن یا بھائی رہ جائے بہن بھائی عینی ہوں، علاتی ہوں، اخیافی ہوں کیسے ہی ہوں تو انہوں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ تنہا ایک ہی ہو یعنی ایک بھائی یا ایک بہن ہو۔ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اور اگر ایک سے زائد ہوں دو ہوں یا تین یا چار وغیرہ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ تو سب کو صرف ایک تہائی ترکہ ملیگا یعنی ایک تہائی میں سب برابر شریک ہونگے لیکن یہ تمام تقسیم مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ اجراءِ وصیت اور ادائے قرض کے بعد جاری ہوگی غَيْرَ مُضَآرٍّ اور یہ بھی لازمی شرط ہے کہ کسی کو ضرر نہ دیا جائے اگر ادائے قرض سے قبل وارث مال تقسیم کر لینگے تو قرض کا ضرر میت کی گردن پر قیامت میں باقی رہیگا اور قرض خواہ کا بھی ضرر ہے اور وصیت کے پورا نہ ہونے سے میت کی روح کو صدمہ ہوتا ہے۔ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ اسکی تعمیل ضروری ہے یہ خدا کی طرف سے نصیحت ہے چون و چرا کی گنجائش نہیں وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ خدا تعالیٰ سب لوگوں کے احوال کو جانتا ہے وہ خوب سمجھتا ہے کہ کون اس قانون پر کاربند ہوتا ہے اور کون عدول کرتا ہے۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یعنی مذکورۂ بالا فرائض اور احکام میراث اور یتیموں کے متعلق ہدایات خدا تعالیٰ کے قائم کردہ قوانین ہیں یہ اوامر و نواہی منجانب اللہ ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے ان کو اس لیئے مقرر کیا ہے کہ لوگ اس پر عمل پیرا اور کاربند ہوں۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اب جو شخص خدا اور رسول کی فرمان پذیری کرے گا اور ان قائم کردہ قوانین پر کاربند ہوگا اس کو خدا تعالیٰ بہترین ثواب عنایت فرمائیگا اور یہ ثواب لازوال ہوگا احکام الٰہی کی اطاعت کرنے والے ہمیشہ اس سے تمتع پذیر اور بہرہ اندوز ہوتے رہینگے وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور سعادت ابدی کا حصول ہی بہترین کامیابی ہے۔ عذاب الٰہی سے نجات پا کر اجر الٰہی سے فیض یاب ہونا ہی اصل مطلب ہے۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ اور جو لوگ سرکش اور نافرمان ہیں خدا اور رسول سے سرتابی کرتے ہیں اور احکام شریعت کو نہیں مانتے اور خدا تعالیٰ کے قائم کردہ قوانین سے انحراف کرتے ہیں اُن کی سزا جہنم ہے ہمیشہ اُن کو جہنم میں رہنا ہوگا کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی اور اس ذلت آمیز عذاب کی تخلیق ہی خصوصیت کے ساتھ ایسے ہی لوگوں کے واسطے کی گئی ہے۔ میراث کی بابت جب مذکورۂ بالا مکمل آیت نازل ہوئی تو عیینہ بن حصن نے اللہ کا حکم نہ مانا اور کہنے لگا کہ میں تو میراث اُسی کو دونگا جو گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن سے لڑ سکے۔ میں بدستور عورتوں اور صغیر سن لڑکوں کو میراث سے محروم رکھونگا اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقصود بیان:۔ یتامیٰ پر شفقت و مہربانی کرنے کی تعلیم، حقوق نسوانی کی نگہداشت۔ میراث میں فرع و اصل اور نسبی و غیر نسبی استحقاق کا اظہار۔ اُس قانون میراث کا نسخ جو دور جاہلیت میں رائج تھا۔ احکام شریعت کی تعمیل کی دعوت اور فرمان پذیروں سے اجر جزیل کا وعدہ اور نافرمانوں کو وعید و تنبیہ۔ اس امر کی صراحت کہ اجراءِ وصیت ضروری ہے مگر حقوق ورثاء اور استحقاق میت ہر دو کا لحاظ ضروری ہے کسی کی حق تلفی اور ضرر رسانی جائز نہیں۔ عدل و انصاف کو پیش نظر رکھنا لازم ہے۔

وَالّٰتِىْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

تمہاری بیبیوں میں سے جو عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ

تو اُن پر اپنے لوگوں میں سے چار مردوں کو گواہ لاؤ

فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِى الْبُيُوْتِ

اگر وہ گواہی دیدیں تو گھروں میں اُن کو روک رکھو

حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ

تاوقتیکہ موت اُن کو تمام نہ کردے یا اللہ اُن کے لیئے

اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝

کوئی سبیل نہ نکال دے

تفسیر مذکورۂ بالا آیات میں حقوق نسوانی کی نگہداشت کا نہایت تاکیدی حکم دیا گیا تھا اور میراث میں اُن کو مرد کے ساتھ شریک بنایا گیا تھا۔ اس آیت میں زنا کی سزا کا بیان کیا گیا ہے کیونکہ جس طرح انسانوں کی باہم حق تلفی اور دست برد اصول امن کی بیخ کنی کرنیوالی اور معاشرت و سوسائٹی کو تباہ کرنے والی ہے اسی طرح ہر صنف انسانی کا اپنے حق سے زیادہ کی طلب کرنا اور خداداد قویٰ کو بیجا طور پر صرف کرنا بنی نوع انسانی کی اخلاقی فضیلت اور معاشرتی ارتقاء کے لیئے ہلاکت انگیز اور تباہ کن ہے اور ان سب اسباب مہلکہ کا اصل مبدء لذت شہوانی کا بیجا حصول ہے جسکے دلدادہ تمام اقوام عالم ہیں۔ اسی سے ضعف جسمانی پستی

اخلاق، کم حوصلگی، حصول معارف و فضائل سے محرومی، عزت و ناموس کی بربادی اور دیگر معاشرت و اخلاق کو تباہ کر دینے والی چیزیں پیدا ہوتی ہیں اس لیئے مذکورہ آیت میں زنا کا حکم بیان کیا گیا۔

عکرمہ، ابن جبیر، حسن، عطار، ابو صالح، قتادہ، زید بن اسلم، ضحاک، اور جمہور علمار کے نزدیک اس آیت کا حکم ابتدار اسلام میں تھا لیکن سورۂ نور والی آیت میں جب سنگسار کرنے یا درے مارنے کا حکم نازل ہوا تو اس آیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ مسلم و ترمذی نے بروایت حضرت عبادہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے دوشیزہ اور غیر دوشیزہ اور محصن و غیر محصن کی سزا بیان کر کے فرمایا اس حکم کی تعمیل کرو۔ خدا تعالیٰ نے ان عورتوں کی راہ نکال دی۔ زنا کے احکام کی ترتیب نازلہ اس طور پر ہے کہ بر اوّل زنار کی سزا صرف اتنی تھی کہ زانی مرد و عورت کو برا بھلا کہا جائے اور تعزیر کی جائے جیسا کہ آیندہ واللذان یاتیانہا میں آتا ہے۔ پھر کچھ زمانہ کے بعد یہ حکم نازل ہوا جو اس آیت میں مذکور ہے مگر مرد کے لیئے وہی تعزیری حکم قائم رہا اور عورتوں کے لیئے گھروں میں قید رکھنے کا حکم ہوا پھر جب یہ حکم بھی اصلاح معاشرت کے لیئے ناکافی سمجھا گیا تو سنگسار کرنے یا دُرّے مارنے کا حکم دیا گیا اور اس طرح اس تباہی سے مسلمانوں کو بچنے کی ہدایت کی۔ حاصل آیت یہ ہے کہ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اگر مسلمانوں کی عورتیں زنار کا ارتکاب کریں تو چونکہ اس فعل کی اہمیت اور اسکی سزا غیر معمولی ہے اسلیئے ثبوت کے لیئے لازم ہے کہ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ چار عادل مسلمانوں کی شہادت طلب کرو تاکہ وہ زنار کی شرعی شہادت ادا کریں۔ عورتوں کی شہادت اس مسئلہ میں غیر مقبول ہے فَاِنْ شَهِدُوْا اب اگر چاروں عادل مسلمان فاحشہ عورتوں کی زنار کی (چشم دید) گواہی دیدیں اور شہادت سے جرم زنار ثابت ہو جائے تو بالفعل کوئی سزا ضرب نہیں۔ بلکہ فَاَمْسِكُوْھُنَّ فِي الْبُيُوْتِ عورتوں کو گھروں کے اندر قید رکھو کسی سے ملنے جلنے کو نہ چھوڑو اور یہ سلسلۂ قید اسوقت تک قائم رہنا چاہیئے حَتّٰى يَتَوَفّٰىھُنَّ الْمَوْتُ یا تو اُن کو موت آجائے اور موت کا فرشتہ آکر اُن کو تمام کر دے اور انسانی سوسائٹی اُن کی نجات سے پاک صاف ہو جائے اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَھُنَّ سَبِيْلًا ؁ یا خدا تعالیٰ اُن کے واسطے کوئی راہ نکال دے اور کوئی جدید حکم نازل کرے خواہ رہائی کا یا ضرب کا یا قتال کا۔

مقصود بیان: اصلاح معاشرت اور ارتقاء اخلاق کی تعلیم۔ حفظ ناموس حصول معارف نگہداشت صحت استقرار امن اور خلوص نسل کے لیئے زنا سے ممانعت اور زنا کی سزا کا بیان اس امر کی صراحت کہ زنا کا ثبوت بغیر کامل اور معتبر گواہی کے نہیں ہو سکتا اور اس معاملہ میں گواہی کا حق بھی صرف مسلمان مردوں ہی کو ہے۔ ایک ضمنی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں کیونکہ مِنْكُمْ میں خطاب صرف صحابہ کو ہے عام مسلمانوں کو نہیں ہے کیونکہ بعد کو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ آیت میں اس بات کی بھی توضیح ہے کہ بدچلن عورتوں کو کسی سے ملنے نہ دیا جائے۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْھُمَا ۚ فَاِنْ
اور تم میں سے جو دو مرد و عورت زنا کا ارتکاب کریں تو دونوں کو خوب تکلیف
تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ
پہنچاؤ اسکے بعد اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی عالت کی اصلاح کر لیں تو انسے اعراض کرو
كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَي
کیونکہ اللہ توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے مگر اللہ پر صرف اُنہی لوگوں کی توبہ قبول
اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ
کرنی ہے جو نادانستگی سے گناہ کر بیٹھتے ہیں
ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰۗىِٕكَ يَتُوْبُ
پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں انہی لوگوں کی خدا توبہ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○
قبول کرتا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّـيِّاٰتِ
اُن لوگوں کی توبہ نہیں ہے جو گناہ کرتے رہتے ہیں
حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ
بالآخر جب کسی کی موت سامنے آجاتی ہے تو کہتا ہے
اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ
اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ اُن لوگوں کی توبہ ہے جو کفر کی
وَھُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ○
حالت میں مرجائیں ایسے ہی لوگوں کے لیئے ہمنے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

تفسیر وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ آیت مذکورۂ بالا آیت سے پہلے نازل ہوئی گویا یہ آیت بالکل ابتدائی دور اسلامی میں اُتری پھر اُسکے بعد مذکورۃ الصدر آیت نازل ہوئی اور پھر سب سے آخر میں سورۂ نور والی آیت کا نزول ہوا بعض مفسرین کا قول ہے کہ آیت وَاللّاتِی یاتین الفاحشۃ اور یہ آیت دونوں ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں لیکن واللاتی میں زانیہ عورتوں کی زنا کی سزا کا بیان ہے اور اس آیت میں شادی شدہ اور کنوارے مردوں کی زنا کا حکم ہے اور پھر ان دونوں کے بعد سورہ نور والی آیت کا نزول ہوا۔ ہمارے نزدیک یہ ہی قول زیادہ صحیح ہے اور اسی قول کی بنا پر ہم تفسیری معنی ذیل میں بیان کرتے ہیں اگرچہ قول اول کی طرف اکثر مفسرین نے میلان کیا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان خواہ شادی شدہ ہو یا کنوارا ہو زنا کا ارتکاب کرے تو اُسکو بُرا بھلا اور سخت سست کہو اور جوتیوں سے مارو تاکہ اُسکو ایذا پہونچے (ابن عباس وسعید بن جبیر)۔ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اب اگر اس تکلیف و ایذا کے بعد محصن اور غیر محصن زانی سچے دل سے توبہ کرلیں اور اپنے چال چلن کی اصلاح کرلیں تو اُن سے تعرض نہ کرو اور گذشتہ ارتکاب معصیت کی عار نہ دلاؤ اور سخت سست نہ کہو کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا جو شخص سچے دل سے توبہ کرتا ہے خدا اُسکی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے اُسکو سرفراز فرماتا ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر کافر معاند اور ہر گناہگار کی توبہ ہر وقت اور ہر صورت میں مقبول ہے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُنہی لوگوں کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے جو گناہ کے عذاب سے ناواقفی کی حالت میں گناہ کرتے ہیں پھر علامات موت اور غرغرہ سے قبل سچے دل سے توبہ کر لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کی توبہ خدا قبول فرماتا ہے اس آیت میں قبولیت توبہ کی دو شرطیں لگائی ہیں اول تو یہ کہ جہالت اور ناواقفی کی حالت میں گناہ کیا ہو دوسرے یہ کہ عنقریب یعنی علامات موت کے ظاہر ہونے اور غرغرہ کی حالت پیدا ہونے سے قبل توبہ کرلی ہو۔ ذیل میں ہم دونوں شرطوں کی تحقیق لکھتے ہیں (۱) مجاہد کہتے ہیں جس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی خواہ قصداً یا غلطی سے تو وہ جاہل ہے جب تک گناہ سے باز نہ آجائے۔ قتادہ بروایت ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ فرماتے تھے کہ بندہ کا ہر گناہ اُسکی جہالت ہے۔ عبد الرزاق کہتے ہیں صحابہ کا اجماعی قول ہے کہ خدا کی ہر قسم کی نافرمانی کرنی جہالت ہے خواہ قصداً ہو یا بھول چوک سے ابو صالح نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ بداعمالی جہالت ہے۔ (۲) من قریب کا معنی علی بن ابی طلحہ نے بروایت ابن عباسؓ یہ بیان کیا ہے کہ ملک الموت کے نظر آنے سے قبل توبہ کرلے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ علامات موت کے ظاہر ہونے سے قبل توبہ کرلے۔ قتادہ اور سدی کا قول ہے کہ صحت کی حالت میں توبہ کرلے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ موت کا گھرّا لگنے سے قبل استغفار کرلے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ اُسوقت تک قبول فرماتا ہے جب تک اُسکو موت کا گھرّا نہ لگے (رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی) ابن مردویہ اور ابو داؤد کی روایت میں موت سے ایک ساعت قبل با اخلاص توبہ کا قبول ہونا مذکور ہے۔ تمام آثار و احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ اگر ایسی حالت میں توبہ کرے کہ اُسکو اپنی زندگی کی امید ہو تو توبہ قبول ہوتی ہے اور جب زندگی سے یاس ہوگئی ملک الموت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی روح حلق میں آکر اٹک گئی سانس چوں چوں بولنے لگی تو ایسے وقت کی توبہ مقبول نہیں۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اور خدا تعالیٰ خوب واقف ہے کہ کون شخص کس حالت میں توبہ کرتا ہے یاس کی حالت میں یا آس کی حالت میں علامات موت دیکھ کر یا امید زندگی رکھتے ہوئے اور اُس کے تمام افعال حکمت سے بھی خالی نہیں ہیں۔ قبول توبہ کا یہ قانون بھی مصالح سے پُر ہے۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ مذکورۂ بالا آیت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ کن اشخاص کی توبہ مقبول ہے۔ اس آیت میں اُن دونوں فرقوں کا بیان ہے جن کی توبہ غیر مقبول ہے۔ حاصل آیت یہ ہے کہ جو لوگ اس قدر بیباک ہیں کہ برابر گناہ کیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ مسلمان ہیں مگر کسی وقت خدا کی طرف رجوع نہیں کرتے (ابن کثیر وثوری) یا تمام عمر حالت نفاق میں رہتے ہیں بظاہر مسلمان اور باطن میں منافق ہیں اور کبھی نفاق سے توبہ نہیں کرتے۔ سعید بن جبیر وابو العالیہ) بالآخر حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ جب موت کا فرشتہ اُن کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے نزع کی حالت ہو جاتی ہے عذاب کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس وقت ہم توبہ کرتے ہیں گناہوں کی یا نفاق کی معافی چاہتے ہیں ایسے لوگوں کی توبہ ایسے اضطراری وقت میں مقبول نہیں۔ الحاصل علامات موت کے ظہور کے بعد نہ ایمان لانا معتبر ہے نہ گناہوں سے توبہ کرنا۔ ارشاد ہوتا ہے اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ایسے ہی لوگوں کے لیئے ہم نے تکلیف دہ اور ایذا رساں عذاب تیار کر رکھا ہے دوزخ میں اُن کو داخل کرینگے۔

مقصود بیان :- مومن گناہگار کی توبہ تمام عمر مقبول ہے ہزار بار توبہ شکنی کرے پھر بھی اگر گناہوں پر نادم ہو کر سچے دل سے اصلاح اعمال کریگا تو خدا تعالیٰ معاف فرما دیگا۔ اسی طرح تمام عمر کافر کو کفر سے توبہ کرنے کا بھی موقع حاصل ہے جب چاہے توبہ کرلے۔ اضطراری توبہ مقبول نہیں۔ جب یاس کا وقت ہو جائے موت کا یقین ہو جائے علامات موت منکشف ہو جائیں تو توبہ بیکار ہے۔ آیت میں اس امر کی صراحت ہے کہ گناہ کرنا اور خدا کی نافرمانی

کرنی انسان کی جہالت ہے۔ اگر خلق کے عذاب کی حقیقت واقعیہ منکشف ہو جائے تو کوئی انسان گناہ کرنے کی جرأت نہ کرے گو یا خدا کی فرماں برداری کرنی علم و دانائی کی بات ہے اور اُسکے احکام سے سرتابی کرنی نادانی ہے وغیرہ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا

مسلمانو تمہارے لیئے حلال نہیں کہ عورتوں کو

النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا

زبردستی میراث میں لے لو اور نہ یہ جائز ہے کہ دی ہوئی چیز میں سے کچھ

بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ

واپس لے لینے کے خیال سے تم ان کو بند کر رکھو البتہ اگر وہ کھلی ہوئی

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ

بدکاری کی مرتکب ہوتی ہوں تو روک لینے کا اختیار ہے اور عورتوں کے ساتھ

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى

خوش معاملگی سے رہو پھر اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو کیا عجب ہے

اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا

کہ ایک چیز تم کو ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت سی خوبیاں پیدا کر دے

تفسیر جاہلیت کے زمانہ میں دستور تھا کہ جب کوئی مرد مر جاتا تو اُس کا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا یا اُس کا کوئی اور رشتہ دار عزیز آکر متوفی کی بیوی پر چادر ڈال دیتا اور اسکی وجہ سے وہ اس عورت کا سب سے زیادہ حقدار بنجاتا تھا اگر چاہتا تو خود بلا مہر صرف مورث متوفی کے مہر پر اسکو نکاح میں لے آتا اور چاہتا تو کسی دوسرے سے نکاح کرا دیتا اور اگر چاہتا تو نہ خود اُس سے نکاح کرتا اور نہ اسکو بطور خود کسی غیر سے نکاح کرنے دیتا تھا اسی طرح اُسکو تکلیف دیتا تھا اور اگر وہ عورت مر جاتی تو بھی سوتیلا بیٹا یا میت کا عزیز اُس عورت کے مال کا وارث بن جاتا تھا ہاں اگر کپڑا ڈالنے سے قبل وہ اپنے میکے میں چلی جاتی تو خود مختار ہوتی تھی یہی طریقہ شروع اسلام میں رہا یہانتک کہ ابو قیس انصاری کا انتقال ہوا اور متوفی کی بیوی کبشہ بنت قیس انصاریہ اور ایک بیٹا قیس جو دوسری بیوی سے تھا باقی رہا۔ قیس نے کبشہ پر چادر ڈالدی اور نکاح کا وارث ہوگیا۔ کبشہ نے حضور اقدس صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی مصیبت بیان کی اور عرض کیا یا رسول اللہ نہ مجھے خاوند کی میراث ملی نہ میرا پیچھا چھوٹا کہ دوسری جگہ نکاح کر لوں۔ حضور نے فرمایا جاؤ صبر کر کے گھر میں بیٹھو اور حکم کا انتظار کرو اُس وقت یہ آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو تم زبردستی عورتوں کے جان و مال کے وارث نہ بنو یہ تمہارے لیئے قطعًا جائز نہیں کہ اپنے اقربا کی بیویوں وغیرہ کے خواہ مخواہ بغیر کسی شرعی استحقاق کے وارث بن بیٹھو اور صرف ایک چادر ڈالنے سے اُن کے مالک بن جاؤ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ۔ عرب میں دستور تھا کہ جب کسی کو اپنی بیوی کیطرف رغبت نہ رہتی اور رقم مہر پر بیوی کا قبضہ ہو چکتا اور کسی طرح دی ہوئی رقم کی واپسی نہ ہوسکتی تو عورت کو تنگ کرتا تھا نہ تو اُس کو طلاق ہی دیتا تھا کہ وہ آزاد ہو کر عدت مقررہ کے بعد کسی اور سے نکاح کرے نہ اُسکے ساتھ حسن سلوک اور خلق معاشرت سے پیش آتا اور اس سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ عورت کو طلاق دینے کے بعد روک لیا جاتا تھا اور کسی جگہ اُسکو نکاح نہ کرنے دیا جاتا تھا تاکہ تنگ ہو کر وہ غریب عورت اس بے رحم شوہر کی دی ہوئی رقم واپس کر دے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ کسی متوفی کی بیوی کو اُس عورت کا سوتیلا بیٹا روک رکھتا تھا دوسری جگہ نکاح کرنے نہ دیتا تھا تاکہ عورت عاجز ہو کر اپنے متوفی شوہر کا دیا ہوا مہر سوتیلے بیٹے کو واپس کر دے۔ ان تمام صورتوں کی ممانعت اس آیت میں کر دی گئی۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو اگر تم کو اپنی عورتوں کی طرف رغبت نہ ہو اور تم اُن کو طلاق دے چکو یا اُن کے شوہر مر جائیں تو اُن کو تکلیف دینے اور دُکھ پہونچانے کے لیئے بند نہ کر رکھو اور نکاح ثانی سے نہ روکو اور اس وجہ سے اُن کی بندش نہ کرو کہ یہ مجبور ہو کر ادا کردہ مہر واپس کر دینگی۔ ہاں اگر عورتیں تمہاری ناموس دری اور عزت شکنی کرے اور اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ چار گواہوں سے انکی زناکاری ثابت ہو جائے تو ان کو مجبور کر کے مہر کی واپسی جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ سوا عصمت کی شکست کے اگر عورتوں کا کوئی اور خانگی یا بیرونی قصور ہو تو مواخذہ اور سزا دہی کے طور پر انکی بندش کر کے واپسی مہر کا مطالبہ نہ کرو بلکہ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ حسن سلوک، خوش خلقی، محبت و انصاف اور نگہداشت حقوق کے ساتھ اُن سے پیش آؤ اُن سے بہترین برتاؤ کرو۔ نان نفقہ دینے میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔ نرم کلامی اور دلجوئی کو لازم پکڑو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ سلوک کرنے میں بہتر ہو (کما فی الصحیح) فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی کی بدصورتی یا بدسیرتی کی وجہ سے مرد کو اُس سے نفرت ہو جاتی ہے اور اس نفرت قلبی کا نتیجہ خانہ بربادی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اسکے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ اگر عورتوں کی بدصورتی یا زشت خوئی کی وجہ سے تم کو اُن کی طرف سے نفرت ہو جائے

تو تم کو ان ظاہری اسباب کی بناء پر اُن کی طرف سے بے رغبت نہ ہونا چاہیئے کیونکہ ہر چیز کا انجام خدا ہی خوب جانتا ہے تم کو نتیجہ اور مصلحت معلوم نہیں ممکن ہے کہ جس چیز سے تم نفرت کرتے ہو اُسی میں خدا تعالیٰ تمہارے لیئے کوئی سود مند اور فائدہ آمیز نتیجہ پیدا کر دے بدصورت بیوی سے صالح اولاد پیدا ہو جائے یا بدشکل بیوی عصمت و عفت میں دوسری حسین جاذب نظر عورتوں سے زائد ہو یا قبیح المنظر اور کریہ الشکل عورت کا حسن انتظام تربیت اولاد کفایت شعاری گھر کی نگرانی اور اندرونی کمالات ایسے ہوں جو تمہارے لیئے سہولت معیشت اور راحت قلبی کا سامان مہیا کریں لہٰذا عورت کی بدصورتی کو اپنی خانہ بربادی کا ذریعہ نہ بناؤ۔

مقصود بیان:۔ زبردستی عورتوں کے جان و مال کا وارث بننے کی ممانعت - عورتوں سے جبریہ نکاح کرنے کی بازداشت - قومی رسم و رواج کو حکم شریعت کے مقابلہ میں ترک کرنے کی ہدایت - دیا ہوا مہر عورتوں کو مجبور کر کے واپس لینے کی نہی - مطلقہ عورت یا اُس عورت کو جسکے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو عدت گزر جانے کے بعد بند رکھنے اور نکاح نہ کرنے دینے کی ممانعت - عورت کو معلق چھوڑنے اور تنگ کرنے کی صراحۃً نفی - اگر عورتیں عصمت پاشی و عفت شکنی کریں تو ایسی حالت میں دیا ہوا مہر جبریہ اور زبردستی وصول کرنے کی اجازت - عورت کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور سجاوٹ بناوٹ یا توازن اعضاء پر ریجھنا اور اندرونی کمالات پر نظر نہ کرنا اور خیریت انجام کی طرف سے آنکھ بند کر لینا چونکہ خلاف مصلحت و عقل ہے اور تدبیر و دانش کی جڑیں کھوکھلی کر دینے والا ہے اسلیئے اس فعل کی ممانعت کر دی گئی - ایک ضمنی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ عورت کی سب سے بڑی فضیلت عفت و عصمت ہے - دیانت و امانت ہے - کفایت شعاری تربیت اولاد و حسن انتظام خانگی ہے - جو عورت پاکدامن و دیندار کفایت شعار و حقوق زوجیت کی نگہداشت کرنے والی ہے - تربیت اولاد کا سلیقہ رکھتی ہے شوہر کی دلجوئی اور استمالت کر سکتی ہے وہ اُس نظر فریب اور جاذب بصورت رکھنے والی عورت سے بہتر ہے جو بدسلیقہ تندخو تنک مزاج بدسیرت پھوہڑ ہے اور مرد کے واسطے دنیا میں ہی دوزخ کے سامان مہیا کر لیتی ہے۔ عزہ۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ

اور اگر تم ایک عورت کی بجائے دوسری عورت کرنا

زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

چاہو اور ایک (مطلقہ) کو ڈھیروں مال دے چکے ہو تو

تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا

اُس میں سے کچھ واپس نہ لو کیا تم بہتان رکھ کر اور صریح گناہ

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ

سے اسکو اسکو لے لینا چاہتے ہو تم کس طرح اُسکو لے سکتے ہو

وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ

حالانکہ تم ایک دوسرے سے صحبت کر چکے ہو اور

اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○

وہ تم سے مضبوط عہد (عقد نکاح) لے چکی ہیں

تفسیر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض برائیوں یا اسباب ضروری وجوہ کی بناء پر انسان پہلی بیوی کو طلاق دینے اور دوسری بیوی کرنے پر مجبور ہوتا ہے اس کا حکم اس آیت میں بیان ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا یعنی اگر تم کسی خارجی وجہ اور ضروری اسباب کی بناء پر مجبور ہو کہ پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کر لو تو کر سکتے ہو لیکن چونکہ بیوی کی طرف سے طلاق یا خلع کی کوئی استدعا نہیں ہے اسلیئے تم نے جتنا مہر اسکو دیدیا ہے خواہ وہ ایک خزانہ اور بے حساب ڈھیر ہی کیوں نہ ہو بہر صورت تم کو دیئے ہوئے مہر کا کوئی حصہ واپس لینے کا اختیار نہیں ہے۔ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۔ آیت اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے معلوم ہوا تھا کہ اگر عورت کی زناکاری چار عادل گواہوں کی شہادت سے ثابت ہو جائے تو زانیہ عورت مہر سے محروم ہو جاتی ہے اس حکم کے ماتحت ممکن تھا بلکہ کبھی ہوتا بھی ہے کہ صرف مہر نہ دینے یا دیئے ہوئے مہر کو واپس لینے کے لیئے طلاق دینے کے بعد مرد عورت کے چال چلن پر طرح طرح کی بہتان تراشی اور دروغ بافی کرتا ہے اور غریب بیکس کو اُسکے واجبی حقوق سے محروم کرنا چاہتا ہے - اس آیت میں اس قبیح فعل کی تنبیہ آمیز ممانعت کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم عورتوں کا حق مہر تغلب ظلم اور بہتان تراشی کر کے ضبط کرنا چاہتے ہو ایسا ہرگز نہ کرو اور مذکورہ بالا اجازت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ بلکہ عدل و انصاف اور نگہداشت حقوق کو پیش رکھو وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ - یہ گذشتہ ممانعت کی تاکید ہے یعنی تم مہر مقررہ کس طرح

واپس لیتے ہو حالانکہ خلوتِ صحیحہ کرچکے ہو عورتوں نے اپنے نفس کو تمہارے قبضہ میں کردیا تھا اور اس سے مہر کامل واجب ہوجاتا ہے وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا اور نکاح کے وقت تم نے اُن سے وفاداری اور ادائے مہر کا پختہ اقرار کیا تھا اور علی رؤس الاشہاد اُن سے نکاح کیا تھا۔ پھر کیونکر تم اپنے اقرار سے پھرنے کے مجاز ہو (ابن عباس مجاہد سعید بن جبیر کے نزدیک میثاق غلیظ سے مراد نکاح ہے اور ربیع بن انس کے نزدیک میثاق سے مراد وہ عہد ہے جسکی صراحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمائی تھی کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ)

مقصود بیان: عیش پرستی اور شہوت رانی کے خیال کے بغیر کسی ضروری وجہ کی بناء پر پہلی بیوی کو طلاق دینا اور دوسری عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ مہر کی کثرت کی کوئی انتہا نہیں خزانہ کا خزانہ بھی مہر میں دیا جاسکتا ہے۔ دیا ہوا مہر خواہ کتنا ہی ہو واپس لینا ناجائز ہے بشرطیکہ عورت کی طرف سے طلاق کی استدعا نہ ہو۔ خلوت صحیحہ کے بعد کامل مہر کی ادائیگی واجب ہوتی ہے۔ کسی عورت سے نکاح کرنا گویا اس سے وفاداری حسن سلوک اور ادائے مہر کا اقرار کرنا ہے۔ اقرار کی پابندی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ آیت میں نہایت بلند آہنگی اور تاکید کے ساتھ حقوق نسوانی کی حمایت اور ان کے ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور صاف طور پر اعلان کردیا گیا ہے کہ اقرار نکاح ایک نہایت پختہ پیمان وفا ہے جو ہر طرح کے حسن سلوک حسن معاشرت اور حسن معاملہ کا مقتضی ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو تم اُن سے نکاح نہ کرو

مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ

جو گذر چکا وہ گذر چکا | یہ بڑی بے حیائی | اور غضب کی

مَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ؏

بات تھی | اور برا دستور تھا

تفسیر جب ابو محصن صحابی کا انتقال ہوگیا تو جاہلیت کے دستور کے موافق متوفی کے بیٹے محصن نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا چاہا تھا سوتیلی ماں نے کہا محصن میں تو تجھے بیٹا سمجھتی ہوں اور تو اپنی قوم میں نیک شمار ہوتا ہے پھر تجھے اپنی ماں سے اس قسم کی خواہش کرنی زیبا نہیں یہ کہکر وہاں سے اٹھکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور تمام قصہ عرض کردیا۔ حضور نے فرمایا جاؤ صبر کرکے گھر بیٹھو اور انتظار کرو کہ خدا تعالیٰ کیا حکم نازل فرماتا ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی بعض روایتوں میں ابو محصن اور محصن کی بجائے ابو قیس ابن اسلت انصاری اور ان کے بیٹے قیس کا نام مذکور ہے (رواہ ابن ابی حاتم) حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ آیت تین صحابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ قیس بن اسلت۔ اسود بن خلف صفوان بن امیہ۔ ان تینوں صاحبان نے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کرنے کی خواستگاری کی تھی۔ آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ:۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا یا پردادا یا نانا پرنانا وغیرہ نے نکاح کرلیا ہو خواہ خلوت کی ہو یا نہ کی ہو تم ان سے نکاح نہ کرو اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ہاں اس حکم کے نازل ہونے سے قبل جو غلطی اس قسم کی تم سے ہوچکی وہ معاف ہے مگر آیندہ کو ایسی حرکت نہ کرنا کیونکہ اس میں تین خرابیاں ہیں عقلی شرعی عرفی۔ عقلی خرابی تو یہ ہے کہ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً یہ فعل نہایت بے حیائی اور بدتہذیبی کا ہے اس عورت سے نکاح کرنا جو باپ دادا کی منکوحہ ہونے کے اعتبار سے تمہارے لئے واجب الاحترام ہیں یا تمہارے باپ دادا بغیر نکاح کے ہی اس سے تمتع زندگی ہوچکے ہوں کونسی عقل و دانش جائز رکھتی ہے۔ اور شرعی خرابی یہ ہے کہ وَمَقْتًا یہ فعل خدا تعالیٰ کے نزدیک نہایت قبیح مکروہ اور مبغوض ہے اور غضب الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔ حضرت براء بن عازب رضؓ کہتے ہیں کہ میرے ماموں ابو بردہ بن نیار لڑائی کا جھنڈا لئے جارہے تھے مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے دریافت کیا آپ کہاں جاتے ہیں؟ کہنے لگے مجھے رسول اللہ صلعم نے ایک خبیث آدمی کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے حضور نے مجھے حکم دیا ہے کہ اسکی گردن ماردوں اور اس کا مال ضبط کرلوں (رواہ عبدالرزاق وابن ابی شیبہ و احمد والحاکم والبیہقی) وَسَآءَ سَبِيْلًا اور عرفی خرابی یہ ہے کہ یہ شرفاء اور اہل تہذیب کے نزدیک برا طریقہ ہے۔ عزت و ناموس شرف و عزت اس سے برباد ہوجاتی ہے بڑے چھوٹے کا فرق مرتبہ موقوف ہوجاتا ہے

مقصود بیان: بیحیائی، بدتہذیبی اور مکروہ و قبیح افعال کی تاکیدی بندش عزت و ناموس کے برقرار رکھنے اور چھوٹے بڑے کا فرق ملحوظ رکھنے کی ضمنی ہدایت وغیرہ

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَ

تم پر حرام کردی گئی ہیں تمہاری مائیں | بیٹیاں

اَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ

بہنیں | پھوپھیاں | خالائیں | بھتیجیاں

الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ

بھانجیاں | اور وہ مائیں جنھوں نے

اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ
تم کو دودھ پلایا ہے اور رضاعی بہنیں
وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ
اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بی بیوں کی لڑکیاں جو
حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ
تمہاری زیر پرورش ہوں بشرطیکہ اُن بیبیوں سے تم ہمبستری کر چکے ہو
فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ
اگر صحبت نہ کر چکے ہو تو (اُن کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج
عَلَیْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ
نہیں ہے اور تمہارے صلبی بیٹوں کی
اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ
بیبیاں اور بہنوں میں نکاح میں جمع کرنا
اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا
مگر جو پہلے کر چکے وہ کر چکے اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اُن عورتوں کا بیان کیا ہے جن سے نکاح حرام ہے۔ ان میں سے سات اہل قرابت ہیں اور دو کی حرمت رضاعت کی وجہ سے ہے اور چار کی حرمت دامادی کے رشتہ کی وجہ سے ہے۔ اول الذکر سات یہ ہیں:۔ مائیں۔ بیٹیاں۔ بہنیں۔ پھوپھیاں۔ خالائیں۔ بھتیجیاں۔ بھانجیاں۔ متوسط الذکر یہ ہیں:۔ رضاعی مائیں۔ رضاعی بہنیں۔ اور مؤخر الذکر یہ ہیں:۔ خوشدامن۔ مدخولہ بیویوں کی وہ بیٹیاں جو پہلے شوہر سے ہوں۔ اپنے حقیقی بیٹوں کی بیویاں۔ اور ایک وقت میں دو بہنوں کا نکاح میں اجتماع۔ یہ کل تیرہ ہوئیں اور چودہویں قسم کی عورتوں کا ذکر مذکورۂ بالا آیت میں کر دیا ہے یعنی باپ کی منکوحہ یا باپ کی مزنیہ۔ ان کے علاوہ دو عورتوں کی حرمت سنت متواترہ سے ثابت ہے ایک تو اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اسکی پھوپھی سے نکاح کرنا۔ دوسرے بیوی کی موجودگی میں اُسکی خالہ سے نکاح کرنا۔ یہ کل سولہ قسم کی عورتیں ہوئیں جن سے نکاح حرام ہے اور سترہویں عورت وہ حرام النکاح ہے جو کسی غیر شخص کی بیوی ہو اور اُس کا شوہر زندہ ہو اور وہ اُس شوہر کے نکاح میں ہو اُس نے طلاق نہ دی ہو۔ ان سترہ قسم کی عورتوں میں سے بعض تو دائمی طور پر حرام ہیں کبھی اُن سے نکاح جائز نہیں مثلاً اول و دوم قسم کی تمام عورتیں اور بعض ایسی عورتیں ہیں جن سے نکاح دائمی طور پر حرام نہیں کسی خاص وجہ سے حرام ہے اگر وہ وجہ نہ ہو تو اُن سے نکاح جائز ہے مثلاً اپنی بیوی کی بہن سے نکاح بیوی کی موجودگی میں حرام ہے اور بیوی کے انتقال کے بعد یا اُسکو طلاق دینے کے بعد اُسکی بہن سے نکاح جائز ہے۔ ہم تفصیلی معنی بیان کرنے کے بعد ایک گوشوارہ میں تفصیل کے ساتھ تمام اقسام کو بیان کرینگے۔ پہلے معنی کی توضیح کرنا ضروری ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے:۔

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ مسلمانو تمہارے لیئے مذکورہ ذیل عورتوں سے نکاح کرنا شرعاً حرام کر دیا گیا ہے۔ اُمَّهٰتُكُمْ (۱) سگی مائیں سگی دادیاں نانیاں سگی پردادیاں پرنانیاں الیٰ آخرہٖ وَبَنٰتُكُمْ (۲) بیٹیاں پوتیاں پرپوتیاں نواسیاں پرنواسیاں الیٰ آخرہٖ وَاَخَوٰتُكُمْ (۳) بہنیں خواہ ایک ماں باپ سے ہوں یا ایک باپ اور دو ماؤں سے یا ایک ماں اور دو باپوں سے وَعَمّٰتُكُمْ (۴) باپ دادا پردادا وغیرہ کی حقیقی یا خیافی یا علاتی بہنیں وَخٰلٰتُكُمْ (۵) خالائیں یا ماں کی خالائیں یا نانی کی خالائیں یا باپ دادا نانا وغیرہ کی خالائیں وغیرہ وَبَنٰتُ الْاَخِ (۶) بھتیجیاں یا بھتیجوں کی بیٹیاں یا اُن کی نواسیاں پرنواسیاں وغیرہ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ (۷) بھانجیاں یا بھانجوں کی بیٹیاں یا اُن کی نواسیاں پرنواسیاں وغیرہ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ (۸) وہ عورتیں جنہوں نے دودھ پلایا ہو خواہ کتنا ہی پلایا ہو مگر مدت رضاعت یعنی دو یا ڈھائی برس کی عمر سے پہلے پلایا ہو (ڈھائی برس کی عمر کے بعد پلانا حرمت نکاح کا باعث نہیں ہے) وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (۹) دودھ شریک بہنیں۔ چونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جو عورتیں نسب سے حرام ہیں وہی رضاعت سے بھی حرام ہیں اسلیئے علماء نے دودھ شریک بہنوں کے حکم میں مذکورۂ ذیل رضاعی رشتہ دار عورتوں کو بھی داخل کیا ہے:۔ جس لڑکی نے اس شخص کی مدخولہ بیوی کا دودھ پیا ہو وہ بھی اس شخص پر حرام۔ رضاعی پھوپھیاں۔ رضاعی خالائیں۔ رضاعی بھائی کی بیٹیاں۔ رضاعی بہن کی بیٹیاں۔ خلاصہ یہ کہ جو عورتیں رشتۂ نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہی رشتۂ رضاعت کی وجہ سے حرام ہیں۔ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ (۱۰) ساس یا ساس کی ماں نانی پرنانی یا دادی پردادی وغیرہ الیٰ آخرہٖ۔ خواہ بیوی سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو بہرصورت صرف نکاح کر لینے سے اُسکی ماں وغیرہ سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (۱۱) سوتیلی بیٹیاں جو عموماً اس شخص کے زیر پرورش ہوتی ہیں مگر انکی حرمت میں شرط یہ ہے کہ انکی ماں یعنی اپنی بیوی سے صحبت کر لی ہو۔ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اگر نکاح کرنے کے بعد بغیر صحبت کے طلاق دیدی تو اس مطلقہ کی وہ بیٹیاں جو

پہلے شوہر کے نطفہ سے ہوں اس طلاق دینے والے پر حرام نہیں ہیں۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ (۱۲) سگے بیٹوں کی بیویاں۔ اگر سگا بیٹا نہ ہو بلکہ منہ بولا بیٹا ہو تو اُسکی بیوی سے نکاح درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی بیوی سے نکاح کیا تھا۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (۱۳) دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا یعنی بیوی کی موجودگی میں اسپر اسکی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ یہ دونوں بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی ہوں یا رضاعی ہوں۔ ہاں دو بہنوں کو یکدم خرید سکتا ہے مگر صحبت دونوں سے نہیں کرسکتا۔ قربت صرف ایک سے ہی کریگا اور جب تک اسکو اپنی ملک سے خارج نہ کردیگا دوسری سے قربت حرام ہے۔

گوشوارۂ محرمات

محرمات	حکم
ماں نانی پرنانی دادی پردادی بہرحال وہ عورتیں جن سے اس کا نسب شروع ہوتا ہے۔	دائمی حرام ہیں
بیٹیاں پوتیاں پرپوتیاں نواسیاں پرنواسیاں یعنی وہ عورتیں جنکے نسب کی انتہا اس شخص پر آکر ہوتی ہو۔	″
بہن خواہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی۔	″
باپ دادا پردادا وغیرہ تمام اصول کی حقیقی یا علاتی یا اخیافی بہنیں۔	″
خالہ یا ماں نانی پرنانی وغیرہ کی خالہ یا دادا پردادا نانا وغیرہ کی خالہ	″
بھتیجیاں یا اُن کی بیٹیاں پوتیاں نواسیاں پرپوتیاں پرنواسیاں وغیرہ	″
بھانجیاں یا اُن کی بیٹیاں پوتیاں پرپوتیاں نواسیاں پرنواسیاں وغیرہ	″
رضاعی ماں رضاعی بیٹی رضاعی پھوپھی رضاعی خالہ بشرطیکہ ڈھائی برس کی عمر کے اندر دودھ پلایا گیا ہو۔ بہرحال رشتۂ رضاعت حرمت نکاح کا سبب ہے	″
منکوحہ کی ماں نانی پرنانی دادی پردادی وغیرہ تمام اصول۔	″
مدخولہ بیوی کے پہلے شوہر کے نطفہ سے بیٹیاں پوتیاں نواسیاں وغیرہ	″
سگے بیٹوں کی بیویاں	″
بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح کرنا خواہ سالی حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی یا رضاعی۔	نہ دائمی حرام نہیں ہے بلکہ بیوی کے انتقال کے بعد یا اسکو طلاق دینے کے بعد سالی سے نکاح جائز ہوجاتا ہے
شوہر دار عورتیں یعنی وہ عورتیں جن کے شوہر موجود ہوں اور اُنھوں نے طلاق نہ دی ہو خواہ کہیں ہوں اور خواہ یہ عورتیں آزاد ہوں یا باندی۔ مسلمان ہوں یا کتابی بہرصورت غیر کی منکوحہ سے جب تک وہ طلاق نہ دے نکاح درست نہیں۔ ہاں اگر جنگ میں کچھ عورتیں گرفتار ہوکر آئیں اور اور اُن کے کافر شوہر وہاں موجود بھی ہوں تو ان سے نکاح ناجائز نہیں ہے۔	یہ حرمت بھی دائمی نہیں ہے۔
بیوی کی موجودگی میں اُس کی خالہ یا پھوپھی سے نکاح جائز نہیں اور اگر بیوی کو طلاق دیدے یا وہ مرجائے تو پھر اُس کی خالہ یا پھوپھی سے نکاح جائز ہے	حرمت دائمی نہیں
بیوی کی موجودگی میں اُسکی بھانجی بھتیجی سے نکاح درست نہیں۔ ہاں اگر بیوی کو طلاق دیدے یا وہ مرجائے تو جائز ہے۔	حرمت دائمی نہیں
اس عورت سے نکاح ناجائز ہے جس سے باپ دادا پردادا نانا پرنانا وغیرہ اصول نے نکاح کرلیا ہو خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اسی طرح اُس عورت سے نکاح درست نہیں جس سے باپ دادا وغیرہ نے بغیر نکاح زنا کرلیا ہو۔	حرمت ابدی ہے

ہدایت خاص چونکہ محرمات کے متعلق علماء میں اختلاف ہے اسلئے ہم نے تمام اختلافات سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف حنفی مسلک کو پیش کیا ہے اور دیگر ائمہ کے مسالک سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

پانچواں پارہ

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ

اور خاوند والی عورتیں بھی حرام ہیں ہاں جو باندیاں تمہاری

اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ

مملوک ہوں یہ تمہارے لیئے اللہ کا تحریر کردہ حکم ہے ان کے علاوہ

لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

تمہارے لیئے تمام عورتیں اس طرح حلال ہیں کہ اپنے مال کے عوض میں انکی طلب کرو

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

مگر عفت حاصل کرنے کے لیئے نہ کہ شہوت رانی کے لیے

تفسیر وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اس آیت کا ارتباط ماقبل کی آیت سے ہے یعنی اُن عورتوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے جو شوہر والیاں ہوں اُن کے شوہر زندہ ہوں اور اُن کو طلاق نہ دی گئی ہو خواہ یہ عورتیں مسلمان ہوں یا یہودی یا عیسائی۔ ہاں جو عورتیں جہاد میں گرفتار ہوکر آئیں اور اُن کے شوہر انکے ساتھ گرفتار ہوکر نہ آئیں اور وہ مسلمانوں کی باندیاں ہو جائیں تو جسکے حصہ میں وہ باندی آجائے اسکو بغیر نکاح کے صرف ایک حیض کی مدت ختم کرنے کے بعد اُس سے قربت حلال ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رض کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ اوطاس کی گرفتار کردہ عورتوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (رواہ احمد۔ الترمذی والنسائی وابن ماجہ و مسلم وعبدالرزاق وابوداؤد) حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ یہ آیت جہاد خیبر کی قیدی عورتوں کے حق میں نازل ہوئی۔ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یعنی یہ حکم الٰہی ہے خدا نے تم پر نہایت تاکید کے ساتھ فرض کیا ہے اور پندرہ اقسام کی عورتوں کو تم پر حرام کر دیا ہے۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اور مذکورہ اقسام کے علاوہ دیگر عورتیں تمہارے لیئے حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لیئے جائز ہے کہ ان کے علاوہ اور سے نکاح کرو۔ یہ آیت اگرچہ عام ہے مگر علماء شریعت کے نزدیک از روئے حدیث و اجماع بعض قسم کی عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ خالہ اور پھوپھی پر اُسکی بھانجی بھتیجی سے نکاح کرنا یا بھانجی بھتیجی پر اُسکی خالہ پھوپھی سے نکاح کرنا اسکو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ چار عورتیں ہوں تو پانچویں سے نکاح حرام ہے۔ اگر مرد و عورت میں لعان ہوا اور لعان کے بعد بحکم حاکم جدا کر دیئے گئے تو پھر اس عورت سے اس مرد کا نکاح قطعاً کبھی جائز نہیں۔ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ یہ کلام سابق کا تتمہ ہے پہلی آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ محرمات کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اب اس نکاح کی شرطیں بیان کی جاتی ہیں جو تمدن و معاشرت کی اصلاح کے لیئے نہایت ضروری ہیں۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ کچھ مال صرف کرکے عورتوں کو حاصل کرو مہر ادا کرو تاکہ مرد کی خواہش اور بیوی کے اعزاز کا اظہار ہو جائے لوگوں کو نکتہ چینی کا موقعہ نہ ملے۔ خفیہ سازش اور در پردہ یارانہ معلوم نہ ہو اور مرد کو بیوی کے خاندان سے ایک خاص تعلق اور ارتباط پیدا ہو جائے۔

دوسری شرط یہ ہے مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کہ اس نکاح سے مقصود پاکدامنی اور عصمت کوشی ہو۔ شہوت رانی اور قضاء مستی غرض نہ ہو۔ یہ شرط ہر قسم کی عیش پسندی خرید عصمت اور جذبات بہیمیت کی بندگی سے روکتی ہے۔ اس میں بالکل واضح کر دیا گیا ہے کہ مرد و عورت کے تعلق سے محض جذبات بہیمیت کا مقتضا پورا کرنا اور فوری جوش نفسانی کا بجھانا مقصود نہ ہو بلکہ تمدن و معاشرت کا استحکام و اصلاح اور اخلاق و شرافت کی استقامت اصل غرض ہونی چاہیئے۔ عورت کو پابند بنانا اور خود پاکدامن بننا مدعا اصلی ہونا لازم ہے۔

مقصود بیان:۔ نکاح کے لیئے مہر لازم ہے بغیر مہر نکاح نہیں ہوتا نکاح سے مقصود محض داعی نفسانی کی خواہش پوری کرنی نہ ہونا چاہیئے باہم یارانہ گانٹھنا اور در پردہ خفیہ سازشیں کرکے تعلقات پیدا کر لینا اور ناموس و عزت کو تباہ کرنا تعلیم اسلامی کے خلاف ہے۔ عصمت کوشی اور عصمت مآبی مسلمانوں کا فرض اولین ہے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ

پھر جن عورتوں سے تم نے لطف صحبت اٹھایا ہو اُن کو

اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

اُن کا مقرر کردہ مہر دیدو اور اگر مہر ٹھیرا لینے کے بعد

فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ

تم باہم رضامندی سے مہر میں کچھ کمی بیشی کر لو تو کوئی حرج نہیں ہے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○

بلا شبہ اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے

تفسیر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۔ یعنی نکاح کرنے اور تمتع صنفی حاصل کرنے کے بعد تم عورتوں کا مقررہ مہر ادا کرو کیونکہ درحقیقت مہر قربت صنفی کا معاوضہ ہے (حسن مجاہد ابن عباس ابن عمر وغیرہ) بعض مفسرین اور تابعین نے اس آیت سے جواز متعہ پر استدلال کیا ہے لیکن عام مفسرین و صحابہ کے نزدیک اس آیت میں تمتع سے نکاح کے بعد انتفاع صنفی اور قربت و وصل مراد ہے۔ ابن کثیر نے بھی یہی معنی مراد لیے ہیں اور اگر متعہ ہی مراد لیا جائے تو اس آیت کو منسوخ ماننا پڑیگا۔ حضرت علی اور دیگر صحابہ کی روایات صحاح ستہ اور دیگر سنن و مسانید میں موجود ہیں جن سے متعہ کا صریحی نسخ ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر کی مقدار بجانب قلت تو معین ہے اور بجانب کثرت معین نہیں اور امام شافعیؒ کے مسلک پر قلت و کثرت دونوں زوجین کے اختیار میں ہیں۔ شرعًا مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ حاصل اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس درم سے کم مہر نہ ہونا چاہیئے۔ باقی زیادتی کی کوئی حد مقرر نہیں خواہ ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ کتنی ہی رقم ہو سب جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مہر کی کمی بھی محدود نہیں ایک درہم آدھا درہم جو کچھ تراضی زوجین سے طے ہو جائے صحیح ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ

یہ خطاب عام ہے تمام مرد و عورتیں اس میں عمومًا برابر ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اگر مہر مقرر کر کے نکاح کرنے کے بعد مرد و عورت باہم رضامندی سے اپنے حق کو معاف کر دیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عورت اگر کل مہر معاف کر دے یا نصف یا چوتھائی یا کم کی حصہ مرد کو ہبہ کر دے یا مرد مقررہ مہر سے زیادہ دیدے تو جائز ہے مگر باہمی رضامندی شرط ہے۔ جبریہ مہر معاف کرانا حرام ہے اور چونکہ زبردستی اور رضامندی کا علم غیروں کو نہیں ہو سکتا اور اس کا تعلق صرف معاشرت زوجین سے ہے اس لیئے ارشاد ہوتا ہے کہ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا خدا علیم و حکیم ہے تمہاری تراضی اور جبر سے وہ خوب واقف ہے اگر زبردستی معاف کراؤ گے اور بیوی کی حق تلفی کرو گے تو خدا تعالیٰ سزا دیگا اور چونکہ وہ حکیم بھی ہے اسلیئے کوئی حکم اُس کا مصلحت سے خالی نہیں اگر شوہر نادار ہے مفلس ہے زر مہر کی ادائیگی اُس سے ناممکن ہے تو بیوی کو معاف کر دینا چاہیئے معاف کر دینا شرعًا جائز اور مبنی بر حکمت ہے۔

مقصود بیان:- مہر انتفاع صنفی کا معاوضہ ہے اگر خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو تو کل مہر واجب نہیں ہوتا۔ عورت اور خصوصًا حرہ عورت قابل حرمت و عزت ہے اُس کے حقوق کی پاسداری اور مہر کی ادائیگی لازم ہے۔ معافی مہر کا قانون مبنی بر حکمت ہے۔ اگر معاف کرنا ناجائز ہوتا تو نادار شوہروں کو بڑی دشواریاں برداشت کرنی پڑتیں۔ عورت سے جبریہ مہر معاف کرانا قطعًا ناجائز ہے۔ آیت میں ضمنی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ بیوی کے حقوق کو بیدردی سے پامال کرنا اور حقوق زوجیت کو ادا نہ کرنا اور حسن معاشرت کا پابند نہ ہونا تعلیم اسلامی کے خلاف ہے۔

وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ

اور تم میں سے جسکو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے

الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ

کا مقدور نہ ہو تو مملوک

أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَ

مسلمان باندیوں سے نکاح کر لے اور

اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۚ

اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم ایک دوسرے کی جنس سے ہو

فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ

تو اُن باندیوں سے اُن کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے

أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ

مطابق اُن کے مہر اُن کو دیدو بشرطیکہ وہ مقید نکاح میں لائی جائیں

مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۚ

بدکار اور خفیہ آشنائی نہ کرلیں

فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ

پھر جب وہ قید نکاح میں آچکیں اور اسکے بعد زنا کا ارتکاب کریں

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ

تو اُن پر اُس سزا کا نصف حصہ لازم ہے جو آزاد بیبیوں پر

الْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ

ہے یہ (نکاح کرنے کا حکم) تم میں سے اُس شخص کیلئے ہے جسکو زنا میں

مِنكُمْ ۚ وَأَن تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ

پڑ جانے کا اندیشہ ہو اور اگر صبر رکھو تو تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ع ٣

غفور رحیم ہے

تفسیر

مذکورۂ بالا آیت میں آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کا بیان تھا اور چونکہ آزاد عورتوں سے نکاح کرنے میں مصارف زیادہ ہوتے ہیں اور مہر بھی زائد دینا ہوتا ہے اسلیئے ہر شخص کے واسطے آزاد عورتوں سے نکاح کرنا آسان نہیں اور مجرد رہنا بھی مصلحت کے خلاف ہے خطرہ سے خالی نہیں بنا بریں اس آیت میں پاکدامن لونڈیوں سے

نکاح کا حکم دیا جاتا ہے - آیت مذکورہ میں طَوْل کے معنی مالداری اور تونگری کے ہیں - ابن عباس رض مجاہد سدی سعید بن جبیر اور عموماً جمہور علماء کا یہی قول ہے البتہ قتادہ نخعی اور بعض دیگر اکابر کے نزدیک صبر مراد ہے - ہم قول جمہور کے موافق تفسیری معنی بیان کرتے ہیں - حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ جس شخص کو آزاد ایماندار عفت مآب عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی استطاعت نہ ہو اس کے واسطے ایک سہل ترکیب یہ ہے کہ کسی باندی سے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو نکاح کرلے - اس صورت میں مہر بھی کم ادا کرنا ہوگا اور مصارف میں بھی زیادتی نہ ہوگی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ - گذشتہ آیت میں باندی سے نکاح کرنے کی یہ شرط لگائی تھی کہ باندی مسلمان ہو - اس آیت میں انسانی مساوات کو ظاہر کرتے ہوئے ایمان کو وجہ ترجیح قرار دیا ہے - حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تمہارے ایمان سے خوب واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ انسانی تفوق و امتیاز صرف ایمان و اسلام کے ساتھ وابستہ ہے آزاد ہو یا مملوک اس ترجیح ایمانی میں سب شریک ہیں مؤمن ہونے کے بعد کسی کو کسی پر فوقیت و برتری نہیں ہے سب آدمی ہیں نسلی امتیاز ہیچ ہے کل انسان بنی آدم ہیں اور آزاد و مملوک ہونا خارجی بات ہے - مملوک ہونے سے انسانیت میں کوئی کمی نہیں پیدا ہو جاتی ہے - لہٰذا فَانْكِحُوْهُنَّ تمہارے لیے مناسب ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کرلو لیکن اسکے واسطے تین شرائط ہیں - پہلی شرط تو یہ ہے کہ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ باندیوں سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کیا جائے جب تک ان کی اجازت نہ ہو نکاح نہ کیا جائے - دوسری شرط یہ ہے کہ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ جو کچھ مہر وغیرہ مقرر ہو دستور کے موافق بحسن معاشرت ان کو دیدیا جائے اور جو مصارف لازمی ہوں ان کو پورا کیا جائے تیسری شرط یہ ہے کہ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ لونڈیاں پاکدامن عفت کوش ہوں علی الاعلان عصمت فروشی کرنے والیاں نہ ہوں اور نہ درپردہ خانہ نشین ہوکر آشنائی کرنے والیاں ہوں - مطلب یہ ہے کہ شرافت و ناموس اور عزت و عفت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے نکاح کیا جائے کوئی ایسی بات جو خلاف شرافت و عفت ہو نہ کی جائے - فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ اب نکاح ہو جانے کے بعد (ابن عباس - ابو درداء - مجاہد - عکرمہ - طاؤس - حسن - قتادہ وغیرہ) یا اسلام و عفت کے بعد (ابن مسعود - ابن عمر - انس - فاروق اعظم - اسود بن یزید سعید بن جبیر - عطاء - خراسانی - ابراہیم نخعی - شعبی - سدی وغیرہ) اگر لونڈیاں زنا کا ارتکاب کریں تو جتنی سزا اور شرعی حد دوشیزہ آزاد عورتوں کے واسطے زنا کی مقرر ہے اس سے نصف ان باندیوں کو دینا چاہیئے - آزاد دوشیزہ کو سو درے لگائے جاتے ہیں تو باندی کو پچاس کوڑے مارے جائیں - ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ باندیوں سے نکاح کرنے کا جواز صرف ان لوگوں کے لیے ہے جن کو حرام کاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اپنے نفس پر قابو نہ ہو سکے ورنہ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ صبر کرنا اور باندی سے نکاح نہ کرنا ہی افضل ہے بہت سے فوائد اس کے اندر پوشیدہ ہیں مثلاً حرہ کی اولاد میں غلامی کی خو بو نہیں ہوتی اور باندی کی اولاد میں بطور توارث کے اپنی ماں کے اخلاق و اوصاف منتقل ہوکر آتے ہیں - حرہ جسطرح اپنی اولاد کو تربیت کرسکتی ہے باندی نہیں کرسکتی - وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ خدا غفور رحیم ہے اس نے اپنی رحمت سے انتہائی مجبوری کے وقت باندی سے نکاح کرنے کو جائز کر دیا - نسل انسانی کے تفوق و امتیاز کو توڑ کر معیار برتری ایمان و اسلام کو قرار دیا -

مقصود بیان :- نسلی امتیاز - قومی وجاہت اور خلاف اسلام رسم و رواج کی نہایت بلند آہنگی سے مخالفت - مساوات انسانی کا مظاہرہ - اسلام و اتقاء پر برتری و تفوق کا دارومدار - عفت کوشی اور حفظ ناموس کی نہایت بلیغ تعلیم - حقوق زوجیت ادا کرنے کا ضمنی حکم بغیر مالک کی اجازت کے باندی کا نکاح نہ ہونے کی صراحت - آزاد دوشیزہ سے شادی شدہ باندی کے لیئے زنا کی سزا میں تنصیف - حریت و تربیت اولاد کی طرف نازک ترین پیرایہ میں ایماء و ترغیب - وغیرہ

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے سامنے کھول کر بیان کردے اور ان لوگوں

سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ

کے راستہ پر تم کو چلائے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور تم پر توجہ

عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ

فرمائے اور اللہ باخبر و باحکمت ہے اور اللہ

يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ

تم پر توجہ کرنی چاہتا ہے اور جو لوگ

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا

خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (راہ راست سے)

مَيْلًا عَظِيمًا ○ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ

بہت دور مڑ جاؤ — اللہ تم سے بوجھ — ہلکا کرنا

عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ○

چاہتا ہے — اور انسان کمزور ہی پیدا کیا گیا ہے

تفسیر يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ یعنی خدا تعالیٰ نے جو یہ احکام اور قوانین تمہارے لیئے بیان کیئے ہیں یہ درحقیقت تمہارے ہی فائدہ کے لیئے ہیں خدا چاہتا ہے کہ جو احکام تمہارے واسطے سود مند ہیں اُن کو کھول کر بیان کردے اور سابقہ صالحین کو جس طرح ہدایت کی تھی اُسی طریق ہدایت کی تم کو بھی تعلیم دے اور تم کو منزل مقصود تک پہنچا دے وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ اب اگر اشیاء کی تحلیل تحریم اور اوامر و نواہی میں تم کو شیطانی شکوک واقع ہوں اور احکام کی مصلحت و حکمت تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو تم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا علیم حکیم ہے ہر چیز کے فوائد اور ہر حکم کے مصالح سے وہ بخوبی واقف ہے اُس کا کوئی فعل اور کوئی حکم مصلحت و حکمت سے خالی نہیں ہوتا خواہ اُسکی خوبی تمہاری سمجھ میں آئے یا اغواء شیطانی کی وجہ سے تم اُسکے فوائد کو نہ سمجھ سکو وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ شہوت پرست مجوسی یہ خیالات فاسدہ مسلمانوں میں پھیلاتے تھے اور کہتے تھے کہ شریعت اسلامی بھی عجیب شریعت ہے خالہ اور پھوپھی کی بیٹیوں سے نکاح تو حلال کر دیا اور بھانجی بھتیجی کو حرام قرار دیا حالانکہ اصول کے اعتبار سے سب کے ساتھ نکاح حرام ہے نہ خالہ پھوپھی سے جائز ہے نہ بہن سے پھر یہ تفریق کیوں ہے (روح المعانی) کمالین میں ہے کہ یہودیوں کے نزدیک بھانجی بھتیجی اور علاتی بہن سے نکاح درست تھا اور بندگان نفس بھانجیوں بھتیجیوں اور بہنوں کو بھی شہوت رانی کا آلہ بنا لیتے تھے اُسپر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس مکمل آیت میں اسلام کا معتدل راستہ صاف ظاہر کر دیا گیا ہے اور دیگر مذاہب کی افراط و تفریط کی تردید کی طرف نہایت واضح اشارات کر دیئے گئے ہیں۔ اسلام کے راہ مستقیم کی طرف تو آیت کے مذکورہ بالا ٹکڑے میں اشارہ ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ:- خدا چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے اور تمہارے حال پر توجہ فرمائے یعنی افراط و تفریط کو چھوڑ کر سیدھا راستہ تم کو بتا دے وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا اور پرستاران شہوت چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستہ سے بالکل دور جا پڑو یعنی ماں بہن بھانجی بھتیجی وغیرہ کو شہوت رانی کا ذریعہ بنا لو اور راہ راست سے بھٹک جاؤ اور بالکل شتر بے مہار بن جاؤ۔ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ اور خدا چاہتا ہے کہ تمہارے لیئے احکام میں سہولت و تخفیف کر دے نہ یہ کہ تم شتر بے مہار بن جاؤ اور نہ یہ کہ احکام میں تنگی اختیار کر کے انتہائی تنگ خیال اور تنگ عقیدہ بن جاؤ کیونکہ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا انسان فطرتاً کمزور پیدا ہوا ہے سخت احکام کو برداشت نہیں کر سکتا قوت شہوانیہ کو بالکل دبا نہیں سکتا نفس و خیالات کو مٹا نہیں سکتا اور عورتوں سے قطع تعلق پر صبر نہیں کر سکتا۔ لہذا اُس کے لیئے صحیح اور معتدل راستہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ اُسپر چل کر مقتضاء فطری کو بغیر زیادتی کمی کے پورا کر سکے۔

مقصود بیان:- قانون ہدایت خدا تعالیٰ نے تمام عالم کے لیئے ایک ہی بنایا ہے صرف جزئیات اور دفعات کا فرق ہے۔ اسلام افراط و تفریط کے درمیان راہ مستقیم کا نام ہے دیگر مذاہب نے کج رو پگڈنڈیاں اختیار کیں اور سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔ قوت شہوانیہ کو مردہ کر لینا اور تارک الدنیا سادھو بننا فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ اسلام شہوت پرستی سے روکتا ہے۔ اور جائز طور پر مقتضائے طبعی پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے وغیرہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ

مسلمانو — آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طور

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ

پر نہ کھایا کرو — ہاں اگر تمہاری آپس کی رضامندی

تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا

سے خرید و فروخت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے — اور خودکشی

أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ○

نہ کرو — بلاشبہ اللہ — تم پر مہربان ہے

وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا

جو شخص بے جا طور پر اور زیادتی کر کے ایسا کرے گا

فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ

ہم عنقریب اُسکو دوزخ میں داخل کر دینگے — اور یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ○

اللہ پر سہل ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں حقوق نسوانی کی ادائیگی اور معاشرت زوجی کو بطریق احسن انجام دینے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اب عام معاشرت اقتصاد اور اخلاق کی اصلاح کا حکم دیا جاتا ہے اور بعض اخلاقی معاشرتی جرائم کی ممانعت کی جاتی ہے۔ حاصل آیت یہ ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بِالْبَاطِلِ مسلمانو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ یعنی غصب چوری ڈاکہ خیانت رشوت دغا بازی اور سود خواری وغیرہ کے ذریعہ سے حصول مال کی کوشش نہ کرو اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ہاں اگر باہم رضامندی سے خرید فروخت کر کے مال حاصل کرو تو اُس کا کھانا مضرت رساں نہیں ہے مگر رضامندی ضروری ہے خواہ قولی ہو یا فعلی یا رواجی۔ خلاصہ یہ کہ ناجائز ذرائع سے پرایا مال نہ حاصل کرو وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اور باہم خون ریزی بھی نہ کرو آپس میں ایک دوسرے کو ناحق قتل بھی نہ کرو کیونکہ تم سب ایک ہی ہو کل بنی آدم بھائی بھائی ہیں خصوصًا اسلام نے تو رشتۂ اخوت اور مضبوط کر دیا ہے تو جس طرح خودکشی کرنا حرام ہے اسی طرح دوسرے کو بلاوجہ قتل کرنا بھی حرام ہے۔ حاصل مطلب یہ نکلا کہ پرائی جان مال کا احترام کرو نہ کسی کی بلاقصور جان لینے کی کوشش کرو نہ کسی کا مال دھوکہ فریب سود اور جبر و ظلم سے حاصل کرو کیونکہ تم سب ایک ہو ایک کا مال ویسے ہی دوسرے کی نظر میں محترم ہونا چاہیئے جسطرح اپنا مال ہوتا ہے اور دوسرے کی جان بھی ایسی ہی پیاری ہونی چاہیئے جیسے اپنی ہوتی ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے، مال و جان کا احترام تم پر اُس نے واجب کر دیا۔ بنی اسرائیل کی طرح توبہ کے لیے قتل نفس کو ضروری کیا جائز بھی قرار نہ دیا تم مظہر اسرار رحمانی ہو خدا تعالیٰ کی صفت رحمت تمہارے شامل حال ہے لہذا تم خود بھی دوسرے کی جان و مال کا احترام کرو وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا۔ اب جو شخص کسی کے مال و جان پر جبرہ دستی کریگا اور ناحق کسی کا مال ماریگا یا جان لیگا تو ہم اُسکو دوزخ میں داخل کرینگے (وہاں کسی کی دولت جمع کیا ہوا مال ناجائز حاصل کی ہوئی عزت و حکومت اور کوہ شکن طاقت کام نہ آئیگی) کیونکہ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا یہ بات خدا کے واسطے بہت آسان ہے دوزخ میں داخل کرنا اور بداعمالیوں کی سزا دینا اُسکے نزدیک کچھ دشوار نہیں ہے۔

مقصود بیان: پرائے مال میں تصرف ناحق قطعًا حرام ہے چوری ڈاکہ غبن خیانت فریب دغا رشوت غصب اور دیگر اقسام کے تمام ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ تجارت سے منافع حاصل کرنے جائز ہیں۔ تجارت بغیر تراضی طرفین کے نہیں ہوتی کسی کو مجبور کر کے خرید یا فروخت کا اقرار کرانا شرعی تجارت کے لیئے ناکافی ہے۔ خرید فروخت کے لیئے لفظی ایجاب و قبول ہی ضروری نہیں بلکہ رسمی اور رواجی اشارات جو ایجاب و قبول کا اظہار کرتے ہوں کافی ہیں۔ قتل نفس جبرہ دستی اور ظلم کسی کے ساتھ ناجائز ہے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ قصاص لینا بشرطیکہ عدالت شرعی نے فیصلہ کر دیا ہو ناجائز نہیں ہے۔ انسان اسرار رحمانی کا مظہر ہے۔ آیت میں نازک ترین ایماء اس طرف بھی ہے کہ تمام بنی آدم بھائی بھائی ہیں اور تمام مسلمانوں کا مجموعہ تو مثل ایک جسم کے ہے اور ہر مسلمان مثل عضو کے ہے لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ دوسرے کی جان و مال کا احترام اپنی جان و مال کی طرح کرے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

اگر تم ممنوعہ کبیرہ گناہوں سے بچے رہو گے تو چھوٹے گناہ ہم

عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا

تم سے ساقط کر دینگے اور تم کو عزت کے مقام میں

كَرِیْمًا ۝

داخل کریں گے

تفسیر یہ آیت گذشتہ آیت کا تکملہ ہے اس میں توبہ کی ترغیب دی گئی ہے اور نیک اعمالی کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے گویا پہلی آیت میں معاشرتی اخلاقی اور اقتصادی محرمات کی اصلاحی ہدایت تھی اور اس آیت میں ہدایت سے قبل کے گناہوں کی معافی کا اعلان ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے جنکی شریعت میں ممانعت کر دی گئی ہے تو نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ ہم چھوٹے چھوٹے گناہ ویسے ہی معاف کر دینگے اور اپنی رحمت و مغفرت سے صغیرہ گناہوں کی سزا دیئے بغیر جنت میں داخل کر دینگے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کبیرہ گناہ سات سو کے قریب ہیں بعض علماء نے ستر کی تعداد بیان کی ہے۔ مختلف حدیثوں سے مختلف تعداد معلوم ہوتی ہے۔ علماء اہل سنت کا صحیح فیصلہ یہ ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جسکے کرنے پر شرع میں وعید آئی ہے خواہ اُسکی کوئی دنیوی سزا اور حد مقرر کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔ مثلاً قتل زنا چوری جھوٹی گواہی والدین کی نافرمانی وغیرہ۔ درحقیقت ہر گناہ اپنے سے بالاتر گناہ کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور زیرین گناہ کا لحاظ کرتے ہوئے کبیرہ ہے۔ اسلیئے کبیرہ اور صغیرہ کا معیار تعیین صرف یہ ہو سکتا ہے کہ جس گناہ پر شرعًا وعید ہے وہ کبیرہ ہے۔ ورنہ صغیرہ۔

مقصود بیان: کبیرہ گناہوں سے اجتناب رکھنے کے بعد بغیر توبہ کے ہی صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں (اور توبہ کرنے سے کبیرہ گناہ بھی معاف کر دیے جاتے ہیں) آیت میں توبہ کی ترغیب - ترک کبائر کی ہدایت اور مطلق گناہ سے عمومی باز داشت ہے - وغیرہ

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ

اور تم ایسے امر کی ہوس نہ کرو جس میں اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر

عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا

فضیلت عطا کی ہے — مردوں کے لیے اُن کے اعمال کا خصوصی

اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا

حصہ ہے — اور عورتوں کے لیے اُن کے اعمال کا خصوصی

اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

حصہ ہے — اور اللہ سے اُس کا فضل مانگتے رہو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ○

بلاشبہ اللہ — ہر چیز سے — خبردار ہے

تفسیر ایک عورت نے حضور انور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ عورتوں کو میراث میں مردوں سے نصف حصہ ملتا ہے تو کیا نیک اعمال کا بھی ان کو نصف اجر ہی ملے گا اُس وقت یہ آیت اُتری - بعض روایات میں مذکور ہے کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورۂ بالا سوال کیا تھا - حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ واقعی خدا نے اپنی مصلحت و حکمت کی بنا پر عورتوں کا حصہ میراث میں مردوں سے نصف رکھا ہے اور اس استحقاق میراث میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے مگر تم کو باہم ایک دوسرے پر رشک و حسد نہ کرنا چاہیے (کیونکہ ان بعض احکام میں تفریق تو مصلحت پر مبنی ہے باقی) لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ اُخروی اجر کے اعتبار سے سب برابر ہیں عورتیں ہوں یا مرد سب کو اپنے اپنے اعمال کا پورا پورا اجر ملیگا لہذا مناسب ہے کہ ایک دوسرے پر رشک و حسد نہ کرو کیونکہ اُس کا کیا قصور ہے خداداد فضیلت و برتری اُس کو حاصل ہے بلکہ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ خدا سے اپنی حاجت کا سوال کرو اور اُسی سے فضل کے طالب ہو - آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت سدی کا قول مروی ہے کہ چند مردوں نے خواہش کی تھی کہ جسطرح ہمارا حصہ میراث میں عورتوں کے حصہ سے دوچند ہے اسی طرح ہمارا اجر بھی دوچند ہونا چاہیے - اسکے علاوہ عورتوں نے بھی تمنا کی تھی کہ ہم کو شہیدوں کا ثواب ملنا چاہیے کیونکہ اگر ہم پر جہاد فرض کیا جاتا تو ہم ضرور راہ خدا میں لڑتے ان دونوں تمناؤں سے اس آیت میں منع کر دیا گیا اور فرما دیا گیا کہ ایسی تمنا نہ کرو مرد و عورت کے لئے علیحدہ علیحدہ مخصوص اجر ہے - بہر حال آیت مذکورہ نے حسد و رشک کی بیخ کنی کر دی - اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا گذشتہ حکم کی یہ لطیف ترین توجیہ ہے یعنی باہم ایک دوسرے کی خداداد فضیلت و برتری دیکھ کر رشک نہ کرو کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز ہر حکم اور ہر مصلحت و حکمت سے خوب واقف ہے - ہر صنف انسانی کی قابلیت کے موافق اُس نے فضیلت عطا کی ہے اور ہر شخص کی صلاحیت و استعداد کے مطابق وہ سرفراز فرماتا ہے اُس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے -

مقصود بیان: خدا تعالیٰ نے ہر صنف انسانی کو بعض اوصاف میں دوسری صنف سے امتیاز عطا کیا ہے - خداداد فضل پر رشک و حسد کرنا حرام ہے - خدا تعالیٰ نے ہر شخص کو اُسکی قابلیت اور اپنی حکمت و مصلحت کے موافق نعمت سے سرفراز فرمایا ہے - عورت و مرد بلکہ ہر شخص کا مخصوص اجر علیحدہ علیحدہ ہے - ہر صنف کو اور ہر فرد کو اُس کے اعمال کا مخصوص اجر پورا پورا ملیگا - ہر عافیت و کشائش و نعمت کا سوال خدا ہی سے کیا جاتے -

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

اور ہر ایک کے ہم نے اُس مال میں وارث مقرر کر دیے ہیں جو والدین

وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ

اور رشتہ دار چھوڑ کر مر جائیں اور جن سے تم نے عہد باندھا ہو

اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اُن کو اُن کو حصہ دیدو — بلاشبہ اللہ

كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ○ ع ۸

ہر چیز پر — مطلع ہے -

تفسیر اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے (۱) بعض مفسرین کا قول ہے کہ مہاجرین میں سے اکثر لوگوں کے اقربا کافر تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مسلمانوں کو باہم

بھائی بنا دیا تھا وہی ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے لیکن جب ان کے اقربار مسلمان ہوگئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہوگیا کہ میراث اہل قرابت ہی کے لئے ہے اور منہ بولے بھائیوں سے زندگی میں جو کچھ سلوک کیا جائے یا مرتے وقت اُن کے واسطے وصیت کردی جائے بس اسکے سوا ان کو ترکہ میں اور کوئی استحقاق نہیں (۲) بعض روایتوں میں ہے کہ چونکہ حضرت ابوبکر رض کا بیٹا مسلمان نہ ہوا تھا اس لئے صدیق اکبر رض نے قسم کھا لی تھی کہ میں اپنی میراث سے اسکو محروم رکھونگا بعد میں وہ مسلمان ہوگئے تو اُنکے وارث بننے اور حصہ ملنے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (۳) امام بخاری نے بروایت ابن عباس رض بیان کیا ہے کہ جب مہاجرین ہجرت کرکے مدینہ میں آئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کرا دی اور برادری کا معاہدہ کرا دیا۔ اگر انصاری مرتا تو اُس کا مہاجر بھائی اُس کے مال کا وارث ہوتا اور اہل قرابت محروم رہتے۔ لیکن جب اسلام کو قوت ہوگئی تو یہ آیت نازل ہوئی اور حکم سابق منسوخ ہوگیا۔ میراث کے مستحق صرف اہل قرابت قرار پائے اور منہ بولے بھائی کے لئے صرف وصیت کا حکم باقی رہ گیا۔ اسکے علاوہ اور اقوال بھی آیت مذکورہ کے شان نزول کے ذیل میں مختلف مفسرین نے بیان کئے ہیں جن کو ہم بخوف طوالت ترک کرتے ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ :-

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ: الدین اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ کے وارث ہم نے مقرر کر دیے ہیں وہی مال میراث کے مستحق ہیں اور اُنہی کا ترکہ میں حصہ متعین ہے۔ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ باقی جن لوگوں سے تم نے عہد و پیمان کر لیا ہو اور مواخات قائم کر لی ہو تو اُن کے حق میں وصیت کر جاؤ اور وصیت شرعی کے موافق جو اُن کا حصہ ہو وہ دیدو میراث سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ والدین اور اقربار کے ترکہ کا وارث ہم نے اقربار کو مقرر کر دیا مگر منہ بولے بھائیوں کو بھی اُن کا مقررہ حصہ دیدو اور میراث میں جو چھٹا حصہ اُن کا مقرر ہے وہ ضرور ان کو پہنچا دو۔ اس تفسیر کی تقدیر پر آیت میراث اس آیت کی ناسخ ہوگی۔ ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہل قرابت کو تو خدا نے ترکہ کا مستحق قرار دیا ہی ہے لیکن اگر اہل قرابت نہ ہوں تو منہ بولے بھائیوں کو کل میراث دیدو۔ تینوں معنی صحیح ہیں۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا یہ گذشتہ سلسلہ کی ایک کڑی ہے یعنی حکم مذکور بالا میں کوئی تصرف تغیر اپنی طرف سے نہ کرو اور رسم و رواج کو احکام الٰہی میں دخل نہ دو ورنہ خوب سمجھ لو کہ خدا ہر چیز سے بخوبی واقف ہے اور ہر چیز اُس کے سامنے حاضر ہے کوئی ذرہ اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ احکام شریعت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو وہ سزا دیگا۔

مقصود بیان:- اسلام نے رشتہ قرابت کے لحاظ کے علاوہ رشتہ اتحاد و دوستی کے احترام کی بھی خصوصی تعلیم دی ہے یہانتک کہ مرنے کے بعد بھی دوست کے مال میں سے دوسرے دوست کو کچھ نہ کچھ دینے کی ہدایت کی ہے اس سے دو مقصود ہیں اول یہ کہ تفریق خاندانی سے اسلامی اتحاد میں تفرقہ نہ ہو جائے اور عالمگیر اتحاد اسلامی قائم رہے۔ دوسرے یہ کہ فقراء و مساکین کی ہمدردی اور دستگیری بھی ایک حد تک ہو جائے۔ وغیرہ

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا

مرد عورتوں پر حاکم ہیں کیونکہ

فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا

اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے اور اس لئے

أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ

کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں پس نیک بیبیاں تو کہنا مانتی ہیں

حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ

اور بحفظ خدا پیٹھ پیچھے حفاظت رکھتی ہیں۔

تفسیر حضرت سعد بن ربیع انصاری نے ایک بار اپنی بیوی کے منہ پر کسی ناراضی کی وجہ سے طمانچہ مارا وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اظہار واقعہ کرنے کے بعد داد خواہ ہوئیں۔ حضور نے فرمایا عوض ضروری ہے بدلہ لینا چاہیئے اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ خدا نے مردوں کو بالا دست بنایا ہے عورتوں کی حفاظت اور سرپرستی اُنہی سے وابستہ ہے مرد عورتوں کو کجروی سے روک سکتے ہیں اور مصالح و ضروریات کا لحاظ کرکے عورتوں کی اصلاح کے وہی ذمہ دار ہیں وہ راعی ہیں اور عورتیں رعایا ہیں اور اسکی دو وجہیں ہیں بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ اول وجہ تو خداداد ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی ایک صنف کو دوسری صنف پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ مرد کو عورت سے افضل بنایا ہے علم و دانش معاملہ فہمی سیاست و انتظام درستگی اسباب کسب معاش کمال عقل اور جسمانی ساخت کی قوت کے لحاظ سے مرد عورت سے بالاتر ہے قوت نظریہ مرد کی روشن ہے انتظام ملکی اور اصلاح دینی میں عموماً مرد عورتوں سے افضل ہیں۔ محنت و مشقت اور باربرداری کے کام جو مرد انجام دے سکتا ہے عورت اُن کی تکمیل سے قاصر ہے۔ عورت فطرتاً نازک اندام ضعیف القویٰ اور نازک اعضاء واقع ہوئی ہے لہذا مرد راعی اور عورت

رعیت - مرد محافظ اور عورت محروس قرار پائی - وَبِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ دوسری وجہ زوراتی ہے مرد عورت کے تمام ضروریات حیات کی فراہمی کا ذمہ دار ہے اپنا مال عورت کی دلجوئی اور نگہداشت میں صرف کرتا ہے کمائی کرتا ہے اور عورت کی خاطرداری میں اسکو خرچ کرتا ہے۔

عورت مایۂ ناز مالک حسن لطیف اور ملکۂ نزاکت ہے خود کمائی کرنے سے اکثر قاصر ہے مرد کی دست نگر ہے اپنی ضروریات زندگی اور لوازم زندگی کے فراہمی میں مرد کی محتاج ہے لامحالہ مربی تربیت یافتہ سے افضل اور محتاج الیہ محتاج سے برتر ہونا چاہیئے اور مؤخر الذکر کو مقدم الذکر کی اطاعت فرماں پذیری اور ضروریات زندگی و مصالح دینی میں عموماً (باستثنائے بعض) اطاعت شعار رہنا چاہیئے اور کوئی وجہ نہیں کہ اگر صنف اعلیٰ صنف ادنیٰ کو کسی دینی یا دنیوی مصلحت کی بنا پر بہت معمولی تنبیہ کرے تو صنف ضعیف مقابلہ کے لیئے تیار ہو جائے اور احمقانہ معاوضہ کی خواستگار رہے۔ اس کلام کا نتیجہ یہ نکلا کہ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ نیک بیبیاں حکم الٰہی کے موافق اور احکام شریعت کا اتباع کرتے ہوئے اپنے شوہروں کی جائز امور میں فرماں پذیری اور اطاعت گذاری کریں (تاکہ انتظام عالم میں خلل نہ واقع ہو) یہ اس صورت میں جبکہ شوہر سامنے موجود ہوں - اور حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ اگر شوہر سامنے نہ موجود ہوں کہیں کاروبار میں مشغول ہوں یا سفر میں ہوں تو ان کی غیبت میں ناموس و عزت اور ان کے مال کی حفاظت و نگہداشت رکھیں کیونکہ آخر بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ خدا نے بھی تو عورتوں کی نگہداشت کی ہے شوہروں کو حکم دیا ہے کہ بیویوں کے حقوق کی پاسداری کریں اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور نرم کلامی سے پیش آئیں اپنا دست رنج اور کمایا ہوا مال ان کی آسائش دلجوئی اور ضروریات زندگی کی فراہمی پر صرف کریں اور ہر وقت اُن کو خوش رکھیں۔

مقصود بیان:- مرد عورت سے فطرتاً بھی افضل ہے اور رواجاً بھی۔ مرد و عورت کے فرائض زندگی جدا جدا ہیں - مرد کی ساخت قوی، عورت کی ساخت کمزور - مرد کی عقل تیز اور سیاست ملکی و ملی کا سلیقہ کامل ہے اور عورت مرد کی بہ نسبت ان امور سے قاصر ہے - مرد کو عورت کی آسائش، دلجوئی اور خوشی منظور نظر ہونی چاہیئے تو عورت کو مرد کی عزت و ناموس قائم رکھنی اور مال کی نگہداشت کرنی اور امور شرعیہ میں اطاعت شعاری کرنی لازم ہے مرد کا کام کمانا اور عورت کا کام کفایت شعاری اور سلیقہ سے صرف کرنا ہے - مرد عورت کے مصارف کا ذمہ دار ہے اور عورت انتظام خانگی اور مرد کی اندرونی آسائش کی کفیل ہے - آیت مذکورہ میں ان تمام امور کو صراحۃً اور اشارۃً بیان کیا گیا ہے - وغیرہ -

وَالّٰتِىۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ

اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تم کو اندیشہ ہو اُن کو سمجھا دو

وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِى الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ

اور خوابگاہوں میں اُن کو علیحدہ کر دو اور اُن کو مارو

فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا

اسکے بعد اگر وہ تمہارا کہنا ماننے لگیں تو پھر الزام کی راہ اور بے وجہ کی تلاش نہ کرو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ۝ وَاِنۡ

بلاشبہ اللہ عالی شان اور عظیم المرتبہ ہے اور اگر

خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا

تم کو میاں بیوی کی باہمی مخالفت کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے

مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ

کنبہ میں سے اور ایک پنچ عورت کے کنبہ میں سے بھیجو اگر

يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ

یہ دونوں صلح کرا دینی چاہینگے تو اللہ ان دونوں میں ملاپ کرا دے گا

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ۝

بلاشبہ اللہ واقف کار خبردار ہے

تفسیر

سابق آیات میں مردوں کی بالادستی اور فطری و شرعی و رواجی فضیلت و برتری کا اظہار تھا اور عورتوں کو شوہروں کی اطاعت گذاری اور فرمان پذیری کی ہدایت تھی اس آیت میں سرکش اور نافرمان عورتوں کی اصلاحی تدبیر کا ذکر ہے۔ ماحصل ارشاد یہ ہے کہ وَالّٰتِىۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ اگر مرد کو عورت کی سرتابی و نافرمانی کا یقین ہو گردن کشی اور سربلندی کے علامات پیدا ہو گئے ہوں عورت کو شوہر سے ظاہری نفرت پیدا ہو جائے زبان درازی اور جواب دہی کرنے لگے کہنا نہ مانے اور طور طریقے سے معلوم ہو جائے کہ اس نے مخالفت اور گردن کشی شروع کر دی ہے تو ایسی عورت کی اصلاح کی تین تدبیریں ہیں۔ فَعِظُوۡهُنَّ اول تو یہ کہ اسکو نصیحت کرو خدا کا خوف دلاؤ نرم کلامی سے سمجھاؤ نہایت آہستگی اور خوش کلامی سے فہمائش کرو

تاکہ وہ اپنی بیجا حرکات اور سرکشی چھوڑ دے اگر اسپر بھی نہ مانے تو وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ اُس کے ساتھ شب باشی اور رہائش چھوڑ دو قربت صنفی سے کنارہ کش ہو جاؤ تاکہ اُسپر تمہاری ناراضگی ظاہر ہو جائے اور وہ اندرونی محبت سے مجبور ہو کر تم کو رضامند کرنے کے لئے تمہاری مخالفت اور چیرہ دستی اور تندخوئی سے باز آجائے۔

اگر اب بھی نہ مانے تو وَاضْرِبُوهُنَّ بطور تنبیہ کے کسی قدر مارو حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ عورت کو تکلیف دہ صورت سے مارنا ناجائز ہے یعنی کسی قدر طمانچہ وغیرہ مارو کہ بدن پر نشان بھی نہ ہو زخم بھی نہ آئے ہڈی پسلی بھی نہ ٹوٹے (ابن عباس وحسن بصری) امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ اگرچہ بدرجۂ مجبوری عورت کو خفیف طور پر مارنے کی اجازت قرآن میں موجود ہے مگر نہ مارنا اولیٰ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی امہات المومنین کو زد وکوب نہ کیا بلکہ ہمیشہ عورتوں کی دلجوئی اُن سے نرم کلامی کرنے اور حسن سلوک سے پیش آنے کی نصیحت فرمائی۔ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا مذکورہ بالا تدبیروں سے اگر عورت کی اصلاح ہو جائے اور تمہارا کہنا ماننے لگے اور مخالفت چھوڑ دے تو پھر خواہ مخواہ تم خوردہ گیری اور نکتہ چینی کر کے اُسکو پریشان نہ کرو اور بلاوجہ زیادتی کرنے کا راستہ نہ ڈھونڈھو اور یہ نہ خیال کرو کہ ہم عورت کے حاکم مطلق اور مختار کل ہیں ہم کو ہر طرح بیجا گرفت کرنے اور پریشان کرنے کا حق ہے کیونکہ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا خدا تعالیٰ سب سے بڑا اور بالادست ہے (تم حاکم مطلق نہیں ہو خدا حاکم مطلق ہے جب وہ تمہاری عیب پوشی کرتا ہے اور نکتہ گیری نہیں کرتا تو تم کو بھی اپنے ماتحت ضعیف مخلوق کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیئے) اگر مذکورہ بالا تمام تدابیر اصلاح کے لیئے ناکافی ہوں اور خود معاملہ کے سلجھنے کی کوئی صورت نظر نہ آئے وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا اور زوجین کے درمیان نفاق و عداوت کی خلیج بالکل نمایاں ہو جائے اور یقین ہو جائے کہ خود بخود صلح نہیں ہو سکتی شوہر چشم پوشی نہ کرتا ہو نہ طلاق دیتا ہو۔ عورت حقوق شوہری کو ادا نہ کرتی ہو اور دونوں طرف سے ناجائز حرکات سرزد ہوتی ہوں اور ہر شخص اپنے کو حق بجانب سمجھتا ہو تو ایسی صورت میں فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا حاکم وقت پر لازم ہے کہ ایک پنچ شوہر کے طرفداروں میں سے اور ایک پنچ عورت کے طرفداروں میں سے مقرر کرے اور یہ دونوں ہر شخص کی تفصیلی حالت معلوم کر کے فیصلہ کریں اور کسی ایک خیال پر جمع ہو جائیں إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا اب اگر زوجین یا دونوں پنچ اصلاح کی نیت رکھینگے اور خلوص نیت سے معاملہ کو سلجھانا چاہینگے تو انجام بخیر ہوگا کام بن جائیگا اور خدا تعالیٰ اصلاح کی کوئی صورت نکال دے گا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا خدا تعالیٰ علیم اور واقف ہے وہ ہر شخص کی نیت کو جانتا ہے اسلیئے پنچوں کا فرض ہے کہ نیک نیتی سے کام کریں کسی کی جنبہ داری نہ کریں اور جہانتک ممکن ہو اصلاح کی کوشش کریں۔

اگر پنچ امام المسلمین نے زوجین کے طرفداروں میں سے انتخاب کر کے مقرر کیئے ہوں تو بالاتفاق پنچوں کو تفریق زوجین کا بھی حق ہے اور وہ بغیر شوہر کی رضامندی کے طلاق دلاسکتے ہیں اور اگر حاکم وقت نے پنچوں کو طلاق دلانے کا اختیار نہ دیا ہو تو حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابن عباس رض امام مالکؒ امام شافعی رح اور اوزاعی رح وغیرہ کے نزدیک پنچوں کو طلاق دلانے کا حق ہے۔ اور عطاء خراسانی رح حسن بصری رح اور امام ابو حنیفہ رح وغیرہ کے نزدیک تفریق کا استحقاق پنچوں کو نہیں ہے۔

مقصود بیان:- سرکش اور نافرمان عورت کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی کوشش اٹھا نہ رکھنی چاہیئے۔ نسوانی طبائع کی تین قسمیں ہیں کسی کو نرمی سے سمجھانا مفید ہوتا ہے کسی کو شوہر کی چشم نمائی اور روگردانی خائف کرتی ہے اور وہ محبت صنفی سے مجبور ہو کر راہ راست پر آجاتی ہے۔ کوئی زیادہ بیہودہ اور احمق ہوتی ہے تو اُسکو خفیف تنبیہ کافی ہوتی ہے۔ عورت کی خوردہ گیری اور عیب چینی ناجائز ہے۔ آیت میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ مرد مطلق العنان حاکم نہیں ہے بلکہ مربی اور راعی ہے اور عورت نہایت معزز اور محترم مخلوق ہے۔ افتراق وطلاق نہایت مکروہ فعل ہے جہانتک ممکن ہو معاملہ کے سلجھانے کی کوشش کی جائے اور نظام خانگی کو برہم نہ کیا جائے پنچوں کا فیصلہ قابل قبول ہے بلکہ اگر حاکم وقت نے مقرر کیے ہوں تو اُن کے فیصلہ پر عمل کرنا واجب ہے۔ حاکم قاضی یا پنچوں کو فریقین معاملہ کے حالات سے بخوبی واقف ہونا چاہیئے اور حتی الامکان اہل معاملہ کے ہی قوم کا ہونا چاہیئے وغیرہ۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

اور اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ

اور ماں باپ سے اور رشتہ داروں سے

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ

اور یتیموں سے اور محتاجوں سے اور پاس والے پڑوسیوں سے

وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ

اور دور والے پڑوسیوں سے اور ہمنشین رفیقوں سے اور

وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ

مسافروں سے اور غلام باندیوں سے جو تمہارے مملوک ہوں اچھا سلوک کرو

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝

اللہ اترانے اور شیخی مارنے والوں کو پسند نہیں کرتا

تفسیر گذشتہ آیات میں صرف معاشرت زوجی اور زندگی خانگی کی اصلاحی تدابیر کا بیان تھا۔ ان آیات میں اصلاح نفس اور ترقی تمدن اور تہذیب اخلاق اور درستگی معاشرت عامہ کے وہ اصول بیان کیے جاتے ہیں جن پر انسان کی علمی و عملی قوتوں کی شائستگی موقوف ہے اور جن کو بجا طور پر نجات انسانی اور امن عالم کا علمبردار کہنا مناسب ہے۔ چونکہ اسلام نام ہے ادائیگی حقوق کا اور انسان کے ساتھ فطرتًا مختلف حقوق وابستہ ہیں حقِ خدا، حق والدین، حق اقربا، حق یتیم، حق مسکین، حق ہمسائگان، حق اجنبی، حق رفقاء، حق مہمانان، حق غلام و خادم اور پھر ان سب حقوق کے علاوہ جانوروں اور بے زبان حیوانوں کے حقوق بھی ہیں جن کی رعایت و نگہداشت بالادست انسان کا فرض ہے۔ لہٰذا ان سب فرائض کی سرانجام دہی اور تمام حقوق کی ادائیگی کو مفصلًا بیان کیا جاتا ہے اور جن امور پر نظری و عملی قوتوں کی تکمیل موقوف ہے اُن سب کو ایک ایک کر کے ظاہر کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے عقیدہ کی اصلاح اور قوت نظریہ کی تکمیل اور حق الٰہی کی ادائیگی کا بیان ہے اور اسکے بعد دیگر فرائض کی انجام دہی اور قوت عملیہ کی تکمیل کی توضیح ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا۔ خدائے قدوس کو وحدہٗ لاشریک سمجھو اُسکی توحید پر ایمان لاؤ۔ کسی چیز کو اُسکی ذات و صفات میں شریک نہ کرو۔ غیر اللہ کی پرستش نہ کرو۔ بت پرستی ہیرو پرستی فرشتہ پرستی ستارہ پرستی عزت پرستی حکومت پرستی شہوت پرستی اور نفس پرستی سے قطعًا پرہیز رکھو خلاصہ یہ کہ خدائے واحد قدوس کو متفرد یگانہ بے ہمتا اور معبود مطلق سمجھو (ابن کثیر وغیرہ) اور شرک جلی و خفی سے افعال عقائد اور دماغ کو بالکل پاک رکھو (بیضاوی) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو اُن کی خدمت گذاری کرو اگر ان کو ضرورت ہو تو دنیوی حوائج اور معاشی ضروریات کی سرانجام دہی کی کوشش کرو اُن سے نرم کلامی کرو تندخوئی اور درشت مزاجی سے پیش نہ آؤ اور امر شرعی کے موافق جو کچھ وہ حکم دیں اُسکی تعمیل کرو وَبِذِي الْقُرْبَىٰ اور اقربا کے حقوق کی نگہداشت کرو بقدر وسعت اُنکی پرورش اور خبرگیری کرو اُن سے قطع تعلق نہ کرو اکھڑپن اور غرور اُن کے ساتھ نہ کرو۔ غریب رشتہ داروں کو ذلیل نہ جانو اگر بیمار ہو جائیں تو اُن کی عیادت کرو۔ خلاصہ یہ کہ حتی الامکان درمے قلمے قدمے اُن کی مدد کرو وَالْيَتَامَىٰ اور یتیموں کی بھی پاسداری کرو ننھے بچے جو دوش پدر اور کنار مادر سے محروم ہوگئے ہوں اُن پر پدرانہ شفقت کا سایہ نہ رہا ہو تم اُن کی تسلی تشفی خبرگیری پرورش اور تربیت کرو۔ نرم کلامی اور خوش خلقی سے پیش آؤ وَالْمَسَاكِينِ اور مسکینوں کی پرورش اور تربیت کرو اُن پر احسان کرو خاک نشین ضعیف اور قابل رحم زیردست طبقہ تمہارا دست نگر ہے اُن سے جہاں تک ممکن ہو سلوک کرو غرور نہ جتاؤ اُن کی دلشکنی نہ کرو لاوارث بیوگان اور خاکسار انسانوں پر رحم کرو اور ہر قسم کی امکانی امداد سے اُن کو محروم نہ رکھو۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ ابن عباسؓ کے نزدیک اس سے وہ ہمسائے مراد ہیں جو رشتہ دار بھی ہوں اور مجاہد کے قول کے موافق پاس کے رہنے والے پڑوسی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم اُن ہمسایوں کی بھی خبرگیری بیمارپرسی اور مالی امداد کرو جو رشتہ اور سکونت کے اعتبار سے تمہارے قریبی ہمسائے ہوں اور تمہارے زیر سایہ ہوں وَالْجَارِ الْجُنُبِ اور دور کے پڑوسیوں سے بھی احسان کرو اہل محلہ سے سلوک کرو شادی غمی میں اُن کی شرکت کرو۔ ضرورت کے وقت اُن کے کام آؤ۔ کسی کی دلآزاری نہ کرو۔ ابن کثیر نے اسکے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جو شخص نسب اور سکونت کے اعتبار سے تجھ سے دور ہو اُس کا مکان تیرے مکان سے بالکل متصل نہ ہو اُس کے ساتھ بھی حسن سلوک کر۔ بیضاوی اور محی السنۃ کے قول کے موافق اس سے مراد اجنبی لوگ ہیں۔

جوار کا حکم کہاں تک ہے اسکے متعلق علماء کا اختلاف ہے اوزاعی حسن بصری اور زہری سے مروی ہے کہ چاروں طرف چالیس گھر تک ہمسائگی کا حکم ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جہاں تک اقامت نماز کی آواز پہونچے اُس دائرہ کے اندر رہنے والے سب ہمسائے ہیں۔ بعض لوگ صرف اہل محلہ کو ہمسائگی کے حکم میں داخل کرتے ہیں۔ بہرحال حدیث میں ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت کی سخت تاکید آئی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل مجھکو برابر پڑوسی کے حق کے متعلق نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ شاید وہ پڑوسی کو وارث بنادیں گے۔ دارمی کی روایت ہے کہ جس قوم میں پڑوسی بھوکا پڑا رہے اور لوگ خود کھانا کھالیں وہاں غضب الٰہی کے نازل ہونے کا خوف ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے حضور والا نے ارشاد فرمایا پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ ایک پڑوسی وہ ہے جسکا ایک حق ہے دوسرا وہ جسکے دو حق ہیں۔ تیسرا وہ ہے جسکے تین حق ہیں۔ جو ہمسایہ مشرک ہو اور اُس سے رشتہ داری نہو اُس کا ایک حق ہے اور جو ہمسایہ مسلمان ہو اور رشتہ دار

نہو اُسکے دو حق ہیں ایک ہمسائگی کا اور دوسرا اسلام کا اور جو ہمسایہ مسلمان ہو اور رشتہ دار بھی ہو اُسکے تین حق ہیں ہمسائگی کا اسلام کا اور قرابت کا (رواہ البزار) وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ ابن عباس مجاہد سعید بن جبیر عکرمہ اور ضحاک سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو سفر میں ساتھی ہو یا کسی صنعت حرفت تجارت میں شریک ہو یا شاگرد ہو یا مرید ہو۔ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے (ابن حاتم و ابن جریر) ابن جریج اور ابن الزبیر کہتے ہیں اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ساتھی ہو اور اُسکی امیدیں دوسرے رفیق سے وابستہ ہوں۔ زید بن اسلم کی روایت ان سب معانی کو عام ہے یعنی آیت کے حکم میں بیوی شاگرد مرید ہم پیشہ ساتھی رفیق سفر رفیق تجارت ہم نشین اور دیگر شناسا دوست داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے رفیق حیات رفیق صحبت رفیق معاشرت اور رفیق مودت سے حسن سلوک کرو اور جہانتک ہو سکے اُنکے خوش کرنے کی دائرہ شریعت کے اندر رہ کر کوشش کرو وَابْنِ السَّبِيلِ ابن عباس وغیرہ کے نزدیک اس سے مہمان مراد ہے خواہ کوئی ہو اور مجاہد و امام باقر و حسن و ضحاک و مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مسافر مراد ہے۔ حاصل کلام یہ کہ رہگیروں سے مسافروں سے اور مہمانوں سے سلوک کرو۔ جسقدر ہو سکے اُن کی امداد سے دریغ نہ کرو۔ اُن کو ذلیل نہ سمجھو اُن سے درشت مزاجی نہ کرو۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اُسکو اپنے مہمان کی عزت اور خاطر تواضع کرنی چاہیئے۔ مہمان کا حق لازم ایک شبانہ روز ہے اور تین روز ضیافت ہے اور اسکے بعد مہمانی صدقہ ہے۔ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یہ فقرہ تمام غلاموں لونڈیوں خادموں اور زیر دست جانوروں کو شامل ہے یعنی اپنے باندی غلاموں نوکروں کے ساتھ احسان کرو اُن کے کھانے پینے کی نگرانی رکھو جو خود کھاؤ اُن کو بھی کھلاؤ جو لباس خود پہنو اُن کو بھی پہناؤ۔ ناقابل برداشت کام سرانجام دینے پر اُن کو مجبور نہ کرو۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے حضور والا نے ارشاد فرمایا مملوک تمہارے بھائی اور خادم ہیں خدا تعالیٰ نے اُن کو تمہارا زیر دست کر دیا ہے لہذا جس شخص کے زیر دست اُس کا بھائی ہو اُسکو چاہیئے کہ جو کھانا خود کھائے اُسمیں سے بھائی کو بھی کھلائے اور جو لباس خود پہنے اُسمیں سے بھائی کو بھی پہنائے اپنے مملوک کو ایسے کام کی انجام دہی پر مجبور نہ کرے جو اُن کی طاقت سے زائد ہو اگر ایسا کام پڑ جائے تو خود بھی اُن کے ساتھ ملکر مدد کرو (بخاری و مسلم) رہے جانور تو اُن کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ کافی طور پر اُنکے کھانے پینے کی نگرانی کی جائے۔ ناقابل تحمل خدمت یا سواری اُن سے

نہ لی جائے۔ گرمی سردی کا لحاظ بھی رکھا جائے۔ بیدردی سے مارا نہ جائے خواہ مخواہ اُن کو تکلیف نہ دی جائے تفریح طبع کے لیئے اُن کو لڑایا نہ جائے وغیرہ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔ آیات مذکورہ کی پوری تعلیم کا یہ خلاصہ ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ غرور نہ کرو۔ اپنے نفس کو دوسروں سے بڑا اور محترم نہ سمجھو۔ جو چیز اپنے واسطے پسند کرتے ہو وہی دوسرے کے واسطے پسند کرو اور جو شئے خود نا پسند کرتے ہو وہ دوسروں کے لیئے بھی پسند نہ کرو کیونکہ خدا تعالیٰ شیخی خورہ متکبر اور اترانے والے آدمی کو اچھا نہیں جانتا ہے نتیجہ تعلیم یہ نکلا کہ تمام بنی نوع انسان بلکہ دیگر جانداروں کے حقوق کا خاص طور پر لحاظ رکھو۔

مقصود بیان: ۔مساوات انسانی کا بہترین مظاہرہ، تفریق نسلی، وجاہت خاندانی امتیاز حاکمانہ اور غرور دولت وعزت کی نہایت بلیغ اور جامع الفاظ میں بیخ کنی۔ تہذیب اخلاق اصلاح معاشرت ترقی تمدن اور تکمیل انسانیت کی بہت زیادہ اتم تعلیم۔ امن عام اور نظام عالم کی درستگی کے اسباب فراہم کرنے کی طرف لطیف ترین اشارات۔ عام بنی نوع اور کل ذی حیات مخلوق سے ہمدردی کرنے اور اُن پر رحم کھانے کی تلقین۔ عقائد و اعمال کے صحیح رکھنے کی ہدایت۔ کل فرائض انسانی ادا کرنے اور علمی عملی قوتوں کو افراط تفریط کی کدورت سے پاک صاف رکھکر اعتدال کی روشنی سے منور کرنے کی ضمنی تبلیغ وغیرہ۔

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ
جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کرنے کا مشورہ

بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ
دیتے ہیں اور اللہ نے جو مال اُن کو عنایت کیا ہے اُسکو

فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا
چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیئے ذلت کا عذاب

مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنا مال دکھاوٹ کے لیئے

رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا
خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور روز قیامت پر

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ

یقین نہیں رکھتے (ان کا بھی وہی حکم ہے) اور جس کسی کا شیطان

قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ○

مصاحب ہو تو وہ برا مصاحب ہے

تفسیر یہ آیت سابق آیت کے مضمون کا تکملہ اور اُسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے - مکرم بن زید - حیی بن اخطب - رفاعہ بن زید اسامہ بن حبیب - نافع بن ابی نافع اور بعض دوسرے یہودی انصار کو گمراہ کرنا چاہتے تھے - چونکہ ان کا انصار سے میل جول اور اختلاط تھا اسلیئے کہا کرتے تھے کہ بھائیو اپنا مال خرچ کرنے میں عجلت نہ کیا کرو۔ بے سوچے سمجھے خیرات بھی نہ کرو ورنہ مفلس قلانچ ہو جاؤگے اور فقر فاقہ تک نوبت پہونچ جائیگی - پھر نادار ہونے کے بعد کوئی پیسہ بھی نہ دیگا اور پاس بھی کھڑا نہ ہونے دیگا - اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی (ابن عباس و مجاہد) محی السنۃ نے معالم میں بھی یہی شان نزول بیان کیا ہے - گذشتہ آیات میں معاشرتی تمدنی اور اخلاقی اصلاح کی ہدایت تھی - تمام بد اخلاقیوں اور خرابیوں کی جڑ مالی محبت ہے - عموماً انسان محبت مال کی وجہ سے ہی والدین اقربا اولاد بیوی احباب اور اجانب سے بد سلوکی کرتا ہے اور مالی ایثار کے بعد اکثر سخاوت نفس انکسار مزاج اور تواضع و خوش اخلاقی انسان میں پیدا ہو جاتی ہے - انہی اغراض کو مدنظر رکھکر یہ آیت بیان کی گئی - حاصل ارشاد یہ ہے کہ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ مغرور اور اترانے والے وہ لوگ ہیں جو نہ صرف حقوق مالیہ ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں غریبوں کی ہمدردی اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی نہیں کرتے فرضی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور اسی وجہ سے اُن کے دلوں میں بیرحمی قساوت بد خلقی اور طرح طرح کی گنہگاریاں پیدا ہوتی ہیں، خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بہکاتے ہیں حقوق لازمہ ادا کرنے سے روکتے ہیں بخل کی ترغیب دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو علم و مال اُن کو عطا کر رکھا ہے اُس سے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے ہر طرح مخفی رکھتے ہیں یہ لوگ نعمت الٰہی کا انکار کرنے والے اور کافر انعام ہیں وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا اور ہم نے کافروں کے لیئے رسوا کن اور ذلت آفرین عذاب مہیا کر رکھا ہے لہٰذا یہ لوگ بھی دوزخی ہیں کافر ہیں نعمت الٰہی سے لوگوں کو فائدہ پہونچانا نہیں چاہتے اور نہ خود شکر گذاری کرتے ہیں - حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو خصلتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہوتیں بخل اور بداخلاقی (رواہ الترمذی) دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بخل سے بدتر کونسی بیماری ہوسکتی ہے وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ گذشتہ آیت میں بخل و کنجوسی کی ممانعت تھی جو فضیلت خلقی کا ایک تفریطی پہلو ہے - اُسکے خلاف ایک اور نفسانی مرض ہے وہ یہ کہ خواہ مخواہ مال کو تباہ کیا جائے فضول خرچی اور اسراف کرکے ہستی کو برباد کر لیا جائے یا گناہ و کفر کی حمایت میں مال خرچ کیا جائے - یہ فضیلت خلقی کا افراطی پہلو ہے اور چونکہ اسلام اعتدال اور میانہ روی سکھاتا ہے اسلیئے اسکی بھی آیت مذکورہ میں مذمت کی گئی ہے - حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ صرف نام آوری شہرت اور دکھاوے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں اور اُن کا مقصود محض اس سے یہ ہوتا ہے کہ لوگ اُن کو سخی کہیں - وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ واقع میں یہ لوگ ایماندار ہوتے نہیں ہیں نہ ان کا ایمان خدا پر ہوتا ہے نہ روز قیامت پر نہ ان کو خدا سے ثواب کی امید ہوتی ہے اور نہ روز قیامت کے عذاب کا خوف اسلیئے سوا دنیوی شہرت کے خوشنودی خدا ان کے پیش نظر نہیں ہوتی تو یہ لوگ شیطان کے ساتھی اور شیطان ان کا رفیق ہے وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا اور جس کا رفیق شیطان بنجائے تو یقیناً اُس سے جسقدر برائیاں سرزد ہوں کم ہیں کیونکہ شیطان بہت برا رفیق ہے - شیطان کی رفاقت میں سوا تباہی اور خباثت نفس کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

مقصود بیان :- بخل نہایت مذموم ہے اور بخل کا خوگر ہو جانا اور کنجوسی کو اچھا سمجھنا کفر ہے - اسراف بھی تباہ کن فعل ہے اور اسکو بہتر سمجھنا بھی کفر ہے - شہرت اور ناموری کے حصول کے لیئے مال خرچ کرنا فضول خرچی میں داخل ہے - اسلام کا مطمح نظر اعتدال ہے - اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مالی حقوق ادا کیئے جائیں اور محض خدا کی خوشنودی پیش نظر رکھی جائے - بخیل کافر نعمت ہے - خدا داد نعمت سے مخلوق کو فائدہ پہنچانا لازمی ہے

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

ان کا کیا بگڑ جاتا اگر یہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان لے آتے

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

اور عطیۂ خدا میں سے کچھ خرچ کر دیتے اللہ ان کو

بِهِمْ عَلِيْمًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ

خوب جانتا ہے اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں

ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ

کرتا اور اگر ذرہ برابر نیکی ہوتی ہو تو اُسکو دوگنا کر دیتا ہے اور

يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا ۝

اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے

تفسیر وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ یہ سابق آیت کا تتمہ ہے اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ باوجود اہل عقل ہونے کے جاہل ہیں کہ نفع نقصان میں انکو امتیاز نہیں۔ مفید کو مضر اور مضرت رساں چیز کو سودمند خیال کرتے ہیں۔ ان کو اپنے منافع اور حقیقی فوائد پر غور کرکے اپنی جہالت اور کور باطنی کو دور کرنا لازم ہے کیونکہ دانشمند وہی شخص ہوتا ہے جو بے ضرر چیز کو قبول کرلے اور نقصان دہ چیز سے پرہیز رکھے اور جس ہدایت میں عدم ضرر کے علاوہ فوائد اور منافع موجود ہوں پھر اسکو قبول کرنے میں کون صاحب بصیرت انکار کرسکتا ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اللہ اور روز قیامت پر ایمان لے آتے خدا کے ثواب و عذاب اور روز قیامت کے حساب کتاب کو صحیح مان لیتے وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ اور خدا داد نعمت میں سے کچھ راہ خدا میں بخلوص نیت صرف کرتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا (جب ایمان اور سخاوت میں کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ ثواب ہی کی امید ہے یا کم از کم ثواب اور جزاء خیر کا احتمال ہے تو پھر مال سے ناجائز محبت کرنی اور جوہر انسانیت یعنی سخاوت کو ضائع کرنا عقلمند انسان کا کام نہیں) وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا یہ سابق آیت کا تائیدی ثبوت ہے ممکن تھا کوئی شخص خیال کرتا کہ خدا پر ایمان لانا یا نہ لانا قیامت اور حساب کتاب کو صحیح ماننا یا نہ ماننا اور سخاوت و بخل کرنا ہمارا فعل ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہمارا یہ فعل لاحاصل اور بے نتیجہ ثابت ہو اس دماغی وسوسہ کا ازالہ مذکورہ آیت میں کردیا گیا کہ خدا تعالیٰ ان کے تمام افعال اعمال عقائد اور دماغی کیفیات سے بخوبی واقف ہے کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں ہر شخص کو اسکے کردار کی سزا جزا دیگا نیک و بد اور خیر و شر کا اختیار کرنا ہر شخص کے قبضہ میں ہے کسی کا کوئی فعل بیکار نہیں جا سکتا پھر اسکا مزید ثبوت آئندہ آیت میں پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ یعنی کسی کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوسکتی کیونکہ خدا ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا جو جیسا کریگا ویسا بھریگا اگر خوشنودی خدا کے کام کیے جاوینگے ان کی بھرپور جزا ملیگی اور ناراضی کے کام کیے جاوینگے ان کو سزا ملیگی۔ ہاں وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا اگر کسی طرح کی بہت ہی چھوٹی نیکی ہوگی تو خدا تعالیٰ اس کے اجر کو بہت زیادہ کردے گا (یعنی دس گونہ سے سات سو گونہ تک) اور پھر مضاعف بلائے مضاعف سے بڑھ کر یہ کہ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا اپنی طرف سے اور محض اپنے فضل سے بہت بڑا ثواب اور عطیہ عنایت فرمائیگا جسکی مقدار اور عظمت کا اندازہ کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ حاصل کلام یہ کہ جب کسی قسم کی نیکی اور ہر طرح کا کار خیر رائگاں اور لاحاصل نہیں ہوسکتا تو ایسے اہم اور مہتم بالشان کار ہائے خیر جنکو ایمان اور خیرات فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا ہے کسطرح بیکار جا سکتے ہیں۔

مقصود بیان:- خدا کی ذات صفات اور قیامت کے حساب و کتاب و ثواب و عذاب پر ایمان لانے کی ترغیب۔ سخاوت کرنے کی طرف نہایت بلیغ انداز عبارت میں لوگوں کی طبائع کو مائل کرنا۔ ایمان و سخا اور ہر نیکی کے مفید ہونے کا ثبوت. نہایت لطیف پیرایہ میں۔ خداوند تعالیٰ کے ظالم نہ ہونے کی صراحت۔ اس بات پر ایک نازک تنبیہ کہ عقلمند اور بصیرت کوش دماغ رکھنے والے انسان کبھی توحید خدا پرستی اور دیگر خصائل حمیدہ سے اعراض نہیں کرتے کیونکہ کوئی نیکی لاحاصل نہیں ہوسکتی۔ وغیرہ

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ

اُس وقت کیا حال ہوگا جب ہر اُمت میں سے ہم ایک گواہ لائیں گے

وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝

اور اُن سب پر (اے محمد) تم کو گواہ بناکر پیش کریں گے

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا

اُس روز کفر کرنے والے اور رسول کی نافرمانی کرنے والے

الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ط

آرزو کرینگے کہ کاش زمین اُن کو اپنے اندر سماکر ہموار ہوجائے

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝ ع

اور وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکینگے

تفسیر یہ گذشتہ سلسلۂ آیات کی ایک کڑی ہے اور نہایت بلیغ انداز میں وعید کی تنبیہ ہے۔ اول ہم آیت کا مطلب بیان کرتے ہیں پھر متعلقات آیت کی توضیح کرینگے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا وہ وقت نہایت حسرت آفرین اور تعجب انگیز ہوگا کہ جب قیامت کے دن ہر پیغمبر اپنی امت کی بداعمالیاں خدا تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرے گا اور اس امت کے حق پوش کفر شعار نفاق انگیز اور بداطوار اشخاص کی زشت کرداریاں آپ خدا تعالیٰ کے سامنے طشت از بام کرینگے اور بالکل

کھول کر بیان کر دینگے کہ میں نے پیام الٰہی حرف بحرف پہونچا دیا تھا مگر انہوں نے نہ مانا۔ اصل واقعہ اس طرح ہوگا کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ بدکار کفر شعار اور سرکش انسانوں کو جمع کر کے فرمائیگا کہ تم نے یہ سرتابی انکار توحید اور اعمال صالحہ سے اعراض کیوں کیا؟ وہ عرض کرینگے کہ ہم سے یہ تمام کفر و شرک اور بدعنوانیاں نادانی سے سرزد ہوئیں ہم کو تیرا حقیقی فرمان اور اصلی قانون معلوم نہ تھا خیر و شر اور حق و باطل میں امتیاز کا کوئی روشن معیار ہمارے پاس موجود نہ تھا اس وقت ان منکرین حق کو قائل کرنے کے لیئے ہر امت کے پیغمبر کو طلب کیا جائیگا اور پیغمبر علی الاعلان آکر اظہار حقیقت کر دیگا اور بیان کر دیگا کہ میں نے ان کو پیام الٰہی پہونچا دیا تھا۔ مکمل قانون الٰہی کی تبلیغ کر دی تھی مگر انھوں نے نہ مانا سرکشی کی۔ اب نادانی اور جہالت کا عذر پیش کرنا دروغ بافی ہے۔ اسی طرح جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئیگی اور اس امت کے کافر مشرک گناہگار اور بداطوار طبقہ کے اعمال کی توضیح ہوگی اور تمام بد افعالیوں کی بازپرس ہوگی تو یہ لوگ بھی تبلیغ قانون سے انکار کر دینگے اس وقت رسول گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طلب کیا جائیگا اور حضور والا شہادت دینگے کہ میں نے تمام احکام الٰہی کی تبلیغ کر دی تھی پورا قانون شریعت ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیا تھا مگر انھوں نے انکار کیا۔ سرکشی کی ہر چند ان کو اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی نصیحت کی مگر سوائے تعنت عناد اور انکار کے انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں مجھسے حضور والا نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ کچھ قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور ہی پر تو قرآن نازل ہوا اور پھر میں حضور ہی کو پڑھ کر سناؤں۔ فرمایا ہاں دوسرے سے سُننا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جب الحکم میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی۔ جب آیۃ فکیف اذا جئنا الخ پر پہونچا تو حضور اقدس نے ارشاد فرمایا بس۔ میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو رسول پاک کے آنسو جاری تھے (بخاری و مسلم)

اب رہا یہ امر کہ حضور والا اس پوری امت پر کس طرح گواہی دینگے کیونکہ گواہی تو صرف دیکھی ہوئی چیز پر ہو سکتی ہے۔ کل امت محمدیہ حضور کے زمانہ میں حاضر نہ تھی پھر شہادت کے کیا معنی؟ تو اس شبہہ کا ازالہ بقول محی السنۃ اس طرح ہو سکتا ہے کہ قرطبی نے سعید بن مسیب تابعی کی ایک روایت نقل کی ہے کہ روزانہ صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نام بنام تمام امت کے اعمال پیش کیئے جاتے ہیں اور اسی علم کے موافق قیامت کے دن گواہی دینگے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ حضورؐ کو علم بالمشاہدہ عطا فرما دے۔ لیکن سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ ھٰؤلاء سے خاص لوگ مراد ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافر مشرک منافق اور دیگر گناہگار۔ انہی کے متعلق حضور والا قیامت کے دن شہادت دینگے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے حضور والا نے اس آیت کے سننے کے وقت فرمایا الٰہی جب تک میں ان میں موجود رہا شاہد رہا جب مرگیا تو ان کا نگراں تو ہی رہا۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے اسی جواب کو پسند کیا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ یعنی قیامت کے دن جب پیغمبروں کی شہادت ہو جائے گی اور گناہگار نافرمان جھوٹے قرار پائیں گے اور جرم ثابت ہو جائیگا اور عذاب سے رہائی کی شکل کوئی ممکن نہ ہوگی تو وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار اور فرمان کی خلاف ورزی کی تھی آرزو کرینگے کہ کاش ہم پر زمین برابر ہو جاتی ہم خاک کے ساتھ خاک ہو جاتے اور ہم سے اعمال و ایمان کی کوئی بازپرس نہ ہوتی وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا یعنی کفار و مشرکین (اگرچہ شروع میں ثبوت جرم سے انکار کرینگے اور کہینگے واللہ ربنا ما کنا مشرکین پروردگار کی قسم ہم مشرک نہ تھے مگر بالآخر) خدا تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہ سکینگے اُن کے اعضا خود اُن کے گناہوں کے شاہد بن جائینگے اور مجبوراً اُن کو اپنے جرائم کا اظہار کرنا پڑے گا۔

مقصود بیان:۔ ترہیب و انذار۔ اثبات جرم کے لیئے انبیاء کا قولی ثبوت۔ قیامت کے دن کفار کی حسرت و افسوس کا بیان۔ اس امر کی طرف ضمنی اشارہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالات انبیاء کے جامع تھے۔ جو مراتب مشاہدہ تمام پیغمبروں کو حاصل تھے وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھے۔ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ

مسلمانو نشہ کی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ

وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ

تا وقتیکہ جو کچھ کہتے ہو اس کو نہ سمجھنے لگو

وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا

اور نہ بغیر غسل کیئے جنابت کی حالت میں سوا سفر کی حالت کے

وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے

اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

کوئی یا خانہ سے آئے یا عورتوں سے تم نے

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

قربت کی ہو اور پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمم

طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ط

کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں سے مل لو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ○

اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے

تفسیر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ اس آیت کے شان نزول میں چند روایات منقول ہیں (۱) ایک بار حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے مہاجرین و انصار کی دعوت کی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد شراب کا دور رہا کیونکہ اسوقت تک شراب کی حرمت نہ ہوئی تھی اسی اثنا میں مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا کانوں میں اذان کی آواز آئی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ یا حضرت علیؓ نے امامت کی۔ دیگر صحابہ مقتدی ہوئے امام نے سورۂ قل یاایہا الکافرون پڑھی اور ہر جگہ سے حرف لا حذف کردیا یعنی اس طرح پڑھا قل یاایہا الکافرون اعبد ما تعبدون وانتم عابدون ما اعبد وانا عابد ما عبدتم الخ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی (عبد بن حمید ابوداؤد نسائی ابن جریر ابن منذر ابن ابی حاتم حاکم ترمذی) (۲) صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ یہ آیت حضرت سعدؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ (۳) ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حرمت شراب سے قبل بعض لوگ نماز میں بحالت مستی شریک ہوتے تھے اُس وقت حکم مذکور نازل ہوا (مجاہد ابو رزین وغیرہ) حاصل خطاب یہ ہے کہ مسلمانو جب تک تم کو علم نہ ہو کہ ہم منہ سے کیا کہہ رہے ہیں اُسوقت تک نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ مطلب یہ کہ نماز اگرچہ ضروری فریضہ ہے مگر نشہ کی حالت میں نماز بھی نہ پڑھو معلوم نہیں منہ سے کیا پڑھ جاؤ۔ غرض یہ کہ شراب بالکل نہ پیو۔ گویا اس آیت سے شراب کی ممانعت کا ضمنی حکم دینا مقصود ہے۔ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا یزید بن حبیبؒ سے مروی ہے کہ چند انصاریوں کے دروازے مسجد کے اندر تھے جب یہ لوگ جنب ہوتے اور نہانے کی ضرورت ہوتی اور پانی پاس موجود نہ ہوتا اور مسجد کے سوائے کوئی راستہ اور گذرگاہ نہ ملتا تو مجبوراً مسجد میں ہوکر گذرتے اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ مسجد میں بحالت جنابت نہ جاؤ ہاں صرف رہ داری کے طور پر اگر جانے پر مجبور ہو تو کوئی حرج نہیں ہے یعنی اگر کوئی اور راستہ ممکن نہ ہو تو مسجد میں ہوکر گذر سکتے ہو۔ ابن عباسؓ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ رہ داری کے ساتھ مسجد میں سے گذر سکتے ہو بیٹھنا جائز نہیں۔ اسی قول کو ابن مسعود انس ابوعبیدہ سعید بن مسیب ضحاک۔ عطاء۔ مجاہد مسروق ابراہیم زید بن اسلم ابو مالک عمرو بن دینار حکم عکرمہ حسن بصری یحییٰ زہری قتادہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا مجاہد کہتے ہیں ایک انصاری اس قدر بیمار تھے کہ اُٹھ کر وضو نہ کرسکتے تھے اور کوئی خادم بھی اُن کے پاس نہ تھا کہ وضو کراسکے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے اپنی مجبوری ظاہر کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ اسلع حضور اقدس صلعم کے خادم تھے سواری کسنے کی خدمت سپرد تھی ایک بار حضور اقدسؐ نے حکم دیا کہ اسلع اٹھو سواری کس دو۔ اسلع نے عرض کیا حضور میں جنب ہوگیا ہوں سرکار عالی نے یہ سن کر سکوت فرمایا اتنے میں حضرت جبرئیل مذکورۂ بالا حکم لیکر نازل ہوئے۔ امام بخاری مسلم اور بعض دیگر مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں حضرت عائشہؓ کے ہار کے گم ہوجانے اور اہل لشکر کو پانی نہ ملنے کا قصہ بیان کیا ہے۔ بہرحال خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ مسلمانو اگر تم بیمار ہو اور پانی سے غسل یا وضو کرنے سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو یا مسافر ہو اور غسل و وضو کی ضرورت ہو اور پانی نہ ملے یا پائخانہ پیشاب سے فارغ ہوکر آؤ اور اس وجہ سے وضو جاتا رہے یا عورتوں کے ساتھ قربت کرنے سے غسل کی ضرورت ہو جائے اور تفتیش و جستجو کے بعد بھی پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو جسکی صورت یہ ہونی چاہیئے کہ مٹی پر ایک بار دونوں ہاتھ مار کر چہروں پر مسح کرو پھر دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر مسح کرو خدا تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اسی لئے اُس نے تم پر اپنا فضل کیا اور تیمم کی اجازت دیدی۔

مقصود بیان: سرمستی کی حالت میں نماز درست نہیں بیہوش کردینے والا نشہ حرام ہے۔ بحالت جنابت مسجد کے اندر سے عبور کرنا جائز ہے رُکنا اور توقف کرنا ناجائز ہے۔ اگر بیمار ہو اور مرض کی ترقی یا ہلاکت کا اندیشہ ہو تو پانی کا استعمال نہ کرنا جائز ہے تیمم کافی ہے۔ مسافر کو پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے۔ حالت قیام میں بھی اگر بقدر کفایت وضو یا غسل کے لئے پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے۔ تیمم کے واسطے پاک مٹی ہونی ضروری ہے۔ آیت میں تیمم کی ترکیب بھی بتائی گئی ہے۔ اور لطیف ترین اشارہ اس طرف بھی کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف دینا اور خواہ مخواہ مصیبت

میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ احکام اسلام میں اُس نے سہولت اور آسانی کر دی ہے تاکہ شریعت کی پابندی میں کسی کو دشواری نہ ہو وغیرہ (تیمم کے اسباب جواز اور شرائط اور اختلافی مسائل مفصل فقہ میں مذکور ہیں یہاں اُن کا ذکر موجب طوالت ہے)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ

کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا ایک حصہ

الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ

ملا ہے کہ وہ گمراہی مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں

أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

کہ تم بھی راستہ بہک جاؤ اور خدا تمہارے دشمنوں کو

بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ

خوب جانتا ہے اللہ ہی حمایتی کافی ہے اور وہی

بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا

مددگار بس کرتا ہے یہودیوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ

جو الفاظ کو اُن کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں اور اپنی زبانیں

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ

گھما گھما کر اور دین میں طعنہ زنی کرنے کے کہتے ہیں ہم نے سن تو لیا

وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي

مگر مانینگے نہیں اور اسمع غیر مسمع اور راعنا

الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

کہتے ہیں اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا

وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ

اور اسمع اور انظرنا تو اُن کے حق میں بہتر اور

أَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ

درست ہوتا مگر بات یہ ہے کہ اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ اُن کو اپنی رحمت سے دور

فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

کر چکا ہے اسلئے وہ باستثناء قلیل ایمان نہیں لائینگے

تفسیر رفاعہ بن زید یہودی ایک بار خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور مذہب اسلام پر کچھ نکتہ چینی اور حرف گیری ناجائز طور پر کی تو یہ آیت مکمل نازل ہوئی۔ حاصل ارشاد یہ ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ دیکھو یہودیوں کو جو کتاب الٰہی یعنی توریت کے علم کا کچھ حصہ عطا کیا گیا ہے کہ ظاہری عبارت سے بحث کرتے رہتے ہیں اور دل میں کوئی اثر نہیں پیدا ہوتا يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ یہ لوگ فطری اور ربانی ہدایت کو چھوڑ کر شیطانی اور نفسانی گمراہی کو اختیار کرتے ہیں اور صرف اپنی گم کردہ راہی پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ حق کو گم کردو اور اُنکی طرح گمراہ ہو جاؤ اور اسلامی احکام کی صحت وحقانیت میں شک کرنے لگو۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ اور خدا تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے (یہ بظاہر دوست بنے ہوئے ہیں اور خیرخواہ نظر آتے ہیں اور باطن میں تمہارے دشمن اور بدخواہ ہیں) اسلامی احکام وعقائد کی طرف سے تم کو بدگمان کرنا چاہتے ہیں وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا مگر خدا تمہارا محافظ اور مددگار کافی ہے (اُن کی دھوکہ بازی اور فریب دہی تم کو مضرت نہیں پہنچا سکتی تم اُن کا کہنا نہ مانو اور حکم شریعت پر پختگی کے ساتھ قائم رہو) مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ یہ گزشتہ آیت کا بیان ہے پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ اہل کتاب خود بھی گمراہ ہیں اور تم کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس آیت میں یہودیوں کی گمراہی کی تفصیل اور وجہ ضلالت بتانا مقصود ہے اول گمراہی تو یہ کہ بعض یہودی کلام الٰہی میں تغیر تبدل کرتے تھے یعنی وہ الفاظ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید اور دین اسلام کا ثبوت نکلتا تھا اُن کو بدلکر دوسرے الفاظ اُن کی بجائے درج کر دیتے تھے اسکے علاوہ جس حکم سے اُن کے مالی اور شخصی مفاد یا ذاتی امتیاز کو تعلق تھا اُسکو قائم رکھتے تھے اور جو حکم اُن کی ذاتی وجاہت قومی ریاست اور مالی منافع کے خلاف تھا اُسکو بدل ڈالتے تھے اور جان بوجھ کر افترا پردازی اور دروغ بافی کرتے تھے۔ حافظ ابن القیم نے اغاثۃ اللہفان میں لکھا ہے علماء کا اختلاف ہے کہ جو توریت یہودیوں کے پاس موجود تھی کیا وہ بدلی ہوئی تھی یا نہیں۔ ایک فرقہ قائل ہے کہ کل یا اکثر توریات تبدیل شدہ اور

تحریف کردہ تھی۔ اکثر اہل کلام محدثین اور علماء فقہ قائل ہیں کہ یہودیوں نے تبدیل صرف تفسیر کلام اور تاویل معانی میں کی تھی الفاظ و تنزیل بدستور باقی تھے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ بہت خفیف تبدیل ہوئی تھی صرف چند احکام متغیر کیئے گئے تھے مگر اس زمانہ کے اکثر محققین کی رائے ہے کہ یہودیوں نے توریت میں بہت زیادہ تغیر و تصرف کیا تھا اور جس مسئلہ میں اپنا ذاتی مالی یا قومی فائدہ دیکھا اُس کو مندرج کر دیا وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا دوسری گمراہی اور فتنہ پردازی اُن کی یہ ہے کہ زبان سے تو کہدیتے ہیں کہ ہم نے آپ کا کلام سن لیا مگر آپ کا حکم نہیں مانینگے۔ یہ معنی مجاہد اور ابن زید نے بیان کیے ہیں۔ گویا جان بوجھ کر کفر و عناد کرتے تھے اور دیدہ و دانستہ حق سے روگردانی کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب لکھا ہے کہ یہودی بظاہر زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے سن لیا ٹھیک ہے اور در پردہ اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ہم اسکو نہیں مانینگے اور آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرینگے۔ گویا یہ اُن کی انتہائی نفاق پرستی تھی کہ ظاہر باطن کے خلاف تھا۔ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ یہ یہودیوں کی تیسری ضلالت و فتنہ پردازی کا بیان ہے۔ یہودی ایک لفظ بولتے تھے جسکے دو معنی ہو سکتے تھے ایک اُن کے مقصد کے موافق دوسرا اُن کی غرض کے خلاف بظاہر مسلمانوں کے دکھانے کو ایسا لفظ بولکر اپنی تہذیب و شائستگی کا ثبوت دینا چاہتے تھے اور درواقع میں اپنے اندرونی عناد اور حسد کو بجھانے کے خواستگار تھے چنانچہ کہتے تھے اِسْمَعْ یعنی سنیئے۔ یہانتک تو ٹھیک تھا اسکے بعد کہتے تھے غَيْرَ مُسْمَعٍ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ خدا آپ کو کوئی ناگوار بات نہ سنوائے۔ دوسرے یہ کہ خدا آپ کو بہرا کر دے بظاہر یہ لفظ بطور دعا کے کہتے تھے اور در پردہ بد دعا دیتے تھے وَرَاعِنَا یہ یہودیوں کی چوتھی خیانت کا بیان ہے یعنی حضور والا سے آکر کہتے تھے کہ رَاعِنَا یعنی ذرا ٹھیریئے توقف کیجئے ہم کو سمجھنے کا موقعہ دیجئے ہمارا لحاظ کیجئے اور درحقیقت اس لفظ سے اُن کی مراد دوسرے معنی سے ہوتی تھی یعنی بے وقوف احمق یہ الفاظ کیوں کہتے تھے صرف لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ اپنی زبانوں کو ایسے الفاظ کی طرف موڑنے کے لیئے جو گالی اور بدگوئی سے مشابہ ہیں یعنی یہودیوں کا مقصود اس سے صرف بدزبانی یاوہ گوئی اور زبان درازی ہوتی تھی۔ دوسرے یہ کہ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ دین اسلام میں نکتہ چینی اور رسول اقدس کی رسالت میں خوردہ گیری کرنی چاہتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ یہودی اپنی شرارت اور فتنہ انگیزی سے باز نہ آتے تھے اور حضورؐ کی شان میں بھی گستاخیاں کرتے تھے اول تو سمعنا و عصینا کہتے تھے جس سے اُنکی نفاق انگیزی کا ثبوت ظاہر ہوتا تھا۔ دوسرے اسمع غیر مسمع کہتے تھے جس سے انکے

اندرونی حسد اور باطنی عناد کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ تیسرے راعنا کہتے تھے جس سے اُن کی دریدہ دہنی اور یاوہ گوئی کا اظہار ہوتا تھا خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا اگر یہ لوگ سمعنا و عصینا نہ کہتے بلکہ سمعنا و اطعنا کہتے یعنی ہم نے آپ کا حکم سن لیا اور ہم اسکو دل سے مانتے ہیں اور بسر و چشم قبول کرتے ہیں وَاسْمَعْ اور صرف لفظ اسمع کہتے (یعنی ہمارا قول بھی سنیئے) اور غیر مسمع نہ کہتے جس سے اُن کی تیرہ باطنی اور حسد کا پتہ چلتا ہے وَانْظُرْنَا اور بجائے راعنا کے انظرنا کہتے کیونکہ انظرنا دو معنی لفظ نہیں ہے۔ انظرنا کے صرف یہ معنی ہیں کہ ہماری طرف نظر فرمایئے ہماری بھی رعایت کیجئے۔ ہم نا سمجھ ہیں ذرا آہستہ آہستہ ہدایت فرمایئے تاکہ ہم سمجھ سکیں (اور راعنا کے معنی اس معنی کے علاوہ بیوقوف کے بھی ہیں جو اُن کی اصلی غرض تھی) خلاصہ یہ کہ اگر وہ ایسے الفاظ استعمال نہ کرتے جن سے اُن کی تیرہ درونی حسد قلبی اور نفاق باطنی کا مظاہرہ ہوتا ہے بلکہ دل و جان سے احکام رسالت کی تعمیل کرتے اور ظاہر و باطن شائستگی و تہذیب کو اختیار کرتے لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ تو اُن کے لیئے بہتر ہوتا اور سیدھی سادھی بات ہوتی کج راہی اور گمراہی نہ ہوتی وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ مگر یہ لوگ ازلی گمراہ ہیں نور ہدایت سے فطرتاً محروم ہیں انکی کفر شعاری اور استمرار شرک کی وجہ سے خدا نے بھی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اسلیئے فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا سوا چند آدمیوں کے انہیں سے اور کوئی ایمان ہی نہیں لائیگا تم کو ان کی ہدایت کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔

مقصود بیان ۔ یہودیوں کی گمراہی کجروی ضلالت انگیزی، فتنہ پردازی اور نفاق شعاری کا بیان۔ خلوص ایمان اطاعت و فرمان پذیری استقامت و شائستگی اختیار کرنے کی ضمنی ہدایت۔ احکام الٰہی میں تغیر و تبدل اور قرآن کے الفاظ و معانی میں تحریف اور غلط تاویل کرنے کی مخفی ممانعت۔ احکام شریعت میں نکتہ چینی اور خوردہ گیری کرنے کی تعریضاً بازداشت۔ اس امر کی صراحت کہ عموماً کفار اور خصوصاً یہودی مسلمانوں کے دشمن ہیں حق سے گمراہ کرنا چاہتے ہیں جسطرح خود نور فطری کھو بیٹھے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے دلوں سے بھی ہدایت ربانی کی روشنی بجھانا چاہتے ہیں مگر انکی کوشش بے سود ہے مسلمانوں کا خدا حافظ اور حامی ہے۔ اس بات کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان غیر مذاہب والوں سے دینی اختلاط نہ کریں اور ان کو اپنا اندرونی دشمن خیال کریں اور انکی فتنہ پردازیوں کو گہری نظر سے دیکھیں۔ آیت ہم کو ضمناً یہ بھی بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بد تہذیبی کرنی یا حضورؐ کی شان میں گستاخی کا کوئی لفظ کہنا یا توہین کرنی کفر ہے۔ ایک امر یہ بھی واضح ہوتا

ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی سے ذاتی خصومت نہیں بلکہ انسان کی گناہگاریاں اور کفر شعاریاں لعنت الٰہی کے اسباب بنجاتی ہیں ۔ آیت کے اخیری ٹکڑہ سے اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ منکرین اسلام رحمت الٰہی سے محروم ہیں اور دائمی جہنمی ہیں ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا

اے اہل کتاب اس قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہارے پاس والی کتاب

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ

کو سچا بتاتا ہے — اس سے پہلے کہ ہم تمہارے منہ

وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ

بگاڑ کر گدی جیسا کر دیں — یا ہم ان پر ایسی پھٹکار برسائیں

كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

جیسی سبت والوں پر برسائی تھی — اور اللہ کا امر

مَفْعُوْلًا ○

ہو کر رہا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں یہود ونصاریٰ کی کفر شعاریاں گناہگاریاں اور سرتابیاں بیان کی گئی تھیں اور ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ نفسانی امراض مہلک ہیں تمہاری حقیقی زندگی کو تباہ کرنے والے ہیں سعادت ابدی سے محروم کرنے والے ہیں ۔ یہ روحانی بیماریاں موت حقیقی کے اسباب ہیں ان کے ازالہ کی فکر لازم ہے ۔ ان آیات میں اصول علاج کو بیان کیا گیا اور اہل کتاب کے اندرونی امراض کو جو دوا دور کرنے والی ہے اور جس چیز سے ان کو روحانی صحت اور ابدی نجات مل سکتی ہے اسکو بہترین واضح طرز میں ظاہر کیا گیا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اے یہودیو اور عیسائیو تم کو آسمانی کتابیں عطا کی گئیں (تمہارا فرض ہے کہ ان الہامی کتابوں کے احکام پر ایمان لاؤ اور دل وجان سے ان کی تعمیل میں سرگرم ہوجاؤ تم سے ان کتابوں کے احکام کا مؤاخذہ ہوگا ۔ اور خلاف ورزی کی گرفت ہوگی تم پر لازم ہے کہ) اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ قرآن مجید پر ایمان لاؤ ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا یکدم نازل نہیں کیا (اسلیئے اسکے احکام پر کاربند ہونے میں کوئی دشواری نہیں) پھر یہ قرآن کوئی نئی کتاب بھی نہیں ہے ۔ اخبار ۔ بشارات ۔ قصص ۔ دعوت توحید ، عدل بین الناس ، امر بالمعروف ، نہی عن المنکر اور اصول دینیہ کے لحاظ سے توریت وانجیل کی تائید کرتا ہے ۔ اصول توحید تمہاری کتابوں میں بھی وہی مذکور ہیں جو اس قرآن میں موجود ہیں (رہا فروعی اختلاف تو یہ قابل اعتبار نہیں ہر زمانہ کے مصالح جدا ہوتے ہیں فروعی احکام کے اختلاف سے اصولی مغایرت لازم نہیں اور نہ دین الٰہی میں مغایرت ہونی ممکن ہے ۔ ورنہ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ تمہارے دین دنیا برباد ہوجائینگے ۔ دنیا میں تم کو ذلت خواری بد اقبالی غلامی اور جلاوطنی نصیب ہوگی ۔ جو ذلت وتباہی تم کو پہلے حاصل تھی اسی حالت کی طرف ہم تم کو پھر لوٹا دینگے تمہاری عزت ترقی اور اقبال کو بگاڑ کر نکبت غلامی اور اسیری میں مبتلا کردینگے ۔ آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے اہل کتاب قرآن پر اس وقت کے آنے سے پیشتر ایمان لے آؤ جبکہ ہم منکرین پر عذاب نازل کرینگے اور ان کے چہروں کو بگاڑ کر بالکل سپاٹ کر دینگے آنکھ ناک کان وغیرہ مٹا کر بالکل پشت کی طرح بنا دینگے ۔ قتادہؓ اور ابن عباسؓ کے نزدیک اس سے مراد اندھا کر دینا ہے ۔ بہرحال مطلب یہ کہ ہم انکار کرنیوالے اہل کتاب کی صورتیں بگاڑ دینگے ۔ بجائے عزت وحکومت کے ان کو ذلت خواری اور غلامی نصیب ہوگی وطن چھوڑنا پڑے گا اسیری اور شقاوت کی تباہی سے دنیا برباد ہوجائیگی ۔ اسلیئے بہتر ہے کہ اس عذاب میں مبتلا ہونے سے قبل تم قرآن پر ایمان لے آؤ ۔ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ یہ دینی تباہی کا بیان ہے ۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو دین ودنیا برباد ہو جائینگے دنیا میں تو ذلت غلامی جلاوطنی اور اسیری نصیب ہوگی اور آخرت میں رحمت الٰہی سے اس طرح محروم ہوجاؤ گے جسطرح وہ یہودی جو اصحاب السبت کہلاتے تھے رحمت خدا سے محروم ہوگئے (سبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں اور سنیچر کے دن مچھلی کا شکار کھیلنا یہودیوں کے لیئے ممنوع تھا اور یہودیوں نے اسکی مخالفت کی تھی جسکی پاداش میں ان کی شکل بندروں ایسی بن گئی اور ہمیشہ کے لیئے رحمت الٰہی سے محروم ہوگئے ۔ یہ مفصل قصہ اوپر گذر چکا ہے) وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۔ یہ آیت گذشتہ آیت کے مضمون میں زور پیدا کرنے کے لیئے بیان کی گئی ہے یعنی منکرین ومخالفین پر عذاب الٰہی نازل ہونا اور ان کی دنیا ودین تباہ ہوجانا یقینی امر ہے کسی قسم کے شک وشبہہ کی اس میں گنجائش نہیں کیونکہ قضاء الٰہی اور فیصلۂ قدر جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا ۔ اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا ۔

مقصود بیان :۔ قرآن الہامی کتاب ہے ۔ دنیا میں قرآن تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا گیا ہے ۔ قرآن کے اصول نئے نہیں ہیں بلکہ اصول اور بنیادی مسائل وہی ہیں جو گذشتہ الہامی کتابوں میں مذکور تھے ۔ قرآن کے مقصد اور دیگر الہامی کتابوں کے نظریات میں سرمو فرق نہیں ۔ جو شخص قرآن کی صداقت کا معترف ہو اور قرآن کو کتاب الٰہی مانتا

ہو۔ اُس پر گذشتہ الہامی کتابوں کی صداقت کا اعتراف کرنا لازم ہے بلکہ قرآن پر ایمان لانا درحقیقت دیگر آسمانی کتابوں کی تصدیق ہے۔ منکرین قرآن اور مخالفین اسلام پر عذاب الٰہی کے نازل ہونے کی طرف لطیف اشارات ہیں اور اس امر پر ایک مخفی تنبیہ ہے کہ صداقت اسلام کا انکار کرنے والے رحمتِ الٰہی سے محروم ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ

اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ کسی کو اُس کا شریک بنایا جائے

یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ

اسکے علاوہ جسکو چاہیگا بخشدے گا جس نے

مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى

اللہ کا شریک قرار دیا اُس نے بڑی

اِثْمًا عَظِیْمًا ۝

افترا پردازی کی

تفسیر تفسیر معالم میں مذکور ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہؓ کے شہید کرنے والے وحشی بن حرب اور اُسکے ساتھیوں کے بارہ میں ہوا۔ خلاصۂ قصہ یہ ہے کہ وحشی اور اُسکے ساتھی جب اپنے افعال پر نادم ہوئے تو اسلام لانے کی خواہش ظاہر کی لیکن اپنی تسکین کے لیئے کہنے لگے کہ آیت وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ صاف طور پر نازل ہوگئی اور ہم لوگوں نے شرک قتل زنا وغیرہ سب کچھ کیا ہے پھر ہم کو اسلام لانے کے بعد نجات کی کیا امید ہوسکتی ہے ورنہ ہم اسلام لانے کے لیئے بالکل تیار ہیں اسوقت آیت اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا الخ نازل ہوئی۔ آیت مذکورہ کو سُنکر کہنے لگے کس طرح یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آئندہ نیک اعمال ہم سے صادر ہونگے اور آیت میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کی بھی قید لگائی ہے اُس وقت آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ نازل ہوئی۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ شرک جلی ہرگز معاف نہیں ہوسکتا شرک فعلی قولی اور اعتقادی ناقابل عفو ہے۔ خدائے قدوس اس کو بغیر توبہ کے ہرگز معاف نہیں فرمائیگا۔ ہاں شرک کے علاوہ دیگر گناہ خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے بغیر توبہ کے بھی معاف کر دینا اُسکے اختیار میں ہے۔ اگر کوئی شخص مشرک ہوا اور بغیر توبہ کے مرجائے تو اُس کی رہائی ناممکن ہے ہاں اگر مشرک نہ ہو اور شرک کے علاوہ کسی قسم کا گناہ کیا ہو اور بغیر توبہ کے مرجائے تو اُسکی معافی مشیت الٰہی پر موقوف ہے خدا چاہیگا تو بغیر عذاب کے اُسکو معاف کردیگا یا خفیف عذاب دے کر نجات عطا فرمادیگا یا پورا عذاب دینے کے بعد دوزخ سے نکالیگا۔ سیاق کلام کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب شرک توبہ سے معاف ہوسکتا ہے تو دیگر گناہوں کی معافی توبہ کے بعد بدرجۂ اولیٰ یقینی ہے بلکہ دیگر گناہ توخدا تعالیٰ بغیر توبہ کے بھی معاف کرسکتا ہے وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا۔ یہ سابق آیت کی علت اور اُس کا تتمہ ہے یعنی خدا تعالیٰ شرک کو بغیر توبہ کے معاف نہیں فرمائیگا کیونکہ درحقیقت خدا تعالیٰ خالق ہے تمام عالم کا مالک مختار قادر اور علیم و حکیم ہے۔ تمام عیوب سے پاک اور کل صفات نقصان سے بری ہے یگانہ و بے ہمتا فرد و صمد لم یلد و لم یولد ہے۔ اب اگر کسی امر میں کوئی شخص کسی مخلوق کو اُس کا شریک کرے یا کہے یا سمجھے تو وہ بڑا افترا پرداز دروغ باف اور بہتان تراش ہے ایسے شخص کی مغفرت کس طرح ہوسکتی ہے۔

مقصود بیان: ۔ شرک جلی خواہ اعتقادی ہو یا قولی یا فعلی بہر حال ناقابل عفو ہے۔ اسکی معافی بغیر توبہ کے ناممکن ہے۔ شرک کے علاوہ دیگر گناہ بغیر توبہ کے بھی معاف ہو سکتے ہیں۔ اُن کی سزائیں تخفیف بھی ہوسکتی ہے اور اُن کی سزا سے بالکل سبکدوش بھی کیا جاسکتا ہے گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے زنا ہو یا سرقہ یا قتل یا کوئی گناہ۔ ہاں اگر بغیر توبہ کیئے مرجائیگا تو گناہوں کی معافی مشیت الٰہی پر موقوف ہے وہ چاہے معاف کرے چاہے مواخذہ کرے۔ مشرک سب سے بڑا گناہگار عصیان شعار مفتری کذاب اور بہتان تراش ہے۔ آیت میں اس بات کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کو محروم نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں انسان کی اپنی شرک انگیزیاں اُسکو رحمت الٰہی سے محروم کرتی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ

کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو مقدس کہتے ہیں

بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ

یہ غلط ہے۔ اللہ جسکو چاہتا ہے مقدس بناتا ہے اُن پر تاگے برابر بھی ظلم

فَتِیْلًا ۝ اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى

نہیں کیا جائیگا دیکھو اللہ پر یہ کیسی جھوٹی تہمت

اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۝ ع ۸

دھرتے ہیں اور صریح گناہ ہونے کے لیئے اتنی ہی بات کافی ہے

تفسیر باتفاق مفسرین یہ آیت کافر عیسائیوں اور یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ کافر اہل کتاب کس طرح اپنے نفوس کو پاکدامن خیال کرتے تھے اور کیونکر اپنے کو معصوم جانتے تھے اور کس قسم کے تزکیہ کا دعویٰ کرتے تھے۔ شیخ ابن کثیر نے بروایت حسن وقتادہ بیان کیا ہے کہ کافر اہل کتاب کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے بیٹے اور دوست ہیں جنت میں ہمارے علاوہ کوئی داخل نہوگا۔ مجاہد رح کی روایت ہے کہ یہودی اپنے لڑکوں کو نماز ودعا میں آگے بڑھاتے اور امام بناتے تھے اور کہتے تھے یہ پاکدامن ہیں معصوم ہیں بیگناہ ہیں۔ عکرمہ ابومالک اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہودی کہتے تھے جو بچے ہمارے مرجاتے ہیں وہ ہمارے لیئے باعث قربت اور سبب شفاعت ہیں اور ہماری پاکدامنی کا ذریعہ ہیں۔ اس پر خداتعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ ضحاک کا قول ہے یہودی کہتے تھے ہم بیگناہ ہیں جس طرح ہمارے لڑکے معصوم ہیں۔ بعض یہودی ایک دوسرے کی مدح کرتے اور کہتے تھے کہ تم بالکل معصوم ہو۔ اس خیال کی تردید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ معالم میں بروایت کلبی ذکر کیا گیا ہے کہ چند علماء یہود اپنے لڑکوں کو لیکر حضور پاکؐ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتے اور دوران گفتگو میں کہنے لگے بھلا ان لڑکوں پر کیا گناہ ہوسکتا ہے یہ بالکل معصوم ہیں اور انہی کی طرح ہم بھی پاکدامن ہیں جو گناہ ہم رات میں کرتے ہیں وہ دن کو معاف ہوجاتے ہیں اور جو قصور ہم سے دن میں ہوتے ہیں وہ رات میں معاف کردیئے جاتے ہیں اس پر خداتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ان تمام روایات کا خلاصہ یہ نکلا کہ عتاب قرآنی کو یہودی اور عیسائی ناقابل التفات سمجھتے تھے اور اپنے تقدس کے مدعی تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ ہم فلاں نبی کی اولاد ہیں۔ تقدس ہمارا نسلی حق ہے ہم پر آتش دوزخ حرام ہے۔ ہمارے رات کے گناہ صبح تک خودبخود پاک ہوجاتے ہیں اور جو گناہ ہم دن میں کرتے ہیں وہ شام کو محو کردیئے جاتے ہیں۔ ان تمام بیہودہ خیالات کے ازالہ کے لیئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ارشاد ہوتا ہے أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم یہ لوگ کیوں خودبخود اپنی تعریفیں کرتے اور پاکدامن ہونے کا دعوے کرتے ہیں خودبخود پاکدامنی کا دعوی کرنے سے معصومیت حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ یہ ایک دوسرے کو خود پاکیزہ اور مقدس بنا سکتے ہیں نہ ایک کے کہنے سے دوسرا پاکدامن ہوسکتا ہے۔ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ بلکہ تزکیہ تو صرف خداتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسکو خداتعو پاکدامنی اور پرہیزگاری کی توفیق عطا فرمائے اور جسکو خداتعو پاکدامن فرمائے وہی پاکدامن ہے۔ لہذا جسکو چاہتا ہے گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور حسب مشیت الٰہی وہ پاکدامن ہوجاتا ہے ورنہ ایک کا دوسرے کو پاکدامن کہنا بےسود ہے پاک وہ ہے جسکو خدا پاک کرے اور پاک کہے۔ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا قیامت کے دن ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائیگا۔ گناہ کی سزا اور نیکی کی جزا پوری پوری دی جائیگی۔ خودبخود اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کیا حاصل گناہوں کی سزا لازمی ہے۔ خدا ظالم نہیں کہ ان کو باوجود گناہ کرنے کے جنت میں داخل کردے اور باوجود شرک انگیزیوں اور کفرشعاریوں کے رحمت سے سرفراز کرے اور دوسری قوموں کو باوجود اطاعت فرمان پذیری اور خلوص ایمان کے محض ظلم سے دوزخ میں ڈالدے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ انظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ذرا دیکھنے کی بات ہے کہ یہ لوگ کس طرح خدا پر افترا پردازی اور بہتان تراشی کرتے ہیں اپنے کو اولاد خدا کہتے ہیں مسیح کو اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دیتے ہیں اور محبان خدا ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور باوجود ان افترا پردازیوں کے اپنے مقدس ہونے کے مدعی ہیں۔ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ان کی یہ افترا پردازی اور دروغ بافی کیا انکی کھلی ہوئی گناہگاری کے ثبوت کے لیئے کافی نہیں ہے۔ اس سے زیادہ واضح گناہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ ایک تو خدا پر اتہام لگائیں گناہ کریں اور پھر گناہ سے انکار کریں اور تقدس کا دعوی کریں۔

مقصود بیان:۔ اپنے آپ کو خود پاک اور پاکدامن کہنے کی حرمت۔ دوسرے کو گناہوں سے پاک اور معصوم کہنے اور تزکیہ آمیز القاب یاد کرنے کی ممانعت۔ خودستائی کرنی یعنی کمال وصفات پر بغیر ذاتی فضائل کے فخر کرنا اور ایک دوسرے کی غیر واقعی مدح کرنی ناجائز ہے۔ آیت میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ تقدس اور پاکدامنی کی توفیق خدا کی طرف سے عطا کی جاتی ہے کسی کو نہ کوئی پاک بنا سکتا ہے نہ کہہ سکتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ

الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ

دیا گیا ہے کہ وہ مورتی اور شیطان کو مانتے ہیں

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ

اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ

اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝

ایمانداروں سے زیادہ سیدھے راستہ پر ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ

انہی پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جسپر

يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ؕ

اللہ پھٹکار برساتا ہے اس کا کوئی مددگار تم کو نہیں ملیگا

تفسیر کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب وغیرہ جنگ احد کے بعد ستر سواروں کو لیکر مکہ کو گئے تاکہ قریش کو مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کریں۔ مکہ پہونچکر کعب ابوسفیان کے گھر ٹھیرا اور باقی یہودی دیگر کفار قریش کے مکانوں میں فروکش ہوئے۔ قریش نے یہودیوں سے کہا تم بھی اہل کتاب ہو اور محمدؐ کے پاس بھی کتاب ہے ممکن ہے کہ تم ہم سے مکر کرتے ہو اسلئے جب تک تم ہمارے دونوں بتوں (جبت اور طاغوت) کو سجدہ نہ کرو اُس وقت ہم تمہارے ساتھی نہ ہونگے کعب نے فوراً قریش کے مشورہ کی تعمیل کی اور بتوں کو سجدہ کرلیا پھر کہنے لگا اے اہل عرب اے گروہ قریش تم تو اپنا اطمینان کرچکے اب ہم کو تمہاری طرف سے وثوق ہونے کی ضرورت ہے جسکی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ تیس آدمی ہمارے اور تیس تمہارے کعبہ سے چپٹ کر رب کعبہ کی قسم کھاکر باہم شریک رہنے اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کا معاہدہ کریں۔ قریش نے کعب کے قول کی تعمیل کی۔ اثنا گفتگو میں کفار قریش نے یہودیوں سے پوچھا کہ حق بجانب کون ہے کیا ہم حق پر ہیں مسلمان باطل پر یا مسلمان حق پر ہیں اور ہم غلطی پر۔ یہودی فوراً عداوت سے بول اٹھے مسلمانوں سے تو تم ہی لوگ اچھے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (رواہ ابن ابی حاتم و ابن اسحاق وغیرہما) آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن اہل کتاب کو علم اور شریعت کا کچھ خفیف سا حصہ عطا کیا گیا ہے دیکھئے وہ جبت اور طاغوت نامی بتوں کی تصدیق کرتے ہیں بتوں کو سجدہ کرتے ہیں اور جب ابوسفیان اور دیگر کفار قریش اُن سے کہتے ہیں کہ ہم خانۂ کعبہ کے متولی اور خدمتگزار ہیں ہم حاجیوں کو پانی پلاتے اور کھانا کھلاتے ہیں ہم قیدیوں کو رہا کراتے اور ہر طرح سے اُن کی امداد کرتے ہیں اور محمدؐ نے اپنے بزرگوں کے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کیا رشتہ ناتا سب کچھ کاٹ دیا حرم الٰہی کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے ایسی حالت میں ہم راہ راست پر ہو سکتے ہیں یا مسلمان۔ ہم حق پر ہو سکتے ہیں یا محمدؐ۔ تو اہل کتاب جواب میں کہتے ہیں کہ راہ راست پر درحقیقت تم ہی ہو مسلمان حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کرنے والے راہ راست ترک کرکے پگڈنڈیوں پر چلنے والے ہیں (یہودیوں نے قریش سے یہ بات کیوں کہی صرف اس وجہ سے کہ قریش کو اپنا ہم خیال بناکر مدینہ پر چڑھا کر لے آئیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اہل عرب پندرہ ہزار سے زائد مدینہ پر چڑھ آئے حضور والا نے مدینہ کے آس پاس خندق کھدوا دی) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ان ملعون یہودیوں پر خدا کی پھٹکار ہے خدا نے ان کو اپنی رحمت سے دور کردیا ہے ان کو آخرت میں نجات اور دنیا میں ترقی و حکومت نصیب نہیں ہوسکتی۔ ان کو قریش کی مدد پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ جسپر خدا کی پھٹکار ہوتی ہے جو خدا کی نصرت و رحمت سے دور ہوتا ہے اسکا کوئی حامی نہیں ہوسکتا نہ دنیا میں کوئی طاقت اُسکی مددگار ہوسکتی ہے نہ آخرت میں انبیا و اولیا اسکی سفارش کرسکتے ہیں۔ دنیا میں ذلت غلامی محکومی اسیری اور آخرت میں شقاوت اور عذاب سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے خسر الدنیا والآخرہ۔

مقصود بیان:۔ اہل حق سے عناد حسد اور کینہ توزی کی ضمنی ممانعت یہودیوں کی فتنہ پردازیوں کینہ توزیوں اور دین اسلام پر بے جا یورش کرنے کی تدبیروں کا بیان۔ منکرین حق اور جانبداران باطل کے ناکام اور نامراد رہنے کی مخفی تنبیہ۔ اس بات کی صراحت کہ جان بوجھ کر حق سے روگردانی کرنے والے اور صداقت پر یورش کرنے والے خدا کی پھٹکار میں مبتلا ہیں دنیا اور دین کی کوئی طاقت اُن کی مدد نہیں کرسکتی۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ

کیا ان کا سلطنت میں کوئی حصہ ہے (اگر ہوجائے تو) یہ تل برابر بھی

النَّاسَ نَقِيْرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى

لوگوں کو نہیں دینگے یا اس بات سے جلے مرتے ہیں کہ

مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ

اللہ نے اپنے فضل سے لوگوں کو نعمت مرحمت فرمائی (تو مرجائیں) ہم نے تو

اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا

خاندان ابراہیم کو کتاب و علم عطا کیا اور اُن کو بڑی بھاری

عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ

سلطنت دی چنانچہ بعض لوگوں نے تو اُس کتاب کو مان لیا اور کسی نے

مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝

اُس سے رُخ پھیر لیا اور دہکتی ہوئی دوزخ (ان کے لیئے) کافی ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں یہودیوں کی باطنی شقاوت فتنہ انگیزی اور خباثت دردلی کا بیان تھا اور چونکہ اس تمام فتنہ انگیزی اور کینہ توزی کا اصل مبدء ملکی طمع اور عزت کا لالچ تھا اسلیئے اس آیت میں اصلی سبب کا بیان کرنا مقصود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا یہودی چاہتے ہیں کہ انکی عزت گذشتہ واپس مل جائے جو حکومت و مملکت اُن کے ہاتھ سے نکل چکی وہ پھر قبضہ میں آجائے لیکن یہ محض خیالی پلاؤ ہیں ان کو حکومت اور مملکت کا کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ درحقیقت ان میں نظام ملکی اور درستگی سلطنت کی قابلیت ہی نہیں۔ ان میں بخل وکنجوسی کی صفت بد اس قدر جم گئی ہے کہ اگر ان کو حکومت وسلطنت کا کچھ حصہ نصیب ہو جائے تو لوگوں کو ذرہ برابر کچھ نہ دینگے پھر انتظام ملکی کس طرح درست رہ سکتا ہے اور کیونکر ان کو سلطنت وحکومت کا استحقاق ہو سکتا ہے۔ اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ اس آیت میں یہودیوں کے فطری حسد اور اندرونی جلن کا اظہار کرنا مقصود ہے کیونکہ مسلمانوں کی روزافزوں شوکت وترقی اور حکومت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت کا بڑھتا ہوا زور دیکھ کر وہ لوگ جلے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ نبوت وسلطنت ہمارا حصہ تھا ہم اسرائیلی ہیں ہمارے اسلاف میں ہی تمام انبیاء اور سلاطین گذرے ہیں۔ یہ اسماعیلی نسب کا انسان کیوں نبی ہو گیا اور اسکو یہ روز افزوں طاقت کیوں حاصل ہو گئی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ درحقیقت نبوت اور سلطنت وعزت خدا کا فضل ہے خدا جسکو چاہتا ہے اپنے فضل سے سرفراز فرماتا ہے یہ خواہ مخواہ حسد سے جلے جاتے ہیں اور خداداد نبوت ونصرت پر حسد کرتے ہیں۔ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا۔ آخر ہم نے انہی کے اسلاف میں سے اولاد اسرائیل بن اسحاق بن ابراہیم کو بھی تو شریعت اور سلطنت وحکومت عطا کی تھی (یہ اگر سلسلۂ ابراہیمی میں ہم نے دوسرے خاندان اولاد اسماعیلی نسل کو نبوت قرآن شوکت اسلامی اور عزت وحکومت عطا کی تو جلنے کی کونسی بات ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ حسد ان کا فطری مرض ہے اور خواہ مخواہ جلنا ان کا کام ہے) فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ یہ گذشتہ آیت کا تکملہ اور ضمیمہ ہے۔ ماحصل مطلب یہ ہے کہ ہم نے نسل ابراہیم یعنی اولاد اسرائیل کو ظاہر شریعت اور اسرار و رموز شریعت اور حکومت وسلطنت عطا کی تھی لیکن اپنی مذہبی کتاب پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور خدا پرست بن گئے اور کچھ لوگوں نے مخالفت وانکار کیا۔ غرض یہ کہ جب انھوں نے اپنی مذہبی کتاب پر نکتہ چینی کی اور اُس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تو کس طرح ممکن ہے کہ قرآن کی تکذیب ومخالفت اور اسلام پر نکتہ چینی نہ کریں وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ایسے بدبختوں کو جلانے کے لیئے جہنم کافی ہے۔ آیات اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ الخ کی مفصل شان نزول یہ ہے کہ ایک بار رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر مفسد اور حاسد یہودیوں نے کچھ بیجا اعتراض کیئے اور کہنے لگے کہ آپ اپنے نفس کو متواضع ظاہر کرتے ہیں حالانکہ آپ کی نو بیبیاں ہیں یہ تو اچھی خاصی سلطنت ہے۔ اس اعتراض کا سبب چونکہ محض حسد تھا کیونکہ نو بیبیوں کا باجازت خداوندی نکاح میں ہونا اول تو سلطنت نہیں اور ہو بھی تو سلطنت تواضع کے منافی نہیں اسلیئے کہ تواضع قلب کی اُس کیفیت کا نام ہے جسکی وجہ سے آدمی اپنے کمالات کو ہیچ سمجھے اور حق تعالےٰ کی عظمت کو ملحوظ رکھکر بڑائی اور تکبر کو پاس نہ آنے دے سو ظاہر ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی کسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ دل سے اس نعمت کو خداداد عطیہ سمجھ کر اپنے آپ کو محتاج اور ہیچ سمجھے ہوئے ہے تو اسمیں کوئی منافات نہیں۔

آیات مذکورہ میں حسد کا قبح اور نامعقولیت دو وجہوں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اول یہ کہ اگر حسد اس بات پر کہ سلطنت تم سے لیکر حضور رسول پاک صلعم کو ملی تب تو خدا نے تم کو ٹھکانے پر ہی رکھا کہ تم کو سلطنت نہ ملی ورنہ تم تو کسی کو ایک کوڑی نہ دیتے اور اگر حسد اس پر ہے کہ گو سلطنت تم سے نہیں ملی مگر پھر بھی رسول گرامی صلعم کو کیوں ملی تو اسکا جواب یہ ہے کہ محمدؐ بھی خاندان نبوت اور آلِ ابراہیم میں سے ہیں اور خدا نے نبوت وریاست خاندان ابراہیم میں رکھی ہیں لہذا سلطنت نہ اجنبی خاندان کو دی گئی نہ نبوت غیر جگہ اتری۔

مقصود بیان: ۔ خدا تعالیٰ سلطنت وحکومت اُسی کو عطا کرتا ہے جسمیں انتظامی قابلیت ہوتی ہے بخیل اور کنجوس کو سلطنت نہیں مل سکتی۔ یہودی فطرتاً بخیل اور حاسد ہیں۔ مسلمانوں کی شوکت ترقی اور حکومت ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی بخل اور حسد الہامی تعلیم کے منافی ہے۔ کثرت نکاح اور سلطنت وحکومت تواضع کے خلاف نہیں۔ تواضع اور فروتنی حکومت کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ ضمنی طور پر بخل وحسد اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نکتہ چینی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ وغیرہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ

جن لوگوں نے ہمارے احکام کو نہ مانا عنقریب

نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم

ہم اُن کو دوزخ میں ڈالینگے اور جب اُن کی کھالیں جل بھُن جائینگی

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ

تو اُن کی بجائے ہم دوسری کھالیں بدل دینگے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ وَالَّذِيْنَ

بلاشبہ اللہ زبردست اور باحکمت ہے اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ [illegible]

ایمان لائے اور اُنھوں نے اچھے کام کیے اُن کو عنقریب ہم ایسے باغوں [illegible]

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

جن کے اندر نہریں بہتی ہونگی جن میں سدا وہ ہمیشہ

اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّ

رہینگے وہاں اُن کے لیئے پاک صاف بیویاں ہونگی اور

نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ○

ہم اُن کو وسیع سایہ میں داخل کرینگے

تفسیر اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ پہلی آیت میں اہل کتاب کی بدکاریاں اور حیلہ سازیاں بیان کی گئی تھیں۔ اس آیت میں تمام کفار کے لیئے عمومی طور پر عذاب کا حکم صادر کیا گیا خواہ وہ کافر یہودی ہوں یا عیسائی یا ہندو یا پارسی بہرحال ہر منکر حق کے لیئے وعید شدید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو آیات الٰہی کے منکر ہیں ہم سب کو جہنم کی آگ میں جلائینگے صرف کچھ دنوں کی مہلت ہے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ایک مرتبہ جہنم کی آگ میں داخل ہوکر جل بھن کر مرجائینگے اور پھر ہمیشہ کے لیئے نجات پاجائینگے۔ کیونکہ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا تکلیف منقطع نہ ہوگی ہمیشہ آگ میں جلینگے جسطرح دنیا میں آتش حسد و عناد اور بے غیرتیاں اختیار کرتے تھے اسی طرح آخرت میں ان پر ہمیشہ نئے نئے رنگ کا عذاب ہوتا رہیگا جب آگ سے انکی ایک جلد جل جائیگی تو دوسری جلد جلنے کے لیئے اور پیدا ہو جائیگی تاکہ ان کم بختوں کو پورا پورا عذاب چکھنا پڑے اور اس فعل کو کوئی ناممکن خیال نہ کرے اور نہ حیات اخروی کو کوئی فانی سمجھے۔ خدا کے قبضۂ اختیار میں سب کچھ ہے وہ سب کچھ کرسکتا ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے غالب اور زبردست ہے اُسکے قبضہ سے کوئی چیز خارج نہیں اور پھر حکیم بھی ہے کافروں کو عذاب دینے اور اُن کی زندگی کو عذاب میں ہمیشہ قائم رکھنے کی اُسکو سب تدبیریں معلوم ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قرآن مجید کی نیرنگی بیان اور اسلوب ادا کا یہ دستور ہے کہ عذاب کے مقابلہ میں ثواب اور کافروں کی سزا کے مقابلہ میں مؤمنوں کی جزا کا اظہار کیا جاتا ہے تاکہ نافرمانوں کو عذاب کا خوف اور وعید پیدا ہو اور سزا سے ڈر کر اطاعت شعاری اور فرمان پذیری کے ثواب کا شوق دامنگیر ہو۔ گذشتہ آیت میں کافروں کے عذاب کا اظہار کیا گیا تھا اور کفر و نافرمانی کی سزا سے ڈرایا گیا تھا۔ اس آیت میں مومنوں کی نیکوکاریوں اور اطاعت شعاریوں کا ثواب بیان کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو خدا اور رسول اور قرآن وغیرہ کی تصدیق کرکے نیک اعمال کرتے ہیں اُن کو اسکے ثواب میں قسم قسم کی جنتیں ملینگی اور یہ ثواب فانی بھی نہ ہوگا بلکہ دائمی ہوگا کبھی منقطع نہ ہوگا۔ جنت میں ہر قسم کی سرسبزی اور شادابی ہوگی۔ نہریں درختوں کے نیچے بہتی ہونگی اور لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اس کے لیئے عالم قدس کی پاک حوریں بھی ہونگی جو ہر قسم کی جسمانی کثافت اور مادی آلایش سے پاک ہونگی۔ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا اور سب سے بڑھکر یہ کہ خدا تعالیٰ اُن کو سایۂ دراز میں داخل کریگا یعنی اپنی مہربانی اور عنایت عطا فرمائیگا جسکو کبھی فنا نہیں۔ مشاہدۂ صفات ازلیت اور دیدار جلال ذات میسر ہوگا۔ ابدی کفایت اور سرمدی رعایت نصیب ہوگی۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ظل ظلیل سے مراد سایۂ عرش ہے۔ معالم میں مذکور ہے کہ ظل ظلیل سے مراد وہ سایہ ہے جسمیں نہ گرمی ہوگی نہ سردی نہ دُکھ نہ تکلیف۔

مقصود بیان: ترغیب و ترہیب۔ انذار و تبشیر۔ خدا تعالیٰ کے قادر مطلق اور حکیم کامل ہونے کی صراحت۔ اس بات کی وضاحت کہ اہل جنت کو تمام نعمتیں میسر ہونگی اور سب سے بڑھکر رحمت الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا۔ جنت کی حوریں تمام مادی کثافتوں اور جسمانی آلائشوں سے پاک ہیں۔ عذاب و ثواب سرمدی اور لازوال ہے مؤمن جنت میں ہمیشہ رہینگے اور کافر دوزخ میں وغیرہ۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کو

اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ

دیدیا کرو اور جب تم لوگوں کا باہمی فیصلہ کرو

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ

تو انصاف سے کرو — اللہ تم کو بڑی اچھی بات کی نصیحت

بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝

کرتا ہے — بلاشبہ اللہ — سننے والا اور دیکھنے والا ہے

تفسیر

اس آیت کی شان نزول میں دو روایات ہیں۔ مگر بالاتفاق یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہ کے متعلق نازل ہوئی جو دورِ جاہلیت میں کعبہ کے کلید بردار اور مجاور رکھتے حالت اسلام میں بھی انہی کے پاس کعبہ کی کنجی رہی اور ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی شیبہ کو ملی۔ پہلی روایت ابن عباس رضی کی ہے کہ ابتدا سے خانہ کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ کے پاس تھی جب حضور والا نے مکہ فتح کیا تو ان سے کنجی طلب کی عثمان نے فوراً لاکر حاضر کردی۔ حضور اقدس صلعم عثمان کے ہاتھ سے کنجی اٹھانے نہ پائے تھے کہ حضرت عباس رضی نے حاضر ہو کر عرض کیا:۔ یارسول اللہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت تو میرے سپرد ہی ہے۔ کعبہ کی کلید برداری بھی مجھے تفویض کر دیجئے۔ یہ سن کر عثمان نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضور صلعم نے فرمایا عثمان کنجی لاؤ۔ حسب الحکم عثمان نے پھر کنجی دینے کے لیئے ہاتھ بڑھایا لیکن حضرت عباس رض نے پھر وہی پہلے الفاظ ادا کیئے تو عثمان نے پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ بالآخر حضور گرامی صلعم نے فرمایا عثمان اگر تو خدا پر اور روز قیامت ایمان رکھتا ہے تو کنجی مجھے دیدے۔ عثمان نے عرض کیا یارسول اللہ کنجی تو حاضر ہے لیکن امانت سمجھ کر میرے ہی حوالہ کیجئے۔ حضور والا نے کنجی لیکر قفل کھولا کعبہ کے اندر تشریف لیگئے اور وہیں آیت مذکورہ نازل ہوئی اور حضور والا صلعم نے ضروریات عبادت وغیرہ سے فارغ ہو کر باہر تشریف لاکر عثمان کو کنجی دیدی۔

دوسری روایت ابن اسحاق کی اس طرح ہے کہ حضرت علی رضی نے عثمان بن طلحہ کا ہاتھ مروڑ کر کنجی زبردستی لے لی تھی اور کنجی لیکر مسجد میں چلے گئے جب رسول پاک مسجد میں تشریف لائے تو حضرت علی رضی نے عرض کیا یا رسول اللہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے علاوہ خانۂ کعبہ کی دربانی بھی ہمارے سپرد کر دیجئے لیکن حضور والا صلعم نے ارشاد فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہے۔ حسب الطلب عثمان حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلعم نے کنجی انکے سپرد کیدی۔

بہرحال باتفاق مفسرین شان نزول اگرچہ خاص ہے لیکن آیت کا حکم عام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ خدا تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ جنکی امانت ہو ان کو ادا کرو کسی قسم کی خیانت نہ کرو یعنی تم پر جس کسی کا حق لازم ہو اس کو بخوشی خاطر بغیر چون وچرا کے ادا کیا کرو۔ خواہ حقوق الٰہی ہوں یا حقوق انبیاء وصلحاء یا حقوق والدین و اقربا یا حقوق زوجین و اولاد یا حقوق ہمسائیگان یا حقوق اہل محلہ و اہل شہر و اہل وطن و برادران مذہب یا خود اپنے نفس کے ہی حقوق ہوں بہرصورت کسی کی حق تلفی نہ کرو۔ ہر ایک کا حق ادا کرنے میں انصاف سے کام لو خیانت نہ کرو۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اس جملہ کا ربط پہلی آیت سے ہے لیکن پہلی آیت میں عمومی حکم ہے اور اس آیت میں بقول محمد بن کعب و زید بن اسلم و شہر بن حوشب صرف طبقہ حکام کو خطاب ہے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں کے باہمی فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ کیا کرو کسی دباؤ یا لالچ یا آشناسائی یا عزیزداری یا سفارش کے اثر سے کسی کی جانبداری نہ کیا کرو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے موافق احکام جاری کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ خدا تعالیٰ تم کو یہ بہترین نصیحت فرماتا ہے کہ خالق و مخلوق کے حقوق واجب ادا کرو اور فیصلہ میں عدل و انصاف سے کام لو۔ یاد رکھو کہ صرف ظاہری عدل و انصاف کافی نہیں حقیقی عدالت کی ضرورت ہے جو ہر قول و فعل میں تمہارے واسطے لازم ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝ خدا تعالیٰ تمہارے ہر قول و فعل سے واقف ہے اس سے کوئی حرکت اور کوئی سکون مخفی نہیں۔

مقصود بیان:۔ اس آیت میں نہایت بلاغت آمیز عبارت میں مذکورۂ ذیل امور کی ضمنی تعلیم دی گئی ہے توحید عبادت شکرگزاری امر بالمعروف نہی عن المنکر اجتناب از ممنوعات۔ امانتِ الٰہی کی ادائیگی۔ پورا تولنا۔ راز کو افشا نہ کرنا۔ کسی مانگی ہوئی چیز کو حسب وعدہ واپس دیدینا امانت کو بوقت مطالبہ ادا کرنا۔ بیوی کو میاں کے مال اور آبرو کی حفاظت کرنی حکام اور ذی اختیار لوگوں کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ خوش خلقی اور نرمی سے پیش آنا۔ علماء کو مسائل دین بیان کرنے میں کمی بیشی نہ کرنی اور بیجا تعصب سے باز رہنا۔ صاحب خانہ کو بیوی بچوں کے حقوق برابر ادا کرنا۔ انکی تربیت اور تعلیم کی کوشش کرنی۔ اپنے نفس کو تکلیفات سخت میں مبتلا نہ کرنا۔ بن باسی اور رہبانیت سے ممانعت۔ فسق فجور مطلق العنانی شہوت رانی غضب پرستی اور دیگر حرکات قبیحہ سے اجتناب۔ بقدر ضرورت آرام آسائش کا حکم۔ مال و متاع لباس و خوراک سواری اور زینت سے دائرۂ شریعت کے اندر رہ کر استفادہ وغیرہ۔ آیت بالا ہم کو پرزور حکم دیتی ہے کہ کسی دباؤ اور طمع یا دوستی و عزیزداری یا سفارش سے متاثر ہو کر فریقین معاملہ میں سے کسی کی بیجا طرفداری نہ کریں۔ ایک فریق کی عزت اور دوسرے فریق کی ذلت اپنے کسی قول فعل یا حرکت و سکون سے نہ کریں۔ سماعت مقدمہ کے دوران میں دونوں فریقوں کی طرف توجہ برابر رکھیں۔ رشوت لے کر کسی کی حق تلفی نہ کریں غرض کہ یہ آیات تمام ضروریات دین اور اصلاحات دنیا کی حامل ہیں۔ سمجھنے کے لیئے روشن دماغ کی اور عمل کرنے کے لیئے مؤمن دل کی ضرورت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

مسلمانو اللہ کا حکم مانو اور اُسکے رسول کا

الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ

حکم مانو اور تم میں جو صاحبانِ حکومت ہوں اُن کا حکم مانو پھر اگر کسی معاملہ میں

فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

تمہارا باہم اختلاف ہو جائے تو اُسمیں اللہ اور اُسکے رسول کی طرف رجوع کرو

إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ

اگر تم کو اللہ اور روز قیامت کا یقین ہو

ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ ع

یہی بہتر ہے اور اسی کا انجام اچھا ہے

تفسیر

ابن جریر نے بسند حضرت سدی بیان کیا ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلعم نے فوج کا ایک دستہ بقیادت حضرت خالد بن ولید جہاد پر روانہ کیا۔ فوج میں حضرت عمار بن یاسر بھی تھے جب یہ لوگ منزل مقصود کے قریب پہونچے تو اخیری رات میں ایک پہاڑ پر فروکش ہو گئے اور خیال کیا کہ علی الصباح کفار کی بستی پر حملہ کر دینگے۔ کسی جاسوس نے کفار سے بھی جا کر یہ اطلاع کر دی وہ لوگ صبح ہونے سے قبل ہی بھاگ گئے اور تمام بستی ویران کر گئے صرف ایک شخص وہاں باقی رہ گیا اول اس نے تمام مفرور لوگوں کا سامان اور اسباب جلوا دیا پھر رات کو ہی مسلمانوں کی فوج میں آکر حضرت عمار بن یاسر سے ملا اور کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد عرض کیا ابو الیقظان میری قوم کو جب تمہاری آمد کی خبر معلوم ہوئی تو سب لوگ بھاگ گئے صرف میں باقی رہ گیا اور اس وقت حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اگر میرا یہ ایمان میرے لیئے کل کو سودمند ہو سکتا ہو تو مجھے اطمینان دلا دیجیئے ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں بھاگ جاؤں۔ حضرت عمار رضؓ نے فرمایا ہاں تمہارا ایمان تمہارے لیئے مفید ہوگا تم اطمینان رکھو بالآخر جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے سپہ سالار نے کافروں کی بستی پر یورش کی لیکن وہاں سوا اسی ایک مرد مسلمان کے اور کوئی موجود نہ تھا۔ حضرت خالد نے اُسی کو گرفتار کرا لیا۔ حضرت عمار کو جب یہ خبر پہونچی تو خالد کے پاس جا کر کہنے لگے اس شخص کو چھوڑ دو یہ مسلمان ہو گیا ہے اور میری امان میں ہے خالد بولے تم امان دینے والے کون ہو میں سپہ سالار ہوں۔ الغرض آپس میں کچھ جھگڑا بڑھا اور فریقین کا مرافعہ رسول پاک صلعم کی خدمت میں پہونچا حضور والا نے عمار کی امان دہی کا حکم برقرار رکھا اور فرمایا پھر کبھی کسی امیر کے خلاف امان نہ دینا۔ حضور والا کے سامنے بھی خالد اور عمار کے درمیان کچھ تکرار ہوئی خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور اس نکٹے غلام کو اجازت دیتے ہیں کہ مجھے گالیاں دیتا رہے۔ حضور صلعم نے فرمایا خالد عمار کو بُرا نہ کہو جو عمار کی بُرائی کرتا ہے خدا اُسکی بُرائی کرتا ہے جو عمار سے بغض رکھتا ہے خدا اُس سے بغض رکھتا ہے جو عمار پر لعنت کرتا ہے خدا اُس پر لعنت کرتا ہے۔ عمار وہاں سے غصہ ہو کر اٹھ کر چلے گئے۔ خالد انکے پیچھے پیچھے گئے اور بہت عذر معذرت کر کے اُن کو رضامند کر لیا۔ اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے بھی بروایت سدی یہی شان نزول بیان کیا ہے۔ اور ابن عباس رضؓ کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ مسلمانو خدا کے احکام کی اطاعت کرو جو چیز قرآن میں حلال ہے تم اسکو حلال سمجھو اور جو چیز حرام ہے اُسکو حرام سمجھو یعنی قرآن کو دستور العمل بنا لو لیکن چونکہ قرآن میں تمام اشیاء کا تفصیلی ذکر نہیں صرف اصول و قواعد ہیں اس میں بے تعداد اور لامحدود عجائبات ہیں اور ہر شخص بقدر فہم و استعداد ان عجائب سے فائدہ اندوز ہوتا ہے اور نبی صلعم کی حیات پاک قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے نیز قرآن رسول پاک کے ذریعہ سے ہی بندوں تک پہنچایا گیا ہے۔ قرآن کا جو مطلب حضور والا سمجھ سکتے تھے وہ کوئی انسان نہیں سمجھ سکتا تھا) اسلیئے وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ رسول اللہ صلعم کے احکام کی بھی تعمیل کرو۔ جن چیزوں کو رسول پاک نے حرام کر دیا ہے اُن کو حرام جانو اور جن کو حلال کر دیا ہے اُن کو حلال سمجھو۔ ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہما کی روایت میں وارد ہے رسول پاک صلعم نے فرمایا بعض پیٹ بھرے پلنگ پر لیٹ کر کہنے لگینگے کہ ہم کو قرآن کافی ہے جو اسمیں حلال ہے وہی حلال ہے اور جو حرام ہے وہی حرام ہے حالانکہ رسول نے بھی اللہ کی طرح بہت سی چیزیں حرام بیان کی ہیں لیکن چونکہ دنیا میں تمام پیدا ہونے والے جھگڑوں کی تفصیل اور عالم کے کل واقعات کا اظہار اور ہر ہر چیز کا فیصلہ نہ تو قرآن میں ہے نہ ہو سکتا ہے نہ حدیث میں امور غیر متناہی کی تشریح ہو سکتی ہے اگرچہ اصول و قواعد مفصل مکمل طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں اسلیئے فرمایا وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ یعنی تم میں سے جو صاحبان امر ہوں اُن کی بھی اطاعت کرو اُن کے فیصلوں کی تعمیل کرو سرکشی اور بغاوت نہ کرو۔ اولی الامر سے کیا مراد ہے اس میں ائمہ و صحابہ کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ جابر بن عبد، حسن بصری، عطار، ابو العالیہ، مجاہد، ابن عباس، امام احمد، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ضحاک

وغیرہ کے نزدیک اس سے مراد علماء مفتی شریعت اور مجتہد فقہ ہیں۔ دیگر محققین کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مسلمان حکام اور سلاطین ہیں جو شریعت اسلامیہ کے مطابق احکام کے فیصلے کرتے ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول پر خود بھی عمل پیرا ہیں اور دوسروں کو بھی عامل بناتے ہیں، امر معروف کا حکم اور امر ممنوع کی مانعت کرتے ہیں۔ بہر حال حکام و قاضی مراد ہوں یا مفتی و مجتہد۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ وہ صاحبان امر جو خود بھی عادل ہوں اور شریعت کے موافق حکم دیں تو اُن کے احکام کی تعمیل لازم ہے۔ جو احکام قرآن و حدیث میں بصراحت مذکور ہیں وہ تو مذکور ہی ہیں اور جو احکام صراحت کے ساتھ مذکور نہیں اُن میں علماء راسخین اور عادل سلاطین کے قیاسی فیصلے اور فتوے ماننا لازمی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی (متفق علیہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور پاکؐ نے ارشاد فرمایا اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام کو سردار بنا دیا جائے جس کا سر خشک سیاہ انگور کی طرح ہو مگر تم اُس کے قول کو سنو اور اُس کے حکم کو مانو۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ۔ اب اگر اسلام کے اصول و فروع میں باہم مسلمانوں میں کچھ اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور سنت رسول اللہ کو تلاش کرنا چاہیئے۔ کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ جس کے صحیح ہونے کا حکم دیں وہ راست ہے اور باقی غلط۔ اس آیت نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو کسی فیصلہ یا فتوی کی صحت و غلطی کے جانچنے کا معیار قرار دیا اور قول بالرأی سے منع فرمایا اسی لیے آگے ارشاد ہوتا ہے إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ یعنی امور نزاعیہ میں قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا۔ ایمان باللہ اور تصدیق قیامت کی علامت ہے جو شخص خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُس پر لازم ہے کہ اگر باہم کسی مسئلہ میں اختلاف ہو اور صحیح فیصلہ نہ معلوم ہو سکے تو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر جانچ لے خواہ مخواہ بغیر کسی ماخذ کے خود بخود مسائل میں تراش خراش نہ کرے ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ یہ گذشتہ کلام کی علت ہے یعنی اختلافی مسائل میں قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا اور اُن کے فیصلوں کو راستی اور غلطی کا معیار قرار دینا خواہ مخواہ لڑنے جھگڑنے اور تنازع کرنے سے بہتر ہے اور مآل کار کے اعتبار سے بھی بہت اچھا ہے۔

مقصود بیان: کتاب الٰہی تمام دنیا کے اصول و فروع کا ناطق فیصلہ ہے۔ رسول اللہؐ کا فعل قول بلکہ کل حیات طیبہ قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ صرف قرآن پر ایمان لانا اور رسول اللہ کی احادیث کا انکار کر دینا ایمان کے لیے کافی نہیں۔ مسلمان عادل حکام کی امر معروف میں اطاعت واجب ہے اور اُن کی اطاعت سے سرتابی موجب کفر ہے۔ آیت میں بصراحت اختلافی مسائل اور نزاعی امور میں بلا ثبوت قیاسی تراش خراش اور دماغی اختراعات کی قطعًا ممانعت کی گئی ہے۔ ایسے وقت قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا لازم ہے اور قیاس صحیح کتاب اللہ اور سنت رسول سے مسائل کا استنباط لازم ہے۔ آیت مذکورہ ہم کو نہایت بلاغت کے ساتھ اخوت ملّی کی تعلیم دے رہی ہے اور رفع نزاع بین المسلمین کی بہترین تدبیر بتا رہی ہے اور یہ بھی ظاہر کر رہی ہے کہ شیرازۂ ملت کو پراگندگی سے بچانا ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس کی صورت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ تمام دنیا کو چھوڑ کر صرف قرآن اور حدیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ لفظ أَطِيعُوا کو مکرر لانے سے یہ مقصود ہے کہ رسول اللہؐ کے قول اور فعل کی اطاعت بہت ضروری ہے۔ پھر اس کی بھی صراحت ہے کہ مسلمان حکام کی اطاعت ضروری ہے غیر مسلم حاکم کی اطاعت لازم نہیں۔ در حقیقت بقول شیخ ابو سعید خراز آیت ہم کو حکم دے رہی ہے کہ عہد الٰہی کی دل سے وفا کریں ظاہر کو شریعت رسول اللہؐ کا پابند بنائیں اور تمام امت کی خیر خواہی کریں یا یوں کہنا چاہیئے کہ اختلافات اور نفسانی خطرات کو کتاب اللہ پر پیش کرنا چاہیئے۔ اگر صحیح فیصلہ معلوم ہو جائے تو فبہا ورنہ سلف صالحین صحابہ تابعین اور ائمہ امت کے اقوال اور علماء و مشائخ کی صحبت و عمل میں دیکھنا چاہیئے اس سے آگے کوئی راستہ عمل نہیں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا

کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعوی تو یہ ہے کہ ہم اُس کلام پر بھی یقین

بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوا اور اُس کلام کو بھی مانتے ہیں جو تم سے پہلے نازل کیا گیا

يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ

حالانکہ یہ شیطان کے پاس مقدمہ لیجانا چاہتے ہیں

وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ

باوجودیکہ ان کو حکم دیدیا گیا ہے کہ اُس کا کہنا نہ مانیں شیطان

الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

چاہتا ہے کہ ان کو راہ سے بہکا کر دور لے جائے

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ جو خدا نے نازل فرمایا ہے

وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ

اور رسول کے پاس آؤ تو تم دیکھتے ہو کہ منافق تمہارے پاس آنے سے

عَنكَ صُدُودًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم

رکتے ہیں اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب انکی حرکات

مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ

کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آپڑے گی اور پھر خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا

تمہارے پاس آئیں گے کہ ہماری غرض تو صرف بھلائی

وَتَوْفِيقًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ

اور میل ملاپ ہی کی تھی ان لوگوں کے دلوں کی باتیں اللہ خوب

مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَ

جانتا ہے تم ان کی طرف توجہ نہ کرو اور ان کو نصیحت کرو اور

قُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝ وَمَا

ان سے ایسی بلیغ بات کہو جو ان کے دلوں میں اثر کرے ہم نے

أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ

ہر رسول کو اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کا کہا مانا جائے

تفسیر

ان آیات کے شان نزول میں تین روایات ہیں۔ پہلی روایت معالم التنزیل میں مذکور ہے کہ ایک یہودی اور منافق کا آپس میں کچھ جھگڑا ہوا۔ منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس چلو وہ زبردست عالم ہے ہم دونوں میں فیصلہ کردیگا۔ یہودی بولا نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو۔ بالآخر دونوں رسول پاک ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے کیفیت واقعہ سن کر یہودی کو ڈگری دیدی۔ مگر منافق اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ یہودی نے حضرت عمرؓ سے حضور والا کے فیصلہ کی حالت بیان کردی۔ فاروق اعظمؓ نے منافق سے دریافت کیا کہ کیا واقعی یہی بات ہوئی جو یہودی کہہ رہا ہے؟ منافق نے اقرار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً تلوار سے منافق کو قتل کردیا۔ اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

دوسری روایت طبرانی نے بسند صحیح نقل کی ہے کہ ابو برزہ اسلمی ایک کاہن تھا جو یہودیوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کیا کرتا تھا۔ چند مسلمانوں نے بھی بعض معاملات میں فیصلہ کرانے کے لئے اُسکے پاس رجوع کیا تو آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

تیسری روایت ابن عباس نے بیان کی ہے کہ جلاس بن صامت اور معتب بن قشیر اور رافع بن زید مدعی اسلام تھے اور انکی قوم میں کچھ آدمی پکے مسلمان بھی تھے ایک جھگڑے میں ان مسلمانوں نے ہر سہ اشخاص مذکورہ کو مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کیلئے چلیں لیکن انھوں نے انکار کردیا اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

شیخ ابن کثیر کہتے ہیں کہ شان نزول کچھ بھی ہو بہرحال آیت کا حکم عام ہے۔ ہر وہ شخص جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ سے انحراف کرکے کسی باطل کی طرف رجوع کرتا ہو اُسکی مذمت کا اس آیت میں بیان ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں کچھ اہل کتاب اور کچھ آدمی قبیلۂ انصار کے ایسے بھی تھے جو بظاہر مدعی اسلام تھے لیکن جب کوئی اہم معاملہ آپڑتا اور کوئی جھگڑا قضیہ پیدا ہوجاتا تو کعب بن اشرف ایسے رشوت خوار یہودیوں کی طرف فیصلہ کرانے کے لیئے رجوع کرتے اور اُن کو اپنا پنچ بناتے تھے اور اپنی خباثت اندرونی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے انکار کرتے تھے اور اگر کوئی سخت اور مشکل مصیبت آپڑتی تھی تو اپنے مطلب کے لیئے رسول پاکؐ کی خدمت میں دوڑکر حاضر ہوتے اور گذشتہ غیر حاضری کے عذر کرتے اور قسم کھا کر کہتے کہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے ہم وہاں فیصلہ کرانے گئے تھے ورنہ اور کوئی بات نہ تھی۔

آیت کا مطلب یہ ہے:- أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کمال ایمان کے مدعی ہیں دعوی تو یہ کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان قرآن پر بھی ہے اور تمام گذشتہ کتابوں پر بھی لیکن جب کوئی جھگڑا قصہ ہوجاتا ہے تو يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ سرکش شیطانوں کے پاس فیصلہ کرانے کے لیئے جانا چاہتے ہیں (ابن کثیر کے نزدیک طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے) وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ۔ حالانکہ اُن کو حکم دیا گیا ہے کہ ایسے طغیان شعار شیطانوں کا کہنا نہ مانیں اور اُن سے دوستی بھی نہ رکھیں۔ درحقیقت وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا شیطان چاہتا ہے کہ اُن کو گمراہ کرکے راہ حق سے بالکل دور ہٹا دے کہ پھر یہ حقانیت کی طرف کبھی کسی حالت میں رجوع

نہ کر سکیں۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ ان کمبختوں کی یہ حالت ہے کہ جب اُن سے کوئی کہتا ہے کہ چلو قرآنی فیصلہ کی طرف رجوع کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر حضور کے فیصلہ کے خواستگار ہو تو رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا۔ یہ منافق دوغلے آپ سے منہ موڑ کر دوسروں کی طرف فیصلہ کرانے کے لیئے جاتے ہیں فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ لیکن انکی حالت اُس وقت کیسی ہوتی ہے کہ جب ان پر کوئی کڑی مصیبت انہی کی بداعمالیوں کی وجہ سے آپڑتی ہے اور کوئی رہائی کی صورت نظر نہیں آتی تو مجبور ہوکر اسکے بعد ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا۔ آپکے پاس آکر خدا کی قسمیں کھاکر کہتے ہیں کہ وہاں جانے سے ہماری مراد صرف بھلائی اور ملاپ تھا ورنہ ہم وہاں نہ جاتے۔ بعض مفسرین نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ منافقوں کی عجب کیفیت ہے جب سچا حکم لینے کے لیئے آپکے پاس اُن کو بلایا جاتا ہے تو منہ موڑ کر دوسروں کی طرف چلے جاتے ہیں لیکن جب اُن کی بداعمالی کی وجہ سے اُن پر سخت مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے اور اس منافق کو قتل کر ڈالتے ہیں تو اب مقتول کے وارث بنکر اُس کے خون کا دعویٰ کرتے ہیں اور قسمیں کھاکر کہتے ہیں کہ ہمارے عزیز مقتول نے تو عمرؓ کے پاس جانے میں بھی چاہا تھا کہ فریقین معاملہ میں موافقت اور صلح ہو جائے اسکے علاوہ اُسکی اور کوئی غرض نہ تھی۔ خدا تعالیٰ اسکی تردید میں فرماتا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ یعنی یہ لوگ جھوٹے ہیں ان لوگوں کے قلبی نفاق اور دروغ بافی کو خدا جانتا ہے یہ جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں لیکن آپ کو انکی سخت گرفت نہ کرنی چاہیئے فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ بلکہ ان سے درگذر کیجئے اور چشم پوشی سے کام لیجئے وَعِظْهُمْ اور خدا کے خوف سے انکو ڈرایئے لیکن یہ نصیحت وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ایسے بلیغانہ انداز میں ہو کہ اُسکی تاثیر سے خود بخود یہ کفر سے باز آجائیں اور نفاق چھوڑ کر خالص مؤمن بنجائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلعم نے منافقوں سے چشم پوشی کی اور ایسے رسولانہ اور حکیمانہ انداز بیان میں نصیحت کی کہ بہت سے منافق خود بخود نفاق کو چھوڑ کر کے خالص مسلمان بن گئے وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ یہ اُس شبہہ کا ازالہ ہے جو گزشتہ آیت سے پیدا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نصیحت حکیمانہ انداز میں ہو یا اور کسی طرح بہرحال ہدایات خود مؤثر نہیں بلکہ تاثیر پیدا کرنے والا اور باطل سے نکال کر دلوں کو حق کی طرف مائل کرنے والا خدا تعالیٰ ہے۔ خدا نے ہر رسول کو تبلیغ احکام کے لیئے بھیجا ہے لیکن فرماں پذیر بنانا رسول کا کام نہیں ہے۔ فرماں پذیری اور قبول حق منجانب اللہ ہے بغیر اذن الٰہی کے کسی رسول کی فرماں پذیری اور اطاعت نہیں ہو سکتی۔

مقصود بیان: ۔ منافقوں کی نفاق انگیزی اور دوغلے پن کا بیان۔ مصلحت آمیز نفاق و کفر اختیار کرنے کی ضمنی ممانعت۔ خدا تعالیٰ کے عالم القلوب ہونے کی صراحت۔ چشم پوشی کرنے اور حکیمانہ انداز میں نصیحت کرنے کا حکم۔ اس امر کی وضاحت کہ ہر نصیحت کی بحکم الٰہی تاثیر ہوتی ہے۔ خدا جسکو ہدایت کرنی چاہتا ہے اُسکے دل پر نصیحت کارگر ہوتی ہے۔ اس آیت سے ضمنی طور پر اس طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ رسول کا کام صرف تبلیغ احکام ہے۔ مؤمن بنانے کا رسول ذمہ دار نہیں اور نہ یہ رسول کا کام ہے۔ آیت میں یہ امر بھی واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ اور فرمان رسول اللہ صلعم کے خلاف کوئی فیصلہ مسلمان کے لیئے جائز العمل نہیں اور نہ کسی مسلمان کو حدیث و قرآن کے فیصلہ کے بعد کسی شخص سے فیصلہ کا خواستگار رہنا چاہیئے۔ خصوصاً اُن لوگوں کو تو پنچ بنانا جائز ہی نہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف فیصلے کرتے ہوں۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ

اور اگر بیجا حرکات کرنے کے بعد وہ تمھارے پاس آجاتے

فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

اور اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی اُن کے لیئے

الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝

استغفار کرتے تو اللہ کو ضرور توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔

تفسیر یہ آیت سابق آیت سے مربوط ہے۔ پہلی آیت میں منافقوں کی کور باطنی اور کج منشی کا بیان تھا اور ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ دوغلے لوگ حق سے روگردانی کرتے ہیں اگر ایمان و اسلام کی ان کو دعوت دی جاتی ہے تو وہ باوجود دعوٰی ایمان کے اُسکی پرواہ نہیں کرتے اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ بجائے حق سے انحراف کرنے اور جھوٹی معذرت کرنے کے اگر یہ لوگ آپ کی خدمت میں بخلوص قلب توبہ کرکے حاضر ہوتے اور خدا تعالیٰ سے اپنی بداعمالیوں اور ناحق کوشیوں کی معافی مانگتے اور خدائے قدوس کا رسول گرامی بھی اُن کے لیئے درخواست مغفرت کرتا تو بالضرور خدا تعالیٰ اُن کی توبہ قبول فرماتا اور اُن پر بہت زیادہ مہربانی کرتا۔

مقصود بیان: ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور بندہ کے درمیان نزولِ رحمتِ الٰہی کا وسیلہ ہیں۔ رسول اللہ کا دعاءِ مغفرت کرنا باعثِ رحمت ہے۔ آیت ضمنی طور پر اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ

اگر گناہگار بندہ کسی نیک صالح شخص سے دعا کرائے تو قابل قبولیت ہوتی ہے وغیرہ۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ

تمہارے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے تا وقتیکہ اپنے اندرونی

فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

جھگڑوں میں تم کو جج نہ بنائینگے بشرطیکہ تمہارے فیصلہ سے اپنے

حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

دلوں میں کبیدگی بھی محسوس نہ کریں اور اسکو بسر و چشم قبول کریں

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اور اگر ہم ان کو حکم دیدیتے کہ خود اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو

اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا

یا اپنی بستیاں چھوڑ کر نکلجاؤ تو اس حکم کی تعمیل سوا تھوڑے آدمیوں کے

قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ

اور لوگ کبھی نہ کرتے لیکن جس بات کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے اگر وہ ایسا

بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا

کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہو اور مضبوطی کے ساتھ دین میں جماؤ ہو جائے

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا

اور اس صورت میں ہم ان کو اپنی طرف سے بڑا اجر

عَظِيْمًا وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا

عطا کریں اور ان کو سیدھے راستہ پر چلائیں

تفسیر امام احمد۔ نسائی اور امام بخاری وغیرہ نے بروایت عروہ بن زبیر بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر کا ایک انصاری سے جھگڑا ہو گیا اور بات صرف اس قدر تھی کہ دونوں کے کھیت پاس پاس تھے حضرت زبیر کا کھیت اونچے پر تھا اور انصاری کا کھیت نشیب میں۔ پانی حرہ کی طرف سے آتا تھا اور پہلے حضرت زبیرؓ کے کھیت میں پہنچتا تھا اسی وجہ سے حضرت زبیر پہلے اپنے کھیت کو پانی دینا چاہتے تھے اور انصاری اپنے کھیت کو پہلے سیراب کرنے کا خواستگار تھا یہ مقدمہ حضور اقدس صلعم کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضور والا نے فیصلہ کیا کہ پہلے زبیر کے کھیت کو پانی ملنا چاہیئے پھر انصاری کے کھیت کو کیونکہ زبیر کا کھیت بلندی پر تھا اور انصاری کا کھیت نیچی زمین میں تھا۔ اسپر انصاری ناراض ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ یہ فیصلہ آپ نے اس وجہ سے کیا ہے اور زبیر کی رعایت اس وجہ سے کی ہے کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ حضور اقدس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ قصہ بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے فقط یہ معاملہ سبب نزول نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن کی رفتار عبارت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ اس میں منافقوں کی حالت کا بیان مقصود ہے۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے رسول آپکے رب کی یعنی ہم کو اپنی ذات کی قسم ان لوگوں کو اپنے ظاہری ایمان اور ادعاء اسلام پر نازاں ہونا چاہیئے یہ اس وقت تک سچے مومن نہیں بن سکتے جب تک آپس کے اختلافات اور نزاعی امور میں آپ کو پنچ مقرر نہ کرینگے اور پھر آپ کے فیصلہ کو خوشی خاطر بغیر کسی کراہیت اور ناراضی کے قبول نہ کرینگے۔ ان لوگوں کی حالت نہایت تعجب انگیز ہے ہم ان کو اپنے رسول کی معرفت کوئی سخت اور ناقابل برداشت حکم بھی تو نہیں دیتے کہ ان کو سرتابی کرنے کا موقعہ ہاتھ آئے بلکہ نہایت سہل اور آسان حکم دیتے ہیں پھر یہ کیوں اظہار ناراضی کرتے ہیں؟ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ اگر ہم ان کو کوئی سخت حکم دیدیتے اور کہتے کہ خودکشی کرو یا اپنے شہر و وطن سے نکل جاؤ تو اس پر بہت ہی کم لوگ عمل کرتے اب تو وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۔ جو نصیحت انکو کیجاتی ہے اگر اسپر عمل کرلیتے تو انکے لیئے بہتر ہوتا اور ان کے واسطے ثبات ایمان کا ذریعہ بن جاتا اور ان کا ایمان خوب محقق اور پختہ ہو جاتا اور خدا تعالیٰ ان کو اجر عطا فرماتا اور راہ راست بتا دیتا۔

سدی نے بیان کیا ہے کہ ثابت بن قیس صحابی اور ایک یہودی کی باہمی مفاخرت پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مفصل قصہ محی السنۃ نے معالم میں ذکر کیا ہے کہ جب زبیر بن عوام اور ان کا مخالف انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے فیصلہ کرا کے واپس آرہے تھے تو راستہ میں حضرت مقداد بن اسود ملے۔ مقداد نے پوچھا کہ رسول اللہ نے کسکو ڈگری دی۔ انصاری نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا اپنے پھوپھی زاد بھائی کو دی۔ اس قصہ کے وقت ایک یہودی بھی موجود تھا اس واقعہ کو سن کر کہنے لگا تم لوگ بھی عجیب ہو جب محمدؐ کو خدا کا رسول جانتے ہو تو پھر باہمی جھگڑوں کے

فیصلہ میں کیوں ناحق جنبہ داری کی اُن پر تہمت لگاتے ہو خدا کی قسم ہم نے حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں ایک بار گناہ کیا تھا اور موسیٰ نے ہم کو توبہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا خودکشیاں کرو بلا روک ٹوک ایک دوسرے کو قتل کرو یہی تمہارے لیے توبہ قبول ہونے کا ذریعہ ہے تو ہم نے موسیٰ کا حکم قبول کیا اور اس قدر قتل عام کیا کہ ایک وقت میں ستر ہزار آدمی قتل کر دیے گئے اور اس قتل عام کی تعمیل میں ہم نے حکم الٰہی سے سرتابی نہ کی اسکی رضامندی پر قائم رہے۔ وہاں حضرت ثابت بن قیس بھی موجود تھے۔ یہودی کا کلام سن کر کہنے لگے خدا خوب واقف ہے کہ میں سچ کہتا ہوں۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم اگر رسول اللہ مجھکو خودکشی کا حکم دیں تو میں بھی تعمیل حکم میں سر مو سستی نہ کرونگا۔ یہ قصہ درحقیقت گذشتہ قصہ کا تمہ اور ضمیمہ ہے۔ شان نزول دونوں آیات کی ایک ہی ہے۔ ہر دو آیات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اطاعت شعار اور فرماں بردار بندے ہمیشہ نافرمانوں کے مقابلہ میں کم ہوتے ہیں چنانچہ صحابہ بھی اپنے زمانہ کے انسانوں کے زمانہ میں بہت قلیل تعداد رکھتے ہیں۔ موسیٰؑ کے زمانہ میں بھی فرماں برداروں کا گروہ نافرمانوں کے مقابلہ میں تھوڑا تھا باقی یہودی اور منافق اب خودکشی کے احکام کو کیا اطاعت رسول ہی کو بجان و دل مان لیں تو نجات پا جائیں پچھلوں پر فخر کرنے سے کیا نفع ہو سکتا ہے۔ اگر رسول کی فرماں برداری کرتے تو ہم ان کو آخرت میں جنت عطا فرماتے اور دنیا میں اسلام کی ہدایت نصیب کرتے اور علوم معرفت مرحمت فرماتے۔

مقصود بیان:۔ رسول پاکؐ کی عظمت شان اور حاکم عادل اور قول و فعل کے واجب العمل ہونے کی صراحت۔ اس بات کا اظہار کہ آپس کے ہر قسم کے نزاعیات اور اختلافات میں رسول پاکؐ کا فیصلہ اٹل ہے جب تک رسول پاکؐ کو علاوہ دینی سردار اور پیشوا ہونے کے دنیوی معاملات کا بھی عادل جج مقرر نہ کیا جائے اور جب تک حضورؐ کے فیصلہ کو بخوشی خاطر بغیر کسی چون چرا اور ناگواری کے قبول نہ کیا جائے اُس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ اپنا دھن من تن ہمیشہ اسلام اور اسلامیات اور احکام الٰہی کی تعمیل میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اس امر پر بھی ایک خاص روشنی پڑتی ہے کہ اسلام کے احکام سہل العمل اور آسان ہیں۔ گذشتہ شریعتوں کی طرح ناقابل برداشت نہیں ہیں نہ اسلام میں خودکشی کا حکم ہے نہ شہر بدر ہو جانے کا۔ اس بات کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ گمراہی انسان کی خود آوردہ حرکت ہے۔ اگر اسلام کے آسان ترین احکام کی تعمیل کی جائے تو خدا تعالیٰ راہ راست دکھا دیتا ہے اور اسلام کی خوبیاں معلوم ہونے لگتی ہیں اور چشم بصیرت وا ہو جاتی ہے اور علوم معرفت حاصل ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور غیب کے پردے بینائی عقل کے سامنے ہٹ جاتے ہیں۔ وغیرہ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ
اور جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا مانتے ہیں وہ اُن

الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ
انبیاء صدیقین شہداء اور صلحاء کے ساتھ ہوں گے

وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ
جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ
اور وہ اچھے رفیق ہیں یہ اللہ کا

مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ ۱۱ ع
فضل ہے اور اللہ ہی کا جاننا بس کرتا ہے

تفسیر ایک بار چند صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مرنے کے بعد ہم خدا جانے کہاں ہونگے آپ کی زیارت سے جنت میں کس طرح مشرف ہونگے۔ حضور کے مراتب عالیہ تک بھلا کون پہنچ سکتا ہے ہم جب حضور کی زیارت نہ کر سکینگے تو چین کیونکر آئیگا۔ انہی صحابیوں میں ایک صحابی حضرت ثوبان بھی تھے جو رسول پاک کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ثوبان کا چہرہ اسی فکر میں زرد پڑ گیا تھا۔ جب ان کی یہ حالت حضورؐ نے ملاحظہ فرمائی تو دریافت حال فرمایا۔ ثوبان نے عرض کیا یا رسول اللہ نہ تو مجھے کوئی مرض ہے نہ تکلیف مگر آپ کو دیکھے بغیر چین نہیں آتا۔ میں حضور سے اپنے جاہ و مال و اولاد سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ گھر میں ہوتا ہوں اور حضور کی یاد آجاتی ہے تو صبر نہیں رہتا۔ جب آکر دیکھ لیتا ہوں تو چین پڑتا ہے اور جب حضورؐ کے وصال کو یاد کرتا ہوں تو سوچتا ہوں میرا اُس وقت کیا حال ہوگا اور پھر حضور کے بعد کیا گذریگی اور کس طرح صبر کر سکونگا بس اسی سوچ میں یہ حال ہے اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

پہلی آیات میں نافرمان منافقوں اور نفاق آمیز مسلمانوں کے حق میں وعید تھی اور اُن کو ان خطاکاریوں سے باز رہنے کی نصیحت کی گئی تھی اب اس آیت میں فرماں بردار اور اطاعت شعار بندوں پر جو انعام و فضل ہوگا اُس کا بیان ہے ہم بارہا ذکر کر چکے ہیں کہ قرآن کا طرز بلیغ یہی ہے کہ پہلے نافرمانی سرکشی اور کفر و گناہ کے نتیجۂ بد سے ڈراتا ہے

اور پھر اسکے مقابلہ میں فرمان پذیری اور اطاعت گذاری کا ثمرہ اور ثواب بیان کرتا ہے تاکہ انسانی طبائع کو نافرمانی اور گناہوں سے خوف ہو کر اعمال حسنہ اور صالحات کی طرف رغبت ہو۔

اس آیت یعنی وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا میں بتایا گیا ہے کہ خدا و رسول کے فرماں بردار ان چار گروہوں میں داخل ہونگے جو انعامات الٰہی سے سرفراز اور رحمت الٰہی سے کامیاب ہیں۔ ان فیض یاب اور ممتاز گروہوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء امت۔ کیونکہ ترقی روحانی کے یہی چار مراتب ہیں اور ہر مرتبہ دوسرے سے مختلف اور اعلیٰ یا ادنیٰ ہے۔ انبیاء تو کمال علمی و عملی کی حد سے آگے بڑھ کر دوسروں کی تکمیل و ہدایت کے درجہ تک پہونچے ہوئے ہوتے ہیں۔ انکے مراتب سب سے اعلیٰ ہیں اور عالم قدس میں جو منصب ان کو نصیب ہے وہ دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ دوسرا مرتبہ صدیقوں کا ہے یہ لوگ عرفان الٰہی کی انتہائی چوٹی تک پہونچکر حقائق اشیاء سے خود بھی خبردار ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی حسب ایماء الٰہی خبردار کرتے ہیں۔ صدیق درحقیقت نبی کا علمی پرتو ہوتا ہے اور اسرار نبوت کی تصدیق کرتا ہے۔ تیسرا مرتبہ شہیدوں کا ہے یہ گروہ اظہار حق اور نفی باطل میں اپنی جان مال قربان کر دیتا ہے اور نبی کا عملی پرتو ہوتا ہے اور عالم غیب کے برحق ہونے کی عملی گواہی دیتا ہے۔ چوتھا مرتبہ صلحاء کا ہے جو اپنی عمر عبادت الٰہی میں اور مال و دولت خوشنودی خدا کے حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ یہ گروہ علمی و عملی اعتبار سے نبی کا پرتو اور مظہر کمال ہوتا ہے۔ لیکن شہداء و صدیقین سے اس کا مرتبہ اور ظہور کمال کم ہوتا ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ:۔ جو لوگ خدا اور رسول کے فرماں بردار ہیں احکام الٰہی اور سنت نبوی کی پیروی کرتے ہیں وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء امت کے گروہ میں داخل ہونگے ان کی روحیں اگرچہ ناقص ہوتی ہیں مگر چونکہ ان کو کامل اور روشن روحوں کا اتباع کرنے سے انکے ساتھ ایک خصوصی تعلق پیدا ہو جاتا ہے اسلئے عالم قدس میں بھی انہی کے ساتھ ہونگی اور ان کے انوار تجلیات ان پر بھی بالکل اسی طرح عکس انداز ہونگے جسطرح دھوپ میں ایک صاف آئینہ کی روشنی دوسرے صاف آئینہ میں پرتو ریز ہوتی ہے وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا یعنی مذکورہ بالا چاروں مراتب والے اگرچہ اونچے درجات پر فائز ہونگے لیکن انکی رفاقت اور صحبت اور زیارت اور ہم نشینی سے تمتع اندوز اور بہرہ ور ہونا کیسی خوش نصیبی ہے اور ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ یہ محض خدا کا فضل اور اسکی رحمت ہے کہ اپنے بندوں کو ان درجات عالیہ پر فائز فرمائیگا ورنہ طاعت و عبادت فرمان پذیری اور قربانی کسی کی اس قابل نہیں ہوسکتی کہ جسکے عوض میں ایسے انعامات سے سرفراز فرمایا جائے رہی ان درجات کی کیفیت اور اس کا صحیح علم تو وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا اسکو خدا ہی خوب جانتا ہے اور اسی کا علم اکمل واتم ہے اسکی تمام خبروں پر یقین و ایمان رکھنا چاہیئے۔

مقصود بیان:۔ اطاعت و فرمان پذیری اور نیکوکاری کی بلیغ پیرایہ میں ترغیب۔ اس امر کی صراحت کہ ثواب آخرت، مغفرت اور تمام اخروی نعمتیں محض خدا داد ہونگی وہ اپنی رحمت و فضل سے عطا فرمائیگا بندوں کے اعمال حسنہ کو اسکے حصول میں وجوبی دخل نہیں ہے۔ آیت میں لطیف اشارات اس طرف بھی ہیں کہ انبیاء کو جو انعامات خدا تعالیٰ نے عطا کیئے ہیں ذات و صفات کے علوم مرحمت کیئے ہیں درجۂ قرب و مشاہدہ عنایت کیا ہے اور ملک و ملکوت کے خزائن غیب پر ان کو مطلع کیا ہے یہ سب فضل الٰہی ہے صدیقوں کو جو روشن کرامات عطا فرمائی ہیں اور انوار صفات سے انکی آنکھوں کو روشن اور دلوں کو منور کیا یہ بھی فضل الٰہی ہے۔

شہداء کو جو اپنے پرتو جمال سے مشرف فرمایا ہے اور نبوت کا عملی مظہر قرار دیا ہے یہ بھی فضل الٰہی ہے۔

باقی عام صلحاء امت کو جو لطائف نیکی سے معزز فرمایا اور نیکوکاری پر ان کو استقامت عطا فرمائی یہ بھی اسی کا فضل ہے۔ وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ

مسلمانو! اپنے بچاؤ کا سامان لو

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ○ وَ

پھر دستہ دستہ بنکر یا یکدم سب ملکر نکل کھڑے ہو

اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ

تم میں سے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے جو دیر لگا دینگے اور اگر تمپر کوئی مصیبت

مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ

آپڑی تو کہینگے کہ خدا نے مجھپر بڑا فضل کیا کہ

لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ○ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ

میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا اور اگر اللہ کی طرف سے

فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ

تم کو کوئی نعمت مل گئی تو کہنے لگینگے کاش میں انکے ساتھ ہوتا

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ

تو بڑی کامیابی حاصل کرتا — گویا تمہارے

مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

اور اُن کے درمیان کوئی دوستی ہی نہ تھی

تفسیر جب کہیں جہاد پر مسلمان جاتے اور لشکر کی تیاری کر کے شریک جہاد ہوتے تو عبداللہ بن ابی اور بعض دیگر منافق اور کمزور ایمان والے مسلمان حیلہ بہانہ کر کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ پر نہ جاتے۔ اب اگر مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست ہو جاتی تو خوش ہو کر کہتے کہ خدا نے ہم پر بڑا فضل کیا کہ ہم شریک جنگ نہ ہوئے ورنہ ہم پر بھی مصیبت پڑتی اور اگر مسلمانوں کا لشکر فتح پا کر کامیاب واپس آتا اور مال غنیمت باہم تقسیم کرتا تو تاسف کے طور پر کہتے کہ کاش ہم بھی اُنکے ساتھ ہوتے اور غنیمت میں شریک ہو کر نہال ہو جاتے۔ یہ الفاظ اس پیرایہ میں ادا کرتے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں میں اور اُن میں میل جول اور محبت و مودت کا کوئی علاقہ ہی نہیں ہے۔ اسپر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ نازل ہوئی اور اس پورے قصہ کو آیت میں بیان کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمانو (اول) اپنے بچاؤ کا سامان (مثلاً ہتیار وغیرہ) لے لو اور ایسی چیزیں ساتھ رکھ لو جسکی وجہ سے تم دشمن سے بچ سکو۔ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اسکے بعد چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر جہاد کے لیئے چلو اور جنگ کے لیئے تیار ہو جاؤ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا یا سب کے سب ملکر آمادۂ جنگ ہو جاؤ اور میدان میں نکلو۔ بہرحال جیسی ضرورت ہو ویسی ہی صورت اختیار کرو۔ واحدی کے نزدیک حِذْر سے مراد ہتیار ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ثُبَاتٍ سے چھوٹے چھوٹے دستے مراد ہیں سب کے سب ملکر جنگ پر جانے سے مراد یہ ہے کہ سب اکٹھے ہو کر رسولؐ کے ہمرکاب جاؤ الگ الگ ہو کر نہ جاؤ کیونکہ اس سے دشمن کے حوصلہ کو قوت پہونچتی ہے اور مسلمانوں کی ضرر رسانی کا اُن کو زیادہ موقعہ ملتا ہے مجاہد عکرمہ قتادہ سدی ضحاک اور عطاء خراسانی نے یہی معنی بیان کیئے ہیں۔ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ لیکن مدعیان اسلام میں سے بعض لوگ ایسے بھی ضرور ہونگے جو قسم کھا کر مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ رہینگے اور شریک جنگ نہ ہونگے اور مجاہدوں کے ہمراہ نہ جائینگے (وابن حبان) بلکہ خود بیٹھ رہنے والوں کے علاوہ دوسروں کو بھی جہاد سے روکینگے (ابن جریج وابن جریر) فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ پھر اگر مسلمانوں پر جنگ میں کچھ افتاد پڑی اور کچھ شہید ہو گئے یا شکست ہو گئی تو قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا۔ انتہائی بے ایمانی سے وہ اپنی عدم شرکت کو نعمت تصور کریگا اور کہیگا کہ مجھپر خدا کا بڑا احسان ہوا کہ میں مسلمانوں کے ساتھ شریک نہ تھا ورنہ میں بھی اس مصیبت میں مبتلا ہوتا وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ اور اگر کچھ فضلِ الٰہی تمہارے شامل ہو گیا اور فتح و نصرت حاصل ہو گئی اور مال غنیمت تم کو مل گیا تو لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ندامت پشیمانی سے کہیگا کہ افسوس میں انکے ساتھ نہ تھا کاش میں بھی شریک ہوتا تو جو کامیابی اور مال غنیمت ان کو حاصل ہوا مجھے بھی حاصل ہوتا اور یہ الفاظ اس پیرایہ میں ادا کریگا جس سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں میں اور اُس میں کوئی ربط تعلق اور دوستی بھی نہیں ہے بالکل اجنبی ہو کر اظہار تاسف کرے گا۔

مقصود بیان:- جہاد کا حکم اور جہاد کے لیئے ضروری سامان ساتھ لیجانے کا امر۔ ضمناً کورانہ توکل کی ممانعت اور اسباب ظاہری سے بالکل دست بردار ہو جانے سے باز داشت۔ دشمن کے مقابلہ پر ایسی صورت سے جانے کی ہدایت جس سے اسپر رعب پڑے اور مسلمانوں کے نقصان کا کم اندیشہ ہو۔ اہل نفاق کی حالت کا بیان۔ وغیرہ۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

لہٰذا جو لوگ دنیوی زندگی کو آخرت کے عوض میں فروخت کرتے ہیں

يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ

اُن کو راہ خدا میں جہاد کرنا چاہیئے — جو شخص

يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ

راہِ خدا میں لڑے گا — تو مارا جائے یا غالب ہو

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَا لَكُمْ

ہم اُسکو بڑا ثواب دینگے — اور کیا وجہ کہ تم

لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ

راہِ خدا میں اور اُن کمزور — مردوں اور عورتوں

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ

اور بچوں کی خاطر — نہیں لڑتے — جو

يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ
کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جسکے رہنے والے

الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ
ظلم کر رہے ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حمایتی

وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ۝
بنا دے اور اپنے پاس سے ہمارے لئے کوئی مددگار مقرر کر دے

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ
جو مسلمان ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے

اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي
ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں

سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ
لڑتے ہیں پس تم شیطان کے رفیقوں سے

الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ
جہاد کرو بلاشبہ شیطان کا فریب

ضَعِيفًا ۝ ع
بودا ہے

تفسیر جب مشرکین مکہ نے حضور اقدس پر اور مسلمانوں پر بیحد ظلم و ستم کرنے شروع کر دیئے مسلمانوں سے خرید و فروخت اور بیاہ شادی بند کر دی۔ بلال صہیب عیاش بن ربیعہ اور خباب جیسے لوگوں کو گرم ریت پر لٹا کر کوڑے مارے جانے لگے بیکس ایماندار عورتوں اور بچوں پر طرح طرح کے ظلم ہونے لگے حضور نے انکو شہید کئے جانے کے روزانہ منصوبے باندھے جانے لگے اور جابجا مسلمانوں پر مارپیٹ ہونے لگی اور مسلمانوں میں برداشت کی قوت نہ رہی تو ترک وطن اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ کو چلے جانے کی اجازت ہو گئی حضور گرامی اور جلیل القدر صحابہ مکہ کو چھوڑ کر گھر بار سے منہ موڑ کر مدینہ آ گئے لیکن بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے باندیاں اور غلام ضعیف عورتیں اور بیمار مرد مثلاً ابن عباسؓ۔ ابن عباس کی والدہ سلمہ بن ہشام ولید بن ولید ابو جندل بن سہیل وغیرہ اور کچھ وہ لوگ جو کافروں کی ناجائز قید میں پھنسے رہ گئے مسلمانوں کے ترک وطن کرنے سے مشرکوں کو اور بھی خوف ہوا کہ کہیں یہ لوگ بھی فرار نہ ہو جائیں اسلیئے اُن ستم رسیدہ انسانوں کی قید میں اور بھی سختی کرنے لگے اور طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے تاکہ وہ تکلیفیں پا کر گھبرا اٹھیں اور اسلام چھوڑ کر پھر کافر ہو جائیں وہ بیچارے مظلوم سوائے اسکے کہ خدا سے اپنی رہائی کی دعا کریں اور کیا کر سکتے تھے۔ اسوقت مسلمانوں پر جہاد فرض ہوا اور حکم ہوا کہ خدا کی راہ میں لڑو اور اپنے بے بس مظلوم بھائیوں کو کفار کے ظالم پنجہ سے چھڑاؤ۔ چونکہ مظلوم کی دعا قبول ہونی لازم ہے اسلیئے خدا تعالیٰ نے اُن کی رہائی کا سامان غیب سے کر دیا بعض تو ویسے ہی رہا ہو گئے اور جو کچھ بچے تھے وہ آخر فتح مکہ کے دن آزاد ہو گئے اور سب کو امن و عزت مل گئی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ مسلمانو! تم ان منافقوں کی طرح دنیوی لالچ کے گرویدہ نہ رہو بلکہ جو لوگ دنیوی زندگی اور فانی لذات فروخت کر کے عیش دائمی اور حقیقی زندگی حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کو محض خوشنودی خدا اشاعت دین اور خدا کا بول بالا کرنے کے لیئے لڑنا چاہیئے اب دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہو گی فتح یا شہادت۔ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔ بہر صورت مجاہد فی سبیل اللہ شہید ہو جائے جو عین مدعا ہے یا دشمن پر غالب آ جائے اور ظفر یاب ہو جائے دونوں حالتوں میں ہم اُسکی محنت کا عظیم الشان صلہ عطا کرینگے فقط دنیوی مال و منال دولت و حشم جاہ و جلال ہی جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ نہیں ہے بلکہ اجر جزیل خدا تعالیٰ عطا فرمائیگا اسلیئے کسی صورت میں کامیابی مفقود نہیں ہو سکتی۔ اس سے آگے مسلمانوں کو رقت آمیز اور جوش انگیز کلمات فرما کر جہاد پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آخر وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد نہیں کرتے اور کیوں وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اُن کمزور بے بس لاچار مردوں عورتوں اور بچوں کے چھڑانے کے لیئے لڑائی نہیں کرتے جو ہمیشہ کفار کی ایذائیں اٹھا اٹھا کر خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں الٰہی أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ہم کو اس ظالم بستی سے نکال جہاں کے رہنے والے ناحق کش اور کفر پسند ہیں وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا اور اپنی طرف سے ہمارا ایک سرپرست اور ذمہ دار مقرر فرما دے تاکہ وہ کافروں سے جہاد کر کے ہم کو چھڑا دے وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا اور اپنے پاس سے ہمارا ایک مددگار مقرر فرما دے جو ہم کو ان ظالموں سے بچا لے ان مظلوم بیکس مسلمانوں کی دعا خدا تعالیٰ نے قبول فرمائی پہلی دعا کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے غیب سے سامان فراہم کر دیا اور کچھ لوگوں کو کافروں کے

ستم شعار پنجہ سے رہائی مل گئی اور جو کچھ باقی رہ گئے تھے وہ دوسری دعا کے نتیجہ میں فتح مکہ کے دن آزاد ہوگئے اور حضور والا نے فتح کے بعد عتاب بن اسید کو مکہ کا حاکم مقرر فرمایا جنھوں نے ظالم سے مظلوم کا حق دلوا دیا اور جن ستمگاروں نے غریبوں پر ظلم ڈھا رکھے تھے اُن کو قرار واقعی سزا دی۔ (کمالین و تفسیر ابن کثیر) اس صورت میں ولی سے مراد عتاب اور نصیر سے مراد رسول پاک کی ذات گرامی ہوگی۔ قاضی بیضاوی نے ولی و نصیر دونوں سے رسول اقدس ؐ کی ذات ہمایوں مراد لی ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جس مضمون کو سابق آیات میں ضمناً بیان کیا گیا تھا اس آیت میں اُسکی صراحت ہے یعنی آیت میں محض خوشنودی خدا حاصل کرنے اور دنیوی دولت و جاہ پیدا کرنے اور مقتضائے طبیعت کو پورا کرنے کے لیئے لڑتے ہیں۔ حاصل یہ کہ جب کافر ناحق پر ہوتے ہوئے باطل کی حمایت اور ہوا پرستی کے جذبہ کے ماتحت مسلمانوں سے برسر پیکار ہوتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان باوجود حق پرستی مظلومیت اور نصرانیت دینی کے اعدائے اسلام سے مقابلہ نہ کریں اور فتحیاب نہ ہوں اور اعلان توحید مظلوموں کی دادرسی اور حق کی اعانت میں سعی کریں اور طاغوتی طاقتوں سے خوفزدہ ہوں فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ لہذا مسلمانو! طاغوتی طاقت والوں اور شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ وہ اگرچہ بظاہر قوی طاقت اور ظاہری اسباب بہت کچھ رکھ سکتے ہیں لیکن بالآخر تم کو فتح حاصل ہوگی اُن کی مکاریاں اور باطل پرستی کی طاقتیں کچھ کام نہ دینگی کیونکہ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا شیطان کی مکاری اور فریب دہی خدا کے نزدیک ہیچ ہے۔ کمزوری حق کے مقابلہ میں تار عنکبوت کی طرح ہے۔

مقصود بیان:۔ بلیغ ترین طرز عبارت میں جہاد کی ترغیب اور محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لیئے جہاد کا حکم۔ اور نہایت معقول طرز ادا میں جہاد کی اجازت۔ اس امر کی صراحت کہ مسلمانوں کی شکست بھی درحقیقت شکست نہیں بلکہ حیات حقیقی اور عیش سرمدی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ آیت میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ کمزور بے کس اور لاچار مسلمانوں کی اعانت کرنی ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ حق پرست مظلوم کی بددعا ضرور قبول ہوتی ہے

• آیت میں اس بات کی صاف اور واضح تعلیم ہے کہ اگر کوئی ضعیف مسلمان تکلیف میں مبتلا ہو تو دوسرے مسلمان کو عیش و آرام اُس وقت تک جائز نہیں جب تک اُسکو تکلیف سے رہائی نہ دی جائے۔ حق پرستی کی تائید اور باطل پرستی کی مخالفت پر تنبیہ۔ مسلمانوں کی فتح مندی کا وعدہ۔

اس امر کی طرف اشارہ کہ صرف جنگ کوئی بہتر فعل نہیں جب تک اُس سے مرضی الٰہی کا حصول مقصود نہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا

(اے مخاطب) کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے

اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

لیکن جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک جماعت

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ

لوگوں سے ایسی ڈرنے لگی جیسے خدا سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی

خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا

بڑھ کر اور بولے پروردگار تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض

الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ

کر دیا کیوں تھوڑی سی عمر ہم کو جینے نہ دیا

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ

(اے محمد) کہدو کہ دنیا کا فائدہ کم مقدار ہے اور پرہیزگاروں

خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝

کے لیئے آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ

تم جہاں کہیں ہوگے موت ضرور آ پکڑے گی اگرچہ

كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ

تم مضبوط گنبدوں کے اندر ہو

تفسیر

ابن عباس رض کی روایت ہے کہ جب مکہ میں کافروں نے مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں دیں تو عبدالرحمٰن بن عوف مقداد بن اسود سعد بن ابی وقاص اور قدامہ بن مظعون وغیرہ صحابہ نے خدمت مبارک میں عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم مشرک تھے تو سب ہماری آبرو کرتے تھے اور کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا اور اب مسلمان ہوگئے تو تمام لوگ

ہم کو ایذائیں دیتے اور حقیر سمجھتے ہیں ہم کو مقابلہ کی اجازت دیجئے، حضور والا نے فرمایا مجھ کو اور تم کو صبر کا حکم ہے تم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ رہو نمازیں پڑھو اور صدقہ دو اور صبر کرو لیکن جب مسلمان مدینہ میں آ گئے تو جہاد کا حکم ہوا اس پر بعض ضعیف الایمان مسلمان گھبرائے اور تنگدل ہوئے تو آیت مذکورہ یعنی اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ نازل ہوئی۔ اس روایت کی بنا پر آیت مذکورہ کا نزول ضعیف الایمان مسلمانوں کے حق میں ہونا لازم آتا ہے مگر یہ لازم نہیں کہ عبد الرحمن بن عوف ایسے جلیل القدر اور پختہ عقیدہ رکھنے والے صحابی بھی ضعیف الایمان تھے کیونکہ دلائل سے ثابت ہے کہ عبد الرحمن بن عوف اس طبعی خوف میں اُن مسلمانوں کے ساتھ نہ تھے جن کو فطری طور پر جہاد سے خوف پیدا ہوا تھا۔ مجاہد وغیرہ کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ منافقوں کے حق میں نازل ہوئی (ابن جریر) گویا درحقیقت اس آیت کا نزول منافقوں کے حق میں ہے جو باعتبار فطرت اور بحیثیت عقیدہ حکم الٰہی کو مکروہ اور ناگوار سمجھتے تھے اور چونکہ طبعی کراہت میں بعض اہل اسلام بھی شامل تھے اسلیئے وہ بھی سبب نزول میں داخل ہو گئے۔

معالم میں ہے کہ آیت کا نزول اُن چند مسلمانوں کے حق میں ہوا جن کو علم میں رسوخ نہ تھا۔ اُنھوں نے اعتقاد سے نہیں بلکہ بزدلی سے ایسا کہا تھا لیکن بعد کو توبہ کر لی۔

وجوب زکوٰۃ کی تحقیق

زکوٰۃ کب اور کہاں فرض ہوئی۔ یہ ایک سوال ہے جو آیت مذکورہ کا مطلب سمجھنے سے خواہ مخواہ پیدا ہوتا ہے۔ ابن عباس کی روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے تو آیت میں زکوٰۃ سے مراد خیرات صدقہ اور فقیروں کی ہمدردی ہے کیونکہ شروع اسلام میں یہی حکم تھا ضرورت سے زائد سب مال فقیروں اور مسکینوں کی ہمدردی میں صرف کر دینے کا حکم تھا اور صدقہ کی کوئی خاص مقدار نہ تھی اور مدینہ میں پہونچکر خیرات کی ایک خاص مقدار فرض بیان کی گئی اور شرائط وغیرہ کی تفصیل کی گئی۔ اور اگر آیت کا نزول منافقوں کے حق میں تسلیم کیا جائے تو آیت مذکورہ میں زکوٰۃ اپنے اصلی معنی پر ہے۔ بات یہ ہے کہ جب تک رسول پاکؐ مکہ میں رہے کوئی مسلمان ہونے والا وہاں منافق نہ تھا۔ جو شخص بھی ایمان لاتا وہ اپنی جان پر کھیل کر ایمان لاتا تھا اُسکے تمام عزیز (اقارب) دشمن ہو جاتے تھے۔ پھر جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو وہاں پہونچکر جنگ بدر کے بعد کچھ منافق پیدا ہو گئے اور وہ بھی مہاجرین میں سے نہ تھے بلکہ مدینہ یا اطراف مدینہ کے وہ لوگ تھے جو شوکت اسلامی کو دیکھ کر ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ مکہ میں صرف نماز اور صدقہ کا حکم ہوا تھا صدقہ کی کوئی مقدار نہ تھی اور نہ اُس مال کی کوئی خاص مقدار معین تھی جس پر صدقہ واجب تھا بلکہ ضروریات سے زائد تمام مال دیدینے کا حکم تھا اور نہ مکہ میں جہاد کی اجازت تھی بلکہ صبر و تحمل کا حکم تھا کیونکہ مسلمانوں کی قوت وہاں کمزور تھی۔ مدینہ پہونچکر زکوٰۃ بھی فرض ہوئی اور جہاد کا بھی حکم ہوا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ دیکھو جن لوگوں سے مکہ میں کہا گیا تھا کہ صبر کرو کفار کی ایذائیں برداشت کرتے رہو اُن سے مقابلہ نہ کرو اپنی اصلاح کرتے رہو نماز پڑھتے رہو ایک دوسرے کی ہمدردی اور امداد کرتے رہو تو اُس وقت اُن کا جی یہی چاہتا تھا کہ ہماری تحفظ ناموس اور بلندی ہمت کے لیئے اتنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہم کو لڑنے کی اجازت دیجائے فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ لیکن جب ان کو جہاد کا وجوبی حکم دیا گیا اور اعداء دین سے لڑائی فرض کر دی گئی تو اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً اُن میں سے ایک گروہ کافروں سے اتنا خوف کھانے لگا جتنا خدا سے کھانا چاہیئے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ جتنا خوف خدا سے ہونا چاہیئے تھا اُس سے بھی زائد اُن کو کافروں سے خوف ہو گیا تو غلط نہ ہوگا اور موت سے گھبرا گیا اور گھبرا کر وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ کہنے لگا کاش ہم پر ابھی جہاد فرض نہ ہوتا تو ہم کچھ مدت اور جیتے پروردگار تو نے کچھ مدت تک جہاد کا حکم اور ملتوی کیوں نہ کر دیا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ یہ دنیوی عیش و عشرت ناپائیدار ہے اس کا انجام فنا ہے اِدھر آنکھ بند ہوئی اور اُدھر کچھ بھی نہیں۔ اس فانی اور زوال پذیر چیز پر دل لگانا اور موت سے ڈرنا عقلمندی کے خلاف ہے اور پھر اسکے مقابلہ میں وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی آخرت پرہیزگاروں کے لیئے نہایت بہتر ہے دار آخرت میں اُن کو عیش دائمی حاصل ہوگا نہ اُس میں تکلیف ہے نہ مشقت اور دنیوی لذائذ میں ہزاروں کلفتیں ہیں وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا اور یہ یقینی امر ہے کہ قیامت کے دن ذرہ برابر کسی کی حق تلفی نہ کی جائیگی کسی کی محنت اور پرہیزگاری رائگاں نہ جائیگی۔ اسکے علاوہ یہ بات بھی یقین رکھنے کے قابل ہے کہ جہاد میں شریک نہ ہونا اور موت سے ڈرنا اور دنیوی آسائش و آرام پر بھروسہ کرنا موت سے نہیں بچا سکتا موت کا ایک وقت مقرر ہے میدان جنگ میں حمایت دین اور حفاظت اسلام کے لیئے کفار سے برسر پیکار رہو یا اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ مضبوط برجوں میں محفوظ طریقہ پر بیٹھے ہو جہاں کہیں ہو موت آنے والی تو ضرور آئیگی اونچی اونچی فلک بوس عمارتیں اور مستحکم برج موت کو نہیں روک سکتے۔ پھر نامردی اور بزدلی کر کے جہاد و موت کو مکروہ سمجھنا عبث ہے۔

مقصود بیان :- انسان کے تلوّن حال کا بیان۔ صبر کی تلقین۔ اصلاح نفس کی تعلیم۔ مسلمانوں کی ہمدردی کا حکم۔ صرف خدا سے خوف کرنے کی طرف ضمنی تنبیہ۔ لذائذ دنیا کے فانی ہونے کی صراحت۔ آخرت کے عیش و آرام کے دوام و پائداری کی وضاحت۔ اس امر کی توضیح کہ موت کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ دنیا سے بیزاری اور آخرت کی رغبت رکھنے کی تعلیم وغیرہ۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ
اگر اُن کو کوئی فائدہ پہونچ جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ

عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا
منجانب اللہ ہے اور اگر کوئی نقصان پہونچتا ہے تو کہتے ہیں

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
یہ تمہارے سبب سے ہے تم کہدو کہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے

فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ
اس قوم کو کیا ہو گیا کہ بات بھی نہیں

حَدِيْثًا ۝ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ
سمجھ سکتے تم کو اگر کوئی بھلائی پہونچے تو منجانب اللہ

اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ
ہے اور کوئی برائی پہونچے تو تمہارے نفس

نَّفْسِكَ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا
کی طرف سے ہے اور ہم نے تم کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝
اور اللہ کافی گواہ ہے

تفسیر منافقوں کا یہ حال تھا کہ اگر جہاد میں کبھی شکست و موت کا وقوع ہوتا تو رسول اقدس کی بے تدبیری بتا دیتے اور جہاد میں جانے کو مؤثر فی الموت سمجھ کر حضورؐ پر الزام لگاتے اور کہتے کہ ہم آپ کے کہنے سے جہاد میں آئے اور مفت میں موت کا شکار بنے اور اگر باوجود کمی اسباب کے فتح حاصل ہو جاتی اور اُن سے کہا جاتا کہ کیوں اگر جہاد میں جانا مؤثر ہے اور موت کا سبب ہے تو وہ تاثیر اب کہاں گئی تو منافق جواب دیتے یہ بات محض اتفاقی منجانب اللہ ہے اُن کے اس باطل عقیدہ کو شکست کرنے کے لئے آیات کا مکمل نزول ہوا جن کا مجمل مدعا یہ ہے کہ بھلائی بُرائی اور فتح شکست سب اللہ ہی کے ہاتھ میں اور اسی کی طرف سے ہے ہاں ادب اور تہذیب کو مدنظر رکھتے ہوئے برائی کو اپنی طرف اور بھلائی کو خدا کی طرف منسوب کرنا چاہئے ورنہ درحقیقت خیر و شر اُسی کی جانب سے ہے۔

آیت وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان منافقوں کو کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے مثلاً غلہ اور میوہ کی پیداوار خوب ہوتی ہے جانوروں کی نسل افزائی میں کثرت ہوتی ہے یا لڑائی میں فتح ہو جاتی ہے اور مال غنیمت ہاتھ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ محض اتفاقی بات ہے جو منجانب اللہ ہو گئی ہے تمہاری برکت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ اور اگر لڑائی میں اُن کو شکست ہوتی ہے یا قحط سالی ہوتی ہے بہرحال کوئی مصیبت آتی ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ آپ کی وجہ سے ہے قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ آپ ان سے کہدیجئے کہ ہر چیز کا فاعل حقیقی اور خالق خدا ہی ہے خواہ خیر ہو یا شر۔ پھر بھلائی برائی میں تفرقہ کرنا اور برائی کو بندہ کی طرف اور خیر کو خدا کی جانب منسوب کرنا حماقت ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے۔ لیکن فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں اگر مسبب سے قطع نظر کر کے عالم اسباب کا لحاظ کرتے ہو تو نیکی کو جس طرح عمدہ اسباب کی وجہ سے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو تو سختی اور مصیبت اور شکست کا باعث بھی تمہاری بداعمالیاں اور گناہ گاریاں ہیں برائی کو اپنے اعمال کا نتیجہ کیوں نہیں کہتے۔ واقع میں ادب و تہذیب کا مقتضا یہی ہے کہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ بھلائی اور خیر کو خدا کی طرف منسوب کرو اور اُسکے فضل و انعام کو اس کا باعث سمجھو وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اور برائی اور شر کو اپنی طرف منسوب کرو اور اُس کا سبب اپنے نفس کو جانو۔ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا اے رسول ہم نے تم کو صرف رسول بنا کر بھیجا ہے تمہارا کام لوگوں کو ہدایت کرنا ہے نہ کہ برائی بھلائی کو پیدا کرنا نہ تم خالق خیر ہو نہ موجد شر سب کا فاعل حقیقی خدا ہے اور وہی وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا شہادت دینے کے لئے کافی ہے اسکی شہادت میں کذب و دروغ کا امکان نہیں۔

مقصود بیان :- جبریہ اور قدریہ فرقوں کے عقائد کی بیخکنی۔ اس امر کی صراحت کہ انسان نہ خالق خیر ہے نہ موجد شر۔ خالق اور فاعل حقیقی صرف خدا تعالیٰ ہے البتہ بندہ کاسب اور مختار ہے مجبور نہیں ہے اسی وجہ سے شر اور معصیت کی نسبت اپنی طرف کرنی چاہیئے۔ آیت میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ رسول کا کام محض تبلیغ احکام ہے ایمان پیدا کرنا

اور شر کو دلوں سے نکال دینا کسی نبی کا کام نہیں یہ صرف خدا کا کام ہے وغیرہ۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے درحقیقت خدا کا حکم مانا

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا

اور جس نے رخ پھیرا تو ہم نے تم کو اُن کا پاسبان بنا کر تو بھیجا ہی نہیں ہے

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ

وہ کہہ تو دیتے ہیں کہ قبول کیا لیکن جب تمھارے پاس سے باہر جاتے

عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ

ہیں تو اُن میں سے ایک جماعت رات کو اُسکے خلاف مشورہ کرتی ہے جو

تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ

کہہ چکی ہوتی ہے اور اللہ اُن کے شبینہ مشورہ کو لکھتا جاتا ہے

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَ

تم اُن سے رُخ پھیرلو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور

كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

اللہ ہی کارساز کافی ہے

تفسیر مفسر معالم نے اس آیت کے شان نزول میں لکھا ہے کہ رسول پاک ؐ فرمایا کرتے تھے جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اُس نے اللہ سے محبت کی۔ اس پر بعض منافق کہنے لگے یہ شخص چاہتا ہے کہ ہم اسکو رب بنالیں جسطرح عیسائیوں نے عیسٰی کو رب بنا لیا تھا۔ اُس وقت آیت مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ نازل ہوئی۔ بیضاوی میں ہے کہ بعض منافق کہتے تھے یہ شخص باوجودیکہ شرک سے منع کرتا ہے پھر بھی ہم کو شرک میں پھنساتا ہے تو اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اسلیئے جس نے آپ کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی۔ جس نے آپ سے محبت کی اُس نے خدا سے محبت کی جس نے آپ کے احکام کی تعمیل کی اُس نے خدا کی فرماں پذیری کی کیونکہ آپ بندوں کے اور خدا کے درمیان واسطہ اور ذریعہ ہیں جس نے درمیانی واسطہ کو سچا جانا اور اُسکے احکام کو دل سے مانا اُس نے درحقیقت حکم دینے والے خدا کو مانا۔ وَمَنْ تَوَلّٰى اور جس نے آپکے حکم سے سرتابی کی اطاعت نہ کی فرمان قبول نہ کیا ہدایت نہ مانی تو اُسکی سرکشی آپ کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتی آپ کو کچھ فکر نہ کرنا چاہیئے کیونکہ فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا آپ کو ہم نے تبلیغ احکام کے لیئے بھیجا ہے بشیر و نذیر بنایا ہے ان کی بداعمالیوں کا ذمہ دار اور نگران اور محافظ نہیں بنایا ہے نہ ان کے باطن کی نگہبانی آپ کے ذمہ ہے نہ ان کو خواہ مخواہ راہ راست پر لے آنا آپ کا کام ہے۔ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ان آیات میں منافقوں کی کجروی اور سیاہ باطنی کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب منافق رسول اللہ صلعم کے پاس موجود ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا کام اطاعت کرنا ہے آپ کا حکم بسر و چشم ہم ہمیشہ آپ کے تابعدار ہیں۔ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ لیکن جب آپ کے پاس سے نکلکر جاتے ہیں تو اُن میں سے ایک گروہ آپ کے فرمان یا اپنے گذشتہ قول کے خلاف منصوبے باندھتا ہے باتیں بناتا اور چہ میگوئیاں کرتا ہے۔ گویا اس مخالفت غائبانہ سے اُن کی مراد یہ ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی اندرونی مخالفت اور پوشیدہ نفاق کا پتہ نہ چلے اور اُن کی حالت قابل اعتماد رہے (ابن کثیر) حالانکہ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ جو کچھ اُن کے مشورے اور منصوبے ہوتے ہیں خدا کو اُن کا علم ہے اور اُن کے نامۂ اعمال میں خدا تعالیٰ اُن کا اندراج فرما لیتا ہے اس حرکت کی اُن کو کافی سزا ملیگی۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ لہذا آپ اُن سے درگذر کیجیئے اُن کے ناموں کا اظہار نہ کیجیئے اور دیدہ و دانستہ چشم پوشی کیجیئے وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور خدا پر بھروسہ و توکل کیجیئے اُسی پر اعتماد کیجیئے اپنے کاروبار اُن پر یا کسی اور پر موقوف نہ سمجھیئے اور نہ اُن کے نفاق سے ایذا دہی اور مضرت انگیزی کا خوف کیجیئے نہ انکی مدد مفید ہے نہ نفاق نقصان رسان۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا خدا ہی کارساز حقیقی ہے تمام کاربار میں اُسی پر نظر اور بھروسہ رکھنا چاہیئے وہی مدبر اور مسبب ہے۔

مقصود بیان: ۔ رسول پاک ؐ خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت مؤمن ہونے کے لیئے ضروری ہے۔ رسول پاک کی تعلیم کی خلاف ورزی موجب ہلاک ہے۔ رسول کسی کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں بلکہ صرف مبلغ اور پیام الٰہی پہونچانے والے ہیں۔ آیت میں نہایت بلند آہنگی سے اس امر کی وضاحت و صراحت ہے کہ کسی کو دائرۂ اسلام سے خارج نہ کیا جائے جو لوگ حقیقی منافق اور پکے بے ایمان ہوں لیکن بظاہر مدعی اسلام ہوں اُنکو زمرۂ اسلام سے ظاہری احکام میں خارج نہ سمجھا جائے۔ ہر کام میں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے کسی سے نفع کی امید یا مضرت کا خوف نہ کرنا چاہیئے وغیرہ۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ

کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے اگر یہ خدا کے

عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو بلاشک اسمیں بہت اختلاف ملتے

تفسیر گذشتہ آیات میں منافقوں کی پوشیدہ مخالفت اور اندرونی نقصان کا بیان تھا جس کا اصلی سبب یہ تھا کہ اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی صداقت کا یقین نہ تھا اور وہ قرآن کو کلام الٰہی اور منزل من اللہ نہ جانتے تھے۔ ان آیات میں قرآن کا کلام الٰہی ہونا ثابت کیا جاتا ہے۔ قرآن کی صداقت اور الہامی ہونے کے ہزاروں دلائل اور ثبوت تھے لیکن چونکہ وہ کند ذہن اور جاہل اور نافہم تھے اسلیئے اُن کی ذہنی رسائی اور دماغی توازن اور طاقت فہم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسی دلیل بیان کی جاتی ہے جو بالکل عام فہم ہے اور ایک متبحر عالم سے لیکر عام جاہلوں تک سب کے لیئے مفید اور قابل فہم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے اور کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر یہ الہامی اور منجانب اللہ نہ ہوتا بلکہ کسی جن یا انسان کا بتایا ہوا یا طبع زاد ہوتا تو یہ طرز ہدایت میں یکرنگی معانی میں یگانگت اور سلاست کلام میں یکسانی کیوں ہوتی۔ انسانی کلام میں باہم اختلاف کثیر ہوتا ہے۔ طرز ہدایت میں برابری نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ قیاسی اور تخمینی باتوں میں اختلاف ضرور ہوتا ہے۔ قرآن میں جن احکام عقائد اور عملیات و علمیات کا بیان ہے اور گذشتہ واقعات کی جو خبریں ہیں اور آئندہ حوادث کے متعلق جو پیشین گوئیاں ہیں اُن میں باہم کوئی اختلاف ہے نہ تباین نہ کذب نہ نسیان نہ نیرنگی۔ ایسا ہرگز نہیں کہ کہیں ایک بات کو کسی طریقہ پر بیان کیا گیا ہو اور پھر کسی واقعہ اور ضرورت کے ظہور پذیر ہونے پر طرز ہدایت کو بدلدیا گیا ہو یا عبارت میں کہیں خامی ہو کہیں پختگی۔ اخبار میں کہیں راستی ہو کہیں دروغ۔ جب اختلافات نہیں ہیں تو پھر کس طرح یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتاب الٰہی اور مجموعہ الہامی ہے جس میں کسی ردوبدل اور اختلاف کا امکان ہی نہیں۔

چند نکات بعض اکابر کا قول سچ ہے کہ ظاہر قرآن تو اہل محبت کی بیقراری دل کو دور کرنے والا ہے اور اگر باطن قرآن پر سے ستر ہزار حجاب دور کردیے جائیں تو تمام جلکر خاک سیاہ ہوجائے۔ شیخ ابن کثیر کہتے ہیں کہ قرآن کا ہر حرف حقائق الٰہیہ کے سمندروں سے بھرا ہوا ہے جو شخص اُن اسرار سے واقف ہوجاتا ہے تو اسکی تجلیات میں مدہوش ہوجاتا ہے اور بالمشاہدہ جان لیتا ہے کہ قرآن قدیم ہے نہ اس میں کہیں تناقض ہے نہ تضاد نہ خلل نہ تباین کیونکہ وصف الٰہی ہے اگر حادث اور ممکن ہوتا اور کسی مخلوق کا اختراع کردہ اور طبعزاد ہوتا تو اس میں ضرور تغیر تضاد اور اختلافات ہوتا اسی بنا پر بہ بانگ دہل اعلان کردیا گیا ہے کہ اے طالبان جمال ازلی تم قرآن پاک کی طرف کیوں رجوع نہیں کرتے تاکہ ہر حرف کے نیچے نور بہاء اور جمال ازلی مشاہدہ کرو اور زبان اسرار سے خطاب حق کے حقائق سنو۔ شیخ ابو عثمان مغربی کا قول ہے کہ خلق میں غور کرنا نظر عبرت ہے اور اپنے نفس کی حالت پر غور کرنا نصیحت ہے اور قرآن میں غور کرنا نظر حقیقت اور مکاشفہ ہے۔

مقصود بیان :- قرآن میں غور و تامل کرنے کی ہدایت اور اس امر کیطرف لطیف اشارہ کہ کوئی گہری نظر رکھنے والا اور غور سے مقاصد قرآن کو سمجھنے والا منکر قرآن نہیں ہوسکتا۔ اس بات کی طرف بھی ضمنی اشارات ہیں کہ ایمان عرفان نور اور ہدایت کا سرچشمہ قرآن ہے مگر طالب صادق کی ضرورت ہے غور

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ

جب اُن کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر

الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى

آتی ہے تو اُسکو مشہور کردیتے ہیں اگر اُسکو رسول کی طرف

الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ

اور اپنے صاحبان حکومت تک پہونچا دیتے

لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ

تو اس کی مصلحت وہ لوگ معلوم کرلیتے جو مصلحت معلوم کرسکتے ہیں

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ○

تو سوائے چند کے تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے

تفسیر ابن کثیر کا قول ہے کہ یہ آیت اہل نفاق اور چند ضعیف الاسلام لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ بات یہ ہے کہ منافق لوگ غلط افواہیں اڑاتے تھے اور بعض ضعیف الاسلام آدمی اُن اسرار کو جو واقع میں صحیح ہوتے تھے لیکن پوشیدہ رکھنے کے قابل ہوتے تھے قبل از وقت ظاہر کردیتے تھے اور اس سے مسلمانوں کو نقصان پہونچتا تھا اور خواہ مخواہ

کی غلط فہمی پھیلتی تھی مثلاً ایک بار حضور اقدس ؐ نے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیئے بھیجا جب یہ صاحب مقررہ مقام پر پہونچے تو وہاں کے باشندے استقبال کو آئے انھوں نے سمجھا کہ میرے مارنے کو آئے ہیں اس بے بنیاد خیال کو ذہن میں پختہ جما کر واپس چلے آئے اور مدینہ میں آکر کہا کہ فلاں قوم مرتد ہوگئی۔ ہنوز یہ خبر حضور اقدس ؐ تک نہ پہونچی تھی کہ شہر میں اُس کا شہرہ ہوگیا۔ اسی طرح جب حضور گرامی کہیں جہاد پر لشکر بھیجتے تو مجاہدین اسلام فتح پاتے یا ہزیمت اٹھاتے مگر رسول پاک کے ذکر کرنے سے پہلے پہلے لوگ اُس خبر کو اُڑا دیتے اور مشہور کردیتے تھے۔ یہی حال اُس وقت بھی ہوتا تھا جب رسول اقدس ؐ وحی سے معلوم کرکے قبل از وقوع کسی نصرت یا فتح کی بشارت دیتے یا ہزیمت اہل اسلام کے متعلق پیشین گوئی کرتے تو بعض ضعیف الاسلام اسکو مشہور کردیتے جسکا نتیجہ بُرا ہوتا تھا کیونکہ دشمن یا اپنی حفاظت کرکے لڑتے ہی نہ تھے یا ہزیمت اہل اسلام کی صورت میں جان توڑ کر لڑتے تھے۔ بہر حال غلط افواہیں اُڑانے اور واقعی قابل اخفا اسرار کو ظاہر کرنے کی ممانعت میں مذکورہ آیت کا نزول ہوا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب ان منافقوں اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو مسلمانوں کی فتح کی یا خوف وہزیمت کی کوئی خبر ملتی ہے تو اُسکو بلا تحقیق کیے مشہور کردیتے ہیں (اور کچھ مصلحت بینی اور معاملہ فہمی کا لحاظ نہیں کرتے حالانکہ اس سے اسلامی مقاصد کو نقصان پہونچتا ہے) اسکی بجائے وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلَىٰٓ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ اگر اس خبر کو رسول پاک کو (اول) پہونچا دیتے یا اپنے حکام کو اُسکی پہلے اطلاع دیدیتے یعنی اُن سے تحقیق واقعہ کرلیتے اور خود خاموش رہتے گویا اُس خبر سے بالکل لاعلم ہیں تو لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ تو تحقیق کرنیوالے خود تحقیق کرلیتے اور تفتیش کے بعد صحیح علم حاصل ہوجاتا۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ إِلَّا قَلِيْلًا۔ یعنی یہ خدا کی رحمت اور اُس کا فضل ہے کہ اُس نے قرآن اور رسول بھیجکر تم کو راہ راست بتادی اور گمراہی سے بچالیا اگر خدا قرآن کو نازل نہ فرماتا اور رسول کو نہ بھیجتا تو سوا اُن چند اشخاص کے جنکے دلوں کے اندر فطری نور تھا اور باعتبار سرشت کے وہ راہ راست پر ہوسکتے تھے اور سب گمراہ ہوجاتے۔

ابن کثیر نے بروایت صحیح بخاری وصحیح مسلم آیات مذکورہ کی شان نزول میں ایک حدیث بیان کی ہے جس سے شان نزول کی تخصیص معلوم ہوتی ہے اگرچہ آیت کا حکم عام ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رض فرماتے ہیں مجھے اطلاع ملی کہ رسول پاک نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ہے اس وحشتناک خبر کو سُنکر میں اپنے گھر سے چل کر مسجد میں گیا وہاں کچھ دیر توقف کیا۔ کچھ لوگ وہاں بھی باتیں کررہے تھے میں اجازت لیکر رسول پاک ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا یا رسول اللہ کیا حضور نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی؟ فرمایا نہیں۔ میں نے تعجب سے کہا اللہ اکبر اور پھر مسجد کے دروازہ پر آکر بلند آواز سے نداء کردی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اُس وقت آیت وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ الخ نازل ہوئی۔ حضرت عمر رض فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے ہی طلاق والی خبر کی تحقیق کی۔ اس شان نزول کی بنا پر آیت خاص ہوگی لیکن حکم عام ہوگا۔

مقصود بیان:۔ آیت مذکورہ سے واضح ہوتا ہے کہ قیاس حجت شرعیہ ہے اور احکام حوادث میں عام لوگوں پر علماء کی تقلید کرنی واجب ہے اور مسائل شرعیہ کا استنباط ضروری ہے۔ اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ بلا تحقیق کسی واقعہ کو مشہور کردینا گناہ ہے۔ اور اُس بات کو شائع کردینے کی اجازت نہیں جس کا ظاہر کردینا مفاد اسلامی کے خلاف ہو اور مسلمانوں کو اُس سے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو بلکہ اگر کہیں ایسی بے بنیاد یا قابل اخفا صحیح خبر معلوم ہو تو اپنے با اختیار لوگوں سے جاکر کہدینی چاہیئے اور خود ساکت ہوجانا چاہیئے۔ آیت مذکورہ صاف طور پر ہم کو بتارہی ہے کہ نور فطری رکھنے والے اور ہدایت عقلی پر عمل کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔ قرآن رسالت رحمت الٰہی ہے جو انسانی نجات کی حقیقی کفیل ہے وغیرہ۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ

(اے محمد) تم راہ خدا میں لڑو تم پر سوائے اپنی جان کے کسی کی

إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى

ذمہ داری نہیں اور مسلمانوں کو ترغیب دو کیا عجب ہے

اللّٰهُ أَنْ يَّكُفَّ بَأْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ

کہ اللہ کافروں کی لڑائی روک دے

وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَّأَشَدُّ تَنْكِيْلًا ○

اور اللہ کی لڑائی زیادہ سخت اور اُسکی سزا بہت شدید ہے

تفسیر

جنگ احد کے بعد ابوسفیان کے وعدہ کے موافق حضور سرور کائنات ؐ نے ماہ ذیقعدہ میں مقام بدر صغریٰ بارادۂ جہاد تشریف لے جانیکا ارادہ کیا تو نعیم بن مسعود نے مسلمانوں کو کفار کی کثرت شوکت سے ڈرایا اور اعداء دین کی قوت کا خوف دلایا جس سے بعض ضعیف الاسلام ٹھٹک گئے۔ حضور اقدس ؐ نے یہ حالت ملاحظہ فرماکر ارشاد فرمایا کہ اگر میں تنہا رہ جاؤنگا تب بھی جاؤنگا اُس پر آیت فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ نازل ہوئی (خازن ومعالم) بالآخر حضور اقدس ؐ ستر جلیل القدر صحابہ کو ہمرکاب لیکر حسب وعدہ تاریخ مقررہ پر بمقام بدر صغریٰ جا پہونچے لیکن اہل مکہ میں تھے

ڈر کے مارے وہاں کوئی نہ آیا۔ بدر صغریٰ میں ایک بازار سالانہ ہوتا تھا اور دوردور کے سوداگر آکر لین دین کرتے تھے مسلمانوں نے بھی وہاں تین روز تک مزہ سے خرید و فروخت کی اور پھر امن چین سے مدینہ کو واپس آگئے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اے محمد صلعم تم راہ خدا میں خود جہاد کرو کسی کے ساتھ ہونے نہ ہونے کی پرواہ نہ کرو لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ تم کو صرف تمہاری جان کے متعلق حکم ہے اور تم صرف اپنی ذات پر مکلف ہو اب اگر منافق اور ضعیف الاسلام مسلمان تمہارا ساتھ نہ دیں تو فکر نہ کرو۔ ہاں وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ مسلمانوں کو جہاد کرنے پر آمادہ کرو اور رغبت دلاؤ جہاد کے فضائل اور ثواب مسلمانوں کے سامنے بیان کرو تاکہ جہاد میں شریک ہونے کی ان کی رغبت ہو کیونکہ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تمہاری ترغیب دینے سے امید ہے کہ مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ جائینگی اور وہ مشرکوں کے شر و فساد کو دفع کرنے اور مضبوطی کے ساتھ اُن سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوجائینگے اور اس ذریعہ سے خدا تعالیٰ کافروں کی شوکت قوت اور لڑائی کی ہمت کو توڑ دیگا اُن کے حملہ کو روک دیگا کیونکہ خدا کو کسی کے قوت و ضعف کی پرواہ نہیں کیونکہ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا اُسکی قوت قدرت غلبہ تسلط بے انتہا ہے اور اُس کا عذاب بہت ہی سخت ہے جسکو کوئی دفع نہیں کرسکتا اسلیئے کسی کی جسمانی طاقت اور جنگی قوت کو فتح و شکست میں دخل نہیں (لیکن یہ عالم اسباب ہے تم مسلمانوں کو جہاد کے ثواب کا امیدوار بناؤ اور شریک جنگ ہونے کی رغبت دلاؤ)

مقصود بیان:- جہاد کی ترغیب اور اس امر کی صراحت کہ رسول اللہ صلعم کسی کی حالت بدلنے اور کسی کے دل پر انقلابی کیفیت پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں اور نہ کسی کو زبردستی راہ راست پر لانے کے مکلف ہیں بلکہ حضور کا کام صرف ترغیب و ترہیب ہے۔ آیت میں مخفی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ عالم اسباب میں خدا تعالیٰ بغیر کسی سبب کے کوئی کام نہیں کرتا ہے سبب کا ہونا ضروری ہر باقی واقعی تاثیر ان اسباب کو حاصل نہیں خدا تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی کچھ کرسکتا ہے

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ

جو شخص نیک بات میں سفارش کرے اُس کو   اس میں سے

نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

کچھ حصہ ملے گا   اور جو شخص بری بات کی سفارش

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

کرے اُس میں بھی اس کا کچھ حصہ ہوگا   اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ○

ہر چیز کا بانٹنے والا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی اور مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں نیکی کرنے اور نیکی میں کوشش کرنے کا عمومی حکم ہے جسکا ایک فرد جہاد بھی ہے لیکن تمام امور کا نیت پر مدار ہے ممکن تھا کہ کوئی منافق صرف دکھاوٹ کے لیئے شریک جنگ ہوتا یا مسلمان نام آوری اور شہرت کیلئے جہاد کرتے اسلیئے اس باطل جذبہ کی بیخ کنی کے لیئے عام قاعدہ بیان کردیا ارشاد ہے کہ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا یعنی جو شخص نیک کام میں سفارش کریگا تو سفارش قبول ہو یا نہو اسکو سفارش کرنے کا ثواب ملیگا اور اُس نیکی کے اجر میں سے ایک حصہ نصیب ہو جائیگا کیونکہ اس نے نیک کام کی سفارش کی ہے۔ اور جو شخص کسی برائی کی سفارش کریگا تو سفارش قبول ہو یا نہو صرف اس سفارش کرنے کی وجہ سے اُس برائی کے عذاب کا کچھ حصہ اُسکو بھی ملیگا کیونکہ اس نے برائی کی سفارش کی ہے (عام قاعدہ ہے کہ حصول نیکی کا ذریعہ بھی نیک سمجھا جاتا ہے اور حصول بدی کا ذریعہ بد خیال کیا جاتا ہے۔)

تفسیر معالم میں بروایت ابن عباسؓ بیان کیا گیا ہے کہ نیک سفارش سے اصلاح خلق اور بد سفارش سے چغلی کھا کر لوگوں میں فساد پھیلانا مراد ہے۔ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مَنْ يَّشْفَعْ فرمایا ہے یعنی نیک کام کی سفارش کرنے والے کو ثواب ملیگا۔ یہ شرط نہیں کہ ثواب اُس وقت ملیگا جب اُسکی سفارش قبول کی جائے۔ مطلب یہ کہ محض سفارش خیر پر ثواب کا وعدہ ہے چاہے سفارش قبول ہو یا نہو۔ شیخ ابن کثیر نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جو شخص کسی ایسے کام میں سعی کرے جس سے بھلائی حاصل ہوسکتی ہو تو اُسکو بھلائی کا ایک حصہ ملیگا اور اگر ایسے کام میں کوشش کرے جس پر برائی مترتب ہوتی ہو تو اُسکو اپنی اُسی نیت پر عذاب ملیگا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا۔ کیونکہ خدا ہر چیز پر قادر ہے جزا اور سزا دے سکتا ہے۔ ہر شخص کو اُسکے اعمال کی سزا جزا دیگا کسی کا عمل رائگاں نہ جائیگا مفسر جلال اور صاحب معالم نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ مقیت کے معنی ہیں قدرت سے ثواب و عقاب دینے والا۔ لیکن عطا بن عونی و قتادہ و مطر الوراق نے مقیت کے معنی نگہبان اور محافظ کے لکھے ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ مقیت بمعنی حاضر و ناظر ہے۔ ابن جبیر سدی اور ابن زید کے قول پر بمعنی قدیر آیا

اور ضحاک کی روایت کے بموجب بمعنی رزاق ہے۔ یہ مطلب تمام معانی کے اعتبار سے قریب قریب ہے۔

مقصود بیان:- نیکی کرنے کی ترغیب۔ نیکی کی سفارش کرنے پر ثواب کا وعدہ۔ کار خیر میں کوشش کرنے کا ضمنی امر۔ خدا کے قادر مطلق ہونے کی صراحت اور بد کاموں سے علیحدہ رہنے اور اُن کی تائید نہ کرنے کی اجمالی ہدایت وغیرہ۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ

اور جب تم کو کوئی سلام کیا جائے تو تم بھی اُس سے بہتر دعا دو

مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي

یا اُلٹ کر وہی کہہ دو بلاشبہ اللہ

كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ○

ہر چیز کا حساب لینے والا ہے

تفسیر

گذشتہ آیات میں حمایت اسلام کے لیئے اور شر و فساد کو دور کرنے کے واسطے اعداء دین سے لڑائی کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں باہم مسلمانوں کو تواضع اخلاق اور حلم و آشتی کی ترغیب دی جا رہی ہے تاکہ جہاں اسلام پر حملہ کرنے والوں کی یورشوں کو دفع کرنے سے اسلام میں قوت پیدا ہو وہاں باہمی میل محبت اور خوش خلقی سے تحفظ اسلام ہو سکے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا اگر تم کو کوئی مسلمان کسی قسم کی دعا دے تو تم اُسکے جواب میں دو صورتیں اختیار کرو یا تو اُسکی دعا سے بہتر دعا دو (اور یہی افضل بھی ہے) یا کم از کم جیسی دعا اُس نے دی ہے ویسی ہی تم بھی اُسکو دو مثلاً کسی نے السلام علیکم یا سلام علیکم کہا تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہو اور اگر کسی نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو (اس قسم کی باہمی خوش خلقی اور میل محبت کا مظاہرہ تمام اہل اسلام پر واجب ہے اسلیئے اعداء دین کے مقابلہ میں حمایت اسلام اور باہمی ہمدردی قائم رکھنے کے لیئے تواضع اور حلم لازم ہے اور جب تک ان اصول بقا پر کاربند رہنے کی کوشش نہ کی جائے کوئی قوم زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتی) اور یہ خیال نہ کرو کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ناقابل گرفت اور فضول ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز کا تفصیلی حساب کرنے والا ہے چھوٹی نیکی ہو یا بڑی تھوڑی برائی ہو یا زیادہ ہر عمل کا محاسبہ ضرور ہوگا۔

سلام کرنیکے چند ضروری احکام

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ غیر مسلم اور فاسق اور اہل بدعت کے سلام کا جواب واجب نہیں۔ پیشاب کرنے والا رفع حاجت کرنے والا غسل خانہ میں نہانے والا۔ کھانا کھانے والا سلام کا جواب دینے پر مکلف نہیں۔ تفسیر سراج میں ہے کہ کافر کو ابتداءً سلام کرنا حرام ہے لیکن بعض مشائخ کا قول ہے کہ اس زمانہ میں ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے غیر مسلم کو سلام کرنا جائز ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ دل سے نیت نہ کرے صرف ہاتھ کا اشارہ کرے۔ اور اگر زبان سے بھی کہے تو ملائکہ کی نیت کرے اگرچہ بظاہر غیر مسلم کو سلام کرنا معلوم ہو مگر باطن میں نیت اور ہو۔

نماز پڑھنے والے اذان کہنے والے خطبہ پڑھنے والے اور حج کی لبیک کہنے والے کو سلام کرنا مسنون نہیں اور نہ اُن پر جواب دینا لازم ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے آواز سے قرآن یا حدیث پڑھنے والا یا علمی مذاکرہ کرنے والا سلام کا جواب نہ دے۔

مسنون ہے کہ مرد جب اپنے گھر میں جائے تو بیوی کو سلام کرے اور بیوی شوہر کو سلام کرے اور ہر قرابتدار محرم عورت کو سلام کرنا بھی مسنون ہے۔ سوار پیدل کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹا بڑے کو اور تھوڑی جماعت زیادہ جماعت کو سلام کرے۔ جو شخص سلام کا جواب نہیں دیتا اُسکی روح گندہ ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی کسی اور کا سلام تم کو پہونچائے تو جواب میں تم وعلیک وعلیہ السلام کہو (یعنی تم کو اور اُسکو دونوں کو سلام) تفسیر مدارک میں ہے جو شخص شطرنج یا چوسر یا گنجفہ کھیل رہا ہو یا گا رہا ہو یا کبوتر اڑا رہا ہو یا ایسا فعل کرتا ہو اُسکو سلام نہ کرنا چاہیئے۔

تفسیر سراج میں ہے سلام میں پہل کرنا اگر اکیلا شخص ہو تو سنت عینی ہے اور اگر جماعت ہو تو سنت کفایہ ہے یعنی اگر جماعت میں سے ایک نے سلام کر دیا تو سب کے ذمہ سے ساقط ہو گیا لیکن ثواب اُسی کو ملیگا جس نے سلام کیا ہے اور اگر سب سلام کریں گے تو سب کو ثواب ملیگا اور جس شخص کو ایک جماعت نے سلام کیا ہو اُسکو ایک جواب سب کو دیدینا کافی ہے۔ سلام کا جواب دینا کل جماعت پر واجب ہے لیکن اگر ایک نے بھی جواب دیدیا تو اوروں کے سر سے یہ وجوب ساقط ہو جائے گا۔

مقصود بیان:- اخلاق میں محبت اور اتحاد باہمی کی تعلیم اتفاق باہمی اور ہمدردی اسلامی کے مظاہرہ کا حکم۔ اس بات کی ہدایت کہ ہر مسلمان کو دوسرے کے ساتھ اُسکی نیکی سے بڑھ چڑھ کر نیکی کرنی چاہیئے ورنہ کم از کم اُسکے احسان کی برابر تو بدلہ دینا ضروری ہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ

اللہ وہ ذات ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں تم کو قیامت کے دن ضرور

الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ

جمع کریگا اس میں ذرا شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر

مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

کس کی بات سچی ہوسکتی ہے

تفسیر جب گذشتہ کلام میں اصول بقاء اور طریق اعلاء کلمۃ اللہ کی تعلیم مکمل طور پر دی جاچکی تو اب اس جگہ ایک ایسا قاعدہ بتایا جاتا ہے اور ایسا ثبوت پیش کیا جاتا ہے جس سے ہر فرد انسانی گذشتہ ہدایات مان لینے کی طرف دل سے مائل ہوجائے۔ مطلب یہ کہ خدائے قدوس معبود برحق ہے اس کا حکم اور فیصلہ ناطق ہے غلطی اور کذب کا اُس کے قانون میں احتمال نہیں وہی تمام مخلوق کا الٰہ مطلق ہے اور سزا اور الوہیت جزء لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ قیامت کے دن تم سب کو زندہ کرکے وہی جمع کریگا اور قیامت کا ہونا بھی یقینی ہے جسمیں قطعاً شک نہیں ہے اور پھر سب کو اُسکے اعمال کی سزا جزا دیگا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا اور جب وہی معبود برحق ٹھیرا اور سب کو خالق اور الٰہ مطلق قرار پایا تو اُس سے بڑھ کر اور کون صادق القول ہوسکتا ہے لہذا اُس کی ہدایت و ارشاد کو مان لینا اور اُس کی تعلیم پر عمل کرنا تمام افراد انسانی پر واجب ہے

مقصود بیان:- اعلان توحید اور اظہار عدالت الٰہی اور حشر و نشر کی صراحت اور اللہ تعالیٰ کے صادق القول ہونیکی وضاحت ضمناً اشارہ عدم امکان کذب کیطرف بھی ہے نیز یہ کہ اُسی کی ہدایت واجب العمل ہے

فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَ

تم کو کیا ہوگیا کہ منافقوں کے بارہ میں دو گروہ ہو گئے

اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ

اللہ نے اُن کے کرتوت کے سبب اُن کو اوندھا کردیا ہے کیا تم یہ چاہتے ہو

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ

کہ جسکو اللہ نے گمراہ چھوڑ دیا اُسکو راہ پر لے آؤ جسکو اللہ گمراہ چھوڑ دیتا

اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ وَدُّوْا لَوْ

ہے اُسکے لیئے تم کوئی راہ نہیں پا سکتے — وہ چاہتے ہیں کہ

تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً

جس طرح وہ کافر ہو گئے تم بھی کافر بنجاؤ پھر تم سب ایک برابر ہوجاؤ

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا

لہذا تم اُن میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ تاوقتیکہ وہ راہ خدا میں

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ

ہجرت نہ کریں پھر اگر وہ منہ پھیرلیں تو جہاں پاؤ اُن کو

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا

پکڑو قتل کرو اور ان میں سے

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ اِلَّا

نہ کسی کو دوست بناؤ نہ مددگار ہاں

الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَ

جو لوگ اُس قوم سے جا ملیں جس سے تمہارا

بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ

معاہدہ ہو یا تم سے یا اپنی قوم سے جنگ کرنے سے

صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا

تنگ دل ہوکر تمہارے پاس آجائیں تو ان کو

قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

نہ مارو اگر اللہ چاہتا تو اُن کو تم پر مسلط کر دیتا

فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ

پھر وہ تم سے ضرور لڑتے اب اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں اور

يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ

تم سے نہ لڑیں اور تمہارے سامنے صلح پیش کریں

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ○
تو پھر خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر کوئی راستہ نہیں رکھا
سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ
اب تم کو کچھ اور آدمی ایسے ملیں گے جو تم سے بھی امن میں
يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ط كُلَّمَا
رہیں اور اپنی قوم سے بھی بےخوف جب کبھی
رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ج
فساد کرنے کو انھیں بلایا جاتا ہے تو اوندھے منہ جا پڑتے ہیں
فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ
پس اگر وہ تم سے کنارہ کش نہ رہیں اور تمہارے سامنے صلح
السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ
نہ پیش کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو جہاں پاؤ ان کو
وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ط وَ
پکڑو قتل کرو انہی کے
أُولٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا
مقابلہ میں ہم نے تمہارے لئے برہان واضح
مُّبِينًا ○ ع ۱۲
پیدا کر دی ہے

تفسیر فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ یہاں سے آخر تک تمام آیات کی شان نزول میں مختلف روایات ہیں۔ اگرچہ قرآن پاک کا فہم اور آیات کا مطلب سمجھنا ان قصوں پر موقوف نہیں مگر شان نزول سے معنی میں وضاحت ضرور ہو جاتی ہے اسلئے ذیل میں ہم مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔

(۱) ابن کثیر کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد کے واسطے مدینہ سے باہر نکلے تو منزل مقصود تک پہونچنے سے قبل ہی کچھ لوگ راہ میں سے حضور اقدس کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے آئے اور ساتھ نہ دیا۔ صحابۂ کرام کے ان لوگوں کے متعلق دو فریق ہو گئے اور ہر فریق کی رائے دوسرے کی رائے سے مختلف ہو گئی ایک فریق نے کہا ہم انکو قتل کرینگے وہ مرتد ہو گئے دوسرے نے کہا نہیں وہ مسلمان ہیں قابل قتل نہیں اس پر آیات مذکورہ کا نزول ہوا۔ حضور والا نے فرمایا مدینہ شہر طیبہ ہے یہ کثافت وخبث کو اس طرح صاف کر دیتا ہے جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو صاف کر دیتی ہے (رواہ احمد عن زید بن ثابت وقد رواہ البخاری ومسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر واپس ہونے والے تین سو آدمی تھے جن میں سے عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا بلکہ یہی سب کا سردار تھا حضور اقدس کے ساتھ صرف سات سو آدمی باقی رہ گئے (رواہ محمد بن اسحاق فی غزوۂ احد)

(۲) عوفی نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ مکہ میں رہتے تھے جنھوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کر لیا تھا لیکن باطن میں مشرکوں کی مدد کیا کرتے تھے یہ لوگ اتفاقاً کسی ضرورت سے مکہ سے باہر نکلے اور کہنے لگے اگر دوران سفر میں ہمارا محمد کے ساتھیوں سے مقابلہ ہو گیا تو ہم کو ان سے کوئی خوف نہیں ہم مقابلہ کرینگے۔ یہ خبر مسلمانوں کو بھی پہونچ گئی کچھ مسلمان کہنے لگے چلو ان نامردوں کو چلکر قتل کر دیں وہ مرتد ہیں ہمارے دشمنوں کی ہمارے خلاف امداد کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کا دوسرا گروہ بولا واہ سبحان اللہ جن لوگوں نے تمہاری طرح زبان سے اسلام کا اقرار کر لیا ہے تم ان کو صرف اس بات پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنا دیس نہ چھوڑا بھلا ہم ان کے خون اور مال کو کس طرح حلال سمجھ سکتے ہیں۔ اسی قسم کے متعلق آیات مذکورہ کا نزول ہوا (رواہ ابن ابی حاتم وابو سلمۃ ابن عبدالرحمن وعکرمۃ والضحاک وغیرہم)

(۳) تفسیر معالم میں محی السنۃ نے بروایت مجاہد بیان کیا ہے کہ بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان ہیں اور مہاجر ہو کر آئے ہیں لیکن چند روز کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے اور حضور اقدس سے مال تجارت کے لانے کا بہانہ کر کے مکہ کو چل دیئے یا مدینہ سے بھاگ کر مکہ کو چلے گئے اور راستہ میں سے ہی ایک تحریر حضور کی خدمت میں بھیجدی کہ ہم اب تک اسی عقیدہ پر ہیں جو مدینہ سے نکلنے کے وقت ہمارا تھا مگر مدینہ کی آب وہوا ہم کو موافق نہ آئی اسلیئے چلے آئے۔ ان لوگوں کے متعلق صحابہ کے دو فریق ہو گئے۔ ایک فریق نے کہا کافر ہیں۔ دوسرے نے حسن ظن کی بناء پر دلائل ارتداد میں کچھ تاویل کر کے ان کو دائرۂ اسلام سے خارج نہ سمجھا اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔ بہرحال

شانِ نزول کچھ بھی ہو آیات کا مطلب صاف ہے اور ظاہر ہے کہ ان آیات کا نزول منافقوں کے حق میں ہوا ہے خواہ وہ ابن ابی کے ساتھی ہوں یا مکہ کے مشرک یا مدینہ سے بھاگ کر چلے جانے والے سوداگر خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے متعلق تم دو فریق بن بیٹھے اور خواہ مخواہ آپس میں تفرقہ کر لیا۔ حالانکہ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا انہی کے کفر و معاصی کی وجہ سے خدا نے ان کو مردود کر دیا اور پھر شرک و ارتداد کی طرف لوٹا دیا وہ لوگ اسی پھٹکار پر مر سنگے تم ان کو ہدایت نہیں کر سکتے اور نہ ہدایت یافتہ گروہ میں شمار کر سکتے ہو۔ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ کیا جس شخص کی قسمت میں خدا نے گمراہ ہونا لکھ دیا اور اسکے اعمال کی وجہ سے اسکو گمراہ کر دیا تم اسکو ہدایت یافتہ گروہ میں شمار کرنا چاہتے ہو ایسا ہرگز نہ کرو ان کو گمراہ اور منافق ہی سمجھو کیونکہ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا جس شخص کو خدا تعالیٰ گمراہی میں چھوڑ رکھتا ہو تم کو اسکے واسطے راہ ہدایت نہیں مل سکتی اور گمراہی سے وہ نجات نہیں پا سکتا اسلیے تم کو ان کے ہدایت یافتہ ہونے کا خیال بھی چھوڑ دینا چاہیے اور باہمی اختلاف کو دور کر دینا چاہیے۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا وہ لوگ تو کفر میں اس قدر مستحکم ہیں کہ اپنی طرح تم کو بھی کافر دیکھنا چاہتے ہیں اور دل سے خواہشمند ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر بن جاؤ فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً اور پھر تم اور وہ سب کفر میں مساوی ہو جاؤ۔ جب ان کا کفر اس قدر مستحکم اور سخت ہے تو تم ان کے صرف زبانی اقرار اسلام پر نہ جاؤ اور ظاہری اسلام پر اکتفا کر کے فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ ان سے موالات اور دوستی نہ کرو وہ یقینی منافق ہیں حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تاوقتیکہ وہ راہ خدا میں صحیح ہجرت نہ کریں جس سے ان کے ایمان قلبی کا ثبوت ہو سکے۔

تفسیر معالم میں محی السنۃ نے بروایت عکرمہ بیان کیا ہے کہ اس ہجرت سے مراد دوسری قسم کی ہجرت ہے۔ ہجرت در حقیقت تین قسم کی ہوتی ہے (۱) ترک وطن جس طرح کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں نے مکہ کی سکونت کو ترک کر دیا تھا (۲) ہجرت منافقین یعنی رسول اللہ کے ہمرکاب صبر اور استقلال کے ساتھ بامید ثواب جہاد کو جانا اور صرف خوشنودی الٰہی کے حصول کے لیے کافروں سے جنگ کرنا۔ آیت میں بروایت عکرمہ یہی ہجرت مراد ہے۔ (۳) تمام ممنوعات کو چھوڑ دینا اور کل ناجائز خواہشات نفسانی سے ہجرت کر لینا۔ بیضاوی کے نزدیک آیت میں اخیری معنی مراد ہیں۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ اب اگر انہوں نے منہ موڑا اور ہجرت مذکورہ سے باز رہے اور اپنے حال پر قائم رہے تو وہ منافق ہیں اعدائے اسلام ہیں مسلمانوں کے دشمن ہیں اور آستین کے سانپ ہیں اگر تم کو ان پر قدرت حاصل ہو جائے اور وہ تمہارے قبضہ میں آجائیں تو فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ انکو پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ان میں سے کسی کو ولی دوست نہ بناؤ موالات نہ کرو اور نہ یہ خیال کرو کہ ان میں سے کوئی تمہاری مدد کریگا اور ضرورت کے وقت تمہارے کام آئیگا ہاں اس حکم سے کچھ لوگ مستثنیٰ بھی ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ جب غزوۂ بدر اور احد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار عرب پر غلبہ حاصل ہوا تو سراقہ ابن مالک مدلجی نے خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ اب آپ کا ارادہ میری قوم پر لشکر کشی کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہم سے صلح کر لیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو سراقہ کے ساتھ تکمیل صلح کے لیے بھیجدیا۔ وہ ان کے پاس گئے اور گفتگو کی۔

غرض صلحنامہ ان شرائط پر مکمل ہو گیا کہ بنی مدلج نہ مسلمانوں کے ساتھ ملکر اپنی قوم سے لڑیں نہ اپنی قوم سے ملکر مسلمانوں کا مقابلہ کریں اگر قریش مسلمان ہو جائیں تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں۔ اس کے علاوہ ہجرت سے قبل حضور والا نے ہلال بن عویمر اسلمی سے بھی اسی طرح صلح کی تھی بلکہ یہاں تک حکم دیدیا تھا کہ ہلال جسکو امن دیدے وہ بھی اسی عہدنامہ میں داخل ہے۔ ابن عباس رض کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی بکر بن زید سے بھی اسی قسم کا معاہدہ ہو گیا تھا مقاتل کی روایت ہے کہ خزاعہ اور خزیمہ بن عبد مناف سے بھی معاہدۂ امن حضور نے کر لیا تھا۔ بہر حال اسی قسم کے واقعات کے ظہور پذیر ہونے کے وقت آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔ حاصل ہدایت یہ ہے کہ مذکورۂ بالا حکم سے چند قسم کے لوگ مستثنیٰ ہیں اول تو وہ لوگ جو ایسی قوم سے معاہدہ رکھتے ہوں جس سے اہل اسلام کا معاہدہ ہے کہ نہ ہم تم پر چڑھائی کریں گے نہ تم ہم پر یا ضرورت کے وقت ہم تمہاری مدد کرینگے اور تم ہماری اور اس سے کسی اور قوم کا معاہدہ ہو تو اس اخیری قوم سے بھی جنگ نہ کرنا چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ جس قوم سے اہل اسلام کا معاہدہ ہو یا معاہدہ والی قوم سے معاہدہ ہو دونوں حکم جہاد سے مستثنیٰ ہیں اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ دوسرے وہ لوگ بھی

حکم جہاد سے مستثنیٰ ہیں جو بالکل علیحدہ ہوں نہ تمہارے نفع کے خواہاں ہوں نہ ضرر کے جویاں (جس طرح جنگ بدر میں حضرت عباسؓ تھے) نہ تم سے دوستی رکھتے ہوں نہ معاندہ اور مقاتلہ بلکہ دونوں باتوں سے تنگ دل ہوں نہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر تم سے لڑتے ہوں نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے جنگ کرتے ہوں سب سے الگ تھلگ ہوں لہٰذا تم کو بھی ان سے نہ لڑنا چاہیئے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ باوجود کافر ہونے کے اُنھوں نے تمہارے دشمنوں سے علیحدگی اختیار کرلی اور تمہارے مقابلہ پر نہ آنے کا وعدہ کرلیا کیونکہ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ اگر خدا کی مرضی ہوتی تو وہ ان کے دلوں کو قوی کردیتا اور اُن کو تم پر جرأت ہوجاتی اور وہ تم سے لڑائی کرنے لگتے لیکن خدا نے اپنے فضل سے ایسا ارادہ نہ کیا اُن کے دلوں میں بجائے جرأت کے تمہارا رعب ڈالدیا جسکی وجہ سے وہ تمہارے مقابلہ پر نہ آئے اور یکسوئی اختیار کرلی۔ لہٰذا فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ اگر وہ تم سے کنارہ کش ہوجائیں یکسوئی اختیار کرلیں اور جنگ نہ کریں وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ اور تم سے صلح و امن کے خواہاں ہوں یعنی بغیر جزیہ ادا کیے تم سے صلح کے جویاں ہوں تو تم پر بھی لازم ہے کہ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ اُن سے جنگ نہ کرو تمہارے واسطے اُن کو قتل کرنا جائز ہے نہ گرفتار کرنا۔ یہ دونوں گروہ تو وہ تھے جن سے جنگ کرنی ناجائز تھی۔ آئندہ آیت میں اُس تیسرے گروہ کا حکم بیان کیا جاتا ہے جو نہایت چالاک اور بدمعاش تھا مسلمانوں سے مامون رہنا چاہتا تھا اور اپنی قوم کے سامنے اسلام کا مذاق اڑاتا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ کلبی نے بروایت ابو صالح ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ یہ مکمل آیت قبائل اسد و غطفان کے حق میں نازل ہوئی جو منافقانہ صرف دکھانے کے لیئے کلمۂ اسلام زبان سے کہتے تھے اور باطن میں خبیث ترین کافر تھے جب صحابہ کے سامنے آتے تھے تو کہتے تھے ہم تمہارے دین پر ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تھے اور قوم والے پوچھتے تھے کہ تم کس چیز پر ایمان لائے ہو تو جواب دیتے تھے بچھو پر گوہ پر یعنی اسلام کی توہین کرتے تھے لیکن ضحاک نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ یہ آیت قبیلۂ عبدالدار کے حق میں نازل ہوئی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ابن جریر نے بروایت مجاہد بیان کیا ہے کہ یہ آیت اُن مکہ والوں کے حق میں نازل ہوئی جو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام کا اظہار کرتے تھے اور پھر قریش کے پاس واپس جاکر بتوں کے سامنے سربسجود ہوتے تھے تاکہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ مامون رہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ تم کو کچھ لوگ ایسے بھی ملینگے جو اپنی انتہائی چالاکی کی وجہ سے بظاہر کلمۂ اسلام زبان پر لاکر تم سے مامون رہنے کے خواستگار ہونگے وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ اور پھر اپنی قوم کے پاس جاکر کافر بنکر ان کی حمایت حاصل کرنے کے بھی جویاں ہونگے اُن کی حالت یہ ہوگی کہ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا جب اُن کو مسلمانوں سے جنگ کرنے اور کفر اختیار کرنے کی طرف لوگ بلائینگے تو وہ کفر پر ٹوٹ پڑینگے اور انتہائی شوق و انہماک سے اس میں مبتلا ہوجائینگے لہٰذا یہ لوگ فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ اگر تمہارے مقابلہ سے کنارہ کش نہوں اور تم سے جنگ کرنا نہ چھوڑیں اور اپنی قوم کی حمایت کرتے رہیں وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ اور تم سے صلح و امن اور آشتی و معاہدہ کے خواستگار نہوں یعنی تم سے کسی قسم کا معاہدۂ صلح نہ کریں وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ اور اپنی درازدستی نہ روکیں اور تمہاری طرف جنگ کیلیے ہاتھ بڑھائیں یعنی تم سے جنگ کرنے سے باز نہ آئیں فَخُذُوهُمْ تو تم بھی اُن سے لڑو اگر اُن کو قتل نہ کرسکو تو گرفتار کرلو وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ اور جہاں پاؤ اُن کو قتل کرو خواہ حرم کے اندر یا باہر بہرصورت اُن کے قتل کے درپے رہو۔ اور یہ حکم قتل ہم نے خواہ مخواہ نہیں دیا ہے اور نہ اسکی بنا ظلم پر ہے بلکہ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ان منافقوں کے قتل و قید پر ہم نے تمہارے لیئے ایک روشن ثبوت اور واضح دلیل مقرر کردی ہے۔ دھوکہ بازی نفاق اور غدر کی ابتدا اُنہی کی طرف سے ہے وہی تم کو ابتداءً ذلیل کرنا تمہاری بیخ کنی کرنا اور تمہاری جان مال اور دین برباد کرنا چاہتے ہیں یہی بات اُن کے قتل و گرفتاری کے جواز کی واضح دلیل ہے۔

مقصود بیان: منافقوں کے نفاق کی صراحت مسلمانوں کو منافقوں کے کفر میں شک کرنے سے ممانعت۔ دوسروں کے کفر و اسلام کے جھگڑوں میں پڑکر آپس میں فرقہ بندی کرلینے سے بازداشت اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ خدا تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ جب کفر و معاصی اور سرکشی و طغیان کا زنگ انسان کے دل پر بہت زیادہ چڑھ جاتا ہے اور اسکی صفائی ناممکن ہوتی ہے اور گمراہی کی مہر دل پر لگ جاتی ہے تو خدا بھی ایسے گناہگار معصیت شعار کافر کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور راہ راست پر نہیں لاتا۔ ہدایت اور گمراہی خدا کے دست قدرت میں ہے۔ کافروں سے دینی موالات جائز نہیں۔ اگر انسان صرف زبان سے اسلام کا دعویٰ کرے اور اسلام کے خلاف حمایت کرتا ہو اور اصول اسلامی کی بیخ کنی کے

درپے ہو تو وہ مسلمان نہیں اُس سے دینی موالات جائز نہیں - دو قسم کے کافروں کو قتل یا قید کرنا حرام ہے - اول تو اہل معاہدہ یعنی جن سے مسلمانوں نے بغیر شرط جزیہ کے امن و جنگ یا صلح وامداد کا معاہدہ کر لیا - اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو معاہدہ رکھنے والی قوم سے معاہدہ رکھتے ہوں گویا وہ اہل اسلام کے ساتھ معاہدہ رکھتے ہیں - دوسرے وہ لوگ جو بالکل الگ تھلگ ہیں نہ کافروں کے طرفدار ہیں نہ مسلمانوں کے جنبہ دار - ہاں جو قوم تخریب اسلام کے درپے ہو اور مسلمانوں کی بیخ کنی کرنی چاہتی ہو اُسکو قتل و قید کرنا واجب ہے ایسی قوم کو نہ کسی مقدس مقام کی حرمت بچا سکتی ہے نہ کوئی قانون اُن کی حفاظت کر سکتا ہے - یہ آیات نہایت بلند آہنگی سے تعلیم دے رہی ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے معاہدہ کا احترام کرنا چاہیئے اور یہاں تک معاہدہ کی پابندی لازم ہے کہ جو قوم ان کے اہل معاہدہ سے معاہدہ رکھتی ہو اُس کے مقابلہ میں بھی مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی ممانعت ہے - آیات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ معاہدات کی پابندی بھی ہر مسلمان فرض ہے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا

اور کسی مومن کو شایاں نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے

إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً

ہاں نادانستہ ہو (تو خیر) اگر کوئی مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ

تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا

إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ

پہونچا دینا ضروری ہے ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو خیر) اگر مقتول

مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ

اُس قوم میں سے ہو جو تمہاری دشمن ہے مگر وہ خود مسلمان ہو تو صرف

رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

ایک مسلمان بردہ کا آزاد کرنا لازم ہے اور اگر اُس قوم میں سے ہو

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ

جس سے تمہارا معاہدہ ہے تو اُس کے وارثوں کو خون بہا

إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ

پہونچا دینا اور ایک مسلمان بردہ کو آزاد کرنا لازم ہے اور اگر

لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

کسی کو اس کا مقدور نہ ہو تو پے درپے دو مہینے کے روزے ضروری ہیں

تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا

یہ حکم خدا کی طرف سے بطور توبہ کے مقرر ہے اور اللہ دانا

حَكِيمًا ○

صاحب تدبیر ہے

تفسیر

حضرت عیاش بن ربیعہ مخزومی قبل ہجرت مشرف باسلام ہوئے اور دشمنوں کے خوف کے مارے اپنے ایمان کو ظاہر نہ کر سکنے کے باعث مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے - اُن کی ماں اپنے بیٹے کی جدائی سے بیچین ہو گئیں اور اپنے دونوں بیٹوں حارث اور ابوجہل بن ہشام کو بلا کر کہا کہ میں نے قسم کھا لی ہے جب تک میرا لخت جگر نہ آئیگا اُسوقت تک نہ کھاؤں گی نہ پیونگی - غرض یہ دونوں حارث بن زید کو ہمراہ لیکر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے - اور جب عیاش کو پہاڑ پر دیکھا تو بولے عیاش تمہاری ماں تمہارے فراق میں سخت بیچین ہے اور ہم قسم کھاتے ہیں کہ تم کو کچھ اذیت نہ دینگے نہ تمہارے دین میں کچھ مزاحمت کرینگے - عیاش کو اُن کی باتوں کا اعتبار آ گیا - اپنی ماں کی بے چینی اور اُن کا عہد و پیمان سُن کر نیچے اُتر آئے - لیکن حارث وغیرہ نے پیمان کے خلاف چمڑے کے تسموں سے فوراً باندھ لیا اور ہر ایک نے سو سو دُرّے مارے اور ماں کے سامنے لا کر ڈال دیا - ماں بولی عیاش تو جب تک ایمان سے توبہ نہ کریگا اور محمدؐ کی نبوت کا انکار نہ کریگا میں تجھے نہ کھولونگی - بالآخر حضرت عیاش کو بندھا بندھایا دھوپ میں ڈالدیا - مزید براں حارث بن زید نے طعنے دینے شروع کیے کہ اس دین کو تو حق بتاتا ہے جسمیں اتنی تکلیفیں ہیں اور یہ مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں - عیاش کو یہ طعنے سُن کر غصہ آ گیا اور قسم کھالی کہ جہاں کہیں تجھے موقعہ پر پاؤنگا جیتا نہ چھوڑونگا - پھر حارث بن زید عیاش کی عدم موجودگی میں مسلمان ہو گئے اور عیاش کو اس کا علم بھی نہوا اور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو آ گئے - عیاش پہلے ہی ہجرت کر کے مدینہ پہونچ گئے تھے اتفاق سے

ایک پہاڑ پر حضرت عیاش کو حارث بن زید تو مسلم مل گئے۔ عیاش نے پچھلی عداوت اور قسم پر اُن کو جان سے مار دیا۔ مسلمانوں نے اُن کو طعنے دینے شروع کیے کہ تم نے پچھلے کینہ کی وجہ سے ایک مسلمان کو بلاوجہ جان سے مار دیا۔ عیاش گھبرائے ہوئے حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مسلمان ہونے کی وجہ سے جو تکالیف اور مصائب حارث کی طرف سے پہونچی تھیں وہ حضورؐ پر ظاہر ہیں اور حارث کا اسلام مجھکو معلوم بھی نہ تھا۔ میں نے اپنی گذشتہ قسم کی وجہ سے اُن کو قتل کر دیا۔ میں لاعلمی کی وجہ سے بالکل بے قصور ہوں اور اپنے فعل پر نادم ہوں اب کیا کروں۔ اُس وقت آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا نازل ہوئی (رواہ ابن جریر وابن المنذر عن السدی و تذکر رواہ ابن جریر عن عکرمۃ وابن کثیر رواہ عن المجاہد) عکرمہ کی روایت میں حارث بن یزید عامری اور مجاہد کی روایت میں حارث بن یزید غامدی مذکور ہے اور فتح کے دن کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

عبدالرحمٰن بن زید اسلم کی روایت ہے کہ یہ آیت ابو درداء کے حق میں نازل ہوئی۔ ابو درداءؓ نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا تھا جس نے بظاہر کلمۂ توحید کا زبان سے اقرار کر لیا تھا اور قتل کرنے کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کر دیا کہ درحقیقت وہ کافر تھا صرف اپنا بچاؤ کرنے کے لیے اُس نے اسلام کا اقرار کر لیا تھا۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا پھر تو نے اُس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا یعنی تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ اُس کے دل میں خالص نیت نہ تھی۔

عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ جنگ احد میں حذیفہ بن یمان کے والد ایک بھیڑ میں کافروں کی پھنس گئے اور مسلمانوں نے جب کافروں پر یورش کی تو اُس میں یمان بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے غلط فہمی کی بناء پر شہید ہو گئے اور آخر میں علم آنے کے بعد مسلمانوں کو سخت ملال ہوا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی بہرحال آیت کا شان نزول کچھ بھی ہو حکم عام ہے۔ ہر مسلمان کو شامل ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کسی مسلمان کا قتل کرنا بلا وجہ شرعی کے جائز نہیں۔ ہاں بھول چوک اور غلطی سے اگر قتل ہو جائے تو معذوری ہے وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا اگر کسی مؤمن نے کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دیا مثلاً بندوق یا گولی چلائی اور کسی مسلمان آدمی کے لگ گئی یا مسلمان کو ایسی چیز سے مارا جس سے مرنے کا احتمال نہ تھا مگر اتفاق سے وہ مرگیا

مثلاً طمانچہ مارا اور وہ مرگیا یا قینچی ماری اور مرگیا یا کوئی اور صورت ہوگئی تو دو صورتیں اختیار کرنی چاہئیں ایک تو قتل کا مالی عوض دوسرے گناہ قتل کا کفارہ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مؤخر الذکر صورت تو یہ ہے کہ ایک مسلمان بردہ آزاد کیا جائے کیونکہ قتل کرنے سے اس نے ایک آدمی کی جان لی ہے اب ایک مملوک کو آزاد کرنے سے گویا ایک آدمی کو زندہ کیا اور اُسکی غلامی کو دور کر دیا اور اس سے انسان کی فطری آزادی جو مثل حیات کے ہے حاصل ہوگئی وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ اور اول الذکر صورت یہ ہے کہ خونبہا مقتول کے ورثاء کو دیا جائے تاکہ اُن کے زخموں کی کچھ جبیرہ بندی ہو جائے اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ہاں اگر مقتول کے وارث بطور صدقہ کے دیت اور خونبہا معاف کر دیں تو قاتل کے ذمہ سے خونبہا کی ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے لیکن مسلمان بردہ آزاد کرنا لازم ہے۔ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ اور اگر مقتول اُس گروہ کفار میں سے تھا جن کا مسلمانوں سے معاہدہ ہے مثلاً مسلمانوں نے اُنکی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور وہ مسلمانوں کو جزیہ دیتے ہیں تو خونبہا مقتول کے وارثوں کو دیا جائیگا۔ اگر مقتول مسلمان تھا تو پوری دیت دی جائیگی اور کافر تھا مگر ذمی تھا تو ابن مسعودؓ ابو حنیفہؒ اور ثوریؒ کے نزدیک اسوقت بھی پوری دیت ادا کرنی ہوگی اور امام مالکؒ احمدؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک نصف دیت دینی ہوگی۔ حسن۔ سعید اور شافعی وغیرہ کے نزدیک یہودی اور نصرانی کی مقدار دیت تو مسلمان کی دیت سے ۱/۳ ہے اور مجوسی وغیرہ کی مقدار دیت مسلمان کی دیت کی دو تہائیاں ہیں۔ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ اور علاوہ ادائے خونبہا کے بطور کفارہ کے ایک مسلمان بردہ بھی آزاد کرنا ضروری ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ اب اگر مسلمان بردہ دستیاب نہ ہو خواہ قاتل کے افلاس کی وجہ سے مسلمان بردہ خرید کرنے کی قوت نہ ہو یا قیمت موجود ہو مگر مسلمان غلام یا لونڈی نہ ملے تو فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ دو ماہ کے متواتر پے درپے روزے رکھنے لازم ہیں یہ کفارہ کیوں ضروری ہے۔ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قاتل کی توبہ قبول ہو جائے اور قاتل کا گناہ معاف کر دیا جائے۔ اگر کفارہ دیدیا جائے گا تو امید ہے کہ خدا تعالیٰ گناہ معاف فرما دیگا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کی حالت کو خوب جانتا ہے اور تمام خلق کا انتظام اور تدبیر نہایت حکمت سے کرتا ہے وہ خوب واقف ہے کہ دیت ادا کرنے اور کفارہ دینے میں کیا کیا مصالح ہیں۔

مقصود بیان:۔ مسلمانوں کو قصداً قتل کرنے کی نہایت بلند آواز سے ممانعت۔ قتل خطاء کی سزا کا بیان۔ معاہدات اسلامی

کے احترام اور پابندی کی وضاحت - انسداد غلامی کی جانب لطیف اشارہ
اس امر کی طرف رمز آمیز تنبیہ کہ غلام کو آزاد کرنا گویا اسکو زندہ کرنا ہے
عدالت اسلامی کا مظاہرہ اور ذمی کافروں کے حقوق کی نگہداشت کی
صراحت - اس بات کی توضیح کہ دلی توبہ کے اظہار کے لیئے کچھ ظاہری علامات
بھی ہونے چاہئیں تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ اس تائب نے دل سے توبہ کرلی ہے

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ
اور جو شخص کسی مسلمان کو عمدًا قتل کر دے تو اسکی سزا

جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ
دوزخ ہے جسمیں وہ ہمیشہ رہیگا اور اس پر خدا کا غضب

عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا
ہوگا اور پھٹکار برسیگی اور اللہ نے اسکے لیئے بڑا عذاب تیار کیا ہے

تفسیر محی السنۃ نے معالم التنزیل میں بیان کیا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول مقیس بن ضبابہ کندی کے حق میں ہوا -

واقعہ یہ ہوا کہ مقیس اور اس کا بھائی ہشام دونوں مسلمان ہوکر مدینہ میں آگئے لیکن ہشام کو کسی نے قتل کردیا مقیس نے نعش کی تلاش کی اور بنی نجار کے محلہ میں پڑا پایا - حضور والا کی خدمت میں حاضر ہوکر اصل واقعہ عرض کردیا - حضور نے خاندان بنی فہر کے ایک شخص کو مقیس کے ہمراہ کرکے بنی نجار کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اگر تم لوگ ہشام کے قاتل کو جانتے ہو تو اسکو گرفتار کرکے مقیس کے حوالہ کردو تاکہ اس سے قصاص لیا جاسکے اور نہ جانتے ہو تو مقیس کو مقتول کا خونبہا چندہ کرکے دیدو - فہری شخص نے حضور والا کا پیغام بنی نجار کو پہونچا دیا - انہوں نے جواب دیا ہم قاتل سے واقف نہیں اور نہ ہم کو اس کا علم ہے لیکن اللہ اور رسول کا حکم ہم کو بسر وچشم منظور ہے ہم خونبہا دیتے ہیں - چنانچہ سب لوگوں نے چندہ کرکے سو اونٹ اسکو دیدیے - راستہ میں مقیس کو شیطان نے بہکایا اس نے خیال کیا اگر میں صرف خونبہا قبول کرلونگا تو ہمیشہ کے لیئے میرے نام پر اس کا داغ رہیگا لہذا جان کی بجائے جان لینا ضروری ہے - یہ خیال کرکے مقیس نے فہری شخص کو قتل کردیا اور ایک اونٹ پر سوار ہوکر باقی اونٹوں کو ہنکاکر مکہ کو لیگیا اور مرتد ہوگیا - اس وقت آیت وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا نازل ہوئی - ماحصل ارشاد یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کے مسلمان ہونے کو جانتا ہوا اسکو مومن جانتے ہوئے قصدًا ایسے ہتیار سے قتل کرے جس سے عمومًا آدمی مرجاتا ہے تو اسکی سزا ہمیشہ کے لیئے دوزخ ہے اور فقط یہی نہیں بلکہ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ اسپر خدا کا غضب اور پھٹکار ہوتی ہے وہ رحمت الہی سے خارج ہوتا ہے اور وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا - خدا نے اسکے لیئے ایک عظیم الشان عذاب تیار کر رکھا ہے جسکی عظمت کا اندازہ قدرت بشری سے خارج ہے - تمام علماء و مجتہدین اور جمہور سلف وخلف کے نزدیک قتل مومن اگرچہ سخت ترین گناہ ہے لیکن قاتل کی مغفرت ہوسکتی ہے ہاں امام ابو حنیفہ رح امام شافعی رح و بعض دیگر علماء کے نزدیک قاتل مومن اگر بغیر توبہ کے بھی مرجائے تب بھی قابل مغفرت ہے خدا تعالی اگر چاہیگا تو اسکی مغفرت فرمادیگا اور آیت میں خلود کے معنی دوام بلا انقطاع کے نہیں ہیں بلکہ خلود مدت دراز کو کہتے ہیں (بیضاوی) اسلیئے خالدًا کے لفظ سے قاتل مومن کا دائمی دوزخی ہونا ثابت نہیں ہوتا -

مقصود بیان :- قصدًا مومن کو قتل کرنا بدترین گناہ ہے - اسکا مرتکب تمام گناہگاروں سے زیادہ جہنم میں رہیگا اور خدا کے غضب ولعنت کا مستحق ہے - وغیرہ -

يَآ اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي
مسلمانو! جب راہ خدا میں تم سفر

سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ
کیا کرو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو شخص تم سے

اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا
سلام علیک کرے تم اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے

تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ
تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو اللہ کے

اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ
پاس بہت سی غنیمتیں ہیں تم پہلے بھی ایسے ہی

قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا اِنَّ
تھے مگر اللہ نے تم پر احسان کیا اسلیئے تحقیق کرلیا کرو بلاشبہ

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝
اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فوج کا ایک دستہ بماتحتی حضرت غالب بن فضالہ اللیثی اہل فدک کی جانب روانہ کیا۔ اہل فدک میں سے ایک شخص جن کا نام عامر بن اضبط اشجعی یا مرداس بن نہیک تھا مسلمان تھے اسلامی فوج دیکھ کر سب بھاگ گئے مگر عامر مسلمان ہونے کی وجہ سے ٹھیرے رہے بعد میں ان کو اندیشہ ہوا کہ مبادا لشکر مسلمانوں کا نہو کوئی اور دشمن ہو۔ اس خیال سے بکریاں ہنکاکر پہاڑ میں جا چھپے جب فوجی گھوڑسے قریب آگئے اور سواروں نے آواز تکبیر کی بلند کی تو ان کو صحابۂ رسول کے لشکر ہونے کا یقین ہوگیا اور خوشی خوشی آواز تکبیر بلند کرکے کلمہ پڑھتے السلام علیکم کہتے باہر نکل آئے۔ حضرت اسامہ نے یہ خیال کرکے کہ اس شخص نے جان بچانے کیلئے تقیہ سے کلمہ پڑھا اور سلام کیا ہے تلوار سے گردن اڑادی اور بکریاں قبضہ میں کرلیں اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی (رواہ ابن جریر) حضور والا یہ خبر پاکر سخت رنجیدہ اور غضبناک ہوئے اور (ان) ہی اُن کے واسطے استغفار کیا اور خون بہا دلایا۔ ابن عباسؓ کی روایت میں قتل کرنے والے کا نام بجائے اُسامہ کے مقداد بن اسود ذکر کیا ہے اور ابن عمر کی روایت میں قاتل کا نام محکم بن جثامہ بیان کیا گیا ہے اور اتنا اور بھی ہے کہ محکم بن جثامہ نے عداوت جاہلی کی وجہ سے عامر کو قتل کیا تھا اور حضور اقدسؐ نے محکم کو بددعا دی تھی کہ خدا تیری مغفرت نہ کرے۔ چنانچہ سات روز کے اندر محکم کا انتقال ہوگیا اور زمین نے بھی اسکو قبول نہ کیا۔ بالآخر لوگوں نے اُسکو پہاڑوں کے پتھروں کے نیچے داب دیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا مسلمانو جب تم جہاد (وغیرہ) کے لیئے سفر کیا کرو اور دشمن سامنے آئیں تو خوب تحقیق کرلیا کرو اور چھان پھٹک کرلیا کرو جو شخص تمھارے سامنے کلمۂ شہادت کہتا ہوا آئے یا کوئی اور ایسی علامت ظاہر کرے جو اسلام پر دلالت کرتی ہو مثلاً تم کو سلام کرے تو تم اُسکو بے ایمان نہ کہو اور ایسا برتاؤ نہ کرو جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے نہ اُسکو قتل کرو نہ اُس کا مال لوٹو اور نہ یہ کہو کہ تو نے اپنی جان و مال کا بچاؤ کرنے کے لیئے اظہار اسلام کیا ہے تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اس حرکت سے تمہارا مدعا یہ ہے کہ تم کو دنیوی مال و متاع حاصل ہو جائے اور مقتول کے اسباب پر تم قبضہ کرلو۔ تو یہ خواہش دل سے نکالدو کیونکہ فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ خدا کے پاس تمھارے لیئے بہت سے اموال غنیمت ہیں جو تم کو حاصل ہونگے اور تم کو اس طرح قتل کرکے کسی کے مال حاصل کرنے کی آرزو نہ رہیگی۔ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ اس فقرہ کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض علماء نے مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اسی طرح تم بھی پہلے صرف کلمۂ شہادت کے قائل تھے اور اسی شہادت زبانی کی بدولت تمہارا جان و مال محفوظ سمجھا گیا تھا۔ ابن کثیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے تمہاری حالت بھی اُسی چرواہے کی طرح تھی تم بھی اپنی مشرک قوم کے خوف سے ایمان کو چھپایا کرتے تھے اور نہایت کمزور تھے۔ سعید بن جبیر اور ثوری نے بھی یہی معنی بیان کیئے ہیں۔ ابن جریر نے بھی اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پہلے تمہاری حالت بھی یہی تھی کہ مسلمان نہ تھے کافر تھے۔ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ پھر خدا نے تم پر اپنا احسان و فضل کیا تم کو مومن بنایا اعلان ایمان کی طاقت عطا کی اور توحید پر استقامت فرمائی لہذا فَتَبَيَّنُوا تم کو غور اور چھان پھٹک کرلینی چاہیئے کہیں کوئی مسلمان تمہارے ہاتھ سے قتل نہ ہو جائے اور خوب سوچ کر جسطرح ابتداء میں تمہارے ساتھ معاملہ کیا گیا تھا ویسا ہی تم کو دوسرے نومسلموں کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیئے۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا خدا کو تمہارے اعمال کی پوری اطلاع ہے وہ جانتا ہے کہ تم نومسلموں کے ساتھ کیا برتاؤ کروگے جیسا کروگے ویسی ہی تم کو جزا ملیگی۔

مقصود بیان:۔ دور حاضر کے علماء کے لیئے بصیرت خیز ہدایت دائرہ اسلامی کی توسیع۔ جس شخص سے اسلامیات یا اسلام کے خصوصی علامات کا ظہور ہو اُسکے مسلمان ہونے کی صراحت۔ جہاد فی سبیل اللہ کرنے کی طرف اشارہ۔ جہاد میں دنیوی مقاصد کو پیش نظر رکھنے کی ممانعت۔ اس امر کی طرف لطیف ایماء کہ ہر نومسلم کی ابتدائی حالت کمزور ہوتی ہے رفتہ رفتہ ایمان میں استقلال پیدا ہوجاتا ہے وغیرہ۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

وہ غیر معذور مسلمان جو جہاد سے بیٹھ رہنے والے ہیں

غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي

اُن لوگوں کی برابر نہیں ہو سکتے جو راہ خدا میں

سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں

فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ

جو لوگ جان و مال سے جہاد کرتے ہیں اُن کو

وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ

بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے مرتبہ میں فضیلت عطا کی ہے لیکن

كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ

سب سے اللہ نے بھلائی کرنے کا وعدہ کیا ہے البتہ مجاہدوں کو

الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا

بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم میں بڑھا دیا

عَظِيْمًا ۙ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً

ہے (بلکہ) اپنی طرف سے بہت سے مراتب اور مغفرت و رحمت

وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۟ ع

میں فضیلت دی ہے اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر سابق آیات میں قتل خطا کی دیت اور کفارہ کا بیان تھا اور اس امر کی ہدایت تھی کہ دوران جہاد میں خوب تفتیش کر لیا کرو کہیں کوئی مسلمان تمہارے ہاتھ سے نہ مارا جائے اس حکم سے صاف باطن لوگوں کو خیال ہو سکتا تھا کہ جہاد میں چونکہ قتل مسلم کا اندیشہ ہے ممکن ہے کوئی مسلمان بھی کفار کی بھیڑ میں ناوانستہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہو جائے اسلیئے بہتر یہی ہے کہ جہاد میں شرکت ہی نہ کی جائے گھر بیٹھ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہنا ہی اولیٰ ہے۔ اس خیال کو دور کرنے اور مجاہدین کی فضیلت کا اظہار کرنے کے لیئے آیات مذکورہ بالا کا نزول ہوا۔

ابتداءً آیت میں مسلمانوں کے صرف دو فرقوں کا بیان تھا ایک مجاہد فی سبیل اللہ دوسرے گھر بیٹھ کر عبادت کرنے والے اور جہاد میں شریک نہ ہونے والے۔ اول الذکر فرقہ کو مؤخر الذکر پر فضیلت عطا کی گئی تھی اگرچہ مؤخر الذکر گروہ کو بھی گناہگار نہ ظاہر کیا گیا تھا تاہم چونکہ فضیلت مجاہدوں کو تھی اسلیئے حضرت ابن ام مکتوم نابینا خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نابینا ہوں اگر میری بھی آنکھیں ہوتیں تو جہاد میں شریک ہوتا اور اعلاء دین کی فضیلت حاصل کرتا۔ اسوقت آیت مذکورہ میں لفظ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ مزید نازل ہوا۔ اس لفظ کے نزول کے بعد خدا تعالیٰ نے مؤمنوں کی تین قسمیں کر دیں ایک وہ جو مجبور ہیں نابینا ہیں، لنگڑے ہیں اپاہج ہیں یا اُن کو کوئی اور شرعی عذر ہے۔ دوسرے وہ مؤمنین جن کو کوئی عذر نہیں اور جہاد میں شریک ہوتے اپنے گھر پر عبادت میں مشغول رہنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ تیسرے جان و مال سے اشاعت دین میں کوشش کرنے والے اور راہِ خدا میں جہاد کرنیوالے اول گروہ کو تو حکم جہاد سے خدا تعالیٰ نے مستثنیٰ کر دیا اور باقی دونوں گروہوں میں سے اخیری گروہ کو فضیلت عطا فرمائی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ یعنی جو لوگ معذور نہیں ہیں نہ اندھے ہیں نہ لنگڑے نہ اپاہج غرض جن کو عذر حاضری جہاد کا کوئی شرعی عذر نہیں ہے اور پھر بھی اپنے گھر بیٹھ رہتے ہیں جہاد میں شریک نہیں ہوتے اُن کو اُن مسلمانوں کی برابر مرتبہ نہیں مل سکتا جنھوں نے خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لیئے اپنی جانیں لڑا دی ہیں اور مال قربان کر دیا ہے اور راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ بلکہ راہ خدا میں اور اشاعت دین میں جان و مال سے کوشش کرنیوالوں کو خدا تعالیٰ نے عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً بلا عذر کے بیٹھ رہنے والوں پر عظیم الشان فضیلت عطا فرمائی ہے کیونکہ نیت دونوں کی صحیح ہے صرف مرتبہ کا فرق ہے۔ یہی تفسیر مقاتل سدی اور ابن جریج وغیرہ نے بیان کی ہے (معالم)

عام مفسرین نے یہ معنی بیان کیئے ہیں کہ جو لوگ بلا عذر جہاد میں شریک نہیں ہوتے (اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے کو بہتر سمجھتے ہیں) اُن پر خدا تعالیٰ نے مجاہدوں کو عظیم الشان فضیلت عطا فرمائی ہے اگرچہ نیت دونوں فرقوں کی صحیح ہے مگر مجاہدوں کو فضیلت کاملہ حاصل ہے۔ ہاں وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى خدا تعالیٰ نے حسن جزا اور جنت کا ہر گروہ سے وعدہ کر لیا ہے خواہ مجاہد ہوں یا گھر پر بیٹھ کر عبادت و ریاضت کرنے والے) وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ لیکن بلا عذر بیٹھ رہنے والوں پر مجاہدوں کو بہت زیادہ برتری عطا فرمائی ہے اور اجر عظیم دینے کا اُن سے وعدہ کیا ہے جسکی تفصیل اجمالی یہ ہے کہ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ اول تو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجاہدوں کو بہت سے درجات جنت میں حاصل ہونگے دوسرے یہ کہ وَمَغْفِرَةً اُن کے تمام گناہ معاف کر دیئے جا وینگے اور مغفرت الٰہی اُن کے شامل حال ہوگی وَّرَحْمَةً تیسرے یہ کہ رحمت الٰہی اُن کو ڈھانک لیگی اور دیدار الٰہی کی تجلی اُن کو میسر آئیگی لیکن بلا عذر بیٹھ رہنے والے (اور عبادت میں مشغول ہونے والے بھی اپنی خلوص نیت کی وجہ سے

دوزخی نہیں کیونکہ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ خدا تعالیٰ اپنے
نیک بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے اور خالص نیت والوں پر
رحم کرنے والا ہے اُن کے گناہ بھی معاف فرمائیگا اور اپنی رحمت سے اُنکو
بھی سرفراز کریگا۔ ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ مذکورہ آیات میں قاعدین
سے وہ لوگ مراد ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک نہوئے تھے اور مجاہدین
شرکاء بدر مراد ہیں۔ ابن عباس رضؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ
حضرت عبداللہ بن حجش اور حضرت ابن ام مکتوم دونوں کے حق میں نازل
ہوا کیونکہ ان دونوں صاحبوں نے حضور اقدس سے عرض کیا تھا کہ ہم
معذور ہیں نابینا ہیں اگر آنکھیں ہوتیں تو جہاد میں ضرور شرکت
کرتے اور کافروں سے لڑتے۔

مقصود بیان: ۔جہاد کی فرضیت اور فضیلت کی صراحت اور اعلاء
کلمۃ اللہ کے لیئے جان ومال سے کوشش کرنے کی ترغیب۔ اہل عذر
سے فرضیت جہاد کا سقوط۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ ثواب الٰہی کا
مدار خلوص نیت پر ہے عمل اور ترک عمل پر نہیں ہاں عمل سے فضیلت
حاصل ہو جاتی ہے۔ آیت میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ جہاد کرنے
والوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور بہت بڑے مراتب انکو
حاصل ہونگے اور دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔ وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْ
فرشتے جن لوگوں کی جان ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ خود

اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا
اپنے اوپر ظلم کرنے ہوتے ہیں اور فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں

مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ
کہ ہم ملک میں مغلوب تھے فرشتے کہتے ہیں کیا

تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا
اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم کسی طرف کو ہجرت

فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ
کرجاتے انہی لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری

مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ
جگہ ہے ہاں جو مرد

الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
عورتیں اور بچے واقعی مغلوب ہیں نہ تو کوئی تدبیر

حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ
کر سکتے ہیں اور نہ راستہ جانتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
امید ہے کہ اللہ ان کو معاف کردے اور اللہ

عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ
معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے جو شخص اللہ کی راہ میں ترک وطن

اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ
کریگا اسکو زمین میں وافر جگہ اور کشایش ملے گی

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ
اور اگر کوئی اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرنے کیلئے

وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ
نکلا پھر کہیں اسکو موت آگئی تو اس کا

وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو چکا اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ع ۱۳
غفور رحیم ہے

تفسیر اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم
نے جب کفار کے ظلم وستم سے تنگ آکر مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تاکہ
آزادی سے خدائے واحد کی پرستش کی جاسکے تو بعض مسلمانوں نے
ہجرت نہ کی ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں کے تین گروہ تھے ایک تو
وہ جن کا مال متاع اور جائداد وغیرہ مکہ میں تھی اسکو چھوڑ کر نہ جاسکتے
تھے۔ دوسرا وہ گروہ جو راستہ کے مصائب سے خوف زدہ تھے اور اُن کو
یہ خطرہ تھا کہ کہیں دشمن راستہ میں حملہ کرکے مار نہ ڈالیں تیسرا گروہ معذور

لوگوں کا تھا کچھ غلام تھے جو کفار کی قید میں تھے کچھ اور کمزور بچے اور عورتیں تھیں جو عدم استطاعت یا کفار کی بندش کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکتی تھیں اول الذکر دونوں گروہوں نے صرف طمع یا خوف کی وجہ سے باوجود طاقت و استطاعت کے ہجرت نہ کی تھی اور مکہ میں رہ پڑے تھے حالانکہ فرائض دینی مکہ کے اندر بخوف کفار اچھی طرح ادا نہ کر سکتے تھے۔ جب غزوہ بدر کا واقعہ ہوا تو کفار نے جمعیت بڑھانے کی غرض سے انکو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ چونکہ ان کا ایمان مخفی تھا یا کفار کا خوف تھا اس لیئے بادل ناخواستہ ان کو بھی جانا پڑا۔ انہی میں حضرت عباس بھی تھے نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ تو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور کچھ اہل اسلام کے ہتھیاروں سے مارے گئے۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو اُن کو رنج ہوا کہ ہم نے کیوں مسلمانوں کو مارا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی (رواہ البخاری عن ابن عباس) ضحاک نے بھی یہی شان نزول بیان کی ہے سمرہ بن جندب نے روایت کی ہے حضور والا نے فرمایا جو شخص کسی مشرک کے ساتھ مجتمع ہوا اور اُسکے ساتھ رہا وہ بھی اُسی کی طرح ہے (رواہ ابوداؤد) سدی نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عباس اور عقیل و نوفل جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے اور حضور نے عباس رض سے فرمایا کہ تم اپنا اور اپنے بھتیجے کا فدیہ ادا کرو تو عباس نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم نے آپ کے قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی ہے اور کیا آپ کی طرح شہادت کا کلمہ نہیں پڑھا۔ حضور نے فرمایا تم جھگڑے میں بگڑے گئے ہو پھر حضور نے آیت اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً تلاوت فرمائی (رواہ ابن ابی حاتم) حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

جن لوگوں نے ناحق کوشی کی اور اپنی جانوں پر ظلم کیا اور باوجود استطاعت کے ہجرت نہ کی اور فرائض دینی ادا کرنے پر قادر نہ ہونے کے باوجود دار الکفر میں پڑے رہے اور اسی حالت میں فرشتوں نے اُن کی جان نکالی اور پھر اُن سے دریافت کیا کہ تم کس حالت میں تھے کیوں تم نے فریضۂ دینی کو ادا نہ کیا اور کیوں ہجرت نہ کی۔ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ تو اُنھوں نے فرشتوں کو جواب دیا کہ ہم دار الکفر یعنی مکہ میں کمزور حالت میں تھے اسلیئے ہجرت نہ کر سکے اور فرائض کو بھی ادا نہ کر سکے۔ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِيۡهَا۔ فرشتوں نے اُن سے کہا کیا ملک خدا تنگ تھا کیا خدا کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم دار الکفر یعنی مکہ سے ہجرت کر کے وہاں چلے جاتے اور کھلم کھلا فرائض ادا کر سکتے اور اپنے اسلام و ایمان کا اظہار کر سکتے فَاُولٰٓئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ‌ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۙ‏ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بُرا مرجع و مقام ہے۔ ہاں اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ

جو مرد و عورتیں بچے اور غلام واقعی کمزور اور مجبور تھے جسمانی کمزوری تھی یا بیمار تھے یا کافروں کے پنجہ میں گرفتار تھے۔ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ حِيۡلَةً وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ سَبِيۡلًا ۙ‏ نہ دار الکفر سے بھاگ جانے کی کوئی سبیل اُن کو معلوم۔ خلاصہ یہ کہ جو لوگ بالکل مجبور تھے اور انتہائی مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تو اگرچہ اُنہوں نے بھی ایک فریضہ کو ترک کیا اور ہجرت نہ کی لیکن اُن کی معذوری کی وجہ سے فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّعۡفُوَ عَنۡهُمۡ‌ؕ امید ہے کہ خدا تعالیٰ اُن سے درگذر فرمائیگا اور اُن کو معاف کر دیگا کیونکہ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا۔ خدا تعالیٰ معاف کرنے والا اور گناہوں کو چھپانے والا ہے اُسکی رحمت و مغفرت سے بعید نہیں کہ معاف فرما دے۔ یہ بیان تو اُن لوگوں کا ہو گیا جو واقع میں مجبور اور معذور تھے باقی جو لوگ معذور نہ تھے اور اُنھوں نے ہجرت نہ کی جسکی دو وجوہ تھیں مالی طمع جائداد اور اسباب رہائش کے تحفظ کا خیال دوسرے راستہ کا خوف اور منزل مقصود تک پہونچنے سے قبل ہی اثنائے راہ میں ہلاکت کا اندیشہ۔ اول الذکر خیال کا ازالہ ترغیب آمیز عبارت میں ذیل میں کیا جاتا ہے۔ وَمَنۡ يُّهَاجِرۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يَجِدۡ فِى الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا وَّسَعَةً‌ یعنی دنیوی مال و متاع کا لالچ کرنا بے سود ہے۔ کیونکہ جو شخص بخلوص نیت مرضی مولیٰ کے حصول کے لیئے ترک وطن کرتا ہے اُسکو بہت سی نقل گاہیں اور وسعت معاش اور رزق فراخ حاصل ہو جاتا ہے ملک خدا تنگ نہیں ہے اور خدا تعالیٰ دینے سے عاجز نہیں ہے۔ مال کے تحفظ کو بہانہ قرار دینا بیجا ہے جو خدا پر بھروسہ کر کے اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے ترک وطن کرتا ہے خدا اُسکو زمین بھی دیتا ہے جائداد بھی معاش میں بھی وسعت عطا کرتا ہے۔ دوسرے قسم کے خیال کے ازالہ کے لیئے ارشاد ہوتا ہے وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا۔ جب ترک ہجرت پر وعید و تہدید والی آیت حضرت جندع بن ضمرہ نے سُنی تو اپنے بال بچوں کو بلا کر کہا کہ میں اگرچہ ضعیف اور مریض ناتوان ہوں تاہم راستہ سے واقف اور رحیلہ سے آگاہ ہوں اسلیئے ان مشرکین کی زمین میں رہنا شام تک بھی رہنا پسند نہیں کرتا۔ مبادا مجھ کو موت آجائے اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤں مجھکو ابھی پلنگ پر لٹا کر کندھوں پر رکھکر مدینہ لے چلو۔ بیٹوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور بیمار باپ کو کندھوں پر سوار کر کے مدینہ لے چلے جب مقام تنعیم میں پہونچے تو حضرت جندع

کا انتقال ہوگیا۔ حضور والا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اور آیت مذکورہ نازل ہوئی (رواہ محمد بن اسحاق) واحدی نے بجائے جندع کے جندب بیان کیا ہے۔ ابن کثیر نے بروایت ابن عباس ضمرہ بن جندب لکھا ہے بعض مفسرین نے اس آیت کا نزول ابن العیس خزاعی کے حق میں بیان کیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔ جو شخص خوشنودیٔ خدا اور رضاءِ مولیٰ کے حصول کے لئے ترک وطن کرتا ہے اور فرمانِ رسول کی تعمیل میں گھر بار چھوڑتا ہے اور پھر منزل مقصود تک پہونچنے سے قبل راستہ میں ہی مرجاتا ہے تو اسکی نیت اور عمل کا ثواب خدا کے ذمہ ہوجاتا ہے، منزل پر پہونچنے کو حصول ثواب میں دخل نہیں کیونکہ خدا غفور رحیم ہے خلوص نیت کو دیکھتا ہے اور کوشش پر ثواب دیتا ہے تکمیل عمل لازم نہیں لیکن یہ سب ثواب اسکی رحمت اور فضل سے ملتا ہے ورنہ اس پر کسی کا کوئی واجبی حق نہیں ہے۔

آیت کی شان نزول اگرچہ خاص ہے مگر باتفاق علماء حکم عام ہے۔ جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کو یا تحصیل علم دین کے لئے یا کسی اور دینی کام کے لیے بخلوص نیت جائیگا اور سفر میں مرجائیگا اسکو اس کے فعل کا ثواب ملے گا۔

مقصود بیان:۔ ہجرت نہ کرنے والوں کو جو شرعی طور پر معذور نہ تھے۔ اس امر کی طرف ترغیب کہ رضاءِ مولا کے حصول کی نیت سب سے بڑی چیز ہے دنیوی مال و منال تو خدا ہر جگہ اپنے بندوں کو دیدیتا ہے۔ آیت میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ جو شخص کافروں کے ملک میں ہو یا ایسے مقام پر ہو جہاں کھلے خزانہ لوگ گناہ کرتے ہوں یا ایسی جگہ ہو جہاں فرائض دینی ادا نہ کرسکتا ہو یا فرائض دینی ادا کرنے میں اخفاء سے کام لینا پڑتا ہو تو وہاں سے ہجرت کرجانا واجب ہے بشرطیکہ ہجرت کی قدرت ہو۔ آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ خدا نیت کو اور کوشش کو دیکھتا ہے تکمیل عمل کو نہیں دیکھتا جو شخص خالص نیت سے عمل خیر کی کوشش کرلی شروع کرتا ہے خواہ اس عمل کو تکمیل کو پہونچا سکے یا نہ پہونچا سکے ثواب کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اخیر فقرہ سے اس بات کی بھی صراحت ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ پر کسی کا کوئی لازمی حق نہیں نہ خدا پر کوئی چیز واجب ہے بلکہ اُس نے وعدہ فرمایا ہے وہ کریم و رحیم ہے وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔ صرف بندوں کے اطمینان کے لیئے اپنے وعدہ کو وجوب سے تعبیر کیا ورنہ واقع میں خدا پر کسی کو ثواب دینا واجب نہیں

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

اور جب تم ملک میں سفر کرو تو نماز میں قصر کردینے میں

جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ

کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم کو

خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ط

خوف ہو کہ کافر تم کو ستائینگے

إِنَّ الْكٰفِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا

واقعی کافر تمہارے کھلے

مُّبِينًا ○

دشمن ہیں

تفسیر چونکہ جہاد میں عموماً سفر کیا جاتا تھا اور بغیر سفر کے جہاد نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا اس آیت میں عام سفر کے بعض وجوبی احکام بیان فرمائے گئے۔ آیت کے شان نزول میں بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ قبیلۂ بنی نجار کے چند آدمیوں نے عرض کیا یا رسول اللہ تجارت وغیرہ کے لیئے سفر کرنے کا اتفاق ہم کو اکثر ہوتا ہے ہم ایسی حالت میں نماز کس طرح ادا کریں اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ چونکہ قصر کے متعلق علماء اسلام میں بہت زیادہ اختلافات ہے کوئی وجوب قصر کا قائل ہے کوئی جواز کا۔ کوئی مقدار نماز میں قصر بتاتا ہے کہ چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھنی چاہئیں کوئی کیفیت نماز کے قصر کا قائل ہے کہ دوران سفر میں چھوٹی چھوٹی سورتیں نماز میں پڑھی جائیں اسلیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں کچھ مختصر مباحث قصر کے بیان کردیے جائیں۔

قصر نماز کی بحث جمہور صحابہ تابعین اور ائمۂ اسلام کا قول ہے کہ سفر میں فرض نماز کی رکعتوں کی تعداد میں کمی کردی جائے۔ ظہر و عشاء و عصر میں چار کی بجائے دو پڑھی جائیں اور مغرب و فجر کی نماز بدستور پوری پڑھی جائے مگر جابر بن عبداللہ اور ایک گروہ علماء کے نزدیک دو رکعتی نماز میں بھی تخفیف کیا جانا ضروری ہے۔ فجر کی نماز دو رکعت کی بجائے ایک رکعت پڑھی جائے۔

عبداللہ بن عباس اور طاؤس وغیرہ قصر سے قصر کیفیت مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک رکعتوں کی تعداد میں قصر نہیں ہے بلکہ قصر سے مراد یہ ہے کہ لڑائی کے وقت اشارہ سے نماز پڑھ لینا چاہیئے۔ رکوع سجود کی بجائے اشارہ سے کام لیا جائے۔

قرأت میں تخفیف کردی جائے۔ ان بزرگوں کے نزدیک جہاد میں نماز کے اندر ہتیار چلانا اور خون آلودہ ہونے کی حالت میں نماز پڑھنی درست ہے۔

عام صحابہ اور کل ائمہ اجتہاد کے اقوال پر نماز کا قصر ہر سفر میں ہونا چاہیئے خواہ جہاد کا سفر ہو دشمن کا خوف ہو یا کچھ بھی نہ ہو۔

رہی آیت مذکورہ میں اِنْ خِفْتُمْ کی قید تو وہ واقعی قید ہے احترازی قید نہیں یعنی چونکہ اس زمانہ میں صحابہ کو عموماً جہاد کیلیئے ہی سفر کرنا پڑتا تھا اور تجارتی سفر بہت کم ہوتے تھے اس لیئے کہہ دیا گیا کہ اگر سفر میں تم کو دشمنوں کی ایذا رسانی کا خوف ہو تو قصر کرلیا کرو کیونکہ درحقیقت آیت کی تفسیر وہی صحیح ہو سکتی ہے جو سنت رسول اللہ اور سنت صحابہ سے ثابت ہے اور حضور والا نیز عموماً صحابہ ہر قسم کے سفر میں قصر کیا کرتے تھے یہی قول تمام جمہور سلف و خلف کا ہے البتہ داؤد ظاہری قاضی شوکانی اور بعض دیگر علماء کا قول ہے کہ اگر سفر میں خوف نہ ہو تو قصر جائز نہیں لیکن یہ قول عام صحابہ تابعین اور ائمہ کے خلاف ہے۔

اب رہی یہ بات کہ مسافت سفر کتنی ہونی چاہیئے تو اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ شوکانی اور داؤد ظاہری قاضی شوکانی اور داؤد ظاہری کے نزدیک مقدار مسافت کی تعیین نہیں۔ عرف میں جسکو سفر کہا جاتا ہے وہی سفر ہے اور اسی میں قصر جائز ہے خواہ سفر ایک میل کا ہو یا دو میل کا۔ لیکن عام علماء اسلام اور فقہاء سنت نے ہر سفر کو موجب قصر قرار نہیں دیا بلکہ مقدار مسافت کی تعیین کردی ہے۔ شعبی نخعی سعید بن جبیر اور ابو حنیفہ کے نزدیک کم از کم مسافت کا طول تین روز کی متوسط پیادہ روی ہونی ضروری ہے۔ امام مالک اور شافعی کے نزدیک سفر کی قلیل ترین مقدار چار برید ہے یعنی ۴۸ میل اور ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہونا چاہیئے۔

اب قصر صلوٰۃ کی سفر میں صرف اجازت ہے یا وجوب ہے اس کے متعلق بھی دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف جواز قصر ہے جسکا دل چاہے پوری نماز پڑھے جسکا دل چاہے قصر سے پڑھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قصر واجب ہے۔ ہم نے یہاں صرف مختلف مباحث ذکر کیئے ہیں دلیل اور ثبوت سے کوئی تعرض نہیں کیا کیونکہ اس کتاب میں ہمارا مقصد صرف تفسیر ہے۔ علماء کے فقہی اختلافات مقصود نہیں ہیں۔

ارشاد ہے کہ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا

مسلمانو! جب تم سفر میں ہو اور دشمن کی ایذا رسانی کا تم کو خوف ہو تو قصر نماز کی تم کو اجازت ہے پوری نماز پڑھنے میں کوئی ہرج نہیں ہے اور یہ اجازت اس وجہ سے ہے کہ کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں یعنی ممکن ہے تم کو دوران نماز میں ایذا پہونچائیں اسلیئے نماز کو کوتاہ کرنا جائز ہے۔

مقصود بیان: فضل الٰہی کا مظاہرہ۔ احکام الٰہی کی سہولت کا ثبوت۔ تخفیف نماز کی بحالت سفر اجازت بلکہ وجوب۔ وغیرہ۔

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ

(اے محمد) جب تم مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو اور نماز پڑھاؤ

فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا

تو اُن میں کی ایک جماعت اپنے ہتیار لیئے ہوئے تمہارے ساتھ نماز کو

أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا

کھڑی ہو اور جب یہ سجدہ کر چکے تو سب کے پیچھے

مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ

ہٹ جائے اور وہ دوسری جماعت آجائے

لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا

جس نے نماز نہ پڑھی ہو وہ آکر تمہارے ساتھ نماز پڑھے مگر اپنے

حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ

بچاؤ کا سامان اور ہتیار لیئے رہے کیونکہ کافر چاہتے

كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَ

ہیں کہ اگر تم اپنے ہتیاروں اور سامان سے غافل ہو تو

أَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً

تم پر یک دم ٹوٹ پڑیں

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى

لیکن اگر بارش کی وجہ سے تم کو تکلیف ہو

مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا

یا تم بیمار ہو تو ہتیار اتار رکھنے میں کوئی ہرج نہیں

اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

مگر اپنے بچاؤ کا سامان لیے رہو بلا شبہ اللہ نے ہے

اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ فَاِذَا

کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب

قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا

نماز پوری کر چکو تو کھڑے بیٹھے لیٹے

وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ

اللہ کی یاد کرتے رہو اور جب خاطر جمع ہو جائے

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ

تو باقاعدہ نماز پڑھو کیونکہ نماز

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝

مسلمانوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے

تفسیر وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ۔ یہ صلوٰۃ خوف کا بیان ہے اور دوران جنگ میں نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ ان آیات کا نزول تصرف الی آیات سے ایک سال بعد کو ہوا۔ حضور والا ایک جہاد میں تھے اور ظہر کی نماز پڑھا چکے تھے مشرکین کی فوج کے سردار اس وقت خالد بن ولید تھے اور کہہ رہے تھے کہ افسوس آج کیسا زرین موقع ہاتھ سے جاتا رہا اگر نماز کی حالت میں ہم حملہ کر دیتے تو مسلمانوں کو نیست نابود کر دیتے دوسرے لوگ جواب دے رہے تھے کیا ہرج ہے۔ اب دوسری نماز کا وقت بھی قریب ہے اس وقت دیکھا جائیگا۔ یہ لوگ اسی مشورہ میں تھے کہ صلوٰۃ خوف کا حکم عصر سے پہلے پہلے نازل ہو گیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے نبی جب آپ مسلمانوں کے لشکر میں کفار کے مقابلہ پر ہوں اور خوف کی حالت ہو فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ تو یہ ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کے دو گروہ بن جائیں ایک گروہ نماز میں آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور ایک دشمن کے مقابلہ پر ہو جس طرح کہ غزوۂ ذات الرقاع اور غزوۂ ذات النخل میں مسلمانوں کی فوج کے دو گروہ بنا دیے گئے تھے اور حسب الحکم ایک دشمن کے سامنے مقابلہ پر رہا اور دوسرا حضور والا کے ساتھ نماز میں مشغول رہا۔ وَلْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ یعنی جو گروہ نماز میں شریک ہو وہ اپنے ہتیار نہ کھولے بلکہ ہتیار لگائے ہوئے نماز پڑھے ممکن ہے کہ صورت حال دگرگون ہو جائے۔ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ اس فقرہ کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ جب یہ گروہ ایک رکعت پڑھ چکے تو پیچھے چلا جائے اور دشمن کے مقابل کھڑا ہو جائے۔ دوسرا مطلب یہ کہ جب یہ گروہ نماز پڑھ چکے تو پیچھے چلا جائے وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ جس گروہ نے نماز نہیں پڑھی ہے یا جن کو پہلی رکعت میں شریک ہونا نہیں ملا ہے وہ پہلے گروہ کے جانے کے بعد آکر آپ کے ساتھ نماز پڑھیں لیکن سب پر لازم ہے کہ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ اپنی بچاؤ کی چیزیں مثلاً زرہ خود بکتر وغیرہ ساتھ رکھیں جسم سے علیحدہ نہ کریں کیونکہ

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً کافر دل سے خواہشمند ہیں کہ اگر تم نماز میں ہو اور غافل ہو ہتیار اور سامان جنگ علیحدہ رکھدو اور یاد خدا میں منہمک ہو جاؤ تو تم پر یکدم ٹوٹ پڑیں اور غافل پا کر تم کو قتل و قید کر لیں۔ اسلیئے لازم ہے کہ ہتیار اور تمام سامان جنگ جسم سے علیحدہ نہ کرو اور نماز میں بھی ہوشیار رہو۔ ہاں وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ اگر بارش کی وجہ سے تم کو کچھ اذیت ہوتی ہو یا بیمار ہو تو ایسی صورت میں ہتیار کھول کر پاس رکھ لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے لیکن وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ دشمن سے بچاؤ رکھنا اور ہوشیار رہنا اور احتیاط رکھنی بہر صورت لازم ہے اس سے غافل نہ رہو خود زرہ بکتر وغیرہ پہنے رہو (بخاری وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن بن عوف کے حق میں نازل ہوئی جو مجروح تھے) اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ احتیاط و ہوشیاری کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دشمن سے خوفزدہ ہو جاؤ اور اس سے کمزور پڑ جاؤ کیونکہ بحکم الٰہی فتح تمہاری ہو گی خدا تعالیٰ نے کافروں کے لیے اہانت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے لہٰذا تم کو خدا پر توکل رکھنا اور اس سے نصرت کی امید رکھنا چاہیے

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ اُسکی یاد ہر حالت میں رکھو کھڑے بیٹھے لیٹے اُسی کو یاد کرو۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جب جنگ سخت ہو وقت میں گنجائش نہ ہو دشمن کا خوف زائد ہو اور نماز خوف کا بھی امکان نہ ہو تو پھر جس حالت میں ممکن ہو کھڑے بیٹھے لیٹے خدا کو یاد کرو اسکی یاد سے تغافل نہ رہو۔ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اس آیت کا مطلب بھی دو طریقے سے بیان کیا گیا ہے ایک تو یہ کہ جب امن ہو جائے خوف جاتا رہے تو اُس نماز کو جو جنگ میں فوت ہو گئی ہے دوبارہ ادا کرو۔ طریقۂ مذکورہ صرف خوف کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ امن کی حالت میں تمام فرائض وا جبات کے ساتھ نماز ادا کرنی ضروری ہے کیونکہ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا مسلمانوں پر نماز فرض موقوت ہے اسکو ناغہ کرنا جائز نہیں۔ (یہ معنی امام رازی نے بیان کیئے ہیں) یا یہ مطلب کہ نماز کا وقت معین ہے ہر نماز محدود الوقت ہے لہٰذا وقت پر نماز ادا کیا کرو تفسیر مدارک میں یہی مطلب مذکور ہے۔ رہا دو نمازوں کا جمع کر کے پڑھنا تو یہ عارضی بات ہے۔ اور وقتی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے جائز کر دیا گیا ہے۔

صلوٰۃ خوف

کے متعلق علماء میں کچھ اختلافات ہیں جن کو ہم ذیل میں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:- امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد وغیرہ کے نزدیک نماز خوف صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی کسی اور کے واسطے جائز نہیں لیکن جمہور سلف و خلف اور تمام صحابہ و تابعین کے نزدیک حکم عام ہے۔ مسلمانوں کا ہر لشکر خوف کے وقت مذکورہ طریقہ پر نماز ادا کر سکتا ہے۔

نماز خوف ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام پورے لشکر کے دو حصے کر دے ایک حصہ دشمن کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو جائے اور دوسرے کو امام نماز پڑھائے۔ جب اس گروہ کو ایک رکعت پڑھا چکے تو اس سے آگے کیا کرنا چاہیئے۔ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

مجاہد اور جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اول گروہ صرف ایک رکعت ہی امام کے ساتھ پڑھ کر بیٹھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کے سامنے چلا جائے اور امام اتنی دیر کھڑا رہے پھر دوسرا گروہ جو دشمن کے مقابلہ میں ہو آکر صرف ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔ اس صورت میں امام کی دو رکعتیں اور دونوں گروہ کی صرف ایک ایک رکعت ہوگی۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ امام دو مرتبہ نماز پڑھے پہلے گروہ کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے اور یہ گروہ سلام پھیر کر دشمن کے سامنے چلا جائے اور دوسرا گروہ آجائے اُسکو بھی امام دو رکعت پڑھا دے اس صورت میں امام کی چار رکعتیں اور مقتدیوں کی دو دو رکعتیں ہونگی۔

سہل بن حثمہ اور امام شافعی کا قول ہے کہ امام ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھاوے جب سجدہ کر چکے تو سیدھا کھڑا ہو جائے اور خاموش رہے اور یہ جماعت بغیر امام کے اپنی دوسری رکعت پوری کر کے سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی جائے اور دوسری جماعت آکر نیت باندھ لے اور آخیری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔ جب امام تشہد پڑھ لے تو خاموش بیٹھا رہے سلام نہ پھیرے۔ مقتدی کھڑے ہو کر فوت شدہ رکعت پوری کریں اور جب تشہد میں بیٹھیں تو امام سلام پھیرے اور یہ بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دیں۔ اس صورت میں سب کی دو دو رکعتیں ہونگی۔

عبداللہ بن مسعودؓ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ ایک گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور سلام نہ پھیرے اور جو فریق مقابلہ پر تھا وہ آکر آخیر رکعت میں شریک ہو جائے اور ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے پھر پہلا گروہ آکر فوت شدہ رکعت کو تمام کر کے دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور دوسرا گروہ آکر اپنی بقیہ رکعت تمام کرے۔

آیات مذکورہ سے چاروں صورتوں کا استخراج ہو سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سہولت اہل جہاد کے لیئے مختلف طور پر جہاد کے وقت نماز ادا کی ہے۔

مقصود بیان:- نماز خوف کا بیان۔ دشمنوں سے با احتیاط رہنے کی ہدایت۔ نماز کی اہمیت۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ مقصود اصلی ذکر خدا ہے اور شرع نے اس کا ایک مخصوص طریقہ بصورت نماز مشروع کر دیا ہے۔ انتہائی ضرورت کے وقت یہ طریقہ معاف ہو سکتا ہے مگر مقصود اصلی یعنی یاد الٰہی کا حکم معاف نہیں ہو سکتا۔ آیت مذکورہ میں ایک بلاغت آمیز رمز اس طرف بھی ہے کہ باوجود سامان جنگ موجود ہونے کے اور باوجود مادی قوت کے بھروسہ صرف ذات الٰہی پر رکھنا چاہیئے۔ ہاں چونکہ یہ عالم اسباب ہے اسلیے ضروری اسباب آلات اور تدابیر سے بھی قطع نظر نہ کی جائے۔

آیت مذکورہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ہر نماز کا ایک خاص وقت مقرر ہے

وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا

اور لوگوں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو۔ اگر تم کو

تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ

دکھ پہونچتا ہے تو تمہاری طرح اُن کو بھی دکھ پہونچتا ہے

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۚ وَ

اور تم کو اللہ سے وہ امیدیں بھی ہیں جو اُن کو نہیں ہیں اور

كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ع

١٢

اللہ دانا صاحب تدبیر ہے

تفسیر جنگ احد سے واپس تشریف لانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے لشکر کی خبر گیری کے لیے کچھ مسلمانوں کو ہدایت کی اور حکم دیا کہ تم جا کر کفار کی خبر لاؤ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اُن کی طرف سے مطمئن ہو کر ہتیار کھول ڈالیں اور وہ دہوکہ کر کے لوٹ پڑیں اور مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم بہت زخمی اور مجروح ہو گئے ہیں۔ غرض حکم نبوی کی تعمیل میں بعض لوگوں نے سستی کی تو یہ مکمل آیت نازل ہوئی ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ کفار مکہ کی تلاش میں سستی نہ کرو اور بزدلی ظاہر نہ کرو کیونکہ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ جسطرح کفار کی ضرب سے تم کو دکھ اور تکلیف ہے اسی طرح تمہاری ضرب سے اُن کو تکلیف اور درد ہے احساس تکلیف میں تم دونوں برابر ہو وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ پھر تم میں ایک بات زائد بھی ہے جو تمہارے دلوں میں جرأت وہمت پیدا کرنیوالی ہے تم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ثواب اور فتح کی امید ہے اور اُن کو خدا سے کوئی امید نہیں پھر کیا وجہ کہ وہ باوجود احساس تکلیف اور ناامیدی ثواب کے بزدل نہیں ہیں اور تم باوجود یقین ثواب کے محض احساس تکلیف سے بزدل بنتے ہو اور اُن کا تعاقب نہیں کرتے لہذا تم کو بزدل نہ بننا چاہیئے اگر بزدل بنوگے تو وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا خدا تعالیٰ سے تمہارا راز مخفی نہیں رہ سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے ظاہر و باطن چھوٹی اور بڑی ہر چیز اُسکو معلوم ہے اور اُسکا ہر فعل حکمت سے لبریز ہے تم کو کفار کے تعاقب کا حکم دینا بھی بڑاز مصلحت ہے۔

مقصود بیان:۔ استدلال آمیز طرز میں مسلمانوں کو تعاقب کفار کی ترغیب۔ اس امر کی صراحت کہ کفار کے پیش نظر صرف تعصب عناد اور دنیوی مصالح ہیں۔ خدا تعالیٰ سے اُن کو ثواب کی کوئی امید نہیں اور مسلمانوں کو جہاد سے ثواب کی امید اور یقین رکھنا چاہیئے گویا جنگ سے مسلمان کے پیش نظر صرف رضاء مولا کی طلب ہونی چاہئے وغیرہ

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ

(اے محمد) ہم نے تم پر برحق کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا نے تم کو

بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ

جو سوجھا دیا ہے اُسکے موافق لوگوں کے فیصلے کرو اور

لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ

دغابازوں کے طرفدار نہ بنو اور اللہ سے استغفار کرتے رہو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ

اللہ غفور رحیم ہے اور اُن لوگوں کی

عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

طرف سے نہ جھگڑو جو خود اپنے آپ کو ہی دغا دے رہے ہیں بیشک

لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝

دغاباز گناہگار کو پسند نہیں کرتا

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ

وہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں مگر اللہ سے نہیں

مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا

چھپ سکتے کیونکہ اللہ اُس وقت بھی اُن کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو

لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا

ایسی باتوں کا مشورہ کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں جو کچھ وہ کر رہے ہیں

يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ

سب اللہ کے قابو میں ہے سنو دنیوی زندگی میں تو ان لوگوں

عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ

کی طرف سے تم جھگڑ لوگے لیکن قیامت کے دن

اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ
اللہ سے ان کی طرف سے کون جھگڑیگا یا کون ان کا

عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝
وکیل بنے گا

تفسیر اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔ معالم التنزیل میں بروایت ابن مردویہ عن طریق العوفی عن ابن عباس بیان کیا گیا ہے کہ ان آیات کا نزول طعمہ بن ابیرق کے حق میں ہوا ہے۔
قصہ یہ ہوا کہ طعمہ بظاہر مسلمان اور باطن میں منافق تھا۔ ایک روز طعمہ نے ایک زرہ یا کچھ آٹا چرا کر زید نامی یہودی کے پاس امانت رکھدیا جب مال مسروقہ کی جستجو کی گئی اور یہودی کے پاس سے برآمد ہوا تو یہودی نے صاف کہدیا کہ طعمہ نے میرے پاس امانت رکھی تھی مگر طعمہ چوری سے صاف انکار کر گیا اور قسم کھا گیا اور یہودی پر چور ہونے کی تہمت لگائی اور طعمہ کی قوم والوں نے بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ طعمہ کی طرف سے یہودی سے جھگڑا کریں ورنہ طعمہ بدنام ہو کر تباہ ہو جائیگا حضور نے انکی درخواست پر ارادہ کیا کہ یہودی کا ہاتھ قطع کر دیا جائے اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور طعمہ کی طرفداری کرنے سے ممانعت فرمادی گئی۔ ابن کثیر نے اس شان نزول کو ضعیف قرار دیا ہے
امام ترمذی اور ابن جریر نے بروایت محمد بن اسحاق بیان کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے کہ خاندان بنوابیرق میں تین شخص تھے بشیر۔ مبشر۔ بشر۔ بشیر منافق تھا ماہ جمادی الثانی سنہ ھ میں اس نے حضرت قتادہ بن نعمان کے چچا رفاعہ بن زید کے گھر میں نقب لگا کر چوری کی اور دو زرہیں اور کچھ گیہوں کا آٹا چرا کر لے گیا اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ بشیر نے چوری کی ہے اسلیئے حضرت قتادہ نے خدمت مبارک میں حاضر ہو کر پورا قصہ عرض کر دیا۔ حضور نے بشیر کو بلا کر دریافت کیا تو وہ انکار کر گیا اور قسم کھا گیا اور لبید بن سہل پر چور ہونے کی تہمت لگائی لبید اپنی قوم میں نہایت شریف اور صاحب وجاہت شخص تھے اُن کی اس تہمت سے بڑی دلشکنی اور توہین تھی اسلیئے تلوار کھینچکر بشیر پر آپڑے اور کہنے لگے یا تو چوری ثابت کرو ورنہ اسی تلوار سے گردن اُڑادونگا۔ بشیر ڈر گیا اور کہنے لگا میں نے تمہارا نام نہیں لیا اور نہ تم چور ہو۔ لبید واپس چلے گئے۔ بشیر کی قوم یعنی بنوابیرق بھی آئے اور عرض کیا حضور قتادہ اور اس کا چچا رفاعہ ہماری قوم کے آدمی کو چوری لگاتا ہے اور بلا ثبوت و گواہ کے کسی مسلمان پر چوری لگانی ٹھیک نہیں اس سے مقصود یہ تھا کہ حضور والا اُن کی طرفداری کریں حضور والا نے طرفداری تو نہ کی البتہ جب قتادہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں پر بلا ثبوت کیوں تہمت لگاتے ہو۔ قتادہ نے اپنے چچا رفاعہ سے جا کر کہا کہ حضور ایسا فرما رہے تھے۔ رفاعہ خدا پر بھروسہ کر کے خاموش ہوگئے اُس وقت یہ آیات دو رکوع تک بشیر کی تکذیب اور لبید کی پاکدامنی کے متعلق نازل ہوئیں۔ جب بشیر کی چوری کھل گئی اور مال برآمد کر کے مالک کو دلوایا گیا تو وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا اور سلافہ بنت سعد کے پاس پناہ گیر ہوا اور حضور والا کی اور حضور کے صحابہؓ کی ہجو کرنی شروع کی اُس وقت مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ سے ضَلٰلًا بَعِيْدًا تک آیات کا نزول ہوا (خازن و مواہب الرحمن مع حذف البعض) بشیر کی ہجو کے جوابات حضرت حسان نے دیئے اور اُسکو خاموش کر دیا۔
حاصل ارشاد یہ ہے کہ ہم نے قرآن برحق آپ پر صرف اسلیئے اُتارا ہے کہ جو احکام خدا تعالیٰ نے تم کو قرآن میں بتائے ہیں اُن کے مطابق لوگوں کا فیصلہ کیا کرو اور جو علم یقینی اللہ نے تم کو عطا کیا ہے اُس کے موافق احکام دیا کرو۔ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا اور خیانت کاروں کی طرف سے جوابدہی اور جھگڑا نہ کرو یعنی چوروں کی طرفداری نہ کرو اور بنوابیرق کی طرف سے جوابدہی نہ کرو (تفسیر سراج و ترمذی و ابن جریر) وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اور تم نے جو طعمہ یا بشیر کیطرف سے جوابدہی کرنے اور اسکی حمایت کرنے کا ارادہ کیا اسکی معافی خدا سے چاہو کیونکہ (صرف ارادہ اگرچہ گناہ نہیں مگر اس قسم کا ارادہ بھی تمہارے مرتبے کے لائق نہیں) اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا بیشک خدا غفور رحیم ہے تمہارا کاس قصور کو معاف فرمادیگا وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اور جو لوگ خیانت کار ہیں گناہوں کی وجہ سے اپنے اخروی عیش کو برباد کر رہے ہیں اور خود اپنا نقصان کر رہے ہیں تم اُن کی حمایت نہ کرو اور اُن کی طرف سے جوابدہی نہ کیا کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا خدا تعالیٰ بدطینت خیانت کار اور چور گناہگار کو پسند نہیں فرماتا پھر تم بھی اُسکی حمایت نہ کرو (یہ حکم بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ہے اور حقیقت میں تمام امت اسلامیہ کو خطاب ہے کہ ناحق کوشی نہ کیا کریں اور خیانت کار بدشعار طبقہ کی حمایت نہ کریں) يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ یہ قبیلہ ابیرق والے لوگوں سے شرم کرنے کو چوری وغیرہ کو تو

چھپانا چاہتے ہیں مگر اس سے کیا ہو سکتا ہے وہ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ خدا سے کوئی چیز مخفی نہیں رکھ سکتے کیونکہ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ جب وہ ناپسند باتیں راتوں کو بیٹھکر گھڑتے ہیں تو خدا کے علم وسیع سے خارج نہیں ہو سکتے جہاں اُن کے مشورے ہوتے ہیں خدا بھی وہاں اُن کے ساتھ ہوتا ہے وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا خدا اُن کے اعمال سے بخوبی واقف ہے اُس کے دائرہ علمی سے اُن کا کوئی عمل خارج نہیں۔ ھٰاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اے قوم ابیرق سنو اور متنبہ ہو جاؤ کہ اب دنیا میں تو تم خیانت کار بد شعار چوروں کی حمایت کرتے ہو اور اُنکی طرف سے جوابدہی کرتے ہو اور دنیوی سزا سے اُن کو بچانا چاہتے ہو مگر فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قیامت کے دن جب خدا تعالیٰ اُن کو سزا دیگا تو کون اُن کی حمایت کریگا اور کون خدا سے جھگڑا کریگا اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا۔ بلکہ کون ان کی سرپرستی اور نمائندگی کریگا۔

مقصود بیان:۔ رسول پاک صلعم وحی الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے۔ رسول پاک کا ہر قول اور ہر حکم وحی تھا۔ اجتہاد ذاتی ہے۔ رسول پاک کا ہر علم مثل چشم دید کے یقینی تھا آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی شخص کو کسی شخص کے متعلق کی وکالت جائز نہیں تاوقتیکہ وکیل کو یقین نہ ہو جائے کہ یہ مؤکل سچا ہے۔ ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے اُسکی گرفت بھی سخت ہوتی ہے رسول پاک صلعم کا ارادہ اور قصد بھی قابل استغفار تھا اگرچہ اعمال کے اعتبار سے حضور پاکدامن اور معصوم تھے۔ آیات میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ لوگوں کو چاہیئے خدا کو ہر وقت حاضر ناظر جانیں اور یقین رکھیں کہ خدا سے کوئی پردہ نہیں لہٰذا شرم سے سر نیچا رکھیں۔ : غیرہ

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ

اگر کوئی شخص کوئی بری بات کر بیٹھے یا اپنے نفس پر ظلم کرے

ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا

پھر اللہ سے معافی کا خواستگار ہو تو وہ اللہ کو غفو

رَّحِیْمًا ○ وَمَنْ یَّکْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا

رحیم پائیگا اور جو شخص گناہ کماتا ہے وہ

یَکْسِبُہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ وَکَانَ اللّٰہُ

وہ اپنے حق میں کماتا ہے اللہ

عَلِیْمًا حَکِیْمًا ○ وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْٓئَۃً

دانا اور صاحب تدبیر ہے اور جو شخص کسی خطا یا گناہ کا

اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِہٖ بَرِیْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ

مرتکب ہونے کے بعد اُس کو کسی بیقصور کے سر تھوپ دیگا تو بلاشبہ

بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ○ ع

۱۴

اُس نے بہتان اور صریح گناہ اپنے سر لیا

تفسیر چونکہ طعمہ یا بشیر وغیرہ نے جا بیجا حرکات کی تھیں۔ چوری کی پھر بیگناہ پر چوری کا الزام لگایا اور اُس پر مزید یہ کہ ناحق کوشش کرنے لگے اور جھگڑے کے لیئے تیار ہو گئے اور انتہائی بے ایمانی بے ادبی اور بے شرمی یہ کی کہ رسول اللہ صلعم کو دھوکا دینا چاہا تھا اسلیئے خدا نے اُن کا پردہ فاش کر دیا ورنہ گناہگار کے واسطے ندامت پردہ پوشی اور مغفرت عام ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا جس شخص نے کوئی بدکاری کی جس سے دوسرے کو نقصان پہونچایا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ یا اُس نے صرف اپنی جان کا نقصان کیا اور دوسرے کو ضرر نہ پہونچایا۔ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ پھر خالص دل سے توبہ کر کے خدا سے گناہوں کی معافی چاہی یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا تو وہ خدا کو غفور رحیم پائیگا خدا اُس کے گناہ معاف فرما دیگا اور گناہ معاف کر کے اپنی رحمت سے سرفراز فرمائیگا۔ بعض مفسرین کے نزدیک سوء سے گناہ صغیرہ اور ظلم نفس سے گناہ کبیرہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنے حلم عفو کرم اور رحمت و مغفرت سے آگاہ فرمایا کہ جس نے کسی قسم کا کوئی گناہ کیا خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ بہرصورت توبہ کے بعد معاف کر دیا جاتا ہے اور پھر اُس پر مزید انعام یہ ہوتا ہے کہ اپنی رحمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ ابو درداء کی روایت ہے کہ آیت مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ اس آیت سے منسوخ ہے۔ وَمَنْ یَّکْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَکْسِبُہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ گذشتہ آیت میں توبہ کی ترغیب اور معافی کا وعدہ تھا

اس آیت میں گناہ پر وعید اور نافرمانی پر تہدید ہے۔ نتیجہ ارشاد یہ ہے کہ جو شخص گناہ کریگا وہ اپنے واسطے کریگا گناہ کا وبال اُسی پر پڑیگا خدا کا کوئی نقصان نہوگا وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اور خدا تعالیٰ اپنی خلق و صنعت کا علیم و حکیم ہے اُس کا کوئی فعل بغیر علم و ارادہ کے نہیں اور کوئی ایجاد و صنعت حکمت سے خالی نہیں یعنی ہر شئی کو اُس نے کمال علم اور کمال عمل کے ساتھ ایجاد فرمایا ہے۔ لہذا اُسکی ایجاد اور تاثیر میں سراسر خوبیاں ہیں اور بُرائی اُس بندہ کی طرف سے ہے جس نے بدی کو اختیار کیا۔

قرطبی فرماتے ہیں کسب اُس فعل کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے واسطے کوئی نفع یا ضرر حاصل کرے تو گویا کاسب خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ پیدائش خلق میں خدا کی کوئی غرض نہیں نہ اُس کا کوئی نفع ہے نہ نقصان۔ ہاں انسان کا اپنا فعل بغیر اپنے نفع یا نقصان کے نہیں ہوتا ہے اسلئے وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا جو شخص کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کریگا (ابن اثیر) خدا کا یا بندہ کا گناہ کریگا (بعض مفسرین) ابن جریر کا قول ہے کہ خطیئہ عام ہے اور اثم خاص یعنی خطیئہ اُس گناہ کو کہتے ہیں جو بلا ارادہ ہو یا بالقصد ہو اور اثم صرف اسی گناہ کو کہتے ہیں جو ارادہ سے ہو۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے خطیئہ گناہ غیر متعدی کو اور اثم گناہ متعدی کو کہتے ہیں۔ یہی معنی بہتر ہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خود گناہ کرکے ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا کسی بیگناہ کی طرف منسوب کریگا اُس کا دین اور دنیا برباد ہوجائیگا اور فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا بہتان اور صریح گناہ کا مرتکب ہوگا۔ بہتان کی پاداش میں اُسکو دنیا میں ندامت و رسوائی ہوگی اور گناہ کے عوض آخرت میں عذاب ہوگا۔ الغرض گناہ کرنے کے بعد اپنی برارت کے لیئے کسی بیگناہ پر اُس گناہ کے ارتکاب کی بہتان تراشی سے انسان خود بری نہیں ہوسکتا بلکہ دنیا میں رسوا اور آخرت میں تباہ حال ہوگا۔ گناہ سے برارت کی صورت صرف توبہ و استغفار ہے۔

مقصود بیان:۔ توبہ و استغفار سے ہر قسم کا گناہ معاف ہوسکتا ہے۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ متعدی ہو یا غیر متعدی خدا کا ہو یا بندہ کا۔ آیت میں ہر گناہگار کو توبہ کی ترغیب دی گئی ہے اور گناہ سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ دنیا میں کوئی شئی واقع میں خراب نہیں ہر چیز خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور خدا کا کوئی فعل دانائی اور حکمت سے خالی نہیں۔ ہاں انسان خود اپنے واسطے برائی کرتا ہے گویا ہر شئی کا خالق خدا ہے اور بدی کا کاسب بندہ۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ

اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ

تو اُن میں سے ایک گروہ تو تم کو بہکانے کا ارادہ کر ہی چکا تھا

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا

حالانکہ وہ اپنے ہی کو گمراہ کرتے ہیں تمہارا کچھ نہیں

يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ

بگاڑ سکتے اللہ نے تم پر

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ

کتاب اور علم کی باتیں نازل فرما دی ہیں اور جو باتیں تم کو

مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ

معلوم نہ تھیں وہ تم کو سکھا دی ہیں تم پر

اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○

اللہ کا بڑا فضل ہے

تفسیر

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ اے محمد! آپ پر خدا کی عنایت اور مہربانی ہے کہ اُس نے آپ کو گناہوں سے معصوم کردیا ہے اگر خدا کا فضل و رحمت آپ پر نہوتا لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ تو اُن میں سے ایک گروہ تو آپ کو بہکانے اور راہ حق سے پھیرنے کا پختہ ارادہ کرہی چکا تھا ابیرق والوں نے آکر بیگناہ کو قصوروار بنانے میں تو کوئی کمی نہیں کی تھی وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ مگر وہ آپ کو نہیں بہکا سکتے وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ نہ آپ کو کچھ نقصان پہونچا سکتے ہیں کیونکہ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ خدا نے آپ پر قرآن اور احکام حلت و حرمت نازل کیئے ہیں وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور جو احکام شرعی اور امور غیبی آپ نہ جانتے تھے اور جن ہدایت کے طریقوں سے آپ ناواقف تھے وہ

خدا نے آپ کو سکھا دیئے ہیں پھر وہ آپ کو کس طرح گمراہ کر سکتے ہیں حالانکہ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا خدا کا آپ پر بڑا فضل ہے اُس نے آپ کو طریق ہدایت بتایا احکام حلت و حرمت نازل فرمائے قرآن و حکمت عطا کی وحی بھیجی اور امور غیبی کا علم مرحمت کیا۔

مقصود بیان :۔ عہد نبوت میں بھی کچھ لوگ نبی کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔ نبی کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ خدا اپنے خاص بندوں پر فضل و مہربانی کرتا ہے اور ہر طرح سے اُن کی امداد کرتا ہے وغیرہ۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا

اُن کی بہت سی سرگوشیاں بے خیر ہیں ہاں

مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ

جو شخص خیرات دینے یا نیک کام کرنے یا

اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ

لوگوں میں ملاپ کرانے کا مشورہ دے (تو اسمیں بہتری ہے)

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ

جو شخص خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لیئے ایسا کریگا ہم

نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا

اُس کو بڑا ثواب دینگے

تفسیر یہ گذشتہ آیات کا تتمہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ یعنی یہ کہ لوگ جو آپس میں چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہیں اُن میں سے اکثر بھلائی سے خالی ہوتی ہیں نہ اُن میں مخلوق کا روحانی فائدہ ہوتا ہے نہ جسمانی نہ کسی کو نفع رسانی کا مشورہ نہ دفع ضرر کی ہدایت اس لیے لوگوں کی سرگوشیاں عام طور پر خیر پر مبنی نہیں ہوتیں ہاں جو سرگوشیاں نیکوکار بندوں کی ہیں اور مجالس شوریٰ میں خدا کے خاص بندے کار خیر کا مشورہ کرتے ہیں مثلاً دوسروں کی ہمدردی کرتے اور خیرات کرنے کی ہدایت کرتے ہیں یا لوگوں سے حسن سلوک اور نیکوکاری کرنے کا حکم دیتے ہیں یا دنیا میں شر و فساد کو مٹانا چاہتے ہیں اور فتنہ کو دور کر کے لوگوں میں اصلاح کرانی چاہتے ہیں ایسی سرگوشیاں اور مجلسیں ضرور بہتری اور خیر پر مبنی ہیں۔ لیکن ان تمام کارہائے خیر میں بھی نفسانیت اور خواہش مادی اور مطالب دنیوی کی آمیزش نہ ہونی چاہیئے بلکہ ہر نیک کام میں بھی خوشنودی الٰہی کو مدنظر رکھنا چاہیئے کیونکہ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ جو شخص جسمانی یا روحانی نیکیاں محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے ہم اُس کو کچھ مدت کے بعد اُسکے اعمال کی عظیم الشان جزا عطا کرینگے اور اُس کی نیکیوں کو ضائع نہیں کریں گے مگر خلوص نیت اور طلب رضاء مولا شرط ہے۔

مقصود بیان :۔ مجالس شر کے انعقاد کی ممانعت اور ایسے مجالس میں شرکت کرنے سے باز داشت۔ کار خیر کی سرانجام دہی کے لیئے مجالس شوریٰ منعقد کرنے کی اجازت بلکہ ضمنی امر اس امر کی صراحت کہ مسلمانوں کے پیش نظر تین مقاصد میں سے ایک مقصد ضرور ہونا چاہیئے یا تو لوگوں کی مالی ہمدردی کی جائے اور بقدر حاجت اُن کو خیرات اور صدقات دیکر امکانی امداد کیجائے اگر یہ ممکن نہو اور خیرات صدقات کی قابلیت نہو تو کم از کم حسن معاملہ اور نیک سلوک اور بہی خواہی اور میٹھی باتوں سے ہی لوگوں کی خاطرداری اور دلجوئی کی جائے اور کوشش کی جائے کہ خدا اور خدا کے بندوں کے حقوق تلف نہوں۔ یہ دو مقصد تو تحصیل خیر اور حصول نفع کے لحاظ سے ہیں۔ تیسرا مقصد یہ ہے کہ عالم سے فتنہ و فساد کی بیخ کنی کر دی جائے۔ اگر لوگوں میں نفاق اور پھوٹ ہو تو شرعی طور پر اُن میں اصلاح کرا دی جائے آیت مذکورہ کے اخیری فقرہ سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ دنیا میں ہر نیک عمل شہرت نام آوری یا طلب جاہ و عزت اور حصول دولت کے لیے نہ کیا جائے بلکہ نفسانی مقصد کو نظرانداز کرتے ہوئے مرضی مولا کی طلب لازم ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

اور جو شخص راہ ہدایت کھل چکنے کے بعد بھی رسول کی

تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہ

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ

پر چلیگا ہم اُسکو اُسی راہ پر چلائینگے جسپر وہ چلیگا اور جہنم میں داخل کردینگے

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۞ ع ۳

اور وہ بُری جگہ ہے

تفسیر ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ بشیر کی چوری جب کھل گئی اور مال مسروقہ برآمد ہوگیا تو وہ مرتد ہوکر مکہ کو بھاگ گیا اور وہاں سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے گھر ٹھیر گیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپکے صحابہ کی ہجو کرنی شروع کی جسکا جواب حضرت حسان نے دیا۔ اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ جب حضرت حسان کے وہ اشعار جن میں سلافہ کی ہجو تھی سلافہ کو پہونچے تو اُس نے بشیر کا سامان اپنے سر پر لاد کر مقام ابطح میں جا پھینکا اور کہنے لگی تجھ سے مجھے کبھی خیر نصیب نہ ہوگی (رواہ الترمذی والبوالشیخ والحاکم)

آیت کا شان نزول اگرچہ خاص ہے لیکن حکم عمومی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ جو شخص باوجود ظہور ہدایت اور نزول قرآن اور حقانیت اسلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریگا اور راہ اسلام چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کریگا اور جو گمراہی پسند کریگا تو نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ہم بھی اُسکو اُسی طرف پھیر دینگے جو اُس نے اختیار کیا ہے یعنی اُسی گمراہی میں ہم اُسکو چھوڑ دینگے جو اپنے واسطے اُس نے پسند کی اور بالآخر قیامت کے دن وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ہم اُسکو جہنم میں داخل کرینگے جو اُسکے اعمال کی پاداش ہوگی وَسَآءَتْ مَصِيْرًا اور وہ دوزخ بُرا ٹھکانا ہے۔ آیت مذکور کا مطلب بعض مفسرین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جو شخص رسول پاک کی مخالفت کرتا ہے باوجودیکہ معجزات کے ذریعہ سے اظہار حق ہوچکا ہے اور ہدایت ظاہر ہوجانے کے باوجود وہ باطل کی پیروی کرتا ہے اور اسلام چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے تو دنیا میں ہم اُسکی مرغوب چیز یعنی گمراہی اُسکو دیتے ہیں۔ لیکن آخرت میں جہنم میں ڈال دیں گے۔ (بیضاوی وغیرہ)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ

اللہ شرک کو معاف نہیں کریگا اس کے علاوہ

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ

جسکو چاہیگا معاف کردیگا جو شخص اللہ کا شریک قرار

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۞

دیتا ہے وہ راہ ہدایت سے دور بھٹک جاتا ہے

تفسیر ایک بوڑھے شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ میری ساری عمر گناہوں میں برباد ہوئی لیکن میں نے شرک کبھی نہیں کیا اب قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں خدا جانے میرا کیا حشر ہوگا معلوم نہیں مغفرت ہوتی ہے یا مواخذہ ہوگا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (رواہ الثعلبی) مطلب یہ ہے کہ خدا مشرک کو تو معاف نہیں فرمائیگا اور شرک کے علاوہ جسکو چاہیگا بخشدیگا کیونکہ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والا اور ذات وصفات الٰہی میں شرک کرنے والا انتہائی گمراہ ہے جو کسی طرح قابل مغفرت نہیں۔

آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ پہلے بھی آگئی ہے مگر وہاں آیت کا اختتام فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا پر تھا اور یہاں اخیری فقرہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ہے۔ بات یہ ہے کہ پہلی آیت اُن سرکش اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی تھی جو حضور والا کی نبوت کی صداقت اور آپ کی شریعت کی جامعیت اپنی کتابوں میں پڑھتے تھے اور جانتے تھے مگر اسکے باوجود محض عناد اور تعصب سے انکار کرتے تھے اور خداتعالیٰ پر جھوٹے بہتان باندھتے تھے۔ جو باوجود علم کے انکار حق کرنا افترا بندی اور بہتان تراشی ہے اسلئے وہاں آیت کو فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا پر ختم کیا گیا اور یہاں اُن مشرکوں کے حق میں آیت کا نزول ہوا جو بالکل جاہل تھے علم وکتاب سے کوئی حصہ اُن کو حاصل نہ تھا اس لیے ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا پر آیت کو ختم کیا گیا۔

مقصود بیان: از وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ تا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا) رسول پاک کی مخالفت اگرچہ ہر حالت میں جرم ہے مگر معجزات دیکھنے اور حقیقت حال کھلجانے کے بعد تو یہ بدترین گناہ ہے۔ اگر ظہور حق کے بعد انسان خود گمراہی اختیار کرتا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوجاتا ہے تو خداتعالیٰ بھی اُسکو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور ڈھیل دیتے

کے لیئے اس گمراہی کی خوبی وزینت اُس پر ظاہر کر دیتا ہے بہر صورت مشرک ناقابلِ مغفرت ہے۔ مشرک کے علاوہ ہر گناہگار خواہ قاتل ہو یا زانی یا اور کچھ لائق بخشش ہے اُسکی مغفرت ہو سکتی ہے مگر مشیت الٰہی پر موقوف ہے وہ چاہے تو بغیر سزا دیے معاف کر دے چاہے گناہ کی سزا میں تخفیف کر دے چاہے پوری سزا دینے کے بعد جنت میں داخل کرے وغیرہ۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ

یہ مشرک اللہ کو چھوڑ کر عورتوں ہی کو پکارتے ہیں

وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ

اور صرف شیطان سرکش ہی کی عبادت کرتے ہیں

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ

ان پر خدا کی پھٹکار شیطان تو کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں

عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۙ وَّ

میں سے ایک مقررہ تعداد ضرور لیا کرونگا اور

لَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ

گمراہ کرتا رہونگا اور اُن کو لالچ دیتا رہونگا اور میں ان کو تعلیم دونگا

فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ

جسکی وجہ سے وہ چوپاییوں کے کان چیرا کریں گے اور اُن کو مشورہ دونگا

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ

تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورت بگاڑ دینگے جو شخص خدا کو

الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ

چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا تو وہ

خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۭ يَعِدُهُمْ وَ

کھلا ہوا نقصان اٹھائے گا وہ اُن کو وعدے دیتا ہے اور

يُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ

آرزوئیں دلاتا ہے حالانکہ شیطان اُن سے جو کچھ وعدے کرتا ہے

اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ

وہ نرا دھوکہ ہوتے ہیں ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے

وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۝ وَالَّذِيْنَ

وہاں سے ان کو بھاگنے کی کوئی جگہ نہ ملے گی اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ

ایمان لائے اور نیک کام کیئے ہم عنقریب اُن کو

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ایسے باغوں میں داخل کرینگے جن کے اندر نہریں بہتی ہونگی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ

اُن میں وہ ہمیشہ رہینگے یہ اللہ کا وعدہ

حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝

برحق ہے اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی

تفسیر

اس آیت کا اور اسکے بعد والی تمام آیات کا مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا تک گذشتہ آیات سے ارتباط ہے ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ کافروں کی جہالت اور شیطان کی پیروی کرنے کی مذمت فرماتا ہے اور مومنوں کی عقل نورانی کی تعریف کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مکہ کے رہنے والے بہت ہی نادان اور جاہل ہیں پرستش کے لیئے خدا کو چھوڑ کر مؤنث ناموں کو پکارتے ہیں یہ تمام نام مؤنث ہیں اور جن لوگوں کے یہ نام انہوں نے رکھ چھوڑے ہیں وہ بھی عورتیں تھیں (معالم) ابی بن کعب ام المؤمنین صدیقہ، ابو سلمہ، عروہ، ابو مالک اور سدی سے یہی مطلب مروی ہے۔ ابن جریر نے بروایت ضحاک بیان کیا ہے کہ مشرکین جہالت اور نادانی سے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور اُن کی عورتوں کی شکل بنا کر ملائکہ کی تصویر خیال کر کے پرستش کرتے تھے۔ بعض لوگ قائل ہیں کہ اناث ہر بے جان (بے روح) چیز کو کہتے ہیں مثلاً لکڑی پتھر وغیرہ۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا مطلب یہ کہ یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر لکڑی پتھر وغیرہ بیجان چیزوں کی پرستش کرتے ہیں (رواہ ابن ابی حاتم)

وقف لازم

عن ابن عباس و الحسن البصری) ابی بن کعب کہتے ہیں کہ ہر بت کے ساتھ ایک شیطانی یا دیوی ہوتی تھی بت پرست اسی شیطانی کی پرستش کیا کرتے تھے اسی واسطے ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا کہ درحقیقت یہ لوگ سرکش شیطان کی پرستش کرتے ہیں لَعَنَهُ اللَّهُ جس پر خدا نے اپنی لعنت فرمائی ہے اور اسکو اپنی رحمت سے خارج کردیا ہے لیکن باوجود ملعون ہونے کے اس نے کچھ آدمیوں کو اپنا ساتھی بنا کر استحقاق لعنت میں شریک کرلیا اور وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا جب رحمت سے دور کرکے اسکو جنت سے نکالا گیا تو کہنے لگا کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنے واسطے ایک حصہ مقررہ علیحدہ کرلونگا یعنی ان کو اپنی فرمان پذیری کی دعوت دونگا جو بدبخت ہیں وہ ضرور میری پیروی کرینگے ۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نصیب مفروض بہت بڑا حصہ ہے اور ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے آدمی مراد ہیں جو دوزخی ہونگے صرف ایک جنتی ہوگا ۔ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالکر حق بات سے ان کو پھیر دونگا جو اس وسوسہ میں پڑجائیگا وہ میرا تابع ہوجائیگا وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ اور طرح طرح کی آرزوئیں اور لالچ ان کو دونگا ۔ مثلاً یہ کہونگا کہ تم دنیا کے مزے اڑاؤ خدا جانے آخرت ہو یا نہ ہو اور اگر ہوئی بھی تو ابھی عمر بہت باقی ہے دنیا کے عیش کرلو پھر توبہ کرلینا وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ اور ان کو مشورہ دونگا تو وہ چارپایوں کے کان کاٹینگے ۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بت پرست بتوں کے نام پر چارپایوں کو کان کاٹ کر سانڈ بناکر چھوڑا کرتے تھے وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ اور میں انکو مشورہ دونگا تو وہ دین الٰہی کو بگاڑ دینگے اللہ نے جو چیز حرام کی ہے اسکو حلال کرلینگے اور جو چیز حلال کی ہے اسکو حرام قرار دے لینگے (کذا روی عن ابن عباس و ہو قول مجاہد و عکرمۃ والنخعی والحسن وقتادۃ والحکم والسدی والضحاک والعطاء الخراسانی) حسن بصری کے ایک قول میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ لعنت کرتا ہے گودنے والی پر گدوانے والی پر مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی پر اور خوبصورتی کے لیئے دانتوں میں جھریاں بنانے والی اور بنوانے والی پر یہ سب خلق الٰہی کو بگاڑنے والیاں ہیں ۔

ابن عباس رض کی ایک روایت ہے کہ تغییر خلق سے مراد چارپایوں کا خصی کرنا ہے ۔ ابن عمر انس ، سعید بن مسیب ، عکرمہ ، ابو عیاض ابو صالح اور ثوری کا بھی یہی قول ہے ۔ صاحب بیضاوی کے نزدیک عام معنی مراد لینا بہتر ہے مثلاً غلاموں کو یا جانوروں کو خصی کرنا گودنا گدوانا مصنوعی بال جوڑنا اور جڑوانا دانتوں میں جھریاں بنوانا اور بنانا لواطت کرنا غیر اللہ کی پرستش کرنا اپنی جسمانی اور روحانی قوتوں کو ایسے کام میں استعمال کرنا جو نہ باعث ثواب ہیں نہ نفس میں روشنی پیدا کرنے والے ۔ تمام آیات کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ شیطان مرید میں دو خرابیاں ہیں اول تو خدا کی اس پر لعنت ہے دوسرے وہ آدمیوں کا سخت دشمن ہے اسلیئے شیطان کی پیروی کرنی اور خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرنی جو خود دوسری چیزوں سے اثر پذیر ہیں سخت حماقت ہے اور جو کھلم کھلا دشمن ہو اور دشمنی کا بیڑا اٹھا چکا ہو اسکی تابعداری کرنی غیر مفید ہی نہیں بلکہ سخت ضرر رساں ہے اسی لیئے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ۔ جو شخص شیطان کو اپنا دوست اور معتمد بنالیگا اور اسکی پیروی کریگا اور خدا کو چھوڑیگا خدا اور رسول کے فرمان کو نہ مانیگا اسکو کھلا ہوا نقصان اٹھانا پڑیگا اور دنیا دین میں اسکو تباہی نصیب ہوگی کیونکہ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ شیطان ان کو امیدیں تو دلاتا ہے اور ان سے کامیابی اور فلاح کے وعدے بھی طرح طرح سے کرتا ہے مگر وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا اس کے وعدے محض دھوکہ اور فریب ہیں قیامت کے دن صاف انکار کرجائیگا اور کہدیگا کہ میرا تم پر کچھ زور نہ تھا تم نے میرا کہنا کیوں مانا ۔ لہذا شیطان کی پیروی کرنا اور اس کے باطل طمع آمیز وعدوں پر بھروسہ کرنا بیوقوفی اور گمراہی ہے ۔ جو لوگ ایسا کرینگے أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ان کا دائمی ٹھکانا دوزخ ہے کبھی دوزخ سے چھٹکارا نصیب نہ ہوگا ۔ ہاں وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۔ جو لوگ خدا رسول کے احکام پر ایمان لے آئے اور حکم شرع کے مطابق نیک اعمال کیئے ان کو راحت بخش جنت میں داخل کیا جائیگا اور جسطرح کافروں کو دوزخ سے کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی اسی طرح اہل جنت کو جنت سے کبھی نہ نکالا جائیگا ۔ راحت و عیش اور بقاء دوامی نصیب ہوگی اور خدا تعالیٰ نے جو اپنے نیک بندوں سے یہ وعدہ کیا ہے وہ غلط نہیں ہے کیونکہ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا خدا نے یہ بالکل برحق اور سچا وعدہ کیا ہے ۔ اس کے علاوہ خدا کا جھوٹا ہونا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا خدا سے زیادہ اور کون صادق القول ہو سکتا ہے ۔

مقصود بیان :- خلاف فطرت تمام افعال گمراہی اور حماقت ہیں ۔ آیت میں نہایت مدلل طور پر اتباع شیطان کی ممانعت

کی گئی ہے اور اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ شیطان آدمیوں کو گمراہ کرنے کا ذمہ لے چکا ہے اسلیئے اُس کا پیرو جو شخص ہوگا وہ گمراہ ہوگا۔ پھر شیطان خدا کی رحمت سے دور کردیا گیا ہے جو شخص اُس کا ساتھ دیگا وہ بھی خدا کی رحمت سے خارج کردیا جائیگا۔ آیات میں لطیف اور بلیغ اشارات اس طرف بھی ہیں کہ احکام اسلامی فطرت انسانی کے مطابق ہیں اور جو قوانین نیچرل نہیں وہ اسلام اور اسلامیات سے خارج ہیں۔ اخیر میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ وعدہ الٰہی میں کذب محال ہے۔ خدا کا قول جھوٹا ہونا ممکن نہیں۔

لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ

نہ تمہاری آرزوؤں سے کام چل سکتا ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں

الْکِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ وَلَا

سے جو شخص برا کام کریگا وہ اُس کی سزا پائے گا اور

یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا

اللہ کے سوا اُس کو نہ اُس کا کوئی حمایتی ملے گا نہ

نَصِیْرًا ○ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

مددگار اور جو مرد یا عورتیں کچھ

مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ

نیک کام کرینگی بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں تو وہ

یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ○

جنت میں جائینگے اور تل برابر ان پر ظلم نہ ہوگا

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ

اُس سے بہتر کس کا دین ہوسکتا ہے جس نے خلوص کے ساتھ

وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّۃَ

اللہ کے سامنے سر جھکا دیا ہے اور ابراہیم کے مذہب پر چل رہا

اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ط وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ

ہے جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور اللہ نے ابراہیم کو خالص

خَلِیْلًا ○ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی

دوست بنا لیا تھا جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اللہ ہی

الْاَرْضِ ط وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ○ ع

کا ہے اور ہر چیز اللہ کے قابو میں ہے

تفسیر

یہ آیات وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا تک ایک ہی قصہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ ابن عباسؓ اور ایک جماعت تابعین نے آیات مذکورہ کی شان نزول اس طرح بیان کی ہے کہ ایک بار چند یہودی اور چند عیسائی اور چند مسلمان ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے یہودی بولے ہمارے نبی سب سے افضل تھے اور ہم انبیاء کی اولاد ہیں اسلیئے صرف ہم ہی جنت میں جائینگے۔ عیسائی بولے جنت میں تو صرف ہم ہی جائینگے کیونکہ ہمارے عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوکر سولی پر چڑھ چکے جس سے ہمارے سب گناہ معاف کردیے گئے ہم اب گناہوں سے پاک ہیں ہم پر کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا۔ مسلمان کہنے لگے ہمارے نبی اور پیشوا محمدؐ ہیں جو خاتم الانبیاء اور تمام رسولوں کے آقا ہیں اسلیئے ہم ہی جنت میں جائینگے کیونکہ ہم اُنکے ماننے والے ہیں۔ اس بیجا شیخی اور فخر کی ممانعت میں یہ آیات نازل ہوئیں (رواہ ابن جریر عن طریق مسروق)۔ بِاَمَانِیِّکُمْ میں خطاب مسلمانوں کو ہے (مسروق قتادہ ضحاک) مجاہد کہتے ہیں کہ مشرکوں کو خطاب ہے جو جزا سزا عذاب ثواب کسی بات کے قائل نہ تھے اور جو لوگ قائل تھے وہ بتوں کو سفارشی جانتے تھے (مدارک) بیضاوی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے مگر میرے نزدیک مسلمانوں کو خطاب ہے اور اسی مطلب کو پیش نظر رکھتے ہوئے تفسیر کی جائیگی۔

ارشاد باری ہے کہ لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ یعنی جنت میں داخل ہونا اور عذاب سے نجات پانا مسلمانو نہ تمہارے خیالات اور آرزوؤں کا پابند ہے نہ اہل کتاب کی خواہشات اور تمناؤں کے موافق ہے بلکہ نجات اُخروی کا دار و مدار ایک عام قاعدہ پر ہے جو شخص اُس قاعدہ کا پابند ہوگا وہ نجات پائیگا اور جنت میں داخل ہوگا جو اُس قانون کی خلاف ورزی کریگا وہ سزا پائیگا۔ اور جہنم میں جائیگا۔ عام قانون یہ ہے کہ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ وَلَا یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا جو شخص بدی کریگا یعنی شرک و کفر کریگا وہ ضرور اُسکی سزا پائیگا اور خدا کو چھوڑکر قیامت کے دن اُسکو عذاب سے بچانے والا اور مدد کرکے جنت میں

پہونچانے والا نہ ملے گا (یہ تفسیری معنی ابن عباس ضحاک اور سعید بن جبیر کے اقوال کے موافق ہیں کیونکہ ان اصحاب کے نزدیک سوء سے مراد شرک اور کفر ہے) لیکن عام مفسرین نے سوء سے مراد عام معنی لیئے ہیں خواہ شرک و کفر ہو یا کوئی اور گناہ۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بدی کریگا اُسکی سزا پائیگا اور وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا جو لوگ ایمان کے ساتھ نیک اعمال کرینگے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت بہر صورت جنت میں داخل ہوں گے اور ذرہ برابر اُن کی حق تلفی نہ کی جائیگی۔ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط جب اوپر کی آیت نازل ہوئی کہ مسلمانو! فلاح آخرت نہ تمھاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر بلکہ ہر شخص کو بدی کی سزا دی جائیگی اور ہر نیکوکار مؤمن ہوگا اُسی کو نجات ملیگی تو اہل کتاب نے کہا مسلمانو اب تو ہم تم سب برابر ہو گئے اب تمھارے نبی کے ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ اُس وقت اہل کتاب کے ازالہ کے لیئے یہ آیت نازل ہوئی۔ ماحصل ارشاد یہ ہے کہ جس شخص نے اپنا تن من دھن راہ مولا میں قربان کر دیا اور خالص دل سے رضاء الٰہی کا طلبگار ہوگیا اور خدائے قدوس کی ذات و صفات پر صحیح ایمان لے آیا اور اُس کے احکام کو مان لیا اور خدا کو ہر وقت حاضر ناظر تسلیم کرلیا اور پھر عملی احکام میں حق پرست ابراہیم کی اُس نے پیروی کی یعنی دین محمدی کا پابند ہوگیا تو اُس سے بہتر اور کون مذہب والا ہو سکتا ہے یہودی اور عیسائی کیوں حقانیت کے مدعی ہیں نہ ان کا عقیدہ صحیح نہ اعمال درست نہ ملت ابراہیمی کے پیرو اور عقائد و اعمال کے لحاظ سے حق پر ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ ملت ابراہیمی کی پیروی کیوں ضروری ہے۔ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ابراہیم نے باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف رجوع کر لیا تھا اور ہر قسم کے باطل خوف و طمع کو اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ اسی وجہ سے وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا خدا نے ابراہیم کو اپنا خالص دوست بنا لیا جسکی محبت میں کوئی رخنہ اور خلل نہیں تھا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ابراہیم کا خدا سے کوئی رشتہ تھا یا ابراہیم خدا کے بیٹے تھے یا خدا کو ابراہیم کی احتیاج تھی کیونکہ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آسمان و زمین کی تمام موجودات اور کائنات خدا کی مملوک مخلوق اور عبادت گذار ہے عالم میں ہر جاندار اور بیجان ذی عقل اور بے عقل چیز خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اُسی کی ملک اور اُسی کے تصرف میں ہے وہی سب کا معبود ہے اسلیئے ابراہیم بھی نہ خدا کے بیٹے تھے نہ شریک کار نہ رکن نہ رشتہ دار بلکہ اُسکے خالص بندے اور مخصوص عبادت گذار تھے کیونکہ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا خدا کے علم و قدرت کے دائرہ سے کوئی چیز خارج نہیں اُس کا جلال و عظمت اور حکمت و علم سب چیزوں کو محیط ہے

مقصود بیان: جنت کا کوئی ٹھیکہ دار نہیں نہ خدا سے کسی کا کوئی خاص رشتہ ہے نہ کسی کی آرزو اور امید سے جنت کا داخلہ ممکن ہے بلکہ جو شخص قانون فطرت پر کاربند ہوگا وہ سعید ہوگا دخول جنت کے لیئے ایمان اور عمل صالح ہونا ضروری ہے۔ ابراہیم دین فطرت پر تھے اور اسلام اُنہی کی متبع ہے۔ آیات مذکورہ میں نہایت بلاغت آمیز اور لطافت آمیز طرز میں حقانیت اسلام کی دو دلیلیں بیان کی گئی ہیں (۱) ہر مذہب کی حقانیت اور الہامی ہونے کی بنیاد دو چیزیں ہیں صحیح عقائد اور نیک اعمال اور یہ دونوں چیزیں سوا اسلام کے اور کسی مذہب میں موجود نہیں۔ (۲) یہ مسلمہ امر ہے کہ دین ابراہیمی حق تھا چنانچہ یہودی اور عیسائی اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ لہذا جو مذہب دین ابراہیمی کے موافق ہوگا وہی حق ہوگا۔ اسلام ملت ابراہیمی کے موافق ہے اسلیئے حق ہے۔ وغیرہ۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ

(اے محمد) تم سے وہ عورتوں کے متعلق حکم پوچھتے ہیں کہدو کہ اللہ

يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي

تم کو اُن کے بارہ میں اجازت دیتا ہے اور جو حکم تم کو کتاب میں پڑھ کر

الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ

سنایا جاتا ہے وہ اُن یتیم عورتوں کے حق میں ہے جن کو تم اُن کا

مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ

فرض کردہ حق نہیں دیتے اور (پھر) اُن سے نکاح کرنا چاہتے ہو

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ

اور کمزور بچوں کے بارہ میں بھی تم حکم دیتا ہے وہ حکم یہ ہے کہ

اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا

تم یتیموں کے حقوق ادا کرنے میں انصاف کے ساتھ قائم رہو تم

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

جو کچھ نیکی کرو گے۔ اللہ اُس کو

بِهٖ عَلِيْمًا ○

خوب جانتا ہے

تفسیر حضرت مجاہد کی روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو میراث میں حصہ نہ دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ فرقہ دشمن سے لڑتا نہیں ہے اور نہ قوم سے مضرت اعداء کو دفع کر سکتا ہے اسلیئے میراث میں حصہ لینے کا ان کو کوئی استحقاق نہیں لیکن جب اسلام آیا تو خدا تعالیٰ نے عورتوں اور بچوں کو بھی میراث دینے کا حکم دیا اور آیت میراث نازل ہوئی۔ حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ آیت میراث کے نزول کے بعد کبھی ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ کوئی لڑکی یتیم ہوتی اور کسی مرد کے زیر سرپرستی ہوتی اور وہ لڑکی معہ اپنے سرپرست کے میت کے مال کی وارث ہوتی اب اگر یہ لڑکی حسین ہوتی تو یہ سرپرست قلیل مہر پر اُس سے خود نکاح کر لیتا اور اگر بدصورت ہوتی یا کوئی اور وجہ مانع ہوتی تو نہ خود اُس سے نکاح کرتا نہ کسی غیر کے ساتھ نکاح ہونے دیتا تاکہ کوئی دوسرا لڑکی کے مال کا وارث نہ بن جائے (بخاری و مسلم) اسلیئے قرآن میں اسکی ممانعت آگئی۔ ایک مرتبہ حضرت جابرؓ کی چچا زاد بہن یتیم ہوگئی تھیں اور باپ کی میراث میں سے بہت سا مال و اسباب بھی اُن کو ملا تھا لیکن حضرت جابرؓ اُن کے بدصورت ہونے کی وجہ سے اُن سے نکاح کرنا پسند نہ کرتے تھے اور دوسرے شخص سے بھی نکاح کرنا نہ چاہتے تھے تاکہ چچا کے ترکہ میں کوئی اجنبی شخص شریک نہ ہو جائے اُن کو امید تھی کہ شاید پہلا حکم منسوخ ہو جائے یا اُس میں کچھ ترمیم و اصلاح ہو جائے یا کوئی تخفیف کی صورت نکل آئے۔ یہ امید لیکر رسول پاک سے سوال کیا اُس پر یہ آیت نازل ہوئی اور صاف حکم دیدیا گیا کہ پہلے بھی ہدایت کر دی گئی ہے کہ یتیم عورتوں کی حق تلفی نہ کرو اور ضعیف بچوں کو بھی میراث میں شریک کرو۔ پھر اب بھی دوبارہ اُسی حکم کی تاکید کی جاتی ہے اُس میں کمی ہرگز نہ ہونی چاہیئے ورنہ شریعت الٰہی کے مجرم قرار پاؤ گے۔

بعض مفسرین نے سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ عیینہ بن حصن نے ایک بار خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف میراث دلاتے ہیں اور جاہلیت کے زمانہ میں ہمارا یہ دستور تھا کہ میراث میں اُسی شخص کو شریک کرتے تھے جو لڑائی میں شریک ہوتا اور مال غنیمت حاصل کرتا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ اور آیت وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ پڑھ کر سنائی۔

مطلب یہ ہے کہ اے نبی آپ سے لوگ عورتوں کے بعض حالات کے متعلق فتویٰ طلب کرتے ہیں یتیمہ کے نکاح اور میراث کے بارہ میں فیصلہ دریافت کرتے ہیں۔ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ آپ اُن سے کہدیجیئے کہ جن یتیم لڑکیوں کو تم مال میراث میں سے اُن کا مفروضہ حصہ نہ دیتے تھے اور کسی دوسرے سے نکاح نہ ہونے دیتے تھے اور نہ خود اُن سے نکاح کرنا چاہتے تھے خدا تعالیٰ نے قرآن میں اُن کے متعلق جو حکم سنا دیا ہے وہ اب بھی سناتا ہے کہ تم اُن کی حق تلفی نہ کرو اور عدل و انصاف سے کام کرو۔ جو ہدایت گذشتہ آیات میں تم کو کر دی گئی ہے وہی ہدایت اب بھی خدا تعالیٰ تم کو کرتا ہے کہ اُن کے حقوق کا لحاظ رکھو اور اُن پر ظلم نہ کرو۔ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ اور بیکس بچوں کے متعلق بھی وہی حکم دیتا ہے جو پہلے سنایا جا چکا ہے اور یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ تم یتیموں کے معاملہ میں انصاف کو کام میں لاؤ اُن کا مہر اور میراثی حصہ بغیر حق تلفی کے پورا پورا اُن کو دو اور اس ادائے حقوق کے علاوہ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ○ جو کچھ تم اُن کے ساتھ نیکی اور اچھا سلوک کرو گے خدا کو اُس کا علم ہوگا اور ہے اور پھر خدا اُسکی تم کو جزا دیگا۔ نتیجۂ ارشاد یہ ہے کہ یتیم لڑکیوں اور بچوں کی میراث اور نکاح وغیرہ کے جو احکام سورۂ نساء وغیرہ میں بیان کر دیئے گئے وہ ناقابل ترمیم ہیں اب بھی اُنہی پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے بلکہ علاوہ حقوق مفروضہ کی ادائیگی کے یتیم بچیوں کی حالت تو اس قابل ہے کہ اُن کے ساتھ ہر قسم کا اچھا برتاؤ اور نیک سلوک کیا جائے۔

مقصود بیان: عورتوں کے حقوق کی نگہداشت۔ رسم جاہلیت کا ابطال۔ یتیم بچوں اور بچیوں پر رحم کرنے اور اُن کے صحیح حقوق ادا کرنے کی ہدایت۔ عورتوں کے ساتھ ہر ممکن مراعات اور ہر نیک سلوک کرنے کی تعلیم۔ حقوق صنفی کی نگہداشت وغیرہ

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے خوشی یا بے رغبتی کا

أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا

اندیشہ کرے تو کوئی ہرج نہیں اگر وہ باہمی

بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ

صلح کرلیں صلح کرنا بہتر ہے مگر لوگوں کی

الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَ

طبیعتیں حرص سے نزدیک کردی گئی ہیں اور اگر تم نیکی کروگے اور

تَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ

پرہیزگار رہوگے تو جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے

خَبِيرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا

خبردار ہے تم سے کبھی نہ ہوسکیگا کہ سب بیبیوں میں

بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا

برابری رکھو خواہ کتنا ہی چاہو لہذا ایک کی طرف

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَ

بالکل مائل ہوکر دوسری کو ادھر میں لٹکتا نہ چھوڑو

إِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ

اگر صلح کرلو اور پرہیزگاری رکھو تو اللہ

غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ

غفور رحیم ہے اور اگر میاں بی بی جدا ہو جائیں تو اللہ

اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ

ہر ایک کو اپنی طرف سے کشائش دیکر بے نیاز کردیگا اللہ بڑا ہی

وَاسِعًا حَكِيمًا ۝

وسعت والا صاحب تدبیر ہے

تفسیر وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارادہ کیا کہ ام المؤمنین حضرت سودہ رض کو طلاق دیدیں۔ حضرت سودہ نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن میں زوجیت نبی کا افتخار حاصل کرنا چاہتی ہوں آپ مجھ کو طلاق نہ دیں البتہ اپنی باری کا دن میں حضرت عائشہ رض کو ہبہ کرتی ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ترمذی بیہقی طبرانی ابن منذر حاکم ابوداؤد وغیرہم) لیکن حضرت عائشہ رض نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک عورت سے اسکے شوہر کی اولاد نہ ہوتی اور شوہر دوسرا نکاح کرلیتا اور پہلی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تو عورت کہتی میں تجھکو اپنے حقوق سے سبکدوش کرتی ہوں دل چاہے تو میرا مہر وغیرہ دینا دل چاہے نہ دینا لیکن مجھے طلاق نہ دے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (بخاری) حضرت عمر رض اور حضرت علی رض سے بھی اسی قسم کی روایات منقول ہیں۔ ان روایتوں کے بموجب شان نزول میں عموم ہے کوئی خاص واقعہ سبب نزول نہیں بہر تقدیر حکم ضرور عام ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے لڑائی جھگڑے اور بے رخی کا خوف ہو اور علامات سے اسکو معلوم ہو جائے کہ شوہر میری طرف مائل نہیں فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا تو زوجین کے واسطے اس بات میں کوئی ہرج نہیں کہ کسی طرح باہم صلح کرلیں۔ عورت اپنے پورے حق یا جزو حق سے دستبردار ہو جائے اور شوہر اسکی طرف مائل ہو جائے عورت کا حق عام ہے خواہ نان نفقہ ہو یا مہر واجب یا حقوق صنفی یا باری وغیرہ بہرحال اپنے حقوق معاف کرسکتی ہے اور رضامندی کے ساتھ معاف کرانے میں شوہر پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ اور صلح بات بھی اچھی ہے (بیضاوی) یا مراد یہ کہ صلح جنگ اور بیرخی سے بہتر ہے خواہ اس میں اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہونا پڑے اگرچہ عام قاعدہ اور انسانی سرشت یہ ہے کہ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ انسانی طبائع میں لالچ اور بخل کا خمیر ہے کوئی اپنے حقوق سے دستبردار ہونا اور اپنے مرغوب طبع کو ترک کرنا نہیں چاہتا۔ عورت اپنے حقوق مرد کو معاف کرنا نہیں چاہتی اور مرد کا دل جب دوسری عورت کیطرف مائل ہوگیا تو پہلی بیوی کی طرف راغب نہیں ہوتا مگر صلح بہرصورت اچھی بات ہے مثلی معاملات و تعلقات میں حسن سلوک بہتر ہے۔ وَإِنْ تُحْسِنُوا اگر ایک دوسرے سے حسن سلوک کروگے مرد عورت اور عورت مرد سے اچھا برتاو رکھیگی وَتَتَّقُوا اور ایک دوسرے کی حق تلفی سے پرہیز رکھوگے تو تمہارے لئے موجب ثواب ہوگا کیونکہ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ خدا تعالیٰ اکو تمہارے اعمال کی

اعمال کی پوری پوری اطلاع ہے وہ تمہارے اعمال کی ضرور جزا دیگا اس میں خصوصیت کے ساتھ مردوں کو خطاب کیا گیا اگرچہ حکم خطاب میں عورتیں بھی داخل ہیں کیونکہ عموماً زیادتی اور جبر مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔ عورت کی طرف سے زیادتی کا احتمال کم ہے۔ اب آگے خصوصیت کے ساتھ مردوں کو ہدایت کی جاتی ہے اور عورتوں کے متعدد ہونے کی صورت میں چونکہ بعض بیویوں کی حق تلفی کا زیادہ قوی احتمال ہے اسلیئے تعدد ازواج کے خصوصی احکام بیان کیئے جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ اگرچہ یہ یقینی بات ہے کہ تم محبت میں سب بیویوں میں مساوات اور تعادل قائم نہیں کرسکتے خواہ تم اس مساوات کی دل سے خواہش اور حرص کرو انسان کی طبیعت کا میلان اسکے اختیار سے خارج ہے لیکن فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ باری اور نان و نفقہ میں ایک کی طرف بالکل نہ جھک پڑو کہ ہمیشہ شب و روز اسی کے پاس رہو اور اُسی کو پورا خرچ دو اور فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ دوسری عورت کو ادھ بیچ میں لٹکا کر چھوڑ دو کہ وہ غریب نہ مطلقہ ہو نہ سہاگن نہ اس کے پاس آنا نہ جانا نہ نان نفقہ اور خرچ دینا (ابن ابی ملیکہ کی روایت کے موافق آیت وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا کا نزول حضرت عائشہ کے بارہ میں ہوا ہے) وَاِنْ تُصْلِحُوْا تو اگرچہ میلان خاطر اور قلبی محبت بے اختیاری چیز ہے مگر معاملات میں مساوات رکھنی ضروری ہے اگر اپنی اصلاح رکھو گے اور معاملات میں عدل قائم کرو گے وَتَتَّقُوْا اور عورتوں پر زیادتی کرنے اور اُن کی حق تلفی کرنے سے پرہیز رکھو گے اور نان نفقہ خرچ اور باری وغیرہ میں برابری سے کام لوگے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تو خدا بھی غفور رحیم ہے وہ قلبی محبت میں عدم مساوات کو معاف فرمادیگا اور تم میں جو میلان خاطر کا تقاضا ہے اُسکو اپنی رحمت سے بخشدیگا وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ زوجین کی دو حالتیں اوپر بیان کردی گئیں ایک تو وہ حالت جب مرد کو عورت سے نفرت ہو دوسری وہ حالت جب بیوی سے اتفاق کرے اب یہاں تیسری حالت بیان کی جاتی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں صلح کی کوئی صورت ممکن نہ ہو اور دونوں علیحدہ علیحدہ ہوجائیں اور مرد عورت کو طلاق دیدے تو پھر دونوں کا خدا کارساز ہے ہر ایک کو دوسرے سے مستغنی کردیگا مرد کو دوسری عورت اور عورت کو دوسرا مرد نصیب کردیگا اور اپنے فضل سے دونوں کی حالت بہتر کردیگا کیونکہ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا خدا کا فضل وسیع ہے اور وہ ہر چیز کی مصلحت اور حکمت سے واقف ہے۔ ہر شخص کے لیئے ضروری اسباب اپنے فضل و حکمت سے مہیا کرسکتا ہے۔

مقصود بیان: ۔ میاں بیوی کو باہم صلح کرلینے کی ترغیب۔ اس بات کی صراحت کہ انسان فطرتاً اپنے حق سے زائد لینے کا خواہشمند ہوتا ہے اور بشری خمیر میں لالچ اور بخل مدفون ہے لیکن جو لوگ قانون تعادل و مساوات پر کاربند ہیں وہی منصف مزاج اور مستحق ثواب ہیں۔ آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی قلبی کیفیات اور دماغی توارد خیالات اور اندرونی جذبات پر اختیار نہیں رکھتا لیکن اگر اختیاری افعال و حرکات میں وہ قانون عدالت کا پابند رہیگا اور حقوق صنفی برابری کے ساتھ ادا کرتا رہیگا تو خدا تعالیٰ غیر اختیاری جذبات کی کمی بیشی کو معاف فرمادیگا۔ آیت میں اس امر کی بھی توضیح ہے کہ عورت کی کسی طرح حق تلفی نہ کی جائے اُسکو ادھ بیچ میں لٹکا کر نہ چھوڑ دیا جاے اُسکے نان نفقہ اور ضروری مصارف کی خبر گیری رکھی جائے اور معاشرت زوجی کے فرائض باحسن اسلوب انجام دیے جائیں لیکن عورت بھی مرد پر زیادتی کرنے کا ارادہ نہ کرے اور اپنے حق سے زیادہ کی طالب نہ ہو۔ خصوصیت کے ساتھ زوج و زوجہ کو اس بات کی بھی ہدایت ہے کہ کوئی دوسرے کو اپنا محتاج خیال نہ کرے اور یہ نہ سمجھے کہ میری کفالت کے بغیر دوسرے کا کام نہ چلے گا۔ خدا تعالیٰ ہر ایک کا کارساز ہے وہی سب کے کام بناتا ہے وغیرہ۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

گذشتہ اہل کتاب سے اور تم سے ہم نے کہہ رکھا ہے

مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ

کہ اللہ سے ڈرتے رہو

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اگر نہ مانوگے تو جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا

اللہ ہی کا ہے اللہ بے نیاز اور خوبیوں بھرا ہے

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ
جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے خدا ہی کا ہے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
اور اللہ ہی کارساز کافی ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو

اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ
عدم میں لے جائے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے اللہ

اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ
سب کچھ کر سکتا ہے جو شخص

يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
دنیوی انعام کا خواستگار ہو تو اللہ کے پاس

ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ
دنیا و دین کا انعام موجود ہے اور

اللّٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ۝ ع ۱۹ ۸ ۱۶
اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے

تفسیر وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ یہ سابق آیت کا تتمہ اور اسکی علت ہے یعنی خدا تعالیٰ کا فضل وسیع اور حکمت بالغہ ہے کیونکہ آسمان و زمین کی تمام کائنات اسکی مملوک مقبوض اور مخلوق ہے ادنیٰ چیز اسکی طاقت وحکمت کے دائرہ سے خارج نہیں۔ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ یہاں سے اطاعت الٰہی اور اتباع شریعت کی ترہیب آمیز ترغیب دینی مقصود ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ ہم نے گذشتہ اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی کہدیا تھا اور تم کو نصیحت کردی ہے کہ خدا سے ڈرو اسکی اطاعت اور فرمان پذیری کرو اور یہ بھی نصیحت کردی ہے کہ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اگر احکام الٰہی کا انکار کروگے اور نصیحت نہ مانوگے تو تمہارا ہی نقصان ہوگا اس کا کچھ ضرر نہ ہوگا اسلیے کہ خدا مالک الملک ہے تمہارا کفر اسکی بادشاہت کو نقصان نہیں پہونچا سکتا سب عالم اس کا مخلوق مملوک اور مقبوض ہے مخلوق کے کفر سے خالق کو کیا ضرر پہونچ سکتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تمام کائنات عالم اور مخلوق کی نافرمانی وفرمان پذیری سے لاپرواہ ہے نہ کسی کی اطاعت سے اسکو فائدہ اور نہ کسی کی نافرمانی سے اس کا نقصان وہ بہرحال قابل حمد اور لائق ستایش ہے وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وہی مالک الملک خلاق عالم اور معبود مطلق ہے اس کا خزانہ لازوال ہے اور طاقت غیر محدود وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا وہی آسمان و زمین کا نگہبان محافظ اور نگران ہے اور اپنی خلاقی اور ربوبیت کا خود ہی کافی شاہد ہے۔ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ اے گروہ کافرین ومنافقین تمہاری فرمان پذیری سے خدا کی کوئی خاص غرض وابستہ نہیں ہے بلکہ اس نے محض اپنے رحم وکرم سے تم کو اطاعت واتقاء کی نصیحت کی ہے ورنہ اگر اس کی مشیت ہوگی تو وہ تم سب کو کالعدم فنا کرکے وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ دوسرے لوگوں کو لے آئیگا اور تمہاری بجائے ایسے لوگوں کو پیدا کردیگا (جو اس کے پرستار اور اطاعت شعار ہونگے) وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا اور یہ فعل اسکی طاقت وقدرت سے خارج نہیں ہے وہ ایسا کرسکتا ہے (ہم نے ابن عباسؓ کی روایت کے بموجب ایہا الناس سے کافر و منافق مراد لیے ہیں بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ مسلمانوں کو خطاب ہے اور آخرین سے مراد علماء متاخرین اور فقہاء ومحدثین اور صوفیاء کرام اور ائمۂ امت ہیں جنھوں نے صحابہ کرام کے بعد ان کے قدم بقدم چل کر سنت محمدیہ کو زندہ کیا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جان مال قربان کردیا واللہ اعلم)

پھر یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہیے کہ خدا کی فرمان پذیری اور اطاعت کا ثمرہ صرف دنیا کی بھلائی اور یہ فانی نعمتیں ہی نہیں ہیں بلکہ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ جو شخص دنیوی جزا کا طالب ہے تو خدا کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے وہ دنیا میں بھی اعمال کی جزا دے سکتا ہے اور آخرت میں بھی وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اور وہ ہر شخص کی دعا سنتا اور ہر ایک کی حالت کو دیکھتا بھی ہے تمام احوال سے بخوبی واقف ہے پھر کیوں صرف ثواب دنیا کی خواہش پر اکتفا کیا جائے اور ثواب آخرت کا طالب نہ کیا جائے۔

مقصود بیان: خداوند قدوس کی عظمت و کبریائی کا مظاہرہ اس امر کی صراحت کہ قانون شریعت صرف لوگوں کی روحانی اور جسمانی حالت کی درستگی کے لئے بنایا ہے خدا کی کوئی خاص غرض اس سے وابستہ نہیں ہے۔ خدا مالک الملک قادر مطلق اور خلاق عالم ہے وہ ذات و صفات میں کسی کا محتاج نہیں کسی کو یہ غرور نہ کرنا چاہیئے کہ ہم پر ہی تعالیٰ کی تقدیس و تسبیح کا دارومدار ہے۔ خدا اپنی پرستار اور اطاعت شعار دوسری مخلوق پیدا کر سکتا ہے اور پیدا کرتا رہتا ہے۔ تمام اعمال میں نیت صحیح رکھنی چاہیئے۔ ثمرۂ دنیوی ہی پیش نظر نہ رکھا جائے بلکہ ثواب آخرت بھی ملحوظ ہونا چاہیئے۔ قانون شریعت پر عمل کرنے کی نہایت مدلل ترغیب جس کی تین صورتیں قائم کی گئیں (۱) اپنی ذات کا استغنا اور نفع نقصان سے برأت (۲) عدل حکم کا بدلہ ثمرہ (۳) عمل کرنے کا نیک نتیجہ وغیرہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ

مسلمانو! انصاف پر قائم رہنے والے اور خوشنودی خدا

بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ

کے لئے گواہی دینے والے بنو خواہ شہادت تمہاری اپنی ذات

أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ

کے خلاف ہو یا والدین کے خلاف یا رشتہ داروں کے خلاف۔ کوئی

غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا

مالدار ہو یا محتاج اللہ دونوں کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہے

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن

اور خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر کہیں عدل نہ کھو بیٹھو اگر تم

تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ

پیچ سے بات کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

تمہارے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر سابق میں کچھ احکام شریعت اور ان پر کاربند ہونے کی ہدایت ہے۔ ان آیات میں شریعت الٰہیہ کا غرض اور قانون الہامی کے سنگ بنیاد کا ظاہر کرنا مقصود ہے عقل و نقل سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان کی تمام روحانی اور جسمانی ترقیات کا دارومدار صرف دو باتوں پر ہے (۱) اعتدال و توسط (۲) صداقت و خلوص پہلی بات کو آیت مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے اور دوسری بات کو اس کے بعد والے جملہ میں ظاہر کیا جائیگا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:-
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ مسلمانو! عدالت کو نہایت پختگی کے ساتھ قائم رکھو عقائد میں اعتدال رکھو اور علم کا مرتبہ حاصل کرو۔ اخلاق میں اعتدال رکھو اور شجاعت و عفت کا درجہ حاصل کرو۔ دنیاوی معاملات خانہ داری یگانہ و بیگانہ کے ساتھ برتاؤ کافر و مؤمن کے ساتھ تعلقات انسان و حیوان کے ساتھ ربط۔ دینی عبادات جودوسخا صبر و رضا اور تمام وجدانیات میں اعتدال ملحوظ رکھو۔ صحت جسمانی اور اکل و شرب میں بھی توسط اختیار کرو غرض یہ کہ عدل کو ہر کام میں پختگی کے ساتھ برقرار رکھو شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ یہ دوسری بات کا بیان ہے یعنی صداقت و خلوص للّٰہیت اور بے غرضی ہر بات میں ملحوظ رکھو۔ تمام دینی اور دنیاوی معاملات میں شہادت الٰہی ادا کرو اچھے کو اچھا برے کو برا حرام کو حرام اور حلال کو حلال کہو سچی بات کے ظاہر کرنے میں کسی کی پرواہ نہ کرو خواہ اس میں تمہارا ذاتی نقصان ہو یا تمہارے ماں باپ کا یا عزیزوں اور رشتہ داروں کا مگر تم ادائے شہادت اور اظہار صداقت میں کسی کی پرواہ نہ کرو یہ خیال نہ کرو کہ اگر امیر کے خلاف ہم شہادت دینگے تو وہ ہم سے ناراض ہو جائیگا اور اس سے فائدہ کی امید منقطع ہوکر نقصان یابی کا خطرہ پیدا ہو جائیگا یا اسکی عزت پر دھبہ آئیگا۔ اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ اگر ہم بیچارے غریب کے خلاف شہادت دینگے تو اسکی حالت تباہ ہو جائیگی کیونکہ خدا تعالیٰ ان دونوں طبقوں کے آدمیوں کی حالت خوب خوب جانتا ہے اور ان کے مصالح سے تم سے زیادہ واقف ہے اور خود دونوں گروہوں کا ذمہ دار ہے تم کو اظہار حق میں جرأت و جرات کرنا چاہیئے۔ اور فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا اور ادائے شہادت میں خواہشات نفس کی پیروی نہ کرنی چاہیئے نہ کسی کا خوف ادائے شہادت سے مانع ہو نہ لالچ نہ کسی کی عزت نہ افلاس و ناداری۔ نہ قرابت و رشتہ داری۔ نہ اپنا ذاتی نفع و نقصان بلکہ حکم الٰہی کی رعایت اور اقامت عدل ہر حالت میں ضروری ہے وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا اگر تم زبان موڑ کر صداقت سے پھر جاؤ گے اور دلی زبان سے خلاف واقعہ شہادت دو گے یا شہادت دینے سے پہلو تہی کرو گے اور اظہار حق نہ کرو گے تو تم کو تمہارے کرتوت کا بدلہ ملیگا جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے کیونکہ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا خدا کو تمہارے اعمال کی پوری اطلاع ہے اسلیئے وہ تمہاری نیکی کا ثواب اور بدی کا عذاب دیگا

مقصود بیان: - اصول تمدن، قانون فطرت اور ضابطہ الٰہیہ کا بیان۔ تمام مذاہب کی بنیادی پتھر کی صراحت۔ اظہار صداقت اور رعایت اعتدال کی ہر معاملہ میں ہدایت۔ کتمان شہادت اور شہادت کاذبہ کی وعید آمیز ممانعت۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

ایمان والو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان

رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى

رکھو اور اُس کتاب پر بھی جو اللہ نے اپنے رسول پر

رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ

تھوڑی تھوڑی کرکے اُتاری ہے اور اُن کتابوں پر بھی جو وہ اس سے پہلے اُتار چکا ہے

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

جو شخص اللہ کا اُس کے فرشتوں کا اُس کی کتابوں کا

وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا

اُس کے پیغمبروں کا اور روز قیامت کا انکار کریگا وہ راہ حق سے دور

بَعِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا

بھٹک جائیگا جو لوگ ایمان لانے کے بعد منکر ہوگئے

ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا

اور پھر ایمان لائے اور پھر کافر ہوگئے اور کفر میں بڑھتے گئے

لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ

تو اللہ اُن کی مغفرت ہرگز نہ کرے گا اور نہ اُن کو

سَبِيْلًا ۝ط

راہ دکھائے گا

تفسیر عبداللہ بن سلام، اسد، اُسید، ثعلبہ بن قیس، سلام ابن رخت، سلمہ بن لغیہ، یامین بن یامین مسلمانان اہل کتاب نے خدمت گرامی میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم آپ پر اور قرآن پاک پر اور حضرت موسیٰ پر اور حضرت عزیر پر اور توریت پر تو ایمان لائے اسکے علاوہ اور کسی کو (یعنی حضرت عیسیٰ اور انجیل کو) نہیں مانتے اُس وقت آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ نازل ہوئی کہ تمام نبیوں کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے کسی کی تفریق نہیں (معالم) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اٰمَنُوْا سے خطاب منافقوں کو ہے بعض نے کہا اہل کتاب مراد ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کو خطاب ہے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانو! تم خدا رسول پر پختہ ایمان رکھو وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ اور قرآن اور تمام گذشتہ آسمانی کتابوں پر کامل یقین و ایمان رکھو۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا کیونکہ جس کا ایمان خدا پر یا اُسکے فرشتوں پر یا اُسکی کتابوں میں سے کسی کتاب پر یا رسولوں میں سے کسی رسول پر یا روز قیامت پر نہو وہ بہت زیادہ گمراہ ہے اُسکو راہ ہدایت پر نہیں کہا جاسکتا ایک نبی یا ایک کتاب یا ایک فرشتہ کا انکار سب کے انکار کو مستلزم ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ یہ گذشتہ مضمون کا تکملہ ہے اور تفریق ایمانی کے نتیجہ بد سے ڈرانا مقصود ہے۔ اس آیت کے متعلق مختلف روایات ہیں پہلی روایت یہ ہے کہ آیت میں یہودیوں کا بیان ہے یہودی شروع میں حضرت موسیٰ پر ایمان لائے پھر گوسالہ پرستی کرکے کافر ہوگئے پھر توریت پر ایمان لے آئے پھر عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے لگے اور انبیاء کا یکے بعد دیگرے انکار کرکے مغفرت الٰہی سے قطعاً محروم ہوگئے یا یہ صورت ہوئی کہ پہلے توریت اور موسیٰ پر ایمان لے آئے پھر ملک کنعان میں بت پرستی اور فسق و فجور میں پڑکر کافر ہوگئے پھر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں توحید پر قائم ہوگئے پھر عزیر کے بعد سے لیکر مسیح تک کفر میں پڑے رہے اور بالآخر رسول گرامی کا انکار کرکے اور زیادہ کفر میں پڑ گئے۔

دوسری روایت ہے کہ یہ آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی جو شروع میں کمزور طور پر ایمان لے آئے پھر بھائی برادروں میں مل کر کافر ہوگئے پھر جہاں شوکت اسلامی اور فتوحات کا سلسلہ دیکھا مسلمان ہوگئے اور جب کوئی شکست دیکھی یا مسلمانوں کو کسی مصیبت میں دیکھا تو اسلام سے پھر گئے۔

بہرحال کچھ بھی ہو آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جو مذبذب اور ڈھل مل یقین ہیں جو خود ایمان سے محروم ہیں۔ ایمان و کفر اقرار و انکار اُن کے نزدیک ہنسی کی چیز ہے کبھی اِدھر ہوجاتے ہیں کبھی اُدھر۔ کبھی مسلمان کبھی کافر۔ خلاصۂ مدعا یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لانے کے

بعد کسی غرض سے کافر ہو گئے پھر کسی مصلحت سے مسلمان ہو گئے
پھر کچھ مدت کے بعد کسی فائدہ کے لئے کافروں میں جا ملے اور کفر میں ترقی
کرتے گئے خدا تعالیٰ اُن کو ہرگز معاف نہیں فرمائیگا کبھی اُن کو توبہ
کی توفیق مرحمت نہیں فرمائیگا اسی وجہ سے وہ کبھی توبہ ہی نہ کرینگے اور نہ
کبھی خدا تعالیٰ اُن کو راہ حق دکھائیگا اسی لئے کبھی اُن کو ہدایت نصیب
نہ ہو گی یونہی ادھر اُدھر بھٹکتے رہینگے ایمان و اطمینان نور ازلی اور
روشنی قلب میسر نہ آسکے گی۔

مقصود بیان:۔ اصول عقائد کی صراحت۔ ایمان پر ثابت
قدم رہنے کی ہدایت۔ اس بات کی وضاحت کہ روز قیامت کا انکار
کر دینا یا کسی نبی کو نہ ماننا یا کسی کتاب کو تسلیم نہ کرنا یا خدا کے کسی
فرشتہ پر ایمان نہ لانا موجب کفر ہے ایک کا انکار سب کے انکار کو
مستلزم ہے۔ آیت میں اس امر کی بھی توضیح ہے کہ ایمان کو ہنسی
مذاق سمجھنے والے اور ایمان کی عظمت نہ کرنے والے ازلی شقی ہیں
توفیق توبہ ان کو حاصل نہیں ہوتی اور نور ہدایت کبھی ان کو میسر نہیں آسکتا

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ

اُن منافقوں کو خوشخبری سنا دو کہ اُن کے لئے دردناک سزا ہے

اِلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ

بناتے ہیں کیا وہ کافروں

عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ

کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں عزت تو ساری اللہ

جَمِيْعًا ؕ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ

ہی کی ہے وہی تم پر قرآن میں یہ حکم اتار چکا

اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا

کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے

وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى

اور اُن کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے تو اُن کے ساتھ نہ بیٹھو تا وقتیکہ

يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا

وہ اسکو چھوڑ کر کسی دوسری بات میں نہ لگجائیں ورنہ تم بھی اُنہی

مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ

جیسے ہو گے بلاشبہ جہنم کے اندر اللہ کافروں کو

وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ

اور اُن منافقوں کو اکٹھا کرے گا

تفسیر بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ یہ آیت گویا گزشتہ آیت کی تفصیل اور اس کا تکملہ
ہے مدینہ کے منافق یہودیوں کے پاس جا کر اسلام سے نفرت کا اظہار
کرتے تھے اور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے تاکہ وہ لوگ جو انکی طرف سے
بدگمان ہو گئے تھے پھر ان کو اپنا دوست سمجھنے لگیں اور جسطرح پہلے
عزت کرتے تھے ویسی ہی عزت کرنے لگیں۔ اس خیال کے ازالہ کے
لیئے اس آیت کا نزول ہوا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جو دغلے منافق
کافروں اور مشرکوں کی ظاہری شان و شوکت دیکھ کر اُن کو اپنا دوست
بنانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کی دوستی سے دست بردار ہوتے ہیں
وہ درحقیقت کافروں ہی کے ساتھ ہونگے جو کافروں کا حال ہو گا وہی
ان کا حال ہو گا جسطرح کافر قابل مغفرت نہیں اسی طرح ان کے لیئے
دُکھ کی مار موجود ہے۔ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ کیا کافروں
سے دوستی کرنے سے مقصود ان کا یہ ہے کہ اُن کی نظروں میں اور انکے
پاس پہونچکر لوگوں کی نظروں میں انکو عزت حاصل ہو جائے تو یہ ناممکن ہے
جب کافروں کے پاس خود ہی عزت نہیں تو ان کو کہاں سے ملیگی۔
فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ عزت تو دنیا و دین کی سب خدا کے ہاتھ
ہے اور یہ عزت صرف خدا کے دوستوں کے ساتھ مخصوص ہے کافروں
کو اور کافروں کے دوستوں کو نہیں مل سکتی۔ کافروں کی یہ ظاہری شان
شوکت خاک میں مل جائیگی۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا
سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا
مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۔ ہجرت سے قبل جب
رسول پاک مکہ میں تھے تو مشرکین مکہ اپنے جلسوں میں قرآن کا مذاق اڑایا کرتے تھے
تو خدا تعالیٰ نے سورۂ انعام میں حکم دیا تھا کہ جب یہ لوگ آیات قرآنی کا مذاق اڑا رہے ہوں
تو تم اُن کے ساتھ نہ بیٹھو تا وقتیکہ وہ کوئی اور تذکرہ نہ چھیڑیں اسی حکم
کی یاد دہانی اس آیت میں کی جا رہی ہے کیونکہ مدینہ میں بھی علمائے یہود

اور بہت سے جاہل اپنے مجالس میں قرآن کی تضحیک کیا کرتے تھے
اور منافق بطور خوشامد اُن کے ٹھٹھوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ حاصل
مدعا یہ ہے کہ ہم نے پہلے بھی سورۃ انعام میں یہ حکم نازل کر دیا تھا کہ جب کہیں
آیات الٰہی کا کفر و انکار کیا جا رہا ہو اور قرآن کی توہین کے لئے اُس کا مذاق
اُڑایا جا رہا ہو تو تم ان کے پاس نہ بیٹھو تا وقتیکہ وہ دوسری باتیں نہ شروع
کر دیں اگر آیات قرآنی کی تضحیک کے وقت تم ان کے پاس (بغیر مجبوری
کے) بیٹھو گے اِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ تو تم بھی اُنہی کے حکم میں داخل ہو جاؤ گے
اور گناہ میں اُن کی برابر ہو جاؤ گے اور بالآخر نتیجہ یہ ہو گا کہ إِنَّ اللَّهَ
جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا خدا تعالیٰ منافقوں
اور کافروں کو جہنم میں جمع کر دیگا اور دونوں فرقے جہنم میں داخل ہو نگے
بیضاوی کا قول ہے بیٹھنے کے متعلق جو ممانعت ہے وہ اُس وقت ہی جب
اہل مجلس عناد اور دشمنی سے قرآن کا مذاق اڑا رہے ہوں اور یہ امید
نہ ہو کہ کسی قسم کی فہمائش سے یہ اس نازیبا حرکت کو ترک کر دینگے اور وہاں
روکنے کا قابو بھی نہ ہو اور آدمی وہاں بیٹھا رہنے پر مجبور اور بے بس
بھی نہو اگر بے بسی سے اُٹھ نہ سکے تو وہ معذور ہے مگر دل میں ناراض
ہونا شرط ہے۔

مقصود بیان: منافقوں کے دورُخے پن کا اظہار۔ شریعت و
اسلام کے خلاف مجالس میں شریک ہونے سے ممانعت۔ آیت
میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ جو لوگ راہ توحید پر مستقیم ہوں اُنکو
شریعت پر قائم رہنے کی وجہ سے دنیا دین میں عزت اور غلبہ حاصل ہوتا
ہے اور جب توحید کامل اور ایمان واثق نہو تو یہ استحقاق نہیں ہوتا۔
عزت وہی ہے جو خدا و رسول کے نزدیک عزت ہو۔ دنیوی مال و
دولت جاہ و حشم سلطنت و حکومت وغیرہ حقیقت میں عزت نہیں
گویا بارگاہِ الٰہی سے عزت حاصل کرنے کی طرف مسلمانوں کو ضمنی ترغیب
دی گئی ہے اور کفر پرست بندگان دنیا کی نظروں میں معزز ہونے
کو بے وقعت قرار دیا ہے۔

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ
جو تمہاری تاک میں لگے رہتے ہیں اگر تم کو اللہ کی طرف سے

فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَ
فتح عنایت ہوتی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور

إِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ
اگر کافروں کو کچھ حصہ ملتا ہے تو کہتے ہیں کیا ہم نے

نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ
تم پر زبردستی نہ کی تھی اور کیا مسلمانوں سے تم کو نہیں بچایا تھا

فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَن
قیامت کے دن اللہ تمہارا باہمی فیصلہ کرے گا اور اللہ

يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
مسلمانوں پر کافروں کو ہرگز

سَبِيلًا ۝ ع
راہ نہ دے گا

۱۷

تفسیر الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ۔ یہ بھی گذشتہ آیت کا تکملہ
اور سابقی مضمون کی ایک شاخ ہے اس میں منافقوں کی
دوسری حالت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں یہ دو
رُخے منافق تمہارے اندرونی دشمن ہیں یہ حوادث زمانہ کے نازل ہونے
کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ اگر مسلمانوں
کو جنگ میں بحکم الٰہی فتح حاصل ہوتی اور مسلمان کامیاب ہوتے ہیں تو
قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ منافق کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ
نہ تھے کیا دین اور جہاد میں ہم تمہارے شریک نہیں ہیں لہذا ہم کو بھی
مال غنیمت میں سے حصہ دو وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ اور اگر
کافروں کو کسی قدر فتح حاصل ہو جاتی ہے تو قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ
اُدھر جا کر کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم کو تم پر بالکل قابو حاصل نہ تھا اگر ہم چاہتے
تو تم کو گرفتار کر لیتے یا قتل کر ڈالتے اور وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ
کیا ہم نے مؤمنوں کے ہاتھوں سے تم کو نہیں بچایا یعنی کیا ہم نے مسلمانوں
کا ساتھ چھوڑ کر تمہاری امداد نہیں کی تم کو مسلمانوں کی خبریں لا کر دیں اور
طرح طرح سے اُن کو بہکایا لہذا ہم کو بھی مال میں شریک کرو۔ خدا تعالیٰ
فرماتا ہے فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ہم ان تمام باتوں کا
قیامت کے دن فیصلہ کریں گے لہذا اے مسلمانوں تم کو انکی ریشہ دوانیوں
سے بددل نہ ہونا چاہیئے اور اے منافقوں تم کو اپنی حرکات پر مغرور
نہ ہونا چاہیئے اور اس بات کا گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے کہ تم مسلمانوں کو دھوکہ
میں رکھتے ہو اور اُن کو ضرر پہونچاتے ہو۔ قیامت کے دن اسکی سزا تم کو
ملیگی اور تم اپنی ان حرکات سے مسلمانوں کی بیخ کنی ہرگز نہ کر سکو گے کیونکہ
وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا خدا تعالیٰ
کافروں کے لئے مسلمانوں پر کوئی راہ فتح ہرگز نہ نکالیگا اور کافروں کو کبھی

ایسی کامیابی حاصل نہ ہوسکیگی جس سے مسلمانوں کی بیخ کنی ہوجائے ۔ سدی کا قول ہے کہ سَبِیْل سے مراد حجت و دلیل ہے یعنی دلیل و حجت کے لحاظ سے مسلمانوں پر کافروں کو کبھی غلبہ نصیب نہ ہوگا ۔ ابن عطیہ کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں کو مسلمانوں پر کوئی کامیابی کی راہ نہ ملے گی (کذا روی عن ابن عباس وکذا رواہ السدی عن ابی مالک) ابن عربی نے یہ مطلب بیان کیا کہ جب مؤمن مؤمن رہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم رہیں آپس میں اتحاد قائم رکھیں اور شریعت اسلامیہ کے موافق عمل کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر کبھی فتح نصیب نہ کرے گا۔

مقصود بیان :۔ منافقوں کے نفاق کا بیان ۔ اس بات کیطرف اشارہ کہ کبھی کبھی کسی مصلحت شرعی کی بنا پر مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کو بھی کسی قدر کامیابی حاصل ہوسکتی ہے ۔ اس امر کی بھی صراحت ہے کہ جب تک مسلمان مسلمان رہینگے کافروں کو اُن پر غلبہ حاصل نہیں ہوسکتا اور کبھی ایسا وقوع نہیں آسکتا کہ کافر مسلمانوں کی بیخ کنی کرسکیں۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ

واقعی منافق ۔ اللہ سے دغا بازی کرتے ہیں مگر وہ بھی

خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ

اُن کی تدبیر کر رہا ہے ۔ جب یہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو

قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا

الکساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں دکھاوٹ کرتے ہیں ۔ اور

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ

اللہ کی یاد بہت کم کرتے ہیں ۔ دونوں کے بیچ ادھر میں

بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ

لٹکے ہوئے ہیں ۔ نہ اِنکی طرف ہیں نہ اُن کی طرف

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

اور جسکو اللہ گمراہ چھوڑ دے تم کو اسکے لیئے راہ ہدایت نہ ملیگی

تفسیر إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ منافقوں کی دو حالتیں اوپر بیان کردی گئی تھیں یہاں سے تین مزید حالات کا اظہار مطلوب ہے ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ منافق صرف زبان سے ظاہر میں اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور نماز روزہ اور دیگر اسلامی احکام کی پابندی امید ثواب کے لیئے نہیں کرتے کیونکہ معرفت الٰہی اور ایمان کا اُن کے دلوں میں نور موجود نہیں ہے بلکہ صرف ظاہر داری کے لیئے اور اسلامی احکام سے فائدہ اٹھانے کے لیئے کرتے ہیں گویا اپنے ظاہری عمل سے مسلمانوں کو رسول اللہ کو اور خدا کو دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہیں اور سب کو فریب دیکر اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں ۔ لیکن حقیقت میں اس فریب کاری اور دغا بازی کا وبال اُنھی پر پڑنے والا ہے اور آخرت میں یہ نفاق اُن کے لیئے موجب عذاب ہوگا اس کے علاوہ خدا نے باوجود علام الغیوب ہونے کے اُن کی پردہ دری نہ کی اور اُن کے راز کو فاش نہ کیا اور وہ اسی دھوکہ میں پڑے ہیں کہ خدا کو ہماری اندرونی حالت کا علم ہی نہیں ہے ۔ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى دوسری بات یہ ہے کہ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو چونکہ اُن کو نہ ثواب ملنے کی امید ہوتی ہے نہ عذاب کا خوف اسلیئے سُستی سے ادا کرتے ہیں نہ وقت کی پابندی کرتے ہیں نہ جماعت کی نہ ارکان کی نہ شرائط کی نہ حضور قلب ہوتا ہے نہ خشوع نہ خضوع بلکہ دفع الوقتی کرنے اور اپنے اوپر سے ظاہری وبال اُٹھانے کے لیئے مسلمانوں کا ساتھ دیکر شریک ہوجاتے ہیں ۔ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ اُن کا مقصود تمام عبادات سے ریاکاری اور دکھاوٹ ہوتی ہے لوگوں کے دکھانے کو نماز پڑھتے ہیں خلوص و محویت اور حضور قلب کا کہیں نام و نشان نہیں ہوتا ۔ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا نماز میں خدا کی یاد نہیں کرتے اُن کو علم نہیں ہوتا کہ ہم مُنہ سے کیا کہہ رہے ہیں اصلی مقصد کی طرف سے غافل ہوتے ہیں مطلب یہ کہ تکبیرات تو کہہ لیتے ہیں پھر چپ چاپ کھڑے رہتے ہیں اور دنیاوی خیالات میں غرق اور خدا کی طرف سے غافل ہوجاتے ہیں ۔ یا یہ مدعا ہے کہ نماز کم پڑھتے ہیں کہیں مجبور ہوگئے تو پڑھ لی تاکہ لوگ مسلمان سمجھیں اور تنہائی میں ہوئے تو نہیں پڑھتے ۔ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ تیسری بات یہ ہے کہ منافق حیرت اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں نہ کفر کی طرف بالکل مائل نہ اسلام کی طرف نہ تو مؤمنوں کے ظاہر باطن میں شریک نہ کافروں کے بلکہ ظاہر میں مؤمنوں کے ساتھ اور باطن میں کافروں کے ساتھ تھے اور بعض لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ڈھل مل یقین تھے ذرا سی اسلام کی چمک دکھائی تو اُدھر متوجہ ہوجاتے اور اگر کوئی مصیبت نظر آئی تو کافروں میں جا ملتے ۔ خدا نے ان کو گمراہی کی حالت میں چھوڑ رکھا ہے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا اور جسکو خدا گمراہی میں چھوڑ رکھتا ہے اور بھٹکتا پھرتا چھوڑ دیتا ہے اُسکو پھر کہاں راہ ہدایت مل سکتی ہے

اور کس میں طاقت ہے کہ اُسکو راہ راست پر لا سکے۔

مقصود بیان: ۔ نفاق کے خصوصی علامات کا بیان۔ نفاق کسی شخص یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جسکے ایمان میں تردد اور ظاہر باطن کے خلاف ہو عقائد شرعی پر اُسکو وثوق نہ ہو صرف مسلمانوں کی بہت میں نام لکھوانے کیلئے مسلمان ہو بس ایسا ہی شخص منافق ہے خواہ کوئی ہو

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ
مسلمانوں ایمانداروں کو چھوڑ کر
أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ
کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم
أَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۝
اپنے اوپر اللہ کا کھلا ہوا الزام لینا چاہتے ہو
إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ
بلاشبہ منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں
النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ
ہونگے اور تم کو ہرگز اُن کا کوئی مددگار نہ ملیگا ہاں جن لوگوں نے
تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللّٰهِ وَ
توبہ کرلی اور اپنی حالت درست کرلی اور اللہ (کے دین) کو مضبوط پکڑ لیا اور
أَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰئِكَ مَعَ
خوشنودی خدا کے لیے اپنے دین کو خالص کرلیا تو وہ
الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ
ایمان والوں کے ساتھ ہونگے اور عنقریب مؤمنوں کو خدا
أَجْرًا عَظِيمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ
اجر عظیم عطا فرمائیگا اگر تم شکر کرو اور ایمان قائم رکھو تو اللہ تم کو
إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا
عذاب دیکر کیا کرے گا اور اللہ قدردان دانا ہے

تفسیر

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ جب اوپر کی آیات میں منافقوں کے اوصاف بیان کردیے تو اب مسلمانوں کو اُن کے اوصاف اختیار کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے کیونکہ اوصاف نفاق بیان کرنے سے مقصود یہی یہ تھا کہ مسلمان ان باتوں کو اختیار نہ کریں۔ حاصل ہدایت یہ ہے کہ مسلمانو تم اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو دلی دوست نہ بناؤ۔ یعنی تم منافقوں کی طرح نہ بن جاؤ کافروں سے صحبت اور دوستی نہ رکھو اُن سے اپنے حق میں دل سوزی اور خیر خواہی کے خواستگار نہ ہو۔ در پردہ دل سے اُن کے دوست نہ ہو مؤمنوں کے پوشیدہ ارادوں کو ان پر ظاہر نہ کرو (اگر کفار کی دست برد سے بچنے کے لیے صرف زبان سے کچھ نازیبا کلمات ادا کردیے جائیں تو بصورت خوف جائز ہے۔ جلالی) اگر ایسا کروگے تو خدائی جرم تم پر عائد ہوگا۔ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا تو کیا تم چاہتے ہو کہ خدا کا کھلا ہوا الزام اپنے اوپر لیلو یعنی کیا خدا کا صریح الزام اپنے سر لینا چاہتے ہو اور کافروں سے موالات کرکے منافقوں میں داخل ہو کر جہنم میں جانا چاہتے ہو (ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے نزدیک قرآن میں ہر جگہ سلطان کے معنی حجت والزام ہیں۔ مجاہد، عکرمہ، ابن جبیر، محمد بن کعب اور ضحاک وغیرہ کا بھی یہی قول ہے) إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یعنی تم کو کافروں سے موالات کرکے منافق نہ بننا چاہیئے کیونکہ منافقوں پر عذاب تو کافروں سے بھی سخت ہوگا دوزخ کی تہ میں سب سے نچلے طبقہ میں اُن کو ڈالا جائیگا (دوزخ کے سات طبقے ہیں جہنم، لظی، حطمہ، سعیر، سقر، جحیم، ہاویہ۔ اسفل نار سے مراد ہاویہ ہے) وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا اور کوئی مددگار عذاب سے رہائی دلانے والا اُن کو کبھی نہ ملیگا یہاں تک منافقوں کی حالت کا اظہار، اُن کے عذاب کا بیان اور مسلمانوں کو کافروں سے موالات نہ کرنے کی ہدایت تھی آگے ارشاد ہوتا ہے کہ نفاق وشک اور تردد فی الایمان کوئی ایسا جرم نہیں جسکی اصلاح ناممکن ہو یا جس سے توبہ کرنی قابل قبول نہ ہو بلکہ اگر منافق اپنے حرکات کو چھوڑ دینگے تو وہ بھی خالص مؤمن شمار کیے جائینگے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا یعنی جو لوگ اپنے نفاق سے توبہ کرکے توحید وایمان پر سچے دل سے قائم ہوگئے اور شک وتردد کو انہوں نے اپنے دل سے بالکل دور کردیا وَأَصْلَحُوا اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلی اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانی چھوڑ کر امداد کرنی شروع کردی وَاعْتَصَمُوا بِاللّٰهِ اور پہلے جو کفار سے موالات رکھتے تھے کہ انکی ایذا رسانی سے بچ جائیں اور اُن کی نظروں میں عزت حاصل ہوجائے اس خیال کو چھوڑ کر محض حق تعالیٰ پر وثوق واعتماد کرلیا وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلّٰهِ اور

ریاکاری چھوڑ کر اخلاص کو پسند کر لیا اور تمام عبادات و معاملات کا اصل
مطمح نظر باری تعالیٰ کی رضاجوئی کو بنا لیا۔ غرض عقائد اعمال معاملات اور اخلاق
سب کی درستی کر لی اور پہلے جن باتوں کو اختیار کیے ہوئے تھے انکو ترک
کر دیا۔ تردد و شک کی بجائے ایمان مسلمانوں کی ایذا رسانی کی بجائے
اُن کی امداد۔ کفار کی عزت پر بھروسہ رکھنے کی بجائے ذات الٰہی پر اعتماد
اور ریاکاری کو چھوڑ کر خلوص طاعت اختیار کر لیا فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ
تو ایسے لوگوں کا شمار سچے مومنوں کے ساتھ ہوگا اور وَسَوْفَ يُؤْتِ
اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا خالص مومنوں کو خدا کچھ مدت کے بعد اجر
عظیم عطا فرمائیگا تو یہی اجر ان کو عطا فرمائیگا۔ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ
کیونکہ اُسکو تمہاری ذات سے کوئی خصوصی دشمنی تو ہے نہیں اِنْ شَكَرْتُمْ
وَاٰمَنْتُمْ اگر تم حق مانو گے اور خالص ایمان رکھو گے تو پھر وہ تم کو عذاب
دیکر کیا کریگا۔ عذاب دینے سے اُسکی غرض یہ نہیں ہے کہ اپنا انتقام لے
یا ضرر کو دفع کرے یا نفع کو حاصل کرے اور جب اُسکی کوئی خاص غرض تم کو
عذاب دینے سے وابستہ نہیں ہے تو پھر اگر تم اسکی نعمتوں کا شکر ادا
کرو گے اور خالص صحیح ایمان لے آؤ گے تو اپنے اعمال بد کے نتیجہ سے بچ جاؤ گے
اور خدا تعالیٰ تم کو اجر عظیم عطا فرمائیگا اسلئے کہ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝
خدا قدردان بھی ہے ہر ایک کے اعمال اور کوششوں کی قدر کرتا ہے
بلکہ قدر افزائی کرتا ہے اور علیم بھی ہے ہر شخص کی حالت سے بخوبی واقف
ہے لہٰذا خدا کی ناقدردانی یعنی لاعلمی کی وجہ سے تمہارے کسی عمل کا ثواب
رائگاں نہ جائیگا۔

مقصود بیان: مسلمانوں کو کفار کی موالات سے بازداشت۔
اس امر کی صراحت کہ جب تک چار باتیں اختیار نہ کی جائیں کوئی خالص
مومن نہیں بن سکتا۔ یعنی ایمان، مسلمانوں کی امداد اور خیرخواہی اور ان کو
ایذا پہنچانے سے دست برداری۔ کفار سے نہ خوف نہ طمع بلکہ ذات الٰہی
پر اعتماد۔ طاعت عبادت اور تمام معاملات میں صفائی اور خلوص۔ اور
نیک نیتی اور سچائی۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ

اللہ بری بات کے پکار کر کہنے کو پسند نہیں

الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا

کرتا مگر ہاں جس پر ظلم ہوا ہو اللہ سننے والا اور

عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ

جاننے والا ہے تم کھلم کھلا کوئی بھلائی کرو یا چھپا کر کرو یا

تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

کسی کی برائی سے درگذر کرو (بہر حال بہتر ہے) کیونکہ اللہ بھی

عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝

درگذر کرنے والا اور بڑی طاقت والا ہے

تفسیر: شروع اسلام میں حق مہمانداری ادا کرنا تاکید کے ساتھ
ضروری قرار دیا گیا تھا اگر مسلمان کا کسی قصبہ میں گذر
ہوتا تو اُسکو اجازت تھی کہ وہاں کے باشندوں سے اپنا حق ضیافت بخوشی
یا بجبر وصول کر لے اگر میزبان مہمان کی ضیافت نہ کرے تو اُسکی حق تلفی
سمجھی جاتی تھی اور مہمان پر ظلم سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک شخص مدینہ میں
کسی قوم کے مہمان ہوئے اور کھانا طلب کیا اس قوم نے ان کی مہمانی نہ
کی اسپر انہوں نے اس قوم کی لوگوں سے شکایت کرنی شروع کی
اس وقت آیت لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا
مَنْ ظُلِمَ نازل ہوئی۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی میں
دین یا دنیا کی کوئی برائی دیکھے تو اُسکو مشہور کرتا نہ پھرے کیونکہ یہ غیبت
ہے اور خدا کو کسی کی بدگوئی پسند نہیں ہاں مظلوم کو ظالم کی شکایت اور
اسکی غیبت جائز ہے۔ یا یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی کسی کو برا کہے یا گالی دے
تو اُسکو بھی اسی قدر جواب دینا جائز ہے مگر درگذر کرنا بہتر ہے۔ یہ مطلب
علی بن ابی طلحہ نے بیان کیا ہے اور پہلا قول مجاہد کا ہے۔

ابن عباس رضی نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ
بات پسند نہیں کہ کوئی کسی کو بد دعا دے ہاں مظلوم ظالم کو بقدر ظلم
کے بد دعا دے سکتا ہے لیکن خدا کے سپرد کر دینا بہتر ہے اور ظلم سے
زائد بد دعا دینی ناجائز ہے وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا۔ کیونکہ خدا
سب کی دعائیں اور قول سنتا ہے اور ہر ایک کی حالت بخوبی جانتا ہے
مظلوم کا ظالم سے انتقام دلوادیگا اور اگر مظلوم کی زیادتی ہوگی تو
اُسکو سزا دیگا۔ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا پہلی آیت میں ظالم کی شکایت کرنے
اور اسکو بقدر ظلم بد دعا دینے کی اجازت دی گئی تھی یہاں حلم و عفو اور
درگذر کرنے کی تعلیم دینا مقصود ہے اول جواز کا درجہ تھا مگر یہاں افضل
صورت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم کھلم کھلا نیکی کرو
(اور اس سے ریاکاری غرض نہ ہو) تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (کیونکہ
اس سے دوسروں کو نیکی کی رغبت پیدا ہوگی اور کسی کو بہتر نکتہ چینی کرنے کا موقعہ
نہ ملیگا) اَوْ تُخْفُوْهُ اور اگر پوشیدہ نیکی کرو گے تب بھی کچھ مضائقہ
نہیں ہے اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ یا اگر کسی کے ظلم و دراز دستی کو معاف
کر دو گے تو بہتر ہے۔ حاصل یہ کہ انتقام لینا اگرچہ جائز ہے مگر درگذر کرنی

بہتر ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا۔ خدا تعالیٰ باوجود انتقام کی طاقت کے بہت سے گناہ معاف کرتا اور اکثر خطاؤں سے درگذر کرتا ہے اسلیئے تم کو بھی معاف کر دینا چاہیئے۔

مقصود بیان :۔ کسی کی عیب چینی غیبت اور بدگوئی کرنیکی ممانعت گالی گلوچ کرنے اور چیخ چیخ کر برا بھلا کہنے سے ضمناً بازداشت۔ مظلوم کو بقدر ظلم ظالم کو بددعا دینے اور اسکی شکایت کرنے اور اس سے انتقام لینے کی اجازت۔ اور برا بھلا کہنے والے کو بغیر زیادتی کے جواب دینے کا جواز۔ حلم درگذر اور عفو کی مدلل ترغیب۔ بغیر ریاکاری کے ظاہر و باطن نیکی کرنے کا وجوب آمیز جواز۔ وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ
جو لوگ اللہ کا اور اسکے رسول کا انکار کرتے ہیں

وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَ
اور اللہ میں اور اس کے پیغمبروں میں فرق نکالنے

رُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ
ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں

بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ
مانتے اور کفر و ایمان کے درمیان ایک نئی راہ نکالنا

ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ
چاہتے ہیں ایسے لوگ یقیناً کافر

حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا
ہیں اور ہم نے کافروں کے لیئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے

تفسیر سابق آیت میں مسلمانوں کو چند اخلاقی نصائح کی گئی تھیں اب پھر روئے سخن یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف کیا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا اور اسکے رسولوں کا انکار کرتے ہیں یعنی خدا کو تو مانتے ہیں اور بعض رسولوں کو نہیں مانتے اور خدا کے اور اسکے پیغمبروں کے درمیان تفرقہ کرنا چاہتے ہیں باوجودیکہ وہ پیغمبر حق ہیں مگر ان کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہم بعض انبیاء پر تو ایمان رکھتے ہیں اور بعض کو سچا نہیں جانتے مثلاً یہودی کہتے ہیں کہ ہم موسیٰ داؤد اور سلیمان وغیرہ کو تو مانتے ہیں اور عزیر کے بعد کے جتنے نبی گذرے ہیں ان کو نہیں مانتے نہ عیسیٰؑ کو مانتے ہیں نہ محمدؐ کو اور عیسائی رسول پاکؐ کی نبوت کو نہیں مانتے حضرت عیسیٰ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سب چاہتے ہیں کہ بیچ میں ایک راستہ جدید نکال لیں جس کے اعتبار سے بعض انبیاء کا مان لینا کافی ہو کل انبیاء کو مان لینے کی ضرورت نہو حالانکہ خدا کی طرف سے ایسا کوئی راستہ نہیں بلکہ تمام انبیاء کو برحق ماننا ضروری ہے جو لوگ تفریق کرنی چاہتے ہیں وہ بلاشبہ کافر ہیں خدا کے کسی رسول کا انکار کرنا درحقیقت خدا کا انکار کرنا ہے اسلیئے ان کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور تمام کافروں کو خدا جہنم میں داخل فرمائیگا اور دکھ کی مار دے گا لامحالہ ان منکرین حق کو بھی جہنم میں داخل کریگا۔ ہاں ان کے برخلاف

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا
اور جو لوگ اللہ کا اور اسکے رسول کا یقین رکھتے ہیں اور انہیں سے

بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ
کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں سمجھتے تو ایسے لوگوں کو عنقریب اللہ اُن کا

اُجُوْرَهُمْ ۭ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ ع
ثواب عطا کرے گا اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر جو لوگ خدا پر اور اسکے رسولوں پر صحیح ایمان رکھتے ہیں اور تمام پیغمبروں کو برحق جانتے ہیں کسی کا انکار نہیں کرتے خدا تعالیٰ اُن کو اُن کے عقائد و اعمال کی پوری جزا دیگا اور اگر کچھ اعمال کی ادائگی میں فروگذاشت ہوگئی ہوگی تو اسکو معاف فرما دیگا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے مگر ایمان صحیح اور تمام انبیاء کو سچا جاننا ضروری ہے۔

مقصود بیان :۔ کسی ایک نبی کا نہ ماننا گو یا خدا کا انکار کرنا ہے۔ ہر ایک نبی کو نہ ماننا کفر ہے۔ ایمان صحیح کے بعد اعمالی جرم قابل مغفرت ہے۔

یَسْئَلُکَ اَهْلُ الْکِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ
تم سے اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی کتاب

کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓی اَکْبَرَ
اُن پر اتار دو سو موسیٰ سے یہ اس سے بڑھ کر سوال

مِنْ ذٰلِکَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰہَ جَهْرَةً
کر چکے ہیں انھوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھا دو

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا

نتیجہ یہ ہوا کہ اس بیجا حرکت پر ان پر بجلی گری پھر کچھ مدت کے بعد انہوں نے

الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا

باوجود نشانیاں آچکنے کے بچھڑے کو معبود بنالیا تھا مگر ہم نے اس سے بھی

عَنْ ذٰلِكَ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○

درگذر کی اور موسیٰ کو صریح غلبہ عطا کیا

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا

اور ان سے قول و قرار لینے کے لیئے ہمنے انکے اوپر پہاڑ اٹھالیا اور ان سے

لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ

کہا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں داخل ہو اور ہم نے یہ بھی کہا تھا

لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ

کہ ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرو اور پھر ان سے

مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○

پکا وعدہ بھی لے لیا

تفسیر يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ - سابق آیات میں اہل کتاب کی نازیبا حرکات کی مذمت اور اس بات کی صراحت تھی کہ یہ لوگ انبیاء میں تفرقہ کرکے بعض پر ایمان لانے کے مدعی ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اس آیت میں یہود کی دوسری جہالت اور عناد آمیز سوال کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے محض سرکشی، انکارِ حق اور عنادِ قلبی کا مظاہرہ کرنا مقصود تھا طلب حق غرض نہ تھی۔ محمد بن کعب اور سدی اور قتادہ کا قول ہے کہ یہود بولے جب دیکھا کہ قرآن ضوابطِ حیات قوانین تمدن قواعد فطرت اور اصول نجات کے لحاظ سے ایک لاجواب اور بے نظیر کتاب ہے جسکی نظیر پیش کرنی طاقت بشری سے خارج ہے تو محض انکار حق اور عناد کی وجہ سے رسول پاک سے درخواست کی کہ قرآن تو تھوڑا تھوڑا آپ پر نازل ہوا ہے اور ہوتا ہے اگر آسمانی کتاب ہوتی تو تھوڑی تھوڑی کیوں نازل ہوتی۔ آپ اگر آسمان سے کوئی ایسی کتاب لکھی لکھائی بنی بنائی نازل کرادیں جیسے موسیٰ پر بصورت الواح نازل ہوئی تھی ہم اسپر ایمان لے آئینگے۔ چونکہ یہ سوال صرف عناد کی وجہ سے تھا اور جستجوئے حق غرض نہ تھی اسلیئے پورا نہ کیا گیا۔

ابن جریج کہتے ہیں یہودیوں کا سوال یہ تھا کہ آپ ایک لکھی لکھائی کتاب توریت کی طرح کسی خاص شخص پر نازل کرادیجے جسمیں آپ کے قرآن کی تصدیق موجود ہو تاکہ ہم کو قرآن کی صداقت میں تامل نہ رہے۔ چونکہ اس سوال کی بنا محض عداوت اور خصومت پر تھی کہ امرِ حق کھلے ہوئے معجزات، کلام معجز اور مجموعۂ ہدایت کو تو نہ مانا جسکو ہر ہوشمند کی عقل قابل تسلیم سمجھتی ہے بلکہ محض خواہشات نفس کی پیروی میں ایک کھیل تماشے کے خواستگار ہوئے اور وہ قرآن جسکے اندر وحدانیت الٰہی، اخلاق کریمہ، اصول تمدن، قواعدِ انتظام عالم اور قوانین فطرت بھرے پڑے ہیں اور اصلاح دنیا و آخرت کے تمام ضروری مباحث موجود ہیں اُسکو بغیر غور و فکر کیئے ہوئے پس پشت ڈالکر اپنی کینہ توزی و عناد کا ثبوت دینے کے لیئے ایسی بیجا خواہش کی اور اس احمقانہ مطالبہ سے انکی افسوسناک حالت ظاہر ہوگئی اور یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کے اندر کفر۔ ہوا پرستی۔ پیروی نفس اور دشمنی عقل کا کس قدر مواد جما ہوا ہے اسی واسطے اُن کا سوال رد کردیا گیا اور صراحت کردی گئی کہ یہ لوگ ایسی خواہش بلکہ اس سے بڑھ کر خواہش تو موسیٰؑ کے وقت میں بھی کرچکے ہیں ان پر مختلف انبیاء کے زمانہ میں ہزاروں انعامات الٰہی ہوئے مگر یہ اپنی سرکشی اور طغیانی حرکت سے باز نہ آئے اب ان سے کیا امید ہوسکتی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہودی جو تم سے درخواست کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی لکھی لکھائی کتاب اُتار لاؤ تو یہ درخواست اُنکے نزدیک کچھ زیادہ گستاخی کی نہیں ہے ان کی تو عادت میں ہمیشہ سے یہ سرکشی چلی آئی ہے۔ اس سے پیشتر تو فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ ان کے باپ دادا موسیٰ سے اس سے بھی بڑھ کر گستاخی کی درخواست کرچکے ہیں۔ انہوں نے یہانتک گستاخی کی تھی کہ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً صاف کہدیا تھا ہم کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے خدا کو دکھلادو۔ اس گستاخی اور سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ اُن پر بجلی ٹوٹ پڑی مگر یہ خدا کی طرف سے اُنپر ظلم نہ تھا بلکہ بِظُلْمِهِمْ اُنہی کی نازیبا حرکت اور بے محل خواہش کی وجہ سے ایسا ہوا تھا پھر اس بیجا درخواست اور بے ادبی کے باوجود خدا تعالیٰ نے اُنکو لکھی لکھائی توریت عطا فرمائی لیکن سرشتی کج طبع انسانوں کو معجزہ سے کیا فائدہ۔ ازلی گمراہ معجزات دیکھ کر بھی گمراہ ہی رہتے ہیں۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ اُنہوں نے موسیٰ کے بہت سے معجزات دیکھے مصر سے لیکر توریت کے نازل ہونے تک کثیر معجزات اُن کے نظروں کے سامنے آئے مگر پھر بھی انہوں نے گوسالہ پرستی شروع کردی اور بچھڑے کو معبود بنالیا۔ خیر اسپر بھی فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ہم نے

اُن کو معاف کر دیا اور قبول توبہ کا طریقہ بتا دیا وَاٰتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا اور موسٰی کو ہم نے سلطان مبین عطا کیا۔ حکومت، غلبہ، واضح حجت، معجزات اور ایک شانِ مخصوص عطا کی مگر سب بے سود۔ ان کی سرکشی اور طغیانی حرکات دور نہ ہوئیں۔ اور جب انہوں نے اپنے عہدوں کی خلاف ورزی کی اور احکام الٰہی پر نہ چلے تو مجبورًا وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ ہم نے اُن کے سروں پر طور کو اٹھا دیا اور سایہ افگن کر دیا تاکہ اپنی جانوں کے خوف سے ہی وہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کریں اور پابندی شریعت کا عہد کر لیں (یہ قصہ سورۂ بقر میں گذر چکا ہے اور یہ واقعہ طور سینا کا نہیں ہے بلکہ ہلاک فرعون کے بعد جب ساحل بحیرۂ قلزم کو عبور کر کے بنی اسرائیل طور سینا سے بہت دور ساحل ہی پر مقیم ہو گئے تھے وہیں اُن کے سروں پر ایک سرسبز و شاداب پہاڑ کو سائبان کی طرح معلق کر دیا گیا تھا تاکہ ڈر کر احکام الٰہی پر عمل کرنے کا عہد کر لیں) وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (کچھ زمانہ کے بعد) فتح بیت المقدس (قادہ) یا فتح ایلیاء یا فتح اریحا کے وقت ان کو حکم دیا تھا کہ اس فتح کے شکریہ میں جب شہر کے دروازہ میں داخل ہو تو نہایت عاجزی کے ساتھ جھکے ہوئے داخل ہونا مگر انہوں نے انتہائی سرکشی سے اسکے بھی خلاف کیا اور حکم الٰہی کا مذاق بناتے ہوئے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے چلے۔ ایک حکم ان کو یہ بھی ملا تھا کہ وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ کہ سنیچر کے دن کی عظمت کیا کرو اور اس روز کاروبار بند رکھا کرو اور اس پر وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۔ اُن سے پختہ اور سخت عہد و پیمان بھی لیا تھا مگر انہوں نے اس معاہدہ کی بھی پرواہ نہ کی اور پیمان شکنی کرتے ہوئے سبت کی عظمت نہ کی۔

مقصود بیان: یہود کی جہالت اور ناشائستہ افعال کی مذمت اس بات کی صراحت کہ ان کو جستجوئے حق مطلوب نہیں بلکہ محض عناد اور تعنت غرض ہے کج طبعی اور سرتابی ان کا قدیمی شیوہ ہے۔ یہ ازلی گمراہ ہیں اور ازلی گمراہ کو ہدایت ناممکن ہے۔ آیات میں مسلمانوں کے لیے ایک درس عبرت ہے اور لطیف اشارات اس طرف ہیں کہ حق جو آنکھ اور طالب ہدایت قلب کی ضرورت ہے۔ عناد و طغیان سرکشی اور کج طبعی موجب وبال ہے جسکی آنکھ بینا کان شنوا اور دل بیدار ہوتا ہے وہ قرآن کے اصول تمدن، ضوابطِ زندگی، قوانین ترقی اور وسائل نجات دیکھ کر مطمئن ہو سکتا ہے ورنہ تمام دنیا کے معجزات اور خوارق عادات ہدایت کے لیئے کافی نہیں۔ آیت میں چند قصوں کی جانب اجمالی اشارات بھی کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً یہودیوں کا موسٰی سے دیدار الٰہی کی دنیا میں انہی آنکھوں سے درخواست اور اس گستاخی پر ان پر بجلی کا ٹوٹ پڑنا۔ یہود کا گوسالہ پرستی کرنا وغیرہ

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ

تو بسبب ان کی عہد شکنی اور آیات خدا کے انکار کرنے

اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ

اور انبیاء کو ناحق قتل کرنے اور اس کہنے کی وجہ سے

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بہت کم ایمان لاتے ہیں (غلاف والے کچھ نہیں)

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ

بات یہ ہے کہ اُنکے کفر کے سبب سے اللہ نے اُنکے دلوں پر مہر کر دی ہے اور (اُن کا عدم ایمان)

وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّ

اُنکے کفر کرنے اور مریم پر بڑا بہتان لگانے　　اور

قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ

اس کہنے کی وجہ سے بھی ہے کہ ہم نے مریم کے بیٹے　　عیسٰی مسیح کو

مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ

جو اللہ کے رسول تھے قتل کر ڈالا حالانکہ انہوں نے عیسٰی کو نہ قتل کیا نہ سولی

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا

پر چڑھایا بلکہ اُن کو اشتباہ ہو گیا جن لوگوں نے عیسٰی کے متعلق اختلاف کیا

فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

وہ بلاشبہ شک میں پڑے ہیں سوائے اٹکل پر چلنے کے

اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ

اُن کو اسکی کوئی واقعی خبر نہیں عیسٰی کو یقینًا اُنہوں نے قتل نہیں کیا بلکہ

رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

اللہ نے اُسکو اپنی طرف اٹھا لیا　　اور اللہ زبردست اور باحکمت ہے

تفسیر اب یہاں سے یہودیوں کی چند اور نازیبا حرکات اور ... عکن کفر پرستیاں بیان کی جاتی ہیں تاکہ ... [illegible]

ہے ازلی نیک بختی اور شقاوت ازلی کا اچھی طرح مظاہرہ ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ کہ ہم نے ان پر اپنا قہر نازل کیا کیونکہ انہوں نے (موسٰی کے سامنے) جو عہد و پیمان کیے تھے اور توحید پر قائم رہنے اور احکام شرع پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیا تھا اُسکو توڑ دیا (گوسالہ پرستی کی۔ ملک شام میں جا کر بت پرستی اور زناکاری شروع کر دی) وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور نزول قہر کی یہ وجہ بھی تھی کہ آیات توریت جن میں عیسٰیؑ اور محمدؐ کی صداقت نبوت کا بیان تھا اُن کا ان یہودیوں نے انکار کر دیا اور معجزات انبیاء کو نہ مانا اور آیات قدرت سے بھی یہ صاف منکر ہو گئے وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور نزول قہر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ناحق انہوں نے مختلف انبیاء (زکریا یحیٰی وغیرہما) کو قتل کیا (خصوصًا حضرت سلیمانؑ کے بعد تو بہت سے حق پرست رسول یہودیوں کے تیر ستم کے نشانہ بنے) وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ اور ایک وجہ وبال انکے لیئے یہ بھی ہے کہ یہ لوگ تم سے کہتے ہیں کہ ہمارے دل علم کے ظروف ہیں جن کے اندر علم و معرفت کے خزانے بھرے پڑے ہیں ہم کو تمہاری ہدایت کی ضرورت نہیں یا یہ مطلب ہے کہ یہودی کہتے ہیں ہمارے دلوں پر ایسے ہی پردے پڑے ہیں تمہارے قول کی تاثیر ہمارے دلوں پر نہیں ہو سکتی خدا تعالٰی اسی کی تردید میں فرماتا ہے کہ اُن کا یہ خیال غلط ہے نہ اُن کا دل مخزن علم ہے نہ دلوں پر غلاف ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالٰی نے اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کے دلوں پر گمراہی اور شقاوت کی مہر کر دی ہے جسکی وجہ سے کوئی نصیحت اُن پر تاثیر نہیں کر سکتی اور اُن کے دلوں کے اندر ایمان داخل نہیں ہو سکتا فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا لہذا وہ کسی طرح ایمان نہیں لا سکتے ہاں بعض لوگ ضرور مؤمن ہو سکتے ہیں جسطرح کہ عبد اللہ بن سلامؓ یا یہ مطلب ہے کہ تھوڑا سا ایمان حاصل ہو سکتا ہے یعنی وہ ایمان نہیں ہو سکتا ہے جسکو وہ ایمان کہتے ہیں اور نبوت موسٰیؑ کی تصدیق کا دعوی کرتے ہیں وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ایک وجہ قہر الٰہی کے نزول کی یہ بھی ہے کہ انہوں نے خدا تعالٰی کی قدرت کاملہ کا انکار کیا عیسٰیؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اُن کے نزدیک محال ثابت ہوا اور وہ اس سے صاف انکار کر گئے بلکہ (حضرت) مریم پر ایک عظیم الشان افترا باندھی کی مریم ایسی پاکدامن عورت اور اُس پر زکریا ایسے بوڑھے پیغمبر کے ساتھ زناکاری کی تہمت ایک عظیم الشان بہتان تھا جو اُن پر قہر الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہوا۔ ایک وجہ نزول لعنت الٰہی کی یہ بھی ہے کہ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ان کا دعوی ہے کہ وہ مسیح عیسٰیؑ جسکو بطور معجزہ کے بغیر باپ کے پیدا شدہ خیال کیا جاتا ہے اور باپ کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ ابن مریم کہا جاتا ہے اور جسکا دعوی تھا کہ میں رسول اللہ ہوں ہم نے اُسی

رسول اللہ اور ابن مریم کو قتل کر دیا۔ خدا تعالٰی فرماتا ہے یہ خیال اُن کا غلط ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ حقیقت میں نہ تو انھوں نے عیسٰی کو قتل کیا نہ اُن کو سولی دی بلکہ اُن کو اشتباہ ہو گیا ایک اور شخص کو عیسٰی کا ہمشکل بنا دیا گیا اور اُسکو دھوکہ میں یہودیوں نے قتل کیا۔ اس واقعہ کی تفصیل ابن کثیر نے بیان کی ہے کہ جب خدا تعالٰی نے حضرت عیسٰیؑ کو آسمان پر اٹھا لینا چاہا تو حضرت عیسٰیؑ مکان کے دریچہ سے نکل کر اپنے یاروں کے پاس ایک کوٹھری میں آئے جہاں بارہ حواری جمع تھے اور وجہ یہ تھی کہ یہودیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا اسلیئے باہر نہ نکل سکتے تھے پھر حضرت عیسٰیؑ نے فرمایا تم میں ایک آدمی ایسا ہے جو بارہ مرتبہ کفر کریگا اسکے بعد فرمایا تم میں کوئی ہے جو بجائے میرے قتل ہونے کو پسند کرے اور جنت میں میرے ساتھ رہنے کا مشتاق ہو۔ یہ سن کر ایک نوجوان اٹھا اور کہنے لگا میں اس بات کو قبول کرتا ہوں چونکہ وہ کم سن تھا اسلیئے حضرت عیسٰیؑ نے اُسکو ناتجربہ کار خیال کر کے بیٹھ جانے کا حکم دیا لیکن دوسری اور تیسری مرتبہ آواز دینے پر بھی جب وہی نوجوان کھڑا ہوا تو حضرت عیسٰیؑ نے فرمایا خدا تعالٰی نے تیری ہی قسمت میں یہ دولت لکھی ہے۔ غرض اسکے بعد عیسٰیؑ کو تھوڑی دیر کے لیئے غنودگی آ گئی اور آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اور اُس نوجوان کا چہرہ بحکم الٰہی حضرت عیسٰیؑ کے چہرہ کے ہمشکل ہو گیا مگر باقی بدن اُس کا اصلی ہیئت پر رہا اتنے میں یہودیوں کی دوڑ اندر داخل ہوئی اور کمبختوں نے اُس نوجوان کو گرفتار کر کے سولی دیدی۔ سولی دینے اور قتل کرنے کے بعد آپس میں خود ہی تفرقہ اور اختلاف خیال ہو گیا۔ ایک فرقہ کہنے لگا کہ خدا تعالٰی نے جتنی مدت چاہا ہم میں رہا پھر خود ہی آسمان پر چڑھ گیا۔ یہ فرقہ تو یعقوبیہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ دوسرے فرقہ کا خیال ہوا کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا اُس کو خدا تعالٰی نے اپنے پاس بلا لیا یہ فرقہ نسطوریہ تھا۔ تیسرا فرقہ مسلمان رہا اُس کا خیال تھا کہ عیسٰی خدا کے بندہ اور رسول تھے خدا نے اُن کو اپنی طرف اٹھا لیا (رواہ محمد بن اسحاق عن ابن عباس وسعید بن منصور والنسائی وابن مردویہ وابن جریر وعبد بن حمید وابن المنذر وغیرہم) وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ اور جن لوگوں کو عیسٰی کے مصلوب ہونے میں اختلاف ہے اُن کو خود ہی یقین نہیں بلکہ خواہ مخواہ ظنی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ کے متعلق اختلاف کرنے والے تین فریق تھے (۱) نسطوریہ (۲) ملکانیہ (۳) یعقوبیہ۔ اول گروہ کا خیال تھا کہ مسیح کو صلیب جسمانی ہوئی ہے روحانی نہیں ہوئی۔ آریس پادری کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ دوسرے فریق کا گمان تھا کہ مسیح کو روحانی صلیب ہوئی تھی جسمانی نہیں ہوئی۔ تیسرے گروہ کی رائے تھی کہ جسمانی اور روحانی دونوں طرح مسیح کو صلیب دی گئی۔ ایک اور فرقہ

تھا جو بالکل صلیب دیے جانے کا ہی منکر تھا بلکہ کسی اور شخص کو صلیب دی گئی تھی مگر یہ تمام اختلافات صرف ظنی تھے یقینی نہ تھے کسی فرقہ کو اپنی رائے پر کامل یقین نہ تھا۔ اب آگے حضرت عیسٰیؑ کے متعلق یقینی فیصلہ کیا جاتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کہ یقیناً بلاشک و شبہ یہودیوں نے عیسٰیؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ نے عیسٰیؑ کو انسانی دسترس سے بچا لیا اور اوپر کو بحالت زندگی اٹھا لیا۔ اب رہی آسمان کی طرف اٹھانے کی وجہ اور اس کا امکان تو یہ قدرت الٰہی سے بعید نہیں کیونکہ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا خدا تعالیٰ کی بادشاہت طاقت تمام کائنات پر غالب ہے جیسا چاہے وہ کر سکتا ہے اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی بھی نہیں ہوتا ہے وہ اپنے افعال میں حکیم ہے اُسکی حکمت کو کوئی پہونچ نہیں سکتا۔

مقصود بیان: یہود کی کفر شعاریوں کا بیان۔ اور اس بات کی توضیح کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں کسی سے خدا کو بغض ذاتی نہیں۔ خدا تعالیٰ عناد ذاتی سے کسی کو اپنی رحمت سے محروم کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہودیوں نے مختلف اوقات میں نافرمانیاں اور سرکشیاں اور معاہدات سے خلاف ورزیاں کیں انبیاء کو قتل کیا خدا کے احکام کا مذاق اُڑایا۔ شریعت کو ہنسی ٹھٹھا سمجھا خدا نے بھی انکی سلطنت چھین لی بخت نصر وغیرہ کی شکل میں اپنا قہر نازل کیا اور ہمیشہ کے لیے سزاوار لعنت قرار دیا۔ وغیرہ

اس بیان سے مسلمانوں کے واسطے بھی نصیحت اندوزی اور عبرت پذیری کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص شریعت الٰہیہ اور قوانین قدرت سے سرتابی کرتا ہے اُس کا یہی حشر ہوتا ہے۔

آیات میں چند باتوں کی صراحت اور بھی ہے (۱) عیسٰیؑ کو نہ یہودیوں نے صلیب دی نہ اور کسی طریقہ سے قتل کیا (۲) عیسٰیؑ مریمؑ کے بیٹے تھے انکا کوئی باپ نہ تھا (۳) عیسٰیؑ رسول اللہ تھے یعنی خدا کے بیٹے نہ تھے (۴) مریمؑ پاکدامن تھیں زنا اور بدکاری سے پاک تھیں (۵) خدا تعالیٰ نے عیسٰیؑ کو مع روح اور جسم کے اوپر اٹھا لیا اور ایسے مقام پر پہونچا دیا جہاں انسانی رسائی نہیں ہو سکتی (۶) حضرت عیسٰیؑ کے آسمان پر لے جانے میں کیا مصلحت اور حکمت تھی تو اسکو خدا ہی خوب جانتا ہے (۷) کیا آسمان پر کسی انسان کو لیجانا ناممکن بھی ہے تو خدا قادر مطلق ہے تمام کائنات اسکی مسخر اور حکم پذیر ہے ایسا ہونا خلاف عقل نہیں۔ جس نے آسمان بنایا ہے وہی شق بھی کر سکتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ

اور جتنے اہل کتاب ہیں سب کے سب اُن کے انتقال سے پہلے

بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ

اُن پر ایمان لائینگے اور قیامت کے دن عیسٰیؑ

عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝

اُن پر گواہ بنیں گے

تفسیر اس آیت کے مفسرین نے دو معنی بیان کئے ہیں پہلا معنی تو یہ ہے کہ تمام اہل کتاب خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مسلمان اپنے مرنے سے پہلے پہلے حضرت عیسٰیؑ کی رسالت پر ضرور ایمان لے آئینگے۔ مسلمان تو پہلے ہی سے عیسٰیؑ کو رسول جانتے ہیں۔ رہے عیسائی تو وہ عیسٰیؑ کے ابن اللہ ہونے کے قائل ہیں مگر جب روح نکلنے لگیگی اور عذاب کے فرشتے نظر آنے لگینگے تو وہ فوراً عیسٰیؑ کی رسالت اور خدا کی توحید کے قائل ہو جائینگے۔ یہ قول شہر بن حوشب، عکرمہ، مجاہد، محمد بن سیرین، ضحاک جویبر اور ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ عیسٰیؑ کے مرنے سے قبل ہر کتابی اُن پر ایمان لے آئیگا۔ چنانچہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ حضرت عیسٰیؑ آسمان سے دوبارہ اترینگے اور تمام دنیا میں اسلامی شریعت قائم کرینگے گویا آیت سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے نزول کے بعد جو اہل کتاب ہونگے وہ اُنپر ایمان لے آئینگے۔ یہ قول حسن بصری، قتادہ ابن جبیر، عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ کا ہے اور ابن عباس سے بھی مروی ہے ابن جریر اور ابن کثیر نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے اور واقع میں بھی یہی مطلب درست ہے کیونکہ پہلے معنی کی صورت میں کوئی قطعی ثبوت ہونا چاہئے اور ثبوت میں جو احادیث پیش کیجاتی ہیں وہ مخدوش ہیں۔ اسکے علاوہ عالم نزع میں جب فرشتے نظر وں کے سامنے آ جاتے ہیں تو تمام عالم غیب کا پردہ اٹھ جاتا ہے پھر حضرت عیسٰیؑ کی کیا تخصیص ہے۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔ اور عیسٰیؑ قیامت کے دن تمام اہل کتاب پر اسوقت کی گواہی دینگے جب آسمان پر جانے سے قبل اُن میں موجود تھے چنانچہ یہودیوں پر اس طرح گواہی دینگے کہ ان خبیثوں نے میری تکذیب کی اور میرے مار ڈالنے کا پختہ ارادہ کیا بلکہ اپنے گمان میں مجھے مردہ سمجھ لیا اور عیسائیوں پر گواہی دینگے کہ انھوں نے میری تعلیم کے خلاف کیا مجھے خدا کا بیٹا قرار دیا میں انکے عقیدہ عمل اور قول سے بری ہوں۔ جبتک میں موجود تھا ان کی نگرانی کرتا رہا۔ میرے بعد انہوں نے کیا کیا اس کا تجھی کو علم ہے۔

مقصود بیان: آسمان سے عیسٰیؑ کے نازل ہونے کی طرف وضاحت آمیز اشارہ۔ اور حقانیت اسلام کی جانب تلمیح۔

قیامت کے قریب آسمان سے حضرت عیسٰیؑ کے نازل ہونے کے متعلق

احادیث: چونکہ آیت مذکورہ میں نزول عیسٰیؑ کے متعلق کچھ وضح

اشارات ہیں اور اس زمانہ میں وفات وحیات مسیح کو اسلامی عقائد میں داخل کر لیا گیا ہے اور نزول عیسیٰؑ کے متعلق باہم مدعیان اسلام میں جھگڑا پیدا ہو گیا ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن احادیث کو ذیل میں بیان کر دیں جن سے قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ کا نازل ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے اُترنے کے بعد حضرت عیسیٰؑ دین اسلام کی تبلیغ کرینگے اور دین محمدیؐ کا اتباع کرینگے۔ ذیل میں جو احادیث ہم ذکر کر رہے ہیں اُن میں سے بیشتر حصہ علامہ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے۔

ابوہریرہؓ کی مرفوعًا روایت ہے حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات پاک کی جسکے دست قدرت میں میری جان ہے عنقریب عیسیٰؑ ابن مریم تم میں اُتریگا انصاف کے ساتھ حکومت کریگا صلیب توڑیگا سوّر کو قتل کریگا (یعنی عیسائی مذہب کی بیخ کنی کریگا۔ جلالی) جزیہ کو موقوف کریگا اور اتنا مال بہائیگا کہ کوئی اُسکو قبول نہ کریگا یہانتک کہ ایک سجدہ آدمی کو دنیا و مافیہا سے بہتر معلوم ہوگا۔ یہ حدیث روایت کرنے کے بعد بطور ثبوت کے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھو وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (بخاری و مسلم) اور سجدہ فقط رب العالمین کے واسطے ہوگا (یعنی روئے زمین پر کوئی مشرک نہ ہوگا۔ جلالی) رواہ ابن مردویہ۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریمؑ مقام روحا سے حج کا یا عمرہ کا یا دونوں کا ضرور تلبیہ کریگا (احمد و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ مقام روحا میں آکر فروکش ہوگا پھر وہاں سے حج کا یا عمرہ کا یا دونوں کا تلبیہ کریگا۔ (احمد و ابن ابی حاتم)

ابوہریرہؓ سے مرفوعًا روایت ہے تمہاری خوشی کا اُس وقت کیا حال ہوگا جبکہ عیسیٰؑ بن مریمؑ تم میں اُتریگا اور تمہارا امام (مہدی) تم ہی میں سے ہوگا (بخاری و مسلم و احمد)

وہ (عیسیٰؑ) تم میں اترنے والے ہیں جب تم اُن کو دیکھنا تو پہچان لینا اُن کا بدن گداز ہوگا رنگ سُرخ مائل بہ سپیدی ہوگا دو کپڑے پہنے ہونگے ایسا معلوم ہوگا کہ اُن کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے حالانکہ سر پر نمی بھی نہ ہوگی لوگوں کو اسلام کی دعوت دینگے اُس زمانہ میں سوا اسلام کے سب مذاہب مٹ جائینگے زمین پر امانت (عدالت) نازل ہوگی یہانتک کہ چرتے ہوئے اونٹوں کے ساتھ شیر پھرینگے اور گائیوں کے ساتھ چیتے اور بکریوں کے ساتھ بھیڑیے۔ اور سانپوں کے ساتھ بچے کھیلینگے جب بھی کچھ ضرر نہ ہوگا۔ وہ چالیس برس زندہ رہکر مرینگے اور مسلمان اُنپر نماز پڑھینگے (احمد ابوداؤد و ابن جریر)

ابوہریرہؓ سے مرفوعًا روایت ہے کہ قیامت اُسی وقت قائم ہوسکیگی جبکہ روم والے مقام اعماق یا دابق میں آکر فروکش ہونگے اُن سے مقابلہ کرنے کے لیئے مدینہ سے ایک لشکر نکلیگا جو اُس وقت روئے زمین کے تمام آدمیوں سے بہتر ہوگا۔ جب یہ لشکر دشمنوں کے مقابل صف آرا ہوگا تو روم والے کہینگے تم ہمارے اور اُن لوگوں کے درمیان سے روک چھوڑ دو جنھوں نے ہمارے آدمی قید کیئے ہیں ہم اُن سے لڑینگے مسلمان کہینگے ہرگز نہیں واللہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے بھائیوں سے جنگ کرنے کے لیئے تم کو راستہ دیدیں۔ بالآخر لڑائی ہوگی مسلمانوں کا ایک تہائی لشکر شکست کھا کر بھاگ جائیگا جسکی توبہ خدا تعالیٰ کبھی قبول نہ فرمائیگا اور ایک تہائی لشکر شہید ہوگا جسکا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بلند ہوگا۔ اور اخیری تہائی کو فتح حاصل ہوگی۔ یہ لوگ جاکر قسطنطنیہ فتح کرینگے اور جب مال غنیمت تقسیم کر رہے ہونگے اور تلواریں درختوں سے لٹک رہی ہونگی کہ اتنے میں شیطان آواز دیگا دجال نے تمہارے پیچھے تمہارے گھر بار کو تباہ کر دیا۔ وہ لوگ فورًا قسطنطنیہ سے نکلکر واپس آئینگے لیکن شیطان کی اُس ندا کو غلط پائینگے اور ملک شام میں پہونچینگے تو دجال سے مقابلہ ہوگا پھر جب اُسی حالت میں نماز کی صفیں درست کی جائینگی اور اقامت ہوچکیگی کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ اترینگے اور مسلمانوں کے امام کے پیچھے ہی نماز پڑھینگے۔ دجال جب عیسیٰؑ کو دیکھیگا تو جسطرح پانی میں نمک گھل جاتا ہے اسی طرح پگھلنے لگیگا۔ اگر عیسیٰؑ اُسکو یونہی (بغیر قتل کیئے) چھوڑ دینگے تب بھی وہ پگھل جائیگا۔ مگر خدا تعالیٰ عیسیٰؑ کے ہاتھ سے اُسکو قتل کرائیگا اور اُسکے خون سے بھرا ہوا نیزہ عیسےؑ لوگوں کو دکھائینگے (مسلم)

ابن مسعودؓ سے مرفوعًا روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے شب معراج میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ پھر خدا تعالیٰ دجال کو میرے ہاتھ سے ہلاک کرائیگا اور کافر (یہودی) بھاگتے پھرینگے یہانتک کہ درخت اور پتھر بولینگے کہ اے مسلمان بندے یہ کافر میرے پیچھے چھپا ہے اس کو قتل کر دے۔ اسکے بعد لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹ جائینگے اور اُس وقت یاجوج ماجوج خروج کرینگے جہاں پہونچینگے تباہی پھیلائینگے اور جس پانی پر پہونچینگے اُسکو پی جائینگے لوگ اُن کی شکایت میرے پاس لائینگے میں بددعا کرونگا خدا تعالیٰ اُن کو ہلاک کر دیگا اور زمین اُن کی بدبو سے متعفن ہو جائیگی اُسوقت اللہ تعالیٰ پانی برسائے گا اور اُن کی لاشیں بہا کر سمندر میں لیجائیگا۔ اسکے بعد قیامت اس طرح ہوگی جسطرح پورے دنوں والی حاملہ عورت ہوتی ہے کہ معلوم نہیں کس وقت رات دن میں اُسکے بچہ پیدا ہو جائے (اسی طرح معلوم نہ ہوگا کہ قیامت کس وقت آجائے) رواہ احمد و ابن ماجہ

عثمان بن عاصؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر رہجائینگے ایک شہر مجمع البحرین پر دوسرا حیرہ میں اور تیسرا ملک شام میں دجال کے ساتھ ستر ہزار تاجدار ہونگے یہودی ہونگے اور

بہت سی عورتیں بھی ہونگی لوگوں کو سخت بھوک اور پیاس کی تکلیف پہونچیگی اُس وقت نماز فجر کے قریب حضرت عیسیٰؑ آئینگے اور کہینگے اس امت کا سردار اسی میں سے ہوگا چنانچہ مسلمانوں ہی کا ایک سردار نماز پڑھائیگا پھر نماز کے بعد عیسیٰؑ نیزہ لیکر دجال کی طرف بڑھینگے اور اُسکو ہلاک کرینگے۔

ابوامامہ باہلی سے مرفوعًا روایت ہے کہ ایک روز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ پڑھا جسمیں زیادہ بیان دجال کا تھا۔ حضور ؐ نے ہمکو اُس روز دجال سے بہت ڈرایا اور فرمایا کہ جب سے خدا تعالیٰ نے بنی آدم کو پیدا کیا ہے اُسوقت سے لیکر (قیامت تک) زمین پر دجال کے فتنہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ پیدا نہیں کیا خدا تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا پیدا نہیں کیا جس نے اپنی امت کو دجال سے نہ ڈرایا ہو میں تمام انبیاء میں اخیری نبی ہوں اور تم سب سے اخیری امت ہو لا محالہ وہ تم میں پیدا ہوگا۔ اگر دجال کا خروج ایسے وقت ہوا کہ میں تمہاری پشت پر موجود ہوا تو میں ہر مسلمان کی طرف سے نبٹ لونگا اور اگر میرے بعد اس کا خروج ہوا تو ہر شخص کو خود نبٹنا ہوگا اور میری بجائے خدا تعالیٰ ہر مسلمان کا ذمہ دار ہے خوب سمجھ لو کہ دجال سرحد شام و عراق کے درمیان ایک راستہ سے خروج کریگا اور دائیں بائیں سب کو پامال کر ڈالیگا۔ اے بندگانِ خدا تم اُس وقت مضبوطی سے ثابت قدم رہنا۔ میں تم کو دجال کی ایسی پہچان بتائے دیتا ہوں جو پہلے کسی نبی نے نہیں بتائی۔ وہ ظاہر ہونے کے بعد نبوت کا دعویٰ کریگا حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں وہ جھوٹا ہوگا پھر زبان بدل جائیگا اور کہیگا میں تمہارا رب ہوں سو یاد رکھو تم مرنے سے قبل اپنے پروردگار کو دیکھ نہیں سکتے (اور وہ تمہاری نظروں کے سامنے ہوگا معلوم ہوا کہ وہ جھوٹا ہوگا) دجال کانا ہوگا اور تمہارا پروردگار یک چشم نہیں ہے۔ اُس خبیث کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ کافر لکھا ہوگا جسکو ہر پڑھا اور بے پڑھا مؤمن پڑھ لیگا۔ اُس کے فتنہ میں سے ایک بات یہ بھی ہوگی کہ اُسکے ساتھ جنت دوزخ ہوگی۔ حقیقت میں اُسکی دوزخ جنت اور اُسکی جنت دوزخ ہوگی جو شخص اُسکی دوزخ میں مبتلا ہو کر خدا سے پناہ مانگیگا اور سورۂ کہف کے شروع کا رکوع پڑھیگا تو وہ دوزخ اُسپر ایسی ٹھنڈی ہو جائیگی جیسے ابراہیمؑ کے لئے نمرود کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اُسکے فتنہ کی ایک صورت یہ بھی ہوگی کہ وہ ایک دیہاتی سے کہیگا اگر میں تیرے مردہ ماں باپ کو بلوا دوں تو کیا تو مجھپر ایمان لے آئیگا وہ دیہاتی کہیگا ہاں۔ چنانچہ اُس دیہاتی کے ماں باپ کی صورت بن کر آئینگے اور کہینگے ہاں میرے بیٹے تو اسکی پیروی کر یہ تیرا پروردگار ہے اُس کے فتنہ کی ایک یہ صورت ہوگی کہ ایک مؤمن اُس کے قبضہ میں آئیگا وہ اسکو چیر کر دو ٹکڑے کر دیگا پھر کہیگا دیکھو میں اپنے اس بندہ کو زندہ کر کے اٹھاتا ہوں مگر اُسکو گمان پھر بھی یہی ہوگا کہ پروردگار کوئی اور ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ اُس مرد مؤمن کو زندہ کر دیگا تو دجال خبیث کہیگا بتا تیرا پروردگار کون ہے۔ وہ کہیگا میرا پروردگار بس اللہ پاک ہے اور تو اے دشمن خدا دجال ہے خدا کی قسم مجھے تیرا حال معائنہ کے بعد جیسا آج معلوم ہوا اس سے پہلے ایسا معلوم نہ تھا (دجال اُسکو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کریگا مگر پھر اُسکو دوبارہ اُسپر دسترس حاصل نہ ہوگی) دجال کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ جب وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دیگا تو فورًا پانی برس جائیگا اور زمین کو روئیدگی کا حکم دیگا تو فورًا سبزہ پیدا ہو جائیگا۔ ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ دجال کا گذر ایک ایسی قوم کی طرف سے ہوگا جو اُس کی خدائی کی تکذیب کرتی ہوگی دجال تھوڑی دیر وہاں قیام کریگا اور وہ قوم تباہ ہو جائیگی پھر دجال کا گذر ایسی قوم کی طرف سے ہوگا جو اُسکو مان لیگی اور اُسکی خدائی کی تصدیق کر لیگی دجال آسمان سے پانی برسوائیگا اور زمین سے سبزہ اگائیگا اور اس گروہ کے چوپائے اسی روز موٹے تازے کوکھیں بھرے ہوئے جنگل سے واپس آئینگے جن کے تھن دودھ سے لبریز ہونگے۔ زمین میں کوئی جگہ ایسی نہ بچیگی جسکو دجال پامال نہ کریگا صرف مکہ اور مدینہ دو شہر بچ جائینگے جو اسکی دسترس سے خارج ہونگے یہ وہاں جانے کا ارادہ کریگا مگر وہاں (شہر کے دروازوں پر) ننگی تلواریں لیے فرشتے ملینگے یہانتک کہ اُس سرخ ٹیلہ کے پاس پہونچکر مقیم ہوگا جہاں کنکریلی شور زمین ختم ہوتی ہے۔ اُس روز مدینہ کی زمین میں تین بار زلزلہ آئیگا اور کوئی منافق مرد و عورت شہر کے اندر باقی نہ رہیگا بلکہ جو منافق ہوگا وہ مدینہ سے نکلکر دجال کے پاس چلا جائیگا اور مدینہ اُن سے ایسا صاف ہو جائیگا جیسا بھٹی لوہے کے میل کو صاف کر دیتی ہے اُس روز کا نام لوگ یوم الخلاص رکھینگے۔ یہ قصہ سُن کر ام شریک بنت ابو العکر نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ اُس روز عرب کہاں چلے جائینگے۔ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا عرب اُسوقت بہت تھوڑے ہونگے اور اُن میں سے بھی بڑا گروہ بیت المقدس کو چلا جائیگا وہاں اُن کا سردار ایک مرد صالح ہوگا اور فجر کی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا ہوا ہوگا کہ اُسی وقت عیسیٰ بن مریمؑ آسمان سے اترینگے امام مذکور عیسیٰؑ کو دیکھ کر اُلٹے قدم پیچھے ہٹے گا تاکہ عیسیٰ آگے بڑھ کر امامت کریں مگر عیسیٰؑ اُسکے کاندھوں پر ہاتھ رکھکر فرمائینگے نماز آپ ہی پڑھائیے نماز کی امامت آپ ہی کے لیئے مناسب ہے۔ امام مذکور نماز پڑھائے گا سلام پھیرنے کے بعد عیسیٰؑ فرمائینگے اب دروازہ کھولدو۔ حسب الحکم (مسجد کا) دروازہ کھولدیا جائیگا۔ باہر دجال موجود ہوگا جسکے ساتھ ستر ہزار یہودی تاجدار دو پہلی تلواریں لیے موجود ہونگے۔ جب دجال کی نظر حضرت عیسیٰؑ پر پڑیگی تو وہ

اس طرح پگھلنے لگیگا جسطرح پانی میں نمک پگھلتا ہے اور بہا گجانا چاہیگا
لیکن حضرت عیسیٰؑ فرمائینگے تیرے جسم ناپاک پر میرا ایک وار ضرور رہ گیا تو اس
سے بچ نہیں سکتا۔ بالآخر حضرت عیسیٰؑ مشرقی دروازہ لُد پر پہونچکر دجال کو
قتل کر ڈالینگے اور مردودیہودی بھاگ نکلینگے اور جابجا چھپتے پھرینگے
مگر جس چیز کی آڑ پکڑ کر چھپینگے خدا تعالیٰ اُس چیز کو گویا بنا دیگا خواہ وہ لکڑی
ہو یا درخت یا پتھر یا جانور یا دیوار مگر وہ آواز دیکر کہیگی او خدا کے مسلمان
بندے یہ یہودی تیا میری آڑ میں چھپا ہے اسکو آکر قتل کر ڈال۔ ہاں صرف
ایک درخت غرقد نہ بولیگا اور یہودیوں کو چھپا لیگا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال کا دور حکومت
کل چالیس دن ہوگا۔ اسی حدیث کے اخیر میں حضورؐ نے فرمایا زمین میں
نور ہوگا اور حضرت آدمؑ کے زمانہ کی طرح نباتات میں برکت ہوگی کہ ایک
خوشۂ انگور سے اور ایک انار سے چند آدمی سیر ہو جائینگے۔ اسی
حدیث میں مذکور ہے کہ خروج دجال سے قبل تین سال بہت سخت
ہونگے لوگوں کو اس مدت میں کھانے پینے کی سخت تکلیف ہوگی پہلے
سال بحکم الٰہی دو تہائی بارش ہوگی اور زمین سے بھی دو تہائی پیداوار
ہوگی۔ دوسرے سال ایک تہائی بارش اور ایک تہائی پیداوار ہوگی
اور تیسرے سال پانی کا ایک قطرہ نہ برسے گا اور زمین سے ایک دانہ
پیدا نہ ہوگا اکثر کھر والے جانور مر جائینگے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس
زمانہ میں لوگوں زندگیاں کیسے ہونگی۔ فرمایا تہلیل تکبیر اور تحمید سے (ابن ماجہ)

حضرت نواس بن سمعان کی روایت جو صحیح مسلم میں موجود ہے
اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال زمین پر چالیس روز رہیگا اس کا ایک
دن ایک سال کی برابر ہوگا اور ایک دن ایک ماہ کی برابر اور ایک دن
ایک ہفتہ کی برابر اور باقی ایام معمولی دنوں کی برابر ہونگے۔ صحابہ نے عرض
کیا یا رسول اللہ جو دن سال بھر کی برابر ہوگا اسمیں صرف ایک روز کی
نماز کافی ہوگی۔ فرمایا پنجوقتی نماز کے اوقات کا اندازہ کرنا ہوگا یعنی ہر
شبانہ روز کی مقدار کا اندازہ کرنا پڑیگا اور ہر شبانہ روز کی مقدار میں
پنجوقتی نماز ادا کرنی ہوگی۔ اسی روایت میں ہے کہ ویرانہ مقامات کے
خزانے زمین سے نکلکر شہد کی مکھیوں کی طرح دجال کے پیچھے پیچھے ہونگے
اسی حدیث کے اخیر میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ
رکھے دمشق کے سفید منارہ پر اُترینگے۔ مجمع بن جاریہ کی روایت میں ہے
کہ حضرت عیسیٰؑ دجال کو باب لُد پر قتل کرینگے (رواہ الترمذی و احمد و قال
صحیح) دجال کے متعلق بہت سے اکابر صحابہ سے احادیث مروی ہیں
مثلاً عمران بن حصین، ابو برزہ، حذیفہ بن اسید، ابو ہریرہ، کیسان، عثمان
بن ابی العاص، جابر، ابو امامہ، ابن مسعود، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب
نواس بن سمعان، عمرو بن عوف، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم۔

صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ عصر کے وقت اتریں گے اُس وقت
نماز خود پڑھائینگے پھر صبح کی نماز امام مہدیؑ کو پڑھانے کا حکم دینگے۔
اب ہم اصل تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

الغرض یہودیوں کی شرارتوں کی وجہ سے

طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ

اور راہ خدا سے لوگوں کو روکنے کے سبب سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا

اور باوجود ممانعت کے سود لینے کی وجہ سے اور

وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ

لوگوں کا مال ناحق کھانے کے باعث سے ہم نے بہتیری وہ پاک چیزیں جو پہلے

بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ

اُنکے لیے حلال تھیں حرام کر دیں اور انمیں سے کفر پر جمے رہنے والوں کیلئے

عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ

ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ہاں ان میں سے جو لوگ علم میں پختہ ہیں

مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اور وہ ایماندار جن کا ایمان اُس کتاب پر بھی ہے جو تم پر نازل کیگئی ہے

وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ

اور اُس پر بھی ہے جو تم سے پہلے نازل کیگئی اور خصوصیت کے ساتھ پابندی سے نماز پڑھنے والے

الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھنے

الْاٰخِرِ ؕ اُولٰۤئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ۲۲ ع ۲

والے ان کو عنقریب ہم اجر عظیم عطا کرینگے

تفسیر سابق آیات میں یہودیوں کی کفر شعاریاں اور سرکشیاں بیان
کی گئی تھیں اب اس آیت میں اُن کی سزاؤں سے جو دنیوی

سزائیں اُن کو دی گئی تھیں اُن میں سے بعض کا بیان کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ یعنی جو پاکیزہ چیزیں یہودیوں پر پہلے سے حلال تھیں اور حضرت یعقوب کے وقت سے حلال چلی آتی تھیں ہم نے اُن کی بیجا حرکات اور خلق اللہ پر ظلم کرنے کی وجہ سے اُن چیزوں کو شرعی طور پر حرام کر دیا۔ جو چیزیں یہودیوں پر حرام کر دی گئی تھیں اُن کا بیان سورۂ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ الخ میں ہو گیا ہے۔

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا۔ دوسری وجہ تحریم طیبات کی یہ تھی کہ وہ بہت سے بندگانِ خدا کو راہِ حق سے روکتے تھے اور جہاں تک اُن سے ممکن تھا انھوں نے لوگوں کو اغوا کیا۔ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ۔ تیسری وجہ تحریم طیبات کی یہ تھی کہ اُن کو باوجودیکہ سود خواری سے توریت میں منع کر دیا گیا تھا مگر وہ باز نہ آئے اور کھلم کھلا سودی کاروبار کرنے لگے وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ چوتھی وجہ تحریم طیبات کی یہ تھی کہ اُن میں کے خاص خاص آدمی اور علمائے دین لوگوں کا مال بیجا طور پر کھانے لگے اور دوسرا کے سے رشوت لینے لگے۔ یہ چار سبب تھے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو شرعی طور پر اپنی پاکیزہ نعمتوں سے محروم کر دیا اور یہ تو نقدِ دنیوی سزا تھی آخرت میں خدا تعالیٰ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ اُن میں سے منکرینِ حق اور کافرانِ دین کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ چونکہ ہر قوم میں بعض لوگ اچھے اور دیندار اور سلیم الطبع اور صحیح ذوق رکھنے والے بھی ہوتے ہیں یہودیوں میں بھی بعض ایسے فطری نور رکھنے والے اور جذبۂ معرفت کے حامل لوگ موجود تھے اسلئے اُن کا بیان آیت ذیل میں کیا جاتا ہے:۔ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ یہ آیت بروایت ابن عباسؓ عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، زید بن سعید اور اسید بن عبید علمائے اہلِ کتاب کے متعلق نازل ہوئی جو حلقۂ اسلام میں بخوشی خاطر داخل ہو گئے تھے اور اپنے رسوخِ علمی کی وجہ سے قرآن پر ایمان لے آئے تھے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ علمِ دین میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں جن کو کمالِ علمی حاصل ہے اور جن کے سینے معرفت کے نور سے منور ہیں یعنی اہلِ کتاب میں کے مخصوص علما وَالْمُؤْمِنُوْنَ اور ایماندار طبقہ یعنی مہاجر اور انصاری یہ سب یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ قرآن پر اور گذشتہ آسمانی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں اور فقط یقین ہی نہیں بلکہ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ اسلامی نماز خصوصیت کے ساتھ پابندیٔ اوقات اور ارکان و شرائط کا لحاظ کر کے ادا کرتے ہیں وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور شرعی زکوٰۃ دیتے ہیں وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کے باوجود اور اعمال و عبادات پر پابندی رکھنے کے ساتھ ساتھ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اُن کا ایمان مبدأ و معاد پر بھی ہے۔ خدا کی ذات و صفات اور روزِ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ان کو خدا تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ ان کی محنت رائگاں نہ جائیگی۔

مقصودِ بیان:۔ ہر دنیوی اور اُخروی سزا اپنی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بعض جائز اور پاکیزہ نعمتوں سے روک دینا بھی بعض اوقات تزکیۂ نفس کو دور کر دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ یہودی بہت سرکش تھے خونریز اور سفاک تھے خود بھی گمراہ تھے دوسروں کو بھی ہدایت یاب ہونے سے روکتے تھے۔ اہلِ کتاب میں بعض لوگ نورِ فطرت رکھنے والے بھی تھے۔ جن لوگوں کو کمالِ علمی حاصل ہوتا ہے اور نورِ ازلی سے اُن کے قلوب روشن ہوتے ہیں وہ دینِ الٰہی سے انکار نہیں کر سکتے۔ قرآن کی تصدیق کرنی اور مبدأ و معاد پر ایمان لانا ہی رسوخِ علمی کی علامت ہے۔ اسلامِ کامل کے لئے قوتِ عملیہ اور قوتِ نظریہ کی تکمیل ضروری ہے، علم و عمل یا عقیدہ اور عمل جب تک صحیح نہ ہوگا کمالِ ایمانی حاصل نہیں ہو سکتا۔

اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى

ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی جیسے نوح کے پاس

نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَیْنَاۤ

اور اُن کے بعد دیگر انبیاء کے پاس بھیجی تھی اور

اِلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ

ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب

وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰى وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ

اور اُن کی اولاد اور عیسیٰ ایوب یونس

وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ

ہارون و سلیمان کے پاس بھیجی تھی اور داؤد کو ہم نے زبور دی تھی

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ

ہم نے بعض رسول تو وہ بھیجے جن کے حالات ہم نے پہلے تم سے بیان کر دیے اور

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ

کتنے رسول ایسے بھی بھیجے جنکے حالات تم سے نہیں بیان کیے اور اللہ نے

مُوسٰی تَكْلِيمًا ۝ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ

موسیٰ سے بول کر باتیں کیں یہ سب ہم نے خوشی سنانے اور ڈرانے کیلئے بھیجے تھے

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ

تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کا اللہ پر کوئی الزام

الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

نہ رہے اور اللہ زبردست مصلحت میں ہے

تفسیر محمد بن اسحاق نے بروایت ابن عباس بیان کیا کہ سکین اور عدی بن زید یہودیوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد ہمارے خیال میں خدا تعالیٰ نے موسیٰ کے بعد کسی شخص پر کوئی وحی یا کتاب نازل نہیں کی اس پر آیت إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهٖ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَأَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ نازل ہوئی۔ اور رد کر دیا گیا کہ نبوت کا صرف موسیٰ میں حصر کر دینا خلاف عقل ہے جس طرح موسیٰ کے پاس وحی آئی اسی طرح موسیٰ سے قبل نوح سے لیکر تمام انبیاء پر جبرئیل کے ذریعہ سے وحی آتی رہی نوح پر آئی پھر ان کے بعد اور انبیاء پر آئی ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب اور اولاد یعقوب پر آئی۔ ان کے علاوہ عیسیٰ ایوب یونس ہارون سلیمان اور داؤد پر بھی آئی ہی اور خصوصیت کے ساتھ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوْرًا حضرت داؤد کو تو زبور عطا کی گئی۔ ان میں سے اکثر لوگوں کی نبوت کے تو یہودی بھی قائل تھے اور حضرت داؤد کو زبور ملنے کا عقیدہ رکھتے تھے پھر کس طرح دعویٰ کرنا ممکن ہے کہ موسیٰ کے بعد کسی کے پاس وحی اور کتاب نازل نہ ہوئی کچھ نبوت کا حصر موسیٰ ہی پر نہیں بلکہ یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہی بارہ تیرہ آدمی نبی تھے ان کے علاوہ کوئی نبی نہیں گذرا ہے وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ کیونکہ کچھ نبی تو خدا نے وہ بھیجے جن کے واقعات نام نشان وغیرہ قرآن میں بیان کر دیے اور کچھ نبی ایسے بھی گذرے ہیں جن کے متعلق کوئی اظہار قرآن میں نہیں ہے لہٰذا نبوت کو موسیٰ میں منحصر سمجھ لینا حماقت ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے بصورت خاص کلام کیا اور زیادہ کلام کیا بس اتنی بات ہے جس سے حصر نبوت کا دھوکہ ہوتا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ نبوت کا دارو مدار وحی پر ہے جس کے پاس وحی آتی ہو وہی نبی ہے جس طرح موسیٰ کے پاس وحی آئی تھی اسی طرح اور انبیاء کے پاس وحی آئی ہے اور اسی طرح اے نبی تمہارے پاس وحی آتی ہے نہ نبوت کسی کی

خاندانی میراث ہے نہ کوئی عجیب غریب چیز جو انسانوں کے دائرے سے بالاتر ہو اور یہ کہا جائے کہ نبی معمولی انسانوں کی طرح خورد و نوش رکھتا اور تمام اطوار سے بالاتر ہوتا ہے ہاں بعض انبیاء کی کچھ خصوصی امتیازی چیزیں ہوتی ہیں مثلاً داؤد کو زبور عطا کی گئی اور موسیٰ سے خصوصی کلام کیا گیا لیکن اس امتیازی وصف سے دوسروں کی نبوت کا انکار کرنا خلاف عقل ہے معیار نبوت وحی ہے اسکے علاوہ انبیاء کا فرض تبلیغ ہے خدا تعالیٰ نے انبیاء کو صرف رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لئے مبعوث فرمایا نیکوں کو نجات کی بشارت اور بدوں کو دینی و دنیوی سزا و عذاب سے ڈرانے کے لئے بھیجا جو اس فن کی ادائیگی میں تام ہو اور جسکے پاس وحی آتی ہو وہی نبی ہے پھر یہ خیال کس طرح کر لیا گیا کہ موسیٰ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ انبیاء کو بھیجنے سے اصل غرض یہ ہے کہ قانون الٰہی ان کے پاس پہنچ جائے برے بھلے کے امتیاز کی ان کو نصیحت کر دی جائے اور لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ رسولوں کے بھیجنے کے بعد کسی کو قیامت کے دن یہ عذر کرنے کا موقع نہ ملے کہ کوئی سمجھانے والا اور قانون عدالت پہونچانے والا ہمارے پاس نہیں بھیجا گیا تھا ہم نا فہم تھے ہماری روحوں میں اتنی روشنی نہیں تھی کہ خود بخود نور فطرت کے ذریعہ سے اچھے برے میں امتیاز کر سکتے اور حقوق مفروضہ کو ادا کر سکتے تو جب انبیاء کے بھیجنے کی اصل غرض اتمام حجت ہے تو یہ تکمیل حجت صرف موسیٰ کے بھیجنے سے کس طرح حاصل ہو سکتی ہے موسیٰ سے قبل بھی ہزاروں قومیں گذری ہیں اور بعد کو بھی نسل انسانی منقطع نہیں ہوئی تو کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ایک موسیٰ کو بھیجکر لوگوں کے عذر کا ازالہ کر دیا جائے اور دوسرے کسی نبی کو نہ بھیجا جائے یہ فعل خدا کی حکمت کے خلاف ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا حالانکہ خدا غالب و دانا ہے اسکی طاقت اور حکمت اسی کی مقتضی تھی کہ دنیا جہان میں انبیاء کا سلسلہ قائم کر دیا جائے اور کسی کو نادانی کا عذر باقی نہ رہے۔

مقصود بیان:۔ معیار نبوت وحی ہے بعض انبیاء کے کچھ خصوصی امتیازات بھی تھے۔ رسول کوئی غیر معمولی انسان جو لوازم انسانی سے بالاتر ہو نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک انسان ہوتا ہے خدا کی وحی اس کے پاس آتی ہے۔ انبیاء کا حصر صرف انہی اشخاص میں نہیں ہے جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے بلکہ بہت سے انبیاء کا تذکرہ قرآن میں نہیں کیا گیا ہے۔ رسول کا فرض صرف تبلیغ ہے لوگوں کو ثواب کی بشارت دینی اور عذاب سے ڈرانا اور اس طریقہ سے نیکی کی طرف مائل کرنا اور بدکاری سے ہٹانا ہر نبی کا کام ہے۔ انسان فطرتاً گناہ سے معصوم نہیں۔ اسکے

انبیاء کا سلسلہ دنیا میں قائم کیا گیا۔ انسانی تعادل اور نظام تمدن قائم رکھنے کے لیے قانون بشارت و انذار کا ہونا ضروری ہے جو نبی کے ذریعہ دنیا میں بھیجا گیا گویا نظام انسانی بغیر نبوت کے درست نہیں رہ سکتا۔ وغیرہ

لٰکِنِ اللّٰہُ یَشْہَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْکَ اَنْزَلَہٗ

اللہ شاہد ہے کہ اُس نے جو کچھ تم پر اُتارا اپنے علم کے موافق

بِعِلْمِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَشْہَدُوْنَ وَکَفٰی بِاللّٰہِ

اتارا اور فرشتے بھی شاہد ہیں اور اللہ ہی شاہد

شَہِیْدًا ○ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا

کافی ہے جن لوگوں نے انکار کیا اور راہِ خدا

عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِیْدًا

سے دوسروں کو روکا وہ بھٹک کر دور جا پڑے

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ

جن لوگوں نے کفر اور ظلم کیا اُن کو خدا

لِیَغْفِرَ لَہُمْ وَلَا لِیَہْدِیَہُمْ طَرِیْقًا ○ اِلَّا

ہرگز نہ بخشے گا اور نہ اُن کو سوا جہنم کے اور راستہ دکھائیگا

طَرِیْقَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا ۭ وَ

جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور

کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ○ یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ

ایسا کرنا اللہ پر آسان ہے لوگو

قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ

یہ رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لیکر تمہارے پاس آئے ہیں

فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ ۭ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ

لہذا تم ایمان لے آؤ تمہارا بھلا ہوگا اور اگر نہ مانوگے تو (سمجھ لو کہ)

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَکَانَ

جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور

اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا

اللہ دانا اور مصلحت بین ہے

تفسیر

یہودیوں کی ایک جماعت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضور نے اُن سے فرمایا یہودیو! تم میرے برحق نبی ہونے کو خوب جانتے ہو میری نبوت کی بشارتیں تمہاری کتاب میں موجود ہیں لیکن عناد سے تم نہیں مانتے۔ یہودی بولے ہماری کتاب میں تمہارے متعلق کوئی بشارت نہیں اور نہ ہمکو تمہارے نبی ہونے کا علم ہے اسکے علاوہ مکہ کے کافروں نے بھی کہا تھا کہ ہم نے اہل کتاب سے تمہاری نبوت کا حال دریافت کیا تھا انہوں نے جواب دیا کہ ہم انکو جانتے ہی نہیں اور نہ ان کو اپنی کتاب کے موافق پاتے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ لٰکِنِ اللّٰہُ یَشْہَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْکَ اَنْزَلَہٗ بِعِلْمِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَشْہَدُوْنَ حاصل ارشاد یہ ہے کہ محمد! خدا خوب جانتا ہے اور تمہاری نبوت کی شہادت دیتا ہے اُس نے جو کچھ تم پر اُتارا ہے تم کو اُس کا اہل سمجھ کر اُتارا ہے اور خدا کے فرشتے بھی اسکی شہادت دیتے ہیں کافروں کے انکار سے کیا ہو سکتا ہے ان کو انکار کرنے دو یہ اگر حق بات چھپاتے ہیں اور شہادت نہیں دیتے تو نہ دیں خدا شہادت کے لئے کافی ہے اس سے بڑھ کر اور کس کی شہادت ہو سکتی ہے۔ جب حضورؐ کی رسالت اور قرآن کی صداقت کی شہادت منجانب اللہ اور منجانب الملائکہ ختم ہو چکی تو کور باطن یہودیوں کے فطری خبیث اوصاف کو بیان کر کے انکی گمراہی اور گمراہ کنی کو ظاہر کیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جن لوگوں نے خدا کا خدا کے رسول کا اور قرآن کا انکار کیا اور چشم بصیرت سے محروم ہو گئے وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ گمراہ کن کوششیں کیں اور غلط شکوک و شبہات ڈالکر اور لوگوں کو بھی راہِ حق سے روکا قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔ ایسے لوگ گمراہی کے انتہائی درجہ کو پہونچ گئے۔ ایک تو خود انکارِ حق کرنا گمراہی ہے اور پھر دوسروں کو اقرارِ حق سے روکنا انتہائی درجہ کی گمراہی ہے۔ لہذا ایسے گمراہ اور گمراہ کن انسانوں کو اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا جو خود بھی کافر ہیں اور دوسروں کی بھی حق تلفی کرتے ہیں اور راہ ہدایت سے روکتے ہیں لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَہُمْ خدا تعالیٰ ہرگز معاف نہیں فرمائیگا۔ وَلَا لِیَہْدِیَہُمْ طَرِیْقًا اِلَّا طَرِیْقَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا اور نہ سوائے جہنم کے راستہ کے کوئی نجات کا راستہ دکھائیگا یہ ازلی گمراہ ہیں ان کو راہ حق نہیں مل سکتی ہمیشہ وہی بات انکو سوجھیگی جس سے سیدھے جہنم کے راستہ پر جا پڑینگے اور بالآخر جہنم میں پہونچکر ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہینگے وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا اور یہ سب کچھ خدا کے نزدیک آسان ہے وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ لہذا ہر وہ ہوشمند انسان جسکی چشم بصیرت وا ہے

اور موت کا اُسکو یقین ہے ہرگز وہ ایک صحیح رہبر اور برحق نبی کا اتباع ترک کرکے بندۂ نفس نہ بنے گا اور دائمی عذاب میں گرفتار ہونے کو پسند نہ کریگا اسلیئے یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ۔ لوگو اجب خدا نے تمہارے پاس نبی برحق بھیجدیا اور خدا کی طرف سے سچے احکام لیکر رسول تمہارے پاس آگیا تو اُس کی تصدیق کرو اُسکے قول کو سچ جانو اور اُس کے حکم کو مانو۔ اگر ایسا کروگے تو تمہارے ہی لیئے بہتر ہوگا اُس کا اسمیں کوئی ذاتی نفع نہیں ہے وَاِنْ تَكْفُرُوْا اور اگر تم اُسکو اور اُسکے لائے ہوئے احکام کو نہ مانوگے تو نہ مانو نہ اُس کا اسمیں کچھ ہرج ہے نہ خدا کا اپنی عاقبت خراب کروگے خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکوگے کیونکہ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانی اور زمینی تمام کائنات خدا ہی کی ہے اُسکو تمہاری عبادت اور اطاعت کی ضرورت نہیں تمہاری نافرمانی اُسکی اس وسیع سلطنت کو نقصان نہ پہنچا سکیگی بلکہ تمہارا ہی نقصان ہوگا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ خدا عالم وحکیم ہے اُس نے شریعت اور قرآن میں تمہارے فوائد کے لیئے جو خوبیاں رکھی ہیں اُن کو وہی خوب جانتا ہے۔

مقصود بیان :۔ دین الٰہی کی صداقت کی شہادت خدا بھی دیتا ہے اور عالم قدس کی تمام کائنات بھی شہادت دیتی ہے۔ جاہل انسان کی شہادت و عدم شہادت کا کوئی اعتبار نہیں۔ قانونِ الٰہی کی تصدیق کائنات عقل کا ذرہ ذرہ کرتا ہے۔ آیت میں یہودیوں کی گمراہی و گمراہ کنی کی وضاحت کی گئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ انکی نافرمانیاں اور ضلالت انگیزیاں انکو راہ حق پر نہیں آنے دیتیں۔ آیت میں رسول پاکؐ کے برحق ہونے اور شریعت اسلامیہ کے منجانب اللہ ہونے کی صراحت کے ساتھ دعوتِ ایمان بھی دی گئی ہے اور اس بات کی بھی توضیح کردی گئی ہے کہ کسی کے ایمان لانے سے خدا و رسول کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ انسان کا خود فائدہ ہے اگر کوئی انکار کریگا اور قانون الٰہی کو نہ مانیگا وہ خود اپنا نقصان کریگا۔ خدا کو کسی کی طاعت سے نفع یا نافرمانی سے ضرر نہیں ہوسکتا تمام کائناتِ عالم اُسی کی مملوک و مخلوق اور مسخر فرمان ہے۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَلَا

اے اہل کتاب اپنے دین کے معاملہ میں حد سے آگے نہ بڑھو اور

تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ

اللہ کی نسبت حق بات ہی کہو بس مسیح

عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ

عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اُس کے حکم تھے

اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ٘ فَاٰمِنُوْا

جو اللہ نے مریم کو عطا کیا تھا اور اللہ ہی کی طرف سے وہ روح تھے۔ لہذا تم

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۫ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا

اللہ پر اور اُسکے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا کے قائل نہو اس قول سے باز آؤ

خَیْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ

یہی تمہارے لیئے بہتر ہے بس اللہ ہی اکیلا معبود ہے

اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ

اولاد سے پاک ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے

مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۠ ۝ ع

اُسی کا ہے اور اللہ ہی کام بنانے والا کافی ہے

تفسیر جب گذشتہ آیات میں یہودیوں کو ہدایت اور ترغیب آمیز ترہیب اور انذار آمیز بشارت دی جاچکی تو اب روئے سخن عیسائیوں کی طرف کیا جاتا ہے۔ یہودی حضرت عیسیٰؑ کو نبی نہ جانتے تھے اور ہر طرح اُن کی تکذیب اور توہین کرتے تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بلکہ خدا کہتے تھے اور یہ دونوں باتیں گمراہی کی تھیں کیونکہ جسطرح کسی بات میں افراط بری چیز ہے اسی طرح تفریط بھی قبیح بات ہے اور بہترین راستہ اعتدال کا ہے اسلیئے پہلے عقیدۂ تفریط کو منع کیا اب افراط کی ممانعت کرکے راہ متوسط کی تعلیم دی جاتی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ۔ اے عیسائیو اپنے دین میں غلو اور تعصب نہ کرو اور حد سے آگے نہ بڑھو اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق سوا رحق بات کے اور کچھ نہ کہو یعنی خدا کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو نہ کسی کو اُس کا بیٹا بناؤ نہ بیوی اُسکے اوصاف کو ممکنات کے اوصاف پر قیاس نہ کرو اسکو واحد لا شریک اور تمام عیوب سے پاک جانو تمام عالم کو اسکی مخلوق سمجھو مسیح کو خدا کا بیٹا اور مریم کو اسکی بیوی نہ جانو اور دھوکہ نہ کھاؤ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ مسیح عیسیٰؑ مریم کے بیٹے اور خدا کے پیغمبر تھے اسکے علاوہ کچھ نہ تھے یعنی مریم کے بیٹے تھے اُن کا کوئی باپ نہ تھا وہ خدا کے بیٹے بھی نہ تھے بلکہ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ خدا تعالیٰ کے حکم سے اور کلمۂ کن سے پیدا ہوئے تھے خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے اُن کو مریم کے پیٹ سے پیدا کردیا تھا وَرُوْحٌ مِّنْهُ بحکم الٰہی جاندار ہوگئے تھے خدا نے اپنے حکم سے اُن کو روح عطا

کی بھی اُن کی روح کی تخلیق کسی باپ کی محتاج نہ تھی۔ لہٰذا تم اُن کو خدا یا خدا کا بیٹا یا حرامی نہ کہو حرامی نبی نہیں ہوتا یہ خدا کے رسول تھے مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے اسلیئے خدا نہیں ہوسکتے اور نہ خدا کے بیٹے ہوسکتے ہیں مریم انسان تھیں خدا تمام عیوب مادیت سے پاک ہے پھر کس طرح مریم کا بیٹا خدا کا بیٹا یا خدا ہوسکتا ہے۔ اسلیئے ضروری ہے کہ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ خدا پر اور اُسکے رسولوں پر ایمان لاؤ خدا کو ذات وصفات میں وحدہٗ لاشریک لہٗ اور تمام عیوب سے پاک سمجھو رسولوں کو رسول جانو اُن کی تکذیب نہ کرو اور رسالت سے آگے بڑھ کر کسی رسول کو خدائی میں شریک نہ جانو وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اور یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں یا تینوں سے مرکب ہو کر ایک خدا ہوا ہے۔ بہرحال تثلیث کے قائل اور معتقد نہو یہ شرک ہے اور خدا ذات وصفات میں یگانہ و یکتا ہے۔ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ تم شرک سے باز آؤ اور توحید کے قائل بن جاؤ یہ تمہارے لیئے بہتر ہوگا۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ خدا اپنی ذات وصفات میں یگانہ اور لاشریک لہٗ ہے پھر عیسٰی کس طرح خدا ہوسکتے ہیں۔ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ وہ کسی کا والد بھی نہیں اس سے بھی پاک اور منزہ ہے اسلیئے عیسٰی خدا کے بیٹے بھی نہیں ہوسکتے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کائنات عالم اُسکی مخلوق اور مملوک ہے مخلوق و مملوک اپنے خالق و مالک کے ساتھ کس طرح ذات وصفات میں شریک ہوسکتی ہے اور کیونکر اُسکے مشابہ بن سکتی ہے اور کونسی وجہ سے ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ خدا ہی سب کا کارساز کافی ہے اُسکو مددگار کی ضرورت نہیں۔ پوری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اولاد کے جھگڑے سے پاک ہے کیونکہ اولاد ہونے سے دو اغراض والبتہ ہوتی ہیں ایک باپ کی ایک اولاد کی۔ باپ کا تو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اولاد باپ کے کاروبار کی تکمیل میں مدد کرتی ہے۔ اولاد کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے مال و متاع کی حقدار ہوتی ہے اور خدا کے ہاں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں کیونکہ وہ اکیلا سب کے کام بناتا ہے اُسکو مددگار کی ضرورت ہی نہیں لہٰذا اُس کی اولاد ہونا بے سود بلکہ ناممکن ہے پھر وہ تنہا زمین و آسمان کا مالک بھی ہے اُس کی ملکیت کا کوئی شریک وحقدار نہیں لہٰذا اُس کا کوئی بیٹا نہیں ہوسکتا۔

مقصود بیان :۔ بیجا غلو اور تعصب سے ممانعت۔ اظہار حق کی ہدایت توحید و تنزیہ باری تعالیٰ کی صراحت عیسٰی ؑ کے خدا اور خدا کا بیٹا ہونے کی مدلل تردید عیسٰی کے چند خصوصی اور امتیازی اوصاف کا بیان وغیرہ۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا

خدا کا بندہ ہونے سے نہ مسیح ہرگز عار کریں گے

لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ

اور نہ مقرب فرشتے اور اللہ کی

يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ

بندگی سے جو شخص عار اور تکبر کرے گا

فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

تو ایسے سب لوگوں کو عنقریب اللہ اپنے پاس سمیٹ کر جمع کریگا پھر

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ

جو لوگ مؤمن اور نیکوکار ہونگے اُن کو اُن کا پورا پورا ثواب دیگا

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

بلکہ اپنے فضل سے زیادہ بھی دیگا اور جو لوگ

اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ

عار و تکبر کرنے والے ہونگے اُن کو دردناک عذاب کی

عَذَابًا اَلِـيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ

سزا دیگا اُن کو اپنے لیے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ملیگا نہ مددگار

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ

لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے دلیل

رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا

پہونچ چکی اور ہم نے تمہاری طرف جگمگاتا نور نازل کردیا تو جو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ

لوگ اللہ پر ایمان لے آئے اور اُسکو اُنہوں نے مضبوط پکڑ لیا

فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ

اُن کو عنقریب اللہ اپنی رحمت میں داخل کریگا اور اُن کو اپنے پاس

اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝

آنے کا سیدھا راستہ دکھا دے گا

تفسیر نجران کے عیسائیوں نے حضور والا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد آپ ہمارے مسیح پر عیب لگاتے ہیں حضور نے فرمایا کیا بات ہے۔ عیسائیوں نے عرض کیا وہ خدا کے بیٹے ہیں اور آپ اُن کو خدا کا بندہ اور رسول بتاتے ہیں اس سے اُنکی کسر شان ہوتی ہے حضور نے فرمایا خدا کا بندہ بننا تو کسی کے لیے بھی عار نہیں نہ کسی کو اس سے انکار ہو سکتا ہے۔ اُسی وقت حضور کی تصدیق میں آیت لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ نازل ہوئی اور چونکہ بعض لوگ فرشتوں کی بھی پرستش کرتے تھے اور اُن کو خدا کی بیٹیاں خیال کرتے تھے اسلئے انکے رد کے واسطے ملائکہ کا بھی تذکرہ آگیا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مسیح ہو یا مقرب فرشتے ہوں کسی کو خدا کا بندہ بننے اور اُسکی عبادت کرنے سے ہرگز عار نہیں اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا جو لوگ پروردگار کی عبادت کرنے سے عار کرتے ہیں اور اپنے نفس کو بندگی الٰہی سے بزرگتر جانتے ہیں خدا تعالیٰ عنقریب قیامت کے دن اُن کو اور اپنے اُن بندوں کو جو خدا کا بندہ ہونے سے انکار نہیں کرتے سب کو اپنے پاس جمع کریگا اب فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو لوگ مومن اور نیکوکار ہیں اور جنکو عبادت الٰہی سے عار نہیں فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ اُن کو خدا تعالیٰ اُن کے اعمال کا پورا پورا اجر عطا فرمائیگا۔ ایسی نعمتیں دیگا جو نہ دیکھی اور نہ سُنی ہونگی باقی وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا جو لوگ مغرور اور سرکش ہیں اور عبادت الٰہی کو عار سمجھتے ہیں تو فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا اُن کو خدا تعالیٰ دردناک عذاب دیگا اور ایسا دردناک عذاب دیگا کہ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا اُس سے سوائے خدا کے کوئی نجات دلانے والا اور مدد کرنے والا نہ ہوگا اور کسی میں طاقت نہ ہو گی کہ خدا تعالیٰ کا مقابلہ کر کے یا اسیر دیا دلا کر کافروں کو دوزخ سے رہائی دلا سکے اور عذاب الٰہی سے بچا سکے الحاصل جب عیسیٰ کو اور تمام مقرب فرشتوں کو سرتابی اور سرکشی کا نتیجہ بد معلوم ہے اور اُن کو یقین ہے کہ قیامت کے دن سرکشوں کی کوئی دوستی اور حمایت کرنے والا نہ ہوگا تو کس طرح وہ بندۂ خدا ہونے سے عار کر سکتے ہیں اور کیونکر عبادت الٰہی سے انکار کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اے اہل کتاب تم اس باطل عقیدہ پر قائم مت رہو اور دعوت توحید کو قبول کر لو۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ تمہارے پاس ایک دلیل مجسم اور برہان الٰہی اور حجت خداوندی یعنی ذات محمدی (صلعم) آگئی وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ اور تمہاری ہدایت کے لیئے ہم نے ایک نور روشن یعنی قرآن اتار دیا تم اسکی تصدیق کرو اُسکے احکام کو مانو اور اُسکی ہدایت پر عمل کرو کیونکہ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ جو لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اُسی کی ذات پر توکل کرتے ہیں اُسکے نازل کردہ قانون کو اپنے لیئے شمع راہ بناتے ہیں اور اُسی کی ہدایت پر کاربند ہوتے ہیں فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ اُن کو خدا تعالیٰ اپنی رحمت و فضل میں داخل کریگا اپنی رحمت سے اُن کو بخشدیگا اور اپنے فضل سے اُن کو مزید نعمتیں عطا کریگا وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ اور اپنے پاس آنے کا اپنا جلوہ دیکھنے کا سیدھا راستہ اُن کو بتا دیگا۔ نور الٰہی پر جو ستر ہزار حجاب پڑے ہیں اُن کو کھولنے کی سبیل خود نکالدیگا۔ سچ ہے جو شخص خدا تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے خدا تعالیٰ خود اپنا راستہ اُسے بتا دیتا ہے۔

مقصود بیان:- دنیا کی کوئی مادی اور غیر مادی جلیل القدر ہستی بندگی الٰہی سے انکار نہیں کر سکتی۔ جس مخلوق کا جتنا مرتبہ بیش ہے اُتنا ہی اقرار عبودیت کو وہ اپنے لیئے فخر خیال کرتی ہے۔ مقرب فرشتے خدا تعالیٰ کے جلیل القدر بندے ہیں عیسیٰ فقط عالم ناسوتی اور مادی حیثیت سے ہی خدا کی عبادت نہ کرتے تھے (جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے) بلکہ عالم لاہوتی اور روحانی حیثیت سے بھی عبادت الٰہی کو فخر جانتے تھے کیونکہ ملائکہ مقربین جو نور محض ہیں اور کثافت مادی سے بالکل پاک ہیں عبادت الٰہی کو عار نہیں جانتے پھر عیسیٰ باوجود مادی و روحانی حالات کا مجموعہ ہونے کے کس طرح عبودیت سے انکار کر سکتے ہیں رسول پاکؐ کی ذات گرامی تمام عالم کیلئے برہان ظاہر اور حجت روشن تھی۔ حضور کا قول فعل عمل اور تمام معجزات کل عالم کیلئے حجت قاطع ہے۔ آپ مجسم حق اور خدا تعالیٰ کی قائم کردہ صریح دلیل تھے۔ قرآن نور روشن ہے علمی عملی تاریکیوں میں سرگردان پھرنے والوں کے لیئے شمع ہدایت اور ہدایت پانیوالوں کے لیئے آفتاب۔

یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ

وہ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تم کہدو کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارہ میں حکم دیتا ہے

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ

کہ اگر کوئی آدمی لاولد مر جائے اور اس کی بہن موجود ہو

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ یَكُنْ

تو بہن کو ترکہ کا نصف حصہ ملے گا اور وہ بھی اُس بہن کا وارث ہوگا بشرطیکہ

لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا

بہن لاولد (مرے) اور اگر دو بہنیں موجود ہوں تو اُن کو ترکہ کا

اَلثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً

دو تہائی (مال) ملیگا اور اگر چند بھائی بہن موجود ہوں

رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

کچھ مرد کچھ عورتیں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملیگا

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

اللہ کھولکر تم سے بیان کرتا ہے تاکہ تم بہک نہ جاؤ اللہ سب کچھ

عَلِيْمٌ ۝ ع

جانتا ہے۔

تفسیر سورۂ نساء کی ابتداء میں میراث کے کچھ احکام بیان کیے گئے تھے۔ اب اختتام پر بھی کلالہ کی میراث کے متعلق ہی کچھ تفصیلی بیان ہے تاکہ ابتداء اور انتہا رباہم مربوط ہوجائے۔ بات یہ ہے کہ قرآن پاک نور ہے اور اسکی روشنی سے کچھ لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں اور کچھ ویسے ہی انکار اور تردد کی تاریکیوں میں سرگرداں پھرتے ہیں پہلے فرقہ والے اس دنیا کو اپنے نسبی بھائیوں یعنی کافروں اور مشرکوں کیلئے چھوڑ جاتے ہیں اور جو حصے اور میراث کافروں کے آخرت میں ہونا ممکن تھے اُن کے جاکر وارث ہوجاتے ہیں اور دوسرے فرقہ والے آخرت کے حصوں کو ترک کرتے ہیں اور دنیوی مال ومنال جو پہلے فرقہ نے چھوڑ دیا ہے اور جس سے وہ فرقہ دست بردار ہوگیا ہے اُسپر قابض ہوجاتے ہیں۔ کافروں کی حالت کلالہ میت کی مثل ہوتی ہے۔ کلالہ اُس میت کو کہتے ہیں جسکے نہ ماں باپ زندہ ہوتے ہیں نہ اولاد اسی طرح کافروں کے عقائد (جو مثل باپ اور ماں کے ہیں) جن پر اُن کی حقیقی حیات کا دارمدار ہے صحیح اور زندہ نہیں ہوتے اور نہ اعمال صالح (جو مثل نتیجہ اور اولاد کے ہیں) زندہ ہوتے ہیں تو گویا کافر مثل کلالہ کے ہوگیا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اس آیت میں کلالہ کی میراث کے چار احکام بیان کیے ہیں اور بلا قید بیان کیے ہیں لیکن بزروئے اجماع یہ مسائل اور احکام بعض قیود کے ساتھ مخصوص ہیں ہم ہر حکم کے ساتھ ساتھ قید بھی بیان کرینگے۔

(۱) اگر میت کی اولاد (اور ماں باپ) نہوں اور صرف ایک بہن حقیقی یا علاتی ہو تو بہن کو کل ترکہ کا نصف ملیگا۔ اگر میت کا کوئی عصبہ ہوگا تو باقی نصف اُسکو ملجائیگا۔ ورنہ لوٹ کر باقی نصف بھی بہن کو مل جائیگا۔

(۲) اگر کوئی عورت کلالہ مرجائے اور صرف ایک بھائی حقیقی یا علاتی موجود ہو تو کل مال کا وارث ہوگا۔

(۳) اگر کوئی مرد کلالہ مرجائے اور دو حقیقی یا علاتی بہنیں موجود ہوں تو کل ترکہ کا دو تہائی دونوں بہنوں کو ملیگا اور بقیہ تہائی عصبہ نہونے کی صورت میں انہی بہنوں کو مل جائیگا۔

(۴) اگر کلالہ کے پسماندگان میں چند بھائی بہن ہوں تو مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا حصہ ملے گا۔

ہدایت خاص حقیقی بھائی کے ہوتے ہوئے علاتی بھائی بہن محروم ہیں اور حقیقی بہن کی موجودگی میں کبھی بالکل محروم ہوتے ہیں اور کبھی حصہ کم ہوجاتا ہے۔

اب ایک صورت باقی رہتی ہے کہ کلالہ میت کی دو سے زیادہ حقیقی بہنیں موجود ہوں تو اُن کو کیا حصہ ملے گا۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ دو بہنیں ہوں یا دو سے زیادہ سب ایک ہی حکم میں ہیں۔ بہرحال دو ثلث ملیں گے۔ کیونکہ ان آیات کا سبب نزول حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور اُن کی بہنیں تھیں اور اُن کی بہنیں دو سے زیادہ تھیں اور حضرت جابرؓ کے نہ کوئی اولاد تھی نہ ماں باپ صرف بہنیں تھیں جو کئی تھیں۔

اب آگے خداوند تعالیٰ ان تمام احکام بیان کرنے کی علت بیان فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا یعنی ہم نے یہ احکام وشرائع اس لئے بیان کیے یا خدا تعالیٰ اپنے احکام اس لیئے بیان فرماتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہوا ور غلطی سے بچ جاؤ کیونکہ:۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ خدا تعالیٰ ہر چیز سے اور ہر حکم سے اور ہر مصلحت سے بخوبی واقف ہے۔ احکام میراث کی مصلحت بھی بخوبی جانتا ہے لہٰذا اُس کے بیان کردہ احکام کو دل سے مانو اور اُن کی تعمیل کرو۔

مقصود بیان:۔ میراث کلالہ کی تفصیلی حالت۔ اس بات کی صراحت کہ کلالہ اُس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جسکی اولاد نہو لیکن اجماع سے ثابت ہے کہ کلالہ کے جس طرح اولاد نہیں ہوتی اسی طرح ماں باپ بھی نہیں ہوتے۔ گویا جس کے فروع واصول نہ ہوں اُسکو کلالہ کہتے ہیں)

آیات سے صاف ظاہر ہے کہ مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دوگنا ہے اور اسکی مصلحت سے خدا ہی خوب واقف ہے۔

سُورَۃُ الْمَائِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتَّۃَ عَشَرَ رُکُوْعًا

سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اسمیں ایک سو بیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

اس سورت کا نام سورہ مائدہ اور سورہ منقذہ ہے اور مختلف روایات کے اعتبار سے ۱۲۲ یا ۱۲۳ یا ۱۲۰ آیات ہیں۔ بروایت قرطبی بالاجماع یہ سورت مدنی ہے لیکن محمد بن کعب قرظی کے قول پر اس سورت کا نزول حجۃ الوداع کے سال مکہ اور مدینہ کے درمیان بحالت رفتار ہوا ہے اسماء بنت یزید کی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے حضرت اسماء کی روایت ہے کہ میں حضور اقدس صلعم کی اونٹنی عضباء کی مہار پکڑے ہوئے تھی کہ یہ سورت پوری نازل ہوئی اور قریب تھا کہ وحی کے بوجھ سے اونٹنی کا بازو ٹوٹ جائے (رواہ احمد بسند صالح) ام عمر کی پھوپھی سے بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے (رواہ ابن مردویہ)

سورہ مائدہ کی آیات منسوخ ہونے کا بیان

عمرو بن شرحبیل کا قول ہے کہ سورہ مائدہ کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہوا۔ شعبیؒ نے آیت یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اور ابن عباسؓ نے آیت فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ الخ کو بھی منسوخ کہا ہے۔ ضمرو بن حبیب اور عطیہ بن قیس سے مرفوعاً روایت ہے اور حضرت عائشہؓ سے غیر مرفوع طور پر مروی ہے کہ یہ سورت آخر میں نازل ہوئی لہذا تم اسکے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو۔

اس سورت کے احکام

حضرت میسرہ کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سورت میں آیت وَالْمُنْخَنِقَةُ سے اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تک اٹھارہ حکم بیان فرمائے جو کسی اور سورت میں نہیں بیان فرمائے۔ بعض لوگوں نے انیسواں حکم بھی زائد کیا ہے جو آیت وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ سے مستنبط ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ

ایمان والو عہد پورے کرو

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى

سوائے اُن چوپایوں کے جن کی حالت آگے سنائی جائیگی سب مویشی چوپائے

عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ

تمہارے لیئے حلال کر دیئے گئے مگر احرام کی حالت میں شکار حلال نہ سمجھو

اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ○

اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے

تفسیر

اہل جاہلیت نے اپنی خواہشات نفسانی سے حکم الٰہی کے خلاف اپنے اوپر اکثر چوپائے حرام کر رکھے تھے انکی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ مسلمانوں عقود کو پورا کرو۔ عقود سے مراد عہد ہیں خواہ وہ بندے کے اور خدا کے درمیان ہوں یا ایک بندہ کے دوسرے بندہ کے ساتھ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کر دیا ہے اسکو حرام سمجھو اور جس چیز کو حلال کہا ہے اسکو حلال جانو جس چیز کا حکم دیا ہے اسکو کرو اور جس چیز کی ممانعت کی ہے اس سے باز رہو تمام حدود قرآنیہ پر کاربند ہو جاؤ۔ غدر دھوکہ فریب کاری اور عہد شکنی نہ کرو۔ آپس کے معاہدات کی تکمیل کرو بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف نہوں۔ عقود کی یہ تفسیر ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ قتادہ کے نزدیک اس سے وہ معاہدات مراد ہیں جو دور جاہلیت میں مسلمانوں نے قبل اسلام آپس میں کر لیئے تھے اور قسمیں کھائی تھیں لیکن اسمیں بھی وہی شرط لگائی ہوگی کہ خلاف شرع نہ ہو۔

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ آیت اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ میں چھ قسم کے عہد مراد ہیں۔ عہد الٰہی۔ عقد حلف یعنی ایک دوسرے کی امداد وغیرہ کا معاہدہ۔ عقد شرکت یعنی تجارتی یا جائدادی شرکت کا معاہدہ۔ عقد بیع۔ عقد نکاح۔ عقد قسم۔ غرض یہ کہ جو عہود الٰہی قرآن و حدیث میں مذکور ہیں وہ بھی آیت میں مراد ہیں اور جو عہد کہ شرع کے موافق ایک انسان دوسرے سے کر سکتا ہے مثلاً امانت تجارت شرکت معاہدات ملکی و مالی وغیرہ وہ بھی مراد ہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! جب تم ایمان لا چکے اور اس عہد ازلی کی تکمیل کر چکے جو فطرۃً ہر انسان سے لیا گیا تھا تو اب حدود قرآنیہ پر بھی پابند ہو جاؤ اور خدا کے اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہو جاؤ اور باہمی عہد و میثاق کا بھی احترام کرو خواہ ملکی ہو یا مالی شخصی ہو یا قومی مسلم سے ہو یا غیر مسلم سے جاہلیت کے زمانہ کا ہو یا اسلام کے دور کا بہرحال جو بات کہو اور جو ذمہ داری لو اسکو پورا کرو۔ اور پھر ذیل کے احکام

حلت وحرمت پر بھی کاربند ہو جاؤ۔ اُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ خدا نے چوپایوں کا گوشت کھانا بعد ذبح کر لینے کے حلال کر دیا ہے اور چوپایوں کی دیگر چیزوں سے بھی انتفاع جائز کر دیا ہے لیکن إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آئندہ آیت (حرمت علیکم المیتۃ الخ) میں جن چیزوں کا گوشت کھانے کی ممانعت اور جن چیزوں سے انتفاع حاصل کرنے کی بازداشت ہے وہ اس حکم جواز سے مستثنیٰ ہیں اُن کو حلال کرنے کے بعد بھی نہ کھاؤ۔ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ پھر ایک شرط یہ بھی ہے کہ احرام کی حالت میں شکار کرنے کے قابل جانوروں کا گوشت وغیرہ شکار کرنیوالے کے لیئے ناجائز ہے اور حالت احرام میں کسی شکار کو شکار کرنا درست نہیں البتہ جو چوپائے قابل شکار نہیں اُن کا گوشت کسی وقت اور کسی کے لیئے جائز نہیں إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ یعنی احکام کی حلت وحرمت کا خدا کو اختیار ہے جس چیز میں بندوں کی مصلحت اور فوائد دیکھتا ہے اُسکی اجازت دیتا ہے اُس پر یہ اعتراض عبث ہے کہ وہ جانوروں کے کھانے کی اجازت دیکر اپنے بندوں کو ظلم اور دکھ دینے کی اجازت کیوں دیتا ہے یا بعض جانور کو حلال اور بعض کو حرام کیوں قرار دیتا ہے اور حکم میں تفریق کیوں کرتا ہے کیونکہ مختار مطلق ہے۔

مقصودِ بیان: فطری اور ازلی میثاق اور باہمی ملکی مالی اور اصلاحی معاہدات کے ایفاء کا حکم۔ باستثناء بعض تمام چوپایوں کے کھانے کی اجازت حرم کے اندر بحالت احرام شکار کرنے کی ممانعت اور شکاری کو ایسا شکار کھانے سے بازداشت۔ خداتعالیٰ کے مختار مطلق ہونے کی صراحت وغیرہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ

مسلمانو! اللہ کی نشانیوں کی

اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ

اور حرمت والے مہینہ کی بے توقیری نہ کرو اور نہ حرم میں قربانی ہونیوالے

وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

جانوروں کی اور نہ اُن جانوروں کی جنکے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ اُن

يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ

لوگوں کی جو اپنے پروردگار کے فضل و خوشنودی کی طلب میں کعبہ کے ارادہ سے

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ

اور جب تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کر لو

تفسیر

ایک شخص مسلمہ بن ہند بکری قافلہ میں کچھ تجارتی غلہ اور کھانے پینے کا سامان لیکر مدینہ آیا۔ سامان فروخت کرلے کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔ جب مسلمان ہو کر واپس جانے لگا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاجر آیا اور غادر (عہد شکن) گیا۔ چنانچہ چند روز بعد جب مسلمہ یمامہ کو پہنچا تو مرتد ہو گیا پھر ماہ ذیقعدہ میں کچھ تجارتی سامان لیکر قافلہ کے ساتھ مکہ کو چلا تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے راستہ میں اُس سے تعرض کرنے کا ارادہ کیا اسکی ممانعت میں آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ نازل ہوئی۔ عکرمہ اور سدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حطیم بن ہند بکری کے حق میں نازل ہوئی جس نے ایک سال مدینہ کے اونٹوں کے گلہ پر چھاپہ مارا اور دوسرے سال عمرہ ادا کرنے کو خانہ کعبہ کی طرف گیا تو بعض صحابہ نے راستہ میں اُس سے چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

شعائر سے مراد بقول ابن عباسؓ مناسک حج اور بقول ابن کثیر محارم دین اور بقول مجاہد صفا مروہ ہدی اور بدنہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانو ممنوعات دین کو حلال نہ سمجھو یا مناسک حج کو ادا کرو اور جو شخص مناسک حج ادا کرنا چاہتا ہو اسکو نہ روکو وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ اور نہ ماہہائے حرام (رجب۔ ذیقعد۔ ذی الحجہ۔ محرم) میں قتال و فساد کو حلال سمجھو یعنی ان مہینوں میں خون ریزی نہ کرو (ابن عباس، مقاتل، عبدالکریم بن مالک جزری) وَلَا الْهَدْيَ اور نہ بیت الحرام کو قربانی کے جانور بھیجنا ترک کرو (ابن کثیر) یا یہ مطلب کہ اُن جانوروں کو نہ روکو جو قربانی کرنے کے لیئے حرم کو لیجائے جا رہے ہوں۔ وَلَا الْقَلَائِدَ اور نہ قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹہ باندھنے کو ترک کرو (ابن کثیر) یا یہ مطلب کہ جن جانوروں کے گلے میں پٹہ بندھا ہو اُن کو نہ لوٹو اور نہ روکو وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا اور نہ اُن لوگوں سے تعرض کرو جو بیت اللہ کا ارادہ کر کے آئے ہیں تاکہ تجارت کے ذریعہ سے وہاں رزق پیدا کریں اور حج کر کے اپنے گمان کے موافق رضائے الٰہی کے طلبگار ہوں (سیوطی بروایت مجاہد و ابوالعالیہ)

پوری آیت کا حاصل مطلب یہ نکلا کہ اللہ کے نام کی چیزوں کی بیحرمتی نہ کرو اگر کافر بھی کعبہ کو نذر لائیں تو نہ لوٹو اور نہ ماہہائے حرام میں اُن کو مارو اور نہ کعبہ کے آنیوالوں کو ستاؤ اور نہ کافروں کو مسجد حرام میں آنے سے روکو اس آیت کے دو حکم بعد کو منسوخ ہو گئے۔ ایک تو حج یا عمرہ کے لیئے کافروں کو بیت اللہ میں جانے کی اجازت دوسرے ماہہائے حرام میں قتال کی ممانعت۔ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا یعنی اوپر کی آیت میں جو حرم کے اندر شکار کرنے کی ممانعت ہے وہ حرم کے اندر احرام کی حالت میں ہے

اگر تم لوگ احرام سے نکل آؤ اور حج عمرہ پورا کرلو تو شکار کر سکتے ہو۔ پہلے جس طرح بغیر احرام شکار کرنا جائز تھا اب بھی جائز ہوگیا۔

مقصود بیان :۔ خداتعالیٰ کے نام کی چیزوں کی بیحرمتی کرنے کی ممانعت نذر الٰہی سے تعرض نہ کرنے کا حکم خواہ کافر نذر پیش کرے یا مسلم۔ بیت اللہ کے جانے والوں کو نہ روکنے کی ہدایت اور اُن کے مال کو نہ لوٹنے کا حکم۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ حاجی کے لیئے مکہ میں تجارت کرنی اور رزق کمانا ممنوع نہیں۔ احرام سے خارج ہونے کے بعد شکار کرنے کی اباحت۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ

اور کسی قوم کی دشمنی اس بنا پر کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ

روک دیا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس پر زیادتی کرنے لگو

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا

ہاں نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو گناہ

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَ

اور زیادتی میں باہم مددگار نہ ہو اور

اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اللہ سے ڈرتے رہو اللہ کی سزا سخت ہے

تفسیر سنہ ۶ھ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مع صحابہ کے عمرہ کرنے کے لیئے مکہ کو جانا چاہا۔ جب مقام حدیبیہ پر پہونچے تو وہاں فروکش ہوئے۔ مشرکین مکہ نے جنگ کی تیاری کردی اور کعبہ کا طواف کرنے سے مانع آئے اور علی الاعلان کہدیا کہ ہم آپ کو مکہ کے اندر نہ داخل ہونے دینگے نہ عمرہ کرنے دینگے۔ حضور اقدس ؐ نے فرمایا لوگو میں لڑنے کے لیئے نہیں آیا ہوں اگر تم اجازت دوگے تو عمرہ کرلونگا ورنہ واپس چلا جاؤنگا۔ بالآخر جب مشرکین بالکل آمادہ جنگ نظر آئے تو حضور ؐ نے عمرہ کا ارادہ ترک کردیا اور ایک عہدنامہ ہوگیا حضور اقدس ؐ مع صحابہ کے واپس تشریف لے آئے مگر صحابہ بھی عرب کے شیر دل بہادر تھے اگرچہ اسلامی تعلیم نے اُن کی حالت بہت کچھ بدل دی تھی اور صلح و امن رافت و چشم پوشی کی تعلیم دی تھی اور کامل طور پر بردباری سکھا دی تھی مگر پھر بھی کفار کی یہ زیادتی اور سرکشی اُن کو سخت ناگوار معلوم ہوئی اور دو سال کے بعد جب مسلمانوں میں قوت اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوگیا تو انہوں نے بھی سنہ ۸ھ میں کافروں سے انتقام لینا چاہا اور حج کو جانیوالے مشرکوں کو روکنے اور لوٹنے کا ارادہ کرلیا اُس وقت آیت وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا نازل ہوئی (زید بن اسلم)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مشرکوں نے جو تم پر زیادتی کی تھی اور بلاوجہ عمرہ نہ کرنے دیا تھا تم اس بات سے دلوں میں بغض اور عداوت رکھ کر اُن پر زیادتی کرکے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرکے مجرم نہ بنو انتقام کا خیال چھوڑ دو اُس قوم کے بغض کی وجہ سے جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے تم عدالت سے باہر قدم نہ رکھو بری بات کے عوض میں برائی نہ کرو بلکہ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ہر نیکی اور پرہیزگاری کی بات میں ایک دوسرے کی شرکت کرو جس کار خیر کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور جس کا رِبد سے تم کو منع کیا گیا ہے اُسکی بالاتفاق تعمیل کرو۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور گناہ کے کاموں میں اور حدود الٰہی کے مخالف امور میں باہم مدد نہ کرو نہ کسی کی شرکت کرو۔ ابن عباس ؓ کا قول ہے کہ بِرّ ہر وہ خیر ہے جسکا تم کو حکم دیا گیا ہو۔ ابن عطیہ کے نزدیک یہ ہر واجب اور مستحب نیکی کو شامل ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ اثم سے مراد کفر اور عدوان سے مراد ظلم ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اثم سے مراد گناہ ہے یعنی ہر وہ فعل جو شرعاً ممنوع ہو اور عدوان سے مراد حد شرعی سے تجاوز ہے۔ حضرت وابصہ ؓ سے مروی ہے حضور ؐ نے فرمایا بِرّ وہ ہے جس پر دل کو اطمینان حاصل ہوجائے اور اثم وہ ہے جو دل میں کھٹکتا رہے اور جس سے سینہ میں (جواز و عدم جواز کا) تردد رہے اگرچہ لوگ (اُسکے جواز کا) فتویٰ دیدیں (رواہ البخاری فی تاریخہ واحمد وعبد بن حمید) نواس بن سمعان کی روایت میں ہے حضور ؐ نے فرمایا بِرّ خوش خلقی ہے اور اثم وہ ہے جس سے دل میں کھٹکا رہے اور جس پر لوگوں کا مطلع ہونا اچھا نہ معلوم ہو (رواہ البخاری فی الادب واحمد ومسلم وابن ابی شیبۃ والترمذی والحاکم والبیہقی) حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نیکی کے کام میں ایک دوسرے کی شرکت کرو اور بدی و ظلم پر کسی کی امداد نہ کرو۔

چونکہ باہم معاونت بغیر آپس کی خیرخواہی کے ممکن نہیں ہے اسلیئے بدلالۃ النص باہم اتفاق رکھنا اور ایک دوسرے کی خیرخواہی کرنی بھی ضروری ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ خدا سے ڈرتے رہو اپنے اور بیگانے کے معاملہ میں نفع اور نقصان کی صورت میں جنگ اور صلح میں جلوت و خلوت میں تقویٰ اور خدا ترسی کو پیش نظر رکھو تاکہ کسی پر زیادتی نہ ہو جائے اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ خدا کا عذاب بہت سخت ہے اُسکی مخالفت کی سزا آسان نہیں ہے لہذا اُسکے حکم سے خلاف ورزی نہ کرو۔

مقصود بیان :۔ ایثار و رواداری صلح و امن رافت اور درگذر

کی تعلیم۔ باہمی اتفاق واتحاد رکھنے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنے کی ہدایت۔ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں باہم امداد کرنے کا حکم۔ خواہ امداد جانی ہو یا مالی قلمی ہو یا دستی یا زبانی۔ کفر و ظلم گناہ و سرکشی زیادتی اور خلاف شرع کام میں باہم معاملات کرنے کی ممانعت۔ آیات میں لطیف اشارات اس طرف بھی ہیں کہ معاہدہ کی خلاف ورزی تعلیم اسلامی کے خلاف ہے خواہ معاہدہ اپنے واسطے مفید ہو یا مضر۔ غیر قوموں کے ساتھ رواداری سے کام لیا جائے۔ مال کے لالچ میں اور انتقام کے جذبہ سے مجبور ہو کر کسی کو نیکی سے روکنا اور کسی کے جان و مال کے درپے ہونا شریعت کے حکم کے مخالف ہے۔ دنیا و دین کے ہر کام میں اتقاء الٰہی کو پیش نظر رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ نفسانی جذبات خواہ ان میں دین کی ہی آمیزش ہو واجب الترک ہیں۔ وغیرہ

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ

مردار خون سور کا گوشت

الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ

اور جس چیز پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹ کر مرا ہوا جانور

وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا

اور چوٹ سے مرا ہوا جانور اور گر کر مرا ہوا جانور اور سینگ لگ کر مرا ہوا جانور

أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى

اور جسکو درندے نے کھا لیا ہو باستثنا اس جانور کے جسکو تم نے ذبح کر لیا ہو اور

النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ

وہ جانور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تیر ڈالکر باہم تقسیم کرنا تمہارے لیے حرام

ذٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا

یہ سب گناہ ہیں آج کافر تمہارے دین کی طرف سے ناامید

مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ

ہو گئے لہذا تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو آج

أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

میں نے تمہارا مذہب کامل کر دیا اور تم پر اپنا احسان پورا کر دیا

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ

اور تمہارا دین بننے کے لیے اسلام کو پسند کر لیا ہاں جو شخص بھوک سے

فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ

مجبور ہو جائے مگر گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو

اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○

اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر

پہلی آیت اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ میں کچھ حرام چیزوں کے بیان کی طرف اجمالی اشارہ تھا اور یہ بتا دیا گیا تھا کہ سوا ان چیزوں کے جن کا ذکر آگے آتا ہے اور تمام چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ اب اس آیت میں انہی حرام چیزوں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اس آیت میں گیارہ قسم کی حرام چیزوں کا بیان ہے (۱) مردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت (۴) جس جانور پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو (۵) جو جانور گلا گھونٹنے سے مر جائے (۶) جو جانور لاٹھی یا پتھر وغیرہ مارنے سے مر جائے (۷) جو جانور اوپر سے گر کر یا پانی میں ڈوب کر مر جائے (۸) جو جانور سینگ لگنے سے مر جائے (۹) وہ جانور جسکو کسی درندہ نے پھاڑ کر کھایا ہو (۱۰) وہ جانور جسکو بتوں پر چڑھایا گیا ہو۔ (۱۱) تیروں سے (یعنی پانسہ وغیرہ سے) فال لینا۔ ہم تفصیل وار ہر ایک کو ذیل میں ذرا بسط سے بیان کرتے ہیں۔

(۱) مردار یعنی وہ جانور جو بغیر ذبح کیے مرا ہوا اور شرعی طور پر اسکو شکار بھی نہ کیا گیا ہو (ابن کثیر) اس حرمت میں ہر مردار جانور داخل ہے خواہ چرند ہو یا پرند ہو خشکی کا ہو یا دریا کا۔

(۲) خون یعنی بہتا ہوا خون۔ عرب کا دستور تھا کہ خون کو جما کر بھون کر کھاتے تھے آیت میں اسکی بھی ممانعت کر دی گئی۔ لیکن حکم اول سے ٹڈی اور مچھلی اور حکم دوم سے کلیجی اور تلی مستثنیٰ ہیں حضرت عائشہؓ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ سے یہی تفسیر مروی ہے۔ ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ہمارے واسطے دو مردار جانور اور دو خون حلال رکھے گئے ہیں مردہ جانور تو ٹڈی اور مچھلی ہیں اور خون سے مراد تلی اور کلیجی ہے (رواہ الشافعی واحمد وابن ماجہ والدارقطنی والبیہقی) ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور والا سے سمندر اور دریا کا حکم دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا اسکا پانی پاک کرنے والا ہے

اور اُس کا مرنا (یعنی مردہ مچھلی حلال ہے (رواہ مالک والشافعی واحمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن حبان وابن خزیمۃ) عکرمہ کہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے تلی کا حکم دریافت کیا گیا۔ فرمایا اُسکو کھاؤ۔ عرض کیا گیا وہ تو خون ہے۔ فرمایا حرام تو خون جاری ہے (رواہ ابن ابی حاتم)

(۳) سور کا گوشت۔ یعنی کل سور سر سے پاؤں تک نجس اور حرام ہے چربی ہڈی خون گوشت کھال بال سب ایک ہی حکم میں ہیں۔ مردار وغیرہ کی چربی کا استعمال بھی ناجائز ہے (صحیحین)

(۴) غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا اور ذبح کیا ہوا جانور۔ مفسرینؒ نے بالاتفاق اسکی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جو جانور غیر اللہ کا نام لیکر ذبح کیا گیا ہو اُسکا کھانا حرام ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑا گیا ہو جیسے اس زمانہ میں سانڈ چھوٹے پھرتے ہیں وہ بھی حرام ہیں اگرچہ اُن کو خدا کا نام لیکر ذبح کر لیا جائے۔

(۵) گلا گھونٹا ہوا جانور۔ خواہ کسی آدمی نے اُسکی گردن مروڑ دی ہو یا خود بخود اُسکے گلے میں پھندا پڑ کر دم گھٹ جائے۔

(۶) چوٹ کھا کر مرا ہوا جانور۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ لاٹھی وغیرہ سے مار کر کھا لیا کرتے تھے یہاں اسکی ممانعت کر دی گئی یعنی جو جانور بغیر آلۂ دھاردار کے کسی پتھر یا لاٹھی وغیرہ کی ضرب سے مرا ہو اُسکا کھانا حرام ہے۔ غلّہ اور گولی کا شکار بغیر ذبح کیئے حرام ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر بسم اللہ کہہ کر بندوق چلائی اور گولی سے کوئی جانور مر گیا اور ذبح نہ ہو سکا تو حلال ہے۔ بندوق کا حکم تیر اور شکاری کتے کی طرح ہے جسطرح تیر کو یا شکاری کتے کو بسم اللہ کہہکر چھوڑنے کے بعد شکار کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اسی طرح بندوق وغیرہ کی گولی اگر بسم اللہ کہہکر چھوڑی جائے اور جانور مر جائے تو مردار نہوگا۔

(۷) اوپر سے نیچے گر کر مر جانے والا جانور۔ خواہ پہاڑ سے گر کر مرے (ابن عباس) یا کنوئیں میں گر کر مرے (قتادہ)

(۸) وہ جانور جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر گیا ہو اور ذبح نہ کیا گیا ہو یہ بھی مردار ہے۔

(۹) وہ جانور جسکو کسی درندہ نے پھاڑ کھایا ہو اور بغیر ذبح کیئے مر جائے تو وہ بھی حرام ہے۔ ہاں مؤخر الذکر چاروں قسم کے جانور اگر ذبح کر لیئے جائیں تو حلال ہیں لیکن ناخن اور دانت سے اگر حلقوم وغیرہ قطع کر دیا جائے تو وہ ذبیحہ نہ ہوگا کسی دھاردار چیز سے ذبح ہونا چاہیئے خواہ تلوار چھری چاقو ہو یا دھاردار پتھر یا دھاردار کھپاچ وغیرہ۔

(۱۰) بتوں پر بھینٹ چڑھائے ہوئے جانور۔ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کا دستور بھی تھا اور اس زمانہ میں بھی ہندوؤں میں رواج ہے کہ بتوں پر یا ان گھڑت پتھروں پر جانوروں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں ایسے جانوروں کا گوشت وغیرہ بھی حرام ہے۔ اور یہ فعل بھی قطعًا حرام ہے۔ غرض جن مقامات پر لوگ متبرک سمجھکر اللہ کے سوا دوسروں کی نذر نیاز چڑھاتے ہیں جیسی دیوی اور دیوتاؤں کے تھان یا طاق یا مٹی کا ڈھیر یا درخت یا قبر وغیرہ۔ ان سب مقامات پر چڑھایا ہوا ذبیحہ حرام ہے۔

(۱۱) فال کے یا جوئے کے تیروں سے تقسیم کرنا۔ عرب کے لوگوں نے پانسوں کی جگہ تیر بنا رکھے تھے اور اُن سے طرح طرح پر جُوا کھیلتے تھے۔ مثلاً دس آدمیوں نے ملکر اونٹ ذبح کیا تو اُسکی تقسیم ان تیروں کے ذریعہ سے ہی ہوتی تھی۔ کسی تیر پر آدھا کسی پر چوتھائی کسی پر چھٹا حصہ اور کسی پر ساتواں حصہ وغیرہ لکھا ہوتا تھا اور کوئی تیر خالی ہوتا تھا پھر پانسہ پڑتا تھا جسکے پاس نشانی کا تیر آ جاتا تھا اُس کا کچھ حصہ نہوتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ تیروں سے فال لیتے تھے۔ کعبہ کے اندر تیروں کا گٹھار رکھا ہوا تھا کسی تیر پر حکم اور کسی پر ممانعت کے لفظ لکھے ہوتے تھے اگر کسی کو کوئی ضرورت درپیش ہوتی تو وہ کعبہ کے دربان کے پاس جاتا کعبہ کا متولی اندر سے تیر نکال کر لاتا اور بغیر دیکھے گٹھے میں سے ایک تیر نکال لیتا۔ اگر حکم والا تیر نکلتا تو وہ شخص اپنے کام پر چلا جاتا اور ممانعت کا تیر نکلتا تو وہ کام نہ کرتا کبھی اس قسم کے تیر آدمی کے پاس خود بھی ہوتے تھے اور مذکورہ طریقہ سے فال لیجاتی تھی۔ ان سب باتوں کی ممانعت قرآن میں آ گئی۔ مذکورہ بالا گیارہ احکام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تمام باتیں خدا کی نافرمانی کی ہیں ان سب سے اجتناب لازم ہے۔ ابن کثیر کے نزدیک فسق سے کفر مراد ہے یعنی یہ تمام باتیں کفر کی ہیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے تیروں اور پانسوں کے فال لینے کیلئے استخارہ کا طریقہ بیان فرمایا ہے اور اُسکی مفصل دُعا ارشاد فرمائی ہے جو بخاری اور ترمذی میں موجود ہے۔ ہم بخوف طوالت یہاں نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتے اُس سے البتہ اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ استخارہ شرعًا جائز بلکہ مسنون ہے۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ۔ جب مذکورہ بالا تمام نظری اور عملی مباحث کا بیان ہو چکا اور اصلاح عقائد و اعمال کی تفصیل کر دی گئی تو ارشاد ہوتا ہے کہ پہلے کافروں کو تمہاری طرف سے کچھ امید لگی ہوئی تھی کہ شاید تم دین اسلام کو چھوڑ کر پھر اُن کے دین میں داخل ہو جاؤ لیکن اب اُنہوں نے تمہارے دین کی قوت دیکھ لی تو وہ اس دین کے مٹنے سے بالکل مایوس ہو گئے اور اُن کو قطعًا تمہارے مرتد ہونے کی امید نہیں رہی۔ (ابن عباسؓ) لہذا فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اب تم اُن سے نہ ڈرو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ مجھسے خوف کرو اور میرے احکام کی تعمیل کرو۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کیونکہ ابتداء میں جو حلت و حرمت کے کچھ احکام بعض مصالح کی وجہ سے بیان نہیں کیئے گئے تھے اور شریعت کو مکمل نہیں کیا گیا تھا وہ بات ختم ہو گئی اب میں نے تمہارے دین کی پوری تکمیل کر دی آئندہ تمہارے دین میں کسی اصلاحی قانون کے بڑھانے اور ضابطۂ ہدایت کے بیان کرنے

کی ضرورت باقی نہیں۔ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ اور میں نے اپنے انعام کو تم پر تمام کردیا۔ خداوند تعالیٰ کے انعامات بندوں پر بیشمار ہیں لیکن ضابطہ کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انعام کی دو ہی قسمیں ہیں جسمانی اور روحانی چنانچہ ہر ہوشمند دماغ رکھنے والا اور نور علم سے روشن قلب رکھنے والا انسان جانتا ہے کہ مسلمانوں کو دونوں نعمتوں میں کمال حاصل ہوگیا جسمانی اور دنیوی نعمتوں کی تکمیل کا ثبوت تو یہ ظاہر ہے کہ دنیا کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے زیر نگین ہوگیا اور اب تک چند پر جلال حکومتیں اہل اسلام کی دنیا میں قائم ہیں۔ اور روحانی نعمت اسلام سے بڑھ کر اور کون ہوسکتی ہے جس نے زنگ آلودہ دلوں کے زنگ صاف کیے تاریک روحوں کو روشن کیا مردہ دماغوں میں زندگی پیدا کی اور ایسے ضوابط و قوانین بنائے جو انسان کی دائمی نجات کے حصول کیلئے مشعل راہ بلکہ آفتاب ہدایت تاب ہیں اور جن کی نظیر موجودہ مذاہب میں نہ پایا جانا تو یکطرف ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی لیئے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ میں نے تمہارے واسطے دین اسلام کو پسند کرلیا اسکے سوا کوئی دین اور کوئی ملت قابل قبول نہیں اس سے سرتابی کرنے والے خداتعالیٰ کی ناراضگی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہذا تم کو اسکے تمام نظری اور عملی احکام کی پابندی کرنی لازم ہے ہاں اگر کوئی مجبور ہوجائے اور احکام شریعت پر عمل کرنا اسکی طاقت سے خارج ہے تو وہ معذور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ جو شخص بھوک کی وجہ سے مضطر اور مجبور ہوجائے تو اسکے واسطے مذکورہ بالا محرمات کا کھا لینا بقدر بقاء حیات جائز ہے بشرطیکہ گناہ کی طرف جھک نہ پڑے اور بقاء حیات کی ضرورت سے زائد پیٹ بھرنے کے لیئے نہ کھائے فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو خدا غفور رحیم ہے وہ اپنے رحم و کرم سے اس معذوری و مجبوری سے درگذر فرمائیگا

آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی حضور والا اُسوقت عضباء نامی اونٹنی پر سوار خطبہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت سنی تو رونے لگے اور سمجھ گئے کہ رسولؐ کی بعثت صرف تکمیل دین اور تعلیم عبادت کیلئے تھی جب یہ غرض پوری ہوگئی اور ضوابط ہدایت کے بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اب یقیناً حضور کی پردہ پوشی قریب ہے۔ یہ خیال صدیق اکبرؓ کا درست تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی روز اس عالم فانی میں رہے۔ اس آیت کا نزول آخری نہیں ہے کیونکہ وفات سے نو روز قبل وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ الخ نازل ہوئی ہے۔ البتہ حلت و حرمت کے احکام اور فرائض دینی کی تعلیم مذکورہ آیت کے نزول کے بعد ختم ہوگئی۔ اس بناء پر اسکی آخری آیت کہہ سکتے ہیں۔

مقصود بیان:۔ سواء مچھلی اور ٹڈی کے ہر مُردار حرام ہے۔ سواء تلی اور کلیجی کے ہر خون حرام ہے۔ سؤر کا بال بال حرام اور نجس ہے۔ غیر اللہ کے نام پر کسی جانور کو چھوڑنا اور اُس کا کھانا حرام ہے۔ گلا گھونٹ کر مرا ہوا جانور۔ چوٹ کھا کر مرا ہوا جانور۔ کنوئیں میں تالاب میں یا دریا وغیرہ میں گر کر مرا ہوا یا کسی بلندی سے گر کر مرا ہوا جانور حرام ہے۔ درندہ کا پھاڑا ہوا مُردہ جانور حرام ہے۔ غیر اللہ کے نام پر بھینٹ چڑھانا اور اس کا کھانا حرام ہے۔ قبروں کے چڑھاوے اسی حکم میں ہیں۔ پانسوں سے یا کسی اور غیر شرعی طریقہ سے فال لینا جائز ہے۔ تکمیل دین اور اتمام نعمت کی صراحت اور اس بات کی توضیح کہ اسلام ہی مقبول مذہب ہے۔ اسکے علاوہ ہر مذہب ناقابل قبول ہے۔ بحالت مجبوری حرام چیز کا کھا لینا بقدر سد رمق جائز ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ

(اے نبی) تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا کیا ہمارے لیئے حلال ہے تم کہدو کہ

لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

تمہارے لیئے پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے دوڑانے کیلئے

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫

سدھا رکھا ہو کہ اُن کو خداداد تعلیم دیتے ہو تو (اُن کے شکار میں سے)

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا

اُس جانور کو کھا سکتے ہو جنکو وہ تمہارے لیئے پکڑ رکھیں مگر اُس پر

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

بسم اللہ کہہ لیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو

اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○

اللہ جلد حساب لینے والا ہے

تفسیر اس آیت کے شان نزول میں دو روایتیں ہیں پہلی روایت حضرت سعید بن جبیر کی ہے کہ عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل نے خدمت گرامی میں عرض کیا یارسول اللہ خداتعالیٰ نے مردار کو حرام کردیا ہے پھر ہمارے لیئے کونسا (شکار) حلال ہے اُس پر آیت يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ نازل ہوئی (ابن کثیر) دوسری روایت اکثر راویوں کی ہے کہ ایک بار حضرت جبرئیلؑ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مکان کے اندر آنے کی اجازت چاہی لیکن باوجود اجازت ملجانے کے پھر بھی حضرت جبرئیل کے اندر آنے میں تاخیر ہوئی۔ حضور والا کچھ دیر انتظار کرکے خود باہر تشریف لے آئے اور سبب تاخیر دریافت کیا۔ جبرئیلؑ نے کہا یارسول اللہ جس گھر میں

تصویر یا کتا ہوتا ہے ہم اسمیں ہرگز داخل نہیں ہوتے۔ تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ گوشہ میں کتے کا ایک بچہ موجود ہے حضور نے اسکو باہر نکلوا دیا اور ابورافع کو حکم دیا کہ مدینہ میں جتنے کتے ہوں سب کو قتل کردو حسب الحکم ابورافع نے مدینہ کے سب کتوں کو مار کر عوالی میں نکالدیا۔ اس پر عاصم بن عدی۔ سعد بن خیثمہ اور عویمر بن ساعدہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو کتوں سے شکار کرتے ہیں اور ہمارے سدھائے ہوئے شکاری کتے نیل گائے اور ہرن کو بھی شکار کر لیتے ہیں اب حضور نے کتوں کے قتل کر دینے کا حکم دیدیا ہے اور زندہ کے پکڑے ہوئے مردہ جانور کے مردار ہونے کا بھی حکم ہو چکا ہے اس سے ہم کو شبہ ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کتوں کا پکڑا ہوا شکار حلال ہے یا حرام۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور سدھائے ہوئے شکاری کتے کے شکار کو حلال قرار دیدیا گیا۔ اور شکاری کتے کے رکھنے کی بھی اجازت ہو گئی۔ اسوقت حضور نے قتل کلاب کی بھی ممانعت فرما دی۔ درحقیقت اس قسم کے سوالات کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ دور جاہلیت میں عرب کے بہت سے باشندے بعض چیزوں کو ستھری اور پاک خیال کرتے تھے لیکن اپنے رواجی یا مذہبی رسوم کی پابندی کی وجہ سے اُن کو کھانا حرام جانتے تھے۔ اب جب اسلام میں اشیاء کی حلت و حرمت کو ظاہر کیا گیا تو اُن کو بھی شبہ ہوا کہ خدا جانے جن چیزوں کو ہم حرام جانتے ہیں وہ بھی حرام ہیں یا نہیں۔ اس خیال کے ماتحت حضور سے اس قسم کے سوالات کرتے تھے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمان آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کھانے کی چیزوں میں سے ہمارے لیے کیا کیا چیزیں حلال ہیں۔ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ۔ آپ اُن سے کہدیجئے کہ جتنی پاکیزہ چیزیں ہیں اور جنکو عقل سلیم پاکیزہ سمجھتی ہے یا جن کو شریعت نے پاکیزہ کہا ہے وہ سب حلال ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ طیبات سے مراد رزق حلال ہے سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ذبیحہ مراد ہے۔ بہتر وہی تفسیر ہے جو ہم نے بیان کر دی۔ ابن کثیر نے دوسرے لفظوں میں اس طرح ادا کیا ہے کہ جس چیز کی کراہت تحریمی کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہو وہ طیب ہے۔ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی کھانے پینے کی نہ صرف یہی پاک چیزیں حلال ہیں بلکہ اُن شکاری جانوروں کے شکار بھی تمہارے لیے حلال ہیں جن کو تم نے سدھایا ہو اور جو علم تم کو خدا نے عطا کیا ہے اُسی کے موافق تم نے اُن کو بھی سکھا دیا ہو اور وہ سدھے ہوئے ہوں۔ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ لہذا اُن کا شکار تم کھا سکتے ہو مگر دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ شکاری جانور سدھا ہوا ہو اور شکار میں سے کچھ نہ کھائے شکار کر کے مالک کیلئے چھوڑ رکھے گویا اُس میں آدمی کی خو آ گئی ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ لی ہو۔

آیت کی یہ تفسیر ائمہ اربعہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ طاؤس۔ مجاہد۔ مکحول۔ امام زین العابدین۔ یحییٰ بن ابی کثیر۔ حسن بصری اور جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک ہے۔ لیکن ضحاک سدی اور ابن عمر کہتے ہیں کہ آیت میں مراد صرف کتے کا شکار ہے دیگر جانوروں کا شکار بغیر ذبح کیے درست نہیں قتادہ۔ نخعی اور ابن راہویہ نے کالے کتے کے شکار کو حالت سے مستثنیٰ کر لیا ہے کالے کتے کا شکار درست نہیں کیونکہ حسب فرمان نبوی کالا کتا شیطان ہے لیکن جمہور کے نزدیک کوئی کتا ہو اگر مذکورہ بالا دو شرطیں پائی جائیں تو اس کا شکار حلال ہے۔

ایک بات یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اکثر صحابہ ائمہ اور تابعین کے نزدیک یہ شرط ضروری ہے کہ شکاری جانور شکار کرنے کے بعد شکار کو روک رکھے اور خود اسمیں سے کچھ نہ کھائے اگر شکار میں سے اس نے کچھ کھا لیا تو اُسکو مت کھاؤ کیونکہ خوف ہے اُس نے اپنے لیے پکڑا ہو۔ (بخاری و مسلم) لیکن سلمان فارسی۔ سعد بن ابی وقاص ابو ہریرہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم (اور ایک روایت میں) حضرت علی اور ابن عباس اور حسن بصری کا بھی قول ہے کہ کتا شکار میں سے کھائے یا نہ کھائے اُس کا کھانا حلال ہے۔ زہری ربیعہ اور امام مالک یہی قول ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ یعنی مذکورہ بالا حدود سے تجاوز نہ کرو خواہ مخواہ اپنی گردن پر مواخذہ اور حساب نہ لو کیونکہ خدا تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ وہ ہر چیز کا حساب لیگا۔

مقصود بیان: ۔ جو چیزیں پاکیزہ ہیں اور عقل سلیم اُن کو پاکیزہ سمجھتی ہے اور شریعت میں اُن کی حرمت کی صراحت نہیں ہے تو وہ پاک ہیں اُن کا کھانا حلال ہے۔ شکاری کتا پالنا اُس سے شکار کھیلنا اُس کے شکار کو بغیر ذبح کیے کھانا جائز ہے بشرطیکہ بسم اللہ کہہ کر اسکو شکار پر چھوڑا ہو اور اسی نے شکار کیا ہو دوسرا کتا اُس کے ساتھ شکار کرنے میں شریک نہ ہوا ہو اور اس نے شکار کرنے کے بعد روک رکھا ہو خود اس میں سے کچھ نہ کھایا ہو۔ شکاری کتے کی بیع جائز ہے اور اسکی قیمت حلال ہے۔ ہر شکاری جانور کا پالنا جائز ہے۔ اور شکاری جانور سے شکار کرانا درست ہے اور اس کی خرید فروخت جائز ہے۔ جو چیزیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دی ہیں وہ پاکیزہ اور ستھری نہیں ہیں۔ شیر بھیڑیا تمام درندے باز شکرا گدھ مردارخوار کوا خچر گدھا سانپ بچھو اور زمین کے تمام کیڑے مکوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ حرام کر دیے اس لیے ناپاک اور حرام ہیں اور طیبات سے خارج ہیں۔ وغیرہ

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ

آج پاکیزہ چیزیں تمہارے لیئے حلال کردی گئیں اور اہل کتاب کا

اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ

کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کیلئے حلال

لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ

ہے اور مسلمان پاکدامن عورتیں اور اُس قوم کی پاکدامن

مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ

عورتیں جس کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تمہارے

اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ

لیئے حلال ہیں بشرطیکہ اُن کا مہر تم اُن کو دیدو اور قید نکاح میں لے آؤ

غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ

نہ کھلم کھلا بدکاری کرنے والے ہو نہ چوری چھپے آشنا بنانے والے

وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ

اور جو شخص ایمان کو نہ مانے گا اُس کا سب کیا کرایا اکارت

عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۱۰ ع ۵

ہو جائیگا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۵

تفسیر اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ یہ جملہ پہلی آیت اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ کی تاکید بھی ہے اور آئندہ کلام کی تمہید بھی ہے یعنی آئندہ اہل کتاب کے ذبیحہ کی اجازت دی گئی ہے جس سے ممکن ہے کوئی وہم کرنے لگے کہ اہل کتاب کا ہر قسم کا ذبیحہ جائز ہے خواہ وہ کسی طرح ذبح کریں جھٹکے سے یا گردن مروڑ کر یا کسی اور طریقہ سے۔ اس وہم کا ازالہ یہاں کر دیا گیا کہ ہر قسم کا ذبیحہ اہل کتاب کا حلال نہیں بلکہ صرف طیبات اور عرفاً پاکیزہ ذبیحے حلال ہیں۔ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ تمہارے لیئے حلال ہے۔ طعام سے مراد ذبیحہ اور اہل کتاب سے مراد صرف یہودی اور عیسائی ہیں (ابن عباس مجاہد مکحول ابوامامہ سعید بن جبیر عکرمہ عطا حسن نخعی سدی مقاتل) کمالین اور فتح البیان وغیرہ تفسیروں کے مؤلفوں نے بھی یہی معنی مراد لیئے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ایک یہودی عورت کا بھیجا ہوا بکری کا گوشت کھایا تھا جسمیں زہر ملا ہوا تھا۔ لیکن باتفاق جمہور جو اہل کتاب ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہ لیتے ہوں یا ذبح نہ کرتے ہوں کسی اور طریقہ سے مارتے ہوں مثلاً گردن مروڑ کر یا کسی اور صورت سے تو اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ دیگر اقوام عالم کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔ ہندو ہوں یا پارسی یا سکھ یا اور کسی مذہب والے وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ یعنی جس طرح اُن کا ذبیحہ اور کھانا تمہارے لئے حلال ہے اسی طرح تم اپنے ہاتھ کا ذبیحہ بھی اُن کو کھلا سکتے ہو۔ اسمیں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ اس سے رواداری اور اسلام کی وسیع المشربی کا ثبوت ظاہر ہوتا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جسطرح طعام کا تبادلہ طرفین سے صحیح ہے اسی طرح عورتوں کے نکاح کا سلسلہ دونوں طرف سے صحیح ہوگا۔ تمہاری عورتوں کا نکاح بھی اہل کتاب سے جائز ہو جائیگا۔ یہ نہیں ہو سکتا بلکہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ مسلمان پاکدامن عورتیں اور اہل کتاب کی پاکدامن عورتیں تمہارے لیئے حلال ہیں تمہاری عورتیں اُن کے لیئے حلال نہیں ہیں۔ مسلمان اور کتابی عورت کے حلت کی تین شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ تم نے اُن سے نکاح کر لیا ہو خواہ مہر ادا کیا ہو یا نہ ادا کیا ہو مگر ادا کرنے کی نیت ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ نکاح شرعی ہو کھلم کھلا بھلے آدمیوں کے سامنے نہایت عفت عزت اور اظہار پاکدامنی کے ساتھ کیا گیا ہو علی الاعلان زناکاری نہ ہو نہ متعہ ہو نہ اور کوئی کھلا ہوا ناجائز تعلق ہو وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ یہ تیسری شرط ہے یعنی چھپ کر یارانہ بھی نہ گانٹھ لیا گیا ہو خفیہ ناجائز تعلقات قائم نہ کر لیئے گئے ہوں۔ اگر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو اسلامی اور کتابی عورتیں تمہارے لیئے حلال ہیں۔ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ اب اگر کوئی شخص (عورتوں کے لالچ میں آکر یا کسی اور وجہ سے) مرتد ہو جائیگا اور اسلامی احکام و شرائط کی تکذیب کریگا تو اُس کا سب کیا کرایا ملیا میٹ ہو جائیگا اُس کا کچھ ثواب نہ ملیگا اور اگر اُس نے توبہ نہ کی اور اسی حالت پر مر گیا تو آخرت میں تباہ حال اور زیاں کار رہیگا۔

مقصود بیان: ۔ اہل کتاب ہوں یا دیگر اہل مذاہب ذبیحہ کے علاوہ اور قسم کا کھانا تو ہر ایک کا جائز ہے مگر اہل کتاب کے ہاتھ کا پاک ذبیحہ بھی جائز ہے۔ آیات میں مذکورہ ذیل امور کا لطیف مظاہرہ کیا گیا ہے اسلامی رواداری وسیع المشربی دیگر اقوام سے میل ملت باہم لین دین کھانا پینا وغیرہ۔ کتابی عورتوں سے جو مشرک نہ ہوں نکاح جائز ہے۔ باہم تعلقات قائم کرکے نکاح کر لینے کی ممانعت ہے یعنی نکاح کے علاوہ نہ علی الاعلان تعلق زنا قائم کیا جائے نہ خفیہ یارانہ گانٹھا جائے۔ عورت جب تک پاکدامن نہ ہو یا توبہ کرکے پاکدامنی کا عہد نہ کرلے اُس سے نکاح جائز نہیں۔ مسلمان عورت کا کسی دوسرے

مذہب والے سے نکاح جائز نہیں۔

جب اوپر کی آیات میں حلت و حرمت کے احکام اور کچھ سوشل ضوابط کا بیان ہو چکا تو اب کچھ عبادات اور مبادی عبادات کا بیان ضروری معلوم ہوا۔ اس لیئے ذیل کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضو اور غسل اور تیمم کے احکام بیان فرمائے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ

مسلمانوں جب تم نماز کو اٹھو

فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى

تو اپنے چہروں کو اور کہنیوں سمیت ہاتھوں کو

الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ

اور ٹخنوں سمیت پانووں کو دھو لو اور سروں پر

إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا

مسح کر لو اور اگر تم کو جنابت ہو تو غسل کرو

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ

اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے

أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ

کوئی جائے ضرور سے آئے یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو

فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ

یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کر لو

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ

اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنی نہیں چاہتا

وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ

بلکہ تم کو پاک صاف رکھنا اور اپنا احسان تم پر پورا کرنا

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ

چاہتا ہے شاید تم احسان مانو اور یاد رکھو اللہ کا وہ احسان

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ

جو تم پر ہو چکا اور اس کا وہ قول و قرار جو تم سے وہ لے چکا ہے

إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ

جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا لہذا خدا سے ڈرتے رہو

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○

بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر

ارشاد ہوتا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ۔ مسلمانوں جب تم نماز کو کھڑے ہونے کا ارادہ کرو اور وضو نہ ہو تو وضو کر لو جسکی صورت یہ ہے کہ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ چہروں کو دھو ڈالو یعنی جسکو عرف میں چہرہ کہتے ہیں اسکو دھو ڈالو اس میں سے کوئی حصہ خشک نہ رہنا چاہیئے خواہ ایک مرتبہ دھو یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ اور ہاتھوں کو مع کہنیوں کے دھو۔ کہنیوں سے اوپر کی حد مقرر نہیں ہاں کہنیاں دھونی ضروری ہیں۔ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ اور سروں پر مسح کرو عرف عام میں جسکو سر پر مسح کرنا کہہ سکتے ہیں اتنا کرو خواہ پورے سر کا یا آدھے سر کا یا چوتھائی سر کا وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ اور مع ٹخنوں کے دونوں پانووں دھو۔ بس وضو ہو گیا یہی فرائض وضو ہیں۔ وضو کی پوری تفصیل اور فقہی اختلافات اور وجوہ و دلائل کتب فقہ میں دیکھنا چاہیئے۔ آیت کا جتنا تفسیری مطلب ہو سکتا تھا ہم نے بیان کر دیا اور مسلک حنفیہ کا لحاظ رکھا ہے۔ اب آگے غسل کا حکم دیا جاتا ہے۔ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا اور اگر جنابت کی حالت ہو اور عام شرعی ناپاکی ہو تو بدن کو خوب پاک کر لو اور پورا غسل کر لو یعنی کلی بھی کرو اور ناک میں پانی بھی ڈالو کوئی حصہ خشک نہ رہے۔ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ ہاں اگر تم بیمار ہو اور پانی کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ یا مسافر ہو اور دوران سفر میں ہو أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ یا تم میں سے کوئی پائخانہ سے آیا ہو اور اس کا وضو نہ ہو أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو یعنی وہ فعل کیا ہو جسکو عرف میں قربت صنفی کہہ سکتے ہیں فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً اور مؤخر الذکر تینوں صورتوں میں تلاش کے بعد بھی پانی نہ ملے یا یہ خیال ہو کہ تلاش کے بعد بھی پانی نہ ملیگا اور نماز کا وقت نکل جائیگا تو ہر چہار صورتوں میں تم پر لازم ہے کہ فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا پاک مٹی سے تیمم کر لو جسکی

صورت یہ ہے کہ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مٹی پر پہلی ضرب لگا کر پورے چہروں کا مسح کرلو اور دوسری ضرب مٹی پر لگا کر ہاتھوں کا (کہنیوں سمیت) مسح کرو۔ اس ترکیب سے بدرجۂ مجبوری طہارت شرعی ہو جائیگی اور تیمم کا یہ حکم خدا کی عنایت ہے کیونکہ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ خدا تعالیٰ دین اسلام میں تم پر کسی قسم کی تنگی رکھنا نہیں چاہتا اسکو تمہاری سہولت کا حکم ہے یعنی تم کو تنگ کرنا مقصود نہیں ہے وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ تم جسمانی اور روحانی کثافتوں سے پاک صاف ہو جاؤ اسی لیئے اس نے تیمم کی اجازت دیدی تاکہ تم تیمم کرکے نماز ادا کرو ناغہ نہ کرو اور جسمانی و روحانی کثافتیں دور ہو جائیں وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ خدا تعالیٰ کا مقصود یہ بھی ہے کہ بندوں کی روحانی اور جسمانی دینی اور دنیوی اصلاح کے جو قواعد و ضوابط ہو سکتے ہیں اُن کو کامل طور پر بیان کردے اور پوری پوری اصلاحی نعمتوں سے تم کو سرفراز کرے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ امید ہے تم اُن ضوابط پر پابندی کرکے فلاح روحانی اور نجاح جسمانی حاصل کرو گے اور خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قواعد پر عمل کرکے اُس کا شکریہ ادا کرو گے کہ اُس نے وہ قواعد تمہارے واسطے مقرر کیئے جو تمہاری اصلاح کے لیئے ضروری تھے۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ احکام بیان کرنے کے بعد یہ بھی ضروری تھا کہ ایسی بات ظاہر کیجائے جس سے ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا شوق اور تعمیل امر پر ثابت قدمی حاصل ہو۔ یہاں سے اسی بات کا بیان مقصود ہے جو چیز انسان کو کسی کے احکام ماننے کی جانب راغب کرتی ہے اسکی دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو اُس حکم دینے والے کی نعمتوں اور عطایوں کی یاد کیونکہ نعمتوں کی کثرت سے انسان غافل ہو جاتا ہے اور نعمت کو نعمت نہیں سمجھتا بلکہ معمولی چیز تصور کرنے لگتا ہے اور اگر واقعی نعمت سمجھتا بھی ہو لیکن اگر اسکو بھول جائے یا اسکی طرف سے غافل ہو جائے تو اسکی نظر میں وہ نعمت نعمت نہیں رہتی اور وہ نعمت میسر نہ آئے یا ملی ہوئی نعمت جاتی رہے تو اُس وقت اسکی طرف توجہ ہوتی ہے اور انسان اسکی قدر کرتا ہے آنکھ ہو تو قدر آتی ہے۔ دوسری بات جو آدمی کو کسی کے احکام کی تعمیل کی طرف راغب بناتی ہے وہ قول قرار اور عہد و میثاق ہے۔ جب آدمی دوسرے سے قول قرار کرکے بھول جاتا ہے تو پھر اُسکے احکام کی چنداں پرواہ نہیں کرتا لیکن اگر اسکو اپنا پورا عہد یاد ہو جائے اور یاد دہانی کرادی جائے کہ تم نے یہ قول کیا تھا تو اُسکو اپنا عہد یاد آجاتا ہے اور احکام کی تعمیل پر اسکی طبیعت رغبت کرنے لگتی ہے۔ پہلی قسم کا اس آیت میں بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

میرے انعامات کو یاد کرو میں نے تم کو کتنی نعمتیں عطا کیں جسمانی اور روحانی ظاہری اور باطنی احسانات سے سرفراز کیا۔ لہذا میرے احکام کی تعمیل کرو۔ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ یہ دوسری قسم کا بیان ہے یعنی اس عہد کو بھی یاد کرو جو خدا نے تم سے لیا تھا اور تم نے کہا تھا کہ ہم نے حکم الٰہی سُن لیا اور ہم بسر و چشم تعمیل کرینگے۔ اس آیت میں جس میثاق کی یاددہانی کی گئی ہے اس سے مراد بروایت کلبی مقاتل و مجاہد وہ عہد ہے جو روز ازل میں خدا تعالیٰ نے بندوں سے لیا تھا۔ گویا اس میں یہود کی مذمت کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے میثاق ازل کو فراموش کردیا تم فراموش نہ کرو۔ بعض کے نزدیک بیعت رضوان مراد ہے۔ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے جان و مال کی قربانی کا عہد لیا تھا اور انھوں نے عہد کیا تھا کہ ہم حکم الٰہی کی تعمیل میں تن من دھن قربان کردینگے۔ سدی کے نزدیک میثاق فطری اور معاہدۂ عقل مراد ہے۔ ہماری فطرت اور عقل بتاتی ہے کہ جب خدا نے ہم پر انعام و احسان کیا تو ہم اسکے شکریہ میں اُسکے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ متوسط الذکر مطلب پر لفظ سمعنا واطعنا قرینہ ہے اور یہی بہتر ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ یعنی جو معاہدہ خدا نے تم سے لیا تھا اُس کو یاد کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اُسکے حکم کی خلاف ورزی نہ ظاہری کرو نہ باطنی کیونکہ خدا تعالیٰ قلبی امور سے بھی واقف ہے اُس سے کوئی پوشیدہ چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

مقصود بیان:۔ بحالت حدث وضو کرنے کی ہدایت۔ وضو کے فرائض اربعہ کا بیان۔ جنابت کے وقت غسل کامل کا حکم۔ اس بات کی صراحت کہ خدا تعالیٰ پاکی کو پسند کرتا ہے جسمانی پاکی ہو یا روحانی ظاہری ہو یا باطنی بہر صورت پاکی بہتر ہے۔ اسلامی احکام کی وسعت کا اظہار۔ قوانین اسلام کے مکمل ہونے کی توضیح۔ مجبوری کی حالت میں تیمم کی اجازت۔ تیمم کی ترکیب۔ تعمیل احکام کی طرف ترہیب آمیز مدلل ترغیب۔ اس بات کی طرف لطیف اشارہ کہ ہر انسان کا فطرۃً اور عقلاً فرض ہے کہ احکام الٰہی کی تعمیل کرے اور قانون فطرت یعنی ضابطۂ الٰہی پر کاربند ہو اور خدا تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کا عملی شکریہ ادا کرے۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ

مسلمانوں اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو

شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ

کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی تم کو

قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ

ناانصافی کرنے پر آمادہ نہ کرے انصاف کرو انصاف

اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ

پرہیزگاری سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ

اللّٰهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ - جب گذشتہ آیات میں میثاق کی یاد دہانی کرادی گئی اور شکر گزاری کا حکم دیا جا چکا تو اب اُس تکلیف عبادت کو بیان کیا جاتا ہے جسیر ہر انسان فطرتاً عقلاً اور دراثۃً مکلف ہے۔ اس تکلیف عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ امر الٰہی کی عظمت کا اظہار اور مخلوق خدا پر رحمت و شفقت۔ پہلی قسم کی طرف قوّٰمین للّٰہ میں اور دوسری قسم کی طرف شہداء بالقسط میں اشارہ ہے۔ اصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! توحید الٰہی کو دنیا میں پھیلانے اور خدا کا بول بالا کرنے اور مکارم اخلاق کی تعلیم کے لیے تمام لوگوں کے واسطے معلم صادق اور مجسمۂ عمل بن جاؤ اور اصلاح عالم کے قولاً و فعلاً ذمہ دار ہو جاؤ اور اپنے پرائے یگانہ و بیگانہ کا لحاظ ترک کر کے دوستوں اور اجنبیوں کیلئے بھی شاہد عادل بن جاؤ۔ خواہ تمہارا نقصان ہو یا فائدہ عدالت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا - اگر کوئی قوم تم سے دشمنی کرے تو تم اُسکی دشمنی کی وجہ سے انتقام میں عدالت و انصاف کو بالائے طاق رکھکر مجرم بن جاؤ اور جا و بیجا بغیر لحاظ انصاف کے اُس سے انتقام لینے کو تیار ہو جاؤ بلکہ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى عدل کرو کیونکہ عدل ہی پرہیزگاری سے قریب ترین تعلق رکھنے والا ہے۔ عدل حق الٰہی ہے خواہ حکم ہو یا شہادت سب میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور خدا سے ڈرنا اور اُسکی منع کی ہوئی چیزوں سے پرہیز رکھنا تم پر لازم ہے۔ آیت وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ سے اخیر تک بعض لوگوں کے نزدیک خیبر کے یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور والا کو شہید کرنے کی تدبیریں کی تھیں لیکن جب خیبر مسلمانوں نے فتح کرلیا اور یہودیوں پر تسلط ہو گیا تو فطرتاً انتقامی کاروائی کرنے کا مسلمانوں کا خیال ہوا اُسپر یہ آیت نازل ہوئی اور تنبیہ کردی گئی کہ حقانیت و عدالت سے تجاوز نہ کرو۔ بعض کا قول ہے کہ یہ آیت قریش کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ قریش نے مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچائی تھیں لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش زیر ہو گئے تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اُن سے خلاف عدل کوئی برتاؤ نہ کرو۔ بہرحال شان نزول کچھ بھی ہو حکم عام ہے۔

مقصود بیان: - اشاعت توحید۔ اعلاء کلمۃ اللہ۔ اعلان صداقت اور تعلیم مکارم اخلاق کا حکم۔ عدالت و انصاف پر کاربند رہنے کی ہدایت دشمن دوست اور یگانہ و بیگانہ کے معاملہ میں عدل سے تجاوز نہ کرنے کا خصوصی امر۔ تمدن عالم کے ابقاء کے مخفی راز (عدالت) کیطرف لطیف ایماء۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جو لوگ مومن اور نیکوکار ہیں اُن سے خدا نے وعدہ کرلیا ہے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ

کہ اُن کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

انکار کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی وہ دوزخی ہیں

تفسیر یہ گذشتہ مضمون کا تتمہ ہے اور اسمیں تعمیل احکام کی رغبت اور نافرمانی سے خوف دلایا گیا ہے یعنی جو شخص اصلاح عقائد و اعمال کریگا اُسکی عملی فروگذاشتیں خدا تعالیٰ معاف فرمادیگا اور اُسکو حیات ابدی عطا فرمائیگا۔ اپنا دیدار نصیب کریگا۔ اور جو احکام الٰہی کو نہ مانیگا اور حق و صداقت کی تکذیب کریگا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔

مقصود بیان: - اصلاح عقائد و اعمال کی ترغیب اور نافرمانی و کفر سے ترہیب۔ مسلمانوں کو جنت کی بشارت۔ کافروں کو دوزخ کی وعید۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ

مسلمانوں اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا

کہ جب کچھ لوگوں نے تم پر دراز دستی کرنی چاہی تھی

اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

تو اللہ نے اُن کے ہاتھوں کو تمہاری طرف سے روک دیا

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اور اللہ سے ڈرتے رہو ایمانداروں کو اللہ ہی پر

الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ع ۲

بھروسہ رکھنا چاہیے

تفسیر اس آیت کے شان نزول میں چند روایات ہیں ہم ذیل میں مختصر طور پر بیان کرتے ہیں:-

(۱) اس آیت میں صلح حدیبیہ کا حال مذکور ہے ۶ھ میں جب حضور والا نے عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا اور مقام حدیبیہ پر جاکر فروکش ہو گئے اور قریش

نے عمرہ نہ کرنے دیا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا تو حضور انور نے واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن تقریباً اسی اوباشوں نے کوہ تنعیم کی طرف سے اتر کر مسلمانوں پر چھاپہ مارنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس قدر مضبوط الحواس کر دیا کہ ایک ایک مسلمان دس دس بارہ بارہ کافروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر لے آیا اور مقید کر کے لا کر بٹھا دیا لیکن حضور اقدس نے رحم کھا کر سب کو چھوڑ دیا

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں صلوٰۃ الخوف والا قصہ بیان کیا گیا ہے جسکو ہم آیت وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں۔

(۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمرو بن امیہ ضمری نے قبیلۂ اسلم کے دو آدمیوں کو حربی کافر سمجھ کر قتل کر ڈالا تھا چونکہ بنو قریظہ کے یہودیوں سے مسلمانوں کا جنگ صلح اور دیت کی شرکت کے متعلق معاہدہ تھا اسلئے حضور اقدس کا جب مقتولین کی دیت دینے کا ارادہ ہوا تو آپ خلفاء اربعہ اور بعض دیگر جلیل القدر صحابہ کو ہمراہ لیکر یہودیوں کے پاس تشریف لیگئے تاکہ یہودی بھی حسب معاہدہ دیت میں شرکت کریں۔ اُن خبیثوں نے خفیہ طور پر آپکے اوپر پتھر گرا کر قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ حضرت جبرئیل نے آپ کو خبردار کر دیا اور آپ تدبیر سے مدینہ کو لوٹ آئے۔ ان آیات میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے

(۴) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیت میں اُس قصہ کو بیان کیا گیا ہے جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ کسی سفر سے واپسی میں حضور والا ایک پڑاؤ پر اترے ساتھ کے آدمی اِدھر اُدھر درختوں کے سایہ میں چلے گئے اور حضور والا بھی ایک درخت سے ہتھیار لٹکا کر تنہا سو گئے۔ ایک اعرابی آیا اور حضور کی تلوار نیام سے کھینچکر کھڑا ہو گیا حضور بھی بیدار ہو گئے۔ اعرابی بولا محمد اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائیگا؟ حضور نے فرمایا اللہ۔ یہ سنتے ہی اعرابی کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر پڑی۔ حضور نے اٹھا کر فرمایا اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اعرابی نے خوشامد کی اور مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگا اس اعرابی کا نام غورث ابن حارث تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ کسی خاص واقعہ کو شان نزول قرار دینا مناسب نہیں۔ ایسے واقعات اور معجزات بیسیوں مرتبہ ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی طرف آیت میں اشارہ ہو سکتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی مسلمانو! خدا کی اُس نعمت کو یاد کرو کہ جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کر لیا تھا لیکن خدا نے اُن کی دست درازی کو روک دیا لہٰذا تم اُس کے احسان کو یاد کرو اور اُس سے ڈرتے رہو کسی قوم سے خوف نہ کرو کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہئے اور یقین رکھنا چاہئے کہ اُسی کے قبضہ میں سب چیز ہے۔ جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے خود کسی کے فعل میں کوئی تاثیر نہیں لہٰذا جو کچھ اُس کا ارشاد ہو اسکی بخوشی اطاعت ضروری ہے اور میثاق الٰہی کی پابندی لازم ہے کیونکہ جن لوگوں نے اللہ سے عہد کر کے وفا نہ کیا وہ خوار ہو گئے۔ ذیل میں ایسے ہی سرکشوں کا بیان ہے۔ آئندہ آیات کا مطلب سمجھنے سے قبل ایک تاریخی واقعہ جان لینا ضروری ہے تاکہ آیات کا مطلب سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

جب موسیٰ اور بنی اسرائیل مصر سے نکل کر سرگرداں اور پریشان پھرتے پھرتے دشت فاران میں پہونچے تو وہاں موسیٰ نے بحکم الٰہی بنی اسرائیل کے بارہ گروہوں میں سے بارہ جاسوس بنا کر کنعان کی سرزمین میں بھیجے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اُس سرزمین کے فتح ہونے کا وعدہ کیا تھا جب یہ لوگ مقام جیرون علاقہ شام میں پہونچے تو دیکھا کہ ملک نہایت سرسبز اور شاداب ہے اور وہاں کے باشندے نہایت تن آور اور قوی الجثہ ہیں۔ ان سرداروں نے باہم معاہدہ کر لیا کہ بنی اسرائیل سے ان لوگوں کی قد آوری اور قوت کی حالت بیان کرنی مناسب نہیں نہ لوگ خوف زدہ ہو جائینگے اور ہرگز اس ملک پر چڑھائی نہ کرینگے صرف حضرت موسیٰ سے جا کر کہدینگے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ سے جا کر کیفیت کہدی اور موسیٰ نے بھی اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کر دی اور سبھوں نے عہد بھی کر لیا لیکن دس آدمیوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور بنی اسرائیل کو جیرون والوں کی قوت سے خوب ڈرایا صرف حضرت یوشع اور کالب معاہدہ پر قائم رہے ایک عہد خدا نے اُن سے یہ بھی لیا تھا کہ کنعان کی سرزمین میں جا کر میرے احکام پر عمل کرنا مگر دو نقیبوں کے علاوہ سبھوں نے اسکی بھی خلاف ورزی کی نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کا غضب اُن پر نازل ہوا اور وادی تیہ میں چالیس۴۰ برس حیران پریشان پھرتے رہے۔ وہیں سب دشمنوں کی تلواروں سے اور مختلف بیماریوں سے جہنم رسید ہو گئے۔ پھر حضرت یوشع کے دور نبوت میں جب بنی اسرائیل کو ملک کنعان پر فتح حاصل ہوئی تو انہوں نے وہاں بت پرستی اور فسق و فجور شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف بادشاہوں کی جفاؤں کے تختۂ مشق بنتے رہے اور ذلت و رسوائی میں ہمیشہ کے لیے مبتلا رہے۔

اب ہم ذیل میں آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ
اور اللہ تو اولادِ یعقوب سے عہد و اقرار لے چکا ہے
وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۚ وَقَالَ
اور اُنہی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر کر دیے تھے اور کہہ دیا تھا

اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَ
کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم پابندی سے نماز پڑھتے رہے اور

اٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ
زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاتے رہے اور انکی مدد کرتے رہے

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ
اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہے تو میں تمہارے گناہ

عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ
ساقط کردوں گا اور ضرور تم کو ایسے گھنے باغوں میں داخل کرونگا

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ
جن کے اندر نہریں بہتی ہیں پھر اس کے بعد بھی اگر کسی نے

ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ○
تم میں سے نہ مانا تو وہ بلاشبہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَھُمْ لَعَنّٰھُمْ وَجَعَلْنَا
بالآخر انہی لوگوں کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے

قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ
دل سخت کردیے کہ وہ الفاظ کو ان کے محل سے بدلنے لگے

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ
اور اس نصیحت کا ایک بڑا حصہ بھول گئے جو ان کو کیگئی تھی (اے نبی) باستثناء

تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْھُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ
چند آدمیوں کے تم ان سب کی کسی نہ کسی خیانت پر ضرور مطلع ہوتے رہوگے

فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○
مگر ان کو معاف کرو اور درگذر کرو اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے

تفسیر ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ۔ یعنی ہم نے یہودیوں سے اشاعت دین کی تعمیل احکام شریعت اور جہاد کا عہد لیا تھا اور انہی میں بارہ آدمیوں کو سرزا بنا کر (ملک کنعان کو تبلیغ دین اور خبرگیری کے لئے) بھیجا تھا۔ جن کے نام یہ ہیں سموع بن ذکور۔ سفت بن حوری۔ کالب بن یفنہ۔ اجال بن یوسف یوشع بن نون۔ فلتی بن لفو۔ جادی ایل بن سودی۔ عمی ایل بن جملی ستور بن میکائیل۔ نحبی بن وفسی۔ جوائیل بن ماکی۔ جدی بن سوسی وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ اور خدا نے ان سے کہدیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری مدد کرونگا۔ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ مجھے اپنی ذات کی قسم اگر تم لوگ باقاعدہ پابندی سے نماز پڑھو گے اور زکوٰۃ ادا کروگے اور میرے پیغمبروں پر ایمان قائم رکھوگے ان کی تکذیب نہ کروگے وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ اور ان کی عزت توقیر اور امداد کرتے رہو گے ان کی طرف سے دشمنوں کی مدافعت رکھوگے وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا اور خدا کو قرض حسن دوگے یعنی اس کی راہ میں جان و مال سے دریغ نہ کروگے اور تن من دھن اس کی راہ میں قربان کروگے لَاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ تو میں تمہارے گناہ ساقط کرونگا اور خطاؤں کو معاف کردونگا وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ اور آرام دہ عیش فزا جنتوں میں تم کو داخل کرونگا لیکن فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ○ جو شخص اس میثاق کے بعد کفر کریگا اور عہد سے پھر جائیگا وہ سیدھا راستہ چھوڑ کر گمراہ ہوگا۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَھُمْ مگر چونکہ بنی اسرائیل اور ان کے اکثر نقیبوں نے عہد کو توڑ دیا اور میثاق کی خلاف ورزی کی بت پرستی کی فسق و فجور میں مبتلا ہوگئے اور اہل کنعان کی تن آوری کی خبر تمام قوم میں مشہور کردی لَعَنّٰھُمْ تو اس پاداش میں ہم نے بھی ان کو اپنی رحمت کے دائرہ سے خارج کردیا اور ان پر پھٹکار برسائی وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً اور ان کے دلوں کو سخت کردیا جو ایمان کو مان لینے کے لئے نرم نہیں ہوسکتے اس سنگدلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ تورات کے الفاظ میں رد و بدل کرنے لگے۔ رسول اللہؐ کے متعلق جو بشارات تورات میں مذکور ہیں اور آپ کا جو حلیہ اس میں موجود تھا انکو بدل ڈالا اور بعض احکام کو بھی تورات سے نکال دیا مثلاً آیت رجم کو بدل ڈالا وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِهٖ اور تورات میں جو ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ انہوں نے چھوڑ دیا گویا اسکو بھول گئے یعنی تورات میں محمدؐ کے اتباع کا حکم تھا مگر یہودیوں نے اس حصہ کو ترک کردیا۔ حالانکہ وہ نصیحت کا ایک عظیم الشان حصہ تھا وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْھُمْ یعنی کچھ ان کی بدبختی اسی پر آکر ختم نہیں ہوگئی

بلکہ ان کی ازلی شقاوت کے آثار ابتک باقی ہیں آپ برابر ان کی خیانت کاریوں پر مطلع ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہینگے اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ مگر بعض لوگ ان میں سے اس حکم سے مستثنیٰ بھی ہیں وہ شقاوت پسند اور خیانت کار نہیں ہیں (مثلاً عبداللہ بن سلام اور وہ مسلمان جو پہلے یہودی تھے) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ آپ ان سے چشم پوشی اور درگذر کیجے ان کو معاف کر دیجے خدا تعالےٰ احسان اور بھلائی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ انہوں نے اگرچہ آپ کے اور مسلمانوں کے ساتھ برائی کی اور برائی کرتے ہیں مگر آپ برائی کے عوض بھلائی کیجے اور ان سے مؤاخذہ نہ کیجے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ان یہودیوں کے متعلق حکم تھا جو اہل معاہدہ تھے۔ قتادہ کہتے ہیں یہ عام یہودیوں کے متعلق حکم تھا مگر بآیت سیف منسوخ ہوگیا۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ حکم تالیف قلوب کے لئے دیا گیا تھا۔

مقصود بیان۔ حقانیت و صداقت کا بالآخر غلبہ ہوتا ہے۔ اہل حق اخیر میں غالب ہوتے ہیں خدا انکی غیب سے مدد کرتا ہے۔ آیت میں صراحۃً تعلیم دی گئی ہے کہ ہر مسلمان کو خدا ہی پر توکل کرنی چاہیئے۔ طاغوتی قوتوں سے ہرگز خوف نہ کھانا چاہیئے۔ میثاق الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہیئے ورنہ دنیا میں ذلت وخواری اور آخرت میں جہنم نصیب ہوگا۔ اگر انسان فرائض الٰہی کو ادا کرتا ہے اور قانونِ الٰہی کے موافق اصلاح عقائد واعمال کرے تو امداد الٰہی بھی اُسکے شامل حال رہتی ہے اور خدا اُسکی مدد کرتاہے۔ جو شخص میثاق خداوندی کے خلاف اور عہدِ ازلی سے انحراف کرتا ہے وہ خدا کی لعنت میں گرفتار اور دنیا و دین ذلیل و خوار ہوتاہے۔ انسان جب خود اپنے لئے کفر کو پسند کرتاہے تو اُس کا دل سخت ہوجاتاہے اور ایسا زنگ آلود ہو جاتا ہے کہ پھر علم و معرفت کی صفائی کرنے سے اُس میں نورِ ایمان نہیں چمک سکتا وغیرہ

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا

جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے ان سے قول قرار

مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ

لیا تھا مگر وہ اس نصیحت کا ایک بڑا حصہ بھول گئے جو انکو کیگئی تھی

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

لہذا ہم نے بھی ان کے آپس میں قیامت کے دن تک کے لئے دشمنی اور کینہ

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ

لگا دیا اور آخر کار اُن کی حرکات کی

بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ

اللہ اُن کو خبر دے گا

تفسیر جب اوپر کی آیات میں ملعون یہودیوں کی سرکشیاں اور عہد شکنیاں اور اُن کی سزا کا بیان ہوچکا اور تفصیل سے بیان کر دیا گیا کہ یہودی باوجودیکہ اہل کتاب تھے لیکن میثاق الٰہی کو شکست کرنے سے بہت زیادہ ذلیل وخوار رہے تو اب مدعیان عیسائیت کی حالت بیان کی جاتی ہے کیونکہ یہ بھی اہل کتاب تھے اور میثاق الٰہی کی مخالفت کرکے وبال میں ماخوذ ہوئے تھے۔ ان دونوں فرقوں کی حالت بیان کرنے سے اہل اسلام کو تنبیہ کرنا مقصود ہے اور یہ بات دکھانی غرض ہے کہ اگر تم بھی عہدِ الٰہی کی مخالفت کروگے اور نصیحت خداوندی کو پس پشت ڈالدوگے تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ ارشاد ہوتاہے کہ:۔ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ وہ لوگ جو مدعیان عیسائیت تھے اگرچہ واقع میں عیسائی نہ تھے مگر اپنی زبانوں سے عیسائی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے ہم نے اُن سے بھی عہد لیا تھا کہ اگر مجھسے محبت کا دعوٰی کرتے ہو تو میرے احکام کی تعمیل کرنا اور آیندہ کو جو فارقلیط (احمد) آئیگا اُس کی تصدیق کرنا اور اُسکی مدد کرنا مگر فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ انجیل میں جو نصیحت اُن کو کی گئی تھی اُسکے بڑے حصہ کو انہوں نے ترک کر دیا جب فارقلیط پیدا ہوا تو اُسکی تکذیب کی اور بجائے امداد کرنے کے مخالفت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ہم نے ہمیشہ کے لئے اُن میں آپس میں باہی مذہبی پھوٹ ڈالدی جس سے ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے عداوت وکینہ رکھنے لگا یہ تو دنیا میں سزا دی گئی اور آخرت میں وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ خدا تعالیٰ اُن کے افعال وحرکات کی ان کو اطلاع دیگا اور اُن کے کرتوت ظاہر کرکے سزا دیگا۔

مقصود بیان:۔ آیت میں اس امر کا اجمالی بیان ہے کہ عیسائیوں کو حضرت عیسیٰؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دیدی تھی اور اُن سے عہد لے لیا تھا کہ میرے بعد آنے والے نبی کی تصدیق وامداد کرنا اس بات کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ جو لوگ تعلیم الٰہی پر کاربند نہیں ہوتے اور قانون فطرت پر نہیں چلتے اُن میں خدا تعالیٰ پھوٹ ڈالدیتاہے اور وہ مذہبی تفرقوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور پھر یہ تفرقے اور کفر کی شبنیریات قیامت تک بند نہیں ہوتیں۔ ان آیات میں مسلمانوں کیلئے ایک درس عبرت ہے کہ میثاق الٰہی کو شکست کرنے اور فرمان نبوی کی خلاف ورزی کرنے سے مسلمانوں میں پھوٹ نفاق اور تفرقے پیدا ہوجائینگے اور شیرازۂ ملت پراگندہ ہوکر شوکت اسلامی پارہ پارہ ہو جائے گی

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ

اے اہل کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس پہونچ گیا جو کتاب کی بہت سی

كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو

وہ باتیں تم سے بیان کرتا ہے جن کو تم چھپایا کرتے تھے اور بہت سی باتوں سے

عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ

درگزر کرتا ہے اللہ کی طرف سے بلاشبہ تمہارے پاس روشنی اور روشن کتاب

مُبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ

آپہونچی جس کے ذریعہ سے اللہ ان لوگوں کو نجات کے راستوں پہلے؟ راہ جو

سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

اسکی رضا کے طلبگار ہوتے ہیں اور اپنے حکم سے اُنکو تاریکیوں سے نکالکر نور کی

بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

طرف لے آتا ہے اور ان کو سیدھے راستہ پر چلاتا ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ

بلاشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ مسیح بن مریم اللہ ہے

مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ

تم کہدو کہ اگر مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور روئے

يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ

زمین کے تمام لوگوں کو اللہ ہلاک کردینا چاہے تو اسکے آگے کس کا زور چل سکتا

جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان ہے اسی کا ہے

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

جسکو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

شانِ نزول ایک بار چند یہودی سنگساری کے حکم کے متعلق گفتگو کرنے کیلئے خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور نے دریافت فرمایا تم سب میں زبردست متبحر عالم کون ہے؟ یہودیوں نے بالاتفاق ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا حضور نے اُسکو مخاطب کرکے فرمایا تم کو اُس خدا کی قسم جس نے موسیٰ پر توریت کو نازل فرمایا تھا سچ بتاؤ کیا تمہاری کتاب میں زنا کے جرم کی سزا سنگساری نہیں ہے؟ ابن صوریا نے جواب دیا محمد اب تم نے قسم دلائی اور قسم بھی سخت دلائی اسلئے واقعی معاملہ مجھکو ظاہر کرنا پڑا بیشک ہمارے مذہب میں بھی اہل اسلام کی طرح زنا کی سزا سنگساری ہے لیکن جب ہم میں زنا کی کثرت ہوئی اور خیال ہوا کہ اگر ہم روزانہ سنگسار کرتے جائینگے تو ایک دن ہماری جماعت بہت ہی کمزور پڑجائیگی اسلئے ہم نے رجم کے حکم کو خود بدل دیا اب اگر کوئی زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو ہم اُس کے سو کوڑے مارتے اور سر منڈوا کر منہ کالا کرکے شہر میں تشہیر کرتے ہیں اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس شان نزول کی بنا پر آیت میں صرف یہودیوں کو خطاب ہوگا لیکن اکثر اہل تفسیر کا اتفاق ہے کہ خطاب تمام اہل کتاب کو عام ہے یہودی ہوں یا عیسائی سب اس دعوت اسلام میں شریک ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ اے یہود و نصاریٰ تم جو بہت سی باتیں اپنے مذہب کی چھپایا کرتے تھے محمد کے صفات اخلاق حلیہ نبوت اور رجم کی طرح بعض دیگر احکام کو پوشیدہ رکھتے تھے اب ہمارا رسول تمہارے پاس آگیا جو تمہاری اکثر تحریفات کی قلعی کھول کر رکھتا ہے اور تمہارے بہت سے مخفی کردہ امور کو ظاہر کرتا ہے۔ ہاں بہت سے وہ احکام جن کی اصلاح کی ضرورت نہیں اُن سے وہ درگزر اور چشم پوشی کرتا ہے۔ تم پہلے تاریکی اور گمراہی میں پڑے ہوئے تھے حلال کو حرام اور حرام کو حلال جانتے تھے امور ہدایت کو چھپایا کرتے اور ضلالت انگیز تحریفات کو پھیلایا کرتے تھے قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ اب خدا کی طرف سے تمہاری تاریک باطنی دور کرنے کے لئے نور مجسم آگیا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک وَكِتَابٌ مُبِينٌ روشن کتاب بھی آگئی جو حق کو باطل سے دین فطرت کو دین محرف سے جدا کردینے والی ہے۔ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ اب جو شخص خدا تعالیٰ کی مرضی کا خواستگار ہوگا اور خوشنودی کا راستہ طلب کریگا خدا تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ سے اسکو سلامتی اور نجات کے راستے بتادیگا اور منزل مقصود تک پہونچا دیگا اور کتاب مبین وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ بحکم الٰہی اسکو تاریکی اور گمراہی سے نکالکر روشنی اور ہدایت کی طرف لے آئیگی وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ خدا تک پہونچنے کا سیدھا راستہ دکھادیگی۔ اور جو شخص ازلی کور باطن ہوگا اور نور فطرت ہی سے محروم ہوگا اس کو

خدا کسی کو بغیر قصور کے عذاب نہیں دیتا۔ تمام انسان مخلوق ہونے میں برابر ہیں بخشش کا دار ومدار خدا کی مشیت پر ہے۔ تمام عالم کی ابتدا بھی خدا ہی سے ہے اور انتہا بھی اسی پر ہے حضرت عیسیٰؑ کے اور رسول گرامیؐ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔ اصلاح خلق اور اتمام حجت کے لئے خدا تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا تاکہ قیامت کے دن کسی کو عذر کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے۔ رسول کا کام بشارت و انذار ہے۔ فرماں برداروں کو نجات خوشخبری اور منکروں کو دوزخ کا خوف دلانا نبی کا فرض ہے۔ آیت میں مسلمانوں کے لئے عبرت آموز سبق ہے اور اس امر کی لطیف ہدایت کرنی مقصود ہے کہ کوئی شخص اس بات پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائے کہ ہم امت محمدی میں داخل ہیں۔ رسول اللہؐ کی ذات گرامی ہماری نجات کیلئے کافی ہے کیونکہ کسی شخص کا خدا سے رشتہ نہیں نہ کوئی محبوب خدا ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ ہر شخص عقائد و اعمال پر مکلف ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم جو احسان

نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ

اللہ کا تم پر ہوا اس کو یاد کرو کہ تم میں اس نے پیغمبر بنائے

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا

اور تم کو بادشاہ بنایا اور وہ چیز دی جو دنیا جہان میں کسی کو

مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ

نہیں دی اے میری قوم اس پاک زمین میں چلو

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا

جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھدی ہے اور پشت موڑ کر

عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○ قَالُوْا

لوٹ نہ پڑو ورنہ نقصان میں جا پڑو گے قوم والے بولے

يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ

موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست لوگ ہیں جبتک وہ وہاں سے

نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا

نکل نہ جائیں ہم ہرگز وہاں نہ جائینگے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل گئے

مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ○ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ

تو ہم ضرور داخل ہونگے ان ڈرنے والوں میں سے دو شخص

الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا

جن پر خدا نے اپنا فضل کیا تھا بولے تم دروازہ تک تو

عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

چلو جس وقت تم دروازہ میں داخل ہو جاؤ گے تو بلاشبہ

غٰلِبُوْنَ ۥ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ

تم ہی کو غلبہ حاصل ہوگا اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ ہی پر

مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ

بھروسہ رکھو کہنے لگے موسیٰ جب تک وہ وہاں ہیں ہم تو ہرگز

اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ

وہاں نہ جائیں گے تم اور تمہارا رب جاؤ

فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○ قَالَ رَبِّ

اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں موسیٰ نے کہا میرے پروردگار

اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا

مجھے صرف اپنا اور اپنے بھائی کا اختیار ہے تو ہم میں اور ان

وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ قَالَ فَاِنَّهَا

نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے اللہ نے فرمایا اچھا تو وہ ملک

مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ

ان پر چالیس برس تک حرام کر دیا گیا (اسی) زمین میں سر مارتے پھرینگے

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ ع

اب تم نافرمان قوم پر کچھ تاسف نہ کرو

تفسیر

جب آیات سابقہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل خیالات غلط عقائد اور بے بنیاد مسلمات کی مدلل تردید

ہو چکی اور پھر بھی بنی اسرائیل دعوت حق کی طرف راغب نہ ہوئے اور سرکشی و طغیان سے باز نہ آتے تو اب بنی اسرائیل کا ایک طویل قصہ بیان کرکے اس طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ ان کی سرکشی کوئی نئی نہیں ہے بلکہ موسیٰؑ کے وقت سے انکی بیباکیوں کی یہی حالت چلی آتی ہے۔ یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ یہ قصہ اُس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مصر سے نکل کر بحر قلزم کو عبور کرکے عرب کے مغربی شمالی حصہ میں دشت فاران میں مقیم تھے اور حضرت موسیٰؑ نے بارہ نقیب ملک شام کو دریافت حال کے لئے بھیجدیے تھے اُن میں سے دس نقیبوں نے قوم عمالقہ کی قوت جسمانی اور قد آوری کے حالات بیان کرکے بنی اسرائیل کو بزدل بنا دیا تھا اور حضرت موسیٰ اُن کو فلسطین لیجانا چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ یعنی اُس وقت کی حالت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے جہاد پر آمادہ کرنے اور فلسطین کی طرف لیجانے کے لئے کہا تھا کہ قوم والو خدا کے حکم کی تعمیل کرو اور یہ ضرور رکھو اُس نعمت کو یاد کرو کہ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ خدا نے تم ہی میں سے بہت سے انبیاء بنائے (حضرت ابراہیمؑ سے لیکر حضرت موسیٰ تک برابر انبیاء بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے) اور فقط دینی حکومت ہی خدا نے تمہارے قبضہ میں نہیں کی بلکہ صدہا برس کی غلامی دور کرکے فرعون کے پنجہ سے چھڑا کر وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا تم کو مستقل حکومت عطا کی اور تم کو بادشاہ بنا دیا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ اور وہ نعمتیں تم کو عطا کیں جو دنیا میں کسی کو نہیں دی تھیں۔ بحر قلزم کو تمہارے عبور کے لئے خشک کیا اور اس میں تمہارے واسطے راستے بنا دیئے گئے۔ فرعون اور اُس کو تمہارے سامنے غرق کیا تمہارے لئے جنگل میں ایک پتھر سے بارہ چشمے بہائے يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ لہذا اے قوم بنی اسرائیل اُس پاک زمین (ملک شام یا فلسطین) کو چلو جسکی فتح خدا تعالیٰ نے (بزبان یعقوب) تمہارے لئے مقرر کر دی ہے یعنی خدا کے وعدہ کو جھوٹا نہ سمجھو جہاں اُس نے نعمتیں عطا کیں یہ نعمت بھی ضرور دیگا۔ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ اور پشت پھیر کر ان کے مقابلہ سے نہ بھاگو ورنہ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ انجام یہ ہوگا کہ کوشش رائگاں جائیگی اور ذلت و خواری کا منہ دیکھنا ہوگا۔ لہذا مصر واپس جانے کا ارادہ ترک کرو۔ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ بنی اسرائیل بولے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست قد آور تنومند اور طاقتور لوگ رہتے ہیں اُن کا وہاں بہت سخت تسلط ہے اُن کے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہیں وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا ہم وہاں ہرگز نہ جائینگے جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائینگے فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ اگر (تمہاری دعا سے) وہ لوگ اُس سرزمین سے چلے جائینگے تو پھر ہم ضرور آپ کے حکم کی تعمیل کرینگے اور وہاں جائینگے قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ بنی اسرائیل کا یہ جواب سن کر دو خدا ترس آدمی (یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا) أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا جن پر خدا نے اپنا انعام کیا تھا علم معرفت اور ایمان کامل اُن کو عطا کیا تھا اور وہ شریعت موسوی کے رازدار تھے بولے کہ ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ملک شام کے باشندوں پر شہر کے دروازہ سے گھس پڑو اور اُن کی ظاہری ہیبتناک صورتوں سے متاثر نہ ہو (ان کے پاس دل نہیں ہے) فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ جونہی تم دروازہ میں داخل ہوگے فوراً اُن پر تمہارا تسلط ہو جائیگا کیونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ نصرت جھوٹا نہیں ہو سکتا وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ اگر تم ایماندار ہو تو اس کی فتح و نصرت کا کامل یقین رکھو اور اُسی کی امداد پر بھروسہ رکھو ان لوگوں کی ظاہری قوت و جلال سے مرعوب نہ ہو۔ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا بنی اسرائیل بولے موسیٰ جب تک وہ لوگ اُس شہر میں ہیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائینگے ہم میں اُن کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ اگر جانا ہے تو تم اور تمہارا خدا جا کر وہاں لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں آگے ہرگز نہیں بڑھینگے بنی اسرائیل کی یہ سرکشی اور بدتمیزی دیکھ کر حضرت موسیٰ اور ہارون سجدہ میں گر پڑے اور غضب الٰہی سے لرزنے لگے۔ یوشع اور کالب نے بھی بہت کچھ سمجھایا مگر کور باطن جاہلوں کے ایک سمجھ میں نہ آئی بلکہ ان دونو صاحبوں کو پتھروں سے خوب مارا۔ مجبور ہو کر قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي حضرت موسیٰ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا میرے پروردگار مجھے اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر قدرت ہے میں اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو تعمیل حکم پر مجبور کر سکتا ہوں مگر اور کوئی میرے قبضہ میں نہیں میں کسی کو اطاعت پر مجبور نہیں کر سکتا فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ اسلئے تو ہم کو ان نافرمانوں سے علیحدہ کر دے ہم کو ان کا ساتھی نہ بنا قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً خدا تعالیٰ نے فرمایا تو چالیس برس تک ان کے واسطے وہ ارض پاک حرام کر دی گئی چالیس برس برابر یہ وہاں نہ پہنچ سکینگے اور مصر کو بھی واپس نہ جا سکینگے يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ یونہی اسی سرزمین میں مارے مارے پریشان پھرتے رہینگے دن رات چلنے کے بعد بھی پھر اسی مقام پر ہونگے جہاں سے چلینگے (اور بیس برس سے اوپر کی عمر والے یونہی سرگرداں پھرتے رہینگے اور دشمنوں کے حملہ سے تباہ و برباد ہو جائینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا چالیس برس تک بنی اسرائیل وادی تیہ میں سرگرداں پھرتے رہے جن لوگوں کی عمر بیس سے زائد تھی وہ سب وہیں مرے اور دفن ہوا

ُکے حملوں سے ہلاک ہوگئے۔ حضرت موسٰی بھی نہر یردن کے اس پار رو اصل بحق ہوگئے اُن کی بجائے یوشع اور کالب خلیفہ ہوئے تو بنی اسرائیل کو وہاں سے نجات ملی اور ملک شام فتح ہوا) فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ تم ان نافرمانوں کا غم نہ کھاؤ ان کی تباہی اور ہلاکت کی پرواہ نہ کرو یہ نافرمان ہیں اور نافرمان تباہ کرنے کے ہی لائق ہیں۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل تورات سفر عدد کے ۱۴ باب میں بخوبی کی گئی ہے۔

مقصود بیان: نعمت کی یاد موجب اطاعت ہے۔ عموماً نبوت اور سلطنت ہر قوم کیلئے خدا کی نعمت ہے اسی سے اصلاح معاش و معاد وابستہ ہے مگر جس قوم میں نبی کی بعثت یا بادشاہ کی پیدائش ہو بہ خصوصیت کے ساتھ خدا کا احسان ہے۔ ملک شام کی زمین پاک تھی وہاں بہت سے انبیاء پیدا ہوئے تھے۔ راہ خدا میں جان لڑا دینے کا میلان اور نافرمانی و بزدلی سے ناکامی حاصل ہوتی ہے۔ آیت میں لطیف اشارات اس طرف ہیں کہ طاغوتی مادی طاقتیں خدا کی مخفی طاقت کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ جس مؤمن کا خدا پر کامل توکل ہوتا ہے خواہ اس کے پاس مادی طاقت نہ ہو مگر خدائی طاقت کی امداد سے وہ بہت بڑی بڑی مادی طاقتوں پر غالب آسکتا ہے۔ بنی اسرائیل بہت سرکش اور طاغی قوم تھے حضرت موسٰی اور حضرت ہارون بھی اُن سے تنگ تھے اور ان کا بھی ان پر کچھ بس نہ چلتا تھا۔ بنی اسرائیل کی سرتابی قدیمی ہے۔ ہمیشہ سے یہ قوم حق و حقانیت کی مخالفت کرتی چلی آئی ہے۔ خدا کی شان میں بھی انھوں نے بڑی بڑی گستاخیاں کی ہیں۔ سرکشی اور نافرمانی کی سزا خدا کی طرف سے بہت سخت ملتی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ

(اے محمدؐ) تم ان کو آدم کے دونوں بیٹوں کا سچا قصہ پڑھ کر سنا دو جبکہ

قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ

دونوں نے نیاز پیش کی تو ایک کی نیاز قبول کرلی گئی اور

لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ

دوسرے کی نہ قبول کی گئی وہ بولا میں تجھے ضرور مار ڈالونگا

قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

پہلے نے کہا اللہ تو نیاز پرہیزگاروں ہی کی قبول کرتا ہے

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا

اگر مارڈالنے کے لئے تو میری طرف ہاتھ بڑھائیگا تو بڑھا میں تجھے

بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

قتل کرنے کے لیئے اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھانے کا میں اس اللہ سے

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ

ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے میں چاہتا ہوں کہ تو

تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

میرا اور اپنا دونوں کا گناہ سمیٹ کر دوزخی

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝

ہوجائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ

غرض دوسرے کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا اور اس نے بھائی کو مار ڈالا

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ

اور خود ہی گھاٹے میں آگیا بالآخر اللہ نے ایک

غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ

کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا تاکہ قاتل کو وہ طریقہ بتادے جس سے

يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ

وہ اپنے بھائی کی لاش چھپا سکے کہنے لگا افسوس میں اس

اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ

کوے کی طرح ہونے سے بھی گیا گذرا ہوا کہ اپنے بھائی کی

سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ۚۛ

لاش تو چھپا دیتا غرض پھر وہ پچھتانے لگا

تفسیر

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ۔ یہاں سے حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ شروع ہے اور اس سے غرض وہ فوائد ہیں جنکو ہم مقصود بیان کے عنوان کے ذیل میں ذکر کرینگے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا سچا واقعہ سُنا دیجئے (تا کہ ان کو عبرت حاصل ہو۔ ہابیل قابیل کا قصہ مدام

ہوگئے) جمہور کے نزدیک دونوں بیٹوں سے آدمؑ کے نطفہ کے بیٹے ہی مراد ہیں اگرچہ حسن وضحاک کی ایک ضعیف روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے اور چونکہ تمام انسانوں کو بنی آدم کہا جاتا ہے اسلئے ان کو بھی آدم کے بیٹے کہا گیا مگر دیگر احادیث اور توریت سفر پیدائش کا چوتھا باب قول جمہور کی واضح تائید کرتا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔

ابن عباس ابن مسعود اور صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ حضرت آدم کی اولاد کی پیدائش کا یہ دستور تھا کہ ایک بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے اور دوسرے بطن سے بھی اسی طرح ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوا کرتی تھی اور بضرورت وقت خدا کے حکم سے ایک بطن کے لڑکے کا دوسرے بطن کی لڑکی سے نکاح کرا دیا جاتا تھا چنانچہ ایک بار ایک بطن سے ہابیل اور اس کی بہن لبوذا پیدا ہوئی اور دوسرے بطن سے قابیل اور اس کی بہن اقلیما ہوئی اقلیما لبوذا سے حسین تھی اس لئے قابیل چاہتا تھا کہ دستور شریعت کے خلاف میرا نکاح اس سے ہو جائے اور وہ اپنا استحقاق بھی ظاہر کرتا تھا لیکن حضرت آدم نے حکم شریعت کے موافق ہابیل کا نکاح اقلیما سے کر دیا قابیل کو اس پر رشک پیدا ہوا اور دل میں ہابیل کا دشمن ہو گیا حضرت آدم نے قابیل کی دلجوئی اور اطمینان کے لئے حکم دیا کہ تم دونوں اپنی اپنی نذریں بارگاہ الٰہی میں پیش کرو جس کی نذر قبول ہو جائے گی وہی اقلیما کا جائز مستحق سمجھا جائیگا اور چونکہ اس زمانہ میں کوئی فقیر نہ ملتا تھا اس لئے دستور تھا کہ کھلے میدان میں ہر شخص اپنی نذر رکھ آتا تھا آسمان کی طرف سے ایک آگ آتی اور جس کی نذر قبول ہوتی اُس کو کھا جاتی ہابیل و قابیل (قائن) حضرت آدم علیہ السلام کے فیصلہ پر راضی ہو گئے ہابیل کے پاس کچھ مویشی تھے اُن میں سے وہ ایک فربہ دنبہ لایا اور قابیل کاشتکار تھا وہ بادل ناخواستہ غلہ کے چند ردی خوشے لایا دونوں نے میدان میں اپنی اپنی نذریں رکھیں آگ آئی اور ہابیل کی نذر قبول کر لی گئی قابیل کو اس بات سے اور بھی حسد پیدا ہوا اور موقعہ کا منتظر رہا جب حضرت آدم علیہ السلام حج بیت اللہ کو گئے اور قابیل کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا گئے اس لئے قابیل کو اور بھی اچھا موقعہ ہاتھ آیا ہابیل سے کہنے لگا کہ تو اقلیما سے دست بردار ہو جا ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا ہابیل بولا اگر تو مجھے قتل کرے گا تو میں ہرگز تیری طرف دراز دستی نہ کروں گا مجھے خدا کا خوف ہے اگر میں تجھے قتل کر دوں گا تو اپنے گناہوں کے علاوہ تیرے خون کا وبال بھی میری گردن پر ہوگا اور اگر تو مجھے قتل کر دے گا تو ایک تو تیرے ذاتی گناہوں کا بار تیرے اوپر ہوگا دوسرے میرے قتل کا وبال بھی تیری گردن پر ہوگا لہذا میں تو ایسا نہیں کر سکتا تجھے اختیار ہے جو چاہے کر۔

بالآخر قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا مارنے کو تو مار ڈالا مگر اب فکر ہو گیا کہ خون ناحق کو کس طرح چھپائے کاندھے پر لاش اٹھائے اٹھائے مدتوں پھرا مگر کچھ تدبیر سمجھ میں نہیں آئی اتفاق سے (خدا کے بھیجے ہوئے) دو کوے آئے ایک نے لڑ کر دوسرے کو قتل کر دیا اور پنجوں سے زمین کو کھود کر اس میں مردہ کوے کو دفن کر دیا قابیل کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی اس نے بھی زمین کھود کر بھائی کی لاش کو دبا دیا اور خود عدن کی طرف بھاگ گیا بنی آدم میں یہ خون سب سے پہلا خون تھا اسی لئے آئندہ انسانوں میں جو خون ناحق ہوگا اُس کے عذاب کا ایک حصہ قابیل کی گردن پر ہوگا کیونکہ وہی اس گناہ کا موجد اور بانی تھا چونکہ دنیا میں فتنہ و فساد ظلم و حسد اور ناحق قتل کی ابتداء ہو گئی لامحالہ ایک قانون عدل کی ضرورت پڑی اسی لئے قصاص کا حکم سب سے پہلے بنی اسرائیل کو دیا گیا تاکہ زمین پر فساد نہ ہو اور خون انسانی بیدریغ نہ بہایا جائے اسی قصہ کو ذیل کی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا یعنی جب ہابیل و قابیل میں اقلیما کے متعلق اختلاف ہوا تو حضرت آدم نے دونوں کے اطمینان خاطر کے لئے بارگاہ الٰہی میں نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا تو دونوں نے اپنی اپنی نذر پیش کی۔ ہابیل نے ایک موٹا تازہ دنبہ پیش کیا اور قابیل نے ردی غلہ کے چند خوشے پیش کئے۔ کیونکہ بروایت ابن عباسؓ اُس زمانہ میں کوئی فقیر نہ تھا۔ فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ۔ یعنی ہابیل کا نذرانہ تو قبول کر لیا اور ایک بے دھوئیں کی آگ آسمان کی طرف سے آئی اُس نے دنبہ کو کھا لیا اور قابیل کے پیش کردہ خوشے ویسے ہی باقی رہے۔ آگ نے اُن کو بالکل نہ چھوا۔ قابیل کو اس بات سے اور حسد و غصہ پیدا ہوا لیکن چونکہ موقعہ نہ تھا اسلئے حسد کو دل میں چھپا رکھا۔ جب حضرت آدم حج کو گئے اور اسکو اپنا جانشین بنا گئے تو اس کو اچھا موقعہ ہاتھ آیا (ابن جریر بروایت ابن عباسؓ) اور ہابیل سے قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ کہنے لگا میں تجھے ضرور قتل کر ڈالونگا ورنہ اقلیما سے دست بردار ہو جا۔ ہابیل نے کہا یہ فیصلہ تو خدا کی طرف سے ہے۔ قابیل بولا تیرا نذرانہ قبول ہو گیا اور اس سے تجھ کو شہرت حاصل ہو گئی اور میرا ہدیہ قبول نہوا میں تمام قوم میں بدنام ہو گیا میں تجھے ضرور مار ڈالونگا۔ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ۔ ہابیل کہنے لگا اس میں حسد کی کونسی بات ہے خدا تعالیٰ اسی بندہ کا نذرانہ قبول فرماتا ہے جو اتقاء نفس کے ساتھ اُس کی شریعت پر چلتا ہے تو نے دستور شریعت کو توڑا خدا نے تیرا نذرانہ قبول نہ کیا میرا اس میں کیا قصور ہے اور اس پر بھی لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي اگر مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائیگا تو مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ میں ہرگز کبھی تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا مجھ سے انتقامی کارروائی

کی جرأت ہرگز نہ ہوگی کیونکہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ مجھے پروردگار عالم کا خوف ہے خدا نے تو اپنی مخلوق کو پیدا کیا اور رفتہ رفتہ ترقی دیکر سن کمال تک پہونچایا اور میں فطرت الٰہی کے خلاف اُسکو ہلاک کردوں یا ہلاک کرنے کی جرأت کروں مجھسے یہ ہرگز نہ ہوگا اگر میں تجھے قتل کرونگا تو اپنے ذاتی گناہوں کے علاوہ تیرے قتل کا وبال بھی میری گردن پر ہوگا اور تو مجھے قتل کریگا تو میرے قتل کا وبال اور تیرے ذاتی گناہ سب تیری گردن پر ہونگے لہٰذا میں پہلی صورت کو پسند نہیں کرتا اور اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ یہی چاہتا ہوں کہ تو اپنا اور میرا وبال لیکر خدا کی طرف جائے اور ہمیشہ کے لئے دوزخی بن جائے یہی بات میرے نزدیک پہلی بات سے بہتر ہے وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ظالموں کی یہی سزا ہوتی ہے جو ناحق قتل کرتے ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ رہینگے فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ بالآخر قابیل کو اُسکے نفس نے ہابیل کے قتل پر آمادہ کردیا اور اُسکی رائے میں بھائی کو مار ڈالنا ہی بہتر معلوم ہوا اسلئے اُس نے ہابیل کو قتل کر ڈالا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے بہتری کے دونوں جہان میں خوار ہوا فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ اور ہمیشہ کیلئے ٹوٹے میں رہا کچھ فائدہ نہ اٹھایا دنیا میں بھی بدنام ہوا اور آخرت میں بھی دوزخی بنا۔ مارنے کو تو مار ڈالا لیکن اب حیران ہوا کہ اسکو کیا کروں کیونکہ روئے زمین پر یہ انسان کی پہلی موت واقع ہوئی تھی حیران سرگردان بھائی کی لاش کاندھے پر رکھے رکھے پھر رہا تھا کہ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ خدا تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جس نے اپنے ساتھ والے کوے کو قتل کرکے پنجوں اور چونچ سے زمین کھودی اور مردہ کوے کو اُسکے اندر دفن کردیا اور یہ قصہ صرف اس وجہ سے ہوا لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ کہ قابیل کو اپنے بھائی کی لاش چھپانے کا طریقہ معلوم ہوجائے۔ قابیل نے جب کوے کی یہ حالت دیکھی تو نہایت افسوس اور ندامت سے بولا یٰوَیْلَتٰٓی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ افسوس میں تو اس کوے سے بھی گیا گزرا ہوا میں تو یہ بھی نہ سوچ سکا کہ زمین کھود کر فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا افسوس میری عقل و دانش اتنی کمزور نکلی اور میرے حواس پر ایسا بیوقوفی کا پردہ پڑ گیا فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ کہ اپنی بدنامی دور کرنے کی کوئی تدبیر میرے دماغ میں نہ آئی۔ یہ سوچ کر قابیل بہت شرمندہ ہوا۔

مقصود بیان:- بدنیتی اور بے دلی کی کوئی عبادت مالی یا بدنی مقبول نہیں۔ مومن متقی کی طاعت ہی مقبول ہوتی ہے۔ حاسد کی محرومی اپنے قصور کی وجہ سے ہوتی ہے اُسکو اسباب محرومی دور کرنے لازم ہیں ہر شخص کے واسطے ضروری ہے کہ حکم الٰہی اور فرمان نبوی کے موافق چلے اگر اپنی رائے پر اعتماد کریگا اور نفس پر بھروسہ رکھیگا اور اپنی دماغی قوتوں کو فرمان الٰہی سے بڑھ کر سمجھیگا تو قابیل کی طرح ذلیل و خوار ہوگا۔ گنہگار کے دماغی حواس اور ادراکی قوتوں پر گناہ کرتے وقت پردے پڑ جاتے ہیں اور وہ معمولی پرندے سے بھی زیادہ کور دانش ہوجاتا ہے۔ تفاخر حسد رشک ظلم بدعہدی بغاوت اور ماں باپ کی نافرمانی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جو قابیل کا ہوا لہٰذا یہ اوصاف قبیحہ واجب الترک ہیں فتنہ و فساد اور خوں ریزی فطرت الٰہیہ کے خلاف ہے۔ خدا رب العالمین ہے اُس نے پیدا کیا نفس انسانی کو محترم قرار دیا پھر خونریزی کسطرح جائز ہوسکتی ہے

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے متعلق لکھ دیا تھا

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ

کہ جو شخص کسی کو بغیر کسی جان کے عوض اور بغیر زمین میں فساد پھیلانے

فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا

کے قتل کرے گا تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کردیا

وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ

اور جس نے ایک کو مرنے سے بچا لیا اس نے گویا سب آدمیوں کو

جَمِیْعًا ۭ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

بچا لیا بیشک اُن کے پاس ہمارے رسول صاف صاف حکم

بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ

لیکر پہونچے تھے مگر اس پر بھی ان میں سے بہتیرے لوگ

ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝

ملک میں زیادتی کرنے والے ہیں

تفسیر

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ یعنی اسی ناحق خوں ریزی بند کرنے کے لئے كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ہم نے بنی اسرائیل کے واسطے یہ قانون مقرر کردیا اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ جو شخص کسی کو ناحق بغیر معاوضہ جان کے قتل کرے یا بلاوجہ بغیر فتنہ و فساد مچائے مارا یعنی بلا وجہ خونریزی کی باوجودیکہ اُس نے اسلام سے بغاوت نہ کی رہزنی نہ کیا ڈاکہ نہ ڈالا اور زمین پر کسی قسم کی تباہی

نہ پھیلائی اور پھر بھی اُسکو قتل کردیا تو فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط
گویا اُس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا۔ ایک شخص کو بلا وجہ قتل کرنا
تمام عالم کے قتل کی برابر ہے۔ جو شخص محض جذبۂ نفسانی کے ماتحت
حرمت الٰہی کا نقض کرسکتا ہے یعنی جب خوف الٰہی اور جذبۂ روحانی اسکا
مغلوب ہوگیا اور جذبۂ نفسانی غالب آگیا تو پھر اُسکے نزدیک ایک کو قتل
اور ہزار کو قتل کرنا برابر ہے ایک پیسہ کی چوری اور ایک ہزار کی چوری میں
چوری ہونے کے لحاظ سے کچھ فرق نہیں۔ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا
النَّاسَ جَمِیْعًا اور جس شخص نے ایک شخص کو بچالیا اور خوف خدا کرکے
حرمت الٰہی کی شکست سے باز رہا اُس نے گویا سب کو بچالیا کیونکہ جب
اُس کا جذبۂ نفسانی مغلوب اور عاطفۂ روحانی غالب آگیا تو اب ہر جگہ
یہی مغلوبیت اور غالبیت رہیگی۔ خلاصہ یہ کہ ایک شخص کو قتل کرنا سب کے
قتل کی برابر اور ایک کو بچانا سب کو بچانے کی برابر ہے ایک نیا گناہ نکالنے
سے جسقدر آئندہ لوگ اُس گناہ کا ارتکاب کرینگے سب کا وبال بانی پر
ہوگا اور ایک اچھی بات ایجاد کرنے سے آئندہ سب آدمیوں کی نیکی کا
ثواب بھی اسکو ملیگا اگرچہ آئندہ بدی یا نیکی کرنے والے عوض شخصی سے
محروم ہونگے۔ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا
مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ہمارے پیغمبر بنی اسرائیل
کے پاس طرح طرح کے معجزات لیکر پہونچے مگر ان ازلی بدبختوں کو کچھ
فائدہ نہوا بہت سے آدمی ویسے ہی قتل و غارت کفر و شرک اور فتنہ و
فساد پھیلانے میں منہمک رہے پھر اے محمد صلعم تم کو بھی انکی نافرمانی
اور سرکشی دیکھ کر تنگدل نہ ہونا چاہئے یہ ان کا قدیمی شیوہ ہے۔

مقصود بیان:۔ قانون قصاص قتل و خونریزی کے انسداد
کے لئے بنایا گیا جذبۂ نفسانی اور عاطفۂ روحانی غالبیت و مغلوبیت
کا اعتبار رہے۔ ہر فعل تانیت پر دار و مدار رہے۔ ایک دفعہ حرمت الٰہی کی شکست
ہزار دفعہ کی شکست پر جرأت دلاتی ہے۔ آیت میں نہایت لطافت اور بلاغت
کے ساتھ ایسے افعال کی ممانعت کیگئی ہے جن سے فتنہ و فساد وغیرہ پھیلتا ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ
جو لوگ اللہ سے اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں اور

رَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا
ملک میں فساد کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے ہیں اُنکی سزا یہ ہے

اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ
کہ اُن کو قتل کر دیا جائے یا سولی چڑھا دیا جائے یا ہاتھ یا نوؤں

وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ
مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا دیس سے

الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ
نکال دیا جائے یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور

لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ اِلَّا
آخرت میں ان کے لئے خصوصیت کے ساتھ بڑا عذاب ہے ہاں

الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا
تمھارے قابو میں آنے سے پہلے جنھوں نے توبہ کرلی

عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ع ۵ ۸ ۹
تو جان لو کہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر بخاری مسلم ترمذی اور ابوداؤد میں باختلاف الفاظ
ایک جماعت صحابہ سے مروی ہے کہ قبیلۂ عکل و عرینہ
کے کچھ آدمی مسلمان ہوکر ہجرت کرکے مدینہ آئے اور یہیں سکونت
اختیار کرلی مدینہ کی ہوا ان کو موافق نہ آئی ہاتھ پانوؤں دبلے ہوگئے
اور پیٹ بڑھ گیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو مدینہ کی آب و ہوا
ناموافق ہے ہم بیمار ہوگئے کوئی علاج بتائیے۔ حضورؐ نے ارشاد
فرمایا صدقہ کے اونٹ جو جنگل میں چرنے جاتے ہیں اُن کے ساتھ چلے
جاؤ وہیں قیام کرو اور اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کرو۔ ان لوگوں
نے کچھ دنوں یہی علاج کیا اور تندرست ہوگئے۔ تندرست ہونے
کے بعد حضرت یسار رضؓ کو جو رسول اللہ صلعم کے آزاد کردہ غلام اور اونٹوں
کے چرواہے تھے بیدردی سے قتل کردیا اُن کی آنکھوں میں کیکر
کے کانٹے بھونکے اور تمام مال متاع لوٹ کر اونٹوں کو ہنکا کرلے گئے
حضور والا کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت عبداللہ بجلی کو بیس سوار
کے دستہ کے ساتھ اُن کے تعاقب میں روانہ کیا۔ عبداللہ اُن کو گرفتار
کرکے لائے۔ حضورؐ نے انکی آنکھوں میں سلائی پھروا کر ہاتھ پانوؤں
قطع کرا کے مدینہ کے باہر گرم ریت پر ڈلوا دیا اور وہ اسی طرح پیاس میں
تڑپتے تڑپتے ریت پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔ اُنہی کے متعلق یہ
مکمل آیت نازل ہوئی۔

بعض مفسرین نے شان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ ابو بردہ نے
سے حضور اقدسؐ نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ تو نہ مسلمانوں کا ساتھ دینا

نہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آنا لیکن ابو بردہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ ایک بار چند آدمی مسلمان ہونے کے لئے مدینہ کو آرہے تھے کہ راستہ میں ابو بردہ نے اُن پر ڈاکہ ڈالا اُسپر یہ آیت نازل ہوئی۔

بہر حال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا حکم عام ہے۔ بقول قرطبی و ابن جریر مسلمان ڈاکو ہو یا کافر جو شخص راہزنی کریگا اُسپر یہ حکم جاری ہوگا لیکن ائمہ فقہ (مالک شافعی ابو حنیفہ وغیرہ) کہتے ہیں کہ آیت میں اُن مسلمانوں کے متعلق حکم ہے جو بادشاہ اسلام سے باغی ہوکر راہزنی اور فساد کرنے لگیں اور ڈاکہ مارنے لگیں۔ عکرمہ اور حسن کے نزدیک آیت کا حکم مشرکوں کے حق میں ہے۔ اب ہم آیت کی تفسیر کرتے ہیں خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہیں یعنی شاہ اسلام کے خلاف بغاوت کرتے اور اُسکے مقابلہ میں ہتیار اٹھاتے ہیں اور مسافروں کو لوٹتے ہیں اور ڈاکے مارتے ہیں (مجاہد۔ عطاء۔ حسن۔ نخعی۔ ابن عباس سعید بن مسیب) تو اُن کی سزا ان چاروں میں سے ایک ہے خواہ اُن کو قتل کردیا جائے یا سولی دیدی جائے یا جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا جائے یا جلاوطن کردیا جائے (یہ قول ابن عباس مجاہد الشن۔ علی بن طلحہ وغیرہ کا ہے) (رواہ ابن جریر) لیکن ابو مجلز۔ ابن ابی شیبہ سعید بن جبیر۔ ابراہیم نخعی۔ حسن بصری۔ قتادہ۔ سدی۔ عطاء خراسانی اور جمہور ائمہ نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جو لوگ مذکورہ بالا جرائم میں سے کسی جرم کے مرتکب ہوتے ہیں تو اُن کی سزا جرم کے موافق ہے اگر صرف قتل کیا ہے تو اُسکو قتل کیا جائے سولی نہ دی جائے اگر صرف مال لوٹا ہے قتل نہیں کیا تو ایک ہاتھ اور دوسرا پاؤں کاٹا جائے۔ اگر قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لوٹا ہے تو ہاتھ پاؤں کاٹ کر اُسکو قتل کیا جائے اور پھر تشہیر کرنے کے لئے سولی پر بھی لٹکایا جائے اور اگر صرف راہگیروں کو ڈرایا دھمکایا ہے نہ کسی کو قتل کیا نہ کسی کا مال لوٹا تو اُسکو جلاوطن یا دائم الحبس کیا جائے۔

یہ بات بھی جان لینا ضرور ہے کہ مذکورہ بالا جرائم کا ارتکاب کرنیوالے شہر میں رہ کر ایسا کریں یا جنگل اور بن میں رہ کر کریں دونوں کا ایک ہی حکم ہے مگر امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف اُن باغیوں کا اور ڈاکوؤں کا ہے جو جنگل اور بن میں رہتے ہیں۔ اگر شہر میں رہتے ہوں تو چونکہ حکومت اُن پر قابو پاسکتی ہے اسلئے وہ چوروں کے حکم میں ہیں اور جو سزا چور کو ملتی ہے وہی اُن کو ملیگی۔ یہی قول امام مالک کا ہے ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

یعنی مذکورہ بالا سزا ان مجرموں کے لئے دنیا میں باعث رسوائی ہو (اسی وجہ سے ائمہ فقہ کا قول ہے کہ ان لوگوں کے جنازہ پر نماز نہ پڑھی جائے) اور آخرت میں تو خصوصیت کے ساتھ ان کے واسطے سخت عذاب ہوگا اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ہاں جو لوگ جرائم مذکورہ کے مرتکب ہوئے اور شاہ اسلام کی گرفت میں آنے سے قبل خود بخود توبہ کرلی اور ناشائستہ حرکات کو چھوڑ دیا تو فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ خوب سمجھ لو کہ خدا غفور رحیم ہے اپنا گناہ معاف فرمادے گا لیکن جمہور اسلام کے نزدیک توبہ سے حقوق عباد ساقط نہیں ہوسکتے۔ اگر اُس نے قتل کیا ہے تو توبہ کے بعد بھی قصاص میں قتل کیا جائیگا اگر کسی کا مال لوٹا ہے تو مال واپس دینا پڑیگا کیونکہ خداتعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ خدا غفور رحیم ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم اُس پر حد جاری نہ کرنا لیکن حضرت علی رض حضرت ابو موسیٰ رض حضرت ابو ہریرہ رض اور بعض دیگر صحابہ کے واقعات اور فیصلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق بھی توبہ کے بعد معاف ہوجاتے ہیں اور پھر کسی طرح کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مقصود بیان:۔ حکومت اسلامیہ سے بغاوت قتل غارت راہزنی اور فتنہ و فساد کی ممانعت۔ ان جرائم کی سخت سزاؤں کا بیان آیات مذکورہ میں لطیف و بلیغ اشارات اس طرف بھی ہیں کہ اسلام دنیا میں امن آشتی اور صلح قائم کرنے آیا ہے اس کا مقصود اصلی اصلاح عالم ہے اور ظلم بیداد کی بیخ کنی ہے۔ فتنہ و فساد اور قتل و غارت کو کبھی اسلام نہیں پسند کرتا اور نہ اسکی اجازت دیتا ہے بلکہ نہایت بلند آہنگی اور سخت ترین قوانین سے ایسے افعال سے باز رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ بصیرت کوش دماغ کے لئے ایک غور کرنے کی بات یہ بھی ہے کہ حقوق انسانی کو تلف کرنے والے کیلئے اسلام نے ایسی سخت سزائیں تجویز کی ہیں تاکہ دنیا میں تباہی نہ پھیلے لیکن حقوق الٰہی کو ترک کرنے والے کے لئے اس میں سے کوئی سزا جائز نہیں بلکہ معاف ارشاد فرمادیا گیا کہ توبہ کے بعد حقوق الٰہی معاف ہوسکتے ہیں۔ خدا اپنے حقوق معاف کردے گا۔ گویا اسلام کے جو دو جزو ہیں۔ تمدن انسانی کی اصلاح اور حقوق الٰہی کی ادائیگی۔ ان دونوں میں مہتم بالشان جزو اول ہے اگرچہ اخیری جزو بھی ضروری ہے وغیرہ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا

ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس تک

اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ

پہونچنے کا وسیلہ ڈھونڈو اور اُس کی راہ میں جان لڑادو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ

تاکہ تمہارا بھلا ہو جو لوگ کافر ہیں اگر

اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ

اُن کے پاس زمین کی تمام چیزیں ہوں بلکہ اتنی ہی اور بھی

مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ

ہوں اور وہ اس سب کو دے کر روز قیامت کے عذاب سے

الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

چھوٹنا چاہیں تو ہرگز اُن سے یہ چیزیں قبول نہ کی جائینگی اور اُنکے لئے دردناک

اَلِيْمٌ ○ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ

عذاب ہے وہ آگ سے نکلنا چاہیں گے

النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ

مگر وہاں سے نکل نہ سکینگے اُن کے لئے

عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ○

دوامی عذاب ہے

تفسیر سابق آیت میں تمدن بشری کو تباہ کرنے والوں کی مذمت اور فریضۂ الٰہی کو ادا نہ کرنے والوں کی بدسیرتی کا بیان تھا اور مسلمانوں کو ایسی حرکات سے باز رہنے کی ضمنی ہدایت تھی اس آیت میں فلاح دنیوی اور نجات اخروی کا ایک زرّین ضابطہ بیان کیا جاتا ہے جسکو ہر ہوشمند انسان تسلیم کرتا ہے۔ ضابطہ کے دو جزء ہیں ممنوعات کا ترک اور واجبات کی ادائیگی پہلے جزء کو اس اِتَّقُوا اللّٰهَ کے فقرہ میں بلیغانہ طرز کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور دوسرے جزء کو آیندہ جملہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ مسلمانوں خدا سے ڈرو۔ پرہیزگاری اختیار کرو بُری باتوں کو چھوڑ دو جن امور سے خدا نے منع کیا ہے اُن کو نہ کرو۔ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اور خدا تک پہونچنے کے لئے اُسکے احکام کی تعمیل کرو۔ اطاعت و فرمان پذیری کو اپنا شعار بنا لو۔ ایسی طاعات کو اختیار کرو جس سے قرب الٰہی حاصل ہو (ابن عباس۔ مجاہد۔ ابو وائل) خدا کی بندگی اور اطاعت کرو اور اعمال صالحہ کے پابند ہو جاؤ۔ خدا کے مرضیات کے طالب بنو (ابن کثیر)

وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهٖ خصوصًا خالص نیت اور نیکدلی سے محض خدا کا بول بالا کرنے کیلئے جان مال سے کوشش کرو۔ تن من دھن اُس کی راہ میں قربان کرو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ تاکہ تم کو دنیوی اور اُخروی بہبودی حاصل ہو۔ دنیا میں عزت شوکت سطوت حکومت اور پُرشکوہ جاہ و جلال حاصل ہو اور آخرت میں دوزخ سے نجات جنت کے انعامات اور دیدار رب العزت کا میسر آ جائے کیونکہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قیامت کے دن بالفرض اگر کافروں کو روئے زمین کی تمام دولت مل جائے اور وہ تمام دولت دیکر عذاب سے بچنے کے خواستگار ہوں تب بھی اُن کو عذاب سے نجات نہ ملیگی۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ○ وہ دل سے خواہشمند ہونگے کہ دوزخ سے کسی طرح رہائی مل جائے مگر کبھی خلاصی نصیب نہ ہوگی بلکہ خصوصیت کے ساتھ وہی ہمیشہ دوزخ میں رہینگے یعنی اہل اسلام تو گناہوں کی سزا اٹھانے یا معاف ہو جانے کے بعد دوزخ سے نکال لئے جائینگے مگر کافر ہمیشہ کے لئے جہنم میں پڑے رہینگے ہرچند کہ وہ رہائی کے طالب ہونگے لیکن آرزو میں کامیاب نہ ہوں گے۔

مقصود بیان:۔ ترک ممنوعات کی ہدایت تعمیل اوامر کا حکم راہ خدا میں دل و جان سے کوشش کرنے کا امر۔ اس بات کی وضاحت کہ جو مرضئ مولیٰ کا طالب ہوتا ہے اور اپنی رفتار گفتار اطوار میں خوشنودئ خدا کو پیش نظر رکھتا ہے وہ دنیا میں سرخرو اور آخرت میں کامیاب ہوتا ہے اور نافرمان منکران صداقت کو قیامت کے دن کسی طرح کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی۔ بلاغت عبارت سے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ کوئی مسلمان ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیگا بلکہ اپنے اعمال کی سزا بھگتنے یا معاف ہو جانے کے بعد اسکو نجات مل جائے گی۔ دوامی جہنم صرف کافروں کا حصہ ہے۔ وغیرہ

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا

چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ اُن کے کرتوت کی

جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

پاداش میں کاٹ ڈالو اللہ کی طرف سے یہ عبرت ہے اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ

زبردست مصلحت بین ہے ہاں جو شخص اپنے قصور کے بعد توبہ کرلے

وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوْبُ عَلَیْہِ ۭ اِنَّ اللّٰہَ

اور حالت درست کرلے تو خدا بھی اُس پر توجہ فرمائے گا بلا شبہہ اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

غفور رحیم ہے

تفسیر اس سے پہلی آیات میں کچھ راہزنوں ڈاکوؤں اور غارتگروں کے احکام تھے اور اسی ذیل میں چند اور باتیں بھی بیان کردی گئی تھیں اب پہلے بیان کی تکمیل کے لئے چوروں کی سزا بیان کی جارہی ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا یعنی چور مرد ہو یا عورت اگر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹو چونکہ آیت کے حکم میں کوئی قید مذکور نہیں اسلئے داؤد ظاہری اور ان کے متبعین حکم کو مطلق رکھتے ہیں۔ ایک پیسہ کی چوری ہو یا ایک کوڑی کی راستہ میں پڑی ہوئی چیز اٹھالی گئی ہو یا مالک کی حفاظت میں سے چرائی گئی ہو ہر صورت ہاتھ کاٹنا واجب ہے لیکن جمہور سلف وخلف کے نزدیک آیت مطلق نہیں بلکہ اس حکم کے ساتھ چند قیدوں اور شرطوں کی رعایت ضروری ہے جن کو ہم ذیل میں تفصیل کے ساتھ مع اختلافات صحابہ وتابعین بیان کرتے ہیں۔

(۱) مال مسروقہ کی مقدار۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی قریش کا دستور العمل تھا کہ چور کا ہاتھ کاٹتے تھے۔ ایک شخص نے کعبہ کا خزانہ چرایا تھا اور اُس کا ہاتھ قطع کیا گیا تھا۔ اسلام نے بھی اسی قانون کو باقی رکھا۔ رہی یہ بات کہ کس قدر مال چرانے پر قطع ید کی سزا دی جاسکتی ہے تو آیت میں اس کا کوئی بیان نہیں۔ اسی بناء پر ابن زبیر۔ حسن بصری۔ عبداللہ بن عباس وغیرہ کا خیال ہے کہ نفس چوری سے قطع ید لازم ہے مال مسروقہ کی کوئی مقدار معین نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چور پر خدا کی لعنت (کم بخت) ایک خود چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے کشتی کی ایک رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے (صحیحین) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مال کی قلت وکثرت کی کوئی شرعی مقدار مقرر نہیں۔ تھوڑا مال ہو یا بہت سب کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائیگا لیکن اکثر صحابہ تابعین اور ائمہ فقہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس مال کی چوری پر ہاتھ قلم کرنے کی سزا دی جاسکتی ہے اُس کی کم از کم مقدار ضرور مقرر ہے۔ اب وہ مقدار کیا ہے اس کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام مالک اسحاق اور امام احمد کی رائے ہے کہ تین درہم یا تین درہم کی قیمت کی چیز چرانے پر ہاتھ کاٹنا ضروری ہے اور اس سے کم قیمت کی چیز چرانے پر کوئی دوسری سزا دی جائے ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ حضور والا نے ایک ڈھال چرانے والے کا ہاتھ قطع کرایا تھا اور اُس ڈھال کی قیمت تین درہم تھی (صحیحین)

امام شافعیؒ کے نزدیک قطع دست کی سزا دینے کے لئے ضروری ہے کہ مال مسروقہ کی قیمت کم از کم چوتھائی دینار ہو۔ یہ بھی امام مالکؒ کے قول کی طرح ہے کیونکہ ایک دینار بارہ درہم کا ہوتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے حضور والا نے فرمایا کہ چور کا ہاتھ چہارم دینار یا اس سے زائد چوری کرنے پر کاٹا جائے (صحیحین) یہی رائے حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ عمر بن عبدالعزیز لیث بن سعد۔ اوزاعی اور ابو ثور وغیرہ کا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ۔ محمد۔ ابو یوسف۔ زفر۔ سفیان ثوری وغیرہ کا خیال ہے کہ دس درہم سے کم قیمت چیز کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔ کیونکہ جس ڈھال کی چوری پر رسول پاک نے چور کا ہاتھ کٹوایا تھا اسکی قیمت بروایت ابن عباس وابن عمرو بن عاص دس درہم تھی۔ یہی قول حضرت علی۔ ابن مسعود۔ ابراہیم نخعی اور امام ابو جعفر باقر کا ہے۔

(۲) مال مسروقہ مالک کی حفاظت میں ہو کہیں راستہ گلی میں پڑا ہوا نہ ہو اگر ایسا مال چرائیگا تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔ اگر راستہ میں پڑا ہوا مال اٹھالیا تو اسکو چور نہیں کہا جاسکتا۔ ایسے آدمی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا یہ قول جمہور علماء کا ہے۔

(۳) لوگوں کی نظر سے بچاکر اور چھپاکر مال لیجائے اور یہ خوف ہو کہ اگر لوگ دیکھ لینگے تو پکڑ لینگے یا میری آبرو ریزی کرینگے یا میری بدنامی ہوگی اور چور کہلاؤنگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ڈاکہ غصب وغیرہ کی سزا قطع ید نہیں بلکہ اسکی سزا کا اوپر بیان ہوچکا

(۴) ہاتھ کہاں سے اور کتنا کاٹا جائے آیت میں اس کا کچھ بیان نہیں، البتہ رسول پاک کی سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہنچے سے کاٹ کر داغ دیا جائے تاکہ خون بند ہوجائے۔ اگر پہلی بار چوری کرے تو دایاں ہاتھ اور دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جائیگا تیسری بار اگر چوری کرے تو امام ابو حنیفہؒ۔ سفیان ثوری اور زفر وغیرہ کہتے ہیں کہ اب ہاتھ نہ کاٹا جائیگا تو اُسکو قید کیا جائیگا یا کوئی اور سزا دی جائیگی۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر تیسری بار چوری کی تو بایاں ہاتھ کاٹا جائیگا پھر چوتھی بار بھی اگر چوری کی تو دایاں پاؤں بھی قلم کردیا جائیگا۔

جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا یعنی چور کا ہاتھ کاٹا جانا اُسکے کرتوت کی سزا ہے جیسا اُس نے کیا اُس کی پاداش ملنی ضرور ہے۔ رہا مال مسروقہ کی واپسی یا تاوان کا مسئلہ تو امام شافعی کا قول ہے کہ اگر مال مسروقہ موجود ہو تو واپس کیا جائے موجود نہ ہو تو تاوان دیا جائے خواہ ماوان لینے

کی قوت ہو یا نہو۔ اگر بالفعل تاوان کی رقم ادا کرنے کی قوت نہ ہوگی تو قرض سمجھی جائیگی۔ امام مالک کہتے ہیں اگر مال مسروقہ موجود ہو یا چور کے پاس اتنا سرمایہ ہو کہ تلف شدہ مال مسروقہ کی قیمت ادا کر سکتا ہو تو اصلی مال (بشرط موجودگی) یا اصل مال کی قیمت (بصورت تلف مال مسروقہ) دی جائے ورنہ صرف ہاتھ کاٹنا کافی ہے تاوان ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ امام ابو حنیفہ رح کہتے ہیں کہ اگر مال مسروقہ موجود ہو تو واپس کیا جائے اور تلف ہو گیا تو قیمت کا تاوان نہ پڑے گا خواہ سارق دولتمند اور سرمایہ دار ہو یا نہو۔ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا چور کو خدا کی طرف سے اُس کے اعمال کی پاداش میں دیجائے اُس نے حرمت الٰہی کی شکست کی ہے۔ قانون شرعی کی خلاف ورزی کی ہے امن فطری میں خلل ڈالا ہے اسلئے خدا کی طرف سے دنیا میں اُسکو سزا ملنی چاہیئے۔ اب کسی کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں ہے کہ خدا نے چوری کی ایسی سنگین سزا کیوں مقرر کی کیونکہ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ خدائے قدوس غالب و حکیم ہے اُس کا حکم تمام عالم میں نافذ ہے کسی کو چون چرا کرنے کا حق نہیں ہے نہ کسی کو وجہ دریافت کرنے کی طاقت ہے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل او حکم مصلحت سے خالی نہیں ہوتا خدا تمدن انسانی کو تباہ کرنے والی چیزوں کی بیخ کنی کرنا اور عالم بشری میں امن قائم رکھنا چاہتا ہے اور اس کے لئے سخت قوانین کی ضرورت ہے تاکہ شریعت الٰہیہ کی فطری غرض پوری ہو سکے۔ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ۔ مطلب یہ کہ چور کا ہاتھ کاٹنا یہ اُس کی چوری کی سزا ور خدا کی طرف سے عذاب ہے ہاں جو شخص چوری کرنے کے بعد نادم ہو گیا اور سچے دل سے اُس نے توبہ کر لی تو خدا تعالیٰ اُس کی توبہ قبول فرمائیگا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ کیونکہ خدا غفور رحیم ہے لیکن اس سے حق بشری ساقط نہوگا ہاتھ ضرور کاٹا جائیگا آخرت کا گناہ ضرور معاف ہو جائے گا۔

مقصود بیان: حقوق انسانی کا تحفظ تمدن بشری کو تباہ کرنے والی چیزوں کی بیخ کنی۔ دنیا میں جان و مال کو محفوظ رکھنے والے قوانین کا بیان۔ عدل و مساوات کے زرین اصول۔ وغیرہ

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ ہی

وَالْاَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ

کے لئے ہے جسکو چاہیگا عذاب دے گا اور جس کو

لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

چاہیگا بخشدیگا اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر یہ سابق آیت کا تتمہ ہے۔ سابق آیت میں چوری کی سزا بیان کی گئی تھی اور اس بات کا بھی ذکر تھا کہ اگر کوئی شخص توبہ کریگا تو ہم اسکی توبہ قبول کر لینگے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ توبہ قبول کرنا ہمارے اختیار میں ہے کیونکہ کائنات آسمانی اور موجودات ارضی سب ہماری مخلوق مملوک اور زیر تصرف ہے ہم کو ہر چیز کی اچھائی برائی کا اختیار ہے ہم جسکو چاہینگے عذاب دینگے اور جس کو چاہینگے معاف کرینگے کوئی ہمارے کام میں دخیل نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہم کسی پر ظلم بھی نہیں کرتے نہ کسی کو نقصان پہونچانا چاہتے ہیں سخت قوانین انسانی حق تلفی کی بندش کے لئے ہم نے بنائے ہیں سب کی عافیت اور امن ہمارے پیش نظر ہے کیونکہ ہم نے ہی سب کو پیدا کیا اور ہم ہی سب کے مالک ہیں پھر ہم کسی کا نقصان کس طرح گوارا کر سکتے ہیں اور کسطرح کوئی مخلوق ہمارے تصرف سے خارج ہو سکتی ہے یا حکم سے سرتابی کر سکتی ہے۔

مقصود بیان: تمام کائنات خدا کی مملوک اور زیر تصرف ہے خدا تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں خدا تمام عالم کی عافیت چاہتا ہے وغیرہ

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ

اے پیغمبر تم کو ان لوگوں کی حالت مغموم نہ بنائے جو کفر میں

فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ

دوڑتے ہیں (ان میں سے کچھ تو) اُن لوگوں میں سے ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ

ہم ایمان لے آئے مگر ان کے دل مومن نہیں ہیں اور (ان میں سے کچھ) اُن یہودیوں

هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ

میں سے ہیں جو جھوٹی باتوں کی جاسوسی کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے

لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

جاسوس ہیں جو تم تک نہیں آئے یہ الفاظ کو ان کی جگہوں سے

مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ

بے جگہ کر دیتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے

هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْاؕ

لے لینا اور یہ نہ ملے تو بچے رہنا

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ

اللہ جس کو بے دین کرنا چاہتا ہے تو اللہ کے مقابلہ میں تمہارا اُس پر

مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ

کچھ بس نہیں چل سکتا یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو

اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا

پاک کرنا اللہ نے نہ چاہا اُن کو دنیا میں

خِزْیٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

ذلت ہے اور آخرت میں تو ان کے لئے بڑا عذاب ہے

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ

یہ جھوٹی باتوں کے جاسوس اور حرام خور ہیں

تفسیر

مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ کتب حدیث میں بروایت ابن عمرؓ بیان کیا گیا ہے کہ خیبر کے کسی رئیس یہودی نے کسی شریف یہودن سے زنا کیا۔ توریت میں سنگساری کا حکم موجود تھا مگر یہودی رعایت چاہتے تھے۔ دولتمندوں کی طرفداری کے خواستگار رہتے اور حیلہ ڈھونڈتے تھے کہ کسی طرح یہ سنگساری کی سزا دفع ہو جائے ان کو امید ہوئی کہ شاید رسول اللہؐ ہماری شرافت و عزت کا لحاظ کر کے کچھ رعایت کریں اس لئے مقدمہ کو مدینہ منتقل کیا اور مدینہ کے یہودیوں کو کہلا بھیجا کہ مقدمہ کا فیصلہ محمدؐ سے کراؤ لیکن اگر وہ سنگساری کا حکم دیں تو نہ ماننا اور اگر ہماری رسم کے موافق فیصلہ کریں تو مان لینا۔ مدینہ کے یہودی (بنی قریظہ) دربار رسالتؐ میں مقدمہ لانے سے پہلے اس ٹوہ میں پڑے کہ مقدمہ کے فیصلہ کے متعلق حضور گرامیؐ کی رائے معلوم کر لیں مگر ان کو معلوم نہ ہو سکی۔ بالآخر مقدمہ حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا اور سرکار گرامیؐ نے توریت کے حوالہ سے مرد عورت دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ یہودی بولے کہ توریت میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ آخر توریت منگوائی گئی اور ابن صوریا نے پڑھنی شروع کی۔ آیت رجم پر پہنچا تو اُس پر ہاتھ رکھکر اُس آیت کو چھوڑ کر آگے پڑھنے لگا عبداللہ بن سلامؓ بھی موجود تھے انھوں نے چوری پکڑ لی۔ حضورؐ والا نے ابن صوریا سے قسم دیکر پوچھا کہ کیا واقعی توریت میں رجم کا حکم موجود ہے یا نہیں؟ قسم سے مجبور ہو کر اُس نے عرض کیا بیشک حکم تو سنگسار کرنے کا موجود ہے لیکن جب زنا کی کثرت ہو گئی تو ہم نے شریفوں اور دولتمندوں کی رعایت کرنی شروع کر دی اور بجائے سنگسار کرنے کے سو کوڑے مار کر منہ کالا کر کے شہر میں پھرانے لگے۔ الحاصل دونوں زناکاروں کو مسجد کے سامنے سنگسار کر دیا گیا۔ ہم نے روایت کا خلاصہ لکھا ہے ورنہ پورا قصہ تو بہت طویل ہے۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص کو کسی یہودی نے قتل کر دیا تھا قاتل کے ورثاء نے رسول اللہؐ کی خدمت میں مرافعہ کرنا چاہا لیکن جن یہودیوں کو بھیجا تھا اُن سے کہدیا کہ اگر دیت کا حکم دیں تو مان لینا اور قصاص کا حکم دیں تو نہ ماننا۔ اس پر یہ آیات آخر رکوع تک نازل ہوئیں۔

ارشاد ہوتا ہے يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا۔ اس آیت کے مطلب میں اختلاف ہے بعض مفسرین کا قول ہے کہ من الذین قالوا اٰمنا بافواھھم ولم تؤمن قلوبھم سے منافق اور من الذین ھادوا سے یہودی مراد ہیں۔ سمّٰعون للکذب اور سمّٰعون لقوم اٰخرین لم یاتوک یہ دونو وصف منافقوں کے ہیں۔ یحرفون الکلم من بعد مواضعہ۔ یقولون ان اوتیتم ھذا فخذوہ وان لم تؤتوہ فاحذروا۔ یہ دونوں وصف یہودیوں کے ہیں مطلب یہ ہے کہ منافق اور یہودی دونوں آپ کے مخالف ہیں۔ منافق بظاہر اقرار ایمان کرتے ہیں مگر دل سے کافر ہیں یہ جھوٹی باتیں بہت جلد قبول کرتے ہیں اسلام کی مذمت میں اگر ان سے کوئی بے اصل بات بھی کہدے اُسکو خوب سنتے ہیں اور مان لیتے ہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ جو لوگ آپ تک نہیں پہونچے اُن کو دور ہی سے یہ لوگ بہکاتے ہیں اور اسلام کی مذمت اُن کے سامنے کرتے ہیں۔ رہے یہودی تو وہ توریت کے الفاظ میں تغیر کرتے ہیں اور معانی کی بھی بیجا اور غلط تاویل کرتے ہیں اصلی معنی بیان نہیں کرتے بلکہ اپنی طرف سے اپنے مقاصد کے موافق عبارت کے معانی ظاہر کرتے ہیں۔ ان دونو مخالف فریقوں سے آپ کو کچھ رنج و غم نہ کرنا چاہیے۔ یہ مخالفت ان کا شیوہ ہے آپ کے حزن و ملال سے انکی مخالفت دور نہیں ہو سکتی۔ لیکن اکثر اہل تفسیر کے نزدیک من الذین قالوا اٰمنا بافواھھم ولم تؤمن قلوبھم سے تو منافق ہی مراد ہیں لیکن سمّٰعون للکذب اور سمّٰعون لقوم اٰخرین لم یاتوک منافقوں کے اوصاف نہیں ہیں بلکہ یہودیوں کے چار اوصاف ہیں اول سمّٰعون للکذب دوسرا سمّٰعون لقوم اٰخرین لم یاتوک

تیسرا یحرفون الکلم من بعد مواضعہ اور چوتھا یقولون الخ۔ ہمارے نزدیک بھی یہی تفسیر بہتر ہے۔ اس صورت میں حاصل ارشاد یہ ہے کہ منافق اور یہودی کفر میں سرپٹ گرے پڑتے ہیں اور انکار صداقت کی طرف دل و جان سے دوڑے جاتے ہیں۔ منافق تو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ دل سے مؤمن نہیں ہیں اور یہودیوں میں چار بڑی خصلتیں ہیں اول تو یہ اپنے عالموں کی جھوٹی باتیں بہت غور سے سنتے ہیں اور ان کو دل سے مانتے ہیں۔ دوسرے جو خیبر والے یہودی آپ کے پاس نہیں آتے اُن کو اطلاع کرنے کے لئے مدینہ کے یہودی آپ کے پاس آکر آپ کے خیالات کی ٹوہ نکالتے ہیں اور جاسوسی کرتے ہیں۔ تیسرے توراۃ کے الفاظ و معانی کو اُنھوں نے بگاڑ رکھا ہے بہت سے الفاظ بدل ڈالے اور بہت سے الفاظ کے غلط معنی بیان کئے۔ چوتھے خیبر کے یہودی اپنے فرستادہ یہودیوں سے کہتے ہیں کہ رسول پاکؐ کے پاس جاؤ اُس کے فیصلہ کے خواستگار ہو۔ اگر تمہارے مطلب کے موافق وہ فیصلہ کرے اور رجم کا حکم نہ دے تو مان لینا ورنہ مت ماننا۔ اے رسول آپ کو ان کی اس حالت کا کچھ غم و فکر نہ کرنا چاہیئے یہ ان کا قدیمی شیوہ ہے آپ کے نکیے سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔ کیونکہ جس شخص کو خدا تعالیٰ بے دینی اور گمراہی میں چھوڑنا چاہے اُس کو آپ ہدایت نہیں کر سکتے۔ آپ میں ایسی قوت نہیں کہ خدا کے عذاب سے اُس کو بچا سکیں اور کفر سے نکال سکیں اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ۔ ان لوگوں کے دلوں کو خدا تعالیٰ کفر کی نجاست سے پاک کرنا نہیں چاہتا اور جب ان کو خدا ہدایت کرنی نہیں چاہتا تو پھر آپ کیسے ہدایت کر سکتے ہیں۔ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ان کو دنیا میں بھی خصوصیت کے ساتھ رسوائی حاصل ہوگی اور آخرت میں تو عظیم الشان عذاب ان کے لئے موجود ہی ہے۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ یہ لوگ اپنے عالموں کی جھوٹی باتیں خوب دل لگا کر سنتے ہیں اور حرام مال کھاتے ہیں۔ حرام مال سے مراد یا تو یہ ہے کہ یہ سود کھاتے ہیں جو ان کی شریعت میں بھی حرام ہے یا رشوت مراد ہے۔ یعنی یہ لوگ رشوت خوار ہیں رشوتیں لیکر احکام میں تحریف کرتے ہیں اور اس تحریف کے عوض حرام مال کھاتے ہیں۔

مقصود بیان:۔ ہدایت و گمراہی خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے گمراہ ازلی کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ یہودیوں میں چار بدترین اوصاف تھے۔ اپنے علماء کی جھوٹی باتوں کو سچ جانتے تھے۔ مسلمانوں کے برخلاف جاسوسی کرتے تھے۔ توریت میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے تھے۔ الفاظ بھی اکثر اُنھوں نے بدل ڈالے تھے اور معانی کی غلط تاویلیں تو بہت

زیادہ کرتے تھے۔ رسول اللہؐ کے پاس جستجوئے حق کے لئے نہ آتے تھے بلکہ صرف نفسانی خواہشات اور شیطانی جذبات کے ماتحت اپنی مطلب برآری کے لئے آتے تھے۔ ہر قسم کی جھوٹی باتیں سننی اور حرام مال کھانا ناجائز ہے۔ وغیرہ۔

فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ

اگر تمہارے پاس آئیں تو تم ان کا فیصلہ کر دینا یا ان سے پہلو تہی

عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ

کرنا — اگر تم ان سے اعراض بھی کر دو گے تو یہ تمہارا کچھ

شَیْئًا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ

نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر فیصلہ کرو تو انصاف سے

بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ

کرنا — اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے

تفسیر فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ یہ آیت بھی سابق آیات کے ساتھ مربوط ہے۔ گذشتہ آیت میں بیان کیا تھا کہ یہ لوگ دو رُخے ہیں آپ کے پاس فیصلہ کیلئے مقدمہ بھیجتے ہیں مگر طلب حق مقصود نہیں ہوتی بلکہ اپنی مطلب برآری غرض ہوتی ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آئیں تو آپ کو اختیار ہے آپ چاہیں تو فیصلہ کر دیں نہ چاہیں نہ کریں۔ مفسر سیوطی کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے امیر المسلمین پر واجب ہے کہ جب غیر مسلم اپنا فیصلہ کرانا چاہیں تو شریعت اسلامیہ کے موافق فیصلہ کر دے خواہ ذمی ہوں یا نہ ہوں حسن بصری، مجاہد، عکرمہ اور ابن عباس کی بھی یہی رائے ہے۔ امام ابو حنیفہ اور شافعی کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن ابراہیم نخعی شعبی زہری سعید بن جبیر قتادہ اور عطاء کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ رسول پاکؐ کو کفار کا باہمی فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار تھا ابن جوزی کی بھی یہی رائے ہے۔ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْئًا اوپر کی آیت میں رسول اللہؐ کو یہودیوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس آیت میں دونوں شقوں کے متعلق اطمینان آمیز بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ اُن کا فیصلہ نہ کریں گے تو یہ آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ اور اگر آپ ان کا فیصلہ کرنا چاہیں

تو الیفات یعنی شریعت (اسلامیہ) کے موافق فیصلہ کریں۔ انکی نفسانی خواہشات اور ان کے علماء کی تحریفات کی رعایت نہ کریں کیونکہ خدا کے نزدیک منصف اور عدالت سے حکم کرنے والے ہی پسندیدہ ہیں۔ لہذا آپ عدالت الٰہی کے موافق ان کا فیصلہ کریں۔

مقصود بیان: ۔ امام المسلمین پر واجب ہے کہ غیر مسلموں کے اندرونی مقدمات کے فیصلے بھی شریعت اسلامیہ کے موافق کرے کسی کی ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کا لحاظ نہ کرے۔ اس سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ مسلمان حاکم کسی غیر قوم کے فیصلہ جات اُن کی مذہبی کتابوں کے موافق نہ کرے اور قوانین اسلام کے خلاف دیگر قوانین پر بھی عملدرآمد نہ کرے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ

اور تم سے کس طرح فیصلہ کراتے ہیں اُن کے پاس تو خود توریت موجود ہے

فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ

جس کے اندر اللہ کا حکم ہے پھر اسکے بعد بھی یہ پھیرے جاتے

ذٰلِكَ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع

ہیں یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں

تفسیر اس آیت میں یہودیوں کی بے ایمانی اور کور باطنی کو بیان کیا گیا ہے اور یہود کی مذبذب حالت پر اظہار تعجب کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ یعنی اے نبی تعجب ہے کہ ان یہودیوں کے پاس (ان کے دعوی کے موافق) تورات موجود ہے اور اس میں حکم الٰہی یعنی رجم کی سزا بھی موجود ہے مگر پھر بھی یہ آپ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں اور جب آپ فیصلہ کر دیتے ہیں ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ تو اُس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ کہ ان کا ایمان نہ تو اپنی مذہبی کتاب پر ہے اور نہ آپ کے احکام پر اگر اپنی مذہبی کتاب پر ایمان ہوتا تو آسان حکم کی تلاش میں آپ کے پاس فیصلہ کرانے کیوں آتے۔

مقصود بیان: ۔ تحریف تورات کی تقریح۔ اس امر کی وضاحت کہ یہود احکام توریت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ وغیرہ۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ

ہم نے ہی توریت نازل کی تھی جس کے اندر ہدایت اور

نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا

نور تھا اُس کے مطابق فرماں بردار انبیاء اور اللہ والے

لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ

اور علماء یہودیوں کو حکم دیتے تھے

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا

کیونکہ اُنہی کو کتاب اللہ کا محافظ ٹھہرایا گیا تھا اور وہی

عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ

اُسکی خبر گیری پر مقرر تھے تو (مسلمانو) تم لوگوں سے مت ڈرو

اخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا

مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے عوض ناچیز مول

قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ

مت لو جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے موافق فیصلہ نہ کریں

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

وہی کافر ہیں

تفسیر اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۔ درحقیقت تورات کو ہم نے ہی نازل کیا تھا اور وہ ہماری ہی کتاب تھی جس کے اندر عقائد کی اصلاح اور اعمال کے درست کرنے کے احکام تھے۔ توحید و تنزیہ اور نبوت و قیامت کا بیان تھا۔ احکام و قوانین اور ہدایت کے ضوابط تھے۔ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا ۔ تمام انبیاء مثلاً حضرت موسیٰ حضرت داؤد حضرت سلیمان حضرت الیاس حضرت عزیر حضرت زکریا حضرت یحییٰ حضرت دانیال حضرت نحمیا۔ حضرت عیسیٰ وغیرہ سبھی چونکہ خدا کے فرمانبردار بندے تھے اسلئے یہودیوں کو اُسی توریت پر چلنے کا حکم دیتے چلے آئے اور سب کو احکام توریت پر کاربند رہنے کی ہدایت کرتے رہے۔ پھر جب بخت نصر کے زمانہ میں توریت برباد ہوگئی اور ظالم انسانوں نے احکام الٰہی کو درہم برہم کر دیا تو بنی اسرائیل کے مشائخ و علماء نے کوشش کر کے بقدر امکان توریت کے احکام اور ٹکڑے جمع کئے قوانین کو منضبط کیا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا

مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ اور پھر اُس مجموعہ پر عملدرآمد شروع کردیا کیونکہ یہی کتاب اللہ کے محافظ امانتدار اور جامع تھے۔ انھوں نے ہی پراگندہ احکام کو ایک جگہ کیا تھا اور یہ ہی تورات کے حافظ تھے۔ لیکن بعد کو یہودیوں نے احکام میں تحریف شروع کردی۔ کتاب اللہ پر عمل چھوڑ دیا۔ ہوا وہوس کے بندے بن گئے۔ حکم الٰہی کے خلاف فیصلے کرنے لگے۔ اس کے دو وجوہ تھیں۔ اول تو حکام کا خوف دوسرے مال کا لالچ حکام کے خوف سے انھوں نے احکام میں تبدیلی کی۔ حاکم طبقہ اگر جرم کرتا تو اُس کے لئے سزا میں تخفیف مقرر کی اور عوام کے واسطے بدستور وہی قانون رہا۔ دوسرے رشوت اور مالی لالچ کی وجہ سے لوگوں کو غلط احکام بتائے۔ اسلئے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے یہودیو فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ تم لوگوں سے نہ ڈرو ان حاکموں کا خوف نہ کرو۔ ان کے واسطے بھی وہی احکام جاری کرو احکام میں تفریق نہ کرو اور میرے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتے رہو وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اور مالی لالچ میں بھی نہ پڑو۔ میرے احکام کو چھپاکر حقیر بیعتدار دنیوی منافع کو حاصل کرنے کے خواستگار نہ بنو۔ اصل احکام کے چھپانے کے عوض تم کو کتنا ہی مال مل جائے مگر وہ ہیچ ہے اور خوب یاد رکھو کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے (اور دل سے اُن کے منکر ہوتے ہیں) وہ کافر ہیں۔ لہذا تم کو احکام الٰہی کے موافق فیصلہ کرنا چاہیئے۔ حضرت براء بن عازب۔ حذیفہ بن یمان۔ ابن عباس۔ ابو مجلز۔ ابو رجاء۔ عطاردی۔ عکرمہ۔ عبید اللہ بن عبد اللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا حکم صرف اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے اور انہی کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ حسن بصری۔ سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ یہ آیت اگرچہ اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی لیکن امت اسلامیہ کو بھی اس کا حکم شامل ہے (رواہ ابن جریر) ابن عباسؓ نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جس نے ما انزل اللہ سے انکار کیا وہ کافر ہے اور جس نے اقرار کیا مگر اس کے موافق حکم نہ کیا تو ظالم فاسق ہے (رواہ ابن جریر) یہی مطلب صحیح ہے

مقصود بیان: مساوات انسانی کا مظاہرہ۔ احکام شریعت میں عدم تفریق کا حکم۔ تحریف تورات کی تصریح۔ اس امر کی وضاحت کہ بہت سے انبیاء تورات کے موافق فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اس بات کا اظہار کہ یہودیوں کے علماء و مشائخ نے منتشر اور برباد شدہ توریت کے احکام جمع کئے تھے اور اُس کو حفظ بھی کیا تھا۔ موجودہ توریت اصلی توریت نہیں ہے۔ یہودی ہوا و ہوس اور نفسانی جذبات کے پرستار رہتے۔ نہ اُن کا اپنی مذہبی کتاب پر پختہ ایمان تھا نہ اسلامی احکام پر۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ احکام قرآنی پر پختہ یقین رکھیں اور اُس کے احکام کو واجب العمل سمجھیں۔ قرآن کے مقرر کردہ احکام کا انکار کرنے والا کافر ہے اگرچہ قرآن کے خلاف فیصلہ کرنا بھی سخت جرم ہے۔ حکم شریعت کے اظہار سے کسی باجبروت حاکم کا خوف یا دنیوی عزت وجاہ اور دولت وحشمت کی طمع مانع نہ ہونا چاہیئے۔ وغیرہ۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ

ہم نے توریت میں یہودیوں پر یہ بھی لازم کردیا تھا کہ جان کے بدلے جان

وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ

آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک

الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَ

کان کے بدلے کان دانت کے بدلے دانت اور

الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ

زخموں کا بدلہ برابر ہے۔ ہاں جو شخص بدلہ کو معاف کردیگا تو

كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ

اُس کے گناہ کا کفارہ ہوجائے گا اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق

اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

فیصلہ نہیں کرتے وہی ظالم ہیں

تفسیر اوپر کی آیات کی شان نزول میں بیان کیا گیا تھا کہ زنا کی سزا میں یہودیوں نے حکم توریت کی مخالفت کرتے ہوئے امیر و غریب کی تفریق کردی تھی۔ امیر کو سنگسار کرنے کی بجائے کالا منہ کرکے نئو کوڑے مار کر تشہیر کیا کرتے تھے اس آیت میں یہودیوں کی دوسری سرتابی کا بیان ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ مدینہ کے خاندان قریظہ والے یہودیوں میں سے اگر کوئی عمداً کسی نضیری یہودی کو قتل کردیتا تو اُس کا قصاص لیا جاتا تھا اور اگر نضیری قرظی کو قتل کردیتا تو قصاص نہ لیا جاتا تھا بلکہ خوں بہا دیا جاتا تھا۔ اسی طرح اگر قتل عمد نہ ہوتا تو نضیری مقتول کی دیت قرظی سے دوگنی ہوتی تھی۔ یہ تفریق اور امتیاز حکم توریت کے صریح خلاف تھا۔ اس کے تردیدی ثبوت میں حکم توریت کو بیان کیا جاتا ہے کہ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ

بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے توریت میں لکھدیا تھا کہ قتل عمد کے عوض میں قصاص ضروری ہے اور آنکھ کے عوض آنکھ ناک کے عوض ناک کان کے عوض کان اور دانت کے عوض دانت اور باقی اعضاء جسم کے زخموں کے عوض اُسی طرح کے زخم لازم ہیں۔ ہاں فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ اگر صاحب حق معاف کردے تو عوض ساقط ہوجائیگا۔ لیکن توریت کے اس حکم کے باوجود یہودیوں نے حکم میں تفریق کی۔ شریف و رذیل اور امیر و فقیر کے درمیان ہتیا کیا اور توریت کے حکم کو پس پشت ڈالدیا۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ یہ حکم اگرچہ بنی اسرائیل کے لئے تھا مگر اس اُمت کے واسطے بھی باقی ہے۔ علماء اصول فقہ اس آیت سے استنباط کرکے کہتے ہیں کہ پہلے انبیاء کی شریعتوں کے جسقدر احکام غیر منسوخ ہیں وہ بدستور امت اسلامیہ کے واسطے بھی واجب التعمیل ہیں چنانچہ اس آیت کا حکم بھی باقی ہے۔ مگر زخم کے بدلے زخم دینے کا حکم اُس وقت جائز نہیں جبکہ زخم دینے سے موت کا اندیشہ ہو یا اُس زخم کا طول عرض اور عمق معلوم نہ ہوسکے۔ ایسی صورت میں مجرم سے مالی تاوان لیا جائیگا۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اس کی تفسیر اوپر گذرچکی۔ صرف فرق یہ ہے کہ پہلے کافرون فرمایا اور یہاں ظالمون ہے۔ وجہ فرق ظاہر ہے کہ زانی کی سزا کی تفریق کو یہودیوں نے ضابطۂ دینی قرار دے لیا تھا اسلئے وہ کافر ہوگئے اور قتل کی سزا میں امتیاز و تفریق کو دینی مسئلہ قرار نہ دیا تھا ورنہ تمام قوم یہود اسکو ضابطۂ دینی جانتی تھی۔ بلکہ صرف نضیری اور قرظی یہودیوں نے اس قانون کے اجراء میں تفرقہ اور امتیاز قائم کر رکھا تھا اور یہ صرف خاندانی وجاہت اور مالی فوقیت کی وجہ سے مخصوص خاندانوں میں تھا علماء کا مذہبی قول نہ تھا اسلئے یہاں ان کو ظالم قرار دیا۔

مقصود بیان: انسانی مساوات کا اظہار۔ امتیاز خاندانی وجاہت قومی اور فوقیت مالی کا انسداد۔ اس امر کی صراحت کہ اگر صاحب حق معاف کردے تو ہر قسم کی سزا خواہ وہ مالی تاوان ہو یا بدنی تکلیف یا جانی نقصان ساقط ہوجاتی ہے۔ خلاف شرع حکم دینے والا ظالم ہے وغیرہ۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور بعد کو ہم نے انہی کے قدم بقدم عیسیٰ بن مریم کو بھیجا

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

جو اپنے سے پہلی والی توریت کو سچا بتلاتے تھے

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّ

اور ہم نے اللہ کو انجیل دی جس کے اندر ہدایت اور روشنی تھی اور

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ

جو اپنے سے پہلی والی توریت کی تصدیق کرتی تھی اور

هُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ

پرہیزگاروں کے لئے نصیحت و ہدایت تھی اہل انجیل کو

اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ

اُس حکم کے مطابق فیصلے کرنے چاہئیں جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا اور جو لوگ

لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

اللہ کے نازل کردہ حکم کے موافق فیصلہ نہیں کرتے وہی نافرمان ہیں

تفسیر جب یہودیوں نے توریت میں تحریف شروع کردی اور احکام توریت کو بدل ڈالا اور حضرت موسیٰؑ کی تعلیم بگاڑ دی گئی تو اُن کی اصلاح کیلئے اور توریت اصلی کی تصدیق کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو انجیل دیکر مبعوث فرمایا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ یعنی ہم نے گذشتہ انبیاء کے نشان قدم پر بغیر انقطاع نبوت کے عیسیٰ بن مریم کو نبی بناکر بھیجا۔ عیسیٰ نے سابق تورات کی تصدیق اور تائید کی وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی حضرت عیسیٰ کو انجیل عطا کی جسمیں چار اوصاف تھے۔ عملی احکام کی اصلاح۔ عقائد کی درستگی۔ سابق اصلی توریت کی تصدیق یعنی توریت کے اکثر احکام کی برقراری اور بعض احکام کا نسخ۔ اُن لوگوں کے واسطے وعظ و نصیحت جو ازلی سعید ہیں۔ خدا سے ڈرتے اور خواہشات نفسانی سے کنارہ کش رہنا چاہتے ہیں جن کی قسمت میں سعادت لکھی ہے وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ جب حضرت عیسیٰ کو انجیل عطا کردی تو اُن کو حکم دیدیا کہ تمہاری امت پر لازم ہے کہ انجیل میں جو احکام نازل کئے گئے ہیں اُن کے مطابق فیصلے کریں اور توریت کے فیصلے منسوخ سمجھے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ جو لوگ انجیل کے احکام کے موافق عمل درآمد نہیں کرینگے اور خدا کے نازل کردہ قوانین کے بموجب فیصلے نہ دینگے وہ سرکش اور نافرمان ہوں گے۔

مقصود بیان:۔ حضرت عیسیٰؑ سے قبل سلسل انبیاء آتے رہے کوئی زمانہ انقطاعِ نبوت کا نہ ہوا۔ حضرت عیسیٰؑ نے توریت کی تصدیق اور تائید کی مگر اُن کو انجیل مستقل کتاب عطا کی گئی۔ انجیل توریت کی ناسخ تھی یعنی توریت کے بعض احکام انجیل نے منسوخ ہو گئے۔ انجیل میں فقط وعظ و نصیحت کی باتیں ہی نہ تھیں بلکہ عملی احکام اور عقائد کی اصلاح کے لئے قوانین بھی تھے۔ انجیل مستقل دستور العمل اور علیحدہ شریعت کی حامل تھی۔ نزول انجیل کے بعد انجیل کے قوانین پر عمل کرنا واجب تھا۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جب تک سابق کتاب بغیر رد و بدل کے اصلی حالت پر رہتی ہے خدا تعالیٰ نئی کتاب نہیں بھیجتا اور جدید شریعت کو جاری نہیں فرماتا ہے۔ جب پہلی کتاب میں تحریف اور رد و بدل ہوجاتا ہے تو خدا تعالیٰ نئی کتاب اور نئی شریعت جاری فرماتا ہے چنانچہ جب تک توریت اصلی حالت میں باقی رہی۔ خواہ لوگوں نے عمل کیا یا نہ کیا مگر قانون ہدایت اصلی شکل میں رہا اُس وقت تک خدا نے کوئی نئی کتاب نہیں بھیجی اور نہ کوئی جدید شریعت جاری کی۔ جب توریت میں رد و بدل ہوگیا اور لوگوں نے الفاظ و معانی کو بگاڑ دیا تو خدا نے انجیل بھیجکر ایک نئی تجدیدی شریعت قائم کی۔ پھر جب اہل انجیل نے انجیل میں بھی رد و بدل اور تحریف شروع کردی تو خدا نے قرآن پاک نازل فرمایا جسکا بیان ذیل میں آتا ہے

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

اور تم پر بھی ہم نے برحق کتاب نازل کی جو اگلی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

کتابوں کو سچا بتاتی ہے اور اُن کی محافظ ہے

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ

لہذا تم اللہ کے نازل کردہ حکم کے موافق ان کے فیصلے کرو اور اُس حق کو

اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ

چھوڑ کر جو تمہارے پاس آچکا اُن کی خواہشوں پر نہ چلو تم میں سے

جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ

ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور خاص طریقہ مقرر کردیا ہے اگر اللہ

اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

چاہتا تو تم سب کو ایک امت کر دیتا مگر

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ

اپنے دیے ہوئے حکم میں تم کو آزمانا چاہتا ہے لہذا تم نیکیوں کی طرف لپکو

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے جن باتوں میں تم

كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

اختلاف کرتے تھے وہ تم کو بتا دے گا

تفسیر وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ یعنی خدا نے پہلے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے توریت نازل فرمائی پھر توریت میں رد و بدل ہونے کے بعد انجیل بھیجی اور جب انجیل میں بھی تحریف اور افراط و تفریط ہوگئی تو قرآن پاک حضور والا پر نازل فرمایا بِالْحَقِّ اس قرآن کا نزول حقانیت اور صداقت کے ساتھ ہوا یعنی قرآن حقانیت اور صداقت کا حامل ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ قرآن پاک کے دو اوصاف ہیں پہلا وصف تو یہ ہے کہ یہ (انجیل کی طرح) پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اُن کو خدا کی نازل کردہ کتابیں کہتا ہے اور سب کو سچا بتاتا ہے۔ دوسرا وصف یہ ہے کہ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ جو اصول و ضوابط پہلی کتابوں میں مذکور تھے وہ قرآن میں بھی ہیں اسلئے قرآن اُن کا محافظ اور نگراں ہے۔ عکرمہ۔ سعید بن جبیر۔ مجاہد۔ محمد بن کعب۔ عطیہ۔ حسن۔ قتادہ۔ عطاء اور سدی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قرآن گذشتہ کتابوں کا امین ہے یعنی جو احکام پہلی کتابوں کی طرف منسوب کئے جائیں اور وہ قرآن کے مطابق ہوں یعنی قرآن نے اُن احکام کے من اللہ ہونے کی تائید کی ہو تو حق ہیں اگرچہ منسوخ ہوگئے ہوں اور اگر صراحت قرآنی کے خلاف ہوں تو باطل ہیں (ابن جریج) ابن عباسؓ نے یہ مطلب بیان کیا کہ قرآن پہلی کتابوں پر حاکم ہے (عوفی) فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بہرحال چونکہ قرآن گذشتہ کتابوں کا مؤید محافظ امین اور حاکم ہے اسلئے خدا نے قرآن میں جو حکم نازل فرمایا اور تم کو تعلیم دیا اُس کے مطابق سب لوگوں کے فیصلے کرو وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ اور احکام حق سے انحراف کرکے لوگوں کی خواہشات و نفسانیات کی پیروی مت کرو۔ اُن کی رضامندی اور ناراضی کا لحاظ نہ کرو۔ جو حکم قرآن میں موجود ہے اُس پر فیصلہ کرو۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ ہم نے ہر قوم کے لئے مصالح زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے ایک دستور العمل اور راستہ مقرر کردیا تھا لیکن اصل

مقصود کے اعتبار سے راستہ ایک ہی ہے۔ توحید الٰہی کا اعلان تمام کتابوں کا اصلی منشاء ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ اگر خدا چاہتا تو سب کے لئے ایک ہی دستور العمل رہنے دیتا اور سب کو ایک امت بنا دیتا اور سب کو جزئیات کے لحاظ سے بھی ایک ہی شریعت عطا کرتا۔ مگر اس نے اوامر نواہی حلال حرام اور جزئیات کا اختلاف صرف اسلئے کر دیا لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ لوگوں کی فرماں برداری اور نافرمانی کی کھلم کھلا آزمائش ہو جائے۔ فرمان پذیر بندوں کا سرکش شیطانوں سے امتیاز ہو جائے۔ مطیع اور عاصی میں فرق نمایاں ہو جائے اور میدان عمل میں سب کو دوڑنے کا موقع مل جائے اور ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کرنے میں مجبور و معذور نہ ہو فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ لہٰذا اے امت محمدیہ کے شہسوارو تم اس میں آگے بڑھو۔ اطاعت الٰہی کی طرف رغبت کرو اور کسی کار خیر کے حصول میں سستی نہ کرو۔ اپنی شریعت کے اوامر و نواہی پر قائم رہو۔ دوسروں کے بہکاوے میں نہ آؤ۔ کیونکہ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا تم سب کو بالآخر خدا کے پاس جانا ہے وہیں سے تمہاری ابتدا ہوئی اسی پر انتہا ہو گی فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ وہی تمہارے دعووں کی حقانیت و بطلان کو ظاہر کرے گا اور بتائیگا کہ کس کے عقائد و اعمال صحیح تھے اور کون جزا کا مستحق ہے اور کس کو عذاب میں مبتلا ہونا ضروری ہے یعنی قیامت کے دن سب کے اعمال عقائد کی جزا سزا کھل جائیگی جس سے ہر شخص کو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر تھا۔

مقصود بیان:- قرآن حقانیت و صداقت کا حامل ہے۔ گذشتہ آسمانی کتابوں کی تائید اور تصدیق کرتا ہے۔ گذشتہ کتابوں کے اصول و ضوابط کو قرآن نے منسوخ نہیں کیا بلکہ احکام حلت و حرمت اور فروعی جزئیات کو منسوخ کیا۔ قرآن گذشتہ شرائع کا امین محافظ اور نگراں ہے۔ غیر مذاہب لوگوں کے باہمی مقدمات بھی حکم قرآنی کے مطابق فیصلہ کرنے چاہئیں۔ ہر زمانہ میں مصلحت زمانہ کا لحاظ کر کے الگ الگ شریعت اور کتاب بھیجی گئی تھی مقصود تمام شریعتوں کا ایک ہی تھا۔ احکام حلت و حرمت وغیرہ میں شریعتوں کا اختلاف صرف جذبات اطاعت و عصیان کی آزمائش کیلئے ہے۔ آیت میں ہر نیکی کی طرف دوڑنے اور منہیات سے باز رہنے کا حکم ہے وغیرہ۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا

اور (اے نبی) اللہ کے نازل کردہ حکم کے موافق تم ان کے باہمی فیصلے کرتے رہو

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ

ان کی خواہشات پر نہ چلو اور ان سے بچتے رہو تاکہ کہیں اس حکم سے

عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ

تم کو بہکا نہ دیں جو اللہ نے تم پر اتارا ہے پھر اگر

تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ

وہ یہ کہنا نہ مانیں تو جان لو کہ ان کے کسی قصور کی پاداش میں خدا

يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا

ان پر کوئی مصیبت ڈالنی چاہتا ہے بلاشبہ بہت

مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ

لوگ نافرمان ہیں کیا یہ زمانہ جاہلیت کا فیصلہ

يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

چاہتے ہیں یقین رکھنے والی قوم کے لئے اللہ سے بہتر

لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ع

حکم کرنے والا کون ہوگا

تفسیر پہلی آیت میں بھی حکم قرآنی پر چلنے اور قرآن کے مطابق فیصلہ کرنے کی ہدایت تھی۔ یہاں بھی اسی مضمون کو بیان کیا جاتا ہے لیکن اغراض میں فرق ہے۔ پہلی آیت سے مقصود یہ تھا کہ خدا نے قرآن نازل فرما دیا تاکہ تم کو اس کے بموجب فیصلہ کرنے کا حق ہو جائے اور لوگوں کی گھڑی ہوئی باتوں کی حاجت نہ ہو۔ یہاں احکام قرآن پر مضبوط رہنے کی ہدایت ہے۔ آیت کی شان نزول یہ ہے کہ کعب بن اسید۔ عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے باہم مشورہ کیا کہ چلو محمد کو دین سے بہکا دیں اور حکم قرآنی کے خلاف کسی معاملہ میں فیصلہ کرا دیں۔ چنانچہ یہ شیطانی مشورہ کر کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا محمد تم جانتے ہو ہم یہودیوں میں سردار شمار کئے جاتے ہیں اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سارے یہودی مسلمان ہو جائینگے اسلئے ہم کہنے آئے ہیں کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے اس کا فیصلہ ہونے آپ تک آئیگا۔ آپ ہمارے مطابق اس میں حکم دیں۔ حضور اقدس نے یہ تقریر سن کر فرمایا کوئی ایمان لائے یا نہ لائے مجھے اس کی توقع ہرگز نہ رکھو اگر میرے پاس کوئی مقدمہ آیا تو میں یقیناً حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کرونگا خواہ کسی کا نقصان ہو یا نفع۔ اسی کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَاَنِ احْكُمْ

بَیْنَہُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ آپ ان لوگوں کی خواہشات پر نہ جائیے خدا تعالیٰ کے حکم کے موافق فیصلہ کیجئے ان کی نفسانی معروضات کا لحاظ نہ کیجئے یہ شیطان ہیں آپ کو فریب دینا چاہتے ہیں آپ کو بہکا کر حق سے پھیر دینا ان کا مقصود ہے وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ لہذا آپ ان سے احتیاط رکھیں کہیں آپ کو بعض احکام الٰہی سے یہ نہ بہکا دیں کیونکہ انہوں نے اغوا کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ اگر یہ آپ کے فیصلہ کو مان لیں تو خیر۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر نہ مانیں اور آپ کی فہمائش ان پر تاثیر نہ کرے تو فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّصِیْبَھُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِھِمْ سمجھ لیجئے کہ خدا تعالیٰ ہی ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے کسی بلا میں مبتلا کرنا چاہتا ہے یعنی ان کی فطرت میں ہی شقاوت ہے یہ پیدائشی کج فہم اور بدبخت ہیں نور سعادت سے محروم ہیں معصیت اور نافرمانی کے خوگر ہیں ان کی معصیت کوشی نے رحمت خدا سے ان کو محروم کر دیا ہے۔ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔ دائرۂ توحید و اطاعت سے خارج رہنا چاہتے ہیں۔ اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ کیا یہ نافرمان طبقہ جاہلیت کے احکام کا خواستگار ہے؟ یعنی توریت پر یقین رکھنے کے دعوی کے ساتھ ساتھ جاہلانہ حکم چاہتا ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۔ حالانکہ جو لوگ یماندار ہیں علم و معرفت سے جن کو کافی بہرہ حاصل ہے اُن کے نزدیک حکم الٰہی سے بڑھ کر اور کونسا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ پھر یہ لوگ باوجودیکہ توریت پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں لیکن حکم الٰہی سے کیوں سرکشی کرتے ہیں معلوم ہوا کہ ان کا خدا پر اور اُس کے احکام پر خواہ وہ احکام توریت میں ہوں یا قرآن میں ایمان ہی نہیں ہے۔

مقصود بیان:۔ احکام الٰہی پر کاربند رہنے کی ہدایت۔ کسی کی جانبداری کرنے کی ممانعت۔ کفار کی سازشوں کی طرف سے محتاط رہنے کا حکم۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی نکلتی ہے کہ دنیا کے اندر انسان کو عقل سے کام لینا چاہیئے۔ اچھے برے اور دوست دشمن کا امتیاز کرنا چاہیئے۔ اسباب دنیوی کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ دور اندیشی اور معاملہ فہمی کو لازم سمجھنا چاہیئے۔ آیت سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ انسان کی گمراہی اور کور باطنی اُس کے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہے اور دنیا میں جو مصائب انسان پر آتے ہیں وہ اسی کی ناشائستہ حرکات کا خمیازہ ہوتے ہیں۔ نہایت بلاغت کے ساتھ اس بات کو بھی واضح طور پر بیان کیا ہے کہ عقلمند اور معرفت کوش طبقہ جس کا ایمان خدا ارقدوس پر ہے اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ نظام عالم کی درستگی اور دنیا و عدالت و امن قائم رکھنے کے لئے انسان کے بنائے ہوئے قوانین ناکافی ہیں خدا کے بھیجے ہوئے احکام کے بغیر دنیا میں عدالت قائم نہیں ہو سکتی۔ وغیرہ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَ

مسلمانو! یہود و نصاریٰ کو

النَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ

دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں تم میں سے

یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا

جو شخص ان کو دوست بنائیگا وہ انہی میں کا ہو گا اللہ

یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○

ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

تفسیر اس مکمل آیت کی شان نزول میں دو روایات ہیں (۱) عکرمہ کی روایت ہے کہ یہ آیت ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کے حق میں نازل ہوئی۔ ابولبابہ خالص مسلمان تھے لیکن بمقتضائے بشریت اُن سے ایک ناشائستہ حرکت سرزد ہو گئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابولبابہ کو رسول پاکؐ نے بنو قریظہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ تم لوگ بلا شرط اپنے قلعہ سے نکل آؤ اور ہمارے فیصلہ کو تسلیم کرو۔ جاہلیت کے زمانہ میں ابولبابہ کی ان یہودیوں سے دوستی تھی جب یہودیوں نے دریافت کیا کہ اگر ہم تمہارے رسولؐ کے کہنے سے نکل آئے اور بغیر شرط کے اُن کے حکم کو مان لیا تو ہمارا انجام کیا ہو گا؟ ابولبابہ نے جواب میں اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ مراد یہ تھی کہ ذبح کئے جاؤ گے (ابن جریر)

(۲) محمد بن اسحاق نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے رسول پاکؐ سے معاہدہ کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہ دینگے اور نہ خود مسلمانوں سے لڑینگے لیکن چند روز کے بعد ہی غزوۂ خندق کے موقعہ پر سب سے پہلے اُنہوں نے عہد شکنی کی اور رسول پاکؐ کے مقابلہ میں خوب جنگ آزمائی کی لیکن بالآخر ذلیل و خوار ہو کر اپنے قلعوں میں پناہ گیر ہو گئے اور انجام کار قلعوں سے اس شرط پر باہر آ گئے کہ ہمارے حق میں جو کچھ فلاں شخص (سعد) حکم دیگا ہم اُس پر راضی ہیں۔ عبداللہ بن ابی سلول نے جب یہ کیفیت دیکھی تو یہودیوں کے بچانے میں انتہائی جدوجہد کی اور کہنے لگا میں گردش زمانہ سے ڈرتا ہوں معلوم نہیں اونٹ کس کل بیٹھے مجھے یہودیوں کی دوستی کی ضرورت ہے اس پر حضرت عبادہ بن صامت بولے میں خدا اور اُس کے رسول سے موالات کرتا ہوں مجھے اُن کی موالات کی ضرورت نہیں۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی ارشاد ہوتا ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ مسلمانو! یہودیوں سے اور عیسائیوں سے دلی دوستی نہ کرو۔ اُن کو اپنا دوست نہ سمجھو یہ نہ خیال کرو کہ اگر ہم اس وقت ان سے موالات کرینگے تو

کبھی آئندہ یہ ہمارے کام آئینگے۔ یہ تمہارے کام نہ آئینگے کیونکہ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ یہ خود باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں تمہارے دوست نہیں ہوسکتے یہ سب کافر ہیں تمہارے مقابلہ میں سب ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ تم میں سے جو شخص ان سے دلی دوستی کریگا اور ان کا اندرونی یار رہیگا دین کے لحاظ سے اُس کا بھی انہی میں شمار کیا جائیگا وہ بھی کافر سمجھا جائیگا یعنی جو شخص اسلام کے مقابلہ میں غیر مسلم کی حمایت کریگا وہ بھی غیر مسلم ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ خدا تعالیٰ ناحق کوش اور ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا ہے۔ جو لوگ خود ہی گمراہی کے خواستگار اور طالب ہیں خدا اُن کو راہ راست نہیں دکھاتا ہے اگر تم خود اپنے نفس پر ظلم کرو گے تو خدا بھی تم کو گمراہی میں چھوڑ دیگا۔

مقصود بیان:- اخوت اسلام اور اتحاد ملی کی پُر زور ہدایت اور بصورت نافرمانی سخت ترین وعید۔ اس امر کی صراحت کہ غیر مسلم بوجہ اتحاد فی الکفر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں سب ایک دوسرے کے حامی اور شریک کار ہیں ان سے دوستی کی امید رکھنی فضول ہے۔ غیر مسلم کا حامی دائرہ اسلام سے خارج ہے وغیرہ

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

کیا تم ان لوگوں کو دیکھتے ہو جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ دوڑ دوڑ کر انکی

فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ

گھستے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو خوف ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہ آپڑے

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ

سو کوئی دن جاتا ہے کہ اللہ مسلمانوں کی فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے

عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ

بھیجدیگا تو اُس وقت یہ اپنے اُن خیالات پر پشیمان ہونگے جن کو اپنے دلوں میں

نٰدِمِيْنَ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ

چھپاتے تھے اور مسلمان کہیں گے کیا انہوں نے ہی

الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ

بڑے زور سے اللہ کی قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم تمہارے

لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

ساتھ ہیں اُن کا سارا کیا کرایا اکارت گیا اور نقصان میں رہ گئے

تفسیر

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ یعنی اے رسول دیکھو جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے جن کا ایمان پختہ نہیں ہے نہ زندوں میں نہ مُردوں میں ظاہر زندوں میں داخل ہیں اور باطن میں مُردوں کے ساتھ شامل ہیں وہ ان غیر مسلموں کی دوستی کی طرف دوڑے جاتے ہیں اور نہایت شوق و رغبت سے اُن کی موالات کے خواہشمند ہیں اور کہتے ہیں ممکن ہے پانسہ اُلٹ جائے ہم کو زمانہ کی گردش پر بھروسہ نہیں خوف ہے کہیں معاملہ دگرگوں نہ ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر ہم ان سے موالات نہ کرینگے تو قحط کے وقت یہ ہم کو کھانے کو نہ دینگے لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ کیونکہ پختہ امید ہے خدا تعالیٰ مسلمانوں کو عنقریب فتح نصیب کرے گا اور اپنے رسول کی مدد فرمائیگا اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ یا کوئی اور امر اپنی طرف سے پیدا کرے گا جس سے مسلمانوں کو کامیابی اور یہود و نصاریٰ کو شکست ہو کر انتہائی ذلت سے جزیہ دینا پڑیگا۔ تمام شان و شوکت ان کی خاک میں مل جائیگی۔ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ۔ اُس وقت یہ پچھتائینگے اور دلوں میں جو خیالات قائم کرلیئے تھے اُن پر ان کو ندامت ہوگی۔ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ اور جب حقیقت حال ظاہر اور منافقوں کی غداری کھل جائیگی تو مسلمان تعجب سے کہینگے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے پختہ قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ بلا شک و شبہ ہیں اور مسلمانوں کے طرفدار ہیں ہمارے خلوص ایمان میں کسی شک کی گنجائش نہیں اسوقت حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ان منافقوں کا سب کیا کرایا برباد جائیگا جو اعمال انھوں نے ریاکاری اور دکھاوٹ کے لیئے کیئے تھے سب بے سود جائینگے اور ظاہری ایمان مفید نہ ہوگا سب حقیقت کھل جائیگی۔
فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ دنیا و دین میں تباہی حاصل ہوگی دنیا میں رسوا اور قیامت میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہونگے اور تمام منصوبے ملیامیٹ ہو جائینگے۔

مقصود بیان:- غیر مسلموں سے موالات کے نتیجہ بد کی صراحت۔ مسلمانوں کو فتح کی بشارت۔ منافقوں کی حوصلہ شکنی۔ مسلمانوں کو کفار سے ترک موالات کرنے کی ترغیب اور منافقوں کو ترہیب وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ

ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائیگا

مِنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ

تو پھر جانے کچھ مدت کے بعد اللہ ایسی قوم پیدا کر دیگا جو اللہ سے محبت کرتی ہوگی

يُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ

اور اللہ اس سے محبت کریگا وہ مسلمانوں کے حق میں نرم دل اور کافروں پر

عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ

سخت ہوگی راہ خدا میں اپنی جانیں

اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ

لڑا دیگی اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریگی یہ

فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَ

اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے

اللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

اللہ بڑا وسیع الفضل باخبر ہے۔

تفسیر پہلی آیت میں یہود و نصاریٰ سے موالات کرنے کی ممانعت اور اس بات کی صراحت تھی کہ جو شخص کفار سے اندرونی یارانہ کرے گا وہ بھی کافر شمار کیا جائیگا۔ اس آیت میں مرتدوں کے کچھ حالات اور آئندہ مسلمانوں کے متعلق کچھ پیشین گوئیاں بیان کی جاتی ہیں۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ مرتدوں کے گیارہ گروہ ہو گئے تھے تین تو رسول اللہ ﷺ کے آخری دور حیات میں ہی پیدا ہو گئے اور سات صدیق اکبرؓ کی خلافت میں ہوئے اور ایک فاروق اعظمؓ کے عہد میں ہوا۔ (۱) اسود عنسی ایک ساحر تھا اطراف یمن پر اس نے قبضہ کر کے حضور والا کے کارندوں کو نکال دیا تھا رسول پاک ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر بھیجا اور بالآخر فیروز دیلمی نے اسود کو قتل کیا۔ (۲) ملک یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور بنو حنیفہ کو اسلام سے پھیر کر اپنا ساتھی بنا لیا تھا (۳) طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعویٰ کیا بنو اسد کو گمراہ کر کے مسلمانوں سے جنگ کی۔ انجام کار شکست کھا کر بھاگ کر ملک شام کو چلا گیا لیکن آخر میں توبہ کر کے سچا مسلمان ہو گیا۔ یہ تینوں گروہ حضور والا کے زمانہ میں ہی مرتد ہو گئے تھے۔

ذیل کے سات گروہ صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے اور امیر المومنین نے اُن پر لشکر کشی کی اور زیر کیا:- (۱) فزارہ (۲) غطفان (۳) بنو سلیم (۴) بنو یربوع (۵) بنو بکر بن وائل (۶) بنو کندہ (۷) بنو تمیم۔ یہ قوم سجاح بنت منذر کے پیرو ہو گئی تھی۔ سجاح نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آخر میں مسیلمہ کذاب سے نکاح کر کے دو نبوتوں کو ایک جگہ جمع کر لیا تھا

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جبلہ بن ایہم غسانی کی قوم مرتد ہو گئی تھی اور جبلہ مرتد ہو کر روم چلا گیا تھا۔

ارشاد باری ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ مسلمانو! تم اپنے ایمان پر نازاں نہو اور یہ خیال نہ کرو کہ اسلام کا ہمارے اوپر ہی مدار ہے کیونکہ اگر لوگ مرتد ہو جائینگے تو اسلام کا کوئی ہرج نہ ہوگا خدا تعالیٰ عنقریب ایسی دوسری قوم پیدا کر دیگا جس سے خدا کو محبت ہوگی اور خدا سے اُس کو محبت ہوگی خدا اُن کو محبوب ہوگا اور خدا کو وہ محبوب ہونگے ذیل کے چار خصوصی اوصاف اُن میں امتیازی طور پر ہونگے:- أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مسلمانوں کے حق میں وہ نرم دل ہوں گے اہل ایمان سے مہربانی اور شفقت خاطر سے پیش آئینگے۔ یہ نرم دلی کمزوری خاطر کی وجہ سے نہوگی بلکہ اُن کے جذبۂ محبت اور داعیۂ اخوت کے ماتحت ہوگی۔ ورنہ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ منکرانِ دین کے حق میں تو وہ بہت سخت ہونگے بڑے سے بڑے کافر کی حمایت دین کے مقابلہ میں پرواہ نہ کریں گے يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ راہ خدا میں دل و جان سے جہاد کرینگے مرضیٔ مولا کے حصول کے لئے جانیں لڑا دینگے وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ امر حق کے اظہار اور توحید الٰہی کے اعلان میں کسی کی ملامت اور بُرا بھلا کہنے کا خوف نہ کرینگے۔ مطلب یہ کہ خوش خلق، رحیم، شفیق، بہادر، حامی دین، متحد القوت، مجاہد فی سبیل اللہ اور بالکل بے لاگ ہوں گے۔ دین الٰہی کے پھیلانے میں غرق ہونگے۔ اعلان توحید میں اپنا تن من دھن قربان کرنے والے ہونگے۔ اب رہی یہ بات کہ اس قوم محبوب سے کونسی قوم مراد ہے؟ اس کی وضاحت کے لئے ہم ذیل میں مختلف اقوال نقل کرتے ہیں:-

رسول پاک ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وہ اس شخص کی قوم ہوگی (رواہ الحاکم و ابن ابی حاتم و ابن جریر ہو فی الصحاح ایضاً) ابن کثیر نے بروایت ابن عباس بیان کیا کہ اہل قادسیہ مراد ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ شہر سبا کی ایک قوم مراد ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ کندہ کی قوم مراد ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ وہ سرداران قریش مراد ہیں جو خالص مسلمان ہو گئے تھے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس آیت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کا بیان ہے اور ان ہی کے متعلق آیت کا نزول ہوا ہے لہذا صدیق اکبرؓ اور صحابہ و تابعین کا

جرار لشکر ہی مراد ہے۔ انہوں نے مرتدوں کو قتل کیا تھا اور ارتداد کی جزیرۂ عرب سے بیخکنی کی تھی۔ اور حکم آیت میں ہر وہ قوم بلا تخصیص کے داخل ہے جس میں مذکورہ اوصاف پائے جائیں یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ یہ اخوت اسلامیہ اعداءِ دین سے مقابلہ اعلان توحید اور اظہار حق میں بے باکی خدا داد نعمت ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے کسی کا استحقاق نہیں۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ خدا کا فضل وسیع ہے وہی ہر ایک کی اہلیت قابلیت اور مصلحت و حکمت سے واقف ہے یہاں اور جس میں اہلیت ہوتی ہے اُسی کو اپنے فضل سے سرفراز فرماتا ہے ورنہ نہ اُس پر کوئی چیز بالذات واجب ہے نہ کسی کے اعمال اس کے موجب ہیں۔

مقصود بیان:۔ آئندہ ارتداد اور استیصال ارتداد کی پیشینگوئی مسلمانوں کو رحم، اخوت، اتحاد کی تعلیم۔ کفار کے مقابلہ میں جان و مال سے کوشش کرنے اور اتفاق ملی قائم رکھنے کی ہدایت۔ اظہار حق میں کسی ملامت گر کے بُرا بھلا کہنے کی پرواہ نہ کرنے کا حکم۔ گویا ترقی اسلام اور اشاعت ایمان کے اصول اربعہ کی تصریح۔ اس بات کی صراحت کہ کسی کا خدا پر حق نہیں۔ خدا تعالیٰ صاحب ارادہ مالک مختار اور صاحب فضل ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے۔ کسی کے اعمال اس فضل اور استحقاق فضل کے موجب نہیں وغیرہ

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ

بس تمہارے دوست اللہ اُس کا رسول اور وہ مسلمان

اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

ہیں جو پابندی سے باقاعدہ نماز پڑھتے اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ وَمَنْ يَّتَوَلَّ

دیتے اور ہمیشہ خشوع خضوع کرتے رہتے ہیں جو شخص

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ

اللہ سے اُس کے رسول سے اور ایمان والوں سے دوستی کرلیگا تو سمجھ لے

حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ ع

کہ اللہ کا گروہ ہی غالب رہے گا

تفسیر ابن ابی حاتم، ابن جریر، عبد الرزاق، ابن مردویہ، ابن عساکر اور ابو الشیخ نے ایک روایت اس آیت کے شان نزول میں نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نماز پڑھ رہے تھے رکوع میں پہونچے تو ایک سائل آیا اور اُس نے جماعت سے سوال کرنا شروع کیا۔ حضرت علیؓ نے رکوع کی حالت میں ہی انگلی سے انگشتری اتار کر اُسکو دیدی۔ اس روایت کے درمیانی راوی ضعیف ہیں اسلئے سیوطی اور ابن کثیر نے اس شان نزول کی تضعیف کی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ گذشتہ آیت میں کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا تھا اس آیت میں رسول پاک کی ولایت اور مسلمانوں کی حمایت میں رہنے کی ترغیب دی جارہی ہے اور اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ انجام کار خدا کے خالص بندوں کو ہی غلبہ ہوتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ مسلمانو! تمہارا دوست حامی اور سرپرست مددگار خدا ہے اُس کا رسول ہے اور وہ خالص مؤمن بندے بھی ہیں جو نماز کو نہایت خشوع خضوع اور پابندی ارکان و شرائط سے پنجگانہ ادا کرتے ہیں اور دل سے زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان کی نماز رکوع سے خالی نہیں ہوتی۔ جس طرح یہودی بغیر رکوع کے نماز پڑھتے ہیں۔ یا یہ مطلب کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں الگ الگ پڑھنے کو پسند نہیں کرتے۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جو شخص خدا رسول اور مسلمانوں کی حمایت و رفاقت کو پسند کرتا ہے اور اُن کا ساتھی بنتا ہے وہ خدا کے گروہ میں داخل ہوتا ہے اور فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ انجام کار خدا کا گروہ ہی غالب رہتا ہے۔ لہذا خدا رسول اور مسلمانوں کے رفیقوں کو ہی انجام میں فتح نصرت اور غلبہ ہوگا اور خدا کے خالص بندے ہی کامیاب ہونگے۔ آخیر میں حق ہی غالب رہیگا۔

مقصود بیان:۔ خالص مسلمانوں کی حمایت خدا کرتا ہے رسول اللہ اور مسلمانوں کی رفاقت و ہمدردی کا بھی وہی مستحق ہے جو سچے دل سے ان کا دوست ہو۔ آیت میں مسلمانوں سے موالات کرنے اور اتحاد ملی کو برقرار رکھنے کی نہایت بلاغت آمیز عبارت میں ہدایت کی گئی ہے اور صراحت کردی گئی کہ انجام کار حق کو ہی غلبہ ہوگا اگرچہ درمیان میں کبھی مسلمانوں کا پلڑا کمزور اور کبھی کفار کو شکست ہو جائے۔

ایک وضاحت اس بات کی بھی ہے کہ جو لوگ کفار سے موالات نہ کریں اور اسلام کی حمایت میں سرگرم عمل رہیں وہی حزب اللہ کہلانے کے مستحق ہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ

مسلمانو! گذشتہ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے

اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

تمہارے دین کو ہنسی اور دل لگی بنا رکھا ہے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ

تم اُن کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَ

اور مسلمان ہو تو اللہ سے ڈرو

اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا

جب تم نماز کی ندا دیتے ہو تو یہ اسکو ہنسی

هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ○

اور دل لگی بناتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بالکل عقل نہیں رکھتے

تفسیر ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بروایت سدی بیان کیا ہے کہ جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز پڑھنا شروع کرتے تو یہودی کہتے یہ کھڑے ہوئے ہیں خدا کرے کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو - اور جب مسلمانوں کو رکوع اور سجدہ میں دیکھتے تو ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے - اسی طرح مدینہ میں ایک عیسائی رہتا تھا جب اذان میں اشہدان محمدا رسول اللہ کی آواز سنتا تو کہتا تھا یہ جھوٹا جل جائے ایک رات اتفاق سے یہ عیسائی اور اس کے سب گھر والے سورہے تھے ایک خادم آگ لیکر گیا - راستہ میں ایک چنگاری گر پڑی جس کی وجہ سے وہ اور اس کے گھر والے اور گھر بار سب جل کر خاکستر ہوگیا - اسی طرح رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث بظاہر مسلمان ہوگئے تھے اور باطن میں منافق تھے مسلمان اُن سے میل جول رکھتے تھے - ان تینوں فریق سے اختلاط کی ممانعت اس آیت میں کردی گئی کہ :- يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ اے ویندارو اُن اہل کتاب کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ جنہوں نے دین اسلام کو ہنسی ٹھٹھا سمجھ رکھا ہے اور کافروں سے بھی موالات نہ کرو اور وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم سچے مؤمن ہو تو راہ توحید و اسلام پر چلو ان کافروں سے موالات چھوڑ دو - دیکھو :- وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ - جب تم نماز کی اذان دیتے ہو اور نماز کو کھڑے ہوتے ہو تو یہ نماز پر ہنستے ہیں - اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ جانوروں کی طرح بے عقل ہیں نور انسانیت سے محروم ہیں عقل کی روشنی ان میں موجود نہیں - یعنی اذان سے لوگوں کو دعوت دیجاتی ہے کہ وہ مناجات الٰہی کے مقام میں حاضر ہوں یہ ندا حق ہوتی ہے اُسی شخص کے کان میں پہونچتی ہے جو سعید ازلی ہے اور ندائے ازلی کو قبول کرچکا ہے اور جو حقیقت حال سے غافل ہے وہ اسکو لہو ولعب کے کانوں سے سنتا ہے -

مقصود بیان :- کسی دینی بات کو ٹھٹھا سمجھنا اور اُس کا مذاق اُڑانا کفر ہے - احکام شریعت پر طعن کرنے والا احمق جاہل اور بےعقل ہے - اس میں اور جانور میں سوا ظاہری شکل کے اور کوئی فرق نہیں جس شخص کو دین کی عقل نہیں وہ حیوان ہے - آیت میں مسلمانوں کو ایسے بےعقل کافروں سے موالات کرنے کی ممانعت کردی گئی - وغیرہ

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ

(اے محمد!) کہدو اے اہل کتاب تم ہم میں بجز اس کے کیا عیب پاتے ہو

اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ

کہ ہم اللہ پر اور اُس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور

مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ

اُن کتابوں پر جو پہلے اُتر چکی ہیں ایمان رکھتے ہیں اور تم میں سے اکثر

فٰسِقُوْنَ ○ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ

نافرمان ہیں کہدو کیا میں تم کو ان فرضی عیب داروں سے

مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ

اللہ کے نزدیک زیادہ بڑی سزا والے بتادوں وہ وہ لوگ ہیں

لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ

جن پر اللہ نے لعنت کی اور غضب نازل کیا اور اُن میں سے بعض کو

الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ

بندر اور سور بنادیا اور وہ شیطان کو پوجنے لگے یہی لوگ

شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○

درجہ میں بدترین اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں

تفسیر ابو یاسر بن اخطب نافع بن ابی نافع غازی بن عمر اور کچھ دوسرے یہودی ایک بار خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا محمد تمہارا ایمان کن کن چیزوں پر ہے؟ حضور نے فرمایا اللہ پر تمام نبیوں پر یعنی ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب موسیٰ اور عیسیٰ پر جب حضور نے حضرت عیسیٰ کا نام لیا تو یہودی بولے ہم عیسیٰ کو نہیں مانتے اور جو شخص عیسیٰ کو مانے ہم اسکو نبی نہیں جانتے۔ ہماری رائے میں تمہارے دین سے بدتر کوئی دین نہیں اُس وقت یہ آیت قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ نازل ہوئی۔ حاصل مطلب یہ کہ آپ کہدیجئے یہودیو تم کو ہم سے صرف اس وجہ سے بیر ہے کہ ہمارا ایمان خدا پر بھی ہے اور اپنی کتاب پر بھی اور گذشتہ آسمانی کتابوں پر بھی اور تم میں سے اکثر آدمی اطاعت الٰہی سے خارج ہیں۔ یہ بیر کی کونسی وجہ ہو سکتی ہے اور اس سے انکار حقیقت کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ بیر رکھنے کی بات اور عیب و برائی کے قابل تو قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وہ لوگ ہیں جو خدا کے لعنت و غضب میں گرفتار رہیں خدا تعالیٰ نے وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ جن میں سے بعض کو (داؤد کے زمانہ میں طاعون میں مبتلا کر کے) بندروں اور سوروں کی شکل پر کر دیا تھا وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ اور بدترین انسان تو وہ ہیں جنہوں نے شیطانوں کی پرستش اور پیروی کی۔ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ایسا سرکش اور جاہل فرقہ درجہ کے لحاظ سے بدترین اور راہ راست سے سب سے زیادہ منحرف ہے نہ کہ وہ ایماندار گروہ جسکا ایمان خدا پر رسول پر قرآن پر تمام انبیاء پر اور کل آسمانی کتابوں پر ہے۔ پھر یہ دعویٰ کرنا کہ اسلام سے بدتر کوئی دین نہیں حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

مقصود بیان: یہودی بہت زیادہ گمراہ تھے اور اُن کے دل اندھے ہو گئے تھے۔ حق بات سے انکار کرنا اُن کے نزدیک قابل مدح تھا۔ یہودیوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں اور دیوتاؤں کی پرستش شروع کر دی تھی۔ خدا تعالیٰ نے انکو (طاعون کے مرض میں گرفتار کر کے) بندروں اور سوروں سے مشابہ ان کی شکلیں کر دی تھیں۔ معیار ہدایت و گمراہی توحید و اطاعت الٰہی ہے۔ جو مؤمن نہیں وہ گمراہ ہے۔ وغیرہ۔

وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا

جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ کفر ہی کو

بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

لیکر آئے اور کفر ہی کو لیکر چلے گئے اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ○ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ

جو کچھ وہ چھپا رہے تھے تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے

يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ

کہ گناہ ظلم اور حرام خواری میں دوڑے دوڑے

السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ لَوْلَا

پھرتے ہیں جو حرکات یہ کر رہے ہیں وہ بُری ہیں

يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ

اللہ والے اور علماء ان کو

قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ

ان کے گناہ کے الفاظ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے وہ

مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ○

بُرے افعال کر رہے ہیں

تفسیر یہودیوں کی کوربا طنی اور ناحق کوشی اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ فسق و فجور اُن کے نزدیک کوئی قابل وزن چیز نہ رہی تھی اسی لئے جب وہ اغراض دنیا کے حصول کے لئے رسول پاک کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے تو زبان سے مدعی اسلام بنتے تھے اور واپس جاتے تھے تو ویسے ہی دامن جھاڑ کر کورے چلے جاتے تھے۔ اسی مطلب کا بیان ان آیات میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہودی جب مسلمانوں کے جلسوں میں آتے ہیں تو دل میں کفر کو چھپا کر زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ کفر کو لیکر آتے ہیں اور ویسے ہی کفر لئے ہوئے چلے جاتے ہیں وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ صرف زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور دل کی حالت کو چھپائے رکھتے ہیں حالانکہ جس نفاق و کفر کو وہ چھپانا چاہتے ہیں خدا سے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ تعجب ہے کہ ان میں سے بہت سے آدمی بدگوئی کذب اور ناحق کوشی و حرام خواری کی طرف دوڑے جاتے ہیں خوب رشوتیں کھاتے پرایا مال غبن کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان کے یہ

کرتوت بہت بُرے ہیں۔ جب عام یہودیوں کی حالت بیان ہو چکی تو اب سرداران قوم اور مذہبی لیڈروں کے بیان حال کی طرف روئے سخن کیا جاتا ہے۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ان کے مشائخ اور علماء کو کیا ہو گیا ہے یہ عام لوگوں کو دروغ بافی اور حرام خواری سے کیوں نہیں منع کرتے اور کیوں قوم کو ان تباہ کاریوں سے نہیں روکتے لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ان کی یہ حرکات بدترین ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہودی قوم کے عوام و خواص کی اخلاقی اور دینی حالت بالکل تباہ ہے عوام کی زبانیں پیٹ اور اعضاء سب ہی گناہگار ہیں زبان سے جھوٹ بولتے ہیں پیٹ میں حرام مال کھاتے ہیں اور ہاتھ پاؤں سے دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ رہے خواص تو وہ بھی مالی لالچ میں گرفتار ہیں رشوتیں کھاتے ہیں اور عوام کو ان حرکات شنیعہ سے محض اپنے شخصی فوائد کی وجہ سے نہیں روکتے اور جس قوم کے عوام و خواص کی یہ حالت ہو وہ دین و دنیا میں کس طرح کامیاب اور بافلاح ہو سکتی ہے۔

مقصود بیان: یہودیوں کے نفاق اور بدباطنی کا بیان اور اس امر کی صراحت کہ ان کی روحیں مردہ ہو چکی ہیں۔ عوام و خواص سبھی گناہ کے عادی اور فسق و فجور کے خوگر ہو گئے ہیں۔ گناہ ان کی نظر میں گناہ نہیں رہا۔ لطیف تنبیہ اس بات پر بھی ہے کہ جب تک زبان پیٹ اور دیگر اعضاء کو گناہ سے نہ روکا جائے فلاح و سعادت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایک بلیغ اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ مشائخ و علماء پر لازم ہے کہ عوام کو حق تعالیٰ کی نافرمانی اور دینی و اخلاقی تباہی سے روکیں اور جہاں تک ممکن ہو قولی اور عملی کوششیں لوگوں کی اصلاح و نصیحت کے واسطے صرف کریں۔ ورنہ ان کا شمار بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ شرعی امور میں چشم پوشی کرنی حرام ہے۔ وغیرہ۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ

یہودی کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے انہی کے ہاتھ

اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ

جکڑ جائیں اور اس قول کی وجہ سے ان پر پھٹکار اس کے دونوں ہاتھ

مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ

کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے وہ خرچ کرتا ہے تم پہ جو قرآن تمہارے

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اُس سے ان میں کے بہت سے آدمیوں کی

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

شرارت و کفر میں اور اضافہ ہوگا اور ہم نے روز قیامت تک انکے آپس میں

وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا

دشمنی اور کینہ ڈال دیا جب کبھی یہ لڑائی کی آگ

نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ

بھڑکاتے ہیں اللہ اُسکو بجھا دیتا ہے اور وہ ملک میں فساد

فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ

پھیلانے کو دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا

تفسیر خدا تعالیٰ نے یہودیوں کو توریت میں نہایت تاکید سے حکم دیا تھا کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو اُن پر ایمان لانا اور اُن کی مدد کرنا لیکن جب حضور والا مبعوث ہوئے تو علماء یہود کو خوف ہوا کہ کہیں ہمارے مرید اور معتقد مسلمان نہ ہو جائیں اور ہماری پیری جاتی رہے اور آمدنی ختم ہو جائے۔ یہ خیال کر کے انہوں نے رسول پاک ؐ کے اوصاف اور حلیے کو بدل ڈالا اور مریدوں کو مسلمان ہونے سے بہکایا۔ خدا تعالیٰ نے اس فعل کی پاداش میں اُن کو مفلس اور تنگ حال کر دیا۔ جس بات کا اُن کو خوف تھا وہی پیش آئی۔ آمدنی کم ہو گئی اور معاش کی طرف سے پریشان ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر مردود زبان درازی کرنے لگے۔ چنانچہ محمد بن اسحاق نے بروایت ابن عباس ؓ بیان کیا ہے کہ فنحاص یہودی نے جو خاندان بنی قینقاع کا سردار تھا نہایت گستاخی اور بیباکی سے کہا کہ اب خدا کا ہاتھ بند ہو گیا ہے۔ اس قول پر اور یہودی بھی خوش ہوئے اُس وقت یہ آیت وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ نازل ہوئی۔ عکرمہ کی روایت میں اس قول کا قائل شاس بن قیس تھا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں خدا کا ہاتھ جکڑ گیا ہے وہ کنجوس ہو گیا ہے مخلوق کو رزق دینا نہیں چاہتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ درحقیقت ان کے ہاتھ جکڑ دیے گئے ہیں نیک کاموں کی طرف سے ان کے ہاتھ رُکے ہوئے ہیں ہر کار خیر سے یہ اپنے نفسوں کو روکتے ہیں۔ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا اور اس کفریہ کلام کی وجہ سے یہ ہمیشہ کے لئے رحمت الٰہی سے خارج ہو گئے قیامت تک ان پر پھٹکار برستی رہیگی۔ خدا کے متعلق اُن کا خیال غلط ہے۔ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ[1] خدا کے تو دونوں ہاتھ کشادہ

[1] خدا جسم و جسمانیات اور تمام عوارض مادی سے پاک ہے اُسمیں صفات مخلوق میں سے کوئی صفت نہیں اُس کے نہ ہاتھ ہیں نہ پاؤں نہ چہرہ نہ قلب لہٰذا باقی بر صفحہ آئندہ

ہیں وہ فیاض اور بخشش کرنیوالا ہے۔ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ اس کا فیض جاری ہے جس طرح چاہتا ہے صرف کرتا ہے۔ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا۔ یہود ازلی گمراہ اور فطری شقی ہیں ہدایت مجسم سے ان کو فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ آفتاب رہبری یعنی قرآن سے بجائے ہدایت کے ان کی سرکشی اور کفر اور بڑھتا جاتا ہے۔ شریر اور بدنہادوں کا قاعدہ ہی ہے کہ جس قدر ان کو نصیحت کی جائے وہ اسی قدر ضد میں آکر اور کفر بکنے لگتے ہیں کیونکہ فطری صلاحیت ہی اُن کے اندر نہیں ہوتی اپنے نفسانی جذبات اور شخصی خواہشات کے بندے ہوتے ہیں۔ جو کوئی ان کو نفسانی جذبات اور ہوا و ہوس سے روکے اُس کے دشمن بن جاتے ہیں چونکہ ان میں حق جوئی کا مادہ نہیں ہا اور یہ سب بندگانِ نفس اور پرستاران ہوا و ہوس ہو گئے۔ اسلئے ہم نے بھی وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ان کے آپس میں قیامت تک کے لئے مذہبی پھوٹ اور کینہ و عداوت ڈالدی اور فقط یہی نہیں بلکہ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں انہوں نے لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہی خدا نے اُسے بجھا دیا اور ان کو کامیابی حاصل نہ ہوئی ان کے آپس میں پھوٹ پڑ گئی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو شکست ہوئی۔ بیضاوی میں ہے کہ آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ یہودی جب کسی سے لڑے ہمیشہ ناکام اور نامراد ہوئے۔ انہوں نے حکم توریت سے خلاف ورزی کی۔ خدا نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا۔ جب انہوں نے دوبارہ فساد کیا تو فسطوس رومی نے انکو برباد کرنے میں کسر نہ چھوڑی۔ تیسری بار فساد کیا تو شاہ کیرش اور ایرانی قوم نے ان کو تباہ کیا۔ اب چوتھی بار فساد کیا تو اہل اسلام کے مقابلہ میں ذلیل و خوار ہوئے۔ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۔ انہوں نے زمین پر تباہی اور فساد بپا کرنے کی کوشش کی اور کرتے ہیں خدا نے ان کو تباہ کیا اور کرے گا کیونکہ فسادی آدمی خدا کو پسند نہیں۔

مقصود بیان: یہودیوں کی گستاخیوں اور ریاکیوں کا بیان اور اس امر کی صراحت کہ محرومان ازلی کو بارش رحمت اور چشمۂ ہدایت سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ ان کو جتنی ہدایت کی جائے اُتنی ہی ان کی گمراہی بڑھتی ہے۔ اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ خدا سے سرکشی کرنیوالے کو کبھی عافیت نصیب نہیں ہو سکتی ہمیشہ ذلیل و خوار ہونا پڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ امن و آشتی اور صلح کو پسند فرماتا ہے تاکہ نظام عالم برہم نہ ہو۔ جو لوگ تباہ کاری پھیلانی چاہتے ہیں وہ مردود بارگاہ ہیں۔ آیات میں اہل اسلام کو ایک عبرت انگیز سبق دیا گیا ہے کہ خدا کی نافرمانی کا نتیجہ آپس کی عداوت اور مذہبی فرقہ بندی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور اس تفرقہ و پراگندگی سے ذلت و رسوائی لازم ہے۔ خدا مسلمانوں کی حالت پر رحم فرمائے اور انکو عقل دے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور پرہیزگار بنتے

لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ

تو ضرور ہم ان کے گناہ دور کر دیتے اور آرام کے باغوں میں

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا

ان کو داخل کرتے اور اگر وہ توریت

التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ

و انجیل پر اور اُن کتابوں پر جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر نازل

رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

ہوتیں اپنے اعمال کو قائم رکھتے تو بلاشبہ اوپر سے اور اپنے پاؤں کے

اَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۚ وَكَثِيْرٌ

نیچے سے خوب کھاتے انہیں سے کچھ لوگ اعتدال پر بھی ہیں مگر اکثر کے

مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع ۱۰ ۱۳

اعمال برے ہیں

تفسیر: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۸) نہ بدن نہ اُس کو مکان کی ضرورت نہ وہ زمانہ کا محتاج نہ دہلا اُس کو محیط نہ اُس میں حرکت نہ سکون نہ جذبات نفسانیہ نہ عوارض بدنیہ۔ قرآن پاک یا حدیث میں جہاں ایسے الفاظ آئے ہیں جن سے خدا کے جسم یا جسمانی ہونے کا دھوکہ ہوتا ہے اُن کے مجازی معنی مراد ہیں۔ مثلاً آیت میں یَدٌ سے مراد جود و فیض ہے خدا کے ہاتھ کشادہ ہیں یعنی اُس کا فیض جاری ہے۔ ابوالحسن اشعری کہتے ہیں کہ خدا کے اسطرح مخلوق جیسے ہاتھ یا نوں نہیں نہ اُسکے اندر یہ عوارض جسمانیہ ممکنہ ہیں بلکہ صفات الٰہی کا تصور اور اُن کی ماہیت انسان کے وہم و قیاس اور قوائے مدرکہ سے بالاتر ہے۔ اُس کے ہاتھ ہیں لیکن مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں اُس کے پانوں ہیں اُس کا چہرہ ہے لیکن مخلوقات جیسا نہیں۔ وہ دیکھتا ہے بغیر مخلوق کی آنکھوں کے وہ سنتا ہے بغیر کانوں کے لیکن جمہور متکلمین کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا اطلاق خدا تعالیٰ پر بطور مجاز ہے حقیقی کے نہیں ہے بلکہ مجاز لغوی کے طور پر ہے۔ ہاتھ سے مراد قدرت یا نعمت یا تائید یا جود و بخشش ہے۔ سمع و بصر سے مراد مشاہدہ کامل و تحقیق اور علم کامل ہے۔ اسی طرح تمام متشابہ الفاظ کا اطلاق خدا پر مجازاً ہے۔ عقائد کی کتابوں میں اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سَیِّاٰتِہِمۡ وَلَاَدۡخَلۡنٰہُمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ۔ یعنی ان کی یہ تباہ حالی اور رحمت الٰہی سے محرومی صرف اس وجہ سے ہے کہ رسول پاک پر ایمان نہیں لائے اور حضور کی ہدایت پر عمل نہ کیا۔ اگر یہ رسول اللہ کی نبوت کو مان لیتے اور کفر سے بچتے تو خدا تعالیٰ ان کی گذشتہ سیاہ کاریاں اور موجودہ سرتابیاں معاف فرما دیتا اور بجائے دوزخ میں داخل کرنے اور عذاب دینے کے جنات نعیم میں داخل فرماتا مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اسلام کا مذاق اڑایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا دین میں ذلیل و خوار ہوئے۔ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ لَاَکَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِہِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِہِمۡ یعنی اگر یہودی اور عیسائی توریت و انجیل کی تعلیم پر صحیح عمل کرتے جو جو مواعظ و نصائح ان کتابوں میں ہیں ان کو مان لیتے۔ رسول اللہ کے اوصاف اور احوال جو تورات و انجیل میں مذکور تھے ان میں تحریف نہ کرتے اور رسول اللہ پر ایمان لے آتے تو ان کو یہ منحوس حالت دیکھنی کیوں پڑتی روزی کی تنگی ان پر کیوں ہوتی۔ خدا نہایت کشادگی اور فراخی سے ان کو رزق عطا فرماتا اور زمین آسمان سے ان پر برکت کی بارش ہوتی۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا مِنۡہُمۡ اُمَّۃٌ مُّقۡتَصِدَۃٌ ؕ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ سَآءَ مَا یَعۡمَلُوۡنَ البتہ بعض آدمی ان میں سے میانہ رفتار رکھنے والے بھی ہیں۔ اہل سبقت کا درجہ اگرچہ ان کو حاصل نہیں تاہم متوسط درجہ پر ضرور فائز ہیں مگر زیادہ گروہ تو بدکار ہے۔

مقصود بیان:۔ ایمان لانے سے گذشتہ گناہ خواہ کتنے ہی بڑے ہوں معاف ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی فرماں برداری کرنی روزی کی کشائش کا سبب ہے۔ نافرمانی سے تنگ حالی اور افلاس پیدا ہوتا ہے۔ نافرمان کو دنیا میں تباہی اور آخرت میں روسیاہی حاصل ہوتی ہے وغیرہ

یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ

اے نبی جو حکم تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسکو پہنچا دو

وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسٰلَتَہٗ ؕ وَاللّٰہُ

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو کچھ اللہ کا پیغام نہ پہونچایا اللہ

یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ

تم کو لوگوں سے محفوظ رکھیگا اسمیں شک نہیں کہ کافر قوم کو اللہ ہدایت نہیں کرتا

تفسیر جب گذشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ کی خرابیاں بیان کر دی گئیں تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کامل کا تاکیدی حکم دیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ جو احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے تم پر نازل ہوں اُن کو پورے طور پر لوگوں کو پہونچا دو کسی کی رو رعایت نہ کرو۔ کسی حکم کا کوئی حصہ کسی مصلحت سے بھی بجا کر نہ رکھو وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسٰلَتَہٗ اگر ایسا نہ کروگے کسی حکم کا کوئی حصہ لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کروگے اور کافروں کے کسی خوف یا مصلحت کی وجہ سے کافرنہ کہوگے تو فرض تبلیغ سے عہدہ برآ نہ ہوگے تبلیغ وحی کا بار تمہارے ذمہ رہیگا۔ کیونکہ ایک حکم کی تبلیغ نہ کرنی کل کی تبلیغ نہ کرنے کی طرح ہے۔ جب آیت یاایھا الرسول بلغ ماانزل الیک من ربک نازل ہوئی تو حضور والا نے باقتضاء بشریت اس بھاری بوجھ کے پورے طور پر اٹھا نہ سکنے کا خیال کرکے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی میں تنہا ہوں چاروں طرف دشمن بھرے ہوئے ہیں میں کس طرح اس فرض کو ادا کروں۔ اُس وقت یہ فقرہ نازل ہوا اور بتلا دیا گیا کہ جو کچھ بھی ہو یہ تو تم کو کرنا ہوگا۔ رہا دشمنوں کا خوف تو اس کا خطرہ تمہارے دل میں نہ آنا چاہئے اور دشمنوں کی طرف سے اطمینان رکھنا چاہئے۔ وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کیونکہ کافروں سے خدا تمہاری حفاظت کرتا رہیگا کبھی یہ تم کو قتل نہ کر سکینگے۔ حضور سرور کائنات کافروں کی طرف سے مطمئن نہ تھے خصوصاً یہودی ہر وقت مار آستین بنے ہوئے تھے اسلئے شب کے وقت مکان پر پہرہ لگا دیتے تھے کیونکہ مکان بہت معمولی قسم کے ہوتے تھے دشمن سے حفاظت کا اُن میں کوئی ذریعہ نہ تھا۔ حضرت عباس حضرت زبیر اور دیگر صحابہ باری باری سے پہرہ دیتے تھے اور حضور والا اندر استراحت فرماتے تھے۔ جنگ احد کے بعد ایک شب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور نے قبہ سے سر مبارک نکال کر فرمایا لوگو اپنے گھر چلے جاؤ میرا محافظ اللہ ہے۔ اُس روز سے حضور نے پہرہ چوکی موقوف کر دیا۔ اب غور کرنے کے قابل یہ بات ہے کہ مدینہ کے اندر سینکڑوں دشمن جان موجود تھے اور پورا ملک عرب مقابلہ کے لئے تیار تھا۔ ہر وقت مسلمانوں کی بیخ کنی کی فکر میں تھے اور ان ظالموں کو روکنے والا کوئی حاکم یا بادشاہ بھی نہ تھا کہ جسکی امداد کے بھروسہ پر رسول پاک آزادی کے ساتھ رہ سکتے لیکن باایں ہمہ حضور کی ذات والا صفات کو کوئی گزند نہ پہونچا۔ محض ذات الٰہی پر توکل کرکے آپ نے شخصی تحفظ بھی موقوف کرا دیا۔ یہ کل واقعات حضور والا کے رسول برحق ہونے پر دلالت کرتے ہیں مگر منکران حقیقت کی آنکھوں پر جہالت نظری کے پردے پڑے ہوئے تھے اسلئے ان کو صداقت رسول دکھائی نہ دیتی تھی اور وہ ہدایت الٰہی سے محروم رہے کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ خدا تعالیٰ منکران حقیقت کو ہدایت نہیں فرماتا ہے جو کور بصیرت ہیں اُن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے راہ حقیقت دیکھنے کی توفیق عطا نہیں ہوتی ہے۔

مقصود بیان:۔ رسول پاک نے کل احکام الٰہی کی تبلیغ کر دی۔ عالم اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے اگرچہ عقل انسانی کا یہی مقتضا ہے کہ انسان اپنی

امکانی حفاظت کرنے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تکلیف دور کر دی گئی تھی۔ خدا تعالیٰ کا ایک حکم بھی چھپا کر رکھنا اور بندوں تک نہ پہونچانا شانِ رسالت کے منافی ہے۔ پیدائشی کور بصیرت اور بدباطن لوگ توفیقِ سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ وغیرہ۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ

کہدو اے اہل کتاب! تم کسی دین پر نہیں ہو تاوقتیکہ

تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ

توریت انجیل اور اس کتاب پر اپنے اعمال کو قائم نہ کرو جو

إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا

تمہارے رب کی طرف سے پیغمبر نازل کیگئی ہے (اے محمد) جو قرآن پیغمبر تمہارے رب

مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا

کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس سے انمیں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر زیادہ مزید

وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

اضافہ ہوگا پس تم اس کافر قوم پر افسوس نہ کرنا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا

بیشک جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور

وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

فرقہ صابی اور عیسائی ان میں سے جو کوئی بھی اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ

اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور نیک عمل کریں تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

اور نہ وہ (گزشتہ زندگی پر) غمگین ہوں گے

[illegible] ایک مرتبہ رافع بن ابو رافع، سلام بن مشکم اور مالک بن صیف یہودیوں نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہوکر عرض کیا تم اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمؑ پر بتلاتے ہو اور ہماری کتاب پر ایمان لانے کو ضروری کہتے ہو پھر ہم کو کافر کیوں کہتے ہو؟ حضور

نے فرمایا تم نے اپنی کتاب بدل دی اور اللہ کے احکام چھپا گئے۔ یہودی بولے نہیں ہم تو حق و صداقت پر ہیں اور اپنے دین پر قائم ہیں۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:- قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا۔ حاصل ارشاد یہ کہ اے اہل کتاب جب تک تم کامل طور پر توریت انجیل اور تمام گذشتہ صحائف و کتب پر ایمان نہ لاؤ گے اور جب تک ان سب کو خدائی کتابیں نہ جانوگے اور جب تک ان تمام نوشتوں پر نہ چلوگے سعادت و ہدایت کا منہ نہ دیکھوگے اور قرآن چونکہ تمام گذشتہ اصلی کتابوں کا ترمیم کردہ خلاصہ ہے اسلئے اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اس کے بغیر راہ ہدایت ملنی ممکن نہیں مگر اس سے بھی اشخاص فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے دلوں کے اندر نورِ فطرت چمک رہا ہے اور جو سچے دل سے طلبگار حق ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد ان اہل کتاب میں بہت کم ہے ان میں اکثر اہل عناد اور سرکشی ہیں قرآن سے ایسے لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اور زیادتی ہوگی کچھ فائدہ نہ ہوگا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ لہذا آپ کو ان کافروں کی گمراہی اور سرکشی کا کچھ افسوس نہ کرنا چاہیے۔

چونکہ دنیا کے تمام الہامی مذاہب کا دعوی رکھنے والے مدعی ہیں کہ ہماری ہی نجات ہوگی دوسرے مذاہب والے جہنم میں جائینگے۔ یہودی مدعی تھے کہ ہم حق پر ہیں عیسائی باطل پر ہیں۔ نصاریٰ کہتے تھے کہ حقانیت ہماری میراث ہے یہودی گمراہ ہیں اور واقعہ در حقیقت یہ تھا کہ محمد ﷺ کے عہدِ نبوت میں نہ یہودی حق پر تھے نہ عیسائی نہ دوسرے مذاہب والے جب تک اسلام کے حلقہ بگوش نہوں نجات کا دعوی کرنا لغو تھا۔ اس مقصد کو نہایت بلاغت آمیز طرزِ عبارت میں ثابت کیا جاتا ہے اور لطیف ترین پیرایۂ بیان میں ہر مدعی حقانیت کے دعوی کو رد کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ یعنی مسلمان ہو یا یہودی یا صابی (امت نوح - یا مجوسی - یا موحد محض) یا عیسائی کوئی بھی نجات کے دعوی میں حق پر نہیں ہے جب تک اسکی قوت نظریہ اور عملیہ کی تکمیل نہو جائے جب تک مبدأ و معاد پر اس کا ایمان کامل صحیح نہ ہو اور جب تک اس کے اعمال صالح نہوں اگر ان فرقوں میں سے کسی کے عقائد صحیح اور اعمال صالح ہونگے تو اسکی نجات ضرور ہوگی نہ عذاب آخرت کا خوف ہوگا نہ دنیوی نعمتوں کے چھوٹ جانے کا غم۔ اور چونکہ ایمان و عقائد کی صحت اور اعمال کی اصلاح اس دور میں بغیر

شریعت محمدی کے حکم نہیں اس لئے شریعت محمدی پر ایمان نہ رکھتے ہوئے حقانیت و نجات کا دعویٰ لغو ہے۔

مقصود بیان:۔ توریت انجیل اور دیگر کتب الہامیہ پر ایمان لانا درحقیقت شریعت اسلامیہ کا اقرار کرنا اور نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا ہے۔ قرآن سے فیض اٹھانیوالے اہل کتاب میں سے بہت کم لوگ تھے۔ جس شخص کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ صاف ستھری اور روشن ہے وہی نجات یافتہ ہے خواہ کسی مذہب کا شروع میں پیرو ہو۔ عقائد و اعمال کی صحت کا مدار شریعت اسلامیہ پر ہے لہذا نجات کا مدار بھی توحید الٰہی اور اقرار رسالت پر ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

ہم نے اولاد بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا

وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ

اور ان کے پاس بہت بہت سے پیغمبر بھیجے تھے (لیکن) جب کوئی پیغمبر ان کے پاس

رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا

ان کی طبعی خواہشات کے خلاف احکام لیکر گیا تو انھوں نے کتنوں ہی کو

كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۤ وَحَسِبُوْٓا

جھٹلایا اور کتنوں ہی کو قتل کرنے لگے اور خیال کیا کہ

اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ

کوئی سزا نہ ہوگی نتیجہ یہ ہوا کہ اندھے بہرے بن گئے مگر پھر بھی

تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا

خدا نے اُن پر توجہ فرمائی لیکن ان میں سے بہت سے پھر اندھے

كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

بہرے بن گئے اور اللہ ان کے کرتوت کو دیکھ رہا ہے

تفسیر: یہ آیات بطور اتمام حجت کے ہیں اور ان سے مقصود یہودیوں کی قدیمی سرکشی کا اظہار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا۔ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا) اور وقتاً فوقتاً اُن کی ہدایت کیلئے ہم نے رسول بھی بھیجے چنانچہ ایک ہزار سے زائد رسول صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے لیکن ان اشقیاء ازلی کا دستور تھا کہ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ جب کوئی رسول اُن کی نفسانی خواہشات کے خلاف کوئی حکم لے کر آیا اور ان کی رغبت نفس کی اُس رسول نے مخالفت کی تو فَرِيْقًا كَذَّبُوْا بعض انبیاء کو تو انھوں نے مانا ہی نہیں تکذیب اور مخالفت کرنے لگے یعنی فقط مخالفت و تکذیب ہی پر بس کیا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ اور بعض انبیاء کو قتل کرنے لگے زکریا کو قتل کر دیا یحییٰ کو قتل کر دیا حضرت عیسیٰ کو بزعم خود قتل کر دیا۔ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ اور چونکہ وہ اولاد اسحٰق و ابراہیم میں سے تھے اسلئے نسلی شرافت کو تمام گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہوئے انھوں نے خیال کیا کہ ہمارے واسطے کوئی سزا اور خرابی نہ ہوگی۔ مگر اُن کا یہ خیال غلط تھا۔ بات درحقیقت یہ تھی کہ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا اُن کی بصیرت نابینا اور گوش عقل بہرے ہو چکے تھے نہ اُن کو راہ حق دکھتی تھی نہ آواز صداقت سُنائی دیتی تھی ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ لیکن پھر خدا نے ان پر رحم کیا اور وقتاً فوقتاً اُن کو ہدایت کی۔ بخت نصر شاہ بابل کے مسلط ہونے کے بعد یہودیوں نے توبہ کی اور خدا نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور آخر میں اُن کی ہدایت کے لئے نبی آخر الزمان کو مبعوث فرمایا اور ان کی گذشتہ بداعمالیوں کا لحاظ نہ کیا۔ لیکن پھر بھی ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ان میں سے بہت سے آدمی اندھے بہرے ہو گئے نہ راہ حق عقل کی آنکھوں سے دیکھی نہ کلام حق دل کے کانوں سے سُنا تو اب یہ ان کی حرمان نصیبی ہے خدا کے رحم و فضل کا کچھ قصور نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ خدا تعالیٰ ان کے کرتوت سے خوب واقف ہے۔

مقصود بیان:۔ یہودیوں کی قدیمی سرکشی کا بیان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین۔ یہودیوں کا نسلی شرافت کے بھروسہ پر گناہوں سے بےخوف ہونے کا اظہار۔ اس بات کی صراحت کہ بنی اسرائیل انبیاء کو قتل کرتے تھے اور بہت سے انبیاء کو انھوں نے قتل کیا تھا۔ شرافت خاندانی اور عزت نسبی پر غرور نہ کرنے کی ضمنی ہدایت وغیرہ۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ

جن لوگوں کا قول ہے کہ مسیح بن مریم اللہ ہے وہ یقیناً

ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

کافر ہو گئے مسیح نے تو کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ

اللہ کی پرستش کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی کیونکہ جو شخص

يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

اللہ کا شریک قرار دیگا اللہ نے اُس کے لئے جنت حرام کر دی ہے

وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝

اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ

جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے وہ یقیناً کافر

ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۚ

ہو گئے کیونکہ معبود تو سوائے ایک اللہ کے کوئی نہیں

وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ

اور اگر وہ اپنے اس قول سے باز نہ آئینگے تو ان میں سے

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

کافر رہنے والوں کو دردناک عذاب پہونچے گا

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ

یہ لوگ کیوں اللہ سے توبہ استغفار نہیں کرتے

وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ

حالانکہ اللہ غفور رحیم ہے مسیح بن مریم تو

مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

محض ایک پیغمبر تھے جن سے پہلے اور بھی پیغمبر

الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا

گذر چکے ہیں ان کی ماں صدیقہ تھیں دونوں

يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ

کھانا کھایا کرتے تھے دیکھو ہم کس طرح ان سے دلائل بیان

الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ

کرتے ہیں پھر دیکھو کہ وہ الٹے کدھر جا رہے ہیں کہدو

أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ

کیا تم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہو جس کو نہ تمہارے

لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

ضرر کا اختیار ہے نہ نفع کا اور اللہ ہی سنتا جانتا ہے

تفسیر

اوپر کی آیتوں میں مجموعہ طور پر بیان کر دیا گیا تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت و انجیل پر عمل ترک کر دیا اور ان کتابوں کو بگاڑ دیا۔ اب اسکی تفصیل کی جاتی ہے اور ہر فرقہ کے باطل عقیدہ کی مدلل تردید کی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ مطلب یہ ہے کہ عیسائی یعنی کلیسائے عرب والے کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم خدا تھا یعنی تھا تو بظاہر انسان مگر اُس کے اندر خدا کا حلول ہو گیا تھا۔ اس عقیدہ کی وجہ سے وہ لوگ کافر ہو گئے کیونکہ مسیح جب انسان تھا اور ایک عورت کا بیٹا تھا تو پھر کس طرح خدا ہو سکتا ہے۔ خدا تو قدیم لم یزل ولایزال ہے نہ وہ کسی سے پیدا نہ اُس سے کوئی پیدا۔ نہ وہ کسی کا محتاج اور مسیح اپنی پیدائش میں ماں کے محتاج۔ یہ مضحکہ خیز عقیدہ سراسر کفر ہے۔ اسکے علاوہ مسیح کا دعویٰ بھی یہ نہ تھا۔ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ مسیح نے تو خود کہا تھا کہ بنی اسرائیل میرا اور تمہارا رب اللہ ہے اُسکی پرستش کرو میں نے تم کو پیدا نہیں کیا نہ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ تم کو اللہ نے پیدا کیا وہی تمہارا رب ہے بلکہ میں بھی اپنی ہستی میں مستقل نہیں ہوں وجود اور بقاء وجود میں اُسی کا محتاج ہوں لہذا قابل پرستش بھی وہی اللہ ہے میں معبود نہیں ہو سکتا اور معبود کیسا معبود کے ساتھ شریک بھی نہیں ہو سکتا وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ۔ اب جو شخص خدا کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کریگا وہ رحمت الٰہی سے محروم ہے خدا نے اُس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے کبھی دوزخ سے اسکو نجات نہیں ملیگی کیونکہ وہ ظالم اور ناحق کوش ہے اصول فطرت کی مخالفت کر رہا ہے اور ایسی بیجا بات کر رہا ہے جس سے بڑھ کر ناحق بات کوئی اور ہو نہیں سکتی لہذا اُسکی نجات ناممکن ہے کوئی اُسکا مددگار اور ساتھی نہ ہوگا وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ اور ناحق کوشوں کا کوئی ناصر اور مددگار نہیں ہو سکتا (یہی عقیدہ آج کل کے فرقہ

پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک والوں کا ہے) اسکی تفصیل اور ثبوت کیلئے
دیکھو انجیل مرقس باب ۱۲ ورس ۲۹ - خلاصہ یہ کہ مسیح کی تعلیم تو یہی
تھی کہ میں اور تم سب خدا کے بندے ہیں وہ ہمارا سب کا پروردگار ہے
لہذا تم سب اسی کی عبادت کرو اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو
شریک نہ کرو مسیح کا یہ قول یا تو جھوٹ ہے یا سچ دونوں صورتوں میں
مسیح کو خدا کہنا حماقت ہے خدا جھوٹ نہیں بول سکتا - آگے ارشاد
ہوتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ
پولوس اور اس کے شاگردوں کا عقیدہ تھا کہ مسیح میں خدا نے حلول
نہ کیا تھا بلکہ جوہر الوہیت کے تین جز ہیں - باپ - بیٹا - روح القدس
(یعنی جبرئیل یا مریم) باپ گویا اس مجموعہ کا تیسرا جزو ہے اس مجموعہ کا نام
خدا ہے - یہ عقیدہ بھی چونکہ کفریہ اور مشرکانہ تھا اسلئے خدا تعالیٰ فرماتا
ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں خدا تین اقانیم میں کا تیسرا ہے وہ کافر ہیں -
بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ وہ مجموعہ جس کا وجود اور بقا اور وجود اجزاء
کے وجود پر موقوف ہے خدا بن جائے - کہیں محتاج بھی خدا ہو سکتا ہے
وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ - گذشتہ آیات میں ہی عیسائیوں
کے عقائد کی نقل کے ضمن میں اگرچہ تردیدی دلائل کا ضمناً ذکر کر دیا گیا تھا
لیکن اس آیت سے خصوصی طور پر عیسائیوں کے عقائد کی بیخ کنی کی جاتی
ہے - ارشاد ہوتا ہے کہ معبود برحق محض ایک ذات واحد قدوس
جامع صفات کمالیہ ہے جو اپنے صفات میں بھی یگانہ اور مشابہت مخلوق
سے پاک ہے وہ معبود مطلق لا شریک لہ ہے پھر مسیح کس طرح خدا یا خدا
کا جزو ہو سکتا ہے اسلئے عیسائیوں کا عقیدہ بالکل غلط ہے - وَإِن لَّمْ
يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
اگر یہ لوگ شرک سے باز نہ آئینگے اور خدائے قدوس کو واحد لم یلد
ولم یولد نہ مانا تو عذاب الیم میں مبتلا ہونگے أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى
اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ - یعنی جب خدائے واحد
خالق عالم رب کائنات اور معبود مطلق ہے تو پھر شرک و تثلیث سے
توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے اور اپنے افعال اقوال
اور عقائد کی معافی اسی سے کیوں نہیں چاہتے وہ غفور رحیم ہے - بصدق
دل سے توبہ کی جائے تو معاف کر دیتا ہے - اس کی رحمت مخلوق کے
شامل حال رہتی ہے - مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ - یہ الوہیت
مسیح اور تثلیث کے ابطال کی دوسری دلیل ہے اور ایک دلیل کو
دو طریقوں سے بیان کیا گیا ہے - اول تو یہ کہ مسیح ابن مریم تھے اور کسی
عورت کا بیٹا نہ خدا ہو سکتا ہے نہ خدا کا جزو - دوسرے یہ کہ مسیح محض
رسول تھے دیگر پیغمبروں سے مغائر نہ تھے کوئی الوہیت کی شان نہ تھی
اور پیغمبر کا خدا یا ابن خدا ہونا محال ہے - جب پیغمبر تھے تو خدا یا خدا کا بیٹا کیسے

تو پیغمبری کس کی طرف سے کرتا ہے۔ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ - یہ
تیسری دلیل ہے کہ مسیح سے پہلے اور بعد سے پیغمبر گذر گئے صرف بنی اسرائیل
میں ہی ہزاروں رسول ہو گئے پھر ان کو خدا کیوں نہیں کہا جاتا جب ان کو
خدا نہیں کہا جاتا تو مسیح کو کیوں اوتار کہا جاتا ہے کیوں مسیح کے اندر خدا کے
حلول کرنے کا عقیدہ صحیح خیال کیا جاتا ہے اور کیوں ان کو خدا کا بیٹا اور
شریک بانی الالوہیت سمجھا جاتا ہے۔ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ
الطَّعَامَ - یہ چوتھی دلیل ہے یعنی مسیح مریم کے بیٹے تھے ان کی ماں صدیقہ
تھیں اور دونوں کھانا کھاتے تھے بھوک پیاس اور دیگر لوازم بشریت
سے پاک نہ تھے پھر مسیح خدا کا بیٹا اور مریم خدا کی بیوی کس طرح ہو سکتی
ہیں اور کس طرح خدائی کے دعوے ان دونوں کے حصے میں آ سکتے ہیں
انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ دلائل مذکورہ بیان کرنے کے بعد
ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھو ہم کیسی کھلی کھلی دلیلیں بیان کرتے ہیں کس حکمت
سے ان پرستاران کفر و منکران عقل کے باطل اوہام کا ازالہ کرتے ہیں
ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ لیکن ان لوگوں کو دیکھو کہ حق و صداقت
کو چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہیں واضح حقیقت کو چھوڑ کر جہالت کی
تاریکیوں میں گھوم رہے ہیں۔ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا
لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
یہ بھی الوہیت غیر اللہ کے ابطال کی دلیل ہے مگر نوعیت استدلال میں
فرق ہے ارشاد ہوتا ہے کہ سوا خدا کے جتنی چیزیں ہیں کوئی خیر و شر
کی مالک نہیں کسی کو نفع نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں معمولی پتھر دل
سے لیکر بڑے سے بڑے نبی اور مقدس فرشتوں تک کوئی قادر مطلق نہیں
اور خدا تعالیٰ دانا و بینا ہے ہر ایک کی دعا کو سنتا اور ہر شخص کی
حالت کو جانتا ہے پھر خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کرنی کس قدر تعجب
انگیز ہے کس امید پر مخلوق کی پرستش اور عبادت کی جا سکتی ہے
مقصود بیان :- خدا تعالیٰ کسی مخلوق میں حلول نہیں کرتا
کوئی مخلوق ذات یا صفات میں خالق کے مشابہ نہیں ہو سکتی - کوئی
مخلوق وجود اور بقاء وجود میں مستقل نہیں بلکہ محتاج ہے - کوئی محتاج
معبود نہیں ہو سکتا - والد و مولود ہونا مخلوق کے احوال ہیں کوئی مولود
خدا نہیں ہو سکتا - مشرک کی کبھی نجات نہ ہوگی - جزئیت اور ترکیب سے
خدا پاک ہے - وصف نبوت و رسالت شان الوہیت کے منافی ہے
رسالت احتیاج کی مقتضی ہے اور الوہیت استغناء کو چاہتی ہے -
جس شخص میں لوازم بشریت اور خواص انسانی موجود ہوں وہ خدا
نہیں ہو سکتا - عبادت اسی کی مناسب ہے جو نفع نقصان اور خیر و
شر کا مالک ہو - اللہ کے سوا کوئی مخلوق نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں
اس لئے اللہ کے سوا کوئی معبود بننے کا سزاوار نہیں - وغیرہ -

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ

اے اہل کتاب تم ناحق اپنے دین میں زیادتی

غَيْرَ ٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوٓا۟ أَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ

نہ کرو اور اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو

ضَلُّوا۟ مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا۟ كَثِيرًا وَ

خود پہلے بھی گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ بھی کر گئے اور

ضَلُّوا۟ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ ۝ ع

سیدھے راستہ سے بھٹک گئے

تفسیر جب یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال و عقائد کا پرزور اور مدلل ابطال کر دیا تو اب روئے سخن اصل مدعا کی طرف کیا جاتا ہے اور امر حق کی تبلیغ کی جا رہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ غَيْرَ ٱلْحَقِّ یہودیو اور عیسائیو تم ناحق اور برخلاف صداقت اپنے اپنے مذہبی خیالات میں زیادتی نہ کرو اور افراط و تفریط سے کام نہ لو عیسیٰؑ کو نہ اُن کے مرتبہ سے گھٹاؤ نہ بڑھا کر خدائی کے درجہ تک پہونچاؤ۔ اور اپنی موجودہ مذہبی کتابوں پر اعتماد نہ کرو۔ خواہ مخواہ ان کی تحریفات کو سچا نہ جانو یہ تمہارے اسلاف کے خود تراشیدہ اقوال ہیں۔ وَلَا تَتَّبِعُوٓا۟ أَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا۟ مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا۟ كَثِيرًا وَضَلُّوا۟ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ۔ تم ان بندگان نفس کی پیروی نہ کرو وہ خود بھی گمراہ تھے اور بہتوں کو انہوں نے اپنے تراشیدہ اقوال اور خود ساختہ خیالات اور باطل تحریفات سے گمراہ بھی کر دیا لہٰذا تم انکے نفسانی جذبات کے پیرو نہ بنو اور ان کی تحریفات کو سچا نہ جانو۔

لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہو گئے تھے اُن پر

عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ

داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی

ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ ۝

یہ اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے جاتے تھے

كَانُوا۟ لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ

اور جو برے کام انہوں نے کئے اُن سے باز نہ آتے تھے

لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ ۝

بلاشبہ وہ بری حرکتیں کرتے تھے

تفسیر یہودیوں کو ہفتہ کے دن شکار کھیلنے سے منع کر دیا گیا تھا لیکن اُنہوں نے انتہائی حیلہ تراشی سے اس حکم کی مخالفت کی اور حکم الٰہی کے خلاف شکار کھیلنے لگے تو حضرت داؤدؑ نے ان کے حق میں بددعا کی کہ الٰہی ان پر تیری پھٹکار رہے۔ حضرت داؤد کی بددعا سے یہ لوگ طاعون میں مبتلا ہوئے اور ان کی شکلیں سوروں کی طرح نہایت بری ہو گئیں اور یونہی خرابی کے ساتھ چیخ چیخ کر مر گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی دعا سے جب آسمان سے خوان اترنا شروع ہوا اور لوگوں نے حکم الٰہی کے خلاف اس میں سے پس انداز کرنا شروع کیا اور بعض لوگوں نے کفر کیا تو حضرت عیسیٰؑ نے ان لوگوں کے واسطے بددعا کی ان کی بھی صورتیں مسخ کر دی گئیں۔ انہی واقعات کو ان آیات میں اہل کتاب کو اسلاف کے اتباع سے روکنے کیلئے خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے اسلاف کی تراشیدہ تحریروں کو سچا نہ جانو اور اُن کے راستہ پر نہ چلو وہ بندگان نفس تھے داؤد اور عیسیٰ نے بھی اُن کے لئے بددعا کی تھی اور ان پیغمبروں کی بددعاؤں سے اُن پر پھٹکار پڑی تھی تو جب اُنہوں نے داؤدؑ اور عیسیٰؑ کا کفر کیا جو دین یہودیت و عیسائیت کے مرکز تھے تو پھر تم اُن کو اپنا پیشوا کیوں بناتے ہو۔ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ اُن پر لعنت پڑنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کی تھی اور اعتدال کی حد سے آگے بڑھ کر افراط و تفریط میں پڑ گئے تھے۔ احکام الٰہی کو اپنی دماغی تراش خراش سے ٹالنا چاہتے تھے۔ كَانُوا۟ لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ۔ اُن لوگوں کی حالت یہ تھی کہ امور قبیحہ سے لوگوں کو نہیں روکتے تھے اور باہم کوئی کسی کو امر ممنوع کے ارتکاب سے منع نہیں کرتا تھا۔ یہ افعال اُن کے بہت برے تھے اس لئے تم ان کی پیروی کر کے گمراہ نہ بنو۔

مقصود بیان: ۔ افراط و تفریط اور تجاوز عن الحق کی ممانعت اسلاف بنی اسرائیل کی سرکشیوں کا اظہار۔ کورانہ تقلید سے باز داشت۔ افعال ناشائستہ اور حرکات بد سے لوگوں کو روکنے کی ضمنی ہدایت وغیرہ۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تم ان میں سے بہتیروں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ

اُنھوں نے اپنے لئے بُرا سامان بھیجا — کہ اللہ

سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ

اُن پر ناراض ہوا — اور وہ عذاب ہی میں

خٰلِدُوْنَ ۞ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

ہمیشہ رہینگے — اگر وہ خدا — رسول

وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ

اور اُس کتاب پر ایمان رکھتے ہوتے جو رسول پر نازل کیگئی ہے تو کافروں کو دوست

اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞

نہ بناتے — لیکن ان میں سے بہتیرے — نافرمان ہیں

تفسیر یہ آیات اُن کور باطن یہودیوں کے حق میں نازل ہوئیں جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف کفار مکہ سے ساز باز اور دوستی کر رکھی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ مطلب یہ ہے کہ اکثر منافق یہودی خدا اور رسول کے دشمن ہیں مسلمانوں کے خلاف مکہ کے کافروں اور بت پرستوں سے دوستی کرتے ہیں انکی ایسی ہی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے کہ خدا کا غضب ان پر نازل ہوا یا نازل ہوگا۔ حالانکہ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ اگر خدا رسول اور قرآن پر ان کا سچا ایمان ہوتا اور یہ بد باطن نہ ہوتے تو مسلمانوں کے خلاف کافروں سے اندرونی یارانے نہ کرتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر بیدین ہیں ان کا نہ اپنی کتاب پر ایمان ہے نہ قرآن پر نہ موسیٰ پر نہ محمد رسول اللہ پر۔

مقصود بیان:۔ یہودیوں کے نفاق و بد باطنی کا اظہار۔ اس امر کی صراحت کہ کفار کی دوستی خلوص ایمان کے منافی ہے اور نفاق کی علامت ہے۔ اس بات کی توضیح کہ انسان کی اپنی بداعمالیوں سے ہی غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ ایک یہ امر بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ بیدین اور ملحد دنیا پرست ہیں جن کا ایمان خدا پر ہے نہ رسول پر نہ آسمانی کتابوں پر وہی بد باطن کفار سے اندرونی یارانے گانٹھتے ہیں۔ وغیرہ۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ

مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن — تم یہودیوں کو

اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ

اور مشرکوں کو — پاؤ گے — اور مسلمانوں کی

اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ

دوستی میں سب سے قریب ترین تم اُن لوگوں کو پاؤ گے جو

قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں — اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

بہت سے عالم اور درویش ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ وہ لوگ تکبر نہیں کرتے

تفسیر نصاریٰ میں بہت زیادہ عالم زاہد تارک الدنیا اور نرم دل لوگ ہوتے تھے۔ یہ لوگ، اپنی مذہبی تعلیم کے موافق دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ مال کی محبت ان کو نہ تھی۔ کسی کو ایذا پہونچانی ان کے مذہب میں جائز نہ تھی۔ ان کے برخلاف یہودی بہت زیادہ حریص لالچی اور دنیا طلب تھے۔ سود کھاتے تھے۔ غیر مذاہب والوں کو خصوصاً اہل اسلام اور نصاریٰ کو ایذائیں دیتے تھے اور اس ایذا رسانی کو مذہبی ثواب جانتے تھے۔ ان کے دل نہایت سخت پڑ گئے تھے ان کو ایمان کی باتوں سے عداوت تھی اور رشوت خواری کا مرض ہر بڑے چھوٹے میں پھیل گیا تھا۔ دوسری طرف اہل شرک بھی مسلمانوں کی ایذا رسانی کے اعتبار سے ان سے کم نہ تھے۔ ہجرت سے قبل مکہ کے اندر کے تیرہ سال کے واقعات اور کافروں کے ظالمانہ سلوک کے بیان سے سیر و تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ عمار بن یاسر، خباب، بلال اور خود حضور والا کی ذات گرامی صفات پر ان اشقیاء ازلی نے کیا کیا آفتیں برپا نہ کیں اور کونسی تکلیف تھی کہ اٹھا نہ رکھی انہی امور کو مدنظر رکھتے ہوئے آیات مذکورہ میں یہودیوں کی مذمت اور ان کی عداوت کی صراحت ہے اور اہل شرک کو بھی مسلمانوں کا شدید ترین دشمن کہا گیا ہے۔ ہاں عیسائیوں کے زہد، ترک دنیا قناعت اور نرم

دلی کی تعریف کی گئی ہے اگرچہ عیسائی بہ نسبت یہودیوں کے زیادہ شرک میں بتلا تھے کھلم کھلا شرک کا اظہار نہ کرتے تھے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آیت میں تمام گروہ نصاریٰ یا مدعیان عیسائیت کی مدح نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ بھی اپنی مذہبی تعلیم کے خلاف بڑی بڑی خونریزیاں اور سفاکیاں کرتے ہیں اور کرتے تھے۔ انھوں نے بھی مسلمانوں کی عداوت اور کینہ توزی میں کوئی کمی اٹھا نہ رکھی بلکہ آیت میں خاص خاص نصاریٰ کی حالت بیان کی گئی ہے اور اُنہی کو نرم دل، تارک الدنیا، زاہد اور قانع کہا گیا ہے۔

آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو کفار مکہ نے طرح طرح کی اذیتیں پہونچائیں اور اُن کو برداشت کرنا مسلمانوں کی طاقت سے خارج ہوگیا تو رسول گرامی نے ایک روز مسلمانوں کو اجازت دیدی کہ حبشہ کا بادشاہ اصحمہ نجاشی نیک دل اور منصف حاکم ہے تم اُس کی عملداری میں چلے جاؤ۔ حسب الحکم گیارہ مرد اور چار عورتیں یا دو عورتیں جن میں حضور والا کی صاحبزادی حضرت رقیہ اور ان کے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضؓ اور حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوام وغیرہ داخل تھے مکہ سے حبش کو ہجرت کر گئے اور دوسری ٹولی میں حضرت جعفر طیار مسلمانوں کی ایک جماعت کو ہمراہ لیکر چلے گئے۔ یہانتک کہ حبش میں ۸۲ مہاجر جمع ہوگئے۔ مکہ کے کافروں نے وہاں بھی ان غریبوں کو چین نہ لینے دیا اور قریش کے خاص خاص آدمیوں نے جن میں ابوالحیسر اور عمرو بن عاص بھی داخل تھے نجاشی سے جاکر تحفے تحائف دیکر مسلمانوں کی بیخ کنی کرانے کا ارادہ کیا اور شاہ حبش سے جاکر کہا کہ آپ کے ملک میں چند غلام آگئے ہیں ان کو آپ ہمارے حوالہ کردیں۔ یہ لوگ مسیح کو بندہ کہتے ہیں اور فساد پھیلاتے پھرتے ہیں۔ نجاشی نے جو خود عیسائی تھا مسلمانوں کو بلایا اور حبش میں اُن کے چلے آنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت جعفر سب مسلمانوں کے نمائندے بنے اور نہایت بے باکی سے آپ نے مذہب اسلام کی حقانیت اور رسالت محمدیہ کی صداقت ظاہر کی اور کہا کہ ہمارے پیغمبر پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے۔ شاہ نجاشی نے قرآن کا کچھ حصہ سننے کی درخواست کی۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کا ابتدائی حصہ جس میں مسیح کے متعلق مفصل عقائد کا اظہار تھا سنایا۔ اس پر نجاشی اور اُن کے درباری رونے لگے اور حضرت نجاشی مسلمان ہوگئے۔ مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ تم باطمینان رہو اور تبلیغ کرتے رہو تم کو کوئی شخص تکلیف نہیں پہونچا سکتا۔ قریش کے ہدایا و تحائف واپس کردیئے اور یہ لوگ اپنا سا مُنہ لیکر واپس آگئے۔ بعض اہل روایت کا خیال ہے کہ حضرت جعفر کی واپسی کے وقت نجاشی نے اپنے تیس مصاحبوں کو کچھ تحائف دیکر رسول پاکؐ کی خدمت میں بھیجا تھا اور حضورؐ نے جب اُن کو سورہ یٰسین پڑھ کر سنائی تھی تو وہ رونے لگے تھے اور کہا تھا کہ قرآن کو انجیل سے بہت زیادہ مشابہت ہے۔ بہرحال آیت میں حضرت نجاشی اور اُن کے ساتھیوں کی نرم دلی، موالات، مودت، ترک دنیا و زہد کی حالت بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تم کو یہودی اور مشرک نظر آئینگے وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ اور مسلمانوں کے قریبی دوست وہ لوگ نظر آئینگے جو عیسائی ہونے کے مدعی ہیں کیونکہ عیسائیوں میں بہت سے علماء، زہاد اور مشائخ ہوتے ہیں۔ ان میں فروتنی، مسکینی، انکسار مزاج اور عاجزی کا مادہ ہوتا ہے یہ غرور نہیں کرتے ان میں سنگدلی نہیں ہوتی۔ (اس آیت کا تتمہ ساتویں پارہ میں انشاء اللہ آئے گا)

مقصود بیان: تمام اہل شرک اور یہودیوں کو مسلمانوں سے سخت ترین اور دلی بغض ہے اور سب سے کم عداوت نصاریٰ کو ہے۔ عیسائیوں میں تارک الدنیا راہب اور زاہد علماء کی کثرت تھی۔ قناعت اور نرم دلی کا مادہ ان میں بہ نسبت یہودیوں کے زیادہ تھا۔ وغیرہ۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ

اور جب اُس قرآن کو سنتے ہیں جو رسول پر اُترا ہے

تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا

تو تم اُن کی آنکھوں سے آنسو اُمنڈتے ہوئے دیکھوگے کیونکہ

عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا

انھوں نے حق کو پہچان لیا وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا

تو ہم کو ماننے والوں کے ساتھ لکھ لے۔ اور ہم کو کیا ہوا

لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ

کہ ہم اللہ پر اور اُس حق بات پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آگئی ہے

وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ

اور توقع یہ رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیکوں کی جماعت میں شامل

الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا

کردے گا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قول کے عوض میں اللہ نے

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ

اُن کو ایسے باغات عطا کیے جن کے اندر نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ

فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ

رہینگے اور یہی نیکوں کی جزا ہے اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ○ ع

کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی وہی دوزخی ہیں

تفسیر اوپر کی آیت میں نجاشی اور اُن کے ساتھیوں کی مدح کی گئی تھی یہ آیات تا اخیر تک اُنہی کے بیان احوال کا تتمہ اور حق پرستوں کی مدح کا تکملہ ہیں۔ ارشاد ہے کہ وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۔ یہ رقیق القلب حق طلب عیسائی سورۂ یٰسین یا سورۂ مریم یا قرآن کا کوئی حصہ جب حضرت جعفر کی زبان سے یا رسول پاک کے دہن مبارک سے یا اور کسی کے منہ سے سنتے ہیں تو بوجہ معرفت حق اور رقت قلب سے ان کے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اور جوش گریہ ان سے ضبط نہیں ہوسکتا اور بے اختیار یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۔ وہ کہنے لگتے ہیں کہ الٰہی ہم کو ان لوگوں کی فہرست میں شامل کر جنہوں نے تیری وحدانیت تیرے رسول کی رسالت اور تیرے قرآن کی صداقت کی شہادت دی۔ عکرمہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ شاھدین سے مراد امت محمدی یعنی صحابہ کرام ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ الٰہی ہم کو اُن صحابہ کے ساتھ اقرار توحید و رسالت میں شامل کر دے جو تیرے انبیاء کی طرف سے قیامت کے دن گواہی دینگے (رواہ الحاکم) وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کھلی ہوئی صداقت و حقانیت موجود ہے تو ہم کیوں خدا تعالیٰ کی توحید و تفرید اور رسول اللہ کی نبوت اور قرآن کی سچائی پر ایمان نہ لائیں اور کیوں نیکوکار حق پرست فرقہ کے ساتھ شامل ہونے کے خواستگار نہ بنیں۔ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ ان کے خلوص ایمان کی بدولت ہوگئی اور معرفت الٰہی ان کے نزدیک مثل مشاہدہ کے ہوگئی تو خدا تعالیٰ نے بھی اُن کو راحت بخش سبز و شاداب جنتیں اُن کے اقرار ایمان کے عوض عنایت فرما دیں کیونکہ نیکوکار کامل الایمان راسخ العقیدہ لوگوں کا یہی ثواب ہے۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۔ اب رہے وہ لوگ جو آیات الٰہی کے منکر اور حقانیت سے سرتابی کرنے والے ہیں تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہینگے۔

مقصود بیان:۔ مومنوں کو بشارت۔ کافروں کو وعید۔ ایمان و تصدیق کی ترغیب۔ کفر و انکار سے ترہیب۔ رقت قلب، گریۂ شوق اور نالۂ نیاز مندی کی مدح اور اس امر کی نہایت لطف آمیز اجمالی وضاحت کہ خدا کے خاص بندے قرآن کو شوق کے کانوں سے سنتے ہیں قرآن سن کر ان کی عقلوں میں انبساط اور روحوں میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ وہ قرآن پاک کے شواہد و آیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ خطاب الٰہی کی حلاوت سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ اُن کے اسرار باطنہ انوار و صفات کو ملاحظہ کرتے ہیں۔ انوار صفات کا ملاحظہ کرنے سے اُن کو ذات الٰہی کی طرف شوق پیدا ہوتا ہے اور علم معرفت حاصل ہونے کے بعد شان الوہیت کو پہچان کر وحدانیت الٰہی سے اطمینان حاصل ہوجاتا ہے اور اس دیدار الوہیت سے جب اُن کی روحیں پر تو اندوز ہوتی ہیں تو اُن کے اجسام پر بھی اثر نمودار ہوجاتا ہے وہ مضطرب و بیتاب ہوکر آنکھوں سے شوق کے آنسو بہاتے ہیں اور ذکر و یاد کی مجلسوں میں اُن کے دل عشق الٰہی کی آگ سے جل جاتے ہیں اور بیقرار ہوکر دست عشاق میں خلعت ہوجانے کے خواستگار ہوجاتے ہیں۔ وغیرہ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ

مسلمانو! جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے اللہ نے حلال کردی ہیں

مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اُن کو حرام نہ کرلو اور حد سے نہ بڑھو اللہ

لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ

حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور خدا داد رزق میں سے

اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ

حلال پاکیزہ کھاؤ اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر

اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○

تم ایمان لائے ہو

تفسیر ان مکمل آیات کے شان نزول کے متعلق چند مختلف روایات ہیں:۔ (۱) سدی اور مجاہد کی روایت جو ابن جریر وغیرہ نے بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب صحابہ کرام نے

قیامت کے احوال اور عذاب دوزخ کی کیفیت سنی اور ترک دنیا وغیرہ کی مدح بھی اُن کے گوش زد ہوئی تو حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، ابوذر، سلمان فارسی، سالم، معقل بن مقرن، مقداد بن اسود، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عثمان بن مظعون ایک جگہ جمع ہوئے اور سب نے بالاتفاق اس بات پر قسم کھائی کہ بقیہ عمر راہبوں کی طرح گذاریںگے۔ دن بھر (جائز ایام میں) روزہ رکھینگے اور رات بھر نماز پڑھینگے۔ گوشت اور چکنائی نہ کھائینگے بستر پر نہ سوئینگے۔ عورتوں سے بالکل علیحدہ رہینگے۔ کمبل اور ٹاٹ لپیٹے پھرینگے۔ خدا تعالیٰ نے اس رہبانیت کی اجازت نہیں دی اور یہ آیت نازل فرمائی۔ اور چونکہ یہ لوگ عہد کرنے کے وقت قسم کھا چکے تھے اسلئے فرصت کے بعد ان کو فکر ہوا اور حضور سے سوال کیا کہ ہم قسم کی کیا تلافی کریں۔ اس وقت کفارۂ قسم کے بارہ میں آئندہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) صحیحین میں روایت ہے کہ چند صحابہ نے ام المؤمنین صدیقہ کبریٰ سے حضور اقدس کی پوشیدہ عبادت کی حالت دریافت کی۔ ام المؤمنین نے حضور کی عبادات شاقہ کا اظہار کر دیا۔ کیفیت سُن کر کہنے لگے کہاں ہم اور کہاں رسول پاک۔ حضور کی تمام فروگذاشتوں کو تو خدا نے بخشدیا ہے اور ہم گناہگار ہیں۔ اس کے بعد سب لوگوں نے الگ الگ ایک ایک بات کا عہد کر لیا۔ کسی نے کہا میں رات بھر نماز پڑھونگا۔ کسی نے کہا ہمیشہ روزے رکھونگا۔ کسی نے بیوی سے قربت کا عہد کر لیا۔ بالآخر رسول اللہ کو اس بات کی اطلاع پہونچی اور آپ نے اُن کو اس عہد سے منع فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول پاک سے عرض کیا یا رسول اللہ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو مجھے صنفی خواہش پیدا ہوتی ہے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا اُسپر یہ آیت نازل ہوئی۔ (رواہ ابن جریر والترمذی وحسنہ)

حاصل کلام بہرصورت یہ ہے کہ:- یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ مسلمانو! جو پاک اور پاکیزہ نعمتیں خدا نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں اُن کو تم اپنے واسطے حرام نہ بنالو اور حلال کو حرام سمجھکر حکم الٰہی سے تجاوز نہ کرو خدا تعالیٰ حق سے تجاوز کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتا جو اُسکے احکام حلت و حرمت پر یقین نہیں رکھتے حرام کو حلال اور حلال کو حرام جانتے ہیں و حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں خدا کو ایسے لوگ پسند نہیں بلکہ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا خدا تعالیٰ نے جو تم کو پاک اور حلال روزی عطا فرمائی ہے اُسکے کھانے کو ناجائز نہ سمجھو بلکہ (بطور جہاد نفس کے) اُسکو کھاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ اور جس خدا (قادر و عادل) پر تمہارا ایمان ہے اُس سے ڈرتے رہو اُس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو اُس کے ممنوعات سے پرہیز رکھو اور غیر ممنوع کو ممنوع نہ سمجھو کسی غیر ممنوع چیز کو (اظہار زہد میں آکر) ممنوع قرار دینا بھی زیادتی ہے۔ تحریم حلال کی درحقیقت تین صورتیں ہیں اول یہ کہ حلال چیز کو اعتقاداً حرام سمجھے یہ کفر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے عہد کر لے اور کہدے کہ یہ چیز میرے اوپر حرام ہے لیکن اُس کی حرمت کا اعتقاد نہو۔ ایسے عہد کو توڑنا لازم۔ اگر قسم کھالی ہو تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ثواب کی نیت سے کسی حلال چیز کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دے یہ بدعت اور رہبانیت ہے۔ اس کا ترک واجب ہے۔

مقصود بیان:- احکام الٰہی میں تبدیل و ترمیم کرنے کی ممانعت اشیاء میں حلت و حرمت کا حکم دینے والا صرف خدا ہے کسی مجتہد امام یا پیر و فقیر کو اس میں دخل نہیں۔ شریعت راہ اعتدال کا نام ہے افراط تفریط گمراہی کی دو صورتیں ہیں۔ احکام شریعت میں جس طرح کمی ممنوع ہے اسی طرح زیادتی بھی ناجائز ہے۔ رزق حلال بھی ہوتا ہے اور حرام بھی، حلال رزق پاک ہے اور حرام ناپاک وغیرہ۔

لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ

اللہ تمہاری لایعنی قسموں پر گرفت نہیں کرتا

وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ

بلکہ اُن قسموں پر مواخذہ کرتا ہے جو تم نے بالقصد کھائی ہوں

فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ

ایسی قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو وہ متوسط کھانا

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ

کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا

كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ

اُن کو کپڑا بنا دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا لیکن اگر کسی کو یہ میسر نہو

فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ

تو تین دن کے روزے رکھنے لازم ہیں یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے

اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ

جب تم قسم کھا بیٹھو اور اپنی قسموں کی نگہداشت کرو یونہی

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

اللہ اپنے احکام تم سے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم احسان مانو

تفسیر اوپر والی آیت کے شان نزول میں ہم نے بیان کر دیا ہے کہ جب خدا کی حلال کردہ نعمتوں کو ترک کرنے اور اس بات کو باعث ثواب جاننے کی ممانعت ہو گئی اور طیبات کے کھانے کا حکم دیا گیا تو جو لوگ ترکِ لذائذ کی قسم کھا چکے تھے اُن کو سوچ ہوا اور رسولِ پاک ﷺ سے انہوں نے دریافت کیا کہ اب ہم کیا کرنا چاہئے اور قسم کی تلافی کس صورت سے ممکن ہے اُس پر یہ آیت اخیر تک نازل ہوئی۔

قسم کی تین قسمیں ہیں :۔ لغو۔ منعقدہ۔ غموس۔ ان کی پوری تفصیل اور کفارہ کی بحث۔ اگر کھانا دیا جائے تو کیسا۔ کپڑا دیا جائے تو کس قسم کا اور کتنا۔ غلام آزاد کیا جائے تو مسلمان یا کافر۔ روزے رکھے جائیں تو متواتر یا متفرق۔ یہ تمام مباحث ہم سورۂ بقر میں لکھ آئے ہیں۔ لیکن یہاں کسی قدر اجمالی مطلب اور علماء کے مختصر اختلاف درج کرنے ضروری ہیں۔

۔یمین لغو کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے۔ جو شخص حلال چیز پر قسم کھائے وہ قسم لغو ہے (سعید بن جبیر) دو شخص خرید فروخت میں لغو قسم کھائیں ایک کہے واللہ میں نہیں بیچونگا۔ دوسرا کہے واللہ نہیں خریدونگا۔ (مجاہد) لغو قسم بلا قصد قسم کو کہتے ہیں یعنی کوئی قسم کو تکیۂ کلام بنالے تو اسکو یمین لغو کہتے ہیں (ابراہیم نخعی) اپنے غالب گمان کے موافق قسم کھانا یمین لغو ہے۔ (امام ابوحنیفہ و امام احمد)

۔یمین منعقدہ کے یہ معنی ہیں کہ جس بات پر قسم کھائی ہو اُسکو پورا کرنے کا پختہ عزم ہو اور غموس دیدہ و دانستہ جھوٹی قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ اول قسم کا کوئی کفارہ مشروع نہیں اور نہ گناہ ہے مگر مکروہ ہے۔ دوسری قسم کا کفارہ ضرور ہے۔ تیسری قسم کا مرتکب سخت گناہگار ہے کوئی کفارہ مشروع نہیں۔ یہ گناہ توبہ و استغفار ہی سے معاف ہو سکتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ خدا تعالیٰ یمین لغو پر مواخذہ نہیں فرمائیگا وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ہاں جن باتوں پر تم پختہ اور مصمم عزم کے ساتھ قسمیں کھا چکے ہو اُس کے حنث و نقض کی صورت میں مواخذہ کرے گا۔ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ اُس کا اُتار اور اُس کے گناہ سے معافی تین صورتوں میں سے ایک صورت سے ہو سکتی ہے یا تو اوسط قسم کا کھانا دس مسکینوں کو کھلا دو یا دس مسکینوں کو لباس دیدو یا ایک بردہ آزاد کر دو۔ اور ان تینوں صورتوں میں سے اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو تین دن روزے رکھنے لازم ہیں۔

آیت میں دس مسکینوں کو کپڑا دینے کا حکم ہے لیکن کپڑا کیسا اور کس قدر ہونا چاہئے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ شافعی کے نزدیک جسکو عرف میں لباس کہتے ہیں بس اتنا کپڑا دینا کافی ہے۔ مثلاً کرتہ یا پائجامہ ٹوپی۔ ابوحنیفہؒ کہتے ہیں جس سے بدن کا زیادہ حصہ ڈھک جائے اتنا کپڑا ضرور ہے۔ مالک و احمد کا قول ہے کہ نماز کے لائق کپڑا دیا جائے۔ ابراہیم نخعی کے قول پر ایک لمبا کپڑا ہونا چاہئے جس سے بدن چھپ جائے مثلاً چادر، دُلائی، اوڑھنی وغیرہ۔ کھانے کے متعلق جو اختلافات ہیں اُن کو مفصل ہم سورۂ بقر میں لکھ آئے ہیں۔

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ کہ اس صورت سے تمہاری قسم کا اُتار ہو جائے گا اور قسم توڑنے کا عذاب نہ ہوگا لیکن اگر تم نے کسی کارِ خیر کو اختیار کرنے کی یا کارِ بد سے باز رہنے کی قسم کھائی ہو تو وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ اپنی قسم پر قائم رہو اُسکی خلاف ورزی نہ کرو اور كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ جو قوانین ہم نے بنا دیے ہیں اُن پر کاربند رہو۔ یہ قوانین تمہارے واسطے ایک نعمت ہیں جن پر عمل کرنا تم پر واجب ہے۔

مقصود بیان :۔ اگر کسی گذشتہ واقعہ پر اپنے غالب گمان سے قسم کھالی اور واقعہ خلاف ہوا تو قسم کھانے والا شرعاً ماخوذ نہیں۔ قسم کو تکیہ کلام بنانا اگرچہ ناجائز ہے اور اس کا ترک ضروری ہے مگر شرعاً یہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ یمین منعقدہ کی خلاف ورزی جرم ہے اور اس کا کفارہ دینا ضروری ہے۔ اگر کسی کارِ خیر کے کرنے یا بُرے کام کے نہ کرنے پر قسم کھائی ہو تو قسم پر قائم رہنا لازم ہے۔ قوانین شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ

مسلمانوں شراب

الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ

جوا بت اور پانسے محض گندی چیز

مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ

اور شیطانی کام ہیں تم ان سے بچو تاکہ تمہارا

تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ

بھلا ہو شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ

يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي

کہ شراب اور جوے کی وجہ سے تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض

الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ

ڈلوا دے اور تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے

عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○

روک دے تو اب بھی کیا تم باز آؤ گے (یا نہیں)

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم مانو

وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اور احتیاط رکھو اس پر بھی اگر تم رخ پھیرو گے تو جان لو

اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو محض کھول کر پیام پہونچا دینا ہے

تفسیر

تحریم شراب کا حکم اس آیت سے قبل بھی دو مرتبہ نازل ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ آیت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الخ میں اور دوسری بار آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى میں۔ لیکن چونکہ شراب کا ترک کر دینا عرب پر بہت ہی شاق تھا۔ شراب بچہ بچہ کی غذا کا جزو لازم تھا بغیر شراب کے ان کی زندگی دشوار تھی اسلئے یہ تمام تحریم تدریجاً اور خیر واضح طور پر کی گئی اور جب لوگ کسی قدر ترک شراب کے خوگر ہو گئے اور شراب کی حلت و حرمت میں باہم کچھ اختلاف ہوا تو اس آیت میں صاف طور پر ممانعت کر دی گئی۔ شان نزول مفسرین نے اس طرح بیان کی ہے کہ:۔

حضرت عتبان بن مالک نے چند صحابہ کی جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی شامل تھے دعوت کی اور چونکہ اس وقت تک شراب کی حرمت وضاحت کے ساتھ نہیں کی گئی تھی اسلئے کھانے کے بعد شراب کا دور چلا۔ حالت خمار میں حضرت سعد نے ایک شعر پڑھا جس میں انصار کی مذمت تھی۔ اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے حضرت سعد پر حملہ کیا جس سے ان کا سر زخمی ہو گیا اور مجلس میں گڑبڑ مچ گئی۔ اس فتنے کی خبر حضور کی خدمت میں بھی پہونچی۔ اس وقت مجلس مبارک میں فاروق اعظم بھی حاضر تھے کیفیت سن کر حضرت عمرؓ نے دعا کی الٰہی شراب کے بارہ میں کوئی فیصلہ حکم نازل فرما دے کیونکہ اس سے مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا ہونے لگی۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی مرضی کے مطابق آیت مذکورہ نازل ہوئی اور شراب کو ہمیشہ کے لئے قطعی طور پر حرام کر دیا گیا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ ہر قسم کا نشہ آور شربت (اور وہ چیزیں جن سے دماغی حواس میں سستی اور اختلال پیدا ہو جاتا ہے) اور ہر قسم کا جوا اور وہ پتھر یا مورتیاں جن پر لوگ نذر نیاز اور بھینٹ چڑھاتے ہیں اور فال لینے کے پانسے یہ سب گندی چیزیں ہیں اور ان کا اختیار کرنا شیطانی فعل ہے لہذا تم ان میں سے کوئی فعل نہ کرو سب سے پرہیز رکھو تاکہ تم کو دینی اور دنیوی فلاح حاصل ہو۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ

پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ مذکورہ بالا چاروں چیزیں گندی ہیں اور ان کو اختیار کرنا شیطانی فعل ہے ان سے پرہیز رکھنا تمہارے لئے دنیا و دین میں باعث فلاح ہے۔ اس آیت میں شراب اور جوے کے خصوصی نقصانات کو بیان کیا گیا ہے۔ نقصان دو قسم کا ہو سکتا ہے دنیوی اور دینی اول الذکر کا بیان اسی آیت میں ہے اور موخر الذکر کا بیان آئندہ آیت میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شراب اور جوے سے معاش انسانی میں تباہی اور فساد پیدا ہو جاتا ہے آپس میں کینہ اور عداوت نااتفاقی اور اختلافات نمودار ہو جاتا ہے۔ شراب کے نشہ میں سرمست ہو کر انسان کا دماغ معطل ہو جاتا ہے۔ قوت غضبیہ اور شہوانیہ میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور پھر خواہ مخواہ آپس میں فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے اور جوا کھیلنے کے وقت بھی انسان اپنی تباہی اور بندہ سرے کی حق تلفی سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ برائی حق تلفی موجب کینہ بن جاتی ہے۔ دینی خرابی یہ ہے وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ کہ شراب نوشی اور قمار بازی کے وقت آدمی تمام فرائض مذہبی کی ادائگی سے غافل ہو جاتا ہے خصوصاً یاد الٰہی اور نماز کا تو اس کو ہوش ہی نہیں رہتا۔ تو پھر ان مفاسد اور خرابیوں کو دیکھتے ہوئے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ایسی قبیح چیزوں سے پرہیز رکھنا کیا ضروری نہیں ہے لہذا تم کو ان چیزوں سے ضرور بچنا چاہئے۔ شراب نوشی اور قمار بازی میں مشغول ہونا تو درکنار تم کو ایسی بری چیزوں کے پاس تک نہ جانا چاہئے۔

ان آیات میں شراب خواری اور قمار بازی کی بندش نہایت پرزور اور بہت بلیغ عبارت میں بہت تاکید کے ساتھ کی گئی ہے (۱) شراب خواری اور جوے بازی کو بت پرستی کی مثل قرار دیا ہے (۲) ان چیزوں

کو گندہ و ناپاک فرمایا (۳) ان کو شیطانی حرکت قرار دیا جس سے سوا شر کے کوئی خیر وابستہ نہیں اور نہ کسی اچھے نتیجہ کے برآمد ہونے کی امید ہے (۴) ان چیزوں کو دین و دنیا کے برباد ہونے کا ذریعہ، فرائض الٰہی کی ادائیگی سے باز رہنے کا سبب اور دلوں میں کینہ وعداوت کی تخم ریزی کا وسیلہ قرار دیا۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا یہ گذشتہ آیت کا تتمہ اور ایک عام ہدایت کا قانون ہے۔ مطلب یہ کہ تمام امور کی حلت وحرمت میں خدا ورسول کے فرمان کے مطابق عمل کرو اور ہر قسم کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ اگر ایسا نہ کرو گے اور خدا ورسول کے احکام کو نہ مانو گے تو نہ ہمارا کچھ نقصان ہوگا نہ رسول کا۔ رسول کا کام صرف علی الاعلان واضح طور پر احکام الٰہی کی تبلیغ ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ اطاعت ونافرمانی سے تمہارا ہی نفع نقصان وابستہ ہے۔ خدا کی کوئی غرض متعلق نہیں ہے نہ رسول کا کوئی مطلب نہ تمہاری نافرمانی سے رسول کو کچھ ضرر ہوگا۔

مقصود بیان: شراب خواری قمار بازی بت پرستی اور فال گیری کی پُرزور ممانعت۔ شراب نوشی اور جوے بازی کے دنیوی اور دینی مفاسد کا اجمالی بیان۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ شریعت اسلامیہ کا مطمح نظر دنیا اور دین کی سعادت کا حصول ہے۔ جو چیز دنیا کی عافیت بین الانسانی امن اور تمدن بشری کو تباہ کرنے والی ہے اُسکو شریعت نے حرام کر دیا ہے۔ اسی طرح جو چیز تزکیۂ روح اور صفائے قلب سے روکنے والی اور تعلق خداوندی کو منقطع کرنے والی ہے اُسکو ترک کرنے کی بھی اسلام نے نہایت تاکید کے ساتھ ہدایت کی ہے۔ اسلام میں احکام الٰہی کو ماننا جسقدر ضروری ہے اُتنا ہی فرمانِ رسول کو قبول کرنا بھی لازم ہے کیونکہ فرمانِ رسول بعینہٖ فرمان خدا ہے۔ احکام شریعت کی خلاف ورزی کرنے اور خدا ورسول کا فرمان نہ ماننے سے صرف انسانی دنیا کا نقصان ہے نہ خدا کا ضرر ہے نہ رسول کا۔ رسول کے ذمہ صرف تبلیغ ہے کسی کو مجبور کرکے منوانا رسول کا کام نہیں ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کئے ان پر کوئی

جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا

گناہ نہیں اُس چیز میں جس کو وہ کھا چکے بشرطیکہ انہوں نے پرہیزگاری کی اور ایمان

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا

لے آئے اور اچھے کام کئے پھر پرہیزگاری کی اور ایمان لائے۔

ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ع ۱۲

پھر پرہیزگاری کی اور نیکی کی اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے

تفسیر اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایات ہیں لیکن سب کا اجمالی خلاصہ یہ ہے کہ جب شراب کی حرمت ہوگئی اور اس کے دنیوی ودینی مفاسد بیان کر دیئے گئے تو بعض منافقوں اور یہودیوں نے مسلمانوں پر طعنہ زنی شروع کی اور کہنے لگے کہ اس سے قبل جتنے تمہارے ساتھی کسی جنگ میں یا اپنی موت سے مر چکے سب ہی جہنمی ہیں مسلمانوں کے دل میں بھی اس سے شبہہ پیدا ہوا اور بعض لوگ آپس میں کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ نے شراب پینے کو شیطانی حرکت قرار دیا ہے حالانکہ بہت سے مسلمان غزوۂ احد اور دیگر جہادوں میں شہید ہوگئے اور اُن کے پیٹ میں شراب موجود تھی خدا جانے اُن کا کیا حال ہو۔ بعض حضرات نے تو رسول پاکؐ سے بھی اُن کے متعلق دریافت کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور صاف صراحت فرما دی گئی کہ اس سے قبل جن لوگوں نے شراب پی یا مال قمار کھایا تو اُن سے کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ تحریم سے قبل اگر اُنہوں نے ایسا کیا تو کچھ عناد اور مخالفت کی وجہ سے نہیں کیا۔ واقع میں وہ مؤمن اور نیکوکار تھے لیکن اس کی ایک عظیم ترین شرط ہے وہ یہ کہ إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا کہ اس سے قبل احکام شریعت کی خلاف ورزی سے بچتے رہے ہوں اور ایمان لے آئے ہوں اور شریعت الٰہیہ کے موافق وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ انہوں نے نیک اعمال کئے ہوں ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا پھر جوے اور شراب کی حرمت نازل ہونے پر جوا کھیلنے اور شراب پینے سے فوراً رُک گئے ہوں اور دونوں کی حُرمت پر ایمان لائے ہوں ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا پھر تمام بُرے کاموں سے پرہیز کیا ہو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک اور بھلائی کی ہو تو ایسے لوگوں پر کچھ مواخذہ نہیں کیونکہ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ وہ اللہ خلوص کے ساتھ ایمان لانے والوں اور مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ پہلے تقویٰ سے مراد وہ تقویٰ ہے جو انسان کے اپنے ذاتی حقوق سے متعلق ہے۔ دوسرے تقویٰ سے مراد وہ تقویٰ ہے جو حقوق عباد سے متعلق ہے اور تیسرے تقویٰ سے حقوق الٰہی کی ادائیگی مراد ہے۔ مطلب یہ کہ جس نے ایمان کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کے حقوق دیگر انسانوں کے حقوق اور خدا کے حقوق محض خداترسی کی بنا پر ادا کئے ہوں وہ مواخذہ سے بچ گیا ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ پہلے تقویٰ سے مراد حرام سے اجتناب کرنا ہے اور دوسرے سے مراد شبہات سے بچنا ہے اور تیسرے سے مراد یہ ہے کہ تزکیۂ نفس کے لئے عارضی طور پر بعض مباحات کو بھی چھوڑ دیا جائے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ تینوں فقرات میں تین مطلب

مراد ہیں (۱) اسلام کے احکام ماننا اور بقدر امکان ایمان لانا (۲) اسلام کے احکام ماننا اور تصدیق کامل رکھنا (۳) اسلام کے احکام ماننا اور روح کو روشن رکھنا تاکہ ریاضت و عبادت میں مشاہدہ کا لطف حاصل ہو بعض اہل تفسیر کہتے ہیں کہ پہلے اتقاء سے کفر و شرک کو چھوڑ دینا اور دوسرے اتقاء سے کبائر کو ترک کر دینا اور تیسرے اتقاء سے صغائر سے اجتناب رکھنا مراد ہے۔

مقصود بیان:- گناہ و ثواب کا مدار عقل پر نہیں بلکہ حکم الٰہی کے بموجب ہے۔ حقوق نفس، حقوق عباد اور حقوق الٰہی کی ادائیگی بھی لازم ہے ہر مسلمان کے واسطے ضروری ہے کہ مجاہدہ سے مشاہدہ کی طرف اور غیب سے حضور کی طرف انتقال کرنے کی کوشش کرے۔ پہلے ممنوعات کو ترک کرے اور امر کو بجالائے۔ احکام الٰہی کی نہایت خلوص کے ساتھ فرماں پذیری کرے اور آخر میں مجاہدہ و ریاضت سے معائنہ اور مشاہدہ کی طرف ترقی کرے۔ عبادت اس طرح کرے کہ گویا خدا نظروں کے سامنے ہے اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہو کہ بندہ خدا کے سامنے ہے وہ اس کی تمام اطاعت عبادت ایمان اور خلوص کو دیکھ رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ

مسلمانو! خدا تمہاری ضرور آزمائش کرے گا

بِشَيْءٍ مِنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَ

اُنہی شکار سے جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے

رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ

پہونچ سکیں تاکہ اللہ کو تفصیلی علم ہو جائے کہ کون بن دیکھے اس سے ڈرتا ہے

فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ

پھر اس کے بعد بھی جس نے زیادتی کی اس کے لئے دردناک

أَلِيمٌ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا

عذاب ہے مسلمانو! حالت احرام میں

الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ

شکار کو نہ مارو تم میں سے جو شخص شکار کو قصداً

مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

مار ڈالیگا تو اس پر مارے ہوئے شکار کی برابر کوئی چوپایہ عوض میں دینا لازم

يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ

اور اس کا فیصلہ تم میں سے دو منصف شخص کرینگے اور یہ جانور بطور نیاز کے

الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ

کعبہ تک پہونچایا جائے یا چند محتاجوں کو کھانا کھلانا بطور کفارہ کے لازم ہے یا

عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ

اسکی برابر روزے رکھنے لازم ہیں تاکہ اپنے کئے کی سزا

أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ

چکھے جو گذر چکا اسکو تو اللہ نے معاف کر دیا لیکن جو شخص دوبارہ کریگا

فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ

اللہ اس سے بدلا لیگا اور اللہ زبردست بدلا لینے والا ہے

تفسیر

مقاتل کی روایت ہے کہ جب ۶ھ سنہ میں رسول پاک اور عام مسلمان مکہ سے باہر بمقام حدیبیہ احرام باندھے رکے پڑے تھے تو بہت سے وحشی چرند پرند یعنی شکار کے جانور مسلمانوں کی چھاؤنی میں گھس گھس آتے تھے اور ان کے سامان خورد و نوش اور اسباب رہائش کو نقصان پہونچاتے تھے۔ چونکہ مسلمان عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے اس لئے ان سے تعرض نہ کرتے تھے اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے اُس وقت یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ نازل ہوئی کہ یہ خدا کی طرف سے تمہاری آزمائش ہے اسمیں ثابت قدم رہنا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے مسلمانو! شکار کے جن جانوروں پر تمہارے ہاتھ یا ہتیار پہنچ سکتے ہیں تم ان کو ہاتھ سے پکڑ سکتے ہو یا ہتیار سے شکار کر سکتے ہو ان کو گرفت کرنے یا شکار کرنے کی جرأت نہ کرنا خدا تعالیٰ ذرا سے شکار کے معاملہ میں تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے۔ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ تاکہ صاف طور پر معلوم ہو جائے کہ بغیر دیکھے خدا سے کون ڈرتا ہے اور کون نہیں ڈرتا اور کون اُس کے احکام کی عظمت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا تم اس آزمائش پر ثابت قدم رہو۔ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ حکم حرمت اور تصریح آزمائش کے بعد بھی اگر کوئی دراز دستی کریگا اور حد شرع سے آگے بڑھے گا تو دردناک عذاب میں مبتلا ہوگا اور دین و دنیا کی مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ اب آگے حالت احرام میں شکار کرنے کی حرمت مفصل بیان کی جاتی ہے ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا

الصَّیۡدَ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ مسلمانو! جب تم عمرہ یا حج کے احرام میں ہو تو کسی قسم کے وحشی جانور کو خواہ چرند ہو یا پرند یا درندہ شکار نہ کرو۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں اس حکم سے پانچ چیزوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے سانپ، بچھو، چیل، کوا، چوہا، کٹکھنا کتا۔ ان کے علاوہ خشکی کے ہر وحشی جانور کو قتل کرنا بحالت احرام حرام ہے خواہ وہ کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو چرندہ ہو یا درندہ یا پرندہ وَمَنۡ قَتَلَهٗ مِنۡكُمۡ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحۡكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ هَدۡیًاۢ بٰلِغَ الۡكَعۡبَةِ اَوۡ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیۡنَ اَوۡ عَدۡلُ ذٰلِكَ صِیَامًا یعنی اگر کوئی شخص قصداً حرم کے اندر بحالت احرام خشکی کے کسی جانور کو قتل کر ڈالے تو اُس پر کفارہ لازم ہے جس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) یا تو جس جانور شکار کیا ہے اُسی کی مثل کوئی چوپایہ ذبح کر کے فقرا کو تقسیم کر دے مگر اس میں دو باتیں ضروری ہیں۔ اول بات تو یہ کہ دو عادل باشرع مسلمان تجویز کر دیں کہ یہ قربانی کا جانور اُس مقتول جانور کی مثل ہے مثلاً ہرن کے عوض بکری۔ کبوتر کے عوض مرغی وغیرہ۔ دوسری بات یہ کہ اس قربانی کے جانور کو ہدی بنا کر کعبہ کو بھیجا جائے تاکہ حرم کے اندر اسکو ذبح کر کے فقرا کو بانٹ دیا جائے (۲) اگر قربانی کا جانور نہ بھیجے تو اُس کی قیمت کا غلہ خرید کر مساکین کو تقسیم کر دے (۳) اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو ہر مسکین کو کھانا کھلانے کے عوض ایک روزہ رکھے مثلاً ہرن کو شکار کیا اور ایک ہرن کی قیمت پانچ روپیہ قرار پائی اور پانچ کا غلہ ایک من پانچ سیر ہوتا ہے اور فی کس ڈیڑھ سیر کے حساب سے تیس مسکینوں کو تقسیم کرنا لازم ہے لہذا غلہ نہ دینے کی صورت میں تیس روزے رکھنے ضروری ہیں اور یہ کفارہ یوں ضروری ہے لِیَذُوۡقَ وَبَالَ اَمۡرِهٖ تاکہ اپنے کئے کا مزہ اسکو چکھنا پڑے۔ ہاں اس حرمت سے قبل جس نے حرم کے اندر بحالت احرام شکار کرایا اُس کو خدا نے معاف فرما دیا اُس کا مواخذہ نہ ہو گا نہ اُس کا کفارہ دینا لازم ہے۔ البتہ اس حرمت کے حکم کے بعد وَمَنۡ عَادَ فَیَنۡتَقِمُ اللّٰهُ مِنۡهُ وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ جو شخص دوبارہ ایسی حرکت کریگا اُس سے خدا انتقام لیگا اُسکو ضرور سزا دیگا خدا تعالیٰ انتقام لینے پر قادر ہے اور اُس کے جرائم زیادہ واجب الانتقام ہیں۔ دوبارہ اس قسم کا جرم کرنا کفارہ دینے سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

عام جمہور سلف و خلف کا قول ہے کہ آیت میں قتل عمد کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ عادت اور محاورہ کے مطابق لگا دی گئی ہے ورنہ قتل عمداً ہو یا خطاءً بہرصورت کفارہ واجب ہو گا۔ داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ بلا قصد شکار کرنے پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہے۔

عام علماء کا قول یہ بھی ہے کہ قتل ایک بار کرے یا دو بار یا تین بار یا سو بار بہرحال کفارہ ہر مرتبہ واجب ہو گا خواہ قتل عمد ہو یا بلا عمد۔ لیکن علی بن ابی طالب اور عکرمہ نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ اگر شکار بلا قصد ہے تو ہر بار کفارہ دینا پڑیگا خواہ سو بار ہو اور اگر قصداً شکار کیا ہے تو پہلی مرتبہ کا قصور کفارہ سے معاف ہو جائیگا اور دوسری مرتبہ کا قصور کفارہ سے بھی معاف نہ ہو گا بلکہ خدا تعالیٰ اُس کو سزا ضرور دیگا۔ یہی قول ابن جریج، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری اور ابراہیم نخعی کا ہے اور بظاہر آیت سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے۔

اگر شکار خود نہیں کیا بلکہ دوسرے شخص کو بتا دیا اور اُس نے شکار کیا تو اول شخص پر بھی تاوان پڑیگا اور اُسکو بھی اس شکار کا کھانا حرام ہو گا۔ اسی طرح **اگر شکار** کو زخمی کر دیا قتل نہیں کیا تو داؤد ظاہری کے نزدیک کوئی تاوان نہیں دینا ہو گا۔ جمہور علماء کے نزدیک اتنا تاوان دینا ہو گا جس قدر اُس جانور کو زخمی کرنے سے اُس کی قیمت میں کمی ہو گئی ہو۔

جانور کی قیمت کا اندازہ بقول شعبی بازار کے لحاظ سے ہو گا اور جمہور کے نزدیک مقام قتل میں جو قیمت ہو اور دو مسلمان اُس مقام کا لحاظ کر کے جو قیمت تجویز کر دیں وہی قیمت دینی ہو گی۔

اگر محرم نے خود شکار نہیں کیا نہ شکار کرنے میں مدد دی نہ شکار بتایا بلکہ اُسکی مدد اور رہنمائی کے بغیر دوسرے شخص نے شکار کر لیا تو علی ابن عباس ابن عمر سعید بن جبیر اور اسحاق کے قول میں پہلے کے لئے یہ شکار حرام ہے۔ شافعی کہتے ہیں کہ اگر محرم نے نہ خود مارا نہ شکاری کی رہنمائی اور مدد کی بلکہ کسی اور شخص نے مارا اور وہ شخص محرم نہیں ہے تو اول کے لئے یہ شکار حلال ہے بشرطیکہ اُس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگرچہ محرم کے لئے شکار کیا گیا مگر محرم کی شرکت سے نہ ہوا ہو تو وہ شکار محرم کے لئے حلال ہے۔ ہر قول کے دلائل مفصل فقہ میں مذکور ہیں اور ہر ایک کا استناد حدیث پر ہے۔

مقصود بیان:۔ خدا کی آزمائش کے بہت سے طریقے ہیں لالچ اور خوف دونوں طرح سے آزمائش ہوتی ہے اور ذرا ذرا سی بات بھی امتحان الٰہی کی ایک خاص نوعیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ بڑے بڑے مصائب ڈال کر خواہ مخواہ کسی کو تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ قلبی خلوص کا اندازہ کرنا چاہتا ہے اور خلوص کا اندازہ معمولی بات سے بھی ہو جاتا ہے۔ یہ اندازہ خدا کے علم میں کوئی اضافہ نہیں کر دیتا ہے۔ بلکہ ہر شخص کی حالت کھلم کھلا اور صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے اور پھر اسکو اپنی نیت کے اخفا اور اپنے فعل کی تاویل کرنے کا موقعہ نہیں باقی رہتا۔ ممانعت اور تحریم سے قبل کا کوئی گناہ قابل مواخذہ نہیں جس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ اشیاء میں تحریم و تحلیل عقل کی طرف سے نہیں ہو سکتی اور نہ اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے بلکہ ہر چیز کی بھلائی برائی اور حرمت و حلت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ آیت میں حرم الٰہی اور حرمت الٰہی کی عظمت کا بہترین طریقہ سے اظہار کیا گیا ہے۔ دو باشرع مسلمانوں کے قول کو

مستند اور قابل اعتبار ظاہر کیا گیا ہے۔ حکم الٰہی کی خلاف ورزی سے قلب انسانی پر گناہ کا جو سیاہ دھبہ پیدا ہو جاتا ہے اُسکو دور کرنے کیلئے صرف دو صورتیں بتائی گئی ہیں۔ جن میں سے اول دوسری سے افضل ہے اور جب تک اول کے کرنے کی طاقت ہو دوسری کو کرنا ناجائز ہے یعنی بنی نوع انسان کی مالی اعانت اور ہمدردی اور بدرجہ مجبوری نفسانی ریاضت اور قوت شہوانیہ و غضبیہ کے جوش کو توڑنے کی تدبیر وغیرہ۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا

تمہارے لئے دریائی شکار اور اُس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے اور یہ

لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ

تمہارے اور دوسرے مسافروں کے فائدہ کیلئے ہے اور جبتک احرام کی حالت

الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ

میں ہو خشکی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے اور اُس اللہ سے ڈرتے رہو

الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ○

جس کے پاس تم سب کو جمع کیا جائیگا

تفسیر اس آیت کا مطلب جاننے سے قبل دریائی اور خشکی کے شکار کے معنی جان لینا ضروری ہیں۔ سیوطی نے بیان کیا ہے کہ جو پانی کے علاوہ اور جگہ زندہ نہ رہیں وہ آبی جانور ہیں جیسے مچھلی اور اس کے علاوہ بری جانور ہیں مگر بقول ابن کثیر بہتر تعریف یہ ہے کہ آبی جانور وہ ہے جو پانی میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پانی میں ہی رہتا ہے۔ اور جو جانور خشکی میں پیدا ہوتا ہے اور پانی میں رہتا ہے یا کبھی خشکی میں اور کبھی پانی میں رہتا ہے وہ غیر آبی ہے۔

رہی یہ بات کہ صید بحر اور طعام بحر میں کیا فرق ہے تو فاروق اعظمؓ صدیق اکبرؓ زید بن ثابتؓ ابو ایوب انصاریؓ۔ عکرمہ، ابو سلمہ، نخعی اور حسن بصری وغیرہ معزز صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ طعام البحر سے وہ مرا ہوا جانور مراد ہے جو دریا سے باہر کنارہ پر آپڑتا ہے سعید بن جبیر، سدی اور سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ صید البحر سے تازہ مچھلی اور طعام البحر سے نمک آلود خشک مچھلی مراد ہے۔

لیکن سب سے بہتر وہ تفسیر ہے جو صاحب کشاف نے بیان کی ہے کہ صید البحر عام ہے خواہ وہ کھانے کی چیز ہو یا نہ ہو جیسے سیپ، مگر مچھ اور مچھلی۔ اور طعام البحر خصوصیت کے ساتھ وہ جانور ہیں جن کو شکار کر کے کھایا جاتا ہے یعنی صرف مچھلی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا دریا کی کل پیداوار سے نفع حاصل کرنا تمہارے لئے حلال ہے اور اُن میں سے جو جانور کھانے کے قابل ہیں اُن کا کھانا بھی حلال ہے یعنی مچھلی کو کھانا جائز ہے اور موتی سیپ اور دوسری پیداوار کی تجارت اور اُس سے منافع حاصل کرنے جائز ہیں اور یہ حلت تمہارے فائدہ کے لئے بھی ہے جب تم دوران سفر میں ہو اور عام مسافروں کے فائدہ کے لئے بھی ہے۔ ہاں غیر آبی شکار کرنا بحالت احرام جائز نہیں۔ تم احکام الٰہی کے پابند رہو کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ کیونکہ انجام کار سب کا موت ہے اور ہر ایک کو خدا کے سامنے جانا ہو گا۔

مقصود بیان:- آبی جانور کا شکار کرنا جائز ہے اور ہر آبی جانور کی تجارت وغیرہ سے نفع حاصل کرنا مباح ہے البتہ کھانا صرف مچھلی کو جائز ہے خواہ مچھلی مردہ دریا سے باہر آئی ہو یا زندہ نکالی گئی ہو۔ دریائی چیزوں سے بہت فوائد حاصل ہیں

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

اللہ نے کعبہ کو جو باعزت گھر ہے

قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ

اور حرمت والے مہینہ کو اور قربانی کے جانور کو اور نیاز کے

الْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا

جانوروں کو لوگوں کے امن کا سبب بنایا ہے تاکہ تم کو معلوم ہو جائے

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا

کہ اللہ ہر اُس چیز سے واقف ہے جو آسمانوں میں اور

فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○

زمین میں ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَ

جانے رہو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور

أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ مَا عَلَى الرَّسُولِ

اللہ غفور رحیم بھی ہے پیغمبر کے ذمہ صرف

اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا
پیام پہنچا دینا ہے　اور اللہ تمہارے ظاہر و باطن کو
تَكْتُمُوْنَ ۝ قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَ
جانتا ہے　(اے نبی) کہدو کہ پاک و ناپاک برابر
الطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ
نہیں ہیں　اگرچہ ناپاک کی کثرت تمہارے لئے تعجب انگیز ہو
فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ع ۱۳
لہذا عقلمندو خدا سے ڈرو　تاکہ تمہارا　بھلا ہو

تفسیر سابق آیات میں حرم احرام اور شکارِ حرم کے مسائل تھے اس آیت میں کعبہ کے قربانی کے جانوروں کے اور ماہ حج کے کچھ مباحث بیان کئے جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔
جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ۔ خدا تعالیٰ نے کعبہ کو بیت حرام اور باعزت گھر بنایا ہے اس میں قتل و خوں ریزی فتنہ و فساد اور فسق و فجور قطعًا حرام ہے۔ لوگوں پر اُس کا احترام لازم ہے اور پھر اس یا حُرمت مکان کے سبب لوگوں کے دین و دنیا کے کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ خدا نے اس کو امور خلق کی درستگی کا سبب بنایا ہے۔ دین کے کام تو اس طرح درست ہوتے ہیں کہ لوگ چاروں طرف سے یہاں حج کو آتے ہیں اور خلوص نیت کے ساتھ اُن کو ثواب عظیم حاصل ہوتا ہے اور گذشتہ سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور دینی فوائد اس طرح حاصل ہوتے ہیں کہ جو شخص حرم کے اندر چلا جاتا ہے وہ ہر قسم کے خطرہ سے بیخوف ہو جاتا ہے اُس پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا ہر قسم کے پھل وہاں چاروں طرف سے پہونچتے ہیں ہر قسم کے میوے کی وہاں تجارت ہوتی ہے اور باوجودیکہ کھجور اور پانی کو ساتھ ملا کر کھانا از روئے طب مورث جذام ہے لیکن وہاں کے باشندوں کی غذا یہی یہ ہے اور بحکم الٰہی بجائے نقصان کے اُن کے قیام حیات کا سبب ہے وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ اور خدا تعالیٰ نے ماہ رجب محرم اور ذی قعدہ و ذی الحجہ کو بھی لوگوں کے لئے قیام حیات کا سبب بنا دیا۔ ان چار مہینوں میں قتل و خوں ریزی اور لڑائی جھگڑے سے منع فرما دیا اور ہر شخص کو دشمن سے مامون اور بیخوف کر دیا وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ قربانی اور نذر نیاز کے جانوروں کو بھی آدمیوں کے لئے باعث قیام قرار دیا جس کے پاس قربانی کا جانور رہو یا نیاز کا جانور کوئی کعبہ کو لیجا رہا ہو اُس سے تعرض نہ کرنے کا حکم دیدیا اگرچہ وہ کافر ہی ہو۔ یہ سب کچھ کیوں کیا صرف اسلئے تاکہ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ تم کو معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کو تمام کائنات سماوی موجودات ارضی کا پورا پورا علم اور ہر شے سے کامل واقفیت ہے۔ اُس نے تمہارے نفع حاصل کرنے اور نقصان دفع کرنے کے لئے پہلے سے ہی ایسے قوانین بنا دیے جو اُس کے کمال علم پر دلالت کرتے ہیں۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ اور اس کے ساتھ تم کو یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ صرف علیم و خبیر اور خالق کائنات ہی نہیں بلکہ اس میں صفت غضب بھی بدرجۂ کمال موجود ہے۔ نافرمانوں کے لئے اُس کا عذاب بہت سخت ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کرنے والے اور صدق نیت سے ایمان لانیوالے ہیں اُن کے لئے اُس کا دائرۂ رحمت بھی بہت وسیع ہے وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وہ بڑا غفور رحیم ہے خلوص دل سے توبہ کرنے والے کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ لہذا تم کو اُسکی نافرمانی سے بچنا لازم ہے اور کفر و معاصی سے خالص قلب کے ساتھ توبہ کر کے اُسی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ورنہ خوب سمجھ رکھو کہ ہمارے رسول کا کام تو صرف تبلیغ احکام کرنا ہے اور ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ رسول کا نہ کوئی تمہاری ذات و حالات سے ضرر وابستہ ہے نہ نفع۔ تمہارا خود ہی اطاعت و نافرمانی میں فائدہ نقصان ہے اور پھر وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ خدا کو تمہارے ظاہر باطن سے واقفیت بھی ہے تمہارا کوئی عمل اُس سے مخفی نہیں۔ لہذا اُسکے بتائے ہوئے احکام پر پابندی سے عمل کرو کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرو کیونکہ خدا تعالیٰ جس چیز کا حکم دیتا ہے اُس میں واقعی بہتری اور پاکی ہوتی ہے اور جس چیز کی وہ ممانعت فرماتا ہے اس میں خرابی اور خباثت ہوتی ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ:۔
قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ پاک و ناپاک اور اچھا بُرا برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک چیز کی کثرت ہر کس و ناکس کے لئے تعجب انگیز اور خیرہ کن ہو۔ لہذا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ تم کو خدا سے ڈرنا چاہئے اور اُسکی فرمانبرداری کرنی چاہیئے کیونکہ تم عقلمند ہو اور عقلمند کبھی مضرت انگیز چیز اور نقصان رساں فعل کو اختیار نہیں کرتا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اس سے تم کو دین دنیا میں فلاحیت و بہبودی حاصل ہوگی۔

مقصود بیان:۔ کعبہ میں اور ماہہائے حرام میں قتل خونریزی فتنہ فساد لڑائی دنگا ممنوع ہے۔ کعبہ کا احترام ہر شخص پر لازم ہے کعبہ کو جانے والا قربانی یا نذر و نیاز کا جانور ناقابل تعرض ہے۔ جو شخص

کعبہ کو نذر نیچا رہا ہو اُس سے بھی تعرض نہ کیا جائے ۔ آیت میں بہترین لطافت و بلاغت کے ساتھ ترہیب و ترغیب دلا کر دعوت اسلام دی گئی ہے اور اتقاء نفس پر آمادہ کیا گیا ہے اور شریعت اسلامیہ کے قوانین کو اصلاحی قوانین ثابت کرنے نبوت رسول اللہ پر پُرزور استدلال کیا گیا ہے اور اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے کہ دنیا میں پاک کم اور ناپاک زیادہ کافر زیادہ اور مسلمان کم ۔ خدا ترس انسان کم اور بے باک زیادہ ۔ گناہگار زیادہ اور متقی کم ہیں ۔ لیکن یہ کمی بیشی سے بہتر ہے ۔ اس کمی سے ہی بہبودی دارین وابستہ ہے ۔ وغیرہ ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ

ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو

اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ

کہ اگر تم سے ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بُری لگیں اور اگر

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ

نزول قرآن کے زمانہ میں تم اُن کو دریافت کرو گے

تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

تو لا محالہ ظاہر کر دی جاویں گی اللہ نے گزشتہ سوالات معاف کئے اور اللہ بڑا بخشنے والا

حَلِیْمٌ ○ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ

بردبار ہے تم سے پہلے بھی لوگ ایسی باتیں پوچھ چکے ہیں

ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ ○

لیکن بعد کو ان کے منکر ہو گئے

تفسیر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۔ اس مکمل آیت کے شان نزول میں مختلف روایات ہیں ۔ بخاری کی روایت علیحدہ ہے ۔ مسلم کی علیحدہ ۔ ترمذی کی الگ تو احمد و نسائی کی جدا ۔ لیکن تمام روایات کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ بعض لوگ خواہ مخواہ رسول پاک سے غیر مفید سوالات کرتے تھے جن سے کوئی بہبودی وابستہ نہ ہوتی تھی ۔ کبھی اُن باتوں کو بھی استفسار کرتے تھے جن کا اظہار مصلحت عباد کے خلاف تھا اور اگر اُن کو ظاہر کر دیا جاتا تو لوگ خواہ مخواہ ناقابل برداشت تکلیف میں پڑ جاتے ۔ اس قسم کے تمام سوالات کی ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ۔ اسی وجہ سے مختلف حدیثوں میں آیا ہے کہ جب تک میں تم کو چھوڑے رکھوں تم بھی مجھکو چھوڑے رکھو ۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوتے کہ وہ اپنے انبیاء سے بہت سوال کرتے تھے اور پھر اُن کی تعلیم کی مخالفت کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر کئے ہیں اُن کو ضائع مت کرو ۔ اور جو حدود قائم کر دیئے ہیں اُن سے تجاوز مت کرو ۔ جن چیزوں کو حرام کر دیا تم اُن کی حرمت کی خلاف ورزی نہ کرو ۔ اور جن چیزوں سے صرف اپنی رحمت کی وجہ سے نہ کہ نسیان کی وجہ سے سکوت فرمایا ہے تم اُن چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو ۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ : مسلمانو ! رسول اللہ سے ایسی چیزوں کے متعلق (فضول) سوال نہ کیا کرو کہ اگر تم کو اُن کے جوابات دیدیئے جائیں اور حقیقت کا انکشاف کر دیا جائے تو تم کو بُرا لگے (اور ان پر عمل کرنا تمہارے لئے دشوار ہو جائے) کیونکہ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ اگر نزول قرآن کے زمانہ میں تم سوالات کرو گے تو لامحالہ تم پر اُن کا اظہار کر دیا جائیگا (اور پھر تم کو اُن باتوں کا اظہار ناگوار ہوگا اور اُن پر عمل کرنے میں دشواری ہوگی) عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا جب خدا تعالیٰ نے اُن چیزوں کا اظہار نہیں کیا ہے تو تم بھی اُن کو دریافت نہ کرو (اور خواہ مخواہ دشواری میں نہ پڑو) وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ اور جو کچھ تم اس سے قبل غیر مفید سوالات کر چکے ہو اُن کو خدا معاف کرنے والا ہے کیونکہ وہ غفور حلیم ہے جلدی مواخذہ نہیں فرماتا ہے ۔ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ ۔ دیکھو تم سے پہلے بہت سے لوگوں نے اپنے انبیاء سے اس قسم کے سوالات کئے اور جب اُن کو جواب دیا گیا (اور اُنکی منشا کے خلاف اشیاء کی حرمت و حلت ہوئی) تو اُس کے مطابق اُنہوں نے عمل نہ کیا اور احکام الٰہی کی کچھ وقعت نہ کی ۔

مقصود بیان :۔ خواہ مخواہ غیر مفید سوالات کرنے اور شریعت کو مذاق کی چیز بنانے کی ممانعت ۔ اس امر کی صراحت کہ جن چیزوں کا اظہار خدا مناسب سمجھتا ہے کر دیتا ہے اور جس چیز کا وہ اظہار نہیں کرتا اُس کا اظہار کرنا غیر مفید بلکہ مضر ہوتا ہے ۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ

اللہ نے جائز نہیں کیا نہ بحیرہ کو نہ سائبہ کو

وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِیْنَ

نہ وصیلہ کو نہ حام کو کافر تو

كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ

اللہ پر جھوٹی بہتان بندی کرتے ہیں اور

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

اُن میں سے اکثر لوگ نہیں سمجھتے — جب اُن سے کہا جاتا ہے

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

کہ اُس کتاب کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا

تو کہتے ہیں ہمارے لئے تو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا

بھلا اگر — اُن کے باپ دادا — کچھ بھی نہ جانتے ہوں

وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○

اور نہ ہدایت پر ہوں (تب بھی یہ اُنہی کے طریقہ پر رہینگے)

تفسیر

پہلی آیت میں فضول اور زائد از ضرورت سوالات کرنے کی ممانعت کی تھی۔ اس آیت میں از خود اشیاء کی حلت حرمت قائم کر لینے اور حکم الٰہی کے خلاف بدعتیں ایجاد کر لینے کی ممانعت کی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:- مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ یعنی بحیرہ[1] اور سائبہ اور وصیلہ اور حامی کی حرمت اور ان کو خدمت سے سبکدوش کر دینا خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ یہ رسوم بے اصل ہیں۔ وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

[1] بحیرہ اُس کن پھٹی اونٹنی کو کہتے تھے جس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیا جاتا تھا اور اس علامت کیلئے اُس کا کان چیر دیا کرتے تھے۔ سائبہ سانڈ کو کہتے تھے جسکو دیوتاؤں یا دیویوں یا بتوں کے نام کا کرکے چھوڑ دیتے تھے اور کوئی خدمت اُس سے نہیں لیتے تھے۔ وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کا سب سے پہلا حمل اور اُس کے بعد کا دوسرا حمل مادہ ہوتا تھا یعنی پہلوٹھی کے دو بچے اوپر تلے مادہ ہوتے تھے۔ ایسی اونٹنی کو متبرک سمجھکر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور حامی اُس نر اونٹ کو کہتے تھے جسکی نسل سے متواتر دس بچے پیدا ہو جاتے تھے۔ ایسے اونٹ کو بھی کام کاج سے سبکدوش کرکے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یہ چاروں رسوم بد اور اس قسم کے اور بہت سے بے اصل مراسم عمرو بن لحی خزاعی نے اسلام سے تقریباً تین سو سال قبل مکہ میں ایجاد کئے تھے اور ان کو مذہب کا جزو قرار دیکر دین ابراہیمی میں ترمیم کی تھی اور اصلی دین کو بگاڑ دیا تھا۔ اسی شخص نے سب سے پہلے ملک شام سے لا کر بت رکھے تھے۔

بلکہ ان رسوم کو مذہبی امور قرار دینا کافروں کی افترا بندی اور بہتان ہے خدا نے نہ شریعت میں ان رسوم کو جاری کیا اور نہ اس کے جواز کا حکم دیا۔ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ لیکن اکثر لوگ واقف نہیں کہ یہ رسوم محض افترا بندی ہیں واقع میں شریعت الٰہیہ میں ان کی کوئی اصل نہیں۔ کافروں نے انکو بنا کر رکھا ہے مگر احمق جاہل کورانہ تقلید کرتے ہیں۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ اور اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ کتاب الٰہی کے فیصلہ کی طرف آؤ اور اُس کے حکم کو مانو دیکھو جو چیز تم نے حرام سمجھ رکھی ہے وہ حلال ہے اسکی حرمت بے اصل ہے قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا تو وہ جواب میں کہدیتے ہیں کہ ہم نے تو جن رسوم پر اپنے اسلاف کو پایا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہیں۔ ہم کو تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں ہم اپنے باپ دادا کی تقلید کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ اگرچہ اُن کے اسلاف جاہل اور گمراہ ہوں تب بھی ان کی تقلید کو وہ اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

مقصود بیان :- رسوم اہل شرک کو ماننے اور ان کو اختیار کرنے کی ممانعت اور پھر مشرکانہ رسوم کو شریعت اسلامیہ کا جزو خیال کرنے کی پرزور مخالفت اور اس امر کی وضاحت کہ یہ کفار کی بہتان تراشی ہے ایسی افترا بندی کرنے والے کافر ہیں۔ کورانہ تقلید سے بازداشت اور نہایت بلاغت آمیز عبارت میں اس بات پر تنبیہ کہ آدمی کو اچھے برے پر خود غور کرنا چاہئے محض آباء و اجداد کی رسوم کی پیروی اور بغیر سوچے سمجھے اُن کی رفتار زندگی اور راہ عمل کو حق سمجھ لینا گمراہی ہے۔ وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ

مسلمانو! — تم اپنی — فکر کرو

لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ

جب تم راہ راست پر ہوگے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کوئی بھی گمراہ ہو

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

تم سب کو اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے — وہی تم کو بتا دے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

کہ تم کیا کیا — کیا کرتے تھے

تفسیر

یہ آیت پہلی آیت کے مضمون سے مربوط ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ مسلمانو! تم اپنے بچاؤ کے طریقے اختیار کرو اور اپنے نفوس کی درستگی و اصلاح

پر قائم رہو لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ اگر تم راہ راست پر
ہو گئے تو گمراہ لوگوں کی گمراہی سے تم کو ضرر نہ ہوگا اور کوئی کافر تم کو دینی
نقصان نہ پہونچا سکیگا تم کسی کے ذمہ دار نہیں ہو جیسا کوئی کریگا ویسا
بھر لیگا تم کافروں کو ان کی حالت پر چھوڑ دو اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ قیامت کے دن تم سب کو خدا کے
پاس حاضر ہونا ہے اس وقت خدا تعالیٰ بتائے گا کہ کس کے اعمال اچھے تھے
اور کس کے برے اور کون مستحق ثواب ہے اور کون مستوجب عذاب لیکن
اس آیت سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور
ہر قسم کا وعظ و پند اسلام میں بیسود چیز ہے ہر شخص کو اپنی فکر کرنی چاہئے
دوسرے کے اعمال سے کوئی سروکار نہ رکھنا چاہئے خواہ تمام عالم
میں گمراہی پھیل رہی ہو مگر اس کو اپنے گوشۂ عبادت سے باہر قدم
نہ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ ہم ذیل میں چند
حدیثیں نقل کرتے جن سے آیت کے مطلب کی وضاحت ہوتی ہے۔

ابو ثعلبہ خشنی کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے اس آیت کا
مطلب دریافت کیا۔ فرمایا ایک دوسرے کو اچھی باتوں کے کرنے کا
حکم دو بری باتوں سے منع کرو اور جب تم دیکھو کہ لوگ کنجوسی کے فرمانبردار
اور خواہش نفس کے پیرو ہو گئے ہیں اور دنیا کے دلدادہ بن گئے ہیں اور
ہر خود رائے شخص اپنی رائے کو اچھا سمجھتا ہے تو صرف اپنے نفس کی
حفاظت اور بازداشت کر۔ (رواہ الحاکم و ابو الشیخ و ابن مردویہ و البیہقی
و ابن جریر و ابن ابی حاتم و البغوی و الطبرانی و ابن ماجہ وغیرہم)

ابو عامر اشعری کہتے ہیں کہ ایک نابینا نے چند روز تک
خدمت گرامی میں حاضر ہونا ترک کر دیا۔ چند روز کے بعد وہ حاضر
ہوئے تو حضور ﷺ نے اُن سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا۔ نابینا
نے یہی آیت پڑھ دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں تمہارا یہ کیا خیال ہے
اس کا مطلب تو یہ ہے کہ کافروں میں سے جو گمراہ ہو وہ تم کو ضرر نہیں
پہونچا سکتا بشرطیکہ تم راہ راست پر ہو (احمد۔ ابن ابی حاتم۔
طبرانی۔ ابن مردویہ وغیرہم)

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے
دوران تقریر میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگو! تم آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ الخ تلاوت کرتے ہو اور اسکے معنی غلط سمجھتے ہو کہ امر
بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں حالانکہ میں نے رسول پاک ﷺ سے
سنا ہے کہ جو شخص ناجائز امور دیکھ کر منع نہیں کریگا اور اسکو نہیں مٹائیگا
تو عنقریب خدا تعالیٰ سب کو عذاب عام میں مبتلا کر دیگا تم یا تو نیکی کی
ہدایت اور بدی سے بازداشت کرو ورنہ خدا کی قسم تم سب پر عام عذاب
آجائیگا (دار قطنی۔ ابن حبان۔ احمد۔ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ ابن منذر۔
ابن ماجہ۔ نسائی۔ ابو داؤد۔ ترمذی وغیرہ)

ابن مسعود، ابن عمر، ابو سعید خدری اور ابی بن کعب وغیرہ صحابیوں
کی رائے ہے کہ اس آیت کا یہ زمانہ نہیں ہے عنقریب ایک زمانہ ایسا
آنے والا ہے کہ اگر کسی کو تم نیکی کی ہدایت کروگے تو وہ قبول نہیں کریگا اس وقت
تم پر لازم ہوگا کہ اپنے نفس کی اصلاح پیش نظر رکھو۔

درحقیقت آیت میں مسلمانوں کو بصیغۂ جمع خطاب کیا گیا ہے اور فرمایا
گیا ہے کہ مسلمانو! تم سب اپنے نفسوں کی حفاظت کرو۔ اس میں ایک
خاص نکتہ یہ ہے کہ تمام مسلمان مثل ایک نفس کے ہیں آپس میں ایک
دوسرے کو سمجھانا اور راہ پر رہنے کی ہدایت کرنا اور اسکی اصلاح کرنا
اپنی ذات کی اصلاح کی طرح ہے تو گویا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان
کو نصیحت کرنا بھی اپنے نفس کی اصلاح ہے۔ اب آیت کا مطلب واضح
ہو گیا اور کسی کو یہ شبہ کرنے کا موقع نہ رہا کہ امر معروف اور نہی منکر سے
آیت میں ممانعت کی گئی ہے۔

مقصود بیان:۔ اتحاد ملی اور اتفاق قومی کو برقرار رکھنے کی
لطیف ترین عبارت میں ہدایت۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ
تمام مسلمانوں کا مجموعہ مثل ایک ذات کے ہے اور تمام مسلمان اس
ذات کے مختلف اعضاء ہیں۔ ہر عضو کی اصلاح گویا دوسرے
عضو کی اصلاح ہے کیونکہ ایک عضو کے خراب ہونے کے بعد دوسرے
عضو کا متاثر ہونا یقینی ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اپنے بھائی کی بہی خواہی
کرنی ضروری ہے وغیرہ۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِکُمْ
مسلمانو! تم میں سے جب کسی کی موت کا

اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ
وقت آ موجود ہو تو وصیت کرتے وقت تم میں سے

الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ اَوْ
دو معتبر شخصوں کی گواہی ہونی چاہئے یا

اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی
اگر تم ملک میں سفر کر رہے ہو اور تم پر موت کی

الْاَرْضِ فَاَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ
مصیبت آ پڑے تو غیر آدمیوں میں سے دو شخص ہوں

تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ

جن کو نماز کے بعد تم کھڑا کرو بشرطیکہ تم کو شک ہو

بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا

اور وہ دونوں اللہ کی قسمیں کھا کر کہیں کہ ہم کسی قیمت پر قسم نہیں بیچتے

وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ

اگر چہ وہ ہمارا قرابتدار ہو اور ہم اللہ کی گواہی نہیں

اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝ فَاِنْ

چھپاتے اگر ایسا کریں تو ہم بیشک گنہگار ہیں اس کے بعد اگر

عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

اطلاع ملے کہ ان دونوں نے گناہ سے حق دبا لیا تو انکی بجائے اور دو آدمی

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ

اُن میں سے جن کی حق تلفی ہوئی کھڑے ہوں اور یہ دوں (میت کے)

عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ

زیادہ قرابت دار ہوں اور اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی

اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ

اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ معتبر ہے اور ہم نے حق سے تجاوز نہیں کیا ورنہ

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ

ہم بلاشبہ ظالم ہیں اس طریقہ سے لگتا ہے کہ

يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰي وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا

وہ ویسی ہی گواہی دینگے جیسی چاہیئے یا اس بات سے انکو خوف ہوگا

اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا

کہ ہماری قسموں کے بعد اوروں کی قسمیں رد کر دی جاوینگی اور اللہ سے

اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

ڈرتے رہو اور سنو اور اللہ نا فرمان لوگوں کو

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ع ۱۴

ہدایت نہیں کرتا

تفسیر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ سے آخر رکوع تک۔ ان آیات کا شان نزول بہت طویل ہے۔ ہم روایات کا خلاصہ کرکے مختصر طور پر لکھتے ہیں۔

قبیلۂ بنی سہم کا ایک آزاد کردہ غلام جس کا نام بُدیل بن ابی مریم تھا کچھ مال تجارت لیکر ملک شام کو تجارت کرنے گیا۔ اُس کے پاس ایک چاندی کا کٹورا بھی تھا جس میں سونے کا کام کیا ہوا تھا اور وہ بادشاہ شام کے پاس اُسکو لے جانا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ دو عیسائی سوداگر تمیم داری اور عدی ابن بداء بھی تھے جو ملک شام کو تجارت کرنے جارہے تھے اور مدینہ کے باشندے تھے۔ دوران سفر میں بدیل بیمار ہوگیا اور اُس کا آخری وقت آپہونچا لیکن چونکہ وہاں کوئی مسلمان موجود نہ تھا اسلئے بدیل نے اپنا تمام مال جس میں چاندی کا کٹورا بھی تھا اُنہی عیسائیوں کے سپرد کردیا اور وصیت کردی کہ وطن پہونچکر میرے وارثوں کو دیدینا۔ وہ قانون اسلامی کے موافق اسکو تقسیم کرلینگے اور مال کی فہرست چھپاکر مال میں رکھدی۔ اس کے بعد بدیل کا انتقال ہوگیا۔ عیسائیوں نے بدیل کا مال مدینہ پہونچکر اُس کے وارثوں کے حوالہ کیا لیکن کٹورا چُراکر ایک ہزار درہم کو فروخت کردیا اور مشتری سے قیمت بھی وصول کرلی۔ وارثوں نے ان نصرانیوں پر کٹورے کا دعوی کیا اور بارگاہ نبوت میں مقدمہ پیش ہوا۔ اُس وقت یہ آیات اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ تک نازل ہوئیں۔ بدیل کے وارث چونکہ مدعی تھے کہ ان دونوں نصرانیوں نے خیانت کی ہے اسلئے حضور نے اُن سے دعوی کا ثبوت طلب کیا۔ لیکن گواہ کوئی موجود نہ تھا۔ بالآخر حضور نے عدم خیانت پر تمیم اور عدی کو قسم دلائی اور دونوں نے قسم کھالی کہ ہم کو کٹورہ کا حال معلوم نہیں۔ تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ وہ کٹورا ایک سُنار کے ہاں برآمد ہوا۔ سُنار سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ تمیم و عدی نے ایک ہزار درہم کو میرے ہاتھ فروخت کیا ہے اور قیمت بھی میں دے چکا ہوں۔ اسی عرصہ میں تمیم داری مسلمان ہوگیا اور اُس کٹورہ کی قیمت میں سے جو پانچسو درہم اس کے حصہ میں آئے تھے وہ بدیل کے وارثوں کے پاس لاکر حاضر کردیے لیکن عدی نے اقرار نہ کیا اگرچہ تمیم نے تمام قصہ ظاہر کردیا اور بدیل کے ہاتھ کی لکھی ہوئی فہرست بھی نکل آئی مگر عدی منکر ہی رہا۔ اسلئے دوبارہ مقدمہ دربار رسالت میں پیش ہوا اور آیت فَاِنْ عُثِرَ الخ نازل ہوئی۔ بدیل کے قرابتداروں میں عمرو بن عاص اور مطلب بن ابی رفاعہ قریب ترین تعلقدار تھے اسلئے نماز عصر کے بعد حسب فرمان نبوی یہی دونوں صاحب کھڑے ہوئے

اور قسم کھا کر کہا کہ ہماری قسم عدی کی قسم سے زیادہ قابل اعتبار ہے ہمارے علم میں میت نے ان کے ہاتھ کوئی کٹورا نہیں بیچا۔ اس پر عدی سے پانسو درہم لئے گئے اور معاملہ طے ہو گیا۔ لیکن سرقہ کا چونکہ واقع میں کوئی چشم دید گواہ نہ تھا اسلئے ہاتھ نہ کاٹا گیا۔ یہ قصہ بخاری مسلم ترمذی ابوداؤد امام احمد ابراہیم نخعی شعبی وغیرہ جلیل القدر محدثین نے مختلف صحابیوں کی روایات کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن کسی قصہ کا کوئی حصہ ہے اور کسی نے کوئی حصہ بیان کیا ہے۔ ہم نے سب کو ایک جا جمع کر کے مختصر طور پر لکھدیا۔

آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! جب تم سفر میں ہو اور موت کا وقت قریب آ جائے علامات موت ظاہر ہو جائیں اور تم اپنے مال کے متعلق کچھ وصیت کرنی چاہو تو اپنے لوگوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو وصیت کر دو اور ان کو گواہ بنالو اور اپنے نہ ملیں تو غیروں میں سے دو گواہ بنالو اب اگر کچھ جھگڑا پیدا نہ ہو اور وصی حسب وصیت مال اسباب وارثوں کو دیدیں اور وارث اسکو قبول کرلیں اور کچھ جھگڑا نزاع نہ کریں تو خیر ورنہ اگر وارثوں کو ان وصیوں پر کچھ خیانت کا شبہ ہو تو ان دونوں گواہوں سے نماز عصر یا نماز ظہر یا کسی اور نماز کے بعد کھڑا کر کے قسم لیجائے اور یہ دونوں وصی اظہار کریں کہ خدا کی قسم ہماری کوئی دنیوی غرض وابستہ نہیں۔ ہم جھوٹ نہیں بولتے اگرچہ کوئی رشتہ داری کیوں نہ ہو۔ پھر اگر اس قسم کے بعد کوئی خیانت برآمد نہ ہو تو خیر ورنہ میت کے قریب ترین تعلقداروں میں سے دو آدمی جنکو وصیوں نے جائز مستحق تسلیم کرلیا ہو کھڑے ہو کر قسم کھائیں کہ ہم سچ کہتے ہیں خلاف حق کوئی بات نہیں کہہ رہے ہیں۔ ان وصیوں کی شہادت اور قسم سے ہماری شہادت اور قسم زیادہ قابل اعتبار ہے ہم جھوٹ نہیں کہہ رہے ہیں (اگر اس طرح کی قسم یہ قرابتدار کھالینگے اور مال خیانت بھی برآمد ہوگا تو لقد دعوی ان کو وصیوں سے مال دلوایا جائیگا)

فائدہ:- جمہور فقہا بالمئہ ابن عباس، شریح حسن بصری، ابو موسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ابن جریج اور ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ آیت میں اپنے اور بیگانے سے مراد قرابتدار اور غیر قرابتدار ہے لیکن عموماً اہل تفسیر کہتے ہیں کہ اپنے سے مراد اہل اسلام اور غیر سے مراد غیر مسلم ہیں۔ یہی سیاق آیت سے بھی واضح طور پر مطلب نکلتا ہے۔ فقہاء کے قول پر کافر کی شہادت مسلمان پر نہ ہوگی لیکن مفسرین کی رائے پر کافر کی شہادت مسلمان پر جائز ہوگی بشرطیکہ خیانت ظاہر نہ ہو۔

اس آیت کے منسوخ ہونے کے متعلق علماء میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔ کوئی کہتا ہے کافر کی شہادت مسلمان پر جائز ہے اور گواہ کو قسم دینی بھی جائز ہے اسلئے یہ آیت منسوخ نہیں۔ عام فقہاء کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے اور آیت میراث اسکی ناسخ ہے۔

مقصود بیان: بصورت خاص مجبوری کے وقت دو غیر مسلموں کو گواہ بنا لینا اور ان غیر مسلموں کا اپنی صداقت ظاہر کرنے کے لئے مسلمانوں کے دعویٰ کے خلاف اظہار کرنا جائز ہے۔ اگرچہ گواہ پر قسم لازم نہیں لیکن اس صورت خاص میں قسم کھانی ضرور ہے تاکہ کلام میں پختگی اور صداقت پیدا ہو جائے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ

جس روز اللہ پیغمبروں کو جمع کر کے فرمائے گا کہ تم کو کیا

اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

جواب دیا گیا وہ کہینگے ہمکو کچھ معلوم نہیں تو ہی

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى

غیب کی باتیں خوب جانتا ہے جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ

ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى

ابن مریم میرا احسان جو تیرے اور تیری ماں پر تھا اسکو

وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ وقف

یاد کر جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ

تو جب گہوارہ میں تھا اسوقت بھی اور میانہ عمر میں بھی (یکساں) کلام کرتا تھا اور جب

عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

میں نے تجھے کتاب و حکمت اور توریت و انجیل تعلیم

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ

فرمائی اور جب تو میرے حکم سے پرندہ کی سی مورت مٹی کی

الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا

بناتا تھا پھر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ

بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ

بن جاتا تھا اور مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتا تھا

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ وَاِذْ كَفَفْتُ

اور جب تو میرے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا تھا اور جب تو بنی اسرائیل

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ

کے پاس معجزات لیکر گیا تو میں نے بنی اسرائیل کو تیری جانب سے

بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

باز رکھا تو اُن میں سے کافر کہنے لگے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَاِذْ اَوْحَيْتُ

کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے اور جب میں نے

اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ

حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھپر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ

قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ○

تو انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسی بن مریم

هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا

کیا تمہارا رب آسمان سے بھرا ہوا خوان ہم پر

مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ

اُتار سکتا ہے تو عیسی نے کہا اگر تم ایمان والے ہو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ

تو اللہ سے ڈرو وہ بولے ہم اُس میں سے

نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ

کھانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو اور ہمیں معلوم ہو جائے

قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ

کہ تم نے ہم سے سچ کہا اور ہم اُس پر گواہ ہو جائیں

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ

عیسی بن مریم نے دعا کی اے اللہ اے ہمارے رب ہم پر

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا

آسمان سے ایک خوان اُتار جو ہمارے

عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ

اگلے پچھلوں کے لئے خوشی کا دن قرار پائے اور تیری قدرت کی ایک نشانی ہو

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ قَالَ

اور ہمیں رزق عطا کر تو بہترین روزی دینے والا ہے اللہ نے

اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ

فرمایا میں اُس کو تم پر نازل تو ضرور کرونگا لیکن

يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا

اسکے بعد اگر تم میں سے کوئی کفر کریگا تو میں اُس کو ایسی سزا دونگا

لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ ع

کہ سارے جہان میں کسی کو ایسی سزا نہ دونگا

تفسیر

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ

اس آیت سے اوپر خدا ترسی اور فرماں برداری کا حکم دیا گیا تھا اور یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ نافرمانوں کو خدا راہِ راست نہیں دکھاتا ہے جو ازلی گمراہ ہیں اُن کو ہدایت نہیں کرتا ہے۔ اس آیت میں یہ بتانا چاہتا ہے کہ قیامت کے دن بھی ان کا کوئی ساتھی نہو گا۔ جب انبیاء سے بھی ان کے متعلق بازپرس ہوگی تو وہ بھی انتہائی ادب اور گھبراہٹ میں ان کا ساتھ دینے اور ان کے متعلق مفصل جواب دینے سے مجبور ہونگے ساتھ دینا اور شفاعت کرنا تو درکنار۔ ارشاد ہوتا ہے اُس دن کو یاد کرو جب کہ خدا تعالیٰ پیغمبروں کو جمع کرکے اُن کی اقوام کو سرزنش اور ملامت کرنے کے طور پر دریافت فرمائیگا کہ میں نے تم کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا تھا بتاؤ تمہاری امتوں نے تم کو کیا جواب دیا؟ تمہاری نبوت کو قبول کیا یا نہیں؟ اور خلوص دل سے ایمان لائے یا نہیں؟ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا تو انبیاء گھبراہٹ اور ہیبت الٰہی سے ڈر کر عرض کرینگے اے پروردگار ہم کو کچھ معلوم نہیں (مجاہد۔ حسن بصری۔ سدی۔ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم) ہمکو تو صرف

ظاہری علم تھا اور وہ بھی اپنے جیتے کا حقیقت حال سے ہم بالکل ناواقف ہیں (ابن جریج) إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اور تو دانا بینا ہے تیرا علم محیط ہے باطن اور حقیقت سے تو بخوبی واقف ہے ۔ اخلاص قلبی اور نفاق باطنی کا تجھے کامل علم ہے ہم کیا عرض کر سکتے ہیں تیرے علم کے سامنے ہمارا علم ہیچ ہے ۔ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ ان مکمل آیات میں رکوع کے اخیر تک اُن نعمتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو عطا فرمائی تھیں ۔ نیز عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث و حلول کی مدلل تردید ہے اور یہ بات ظاہر کرنی مقصود ہے کہ اگر عیسیٰ خدا ہوتے تو پھر اُن کو ان نعمتوں کے حصول کیلئے خدا کی کیا ضرورت تھی اور کیوں مجبور بندوں کی طرح قیامت کے دن اُن سے بازپرس کی جائیگی ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ذرا نظر غور سے اُن واقعات کو دیکھو اور عبرت کے دماغ سے اس بات کو سوچو جبکہ خدا تعالیٰ نے عیسیٰ سے فرمایا تھا کہ عیسیٰ تم کو اور تمہاری والدہ کو جو میں نے اپنی نعمتیں عطا کیں اور اپنا فضل تم دونوں کے شامل حال کیا اُس کو یاد کرو اور شکر الٰہی ادا کرو ۔ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ (۱) میں نے روح القدس یعنی جبرئیل کے ذریعہ سے تیری مدد کی تھی ۔ روح القدس تیرے ساتھ رہتا تھا اور علوم و معارف کی تجھ کو تعلیم دیتا تھا اور اُس کی امداد سے تیری بچپن اور جوانی کی دونوں حالتیں برابر ہو گئی تھیں تو بچپن اور جوانی میں یکساں کلام کرتا تھا اگرچہ سن اور عمر کے تطورات اور اثرات تجھ پر ہوتے تھے کہ بچپن کے درجہ سے ترقی کر کے کہولت کے درجہ کو پہونچا تھا مگر روح القدس کی امداد تیرے ساتھ ہر حالت میں یکساں تھی ۔ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ (۲) دوسرا انعام یہ کہ میں نے تجھے اسرار و رموز کتاب حکمت الٰہیہ اور توریت و انجیل کے معلومات عطا کئے تھے ۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد تحریر اور حکمت سے مراد فہم روشن ہے یعنی میں نے تجھے لکھنا سکھایا تھا اور فہم روشن عطا کیا تھا اور توریت و انجیل کی تعلیم دی تھی ۔ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي ۔ (۳) تیسرا انعام یہ کہ میرے حکم سے تو مٹی کی مورت پرندہ کی شکل بنا کر اُس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے زندہ پرندہ بن جاتا تھا ۔ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي (۴) چوتھا انعام یہ ہے کہ میرے حکم اور میرے ارادہ و تاثیر قدرت کے ظہور سے تو مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا تھا وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي (۵) پانچواں انعام یہ ہے کہ میرے ارادہ اور میری تاثیر قدرت کے ظہور سے تو مردوں کو قبروں سے زندہ کر کے نکالتا تھا ۔ (حضرت عیسیٰؑ نے سام بن نوح کو اور دو مردوں کو اور ایک عورت کو اور ایک بچہ کو زندہ کر دیا تھا ۔ انجیل لوقا باب ۸) یعنی یہ تمام افعال تجھ سے سرزد ہوتے تھے مگر تیرے فعل کی ان پر تاثیر نہ تھی ارادہ اور تاثیر قدرت ہمارا فعل تھا تو صرف مظہر قدرت تھا اور خدا نے تجھے یہ عزت عطا فرمائی تھی نہ بیٹا تھا نہ خدا ۔ نہ تیرے اندر خدا نے حلول کیا تھا ۔ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ (۶) چھٹا انعام یہ ہے کہ جب تو نے بنی اسرائیل کے سامنے معجزات ظاہر کئے تو کافر کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور پھر انھوں نے تجھے ضرر پہونچانے کی کوشش کی مگر میں نے ان کو روک دیا اور تیری حفاظت کی (تجھے آسمان پر اٹھا لیا ۔ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ (۷) ساتواں انعام یہ ہے کہ میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ مجھے واحد جانو میری توحید و تنزیہ کا اعتقاد رکھو اور میرے رسول پر بھی ایمان لاؤ اُس کی نبوت کی تصدیق کرو تو حواری کہنے لگے کہ ہم ان سب باتوں پر ایمان لائے تو گواہ رہو کہ ہم نے ان سب باتوں کو مان لیا اور فرمانبرداری کا عہد کر لیا ۔ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ سے أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ تک (۸) یہ آٹھواں انعام ہے اور اُس وقت کا تذکرہ ہے جب حضرت عیسیٰ اور قوم بنی اسرائیل دریائے طہراس کے پاس تھے اور کھانے کو کوئی چیز موجود نہ تھی تو بنی اسرائیل نے نزول مائدہ کی درخواست کی تھی ۔ حسن بصری اور مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے دعا ضرور کی تھی ۔ لیکن نزول مائدہ کو چونکہ خدا کی طرف سے سخت وعید کے ساتھ مشروط کر دیا گیا تھا اسلئے دوبارہ حضرت عیسیٰ نے درخواست نہ کی اور نہ حواریوں نے خواہش کی اسلئے مائدہ نازل نہوا لیکن جمہور امت اور مشاہیر علماء کا بالاتفاق قول ہے کہ مائدہ ضرور نازل ہوا ۔ اور شرائط معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے پر بنی اسرائیل عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئے اور سوروں اور بندروں کی شکلوں میں مسخ کر دیے گئے ۔ ابن کثیر اور سیوطی نے بیان کیا ہے کہ خوان پر سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں اور دسترخوان سرخ رنگ کا تھا ۔ فرشتے آسمان سے اُسکو لے کر آئے تھے اور سب لوگ اُسکو کھا کر سیر ہو گئے تھے (ابن عباس کا یہی قول ہے) عمار بن یاسر کے قول کے موافق جنت کے میوے بھی دسترخوان پر تھے (ابن جریر) عمار بن یاسر کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ آسمان سے مائدہ اُترا اُس پر روٹیاں اور گوشت تھا اور بنی اسرائیل کو حکم دیدیا گیا تھا کہ آج سیر ہو کر کھا لو کل کے واسطے جمع کر کے نہ رکھو مگر بنی اسرائیل نے خیانت کی اور بچا کر دوسرے روز کے واسطے رکھ چھوڑا اسپر نزول مائدہ موقوف ہو گیا اور خلاف ورزی کرنے والوں کی شکل

سورا اور بندروں کی طرح بنا دی گئی (ترمذی۔ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ ابوالشیخ۔ ابن مردویہ) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خوان صرف ایک دن ہی نازل نہیں ہوا بلکہ بہت دنوں تک اترتا رہا اور بالآخر بنی اسرائیل کی نافرمانی سے اُس کی بندش ہو گئی۔ اب آیات کا خلاصہ ذیل میں ٹکڑے ٹکڑے کرکے بیان کرتے ہیں تاکہ ہر فقرہ کا مطلب بخوبی سمجھ میں آجائے۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ یعنی جب حواریوں نے عیسیٰ سے کہا تھا کہ کیا تمہارا رب (ہمارے حالات کو دیکھتے ہوئے) اتنا کرسکتا ہے (اور تمہاری دعا سے یہ ہوسکتا ہے) کہ آسمان سے ہم پر ایک خوان تیار بھیجدے۔ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ہ عیسیٰ نے جواب دیا لوگو! اگر تم ایماندار اور خالص مسلمان ہو تو خدا سے ڈرو۔ اس فقرہ کا مطلب چار طریقہ پر بیان کیا گیا ہے اول یہ کہ سچائی کے لئے اتنی نشانیاں نہ مانگو کہ ایمان بالغیب نہ رہے اور مشاہدہ ہو جائے۔ بلکہ اگر تمہارا خالص ایمان بالغیب ہے تو اسی کو قائم رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو (سیوطی)۔ دوسرا مطلب یہ کہ بنی اسرائیل فقیر محتاج تھے اُنہوں نے اسلئے اس قسم کا سوال کیا تھا کہ کھانا بے محنت مل جائے اور اطمینان سے عبادت کرسکیں حضرت عیسیٰ نے اُن کی درخواست قبول کرلی لیکن اتنا کہدیا کہ بہتر یہی ہے کہ تم اسکی طلب نہ کرو شاید اس کا حصول فتنہ و عذاب کا سبب ہوجائے اسلئے تم رزق حلال کی طلب میں محنت کرو اور اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو (بعض۔ تابعین) تیسرا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان کامل ہے تو تقویٰ رکھو متقی کو غیب سے رزق ملتا ہے۔ چوتھا مطلب ابن عباس سے مروی ہے کہ عیسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ کیا تم سے یہ ہوسکتا ہے کہ خدا کے واسطے تیس روزے رکھو پھر جو مانگوگے وہ ملیگا۔ بنی اسرائیل نے ایسا ہی کیا لیکن روزے ختم ہونے کے بعد کہنے لگے اے معلم خیر ہم نے یہ کام کرلیا اگر ہم کسی بندہ کے واسطے ایسا کرتے تو فراغت پر وہ ہم کو خوب کھانا کھلاتا۔ اس کے بعد مائدہ کی درخواست کی تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا خدا سے ڈرو اگر اُس پر تمہارا ایمان کامل ہے تو ایسے گستاخی کے کلمات نہ کہو۔ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰؑ کے جواب میں کہا کہ ہمارا مقصد گستاخی نہیں ہے بلکہ اسمیں چار فوائد ہیں۔ اول تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ اُس میں سے کھائیں ہم کو رزق حاصل ہو۔ دوسری غرض یہ ہے کہ وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہوجائے اور ایمان و یقین میں ہمارا اضافہ ہوجائے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا ہم کو آپ کی نبوت کا (کافی) یقین ہوجائے اور یقین ہوجائے کہ آپ سچے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ہم کو قدرت الٰہی کا مشاہدہ ہوجائے علم استدلالی مشاہدہ سے بدل جائے اور جو لوگ غیر حاضر ہیں ہم اُن کے سامنے اسکی شہادت دے سکیں۔ جب حضرت عیسیٰ نے یہ مقاصد اُن کے سُنے تو قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا بارگاہ الٰہی میں عرض کی اے ہمارے معبود اے ہمارے خدا ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرما جو ہمارے زمانہ والوں اور آئندہ آنے والوں کے لئے عید بن جائے اور باعث سرور ہوجائے وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اور تیری قدرت کاملہ پر نشانی ہوجائے اور اس سے مقصود ہمارا صرف رزق حاصل کرنا ہے شان مقدس میں گستاخی مدنظر نہیں، تو خیر الرازقین ہے ہم کو غیب سے رزق عطا فرما۔ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ خدا تعالیٰ نے فرمایا میں خوان تو ضرور نازل کرونگا فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ لیکن شرط یہ ہے کہ اگر مائدہ نازل ہونے کے بعد تم میں سے کسی نے ناشکری کی فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ تو میں اُس پر ایسا سخت عذاب نازل کرونگا کہ آئندہ دنیا میں کسی کو ایسے عذاب میں مبتلا نہیں کرونگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جن اسرائیلیوں نے ناشکری اور کفر کیا اور ایسی نعمت بار دہ ملنے پر بھی اطاعت نہ کی اُن کی شکل بندروں اور سوروں کی طرح ہوگئی۔ یہیں سے علماء اسلام نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امت اسلامیہ پر اس قسم کا عذاب کبھی نہیں آئیگا اور یہی مضمون صحیح حدیثوں میں بھی آیا ہے۔

مقصود بیان: ۔ قیامت کے دن نافرمان کافروں کا کوئی ساتھی نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ انبیاء بھی ان کا ساتھ دینے اور ان کے متعلق جواب دینے میں ہیبت و خوف خداوندی سے مجبور ہونگے چہ جائیکہ شفاعت کرسکیں۔ اُن نعمتوں کا ذکر جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ کو عطا فرمائی تھیں۔ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث و حلول کی بدلائل تردید اور اس بات کا اظہار کہ اگر عیسےٰ خدا ہوتے تو پھر ان کو ان نعمتوں کے حصول کے لئے خدا کی کیا ضرورت تھی اور کیوں مجبور بندوں کی طرح قیامت کے دن اُن سے بازپرس کی جائے گی۔ مؤمن کیلئے تقویٰ ضروری ہے۔ بدلالۃ النص اس بات کی طرف اشارہ کہ امت اسلامیہ کو مسخ صورت کا عذاب نہ دیا جائے گا۔ نزول مائدہ کا بیان۔ وغیرہ

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسےٰ ابن مریم کیا تم نے

قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ
لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ
معبود مانو عیسیٰ جواب دینگے تو پاک ہے مجھ سے کیوں

لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ
ہوسکتا تھا کہ ناحق بات کہتا اگر

كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ
میں نے ایسا کہا ہوگا تو تیرے علم میں ہوگا میرے جی کی بات تو

نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ
جانتا ہے اور تیرے راز میں نہیں جانتا بلاشبہ

اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ○ مَا قُلْتُ لَهُمْ
غیب کی باتوں سے تو بخوبی واقف ہے میں نے تو ان سے وہی بات کہی تھی

اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
جسکا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس اللہ کی پرستش کرو

رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا
جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے جب تک میں اُن میں رہا

مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ
اُن کا نگراں رہا پھر جب تو نے مجھے بلالیا تو تو ہی

اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ
اُن کا نگہبان تھا تو ہر چیز سے

شَیْءٍ شَهِیْدٌ ○ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ
خبردار ہے اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں

وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ
اور اگر معاف کردے تو تو زبردست

الْحَكِیْمُ ○ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ
با حکمت ہے اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے کہ

الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ
سچے بندوں کو اُن کا سچ کام آئے گا اُن کے لئے جنتیں ہیں جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ
اندر نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ
اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے خوش یہی

الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○
بڑی کامیابی ہے

تفسیر

سابق آیات میں اُن احسانات اور نعمات کا ذکر تھا جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو عطا کی تھیں ان سے صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ عیسیٰ خدا بھی نہ تھے نہ خدا کے بیٹے تھے بلکہ معمولی بندے اور عظیم القدر نبی تھے۔ خدا نے ان کو اپنا مظہر قدرت بنایا تھا۔ ان آیات میں اُس سوال اور جواب کو بیان کیا گیا ہے جو خدا اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان قیامت کے دن ہونگے۔ یہ سوال جواب بھی اسی امر کو ثابت کرتے ہیں جو پہلے ثابت ہوچکا ہے کہ عیسیٰ بندہ تھے اور پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر تھے اور خدا کے مطیع فرمان تھے اور اُنہوں نے اپنی زندگی میں اعلانِ توحید و تنزیہ کیا تھا۔ سدی کا قول ہے کہ یہ سوال و جواب خدا اور عیسیٰ کے درمیان دنیا ہی میں ہوچکا ہے اور اُس وقت ہوا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ کو خدا نے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے لیکن جمہور مفسرین اور ائمہ امت کے نزدیک پہلا قول ہی حق ہے اور اسی کی تائید مختلف صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ عیسے بن مریم سے فرمائیگا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھکو اور میری ماں کو دو خدا کہنا اور تیسرا خدا اللہ کو جاننا۔ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ۔ حضرت عیسیٰ جب یہ عتاب آمیز خطاب سُنینگے تو حسب روایت ابو وداق کھڑ کھڑا اٹھینگے اور بُن مو سے خون کے فوارے جاری ہوجائینگے اور نہایت عاجزی سے عرض کرینگے

الٰہی تو تمام عیوب سے پاک ہے تو وحدہٗ لاشریک ہے تیری ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا الٰہی میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا جسکا مجھے استحقاق نہ تھا۔ مجھ میں ہرگز ایسی قوت نہ تھی کہ ایسی نامناسب بات کہتا۔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تجھ کو ضرور معلوم ہوتی تو میرا مولا اور رب ہے تجھ سے میرا قول پوشیدہ نہ رہتا کیونکہ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ میری مخفی حالت کو بھی تو خوب جانتا ہے اور جو کچھ تیرے علم میں ہے میں اُس سے واقف نہیں۔ مطلب یہ کہ میرا علم تیرا عطیہ ہے اور تیرے علم کے معلومات غیر متناہی ہیں۔ تیری شان پاک ہے اور میں بندۂ خاک ہوں۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ تو تمام مخفی امور سے واقف ہے تجھے غیب کا بھی علم ہے (حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعًا مروی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ عیسٰی کو یہ دلیل اپنی طرف سے القاء کردیگا حالانکہ خدا خوب واقف ہے کہ عیسٰیؑ اس بہتان سے بری ہیں اور صرف نصاریٰ کی یہ افترا بندی ہے) مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ میں نے تو اُن سے صرف وہی کہا تھا جسکے کہنے کا تونے مجھے حکم دیا تھا کہ اسی خدائے واحد کی پرستش کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے یعنی میں نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ خدا تعالیٰ میرا بھی معبود اور رب ہے تمہارا بھی معبود اور رب ہے میں بھی اُس کا بندہ ہوں تم بھی اُسکے بندے ہو میں اور تم عبودیت میں برابر ہیں میرے اور تمہارے بندہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ اور میں جبتک اُن میں رہا اُن کی نگہبانی کرتا رہا اور شرک سے اُن کو بچاتا رہا وعظ و نصیحت کرتا رہا۔ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ جب تونے مجھے اپنے پاس بلالیا اور اُن کے اندر سے معدوم کردیا تو پھر میں اُن کا نگراں نہ رہا بلکہ تو ہی اُنکے اعمال کا نگراں رہا مجھے اپنے بعد کا کوئی علم نہیں۔ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ تجھے ہر چیز کی اطلاع ہے تو ہر شے کا دانا ہے جو بات میں نے اُن سے کہی تھی وہ بھی تجھے معلوم اور جو افترا بندیاں اُنہوں نے کیں اُن کا بھی تجھے علم ہے اور جتنے واقعات عالم میں ہوتے ہیں سب سے تو واقف ہے۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ اگر تو ان میں سے مشرکوں کو عذاب دیگا تو کوئی روکنے والا نہیں وہ تیرے بندے ہیں تو ہی اُن کا مالک ہے جو چاہے تصرف کرے کوئی اعتراض نہیں۔ تیرا فعل بجا اور درست ہے وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اور اگر تو انمیں سے موحدوں کے قصور معاف کردیگا اور ان کے گناہوں سے درگذر فرمائیگا تو عزیز الحکیم ہے تیری قوت غالب اور حکمت محیط ہے نہ تیری معافی کو کوئی رد کرسکتا ہے نہ حکمت پر کوئی نکتہ چینی کرسکتا ہے قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا خدا تعالیٰ فرمائیگا

آج قیامت کا دن ہے سچوں کو اُن کی صداقت کام آئیگی جو لوگ دنیا میں سچ بولتے تھے توحید کے قائل تھے اور شرک سے پاک اُن کو اُنکی سچائی آج سودمند ہوگی (ابن عباس) اُن کے لئے دائمی طور پر جسمانی اور روحانی جنتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ خدا اُن سے راضی اور وہ خدا سے خوش یعنی اُن کی محنت رائگاں نہ جائیگی دنیا میں جو اعمال نیک اُنہوں نے کئے تھے اُن سے خدا راضی ہوگا اور اُن کا ثواب مرحمت فرمائیگا جس سے وہ بھی خوش ہوجائینگے۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ اور خدا کی رضامندی ہی بڑی کامیابی ہے۔

مقصود بیان: عرب کے عیسائیوں کے عقائد کی پُرزور نہایت لطافت و بلاغت کے ساتھ تردید۔ قیامت کے دن بڑے سے بڑے پیغمبر کے عجز اور بیچارگی کا اظہار۔ ہیبت الٰہی کا مظاہرہ۔ اس بات کی صراحت کہ علوم الٰہیہ سے کوئی واقف نہیں ہاں جتنے حصہ پر اُس نے مطلع کردیا بس مخلوق کو اُتنا ہی علم۔ اس امر کی بھی تصریح ہے کہ کوئی نبی خلاف حکم الٰہی لوگوں کو تبلیغ نہیں کرسکتا۔ گویا ہر نبی معصوم ہے۔ فرائض دینیہ ادا کرنے میں اُن سے کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ ہر نبی کا فرض ہے کہ جب تک اس عالم ناسوتی میں رہے اپنی امت کا نگراں رہے اور اُسکو شرک سے بچنے کی ہدایت کرتا رہے۔ قیامت کے دن صرف وحدت پرست طبقہ کو ہی سعادت حاصل ہوگی۔ مرضیِ مولا کا حصول ہی دارین کی بڑی کامیابی ہے۔ قیامت کے دن موحدوں کو رحمت جاودانی حاصل ہوگی

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اُسکی سلطنت اللہ ہی کی

فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۠ ۱۲۰

ہے اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے

تفسیر

یہ آیت اس سورت کا تتمہ ہے۔ اس سورت میں چند خصوصی مباحث کا بیان تھا۔ بندوں کو میثاق الٰہی کی تکمیل کی ہدایت۔ بیان احکام۔ اہل کتاب کے باطل عقائد کا ابطال خصوصًا مسلمات نصاریٰ کی بیخ کنی۔ اخیر میں قیام حشر کا بیان۔ موحدوں کی صداقت کا سودمند ہونا اور نیکوکاروں کو سعادت ابدی حاصل ہونا۔ گویا شروع میں ہدایت کی گئی تھی کہ میثاق الٰہی کی پابندی کرو اور اخیر میں اُس کا نتیجہ بیان کردیا کہ میثاق کی پابندی سے سعادت ابدی حاصل ہوگی۔ جب یہ تمام امور مکمل طور پر بیان کردیے گئے تو اب ذات پاک کی عظمت و کبریائی کا اظہار اور قدرت و جلال کا بیان کیا جاتا ہے اور اسی پر کلام کو ختم کیا جاتا ہے۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ کائنات موجودات

سب خدا کی مخلوق مملوک اور اُسی کی مطیع فرمان ہے وہ ہر طرح سے اسمیں تصرف کر سکتا ہے اور کرتا ہے کسی کو سرتابی کی مجال نہیں۔ تمام عالم اُس کے دائرہ قدرت کے اندر ہے اسلئے افراد انسانی کو بھی اُس کے احکام سے سرتابی کسی طرح جائز نہیں۔

مقصود بیان: عظمت و کبریائی کا مظاہرہ۔ وسعت قدرت کا بیان عجز مخلوق کی طرف ایماء۔ انسانوں کو فرمان پذیر بننے کی لطیف ہدایت وغیرہ

سورۃ الانعام مکیۃ وھی مائۃ وخمس وستون اٰیۃ وعشرون رکوعاً

سورۂ انعام مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو پینسٹھ یا چھیاسٹھ آیتیں اور ۲۰ رکوع ہیں

یہ سورت مکی ہے۔ رات کو یکبارگی پوری مکہ میں نازل ہوئی۔ صرف چند آیات اس میں مدنی ہیں۔ تین آیات وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ الخ اور تین آیات قُلْ تَعَالَوْا الخ۔ اس سورت کی کل آیات ۱۶۵ یا ۱۶۶ ہیں۔ ۲۰ رکوع ہیں ۳۱۰۰ کلمات اور ۱۲۹۳۵ حروف ہیں۔

اس سورت کے نزول کے وقت ستر ہزار فرشتے اسکے ساتھ تھے (ابن مسعود) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے تسبیح کہی اور فرمایا اس سورت کے ساتھ اتنی کثرت سے فرشتے ہیں جنھوں نے افق کو ڈھانک لیا ہے (جابر) قرطبی کا قول ہے کہ مشرکوں کو قائل کرنے اور اہل بدعت کے مقابلہ میں دلائل قائم کرنے اور منکران حشر و نشر کے سامنے وقوع قیامت کا استدلال پیش کرنے میں یہ سورت اصل ہے اسی سورت پر متکلمین نے اصول دین کو قائم کیا اور اسی سے اکثر عقائد اسلامیہ کا مع دلائل کے استخراج کیا ہے۔ اس سورت میں مندرجہ ذیل امور کو بیان کیا گیا ہے: موجود و صفات باری۔ وسعت قدرت اور تصرف الٰہی کی ہمہ گیری۔ حشر و نشر کا ثبوت۔ آثار قدرت کا اظہار۔ علم الٰہی کی کلیت۔ ان مباحث کے علاوہ اور بہت سے اصولی مسائل بھی بیان کیے گئے جن کو ہم تفسیری معانی ظاہر کرنیکے وقت آئندہ لکھینگے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور بڑا رحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

ہر طرح کی ستائش اُسی اللہ کو زیبا ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو

الْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ

پیدا کیا اور تاریکیاں اور روشنی بنائی پھر بھی

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝

کافر اپنے پروردگار کے ساتھ دوسروں کو برابر سمجھتے ہیں

تفسیر اس آیت میں اکثر غیر مسلم فرقوں کے عقائد کا رد ہے ارشاد ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ مطلب یہ ہے کہ واقعی حمد اُسی خدائے برتر و توانا کے لائق ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو نیست سے ہست کیا اور مختلف قسم کی تاریکیاں بنائیں۔ رات کی تاریکی۔ ابر کی تاریکی۔ کفر و شرک اور گناہوں کی تاریکی۔ کثافت مادی اور نفسانی قوتوں کی تاریکی۔ اُسی نے عالم میں ایک نور پیدا کیا جس سے تمام عالم روشن ہے اُسی نور کے جلوے اور پرتو تمام دُنیا کی روشنیوں میں نظر آرہے ہیں۔ سورج کی روشنی ہو یا آگ کی۔ ایمان و عقل کی روشنی ہو یا ہدایت الٰہی کی سب اُسی کے مظاہر ہیں۔ واقع میں وہ ایک ہی نور ہے لیکن ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ پھر بھی جو سرشتی کور باطن اور تاریک درون اور توحید الٰہی کے منکر ہیں ایسے خالق و پروردگار کے ساتھ جو اُن کا بھی خالق ہے مخلوق کو الوہیت اور صفات الوہیت میں برابر اور ہموزن جانتے ہیں اور مخلوق کو خالق کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

مقصود بیان: فلاسفۂ یونان کے اس عقیدہ کا رد کہ واجب الوجود نے صرف عقل اول کو پیدا کیا اور یہ تمام آسمان و زمین کا وجود عقول کے دست ایجاد سے بنا۔ مجوسیوں اور دیگر بے دینوں کے اس عقیدہ کا ابطال کہ نور و خیر کا خالق یزداں ہے اور ظلمت و شر کا خالق اہرمن۔ اس سے اُن گمراہ فرقوں کے خیالات کی بھی بیخ کنی ہوگئی ہے جو صرف خیر کا خالق خدا کو جانتے ہیں اور بدی کا خالق بندہ کو خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ صاف کہدیا گیا کہ ظلمت ہو یا نور مادی مخلوق ہو یا مجرد سب کا خالق خدا ہے۔ نیکی بدی خیر و شر سب اُسی نے بنائی۔ آیت میں فرقۂ ثنویہ کا بھی رد ہے جو نور و ظلمت کو قدیم الوجود جانتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں لطیف تنبیہ اس بات پر ہے کہ خلاق عالم اور موجد نور و ظلمت ہی ہمیشہ حمد و شکر کے قابل ہو سکتا ہے کوئی مخلوق اس قابل بھی نہیں کہ اُسکی حمد کی جائے چہ جائیکہ اسکی عبادت کیجائے۔ گویا ان آیتوں میں وجود الٰہی کو اور اُس کے صفات قاہرہ کو اور ہمہ گیر تصرف و قدرت کو بیان کیا گیا ہے تاکہ منکران وجود اور کافران صفات کو ہدایت حاصل ہو۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى

وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر موت کا ایک وقت

أَجَلًاۖ وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِندَهُۖ ثُمَّ أَنتُمْ

مقرر کردیا اور ایک میعاد خاص اُس کے نزدیک معین ہے اسپر بھی تم

تَمْتَرُونَ ○ وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ

شک کرتے ہو وہی آسمانوں میں اور زمین میں

وَفِي الْأَرْضِۖ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَ

اللہ ہے تمہاری کھلی چھپی باتوں کو جانتا ہے اور

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ○

تمہارے اعمال بھی جانتا ہے

تفسیر ان آیات میں آثار قدرت بیان کرکے انسان غافل کو خواب خرگوش سے بیدار کرنا چاہتا ہے اور تنبیہ کرنی چاہتا ہے کہ تماشائے قدرت دیکھو اور شرک وکفر سے پرہیز کرو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا اُسی قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے اس شان وصورت کا انسان گوندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور پھر اُس کے واسطے ایک مدت حیات مقرر کردی وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِندَهُ اور اُس کے علم میں ایک معین وقت تمہارے حشر کا ہے جسکو اُسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔ گویا وہ ابتدا تھی اور یہ انتہا ہوگی تو باوجود اس قدرت الٰہی کے دیکھنے اور تطورات خلقی کو کو مطالعہ کرنے کے ثُمَّ أَنتُمْ تَمْتَرُونَ تم اسکی شان الوہیت میں شک کرتے ہو یعنی باوجودیکہ اسی معبود مطلق اور قادر برحق نے تم کو نیست سے ہست کیا۔ ایک مقرر مدت کے لئے حیات عطا فرمائی اور آخر میں اپنے پاس بلائیگا تم اُس کے دائرہ قدرت سے باہر نہیں ہو سکتے مگر پھر بھی خواہ مخواہ اُسکی وحدانیت الوہیت اور صفات الوہیت میں شک کرتے ہو۔ وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ اُسی پاک پروردگار کا تمام کائنات میں جلوہ ہے وہی آسمانوں اور زمینوں میں مستحق عبادت ہے۔ اُس کے سوا کوئی اور پرستش کا استحقاق نہیں رکھتا۔ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ اُسی کا علم تمام عالم کو احاطہ کئے ہوئے ہے وہ تمہارے ظاہر باطن کو اور تمہارے ہر نیک وبد عمل کو جانتا ہے۔ حاصل یہ کہ تمہاری ذات اور تمہارا ہر عمل اُسکے احاطۂ قدرت وعلم سے خارج نہیں پھر کیوں اُسکو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرتے ہو اور صفات الوہیت میں بتوں کو اور خیالی معبودوں کو اُس کا شریک جانتے ہو

مقصود بیان: خدا ہی نیست سے ہست اور معدوم سے موجود کرنے والا ہے۔ تطورات عالم اور نیرنگی کائنات اُسی کے دست قدرت میں ہیں۔ خدا نے ہر شخص کی مدت حیات مقرر کردی ہے اور ہر ایک کے مرنے کا وقت بھی معین کردیا ہے۔ موت اور قیامت کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔ خدا کا جلوہ تمام عالم میں ہے۔ اُس کا علم ہر جزئی کلی مادی اور مجرد کو محیط ہے۔ حاصل یہ کہ عالم قدیم نہیں۔ عالم کا خالق سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ وہ عالم کل ہے اُس کے علم سے کوئی ذرہ خارج نہیں۔ مبدی بھی وہی ہے اور معید بھی وہی ہے۔ آیات میں بصیرت کوش ودماغ رکھنے والے کیلئے توحید وجودی اور توحید شہودی اور خدا تعالیٰ کی صفات ذاتیہ کی عدم عینیت اور عدم غیریت کے دلائل موجود ہیں۔ فتبصروا یا اولی الابصار۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ

اُن کے پاس تمہارے پروردگار کی قدرت کی نشانیوں میں سے جو نشانی آتی ہے

إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ○ فَقَدْ كَذَّبُوا

وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں چنانچہ حق جب ان کے پاس

بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ

پہونچا تو انہوں نے اسکی تکذیب کی تو اب آگے چلکر ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ○

ہوگی جسکی یہ ہنسی اُڑاتے تھے

تفسیر وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ یہ آیت اہل مکہ کے حق میں نازل ہوئی مگر حکم میں عموم ہے۔ ہر سرکش معاند اور کور بصیرت فطری جاہل کو شامل ہے مطلب یہ کہ اہل مکہ کے پاس قرآن کی جو آیات اور قدرت الٰہی کے جو نمونے نشانات آتے ہیں اُنپر وہ غور نہیں کرتے اور اپنے پروردگار کی معرفت و وحدانیت کو نہیں سمجھتے اور فقط یہی نہیں فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ بلکہ جب قرآن اُن کے پاس پہونچا تو انہوں نے اسکی تکذیب کی اور اپنی فطری جہالت اور عناد وسرکشی کا مظاہرہ کیا اور قرآن کا مذاق اُڑایا کبھی سحر کبھی شاعری کبھی کاہن کا قول اُسکو کہا۔ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ۔ لیکن کچھ آگے بڑھ کر تھوڑی مدت کے بعد ہی اُس چیز کی حقیقت معلوم ہوجائیگی جسکی وہ ہنسی اُڑاتے ہیں اور اس تمسخر وعناد کا انجام اُن کی نظر کے سامنے آجائیگا۔ اس آیت میں عذاب آخرت سے تہدید تو موجود ہی ہے

مگر چونکہ کوئی خاص قید اور تخصیص نہیں ہے اسلئے مفسرین نے اسکو آئندہ واقعات کے واسطے پیشین گوئی بھی قرار دیا ہے۔ گویا مکہ کے بڑے بڑے کافر سرداروں کا جنگ بدر میں مارا جانا، قریش کا ہمت شکن مصائب اور قحط میں مبتلا ہونا اور نہایت ذلت کے ساتھ مکہ کی فتح کے بعد اہل اسلام کا مسخر ہونا اور بالآخر چار و ناچار قرآن کی صداقت کو ماننا سب کچھ اس آیت میں موجود ہے۔

مقصود بیان: ۔قرآن کی ہر آیت اور کائنات عالم کا ہر ذرہ اپنے اندر ایک نصیحت آموز سبق اور درس عبرت رکھتا ہے۔ آیت میں قدرت۔ آیات قدرت اور آیاتِ قرآنی پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ انکار حق اور تکذیب صداقت سے انسان پر دنیوی وبال آتا ہے

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی امتوں کو

قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

برباد کر دیا ہم نے ملک میں ان کو اتنا جما دیا تھا کہ تم کو کو اتنا جماؤ

لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا

نہیں دیا اور اُن پر موسلا دھار مینھ برسایا تھا

وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ

اور اُن کے نیچے بہتی نہریں پیدا کی تھیں

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ

مگر اُن کے گناہوں کے سبب ہم نے اُن کو تباہ کر دیا اور اُن کے بعد

بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝

دوسری اُمت پیدا کر دی

تفسیر اوپر کی آیات میں قرآن اور نشانہائے قدرت پر غور کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ یہاں دعوتِ اسلام کی دوسری نوعیت اختیار کی گئی ہے اور گذشتہ باجبروت نافرمان اقوام کی ہلاکت کو باعثِ عبرت ظاہر کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مدعا کو نو بنو عبارتوں میں ثابت کرنا اور نیرنگی بیان سے ظاہر کرنا اپنے اندر ایک خاص جاذبیت رکھتا ہے اور فریضۂ تبلیغ کو بہترین اسلوب سے ادا کرتا ہے اور یہی قرآن کا ایک خصوصی امتیاز ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ یعنی غور کے قابل یہ بات ہے کہ خدا نے گذشتہ زمانہ میں کیسے پرشکوہ ذی جلال اور باجبروت قومیں پیدا کیں دولت و حشمت سے اُن کو سرفراز کیا۔ قوت و حکومت فراخ حالی اور عیش و راحت اُن کو عطا کیا اور دنیوی شوکت و اقبال کے تمام اسباب اُن کو عطا کیے جو تم کو نہیں دیئے فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ لیکن جب اُنہوں نے انکار صداقت کیا اور حق سے سرتابی کی تو خدا نے اُن کی خطاکاریوں کی وجہ سے ہی اُن کو تباہ کر کے وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ دوسری قوموں کو اُن کی بجائے پیدا کر دیا۔ تو یہ امر یقینی ہے کہ جس قادر مطلق ذوالجلال خدا نے گذشتہ پرشکوہ قوموں کو نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر دیا وہ تم کو بھی عناد و سرتابی کی پاداش میں تباہ کر سکتا ہے مگر یہ محض اُسکی عنایت ہے کہ اُس نے تم کو عیش و راحت عطا کی اور تباہ نہیں کیا۔

مقصود بیان: ۔دعوتِ اسلام کی نیرنگی کا مظاہرہ۔ ترہیب و انذار گذشتہ اقوام کا عبرت انگیز انجام دکھا کر حق کی طرف مائل ہونے کی لطیف پیرایہ میں ہدایت۔ وغیرہ۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ

اگر ہم تم پر کاغذ پر لکھی لکھائی کتاب بھی اُتار دیں

فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اور یہ اُس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیں تب بھی کافر کہیں گے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ

کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے یہ کہتے ہیں کہ نبی پر کوئی فرشتہ

اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَّلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا

(کھلم کھلا) کیوں نہ اُتارا گیا اگر ہم فرشتہ اُتار دیتے

لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ

تو قصہ ہی تمام ہو جاتا پھر اُن کو کچھ بھی مہلت نہ دی جاتی اور اگر رسول کو

مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا

فرشتہ بناتے تب بھی اُس کو انسان (کی صورت پر) بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈالدیتے

يَلْبِسُونَ○

جو شبہ اب کر رہے ہیں

تفسیر مکہ کے کافروں کو رسول پاک کی صداقت میں دو قسم کے شبہات خصوصیت کے ساتھ اور بھی ہوتے تھے ایک تو یہ کہ یہ وقتاً فوقتاً وحی آنا کیسا۔ یکبارگی لکھی لکھائی کتاب کیوں نہ نازل ہوئی جسکو تمام لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ دوسرا شبہ یہ کہ فرشتہ مخفی طور پر کیوں آتا ہے ہماری نظروں کے سامنے کیوں نہیں آتا کہ ہم کو یقین ہو جاتا۔ چنانچہ تفسیر سراج میں ہے کہ نضر بن حارث، عبداللہ بن امیہ اور نوفل بن خویلد نے رسول پاکؐ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہم آپکی نبوت کو اسی وقت مانینگے جب آپ خدا کے پاس سے ایک لکھی لکھائی مکمل کتاب لیکر آئیں اور اس کے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں جو اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کریں اور آپکی نبوت و رسالت کی شہادت دیں ورنہ ہم آپکی کسی طرح تصدیق نہیں کرسکتے۔ اس قسم کے جاہلانہ سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انسان محسوس پرست واقع ہوا ہے جو چیز نظر کے سامنے ہو اسکو لیت فطرت انسانوں کی قوت وہمیہ تسلیم کرنے سے قاصر ہے مذکورہ آیت میں پہلے سوال کا مدلل جواب دیا ہے کہ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۔ اگر لکھا لکھایا مکمل قرآن آتا اور سب لوگ اسکو دیکھتے تو بدرجہ اولیٰ اسکو کھلا ہوا جادو کہنے لگتے اور نظر بندی پر محمول کرتے۔ پھر بھی کور دانش اور نابینا عقل والے تصدیق نہ کرتے۔ دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ یعنی کفار کہتے ہیں کہ آپ کے پاس کھلم کھلا فرشتہ کیوں نہیں آتا حالانکہ اگر خدا فرشتہ کو نازل فرماتا تو پھر کام ہی تمام ہو جاتا ایمان بالغیب نہ رہتا اور مشاہدہ کا جو انکار کرتا وہ دنیا میں ہی فوراً برباد و ہلاک کر دیا جاتا۔ دوسری بات یہ کہ اگر فرشتہ آتا بھی تو ان کو کیسے معلوم ہوتا کہ یہ فرشتہ ہے وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ۔ کیونکہ اصلی شکل کو یہ دیکھ نہیں سکتے اور نہ غرض تبلیغ پوری ہوتی۔ لامحالہ کسی انسانی شکل پر ہو کر اور آدمیوں کے لباس میں ظاہر ہوتا اور اس صورت میں ان کے شبہ کا ازالہ کس طرح ہوتا۔ یہ یقین کیسے ہوتا کہ یہ فرشتہ ہے آدمی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب اس قرآن کو سحر کہا جاتا ہے تو اگر لکھا لکھایا قرآن نازل ہوتا تو اسکو ضرور یہ لوگ جادو کہتے اور اگر فرشتہ اصلی صورت میں بھیجا جاتا تو لوگ اسکو کیسے دیکھ سکتے۔ اس سے فرض رسالت کیسے ادا ہوتا اور محسوس شکل میں بھیجنے سے ان کو یقین کس طرح آتا پھر مشاہدہ کے بعد تو سب کام ہی تمام ہو جاتا اور قطعاً مہلت نہ دی جاتی جب غیبت رہی تو اعمال کرنے کا زمانہ ختم ہو گیا پھر ہر عمل بے سود ہو گیا۔

مقصود بیان: فرشتہ کو اصلی شکل میں سوا انبیاء کے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اصلاح انسانی کے لئے نوع انسانی کے افراد کو بھیجنا ہی ضروری تھا تاکہ تعلیم قولی اور ہدایت فعلی کی تکمیل ہو سکے۔ تطورات انسانی اور حوادث بشری کی ہر شاخ میں رسول پیکر عمل بنکر لوگوں کو عملی ہدایت کر سکے۔ پیدائش اور موت نشست و برخاست بیداری و خواب رفتار و گفتار حرکت و سکون دولت و افلاس محکومی اور حکومت غرض تمام احوال انسانی میں کافی روشنی انسانوں کی نظروں کے سامنے ہو سکے۔ فرشتے اس نیرنگی حیات سے پاک ہیں۔ پھر کس طرح فرض رسالت کی تکمیل فرشتے سے ہو سکتی ہے۔ آیت میں لطیف ترین طرز ادا میں اس بات کو بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ جو لوگ کور باطن معاند اور فطری جاہل ہیں وہ حقائق و صداقت کو محسوس کرنے اور آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی کج راہی اختیار کرتے ہیں اور اپنے مشاہدہ کو مسحور ہو جانے پر محمول کرتے ہیں وغیرہ

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ

تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا بالآخر اسی عذاب

بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ○ ع ۱۰

نے مذاق اڑانے والوں کو گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے

تفسیر اس آیت میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے استہزاء پر صبر کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور رسول اللہ کا مذاق اڑانے والوں کو عذاب و سزا کی تہدید اور دھمکی دی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کے ساتھ یہ لوگ مذاق کرتے ہیں اور دل لگی کرتے ہیں تو آپ کو بددل نہ ہونا چاہئے۔ ان کے مذاق پر صبر کرنا چاہئے۔ آپ حق پر ہیں انجام کار آپ کو ہی کامیابی حاصل ہوگی دیکھو پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا۔ موسیٰ اور عیسیٰ کو جادوگر کہا گیا لیکن انہوں نے صبر کیا اور انجام کار استہزاء کا وبال انہی مذاق اڑانے والوں پر پڑا۔

مقصود بیان: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استہزاء کفار پر صبر کرنے کی تلقین۔ اس بات کی صراحت کہ کفر و استہزاء کا خمیازہ ناحق کوش لوگوں کو ہی اٹھانا پڑتا ہے۔ نظر عبرت کرنے کی ہدایت۔ زبردست اور پرجلال قوموں کی تباہی کو اپنے لئے درس بصیرت بنانے کا حکم وغیرہ۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ

(اے محمد) کہہ ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ تکذیب

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ قُلْ لِّمَنْ

کرنے والوں کا انجام کیا ہوا (اے محمد) پوچھو کہ

مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے (پھر) خود ہی کہدو کہ اللہ کا ہے

كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

اس نے خود رحم کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ قیامت کے دن

اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ

وہ ضرور تم کو جمع کرے گا جسکے وقوع میں کوئی شک نہیں جو لوگ

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَ

خود اپنا نقصان کر رہے ہیں وہ ایمان نہیں لائینگے جو کچھ

لَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَ

دن اور رات میں رہتا ہے اللہ ہی کا ہے

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

وہی سننے والا جاننے والا ہے

تفسیر قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ اب اتمام حجت کے طور پر ان کافروں سے کہدیجئے کہ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو سفر کرو تو تم کو خود نظر آجائیگا کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ قوم عاد و ثمود کی نافرمانی کا کیا حشر ہوا۔ نینوا، بابل، عمورا، اور صیدا کیسے شہر تھے انکے باشندے کیسے باسطوت اور پر شکوہ تھے۔ کیا کیا عیش و آرام ان کو حاصل تھے پھر بت پرستی اور تکذیب انبیاء سے ان کو کس طرح برباد کر دیا گیا کہ ان کا کوئی نام لینے والا بھی باقی نہ رہا اور ان کی فلک بوس عمارتوں کا کوئی نشان سوا چند ٹیلوں کے سطح زمین پر نہ بچا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ۔ اوپر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ نافرمانی اور سرتابی سے عذاب الٰہی اور تباہی آتی ہے جسطرح کہ گذشتہ اقوام اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے باوجود شوکتمند اور طاقتور ہونے کے فنا ہو گئیں اب اس کے مفصل دلائل بیان کئے جاتے ہیں پہلی دلیل تو یہ کہ آسمان زمین اور کائنات عالم کا مالک کون ہے انکی ہستی اور بقاء ہستی کس کے اختیار میں ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ) آپ کافروں سے یہ بات دریافت کیجئے (اگر مشرک خجالت یا حماقت یا ہٹ دھرمی سے کوئی جواب نہ دیں تو) آپ کہدیجئے کہ ان سب کا مالک مختار خدا ہے اسی نے تمام عالم کو پیدا کیا اور سب کی بقاء وجود اسی کے اختیار میں ہے۔ اسی کا حکم کل موجودات میں جاری ہے کوئی اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا (لا محالہ اسکی نافرمانی موجب تباہی ہے) دوسری دلیل یہ ہے کہ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اس نے اپنی ذات پر رحمت کو بطور فضل و احسان کے مقرر کر لیا ہے اس لئے اس نے رسول بھیجے کتابیں نازل کیں اور ہر طرح گمراہوں کو راہ پر آجانے کا موقع دیا پھر اس اتمام حجت اور رحمت عامہ کے باوجود اگر کوئی اسکی نافرمانی کرے اور گمراہی پر بہر صورت جما رہے تو کیوں خدا کے غضب میں مبتلا نہ ہو۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ قیامت کے دن تم سب کو خدا تعالیٰ ضرور اکٹھا کریگا اور حساب کتاب سزا جزا کی کارروائی جاری ہوگی تو جو ذات معدوم کو موجود کر سکتی ہے اس کی نافرمانی کا نتیجہ لازمی بربادی اور ہلاکت ہوگی۔ کیونکہ جب قیامت کے دن وہ جزا سزا دے سکتا ہے تو دنیا میں بھی سرکشوں کو تباہ کر سکتا ہے۔ رہا قیامت کا ثبوت تو اس کے وجود میں سلیم طبیعت اور ہوشیار دماغ رکھنے والوں کو شک نہیں ہو سکتا۔ البتہ جو لوگ زیانکار ہیں اور جن کی تقدیر میں ہی نقصان لکھا ہے وہ اس کا یقین نہیں رکھتے۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اسی کے دست قدرت میں زمانہ اور زمانیات کا نظام ہے وہ مالک مختار ہے (سیوطی) عالم میں جو چیز ہے خواہ متحرک ہو یا ساکن سب اسی کی ہے (مدارک) شبانہ روز کے دور کے اندر جو چیزیں رہتی ہیں ان سب کا مالک وہی ہے (سدی و ابن عطیہ) جن چیزوں پر آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہے سب اسی کے قبضہ و اختیار میں ہیں (ابن جریر) آسمان و زمین میں ہر جاندار اسی کی مخلوق اور مملوک ہے (ابن کثیر) خلاصہ یہ کہ وہی خلاق علی الاطلاق معبود برحق اور قادر متصرف ہے۔ وہی ہر شخص کے قول کو سنتا اور ہر شخص کی حالت کو جانتا ہے اس لئے اسکی نافرمانی ضرور موجب وبال ہے۔

مقصود بیان: کافروں مشرکوں مجوسیوں اور فلاسفۂ یونان

کی مدلل تردید۔ قیامت کے برحق ہونے کی صراحت۔ حشر و نشر جسمانی کی وضاحت خدا کی وسعت علمی اور احاطۂ قدرت اور قوت خلاقی کی تصریح وغیرہ۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ
کہدو کیا میں اس اللہ کے سوا کوئی اور دوست بناؤں جو آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ
زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہی سب کو کھلاتا ہے اسکو کوئی نہیں کھلاتا کہدو

اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ
مجھکو حکم دیدیا گیا ہے کہ سب سے اول فرماں بردار ہوں

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْٓ
اور مشرکوں میں ہرگز شامل نہ ہو کہدو کہ

اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ
اپنے رب کی نافرمانی کرنے سے مجھے روز عظیم کے عذاب کا خوف

عَظِيْمٍ ۝ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ
ہے اس روز جس شخص سے عذاب ہٹا دیا جائے تو اسپر

رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝
اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہی کھلی ہوئی کامیابی ہے

تفسیر کفار قریش نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا محمد معلوم ہوتا ہے کہ تم افلاس کی وجہ سے نبوت کا دعویٰ کرنے لگے اور اس تدبیر سے مال جمع کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم اس دعویٰ سے باز آجاؤ اور ہمکو اپنے پرانے دین سے نہ روکو تو ہم قبائل و برادری سے چندہ کرکے اتنا مال جمع کرکے تم کو دیدینگے کہ تم سب سے زیادہ مالدار ہوجاؤ گے کفار کی اس بکواس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم ان لوگوں سے کہدو کہ کیا میں مالی لالچ میں پڑکر خدا کو چھوڑ دوں اس کے حکم سے خلاف ورزی کروں اور اس کے علاوہ کسی اور کو معبود بنالوں حالانکہ اسی نے زمین آسمان کو ایجاد کیا۔ تمام عالم کو نیست سے ہست کیا اور وَهُوَ يُطْعِمُ پھر سب کی پرورش بھی وہی کرتا ہے سب کو وہ ہی رزق دیتا ہے گویا کل کائنات اپنی ایجاد اور بقاء وجود میں اسی کی محتاج ہے اور وَلَا يُطْعَمُ وہ کسی کا محتاج نہیں کوئی اس کا رب نہیں پھر کس طرح میں کسی کو اسکے علاوہ معبود بنا سکتا ہوں اور کس طرح مالی لالچ میں پڑکر اسکو چھوڑ سکتا ہوں۔ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اے رسول آپ ان سے کہدیجئے کہ خدا کی طرف سے مجھے حکم ملا ہے کہ اس زمانہ کے انسانوں میں سب سے پہلے میں ہی موحد فرمانبردار اور مطیع حکم ہوجاؤں اور مشرکوں کے ساتھ شامل بھی نہ ہوں شرک کرنا تو درکنار۔ پھر کس طرح میں حکم الٰہی کے خلاف کرسکتا ہوں کیونکہ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ اگر میں اسکی نافرمانی (بالفرض) کرنے کو گوارا کرلوں تو مجھے روز قیامت کے عذاب کا خوف ہے چونکہ مجھکو اسی کا علم ہے اسلئے اسکے عذاب سے ڈرتا ہوں ہاں مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ قیامت کے دن جو شخص عذاب سے بچ جائے تو بس رحم الٰہی اس کے شامل حال ہوگیا۔ اب اس کو کوئی خوف نہوگا کیونکہ رحمت الٰہی ہی کھلی ہوئی کامیابی ہے اور عذاب سے نجات نافرمانی کی صورت میں کس طرح حاصل ہوسکتی ہے۔

مقصود بیان:۔ توحید والوہیت کا ثبوت اور مصنوعات سے صانع پر استدلال۔ خدا کی خلاقی، ربوبیت، عدم احتیاج، ایجاد عالم مخلوق میں تصرف کامل اور سب لوگوں کا قیامت کے دن اس کے سامنے جانا، یہ سب اس کی الوہیت کے دلائل ہیں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ
اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہونچائے تو سوائے اسکے کوئی اسکو دور

لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ
نہیں کرسکتا اور اگر تم کو کوئی فائدہ پہونچائے تو وہ

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ
سب کچھ کرسکتا ہے اپنے بندوں پر اسی کا

فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝
زور چلتا ہے وہی مصلحت بین باخبر ہے

تفسیر وَاِنْ يَّمْسَسْكَ سے قَدِيْرٌ تک یہ بھی گذشتہ مقصود کا تکملہ ہے مطلب کا خلاصہ یہ کہ خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت کو کوئی ٹال نہیں سکتا وہی دور کرے تو دور کرے اور خداداد نعمت کو کوئی روک نہیں سکتا وہی دینے والا ہے وہی سب کچھ کرسکتا ہے۔ نفع نقصان تکلیف وراحت تنگی و فراخی بیماری اور صحت سب کچھ اسی کے دست قدرت میں ہے نہ کہ کسی معبود باطل کے قبضہ میں۔ پھر کیوں خدا کو

چھوڑ کر غیر خدا کی پرستش کی جائے اور نفع نقصان کے خیالی معبودوں سے درخواست کی جائے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اس طرح دعا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ الٰہی تیرے عطیہ کو کوئی روک نہیں سکتا اور تو نہ دے تو کوئی دے نہیں سکتا۔ اور کسی دولتمند کو اس کی دولت تیرے مقابلہ میں مفید نہیں ہو سکتی۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک روز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا۔ ارشاد فرمایا لڑکے میں تجھے چند باتیں سکھاتا ہوں یاد رکھنا:۔

" اگر کچھ مانگے تو خدا ہی سے مانگ۔ مدد چاہے تو خدا ہی سے اعانت کی خواستگاری کر۔ یاد رکھ اگر تمام عالم جمع ہو کر تجھے نفع پہنچانا چاہیگا تو نہیں پہنچا سکتا مگر صرف اُسی قدر جتنا خدا نے تیرے مقدر میں لکھدیا ہے اور اگر کل آدمی مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر صرف اُسی قدر جتنا خدا نے تیری قسمت میں مقدر کر دیا ہے قلم اٹھا لیے گئے اور ناموہائے تقدیر خشک ہو گئے (رواہ الترمذی)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ یہ بھی الوہیت کی دلیل ہے الوہیت کے واسطے تین اصول لازم ہیں قدرت کاملہ کمال علمی اور حکمت تامہ۔ تینوں کو اس آیت میں بیان کر دیا گیا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہی تمام عالم پر غالب ہے اُس کی قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں اور نہ اُس کے تصرف قہر سے کوئی سرتابی کر سکتا ہے پھر اسکی حکمت بھی کاملہ ہے۔ نظام کائنات کے مصالح سے وہی بخوبی واقف ہے۔ اس کے علاوہ وہ خبیر بھی ہے اُس کا علم محیط ہے کوئی ذرہ اُس سے مخفی نہیں لہذا وہی مستحق الوہیت ہے وغیرہ۔

مقصود بیان:۔ صفات الوہیت کا بیان۔ توحید صفاتی کا اظہار نفع نقصان تکلیف و راحت وغیرہ کا اُسی کے دست قدرت میں ہونا۔ قدرت کاملہ علم تام اور حکمت وسیعہ کا مالک ہونا۔ یہ سب باتیں الوہیت صفاتی کے ثبوت ہیں۔ آیت میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جب نفع نقصان اور تکلیف و راحت خدا ہی کے اختیار میں ہے تو پھر غیر اللہ سے استعانت کرنی اور مدد چاہنی فقط شرک ہی نہیں بلکہ حماقت بھی ہے وغیرہ۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ

تم کہدو کہ اللہ سے بڑھ کر کون چیز شاہد ہے کہدو کہ اللہ

شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ

میرے تمہارے درمیان شاہد ہے اور میرے پاس یہ قرآن بذریعہ وحی

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ

بھیجا گیا ہے تاکہ تم کو اور اس شخص کو جس تک یہ قرآن پہنچ جائے اس کے ذریعہ سے ڈراؤں

اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً

کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کی موجودگی میں دوسرے معبود

اُخْرٰى ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ

بھی ہیں کہہ دو میں گواہی نہیں دیتا تم کہدو کہ اللہ تو وہی

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

ایک معبود ہے اور میں اُن سے بیزار ہوں جنکو تم شریک ٹھیراتے ہو

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسکو پہچانتے ہیں جیسا

يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں جو لوگ اپنا نقصان

اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ع

کر رہے ہیں وہی نہیں مانتے

تفسیر اوپر کی آیات میں توحید اور الوہیت صفاتی کو بیان کیا تھا۔ یہاں سے اخیر رکوع تک الوہیت ذاتی صداقت قرآن اور حقانیت نبوت کا بیان ہے۔ کفار قریش نے ایک مرتبہ خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ محمدؐ! کیا خدا کو تمہارے سوا کوئی رسول نہیں ملا ہمارے خیال میں تو کوئی تمہاری تصدیق نہیں کریگا۔ ہم نے تو اہل کتاب سے بھی پوچھ لیا کہ تمہاری کتابوں میں محمدؐ کے نبی آخر الزمان ہونے کی کوئی خبر موجود ہے یا نہیں۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہدیا کہ ہماری کتابوں میں محمدؐ کا کہیں ذکر نہیں اگر ہو تو کوئی بتائے۔ اسکے علاوہ حمام بن زید بن کعب وغیرہ نے بھی کہا تھا کہ محمد تمہارے علم میں کیا بجز خدا کے اور کوئی معبود نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا درحقیقت اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مجھے تو یہی پیغام دیکر بھیجا گیا ہے اور میں اسی کی تبلیغ کرتا ہوں۔ اس قصہ کے بعد یہ متعدد آیات اخیر رکوع تک نازل ہوئیں۔

ارشاد ہوتا ہے قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً اے نبیؐ تم ان جاہلوں سے کہدو کہ سب سے بڑھ کر شہادت کس کی ہو سکتی ہے خدا سے بڑا شاہد کون ہو سکتا ہے یعنی خدا سے بڑھ کر شاہد اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ اور خدا میرے تمہارے درمیان جھگڑے کے متعلق گواہ ہے وہ میری نبوت کی تصدیق کرتا ہے وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ اور یہ قرآن اُس نے میرے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے تاکہ میں حاضر و غائب کو اس قرآن کا حکم پہنچا کر شرک و کفر سے منع کروں اور خدا کے عذاب سے خوف دلاؤں۔ شیخ سیوطی کا قول ہے کہ لِأُنذِرَكُم میں خطاب اہل مکہ کو ہے۔ اور وَمَن بَلَغَ سے مراد اہل عجم ہیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں اس آیت کے نزول کے بعد حضورؐ نے شاہ فارس شاہ روم اور شاہ حبش وغیرہ کو دعوت اسلام دی تھی۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ کی بعثت صرف عرب کے واسطے ہی مخصوص نہ تھی اور نہ اہل زمانہ پر ہی منحصر تھی بلکہ تمام عالم اور ہر زمانہ کے لئے یکساں تھی اور رہے اور اسی پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ ابن نجار، خطیب، ابو نعیم، عبدالرزاق، بخاری اور ترمذی وغیرہ کی روایت کردہ حدیثوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ تو اب اس عظیم الشان شہادت کے بعد بھی تم اس بات کے قائل رہو گے کہ اللہ کے ساتھ اور باطل معبود بھی شریک الوہیت ہیں قُل لَّا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ اے نبی اگر کفار اس پر بھی نہ مانیں اور شرک سے باز نہ آئیں تو آپ ان سے کہدیجئے کہ میں اس کا قائل نہیں ہوں اور تمہاری شرک انگیزی اور بد اعتقادی سے میں بیزار ہوں نہ میں مشرک ہوں نہ مشرکوں کا ساتھی۔ مشرکوں کے ہر عقیدہ اور عمل سے پاک اور بری ہوں اور صرف خدائے واحد کو قابل پرستش سمجھتا ہوں۔ اب رہی اہل کتاب کی شہادت اور ان کی تصدیق یا تکذیب تو اس کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ۔ علماء اہل کتاب رسول اللہؐ کی ذات و صفات اور حلیے کو اس طرح یقین کے ساتھ جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ جن لوگوں نے اپنے جانوں کو تو ذلیل و خوار کر رکھا ہے اور شقاوت ازلی سے اُن کا خمیر ہوا ہے وہ رسول اللہؐ پر یقین نہیں رکھتے۔ حاصل یہ کہ توریت انجیل اور زبور وغیرہ کتب سماویہ بالکل ان کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں لیکن یہ لوگ شقاوت ازلی کے باعث ایمان نہیں لاتے۔

مقصود بیان: ۔ شہادت الٰہی سب سے بڑی شہادت ہے اس لئے جھوٹی بات پر خدا کو گواہ نہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ شرق و غرب اور جنوب و شمال کے تمام انسانوں کے لئے عام تھی اور ہر زمانہ کے لئے عام ہے۔ اسلام تبلیغی مذہب ہے۔ اہل شرک کے حصے میں۔ اپنے آپ کو شامل کرنا بھی حرام ہے۔ گذشتہ کتب سماویہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام حلیہ اور اوصاف تفصیل کے ساتھ موجود تھے۔ وغیرہ۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر دروغ بندی کرے

أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ○

یا اللہ کی آیات کو جھٹلائے بلاشبہ ظالموں کا بھلا نہ ہوگا

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ

اور جس روز ہم ان سب کو جمع کر کے مشرکوں سے

أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ

کہیں گے کہ اب وہ تمہارے شرکاء کہاں ہیں جن کے شریک ہونے کا

تَزْعُمُونَ ○ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن

تم دعویٰ کرتے تھے پھر اس کے سوا ان کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا کہ

قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ انظُرْ

کہیں گے قسم ہے اُس اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہ تھے دیکھو

كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم

انھوں نے اپنے خلاف کیسا جھوٹ بولا اور پہلے جو افترا بندیاں

مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○

کرتے تھے وہ غائب ہو گئیں

تفسیر

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ○

یعنی دنیا میں بدترین ظالم دو ہی قسم کے آدمی ہو سکتے ہیں ایک تو وہ شخص جو خدا پر بہتان باندھے طبع زاد احکام یا رسمی باتوں کو خدا کا فرمان قرار دے دوسرے وہ شخص جو احکام الٰہی کو جھوٹا کہے اور حق و صداقت کا انکار کرے تو چونکہ مالی لالچ میں پڑ کر یا کسی اور وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو غلط احکام خدا کی طرف منسوب نہیں کر سکتے اور فرمان الٰہی کے ضمن کوئی ہدایت نہیں کر سکتے اسلئے وہ تو ظالم قرار پا نہیں سکتے۔ اب مشرکین و کفار آیات الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور احکام خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں اسلئے

نہ ہی ظالم ہیں اور ظالم کو کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی خواہ وہ دولتمند ہو یا جتھہ والا یا دنیوی اعتبار سے معزز ہو انجام کار اُسکو ناکامی اور ذلت سے دو چار ہونا پڑتا ہے اور آخرت میں تو کسی قسم کی فلاح اُسکو میسّر ہو ہی نہیں سکتی۔ دیکھو وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ۔ قیامت کے دن جب خدا تعالیٰ سب کو جمع کرکے شرک پرستوں سے فرمائیگا کہ آج وہ شرکا کہاں ہیں جن کو تم اپنے خیال میں خدا کے ساتھ شریک جانتے تھے۔ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ۔ اُس وقت اُن کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا اور نہ کوئی اور شرارت سوجھیگی مجبور ہو کر کہینگے اُس خدا کی قسم جس نے ہم کو پیدا کیا اور جو ہمارا رب ہے ہم نے تو کبھی شرک کیا ہی نہیں۔ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ۔ یہ کھلا ہوا جھوٹ وہ اپنے بچاؤ کے لئے اڑا لینگے۔ اُس وقت وہ تمام شرارتیں اور شرک پرستیاں اُن کے دماغوں سے کافور ہو جائینگی اور وہ تمام باتیں بھول جائینگے جو پہلے بنایا کرتے تھے۔ شدت عذاب کی ہیبت اور دہشت و حیرت سے اُن کو کوئی جواب ہی نہ بن پڑیگا اور جب عذاب کا یقین ہو جائیگا تو مجبور ہو کر اپنی نجات کی تدبیر کرینگے اور شرک سے انکار کر دینگے۔

مقصود بیان: کوئی نبی خدا پر بہتان تراشی نہیں کر سکتا اس آیت سے یہ بات نہیں نکلتی کہ ہر نبی کاذب خواہ خواہ دنیا میں غارت ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ کہ اُسکو اُخروی فلاحیت نہیں ہو سکتی اور دنیا میں اُس کے اختراع کردہ مذہب کو بقا نہیں ہو سکتا۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى

ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو تمہاری طرف کان لگاتے ہیں مگر ہم نے

قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ

سمجھنے سے ان کے دلوں پر پردے ڈالدیے ہیں اور کانوں میں گرانی پیدا

وَقْرًا وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا

کردی ہے　اگر یہ ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر یقین

بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ

نہ لائینگے　یہاں تک کہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو جھگڑتے ہوئے آتے ہیں

الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ

کافر کہتے ہیں کہ بس یہ تو　اگلوں کی

الْأَوَّلِينَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ

کہانیاں ہیں　وہ اس سے دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں اور خود بھی

عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَ

اس سے دور رہتے ہیں　غرض نادانی میں اپنے آپ کو ہی

مَا يَشْعُرُونَ ۝

ہلاک کر رہے ہیں

تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار ابو سفیان، عتبہ، شیبہ، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث اور بعض دیگر لیڈران کفر کہیں جمع ہو کر جا رہے تھے۔

اثنائے رفتار میں اس مقام پر سے گذرے جہاں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی تلاوت قرآن کی آواز بھی ان کے کانوں میں پہونچ گئی۔ فوراً کھڑے ہو گئے اور کان لگا کر سنتے رہے۔ بعد کو کسی نے نضر بن حارث سے پوچھا کیوں جی کچھ سمجھ میں آتا ہے محمد کیا پڑھ رہے ہیں۔ نضر عرب کا مشہور داستان گو تھا منہ بگاڑ کر کہنے لگا لب تو ہلتے نظر آ رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کچھ بول رہے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں اور ہوگا بھی کیا وہی پچھلوں کی کہانیاں ہونگی جو میں تمہیں سنایا کرتا ہوں اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی (مدارک و روح المعانی)

ارشاد ہوتا ہے وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ بعض مشرکین آپکی طرف کان لگا کر قرآن سنتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے اور اُن کے دل نہیں پسیجتے کیونکہ وہ ازلی شقی ہیں وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ہم نے ان کے دلوں پر گمراہی کے پردے ڈالدیے ہیں اور اُن کے دل کے کانوں میں شقاوت کی ڈاٹیں ٹھکی ہوئی ہیں اس لئے نہ وہ قرآن کو سمجھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں۔ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا۔ اب اگر وہ تمام آیات قدرت کو دیکھ بھی لیں اور کل معجزات اُن کی نظر کے سامنے آ جائیں تب بھی وہ ایمان نہیں لائینگے کیونکہ وہ ضلالت و کج راہی کو اختیار کر چکے۔ دیکھو حَتَّى إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔ جس وقت آپ کے پاس آتے ہیں تو جھگڑا کرتے ہیں جستجوئے حق اُن کی غرض نہیں ہوتی۔ قرآن سنتے ہیں تو بجائے ایمان لانے کے کہتے ہیں کہ یہ تو پچھلوں کے قصے کہانیاں ہیں ہم ان کو

سنکر کیا کریں۔ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ وہ کم بخت خود بھی ہدایت سے دور رہتے ہیں اور لوگوں کو بھی روکتے ہیں خود بھی گمراہ ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں مگر اس میں اُن ہی کا نقصان ہے اگرچہ اُن کو اس کا شعور نہیں۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ آیت وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ابوطالب کے بارہ میں نازل ہوئی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن دس چچاؤں کے بارہ میں نازل ہوئی جو لوگوں کو تو رسول پاک کو ایذا دینے سے روکتے تھے مگر خود بھی ایمان نہ لاتے تھے۔ اس صورت میں آیات کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ لوگوں کو تو روکتے ہیں کہ کوئی رسول اللہ کو دکھ نہ پہونچائے لیکن خود ایمان نہیں لاتے۔ یہ قول قاسم بن مخیمرہ، حبیب بن ابی ثابت اور عطار بن دینار وغیرہم کا ہے (ابن کثیر) لیکن ہم نے جو تفسیری معنی بیان کئے ہیں وہی اکثر اہل تفسیر کی رائے ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے بھی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے

مقصود بیان:۔ نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق، کفار کی ہٹ دھرمی کا اظہار۔ اس امر کی صراحت کہ جس شخص کے دل پر گمراہی کے پردے پڑجائیں گوش ہوش میں ضلالت کا ثقل پیدا ہوجائے اور آنکھیں نور حق سے بے بہرہ ہوجائیں اُس کو کوئی معجزہ کوئی دلیل راہ راست پر نہیں لاسکتی۔ ایسا شخص اگر حق کی طرف کچھ مائل بھی ہوتا ہے تو صرف جھگڑا اور خصومت کرنے کے لئے نہ کہ طلب حق کے جذبہ کے ماتحت۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا

کاش تم ان کی وہ حالت دیکھو کہ آگ کے روبرو ان کو کھڑا کیا جائیگا اور یہ کہینگے

يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا

اے کاش ہم واپس بھیجدیے جائیں اور احکام الٰہی کی تکذیب نہ کریں

وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ بَلْ بَدَا لَهُمْ

اور ایمان والوں میں سے بن جائیں بات یہ ہے کہ وہ چیز ان پر کھل جائیگی

مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا

جس کو پہلے سے چھپایا کرتے تھے اگر ان کو واپس بھی کردیا جائے

لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○

تب بھی دوبارہ وہی ممنوعہ حرکتیں کرینگے بلاشبہ وہ جھوٹے ہوں گے

وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا

اُن کا قول ہے کہ بس یہی ہماری دنیوی زندگی ہے اور ہم

نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ○ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا

زندہ نہیں کیے جائینگے کاش تم ان کی وہ حالت دیکھو کہ جب اُن کو اُن کے

عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ

رب کے سامنے کھڑا کیا جائیگا اور رب فرمائیگا کیا یہ سچ نہیں ہے

قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ

یہ کہینگے ہاں سچ ہے قسم ہے اپنے رب کی اللہ فرمائیگا تو پہلے تم جو کفر کرتے تھے

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ○

اُس کی پاداش میں عذاب چکھو

تفسیر ان آیات میں عذاب الٰہی کی ہیبت، جہنم کے ہولناک منظر اور کفار کی حسرتناک حالت کا نقشہ کھینچا ہے:۔ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○ حاصل ارشاد یہ ہے کہ دیکھو وہ منظر بھی کیسا ہیبت ناک ہوگا جب کفار دوزخ کے کنارہ کھڑے ہوئے انتہائی مایوسی سے کہتے ہونگے کاش ہم دنیا میں دوبارہ بھیجدیا جاتا اور ہم وہاں دوبارہ جاکر آیات الٰہی کی تکذیب نہ کرتے اور اعمال کی جزا کا کامل یقین رکھتے توحید، نبوت اور معاد کی تصدیق کرتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے درحقیقت جو باتیں انھوں نے دل میں چھپا رکھی تھیں اور شروع میں کہا تھا کہ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے وہ باتیں اُن کی اس تمنا سے ظاہر ہوجائینگی اور مجبور ہو کر اقرار کرینگے کہ ہم اگر اب کی مرتبہ دنیا میں گئے تو آیات الٰہی کی تکذیب اور ذات و صفات الٰہی میں شرک نہ کرینگے گویا وہ اقراری مجرم ہوجائینگے کہ پہلی مرتبہ ہم شرک کرتے تھے اور آیات الٰہی کی ہم نے تکذیب کی تھی ورنہ واقع میں اُن کی یہ آرزو غلط اور قول و قرار سراسر جھوٹا ہوگا اگر ان کو بالفرض دنیا میں دوبارہ جانے اور عمل کرنے کی اجازت بھی دیدی جائے تو وہ پھر ممنوعات کا ارتکاب کرنے والے ہونگے اُن کے دلوں سے نور ہدایت بالکل محو ہوگیا۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قریب دوزخ کے کنارہ پہونچینگے

توحکم ہوگا ٹھہرجاؤ:۔ ٹھہر جائینگے اُن کو توقع پڑ جائیگی کہ شاید ہم کو پھر دنیا میں بھیجدیا جائے اگراب کے ہم کو دنیا میں بھیجدیا گیا تو اس مرتبہ ہم یقیناً کفر نہ کرینگے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم دنیا میں بھیجنے کے لئے اُن کو دوزخ کے کنارہ پر نہیں ٹھہرینگے بلکہ اس تدبیر سے اُن کی زبان سے اقرار کرا لینگے کہ بیشک ہم نے کفر کیا تھا حالانکہ وہ پہلے منکر تھے اور کہا تھا کہ خدا کی قسم ہم مشرک نہیں ہیں اُن کو دنیا میں بھیجنا تو محض فضول ہوگا جب پہلی زندگی میں ہزاروں معجزات دیکھ کر ایمان نہ لائے تو دوسری مرتبہ ایسے بدباطن بے ایمانوں سے ایمان لانے کی کیا امید ہوسکتی ہے اُن کے تمام وعدے اور قول قرار جھوٹے ہونگے۔ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ اُن کا تو ابھی یہ خیال ہے کہ جو کچھ ہے بس یہی زندگی ہے حشر و نشر کچھ بھی نہیں کیسا عذاب کہاں کا ثواب۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ لیکن ان کی مایوسی کا وہ منظر دیکھنے کے قابل ہوگا کہ جب سب کو خدا تعالیٰ کے سامنے لیجا کر کھڑا کیا جائے گا اور خدا تعالیٰ اُن سے دریافت فرمائیگا کیا اب بھی قیامت ہونے کا یقین آیا کیا یہ حشر نشر واقعی نہیں ہے۔ کیا خدا کے سامنے جانا اب بھی جھوٹ ہے اُس وقت وہ جواب دینگے نہیں پروردگار کی قسم حشر نشر غلط نہیں ہے ہم کو صداقت کا یقین ہوگیا حشر اعمال کی پاداش کا دن ہے۔ خدا تعالیٰ فرمائیگا تو بس جاؤ اپنے کفر کا مزہ چکھو دوزخ میں چلے جاؤ۔

مقصود بیان:۔ تبلیغ حق کا تنوع اور نیرنگی۔ دوزخ کے ہیبت ناک منظر حشر نشر کی ہولناک تصویر اور کفار کی مایوسانہ حسرتناک حالت دکھا کر لوگوں کے دلوں میں اس بات کو جمادینا کہ حشر نشر عذاب ثواب اور اعمال کی پاداش ضرور ہوگی خدا کے سامنے ضرور جانا ہوگا اسلئے قرآن کی تصدیق رسولؐ کی نبوت پر ایمان لانا شرع کے احکام پر چلنا لازمی ہے

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى

جن لوگوں نے اللہ سے ملنے کو جھوٹ جانا وہ نقصان میں پڑے۔ یہانتک کہ

اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا

جب اچانک اُن پر قیامت آپہونچے گی تو وہ کہینگے ہائے افسوس

عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ

ہم نے دنیا میں کوتاہی کی اُس دن وہ اپنا بار اپنی پیٹھوں پر

عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا

لادے ہوں گے سُن لو بُرا بوجھ لادے ہونگے دنیوی

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ

زندگی تو بس کھیل تماشا ہے اور انجام والا

الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

گھر پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے کیا تم کو اتنی بھی سمجھ نہیں

تفسیر

پہلی آیات میں دوزخ کا ہولناک منظر دکھا کر کفار کے اُس افسوس و حسرت کا ذکر کیا تھا جو خدا کے سامنے جا کر اُن کو پیدا ہوگی۔ ان آیات میں کفار کے اُس حسرت و یاس کا تذکرہ ہے جو مرنے کے وقت عذاب کے فرشتے دیکھ کر اُن کو پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جو لوگ ملاقات الٰہی کے منکر ہیں خدا سے ملنے کا اور اُس کے سامنے جانے کا اُن کو عقیدہ نہیں ہے جب اچانک اُن پر مقررہ گھڑی آجاتی ہے موت کے علامات ظاہر ہوجاتے ہیں عذاب کے فرشتے سامنے دکھائی دینے لگتے ہیں اور جانکنی کی حالت شروع ہوجاتی ہے تو وہ نہایت یاس سے کہتے ہیں ہائے ہم نے دنیا میں تقصیریں کیں قصور کئے توشۂ آخرت کچھ نہ لیا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اُن کی پشتوں پر گناہوں کا اور کفر شعاریوں کا بوجھ سوار ہوتا ہے اور ان کو یہ بدترین بار اپنے اوپر لادنا پڑتا ہے۔ اسی بوجھ کو اٹھائے چل بستے ہیں اور یہ چند روزہ زندگی یونہی ختم ہوجاتی ہے کیونکہ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ دنیوی زندگی تو صرف کھیل تماشہ ہے کوئی قابل اعتبار اور پائیدار چیز نہیں مگر کافر لوگ بچوں کی طرح اسی کھیل کود میں مشغول ہوکر نتیجہ کی طرف سے غافل ہوجاتے ہیں اور آخرت کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے حالانکہ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ متقیوں کے لئے دار آخرت ہی بہتر ہے وہاں کی نعمتیں لازوال ہیں مگر اہل کفر کے لئے وہ بدترین مقام ہے پھر کیوں اس کھیل کود میں مشغول ہوکر دار آخرت سے غافل بن کر گناہوں کا بار اپنی پشت پر لاد کر عذاب الٰہی کے مستحق بنتے ہو۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم کو اتنی بھی عقل نہیں کیا تم اپنے بُرے بھلے کو نہیں سمجھتے کیا اتنا بھی شعور نہیں کہ چند روزہ عیش و آرام سے لازوال لذت و راحت بہتر ہے۔ دنیا زوال پذیر ہے اور آخرت باقی رہنے والی چیز ہے۔

مقصود بیان:۔ دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اور بقاء آخرت کی تصویر۔ اس امر کی صراحت کہ مرنے کے وقت جب فرشتے سامنے آجاتے ہیں اور جانکنی کی حالت ہوتی ہے تو کافروں کو اپنی گذشتہ بداعمالیوں پر افسوس ہوتا ہے۔ وغیرہ۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ

(اے محمدؐ) ہم جانتے ہیں کہ تم کو ان کی باتیں رنج دیتی ہیں

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

تو وہ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ

اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں تم سے پہلے بھی

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا

بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں مگر انہوں نے جھٹلائے جانے اور ایذا پانے

وَاُوْذُوْا حَتّٰىٓ اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ

ہونے پر صبر کیا یہاں تک کہ اُن کو ہماری مدد پہونچ گئی اور اللہ کی باتوں کو

لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی

بدلنے والا کوئی نہیں تم کو پیغمبروں کے کچھ احوال

الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ

پہونچ چکے ہیں اب اگر اُن کی روگردانی تم پر گراں

اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ

گذرتی ہے تو اگر تم سے ہو سکے کہ زمین میں

نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ

کوئی سرنگ تلاش کرکے یا آسمان پر کوئی سیڑھی لگاکے اُن کے سامنے

فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي

کوئی معجزہ لے آؤ (تو لے آؤ) اگر اللہ چاہتا تو اُن سب کو ہدایت پر جمع

الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا

کر دیتا لہذا تم نادانوں میں سے نہ ہو مانتے تو

يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۭ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ

وہی ہیں جو سنتے ہیں مُردوں کو تو اللہ جلاکر

اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝

اٹھائیگا پھر اُسی کے پاس سب لوٹا کر پہلائے جائینگے

تفسیر

ایک بار ابو جہل نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا محمدؐ! ہم نے تم سے کبھی کوئی بات غلط نہیں سُنی اس لئے تم کو ہم جھوٹا نہیں کہتے اور نہ کاذب سمجھتے ہیں بلکہ جو دین اور کتاب تم لائے ہو اُسکو جھوٹا سمجھتے ہیں اُس وقت یہ آیت قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ الخ مکمل نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کو معلوم ہے کہ تم کو ان کافروں کے قول سے رنج پیدا ہوتا ہے فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ یہ لوگ تم کو جھوٹا نہیں سمجھتے بلکہ ظالم آیات الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن کو (معاذ اللہ) جھوٹا کہتے ہیں۔

ابو یزید مدنی سے مروی ہے کہ ایک روز ابو جہل رسول پاکؐ سے ملا اور مصافحہ کیا جب واپس گیا تو کسی کافر نے پوچھا تم نے آج اس بیدین سے کیوں مصافحہ کیا؟ ابو جہل بولا واللہ میں جانتا ہوں کہ وہ نبی ہے مگر ہم لوگ عبد مناف والوں کے کیسے تابع ہو سکتے ہیں (ابن ابی حاتم)

زہری کی روایت ہے کہ ایک شب ابو جہل ابو سفیان اور اخنس بن شریق الگ الگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن سُننے کو حاضر ہوئے۔ کوئی دوسرے کے حال سے خبردار نہ تھا۔ سب چپکے چپکے الگ الگ گوشہ میں بیٹھ گئے۔ صبح ہوئی تو جدا جدا چل دیے مگر راستہ میں سب کی ملاقات ہو گئی۔ ہر ایک نے دوسرے سے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا سبب پوچھا۔ جو اصل واقعہ تھا سب نے کہدیا لیکن آخر میں سب نے معاہدہ کر لیا کہ پھر کبھی نہیں آئینگے کیونکہ اگر عرب کے جوانوں کو ہمارے جانے کی اطلاع ہو گی تو وہ بدرجۂ اولیٰ اسلام کی طرف متوجہ ہو جائینگے۔ لیکن جب دوسری رات ہوئی تو ہر ایک دوسرے کو لاعلم اور پابند معاہدہ سمجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن سُننے پہونچ گیا اور واپسی میں پھر وہی واقعہ پیش آیا اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آنے کا سب نے معاہدہ کیا۔ تیسری شب کو بھی یہی صورت پیش آئی اس روز سب نے پختہ عہد و پیمان کئے کہ اب کبھی نہ آئینگے۔ جب چوتھے دن کی صبح ہوئی تو ابن شریق لاٹھی لیکر اٹھا اور ابو سفیان سے جاکر کہا ابو حنظلہ محمدؐ سے جو کلام تم نے سنا ہے اُس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ ابو سفیان بولا بھائی میں نے جو کلام سُنا اُسمیں سے کچھ تو میں سمجھ گیا اور کچھ باتوں کی حقیقت و مراد میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ابن شریق بولا واللہ میری بھی یہی کیفیت ہے۔ پھر ابن شریق یہاں سے اٹھکر ابو جہل کے پاس گیا اور دریافت کیا ابو الحکم تم محمدؐ کے کلام کے متعلق کیا رائے رکھتے ہو؟ ابو جہل بولا بات در حقیقت یہ ہے کہ عبد مناف والوں سے ہمارا مقابلہ رہا ہے

وہ مسافروں کو کھانا کھلاتے تھے ہم بھی کھلاتے تھے۔ وہ لوگوں کے بار اپنے اوپر اٹھاتے تھے ہم بھی اٹھاتے تھے۔ ان باتوں میں تو ہم سب برابر ہے لیکن اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایسا نبی ہے جسکے پاس آسمان سے وحی آتی ہے اور ہم کو نبی کہاں سے مل سکتا ہے مگر میں تو خدا کی قسم اسکو تو نہیں مانونگا اور اُسکی تصدیق نہیں کرونگا۔ ابن جریر نے بروایت سدی بیان کیا ہے کہ جب جنگ بدر کا دن ہوا تو ابن شریق نے بنی زہرہ سے کہا کہ محمد تمہارا بھانجا ہے تم پر حق ہے کہ اُسکی طرف سے مصائب کو دفع کرو لہذا تم ابھی اُس سے نہ لڑو اب اگر وہ نبی ہے تو تم نبی سے لڑنے سے بچ جاؤ گے ورنہ بھانجے کے ساتھ تو کم از کم تمہاری طرف سے بُرائی نہ ہوگی اتنی دیر ٹھیر جاؤ کہ میں ابوالحکم کے پاس ہو آؤں۔ یہ کہکر ابن شریق ابوجہل کے پاس پہونچا اور کہنے لگا اس وقت یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی نہیں ہے مجھے تم بتادو کہ محمد جھوٹا ہے یا سچا۔ ابوجہل بولا ارے بیوقوف محمد تو سچا آدمی ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا مگر اصل بات یہ ہے کہ جب قصی کی اولاد کو تمام فضیلتیں حاصل ہوگئیں۔ کعبہ کی دربانی اُن کو مل گئی۔ حاجیوں کو شربت اور پانی پلانے کا شرف اُن کو حاصل ہوگیا۔ جنگ کے واسطے جھنڈا اُن کے سوا اور کوئی نہیں باندھ سکتا تو اب صرف نبوت رہ گئی اگر یہ بھی اُن کو مل گئی تو دیگر عرب والوں کے واسطے کیا بات باقی رہ جائیگی۔ ان روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابوجہل وغیرہ سردارانِ قریش رسول پاک ﷺ کو جھوٹا نہیں جانتے تھے بلکہ محض عناد اور خاندانی مقابلہ کی وجہ سے قرآن و رسالت کا انکار کرتے تھے اسی مطلب کو آیت بالا میں بیان کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ یعنی اگر یہ کافر تمہاری تکذیب کرتے اور ایذائیں دیتے ہیں اور تم کو رنج پہونچتا ہے تو صبر کرو کیونکہ تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کو جھٹلایا گیا ہے کافروں نے اُن کی بھی تکذیب کی ہے فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا الیکن انہوں نے کفار کی تکذیب کی اور ایذا پر صبر کیا۔ حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا بالآخر ہماری مدد اُن کے شامل ہوگئی اور اُن کو غلبہ حاصل ہوگیا انجام کار تم کو بھی غلبہ حاصل ہوجائیگا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ اور ہمارے حکم اور تقدیر کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے یعنی خاص بندوں کو تحمل مصائب کے بعد ہماری طرف سے ضرور مدد پہونچتی اور نصرت حاصل ہوتی ہے یہ قانون قدرت اور ضابطۂ تقدیر ہے اسکو کوئی بدل نہیں سکتا وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ دیکھو تمہارے پاس کچھ پیغمبروں کے حالات کی خبریں پہونچ چکی ہیں اُن کے تحمل مصائب کی کیفیت کفار کی ایذا رسانی اور انجام کار اُن کا مظفر و منصور ہونا تمہارے علم میں ہے لہذا تم بھی صبر کرو۔ خدا تم کو بھی کامیاب کریگا ان کی تکذیب اور ایذا رسانی سے رنجیدہ نہ ہو۔ وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ

فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ۔ کفار مکہ کا دستور تھا کہ صرف مذاق بنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بے سروپا باتیں کیا کرتے اور بغیر طلب حق کے معجزات کے طالب ہوتے چنانچہ ایک مرتبہ حارث بن عامر بن نوفل نے چند کفار قریش کے ساتھ حاضر ہوکر کسی خاص معجزہ کے ظاہر ہونے کی خواہش کی یا تو یہ کہا کہ مکہ کی زمین پہلے سے وسیع ہوجائے یا کوہ صفا سونے کا ہوجائے یا اسکی طرح کوئی اور درخواست کی اور چونکہ عادتِ الٰہی جاری ہے کہ کسی معاند کی خواہش پر جب تک اسکو جستجوئے حق مدنظر نہ ہو خدا تعالیٰ معجزات ظاہر نہیں فرمایا کرتا ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے اُن کی خواہش کے موافق کوئی معجزہ اپنے رسول کے ہاتھ پر ظاہر نہ فرمایا اور کافروں کی وہ جماعت مسلمان نہ ہوئی رسول پاک ﷺ کو اُن کے مسلمان ہونے کی کمال رغبت تھی اور حضور والا ﷺ کو اُن بیدینوں کے ہدایت یاب ہونے کا بہت زیادہ شغف تھا۔ جب وہ مسلمان نہ ہوئے تو آپ کو انتہائے حزن ہوا اُس پر یہ آیت نازل ہوئی (کبیر رازی) حاصل ارشاد یہ ہے کہ ہم کو معلوم ہے قریش کا مسلمان نہ ہونا تم کو ناگوار گذرا ہے اور اس سے تم کو رنج ہوا ہے تمہاری خواہش تھی کہ کوئی معجزہ ظاہر ہوجائے تاکہ ان بیدینوں کو ہدایت ہوجائے مگر یہ خدائی عادت اور مرضی کے خلاف تھا۔ اب اگر تمہاری ایسی ہی خواہش ہے تو زمین پھاڑ کر سرنگ لگا کر تحت الثری سے یا سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ کر اوپر سے کوئی معجزہ اُن کے واسطے لادو اور ان کو ہدایت یاب کردو تم کو نہیں معلوم کہ ان میں سے بعض کا کافر رہنا ازل میں مقدر ہوچکا ہے یہ ہرگز ہزاروں معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لاسکتے۔ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت کردیتا لیکن خدا کی مرضی نہیں ہے اور اسکی حکمت و مصلحت سے وہی واقف ہے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ اب تم ان کی گمراہی پر غم نہ کھاؤ اور سب کے مومن ہوجانے کی حرص نہ کرو۔ ازلی گمراہوں کے ہدایت یاب ہونے کی خواہش کرنا نادانی ہے تم نادان نہ بنو۔ ہدایت اُنہی لوگوں کو ہوسکتی ہے إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ جن کے گوش ہوش وا ہیں اور جو دل کے کانوں سے کلام ہدایت نظام سن کر اُسکو قبول کرتے ہیں یہ ازلی اشقیا مُردہ دل ہیں یہ پیغام ہدایت سن ہی نہیں سکتے پھر قبول کس طرح کرسکتے ہیں وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ۔ ان زندہ نما مُردوں کو تو خدا ہی حشر کے دن اٹھا کر اپنے پاس بُلائیگا اور جب اُس کے پاس جائینگے تو حقیقت کھلیگی تم ان کا غم کیوں کھاتے ہو۔ خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ محمد تم ان کافروں سے ایمان کی توقع نہ رکھو کیونکہ جن کو خدا تعالیٰ نے گوش ہوش دیے ہیں وہی تمہاری ہدایت کو سن کر قبول کرسکتے ہیں اور جن کے دلوں میں خدا نے سننے والے کان ہی نہیں پیدا کیے وہ سنتے بھی نہیں ہیں پھر کس طرح مان سکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ یہ کافر مُردہ دل ہیں اس لئے ان کی مثال مُردہ کی سی ہے جب قیامت کے دن ان کو زندہ کرکے اٹھایا جائے گا

تب ان کو یقین ہوگا اب دنیا میں تو اگر تمام جہان کے معجزے بھی تم لا کر موجود کردو گے تب بھی یہ ازلی بدنصیب ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

مقصود بیان: قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے جھوٹا نہیں جانتے تھے صرف عناد سے ایمان نہیں لاتے تھے۔ اعلان دین اور اشاعتِ اسلام میں جو مصائب پیش آئیں اُن کو برداشت کرنے کی آیات میں خصوصی تلقین کی گئی ہے۔ اور اس امر کی صراحت ہے کہ بالآخر اہل حق کو غلبہ ہوتا ہے کیونکہ امداد الٰہی ان کے شامل حال ہوتی ہے آیات سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ رسول اللہ اپنی امت پر بہت رحیم و شفیق تھے اور دل سے خواہشمند تھے کہ کسی طرح بیدین غارِ ہلاکت سے نکل آئیں۔ دنیا میں بعض کو ہدایت یاب کرنا اور بعض کو گمراہ چھوڑ دینا مصلحت لازمی کے ماتحت ہے۔ ازلی بدنصیبوں کے ہدایت یاب نہ ہونے پر افسوس کرنا نادانی ہے۔ کافر مردہ دل ہوتا ہے اور دل کی موت حقیقی موت ہوتی ہے۔ آیت میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک لطیف استدلال بھی ہے کہ باوجودیکہ حضور علیہ السلام کو کسی شخص کی اندرونی حالت کا علم نہ تھا اور ظاہر حالت اسی کی مقتضی تھی کہ اول ترغیب والے تو ہدایت سے ضرور بہرہ مند ہوں لیکن صاف طور پر پیشین گوئی کر دی گئی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائینگے چنانچہ ابوجہل وغیرہ ازلی اشقیا باوجود قریبی رشتہ دار ہونے کے ایمان نہ لائے وغیرہ

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ

کافر کہتے ہیں کہ اُس پر اُس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اتارا گیا

قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً

تم کہدو کہ اللہ معجزہ اُتار سکتا ہے

وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا مِنْ

مگر ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے ہیں زمین میں

دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ

جو جاندار ہیں اور جو پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں وہ سب

اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ

تمہاری طرح گروہ گروہ ہیں ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں

مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ ○

کی ہے پھر سب کو اُن کے رب کے پاس اکٹھا کیا جائیگا

تفسیر

یہ بھی سابق مضمون کا تکملہ ہے یعنی کفار کہتے ہیں کہ ہمارے کہنے کے موافق خدا کی طرف سے معجزہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا اور کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں ظاہر کیگئی جو صدق نبوت پر محسوس پر دلالت کرے اور پھر کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے نبی آپ اُن سے کہدیں کہ خدا ہر طرح کی نشانیاں اور ہر قسم کے معجزات ظاہر کر سکتا ہے مگر تم کو نازل نہ کرنے کی حکمت کا علم نہیں ہے تم اللہ کی مصلحت نہیں سمجھتے اور فرمائشی معجزہ کے انجام سے بے خبر ہو تم کو نہیں معلوم کہ اس طرح کے محسوس معجزہ کے ظاہر کرنے سے ایمان بالغیب کی تکلیف جاتی رہتی ہے۔ محسوس نشانیاں دیکھنے کے بعد اگر کوئی انکار کرتا ہے اور پیغمبر کی تصدیق نہیں کرتا تو دنیا میں ہی ہلاک کر دیا جاتا ہے اور بجائے ہدایت یاب ہونے کے دنیا تباہ ہو جاتی ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ہر طرح کی نشانیاں ظاہر کر سکتا ہے مگر روشن دماغ اور بیدار حواس کی ضرورت ہے۔ ایک کھلی ہوئی نشانی تو یہ ہے کہ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ دنیا میں تمام چلنے پھرنے والے اور ہوا میں اُڑنے والے پرندے سب تمہاری طرح ہیں سب میں اپنے ہم نوع افراد سے میل ملاپ ہے۔ کھانا پینا چلنا پھرنا سونا جاگنا پیدا ہونا اور مرنا حاکم و محکوم ہونا انتظام و گروہ بندی سب انسانوں سے ایسی ہے اگر انہی کی حالت پر غور کرو گے تو ایمان لانے کے لئے کچھ کم نہیں۔ مزید آیات الٰہی کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ہم نے قرآن میں کسی چیز کا ضروری بیان نہیں چھوڑا ہے (لیکن دل میں نور علم اور حواس میں زیرکی اور دماغ میں روشنیٔ معرفت کی ضرورت ہے تاکہ آیاتِ الٰہی سمجھ میں آسکیں) ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ پھر اس تمام جاندار مخلوق کو خدا اپنے پاس بلالیگا اور انجام کار سب کو اُس کے پاس جانا ہوگا آدمی ہوں یا جانور درندے ہوں یا پرندے چرندے یا دریا میں رہنے والے جاندار سب مرنے کے بعد خدا کے سامنے جائینگے۔ وہ ہر ایک کے دوسرے کا حق دلوائیگا۔ علامہ سیوطی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ قیامت کے دن چوپائے مویشی اور تمام مخلوق اٹھائی جائیگی۔ خدا تعالیٰ اُن کے درمیان انصاف کرے گا یہانتک کہ سینگوں والے جانور سے بے سینگوں والے کو بدلا دلوائیگا پھر فرمائیگا تم سب خاک ہو جاؤ۔ غرض یہ کہ نبوت کی صداقت خدا کی قدرت اور قیامت کی حقانیت پر یہ دلیل کچھ کم نہیں کہ چرند پرند درند ہوائی اور دریائی جانوروں کو تمہاری طرح خدا نے گروہ در گروہ پیدا کیا ہے اور یہ سب باوجود غیر مکلف ہونے کے مرنے کے بعد زندہ ہونگے اور میدان حشر میں جمع ہو کر محض اظہار عدل کیلئے اور ایک دوسرے کا عوض دلوانے کے لئے ان سے بازپرس کی جائیگی پھر انسان مکلف ہو کر کس طرح بچ سکتا ہے

مقصود بیان: معجزہ فرمائشی نازل نہیں ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز

تب ان کو یقین ہوگا اب دنیا میں تو اگر تمام جہان کے معجزے بھی تم لاکر موجود کر دو گے تب بھی یہ ازلی بدنصیب ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

مقصود بیان: قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے جھوٹا نہیں جانتے تھے صرف عناد سے ایمان نہیں لاتے تھے۔ اعلان دین اور اشاعت اسلام میں جو مصائب پیش آئیں اُن کو برداشت کرنے کی آیات میں خصوصی تلقین کی گئی ہے۔ اور اس امر کی صراحت ہے کہ بالآخر اہل حق کو غلبہ ہوتا ہے کیونکہ امداد الٰہی ان کے شامل حال ہوتی ہے آیات سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ؐ اپنی امت پر بہت رحیم و شفیق تھے اور دل سے خواہشمند تھے کہ کسی طرح بیدین غار ہلاکت سے نکل آئیں۔ دنیا میں بعض کو ہدایت یاب کرنا اور بعض کو گمراہ چھوڑ دینا مصلحت لازمی کے ماتحت ہے۔ ازلی بدنصیبوں کے ہدایت یاب نہ ہونے پر افسوس کرنا نادانی ہے۔ کافر مردہ دل ہوتا ہے اور دل کی موت حقیقی موت ہوتی ہے۔ آیت میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک لطیف استدلال بھی ہے کہ باوجودیکہ حضور علیہ السلام کو کسی شخص کی اندرونی حالت کا علم نہ تھا اور ظاہر حالت اسی کی مقتضی تھی کہ اول ترتیب والے تو ہدایت سے ضرور بہرہ اندوز ہوں لیکن صاف طور پر پیشین گوئی کر دی گئی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائینگے چنانچہ ابوجہل وغیرہ ازلی اشقیا باوجود قریبی رشتہ دار ہونے کے ایمان نہ لائے وغیرہ

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

کافر کہتے ہیں کہ اُس پر اُس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اُتارا گیا

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً

تم کہدو کہ اللہ معجزہ اُتار سکتا ہے

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا مِنْ

مگر ان میں سے اکثر بے سمجھ ہیں زمین میں

دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ

جو جاندار ہیں اور جو پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں وہ سب

اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ

تمہاری طرح گروہ گروہ ہیں ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں

مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ○

کی ہے پھر سب کو اُن کے رب کے پاس اکٹھا کیا جائیگا

تفسیر

یہ بھی سابق مضمون کا تکملہ ہے یعنی کفار کہتے ہیں کہ ہمارے کہنے کے موافق خدا کی طرف سے معجزہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا اور کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں ظاہر کیگئی جو صدق نبوت پر محسوس پر دلالت کرے اور پھر کسی قسم کا شک و شبہہ نہ رہے۔ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اے نبی آپ اُن سے کہدیں کہ خدا ہر طرح کی نشانیاں اور ہر قسم کے معجزات ظاہر کر سکتا ہے مگر تم کو نازل نہ کرنے کی حکمت کا علم نہیں ہے تم اللہ کی مصلحت نہیں سمجھتے اور فرمائشی معجزہ کے انجام سے بے خبر ہو تم کو نہیں معلوم کہ اس طرح کے محسوس معجزہ کے ظاہر کرنے سے ایمان بالغیب کی تکلیف جاتی رہتی ہے۔ محسوس نشانیاں دیکھنے کے بعد اگر کوئی انکار کرتا ہے اور پیغمبر کی تصدیق نہیں کرتا تو دنیا میں ہی ہلاک کر دیا جاتا ہے اور بجائے ہدایت یاب ہونے کے دنیا تباہ ہو جاتی ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ہر طرح کی نشانیاں ظاہر کر سکتا ہے مگر روشن دماغ اور بیدار حواس کی ضرورت ہے۔ ایک کھلی ہوئی نشانی تو یہ ہے کہ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ دنیا میں تمام چلنے پھرنے والے اور ہوا میں اُڑنے والے پرندے سب تمہاری طرح ہیں سب میں اپنے ہم نوع افراد سے میل طاپ ہے۔ کھانا پینا چلنا پھرنا سونا جاگنا پیدا ہونا اور مرنا حاکم و محکوم ہونا انتظام و گروہ بندی سب انسانوں سے ایسی ہے اگر انہی کی حالت پر غور کرو گے تو ایمان لانے کے لئے کچھ کم نہیں۔ مزید آیت الٰہی کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ہم نے قرآن میں کسی چیز کا ضروری بیان نہیں چھوڑا ہے لیکن دل میں نور علم اور حواس میں زیرکی اور دماغ میں روشنئ معرفت کی ضرورت ہے تاکہ آیات الٰہی سمجھ میں آسکیں۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ پھر اس تمام جاندار مخلوق کو خدا اپنے پاس بلالیگا اور انجام کار سب کو اُس کے پاس جانا ہوگا آدمی ہوں یا جانور درندے ہوں یا پرندے چرندے یا دریا میں رہنے والے جاندار سب مرنے کے بعد خدا کے سامنے جائینگے۔ وہ ہر ایک کے دوسرے کا حق دلوائیگا۔ علامہ سیوطی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ قیامت کے دن چوپائے مویشی اور تمام مخلوق اٹھائی جائیگی۔ خدا تعالیٰ اُن کے درمیان انصاف کرے گا یہانتک کہ سینگوں والے جانور سے بے سینگوں والے کو بدلا دلوائیگا پھر فرمائیگا تم سب خاک ہو جاؤ۔ غرض یہ کہ نبوت کی صداقت خدا کی قدرت اور قیامت کی حقانیت پر یہ دلیل کچھ کم نہیں کہ چرند پرند درند ہوائی اور دریائی جانوروں کو تمہاری طرح خدا نے گروہ در گروہ پیدا کیا ہے اور یہ سب باوجود غیر مکلف ہونے کے مرنے کے بعد زندہ ہونگے اور میدان حشر میں جمع ہو کر محض اظہار عدل کیلئے اور ایک دوسرے کا عوض دلوانے کے لئے ان سے بازپرس کی جائیگی پھر انسان مکلف ہو کر کس طرح بچ سکتا ہے

مقصود بیان: معجزہ فرمائشی نازل نہیں ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز

توحید الٰہی اور صدق نبوت اور حقانیت قیامت کا ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ ہر قسم کے مخصوص و غیر مخصوص نشانی ظاہر کر سکتا ہے مگر بعض مصالح کے ماتحت ظاہر نہیں کرتا ہے۔ تمام جانور انسانوں کی طرح حاکم محکوم اور گروہ در گروہ ہیں۔ جانوروں کا بھی قیامت کے دن حشر ہوگا۔ قرآن پاک میں ہر چیز کا بیان موجود ہے مگر سمجھنے کے لئے بیدار دماغ کی ضرورت ہے۔ وغیرہ

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى
اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے گونگے ہیں اور

الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ
تاریکیوں میں ہیں جسکو خدا چاہتا ہے گمراہ چھوڑ دیتا ہے اور جسکو

يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀ قُلْ
چاہتا ہے سیدھے راستہ پر ڈالدیتا ہے کہدو کہ

اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ
بھلا دیکھو اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے یا

اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ
قیامت آجائے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؀ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ
تم سچے ہو نہیں بلکہ اسی کو پکارو گے

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاۗءَ
اور جسکو شریک ٹھہراتے تھے اس کو بھول جاؤ گے پھر اگر چاہیگا

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ؀
تو اس آفت کو دور کر دیگا جسکے لیے تم اس کو پکارو گے

تفسیر وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ
لیکن آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والے اور حقائق عالم کا انکار کرنے والے بہرے ہیں ان کے کانوں میں حق کے سننے کی صلاحیت نہیں گونگے ہیں آیات الٰہی کا اقرار اور خدا کی وحدانیت و ربوبیت کی شہادت دینے کی ان کی زبانوں میں قوت ہی نہیں ہے وہ سرکشی و کفر کی گمراہیوں میں پڑے ہوئے ہیں ان کی روحیں تاریک اور دل سیاہ ہیں اور وہ اتھاہ میں محو ہے کہ باوجود استعد

کھلے ہوئے آثار قدرت و عظمت کے ان کو کچھ نہیں سوجھتا۔ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور یہ محض خدا کی مشیت ہے جسکو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر ڈالدیتا ہے وہ قادر مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ ۔ ان آیات میں آخر رکوع تک الوہیت ذاتی و صفاتی کے چند دلائل ثبوت فطری طور پر پیش کئے جاتے ہیں اور سابق آیات میں جو فرمایا تھا کہ ہم قادر مطلق ہیں ہر قسم کی نشانیاں ظاہر کر سکتے ہیں مگر ان کافروں کے لئے ہر معجزہ اور نشانی بے سود ہوگی۔ اس قول کے ثبوت کے لئے چند فطری نشانیاں بیان کر کے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ جب ایسی کھلی ہوئی نشانیاں ان کے واسطے مفید نہ ہوئیں تو آئندہ کیا امید ہو سکتی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ بالفرض اگر دنیا میں ہی اعمال کی پاداش میں خدا کا عذاب آجائے یا قیامت آجائے اور عذاب الٰہی کا یقین ہو جائے تو بتاؤ کہ امداد و اعانت کے لئے تم کس سے بے اختیار فریاد کرو گے اور کس کو مصیبت کے دور کرنے کے لئے پکارو گے۔ اس وقت سب باطل معبودوں اور خیالی دیوتاؤں کو چھوڑ کر لامحالہ بلا اختیار خدا ہی سے امداد کی درخواست کرو گے اور مصیبت کا دور کرنا اسی کی مشیت پر موقوف ہوگا اگر وہ چاہیگا تو دور کریگا نہ چاہیگا نہ دور کریگا۔ رہے اور خیالی معبود تو ان کو یک قلم بھول جاؤ گے اس وقت خیال نہ ہوگا کہ لاؤ ان سے دعا کریں تو جب مصیبت کے وقت خدا کی طرف رجوع کرنا لازم ہے پھر کیا وجہ کہ چین و امن اور عیش و آرام کے وقت اسکو چھوڑ کر دوسرے غیر مفید اور مجبور محض فرضی خداؤں کی پرستش کرتے ہو حالانکہ فطرتاً اس بات کے قائل ہو کہ مصیبت کے وقت کوئی کام نہیں آسکتا اور کسی میں عذاب الٰہی کو دور کرنے کی قدرت نہیں۔

مقصود بیان:۔ جو فطرتاً نور ازلی سے محروم ہیں جن کی روحیں اندھیرے میں ہیں اور جن کے دل سیاہ ہیں ان کو ہدایت کا آفتاب عالمتاب بھی نظر نہیں آتا۔ آیت میں خدا تعالیٰ کے قادر برحق اور مختار مطلق ہونے کی صراحت ہے اور اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ ہدایت و گمراہی سب خدا کے قبضہ و اختیار میں ہے وہ جدھر چاہتا ہے بندہ کا دل پھیر دیتا ہے۔ توحید الٰہی اور خلاق عالم کی ربوبیت کی فطری دلیل وغیرہ۔

اب رہی یہ بات کہ اعمال کی پاداش میں عذاب الٰہی آبھی سکتا ہے یا یہ محض فرضی باتیں ہیں تو اس کے ثبوت کے لئے دیکھو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ
ہم نے تم سے پہلی امتوں کے پاس رسول بھیجے پھر سختی

بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ؀
اور تکلیف میں ان کو پکڑا کہ شاید وہ گڑگڑائیں

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ

تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے جب اُن پر ہمارا عذاب آیا بات یہ تھی کہ

قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا

اُن کے دل سخت پڑ گئے تھے اور شیطان نے اُن کے وہ اعمال آراستہ کر دکھائے

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا

تھے جو وہ کرتے تھے لیکن جب وہ اُس نصیحت کو بھول گئے جو اُن کو

بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰى

کی گئی تھی تو ہم نے ہر چیز کے دروازے اُن پر کھول دیے یہاں تک کہ

اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً

جب وہ اُن چیزوں پر اترا گئے جو اُن کو دی گئی تھیں تو اچانک ہم نے اُنکی گرفت کر لی

فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ

تب تو وہ ناامید ہو کر رہ گئے پھر ظالموں کی جڑ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

کاٹ دی گئی اور ہر تعریف اُسی اللہ کو سزاوار ہے جو دونیا جہان کا پروردگار ہے

تفسیر

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ہم نے پہلے زمانوں میں بھی مختلف اقوام کی اصلاح کے لئے انبیاء بھیجے تھے اور اُن قوموں نے جب اپنے انبیاء کی تکذیب کی تھی تو فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ۔ ہم نے قحط سالی گرانی اور نقصان جان و مال اور دیگر امراض میں مبتلا کر کے اُن کی گرفت کی تاکہ وہ اب بھی خدا کے سامنے عاجزی کا اظہار کریں گڑگڑائیں اُسکی طرف رجوع کریں۔ انبیاء کی تصدیق کریں اُن کی نصیحتوں پر چلیں۔ سرکشی اور طغیان چھوڑ کر اعمال کی اصلاح کر لیں۔ مگر اُنہوں نے ہماری آزمائش سے فائدہ نہ اٹھایا اور اعمال کی اصلاح نہ کی تو آخر فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا کیوں چھوٹی مصیبت میں مبتلا ہونے کے وقت اُنہوں نے خدا کے سامنے عاجزی نہ کی۔ اپنی بدکاریوں سے توبہ نہ کی اور احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ چھوڑی درحقیقت بات یہ تھی وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ اُن کے دل سخت پڑ گئے تھے کوئی عبرت و نصیحت اُن کے لئے مؤثر نہ تھی عذاب الٰہی کے آثار دیکھنے کے بعد اُن سنگدلوں کی سنگدلی میں ایمان کی نرمی نہ پیدا ہوتی تھی اور وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ شیطان نے اُن بداعمالوں کی بداعمالیوں کو اُن کی نظر میں ایسی ملمع کاری سے پیش کیا تھا کہ اُن کو حقیقت کا احساس ہی نہ ہوتا تھا وہ اپنی خوش تدبیری اور بدانتظامی کو ہر اچھے برے کام کے واسطے مؤثر حقیقی سمجھے ہوئے تھے۔ قحط سالی، افلاس، فقر و فاقہ اور نقصان جان و مال کو اسباب دنیوی سے حقیقی طور پر وابستہ جاننے لگے تھے اُن کو قطعاً اس بات کا خیال بھی نہ پیدا ہوتا تھا کہ ان مصائب کا اصلی سبب بدتدبیری اور سوءِ انتظام نہیں بلکہ خدا کی نافرمانی ہے۔ وہی عالم اسباب میں مؤثر حقیقی ہے اسباب کو جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ بالآخر جب فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ اُنہوں نے مصائب میں مبتلا ہو کر بھی اعمال کی اصلاح نہ کی اور خدا کی طرف رجوع نہ کیا اور انبیاء کی ہدایتوں کو ٹھکرا دیا اور تمام وعظ و نصیحت کو طاق نسیان پر ڈال دیا تو ہم نے دوسرے طریقہ سے اُن کی آزمائش شروع کی۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ہم نے اُن کے لئے ہر خیر و فلاح کے دروازے کھول دیے۔ صحت، دولت، حکومت اور طاقت عطا کی۔ اولاد و مال جاہ و حشم نوکر چاکر آرام و آسائش سب کچھ اُن کو دیا۔ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا۔ جب وہ عیش و راحت میں پڑ کر غافل اور مست ہو گئے۔ حکومت و دولت جسمانی طاقت اولاد کی کثرت اور رسائی عقل کے نشہ میں چور ہو کر اترانے لگے تو اُس وقت ہم نے اُن کی رسی کھینچی اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ اچانک اُن کی گرفت کر لی۔ تمام عیش و آرام اُن کا خاک میں مل گیا۔ دولت و حکومت کا نشہ اُتر گیا جسمانی صحت و طاقت اور سب جاہ و حشم کافور ہو گیا اور اُس وقت اُن کو ہر بھلائی سے ناامیدی ہو گئی۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ انجام کار ان ظالموں کی بالکل جڑ کاٹ دی گئی کوئی اُن کا پانی دیوا اور نام لیوا نہ رہا۔ عالم ہستی میں اُن کی عزت کی نمود، دولت کا نشان حکومت کے آثار بلکہ اُن کی ذات کا وجود بھی نہ رہا۔ اہل حق اور خدا کے نیک بندے اُن کے جانشین ہوئے۔ انبیاء کو فتح اور غلبہ حاصل ہوا اور ظالموں کی بجائے منصفوں کو قائم کر دیا گیا۔ ہم رب العالمین ہیں تمام اوصاف کمالیہ کے مالک ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لہذا ہم ہی ہر ستائش و حمد کا استحقاق رکھتے ہیں نہ یہ کہ فرضی خدا اور باطل دیوتا جنہیں نہ قدرت ہے نہ طاقت نہ تربیت عالم کی قوت نہ کسی وصف و کمال کے مالک ہیں نہ کسی کے خالق و رازق۔

مقصود بیان: ۔اس بات کی صراحت کہ مصائب و آلام فقر و افلاس مرض و نقصان سب خدا کی آزمائش ہے۔ اسی طرح حکومت طاقت عزت اولاد کی کثرت مال کی فراوانی اور عیش و آرام بھی خدا کی طرف سے امتحان ہے۔ جو شخص مصیبت و راحت میں ہدایت یاب نہ ہوا مصیبت کو بدتدبیری اور راحت کو خوش انتظامی پر محمول کیا وہ غافل ہے۔ عذاب الٰہی میں اُس کا گرفتار ہونا یقینی ہے۔ ہمیشہ انجام کار اہل حق اور پرستاران صداقت کو

غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ معبود ہونے کا وہی مستحق ہے جو تمام صفات کمالیہ کا مالک رب العالمین اور قادر مطلق ہو مخلوق تا دُکھ درد دور کر سکے جو قادر مختار نہ ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ ظالم اور سرکش انسان کو جتنی فراخ دستی اور فارغ البالی میسر ہوگی اتنی ہی اُس کے واسطے زیادہ موجب وبال ہوگی۔ وغیرہ۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ

کہدو کہ دیکھو اگر اللہ تمہاری سماعت و بصارت

اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ

چھین لے اور تمہارے دلوں پر مُہر لگا دے تو اُس کے سوا کون معبود ہے

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

جو تم کو یہ چیزیں دے سکتا ہے دیکھو ہم کس طرح دلائل بیان کرتے

الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ○

ہیں پھر بھی وہ رُخ پھیرے رہتے ہیں

تفسیر یہ بھی توحید والوہیت کی فطری دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم جو اپنے ہوش و حواس کی درستگی اور عقل کی رسائی پر ناز کرتے ہو اگر خدا تعالیٰ تمہارے یہ سب ہوش حواس اور عقل زائل کر دے کانوں سے قوت سماعت آنکھوں سے بینائی اور دلوں سے نور علم اور قابلیت فہم دور کر دے تو کیا اور کوئی ایسا خدا ہے جو یہ چیزیں خدا سے چھین کر تم کو دیدیگا تو جب اُسی نے یہ تمام اسباب اور اسباب کی قوتیں اور اُن کے نتائج عطا کئے اُس کے سوا نہ کوئی دے سکتا ہے نہ لے سکتا ہے تو کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اُسکو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کی جائے اور دنیا کی کامیابی و عدم کامیابی کو اپنے فہم و دانش کا نتیجہ سمجھا جائے اور اُس قادر مطلق کی طرف سے بالکل آنکھوں پر پردے ڈال لیئے جائیں۔ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ اب دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ ہم کس طرح اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں اور طرح طرح سے اپنی وحدانیت ربوبیت اور الوہیت کی دلیلیں پیش کرتے ہیں مگر وہ لوگ برابر اعراض کئے چلے جاتے ہیں تو آئندہ فرمائشی معجزات دیکھ کر کس طرح ایمان لا سکتے ہیں۔ اُن سے ایمان لانے کی امید رکھنی بیکار ہے۔

مقصود بیان: مسبب الاسباب خداوند تعالیٰ ہے۔ اسباب میں اسباب بننے کی طاقت اور تاثیر کی قوت خدا نے پیدا کی ہے وہ ان اسباب کی قوت تاثیر اور طاقت فعالی بھی دور کر سکتا ہے۔ دانشمند کی ہدایت کے لئے یہ آیات فطری کافی ہیں۔ وغیرہ۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ

کہدو کہ دیکھو اگر تم پر اللہ کا عذاب

بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ

بیخبری کی حالت میں یا کُھلے خزانے آجائے تو کیا ظالموں کے علاوہ کوئی اور

الظّٰلِمُوْنَ ○ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا

ہلاک کیا جائیگا اور ہم تو پیغمبروں کو صرف اسلئے بھیجتے ہیں

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَ

کہ خوشخبری سُنائیں اور ڈرائیں پس جنہوں نے مان لیا اور

اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

حالت درست کرلی تو اُن کو نہ کچھ ڈر ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ

اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اُن کی نافرمانی کرنے کی

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

پاداش میں اُنپر عذاب کی مصیبت آئے گی

تفسیر یہ بھی مضمون سابق کا تتمہ ہے اگر اچانک یا کھلم کھلا عذاب الٰہی آجائے اور دن رات میں کسی وقت آسمان یا زمین کی طرف سے کوئی مصیبت پیدا ہو جائے تو اس سے ہلاکت اور حقیقی تباہی اور وبال اُنہی پر پڑیگا جو ناحق کوش خطاکار اور سرکش ہیں خدا کے نیک بندے یا تو اُس تکلیف سے بچ جائینگے یا وہ مصیبت اُن کے لئے باعث ثواب اور موجب اجر ہوگی۔ غرض یہ کہ سرکش انسان کو عذاب الٰہی سے بیخوف نہ رہنا چاہیئے بہت ممکن ہے کہ دنیا ہی میں اعمال کی پاداش میں اُسکو تباہ کردیا جائے بلکہ ایسا عموماً ہوتا ہے۔ اب رہا فرض رسالت اور انبیاء کا کام تو وہ کسی کو ہدایت یاب کرنے پر مجبور نہیں ہیں نہ اُن کا یہ فرض ہے بلکہ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ اُن کو تو ہم صرف نجات کی بشارت اور عذاب کا خوف دلانے کیلئے بھیجتے ہیں کوئی ایمان لائے نہ لائے وہ سبکدوش ہیں فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ جو ایمان لے آئیگا رسول کی ہدایت پر چلیگا اُسکو قیامت کے دن نہ عذاب کا خوف ہوگا نہ گذشتہ زندگی کے برباد جانے کا غم۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ

الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ گناہ اور جو لوگ حقانیت و صداقت سے انکار کرنے والے ہیں ہدایت رسول پر نہیں چلتے اُن کو اُن کی نافرمانیوں کی سزا ملیگی عذاب الٰہی میں مبتلا ہونگے۔ بہرحال تبلیغ احکام کے بعد انبیار کا پلہ پاک ہے ہر شخص اچھائی برائی کا خود مکلف ہے جیسا کریگا ویسا بھریگا۔

مقصود بیان:۔ رسول پاک صلعم کو تسلی و تشفی۔ ایمان و اصلاح اعمال کی ترغیب۔ کفر و معاصی سے ترہیب۔ اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ضمنی حکم۔ وغیرہ۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ

اور میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں

مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ

فرشتہ ہوں میں اسی پر چلتا ہوں جو وحی کے ذریعہ مجھکو حکم ہوتا ہے کہہ دو

هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ

کیا نابینا اور بینا برابر ہیں کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے

تفسیر: ماوردی وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مشرکین قریش نے ہٹ کرتی شروع کی اور صرف مکابرہ کے طور پر ایسی آیات کی خواستگاری کی جو ان کے واسطے بالکل بے سود تھیں اور نہ کوئی اسلامی فائدہ اُن سے وابستہ تھا۔ مثلاً کسی نے کہا آپ مکہ کی زمین وسیع کر دیجئے کوہ صفا سونے کا کر دیجئے بعض نے کہا کہ ہم کو اتنی اتنی دولت دیدیجئے۔ ان تمام بیہودہ اقوال کے رد میں یہ مفصل آیت نازل ہوئی کہ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں یہ دعویٰ تو کر نہیں رہا ہوں کہ میرے پاس خزائن الٰہی موجود ہیں اور جو کچھ تم طلب کروگے میں مہیا کردونگا وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اور نہ میرا غیب دانی کا دعویٰ ہے میں نہیں کہتا کہ جو کچھ میرے مشاہدہ سے غائب ہے اور مجھے اسکے متعلق وحی بھی نہیں ہوتی ہے میں اُسکو جانتا ہوں وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اور نہ میں فرشتہ ہونے کا مدعی ہوں اور فرشتوں کی طرح عالم کی خدمت پر مامور ہوں کہ آسمان پر چڑھتا اترتا ہوں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ میں تو اسی بات کا پابند ہوں اور اسی سے تم کو آگاہ کرتا ہوں جو وحی کے ذریعہ سے مجھ پر نازل کی گئی ہے یعنی میں نہ روئے زمین کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہوں نہ غیب داں ہوں نہ فرشتہ ہوں بلکہ ایک انسان ہوں خدا نے مجھے رسالت سے سرفراز فرمایا ہے میرا قول وحی پر مبنی ہے طبعزاد نہیں ہے تم کو عقل کی روشنی سے کام لینا چاہئے کیونکہ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ نابینا اور آنکھوں والا کور باطن اور روشن عقل رکھنے والا برابر نہیں ہو سکتا اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ کیا تم اتنی سی بات میں بھی غور نہیں کرتے اور یہ کھلا ہوا فرق بھی نہیں سمجھتے۔ اگر سمجھتے ہو تو پھر کیوں نابینا اور کور باطن بنتے ہو۔

مقصود بیان:۔ ان آیات میں مندرجہ ذیل امور کی صراحت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کارخانۂ قدرت کے مالک نہ تھے۔ فرشتہ نہ تھے غیب داں نہ تھے۔ یعنی جو چیزیں حضورؐ کے مشاہدہ سے غائب تھیں اور وحی سے بھی آپ کو معلوم نہ ہوئی تھیں اُن کا آپ کو علم نہ تھا۔ آپ وحی الٰہی کے پابند تھے۔ دینی امور میں کبھی کوئی لفظ اپنی طرف سے بغیر وحی کے نہیں نکالتے تھے آیات میں کفار کو نہایت لطافت و بلاغت کے ساتھ دعوت اسلام دیگئی ہے۔ اخوت اسلامیہ اور مساوات کی بھی ضمنی ہدایت کی گئی ہے۔ حشر اجسام کی بھی صراحت کی گئی ہے۔ رسولؐ کو غیب داں بننے کی کارخانۂ قدرت کا مالک ہونے کی اور محسوسات میں مخفی تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا

اس قرآن کے ذریعہ اُن لوگوں کو ڈراؤ جن کو پروردگار کے سامنے جمع ہونے کا

اِلٰى رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّ

اندیشہ ہو کہ نہ اللہ کے سوا اُن کا کوئی حمایتی ہوگا اور

لَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝

نہ سفارشی کیا عجب ہے کہ وہ پرہیزگار بن جائیں

تفسیر: اے نبی تم یہ قرآن سنا کر ان کافروں کو ڈراؤ ان کو قیامت کے دن کا کہ خدا کے پاس جانے سے ڈر لگتا ہے ان کا نہ وہاں کوئی دوست ہوگا نہ سفارشی تم ان کو عذاب الٰہی سے خوف دلاؤ شاید یہ شرک چھوڑ کر مومن بنجائیں سیوطی وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت نو مسلموں کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ دور اسلامی کی ابتدائی حالت میں بعض نو مسلم باوجود مومن ہونے کے اخلاق جاہلیت کے خوگر تھے اور ابتدا میں ان کی کافی اصلاح نہ ہوئی تھی۔ غریب مسلمانوں سے اپنے نفوس کو برتر جانتے تھے۔ اسی کے متعلق خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ حشر سے تو ڈرتے ہیں اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن کوئی ساتھی ہوگا نہ بغیر حکم الٰہی کوئی سفارش کرسکیگا۔ لہذا آپ ان کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے۔ مساوات کا حکم دیجئے غرور و تکبر سے منع کیجئے۔ امید ہے کہ یہ لوگ مان لینگے اور استکبار کو چھوڑ دینگے۔ اہل تحقیق کے نزدیک آیت کا حکم عام ہے نو مسلموں کو بھی شامل

ہے اندازہ کافروں کو بھی جو مذبذب حالت میں تھے اور عذاب الٰہی کا ان کو ڈر لگا ہوا تھا۔

مقصود بیان:۔ اس بات کی لطیف صراحت کہ قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہ آئیگا اور بغیر حکم الٰہی کوئی سفارش نہ کر سکے گا۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ

جو لوگ صبح شام اللہ کو پکارتے ہیں اور اُس کی

وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ

خوشنودی چاہتے ہیں اُن کو دور مت کرو نہ اُن کی

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ

جواب دہی تمہارے ذمہ ہے نہ تمہاری جواب دہی

عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ

کچھ ان کے ذمہ ہے اگر تم اُن کو دور کردو گے تو

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

ظالموں میں شمار ہو گے

تفسیر: عطا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت خلفائے اربعہ بلال، سالم، ابو عبیدہ، مصعب بن عمیر، جعفر، ابن مظعون عمار بن یاسر، ارقم بن ارقم اور ابوسلمہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت سلمان اور خباب کا قول ہے کہ یہ ہمارے لئے نازل ہوئی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت بلال، عمار بن یاسر، سالم، ابن مسعود، صہیب اور واقد وغیرہ فقراء مکہ کو کفار نے ذلیل سمجھ کر رسول پاک سے درخواست کی تھی کہ اگر آپ ان ذلیل لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں قرآن سنیں ممکن ہے آپ کی باتیں سُنکر ہم ایمان لے آئیں۔ صاحب معالم التنزیل کی روایت کے بموجب اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری بھی ان کافروں کی جماعت میں داخل تھے۔ حضور والا نے اس درخواست کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں اللہ کے مسلمان بندوں کو اپنے پاس آنے سے نہ روک سکتا ہوں نہ منع کر سکتا ہوں یہ جواب سن کر مغرور کافر کہنے لگے کہ اچھا ایک دن اُن کے لئے مقرر کر دیجئے اور ایک دن ہمارے لئے ہم کو ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے اُن کی اس درخواست کو مان لینے کی طرف حضور کی طبیعت میں میلان ہوا اور حضرت علیؓ کو بلوا کر ایک گوشہ میں جا بیٹھے اور فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور والا نے کاغذ کو پھینک دیا اور فقراء صحابہ کو جا کر گلے لگایا۔

لیکن حق یہ ہے کہ ان آیات کا نزول کسی خاص واقعہ کے متعلق نہیں ہوا اس قسم کے واقعات متعدد پیدا ہوتے تھے کیونکہ مغرور کافروں کی سرشت میں امتیاز و برتری کے جذبہ نے گھر کر لیا تھا یہ اپنے کو مافوق الانسانیت ہستیاں سمجھتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ جو لوگ صبح شام خدا کی یاد کرتے ہیں اُس سے دعا کرتے ہیں اور اُس کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں (سیوطی) یا جو لوگ صبح شام نماز فریضہ ادا کرتے ہیں (ابن عباس، حسن، قتادہ) یا جو لوگ فجر اور عصر کی نماز پڑھتے ہیں (مجاہد) يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ اور محض خوشنودی خدا کے طالب ہیں آپ اُن کو اپنے پاس سے نہ نکالئے آپ کا وہ کیا بگاڑتے ہیں مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ نہ آپ اُن کے ذمہ دار ہیں نہ وہ آپ کے پھر آپ اُن کو کیوں نکال کر انصاف کا خون کرنا چاہتے ہیں اور مساوات اسلامیہ کے خلاف کرتے ہیں۔

مقصود بیان:۔ امتیاز نسبی تفوق مالی اور وجاہت شخصی کا استیصال، مساوات اسلامیہ کی ہدایت۔ اس بات کی صراحت کہ نادان دولتمندوں اور سرکش مالداروں سے ہزار بار مفلس اور نیکوکار مسلمان غریب خدا کے نزدیک بہتر ہیں۔ فقیر و امیر میں صرف مالی تفاوت کی وجہ سے فرق مراتب قائم کرنا اور اعزاز میں امتیاز کرنا ناانصافی ہے وغیرہ۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا

اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمایا تاکہ وہ یہ کہنے لگیں

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ

کہ کیا ہماری جماعت میں سے اللہ نے انہی پر اپنا تفضل کیا

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ○

کیا اللہ شکر گزار بندوں کو نہیں جانتا

تفسیر: کافر مغرور قریش طعن دیا کرتے تھے اور مسلمانوں کو ذلیل سمجھتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ کیا محمد نے اپنی قوم میں سے انہی لوگوں کو پسند کیا ہے کیا ہم میں سے خدا نے انہی کو اپنے احسان کے لئے منتخب کر لیا ہے کیا ایسے ہی نادار ذلیل احسان خدا کے مستحق ہیں خدا تعالیٰ اُن کے ان باطل خیالات کی تردید میں فرماتا ہے کہ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا یہ درحقیقت خدا کی آزمائش ہے خدا نے دولتمندوں کو غریبوں کے ذریعہ

سے آزمایا ہے کہ وہ اُن کو ذلیل سمجھ کر تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا یہ لوگ اللہ کے فضل کے لائق ہیں اور ہم سب میں سے یہی اس کام کیلئے منتخب ہوئے ہیں حالانکہ دنیا کی دولت محض بے وقعت چیز ہے اور دولت ایمان نہایت عظمت ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ اور اسی کو ملتی ہے جو اُسکی قدر کرے اور اس کا احسان مانے اور شکریہ ادا کرے خواہ غریب ہو یا امیر نادار ہو یا دولتمند غلام ہو یا خود مختار حاکم سب کا اس امر میں برابر استحقاق ہے۔

مقصود بیان :- دولت افلاس محکومی اور حکومت سب کچھ اسلام میں بے وقعت چیز ہے۔ یہ چیزیں امتیاز و برتری کے اسباب نہیں بن سکتیں۔ اسلام اور اسلامیات میں مفلس اور دولتمند حاکم و محکوم غلام و آقا اور بادشاہ و فقیر کے حقوق مساوی ہیں۔ جو احکام الٰہی کا زیادہ پابند ہے وہ ہی معزز اور قابل وقعت ہے خواہ کوئی ہو۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا

جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں

فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ

تو کہدو کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے پروردگار نے رحمت کرنا اپنے اوپر

الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا

لازم کرلیا ہے کہ جو کوئی نادانستہ کوئی برا کام کرنے کے بعد

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ

توبہ کرلے گا اور حالت درست کرلے گا

فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

تو اللہ غفور رحیم ہے اسی طرح ہم تفصیل وار آیات بیان

الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ع ۵

کرتے ہیں (اس سے غرض یہ بھی ہے کہ) مجرموں کا راستہ واضح ہوجائے ۱۲

تفسیر ابن جریر نے بروایت عکرمہ مرسلاً بیان کیا ہے کہ بلال عمار سالم صبیح ابن مسعود، مقداد، مسعود، عمرو بن عبد عمرو، ذوالشمالین اور یزید بن ابی یزید وغیرہ مسلمانوں کے متعلق بڑے بڑے کفار مثلاً عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، مطعم بن عدی، حارث بن نوفل، قرظہ بن عمرو اور بعض دیگر ائمہ کفر نے ابوطالب سے کہا کہ اگر تمہارا بھتیجہ اپنے پاس سے ان ذلیل کمینوں کو دور کردے جن میں سے بعض ہمارے آزاد کردہ غلام ہیں تو ممکن ہے ہمارے دلوں میں وقعت ہو اور شاید ہم اُسکی تصدیق اتباع کریں۔ ابوطالب نے حضور والا سے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ بھی وہاں حاضر تھے عرض کرنے لگے کہ کاش آپ ایسا کرلیں دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں اُس وقت آیت وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ سے بِالشّٰكِرِيْنَ تک نازل ہوئی۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ آیت سُنی تو خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا عذر قبول فرمائیے مجھ سے نادانی میں پہلا قول سرزد ہوگیا تھا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا اے نبی اگر تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو آیاتِ الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں قرآن کو سچا جانتے ہیں تمہاری نبوت اور روز قیامت کے قائل ہیں تو فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اول عزت افزائی کے طور پر اُن کو سلام علیک کرو اور پھر کہدو کہ خدا تم پر رحیم ہے اُس نے تمہارے واسطے اپنی ذات والاصفات پر رحمت کو لازم کرلیا اُس نے اپنی مہربانی سے فرما دیا ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص سے کوئی قصور نادانی سے سرزد ہو جائیگا اور پھر وہ سچے دل سے توبہ کرلیگا تو میں اسکو معاف کردونگا اور اپنی رحمت عامہ میں داخل کرونگا۔ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ خدا تعالیٰ اپنی آیات اور فطری دلائل اور شرعی احکام اسی طرح کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں اور ملزموں کا راستہ صاف طور پر معلوم ہو جائے۔

مقصود بیان :- مسلمان کی خالص توبہ مقبول ہے۔ توبۃ النصوح سے صغیرہ اور کبیرہ ہر قسم کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ گناہ نادانی کا کام ہے۔ روشنی عقل گناہ کی اجازت نہیں دیتی۔ خدا کی رحمت عام ہے خدا رحم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ہر مسلمان کو پہلے سلام علیک کرنی چاہئے اور مسلمان کو دعا رحمت دینی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت زیادہ تھا قرآن کے اندر توحید، تنزیہ، رسالت و قیامت کے بیشمار دلائل مفصل موجود ہیں۔ آیات فطرت سے بھی ان باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ جو شخص احکام الٰہی کے خلاف اپنی راہ عمل کو لی اور نکالے گا وہ مجرم ہے۔ قرآن کے خلاف کوئی طریقہ کار خدا کو پسند نہیں۔ قرآن پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

کہدو کہ مجھے اُن کی پرستش کرنے کی ممانعت کردی گئی ہے جن کی اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ

تم عبادت کرتے ہو کہدو میں تمہاری خواہشات پر نہیں چلونگا

قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝

ورنہ گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ طبقہ میں نہ رہوں گا

قُلْ اِنِّیْ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ

کہہ دو میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اسکی تکذیب

بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ

کی ہے وہ عذاب میرے پاس نہیں جسکی تم جلدی مچا رہے ہو بجز

الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ

اللہ کے کسی کا حکم نہیں وہ حق بات بیان کرتا ہے اور وہی سب سے بہتر

الْفٰصِلِیْنَ ۝ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا

فیصلہ کرنے والا ہے کہدو کہ اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا جسکی

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ

تم جلدی مچا رہے ہو تو میرا تمہارا قصہ طے ہو گیا

وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝

ہوتا اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ

اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اُس کے سوا

اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ

کوئی نہیں جانتا جو کچھ خشکی اور تری میں ہے وہ اُس سے واقف ہے

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا

نہ کوئی پتہ گرتا ہے جس کا اُس کو علم نہ ہو

وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ

نہ کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں ہے اور نہ کوئی تر و

وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝

خشک چیز ہے جو روشن کتاب میں نہ ہو

تفسیر پہلی آیت میں بتایا تھا کہ آیات کی تفصیل سے مجرموں کا طریق کار معلوم ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں اُن کے راہ عمل کی وضاحت کی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اے نبی ان مشرکوں سے کہدو کہ مجھے خدا کے سوا اُن باطل معبودوں کی پرستش کی ممانعت کر دی گئی ہے جن کی تم پرستش کرتے ہو قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ میں تمہارے من گھڑت دیوتاؤں اور طبعزاد معبودوں کی پرستش نہیں کر سکتا اور نہ تمہاری خواہشات پر چل سکتا ہوں قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ اگر میں ایسا کرونگا تو گمراہ ہو جاؤنگا گمراہوں کی پیروی کرنی بھی گمراہی ہے اور ہدایت یافتہ گروہ سے خارج ہو جاؤنگا ہدایت یافتہ لوگ غیر اللہ کی پرستش نہیں کرتے ہیں اور شرک سے بیزار رہتے ہیں قُلْ اِنِّیْ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ توحید و تنزیہ پر میرے پاس خدا کی قائم کردہ کھلی ہوئی دلیل موجود ہے اور مجھے اُس پر یقین ہے میں کامل بصیرت رکھتا ہوں تمہاری ان باطل پرستیوں سے میرے یقین میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا اور ان ضلالت انگیزیوں سے میری فطری بصیرت میں کوئی فرق آ سکتا ہے۔ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ مگر تم اُسکو سچا نہیں جانتے خدا کی توحید کو نہیں مانتے۔ عذاب و ثواب اور بعثت جسمانی کا انکار کرتے ہو مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ میں صرف پیغامبر ہوں لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہوں خود عذاب دینے والا نہیں ہوں نہ مجھے اس کا اختیار ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کیونکہ فیصلہ اور حکم تو صرف خدا کے قبضہ میں ہے یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ وہی حق فیصلہ کرتا ہے حق و باطل میں امتیاز کرتا ہے خواہ ہدایت و بیان کے ذریعہ سے ہو یا عذاب نازل کر کے کافروں کو ہلاک کرنے کے ذریعہ سے فیصلہ وہی کرتا ہے کسی کو کسی امر میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اُس سے بہتر حق و باطل صداقت و کذب اور نور و تاریکی میں جدائی اور فیصلہ کرنے والا کوئی ہو نہیں سکتا۔ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ اگر میرے قبضہ میں عذاب الٰہی ہوتا اور مجھے اُس عذاب کے نازل کرنے کا اختیار ہوتا جسکے تم فوری خواستگار ہو تو اب تک میرے تمہارے جھگڑے کا فیصلہ ہو بھی چکا ہوتا۔ میں تمہاری درخواست پر عذاب نازل کر بھی دیتا اور اس جھگڑے کو ختم کر کے آرام سے ہو جاتا مگر عذاب الٰہی میرے اختیار میں نہیں ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ اب رہی یہ بات کہ خدا باوجود درخواست مشرکین کے عذاب کیوں نہیں نازل کرتا اور کب نازل کریگا تو اس بات سے وہی بخوبی واقف ہے اُسی کو علم ہے کہ کب عذاب دینا اُن کو

مناسب ہے اور کس وقت ان پر عذاب آئیگا۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں اور خزانے ہیں بعض کے نزدیک خزانے اور دیگر مفسرین کے نزدیک کنجیاں مراد ہیں۔ غرض یہ کہ وہی اُن غیر محسوس و غیر معقول امور کا مالک ہے جو پردہ غیب میں ہیں خواہ ان کے وجود پر دلائل انسانی دماغ میں آسکتے ہوں یا نہ آسکتے ہوں۔ بہرحال وہی اُن کا مالک اور عالم ہے اُسی کے پاس اُن مخفی خزانوں کے کھولنے کی کنجیاں ہیں اُس کے سوا قطعی طور پر کوئی اُن سے واقف نہیں (اگرچہ گمان و تخمین سے لوگوں کو کسی قدر علم ہوجاتا ہے) بخاری میں بروایت عبداللہ بن عمر مروی ہے کہ پانچ چیزوں سے سوائے خدا کے کوئی قطعی طور پر واقف نہیں۔ قیامت کی تعیین۔ بارش کا نزول۔ جانوروں کے پیٹ کے اندر نر مادہ ہونا۔ آئندہ روز کے واقعات و اعمال۔ مقام موت۔ مدعا یہ کہ ان پانچ چیزوں کا قطعی اور یقینی علم تو سوائے خدا کے اور کسی کو ہو نہیں سکتا اور ان کے علاوہ اور بہت سے غیب کے خزانوں کا مالک اور عالم بھی خدا ہی ہے جو انسانی دماغوں میں نہیں آسکتے اور نہ فکر بشری کی وہاں تک رسائی ہوسکتی ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وہی کائنات بری و بحری سے واقف ہے چھوٹی مخلوق ہو یا بڑی، زمین میں ہو یا آسمان میں یا فضا میں، تری میں یا خشکی میں سب کا علم اُسی کو ہے وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا جو پتی درخت سے گرتی ہے اُس کی حرکت و جنبش کی کما حقہ کیفیت سے وہ واقف ہے وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ اور جو دانہ زمین کے اندر پردہ تاریکی میں چھپا ہوا ہے اُسکو بھی وہ بخوبی جانتا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کوئی تر و خشک اچھی بُری محسوس معقول زندہ مُردہ آسمانی زمینی بحری و بری چیز ایسی نہیں جسکی کما حقہ کیفیت، جسکی مقدار، ہیئت صورت اور کل احوال کا اندراج لوح محفوظ (یعنی علم الٰہی) میں نہ ہو۔ غرض آسمانی اور زمینی کائنات بحری اور بری موجودات زیر زمین کی مخلوقات اور فضا کے مکونات سے خدا تعالیٰ جزوی کلی طور پر واقف ہے یہانتک کہ فلک رسا پہاڑوں کی انتہائی چوٹیوں پر تاریک رات میں چیونٹیوں کی چال اور حرکت کیفیت حیات رفتار ہستی اور انتظام بقا سب اُس کے پیش نظر ہے۔ سبحان اللہ العلی العظیم۔

مقصود بیان:۔ توحید پر قائم رہنے کا حکم۔ اس امر کی صراحت کہ مومن کامل کو بصیرت کاملہ اور وثوق و یقین اس حد تک ہوتا ہے کہ گویا مثل مشاہدہ اور محسوس کے ہوجاتا ہے اور یہ سب خدا کا فیضان ہے۔ فیصلہ اور حکم عذاب و ثواب تصرف حقیقی اور طاقت تنفیذ خدا ہی کے قبضہ میں ہے۔ بڑے سے بڑا بھی تصرف حقیقی کا مالک نہیں کوئی کسی کو تباہ نہیں کرسکتا۔ غیب کی کنجیاں خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ ہزاروں غیر محسوس اور غیر معقول اشیاء ایسی ہیں کہ وہاں تک فکر انسانی کی رسائی نہیں اور خدا ہی اُن سے واقف ہے۔ کوئی انسان یا جن یا فرشتہ عالم الغیب نہیں ہوسکتا کیونکہ جس چیز کا اُن کو علم عطا کیا گیا ہے وہ غیب نہیں ہے اور جو غیب ہے اُس کا اُن کو علم نہیں دیا گیا۔ رسول پاک بھی عالم الغیب نہ تھے۔ خدا کے علم اجمالی میں ہر ننھے کی ہر پتی کی ہر قطرہ کی ہر دانہ کی اور کائنات عالم کی ہر چھوٹی سی چھوٹی چیز کی تفصیل موجود ہے اور یہ علم اُس کا ازلی ابدی اور سرمدی ہے وغیرہ۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ
وہی رات کو تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم

مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ
دن میں کرتے ہو اُس کو وہ جانتا ہے پھر تم کو دن میں اٹھاتا ہے

لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ
تاکہ میعاد مقررہ پوری ہوجائے پھر اُسی کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہے

ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع۵
پھر وہی تم کو تمہارے کئے ہوئے اعمال بتا دیگا

تفسیر گذشتہ آیات میں علامات قدرت اور وسعت تصرفات دکھا کر توحید و تنزیہ کی طرف انسانی دماغوں کو متوجہ کیا تھا۔ ان آیات میں ایک عام اور ناقابل انکار مثال دیکر بعثت جسمانی کو ثابت کیا جا رہا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ تم جو راتوں کو عموماً سوتے ہو تو خدا ہی درحقیقت تم کو مُردہ کرتا ہے یعنی یہ نیند نہیں بلکہ موت ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ خدا ہی نیند میں تمہارے حواس ظاہری اور بعض حواس باطنی معطل کر دیتا ہے روح تمیزی کو بدن سے خارج کرکے جسم کو روح ممیزہ سے خالی کردیتا ہے وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ اور عموماً دن میں جو تم کمائی کرتے ہو تجارت زراعت صنعت حرفت یا کسی اور ذریعہ سے جو کچھ کماتے ہو اُس سے بھی خدا خوب واقف ہے تمہاری بیداری اور خواب دن اور رات حیات و ممات کی کوئی حالت اُس سے مخفی نہیں ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ جب نیند کا وقت ختم ہوجاتا ہے تو تم کو اٹھا دیتا ہے روح تمیز واپس کردیتا ہے اور پھر از سر نو حواس کو تیز کردیتا ہے اور یہ شب و روز کا دورہ اور تمیز و تعطیل کا چکر صرف اس لئے ہے کہ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى زندگی اور عمر کی جو مقررہ مدت ہے وہ پوری ہوجائے اور صبح شام کے دورے سے عمر تمام ہوجائے ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ پھر جب روح حیات کے نکلنے کا وقت آئیگا تو سب کو خدا کے پاس ضرور جانا ہوگا۔ اور اس عالم فانی کو چھوڑ کر حضور الٰہی میں پہونچنا ہوگا۔ جب سب لوگ اُسکے پاس پہونچ جائینگے تو ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وہی ہر ایک کو اُس کے اعمال و افعال بتائیگا اور اعمال کے بموجب سزا دیگا۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ ہر ایک انسان کے ساتھ ایک فرشتہ ہے جب انسان سوتا ہے تو فرشتہ اُسکی روح (یعنی روح تمیز) لے لیتا ہے اب اگر خدا نے اُسکی روح (حیات) قبض کرنے کا حکم دیدیا تو موت آجاتی ہے ورنہ فرشتہ روح (تمیز) کو واپس کر دیتا ہے۔ آیت يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ کا یہی مطلب ہے (رواہ ابو الشیخ وابن مردویہ) غرض یہ کہ جب خدا روزانہ ہر شخص کی روح ممیزہ قبض کر لیتا ہے اور پھر حیات کا مدۃ پورا کرنے کیلئے واپس کر دیتا ہے اور بالآخر مدت زندگانی ختم ہوجانے کے بعد روح حیات قبض کر لیتا ہے تو کیا یہ ناممکن ہے کہ جو خدا ہزاروں لاکھوں مرتبہ روح قبض کر چکا ہو اور ہزاروں لاکھوں مرتبہ روح دے چکا ہو وہ قیامت کے دن مخلوق کے حشر نشر اور عذاب ثواب پر قادر موجب بار رہا وہ حواس کو معطل کر کے لوازم حیات انسانی ہستی سے زائل کر چکا اور پھر دے چکا تو کیا وہ روح حیات کو قبض کرنے کے بعد پھر دوبارہ زندگی نہ دے سکے۔

مقصود بیان:- روح حیات کا روح تمیز پر قیاس۔ حشر و نشر کا مدلل ثبوت۔ بعثت جسمانی کی پُرزور صراحت، اس بات کی وضاحت کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ

وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگہبان (فرشتے)

حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ثُمَّ

تو ہمارے فرشتے اُسکی روح قبض کر لیتے ہیں اور کوتاہی نہیں کرتے پھر

رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ

سب کو اُن کے مالک برحق کے پاس لوٹا کر لے جایا جائیگا سن رکھو اُسی کا حکم ہے

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝

وہی سب سے زیادہ جلد حساب لینے والا ہے

تفسیر ان آیات میں دوسری نوعیت سے قدرت الٰہی کی وسعت اور حشر و نشر کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ خدا ہی اپنے بندوں کے تمام امور میں متصرف ہے زندگی اور موت ایجاد و انتقاد عذاب و ثواب سب اُسی کے دست قدرت میں ہیں تمام مخلوق اُس کے حکم میں مسخر ہے وہی سب پر غالب اور محیط ہے۔

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً۔ حفظہ سے مراد سدی کے نزدیک وہ فرشتے ہیں جو انسانی اعمال کے نگراں ہیں صبح کو آنیوالے مغرب تک رہتے ہیں اور مغرب کو آنیوالے صبح تک رہتے ہیں دن کے الگ ہیں اور رات کے الگ۔ اس تقدیر پر یہ مطلب ہوگا کہ خدا تعالیٰ تمہاری زندگی کی حالت تمہارے اعمال کی نگہداشت اور حساب کتاب کی غرض سے اپنے فرشتے بھیجدیتا ہے جو ہر عمل اور ہر قول کو لکھتے ہیں اور انسان کی ہر حرکت و سکون اور نیند و بیداری کی کیفیت برابر جمع کرتے جاتے ہیں۔ دیگر مفسرین کے قول پر حفظہ سے مراد وہ فرشتے ہیں کہ جن کا ذکر آیت لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ الخ میں کیا گیا ہے اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت کردہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ زمین کے چوتھے طبقہ کے اوپر جنات ہیں کہ اگر وہ ظاہر ہوجائیں تو اُن کے ہوتے ہوئے کوئی روشنی دکھائی نہ دے لیکن زمین کے ہر گوشہ پر اللہ تعالیٰ کی مہروں میں سے ایک مہر لگی ہوئی ہے اور ہر مہر کے ساتھ ایک فرشتہ ہے الخ (رواہ ابن ابی حاتم وغیرہم من تفسیر الحافظ) اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ خدا تعالیٰ کچھ فرشتے محافظ بھیجتا ہے جو انسانی بدن کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اور مدت حیات میں اُسکو تمام بلیات سے محفوظ رکھتے ہیں حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا لیکن جب مرنے کا مقررہ وقت آجاتا ہے اور مدت زندگی ختم ہونے لگتی ہے تو عزرائیل اور اُن کے مددگار فرشتے جو خدا کے فرستادہ ہوتے ہیں پہونچکر لوگوں کی روحیں قبض کر لیتے ہیں (ابن عباسؓ) وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ اور یہ فرشتے اپنے فرض کی ادائگی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ فرشتے حفظ حیات میں کوتاہی نہیں کرتے قبل از وقت کسی کو نہیں مارتے۔ بعض کی رائے ہے کہ فرشتے حفاظت اعمال میں کوتاہی نہیں کرتے یعنی لکھتے وقت کسی کی نیکی یا بدی میں کمی نہیں کرتے۔ ابن کثیر کا قول ہے کہ متوفی کی روح کی حفاظت میں کوتاہی نہیں کرتے بلکہ حفاظت سے جہاں مشیت الٰہی ہوتی ہے وہیں پہونچا دیتے ہیں بہتر اور جامع تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی۔ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ پھر ہر ایک کو خدا کے پاس پہنچایا جاتا ہے یا قیامت کے دن پہنچایا جائیگا جو واقع میں سب کا مالک اور حقیقی عادل ہے اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ وہی ہر ایک کی نیکی بدی اور عذاب ثواب کا فیصلہ کریگا اُسی کا حکم دنیا میں نافذ ہے اور وہی سب کے اعمال کا جائزہ لیگا۔ کل آیات کا حاصل یہ نکلا کہ خدا ہی نے سب کو پیدا کیا رفتہ رفتہ بڑھایا بچہ سے نوجوان۔ نوجوان سے جوان، جوانی سے ادھیڑ اور ادھیڑ سے بوڑھا بنایا مدت حیات میں اپنے فرشتوں سے حفاظت کرائی ایک وقت خاص تک بدنی قوتوں میں ترقی دیتا گیا پھر ایک خاص حد پر پہونچا کر ٹھیرا دیا اس کے بعد قوتوں میں کمی اور زوال شروع کیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ارذل عمر تک پہونچا دیا۔ انحطاط کہتے کہتے انجام کار موت بھیجدی روح کو قبض کر لیا اور پھر سب کو اپنے پاس بلائیگا اور ہر ایک کے اعمال کا فیصلہ کریگا اور کل باتوں کا ذرا سی دیر میں جائزہ لیگا۔

مقصود بیان:- وسعت قدرت اور احاطۂ تصرف کا اظہار۔ ایجاد وابقار سے ازالہ اور اعادہ پر استدلال۔ تصرف وتربیت کی ہمہ گیری دکھا کر حشر ونشر حساب وکتاب اور عذاب وثواب کا اثبات وغیرہ۔

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

کہدو کہ خشکی وتری کے اندھیروں سے تم کو کون نجات دیتا ہے

تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ج لَئِنْ أَنْجَانَا

کہ تم اُسکو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو (اور کہتے ہو) کہ اگر اس سے اُس نے

مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ قُلِ

ہمیں بچا لیا تو ہم ضرور شکر گذار بن جائینگے کہدو

اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ

کہ اللہ تم کو اُس سے اور ہر مصیبت سے بچاتا ہے پھر

أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ○ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ

شرک کرنے لگتے ہو کہدو وہ اس بات پر قادر ہے کہ

يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ

تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے پاؤں کے نیچے سے

تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ

عذاب بھیجدے یا تم کو گروہ گروہ کرکے بھڑادے اور ایک کو ایک کی

بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ط انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

لڑائی کا مزہ چکھادے دیکھو ہم کس طرح پھیر پھیر کر آئتیں بیان

الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ○

کرتے ہیں تاکہ یہ سمجھ جائیں۔

تفسیر مؤلف تفسیر سراج کا قول ہے کہ ظلمات بر وبحر سے شدائد ومصائب مراد ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ظلمات سے حقیقی اور اصلی معانی مراد لئے جائیں تب بھی معنی ٹھیک رہینگے بلکہ بہتر ہوجائینگے کیونکہ عرب والے جنگلوں میں اور سمندر میں تجارت کیلئے سفر کیا کرتے تھے سمندر کے اندر جو تاریکیاں ہوتی ہیں وہ تو ظاہر ہی ہیں۔ ابر کی تاریکی رات کی تاریکی اور اُن کثیف بے پایاں بخارات کی تاریکی جو فضاء سمندر پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں اور عرب کے جنگلوں کی تاریکیوں سے وہی لوگ واقف ہیں جنہوں نے ناشریعۃ کے یا عرب کے لق ودق بیابانوں میں تاریک راتوں میں اندھیری گھٹاؤں میں سفر کیا ہے۔ گھٹا ٹوپ اندھیری رات کا سفر لق ودق جنگل سیاہ سیاہ کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ یہ سب ملکر عجیب قسم کی تاریکی پیدا کردیتے ہیں۔ اسی حالت کو قرآن میں بیان کیا ہے کہ:۔ قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ط جب تم دریائی اور خشکی کے سفر میں شدائد فضائی اور تاریکیوں کے ہولناک مناظر سے ڈر کر معبود حقیقی کی طرف رجوع کرتے ہو اور اُس وقت تمام دیویوں دیوتاؤں اور موہومی کارندگان قدرت سے مُنہ پھیر کر اُسی کارساز حقیقی سے دعا کرتے ہو تضرع کرتے ہو اور پُرخلوص دل سے اُسی کو پکارتے ہو اور عاجزی کے ساتھ استدعا کرتے ہو کہ لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ اگر خدا نے ہماری مشکل کشائی کردی اور یہ شدائد دور کردیئے اور ہم کو صحیح سالم بچا دیا تو ہم اُس کے شکر گزار بندوں کے ساتھ شامل ہوجائینگے اور ہمیشہ شکر ادا کرینگے۔ تو بتاؤ کہ ایسے آڑے وقت میں کون تمہارے کام آتا ہے کون تم کو مصائب سے بچاتا ہے اور کون تمہاری فریاد رسی کرتا ہے۔ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ خدا ہی تم کو ان شدائد سے بچاتا ہے بلکہ ہر مصیبت کو وہی دور کرتا ہے اُس کے سوا کوئی اور طاقت تمہاری امداد نہیں کرسکتی مگر نجات پانے اور بچ جانے کے بعد ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ تم تمام اقرار توحید عظمت وکبریائی اور امداد واعانت سب کچھ بھول کر اس نجات کو اسباب دنیوی کی طرف منسوب کرتے ہو خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو اور دیویوں دیوتاؤں پر نذر نیاز چڑھاتے ہو اور توبہ اقرار وعدے سب کچھ فراموش کردیتے ہو۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ اور تم نہیں سمجھتے کہ خدا کی گرفت سے باہر کس طرح ہو سکتے ہو شدائد سفر سے بچنے کے بعد بھی خدا کے قبضہ سے خارج نہیں ہوسکتے۔ وہ واحد یکتا تم کو ہر طریقہ سے فنا کرسکتا ہے آسمان سے عذاب نازل کرکے بھی تباہ کرسکتا ہے پتھر برسا سکتا ہے ژالہ باری کرکے برباد کرسکتا ہے۔ زمین کے اندر سے بھی اسباب ہلاکت پیدا کرسکتا ہے۔ زمین میں زلزلہ پیدا کرکے کوئی مہیب آواز پیدا کرکے زمین کے اندر سے تیز وتند بخارات نکال کر زمین میں خسف پیدا کرکے اور ہزاروں طریقوں سے ہلاک کرسکتا ہے (مجاہد سعید بن جبیر ابو مالک سدی ابن زید ابن جریر سیوطی وغیرہ) پھر اگر ان اسباب میں سے کوئی سبب اُس نے نہ پیدا کیا تو ہلاکت کے لئے ایک معمولی سبب یہ ہی نمودار کرسکتا ہے کہ تمہارے آپس میں تفرقہ گروہ بندی اور نفاق پیدا کردے جسکی وجہ سے تم آپس میں ہی ایک دوسرے کو تکلیفیں دیکر فنا کر ڈالو۔ بخاری میں بروایت جابر بن عبد اللہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آیت قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ نازل ہوئی تو رسول پاک صلعم نے دعا کی اعوذ بوجھک پھر أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ کا لفظ نازل ہوا تب بھی حضور صلعم نے یہی فرمایا لیکن جب أَوْ يَلْبِسَكُمْ

شِيَعًا الخ نازل ہوئی تو فرمایا یہ نرم اور آسان ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اگر اس سے بھی پناہ مانگتے تو اللہ تعالیٰ پناہ دیدیتا بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضورؐ کی دو دعائیں قبول ہوئیں اور ایک قبول نہ ہوئی۔ یہ استدعا بھی منظور ہو گئی کہ امت محمدیہ پر کسی غیر کا عمومی تسلط نہ ہوگا۔ یہ بھی دعا قبول ہوئی کہ عمومی قحط سے مسلمان ہلاک نہ ہونگے مگر مسلمانوں میں نفاق و خلاف پیدا نہ ہونے کی دعا مقبول نہ ہوئی۔ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ اب قابل غور بات یہ ہے کہ ہم طرح طرح سے لوگوں کی ہدایت کیلئے اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ اُن کو سمجھ آجائے اور وہ ہماری قوت کی ہمہ گیری تصرف کی بے انتہائی اور تفرید ذات و توحید صفات کے قائل ہو جائیں۔

مقصود بیان : مصنوع سے صانع پر استدلال۔ اس بات کی وضاحت کہ ہر شخص فطرتاً توحید پرست واقع ہوا ہے۔ ایک کارساز حقیقی واحد لاشریک کا اقرار ہر شخص کے خمیر میں مخمور ہے مگر جاہل بے شعور ظاہری مصائب کو دور کرنے کی تو خدا سے التجا کرتے ہیں مجبوری کے وقت وہی اصلی فطرت کی آواز نکالتے ہیں لیکن مصیبت کے دور ہو جانے کے بعد آواز فطرت کو دبا دیتے ہیں اور سبب کو چھوڑ کر اسباب کو تمام نتائج کی علت تامہ قرار دیتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ مصائب کا حصر فقط انہی پیش آئے ہوئے مصائب میں نہیں ہے اوپر نیچے سے بے انتہا آفات کا نزول و ظہور ہو سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپس کا نفاق و شقاق کچھ کم عذاب نہیں کیونکہ یہی سیکڑوں آفات و مصائب کا پیش خیمہ ہے پھر خدا سے استغنا اور غیروں کو الوہیت صفاتی میں شریک کرنا کس قدر حماقت ہے وغیرہ۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ
تمہاری قوم نے قرآن کو جھٹلایا حالانکہ وہ برحق ہے — کہدو میں

عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۚ وَّ
تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں — ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے — اور

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ
عنقریب تم کو علم ہو جائیگا — اور جب تم دیکھو کہ

يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى
ہماری آیتوں میں بے بحث کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کر لو — تا وقتیکہ

يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ
وہ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں — اور اگر شیطان تم کو فراموش

الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ
کرا دے — تو یاد ہونے کے بعد — ظالم لوگوں کے ساتھ

الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ
نہ بیٹھو — اور جو لوگ پرہیز کرتے ہیں اُن کے ذمہ

حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ
ان کا حساب نہیں ہے — صرف نصیحت کرنا ہے — شاید یہ بھی

يَتَّقُوْنَ ۝
بچ جائیں

تفسیر وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ مگر اے محمد تمہاری قوم اس حق و صداقت کا انکار کرتی ہے اور قرآن کو جھٹلاتی ہے اور واقع ہونے والے عذاب کی منکر بنکر پوچھتی ہے کہ کب آئیگا۔ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ اے محمد! تم ان سے کہدو کہ میں ذمہ دار اور داروغہ بنکر تو آیا نہیں ہوں نہ عذاب کے واقع کرنے کی خدمت پر معین ہوں خدا ہی کو خبر ہے کہ کب واقع ہوگا ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہر خبر کے واقع ہونے کا ایک خاص وقت ہوتا ہے اور وہ خدا کے علم میں ہے۔ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۚ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ باقی جس وقت اُس کا ظہور ہوگا تو سب دیکھکر پہچان لینگے اور یہ کچھ دور نہیں ہے وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ اس آیت میں اگرچہ خطاب رسول پاکؐ کو ہے مگر ہر فرد مسلمان کو حکم عام ہے (سیوطی) مطلب یہ ہے کہ اگر کافر یا بیدین فاسق آیات قرآنی کے معانی میں گڑبڑ کرنے کے لئے غور و خوض کر رہے ہوں اور معنی میں بیجا تاویلیں کرتے ہوں اور جاہلوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کیلئے غلط معانی بیان کر رہے ہوں تو اُس وقت تک اُن کے جلسوں میں شریک نہ ہو انکی صحبتوں میں نہ بیٹھو اُن سے بالکل الگ رہو جبتک وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اور اگر شیطان کے بہلاوے سے بھول کر ایسا اتفاق ہو جائے تو یاد ہو جانے کے بعد ان ظالموں کے ساتھ بیٹھے نہ رہو یہ ناحق کوش ہیں ناجائز طور پر اسلام کا مذاق اُڑاتے ہیں ان کے جلسوں میں شریک ہونا اور اسلام پر طعنہ زنی ہوتے دیکھنا اور پھر وہیں بیٹھا رہنا بالکل ناروا ہے وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اوپر کی آیات میں جب کفار کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت ہو گئی تو مسلمان کہنے لگے کہ اگر ہمیشہ ایسا ہوتا رہے کہ جب کافر قرآن کا مذاق اُڑانا شروع کریں اور غور

وخوض شروع کریں اور ہم وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوں تو پھر ہم مسجد میں کس طرح بیٹھ سکتے ہیں اور کعبہ کا طواف کس طرح کر سکتے ہیں اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی (سیوطی) درحقیقت بات یہ ہوئی کہ جب مسلمانوں کو کافروں کے جلسوں میں شریک ہونے اور ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت ہو گئی تو اب وعظ و نصیحت کی کیا صورت ہو سکتی تھی اسلئے مسلمانوں کو فکر ہوا کہ اگر ہم ان کے جلسوں میں شریک نہ ہوئے تو تبلیغ احکام اور وعظ کس طرح کر سکینگے اور ممانعت نہ کرنے پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا۔ اس سوال کے حل کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہو گیا کہ:۔ جو کوئی جیسا کریگا اُس کا حساب اُس کے ذمہ ہو گا اُن کی بداعمالیوں کا محاسبہ تم سے نہ ہو گا تمہارا کام صرف نصیحت کرنا ہے اُن کو وعظ کرو بدکاری اور شرک سے منع کرو ممکن ہے کفر و شرک چھوڑ دیں۔ حاصل یہ کہ اُن کے جلسوں میں شریک ہونا اگرچہ ناجائز ہے مگر اُسی وقت جبکہ وہ قرآن کا مذاق اُڑا رہے ہوں اسلام کی توہین کر رہے ہوں اگر تبلیغ اسلام دعوت ایمان اور پند و نصیحت کے واسطے شریک ہونا ہے تو اس میں کوئی ہرج نہیں اُن کی بداعمالیوں کا نتیجہ اُن کو اُٹھانا ہو گا تم سے اس کا کیا واسطہ تمہارا فرض نصیحت کرنا ہے۔

مقصود بیان:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں کسی کو تباہ کر ڈالنا یا نافرمانوں پر عذاب نازل کرنا نہ تھا اور نہ حضورؐ کو نزول عذاب کا مقررہ وقت معلوم تھا نہ قیامت کا قطعی علم تھا نہ رسول اللہؐ کسی کو تباہ کرنے کے ذمہ دار تھے۔ شریعت کی توہین کرنیوالوں اور قرآن کا مذاق اُڑانیوالوں کی صحبت سے بچنے کی ہدایت۔ آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بھول چوک معاف ہے قابل گرفت وہ گناہ ہے جو جان کر بالارادہ کیا جائے۔ کافروں اور فاسقوں کے ساتھ بیٹھنا اور اُنکو نصیحت نہ کرنی حرام ہے تبلیغ فرض ہے

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا

اور جن لوگوں نے اپنے مذہب کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ

اور دنیوی زندگانی نے ان کو فریب دے رکھا ہے اُن کو چھوڑ دو اور قرآن کے ذریعہ

تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا

نصیحت کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنے کرتوت کے عوض گرفتار نہ ہو جائے اور

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ

سوا اللہ کے اُس کا نہ کوئی حامی ہو نہ سفارشی اور اگر

تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ

ہر طرح کا معاوضہ بھی دے تب بھی نہ لیا جائے ایسے لوگ

الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ

اپنے کئے کے وبال میں گرفتار ہونگے اُن کے پینے کی چیز کھولتا پانی

حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ع ۱۴

اور دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ کفر کرتے تھے

تفسیر

یہاں سے انتہار آیات تک کفار سے بے اعتنائی کرنے اور اُن کی طرف التفات نہ کرنے کا مدلل حکم ہے۔ ارشاد ہے کہ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا اے نبی تم ان کافروں کو چھوڑ دو اُن کے دنیوی ساز و سامان شان و شوکت اور دین کی تکذیب کی پرواہ نہ کرو جنہوں نے قرآن و حدیث کو مذاق بنا رکھا ہے قرآن پر غور و خوض صرف مذاق اُڑانے کیلئے کرتے ہیں طلب حق مقصود نہیں ہوتی وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا یہ دنیوی زندگی پر ریجھے ہوئے ہیں اور اسی فانی زندگی سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں بس اسی زندگی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ حشر نشر سزا جزا اور حساب کتاب کے قائل نہیں وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ تمہارا کام صرف نصیحت کرنا ہے حکم قرآنی کے موافق نصیحت کرو تاکہ کوئی اپنے اعمال کی پاداش میں اخروی ہلاکت کے ہاتھوں میں نہ پڑ جائے (مجاہد عکرمہ حسن سدی) اور قیامت کے دن رسوا نہ ہو (ابن عباسؓ بروایت الوالبی) اور گناہوں کی سزا میں ماخوذ نہ ہو (ابن زید) یا مرہون نہ ہو (قتادہ) کیونکہ قیامت کے دن لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا کہ خدا کے عذاب سے زبردستی بچا سکے اور نہ کوئی ایسے کافروں کی سفارش کرنے والا ہوگا۔ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اور اگر کوئی انتہائی تاوان یا بدلا یا فدیہ دیکر چھوٹنا چاہیگا اور بجائے جسمانی سزا کے جرمانہ ادا کرنے کا بالفرض خواستگار ہوگا تو یہ بات بھی قبول نہ کی جائیگی خلاصہ یہ کہ عذاب الٰہی سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی بلکہ:۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا جو لوگ اپنے اعمال کی پاداش میں ماخوذ ہوں گے اور اپنے کرتوت کے ہاتھوں تباہی میں پڑینگے لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ اُن کے لئے خصوصیت کے ساتھ کھولتا ہوا پانی پینے کو اور سخت عذاب رہنے کو ہوگا اور یہ تمام سزا ظلم کے ساتھ نہ ہوگی خدا خواہ مخواہ اُن کو عذاب نہ دیگا بلکہ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ اُنہی کی کفر شعاری اور شرک پرستی اس عذاب کی کفیل ہے خدا ظالم نہیں کہ بغیر کفر کے کسی کو اس قدر سخت عذاب دے۔

مقصود بیان:۔ عبادت کو شہوت پرستی کا ذریعہ اور مذہب کو تفریحی شغلہ کر لینے کی ممانعت۔ اہل اسلام کے پیش نظر مفاد آخرت ہونا چاہیے۔ صرف دنیوی عیش پر ہمت کو مقصور کر لینا ممنوع ہے۔ کافروں کی شان شوکت دولت و مال اور جاہ و حشم سے مرعوب نہ ہونا چاہیے اور نہ اُن کے طعن تشنیع سے مجروح ہو کر جذبات کو مشتعل کرنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ ظالم نہیں ہر شخص کو اُس کے

اعمال کی سزا دیگا نافع میں بداعمالی ہی عذاب کی کفیل ہے وغیرہ۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا

کہہ دو کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں جو نہ ہم کو نفع پہونچا سکتی ہے

وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ

نہ نقصان اور کیا جب اللہ ہم کو راہ راست دکھا چکا تو ہم ایڑیوں کے

هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ

بل لوٹ جائیں جیسے کسی شخص کو شیطان نے بے راہ کر دیا ہو

فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ

ملک میں وہ سرگرداں (پھر رہا) ہو اُس کے ساتھی اُس کو پکار رہے ہوں

اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ

کہ ہمارے پاس راہ پر آ جا

تفسیر مفسر سدی کہتے ہیں کہ جب مشرکوں نے مسلمانوں کو مرتد ہونے کی دعوت دی اور بطور اغواء کے کہا کہ تم ہمارے دین کی پیروی کرو اور محمدؐ کے دین کو چھوڑ دو تو یہ آیت مکمل نازل ہوئی۔ گذشتہ سلسلہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ بیدین لوگ مذہب کا مذاق اڑاتے ہیں اور مسلمانوں پر آوازیں کستے ہیں۔ ان آیات میں غیر مسلموں کے مذہب کی مدلل تردید کی جاتی ہے کہ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ۔ قابل اطاعت اور لائق عبادت وہی معبود ہوسکتا ہے جو پرستش کرنیوالے کو مضرت یا فائدہ پہونچا سکے۔ جس معبود میں نقصان رسانی اور فائدہ بخشی کی طاقت نہ ہو وہ مستحق عبادت نہیں ہوسکتا۔ چونکہ کافروں کے معبودوں میں ان دونوں باتوں میں سے کسی بات کی صلاحیت نہیں نہ وہ اپنے پرستاروں کو نقصان پہونچا سکتے ہیں نہ نفع پھر کس طرح قابل پرستش خیال کئے جا سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم ان کافروں سے کہدو کہ جو چیز ہمکو نقصان اور نفع نہیں پہونچا سکتی جس سے نہ ہم کو خوف ضرر ہے نہ امید نفع تو پھر کس طرح ہم اُسکی پرستش کر سکتے ہیں اور کیوں ہدایت یاب ہونے کے بعد کفر کی طرف اُلٹے پاؤں ایڑیوں کے بل لوٹ سکتے ہیں"۔ اگر ہم ہدایت یاب ہونے کے بعد گمراہی اختیار کرینگے اور مقدس اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہ بنجائینگے تو تباہ ہوجائینگے کیونکہ اسلام لانے کے بعد شیطانی اغواء سے مرتد ہوجانے والوں کی مثال ایسی ہے کَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا

جیسے کوئی شخص عقل و دانش رکھتا ہو لیکن اسکے باوجود اُسکو آسیب کا خلل ہوجائے اور کوئی جن اُسکو جنگل بیابان میں راستہ بھلادے اور وہ حیران پریشان گھبرایا ہوا چکر لگاتا پھرے اور اُس کے ساتھی اُسکو پکار رہے ہوں کہ ادھر آجاؤ یہ سیدھا راستہ ہے سو اگر اُس نے اس وقت بھی عقل سے کام لیا اور ساتھیوں کی آواز پر چل دیا تو جان بچ جائیگی ورنہ یونہی بھٹکتا پھریگا اور بالآخر کسی کھائی خندق میں گر کر ہلاک ہوجائیگا۔ اسی طرح مسلمان ہونے کے بعد کافر ہونے والوں کی مثال ہے اگر شیطان کی پیروی انہوں نے اختیار نہ کی اور سیدھے راستہ پر قائم رہے تو نجات آخرت ہوجائیگی ورنہ حیران پریشان مارے مارے پھرینگے اور آخرت میں دوزخ کے غار میں گر کر حیات حقیقیہ سے محروم ہوجائینگے۔

مقصود بیان: مستحق عبادت وہی ذات ہوسکتی ہے جسمیں نفع رسانی اور فائدہ بخشی کی طاقت ہو۔ خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی میں نفع نقصان پہنچانے کی حقیقی قوت نہیں اسلئے کوئی مستحق عبادت نہیں۔ راہ اسلام سبیل فطرت اور طریق نجات ہے اسکے علاوہ تمام پگڈنڈیاں آدمی کو منزل مقصود تک پہنچانے سے قاصر ہیں بلکہ انسان کی گمراہی یا کجراہی کا ذریعہ ہیں جن پر چلنے کا انجام ہلاکت تباہی اور حیات حقیقیہ سے محرومی ہے۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا

تم کہدو کہ اللہ ہی کی ہدایت درحقیقت ہدایت ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے

لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِيْمُوا

کہ پروردگار عالم کے فرماں بردار رہیں اور یہ (بھی فرمایا گیا ہے) کہ نماز ٹھیک ٹھیک

الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ

پڑھو اور اُس سے ڈرو اُسی کے پاس تم کو

تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

جمع کیا جائیگا اُسی نے آسمان و زمین کو

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ

مصلحت سے پیدا کیا اور جس دن وہ کسی چیز کو کہتا ہے ہوجا تو ہوجاتی ہے

قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى

اُس کی بات سچی ہے جس دن صور پھونکا جائیگا اُسی کی حکومت

الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ

ہوگی وہ کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے وہی

الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ

صاحب تدبیر باخبر ہے

تفسیر اوپر کی آیات میں غیر مذاہب کی مدلل تردید تھی اس آیت میں اصل مقصود کا اثبات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تمام دیگر مذاہب کا بطلان ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ تمام غیر مذاہب کا انجام حیرانی پریشانی تباہی اور بربادی ہے تو ظاہر ہو گیا کہ راہِ فطرت اور طریقۂ نجات صرف اسلام ہے موجب ہدایت صرف وہی قانون ہو سکتا ہے جو خدا کا بنایا ہوا اور جاری کیا ہوا ہو عقل و دانش اور نقل و درایت کے موافق ہو۔ انسانوں کا بنایا ہوا طبعزاد قانون سبب فلاح اور موجب نجات نہیں ہو سکتا اور چونکہ تمام دیگر مذاہب راہ فطرت ظاہر نہیں کرتے اور عقل و دانش کے خلاف ہیں اسلئے سوائے اسلام کے کوئی مذہب حصولِ سعادت کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ دراصل قانون ہدایت میں دو باتیں ہونی ضروری ہیں اعتقاد کی درستگی اور اعمال کی بہتری اسلئے حکم ہوتا ہے کہ اے نبی آپ کہدیجئے کہ ہمکو خدا کی طرف سے حکم ہو گیا ہے کہ اُسی پروردگار اور خلاق عالم کے سامنے سرِ عبودیت خم کریں جو تمام عالم کا موجد اور باقی رکھنے والا ہے اُسکی توحید کو مانیں اور اُس کے کل احکام پر ایمان لا کر عمل کریں خصوصاً نماز کو توپابندی اوقات و شرائط کے ساتھ نہایت خشوع و خضوع سے ادا کریں اور ہر قول و فعل حرکت و سکون خواب و بیداری رفتار و گفتار اور نشست و برخاست میں اُس کے احکام پر چلیں اور ممنوعات سے اجتناب رکھیں یہ کیوں صرف اسلئے کہ وہی مبداٗ و معاد اور اول و آخر کا مالک ہے اُسی کے پاس سب کو وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ قیامت کے جانا اور حساب کتاب کے بعد سزا جزا بھگتنی ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ اُسی نے آسمانوں اور زمینوں کو مفید طریقہ پر پیدا کیا اور ان کی پیدایش میں کوئی نقص نہیں چھوڑا پھر جب یہ سب کچھ فنا ہو جائیگا تو دوبارہ وہ وَيَوْمَ يَقُولُ كُن فَيَكُونُ خود جب ان کو نیستی سے ہستی میں آنے کا حکم دیگا تو فوراً بلا تامل اور بغیر توقف کے تمام عالم پھر پیدا ہو جائیگا قَوْلُهُ الْحَقُّ لامحالہ اُس کا حکم پورا ہوگا کسی کو انحراف و سرتابی کرنے کی طاقت نہ ہوگی جس چیز کو وہ دوبارہ پیدا ہو جانے کا حکم دیگا وہ پیدا ہو جائیگی اور فقط پیدا ہی نہیں ہو جائیگی بلکہ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ کل عالم کا واحد مختار ہوگا۔ اُسی کی بادشاہت آنکھوں سے نظر آئیگی۔ دنیا میں جو لوگ مالکیت اور ملوکیت کے دعویدار اور حکومت کے نشان بردار تھے اُن میں سے کوئی دعویٰ نہ کر سکیگا۔ امر اور نفاذ امر کا مالک وہی اللہ ہوگا۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ باطن و ظاہر کا اُسی کو علم ہے اُس کے افعال مصالح سے لبریز ہیں۔ تمام عالم کی کیفیت کمیت چگونگی اور حالت و ضرورت و ہیئت کی اُس کو خبر ہے۔ غرض یہ کہ پیدایش بقاء حیات اور معاد کا وہی مالک مختار اور واحد لاشریک ہے اسی لئے ہم کو اُسکی اطاعت کرنے اور اُس کے احکام کی تعمیل کرنے کا امر دیا گیا ہے۔

مقصود بیان:۔ توحید ذاتی و صفاتی کا بیان۔ خدا تعالیٰ کی خلاقیت اور مبداٗ و معاد کی ملکیت کا اظہار۔ اس بات کی صراحت کہ دین الٰہی وہی ہو سکتا ہے جو مطابق فطرت ہو۔ قانون فطرت کی مخالفت کرنے والا کوئی مذہب دین الٰہی نہیں بن سکتا اور نہ واجب العمل ہو سکتا ہے۔ وغیرہ۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ

جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو

أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي

معبود مانتے ہو میں تم کو اور تمہاری قوم کو صریح

ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ

گمراہی میں دیکھتا ہوں اسی طرح ہم ابراہیم کو

مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ

آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت دکھانے لگے تاکہ وہ

مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ

یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں چنانچہ جب رات چھا گئی تو انہوں نے

رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ

کوئی ستارہ دیکھا بولے یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا

قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ

تو بولے میں غروب ہو جانے والوں سے دوستی نہیں کرتا پھر جب چاند کو چمکتا دیکھا

بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ

تو بولے یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے

لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ

اگر میرا رب مجھے سیدھا راستہ نہ بتائے گا تو میں ضرور گمراہ

الضَّالِّينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً

ہو جاؤں گا غرض جب آفتاب کو جھلکتا دیکھا تو

قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ

بولے یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی چھپ گیا

قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

تو بولے اے میری قوم میں تمہاری شرک انگیزیوں سے بیزار ہوں

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ

میں نے اپنا رخ اُسی کی طرف یکسو ہو کر پھیر لیا جس نے آسمان و زمین کو

الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝

پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں

تفسیر حضرت ابراہیمؑ کے والد کے نام میں اہل تاریخ کا بہت بسیط اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ کے قول کے موافق آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام نہ تھا بلکہ تارح تھا آزر بت کا نام تھا۔ مجاہد اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے غیر معمولی تفصیل و تحقیق کے بعد بیان کیا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابراہیمؑ کے والد کے دو نام ہوں آزر اور تارح یا آزر نام ہو اور تارح لقب۔ ابن کثیر نے اسی اخیری قول کو ترجیح دی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں کہا ہے کہ ابراہیم آزر کے بیٹے تھے جن کا نام توریت میں تارح ہے۔ مؤلف تفسیر سراج کہتے ہیں کہ یہی بہتر ہے میرے نزدیک ابن جریر کا اخیری فقرہ قابل ترجیح ہے۔ چونکہ اکثر اہل عرب اور یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم کے اتباع کے دعویدار تھے اور ہر فرقہ آپ کو ہادی اور مقتدا جانتا تھا اور عرب مستعربہ کا تعلق اور ما بعد یا تو حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم ہی سے ہوئی تھی جو حجاز نجد تہامہ وغیرہ میں آباد تھے اسلئے ان آیات میں بت پرستوں ستارہ پرستوں وجاہت پرستوں اور ملوکیت پرستوں کے خیالات عقائد اور جذبات مذہبی پر ایک مدلل کاری ضرب لگا کر اعلان توحید کیا جاتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے ملفوظات پیش کر کے فطرت انسانی کی مخالفت کرنیوالوں کے تراشیدہ اقوال کا رد کیا جاتا ہے

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں بابل اور نینوا از کوفہ مع قرب وجوار کا حاکم نمرود بن کنعان تھا۔ یہ نمرود منجملہ نازی شاہ ایران کا باجگذار یا کم از کم تابعدار نمرود تھا اور بڑا سرکش جابر اور متکبر حاکم تھا۔ بابل والے سائنس اور صنعتوں میں بہت ہوشیار اور ماہر تھے چونکہ حکومت کے لحاظ سے ایران کے تابع تھے اسلئے عموماً ستارہ پرست تھے۔ عناصر اربعہ ملائکہ افلاک کواکب اور علویات کی تاثیر حقیقی کے قائل تھے۔ بعض لوگ یزدان و اہرمن کی خلاقی کا بھی عقیدہ رکھتے تھے۔ چاندی سونا اور دیگر معدنیات کے مجسمے ستاروں اور خیالی دیوتاؤں کی شکل کے اُنہوں نے بنا رکھے تھے اور عموماً سب لوگ اسی بت پرستی میں سرگرم تھے ایسے ملک اور ایسی فضا میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو پیدا کیا چونکہ نجومیوں نے نمرود کو پہلے سے اطلاع دیدی تھی کہ عنقریب ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اہل بابل کی موجودہ حکومت کو تباہ کر ڈالیگا۔ اسلئے نمرود نے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم عام دیدیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اسی سفاکی کے سال پیدا ہوئے۔ والدین نے بادشاہ کے خوف سے کسی غار یا تہ خانہ میں چھپا دیا اور چونکہ ہر نبی فطرتاً معصوم اور شرک سے پاک ہوتا ہے اسلئے حضرت ابراہیمؑ بھی سرشت کے لحاظ سے شرک سے بیزار تھے۔ والدین اسی مخفی مقام میں آیا جایا کرتے تھے۔ ایام طفلی تو اخفاء کی حالت میں گذر گئے۔ جب بچپن کی تمام بہاریں ختم کر چکے اور رشد و بلوغ کا زمانہ آیا اور باپ نے اپنے آبائی دین کی ترغیب دی تو یہ مکالمہ ہوا جو آیات میں مذکور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ حاصل مطلب یہ ہے کہ اُس گفتگو اور واقعہ کو یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کہ مجھے یقین ہے کہ تم اور تمہاری قوم کھلی ہوئی گمراہی میں غرق ہو (خدائے قادر کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کرتے ہو) وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۔ عموماً اہل تفسیر نے اس آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جس طرح ہم نے ابراہیم کی نظر میں اُن کے والدین اور قوم کی بت پرستی حقیر اور بے وقعت کر دکھائی تھی اسی طرح آسمانوں اور زمینوں کے عجائبات اور حقائق ہم نے اُن کے دل پر منکشف کر دیے اُن کو معائنہ اور مشاہدہ سے علویات اور سفلیات کی واقعی حقیقت فنا حدوث اور امکان معلوم ہو گیا تھا تاکہ وہ موجودات عالم کے تغیر اور حدوث سے وحدہٗ لاشریک کے وجود پر استدلال اور اُس کی وحدانیت کا یقین کر سکیں اور اُن کو یقین ہو جائے کہ خدا پاک قدوس واحد لاشریک ہے وہی مستحق معبودیت والوہیت ہے تمام مخلوق محتاج فانی اور تغیر پذیر ہے کوئی خدا کے سوا معبود نہیں۔ بعض مفسرین نے آیت مذکورہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح ہم نے ابراہیم پر یہ ظاہر کر دیا کہ بت کسی طرح بھی عبادت کے لائق نہیں اور ابراہیمؑ اسی بنا پر اپنے خیال میں معبود حق پا کر نہ تو باپ اور قوم کے طریقہ پر چلے اور نہ اُن کے بہکائے بہکے اسی طرح ہم نے ابراہیم کو اپنی بڑی مخلوقات چاند سورج ستارے وغیرہ بچشم معرفت دکھا کر اُن کو عارف کامل یقین والا بندہ بنانے کے لئے یہ بات بھی اُن پر کھول دی کہ بت پرستی اور ستارہ پرستی یعنی ادنیٰ مخلوق کی پرستش اور اعلیٰ مخلوق کی عبادت ایک ہی حکم میں ہیں خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے قابل نہیں کیونکہ اُس کے سوا کوئی تغیر فنا حدوث اور امکان سے پاک نہیں۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ یہ گذشتہ آیت کی تفصیل ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب رات کی تاریکی چھا گئی اور خوب اندھیرا ہو گیا اور ستارے کھل گئے تو حضرت ابراہیمؑ نے اُس ستارہ کو دیکھ کر جسکی اُن کے والدین اور قوم والے پرستش کیا کرتے تھے کہا کہ تمہارے خیال میں میرا رب اور معبود یہ ستارہ ہے

یہی لائق عبادت ہے لیکن اسکی روشنی اور چمک دمک تھوڑی دیر کی ہے یہ روشنی اسکی ذاتی نہیں یہ مخلوق فانی ہے۔ چنانچہ ذری دیر کے بعد جب وہ تارا ڈوب گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا دیکھا ستارہ غروب ہو گیا اور میں غروب ہو جانے والی چیزوں کو معبود بنانا پسند نہیں کرتا۔ تغیر و انتقال تو حادث کی شان ہے اور کوئی حادث قابل الوہیت نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب اس روشن دلیل نے اس گمراہ قوم کے سیاہ دلوں میں تاثیر ہدایت نہ پیدا کی اور وہ جاہل النسان علویات کے ارباب النوع بلکہ خلاق عالم ہونے کے عقیدہ سے نہ پھرے تو حضرت ابراہیم نے اسی دلیل کو کچھ پُرزور اور شاندار بنانے کے لئے فرمایا کہ اچھا دیکھو یہ چاند طلوع ہو گیا فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۤلِّيْنَ اور تمہارے خیال میں یہ میرا رب ہے اور یہی پرستش کے لائق ہے لیکن یہ بھی تغیر پذیر ہے اس میں بھی معبود ہونے کی قابلیت نہیں تم گمراہ ہو جو اسکو مستحق الوہیت اور رب سمجھتے ہو دیکھو یہ غائب ہو گیا اور غائب ہو جانے والا بھی کہیں معبود ہو سکتا ہے مگر تم کو تو خدا تعالیٰ نے ہی گمراہی میں چھوڑ رکھا اگر خدا مجھے بھی ہدایت پر ثابت اور قائم نہ رکھے تو میں بھی گمراہ ہو جاؤنگا۔ جب یہ قطعی استدلال بھی اُس دشمن فطرت قوم کے حق میں کچھ سود مند نہ ہوا فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۤءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اور آفتاب عالمتاب نکلا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ ہاں تمہارے عقیدہ میں یہ سب سے بڑا خدا ہو سکتا ہے بلکہ ہے مگر یہ عقیدہ بھی غلط ہے یہ تو غائب ہو جانے والی چیز ہے اسکو الوہیت و معبودیت کا کیا استحقاق ہو سکتا ہے چنانچہ جب آفتاب بھی ڈوب گیا تو فرمایا قوم والو! میں پرستش غیر اللہ سے بیزار ہوں تمہارے یہ تمام عقائد غلط ہیں۔ خدا تعالیٰ فنا حدوث امکان نیرنگی احوال اور تجدد اطوار سے پاک ہے اسی نے آسمان و زمین اور ان کی کل کائنات کو نیست سے ہست کیا اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ میں سیدھے راستہ کی طرف مائل ہو چکا ہوں میں نے اپنی عبادت و پرستش کا مرکز اسی خدا یگانہ بے ہمتا کو قرار دے لیا ہے جو خلاق عالم اور وحدہٗ لاشریک ہے میں کسی طرح شرک کرنے والوں کے گروہ میں شامل نہیں ہو سکتا۔

مقصود بیان: باپ دادا کی تقلید گمراہی میں کرنی حرام اور خلاف عقل ہے۔ انبیاء فطرتاً معصوم ہوتے ہیں آنحضرت ابراہیمؑ وحدانیت الٰہی میں متحیر نہ تھے بلکہ اپنی قوم کے عقیدہ کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ موجودات عالم میں غور و فکر کرنا مصنوعات میں صانع کا جمال قدرت دیکھنا اور نظام کائنات کو عقل کی روشنی میں دیکھکر معرفت و وحدانیت تک پہونچنا جائز ہے بلکہ یہ نیچرل اور فطری استدلال ہے جو ہر دانشمند کیلئے ضروری ہے۔ کائنات عالم میں سے کوئی چھوٹی مخلوق ہو یا بڑی سفلی یا علوی ارضی یا سماوی کوئی بھی لائق الوہیت و پرستش نہیں معبود کو حدوث نیرنگی احوال اور تغیر و فنا سے پاک ہونا چاہیئے۔ خدا قدوس ہی خلاق عالم اور کل موجودات کو نیست سے ہست کرنے والا ہے۔ خدا کو واحد و معبود مطلق جاننا ہی دین مستقیم اور شاہراہ ہدایت ہے وغیرہ۔

وَحَاۤجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَاۤجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ

اُن سے انکی قوم جھگڑا کرنے لگی ابراہیم بولے کیا اللہ کے بارہ میں تم مجھ سے حجت کرتے ہو

وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ

حالانکہ وہ مجھے راہ دکھا چکا میں اُس چیز سے نہیں ڈرتا جسکو تم (خدائی میں) شریک بناتے ہو

اِلَّاۤ اَنْ يَّشَاۤءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ

ہاں اگر میرا رب ہی چاہے تو (نقصان پہونچا سکتا ہے) میرا رب اپنے علم میں ہر چیز کو

شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ

گھیرے ہوئے ہے کیا تم خیال نہیں کرتے جن کو تم نے

اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ

شریک قرار دیا ہے اُن سے میں کس طرح ڈروں حالانکہ تم کو اس بات کا خوف نہیں کہ

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ

تم ایسی چیز کو خدا کا شریک بناتے ہو جسکی کوئی دلیل اللہ نے تم پر نہیں اُتاری

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ

اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں فریق میں سے ان کا کون زیادہ حقدار ہے

تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک میں

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۤئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ

آلودہ نہیں کیا وہی لوگ ہیں جن کے لئے امن ہے اور وہی

مُّهْتَدُوْنَ ۝ ع وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ

راہ یاب ہیں یہ ہماری دلیل تھی جو ابراہیم کو انکی قوم کے خلاف

عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۤءُ ؕ اِنَّ

ہم نے عطا کی تھی ہم جسکے چاہتے ہیں مراتب بلند کرتے ہیں

رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ○

تمہارا رب بلاشبہ حکمت والا خبردار ہے

تفسیر بالآخر جب حضرت ابراہیمؑ کے روشن دلائل سن کر قوم والے لاجواب ہوئے اور کچھ نہ بن پڑی تو وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ خواہ مخواہ جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر تم ہمارے معبودوں کو برا کہو گے اور ان کی الوہیت کا انکار کرو گے تو ہمارے دیوتا تم کو نقصان پہنچا دینگے۔ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کیا تم خدا کی وحدانیت الوہیت اور خلاقیت کے متعلق مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اور مجھے گمراہ کرنا چاہتے ہو حالانکہ وہ مجھے ہدایت کر چکا اس نے میری ہدایت کے نیچرل اسباب پیدا کر دیے۔ میری عقل کو روشن کر دیا یہ کونسی جھگڑے کے قابل بات ہے واضح حقیقت اور بدیہی بات میں جھگڑا کرنے کی گنجائش کس طرح ممکن ہے۔ رہا ان بتوں اور دیوتاؤں کی ضرر رسانی کا خوف جن کو تم شریک الوہیت جانتے ہو تو وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ان سے مجھے کوئی خوف نہیں یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ان کو ضرر رسانی کی طاقت ہی نہیں ہاں اگر کچھ خدا ہی کو میرا ضرر مقصود ہوگا تو لامحالہ ہوکر رہیگا ان باطل دیوتاؤں کی مذمت کو ضرر یابی میں کوئی دخل نہیں وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ میرے پروردگار کے علم میں سب کچھ سما سکتا ہے اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اگر اس کی مصلحت میری ضرر یابی کی متقضی ہے تو مجھے چون و چرا کا حق نہیں مگر میں ان دھمکیوں سے کسی طرح مرعوب نہیں ہو سکتا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ اور خوف کرنے کی آخر وجہ بھی کیا ہے جب تم بلا دلیل ناحق اور بیجا طور پر خدا کے ساتھ باطل اور فانی ہستیوں کو شریک کرنے کے باوجود کچھ خوف نہیں کرتے تو پھر مجھے ان باطل شرکاء الوہیت سے کیوں ڈرنا چاہئے حالانکہ خدا قادر مطلق ہے اور یہ خیالی دیوتا نہ ضرر پہونچا سکتے ہیں نہ نفع۔ بس تا در مطلق مختار کل خلاق علی الاطلاق کا پرستار ہوں اور تم مجبور محض بے اختیار اور بے طاقت باطل دیوتاؤں اور بتوں کی عبادت کرتے ہو اب تم ہی بتاؤ کہ ہم دونوں فریقوں میں سے امن و نجات کا کون زیادہ مستحق ہے اہل توحید حق پر ہیں یا بطالت شعار مشرک۔ اگر تم کو دانش و عقل سے کوئی حصہ ملا ہے اور علم سے بہرہ یاب ہونے کے مدعی ہو تو بتاؤ اور خود فیصلہ کرو اگر نہیں بتا سکتے اور عقل و دانش سے کورے ہو تو سنو میں بتائے دیتا ہوں کہ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کو واحد لاشریک جانا اسکی الوہیت و ربوبیت و خلاقیت پر ایمان لائے تمام صفات نقصان فنا حدوث امکان اور تغیر وغیرہ سے اسکو پاک سمجھا اور اس ایمان و صداقت میں شرک و کفر کو آمیختہ نہ کیا

یہ ہی راہ راست پر ہیں اور امن و نجات انہی کے لئے مخصوص ہے۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ۔ اس آیت میں اپنی شان بے شمالی اور قدرت کاملہ کا مظاہرہ کرنا مقصود ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ ابراہیم کو قوم والوں کے مقابلہ میں دلیل ہم نے بتائی تھی ہمارا فضل و انعام ابراہیم کے شامل حال تھا ہم جسکو چاہتے ہیں بلند مرتبہ کرتے ہیں۔ نظری روشنی پیدا کرنا ہمارا کام ہے کسی کے کسب اور عقل کو اس میں دخل نہیں ہم حکیم علیم ہیں جسکو چاہتے ہیں اپنے فضل و انعام سے سرفراز کرتے ہیں اور جہاں مناسب سمجھتے ہیں اپنی رحمت کی بارش کرتے ہیں۔

مقصود بیان:- اہل حق کے صداقت انگیز اور صداقت آفرین کلام کے سامنے باطل پرستوں کو سوا بغلیں جھانکنے اور خواہ مخواہ جھگڑا کرنے کے اور کچھ بن نہیں پڑتا۔ پروردگار عالم کی ربوبیت الوہیت اور خلاقیت نہایت بدیہی چیز ہے جس میں کسی طرح گفتگو کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ہدایت کرنے والا درحقیقت خدا ہی ہے وہی اسباب ہدایت پیدا کرتا ہے اور حقانیت کو سمجھنے کی وہی عقل میں روشنی پیدا کرتا ہے۔ کوئی مخلوق ادنیٰ ہو یا اعلیٰ کسی کو ضرر پہونچا سکتی ہے نہ نفع۔ خالص ایمان و معرفت رکھنے والے ہی بفضل الٰہی مستحق نجات و امن ہیں۔ اگر انسان حقانیت توحید تنزیہ اور صداقت پر قائم رہے تو کوئی طاقت اسکو نقصان نہیں پہونچا سکتی۔ بغیر مشیت الٰہی کوئی مخلوق خواہ بے حس پتھر ہوں یا روشن ستارے یا نور مجرد فرشتے یا مقرب اولیاء یا برگزیدہ انبیاء کسی کو ضرر یا نفع نہیں پہونچا سکتے۔ نفع نقصان سب خدا کے دست قدرت میں ہے وغیرہ۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق و یعقوب بخشے ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ

اور اس سے پہلے نوح کو بھی ہدایت دی اور ابراہیم کی نسل میں سے

دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَ

داؤد ؑ و سلیمان ؑ و ایوب ؑ و یوسف ؑ و

مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ

موسیٰ و ہارون کو ہدایت دی نیک کام کرنیوالوں کو ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ

اور زکریا ؑ و یحییٰ ؑ و عیسیٰ ؑ و الیاس کو بھی ہدایت دی یہ سب

الصّٰلِحِيْنَ ۙ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ

نیک تھے اور اسمٰعیل و الیسع و یونس

وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَ

و لوط کو بھی ہدایت دی اور ہر ایک کو جہان کے لوگوں پر ہم نے فضیلت دی اور

مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ

اُن کے بعض اسلاف و اولاد اور بھائیوں کو ہدایت دی

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ

اور اُن کو انتخاب کیا اور سیدھی راہ پر

مُّسْتَقِيْمٍ ۝

چلایا

تفسیر شیخ ابن کثیر نے یہاں ایک مفصل قصہ ذکر کیا ہے اور خود کلام مجید میں بھی مذکور ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی رضا جوئی کے لئے رشتۂ قرابت کا سلسلہ توڑ دیا، اعزا اقارب سے منہ موڑا اور تمام یار دوستوں کو چھوڑا، تو خدا تعالیٰ نے بھی دین و دنیا کی بزرگی اُن کو عطا فرمائی اور پیرانہ سالی میں عقیم بڑھیا سارہ کے بطن سے خوبصورت شائستہ نیکوکار بیٹا اسحاق عطا فرمایا اور جب والدین نے بارگاہ الٰہی میں اُس کے انعام کا شکریہ ادا کیا تو خدا تعالیٰ نے ایک پوتا صالح یعنی یعقوب عنایت فرمایا اور حضرت اسحاق و یعقوب کو نبی بھی بنایا اور اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ اسی بات کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ہم نے ابراہیمؑ کو نیکوکاری اور فرماں برداری کا یہ بدلا دیا کہ اُن کو ایک بیٹا اسحاق اور پوتا یعقوب عطا کیا اور پھر ان میں سے ہر ایک کو ہدایت بھی دی جو شان نبوت کے لائق تھی (گویا وہ بشارت پوری کی کہ میں تیری ذریت میں نبوت اور حکومت قائم رکھونگا) اور چونکہ حضرت ابراہیم سے قبل حضرت نوحؑ کو بھی اسی انعام سے سرفراز فرمایا تھا اسلئے ارشاد ہوتا ہے کہ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ابراہیم۔ سے پہلے ہم نے نوح کو بھی ہدایت نبوت سے سرفراز کیا تھا۔ اس بات کے کہنے سے یہ مراد ہے کہ چونکہ نوح نے بھی ہماری راہ میں مصائب برداشت کئے تھے اسلئے ہم نے اسکو بھی نعمت ہدایت عطا فرمائی تھی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ کو فقط مذکورہ نعمت ہی نہیں دی گئی تھی بلکہ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ۔ ابراہیم کی نسل میں چودہ[۱۴] انبیاء عظیم الشان پیدا کئے۔ داؤد۔ لوط۔ سلیمان۔ اسمٰعیل۔ ایوب۔ یوسف۔ موسیٰ۔ ہارون۔ زکریا۔ یحییٰ۔ عیسیٰ۔ الیاس۔ یونس۔ الیسع۔ یہ تمام انبیاء درجۂ صلاح پر فائز تھے۔ اپنے زمانہ کے لوگوں سے افضل اشرف اور صاحب مرتبہ تھے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے صرف اسی انعام پر اقتصار نہیں کیا بلکہ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ان کی اصل نسل اور بھائی بندوں میں سے بعض کو ہدایت خاصہ عطا کی۔ نبوت سے سرفراز فرمایا اور اُن کے زمانہ کے تمام انسانوں میں سے اُن کو منتخب کر کے اپنی نعمت مرحمت فرمائی۔

چونکہ اس آیت میں انبیاء کا تذکرہ آیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء کے نام نسب اور مختصر احوال ذیل میں ذکر کر دیں جس سے علاوہ تحقیق بحث کے آیت کے معنی کی بھی ضروری وضاحت ہوتی ہے۔

ابراہیمؑ بن آزر یا بن تارح یا بن تارخ۔ مسیح سے دو ہزار سال پیشتر عراق میں بمقام بابل پیدا ہوئے۔ وطن چھوڑ کر کنعان پہونچے پھر نابلس ہوتے ہوئے یروشلم میں پہنچے دونوں فردکش رہے بلاد شام مصر اور عرب میں بھی سیاحت کی ملک شام میں سارہ پردہ پوش ہوئے۔

اسحٰقؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے چھوٹے بیٹے حضرت سارہ کے بطن سے تھے ملک شام میں ہی پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔

اسمٰعیلؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے تھے ان کی والدہ بیوی نہ تھیں بلکہ باندی تھیں بعض مؤرخین کہتے ہیں بادشاہِ مصر نے حضرت سارہ کو خدمت کیلئے حضرت ہاجرہ کو بخشدیا تھا اور حضرت سارہ نے حضرت ابراہیمؑ کو ہبہ کر دیا۔

لوطؑ بن ہاران بن آزر۔ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ ان کی نبوت حضرت ابراہیمؑ کی نبوت کے ماتحت تھی۔ کنعان کو جاتے وقت حضرت لوطؑ خلیل اللہؑ کے ہمراہ تھے۔

یعقوبؑ بن اسحاق بن ابراہیم کنعان میں پیدا ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔

ایوبؑ بن اموص بن رازخ بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم۔ بعض لوگ آپ کو خلیل اللہؑ کی نسل سے نہیں کہتے مگر ہم نے جو نسب تحقیق کے ساتھ تحریر کیا ہے وہی صحیح ہے۔

یوسفؑ بن یعقوب لڑکپن میں غلام بنا کر فروخت کئے گئے۔ رفتہ رفتہ بتقدیر الٰہی وزیر مصر اور پھر بادشاہ مصر ہو گئے۔ بنی اسرائیل کو مصر بلا لیا۔ حضرت یعقوب بھی مصر چلے گئے۔ اس کے بعد چار سو برس تک بنی اسرائیل مصر میں رہے۔

موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب۔ حضرت ہارونؑ آپ کے بھائی تھے دونوں ایک ہی زمانہ میں نبی تھے۔ کوئی کہتا ہے حضرت ہارونؑ

حضرت موسیٰؑ سے ایک سال بڑے تھے۔ کوئی کہتا ہے تیس سال چھوٹے تھے۔

داؤدؑ بن ایشا اور آپ کے بیٹے سلیمانؑ، دونوں نبی بھی تھے اور ملک شام وغیرہ کے بادشاہ بھی۔ حضرت موسیٰؑ سے سیکڑوں برس بعد پیدا ہوئے۔

زکریّاؑ دو گذرے ہیں اور دونوں نبی بھی تھے۔ یک حضرت عیسٰیؑ سے پانچ سو برس قبل جو حضرت یرمیا، عزیر ادھی کے معاصر تھے۔ دوسرے زکریا بن اردن بن برکیا۔ یہ حضرت یحییٰؑ کے والد تھے۔

عیسٰیؑ بن مریم بنت عمران۔ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے آپ کا نسب ماں سے چلتا ہے۔ اسرائیلی تھے بڑے بڑے معجزات آپ سے سرزد ہوئے۔

الیاسؑ کے متعلق اختلاف ہے۔ ابن مسعودؓ کے نزدیک الیاسؑ اور ادریس دونوں نام ایک ہی شخص کے تھے لیکن چونکہ آیت میں الیاس کو حضرت نوحؑ یا حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں کہا گیا ہے اسلئے ادریس یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ ادریس تو حضرت نوحؑ کے اجداد میں سے تھے۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ الیاسؑ بن سنا بن فخاص بن عیزلد بن ہارون برادر موسیٰ مراد ہیں۔ یعنی یہ الیاس حضرت اسحاق کی نسل سے تھے۔ شاہ اخزیاہ کے وقت میں مسیح سے تقریباً ۸۹۰ برس پہلے نبی ہوئے قوم نے تنگ کیا تو آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ ضحاک کا قول ہے کہ الیاس حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھے قتیبی کہتے ہیں کہ یوشع بن نون کے پوتوں میں سے تھے۔

یسعؑ بن اخطوب بن العجوز حضرت الیاسؑ کے شاگرد تھے۔ بعض اہل تاریخ کا قول ہے کہ یہی خضرؑ ہیں۔

یونسؑ بن متی ان کو یوناہ بھی کہا جاتا ہے۔ مسیح سے آٹھ سو برس پیشتر گذری ہیں۔

مقصود بیان:- جو شخص راہِ مولا میں تکلیف اٹھاتا ہے خدا تعالیٰ دنیا میں بھی اُسکو اجر کامل عطا فرماتا ہے اور دین میں بھی اعزاز دیتا ہے۔ قدرتِ الٰہی اسباب کی محتاج نہیں کبھی بانجھ اور عقیم ماں باپ کو بھی ان کی نیکیوں کے صلے میں اولاد مرحمت فرما دیتا ہے۔ ہر نبی اپنے زمانہ کے انسانوں سے افضل و اشرف ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بڑے جلیل القدر نبی تھے۔ ہزاروں انبیاء آپکی نسل سے پیدا ہوئے۔ خدا کسی نیکوکار کی نیکی ضائع نہیں فرماتا۔ بھتیجہ بھی شرعاً بعض امور میں بیٹے کا حکم رکھتا ہے اور بھتیجہ کو چچا کی ذریت سے شمار کیا جا سکتا ہے جیسے حضرت لوطؑ کو حضرت ابراہیمؑ کی ذریت سے شمار کیا گیا۔ نسب میں ماں کو بھی دخل ہے بلکہ بعض موقعوں پر ماں سے ہی نسب چلتا ہے جیسے مسیح ابن مریم۔ حسین ابن فاطمہ۔ خلاء تعالیٰ ہی ہادی ہے۔ نبوّت کسبی چیز نہیں ہے بلکہ وہبی ہے۔ این سعادت بزور بازو نیست۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ آیہ میں نیکوکاری کی ترغیب، جزاء صالحات کا وعدہ اور مذکورہ انبیاء کی معصومیت کی صراحت ہے وغیرہ۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے چلاتا ہے

عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

اور اگر وہ شرک کرتے تو اُن کا کیا کرایا ضرور اکارت

يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

ہو جاتا یہ وہی لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ

اور حکمت اور نبوت دی تھی پھر اب بھی اگر یہ لوگ ان باتوں کو نہ مانیں

فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝

تو ہم نے ان باتوں پر ایمان لانے کو ایک ایسی قوم مقرر کر دی ہے جو انکار کرنے والی نہیں ہے

تفسیر: یہ مذکورہ بالا آیت کا ضمیمہ ہے یعنی شرک سے بچنا باطل کو چھوڑنا سنت الٰہی کی راہ پر گامزن ہونا اور نعمت نبوت سے سرفراز ہونا یہ سب کچھ بہدایت الٰہی تھا۔ خدا جسکو چاہتا ہے اپنی نعمت سے امتیازی پایہ عنایت فرماتا ہے۔ ہدایت نبوت اُس کا خصوصی انعام ہے جو صرف اُسکی مشیت اور فضل سے گروہِ انبیاء کو عطا کیا گیا اور انبیاء کے علاوہ جو لوگ حق کی پیروی کریں اور راہ توحید پر قائم رہیں اُن کو بھی خدا تعالیٰ اپنی رحمت و نعمت سے اپنی مشیت کے ماتحت سربلند فرماتا ہے۔ ہاں شرک سے بچنا باطل سے منہ موڑنا اور غیر اللہ کی پرستش کا سلسلہ توڑنا ضروری ہے کسی نبی نے شرک کو پسند نہیں کیا اسی لئے درجہ ہدایت پر فائز ہوئے ورنہ اگر بالفرض وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ خدا کے ساتھ کسی مخلوق کو ذات و صفات میں شریک کرلتے تو اُن کا کل کیا کرایا برباد ہو جاتا اور شرک کرنے کے بعد کوئی عمل سودمند نہ ہوتا مگر وہ پاک بندے تھے شرک کی نجاست سے صاف اور پاک تھے اسی لئے اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ خدا تعالیٰ نے اُن کو خصوصیت کے ساتھ تین نعمتیں عطا فرمائیں اُن کو کتاب عطا کی یعنی اُن کے پاس وحی بھیجی تاکہ یہ حکم الٰہی کے موافق موجودہ کتاب پر عمل کریں اور دوسروں کو ہدایت کریں اور انکی سیاست دینی قائم ہو۔ دوسرے اُن کو حکمت و دانش معاملہ فہمی و تدبر کی اور نور عقل سے سرفراز کیا اور حکومت کرنے کا سلیقہ عنایت فرمایا۔ تیسرے اُن کو نبی بنایا اور روحانی نعمت بھی اُن کے شامل حال کی۔ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ

تحقیق:- بِهَا کی ضمیر ابن کثیر اور دیگر محققین کے نزدیک لفظ نبوّۃ کی طرف راجع ہے۔ لیکن بعض مفسرین کتاب، حکم اور نبوۃ تینوں کی طرف اس ضمیر کو راجع کرتے ہیں اور هٰٓؤُلَاۗءِ سے مراد ابن عباس، سعید بن مسیب

ضحاک، قتادہ اور سدی وغیرہ کے نزدیک اہل مکہ ہیں لیکن دیگر محققین نے عموماً کفار کو مراد لیا ہے خواہ کسی زمانہ کے ہوں اور کہیں کے ہوں۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت مہاجرین و انصار کے متعلق نازل ہوئی۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر یہ قریش اور مکہ کے رہنے والے ان نعمتوں کے منکر ہیں کتاب الٰہی کو نہیں مانتے نبوت کا انکار کرتے ہیں اور نورِ فطرت کے نور کی تکذیب کرتے ہیں تو اے نبی تم کچھ اس کا رنج نہ کرو کیونکہ اسلام تو بہرحال پھیل کر رہیگا۔ ہم نے ازل سے ہی مہاجرین و انصار کا گروہ اس پر ایمان لانے کیلئے مقدر کر رکھا ہے۔

بعض اہل تحقیق کے نزدیک آیت کا مورد عام ہے صحابہ کی تخصیص نہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا بھر کے کفار خواہ اس زمانہ کے ہوں یا آئندہ پیدا ہونے والے خدا کی نعمتوں کو نہ مانیں تو کچھ پرواہ نہ کرو کیونکہ ہم نے ان نعمتوں پر ایمان لانے کیلئے اہل ایمان کو بھی تیار کر رکھا ہے وہ کسی نعمتِ الٰہی کا قطعاً انکار نہ کرینگے۔ اول مطلب ابن عباسؓ کا بیان کردہ ہے اور دوسرا مطلب زید بن اسلم نے بیان کیا ہے۔

مقصود بیان :- ہدایت خدا کے اختیار میں ہے کوئی انسان ہدایت کرنے میں مختار نہیں۔ شرک اتنی بڑی چیز ہے کہ اگر انبیاء سے بھی سرزد ہو جائے تو سب کیا کرایا برباد ہو جائے۔ مشرک کی کوئی نیکی قبول نہیں۔ شرک تمام اعمال حسنہ کو برباد کر دیتا ہے۔ انبیاء کو دینی سیاست (کتاب) بھی عطا کی گئی تھی اور دنیوی سیاست (حکومت) بھی اور روحانی سیاست (نبوت) بھی یعنی بعض انبیاء جس طرح صاحب کتاب و نبوت تھے اسی طرح حکمراں بھی تھے۔ کفر و اسلام ازل میں مقدر ہو چکا ہے۔

آیت فقد وکلنا میں اسلام کی کامیابی اہل ایمان کی کثرت اور دین الٰہی کے پھیلنے کی زبردست پیشین گوئی بھی ہے۔

کریں۔ بعض کے نزدیک اصول شریعت اور صبر و تحمل میں اقتداء کرنی مراد ہے یعنی آپ بھی اُنہی اصول شریعت پر چلیئے جن پر دیگر انبیاء چلے اور تبلیغ دین میں اُسی صبر و تحمل سے کام لیجئے جیسا اُنہوں نے لیا۔ بعض مفسرین کے نزدیک صرف توحید میں اقتداء مقصود ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ جزئیات غیر منسوخہ میں بھی پیروی مراد ہے مگر یہ قول ضعیف ہے۔ بہرحال حاصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح دیگر انبیاء نے صبر و تحمل سے کام لیا توحید کا اعلان کیا۔ اصول دین قائم کئے آپ بھی ایسا ہی کیجئے اور اہل مکہ سے کہدیجئے کہ میں اس قرآن کے عوض جو راہ حق کا داعی ہے تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا کام تو نصیحت کرنا ہے اور یہ قرآن جن و انس کیلئے نصیحت ہے۔

نکتۂ خاص :- اہل علم نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء سے افضل تھے کیونکہ ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی خاص صفت میں کمال خاص حاصل تھا اور اُس صفت کی وجہ سے اُس پیغمبر کو جزئی فضیلت اور خصوصی امتیاز تھا اور جب رسول پاک ﷺ کو تمام انبیاء کی اقتداء کا حکم ہے یعنی اُن تبلیغی اور ہدایت آفرین خوبی کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے جو ایک ایک دو دو مختلف پیغمبروں کو عطا کئے گئے تھے تو تمام فضائل جزئیہ کا حضور ﷺ کی ذات بابرکات میں موجود ہونا ضروری ہوا اور آپ اُن تمام اوصاف کمالیہ کے جامع قرار پائے اور مجموعہ کی فضیلت ہر ہر جزء پر ظاہر ہے

مقصود بیان :- انبیاء فطرتاً ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اُنکی ہدایت وہبی اور خدا داد ہوتی ہے سوائے خدا کے اُن کا کوئی ہادی نہیں ہوتا۔ تمام شرائع اسلام کے ساتھ اصول ہدایت میں متحد ہوتے ہیں۔ اسلاف کے ساتھ اگر اصول میں اتحاد ہو تو اسکو بھی اقتداء کہا جاتا ہے۔ تبلیغ دین اور وعظ و پند کا کوئی اجر دنیوی رسول پاک ﷺ کیلئے طلب کرنا ناجائز تھا۔ آپ دینی تبلیغ کا کوئی معاوضہ طلب فرماتے تھے اگرچہ خطاب حضور ﷺ کو ہے لیکن اشارۃً یہ بات بھی نکل سکتی ہے کہ تعلیم قرآن کا معاوضہ لینا حرام

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ

یہ وہی لوگ تھے جن کو اللہ نے راہ دکھائی تھی تو (اے محمد) تم بھی اُنہی کے

اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ

طریقہ پر چلو کہہ دو کہ میں تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا یہ تو

هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ○

صرف دنیا جہان کے لئے نصیحت ہے

تفسیر ابن عباسؓ کے نزدیک اقتدہ سے ہدایت میں اقتداء مراد ہے (بخاری اور نسائی میں یہی روایت ہے) مطلب یہ ہے کہ جو ہدایت کے طریقے دیگر انبیاء نے اختیار کئے وہی آپ بھی اختیار

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا

انھوں نے اللہ کا اندازہ جیسا کہ چاہئے تھا نہ کیا کہنے لگے کہ

مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ ۗ قُلْ

اللہ نے تو کسی بشر پر کچھ نہیں اُتارا تم کہو کہ

مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ

کہ وہ کتاب کس نے اُتاری تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے

نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ ۖ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ

جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی جس کو تم نے ورق ورق کر رکھا ہے

تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ

(جس کو کچھ تو) ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ مخفی رکھتے ہو اور تم کو وہ کچھ سکھایا گیا

مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ

جو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا کہدو

اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ

اللہ نے اُتاری تھی پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بحث میں پڑے کھیلا کریں

تفسیر اس آیت کی شان نزول میں علماء روایت کا بہت اختلاف ہے ہم مختصراً ذکر کرتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ بات فنحاص یہودی نے کہی تھی اسی کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ عکرمہ اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ مالک بن صیف کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ شخص بڑا توندیلا موٹا تازہ اند بھاری بھرکم تھا۔ ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر خواہ مخواہ کی حجتیں کرنے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا مالک تجھے اُسی خدا کی قسم ہے جس نے موسٰیؑ پر توریت نازل فرمائی تھی سچ بتا تو نے توریت میں یہ بھی پڑھا ہے کہ اللہ موٹے اور فربہ عالم کو دوست نہیں رکھتا یہ سُن کر نہ غصہ ہو پڑا اور بولا خدا نے کوئی کتاب کسی نبی پر نہیں اُتاری اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (رواہ البغوی) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت عموماً یہودیوں کے بارہ میں نازل ہوئی کیونکہ ایک مرتبہ یہود نے کہا تھا اے محمدؐ! خدا نے آپ پر کتاب اتاری ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ بولے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کوئی کتاب نہیں اُتاری بہرحال ان تمام روایات کی بناء پر یہ آیت مدنی ہوگی اگرچہ باقی سورت مکی ہے کیونکہ یہودی مدینہ میں تھے تحصیل علم کے لئے ہجرت سے قبل مکہ میں نہیں آئے۔

ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں ہے جسکی مجاہد اور عبد بن کثیر نے بھی تائید کی ہے کہ اس آیت کا نزول قریش کے حق میں ہوا۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہی قول قابل ترجیح ہے کیونکہ یہ سورت و آیت مکی ہے۔ یہودی آسمان سے کتاب نازل ہونے کے منکر نہ تھے بلکہ مکہ والے منکر تھے۔ بہرصورت مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی عظمت کا پورا اندازہ نہیں کیا ان کو نہیں معلوم کہ اللہ کس قدر عظیم الشان ہے کتاب نازل کرنا کونسی بڑی بات ہے نہ انہوں نے خدا کی صفات کو صحیح طور پر سمجھا۔ ان کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب کوئی صحیفہ اور کوئی حکم نازل نہیں فرمایا یہ سراسر ان کا بے دلیل دعویٰ ہے۔ ان سے ذرا پوچھو کہ اگر خدا نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں فرمایا تو پھر تورات کو موسٰی پر کس نے اتارا تھا اور تورات بھی وہ چیز جو بالکل نور مجسم اور عین ہدایت تھی مشکلات کے حل ہونے اور گمراہی کی تاریکی دور کرنے میں اس کے احکام سے مدد لیجاتی تھی اور عام لوگوں کو اُس کے ذریعہ سے سیدھا راستہ بتایا جاتا تھا لیکن اے اہل کتاب تم اس کے اجزاء منتشر کر رکھتے ہو اُس کے اوراق کو متفرق کرتے ہو اپنے مطلب کا کچھ حصہ ظاہر کرتے ہو اور اکثر حصہ جو تمہارے مطلب کے خلاف ہے اُسکو چھپاتے ہو اب تم کو اس قرآن کی تعلیم دی گئی تو کونسی بعید بات ہوئی۔ قرآن نے تم کو وہ باتیں بتائیں جو تم کو تو کیا تمہارے باپ دادا کو بھی تورات سے معلوم نہ ہوئی تھیں (کیونکہ تم نے تورات کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور حقانیت کو چھپا لیا تھا) یعنی رسول اللہؐ کی بعثت و شریعت کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں جو توریت میں موجود تھیں مگر تم اور تمہارے اسلاف اُن کو نہ سمجھ سکتے تھے اب بعثت رسول کے بعد تم پر ان کا اظہار کر دیا گیا۔ غرض یہ نورانی تورات کس نے نازل کی تھی تم لاجواب ہو تو سُن لو یہ خدا نے نازل کی تھی۔

ہدایت خاص:۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاکؐ کے زمانہ میں یہودیوں نے توریت کو منتشر اجزاء میں اسی غرض سے تقسیم کر رکھا تھا کہ اپنی خواہش کے مطابق اوراق کو ظاہر کرتے تھے اور جو خلاف منشاء حکم ہوتا یا جس میں رسول اللہؐ کی بعثت کی اطلاع اور اسلام کی حقانیت و صداقت کی خبر ہوتی اُسکو چھپا لیتے تھے (رواہ الدارمی) بہرحال یہودیوں کے پاس اُس زمانہ میں توریت ضرور رکھی لیکن پانچوں حصے تھے یا کوئی حصہ کم تھا یا عہد عتیق کی دیگر کتابیں تھیں جن کو مجازاً توریت کہا گیا اور جو توریت اُن کے پاس اُس زمانہ میں موجود تھی وہ بالکل اصلی تھی یا مجموعہ غلط و صحیح تھا اس کا کچھ علم نہیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ

یہ (قرآن) کتاب ہے ہم نے اُتاری ہے برکت والی ہے اُن کتابوں کی تصدیق کرنیوالی

الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى

ہے جو اس سے پہلے تھیں اور اسلئے (نازل کی ہے کہ) تم مکہ والوں کو اور مکہ کے

وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

آس پاس والوں کو ڈراؤ جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ

وہ اسپر ایمان لے آتے ہیں اور وہی اپنی نمازوں کی پابندی رکھتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیت میں یہودیوں کے شبہ کا الزامی دلیل کے ساتھ رد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر آسمانی کتاب کا انسان پر نازل ہونا محال یا خلاف واقع ہوتا تو موسٰیؑ پر توریت کیسے نازل ہوتی معلوم ہوا کہ آسمانی کتاب انسان پر نازل ہو سکتی ہے چنانچہ توریت کو موسٰیؑ پر نازل کیا گیا توریت نے مشعل ہدایت کا کام دیا مخلوق کو سیدھا راستہ بتایا گمراہی اور تاریکی سے نکالکر روشنی سے منور کر دیا لیکن یہودیوں نے توریت کو پارہ پارہ کر لیا۔ کتاب الٰہی کو اپنی اغراض کا

آلہ بنالیا۔ جو حکم اپنی مصالح کے موافق سمجھا اسکو ظاہر کیا اور جسکو خلاف غرض سمجھا اسکو چھپا ڈالا۔ غرض یہ کہ نور آسمانی کو غرض کی اندھیری سے چھپا دیا مشعل ہدایت کو بجھا دیا اور ہوس پرستی کو مذہبی لباس پہنا دیا تو ایسے وقت میں لامحالہ پھر ایک آسمانی کتاب کی ضرورت پڑی جس میں تین اوصاف ہونا ضروری تھے (۱) وہ کتاب بابرکت اور کثیر الفوائد ہو۔ انسانی اخلاق اور ملکی صفات پیدا کرنے کی باعث ہو (۲) اپنے سے پہلی کتابوں کے مضامین توحید اصول ہدایت قوانین شریعت کی تصدیق کرے اور بحیثیت کلی ان سے سرمو فرق نہ کرے (۳) اہل عالم کو نصیحت کرنے راہ راست بتانے اور حکم الٰہی سے سرتابی کرنیوالوں کو عذاب سے ڈرانے کا کفیل ہو۔ چنانچہ :۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا۔ اب یہ قرآن مبارک تمہارے سامنے موجود ہے دنیا کو فائدہ پہونچانے والا عالم میں اُجالا کرنے والا صفات حسنہ پیدا کرنیوالا اخلاق کو مہذب بنانے والا اور معارف وتہذیب پھیلانے والا ہے اپنے سے پیشتر کی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے یعنی اُن کتابوں کے توحیدی مضامین ضرورت رسالت وقوع قیامت وجوب عذاب وثواب اور دیگر اصول شرائع کا قائل ہے ان تمام مضامین میں کتب سابقہ کی تائید کرتا ہے پھر مکہ اور اطراف مکہ یعنی کل عالم کے لئے ہدایت بھی ہے حکم الٰہی سے سرتابی کرنیوالوں کو عذاب خدا سے ڈراتا بھی ہے لہذا اب کیوں اسکی صداقت میں شک کرتے ہو اور کیوں اس پر ایمان نہیں لاتے۔ یعنی جب آسمانی کتاب کی ضرورت ثابت ہوگئی اور قرآن میں آسمانی کتاب کے تمام لوازم موجود ہیں تو پھر اس سے سرتابی کیوں کرتے ہو اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ حاصل ارشاد یہ ہے کہ درحقیقت اہل کتاب کا ایمان روز قیامت پر نہیں رہا عملی طور پر قیامت کے منکر ہوگئے ان کو عذاب ثواب کا یقین نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ قرآن کو نہیں مانتے۔ اگر قیامت کا ان کو یقین ہوتا اور عذاب ثواب کو لازمی سمجھتے تو لامحالہ قرآن پر ایمان لاتے کیونکہ قرآن پر ایمان لانے اور اس کے احکام پر چلنے سے ہی نجات آخرت حاصل ہونے والی ہے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ قرآن کو بطور عقیدہ ضرور مانتے ہیں اور اپنے اعمال کی بھی اصلاح کرتے ہیں جن کی جڑ نماز ہے وہ نماز کو پابندی کے ساتھ بحفظ شرائط ادا کرتے ہیں۔

ہدایت خاص :۔ نماز کی تخصیص کی وجہ صاحب مدارک نے یہ بیان کی ہے کہ وہ دین کا ستون اور اصل اعمال ہے جس نے اسکی پابندی کی ظاہر ہے کہ وہ سب کی پابندی رکھیگا۔

ایک شبہہ کا ازالہ :۔ اس آیت سے بعض کور دانش شبہہ کرنے لگتے ہیں کہ حضور پاکؐ کی بعثت مکہ اور اطراف مکہ کے رہنے والوں یا زائد سے زائد حجاز و عرب کے لئے مخصوص تھی۔ اسلام کی عمومی تبلیغ کا حکم نہ تھا۔ ان کا یہ شبہہ غلط ہے کیونکہ (۱) بہت سی دیگر آیات میں نبوت عمومی کی طرف اشارہ ہوچکا ہے لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا صاف طور پر بتا رہا ہے کہ رسول پاک کی بعثت عمومی تھی (۲) ام القریٰ یعنی مکہ کے گرد اگرد سے مراد کل عالم ہے کیونکہ جب مکہ کل عمرانی دنیا کے لئے ماں قرار پایا اور یہی زمین کا وسطی حصہ ہے اور یہیں سے بقول قتادہ زمین کو اطراف وجوانب میں پھیلایا گیا تو انتہائی بلاغت کے ساتھ فرما دیا کہ اصل مرکز کے رہنے والے ہوں یا ادھر اُدھر کے سب کیلئے تم نذیر ہو۔ غرض یہ کہ کل عالم کیلئے حضورؐ کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔

مقصود بیان :۔ ذات وصفات الٰہی کا صحیح یعنی پورا اندازہ ناممکن ہے حضرت موسیٰؑ پر توراۃ نازل ہوئی تھی۔ توراۃ کے اندر اہل معرفت کے لئے نور اور گمراہی کو دور کرنے کیلئے روشنی تھی۔ بنی اسرائیل کیلئے اُس میں ہدایت کا ذخیرہ تھا۔ بنی اسرائیل نے توریت کو پارہ پارہ کرلیا اُس کے احکام متفرق کرلئے توراۃ کا وہ زیادہ حصہ جو اُن کی اغراض کے لئے مفید نہ تھا پوشیدہ کرلیا اور کچھ حصہ جو اُن کے مطلب کا تھا برقرار رکھا۔ رسول پاکؐ کے زمانہ میں توراۃ موجود تھی۔ یہودی نہایت بد دیانت قوم تھی اپنی مذہبی کتاب میں اُنہوں نے ترمیم وتغیر کرلی تھی۔ آسمانی کتاب میں تین اوصاف ہونے ضروری ہیں (۱) کثیر الفوائد ہو انسانی منافع خواہ معاشرتی ہوں یا اخلاقی یا سیاسی یا روحانی یا دینی سب کے قوانین اُس میں ہوں (۲) کتب سابقہ کی اصولی تائید کرتی ہو مضامین توحید حشر نشر عذاب ثواب ورسالت وغیرہ میں سرمو فرق نہ کرتی ہو (۳) تبلیغی ہو اُسمیں تفاوت احکام نہ ہو۔ قرآن میں یہ تینوں اوصاف موجود ہیں۔ اقرار قیامت ایمان قرآن کیلئے لازم ہے۔ نماز کی پابندی خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے۔ جو لوگ اہل ایمان ہیں اور اعمال کی بھی اُنہوں نے درستگی کرلی ہے وہ مستوجب ستائش ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر دروغ بندی کرے

اَوْ قَالَ اُوْحِىَ اِلَىَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَىْءٌ

یا کہے کہ میرے پاس وحی آئی ہے حالانکہ اُس کے پاس کوئی وحی نہیں آئی

وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور جو قائل ہو کہ جس طرح اللہ نے نازل کیا میں بھی اُتار دونگا

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ

کاش تم دیکھو کہ جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں

وَالْمَلٰۤئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْۤا

اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوتے ہیں (اور حکم ہوتا ہے کہ) اپنی

أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ

اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا ملے گی

بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ

کیونکہ تم اللہ پر جھوٹی باتیں بکتے تھے اور

كُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَلَقَدْ

اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے بے شک

جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ

تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آگئے جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا

وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا

اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا اس کو پس پشت چھوڑ آئے اور ہم

نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ

تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارش کرنیوالوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کو تم

أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ

شریک خیال کرتے تھے تمہارا علاقہ منقطع ہوگیا اور

ضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ ع ۱۷

جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے وہ گئے گذرے ہوئے

تفسیر

ان آیات کی شانہائے نزول میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ اہل تفسیر کہتے ہیں کہ وَمَنْ أَظْلَمُ سے كَذِبًا تک آیت مالک بن صیف کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اس سے آگے إِلَيْهِ شَيْءٌ تک مسیلمہ کذاب کے متعلق نازل ہوئی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ عکرمہ اور قتادہ کی یہی روایت ہے۔ ابن جریر ابن کثیر اور صاحب معالم نے اسی کو نقل کیا ہے پھر اس سے آگے مَا أَنزَلَ اللَّهُ تک عبداللہ بن سعد بن سرح کے بارہ میں نازل ہوا واقعہ یہ ہوا کہ عبداللہ بن سعد مسلمان ہو کر کاتب وحی مقرر ہوا تھا۔ جب آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ الخ کا نزول ہوا تو حضور اقدس ؐ نے ابن سعد کو طلب فرما کر آیت لکھوانی شروع کی اور ایک ایک حرف بتانا شروع کیا۔ جب حضورؐ کی زبان سے خَلْقًا آخَرَ کا لفظ نکلا اور عبداللہ نے اسکو لکھ لیا تو حضورؐ کے ارشاد سے قبل عبداللہ کی زبان سے اس کے بعد اتفاقی طور پر فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ نکل گیا۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں یہی اترا ہے لکھو۔ اس پر عبداللہ مرتد ہوگیا اور کہنے لگا اگر محمدؐ پر وحی اترتی ہے تو مجھ پر بھی وحی اترتی ہے اور اگر محمدؐ پر وحی نازل نہیں ہوتی بلکہ خود ہی گھڑ لیتے ہیں تو اب میں بھی ایسا قرآن بنا سکتا ہوں۔ یہ ارتداد کے کلمے کہے اور مرتد ہو کر مدینہ سے نکلکر مکہ کو چلا گیا اور قریش تک گیا پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا مگر یہ شان نزول قابل شک ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور عبداللہ کا قصہ مدینہ میں واقع ہوا تھا۔ ہاں اخبار عن الغیب ہو سکتا ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی جو قرآن کے معارضہ کا دعویٰ کرتا اور کلام ربانی کے مقابلہ میں واہیات خرافات تک بندی کیا کرتا تھا۔ مثلاً وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا کے مقابلہ میں اس نے وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا فَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا فَالْخَابِزَاتِ خَبْزًا جیسا بیہودہ کلام بنایا تھا۔ اولیٰ یہ ہے کہ مورد کچھ بھی قرار دیا جائے مگر مراد ہر وہ شخص ہے جو عبداللہ بن سعد یا نضر بن حارث کا ہمخیال ہو۔

آیت وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا بھی نضر بن حارث مذکور کے متعلق نازل ہوئی جس نے کہا تھا کہ لات و عزیٰ میری سفارش کرینگے۔

تفسیر اور مطلب

ملائکہ سے ابن عباسؓ کے نزدیک موت کا فرشتہ مع اعوان و انصار کے مراد ہے۔ ہاتھ پھیلانے سے مراد عذاب کیلئے دست درازی کرنا (ابن کثیر) یا عذاب پر ہاتھ بڑھانا (ضحاک و ابوصالح) ہے۔ تنہا خدا کے ہاں جانے سے مراد یہ ہے کہ سب لوگ خدا کے ہاں جائینگے تو مال و اولاد کچھ بھی ساتھ نہ لیجائینگے تنہا جائینگے۔ اور كَمَا خَلَقْنَاكُمْ الخ سے مراد یہ ہے کہ جسطرح ہم نے تم کو ننگے پاؤں برہنہ جسم غیر مختون پیدا کیا ایسے ہی ہمارے پاس آؤگے۔ صحیح حدیث سے یہ مضمون ثابت ہے یا دونوں آیات کا ایک ہی مطلب ہے۔ حاصل مدعا یہ ہے کہ :- اس سے زیادہ ناحق شناس ظالم کوئی نہیں ہوسکتا جس نے خدا پر بہتان تراشی اور دروغ بندی کی۔ خدا نے نبوت عطا نہ فرمائی اور اس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا یا دعویٰ کیا کہ میرے پاس وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس وحی نہیں آتی یا وحی کے مقابلہ کا دعویٰ کیا بہر حال جھوٹا نبی بننے والے اور نبوت کا مقابلہ کرنے والے سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ان کی وہ حالت قابل دید ہے جبکہ یہ شدائد نزع میں گرفتار ہونگے اور موت کے فرشتے ان کی خبیث روحوں کی طرف دست عذاب بڑھاتے ہوئے کہتے ہونگے کہ آج عالم آخرت کے شدائد دیکھ کر کیوں پیچھے ہٹتے ہو اور کیوں تمہاری روحیں بدن کے اندر چھپتی پھرتی ہیں اپنی خبیث روح کو نکال کر لاؤ پہلے تو اللہ پر بہتان تراشی کرتے اور غرور میں سرمست پھرتے تھے آج تم کو تمہارے کرتوت کی سزا ملیگی الخ۔

مقصود بیان :- الہام وحی یا نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا اور کلام الٰہی کے مقابلہ میں خود تراشیدہ کلام بنانے والا سب سے زیادہ ناحق شناس اور ظالم ہے۔ ظالم سخت ترین شدائد نزع میں ماخوذ ہوتا ہے۔ ظالموں کی روحوں کو موت کے فرشتے زبردستی کھینچتے ہیں۔ احکام خداوندی سے سرکشی کرنی حرام ہے۔ مال و دولت

جاہ و شوکت اور لذائذ جسمانیہ قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیگا۔ قیامت کے دن بالکل
اسی طرح حشر ہوگا جسطرح اس دنیا میں آدمی پیدا ہوتا ہے یعنی برہنہ پا برہنہ بدن
غیر مختون۔ دنیوی اسباب محبت، ذرائع مودت، رشتہ داریاں اور تعلقات
قیامت کے دن سب کے سب منقطع ہو جائیں گے۔ دوست دوست کے
اور رشتہ دار رشتہ دار کے کام نہ آئے گا۔ وغیرہ

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ يُخْرِجُ
بلاشبہ اللہ ہی دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے جاندار کو
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ
بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے پیدا کرنے والا
الْحَيِّ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ○
ہے یہی تمہارا خدا ہے پھر کہاں تم الٹے چلے جا رہے ہو
فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا
وہی صبح کو نکالنے والا ہے اسی نے رات کو آرام کی چیز
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ
اور سورج اور چاند کو حساب سے بنایا یہی اللہ
الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ
غالب و دانا کا اندازہ ہے وہی ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لئے
النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَ
ستارے بنائے تاکہ جنگل و دریا کی تاریکیوں میں اُن کے ذریعے سے تم کو راستہ
الْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○
مل جائے ہم نے جاننے والے لوگوں کے لئے نشانیاں مفصل بیان کر دی ہیں
وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ
اُسی نے تم کو تن واحد سے پیدا کیا
فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا
پھر (کہیں) تمہارے لئے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور کہیں سونپے جانے کی جگہ ہم نے

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ○ وَهُوَ الَّذِي
سمجھدار لوگوں کے لئے نشانیاں مفصل بیان کر دیں اور وہی
أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ
اوپر سے پانی برساتا ہے پھر ہم اُس سے
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا
ہر قسم کے نباتات پیدا کرتے ہیں اور اُس سے سبزہ اُگاتے ہیں
نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ
جس سے ہم گتھے ہوئے دانے پیدا کرتے ہیں اور کھجور کے
مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ
گپھے میں سے خوشے نکالتے ہیں جو جھکے پڑتے ہیں اور (ہم نے پیدا کئے)
مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ
انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار
مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انْظُرُوا إِلَىٰ
باہم ملتے جلتے اور جدا جدا جب درخت میں پھل
ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ
آئے تو اُس کے پھل کو اور پکنے کو دیکھو اس میں
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○
ایماندار قوم کے لئے بہتیری نشانیاں ہیں

تفسیر

اوپر کی آیات میں صداقت قرآن اور حقانیت نبوت کے
پرزور دلائل بیان کرکے اسلام کے دو بنیادی اصول ثابت
کئے تھے اب یہاں سے عمومی قدرت تخلیق عالم کی نیرنگی اور موجودات
کا تنوع دکھا کر معاد کا اثبات فرماتا ہے اور اسی سلسلۂ بیان میں توحید
ربوبیت و الوہیت کا ثبوت بھی بدرجۂ اکمل ہو جاتا ہے ان آیات میں
کائنات کے تینوں اقسام بیان فرما کر اپنی قدرت کی نیرنگی دکھائی ہے۔
(۱) عناصر سفلی اور طبیعت جسمانیہ [illegible] مثلاً دانہ تخم درخت سبزہ
پھل پھول وغیرہ [illegible] کائنات سے تعلق

رکھنے والی چیزیں مثلاً ستارے چاند سورج وغیرہ (۳) فضائی اور درمیانی پیداوار مثلاً ابر سے پانی برسانا۔ پھر ان تینوں کے علاوہ ایک چوتھی چیز بھی بیان کرکے اپنی قدرت باہرہ کا ثبوت دیا ہے یعنی ایک نوع کے لاکھوں افراد پھر اُن کا مرنا پیدا ہونا وغیرہ۔ ان سب کی مکمل تشریح ہم ذیل میں کرتے ہیں:۔

سب سے پہلے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى کہ خدا تعالیٰ دانہ اور گٹھلی چیر کر سبزہ اُگاتا ہے اس سے اُس کی کمال قدرت پر روشنی پڑتی ہے۔ تخم سے سبزہ اُگتا ہے۔ سبزہ پھیل کر تن آور درخت بن جاتا ہے پھل پھول مختلف رنگ مختلف شکل اور مختلف ساخت و بُو کے اس میں آتے ہیں۔ ایک شاخ میں مختلف بالیاں ہر بال میں ہزاروں دانے پیدا ہوتے ہیں پھر ایک کی تاثیر، مزہ، ساخت اور ہیئت جدا جدا ہے۔ یہ سب اُسی کی کاری گری اور صناعی ہے۔ جب وہ اتنا بڑا قادر ہے تو ربوبیت و الوہیت میں یقیناً یکتا ہے اور انسان کو دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔

پھر يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ وہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے اور جاندار سے بیجان کو پیدا کرتا ہے۔ بیج سے نباتات، نطفہ سے حیوان و انسان، حیوان و انسان سے انڈا اور نطفہ بنتا ہے۔ یہ سلسلۂ نوع کا اجراء اُسی کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتا ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔ تو اب ایسے قادر مطلق سے مُنہ موڑنا اور کفر کرنا کس طرح زیبا ہے۔

پھر فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وہ رات میں سے صبح کو پو کو پھاڑ کر نکالتا ہے۔ چہرۂ شب سے صبح کاذب کا پردہ ہٹاتا ہے، تاریکی کے اندر سے روشنی پیدا کرتا ہے۔ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا اُسی نے رات کو آرام کا سبب بنایا۔ ہر چرند پرند کو اس میں آرام حاصل ہوتا ہے۔ (قتادہ) وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ اور چاند و سورج کی رفتار کو حساب سے ایک خاص انداز پر رکھا تاکہ ایام و ماہ و سال اور موسم سب منضبط اور اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ شمس و قمر کو حساب کا معیار بنایا تاکہ اسکے ذریعہ سے لوگ ایام و شہور و سنین قائم کریں (ابن عباسؓ)

ان میں سے ہر ایک مقدر بقانونِ متقن ہے۔ اُس سے انحراف و اضطراب نہیں کر سکتا، ہر ایک کے واسطے منزلیں ہیں کہ جاڑے گرمی میں اُسی پر چلتے ہیں اور اسی پر رات و دن کی کمی زیادتی ہے۔

پھر وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ اُسی نے ستاروں کو مسافروں کی رہنمائی کا ذریعہ بنایا تاکہ تاریکیٔ شب میں بھولے بھٹکے مسافر ثوابت ستاروں کو دیکھ کر اپنے سفر کا رُخ معلوم کر سکیں۔ آجکل بھی جنگلوں کے اندر خشکی کا سفر اور عموماً بحری سفر قطب نما کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ستارے ہی بڑے بڑے عقلمندوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔

پھر اُسی نے ایک انسان سے یہ لاکھوں کروڑوں انسان پیدا کئے یہ تمام اُسی انسان اول کا سلسلہ ہے۔ پھر ان انسانوں میں سے کوئی رحم مادر میں ہے کوئی پشت پدر میں کوئی پیدا ہو گیا کوئی پیدا ہونے والا ہے کوئی زندہ ہے کوئی مر کر قبر میں پہونچ گیا۔ مستقر اور مستودع کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ عبدالرزاق نے قتادہ سے اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ مستقر سے مراد رحم مادر اور مستودع سے مراد پشت پدر ہے۔ مجاہد، سلمی، قیس بن ابی حازم، ابراہیم نخعی، ضحاک، سدی اور عطاء خراسانی کا بھی یہی قول ہے لیکن ابن مسعود کی ایک روایت میں ہے جسکو بعض علماء نے پسند بھی کیا ہے کہ مستقر سے مراد پشت پدر اور مستودع سے مراد شکم مادر ہے۔ کمالین میں ابن مسعود سے ایک روایت آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر دنیا اور مستودع آخرت ہے مگر طبرانی میں ابن مسعود کی روایت جو مندرج ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ مستقر رحم مادر اور مستودع قبر ہے۔ قرطبی نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے اور اکثر علماء نے اسی کو پسند کیا ہے۔ بہرحال مطلب صاف ہے کہ خدا نے انسان کے لئے رحم کو قرارگاہ اور پشت کو جائے امانت یا اس کے برعکس بنایا۔ یا دنیا کو قرارگاہ اور آخرت کو جائے تفویض قرار دیا۔ تو جو خدا اس قدر زبردست قدرت والا ہے کیا وہ مُردہ انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا ہے۔

پھر وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ وہی ابر سے پانی برساتا ہے اور اُس سے ہر چیز کی روئیدگی بالیدگی سرسبزی اور حیات قائم رکھتا ہے۔ پانی سے مختلف قسم کی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں اُن میں تہ بتہ بالیاں اور زمین پر لٹکے ہوئے پھلوں کے گچھے انگوروں وغیرہ کے باغات پیدا ہوتے ہیں شروع میں کیا حالت ہوتی ہے پھر پھل پر مختلف دور گزرتے ہیں تو کیا کیفیت ہوتی ہے اور بالآخر جب پک جاتا ہے تو کیا مخصوص شکل ہیئت کمیت کیفیت رنگت اور لذت ہوتی ہے یہ تمام براہین قدرت ہیں دلائل حکمت ہیں آثار صنعت ہیں اور علامات و شواہد ہیں اُسکی بے مثل کاریگری احاطۂ علمی اور تسخیر خلائق کے پھر کیونکر وہ مُردوں کو زندہ نہیں کر سکتا اور کس طرح اُس کی الوہیت و ربوبیت میں کوئی شریک ہو سکتا ہے۔

مقصود بیان:۔ معاد کا ثبوت پُرزور دلائل سے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت بے پایاں کا اظہار۔ ربوبیت و الوہیت کا اثبات براہین اِنّیہ سے مصنوعات سے صانع پر استدلال۔ بار بار ان مصنوعات پر غور کرنے اور دانش و فقاہت حاصل کرنے کی ترغیب۔ اس بات کی طرف لطیف ایماء کہ توحید الٰہی اور معاد جسمانی کا عقیدہ محض من گھڑت یا ظنی و وہمی بات ہی نہیں بلکہ اس کے ثابت

کرنے کے لئے عالم کا ذرہ ذرہ شاہد ہے۔ ہر دانشمند کی عقل اس کے لئے اپنے اندر یقینی برہان رکھتی ہے۔ اس بات کی صراحت کہ تخم سے ہر چیز پیدا ہوتی ہے۔ اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ کل کائنات میں اپنے اپنے مرتبہ کے لائق مختلف نوعیت کی حیات موجود ہے۔ رات کی تاریکی جانداروں کے لئے باعث تسکین ہے۔ چاند و سورج کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ موسموں کا انضباط اور اوقات کی تعیین ہو جائے۔ ستاروں کے فوائد میں سے ایک فائدہ رہنمائی بھی ہے۔ انسان مرکر بالکل فنا نہیں ہو جاتا بلکہ سپرد خاک کر دیا جاتا ہے اور وہ خاک میں شامل ہو جاتا ہے مگر بطور امانت کے۔ جب خدا تعالیٰ چاہیگا اس امانت کو واپس کرلے گا۔ پانی پر ہی دنیا کی سرسبزی اور زندگی کا مدار ہے۔ کل آیات میں اس امر کی طرف نہایت نازک ایما بھی ہے کہ کائنات کا مکمل سلسلہ متحرک ہے کسی کو ایک حالت پر قرار نہیں۔ ہمیشہ تغیر تبدل اور عروج و انحطاط ہوتا ہے اور یہ ہی ان کے حدوث و فنا کی ظاہر دلیل ہے۔ وغیرہ۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَ

انھوں نے جنات کو اللہ کا شریک ٹھیرا رکھا ہے حالانکہ اللہ ہی نے جنات کو پیدا کیا

خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ

اور انھوں نے اللہ کیلئے بیٹے اور بیٹیاں بغیر جانے بوجھے گھڑ رکھی ہیں حالانکہ وہ پاک ہے

وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ

اور ان کی بکواس سے برتر ہے آسمانوں کا اور زمین کا

وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ

موجد ہے اُس کی اولاد کیونکر ہو سکتی ہے حالانکہ اُس کے کوئی

صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ

بی بی نہیں اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ سب کچھ

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اُس کے سوا کوئی تمہارا معبود

هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى

نہیں ہر چیز کا خالق ہے اُسی کی تم عبادت کرو وہ

كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝

ہر چیز کا کارساز ہے۔

ع ۱۲ / ۱۸

تفسیر

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ سے بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ تک کفار کا رد ہے۔ کفار دو قسم کے تھے ایک تو محض مشرک تھے یعنی مخلوق کو ربوبیت و الوہیت میں کھلم کھلا شریک سمجھتے اور غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ بتوں کو پوجا کرتے اور شیطانوں کا کہنا مانتے تھے دوسری قسم وہ تھی جو بعض مخلوق کو خدائی کا حصہ دار کہتے تھے عزیر اور عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتی تھی۔ ان آیات میں ان دونوں کا رد ہے اوّل کا رد تو صرف اسی سے ہو گیا کہ خدا نے ان سب کو پیدا کیا پھر مخلوق خالق کے ساتھ خدائی میں شریک کیسے ہو سکتی ہے۔ مخلوق مجبور خدا مختار۔ مخلوق مقدور خدا قادر دونوں میں تناسب و برابری کیا۔

اور دوسرے عقیدہ کا رد چار صورت سے فرمایا (۱) خدا نے تمام بڑے بڑے اجسام اپنی قدرت کاملہ سے ایجاد فرمائے اور یہ سب اُسکی مخلوق ہیں اور مدت دراز سے یونہی چلے آتے ہیں اور جب یہ خدا کی اولاد نہیں تو اور کسی کا اولاد ہونا کیونکر ممکن ہے۔ (۲) عموماً بیٹا بیٹی ہونے سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ ایک جنس کے نر و مادہ سے پیدا ہو۔ حالانکہ خدا مجانست سے پاک ہے اُسکی کوئی بیوی نہیں (۳) فرزند اپنے باپ کا کفو ہوتا ہے اور دنیا کی ہر چیز خدا کی مخلوق ہے اور مخلوق خالق کی کفو نہیں ہو سکتی۔ نیز خدا ہر چیز کا عالم ہے اُس کے سوا کوئی ایسا نہیں۔ (۴) خالق کو مخلوق کی احتیاج نہیں ہوتی اور باپ کو بیٹے کی احتیاج ہوتی ہے لہذا مخلوق خالق کی اولاد نہیں ہو سکتی۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ یہ کلام سابق کا نتیجہ ہے۔ حاصل مدعا یہ ہے کہ یہی قادر مطلق معبود کل جامع صفات تمہارا رب ہے واقع میں اُس کی معبودیت میں کوئی اُس کا شریک نہیں خواہ لوگ کتنے ہی معبود باطل بنالیں مگر وہ واقع میں اپنی خدائی اور الوہیت میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ لہذا اُسکی پرستش لازم و واجب ہے کیونکہ وہی ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والا اور وجود میں لاکر اُس کا تحفظ کرنے والا اور اُسکی بقاء کے ذرائع کو پیدا کرنے والا ہے گویا موجد بھی وہی ہے و مبقی بھی وہی ہے لہذا وہی معبود واحد ہے۔

مقصود بیان: - خدا کا شریک نہ کوئی جن ہے نہ انس۔ اُس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی۔ اُس کے اندر کوئی صفت نقصان نہیں۔ اشتراک اور احتیاج الی الولد کمزوری و نقصان کی دلیل ہے۔ اگرچہ قدرت کاملہ بغیر ماں کے بھی اولاد کو پیدا کر سکتی ہے۔ مگر سلسلۂ تخلیق انسانی اسی طرح چلی آتی ہے کہ کوئی انسان بغیر ماں کے پیدا نہیں ہوتا۔ خدا ہی موجود کرنے والا اور موجود کرنے کے بعد بقاء و تحفظ کے تمام ذرائع بہم پہونچانے والا ہے وغیرہ۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ

آنکھیں اُس کا احاطہ نہیں کرسکتیں بلکہ وہ آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ○

وہ باریک بین و باخبر ہے

تفسیر انسان فطرۃً محسوس پرست واقع ہوا ہے۔ جو چیز محسوس نہیں ہوتی اُس کے وجود کا قائل مشکل سے ہوتا ہے خدا تعالیٰ کوئی ایسی ہیئت و شکل نہیں جو آنکھوں سے دکھائی دے ایسی آواز نہیں جو کانوں سے سنائی دے۔ ایسی کیفیت نہیں جو ناک سے سونگھی جا سکے۔ ایسا جسم نہیں جسکو مس کیا جا سکے اسلئے جہلاء کو ایسی ہستی کے تسلیم کرنے اور اُس کے قادر و خالق ہونے میں عموماً تردد و شک ہوتا تھا۔ اس تردد کی بیخ کنی ان آیات میں فرما دی کہ اُسکو اگرچہ اس عالم حسی کی آنکھ جو محسوسات کے ادراک کے لئے مخصوص ہے دیکھ نہیں سکتی اور کوئی نظر اُس کا احاطہ نہیں کرسکتی مگر وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور انتہائی دقت نظر سے دیکھتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت کیفیت کمیت وغیرہ سے بخوبی واقف ہے۔

مبحث رویت کی توضیح ہم چاہتے ہیں کہ دیدار باری تعالیٰ کے امکان و عدم امکان کی تفصیل ذرا وضاحت کے ساتھ کردیں کیونکہ اسلام کے بڑے بڑے گروہوں میں اس کے متعلق ایک عظیم اختلاف بپا ہے۔

شیعہ خارجی اور معتزلہ وغیرہ قائل ہیں کہ اللہ کو دیکھنا محال ہے نہ دنیا میں کسی نے اُسکو دیکھا نہ آخرت میں کوئی دیکھ سکتا ہے۔ اپنے اس قول کے ثبوت میں یہ حضرات اسی آیت کو پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی کی واقعہ معراج کے متعلق اُس حدیث کو پیش کرتے ہیں جسکو حضرت مسروق نے روایت کیا ہے۔ ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں جس نے زعم کیا کہ محمدؐ نے رب کو دیکھلیا وہ جھوٹ بولا کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے لاتدرکہ الابصار الخ۔

جماعت اہل سنت بالاتفاق دیدار الٰہی کی قائل ہے تمام صحابہ تابعین سلف صالحین اور ائمہ و علماء کا یہی عقیدہ ہے اور اس عقیدہ کے ثبوت میں مختلف آیات قرآنی اور احادیث رسول اللہؐ علماء نے پیش کی ہیں مثلاً قرآن پاک میں آیا ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ رسول پاکؐ نے بھی فرمایا ہے کہ تم قیامت کے دن اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جسطرح چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو وغیرہ۔ اب رہا اس آیت کا جواب جو معتزلہ نے اپنے عقیدہ کے ثبوت میں پیش کی ہے تو اسکی چند صورتیں ہیں (۱) لاتدرکہ جملہ نافیہ ہے اور نفی و محال میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ آفتاب پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تو اس نفی سے محال ثابت نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ معمولی نگاہ اپنی کمزوری کی وجہ سے آفتاب کی شعاعوں کی تاب نہ لا سکتی ہو اور اس وجہ سے اُس پر نہ ٹھیر سکتی ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ کوئی نگاہ ایسی قوی ہو جو آفتاب پر جم سکے بالکل یہی صورت باری تعالیٰ کی رویت میں ہے کہ دنیا میں نگاہیں اپنی کمزوری و مادیت کی وجہ سے اُسکو نہیں دیکھتی ہیں لیکن قیامت میں اُسکو دیکھ سکینگی۔ (۲) لاتدرکہ میں ادراک کی نفی ہے رویت کی نفی نہیں ہے۔ رویت و ادراک میں بڑا فرق ہے۔ ادراک اُس رویت کو کہتے ہیں جس میں مرئی کا احاطہ ہو اور رویت مطلقاً دیکھنے کو کہتے ہیں خواہ بطریق احاطہ کے ہو یا نہو۔ نیز ادراک کے معنی ہیں کسی چیز کی کنہ اور حقیقت سے واقف ہونے کو اور اُسکو چاروں طرف سے گھیر لینے کو اور رویت دیکھنے کو کہتے ہیں پس دیکھنا بغیر احاطہ و ادراک کے ممکن ہے لہذا باوجود ثبوت رویت کے نفی ادراک ممکن ہے مثلاً باری تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم مؤمنین کو ہے لیکن اس کے باوجود آیت ولا یحیطون بہ علماً میں احاطۂ علمی کی ممانعت ہے۔ چنانچہ سعید بن مسیبؒ نے لاتدرکہ الابصار کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ ابصار اُس کا احاطہ نہیں کرتے ہیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ ابصار اُسکو احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ ابن عباس رضی نے فرمایا کسی کی بینائی خدا تعالیٰ کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ عکرمہ کے سامنے جب یہ آیت پیش کی گئی تو فرمایا کیا تم آسمان کو نہیں دیکھتے؟ سائل نے ایجاب میں جواب دیا۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا تو کیا پورے آسمان کو اپنی نگاہ سے گھیر لیتے ہو؟ یعنی عدم احاطہ عدم رویت کو مستلزم نہیں ہے۔

(۳) لاتدرکہ الابصار میں الابصار سے مراد بالاتفاق جمیع ابصار ہے یعنی تمام آنکھیں اللہ کو نہیں دیکھتی ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آیت میں ادراک سے رویت ہی مراد ہے لیکن تمام ابصار کی نفی رویت سے ہر بصر کی نفی رویت لازم نہیں آتی۔ مثلاً تمام انسان عالم نہیں ہیں یہ جملہ سچا ہے اور اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ کوئی انسان عالم نہو ممکن ہے بعض انسان عالم ہوں۔ یہی صورت آیت میں بھی ہے کہ تمام آنکھیں اللہ کو نہیں دیکھینگی بلکہ بعض دیکھینگی یعنی صرف مؤمن دیکھینگے کفار نہیں دیکھینگے۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی نے فرمایا کہ حضورؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔ حضرت عکرمہ نے کہا اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے لاتدرکہ الابصار۔ حضرت ابن عباس رضی نے فرمایا ارے یہ تو وہ نور ہے جو اُس کا نور ہے جب اپنے نور سے تجلی فرما دے تو کسی چیز کی ہستی نہ رہے (رواہ ابن مردویہ والحاکم وصححہ) یعنی نفی ادراک سے نور ذات و عظمت و جلال کی نفی مراد ہے۔ رہا حضرت

عائشہ والی حدیث کا معاملہ تو اس سے ام المؤمنین کی مراد یہ ہے کہ دنیا میں دیدارِ الٰہی نہیں ہوسکتا آخرت میں نفی رویت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ام المؤمنینؓ دیدارِ آخرت کی تو خود قائل تھیں۔

مقصود بیان:۔ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے نفی کی صراحت اس بات کی طرف اشارہ کہ کفار قیامت کے دن دیدار الٰہی سے محروم رہینگے خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال کے عدم ادراک کی وضاحت۔ اس بات کی تصریح کہ نورِ نگاہ اگرچہ مادیات میں سب سے زیادہ لطیف ہے لیکن نور الٰہی کی لطافت سے اسکو کوئی نسبت ہی نہیں اُس کے نور کی لطافت اس سے بہت زیادہ اور اقوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نور بصر کا احاطہ کرلیتا ہے اور اُسکو بصر احاطہ نہیں کرسکتا۔

ضروری وضاحت لطیف کے معنی علماء نے مختلف طور پر بیان کئے ہیں۔ قاسم کہتے ہیں خدا تعالیٰ لطیف ہے یعنی کسی کو اُس نے نہیں چھوڑا کہ اُس کے نام کی ماہیت پر واقف ہوسکے پھر اُس کے وصف کی واقفیت کہاں ممکن ہے۔ جنید کہتے ہیں لطیف وہ ہے جس نے تیرے قلب کو منور کیا اور تیرے جسم کو غذا سے پرورش کیا مصیبت میں تیری خبرگیری کی اور آگ میں تیری حفاظت کی اور بالآخر جنت میں تجھے داخل فرمائیگا۔ حضرت جنید کا یہ قول سیاق آیت اور لغوی معنی کے زیادہ مناسب ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی دلیلیں آچکیں سو جس نے دیکھ لیا

فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ

تو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا تو اس کا وبال اسی پر ہے میں تمہارا نگہبان

بِحَفِیْظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَ

نہیں ہوں اسی طرح ہم پھیر پھیر کر آیتیں بیان کرتے ہیں

لِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝

تاکہ کافر یہ نہ کہیں کہ (اے محمدؐ) تم نے (اگلی کتابوں کو) پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم جاننے والے

لوگوں کیلئے قرآن کو واضح کردیں تم اُس پر چلو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس وحی

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ

کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کنارہ کش رہو اگر اللہ

اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ

چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے ہم نے تم کو اُن کا نگہبان نہیں بنایا ہے

وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ۝

تم اُن کے ذمہ دار نہیں ہو

تفسیر جب خدا تعالیٰ اپنی ذات صفات توحید معاد نبوت اور صداقت قرآن کی توضیح فرماچکا اور مشرکین کی شرک انگیزی کی کافی تردید ہوچکی تو اب بطور نتیجہ اور اتمام حجت کے فرماتا ہے کہ:۔ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ اب تمہارے پاس سمجھ و دانش کی باتیں اور تمام حجج و براہین آچکے ان پر غور کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ جو کوئی اہل بصیرت ہوکر روشنی میں اسپر ایمان لائیگا تو اس کا فائدہ اُسی کو پہونچیگا اُسی کو دائمی نجات اور فوز ابدی حاصل ہوگی اور جو کفر و شرک کی اندھیریوں میں پڑا رہیگا نور عقل سے کام نہ لیگا۔ بصیرت کی روشنی کو نابینا کرلیگا اور بصائر کی طرف سے چشم پوشی کریگا تو اسکا وبال اُسی کو بھگتنا ہوگا۔ خدا کا نہ پہلی صورت میں نفع ہے نہ دوسری صورت میں نقصان اور نہ رسول تمہاری ان دونوں باتوں کے ذمہ دار ہیں یعنی رسول کا کام تو فقط تبلیغ احکام ہے ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ تبلیغ کی کامیابی یا عدم کامیابی اور لوگوں کے ماننے نہ ماننے کی بازپرس رسول سے نہ ہوگی۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔ قرآن پاک کے تدریجاً نازل ہونے پر عموماً کفار کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ آخر یہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً کیوں نازل ہوتا ہے کیوں یکدم توراۃ کی طرح آسمان سے نازل نہ ہوا۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے فرماتا ہے کہ اس طرح ہیر پھیر کر بیان کرنے میں چند فوائد ہیں ایک تو یہ کہ لوگوں کے لئے آسانی ہوجائے اور منکرین پر اتمام حجت ہوجائے کہ بار بار سمجھایا جاتا ہے پھر بھی نہیں سمجھتے نیز اہل علم کو بصیرت ہوکر باوجود بار بار بیان کرنے کے پھر بھی تفاوت نہیں پاتے۔ ابن عباس مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ نے دَرَسْتَ کی بجائے دَارَسْتَ پڑھا ہے مگر ترجمہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ بات یہ تھی کہ جب رسول پاکؐ باوجود اُمّی ہونے کے صحیح صحیح غیب کی خبریں بیان فرماتے تھے اور حضورؐ کی صداقت نبوت اور حقانیت قرآن میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی تو مشرکوں نے یہ وہم کرنا شروع کیا کہ آپ خفیہ خفیہ اہل کتاب سے پڑھتے اور سیکھ لیتے ہیں۔ اس شبہ کا رد فرماتا ہے کہ تصریفِ آیات سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ کفار کے کفر میں زیادتی اور مومنوں کے ایمان میں پختگی پیدا ہو۔ ہم تو مختلف پیرایۂ بیان میں یونہی اپنی آیات بیان کئے جائینگے تاکہ کفار اور ازلی گمراہ یونہی کہتے رہیں کہ تم نے اہل کتاب

سے یہ سیکھ کر بیان کیا ہے اور جو اہل علم ہیں اُن کو عبرت اور نصیحت حاصل ہو۔ (کذا قال الضحاک والسدی و ابن زید و غیر واحد) حسن بصری نے دَرَسْتَ پڑھا ہے یعنی پرانا ہو گیا مٹ گیا فرسودہ ہو گیا۔ مطلب یہ تھا کہ اب یہ احکام تو فرسودہ ہو گئے پرانے ہو گئے اب ان کو کون پوچھتا ہے۔ چنانچہ بہت سے لامذہب زندیق آجکل بھی کہتے ہیں کہ اسلام کے احکام عبادت کے طریقے قوانین معاشرت اصول تمدن سب پرانے زمانہ کی باتیں ہیں نئی روشنی میں ان کا کیا کام۔

اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ اوپر کی آیات میں بتایا تھا کہ یہ سمجھ و دانش کی باتیں ہیں ان سے کفار کی ضلالت اور مومنوں کی ہدایت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اب فرماتا ہے کہ اے نبی تم ان کافروں کی بیہودگیوں اور دریدہ دہنیوں کی پرواہ نہ کرو۔ تم وحی الٰہی پر عمل کرو جو امر الٰہی ہے وہی حق و صحیح ہے باقی سب باطل ہے ان کی خرافات کی طرف توجہ نہ کرو اور نہ ان کے اصرار کفر پر کچھ رنج کرو خدا تعالیٰ کی حکمت کاملہ یہی ہے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ اگر اُس کی مشیت ہوتی تو یہ لوگ شرک نہ کرتے سب ایمان لے آتے تم ان کے اعمال کے نگہبان نہیں ہو کہ ان کے جرموں کی تم سے بازپرس ہو۔

مقصود بیان:۔ قرآن پاک کے کل احکام عقائد موافق عقل اور عین دانش ہیں کوئی چیز خلافِ عقل نہیں اب سمجھ میں آنا نہ آنا انسان کے اپنے دماغ کا کام ہے سلیم عقل رکھنے والوں کو قوانین اسلام روشن نظر آتے ہیں اور کور دانش ان کو خلاف عقل سمجھتے ہیں۔ قرآن نافع ہیں چشمۂ نور ہے کسی کو اس سے فائدہ پہونچتا ہے کسی کو نقصان۔ جو اہلِ علم و فہم ہیں اُن کو فائدہ پہونچتا ہے اور جو گمراہ و تاریک دماغ ہیں اُن کے کفر میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ وحی الٰہی کا اتباع اور اُس کے مطابق عمل کرنا ہلا چون چرا کے واجب ہے۔ اہل شرک کی بیہودگیوں سے کنارہ کشی لازم ہے۔ رسول پاکؐ کا کام صرف تبلیغ احکام تھا۔ کفار کی سرکشی و انکار کی بازپرس حضورؐ سے نہ ہوگی۔ بندوں کا مومن و کافر ہونا خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ خدا تعالیٰ جیسی قابلیت دیکھتا ہے ویسا ہی کر دیتا ہے۔ کافروں کا کفر بھی مشیت الٰہی کے موافق ہے اگرچہ رضاء الٰہی کے خلاف ہے وغیرہ۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

(مسلمانو) یہ کافر اللہ کے سوا جن کی پرستش کرتے ہیں تم ان کو برا بھلا نہ کہو

فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا

ورنہ وہ بھی براہِ عداوت ناسمجھی سے اللہ کو برا کہینگے اسی طرح ہم نے ہر فرقہ کی

لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ

نظر میں اُس کے اعمال آراستہ کر دکھلائے ہیں پھر ان سب کو اپنے رب کے پاس ہی

مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝

لوٹ کر جانا ہے وہ ان کے اعمال (کا نتیجہ) ان کو بتا دے گا

تفسیر علی بن طلحہ نے بروایت ابن عباس رضؓ بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے کہا تھا محمد! تم ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز رہو ورنہ ہم بھی تمہارے معبود کی ہجو کریں گے پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس سے منع فرما دیا۔ قتادہ کہتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا واقع ہوا تھا۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت سدی سرداران قریش کا ابوطالب کے پاس جانا اور درخواست کرنا کہ اپنے بھتیجہ کو منع کر دو ہمارے معبودوں کے حق میں بدزبانی نہ کرے ورنہ ہم اس کے معبود کے حق میں بدزبانی کرینگے۔ بیان کیا ہے۔ ممکن ہے شان نزول دونوں واقعات ہوں۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تم بتوں کو برا نہ کہو کیونکہ اصنام کو دشنام دینا اور ان کی توہین کرنی اگرچہ امر مباح ہے لیکن چونکہ یہ امر مباح جناب باری کی شان میں گستاخی کرنے کا سبب ہو جائیگا اسلئے یہ امر مباح بھی حرام ہو گیا۔ لہذا تم ان کے معبودوں کو سخت سُست نہ کہو۔ کیونکہ یہ اپنی دشمنی کے سبب تمہارے معبود کو برا کہینگے اور چونکہ نادان و ناسمجھ ہیں ان کو اس کا امتیاز ہی نہیں کہ کون قابل مدح ہے اور کون سزاوار ذم۔ یہ اپنے عقائد و اعمال کو بہترین و مستحسن جانتے ہیں اور انہی پر کیا موقوف ہے ہر قوم اپنے افعال و اعمال کو اچھا ہی جانتی ہے خواہ واقع میں وہ اچھے ہوں یا برے وہ قوم اُن کو اچھا سمجھ کر ہی کرتی ہے۔ رہی واقعی کیفیت تو خدا تعالیٰ قیامت کے دن خود ظاہر فرما دیگا اُس روز اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔

مقصود بیان:۔ کسی قوم کے بزرگوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت۔ امر مباح سے اگر امر حرام کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ مباح بھی مباح نہیں رہتا۔ ہر قوم اپنے اطوار کردار اور گفتار کو صحیح سمجھتی ہے۔ آیت میں لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ حق و باطل کا فیصلہ اور اچھے برے کا واقعی فرق حکم الٰہی پر موقوف ہے عقل کافی نہیں

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ

وہ اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر اُن کے پاس کوئی معجزہ

اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ

آیا تو وہ ضرور اُس پر ایمان لے آئینگے تم کہہ دو کہ معجزات تو اللہ ہی کے پاس ہیں

وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

تم (مسلمانوں) کو کیا خبر کہ جب وہ معجزات آجائینگے تب بھی وہ ایمان نہیں لائینگے

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا

ہم اُن کے دل اور اُن کی آنکھیں پلٹ دیں گے جیسا کہ

لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ

پہلی بار وہ قرآن پر ایمان نہیں لائے (اسی طرح پھر بھی نہ لائینگے) ہم اُن کو

فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

اُن کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے رہنے دینگے

تفسیر قریش نے ایک مرتبہ حضور ؐ سے عرض کیا کہ محمد! تم کہتے ہو کہ موسیٰ ؑ کے پاس عصا کا معجزہ تھا اُن کا عصا دشمن کے مقابلہ میں سانپ بن جاتا اور اندھیرے میں چراغ کا کام دیتا تھا اور عیسیٰ ؑ اندھوں کوڑھیوں کو تندرست کرتے اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور صالح کو معجزہ کے طور پر اونٹنی دی گئی تھی جو جیتی جاگتی دودھ دیتی ایک سخت پتھر سے اُن کی دعا کے سبب نکل کھڑی ہوئی تھی۔ غرض گذشتہ انبیاء بہتیرے معجزات لائے تھے تم بھی تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ حضور ؐ نے فرمایا اگر کوئی معجزہ مجھ سے صادر ہو گیا تو ایمان بھی لاؤ گے؟ سب نے قسم کھائی اور عہد کیا کہ ضرور ایمان لائینگے۔ حضور ؐ نے فرمایا اچھا بتاؤ کیا معجزہ چاہتے ہو؟ قریش نے کہا کوہ صفا سونے کا ہو جائے۔ حضور دست بدعا ہوئے تب جبرئیل آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ہم تمہاری دعا سے معجزہ تو ضرور ظاہر کر دینگے لیکن اگر معجزہ ظاہر ہونے کے بعد بھی کافر ایمان نہ لائے تو ہم ان کو نیست نابود کر دینگے۔ حضور والا کی ذات بابرکات چونکہ عالم کے لئے رحمت تھی اسلئے آپ ؐ نے اپنی نا فہم قوم کے ہلاک ہونے کو پسند نہ فرمایا اور خاموش ہو کر دوسری صورت اختیار کر لی اُس وقت یہ آیت اُتری (رواہ ابن جریر عن محمد بن کعب مرسلاً قال ابن کثیر ولہ شواہد) آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ان لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر بڑے زور طریقہ سے کہا کہ ہم ضرور ایمان لے آئینگے۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ تم ان سے کہہ دو کہ معجزات تو سب اللہ کے پاس موجود ہیں وہ قادر ہے جب چاہے ظاہر کر دے۔ مگر ازلی گمراہوں کو اس سے کیا فائدہ وہ ظہور معجزات کے بعد بھی ایمان نہ لائینگے جسطرح اس سے پہلے معجزات دیکھ کر یہ ایمان نہ لائے اور وہ پردہ حائل ہو گیا جو تقدیر الٰہی سے ان کے خبیث نفوس میں شیطان نے ڈالدیا تھا اور اُس کی وجہ سے نورِ حق کا ظہور ان کے قلوب پر نہ ہو سکا تھا۔ اسی طرح اگر دیگر معجزات بھی ظاہر کر دیے جائیں تب بھی وہی پردہ حائل رہیگا۔ ان کی آنکھیں حق بات کو نہ دیکھ سکیں گی اور دلوں میں نورِ صداقت پیدا نہ ہوگا۔ ان کے دل اور آنکھیں رحمت کی طرف سے برگشتہ رہینگی۔ (ابن عباس وعکرمہ وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم)

مقصود بیان: ازلی گمراہوں کو آفتاب کی طرح روشن حق بھی مفید نہیں ہوتا۔ جن کا نورِ قلب مُردہ ہو گیا ہو اُن کے دلوں اور آنکھوں پر مہر ہو جاتی ہے پھر کسی قسم کی ہدایت سے اُن کو نفع نہیں پہونچتا۔ اظہار معجزہ استدعاء نبی پر موقوف نہیں بلکہ مصلحتِ خداوندی پر موقوف ہے فرمائشی معجزہ اگر مصلحت کے خلاف ہو تو ظاہر نہیں ہوتا۔ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ

اگر ہم اُن پر فرشتوں کو اُتار دیتے

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا

اور ہر چیز کو اُن کے سامنے اکٹھا کر دیتے تب بھی

لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ

بغیر مشیت خدا کے یہ ہرگز ایمان نہ لاتے بات یہ ہے کہ

اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝

اکثر ان میں سے جہالت کرتے ہیں

تفسیر کفار نے رسول پاک ؐ سے مختلف قسم کے معجزات صرف عناد و کٹ حجتی کے طور پر طلب کئے۔ کبھی تو کہتے تھے کہ ہمارے پاس فرشتے اتر کر کیوں نہیں آتے اور کیوں تمہاری نبوت کی تصدیق خود آکر نہیں کرتے۔ کبھی کہتے کہ مناسب یہ ہے ہمارے باپ دادا جو صدہا سال سے مر چکے ہیں وہ زندہ ہو کر آئیں اور گواہی دیں کہ یہ شخص رسول اللہ کا ہے یا قیامت ضرور ہوگی اور حشر نشر ہوگا۔ اسی قسم کی خرافات کہتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں اس تمام لغویت کا استیصال فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا اگر ان کے پاس فرشتے بھی اُتر کر آجائیں اور مُردے بھی ان سے باتیں کرنے لگیں اور ان کے سامنے تمام مری ہوئی چیزیں بھی زندہ ہو کر

اکٹھی ہو کر آجائیں یعنی بڑا سا بڑا معجزہ بھی اُن کو دکھا دیا جاتے مَا کَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ٥ تب بھی یہ ایمان نہ لائینگے۔ ہاں مشیت خدا ہی انکے مؤمن ہونے کی ہو تو خیر مگر ان میں سے اکثر اس بات سے ناواقف ہیں کہ ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے ان کو اس کا بالکل یقین نہیں۔

ضروری تحقیق قُبُلًا قبیل کی جمع ہے گویا مطلب یہ ہوا کہ اگر ان کے پاس تمام گذشتہ امتیں جوق در جوق آجائیں اور رسول کی سچائی کی گواہی دیں تب بھی یہ ایمان نہ لائینگے (مجاہد) ابن عباس قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید کے نزدیک قُبُلًا کے معنی ہیں مقابلہ اور معائنہ۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر ان کے سامنے کل چیزیں زندہ ہو کر آجائیں اور تصدیق رسالت کریں تب بھی یہ نہ مانینگے۔ ابن جریر کہتے ہیں ممکن ہے قُبُل قبیل کی جمع ہو اور قبیل کے معنی ہیں مقابلہ و معائنہ بر طلب یہ ہوا کہ اگر ہم ہر چیز کو محشور کر دیں اور وہ ذمہ داری کرے کہ انبیاء نے مابعد الموت کے متعلق جو خبریں دی ہیں وہ سب برحق ہیں تب بھی یہ نہ مانینگے بیضاوی اور زمخشری وغیرہ نے یہی تفسیر کی ہے۔

مقصود بیان:- ناحق پرست گمراہوں کے لئے کوئی طریق ہدایت مفید نہیں۔ ہدایت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ ہدایت حاصل کرنے کے لئے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اپنی قدرت و دانش اور علم پر زعم کرنا غلط اور جہالت ہے۔ کفار کی خواہش کے مطابق ہر معجزہ کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے۔ وغیرہ۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ

اسی طرح ہم نے شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن

الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ

کر دیا ہے کہ ایک دوسرے کو ملمع دار باتیں فریب دینے کو

زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

سکھاتا رہتا ہے اگر تمہارا رب چاہتا

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○

تو یہ ایسا نہ کرتے سو ان کو چھوڑ دیجئے اور ان کی افترا پردازی

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور تاکہ ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُس (شرارت) کی طرف

بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ

جھکے رہیں اور اُس کو وہ پسند کرتے رہیں (اور جو بدکاریاں کر رہے ہیں

مُّقْتَرِفُوْنَ ○

کئے جائیں

تفسیر ان آیات میں رسول پاکؐ کو تسکین و تسلی دی گئی ہے اور عام مسلمانوں کو شیاطین الانس و جن کے فریب و اغوا سے بچنے کی تنبیہ فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ الخ اے نبی تمہاری ہی طرح ہر نبی کے واسطے کچھ انسان اور کچھ جنات دشمن رہے ہیں آپس میں یہ شیاطین ایک دوسرے کو بہکاتے اور ملمع کاری کی چکنی چپڑی باتیں کہہ کے اغوا کرتے ہیں۔ لہٰذا تم ان کی اس ملمع کاری کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ ان سے اور ان کی افترا پردازی سے تعلق نہ رکھو۔ ان کے اغوا کا اور کچھ اثر تو ہو نہیں سکتا صرف یہ اثر ضرور ہوگا کہ جو بے ایمان ہیں اُن کے دل ان کی طرف مائل ہونگے اور ان کی ملمع کاری کو ایسے ہی لوگ پسند بھی کرینگے اور اسپر عمل کرینگے۔

تحقیق قتادہ کا قول ہے انسانوں میں سے بھی شیطان ہوتے ہیں اور جنات میں سے بھی حضرت ابوذر کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے شیاطین الانس و جن سے پناہ مانگی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آدمیوں میں بھی شیطان ہیں؟ فرمایا ہاں بلکہ شیطان آدمی اصل شیطانوں سے زیادہ ضرر پہونچاتے ہیں (رواہ عبدالرزاق والامام احمد و ابن مردویہ و ابن جریر و ابن ابی حاتم من طرق منقطعًا و موصولًا کما اوردہ الحافظ و ذکر ان المجموع یفید انہ حدیث صحیح) تفسیر مدارک میں ہے مالک بن دینار نے فرمایا کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتا ہوں تو شیطان بھاگ جاتا ہے لیکن شیطان آدمی بہت سخت ہیں کہ میری آنکھوں کے سامنے آکر مجھے بہکاتے ہیں۔

مقصود بیان:- ہمیشہ سے حق کا دشمن باطل رہا ہے۔ داعیان حق کی مخالفت ہمیشہ باطل پرستوں نے کی ہے۔ آدمی بھی آدمی کا شیطان ہوتا ہے۔ بری باتیں ملمع کاری کے ساتھ کہنا اور اس طرح بہکانا شیطان کا کام ہے باطل اور دروغ و فریب کی طرف بے ایمانوں ہی کے دل مائل ہوتے ہیں۔ وغیرہ۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ

(کہدو تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو میں منصف بنانا چاہوں حالانکہ اسی نے

اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیۡنَ

یہ واضح کتاب تمہاری طرف نازل کی جن لوگوں کو

اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ

ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب

مِّنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ۝

کی طرف سے برحق نازل کی گئی ہے لہذا (اے مخاطب) تو شک کرنیوالوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا

وَتَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ

(اے محمدؐ) سچائی اور انصاف میں تمہارے پروردگار کی بات پوری ہے

لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝

اُس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں وہی سننے والا اور جاننے والا ہے

تفسیر جب مشرکین قرآن کے دلائل کے مقابلہ میں لاجواب ہوگئے اور اپنے معبودوں کی معبودیت کا کسی طرح اثبات نہ کر سکے تو مجبوراً بول اُٹھے کہ اچھا کوئی ثالث مقرر کر لیجے وہی جو کچھ فیصلہ کریگا وہ ہم کو منظور ہوگا اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اَفَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا وَّهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ اے رسول تم ان سے کہدو کہ کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو پنچ مقرر کروں حالانکہ خدا ہی نے مجھپر کتاب نازل فرمائی اور کتاب بھی معمولی نہیں بلکہ وہ کتاب جس کے اندر اچھے بُرے نیک بد سعادت شقاوت اور نجات و مواخذہ کے تمام احوال کھول کھول کر بیان کر دیئے اُس کتاب کی حقانیت اوّل تو اسی سے ظاہر ہے کہ اُس میں تمام عقائدِ حقہ اعمالِ صالحہ اور احکامِ صحیحہ کی تعلیم دی گئی ہے نجات و عذاب کے اصول انتہائی سچائی کے ساتھ واضح طور پر بیان کر دیے گئے ہیں۔ گذشتہ واقعات کی تفصیل اور آئندہ پیدا ہونے والے امور کا اظہار نہایت صحیح طور پر کر دیا گیا۔ اگر نورِ دانش ہو تو سمجھ لو اور آنکھ ہو تو دیکھ لو پھر اگر خود اتنی بصیرت نہیں رکھتے ہو اور کسی کی شہادت کی ضرورت ہے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو (یعنی اُن کی کتابیں اگرچہ مجموعہ صحیح و غلط ہوگئی ہیں اور صدہا تحریفات اُن کے اندر کر دی گئی ہیں لیکن اب تک اُنکے اندر قرآن کے برحق ہونے کے صدہا نشانات موجود ہیں لہذا اُن کی کتابی شہادت کا اعتبار کرو) وَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ اے نبی تم کسی طرح شک میں نہ پڑنا۔ اس کا مطلب دو طرح بیان کیا گیا ہے اول تو یہ کہ خطاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن روئے سخن امت کی طرف ہے۔ دوسرے یہ کہ جب گذشتہ کلام میں خدا تعالیٰ نے اہلِ کتاب کی شہادت کے اوپر اعتماد کرنے کی کافروں کو دعوت دی تھی اور رسول پاک کے پیش نظر اسرائیلی کتابیں تھیں اس لئے فطرت انسانی کے اقتضار کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بات دل میں پیدا ہوئی ممکن تھی کہ خدا جانے اہلِ کتاب کیا شہادت دینگے اور اُن کی کتابوں میں کیا لکھا ہے اس شبہ کے ازالہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ تم ہرگز اس میں شک نہ کرنا کہ اہلِ کتاب قرآن کو کلامِ الٰہی جانتے ہیں یعنی اہلِ کتاب کا یہ خیال یقینی ہے تم اس میں شک نہ کرنا۔ وَتَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ۔ کلمۂ رب سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے (۱) شرع کے احکام اور وعدہ وعید مراد ہے (۲) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ مراد ہے (رواہ ابن النجار و ابن مردویہ عن .... مرفوعاً) (۳) اس سے مراد قرآن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک باعتبار سچائی و بلحاظ عدل کامل ہے جس طرح دیگر آسمانی کتابوں میں لوگوں نے تحریف کر لی ویسے قرآن پاک کی تحریف و تغییر پر کوئی قادر نہ ہوگا بلکہ یہ ہمیشہ محفوظ رہیگا۔ اول صورت میں لا مبدل لکلماتہ کا یہ مطلب ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے وعدہ وعید اور احکام کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ کتابِ الٰہی کے دو حصے ہوتے ہیں ایک وہ حصہ جس میں گذشتہ لوگوں کے واقعات، آیندہ کے حالات، جنت و دوزخ اور حساب و کتاب کی تشریح اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کی توضیح ہوتی ہے۔ اس حصہ کا کمالی درجہ یہ ہے کہ کل اخبارات ماضیہ اور واقعات آئندہ کی پیشین گوئیاں سچی ہوں اور عقائد ذاتی و صفاتی صحیح ہوں۔ دوسرا حصہ وہ ہے جسمیں احکام روحانی و جسمانی سیاسی و قانونی اصلاحی اور تمدنی ہوتے ہیں۔ اس حصہ کا کمالی درجہ یہ ہے کہ افراط و تفریط سے محفوظ کمی بیشی سے پاک اور درمیانی درجہ یعنی عدل پر مبنی ہو۔ قرآن دونوں حصوں کے اعتبار سے کامل ہے لہذا بلحاظ سچائی بھی درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے اور بلحاظ عدل بھی۔

مقصود بیان:۔ خدا تعالیٰ کے وعد و وعید میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ احکام شرع میں زمانہ کی گردش سے کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید ہمیشہ کے لئے تحریف سے محفوظ ہے۔ قرآن کے کل اخبارات و پیش گوئیاں سچی ہیں۔ قرآن کے کل قوانین و ضوابط عدل پر مبنی ہیں اور خلاف عقل نہیں ہیں۔ اس کی تعلیم خواہ عبادت کی ہو یا معاملات کی یا عقائد کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ لا مبدل لکلماتہ سے بقول محمد بن کعب یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ دنیا و آخرت میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ناقابلِ تبدیل ہے جو تقدیراً دوزخی ہے وہ جنتی نہیں ہو سکتا اور جو جنتی ہے وہ دوزخی نہیں ہو سکتا۔ وغیرہ۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ

اگر تم دنیا کے اکثر لوگوں کے کہنے پر چلوگے تو وہ تم کو راہ خدا سے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

بے راہ کر دینگے وہ تو صرف خیال پر چلتے ہیں

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ

اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں تمہارا رب

هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَ

وہی اُن کو خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بھٹکتا ہے

هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا

ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے سو اگر تم اللہ کے

ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ

احکام پر ایمان رکھتے ہو تو جس (ذبیحہ) پر اللہ کا نام لیا گیا ہو

مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا

اُس کو کھاؤ اور کیا وجہ کہ جس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو

ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ

اُسکو نہ کھاؤ حالانکہ اُس نے وہ چیزیں مفصل بیان کر دی

لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

ہیں جن کو تم پر حرام کر دیا ہے بشرطیکہ تم (اُن تمام چیزوں کے کھانے پر)

اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ

مجبور نہو اور بیشک اکثر بلا تحقیق اپنی خواہشوں کے موافق بہکاتے

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝

رہتے ہیں تمہارا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے

تفسیر

تحقیق: مَنْ فِى الْاَرْضِ سے مراد کفار ہیں اور ارض سے مراد یا مطلق زمین ہے یا صرف مکہ - دونوں صورتیں جائز ہیں کیونکہ کفار بہ نسبت اہل ایمان کے کل زمین پر بھی زیادہ ہیں اور مکہ میں بھی اُس زمانہ میں زیادہ تھے - فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ سے وہ محرمات مراد ہیں جن کی تفصیل سورۃ مائدہ میں حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الخ میں وارد ہوئی ہے - لیکن اس پر ایک قوی اشکال امام رازی نے تفسیر کبیر میں وارد کیا ہے کہ یہ سورۃ انعام مکی ہے اور سورۃ مائدہ مدنی ہے اور مکی سورتیں یقیناً نزول میں مدنی سورتوں سے مقدم ہیں پھر کس طرح ممکن ہے کہ مکی آیت میں مدنی آیت کا حوالہ دیا جائے - مقدم النزول میں مؤخر النزول کا حوالہ دینا خلاف عقل ہے - اس عتراض کے بعد امام نے فرمایا کہ فَصَّلَ لَكُمْ میں جس آیت کی طرف حوالہ ہے وہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ نہیں بلکہ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا الخ ہے - لیکن دیگر مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حوالہ علم الٰہی کی ترتیب کے لحاظ سے ہے یعنی مدنی سورت اگرچہ مکی سورت سے نزول میں مؤخر ہے لیکن علم الٰہی میں یہ بات موجود تھی کہ ترتیب قرآنی میں سورۃ انعام پر سورۃ مائدہ مقدم ہوگی - لہٰذا سورۃ انعام میں کسی ایسی آیت کا حوالہ دینا جو سورۃ مائدہ میں مذکور ہوئی ترتیب قرآنی کے موافق ہے

شانِ نزول

کفار مکہ مسلمانوں کے دلوں میں شبہ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ مسلمانو! تم کیسے ناسمجھ ہو کہ خدا کے معبود ہونے کا دعوٰی کرتے ہو اور پھر اپنے ہاتھ سے مارے ہوئے جانور یعنی ذبیحہ کو کھا لیتے ہو مگر خدا کا مارا ہوا یعنی مردار نہیں کھاتے حالانکہ اللہ کا مارا ہوا جانور بہ نسبت لوگوں کے مارے ہوئے جانور کے بدرجہ اولٰی کھانا چاہئے اس پر یہ آیت اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ اخیر تک نازل ہوئی -

حاصل مطلب یہ ہے کہ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر تم کفار کا کہنا مانوگے تو یہ تم کو راہِ حق سے بہکا دینگے یعنی ایسی وہمی باتیں شیطان کی ساختہ بتائینگے جن کے ماننے سے غضب الٰہی نازل ہوتا ہے اور آدمی ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے - اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ یہ لوگ محض اپنے وہم و گمان پر چلتے ہیں جسکی کوئی اصل نہیں تحقیقی بات کو نہیں مانتے - حقیقۃ الامر ان کو معلوم نہیں جو بات تحقیق ہے اُسکو یہ وہمی جانتے ہیں اور جو خلاف حق ہے اُسکو تحقیقی جانتے ہیں - اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ - حالانکہ خدا کو خوب معلوم ہے کہ کون گم کردہ راہ ہے اور کون راہِ راست پر ہے کس کا قول تحقیقی ہے اور کس کا محض وہمی قیاسی - لہٰذا تم ان کے شبہات و شکوک کی پرواہ نہ کرو بلکہ احکام الٰہی پر اگر تمہارا واقعی ایمان ہے تو فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ اُن چیزوں کو کھاؤ جن کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لے لیا گیا ہو یعنی بسم اللہ کہکر ذبح کیا گیا ہو اُس کو کھاؤ اور جو مُردار ہو اُسکو نہ کھاؤ وَمَا لَكُمْ

اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ - آخر شبہ کی گنجائش ہی کیا ہے جب خدا تعالیٰ نے مفصل طور پر بیان کر دیا ہے کہ فلاں فلاں چیزوں کو بغیر کسی خاص اضطراری حالت کے نہ کھاؤ تو اب اُن کے علاوہ اور چیزوں کو نہ کھانے کا کیا سبب وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآىِٕهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ یہ کفار عرب تو اپنی نفسانیت اور ہوس پرستی اور جہالت سے اُلٹی سیدھی باتیں بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور حد اعتدال سے اِدھر اُدھر بھٹکتے پھرتے ہیں خدا خوب واقف ہے کہ کون کون لوگ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔

مقصود بیان: - گروہ حق تعداد میں ہمیشہ کم ہوتا ہے - عموماً انسان گمراہی پسند واقع ہوئے ہیں - اکثر لوگوں کو تحقیقی و وہمی باتوں میں امتیاز نہیں ہوتا - عموماً لوگ اپنے من گھڑت خیالات پر چلتے ہیں تحقیقی حکم دریافت کرنے کے لئے نفس کی طرف رجوع کرنا چاہیے - اگر کوئی حکم قرآنی اپنی رائے کے خلاف بھی معلوم ہو تب بھی اُسکو ماننا چاہیئے اور اپنی رائے کو نفس کا دھوکہ سمجھنا چاہیئے - احکام الٰہی پر ایمان رکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن پر عمل کیا جائے - حلال کو حرام سمجھنا کفر و ضلال ہے - وغیرہ۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ

(مسلمانو) ظاہری اور باطنی گناہ چھوڑ دو جو

الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا

لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کیے کی

كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ۝ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا

سزا پائیں گے اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو

لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ

تم اُس کو نہ کھاؤ یہ گناہ ہے

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِیٰٓـٕهِمْ

شیطان اپنے رفیقوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں

لِیُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝

کہ وہ تم سے کج بحثی کریں اگر تم اُن کا کہا مانو گے تو یقیناً تم مشرک ہو

تفسیر

گذشتہ آیات میں راہ حق پر چلنے کی ہدایت اور محرمات سے بچنے کا حکم تھا یہاں قاعدہ کلیہ کے طور پر عام حکم دیتا ہے جو تمام قوانین کی بنیاد ہے۔

تحقیق ضروری

ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ کا لفظی ترجمہ تو کھلا ڈھکا گناہ ہے لیکن اس سے کیا مراد ہے اہل علم کے اقوال اس میں مختلف ہیں - مجاہد کہتے ہیں اس سے مراد علانیہ اور در پردہ زنا مراد ہے یہ سدی کا قول ہے - عکرمہ کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ باپ کی منکوحہ اور بیٹے کی مدخولہ سے نکاح مت کرو قتادہ کا قول ہے کہ ظاہر الاثم سے مراد قلیل گناہ اور باطن الاثم سے مراد کثیر گناہ ہے لیکن اہل تحقیق کے نزدیک کسی گناہ کی تخصیص نہیں ہر قسم کے گناہ کی اس آیت میں ممانعت ہے - ظاہری گناہ تو وہ ہیں جو اعضاء ظاہری سے ظاہر میں محسوس ہوں مثلاً علانیہ زنا قمار بازی تیز اندازی شراب خواری دروغ بافی مردار خواری اور باطنی گناہ وہ ہیں جو اعضاء باطنی سے تعلق رکھتے ہوں مثلاً بدنیتی حسد کینہ رعونت خود نمائی مسلمانوں کو ضرر رسانی کی ترکیبیں سوچنا مختلف خطرات و شکوک دل میں لانا وغیرہ یا وہ گناہ جن کا تعلق اگرچہ ظاہری اعضاء سے ہو مگر اُن کو چھپا کر کیا جائے مثلاً گوشۂ چشم سے غیر محرم کو دیکھنا - چھپ کر زنا کرنا اور مخلوق سے پوشیدہ ہو کر کوئی گناہ کرنا - رہی یہ بات کہ گناہ کیا چیز ہے؟ تو اس کے متعلق نواس بن سمعان کی روایت کردہ حدیث کافی ہے - نواس کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اثم کیا چیز ہے؟ فرمایا اثم وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس بات کو پسند نہ کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں (رواہ ابن ابی حاتم وغیرہ بسند صحیح)

حاصل مطلب یہ ہے کہ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ہر قسم کے ظاہری باطنی گناہ کو چھوڑ دو یعنی ذبیحہ کو حرام سمجھنا اور حلال کو حرام جاننا بھی گناہ ہے لہذا اسکو بھی ترک کر دو کیونکہ ہر گناہ کی سزا ضرور دی جائیگی۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِیٰٓـٕهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ - اوپر کی آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ تم کفار کی شک اندازی سے شک میں نہ پڑ جانا ان کے بہکانے سے بہک نہ جانا ذبیحہ کو حرام نہ سمجھ لینا اب اس کے مخالف پہلو کے متعلق ہدایت کی جاتی ہے کہ یہ شیطان ہیں ان کے دوست شیطان ان کے دلوں میں ایسی باتیں ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا کرنے لگتے ہیں لہذا تم ان کا کہنا نہ ماننا اور ان کے حکم کو صحیح نہ سمجھنا ورنہ تم بھی مشرک ہو جاؤ گے یعنی مشرک فی الحکم ہو جاؤ گے غرض یہ کہ جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اُسکو نہ کھاؤ۔

تحقیق مسائل

عطاء کہتے ہیں کہ یہ حکم کچھ ذبیحہ پر ہی موقوف نہیں بلکہ ہر کھانے پینے پر بھی بسم اللہ پڑھنی ضروری ہے ورنہ وہ چیز حرام ہے مگر جمہور کے نزدیک اور چیزوں پر بسم اللہ پڑھنی مسنون ہے نہ کہ فرض کیونکہ آیت میں مِمَّا سے جانور مراد ہیں مگر جانور بھی حلال جن کو کتاب وسنت نے حرام نہ کہا ہو اور یہ بسم اللہ کہنا بھی ذبیحہ کو اس وقت درست کرتا ہے جبکہ مؤمن یا اہل کتاب نے ذبح کیا ہو۔

اہل علم کے نزدیک اس آیت سے تمام وہ ذبائح حرام ہیں جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو خواہ جھٹکا ہو یا گردن مروڑا ہوا یا بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا یا خود مرا ہوا ہو یا بسم اللہ کہہ کر ہی ذبح کیا گیا ہو لیکن مسلم و کتابی نے ذبح نہ کیا ہو بلکہ مسلم و کتابی کے علاوہ کسی مشرک مجوسی یا ملحد نے ذبح کیا ہو۔ بہرحال یہ تمام جانور حرام ہیں۔

اگر مسلمان سے بوقت ذبح بسم اللہ کہنا ترک ہو جائے خواہ عمداً خواہ سہواً تو اس کے متعلق علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ بھی حرام ہے۔ یہ ابن عمر نافع، شعبی اور ابن سیرین کا قول ہے اور ایک روایت سے مالک و احمد حنبل کا بھی یہی قول ہے اور داؤد ظاہری بھی اسی کے قائل ہیں مگر دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر سہواً بسم اللہ کہنا ترک ہو گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ حضرت علی رض ابن عباس رض، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، حسن بصری، عبدالرحمٰن اور ابو حنیفہ ان کا یہی قول ہے۔ اس گروہ کا قول ہے کہ سہواً ترک درحقیقت ترک نہیں بھول چوک مسلمان کے لئے معاف ہے۔ امام شافعی وغیرہ کہتے ہیں کہ مسلمان عمداً بسم اللہ کہنی ترک کر دے تو بھی درست ہے کیونکہ آیت میں ذبح غیر اللہ کی حرمت مذکور ہے۔

مقصود بیان:- وحی کرنے والا شیطان بھی ہوتا ہے۔ آدمیوں میں سے بعض ایسے ہیں جو شیطانوں کی طبیعت پر پیدا ہوئے ہیں۔ کسی حرام چیز کو حلال یا حلال کو حرام جاننا کفر ہے۔ شرک دو قسم کا ہوتا ہے شرک فی العقیدہ اور شرک فی العمل شریعت میں دونوں ممنوع ہیں۔ شیطانوں اور نافرمانوں کا کہنا ماننا اور ان کے قول پر چلنا شرک فی الحکم ہے۔ وغیرہ

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا

بھلا ایسا شخص جو بے جان تھا پھر ہم نے اسکو زندہ کیا پھر اس کو

لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ

روشنی دی جس کو وہ لوگوں میں لئے پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے

فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ

جسکی حالت یہ ہو کہ تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے ان سے نہیں نکل سکتا اسی طرح کافروں

لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ

کی نظر میں ان کے (بد) اعمال بھلے کر دکھائے گئے ہیں اور اسی طرح

جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا

ہر بستی میں ہم نے گناہگاروں کے سردار پیدا کئے تاکہ اس بستی میں وہ

فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ

فساد کریں حالانکہ جسقدر وہ مکاریاں کرتے ہیں اپنے ہی حق میں کرتے ہیں

مَا يَشْعُرُوْنَ ۝

مگر اسکو سمجھتے نہیں

تفسیر

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوجہل کے بارہ میں نازل ہوئی زید بن اسلم کے قول کے مطابق حضرت عمر بن خطاب اور ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ عمار بن یاسر اور ابوجہل مراد ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ حضور اقدس ص کی شان والا شان اور ابوجہل ملعون کے حق میں نازل ہوئی۔ شیخ ابن کثیر نے آخری فیصلہ کے طور پر فرمایا کہ بعض لوگوں کے نزدیک اس آیت کا نزول دو معین شخصوں کے حق میں ہوا چنانچہ جس کو نور عطا کیا گیا وہ عمر بن خطاب یا عمار بن یاسر ہیں اور جو تاریکیوں میں پڑا رہا ان سے نہ نکل سکا وہ ابوجہل ہے۔ مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آیت عام ہے اس میں ہر کافر و مؤمن داخل ہے یعنی کوئی مؤمن کسی کافر کے مساوی نہیں۔ انتہی۔ اکثر مفسرین نے ابن کثیر کے فیصلہ کو ہی پسند کیا ہے۔

تحقیق

مُردہ سے مراد مردہ دل اور حیات سے مراد زندہ دلی یعنی ہدایت اور نور سے مراد نور ایمان یا قرآن اور ظلمات سے مراد شرک و کفر کی تاریکیاں بداعمالیوں کی اندھیریاں اور عقائد بد کی ظلمتیں ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ دو شخص ہیں ایک تو وہ جو پہلے مُردہ تھا پھر اسکو زندہ کیا گیا اور اسکو ایک منور چراغ دیا گیا تاکہ چراغ لیکر جدھر چاہے چلا جائے۔ چراغ کی روشنی میں سیدھا راستہ تلاش کرے نہ گڑھے میں کہیں گرے نہ خندق میں۔ دوسرا وہ شخص ہے جو گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں پھنسا ہوا ہو چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہو کچھ دکھائی نہ دیتا ہو اور اندھیری سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ یہ دونوں شخص

برابر نہیں ہوسکتے۔اول الذکر شخص روشنی میں سیدھا راستہ تلاش کرلیگا ہر کھائی
خندق سے محفوظ رہیگا اور آہستہ آہستہ روشنی میں منزل مقصود پر پہونچ
جائیگا اور مؤخرالذکر آدمی منزل پر نہ پہونچ سکیگا کہیں گڑھے میں خندق میں
گرجائیگا کسی چیز سے ٹکرا جائیگا اور بالآخر ہلاک ہوجائیگا۔یہی حالت مؤمن
وکافر کی ہے۔مؤمن شروع میں مادی کثافتوں اور طبعی کدورتوں میں پھنسا
ہوتا ہے جو اسکی موت روحانی کا باعث ہیں لیکن خدا تعالیٰ اُس کی اس
موت کو زائل کرکے اُس کے دل کو زندہ کرتا ہے پھر اُسکو نور ایمان و قرآن
عطا فرماتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ حق و باطل اور خطا صواب میں امتیاز کرتا
ہے قرآن و ایمان کی روشنی میں وہ اپنی زندگی کی راہ طے کرتا اور بالآخر
نجات ابدی کی منزل پر پہونچ جاتا ہے اور کافر ہر طرح کی تاریکیوں میں
پھنسا رہتا ہے اس کا دل مُردہ ہوتا ہے۔حواس مُردہ۔دماغ مُردہ۔
تمام قوتیں مُردہ۔یہانتک کہ روح مُردہ ہوتی ہے۔عقائد بد اور اعمال شنیعہ
کی تاریکیاں اُسکو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتی ہیں۔وہ بھی اپنی
زندگی کی راہ چلتا ہے مگر اندھا دھند اندھیرے میں ٹاپتا پھرتا ہے جس کا
نتیجہ دوامی موت اور عذاب سرمدی ہے۔

اس کے بعد کافروں کے تاریکیوں میں پھنسنے اور اندھیریوں سے باہر
نہ نکل سکنے کی وجہ ظاہر فرماتا ہے کہ درحقیقت کافروں کو اپنے اعمال و افعال
مستحسن اور نظر فریب معلوم ہوتے ہیں پھر وہ اپنے کفر و شناعت و ضلالت کو
کس طرح چھوڑیں یعنی اُن کی روحانیت میں قضاء و قدر نے خباثت کی طرف
طبعی میلان رکھا ہے جسطرح نجاست کے کیڑے کو نجاست کی طرف طبعی میلان
ہوتا ہے کہ وہ پاک چیزیں چھوڑ کر اُسی کو پسند کرتا ہے اسی طرح کافروں کی نظر
میں اُن کی بداعمالیاں خوشنما معلوم ہوتی ہیں پھر کس طرح تاریکیوں سے نکل سکتے ہیں
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا
يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ یعنی جس طرح مکہ کے سردار
ابوجہل ولید بن مغیرہ وغیرہ مجرموں کے سرگروہ ہیں اور لوگوں کو مکر و
فریب سے گمراہی کی طرف کھینچتے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی اور ہر
گانوں میں جہاں کہیں نبی بھیجے وہاں کے بدکاروں اور مکاروں کو سرداری
اور دنیاوی عزت عطا کی تاکہ جہانتک اُن سے ہوسکے مکر و فریب سے گمراہی
پھیلائیں اور آخر میں نتیجہ فریب اُنہی کو برداشت کرنا ہو اور یہی مستوجب
ہلاکت اور مستحق بربادی قرار پائے مگر اُن کو اس کا احساس ہی نہ تھا۔
وہ تو اپنے آپ کو کامیاب حکمراں بامراد سردار اور خوشحال رئیس سمجھتے رہے۔

مقصود بیان:۔مسلمان زندہ ہے اور کافر مُردہ۔مسلمان کے پاس
مشعل ہدایت اور نور ایمان ہے اور کافر اندھیرے میں پڑا ہوا ہے۔
کافروں کے بے ایمان رہنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اپنی بداعمالیاں اور
بداعتقادیاں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔اس سے ایک لطیف اشارہ اس طرف
بھی ہوتا ہے کہ جو شخص گناہ کرے مگر اُسکو اچھا نہ سمجھے تو امید ہے کہ خدا تعالیٰ
اُسکو ہدایت کی توفیق عطا فرمادے لیکن جو شخص گناہ کو گناہ نہ سمجھے بلکہ اسکو
بہتر سمجھنے لگے یعنی اچھے کو برا اور برے کو اچھا جاننے لگے اُسکی فلاح
کی امید ہی نہیں ہوسکتی۔تباہ کار و بداطوار اشخاص کو دولتمند مرفہ الحال
اور امیر کبیر کرنا خدا تعالیٰ کی آزمائش ہے اگر کوئی شخص گناہ و ظلم کرنے
کے باوجود خوب پھلتا پھولتا جائے اور روز بروز اُسکو دنیوی ترقی حاصل
ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ خدا تعالیٰ اسکو مکمل طور پر تباہ کرنا چاہتا ہے۔وغیرہ

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ
جب اُن کے سامنے کوئی معجزہ آتا ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز نہ مانینگے

حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ
تاوقتیکہ ہم کو ویسی ہی چیز نہ دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دیگئی ہے

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ
اللہ خوب واقف ہے کہ وہ اس کی پیغمبری کا موقع کہاں ہے عنقریب ان

الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ
مجرموں کو ان کی فساد انگیزی کی پاداش میں ذلت اور

شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ○
سخت عذاب پہونچیگا

تفسیر

جب مذہب اسلام کو روز بروز ترقی ہوتی گئی تو
ابوجہل نے کہا کہ بنی عبد مناف ہمارے ساتھ ہر شرف
و عزت میں مساوی ہیں لیکن جب انھوں نے ہم سے بڑھنا چاہا تو کہہ بیٹھے
کہ ہم میں نبی ہے جس پر وحی نازل ہوتی ہے چنانچہ عبد مناف کی اولاد میں
محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا لہذا ہم خوش نہونگے جب تک
کہ اس کی طرح ہم پر بھی وحی نازل نہ ہو۔اس گستاخی کے اظہار میں جو
تکذیب و عناد و تکبر سب کی جامع ہے یہ آیت نازل ہوئی بعض مفسرین نے
یہ قول ولید بن مغیرہ کا بیان کیا ہے۔اس سے کافروں کا مقصود یہ تھا کہ
ہم متبوع ہونگے تابع نہ ہونگے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ
حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ حاصل یہ ہے کہ جس طرح
پیغمبران خدا کے پاس وحی آتی ہے جب تک ایسی ہی وحی ہمارے پاس نہ
آئیگی ہم نہ مانینگے اور ہرگز یقین نہ کرینگے یہ قول کفار کا تھا۔خدا تعالیٰ

اس کے جواب میں فرماتا ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ جسکا حاصل یہ ہے کہ ان کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ نبوت کا معیار دنیوی وجاہت اور مال و دولت نہیں نہ اس کا حصر نسب و شہرت پر ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے انتخاب پر ہے خدا تعالیٰ جو مناسب محل جانتا ہے اور جس کے اندر فضائل نفسانیہ دیکھتا ہے اور ازل میں جن کو نفوس قدسیہ عطا کئے گئے ہیں اُنہی کو نبوت سے سرفراز کرتا ہے کسی کی خواہش کو اس میں دخل نہیں ہے۔ اس مضمون کی تائید میں ہم ذیل میں دو حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ پہلی حدیث مسلم نے روایت کی ہے اور دوسری امام احمد نے۔

واثلہ بن اسقع کہتے ہیں کہ رسول پاک صلعم نے فرمایا اللہ پاک نے اولاد ابراہیم میں سے اسمٰعیل کو برگزیدہ کیا اور اولاد اسمٰعیل میں سے بنو کنانہ کو اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھکو۔

عبداللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی پس علم ازلی میں محمدؐ کے دل کو سب سے بہتر رکھکر اُسکو اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا اس کے بعد پھر بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی۔ پس حضور صلعم کے اصحاب کے دلوں کو سب سے بہتر رکھکر اپنے رسول کا مددگار بنایا جو اللہ کے دین کے واسطے جہاد کرتے ہیں پس جس بات کو مسلمانوں نے بہتر دیکھا وہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے اور جسکو مسلمانوں نے بُرا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک بُری ہے۔

غرض حاصل آیت یہ ہے کہ رسالت فضل الٰہی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جسکو مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے۔ اس کے بعد ان گستاخی کرنے والوں کو تہدید فرماتا ہے اور اُن کے کرتوت کے پاداش کی سخت وعید دیتا ہے۔

مقصود بیان: ۔ نبوت کسبی نہیں وہبی ہے۔ نبوت کسی استحقاق سے نہیں ملتی بلکہ خدا جسکو چاہتا ہے اس نعمت سے سرفراز فرماتا ہے نبوت کیلئے جن فضائل و خصائل کی ضرورت ہے اُن کو خدا ہی خوب جانتا ہے حسد تکبر عناد بدترین چیزیں ہیں جنکی وجہ سے آدمی عذاب کا سزاوار ہوتا ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ

جس کو اللہ ہدایت کرنی چاہتا ہے اُس کے سینہ کو اسلام

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ

کے لئے کھول دیتا ہے اور جسکو گمراہ رکھنا چاہتا ہے

يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا

اُس کے سینہ کو بہت ہی تنگ کر دیتا ہے (اسلام لانا اُسے) ایسا معلوم ہوتا ہے

يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ

کہ گویا آسمان پر چڑھتا ہے اللہ اسی طرح

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

بے ایمانوں پر عذاب ڈالتا ہے

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا

(اے محمد) یہی تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے ہم نے

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ

غور کرنے والے لوگوں کیلئے احکام صاف صاف بیان کر دیئے ہیں اُن کے لئے

السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا

اُن کے رب کے پاس اُن کے اعمال کے صلہ میں سلامتی کا گھر ہے وہی اُن کا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

کارساز ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں بتایا تھا کہ کفار اپنی تاریکیوں سے نہیں نکل سکتے اور مؤمن نور ایمان اور ضیاء قرآن میں چل کر اپنی منزل پر پہونچ جاتے ہیں۔ اب اُس کی اصل وجہ بیان فرماتا ہے کہ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ یہ تمام باتیں مشیت الٰہی پر موقوف ہیں خدا تعالیٰ جسکی آنکھوں سے چاہتا ہے حجابات اٹھا دیتا ہے اور اُسکو اسلام کی خوبیاں نظر آنے لگتی ہیں اس لئے وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ اور جسکو گمراہی میں پڑا رکھنا چاہتا ہے اُسکو اسلام کے قوانین ناقابل عمل اور ممتنع الحصول معلوم ہوتے ہیں اس لئے وہ کفر کی اندھیریوں میں پھنسا رہتا ہے۔

توضیح اسلام کے لئے سینہ کشادہ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کے دل میں نور ڈال دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب

دریافت کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ نور سینہ میں ڈالا جاتا ہے پس اسلام کیلئے سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اسکی کچھ نشانیاں بھی ہیں؟ فرمایا ایسے گھر (یعنی آخرت) کی طرف جھک جانا جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور دار الغرور (یعنی دنیا) سے پہلو تہی کرنا اور موت آنے سے قبل اُسکی تیاری رکھنا (رواہ ابن المبارک و عبدالرزاق والفریابی وابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن مردویہ والبیہقی) فَیِّقًا حَرَجًا کا یہ معنی ہے کہ اُس کا سینہ قبول اسلام سے تنگی کرتا ہے (مجاہد و سدی) یا بھلائی کا اُس میں گذر نہیں ہوتا (عطار)

آسمان پر صعود کرنے کا یہ معنی ہے کہ ایمان اُس کے لیے ایسا سخت ہوتا ہے جیسا آسمان کو چڑھنا۔ صاحب بیضاوی کہتے ہیں کافر کی دل کی تنگی کی انتہا کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو خارج از قدرت چیز کی مزاولت کرتا ہو بعض کا قول ہے کہ اس سے بُعد مسافت مراد ہے یعنی اسلام سے اتنی دور بھاگتا ہے گویا آسمان پر چڑھتا ہے۔ میرے نزدیک صحیح اور خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ جس شخص کو ہدایت کرنی چاہتا ہے اُس کا دل اسلام کے لئے کشادہ کردیتا ہے اسلام کی خوبیاں اُس کے دل میں جم جاتی ہیں اور وہ ذراسی تحریک پر مسلمان ہو جاتا ہے اور اللہ جسکو گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کے دل کو تنگ کردیتا ہے وہ اسلام کی خوبیاں سننے سے گھبراتا ہے جیسے کوئی آسمان پر چڑھنا چاہے اور نا کام رہنے کے سبب دل تنگ ہوتا اور گھبراتا ہے اسی طرح کافر کو خیالات خبیثہ اور شیطانی وسوسے اور مال و زر کی طمع اسلام قبول کرنے سے روکتی ہے اور قوانین اسلام اُسکو ناقابل برداشت مصیبت معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ بے ایمانوں پر خدا ایسی ہی پھٹکار برساتا ہے یعنی سب اُسی کی مشیت کے موافق ہوتا ہے۔ خدا کافروں کو مردود کرنا چاہتا ہے تو دل بھی اُن کا ویسا ہی کر دیتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک رجس سے مراد شیطان ہے یعنی بے ایمانوں پر خدا تعالیٰ شیطان کو مسلط کر دیتا ہے۔ مجاہد کے نزدیک رجس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں بھلائی نہ ہو۔ عبدالرحمن بن زید نے رجس کے معنی عذاب بیان کئے ہیں۔ زجاج کا قول ہے کہ رجس دنیا میں لعنت ہے اور آخرت میں عذاب۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۔ یعنی اسلام سیدھی سڑک ہے نہ اسمیں مختلف پگڈنڈیاں ہیں نہ کج مج راہیں نہ افراط ہے نہ تفریط یہ سڑک سیدھی دار السلام (سلامتی کا گھر یعنی جنت) تک پہونچتی ہے مگر اسپر چلنا ہر ایک کا کام نہیں سمجھ والے ہی اس پر چلتے ہیں اور چل کر دائمی نجات کے گھر تک پہونچ جاتے ہیں اور لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

وہ گھر صرف اللہ کے پاس ہے: ہاں وہی اُن کا کارساز ہوگا اور یہ دار السلام اُن کو خواہ مخواہ نہ مل جائیگا بلکہ اُن کے اعمال صالحہ اور کوشش کی بنا ہوگی جمہور کے نزدیک دار السلام کے معنی دار السلامۃ ہیں اور مراد اس سے جنت ہے کیونکہ وہاں ہر ناخوشگوار چیز سے سلامتی ہوگی۔ قتادہ کا قول ہے کہ دار السلام جنت ہے یعنی ایک جنت کا نام ہے۔ سدی اور حسن بصری کہتے ہیں کہ سلام اللہ پاک کا نام ہے اور جنت اُس کا دار ہے یعنی اُس نے جنت کو اپنے نیک بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ جابر بن زید نے دار السلام کے معنی دار التحیۃ بیان کئے ہیں بہرحال مراد جنت ہے۔

مقصود بیان: ہدایت و ضلالت سب کچھ اللہ کے دست قدرت میں ہے اللہ جیسا چاہتا ہے ویسے ہی اُس کے اسباب کر دیتا ہے۔ ہدایت دینی چاہتا ہے تو دل کشادہ اور نورانی کر دیتا ہے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو دل کو تنگ و تاریک کر دیتا ہے۔ اسلام سیدھا راستہ ہے اس کے قوانین معتدل ہیں ہر قسم کی کمی بیشی سے پاک ہیں۔ آثار قدرت قوانین فطرت اور آیات الٰہی سے ہر شخص کو فائدہ نہیں پہونچتا بلکہ صرف دانشمندوں اور سمجھداروں کو پہنچتا ہے۔ اسلام کے قوانین عقل کے مطابق ہیں اس کا کوئی جزئیہ دانش کے خلاف نہیں۔ اعمال صالحہ اور کوشش ضائع نہ جائیگی بلکہ اُس کے صلہ میں اللہ کے فضل سے جنت ملیگی۔ اس میں ایک بلیغ اشارہ اس طرف ہے کہ آدمی اعمال سے غافل نہ ہو اور ہر قسم کی نیکی کی کوشش کرے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ

جس روز کہ ان سب کو اللہ جمع کرے گا (اور فرمائیگا) اے گروہ جنات

قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ

تم نے آدمیوں میں بڑا حصہ لیا اور آدمیوں میں سے

اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ

جو ان کے دوست تھے وہ کہینگے پروردگار ہم میں ایک نے

بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ

دوسرے سے فائدہ اٹھایا اور ہم اُس میعاد تک پہونچ گئے جو

اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ

تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی اللہ فرمائیگا دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ

فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ

اُس میں رہو گے مگر ہاں جو اللہ چاہے تمہارا رب یقینا حکمت والا

عَلِیْمٌ ۝ وَکَذٰلِکَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ

اور دانا ہے — اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا سرپرست

بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

اُن کے کرتوت کی پاداش میں بنا دیا کرتے ہیں

تفسیر دنیا میں انس و جن دو قسم کی مخلوق ہے۔ جن دو قسم کے ہوتے ہیں نیک و بد۔ بدجنات کو شیاطین کہا جاتا ہے۔ شیاطین اللہ کے کھلے دشمن ہیں اور انسان آزمائش میں گرفتار ہے۔ اللہ پاک پیغمبر بھیجتا اور اُن کو اپنی طرف بلاتا ہے اور شیطان وسوسہ ڈالتے اور بدی کی طرف کھینچتے ہیں انسان اپنی ناسمجھی سے شیطان کے کہنے میں آکر اللہ پاک کی نافرمانی کرتا ہے شیطانوں کی تعظیم و تکریم کرتا اُن کی نذر بھینٹ چڑھاتا اور ہر طرح سے اُن کی پرستش کرتا ہے اور شیطان ایسے آدمیوں کی ہر وقت مدد کرتے ہیں قیامت کے دن خدا تعالیٰ دونوں گروہوں کو اپنے سامنے حاضر کریگا اور شیاطین سے فرمائیگا وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ۚ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ کہ تم نے بہت سے آدمیوں سے فائدہ اٹھایا اُن سے اپنی تعظیم تکریم کرائی یا اُن سے بہت فائدہ اٹھایا۔ شیطانوں کا جواب اس جگہ مذکور نہیں لیکن دوسری جگہ مذکور ہے کہ وہ جواب دینگے کہ ہم نے ان پر زبردستی نہیں کی تھی۔ اس جگہ صرف انسانوں کا جواب فرمایا وَقَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا آدمی جواب دینگے کہ واقع میں ہم اور شیطان آپس میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے شیطانوں نے ہم پر حکمرانی کی اور ہم نے اُن کے ذریعہ سے خوب مزے اُڑائے اور خواہشات کو دل بھر کر پورا کیا یہاں تک کہ قیامت کا یہ وقت موعود آ گیا غرض کیا آدمی اور کیا شیطان کسی سے جواب نہ بن پڑیگا قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ اور خدا تعالیٰ سب کو ایک ساتھ جہنم میں جھونک دیگا اور فرمائیگا کہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو یعنی اب یہاں سے تمہاری رہائی ناممکن ہے

تفسیری تحقیق معشر الجن سے مراد شیاطین اور کافر جنات ہیں۔ استکثرتم کا مطلب ابن عباس مجاہد قتادہ اور حسن بصری نے یہ بیان کیا ہے کہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر لیا تھا۔ بعض نے استمتاع کثیر مراد لیا ہے یعنی اے گروہ جن تم نے آدمیوں سے بہت فائدہ اٹھایا۔

وہ آدمی جو شیطانوں کے دوست تھے کہینگے کہ پروردگار ہم میں سے ایک نے دوسرے سے خوب فائدہ اٹھایا اس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ شیخ ابن جریر کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب میں سے اگر کسی کا اتفاق رات کو جنگل میں ٹھیرنے کا ہو جاتا تو وہ کہتا اعوذ بکبیر ھذا الوادی یعنی میں اس جنگل کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی شریر جن مجھکو نہ ستانے پائے یہ تو انسان کا نفع جنات سے ہوا اور جنات کا فائدہ انسانوں سے یہ ہوا کہ آدمی اُن سے مدد مانگتے اور اُن کی تعظیم کرتے اور جنات آدمیوں کے ان افعال سے خوش ہوتے اور اپنے کو جن وانس کا سردار سمجھنے لگتے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ جنوں کا حکم دینا اور انسان کا اُس پر عمل کرنا یہی استمتاع ہے۔

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کا مطلب مختلف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس استثناء سے عمومًا شبہہ ہوتا ہے کہ شاید کافروں کو بھی کسی وقت دوزخ سے نجات مل جائیگی اور ان پر عذاب بھی دائمی نہ ہوگا۔ اس شبہہ کا ازالہ علماء نے چند صورتوں سے کیا ہے۔ (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ استثناء ایسے لوگوں کی طرف راجع ہے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ ایمان لائینگے۔ اس تقدیر پر مَا شَآءَ بمعنی مَنْ شَآءَ کے ہوگا یعنی جسکو چاہیگا خدا دوزخ میں ہمیشہ نہ رکھیگا۔ کرخی کا بھی یہی قول ہے (۲) مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہینگے سوا اُن اوقات کے جن میں جہنم سے نکال کر حمیم میں داخل کیا جائیگا یعنی چونکہ حمیم دوزخ سے علیحدہ مقام عذاب ہے اسلئے بعض اوقات اُن کو عذاب جہنم سے نکال کر عذاب حمیم کی طرف منتقل کیا جائیگا (۳) صاحب بیضاوی نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں مگر حمیم کی بجائے زمہریر کا عذاب بیان کیا ہے یعنی آگ کے عذاب سے منتقل کر کے اُن کو بعض اوقات عذاب زمہریر (سرد عذاب) کی طرف لیجایا جائیگا۔ (۴) تفتازانی نے حاشیۂ کشاف میں بیان کیا ہے کہ اس استثناء سے اس امر کی تاکید ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہینگے یعنی خلود کا وقت کبھی منتہی نہ ہوگا مگر اس وقت کہ اللہ چاہے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ مشیت الٰہی کبھی اُن کے خروج کی نہ ہوگی لہٰذا خلود مؤکد ہوگیا۔

وَکَذٰلِکَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یہ ایک کلیہ قاعدہ بطور جملہ معترضہ کے بیان فرمایا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ ہمارا قاعدہ ہی یہ ہے کہ ظالموں اور ناحق شناسوں کو اُن کی بداعمالیوں کی وجہ سے ایک کو دوسرے کا دوست کر دیتے ہیں اور کفار باہم ایک دوسرے کے متولی ہوتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے ہم ایک کو دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں یعنی ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر غالب کر دیتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے دوزخ کی حالت کا بیان مقصود ہے کہ دوزخ میں بعض ظالم بعض کے پیچھے ہوں گے۔

مقصود بیان: خبیث خبیث کا دوست ہوتا ہے خواہ جن ہو یا آدمی۔ اجل خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ کفار ہمیشہ دوزخ میں رہینگے کبھی رہائی نہ ہوگی۔ انسان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بدکار ظالم حاکم ہوتا ہے۔ وغیرہ۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ

اے گروہ جن وانس کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں

مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ

پہونچے جو میرے احکام تم سے بیان کرتے تھے اور تم کو اسی دن کے

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى

پیش آنے سے ڈراتے تھے وہ کہیں گے ہم اپنے اوپر

اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ

مقر ہیں اُن کو دنیوی زندگانی نے دھوکہ میں رکھا تھا اور

شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝

آپ ہی اپنے اوپر انہوں نے گواہی دے دی کہ ہم بیشک کافر ہیں

تفسیر یہ اوپر کی آیات کا تکملہ اور کفار کے عذر بارد کی تردید ہے ارشاد ہوتا ہے کہ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قیامت کے دن جب کفار عذر پیش کریں گے کہ خدا تعالے ہمارا کیا قصور ہے ہم میں سے ایک دوسرے نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور بہکایا تو خدا تعالیٰ فرمائیگا یہ عذر تمہارا غلط ہے اے گروہ جن وانس کیا تمہارے پاس تمہارے ہی مجموعی گروہ میں سے خدا کے رسول نہ آئے تھے جو تم کو نصیحت کرتے اور دعوت خیر دیتے تھے اور اُس نصیحت سے فائدہ اٹھانا تمہارے لئے سہل بھی تھا کیونکہ وہ تم ہی میں سے تھے اور خدا کے احکام تمہارے سامنے کھول کھول کر تفصیل وار بیان کرتے تھے کسی طرح کا ابہام و اغلاق بیان احکام میں نہ کرتے تھے اور آج کے دن کے عذاب سے تم کو ڈراتے تھے پھر تم نے اُن کا کہنا نہ مانا۔ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۔ کفار جواب دینگے واقعی بات تو یہی ہے اس میں ہمارا ہی قصور ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ دنیا میں یہ لوگ اپنی دنیوی زندگانی پر ریجھے ہوئے تھے اور قیامت کے دن انہوں نے اپنے کافر ہونے کا اقرار کرلیا یعنی دنیوی زندگانی میں ایسے لذات و شہوات میں غرق رہے کہ انجام کا خیال بھی نہ کیا اور جب نتیجہ بد سامنے آیا تو اُس وقت اپنے کفر کا اقرار کیا۔

توضیح ضروری | چونکہ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اس آیت میں وارد ہوا ہے اور مِنْكُمْ کا خطاب جن وانس دونوں کو ہے اسلئے ضحاک کہتے ہیں کہ جنات میں سے بھی رسول ہوتے ہیں۔ مجاہد۔ ابن جریج۔ ابن کثیر اور دیگر صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ پیغمبر صرف انسانوں میں سے ہوئے ہیں جنات میں سے نہیں ہوئے۔ رہی یہ آیت تو اس میں منکم سے من مجموعکم مراد ہے یعنی جن وانس کی مجموعی جماعت میں سے رسول ہوئے ہیں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جنات میں سے بھی ہوئے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں شہر کی رہنے والی مسلم جماعتیں بہت مخلص ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس شہر کی ہر جماعت بہت مخلص ہو۔ اسی طرح یہاں پر بھی خطاب انس و جن کے ہر ہر گروہ کو جدا جدا نہیں بلکہ دونوں نوعوں کے مجموعہ کو ہے۔

ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول تو فقط اولاد آدم میں ہوئے ہیں اور جنات میں فقط نذیر گذرے ہیں۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر صرف انسانوں میں ہوئے ہیں لیکن کچھ جنات ان پیغمبروں کے نائب ہوئے جنہوں نے اپنی قوم کو جاکر ہدایت کی اور عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

یہاں اس آیت پر بعض لوگوں نے ایک شبہہ کیا ہے کہ کفار کس طرح قیامت کے دن اپنے کافر ہونے کی شہادت دینگے حالانکہ دوسری آیت میں اُن کا جھوٹ بولنا مذکور ہے کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ یعنی قیامت کے دن کفار جھوٹی قسم کھاکر کہینگے کہ ہم دنیا میں مشرک نہ تھے۔ اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ قیامت کے روز مختلف احوال و واقعات ہونگے بعض اوقات میں وہ انکار کرینگے اور بعض حالتوں میں اقرار۔

مقصود بیان:۔ انبیاء صرف احکام الٰہی پہونچانے اور عذاب سے ڈرانے کے لئے آئے۔ قیامت کے دن کفار اپنے کفر کا اقرار کریں گے۔ آیت میں مسلمانوں کو عبرت اندوزی کی لطیف ترین نصیحت ہے اور کفار کو نہایت واضح طور پر تنبیہ ہے کہ کفر و شرک کو چھوڑ دو ورنہ قیامت کے دن پشیمان ہونے سے کچھ کام نہ چلیگا۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى

(پیغمبر بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ) تمہارا رب ظلم سے بستیوں کو برباد نہیں کرتا

بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ

ایسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے (احکام خدا سے) بیخبر ہوں سب کے لئے

مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝

اُن کے اعمال کے لحاظ سے درجات ہیں اور تمہارا رب ان کے اعمال سے بیخبر نہیں ہے

تفسیر اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ارسال انبیاء کی علت بیان فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ تمام لوگ عقل و دانش میں برابر نہیں ہیں

ہر شخص خطا کو خطا اور صواب کو صواب نہیں سمجھتا اسلئے ناسمجھ لوگ خلاف عقل حرکات اور نازیبا بیجا افعال کرتے ہیں مگر وہ نیک و بد سے غافل ہوتے ہیں وہ اچھے بُرے اور صحیح غلط میں امتیاز نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ خواہ مخواہ آبادیوں کو تباہ کر دے اگرچہ وہاں کے باشندے اچھے برے کو نہ سمجھتے ہوں بلکہ اُس کا قانون ہے کہ پہلے اچھے کو اچھا اور برے کو بُرا بتا دیتا ہے پھر بھی اگر لوگ نہیں مانتے تو عذاب نازل فرماتا ہے یہی وجہ ہے کہ اُس نے تبلیغ احکام اور اظہار حق کے لئے انبیاء یا انبیاء کے نائب ہر بستی میں بھیجے تاکہ وہ توحید و اصلاح اعمال کی ہدایت کریں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۔ یعنی انبیاء کو مبعوث کرنے اور احکام نازل فرمانے کے بعد لوگ جیسا عمل کرینگے ویسی ہی اُن کو سزا جزا ملیگی ہر شخص کا درجہ اُس کے اعمال کے موافق ہوگا اور کل دنیا کے اعمال خدا کو بخوبی معلوم ہیں لہذا وہ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیگا۔

مقصود بیان:۔ ہر بستی میں نبی یا نائب نبی ضرور رہا ہے دنیا کی کوئی آبادی اس سے خالی نہیں۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ بغیر اتمام حجت اور تکمیل برہان کے عذاب نازل نہیں فرماتا۔ قیامت کے دن لوگوں کے درجات مختلف ہونگے نہ سب نیک ایک سے ہونگے نہ تمام بد ایک ہی طرح کا عذاب پائینگے۔ خدا تعالیٰ عالم الکل ہے کوئی ذرہ اُس کے علم سے غائب نہیں۔ آیت چونکہ مطلق ہے اس لئے ملائکہ اور جن و انس سب کو شامل ہے ہر ایک کو اُس کے اعمال کا عوض ملیگا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرشتے سب کے سب جنتی ہیں شیاطین سب کے سب دوزخی باقی جن و انس میں سے کچھ دوزخی کچھ جنتی۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

تمہارا رب بے نیاز اور رحمت والا ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے

وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ

اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین بنا دے جس طرح

اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّمَا

تم کو دوسروں کی نسل سے پیدا کیا ہے تم سے

تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

جس (قیامت) کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً آنیوالی ہے تم (اللہ کو) مغلوب نہیں کر سکتے

تفسیر اوپر کی آیت سے شبہہ ہوتا تھا کہ شاید پیغمبروں کو بھیجنے اور مخلوق کی اطاعت کرنے سے خدا کا کچھ ذاتی نفع ہے اس آیت میں اس شبہہ کا ازالہ فرمادیا کہ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ خدا کو نہ کسی کی اطاعت سے نفع ہے نہ سرکشی سے نقصان نہ پیغمبروں کو بھیجنے کی کچھ ذاتی ضرورت وہ ان تمام چیزوں سے غنی ہے بات صرف یہ ہے کہ وہ رحیم کریم ہے بندوں پر رحمت کرتا ہے اسلئے بندوں کے فائدہ کے لئے اُس نے انبیاء بھیجے کسی کو اس کا غرور نہ ہونا چاہئے کہ خدا ہماری عبادت کا محتاج ہے ہم نہ ہونگے تو اس کی اطاعت کون کریگا کیونکہ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ خدا کمزور نہیں اُس نے جس طرح گذشتہ اقوام کو فنا کیا اور اُن کی نسل سے دوسرے لوگوں کو پیدا کیا اسی طرح وہ ان لوگوں کو ہلاک کرکے دوسری نسل ان کی بجائے لا سکتا ہے۔ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ ایسا دن ضرور آئیگا کہ تمام دنیا فنا ہو جائے گی اور فنا ہو کر پھر پیدا ہوگی کوئی اُس کو اس فعل سے روک نہیں سکتا۔ ابن کثیر کے نزدیک يُذْهِبْكُمْ سے خطاب اہل مکہ کو ہے۔

مقصود بیان:۔ خدا کا کوئی فعل معلل بالغرض نہیں۔ انبیاء کو بھیجنے اور لوگوں کی اطاعت گذاری میں خدا کا کوئی ذاتی نفع نہیں۔ انبیاء کو بھیجنا اور اُن کے ذریعہ سے مخلوق کو ہدایت کرانا خدا کی رحمت ہے خدا قادر مطلق ہے۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ

(اے نبی) کہدو کہ لوگو تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) عمل کر رہا ہوں۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ

آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائیگا کہ دار آخرت کس کو ملتا

الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

ہے بلاشبہہ ظالموں کا بھلا نہیں ہوتا

تفسیر اوپر کی آیت میں وقوع قیامت کی نص قطعی تھی اور چونکہ وقوع قیامت کے مشرکین منکر تھے اسلئے بمزید وثوق نہایت تہدید کے ساتھ فرمایا کہ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ اے نبی ان سے کہدو کہ اگر تم قیامت کو سچ نہیں جانتے تو اپنے امکان بھر پوری طاقت کے ساتھ اپنی حالت کے موافق (جو کچھ چاہو) کئے جاؤ یعنی اپنی حالت کفر اور مخالفت حق پر جمے رہو میں بھی اپنی حالت پر نہایت وثوق سے قائم ہوں۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ عنقریب نتیجہ معلوم ہو جائیگا خود کھل جائیگا کہ نیک انجام کس کا ہوگا جو لوگ ناحق شناس بیجا حرکتیں کرنے والے ہوتے ہیں اُن کا انجام یقیناً اچھا نہ ہوگا یعنی جس نے شرک و کفر کیا وہ سعید نہ ہوگا۔ اس میں کفار پر تعریض ہے کہ اگر تم اسی حالت پر قائم رہے تو ہرگز فلاح نہ پاؤگے تمہارا انجام اچھا نہ ہوگا بلکہ اہل توحید کا انجام دین و دنیا میں نیک ہوگا (ابن عباسؓ) ابن کثیر فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ اپنے حبیب کے ساتھ پورا کر دیا۔ مکہ اور تمام جزیرۂ عرب کی فتح عنایت

فرمائی اور مشرکین و معاندین کو زیر کر دیا یہانتک کہ آپ کے خلفاء کے زمانہ میں بڑی بڑی سلطنتیں اقتدار اسلام میں دیدیں پھر اس کے علاوہ قیامت کے دن کافروں اور منکروں کا انجام برا ہوگا اور حسن عاقبت اہل ایمان و اسلام کو نصیب ہوگا۔

مقصود بیان: تہدید آمیز حکم۔ کفار کے انجام بد کی پیشین گوئی۔ اس امر کی صراحت کہ ظالم ناحق شناس کو نہ دنیوی فلاح حاصل ہوتی ہے نہ دینی۔ رحمت الٰہی عادل کے شامل حال ہوتی ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ

انھوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا ایک حصہ

نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

قرار دے رکھا ہے اور بزعم خود کہتے ہیں یہ اللہ کا ہے اور یہ

لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ

ہمارے اُن معبودوں کا ہے جو اللہ کے شریک ہیں پس جو کچھ اُن کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ اللہ کو

اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ

نہیں پہونچتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہونچ جاتا ہے

سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

یہ کیسا برا انصاف کرتے ہیں

تفسیر: ان آیات میں کفار عرب کی چند شرک آمیز حماقتوں کا بیان ہے اور پُرزور تردید بھی کی ہے۔ اس آیت کی شان نزول علماء نے مختلف بیان کی ہے لیکن مفہوم مشترک سب میں ایک ہی ہے:۔

(۱) عرب کا دستور تھا کہ کھیتی باڑی میں سے جو نیاز کرتے تو خط کھینچکر اُس کے دو حصے کر دیتے تھے ایک حصہ تو اللہ کا دوسرا بتوں کا اگر اللہ کے حصہ کی کھیتی زیادہ شاداب اور سرسبز ہوتی تو اُس کو بدل کر بتوں کے نام کی کر دیتے تھے اسی طرح جانوروں میں بھی کچھ حصہ اللہ کا رکھتے تھے اور باقی بتوں کا پھر اگر اللہ کے نام کا جانور موٹا تازہ ہوتا اور بتوں کے جانوروں میں رل مل جاتا تو اسکو علیحدہ نہ کرتے تھے لیکن بتوں کی طرف کی اچھی چیز کو اللہ کیطرف نہ بدلتے تھے۔ اگر کوئی شخص اُن سے اس کا سبب پوچھتا تو کہتے اللہ حاجتمند نہیں ہے اور ہمارے یہ بُت حاجتمند ہیں انکی حماقت ظاہر کرنے کو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) کفار عرب کچھ غلہ اور چوپائے بتوں کے لئے معین کر لیتے اور کچھ خدا کے لئے اُن کا اعتقاد تھا کہ جو حصہ بتوں کے نام کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہونچ سکتا یعنی اُن مصارف میں نہیں صرف ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمائے ہیں مثلاً محتاجوں مسکینوں کو صدقہ دینا مسافروں اور مہمانوں کو کھلانا۔ اہل قرابت وغیرہ سے سلوک کرنا۔ اور جو حصہ اللہ کے نام کا ہے وہ بتوں کو پہونچ سکتا ہے یعنی بتوں کی اصلاح اور بتخانہ کے خدمتگاروں کے صرف میں آسکتا ہے۔ حاصل یہ کہ اُن کا اعتقاد تھا کہ جو چیز بتوں کے نام کی ہے اُسکو تو بدستور اُس جگہ پر نام رکھنا چاہئے اور جو چیز اللہ کے نام کی ہے اُسکے تصرف میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

(۳) عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ کفار عرب کا دستور تھا کہ جو چیز اللہ کے نام کی قرار دیتے خواہ وہ ذبیحہ ہوتا یا غلہ وغیرہ اُس کو کبھی نہیں کھاتے جب تک کہ اُس کے ساتھ کسی بُت کا نام شریک نہ کر لیتے اور جو چیز اُن کے باطل معبودوں کے نام کی ہوتی اُس پر اللہ کا نام ذکر ہی نہ کرتے تھے اور یہ تقسیم اُن کی بہت ہی بُری تھی۔

(۴) غلہ وغیرہ کی الگ الگ ڈھیریاں لگاتے۔ کوئی ڈھیری اللہ کے نام کی اور کوئی بتوں اور شیطانوں کے نام کی ہوتی تھی اگر اللہ کے نام کی ڈھیری میں سے کچھ بتوں کی ڈھیری میں گر جاتا تو نہ نکالتے اور کہتے اللہ ہی نے اس میں مزید حصہ شامل کر دیا ہے اور اگر بتوں کی ڈھیری میں سے اللہ کے نام کی ڈھیری میں کچھ گر جاتا تو فوراً نکال لیتے اور کہتے یہ اللہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ یہی شان نزول اور مطلب آیات کے زیادہ مناسب ہے اگرچہ صحیح سب ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا کھیتی غلہ جانور وغیرہ پیدا تو سب کو کیا اللہ نے اور ان احمقوں نے حصہ مقرر کر دیا اُس میں بتوں کا یہ عجب حماقت ہے فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ پھر بتوں کے حصہ میں سے اگر کچھ خدا کے حصہ کی طرف گر جائے تو کہتے ہیں یہ خدا کو نہیں پہونچ سکتا اور اگر خدا کے حصہ میں سے بتوں کے حصہ میں کچھ پہنچ جائے تو کہتے ہیں یہ ہمارے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ یہ عجیب حماقت آمیز تقسیم ہے اور عجیب جاہلانہ فیصلہ ہے۔

تحقیق ضروری: ازہری اور مرزوقی کہتے ہیں کہ زعم کا استعمال اکثر ایسے امر میں ہوتا ہے جو مشکوک ہو متحقق نہو۔ ابن القوطیہ کا قول ہے زعم ایسی چیز میں استعمال ہوتا ہے جسکا حال معلوم نہو کہ حق ہے یا باطل۔ خطابی کہتے ہیں کہ اگر غیر ممکن بات کا دعویٰ ہو اور وہ چیز لائق گفتگو نہ ہو تو ایسے وقت میں لفظ زعم کا استعمال کیا جاتا ہے۔

ہدایت خاص: جو لوگ حضرت امام جعفر صادق یا شیخ سدو کے کونڈے کرتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر قربانی کرتے یا قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں یا غیر اللہ کی نذر نیاز کرتے ہیں اُن کو اس آیت سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

مقصود بیان: شرک فی العمل کی قطعی ممانعت۔ اس امر کی صراحت

کہ غیر اللہ کے نام کی کوئی چیز اُس کو نہیں پہونچتی یہ صرف گمان ہی گمان ہے۔ خدا ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے لہذا ہر نیاز نذر اُسی کے نام کی ہونی چاہیے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ

ایسے ہی بہتیرے مشرکوں کو اپنی اولاد کا قتل کرنا ان کے (خودساختہ)

اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ

شرکاء نے مستحسن کر دکھایا ہے تاکہ ان کو تباہ کر دیں اور

لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا

ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا

فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝

نہ کرتے تم ان کو چھوڑ دو یہ جانیں اور ان کی افتراپردازی

تفسیر یہ مشرکوں کی دوسری حماقت کا اظہار ہے۔ زمانۂ اسلام سے قبل عرب کے بیرحم جاہل اپنی لڑکیوں کو قتل کر دیتے اس قتل کی بنا دو خیالات پر تھی۔ اول تو یہ کہ لڑکی کمائی اور لڑائی اور قتل و غارت کر نہیں سکتی پھر اُس کو کھانے کو کس طرح دیا جا سکتا ہے اور کہاں سے دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ زندہ رہیگی تو اس کی شادی کرنی پڑے گی اور وہ دوسرے مرد کے تصرف میں آئیگی اور اس سے ہماری ذلت ہوگی۔ بالکل یہی جذبہ اور یہی رواج ہندوستان کے چھتریوں میں تھا بلکہ عرب کے مشرک اس سے بھی کچھ بڑھے ہوئے تھے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے اور اگر کوئی لڑکی ماں کے چھپانے کی وجہ سے شروع میں بچ جاتی اور آٹھ دس برس کی ہو جاتی اور پھر باپ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ زندہ ہے تو وہ کسی بہانہ سے اُس کو جنگل لے جاتا اور گڑھا کھود کر اُس کو اُس میں دبا دیتا وہ ہر چند روتی اور رحم کی درخواست کرتی مگر اُس ظالم بے رحم کو رحم نہ آتا۔ اس رواج کی مذمت اس آیت میں کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:-
وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ شیطانوں کا مقصد یہ ہے کہ ان کو ہلاک کر دیں یعنی ان کی آخرت تباہ کر دیں اور ان کے دین کو گڑبڑ کر دیں یعنی حق و باطل کا امتیاز ان کی نظر سے دور کر دیں یہی وجہ ہے کہ شیطانوں نے ان کو قتل اولاد پر آمادہ کیا اور اس فعل کو ان کی نظر میں مستحسن کر کے دکھایا اور نقصِ قتل اولاد کو بھی قابلِ استحسان نہیں قرار دیا بلکہ اس سے پہلے بھی ان کے عقائد و اعمال کو بگاڑ دیا۔ غرض یہ کہ یہ لوگ پہلے دین ابراہیمی اور طریق اسماعیلی پر تھے جب زمانہ زیادہ گذرا تو شیطان نے ان کا اعتقاد بگاڑ دیا پھر اعمال

صالحہ کے برعکس گناہ کی باتیں ان کی نظر میں رچائیں اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ اولاد کو قتل کرنے لگے اور اس فعل کو قابلِ استحسان جاننے لگے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ لیکن اگر خدا چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے۔

مقصود بیان: کفار کی حالت سقیمہ کا بیان۔ شیطان کے اغوا کی تصریح۔ اس امر کی نص کہ باطل کو حق اور غلط کو صحیح کر دکھانا شیطان کا کام ہے۔ کل چیزیں باطل ہوں یا حق خدا کی مشیت سے ہوتی ہیں کفار کی بہتان تراشی اور افترا بندی سے اعراض کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا

کہتے ہیں یہ چوپائے اور کھیتی اچھوتی ہے اس کو

يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ

سوا اُن کے جس کو ہم چاہیں اور کوئی نہیں کھا سکتا اور کچھ مویشی ایسے

حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ

ہیں جن کی پشت پر سواری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ چوپایوں (کے ذبح کے وقت)

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ

اللہ کا نام نہیں لیتے یہ سب باتیں اللہ پر افترا کر کے کرتے ہیں عنقریب اللہ ان کو

بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

ان کی بہتان تراشی کی سزا دے گا

تفسیر کفار عرب کی یہ تیسری حماقت آگین گمراہی کا اظہار ہے۔ کفار اپنے زعم باطل اور گمان غلط سے کچھ چوپائے اور کچھ کھیتیاں ایسی مقرر رکھتے تھے جن کا کھانا عورتوں کے لئے ناجائز اور مردوں کے لئے جائز سمجھتے تھے اور مردوں میں سے بھی صرف بتخانوں کے مجاوروں کے لئے اُن کا کھانا جائز ہوتا تھا۔ اسی حماقت کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے۔ ابن عباس۔ مجاہد۔ سدی ضحاک اور قتادہ کے نزدیک حجر کے معنی ہیں حرام۔ مَنْ نَّشَآءُ سے مراد ابن کثیر اور بیضاوی کے نزدیک مندروں کے مجاور اور بتوں کے خدمتگار ہیں۔ مطلب صاف ہے۔
وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا یہ چوتھی حماقت کا بیان ہے۔ عرب کے کافر بتوں کے ناموں پر کچھ سانڈ آزاد چھوڑ دیتے تھے جن پر سوار ہونا اور بار برداری کرنا ممنوع تھا۔
وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ یہ پانچویں حماقت کا اظہار ہے۔ کفار عرب بعض جانور مخصوص کر لیتے تھے جن پر کسی موقع میں اللہ کا نام نہ لیا جاتا تھا نہ دودھ نکالتے وقت نہ سواری

وبار برداری کے وقت اور نہ ذبح کے وقت۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ کچھ چوپائے ایسے مخصوص کرلئے جاتے تھے جن کو ذبح کرنے کے وقت بتوں کے نام لئے جاتے اللہ کا نام نہ لیا جاتا اور اس حکم کو وہ اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اسی حماقت کو آیت میں بیان کیا ہے کہ یہ بالکل افتراء ہے خدا نے ایسا حکم نہیں دیا خدا ان کی اس افتراء پردازی کی کچھ مدت کے بعد ضرور سزا دیگا۔

مقصود بیان: کفریہ رسوم کی بیخ کنی کی تعلیم۔ کوئی چیز ایسی مخصوص کرلینا جس کو مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں یا عورتیں کھائیں اور مرد نہ کھائیں بالکل ناجائز ہے۔ مثلاً بیوی کا کونڈا ناجائز ہے جس کو صرف عورتیں کھاتی ہیں مرد نہیں کھاتے یا بڑے پیر کی گیارہویں جس کا کھانا بھنگیوں چماروں وغیرہ کے لئے ناجائز ہوتا ہے۔ سانڈ چھوڑنا حرام ہے۔ سوار ہوتے یا ذبح کرنے یا دودھ دوہنے کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے وغیرہ۔

وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ

کہتے ہیں ان مویشیوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ

خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا

ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے ہماری عورتوں پر حرام ہے

وَاِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ

اور اگر وہ مردہ ہو تو سب اُس میں شریک ہیں عنقریب اللہ انکو ان کی

وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ○ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ

تقریروں کی سزا دیگا وہ بلاشبہ حکمت والا اور دانا ہے تباہ ہوگئے وہ لوگ جنہوں نے

قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا

اپنی اولاد کو بے سمجھے بوجھے بیوقوفی سے قتل کردیا اور جو روزی

مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا

اللہ نے اُن کو دی تھی اُسکو حرام ٹھیرالیا یہ سب کچھ اللہ پر افترا بندی کرکے کیا بلاشبہ

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ○ ع ۱۱

یہ لوگ گمراہ ہوگئے اور راستہ پر نہ آئے

تفسیر صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے کہ عرب کے جاہل کچھ حاملہ چوپایوں کو مخصوص کرلیتے تھے اور جو بچہ اُن کے پیٹ سے نکلتا اور وہ زندہ ہوتا تو اس کو ذبح کرلیتے تھے اور صرف مردوں کیلئے حلال سمجھتے عورتوں کو اُس میں سے کھانا حرام تھا اور اگر وہ مُردہ ہوتا تو سب کے لئے حلال سمجھتے اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ اس صورت میں مافی البطون سے صرف پیٹ کا بچہ مراد ہوگا۔ لیکن ابن کثیر نے ابن عباس اور شعبی وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ مافی البطون سے صرف بچہ ہی مراد نہیں ہے بلکہ جن جانوروں کو اہل عرب حرام سمجھتے تھے اُن کے دودھ کا وہی حکم سمجھتے تھے بحیرہ کا دودھ مرد کھاتے تھے عورتیں نہ کھاتی تھیں۔ اس تقدیر پر مافی البطون سے مراد پیٹ کا بچہ اور دودھ دونوں ہیں لیکن سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب روح المعانی کی تفسیر صحیح ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ:۔ وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا۔ اہل عرب کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے (بشرطیکہ وہ زندہ نکلے) تو وہ ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے عورتوں کے واسطے اُس کا کھانا حرام ہے۔ وَاِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ اور اگر مُردہ برآمد ہو تو مردوں عورتوں سب کے لئے حلال ہے۔ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ عنقریب اللہ اس دروغ بندی اور بیجا تحلیل و تحریم کی اُن کو سزا دیگا الخ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ قبائل ربیعہ و مضر اور نیز بعض دیگر قبائل بیٹیوں کو صغر سنی ہی میں زندہ قبر میں دفن کردیتے تھے اس خوف سے کہ عرب میں قتل قتال بہت ہے کہیں قید نہ ہو جائیں۔ نیز اُن کی شادی کرنی پڑیگی اور غیر مرد کے تصرف میں جائینگی اور یہ ذلت کا سبب ہوگا۔ اس کے علاوہ اُن کو اپنے افلاس کا بھی خیال ہوتا تھا کہ ان کو کھلا یا پلا یا کہاں سے جائیگا ان کی تردید میں یہ آیت اتری آیت کا مطلب ترجمہ سے صاف ظاہر ہے۔

مقصود بیان: حلال کو حرام جاننا یا حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے بہتان تراشی اور خدا پر افترا بندی سخت جرم ہے۔ قتل اولاد اور تحریم حلال سخت جرم ہے اس سے آدمی قطعی گمراہ ہوجاتا ہے۔ بے سمجھے بوجھے محض نادانی سے کوئی کام کرنا موجب ضلالت ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ

اُسی نے باغ پیدا کئے کچھ تو (بیل دار ہیں جو) ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور

غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا

کچھ ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے (اسی نے پیدا کئے) کھجور کے درخت اور کھیتیاں

اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

جن کے مزے مختلف ہیں اور زیتون اور انار جو کچھ تو ہم شکل ہوتے ہیں

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ

اور کچھ ہم شکل نہیں ہوتے (اور حکم دیدیا کہ) جب پھل آئیں تو کھاؤ

وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا

اور کاٹنے کے دن اُس کی زکوٰۃ ادا کرو اور بے جا خرچ نہ کرو

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝

اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

تفسیر

اوپر کی آیات میں مشرکوں کی حماقتیں اور گمراہیاں بزور دلائل کے ساتھ بیان فرمائی تھیں اور اُن کے تمام اوہام وخیالات کی تردید کردی تھی۔ اب یہاں سے کافروں کے باطل معبودوں کی معبودیت کی برہانی تردید فرماتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ خدا تعالیٰ نے باغات ایجاد فرمائے جن میں ہر قسم کا سبزہ اور درخت اُگائے کہیں ٹٹیوں پر بیلیں چڑھائی جاتی ہیں کہیں تنہ اور ڈنڈی پر درخت اور پودے قائم ہوتے ہیں وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ خدا نے کھجور کے درخت اور مختلف قسم کی کھیتیاں بھی پیدا کیں جن میں سے ہر ایک کی لذت جُدا جُدا ہے وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اور زیتون اور انار بھی پیدا کئے جن کی صورتیں تو باہم ملتی جلتی ہیں اور مزے جُدا جُدا کوئی کڑوا کوئی میٹھا اور کوئی کھٹا۔ كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ اور حکم عام دیدیا کہ جب پھل آئیں تو تم خود بھی کھاؤ اور مساکین کو بھی واجبی حق ادا کرو۔

ضروری تحقیق

معروشات وغیر معروشات کے معنی ابن کثیر نے یہ بیان کئے ہیں کہ زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں معروشات ہیں اور تنہ یا ڈنڈی پر کھڑے ہونے والے درخت اور پودے غیر معروشات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ جو بیلیں ٹہنیوں کھمبوں اور ٹٹیوں پر چڑھی ہوں وہ معروشات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد انگور کی بیلیں ہیں کچھ بیلیں تو ٹٹیوں پر چڑھی ہوتی ہیں اور کچھ زمین پر پھیلی ہوتی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں معروشات وہ درخت جو لوگوں نے لگائے ہوں اور غیر معروشات جنگل کے خودرو درخت۔ پھل کھانے کا حکم وجوبی نہیں ہے بلکہ بطور اباحت کے ہے یعنی پھلوں کا کھانا مباح ہے دل چاہے تو کھاؤ۔

توضیح مبحث

کھیتی یا پھلوں کے کٹنے کے دن اُن میں سے وجوبی حق مساکین کو دینے کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں

(۱) ابن عباس۔ عطاء۔ ابن عمر۔ مجاہد۔ سعید بن جبیر وغیرہم کا قول ہے کہ حق ادا کرنے سے مراد زکوٰۃ یعنی دسواں یا چالیسواں حصہ دینا ہے اس کو بقدر امکان کٹنے کے روز ادا کرے ورنہ بعد میں دیدے۔ آیت زکوٰۃ اگرچہ مدینہ میں پہونچکر دوسرے سال نازل ہوئی لیکن کوئی تعجب نہیں کہ کھیتی اور پھلوں کا عشر دینا مکہ میں واجب ہوگیا ہو۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس آیت سے زمین کے ہر قسم کے پیداوار اور ہر مقدار پیداوار میں خواہ کتنی ہی ہو عشر واجب ہے جمہور کے نزدیک پانچ وسق سے کم مقدار میں عشر واجب نہیں ہے۔

(۲) علی بن حسین۔ عطاء۔ مجاہد اور حماد وغیرہ کا قول ہے کہ علاوہ عشر ونصف عشر کے کھیتی کے کٹنے کے دن اُن غرباء ومساکین کو جو کھیت و باغ میں آجاتے ہیں کچھ نہ کچھ دیدینا ضروری ہے کیونکہ زکوٰۃ تو مدینہ میں فرض ہوئی اور یہ آیت مکی ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں اس زمانہ میں اسی پر فتویٰ دینا چاہئے کیونکہ عشر وزکوٰۃ کا طریقہ ہی لوگوں نے بند کر رکھا ہے۔

(۳) انس بن مالک۔ محمد بن حنفیہ۔ حسن بصری۔ نخعی۔ طاؤس۔ ابو الشعثاء جابر بن زید۔ ضحاک۔ قتادہ۔ ابن جریج اور سعید بن مسیب کا قول ہے کہ یہ حکم مکہ میں تھا۔ جب مدینہ میں عشر یا نصف عشر مقرر ہوا تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ کھیتی کٹنے کے دن صحابۂ کرام کچھ غلہ مسکینوں کو دیا کرتے تھے پھر انھوں نے اسمیں حد سے تجاوز شروع کیا اور بہت زیادہ دینے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریج کہتے ہیں یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے خرمہ کا باغ توڑا اور فرمایا آج میرے پاس جو کوئی آئیگا میں اس کو دونگا چنانچہ صبح سے شام تک مسکینوں کو دیتے رہے یہانتک کہ بال بچوں کے لئے ایک چھوارا بھی نہ بچا۔ اُس وقت عدم اسراف کا حکم ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ خیر خیرات میں اذن شرعی سے تجاوز مت کرو۔ آخر اہل وعیال کا بھی حق ہے اور فرائض اور حقوق شرعیہ سے جو کچھ بچے اُس کا صدقہ کرنا البتہ محمود ہے اسراف نہیں

تحقیق

لا تسرفوا کے معنی مختلف طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ ابن جریج نے بروایت عطاء بیان کیا ہے کہ ہر چیز میں اسراف مت کرو۔ ایاس بن معاویہ کہتے ہیں جس چیز میں تم حکم الٰہی سے تجاوز کرو وہ اسراف ہے۔ سدی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مال کو اس طرح مت دو کہ محتاج ہو کر بیٹھ رہو۔ سعید بن مسیب اور محمد بن کعب کا قول ہے کہ صدقہ دینے سے ہاتھ مت روکو لیکن اس صدقہ دینے میں پروردگار کی نافرمانی مت کرو۔ مقاتل کہتے ہیں کہ کھیتی اور چوپایوں میں بتوں اور شیطانوں کا حق مان کر اُن کو شریک نہ کرو۔ زہری کہتے ہیں اللہ کی نافرمانی کے طور پر خرچ نہ کرو۔ ابن جریر نے عطاء کی روایت کو پسند کیا ہے لیکن شان نزول کے مناسب سدی کی تفسیر ہے۔

مقصود بیان: انعامات الٰہی کا ذکر۔ نیرنگی قدرت کا اظہار پھل کھانے کی عام اجازت۔ باغوں کے پھل توڑنے اور کھیتی کاٹنے کے دن کچھ نہ کچھ مسکینوں کو

دیدینے کا حکم۔ کار خیر میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت۔ حقوق الناس کو علی حسب مراتب ادا کرنے کی طرف لطیف اشارہ۔ وغیرہ

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا

اُسی نے بعض چوپائے بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے (پست قد) پیدا کئے

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ

اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ

وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ اللہ نے آٹھ قسم کے جانور (نر و مادہ ملا کر) پیدا کئے

مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ

بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو

قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

(اے محمد) پوچھو کہ اللہ نے ان دونوں کے نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں کی مادہ کو یا

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـُٔــوْنِيْ

اُس بچہ کو جو ان مادیوں کے پیٹ میں لپٹا ہوتا ہے اگر تم

بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ

سچے ہو تو مجھے دلیل سے بتاؤ اور دو (نر و مادہ) اونٹ کے

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ

پیدا کئے اور دو (نر و مادہ) گائے کے (اے محمد) پوچھو کہ اللہ نے دونوں نروں کو

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ

حرام کیا یا دونوں مادیوں کو یا اُس بچہ کو جو مادیوں کے

اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ

پیٹ میں ہوتا ہے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا

اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ

تو کیا اُس وقت تم موجود تھے اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا

مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ

جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے بالتحقیق اللہ پر دروغ بندی

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ۧ

کرے اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

تفسیر

اوپر کی آیات میں بیان فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے باغات اور اُن کے اندر طرح طرح کے درخت اور مختلف پھل پیدا کئے اور سرسبز کھیتیاں پیدا کیں اور عام اجازت کھانے کی دی۔ اس آیت میں دوسرے انعام کا ذکر فرماتا ہے مشرکین عرب کے نزدیک اونٹ گائے بھیڑ بکری یہی چار قسم کے چوپائے حلال کرنے اور نیاز چڑھانے کے کام آتے تھے اور واقع میں بھی چوپایوں میں عموماً یہی کثیر الاستعمال ہیں انہی کا گوشت عموماً کھایا جاتا ہے۔ مشرکین انہی میں ناجائز رسوم کو دخل دیتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے ان آیات میں انہی چار چیزوں کی صراحت فرمادی

تحقیق

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حمولہ وہ بڑے اونٹ جن پر بوجھ لادا جاتا ہے اور فرش چھوٹے اونٹ (رواہ الحاکم) کذا قال ابن عباس و مجاہد۔ لیکن علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بیان کی ہے کہ حمولہ تو اونٹ گھوڑے خچر اور گدھے ہیں بلکہ وہ تمام جانور جن پر بوجھ لادا جاتا ہے۔ اور فرش سے مراد بھیڑیں اور بکریاں ہیں۔ ربیع بن انس۔ حسن بصری۔ ضحاک۔ قتادہ وغیرہم کا قول ہے کہ حمولہ اونٹ و گائے ہیں اور فرش بکریاں۔ زجاج کہتے ہیں اہل لغت کا اجماع ہے کہ فرش چھوٹے اونٹوں کو کہتے ہیں۔ ابن جریر نے علی بن ابی طلحہ والی روایت کو پسند کیا ہے۔ ان چوپایوں سے کھانے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ بطور اباحت کے ہے۔

شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم جو شیطانی اغوا میں آکر بعض چوپایوں کو حلال اور بعض کو حرام سمجھتے ہو اس کو چھوڑ دو یہ شیطان کا بہکاوا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے حلال کر دیا ہے اُس کو کھاؤ اور شیطان سے ہوشیار رہو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے تمہارے باپ کو جنت سے نکالا تم پر پاکیزہ گوشت کو حرام کیا جس کو تم نہیں کھاتے اور خون کو جمع کر کے اور اُس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر کھاتے ہو ایسا نہ کرو

نَبِّـُٔــوْنِيْ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ تحلیل و تحریم تم کس قاعدہ سے کرتے ہو۔ اگر نر ہونے کی وجہ سے تحریم کرتے ہو تو ہر نر حرام ہوا پھر بعض کی تخصیص کیوں کرتے ہو اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے تو ہر مادہ حرام ہونی چاہئے تخصیص بعض کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اشتمال رحم یعنی پیٹ کا بچہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے تو نر و مادہ دونوں حرام ہونے چاہئیں کیونکہ دونوں رحم کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔

اَمْ كُنْتُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس تحریم و تحلیل کو قیاسی نہ مانو بلکہ کہو کہ یہ تو اللہ کے حکم سے کی گئی ہے عقل و قیاس کو اس میں دخل نہیں اور چون و چرا کی

گنجائش بالکل نہیں تو اس کا کوئی ثبوت پیش کرو۔ ثبوت دو ہی قسم کا ہو سکتا ہے یا حرمت وحلت کا علم رسول کی معرفت ہوا ہوگا تو اس کے تم قائل نہیں یا حق تعالیٰ نے بلا واسطہ تم کو اس کا حکم دیا ہوگا تو بتاؤ ایسا کب ہوا۔ اور جب یقیناً ایسا نہیں تو پھر کیوں اللہ پر بہتان تراشی کرتے ہو۔

مقصود بیان :- انعام خداوندی کا اظہار۔ اونٹ گائے بھیڑ بکری وغیرہ جانوروں کے کھانے کی اجازت۔ شیطان کے طریقوں پر چلنے کی مدلل ممانعت۔ ان جانوروں کی حلت و حرمت کا ذکر۔ رسوم جاہلیت گمراہ کن ہیں۔ نہ ان کے واسطے کوئی عقلی دلیل ہے نہ شرعی برہان۔ کوئی دعویٰ کوئی دلیل کے ساتھ پیش کرنے کا حکم۔ آیت میں ایک نفیس دلیل ہے اس بات پر کہ شرعی قواعد اصول پر مبنی ہیں۔ متفرق باتیں خلاف قیاس خارج از ضابطہ نہیں ہیں۔ ہر تحریم و تحلیل میں شرعی حکم ہی معتبر ہے۔ اس سے قیاس اجتہاد کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ قیاس مجتہد اصل شرعی ہوتا ہے۔ خدا کا حکم نازل ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں بلا واسطہ اور بواسطہ۔ بلا واسطہ حکم الٰہی کا نزول ناممکن ہے۔ خود تراشیدہ کوئی حکم پیش کرنا اور اللہ کی طرف اسکو منسوب کرنا بدترین ظلم ہے۔ اس سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ اگر کسی کو شرعی مسئلہ کا علم نہ ہو اور اپنی رائے سے بتادے اور پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کرے تو یہ بھی قطعاً ناجائز ہے۔ وغیرہ۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى

(اے نبی) کہدو کہ میرے پاس جو وحی آئی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لئے

طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً

سوا اس کے کسی چیز کے کھانے کی حرمت مجھے نہیں ملتی کہ مردار ہو

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ

یا خون رواں ہو یا سور کا گوشت ہو کیونکہ یہ ناپاک ہے

اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

یا وہ گناہ (کا ذبیحہ) ہو جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو

تفسیر یہ کلام سابق کا تکملہ اور تحریم و تحلیل کے متعلق عقیدہ مشرکین کا رد ہے۔ اس آیت کے معانی مختلف طور پر بیان کئے گئے ہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ہم وہ شبہہ بیان کردیں جو بعض کوتاہ بین حضرات اس آیت سے کیا کرتے ہیں اور پھر اس کا ازالہ کر کے صحیح مطلب بیان کردیں۔

شبہہ اس آیت میں صرف چار چیزوں کی حرمت کا بیان ہے۔ مردار۔ جاری خون۔ سور کا گوشت۔ غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ۔ اور چونکہ اس آیت میں ان چیزوں کی حرمت لفظ اِنَّمَا سے بیان کی گئی ہے جو لفظ حصر ہے اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ یہی چار چیزیں شریعتِ اسلامیہ میں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں اور نہ ان میں سے کوئی چیز حلال ہے۔ پھر وہ تمام محرمات جو اہل فقہ بیان کرتے ہیں کس طرح حرام سمجھی جا سکتی ہیں۔ نیز مُردہ مچھلی اور ٹڈی کیوں حلال کہی جاتی ہے حالانکہ میتہ ہے اور ہر میتہ حرام ہے۔

ازالہ یاد رکھنا چاہئے کہ آیت میں چند باتیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں (۱) مشرکین کی از خود تحلیل و تحریم کا رد (۲) علیٰ طاعم کی قید۔ (۳) اُوْحِيَ اِلَيَّ کا صیغہ یعنی ماضی کا صیغہ بولنا (۴) آیت کا کلی ہونا۔ (۵) فَاِنَّهٗ رِجْسٌ سے تین اشیاء کی حرمت کی علت کا بیان کرنا اور غیر اللہ کے نام کے ذبیحہ کو فسق کہنا۔ اب ہم چند طور پر اس شبہہ کا ازالہ کرتے ہیں۔

(۱) مشرکین نے کچھ چیزیں از خود حلال و حرام بنا رکھی تھیں جن کی تردید اوپر کی آیت میں مدلل کردی گئی۔ اس آیت میں اس تردید کا تکملہ مقصود ہے یعنی رسول کو حکم ہوتا ہے کہ مشرکین نے جو بحیرہ سائبہ وغیرہ کو از خود حلال و حرام بنا رکھا ہے تم ان سے کہدو کہ تحلیل و تحریم اشیاء کے لئے تمہارا اختراعی فیصلہ کافی نہیں ہے وحی الٰہی میں تو تمہارے ان محرمات میں سے ایک کا بھی ذکر نہیں ہے ہاں یہ چار چیزیں حرام ضرور ہیں پھر تم نے کیوں وحی الٰہی کے خلاف ان خود تراشیدہ محرمات کو حرام قرار دے لیا۔ حاصل یہ کہ مشرکین کے عقائد اور ان کے حرام کردہ جانوروں کی تحریم کی تردید ہے نہ کہ کل محرمات کا بیان ہے۔

(۲) آیت میں علیٰ طاعم یطعمہٗ کا لفظ موجود ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس زمانہ میں اہل عرب جن جانوروں کو کھانے کے عادی تھے ان میں سے حرام جانوروں کا بیان مقصود ہے نہ کہ کل دنیا کی چیزوں کی حرمت حلت کا فیصلہ۔ اہل عرب اس وقت جہاں اور چیزیں کھایا کرتے تھے وہاں مردار۔ خون۔ سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ بھی کھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان چار چیزوں کی تحریم کردی اور باقی وہ اشیاء جن کو وہ کھایا کرتے تھے بدستور حلال باقی رہنے دیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دنیا کی اور کل چیزیں حلال ہیں۔ ہاں اس زمانہ میں عرب جن جانوروں کو کھانے کے عادی تھے ان میں سے اس وقت صرف یہ چار چیزیں حرام کردی گئیں اور شراب وغیرہ کو حلال چھوڑ دیا گیا اور پھر کچھ زمانہ کے بعد اسکو بھی حرام کردیا گیا۔

(۳) لفظ اُوْحِيَ ماضی کا صیغہ ہے اور آیت مکی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مکہ کے اندر نزول آیت کے وقت صرف انہی چاروں چیزوں کی حرمت ہوئی باقی اشیاء بدستور حلال چھوڑ دی گئی تھیں پھر رفتہ رفتہ بمصلحت اور چیزوں کی بھی حرمت ہوگئی گویا لفظ اِنَّمَا سے جو حصر مستفاد ہوتا ہے وہ صرف اس وقت تک کی وحی کے لحاظ سے ہے نہ کہ آئندہ کے لئے بھی۔ اس صورت میں دیگر آیات تفصیلیہ سے یہ آیت منسوخ سمجھی جائیگی۔

(۴) آیت میں مردار۔ خون جاری۔ اور سور کے گوشت کی تحریم کی علت یہ

بیان کی ہے کہ یہ چیزیں ناپاک ہیں اور غیر اللہ کے نام کے ذبیحہ کو فسق یعنی گناہ کا جانور قرار دیا۔ چونکہ دنیا کی کل چیزیں بیان نہیں کی جاسکتی ہیں لہذا قرآن پاک نے چند چیزوں کی حرمت بیان کرنے کے بعد ایک عام علت بیان فرما دی جس سے اشارہ اس طرف ہوگیا کہ ان کی حرمت کی یہ علت ہے اب جہاں یہ علت ہوگی وہاں حرمت کا حکم بھی ہوگا۔ مثلاً مردار میں مذکورہ ذیل جانور داخل ہیں باہم لڑ کر یا ٹکرا کر مرا ہوا جانور۔ پہاڑ سے یا بلندی سے گرا ہوا جانور۔ دریا میں کنوئیں میں تالاب میں ڈوب کر مرا ہوا جانور۔ درندوں کا پھاڑا ہوا جانور لٹھ سے مارا ہوا جانور۔ گلا گھونٹ کر مارا ہوا جانور یا کسی اور قسم کا مردار بہرحال سب ناپاک ہیں اسلئے حرام ہیں۔ سور کا گوشت ناپاک ہے اسلئے حرام ہے۔ سور کی ہڈی بال کھال وغیرہ ناپاک ہیں اسلئے حرام ہیں۔ تمام وہ درندے جن کی کچلیاں ہوتی ہیں ناپاک ہیں اس لئے حرام ہیں۔ خون جاری ناپاک ہے اسلئے حرام ہے۔ شراب وغیرہ نشہ کی چیزیں ناپاک ہیں اسلئے حرام ہیں ہر قسم کے سانڈھ مینڈھے بکرے وغیرہ جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جائیں چونکہ گناہ کے جانور ہیں اسلئے حرام ہیں۔

تلی اور کلیجی جاری خون نہیں اسلئے حرام نہیں۔ مُردہ مچھلی اور ٹڈی جھینگر وغیرہ چونکہ از روئے حدیث ناپاک نہیں اسلئے حکم حرمت ان کو شامل نہیں وغیرہ۔

بہترین حل جواب یہ ہے کہ اگر آیت میں محرّم سے قابل اکل حیوانات کا عموم مراد ہے تو اسکے بعد جو تحریم جانوروں کی کتاب و سنت سے ہوئی وہ بھی اسمیں داخل ہے۔ اور اگر محرّم سے مراد کل مطعومات محرّمہ ہیں خواہ وہ حیوان ہوں یا نہوں تو وہ چیزیں جو بعد کو کتاب و سنّت سے حرام قرار دی گئیں اس حکم میں شامل سمجھی جائینگی۔

مقصود بیان: — اُن چیزوں کا بیان جو ابتداءِ اسلام میں حرام کردی گئی تھیں۔ حرمت کی دلیل کی طرف نہایت بلیغ اشارہ۔ کفار کے مسلمات کی مدلل تردید۔ اس امر کی طرف لطیف ایما کہ اشیاء کی تحلیل و تحریم انسانی دماغ کا کام نہیں۔ کسی کے اختراعی فیصلہ سے کوئی چیز حلال ہوجاتی ہے نہ حرام بلکہ تحلیل و تحریم اشیاء کے لئے وحی ربانی اور فیصلۂ الٰہی کی ضرورت ہے۔ آیت میں باریک تلمیح اس طرف بھی ہے کہ احکام الٰہی بغیر علت و مصلحت و فوائد کے نہیں ہوتے اور نہ کوئی حکم شرعی خلاف عقل و قیاس و رفارق مصلحت ہے بلکہ ہر حکم کی ایک عقلی برہان اور پر فوائد مصلحت ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

ہاں جو کوئی مجبور ہو مگر نافرمانی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے تجاوز کرنے والا

فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(اسکے لئے یہ بھی جائز ہے) تمہارا رب غفور رحیم ہے

تفسیر اس آیت میں حکم اول سے استثناء اور سہولت کا اظہار ہے اوپر کی آیات میں چار قسم کی چیزوں کا کھانا حرام فرمایا گیا تھا کیونکہ وہ ناپاک اور خبیث تھیں اب ضرورت و شدیدبھوک کے وقت اُن کے کھانے کا جواز بیان فرمایا۔

اضطرار سے مراد شدت بھوک سے بیتابی ہے بشرطیکہ کوئی اور حلال چیز کھانے کو نہ ملے اور جان کے ہلاک ہونے کا [illegible]

غیر باغ ولا عاد کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جیسے دوسرے مضطر پر نہ کرے اور نہ سدرمق سے زائد کھائے کیونکہ جو شئے بضرورت حلال مقدار ضرورت پر ہی قائم رہتی ہے۔

غفور رحیم سے اس طرف اشارہ ہے کہ حرام کھانا تو بہرصورت [illegible] لیکن شرط مذکور کے مطابق کھایا جائے تو اس ارتکاب حرام کو خدا [illegible] فرما دیگا کیونکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے کوئی حکم مالا یطاق نہیں دیتا اور نہ ناقابل برداشت حکم کی تعمیل پر مجبور کرتا ہے۔

مقصود بیان: — بوقت مجبوری اکل حرام کی اجازت۔ حق سے تجاوز کرنے اور اعتدال سے ہٹنے کی ضمنی ممانعت۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ پروردگار تو درحقیقت خدا ہی ہے رزق کو اُس نے بقاءِ حیات کا ذریعہ بنایا ہے لہذا حلال رزق پر اکتفا رکھنا چاہئے لیکن چونکہ خدا اپنی مخلوق پر مہربان ہے اسلئے اگر شدتِ ضرورت کے وقت اس حکم کے خلاف کرلیا جائے گا تو وہ معاف کردے گا۔ وغیرہ۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي

یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیے

ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

تھے اور گائے بکری کی چربیاں بھی

عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا

سوائے اُس چربی کے جو پیٹھ پر لگی ہوئی ہو

أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ

یا انتڑیوں میں ہو یا ہڈیوں سے ملی ہوئی ہو حرام کر دی تھیں یہ

جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝

اُن کی شرارت پر ہم نے اُن کو سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں عام مشرکوں کی تحلیل و تحریم کا بیان اور

اُس کا رد و ذکر کیا گیا تھا۔ مشرکوں کی تحلیل و تحریم کسی قاعدہ و ضابطہ کے تحت نہ تھی بلکہ طبع زاد اور خود اختراعی تھی۔ یہاں یہودیوں کی حرمت مخصوصہ کا خصوصی ذکر ہے کیونکہ یہودیوں کے لئے جن چیزوں کو حرام کیا گیا تھا وہ خدا کی طرف سے کیا گیا تھا اور ایک ضابطہ کے تحت کیا گیا تھا اور اُن کے ظلم و بغاوت کی سزا میں تحریم ہوئی تھی۔

ابن عباسؓ کے نزدیک ناخن والے جانور سے وہ جانور مراد ہے جس کے کھر چرے ہوئے ہوتے ہیں اور پنجہ کشادہ ہوتا ہے خواہ وہ مویشیوں میں سے ہو جیسے اونٹ شتر مرغ وغیرہ یا پرندوں میں سے ہو۔

چربی سے مراد وہ چربی ہے جو اوجھ پر لپٹی ہوتی ہے یہ چربی یہودیوں پر حرام کر دی گئی تھی البتہ وہ چربی جو پشت سے لگی ہو۔ (سدی اور ابن جریج اور ابو صالح کے نزدیک پٹھے کی چکنی اس میں داخل ہے) یا وہ چربی جو آنتوں پر لپٹی ہو خواہ وہ آنتیں مینگنی والیاں ہوں یا نہوں اور وہ چربی جو ہڈی سے وابستہ ہو یہ سب یہودیوں کے لئے جائز تھی۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہودیوں کی ظلم و سرکشی کی وجہ سے ہم نے کھر چرے جانور کا کھانا یا اُسکو فروخت کرنا اور اُسکی قیمت کھانا حرام کر دیا تھا البتہ مخصوص قسم کی چربی حلال تھی جس کا ذکر آیت میں موجود تھا)

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے مذکورہ بیان اور ہر وعدہ وعید میں سچے ہیں۔ بعض مفسرین نے صادقون کے معنی عادلون بیان کئے ہیں یعنی ہم نے جو اُن کو سزا دی ہے اس سزا دینے میں عادل ہیں۔ ابن جریر نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے کہ اے محمد ہم نے جو تم کو خبر دی کہ یہودیوں کی مخالفت و نافرمانی کی وجہ سے ہم نے یہ چیزیں اُن پر حرام کر دی تھیں یہی صحیح ہے یہ قول غلط ہے کہ یعقوب نے خود اپنے اوپر کچھ چیزیں حرام کر لی تھیں۔

فقہی مسئلہ جس چیز کا کھانا حرام ہے اُس کی فروخت کر کے اُسکی قیمت کھانا یا کسی اور طرح سے اُس کا استعمال کرنا بھی حرام ہے کیونکہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ یہودیوں پر لعنت کرے اُن پر چربی حرام کر دی گئی تھی مگر اُنہوں نے پگھلا کر اُس کو فروخت کیا۔ ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدسؐ نے مردار کی چربی کا روغن کشتیوں پر کرنے اور اُسکو چراغوں میں جلانے کی بھی ممانعت فرما دی تھی۔

مقصود بیان:۔ یہودی بڑی سرکش قوم تھی۔ خدا تعالٰے احکام اور اصول معاشرت و معیشت میں تنگی خواہ مخواہ نہیں فرماتا ہے بلکہ اقوام کی سرکشی اور مخالفت اس کا باعث ہوتی ہے۔

خدا تعالٰی کا وعدہ اور وعید سچا ہے اُس کے کسی قول میں دروغ محال ہے۔ وغیرہ۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ

اس پر بھی اگر وہ تم کو جھٹلائیں تو تم کہدو کہ تمہارا رب بڑا وسیع رحمت والا

وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ

ہے اُس کا عذاب مجرم قوم سے نہیں

الْمُجْرِمِيْنَ ۝ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

ٹالا جا سکتا اب مشرک کہیں گے

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا

کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا

وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ

نہ ہم کسی چیز کو حرام کہتے اسی طرح ان سے پہلے لوگ بھی

مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ

تکذیب کرتے رہے یہاں تک کہ اُنہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ کہدو کیا

عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ

تمہارے پاس اسکی کوئی سند ہے تو ہمارے سامنے لاؤ۔ بس تم (اپنے) خیال پر

اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝

چلتے ہو اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہو

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ

کہدو کہ اللہ ہی کی دلیل پوری ہے اگر وہ چاہتا

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

تو تم سب کو ہدایت کرتا

تفسیر فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ مطلب یہ ہے کہ اگر یہودی شریعت محمدیہ کو نہ مانیں اور رسول اللہؐ کی رسالت کی تکذیب کریں تو اے محمد تم اُن سے کہدو کہ خدا تعالٰی نہایت وسیع رحمت ہے کہ تم کو اس تکذیب کی فوری سزا نہ دی بلکہ مہلت دی کہ سوچ سمجھ کر غور کر کے ایمان لا سکو اور اگر اس مہربانی سے بھی فائدہ نہ اٹھاؤ تو سمجھ لو کہ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ جس وقت عذاب الٰہی آئیگا تو پھر مجرموں کی رہائی ناممکن ہے۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا

وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ - عموماً بد باطن کوتاہ فہم منکرین خدا جب دلیل سے عاجز آجاتے ہیں تو تقدیر کا مسئلہ اور مشیت الٰہی کی بحث نکال کھڑی کرتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ اگر ہمارے کام اللہ کو پسند نہ ہوتے اور اُس کی مرضی کے مطابق نہ ہوتے تو وہ ہم کو کرنے نہ دیتا ہم کو ایسے کام کرنے سے روک دیتا غرض ایسے لوگ مشیت اور مرضی میں فرق نہیں سمجھتے۔ کفار مکہ بھی دلائل سے عاجز آکر ایسا ہی کہتے تھے اس آیت میں بطور پیشین گوئی پہلے ہی بتادیا گیا کہ "کفار ایسے پوچ عذر پیش کرینگے اور کہینگے کہ اگر اللہ کی مشیت نہوتی تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادے وہ ہم کو روک دیتا ہمارا شرک کرنا ہی اسپر دلالت کرتا ہے کہ اُسکو ہمارے یہ افعال پسند ہیں۔ نیز اگر اُس کی منشا نہوتی تو ہم کوئی چیز حرام نہ کرتے۔"
اس بیہودہ تو غیر آمیز قول کا رد خدا تعالیٰ نے فرما دیا کہ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ جو کچھ اللہ کی مرضی تھی وہ تو اللہ کے پیغمبروں کے ذریعہ سے ظاہر کر چکا اور لوگوں کو کامل اختیار دیدیا کہ نیک راہ اختیار کریں یا بُری راہ چلیں۔ البتہ یہ بتا دیا کہ نیک راہ چلنے والوں کا نتیجہ اچھا اور بُری راہ اختیار کرنے والوں کا نتیجہ بُرا ہوگا۔ اب جب پیغمبر اللہ کی مرضی پر چلنے کی ترغیب دینے کو دنیا میں آئے تو بُروں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور دیدہ و دانستہ بُری راہ اختیار کی تو وہ مجرم ٹھیرے اور خدا کی حجت اُن پر تمام ہوئی - قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ - رہا مشیتِ الٰہی کا سوال وہ بالکل دوسری چیز ہے مشیت کے واسطے مرضی لازم نہیں تمام کام مشیت کے موافق ہوتے ہیں لیکن مرضی کے مطابق نہیں ہوتے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سب راہ راست پر آجاتے لیکن اُس نے چاہا کہ لوگ اپنی مشیت و ارادہ سے راہ راست اختیار کریں۔ پھر جنھوں نے قصداً ہدایت اختیار نہ کی اور رسولوں کو جھٹلایا اور دیدہ و دانستہ بہکے اور اپنے باطل خیالات پر چلے اُن پر عذاب آنا چاہیئے تھا۔

نکتہ خاص هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی ہمہ گیر مشیت کی معرفت حاصل ہوا اور اُس کی مرضی کا بھی صحیح علم ہوا اور پھر تمام امور کو مشیت کے سپرد کیا جائے اور کسی چیز کو خدا کی مشیت سے خارج نہ سمجھا جائے تو کوئی جرم نہیں بلکہ عین حق ہے مگر صرف اٹکل و تخمین سے بغیر یقینی علم کے اندھا دھند مشیت و مرضی میں فرق نہ کرتے ہوئے شرک و معاصی کو بھی دائرۂ مشیت میں داخل کرنا باطل ہے۔

مقصود بیان:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت میں تسلی دی گئی ہے کہ ان تکذیب کرنے والوں کا فوری عذاب میں مبتلا نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ تکذیب کی سزا ان کو نہیں ملیگی بلکہ محض اسلئے ہے کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے وہ ان کو ایمان و اسلام کا موقع دینا چاہتا ہے ورنہ عذاب تو ایسا ضرور آئیگا۔ خدا تعالیٰ باوجود مخلوق کی نافرمانی کے اپنی نعمت بند نہیں کرتا بلکہ حلم فرماتا ہے لیکن اسپر بھی اگر لوگ سرکشی جاری رکھتے ہیں تو بالآخر عذاب میں ماخوذ ہونا لازم ہے اور اس وقت پھر رہائی ناممکن ہے۔

آیت سیقول الذین الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مشیت اور مرضی جدا جدا چیزیں ہیں۔ کفار دائرۂ مشیت میں ہر چیز کو داخل کر کے جو یہ نتیجہ نکالنا چاہتے تھے کہ تمام معاصی و شرک بھی مرضیٔ الٰہی کے مطابق ہے یہ نتیجہ غلط ہے۔ بندہ پر واجب ہے کہ خدا کے حکم کی پابندی کرے اور اسکی مشیت سے نہ لپٹے۔ کیونکہ مشیتِ الٰہی بندہ کے علم سے خارج اور اس کے فہم سے بالاتر ہے۔ آیت میں ایک پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف صحیح ہوئی۔ شریعت حقہ کے مقابل میں اختراعی دلائل پیش کرنا صرف اٹکل و تخمین پر مبنی ہوتا ہے۔ برہانِ کاملہ اور حجت تامہ خدا تعالیٰ پیش کر چکا۔ اللہ نے دنیا میں اپنے احکام، شرائع اور قوانین صرف تکمیل حجت اور کفار کے عذر کو دفع کرنے کے لئے نازل فرمائے۔ کوئی چیز خدا کی مشیت سے خارج نہیں مگر اس سے ہر چیز کو خدا کی پسند کے موافق قرار دینا غلط ہے وغیرہ

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ
کہدو کہ اپنے گواہ لاؤ جو گواہی دیں

اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا
کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام کردی ہیں پھر اگر وہ گواہی دے بھی دیں

فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ
تو تم اُن کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ اُن لوگوں کی خواہش پر چلنا

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
جنھوں نے ہمارے احکام کی تکذیب کی ہے اور آخرت کا یقین

بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ ع
نہیں رکھتے اور (مخلوق کو) اپنے رب کی برابر قرار دیتے ہیں

تفسیر کسی حکم کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے صرف دو ہی وجوہ ہوسکتی ہیں عقلی اور نقلی۔ عقلی وجہ تو اوپر ذکر کردی گئی اور اُس کا رد بھی ہوگیا یعنی کفار نے عقلی دلیل تو یہ پیش کی تھی کہ سب کچھ خدا کی مشیت سے ہوتا ہے اگر وہ چاہتا تو ہم کو ان افعال سے روک دیتا اور چونکہ اُس نے نہ روکا اس سے معلوم ہوا کہ یہ ہمارے افعال اور ہماری خود ساختہ تحلیل و تحریم اُسکو پسند ہے اور اُس کے حکم سے ہے۔ اس کا رد اس طرح کردیا کہ مرضی و مشیت میں فرق ہے ہر مشیت کی چیز کو مرضی کے مطابق سمجھنا غلطی

ہے یہاں وجہ نقلی کو اور اس کے رد کو بیان فرماتا ہے۔ وجہ نقلی یہ ہوسکتی تھی کہ کچھ اہل علم انبیار سے روایت کرتے ہوتے قائل ہوں کہ اللہ نے اس چیز کو حرام اور اس چیز کو حلال کیا ہے لہذا ہم اس حکم کے موافق تحلیل و تحریم کے قائل ہیں۔ اس کے رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا۔ اگر تمہارے پاس کوئی نقلی ثبوت ہو تو اپنے علماء کو بلاؤ جو اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے لیکن شہادت اہل ایمان کی ہونی چاہیے جو منکرانِ دین ہیں اُن کی شہادت ناقابل اعتبار ہے۔ اسی لئے اس کے بعد رسول پاک کو اور رسول کے واسطہ سے تمام امت کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ اگر یہ لوگ اس کی شہادت بھی دیں تو ان کی شہادت نہ مانو کیونکہ یہ خواہش کے بندے اور نفس پرست ہیں حقانیت و خلوص ان کے اندر نہیں۔ ان کا ایمان نہ خدا پر ہے نہ روزِ آخرت کی سزا جزا پر نہ احکام الٰہی کو یہ ماننے والے ہیں۔ ان کے نزدیک تو خدا اور دوسرے اشخاص برابر ہیں جس طرح یہ خدا کو تحلیل و تحریم کا مالک سمجھتے ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی ارباب حرمت و حلت جانتے ہیں۔

مقصود بیان: کسی عمل یا اعتقاد کے ثبوت کے لئے عقلی اور شرعی دلیل کی ضرورت ہے بغیر کسی دلیل کے کوئی اعتقاد یا عمل باطل ہے تحلیل و تحریم صرف خدا کا کام ہے کوئی انسان نہ محلل ہوسکتا ہے نہ محرم

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ

(اے نبی) کہدو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں

اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ

وہ چیزیں یہ ہیں کہ اللہ کا کسی چیز کو شریک نہ کرو اور والدین سے بھلائی

اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ

کرو — اور افلاس کی وجہ سے اپنے بچوں کو

اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَ

قتل نہ کرو — ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور انھیں بھی — اور

لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ

بے حیائی کی باتوں کے پاس بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا

مَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ

چھپی — اور جس جان کو (قتل کرنا) اللہ نے حرام کر دیا ہے

اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اس کو ناحق قتل نہ کرو — ان باتوں کا اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم

تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ

سمجھو — اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ

اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ

مگر اسی طور پر جو بہتر ہو یہانتک کہ وہ اپنی جوانی کو پہونچ جائے

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ

اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ

ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب بات کہو تو

فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ

حق کہو اگرچہ وہ قرابتدار ہی ہو اور اللہ کا

اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ

عہد پورا کرو اسی کا اس نے تم کو حکم دیا ہے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

تاکہ تم نصیحت پکڑو

تفسیر گزشتہ آیات میں کفار کے خود ساختہ محرمات کی تردید اور اُن کے عقیدہ کے خلاف دلائل قائم کرکے یہ ثابت کر دیا کہ تم تحریم و تحلیل کے مالک نہیں ہو لہذا تم کو اپنی طرف سے اشیار کو حرام حلال کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اب ان آیات میں فلاح دین و دنیا کے جو اصل الاصول ہیں اُن کو بیان فرماتا ہے اور بتانا چاہتا ہے کہ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ درحقیقت قابلِ اجتناب اور واجب الترک تو یہ چیزیں ہیں اچھا برا نتیجہ تو ان چیزوں کے ساتھ وابستہ ہے یہ نو امور ہیں (۱) اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ یعنی قولی فعلی اور اعتقادی شرک سے

پرہیز رکھو کسی طرح کا ذاتی و صفاتی شرک نہ کرو۔ عبادت و معاملات میں ہر قسم کے شرک جلی و خفی سے اجتناب کرو یعنی ہر نقل و حرکت خواب و بیداری اور نشست و برخاست میں اللہ ہی کو مؤثر حقیقی اور مقصود اصلی سمجھو۔ (۲) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ماں باپ سے پوری بھلائی کرو۔ ہر قسم کا اچھا سلوک اُن کے ساتھ کرو۔ یعنی ماں باپ کے ساتھ بُرا سلوک نہ کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہر طرح کی نیکی کرنی واجب ہے صحیحین میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے میں نے حضورؐ سے دریافت کیا سب سے افضل کون عمل ہے؟ فرمایا وقت پر نماز ادا کرنی۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون؟ فرمایا والدین سے بھلائی کرنا۔ (۳) وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ موجودہ افلاس یا خوف افلاس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو کیونکہ ہم ہی تم کو بھی ہمیشہ روزی دیتے ہیں اور دینگے اور اُن کو بھی۔ اُن کو کھلانے پلانے اور اُن کے شادی بیاہ کرنے کے خوف سے قتل کر دینا حرام ہے۔ آیت میں اولاد سے مراد لڑکیاں ہیں کیونکہ عرب کے بعض قبائل میں دستور تھا کہ جب لڑکی پیدا ہوتی تو اپنی ناداری کو دیکھتے ہوئے اُس کو قتل کر دیتے۔ پھر یہ بھی اندیشہ ہوتا کہ یہ پرائے گھر کی ہیں ان کو دوسرے مردوں کے تصرف میں جانا ہے اور اس سے ہماری قومی عزت میں کمی آئیگی۔ اس قسم کے دیگر خطرات بھی ہوتے تھے بہرحال لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ صحیحین میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے بڑا جرم کونسا ہے؟ فرمایا اللہ کا شریک بنانا باوجودیکہ اللہ ہی نے تجھکو پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا؟ فرمایا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا کہ وہ رزق میں تیرے ساتھ شریک ہو جائے گی۔ (۴) وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ کسی طرح کی بیحیائی کی بات نہ کرو نہ چھپ کر نہ کھلم کھلا۔ ابن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ اسی بنا پر اُس نے خفیہ و ظاہر فواحش کو حرام کر دیا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے حضورؐ نے فرمایا تم لوگ سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو قسم ہے اللہ کی میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھسے زیادہ غیرت والا ہے اسی وجہ سے اُس نے خفیہ و ظاہر فواحش کو حرام کر دیا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں لوگ خفیہ زنا کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ و علانیہ زنا کو حرام کر دیا۔ (۵) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ کسی شخص کو ناحق قتل نہ کرو جس کو قتل کرنا خدا نے حرام کر دیا ہے اُس کا خون نہ بہاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ شرعاً جس کو قتل کرنا جائز ہے اُس کے قتل میں تو کوئی ہرج نہیں ہے باقی اس کے علاوہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ مسلمان کا قتل سوا تین اسباب کے اور کسی صورت سے جائز نہیں یا تو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے یا کسی کو ناحق کیا ہو یا دین کو چھوڑ کر مرتد ہوا ہو حضرت عثمانؓ کو جب لوگ شہید کرنے لگے تو آپ نے فرمایا قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں نے زمانۂ جاہلیت یا اسلام میں کبھی زنا نہ کیا اور نہ دین کو بدلنا چاہا اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ (۶) وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ یتیم کے مال میں کوئی ایسا تصرف نہ کرو جو اُس کے لئے نقصان دہ ہو بلکہ اس طرح تصرف کرو جو مفید اور مصلح ہو اور یہ سلسلۂ اصلاح و افادہ یتیم کے بالغ ہونے تک جاری رکھو جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا مال اُس کے سپرد کر دو۔ (۷) وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ناپ تول میں کمی نہ کرو یعنی ناپ تول کے صحیح رکھنے کی نیت رکھو اور بقدر امکان کمی بیشی نہ کرو اور اگر باوجود نیت درست رکھنے کے ناپ تول میں کمی بیشی ہو جائے تو اُس کا مواخذہ نہ ہوگا۔ (۸) وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ بات سچی اور انصاف کی کہو خواہ تمہارے قرابتدار کا ہی اس میں نقصان ہو کسی کی رو رعایت نہ کرو۔ (۹) وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا قول و قسم اور وعدوں کو پورا کرو اور عہد الٰہی کو وفا کرو۔ خلاصہ یہ کہ احکام مندرجہ بالا کی تکمیل و تعمیل کرو۔ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ انہی کی خدا نے تم کو نصیحت کی ہے اور یہی قواعد واجب العمل ہیں۔

مقصود بیان:۔ شرک کی ممانعت۔ ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے کا حکم۔ اس بات کی طرف ایماء کہ رازق خدا تعالیٰ ہے اُسی کے ہاتھ میں کل عالم کا رزق ہے لہذا کسی کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فلاں شخص کا رزق ہمارے ہاتھ میں ہے ہم نہ دینگے تو وہ بھوکا مر جائیگا۔ ہر قسم کی بیحیائی کی ممانعت۔ خون ناحق کی حرمت یتیم کے مال کو خورد برد کرنے کی بندش۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ جہاں تک ممکن ہو یتیم کی بہبودی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس بات کی جانب ایماء کہ جوان ہونے کے بعد یتیم کا مال (بشرط عقل و فہم) اُس کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم۔ اس بات کی صراحت کہ آدمی مکلف بقدر طاقت ہے جو بات طاقت سے خارج اور امکان سے باہر ہے اُس کے کرنے پر آدمی شرعاً مجبور بھی نہیں۔ بلا رو رعایت سچی بات کہنے کا امر۔ ایفاء وعدہ اور عبادات و معاملات میں تکمیل فرض کا حکم وغیرہ۔

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ

اور یہ بھی (ارشاد ہوا) کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ وہ راستے تم کو اللہ کے راستہ سے

سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

جدا کر دینگے اسی کا تم کو اللہ نے حکم دیا ہے تاکہ تم (نافرمانی سے) بچو

تفسیر وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا یعنی ان نو امور پر کاربند ہونا اور ہدایت مذکورہ پر عمل کرنا اللہ تک پہونچانے والا اور زندگی کو پاکیزہ بنانے والا سیدھا راستہ ہے لہذا اسپر چلو اور سب ان امور پر متفق ہو

اِدھر اُدھر پگڈنڈیوں پر مارے مارے نہ پھرو کسی کو حلال اور کسی کو حرام اپنی طرف سے نہ کرو ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم میں پھوٹ پڑ جائیگی۔ ہر ایک کا راستہ جُدا اور شاہراہ عمل علیحدہ ہوگی اور راہِ خدا سے سب بھٹک جاؤگے اور سیدھے سادھے دین سے بہک جاؤگے۔ علی بن طلحہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ اس آیت میں نیز اسی طرح دیگر آیات میں خدا تعالیٰ نے مؤمنوں کو اتحاد و اتفاق کا حکم دیا اور اُن کو اختلاف و پھوٹ سے منع کیا اور آگاہ کر دیا کہ تم سے اگلے لوگوں کی تباہی کا سبب ہی یہ تھا کہ اُنہوں نے اللہ کے دین میں جھگڑے اور بحثیں نکال کھڑی کی تھیں۔ مجاہد اور دیگر سلف صالحین سے بھی اسی طرح مروی ہے کذا ذکرہ الحافظ ابن کثیر۔ ابن عطیہ نے فرمایا کہ پراگندہ راہوں میں کوئی تخصیص نہیں خواہ وہ یہودیت کی راہ ہو یا عیسائیت کی یا دیگر مذاہب کی یا اسلام کے دیگر مبتدع فرقوں کی۔ قتادہ نے فرمایا لوگو آگاہ رہو کہ سبیل الٰہی تو بس ایک مستقیم راہ ہے جو جنت تک پہونچاتی ہے اور یہی راہ جماعت ہے اور ہوشیار رہو کہ ابلیس نے متفرق راہیں نکالی ہیں اور وہ سب گمراہی کی راہیں ہیں اُن کی انتہا دوزخ پر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدسؐ نے اپنے دست مبارک سے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا یہ تو راہ الٰہی ہے جو راست و مستقیم ہے پھر اس خط کے دائیں بائیں بہت سی لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ بہت سی ٹیڑھی راہیں ہیں جن میں سے کوئی راہ ایسی نہیں جس پر کوئی شیطان نہ بیٹھا ہو وہ شیطان اسی کی راہ کی طرف بلاتا ہے پھر حضورؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (رواہ النسائی و احمد و الحاکم و البزار و ابن المنذر و ابن مردویہ وغیرہم)

مقصود بیان:- امور مذکورہ آیات بالا پر عمل کرنے کی بلیغ پیرایہ میں تاکید۔ دین اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب کے بطلان کی صراحت راہ اسلام کے سیدھا ہونے کی نص۔ اتحاد و اتفاق کی تعلیم۔ اور نفاق و اختلاف کی ممانعت۔ مختلف پراگندہ اور ٹیڑھے راستوں سے بچنے کی ہدایت وغیرہ

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی جو نیکی کرنے والوں کے لئے

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ

تکمیل نعمت تھی اور ہر (ضروری) چیز کی تفصیل تھی

وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ

اور ہدایت رحمت تھی تاکہ لوگ اپنے رب سے ملنے کا

یُؤْمِنُوْنَ ۝ ع ۱۹

یقین کرلیں

تفسیر یعنی احکام مذکورہ کی تعمیل صرف اُمت محمدیہ پر ہی واجب نہیں ہے بلکہ ہم ہمیشہ انبیاء کی معرفت اچھے بُرے اور نیک بد احکام کی صراحت کرتے رہے ہیں اور نہ یہ قرآن کوئی نئی کتاب الٰہی ہے بلکہ اس سے پہلے بھی مختلف انبیاء پر ہدایت خلق کے لئے آسمانی کتابیں آتی رہی ہیں چنانچہ موسیٰؑ کو ہم نے ایک کتاب دی تھی جو نیکوں اور نیکوکاروں کے لئے ناتمام و ناقص نہ تھی بلکہ دینی ضروریات اُس میں سب موجود تھیں اور معاشرت و اخلاق کے تمام ضروری احکام و قواعد اُس میں مذکور تھے اور لوگوں کی نجاتِ آخرت و سہولت دنیوی کے لئے ہدایت و رحمت تھی تاکہ لوگوں کو اُس کتاب کی تعلیم و قواعد ہدایت دیکھ کر اللہ کے پاس جانے کا یقین ہو جائے۔

حسن بصری اور مجاہد کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں نیک و بد دونوں طرح کے آدمی تھے اور توریت نیکوں یعنی مؤمنوں کے لئے نعمت کاملہ تھی اسی لئے آیت میں تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ فرمایا گویا الذی احسن سے مؤمنین مراد ہیں۔ ابن کثیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چونکہ نیکوں نے اطاعت الٰہی اور عبادت میں فرماں پذیری کی تھی اُس کے صلہ میں خدا تعالیٰ نے اُن کو توریت عطا فرمائی۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب اس طرح ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ اُن کو عطا فرمایا یعنی جو شریعت اُن کو عطا کی تھی اُس پر عمل کرنے میں اُنہوں نے درجۂ احسان کو ملحوظ رکھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مطلب اس طرح ہے جس نے مرتبۂ احسان کے موافق فرماں برداری کی آخرت میں اُس کے واسطے اللہ نے اجر پورا عطا کیا۔ ابن جریر نے الذی کو مصدریہ قرار دیا ہے گویا علی الذی احسن کے معنی علی احسانہ کے ہیں۔

مقصود بیان:- بحسن اسلوب قرآن کی حقانیت و صداقت کی نمائش۔ اس امر کی صراحت کہ توارت ناقص نہ تھی بلکہ دینی ضروریات اور معاشرتی قوانین اور دیگر معاملات اُس میں تفصیل وار مکمل طور پر موجود تھے۔

اس امر کی ضمنی وضاحت کہ توریت نعمت اور رحمت ضرور تھی مگر اُنہی لوگوں کے لئے رحمت تھی جو نیکوکار اور اطاعت شعار تھے۔ جو ازلی شقی اور نافرمان تھے اُن کو توریت سے کچھ فائدہ حاصل ہونا ناممکن تھا۔ وغیرہ

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ

اور یہ بھی ایک برکت والی کتاب ہے ہم نے اسکو اتارا ہے تم اس پر چلو

وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۙ اَنْ تَقُوْلُوْٓا

اور (نافرمانی سے) بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تاکہ تم یہ نہ) کہنے لگو

اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ

کہ بس کتاب تو ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر اتاری گئی تھی

قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ

اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ

یا یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی

لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ

تو ہم ضرور ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے سو تمہارے رب کی طرف سے تم پر

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ

دلیل اور ہدایت و رحمت آ پہونچی تو اب اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا

مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ

جس نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی اور ان سے کترایا

سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

جو لوگ ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں ہم ان کے کترانے کی پاداش

سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ

میں ان کو بری مار کی سزا دیں گے

تفسیر

طائفتین یعنی دو گروہوں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں جن پر توریت و انجیل نازل ہوئی تھی۔ رہی زبور تو وہ درحقیقت چند نصائح و مواعظ کا نمونہ تھی۔ کوئی جدید مجموعۂ قوانین نہ تھی بلکہ انہی احکام و شرائع کی مؤید تھی جو توریت میں مذکور تھے۔ ابن عباس سدی اور مجاہد و قتادہ وغیرہم کا یہی قول ہے۔ اہل عرب کا عموماً یہود و نصاریٰ سے اختلاط اور میل جول تھا بہت سے یہودی اور عیسائی جزیرۂ عرب میں آباد تھے لیکن انجیل و توریت کی اصلی زبان عربی نہ تھی اس لئے عام عرب اس کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ عیسائیت اور یہودیت کچھ تبلیغی مذہب بھی نہ تھے کہ تمام دنیا کے لوگوں پر ان کا ماننا اور ان پر عمل کرنا واجب ہوتا لہذا اگر قرآن پاک نازل نہ ہوتا تو ممکن تھا اہل عرب بطور عذر کہہ سکتے کہ اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ چونکہ کتب مقدسہ ہم سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں پر نازل ہوئی تھیں اور ہم ان کتابوں کی زبان سے نا واقف تھے اور نہ وہ تبلیغی عمومی مذاہب تھے کہ ہم پر ان کی زبان کا پڑھنا اور سیکھنا واجب تھا اسلئے ہم کو احکام الٰہی کا کیا علم ہو سکتا تھا۔ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ اگر بنی اسرائیل کی طرح ہماری ہدایت کے لئے کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو جاتے۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب تمہارے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا یہ بابرکت اور پُر رحمت کتاب ہم نے نازل کر دی لہذا اس کے احکام و قوانین پر چلو اور کفر و معاصی سے پرہیز کرو۔ اس میں تمام ضوابط و احکام کا بیان موجود ہے اور یہ محض خدا کی رحمت ہے۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ پس اس سے روگردانی کرنی اور دوسروں کو روکنا اور اس کو سچا نہ ماننا سخت ترین عذاب کا موجب ہے۔

مقصود بیان:۔ اتمام حجت۔ تبلیغ کی تکمیل۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ کتب سابقہ کے احکام عمومی نہ تھے۔ اس امر کی طرف ایما کہ اہل زبور کا کوئی مستقل گروہ نہ تھا بلکہ وہ بھی یہودیت کی ایک شاخ تھی۔ اس امر کی صراحت کہ اسلام درحقیقت دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اوامر کی تعمیل اور ممنوعات سے اجتناب احکام و قوانین پر چلنا اور کفر و معاصی سے پرہیز رکھنا۔ اس بات کی وضاحت کہ قرآن پاک میں (تمام ضروری قوانین و احکام کا) بیان ہے اور انسانوں کیلئے یہ ہدایت کاملہ ہے اور یہ محض خدا کی رحمت ہے نہ ہمارا کوئی استحقاق تھا نہ خدا پر واجب تھا۔ وغیرہ

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

کیا یہ اسی کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ موجود ہوں

اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ

یا تمہارا رب آ جائے یا تمہارے رب کی کوئی نشانی آ جائے

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا

جس روز تمہارے رب کی کوئی نشانی آجائیگی تو کسی ایسے شخص کو اُس کا

اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ

ایمان لانا سودمند نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا

كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَظِرُوْٓا

ایمان کی حالت میں اُس نے کوئی نیکی نہ کی تھی کہدو کہ تم منتظر رہو

اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝

ہم بھی منتظر ہیں

تفسیر آیت کا مطلب بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ بتا دیں کہ بعض آیات ربک سے کیا مراد ہے۔ اکثر اہل تحقیق کا قول ہے کہ بعض آیات سے مراد مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا قیامت اُس وقت تک بپا نہ ہوگی جب تک مغرب کی طرف سے آفتاب طلوع نہ ہوگا پھر جب لوگ اُس کو دیکھنگے تو روئے زمین کے لوگ مسلمان ہوجائینگے لیکن یہ وہ وقت ہوگا کہ جو شخص اس نشانی سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا اُس کو اُس وقت ایمان لانا سودمند نہ ہوگا (رواہ البخاری وبقیۃ الجماعۃ) بخاری کی دوسری روایت میں اتنا زائد ہے کہ پھر حضورؐ نے یہ آیت ھل ینظرون الخ تلاوت فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس نے مغرب سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے توبہ کی اُسکی توبہ قبول ہوگی (رواہ ابن جریر ولیس فی الکتب الستۃ واسنادہ جید) حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے یکایک حضور اقدسؐ نے غرفہ مبارک سے چہرہ باہر نکال کر فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لوگے۔ آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا اور دخان اور دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا خروج اور عیسیٰؑ ابن مریم کا نزول اور دجال کا ظہور اور تین اطراف میں زمین کا دھنسنا ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک جزیرۂ عرب میں اور عدن کے غار سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کر چلائیگی لوگ جہاں رات گذارینگے وہ وہاں رات کو ساتھ رہیگی اور جہاں دوپہر کو ٹھہرینگے وہ وہاں دوپہر کو ساتھ رہیگی (رواہ احمد والمسلم واہل السنن الاربعہ) حضرت ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ کے متعلق حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ وہ نشانی مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع ہے۔ سادیہ اور عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہجرت کے دو معنی ہیں ایک تو گناہوں سے ہجرت یعنی ترک گناہ۔ دوسرے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ہجرت کرنی ہر چیز کو چھوڑ کر۔ اور یہ ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک کہ توبہ قبول ہوگی اور توبہ اُس وقت تک برابر قبول ہوگی کہ آفتاب اپنے ڈوبنے کی جگہ سے طلوع کرے پھر جب آفتاب مغرب سے برآمد ہوگا تو ہر دل پر مہر ہوجائیگی۔ اُس (عقیدہ) کے بموجب جو اُس کے اندر ہوگا اور لوگوں کو اُن کے اعمال بس کرینگے یعنی طلوع آفتاب از مغرب کے بعد نہ کوئی نیا ایمان قبول ہوگا نہ کوئی نیا عمل۔ قال الحافظ ابن کثیر رواہ احمد باسناد حسن ولم یخرجہ احد من اصحاب الستۃ۔ ابن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ جس نشانی پر اعمال ختم ہونگے وہ مغرب سے طلوع آفتاب ہے۔ کمالین میں بیان کیا گیا ہے کہ بعض مفسرین کے نزدیک بعض آیات سے مراد عام ہے خواہ دخان ہو یا دجال یا دابۃ الارض کیونکہ ابن جریر نے باسناد جید حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا تین باتیں ہیں جب وہ ظاہر ہونگی تو ایسے کسی شخص کو اُس کا ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا اور نہ کسی کو اُسکی بھلائی مفید ہوگی جس نے ایمان کے ساتھ اس سے پہلے نیکی نہ کی ہوگی۔ اور وہ نشانیاں طلوع آفتاب از مغرب خروج دجال اور ظہور دابۃ الارض ہے وقد رواہ احمد ومسلم والترمذی وابن مردویہ۔

بہرحال روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض آیات سے مراد وہی آیات ہیں جو قرب قیامت میں رونما ہونگی اگرچہ قوی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف طلوع آفتاب از مغرب ہی مراد ہے۔ اب ہم آیت کا مفصل مطلب اور سلسلۂ ارتباط ظاہر کرتے ہیں۔ جب آیات مذکورۂ بالا میں توحید کے مضامین قرآن کی حقانیت کا اثبات ہر قسم کے شکوک کا ازالہ آخرت کی جزا سزا کا نقشہ اور تمام ترغیبی و ترہیبی صورتوں سے اتمام حجت کردیا گیا اور پھر بھی کافران سنگدل ایمان و اسلام کی طرف مائل نہ ہوئے تو اب ارشاد فرماتا ہے کہ:- هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ان لوگوں کو اب اور کسی بات کا تو انتظار معلوم نہیں ہوتا کیا اب اس انتظار میں ہیں کہ نزع کی حالت ہو جان نکل رہی ہو موت کے فرشتے سامنے آجائیں علامات موت ظاہر ہوجائیں اُس وقت ایمان لائیں یا خدا تعالیٰ خود قیامت کے دن ان کے سامنے آجائے اور خلائق کا فیصلہ کرے (تفسیر ابن مسعود و قتادہ و مقاتل) اُس وقت یہ ایمان لائیں یا کم از کم مقدمات قیامت آجائیں عمومی موت کے آثار و مبادی رونما ہوجائیں اُس وقت یہ ایمان لائیں حالانکہ جب موت عمومی کے آثار عمومی اور مقدمات قیامت ظاہر ہوجائینگے تو جو لوگ پہلے سے ایمان نہ لائے اُن کو فوری ایمان لانا مفید نہ ہوگا اور جن لوگوں نے اسلام و ایمان کے ساتھ پہلے سے نیک عمل نہ کئے تھے اُن کو اُس وقت نیک عمل کرنا سودمند نہ ہوگا۔ لہذا اے نبی تم ان کو اسی انتظار میں رہنے دو ان سے کہدو کہ تم یونہی (ہاتھ پر ہاتھ رکھے) تکتے رہو ہم بھی منتظر ہیں (مگر عمل بھی کرتے ہیں)

مقصود بیان:- بہترین طریقۂ تبلیغ۔ ایمان یا س کے غیر مفید ہونے

کی صراحت۔ کفار کی حماقت و بیوقوفی کی تصویر کشی۔ اس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ جہاں تک ہو سکے جلد از جلد ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنا چاہیئے ورنہ معلوم نہیں کہ کب موت یا قیامت آجائے اور اس وقت توبہ مفید نہ ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ وَکَانُوْا

جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقے بنالئے اور گروہ گروہ

شِیَعًا لَّسْتَ مِنْہُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُہُمْ

بن گئے تمہیں ان سے کچھ کام نہیں۔ ان کا معاملہ تو بس

اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○

اللہ کے حوالے ہے وہی ان کو بتا دے گا جیسا کچھ وہ کرتے تھے

تفسیر مجاہد ضحاک۔ قتادہ۔ سدی اور ابن عباس وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی لیکن ابو ہریرہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس امت کے گمراہ فرقوں کے بارہ میں ہے۔ دونوں روایتوں میں توفیق کی یہ صورت ہے کہ آیت تو درحقیقت یہودیوں اور عیسائیوں کے متعلق ہی نازل ہوئی لیکن اس امت کے اہل بدعت و ضلالت اور فرقہ پرست بھی اس میں شامل ہیں۔ گویا اس آیت میں تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا ایک کلمہ اور ایک جماعت ہونی چاہیئے باہم تفرقہ اور پھوٹ نہ ہونی چاہیئے۔ دین کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا چاہیئے ورنہ رسول پاکؐ کا ان سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور وہ ملت اسلامیہ سے خارج سمجھے جائینگے۔

معاویہ سے مروی ہے کہ حضور نے ایک روز کھڑے ہو کر تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا تم سے پہلے اہل کتاب تو بہتّر فرقے ہو گئے اور یہ امت عنقریب تہتّر فرقے ہو جائے گی جن میں سے بہتّر فرقے دوزخ میں جائینگے اور ایک فرقہ جنت میں جائیگا اور وہ فرقہ جماعت ہے (رواہ ابوداؤد والترمذی)

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا بنی اسرائیل کے بہتّر فرقے ہو گئے وہ سب دوزخ میں جائینگے سوا ایک فرقہ کے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور وہ (نجات پانے والا) کونسا فرقہ ہے؟ ارشاد فرمایا جو اس طریقہ پر ہوگا جس پہ میں اور میرے اصحاب ہیں (رواہ الترمذی نا فرجہ الحاکم وصححہ)

عرباض بن ساریہ سے مروی ہے ایک روز رسول پاکؐ نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی پھر ہم کو ایسی پاکیزہ نصیحت فرمائی کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل دہل گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو رخصتی نصیحت معلوم ہوتی ہے لہذا حضور ہم کو کچھ وصیت فرمائیں۔ ارشاد فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور حاکم کی فرمان پذیری کرتے رہو خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہو کیونکہ جو شخص تم میں سے زندہ رہیگا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا پس اس وقت تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پکا زبند رہو اور دانتوں سے اسکو خوب مضبوط پکڑے رہو اور بدعتوں سے بچتے رہو (دین) میں نکالی ہوئی ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (رلخ الحدیث فی الصحاح) غرض جن لوگوں نے دین میں پھوٹ ڈالی اور فرقہ فرقہ ہو گئے ان سے اپنے رسول کو بری فرما دیا۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْہُمْ فِیْ شَیْءٍ جن لوگوں نے دین میں پھوٹ ڈالکر ٹکڑے ٹکڑے کرلئے اور فرقے فرقے بن گئے ان کا تم سے کوئی تعلق نہیں تم ان سے تعرض نہ کرو خدا پر چھوڑ دو اِنَّمَآ اَمْرُہُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ان کا رجوع خدا کی طرف ہے وہی ان کے اعمال کا اظہار کرے گا اور ان کی پاداش دے گا۔

مقصود بیان: فرقہ پرستی کی ممانعت اور فرقہ پرستوں کو وعید۔ اس امر کی صاف وضاحت کہ دین میں پھوٹ ڈالنے والے اہل بدعت و ضلالت کا ملت اسلامیہ اور رسول اقدسؐ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر وہ مدعی اسلام ہوں مگر اسلام کی بیخکنی کر رہے ہوں اور شیرازہ اسلام کو بکھیر رہے ہوں اور وحدت اسلامیہ کو تباہ کر رہے ہوں تو وہ خبیث ترین کافر ہیں۔ وغیرہ۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِہَا

جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کو نیکی سے دس گونہ (اجر) ملے گا

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا

اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا اس کو بس بدی کی برابر ہی سزا

مِثْلَہَا وَہُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ○

ملے گی ان پر ظلم نہ ہوگا

تفسیر ابن مسعود کے نزدیک حسنہ سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ اور سیئہ سے مراد شرک ہے۔ اول الذکر کے قائل ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ بھی ہیں لیکن دیگر مفسرین کا خیال ہے کہ کلمۂ طیبہ افضل الحسنات ضرور ہے لیکن آیت میں ہر نیکی مراد ہے۔ اسی طرح سیئہ سے مراد عام گناہ ہے خواہ شرک ہو یا کوئی چھوٹا گناہ۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ تمہارا پروردگار رحیم ہے جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور پھر اس کو نہ کیا اس کے واسطے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اس نے وہ نیکی کرلی تو دس گونہ سے سات سو تک نیکیاں اس کی لکھی جاتی ہیں اور جس نے کسی بدی کا ارادہ کیا مگر اس کو نہ کیا تو اس کے واسطے ایک نیکی لکھی جاتی ہے لیکن اگر اسکو کر گذرا تو ایک بدی لکھی جاتی ہے یا اللہ اسکو محو کر دیتا ہے (رواہ البخاری ومسلم والنسائی) ابن کثیر کا قول ہے کہ کسی گناہ کو ترک کرنے والا

تین طرح کا ہوتا ہے:- (۱) وہ جس نے گناہ کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا۔ اللہ اس کے واسطے نیکی عطا فرماتا ہے (۲) وہ جس نے بھول کر گناہ کرنا چھوڑ دیا۔ ایسے آدمی کو نہ عذاب ہے نہ ثواب (۳) وہ جس نے بدی کرنے کی اپنی طاقت کے موافق کوشش کی اسباب گناہ فراہم کئے لیکن مجبوری سے نہ کر سکا۔ اس شخص پر ایک گناہ کا عذاب ہوگا۔

حزیم بن فاتک ازدی سے مروی ہے کہ حضور ؐ نے فرمایا آدمی چار طرح کے ہوتے ہیں اور اعمال چھ طرح کے۔ چار طرح کے آدمی تو یہ ہیں:- اول وہ شخص جس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں وسعت ہے۔ (۲) وہ شخص جس کے لئے دنیا میں وسعت اور آخرت میں تنگی ہے (۳) وہ شخص جس کے لئے دنیا میں تنگی اور آخرت میں وسعت ہے (۴) وہ شخص جس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں تنگی ہے۔ اور اعمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو مسلمان مؤمن مرا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو اس کے لئے جنّت واجب ہوگئی۔ اور اگر کافر مرا تو دوزخ واجب ہوگئی۔ اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن کر نہ سکا اور اللہ کو معلوم ہے کہ نیکی کا خیال اُس کے دل میں جم گیا تھا اور وہ نیکی کرنے کا حریص تھا اُس کے لئے ایک نیکی لکھی جائیگی۔ اور جس نے بُرائی کا ارادہ کیا لیکن کی نہیں اُس کی بُرائی نہ لکھی جائیگی۔ اور جس نے بُرائی کرلی اُس کی ایک بُرائی ہی لکھی جائیگی اور جس نے ایک نیکی کرلی اُس کے واسطے دس گونہ یعنی بہت زیادہ لکھی جائیگی۔ اور جس نے راہ خدا میں کچھ خرچ کیا تو سات سو گونہ اجر لکھا جائیگا (رواہ احمد وقد رواہ النسائی والترمذی بالبعض)

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا جس نے نیکی کی اُس کو دس گونہ اجر ملے گا۔ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا اور جس نے بدی کی اُس کو اُس کے گناہ کے موافق سزا ملیگی زیادہ نہ ملیگی۔ حق تعالیٰ کسی کا نہ ہوئی نہ نیک کی نہ بدکی۔

مقصود بیان:- رحمتِ عامّہ کی وضاحت۔ عدلِ الٰہی کی صراحت خدا کے ظالم نہ ہونے کی نفی۔ اس بات کی طرف ایماء کہ اللہ کی خلاقی اور ربوبیت کا تعلق تمام سرکش و فرمان پذیر مخلوق سے مساوی ہے۔ فرق ہے لوگوں کے اعمال کا۔ خدا کو نہ کسی سے ذاتی دشمنی ہے نہ فی نفسہ عناد۔ بلکہ اعمال کے تفاوت کی وجہ سے لوگوں کی سزا جزا مختلف ہوگی۔ وغیرہ۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

(اے محمد) کہدو کہ بلاشبہ مجھے میرے پروردگار نے سیدھی راہ دکھادی

دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ

یعنی دین صحیح بتادیا جو ابراہیم کا طریقہ ہے جو ایک ہی کے ہو رہے تھے اور

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَ

مشرکوں میں سے نہ تھے　کہدو کہ　میری نماز اور

نُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ

میری سب عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو رب

الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ

العالمین ہے　اُس کا کوئی شریک نہیں　اسی کا

أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ درحقیقت دین ایک ہی تھا۔ لیکن اہل کتاب نے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہر ایک ایک فرقہ بنا کر بیٹھ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دین توحید پر کوئی قائم نہیں رہا۔ لہٰذا رسول کا اُن میں سے کسی سے تعلق نہیں۔ اب یہاں بیان کرتا ہے کہ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ رسول کا اُن سے کچھ تعلق نہیں بلکہ تعلق دین ابراہیمی سے ہے۔ ابراہیم شرک سے پاک اور ہر طرح کی دینی تفریق اور پرستش غیر اللہ سے مبرّا تھے وہ تمام جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر یکسو ہوگئے تھے۔ اے رسول تم ان (کافروں سے) کہدو کہ خدا نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا وہ دین راست بتا دیا جو ابراہیم کا تھا۔ میں نے غیر اللہ کو چھوڑ دیا۔ ہر جھوٹے معبود سے منہ موڑ لیا قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ میری نماز اور ہر قربانی زندگی اور موت اللہ ہی کے لئے ہے یہی مجھے حکم ملا ہے اور اس زمانہ کے علمبردارانِ توحید میں سے سب سے پہلا فرمان پذیر و مسلم میں ہی ہوں۔

نُسُك کے معنی ہم نے قربانی بیان کئے ہیں۔ سعید بن جبیر ضحاک سدی اور مجاہد کا یہی قول ہے اور ممکن ہے کہ نُسُك کے معنی مطلق عبادت کے لے لئے جائیں۔

مقصود بیان:- اس امر کی صراحت کہ ابراہیمؑ مشرک نہ تھے۔ دنیا کو چھوڑ کر غیر اللہ کے رشتہ کو توڑ کر ایک خدا کے ہوگئے تھے۔ اُن کا دین درست اور راستہ سیدھا تھا۔ اس بات کی وضاحت کہ اسلام درحقیقت دین ابراہیمی ہے مسلمان کا مقصد اصلی یہی ہونا چاہئے کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ

کل عبادات معاملات یہانتک کہ اپنی زندگی و موت بھی خدا ہی کے لئے مخصوص کر دے۔ وغیرہ۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ

کہدو کیا غیر اللہ کو میں رب بنانا چاہوں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ

اور جو شخص برا عمل کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا کوئی شخص

وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائیگا پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○

لوٹ کر جانا ہے وہی تم کو ان چیزوں سے آگاہ کر دیگا جنمیں تم اختلاف کرتے تھے

تفسیر اوپر کی آیات میں کس خوبی سے مضامین توحید بیان کئے گئے تھے اور اخیری فیصلہ بھی صادر کر دیا گیا تھا کہ یہ تفریق دینی ٹھیک نہیں۔ نہ یہودی حق پر ہیں نہ عیسائی۔ نہ دوسرے مشرک بلکہ دین حق دین توحید ہے جو خاص مذہب ابراہیمی تھا۔ اب کہ یہ بت باری اور صداقت رسول کی دلیلیں بیان کرتا ہے۔ چونکہ تمام مشرک اور کل عیسائی یہودی وغیرہ باوجود پرستش غیر اللہ کے اس بات کے قائل ضرور تھے کہ کل چیزیں خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی سب کا پروردگار کارساز ہے اس لئے انہی کے مسلمہ کو پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔ جب یہ سب چیزیں اسی اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی سب کا موجد مربی اور قاضی الحاجات ہے تو پھر اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک کیسے کیا جا سکتا ہے۔ مخلوق و خالق مربوب و رب قاضی و مقضی کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد صداقت رسول کی دلیل پیش کرتا ہے اور کفار کے شبہ کو زائل فرماتا ہے کہ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ذرا اس پر بھی غور کرو کہ تم کو دعوت اسلام دینے میں رسول کا ذاتی فائدہ کیا ہے۔ نہ تمہارے انکار سے اس کو نقصان پہونچتا ہے نہ اقرار سے فائدہ کیونکہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى جو کوئی برائی کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے اس کا وبال اسی کو بھگتنا ہوگا۔ کوئی شخص قیامت کے دن کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائیگا۔ معلوم ہوا کہ دعوت اسلام محض تمہارے فائدہ کے لئے ہے مانوگے فائدہ اٹھاؤگے نہ مانوگے نقصان پاؤگے۔ اس کے بعد کافروں کو صداقت رسول کا مزید اطمینان دلانے کے لئے فرماتا ہے کہ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ آخرکار تم کو خدا کے پاس جانا ہے یہاں جو دل چاہے کہے جاؤ اور جسقدر تفریق دینی کر سکتے ہو کرو۔ قیامت کے دن ان اختلافات کا خدا خود فیصلہ کر دیگا اور بتا دیگا کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ رسول کا جھوٹ سچ تم کو وہاں معلوم ہو جائے گا۔

آیت وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا سے ان مشرک جاہلوں کا ضمنی رد ہو گیا جو ایک شخص کے مواخذہ میں اس کے عزیز و اقارب کو ماخوذ کرتے تھے۔ نیز اس سے نصاریٰ کے اس عقیدہ کا بھی رد ہو گیا کہ عیسائی امت آزاد ہے جو کچھ دل چاہے کرے مسیح نے ان سب کے گناہ اٹھا لئے ہیں۔

مسئلہ:- آج کل عام جاہل مسلمانوں نے بلکہ بعض پڑھے لکھے لوگوں نے بھی یہ طریقہ نکال لیا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجاتا ہے تو کسی شخص کو روپیہ دو روپیہ من دو من غلہ یا کوئی اور چیز مردہ کے وارث دیدیتے ہیں اور جنازہ اٹھنے سے قبل وہ شخص لوگوں کے سامنے اقرار کرتا ہے کہ اس مردہ پر جو کچھ فرائض واجبات تھے اور اس نے ان کی ادائیگی میں کوتاہی کی تھی ان سب کو میں اپنے اوپر لیتا ہوں۔ یہ رواج بالکل بے بنیاد اور باطل ہے۔ یہ دونوں آیات نیز دیگر قرآنی نصوص اس کا صاف انکار کر رہی ہیں۔ البتہ دعاء مغفرت یا ایصال ثواب کے لئے غریبوں کو کھلانا اور بات ہے۔ لیکن اس سے مردہ کے گناہ کسی دوسرے پر نہیں پڑ جاتے۔ بلکہ امید ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرما دے گا۔

آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى سے ولید بن مغیرہ کے اس قول کا بھی رد ہو گیا جو عام لوگوں کو مخاطب کر کے وہ کہا کرتا تھا کہ اے برادران قریش اور اے باشندگان عرب میری پیروی کرو اور میرا کہنا مانو۔ اگر تمہیں گناہ کا اندیشہ ہے تو اطمینان رکھو تم سب کے گناہ میں اپنی گردن پر رکھ لوں گا۔

مقصود بیان: معبودیت باری اور دعوت رسول کی حقانیت کی احسن پیرایہ میں وضاحت۔ کفار اہل کتاب اور مشرکوں کے عقیدہ کفارہ کا رد۔ اس امر کی صراحت کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ جو کرے گا پائیگا۔ کوئی کسی کے کام نہ آئیگا۔ کسی کا گناہ کسی پر نہیں پڑ سکتا۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ صرف گمراہ ہونے کا انسان کو خمیازہ برداشت کرنا ہوگا گمراہ کرنے کی کوئی سزا نہ ملے گی۔ کیونکہ ایسا سمجھنا حدیث رسول کے قطعی خلاف ہے۔ حضور ؐ نے فرمادیا ہے کہ جو کوئی برا کام ایجاد کرتا ہے تو جب تک وہ برا طریقہ دنیا میں رائج رہیگا اور لوگ اس پر عمل کرتے رہینگے سب کے گناہ کی برابر وبال اصل موجد پر ہوگا۔ لیکن وہ کرنے والے بھی اپنے کئے کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ مرتکب گناہ کی سزا موجد گناہ پر اس طرح پڑ جائے کہ مرتکب آزاد ہو جائے

ایسا ناممکن ہے۔ وغیرہ۔

ثُمَّ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَ

اُسی نے تم کو زمین میں نائب بنایا ہے اور

رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ

تم میں ایک کے دوسرے پر درجات بلند کئے تاکہ اپنی دی ہوئی چیز میں

فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ

تمہاری آزمائش کرے تمہارا رب بیشک جلد سزا دینے والا ہے

وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ○ ع ۲۰ / ۱۱

اور وہ واقعی غفور رحیم ہے

تفسیر مکہ کے دولتمند مشرک نادار مسلمانوں کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ دیکھو ہم اپنے معبودوں کی بدولت اس قدر مرفہ الحال ہیں۔ یہ معبود خدا کی طرف سے کارساز ہیں جس طرح دنیا میں بادشاہ کا عملہ کارساز ہوتا ہے بغیر اُن کے بادشاہ کچھ نہیں کرسکتا۔ مسلمانوں نے اُن کو چھوڑ دیا اسلئے افلاس و تنگدستی میں گرفتار ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اللہ ہی نے تم کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہے یعنی ایک مرتا ہے دوسرا اُس کی جگہ قائم ہوتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اُس نے اپنا خلیفہ تم کو زمین پر بنایا اور مال و اولاد عزت و آبرو اور علم و جہل کے اعتبار سے ایک کو دوسرے سے مختلف کیا۔ کسی کو مفلس کسی کو جاہل کسی کو عالم کسی کو صاحب اولاد اور کسی کو بے اولاد کیا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ اُس کے خزانہ میں کچھ کمی ہے یا نعوذ باللہ وہ بخیل ہے یا لوگوں کی حالت سے ناواقف ہے بلکہ اس تفاوتِ درجات سے مقصد یہ ہے کہ کھلم کھلا تمہاری آزمائش ہو جائے کہ کون نعمتوں کا شکر اور مصیبتوں پر صبر کرتا ہے اور کون ناشکر و بے صبر بنتا ہے۔ کون عاصی ہے کون مطیع۔ اب جو شخص اُسکی نافرمانی و کفرانِ نعمت کریگا اور اللہ اُسکو عذاب دینا چاہیگا تو دم کے دم میں عذاب دیدیگا کوئی چیز عذاب دینے سے مانع نہیں ہوسکتی۔ اور جو اس کی اطاعت و فرمان پذیری کریگا نعمت کا شکر اور تکلیف پر صبر رکھیگا اُس کو اللہ بخش دیگا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رض سے مروی ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا دنیا ہری بھری اور میٹھی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس میں خلیفہ کرنے والا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم اس میں کیسے عمل کرتے ہو پس تم دنیا سے بچے رہنا اور (خصوصیت کے ساتھ) عورتوں کے فتنہ میں بھی نہ پڑنا۔ کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں سے شروع ہوا۔ (رواہ مسلم)

مقصود بیان: نعمت میں شکر اور مصیبت پر صبر کرنے کا حکم۔ دنیوی ترقی کے اسباب کو موجب صداقت و حقانیت سمجھنے کی ممانعت۔ خلائف الارض کی مکمل توضیح بہت طویل ہے۔ ہر قسم کی دینی و دنیوی جانشینی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

سُورَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ آيَاتٍ وَأَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۂ اعراف مکہ میں نازل ہوئی اس میں دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

یہ سورت مکی ہے لیکن آٹھ آیات (واسألهم عن القرية سے لیکر واذ نتقنا الجبل فوقهم تک) بہت سے اہل تفسیر کے نزدیک مکی نہیں ہیں۔ ابن عباس و ابن زبیر سے یہی مروی ہے۔ حسن بصری، مجاہد، عکرمہ، عطاء اور جابر بن زید کا بھی یہی قول ہے۔ اس سورت کے کلمات ۳۳۲۵ ہیں اور حروف ۱۴۳۱۰ ہیں۔ اس سورت میں کوئی آیت منسوخ نہیں سب محکم ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

الٓمّٓصٓ ۝ كِتَابٌ أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ

المص۔ یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعے

فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ لِتُنْذِرَ بِهِ وَذِكْرَى

تم (کافروں کو) ڈراؤ اور مسلمانوں کو نصیحت کرو لہذا تمہارے سینہ میں

لِلْمُؤْمِنِينَ ○ اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ

اسکی وجہ سے بالکل تنگی نہ ہونی چاہئے (لوگو) جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے

مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ

نازل کیا گیا ہے اُس کا اتباع کرو اور اللہ کے سوا اور رفیقوں کا اتباع نہ کرو

قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ○ وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ

تم بہت ہی کم غور کرتے ہو اور کتنی ہی بستیاں

أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ

ہم نے ہلاک کردیں پس اُن پر ہمارا عذاب راتوں رات یا ایسے وقت پہونچا

قَآئِلُوْنَ○ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ

کر دوپہر کو پڑے سوتے تھے۔ جب اُن پر ہمارا عذاب پہونچ گیا تو اُن کی پکار

جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا

بس یہ ہوئی کہ کہنے لگے بے شک ہم ہی

كُنَّا ظٰلِمِيْنَ○

ظالم تھے

تفسیر الٓمٓصٓ قرآن پاک میں جتنے حروف مقطعات ہیں اُن کے تاویلی معانی اور واقعی حقائق تو کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ تفسیری معنی علماء نے کچھ بیان کئے ہیں اور جتنے معانی بیان کئے ہیں وہ سب غیر قطعی ہیں۔ مثلاً ابن عباس نے فرمایا المص کے معنی ہیں انا اللہ افصل یعنی میں ہوں اللہ خوب فیصلہ کرنے والا (رواہ ابن ابی حاتم) بعض کا قول ہے کہ اللہ کے ناموں میں سے یہ بھی ایک نام ہے۔ سدی سے مروی ہے کہ المص کے معنی ہیں مصور۔ محمد بن کعب نے اسکی تفسیر کی ہے اَللّٰہُ الرَّحْمٰنُ الصَّمَدُ۔ ضحاک نے انا اللہ الصادق کہا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے معانی بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی کہ تاویلی معنی سے کوئی واقف نہیں۔ اسی لئے اکثر محققین تمام مقطعات کی تفسیر یں کہدیتے ہیں کہ اللہ ہی اپنی مراد بخوبی جانتا ہے۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ اس سورت میں مبدأ و معاد کی تشریح، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے ناز و نعیم کی مکمل عکسی تصویر کھینچی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان عالی مرتبہ کتاب ہے۔ اے محمد! آپ پر (خدا کی طرف سے) نازل کی گئی ہے آپ کو اس سے دل تنگ نہ ہونا چاہیئے۔ یعنی اس بات سے آپ دل تنگ نہ ہوں کہ اگر آپ نے لوگوں کو یہ پیام پہونچایا تو لوگ آپ کو جھٹلائینگے اور ایذا دینگے کیونکہ اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہے یا دل تنگ نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی حقانیت و صداقت میں آپ کو شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ مجاہد و قتادہ وغیرہ سے یہی مروی ہے چونکہ حضور اقدس ؐ کو قرآن پاک کی صداقت و حقانیت میں شک ہونے کا تو احتمال بھی نہ تھا اس لئے اس تقدیر پر روئے سخن امت محمدیہ کی طرف ہوگا۔ بہرحال حاصل مطلب یہ ہے کہ آپ دل تنگ نہ ہوں کسی کی تصدیق و تکذیب کی پرواہ نہ کریں آپ کا کام صرف یہ ہے کہ جو سرکش و عصیان شعار ہیں اُن کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور جو اہل ایمان ہیں اُن کو نصیحت کریں اور عبرت دلائیں۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ اوپر کی آیت میں رسول پاک ؐ کو تبلیغ و انذار اور وعظ و نصیحت کرنے کا حکم اور دل تنگ نہ ہونے کا امر تھا اب امت کو خطاب کرتا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ لوگو تمہارا کام یہ ہے کہ جو احکام الٰہی قرآن و سنت کی شکل میں تم کو دیئے گئے اُن پر چلو اپنے بنائے ہوئے رفیقوں اور جھوٹے معبودوں کی پیروی نہ کرو۔ اس بات کو ذرا سوچنے کی ضرورت ہے کہ رسول کی پیروی کرنی بہتر ہے یا جھوٹے رفیقوں کی لیکن بہت ہی کم تو سمجھتے ہیں نصیحت حاصل نہیں کرتے یاد رکھو کہ اگر تم نے سرتابی کی اور رسول کے حکم پر نہ چلے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ اگر اس بات میں کچھ شک ہو تو دیکھ لو کہ:-

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ کتنی بستیاں گذر چکی ہیں جنہوں نے اللہ کی اور اُس کے رسولوں کی نافرمانی کی بالآخر اس سرتابی کی وجہ سے اللہ نے اُن کو برباد کیا اُن کے خاص آرام کے وقت جبکہ وہ آرام سے خواب غفلت میں سرشار تھے یعنی رات کو اور دوپہر کو عذاب الٰہی اُتر آیا۔ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ اُس وقت وہ پچھلے پشیمان ہوئے اور اقرار کیا کہ ہاں واقعی ہم باطل پر تھے زیادتی کرتے تھے کہ خدا کے پیغمبروں کے حکم پر نہ چلتے تھے اور اپنے فرضی دیوتاؤں کو مانتے تھے لیکن اس وقت پشیمانی بے سود تھی۔

مقصود بیان: اہل علم کی آزمائش۔ عظمت قرآن کی طرف ایماء رسول پاک کی تسلی۔ فریضۂ نبی کی صراحت کہ آپ کا کام صرف ڈرانا اور وعظ و نصیحت کرنا ہے۔ پیروی قرآن و حدیث کا عمومی حکم۔ غیر اللہ کے اتباع کی ممانعت۔ بہترین املیٰ پیرایہ میں تبلیغ و ترہیب وغیرہ۔

فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ

پھر ہم اُن لوگوں سے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے ضرور باز پرس کریں گے اور

لَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ

پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھینگے اور اپنے علم کے موافق اُن سے ضرور حال

بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ○ وَالْوَزْنُ

بیان کرینگے اور ہم کہیں غائب نہ تھے اس روز اعمال کی

يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

تول برحق ہے جن کے (نیکیوں کے) پلے بھاری ہوں گے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ

وہی | بامراد ہوں گے | اور جن کے پلے

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

ہلکے ہوں گے | وہ چونکہ ہمارے احکام کی ناحق شناسی کرتے تھے

اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○

اس لئے اپنے نفسوں کا نقصان کریں گے

تفسیر اوپر کی آیت میں نبی کا فرض تبلیغ اور امت کا فرض تعمیل حکم قرار دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جو لوگ فرمانِ الٰہی کو قبول نہیں کرتے اور نبی کی مخالفت تکذیب کرتے ہیں وہ دنیا میں مبتلائے عذاب ہوتے ہیں اب آخرت کی حالت اور حالت کی دورنگی ظاہر فرماتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ:- فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ۔ قیامت کے دن ہم انبیاء سے ان کے فریضہ کے متعلق سوال کرینگے کہ کیا تم نے ہمارا پیام پہونچا دیا تھا اور امتوں سے بھی دریافت کرینگے کہ کیا تمہارے پاس یہ انبیاء گئے تھے اور انہوں نے تم کو ہمارا پیام پہونچایا تھا؟ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم یہ سوالات طلب علم کے لئے کرینگے۔ کیونکہ طلب علم کے لئے سوال تو وہ شخص کرتا ہے جو موقع پر موجود نہو اُس کے سامنے واقعہ نہ گذرا ہو۔ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ۔ ہم ہر چیز کا علم حضوری رکھتے ہیں ہم سے کچھ غائب نہیں اسلئے ہم جواب حاصل کرنے کے بعد (مشرکین کی تردید میں) خود ہی کل احوال واخبار بیان کردینگے۔ اس آیت میں سوال وجواب سے مراد باز پرس ہے یعنی قیامت کے دن لوگوں سے اُن کے ایمان واعمال کی باز پرس ہوگی رہی آیت وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ تو اس سے احترام وعزت کے سوال کی نفی مراد ہے یا سوال سے مراد سوال ایمان ہے اور نفی سوال سے مراد سوال اعمال کی نفی ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی جب سوال تبلیغ وایمان ہو چکیگا تو نیکی وبدی کا موازنہ کیا جائیگا جن کی نیکیاں وزنی ہونگی بس وہی کامیاب ہوں گے وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ اور جن کی برائیاں وزنی ہونگی وہ نقصان اٹھائینگے مگر یہ نقصان اپنے ہی کرتوت کے عوض ہوگا۔ وہ چونکہ دنیا میں آیاتِ الٰہی اور احکامِ خداوندی کے مقتضاء کے موافق عمل نہ کرتے تھے اور فرمانِ انبیاء کی حق تلفی اور اُس کی خلاف ورزی کرتے تھے اسلئے بالآخر تباہ حال ہو گئے۔

نکات (۱) موازین میزان کی جمع ہے چونکہ ہر بندہ کے اعمال کو تولنے کی ترازو علیحدہ ہوگی اس لئے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا۔

صاحب بیضاوی کے نزدیک موازین موزون کی جمع ہے چونکہ وزن متعدد اور موزون مختلف ہونگے اس لئے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ان دونوں تفسیروں پر میزان واقعی ایک عینی چیز ہوگی جسپر نیکی وبدی کا وزن ہو احادیث صحیحہ سے بھی بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعمال تولے جائینگے یا نامۂ اعمال یا اعمال کرنے والے؟ تو اس کے متعلق اہل تفسیر وحدیث کا اختلاف ہے۔ جو لوگ اعمال کے جوہری ہونے کے قائل ہیں یا اس بات کے قائل ہیں کہ اعمال اگرچہ عرض ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن بقدرتِ الٰہی اعراض کا بالاستقلال وجود ہو۔ اُن کے نزدیک اعمال کا ہی وزن کیا جائیگا۔ ابن عباس وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن عبدالبر اور قرطبی وغیرہ کا خیال ہے کہ نامۂ اعمال تولے جائینگے کیونکہ حدیث بطاقہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی بن عاص رضی سے مروی ہے کہ حضور اقدس نے فرمایا قیامت کے دن مجمع کے سامنے میری امت میں سے ایک شخص کو پکارا جائے گا پھر اُس کے ۹۹ اعمالنامے کھولے جائینگے جن میں سے ہر ایک کی درازی بقدر حد نظر ہوگی پھر اللہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ کیا تجھے اس میں سے کسی چیز سے انکار ہے یا لکھنے والے فرشتوں نے تجھ پر کچھ ظلم کیا ہے؟ وہ شخص جواب دیگا پروردگار کچھ نہیں۔ اللہ فرمائیگا تجھے کچھ عذر ہے یا تیری کوئی نیکی ہے؟ وہ شخص خوفزدہ ہو کر کہیگا۔ نہیں پروردگار کچھ نہیں خدا تعالیٰ فرمائیگا نہیں تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے۔ آج تیری حق تلفی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا کاغذ جس میں اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد اعبده ورسوله لکھا ہوگا نکالا جائیگا۔ وہ شخص عرض کریگا پروردگار یہ کاغذ کا ٹکڑا ان طوماروں کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتا ہے؟ فرمان ہوگا اے شخص آج تجھپر ظلم نہ ہوگا۔ پھر وہ کاغذ ایک پلہ میں اور کل اعمالنامے دوسرے پلہ میں رکھے جائینگے اعمالناموں کا پلہ اُٹھ جائیگا اور اُس کاغذ کا پلہ نیچے جھک جائیگا۔ (رواہ البیہقی وابن مردویہ وابن ماجہ واخرجہ ابن حبان فی صحیحہ ورواہ احمد باسناد حسن ورواہ الحاکم وصححہ والترمذی وقال حسن صحیح) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نامۂ اعمال تولے جائیں گے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ عمل کرنے والے کو تولا جائیگا کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی کی روایت ہے کہ حضور والا نے فرمایا قیامت کے دن (بعض) فربہ اندام قوی ہیکل آدمی آئینگے مگر اللہ کے نزدیک اُن کا وزن مچھر کے پر کی برابر بھی نہوگا۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا الآیۃ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی کے مناقب میں ہے کہ حضور نے فرمایا تم لوگ عبداللہ کی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر تعجب کرتے ہو قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اسکی دونوں پنڈلیاں میزان میں کوہ احد سے زیادہ گراں ہونگی۔ بہرحال اعمال

یا نامۂ اعمال یا اصحاب اعمال کا وزن ہونا اُس تقدیر پر ہوگا جبکہ میزان کو ایک عینی خارجی چیز تسلیم کر لیا جائے۔

لیکن بعض حضرات وزن کے معنی صرف موازنہ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نیکی وبدی کا موازنہ قیامت کے دن ہوگا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وزن و میزان بمعنی عدل و قضاء ہے یعنی خاص توازن و تعادل کے ساتھ نیکی و بدی کا مقابلہ۔ مجاہد کی یہی روایت ہے اور زجاج نے اس محاورہ کی تائید کی ہے۔

(۲) اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وزن اعمال کی خصوصیت صرف مسلمانوں کے ساتھ ہے یا کفار کے اعمال کا بھی وزن ہوگا۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ وزن اعمال کی خصوصیت صرف مسلمانوں کے ساتھ ہے یا کفار کے اعمال کا وزن نہ ہوگا بلکہ اُن کے اعمال یونہی ناکارہ جائینگے۔ ظاہر آیات سے یہی مستفاد ہے۔

لیکن قرطبی وغیرہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کفار کے اعمال بھی تولے جائینگے مگر اُس وقت جبکہ کسی مخصوص کافر کے عذاب میں تخفیف مقصود ہوگی جیسا کہ ابوطالب کے متعلق حدیث وارد ہے۔

مقصود بیان:- اس بات کی صراحت کہ قیامت کے دن سوال سے کوئی نہ بچے گا نہ پیغمبر نہ امت نہ کافر نہ مسلم البتہ سوال کی نوعیت میں اختلاف ہوگا۔ انبیاء سے تبلیغ کے متعلق سوال ہوگا اور امت سے ایمان و اعمال کے متعلق۔ اس شبہہ کا ازالہ کہ شاید سوال طلب علم کے لئے ہو۔ خدا تعالیٰ کے حاضر و ناظر اور باخبر ہونے کی نص۔ وزن اعمال کے حق ہونے کی تصریح۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ کامیاب صرف وہی لوگ ہونگے جن کی نیکیاں زائد ہونگی یعنی مکمل کامیابی انہی کو حاصل ہوگی۔ ان کے علاوہ جو لوگ ہونگے اُن کا حصہ ناقص ہوگا۔ اس بات کی جانب ایماء کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ انسان کی بداعمالیاں اُس کو تباہ کرینگی وغیرہ۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ

ہم نے تم کو زمین میں جگہ دی اور تمہارے لئے اُس میں

فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ۧ

زندگی کے سامان بنائے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا

ہم نے تم کو بنایا پھر تمہاری شکل بنائی پھر ملائکہ سے

لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا

کہا آدم کو سجدہ کرو تو سب نے بجز ابلیس کے

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝

سجدہ کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ

اللہ نے فرمایا جب میں نے تجھے حکم دیدیا تو تیرے لئے سجدہ کرنے سے کون چیز مانع ہے

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ

بولا میں اُس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے بنایا

وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ

اور اُسے مٹی سے بنایا اللہ نے فرمایا اچھا یہاں سے اتر جا

مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا

تجھے یہاں غرور کرنے کا حق نہیں ہے

فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝

نکل جا تو ذلیلوں میں ہے

تفسیر

اس سے پہلے لوگوں کو انبیاء کی فرمانبرداری کا حکم دیا تھا اور مخالفت میں عذاب دنیوی سے ڈرایا تھا اور عذاب آخرت سے خوف دلایا تھا انسان کی جبلی عادت ہے کہ وہ خوف و انعام و احسانات سے مسخر و مطیع ہوتا ہے اس لئے خوف مضرت دارین کے بعد بنی آدم کو وہ احسانات یاد دلاتا ہے جو اُن کے جد امجد آدم پر کئے گئے تھے اور لطف یہ ہے کہ تخویف میں عالم آخرت کا اور احسان یاد دلانے میں اُس کی ابتداء کا بھی بیان کر دیا جو آسمانی کتاب کا ایک ضروری کام ہے اور اُسکو علم مبدأ و معاد کہتے ہیں (حقانی) چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ہم نے سب سے اول تو تم پر یہ احسان کیا کہ) زمین پر تم کو رہنے کو جگہ دی اور اُس میں تمہارے لئے اسباب معاش اور زندگی بسر کرنے کے ذرائع پیدا کئے۔ گویا دو نعمتیں عطا کیں ایک نعمتِ سکن دوسری نعمت معاش مگر تم بہت کم اس کا شکریہ ادا کرتے ہو حالانکہ جس پر مزید احسان ہو اُسکو زیادہ شکر ادا کرنا چاہئے اور زیادہ مطیع ہونا چاہئے اور منعم کی دی ہوئی نعمتوں کو اُس کی اطاعت میں صرف کرنا چاہئے وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ پھر تیسرا احسان تم پر یہ کیا کہ تمہارے باپ آدم کی اول تو تخلیق کی یعنی اُن کو مٹی سے بنایا پھر اُن کی صورت و شکل قائم کی (خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ کے یہ معنی صاحب بیضاوی نے بیان کئے

ہیں یعنی خطاب بنی آدم کو ہے اور مراد وہ احسان ہے جو حضرت آدمؑ پر کیا گیا تھا ابن عباسؓ کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو باپ کی پشت میں خلق کیا اور ماں کے پیٹ میں تمہاری شکل بنائی۔ اس تقدیر پر ثُمَّ مطلق عطف کے واسطے ہوگا) ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ۔ اس کے بعد چوتھا احسان یہ کیا کہ تمہاری عزت افزائی کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدۂ تحیّت کرو۔ چنانچہ سب فرشتے اعزاز آدم کے لئے جھک گئے البتہ ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ حاصل یہ کہ خدا نے تمہارا مادۂ خلقت پیدا کیا۔ خوبصورت شکل عطا کی رہنے کو جگہ اور زندگی بسر کرنے کے لئے کھانے پینے کی چیزیں اور پہننے کو لباس عطا کیا عزت اتنی کی کہ فرشتوں سے سجدہ کرایا اور جس نے تم سے حسد کیا اور تمہاری عزت نہ کی اُس کو مردودِ بارگاہ کردیا۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ یعنی شیطان نے جب سجدہ نہ کیا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا میں نے جب تجھے حکم دیدیا تھا تو کونسی وجہ کہ تو نے تعمیل نہ کی اور سجدہ نہ کیا؟ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔ شیطان نے اپنی بزرگی و برتری کی وجہ قیاسی پیش کی اور امر الٰہی کے مقابلہ میں اپنی اختراعی دلیل کو ترجیح دی اور وجہ فضیلت صرف مادۂ عنصری کو خیال کیا۔ یہ نہ سمجھا کہ بلاواسطہ تخلیق اور نفخ روح وغیرہ انسان کو فضائل حاصل ہیں وہ مجھے کہاں مل سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ حکم الٰہی کے مقابلہ میں تکبر و رعونت سے کام لیا۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو تکبر کرکے ملکوتِ اعلیٰ میں نہیں رہ سکتا لہٰذا تو یہاں سے اُتر جا اور نکل جا بلاشبہہ تو ذلیل اور رذیل ہے۔

مقصود بیان:۔ احسانہائے الٰہی کا تذکرہ۔ زمین میں انسان کے رہنے کی صراحت۔ اسباب زندگانی اور وجوہ معیشت کی فراہمی کی ضمنی تعلیم۔ زندگی اور بقائے زندگی کے اسباب کی شکرگذاری کی در پردہ ہدایت۔ اس امر کی صراحت کہ انسانی تخلیق و تصویر بہت عظیم الشان ہے اللہ نے خود اُس کو بنایا ہے۔ اس امر کی نفی کہ انسان مسجودِ ملائکہ ہے۔ افضل کی تعظیم ادنیٰ پر لازم ہے۔ ابلیس کا آگ سے اور انسان کا مٹی سے پیدا ہونا بھی آیت میں منصوص ہے۔ اس طرف بھی یقینی اشارہ ہے کہ نص موجود ہوتے ہوئے قیاس کرنا مردود ہے۔ صاحب بیضاوی نے کہا آیت میں اس بات کی دلیل بھی موجود ہے کہ مطلق امر وجوب اور فی الفور تعمیل دونوں کا متقضی ہے کون و فساد واقع ہوتا رہتا ہے۔ شیاطین اجسام مخلوق موجود ہیں فضیلت فقط باعتبار مادہ کے نہیں ہوتی بلکہ معنوی فضائل اور اندرونی خصائل کی وجہ سے بھی ہوتی ہے بلکہ درحقیقت فضیلت کا معیار یہی

حقیقی نفسائل و فضائل ہیں۔ وغیرہ۔

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝

بولا مجھے اُس دن تک مہلت دے جبکہ لوگ زندہ کرکے اٹھائے جائینگے

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ

اللہ نے فرمایا تجھے مہلت دی گئی بولا چونکہ تو نے

اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ

مجھے گمراہ کردیا اسلئے اب میں اُن کی تاک میں تیرے سیدھے راستہ میں

الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ

ضرور بیٹھوں گا پھر اُن کے

اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ

آگے اور پیچھے اور دائیں

وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ

بائیں سے پہونچوں گا اور تو اکثر بنی آدم کو

شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا

شکرگذار نہ پائے گا فرمایا یہاں سے نکل جا مردود

مَّدْحُوْرًا ط لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ

اور راندۂ درگاہ ہوکر جو اُن میں سے تیرا پیرو ہوگا تو میں

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

تم سب سے جہنم کو بھردوں گا

تفسیر

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ شیطان چونکہ اللہ تعالیٰ کی بردباری و حلم سے اور نیز رحمت عامہ سے بخوبی واقف تھا اسلئے باوجود گناہگار و مردود ہونے کے فوراً مہلت کا سوال کرنے لگا کہ یاالٰہا مجھے صور کے دوسرے نفخہ تک یعنی اُس روز تک جبکہ سب لوگ دوبارہ جلا کر اٹھا کھڑے کئے جائینگے اور زندہ رکھ۔ چونکہ نفخہ ثانیہ کے بعد کسی کو موت نہیں اس لئے دعا میں بھی شیطان نے چالاکی برتی تاکہ دعا کے قبول ہونے سے نفخۂ ثانیہ تک زندگی حاصل ہوجائے

اور اس کے بعد فنا نہیں تو گویا ہمیشہ کے لئے موت سے بچ گیا۔ لیکن اللہ دلوں کا حال جاننے والا ہے بوجہ حکمت و مصلحت و نیز اولاد آدم کی آزمائش اور خیر و شر کے امتیاز و فرق کے لئے شیطان کی دعا تو قبول فرمالی مگر وقت معلوم تک یعنی صور کے پہلی مرتبہ پھونکنے کے وقت تک نفخہ اولیٰ پر جسطرح سب مرجائینگے یہ بھی مرجائیگا۔ جب شیطان کو مہلت ملگئی اگرچہ وہ وقت معین تک تھی تو پھر اپنی سرکشی پر آیا اور بولا۔ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ۔ میں تو گمراہ ہو ہی چکا ہوں اب آدم کی اولاد کا بھی پیچھا نہ چھوڑوں گا ان کو بھی راہ راست سے بھٹکاؤنگا آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آکر ان کو بہکاؤنگا۔ جہت فوق سے شیطان نے اپنا آنا اس لئے نہ بیان کیا کہ بندہ کے اور رحمت الٰہی کے درمیان حائل ہونا اُس کی قدرت سے خارج تھا۔ (ابن عباس و مجاہد)

آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آنے کا مطلب مفسرین نے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔ ابن عباسؓ نے ایک روایت میں تو یہ فرمایا کہ سامنے سے مراد ہے دنیا اور پیچھے سے مراد ہے آخرت اور دائیں سے مراد ہیں نیکیاں اور بائیں سے مراد ہیں بدیاں۔ دوسری روایت میں ہے کہ سامنے سے مراد یہ ہے کہ میں امر آخرت میں اُن کے دلوں میں شک ڈالونگا اور پیچھے سے مراد یہ ہے کہ اُن کو دنیا کی رغبت دلاؤنگا۔ اور دائیں سے مراد یہ ہے کہ امر دین میں مشکوک کرونگا اور بائیں سے یہ مراد ہے کہ اُن کو گناہوں کی لذت چکھاؤنگا۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے لیکن ابن جریر کا خیال ہے کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میں سب بھلائی کی راہوں سے ان کو روکونگا اور برائی کی راہوں میں زینت و خوبی دکھاؤنگا۔ شقیق بلخی کا قول ہے کہ روزانہ شیطان میرے لئے چار راہیں روکنے بیٹھتا ہے۔ ایک تو میرے سامنے آتا اور کہتا ہے تو کچھ خوف مت کر اللہ غفور رحیم ہے تو میں یہ آیت پڑھ دیتا ہوں وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا الخ دوسرے میرے پیچھے سے آتا ہے اور خوف دلاتا ہے کہ تیری اولاد تیرے بعد فقر و فاقہ سے ہلاک ہوگی کچھ تو دنیا کی طرف توجہ کر۔ اُس وقت میں یہ آیت پڑھ دیتا ہوں وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا الخ تیسرے میرے دائیں طرف سے میری تعریف و توصیف کرتا آتا ہے تو میں پڑھ دیتا ہوں وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔ چوتھے میرے بائیں سے شہوتوں اور نفسانی خواہشات کی راہ دکھاتا ہے تو میں کہتا ہوں وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ۔ حاصل یہ کہ شیطان ہر شخص کے مناسب مختلف طریقوں سے فریب دیتا ہے۔ اس کے بعد شیطان کہنے لگا پروردگار اس آدم کو تونے مجھپر فوقیت تو عطا کی لیکن اسکی اولاد کا زیادہ حصہ تیری نعمت کا شکر ادا نہ کریگا۔ شیطان نے یہ بات صرف انانیت اور غرور اور اپنے گمان و وہم سے کہی تھی اور اتفاق سے اُس کا گمان واقع کے مطابق ہوگیا ورنہ شیطان کو آئندہ کے متعلق کچھ واقفیت نہ تھی۔ جب شیطان اپنی انانیت کے تمام مظاہرات ختم کرچکا اور کل داؤں چل چکا تو قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ خدا تعالیٰ نے فرمایا تو ملعون و ذلیل ہے یہاں سے نکل جا تو اور تیرے پیروکار اور مطیع فرمان جو آئندہ پیدا ہونگے سب دوزخ میں بھرے جائینگے کوئی میرے عذاب سے نہ بچے گا۔

مقصود بیان:۔ نفخہ اولیٰ تک شیطان کے نہ مرنے کی صراحت گناہگار کے بعض دعاؤں کے قبول ہونے پر نص۔ اس امر کی طرف ایماء کہ گناہگار کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اس بات کی ضمنی تعلیم کہ شیطان تمام بنی آدم کا دشمن ازلی ہے اُس کے دام فریب میں نہ آنا اور اُس کی پیروی سے بچنا ہر شخص کا فرض ہے۔ شیطان کو مہلت دینے سے مقصود اولادِ آدم کی آزمائش ہے کہ کون شیطان کی پیروی کرتا ہے اور کون خدا کی بندگی۔ اس امر کی طرف ایماء کہ شیطان اللہ کی رحمت کو بندہ سے نہیں روک سکتا اپنی طاقت کے موافق بہکانے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ رحمت الٰہی جو بندہ کے اوپر چھائی ہوئی ہے اُسکو روکنا اس کی قدرت سے خارج ہے۔ آیت میں اکثر آدمیوں کے ناشکر ہونے کی وضاحت بھی ہے۔

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اے آدم — تم اور تمہاری بیوی — جنت میں رہو

فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا

اور جہاں سے چاہو کھاؤ — لیکن اس درخت

هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ

کے پاس بھی نہ جانا — ورنہ گناہگار ہو جاؤ گے

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ

پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکایا — تاکہ جو شرمگاہیں اُن کی

لَهُمَا مَا وُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا

اُس وقت تک، چھپی ہوئی تھیں اُن کو ظاہر کر دے

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ

بولا تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس وجہ سے

الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ

تم کو منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ ہو جاؤ یا

تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ

ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور اُن سے قسم کھائی

اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا

کہ میں ضرور تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں غرض فریب سے اُن دونوں

بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ

کو اپنی طرف کھینچ لیا پس جب دونوں نے اُس درخت کو چکھ لیا تو اُنکی

لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

شرمگاہیں کھل گئیں اور وہ اپنے اوپر

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا

جنت کے پتے جوڑنے لگے اور اُن کے پروردگار نے

رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ

اُن کو آواز دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا

وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا

اور تم سے نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

صریح دشمن ہے

تفسیر ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ نے شیطان کو ملکوت اعلیٰ سے نکال دیا تو آدم کی طرف خطاب کرکے فرمایا۔ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور وہاں جو چاہو کھاؤ۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ لیکن اس ممنوع درخت کا پھل نہ کھانا اس کے پاس تک نہ جانا ورنہ نقصان اٹھاؤگے حکم الٰہی سے آگے بڑھ جاؤگے (ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلقتِ حوار دخول جنت سے قبل ہوئی۔ محمد بن اسحاق کا یہی قول ہے لیکن بعض علماء کا قول ہے کہ دخول جنت کے بعد حوار پیدا ہوئیں تو اس صورت میں صحت خطاب کی یہ تاویل ہوگی کہ حوار کا موجود ہونا علمِ الٰہی میں ثابت تھا)۔ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا لیکن شیطان نے آدم و حوار کو بہکایا اور اس وسوسہ سے اُس کا مقصود یہ تھا کہ آدم و حوار کو جو لباس نور سے مستور کردیا گیا ہے اُس کو دور کردے۔

شیطان نے آدم و حوار کو کس طرح بہکایا؟ کوئی کہتا ہے سانپ کے پیٹ کے اندر گھس گیا اور سانپ اُسکو جنت میں لے گیا کسی کا قول ہے کہ جنت کے باہر سے پکار کر اُس نے بہکایا۔ کوئی قائل ہے کہ شیطان کا داخلہ جنت کے اندر بوجہ اعزاز ممنوع تھا مطلق داخلہ ممنوع نہ تھا۔ اسلئے وہ چُپکے ہی چلا گیا۔ شیخ ابن کثیر نے اس سب خرافات کا رد کردیا اور فرمایا ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔ بلکہ صحیح وہ قول ہے جو حسن بصری نے فرمایا کہ شیطان زمین سے آسمان تک وسوسہ ڈال سکتا ہے اللہ نے اُس کو یہ قدرت عطا کی ہے۔

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۔ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا تم یقین رکھو کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔ اللہ نے تم کو اس درخت کے کھانے سے محض اس وجہ سے منع کیا کہ کہیں تم جنت میں ہمیشہ نہ رہنے لگو اور فرشتوں کی طرح کھانے پینے کی خواہش سے لاپرواہ نہ بن جاؤ۔ اس درخت کو کھالینے سے حیوٰۃ دوام اور غیر فانی ملکیت حاصل ہوتی ہے لہذا تم اسکو ضرور کھاؤ جنت میں ہمیشہ رہوگے اور دوامی زندگی پاؤگے۔ غرض یہ کہ شیطان نے فریب دیکر آدم و حوار کو ان کے مرتبہ سے گرادیا۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ اور جونہی دونوں نے شجر ممنوعہ کا پھل چکھ لیا فوراً لباس نور اُن کے بدن سے دور ہوگیا اور وہی جسم مستور نمایاں ہوگیا۔ مجبوراً بدن مستور چھپانے کے لئے دونوں نے یہ تدبیر کی کہ جنت کے درخت کے پتے

اپنے بدن پر لپیٹنا شروع کئے۔ پروردگار نے فرمایا کیوں میں نے تم دونوں
کو اس درخت کے قریب جانے سے منع نہیں کر دیا تھا اور نہیں کہہ دیا تھا کہ
شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے اس کی بات نہ ماننا۔

مقصود بیان:۔ آدم اور اولادِ آدم کی آزمائش۔ نوعِ انسانی پر
صدور امر و نہی کی ابتدا۔ انسان و شیطان کی قدیمی ازلی دشمنی کا اظہار
شیطان کی قوت اغوا اور طاقتِ وسوسہ کا تذکرہ۔ اس امر پر تنبیہ کہ
شیطانی آدمی کیسی ہی محکم قسمیں کھائے لیکن اُسکی قسمیں ناقابلِ اعتبار ہوتی
ہیں اور بلا طلب قسم کھانے والا اکثر جھوٹا ہوتا ہے۔ اس بات کی طرف
ایما کہ انسان اپنے قدیمی دشمن کی پیروی اُسکی فریب کاری کی وجہ سے کرتا
ہے اور شیطان انسان کی نظر میں جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے۔ اس بات
کی طرف اشارہ کہ خدا سے سرکشی مردودِ بارگاہ ہونے کا سبب ہے جس طرح
شیطان مردودِ بارگاہ ہوگیا اس بات پر مجمل تنبیہ کہ خدا تعالیٰ کسی پر ظلم
نہیں کرتا بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا بلکہ انسان اپنے کئے کی خود سزا
برداشت کرتا ہے۔ وغیرہ۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ
دونوں بولے پروردگار ہم نے اپنے اوپر خود ظلم کیا اگر
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور زیاں کاروں
الْخٰسِرِيْنَ ۝ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ
میں سے ہو جائینگے اللہ نے فرمایا تم سب (آسمان سے) اترو تم میں سے
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
ایک دوسرے کا دشمن ہوگا تمہارے لئے ایک وقت تک زمین میں رہنا
وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ
اور فائدہ حاصل کرنا مقرر ہے اُسی میں تم جیوگے
وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ ع
تم اُسی میں مروگے اور اُسی سے برآمد کئے جاؤگے

تفسیر جب حضرت آدم و حوا شیطانی فریب میں آکر معتوب
بارگاہ ہوگئے تو چونکہ فطرتِ سعید پائی تھی اور خدا تعالیٰ کی
مصلحت و حکمت بھی اسی کی مقتضی تھی کہ نسلِ انسانی کی آزمائش کی جائے۔
اس لئے دونوں نے عبودیت کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے اعترافِ گناہ کیا
اور قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ عرض کیا بارالٰہا ہم خطادار ہیں ہم نے خود اپنی حالت
خراب کی ہم اب تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں ہمارا قصور معاف کر دے
ورنہ ہم تباہ ہو جائینگے۔ خدا تعالیٰ کا بحرِ مواخذہ جوش زن تھا حکم ہوا:۔
قَالَ اهْبِطُوْا مِنْهَا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ اب تم اس محلِ عز و کرامت میں نہیں رہ سکتے تم (تینوں)
یہاں سے زمین پر چلے جاؤ وہی تمہاری قرارگاہ ہے زندگی بھر وہاں رہوگے
اور اپنی زندگی سے وقتِ موت تک متمتع اندوز ہوگے۔ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ
فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ اور پھر وہیں مروگے اُسی میں دفن ہوگے
اور حشر کے وقت اُسی سے تم کو نکالا جائے گا۔

مقصود بیان:۔ اس بات کی طرف ایما کہ قصور معمولی آدمی سے
سرزد ہو یا کسی نبی سے دونوں قابلِ مواخذہ ہیں بلکہ "جن کے رتبے ہیں سوا
اُن کو سوا مشکل ہے"۔ اس امر کی جانب تلمیح کہ جو ہماری بارگاہ کی طرف لوٹتا ہے
ہم اس کو نوازتے ہیں اعترافِ جرم موجبِ ترحم و مغفرت ہے۔ انسان و جن
کے زمین پر رہنے سہنے اور جینے مرنے کی صراحت۔ انسان و شیطان کی باہمی
دشمنی پر نص۔ اس امر کی جانب لطیف اشارہ کہ انسان سے قصداً جرم
سرزد ہوا ہو یا بھول کر یا اجتہادی غلطی ہو بہرصورت اقرارِ جرم کرنا لازمی
ہے۔ شیخ شبلی فرماتے ہیں کہ انبیاء ع کے قصور ان کو کرامات و مراتب پر
پہونچاتے ہیں جیسے حضرت آدم کے قصور کا یہ انجام ہوا کہ مقامِ اجتبا و
اصطفا پر پہونچے اور اولیاء کے قصوروں سے کفارہ ہو جاتا ہے اور عوام
کے گناہ ان کو ذلت و خواری میں ڈالتے ہیں۔ واسطی کا قول ہے کہ آدم
کو مقامِ بہجت سے عالمِ محنت میں اتار دیا اور اہلِ عداوت کے درمیان
پھنسایا اور بعدِ وصل کے رنجِ فرقت چکھایا کیوں کہ مقامِ عشق میں رنجِ
فراق اور ذوقِ وصال ساتھ ساتھ ہیں عیش و وصالِ حبیب کے ساتھ
صاف بلاکدورت تھے نہ وہاں جفائے فراق تھی نہ بلائے امتحان پھر قدرت
کے ہاتھوں امتحان میں پھنسایا برادرانِ عزیز تمہارے والدین جنت
وصال میں یہ طمع کرتے تھے کہ دوامِ بقا حاصل ہو لیکن غیرتِ کبریائی
نے وہاں سے نکال دیا مگر یہ بھی رحمت ہے کہ دوامِ بقا بعدِ فنا کا راستہ
بتا دیا۔ بعض کا قول ہے کہ حضرت آدم کا رتبۂ فضیلت و کرامت سے نہیں
گرے اگرچہ جنت سے نکل آئے۔ آیت فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ
مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کی اطاعت زندہ اور فنا فی اللہ
مردہ اور بقا باللہ وہاں سے نکلوگے یا اس طرف اشارہ ہے کہ اگر معرفت حاصل ہوگئی تو زندہ
رہوگے اور جہالت رہی تو مردہ رہوگے اور جو تقدیر و مشیت سابقہ جاری ہو چکی ہے اور جو
احکام سعادت و شقاوت کے ہو چکے ہیں انہیں کے موافق وہاں سے نکلوگے۔ وغیرہ

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا

اے اولادِ آدم ہم نے تمہارے لئے پوشاک اُتاری ہے

يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ

جو تمہاری شرمگاہوں کی چھپاتی ہے اور زینت کا سبب بھی ہے مگر تقوی کا

التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ

لباس سب سے بہتر ہے یہ اللہ کی (قدرت کی)

اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ

نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں

تفسیر

حضرت آدم و حوا کا ابتدائی و انتہائی قصہ چونکہ اولاد آدم کی نصیحت کے لئے شروع فرمایا تھا اسلئے اب اصل مقصود کی طرف رجوع فرماتا ہے حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے اولاد آدم دشمن نے تم سے جنت کے کپڑے اتروائے پھر ہم نے تم کو دنیا میں لباس کی تدبیر سکھائی اور لباس پیدا کیا جو تمہاری جسمانی بے پردگی کو کسی قدر چھپاتا ہے اور پھر مزید تجمل اور زینت کے لئے تم کو سامان عطا کیا (بخاری نے بروایت ابن عباس رض بیان کیا ہے کہ ریش بمعنی مال ہے مجاہد سدی ضحاک اور ابن زبیر رہ کا بھی یہی قول ہے لیکن عوفی نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ریاش سے مراد لباس و عیش و نعمت ہے۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نیا لباس پہنتے تو فرماتے الحمد للہ الذی رزقنی من الریاش ما اتجمل بہ فی الناس و اواری بہ عورتی رواہ احمد) لیکن یہ سب ظاہری سر و سامان ہے درحقیقت لباس تقوی باطن کے عیوب چھپاتا ہے اس لئے پرہیزگار بنو یہی لباس تمہارے لئے سب سے افضل ہے۔

مقصود بیان:۔ برہنگی عیب ہے جس کے دور کرنے کو خدا تعالیٰ نے لباس عطا فرمایا لباس کے دو فوائد ہیں برہنگی دور کرتا ہے آدمی کی زینت کرتا ہے آیت میں اس طرف واضح اشارہ ہے کہ شیطان نے جس طرح حضرت آدم و حوا کو لباس نور سے معرا اور برہنہ کیا تھا اسی طرح وہ ہر آدمی کا لباس تقوی اتروانے کے درپے ہے حالانکہ لباس درحقیقت تقوے ہی ہے یہی انسان کے اندرونی عیوب کو دور کرتا اور محاسن معنوی پیدا کرتا ہے۔ اس سے انسان کی انسانیت برہنہ ہونے سے محفوظ رہتی اور شرف ذاتی سے آراستہ ہوتی ہے۔ آیت میں اس طرف بھی ایما ہے کہ اگر آدمی دنیا بھر کے بہترین کپڑے اوڑھ لے اور باطن میں اخلاق مذمومہ اور ناپاک اعمال رکھتا ہو تو وہ ننگوں سے بدتر ہے اور اگر باطنی لباس تقوی سے آراستہ ہو تو پھٹے پرانے کپڑے بھی زینت کاملہ ہیں اور درحقیقت یہ آیات الٰہی میں سے ہے کہ کور باطن بے ایمان بداعتقاد لوگوں کو نظر نہیں آتا وغیرہ۔

اختلاف و تحقیق

لباس تقوی سے کیا مراد ہے؟ اس میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ عکرمہ کے نزدیک وہ لباس مراد ہے جو قیامت کے دن متقیوں کو ملے گا (رواہ ابن ابی حاتم) زید بن علی سدی قتادہ اور ابن جریج نے کہا کہ اس سے مراد ایمان ہے عوفی نے بروایت ابن عباس رض بیان کیا کہ اس سے مراد اعمال صالحہ ہیں ابن عباس رض کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ ستودہ اخلاق مراد ہیں۔ عروہ ابن الزبیر کہتے ہیں کہ خوف الٰہی مع محبت مراد ہے عبدالرحمن بن زید کے قول کے مطابق اللہ سے ڈر کر اپنی شرمگاہ چھپانا مراد ہے حضرت عثمان نے اس کی تفسیر نیک خصلت سے کی ہے بہر حال یہ سب معانی قریب قریب ہیں۔

نکتہ خاص

اہل تصوف نے لباس التقوی کی بہترین وضاحت کی ہے جس کو باختصار ہم یہاں نقل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہر گروہ کا ایک مخصوص لباس ہے۔ عارفوں کا لباس معرفت۔ محبتین کا لباس محبت۔ مشتاقوں کا لباس شوق۔ موحدین کا لباس توحید۔ انبیاء کا لباس نبوت اور مرسلین کا لباس رسالت ہے۔ اور ہر ایک کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ باطنی لباس تو محض اللہ کی نظر رحمت کے لئے ہے اور ظاہری زینت شریعت کے لئے ہے۔ پس اس زینت سے جو لوگ حقیقت میں آراستہ ہیں اُن کو انوار قرب حاصل ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ مخلوق کی نظر میں مزین اور پرجلال ہو جاتے ہیں۔

واسطی نے فرمایا کہ سورہ درحقیقت جہالت ہے اور بہترین زینت یہ ہے کہ بندہ لباس تقوی سے آراستہ ہو۔ یہ لباس ایسی زرہ ہے کہ اس کو کسی مکر کرنے والے کا حسد نہیں پھاڑ سکتا کیونکہ وہ اصل میں دل کا لباس ہے اور ظاہری پرہیزگاری اس کی علامت ہے کہ ہر بات میں اللہ کا ادب رکھتا ہو یعنی اُس کے سوا کچھ نظر نہ آتا ہو۔ پس تم غور کر لو کہ تم نے کونسا لباس پہنا ہے۔ لباس صدق یا قمیص فسق۔

نصرآبادی کا قول ہے کہ لباس تقوی لباس حقانی ہے اور جو لباس سوآت کو چھپاتا ہے وہ لباس کرامت ہے اور لباس تقوی ہی لباس ایمان ہے۔ بعض صوفیہ کا قول ہے کہ لباس ہدایت تو عوام کے لئے ہے اور لباس تقوی خواص کے لئے۔ اور لباس ہیبت عارفوں کے لئے اور لباس زینت دنیا والوں کے لئے اور لباس لقاء و مشاہدہ اولیاء کے لئے اور لباس حضوری انبیاء کے لئے۔

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ

اے اولادِ آدم کہیں شیطان تم کو دھوکہ نہ دے

كَمَآ أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ ٱلْجَنَّةِ يَنزِعُ

جسطرح (دھوکہ دیکر) تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا اور اُن کے

عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْءَٰتِهِمَآ ۗ

لباس اُن سے اُتار دیئے تاکہ اُن کی شرمگاہیں برہنہ کردے

إِنَّهُۥ يَرَىٰكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُۥ مِنْ حَيْثُ

بیشک شیطان اور اُس کا کنبہ تم کو اس طرح سے دیکھتا ہے کہ تم اُن کو

لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا ٱلشَّيَٰطِينَ

نہیں دیکھتے ہم نے شیطانوں کو

أَوْلِيَآءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

بے ایمانوں کا دوست بنا دیا ہے

تفسیر شیطانوں کے اجسام بہت ہی سبک اور خفیف ہیں اور پھر اُن میں (بر قول معتزلہ) کوئی رنگ بھی نہیں ہے اسلئے نظر نہیں آتے ہاں وہ خود آدمیوں کو دیکھتے ہیں۔ ابن الجوزی نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے شیطانوں کو یہ طاقت عطا کی ہے کہ وہ آدمیوں کے اندر اُن کے خون کی طرح رواں ہیں لوگوں کے دل اُن کے مسکن ہیں۔ ہاں جن لوگوں کو اللہ نے محفوظ کر دیا اُن کے سینے شیطانوں کی قیامگاہ نہیں ہیں۔ پس شیطان آدمیوں کو دیکھتے ہیں اور آدمی شیطانوں کو نہیں دیکھتے۔

ایک خاص بحث معتزلہ کے نزدیک اسی آیت کی بناپر شیطان کا دکھائی دینا ناممکن ہے۔ حالانکہ یہ استدلال غلط ہے۔ آیت میں رویت شیطان کا ناممکن ہونا نہیں بیان کیا گیا۔ غیر مرئی ہونے سے رؤیت کا استحالہ ثابت نہیں ہوسکتا ممکن ہے کہ اللہ جن کی آنکھوں میں قوت عطا کر دے وہ دیکھ لیں مثلاً کوئی شخص آنکھ بند کرلے تو یہ یقینی بات ہے کہ وہ کسی کو نہ دیکھیگا اور اسکو کوئی شخص دکھائی نہ دیگا لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہ دیکھ نہیں سکتا کیونکہ اگر وہ آنکھ کھول لے تو سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ پھر آیت تو صاف بتا رہی ہے کہ جس راہ سے شیطان آدمیوں کو دیکھتے ہیں اُس راہ سے آدمی شیطانوں کو نہیں دیکھتے۔ ہر قسم کی رویت کی نفی تو نہیں ہے اسی بناء پر قاضی زکریا نے فرمایا ہے کہ شیطان کا نظر آنا اور نہ آنا صرف اللہ کی عطاء قوت پر مبنی ہے۔ جب خدا چاہتا ہے تو بعض لوگوں کو شیطان اپنی اصلی صورت پر نظر آجاتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے اولاد آدم شیطان نے اپنی فتنہ پردازی سے تمہارے ماں باپ کو برہنہ کراکے جنت سے نکلوایا ایسا نہ ہو کہ تم بھی اُسکی فتنہ پردازیوں میں آجاؤ اور اُسکی پیروی کرنے لگو اس پر غرہ نہ کرنے لگنا کہ شیطان ہمارے پاس آہی نہیں سکتا تو پھر کیونکر ہم کو ورغلا سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اُسکے لئے آنے کی اور تم کو دیکھنے کی وہ راہیں کھلی ہوئی ہیں جو تمہارے لئے کھلی ہوئی نہیں ہیں شیطان اپنی ذریات (ابن عباس) یا قبائل سمیت تم کو دیکھتا ہے اور تم اُس کو نہیں دیکھتے۔ لہذا اُس سے ہر وقت ہوشیار رہو اور اُس کے وسوسہ میں نہ پڑو۔ در حقیقت شیطان بے ایمانوں کے ہمزاد ہیں۔ دونوں کی طبیعتوں میں اتحاد ہے اگرچہ صورت اور نوع علیحدہ علیحدہ ہے۔

مقصود بیان:۔ شیطان کی پیروی سے بازداشت۔ شیطان کی فتنہ انگیزی کی بوضاحت اطلاع۔ شیطان کے نہ دکھائی دینے کی نص شیطان اور شیطان کا گروہ آدمیوں کو دیکھتا ہے۔ اسکی صراحت۔ شیطان نما انسانوں اور شیطانوں کے مشترک الوصف ہونے کا اظہار اور اس امر کی تنصیص کہ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اُس طرف لطیف اشارہ کہ بے ایمان آدمی اور شیطان ایمانداروں کے دشمن اور بے ایمانوں کے دوست ہوتے ہیں۔ وغیرہ

وَإِذَا فَعَلُوا۟ فَٰحِشَةً قَالُوا۟ وَجَدْنَا

جب وہ کوئی کھلا ہوا بُرا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے

عَلَيْهَآ ءَابَآءَنَا وَٱللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ

اسلاف کو اسی پر پایا ہے اور اللہ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے

قُلْ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِٱلْفَحْشَآءِ ۖ

(اے نبی) کہدو کہ اللہ بدکاری کا حکم نہیں دیتا ہے

أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

کیا تم اللہ پر (افترا کرکے) ایسی بات کہتے ہو جس سے تم خود ناواقف ہو

تفسیر زمانۂ جاہلیت میں مشرکوں کی عورتیں صرف شرمگاہ پر ایک لنگوٹ باندھ کر برہنہ ہوکر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتی تھیں اور عموماً اہل جاہلیت ایام حج میں پیٹ بھر کر کھانا چھوڑدیتے اور سدرمق

سے زیادہ کھانا گناہ سمجھتے تھے اور بعض لوگ بکری کے دودھ اور گوشت اور گھی کو حرام کر لیتے تھے اور قریش کے علاوہ دوسرے خاندانوں کے مرد بھی برہنہ طواف کرتے اور ان رسومات کو ثواب کے کام سمجھتے تھے جب اُن سے اسکی وجہ پوچھی جاتی تو بجز اس کے کوئی دلیل نہ تھی کہ بڑوں سے اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے۔ اگر اس میں کوئی خوبی نہ ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتے۔ ان واہیات رسوم و خیالات کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ فاحشہ وہ گناہ جس کی برائی انتہا درجہ کی ہو۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد یہاں برہنہ طواف کرنا ہے۔ ابن عباس اور سدی وغیرہ کا یہی قول ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد شرک ہے لیکن صحیح وہ ہے جو ابن کثیر نے کہا کہ ہر گناہِ عظیم اور بے حیائی کے کام کو یہ لفظ شامل ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا جب یہ بے ایمان مشرک کوئی بیحیائی کا کام کرتے ہیں اور اُن کو روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ داوا کی اقتدار کی ہے ہمارے اسلاف بھی ایسا ہی کرتے تھے اور وہ بہرحال ہم سے اچھے تھے۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے یعنی ہمارے باپ دادا حکم خدا کے خلاف نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ نے اُن کو اس کا حکم دیا تھا لہذا وہی فعل اُسی حکم کے تحت ہم تک پہونچا اور ہم اُس پر کاربند ہوئے۔ خدا تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ذرا ان سے یہ تو پوچھو کہ بھلا اللہ بھی کہیں بیحیائی کے کام کا حکم دیتا ہے یعنی اللہ کی عادت یوں ہی جاری ہے کہ محاسن اخلاق اور مکارم افعال کا حکم فرماتا ہے۔ وہ فحش باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ کیا بے جانے بوجھے تم خدا پر دروغ بندی کرتے ہو خواہ مخواہ بغیر واقفیت کے خدا پر افترا اختراشی کرتے ہو۔ ایک حدیث مشہور بلکہ متواتر ہے کہ جو کوئی عمداً مجھ پر دروغ بندی کرے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

مسئلہ:۔ اعتقادات میں تو تقلید قطعاً ممنوع ہے البتہ افعال میں تقلید اُس وقت تک جائز ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اُس کے خلاف موجود نہو۔ اگر کوئی شرعی دلیل اُس فعل کے خلاف موجود ہو تو اُس وقت تقلید کرنی حرام ہے (بیضاوی و ابن کثیر)

مقصود بیان:۔ اسلاف کی پیروی اور کورانہ تقلید حرام ہے بشرطیکہ حکم الٰہی کے خلاف ہو۔ اس امر کی صراحت کہ اللہ بیحیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتا۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ اللہ محاسن افعال اور اچھی باتوں کا ہی حکم دیتا ہے۔

بغیر واقفیت و یقین کے کسی بات کا خدا کی طرف منسوب کرنا ممنوع ہے وغیرہ۔

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا

کہدو کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ (حکم دیا ہے) کہ ہر نماز

وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ

کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھو اور خلوص

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ كَمَا بَدَأَكُمْ

عبادت کے ساتھ اُس کو پکارو جس طرح اُس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے

تَعُودُونَ ○ فَرِيقًا هَدَى وَفَرِيقًا

دوسری بار بھی پیدا ہوگے ایک فریق کو اُس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر

حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا

گمراہی ثابت ہو گئی بے شک اُنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر

الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

شیطانوں کو رفیق بنا رکھا ہے

وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ○

اور سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں

تفسیر كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ مجاہد حسن بصری قتادہ اور ابن کثیر وغیرہ کے نزدیک تو یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ بعد موت کے تم کو زندہ کریگا۔ جس طرح اُس نے ابتداءً بغیر وجود سابق کے پیدا کیا اسی طرح قیامت کے دن پھر دوبارہ بھی زندہ کردیگا۔ عبدالرحمٰن بن زید نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جس حالت جسمانی پر خدا نے تم کو پہلے پیدا کیا تھا اُسی حالت پر تم کو آخرت میں بھی پیدا کریگا۔ اس قول کو ابن جریر نے پسند کیا ہے اور اسی کی مؤید ہے وہ حدیث جو ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور اقدس نے دوران تقریر میں ایک روز فرمایا لوگو تم کو خدا کے پاس اٹھا کر لیجایا جائیگا برہنہ پا برہنہ بدن غیر مختون۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ (رواہ البخاری و مسلم) سدی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جسطرح اللہ نے تمہارے ایک گروہ کو ہدایت یافتہ اور دوسرے کو گمراہ پیدا کیا ہے کہ ان دونوں حالتوں سے ایک حالت پر اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہو اسی طرح قیامت کے دن بھی

تمہارا اعادہ فرمائیگا یعنی جو دنیا میں ہدایت پر پیدا ہوا تھا وہ قیامت کے دن بھی مہتدی ہوگا اور جو دنیا میں گمراہ تھا وہ آخرت میں بھی گمراہ ہوگا ابن عباس کی ایک روایت ہے کہ اللہ نے اولاد آدم کی سرشت میں ایمان وکفر رکھا بعض پیدائشی مومن ہیں بعض پیدائشی کافر چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ۔ اس قول کی تائید ابن مسعود کی روایت کردہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ آدمی اہل جنت کے کام کرتا ہے یہانتک کہ اُس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اُس پر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے پس وہ دوزخیوں کا کام کر گذرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوتا ہے اور بعض آدمی دوزخیوں کے کام کرتا ہے یہانتک کہ اُس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ جنتیوں کے کام کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حضرت جابر کی روایت ہے کہ ہر آدمی اُسی حالت پہ مبعوث ہوگا جس پر وہ مرا ہے (مسلم)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اللہ نے ہر کام میں اعتدال کا حکم دیا ہے یعنی افراط وتفریط سے منع کیا ہے اور منجملہ اس کے لباس بھی ہے لہذا نہ تو اس قدر کپڑوں کا بوجھ لادنا چاہئے کہ اُٹھ بھی نہ سکے اور خواہ مخواہ روپیہ برباد ہو اور نہ اتنی خست کرے اور ایسا زاہد خشک ہو جائے کہ برہنہ طواف کرے اور جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا ویسے ہی عبادت بھی کرے یہ دونوں فعل ممنوع ہیں۔ اور اللہ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ عبادت میں دو باتوں کا لحاظ رکھو ایک تو ہر عبادت کے ظاہری احکام و شرائط پر استقامت کرو۔ ظاہری ارکان و اجزاء و شرائط میں کوئی خرابی نہ آنے پائے دوسرے عبادت کے وقت قلبی خلوص وخشوع رکھو دل لگا کر اُسکی بندگی کرو اور یاد رکھو کہ قیامت برحق ہے خدا کے سامنے ضرور جانا ہوگا۔ وہ اعادۂ تخلیق پر قادر ہے جس طرح اُس نے دنیا میں دو گروہ پیدا کئے ہیں نیک اور بد اسی طرح آخرت میں بھی دونوں گروہ مخلوق ہونگے کچھ لوگ گمراہ ہونگے اور کچھ ہدایت یافتہ۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ خدا نے گمراہ فرقہ کو ظلماً گمراہ کر دیا اور اس میں (نعوذ باللہ) خدا کا قصور ہے بلکہ ان کی گمراہی کا اصلی سبب یہ ہے کہ انھوں نے نافرمانوں اور شیطانوں سے دنیا میں دوستی کی تھی۔ اعمال و افعال عقائد و خیالات اور صورت و سیرت میں اُن سے متحد تھے اور اللہ کو انھوں نے چھوڑ رکھا تھا اُس کے حکم کی تعمیل نہ کرتے تھے۔ شیطان کے کہنے پر چلتے تھے اُسی کے بندۂ فرمان تھے۔ اور پھر طرہ یہ کہ باوجود گمراہ ہونے کے اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے تھے۔ جہل مرکب میں مبتلا تھے۔

مقصود بیان:۔ ہر کام میں افراط وتفریط کی ضمنی ممانعت اعتدال کا حکم۔ ہر عبادت کے ظاہری ارکان اور باطنی شرائط کو ملحوظ رکھنے کا امر۔ ابتداء و اعادۂ خلقت کی مساوات کی صراحت۔ ضلالت و ہدایت کے ازلی ہونے کی نفی۔ اس بات کی وضاحت کہ گمراہی انسان کے افعال سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان کا اپنا عمل اس کا سبب ہے۔ نافرمانوں سے دوستی کرنے کی ضمنی ممانعت جہل مرکب کی مذمت وغیرہ۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ

اے اولاد آدم ہر نماز کے وقت اپنا لباس

كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَ

پہن لیا کرو اور کھاؤ پیو مگر

لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

بیجا خرچ نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ بے جا خرچ کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ

(اے نبی) کہدو کہ کس شخص نے اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے

اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

پیدا کی اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں حرام کر رکھی ہیں

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ

(اے نبی) کہدو یہ دنیوی زندگانی میں مسلمانوں کے لئے ہیں

الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ

اور قیامت کے دن خالص انہی کے لئے ہوں گی اسی طرح

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

ہم جاننے والوں کے لئے بتفصیل احکام بیان کرتے ہیں

تفسیر ان آیات کا مورد اور شان نزول اگرچہ خاص ہے جسطرح ہم نے اوپر بیان کر دیا لیکن حکم عام ہے۔ زینت سے ابن عباس کے نزدیک لباس مراد ہے اور مسجد سے عام مسجد خواہ

کوئی ہو۔ ہکذا قال مجاہد وعطاء وابراہیم النخعی وسعید بن جبیر وقتادۃ و السدی والضحاک والزہری وغیرہ واحد من ائمۃ السلف۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ جتنے حصہ بدن کا ڈہانکنا واجب ہے اسکو ہر نماز وعبادت و طواف کے وقت ضرور ڈہانک لیا کرو۔ برہنہ عبادت نہ کیا کرو۔ اور اگر زینت سے مراد عمدہ کپڑے ہوں تو امر وجوب کے لئے نہوگا بلکہ استحباب کے لئے ہوگا۔ یعنی مستحب یہ ہے کہ عبادت وطواف کے وقت عمدہ کپڑے (بقدر استطاعت) پہنا کرو۔ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ اور جو (حلال چیز) چاہو کھاؤ پیو مگر حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو تیرا جی چاہے وہ کھا اور جو تیرا جی چاہے وہ پہن جب تک کہ اسراف کرنا اور اترانا دونوں بدخصلتیں تجھ سے دور رہیں۔ دوسری روایت میں ہے اللہ نے کھانا اور پینا حلال کر دیا ہے جب تک کہ اسراف اور اترانا نہ ہو۔

اس سے آگے خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ ابن عباسؓ نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ کھانے پینے میں اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا لیکن ٹھیک تفسیر وہ ہے جو ابن جریر نے بیان کی ہے کہ اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو حرام وحلال کی حد سے تجاوز کرتے ہیں حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر لیتے ہیں۔

اس کے آگے فرماتا ہے:۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ ہِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔ اے نبی ان سے دریافت تو کرو کہ جب خدا تعالیٰ نے مطاعم وملابس پیدا کئے اور اپنے بندوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیا تو اب اُس کے علاوہ کس کو استحقاق ہو سکتا ہے کہ پہننے اور کھانے پینے کی پاک حلال چیزوں کو حرام کر سکے۔ پیدا کرنے والا اور دینے والا خدا پھر اُس کے علاوہ دوسرا حرام کرنے والا کون۔ دنیا میں اگرچہ کافر ومؤمن سب اس سے بہرہ اندوز ہونے میں شریک ہیں لیکن آخرت میں یہ نعمتیں صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں۔

مقصود بیان: مطاعم وملابس اور تمام انواع تجملات میں اصل اباحت ہے۔ ہر چیز حلال ہے جب تک کوئی دلیل شرعی اُس کی حرمت کی موجود نہو۔ اچھا کھانا اور اچھا پہننا ممنوع یا مکروہ نہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا محض خدا کا کام ہے کسی انسان کو اس میں دخل نہیں۔ حد اعتدال سے تجاوز کرنا ممنوع ہے۔ آیت سے بالالتزام آج کل کے علماء کو تنبیہ مترشح ہوتی ہے جنہوں نے کھانے پینے کی چیزوں میں اور دیگر احکام میں تحلیل وتحریم کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے جس چیز کو دل چاہتا ہے حرام کر دیتے ہیں اور جس کو دل چاہتا ہے حلال کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اُن کے پاس کوئی شرعی نص نہیں ہوتی آیت سے اُن صوفیوں کو بھی نصیحت حاصل کرنا چاہئے جو نفس کشی اسی بات میں جانتے ہیں کہ اچھا کھانا نہ کھائیں اچھا لباس نہ پہنیں اور تمام لذائذ کو ترک کر کے زاہد خشک بن جائیں اور دنیا ومافیہا کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جائیں وغیرہ۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا
کہدو کہ میرے رب نے صرف کھلی اور چھپی

ظَہَرَ مِنْہَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ
فحش باتوں کو اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو

بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ مَا
اور اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو شریک کرنے کو جس کی اس نے

لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا
کوئی سند نہیں اتاری اور اس بات کو کہ اللہ پر تم نادانستہ

عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
افترا بندی کرو حرام کیا ہے

تفسیر کفار کا جو عقیدہ تھا کہ برہنہ طواف کرنا، خفیہ زنا کرنا وغیرہ جائز ہیں اور اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اُسکی تردید عقلی اور طبعی طور پر اوپر کی آیات میں کر دی اب یہ بتانا چاہتا ہے کہ جو امور اللہ نے حرام کئے ہیں وہ درحقیقت وہ نہیں جو کفار نے اپنے عقیدہ میں حرام رکھے ہیں بلکہ ممنوعات تو یہ ہیں خفیہ وعلانیہ فواحش۔ اثم۔ ناحق زیادتی۔ شرک باللہ۔ بغیر سمجھے اللہ پر دروغ بندی کرنا۔ ان الفاظ کی تفسیر میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ الفواحش سے مراد ہیں بے حیائی کے کام خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ مثلاً زنا محرمات کو دیکھنا۔ گالی گلوج کرنا اور فحش بکنا۔ اثم سے مراد ہیں دیگر کبیرہ گناہ یعنی وہ عملی کبیرہ جن کو عرف میں بیحیائی کے کام نہیں کہا جاتا بلکہ اخلاقی جرم سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً شراب پینا۔ جوا کھیلنا۔ بغض۔ حسد۔ کینہ۔ دشمنی۔ جھوٹ وغیرہ۔ بغی بغیر الحق میں ہر قسم کا ظلم زیادتی اور حق تلفی داخل ہے خواہ کسی کی آبرو پر حملہ ہو یا مال پر یا جان پر۔ اس کے بعد شرک باللہ

افتراء علی اللہ میں ہر قسم کا شرک اور دروغ بندی داخل ہے۔ عقیدہ کی خرابی دو ہی قسم کی ہو سکتی تھی ایک تو یہ کہ خدائی اوصاف کا مالک دوسرے کو سمجھا جائے اور اللہ کی ربوبیت یا الوہیت میں دوسرے کو شریک سمجھا جائے۔ یا یہ کہ عقیدہ تو توحید ہی کا ہو اللہ کے سوا کسی کو خدائی اوصاف کا مالک نہ سمجھا جائے مگر اپنے مطلب کے لئے اُن اوامر و نواہی کو خدا کی طرف منسوب کیا جائے جن کی کوئی اصل نہیں۔ پہلی شق کی طرف اَنْ تُشْرِكُوْا الخ سے اور دوسری شق کی طرف اَنْ تَقُوْلُوْا سے اشارہ کیا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ گناہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول وہ جن کا اثر بدن نسب پر پہونچتا ہے سو وہ زنا ہے جسکو الفواحش میں تعبیر کیا۔ دوم وہ جن کا اثر عقل پر پہونچتا ہے وہ شراب ہے جسکو الاثم سے تعبیر کیا۔ سوم وہ جن کا اثر عزت پر پڑتا ہے۔ چہارم وہ جن کا اثر مال و جان پر پہنچتا ہے اُن کی طرف البغی بغیر الحق میں اشارہ ہے۔ پنجم وہ جن کا اثر روح اور دین پر پڑتا ہے ان کو ان تشرکوا الخ میں بیان کیا۔ اہل تصوف کہتے ہیں کہ فواحش دو طرح کے ہوتے ہیں ظاہری اور باطنی۔ ظاہری فواحش تو وہ ہیں جو آدمی کو ظاہر عبادات سے روک دیتے ہیں اور باطنی فواحش وہ ہیں جو دل کے اندر وسوسے پیدا کر کے مشاہدہ حق سے روک دیتے ہیں۔ اثم کے اندر اللہ کے نیک بندوں کا ناحق انکار داخل ہے اور بغی میں نیک بندوں سے اندرونی حسد کرنا داخل ہے۔ پھر ان تشرکوا الخ میں یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ اپنے علو اور کبریائی میں اس حالت پر ہے کہ اُس کی الوہیت میں کوئی اُس کا شریک نہیں اور جو لوگ علوم لدنی کے مدعی ہیں اُن کے منہ میں خاک جھونکنے کو وان تقولوا الخ نازل فرمائی۔ ابو عثمان کہتے ہیں کہ اگر تم طاعت ایسی کرو جس سے مقصود اللہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو یہ فواحش میں داخل ہے۔

مقصود بیان:۔ کفار کے رسوم و عقائد کی مدلل تردید۔ ہر قسم کی بے حیائی، ضرر رسانی، شرک، افتراء، دروغ بندی وغیرہ کی ممانعت۔ ما لا تعلمون سے اس طرف اشارہ ہے کہ تم کو خود نہیں معلوم کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں نہ تمہارے پاس اس کو جاننے کا کوئی ذریعہ ہے۔ صرف قیاس و تخمین سے اللہ کی طرف کسی حکم کو منسوب کرنا قطعاً حرام ہے۔ اس سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ بغیر علم کے فتوے دینا اور بغیر تحقیق کے یہ کہنا کہ قرآن میں اس طرح آیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے بالکل ناجائز ہے۔ وغیرہ۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے جب اُن کا وقت آ پہونچتا ہے

لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ

تو پھر ایک ساعت نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

تفسیر یہ اہل مکہ کو خصوصاً اور تمام کفار و اہل معاصی کو عموماً تہدید ہے۔ اجل کے معنی ہیں وقت معین۔ اس سے مراد یا تو نزول عذاب کا وقت معین ہے یا زندگی کے اختتام کا۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ وقت معین کی تخصیص نہ کی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر گروہ اور ہر قوم کے اقبال و ادبار، ترقی و انحطاط اور عذاب و موت کا ایک معین وقت ہے۔ وقت خاص سے پہلے نہ عذاب آ سکتا ہے نہ موت لیکن جب وہ وقت خاص آ جاتا ہے تو پھر تقدیم و تاخیر اور اُس سے آگے پیچھے ہونا ناممکن ہے۔ اسی مضمون کو دوسری آیت میں ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ۔ تیسری آیت میں بھی یہی مضمون ہے اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ۔ ایک اور آیت بھی اسی مضمون کی ہے وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا الخ۔ حاصل مدعا ان تمام آیات کا ایک ہی ہے کہ وقت معین ٹل نہیں سکتا۔

آیت مذکورہ کا اصل مدعا یہ ہے کہ حرام افعال کا ارتکاب کرنے والوں کو اگر جلد سزا نہیں ملتی تو اس سے کسی کو ان افعال کی تحریم میں شبہ نہ ہونا چاہئے اسلئے کہ ہر قوم کی سزا کے لئے بمقتضائے حکمت خدا ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آ جاتا ہے تو مہلت نہیں ملتی اور وقت سے پہلے ہلاک بھی نہیں ہوتے بس قبل از وقت سزا نہ ہونا اسکی علامت نہیں کہ ان کو سزا ہی نہ ہوگی۔ لہذا مسلمانوں کو اطاعت خدا و رسول پر جما رہنا چاہئے اور اُسی عہد پر قائم رہنا چاہئے جو عالم ارواح میں کر چکے ہیں۔ چنانچہ آئندہ آیت میں اسی عہد کو یاد دلایا جاتا ہے۔

تحقیق مبحث عمر میں کمی بیشی ہو سکتی ہے یا نہیں اس میں اہل تحقیق کا اختلاف ہے۔ آیات مذکورہ بالا نیز احادیث صحیحہ کی بناء پر جمہور کا قول یہ ہے کہ کسی سبب سے ہو عمر میں کمی بیشی ہو نہیں سکتی۔ حسن بصری فرماتے تھے لوگ بڑے احمق ہیں جو کہتے ہیں کہ اے میرے پروردگار اُس کی عمر میں درازی دے حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ الخ۔ لیکن جمہور کے قول کے خلاف چند آیات و احادیث کا مفہوم معلوم ہوتا ہے:۔

(۱) خدا تعالیٰ فرماتا ہے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں محو و اثبات بحکم الٰہی ہوتا ہے لہذا عمر میں بھی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ۔ اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عمر میں درازی اور کمی اُس حکم کے

مطابق جو لوح محفوظ میں درج ہے ہو سکتی ہے

(۳) خدا تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ آدمی کے واسطے دو اجل ہیں اُن میں سے جسکو اللہ چاہتا ہے آملک کے واسطے مقرر کر دیتا ہے زائد عمر کا حکم دیدیتا ہے یا ناقص کا

(۴) صحیحین میں وارد ہے کہ حضور پاک نے فرمایا کنبہ پروری عمر میں زیادتی کر دیتی ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے جو شخص اپنی عمر و اجل کی درازی اور وسعت رزق چاہتا ہو تو اللہ سے ڈرے اور کنبہ پروری کرے۔ ایک روایت میں ہے کنبہ پروری خوش خلقی اور ہمسایہ سے اچھا سلوک کرنا بستیوں کو آباد اور عمروں کو فراواں کر دیتا ہے۔

جمہور کی طرف سے ان شبہات کے جوابات حسب ذیل ترتیب وار دیئے گئے ہیں:۔

(۱) محو و اثبات کے یہ معنی ہیں کہ جو فرائض و شرائع خدا چاہتا ہے محو فرماتا اور جو قوانین و احکام چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اُن کو منسوخ نہیں فرماتا اور یہ تمام ناسخ و منسوخ اُس کے پاس اُم الکتاب میں موجود ہیں۔ **یہ بھی جواب** ہو سکتا ہے کہ محو و اثبات سے مراد یہ ہے کہ ملائکہ حافظین کی کتابوں میں جو امور حسنات و سیئات کے علاوہ ہیں اُن میں جسکو خدا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے جسکو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے یعنی فرشتے تو نیکی اور بدی اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی آدمی کرتا ہے سب کچھ لکھ لیتے ہیں، لیکن خدا تعالیٰ نیکی اور بدی کو تو برقرار رکھتا ہے اور اس کے علاوہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسکو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ **یہ بھی جواب** ہو سکتا ہے کہ محو و اثبات بمعنی معافی و عدم معافی کے ہے یعنی اللہ جو چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے اور جو چاہتا ہے نہیں معاف فرماتا۔ **یہ بھی جواب** ممکن ہے کہ محو سے مراد ہے ہلاک کرنا اور اثبات سے مراد ہے باقی رکھنا یعنی اللہ جس فرد جس قوم اور جس شئی کو چاہتا ہے ہلاک کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے ہلاک نہیں کرتا۔

(۲) آیت مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ الخ میں مُعَمَّر سے طویل العمر اور ناقص سے قصیر العمر مراد ہے یا مایعمر من معمر سے عمر آئندہ اور لاینقص من عمرہ سے عمر گذشتہ مراد ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ بعض لوگوں کی عمر دائرہ ہرم تک پہونچتی ہے اور بعض کی عمر اس سے کم ہوتی ہے۔

(۳) بیشک دو اجل مقرر ہیں۔ ایک اجل مُبْرَم جو ناقابلِ زوال ہے دوسری مُعلّق جو قابل زوال ہے۔ جب اجل مُبرم آجاتی ہے تو پھر تقدیم تاخیر ناممکن ہے اگرچہ اس اجل کے آنے سے قبل تعلیق تھی اور دعا یا کسی فعلِ خیر یا صلۂ رحمی سے اس معلق کی تاخیر ہو سکتی تھی۔ اسی سے احادیث مذکورہ کا جواب بھی ظاہر ہو گیا۔

مقصود بیان:۔ کافروں کو وعید۔ مسلمانوں کو اطاعت خدا ورسول پر قائم رہنے کی ضمنی خفیہ ہدایت۔ عذاب سے ترہیب۔ اس امر کی صراحت کہ اچھائی برائی نیکی بدی موت زیست سزا جزا غرض یہ کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ وغیرہ۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

اے اولادِ آدم اگر تمہارے پاس تمہاری جنس کے پیغمبر آئیں

يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ

اور تم سے میرے احکام بیان کریں تو جو لوگ پرہیزگاری کرینگے اور نیک کام کرینگے

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا

اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کریں گے اور اُن سے سرکشی

عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

کرینگے وہی دوزخی ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہینگے

تفسیر گذشتہ آیت میں عالم آخرت کی ابتدائی کڑی یعنی موت کی حالت کو بیان کیا تھا۔ اب عالم آخرت کے ثواب و عتاب کا سبب بتاتا ہے اور در پردہ مسلمانوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ تم کو اُسی عہد پر قائم رہنا چاہئے جو ازل میں کر چکے ہو۔

ارشاد ہوتا ہے يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ ہم نے بروز ازل کہدیا تھا کہ اے اولادِ آدم ہمارے پیام رساں اور قوانین ہدایت پہونچانے والے تمہارے پاس پہونچیں اور تم کو میرے احکام سنائیں تو تم اُن کی ہدایت پر چلنا اور اُن کی نصیحت قبول کرنا۔ اُن کے قول سے سرتابی نہ کرنا اور نہ اُن کی تکذیب کرنا کیونکہ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ تم میں سے جو لوگ شرک سے بچے رہینگے اور اعمال کو درست کر لینگے اُن کو قیامت کے دن نہ آئندہ کا خوف ہوگا نہ گذشتہ کا غم۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اور جو لوگ ہمارے احکام نہ مانینگے ایمان نہ لائینگے اور سرتابی کرینگے وہ دوامی دوزخی ہونگے پھر کبھی رہائی نہ ملیگی۔

مقصود بیان:۔ وعدۂ ازل اور نصیحت نظری کی یاد دہانی۔ ایمان و تقویٰ و عمل صالح کی در پردہ ترغیب۔ کفر و معاصی و سرکشی سے ممانعت

وترہیب۔ اس امر پر دلالت کہ انبیاء کو ہدایتِ خلق کے لئے بھیجنا خدا تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ جائز کی حد تک ہے۔ یہ خدا کی عنایت ہے کہ اُس نے پیغمبروں کو بھیجا۔ اس نکتہ کی طرف لفظ اِنْ سے اشارہ کردیا کیونکہ اِنْ شک کے لئے کلام عربی میں مستعمل ہوتا ہے اور شک کے دونوں رُخ مساوی ہوتے ہیں جس طرح جائز کے دونوں رُخ برابر ہوتے ہیں۔
اصحاب النار کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کفار ہمیشہ دوزخ میں رہینگے انقطاعِ عذاب کبھی نہ ہوگا۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا
کیونکہ اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر دروغ بندی کرے

أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم
یا اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے یہی لوگ ہیں جن کو اُن کا حصہ لوحِ محفوظ کا

مِّنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا
لکھا ہوا پہونچیگا یہانتک کہ جب ہمارے فرشتے انکی روحیں قبض کرنے

يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ
ان کے پاس پہنچینگے تو ان سے کہینگے اب وہ چیزیں کہاں ہیں جن کو اللہ کے سوا

مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا
تم پکارتے تھے۔ وہ جواب دینگے وہ ہم سے گئے گذرے ہوئے اور اپنے اوپر

عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ۝
آپ گواہی دینگے کہ وہ کافر تھے

تفسیر

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ یعنی جو لوگ کسی کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں خواہ قول سے یا فعل سے یا اعتقاد سے یا عیوب و نقائص کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں یا کہتے ہیں کہ فواحش پر عمل کرنے کا حکم ہم کو خدا نے دیا ہے۔ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ غرض یہ کہ کسی قسم کی دروغ بندی خدا پر کرتے ہیں خواہ قولی یا عملی یا اعتقادی یا قرآن پاک کو نہیں مانتے اور اسکو کلام الٰہی نہیں جانتے اُن کو حسب تحریرِ تقدیر کے موافق ہر بُرائی بھلائی پہونچیگی (یہ تفسیر مجاہد، قتادہ ابن جریر اور ابن کثیر وغیرہ نے کی ہے مگر محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس اور عبد الرحمن بن زید نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ رزق و اجل جو کچھ ان کے لئے مقرر ہو چکا ہے جب اُن کو دنیا میں مل چکتا ہے) اور حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ بالآخر ملائکۂ موت اُن کی روح قبض کرنے پہونچتے ہیں اور نزع کا عالم ہوتا ہے تو فرشتے اُن سے پوچھتے ہیں اب اپنے جھوٹے معبودوں کو بلاؤ جن کی پرستش اللہ کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے اب وہ کہاں ہیں؟ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ۔ وہ جواب دیتے ہیں وہ اب کہاں وہ تو ہم کو چھوڑ کر رفو چکر ہو گئے۔ یعنی اب ہمکو اُن سے مدد و نفع کی امید نہیں اور بالآخر یہ لوگ خود اپنے کافر ہونے کا اقرار کرینگے۔

مقصود بیان:۔ کفار کی عبرتناک حالت کا اظہار اور اُن کی بیچارگی و بےبسی کا بیان۔ اس امر پر تنبیہ کہ قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہ آئیگا

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ
(حکم ہوگا) جنات و انسانوں کے اُن گروہوں میں شامل ہو کر

مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ
جو تم سے پہلے گذر گئے ہیں جہنم میں داخل

فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ
ہو جاؤ جب ایک گروہ داخل ہوگا تو وہ اپنے جیسے دوسرے گروہ پر

أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا
لعنت کریگا یہانتک کہ جب سب کے سب اسمیں پہونچ جائیں گے

قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ
تو پچھلی جماعت پہلی جماعت کو کہیگی ہمارے پروردگار انہوں نے

أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ
ہم کو گمراہ کیا ان کو تو آگ کا دوگنا عذاب

النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن
دے اللہ فرمائیگا ہر ایک کو دوگنا (عذاب ہو رہا) ہے مگر

لَّا تَعْلَمُونَ ۝ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ
تم جانتے نہیں ہو اور پہلی جماعت پچھلی جماعت کو کہے گی

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوقُوا

عذاب تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے لہذا اپنے کرتوت کی پاداش

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۳۹﴾

میں عذاب کا مزہ چکھو

تفسیر یہ روز آخرت کی حالت کا بیان ہے یعنی قیامت کے دن اللہ یا دوزخ کا فرشتہ یا کوئی خدا کی طرف سے منادی قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ کہیگا تم انہی امتوں کے ساتھ مل کر آگ میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گذر چکی تھیں۔ مطلب یہ کہ وہ شیطان اور شیطان نما انسان تمہارے پیشوا اور رہبر تھے تم اُن کے طریقہ پر چلے تھے لہذا عذاب میں بھی انہی کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ حسب الحکم سب دوزخ میں داخل ہو جائینگے۔ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا لیکن جب کوئی نیا گروہ دوزخ میں جائیگا تو وہ پہلے داخل شدہ گروہوں کو لعنت ملامت کریگا کیونکہ اس نے اُس کی اقتدا کی تھی حَتَّى إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِنَ النَّارِ یہاں تک کہ جب سب اگلے پچھلے کافر دوزخ میں جمع ہو جائینگے تو تابع گروہ متبوع گروہ کے متعلق کہیگا پروردگارا ان کو دوگنا عذاب دے (انہوں نے ہمکو گمراہ کیا نہ یہ رسم بد قائم کرتے نہ ہم اُس پر چل کر تباہ ہوتے) قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ خدا تعالے فرمائیگا تم میں سے ہر گروہ کو دوگنا عذاب ہے مگر تم دوسرے فریق کے عذاب کو نہیں جانتے اسلئے ایسا کہتے ہو یعنی ایک حساب سے پہلی امت کا گناہ بڑا ہے کہ انہوں نے ایک نمونہ بد قائم کیا اور پچھلوں کے لئے بُری راہ ڈالی اور ایک حساب سے پچھلوں کا گناہ زیادہ ہے کہ اُنہوں نے پہلوں کا حال سُن کر اور اُن کی حالت دیکھ کر بھی عبرت نہ پکڑی۔ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ غرض جب خدا تعالیٰ کا یہ حکم اخیری متبوع گروہ سُنے گا تو کہیگا اب تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں گمراہی اور استحقاق عذاب میں ہم تم دونوں برابر ہیں لہذا تم بھی اپنے کئے کا مزہ چکھو۔

مقصود بیان:۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ کورانہ تقلید اور کسی کی جا بیجا پیروی ممنوع ہے مقلد اپنی جہالت کا عذر کرکے بھی نہیں بچ سکتے۔ قیامت کے دن جس طرح انسانوں کو عذاب ہوگا اسی طرح کافر جنات کو بھی ہوگا۔ وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا

بلا شبہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور اُن سے سرکشی کی

عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ

اُن کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائینگے

وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ

اور نہ وہ جنت میں داخل ہونگے تا وقتیکہ سوئی کے ناکہ میں اونٹ

فِي سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذَلِكَ نَجْزِي

نہ چلا جائے اسی طرح ہم گنہگاروں کو

الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَ

سزا دیتے ہیں اُن کے لئے دوزخ سے بچھونا ہے اور

مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذَلِكَ نَجْزِي

اوپر اُن کے بالاپوش ہیں اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا

الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

دیتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے

الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

کام کئے اور ہم تو طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتے

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

تو وہی لوگ جنتی ہیں جنت میں ہمیشہ رہیں گے

تفسیر چونکہ آسمانوں میں باری تعالیٰ کی تجلیات کا زیادہ ظہور ہے اجرام علویہ میں قدرت الٰہی کا پرتو بہت زیادہ نمایاں ہے آفتاب ماہتاب اور دیگر ستارے اور تمام نورانی اجسام آسمان پر ہی ہیں یہی وجہ ہے کہ ملائکہ وارواح مطہرہ کے لئے آسمان کو مسکن قرار دیا اور پاک روحیں بدن سے خارج ہونے کے بعد اسی فضائے نورانی کی طرف جاتی ہیں۔ اور جو خبیث روحیں و تاریک نفوس ہیں وہ بدن سے نکلنے کے بعد بھی اسی مادی تاریک زمین کی

طرف پھینکدیے جاتے ہیں جو اُن کے لئے طبعی مناسبت رکھتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ جن لوگوں نے قرآن کو نہ مانا اور اُس پر ایمان نہ لائے اور سرتابی کی جب وہ مرجاتے ہیں تو اُن کی روحوں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے (سدی ضحاک وغیرہ نے یہی تفسیر کی ہے مگر مجاہد وسعید بن جبیر نے یہ تفسیر کی ہے کہ کافروں کے اچھے کام بھی آسمان تک نہیں لیجائے جاتے) وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ اور وہ جنت میں کبھی داخل نہ ہوں گے جسطرح اونٹ کا داخلہ سوئی کے ناکہ میں ناممکن ہے اسی طرح اُن کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ اُن کا اوڑھنا بچھونا آگ کا ہوگا اور یہ تمام سزا اُن کو ظلماً نہیں دی جائیگی بلکہ اُنہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا خود بیجا حرکات کی تھیں اُن کی بیجا حرکات کی یہ سزا ہوگی۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ البتہ نیکوکار مؤمنوں کو دوامی جنت حاصل ہوگی لیکن نیکوکاری سے یہ مراد نہیں کہ ہر شخص انتہائی نیک ہو۔ کیونکہ ہر شخص کی طاقت سے یہ خارج ہے کہ انتہائی نیک بن جائے بہت سے مجبور معذور غیر مستطیع آدمی ہیں جو بعض قسم کی نیکیاں کرنے سے قاصر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ بقدر طاقت و وسعت نیکی اختیار کرے تو اُسکو کافی و کامل جزا ملے گی۔

مقصود بیان:۔ ترہیب و ترغیب اور وعظ و ارشاد کی انتہائی بلیغ الفاظ میں تصویر کشی۔ اس امر کی صراحت کہ کفار کبھی جنت میں داخل نہ ہونگے۔ اس بات کی وضاحت کہ ارواح خبیثہ کو مرنے کے بعد صعود و قرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا۔ اس بات کی نفی کہ عمل ایمان کا جزو نہیں بلکہ ایمان علیحدہ چیز ہے اور عمل علیحدہ۔ آیت میں اس امر کی وضاحت بھی کردی گئی کہ کافروں کو جو کچھ سزا ملے گی وہ ظلم پر مبنی نہ ہوگی بلکہ اُن کے کیئے کی پاداش ہوگی۔ اس بات کو بھی واضح الفاظ میں بیان کردیا کہ خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف مالایطاق نہیں دیتا۔ وسعت سے زائد کوئی شخص تعمیل حکم پر مجبور نہیں بلکہ جس کی وسعت و طاقت ہو اُتنی نیکی کرنی لازم ہے۔ وغیرہ۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

اور اُن کے دلوں میں باہم جو کدورت دنیا میں تھی ہم اُسکو دور کردینگے

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ

اُن کے مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہ کہینگے اُس اللہ کا شکر

لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا

ہے جس نے ہم کو اس (بہشت) کی راہ بتادی اگر ہم کو

لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ

اللہ راہ نہ بتاتا تو ہم راہ نہ پاتے ہمارے

جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْۤا

رب کے پیغمبر سچی بات لیکر آئے تھے اُس وقت اُن کو ندا دی جائیگی

اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

کہ تم اپنے اعمال کے صلہ میں اس جنت کے مالک بنادیے گئے

تفسیر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مؤمن دوزخ سے نجات پاجائینگے تو جنت و دوزخ کے درمیان ایک پل پر روکے جائینگے۔ پس جو حق حقوق دنیا میں اُن کے ایک دوسرے کے ذمہ تھے اُن کا عوض لیا جائیگا یہانتک کہ جب پاک صاف ہوجائینگے تو اُن کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ پس قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ہر شخص جنت میں اپنے مسکن کو اس سے زیادہ پہچانیگا جتنا کہ دنیا میں اپنے گھر کو پہچانتا تھا (رواہ البخاری) قتادہ کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان اور طلحہ و زبیر اُن ہی لوگوں میں سے ہوں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَنَزَعْنَا الخ (رواہ ابن جریر) حسن بصری کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ہم اہل بدر کے حق میں ہی نازل ہوئی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ دنیا میں اہل ایمان کے درمیان جو کچھ رنجش تکدر اور حسد و بغض ہوگیا ہوگا جنت میں داخل کرنے سے قبل ہم اُن کی باہمی صفائی کرادینگے اور پھر جنت میں اُن کو داخل کرینگے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وہ خدا کا شکر اور حمد کرینگے کہ محض یہ توفیق الٰہی تھی کہ ہمکو ہدایت نصیب ہوئی اگر اُس کی توفیق نہ ہوتی تو ہم کو راہ راست نہ مل سکتی پیغمبر دنیا

هم سے جو کچھ فرمایا تھا اور جو احکام ہم تک پہونچائے وہ سب سچے تھے۔ اس کے بعد جنت میں پہونچ جائینگے تو وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ندا ہوگی کہ یہ جنت جو تم کو عطا کی گئی ہے تمہارے اعمال کا صلہ ہے۔ مطلب یہ کہ تمہارے اعمال کے سبب تم کو رحمت الٰہی ملی اور رحمت الٰہی کی وجہ سے جنت نصیب ہوئی۔ یہ مطلب نہیں کہ اعمال صالحہ دخول جنت کے موجب ہیں کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے فرما دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل نہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا حضور بھی؟ فرمایا ہاں میں مگر اُس وقت جبکہ خدا تعالیٰ مجھکو اپنے فضل و رحمت سے ڈھانپ لے۔ حاصل یہ کہ دخول جنت رحمت الٰہی کے سبب ہوگا اور رحمت کے حصول کا سبب اعمال صالحہ ہیں۔

مقصود بیان:۔ دنیا میں ایک مسلمان کے دل میں عارضی طور پر دوسرے کی طرف سے کدورت ہو تو اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ البتہ جنت میں داخلہ اُس وقت ہوگا جب آپس کی کدورتیں بالکل صاف ہو جائینگی اور غالبًا یہی مطلب ہے اُس حدیث کا کہ جس کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے حسد ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا یعنی جنت میں داخل ہونے سے قبل خواہ آخرت میں ہو یا دنیا میں صفائی قلب لازم ہے۔ آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ توفیق ہدایت بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے جنت اعمال کا صلہ ہے یعنی حصول جنت کا ذریعہ اعمال ہیں وغیرہ

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ

اور دوزخیوں کو اہل جنت پکاریں گے

اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

کہ ہمارے رب نے جس چیز کا ہم سے وعدہ کیا تھا اسکو تو ہم نے واقعی پالیا

فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ

کیا تم نے بھی اُس چیز کو واقعی پالیا جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا

قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ

وہ کہینگے ہاں بس ایک ندا دینے والا اُن کے درمیان ندا دیگا کہ

لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ

اُن ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو جو

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا

راہ خدا سے روکتے تھے اور اُس میں کجی نکالنی

عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ

چاہتے تھے اور آخرت کے خاص کر منکر تھے

تفسیر ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل اور ابو جہل وغیرہ سرداران کفار کہا کرتے تھے کہ بلال۔ عمار اور صہیب جیسے غریب فقیر تو جنت میں جائیں اور ہم شریف امیر دوزخ میں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ پاک نے ان دونوں فریق کا حال اس آیت میں بیان فرمایا۔ اس تقدیر پر آیت کا مورد ایک خاص قصہ قرار پائیگا لیکن حکم بہر حال عام ہوگا۔ البتہ اصحاب النار سے مراد کفار ہیں کیونکہ کفار کے علاوہ گنہگار مؤمن دوامی دوزخی نہیں ہیں۔ پھر اہل جنت اور اہل دوزخ سے کل اہل جنت و اہل دوزخ مراد نہیں ہیں بلکہ بعض مراد ہیں ارشاد ہوتا ہے:۔ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا یعنی دوزخیوں کو قائل کرنے کے لئے اہل جنت پکار کر اُن سے کہینگے یعنی دنیا میں جو مؤمن کافروں کو جانتے تھے اُن سے پکار کر کہینگے کہ ہم سے جس کامیابی نجات و ثواب کا خدا نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے اُس کو برحق پایا ہم کو وعدہ کے مطابق سب کچھ مل گیا تو کیا جس عذاب و عقاب سے خدا نے تم کو دنیا میں ڈرایا تھا تم نے بھی اُس کو برحق پایا اور وعید کے مطابق عذاب میں مبتلا ہوئے؟ قَالُوْا نَعَمْ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ناچار دوزخی بولینگے ہاں وعید برحق ثابت ہوئی۔ ہم نے وعید کے مطابق عذاب پالیا اُس وقت اسرافیل یا کوئی اور فرشتہ دونوں فریق کے درمیان ندا کریگا کہ کافروں پر اللہ کی پھٹکار کیونکہ یہ لوگ نہ صرف خود گمراہ تھے بلکہ راہ خدا سے اوروں کو بھی روکتے تھے اور غیر اللہ کی تعظیم کرتے تھے راہ مستقیم پر نہ چلتے تھے اور آخرت کے حساب کتاب جزا سزا بلکہ روز قیامت ہی کا انکار کرتے تھے ان پر خدا کی لعنت ہے۔ غرض یہ کہ فرشتہ کافروں پر لعنت کریگا اور خود ہی کافروں کے خصوصی اوصاف بیان کریگا جو درحقیقت اُن کے ملعون ہونے کے اسباب ہوں گے۔

ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

یہاں شبہہ کیا جاتا ہے کہ جنت نام عالم قدس کا ہے جو بالکل قضا رنور ہے اور دوزخ نام ایک عالم تیرگی کا ہے جو دار العذاب ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جس کو بیان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کوئی دنیا کے چھوٹے چھوٹے دو مکان تو ہوں گے نہیں کہ ایک کے رہنے والے دوسرے کے رہنے والوں کو پکار سکیں پھر کسطرح اہل جنت اہل دوزخ کو پکارینگے اس شبہہ کا ازالہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ دوزخ و جنت کی واقعی حقیقت ہمارے دماغوں میں نہیں آسکتی ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اتنی بڑی جنت جس میں کروڑہا کروڑ مخلوق خلقت آدم سے روز قیامت تک کی تمام آجائے اور علی ہذا اتنی بڑی دوزخ کہ ہزاروں لاکھوں برس کے کل کفار اور گناہگار مسلمان تمام کے تمام اس میں سما سکیں کہاں ہوگی یا کہاں ہے پھر جنت کے لذائذ اور دوزخ کے انواع عذاب کی تفصیلی حالت بھی انسانی تجربہ اور مشاہدہ اور ادراک سے خارج ہے اسی طرح اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے ہاں جس طرح لذائذ جنت کی تصویر کشی کیلئے اور دوزخ کا انواع عذاب سے ڈرانے کے لئے قرآن پاک میں ترغیبی و ترہیبی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور الفاظ کا جامہ پہنا کر ہمارے سمجھانے کے لئے بطور تمثیل و تشبیہ کھانے کے لئے انگور سیب انار گوشت وغیرہ پینے کے لئے بہترین شراب و شربت و دودھ شہد وغیرہ کا مرکب رہنے کے لئے سونے چاندی کے مکان موتیوں کے دروازے مشک و عنبر کی سڑکیں خدمت کے لئے حور و غلمان اور حکومت و تصرف کے لئے ادنیٰ مسلمان کیلئے اتنی بڑی سلطنت جو دنیا سے بھی بڑی ہوگی بیان فرمائی اور دوزخ کی حالت کی تصویر کشی کیلئے بطور تمثیل و تشبیہ انتہائی المناک کیفیات سوزش آتش سانپ بچھو کا کاٹنا کانٹوں میں کھینچا جانا پیپ ہو کی خوراک کھولتا گرم پانی پلایا جانا وغیرہ ظاہر فرمائی گئیں لیکن حقیقت کا خدا کو علم ہے کہ یہ تمام چیزیں کیسی ہوں گی۔ کیا کیفیات ہونگی کیا حالت ہوگی مقصد صرف یہ ہے کہ عذاب الہیٰ سے لوگ ڈر کر نافرمانی چھوڑ دیں اور جنت کے طالب ہو کر نیکی کی طرف مائل ہوں بس بالکل یہی حالت اور کیفیت ندا اہل جنت کی ہوگی مقصد صرف اس ندا کا یہ ہے کہ جنتی دوزخیوں کو قائل کرینگے انکی حسرتوں میں اضافہ کرینگے اور فیصلہ کی وجہ بھی ظاہر کردینگے باقی ندا کیسی ہوگی آن آواز لہجہ اور طرز ادا کے ساتھ ہوگی یا کسی اور طریقہ سے قریب سے پکارینگے یا دور سے اور دوزخی ان کی آواز کس طرح سنینگے دوزخ کے شور کے باوجود جنتیوں کی آواز انکے کانوں میں پہنچ جائیگی اور ہولناک عذاب میں مبتلا ہونیکے باوجود وہ جواب بھی نہیں دے سکیں گے اور وہ آواز اہل جنت تک پہنچ جائیگی یہ تمام واقعات و کیفیات انسانی ادراک کی حد سے خارج ہیں۔ صرف ہمارے سمجھانے نیکی کی طرف مائل کرنے اور بدی سے باز رکھنے کے لئے الفاظ کے ذریعہ سے کیفیات کی تصویر کشی انتہائی اعجاز کے ساتھ کی گئی ہے۔ ورنہ کہاں عالم آخرت کے کیفیات اور کہاں خاکی مادی انسان کا کوتاہ نظر دماغ۔

مقصود بیان: کافروں کی حسرت و مایوسی اور اہل جنت کی خوشی و مسرت کی تصویر کشی کفار کے ملعون ہونے کی علت کا اظہار اس بات کی طرف اشارہ کہ آخرت کا انکار راہِ مستقیم کو چھوڑ کر ٹیڑھے راستہ پر چلنا اور راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا ممنوع ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ کی لعنت میں ماخوذ ہونے کا ذریعہ ہیں۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ

اور دوزخ و جنت کے درمیان ایک حجاب ہوگا اور اعراف پر کچھ لوگ ہونگے

يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ

جو سب کو اُن کے چہروں سے پہچان لینگے اور اہل جنت کو آواز

الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا

دینگے کہ تم پر سلام ہو اعراف والے ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہونگے

وَهُمْ يَطْمَعُونَ ○ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ

بلکہ آرزو رکھتے ہونگے پھر ان کی آنکھیں جسوقت دوزخ والوں کی طرف

تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

پھیر دی جائینگی تو کہیں گے پروردگار ہم کو

مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○ ع

ظالموں کے ساتھ نہ کرنا

تفسیر

اہل جنت و اہل دوزخ کی حالت اوپر کی آیت میں بیان کردی اب دوزخ و جنت کے درجہ کی حالت کا بیان فرماتا ہے کہ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ جنت و دوزخ کے درمیان ایک درجہ ہوگا جو دونوں کا حد فاصل ہوگا نہ اس میں دوزخ کی تکلیف نہ جنت کی راحت۔ یہ درجہ وہ ہوگا جہاں سے دونوں طرف یعنی اہل جنت و اہل دوزخ کی شناخت ہوسکیگی۔ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ۔ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ

قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ - اس درجہ کا نام اعراف ہے اس درجہ میں کچھ لوگ موجود ہوں گے جو دوزخیوں کی روسیاہی اور جنتیوں کی شادابی چہرہ دیکھ کر ہر فریق کو پہچان لینگے - اب رہی یہ بات کہ یہ کون لوگ ہونگے - اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ سے آیت کے مطلب میں بھی اختلاف ہوجاتا ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہونگے جو ملائکہ یا انبیاءؑ یا شہداء ہونگے اور وہ لوگ ہونگے جو دنیا میں خدا کے گواہ تھے جو ہر اہل خیر ایماندار متقی اور اہل شر مشرک کافر فاسق کو پہچانتے تھے - قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو اعراف یعنی بلند مقامات پر بٹھا کر ہر ایک اہل خیر و اہل شر کا انجام کار جنت و دوزخ دکھائیگا - حسن مجاہد اور ابو مجلز وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن جمہور کے خلاف ہے - اس تقدیر پر حاصل ارشاد یہ ہے کہ کچھ لوگ عدالت آسمانی میں ہر ایک اہل خیر و شر کے لئے سچی سچی شہادت دینے کے لئے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ گواہ ہوں گے - جو بلند کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے - جب تمام کا فیصلہ ہوچکے گا تب وہ جنت میں جائیں گے - فریقین کے فیصلہ سے قبل جنت میں نہ جائینگے مگر اس بات کی انکو طمع یعنی یقین ہوگا کہ بعد میں جنت میں داخل ہوں گے جب یہ اہل جنت کو دیکھینگے تو بطور مبارکباد کہیں گے تم پر خدا کی رحمت سلامتی ہو اور جب دوزخیوں کی طرف ان کی نظر پڑیگی تو خدا کی پناہ مانگینگے کہ الٰہی تو اس ظالم گروہ سے ہم کو دور رکھیو - دوسری جماعت کہتی ہے کہ اہل اعراف وہ لوگ ہیں جنکی نیکی و بدی مساوی ہوگی نہ جنت کے قابل ہونگے نہ دوزخ کے جیسے مسلمانوں میں سے فساق یا اطفال مشرکین یا بغیر اجازت والدین جہاد میں جاکر شریک ہونے والے تو خدا تعالیٰ ان کو جنت و دوزخ کے درمیان ایک بلند جگہ یعنی دو ترتیب اونچی جگہ پر رکھیگا یہاں سے یہ فریقین کا حال دیکھینگے دوزخیوں کو دیکھکر ڈرینگے اور پناہ مانگینگے کہ الٰہی ان میں ہمیں داخل نہ کیجیو اور اہل جنت کو دیکھکر آرزو کرینگے - اور بالآخر اللہ ان کو اپنے فضل و کرم سے جنت میں جگہ دیگا - یہ قول ابن عباس رضؓ ابن مسعود رضؓ اور دیگر سلف کا ہے - اور جمہور کی بھی رائے ہے - مختلف احادیث سے بھی یہی ثابت ہے ابن مردویہ نے بروایت جابر بن عبداللہ بیان کیا کہ جس شخص کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اس کے متعلق حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا گیا - حضور ﷺ نے فرمایا یہی اعراف والے ہوں گے الخ عبدالرحمٰن مزنی نے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اہل اعراف وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے باپ کی معصیت کی اور راہ خدا میں شہید ہوئے - پس باپ کی نافرمانی سے تو جنت میں داخل نہ ہوسکے اور راہ خدا میں شہید ہونا ان کو دوزخ میں داخل ہونے سے مانع ہوا (رواہ سعید بن منصور و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و ابن جریر و البیہقی۔

والطبرانی و ابوالشیخ و عبد بن حمید - و قد رواہ ابن ماجہ مرفوعاً من حدیث ابی سعید الخدری و ابن عباس رضؓ) حذیفہ رضؓ سے روایت ہے - اہل اعراف ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں پس برائیوں نے تو جنت میں داخل ہونے سے روکا - اور نیکیاں دوزخ سے آڑے آئیں - پس دیوار (یعنی اعراف) پر ٹھیرا دیئے گئے یہاں تک کہ خدا انکے متعلق فیصلہ کرے - (رواہ ابن جریر) عمرو بن جریر سے مروی ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا بندوں میں سب سے آخر میں جن کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیگا وہ اہل اعراف ہیں جب خدا تعالیٰ لوگوں کے فیصلہ سے فارغ ہوگا تو فرمائیگا تم ایسی قوم ہو کہ تمہاری نیکیوں نے تم کو دوزخ سے نکالا - اور تم جنت میں بھی داخل نہ ہوسکے اب تم میری طرف سے آزاد کردہ ہو پس تم جہاں چاہو جنت میں کھاتے پھرو۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا

اور اعراف والے کچھ آدمیوں کو اُن کے چہروں سے پہچان کر

يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ

آواز دے کر کہیں گے (آج) تمہارا جتھا نہ تمہارے کام

جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○ اَهٰٓؤُلَآءِ

آیا اور نہ تمہاری سرکشی کیا یہی لوگ ہیں

الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ

جن کے متعلق تم قسم کھاتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت نہ عطا کریگا

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ

(دیکھو ان سے کہدیا گیا کہ) جنت میں داخل ہوجاؤ نہ تم کو کچھ خوف ہے نہ تم غمگین ہوگے

تفسیر

اُدْخُلُوا الخ یا تو اہل اعراف کا مقولہ ہے یہی قول جمہور کا ہے یا خدا تعالیٰ کی طرف سے اہل اعراف کو ان الفاظ میں خطاب ہوگا - یہ بعض مفسرین کا قول ہے - جمہور کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل اعراف جن لوگوں کو دنیا میں پہچانتے تھے جب اُن کو دوزخ میں دیکھینگے تو علامات اور چہرہ کی حالت دیکھ کر شناخت کر لینگے اور بآواز بلند بطور سرزنش و ملامت ہر ایک کا نام مع ولدیت لیکر (کذا قال کلبی) کہینگے کہ اے فلاں بن فلاں آج وہ مال و زر جس کے لئے تم دین کو برباد کرتے تھے اور وہ تمہارا جتھا جمعیت اعوان

وندگی کا رنگ کر جا کر اور لاؤ لشکر جس پر تم گھمنڈ کرتے تھے کچھ بھی تمہارے کام نہ آیا۔ عذاب خداوندی سے تم کو بالکل نہ بچا سکا پھر جنت کی طرف نظر اٹھا کر اس میں ان کمزور غریب مسلمانوں کو دیکھینگے جن کو کافر ذلیل حقیر سمجھتے تھے اور ان مسلمانوں کی طرف اشارہ کرکے ان دوزخی کافروں کو سرزنش کرتے ہوئے کہینگے کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ آخرت میں اللہ کی رحمت ان کے شامل حال نہ ہوگی۔ لو دیکھ لو انہی حقیر مسلمانوں سے کہدیا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اب نہ گذشتہ کا تم کو افسوس ہوگا نہ آئندہ کا غم۔ ثانی تقدیر پر آیات کا اخیر ٹکڑا یعنی ادخلوا الخ کا مطلب یہ ہوگا کہ جب دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں جا چکینگے اور اعراف والے دوزخیوں اور جنتیوں کی حالت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اہل جہنم کو سرزنش اور اہل جنت کو مبارکباد دے چکینگے تو اس وقت اہل اعراف سے کہا جائے گا کہ اب تم بھی جنت میں چلے جاؤ اب تم کو بھی دیگر اہل بہشت کی طرح افسوس و غم نہ ہوگا۔

مقصود بیان:۔ اس بات کی صراحت کہ اہل اعراف دونوں فریقوں کی حالت کا مشاہدہ کرینگے۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ قیامت کے دن مال و دولت جمعیت و شوکت اولاد و اعوان کچھ کام نہ آئیگا۔ ان پر غرور کرنا بیجا ہے۔ اس امر کی طرف ایما کہ جو مسلمان دنیا میں افلاس ضعف اعضا اور پستی نسب کی وجہ سے کمزور نظر آتے ہیں اور لوگ ان کو ذلیل سمجھتے ہیں قیامت کے دن وہی سربلند اور معزز ہونگے۔ وغیرہ۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ

اور دوزخی جنتیوں کو پکار کر کہیں گے

أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا

کہ کچھ پانی یا وہ رزق جو اللہ نے تم کو کھانے کو دیا ہے

رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا

ہماری طرف بھی ڈالدو۔ وہ کہینگے اللہ نے یہ کھانا پانی ان کافروں

عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ الَّذِينَ اتَّخَذُوا

پر حرام کردیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو

دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ

کھیل بنا رکھا تھا اور دنیوی زندگانی نے ان کو

الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُوا

فریب دے رکھا تھا (اللہ فرمائیگا) آج ہم ان کو ایسا ہی بھولتے ہیں جیسے وہ

لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا وَمَا كَانُوا

اس دن کے پیش آنے کو بھولے ہوئے تھے اور ہماری

بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝

آیتوں کا انکار کرتے تھے

تفسیر شروع میں بیان کیا گیا تھا کہ اہل جنت اہل نار کو پکار کر کہینگے کہ کیا تم کو وعید الٰہی برحق ثابت ہوگئی؟ اس کے بعد بیان کیا گیا تھا کہ اہل اعراف جنتیوں اور دوزخیوں کی حالت کا مشاہدہ کرکے جنت میں داخل ہونے کی خواہش اور دوزخیوں سے علیحدہ رہنے کی دعا کرینگے۔ اسکے بعد بیان کیا گیا تھا کہ اہل اعراف دوزخیوں کو سرزنش و ملامت کرینگے۔ اب ایک شق رہ گئی تھی یعنی دوزخیوں کا خطاب اہل جنت سے۔ اس کو اس آیت میں بیان کردیا اور دوزخیوں کی ذلت و رسوائی کی جو حالت ہوگی اسکو ظاہر فرمادیا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ دوزخی جنتیوں سے پکار کر کہینگے اور عاجزی کے ساتھ بھیک مانگینگے کہ کچھ پانی یا وہ کھانا جو اللہ نے تم کو نصیب کیا ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی دیدو۔

افاضہ کے معنی ہیں بہانا۔ یہاں مراد ہے دینا۔ اور مما رزقکم اللہ سے برروایت سُدی کھانا مراد ہے۔ عبدالرحمن بن زید کا بھی یہی قول ہے۔

سعید بن جبیر نے تفسیری مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دوزخی آدمی آتش دوزخ سے جل بھن کر اپنے جنتی بھائی یا باپ یا کسی اور (رشتہ دار یا دوست) سے پکار کر کہیگا کہ ذرا سا پانی ہماری طرف بھی بہادو۔ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا۔ اہل جنت جواب دینگے ہم تم کو کچھ نہیں دے سکتے اللہ نے کافروں کو کھانا پانی دینے سے منع فرمادیا ہے یعنی جنت کے آب و طعام سے کافروں کو محروم کردیا ہے (ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور اقدس نے فرمایا افضل الصدقہ پانی ہے پھر اسی آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا) کیونکہ دنیا میں یہ بڑے خبیث تھے۔ دنیوی زندگانی پر ریجھے ہوئے تھے۔ فانی راحت و آرام اور عیش و آسائش نے ان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور آخرت کا سروسامان کرنے سے غافل بنا رکھا تھا اور انہوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا رکھا تھا جس بات میں مشغول ہونا

جاہیے تھا اُس میں مشغول ہوتے اور جس بات سے تمتع اندوزی مناسب نہ تھی اُس سے مسرت اندوز ہوتے تھے (کذا فی السراج) یا دین کو لہو ولعب بنانے کا یہ مطلب ہے کہ جو پیغمبر یا نیک آدمی اُن کو دینی ہدایت کرتے اُس کا یہ مذاق اُڑاتے اور اُسکو حقیر و ذلیل سمجھ کر کہتے کہ کیا یہی لوگ جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہونگے۔ یا دین کو لہو ولعب قرار دینے سے کافروں کے عقائد باطلہ اور رسوم جاہلانہ کی طرف اشارہ ہے۔ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ چونکہ فراموشی اور نسیان سے خدا تعالیٰ پاک ہے اسلئے آیت کا تفسیری مطلب مفسرین نے مختلف طور پر بیان کیا ہے اور ہر ایک نے الگ توجیہ کی ہے۔ عوفی نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ اللہ نے گویا بھلائی سے اُن کو فراموش کر دیا اور تکلیف و عذاب سے فراموش نہیں کیا۔ علی بن ابی طلحہ نے بروایت ابن عباس نسیان کے معنی ترک لکھے ہیں مجاہد کے نزدیک نسیان کے معنی ہیں آگ میں چھوڑ دینے کے۔ سدی کے قول کے بموجب رحمت سے الگ رکھنا مراد ہے یعنی خدا اُن کو قیامت کے دن اپنی رحمت سے جُدا اور متروک رکھیگا جس طرح اُنہوں نے قیامت کے لئے کار خیر کرنے کو ترک کر رکھا تھا۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بعض لوگوں سے فرمائیگا کہ کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تجھے عزت نہیں عطا کی تھی؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے زیر فرمان نہیں کر دیے تھے؟ کیا میں نے تجھے سیر ہو کر کھانے پینے کے لئے نہیں چھوڑ دیا تھا؟ بندہ عرض کریگا پروردگار! بیشک یہ سب باتیں تھیں۔ خدا تعالیٰ فرمائیگا کیا تجھے مجھ سے ملنے کا یقین تھا؟ بندہ عرض کریگا نہیں۔ خدا تعالیٰ فرمائیگا لہذا آج ہم بھی تجھے فراموش کرینگے جیسے تو ہم کو بھولا تھا۔ آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ جس طرح روز قیامت کو وہ لوگ بھول گئے تھے کوئی عمل خیر نہ کرتے تھے اور قیامت کے لئے اُنہوں نے کوئی تیاری نہ کی تھی اور ہمارے احکام کا انکار کرتے تھے اسی طرح ہم بھی قیامت کے دن اُن کو بھوکا پیاسا دوزخ میں چھوڑ دینگے اور جس طرح بھولنے والا بھولے ہوئے کی مدد نہیں کرتا اسی طرح ہم بھی اُن کی کوئی دستگیری نہیں کرینگے۔

مقصود بیان:- دوزخ بہ نسبت جنت کے پست ہے۔ کافر جنت میں کبھی داخل نہ ہونگے۔ جنت کی ہر نعمت سے کافر محروم ہے۔ آیت میں دنیوی زندگانی پر ریجھنے کی ممانعت ضمنی ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دین نام لہو ولعب کا نہیں۔ جن لوگوں کے دین کی بنیاد لہو ولعب اور سیر و تفریح پر ہے اُن کا دین اللہ کا قائم کردہ دین نہیں بلکہ فریب نفس ہے۔ آیت میں ضمنی طور پر قیامت کے لئے سروسامان نہ کرنے والوں کو تہدید اور تیاری آخرت کرنے کی ترغیب ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ

ہم اُن کے پاس ایسی کتاب لا چکے جسکو ہم نے اپنے علم سے تفصیل وار بیان کر دیا

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

وہ کتاب ایماندار لوگوں کیلئے ہدایت و رحمت ہے کیا یہ لوگ بس قیامت کی

اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ

حقیقت ظاہر ہونے کے منتظر ہیں جس روز قیامت کی حقیقت ظاہر ہو جائیگی

الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ

تو جو لوگ پہلے سے اُس کو بھولے ہوئے تھے وہ کہینگے واقعی ہمارے

رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ

رب کے پیغمبر سچی بات لائے تھے پس اب کیا ہمارے کچھ

شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ

سفارشی ہیں جو ہماری سفارش کریں یا ہم کو واپس کر دیا جائے تاکہ جو عمل

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا

ہم کرتے تھے اُس کے خلاف کریں بیشک ان لوگوں نے اپنا نقصان

اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ ع

خود کیا اور جو افترا پردازی یہ کیا کرتے تھے وہ ان سے گئی گذری ہوئی

تفسیر کتاب سے مراد یا تو عام کتاب ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہر قوم کی ہدایت کے لئے احکام نازل فرمائے ہیں خواہ بصورت صحیفہ یا بشکل کتاب۔ یا یہ آیت اہل مکہ کے حق میں نازل ہوئی اگرچہ مراد عام لوگ ہیں اور کتاب سے مراد خاص قرآن ہے۔ یہی شق ابن کثیر نے اختیار کی۔ جب خدا تعالیٰ دوزخیوں اور جنتیوں کے احوال۔ اہل اعراف کے مقالات و کلمات بیان فرما چکا جس کو سن کر عذاب کا خوف اور ثواب کی طمع سعید دل رکھنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوئی اور وہ حصول نجات کے طریقوں کے متجسس اور اُس طرز زندگی کے جویاں ہوئے جن پر چل کر فلاح اخروی اُن کو حاصل ہو جائے تو اب فلاح اخروی کے حصول کا راستہ بتاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ہم نے تبلیغ ایمان و دعوت عمل دینے کیلئے قرآن نازل کردیا اور قرآن میں تمام عقائد احکام وعظ ونصیحت وعدہ ووعید وغیرہ کھول کر بیان کر دیئے حق و باطل کی واضح تمیز کردی اور یہ سب کچھ ہم نے اپنے علم ودانست کے موافق کیا۔ کسی کو اسکی صداقت میں شک ہو تو ہو یا کوئی اس کو ہمارا فعل اضطراری سمجھے تو سمجھے ہم نے اسکو دانستہ اپنے علم کے بموجب نازل کیا۔ جو ضوابط واحکام قوانین و قواعد اخبار وواقعات بشارت و انذار امثال وقصص ہمارے علم میں صادق اور صحیح اور مناسب تھے اُن کو کھول کر بیان کردیا نہ یہ ہمارا اضطراری فعل ہے نہ قابل شک حقیقت بلکہ جن کے دلوں میں نور فطرت ہے اور جو طبیعت ایمانیہ رکھتے ہیں اُن کے لئے یہ قرآن عین ہدایت اور مجسم رحمت ہے۔ لہذا اہل مکہ اور دیگر کل منکرین کو اس پر ایمان لانا اسکو سچ جاننا اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ لیکن یہ کفار اس طرح نہ مانینگے قرآن کے وعدہ و وعید کو سچ نہ جانینگے یہ تو وعدہ و وعید کے اخیری نتیجہ کے واقع ہو جانے کے منتظر ہیں کہ جب قیامت ہو جائے اور قرآن کے اندر جو وعدے اور وعید بیان کئے گئے وہ واقع ہو جائیں اور غیب سے شہود کا درجہ حاصل ہو جائے تو ایمان لائیں۔ (ربیع بن انس کہتے ہیں اس کتاب کی تاویل برابر آتی رہیگی یہانتک کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو جائیں پس اُس دن تاویل پوری ہو جائیگی) يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ حالانکہ جس روز اس کے وعدہ و وعید کی تکمیل اور نتیجۂ آخری ظاہر ہو جائیگا تو کوئی پشیمانی سود مند نہ ہوگی جن لوگوں نے پہلے سے اُسکو نہ مانا تھا اُس پر عمل نہ کیا تھا اور طاق نسیان پر رکھدیا تھا اُس وقت وہ قائل ہونگے کہ اللہ کے پیغمبروں نے جو کچھ احکام ہدایت و اخبار قیامت بیان کئے تھے وہ سب برحق تھے بڑی غلطی ہوئی کہ ہم نے اُن کو نہ مانا اور نہ اُن پر عمل کیا۔ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اُن کو نجات و رہائی کی فکر ہوگی اور تو کوئی صورت سمجھ میں نہ آئیگی۔ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ بس یہ تمنا کرینگے کہ کاش کوئی ہماری سفارش ہی کر دیتا کہ اس عذاب سے رہائی تو مل جاتی یا ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیجدیا جاتا تاکہ وہاں پہونچکر اب کی مرتبہ ہم اول مرتبہ کے خلاف عمل کرلیتے قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ لیکن اُس روز یہ تمنا فضول ہوگی اپنے ہاتھوں وہ نقصان کر چکے اور خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا جو کچھ دنیا میں وہ اللہ پر افترا پردازی کرتے تھے اللہ کی الوہیت و ربوبیت میں جن کو شریک کرتے تھے اور جن باتوں کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے وہ سب کچھ کھو دیا گیا ہوگا اور کسی طرح اصلاح حالت ممکن نہ ہوگی۔

مقصود بیان:۔ قرآن پاک میں تمام ضروری احکام و عقائد بیان کردیئے گئے ہیں۔ خدا عالم ہے اور اپنے علم کے مطابق اُس نے مخلوق کی ہدایت کا سامان مہیا کیا ہے۔ کلام الٰہی نہ خدا کا اضطراری فعل ہے نہ خدا نے نادانی وجہالت کی حالت میں اسکو نازل فرمایا ہے۔ اللہ جزئیات سے بلاواسطہ واقف ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں نور فطرت اور جذبۂ ایمانی ہے اُن کے لئے قرآن پاک سراسر ہدایت اور مجسّم رحمت ہے۔ مشاہدۂ عذاب کے بعد ایمان مقبول نہیں۔ دنیا میں دوبارہ آنا ممکن ہے۔ کافروں کا کوئی شفیع نہ ہوگا۔ وغیرہ

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

(لوگو) تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

اور زمین کو چھ روز کے دَور میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر

عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ

جلوہ فرما ہوا وہ رات سے دن کو ڈھانک دیتا ہے

يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

(گویا) رات دن کے پیچھے جلدی جلدی آتی ہے اور سورج چاند

وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ

ستارے سب اُسی نے بنائے سب اُس کے مطیع حکم ہیں

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ

آگاہ رہو (عالم) خلق و امر اُسی کا ہے اللہ

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

رب العالمین بزرگ ہے

تفسیر اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پہلے ہم اس آیت کا خلاصہ مطلب بیان کرتے ہیں

پھر اس پر جو شبہات ہیں اُن کو نقل کر کے اُن کا ازالہ بھی کریں گے۔

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آسمان و زمین یعنی کل عالم کو چھ دن کی مقدار اوقات میں پیدا کیا۔ پھر خلق عالم کے بعد اللہ عرش پر مستوی ہو گیا۔

عام طور پر دن کہتے ہیں طلوع و غروب کے درمیانی وقت کو۔ یہ یوم دنیا کہلاتا ہے۔ دوسرا یوم آخرت ہے جسکی مقدار ہزار برس یا پچاس ہزار برس قرآن میں بتائی گئی ہے۔ ضحاک نے جو روایت ابن عباسؓ کی بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ایام آخرت کی مقدار مراد ہے۔ امام احمد حنبل اور بعض دوسرے اشخاص کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک ایام دنیا مراد ہیں اور یہی صحیح بھی ہے۔ ایام دنیا مراد لینے کے بعد بھی اختلاف ہے کہ وہ کون سے ایام ہیں جن میں تخلیق عالم کی گئی۔ بعض کا خیال ہے کہ اتوار سے لیکر جمعہ تک تمام عالم پیدا ہوا۔ جمعہ کے روز سب خلقت کا اجتماع ہوا اور اسی روز آدمؑ کی تخلیق ہوئی۔ رہا ساتواں روز یعنی سنیچر اس میں کوئی چیز نہیں پیدا کی گئی۔ غالباً یہی قول عبداللہ بن سلام کعب احبار اور ضحاک و مجاہد وغیرہ کا ہے۔ شیخ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ابتداء خلقت شنبہ کے دن سے ہوئی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے زمین کو سنیچر کے روز پیدا کیا اور پہاڑ اتوار کے روز قائم کئے اور درخت پیر کے دن اور تمام مکروہات منگل کے دن اور نور بدھ کے دن اور تمام جانور مویشی جمعرات کے دن اور آدمؑ کو جمعہ کے اخیر دن میں پیدا کیا۔ لیکن اس حدیث میں علماء حدیث نے کلام کیا ہے اگرچہ اسکو امام مسلم نے روایت کیا ہے لیکن بخاری وغیرہ کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس آیت کے مفہوم پر چند شبہات کئے جاتے ہیں:-

(۱) دن اور رات کی تعیین سورج کے طلوع و غروب سے ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ تخلیق عالم سے قبل نہ سورج تھا نہ اُس کا طلوع و غروب۔ پھر دن اور دن کی تقسیم سنیچر اتوار پیر منگل بدھ جمعرات جمعہ اور ان ایام میں تخلیق عالم کرنے کے کیا معنی؟ (یہ اعتراض علوی سلیمان جمل وغیرہ کا ہے)

(۲) اللہ قادر مختار ہے اُس کا فعل کسی حالت منتظرہ کا محتاج نہیں نہ اسکی قدرت اوقات و زمانہ کی محتاج ہے ادھر اُسکی مشیت ہوئی ادھر وہ چیز موجود ہو گئی پھر چھ یا سات یا پانچ دن کی مدت تخلیق عالم کی قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے اور اس تخلیق تدریجی کی کیا حقیقت ہے؟

(۳) اللہ جسم اور کوائف جسم اور خواص جسم سب سے پاک ہے نہ وہاں حرکت ہے نہ سکون نہ راحت نہ تکلیف پھر خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھے ٹھہرے استقرار کرے جم جائے یہ تمام الفاظ اُسکی شان کے منافی ہیں۔

(۴) کلام عربی میں ثُمَّ کا لفظ ترتیب فعلی کے لئے مستعمل ہے اس وقت لازم آتا ہے کہ عرش پر متمکن و مستقر ہونے سے پہلے اللہ کہیں کھڑا یا بیٹھا یا لیٹا تھا لیکن وہ کونسی جگہ تھی جہاں خدا کا قیام قعود وغیرہ تھا۔ اسی قسم کے دیگر شبہات بھی پیدا ہوتے ہیں ہم ترتیب وار ہر شبہہ کا جواب دیتے ہیں

(۱) یہ واقعہ ہے کہ پیدائش عالم سے قبل کوئی دن نہ تھا نہ سورج چاند اور ستارے تھے نہ آسمان زمین پانی اور ہوا موجود تھی نہ آیت کا یہ مفہوم ہے کہ خدا نے چھ روز کی مدت میں عالم کو پیدا کیا بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر تخلیق عالم سے قبل تقدیر اوقات ہو سکتی تو تخلیق عالم کا وقت اتنا ہوتا جتنا چھ روز کا ہوتا ہے یعنی اس مقدار اور دوران میں اللہ نے عالم کو پیدا کیا چھ روز یا چھ روز کا زمانہ مراد نہیں ہے۔

(۲) فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ سے یہ مراد نہیں کہ عالم کو چھ دن کی پوری مقدار میں پیدا کیا بلکہ یہ ایک محاورہ کا لفظ ہے جس طرح اردو میں بولا جاتا ہے کہ زید نے فلاں کام اتوار پیر اور منگل کے دن کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تین دن برابر زید کام کرتا رہا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان تین دن کے مختلف اوقات میں یہ کام کیا۔ اسی طرح فی ستۃ ایام کا یہاں مطلب ہے کہ اللہ نے مختلف اوقات یا دفعات میں عالم کے مختلف حصے اور مختلف انواع کو پیدا کیا کسی دفعہ زمین کو کسی مرتبہ آسمان کو کسی مرتبہ پہاڑوں کو۔ اب رہا یہ سوال کہ اللہ کا فعل کسی حالت منتظرہ کا محتاج نہیں نہ اُسکی قدرت اوقات و زمانہ کی محتاج ہے بلکہ جونہی اُسکی مشیت ہوئی فوراً چیز موجود ہو گئی تو اسکی حکمت درحقیقت یہ ہے کہ مخلوق غور کرے کہ اللہ نے باوجود قادر مختار ہونے کے مخلوق کو تدریجاً پیدا کیا لہذا لوگوں کو بھی کل کام تدریجی کرنا چاہئے۔ نیز اُن جاہل فلاسفہ کے خیال کا بھی رد ہو گیا جو قائل ہیں کہ یہ تمام مخلوق اللہ سے دفعۃً خود بخود بغیر ارادہ و تدریج کے صادر ہو گئی۔

(۳ و ۴) مؤخر الذکر دونوں شبہات اور اسی قسم کے دیگر اعتراضات سے فرقہ کرامیہ وغیرہ کے اُن ضعیف معتقدات کی بیخ و بُن اُکھڑ جاتی ہے جو قائل ہیں کہ اس قسم کے الفاظ کا اطلاق باری تعالیٰ پر حقیقی ہے۔ اس فرقہ کے اعتقاد کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو اور دوسری آیات قرآنی و احادیث نبوی اللہ کے لئے جسم خواص جسم حلول فی العالم اور بہت سے دیگر مادی احوال تسلیم کرنے پڑیں گے۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ آیت کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہیں۔ صاف معنی یہ

ہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا پھر تمام کائنات کی تدبیر و تصرف کی طرف متوجہ ہوا یعنی تخت عزت و جلال پر متمکن ہوا (امام رازی) ابو عبیدہ نے استواء کے معنی ارتفاع و علو کے بیان کئے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تخلیق عالم کے بعد اللہ نے کل کائنات کی حکومت و ملکیت اپنے قبضہ میں رکھی۔ نیز استواء کے معنی استیلاء کے بھی آتے ہیں جبکہ استواء کے بعد لفظ علیٰ استعمال کیا گیا ہو (جس طرح یہاں استعمال کیا گیا ہے) گویا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ عرش پر مستولی اور غالب ہوگیا۔ اس کے علاوہ دیگر مجازی معانی بھی بیان کئے گئے ہیں جن کو ہم بخوف طوالت ترک کرتے ہیں۔

يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ - اوپر اس سے بیان کیا تھا کہ تخلیق عالم کے بعد اللہ کائنات کے انتظام و تصرف کی طرف متوجہ ہوا۔ اب اسی کی وضاحت فرماتا ہے کہ وہ رات کو دن سے بدلتا ہے رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات دوڑی چلی آتی ہے۔ آفتاب و ماہتاب اور ستارے سب اُس کے حکم کے تابع ہیں ہر ایک ایک خاص خدمت پر مامور ہے جس سے وہ سرتابی نہیں کرسکتا اس میں تمام عالم کا انتظام مربستہ ہے۔ ہر چیز ہر حالت میں اللہ کی قدرت و ارادہ کے تابع ہے نہ خود کچھ تاثیر پیدا کرسکتی ہے نہ اثر قبول کرسکتی ہے۔

رہا خدا کا خالق و آمر ہونا جسکو آیات کے آخری فقرہ میں بیان کیا ہے تو اسکی تحقیق و توضیح یہ ہے کہ عالم وجود کی دو قسمیں ہیں ایک جسمانیات و مرئیات خواہ علویات ہوں یا سفلیات افلاک و کواکب ہوں یا عناصر یا عناصر کے مرکبات۔ بہر حال یہ سب عالم خلق کہلاتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو جسمانی و مرئی نہیں بلکہ روحانی ہے جیسے ملائکہ ارواح نفوس اور ان سب کا انتظام و تصرف۔ اسکو عالم امر کہتے ہیں۔ چونکہ اس سے اوپر شب و روز اور چاند سورج وغیرہ کا پیدا کرنا بیان کیا تھا لیکن چند لفظوں میں کل کائنات کا تفصیلی حصر ناممکن تھا اسلئے فرمادیا کہ اللہ ہی عالم خلق و عالم امر کا مالک متصرف ہے اُسی کے قبضہ میں کل انتظامات و اختیارات ہیں۔

مقصود بیان :- انسانوں کو مذہبی کام کرنے کی ترغیب۔ صاحب بیضاوی نے اس آیت کی حقیقی نفاست ان لفظوں میں بیان کی ہے کہ گمراہوں نے جو اپنی جہالت سے عالم کی مختلف چیزوں کو اپنا معبود بنا لیا تھا اُن کی تردید کردی اور ظاہر فرمادیا کہ اللہ فقط ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں نہ اسکے سوا کوئی معبود ہے وہی خالق و آمر ہے اُسی نے آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمانوں کی پُر ندرت چیزیں اُسی کی حکمت پر دلالت کررہی ہیں۔ پھر اجسام سفلی کو بھی رنگ برنگ اُسی نے بنایا۔ پھر ان اجرام و اجسام کی جملہ تدابیر اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں کسی کو ذرہ برابر اُس کے حکم سے تجاوز کرنے کا اختیار نہیں اس خلق و امر میں وہی قادر مختار ہے نہ مجبور ہے نہ مضطر۔ تبارک اللہ رب العالمین۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ

(لوگو) اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارو وہ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوا

حد سے بڑھ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا زمین میں

فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ

امن و عافیت کے بعد تباہی نہ پھیلاؤ اور بیم و امید کے ساتھ

خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ

اللہ سے دعا کرو بلاشبہہ نیکی کرنے والوں سے اللہ کی مہربانی

مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۝

قریب ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں بیان کیا تھا کہ اللہ عالم امر و عالم خلق کا مالک اور متصرف ہے تمام اجرام سماویہ و اجسام ارضیہ اُسی نے بنائے۔ وہ پاک پروردگار رب العالمین ہے اس بیان کے بعد بتانا چاہتا ہے کہ جب وہ رب العالمین اور خلاق مطلق ہے تو کل کائنات اُس کے سامنے ہیچ اور ذلیل ہے اور وہی سب کا کارساز ہے لہذا اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اُسی کے سامنے گڑگڑا کر نہایت عاجزی اور لجاجت کے ساتھ پوشیدہ طور پر بغیر ریا اور دکھاوٹ کے دست سوال دراز کرو اُس سے دعا کرو لیکن حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ کیونکہ اعتدال سے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ خلاصہ یہ کہ پہلی آیت میں تین باتوں کا حکم دیا۔ دعا میں تضرع کرو۔ دعا خفیہ کرو۔ دعا میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔ تفسیر سراج میں ہے کہ آیت میں دعا سے مراد سوال ہے اور یہ عبادت کی ایک قسم ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ آیت میں تضرع و استکانت کا حکم دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا میں آواز بلند کرنا اور چیخنا پکارنا مکروہ تحریمی ہے۔ ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ

سر سے مراد خفیہ دل میں دعا کرنا ہے۔ صحیحین میں بروایت ابو موسیٰ اشعری رضہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ؐ نے ارشاد فرمایا لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو۔ تم کسی گراں گوش اور غائب کو نہیں پکارتے ہو بلکہ پاک پروردگار کو پکارتے ہو جو سنتا اور دیکھتا ہے وہ تمہارے ساتھ ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ خفیہ دعا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت و ربوبیت پر یقین کر کے اپنے دل میں چپکے چپکے بغیر جہر کے دلی خشوع کے ساتھ دعا کرو۔ حسن بصری فرماتے تھے پہلے زمانہ میں بعض لوگ پورے قرآن کے حافظ ہوتے تھے اور لوگوں کو اس بات کا پتہ بھی نہ ہوتا تھا۔ بعض لوگ بڑے فقیہ ہوتے تھے اور لوگوں کو اس کا علم بھی نہ ہوتا تھا۔ بعض لوگ اپنے گھروں میں لمبی لمبی نمازیں پڑھتے اور ان کے گھر رہنے والے مہمانوں کو اس کا شعور بھی نہ ہوتا لیکن اب ایسے لوگ ہیں کہ روئے زمین پر کوئی کام چھپا کر نہیں کر سکتے حالانکہ پوشیدہ و علانیہ دعا میں ستر گونہ فرق ہے۔ پہلے مسلمان لوگ نہایت زاری سے دعا کرتے تھے مگر انکی آواز سنائی نہ دیتی تھی کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرما دیا ہے ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ۔

اب رہی تیسری شق یعنی دعا میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کرنا تو اس کے معنی صاحب بیضاوی نے اس طرح بیان کئے ہیں کہ دعا کرنیوالے کے مرتبہ کے جو چیز لائق نہیں اسکو نہ مانگے مثلاً نبی ہو جانا۔ آسمان پر چڑھ جانا وغیرہ۔ شیخ ابو مجلز نے بھی یہی تفسیر کی ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ آیت میں مراد یہ ہے کہ بڑی لمبی چوڑی دعائیں نہ مانگے۔ حضرت سعد رضہ کے صاحبزادہ نے ایک مرتبہ دعا مانگی کہ اے اللہ میں تجھسے جنت اور اسکی نعمتیں اور استبرق مانگتا ہوں اور تجھسے دوزخ اور اُس کے طوق اور زنجیروں سے پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت سعد رضہ نے یہ دعا سن کر فرمایا بیٹے تو نے اللہ سے بہت بھلائی مانگی اور بہت برائی سے پناہ چاہی مگر میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلعم فرما رہے تھے کہ عنقریب ایسی قوم ہوگی جو دعا کرنے میں حد سے تجاوز کریگی تجھے فقط اس قدر کہنا کافی ہے کہ پروردگار! میں تجھ سے جنت اور ہر اُس قول و عمل کو چاہتا ہوں جو جنت سے قریب کر دے اور تجھ سے دوزخ سے اور ہر اُس قول و عمل سے پناہ مانگتا ہوں جو دوزخ سے قریب کر دے (رواہ احمد و ابو داؤد) عبد اللہ بن مغفل کے بیٹے کا بھی اسی قسم کا واقعہ احمد و ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے دوسری آیت میں دو حکم دیے۔ اول یہ کہ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا زمین میں فساد نہ کرو۔ دوسرا یہ کہ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اللہ سے بیم و رجا کی حالت میں دعا کرو۔ پہلی شق کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے رسول بھیجدیے احکام نازل کر دیے زمین کی اصلاح ہوگئی تو اب اپنے شرک اور گناہوں سے تباہی نہ پھیلاؤ۔ دوسرے ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو اور رحمت کی امید رکھو۔ بعض نے خوف مرہوب اور طمع مرغوب اس سے مراد لی ہے۔ ابن جریج نے کہا کہ خوف عدل و طمع فضل مقصود ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ آدمی پر زندگی بھر خوف غالب رہنا چاہیے۔ پھر جب موت کا وقت آجائے تو امید غالب ہونا چاہیے کیونکہ حضور اقدس ؐ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کو ایسی حالت میں رہنا چاہیے کہ اُس کو اللہ تعالیٰ سے اچھی امید ہو۔

اس کے بعد آیت کے آخری ٹکڑے میں فرمایا کہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ اللہ کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے مطلب یہ ہے کہ فقط دعا کرنا یا عذاب الٰہی سے ڈرنا یا جنت کی طمع رکھنا بغیر عمل کے کچھ زیادہ مفید نہیں ہے بلکہ دعا اور بیم و رجا کے ساتھ نیکو کاری بھی ضروری ہے۔ اللہ کی رحمت اگرچہ کل عالم کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے لیکن اس کا قرب نیک بندوں سے ہو سکتا ہے کہ بروں کو بھی خدا بخشدے مگر نیکوں کو رحمت الٰہی ضرور ڈھانک لیگی۔

مقصود بیان:۔ دعا کرنے کا وجوبی حکم۔ دعا میں زاری عاجزی و خشوع کرنے کا امر اور پوشیدہ دعا کرنے کی صراحت۔ دکھلاوٹ اور ریاکاری کی عبادت و دعا میں ممانعت کی طرف ضمنی اشارہ۔ اپنے مرتبہ سے زائد اور استعداد سے بڑھ کر چیز مانگنے کی ممانعت۔ لمبی چوڑی تفصیلی دعا کرنے سے بازداشت۔ زمین پر تباہی پھیلانے اور شرک و معاصی کرنے پر تنبیہ۔ اپنی عبادت پر فریفتہ ہو کر جنت حاصل ہو جانے کا یقین کرنے یا رحمتِ الٰہی سے مایوس ہو جانے کی ممانعت کی طرف ایماء۔ دعا میں بیم و رجا رکھنے کا حکم۔ صرف دعا یا تخیل و اعتقاد پر اکتفاء نہ کرنے کی صراحت۔ نیکو کاری کی ترغیب۔ اس امر کی صراحت کہ نیک لوگوں اور متقیوں کو رحمت الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے وغیرہ۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ

وہی ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے خوشخبری دینے کے لئے

بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ

ہواؤں کو بھیجتا ہے یہانتک کہ جب وہ بھاری بادلوں کو

سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا

اٹھا لیتی ہیں تو کسی مُردہ شہر کی طرف ہم اُن کو ہانکدیتے ہیں اور اس سے پانی

بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ

برساتے ہیں پھر ہر طرح کے پھل اُس سے پیدا کرتے ہیں

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

اسی طرح ہم مُردوں کو نکالینگے شاید تم سمجھ لو

تفسیر گذشتہ آیات میں تفصیل وار بیان کیا تھا کہ خدا قادر مطلق موجد خالق اور مدبر و حاکم ہے۔ کل کائنات اُس کے حکم کے تابع ہے لہذا مخلوق کو اسی کی طرف رجوع کرنا اور اُسی سے دعا مانگنا چاہئے اُسی سے خوف اور اسی سے طمع رکھنی چاہیے۔ لیکن اجابت دعا کا وسیلہ نیکوکاری کو قرار دینا چاہئے کیونکہ رحمت خدا نیکوکاروں کے دوش بدوش ہوتی ہے۔ اب یہاں سے اپنی قدرت حکمت تخلیق اور تدبیر کی ایک واضح مثال دیتا ہے اور مثال دیکر حشر اجساد کو ثابت کرنا چاہتا ہے تاکہ لوگوں کی دعائیں اور بیم و رجا کی حالات صرف دنیوی خواہشات میں محدود ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ فلاح اُخروی ہر وقت اُن کے پیش نظر رہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ عناصر عالم میں انقلاب کرتا رہتا ہے ایک عنصر کو بگاڑتا دوسرے کو بناتا ہے اور اس کون و فساد سے غرض کوئی مصلحت عباد ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی ملک یا بستی یا زمین خشک بے آب و گیاہ ہو سبزہ کی نمود تھو زمین کی زندگی فنا ہو چکی ہو شادابی و رونق جو زمین کی زندگی کے علامات و آثار ہیں معدوم ہو چکے ہوں تو خدا تعالیٰ بارش ہونے سے قبل اُس سمت کو سرد ہوائیں بھیجتا ہے جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بارش ہونے والی ہے یہ ہوائیں بخارات کو اکٹھا کر لاتی ہیں جو گہرے بادلوں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے پھر اس ابر کو خشک مردہ زمین کی طرف بھیجتا ہے اور وہاں پہونچا کر بارش کی شکل میں اُسکو برساتا ہے جسکی وجہ سے ہر قسم کے پھل پھول غلہ میوہ پیدا ہوتا ہے اور وہ زمین از سر نو زندہ ہو جاتی ہے گویا ہوا کو ابر کی صورت میں ظاہر کرنا پھر ابر کو پانی کی شکل میں برسانا اور پھر اُس سے زمین کو زندہ کرنا اور حاصلات ارضی کو پیدا کرنا یہ سب کرشمۂ صنعت اور مظاہرۂ قدرت ہے تو جب خدا تعالیٰ محسوسات میں روزانہ اس قسم کے تصرفات و انقلابات کرتا رہتا ہے وہی مُردوں کو بھی زندہ کردیگا۔

نکات خدا تعالیٰ نے انسان کے حشر جسمانی کے لئے جو تمثیل دی اُس میں تین امور کی طرف اشارہ کیا:۔ انقلاب عناصر۔ حیات جدید۔ انقلاب کی خاص مصلحت۔ یہی تینوں امور انسان کے حشر کے اندر بھی پائے جاتے ہیں۔ جزا و سزا اور حیاتِ ابدی خواہ راحت کی ہو یا تکلیف کی۔ بہر حال حیات جدیدہ کا مقصود ہے۔ ترکیب جدید انحلال اجزاء کے بعد ہو تا ظاہر ہی ہے رہا انقلاب عناصر تو یہ بھی ثابت ہے اگر کوئی شخص مر جائے اور اسکی خاک اُڑ کر ہوا میں مل جائے یا سمندر میں اُس کے ذرات ملجائیں یا کوئی جانور اُسکو کھا جائے اور انسانی گوشت پوست کسی دوسرے بدن کا جزو بن جائے بہر طور تجدید حیات ہوگی خواہ کتنے ہی انقلابات ہو جائیں اور کتنے ہی تغیرات و تطورات طاری ہو جائیں۔

مقصود بیان:۔ حشر اجساد کو مدلل ثابت کرنا۔ انقلاباتِ عالم اور تغیر کائنات کو انسان کے لئے آئینۂ عبرت اور درس موعظت قرار دینا۔ اس بات کی صراحت کہ حوادث و واقعات عالم میں غور کرنا چاہئے اور محسوس سے مغیب پر استدلال کرنا چاہئے۔ اس بات پر نص کہ زندگی نام ہے درحقیقت شادابی رونق اور ترقی کا۔ جس چیز میں حسن باطنی نہیں وہ مردہ ہے بیجان ہے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سلسلۂ کائنات وجود اسباب سے مربوط ہے۔ ہر چیز کا ایک خاص سبب ہے اور ہر چیز کے وجود کی ایک خاص مصلحت ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ

اور پاکیزہ بستی کی سر سبزی اُس کے پروردگار کے حکم سے

رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ

ہوتی ہے اور جو بُرا شہر ہے اُسکی پیداوار ناقص ہی ہوتی ہے

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝ ع

ہم طرح طرح سے یونہی شکر گذار لوگوں کے لئے قدرت کی نشانیاں بیان کرتے ہیں

تفسیر مجاہد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اولاد آدمؑ کی تمثیل اس آیت میں بیان کی ہے۔ نحاس کہتے ہیں کہ تیز فہم اور کم فہم کی مثال ہے۔ علی بن طلحہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مومن و کافر کی حالت کی یہ مثال دی ہے۔ سراج و معالم میں ابن عباسؓ کی روایت پر اجماع مفسرین قرار دیا ہے۔ بہر حال مطلب تینوں کا ایک ہی ہے حاصل تمثیل یہ ہے کہ آسمان سے پانی برستا ہے۔ پانی کی خاصیت

کیفیت نوعیت طہارت صفائی وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن فرق صرف قابل کا ہوتا ہے جو زمین عمدہ نرم پاکیزہ اور شیریں ہے اُس پر جب پانی برستا ہے تو شاداب سبزہ پھول پھل اور بہترین ثمرات پیدا ہوتے ہیں اور جو زمین شور سخت ریتلی اور پتھریلی ہے اُس میں کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کچھ پیدا بھی ہوا تو بیکار ناقص بے سود ناقابل انتفاع یہی حالت کافر و مسلم کی ہے۔ دلائل قدرت سب کے لئے یکساں ہیں تبلیغ رسل سب کے لئے برابر ہے احکام شرع سب کے لئے مساوی ہیں۔ قرآن کے آیات و مواعظ سے فائدہ حاصل کرنے میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں لیکن فرق ہے تو صرف طہارتِ باطن اور خبث اندرونی کا۔ پاکیزہ قلوب رکھنے والے فطری نور ایمان کے حامل فیضان الٰہی اور بارش رحمت سے فائدہ اٹھاتے ہیں ایمان و اطاعت عبادت و فرمان پذیری خوش خلقی اور نیک سیرت کے حامل بنجاتے ہیں لیکن خبیث روح رکھنے والے تیرہ باطن سنگدل کور دماغ کافر قرآنی موعظت اور شرعی فیضان سے محروم رہتے ہیں نہ اُن کو ایمان کی طرف رغبت ہوتی ہے نہ اطاعت و عبادت سے مسرت نہ ان کے اعمال و افعال درست ہوتے ہیں نہ اخلاق و اطوار۔ زمین شور سنبل بر نیارد۔ اگر بہزار مشقت کافر دنیا میں کوئی نیک کام کرتا بھی ہے کچھ صدقہ و خیرات دیتا بھی ہے تو بیکار شہرت اور بغیر مفید نام و نمود کے لئے کرتا ہے۔ نتیجہ بہرحال ناقص رہتا ہے

مقصود بیان :۔ فیضان الٰہی اور موعظت قرآنی کے عموم کی صراحت اختلاف قوابل کی نص۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ خدا تعالیٰ اپنا فیضان کسی سے نہیں روکتا۔ رہا فیضیاب ہونا نہ ہونا تو یہ انسان کے پاکیزہ دماغ یا زنگ آلودہ دل پر موقوف ہے۔ اسی کی تائید اُسی حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے جو علم و ہدایت دیکر خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اُس کی مثال ایسی ہے جیسے سبزہ اُگانے والا پانی اپنے وقت پر کسی زمین میں برستا ہے زمین کا جو ٹکڑا پاکیزہ ہوتا ہے وہ پانی کو قبول کر لیتا ہے اور اُس میں تر و تازہ گھاس اور حاصلات بکثرت پیدا ہوتی ہے اور اسی میں جو ٹکڑا نشیبی ہوتا ہے اُس میں پانی جمع رہتا ہے جس سے آدمی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پیتے ہیں پلاتے ہیں سینچتے ہیں زراعت کرتے ہیں۔ لیکن جو ٹکڑا چٹیل میدان کنکریلا پتھریلا ہوتا ہے اُس میں نہ پانی جمع ہوتا ہے اور نہ سبزہ اُگتا ہے۔ پس یہی مثال ہے دو طرح کے لوگوں کی۔ ایک وہ ہے جس نے دین میں فقاہت حاصل کی اور میرے لائے ہوئے قوانین سے نفع اٹھایا خود سیکھا دوسروں کو سکھایا۔ دوسرا وہ ہے جس نے اُس کی طرف کچھ توجہ نہ کی نہ نفع اٹھایا اور نہ میری لائی ہوئی ہدایت کو قبول کیا۔ (بخاری و مسلم مع تقدیم بعض الفاظ و تاخیر بعض)

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ

ہم نے نوح کو پیغمبر بنا کر اُس کی قوم کی طرف بھیجا نوح نے کہا

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ

اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود

غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

نہیں ہے مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا تمہارے متعلق

يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ

اندیشہ ہے نوح کی قوم کے سرداروں نے کہا

إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ قَالَ

ہم یقیناً تم کو صریح گمراہی میں دیکھ رہے ہیں نوح نے کہا

يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ

اے میری قوم میں بالکل نہیں بہکا ہوں بلکہ رب العالمین کا

مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ

پیغامبر ہوں تم کو اپنے رب کے پیغام پہونچاتا

رَبِّي وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ

ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں

مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ

جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم نے اس بات سے تعجب کیا کہ تم ہی میں سے ایک

ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ

شخص کی معرفت تمہارے رب کی طرف سے تم کو نصیحت آئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے

وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

اور تم پرہیزگار ہو جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے

تفسیر

اوپر کی آیات میں اشارہ کیا گیا تھا کہ اصل پاکیزہ ہو تو فرع میں نمو ہوتا ہے۔ شاخیں خوب سرسبز ہوتی ہیں اگر دل میں نیکی کی صلاحیت ہو تو ظاہر و باطن سب صالح ہو جاتا ہے اور جب دل کی حالت خراب ہو تو تمام اعضاء بدکار فاسق ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کا دل چونکہ پاک ہوتا ہے روح پاک ہوتی ہے زبان پاک ہوتی ہے تمام اعضاء و جوارح پاک ہوتے ہیں اور کافر کا دل چونکہ ناپاک ہوتا ہے اسلئے اُسکی روح خبیث زبان خبیث اور اعضاء و جوارح خبیث ہوتے ہیں ہر چند تعلیم و اصلاح و پند کیجائے کچھ مفید نہیں ہوتا اور بیہودہ وہم و بے بنیاد شک میں پڑا رہتا ہے نیک راہ و نیک بات نیک تعلیم اور نیک نصیحت سب کی طرف سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ واقعات اسکے شاہد ہیں۔ جو لوگ بد باطن اور خبیث الارواح تھے اور جن کے دل گندے تھے اُن کو نصائح و عبر و دلائل و براہین اور کسی قسم کی خیر خواہی نے کوئی فائدہ نہ پہونچایا آب رحمت سے بجائے فائدہ کے اُن کو نقصان ہوا۔ مزید گندگی پھیلی قوم نوح قوم ہود اور قوم صالح وغیرہ کے تذکرے دیکھ لو کہ اُن کو کوئی پند و موعظت کارگر نہ ہوئی۔

ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ یعنی جب نوح کی قوم سرکش و طاغی ہوگئی اور اُسکی سرتابی حد سے گذر گئی تو خدا تعالیٰ نے نوح کو اُس کی ہدایت و اصلاح کے لئے بھیجا حسب الحکم حضرت نوح نے اُن کو نصیحت کی توحید الوہیت و ربوبیت کی طرف مائل کیا اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا۔ قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ مگر سرکش قوم کے سرکش سردار بولے نوح تم کیا کہہ رہے ہو کیوں راہ راست سے بھٹکتے ہو ہمارے نزدیک تو تم بالکل کھلے طور پر گمراہ ہو اور اپنی گمراہی میں ہم کو بھی آلودہ کرنا چاہتے ہو کیسی قیامت اور کیا عذاب۔ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔ حضرت نوح نے فرمایا لوگو چونکہ تم میری قوم والے ہو مجھے تم سے ہمدردی ہے میں کسی قسم کی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوں نہ ظاہری طور پر گمراہ ہوں نہ باطنی گمراہی کا کوئی شائبہ ہے بلکہ تم لوگوں پر یہ خدا کی رحمت ہے کہ اُس نے اپنا پیام ہدایت اور احکام صلاح پہونچانے کے لئے مجھے تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے کیونکہ اللہ رب العالمین ہے۔ ظاہری ایجاد و تربیت بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے اور باطنی اصلاح و ترقی کا بھی وہی مالک ہے تمہاری اصلاح مقصود ہے۔ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ میں تم کو اُس کے احکام پہونچاتے دیتا ہوں اور نہ فقط تبلیغ احکام کرتا ہوں بلکہ تمہارا خیر خواہ بھی ہوں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان احکام کو مان لو کیونکہ جو باتیں مجھے معلوم ہیں تم اُن سے ناواقف ہو احکام الٰہی کو ماننا موجب نجات اور اُن سے سرتابی موجب ہلاکت ہے تم نہیں جانتے کہ یہ احکام میرے پاس کس طرح آئے اور ان کو نہ ماننے سے کیا نتیجہ بذظاہر ہوگا۔ غرض یہ کہ حضرت نوح نے انتہائی شفقت و مہربانی سے کفار کو اپنی حقانیت و صداقت سمجھائی۔ خدا کا رحیم ہونا اپنا خیر خواہ ہونا اور قوم کا ناواقف ہونا بیان کیا۔ مگر قوم ملعون نہ ماننے والی تھی نہ مانی تو بالآخر حضرت نوح نے اُن کے شکوک کا ازالہ کرنا چاہا اور فرمایا۔ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ لوگو کیا تم کو اس بات کا کچھ تعجب ہے کہ اللہ کی طرف سے پیام موعظت تم ہی لوگوں میں سے ایک شخص پر نازل ہوا کسی غیر نوع غیر جنس یا غیر قوم کے کسی فرد پر کیوں نہ نازل ہوا۔ اس کا تعجب تم کو ہرگز نہ ہونا چاہئے تمہاری اپنا قوم کے ایک فرد کے پاس پیام رحمت آنے کا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنی یگانگت کی وجہ سے تم کو نصیحت کرے اور بصورت سرکشی عذاب سے ڈرائے اور تم شرک و معاصی سے بچ جاؤ اور تم پر رحمت الٰہی نازل ہو اور نجات ابدی نصیب ہو جائے۔ یہ کام کسی غیر پیامبر کے ہونے سے اتنی سہولت سے نہ ہو سکتا تھا جتنا اپنے ہم قوم پیامبر کے ہونے سے۔ یہ مقام تعجب نہیں بلکہ موقعہ شکر ہے۔

تحقیق

کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم کے بعد سب سے پہلے رسول اہل ارض کے لئے حضرت نوح تھے۔ ابن ابی حاتم ابن مردویہ اور ابن عساکر نے بروایت حضرت انس اس مضمون کی ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے لیکن اہل تحقیق کا قول ہے کہ حضرت نوح سے پہلے بھی خدا کے پیغمبر آچکے تھے مثلاً ادریس شیث وغیرہ کیونکہ بروایت محمد بن اسحاق حضرت نوح حضرت آدم کی نویں نسل میں تھے۔ نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ بن مہلیل بن قینن بن انش بن شیث بن آدم۔ بعض لوگ دسویں پشت میں قرار دیتے ہیں۔ بہر حال بر ظاہر ہے کہ گمراہی حضرت نوح سے پہلے بہت کچھ پھیل چکی تھی جسکی ابتدائی شکل عبد اللہ بن عباس اور دیگر علماء تفسیر نے یہ بیان کی ہے کہ چونکہ متقی علماء و صلحاء و اولیاء مرتے تھے عام لوگ اُن کی قبروں کے پاس مسجدیں بنا لیتے تھے اور مسجدوں کی دیواروں پر اُن کی تصویریں کھود لیتے تھے تاکہ تصویروں کو دیکھ کر اُن کے حالات اور عبادات کو سوچ سکیں اور اُنہی کی طرح نیکیاں کرنے کی کوشش کریں لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اس خیال میں بھی ترمیم ہوتی گئی یہانتک کہ تصویروں کی بجائے مورتیاں بنا کر نصب کرنی شروع کر دی گئیں اور ان

مورتیوں کی تعظیم تکریم ہونے لگی اور بالآخر اُن کو پوجنے لگے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا۔ قوم نوح غالباً ارمینیا اور ایشیائے کوچک میں آباد تھی۔

تنبیہ :۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ چالیس سال کی عمر میں حضرت نوح کو نبوت ملی تھی بعض کے نزدیک پچاس سال کی عمر میں۔ اول روایت زیادہ قوی ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ

بالآخر اُن لوگوں نے نوح کی تکذیب کی تو ہم نے نوح کو اور ان کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں

وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

بٹھا کر بچا لیا اور جنہوں نے ہمارے احکام کو نہ مانا تھا اُن کو ڈبو دیا

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ۝ ع ۱۵

واقعی وہ اندھی قوم تھی

تفسیر حاصل یہ ہے کہ حضرت نوح کا سمجھانا بے سود گیا۔ جو لوگ کور باطن اور خبیث القلب تھے انہوں نے حضرت نوح کو سچا نہ جانا اُن کی نصیحت نہ مانی۔ خدائی رحمت کو ٹھکرا دیا اور عذاب الٰہی سے ہلاک ہو گئے۔ چونکہ وہ کور باطن تھے چشم دل اُن کی اندھی تھی۔ اسلئے عذاب الٰہی نے سب کو تباہ کر دیا۔ لیکن جو لوگ بینا دل رکھتے تھے اور پاک روح کے مالک تھے اُن کو اللہ نے بچا لیا۔

مقصود بیان :۔ (۱) اس بات کی طرف محکم اشارہ کہ حق کا قبول حق کی صلاحیت رکھتا ہے وہی اب رحمت سے اپنی روح اور زبان اور اعضاء کو پاک کرتے ہیں۔ اور جو بد باطن ہیں اُن کو کسی جلیل القدر نبی کی نصیحت اور ترہیب و ترغیب بھی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ (۲) اس بات کی صراحت کہ حضرت نوح نے سب سے پہلے پرستش غیر اللہ کو حرام قرار دیا۔ اس سے اس جانب اشارہ ہے کہ تمام گناہوں میں شرک ذات و صفات سب سے بڑا گناہ ہے (۳) اللہ رب العالمین ہے تربیت جسمانی و اصلاح روحانی دونوں اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ (۴) نبی کو علم اتنا ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے دیگر لوگوں کو نہیں ہوتا لیکن یہ علم معاملات دینی و ارشاد کے متعلق ہوتا ہے جس کا تعلق وحی الٰہی سے ہوتا ہے کسی علم میں نبی کی برتری ضروری نہیں۔ (۵) آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سب سے پہلے انسان کو ہدایات قبول حق سے روکتی ہے وہ اپنے مساوی درجہ رکھنے والے کی غیر معمولی فوقیت کا ظہور ہے۔ انسان جس کو اپنا ہم رتبہ یا اپنے سے حقیر سمجھتا ہے اُس کی برتری کا قائل مشکل سے ہوتا ہے (۶) خدا تعالیٰ دنیا میں بھی اہل ایمان کا مددگار ہوتا ہے اور جب گناہگار بندہ کی سرکشی حد سے گذر جاتی ہے تو دنیا میں بھی اُس پر عذاب آجاتا ہے۔ (۷) اس قصہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی ایک مستحکم دلیل ہے کہ آپ نے بغیر پڑھے لکھے سیکھے سکھائے ایسے صحیح حالات بیان فرمائے جن کو دنیا کے کل اہل تاریخ بھی آج تک صحیح مانتے ہیں۔ (۸) محمد ﷺ اور آپ کی امت کو ایذاء کفار پر تسکین و صبر کی تلقین اور کفار کو انذار وغیرہ۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ

اور عاد کے پاس اُن کے بھائی ہود کو ہم نے بھیجا۔ ہود نے کہا اے قوم

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ

اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا

کیا تم ڈرتے نہیں ہود کی قوم کے کافر سرداروں نے

مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا

کہا ہم تم کو یقیناً بیوقوفی میں (مبتلا) دیکھ رہے ہیں اور

لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ

بلاشبہ تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں ہود نے کہا اے قوم

لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن

مجھ میں بے وقوفی نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا فرستادہ

رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَ

ہوں میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور

أَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ

تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں کیا تم نے اس بات سے تعجب کیا

ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ

کہ تم ہی میں سے ایک آدمی کی معرفت تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ

یاد کرو جب اللہ نے نوح کی قوم کے بعد تم کو جانشین

قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً

بنایا اور بدن کا پھیلاؤ تم کو زیادہ دیا

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ

قوم والوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس اسلئے آئے ہو کہ ہم صرف خدا کی عبادت

مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

کریں اور جنکی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے اُن کو چھوڑ دیں تو اگر تم سچے ہو

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ قَالَ قَدْ وَقَعَ

تو جس (عذاب) کا تم وعدہ کرتے ہو وہ ہم پر لے آؤ ہود نے کہا تم پر تمہارے

عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ

رب کی طرف سے عذاب و غضب واقع ہو گیا

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

کیا تم (فرضی معبودوں کے) اُن ناموں میں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے

مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا

باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جنکی کوئی سند اللہ نے نہیں اتاری پس انتظار کرو

اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ○ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ

میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں چنانچہ ہم نے ہود کو اور

الَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ

اُن کے ساتھیوں کو اپنی مہربانی بچا لیا اور اُن لوگوں کی جڑ کاٹ دی

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ ع

جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور بے ایمان تھے

تفسیر

قوم نوح کے بعد قوم ہود یعنی عاد کا قصہ بیان فرماتا ہے چونکہ قوم نوح کسی مشہور نام سے تاریخ میں مذکور نہیں اس لئے اس کا کوئی خاص نام ذکر نہیں کیا اور قوم ہود کا نام عاد مشہور ہے اسلئے نام لیکر ذکر کرنا مناسب تھا۔ یہ لوگ طوفان نوح کے بعد عرب کے جنوبی حصہ میں جو اب یمن کہلاتا ہے آباد تھے۔ عاد کے نام سے دو قومیں موسوم ہیں۔ عاد اول اور عاد ثانی۔ عاد ثانی عاد اول کی بقیہ نسل کا نام ہے۔ دونوں کے درمیان سو سال کا فرق ہے۔ جس طرح عاد اول اور قوم نوح کے درمیان آٹھ سو سال کا فصل ہے۔ اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ قوم عاد سام بن نوح کی اولاد میں سے تھی۔ لیکن اس کے بعد اختلاف ہے کہ سام سے تحت ان کا نسب کیا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ قوم عاد۔ عاد بن عوص بن ارم بن شالخ بن ارفخشد بن سام کی اولاد تھی۔ مفسر سراج وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ عاد بن عوص بن ارم بن سام کی نسل تھی۔ تفسیر حافظ میں بر قول ابن اسحاق بیان کیا ہے کہ عاد بن ارم بن عوص بن سام کی نسل تھی۔ رہے عاد ثانی تو یہ عملیق بن آدم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے اور مکہ میں سکونت رکھتے تھے انہی کو عمالقہ کہا جاتا ہے۔ اُس زمانہ میں ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا اور معاویہ کی ماں قوم عاد میں سے تھی اس لئے اسکی نسل کو عاد ثانی کہتے ہیں۔ غرض عاد اول کا مسکن یمن میں بمقام احقاف تھا۔ احقاف ایک ریگستان کا نام ہے جسکو رمل عالج بھی کہتے ہیں انکی تعداد چیونٹیوں کی طرح بے انتہا تھی۔ عمان سے لیکر حضر موت تک پھیلے ہوئے تھے۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ عاد کی سکونت اصلی اگرچہ عمان سے لیکر حضر موت تک تھی مگر ان ممالک کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پھیلے ہوئے تھے اور شدت و توانائی سے تمام قوموں کو زیر کر لیا تھا۔ حضرت ہود بھی عاد ہی کی نسل میں سے تھے اور ہم قوم ہونے کے لحاظ سے اُن کے برادر تھے۔ آپ عبد اللہ بن رباح بن خاود بن عاد کے بیٹے تھے۔ قوم میں وجیہ اور معزز تھے۔ قوم عاد کے آدمیوں کی قوت اور درازی قامت اُس زمانہ کی اقوام میں بے نظیر تھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ عادی آدمی پتھر کے کیواڑ اکیلا اٹھا لیتا اگر اس وقت کے پانچ سو آدمی لگیں تو نہ اٹھا سکیں۔ مفسر جلال محلی کا قول ہے کہ قوم عاد کا سب سے زیادہ لمبا آدمی چار سو ہاتھ تک تھا۔ ابو حمزہ ثمالی نے ستر ہاتھ کا بیان کیا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں اسی ہاتھ کا ذکر ہے۔ مقاتل اور قتادہ کے نزدیک سب سے لمبا قد بارہ ہاتھ کا تھا۔ قول اخیر زیادہ قرین عقل ہے۔ لیکن قرآن میں کہیں ناپ کا ذکر نہیں صرف کھجور کے تنوں سے اُن کی لاشوں کو تشبیہ دی گئی ہے۔ بہرحال اتنا یقین ہے کہ اُن کے قد بہت لمبے اور قوت و شہزوری بے مثل تھی۔

ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ خدا تعالیٰ نے حضرت ہود کو اُن کی ہدایت کے لئے مقرر فرمایا۔ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ حضرت ہود نے سب سے پہلے اُن کو توحید الٰہی کی نصیحت کی اور شرک سے منع کیا اور فرمایا لوگو تم میرے ہم قوم ہو مجھے تمہاری حالت پر رحم آتا ہے۔ شرک چھوڑ دو۔ غیر اللہ سے مُنہ موڑ لو۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۔ کیا تم کو شرک و معاصی کی پاداش کا خوف نہیں۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۔ قوم والے بولے تم تو بیوقوف ہو حماقت و کم عقلی تمہارے دماغ میں جم گئی ہے ہمارے خیال میں تم قطعًا جھوٹے ہو رسالت کا دعویٰ کرتے ہو اور حماقت کی بات کی طرف ہم کو لے جانا چاہتے ہو۔ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۔ حضرت ہود نے اُن کو اپنی خیر خواہی نبوت اور صداقت کا انتہائی زور کے ساتھ یقین دلانا چاہا اور فرمایا بھائیو! میں بیوقوف نہیں ہوں تمہارے رب کی طرف سے اس کے احکام پہونچانے آیا ہوں اور تمہارا خیر خواہ ہوں اور خدا کی طرف سے امین بھی ہوں۔ اللہ کے احسانات بھی یاد دلائے کہ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ دیکھو خدا نے قوم نوح کے بعد تم کو روئے زمین پر بادشاہ و حکمراں کیا۔ جسمانی طاقت و توانائی اور بدن کے طول و عرض میں تم کو سب پر فوقیت عطا کی لہذا تم کو اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کر کے اُس کا شکرانہ کرنا چاہیے اس سے تم کو ہی فائدہ پہونچے گا۔ دنیوی و اخروی فلاح حاصل ہو گی۔ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ متکبر و مغرور کافر نہ ماننے والے تھے نہ مانے بولے کیا تمہارے کہنے سے ہم سب معبودوں کو چھوڑ کر اکیلے خدا کی پرستش کرنے لگیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اگر تم سچے ہو کہ توحید کو نہ ماننے سے عذاب نازل ہوگا تو عذاب موعود لاؤ۔ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ۔ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۔ حضرت ہود نے فرمایا اچھا تو عذاب آگیا مجھے اس کا علم ہو گیا ہے تم عجب بے وقوف لوگ ہو اختراعی نام بتوں کے قائم کر کے اللہ کے ساتھ اُن کو شریک کرتے ہو اور اتنا نہیں سمجھتے کہ ان کے معبود ہونے کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی (قوم عاد نے بتوں کے چند نام مقرر کر رکھے تھے کسی کا نام صدی یا صمد اکسی کا صیمود اکسی کا ہبا اور کسی کا ہرد) لیکن جب تم باز نہیں آتے تو عذاب کا انتظار کرو میں بھی تمہاری تباہی کا منتظر ہوں۔ غرض عذاب الٰہی آیا اور رحمت الٰہی نے ہود کو اور اُن کے ساتھی مسلمانوں کو بچا لیا اور ایمان نہ لانے والوں کی جڑ کٹ گئی۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں جب قوم عاد نے کسی طرح نہ مانا تو تین سال سخت قحط پڑا۔ بارش کے نام ابر کا ٹکڑا بھی دکھائی نہ دیا مگر ایمان تب بھی نہ لائے۔ عرب کا دستور تھا کہ جب اُن پر کوئی سخت مصیبت پڑتی تو کچھ لوگوں کو دعا کرنے کے لئے مکہ کو بھیجتے۔ چنانچہ قوم عاد نے مکہ کو بھیجنے کے لئے ایک وفد منتخب کیا جس میں چار آدمی تھے۔ قیل بن عنز لقیم بن ہزال۔ عقیل بن ضند۔ مرثد بن سعد۔ وفد کا سردار قیل تھا یہ وفد مکہ پہونچکر عمالقہ کے سردار معاویہ بن بکر کے پاس ٹھہرا معاویہ نے خوب خاطر تواضع کی۔ گوشت کھلائے شرابیں پلوائیں۔ گانے والی عورتوں کو یہ اشعار یاد کرائے اور کہدیا کہ جب مجلس گرم ہو تو یہ اشعار گانا:-

الا یا قیلُ قُم نہلل	لَعَلَّ اللّٰهَ یسقینا غماما
اے قیل اُٹھ کر عاجزی سے دعا کر	تاکہ ہم کو اللہ باران رحمت سے سیراب کرے
فیسقی ارض عاد ان عادا	قد امسوا لا یبینون الکلاما
اور زمین عاد شاداب ہو جائے۔ کیونکہ قوم عاد کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ	زبان سے بات بھی نہیں کر سکتے
من العطش الشدید فلیس نرجو	به الشیخ الکبیر ولا الغلاما
بوجہ شدت پیاس کے۔ اس کی وجہ سے نہ بوڑھے کی	امید نہ بچے کی
وقد کانت نساءهم بخیر	فقد امست نساءهم غیامی
اُن کی عورتیں پہلے خوشحال تھیں	مگر اب اُن کی حالت خراب ہو گئی
وان الوحش تاتیهم جهارا	ولا تخشی لعادی سهاما
کھلم کھلا قوم والوں پر جنگلی جانور چڑھ آتے ہیں	اور کسی عادی کے تیروں سے نہیں ڈرتے
وانتم ههنا فیما اشتهیتم	نهارکم ولیلکم التماما
اور تم یہاں تمام شب و روز اپنی خواہشات میں پڑے ہوئے ہو	
فصبح وفدکم من وفد قوم	ولا لقوا التحیة والسلاما
جس قوم کے تم وفد ہو اُس نے تم سے	تحیت و عافیت کچھ نہ پائی

گانے والی نے حسب الحکم یہ اشعار گائے اُس وقت لوگوں کو احساس غفلت ہوا۔ مگر مرثد بن سعد چونکہ در پردہ مسلمان ہو چکا تھا اسلئے کہنے لگا واللہ تم لوگوں کی دعا سے پانی نہ برسے گا جب تک تم اپنے نبی کا کہنا نہ مانو گے۔ لہذا تم توبہ کرو۔ لوگوں نے مرثد کو اپنے

ساتھ سے علیحدہ کر دیا اور حرم کے اندر نہ لے گئے اور خود جا کر بارش کی دعا کی۔ اُس وقت تین ابر کے ٹکڑے نمودار ہوئے۔ سپید، سرخ، سیاہ۔ آواز آئی ایک کو انتخاب کر لو۔ قیل نے سیاہ کا لالچ کیا۔ سیاہ ٹکڑا قوم عاد کی بستیوں کی طرف چلا اور آواز آئی کوئی نہ بچے گا سب کو برباد کر دیگی سوائے بنو لو ذیہ کے۔ بنو لو ذیہ قوم عاد کی ایک شاخ تھی جو مکہ میں رہتی تھی اسی کو عاد ثانی کہا جاتا ہے۔ غرض ابر سیاہ جب وادی مغیث سے برآمد ہوا تو لوگوں نے للچائی ہوئی نظروں سے اُسکو دیکھا اور بولے هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا اس سے بارش ضرور ہوگی۔ حضرت ہود مع جماعت مؤمنین کے ایک خطیرہ کے اندر بیٹھ گئے اور ابر میں ایک آندھی اٹھی جو آٹھ دن سات راتیں برابر چلتی رہی اور قوم عاد تباہ ہوئی۔ اونٹ مع سوار کے ہوا پر اُٹھتے اور زمین پر ٹپک کر گرتے تھے۔ جو لوگ مکانوں کے اندر گھس گئے ان پر مکانوں کی چھتیں گر گئیں اور مع دیوار اور در کے ہوا پر اُڑنے لگیں۔ غرض اس عظیم الشان طوفان سے کوئی کافر زندہ نہ بچ سکا۔ صرف حضرت ہود مع جماعت مؤمنین کے بچ گئے۔ جب سب قوم تباہ ہو گئی تو اتفاق سے کسی شتر سوار نے جا کر وفد والوں کو اس کی اطلاع دی۔ اہل وفد یہ جانکاہ حادثہ سن کر بولے ہود کہاں ہے؟ شتر سوار بولا ہود مع ساتھیوں کے زندہ و سالم سمندر کے کنارے پر رہتے ہیں۔ قیل نے سن کر کہا اب میں زندہ رہ کر کیا کرونگا جب کہ میری قوم ہی زندہ نہ رہی۔ مرثد نے اُس وقت یہ شعر پڑھے:-

عصت عاد رسولهم فامسوا   عطاشا ما تبلهم السماء
وسير وفدهم شهرا ليسقوا   فاردفهم مع العطش العناء
بكفرهم بربهم جهارا   على آثار هم عاد الغفار

اس کے بعد مرثد حضرت ہود کے پاس چلا گیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ہود مکہ میں آکر رہنے لگے تھے اور ڈیڑھ سو برس کی عمر میں وہیں وفات پائی اور مطاف کعبہ میں مدفون ہوئے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک حضرمی شخص سے فرمایا تھا تو نے وہ سرخ ٹیلہ دیکھا ہے جو درخت پیلو کے سامنے فلاں مقام پر ہے جس کے اندر اور سرخی مائل ٹیلے موجود ہیں اور فلاں فلاں جانب بیریوں کے درخت ہیں۔ حضرمی نے عرض کیا جی ہاں امیر المؤمنین خدا کی قسم آپ تو ایسا ٹھیک ٹھیک اُسکو پتہ سے بیان فرما رہے ہیں جیسے کسی نے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ فرمایا میں نے دیکھا نہیں بلکہ اُس کا قصہ مجھ سے بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرمی نے عرض کیا امیر المؤمنین اُس کا قصہ کیا ہے؟ فرمایا اُس میں ہود کی قبر ہے (ابن جریر)

مقصود بیان:- توحید کی تعلیم دین الٰہی کا جزو اول ہے کور باطن اور تیرہ درون اشخاص کو ہدایت ضلالت اور نور اندھیرا نظر آتا ہے اپنی دانش و سمجھ کے مقابلہ میں وہ برحق ہادیوں کو احمق اور بے وقوف سمجھا کرتے ہیں۔ کوئی نبی احمق نہیں ہوتا اور نہ جھوٹا ہو سکتا ہے۔ بوقت ضرورت آدمی اپنے سچے اوصاف کو ظاہر کر سکتا ہے شرعاً یہ فعل ممنوع نہیں ہے البتہ اظہار محاسن بطور تفاخر و تکبر ممنوع ہے۔ قوم نوح کے بعد ملوک و سلاطین قوم عاد میں سے ہوئے۔ قوم عاد کی قوت جسمانی اور بدنوں کی وسعت غیر معمولی تھی۔ احمق اپنے قدیمی رواج اور طریقۂ اسلاف کو کسی طرح نہیں چھوڑتا خواہ اُس کے سامنے سنت قدیمہ کے مقابلہ میں کتنا ہی حق نمایاں ہو جائے۔ قوم عاد کی نسل قطع ہو گئی۔ صرف اُن کے قصور کی پاداش میں اور آیات الٰہی کی تکذیب اور حکم نبی کو نہ ماننے کی وجہ سے۔ اس پورے قصہ میں مؤمنوں کو بشارت نجات اور کافروں کو انذار عذاب ضمنی ہے۔ اور رسول اللہ کی نبوت پر بھی مستحکم دلیل ہے۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ

اور ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالح کو بھیجا صالح نے کہا اے میری قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

اللہ کی عبادت کر اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ

بیشک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل آچکی یہ

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ

خدا کی اونٹنی تمہارے لئے نشان قدرت ہے اس کو اللہ کی زمین میں

فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

کھاتا رہنے دو کوئی دکھ نہ پہونچاؤ

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ

ورنہ تم کو دردناک عذاب پکڑلے گا اور یاد کرو کہ جب

جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ

عاد کے بعد اللہ نے تم کو جانشین بنایا اور زمین میں تم کو

فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا

ٹھکانے دیے کہ نرم زمینوں میں تم محلات

قُصُورًا وَّتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَاذْكُرُوْٓا

بناتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو پس اللہ کی

اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

نعمتوں کو یاد کرو اور ملک میں تباہی پھیلاتے نہ پھرو

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

ہود کی قوم کے اُن لوگوں نے جو بڑے بن گئے تھے

لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

اُن کمزور لوگوں سے کہا جو ایمان لے آئے تھے

اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

کیا تم کو یقین ہے کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اُس حکم کا یقین رکھتے ہیں جو صالح کو دیکر بھیجا گیا

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ

سرکش لوگ کہنے لگے جس پر تم ایمان لائے ہو

اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ

ہم یقیناً اُس کے منکر ہیں۔ غرض اُنہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیے

وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ

اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے اگر تو واقعی پیغمبر ہے

ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

تو جس چیز کا ہم سے وعدہ کرتا ہے وہ ہم پر لے آ

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ

بالآخر زلزلے نے اُن کو آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں زانو کے بل

جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ

اوندھے گرے رہ گئے ہود نے اُن سے روگردانی کی اور کہا اے قوم

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ

میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے اور تمہاری خیرخواہی

لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

کی مگر تم خیرخواہوں کو دوست نہیں رکھتے

تفسیر وَاِلٰى ثَمُوْدَ سے جٰثِمِيْنَ تک قوم عاد کے بعد قوم صالح یعنی ثمود کا قصہ بیان فرماتا ہے

یہ قوم اپنے جدِ اعلیٰ ثمود بن عاد بن ارم کے نام سے موسوم تھی۔ (فتح البیان) صاحب معالم و سراج اور بیضاوی وغیرہ نے ثمود کے باپ کا نام عابر بن ارم ذکر کیا ہے۔ ثمود درحقیقت جدیس بن عابر کا بھائی تھا جس طرح جدیس کی نسل جدیس کے نام سے مشہور ہوئی اسی طرح ثمود کی اولاد ثمود کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ لوگ عرب کے شمالی مشرقی جانب بلاد حجر یعنی وادی قریٰ میں رہتے تھے وادی قریٰ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ ان لوگوں نے پہاڑ کھود کر عجیب و غریب مکانات بنائے تھے اور اسی طرح دامن کوہ میں نشیبی نرم زمینوں میں بھی طرح طرح کے عالیشان محل تیار کئے تھے۔ موسم سرما میں ان محلوں میں رہتے تھے اور موسم گرما میں پہاڑی مکانوں میں۔ مالدار بھی یہ بہت تھے۔ مگر کم بخت بت پرست اور رہزن تھے۔ علانیہ بدکاریاں کرتے اور کسی سے نہ شرماتے تھے۔ اُن کی ہدایت کے لئے اللہ نے حضرت صالح بن عبید بن حاذر بن ثمود کو مبعوث فرمایا۔ حضرت صالح نے اُن کو توحید و عبادت الٰہی کی تعلیم دینی شروع کی اور اونٹنی کا معجزہ دکھا کر فرمایا کہ یہ تمہارے لئے خدا کی پیدا کی ہوئی ایک خاص نشانی ہے اس کو کسی قسم کا دکھ نہ دینا ورنہ عذاب سے تباہ کر دیے جاؤ گے مگر کافروں نے نہ مانا۔ اپنے ہادی و مصلح کے ساتھ بجائے فرمان پذیری اور اطاعت کے تمسخر و بدسلوکی سے پیش آئے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اُس کو قتل کر ڈالا اور بالآخر عذاب الٰہی نے اُن کو گھیرا اور سب تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ آیات کا خلاصہ مطلب ہے۔ تفصیل وار قرآن میں مذکور نہیں۔ ہم مختلف تفسیروں سے جن کا ماخذ مختلف احادیث ہیں کسی قدر تفصیل سے نقل کرتے ہیں بیضاوی اور ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ قوم عاد کی ہلاکت و

بربادی کے بعد قوم ثمود کا دور آیا۔ ان کی عمریں بہت دراز ہوتی تھیں اور چونکہ ہر شخص کے مرنے سے قبل اُس کا مکان بوسیدہ و منہدم ہو جاتا تھا اس لئے پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے اور بہت فراخی سے بسر کرتے تھے۔ آخر سرکشی کی اور شرک و معاصی سے زمین پر تباہی پھیلائی۔ اللہ نے حضرت صالح کو نبی بنا کر بھیجا۔ صالح نے اُن کو توحید کی دعوت دی اور بصورت سرتابی عذاب سے ڈرایا۔ قوم والوں نے معجزہ مانگا اور کہا ہماری عیدگاہ کو چلو ہم اپنے معبودوں کو پکاریں تم اپنے اللہ کو پکارو جس کی دعا قبول ہو اُس کا قول مانا جائے۔ سب مل کر عیدگاہ کو گئے کافروں نے ہر چند اپنے معبودوں کو پکارا کوئی جواب نہ ملا۔ حضرت صالح کی موجودگی میں شیطان کا وجود نہ تھا۔ آخر سردار قوم جندع بن عمرو نے حضرت صالح سے یہ ہٹ کی کہ کاثبہ نامی پہاڑی سے ایک فربہ اندام قوی ہیکل حاملہ اونٹنی اگر تمہاری دعا سے برآمد ہوگی تو ہم ایمان لے آئینگے۔ حضرت صالح نے اُن سے مضبوط عہد لیا اور نماز پڑھ کر باری تعالیٰ سے دعا کی۔ پہاڑی میں ایسی حرکت ہوئی جیسی حاملہ جانور کو ہوتی ہے اور پتھر شق ہو کر حسب مطلوب اونٹنی برآمد ہوئی۔ جندع بن عمرو یہ کیفیت دیکھ کر مع ساتھیوں کے مسلمان ہو گیا اور دیگر اشخاص بھی ایمان پر آمادہ ہو گئے لیکن دواب بن عمرہ اور بتخانہ کے مالک حباب اور رباب بن صمعر کاہن نے سب کو روکا۔ کچھ دنوں کے بعد اُس اونٹنی کے ایک بچہ پیدا ہوا اور اونٹنی معہ بچہ کے لوگوں کی نظروں کے سامنے رہی۔ گھاس اور درختوں کی پتیاں چرتی اور ایک دن بیچ کنوئیں پر آیا کرتی اور سب پانی پی جاتی۔ اونٹنی کے اندر یہ عجیب خاصیت تھی کہ ادھر پانی پیا اُدھر دودھ سے تھن بھر گئے اور اتنا دودھ ہوتا کہ سب لوگوں کے برتن بھر جاتے۔ گرمی کے زمانے میں یہ اونٹنی وادی کے باہر پشت کی جانب رہتی اور قوم کے جانور وادی کے اندر رہتے اور سردی کے زمانے میں اونٹنی وادی کے اندر رہتی اور جانور باہر رہتے۔ وجہ یہ تھی کہ جانور اُس سے ڈر کر بھاگتے تھے۔ حضرت صالح نے لوگوں کو عموماً سمجھا دیا تھا کہ اس اونٹنی سے کچھ تعرض نہ کرنا مگر سرکش کافروں نے نہ مانا اور اُس کو قتل کر دیا۔ شیخ ابن جریر وغیرہ علمائے تفسیر نے اسباب قتل میں سے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ ایک عورت عنیزہ بنت غنم بن مجلز تھی۔ یہ دواب بن عمرو کی بیوی تھی۔ حضرت صالح سے اس کو سخت عداوت تھی۔ اس کی چند حسین لڑکیاں تھیں۔ اس کے علاوہ ایک اور عورت صدوق یا صدقہ بنت محیا

بن مہر تھی۔ یہ ضیم بن ہراوہ کی بیوی تھی۔ ضیم نے اپنے مال سے مسلمانوں کی بہت مدد کی تھی اُس پر اس کو ناگواری ہوئی اور اُس نے اپنے شوہر سے طلاق لیکر ایک بدمعاش مصدع بن مہرج نامی سے نکاح کر لیا۔ ان دونوں عورتوں کے پاس مویشی بکثرت تھے اور اونٹنی سے ان کے مویشیوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی اس لئے اُس نے قدار بن سالف کو بھی ابھارا اور ان دونوں بدمعاشوں نے سات آدمی اور ساتھ لئے مصدع اور قدار کمینگاہ میں بیٹھے۔ اونٹنی جب گھاٹ سے پانی پی کر واپس آئی تو مصدع نے اُس کے تیر مارا اور قدار نے تلوار ماری کہ وہ گر گئی پھر سب نے مل کر اُسکو ذبح کر ڈالا اور بچہ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ عبدالرزاق نے بروایت حسن بصری بیان کیا ہے کہ بچے نے پہاڑ پر چڑھ کر تین آوازیں دیں اور کہا پروردگار میری ماں کیا ہوئی؟ کافر اُس کے پیچھے دوڑے مگر پہاڑ شق ہوا اور بچہ اُس میں سما گیا۔ حضرت صالح کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو آپ نے آکر مردہ اونٹنی کو دیکھا اور روئے۔ بیضاوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت صالح نے کافروں سے کہا اب تین روز کی مہلت ہے۔ تین روز تک اپنے گھروں میں رہو۔ کل تمہارے چہرے زرد، پرسوں سرخ اور چوتھے روز سیاہ ہو جائینگے۔ اس کے بعد پانچویں روز عذاب آئیگا۔ دوسرے روز علامت عذاب ظاہر ہوئی تو لوگوں کو فکر پیدا ہوئی اور حضرت صالح سے دفعیہ کی صورت دریافت کرنے لگے آپ نے فرمایا اُس کے بچے کو تلاش کرو شاید عذاب رفع ہو جائے۔ بچے کو ڈھونڈا گیا مگر نہ ملا۔ بیضاوی کا قول ہے کہ علامات عذاب دیکھ کر کچھ لوگوں نے حضرت صالح کو شہید کر ڈالنا چاہا مگر آپ ارض فلسطین کی طرف چلے گئے۔ ابن کثیر نے بروایت ابن جریر بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے دھوکہ سے رات کو اونٹنی کے قتل کا ارادہ کیا تھا اُن پر یوم عذاب سے پہلے ہی آسمان سے پتھر برسے اور وہ برباد ہو گئے۔ غرض روز مقرر آنے سے پہلے ہی لوگوں کو عذاب کا یقین ہو چکا تھا۔ سب لوگ کفن پہنے مرنے کے لئے تیار تھے اور عجب کہرام بپا تھا۔ یوم موعود کا آفتاب طلوع ہوا فوراً زمین میں زلزلہ آیا اور آسمان سے ایک ہیبت ناک چیخ سنائی دی جس سے سب مر کر رہ گئے کفار میں سے کوئی نہ بچا۔ البتہ ابو رغال نامی ایک جوان جو اُس زمانے میں مکہ کو گیا ہوا تھا بچ رہا مگر جب وہ سرزمین حرم سے باہر آیا تو اُس پر بھی آسمان سے ایک پتھر گرا اور وہ بھی مر گیا۔

یہاں ایک بات غور طلب ہے وہ یہ کہ اس جگہ قوم ثمود کا عذاب بصورت زلزلہ ذکر فرمایا ہے لیکن دوسری آیتوں میں صیحہ یعنی

ہیبت ناک چیخ سے ہلاک ہونا مذکور ہے۔ سورۃ ہود میں یہی لفظ آیا ہے۔ پھر سورۃ الحاقہ میں عذاب طاغیہ کا ذکر ہے۔ بظاہر قرآن پاک میں اختلاف بیان معلوم ہوتا ہے لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو کوئی اختلاف نہیں۔ دراصل قوم پر شدید زلزلہ آیا تھا جس میں ہولناک آواز بھی تھی اسلئے یہاں زلزلہ سے غارت کرنا اور دیگر مقامات پر چیخ سے ہلاک کرنا مذکور ہوا۔ رہا لفظ طاغیہ تو یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ زلزلہ اور صیحہ دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور دونوں مراد بھی ہیں۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّىْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۔ ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب لوگ ہلاک ہو گئے تو حضرت صالحؑ نے مُردوں سے خطاب کرکے الفاظ مذکورہ فرمائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مُردے سنتے ہیں جسطرح جنگ بدر کے مقتولین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرکے فرمایا تھا اور نام بنام ارشاد کیا تھا کہ مجھ سے جو میرے پروردگار نے وعدہ فرمایا تھا وہ تو میں نے پالیا کیا تم نے وہ وعدہ برحق پالیا جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا تھا؟ بیضاوی نے بھی حضرت صالحؑ کا کلام مذکور ہلاکت قوم کے بعد قرار دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ شاید وہ لوگ حضرت صالحؑ کا کلام سنتے ہوں یا صرف اظہار تحسر و تاسف کے طور پر آپ نے فرمایا ہو کہ افسوس تم نے یہ نوبت پہنچائی اور میرا کہنا نہ مانا۔ اس صورت میں حقیقی سنانا مقصود نہیں بلکہ صرف افسوس کرنا مقصود ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ حضرت صالحؑ نے یہ بات قوم والوں سے اُس وقت کہی تھی جبکہ انہوں نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا تھا۔ گویا ہلاکت سے قبل فرمایا تھا۔

حضرت صالحؑ بقول بعض مفسرین چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے اور ان لوگوں کو لیکر آپ فلسطین یا حضر موت تشریف لیگئے تھے۔

قوم ثمود کی بستیاں اب بھی اُجاڑ پڑی ہیں جب ۹ ہجری میں رسول پاکؐ تیس ہزار کی فوج لیکر غزوۂ تبوک کے لئے حدود شام کی طرف تشریف لے گئے تھے تو وادی حجر میں قوم ثمود کی ویران بستیوں کے پاس فروکش ہوئے تھے۔ لوگوں نے انہیں کنوؤں سے پانی بھر کر آٹا گوندھا۔ ہانڈیاں چڑھائیں اور دیگر ضروریات میں صرف کیا۔ حضورؐ نے حکم دیکر ہانڈیاں الٹوا دیں۔ گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلوا دیا اور وہاں سے مع جمعیت کوچ کرکے اُس کنوئیں کے پاس اقامت گزین ہوئے جس کا پانی حضرت صالحؑ کی اونٹنی پیا کرتی تھی اور لوگوں کو منع فرما دیا کہ جس قوم پر عذاب نازل ہو چکا ہے اُس کے پاس نہ جاؤ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم کو بھی

ویسا ہی عذاب نہ پہونچے۔ (رواہ امام احمد) ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ جب حضور والاؐ مقام حجر میں تھے تو ارشاد فرمایا بغیر گریہ کے اُن لوگوں کے وہاں نہ جاؤ جن پر عذاب ہو چکا ہے اندیشہ ہے کہ تم کو بھی وہی عذاب نہ پہونچ جائے جو اُن کو پہنچا تھا (اصل الحدیث مخرج فی الصحیحین) ابو کبشہ کی روایت ہے کہ جب غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے حضورؐ حجر میں فروکش ہوئے تو لوگوں نے جلدی جلدی اہل حجر کی طرف جانا شروع کیا۔ حضورؐ کو اس کی اطلاع پہونچی تو منادی کرادی اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ سب لوگ جمع ہو گئے۔ حضورؐ اس وقت ایک بکری کو پکڑے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے کیا جاتے ہو ایسی قوم کے ہاں جس پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ اُن سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا میں تم کو اس سے بھی زیادہ عجیب بات بتاتا ہوں تمہیں میں سے ایک شخص تم کو اُن باتوں سے آگاہ کر رہا ہے جو تم سے پہلے ہو گذری ہیں اور جو تمہارے بعد ہونگی پس استقامت رکھو اور راستی اختیار کرو۔ اللہ کو تمہارے عذاب کی کچھ پرواہ نہیں۔ عنقریب ایک ایسی قوم ہوگی جو عذاب کو بالکل دفع نہ کر سکے گی۔ (رواہ احمد ولم یخرجہ احد من الستۃ) حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور والاؐ جب مقام حجر سے گذرے تو فرمایا لوگو معجزات مت مانگو قوم صالحؑ نے معجزہ مانگا تھا تو اونٹنی اِس نالہ کی راہ سے پانی پینے آتی تھی اور اُس دوسرے نالہ سے نکل جاتی تھی۔ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور ناقہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ ناقہ ایک روز پانی پیتی تھی اور ایک روز وہ ناقہ کا دودھ پیتے تھے مگر انہوں نے ناقہ کی کونچیں کاٹ کر مار ڈالا پس اُن کو ایک کرخت آواز نے پکڑ لیا اور آسمان کے نیچے جو کوئی شخص اُس قوم کا تھا سب کو نیست و نابود کر دیا۔ سوا ایک شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون تھا؟ فرمایا ابو رغال۔ لیکن جب وہ حرم سے باہر ہوا تو اُس پر بھی وہی عذاب پہونچ گیا جو اُس کی قوم پر پہنچا تھا (رواہ احمد باسناد علی شرط مسلم)

مقصود بیان :- ناقۂ صالحؑ ایک عظیم الشان معجزہ اور قدرت الٰہی کی واضح نشانی تھی۔ پیغمبروں سے معجزات یعنے وہ اُمور جو عادت انسانی اور عقل بشری کے خلاف معلوم ہوتے ہیں سرزد ہو سکتے ہیں۔ کسی فرد حیوان کے پیدا ہونے کے لئے نوعی مبدء کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جنس کے اختلاف کے باوجود بھی بقدرت خدا حیوان پیدا ہو سکتا ہے۔ قوم عاد کے بعد زمین کی حکومت قوم ثمود کی ہاتھ آئی تھی۔ ایسے کام کرنے جس سے زمین پر فتنہ فساد اور تباہی و بربادی پھیلے قطعًا حرام ہے۔ کمزور اور ضعیف لوگ سب سے پہلے انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں۔

اور بڑے آدمی غرور و تکبر سے عموماً تکذیب پر آمادہ ہو جاتے ہیں پیغمبر کی بددعا ضائع نہیں جاتی۔ انبیاء کے حکم سے سرتابی کرنے والوں کا نتیجہ سوا تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ وغیرہ

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ

اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم لوگ ایسی بےحیائی کرتے ہو

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

جو تم سے پہلے سارے جہان میں سے کسی نے نہیں کی

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ

تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس خواہش نفسانی سے

دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝

جاتے ہو واقعی تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا

لوطؑ کی قوم کو سوائے اس کے کوئی جواب نہ بن پڑا

اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ

کہ ان کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف

يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ

بنتے ہیں۔ غرض ہم نے لوطؑ کو اور اُن کے گھر والوں کو بچا لیا ہاں ان کی بیوی

كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

پیچھے رہنے والوں میں سے ہو گئی اور اُن پر (پتھروں کا) مینھ

مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ع ٢٩ ١٠ ١٢

برسایا پس دیکھ لو مجرموں کا انجام کیسا ہوا

تفسیر یہ چوتھا قصہ حضرت لوطؑ کا ہے۔ آپ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے بھانجے یا بھتیجے تھے اور حضرت ابراہیم جب ملک بابل سے ہجرت کر کے چلے تھے تو حضرت لوطؑ بھی ہمراہ تھے۔ حضرت لوطؑ کے والد حاران آپ کو بچہ چھوڑ کر مر گئے تھے چنانچہ حران میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ آپ کا بھی قیام ہوا۔ پھر حران سے کوچ کر کے ملک کنعان میں سکم یعنی طرابلس تک آئے اور بیت ایل کے پاس اپنا ڈیرہ قائم کیا۔ پھر جب یہاں قحط پڑا تو یہ سب مصر کو چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت لوطؑ و حضرت ابراہیمؑ کے پاس مویشی اور نقد مال بہت کچھ جمع ہو گیا تو پھر ملک کنعان کو واپس آ گئے۔ یہاں پہنچکر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوطؑ کو دریائے اردن کے ترائی کے ملک کی طرف وہاں کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا کیونکہ اس وقت حضرت لوطؑ خدا کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کے اتباع میں نبی بنا دیے گئے تھے آپ نے اردن میں پہنچ کر شہر سدوم علاقہ حمص میں قیام کیا۔ وہاں کے لوگ بت پرست اور نہایت بدکار تھے لڑکوں سے بدفعلی کا اُن میں رواج تھا۔ راستوں پر اور عام مجلسوں میں ناپاک اور گھنونے کام بےباکانہ کرتے تھے۔ حضرت لوطؑ نے اُن کو وعظ و پند کیا اُن کے فعل بد کی بھی مذمت کی اور اس فعل کی ایجاد پر بھی اُن کو ملامت کی اور حق سے تجاوز کرنے کی بری عادت پر بھی اُن کو تنبیہ کی مگر وہ کب ماننے والے تھے آخر نہ مانے۔ اہل سدوم کے ساتھ عمورہ، ضبیان اور ردمہ کے لوگ بھی ایسے ہی بدکار تھے۔ یہ تمام بستیاں سدوم کے آس پاس تھیں اور وہاں کے بعض پہاڑوں میں گندھک کی کان تھی جب حضرت لوطؑ اُن کی طرف سے مایوس ہو گئے اور بجائے توبہ کے اُن کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو تین فرشتے اول حضرت ابراہیمؑ کے پاس امرد لڑکوں کی شکل میں دوپہر کے وقت جبکہ وہ خیمہ کے سامنے بیٹھے تھے نظر آئے۔ حضرت ابراہیمؑ اُن کی مہمانی کے لئے کچھ روٹیاں اور بچھڑے کا بھونا ہوا گوشت لیکر آئے لیکن انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھایا۔ حضرت ابراہیمؑ ڈر گئے اور خیال کیا شاید یہ دشمن ہیں کیونکہ اُس زمانہ میں مخالف اپنے مخالف کا کھانا نہ کھاتا تھا۔ فرشتوں نے کہا آپ خوف نہ کیجے ہم خدا کے فرشتے ہیں سدوم کو غارت کرنے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا وہاں تو لوطؑ بھی ہے اور نیک لوگ بھی ہیں۔ فرشتوں نے کہا لوطؑ کی حفاظت کر لی جائے گی اور اگر وہاں پانچ آدمی بھی نیک ہوئے تو ہم غارت نہ کرینگے۔ پھر فرشتے وہاں سے چل دیے اور شام کے وقت شہر سدوم کے پھاٹک پر حضرت لوطؑ کو نظر آئے اور کہنے لگے آج رات ہم آپ کے مہمان رہینگے۔ یہ خبر پا کر شہر کے تمام بڈھے اور جوان حضرت لوطؑ کے گھر پر چڑھ آئے۔ حضرت لوطؑ سے مہمانوں کی رسوائی دیکھی نہ گئی۔ قوم والوں کی منت کرنے لگے اور بولے اگر تم کو میری بیٹیاں درکار ہوں تو یہ موجود ہیں ان سے نکاح کر لو۔

مگر میرے مہمانوں کو بے عزت نہ کرو۔ وہ ملعون کب ماننے والے تھے کیواڑ توڑنے لگے۔ فرشتوں نے حضرت لوط کو جب بد حواس اور زیادہ پریشان دیکھا تو اندر کو سنبھلیا اور کہدیا آپ فکر نہ کریں ہم فرشتے ہیں علی الصباح اس شہر کو غارت کرینگے۔ آپ اپنے گھر والوں کو لیکر رات ہی میں اس شہر سے نکل جائیں۔ پھر فرشتوں نے پر جھاڑے جس سے وہ خبیث اندھے ہو گئے اور لگے سرگرداں گھومنے۔ حضرت لوط اپنے گھر والوں کو لیکر شہر سے نکل گئے۔ مگر آپ کی بیوی کافرہ تھی وہ پیچھے رہ گئی اور منہ پھیر پھیر کر اپنی قوم کی تباہی کا معائنہ کرنے لگی سو وہ نمک کا ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ صبح کو فرشتوں نے شہر کو الٹ دیا اور پھر گندھک اور آگ برسائی جس کا دھواں حضرت ابراہیم نے دور سے اٹھتا دیکھا۔ چونکہ یہ بستیاں الٹ گئی تھیں اس لئے ان کو مؤتفکات کہا جاتا ہے۔

تفسیری وضاحت

حضرت لوط نے اپنی قوم کی شناعت عمل ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ واقعی تو ابھی انسانیت۔ قوم لوط سے پہلے کوئی شخص اس فعل سے واقف بھی نہ تھا۔ امرد پرستی تو بجائے خود رہی کسی کا خیال بھی اس طرف نہ جاتا تھا۔ پھر حضرت لوط نے نہ یہ کہ صرف اس فعل کے ارتکاب پر ملامت کی ہو بلکہ اس کی ایجاد پر تشنیع کی اور نہ یہ قباحت بھی ظاہر کر دی کہ یہ بے محل صرف اور حد اعتدال سے تجاوز ہے یعنی قوت شہوانیہ کی تخلیق کا منشا تو بقاء نوع اور ازدیاد نسل ہے اور تم امرد پرستی کرتے ہو جس سے اصل مقصد قطعاً حاصل نہیں ہوتا۔ گویا تم اصل مقصد سے غافل ہو گئے اور غرض تخلیق سے آگے بڑھ کر شہوت پرست بن گئے۔ قوم والوں کو جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو بالا نہ حرکت پر اتر آئے اور بطور استہزاء کے کہنے لگے ان کا ہمارے ساتھ گذارا نہ ہوگا یہ پاک لوگ ہیں لہذا ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ اس لفظ سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان کو حضرت لوط کی پاکیزگی اور اپنی گندگی کا اعتراف تھا بلکہ ان کا مقصود صرف مذاق کرنا تھا۔

فقہی مسئلہ

شریعت اسلامیہ میں لواطت قطعاً حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی سزا یہ ہے کہ مجرم کو بلندی سے نیچے پھینک دیا جائے اور پھر اوپر سے پتھر برسا کر قتل کر دیا جائے جس طرح کہ قوم لوط کو سزا دی گئی۔ بعض آثار صحابہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ امام شافعی رح کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ابن عباس کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور نے فرمایا جس شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو قتل کر دو (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والترمذی) امام شافعی کا دوسرا قول ہے کہ لوطی مانند زانی کے ہے۔ اگر غیر شادی شدہ ہے تو سو درے لگائے جائیں اور شادی شدہ ہے تو پتھروں سے مار ڈالا جائے بعض علماء کا قول ہے کہ بہر حال پتھروں سے مار کر ہلاک کیا جائے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ رہا عورتوں سے لواطت کا حکم تو یہ بھی باجماع علماء حرام ہے۔ مگر اس کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں واللہ اعلم۔

مقصود بیان: قوم لوط نے دنیا میں سب سے پہلے لواطت کا ارتکاب کیا۔ حد اعتدال سے تجاوز ہر کام میں ممنوع ہے یہاں تک کہ جسمانی قوی کے صرف میں بھی اعتدال سے ہٹنا ناجائز ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لواطت اور جلق وغیرہ بھی حرام قطعی ہے۔ دونوں اسراف میں داخل ہیں۔ جاہل جب لاجواب ہو جاتا ہے تو وہ اہل حق کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ اہل حق کو ہمیشہ خدا تعالیٰ نجات دیتا ہے وہ دنیوی عذاب میں بھی ماخوذ نہیں ہوتے۔ اللہ کی نافرمانی بہر حال تباہی انگیز ہے زوجۂ نبی ہونا بھی اس سے نہیں بچا سکتا۔ مجرموں کا انجام ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ ایک خاص وقت تک ڈھیل ہوتی ہے جب اتمام حجت اور تکمیل نصیحت ہو چکتی ہے تو پھر سخت ترین گرفت کر لی جاتی ہے۔ آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ کے حکم سے سرتابی مت کرو ورنہ دنیا میں بھی تباہ ہو جاؤ گے۔ وغیرہ۔

وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ

اور اہل مدین کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا شعیب نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ

اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود

غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آ چکی

فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا

لہذا تم ناپ تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی (خرید کردہ)

النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا

چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک میں امن و عافیت کے بعد

فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ
فساد نہ مچاؤ — اگر تم ایمان دار ہو تو یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوا
تمہارے لئے بہتر ہے — اور سر راہ (بارادہ رہزنی)

بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ
نہ بیٹھا کرو — (کیا) تم ڈراتے دھمکاتے ہو اور راہ خدا سے

عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ
روکتے ہو — اُن کو جو اللہ پر ایمان لائے ہیں

وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ
اور اُس میں کجی پیدا کرنی چاہتے ہو — اور یاد کرو — کہ جب تم

قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ
تھوڑے تھے تو اللہ نے تم کو کثیر کردیا اور دیکھو تو تباہی پھیلانے والوں

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ
کا انجام — کیسا ہوا — اگر تم میں کا کوئی گروہ

مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ
اُس حکم پر ایمان لے آئے جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے

وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ
اور کوئی گروہ اُس کو نہ مانے — تو تم ٹھیرے رہو یہاں تک

يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝
کہ اللہ خود ہمارا فیصلہ کردیگا — وہی بہترین حاکم ہے

تفسیر: یہ پانچواں قصہ حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم کا بیان فرمایا ہے۔ قوم شعیب قوم لوطؑ کے بعد ہوئی ہے مدین حضرت ابراہیمؑ کے ایک صاحبزادہ کا نام ہے جو عرب کے شمالی مغربی حصہ میں اُن بیابانوں میں ایک جگہ رہنے لگے تھے جہاں بعد کو حضرت موسٰیؑ قلزم کو عبور کرکے کوہ سینا اور اُس کے اطراف میں بنی اسرائیل کو لئے پھرتے تھے۔ لیکن مدین کا نام بعد کو مدین ہوگیا بلکہ مدین کی نسل سے جو قوم بنی اُس کا نام بھی مدین ہوگیا۔ اسی قوم میں سے ایک شخص حضرت شعیب بھی تھے۔ شعیب صیفون بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم کے بیٹے تھے۔ محمد بن اسحاق کے نزدیک شعیبؑ کے والد کے نام میکائیل بن یشجر بن مدین تھا۔ یہ وہی شعیب ہیں جن کے پاس حضرت موسٰیؑ مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور دس برس ان کے ہاں رہے اور اُن کی صاحبزادی صفورا سے نکاح کیا اور پھر مصر جاتے وقت کوہ طور کے قریب نبوت پائی حضرت شعیب کو یہودی محاورہ میں (یترو) بتقدیم الیاء ثم التاء ثم الراء ثم الواو۔ کہتے ہیں۔ مدین ہی کے پاس ایک اور گاؤں تھا جسمیں بہت گنجان درخت اور گھنی جھاڑیاں تھیں اس کا نام ایکہ تھا۔ قرآن میں جو اصحاب الایکہ کا قصہ ہے اُس سے قوم شعیب ہی مراد ہے۔ مدین ایکہ اور قرب وجوار کے مقاموں میں مدین کی نسل کے کچھ لوگ آباد تھے۔ مدین اگرچہ اکیلے یہاں آکر رہے تھے لیکن خدا نے ان کی نسل میں تھوڑی ہی مدت میں اتنی برکت دی کہ پوری قوم بن گئی اور پورے علاقہ کو گھیر لیا۔ جب تک ارشاد انبیاء کی تاثیر ان کے قلوب پر رہی اُس وقت تک یہ لوگ سیدھے راستہ پر رہے لیکن جب تاثیر ہدایت جاتی رہی تو گمراہ ہوگئے۔ بت پرستی کرنے لگے اور قسم قسم کی بدکاریاں اُن میں پیدا ہوگئیں (۱) ناپ تول میں عموماً کمی کرتے یعنی کسی کو ناپ کر یا تول کر کوئی چیز دیتے تو کم دیتے چنگی لیتے (۲) معاملات میں دغا بازی کرتے (۳) شرک گناہ فحش بکواس ظلم و تعدی اور بیہودگی و سرکشی سے زمین پر فتنہ فساد مچا رکھا تھا (۴) سر راہ بیٹھ کر لوگوں کو ڈراتے اور دھمکاتے رہزنی کرتے اور طرح طرح سے تکلیفیں دیتے تھے (۵) لوگوں کو حضرت شعیبؑ کے پاس آنے سے بھی روکتے اور بہکاتے تھے اور کہتے تھے یہ دغا باز مکار فریبی ہے اس کے پاس نہ جاؤ اور جاؤ تو اُس کا کہنا نہ ماننا (۶) حضرت شعیبؑ کی تعلیم میں طرح طرح کی باطل نکتہ چینیاں کرتے آپ کی شریعت میں عیب نکالتے اور آپ کی ذات کو متہم کرتے تھے۔ جب اُن کی سرتابی اور گناہگاری حد سے گذر گئی تو وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ خداتعالٰی نے حضرت شعیبؑ کو نبوت دیکر اصلاح و ہدایت کے لئے متعزز فرمایا آپ نے سب سے پہلے انتہائی نرم الفاظ میں توحید الوہیت و ربوبیت کی دعوت دی اور فرمایا قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ لوگو خدا کی طرف سے اتمام حجت اور تکمیل ہدایت کے لئے برہان واضح یعنی پیغامبر اور اُس کی شریعت آچکی تم اپنی بدکاریاں

چھوڑ دو۔ اس کے بعد نمبروار بدکاریوں سے اُن کو منع کیا۔ نمبر اول کی طرف فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ سے اشارہ کیا۔ دوسرے نمبر کی طرف وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ سے۔ تیسرے نمبر کی طرف وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا سے۔ چوتھے نمبر کی طرف وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ سے۔ پانچویں نمبر کی طرف وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے۔ اور چھٹے کی طرف تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا سے۔ غرض جو گناہ کی بڑی بڑی باتیں ان کے اندر تھیں اُن سے روکا۔ پھر ان کی ترغیب و ترہیب کا نیا طرز اختیار کیا۔ ترغیب ایمان کے لئے احسانات الٰہی یاد دلائے اور گناہوں کی سزا سے ڈرانے کے لئے گذشتہ مفسدوں کے تباہی انگیز انجام پر غور کرنے کی ہدایت کی اور فرمایا لوگو وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ یاد کرو کہ تمہارا وطن اہل مدین تنہا تھا کوئی لاؤ لشکر اپنے ساتھ لیکر نہ آیا تھا پھر تمہاری تعداد تھی۔ مگر شروع میں تعداد تھوڑی تھی پھر کچھ ہی مدت کے بعد خدا نے تم کو بہت کر دیا۔ خدا کے اس احسان کا شکریہ واجب ہے اس کے بھیجے ہوئے احکام کی تعمیل ضروری ہے اگر اس کے خلاف کرو گے تو گذشتہ مفسدوں کے انجام پر غور کر لو کس طرح اُن کو نیست و نابود اور تباہ کر دیا گیا تمہارا بھی یہی نتیجہ ہوگا۔

ترغیب و ترہیب کا فائدہ یہی ہو سکتا تھا کہ جو لوگ باطن ازلی شقی اور فطرت شقیہ کے حامل تھے اُن پر کسی قسم کی تاثیر ممکن نہ تھی البتہ جو سلیم فطرت رکھتے تھے جن کے دلوں میں نور ایمان ودیعت تھا وہ راہ راست پر آ جاتے البتہ اس طرح دو فرقے بن جاتے نیک اور بد اور مقصود یہ تھا کہ کس کو ہدایت ہو اور بدکار نیک بن جائیں اس لئے حضرت شعیبؑ نے تقریر کو بدلتے ہوئے فرمایا کہ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ۔ اگر تمہارے دو فرقے بن گئے ایک مومن دوسرا کافر ایک نیک دوسرا بد اور اس طرح میری حقانیت و صداقت کا آخری فیصلہ نہ ہو سکا تو عذاب یقینی آئیگا۔ ذرا ٹھیرے رہو خدا خود حق و باطل اور صدق و کذب کا فیصلہ کر دیگا۔

حضرت شعیبؑ خطیب الانبیاء تھے طرز تقریر آپ کا مدلل اور موثر ہوتا تھا حضور اقدسؐ نے بھی آپ کو خطیب الانبیاء فرمایا ہے چنانچہ کافروں کو نصیحت کرنے میں بھی آپ کا طرز تقریر اپنے اندر گونا گوں محاسن رکھتا تھا۔ پہلے آپ نے اُن کے عیوب شمار کرائے۔ نرم لہجہ اختیار کیا عیوب سے روکا پھر احسانات الٰہی یاد دلائے پھر گذشتہ نافرمانوں کے انجام بد پر غور کرنے کی ہدایت کی اور آخر میں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

مقصود بیان: ناپ تول میں کمی کرنی۔ دین پر فتنہ و فساد برپا کرنا اور اسباب تباہی کی اشاعت کرنی راہ خدا سے لوگوں کو روکنا۔ انبیاء پر افتراء پردازی کرنی شریعت انبیاء میں بیہودہ نکتہ چینی کرنی ممنوع ہے۔ احسان الٰہی کو یاد کرنا اور دوسروں کے احوال دیکھ کر عبرت پکڑنا لازم ہے۔ حق و باطل کا فیصلہ آخری خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وغیرہ۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

شعیب کی قوم کے سرکش لوگوں نے کہا

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ

شعیبؑ ہم تم کو اور تمہارے ساتھی مسلمانوں کو ضرور اپنی آبادی سے

مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ

نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ

قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا

شعیب نے کہا اگر ہم (تمہارے مذہب سے) بیزار ہوں تب بھی لوٹ آئیں جب اللہ

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ

نے تمہارے مذہب سے ہم کو نجات دیدی اس کے بعد بھی اگر تمہارے مذہب

بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ

میں ہم لوٹ جائینگے تو اللہ پر دروغ بندی کر چکے اب پروردگار کی مشیت

اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ

کے بغیر ہو نہیں سکتا کہ ہم اُس میں لوٹ جائیں

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ

ہمارا رب ہر چیز کو (اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے اللہ ہی پر ہم بھروسہ رکھتے ہیں

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ

اے ہمارے رب ہمارا اور ہماری قوم کا سچائی سے فیصلہ کر دے

وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝

تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

تفسیر حضرت شعیب پر جو لوگ ایمان لائے تھے اُن میں زیادہ

حصہ عزیز ہو رکھا تھا۔ اسلئے ایک روز وہاں کے سرداروں نے حضرت شعیب کے وعظ و پند سے تنگ آکر متفق ہو کر حضرت سے کہا کہ یا تو آپ اپنے متبعین سمیت پھر ہمارے مذہب و طریقہ کو اختیار کرلیں ورنہ ہمارے شہر سے نکل جائیں گویا وعظ و نصیحت کے صلہ میں انھوں نے حضرت شعیب کو جلا وطن کرنا چاہا یا تبدیل مذہب پر مجبور کیا۔ یہ کافروں کی انتہائی گمراہی اور کور باطنی تھی کہ بجائے وعظ و نصیحت سے اثر قبول کرلنے اور اعمال کو درست کرنے کے اُلٹے ناصح کو تبدیل مذہب یا جلا وطن پر مجبور کرنے لگے۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا ہم کو اس مذہب سے قطعی نفرت ہو چکی اب کیا باوجود اس قدر نفرت کے ہم پھر تمہارے مذہب کو اختیار کرلیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یہ خدا پر دیدہ و دانستہ افترا ہوگا۔ باطل کو باطل سمجھتے ہوئے اختیار کرنا اور حق سے واقف ہو جانے کے بعد ترک کرنا خدا پر دروغ بانی ہے۔ کیونکہ آدمی اسی عقیدہ کو اسی وقت اختیار کرتا ہے جب خدا کی طرف سے اُس کی حقانیت سمجھ لیتا ہے اور جب باطل کو باطل جاننے کے باوجود اختیار کیا تو گویا اُسکو خدا کی طرف سے سمجھا اور یہ صریح افترا و کذب ہے۔ ہاں اگر تقدیر میں یونہی لکھا ہوا در لغزش تعالیٰ خدا ہی کی یہ مشیت ہو تو اس کا کچھ کہنا نہیں جو خدا کی مرضی ہوگی وہی ہوگا۔ مگر وہ ہر بات کا علم رکھتا ہے اُسی پر ہمارا بھروسہ ہے امید ہے کہ وہ ہم کو ملت کافرہ میں داخل نہ فرمائے گا۔ اس کے بعد حضرت شعیبؑ نے اللہ سے دعا کی کہ بارِ الٰہا ہم میں اور ہماری قوم میں حقانیت و بطلان کا فیصلہ کردے۔ یہ بھی عذاب کے خواستگار ہیں۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

شبہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شعیب ملت کافرہ میں کبھی داخل ہی نہ تھے۔ کبھی آپ سے کفر سرزد ہوا ہی نہ تھا اور نہ اس قسم کی بدکاریاں آپ سے سرزد ہوئی تھیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام تمام صغائر و کبائر سے ہمیشہ سے معصوم ہوتے ہیں نہ قبل از نبوت کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں نہ بعد از نبوت پھر کس طرح کافروں نے حضرت شعیبؑ کے متعلق یہ الفاظ کہے کہ آپ ہمارے مذہب میں لوٹ آئیں ورنہ شہر بدر کردینگے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کافروں نے مومنوں کی جماعت کے متعلق یہ الفاظ کہے تھے چونکہ اہل ایمان بھی پہلے کافر تھے اور انہی کے مذہب پر تھے اس لئے اُن کو یہ الفاظ کہنے کی جرأت ہوئی۔ رہا حضرت شعیبؑ سے خطاب تو یہ تغلیباً ہے چونکہ جماعت اہل ایمان میں حضرت شعیب بھی داخل تھے اور اہل ایمان عموماً پہلے کافر رہ چکے تھے اسلئے صرف حضرت شعیبؑ باقی رہتے تھے اُن کو دیگر مومنوں کے حکم میں داخل کر لیا گیا۔

مقصود بیان:۔ انبیاء کو کفر و معاصی سے فطرتاً نفرت ہوتی ہے۔ قوم شعیب کی عقل پر بڑے زبردست جہالت کے پردے پڑے تھے کہ خود نصیحت نہ قبول کی بلکہ ہدایت یافتہ طبقہ کو بھی گمراہ کرنا چاہا اور ناصح سے درخواست کی کہ تم بھی ہم میں آکر مل جاؤ۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا تھا کہ خدا نے ہم کو تمہارے مذہب سے نجات دی۔ یہ قول اپنی جماعت کی طرف سے تھا۔ ورنہ شعیبؑ تو اُن کے مذہب میں کبھی داخل ہی نہ تھے۔ کفر بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ جس کو چاہے کافر بنادے وغیرہ۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ

شعیب کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا

لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا

اگر تم شعیب کے کہنے پر چلو گے تو یقیناً نقصان

لَّخَاسِرُونَ ○ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اٹھانے والے ہوگے بالآخر ان کو زلزلے نے پکڑ لیا

فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ○ الَّذِينَ

اور وہ اپنے گھروں میں زانوؤں کے بل اوندھے گرے رہ گئے جن لوگوں نے

كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا

شعیب کی تکذیب کی تھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان گھروں میں (کبھی) بسے ہی نہ تھے

الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ

جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہی

الْخَاسِرِينَ ○

نقصان اٹھانے والے رہے

تفسیر

غرض یہ کہ کافروں نے نہ خود حضرت شعیبؑ کی نصیحت مانی نہ دوسروں کو ماننے دی خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب گھروں کے اندر مرے رہ گئے۔ قرآن میں قوم شعیبؑ کے عذاب کی مختلف صورتیں بتائی گئی ہیں۔ سورۂ شعراء میں

یَوۡمِ الظُّلَّةِ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں رَجۡفَةٌ کا لفظ ذکر کیا۔ ایک اور جگہ صَيۡحَةٌ کا لفظ بولا۔ بظاہر اختلاف بیان معلوم ہوتا ہے لیکن درواقع میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ تینوں طرح کا عذاب اُن پر مسلط کیا گیا تھا۔ ایک ابر اُٹھا تھا جس میں آگ، لپٹ، التہاب اور جوش تھا پھر آسمان سے سخت آواز اور زمین میں سخت زلزلہ آیا جس سے گھُٹ کر سب کی جان نکل گئی۔ تفسیر سراج میں ابن عباس رضؓ کی روایت مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے اُن پر جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا تھا جس کی گرمی اور حبس دم سے تنگ آکر وہ لوگ تہ خانوں میں گھُسے لیکن وہاں باہر سے بھی زیادہ گرمی تھی تو تنگ آکر جنگل کو نکل گئے وہاں ایک ابر آیا جس میں سے ابتدائً ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آئے۔ سب لوگ اُس کے نیچے جمع ہو گئے یہاں تک کہ بچے اور عورتیں بھی آکر اکٹھی ہو گئیں۔ جب سب جمع ہو گئے تو ابر میں سے شعلے نکلنے شروع ہوئے اور زمین میں سخت زلزلہ آیا اور زلزلہ میں گرج پیدا ہوئی جس سے سب جل کر خاک ہو گئے۔ مگر یہ روایت اول تو پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی۔ دوسرے نص قرآنی کے بھی خلاف ہے قرآن کہتا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں مرکر رہ گئے اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگل میں جا کر مرے۔ صحیح تاویل یہ ہے کہ جب اُس قوم کے دن پورے ہو گئے تو بحکم خدا قریب کے پہاڑوں سے ایک دھواں اُٹھا اور زمین میں جو بخارات گھٹ گئے اُن سے زلزلہ بپا ہوا اور زمین میں زلزلہ کی گرج بھی ہوئی۔ اوپر سے دھوئیں کا ابر آتش بار نیچے سے زلزلہ اور زلزلہ کی گرج ان سب ہولناک مصائب نے مل کر ان کا کام تمام کر دیا اور بستیاں ایسی اُجڑ گئیں کہ گویا اُن میں کوئی رہتا ہی نہ تھا۔ اس آتشین بادل کو ایک شخص عمرو بن جلہم نے دور سے دیکھا تھا۔ مندرجۂ ذیل شعروں میں عمرو بن جلہم نے اسی واقعہ کا تذکرہ کیا ہے:-

یا قوم ان شعیبا مرسل فذروا
عنکم شمیرًا وعمران بن شداد
انی اری غیمة یا قوم قد طلعت
تدعو بصوت علی حنانة الوادی
فانه لن یروا فیها ضحاء غد
الا الرقیم یمشی بین انجاد

شمیر اور عمران قوم شعیب کی عبادت گاہوں کے دو پوجاری تھے اور رقیم کتے کا نام تھا۔ یہ پوجاری لوگوں کو حضرت شعیبؑ کی نصیحت ماننے سے روکتے تھے۔ اس زمانہ کا بادشاہ کلمن نامی تھا۔ ابجد۔ ھوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت اُنہی کے بادشاہوں کے نام تھے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ

اس کے بعد شعیبؑ نے اُن کی طرف سے رخ پھیر کر کہا اے قوم میں نے تم کو

رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَـكُمۡ‌ۚ فَكَيۡفَ

اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے اور تمہاری خیر خواہی کی پس اب کس طرح

اٰسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ ۞ ع ۹

کافر قوم پر افسوس کروں

تفسیر جب سب قوم تباہ ہو گئی تو حضرت شعیبؑ ادھر سے گذرے اور مُنہ موڑ کر فرمایا۔ افسوس قوم نالو میں نے تم کو پیام الٰہی پہونچا دیا تبلیغ حکم اور خالص نصیحت کرنے میں کوئی بات میں نے اٹھا نہیں رکھی مگر تم نے مجھے سچا نہ جانا اور میرا حکم نہ مانا اب میں کیوں تمہارا غم کروں تم خود کافر تھے کفر کی سزا اٹھائی

مقصود بیان:- قوم شعیبؑ سخت گمراہ تھی۔ گمراہ کنی کی حد تک پہونچ چکی تھی۔ مفسد کو مصلح اور مصلح کو مفسد جاننے لگی تھی۔ نبی کی تکذیب کا انجام تباہی ہے۔ ظالموں کی تباہی پر کچھ رنج و اندوہ نہ کرنا چاہئے سیاق آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والوں کے لئے وعید نکلتی ہے کہ اگر وہ بھی رسول برحق کو نہ مانینگے تو بالآخر تباہ ہونگے۔ ضمنی طور پر مسلمانوں کو تسلی بھی ہے کہ تم کفار کی ایذا رسانی پر صبر کرو۔ انجام تمہارا ہی اچھا ہوگا۔ قوم شعیبؑ کو دیکھو کیسی کیسی تکلیفیں مسلمانوں کو دیتی تھی جلا وطن کرنے کی دھمکی دیتی رہتی۔ خالص مؤمنوں کو کفر کی دعوت دیتی تھی لیکن انجام کار تباہ ہوئی۔ ہمیشہ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوئی۔ اور حقانیت مسلمانوں کے ہاتھ رہی۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّاۤ

ہم نے جس بستی میں جو کوئی نبی بھیجا وہاں کے

اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

رہنے والوں کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا

لَعَلَّهُمۡ يَضَّرَّعُوۡنَ ۞ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَكَانَ

تاکہ وہ (اب بھی) عاجزی کریں پھر ہم نے

السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا

بد حالی کو خوش حالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ بڑھ (چڑھ) گئے اور کہنے لگے

قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ

کہ ہمارے باپ دادا کو بھی تکلیف و آرام پہونچ چکا ہے

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

بالآخر ہم نے اچانک اُنکی بے خبری کی حالت میں اُن کو دھر پکڑا

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیز گاری کرتے

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

تو ہم اُن پر آسمان و زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھولدیتے

وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ

مگر انہوں نے تکذیب کی تو اُن کے کرتوت

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

کی پاداش میں ہم نے اُن کو دھر پکڑا

تفسیر: کفار مکہ قحط کی بلاء میں گرفتار رہے تو کہنے لگے کہ یہ قحط اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم گناہگار ہیں بلکہ ہمیشہ ہمارے باپ دادا کے وقت اور اُن سے بھی پہلے ایسے اتفاقات ہوتے رہے ہیں یہ تو انقلاب زمانہ ہے کبھی فراخی خوشی صحت اور کبھی تنگدستی رنج مرض ہوتا رہتا ہے۔ سو ہم اپنا دین نہ چھوڑینگے۔ ان کا حال ظاہر کرنے کو یہ آیت نازل ہوئی مذکورہ شان نزول کے علاوہ کفار عرب کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ منکرین انبیاء پر عذاب الٰہی شاید انہی دو چار مواضع میں واقع ہوا ہے دوسری جگہ کہیں ایسی بات نہیں ہوئی۔ جب ہر منکر پر ہر جگہ عذاب نازل نہیں ہوا تو اب کیا ضرور ہے کہ مکہ اور عرب کے منکروں پر نازل ہو جائے۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ «وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِىٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ ... يَشْعُرُوْنَ» تک ان مذکورہ بستیوں پر ہی فقط عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ یہ عام عادۃ قدرت ہے کہ جہاں کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا گیا وہاں کے باشندوں کو اوّلاً تکالیف و مصائب میں مبتلا کیا گیا۔ قحط، وبا، بے امنی، حکام کا ظلم، افلاس وغیرہ مصائب اُن پر نازل کئے گئے تاکہ تکلیف کا احساس کرکے وہ خدا کی طرف رجوع کریں اور اپنے گناہوں سے تائب ہوں لیکن جب مبتلائے مصائب ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی سرکشی نہ چھوڑی تو پھر مصیبت کی بجائے راحت تنگدستی کی بجائے فراخی قحط کی بجائے ارزانی بیماری کی بجائے تندرستی اور بے امنی کی بجائے امن عطا کی گئی تاکہ پہلی مصیبت کو یاد کرکے وہ موجودہ راحت کا شکریہ ادا کریں اور منعم کے انعام کا احسان مانیں اور خدا کی طرف رجوع کریں۔ لیکن اس پر بھی اگر وہ اپنی چیرہ دستیوں سے باز نہیں آتے اور کہنے لگے کہ یہ راحت و تکلیف کچھ انبیاء کی فرماں برداری اور نافرمانی پر موقوف نہیں بلکہ یہ زمانہ کا دستور ہے یونہی ہوتا چلا آیا ہے کبھی ارزانی ہوتی ہے کبھی کال کبھی مرض کبھی تندرستی کبھی راحت کبھی تکلیف۔ ہمارے اسلاف کو بھی یہ واقعات پیش آتے رہے ہیں جب یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور اصلاح حالت کا امکان بھی نہیں رہتا تو پھر یکایک خداتعالیٰ سخت گرفت کرتا ہے اور بے خبری کی حالت میں اُن کو غارت کر دیتا ہے۔ یہ ضابطۂ قدرت ہے کچھ نوح، لوط، شعیب وغیرہم کی قوموں پر ہی منحصر نہیں ہے لہذا کفار مکہ کو بھی مطمئن نہ ہونا چاہئے بلکہ واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔

اس زمانہ کے نیم تعلیم یافتہ بے دین بھی ایسا ہی خیال رکھتے ہیں اور کامیابی و ناکامی کو اپنی کوششوں کا نتیجہ قطعی سمجھتے ہوئے قدرت الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور اپنے قول کے ثبوت میں اُن ممالک کی حالت کو پیش کرتے ہیں جہاں باوجود ہر قسم کی بدکاری و بداخلاقی کے طرح طرح کا عیش و عشرت رفاہیت و آسائش دولت و نعمت حکومت و تسلط میسر ہے نہ وہاں کوئی خدا کو ماننے والا ہے نہ رسول کو نہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے والا ہے نہ انبیاء کی لائی ہوئی ہدایات پر عمل کرنے والا بلکہ قوانین الٰہیہ کا علانیہ مذاق اُڑانے والے اور احکام انبیاء کی توہین کرنے والے عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ (بقول مولانا عبدالحق حقانی) جب یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ اس جہان کا کوئی بنانے والا بھی ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور پھر وہ معطل اور عاجز بھی نہیں ہوگیا ہے بلکہ تمام عالم کی چیزیں اُسی کی طرف مستند ہیں تو پھر کس طرح کوئی کوتہ نظر آدمی یہ خیال کرسکتا ہے کہ تصرفات عالم کے حقیقی اسباب یہی اسباب ظاہرہ ہیں اور اُن اسباب کا کوئی مسبب نہیں ہے بلکہ ایک سلسلہ یونہی جاری ہے نہ ان کے اندر کوئی حکمت و مصلحت مضمر ہے نہ دانش و بصیرت۔ اس

تقریر سے واضح ہوگیا کہ اس عالم کا ضرور ایک صانع اور کارکن ہے جو بندوں کے افعال ناشائستہ سے ناخوش اور شائستہ سے خوش ہوتا ہے۔ حق و باطل اور اچھائی برائی ضرور عالم میں جدا جدا چیزیں ہیں ایسی صورت میں انبیاء کو ہدایت کے لئے بھیجنا کون تعجب کی بات ہے۔ انبیاء کے نافرمانوں پر عذاب کا نازل کرنا یقینی امر ہے۔ نزول عذاب عموماً معمولی عادی اسباب کے تحت ہوتا ہے جیسے زلزلہ یا سیلاب یا آندھی یا بجلی کی کڑک یا زمین کا دھس جانا یا زمین پھٹ کر لوگوں کا اُس میں غرق ہوجانا یا پہاڑوں سے آتشین مادہ کا رواں ہوکر بہنا اور اُس سے شہروں اور ملکوں کا غارت ہونا یا قحط شدید ہونا یا کالرا پلیگ اور دیگر وبائی بخاروں کا پھیل کر بستیوں کو تباہ کردینا یا کسی سفاک قوم کا مسلط ہوکر کسی شہر کو بمباری اور زہریلے گیسوں سے ہلاک کردینا۔ کیا اخبار پڑھنے والے نہیں دیکھتے کہ جاپان میں زلزلہ سے کتنی تباہ کاریاں ہوتی ہیں۔ یورپ میں طوفان باد و باران کس قدر آتا ہے مغربی ممالک میں وبائی بخارات کس قدر پھیلتے ہیں۔ اٹلی نے کس طرح حبش کو برباد کردیا۔ میڈرڈ پر وہیں کے رہنے والوں نے ایک ایک گھنٹہ میں ۱۲ سو کی تعداد میں بم برسائے۔ یہ سب عذاب الٰہی کی مختلف شکلیں نہیں تو اور کیا ہے۔ جن کی آنکھوں پر اور بصیرت پر غطاء عظیم ہے وہ صرف ترقی کو دیکھتے ہیں۔ پھیلے ہوئے وبال اور عمومی تباہی کو نہیں دیکھتے۔ نہیں غور کرتے کہ بڑی بڑی مہذب لا مذہب سلطنتوں میں انبیاء کی تعلیم پر نہ چلنے کی وجہ سے کس قدر بےچینی پھیلی ہوئی ہے۔ ہزاروں پونڈ ماہوار آمدنی کے باوجود نہ عافیت کی زندگی میسر ہے نہ سکون خاطر۔ اضطراب و بےچینی کی ایک لہر ہے جس نے ہر کہ و مہ کو پریشان و پراگندہ خاطر کر رکھا ہے جابجا ہسپتال کھلے ہوئے ہیں لیکن متعدی امراض کی اس قدر کثرت ہے کہ الامان۔ جمہوری بھوت ہر شخص کے سر پر سوار ہے اور ہر آدمی کی زندگی برائے نام آزاد اور باطن میں محض کرایہ کی زندگی ہوکر رہ گئی ہے۔ درحقیقت ہر تباہی خواہ کسی ملک کی ہو نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں ہوتی ہے خواہ ظاہری اسباب کے تحت ہو یا باطنی اسباب کے ذریعے سے ہو۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ کسی کی گرفت جلد ہوجاتی ہے اور کسی کی گرفت دیر میں ہوتی ہے۔ یہ خداتعالیٰ کی مصلحت و حکمت ہے کبھی وہ جلد پکڑ لیتا ہے اور کبھی ڈھیل دیتا رہتا ہے اور جب سرکشی حد سے گزر جاتی ہے تو پھر یکدم وہ پکڑ لیتا ہے کوئی نہ کوئی بلا دفعۃً آجاتی ہے اور افراد و اقوام کی تباہی کا موجب ہوتی ہے اور اچھے اچھے مفکروں کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ بربادی کس طرح اور کیوں ہوئی فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اسی طرف اشارہ ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ کائنات کا ہر واقعہ ہر چیز اور ہر فرد دو سبب کا مرہون ہے۔ ایک فاعلی دوسرا مادی۔ فاعلی اسباب تو عالم بالا کی تاثیرات ہیں جو زمین پر پہنچتی ہیں۔ آفتاب کی گرمی ماہتاب کی رطوبت و خشکی علی ہذا ہر ستارہ کی ایک خاص تاثیر ہے۔ اور مادی اسباب زمین کے یہی عناصر ہیں جب اسباب فاعلی کی تاثیریں ان پر پڑتی ہیں اور یہ حسب استعداد ان کو قبول کرتے ہیں تو عناصر کی ترکیب سے نباتات جمادات حیوانات سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اب اسباب کی تاثیرات عناصر میں یا تو کسی قوم یا شخص کے فائدہ کے لئے ہوتی ہیں یا نقصان کے لئے مثلاً سمندر سے بخارات اٹھے ان کا ابر بنا۔ ابر سے پانی برسا۔ زمین نے اُسکو قبول کیا۔ آفتاب کی گرمی پڑی اُس سے گھاس سبزہ غلہ پھل پھول پیدا ہوئے۔ چاند نے خشکی پہنچائی پھولوں میں رونق پھلوں میں شیرینی اور شادابی آئی۔ پھر آفتاب کی گرمی سے پھل اور غلہ پکا۔ اب اگر یہ تمام کام وقت پر ہوئے اور موسم کے موافق ہوتے چلے گئے تو افراد و اقوام مالامال ہوگئیں۔ اور اگر بارش نہ ہوئی یا ہوئی تو وقت پر نہ ہوئی یا ضرورت سے کم و بیش ہوئی تو پیداوار پر اُس کا اثر پڑا اور بجائے فائدہ کے نقصان پہنچا۔ زہریلے امراض پیدا ہوگئے۔ حاصلات کی قلت ہوگئی۔ جانیں بھی تلف ہونے لگیں اور جو زندہ بچے وہ بھوکوں مرنے لگے۔ پہلی صورت کو برکت سے تعبیر فرمایا ہے اور ثانی صورت بے برکتی کی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں پر اُن کے گناہوں کی نحوست شکل عذاب نازل ہوئی اگر وہ انبیاء کو سچا جانتے الوہیت و ربوبیت میں کسی کو اللہ کا شریک نہ قرار دیتے۔ تمام اسباب و عالم اسباب کو اللہ کے ہاتھ میں سمجھتے۔ ہر قسم کے گناہ و عصیان سے بچے رہتے تو ہم اُن پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ راحت و سکون میسر آتا۔ وقت پر پانی برستا۔ زمین کی پیداوار بکثرت ہوتی اور عمدہ ہوتی نہ بیماری پھیلتی نہ طوفان آتا مگر اُنہوں نے پیام حق کو نہ مانا انبیاء کو جھوٹا جانا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن کی گرفت کی عذاب میں گرفتار کیا اور اُنہی کی بداعمالیاں اس کی موجب ہوئیں۔

مقصود بیان :۔ اللہ کی آزمائش کا دائرہ بہت وسیع ہے مصائب میں مبتلا کرنے سے بھی مقصود آزمائش ہوتی ہے اور راحت و رفاہیت کا مدعا بھی یہی ہے۔ کوتہ نظر لوگ دکھ سکھ اور راحت و تکلیف کو اسباب کا انقلاب اور معمولی تغیر خیال کرتے ہیں لیکن جن کی عقلیں روشن

ہیں وہ معاملہ کی تہ تک پہونچ جاتے ہیں اور تمام حوادث کو مسبب الاسباب کے تصرفات خیال کرتے ہیں۔ آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر راحت و تکلیف کو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھنی چاہئے اور ہر وقت خدا کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ ان تغیرات کو دستور قدیم نہ سمجھ لینا چاہئے۔ آیت میں اس بات کی طرف بھی ایما ہے کہ انسان کے گناہوں کا وبال ہی ہے کہ مختلف تباہی انگیز حوادث آتے رہتے ہیں لہذا جو امور موجب بربادی ہیں اُن سے پرہیز لازم ہے۔ زہر اگر منہ میں رکھ لیا ہے تو نگلنے سے اُگلنا بہتر ہے ممکن ہے جان بچ جائے۔ لیکن اگر نگل لیا تو پھر بچاؤ ناممکن ہے۔ وغیرہ۔

غفلت سے سرمست تھیں اور کیا یک راتوں رات اُن پر عذاب آگیا یا اپنے غاصبے دن میں شاہد عشرت سے ہمکنار تھے اور عقوبت الٰہی نے اُن کو آگھیرا۔

مقصود بیان :۔ گذشتہ اقوام کی بدمستی اور اُسکی سزا کا بیان امت محمدیہ کے کافروں کو تنبیہ اور تخویف کہ تم بھی اگر یونہی بادہ نخوت و سرکشی سے سرشار رہو گے تو تم کو بھی یونہی تباہ کر دیا جائے گا۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ اللہ کے عذاب کے راستے انسانی نظر سے بہت مخفی ہیں۔ اسلئے کسی کو مطمئن و بے باک نہ ہونا چاہئے بلکہ انتقام خداوندی سے ڈرتے ہوئے ہر وقت توبہ کرنا چاہئے۔ وغیرہ۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ

کیا بستیوں والے اس بات سے بیخوف ہیں کہ رات کو اُن کے

بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ أَوَأَمِنَ

سوتے میں ہمارا عذاب اُن پر پہونچ جائے یا بستیوں والے

أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى

اس بات سے نڈر ہیں کہ ہمارا عذاب دن چڑھے جبکہ وہ کھیلتے

وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ

ہوں اُن پر آ جائے کیا وہ اللہ کی تدبیر سے بیخوف ہو گئے

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۝ ١٢٠

سو اللہ کی تدبیر سے صرف نقصان اٹھانیوالے لوگ ہی بیخوف ہوتے ہیں

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ

کیا جو لوگ کسی زمین کے مالک وہاں کے رہنے والوں کے بعد

مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ

ہوتے ہیں اُن کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوتی کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کو

بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ

بھی اُن کے گناہوں پر پکڑ لیں (اصل یہ ہے کہ) ہم اُن کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں

لَا يَسْمَعُونَ ۝

اس لئے وہ سنتے ہی نہیں

تفسیر اوپر کی آیت کا حاصل یہ تھا کہ پرہیزگار اہل ایمان پر اللہ آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا عذاب بھی بہت سخت ہے جو لوگ سرکش و عصیان شعار ہیں وہ غفلت کی نیند سے رات کو سرشار ہوتے ہیں یا دن میں عیش و عشرت اور لہو و لعب کے نشہ سے بدمست ہوتے ہیں اور عذاب الٰہی آجاتا ہے اُن کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ کہاں سے آیا اور اُن کے گناہوں کی سزا کسطرح اُن کو ملی۔ اللہ کی تدبیر بہت ہی دقیق ہے تمام ظاہری اسباب یونہی رکھے رہ جاتے ہیں اور موافق امور سے ناموافقت پیدا ہو جاتی ہے لہذا خدا کے داؤں سے کسی کو نڈر اور غافل نہ ہونا چاہئے جس نے بیباکی اختیار کی وُہی تباہ ہوا جس طرح گذشتہ قومیں بادیہ

تفسیر یہاں تک اہل کفر و منکرین کے قصص اور انپر عذاب نازل ہونے کی کیفیات کا بیان تھا اور پھر یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ قصہ مذکورہ اقوام پر ہی حصر نہیں بلکہ یہ ضابطۂ قدرت ہے کہ جہاں کہیں انبیاء آئے وہاں کے لوگوں کی آزمائش ہوئی دُکھ سکھ کی مختلف حالتیں پیدا ہوئیں اور آخر میں منکرین کو برباد کر دیا گیا۔ اب یہاں کل واقعات مذکورہ کا اصل مقصد اور نتیجہ ظاہر فرماتا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ تباہ شدہ بستیوں میں ہلاک ہو جانے والی کافر قوموں کے بعد جو لوگ رہتے سہتے ہیں اُن کو تو اپنے گذشتہ اسلاف کے حالات سن کر اور اپنی بستیاں دیکھ کر ضرور عبرت پکڑنی چاہئے اور پچھلے واقعات یاد کر کے نصیحت حاصل کرنی چاہئے کہ یہ وہی بستیاں ہیں جن کے باشندے کفر و معاصی کی سزا میں بیخ و بن سے نابود ہو چکے اب ہم کو خدا نے اُن کا جانشین بنایا ہے اُن کی زمینیں اور مکانات ہمارے قبضہ میں دیدیے ہیں اگر ہم کفر کرینگے تو اُنہی کی طرح برباد ہو جائینگے۔ اس کے بعد فرماتا ہے :۔ ان کافروں کے دلوں پر ان کی سنگدلی

کے سبب اللہ نے مہر کر دی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ سنی ان سنی برابر کر دیتے ہیں گو بظاہر سنتے ہیں لیکن سننے کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔

مقصود بیان :۔ سرکشوں کو ترہیب و تنبیہ۔ گذشتہ واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب۔ اس امر کی ضمنی صراحت کہ ہم نے سرکشوں کو تباہ کرکے موجودہ بستیوں کو موجودہ انسانوں سے آباد کیا اور ان کی زمینیں ان کے قبضہ میں دیدیں۔ اس بات کی طرف معنی خیز اشارہ کہ ہماری نظر میں گذشتہ اور موجودہ سب برابر ہیں نہ اُن سے ذاتی عداوت نہ ان سے ذاتی خصوصیت۔ انہوں نے جیسا کیا ویسا بھرا۔ یہ جیسا کرینگے ویسا پائینگے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ گذشتہ اقوام کا جو فعل ناپسند تھا وہی فعل ان کا قابل استحسان ہو جائے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ

یہ بستیاں ہیں جن کی خبریں (اے محمد) ہم تم سے بیان کر رہے ہیں

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا

اُن کے پاس اُن کے پیغمبر معجزات لے کر پہنچے مگر جس کو

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ

پہلے جھٹلا چکے تھے پھر اس پر وہ ایمان لانے والے نہ تھے

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ

اسی طرح کافروں کے دلوں پر اللہ مہر لگا دیتا ہے

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ○

اور ہم نے اُن میں سے اکثر کا نباہ نہیں پایا بلکہ اکثر کو نافرمان ہی پایا۔

تفسیر جب کفار مکہ اور منکرین عرب کا غرور انکار بڑھتا گیا اور حضور اقدس کی خاطر عاطر کو ملال پہونچا تو تسلی کے لئے یہ آیت اُتری کہ ہمیشہ ہر نبی کے ساتھ کافر ایسا ہی کرتے رہے ہیں کچھ تمہاری خصوصیت نہیں ہے۔ موسیٰ کا قصہ دیکھو کہ فرعون نے کیا جواب دیا اور کیا برتاؤ کیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ عاد و ثمود اور قوم لوط و شعیب کی بستیاں اجڑے ہوئے کھنڈر تمہارے سامنے ہیں۔ سفر تجارت میں آتے جاتے تمہارے سامنے پڑتے ہیں اُنہی کے یہ واقعات ہیں اُن کے پاس ہمارے رسول معجزات اور قوانین ہدایت لیکر گئے مگر انہوں نے نہ مانا۔ رسولوں نے خوب سمجھایا معجزات دکھائے مگر انہوں نے جس بات کا انکار کر دیا تھا اُسی کا اظہار ہی کرتے رہے اسکی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے اُن کے دلوں پر گمراہی کی مہر کر دی تھی یعنی انکی جہالت ناقابل اصلاح تھی۔ دلوں پر ایسا زنگ اس قدر چڑھ گیا تھا کہ اصل جوہر کھو گیا تھا۔ ازلی عہد کو انہوں نے چھوڑ دیا تھا فطری معاہدہ کو بھول چکے تھے۔ اُن میں سے اکثر بدکار تھے۔ ہدایت قلب سے

مقصود بیان :۔ رسول پاک کو تسلی اور کفار کے انکار سے دل شکن نہ ہونے کی ضمنی ہدایت۔ اس امر کی طرف ایما کہ جسکی روح فرسودہ ہو گئی معمولی پردہ وغطاء سے آگے بڑھ کر عقل پر کامل جہالت و گمراہی چھا گئی ہو اور نور بصیرت ضلالت کے زنگ سے فرسودہ ہو گیا ہو اور دل پر مہر لگ گئی ہو اُس کا راہ راست پر آنا اور انبیاء و رسل کی تعلیم سے فیضیاب ہونا ناممکن ہے۔ سب سے پہلے انسان کو نور فطرت سے دل کو روشن کرنا اور عہد سرشتی کا پابند ہونا چاہئے۔ جو عہد ازل کے پابند ہیں اُن کو تعلیم الٰہی مفید ہوتی ہے اور جن کا نور جبلت مردہ ہو چکا وہ دائرہ ہدایت سے ہمیشہ خارج ہوتے ہیں۔ وغیرہ۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ

پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دے کر

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ

فرعون کے اور اُسکی قوم پاس بھیجا مگر انہوں نے نشانہائے قدرت کی حق تلفی کی

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○

پس دیکھ لو مفسدوں کا انجام کیسا ہوا

تفسیر یہ چھٹا قصہ حضرت موسیٰ اور فرعون کا ہے۔ آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ رسول اللہ کی تسکین خاطر کے لئے اور کافروں کو عبرت دلانے کے لئے پورا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ دیکھو موسیٰ کو جب حکم تبلیغ ہوا اور معجزات دیکر فرعون اور اُس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا گیا تو انہوں نے بجائے ماننے کے صحیح معجزات کو جادو کہدیا۔ تکذیب کی اور انتہائی بے ادبی کی پھر نتیجہ کیا ہوا؟ وہی جو مفسدوں کا ہوتا ہے تباہی بربادی خسران آئی اور خرابی۔ لہٰذا آپ کو بھی ان کی ہٹ اور انکار سے شکستہ دل نہ ہونا چاہئے۔ نتیجہ کے منتظر رہئے کامیابی بالآخر اہل ایمان ہی کو ہو گی۔ اس جگہ باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و فرعون کا قصہ بتفصیل سے ذکر کیا ہے اور چونکہ اس قصہ میں مصر، حکام مصر اور بنی اسرائیل کا تذکرہ آیا ہے اسلئے مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر آیات سے پہلے فرعون موسیٰ مصر بنی اسرائیل وغیرہ کی تاریخ اجمال کے ساتھ لکھدی جاتے تاکہ واقعات منظم طور پر سمجھ میں آسکیں۔ تاریخی تحقیق کے بعد ہم بنی اسرائیل اور فرعون کے قصہ پر بھی کسی قدر روشنی ڈالتے جائینگے۔

(۱) حضرت شعیبؑ کا دور نبوت ختم ہوا تو خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو نبی بنا کر بھیجا۔ لفظ موسیٰ کی وجہ تسمیہ میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قبطی زبان میں مو کے معنی پانی اور سا کے معنی درخت تھے چونکہ حضرت موسیٰ پانی اور درختوں کے درمیان ڈالدیئے گئے یا پائے گئے تھے اس واسطے موسیٰ نام ہوا۔ آپ حضرت ہارون کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ دونوں صاحبزادے عمران اسرائیلی کے تھے حضرت موسیٰ کی عمر ۱۲۰ برس ہوئی۔ آپ کے اور حضرت یوسف کے درمیان چار سو برس کا فصل تھا اور حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ سے سات سو برس پہلے گذرے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی والدہ اور فرعون کی بیوی آسیہ حقیقی بہنیں تھیں۔ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی اور جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو اُس سال بنی اسرائیل کے نرینہ بچوں کا بازار قتل بحکم فرعون گرم تھا۔ بنی اسرائیل کا کوئی نوزائیدہ نرینہ بچہ زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا جس طرح آئندہ تفصیل سے آئیگا اسلئے فرعون کے خوف سے حضرت موسیٰ کی والدہ نے آپ کو ایک صندوق میں رکھ کر نیل میں ڈال دیا تھا۔ نیل کی ایک شاخ شاہی محل میں ہو کر نکلتی تھی۔ صندوق بہتا ہوا شاہی قصر کے اندر آگیا۔ فرعون کی بیوی نے جو درحقیقت موسیٰ کی خالہ تھیں صندوق پانی سے نکلوایا تو اُس میں ایک بچہ ملا۔ شدہ شدہ فرعون کو خبر ملی اُس کی تو کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے اپنی بیوی کی رائے کے اتفاق سے موسیٰ کو بیٹا اور ولیعہد سلطنت بنالیا گیا اور دودھ پلانے کے لئے حضرت موسیٰ کی والدہ کو مقرر کیا گیا۔ ممکن ہے حضرت موسیٰ کی والدہ نے آسیہ کے مشورے سے یہ تدبیر کی ہو۔

(۲) فرعون کو بعض لوگ عربی لفظ کہتے ہیں اور تفرعن سے مشتق قرار دیتے ہیں۔ اس تقدیر پر فرعون بمعنی متکبر ہوگا بعض علماء کا قول ہے کہ یہ لفظ اصل میں فروُہ تھا۔ قدیم مصری زبان میں فروہ کے معنی تھے۔ شاہنشاہ اعظم اہل عرب نے معرب کرکے اس کو فرعون بنالیا۔ مجاہد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون فارسی تھا۔ بہرحال فرعون کسی مخصوص بادشاہ کا نام نہیں تھا بلکہ شاہانِ مصر کا لقب تھا۔ ہر بادشاہ کو فرعون کہتے تھے (ابن جریر)

فراعنۂ مصر درحقیقت مصر بن حام بن نوح کی نسل سے تھے حکام مصر کے پانچ دور گذرے۔ پانچویں دور میں آکر حکومت مصر مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اول دورِ فراعنہ کی حکومت کا زمانہ بہت طویل ہے۔ اکثر مورخین نے ۱۶۲۲ برس ان کا عہد حکومت بتایا ہے۔ ان کا آخری بادشاہ سمنی توس تھا جسکو کمبیس (کیخسرو) شاہ ایران نے حضرت عیسےٰ سے ۵۲۰ برس پہلے قتل کر کے اُس کے تمام خاندان کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا اور حکومت مصر پر ایرانیوں کا تسلط ہوگیا۔ انہی فراعنہ میں حضرت موسیٰ کے زمانہ کا فرعون بھی تھا جس کا نام بر قول مورخین اسلام ولید بن مصعب بن ریان یا ابو العباس بن ولید بن مصعب تھا اور یونانی تاریخوں میں اَمنُوافیس دوم کہا گیا ہے یہ حضرت عیسیٰ سے ۱۴۹۲ برس پہلے تھا اور بحر احمر یعنی قلزم میں اپنی فوج سمیت غرق ہوا۔ اس کے بعد مصر میں خاندان فراعنہ میں دوسرا بادشاہ ہوا اور قبطیوں کی ہی سلطنت قائم رہی۔ حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکلے تو پھر لوٹ کر نہ آئے اور نہ بنی اسرائیل کی سلطنت مصر میں ہوئی۔ دوسرا دور ایرانیوں کی حکومت سے لیکر سکندر اعظم تک ۱۹۴ برس قائم رہا۔ تیسرا دور بطلیموسیوں کا ہے جنکی ابتدا سکندر اعظم سے ہوئی اور انتہا ۳۰ سنہ قبل المسیح پر ہوئی۔ چوتھا دور رومیوں کا ہے جو ۳۰ سنہ قبل مسیح سے لیکر ۳۹ سنہ ہجری تک رہا۔ اس کے بعد یعنی ۱۸ سنہ ہجری میں حکومت مصر اہل اسلام کے ہاتھ آئی اور ۱۹۱۸ء تک ترکوں کا تسلط مصر پر رہا پھر برطانیہ کا تسلط ہوگیا اور حکومت انتدابیہ قائم ہوگئی لیکن اس سال اللہ پاک کی مدد اور مصریوں کی قربانیوں کی وجہ سے مصر کی حکومت پھر آزاد ہوگئی اور شاہ فاروق مستقل بادشاہ تسلیم کر لئے گئے۔ انتداب ختم ہوگیا اور خارجی و داخلی آزادی مصریوں کو نصیب ہوگئی۔

(۳) فرعون کے زمانے کا شہر مصر یہ نہیں ہے جسکو آجکل (قاہرہ) (مصر) کہا جاتا ہے بلکہ دریائے نیل کے پورب اور پچھم میں ایک شہر تھا جس کو ہامون نو یا نوامون نے اپنے دیوتا کے نام پر آباد کیا تھا چونکہ اس ملک میں مصر بن حام بن نوح کی نسل آباد تھی اس لئے اس ملک کو ہی مصر کہدیا۔ اس شہر کے سو پھاٹک اور دو ہزار مستحکم قلعے تھے۔ اس کے غربی حصے میں برج اور بادشاہی محلوں کے نشان اور بڑے پتھروں کے لمبے ستون جن کا طول ۲۰ گز اور قطر ۳ گز ہے اور ایک صحن میں بادشاہ کی ایک سنگ مرمر کی تصویر جسکی بلندی ۲۲ گز اور وزن ۲۴۸۳۹ من ہے ٹوٹے پھوٹے پڑے نظر آتے ہیں۔ ستائیس میل کے دور میں اس کے خرابات مسافروں کو دکھائی دیتے ہیں۔ اس شہر کا مشرقی حصہ بھی بہت بڑا ہے جسمیں سیکڑوں بتخانے دکھائی دیتے ہیں۔ فرعون کے محل کے نشان اور ٹوٹے پھوٹے برج ابتک موجود ہیں۔ اسی ایک حصہ کا نام عمسیس تھا

جہاں سے بنی اسرائیل نے کوچ کیا تھا اور ممفیس بھی اسی کو یا اُس کے کسی حصے کو کہتے تھے اسکو اہل اسلام منف کہتے ہیں یہ شہر اول بخت نصر کے ہاتھوں برباد ہوا پھر کمبیس یا کیرش یا کیخسرو نے تباہ کیا۔ پھر جب ۱۸ھ میں عمرو بن عاص نے ہرقل کے قبضہ سے چھینا تو اسکی بردباری اور بڑھ گئی اس کے بعد عمرو بن عاص نے نیل کے شرقی جانب ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی اور اسکا نام فسطاط رکھا۔ خلفاء بنی عباس کے عہد میں یہی فسطاط مصر کا تخت گاہ تھا۔ چنانچہ جب کافور اخشیدی جو مصر کا حکمراں تھا مر گیا تو قیروان (اندلس) سے ابو تمیم معز باللہ اسماعیلیوں کے خلیفۂ چہارم نے اپنے سپہ سالار قائد جوہر کو مصر پر روانہ کیا۔ اُس نے آکر یہ ملک خلفاء عباسیہ کے قبضہ سے نکال لیا اور فسطاط کو غارت کر دیا۔ پھر چند روز کے بعد معز باللہ اسکندریہ کے راستہ سے ۳۶۲ھ میں آکر مصر میں داخل ہوا تو فسطاط کے پاس اُس نے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ پھر جب سلاطین اسماعیلیہ کی حکومت زائل ہوئی اور سلطان صلاح الدین کا قبضہ ہوا تو اُس نے فسطاط اور قاہرہ کے اردگرد آٹھ میل کے دور میں پختہ شہر پناہ بنوا دی۔ یہی قاہرہ اب مصر کا دارالسلطنت ہے البتہ شہر پناہ برباد ہو گئی ہے۔

(۳) بنی اسرائیل ملک مصر کے قدیمی باشندے نہ تھے۔ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا۔ حضرت یعقوبؑ کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے جب حضرت یوسفؑ کے عہد میں حضرت یعقوبؑ مع تمام خاندان اور اہل و عیال کے کنعان سے ملک مصر میں آرہے تو یہاں آپ کی نسل میں بہت برکت ہوئی اور تھوڑے ہی زمانہ میں اسرائیلیوں کی تعداد ہزاروں تک پہونچ گئی اور اُس عہد کے مغرور و سفاک بادشاہ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا یہ پردیسی لوگ ہمارے ملک پر قابض ہو جائیں اسلئے اُن کو تباہ و ذلیل کرنے کی اُس نے ہر ممکن تدبیر کی سخت سے سخت کاموں پر اُن کو مامور کرتا اور ذرا سے قصور پر سخت سزائیں دیتا تھا اس کے علاوہ نجومیوں نے بھی اس سے کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا اقبالمند لڑکا پیدا ہوگا جس سے تیری سلطنت جاتی رہیگی تو اُسکو اور بھی اپنی سلطنت کی بقا کی فکر دن رات رہتی تھی۔ اسی بنا پر اُس نے ایک عام حکم دیدیا تھا کہ جس اسرائیلی کے ہاں لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے اور لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے۔ اس سے مقصود بنی اسرائیل کی تذلیل بھی تھی کہ جب لڑکیاں بکثرت ہونگی اور اسرائیلی لڑکا کوئی موجود نہ ہوگا تو لامحالہ وہ لڑکیاں قبطیوں کے تصرف میں آئینگی۔ چنانچہ دائیاں اس خدمت پر مامور تھیں۔ بالآخر خدا نے عمران کے گھر میں حضرت موسیٰؑ کو پیدا کیا۔ اُن کی والدہ نے اُن کو دائیوں سے چھپانے کے لئے ایک تنور میں ڈال دیا تنور خالی تھا اس لئے ایک روز تو حفاظت ہو گئی دوسرے روز مناسب جانا کہ کسی صندوق میں محفوظ طور پر بند کر کے توکل بخدا دریاء نیل میں ڈال دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا وہ صندوق بہتا بہتا دریا سے نکل کر اس شاخ میں آگیا جو فرعون کے محلوں میں سے ہو کر گذرتا تھا فرعون کی بیٹی نے دیکھا تو اٹھا لیا اور اپنی ماں کے پاس لائی ماں نے فرعون سے اجازت لے کر حضرت موسیٰ کو فرزندی میں لے لیا اور پرورش کرنا شروع کر دیا اور دودھ پلانے پر حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو مقرر کیا گیا کیوں کہ موسیٰؑ نے کسی اور دائی کا دودھ ہی نہ پیا رفتہ رفتہ موسیٰ جوان ہو گئے اور فرعون کے بیٹے کہلاتے تھے ان کو اقتدارات وہی تھے جو شاہزادوں کو ہوتے ہیں وہی عیش و عشرت اور ناز و نعم ملتا بنی اسرائیل پر جو ظلم ہوتے تھے ان کا بہت سا حصہ حضرت موسیٰ کی سفارش سے موقوف ہو گیا مگر قبطیوں کو اب بھی موسیٰؑ کے نسب میں کوئی شبہ نہ ہوا اور حضرت موسیٰ جو بنی اسرائیل کی رعایت کرتے تھے اس کی وجہ قبطی یہ سمجھے تھے کہ چونکہ موسیٰؑ نے اسرائیلی عورت کا دودھ پیا ہے یہ دودھ کا اثر ہے بہرحال موسیٰؑ پر کسی کو کوئی شبہ نہ تھا لیکن حضرت موسیٰ کی عدل پروری سے ظالم قبطی تنگ آگئے تھے اور موسیٰ کو مشتبہ نظر سے نہیں بلکہ کینہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن ایک بار آپ منف میں گئے اور وہاں ایک قبطی کو اسرائیلی سے لڑتے دیکھا اور اوس کے ایک مکا مارا اور وہ مر گیا اوس وقت قبطیوں کو معلوم ہوا کہ موسیٰؑ اسرائیلی ہیں اور وہی شخص ہیں جو قبطی سلطنت کی تخریب کا باعث ہوں گے فرعون کو اس سے پہلے ہی کچھ آثار و علامات سے شبہہ ہو گیا تھا اور وہ موقع کی تلاش میں تھا حضرت موسیٰؑ سے فعل قتل سرزد ہو تو گیا لیکن آپ نے قصداً قتل نہ کیا تھا تاہم پھر بھی پشیمان ہوئے اور افسوس کیا اور فرعون کے ڈر سے جان بچا کر مدین چلے گئے اور حضرت شعیب کی صاحبزادی صفورا سے نکاح کیا بارہ سال وہیں رہے بارہ سال کے بعد لوٹے تو کوہ طور کے حوالی میں نبوت سے سرفراز کئے گئے اور مصر جانے اور فرعون کو سمجھانے کا حکم ہوا حسب الحکم موسیٰؑ مصر آئے اور بمشکل بارگاہ فرعونی تک رسائی ہوئی۔ اس کے آگے کا قصہ خود آیات میں آتا ہے۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ

موسیٰؑ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا فرستادہ

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ

ہوں (میرے لئے یہی شایاں ہے کہ اللہ پر

عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَۃٍ

سوائے سچ کے اور کچھ نہ کہوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝

کھلا معجزہ لے کر آیا ہوں لہذا تم میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدو

قَالَ اِنْ کُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَۃٍ فَاْتِ بِہَآ

فرعون نے کہا اگر تم کوئی معجزہ لائے ہو اور سچے ہو

اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

تو اس کو پیش کرو

تفسیر حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان ایک طویل گفتگو ہوئی جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حضرت موسیٰؑ بڑی مشکل سے فرعون کے دربار میں پہنچے۔ ہارونؑ بھی ساتھ تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اے فرعون خوب سمجھ لے میں اس کا فرستادہ ہوں جو تمام عالم کا موجد و مربی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کا نام لیکر خطاب نہیں کیا بلکہ شاہی لقب سے خطاب کیا۔ کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ فرعون بڑا مغرور و متکبر بادشاہ ہے اگر نام لیکر گفتگو کی گئی تو فوراً مشتعل ہوجائیگا اور نصیحت سے فائدہ حاصل ہونے کی کوئی امید نہ رہیگی۔ پھر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خدا تعالیٰ نے ہی نرم الفاظ میں گفتگو کرنے کی ہدایت کردی تھی اور فرمایا تھا فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی۔ اس کے بعد فرعون کی خدائی پر ایک کاری ضرب اس طرح لگائی کہ اللہ کو رب العالمین، موجد کل اور مربی خلائق کہا اور اپنے کو اس کا فرستادہ ظاہر کیا۔ اس ضرب کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ نکلا یعنی فرعون نے اپنے دعویٰ خدائی سے ہٹنا گوارا نہ کیا اور دونوں باتوں کا انکار کردیا نہ خدا کے رب العالمین ہونے کا اقرار کیا نہ موسیٰؑ کی رسالت کی تصدیق کی تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا خدا پر بہتان بندی اور دروغ تراشی میرا شیوہ نہیں میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں اگر مزید ثبوت کی ضرورت ہو تو میرے پاس ثبوت بھی موجود ہے جو اللہ نے مجھے دیا ہے اور جس سے میرے دعویٰ کی وضاحت ہوتی ہے لہذا میری معیت میں بنی اسرائیل کو یہاں سے چلے جانے کی اجازت دیدے تاکہ میں ان کو ان کے اصلی وطن ملک شام کو لیجاؤں۔ یہ اسلئے فرمایا کہ فرعون کو بنی اسرائیل کی طرف سے جو خطرہ ہے وہ جاتا رہے اور یہ بات واضح ہوجائے کہ میں بنی اسرائیل کو صرف پنجۂ ظلم سے رہا کرانے آیا ہوں۔ تیرے ملک اور حکومت کو چھیننا نہیں چاہتا۔

فرعون نے ثبوت اور معجزہ کا لفظ سنا تو اس کے کان بھی کھڑے ہوئے۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس جرأت کے ساتھ جو یہ شخص کلام کر رہا ہے اور ثبوت پیش کرنے کا مدعی ہے دیکھنا تو چاہیئے وہ کیا ثبوت ہے چنانچہ کہنے لگا اچھا اگر تو سچ کہہ رہا ہے تو لا ثبوت پیش کر۔ تیرے پاس کونسا ایسا ثبوت ہے جو مجبور کن ہے اور کوئی دوسرا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

فَاَلْقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ہِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ۝

موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ فوراً ایک نمایاں اژدہا بن گئی

وَّنَزَعَ یَدَہٗ فَاِذَا ہِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ۝

اور موسیٰؑ نے اپنا ہاتھ (بغل سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے نورانی ہوگیا

تفسیر حضرت موسیٰ نے دو معجزے دکھائے اوّل تو اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی زمین پر گرتے کے ساتھ ہی وہ لہراتے ہوئے سانپ کی طرح بن گئی اور حاضرین کی طرف کو بڑھی فرعونیوں نے جو یہ کیفیت دیکھی تو ڈر کے مارے بھاگنے لگے۔ حضرت موسیٰ نے اسکو پھر پکڑ لیا تو وہ بدستور لاٹھی ہوگئی۔ دوسرا معجزہ یہ تھا کہ آپنے اپنی بغل میں اپنا ہاتھ داخل کیا اور باہر نکالا تو ہتھیلی پر چھالے کی طرح ایک چیز برآمد ہوئی جسکی چمک بجلی کی چمک سے تیز تھی کوئی اسکو دیکھ نہ سکتا تھا۔ جب حاضرین نے بند کرنے کی درخواست کی تو آپنے مٹھی بند کرلی اور روشنی موقوف ہوگئی۔ یہ دونوں معجزے آپ کو وادی قدس میں عطا کیے گئے تھے۔

ثعبان بڑے سانپ یعنی اژدہے کو کہتے ہیں۔ اور مبین سے مراد یہ ہے کہ اس کے سانپ ہونے میں کوئی شک کسی کو نہ تھا۔ ایک اور آیت میں اسکو جَآنٌّ کہا گیا ہے اور جان چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں لیکن اس سے اختلاف مفہوم نہیں پیدا ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ حجم میں تو وہ یقیناً اژدہا تھا مگر اژدہا زمین پر پڑا رہتا ہے۔ حرکت نہیں کرسکتا۔ عصائے موسیٰ ایسا اژدہا نہ تھا کہ حرکت نہ کرسکے بلکہ پھرتی اور حرکت کی تیزی میں چھوٹے سانپ کی طرح تھا۔ عصائے موسیٰ کے متعلق مختلف روایات ہیں قتادہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عصا حضرت آدم کا تھا جو کسی فرشتہ نے آدمی کی شکل میں ہوکر

حضرت موسیٰ کو اُس وقت دیدیا تھا جب آپ مدین جارہے تھے۔ یہ عصا رات کو شمع کی طرح روشن ہوجاتا تھا اور دن میں معمولی لاٹھیوں کا کام دیتا تھا بعض روایات میں آتا ہے کہ عصائے موسیٰ کا سرد و شاخہ تھا بعض کج فہم کہتے ہیں کہ ثعبان سے واقعی اژدہا مراد نہیں اور نہ ید بیضاء کوئی محسوس مرئی چیز تھی بلکہ اژدہے سے مراد دلیل و حجت ہے چونکہ حضرت موسیٰ کے دلائل دبرا ہیں قوی و قاہر تھے مخالفوں کے اقوال اور اُن کی کل دلیلیں براہین موسیٰ کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہ رکھتی تھیں اور کافروں کے تمام براہین برہان موسیٰ سے مغلوب تھے اس لئے حجت موسیٰ کو اژدہا کہا گیا جسطرح اژدہا اپنے سامنے کی ہر چیز کو نگل جاتا ہے اسی طرح حضرت موسیٰ کی دلیل ہر پیش آنے والی دلیل پر غالب تھی اور چونکہ آپکی دلیل روشن تھی اُسکی حقانیت و صداقت آفتاب کی طرح روشن تھی جسکے مقابلہ کی کسی میں تاب نہ تھی اسلئے اُسکو بیضاء کہا گیا۔ لیکن یہ کوتہ بینی اور دور اندیشی ہے۔ تاویل ضرور دل نشین معلوم ہوتی ہے مگر نصوص قرآنیہ اور احادیث نبوی اس کے خلاف موجود ہیں جن کی تضعیف یا تغلیط یا تاویل نہیں کی جاسکتی۔ اخبار متواترہ اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ لاٹھی واقعی سانپ بن گئی تھی اور ید بیضاء کا واقعی معجزہ تھا۔ صرف تشبیہ یا تمثیل مقصود نہیں ہے۔ جب انبیاء سے صدور معجزات کو صحیح تسلیم کرلیا جائے اور معجزہ کہتے ہی ہیں ایسے فعل کو جو عام طاقت انسانی سے خارج ہو تو پھر نوعیت معجزہ کو شبہہ کی نظر سے دیکھنا اور اُس میں چون و چرا کرنا عقل کے خلاف ہے۔

مقصود بیان:۔ انبیاء سے صدور معجزات حق ہے حضرت موسیٰ کی تبلیغ اگرچہ بالذات بنی اسرائیل کے لئے تھی مگر بالتبع فرعون اور قوم فرعون کے لئے بھی تھی۔ معجزات کا انکار کرنا بالکفر ہے۔ شرک کفر اور ظلم سے جب روئے زمین پر تباہی پھیلنے لگتی ہے تو خدا ان پھیلانے والوں کو تباہ کرڈالتا ہے۔ کسی بڑے آدمی کو اگر نصیحت کی جائے تو اُسکی ہستی و شان کا لحاظ کرتے ہوئے تہذیب سے کی جائے جس طرح حضرت موسیٰ نے فرعون سے کی۔ جھوٹ بولنا انبیاء کا شیوہ نہیں۔ کوئی نبی جھوٹ نہیں بولتا۔ انبیاء کو تبلیغ رسالت سے مقصود دنیوی حکومت اور سلطنت نہیں ہوتی بلکہ توحید الٰہی کو عالم میں قائم کرنا اور مظلوم کو ظالم کے پنجہ سے رہا کرانا مقصود ہوتا ہے جسطرح حضرت موسیٰ کا مقصود صرف یہ تھا کہ اللہ کی وحدانیت والوہیت تسلیم کرادیں شرک کو مٹادیں اور بنی اسرائیل کو ظالموں کے پنجہ سے چھڑا کر شام کو لیجائیں

(۱) قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ

فرعون کی قوم کے سردار بولے یہ بڑا جاننے والا جادوگر ہے

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا

تم کو تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے اب اس کے حق

تَاْمُرُوْنَ ○ قَالُوْا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ

میں تم کیا رائے دیتے ہو؟ (حاضرین فرعون سے) بولے اسکو اور اسکے بھائی کو

فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ○ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ

مہلت دیجئے اور شہروں میں سپاہی بھیج دیجئے تاکہ تمام جاننے والے جادوگروں

سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ○

کو تمہارے پاس لے آویں

تفسیر ہر زمانہ میں جس فن کا زیادہ زور رہا اللہ نے اُسی قسم کا معجزہ دے کر اپنے پیغمبروں کو بھیجا۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا۔ اطراف ملک میں بڑے بڑے جادوگر موجود تھے۔ جادو سیکھنا کمال سمجھا جاتا تھا۔ جادوگروں کی عزت کی جاتی تھی اسی لئے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو ظاہر نظروں سے دیکھنے کے بعد جادو سے بہت کچھ مشابہ نظر آتے تھے۔ اگرچہ معجزات کی حقیقت سحر سے بالکل جدا تھی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو جو معجزات عطا کئے گئے وہ کمال طبی سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ ہمارے آقا کے زمانہ میں فصاحت بلاغت اور شعر شاعری کا بڑا زور تھا۔ قبائل کی حکومت شاعروں کے قبضہ میں تھی اسلئے حضور کو قرآن دیا گیا جسکی بلاغت و ملاحت کے مقابلے میں کل عرب و عجم کی قوت بیان گونگی ہوگئی۔ غرض جب فرعون اور اُس کے درباریوں کو ہوش آیا اور خوف و ہراس دور ہوا تو لگے باہم مشورہ کرنے۔ فرعون بولا یہ تو بڑا جادوگر ہے تمہاری حکومت چھین کر تم کو ملک بدر کرنا چاہتا ہے۔ اسٹاف شاہی نے اسکی تصدیق کی اور کہا بیشک یہی بات ہے اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ اور ہارون کو کچھ دنوں ٹالدیجئے اور تمام حلقے میں کچھ نقیب چوبدار ہرکارے روانہ کردیجئے تاکہ کھرے کھرے دانا ہوشیار جادوگروں کو وہ اکٹھا کرکے لائیں اور اس طرح موسیٰ سے مقابلہ ہوسکے۔ چنانچہ چند آدمیوں کو انتخاب کرکے شہر فرما کو روانہ کیا تاکہ وہاں جاکر جادو سیکھیں۔ ان لوگوں نے جاکر سحر کی تعلیم حاصل کی اور ایک میعاد مقرر کی گئی۔ اُس میعاد میں وہ لوگ ماہر جادوگر ہوگئے اور پھر اپنے ملک کے تمام جادوگروں کو ملاپایا جب سب جمع ہوگئے تو حضرت موسیٰ سے مقابلہ کا دن مقرر کیا گیا

اور میدان اسکندریہ میں مقابلہ کرنا ٹھیرا ۔ سب لوگ میدان اسکندریہ میں جمع ہو گئے ۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون بھی پہنچ گئے جادوگروں کی تعداد میں اختلاف ہے ۔ قرآن یا حدیث میں بظاہر اس کی کوئی صراحت نہیں کی گئی ۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ کل جادوگر سنتر تھے ۔ مقاتل نے بہتر کہا ہے ۔ کلبی کا قول ہے کہ تمام جادوگروں کے استاد دو جادوگر تھے جو نینوا کے رہنے والے تھے ۔ مقاتل کہتے ہیں کہ سب کا سردار شمعون تھا ۔ ابن جریج نے اس کا نام یوحنا ظاہر کیا ہے خلاصہ یہ کہ جادوگر آ گئے ۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ

جادوگر فرعون کے پاس آ گئے اور بولے کیا اگر

لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝

ہم غالب آ گئے تو ہمارا کچھ معاوضہ ہو گا ؟

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝

فرعون نے کہاں ہاں ضرور تم میرے مقرب ہو جاؤ گے

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ

جادوگر بولے موسیٰ یا تم ڈالو یا ہم

اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ قَالَ اَلْقُوْا

ڈالتے ہیں موسیٰ نے کہا تم ہی ڈالو

فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ

جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی

وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝

اور ان کو ڈرایا اور بڑا جادو کیا

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ

اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی ڈالدو

فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ فَوَقَعَ

(موسیٰ نے لاٹھی ڈالدی) تو وہ فوراً اس سوانگ کو نگلنے لگی جو وہ لوگ بنا رہے تھے

الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

پس حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے مٹ گیا

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝

اور اس جگہ جادوگر مغلوب ہو کر ذلت کے ساتھ لوٹے

تفسیر

اور فرعون سے کہنے لگے جناب عالی ہم مقابلہ تو کرتے ہیں لیکن اگر ہم جیت گئے تو کچھ صلہ بھی ملیگا یا ہم یونہی توپ کی طرف سے لڑیں فرعون کو اپنی مجبوری کا احساس تھا بولا بیشک تم کو مقرب خاص بنالیا جائیگا شاہی قرب تمہاری خدمت کا صلہ ہے چونکہ فرداً فرداً ہر ایک کیلئے نوعیت انعام کی تفریق مشکل تھی اس لئے مجمل کہدیا کہ تمکو قرب شاہی حاصل ہو جائیگا جس کی وجہ سے وقتاً فوقتاً تم کو کاربرآری اور رفائدہ اندوزی کے مواقع میسر آتے رہینگے جب ادہر سے اطمینان ہو گیا تو جادوگروں نے روئے سخن حضرت موسیٰؑ کی طرف کیا اپنی دلیری کو ظاہر کرنے کے لئے اور غلبہ کا یقین کرتے ہوئے بولے موسیٰؑ دو شقوں میں سے ایک شق اختیار کر لو یا تو تم اپنا (جادو) پہلے کر دو یا ہم پہلے پیش کرتے ہیں حضرت موسیٰؑ نے انتہائی جوانمردی سے اون کے سحر کو حقیر و کمزور ظاہر کرنے کے لئے فرمایا تم ہی پیش کرو چنانچہ اونہوں نے اپنا جادو کیا اور عظیم الشان کیا لوگوں کی نظر بندی کر دی جس سے لوگ خوف زدہ ہو گئے عظیم الشان جادو کیا تھا کونسا تخیلی کرشمہ ایسا تھا جس کے ادراک سے لوگوں کی نظریں عاجز تھیں اس کا بیان ایک اور آیت میں ہے جس کی نوعیت و کیفیت اسیطرح بیان کی گئی ہے کہ اونہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکدیں اور وہ لوگوں کی نظر میں سانپ محسوس ہونے لگیں اور وہ سانپ ادہر ادہر دوڑنے لگے ہم اس کی تفصیل کے لئے ابن عباس کی روایت نقل کرتے ہیں ۔ ابو سعید نے بروایت عکرمہ از ابن عباس بیان کیا کہ ساحروں نے موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لکڑیاں زمین پر پھینکدیں وہ رسیاں اور لکڑیاں اون کے سحر کے زور سے اژدہوں کی طرح رینگنے لگیں ۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ تمام جادوگر جب صف بستہ کھڑے ہو گئے تو موسیٰؑ مع اپنے بھائی ہارونؑ کے مجمع میں آ کر ایک طرف کو اپنی لاٹھی ٹیک کر کھڑے ہو گئے فرعون اور اوس کے وزراء امراء کی مجلس ایک بلند مقام پر الگ تھی ساحروں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا پہلے تم پھینکو گے یا ہم پھینکیں حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم ہی پھینکو ساحروں نے سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ اور فرعون اور حاضرین کی نظر بندی کر دی پھر ہر ساحر نے اپنے اپنے ہاتھ کی رسیاں لاٹھیاں زمین پر پھینکدیں اور بڑے بڑے اژدہے نظر آنے لگے تمام جنگل بھر گیا اور تلے اوپر سانپ رینگتے معلوم ہونے لگے ۔

سحر عظیم کا یہی مطلب ہے یعنی لوگوں کی نظر میں وہ جادو بڑا معلوم ہوتا تھا

اگرچہ واقع میں اوس کی کچھ ہستی نہ تھی (سراج) یعنی لوگوں کا خیال ہے کہ رسیوں اور لاٹھیوں کے اندر جادوگروں نے پارہ بھر دیا تھا جب آفتاب کی حرارت اون کو لگی تو پارہ میں اضطراب پیدا ہوا اور رسیاں باہم لپٹنے لگیں اور سانپ کی طرح حرکت کرنے لگیں مگر یہ قول بعید از عقل ہے لاکھوں انسان جن کے بڑے بڑے صحیح دماغ اور فہیم آدمی موجود تھے اتنے بیوقوف نہ تھے کہ رسی اور سانپ میں فرق نہ کر سکیں فقط اضطرابی حرکت سے کسی رسی کو سانپ سمجھ لینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے یہ خیال درحقیقت معتزلہ کا ہے جو واقعیت سحر کے منکر ہیں۔
غرض جادوگر جب اپنا جادو کر چکے اور لوگ مرعوب ہو گئے اور موسیٰؑ کو بھی کسی قدر جھجک حسب اقتضاء بشری ضرور ہوئی تو اللہ نے وحی بھیجی اور بحکم وحی حضرت موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی لاٹھی سانپ بن گئی اور جو بحقیقت جادو ساحروں نے کیا تھا اوسکو نگلنے لگی ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کا اژدہا سب کو نگلنے لگا اوس وقت ساحر سمجھے کہ یہ جادو نہیں آسمانی امر ہے پس حق نمایاں ہو گیا جادوگروں کا جادو ٹوٹ گیا معجزہ اور سحر کا امتیاز ہو گیا اور بالآخر جادوگروں کو ذلیل شکست ہوئی اور وہ اپنا منہ لیکر رہ گئے۔

مقصود بیان

بڑے لوگ چھوٹوں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں قوم فرعون کے سرداروں نے حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہکے عام لوگوں کو بھی گمراہ کر دیا۔ جب کوئی امر فوق الفطرہ انسان کے سامنے آتا ہے تو وہ اوس کو جادو پر محمول کرتا ہے۔ کور بصیرت انسان انبیاء کے پیام اصلاح کا مقصود طمع دنیوی کو قرار دیتے ہیں۔ فرعون خود مقابلہ نہ کر سکتا تھا ایک ذلیل بندہ تھا ورنہ جادوگروں کی مدد کا محتاج نہوتا۔ جادوگر اعیان و حقائق کی تبدیلی نہیں کر سکتے صرف نظر بندی کر دیتے ہیں اور کیفیات کو واقعی بدل دیتے ہیں اور معجزہ سے واقعی طور پر ایک چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ شروع میں جادوگروں کو اپنے جادو پر بڑا اعتماد تھا مگر موسیٰؑ ان سے زیادہ جری تھے اسی لئے آپ نے جادوگروں کو سب سے پہلے جادو کرنے کی اجازت دی۔ جادو واقعی چیز ہے مگر معجزہ سے مقابلہ کرنے کے وقت شکست کھاتا ہے۔

وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا
اور سب سجدہ میں گر پڑے کہنے لگے ہم رب العالمین

بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ
پر جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے ایمان لائے

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ
فرعون بولا تم میری اجازت سے پہلے ہی اُس پر ایمان لے آئے

لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ
بیشک یہ ایک بڑا مکر تم نے شہر میں بنایا تھا

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝
تاکہ اہل شہر کو وہاں سے نکال دو پس عنقریب (اس کا خمیازہ) تمکو معلوم

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ
ہو جائیگا میں تمہارے ہاتھ پاؤں جانب خلاف سے کاٹ کر

ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ
تم سب کو سولی پر لٹکاؤں گا جادوگروں نے کہا ہم تو

اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ
اپنے پروردگار کے پاس ہی جانے والے ہیں اور تو ہم سے صرف اس وجہ سے

اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا
عداوت رکھتا ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر جبکہ وہ ہمارے پاس آ گئیں ایمان

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا
لے آئے اے ہمارے رب ہم پر صبر کی بارش کر اور ہم کو حالت اسلام

مُسْلِمِيْنَ ۝ ع ١٨
میں موت نصیب کر

تفسیر

غرض جب جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھ لیا اور اون کو یقین ہو گیا کہ یہ سحر نہیں بلکہ کسی غیبی قوت قدسیہ کا کرشمہ ہے تو حق سے ایسے مغلوب ہوئے کہ بے اختیار ہو کر سجدہ میں گر پڑے گویا اضطراری شکل میں کسی نے سجدہ میں گرا دیا۔ اخفش نے یہی تفسیر بیان کی ہے اوزاعی کہتے ہیں کہ جادوگروں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیے گئے تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے جنت کو دیکھ لیا تھا قاسم بن بزہ کا قول ہے کہ جنت دوزخ اور عذاب و ثواب دونوں کو اونہوں نے دیکھ لیا تھا بہرحال جادوگر بولے کہ اب ہم خدا پر ایمان لے آئے جو کل عالم کا موجد و مربی ہے یعنی جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔ مفسر سراج کہتا ہے کہ جب جادوگروں نے کہا کہ ہم رب العالمین کو حق جانتے ہیں تو فرعون نے کہا کیا اس سے مراد میری ذات ہے جادوگروں نے کہا نہیں بلکہ جو موسیٰؑ

کا پروردگار ہے۔ فرعون بولا میں نے ہی تو موسیٰؑ کو پالا ہے۔ جادوگروں نے فرعون کی جب یہ کج فہمی دیکھی تو بولے ہمارا ایمان اوس پر ہے جو رب العالمین ہے یہی موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں کا رب ہے اس پر فرعون لاجواب ہو گیا اور جہالت سے کہنے لگا میری اجازت کے بغیر تم لوگ ایمان لے آئے درحقیقت تم نے مل کر اور مشورہ کر کے مکر گانٹھا ہے تاکہ یہاں کے باشندوں کو نکالکر خود قابض ہو جاؤ فرعون نے یہ بات صرف دھوکہ دینے کو کہی تھی کہ کہیں اوس کے متبعین پھر نہ جائیں ورنہ وہ خوب جانتا تھا کہ ان جادوگروں سے حضرت موسیٰ کی ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن سدی نے ابن مسعود و ابن عباس کا جو قول نقل کیا ہے اوس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقابلہ سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی ملاقات سب سے بڑے جادوگر سے ہوئی تھی بہرحال کچھ بھی ہو باہم مشورہ کا شبہہ کرنا فرعون کی کوتہ فہمی تھی جب کوئی تدبیر بن نہ پڑی اور دلیل سے عاجز آگیا تو لگا استبداد ظلم سے ڈرانے کہنے لگا اب عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ میں تم کو کیسی سخت سزا دیتا ہوں میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر صلیب پر لٹکوا دونگا (ابن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں جس نے کاٹا اور سب سے پہلے سولی دینے کی سزا جس نے دی وہ فرعون ہے ہماری شریعت میں یہ سزا صرف راہزنوں کی مقرر ہے۔) ساحروں نے جواب دیا کچھ بھی ہو ہم تو اپنے رب ہی کی طرف رجوع کر چکے تیرا جو جی چاہے کر فی الحقیقت تیرے اس جذبۂ انتقام کی اور کوئی وجہ نہیں نہ جرم شدہ کا شبہہ صحیح ہے بس بات اتنی ہے کہ ہم اپنے رب کے نشان ہائے قدرت کو ماننے لگے تیرے دل میں اس وجہ سے بیر پڑ گیا خدا سے ہم دعا کرتے ہیں کہ وہی ہم کو صبر عطا کرے اور حالت ایمان پر موت نصیب کرے۔

مقصود بیان: ۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے بڑے سے بڑے جبار معاند کافر کے دل کو آن کی آن میں اللہ حق کی طرف پھیر دیتا ہے جن لوگوں کی قسمت میں ازلی ہدایت و سعادت ہے اون کی ابتدائی زندگی کو نتیجہ کا پیش خیمہ سمجھ لینا غلطی ہے بلکہ اعتبار انجام کا ہے وہ لوگ بالآخر حق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کتنا ہی بڑا آدمی ہو اگر باطل پرست ہے تو دلیل سے لاجواب ہو کر باطل پر اوتر آتا ہے اور اخیر میں بجائے برہان و استدلال کے طاقت سے مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ جن کے دلوں میں حقانیت و صداقت راسخ ہو چکی ہے اون کو کوئی لالچ یا قوت حق سے نہیں پھیر سکتی۔ جب تک اللہ کسی کام کا ارادہ بندہ کے دل کے اندر نہ پیدا کرے بندہ اوس کام کو کر نہیں سکتا اسی لئے ساحروں نے اللہ سے توفیق صبر کی دعا کی۔ ایمان و اسلام ایک ہی چیز ہیں اسی وجہ سے جادوگروں نے ایمان لا چکنے بعد دعا کی کہ پروردگار ہم کو حالت اسلام پر موت نصیب کر۔ معاند کفار کے سامنے اظہار حق کرنا ضروری ہے اگرچہ یقین ہو کہ یہ لوگ کسی طرح نہیں مانینگے کیونکہ اس سے فرض تبلیغ ادا ہو جاتا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کو فائدہ پہونچ جانے کی امید ہوتی ہے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تم

مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ

موسیٰ کو اور اس کی قوم کو چھوڑ دیتے ہو کہ وہ ملک میں فساد مچائیں

وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ

اور تمہیں اور تمہارے معبودوں کو علیحدہ کر دیں؟ فرعون نے کہا عنقریب ہم

أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا

ان کے بیٹوں کو قتل کرینگے اور ان کی لڑکیوں کو جیتا چھوڑ دینگے اور بیشک

فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ۝

ان پر ہمارا قابو ہے

تفسیر تفسیر آیت سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ فرعون جب خود الوہیت کا مدعی تھا تو اس کے معبود اور کون سے تھے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اقرب الی الحق یہ بات ہے کہ فرعون دہریہ تھا صانع قدیم کے وجود سے منکر تھا اور اس عالم سفلی کا مدبر ستاروں کو قرار دیتا تھا اور اونہیں کی شکل کے بت بنوائے تھے جنکی پرستش کراتا تھا اور زمین پر اپنے کو مخدوم و مطاع سمجھتا تھا (وقد ذکرہ الخطیب فی السراج) سدی کا قول ہے کہ فرعون باوجودیکہ الوہیت کا مدعی تھا لیکن قوم کے واسطے اس نے کچھ بت بھی بنوا دیئے تھے جن کی وہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے بلکہ گائے کی خود بھی پرستش کرتا تھا اور دوسرے لوگوں سے بھی کراتا تھا تفسیر سراج میں بھی فرعون کی گاؤ پرستی کی صراحت کی ہے زجاج کہتے ہیں کہ فرعون کے معبود بایں معنی نہ تھے کہ وہ خود اون کی عبادت کرتا تھا بلکہ بات یہ تھی کہ اوس نے قوم کے لئے کچھ معبود مقرر کر دیئے تھے گویا وہ بت فرعون کے بنائے ہوئے معبود تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب فرعون نے مقابلہ میں شکست کھائی اور اپنی شکست کی تاویل بھی کر دی تو اس کی قوم کے سرداروں نے آخر چارۂ کار دریافت کیا اور کہنے لگے اب موسیٰ اور اوسکی قوم کو کیا آپ یونہی چھوڑ رکھینگے کہ ملک مصر میں تباہی پھیلاتے پھریں آپ کو اور آپ کے بنائے ہوئے دیوتاؤں کو چھوڑ دیں اور ہمارے دین و مذہب کو برباد

کرڈالیں فرعون بھلا کیا جواب دیتا موسیٰ پر اوس کا دست رس ممکن نہ تھا مجبور ہوکر بولا ہم ان لوگوں کو تکلیفیں دینگے ہمارے پاس طاقت ہے یہ لڑکے ذریں ہم یونہی ان کو ذلیل کرتے رہینگے نرینہ بچوں کو قتل کرینگے اور عورتوں کو چھوڑتے رہینگے۔ چنانچہ بنی اسرائیل پر اس کے بعد بھی یہ عذاب جاری رہا اور غریبوں نے ظالم کے پنجہ سے رہائی نہ پائی۔

مقصود بیان:۔ کوتاہ اندیش آدمی کو اپنی دنیوی طاقت پر غرہ ہوتا ہے حقیقت غیبی کی طرف سے وہ آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ فرعون اپنے کو خلاق عالم نہ کہتا تھا بلکہ زمین پر سب سے بڑا معبود اپنے کو سمجھتا تھا اپنے سوا اوس نے اور بھی معبود بنوا رکھے تھے مگر خلاق عالم کا وہ قائل بھی نہ تھا سرداران قوم کو اپنی تباہی کا زیادہ ڈر ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ پر فرعون کو کوئی دست رس نہ تھا اسیوجہ سے سرداروں کے جواب میں اوس نے موسیٰؑ کا کوئی تذکرہ نہ کیا وغیرہ۔

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو

وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا

اور صبر کرو زمین اللہ ہی کی ہے اپنے بندوں میں سے

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ

جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام بخیر

لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ

پرہیزگاروں کا ہے بنی اسرائیل نے کہا آپ کے آنے سے پہلے ہم کو دُکھ دیا گیا

تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰی

ہے (اور آپ کے آنے کے بعد بھی دیا جا رہا ہے) موسیٰ نے کہا کہ امید ہے

رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ

کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو تباہ کر دے گا اور تم کو ملک میں اُن کی

فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع ۱۵

بجائے کردے گا پھر دیکھیگا کہ تم کیسے کام کرتے ہو

تفسیر حضرت موسیٰؑ نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل قتل وبند کی سخت مصیبت میں ہیں تو صبر کرنے اور اللہ سے مدد طلب کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا حکومت وتسلط خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو چاہتا ہے خدا بادشاہت اور حکومت دیتا ہے لیکن انجام کار انہی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے اور ممنوعات سے بچتے رہتے ہیں یعنی موجودہ مصائب دیکھ کر تم کو تنگدل اور مایوس نہ ہونا چاہئے آخر کار حکومت وغلبہ تم ہی کو حاصل ہوگا بشرطیکہ تم متقی رہو کافروں کا یہ عارضی تسلط ہے۔ بنی اسرائیل نے عرض کیا حضرت آپ کی تشریف آوری سے قبل ہم کو طرح طرح ایذائیں دیجاتی تھیں۔ اور آپ کے ظہور کے بعد بھی ادن مصائب کا سلسلہ منقطع نہوا ہم اب کیا کریں حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اللہ سے امید رکھو یعنی میری ذات کو دفع مصائب کا کارساز نہ سمجھو یہ نہ خیال کرو کہ تمہاری تکلیف میرے آنے کی وجہ سے دور ہو جائیگی بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو امید ہے کہ وہ عنقریب تمہارے دشمنوں کو تباہ کرکے انکا جانشین تمکو بنادیگا لیکن اگر وہ تم کو حکومت عطا کردے تو اس پر مغرور نہ ہونا کیونکہ وہ ایک آزمائش ہوگی اللہ کو تمہارے اعمال کی جانچ مقصود ہوگی حاصل یہ کہ پہلے حضرت موسیٰؑ نے در پردہ کنایہ میں فتح وکامیابی کا امیدوار کیا اور جب بنی اسرائیل کو اس سے تسلی نہوئی تو پھر نصرت وغلبہ کی صراحت کردی لیکن ادب کو ملحوظ رکھا اور زہر سطوت آلہی سے قوم کو دھمکا بھی دیا۔

مقصود بیان:۔ اس امر کی صراحت کو اگرچہ عارضی غلبہ باطل کو ہوجاتا ہے لیکن انجام کار اہل تقویٰ ہی غالب آتے ہیں۔ حکومت وتسلط سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی رحمت سے کسی کو مایوس نہونا چاہئے بلکہ مصائب میں صبر رکھنا اور اللہ سے دعا رنصرت کرنا چاہئے۔ اللہ بندوں کی آزمائش کرتا ہے کبھی تکلیف دیکر کبھی آرام پہونچا کر اور اس راحت وتکلیف سے مقصود اصلاح اعمال ہے۔ چونکہ یہ سورت مکی ہے اور مکہ میں مسلمان مظلوم اور کافر قوی تھے اس لئے در پردہ مسلمانوں کو ان آیات میں فتح کی بشارت بھی دیدی گئی۔ اور حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسکین دیدی گئی۔ وغیرہ

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ

ہم نے خشک سالیوں سے اور کمی پیداوار سے

وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝

فرعون والوں کی گرفت کی تاکہ وہ متنبہ ہوں

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا

مگر جب اُن کو بھلائی پہونچی تو کہنے لگے یہ ہمارا

هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا

حق ہے اور اگر کوئی مصیبت آتی تو موسیٰ اور ان کے

بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ

ساتھیوں کی نحوست بتانے لگتے۔ آگاہ رہو ان کی بدشگونی

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

اللہ کے ہاں (لکھی جاتی تھی) مگر ان میں اکثر ناواقف تھے

تفسیر یعنی جب فرعون کی قوم والے باطل پرستی اور اہل ایمان بندوں کو ایذا دینے سے کسی طرح باز نہ آئے تو خدا تعالیٰ نے ان کی تنبیہ و آزمائش کے لئے ان کو تکالیف میں مبتلا کیا ان کی کھیتیاں خشک ہو گئیں زراعت اور سبزی تباہ ہو گئی درختوں کے پھلوں میں کمی ہو گئی بروایت ابن عباس دریائے نیل خشک ہو گیا تمام خشک سالی ہو گئی اور اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ نصیحت پذیر ہوں اور ایمان لے آئیں کیونکہ ایسی حالت میں انسان کا دل نرم پڑ جاتا ہے اور وہ اللہ کی طرف رجوع کر کے خیر و برکت کا طالب ہو جاتا ہے لیکن ان مصائب و تکالیف سے بھی ان کے کفر و معصیت میں کوئی کمی نہ ہوئی بلکہ غباوت جہالت اور سخت دلی زیادہ ہو گئی شدت سے سرکشی کرنے لگے خدا تعالیٰ کی طرف سے جب کبھی کوئی بھلائی کی چیز ان کو ملتی وسعت رزق کثرت مال زیادتی اولاد وغیرہ ہوتی تو کہتے ہم اس کے مستحق ہیں ہمارے استحقاق کی وجہ سے یہ نعمت حاصل ہوئی ہے ہم اسی لائق ہیں یہ ہماری قابلیت کا پھل ہے اور اگر کبھی کوئی برائی اور دکھ آ جاتا تو کہتے یہ موسیٰ کی نحوست ہے انہی کے کرتوت کا وبال ہم پر پڑا ہے حالانکہ جو کچھ دکھ ان کو پہنچتا تھا وہ اللہ کی طرف سے آتا تھا اور ان کی بداعمالی کا خمیازہ ہوتا تھا مگر ان میں سے اکثر لوگ اس سے ناواقف تھے۔

تمام علماء سنت کا اتفاق ہے کہ تاثیر حقیقی سوا اللہ کے کسی کا کام نہیں بد اعتقاد عوام جو کسی چیز کو منحوس جانتے ہیں یہ ان کی جہالت ہے امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس کی صراحت کی ہے کہ کل کائنات اللہ ہی کے طرف سے ہے

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ

اور بولے تم ہم پر جادو کرنے کے لئے کوئی نشانی بھی لاؤ

لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ

ہم تمہارا یقین کرنے والے نہیں ہیں

تفسیر یعنی فرعون کی قوم والے مصائب و آفات کو دیکھ کر بولے موسیٰ تم اپنی حقانیت و صداقت کی کوئی بھی نشانی پیش کرو اور کسی طرح کا جادو کرو ہرگز ہم تم کو سچا نہ کہیں گے اور تصدیق نہ کریں گے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ سے مذکورہ الفاظ کہے اور آیات الٰہی کو جادو بتایا تو چونکہ غصہ ناک آدمی تھے اس لئے بددعا فرمائی اور خدا تعالیٰ نے آپ کی بددعا قبول فرما کر مندرجہ ذیل متواتر عذاب نازل کئے۔

مقصود بیان: بندوں کی ہدایت و آزمائش کے لئے خدا تعالیٰ دکھ سکھ اور تکلیف و راحت میں مبتلا کرتا ہے۔ جو لوگ کور بصیرت اور کج دانش ہیں وہ ترقی جاہ و مال کو اپنی کوشش و قابلیت کا نتیجہ جانتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی کارسازی کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور مصیبت و دکھ کو اپنی حق تلفی خیال کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ دنیا کی ہر تکلیف بداعمالی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ فرعون کی قوم والے آیات بینات کو سحر سمجھتے تھے اسی لئے حضرت موسیٰ پر ایمان نہ لاتے تھے حضرت موسیٰ سے واقعی مادی معجزات کا ظہور ہوا تھا۔ آیات میں کافروں اور فاسقوں کو تنبیہ ہے کہ تمہاری یہ دنیوی عیش و راحت آزمائش الٰہی ہے اس پر پھولنا نہ چاہئے بلکہ خدا کی طرف رجوع کرنا چاہئے وغیرہ۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ

غرض ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں

وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ

اور جوئیں اور مینڈک اور خون

اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۣ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا

(عذاب کی) یہ الگ الگ نشانیاں بھیجیں مگر انہوں نے سرکشی کی اور وہ تھے ہی

قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ

مجرم لوگ جب ان پر عذاب آتا تھا

الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

تو کہتے تھے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے اس چیز کے

بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَىِٕنْ كَشَفْتَ

وسیلہ سے جو اس نے تمہیں وحی کی ہے دعا کرو اگر اس عذاب کو تم ہم سے

عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ

دفع کردو گے تو ہم تم پر ایمان لے آئینگے اور بنی اسرائیل کو

مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا

تمہارے ساتھ بھیجدینگے لیکن جب ایک وقت خاص تک

عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ

جس کو وہ پہونچنے والے تھے ہم اُن سے عذاب دور کردیتے تھے

إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ۝ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ

تو وہ یکدم عہد توڑنے لگتے تھے بالآخر ہم نے اُن سے انتقام لیا

فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا

اور اُن کو دریا میں غرق کردیا کیونکہ اُنہوں نے ہماری

بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝

نشانیوں کی تکذیب کی تھی اور اُن کی طرف سے غافل تھے

تفسیر حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے چالیس برس تک اس بات پر مقابلہ رہا کہ بنی اسرائیل کو ملک مصر سے باہر جانے دے مگر فرعون نہ مانا آخرکار پریشان ہوکر آپ نے بددعا کی آپ کی بددعا سے قبطیوں پر مختلف بلائیں آئیں دریائے نیل بڑھ گیا بہتیرے گھر باغ کھیت تباہ ہوگئے ٹڈی کل سبزی کھا گئی بدن اور کپڑوں میں جوئیں پڑ گئیں فرعونیوں کو اُنہوں نے کھا لیا ہر چیز میں مینڈک پھیل گئے۔ پانی اور کھانا خون ہوگیا ان مصائب میں سے ہر مصیبت ایک ایک ہفتہ رہی اور حضرت موسیٰؑ نزول بلا سے پہلے ہر مرتبہ فرعون سے کہہ آتے تھے کہ اللہ تم پر یہ عذاب بھیجیگا چنانچہ وہی بلا آجاتی قبطی مجبور و مضطر ہوکر حضرت موسیٰؑ کی خوشامد کرنے لگتے تھے کہ اگر یہ بلا ہم سے دور ہوجائے تو ہم بلاشبہ ایمان لے آئیں گے اور بے روک ٹوک تمہاری قوم کو تمہارے ساتھ کردیں گے حضرت موسیٰؑ اُن کے اصرار پر یہ خیال کرلیتے کہ شاید اب کی مرتبہ یہ لوگ وعدہ پورا کریں گے اور دعا کرتے وہ بلا دفع ہوجاتی مگر وہ شیطان پھر انکار کرجاتے آخرکار دو بالشت ہی در آدھی رات کو ہر شخص کا پہلا بیٹا مرگیا وہ لوگ اپنے مُردوں کے غم میں لگے حضرت موسیٰؑ اتنا وقت غنیمت سمجھکر بنی اسرائیل کو لے کر شہر سے نکل گئے صبح کو فرعون مع فوج پیچھے چلدیا اور موسیٰ اپنے ہمراہیوں سمیت صحیح و سالم نیل سے گذر چکے تھے فرعون نے اپنی فوج سمیت جب نیل میں گھوڑے ڈالے تو خدا تعالیٰ نے سب کو غرق کردیا۔

تحقیق ابن عباس کی اکثر روایات میں ہے کہ طوفان پانی کا تھا بے انتہا بارش ہوئی تھی جس سے تمام چیزیں ڈوب گئی تھیں اور کھیتیاں اور پھل تباہ ہوگئے۔ یہی ضحاک کا قول بھی یہی ہے۔ صاحب بیضاوی کہتے ہیں کہ ان پر آٹھ روز تک گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا رہا اور پانی کی اتنی کثرت ہوئی کہ گھروں کے اندر بھر گیا لیکن بنی اسرائیل کے گھر اگرچہ قبطیوں کے گھروں کے متصل تھے مگر ان میں پانی نہ گھسا۔ ابن عباس کی دوسری روایت میں ہے کہ طوفان سے مراد موت کی کثرت ہے یہی عطاء کا قول ہے ابن جریر نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے مرفوعاً بیان فرمایا کہ طوفان سے مراد موت ہے؛ قدرواہ ابن مردویہ لیکن شیخ ابن کثیر نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ موت اور پانی دونوں کی کثرت تھی۔

غرض حضرت موسیٰؑ کی دعا سے طوفان کی بلاء دفع ہوئی۔ کھیتیاں خوب سرسبز اور شاداب ہوئیں خوب غلہ پیدا ہوا درخت بار آور ہوئے قبطیوں نے پھر بھی وعدہ پورا نہ کیا اور کھیتیوں کی سرسبزی پر اعتماد کر بیٹھے تو ٹڈی دل پیدا ہوا جس نے تمام کھیتیاں اور پھل کھا لیے حضرت موسیٰؑ سے پھر دعا کی درخواست کی اور آپ کی دعا سے بلا دفع ہوئی۔

قبطیوں نے بقیہ غلہ اور پھل کاٹ کر جمع کرلیے اور بولے اب ہم فارغ ہیں اب ہمارا کوئی کیا کرسکتا ہے تو قمل کا عذاب آیا۔ قمل کے معنی ابن کثیر کے نزدیک گھن کے ہیں۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

مجاہد و عکرمہ کا قول ہے چھوٹی ٹڈیاں یا ٹڈیوں کے چھوٹے بچے مراد ہیں حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ قمل بہت چھوٹے چھوٹے سیاہ کیڑے ہوتے ہیں عبدالرحمٰن بن زید نے قمل کی تفسیر پسو سے کی ہے عام مفسرین نے قمل کے معنی جوں بیان کیے ہیں۔

بہرحال قمل کا عذاب نازل ہوا اور اس کے بعد ضفادع یعنی مینڈک اس کثرت سے پیدا ہوئے کہ تمام قبطیوں کے کھانے پینے کی چیزوں میں بھر گئے بات کرنی دشوار ہوگئی پھر آخر میں خون کا عذاب نازل ہوا قبطیوں کے لیے ہر چیز خون ہوگئی کنوئیں نہریں تالاب غرض ہر قسم کا پانی اگر قبطی کے ہاتھ میں پہونچتا تو خون ہوجاتا اور اسرائیلی کے لیے بدستور پانی رہتا بالآخر جب قبطیوں کی وعدہ خلافی اور عہد شکنی حد سے گذر گئی تو خدا نے سب کو غرق کردیا۔

مقصود بیان:۔ نافرمانی کا نتیجہ آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیوی تباہی کی شکل میں بھی برآمد ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی رسی بہت ڈھیلا

ہے ایک حد تک خدا تعالیٰ آزمائش کرکے اور مختلف جسمانی و مالی تکالیف پہونچا کے ہدایت کرنی چاہتا ہے لیکن جب بندہ انتہا سے زیادہ سرکشی کرنے لگتا ہے اور راہ راست پر آنے کی کوئی امید نہیں رہتی تو پھر خدا پکڑتا ہے اور ایسا سخت پکڑتا ہے کہ پھر رہائی نا ممکن ہوتی ہے۔ انبیاء سے کیلئے کیلئے مادی معجزات کا صدور حق ہے انقلاب حقائق محال نہیں انبیاء مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ عہد شکنی موجب ہلاکت ہے وغیرہ۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا
اور اُن لوگوں کو جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا

يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ
اس سرزمین کے شرقی غربی حصوں کا مالک بنایا

مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ
جس میں ہم نے برکت نازل کی تھی اور بنی اسرائیل

كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
پر اُن کے صبر رکھنے کی وجہ سے تمہارے رب کا اچھا وعدہ پورا ہوگیا

بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ
اور فرعون اور اُس کی قوم والے جو کچھ

يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا
بناتے اور جن عمارتوں کو اونچا کیا کرتے تھے

يَعْرِشُوْنَ ۝
سب کو ہم نے برباد کردیا

تفسیر الارض سے مراد سرزمین شام ہے اور مشارق و مغارب سے مراد اس کے تمام اطراف۔ برکت دینے کا یہ مطلب ہے کہ وہاں کا پانی خوشگوار اور بکثرت تھا درخت میوہ دار اور سرسبز تھے ملک شاداب اور سیر حاصل تھا زمین نرم اور فضا موافق تھی حاصل ارشاد یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل نے مصائب پر صبر اور اوامر خداوندی پر استقامت رکھی تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے اُسی قوم کو جس کو ضعیف و ذلیل سمجھا جاتا تھا ملک شام کی حکومت عطا کی اور فرعون کی بستیوں کو تباہ آبادیوں کو ویران اونچے اونچے مکانوں کو برباد اور شاداب درختوں اور بیلوں کو فنا کردیا اور بنی اسرائیل سے جو وعدہ کیا گیا تھا اُس کو پورا کردیا گیا۔ بنی اسرائیل سے کیا وعدہ کیا تھا اس کا بیان بقول مجاہد و ابن جریر آیت ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمۃ و نجعلہم الوارثین میں کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت مراد ہے عسی ربکم ان یہلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون۔ بہرحال وعدہ تمکنت وحریت کیا گیا تھا اور وہ مصر سے نکالنے کے بعد پورا کیا گیا۔

مقصود بیان:۔ جو قوم مصائب پر صبر تکالیف کا تحمل اور احکام الٰہی پر استقامت رکھتی ہے وہ خواہ کتنی ہی کمزور و ذلیل سمجھی جاتی ہو مگر خدا اُس کو قوی کرتا اور دنیا میں ہی اجر عطا فرماتا ہے جو لوگ مغرور ظالم اور سرکش ہوتے ہیں وہ خواہ کتنے ہی قوی ہوں لیکن خدا ان کو تباہ کردیتا ہے اُن کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں۔ آیت میں مخفی ایماء مسلمانوں کو بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تم اہل مکہ کی ایذاء پر صبر اور احکام الٰہی پر استقامت رکھو گے اور ایمان و اسلام پر مستقل رہو گے تو خدا تعالیٰ بالآخر تمہارے دشمنوں کو تباہ اور تم کو کامیاب فرمائیگا وغیرہ۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ
اور بنی اسرائیل کو دریا کے پار لے گئے

فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ
تو وہ ایسی قوم پر پہونچے جو اپنے بتوں کے پوجنے میں لگے ہوئے

لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا
تھے بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود

كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ
مقرر کردو جیسے ان کے معبود ہیں موسیٰ نے کہا تم واقعی

تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ
جہالت شعار ہو یہ لوگ جس کام میں ہیں وہ تباہ کردیا جائیگا

فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ مٹ جائیگا

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ

(پھر) موسٰی نے کہا کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی اور معبود بنادوں حالانکہ

فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ

اُس نے سارے جہان پر تم کو فضیلت دی (یاد کرو) جب ہم نے

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ

فرعون والوں سے تم کو نجات دی جو کہ بری تکلیف کا مزہ تم کو چکھاتے

الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ

تھے تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور

يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ

بیٹیوں کو جیتا چھوڑ دیتے تھے اور اس میں

بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ ﴿١٢﴾ ع

تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی

تفسیر جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لیکر عمسیس سے نکلے اور مشرقی جانب بحر قلزم کو پار کرکے عرب کے ریگستانی اور کوہستانی حصہ میں پہونچے اور قادسیہ وغیرہ کی طرف سے گذر ہوا تو وہاں کے لخمی یا کنعانی قبائل کو انہوں نے بت پرستی کرتے دیکھا چونکہ مصر میں زیر حکومت فرعون سینکڑوں برس سے بت پرستی کے خوگر ہوگئے اس لئے لوگوں کو صنم پرستی کرتے دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور بولے موسیٰؑ جیسے ان لوگوں کے دیوتا اور معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایسے ہی دیوتا اور معبود بنادو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم لوگ بھی عجیب جاہل بے اتفاق ہو اللہ کی عظمت وجلال سے بالکل ناواقف ہو نادانو اتنا نہیں سمجھے کہ معبود بھی کوئی بنانے کی چیز ہے کہ میں بنادوں ان لوگوں نے جو معبود بنا رکھے ہیں اور جو کچھ یہ پوجا پاٹ کرتے ہیں سب ہیچ ہے اس کا انجام ہلاکت اور تباہی ہے ان کے اعمال رائگان جانیوالے ہیں تو پھر میں معبود حقیقی کو چھوڑ کر کسی اور کو تمہارا معبود بنادوں یہ کیسے ممکن ہے ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ تم کو اللہ نے اس زمانہ کے تمام انسانوں پر برتری عطا کی تم کو راہ حق دکھائی فرعون کے پنجہ سے رہا کیا وہ جو طرح طرح کی ایذائیں تم کو دیا کرتے تھے ان سے تم کو بچا کر یہ نعمت عطا کی اور یہ تمام رنج وراحت اور دکھ سکھ تمہاری آزمائش کے لئے صادر کیا اور تم ایسے جاہل ہو کہ اس کی عبادت سے منہ موڑ کر بتوں کی پرستش کے خواستگار ہو یہ کس قدر نادانی ہے۔

مقصود بیان:۔ اس بات پر تنبیہ کہ بنی اسرائیل کو خدا تعالیٰ نے بلا استحقاق قسم قسم کی نعمتوں سے سرفراز کیا تھا مگر انہوں نے شکریہ کی بجائے نہایت بیہودہ بات زبان سے نکالی۔ اس امر کی صراحت کہ بنی اسرائیل باعتبار مذہب اپنے زمانہ کے تمام دیگر انسانوں سے افضل واعلیٰ تھے اس بات پر ضمنی انتباہ کہ فرعون کی قوم والے ہی فقط بت پرستی میں مبتلا نہ تھے بلکہ اس زمانہ میں دوسری قومیں بھی اس کی شیدا تھیں لیکن حضرت موسیٰؑ کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی ہدایت ونجات کے لئے تھی کل دنیا کے لئے نہ تھی نہ آپ کی دعوت وتبلیغ عمومی تھی۔ بنی اسرائیل بہت جاہل قوم تھی محسوس پرستی ان کی سرشت میں جم چکی تھی ذرا ذرا سی تحریک پر اصلی سرشت نمودار ہو جاتی تھی۔ آیات میں مسلمانوں کو در پردہ تلقین ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے تم کو نعمت ایمان سے سرفراز کیا نفسیات اسلام عطا کی مستقل حکومتیں اور عزت وحریت مرحمت فرمائی تو اب غیر اللہ کی پرستش کا خیال دل میں لانا خدا کی نافرمانی کرنی اپنے نبی کے قول پر نہ چلنا زندہ اور مردہ کو معبود بنانا انتہائی جہالت وکفران نعمت ہے تم پر جو دکھ سکھ کے مختلف حوادث آتے رہتے ہیں یہ سب امتحان الٰہی ہے وغیرہ۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ

اور ہم نے موسٰی سے تیس رات کا وعدہ کیا اور (مزید)

اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ

دس راتیں ملا کر اس کی تکمیل کردی پس اُن کے پروردگار کی مقرر کردہ میعاد

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ

چالیس شب پوری ہوگئی موسٰی نے اپنے بھائی ہارون سے

هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ

کہا میری قوم میں میری نیابت کرو اور کام سنوارو

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

اور مفسدوں کے راستہ پر نہ چلو

تفسیر جمعہ کے روز بتاریخ دس محرم حضرت موسیٰؑ دریا سے پار ہوئے اور قادسیہ کے میدان میں پہونچکر وہاں

سے وادی طور کے پاس پہونچے یہاں پہونچکر خداتعہ سے احکام شریعت
کی درخواست کی جو بنی اسرائیل کے لئے دستور العمل ہوں اللہ
پاک کا حکم ہوا کہ پہاڑ پر آکر تیس رات خلوت کرو خدا کی طرف دھیان
لگاؤ رات کو عبادت میں مشغول رہو اور دن کو روزہ رکھو اگر یہ شرط
پوری کردگے تو احکام شریعت پاینگے اور عزت خطاب سے سرفراز
کئے جاؤ گے مجاہد مسروق ابن جریج وغیرہم کا قول ہے کہ یہ واقعہ
شروع ذیقعدہ کا تھا حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین
بنا کر وصیت کی کہ میرے پیچھے قوم کا انتظام درست رکھنا اور اصلاح
کرتے رہنا اور بدنظمی و فساد کی رائے دینے والوں کا کہنا ہرگز نہ ماننا
اس کے بعد خود پہاڑ پر جاکر عبادت میں مشغول ہوگئے دن کو روزہ
رکھتے اور شب و روز مجاہدہ میں لگے رہتے جب تیس دن پورے ہوگئے
تو آپ نے منہ کی بدبو رفع کرنے کو مسواک کرلی جس کے سبب
منہ کی بدبو یعنی خلوف معدہ کی مخصوص علامت اور روزہ کا اثر جاتا رہا
اس کوتاہی کی تلافی کیلئے مزید دس روز عبادت کا حکم ہوا اور اس طرح پورا چلہ ہوگیا۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ

جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے

رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ

کلام کیا تو کہا پروردگار مجھے (جلوۂ خاص) دکھا میں تیری طرف دیکھ لوں

قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى

اللہ نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن پہاڑ کی طرف

الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ

دیکھو اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھیرا رہا تو تم مجھے

تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ

دیکھ سکوگے پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی

جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا

تو اسکو ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے

فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ

پھر جب ہوش آیا تو عرض کیا تو پاک ہے میں تیری طرف

إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں

تفسیر مقررہ چلہ پورا ہوگیا اور خداتعہ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا
تو اس وقت غائبانہ خطاب کی حد سے آگے بڑھکر حضرت
موسیٰ کو دیدار الٰہی کا شوق ہوا اور اپنی مادی آنکھوں سے جلوۂ الٰہی کو
دیکھنے کے خواستگار ہوئے چونکہ یہ آنکھیں مادی اور جسمانی ہیں بے پردہ
ان آنکھوں سے جلوۂ الٰہی کا نظر آنا قانون قدرت کے خلاف ہے لطیف
شعائیں بغیر جسمانی آڑ کے نہیں دیکھ سکتیں اس لئے حکم ہوا کہ تم مجھے
نہیں دیکھ سکوگے ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو جو تاثر و انفعال میں
تم سے کم درجہ رکھتا ہے اور جسمانیت میں تم سے زیادہ قوی ہے میں پہاڑ
پر اپنا پرتو ڈالتا ہوں اگر اس نے میرے پرتو کا تحمل کرلیا اور اپنی جگہ
قائم رہا تو ممکن ہے تم بھی مجھے دیکھ سکو اور جب وہ تحمل جلوہ نہ کرسکا تو
پھر تم تو قرب و تاثر میں اس سے کہیں زائد ہو تم کس طرح تحمل کرسکتے
ہو چنانچہ جب جلوۂ الٰہی پہاڑ پر پڑا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور موسیٰؑ اس
منظر کو دیکھکر بیہوش ہو کر گر پڑے کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو اپنے گذشتہ
سوال سے توبہ کی اور عرض کیا پروردگار تو اس نظر سے نہیں دیکھ سکتا میں
تجھے اس بات سے پاک جانتا ہوں اور اپنی گذشتہ نادانی سے توبہ کرتا ہوں
اور بنی اسرائیل میں سب سے پہلے میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں
ابن عباس و مجاہد نے انا اول المومنین کی یہی تفسیر کی ہے ابو العالیہ
کا قول ہے مراد یہ ہے کہ میں سب سے پہلے اس بات پر ایمان لایا
ہوں کہ قیامت تک تجھ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا ابن کثیر نے اسی مطلب
کو پسند کیا ہے ہمارے نزدیک زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ معائنہ کے
بعد اس صورت سے ایمان لانا سب سے پہلے میرا ہی واقع ہوا ہے اگرچہ دیگر انبیاء
بھی بالمعائنہ رویت کی نفی پر ایمان رکھتے ہوں مگر صورت مذکورہ سے معائنہ کرنیکے
بعد ایمان لانا چونکہ حضرت موسیٰ کے ساتھ مخصوص تھا اسلئے آپنے انا اول المومنین کہا
یہاں دو مسئلے تحقیق طلب ہیں۔ علہ خداتعہ نے موسیٰ سے جو کلام کیا
تھا اس کی کیا حقیقت و کیفیت تھی۔ عہ کیا دیدار الٰہی ان آنکھوں
سے ممکن ہے یا محال ہے۔

زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ اللہ تعہ نے موسیٰؑ سے بلا واسطہ
کلام کیا جیسے فرشتوں سے کلام کرتا ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ بولتا
ہوا کلام ایک درخت میں پیدا کردیا جس سے موسیٰؑ نے سن لیا جس
طرح لکھا ہوا کلام لوح محفوظ میں پیدا کردیا عام معتزلہ کا یہی قول
ہے وہ کہتے ہیں کہ کلام الٰہی کا کوئی محل علاوہ ذات الٰہی کے ہو تو
کلام کا سننا ممکن ہے خطیب درازی نے معتزلہ کے اس قول کی تردید

کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ تاویل خلاف نص ہے کتاب و سنت اور اجماع سلف سب کے مخالف ہے یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی درخت یا مادی غیر مادی جسم انا اللہ کہکے یا لا الہ الا اللہ فاعبدنی کا دعویٰ کر سکے۔

بعض حنابلہ اور حشویہ کا قول ہے کہ کلام الٰہی قدیم ہے اور حروف و اصوات منقطعہ سے مرکب ہے رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہ قول ہی ناقابل التفات ہے رازی کا مطلب یہ ہے کہ اگر حروف و اصوات کے یہی معنی ہیں جو عام لوگ عرف میں سمجھتے ہیں تو یہ قول ناقابل التفات ہے کیونکہ کلام قدیم کس طرح اصوات منقطعہ اور حروف حادثہ اپنے اندر رکھ سکتا ہے ورنہ حادث و قدیم میں کیا فرق ہوگا اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس کی کیفیت سے آگاہی نہیں تو حروف و اصوات کی تفصیل بیفائدہ ہے اور اگر حروف و اصوات کو قدیم کہا جائے منقطعہ حادثہ نہ کہا جائے اور ذات باری کے ساتھ قائم سمجھا جائے تو یہ قول ہی سراسر لغو ہے کیونکہ متبادر حروف و اصوات کا قیام ذات الٰہی سے ناممکن ہے اور حروف و اصوات کے کوئی اور معنی مجہول الکیفیت گھڑ لئے جائیں تو اتنی تفصیل ہی بیکار ہے۔

مفسر مدارک نے بیان کیا ہے کہ شیخ ابو منصور ماتریدی نے تاویلات میں ظاہر کیا ہے کہ موسیٰؑ نے ایک آواز سنی جو کلام الٰہی پر دلالت کرتی تھی اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس تقدیر پر موسیٰؑ نے کلام الٰہی بلا واسطہ نہ سنا بلکہ بالواسطہ سنا حالانکہ تکلیم بلا واسطہ کلام کرنے کو کہتے ہیں۔ آخر میں امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ اکثر علماء متکلمین اور سنت کا قول ہے کہ کلام الٰہی ایک صفت ہے جو موجودہ حروف و اصوات کے مغایر ہے موسیٰؑ نے یہ صفت حقیقیہ ازلیہ سنی اور اس کو ادراک کیا بایں طور کہ اللہ نے اپنے کلام پر سے حجاب اٹھا دیا۔ اس کا مآل یہ ہے کہ کلام الٰہی ایک صفت قدیم ہے ذات الٰہی سے قائم ہے اسی صفت حقیقیہ کا سماع ہوا لیکن کس طرح ہوا اس کی کیا کیفیت تھی اس کا کچھ علم نہیں ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کلام الٰہی کا سماع بغیر صوت اور بلا واسطہ حروف ہوا تھا جس کو خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰؑ ہی سن سکے تھے یہی قول حق ہے اشاعرہ کا بھی یہی مسلک ہے گویا کلام الٰہی کا سماع روحانی تھا حضرت موسیٰؑ نے باشراق نوری اُس کو سنا تھا یہ اشراق حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہی مخصوص تھا کسی دوسرے کو یہ نعمت آپ سے پہلے نہیں ملی۔

عـ۲ کیا دیدار الٰہی ممکن ہے اس کے متعلق علماء اسلام میں بڑا اختلاف ہے سوا اہل سنت کے تمام فرقے دیدار الٰہی کو ممتنع قرار دیتے ہیں ہم پہلے جواز کے دلائل بیان کرتے ہیں پھر اصحاب امتناع کے اعتراضات بیان کرکے اُن کی تردید کرینگے۔

عـ۱ اگر دیدار الٰہی محال ہوتا تو حضرت موسیٰؑ اس کی طلب نہ کرتے کیونکہ وہ نبی تھے اور نبی محال چیز کا خواستگار نہیں ہوتا۔ اگر دیدار الٰہی کو مطلقاً محال مان لیا جائے تو بدیہی معرفت سے حضرت موسیٰؑ کا جاہل ہونا لازم آتا ہے کیا حضرت موسیٰ کو باوجود جلیل القدر نبی ہونے کے اتنی معرفت بھی نہ تھی کہ وہ ایسا بیجا اور محال سوال کر بیٹھے۔

اگر دیدار الٰہی ممکن نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ استقرار جبل پر اس کو موقوف نہ کرتا اور استقرار جبل تو ممکن تھا اگرچہ واقع نہ ہوا لہٰذا حضرت موسیٰؑ کو دیدار الٰہی حاصل ہونا بھی ممکن تھا اگرچہ واقع نہ ہوا کیونکہ جو شَے کسی ممکن شرط پر معلق کیا جاتا ہے وہ بھی ممکن ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات و صفات کے متعلق محال چیز کا اعتقاد کرنا کفر ہے اگر دیدار الٰہی ناممکن ہوتا تو حضرت موسیٰؑ کیوں اس کا اعتقاد کرتے اور کیوں ناممکن سوال کرتے۔

(ہکذا قال النسفی والبغوی) رہی یہ بات کہ ممکن تھا تو حاصل کیوں نہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰؑ کا صرف اجتہادی مغالطہ تھا رویت باری کے امکان سے آپ نے سمجھ لیا کہ شاید دنیا میں بھی دیدار حاصل ہو جائے اور سوال کر بیٹھے حالانکہ دنیا میں دیدار نہ ہو سکتا تھا لہٰذا جواب ملگیا لن ترانی۔ لالکائی نے سنتہ میں ابن عمر و ابوہریرہ سے مرفوعاً و موقوفاً روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کو نہ دیکھو گے یہاں تک کہ مر جاؤ۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث سے بطریق تواتر ثابت ہے نیز مختلف آیات کلام پاک (مثلاً وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ) سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا اور جو چیز محال ہوتی ہے وہ ہمیشہ محال ہوتی ہے کبھی وقوع پذیر کیا ممکن بھی نہیں ہو سکتی۔ معتزلہ وغیرہ چونکہ استحالۂ رویت کے قائل ہیں اس لئے انہوں نے چند اعتراضات کیے ہیں۔

عـ۱ آیت لن ترانی نفی پر دلالت کر رہی ہے اگر دیدار الٰہی ممکن ہوتا تو اس قدر تاکید کے ساتھ نفی نہ کیجاتی یہ اعتراض زمخشری کا ہے بیضاوی نے جواب دیا کہ نفی آمیز جواب سے استحالۂ رویت ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تو کبھی نہ دیکھے گا یا تیرے سوا اور کوئی نہ دیکھے گا۔ نسفی نے کہا استحالہ کیسا یہ تو خود ثبوت رویت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لن اُری یعنی میں نہیں دیکھا جاتا ہوں نہیں فرمایا بلکہ فرمایا تم مجھے نہیں دیکھو گے اگر دیدار محال ہوتا تو فرماتا میں مرئی نہیں ہوں پھر اللہ نے موسیٰؑ کو مایوس بھی نہ کیا بلکہ معلق کر دیا اور اس سوال پر کچھ عتاب بھی نہ کیا اگر تکمیل سوال محال ہوتی تو عتاب فرماتا معالم میں بیان کیا ہے کہ لن ترانی کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں چشم فانی سے کوئی مجھے نہ دیکھے گا۔

عـ۲ معتزلہ کہتے ہیں کہ لن ترانی میں لن نفی تابیدی کے لئے ہے یعنی

تو کبھی مجھے نہیں دیکھے گا اگر رویت ممکن ہوتی تو نفی ابدی نہ کیجاتی امام واحدی کہتے ہیں کہ لن کے معنی نفی ابدی قرار دینا سخت جھوٹ ہے اہل لغت میں سے کسی نے ایسا نہیں لکھا نہ اس کے متعلق کوئی نقل صحیح ہے بلکہ کتاب الٰہی شاہد ہے کہ لن نفی ابدی کے لئے نہیں۔ امام بغوی نے فرمایا کہ یہودیوں کے حق میں خداتعالیٰ نے فرمایا لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا یعنی موت کی تمنا نہ کرینگے لیکن یہودیوں کے اخروی حال کے متعلق فرمایا کہ قیامت کے دن عذاب سے تنگ آکر کہیں گے یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ اس سے ثابت ہوا کہ بغیر کسی خاص قرینہ کے لن کا استعمال نفی تابید کی کے لئے نہیں ہوتا۔

کشاف میں زمحشری نے بیان کیا ہے کہ موسیٰؑ جانتے تھے کہ دیدار باری محال ہے مگر چونکہ اُن کی قوم نے کہا تھا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً ہم کو خدا کا دیدار کھلم کھلا کرادو اس لئے حضرت موسیٰ نے درخواست دیدار اپنے لئے کی تاکہ منفی جواب سے قوم والے چپ ہوجائیں اور اپنی درخواست سے باز آجائیں بیضاوی نے اس تاویل کی تردید میں کہا کہ زمحشری کا یہ قول غلط ہے کیونکہ اگر رویت محال تھی تو واجب تھا کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو سرزنش کرتے اور اُن سے کہتے تم بڑے جاہل ہو ایسی ناممکن درخواست کرتے ہو جس طرح کہ بنی اسرائیل نے بت پرستی کی خواہش کی اور حضرت موسیٰ سے بت مانگا تو آپ نے اُن کو جاہل کہا نسفی کہتے ہیں کہ جو چیز جناب باری کی شان میں محال ہے اُس کی تاکید و تائید بھی کفر ہے حالانکہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے سوال سے اس کی تائید کی معلوم ہوا کہ رویت محال نہ تھی۔

معتزلہ میں سے کعبی اور اصم کو جب کوئی تاویل نہ سوجھی تو رب ارنی انظر الیک کو انہوں نے توڑنا مروڑنا شروع کیا کہنے لگے اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ رب ارنی اٰیة منك اعلمك بها بالضرورة کانی انظر الیك یعنی اے رب تو مجھے اپنی طرف سے ایک ایسی علامت دکھا دے جس سے میں محسوس طور پر تجھے جان جاؤں اور ایسا جان جاؤں کہ گویا تیری طرف دیکھ رہا ہوں۔ لیکن یہ تاویل خلاف ظاہر ہے خواہ مخواہ کی خود ساختہ تحریف و ترمیم ہے پھر حضرت موسیٰؑ اولوالعزم انبیاء میں تھے کیا اُن کو وجود باری کا یقین نہ تھا پھر ایسی عبارت میں درخواست علم کرنا جو محال آمیز ہے اور حرمت کا شبہہ پیدا کرتی ہے کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

عـ۳ معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی خداتعالیٰ کو دیکھے گا تو ضرور کسی جہت اور سمت میں دیکھے گا اور اس کی کوئی جگہ بھی ماننی پڑیگی اور جسم بھی تجویز کرنا ہوگا حالانکہ خداتعالیٰ جسمانیت جہت اور مکان سے پاک ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ نقل کے مقابلہ میں اختراع وہمی کام نہیں دے سکتا جب آیات و احادیث سے صراحتاً رویت الٰہی کا ثبوت ہے تو پھر ان رکیک اعتراضات سے کیا بنتا ہے اس کے علاوہ عقلاً بھی دیدار الٰہی محال نہیں کیونکہ دنیا میں انسان کی نگاہ خاص محسوسات کے دیکھنے سے تجاوز نہیں کرتی مگر جنت جو عالم قدس ہے وہاں یہ حال نہوگا وہاں کی ہر نعمت یہاں کی نعمتوں کے خواص و کیفیات سے پاک ہے وہاں ہوکر مادی اجسام روح سے بھی زیادہ لطیف ہوجائیں گے لہذا وہاں آنکھیں بھی ویسی ہی ملیں گی جس طرح روح کی آنکھیں اپنی نوری رویت میں جہت و سمت کی محتاج نہیں ہیں اسی طرح جنت والوں کی آنکھیں اپنی لطافت کی وجہ سے نہ جسمانیت کی مقتضی ہیں نہ جہت و سمت اور مکان کی یہاں تک تو رویت کے متعلق اختلاف علماء اور اس کی تحقیق تھی اب رہی پہاڑ پر پروردگار کی جلوہ ریزی کی کیفیت تو اس کے متعلق مختلف احادیث وارد ہیں۔ امام احمد نے بروایت انسؓ روایت کہ حضور اقدس صلعم نے اپنی چھنگلی کا اوپر کا ذرا سا کنارہ بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اس قدر نور سے تجلی فرمائی (وقد رواہ الترمذی وقال حسن صحیح۔ والحاکم و قال علی شرط مسلم۔ ورواہ الطبرانی ایضًا۔ وقد روی الحاکم له شاهدا عن ابن عباس) علامہ نسفی نے شیخ ابو منصور ماتریدی کا قول نقل کیا ہے کہ جبل پر تجلی کرنے کے وہی معنی ہیں جو شیخ اشعری نے بیان کئے ہیں کہ خداتعالیٰ نے پہاڑ میں رویت و علم کی قوت پیدا کردی تھی یہاں تک کہ اس نے اپنے رب کی جلوہ ریزی کو دیکھا اور تاب نہ لاکر مدکوک ہوگیا تفسیر معالم میں سہل بن سعد ساعدی کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار پردوں میں سے درم کی برابر نور ظاہر فرمایا تھا جس کی وجہ سے پہاڑ کو مدکوک یعنی خاک کی برابر کردیا۔

مقصود بیان :- قرب الٰہی اور مناجات خصوصی کے لئے تربیت روح تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کی ضرورت ہے اور کثافت مادی کا دور کرنا لازم ہے لہذا خیالات کی یکسوئی اور علماء روحانی کے لئے کچھ مدت گوشہ نشین ہوکر مراقبہ ریاضت اور عبادت نہایت ضروری ہے چلہ کشی کا جواز یہیں سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک نبی کا فریضہ دوسرا نبی عارضی طور پر ادا کرسکتا ہے جس طرح موسیٰؑ کی جانشینی ہارونؑ نے کی لیکن اس سے نبوت میں شرکت لازم نہیں آتی بلکہ اصلاح خلق انتظام امت اور فتنہ و فساد کو دور کرنے کے لئے یہ خلافت ہوتی ہے نبی اگرچہ معصوم ہوتا ہے اُس کے گمراہ ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا لیکن بھول چوک سے کوئی بری نہیں اور شیطان انسان دوستی و اصلاح کے پیرایہ میں انبیاء سے دشمنی کرسکتے ہیں اسی لئے موسیٰؑ نے ہارون سے فرمادیا کہ مفسدوں کا کہنا نہ ماننا ان کا مشورہ نہ قبول کرنا۔ مراد و مطلب خواہ دنیوی ہو یا دینی اور کتنا ہی عظیم الشان ہو مگر اس کے حصول

کا ایک خاص وقت اور خاص طریقہ ہے خلاف وقت اور خلاف طریقہ حصول مدعا ناممکن ہے حضرت موسیٰ کو مشرف بکلام کرنے اور شریعت دینے کے لئے وقت کا مقرر کرنا اسی رمز کو بتا رہا ہے۔ کلام الٰہی بلا واسطۂ حروف و آواز اپنی اصلی کیفیت کے ساتھ سنا جا سکتا ہے لیکن اُس کے سننے کے لئے قوت مادیہ کو کمزور کرکے جسمانی کانوں کو بہرا بنا کے روحانی کانوں کو کھولنا لازم ہے۔ دیدارِ الٰہی ممکن ہے مگر دنیا میں یہ مادی آنکھیں جلوۂ الٰہی کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی ہیں۔ انبیاء کو بعض اوقات ذاتِ الٰہی سے اس قدر قرب ہو جاتا ہے کہ تمام وسائط اٹھ جاتے ہیں اور درمیان میں فرشتوں کی پیامبری کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ قربِ الٰہی میں پہونچکر عظیم الشان انبیاء بھی اپنی ہستی اور متعلقہ ہستی کو بھول جاتے ہیں۔ مخاطبت کی لذت سے سرشار ہوکر انسان مشاہدہ کی درخواست کرنے لگتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ نے کیا۔ مقامِ عشق میں پہونچکر آدمی رسوم ادب سے نکل کر میدانِ جرأت میں قدم رکھنے لگتا ہے۔ قربِ الٰہی اور مناجاتِ ربانی کے حصول کے لئے عبادت اور خیالات کی یکسوئی لازم ہے۔ وغیرہ۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ

اللہ نے فرمایا موسیٰ — میں نے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی سے لوگوں پر

بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ

تم کو امتیاز عطا کیا — پس جو کچھ میں نے تم کو دیا اُسکو لے لو اور

مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ

شکر گذار رہو — اور ہم نے تختیوں پر موسیٰ کو ہر قسم کی

مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ

نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھدی (اور حکم دیا کہ)

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا

اس کو مضبوطی سے لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے

بِاَحْسَنِهَا ۚ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ○

اچھے احکام پر عمل کریں میں عنقریب تم کو بدکاروں کا گھر دکھا دونگا

تفسیر — اوپر کی آیات میں حضرت موسیٰ کی درخواست مشاہدہ کا جواب نفی معلق کی صورت میں دیدیا گیا۔ اب ارشاد ہوتا ہے کہ تم اپنے مرتبے کی حد سے آگے قدم نہ رکھو مناجات و خطاب سے گذر کر معائنہ و مشاہدہ کی طلب نہ کرو بس اسی کو غنیمت سمجھو۔ اس زمانہ کے تمام انسانوں پر ہم نے تم کو برتری عطا کی اپنے احکام پہونچانے کے لئے تمہارا انتخاب کیا اور تم سے کلام کیا تم پر لازم ہے کہ اس کا شکر ادا کرو۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے تختیوں پر لکھکر موسیٰ کو تمام ضروری احکام اور ہر قسم کے دینی و دنیوی مصالح تفصیل وار عطا کئے اور حکم دیا کہ ان پر خود بھی مضبوطی سے قائم رہو اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ ان الواح میں جو واقعی بہترین و مفید احکام و نصائح درج ہیں ان پر عمل کریں اور اب میں تم کو نافرمانوں کی بستی دکھاؤں گا۔

تفصیل مبحث — بظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ کو تمام لوگوں پر برتری حاصل تھی کیونکہ لفظ ناس میں کوئی تخصیص نہیں۔ ابن کثیر نے اس کا جواب دیا کہ الناس میں الف لام عہدی ہے جس سے اشارہ اُسی زمانہ کے آدمیوں کی طرف ہے یعنی موسیٰ کو اُس زمانے کے آدمیوں پر دو طرح کی فضیلت حاصل ہوئی تھی خدا تعالیٰ نے انواع رسالت یعنی صحیح عقائد عبادات معاملات وغیرہ کے تمام احکام دیکر تبلیغ پر مامور فرمایا دوسرے نعمت کلام سے سرفراز کیا۔

الواح کی تعداد کتنی تھی؟ اُن پر کیا لکھا ہوا تھا؟ اور وہ کس چیز کے بنے ہوئے تھے؟ یہ تمام امور مختلف فیہ ہیں۔ اہل کتاب کے نزدیک وہ دو تختے تھے۔ موجودہ توراۃ کے سفر خروج باب ۳۲ درس ۱۵ میں لکھا ہے کہ موسیٰ پھر کر پہاڑ سے اُتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے اُس کے ہاتھ میں تھے دونوں طرف اِدھر اُدھر لکھے ہوئے تھے اور وہ تختے خدا کے ساختہ تھے اور جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ خدا کا لکھا ہوا اور اُن پر کندہ کیا ہوا تھا۔ پھر اسی باب میں کچھ آگے لکھا ہے کہ جب موسیٰ نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پرستش کرتے دیکھا اور اُن کے شور و غل کی آواز سنی تو اُن لوحوں کو پھینک دیا اور پہاڑ کے نیچے اُنکو توڑ ڈالا۔ پھر باب ۳۴ میں لکھا ہے کہ خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنے لئے پہلی لوحوں کے مطابق دو لوحیں پتھر کی تراش اور میں ان لوحوں پر وہ باتیں جو پہلی لوحوں پر تھیں جنہیں تو نے توڑ ڈالا لکھونگا صبح کو تیار ہو جا اور سویرے کوہ سینا پر چڑھ اور میرے آگے وہاں پہاڑ کی چوٹی پر حاضر ہو۔ اس تمام تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء اہل کتاب کے نزدیک حضرت موسیٰ کو پتھر کے دو تختے عطا ہوئے تھے جن پر احکام لکھے تھے لیکن وہ کتنے اوامر و احکام تھے؟ اس کے متعلق علماء اہل کتاب کا خیال ہے کہ اُن الواح کی تعداد سات یا نو تھی اور وہ یاقوت سرخ یا زمرد وغیرہ کے بنے ہوئے تھے جب موسیٰ نے اُن کو توڑ ڈالا تو پھر بحکم الٰہی پتھر کے تختے بنائے گئے۔

علماء اسلام کا خیال ہے کہ الواح سے مراد توراۃ ہے۔ چالیس[۴۰] روز کے چلہ کے بعد حضرت موسیٰ کو کوہ سینا پر توراۃ ملی تھی اور اُن تختیوں پر تمام

ضروری مسائل درج تھے۔ بنی اسرائیل کے لئے جن احکام کی تفصیل کی ضرورت تھی اور جو نصیحت اُن کے لئے مفید تھی وہ سب اُن میں موجود تھی۔ قرآن پاک کی آیت اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز سفر استثناء کے باب ۲۷ آیت ۸ میں مذکور ہے کہ "بر آں سنگہا تمامی کلمات ایں توریت را بخط روشن بنویس"۔ اور کتاب یشوع کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کے حکم کے موافق ایک مذبح بنایا اور اُس کے پتھروں پر توریت کو لکھ دیا۔

قوت کے ساتھ لینے کے معنی بقول ابن عباس یہ ہیں کہ جو کچھ اُسمیں حلال کیا گیا ہے اُس کو حلال سمجھو اور جو کچھ حرام کیا گیا ہے اُس کو حرام جانو اور اُس پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرو۔

یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا کے لفظ سے شبہہ ہوتا ہے کہ شاید تورات میں کچھ احکام غیر احسن اور قبیح بھی تھے۔ اس کا جواب زمخشری نے کشاف میں دیا ہے جسکو بیضاوی اور امام رازی نے بھی پسند کیا ہے کہ جو احکام تکلیفیہ بنی اسرائیل کو دیئے گئے تھے اُن میں بعض حسن تھے اور بعض احسن۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ ہر شخص اُسی بات پر خود بھی عمل کرے اور دوسرے کو بھی آمادہ کرے جو بھلائی میں زیادہ اور ثواب میں بیش ہو مگر اس فقیر کے نزدیک یہ جواب کچھ زیادہ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ تورات میں جو احکام حسن کا درجہ رکھتے ہیں وہ مامور بہ کے خلاف اور ممنوع قرار پائیں اور درجۂ جواز سے بھی ساقط ہو جائیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ورنہ حسن احکام کے نزول کا فائدہ کچھ نہ ہوگا۔ بلکہ صحیح مطلب تحقیق لغوی کے مطابق بالکل صاف ہے اَحْسَنِهَا میں اضافت ہے۔ اور اضافت جسطرح بتقدیر لام و من ہوتی ہے۔ اسی طرح بتقدیر فی بھی ہوتی ہے یہاں اضافت بتقدیر فی ہے۔ احسن ضرور افعل التفضیل ہے لیکن تفضیل البعض یا التفضیل الکل مراد نہیں ہے۔ بلکہ تفضیل نفسی مراد ہے یعنی واقع میں بغیر لحاظ امر آخر کے ان احکام میں بہت زیادہ حسن ہے اب مطلب ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل ان احکام پر عمل کریں جو ذاتی طور پر بہترین ہیں اور تورات میں درج ہیں۔ واللہ اعلم۔

دَارَ الْفٰسِقِيْنَ سے مراد عطیہ عوفی کے نزدیک ملک مصر ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل لوٹ کر مصر نہیں گئے۔ حسن و عطا کے نزدیک اس سے مراد جہنم ہے۔ سدی کے نزدیک دیار جبابرہ و عمالقہ مراد ہے۔ قتادہ نے خاص کر ملک شام مراد لیا ہے۔ یہ واقعات اور قرینہ کے مطابق ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ کوئی مخصوص مکان مراد نہیں بلکہ درحقیقت یہ تہدید و وعید ہے جس طرح زید اپنے مخاطب سے کہتا ہے۔ کہ میں تجھے دو روز میں دکھا دوں گا۔ کہ مخالفت کرکے کیسی خانہ بربادی ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی دھمکی کے کلمات ہیں مجاہد و حسن بصری اسی معنی کے قائل ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی یہی تفسیر زیادہ موزوں ہے۔

مقصود بیان: خواہش مشاہدہ سے باز رہ کر حد مناجات پر قناعت کرنے کی تلقین۔ رسالت و مکالمہ کے عظیم القدر ہونے کی صراحت۔ اس امر کی صراحت کہ نبی اپنے زمانے کے لوگوں سے برتر ہوتا ہے۔ اس امر کی طرف ایماء کہ رسالت و نبوت عطیۂ الٰہی ہے کسبی نہیں۔ اسی لئے اس کا شکریہ واجب ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو تختوں پر لکھی ہوئی تورات یکدم ملی تھی۔ رفتہ رفتہ احکام نازل نہ ہوتے تھے۔ تورات میں اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق تمام ضروری احکام درج تھے حضرت موسیٰؑ بھی تورات پر کاربند رہنے پر مامور تھے۔ نبی پر دو فرض ہوتے ہیں۔ اول خود نہایت پختگی کے ساتھ تعمیل حکم الٰہی کرنا۔ اور پھر دوسروں کو تبلیغ کرنا۔ احکام الٰہی سب سے بہترین ہوتے ہیں۔ وغیرہ

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ

اور اپنی آیتوں سے عنقریب اُن لوگوں کو پھیر دونگا جو ناحق ملک میں

فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ

سرکشی کرتے ہیں — اگر یہ لوگ تمام نشانیاں دیکھ لیں

لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ

تب بھی اُن پر ایمان لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں

لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ

تب بھی اُسکو راہ عمل نہ بنائیں اور اگر کج کا راستہ دیکھیں

يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

تو اُسکو راہ عمل بنائیں اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھا

وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

اور اُن سے غافل رہے — جن لوگوں نے ہماری

بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ

آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھوٹ سمجھا اُن کے اعمال اکارت گئے

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع

جیسا وہ کرتے تھے ویسی ہی اُن کو سزا دی جائے گی

تفسیر اوپر کی آیات میں حضرت موسیٰ کو حکم دیا گیا تھا کہ توریت پر مضبوطی سے قائم رہو۔ اور بنی اسرائیل کو بھی اس پر عمل کرنے کا حکم دو۔ ان آیات کا ماحصل ارشاد یہ ہے کہ گمراہی اور ہدایت ہمارے اختیار میں ہے۔ جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں بصیرت عطا کرتے ہیں۔ وہ آیات قدرت میں غور و تامل کرتا ہے۔ ان سے صانع قادر پر استدلال کرتا ہے۔ نبی کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور جن کو چاہتے ہیں گمراہ چھوڑ دیتے ہیں۔ آثار قدرت پر غور نہیں کرتا احکام منزلہ کو نہیں مانتا۔ انبیاء کی تعلیم پر نہیں چلتا۔ اس کی طبیعت کج رو ہوتی ہے۔ قدرت کی ہر نشانی اس کے لئے بےسود ہوتی ہے اس کو کسی طرح یقین نہیں آتا راہ راست پر نہیں چلتا۔ ہاں گمراہی کو اختیار کرتا ہے۔ خدا بھی ایسے شخص کی نظر پھیر دیتا ہے۔ آیات منزلہ اور آثار قدرت میں غور کرنے کا اس کو موقعہ ہی نہیں رہتا۔ مگر اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی ظلم نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ اس کے کئے کی سزا ہوتی ہے۔ وہ خود تکذیب آیات کرتا ہے اور آثار صنعت کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ خدا بھی اس کی نظر پھیر دیتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعلیم پر نہ چلنے والے آیات الٰہیہ کی تکذیب کرنے والے اور قیامت کا انکار کرنے والے اس بات پر مغرور نہ ہوں کہ انہوں نے کچھ نیکیاں کی ہوں گی تو ان کی جزا ان کو ملے گی۔ ایسی بے ضابطہ اور خلاف قاعدہ بھلائیاں بھی قابل اعتبار نہیں۔ شرک و انکار کے ساتھ تمام اعمال خیر رائگاں جاتے ہیں اور ان کا رائگاں جانا خود انہی کے کرتوت کی پاداش میں ہے خلاصہ یہ کہ کافر منکر کی کوئی نیکی قبول نہیں کرتا۔

مختصر تشریح آیات سے مراد عام آیات ہیں۔ خواہ وہ آیات ہوں جو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل فرمائی ہیں۔ یا وہ نشانہائے قدرت ہوں جو عالم میں بصیرت اندوز نظر رکھنے والے کے لئے خدا تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں۔

تکبر ناحق کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ ان لوگوں کو تکبر کا استحقاق نہیں ہوتا۔ ان کے اندر کوئی بڑائی نہیں ہوتی۔ پھر بھی ناحق طور پر وہ اپنے کو بڑا جانتے۔ اور آیات الٰہی سے سرکشی کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے اندر دو خرابیاں ہیں ایک تو تکبر کرتے ہیں جو بہر حال ناجائز ہے خواہ حق پر ہو یا باطل پر ہو۔ دوسرے یہ کہ ان کے پاس خفایت بھی نہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں۔ جس پر وہ تکبر کر سکیں۔ باطل پر تکبر کرتے ہیں۔

مقصود بیان: ۔ آیات الٰہی پر غور کرنا۔ اور ان سے بصیرت و عبرت حاصل کرنا واجب ہے۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں۔ بلکہ ہر شخص جس طرح اپنی قوت کو متوجہ کرتا ہے خدا بھی ویسا ہی کر دیتا ہے بعض اشخاص کو دنیا میں بھی ان کے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ جو شخص گمراہی و سرکشی میں گھستا چلا جائے اور خدا تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اس کے طبعی میلان اور گذشتہ کرتوت کی سزا ہے۔ کافر و مشرک کی کوئی نیکی قبول نہیں۔ فقط توحید و اقرار رسالت اور عمل خیر نجات کے لئے کافی نہیں جب تک قیامت اور اس کی سزا جزا پر ایمان نہ ہو۔ وغیرہ

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ

اور موسیٰ کی قوم نے موسیٰ کے جانے کے بعد اپنے زیوروں کا

حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا

ایک بچھڑا یعنی ایک جسمہ بنا لیا جسکی گائے جیسی آواز تھی کیا انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا

اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ

کہ نہ وہ اُن سے بات کرتا ہے نہ اُن کو رہنمائی کرتا ہے

اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا سُقِطَ

اس کو انہوں نے معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے اور جب وہ

فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا

پچتائے اور دیکھا کہ واقعی وہ گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے

لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا

اگر ہم پر ہمارا رب رحم نہ کرے گا اور ہم کو نہ بخشے گا

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

تو ہم ضرور زیاں کار ہو جائیں گے

تفسیر جب حضرت موسیٰ توراۃ لینے گئے اور ایک معین میعاد مقرر کر کے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین بنا کے طور پر چلے گئے۔ اور وہاں دس روز کی تاخیر ہو گئی تو بنی اسرائیل اخیری دنوں میں بدگمانی کرنے لگے۔ راستہ میں ویسے ہی بت پرست قوموں کی طرف سے گذر ہوا تھا۔ جن کو دیکھ کر ان کا بھی بت پرستی کے لئے دل للچایا تھا۔ مگر حضرت موسیٰ کے ڈانٹنے سے چپ ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ معزز قبطیوں کو گئو پوجا کرتے

دیکھا تھا اور طبعاً اس کے خوگر ہو گئے تھے۔ اب حضرت موسیٰ کی طویل غیبت کی وجہ سے ان کی جہالت کو آزادی ملی۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص سامری سنار تھا اور بڑا عیار تھا۔ بنی اسرائیل کے پاس قبطیوں سے مانگ کر لائے ہوئے سونے کے زیور تو موجود ہی تھے بس فوراً اس نے لوگوں سے زیور لیکر ایک بچھڑا اڈھالا۔ اور اس کے پیٹ کے اندر وہ خاک ڈالدی جو حضرت جبرئیل کے قدم کے نیچے سے اس نے حاصل کی تھی۔ حضرت جبرئیل ایک روز سوار کی صورت میں حضرت موسیٰ کے پاس آئے تھے۔ سامری کو کسی ڈھب سے اطلاع ہو گئی۔ جب جبرئیل ع واپس جانے لگے تو اس نے دیکھا کہ جہاں گھوڑے کا قدم پڑتا ہے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی ہے۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ خاک حیات بخش ہے۔ بس فوراً تھوڑی سی خاک لیکر رکھ لی، اور وہی خاک بچھڑے کے پیٹ میں ڈالدی، بچھڑا اچھا خاصہ زندہ گوسالہ معلوم ہونے لگا۔ اور بے ڈھب چیخیں مارنے لگا۔ بنی اسرائیل نے یہ عجیب واقعہ دیکھا تو چونکہ محسوس پرستی کے خوگر تھے فوراً بلا تامل اس بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔ یہ نہ سوچا کہ یہ بچھڑا نہ تو باتیں کر سکتا ہے نہ ہماری کسی طرح رہنمائی کرنے کی اس میں طاقت ہے۔ پھر اس کی پرستش کیوں کریں۔ مگر چونکہ صحیح تصور اور صحیح عمل کی ان میں طبعی اور عادی خو بو نہ تھی۔ عقل و نظر سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ شان الوہیت کسی عاجز مخلوق میں کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس لئے بلا تامل لگے سجدے کرنے۔ لیکن حضرت موسیٰ ع کی واپسی کے بعد جب حقیقت واقعہ کا ان کو علم ہوا۔ اور اپنی گمراہی ثابت ہو گئی تو بہت پشیمان ہوئے اور بڑی توبہ استغفار کی۔

تفصیل اجزاء جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ فقط بچھڑے کی صورت ہی نہ رہی تھی بلکہ اچھا خاصہ جیتا جاگتا گوسالہ بن گیا تھا اور وہ بچھڑا بعض کے نزدیک صرف ایک مرتبہ بولا تھا۔ لیکن بعض مفسرین کا قول ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد متعدد آوازیں نکالتا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑتے تھے اور جب وہ چپ ہو جاتا تھا تو سجدہ سے سر اٹھاتے تھے۔ وہب کا قول ہے کہ اس کی فقط آواز نکلتی کوئی حرکت نہ کرتا تھا۔ لیکن سدی اس کے متحرک ہونے کے بھی قائل ہیں۔

بچھڑا سونے کا تھا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی ترکیب سے سامری نے اس کو کھوکھلا بنایا تھا۔ کہ اس کے اندر ہوا بھر جاتی تھی اور کسی قدر باؤ کے ساتھ منہ سے نکلتی تھی۔ جس کی وجہ سے سامری کے بہکانے سے بیوقوف لوگوں نے یقین کر لیا کہ یہ صرف ہمارا ہی

خدا نہیں بلکہ موسیٰ ع کا بھی معبود ہے۔ لیکن اکثر مفسرین کا قول وہی ہے کہ اس بچھڑے کی آواز حضرت جبرئیل کے قدم کے نیچے کی خاک کی وجہ سے تھی جس کا خود قرآن میں ذکر موجود ہے۔ بھلا گر وہ کہتا ہے (القرآن) صرف سامری کا عذر نقل کیا ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ وہ صحیح بھی ہو غالباً تو یہ بات ہے کہ سامری نے اپنی کارستانی چھپانے کے لئے حضرت موسیٰ سے یہ جھوٹا عذر کر دیا ہو۔

گوسالہ پرستی کتنے لوگوں نے کی تھی۔ تو اس کے متعلق حسن بصری کا خیال ہے۔ بلکہ روایت ہے۔ حضرت ہارون کی سب قوم نے پوجا کی تھی۔ کیونکہ آیت میں عموم ہے اس کے علاوہ حضرت موسیٰ نے توبہ و استغفار کرتے وقت صرف اپنی ذات اور اپنے بھائی کی ذات کو مخصوص فرمایا۔ دیگر علماء کا قول ہے کہ کچھ لوگوں نے گوسالہ پرستی کی تھی۔ کیونکہ قوم بنی اسرائیل میں کچھ لوگ اہل ارشاد و ہدایت بھی تھے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ الآیۃ۔ اور ایسے ہدایت یافتہ ہادیان سے گوسالہ پرستی کا ارتکاب بعید ہے۔

مقصود بیان:۔ بنی اسرائیل کی طبعی اور عادی محسوس پرستی کے شوق کا اظہار۔ ان کی سرکشی اور سخت دلی کی صراحت۔ نیز ان کی بیوقوفی اور جہالت کی نقل۔ ان لوگوں کو تنبیہ جو شان الوہیت کسی مخلوق میں تصور کرتے ہیں۔ اور عقل و نظر سے بالکل اندھے بنجاتے ہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معبود کا خود مختار ہادی و قادر ہونا ضروری ہے۔ اس امر کی تصریح کہ بنی اسرائیل کو اپنی گمراہی کا بعد کو علم ہو گیا تھا۔ اور ان کو اپنے کئے کا پچھتاوا بھی ہوا تھا وغیرہ۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ

موسیٰ جب اپنی قوم کے پاس غم و غصہ میں بھرے ہوئے لوٹ کر

اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ

آئے تو بولے میرے بعد تم لوگوں نے بہت بری نیابت کی

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ

کیا تم اپنے پروردگار کے حکم پر جلدی کر بیٹھے موسیٰ نے تختیاں پھینکدیں اور

اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ

اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے ہارون نے کہا

ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا

میرے ماں جائے قوم نے مجھے ناتوان سمجھا اور قریب تھا

یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ

کہ مجھے مار ڈالیں اب آپ دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسوائیں

وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالَ

اور ظالم قوم کے ساتھ مجھے شامل نہ کریں ۔ موسیٰ نے کہا

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ

پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو بخشدے اور ہم کو اپنی رحمت میں لیلے

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ ع

تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے

تفسیر اُدھر طور پر حضرت موسیٰ کو بذریعۂ وحی قوم کی حالت کی اطلاع ملی تو آپ غضبناک ہو کر وہاں سے لوٹے اور آکر قوم کا حال دگرگوں پایا تو بولے میرے کوہ طور پر جانے کے بعد تم یہ کیا بری حرکت کر بیٹھے؟ کیا میری نیابت و جانشینی کا یہی اقتضاء تھا؟ میں تو صرف چالیس دن کے لئے تورات لینے گیا ہوا تھا۔ اس مدت کے اختتام کا بھی انتظار نہ کیا ایسی عجلت کی کہ حکم پروردگار کا انتظار کئے بغیر جھٹ پٹ گوسالہ بنا کر پوجنا شروع کر دیا اتنا بھی توقف نہ کیا کہ میں خدا کے احکام لینے گیا ہوں آ تو جاؤں اور خدا کے حکم تم تک پہونچ تو جائیں۔ یہ کہکر غصے اور رنج کے مارے توریت کی وہ تختیاں جو طور سے لائے تھے جلدی سے ایک طرف کو رکھ کر اپنے بھائی ہارون کے سر کے بال پکڑ کر علی الاعلان کھینچنے لگے کہ تم نے بچھڑا بناتے وقت کیوں نہ روکا۔ حضرت ہارون نے انتہائی لجاجت سے عذر پیش کیا اور بنی اسرائیل کی سرکشی ظاہر کی جس کے بعد حضرت موسیٰ کا غصہ فرو ہوا اور آپ نے اپنے اور اپنے بھائی کی طرف سے بارگاہ الٰہی میں دعا و استغفار اور اظہار برات کیا۔

تحقیق مبحث یہ فعل حضرت ہارون کی شرکت سے نہ تھا بلکہ محض سامری نے ایسا کیا تھا۔ قرآن کی صراحت سے یہی ثابت ہوتا ہے لہذا توریت کی وہ صراحت غلط ہے جس میں حضرت ہارون کو اس حرکت کا مرتکب قرار دیا گیا ہے کیونکہ نبی کی شان اس قسم کی لغویت سے بہت بلند ہے۔

(۲) اَلْقَی الْاَلْوَاحَ کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے توریت کی تختیاں پھینکدی تھیں اور وہ ٹوٹ بھی گئی تھیں یہانتک کہ اُن کے چھ ساتویں ٹکڑے ہو گئے اور صرف مواعظ کا حصہ باقی رہ گیا باقی غیبی اطلاعات کا جتنا حصہ تھا وہ سب مٹ گیا۔ بعض لوگ ابن عباس سے اس قسم کی ایک روایت کرتے ہیں لیکن اس کی تردید خود قرآن کی اس صراحت سے ہوتی ہے کہ جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے تختیوں کو لے لیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الواح بجالہا باقی تھیں پھر کلام الٰہی کی تختیوں کو بدتہذیبی سے پھینکنا شان نبوت کے خلاف ہے۔ اس لئے امام رازی نے تفسیر کبیر میں کہا کہ قرآن مجید میں تختیوں کو پھینکدینے اور اُن کے ٹوٹ جانے کا کہیں تذکرہ نہیں البتہ لفظ القاء مذکور ہے لیکن القاء کے معنی پھینکدینے کے لینا لازم نہیں بلا غضب کی حالت میں ایک طرف کو رکھدینے کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

(۳) یہاں پر حضرت ہارون کے سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچنا مذکور ہے لیکن دوسری آیت میں داڑھی کو پکڑ کر کھینچنا بیان کیا گیا ہے اور بظاہر دونوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ دائیں ہاتھ سے سر کے بالوں کو اور بائیں ہاتھ سے داڑھی کو پکڑ کر کھینچا ہو۔ اس تصریح کے بعد کوئی اختلاف بیان نہیں رہتا۔

مقصود بیان: کوئی نبی معصیت الٰہی پر رضامند نہیں ہو سکتا آیت بتا رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے مقابلہ میں بھائی برادر اور بڑے چھوٹے کی محبت کوئی چیز نہیں۔ سب سے ترک تعلقات اور سب کو انتہائی سرزنش کرنا لازم ہے جسطرح حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کی سخت گرفت کی اور کچھ پرواہ نہ کی کہ یہ میرا بھائی ہے۔ آیات بتا رہی ہیں کہ موسیٰ کے مقابلہ میں ہارون کا اثر قوم میں کم تھا۔ حضرت ہارون نے بقدر امکان گوسالہ پرستی سے روکا لیکن جب قوم والے مار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے تو آپ نے یکسوئی اختیار کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک کو تاحد امکان روکنا چاہئے جب جان کا اندیشہ یقینی ہو جائے اُس وقت اگر یکسوئی اختیار کر لی جائے تو قابل مؤاخذہ نہیں۔ شماتت اعداء بُری بلا ہے۔ انبیاء بھی اس سے بچنے کی استدعا کرتے تھے۔ ظلم کا ابتدائی درجہ اگرچہ معمولی گناہ ہے مگر انتہائی درجہ شرک و کفر ہے اسی لئے کافروں کو بھی ظالم کہا گیا۔ بنی اسرائیل بڑی سرکش قوم تھی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ

بیشک جن لوگوں نے گوسالہ کو معبود بنا لیا تھا ان پر اُن کے رب کا غضب

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَكَذٰلِكَ

اور دنیوی زندگانی میں ذلت پہونچے گی اور افترا پردازوں کو

نَجۡزِی الۡمُفۡتَرِیۡنَ ○ وَالَّذِیۡنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ

ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جن لوگوں نے برے کام کئے

ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہَا وَاٰمَنُوۡۤا اِنَّ رَبَّکَ

پھر اُن کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو تمہارا رب

مِنۡۢ بَعۡدِہَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○

اس توبہ کے بعد ضرور ان کو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے

تفسیر اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ بعض علماء اس آیت کے ظاہری الفاظ کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ اور بعض مجازی معنی لیتے ہیں اول گروہ کے نزدیک یہ مطلب ہوگا کہ حضرت موسیٰؑ سے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے واقعی گوسالہ پرستی کی ان کی سزا مقرر ہو چکی ہے۔ دو قسم کی سزا ان کو برداشت کرنی ہوگی۔ ایک تو اللہ کی طرف سے ان پر غضب ٹوٹیگا یعنی ان کو قتل کیا جائیگا۔ دوسرے ذلت اٹھانی ہوگی۔ اور یہ ذلت صرف انہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ قانونِ قدرت بھی ہے کہ خلافِ قدرت عمل کرنے والوں اور خدا پر بہتان باندھنے والوں کو یونہی ذلت نصیب ہوتی ہے ہاں جو لوگ گناہوں سے تائب ہو کر صدقِ دل سے ایمان لے آئینگے تو خدا ان کو معاف کر دیگا۔

دوسرے گروہ کا قول ہے کہ ان آیات سے وہ لوگ مراد ہیں جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں موجود تھے اور اپنے اسلاف پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور اسلاف کے اس قبیح فعل کو بنظر استحسان دیکھا کرتے تھے چونکہ وہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کو موردِ طعن اور مرتکب جرم قرار دینے پر راضی نہ تھے۔ اس لئے ان کو گوسالہ پرست کہا گیا اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ اس زمانہ میں جو یہودی شرک و نافرمانی پر اڑے ہوئے ہیں۔ اور رسول اللہ کے برخلاف ہیں۔ عنقریب ان کو آخرت میں غضب الٰہی پہونچیگا۔ سخت سزا میں ماخوذ ہوں گے اور دنیا میں بھی ان کو ذلت نصیب ہوگی قتل ہوں گے جلا وطن کئے جائیں گے جزیہ دیں گے۔ حکومت جاتی رہیگی۔ ابن عباسؓ سے بھی یہی تفسیر مذکور ہے۔ لیکن اس پر یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے مدینہ کو اس وقت تک ہجرت نہ ہوئی تھی۔ پھر یہودیوں کا رسول اللہ سے سرکشی کرنا اور مخالفت پر اڑے رہنا۔ کیا معنی رکھتا ہے اس کا جواب اس طور پر دیا گیا ہے کہ ان آیات میں غیب کی خبر اور آئندہ والے واقعات کی اطلاع دیگئی ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اگر ابن عباسؓ سے مؤخر الذکر تفسیر کی روایت پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے تب تو کسی دوسری مؤخر الذکر تفسیر کا جواز ہی ساقط ہو جاتا ہے۔ صحابی سے بہتر کلام پاک کی تفسیر کون کر سکتا ہے۔ اور اگر روایت ثابت نہ ہو تو صاف معنی یہ ہیں کہ کلام کو حقیقت پر محمول کیا جائے۔ چونکہ آیات میں گوسالہ پرستوں پر دو قسم کے عذاب کا نزول بیان کیا ہے ایک تو غضب الٰہی میں مبتلا ہونا دوسرے دنیوی ذلت میں ماخوذ ہونا۔ تو واضح مطلب اس صورت میں ہوگا کہ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی۔ بچھڑے کو واقعی طور پر پوجا ان کو آخرت میں عذاب الٰہی پکڑیگا۔ اور دنیا میں طرح طرح کی ذلتیں ان کو نصیب ہوں گی۔ کبھی کیخسرو ان کی نسل کو عام طور پر یروشلم میں قتل کرے گا کبھی بخت نصر کے ہاتھوں ان کی تباہی ہوگی وہ خود جنگلوں میں مارے مارے پھریں گے۔ اور ذلت و مسکنت سے ان کو دوچار ہونا پڑے گا۔ ہاں ان میں سے جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اسی طریقہ پر توبہ کر لی جو ان کے لئے مقرر ہو چکا ہے تو وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائینگے اور ان کی نسل کو ذلت نہ اٹھانی پڑیگی۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیگا۔

تحقیق مبحث (۱) کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُفۡتَرِیۡنَ کا مطلب یہ ہے کہ قانونِ قدرت صرف گوسالہ پرستوں کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ کوئی مفتری ہو۔ غیر اللہ کی پرستش کرتا ہو ظالم حق ناشناس ہو اس کو ایسی ہی سزا دیجاتی ہے۔ اس میں عرب کے مشرکوں کو بھی تہدید ہے جو سانڈھ چھوڑا کرتے تیروں سے فال لیا کرتے مردار کھایا کرتے ننگے بدن طوافِ کعبہ کرتے اور بت پرستی میں بھی انہماک رکھتے تھے۔ اس وعید میں اسلام کے بدعتی بھی شامل ہیں جو اسلام کے عقائد و عبادات اور اعمال و رسوم میں اپنی طرف سے اختراع کرتے اور ان کو احکام اسلامی جانتے ہیں۔ مالک بن انسؒ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی کے سر پر ذلت سوار ہوگی۔ اگرچہ اس کو شعور نہ ہو۔ کیونکہ دین میں بدعت پیدا کرنے والا افترا پرداز ہے ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ واللہ یہ حکم قیامت تک ہر مبتدع و مفتری کے لئے ہے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ہر بدعت والا ذلیل ہوتا ہے۔

(۲) تَابُوۡا کے بعد لفظ اٰمَنُوۡا ذکر کیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حکم صرف اہل ایمان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ کافر ہو یا مسلم جو بھی توبہ کرنے کے بعد ایمان لائیگا خدا تعالیٰ اس کو معاف فرما دیگا حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اسلام لانے سے تمام گذشتہ گناہ مٹ جاتے ہیں۔ اور آدمی ایسا صاف ہو جاتا ہے۔ گویا آج ہی پیدا ہوا ہے لہٰذا مومن اگر گناہ سے توبہ کرے تو آئندہ اس کا ایمان یہ ہے کہ تقویٰ اور صلاح پر قائم رہے۔ اور احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرے۔ اور کافر کی توبہ کے ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ

کی پرستش چھوڑ دے۔ عقائد اسلامیہ کا یقین رکھے۔ اور اعمال اسلامی پر کاربند ہو جائے۔

مقصود بیان:۔ اس امر کی صراحت کہ یہودیوں میں سے مخصوص طبقہ دنیوی ذلت میں گرفتار ہوگا۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ تمام اہل ہوی اور مفتری دنیا میں تباہ اور ذلیل اور آخرت میں رسوا و خستہ ہوں گے۔ ہر قسم کے گناہ و شرک کے بعد در توبہ کے کھلے رہنے کا اعلان۔ احکام الٰہی کی نافرمانی خلاف ورزی سے ترہیب اور اسلام و تقویٰ کی ترغیب۔ وغیرہ۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ

جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے تختیاں

الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ

اٹھائیں ان کے مضامین میں اُن لوگوں کے لئے جو اپنے

لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ۝

رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی

تفسیر اس کا اتصال گذشتہ قصہ سے ہے یعنی جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لعنت ملامت۔ بھائی کو سرزنش اور توبہ و استغفار کر چکے اور غصہ ساکن ہو گیا۔ تو آپ نے تختیاں اٹھائیں اُن میں احکام شریعت اور ہدایت و موعظت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں جن پر چل کر اہل سعادت و تقویٰ نجات حاصل کر سکتے تھے اور رحمت الٰہی اُن کے شامل حال ہو سکتی تھی۔ گویا اُن الواح میں ایسی باتیں درج تھیں جو گمراہی سے نکال کر ہدایت اور عذاب سے بچا کر رحمت کی طرف لانے والی تھیں۔ حافظ ابن کثیر نے یہاں قتادہ رض کی ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ جس کو صاحب معالم نے بھی بیان کیا ہے ہم بھی اس کو بطور اختصار بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ قتادہ رض کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ نے الواح کو پڑھا۔ تو اس میں بہت سی باتیں ان کو ملیں۔ عرض کیا پروردگا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک بہترین امت ہوگی۔ جو بھلائی کا حکم دیگی، اور برائی سے روکیگی تو وہ امت میری بنا دے۔ ارشاد ہوا وہ امت احمد ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک امت سب سے بعد کو آئیگی مگر سب سے سابق ہوگی تو وہ امت میری بنا دے۔ ارشاد ہوا وہ امت احمد ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جس کی انجیلیں اس کے اس کے سینوں میں ہوں گی۔ یعنی ان کو حفظ ہوں گی۔ اور وہ پڑھا کریں گے تو وہ میری امت بنا دے۔ حکم ہوا وہ امت احمد ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جن کا ایمان اپنی کتاب پر نیز گذشتہ کتابوں پر ہوگا جو گمراہوں سے جہاد کریں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ تو اس کو میری امت بنا دے۔ حکم ہوا وہ امت احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جو اپنے صدقات خود کھائیگی۔ اور اُس کا ثواب پائیگی۔ تو اس کو میری امت بنا دے۔ ارشاد ہوا وہ امت احمد ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جو اگر نیکی کرنے کا ارادہ کریگی تو اس کو ایک نیکی کا ثواب ملیگا۔ اور اگر کرلے گی تو دس گونہ سے لیکر سات سو گونہ تک اس کو ثواب ملیگا تو اس کو میری امت بنا دے۔ ارشاد ہوا وہ امت احمد ہے عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جو قیامت کے دن شفاعت کریگی۔ اور اس کی شفاعت مقبول بھی ہوگی تو اس کو میری امت کر دے۔ حکم ہوا وہ امت احمد ہے۔ قتادہ رض کہتے ہیں کہ ہم سے کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے الواح کو ہاتھ میں لے کر عرض کیا کہ پروردگار مجھکو احمد کی امت میں کر دے۔

اس روایت میں اگرچہ ضعف ہو لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ جن امور کا اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے اور جو خصوصیات امت احمدیہ کے بیان کئے گئے ہیں ان کا تذکرہ تورات میں ضرور تھا اور تمام علامات بیان کی گئی تھیں۔ مزید ثبوت کے لئے دیکھو کتاب دین اللہ مؤلفہ ڈاکٹر توفیق مصری۔ مطبوعہ مصر۔

مقصود بیان:۔ اہل ایمان کو ترغیب و بشارت اس بات کی طرف ایما کہ غصہ انسان کو مختل الحواس کر دیتا ہے اور وہ غضب کی حالت میں اصل مقصود کی طرف سے تھوڑی دیر کے لئے جائز و ناجائز چشم پوشی کر لیتا ہے۔ اور جب غصہ فرو ہو جاتا ہے تو پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس امر کی صراحت کہ تورات میں ہدایت و رحمت دونوں چیزیں تھیں۔ گمراہی سے بچنے کے طریقے بھی بتائے گئے تھے۔ اور عذاب سے محفوظ رہنے کے قوانین بھی اس بات کی ضمنی وضاحت کہ احکام الٰہی قوانین شریعت اور قواعد ہدایت و رحمت سے حقیقی فائدہ اُنہی لوگوں کو ہوتا ہے جو اہل تقویٰ اور صاحب ورع ہوتے ہیں۔ جن کے خمیر میں خدا ترسی اور پرہیزگاری گوندھی ہوئی ہوتی ہے جن کی سرشت میں ہدایت کا مادہ اور تمام مصالحہ تیار ہوتا ہے صرف دیا سلائی گھسنے اور برقی بٹن دبانے کی دیر ہوتی ہے۔

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا

اور موسیٰ نے ہمارے مقرر کردہ وقت کے لئے اپنے قوم کے ستر آدمی

لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ

جن لئے اور جب اُن کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو موسیٰ نے کہا

رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ۖ

پروردگار! اگر تو چاہتا تو پہلے ہی مجھے اور اُن کو ہلاک کر دیتا

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ

کیا اُس حرکت پر جو ہم میں سے نادان کر بیٹھے ہیں ہم کو ہلاک کئے دیتا ہے

اِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ

یہ سب تیرا ہی امتحان ہے تو اس میں جسے چاہے گمراہ کرے اور

تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ۖ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ

جسے چاہے ہدایت کرے تو ہی ہمارا کارساز ہے ہمکو بخشدے

لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ○

اور ہم پر رحم کر تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے

وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ

اور اس دنیا اور آخرت میں ہمارے لئے بھلائی مقدر

فِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ۖ قَالَ عَذَابِیْٓ

کردے ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں اللہ نے فرمایا اپنے عذاب میں

اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ

میں جسے چاہتا ہوں ڈالتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے

كُلَّ شَیْءٍ ۖ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ

ہوئے ہے تو وہ رحمت میں اُن لوگوں کے لئے لکھدونگا جو پرہیزگاری

یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ○

کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہمارے احکام پر ایمان رکھتے ہیں

تفسیر مفسرین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس میقات سے مراد وہی پہلا چلہ ہے جس میں حضرت موسیٰ کو توریت دی گئی یا دوسرا میقات مراد ہے۔ قول اول کو زمخشری نے اختیار کیا ہے موجودہ توریت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ سفر خروج کے باب ۲۴ میں ہے کہ موسیٰ پہاڑ کے اوپر بلائے گئے وہاں سے نیچے اتر کر بنی اسرائیل کے پاس آئے اور کہا تم نہادھو کر پاک صاف ہو لو۔ تیسرے روز تم پر خدا تعالیٰ جلال ظاہر کریگا چنانچہ سب لوگ پہاڑ کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور وہاں اُن پر خدا تعالیٰ کی تجلی ہوئی۔ اُس کے بعد خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا کہ تو اور ہارون اور ندب بنی اسرائیل کے ستر بزرگوں کے ساتھ اوپر چڑھ تب موسیٰ اُن لوگوں کو لیکر اوپر گئے اور موسیٰ پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور ایک بدلی نے پہاڑ کو ڈھک لیا اور کڑک شروع ہوئی اور خدا کا جلال کوہ سینا پر آیا اور موسیٰ بارہ دن چالیس رات دن وہاں رہے اور وہاں موسیٰ کو توراۃ دی گئی زمخشری کا قول ہے کہ اسی موقع کی بابت خدا تعالیٰ نے فرمایا واختار موسی الخ

لیکن معالم میں بروایت سدی بیان کیا گیا ہے کہ یہ دوسرا میقات ہے جو گوسالہ پرستی سے عذر کرنے کے واسطے مقرر ہوا تھا اور اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے ستر مرد چھانٹ کر اپنے ساتھ لاؤ جو اپنی قوم کی طرف سے گوسالہ پرستی کی معذرت کریں لیکن یہ ستر آدمی وہ ہوں جنہوں نے گوسالہ پرستی نہ کی ہو۔

ابوالشیخ نے ابن عباس کا قول بروایت قتادہ بیان کیا ہے کہ گوسالہ پرستی کے وقت یہ لوگ اپنی قوم سے الگ نہیں ہوتے تھے بلکہ اُن کے ساتھ مجتمع تھے اور قوم کو گوسالہ پوجنے سے منع نہیں کیا تھا۔ مجاہد اور ابن جریج سے بھی یہی مروی ہے۔

بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بارہ فرقے تھے۔ حضرت موسیٰ نے ہر فرقہ میں سے چھ آدمیوں کا انتخاب کیا۔ اس حساب سے کل بہتر ہو گئے اور دو کا اضافہ ہو گیا۔ تب آپنے دو کو کم کرنا چاہا لیکن جس کو کم کرنا چاہتے تھے وہی جھگڑا کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا جو شخص ساتھ نہ جائیگا اُس کو بھی وہی ثواب ملے گا جو ساتھ جانے والے کو ملے گا۔ یہ سن کر یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا رہ گئے اور باقی لوگ چلے گئے۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل میں سے اُن ستر اشخاص کا انتخاب کیا جو اوروں سے بہتر تھے اور اُن کو حکم دیا کہ پاک صاف ہو کر پاکیزہ کپڑے پہن کر روزے رکھو اور چل کر پروردگار سے توبہ کرو اور اپنی قوم کے واسطے مغفرت کے خواستگار رہو غرض سب لوگوں کو لیکر میقات موعود پر روانہ ہوئے۔ لوگوں نے درخواست کی کہ ہمارے واسطے بھی آپ اجازت حاصل کر لیجئے تاکہ ہم بھی پروردگار کا کلام سن سکیں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا اچھا اجازت مانگونگا۔ اس کے بعد

حضرت موسیٰ پہاڑ کے قریب پہنچے تو اُن پر ستون کی شکل میں ابر آگیا۔ اور اُس نے پھیل کر پہاڑ کو ڈھاک لیا۔ حضرت موسیٰ اُس ابر میں داخل ہوگئے۔ جس وقت آپ خداوند تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تھے تو پیشانی مبارک سے ایسا نور چمکتا تھا کہ کوئی شخص اُس طرف نظر اٹھا کر دیکھ نہ سکتا تھا۔ موسیٰ کے بعد اور لوگ ابر کے قریب پہونچے اور جونہی اُس کے اندر داخل ہوتے فوراً سجدہ میں گر پڑے اور سنا کہ خدا تعالیٰ موسیٰ کو امر و نہی فرماتا ہے۔ جب موسیٰ کی حالت مناجات جاتی رہی اور ابر کھل گیا تو حضرت موسیٰ سے وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم کو کیا معلوم کہ کون بول رہا تھا جب تک ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں ہرگز نہ مانینگے۔ حاصل ارشاد بر طریق تحقیق یہ ہے کہ جب گوسالہ پرستی کا قصہ طے ہوگیا تو موسیٰؑ نے اطمینان کے ساتھ توریت کے احکام سنائے۔ بنی اسرائیل شبہہ کرنے لگے کہ ہم کو کس طرح یقین آئے کہ یہ کتاب تم کو خدا نے دی ہے؟ اسپر حکم ہوا کہ موسیٰ اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے ساتھ لیکر طور پر پہونچے اور حق تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تب ساتھ والوں نے شبہہ نکالا کہ ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ یہ خدا ہی کلام فرما رہا ہے۔ کیا خبر کہ کون بول رہا ہے جب تک کھلم کھلا حق تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں اُس وقت تک یقین نہ آئیگا۔ اس گستاخی کی سزا میں نیچے سے زلزلہ شروع ہوا کہ پہاڑ کانپنے لگا اور اوپر سے کڑک نے آلیا کہ ستر کے ستر ہلاک ہوکر وہیں رہ گئے۔ موسیٰؑ نے جو یہ حال دیکھا تو گھبرائے کہ بنی اسرائیل شکی مزاج اور بدگمان تو ہیں ہی یوں کہینگے کہ اس حیلہ سے موسیٰ نے ستر سرداروں کو خدا جانے کہاں لیجا کر ہلاک کر دیا اسلئے دعا کی کہ پروردگارا یہ تو مجھے یقین ہے کہ اس قصہ سے ان گستاخوں کو سزا دینی مقصود ہے ہلاک کرنا مقصود نہیں کیونکہ اگر ہلاک کرنا مقصود ہوتا تو اس سے پہلے ہی جبکہ اور ان سب کو (فرعون کے ہاتھوں سے یا بوقت عبور سمندر کی موجوں سے) ہلاک کر دیتا۔ اس قصہ کی ضرورت ہی کیا تھی کہ لوگ زلزلہ سے اس طرح ہلاک ہوں اور میں قوم میں بدنام ہوکر بنی اسرائیل کے ہاتھوں ذلت اٹھاؤں۔ پس جب پہلے سے ایسا نہ کیا تو معلوم ہوا کہ اب بھی ہلاک کرنا مقصود نہیں ہے ہاں اس قصہ سے امتحان مقصود ہے کہ کون شکایت و ناشکری کر کے گمراہ ہوتا ہے اور کون حق تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا معتقد ہو کر ہدایت پر قائم رہتا ہے اور میں چونکہ معتقد ہوں اس لئے مجھے اطمینان ہے اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی حرکت و گستاخی بھی معاف فرما دی جائے کیونکہ تو ہی ہم سب کا کارساز ہے۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ میرا عذاب اختیاری ہے میں جس کو عذاب دینا چاہوں دلیسکتا ہوں یعنی مجرم اور غیر مجرم دونوں کو عذاب دلیسکتا ہوں۔ کوئی مجھ سے پوچھنے والا اور مجھے مجبور کرنے والا یا روکنے والا نہیں جو میں چاہوں کر دوں لیکن میری رحمت عام ہے دنیا میں ہر چیز کو محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں غیر مجرموں کو عذاب نہیں دیتا اور مجرموں میں سے بھی جسکو چاہتا ہوں معاف کر دیتا ہوں لیکن میری خصوصی رحمت کا ایک مقررہ قاعدہ ہے۔ جو لوگ اُس قاعدہ کے پابند ہیں وہ میری خصوصی نعمت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ یعنی جو لوگ اہل تقوٰی ہیں رضاءِ مولیٰ کے لئے تمام منہیات سے کنارہ کش رہتے ہیں اور محرمات و مشتبہات کو چھوڑ دیتے ہیں اور حقوقِ مالی ادا کرتے ہیں۔ مال کا مقررہ حصہ غریبوں کو دیتے ہیں اور ہماری کل آیات و احکام پر دل سے یقین رکھتے ہیں ان پر میری خصوصی نعمت ہوتی ہے اگرچہ عمومی نعمت ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تحقیق مبحث

(۱) رجفہ کی تحقیق میں بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد وہی صاعقہ ہے جس نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جن ستر آدمیوں کو زلزلہ نے پکڑا تھا وہ اور تھے اور جو کڑک سے مرے تھے وہ اور تھے۔ اول گروہ کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے قوم کو گوسالہ پرستی سے منع نہیں کیا اور اُن کے ساتھ سے الگ بھی نہ ہوئے اگرچہ خود پرستش گوسالہ نہ کی اور ثانی گروہ کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے آنکھوں سے کھلم کھلا خدا کو دیکھنے کی خواستگاری کی تھی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ قتادہ و مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن تحقیق یہی ہے کہ رجفہ (لرزہ) اور صاعقہ (کڑک) دونوں قسم کے عذاب اُنہی لوگوں پر نازل ہوئے تھے جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ طور پر گئے تھے اور خدا کو کھلم کھلا دیکھنے کی خواہش کی تھی۔

(۲) اللہ کی وسعت رحمت کے یہ معنی ہیں کہ کوئی چیز رحمتِ الٰہی سے بے بہرہ نہیں۔ معدوم کو خدا نے موجود کیا۔ رزق، نعمت، صحت، حکومت، جسمانی قوتیں، اور اکی طاقتیں، مال اولاد سب کچھ خدا نے دیا۔ ہر وقت نگرانی کیلئے غیبی مخلوق کو مامور کیا۔ اس میں کافر مسلم نیک بد کسی کی تخصیص نہیں۔ انسانوں کے علاوہ اور مخلوق کو بھی پیدا کر کے اُس نے رفتہ رفتہ کمال نوعی کی حد پر پہونچایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث میں جو صحیحین میں موجود ہے مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری رحمت سابق ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ میری رحمت غالب ہے۔

(۳) تقوی کرنا اور زکوٰۃ دینا اور آیات پر ایمان لانا ان تینوں امور کی صراحت اس لئے کی کہ یہی تین چیزیں تمام شرائع الٰہیہ کا لب لباب ہے کیونکہ احکام شریعت دو قسم کے ہیں ترک اور فعل۔ ترک کا مرتبہ فعل سے مقدم ہے کیونکہ آئینہ کی جب تک صفائی نہو اُس پر قلعی نہیں ہو سکتی۔ ترک سے مراد یہ ہے کہ جن امور کی شریعت میں ممانعت کر دی گئی ہے اُن سے اجتناب رکھا جائے خواہ اُن امور کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے حاصل یہ کہ نہ عقائد فاسد ہوں نہ اعمال بد یہ نہ کسی سے دشمنی بغض حسد کینہ رکھا جائے نہ چوری غیبت زنا شراب خواری قمار بازی وغیرہ منہیات کا ارتکاب

کیا جائے۔ جب یہ امور سرانجام کو پہونچ جائیں اور محرمات کی کدورت سے آئینۂ روح صاف ہو جائے تو پھر تعمیل اوامر کی قلعی ان پر چڑھائی چاہئے جانی اور مالی زکوٰۃ دیجائے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی بدرجۂ اکمل کی جائے۔ لیکن اعمال کی درستگی کے ساتھ عقائد کی صحت بھی لازم ہے۔ تمام آیات الٰہیہ پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ غرض مدعا یہ ہے کہ دنیوی عموی رحمت اگرچہ سب کے شامل حال ہے۔ لیکن اخروی خصوصی رحمت صرف نیکو کاروں کو نصیب ہو گی۔ ایک جماعت صحابہ سے جن میں سلمان فارسی بھی ہیں مروی ہے کہ حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا اللہ کی سو رحمتیں ہیں۔ ایک رحمت دنیا میں ہے کہ اسی سے مخلوقات باہم ایک دوسرے پر ترحم کرتی ہے اور وحشی جانور اپنی اولاد پر عطوفت و مہربانی کرتے ہیں۔ اور ننانوے رحمتوں کو اللہ نے قیامت تک مؤخر فرما دیا ہے (رواہ مسلم) ایک روایت میں ہے کہ قیامت میں وہ سب اور یہ دنیوی حصہ ملا یا جائیگا یعنی رحمت کامل ہو جائیگی

مقصود بیان:- بنی اسرائیل کی گستاخی و سرکشی کا بیان۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ

یعنی وہ لوگ جو اُس رسول نبی امّی کی پیروی کرتے ہیں

الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي

جس کا ذکر اپنے پاس تورات و انجیل میں

التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ

لکھا پاتے ہیں جو اُن کو نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے

وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ

اور بُرے کاموں سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو اُن کیلئے حلال کرتا ہے

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

اور گندی چیزوں کو اُن پر حرام کرتا ہے اور وہ بوجھ و بندش

إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ

اُن کی دور کرتا ہے جو پہلے سے اُن پر تھی

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ

پس جو لوگ اُس پر ایمان لائے اُس کی رفاقت اور مدد کی

وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ

اور اُس نور کے پیچھے ہو لئے جو اُس رسول کے ساتھ اُتارا گیا

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ع ١٩

تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں

تفسیر اوپر کی آیت جب یہودیوں نے سنی تو کہنے لگے ہم بھی اللہ کی آیات یعنی تورات پر یقین رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی اللہ کی وسیع رحمت میں شامل ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رحمت کاملہ کا امیدوار صرف امت محمدیہ کو قرار دیا گیا۔ یہ شان نزول اور مطلب اُس تقدیر پر صحیح ہوگا جب کہ ان آیات کو مدنی مانا جائے۔ کیونکہ یہودی مدینہ ہی میں تھے۔ اور اگر ان آیات کو مدنی نہ کہا جائے کیونکہ پوری سورت مکی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ یہ آیات مدنی ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ موسیٰ ع نے جس رحمت خاصہ کا سوال کیا تھا اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ موسیٰ ع جس خصوصی رحمت کے تم خواستگار ہو وہ تمہارے عہد میں تو اس شخص کو ملیگی جو نبی امی پر ایمان لائیگا اور ان کا اتباع کرے گا۔ ورنہ اس کا تقویٰ اور زکوٰۃ سودمند نہ ہوگا۔

نبی امی کی خدا تعالیٰ نے ان آیات میں نو صفات بیان فرمائیں۔

(۱) رسول ہوگا یعنی نبی ہوگا۔ یعنی اس کا تعلق فقط خلق سے ہی نہ ہوگا بلکہ خالق سے بھی خاص طور پر ہوگا۔ احکام خداوندی وہ ضرور مخلوق تک پہنچائیگا اور صاحب کتاب بھی ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کی توجہ خالق کی طرف بھی کامل ہو گی وہ ان رموز و حقائق اور واقعات و اخبار سے واقف و خبردار ہوگا جس سے دوسرے ناواقف ہونگے

(۲) وہ امّی ہوگا۔ مفسرین نے امی ہونے کے چند معانی تحریر کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ امی امت یعنی بے پڑھی لکھی قوم میں مبعوث ہوگا۔ (کذا قال الزجاج) یا یہ کہ وہ پیدائشی حالت پر ہوگا یعنی جس طرح پیدائش کے بعد انسان تمام گناہوں سے پاک اور ہر قسم کے شرک و معاصی سے صاف ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ معصوم مطلق ہوگا یا یہ کہ وہ مقصود کل ہوگا۔ کیونکہ اُمّ کے معنی قصد کے ہیں۔ یا یہ کہ وہ ام القریٰ یعنی مکہ کا رہنے والا ہوگا۔ یا یہ کہ وہ خود امّی یعنی بے پڑھا لکھا ہوگا۔ کسی کے سامنے اس نے زانوئے ادب نہ طے کیا ہوگا کوئی اس کا استاد نہ ہوگا۔ اور باوجود اس کے علوم اولین و آخرین کا جامع ہوگا۔ اس اخیری معنی کو اکثر مفسرین نے ترجیح دیا ہے۔ اور اس کو اعجاز کی وجہ اتم قرار دیا ہے کیونکہ بے پڑھے لکھے آدمی کا ایسی

عظیم الشان کتاب پیش کرنا جس کے الفاظ معانی طریق ادا حلاوت بیان طرز ہدایت۔ قوانین کی جامعیت اور قواعد و اصول کی برتری کی مثال تاریخ انسانی نہیں پیش کر سکی۔ اعجاز اکمل نہیں تو اور کیا ہے۔

(۴) ۔ بنی اسرائیل تورات و انجیل میں اس کا نام و نسب حلیہ صفات حالات وغیرہ لکھا پائیں گے تورات و انجیل میں ان کے متعلق پیشین گوئیاں موجود ہوں گی۔ اور جابجا ان کا تذکرہ ہوگا۔ (۵) وہ اچھی باتیں سکھائیگا (۶) بری باتوں سے منع کریگا (۷) لوگوں کے لئے پاک اور ستھری چیزیں حلال کریگا۔ (۸) ناپاک اور گندی چیزیں حرام کریگا۔ (۹) وہ بنی اسرائیل پر ان سخت احکام کے بار گراں کو اتار پھینکیگا۔ اور ان ثقیل طوقوں کو دور کر دیگا جو موسوی شریعت کی وجہ سے ان کی گردن میں پڑے ہوں گے۔ یعنی کتب سابقہ کے ان احکام کو منسوخ کردیگا جو مصالح زمانہ کے مناسب نہ ہوں گے۔ اور جن کو لوگ اٹھا نہ سکتے ہوں گے۔ اور یہ نو صفات رسول پاک کی خدا تعالیٰ نے ذکر فرمائیں ہم ہر ایک کی ذرا واضح تحقیق کرنی چاہتے ہیں۔ ملا و ملا لفظ رسول اور نبی کے معنی میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک نبی عام اور رسول خاص ہے۔ یعنی ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ اور ہر رسول کا نبی ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ رسول وہی ہوتا ہے جس پر کتاب جدید نازل ہوئی ہو اور نبی کے واسطے جدید شریعت و کتاب کا حامل ہونا ضروری نہیں۔ اس بنا پر صرف چار انبیاء رسول قرار پاتے ہیں یا زائد سے زائد ان انبیاء کو بھی رسول کہا جا سکتا ہے۔ جن کے پاس صحیفے نازل ہوئے تھے۔ یعنی ابراہیم ؑ و اسماعیل ؑ و دانیال وغیرہ لیکن ان کے علاوہ دیگر انبیاء کو رسول نہیں کہا جا سکتا۔ اس تقدیر پر رسول کے بعد نبی کا تذکرہ صرف توضیح اور اظہار واقعہ کے طور پر ہوگا احترازی قید نہ ہوگی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگرچہ رسول اور نبی کا مصداق ایک ہی ہے۔ یعنی رسول ہو یا نبی۔ دونوں کی توجہ خالق و خلق دونوں کی طرف ہوتی ہے لیکن فرق اس قدر ہے کہ رسول میں خلق کی توجہ کا غلبہ ہوتا ہے اور نبی میں خالق کی طرف توجہ غالب ہوتی ہے۔ یا اس کے بالعکس ہوتا ہے۔ اس تقدیر پر قید احترازی بھی بن سکتی ہے۔ اور واقعی بھی۔

لیکن ہمارے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ رسول کے لفظ میں رسالت و پیامبری پر دلالت واضح ہے۔ اور نبی کے لفظ میں نبوت و واقفیت اور خبرداری پر دلالت ہے۔ یعنی رسول کا ترجمہ ہے پیامبر کیونکہ رسالت کے معنی ہیں پیامبری اور نبی (بروزن فعیل بمعنی مفعول) کے معنی ہیں خبردار و واقف۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عظیم پیغمبر پیام الٰہی اور احکام خداوندی کو مخلوق تک پہنچائیگا اصلاحی قوانین اور نجات کے طریقے بتائیگا لیکن اس کے ساتھ وہ خود بھی حقیقت پیام اور رازہائے سربستہ سے واقف ہوگا اُسکو واقعات گذشتہ اور سوانح آئندہ کا علم ہوگا وہ عالم قدس کے مخفی اسرار سے خبردار ہوگا۔ کلام الٰہی کے وہ مخفی نکات جن کو اور لوگ نہیں جان سکتے وہ بدرجۂ اتم جانتا ہوگا لیکن اس پیامبری اور واقفیت کاملہ کے باوجود اُس نے کسی سے پڑھا لکھا نہ ہوگا کسی کا شاگرد نہ ہوگا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ کسی سے سُن کر یا سیکھ کر یہ شخص ایسی باتیں کہہ رہا ہے۔ عالم غیب سے براہ راست کوئی اطلاع اس کے پاس نہیں آتی۔

ملا اُمی کی تحقیق ہم اوپر کر چکے ہیں بہتر معنی سب سے آخری ہیں رسول پاکؐ واقعی امی تھے یعنی آپ نے کسی سے نہ کچھ پڑھا نہ لکھا۔ بعض احادیث کی بنا پر لوگوں نے حضورؐ کے امی ہونے پر شبہہ کیا ہے مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مشرکین نے اصرار کیا تو معاہدہ کا کاغذ حضور والا نے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے لے کر خود دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹایا اور کسی سے نہیں پوچھا کہ رسول اللہ کا لفظ کس جگہ لکھا ہے اور کونسا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن یہ شبہہ بالکل بے بنیاد ہے اول تو ایسے ضعیف قرائن سے ثبوت مدعا نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ بخاری وغیرہ کو حدیث کی مکمل کیفیت نہ پہونچی ہو اور انہوں نے مٹانے کا تذکرہ کر دیا لیکن یہ نہ بتایا کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے لفظ رسول اللہ دریافت بھی کیا یا نہیں۔ کیونکہ بخاری کی حدیث میں صرف مٹانے کی صراحت ہے۔ کس چیز سے مٹایا اور کیسے مٹایا کس انگلی نے مٹایا۔ کس ہاتھ میں کاغذ پکڑا۔ کاغذ کیسا تھا۔ اور روشنائی کیسی تھی اس کی تفصیل نہیں تو جس طرح یہ تفصیلات پردۂ خفا میں ہیں اسی طرح لفظ رسول اللہ کی شناخت کا سبب بھی پردۂ سکوت میں ہے جس طرح اس حدیث سے اثبات پر دلیل نہیں ہو سکتی اسی طرح نفی پر بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ امی کے معنی تو یہ ہیں کہ کسی استاد سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ یہ معنی نہیں کہ لکھنا پڑھنا جانتے نہ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص فطری طور پر طبیعت سلیم رکھتا ہے علوم سے واقف ہو۔ اور وہ علوم اس کے کسبی نہ ہوں بلکہ وہبی ہوں جس طرح انبیاء کے ہوا کرتے ہیں۔ تو پھر طریقۂ قرأت و کتابت کیا وہبی نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہؐ نے کسی سے پڑھا لکھا نہیں لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ پڑھنا لکھنا نہ جانتے تھے۔ اور کورے جاہل تھے۔ جاہل اور امی کے مفہوم میں بڑا فرق ہے۔ بہت سے شاعر فلاسفر امی ہوتے ہیں لیکن جاہل نہیں ہوتے۔ تو کیا عظیم الشان نبی کا درجہ شاعر و فلاسفر سے بھی گیا گذرا ہے۔ کہ خواہ مخواہ حضورؐ کو رخالکم بدہن جاہل ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سے تو حضورؐ کے اعجاز کا مزید ثبوت ملتا ہے۔ کہ کسی استاد سے پڑھنا

لکھنا نہیں سیکھا۔ اور بغیر کسب و ریاضت کے محض عطیہ الٰہی کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے واقف تھے۔

مسئلہ اس بحث کو ہم تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ آیت صریح دلیل ہے اس بات کی کہ حضور اقدس ﷺ کے حالات صفات حلیہ اور عظمت نبوت گذشتہ کتابوں میں مذکور تھی۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو علماء یہود اس آیت کی تکذیب کرتے اور محض افتراء جانتے۔ دارمی وغیرہ علماء حدیث نے بروایات متعددہ ثابت کیا ہے کہ حضور والا ﷺ کے تمام اوصاف اگلی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہود مدینہ پشتہا پشت سے اپنی کتاب کی صراحت اور آباؤ اجداد کی وصیت پر چلے آتے تھے۔ کہ پیغمبر آخر الزماں جس کے یہ اوصاف ہیں اسی مدینہ میں ظہور پذیر ہوگا۔ اور اس کے وجود پاک کے علامات قریب ہیں۔ مدینہ میں اوس و خزرج کے قبائل بھی رہتے تھے اور یہودیوں کی ان سے دشمنی تھی۔ یہودی ان کو دھمکاتے تھے اور کہتے تھے ہم پیغمبر آخر الزماں کے زیر حمایت تم کو عنقریب خاک میں ملا دینگے۔ قبائل اوس وخزرج کو ان باتوں سے تعجب ہوتا تھا لیکن افسوس کہ حضور اقدس ﷺ جب تشریف لائے تو یہودی دنیوی لالچ و ریاست میں پڑکر رسالت سے منکر ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے اسی قصہ کی صراحت فرمائی ہے۔ فرماتا ہے وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ لیکن قبائل اوس وخزرج سعیدان ازلی تھے وہ مسلمان ہوکر دنیا میں انصار رسول اللہ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ پہلی صدی میں بڑے بڑے علماء یہود اپنی کتابوں کے انہی تذکروں اور صراحتوں کے زیر اثر مسلمان ہو گئے تھے اور انہی دنیوی ریاستوں کو ترک کر دیا تھا۔ مثلاً عبد اللہ بن سلام ابن سعید۔ بنیامین، مخیرق اور بعض دیگر علماء نے مسلمان ہوکر صاف شہادت دی۔ کہ حضور ﷺ کی بشارات توریت میں موجود ہیں۔ بڑے بڑے تارک الدنیا راہب بھی پہلی صدی میں اسلام کے ادنیٰ خادم بن گئے۔ مثلاً بحیرا راہب۔ جرجیس۔ نسطورا۔ جارود۔ اور حبش کے وہ فقراء انصاری جو نجاشی شاہ حبش کے مسلمان ہونے سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر نجاشی کی معیت میں کتنے نفراء و علماء نصرانیت مسلمان ہو گئے۔ ان کا اندازہ تاریخ پڑھنے والوں کو اچھی طرح ہے۔ روم کا سب سے بڑا پادری ضغاطر جب مسلمان ہو گیا تو رومیوں نے دشمنی سے اس کو شہید کر دیا۔ مقوقس بادشاہ مصر نے حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار کرکے ماریہ قبطیہ کو بطور ہدیہ ارسال خدمت کیا لیکن بعض بدقسمت انسان ایسے بھی تھے جنہوں نے اقرار رسالت و تصدیق کے باوجود محض طمع دنیوی کی وجہ سے دائرہ کفر سے قدم باہر نہ نکالا۔ مثلاً شاہ روم، ہرکلیس۔ ابن صوریا، حیی بن اخطب، ابو یاسر وغیرہ دین حق کی صداقت سے متاثر ہوکر اپنے دوستوں کو تو مسلمان ہونے کا مشورہ دیتے تھے مگر اپنی ریاست وحکومت کے لالچ کے سبب مسلمان نہ ہوتے تھے انہی کے متعلق قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی تھی أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۔ جب مباہلہ کا قصہ نجران کے عیسائیوں کے سامنے آیا تو اُن کے سب سے بڑے سردار عاقب نے لاٹ پادری کی موجودگی میں تقریر کرتے ہوئے کہا اے اہل نجران قسم ہے کہ تم اس نبی کی نبوت پہچان چکے ہو اور اُس نے مسیح کے معاملہ میں تم سے دو ٹوک بات کہدی۔ واللہ اگر تم اس سے مباہلہ کرو گے تو تباہ ہو جاؤ گے واللہ میں ایسے چہرے دیکھتا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے پہاڑ کے ہٹ جانے کی دعا کریں تو اللہ پہاڑ کو ہٹا دیگا۔ آخر نجران کے اس وفد نے مباہلہ کرنا پسند نہ کیا اور جزیہ دینا قبول کیا۔

امام احمد کی حدیث ابو صخر العقیلی میں موجود ہے کہ حضور والا ایک یہودی کے پاس تشریف لے گئے جو توریت کھولے بیٹھا تھا۔ آپ نے اُس سے قسم دیکر دریافت کیا کہ کیا تو اس کتاب میں میری صفات اور میری پیدائش و ہجرت کا تذکرہ پاتا ہے۔ یہودی نے سر سے انکاری اشارہ کیا تو اُس کا بیٹا باپ کی اس دروغ بانی پر تھرا گیا اور بولا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے توریت نازل فرمائی ہم ضرور آپ کے صفات و مقام پیدائش وہجرت کو اس کتاب میں پاتے ہیں پھر وہ کلمۂ توحید و اقرار رسالت پڑھنے کے بعد مسلمان ہو گیا۔ یہ حدیث قوی اور جید ہے صحیحین میں بروایت انس اس کا شاہد موجود ہے۔

حاکم نے اپنی سند سے ابو امامہ باہلی کی روایت ہشام بن عاص اموی کی حدیث بیان کی ہے۔ ہشام کہتے ہیں کہ (خلافت صدیقی میں) میں اور ایک دوسرا مسلمان ہرقل کے پاس بطور پیامبر بھیجے گئے تاکہ اُس کو دعوتِ اسلام دیں۔ ہم غوطۂ دمشق میں پہونچکر جبلہ بن ایہم غسانی (ملک شام) کے ہاں ٹھہرے۔ جبلہ نے قاصد کو ہمارے پاس بھیجا اور مطلب دریافت کیا۔ ہم نے جواب دیا ہم کو بادشاہ روم کے پاس بھیجا گیا ہے ہم اُسی سے باتیں کر سکتے ہیں قاصد سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ قاصد نے جاکر ہمارا جواب کہدیا۔ جبلہ نے ہم کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ ہم دربار میں پہونچے۔ وہ اُس وقت سیاہ ریشمی لباس پہنے تھا۔ میں نے پہونچکر دعوت اسلام دی اور سیاہ لباس کی وجہ دریافت کی جبلہ نے کہا میں نے یہ سیاہ لباس قسم کھا کر پہنا ہے اور اس لئے پہنا ہے کہ جب تک تم لوگوں کو حدود شام سے نہ نکال دونگا ہرگز نہ اُتاروں گا ہم نے کہا ذرا ٹھہرے رہو واللہ ہم اس ملک کو اور بادشاہ روم کی تخت گاہ

کو انشاء اللہ لے لینگے ہم کو ہمارے نبی محمدؐ نے اسکی اطلاع دیدی ہے۔ کہنے لگا تم وہ لوگ نہیں ہو۔ وہ تو روزہ دار شب بیدار ہونگے اور تم روزے نہیں رکھتے۔ ہم نے اپنے روزہ کی کیفیت بیان کی تو اُس کے چہرہ پر سیاہی چھا گئی اور بولا اٹھو تم بادشاہ کے پاس جاؤ۔ چنانچہ اپنا آدمی ہمارے ساتھ کرکے ہم کو روانہ کردیا۔ جب ہم تختگاہ روم کے قریب پہونچے تو جبلہ کے آدمی نے کہا تم اپنے اونٹوں پر شاہی شہر میں نہیں جاسکتے۔ اگر تم پسند کرو تو ہم تم کو سواری کے لئے خچر فراہم کردیں۔ ہم نے کہا بخدا ہم تو اپنے جانوروں کو چھوڑ کر اور جانوروں پر سوار نہ ہونگے۔ غرض ہمارے رہبر نے شاہی دربار میں اطلاع کرائی اور اجازت ملنے پر ہم اونٹوں پر سوار شہر میں داخل ہوئے۔ ایک بلند برج کے پاس پہونچ کر اونٹ باندھے اور تلواریں لٹکائے ہوئے کھڑے ہو کر غلغلۂ تکبیر بلند کیا۔ اللہ جانتا ہے کہ ہماری تکبیر کی آواز سے شاہی کوشک خوشۂ انگور کی طرح ہل گیا بادشاہ نے آدمی بھیجا اور کہا یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم ہمارے سامنے اس بلند آہنگی سے اپنے دین کا مظاہرہ کرو۔ غرض عند الطلب ہم داخل دربار ہوئے ایک مکلف فرش بچھا ہوا تھا سرداران ملک جمع تھے۔ دربار کی ہر چیز اور حاضرین کے کل لباس سرخ تھے۔ ہم کو دیکھ کر بادشاہ نے ہنسکر کہا کیا برائی ہوتی اگر آپس کے آداب کا میرے ساتھ برتاؤ کرتے (یعنی سلام کرتے) ہم نے مترجم سے کہا ہمارے آپس کا سلام بادشاہ کے واسطے سزاوار نہیں اور شاہی سلام بجالانا ہمارے لئے حلال نہیں۔ بادشاہ نے کہا تمہارا آپس کا کیا سلام ہے۔ ہم نے کہا السلام علیک بولا تم اپنے بادشاہ کو کن الفاظ میں سلام کرتے ہو ہم نے کہا یہی بولا وہ کیا کہتا ہے ہم نے کہا یہی۔ بولا تمہارا سب سے بڑا کلام کیا ہے۔ ہم نے کہا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر جب ہم نے یہ کہا تو اللہ عالم ہے کہ وہ کوشک پھر تھرایا یہاں تک کہ بادشاہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اور بولا تمہارے اس کلمہ سے یہ کوشک لرز گیا۔ کیا جب تم اپنے گھروں میں یہ الفاظ کہتے ہو تو تمہارے گھروں میں لرزہ آجاتا ہے۔ ہم نے کہا اس سے پہلے اور کبھی تو ہم نے کہیں ایسا نہیں دیکھا۔ بولا میں امید کرتا ہوں کہ ہر بار جب تم یہ الفاظ کہو گے تو جو چیز تم سے اونچی ہوگی تھرا جائیگی میں اپنی آدھی سلطنت سے نکل گیا۔ ہم نے کہا یہ کس طرح بولا ہوسکتا ہے۔ بلکہ غالباً یہی بات ہے۔ کہ یہ امر نبوت نہیں۔ بلکہ کسی قسم کی شعبدہ بازی ہے۔ پھر بولا تم کیا چاہتے ہو ہم نے اپنا مقصد کہا کہنے لگا تمہارے روزے اور نماز کی کیا کیفیت ہے۔ ہم نے تفصیل بیان کی۔ اُس کے بعد اس نے ایک عمدہ مکان میں ہم کو مہمان رکھا۔ ہم تین روز وہاں رہے۔ ایک رات کو حسب الطلب ہم دربار میں پہونچے۔ بادشاہ نے ایک مربع خانہ دار منقش الماری منگوائی۔

الماری کے ایک خانہ کا قفل اور کھڑکی کھول کر سیاہ ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا نکالا۔ اور اس کی تہ کھول کر ایک سرخ رنگ کی تصویر نکالی۔ تصویر مرد کی تھی جس کی آنکھیں بڑی اور گردن دراز اور کولہے بھاری تھے۔ دو خوبصورت گیسو تھے۔ مگر داڑھی نہ تھی کہنے لگا تم نے اس کو پہچانا ہم نے انکار کیا کہنے لگا یہ آدمؑ کی تصویر ہے پھر دوسرا خانہ کھول کر سیاہ ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک سفید تصویر نکالی۔ جس کے بال گھونگریالے آنکھیں سرخ، بڑا سر وجیہ اور خوبصورت داڑھی تھی۔ ہم سے کہا تم نے پہچانا ہم نے انکار کیا۔ بولا یہ حضرت نوحؑ کی تصویر ہے۔ پھر اور خانہ کھول کر حسب معمول ایک تصویر نکالی جس کا رنگ گورا آنکھیں خوبصورت پیشانی سفید اور کشیدہ، چہرہ کتابی اور داڑھی سفید تھی۔ چہرہ سے مسکراہٹ ٹپک رہی تھی۔ ہم سے پوچھا تم نے پہچانا۔ ہم نے انکار کیا۔ بولا یہ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ پھر ایک اور خانہ کھول کر ایک تصویر نکالی جس کا رنگ سفید چمکدار اور ملاحت آمیز تھا۔ واللہ وہ رسول اللہ کی تصویر تھی۔ بولا اس کو پہچانتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہے۔ پھر ہم رونے لگے اللہ عالم ہے کہ وہ تھوڑی دیر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ کچھ دیر کے بعد بیٹھ کر بولا واللہ یہ وہی ہے ہم نے کہا ہاں وہی ہے۔ کچھ دیر وہ اس کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر بولا یہ خانہ سب سے آخر میں تھا۔ لیکن میں نے عجلت کرکے پہلے نکال لیا تاکہ تمہاری آزمائش کرسکوں، پھر حسب معمول ایک سیاہ فام تصویر نکالی۔ جس کے بال پیچیدہ اور خوب گھونگریالے تھے۔ آنکھیں گڑھے کے اندر نظر تیز دانت ایک کے اوپر دوسرا چڑھا ہوا۔ ہونٹ موٹے اور مزاج کی ترشی عیاں تھی۔ چہرہ سے آثار غضب ہویدا تھا بولا تم اس کو پہچانتے ہو ہم نے انکار کیا۔ بولا یہ موسیٰ ہیں۔ اسی تصویر کی برابر ایک اور تصویر تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس تصویر میں سر گول پیشانی چوڑی اور آنکھیں پتلی کونے کی طرف جھکی ہوئی تھیں بولا تم نے اس کو پہچانا۔ ہم نے انکار کیا کہنے لگا یہ ہارونؑ بن عمران ہیں۔ پھر ایک اور خانہ کھول کر حسب معمول سفید ریشم میں ایک ملفوف ایک تصویر نکالی جس کا رنگ گندمی چہرہ بھاری اور شان سے علامات غضب نمودار تھے۔ ہم سے دریافت کیا جانتے ہو۔ ہم نے انکار کیا بولا یہ لوطؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ میں سے سفید ریشم میں ملفوف ایک اور تصویر نکالی جس کا رنگ سفید سرخی مائل بینی کشیدہ گال پتلے اور چہرہ خوبصورت تھا۔ بولا اس کو پہچانتے ہو۔ ہم نے انکار کیا کہنے لگا یہ اسحاقؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ میں سے سفید ریشم میں ملفوف ایک اور تصویر نکالی۔ جو پہلی تصویر کے ہمشکل تھی۔ صرف لب پر ایک

تل تھا۔ ہم سے دریافت کرنے اور انکار پانے کے بعد بولا یہ یعقوب ہیں۔ پھر ایک خانہ کھول کر سیاہ ریشم میں لپٹی ہوئی ایک تصویر نکالی۔ جس کا رنگ سفید سرخی مائل خوبصورت کشیدہ بینی۔ موزوں قد چہرہ پر نور اور صورت سے خشوع ٹپک رہا تھا۔ کہنے لگا یہ تمہارے نبی کے دادا اسمٰعیل ہیں پھر ایک خانہ سے سفید حریر میں ملفوف ایک تصویر نکالی۔ جو آدم ؑ کی تصویر سے مشابہ تھی اور چہرہ آفتاب کی طرح روشن تھا۔ بولا یہ یوسف ؑ ہیں پھر ایک خانہ میں سے سرخ رنگ کی ایک تصویر نکالی جس کی پنڈلیاں آنکھیں ابھری ہوئی۔ پیٹ بھاری بدن گداز تھا۔ تلوار لٹک رہی تھی۔ بولا یہ داؤد ہیں۔ پھر ایک خانہ سے ایک تصویر نکالی۔ جس کے سرین بھاری ٹانگیں لمبی تھیں گھوڑے پر سوار تھے۔ بولا یہ سلیمان ہیں۔ پھر ایک خانہ سے ایک تصویر نکالی جس کا رنگ سفید داڑھی گھنی اور سیاہ، آنکھیں خوبصورت اور چہرہ حسین تھا۔ بولا یہ عیسٰی بن مریم ہیں۔ چوں کہ ہم نے رسول اللہ ؐ کی تصویر دیکھی تھی۔ اس لئے یقین کر لیا کہ تمام تصویریں واقعی انبیاء کی ہیں۔ ہم نے دریافت کیا یہ تصویریں آپ کو کس طرح ملیں۔ بادشاہ نے جواب دیا حضرت آدم ؑ نے پروردگار سے درخواست کی تھی کہ مجھ کو میری اولاد میں سے انبیاء کی صورتیں دکھا دے۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور انبیاء کی صورتیں نازل فرمائیں۔ جو آدم ؑ کے پاس رہیں۔ اور ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہیں۔ بالآخر غربی سمت سے ذوالقرنین کو کہیں دستیاب ہوئیں اور ذوالقرنین سے دانیال ؑ کے پاس آئیں اور پھر دانیال ؑ کے پاس سے منتقل ہوتی ہوئی ہم کو ملیں۔ اس کے بعد کہنے لگا خوب سمجھ لو کہ میں خوش ہوں کہ اپنی سلطنت چھوڑ کر تمہارے ایک ذلیل حاکم کی غلامی اختیار کر دوں۔ پھر ہم کو اچھی طرح انعام اکرام دے کر رخصت کیا ہمنے واپس آکر صدیق اکبر رضؓ سے پورا واقعہ عرض کر دیا۔ آپنے ارشاد فرمایا بیچارہ کے ساتھ اگر خدا تعالیٰ بھلائی کرنی چاہتا تو وہ کر گذرتا اس کے بعد فرمایا۔ ہم کو رسول اللہ ؐ نے خبر دی ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے پاس رسول اللہ ؐ کے حالات وصفات پاتے ہیں (قال الحافظ ابن کثیر ہکذا اوردہ الحافظ الکبیر ابو بکر البیہقی فی دلائل النبوۃ اجازۃً عن الحاکم واسنادہ لا باس بہ)

عطاء بن یسار رضؓ کہتے ہیں۔ میں نے عبداللہ بن عمر رضؓ سے دریافت کیا رسول اللہ ؐ کے صفات کا بیان جو توریت میں ہے اس سے مجھے آگاہ فرمایئے۔ فرمایا قرآن کی طرح توریت میں بھی رسول اللہ ؐ کے صفات بیان کئے گئے ہیں۔ توریت میں مذکور ہے۔ یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہدا ومبشرا ونذیرا وحرزا للامیین انت عبدی ورسولی اسمک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العرجاء بان یقولوا لا الہ الا اللہ ویفتح تلوبا غلفا واٰذانا صُمًّا واعینا عُمیًا۔ اس کے بعد میں کعب احبار کے پاس گیا۔ اور اُن سے سوال کیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ ایک حرف کا فرق نہ تھا۔ صرف اتنا فرق تھا کہ انہوں نے اپنی زبان میں قلوبا غلوفیاً وآذاناً صمومیًا کہا تھا (رواہ ابن جریر) بخاری نے اسی حدیث میں مندرجۂ ذیل الفاظ زیادہ روایت کئے ہیں لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق ولا یجزی بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو ویصفح الخ۔

طبرانی نے جبیر بن مطعم صحابی کی روایت بیان کی ہے۔ جبیر رضؓ کہتے ہیں میں ملک شام کو بغرض تجارت گیا تھا وہاں اہل کتاب میں سے ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا تم میں کوئی آدمی نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا تم اس کی صورت پہچانتے ہو۔ میں نے کہا ہاں وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا وہاں تصویریں تھیں مگر رسول اللہ کی تصویر نہ تھی۔ میں نے انکار کر دیا۔ پھر ایک اور گھر میں لے گیا۔ میں نے وہاں حضور ؐ کی تصویر دیکھی۔ مگر تصویر میں ایک شخص حضور ؐ کی ایڑیاں پکڑے تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ کہنے لگا ہر نبی کے بعد اور نبی ہوتا چلا آیا ہے۔ مگر اس نبی کے بعد کوئی اور نبی نہ ہوگا ہاں یہ شخص جانشین ہوگا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابو بکر رضؓ کی صورت تھی۔

ابو داؤد نے بروایت اقرع مؤذن بیان کیا ہے۔ اقرع کہتے ہیں مجھے فاروق اعظم نے حکم دیا عیسائی پادری کو بلاؤ۔ میں بلا لایا۔ آپ نے پادری سے فرمایا تمہاری کتابوں میں کہیں میرا ذکر ہے۔ بولا ہاں۔ فرمایا کس طرح بولا لفظ قرن موجود ہے۔ فرمایا قرن کے کیا معنی ہیں۔ بولا سردار سخت و درشت۔ فرمایا میرے بعد والا کیسا ہوگا۔ بولا صالح جانشین ہے لیکن وہ اپنے اقرباء کو ترجیح دیگا۔ فرمایا اللہ عثمان پر رحم کرے۔ تین مرتبہ یہ لفظ کہا۔ پھر پوچھا اس کے بعد والے کی کیا حالت لکھی ہے بولا لوہے کا زنگ پاتا ہوں۔ حضرت عمر رضؓ نے اس کی کھوپڑی پر ہاتھ مار کر فرمایا (گندے او گندے کیا کہہ رہا ہے) کہنے لگا امیر المومنین میرا مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ صالح ہوگا۔ لیکن ایسے وقت خلیفہ کیا جائیگا جس وقت تلوار نیام سے باہر ہوگی۔ اور خون بہتا ہوگا۔ ہم نے یہ آخری حدیث اس لئے نقل کی۔ کہ معلوم ہو جائے کہ گذشتہ کتب میں نہ فقط رسول اللہ ؐ کے حالات وصفات کا بیان تھا۔ بلکہ خلفاء کی تفصیلی حالات کا بھی ان میں تذکرہ تھا۔ اگر خوف طوالت نہ ہوتا تو ہم حضرت دانیال حبقوق۔ اور اشعیا وغیرہ کی پیشین گوئیاں بابت خلفا نقل کرتے۔

رسول اللہ ؐ کے متعلق یہ فقط پرانی داستانیں اور تاریخ اسلام کے فرسودہ قصے ہی نہیں ہیں بلکہ حقائق و واقعات ہیں جن میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی تصدیق اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی عیسائی نشر بکلت سے بھی بخوبی ہوتی ہے۔

پادری سیل نے ۱۸۵۰ء میں قرآن مجید کا جو ترجمہ شائع کیا ہے اس کے مقدمہ صفحہ ۹ پر مندرجۂ ذیل الفاظ موجود ہیں۔

اے پیارے عیسائیو یہ وہ نبی آخر الزماں ہے۔ جس کی بابت یسوع مسیح نے اپنے مصلوب ہونے کے سلسلہ میں کہا تھا۔

اے برنباہ یقین جان کہ گناہ کیسا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اللہ اس کی سزا دیتا ہے اس کی مشیت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر نہ ہنسیں۔ اس لئے اس نے اپنی مہربانی سے اس بات کو بہتر جانا کہ دنیا ہی میں یہودا کو میری صورت پر صلیب دے جانے سے میری تضحیک و ہنسائی ہو جائے اور ہر شخص یہ خیال کرنے لگے کہ مجھے صلیب پر چڑھایا گیا۔ مگر یہ ساری محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے آنے تک رہیگی۔ اور جب وہ دنیا میں آئیگا تو ہر ایماندار کو اس غلطی سے آگاہ کریگا۔ اور لوگوں کے دلوں سے یہ دھوکا اٹھا دیگا۔

پادری سیل اسی ترجمہ کے صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں پس اے پیارے بھائیو جس کی نبوت کی خبر اس صراحت سے درج ہو پھر اس سے منکر ہونا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔ یا نہیں۔

برنباہ کی انجیل بہت پرانی کتاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے سینکڑوں برس پہلے کی کتابوں میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

پادری اوسکان ارمنی نے ۱۶۶۶ء میں صحیفۂ اشعیا کو ارمنی زبان میں ترجمہ کر کے ۱۷۳۳ء میں مطبع انتولی پرتونی میں چھپوا کر شائع کیا۔ اس میں کتاب اشعیا باب ۴۲ میں یہ فقرہ موجود ہے۔

خداوند کے واسطے نئی تسبیح پڑھو۔ اس کی سلطنت کی نشانی اس کی پشت پر ہے۔ اور اس کا نام احمد ہے۔ یہ صریح دلیل ہے۔ اور اہل اسلام میں ابتدا سے یہ بشارت مشہور و معروف ہے۔ رسول پاک ﷺ کی نشانی مہر نبوت حضور ﷺ کی پشت کے اوپر تھی اور حضور ﷺ کے نام احمد محمد محمود وغیرہ۔ حمد و مجد کے معنی سے ہی ماخوذ ہیں۔ مگر عربی ترجمہ کرنے والے نے عجب تحریف کی ہے کہ عبارت مذکور کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ سبحوا اللہ تسبیحا جدیدا علامتہ فوق ظہرہ واسمہ یتمجد۔ کاش اگر یتمجد کی بجائے محمد کا ترجمہ لکھ دیتا۔ تب بھی کسی قدر کم تحریف ہوتی بیچارہ فوق ظہرہ کی بجائے کیا کرتا۔ کیوں کہ اس کا تو کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ حضور ﷺ کی پشت پر مہر نبوت تھی۔ غریب نے مہر نبوت کا انکار کرنے کے لئے ایک حیلہ تراشا۔ یعنی فوق ظہرہ کی بجائے صرف لفظ فوق ترجمہ میں ذکر کیا اور خاموش ہو گیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس کی خیانت کا پردہ فاش کر دیا۔ اور ارمنی ترجمہ والے نے لفظ بلفظ صحیح ترجمہ کر دیا۔

یونانیوں نے اس نام پاک کا ترجمہ فارقلیطا کے لفظ سے کیا ہے۔ فارقلیطا کے معنی محمد یا احمد ہیں۔ جان ڈیون پورٹ نے کھلم کھلا اپنی کتاب میں صراحت کر دی ہے۔ کہتا ہے۔

مجھے اس میں شک نہیں کہ اس نبی آخر الزماں سے مراد جسکے آنے کی خبر اس کے بھائیوں میں سے موسیٰ نے بنی اسرائیل کو دی تھی اور انجیل یوحنا میں فارقلیط کے نام سے مسیح نے دی تھی۔ یہی محمد ﷺ ہیں۔ مسٹر گاڈفری ہینگس کی کتاب اردو ترجمہ یعنی کتاب حمایت الاسلام کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ فارقلیط کا مصداق ذات محمدی کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

جس شخص کو موجودہ بائبل سے صفات و حالات محمدی کے ثبوت کی ضرورت ہو وہ ڈاکٹر توفیق مصری کی کتاب دین اللہ کا مطالعہ کرے جس میں نہایت بسیط طور پر ڈاکٹر موصوف نے مختلف اسرائیلی انبیاء کی پیشین گوئیاں اور ملفوظات درج کئے ہیں۔ اور ذات محمدی کو آئینہ کی طرح واضح کر کے دکھایا ہے۔ ہم بخوف طوالت ان کو درج نہیں کرتے۔

لـ۵ ولـ۶ ولـ۷ و لـ۸۔ اچھی باتوں کے کرنے کی تعلیم بری باتوں کے کرنے کی ممانعت۔ پاکیزہ چیزوں کی حلت کا حکم اور ناپاک چیزوں کی تحریم۔ یہ چار چیزیں ہیں جس کی تعلیم حضرت آدم ؑ سے لیکر رسول پاک کے زمانہ تک تمام انبیاء و مرسلین دیتے چلے آئے ہیں اور ہر نبی نے اپنے زمانہ کو روشن کرنے اور کفر و معاصی کی گھٹا ٹوپ اندھیری دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ہر ایک کی تعلیم ایک خاص زمانے اور خاص قوم کے لئے مخصوص تھی۔ اس کے زمانہ میں اس کی تعلیم عمدہ مفید اور مبنی بر مصلحت تھی۔ مگر عمومی انسانی عقول کے موافق نہ تھی۔ ایسا ہرگز نہ تھا کہ جو کسی نبی کے زمانہ میں شرعی حکم دیا گیا وہ قیامت تک کے لئے ضابطۂ کلیہ قرار پایا ہو۔ اور ہر زمانے کے عقلا اگر سلیم ذہن کے ساتھ غور کریں تو اس نبی کی تعلیم کو عقل و فطرت کے مطابق اور ضروریات زمانہ کی کفیل پائیں یہ بات صرف تعلیم محمدی میں ہی ہے۔ کہ جس چیز کے کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا اس کے محاسن اور خوبیوں سے کسی زمانہ میں عقلا نے انکار نہ کیا ہو۔ مثلاً اجتماعیت و تنظیم کے لئے نماز باجماعت کا حکم اخوت و مساوات اور ہمدردی انسانی کے لئے زکوٰۃ کا قانون عالم انسانی کو متحد کرنے اور مبادلۂ خیالات کے لئے حج کی فرضیت صحت جسمانی کو برقرار رکھنے اور فقرا کے فاقوں کا احساس کرنے کے لئے روزوں کی ضرورت وغیرہ ایسے اصول و ضوابط ہیں۔ جن کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ انسانی قاصر ہے۔ ہزاروں سلطنتوں کے شخصی اور جمہوری قوانین نے مختلف مجالس شوریٰ نے اصلاح عالم کے قواعد بنائے

لیکن آج تک اس قدر جامعیت، سہولت، عموم افادہ اور اصلاح عالم کی بے پناہ ہمہ گیری کسی قانون اور کسی مجلس شوریٰ کے اختراعی ضابطہ کو نصیب نہ ہوئی بیع، ہبہ، شراء، اجارہ، شفعہ، رجسٹری، شہادت، قضاء، عدالت وغیرہ کے جو قوانین حضورؐ نے جاری فرمائے اُن کی نظیر برٹش گورنمنٹ کے ضوابط میں تلاش کرو۔ گذشتہ رومن دور میں ڈھونڈو، یونانیوں کے پُرحکمت دفاتر میں جستجو کرو، لیکن کہیں نہ ملے گی۔

حضورؐ نے جن باتوں کے کرنے کی ممانعت فرمائی وہ قیامت تک قبیح اور ضرر رساں رہینگی۔ زناء، قمار بازی، شرابخواری، دغابازی، ظلم، فریب، تعدیٔ جنگ، چوری وغیرہ کو کون شخص اچھا کہہ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شرابخواری ہی کو لیجے ایک دور آیا کہ برٹش علاقوں میں، امریکن ممالک میں رومن مقبوضات میں ببانگ دہل اسکی خوبیوں کا اعلان ہوتا رہا لیکن اس خبیث چیز کی مضرت کا اندازہ کرکے کچھ ہی مدت کے بعد بڑے بڑے ماہرین کیمیا نے اس کے ایک قطرہ کو بھی حیاتِ انسانی کے لئے تباہ کن قرار دیا۔ امریکہ میں ممانعت ہوگئی۔ برٹش حکمار نے رجعتِ قہقری کی۔ اب ہندوستان میں بھی کانگریس نے اس کی خرید فروخت اور پینے پلانے کو ممنوع قرار دیا۔

حاصل یہ کہ اسلامی تعلیم سراسر عقل کے مطابق، فطرت سلیم کے موافق اور اذہان صافیہ کے نزدیک صحیح اور درست ہے اور قیامت تک رہیگی۔ اس کے ایک حرف میں تبدل تغیر یا تحریف ناممکن ہے۔ اگر کیا جائیگا تو انتہائی تباہی کے غار کی طرف قدم اٹھے گا۔

۹؎ دورِ اسلام سے قبل یہودی طرح طرح کی قیدوں میں جکڑے ہوتے تھے۔ دینی احکام میں بھی بے انتہا سختی اور دنیا میں بھی ذلت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بخت نصر اور کیخسرو نے لُوٹ کر ان کو تباہ و برباد کر دیا تھا نہ مذہبی آزادی تھی نہ دنیوی معاشرت کی حریت۔ یہودیوں پر واجب تھا کہ اگر کوئی غلطی سے نادانستہ بغیر ارادہ کے بھی قتل کردے تب بھی قصاص واجب ہے مقتول کے ورثاء خواہ معاف کردیں یا خونبہا کے طالب ہوں تب بھی قصاص ساقط نہیں ہوسکتا۔

جس کپڑے پر نجاست لگجائے جب تک اُتنے حصہ کو کاٹ نہ ڈالا جائے دھونے سے پاک نہیں ہوسکتا۔ اسی قسم کی اور سخت تکالیف ہیں جو ملتِ اسلامیہ نے ساقط کردیں۔ پھر آزادی، عدل اور رسومِ مذہبی کی عمومی اجازت جو اسلام نے دی وہ کبھی یہودیوں کو بابلی اور ایرانی سایہ کے نیچے نصیب نہوئی۔ غرض اسلام نے جو سہولت بنی اسرائیل کے لئے کردی وہ کبھی اُن کو میسر نہ تھی۔

بعض کوردماغ اسرائیلی اعتراض کرتے ہیں اور نسخ احکام کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کو آیندہ واقعات کا علم نہ تھا کہ اُس نے پہلے ایک حکم نافذ فرمایا اور پھر دوسرے زمانہ میں اُس حکم کو بدلدیا۔ مسلمانوں کے بعض فرقے بھی ان کی تقلید میں نسخ کے منکر ہوگئے ہیں۔ حالانکہ یہ اعتراض بصیرت کے خلاف ہے۔ منسوخ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے ایک حکم تھا اور پھر دوسرا حکم دوسرے زمانہ میں جاری کیا گیا اور علم الٰہی میں یہ بات پہلے سے تھی کہ فلاں زمانہ میں فلاں حکم مناسب و مفید ہے اور فلاں زمانہ میں فلاں حکم۔ نسخ احکام کا کون بیوقوف انکار کرسکتا ہے۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ میں بضرورت بھائی بہن کا نکاح جائز تھا۔ اس کے بعد منسوخ ہوگیا کیونکہ ضرورت پوری ہوگئی۔ مصلحتِ الٰہی جس چیز کی مقتضی تھی اُسکی تکمیل ہوگئی۔ یہود و نصاریٰ بھی اس کے قائل ہیں۔ موجودہ توریت میں بھی اسکی صراحت ہے۔ اسی طرح سنیچر کے روز سوائے عبادت کے اور کوئی کام کرنا یہودیوں کے لئے ناجائز تھا۔ لیکن انجیل والوں نے اسکو منسوخ مانا۔ ختنہ کی رسم عیسائیوں کے اعتقاد و عمل کی رو سے منسوخ ہوگئی۔ شریعت توریت میں جہاد کرنا واجب تھا۔ یہود و نصاریٰ سب قائل ہیں کہ موسیٰؑ و یوشعؑ و داؤدؑ نے جہاد کیا۔ لیکن نصاریٰ قائل ہیں کہ عیسوی شریعت میں جہاد حرام ہوگیا۔ وغیرہ۔

مقصود بیان:۔ رسول پاکؐ کے مرسل نبی امی ہونے کی صراحت اس بات کی ببانگ دہل وضاحت کہ توریت و انجیل میں حضورؐ کے حالات صفات نام حلیہ وغیرہ سب کچھ موجود تھا اور آپ کے زمانہ میں جو توریت یا انجیل کے نسخے موجود تھے اگرچہ ایک حد تک اُن میں تحریف و تغیر ہوگئی تھی مگر پھر بھی حضورؐ کا مفصل تذکرہ اُن میں مذکور تھا۔ حضورؐ کے خصوصی اوصاف پانچ ہیں:۔ اچھے کاموں کا حکم دینا۔ بُرے کاموں کی ممانعت کرنی۔ پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنا۔ ناپاک چیزوں کو حرام کرنا۔ گذشتہ شرائع کی سختیوں کو سہولت سے بدلنا۔ اس امر کی صراحت کہ دین اسلام کے کل قواعد و ضوابط اور تمام جزئیات عقل کے مطابق ہیں۔ جن چیزوں کو اسلام اور بانیٔ اسلام نے اچھا کہدیا وہ عقلاً اور فطرۃً اچھی ہیں۔ اور جن چیزوں کو بُرا کہدیا وہ بُری ہیں۔ احکام میں نسخ جائز بلکہ واقع ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نور ہے اور اس کے زمانہ میں تمام دیگر مذاہب کی تعلیم گمراہی اور تاریکی ہے۔ رسول پاکؐ کی رفاقت اور مدد کرنے والے اور حضورؐ کی پیروی کرنے والے ہی نجات یافتہ اور فلاح یاب ہیں۔ دوسری اقوام کو کسی طرح اخروی فلاح نہیں مل سکتی۔ وغیرہ۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ

کہدو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوں

جَمِيْعًا ۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آسمان و زمین کی حکومت اُسی کی ہے

يُحْيِ وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ

جلاتا ہے اور مارتا ہے لہذا تم اللہ پر اور اُس کے نبی اُمی فرستادہ پر

الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ

ایمان لاؤ جو (خود بھی) اللہ پر اور اُس کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں

وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○

اور اُس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ

تفسیر گذشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ خصوصی رحمت سے وہی لوگ سرفراز ہوں گے جنکے عقائد و اعمال درست ہوں جو نبی آخرالزماں کے اوصاف بیان کئے گئے تھے کہ وہ رسول و نبی ہوگا امی ہوگا توارات و انجیل میں وسکا تذکرہ موجود ہے وہ اچھی باتوں کا حکم دے گا اور بری باتوں سے منع کرے گا پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیگا اور بنی اسرائیل سے ادن سخت احکام کی بیڑیاں اور طوق اتار کر پھینکدیگا جو شریعت گذشتہ اور سلاطین زمانہ نے ادن کی گردنوں اور ہاتھ پاؤں میں ڈالی تھیں یہ رسول پاک کی شناخت کی علامات ہیں جب یہ تمام آثار معرفت بیان کر چکا تو اب اصل مدعا کی طرف رجوع فرمایا۔ بعثت انبیاء کی غرض دو باتیں ہیں اقرار توحید اور اعتراف و اتباع رسالت توحید کے ذیل میں توحید الوہیت و ربوبیت دونوں قسمیں داخل ہیں اتباع رسول کا اصل مقصد نجات و ہدایت ہیں ان تمام امور کو ان آیات میں ذکر فرما دیا۔ سب سے پہلے رسول پاکؐ کو حکم دیا کہ تم تمام موجود اور آئندہ آنے والے انسانوں کو خطاب کر کے کہدو کہ مجھے تم سب کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور مقصود رسالت یہ ہے کہ تم اللہ کی توحید ربوبیت و الوہیت کو مانو اور ضوابط حیات میں میری پیروی کرو آسمانو اور زمین کا کل تصرف انتظام اور حکومت اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے وہی موجد اور مربی ہے لہذا وہی اپنی ربوبیت میں واحد ہے پھر وہ الٰہ مطلق بھی ہے کیونکہ جلانا اور مارنا اوسی کے اختیار میں ہے وہی زندہ اور مردہ کرتا ہے لہذا وہی اپنی الوہیت میں یکہ و تنہا ہے پس تم اُسی پر ایمان لاؤ لیکن اوس کے رسول کو بھی ضرور مانو کیونکہ یہ وہی رسول ہے جس کو (توارات وغیرہ میں) نبی امی کہا گیا ہے یہی اوس کا اعجاز ہے۔ اور وہ فقط تم کو ہی دعوت ہدایت نہیں دے رہا ہے بلکہ خود بھی اوس پر کاربند ہے اللہ کی ذات و صفات پر اوس کا ایمان ہے لہذا تم کو اوس کی پیروی ضروری کرنی چاہئے اوس کی پیروی کرنے سے ہی امید ہدایت و نجات ہو سکتی ہے۔

تحقیق اجزاء

جَمِيعًا کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک جتنے آنے والے انسان ہیں اور حضورؐ کے زمانہ میں جتنے اشخاص موجود تھے سب کے واسطے حضورؐ کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ دعوت تبلیغ سب کے لئے عام ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو اسود و احمر کی طرف بھیجا عموم دعوت کے متعلق احادیث صحیح بکثرت موجود ہیں جنکی اسنادیں قوی اور جید ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کے دور رسالت میں یعنی ابتداء بعثت سے قیامت تک جو شخص بھی حضورؐ کی رسالت کو نہ مانے گا اوس کی نجات ناممکن ہے خواہ وہ موحد ہو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے حضور گرامیؐ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس امت کا کوئی شخص خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو یا اور کوئی ہو میری رسالت کو سن کر اگر مجھ پر ایمان نہ لائیگا تو ضرور جہنمی ہوگا (مسلم وغیرہ) ایک روایت میں ہے وہ جنت میں نہ جائیگا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہوش و حواس درست ہوں اور دعوت اسلام کی اطلاع پہونچ گئی ہو بصورت نفی معذور ہے۔

اَللّٰہ کے تین اوصاف بیان کئے ملکیت عامہ۔ وحدت الوہیت زندہ اور مردہ کرنا۔ ملکیت عامہ ثابت کرنے سے مشرکین عرب و عجم کا رد ہوگیا جو سوا خدا کے اوروں کو مستحق عبادت خیال کرتے تھے حالانکہ ادن کو ذرہ بھر تصرف کرنے کا اختیار نہیں اور نہ ادن کی ملکیت میں عالم کا کوئی ذرہ ہے دوسرے وصف سے اعتقاد یہود و نصاریٰ کی تردید ہوگئی جو عزیر و مسیح کو ابن اللہ خیال کرتے ہیں حالانکہ ادن میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں پھر ابن اللہ ہونا کیسے ممکن ہے تیسرے وصف سے تمام دنیا کے باطل پرستوں اور تاویلات زائغہ کرنیوالوں کے عقائد کا استیصال ہوگیا کیونکہ زندہ کرنا اور مردہ کرنا بداہتہً کسی کے اختیار میں نہیں۔

كَلِمَاتِهِ کی بجائے ایک روایت میں كَلِمَتِهِ بصیغۂ مفرد بھی آیا ہے اس سے مراد ابن کثیر قتادہ اور بیضاوی کے قول کے موافق فقط قرآن ہے دیگر مفسرین کے نزدیک قرآن اور دیگر آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ مجاہد اور سدی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ کی ذات مراد ہے۔

مقصود بیان:۔ رسول پاکؐ کی بعثت عامہ کی صراحت۔ منکرین رسالت کے جہنمی ہونے کی طرف اشارہ۔ خدا تعالیٰ کے مخصوص اوصاف کا بیان جن سے توحید الوہیت و ربوبیت ثابت ہوتی ہے۔ اس بات کی طرف ایماء کہ جس نبی امی کے بھیجنے کا وعدہ موسیٰؑ سے کوہ طور پر خدا تعالیٰ نے کیا تھا وہ حضور ہی کی ذات گرامی تھی اس امر کی صراحت کہ رسول کا اتباع لازم ہے یعنی جو شخص رسول کے اتباع کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی حکم دے اوس کے قول پر نہ چلنا چاہئے۔ اس بات پر ضمنی

تنبیہ کہ اگر کوئی شخص رسول پاکؐ کی تصدیق کرتا ہے مگر اتباع نہیں کرتا وہ خطا کار ہے خصوصیت کے ساتھ اس بات کی زرینہ نصیحت کہ عظمت و جلال الٰہی کے سامنے بیباکی سے بچو بغیر تصدیق و اتباع رسول کے کچھ بھی امید نہیں۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

اور موسیٰ کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی راہ بتاتے

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○

ہیں اور اُسی کے موافق انصاف کرتے ہیں

تفسیر اس آیت میں کون لوگ مراد ہیں؟ اسمیں اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تھے لیکن توریت میں تحریف و تغیر نہ کی بلکہ صحیح احکام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے لیکن ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرینؒ قائل ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول پاکؐ کے زمانہ میں تھے اور اپنے دین پر اخلاص کے ساتھ قائم رہے۔ پھر حضورؐ کی دعوت پر لبیک کہی اور ایمان لے آئے۔ مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ بہرحال مطلب ظاہر ہے۔ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کے ایک فرقہ کے قول و عمل کی مدح فرماتا ہے کہ وہ خود بھی اعتدال و انصاف پر قائم ہیں حق پر عمل کرتے اور انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں یعنی کبھی رشوت اور دنیوی طمع سے حق کو ناحق اور صحیح کو غلط نہیں قرار دیتے اور لوگوں کو راہ راست پر چلنے کی نصیحت بھی کرتے ہیں۔ پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی سرکشی کا اظہار کیا تھا۔ یہاں اُس عمومی حکم سے ایک جماعت عادل کا استثنار کر لیا۔

میرے خیال میں اس سے وہ فرقہ مراد ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے دعویٰ نبوت سے قبل گذر چکا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بنی اسرائیل کے باہمی اختلاف کا ایک عام قاعدہ کے ماتحت فیصلہ فرمایا ہے کہ یوں تو بنی اسرائیل کے بارہ فرقے تھے مگر انہوں نے احکام الٰہی سے سرکشی کی اور گمراہ ہوئے مگر ایک فرقہ اُن میں ایسا بھی تھا جو اعتدال پسند اور افراط و تفریط سے محترز تھا اور وہی فرقہ راہ حق پر تھا۔ اسی طرح نصاریٰ کے حق پرست فرقہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے وَمِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ الآیۃ علیٰ ہذا مسلمانوں کے ناجی فرقہ کا بیان بھی فرمایا ہے ارشاد ہوا ہے وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○

مقصود بیان:۔ اس بات کا بیان کہ بنی اسرائیل کا ایک فرقہ ایسا بھی ہے کہ وہ خود بھی اعتدال و انصاف پر قائم ہیں حق پر عمل کرتے اور انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی راہ راست پر چلنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا

ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے گروہ گروہ جدا کر دیے تھے

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ

اور جب موسیٰ سے اُن کی قوم نے پانی مانگا تو ہم نے اُن کے پاس وحی

قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ

بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا

(مارنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اُس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

اور ہر گروہ نے اپنا گھاٹ معلوم کر لیا

وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا

اور ہم نے اُن پر ابر کو سائبان بنایا اور من

عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ

و سلویٰ اُن پر نازل کیا (اور کہدیا کہ) ہماری دی ہوئی

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا

نفیس چیزیں کھاؤ انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے

تفسیر حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے ہر ایک کی اولاد جدا ایک بڑا گروہ اور خاندان بن گئی اور اس طرح بنی اسرائیل الگ الگ بارہ خاندانوں پر منقسم ہو گئے جنہیں کچھ چھوٹے خاندان تھے کچھ بڑے سمندر سے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے کے بعد قادسیہ کے قریب پہنچ کر بنی اسرائیل نے ایک محسوس معبود کی خواہش کی اور موسیٰؑ کی تنبیہ کے بعد اپنی خواہش سے باز آئے پھر وادی سینا میں پہونچکر حضرت موسیٰؑ توراۃ لینے کے لئے کوہ طور پر گئے اور آپ کی غیبت میں بنی اسرائیل نے سونے کا بچھڑا پوجنا شروع کیا لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ کی ان پر عنایات و

نوازش ہوئی مگر ان کی سرکشیوں میں کمی نہ آئی تو عذاب میں مبتلا ہوئے اور ایک بیابان میں چالیس سال حیران پریشان گھومتے رہے رہائی کا راستہ ہی نہ ملا بیابان میں نہ پانی تھا نہ کھانا حضرت موسیٰؑ سے بھوک پیاس سامنے کی شکایت کی موسیٰؑ نے دعا کی حکم الٰہی ہوا کہ پتھر پر لاٹھی مارو حضرت نے حکم کی تعمیل کی فوراً پتھر کے اندر سے الگ الگ بنی اسرائیل کے خاندانوں کی تعداد کے موافق بارہ چشمے پھوٹ نکلے جنمیں کچھ چھوٹے تھے کچھ بڑے اور خاندان بھی چونکہ چھوٹے بڑے تھے اس لئے ہر خاندان نے اپنا چشمہ پہچان لیا اور اس طرح کسی گروہ کو دوسرے سے جھگڑا کرنے کا موقع نہ ملسکا کھانے کے لئے آسمان سے من وسلویٰ نازل ہوا جسکی تفصیل سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے پھر دھوپ سے بچنے کا چونکہ کوئی ذریعہ نہ تھا اس لئے بحکم خدا ہر وقت ایک ابر چھایا رہا جدھر جاتے ساتھ ساتھ ابر جاتا اور جہاں ٹھیرتے ٹھیر جاتا اس ابر میں نہ تکلیف دہ خنکی تھی نہ آفتاب کی گرمی نیچے پہونچسکتی تھی لیکن نعمتیں بلا مشقت کھاتے کھاتے بنی اسرائیل اکتا گئے ناشکری کرنے لگے کہنے لگے ہم سے تو ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں ہوسکتا ہم کو تو منہ کا مزہ سلونا کرنے کے لئے لہسن پیاز مسور کی دال وغیرہ کی ضرورت ہے اس کے علاوہ ان کو خدا پر اعتماد بھی نہ رہا حکم تھا کہ اگلے روز کے لئے کوئی غذا جمع نہ کرے ورنہ اس کا برا نتیجہ ہوگا مگر کوتاہ نظر رکھنے والوں نے ذخیرہ جمع کرنا شروع کیا اور خیال کیا خدا جانے کل کو یہ روزی ملے گی یا نہیں اس جرم کی پاداش میں نعمت نازلہ کا نزول بند ہوگیا اور جو کچھ جمع کیا تھا وہ بھی سڑ گیا اور خود بنی اسرائیل نے اپنے ہاتھوں سے اپنی تباہی کا سامان کیا۔

مقصود بیان:۔ بنی اسرائیل کی سرکشی کا اظہار۔ اللہ کی قدرت جلیلہ کا بیان۔ اس امر کی وضاحت کہ خدا تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی ہر چیز عطا فرما سکتا ہے مگر انسان میں اس کے قبول کی صلاحیت اور اعتماد ضروری ہے۔ قدرت الٰہی پر بھروسہ نہ رکھنے کی سزا سخت ہے۔ انسان اپنی تدبیر بد سے اپنے لئے خود بُرائی کرتا ہے۔ خدا کسی کی بُرائی نہیں کرتا۔ شروع آیت میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ بنی اسرائیل میں بھی (موجودہ مسلمانوں کی طرح) تفریق قومی اور امتیاز نسلی تھا اور اس حد تک تھا کہ ایک گھاٹ پانی پینا گوارا نہ کرسکتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی تفریق مٹانے اور منازعت کو دور کرنے کیلئے چشمے بھی الگ الگ جاری فرمادئے تھے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

جب اُن کو حکم دیا گیا کہ اس بستی میں بس جاؤ

وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا

اور وہاں جو چاہو کھاؤ اور

حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ

کہو اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو ہم تمہارے

لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ

قصور معاف کردینگے اور نیک بندوں کو اور بھی زیادہ دینگے

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا

مگر ظالموں نے اُس لفظ کو بدل ڈالا جو اُن سے

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا

کہا گیا تھا تو ہم نے اُن کی ظلم کرداری کی

عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا

وجہ سے آسمان سے عذاب

يَظْلِمُوْنَ ۝ ع

اُن پر بھیجدیا

تفسیر یہ قصہ حضرت موسیٰؑ کے بعد آپکے خلیفہ یوشع بن نون کا ہے حضرت یوشع ملک شام کو گئے اور نہر اردن کو عبور کرکے شہر یریکو یعنی اریحا میں پہونچے اریحا کا فاصلہ نہر اردن سے سات یا نو میل تھا اور اورشلیم سے بیس میل۔ خدا تعالیٰ کا حکم تھا کہ جب تم لوگ اس شہر میں داخل ہو تو داخلہ کے وقت سجدہ کرتے یعنی عاجزی اور سرنگونی کرتے ہوئے داخل ہونا اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے گھسنا مگر بنی اسرائیل انتہائی سرکش تھے یہ وہاں پہونچے تو بجائے سرنگونی عاجزی اور دعاء مغفرت کے لگے حکم الٰہی کا مذاق اڑانے کہنے لگے پروردگار ہم کو گیہوں بھری بالیاں عطا کر پھر شہر فتح ہوا تو حکم ہوا کہ مال غنیمت کوئی پوشیدہ نہ رکھے نہ کوئی شخص کوئی چیز چوری کرے بنی اسرائیل نے اس حکم سے بھی سرتابی کی اور لوٹ کا مال چھپا لیا اس پر آسمانی بلا نازل ہوئی مرض طاعون پیدا ہوا اور اکثر تباہ ہوگئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آسمانی بلا سے مراد یہ ہے کہ عی کے لوگوں یعنی اہل کنعان نے بنی اسرائیل کو شکست دیکر قتل وغارت کردیا۔

تحقیق یہ قصہ مفصل سورۂ بقرہ میں بھی گذر چکا ہے مگر بعض الفاظ کا یہاں تغیر ہے مطلب بہرحال ایک ہی ہے۔

قریہ سے مراد بعض لوگوں نے بیت المقدس بیان کی ہے مگر یہ غلط

ہے۔ صحیح یہی ہے کہ قریہ سے مراد اریحا ہے۔
سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سر جھکاتے ہوئے فروتنی کرتے ہوئے داخل ہو۔ خمیدہ قامت اور سرنگوں ہوکر اندر جاؤ کیونکہ پیشانی زمین پر رکھ کر داخل ہونا ناممکن ہے۔
سنزید المحسنین کا مطلب یہ ہے کہ اگر حکم کی تعمیل کرو گے اور نیکوکار رہو گے تو خدا تعالیٰ مزید نعمت عطا کریگا۔ ابھی تو صرف ایک شہر فتح ہوا ہے پھر پورا ملک فتح ہو جائیگا۔
مقصود بیان: تعمیل حکم الٰہی واجب ہے۔ نعمت کا شکر ادا کرنا توبہ و استغفار کرنا بارگاہ خداوندی میں عاجزی کرنا ضروری ہے۔ ملکی فتوحات بھی انعام ربانی ہے۔ نعمت کا شکریہ ادا کرنے سے مزید نعمت ملتی ہے۔ احکام الٰہی کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ وغیرہ

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ
اُس بستی سے دریافت کرلو جو دریا کے کنارے

حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي
واقع تھی جب وہ ہفتہ کے بارہ میں زیادتی

السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ
کرتے رہے ہفتہ کے دن اُن کی مچھلیاں (پانی کے اوپر)

سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ
ظاہر ہو ہو کر آتی تھیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تھا تو

لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا
اُن کے پاس نہ آتی تھیں۔ یونہی ہوتا تھا۔ ہم اُن کو آزماتے تھے کیونکہ

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ
وہ نافرمانی کرتے تھے اور جب ایک گروہ نے اُن میں

مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ
سے کہا تم کیوں ایسی قوم کو نصیحت کئے جاتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنیوالا ہے

اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا
یا اُن کو سخت عذاب دینے والا ہے وہ بولے

مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝
عذر تمہارے رب کے سامنے عذر کرنے کیواسطے اور اسلئے کہ شاید وہ پرہیزگار ہو جائیں

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ
غرض جب وہ اُس نصیحت کو بھول گئے جو اُن کو کیجاتی تھی تو ہمنے اُن لوگوں کو بچالیا

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ
جو برے کام سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو

ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا
اُن کی بدکرداری کی وجہ سے سخت عذاب میں

يَفْسُقُوْنَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا
پکڑ لیا اور جب ممنوعات کی حد سے وہ آگے

عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝
بڑھ گئے تو ہم نے اُن کو حکم دیا ذلیل بندر بن جاؤ

تفسیر یہ قصہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں واقع ہوا جبکہ بنی اسرائیل ملک شام میں آکر رہنے لگے تھے اور یہاں اُن کا کامل تسلط ہو گیا تھا پوری تفصیل سورۂ بقر میں گذر چکی ہے یہودیوں پر سنیچر کے دن کی تعظیم اور کل دنیوی مشاغل کو ترک کر کے محض عبادت کرنا اس دن میں فرض کر دیا گیا تھا قلزم کے کنارے ایک گاؤں تھا جسکا نام ایلہ تھا وہاں مچھلیاں بکثرت تھیں اور وہاں کے باشندوں کی روزی عموماً شکار پر موقوف تھی خدا کی طرف سے اون کی آزمائش کی گئی جس کی صورت یہ ہوئی کہ سنیچر کے دن دریا کے کنارے بے انتہا مچھلیاں ابھر آتیں بنی اسرائیل کے دل للچاتے مگر مجبور تھے کیا کرتے لیکن سنیچر گذر جاتا تو چھ روز تک مچھلی کا پتہ بھی نہ ملتا آخر حکم الٰہی کے ٹالنے کیلئے ان میں سے بعض لوگوں نے ایک حیلہ تراشا دریا کے کنارے سے کچھ نالیاں نکالیں اور نالیوں کے اختتام پر گہرے گڑھے کھود دیئے سنیچر کے روز حسب معمول مچھلیاں آتیں اور ان نالیوں میں ہوتی ہوئی گڑھوں میں جاکر گر جاتیں اتوار کے روز وہ لوگ سب کو پکڑ لیتے پھر رفتہ رفتہ اس میں بھی تساہل کرنے لگے اکادکا سنیچر کے دن بھی مچھلیاں پکڑ لیتا ایک فریق نے ان شکاریوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور اس فعل سے منع کیا لیکن جب انہوں نے نہ مانا تو روکنے والا گروہ چپ ہو رہا مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو برابر نصیحت کرتے رہے فریق دوم

نے کہا ان کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ یہ ماننے والے معلوم نہیں ہوتے اغلب خیال ہے کہ سرکشی کی پاداش میں مبتلا ہوں گے اور عذاب الہٰی ان پر نازل ہوگا۔ واعظین نے جواب دیا ہمارے مقصد دو ہیں اول تو اپنی جانوں کی خدا کے سامنے برات کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے دریافت فرمائے تو ہم اپنا عذر پیش کر سکیں دوسرا مقصد یہ ہے کہ شاید یہ لوگ باز آجائیں اور اس نازیبا حرکت سے توبہ کرلیں۔ بالآخر عذاب الٰہی آیا نافرمانی اور سرکشی کرنے والوں میں ایک مرض پیدا ہوگیا (غالباً جذام ہوگا) جسکی وجہ سے اون کی صورتیں بندروں کی طرح (گول اور متورم) ہوگئیں اور تین روز تک یونہی جھک مار کر مر گئے۔ اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ اون لوگوں کے تین گروہ ہوگئے تھے ایک گروہ تو خود شکار کرتا تھا دوسرا گروہ وہ تھا جو شکار کرنے والوں کو برابر منع کئے جاتا تھا تیسرا فریق وہ تھا جو شروع میں تو اپنی قوم کو شکار کرنے سے منع کرتا رہا لیکن آخر میں تھک کر چپ ہو رہا ابن عباسؓ کی متعدد روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ عذاب صرف شکار کرنیوالوں پر نازل ہوا واعظین کا گروہ محفوظ رہا اور خاموش ہوجانیوالوں کی نسبت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اون کی حالت معلوم نہیں لیکن عکرمہ فرماتے ہیں کہ وہ بھی عذاب سے بچ گئے کیونکہ اونہوں نے اون نافرمانوں کے فسق کو برا جانا تھا ابن عباسؓ کا رجوع بھی عکرمہ کے قول کی طرف ایک روایت میں آیا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف دو فرقے تھے ایک شکار کرنیوالا دوسرا منع کرنیوالا۔

تحقیق اجزاء قریہ کا نام ابن کثیر وغیرہ کے نزدیک ایلہ تھا جو مدین اور طور کے درمیان واقع تھا ابن اسحٰق نے بروایت عکرمہ ابن عباسؓ کا قول بھی یہی نقل کیا ہے مجاہد قتادہ اور سدی بھی اسی کے قائل ہیں زہری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریہ سے مراد مدین ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ طبریہ مراد ہے مگر صحیح اول قول ہے بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ آزمائش خدا تعالیٰ نے اون کی نافرمانی اور حیلہ تراشی کی وجہ سے کی تھی وہ لوگ مذکورہ واقعہ کو دریا کا ریلا خیال کرتے تھے اور جب مذکورہ تدبیر حیلہ کے بعد کچھ دنوں انہوں نے عذاب الٰہی نہ دیکھا تو اور دلیر ہوگئے۔ علماء اسلام نے ایسے حیلہ کو جو عموم نص کے خلاف ہو ممنوع قرار دیا ہے بلکہ بعض نے حرام کہا ہے فقیہ ابن بطہ نے ابو ہریرہؓ کی روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا تم لوگ اوس چیز کا ارتکاب نہ کرو جس کے مرتکب یہودی ہوئے کہ ادنیٰ حیلہ سے اونہوں نے محارم الٰہی کو حلال تصور کرلیا ابن کثیر اور احمد بن محمد بن مسلم نے اس حدیث کی اسناد قوی اور جید بیان کی ہے خطیب نے بھی اپنی تاریخ میں اس کی توثیق کی ہے۔

اَللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ کہنے سے غرض صرف اپنے غالب خیال کا اظہار ہے اون لوگوں نے دیکھا کہ یہ شکاری فرقہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی سے باز نہیں آتا تو ضرور اس پر عذاب آئے گا اور اللہ ہی اون کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو مذکورہ قول اپنے زعم کے موافق کہدیا۔ بندر بنجانے کو بعض لوگوں نے حقیقت پر محمول کیا ہے کہ وہ واقعی دم دار بندر بن گئے تھے اگرچہ قدرت الٰہی سے یہ بات بھی بعید نہیں مگر چونکہ اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی اس لئے مطلب زیادہ بہتر وہی ہے جو ہم نے بیان کردیا کہ کسی مرض میں مبتلا ہوکر چہروں پر ورم آگیا اور چہرے گول چپٹے ہوکر بندروں کی طرح ہوگئے۔

مقصود بیان:۔ رسول پاکؐ کی صداقت کا اظہار کہ گذشتہ اہم ترین واقعہ سیکڑوں برس پہلے کا حضورؐ بیان فرما رہے ہیں باوجودیکہ کوئی آسمانی کتاب نہیں پڑھی نہ اہل کتاب سے میل جول پیدا کرکے سنا اور بے کم و کاست صحیح واقعہ بیان کردیا جس کو یہودی بھی تسلیم کرتے ہیں اور کسی کو انکار کی مجال نہیں۔ امتحان الٰہی کا بیان اور اس بات کی صراحت کہ اللہ کی طرف سے آزمائش صرف انسان کی نافرمانی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حیلہ بہانہ بنا کر حکم الٰہی کو ٹالنے کی تدبیریں کرنی حرام ہیں وعظ تبلیغ فرض قطعی ہے کوئی مانے یا نہ مانے مگر حکم الٰہی بیان کرنا ضروری ہے اگر حکم الٰہی کو نہ بیان کیا اور خاموش رہا تو ماخوذ ہوگا۔ مختلف سخت ترین امراض جن سے آدمی کی شکل بگڑ کر جانور کی طرح ہوجاتی ہے عذاب الٰہی ہیں (پناہ بخدا) وغیرہ ۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى

اور جب تمہارے رب نے جتا دیا کہ اللہ یہود پر قیامت کے دن تک

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ

ایسے شخص کو مسلط کردیگا جو ان کو بری مار دیا کرے گا

الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ

بلاشبہ تمہارا رب جلد عذاب دینے والا ہے

وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور وہ یقیناً غفور رحیم ہے

تفسیر اللہ نے توریت میں صاف صاف اعلان کردیا تھا کہ اے بنی اسرائیل اگر تم بدی کروگے تو وہ ابد تک تم کو تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں میں دے دیگا جو تم کو سخت مصائب میں

بتلا رکھینگے سفر استثنار کے باب ۱۱ درس ۲۶ اور باب ۸ درس ۱۹ میں اسی قسم کے مضامین موجود ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب بنی اسرائیل نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی، تو خدا تعالیٰ نے اون کی حکومت عزت شوکت اور سلطنت چھین لی کبھی نینوا اور بابل کے بادشاہوں نے اون کو غلام بنایا کبھی ایرانیوں کے زیر تسلط آئے کبھی نصاریٰ نے ان پر حکومت کی پھر سکندر اعظم نے اُن کو اسیر کیا اسلامی دور میں مسلمانوں کی رعیت ہو کر بڑی ذلت و خواری سے زندگی بسر کی اب تک ان کو کہیں کی حکومت و سلطنت میسر نہوئی ہر قوم اللہ کی زمین کے کسی نہ کسی حصہ کی مالک اور بادشاہ ہے لیکن یہود کا یہ جم غفیر بدستور کسی نہ کسی کا غلام ہے اب فلسطین میں انگریزان کی حکومت کی بنیاد قائم کرنی چاہتے ہیں لیکن اپنا اقتدار بھی قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی زیر سیادت انکی سلطنت بنانے کے خواستگار ہیں اگرچہ اس طرح کی حکومت حکومت نہیں ہوتی بلکہ بالواسطہ غلامی ہوتی ہے مگر تورات کی پیشینگوئی اور قرآن پاک کی صراحت پر نظر کرتے ہوئے ایسی حکومت کی بھی یہودیوں کے واسطے امید نہیں۔

مقصود بیان: یہودیوں کے متعلق پیشین گوئی کہ انکو کبھی دنیوی سلطنت نصیب نہ ہوگی۔ در پردہ مسلمانوں کو تنبیہ کہ اگر تم بھی یہودیوں کے نقش قدم پر چلوگے تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو یہودیوں کا ہوا۔ تمہاری حکومت و سلطنت بھی چھین جائیگی اور ذلت و غلامی کی زندگی بسر کروگے۔ اخیر کی دونوں آیتوں میں اس طرف اشارہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی پیروی کرو تاکہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے ورنہ عذاب میں ماخوذ ہوجاؤگے

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ
اور ہم نے اُن کو زمین میں گروہ گروہ کر کے پھیلا دیا بعض تو اُن میں سے

الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَ
نیک ہیں اور بعض اور طرح کے ہیں اور

بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ
ہم نے اُن کو نعمتوں سے اور تکلیفوں سے آزمایا تاکہ وہ

يَرْجِعُوْنَ ۝ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ
باز آجائیں لیکن اُن کے بعد ایسے ناخلف آئے

وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ
جو کتاب کے وارث بنے اس دنیائے دون کا سامان

هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا
لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف کر دیا جائیگا

وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ
اور ان کے پاس اگر ویسی ہی چیز پھر آجائے تو اس کو بھی لے لیتے ہیں

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ
کیا اُن سے کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا تھا

اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ
کہ اللہ پر سوائے سچ کے (جھوٹ) نہ کہیں اور

دَرَسُوْا مَا فِيْهِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
جو مضمون کتاب میں تھا وہ انہوں نے پڑھ بھی لیا اور دار آخرت

لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَ
پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے کیا تم سمجھتے نہیں اور

الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا
جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور ٹھیک ٹھیک

الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ
نماز پڑھتے ہیں تو ہم نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے

تفسیر: اوپر کی آیت میں یہودیوں پر ذلت کی مہر لگا دینے کی صراحت تھی۔ اب بیان فرمانا چاہتا ہے کہ تمام بنی اسرائیل کی حالت ایک سی نہ تھی ہم نے زمین پر اون کے مختلف گروہ بنا دیئے تھے ایک جگہ یا ایک عمل و عقیدہ پر اون کا اجتماع نہ تھا باہم تفرقہ اور پھوٹ تھی کچھ لوگ تو واقعی نیک اور نیکوکار تھے تورات کے صحیح احکام پر چلتے تھے لیکن باقی افراد بدکار فاسق فاجر اور کافر تھے ہم نے اُن بدکاروں کو طرح طرح سے ہدایت کی راہ پر آجانے کا موقع دیا نعمت فراغت اور راحت دیکر دیا کبھی فقر و افلاس اور دنیوی مصائب میں مبتلا کیا کہ شاید عیش میں یا تکلیف میں ان کو خدا یاد آجائے اور اپنے کرتوت چھوڑ کر حق پرستی کی طرف رجوع کرلیں بہرحال ان یہودیوں کے اسلاف کے دو گروہ ہوئے نیک اور بد لیکن اون کے جانشین تو ایسے ناخلف ہوئے

جن کے ہاتھوں میں تو کتاب الٰہی ہے مگر احکام الٰہی کو رشوتیں لیکر بدلتے ہیں حرام کھاتے ہیں حق کے عوض دنیاء دنی کا حقیر مال حاصل کرتے ہیں اور پھر بے باک ایسے ہیں کہ اس جرم عظیم کو حقیر سمجھ کر کہتے ہیں کہ یہ گناہ ہی کیا ہے ہم تو اللہ کے پیارے اور اس کی اولاد ہیں ہمارا خدا سے رشتہ ہے ہمارا یہ سب گناہ معاف ہو جائے گا اور یہ زبانی دعاء مغفرت اور دعوی عفو بھی کچھ بلحاظ توبہ نہیں بلکہ صرف نمائش ہے ان کے دلوں میں اس کا ذرہ برابر اثر نہیں کیونکہ اگر دوبارہ ان کو کہیں رشوت لیکر حق پوشی اور باطل کوشی کا موقعہ ملتا ہے تو دریغ نہیں کرتے بلکہ وہی پہلی حرکت کرتے ہیں اور برابر دنیوی حقیر مال کے لالچ میں پڑے رہتے ہیں حالانکہ تورات میں اصرار بر معصیت کے باوجود مغفرت کا وعدہ نہیں بلکہ ان سے کہدیا گیا ہے کہ دیکھو اللہ کے متعلق کوئی خلاف حق بات نہ کہنا اس بات کا ان کو علم بھی ہے تورات میں پڑھتے بھی ہیں مگر پھر وہی کرتے ہیں جس سے آخرت تباہ ہو باوجودیکہ یہ بالکل نمایاں حقیقت ہے کہ جو لوگ دنیاء دنی سے مونہ موڑ کر اللہ سے تعلق جوڑ کر آخرت کے طالب ہوتے ہیں ان کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔

ہاں ان لوگوں میں کچھ اشخاص (عبد اللہ بن سلام وغیرہ) ایسے بھی ہیں جو کتاب الٰہی کے احکام کے پابند ہیں محمد رسول اللہ صلعم پر توریت کے حکم کے مطابق ایمان لائے ہیں وہ نیک لوگ ہیں اللہ ان کو اجر عطا فرمائے گا۔

تحلیل شیخ ابن کثیر نے روایت سدی بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے قاضی رشوت خوار تھے اور قوم میں جو نیک لوگ تھے وہ جمع ہو کر عہد لیتے تھے کہ ہم کسی طرح احکام توریت کو تحریف نہیں کریں گے اور رشوت لے کر حق کو نہیں چھپائیں گے لیکن انہی لوگوں میں سے اگر کوئی برسر حکومت ہو جاتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ اس کے ثبوت میں سدی نے آیت وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ پڑھی لیکن جمہور کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دی۔

مِيْثَاقُ الْكِتٰبِ سے وہ میثاق مراد ہے جس کا بیان خدا تعالیٰ نے آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ میں فرمایا ہے۔

آیت کا حکم عام ہے جو مسلمان علماء بنی اسرائیل کے صفات رکھتے ہوں وہ بھی اس وعید کے مصداق ہیں کیونکہ ابن عباس رض نے فرمایا تھا کہ وہ لوگ بار بار اپنے گناہ کی طرف عود کرتے اور توبہ نہیں کرتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے بھی مدعی تھے اس کے بعد ابن عباس رض سے آیت مذکورہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا پر جھکے ہوئے ہیں حرام و حلال جس طرح پاتے ہیں کھائے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری مغفرت کی جائے گی حالانکہ دنیا کی جو چیز ان کے سامنے آتی ہے اسکو بغیر لئے نہیں چھوڑتے۔ مجاہد کہتے ہیں اس آیت کا مصداق نصاری ہی ہے۔

مقصود بیان: کسی قوم کا باہمی افتراق اور اس پر عذاب الٰہی ہے خدا تعالیٰ دکھ سکھ دے کر آزمائش کرتا ہے۔ یہودی رشوت خوار اور حق پوش تھے مسلمانوں کے لئے مایۂ صد عبرت مخفی ہے کہ اگر وہ بھی اسرائیلیوں کے طرح حق پوش و رشوت خوار ہوں گے تو ان کا بھی ان ہی کی طرح انجام ہوگا۔ کتاب اللہ پر عمل کرنے والوں کو خدا تعالیٰ ضرور اجر عطا فرمائے گا وغیرہ۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ

اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو سائبان کی طرح اٹھا لیا

وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ

اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے ہم نے کہا کہ جو کچھ ہم نے تم کو

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ

دیا ہے اسکو مضبوطی سے پکڑو اور جو مضمون اسمیں ہے اس کو یاد رکھو

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

تاکہ تم (عذاب سے) بچ جاؤ

تفسیر پہاڑ سے مراد بعض کے نزدیک کوہ طور ہے۔ بعض قائل ہیں کہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے کوئی پہاڑ تھا بعض نے بیت المقدس کے قریب کا کوئی پہاڑ بتایا ہے۔ یہ قصہ مکمل سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ نسائی نے ابن عباس کی روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت موسیٰ کا غصہ فرو ہو گیا اور آپ نے الواح توریت کو اٹھا لیا تو اس کے بعد بنی اسرائیل کو لیکر زمین مقدس کی طرف چلدیئے اور الواح کے مطابق عقائد رکھنے اور فرائض و واجبات پر عمل کرنے کا حکم دیا بنی اسرائیل پر یہ احکام شاق گذرے اس لئے انہوں نے قبول سے انکار کیا۔ اللہ نے ان پر پہاڑ کو اٹھا لیا گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ ان پر گرا جاتا ہے (نسائی کی روایت کی صورت میں پہاڑ کا اٹھایا جانا معلوم ہوتا ہے مگر معلق ہونا ثابت نہیں ہوتا لیکن حسن بصری فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے مکرر قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ اگر الواح میں خفیف فرائض و وظائف ہوں گے تو خیر ورنہ ہم نہیں مانیں گے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا کہ وہ اپنی

جگہ سے منقطع ہو کر بلند ہوا اور اون کے سروں پر معلق ہو گیا موسیٰ نے فرمایا کیا اب بھی نہ مانو گے اللہ فرماتا ہے کہ مانو ورنہ پہاڑ تم پر ڈالدیا جائے گا پس یہ دیکھکر ہر شخص سجدہ میں اپنی بائیں ابرو کے بل گر پڑا اور دائیں گوشہ چشم سے تکتا رہا کہ کہیں پہاڑ گر نہ پڑے یہی وجہ ہے کہ یہودی بائیں بھوؤں پر سجدہ کرتے اور کہتے ہیں کہ اسی سجدہ کی وجہ سے ہم پر سے عذاب دور ہوا۔ آیت میں ظن سے مراد یقین ہے کیونکہ بنی اسرائیل کو یقین ہو چکا تھا کہ اگر احکام کو نہ مانیں گے تو ہم پر یہ پہاڑ ٹوٹ پڑے گا مطلب بالکل واضح ہے۔

مقصود بیان:۔ قدرت الٰہی کا اظہار معجزات انبیاء کا ثبوت بنی اسرائیل کی انتہائی جہالت و سرکشی کا مظاہرہ۔ اس بات کی صراحت کہ کتاب الٰہی کے احکام خواہ سہل معلوم ہوں یا دشوار بہرحال انسان کی فلاح کے لئے ہوتے ہیں اون کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان افعال قبیحہ اور حرکات شنیعہ سے بچ جائے اور عذاب اخروی سے نجات پا جائے۔ وغیرہ۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ ذُرِّيَّتَهُمْ

اور جب تمہارے ربنے اولاد آدم کی پشتوں سے اُن کی نسل کو نکالا

وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ

اور اُن سے خود انہی کی ذاتوں پر اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا

بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ

رب نہیں ہوں (سب نے) کہا ہے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (یہ اقرار اسلئے لیا) تاکہ

تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا

قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے

غَافِلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ

غافل تھے یا تم یہ کہنے لگو کہ شرک پہلے تو صرف ہمارے

آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ

باپ دادانے کیا تھا ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد

بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ

تھے پھر کیا بدکاروں کے کرتوت کے عوض تو ہم کو ہلاک کرتا ہے

وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ

اسی طرح ہم آیات تفصیل وار بیان کرتے ہیں تاکہ یہ

يَرْجِعُونَ ۝

باز آجائیں

تفسیر آیات کی تفسیر اور طریقۂ تفسیر کے اختلافات سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت کے مسلک کے موافق بحث کی تحقیق کر دی جائے عموماً علماء سنت متفق ہیں کہ حضرت آدمؑ کی پشت سے تمام ذریات کا اخراج واقع ہوا آپ کی پشت سے تمام ذریات چیونٹیوں کی طرح خارج ہو کر میدان عرفات میں پھیل گئیں اور حق تعالیٰ نے اون سے سوال جواب کیا تھا حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ قیامت کے روز دوزخی آدمی سے کہا جائے گا کہ اگر تیری ملک میں روئے زمین کی کل چیزیں موجود ہوں تو کیا تو عذاب دوزخ سے رہا ہونیکے لئے اون کو دے دیگا دوزخی کہے گا بیشک خدا تعالیٰ بزبان ملائکہ فرمائے گا میں نے اوس وقت جب کہ تو پشت آدم میں تھا تجھسے آسان ترین بات کی خواہش کی تھی یعنی یہ کہا تھا کہ تو شرک نہ کرنا مگر تو نے شرک ہی کیا (رواہ البخاری ومسلم)

ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرفہ کے روز وادیٔ نعمان میں پشت آدم سے میثاق لیا اون کی پشت سے تمام ذریات کو نکال کر اون کے سامنے رکھا پھر اون ذریات سے کلام فرمایا اس کے بعد حضور صلعم نے آیت الست بربکم مبطلون تک تلاوت فرمائی (رواہ احمد والنسائی وابن جریر وابن ابی حاتم) لیکن ابن ابی حاتم نے یہ روایت موقوفاً روایت کی ہے وقد رواہ العوفی والضحاک موقوفاً علی ابن عباسؓ ورواہ الحاکم مرفوعاً وموقوفاً۔

عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ اللہ نے آدمؑ کی پشت میں سے ذریات نکالیں جیسے سر میں سے کنگھی سے نکالتے ہیں پھر اون سے فرمایا الست بربکم اونہوں نے جواب دیا بلی پس ملائکہ نے کہا شہدنا ان تقولوا یوم القیامہ الآیہ۔ (رواہ ابن جریر باسناد لاباس بہ ولہ طرق یقوی)

مسلم بن یسار جہنی کی روایت میں ہے کہ فاروق اعظمؓ سے یہ آیت دریافت کی گئی تو فرمایا رسول پاکؐ سے بھی یہ آیت دریافت کی گئی تھی اور میں سن رہا تھا حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر دائیں دست قدرت سے اوس کی پشت پر مسح کیا پس اوس سے کچھ ذریات نکالیں اور فرمایا میں نے اون کو جنت کے واسطے پیدا کیا ہے یہ اہل جنت کے کام کریں گے پھر پشت پر ہاتھ پھیرا اور کچھ ذریات نکالیں اور فرمایا اون کو میں

نے دوزخ کے واسطے پیدا کیا یہ دوزخیوں کے کام کریں گے (رواہ مالک فی الموطأ و احمد فی المسند وعبد بن حمید والبخاری فی تاریخہ وابو داؤد والنسائی وابن جریر وابن منذر وابن حبان فی صحیحہ وابو الشیخ والحاکم وابن مردویہ والبیہقی ورواہ الترمذی وقال حدیث حسن ومسلم بن یسار لم یسمع من عمر۔ وکذا قال ابو حاتم الرازی وابو زرعۃ وقال ابن ابی حاتم فیہ مسلم بن یسار عن نعیم بن ربیعۃ عن عمر بن الخطاب وکذا رواہ ابو داؤد فی سننہ من طریق عمرو بن جعثم القرشی واللہ اعلم۔

ابو ہریرہ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر اوس کی پشت کو مسح فرمایا پس اوس کی پشت سے تمام ذریات جن کو قیامت تک خدا تعالیٰ پیدا کرنیوالا ہے گر پڑی الحدیث۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح وکذا صححہ الحاکم علی شرط مسلم وابن ابی حاتم۔ عقبلی کا قول ہے کہ اس بارہ میں اس قدر کثرت سے روایات موجود ہیں کہ اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ بتواتر معنوی یہ امر باخبار نبوت ثابت ہے تو کچھ بیجا نہیں۔

ان روایات میں چند امور محل طلب ہیں۔

(۱) کیفیت استخراج کیا ہے۔ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ امر محض اعتقادی ہے اخراج ذریات پشت آدم سے بطریق صحیح ثابت ہے اور قدرت الٰہیہ کا اعلیٰ درجہ ہونا بھی متحقق ہے لہذا کوئی استحالہ نہیں جو بات ممکن اور تحت قدرت ہے جب وہ باخبار رسالت ثابت ہے تو اوس کا ماننا فرض ہے چگونگی اور کیفیت کا سوال مہمل ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ نے ذریات کو زندہ پیدا کیا کیونکہ ذریت زندہ ہی کو کہتے ہیں

(۳) احادیث میں اس کی صراحت نہیں کہ ذریات کی شکل آدمی کی تھی یا نہیں رہی چیونٹیوں سے تشبیہ تو ممکن ہے کہ یہ تشبیہ صغر جسم کے لحاظ سے ہو

(۴) کمالین میں زبان سے ذریت کا اقرار کرنا مذہب جمہور قرار دیا گیا ہے لیکن زبان سے مراد نطق ہے۔

(۵) وادی نعمان سے مراد عالم ازل کا کوئی مقام ہے یہ وادی عرفات مراد نہیں اس کا وجود تو بعد کو ہوا۔ بہر حال ان مباحث میں عقل کو گنجائش تحقیق نہیں جتنا نصوص میں آ گیا اوسی پر اکتفا کرنا لازم ہے۔

اب ہم آیات کی تفسیر پر آتے ہیں آیات کی تفسیر دو طرح سے کی گئی ہے اول یہ کہ کل واقعات اخراج سے تحقیقی وقوع مراد ہے کلام کا حمل مجاز پر نہیں بلکہ حقیقی معنی مراد ہیں۔ ابن انباری وغیرہ نے لکھا ہے کہ اکابر اہل سنت کا یہی مسلک ہے کمالین میں بھی اسی کی صراحت کی گئی ہے۔

دوسرے یہ کہ آیت میں مجازی معنی مراد ہیں اور کلام بر طریق تمثیل ہے یہ قول زمخشری وغیرہ اہل اعتزال کا ہے شیخ ابن کثیر بیضاوی نسفی اور رازی وغیرہ نے اگرچہ اول قول کے جواز کو مانا ہے مگر میلان ثانی قول کی طرف کیا ہے۔ اول قول محل طلب نہیں ثانی قول کی تشریح ہم کسی قدر کرتے ہیں۔ اخراج سے ازلی اخراج مراد نہیں بلکہ یہی تدریجی یکے بعد دیگرے پیدائش مراد ہے اللہ نے بنی آدم کی پشتوں سے اون کی ذریات کو اس طرح پیدا کیا کہ آبا کی پشت میں نطفہ بنا یا نطفہ نے ماؤں کے رحم میں قرار پکڑا پھر تدریجی نمو ہو کر انسان عالم شہود میں آیا۔

اقرار ربوبیت اور شہادت سے مراد شہادت حال اور اقرار عقل ہے انسان کی تخلیق اس طور پر ہوئی کہ اوس کی فطرت اللہ کی ربوبیت کی بزبان حال شاہد ہے۔

قول سے مراد دلالت حال اور زبان فطرت ہے۔ اہل سنت کے مسلک پر آیت کا تفسیری مطلب اس طرح ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا جو چیونٹیوں کی طرح نکل پڑے پھر اون کو عقل و گویائی عطا کر کے فرمایا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں سب نے جواب دیا کیوں نہیں۔ ارشاد فرمایا میں تمہارے اس اقرار پر ساتوں آسمانوں ساتوں زمینوں اور تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تاکہ تم قیامت کے دن کوئی عذر نہ پیش کر سکو نہ تو یہ کہہ سکو کہ ہم کو اس کی خبر نہ تھی ہم تیرے حکم سے ناواقف تھے اور نہ یہ کہہ سکو کہ شرک تو ہمارے باپ دادا تھے اونہی نے ہی شرک کی بنیاد ڈالی تھی ہم تو اون کے مقلد تھے لہذا مجرم تو وہ ہوئے اون کے افعال کی پاداش میں تو ہم کو کیوں ہلاک کرتا ہے اب تم کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میرا کسی کو شریک نہ بنانا میں تمہارے پاس اس عہد کو یاد دلانے کے لئے اپنے رسول اور پیغامبر بھیجوں گا اور کتابیں نازل کروں گا وہ تم کو میرا عہد یاد دلائیں گے سب نے اقرار کیا اور کہا ہم گواہ ہیں تو ہی ہمارا معبود اور رب ہے۔

قول ثانی کی تقدیر پر تفسیری مطلب اس طرح ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے اون کی ذریت اس طرح نکالی کہ پہلے وہ آبا کی پشت میں بشکل نطفہ تھے پھر ماؤں کے رحم میں آئے پھر علقہ بنے پھر مضغہ ہوئے پھر مکمل انسان ہوئے پھر اون کو عقل و ہوش عطا کیا جس کی وجہ سے وہ اللہ کی مصنوعات میں غور و فکر کر کے اوس کی وحدانیت پر دلائل قائم کرنے کے قابل ہوئے تو یہ تخلیق اور دلائل خدا کی طرف سے ایک عہد ہیں اور اس بات پر شہادت ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق و رب و معبود نہیں۔ اور لوگوں کی حالت احتیاج و حدوث گویا اوس عہد فطری کو قبول کرنا اور مان لینا ہے خدا تعالیٰ کا دلائل پیدا کرنا گویا اقرار لینا اور انسان کو موجودہ حالت میں خلق کرنا گویا زبان حال سے اقرار لینا اور گواہ بنانا ہے اس عہد کی رو سے ہر عاقل توحید پر قائم رہنے کے لئے مامور ہے تاکہ اس کے بعد کسی کو یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے تھے وہی بری رسمیں جاری کر گئے تھے ہم اون کے بعد پیدا ہوئے اونہی کی پیروی کرتے رہے اگر گناہ کیا تو اونہوں نے۔ لیکن قیامت کے دن یہ عذر باقی نہ رہیگا کیونکہ جب

خدا تعالیٰ نے عقل ادراک عطا کر دیا تو کیوں ایسی بری باتوں میں جو عہد خداوندی کے خلاف ہیں پڑتے ہو۔ اور کیوں صاحب ہوش ہو کر جاہلوں کی پیروی کرتے ہو دنیا میں خدا تعالیٰ کے رسول اسی عہد کو یاد دلانے کے لئے آئے ہیں۔

معتزلہ کے اعتراضات اور اہل سنت کی طرف سے ان کے جوابات

(۱) مِن ظُهُورِهِم بدل ہے بَنِیٓ اٰدَمَ سے۔ اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اولاد آدمؑ کی پشتوں سے اون کی ذریات کو نکالا اور عہد لیا نہ کہ آدمؑ کی پشت سے نکال کر۔ اس کے علاوہ اگر آدمؑ کی پشت سے ذریت کا نکالنا مراد ہوتا تو من ظہورہم نہ فرماتا بلکہ من ظہرہ فرماتا یعنی ضمیر جمع کی نہ آتی اور نہ ظہور جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا کیونکہ آدمؑ تنہا تھے اور اون کی چند پشتیں نہ تھیں بلکہ ایک آدمی کی ایک ہی پشت ہوتی ہے پھر اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا کہنا بھی ذریت آدمؑ کی نسبت صادق آتا ہے نہ کہ آدمؑ کی نسبت کیونکہ آدم کا کوئی باپ دادا ہی نہ تھا مشرک موحد ہونا تو بجائے خود رہا۔

جواب:۔ مراد یہ ہے کہ سلسلہ وار تمام اولاد آدمؑ کی پشت سے اون کی ذریات نکالی جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے مثلاً زید کو عمر کی پشت سے عمرو کو بکر کی پشت سے بکر کو خالد کی پشت سے وعلی ہذا۔ لامحالہ یہ سلسلہ اوپر کی طرف حضرت آدمؑ پر منتہی ہوگا کیونکہ سب کا مبداء آدمؑ ہیں تو صراحۃً آدمؑ کی پشت سے نکلنا نہ کہا مگر جب اس طرح سے ایک دوسرے کی پشت سے نکلنا کہا تو گویا سب کا آدم کی پشت سے نکلنا کہا اسی لئے من ظہر آدمؑ نہ کہا کیونکہ تسلسل اولاد میں ہے نہ کہ فقط آدم میں اور اسی لئے انما اشرک آبا ؤنا کہنا بھی بلحاظ مشرک نسلوں کے صحیح ہوا۔

(۲) عہد کسی اہل عقل و فہم سے لیا جاتا ہے نہ کہ نا فہم و غیر مدرک سے پس لامحالہ اوس وقت اولاد آدم کو ذی عقل و صاحب فہم ہونا چاہیئے لیکن یہ واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس وقت بھی ہم کو یاد ہونا چاہیئے حالانکہ کسی کو بھی یاد نہیں۔

جواب:۔ انسان درحقیقت نفس ناطقہ یا روح ہے روح اگرچہ حادث ہے مگر تخلیق جسم سے بہت پہلی چیز ہے اور اس عالم حسی میں اس کا ادراک آلات حسیہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن دوسرے عالم میں آلات حسیہ کی کوئی ضرورت نہیں تمام ارواح جواہر باقیہ ہیں اگرچہ تمام اولاد آدمؑ اور آدم کی روحیں ایک ہی وقت میں پیدا ہوئیں مگر دنیا میں ترتیبی ظہور کے اعتبار سے آدم سب کا پیش خیمہ ہیں اللہ نے جب آدمؑ کو دنیا میں بھیجا تو اون کے ذریعہ سے تمام نفوس و ارواح کو جو دنیا میں ظاہر ہونے والے تھے اونکی پشت سے ترتیب وار نکالا اور اوس وقت اونکو عقل بھی عطا کی بلکہ اب تک وہ ذی عقل ہیں اور مدرک ہیں رہی یہ بات کہ اب ہم کو وہ عہد یاد کیوں نہیں رہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جسم سے جب نفس کا تعلق ہوتا ہے تو نفس کے آثار جسم پر فائض ہوتے ہیں اور گرفتار قفس طائر کی طرح روح اس عنصری قفس میں بند ہو جاتی ہے بدن کی تدبیر اور تصرف میں اس قدر منہمک ہوتی ہے کہ عالم قدس کے حالات بالکل بھول جاتی ہے۔ اسی انہماک کی وجہ سے ہم دنیا کے سیکڑوں حالات و معاملات بھول جاتے ہیں اگر دوسری طرف انہماک نہ ہو تو کل حالات ہم کو یاد رہنے چاہیئے۔

(۳) بنی آدم غیر معدود اور ان گنت ہیں پھر اس قدر لوگ چیونٹی کیا اگر ذرہ سے بھی کم فرض کئے جائیں تب بھی آدم کی پشت سے نہیں نکل سکتے کیونکہ اون کے اجسام کا مجموعہ ایک پہاڑ ہونا چاہیئے تھا اور جاب عالم وجود میں نسان آئے ہیں اگر اون ذرات کا عین ان کو قرار دیا جائے تب بھی ممکن نہیں کیونکہ عین ہونا تو بجائے خود رہا جزء ہونا بھی ناممکن ہے۔

جواب:۔ چیونٹیوں کی مانند ہونے سے مراد ارواح کی تشبیہ بلحاظ اوس حالت اجمالیہ کے ہے جو اوس وقت ارواح کی تھی تفصیل مراد نہیں اسی لئے یہ بھی آیا ہے کہ ان میں کچھ نورانی اور کچھ ظلمانی تھے یعنی اہل سعادت کی روحیں روشن اور اہل شقاوت کی روحیں تاریک تھیں اوس وقت ذرات یا ارواح اجسام عنصریہ نہ تھے جنکا مجموعہ پہاڑ کی برابر یا اس سے بھی بڑا ہو جائے نہ روح کوئی مادی عنصری چیز ہے بلکہ یہ محض تشبیہ ہے اور حالت اجمالیہ کا بیان مقصود ہے۔

میرا مسلک

میرے نزدیک معتزلہ کے اعتراضات تو قطعاً غلط اور مضحکہ خیز ہیں عالم مادی پر عالم ذر کو قیاس کرنا ہی غلط ہے نہ غیر مادی کیفیات کے ساتھ مطابق کیا جاسکتا ہے اور اہل سنت کا مسلک بالکل خلاف عقل و درایت نہیں کیونکہ قدرت الٰہیہ جل داعلی ہے وہاں چگونگی اور سوال کو دخل نہیں البتہ عقل سے کسی قدر دور ضرور ہے اب اگر صحیح روایات سے ثابت ہو جائے تو ماننا عین ایمان ہے اور اگر روایات صحیحہ سے یقینی طور پر ثابت نہ ہو تو قرینۂ عقل اور دائرۂ قیاس کی خلاف ورزی کیا ضرور ہے لیکن روایات سب کی سب آحاد ہیں جو کسی طرح مفید یقین نہیں ہو سکتیں پھر روایات آحاد ہونے کے باوجود خود مجمل ہیں صراحۃً اہل سنت کے مسلک پر دلالت نہیں کرتیں اسی لئے اہل سنت کو بھی اخیر درجہ میں مجبور ہوکر تحقیق سے تمثیل و تشبیہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اس لئے میرے نزدیک معتزلہ کی تاویل ہی زیادہ صحیح ہے جس کی طرف رازی اور ابن کثیر جیسے بزرگوں کا میلان ہے۔ پھر احادیث واردہ آحاد ہونے کے ساتھ ساتھ مرفوع بھی نہیں موقوف ہیں کیونکہ ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کی اقوال

کو ابن کثیر جیسے محققین نے موقوف قرار دیا ہے ایسی صورت میں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم بداہت عقل کو چھوڑ کر آثار احاد کی طرف دوڑیں اور پھر اون آثار میں بھی تو اُمڑ ود رکریں اس کے علاوہ مختلف آثار و احادیث سے بھی قول ثانی کی تائید ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہد بنانے سے مراد شہادت فطرت ہے ہر شخص اصل فطرت کے لحاظ سے مومن ہوتا ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا الآیۃ صحیحین میں ابوہریرہ کی مرفوع روایت موجود ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اوسکے والدین اوسکو یہودی یا عیسائی یا مجوسی کر ڈالتے ہیں۔ عیاض بن حمار مجاشعی سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو حنیف یعنی مائل بحق پیدا کیا پھر شیطان نے آکر اونکو اونکے دین سے بہکایا اور جو میں نے اون پر حلال کیا تھا اوسکو حرام کر ڈالا ورواہ مسلم)

اسود بن سریع سعدی کہتے ہیں میں نے رسول پاکؐ کی ہمراہی میں چار جہاد کئے مسلمانوں نے ایک بار حربی کفار کو قتل کر کے اونکے بچوں کو قتل کرنا شروع کیا حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ پر سخت ترین ناگوار گذرا اور فرمایا بعض لوگ کیوں بچوں پر دست درازی کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ مشرکوں کی اولاد نہیں ہیں فرمایا تم میں سے جو بڑے نیکوکار مؤمن ہیں وہ بھی تو مشرکوں کی اولاد ہیں خوب سن لو کہ ہر شخص فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور برابر اسی حالت پر رہتا ہے یہاں تک کہ اوسکی زبان کھلے پھر اوسکے والدین اوسکو یہودی عیسائی وغیرہ کا دین اور عقیدہ سکھاتے ہیں۔ ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام ارواح کو جب خاکی عنصر کا لباس پہنایا اور سب کو عالم شہود میں لایا تو سب کو دین فطرت یعنی اقرار ربوبیت اور شہادت توحید پر پیدا کیا آیت میں اقرار و شہادت و عہد سے یہی فطری اقرار مراد ہے۔

اسکے علاوہ حضرت حسن بصری نے تو صاف واضح صراحت کر دی ہے کہ آیت کی تفسیر یہی ہے فرماتے ہیں خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ الآیۃ یعنی اے محمد بیان کر دو کہ میرے پروردگار نے اولاد آدم کو اونکی پشتوں سے پیدا کیا یعنی اونکی نسلیں پشت در پشت نکالیں ایک قرن کے بعد دوسرا قرن پیدا کیا جس طرح کہ دنیا میں وجود ہوتا ہے پھر اونکو شاہد بنایا اونکے نفوس پر یعنی اونکی پیدائش کو اس بات کی دلیل قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی اون کا خالق ہے پس یہ دلالت قائم مقام اشہاد کے ہوئی۔ قاضی بیضاوی نے بھی شاہد بنانے کا مطلب اسی کے قریب قریب بیان کیا ہے فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنی ربوبیت کے دلائل اون کے پیش نظر کر دیئے اور اونکی عقول میں ایسی صنعت قائم کی جو اس اقرار کا باعث ہوئی اور بمنزلہ ایسے شخص کے ہو گئے جس سے کہا گیا ہو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اور وہ جواب دے بَلٰى شَهِدْنَا ۔ پس چونکہ اس امر کے علم پر خدا نے اونکو قدرت دی اور وہ اس پر قادر ہوئے لہذا اس تمکین و تمکن کو تمثیلاً بطور اشہاد و اعتراف کے قرار دیا چنانچہ ان کا جواب خود اس معنی پر دلالت کرتا ہے نیز بعد والی آیات سے بھی اسی کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ اس اعتراف و شہادت کو دو طرح کے عذروں کیلئے موجب رد قرار دیا ہے ایک عذر عدم علم کا دوسرا عذر تقلید آباء کا خدا نے دونوں عذروں کو رد کر دیا کیونکہ جب دلیل قائم ہو گئی اور دلیل کے علم پر قدرت بھی حاصل ہو گئی تو حجت قائم ہو گئی اور ترک نظر یا تقلید آباء کوئی عذر قابل قبول نہیں رہا والعلم عند اللہ۔

مقصود بیان :- عہد ازل یا شہادت فطری کی صراحت۔ اس بات کی وضاحت کہ خدا تعالیٰ نے عقل صرف اسلئے عطا کی ہے کہ قیامت کے دن کسیکو اپنی لاعلمی یا تقلید آباء کی حجت و معذرت نہ رہے۔ آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اقرار توحید پر ہر عاقل مکلف ہے خواہ پیام رسالت اوسکو پہنچے یا نہ پہنچے اور ہر شخص کو غور و تحقیق کرنی چاہیئے تقلید اسلاف مقلد کیلئے حجت نہیں ہو سکتی بلکہ تحقیق کو چھوڑ کر تقلید کرنی ناجائز ہے۔ آیات سے ضمنی طور پر یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ عقائد اسلامیہ مبنی بر فطرت اور مطابق عقل ہیں سادہ فطرت اور سلیم عقل والا عقائد اسلامیہ کی حقانیت کے قبول پر مجبور ہے۔ وغیرہ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا

(اے محمدؐ) ان کو اس شخص کا حال سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ

پھر وہ اُن کو چھوڑ نکلا تو اُس کے پیچھے شیطان لگ گیا پس وہ

مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا

گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اسکو ان آیات کی بدولت عالی مرتبہ

وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ

کر دیتے مگر وہ زمین کی طرف جھک گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے

هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ

پڑ گیا تو اُسکی حالت کتے کی طرح ہے اگر تم اُس پر حملہ

عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ

کرو تو زبان نکالا دیتا ہے یا چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکا دیتا ہے یہی حالت

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

پس تم یہ قصے بیان کر دو تاکہ یہ غور کریں

سَآءَ مَثَلًا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اُن کی بُری مثال ہے

وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ مَنْ يَّهْدِ

اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے جس کو اللہ ہدایت

اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ

دے وہی ہدایت یاب ہے اور جن کو اللہ گمراہ چھوڑ دے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

وہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں

تفسیر

آیات کی تفسیر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول اُس شخص کو بتا دیا جائے جسکا قصہ ان آیات میں مذکور ہے مفسرین کا اختلاف ہے کوئی کہتا ہے اس سے مراد ابو عامر راہب ہے جسکے لئے مسجد ضرار تعمیر کی گئی تھی جب اس نے حضور والا کے صفات و حالات گزشتہ کتابوں میں پڑھے تو ایمان لے آیا۔ گر پھر مرتد ہو گیا سعید بن مسیب، زید بن اسلم اور ابو روق کے نزدیک آیت میں امیہ بن صلت کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو جاہلیت کا بہت بڑا شاعر تھا اور قیامت پر ایمان رکھتا تھا خدا کو واحد جانتا تھا حساب کتاب اجر و عقاب کا قائل تھا لیکن دنیوی لالچ میں پڑھ کر مشرکین کے ساتھ رہا اور حضور کی نبوت کو نہ مانا (ابن کثیر نے براویت عبداللہ بن عمرو اسی کو ترجیح دی ہے) بعض نے صیفی بن راہب کو معین کیا ہے لیکن اکثر محققین نے اس سے مراد بلعم بن باعوراء کی ذات لی ہے اور بلعم کے قصہ کو امیہ بن صلت کے قصہ پر منطبق کر کے بلعم کی طرح امیہ کی حالت کو قابل عبرت قرار دیا ہے۔ قتادہ عکرمہ اور ابو مسلم کہتے ہیں کہ یہ عام ہے اس میں ہر ایک شخص کی طرف اشارہ ہے کہ جسکو خدا علم و ہدایت دے اور وہ خواہش نفس کا تابع ہو کر اوس کو چھوڑ دے۔

بلعم کا کیا نام و نسب تھا اسرائیلی تھا یا کنعانی اس کے متعلق اختلاف ہے عبدالرزاق نے صحیح طرق سے ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا اسکا نام بلعم بن باعوراء تھا ابن عباس عکرمہ و مجاہد کا بھی یہی قول ہے بعض نے بلعام بن باعوراء کہا ہے بلعم بن باعوراء بن شہوم بن قوختم بن مادب بن لوط بن ہاران بن آذر بلقاء کے کسی گانوں کا باشندہ تھا ابن عساکر کہتے ہیں بلعم اسم اعظم جانتا تھا ابن جریر نے بسند جید شیخ یسار تابعی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ شخص مستجاب الدعوات تھا یعنی اسم اعظم کے وسیلہ سے جو دعا کرتا وہ قبول ہوتی تھی۔

جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر ملک شام کو جانے کے ارادہ سے نکلے تو اثنائے راہ میں دریائے اردن کے پار شہر اریحا یا یریحو کے مقابل مواب کے میدانوں میں اقامت کی بلق بن صفور موابیوں کا بادشاہ تھا اوسکو بنی اسرائیل سے خطرہ ہوا اور بلعام کو طلب کیا تاکہ وہ آکر بنی اسرائیل کے حق میں بد دعا کرے اول اوس نے انکار کیا پھر دنیوی لالچ میں پھنس کر راضی ہو راستہ میں اوس کی گدھی رک گئی ہر چند مارا آگے نہ بڑھی خدا تعالیٰ نے اوس کو گویائی عطا کر دی اور اوس نے ظاہر کیا کہ مجھے آگے سے فرشتے روکے ہوئے ہیں میں از خود نہیں رکی بلعام نے جھنجلا کر اوس کو مارا بحکم خدا وہ چل کھڑی ہوئی بلعام ایک پہاڑی پر پہونچا اور پھر بھی بد دعا کرنے سے انکار کرتا رہا مگر قوم کے اغوا اور ترہیب و ترغیب سے بد دعا کرنے پر آمادہ ہو گیا وہ جانتا تھا کہ موسیٰ نبی برحق ہیں انکے خلاف دعا کرنی بیسود ہے مگر شیطانی اغوا سے آمادہ ہو گیا لیکن جونہی اسرائیلیوں کیلئے بد دعا کے کلمات زبان سے نکالنا چاہے فوراً خدا تعالیٰ نے اوس کی زبان پھیر دی موآب والوں کیلئے بد دعا اور اسرائیلیوں کے حق میں دعائیہ کلمات زبان سے نکلے بلعام نے ہر چند کوشش کی مگر بنی اسرائیل کے حق میں کلمات بد زبان سے نہ نکال سکا اس نیت بد اور کوشش شر کی پاداش میں اوس کی زبان سینہ پر لٹک گئی تمام علمی روشنیاں اور کرامات غائب ہو گئیں بلعم خوار و ذلیل ہو کر واپس آیا اور بلق سے کہا میرا دین اور دنیا تو برباد ہو گئی مگر اب تمہیں ایک حیلہ بتاتا ہوں تم اپنی عورتیں آراستہ کر کے اسرائیلیوں کے لشکر میں بھیجدو وہ مسافر لوگ ہیں اگر زنا میں پڑ گئے تو مجھے امید ہے کہ تباہ ہو جائیں گے بلق کی ایک لڑکی تھی اوس کو بلعم نے حکم دیا کہ تو جا کر موسیٰ کو کسی طرح فریب دے سوا موسیٰ کے کسی سے تعرض نہ کر حسب مشورہ عورتیں اسرائیلیوں کے لشکر میں گئیں اور عام طور پر اسرائیلی زنا کے مرتکب ہوئے بادشاہ کی لڑکی کی حضرت موسیٰ تک رسائی نہ ہو سکی بلکہ اوس کی شناسائی ایک فوجی سردار سے ہو گئی جسکا نام زمری بن شلوم بن شمعون بن یعقوب تھا زمری اوس لڑکی کو لیکر ایک خیمہ میں چلا گیا اور زنا میں مشغول ہو گیا حضرت موسیٰ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ کو بڑا رنج ہوا فنحاص بن عیزار بن ہارون نے آکر زمری اور دختر بلق کو قتل کر دیا اور بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب آیا جس سے تقریباً ستر ہزار یا تیس ہزار آدمی مر گئے یہ قصہ توریت کتاب عدد کے ۲۲ ۲۳ ۲۴ باب میں مفصل مذکور ہے حاصل ارشاد یہ ہے کہ۔

اے محمد ان لوگوں کی نصیحت و عبرت کیلئے اوس شخص کا واقعہ سنا دو جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی نشانیاں کرامات یا معارف علم عطا کئے تھے مگر وہ خواہش نفس کا تابع ہو کر عالم باقی کی بلندی سے دنیا دنی کی پستی کی طرف جھک پڑا چونکہ وہ خود پستی کی طرف جھکا تھا اور خواہش کا پرستار بنا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی اوس کو نہ اٹھایا اوس کی حالت کتے کی طرح تھی جو دوڑنے میں بھی ہانپتا ہے اور بیٹھا بیٹھا بھی ہانپتا ہے یعنی باختیار و ارادہ بھی ناشائستہ حرکت کرتا ہے اور حالت اضطرار میں بھی اوس سے افعال شنیعہ سرزد ہوتے ہیں یہی حالت اوس شخص کی تھی کھڑے بیٹھے باختیار و باضطرار قوت کی حالت میں اور ضعف کی صورت میں بہرحال گناہ کا ارتکاب کرتا تھا یہی مثال ان

لوگوں کی ہے جنکو آیات الٰہی اور علوم حقانی کی تصدیق کا موقعہ میسر ہے مگر وہ انکار کرتے اور اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔

مقصود بیان: ان ابتدائی آیات میں اسطرف اشارہ ہے کہ انسان خود آیات قدرت علوم حقہ اور معارف صحیحہ سے اعراض کرتا ہے تو شیطان بھی اسکے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اس بات کی طرف بھی ایما ہے کہ انسان کی ہدایت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے برتر و بلند کرنا اللہ کے اختیار میں ہے انسان جو پستی کی طرف جاتا ہے تو یہ واضح طور پر اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ اسکو بلند کرنا نہیں چاہتا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ کہنے سے اس امر پر دلالت ہے کہ قرآن پاک میں مختلف قصوں کا بیان محض عبرت اندوزی اور نصیحت پذیری کیلئے ہے تفریح مقصود نہیں۔ بنی اسرائیل کو یہ قصہ سنانے میں یہ غرض ہے کہ جو شخص مقبول الٰہی کا مقابلہ کرتا ہے اوس کا یہ انجام ہوتا ہے اب تم محمد رسول اللہ کا مقابلہ کرتے ہو جس کا دین تمام عالم میں پھیلنے والا ہے سوتے چشمہ تو بند نہ ہوگا دین کے سیلاب کو تو کوئی کوشش روک نہ سکے گی البتہ تم بلعام کی طرح خاک ہو کر بہ جاؤ گے۔ ان آیات میں ہر اوس شخص کیلئے تازیانۂ عبرت ہے جسکو خدا علم و ہدایت عطا کرے مگر وہ خواہش نفس کا تابع ہو کر اوسکو چھوڑ دے علماء اسلام کیلئے بھی اس میں بصیرت افروز ہدایت ہے اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ فقط عقائد کی درستگی کافی نہیں بلکہ علماء پر فرض ہے کہ اونکے اعمال بھی عقائد کے مطابق ہوں تاکہ اختلاف عمل کی وجہ سے بلعام کی طرح ان کی حالت تباہ نہ ہو جائے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ

اور ہم نے جہنم کے لئے بہتیرے جن و انس پیدا

وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ

کئے ہیں اون کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں

بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا

اون کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں

وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ط

اون کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ

وہ چوپایوں کی طرح بلکہ اون سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں

أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ○

یہی لوگ غافل ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ جس کو خدا گمراہ کرتا ہے وہی زیانکار ہے۔ یہاں یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہے کہ خدا کے گمراہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ بری باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے افعال شنیعہ کی تعلیم دیتا ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ وہ ابتداء ازل سے ہی برے پیدا ہوئے ہیں پھر دنیا میں جو افعال اون سے سرزد ہوتے ہیں وہ برے ہوتے ہیں خدا کی دی ہوئی قدرت کو وہ اچھے کاموں میں صرف نہیں کرتے اونہوں نے اپنے آلات ادراک اور حواس و ہوش کو حقانیت و صداقت کی طرف سے معطل کر رکھا ہے۔ قوت ادراک کو اونہوں نے تباہ کر رکھا ہے اسلئے حقانیت و راستی کو نہیں سمجھتے آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر چونکہ وہ اپنی آنکھوں کا صحیح استعمال نہیں کرتے اسلئے اونکو صداقت کی تصویر نظر نہیں آتی کانوں سے سنتے ہیں مگر گوش حق نیوش اونکے بند ہیں اسلئے آواز حق اونکو سنائی نہیں دیتا غرض یہ کہ تمام مشاعر ادراکیہ اور آلات حس اونکے بیکار ہیں اور وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں کیونکہ جانور تو معذور ہیں اونکو ادراکی قوتیں اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی طاقت ہی نہیں دی گئی اور یہ باوجودیکہ علم ارادہ اختیار قدرت ہوش و حواس سب کچھ رکھتے ہیں لیکن پھر بھی حق کی طرف سے غافل ہیں صحیحین میں حضرت علی کی مرفوع حدیث موجود ہے کہ ہر شخص کا ٹھکانا مقرر ہو چکا کسی کا دوزخ کسی کا جنت حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر لکھے پر بھروسہ کر کے کچھ نہ کیا کریں فرمایا کئے جاؤ جو شخص جس چیز کیلئے پیدا ہوا ہے اوس سے ویسے ہی عمل بآسانی سرزد ہوتے ہیں۔ اچھوں سے اچھے بروں سے برے۔

صحیحین میں ابن مسعودؓ کی حدیث جو تقدیر کے حق ہونے کے متعلق ہے موجود ہے اس حدیث میں ہے کہ جب ماں کے پیٹ کے اندر بچہ میں روح پھونکی جاتی ہے تو چار باتیں لکھدی جاتی ہیں رزق۔ مدت زندگی۔ نوعیت عمل۔ اور خاتمہ یعنی وہ سعید ہے یا شقی صحیح مسلم میں بروایت عبداللہ بن عمرو بن عاص مروی ہے کہ اللہ عزوجل نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے یعنی بہت پہلے جب کہ اوس کا عرش پانی پر تھا مقادیر خلق کو تقاریر کر دیا حضرت عائشہ فرماتی ہیں ایک انصاری کے بچہ کا انتقال ہو گیا حضور کو جنازہ میں بلایا گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو جنت کی چڑیا تھی فرمایا یا اس کے سوا کچھ اور تھا عائشہ اللہ نے جنت کو پیدا کیا اور اوسکے لئے آدمیوں کو پیدا کیا حالانکہ وہ ابھی اپنے آباء کی پشتوں میں تھے اور دوزخ کو پیدا کیا اور اوسکے لئے آدمی پیدا کئے حالانکہ وہ ابھی اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔ حاصل حدیث یہ کہ اللہ نے جنت و دوزخ کیلئے پہلے سے ہی لوگوں کو پیدا کر دیا جنتی دوزخی ہونا وجود دنیوی اور عمل پر موقوف نہیں۔ یہ مطلب حدیث کا نہیں کہ مسلمانوں کے بچے جنتی نہیں بلکہ صرف اس بات پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جنتی دوزخی ہونا عمل پر مشروط نہیں۔

تحقیق بل ہم اضل کہنے سے یہ غرض ہے کہ ہر جانور اپنے نفع نقصان کو ظاہر طور پر جانتا ہے بکری شریفہ کا پتہ نہیں کھاتی گدھا کنیر نہیں کھاتا کوئی جانور خود آگ میں نہیں کودتا بری گھاس کی طرف جاتا اور دشمن سے بھاگتا ہے مگر کافر و مشرک جان بوجھ کر خود عناد سے دوزخ میں جانیکے لئے تیار

ہوتا ہے ابوجہل نے کہا تھا کہ بنی عبد مناف سے ہم سب باتوں میں تو برابر تھے اب اونہوں نے اپنا یہ فخر نکالا کہ ہم میں ایک نبی صاحب وحی وکتاب ہے سو واللہ میں تو اس عار کو کبھی نہ اٹھاؤں گا اور ایمان نہ لاؤں گا اگرچہ محمد بڑا سچا اور سب لوگوں میں اچھا ہے۔ یہودی اور عیسائی بھی حضور کی صداقت وحقانیت کو خوب جانتے تھے مگر دنیوی لالچ میں بڑے پیر ومرشد بنے نذرانے کھاتے اور عالم کہلاتے تھے اس لئے ایسے لوگوں کا درجہ جانور سے بھی ذلیل ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اللہ نے دو چیزیں عقل اور شہوت پیدا کیں پس فرشتوں کو تو فقط عقل عطا کی اور ان میں کوئی خواہش نہیں جو اللہ کی عبادت سے روکے اور جانوروں کو فقط شہوت دی پس وہ کھانے پینے وغیرہ کی خواہشات میں مشغول ہیں اون میں عقل نہیں کہ معرفت حاصل کریں رہا انسان تو اس میں دونوں چیزیں جمع کر دیں پس اگر اس نے عقل کی پیروی کی معرفت وطاعت حاصل کی تو فرشتوں سے بڑھ گیا کیونکہ شہوت کو اس نے روک کر ترقی کی اور اگر شہوت کی پیروی سے نافرمان بنا تو جانوروں سے بدتر ہوگیا اور ناپاک گڑھے میں پھسل پڑا سب جانور اپنے خالق کے فرماں بردار ہیں مگر کافر نافرمانی کرتا ہے سب جانور اپنے پروردگار کو پہچانتے اور یاد کرتے ہیں مگر کافر نہیں پہچانتا اور نہیں یاد کرتا سب جانور اگر اون کو کوئی ہانکنے اور چلانے والا ہو تو سیدھی راہ پر چلتے ہیں مگر کافر رسول ہادی کی رہنمائی کو نہیں مانتا اور کج روی اختیار کرتا ہے۔

مقصود بیان: تقدیر برحق ہے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے خدا نے اونکی سرشت ایسی کر دی ہے کہ وہ دوزخیوں کے ایسے اعمال کرتے ہیں اور دوزخ میں داخل ہوجاتے ہیں۔ کافروں کے پاس اگرچہ دل دماغ، اور کان آنکھ سب کچھ ہوتا ہے مگر یہ ظاہری مضغۂ گوشت بالکل بیکار ہے جب تک اس کا استعمال صحیح طور پر نہ کیا جائے جو دل معرفت الٰہی سے غافل ہو وہ دل نہیں جو آنکھ صورت حق نہ دیکھے وہ اندھی ہے جو کان کلمۂ صداقت نہ سنے وہ بہرا ہے۔ کافر گمراہ جانور سے بھی بدتر ہے یعنی جو عقل شہوت سے مغلوب ہوجائے وہ عقل نہیں بلکہ جہالت ہے جو علم موجب ہدایت نہو وہ سرچشمۂ نادانی ہے۔ آیت میں ضمنی تبلیغ ہے اس بات کی کہ خدا کے عطا کردہ اعضاء جسم اور قوتیں حق ومعرفت کے مصرف میں صرف کرنا چاہیئے بے محل استعمال سے اصل مقصود فوت ہوجاتا ہے۔ کمال غفلت صرف کفار میں ہی ہے اگرچہ مسلمان بھی غافل ہوجاتا ہے مگر اوس میں کمال غفلت کبھی پیدا نہیں ہوتا وغیرہ۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

اور اللہ ہی کے سب اچھے نام ہیں تو اسکو ان ناموں سے پکارو

وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ

اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

اُن کو اُن کے اعمال کی جلد سزا دی جائے گی

تفسیر مشرکین اللہ پاک کو ایسے ناموں سے پکارتے تھے جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ مثلاً کفار عرب اللہ سے دعا کرتے وقت خطاب کرتے وقت کہتے تھے یا ابا المکارم یا ابیض الوجہ اور نصاریٰ کہتے تھے یا ابا المسیح اور فلاسفہ کہتے تھے یا علۃ العلل بیز مشرکوں نے اپنے دیوتاؤں کے کچھ نام تراش لئے اور اللہ کے ناموں سے اونکو مشتق کر لیا تھا مثلاً عزیز سے عزیٰ منان سے منات اللہ سے لات وغیرہ اس کے علاوہ خدا کے مخصوص ناموں میں سے رحمٰن کا اطلاق خدا پر نہیں کرتے تھے اس سب کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی اس مضمون کی آیات چار سورتوں میں نازل ہوئی ہیں ایک تو یہاں دوسرے سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں تیسرے سورۂ طٰہٰ کے شروع میں چوتھے سورۂ حشر کے آخر میں۔

اللہ کے اسماء توقیفی ہیں یا نہیں یعنی اوسکے نام مخصوص ومعین ہیں ہر زبان میں وہی اسماء اور انہی کا استعمال ہونا چاہیئے یا اونکے ہم معنی دوسرے الفاظ کا اطلاق بھی صحیح ہے اس کے متعلق مختلف حدیثیں وارد ہیں اور اسی بنا پر علماء کا اختلاف ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں بروایت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کیا ہے کہ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا جس شخص کو کوئی دکھ یا رنج ہو اور وہ یہ دعا پڑھے تو اللہ اوسکے غم رنج کو دور کر کے اوس کی بجائے خوشی عطا فرما دیتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلعم کیا ہم اوس کو سیکھ نہ لیں فرمایا کیوں نہ سیکھو جو شخص اس کو سنے اوس کے لئے سیکھنا مناسب ہے دعا یہ ہے اللهم انی عبدك ابن امتك ناصيتي بيدك ماض فيّ حكمك عدل فيّ قضاءك اسالك بكل اسم هو لك سميت به نفسك وانزلته في كتابك او علمته احدا من خلقك او استاثرت به في علم الغيب عندك ان تجعل القرآن العظيم ربيع قلبي ونور صدري وجلاء حزني وذهاب همي۔ اسی حدیث کی بنا پر حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اسماء حسنیٰ کچھ ننانوے ناموں میں منحصر نہیں ہیں لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا اللہ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جو اونکا احصاء (یعنی احاطہ اور حفظ) کرلیگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (رواہ احمد والبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ وابن خزیمۃ وابو عوانہ وابن جریر وابن ابی حاتم والطبرانی وابن منذر وابن مردویہ وابو نعیم والبیہقی) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ناموں کا ننانوے میں حصر ہے۔

حق یہ ہے کہ اللہ کے نام غیر محصور ہیں آیت میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے حصر معلوم ہوتا ہو اور رہا اہتمام عقل بھی عدم حصر کی مقتضی ہے ہاں ضروری ہے کہ جس زبان یا اصطلاح میں جو لفظ صفتی یا علمی خدا کے لئے وضع کیا جائے یا کوئی خود اپنی طرف سے بولے وہ حدود شریعت سے خارج نہو صفت کمال پر دلالت

کرتا ہو اور عیب و نقصان سے پاک ہو رہی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث تو اوس کا مطلب صاف ہے کہ ان ننانوے ناموں کو جو شخص یاد کرلیگا اور ان کے توسل سے دعا مانگے گا خدا تعالیٰ اوس کی مغفرت کریگا چونکہ یہ اسمار کتاب اللہ میں موجود ہیں (اور ترمذی کی حدیث میں بھی انکی تفصیل مذکور ہے) اس لئے حضور صلعم نے ننانوے کا لفظ ارشاد فرمادیا ورنہ پوری حدیث میں کوئی لفظ حصر نہیں ورنہ ننانوے کے علاوہ اور ناموں کی نفی ہے اسی بنا پر شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ احصاء اسما الٰہی میں جملہ احادیث مضطرب ہیں کوئی صحیح نہیں حاصل آیت یہ ہے کہ اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں جو عیب و نقصان پر دلالت کرنے سے پاک ہیں لہذا مسلما نو تم انہی اچھے اچھے ناموں کو لیکر خدا سے دعا کیا کرو اور اون لوگوں سے تعرض نہ کرو جو اللہ کے ناموں میں تراش خراش اور الحاد کرتے ہیں اور گمراہی کو اختیار کرتے ہیں عنقریب اون کو اپنے کئے کی پاداش ملے گی۔

مقصود بیان:۔ اس امر کی صراحت کہ اللہ کے تمام نام اچھے ہیں ہر نام کو لیکر دعا کرنی جائز ہے کسی نام کی تخصیص نہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ اللہ کیلئے جو نام مقرر کیا جائے اوس کا مفہوم اچھا ہونا چاہیئے وہ صفت کمال پر دلالت کرتا ہو اور عیب و نقصان کے معنی سے پاک ہو۔ آیت سے ضمنی طور پر یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ جب تک لفظ کے معنی معلوم نہوں اور یہ نہ جانتا ہو کہ اس لفظ کے معنی اچھے ہیں اوس وقت تک اللہ پر اوس کا اطلاق نہ چاہیئے۔ وغیرہ۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

اور ہماری مخلوق میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق بات کی ہدایت کرتے ہیں

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝

اور اُسی کے موافق انصاف کرتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیت میں بیان تھا کہ ہم نے بہت سے جن و انس کو جہنم کیلئے پیدا کیا ہے وہ کون لوگ ہیں جنکو جہنم کے لئے پیدا کیا خود اون کا بیان فرمایا کہ جہنم کے لئے وہ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو دل تو رکھتے ہیں مگر غافل آنکھیں رکھتے ہیں مگر حق کی طرف سے نابینا کان رکھتے ہیں مگر صداقت کی آواز نہ سننے والے اب ان لوگوں کے مقابل اوس فرقہ کا ذکر فرماتا ہے جو جنتی ہے وہ کون گروہ ہے وہی گروہ ہے جو ہادی بھی ہے مہتدی بھی عامل بھی ہے اور ناصح بھی وہ دوسروں کو بھی حق کی ہدایت کرتا ہے اور خود بھی اپنی خواہشات میں تعادل رکھتا ہے دوسروں کا رہبر حق ہے مگر خود بھی افراط تفریط و زیادتی کمی سے پرہیز کرتا ہے اپنے غضبی اور شہوانی قوی و افعال میں اعتدال رکھتا ہے قوت روحانیہ سے مادی قوتوں کا زور توڑ کر اونکو متوسط درجہ پر رکھتا ہے نہ تو راہب تارک الدنیا بنجاتا ہے نہ مطلق العنان شہوت ران نہ تو کسی نے اپنی قوت غضبی کو ایسا معطل کر رکھا ہے کہ حق و صداقت کی خلاف ورزی کے وقت بھی خاموش رہتا ہے اور اوس کو جوش نہیں آتا اور نہ ایسا غضبناک تھا بنا رہتا ہے کہ مست ہاتھی کی طرح ذرا سی تحریک میں دنیا کو تباہ کرنے کے دیئے ہوجائے اوس کی قوت بصیرت بھی اعتدالی حالت میں ہے نہ اتنی آزاد کہ ہر وقت شیطانی تدبیریں سوچا کرے نہ اتنی پابند کہ علوم و معارف از صنائع الٰہی میں بھی غور نہ کرے۔

آثار میں وارد ہے کہ اس امت مرحومہ سے مراد امت محمدیہ ہے۔ قتادہ کی روایت ہے کہ حضورؐ جب اس آیت کو پڑھتے تو فرماتے یہ تم لوگوں کے واسطے ہے اور تم سی اگلی امت کو بھی اسی کی طرح دیا گیا چنانچہ فرمایا وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ الآیۃ

شیخ ابن کثیر نے بروایت ربیع بن انس مرسل روایت ذکر کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میری امت میں ایک قوم برابر حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول ہو۔

صحیحین میں بروایت معاویہ بن ابی سفیان مذکور ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا میری امت میں قیامت بپا ہونے تک برابر ایک گروہ حق پر ظاہر رہے گا اون کو جو کوئی خوار کرنا یا اون کی مخالفت کرنا چاہے گا وہ ضرر نہ پہونچا سکیگا بیضاوی وغیرہ مفسرین نے اسی سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک گروہ ایسا ہوگا نہ یہ کہ فقط رسول پاکؐ کے زمانہ میں ایسا گروہ تھا بعد کو نہ ہوگا ورنہ اس کے ذکر سے کیا فائدہ یہ تو معلوم ہی تھا۔

مقصود بیان:۔ امت صالحہ محمدیہ کی تعریف۔ دوسروں کو ہدایت کرنے اور خود ہدایت پر رہنے کی تلقین و مدح۔ اس امر کی طرف ضمنی اشارہ کہ عدل و توسط پر قائم رہنے والے اور حق کا فیصلہ کرنے والے کم لوگ ہیں انکے مقابلہ میں باطل پرست زائد ہیں وغیرہ

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہم آہستہ آہستہ اُن کو اسطرح پکڑینگے

مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ

کہ اُن کو علم بھی نہ ہوگا — اور میں اُن کو مہلت دوں گا

اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝

میری تدبیر مضبوط ہے

تفسیر چونکہ اوپر دو گروہ بیان کئے گئے تھے حق پرست اور باطل پسند جنتی اور دوزخی۔ اس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید دنیوی عروج و زوال حق و باطل اور جنتی و دوزخی ہونے کا معیار ہے جس پر دنیا میں سختی اور

زندگی میں عسرت ہے وہ جہنمی ہے اور جو مرفہ الحال فارغ البال ہے وہ جنتی ہے۔
کیونکہ اگر موخر الذکر شخص دوزخی ہوتا تو خدا اوس سے فوری مواخذہ کرتا اوس کے
عیش و راحت کو خاک میں ملا دیتا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرماتا ہے یہ کچھ ضرور
نہیں کہ جو ازلی جہنمی ہیں ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ہم اون کی فوری گرفت بھی کر
لیں کہ اون کا جہنمی ہونا معلوم و محسوس ہو جائے بلکہ ہم باوجود اونکے کفر و گناہ
کے دنیا میں ہر طرح کی نعمت و راحت اور عیش و کامیابی میں رکھ کر یکایک ہم اونکو
پکڑ لیں گے اور اس طرح پکڑیں گے کہ اونکو پتہ بھی نہ چلے گا کہ یہ مصیبت ہم پر کس
طرح آئی خواہ گرفت کی صورت یہ ہو کہ دنیا میں ہی یکدم دفعۃً اون پر مصائب کے
پہاڑ ٹوٹ پڑیں اور کل نعمت و عیش فنا ہو جائے یا یکدم اون پر ایسی حالت میں
موت آجائے کہ وہ راحت و مسرت سے ہم کنار ہوں اور اخروی نتیجہ سے غافل ہوں
اور موت کا فرشتہ آکر اونکو دوزخ میں لیجائے۔

مقصود بیان: دنیوی راحت و تکلیف دکھ سکھ جنتی و دوزخی ہونے
کا معیار نہیں بلکہ اصل معیار وہی ہے جو اوپر گذر گیا۔ اللہ ڈھیل دیتا رہتا ہے جب بندہ
انتہائی درجہ پر سرکشی کے پہونچ جاتا ہے تو یکدم گرفت ہو جاتی ہے۔ وغیرہ

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ
کیا انہوں نے کچھ دھیان نہ کیا کہ ان کے رفیق کو کچھ جنون نہیں ہے

إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَنظُرُوا
بس وہ تو صاف صاف ڈرانے والے ہیں یا انہوں نے

فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
آسمان و زمین کی حکومت میں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی

خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ
چیزوں میں غور نہیں کیا اور نہ اسپر غور کیا کہ شاید

فَقَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ
اُن کی اجل آگئی ہو پس قرآن کے بعد کس بات پر

بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ۝ مَن يُضْلِلِ اللَّهُ
وہ ایمان لائیں گے جسکو اللہ گمراہ چھوڑ دے

فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ
اُسکو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں اور اللہ اُن کی سرکشی میں

يَعْمَهُونَ ۝
بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے

تفسیر

قتادہ کی روایت ہے کہ ایک بار حضور اقدسؐ نے کوہ صفا پر
چڑھ کر تمام قریش کو نام بنام پکارا اور ایسے الفاظ سے پکارا جو
دشمن کے حملے کے خطرہ کے وقت استعمال کئے جاتے تھے سب لوگ جمع ہو گئے حضورؐ نے
ہر گروہ کو نام بنام عذاب الہی سے ڈرایا آئندہ کے واقعات جو موت بلکہ قیامت
تک اون پر واقع ہونے والے تھے بتائے اور فنا و زوال کی تصویر کھینچ دی ایک
شخص بولا کیا اس شخص کو جنون ہو گیا ہے کہ شام سے صبح تک چیخ رہا ہے اوس پر یہ
آیت نازل ہوئی اور حضور کے وعظ کی تصدیق تین طرح سے فرمائی اول تو یہ کہ ذرا
غور کرنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیوانے اور مجنون
نہیں پھر کیوں اون کے اظہار حقائق کی تکذیب کی جائے دوسرے اس بات پر بھی
ذرا غور کرنا چاہئے کہ آسمان و زمین اور اوس کی کل کائنات جن کو خدا تعالیٰ
نے پیدا کیا ہے خالق پر دلالت کر رہی ہے صحرا کا ہر ذرہ پہاڑوں کا ہر ریزہ
درختوں کا ہر پتہ حیوانات کی ہر کیفیت و حالت سورج چاند اور ستاروں کا طلوع
و غروب پانی اور ہوا کا تموج غرض ہر چیز نمایاں طور پر تصویر فنا اور آئینہ تغیر ہے
پھر یہی بات اگر رسول کی زبان سے نکلتی ہے اور وہ موت و ما بعد الموت سے ڈراتے
ہیں تو کیوں اون کو جھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ تیسرے خود اپنی زندگانی طریق زندگانی انسان
کی ساخت اور تغیر جسمانی کو بنظر غور دیکھنا چاہئے کہ ہر وقت زندگی زوال پذیر ہے
ممکن ہے کہ عنقریب ہی زندگی کے اختتام کا وقت آگیا ہو اب ان مخصوص دلائل اور واضح
ثبوت کو بھی اگر کفار نہ مانیں اور رسول کو سچا نہ جانیں تو اور کس بات کو مانیں گے بہر
حال اتمام حجت ہو گیا اس کے بعد بھی نہ مانیں تو سمجھلو کہ اللہ ہی نے اون کو ہدایت
کرنا نہیں چاہا اون کو یونہی دشت ضلالت میں سرگرداں پھرنے دو۔

مقصود بیان: تین امور پر غور کرنے کی صراحت احادیث رسول
صنائع قدرت اور خود اپنی حالت۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ ہدایت
کے لئے یہی تین راستے ہیں۔ جس شخص کو ان طریقوں سے ہدایت
نہ ہو تو سمجھ لو یہ ازلی گمراہ اور فطری شقی گم کردہ راہ ہے اس کے راہ یاب
ہونے کی امید نہیں۔ وہ کبھی راستی پر نہ آئے گا بس اُس سے کوئی مناظرہ
اور مجادلہ نہ کرو۔ وغیرہ۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ
پوچھتے ہیں تجھ سے کہ قیامت کا وقوع کب ہو گا؟

قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا
تم کہدو اس کی خبر تو میرے رب کو ہے وہی اُس کو

لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اُسکے وقت پر اُسکو ظاہر کر دیگا وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری (حادثہ) ہے

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـــَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ

بس اچانک ہی تم پر آجائے گی۔ تم سے وہ اس طرح پوچھتے ہیں گویا تم

حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ

اس کے متلاشی ہو۔ کہدو کہ اُس کا علم تو صرف اللہ کو ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

مگر اکثر لوگ نہیں جانتے

تفسیر

حمل بن قشیر اور سموأل بن زید نے حضور اقدس ؐ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ محمد اگر تم نبی ہو تو بتاؤ قیامت کب آئے گی۔ یہ سوال بطور امتحان کے تھا کیونکہ سائلوں کو خود معلوم تھا کہ قیامت کا علم کسی کو نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ قریش نے یہ سوال کیا اور یہ سوال بطور رغبت طلب تصدیق کے نہ تھا بلکہ اُن کے شک کا مظاہرہ تھا اسی قول کو ابن کثیر نے ترجیح دی ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور ظاہر ہے کہ مکہ میں یہودی نہ تھے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے محمد کہدو کہ قیامت کا یقینی علم سوا خدا کے کسی کو نہیں مجھے کیا معلوم کہ قیامت کب آئے گی جب وقت آئے گا تو خدا خود اُس کو ظاہر کر دے گا ہاں اتنا ضرور ہے کہ اہل دنیا کے لئے وہ عظیم الشان حادثہ ہوگا۔ اور اچانک ہوگا بس اتنا معلوم ہے اس سے آگے معلوم نہیں مگر ان میں سے اکثر آدمی جاہل ہیں نہیں جانتے کہ قیامت کا علم سوا خدا کے کسی کو نہیں۔

تحلیل اجزاء

مُرْسٰىهَا کے معنی استقرار اور ثبات کے ہیں لیکن ابن عباس ؓ نے اس کے معنی مُنْتَهَا بیان کئے ہیں یعنی دنیا کے انتہا کا وقت کب ہوگا۔

لَا يُجَلِّيْهَا کے معنی عام مفسرین نے لَا يُظْهِرُ قرار دیے ہیں یعنی خدا ہی قیامت کو اُس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ سدی نے تجلیہ کے معنی ارسال بیان کئے ہیں۔ ابن کثیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے حقیقت واقعہ کو سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا اور اُس کے مقررہ وقت سے کوئی واقف نہیں۔

ثَقُلَتْ سے مراد یہ ہے کہ قیامت آسمان و زمین کے تمام رہنے والوں پر بھاری ہوگی (ابن عباس و حسن بصری نے یہی معنی بیان کئے ہیں)

قتادہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے وقت کو نہ جاننا زمین و آسمان والوں پر بھاری ہے۔ ابن جریج نے کہا جب قیامت آئے گی تو آسمان پھٹ جائیں گے ستارے بکھر جائیں گے سورج سیاہ ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یہی اس کا ثقل ہے۔ ابن جریر نے قتادہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ سدی کہتے ہیں ثَقُلَتْ کے معنی یہ ہیں کہ آسمانی اور زمینی مخلوق سے قیامت کا یقینی علم مخفی ہے نہ کسی فرشتہ کو معلوم ہے نہ کسی نبی کو اس تقدیر پر ثَقُلَتْ کے معنی خَفِيَتْ ہوئے۔

كَاَنَّكَ حَفِيٌّ کے مطلب کی توضیح میں ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ مشرکین نے حضور ؐ سے یوں سوال کیا کہ گویا آپ اُن کے حفی ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ مشرکوں نے حضور سے کہا کہ ہم کو بحق قرابت بتا دو کہ قیامت کب ہوگی عوفی نے ابن عباس کا قول اس طرح بیان کیا ہے وہ تجھ سے قیامت کے متعلق اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تو ان کا بڑا دوست ہے مجاہد عکرمہ ابو مالک اور سدی سے بھی یہی مطلب مروی ہے لیکن ابن ابی نجیح کی روایت سے مجاہد کے نزدیک صحیح مطلب اس طور پر ہے کہ وہ لوگ قیامت کے متعلق تجھ سے سوال کرتے ہیں گویا تو قیامت کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے شیخ جلال نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ضحاک نے ابن عباس کا جو قول نقل کیا ہے اُس سے آیت کا مطلب اس طور پر معلوم ہوتا ہے وہ تجھ سے دریافت کرتے ہیں اور اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تو اُس کے مقررہ وقت کو جانتا ہے۔ وہ علمہ عند اللہ۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

آیت مذکورہ سے شبہ ہوتا ہے کہ جب رسول پاک ؐ کو قیامت کا کوئی علم نہ تھا تو واقعات قیامت کی تفصیلی خبر دینا، عذاب ثواب اور حساب کتاب کی کیفیت بیان کرنا بالکل غلط ہے ان کو بھی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر مسلم کی اُس حدیث سے جسکی راوی حضرت عائشہ ؓ ہیں ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ؐ کو قیامت کا علم تھا۔ حضرت عائشہ ؓ کی روایت ہے کہ جب دیہاتی لوگ حضور ؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرتے کہ قیامت کب ہوگی؟ تو آپ اُن میں سے سب سے کم عمر آدمی کی طرف اشارہ کر کے فرماتے۔ اگر یہ زندہ رہا تو بہت زیادہ بوڑھا ہونے نہ پائے گا کہ قیامت آجائے گی۔

ازالہ

آیت سے مطلقاً احوال قیامت کے علم کی نفی نہیں نکلتی۔ آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول اللہ ؐ کو قیامت اور احوال قیامت کے متعلق کچھ علم نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ دن تاریخ وقت معین طور پر حضور ؐ کو معلوم نہ تھا۔ اس کا علم نہ تھا کہ قیامت کس دن ہوگی اور کتنی مدت باقی ہے۔ باقی علامات آثار اور قرائن تو آپ نے مفصل بیان فرما دیئے ہیں حذیفہ ؓ کی روایت میں بطریق مرفوع آیا ہے کہ حضور والا نے سوال قیامت کے جواب میں فرمایا کہ اس کا علم فقط اللہ ہی کو ہے لیکن میں اُس کے بعض علامات جو وقوع قیامت کے قریب ہوں گے بیان کرتا ہوں۔ قیامت کے قریب فتنہ و قتل ہوگا۔ اُس زمانے میں لوگوں کے درمیان جان پہچان اتنی کم ہو جائیگی کہ قریب ہے کوئی کسی کو نہ پہچانے (رواہ احمد) امام احمد کی روایت کردہ حدیث درباره معراج میں حضرت عیسیٰ کے نزول اور قتل دجال اور

خروج یاجوج و ماجوج کا قصہ مذکور ہے اس حدیث میں ہے کہ اُس وقت قیامت کی حالت ایسی ہو گی جیسے حاملہ عورت کہ دن میں اُس کے بچہ پیدا ہوتا ہے یا رات میں۔ انس اور سہل بن سعد کی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور ؐ نے (شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا میں اور قیامت ان دونوں کی طرح (متصل) پیدا ہوئے ہیں۔ بہر حال رسول پاک ؐ کو علامات قیامت کا تو تفصیلی علم تھا البتہ تعیین قیامت معلوم نہ تھی یہی مطلب آیت کا ہے رہا حضرت عائشہ ؓ کی روایت کردہ حدیث کا مطلب تو حضور ؐ کی اس سے مراد یہ تھی کہ ہر شخص کی موت اُس کی قیامت ہے امام مسلم نے یہی مطلب بیان کیا ہے بچہ کے بوڑھے ہونے سے پہلے قیامت آجائے گی یعنی عمر رسیدہ لوگ مرجائیں گے لامحالہ اُن کی قیامت آجائے گی دیہاتیوں کے مقابلہ میں یہی جواب مناسب تھا رہا قیامت کبریٰ کے آنے کا وقت اُس کے متعلق حضور ؐ نے کچھ نہیں فرمایا۔

مقصود بیان:۔ قیامت کا تعیینی علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں نہ کسی نبی کو نہ ولی کو نہ فرشتے کو۔ ہاں علاماتِ قیامت معلوم ہیں۔ قیامت ایک عظیم الشان سانحہ ہوگا۔ قیامت رفتہ رفتہ نہ آئیگی بلکہ یکدم آئیگی۔ قیامت کب آئیگی؟ اس کا علم ضروری نہیں نہ اس کی جستجو اور تلاش مناسب ہے جب آئیگی آجائیگی اکثر لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ قیامت کا تعیینی علم غیر مفید ہے اور لوازم نبوت میں سے نہیں ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا

تم کہدو کہ مجھے تو بغیر مشیتِ خدا کے اپنی جان کے نفع نقصان کا

مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

اختیار نہیں اگر میں غیب جانتا ہوتا

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۛۚ

تو یقیناً بہتیرا نفع حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸ ع ۲۲

میں تو ایماندار قوم کو بس ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں

تفسیر اس آیت کی شان نزول میں ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین نے عجیب قسم کے قصے بیان کئے ہیں جن کا تحقیق و تنقید کے بعد کوئی پتہ نہیں لگتا۔ مثلاً ابن کثیر نے کہا ہے کہ جب حضور ؐ غزوہ بنی المصطلق سے لوٹے تو راہ میں آندھی آئی اور سواری کے جانور بھاگ گئے۔ حضور ؐ نے بطور معجزہ کے اُس روز یہ اطلاع دی تھی کہ آج مدینے میں رفاعہ کا انتقال ہوگیا

پھر حضور ؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میری اونٹنی کو تلاش کرو۔ اس پر عبداللہ بن ابی منافق کہنے لگا دیکھو تو یہ شخص مدینہ میں رفاعہ کے مرنے کے متعلق تو خبر دے رہا ہے اور خود اپنی اونٹنی کا پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے؟ حضور ؐ نے وحی خفی کے ذریعے لوگوں کو اطلاع دی کہ منافقوں کا میرے متعلق اس قسم کا خیال ہے۔ جاؤ میری اونٹنی اس پہاڑ کے درہ میں ہے۔ اُس کی مہار ایک درخت میں الجھ گئی ہے جا کر لے آؤ۔ چنانچہ لوگ گئے اور اونٹنی کو لے آئے۔ اسی طرح کے دیگر واقعات بھی شان نزول میں بیان کئے جاتے ہیں مگر ایسے واقعات کو شان نزول قرار دینا نہ روایت درست ہے نہ درایت کے خلاف ہے کوئی معتبر روایت اس کے ثبوت کے لئے موجود نہیں اور عقل بھی اسکو صحیح تسلیم نہیں کرتی کیونکہ غزوہ بنی المصطلق ہجرت کے بعد مدینہ کی سکونت کی حالت میں ہوا اور یہ آیت مکی ہے۔ متاخر کا سبب متقدم کس طرح ہوسکتا ہے۔ لہذا صحیح تفسیر کسی شان نزول کی محتاج نہیں۔ کیونکہ اوپر کی آیت میں کفار کا سوال قیامت اور پھر اُس کے جواب کی تعلیم بیان کی گئی تھی اور یہ اُسی کی تائید ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد ؐ! تم ان لوگوں سے کہدو قیامت کا تعیینی علم تو در کنار مجھے اپنے نفس پر بھی حقیقی قدرت نہیں۔ میں اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی حقیقی مالک نہیں نہ مجھے علم غیب ہے نہ عالم الغیب اور مالک خیر و شر ہونا میرے لوازم میں سے ہے نہ میری نبوت کو اس سے کوئی خاص تعلق ہے۔ میرا کام تو صرف یہ ہے کہ اہل ایمان کو عذاب سے خوف اور ثواب کی بشارت دیدوں یعنی لوگوں کو بُرے کاموں سے بچنے اور اچھے کام کرنے کا حکم دوں۔ اگر مجھے غیب کی تمام باتیں معلوم ہوتیں تو میرا بھلائی ہی بھلائی کی طلب میں بکثرت کرنا کسی قسم کی بُرائی مجھے پہونچنے ہی نہ پاتی نہ کسی تجارت میں نقصان ہوتا نہ بیماری آتی نہ دشمنوں کے مقابلے پر جانفشانی کرنی پڑتی نہ نماز میں بھول چوک ہوتی نہ دنیوی معاملات میں مجھ سے کوئی فروگذاشت ہوتی۔ میرے ہر فعل اور ہر حرکت و سکون کا نتیجہ موافق ہی نکلتا۔

یہاں دو شبہے کئے جاسکتے ہیں۔ پہلا شبہ تو یہ ہے کہ کیا رسول اللہ مالک خیر و شر نہ تھے؟ کیا اچھا بُرا کام کرنے کی آپ میں قدرت نہ تھی؟ کیا معجزات اور خوارق عادت آپ سے ظاہر نہ ہوتے تھے؟ کیا تصرفات نبوت سے آپ خالی تھے؟ کیا آپ کا کام فقط انذار و تبشیر تھا اور روحانی تاثیرات و اختیارات سے آپ بالکل کورے تھے؟

دوسرا شبہ یہ ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قسم کا علم غیب نہ تھا؟ کیا اخبار وحی و رسالت اور احکام ہدایت کا بھی آپ کو علم نہ تھا؟ حالانکہ آیت اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى الآیۃ تو بتا رہی ہے کہ غیب الٰہی پر اُس کے خاص بندے یعنی پیغمبر مطلع ہوتے ہیں۔ کیا آپ کو ملائکہ، عرش، کرسی، لوح، قلم، احوالِ قیامت، جنت، دوزخ

حساب کتاب اور بعض آئندہ واقعات کا بھی علم نہ تھا حالانکہ ان سب کی خبر حضورؐ نے امت کو دی ہے۔ اگر علم نہ تھا تو پھر خبر کیسے دی؟ اور اگر تھا تو آیت کی صراحتِ نفی کا کیا مطلب؟

جواب:۔ پہلے شبہہ کا جواب مفسرین نے اس طرح دیا ہے کہ معجزات وخوارق مستثنیٰ ہیں وہ تصرفات نبوت اور اعجاز رسالت اور اختیارات روحانی جو حضورؐ کو مخصوص طور پر عطا کئے گئے تھے وہ لَآ اَمْلِكُ کے حکم سے خارج ہیں کیونکہ لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا کے بعد اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ فرما دیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے اپنے نفس کے نفع نقصان کا بھی کوئی اختیار نہیں۔ ہاں اُتنا اختیار ہے جتنا خدا کی مشیّت ہے یعنی جو خدا نے مجھے عطا کر دیے ہیں وہی تصرفات میں کر سکتا ہوں۔ زیادہ نہیں کر سکتا۔

میرے نزدیک بہترین جواب یہ ہے کہ لَآ اَمْلِكُ میں ملک حقیقی اور قدرت کاملہ کی نفی ہے اور اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ میں ملک مجازی کا ثبوت مراد ہے کہ مجھے اپنے نفس کے کسی نفع نقصان کا تو حقیقی اختیار ہی نہیں نہ مجھ میں قدرت کاملہ ہے نہ کوئی چیز حقیقۃً میری ملک میں ہے کہ جب چاہوں بارش نازل کر دوں، قحط دور کر دوں، خدا کے خزانے کھول کر تم کو دولت تقسیم کر دوں، پہاڑوں کو سونے کا بنا دوں، جو کام کروں حقیقی اختیار سے کروں۔ ہاں جتنا اختیار و تصرف خدا نے مجھے عطا کر دیا ہے جو چیز اُس نے مجھے دیدی ہے وہ موجود ہے۔ وہ چیزیں کیا تھیں جو خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو عطا کی تھیں؟ وہی کمالاتِ نبوت، اختیاراتِ رسالت، تصرفاتِ روحانی، خوارق عادت معجزات وغیرہ۔

دوسرے شبہہ کا جواب ذرا تفصیل طلب ہے۔ غیب ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو علم و نظر سے غائب ہو۔ جس چیز کا ہم کو علم نہ ہو وہ ہمارے لحاظ سے غیب ہے۔ زید نہیں جانتا کہ عمرو کے دل میں کیا ہے۔ عمرو نہیں جانتا کہ بکر کا تخیل اور ارادہ کیا ہے۔ یہ سب غیب ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر شخص عالم الغیب ہے کیونکہ ہر شخص وہ باتیں جانتا ہے جس کا کسی دوسرے کو علم نہیں۔ اپنی جسمانی دماغی ذہنی اور احساسی حالت کو ہر شخص خود ہی جانتا ہے دوسرا واقف نہیں ہوتا اس لئے ہر شخص اُن چیزوں کا عالم ہے جو دوسرے کے علم سے غائب اور غیر کے لحاظ سے غیب ہیں۔ رسول پاکؐ بھی عالم الغیب تھے یعنی اُن امور سے واقف تھے جو دیگر کائنات کا لحاظ کرتے ہوئے غیب تھیں۔ موجوداتِ عالم کا کوئی فرد وہ اسرار خداوندی نہیں جانتا تھا جو حضورؐ جانتے تھے۔ علام الغیوب سے جو تعلق حضورؐ کا تھا وہ کسی کا نہ تھا۔ فرشتوں، انسانوں اور جنوں کے علم کی رسائی وہاں تک نہ تھی جہاں تک حضورؐ کے علم کی رسائی تھی اسی بنا پر تمام خصوصیاتِ نبوت، اسرارِ رسالت، پیشین گوئیاں گذشتہ واقعات کی صحیح اطلاع، احوال قیامت کی خبر اور ذات و صفات الٰہیہ کا بیان حضورؐ کے علم غیب پر دلالت کرتا ہے۔ یہی معنی سورۂ جن کی آیت لَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ کے ہیں لیکن اس کے باوجود آیت مذکورہ میں حضورؐ کے علم غیب کی نفی کی گئی ہے بلکہ قرآن میں متعدد مقامات پر اس قسم کی نفی کی صراحت کی گئی ہے تو اس کی وضاحت کے لئے غیب کے اقسام کو سمجھنا ضروری ہے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ چیزیں جن کے وجود اور وجود کی کیفیت و چگونگی پر دلائل و شواہد نہ ہوں۔ (۲) وہ چیزیں جن کے وجود پر دلائل قائم ہوں مثلاً قیامت، حشر، نشر، ملائکہ، وجود صانع وغیرہ۔ غیب کی مقدم الذکر قسم مخصوصات باری تعالیٰ میں سے ہے۔ عِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُہَآ اِلَّا ہُوَ۔ یا قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ یا قُلْ لَّوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وغیرہ میں اسی قسم کا غیب مراد ہے جس سے کوئی بھی سوا خدا کے واقف نہیں نہ کوئی نبی نہ فرشتہ۔ مثلاً اللہ کی پوری حقیقت ماہیت اُس کے صفات کا کامل علم، مخلوقات کے انواع افراد اور ہر ذرہ کے غیر محدود کیفیات سے کسی کو واقفیت نہیں۔ مؤخر الذکر غیب کی ہزاروں صورتیں ہیں۔ سب سے اعلیٰ صورت وہی ہے جس کا علم خداوند تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو عطا فرمایا۔ اسرارِ وحی سے واقف کیا۔ اپنی ذات و صفات کا اجمالی علم عطا کیا۔ قیامت موجوداتِ قیامت بعض آئندہ واقعات اور کچھ گذشتہ سوانح کا رسولوں کے داعیوں پر انکشاف کیا۔ حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کا فرق بتایا۔ دینی اعتبار سے مفید و مضر اور خیر و شر پر مطلع کیا۔ یہ سب انبیاء کے خصوصیات ہیں اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی الآیۃ کے یہی معنی ہیں۔ رہا دنیوی امور اور اُن کے اچھے بُرے ہونے کا علم تو جہاں تک دنیوی امور کا دینی ضروریات سے تعلق ہے وہاں تک انبیاء کو اس کا علم تھا اور جہاں دینی ضرورت وابستہ نہ تھی مثلاً کھجور کے نر و مادہ کے ملنے سے پھل خوب آتا ہے کونسا تخم کس فصل میں بویا جاتا ہے، کس پھل کی پیداوار کس زمین میں اچھی ہوتی ہے، پہاڑ سونے کے کس طرح بنائے جا سکتے ہیں، حسب منشا بارش کیسے برس سکتی ہے وغیرہ۔ تو ایسے بیکار امور کا انبیاء کے فرائض سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ دینی اصلاح ان باتوں کے جاننے پر موقوف ہے نہ اُخروی نجات کا ان چیزوں پر مدار ہے اس لئے انبیاء کو ان باتوں کا علم نہ تھا جیسا کہ بعض صحیح احادیث سے مستنبط ہوتا ہے۔ اور اگر ہو تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ نہ رسول پاکؐ نے اس چیز کو مایہ الفخر قرار دیا نہ کبھی اس کا اظہار کیا۔ واللہ اعلم۔

مقصود بیان:۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی عالی قدر نبی ہو اپنے نفس پر حقیقی اختیار نہیں رکھتا۔ بغیر مشیت الٰہی کے کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا۔ وہ

امور جو کائنات کی نظر سے غائب ہیں اور مخصوصات باری تعالیٰ ہیں اُن کا علم کسی کو نہیں۔ نبی کے فرائض میں صرف تبلیغ احکام اور عذاب سے ڈرانا اور ثواب کی بشارت دینا ہے۔ عالم میں تصرف حقیقی کرنا اور مخصوص مغیبات بتانا فرائضِ نبوت سے خارج ہے۔ انبیاء کے دنیوی افعال و اعمال کے نتائج بھی کبھی موافق نہیں نکلتے یعنی دنیوی کاروبار میں کبھی نفع ہوتا تھا کبھی نقصان۔ کبھی انبیاء بیمار ہوتے تھے کبھی تندرست۔ آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قیامت کی کھوج میں لگا رہنا بیہودہ بات ہے اور اس قسم کے سوال کرنا ہی لغو ہے۔ اس امر کی طرف بھی ایماء ہے کہ رسول پاک صلعم کو خدا تعالیٰ نے اپنی مشیت سے کچھ مخصوص تصرف و اختیار بھی دیا تھا جو لوازم رسالت اور مقتضیات نبوت میں سے تھا۔ آیت میں تنبیہ ہے اُن لوگوں کو جو انبیاء و اولیاء کو مظہر الوہیت خیال کرتے ہیں اور تمام صفاتِ ربانی سے اُن کو متصف جانتے ہیں اور تصرفات حقیقیہ کا مالک سمجھتے ہیں اور عالم کا مختار کل اور مطلق العنان حاکم یقین رکھتے ہیں۔ وغیرہ۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

اُسی نے ہم کو ایک جان سے پیدا کیا

وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا

اور اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ جوڑے سے اُسکو سکون خاطر حاصل ہو

فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ

پھر جب مرد عورت پر چھا گیا تو اُسکو ہلکا سا حمل رہ گیا اور اس حالت میں وہ چلتی پھرتی رہی

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ

پھر جب بوجھل ہو گئی تو دونوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اگر

اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ

تو ہم کو نیک (بچہ) عنایت کریگا تو ہم ضرور بشکر گذار ہوں گے

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ

لیکن جب اُن کو نیک بچہ دیدیا تو لگے خدا کی دی ہوئی چیز میں

فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

اُس کے شریک بنانے۔ پس اللہ ان کی شرک انگیزیوں سے برتر ہے

تفسیر ان آیات کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے اور ہر گروہ نے اپنے مدعا کے ثبوت میں حدیث و اثر کو پیش کیا ہے۔ ہم ذیل میں اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں:۔

اصحاب معالم و مدارک اور عام مفسرین کا خیال ہے کہ یہ قصہ حضرت آدم و حوا کا ہے۔ سمرہ بن جندب رضی نے رسول اللہ صلعم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت حوا کے بچے زندہ نہ رہتے تھے۔ یعنی کئی بچے پیدا ہونے کے بعد مر چکے تھے۔ جب ایک بچہ پیدا ہوا تو ابلیس نے آکر کہا کہ اس کا نام عبدالحارث رکھو زندہ رہیگا۔ حوا نے یہی نام رکھا وہ بچہ زندہ رہا پس یہ شیطانی وسوسہ تھا اور شیطان نے یہ نام رکھنے کا حکم دیا تھا۔ (رواہ الحاکم و قال حدیث صحیح و رواہ الترمذی و قال حسن غریب و قد رواہ احمد و ابو یعلیٰ و ابن جریر و ابن ابی حاتم و الطبرانی و ابن مردویہ)

محمد ابن اسحٰق نے بطریق عکرمہ ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ حوا کے اولاد ہوتی تو آدم ان کے نام عبد اللہ، عبید اللہ وغیرہ رکھا کرتے لیکن وہ مر جاتے۔ بالآخر دونوں کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا اگر تم کوئی اور نام رکھو گے تو بچہ زندہ رہیگا پس اُنہوں نے عبدالحارث نام رکھا اور بچہ زندہ رہا۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ الخ۔ و قد روی العوفی و سعید بن جبیر عن ابن عباس نحوہ۔

سعید بن جبیر کی روایت میں اتنی اور صراحت ہے کہ میں وہی ہوں جس نے تم کو جنت سے نکالا تاکہ تم میری پیروی کرو۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو میں سینگوں والا بچہ بنا دونگا اور پیٹ پھٹ جائیگا۔ اسی قسم کی خوفناک باتیں کرتا رہا۔ آدم نے دو مرتبہ نہ مانا اور بچے مردہ پیدا ہوئے۔ مگر تیسری مرتبہ بچہ کی محبت غالب آئی اور عبدالحارث نام رکھا۔ اس اثر کو ابن عباس سے اُن کے شاگردوں کی ایک جماعت نے مثلاً مجاہد، سعید، عکرمہ وغیرہ نے طبقۂ اول میں اور قتادہ و سدی وغیرہ نے طبقۂ دوم میں روایت کیا ہے لیکن اس پر سخت ترین اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ آدم نے نبی ہو کر شرک کیا اور حوا جیسی مقدس عورت نے بھی۔ دوسرے یہ کہ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ میں جمع کا صیغہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کرنے والی جماعت مراد ہے نہ کہ فقط آدم و حوا۔ تیسرے یہ کہ اگر شیطان نے اُن کو بہکایا ہوتا تو لفظ مَا کی جگہ لفظ مَنْ آتا کیونکہ مَنْ کا اطلاق ذی عقل چیزوں پر ہوتا ہے اور مَا کا اطلاق غیر عاقل پر۔ چوتھے یہ کہ آدم کو خدا نے ہر چیز کے نام تعلیم کر دیے تھے اور ایک بار شیطان سے زک اٹھا بھی چکے تھے۔ پھر کیا ممکن تھا کہ اُن کو اتنا بھی معلوم نہ ہوتا کہ شیطان کا نام حارث ہے وغیرہ۔

ان اعتراضات کے جوابات بہت ضعیف ہیں ہم ان کی تفصیل بخوف طوالت ترک کرتے ہیں کیونکہ کوئی جواب بجائے خود مضبوط نہیں

مثلاً ایک جواب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ نے شرک فی التسمیہ کیا شرک فی العبادت نہیں۔ مگر یہ جواب لغو ہے کیونکہ شرک فی التسمیہ بھی حرام ہے اور کوئی نبی مرتکب حرام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دیگر جوابات بھی سطحی ہیں۔

ان اعتراضات سے بچنے کے لئے بعض لوگوں نے کہا کہ نفس واحدہ سے مراد قصیٰ ہے اور نفس قصیٰ سے اس کی بیوی کو پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قصیٰ کی نوع سے یعنی نوع انسانی سے خدا تعالیٰ نے اس کی بیوی کو پیدا کیا تاکہ اس کی طبیعت کو سکون اور روح کو راحت حاصل ہو لیکن جب قصیٰ کی اولاد ہوئی تو اس نے بجائے عبداللہ، عبدالرحمن وغیرہ نام رکھنے کے عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبد قصیٰ نام رکھے اور خدا کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کیا جو خالق نہیں اور پھر اس کی اولاد نے بھی شرک کیا۔

لیکن یہ تاویل بھی خلاف روایت ہے کسی روایت سے ثابت نہیں کہ ان آیات میں قصیٰ اور اس کی بیوی کا بیان ہے۔ لہذا صحیح مطلب وہ ہے جو حسن بصری، عکرمہ، ابو مسعود، ابن کیسان، ابن کثیر، امام رازی، بیضاوی اور دیگر محققین نے بیان کیا ہے کہ:۔

جَعَلَ مِنْهَا میں مِنْ جزئیت کے لئے نہیں ہے بلکہ جنسیت کے لئے ہے اور نفس واحدہ سے ہر مرد مراد ہو سکتا ہے یعنی اللہ نے سب کو ایک ہی نفس یعنی مرد کی نوع سے پیدا کیا سب کو انسانی افراد بنایا مرد کی بیوی کو بھی اسی کی جنس سے پیدا کیا جانور کو اس کا جوڑا نہ بنایا تاکہ مرد کو عورت سے سکون خاطر ہو۔ بات یہ ہے کہ مرد دن میں ادھر ادھر پھرتے ہیں اور رات کو اپنے مسکن کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عورت سے مرد کو راحت قلب حاصل ہوتی ہے۔ عورت مرد کے تمام غموم و ہموم کی مونس و رفیق ہے۔ غرض جب عورت و مرد کی مواصلت ہوتی ہے تو ابتدائے حمل میں عورت کو کچھ زیادہ بار محسوس نہیں ہوتا۔ چلتی پھرتی اور کاروبار کرتی رہتی ہے۔ لیکن جب حمل کو زیادہ زمانہ گذر جاتا ہے اور بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے تو خوف ہوتا ہے کہ خدا جانے کیا ہوتا ہے اس سے زندگی بھی بچتی ہے یا نہیں۔ اس لئے مرد و عورت دونوں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اچھا زندہ بچہ دیدیا تو ہم تیری شکر گزاری کرینگے۔ پھر جب خدا ان کو بچہ حسب مراد دیدیتا ہے تو خوشی میں آکر خدا کے ساتھ اس کام میں اوروں کو بھی ملا لیتے ہیں کوئی طبیعت کے افعال کی طرف منسوب کرتا ہے، کوئی پیروں فقیروں بتوں دیوتاؤں کی طرف سکوئی بچوں کی چوٹی کسی پیر کے نام کی چھوڑتا ہے، کوئی کسی قبر پر لے جاتا ہے، غیر اللہ کی نذر نیاز مانتا ہے۔ حالانکہ خدا ان تمام لغویات اور شرکیات سے پاک ہے وہی پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اسی مطلب کی تائید حسن بصری کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے۔ ابن جریر نے بسند صحیح حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت بعض ملت والوں کے حق میں ہے حضرت آدمؑ کے حق میں نہیں ہے۔ معمر کے طریق سے بسند صحیح حسن بصری کا قول مروی ہے کہ اس سے آدمؑ کی ذریت اور وہ لوگ جنھوں نے حضرت آدمؑ کے بعد شرک کیا مراد ہیں۔

قتادہ نے بروایت صحیحہ حسن کا قول بیان کیا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ کے حق میں ہے۔ حسن بصریؒ کے ان اقوال سے تفسیر مذکور کی تائید ہوتی ہے اب رہا سمرہؓ کی روایت کردہ حدیث اور ابن عباسؓ کے قول کا جواب تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ امام احمد نے جو روایت سمرہ بن جندبؓ مرفوعاً نقل کی ہے وہ تین طریق سے معلول اور مجروح ہے۔ اول تو یہ کہ سلسلۂ روایت میں عمر بن ابراہیم راوی کا نام ہے جس کے متعلق ابو حاتم رازی کی صراحت ہے کہ یہ شخص قابل حجت نہیں۔ دوسرے یہ کہ حدیث مذکور بغیر رفع کے فقط سمرہ کی طرف منسوب کی گئی ہے یعنی حدیث مذکور رسول پاکؐ کا ارشاد نہیں بلکہ سمرہ کا قول ہے۔ تیسرے یہ کہ حسن بصری جنھوں نے یہ حدیث خود سمرہ سے سن کر نقل کی ہے اس آیت کی تفسیر دوسرے طور پر بیان کرتے ہیں (جسکو ہم نے اوپر ذکر کردیا) اگر حسن بصری اس حدیث کو مرفوع جانتے تو تفسیر بالحدیث سے عدول نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ قول صحابی ہے جس میں احتمال ہے کہ کعب احبار اور وہب بن منبہ وغیرہ مؤمنین اہل کتاب سے لی گئی ہو جو ناقابل اعتبار ہے۔ کیونکہ اس سے عصمت انبیاء پر حملہ ہوتا ہے جو صراحتہً نص قرآنی کے خلاف ہے۔ رہا ابن عباسؓ کے قول کا جواب تو وہ بھی ظاہر ہے کہ کسی اسرائیلی مؤمن سے سن کر آپ نے بیان کیا ہوگا۔ بلکہ ابن ابی حاتم نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباسؓ کا جو قول بیان کیا ہے اس میں صراحت ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ قصہ اُبیّ ابن کعب سے سُنا تھا۔ واللہ اعلم۔

مقصود بیان:۔ اس امر کی صراحت کہ افراد انسانی کا مبدا ایک ہی۔ تخلیق زوجیت کی علت کی تصریح کہ ازواج استمتاع کا بیان۔ اس بات کی تصریح کہ انسان مصیبت کے وقت خدا ہی کو پکارتا ہے لیکن مطلب پورا ہونے پر غیروں کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے اور خدا کو بھول جاتا ہے۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ

کیا وہ ایسی چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ نہیں پیدا کرتیں بلکہ خود بھی

يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا

مخلوق ہیں۔ اور نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں

وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ۝ وَإِن تَدْعُوهُمْ

اور نہ اپنی ہی مدد کرتے ہیں اگر تم ان کو ہدایت

إِلَى ٱلْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ

کی طرف بلاؤ تو تمہاری پکار پر نہ چلیں تم پر برابر ہے

أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَٰمِتُونَ ۝ إِنَّ

کہ اُن کو پکارو یا خاموش رہو جن کو

ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ

اللہ کے سوا تم پکارتے ہو وہ تمہاری طرح

أَمْثَالُكُمْ ۖ فَٱدْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا۟ لَكُمْ

بندے ہیں بھلا اگر تم اُن کو پکارو تو اُن کو تمہارا کہنا کرنا چاہیے

إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ

اگر تم سچے ہو کیا اُن کے ایسے پاؤں ہیں جن سے

بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَآ ۖ أَمْ

وہ چلتے ہیں یا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا

لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ

اُن کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا اُن کے

ءَاذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ

کان ہیں جن سے سنتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ مشرکوں کی بھی عجب کیفیت ہے جب تک مطلب رہتا ہے جان خطرے میں ہوتی ہے تو خدا کو پکارتے ہیں اُس سے دعائیں کرتے ہیں شکر گزاری کے وعدے کرتے ہیں۔ جب مطلب پورا ہو جاتا ہے بامراد بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو کفر ناشکری اور شرک کرنے لگتے ہیں اور دوسری چیزوں کو اللہ کی الوہیت و ربوبیت میں شریک کرتے ہیں۔ دیوتاؤں کو اللہ کے ساتھ ملا کر حصہ دار بناتے ہیں۔ ان آیات میں اُنہیں حصہ داروں اور دیوتاؤں کے اوصاف کا بیان ہے کہ تم بحث اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہیں بھی تو

ایسے شریکوں کو کہ وہ خود کچھ نہیں پیدا کر سکتے بلکہ دوسروں کے ہاتھوں کے بنے ہوئے ہیں یعنی اپنی خلقت میں دوسروں کے محتاج ہیں پھر خود خالق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کی مدد نہیں کر سکتے لہٰذا ہی اُن کی عبادت کرو اللہ کا حصہ دار بھی بناؤ مگر مصیبت پڑے پر کسی کی مدد نہیں کر سکتے اور دوسروں کی مدد کیا کر سکتے ہیں خود اپنی ذات پر کچھ دکھ آئے تو اُس کو دور نہیں کر سکتے۔ گویا وہ اپنی پیدائش میں بھی دوسروں کے محتاج ہیں اور پیدائش کے بعد دفع ضرر میں بھی غیروں کی مدد کے ضرورت مند۔

معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرو بن جموح کا قصہ مشہور ہے کہ یہ دونوں سعادتمند صحابی مشرکوں کے بُت توڑ کر تلف کر ڈالتے اور بتوں کے نام کی لکڑیاں نکال کر غریب بیوہ عورتوں کو لیجا کر دیدیتے تھے۔ معاذ بن عمرو کا باپ حالت کفر میں اپنی قوم کا سردار تھا اور اس نے ایک بُت بنا رکھا تھا جس کو وہ غسل دیتا خوشبو لگاتا اور آراستہ کرتا تھا لیکن مذکورہ بالا دونوں نوجوان رات کو آکر اُس بت کو اوندھا کر کے نجاست میں آلودہ کر دیتے تھے۔ صبح کو وہ شخص پھر آکر نہلا دھلا کر بنا سنوار کر رکھدیتا تھا۔ ایک روز اُس نے بُت کے پاس تلوار رکھدی اور کہدیا کہ اگر تجھکو کوئی آکر ستائے تو اس تلوار سے اُس کو قتل کر ڈالنا ان دونوں نوجوانوں نے رات کو جا کر بُت کے پاؤں میں رسّی باندھی اور پھر اُس کو ایک مُردہ کتّے کے ساتھ رسّی میں باندھا اور اندھے کنوئیں میں لٹکا دیا صبح کو عمرو بن جموح نے اُٹھ کر بت کی یہ حالت دیکھی تو سمجھا کہ میں باطل دین اور غلط اعتقاد پر ہوں۔ اُسی وقت بُت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہو گیا اور جنگ اُحد میں شہید ہوا۔

کافروں کے دیوتاؤں کی دو طرح سے مجبوری ظاہر کرنے کے بعد تیسری مجبوری اور ظاہر فرماتا ہے کہ اگر اُن کو سیدھے راستہ کی طرف بلایا جائے تو وہ آ نہیں سکتے اُن میں قدرت ہی نہیں کہ آ سکیں خواہ اُن کو کتنا ہی پکارو یا نہ پکارو بہر حال وہ سنتے ہی نہیں تو پھر راہ پر کس طرح آ سکتے ہیں اور جب خود راہ پر نہیں آ سکتے تو دوسروں کو کس طرح راہ بتا سکتے ہیں۔ غرض تینوں اعتبار سے مجبور ہیں۔ خلقت۔ دفع ضرر اور راہنمائی تینوں باتوں میں وہ دوسروں کے محتاج ہیں۔ پھر اُن کی پرستش اور اللہ کے ساتھ شریک کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

کفار کا عقیدہ تھا کہ ہم جن مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں یہ مورتیاں بڑے بڑے عظیم الشان آدمیوں کی ہیں۔ بعض لوگ ملائکہ اور شیاطین کی پرستش کرتے تھے ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ تمہارے دیوتا کوئی بھی ہوں تمہارے عقیدہ کے موافق وہ تمہاری طرح اللہ کے محتاج ہیں۔ ان کو اپنے نفع و ضرر کا خود کوئی اختیار نہیں پھر تمہاری مدد وہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ اچھا ان کو پکار کر دیکھو وہ کسی طرح تم کو جواب بھی نہ دے سکیں گے مدد کرنا تو بجائے خود رہا کم از کم اتنا ہی دیکھ لو کہ قدرت و اختیار اور تصرف

و طاقت تو بڑی چیز ہے اُن میں انسانوں کی طرح اعضاء بھی نہیں نہ چلنے کے لئے پاؤں ہیں نہ پکڑنے کے لئے ہاتھ نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں، نہ سننے کے لئے کان اور تمہارے پاس یہ سب چیزیں ہیں پھر تم باوجود ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان رکھنے کے اپنے سے کمزور ترین بے جان چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہو اور کیوں اُن کو خدا کا حصہ دار قرار دیتے ہو۔

مقصود بیان :- کفار کی شرک پرستی کی مدلل تردید اور اس بات کی طرف ایما کہ معبود کو توانا، خالق، صاحب اختیار اور مالک بصیرت ہونا چاہئے۔ انسان کی بیوقوفی اور کوتاہ بینی ہے کہ اپنے سے ادنیٰ اور عاجز ترین مخلوق کی پرستش کرتا ہے

قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ

(اے محمد) کہدو کہ اپنے (تجویز کردہ) شرکا کو بلاؤ پھر مجھ پر داؤ کرو

فَلَا تُنظِرُونِ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي

اور مجھے مہلت نہ دو میرا حامی تو وہی اللہ ہے جس نے

نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ○

کتاب اُتاری اور وہی نیکوں کی حمایت کرتا ہے

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ

اور اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ

وہ نہ تمہاری مدد کرنے پر قادر ہیں اور نہ اپنی

يَنصُرُونَ ○ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ

مدد کر سکتے ہیں اگر تم اُن کو ہدایت کی طرف بلاؤ

لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ

تو وہ کچھ نہ سُنیں تم اُن کو خیال کرتے ہو کہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں

وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ○

حالانکہ اُن کو سوجھتا نہیں

تفسیر آیات مذکورہ میں جب کافروں کے دیوتاؤں کی مذمت کی گئی اور رسول پاک نے بتوں کو اور کفار کے معبودوں کو علی الاعلان بُرا کہا تو قریش کے بعض آدمی کہنے لگے محمد! تم ان کو بُرا نہ کہو۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے دیوتا تم کو دُکھ نہ پہونچا دیں۔ حضرت ہود کی قوم نے بھی ایسا ہی کہا تھا اِن نَّقُولُ اِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ۔ خدا تعالیٰ یہاں جواب تعلیم فرماتا ہے اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ کہ تم ان کافروں سے کہدو کہ جس قدر تمہارے دیوتا معبود ہیں جن کو تم اللہ کا شریک سمجھتے ہو سب کو بلا لو اور میرے ضرر پر آمادہ کرو پھر تم اور تمہارے دیوتا سب مل کر میرے ضرر پہنچانے کی تدبیریں کرو اور مجھے بالکل بچاؤ کا موقعہ اور مہلت نہ دو۔ دیکھوں کوئی میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ جو کچھ ہونے والا ہے ہو کر رہیگا۔ بغیر مشیت کے کچھ ہو نہیں سکتا اللہ میرا حافظ و ناصر ہے بلکہ تمام نیک لوگوں کا وہی کارساز و مددگار ہے۔ میں تو پھر رسول ہوں وہ میری مدد کیوں نہیں کریگا۔ رہے تمہارے دیوتا تو وہ بیچارے مجبور محض ہیں نہ اُن میں دفع ضرر کی طاقت کہ تمہاری مدد کر سکیں یا اپنے اوپر ہی سے دُکھ کو دور کر سکیں نہ اُن کے پاس کان اور آنکھیں کہ سُن اور دیکھ سکیں۔ ان کو کتنا ہی پکارو سیدھا رستہ دکھاؤ مگر اُن کے پاس کان ہی نہیں کہ سُنیں۔ بظاہر آنکھیں دکھائی دیتی ہیں یعنی آنکھوں کی تصویر کافروں نے مورتیوں میں بنا دی ہے مگر اُن میں نور نہیں پھر دکھائی کس طرح دے۔ غرض یہ کہ جب وہ اپنا دُکھ دور نہیں کر سکتے دوسروں کی مدد نہیں کر سکتے کچھ سُن نہیں سکتے کچھ دیکھ نہیں سکتے تو پھر مجھے ضرر کیسے پہونچا سکتے ہیں باوجودیکہ میرا حافظ و ناصر خدا ہے یعنی ایک تو اُن میں ضرر رسانی کی طاقت نہیں دوسرے خدا میرا مددگار۔ پھر مجھے کیا اندیشہ۔

تحقیق اجزاء يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ میں ابن عباسؓ نے فرمایا کہ صالحین وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور اُس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی اولاد کے لئے کچھ اندوختہ نہیں کیا تھا۔ لوگوں نے اسکو شفقت پدری کے خلاف سمجھا۔ آپ نے فرمایا میری اولاد یا صالح ہوگی یا غیر صالح۔ اگر صالح ہوگی تو اللہ اُس کا ولی اور کارساز ہے پھر اُس کو میرے مال کی کیا حاجت اور اگر غیر صالح ہوگی تو میرا اُس سے کیا تعلق اُس کے اہتمام میں میرا مشغول ہونا بیکار ہے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ سے لَا يُبْصِرُوْنَ تک۔ ابن کثیر وغیرہ عام مفسرین کے نزدیک بتوں کی حالت کے بیان میں ہے اور کلام پاک کی رفتار عبارت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ اوپر سے برابر بتوں کی حالت کا بیان چلا آرہا ہے لیکن سدی اور مجاہد کا قول ہے کہ ان دونوں آیتوں میں مشرکوں کی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس تقدیر پر یہ مطلب ہوگا کہ مشرکوں کو کتنا ہی ہدایت کی طرف بلاؤ مگر وہ ایک نہ سُنینگے اُن کے پاس گوش حق نیوش ہی نہیں ہیں نہ اُن کے پاس آنکھیں ہیں کہ دیکھ سکیں اگرچہ بظاہر اُن کی آنکھیں دکھائی دیتی ہیں اور تم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں مگر اُن کے پاس چشم حقیقت بیں نہیں ہیں کہ

وہ حقانیت و صداقت کو دیکھ سکیں اور جب باطن میں آنکھیں نہیں تو ظاہر میں آنکھوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

مقصود بیان: - آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ مومن کامل کو کسی شیطانی طاقت سے ڈرنا نہ چاہیئے۔ صالح بندوں کو کوئی چیز ضرر نہیں پہونچا سکتی۔ اللہ پر بھروسہ رکھنا اور اس کو اپنا کارساز یقین کرنا لازم ہے۔ سوائے خدا کے کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ نہ اپنے دکھ اور ضرر کو دور کر سکتا ہے۔ خاص ایماءً اور ضمنی تنبیہ اس امر پر بھی ہے کہ گوش حق نیوش اور چشم حقیقت نگر کی ضرورت ہے۔ مادی کان اور آنکھیں وجہ امتیاز نہیں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اسی کی طرف حضور اقدس ؐ نے اشارہ فرمایا مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ - دوسری جگہ فرمایا طُوْبٰی لِمَنْ رَّاٰنِیْ وَلِمَنْ رَّاٰی مَنْ رَّاٰنِیْ یعنی جس نے مجھے چشم بصیرت اور بعین حقیقت نگر سے دیکھا اس نے حق و صداقت اور جلوۂ الٰہی کو دیکھ لیا۔ خوشخبری اور بشارت ہو اس شخص کو جس نے مجھے بچشم باطن دیکھ لیا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ

(اے محمد) عفو کو اختیار کرو اور نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں

عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ۝ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ

سے کنارہ کرو اگر تم کو کبھی شیطان کی چھیڑ چھاڑ

الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ

ابھار دے تو اللہ کی پناہ مانگو بلاشبہ وہی

سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

سنتا جانتا ہے

تفسیر اس آیت کی تفسیر میں اسلاف کا اختلاف ہے بروایت علی بن طلحہ ابن عباس رضؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عفو سے مراد وہ مال ہے جو لوگ لاکر رسول اللہ ؐ کو دیدیں۔

سدی کہتے ہیں یہ حکم سورۂ براءۃ کے نازل ہونے سے پہلے تھا جس وقت تک کہ فرائض و صدقات کی تفصیل نازل نہ ہوئی تھی۔ ضحاک و سعید بن جبیر کی روایت بھی علی بن ابی طلحہ کی روایت کے ہم معنی ہے۔ لیکن عروہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر، ابن عمر، ام المؤمنین عائشہ رضؓ عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ اہل تحقیق کے نزدیک عفو سے مراد عدم تشدد چشم پوشی درگذر اور مسامحت ہے۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ابن کثیر اور شیخ جلال کا بھی یہی مختار ہے۔ احادیث و آثار سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم کی مرسل روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور ؐ نے جبرئیل سے اس کے معنی دریافت کئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے آپ اس کو معاف کریں۔ جو آپ کو نہ دے آپ اس کو دیں۔ جو آپ سے رشتہ توڑے آپ اس سے جوڑیں۔ جابر اور قیس بن سعد کی مرفوع روایت جس کو امام احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے اسی کی تائید کرتی ہے۔ بروایت بخاری عبداللہ بن زبیر رضؓ نے فرمایا یہ آیت لوگوں کے اخلاق کے متعلق نازل ہوئی۔ بخاری میں ایک طویل روایت ہے کہ عیینہ بن حصن مدینہ میں آکر اپنے بھتیجے حر ابن قیس کے پاس ٹھیرا۔ حر نے حضرت عمر رضؓ سے سفارش کی کہ عیینہ کو کہیں حکومت کے کام پر مقرر کر دیجئے حضرت عمر رضؓ نے انکار کیا۔ عیینہ نے کھڑے ہو کر کہا اے عمر! آپ نہ تو ہم کو کافی مال دیتے ہیں اور نہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ فاروق اعظم رضؓ کو یہ الفاظ سن کر غصہ آیا اور قریب تھا کہ عیینہ کو مار بیٹھیں کہ حر نے عرض کیا امیر المؤمنین! اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے:۔ خُذِ الْعَفْوَ الخ یہ جاہل ہے۔ حضرت عمر رضؓ فوراً ٹھیر گئے۔ کیونکہ کلام پاک سنتے ہی آپ ٹھیر جاتے تھے۔

سالم بن عبداللہ بن عمر کا گذر اہل شام کے ایک قافلہ کی طرف ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ ان کے اونٹوں کی گردنوں میں چھوٹی گھنٹیاں بندھی ہیں۔ دیکھ کر آپ نے اس حرکت سے ان کو منع کیا۔ وہ بولے ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں بڑا جلجل یعنی گھنٹہ ممنوع ہے۔ سالم نے آیت مذکورہ پڑھی اور خاموش ہو رہے (رواہ ابن ابی حاتم) ان آثار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عفو سے مراد درگذر اور چشم پوشی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

اے نبی! اگر لوگوں کے برتاؤ سے تمہارے متعلق کچھ بے عنوانی ہو جائے تو اس کو معاف کر دو تشدد نہ کرو اور نیک کاموں کی تعلیم دو اور اگر اس تعلیم کے بعد بھی کوئی جہالت کرے اور نہ مانے اور بیہودگی کرنے لگے تو اس سے کنارہ کشی کر لو لڑنے نہ لگو۔ کار رحمٰن میں کار شیطان کو دخل نہ دو۔ اور اگر کسی وقت (انتقام کے لئے) دل میں کوئی شیطانی وسوسہ پیدا ہو تو جب یاد آئے اللہ کی پناہ پکڑو اور سنبھل جاؤ۔

تحقیق اجزاء عُرْف کے معنی عروہ بن زبیر، سدی، قتادہ اور ابن جریر وغیرہ کے نزدیک معروف کے ہیں اور اس میں جملہ طاعات داخل ہیں۔

جاہلوں سے عرض کرنے اور کنارہ کشی اختیار کرنے سے مراد یہ ہے کہ اخلاقی امور میں لوگوں کی زیادتی برداشت کرو اور انتقام کے درپے نہ ہو یہ مراد نہیں کہ جو اللہ کے حقوق واجبہ میں جہالت کرے اللہ کو برا بھلا کہے فرائض الٰہیہ کو ترک کرے اس سے بھی تعرض نہ کرو اور مطلق اغماض

دل میں نیکی کا ارادہ قائم رہے یا نہ رہے۔ وغیرہ۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ

اور تم اُس بلا سے ڈرو جو تم میں سے صرف ظالموں ہی

ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا

پر چُن کر پڑے گی اور جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے

تفسیر فتنہ سے مراد ہر وہ امر ہے جس سے دل قائم نہیں رہتا۔ مثلاً قحط سالی، گرانی، افلاس، ظالموں کا غلبہ، بدکاروں کا تسلط، فاجروں کی گناہگاری اور نیکوں کا اسکو نہ روکنا وغیرہ۔ ان تمام امور سے دل متزلزل ہو جاتا ہے یا باوجود ثبات قلب کے انسان مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حسن بصری کے قول کے مطابق یہ آیت چار صحابیوں کے حق میں نازل ہوئی علی، عمار، طلحہ، زبیر۔ مطلب یہ ہے کہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کا مصداق آئندہ زمانہ میں یہ چار صحابہ ہوئے۔ ورنہ دوسرے صحابی بھی اس آیت کے مفہوم کے مصداق بنے۔ پھر آیت میں صحابی اور غیر صحابی کی کوئی تخصیص بھی نہیں ہے بلکہ عمومی حکم ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل بدر کے حق میں نازل ہوئی چنانچہ جنگ جمل میں اہل مصر کے فتنہ کی وجہ سے وہ کیسا مصیبت میں مبتلا ہوئے اور باہم لڑ مرے اور بروایت علی بن طلحہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ آیت سب کے حق میں ہے۔ مجاہد، ضحاک، یزید بن ابی حبیب کا بھی یہی قول ہے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو مبتلاءِ فتنہ نہ ہو کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ پس جو کوئی فتنہ سے پناہ مانگے اُس کو چاہیئے کہ گمراہی میں ڈالنے والے فتنوں سے پناہ مانگے (رواہ ابن جریر) ہم پہلے آیت کا توضیحی مطلب لکھتے ہیں پھر چند احادیث لکھینگے جن میں فتنہ کی حالت کا بیان ہے یہ اصل ارشاد یہ ہے کہ اُس فتنہ سے اہل ایمان کو پرہیز چاہیئے جس کا وبال فقط ظالموں اور اصل مجرموں پر ہی نہیں پڑے گا بلکہ اُن کی شامت اعمال سے سب پر پڑیگا نیک لوگ بھی آئی کے مُنہ میں آ جائینگے کیونکہ جب دلیر لوگ لڑائی میں سستی کرنے لگیں اور اس وجہ سے بزدل بھاگ جائیں تو شکست کا خمیازہ سب ہی کو بھگتنا پڑتا ہے اسی طرح دین میں مداہنت کرنے اور گناہگاروں کو گناہ سے نہ روکنے کے باعث عذاب الٰہی جب نازل ہوتا ہے تو سب پر عام ہو جاتا ہے یہانتک کہ جانوروں تک کو اس کا بھگتان بھگتنا پڑتا ہے۔

عدی بن عمیرہ رض کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا خاص بندوں کی بدفعلی کی وجہ سے عام بندوں کو خدا تعالیٰ اُس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتا جب تک کہ وہ لوگ اپنے سامنے بدکاری ہوتے دیکھ کر منع کرنے سے باز نہ رہیں درانحالیکہ منع کرنے پر قادر بھی ہوں پس اگر اُنہوں نے منع نہ کیا تو اللہ تعالیٰ بدکام کرنے والوں اور نہ کرنے والوں سب کو مبتلاءِ عذاب فرما دیتا ہے (رواہ احمد)

حذیفہ بن یمان رضؓ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور تم ایسی باتوں کا حکم دوگے جو شرع میں اچھی ہیں اور ایسی باتوں سے منع کروگے جو شرع میں بری ہیں ورنہ اللہ تم پر ایک قوم کو مسلط کر دیگا جس سے بچنے کی تم دعائیں کروگے مگر قبول نہ ہونگی (رواہ احمد) نعمان بن بشیر کی روایت بخاری نے لکھی ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے جہاز میں نیچے کے درجے والے اگر پانی لینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے جہاز میں چھید کریں اور اوپر والے منع نہ کریں تو سب کے سب غرق ہو جائینگے۔

حضرت جریر کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جو قوم بدکاری کرے اور اُن میں کوئی باعزت شخص ہو جو روک سکتا ہو مگر نہ روکے تو اللہ سب کو عذاب میں مبتلا کر دیگا (رواہ احمد و ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جب زمین میں بدکاریاں پھیلیں گی تو اللہ اُن پر عذاب نازل فرمائیگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اُن میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بھی ہوں گے؟ فرمایا ہاں ہونگے لیکن (مرنے کے بعد) وہ اللہ کی رحمت و رضوان میں چلے جائینگے (رواہ احمد) یعنی وہ عذاب اُن کے لئے عذاب نہ ہوگا بلکہ مرنے کے بعد رحمتِ الٰہی اُن کو حاصل ہوگی اگرچہ بظاہر عذاب کی شکل میں ہوگا۔

رہی یہ بات کہ عمومی بدکاری کے وبال سے بچنے کے لئے اہل حق کو کیا کرنا چاہیئے؟ تو اس کا بیان خود حدیث میں آگیا ہے کہ اگر ہاتھ سے روک سکتا ہو تو روکے ورنہ زبان سے ہی منع کرے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم دل سے ہی اُس کو بُرا جانے اس کے نیچے رائی کی برابر ایمان نہیں ہے۔

مقصود بیان: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پرزور تاکید۔ اس بات کی صراحت کہ عمومی گناہوں کے وبال سے خواہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اس امر کی طرف تنبیہ کہ آئندہ جب بدکاریا

عام ہو جائیگی تو اُس کا وبال ضرور بھگتنا ہوگا اور پھر اس وبال سے نیک لوگوں کی بھی جان نہ چھوٹے گی۔ آیت سے ضمنی طور پر یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ اکثریت کا فعل قابل اعتبار ہوتا ہے۔ نیکی تو اکثریت کی قابل اعتبار ہے ہی۔ بدی بھی اکثریت ہی کی معتبر ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ

اور یاد کرو کہ جب تم تھوڑے سے تھے اور ملک میں کمزور

فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ

سمجھے جاتے تھے تم ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تم کو اُچک

النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ

لے جائیں پس اللہ نے تم کو جگہ دی اور تم کو اپنی مدد سے قوت دی

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عنایت کیں تاکہ تم شکر کرو

تفسیر ان آیات میں روئے خطاب صحابۂ مہاجرین کی طرف ہے۔ واقعۂ بدر کے بعد ان آیات کا نزول ہوا۔ الارض سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک سرزمین مکہ ہے مگر حکم بہ صورت عام ہے اسی لئے قتادہ بن دعامہ سدوسی نے فرمایا کہ یہ گروہ عرب سب لوگوں سے زیادہ ذلیل اور سب سے بڑھ کر ننگا بھوکا تھا۔ جیتا تھا تو بدبختی کی حالت میں اور مرا تو جہنمی۔ واللہ میں نہیں جانتا کہ اُس وقت روئے زمین پر کوئی ان سے زیادہ بدحال ہو۔ یہاں تک کہ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اسلام کو بھیجا اور عرب کو مشرف فرما کر دنیا کے ممالک میں اُن کو شوکت وقوت دی اور ان کے قدم بادشاہوں کی گردنوں پر رکھے۔ تم جو کچھ یہ دیکھ رہے ہو اسی اسلام کی بدولت ہے۔ الخ۔ آیات کا مطلب ظاہر ہے۔

مقصود بیان:۔ اسلام شروع میں کمزور حالت میں تھا (لیکن مسلمانوں نے چونکہ احکام اسلامی کی تعمیل کی اس لئے) خدا تعالیٰ نے اُن کی مدد کی۔ اور شوکت وطاقت حاصل ہوئی۔ اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ آیت میں ضمنی طور پر تعمیل احکام اسلام کی ترغیب ہے۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ

مسلمانو! اللہ اور رسول کی خیانت

وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ

نہ کرو اور جان بوجھ کر اپنی باہمی امانتوں میں خیانت

تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ

نہ کرو اور جان لو کہ تمہارے مال اور

اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ

تمہاری اولاد تمہاری آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ع ٩

بڑا ثواب ہے

تفسیر اس آیت کے سبب نزول میں اہل تفسیر کے چند اقوال ہیں:۔ (١) یہ آیت ابولبابہ بن عبدالمنذر کے قصہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بنی قریظہ یہودیوں کا ایک خاندان تھا جو مدینہ کے قریب رہتا تھا انہوں نے باوجود معاہدہ جنگ احزاب میں جبکہ مشرکوں نے آکر مدینہ کا محاصرہ کیا تھا مشرکوں کی مدد کی اور معاہدہ کی سخت خلاف ورزی کی جس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچا۔ جنگ احزاب ختم ہوگئی اور مشرکین واپس بھاگ گئے تو حضور اقدسؐ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا اور تین روز یا ایک ہفتہ یا اکیس روز محاصرہ قائم رہا۔ یہودی تنگ ہوئے تو صلح و امان کے خواستگار ہوئے۔ ابولبابہ ایک انصاری تھے ان کے بال بچے اور کل مال بنی قریظہ کی گڑھی کے اندر تھا اور یہودیوں سے ان کا میل جول بھی تھا حضورؐ نے ابولبابہ کو بھیجا کہ یہودیوں سے جاکر کہدو ہم کوئی شرط مقرر نہیں کرتے البتہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کردیں اُس پر ہم راضی ہیں بشرطیکہ تم بھی راضی ہو۔ ابولبابہ نے جاکر پیام پہنچا دیا۔ یہودیوں نے ابولبابہ سے مشورہ کیا کہ تمہاری رائے میں ہم کو سعد کے فیصلہ پر راضی ہوجانا چاہئے یا نہیں۔ ابولبابہ نے انگلی سے حلق کی طرف اشارہ کیا مطلب یہ تھا کہ سعد تو تمہارے قتل کا فیصلہ دینگے۔ اس کے بعد ابولبابہ بہت پچھتائے اور حضورؐ کے پاس واپس نہ آئے بلکہ باہر ہی باہر آکر مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو مضبوط بندھوا دیا اور قسم کھالی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی اُس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا اسی طرح مرجاؤنگا۔ تین دن اسی طرح گذرے تو بیہوش ہوگئے۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا اگر میرے پاس آتا تو میں اُس کے لئے استغفار کرتا۔ اب چونکہ حق تعالیٰ سے بلاواسطہ رجوع کیا ہے۔ اس لئے اب اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی حکم فرمائے اسی حال میں قریب ایک ہفتہ کے گذر گیا اور یہ آیت مع آئندہ آیت کے نازل

ہوئی۔ لوگ خوش ہو کر بشارت دینے کے لئے اُن کے پاس گئے اور کھولنا چاہا۔ ابو لبابہ نے قسم دی کہ مجھے نہ کھولو جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دست مبارک سے نہ کھولیں۔ بالآخر حضور نے تشریف لیجا کر کھولا (کذا قال ابن ابی قتادۃ و الزہری)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک سے رہ جانے کی وجہ سے ابولبابہ نے ایسا کیا تھا۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی جب فتح مکہ کے لئے لشکر کشی کا ارادہ مسلمانوں نے کیا تو حاطب نے ایک خط اہل مکہ کو لکھا اور اس میں مسلمانوں کے ارادہ کی اطلاع دی کیونکہ حاطب کے بچے اور مال قریش کی حفاظت میں تھا ان کو اپنے اہل و عیال اور مال کے تلف کا اندیشہ ہوا۔ حضور کو یہ واقعہ وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا آپ نے علی رضا اور زبیر بن عوام کو بھیجکر وہ خط راستہ میں پکڑ والیا اور بالآخر حاطب کی توبہ قبول ہوئی۔

سدی کہتے ہیں اس میں منافقوں اور بعض سادہ لوح مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جو حضور کی راز کی باتیں اور مسلمانوں کی باہمی تجویزیں پھیلا دیتے تھے اور اس طرح دشمنوں کو مسلمانوں کے راز کی اطلاع ہو جاتی تھی۔ اولیٰ یہ ہے کہ سبب نزول اگرچہ خاص ہو مگر حکم عمومی ہے۔ اس میں ہر قسم کی خیانت داخل ہے خواہ مال کی ہو خواہ غنیمت کی خواہ آبرو کی خواہ کسی راز اور تجویز کی۔ بلکہ ہر فرض و سنت کا ترک اور ممنوع و حرام کا ارتکاب بھی چونکہ اللہ اور رسول کی خیانت ہے اس لئے یہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! فرائض الٰہی اور سنت رسول کو ترک مت کرو نہ رسول اللہ کے اندرونی راز کا افشا کرو نہ آپس میں ایک دوسرے کے مال عزت راز اور امانت کی خیانت کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ اس طرح سے تمہارے بال بچے اور مال کی حفاظت ہو جائیگی۔ یہ چیزیں تو خدا کی طرف سے تمہاری آزمائش ہیں احکام اسلامی کے مقابل میں ان کا لحاظ نہ کرو۔ اگر احکام اسلامیہ کی خلاف ورزی نہ کروگے تو خدا تعالیٰ تم کو اجر عظیم عطا کریگا پس مال اولاد کی۔ پس تم اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کرکے اجر عظیم کو ضائع نہ کرو۔

مقصود بیان:- ہر قسم کے فرض اور سنت کی بجا آوری کی تاکید آپس میں ایک دوسرے کی خیانت کرنے کی ممانعت خیانت کی کوئی شکل ہو اس امر کی صراحت کہ مال و اولاد ہی درحقیقت انسان کو گمراہ بناتی ہے انہی کی محبت سے آدمی اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے مگر یہ ایک آزمائش ہے ایسا نہ کرنا چاہئے وغیرہ۔ بعض حضرات جو قرآن کے علاوہ سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کو ہیچ سمجھتے ہیں اُن کے لئے آیت میں ذخیرۂ عبرت پوشیدہ ہے۔ سنت رسول کو ماننا اور اُس پر چلنا بھی بحکم آیت ضروری ہے لیکن جس حد تک وہ مسنون ہو اُسی حد تک اُس پر چلنا چاہئے۔ اگر سنت سے اُس کا وجوب ثابت ہو تو بطور وجوب اُس کو ادا کرنا چاہئے۔ اگر بطور سنت مؤکدہ ثابت ہو تو سنت مؤکدہ کے طور پر کرنا چاہئے اور اگر حضور نے کبھی اُسکو ترک بھی کیا ہے تو کبھی اُس کو ترک بھی کرنا چاہئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ

مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہوگے

يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ

تو وہ تمہارے لئے امتیاز کر دیگا اور تمہارے گناہ تم سے

سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ

دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

بڑی مہربانی والا ہے

تفسیر فرقان سے مراد ابن عباس، مجاہد، سدی، عکرمہ، ضحاک وغیرہ کے نزدیک نجات ہے۔ ابن عباس کی دوسری روایت میں ہے کہ فتحیابی مراد ہے۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ فرقان سے مراد ہے حق و باطل میں امتیاز۔ میری رائے میں عموم مفہوم اولیٰ ہے تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ آیت میں تقویٰ کے تین نتائج بیان کئے ہیں۔ مغفرت۔ برائیوں کی معافی۔ اور فرقان و امتیاز خواہ دین میں ہو یا دنیا میں۔ دینی فرقان تو ظاہر ہے کہ اہل تقویٰ کے خاص علامات و امتیازات ہونگے۔ اور دنیوی فرقان کی مختلف صورتیں ہیں حکومت شوکت فتح و نصرت غلبہ مکارم اخلاق وغیرہ۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! اگر تم شرک اور معاصی سے اجتناب رکھوگے تو ہم آخرت میں تمہاری مغفرت کرینگے۔ تمہارے گناہ معاف فرمائینگے تم کو نجات ابدی دینگے تم کو خاص امتیازات عطا کریں گے اور دنیا میں بھی تمہاری امتیازی شان رکھیں گے۔ ہماری مخصوص عنایات تمہارے شامل حال ہونگی۔

مقصود بیان:- تقویٰ کی ترغیب۔ اس امر کی ضمنی تصریح کہ بغیر خاص تقویٰ کے بھی مؤمن ہو سکتا ہے اگرچہ کامل ایمان کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی اگر فقط شرک سے اجتناب کیا تو مومن کا اطلاق

اُس پر صحیح ہے اگرچہ معاصی سے پرہیز نہ کیا ہو لیکن اگر معاصی کو بھی ترک کردیا تو اس سے کامل مؤمن ہوجائیگا - اس امر کی صراحت کہ تقویٰ سے علاوہ مغفرت اور عفو قصور کے دین و دنیا میں خصوصی امتیاز بھی حاصل ہوتا ہے گویا ہر دینی و دنیوی امتیاز کا مدار تقوی پر ہے ۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ

(اے محمد! یاد کرو) جب کافر تم پر داؤ چلانا چاہتے تھے تاکہ تم کو قید

اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ

کردیں یا قتل کردیں یا جلاوطن کردیں وہ بھی تدبیر کررہے تھے

وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

اور اللہ بھی تدبیر کررہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے

تفسیر محمد بن اسحاق، قتادہ، مقسم وغیرہ نے متعدد طرق سے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب کفار مکہ نے دیکھا کہ اسلام کے خلاف کوئی تدبیر نہیں چلتی تو دار الندوہ میں جمع ہوئے اہل شوریٰ میں قریش کے بڑے بڑے سردار عتبہ، شیبہ، ابوجہل، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام اور ابو البختری وغیرہ موجود تھے - ہر ایک نے اپنی تجویز پیش کرنی شروع کی - ایک خبیث شیطان بھی نجدی شیخ کی صورت میں شریک تھا اور اپنی رائے دینے آیا تھا - ابو البختری بولا میری رائے تو یہ ہے کہ ایک بند مکان میں قید کردو - اس صورت میں نہ کوئی اُن کے پاس آنے پائے گا - نہ یہ اُسکو بے راہ کرسکینگے صرف دانہ پانی پہنچانے کو اس جیلخانہ میں ایک روشن دان یا کھڑکی رکھو - بالآخر جس طرح دوسرے شاعر زہیر نابغہ وغیرہ مرگئے اسی طرح محمد بھی مرجائینگے - نجدی بولا یہ ٹھیک نہیں - اُس کے ہمراہی تم سے لڑکر اُس کو چھڑا لیجائینگے کوئی اور تجویز سوچو ہشام بن عمر نے کہا میری رائے میں محمدؐ کو شہر بدر کردو - اس صورت میں نہ یہ ہمارے سامنے ہونگے نہ اپنی تدبیروں سے ہم کو یا ہمارے اہل وطن کو اپنا بنا سکینگے - نجدی بولا یہ بھی ٹھیک نہیں ان کی میٹھی میٹھی باتیں دوسروں کے دل لُبھاتی ہیں وہ اپنا ایک بڑا جتھا کرکے تم سے لڑینگے اور انجام کار تم کو نیچا دیکھنا پڑے گا اور کچھ سوچو - ابوجہل بولا اچھا ہر قبیلہ سے ایک ایک جوان لے لو اور وہ سب مل کر بلوے کے طور پر محمدؐ کو قتل کرڈالیں جب محمدؐ مارے گئے تو ہر طرح اطمینان ہوجائیگا اس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ محمدؐ کے اقارب قتل کرنے والوں پر قصاص کا دعویٰ کرینگے اس لئے ہم تمام سردار یعنی امراء مکہ مدعیان قصاص کو خونبہا دیدینگے کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ بنی ہاشم جب تمام قریش سے لڑنے کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھینگے تو مجبور ہوکر دیت ہی قبول کرینگے - آخر اس رائے پر سب کی مہر ہوگئی اور یہ لوگ یہاں سے اٹھکر اپنی تدبیر میں مشغول ہوئے - جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیلؑ آئے اور پنچایت کی کل خبر دیکر کہا آپ یہاں رات نہ گذاریں - حسب وحی حضور والا شب کو اپنی جگہ حضرت علیؓ کو لٹاکر اپنی چادر اُڑھاکر حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر کوہ ثور کے غار میں جا چھپے - کافر تمام رات گھر کو گھیرے پڑے رہے - صبح جب حضورؐ کو نہ پایا تو جستجو میں چاروں طرف پھیل گئے - جس غار میں حضورؐ تشریف رکھتے تھے وہاں تک بعض تلاش کرنے والوں کو نشان قدم دیکھ کر قیافہ شناسوں نے لا کھڑا کیا مگر اللہ نے اُن کو لاعلم رکھا اور حضور اقدسؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تین شب اسی غار میں رہ کر معمولی راستہ کتراتے بخیر و عافیت مدینہ منورہ جا پہونچے ۔ اسی قصہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے ۔

يُثْبِتُوْكَ یعنی تجھے بیڑیوں میں جکڑ دیں (ابن عباس قتادہ مجاہد) یا تجھے قید خانے میں بند کردیں (عطا بن زید) سدی نے دونوں معنوں کا مجموعہ بیان کیا ہے - خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! اللہ کے اُس احسان عظیم کو یاد کرو کہ کفار نے باہم خفیہ تدبیریں کی تھیں کہ تم کو گرفتار کرکے جکڑ بند کرکے قید کردیں یا قتل کرڈالیں یا شہر بدر کردیں مگر اللہ بھی اپنی تدبیر میں لگا ہوا تھا اور بالآخر اللہ ہی کی تدبیر غالب آئی - کفار کی تدبیریں بے سود گئیں۔

مقصود بیان :- انعام خصوصی کی رسول اللہؐ کو یاد دہانی - اس بات کی وضاحت کہ تدبیر الٰہی ہمیشہ غالب آتی ہے اور اللہ کی تدبیر کا نتیجہ اچھا ہی نکلتا ہے بُرا کبھی نہیں نکلتا - یعنی کفار کی مکاری کا انجام اچھا نہیں نکلتا - اس بات کی طرف ضمنی ایماء کہ اللہ کی امداد ظاہری اسباب کی محتاج نہیں وہ بغیر ظاہری اسباب کے اپنے خاص بندوں کی امداد فرماتا ہے

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا

اور جب اُن کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے سُن لیا

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ

اگر ہم چاہتے تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے تھے یہ تو صرف

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں

تفسیر نضر بن حارث بن کلاہ ایک بڑا تاجر تھا تجارت کی غرض سے ایران۔ حیرہ۔ عراق شام وغیرہ کا سفر کرتا تھا اور ایران میں رستم، اسفندیار کے قصے سن کر اس نے یاد کر لئے تھے، اور وہاں سے آکر رات کو قریش کو وہی جھوٹے قصے سناتا اور کہتا تھا دیکھو میرے بیان کئے ہوئے قصے بہتر ہیں یا محمد کے اسی شخص نے کہا تھا کہ ہم بس سن چکے ہم خود اگر چاہیں تو ایسے قصے کہہ سکتے ہیں یہ پارینہ قصے ہیں ان میں رکھا ہی کیا ہے۔ کمبخت قرآن کی مثل فصیح بلیغ عبارت اور ہدایت آمیز صداقت انگیز معانی پیش کرنے سے تو قاصر تھا اس لئے اس بات کا تو دعویٰ نہیں کیا کہ میں بھی ایسا بلیغ کلام کہہ سکتا ہوں۔ بلکہ دعویٰ کیا تو یہ کیا کہ میں بھی ایسے قصے کہہ سکتا ہوں۔

مقصود بیان:۔ قریش کے بیہودہ اقوال کا اظہار، آیات الٰہی اور پیام ہدایت کو پارینہ قصص کہنے کی صراحت۔ اس بات کی ضمنی اشارہ کہ ازل گمراہوں کو واضح پیام حق بھی سودمند نہیں ہوتا وہ اس کو قصہ پارینہ ہی سمجھتے ہیں۔

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ

(وہ وقت بھی یاد کرو) جبکہ انہوں نے کہا کہ یا اللہ! اگر یہی تیری طرف

الْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً

سے حق دین ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر

مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ

برسا یا کوئی دردناک عذاب ہم پر بھیج دے

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ

حالانکہ جب تم اُن میں موجود ہو تو اللہ اُن کو عذاب نہیں دیگا

وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

اور جب تک وہ استغفار کرتے رہیں اللہ اُن کو عذاب دینے والا نہیں

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ

اُنہیں اس بات کا کیا اطمینان ہے کہ اللہ اُن کو عذاب نہیں دیگا حالانکہ

يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا

یہ کعبہ سے لوگوں کو روکتے ہیں باوجودیکہ اُنھیں کے

أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ

مختار نہیں ہیں درحقیقت اُس کے متولی تو پرہیزگار لوگ ہی ہیں

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

لیکن ان میں سے بہتروں کو واقفیت نہیں ہے

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ

خانہ کعبہ کے پاس سوا سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے

إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا

ان کی نماز ہی کیا تھی لہذا اب

الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ

کفر کے عوض عذاب کا مزہ چکھو

تفسیر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس قول کا قائل ابوجہل تھا (بخاری) ابن عباس فرماتے ہیں یہ بھی نضر بن حارث نے کہا تھا۔ عطاء کہتے ہیں اس سے زائد قرآنی آیات میں نضر بن حارث کی شقاوت ظاہر کی گئی ہے مجاہد وغیرہ تابعین نے بھی اس کو نضر کا قول قرار دیا ہے۔ ابن مردویہ نے بروایت بریدہ بیان کیا ہے کہ میں نے خود دیکھا عمرو بن عاص (کفر کی حالت میں) گھوڑے پر سوار احد کے روز کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہی حق ہے جو محمد کہتے ہیں تو مجھے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے۔ اولیٰ یہ ہے کہ کفار قریش میں سے کسی کی تخصیص نہ کی جائے بلکہ یہ قول عام طور پر کفار قریش کا قرار دیا جائے کیونکہ بعض لوگ قائل تھے اور باقی اس قول پر راضی تھے۔ لہذا کل قائل قرار پائے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کفار کہتے ہیں الٰہی! اگر یہ تعلیم محمد اور قرآن تیرے پاس سے واقعی ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا کر ہم کو ہلاک کردے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ (باوجود اس ہٹ اور اصرار کے) ہم نے اُن پر عذاب نازل نہیں کیا اس کی دو وجوہ ہیں۔ (۱) اے نبی! تم اُن میں موجود تھے یعنی جس قوم میں نبی موجود ہو تو جب تک وہ اُن میں موجود رہیگا اُن سے الگ نہ ہوگا عذاب الٰہی نازل نہ ہوگا۔ (۲) وہ استغفار کرتے ہیں یعنی اپنے قول کی معافی مانگتے ہیں اس لئے اُن پر عذاب نازل نہیں ہوگا۔

ابن جریر نے بروایت یزید بن رومان و محمد بن قیس بیان کیا ہے کہ اہل
مکہ نے کہنے کو تو یہ بات کہدی مگر جب شام ہوئی تو نادم ہو کر اللہ سے معافی
مانگی۔ ابن ابی حاتم نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ استغفار سے
حالت طواف میں استغفار کرنا مراد ہے۔ کیونکہ قریش دوران طواف میں
استغفار کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ معافی
مانگنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے لئے ازل میں ایمان مقرر
ہو چکا تھا اور وہ آئندہ ایمان لانے والے تھے۔ مجاہد، عطیہ، عکرمہ
سدی اور سعید بن جبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ ضحاک اور ابو مالک کے
نزدیک وہ مؤمن مراد ہیں جو مکہ میں موجود تھے اور کفار مکہ نے اُن کو
قید رکھا تھا۔ اس سے آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

(انہی دونوں وجوہ سے ان پر عذاب نازل نہ ہوا۔ ورنہ) انکو کوئی
ذاتی استحقاق نہ تھا کہ عذاب ان پر نازل نہ ہوتا۔ اس کے بعد فرماتا ہے
ان پر عذاب نازل نہ کرنے کی (اور کوئی) وجہ نہیں بلکہ عذاب کی مقتضی
دو وجوہ موجود ہیں (۱) ایک تو یہ کہ خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے یہ لوگ
مؤمنوں کو روکتے ہیں حالانکہ کعبہ کے متولی ہونے کا ان کو استحقاق نہیں۔
کعبہ کی تولیت کے حقدار تو بس وہی لوگ ہیں جو اہل تقویٰ (رسول اللہؐ
صحابہ مومنین) ہیں (۲) دوسرے یہ کہ بجائے نماز پڑھنے کے یہ لوگ سیٹیاں
اور تالیاں بجاتے ہیں نہ خود نماز پڑھتے ہیں نہ مسلمانوں کو اطمینان کے
ساتھ پڑھنے دیتے ہیں خلاصہ یہ کہ ان پر عذاب ضرور آئیگا۔ عذاب کے
دواعی موجود ہیں مگر بالفعل چونکہ دواعی کے ساتھ موانع بھی موجود ہیں
اس لئے رکا ہوا ہے جب یہ موانع نہ رہینگے تو عذاب ضرور آئیگا۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب حضورؐ مکہ سے ہجرت کر آئے اور مکہ والوں
نے استغفار بھی چھوڑ دیا اور جو کمزور بے طاقت اہل ایمان اُن کے
پنجہ میں گرفتار تھے وہ بھی کسی تدبیر سے نکل آئے تو جنگ بدر کی شکل
میں اُن پر عذاب نازل ہوا شکستوں پر شکستیں نصیب ہوئیں۔ ہزاروں
مارے گئے۔ بالآخر مکہ بھی فتح ہو گیا اور دوامی عذاب میں ماخوذ ہوئے۔

مقصود بیان:۔ عذاب نہ نازل کرنے کی وجوہ کا بیان
اس بات کی صراحت کہ وجود نبیؐ ان پر عذاب نازل ہونے سے
مانع تھا۔ اس امر کی طرف لطیف ایماء کہ خاص حضورؐ کی برکتیں اور
ان کی موجودگی اور ان کی توبہ استغفار اور دعا عذاب نازل
نہ ہونے کا سبب ہوتی ہے اگرچہ دواعی و اسباب موجود ہوں۔
نزول عذاب کے تمام مقتضیات فراہم ہوں۔ اہل حق پر ظلم
ہو لوگ عام طور پر شرک و معاصی میں مبتلا ہوں مگر خاص
بندوں کے وجود کی برکت (اور اُن کی دعا) سے نزول عذاب
موقوف ہو جاتا ہے۔ اس بات کی صراحت کہ کعبہ کی تولیت اُنہی
لوگوں کا حق ہے جو عبادت گذار پرہیزگار اطاعت شعار ہوں
کفار چونکہ کعبہ کا احترام نہیں کرتے اُس کے پاس کھڑے ہو کر تالیاں
اور سیٹیاں بجاتے ہیں اور نماز بھی نہیں پڑھتے اس لئے اُن کو متولی
ہونے کا کوئی حق نہیں۔ اس امر کی نص کہ جنگ بدر میں کافروں
کا قتل اُن کے کفر و شرک کا نتیجہ تھا۔ وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ
جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ کی راہ روکنے کے لئے
لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا
اپنے مال خرچ کرتے ہیں تو وہ اب تو خرچ کرتے رہینگے
ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ
لیکن انجام کار ان کو پشیمانی ہوگی اور بالآخر وہ مغلوب ہونگے
وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ
اور جو لوگ کافر ہیں وہ جہنم کی طرف بھیجے جائیں گے
لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ
تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور
يَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ
ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھے
فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ
اور سب کا ڈھیر بنا کر ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے
أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ع
یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں

تفسیر يُنفِقُونَ اور فَسَيُنفِقُونَهَا سے کونسا خرچ
مراد ہے؟ اس میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔
محمد بن اسحاق نے بروایت زہری و محمد بن یحییٰ بن حبان و عاصم بن
عمر بن قتادہ و حصین بن عبدالرحمن بیان کیا ہے کہ بدر کے روز جب
قتل و قید ہو چکے اور کچھ قید سے چھوٹ کر مکہ پہنچے اور ابو سفیان
بھی بھاگ کر قافلہ لے کر مکہ پہنچا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ عکرمہ بن

ابی جہل اور صفوان ابن امیہ نے تمام قبائل قریش میں گشت لگائی اور ابوسفیان کو سرغنہ کر کے یہ تجویز قرار دی کہ تجارتی قافلہ کے کل مال کو فراہمی لشکر میں صرف کیا جائے اور پھر اُس لشکر سے محمد پر چڑھائی کر کے اپنے مقتولوں کا انتقام لیا جائے۔ چنانچہ سبھوں نے ایسا ہی کیا۔ ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ ان ہی کے حق میں نازل ہوئی۔ اس تقدیر پر اموال سے وہ اموال مراد ہونگے جو کفار نے جنگ احد میں خرچ کئے تھے سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ سدی، ابن ابزی اور حکم بن عتیبہ سے بھی یہی مروی ہے۔ بیضاوی اور معالم میں ہے کہ ابوسفیان نے چالیس اوقیہ (ہر اوقیہ بیالیس مثقال) سونا خرچ کر کے علاوہ جماعتہائے قریش کے دو ہزار عرب کی فوج جنگ احد کی تیاری کے لئے فراہم کی تھی۔ بظاہر اس قول سے بھی جنگ احد کے لئے خرچ کرنے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے لیکن ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیت اُن کافروں کے حق میں نازل ہوئی جو بدر کے روز لڑنے آئے تھے۔ ان میں سے بارہ آدمی سب کو کھانا دیتے تھے۔ ابوجہل، عتبہ شیبہ، نبیہ، منبہ، ابوالبختری، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، ربیعہ بن اسود، حارث بن عامر اور عباس بن عبدالمطلب

ابن کثیر نے ان تمام روایات کا لحاظ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ینفقون سے جنگ بدر کی تیاری پر خرچ کرنا مراد ہو اور سینفقونہا میں آیندہ جنگ (احد وغیرہ) میں صرف کرنے کی اطلاع ہو۔ میرے نزدیک یہی بہتر ہے۔

کفار کے استحقاق عذاب کی یہ تیسری وجہ بیان فرمائی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستہ سے روکنے کے لئے یہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ بدر کی جنگ میں خرچ کیا۔ پھر بطور پیشین گوئی کے فرماتا ہے کہ ابھی ابھی اور بھی خرچ کرینگے چنانچہ جنگ احد کی تیاری میں ابوسفیان وغیرہ نے کثیر مال خرچ کیا۔ اس کے بعد مآل کار بتاتا ہے کہ نتیجہ میں انہیں حسرت مغلوبیت اور بعد ازاں جہنم حاصل ہوگا یعنی کفر کی حالت میں مرینگے تو جہنم میں جائینگے اور مسلمان ہو جائینگے تو پچھلے خرچ کرنے پر افسوس کرینگے۔ کفار کے مال کو صرف کرنے کی ایک پوشیدہ اور اصلی وجہ بیان فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ دنیا میں خبیث و طیب یعنی کافر و مسلم میں امتیاز کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خرچ کر رہے ہیں وہ خبیث ہیں۔ جو ان کے خلاف ہیں وہ طیب ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ پاک و ناپاک مال میں امتیاز کرنا چاہتا ہے۔ جو اللہ کی راہ میں صرف ہو وہ پاک ہے جو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے صرف ہو وہ ناپاک ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اس سب ناپاک مال کو اکٹھا کر کے اللہ دوزخ میں ڈال دیگا اور اس تجارت میں اُن کو سخت خسارہ ہوگا نفع کی بجائے نقصان اٹھانا پڑیگا نہ تو دنیا ہی میں

غلبہ حاصل ہوگا نہ آخرت میں نجات۔

مقصود بیان: مسلمانوں کے خلاف مالی امداد دینے کی مذمت و پیشین گوئیاں یعنی جنگ احد وغیرہ میں مال صرف کرنے کی اور مآل کار میں شکست و مغلوبیت کی۔ جو مال حق کی امداد میں صرف ہو وہ پاک ہے۔ جو باطل کی طرفداری میں صرف ہو وہ ناپاک ہے۔ وغیرہ۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ
کافروں سے کہدو کہ اگر باز آ جاوینگے تو کچھ ہو چکا وہ

لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ
معاف کر دیا جائیگا اور اگر پھر وہی کرو گے تو

مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ○ وَقَاتِلُوْهُمْ
گذشتہ لوگوں کی روش تو پڑ ہی چکی ہے۔ (مسلمانو!) ان سے لڑتے رہو

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ
تاوقتیکہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا اللہ ہی کا دین

كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا
رہ جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ اُن کے

یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا
اعمال کو دیکھ رہا ہے اور اگر سرتابی کریں تو جان لو

اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى
کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے وہی اچھا حمایتی

وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ○
اور اچھا مددگار ہے

تفسیر

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اگر عام کافر اپنے کفر و شرک اور محاربہ مسلمین سے باز آ جائینگے اور مسلمان ہو جائینگے تو اُن کے گذشتہ گناہ معاف کر دیے جائینگے اور اگر مسلمان ہونے اور محاربہ مسلمین سے باز رہنے کے بعد پھر اصلی حالت کی طرف رجوع کرینگے پھر کافر حربی ہو جائینگے تو خدا نے جس طرح گذشتہ اقوام کو تباہ کر دیا ان کو بھی تباہ کر دیگا کیونکہ قانونِ قدرت یہی ہے کہ جو کوئی عدل

و اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ تو اب اگر کفار اپنے معاہدہ پر قائم نہ رہیں یا مسلمان ہونے کے بعد پھر مرتد ہو جائیں تو مسلمانو! تم اُن سے اُس وقت لڑو جب تک کہ شرک و کفر کی جڑ نہ کٹ جائے اور خالص دین اسلام باقی نہ رہ جائے۔ اس کے بعد اگر وہ پھر توبہ کرلیں اور کفر و محاربہ سے باز آجائیں اور کلمۂ توحید کے قائل ہو جائیں تو ان کو چھوڑ دو۔ اندرونی عقائد کی تفتیش نہ کرو کیونکہ اُن کے اعمال کو اللہ دیکھ رہا ہے یہ کام اللہ کا ہے اور اگر وہ اپنے معاہدہ سے پھر جائیں اور اسلام سے روگردانی کرکے کفر کی طرف مائل ہو جائیں یا ظاہر کے خلاف دل میں نفاق رکھیں تو تم اُن سے اندیشہ نہ کرو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکینگے اللہ تمہارا حامی ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے۔

تحقیق اجزا اور چند مسائل

اِنْ يَّنْتَهُوْا سے بیضاوی وغیرہ کے نزدیک یہ مراد ہے کہ اگر کفار اپنے کفر اور محاربۂ مسلمین سے اس طور پر باز آجائیں کہ مسلمان ہو جائیں یہی مطلب محققین اہل تفسیر نے پسند کیا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد گذشتہ معاصی و شرک معاف ہو جاتا ہے۔ عمرو بن عاص کہتے ہیں جب میرے دل میں خدا نے مسلمان ہونے کا خیال پیدا کیا تو میں مکہ سے چل کر مدینہ میں آیا اور خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہاتھ پھیلائیے میں بیعت کرونگا۔ حضورؐ نے دایاں ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضورؐ نے فرمایا کیوں کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا میں کچھ شرطیں کرنی چاہتا ہوں۔ فرمایا شرطیں کیا کروگے؟ میں نے عرض کیا آپ مجھے معاف کردیں یا میرے لئے استغفار کریں۔ فرمایا کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اسلام گذشتہ گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ڈھا دیتی ہے اور حج بھی اگلے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے (رواہ احمد و مسلم) صحاح سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے جو نیکیاں کی ہیں مسلمان ہونے کے بعد اُن کا بھی ثواب ملے گا۔ قال الزمخشری اس سے امام ابو حنیفہ نے یہ استدلال کیا کہ اسلام کے بعد اگر کوئی مرتد ہو جائے اور قتل سے پہلے پھر مسلمان ہو جائے تو حالت ارتداد میں جو عبادتیں اُس سے چھوٹ گئی ہوں اُنکی قضا واجب نہیں۔ خفاجی نے احکام القرآن میں امام مالک کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ لیکن شافعی کا قول ان دونوں کے خلاف ہے۔ چنانچہ قہستانی نے ذکر کیا ہے کہ اسلام لانے کے بعد نماز، زکوٰۃ، نذر، کفارہ وغیرہ کی قضا کرے۔ شمس الائمہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

وَاِنْ يَّعُوْدُوْا کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر کافر مسلمان ہو جائیں اور پھر مرتد ہو کر کفر و محاربۂ مسلمین کی طرف رجوع کریں تو ہلاک ہونگے۔ ہم نے خلاصۂ مطلب میں ثانی شق کو اختیار کیا ہے۔

اَلْاَوَّلِيْنَ سے مراد پہلی امتیں ہیں مثلاً قوم فرعون ثمود عاد وغیرہ اُس تقدیر پر آیت تین مضامین کو بالاجمال حاوی ہوگی۔ وعید، تہدید اور تمثیل۔ سدی اور محمد بن اسحاق وغیرہ کا قول ہے کہ مقتولین بدر مراد ہیں۔ یعنی اگر کفار نہ مانینگے تو ان کا حشر بھی ویسا ہی ہوگا جیسے مقتولین بدر کا یعنی جس طرح وہ ہلاک و برباد ہوئے ویسے ہی یہ ہونگے۔ والیہ اشار البیضاوی۔

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ میں ابن عباسؓ و دیگر علماء تابعین کے نزدیک فتنہ سے مراد شرک ہے لیکن عروہ کے نزدیک ہر وہ فتنہ مراد ہے جس سے مسلمان راہ دین سے خطرہ میں پڑ جائیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم خاص طور پر کفار عرب کا تھا یعنی اُن سے لڑنا ضروری تھا جزیہ وغیرہ اُن سے لینا جائز تھا۔ آیت میں بھی کفار عرب کا ہی حکم بیان کرنا مقصود ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ کا یہ مطلب ہے کہ تم اُن کے دلوں کی حالت نہ تلاش کرو۔ زبان سے اگر اقرار توحید و رسالت کرلیں تو مان لو۔ دلوں کی حالت جاننے والا خدا ہے صحیحین میں ایک حدیث آئی ہے جس کے آخر میں حضورؐ نے فرمایا ہے وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ یعنی اُن کی دلی حالت اللہ جانتا ہے وہی اُس کا محاسبہ کرے گا اور بدلا دیگا۔

مقصود بیان: مسلمان ہونے سے گذشتہ گناہ خواہ کتنے ہی بڑے ہوں معاف ہو جاتے ہیں۔ آیت میں کفار کو وعید و تہدید ہے اور گذشتہ اقوام یا مقتولین بدر کی طرح اُن کا انجام ہونے کی دھمکی دی ہے۔ آیت سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ قانون فطرت اور ضابطۂ قدرت بدل نہیں سکتا۔ جو قوم قانون فطرت کی خلاف ورزی کریگی وہ تباہ ہو جائے گی۔

شرک اور کفر عظیم الشان فتنہ ہے۔ اس سے امن عالم برباد ہو جاتا ہے۔ شرک کو دور کرنے کے لئے ہر قسم کا جہاد یہاں تک (بشرطیکہ اُس کے شرائط موجود ہوں اور موانع معدوم ہوں) واجب ہے۔ مرتد کی توبہ مقبول ہے۔ کفر و اسلام کا حکم ظاہری حالت کو دیکھ کر لگایا جاتا ہے باطنی حالت کی تلاش کرنا نہ چاہئے اس کا علم خدا کو ہے۔ گویا منافق بھی مسلمانوں کے حکم میں داخل ہیں۔ جب تک کہ واضح علامات سے اُن کا نفاق کھل نہ جائے۔ آیت بتارہی ہے کہ اگر مسلمان صداقت و حق پر قائم رہے تو منافقوں کے نفاق سے اُن کو کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اُن کا اللہ حامی ہے وہی اُن کی مدد کرے گا۔ وغیرہ۔

(دسواں پارہ)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ
اور جانے رہو کہ جو کچھ تم لوٹ کر لاؤ

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی
اس میں سے پانچواں حصّہ اللہ کا، اس کے رسول کا، قرابت

الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ
داروں کا یتیموں کا محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا
اگر تم کو اللہ پر اور اُس (غیبی مدد) پر یقین ہو جو

عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی
فیصلہ کے دن ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تھی جبکہ دونوں جماعتیں

الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝
گتھ گئی تھیں اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں حربی کافروں سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا اور جنگ کے بعد بصورت فتح مال غنیمت ہاتھ آنا بھی لازم تھا۔ لہٰذا ان آیات میں مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بیان فرما دیا کہ کفار سے چھین کر جو مال تمہارے ہاتھ آئے اُس کے پانچ حصے کرو۔ ایک حصہ اللہ اُس کے رسول، رسول کے قرابتدار، یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے درمیان مشترک ہے یعنی ایک حصہ کے پانچ حصے کئے جائیں اور اس کا $\frac{1}{5}$ یعنی کل مال کا پچیسواں حصہ رسول کا ہے اور اسی طرح $\frac{1}{5}$ رسول کے قرابت داروں کا اور $\frac{1}{5}$ یتیموں کا اور $\frac{1}{5}$ مسکینوں کا اور $\frac{1}{5}$ مسافروں کا۔ رہ گئے کل مال کے چار حصے یعنی $\frac{4}{5}$ تو ان کا کوئی حکم نہیں بیان کیا۔

تحلیل اجزاء اور چند اختلافی مسائل

بحث مذکورہ بہت اختلافی ہے۔ ہم تفسیر ابن کثیر، ابن جریر اور حقانی کا اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اکثر علماء کے نزدیک غنیمت اور فَی ایک ہی چیز ہے یعنی وہ مال جو غلبہ سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ لیکن بعض اہل علم کے نزدیک دونوں میں اصطلاحی فرق ہے اگرچہ لغوی اتحاد ہے یعنی غنیمت وہ مال ہے جو بصورت جنگ کفار سے ہاتھ آئے اور فَی وہ مال ہے جو بغیر جنگ و جدل کے کفار سے مل جائے مثلاً مال جزیہ ہو یا کفار سے محصول وصول کیا جائے یا اُن کا لاوارث مال رہ جائے۔ غنیمت کی تقسیم بشرطیکہ وہ اسباب منقولہ ہو اس طرح کیجائے کہ کل مال کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ اللہ اُس کے رسول اور رسول کے قرابتداروں اور فقیروں اور یتیموں اور مسافروں کو دیدیا جائے۔ یعنی اُس پانچویں حصہ کے پانچ حصے کئے جائیں۔ یہ قول جمہور کا ہے اور آیت کے مطابق ہے مگر ابوالعالیہ کے نزدیک کل مال کے پانچویں حصہ کے چھ حصے کئے جائیں گے پانچ حصے تو مذکورۂ بالا پانچ قسم کے مستحقین کو دیے جائینگے اور چھٹا حصہ اللہ کے نام کا ہوگا جو خانۂ کعبہ کی تعمیر و ترمیم میں صرف ہوگا۔ ابوالعالیہ اپنے قول کے ثبوت میں ایک تو لِلّٰهِ کے لفظ کو پیش کرتے ہیں جو آیت میں مذکور ہے۔ دوسرے ایک مرسل حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت میں سے لپ بھر کر خانۂ کعبہ کے صرف کے لئے رکھدیتے۔ اس صورت میں اللہ کا حصہ اور حصوں کے برابر ہونا ضروری نہ ہوگا لیکن صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے اور آیت میں اللہ کا نام صرف تبرک کے طور پر ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو مال غنیمت آتا رسول پاکؐ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصہ کے پانچ حصے کرتے۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے آیت وَاعْلَمُوْٓا پڑھی اور فرمایا کہ اللہ کا تو سب آسمان و زمین ہی ہے پس اللہ اور اُس کے رسول کا حصہ ایک ہی ہے۔ حسن بصری ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ علماء کا بھی یہی قول ہے۔ نیز خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حضورؐ نے فرمایا لوگو! میرے لئے تو اس میں سے خمس ہے سو وہ بھی تمہیں لوگوں کو واپس کر دیا جاتا ہے۔ رواہ احمد عن عبادۃ بن الصامت و ابی الدرداء و حارث بن ابی معادیۃ الکندی و سند رواہ ابوداؤد و النسائی۔ رہا تعمیر کعبہ کا صرف تو وہ امام اور عام مسلمانوں کے ذمے ہے خواہ مال غنیمت حاصل ہوا ہو یا نہ ہو۔

حضورؐ کا حصہ آپ کے خانہ داری کے مصارف میں صرف ہوتا تھا اور اقارب کے حصہ کو آپ اپنے اقرباء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ حضورؐ کے اقارب میں کون لوگ داخل تھے؟ اس میں علماء تفسیر کا اختلاف ہے۔ بعض نے سب قریش کو لیا ہے۔ مجاہد، علی بن حسینؓ نے بنی ہاشم کو خاص کیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بنی ہاشم اور اولاد عبدالمطلب مراد ہیں نہ کہ بنی نوفل اور بنی عبد شمس کیونکہ جبیر بن مطعمؓ اور عثمان بن عفانؓ نے حضورؐ سے سوال کیا تھا کہ آپ نے بنی المطلب کو دیا حالانکہ ہم اور وہ آپ سے قرابت میں مساوی ہیں حضورؐ نے فرمایا وہ اور بنی ہاشم ایک ہی ہیں یعنی زمانۂ جاہلیت میں بنی ہاشم کی طرح انہوں نے اسلام کی مدد کی تھی۔

فقراء و مسافرین اور یتامیٰ میں جمہور کے نزدیک حضورؐ کے قرابتداروں اور غیر قرابتداروں کی کوئی قید نہیں کوئی بھی ہو۔ لیکن علی بن حسینؓ فرماتے ہیں کہ ان میں بھی قرابتدار ہونا ضروری ہے۔

حضورؐ کی وفات کے بعد اس خمس کی تقسیم کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔
امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ بلکہ عام جمہور کے نزدیک حضورؐ کا حصہ اسلام کے مصارف اور اُس کی ضرورتوں میں صرف ہوگا۔ کیونکہ وفات کے بعد حضورؐ کو کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اعمش نے ابراہیم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ حضور کا حصہ ہتھیاروں اور اسباب جہاد کی خریداری میں صرف کیا کرتے تھے۔ (معالم) بلکہ حضورؐ اپنی زندگی ہی میں اپنے مصارف ضروریہ سے بچا ہوا مال ہتھیاروں اور سواریوں کی خرید میں خرچ کرتے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ حضورؐ کا حصہ آپ کے اقارب اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کو تقسیم ہوگا۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حضورؐ کے اقارب کا حصہ باقی رہا یا ساقط ہوگیا۔ شافعیؒ اور مالکؒ کہتے ہیں کہ بعد میں اقارب کو ضرور ملیگا مرد کو دوگنا عورت کو اکہرا۔ امام ابو حنیفہؒ اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ اقارب کی خبرگیری بھی انسان کے ذاتی حوائج میں داخل ہے جب وفات کے بعد حضور اقدسؐ ذاتی حوائج بشریہ سے مبرا ہوگئے تو یہ حقوق بھی ساقط ہوگئے پس اُن میں سے غرباء اور یتامیٰ کی پرورش بیت المال کے ذمہ ہے اس تقدیر پر وہ خمس اس زمانہ میں صرف تین گروہوں کو تقسیم ہوگا مساکین یتامیٰ اور مسافر رہے کل مال غنیمت کے بقیہ چار حصے تو وہ مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں گے عبداللہ بن شقیق کی روایت ہے کہ حضورؐ نے بقیہ چار حصے اہل لشکر کے لئے قرار دیئے (بیہقی) ابن المنذر ابن عبدالبر داودی مازری قاضی عیاض اور ابن عربی نے اس پر اجماع ہونے کا قول نقل کیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غازیوں کو اس کی تقسیم اس طور پر ہوگی کہ سوار کو دوگنا اور پیدل کا اکہرا دیگر علماء نے سوار کے تین حصے قائم کئے ہیں دو سوار کے ایک اس کے گھوڑے کا اور پیدل کا تو ایک حصہ مقرر ہی ہے۔

امام مالکؒ اور اُن کے متبعین کے نزدیک بقیہ چار حصے غازیوں کو تقسیم نہ کئے جائیں گے بلکہ امام کو اختیار ہے کہ جس حاجت اور ضرورت میں مناسب سمجھے صرف کرے کیونکہ ابو عبیدہ کی روایت سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے مکہ بزور شمشیر فتح کیا تھا اور کفار کا مال مجاہدین کو نہیں دیا بلکہ مکہ والوں کو ہی واپس کر دیا اس کے علاوہ جنگ حنین میں جو مال ہاتھ آیا اُس میں سے انصار کو (کچھ) نہ دیا اور انصار نے شکایت کرنے کا مشورہ کیا تو فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اور لوگ دنیا سمیٹے لے جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول خدا کو اپنے گھر لے جاؤ نیز خلفاء اربعہؓ نے حضورؐ کے بعد ایسا ہی کیا کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو امام کے پاس کوئی ذخیرہ کافی جمع نہ ہو جس کو بوقت ضرورت امور اسلامیہ میں صرف کر سکے نیز ایسی صورت میں حکومت اسلامیہ کا ضعف ہو جائے گا رہا آنحضرتؐ کا عمل تو وہ مخصوصات میں سے ہے بعض مواقع پر ضرورت سمجھکر حضورؐ نے مجاہدین کو تقسیم کر دیا تھا کیونکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ امام کو مال غنیمت کا اختیار کامل حاصل ہے وہ جس کو مناسب سمجھے دے حضورؐ کو اُس وقت مجاہدین کو تقسیم کرنا ہی مناسب معلوم ہوا اس لئے تقسیم کر دیا لیکن اس سے لزوم تقسیم نہیں آتا۔ یہ تو مال غنیمت کا حکم تھا۔ رہا مال فیٔ کا حکم تو اس کا اختیار جمہور کے نزدیک امام کو بہر حال ہے جو چاہے کرے۔

یَوْمَ الْفُرْقَانِ اور یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ سے مراد یوم بدر ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ مسلمانو تم مال غنیمت کی تقسیم میں کچھ پس و پیش نہ کرو اللہ نے جو اُس کی تقسیم کا قاعدہ مقرر کر دیا ہے اُسی کے مطابق تقسیم کرو اگر اُن چیزوں پر تمہارا ایمان و یقین ہے جو ہم نے بدر کے دن نازل کی تھیں تو کچھ تردد نہ کرو اللہ سب کچھ کر سکتا ہے ہر طرح تمہاری مدد کرے گا اور کر سکتا ہے مال غنیمت کی تقسیم سے کیوں اندیشہ کرتے ہو اللہ نے بدر کے دن مسلمانوں کی مدد کیلئے فرشتوں کو نازل کیا تو وہ بہر حال اہل حق کی ہر طرح سے امداد کر سکتا ہے۔

مقصود بیان:۔ مال غنیمت کی تقسیم کے طریقہ کا اظہار اس بات کی طرف واضح اشارات کہ فتح و نصرت سے مسلمانوں کا مقصد ملک گیری تسلط اور دولتمندی نہ ہونا چاہیے بلکہ اصل مطمح نظر مسافروں غریبوں مسکینوں اور یتیموں کی امداد کرنی ہونا چاہیئے مال غنیمت سے بحصہ مقررہ ان ہر سہ طبقات کی خبرگیری اور پرورش لازم ہے۔ آیت سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ سپہ سالار یا بادشاہ وقت کا حصہ کچھ زائد ہے کیونکہ کل مال کا پچیسواں حصہ ملنے کی حضورؐ کے متعلق صراحت آیات میں موجود ہے اور بقیہ مال میں تمام غرباء فقراء مساکین مسافر اور اہل جہاد خواہ ہزاروں لاکھوں ہوں سب شریک ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سپہ سالار کا حصہ یقیناً زائد ہوگا۔ مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ حضورؐ کے متعلق اپنے حصہ میں سے بیسوں قسم کے مصارف تھے فقط اپنی یا اپنے متعلقین کی شکم پری میں ہی حضورؐ اس کو صرف نہ کرتے تھے بلکہ اُس سے سامان جنگ گھوڑے زرہ وغیرہ خریدتے تھے اور اپنے متعلقین کے علاوہ دیگر غرباء مساکین اور ناداروں کی پرورش بھی کرتے تھے اگر حساب لگایا جائے تو حضورؐ کے حصہ میں مال غنیمت میں سے ایک سپاہی کی برابر بھی مال نہ آتا تھا مگر ہاں تصرف کامل کا اختیار ضرور تھا۔ باقی فوج والے اپنا اپنا مال بحصہ رسدی لیکر اپنے گھروں کو چلدیتے تھے اور اُس سے اپنی ضروریات کی کفالت کرتے تھے انکو اسباب جنگ وغیرہ کی خریداری سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اپنے اور متعلقین کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے۔ وغیرہ۔

إِذْ أَنْتُمْ	بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا	وَهُمْ
اس وقت تم	ورلے کنارہ پر تھے	اور وہ
بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ		وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ
پرلے کنارہ پر تھے		اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف

مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ

تھا اور اگر تم باہم وعدے کرتے تو ضرور وعدے میں

فِي الْمِيعَادِ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا

دیر سویر کرتے لیکن اللہ نے تم سب کو یکجا کر دیا) تاکہ جس کام کو

كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ

کرنا تھا اُسکو پورا کر دے اور جو انکشافِ دلیل کے بعد مرتا ہے

عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ

مرجائے اور جو انکشافِ دلیل کے بعد زندہ رہتا ہے رہے

وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

اور اللہ ضرور سنتا جانتا ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں جنگ بدر پر ایمان لانے کا تذکرہ تھا اسی سلسلہ کا ایک واقعہ اور جنگ بدر کے اتفاقیہ پیش آنے کی مصلحت ظاہر فرماتا ہے یعنی جنگ بدر صرف اتفاقیہ بات تھی ادھر سے مسلمان قافلہ لوٹنے کے لئے چلے اُدھر سے ابوجہل اور سرداران قریش اپنی جمعیت کو لیکر قافلہ کی حمایت کو نکلے - قافلہ تین میل کترا کر ساحلی نشیب میں ہو کر نکل گیا اور مسلمانوں کافروں کا مقابلہ ہو گیا نہ مسلمانوں کا ارادہ گھر سے نکلنے کے وقت جنگ کا تھا نہ کفار لڑائی ٹھان کر نکلے تھے اس اتفاقیہ مقابلے میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی یہ تدبیر اللہ کی تھی اگر دونوں باہم ٹھیراؤ کر کے نکلتے اور دن مقرر کر کے چلتے تو ایسے بروقت نہ پہنچتے اور اگر یہ لڑائی نہ ہوتی تو ہر فریق اپنے زعم میں اپنے کو غالب سمجھتا - لیکن جنگ کے بعد سب نے دیکھ لیا کہ غالب کون رہا اور مغلوب کون اور اللہ نے کس کی مدد کی - اس سے پیغمبر کی صداقت بھی کھل گئی اور اللہ کا الزام بھی پورا ہو گیا - جو مرا وہ بھی حق کو پہچان کر مرا اور جو بچا وہ بھی حق کو پہچان کر جیا یعنی تجربہ کے بعد حقانیت اُن پر واضح ہو گئی اپنی معاندیت کا احساس نہ اقرار کا فرکو ہو گیا -

مقصود بیان:- اللہ کی حکمت بالغہ کا اظہار - جنگ بدر کا اتفاقیہ پیش آجانے کی مصلحت کا بیان - اس بات کی طرف اشارہ کہ آدمی حق پر ہو یا باطل پر بہرحال بقدر امکان لڑائی سے جی چُراتا ہے مسلمان اگرچہ حق پر تھے لیکن اگر جنگ کا پہلے سے ٹھیراؤ کر لیتے تو وعدے پر نہ پہنچتے جنگ بدر کے نتیجہ سے حقانیت اسلام واضح اور صداقت رسول ثابت ہو گئی وغیرہ

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا

(اے محمدؐ) جبکہ اللہ نے کافروں کی تعداد تم کو خواب میں تھوڑی دکھائی تھی

وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ

اور اگر اُن کی تعداد تم کو زیادہ دکھاتا تو تم ڈھیلے پڑ جاتے اور بات میں

فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ

جھگڑا اٹھاتے مگر اللہ نے بچا لیا بیشک وہ دلوں

بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ

کی بات جاننے والا ہے اور جب مڈبھیڑ کے وقت

إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ

کافروں کی تعداد تمہاری آنکھوں میں کم دکھائی اور تمہاری تعداد اُن کی

فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ

آنکھوں میں کم دکھائی تاکہ جس کام کو وہ کرنا چاہتا ہے اُس کو

مَفْعُولًا وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

پورا کر دے اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں

تفسیر یہ بھی جنگ بدر ہی کا ایک قصہ ہے جس کی تین شاخیں ہیں (۱) لڑائی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں نظر آیا کہ کافر تھوڑے ہیں - آپ نے اس کی اطلاع صحابہ کو دی صحابہ کے دلوں میں حضورؐ کے خواب سے مقابلہ کی مزید جرأت پیدا ہو گئی (۲) پھر جب کافروں اور مسلمانوں کی صفیں ایک دوسرے کے سامنے آکر پڑیں اُس وقت بھی اللہ نے مسلمانوں کی نظروں میں کافروں کی تعداد قلیل کر کے دکھائی یعنی رسول پاکؐ کی خواب کے مطابق مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لیا کہ کافروں کی تعداد ہم سے بہت کم ہے چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا میرے خیال میں کافر ستر ہونگے - اُس نے جواب دیا نہیں کوئی سو ہیں - اس کے بعد جب ایک قیدی گرفتار ہو کر آیا اور اُس سے کافروں کی تعداد پوچھی تو اُس نے ہزار بتائی (ابن جریر) اس سے مسلمانوں کی جرأت اور بھی بڑھ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اُن کو سچا ثابت ہو گیا اور واقع میں بھی سچ تھا کیونکہ جتنے لوگ قریش کی طرف سے میدان جنگ

میں آئے تھے اُن میں سے اکثر کچھ زمانہ کے بعد مسلمان ہو گئے۔ گویا مآل کار میں کافر رہنے والے لوگ کم ہی تھے (۳) مقابلہ کے وقت کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد کم نظر آئی۔ چنانچہ بروایت سدی بعض مشرکین نے کہا تھا کہ قافلہ تو سلامت بچ آیا اب تم لوگ واپس چلو۔ اُدھر ابوسفیان نے کہلا بھیجا تھا کہ تم لوگ واپس جاؤ۔ اسی بناء پر اخنس بن شریق بنی زہرہ کو واپس لے گیا اور بنی عدی بھی لڑائی میں شریک نہ ہوئے لیکن ابوجہل نے ہٹ کی اور کھینچ کر سب کو لے آیا اور میدان جنگ میں پہونچ کر بولا محمد اور اُس کے ساتھی آج ہمارے مقابلہ میں آئے ہیں ہم جب تک ان کا فیصلہ کر دینگے واپس نہ جائینگے وہ چند آدمی ہیں اُن کو قتل تو کیا کروگے پکڑ کر باندھ لو اگر کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد بہت دکھائی دیتی تو وہ بھاگ جاتے مقابلہ نہ ہوتا کفر کی جڑ نہ کٹتی اسلام کا غلبہ نہ دکھائی دیتا یا اگر مسلمانوں کی نظر میں کافروں کی تعداد زیادہ دکھائی دیتی تو مسلمانوں کو بظاہر مقابلہ کے وقت اتنی جرأت نہ ہوسکتی تھی امکان تھا اور شاید رسول اللہ کے خواب کی صداقت کا مسلمانوں کو محسوس طور پر یقین نہ ہوتا اور اُن کی ہمتیں کمزور پڑجاتیں لیکن خدا کو تو ایک کام کا فیصلہ کرنا تھا۔ اسلام کا نمایاں غلبہ اور کفر کا کمزور کرنا مقصود تھا اور ہمیشہ کے لئے اسلام کی جڑ بنیاد قائم کرنی تھی اس لئے یہ تدبیر فرمائی۔ ممکن ہے کوئی بے وقوف کہدے کہ کثیر تعداد کی نظری تقلیل کیونکر ممکن ہے؟ تو اس کا جواب دیدیا کہ ہر چیز کا رجوع خدا کی طرف ہے آنکھ بھی اُسی وقت اپنا کام کرتی ہے جب خدا کا حکم ہوتا ہے یہ ظاہری سبب ہے اور خدا مسبب ہے۔ سبب میں تاثیر بغیر قدرت مسبب کے ہو نہیں سکتی پھر اگر آنکھوں کو کثرت بصورت قلت نظر آئی تو کیا بعید ہے۔ یہ چشم ظاہر بین کی غلطی ہے مگر حقیقت بین آنکھ اس کو ہرگز غلط نہیں کہہ سکتی۔ اعتبار دلوں کا اور انکی جرأت کا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو کافروں کے دلوں میں جرأت نظر نہیں آتی ہے اس لئے وہ ان کو کم ہی سمجھتے تھے اگرچہ واقع میں کفار زیادہ تھے۔

ایک شبہ اور اُس کا جواب

سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ الآیۃ۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کو اپنے سے دوچند یا کم از کم مومنوں کی واقعی تعداد سے دوچند دیکھ رہے تھے اور یہاں آیت میں بتایا ہے کہ کفار کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد کم نظر آرہی تھی۔

جواب یہ ہے کہ تقلیل نظری اُس وقت تھی جب دونوں فریق میدان جنگ میں آکر ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ ہو گئے تھے اور ابھی لڑائی شروع نہ ہوئی تھی لیکن جب لڑائی شروع ہوگئی اور اللہ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ کو بھیجدیا تو کافروں کو مسلمانوں کی تعداد دوچند نظر آنے لگی یعنی اپنی فوج سے وہ مسلمانوں کو دوگنا سمجھنے لگے اور اس وجہ سے اُن کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔ باقی مسلمانوں کو کافروں کی تعداد بدستور کم ہی نظر آتی رہی اور اُن کے دل میں وہی ابتدائی جرأت قائم رہی۔ کسی وقت رعب نہ پیدا ہوا۔

مقصود بیان:۔ اس امر کی طرف واضح اشارات کہ اللہ کی تدبیر بہت مخفی ہوتی ہے۔ شروع میں فریقین کی تقلیل نظری سے اُس نے مٹ بھیڑ کرائی پھر کافروں پر مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ مسلمانوں کو مزید جرأت دلائی اور بالآخر کافروں کو تباہ اور مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ آیات میں اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب چاہے حواس کو معطل کردے کوئی شخص اپنے حواس پر حقیقی اختیار نہیں رکھتا بلکہ حواس کے فعل کی تکمیل قبضۂ الٰہی میں ہے دیکھنے کی سب شرطیں موجود ہونے کے باوجود دکھلائی نہ دینا قدرت الٰہی کا واضح ثبوت ہے۔ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً

مسلمانو! جب تم کسی فوج کے مقابل ہو

فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ

تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو خوب یاد کرو تاکہ تم کو

تُفْلِحُونَ ○ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

کامیابی حاصل ہو اور اللہ رسول کا حکم مانو

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ

اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ ہمت ہار جاؤگے اور تمہاری ہوا

رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ

جاتی رہیگی اور جمے رہو خدا صبر کرنے والوں

الصَّابِرِينَ ○

کے ساتھ ہے

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی اور فتح کے چند اسباب بتائے ہیں ان میں سے کچھ باطنی ہیں کچھ ظاہری کچھ روحانی کچھ مادی (۱) جب کفار کے لشکر سے مٹ بھیڑ ہوجائے تو ثابت قدم یا ثابت القلب رہو صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت

ہے کہ بعض لڑائیوں میں جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو حضورؐ منتظر رہے جب آفتاب ڈھل گیا تو فرمایا لوگو دشمن سے بھڑنے کی تمنا مت کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا مانگو لیکن جب تم اُن سے بھڑ جاؤ تو صبر (ثبات قلب) کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان رکھو کہ جنت انہی تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے الی آخر الحدیث (نمبر ۲) اللہ کی بکثرت یاد کرو یعنی اُس سے فتح کی دعا مانگو زید بن ارقم کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ کو تین جگہ پر خاموشی پسند ہے ایک تلاوت قرآن کے وقت دوسرے جہاد میں صفیں سلجھانے کے وقت تیسرے جنازہ کے ساتھ (رواہ الطبرانی) ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے میرا کامل بندہ وہ ہے جو جہاد میں بھڑ جانے کے وقت مجھے یاد کرے یعنی مجھ سے دعا و استغاثہ کرے۔ قتادہ و عطاؒ کہتے ہیں کہ لڑائی کے وقت خاموشی واجب ہے لیکن ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کیا بلند آواز سے اللہ کو یاد کریں فرمایا ہاں۔ اسی بنا پر بعض مفسرین نے یاد کرنے سے مراد نعرۂ تکبیر لیا ہے۔ کامیابی کا یہ روحانی سبب ہے اس سے دل میں قوت حوصلہ جرأت اور طبیعت میں جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے (نمبر ۳) اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کی تعمیل کرو۔ یہ فتح یابی کا ظاہری سبب بھی ہے اور باطنی بھی رسول پاکؐ کی تعلیم اور اصول مادی اعتبار سے بھی مفید ہیں اور روحانی لحاظ سے بھی (نمبر ۴) آپس میں جھگڑا فساد اور پھوٹ نہ کرو ورنہ بزدل بن جاؤ گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی قوت و شوکت زائل ہو جائے گی یہ جنگ میں فتحیابی بلکہ ہر کام کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ہے جس لشکر میں اختلاف آرا اور باہم عناد اور پھوٹ ہو اُس کو کسی طرح فتحیابی حاصل نہیں ہو سکتی جس قوم میں باہم مخالفت ہو اُس کو کبھی عزت شوکت نہیں مل سکتی نہ اُس کا کبھی مقصد پورا ہو سکتا ہے (نمبر ۵) لڑائی میں صبر رکھو مصائب برداشت کرو بھوک پیاس جفاکشی اور محنت غرض ہر قسم کی تکلیف میں صابر رہو نہ دشمن کی قوت کو دیکھ کر بھاگو نہ مالی لالچ میں آکر ٹوٹ جاؤ نہ بھوک پیاس اور جفاکشی سے جی چراؤ کیونکہ اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے اہل صبر کی وہی حمایت کرتا ہے ابن کثیر کہتے ہیں صحابہ کو خدا و رسول کی تعلیم پر چلنے کی وجہ سے جو شرف حاصل ہوا وہ نہ کسی کو حاصل ہوا نہ حاصل ہونا ممکن ہے اسی وجہ سے انہوں نے روم فارس ترک صقالبی بربر حبش سوڈان اور مصر کو تھوڑی مدت میں باوجود اپنی قلت کے مسخر و مقہور کر لیا یہاں تک کہ اللہ کا بول بالا ہو گیا اُس کا دین مشرق و مغرب میں پھیل گیا اور ظلم مٹ کر عدل و انصاف دنیا میں قائم ہو گیا۔

مقصود بیان:۔ کامیابی اور نصرت کے اصول کی تعلیم۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ کامیابی کے لئے جہاں تعاون اتحاد صبر استقلال استقامت کی ضرورت ہے وہاں تعمیل احکام خدا فرمانبرداری رسول اور اللہ سے دعا کرنا بھی لازم ہے ذاتی صبر قومی تعاون قلبی استقلال بغیر امداد الٰہی اور بلا تعمیل حکم رسول کے باعث فتح نہیں ہو سکتا گویا مسلمان کے لئے دونوں باتوں کی ضرورت ہے ظاہری اسباب کی فراہمی بھی ہونی چاہئے اور باطنی کو بھی خدا سے لگائے رکھنی لازم ہے وغیرہ۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم

اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے

بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ

اتراتے اور لوگوں کے دکھانے کے لئے نکلے اور راہِ خدا سے

عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ

روکنے لگے اور اُن کے تمام اعمال اللہ کے احاطۂ قدرت میں ہیں

تفسیر ابن عباسؓ مجاہد قتادہ سدی اور ضحاک وغیرہ کے نزدیک الذین خرجوا سے قریش مراد ہیں جو رسول اللہؐ سے لڑنے کے لئے بدر میں آئے تھے۔ یہ لوگ اگرچہ شروع میں قافلہ کو بچانے کے لئے نکلے تھے لیکن قافلہ کے صحیح سلامت نکل جانے کے بعد بھی غرور اور تکبر سے چونکہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بدر پر آئے تو گویا شیخی اور ریاکاری کے لئے ہی وطن سے نکلے کیونکہ قافلہ کے سالم نکل جانے کے بعد مسلمانوں کے مقابلہ پر جانے کے واسطے اُن کو سوائے شیخی غرور جرأت وغیرہ کے کوئی سبب باقی ہی نہیں رہا تھا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے رُخ پر سیدھے چلے گئے یہاں تک کہ جب مقام صفراء پر پہنچے تو بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء کو ابوسفیان کی خبر لینے کے لئے بھیجا۔ ہر دو صاحبان بدر پہنچے وہاں اُتر کر تالاب سے مشک بھری وہاں دو باندیاں باہم جھگڑا کر رہی تھیں اور مجدی بن عمرو دونوں کا فیصلہ کر رہا تھا۔ واپس آکر حضورؐ کو اسکی اطلاع دی اُدھر ابوسفیان نے مجدی بن عمرو سے پوچھا کہ تالاب پر کسی اجنبی آدمی کو تو تو نے نہیں دیکھا؟ مجدی نے کہا واللہ کوئی بھی نہ تھا۔ ہاں دو مسافر پانی بھرنے اُترے تھے ابوسفیان نے بدر پر آکر اونٹوں کی مینگنیاں توڑ کر شناخت کی اور بولا واللہ ان میں تو مدینہ کی گٹھلیاں اور وہاں کی گھاس معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد جلد جا کر قافلہ کو ساحلی سمت کی طرف تین میل نشیب میں لے گیا اور قریش کو کہلا بھیجا کہ تمہارا قافلہ صحیح سلامت نکل آیا اب تم واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ اخنس بن شریق بنی زہرہ کو لیکر واپس چلا گیا بنی عدی بھی لوٹ گئے۔ لیکن ابوجہل نے ہٹ کی اور بولا واللہ ہم تو بدر پر جا کر اتریں گے وہاں تین روز ٹھیریں گے اونٹوں کو ذبح کریں گے کباب شراب اُڑائیں گے ناچ دیکھیں گے گانا سنیں گے تاکہ تمام عرب میں ہماری خبر مشہور ہو اور تمام لوگوں پر ہماری ہیبت چھا جائے۔ دوسری جانب رسول اللہؐ نے بدر کے قریب پہنچ کر علیؓ سعد بن ابی وقاصؓ اور زبیر بن عوامؓ کو چند آدمیوں کی معیت میں

خبر لینے کے لئے بھیجا۔ یہ صاحبان سعید بن عاص اور حجاج کے چند غلاموں
کو پکڑ کر لے گئے۔ حضور علیہ السلام نماز میں مشغول تھے۔ صحابہ نے اُن سے دریافت
کیا تو اُنہوں نے بتایا کہ ہم قریش کے غلام ہیں پانی لینے آئے تھے۔ صحابہ نے
اُن کے قول کو غلط جان کر مارنا شروع کیا۔ مجبوراً اُنہوں نے کہا ہم ابوسفیان
کے قافلہ کے ہیں۔ صحابہ نے اُن کو مارنا چھوڑ دیا۔ حضورؐ نے نماز سے سلام
پھیر کر فرمایا جب انہوں نے سچ کہا تو تم نے مارا۔ جب جھوٹ بولے تو تم نے
مارنا چھوڑ دیا۔ واللہ وہ قریش کے ساتھ ہیں تم قریش کی خبر بتاؤ۔ حضرت
علیؓ وغیرہ نے عرض کیا وہ سامنے والے ٹیلہ کی پرلی طرف ہیں۔ حضورؐ نے
قریش کی تعداد اور اُن کے سرداروں کی تفصیل دریافت فرمائی۔ جب
سب کچھ معلوم ہو گیا تو فرمایا لوگو! مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف
پھینک دیے ہیں۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ صبح کو قریش آگے بڑھے
حضورؐ نے ٹیلہ کے پیچھے سے اُن کو آتے دیکھا تو دعا مانگی اے میرے پروردگار
تو دیکھتا ہے کہ قریش والے اتراتے اکڑتے اور فخر و تکبر کرتے چلے آتے ہیں
تیرے رسولؐ کی تکذیب کرتے اور اُس سے لڑتے ہیں۔ پروردگار تو کل کو
ان کو ہلاک کر دے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں تم ان مغرور قریش کی طرح نہ بن جانا جو
اترانے فخر و غرور کرنے اور لوگوں کو دکھانے اُن پر اپنی بہادری جتانے کیلئے
نکلے۔ تم نہ اترانا اپنے جتھے پر بھروسہ نہ کرنا بلکہ اللہ کی یاد اور اُس کے رسولؐ
کے احکام کی تعمیل کرتے رہنا بہ نیت جنگ اعلان حق کی نیت رکھنا اور اللہ
پر بھروسہ کرنا۔

مقصود بیان:۔ اترانے، شیخی مارنے اور غرور کرنے کی ممانعت۔
(اعلان حق اور اظہار صداقت کی نیت رکھنے کی طرف اشارہ، اس بات
کا ضمنی بیان کہ قریش کی نیت اچھی نہ تھی۔ وہ اظہار حق و صداقت کے لئے
جنگ نہ کرتے تھے بلکہ لوگوں کو راہ حق سے روکنے اور اپنی بہادری کی
شہرت کرنے کے لئے جنگ کرتے تھے۔ آیت سے یہ امر بھی مستنبط ہوتا
ہے کہ کار خیر میں ریاکاری کی نیت نہ ہونی چاہئے اور نہ اترانا چاہئے۔ وغیرہ

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

اور جب شیطان نے اُن کے اعمال اُن کو بھلے کر دکھائے

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ

اور بولا آج تم پر کوئی آدمی غالب نہیں آسکتا

وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ

اور میں تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں

نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ

تو وہ اُلٹے پاؤں چلتا بنا اور بولا میرا تم سے کوئی سروکار

مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ

نہیں میں وہ بات دیکھ رہا ہوں جو تم کو نہیں دکھائی دیتی میں اللہ سے

اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ع

ڈرتا ہوں اور اللہ کی مار بڑی سخت ہے

تفسیر علماء تفسیر کے اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں (۱) آیت
سے مراد مجازی معنی ہیں یعنی شیطان نے قریش کے دل
میں یہ وسوسہ اور خیال پیدا کیا تھا کہ آج تم مغلوب نہیں ہو سکتے تمہاری
تعداد بہت ساز و سامان بکثرت ہے۔ تمہارے عقائد اور بت پرستی وغیرہ
اعمال (شنیعہ) تم کو پناہ دینے والے ہیں (بیضاوی) (۲) آیت سے
مراد حقیقی معنی ہیں۔ شیطان نے اُن سے واقعی یہ قول کہا تھا۔ بنی مدلج کے
سردار کا نام سراقہ بن مالک بن جعشم تھا۔ شیطان سراقہ کی شکل پر ہو کر قریش
کے پاس آیا تھا اُس زمانہ میں قریش کی بنی بکر سے چشمک تھی قریش کو ہر
وقت بنی بکر کے حملہ کر دینے کا اندیشہ تھا اسی لئے بدر کو جانے اور مسلمانوں
پر چڑھائی کرنے میں تردد کر رہے تھے۔ شیطان سراقہ کی شکل ہو کر آیا
اور کہنے لگا آج تم پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی جماعت سمیت تمہارے
ساتھ ہوں بنی بکر سے تم اندیشہ نہ کرو میں ضامن ہوں وہ حملہ نہ کریں گے
جعلی سراقہ کی باتیں سن کر قریش چل دیے سراقہ بھی ساتھ رہا جب کافروں
اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا اور ابلیس نے ملائکہ کو دیکھا تو اُس کو اپنی جان
کا اندیشہ ہوا۔ اُس وقت یہ ملعون حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے
تھا۔ ملائکہ کو دیکھتے ہی حارث کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ حارث نے
ہر چند کہا کہ سراقہ ایسی حالت میں تو ہم کو چھوڑ کر کہاں جا رہا ہے مگر اس نے
ایک نہ مانی اور کہنے لگا مجھے جو بات (ہزیمت) دکھ رہی ہے وہ تم کو نہیں
دکھتی ہے۔ میں اللہ سے (یعنی اپنی جان سے) ڈرتا ہوں کہیں مارا نہ جاؤں
یہ کہہ کر حارث سے دنگا مشتی کر کے اُسکی چھاتی پر دھکا مار کے اپنے
ساتھیوں سمیت نکل بھاگا۔ ابوجہل نے آگے بڑھ کر لوگوں کو آمادہ کیا اور
بولا تم سراقہ کے بھاگ جانے سے بددل نہ ہو وہ در پردہ محمدؐ سے ملا ہوا تھا
قسم ہے لات و عزّیٰ کی ہم لوگ واپس نہ ہونگے جب تک ان کو باندھ کر
نہ لے جائیں اور ان کو ان کی شرارت کا مزہ نہ چکھا دیں ان کو بہت قتل نہ کرنا
بلکہ باندھ لینا۔ اُدھر حضورؐ نے ریت اور کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر
کافروں کی طرف پھینکی، اور کوئی کافر ایسا نہ بچا جس کی آنکھ میں اُس کا کچھ

حقیقۃ نہ پڑا ہو۔ مجبور ہو کر آنکھیں ملنے لگے۔ مسلمانوں نے حملہ کیا بہتوں کو قتل کیا اور بہتوں کو گرفتار۔ کفار بھاگ نکلے اور سراقہ کو لعنت کرنے لگے کہ اس نے ہم کو یہ شکست دلوائی۔ یہ خبر اصلی سراقہ بن مالک کو پہنچی تو اس نے کہا واللہ مجھے تمہارے جانے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ جب تم شکست کھا کر آگئے ہو تو مجھے تمہاری جنگ کی خبر ہوئی۔ مشرکان بدر میں سے جب کچھ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کو یقین ہوا کہ وہ سراقہ نہ تھا۔ یہ قصہ بہت تفصیل کے ساتھ کتب سیر میں مذکور ہے۔ ہم نے مختصر تحریر کیا ہے۔ اصل قصہ ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ و تابعین سے صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ ان آیات میں واضح طور پر آیا ہے مشہور احادیث میں بھی مذکور ہے۔ لہذا آیت کے حقیقی معنی لینے ہی صحیح ہیں۔ حقیقت متعذر نہ ہو تو مجاز کی طرف جانا کسی طرح جائز نہیں۔

مقصود بیان: شیطان کے اغوا کا بیان اور اس بات کی صراحت کہ شیطان شروع میں آدمی کو کجروی پر ابھارتا ہے طرح طرح کے لالچ اور کامیابی کی امیدیں دلاتا ہے ہر قسم کے وسوسے پیدا کرتا ہے دیرہ دہ بھی خیالات بدلتا ہے اور آدمی کی شکل میں آکر بھی شیطنت کرتا ہے لیکن جب اپنا کام کر چکتا ہے تو نتیجۂ بد کا ذمہ دار اپنے کو نہیں قرار دیتا اور ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور تمام الزام آدمی کے سر تھوپ دیتا ہے۔ آیت میں در پردہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم کسی بہکانے والے کی باتوں میں آکر احکام اسلامی کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ ممکن ہے کہ وہ بہکانے والا شیطان ہو اور پھر وقت پر ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جائے۔ وغیرہ۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي

جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا

قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ

کہنے لگے کہ ان کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو بیشک اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

زبردست اور باحکمت ہے

تفسیر مرض سے مراد ابن عباسؓ کے قول کے موافق مرض شرک ہے۔ اس تقدیر پر اس قول کے قائل منافق اور مشرک دونوں ہونگے۔ عام مفسرین کے نزدیک مرض نفاق مراد ہے اس تقدیر پر عطف تفسیری ہوگا اور قائل صرف منافق ہونگے۔ ابن عباسؓ کے قول سے ثابت ہے کہ بدر کے روز جب فریقین کی نظر میں اپنے حریف کی تعداد کم محسوس ہوئی تو مسلمانوں کی تعداد کم دیکھ کر بعض مشرکین کہنے لگے کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ بات یہ تھی کہ ان کہنے والوں کو مسلمانوں کی شکست کا یقین تھا۔ ابن جریج کا قول ہے کہ ایسا کہنے والے مکہ کے بعض منافق تھے جنہوں نے مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے بظاہر تو کلمہ پڑھ لیا تھا مگر مشرکوں کی معیت میں مسلمانوں سے لڑنے بھی آئے تھے۔ عامر شعبی، مجاہد، معمر، محمد بن اسحاق وغیرہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے منافقوں نے یہ بات کہی تھی کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے محمدؐ کے وعدوں پر تین سو تیرہ ٹوٹے پھوٹے مسلمان ایک ہزار جنگجو بہادر قریشیوں سے لڑنے چلے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے یہ فریب اور غرور نہیں بلکہ خدا پر توکل ہے اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ غالب بھی ہے اور (دعاؤں کو) سننے والا بھی۔

مقصود بیان: منافقوں کے کلمۂ نفاق کا بیان اس امر کا مجمل اظہار کہ جس طرح جسمانی مرض سے نظام جسمانی بگڑ جاتا ہے اور آدمی کسی مصیبت یا بار کو اٹھانے کے قابل نہیں رہتا اسی طرح جن کے دلوں میں اسلام کی حقانیت کے متعلق شک اور نفاق ہے وہ روحانی مریض ہیں ان کی روح اس قابل نہیں کہ وہ اسلام کی حقانیت کے بار کو اٹھا سکے اس لئے بجائے حمایت اسلام کے الٹے مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ آیت میں اللہ پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے کہ توکل کرنے والوں کے لئے اللہ کافی ہے۔ توکل سے کس قسم کا توکل مراد ہے اندھا توکل یا فراہمی اسباب کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنا اس کا بیان چار پانچ آیات کے بعد آتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا

اور کاش تم وہ حالت دیکھتے جبکہ فرشتے کافروں کی جان قبض

الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ

کرتے ہیں اور ان کے منہ اور پشت پر مارتے ہیں

وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا

اور (کہتے جاتے ہیں) کہ جلنے کا عذاب چکھو یہ اسی کا بدلہ ہے جو

قَدَّمَتْ اَيْدِيكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

خود تم نے پہلے کر کے بھیجا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ اللہ بندوں پر

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ

ظلم نہیں کرتا ہے ان لوگوں کا حال ویسا ہے جیسا فرعون والوں کا

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اور ان سے پہلے لوگوں کا تھا انہوں نے اللہ کے احکام کا انکار کیا

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تو ان کے گناہوں کے سبب اللہ نے اُن کو پکڑا بیشک اللہ

قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

قوی ہے اور سخت عذاب دینے والا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں کفار بدر کے تکبر غرور قتل و ہزیمت کا بیان تھا۔ ان آیات میں ان کی اُس حالت کا بیان ہے جو مرنے کے بعد [illegible] ہوگی۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ سیاق آیات اگرچہ کفار بدر کی روح نکلے جانے کے متعلق ہے مگر مرنے کے وقت ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے اسی لئے خدا نے کفار بدر کی تخصیص نہیں کی بلکہ سورۃ انعام میں فرمایا وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ الٰی آخر الآیۃ۔

خلاصہ آیات یہ ہے کہ اگر تم دیکھو تو کفار کی وہ حالت بھی عجیب ہیبتناک تھی جب فرشتے [illegible] ان کی جان نکالتے اور پشت و چہرے پر مارتے ہوئے [illegible] کہتے [illegible] دوزخ کا مزہ چکھو یہ تمہارے افعال کی [illegible] ہے [illegible] ظلم نہیں کرتا۔ کافر کو مرنے کے وقت مابعد الموت کی [illegible] دکھائی دیتا ہے اور لذات دنیا کو چھوڑنے کا بھی قلق ہوتا ہے اس لئے [illegible] آگے پیچھے سے عذاب ہوتا ہے ممکن ہے کہ چہرے اور پشت پیٹنے سے یہی مراد ہو۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سنت الٰہیہ یوں ہی جاری ہے کہ [illegible] ہے جیسا پھر تا ہے ان سے پہلے بھی بعض نے مثلاً فرعون وغیرہ نے اللہ کے احکام سے سرتابی کی آیات الٰہی کی تکذیب کی اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق اُن کی گرفت کی اور ان کافروں کی حالت بھی ان ہی جیسی ہے لہٰذا خدا نے ان کی بھی ویسی گرفت کی کیونکہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اسکو ہر طرح کی طاقت حاصل ہے لہٰذا کسی کی طاقت اُس کے سامنے نہیں چلتی اور کوئی سرکش اسکی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتا۔

مقصود بیان: [illegible] اس بات کا بیان کہ اللہ کسی سے [illegible] نہیں بلکہ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے۔

اپنے کیے کی سزا پاتا ہے جو ان نعمت کرتا ہے نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً

اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہرگز اس نعمت کو نہیں بدلتا

اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا

جو کسی قوم کو عنایت کرتا ہے تاوقتیکہ وہ اپنی حالت خود

بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

نہ بدل ڈالیں اور یہ سبب بھی ہے کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ

ان لوگوں کی عادت ویسی ہے جیسی قوم فرعون اور ان سے پہلے والوں

قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

کی تھی انہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کی تکذیب کی اسلئے ہم نے ان کو

بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ

ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا اور

كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝

اُن میں سے ہر شخص ظالم تھا

تفسیر خدا تعالیٰ اس آیت میں ایک ضابطہ قدرت اور قانون فطرت بیان کرتا ہے کہ عادت الٰہی یوں ہی جاری ہے اور قانون عدل اسی طور پر نافذ ہے کہ جو قوم اپنی حالت خود بدلتی ہے خدا داد نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفر کرتی ہے راہ ہدایت کو چھوڑ کر کجروی اختیار کرتی ہے انصاف و عدل کے بجائے حق تلفی کرنے لگتی ہے تو خدا بھی اپنی دی ہوئی نعمت اس سے چھین لیتا ہے۔ عزت کی جگہ ذلت حکومت و حریت کی جگہ غلامی دولت کی جگہ افلاس اور راحت کی بجائے اُن پر مصائب نازل کرتا ہے اور انجام کار یونہی برباد کر دیتا ہے ورنہ خدا خود کسی سے اپنی دی ہوئی نعمت نہیں چھینتا اور خواہ مخواہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا دیکھیے فرعون کی قوم اور اُن سے پہلے عاد و ثمود طسم جدیس وغیرہ اقوام نے نعمت الٰہی کی ناشکری کی ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کیا انبیاء کی تکذیب کی اُن کے احکام کو ٹھکرایا خدا نے اُن کو تباہ کر دیا کیونکہ اُن سب نے خود ظلم کیا تھا یہی حالت ان کافروں کی ہے خدا نے ان کو دولت مال صحت آزادی اور راحت

عطا کی جس کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ رسول نے ان کو احکام الٰہی پہنچائے مگر انہوں نے ناقدری کی اور ایک نہ سنی اُلٹے اُن کے دشمن بن گئے اہل حق کو ستانے لگے۔ بالآخر خدا نے ان سے اپنی نعمت چھین لی ان کو ذلیل خوار برباد خستہ حال کیا اور ان کی گردنوں میں مدینہ کے رہنے والوں کی غلامی کا طوق ڈالا یہ سب ان کی کرتوت کی سزا ہے۔

مقصود بیان:۔ جو قوم نعمت الٰہی کا شکر ادا کرتی رہتی ہے اُس سے انعام خداوندی کبھی زائل نہیں ہوتا۔ ضمنی طور پر مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم بھی حق کی پیروی نہ چھوڑنا کفرانِ نعمت نہ کرنا ورنہ تمہارا انجام بھی گذشتہ اقوام کی طرح ہوگا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ

خدا کے نزدیک بدترین جانور | وہ لوگ ہیں | جو

كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ

منکر ہو گئے | اور جو ایمان نہیں لاتے | جن سے

عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ

تم نے عہد لے لیا | پھر ہر بار وہ

فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ۝ فَإِمَّا

بلا خوف | عہد توڑ ڈالتے ہیں | لہذا اگر

تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ

تم اُن کو لڑائی میں پاؤ تو ایسی سزا دو کہ اُن سے پیچھے والے دیکھ کر

خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ وَإِمَّا تَخَافَنَّ

بھاگ جائیں تاکہ اُن کو عبرت حاصل ہو اور اگر کسی قوم کی طرف

مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ

سے تم کو دغا کا اندیشہ ہو | تو تم اُن کو برابر کا جواب دو

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝ ع ۷

بے شک اللہ | دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا

تفسیر: آثار سے ثابت ہے کہ یہ آیت خاندان قریظہ کے یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے معاہدہ کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد نہ کریں گے مگر انہوں نے بدر کے روز اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور سامان جنگ سے مشرکوں کی مدد کی۔ پھر جواب طلب کیا گیا تو کہنے لگے ہم بھول گئے تھے اب آئندہ نہ کریں گے لیکن غزوۂ خندق میں دوبارہ عہد شکنی کی اور مشرکوں کو مدد پہنچائی بلکہ کعب بن اشرف نے مکہ جا کر قریش سے معاہدہ کیا اور اُن کی خاطر سے اُن کے بتوں کو سجدہ کیا اور اقرار کیا کہ مسلمانوں کی بہ نسبت تم راہ راست پر ہو ہم تمہاری مدد کریں گے اور بالآخر مشرکوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلہ میں میدان میں آئے۔

اگر یہ سبب نزول صحیح ہے تب بھی آیت کا حکم عمومی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ ویسے تو تمام کفار خبیث ہیں مگر سب میں بدتر بلکہ جانوروں سے بھی بدتر وہ لوگ ہیں جو کفر پر مستحکم ہیں کبھی ایمان نہ لائیں گے یعنی وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا مگر وہ ہر مرتبہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں ایسے لوگ اگر لڑائی میں ہاتھ آجائیں تو اُن کو سخت ترین سزا دینا چاہئے تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو اور وہ آئندہ عہد شکنی کی جرأت نہ کریں اور اگر عہد شکنی کا تحقق و وقوع نہ ہو بلکہ علامات و آثار دیکھ کر معاہدہ کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو اور ایسے قرائن ہوں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ لوگ اب عہد شکنی کرنے چاہتے ہیں تو اُن کو آگاہ کر دو کہ آج سے ہمارا تمہارا کوئی معاہدہ نہیں جو تمہارا جی چاہے تم کرو جو ہم چاہیں گے ہم کریں گے مگر تم اپنی طرف سے زدخود بخود معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرنا کیونکہ اللہ کو خیانت کار پسند نہیں ہیں۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جو قوم عہد شکنی کرے اُسکو بُری طرح قتل کر دو اور جس کی طرف سے عہد شکنی کا گمان ہو اُس کو اچھی طرح آگاہ کر دو کہ آج سے ہمارا تمہارا معاہدہ منسوخ ہے یعنی امام المسلمین نے جس قوم سے معاہدہ کیا ہے اگر اُن کی طرف سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہوں اور نقض معاہدہ کا احتمال ہو تو شکست معاہدہ کی اطلاع کر دینا ان کو واجب ہے جیسے قریظہ نے حضورؐ سے عدم اعانت مشرکین کا عہد کیا پھر مشرکوں کی درخواست مدد کو منظور کیا اور اس وجہ سے حضورؐ کو اُن کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہوا تو حضورؐ نے اُن کو اطلاع دیدی لیکن اگر نقض عہد بظہور قطعی ہو تو فسخ معاہدہ کی اطلاع دینی ضروری نہیں۔ جب بنی بکر اور بنی خزاعہ کی جنگ ہوئی اور قریش نے بنی بکر کی مدد کی باوجودیکہ بنی خزاعہ مسلمانوں کے حلیف اور معاہد تھے تو اس وقت حضورؐ نے اہل مکہ کو فسخ معاہدہ کی اطلاع دئیے بغیر مکہ پر چڑھائی کر دی۔

امام احمد نے بروایت سلیم بن عامر بیان کیا ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے روم پر چڑھائی کی تو افواج اسلام اور عساکر روم میں ایک خاص مدت کے لئے صلح ہو گئی۔ جب مدت معاہدہ قریب الختم ہو گئی تو مسلمانوں نے سرحد پر صف بندی کر دی تاکہ مدت ختم ہونے پر بغیر اطلاع کئے کفار پر حملہ کر دیں اتفاقاً حضرت عمرو بن عنبسہ گھوڑے پر سوار نعرۂ تکبیر لگاتے ہوئے آئے

اور یکار کر کہنے لگے وفاء عہد کرو شکست نہ کرو۔ کیونکہ حضور اقدس ؐ کا فرمان ہے جس قوم کے ساتھ معاہدہ ہو جائے تو مدت کے اختتام سے پہلے نہ اُس کی گرہ کھولی جائے نہ باندھی جائے مدت یونہی گزرنے دی جائے یا فسخ معاہدہ (کا اعلان) کر دیا جائے۔ معاویہ یہ خبر سنکر واپس آ گئے۔ وقد رواہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان والترمذی وقال حسن صحیح۔

مقصود بیان:۔ کافر مشرک جانوروں سے بھی بد تر ہیں۔ اگر کفار کھلم کھلا عہد شکنی کریں تو اُن کو جنگ کر کے سخت ترین سزا دینی چاہئے تاکہ اور لوگوں کو شکست معاہدہ کی ہمت نہ ہو اور اگر کھلم کھلا عہد شکنی نہ کی ہو بلکہ معاہدہ کی خلاف ورزی کے آثار نمودار ہوں تو فسخ معاہدہ کی اطلاع اُن کو دیدی جائے۔ خیانت یعنی عہد شکنی سخت جرم ہے مسلمانوں کو اس سے پرہیز رکھنا لازم ہے۔ وغیرہ۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ

اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ نکلے

إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ○ وَأَعِدُّوا لَهُمْ

وہ ہم کو عاجز نہیں کر سکتے اور جس قدر سامان تم اُن کے

مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ

مقابلے کے لئے فراہم کر سکتے ہو کرو قوت جسمانی اور پرورش

الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَ

اسپ تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے دشمنوں پر اور

عَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ۚ

اپنے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر

لَا تَعْلَمُونَهُمُ ۚ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا

جن سے تم واقف نہیں اللہ ان سے واقف ہے اور کچھ جہاد اور راہ خدا

مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ

میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اُس کا ثواب تم کو پورا پورا

إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ○

دیا جائے گا تمہاری حق تلفی نہ ہوگی

تفسیر علامہ سیوطی کے نزدیک اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے وہ کفار مراد ہیں جو میدان بدر سے جان بچا کر بھاگ گئے تھے اور سمجھتے تھے کہ اب ہم مسلمانوں کی زد سے نکل گئے لیکن سیاق عبارت بتا رہا ہے کہ ان آیات کا ربط گذشتہ آیات سے ہے اس لئے مخصوص کفار مراد نہیں ہیں۔ بیضاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اوپر کی آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ معاہد کفار کی طرف سے اگر معاہدہ کی خلاف ورزی کے آثار نمودار ہو جائیں تو تم بھی فسخ معاہدہ کر دو اور اس فسخ معاہدہ کی اطلاع دشمن کو دیدو۔ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ جب فسخ معاہدہ کی اطلاع دشمنوں کو دیدی جائیگی تو وہ ہوشیار اور بیدار ہو جائینگے اور بیدار ہو کر پوری تیاری اور قدرت حاصل کر لینگے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر وہ مسلمانوں کے قبضہ کے نہ رہینگے۔ اس شبہہ کو دفع فرماتا ہے کہ تم اُن کو ہوشیار و بیدار کرنے سے قطعاً اندیشہ نہ کرو وہ کسی طرح اللہ کے قبضے سے نکل نہیں سکتے اور کبھی اللہ کو مغلوب و مقہور نہیں کر سکتے بلکہ تم پر لازم ہے کہ اپنی استطاعت کے موافق جتنا بھی ممکن ہو جنگ کا ساز و سامان اور سواری کے گھوڑے فراہم کرو تاکہ دشمن کے مقابلے کے کام آئیں اور اس سے ان کافروں پر بھی تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور دوسرے منافقوں پر بھی یعنی کافروں اور منافقوں کے مقابلہ میں اسلام کی شوکت و قوت کا مظاہرہ جنگ کے ساز و سامان کی کثرت سے ہوگا۔ نہ تمہاری حقانیت و صداقت اعلم و زہد و ورع وغیرہ سے تو ڈرتے نہیں البتہ جنگ کا ساز و سامان اُن کو لرزہ براندام کر دیتا ہے۔ لہذا اُس کی تیاری میں جہانتک ممکن ہو اپنا مال صرف کرو۔ جو کچھ راہ خدا میں صرف کرو گے اُس کا اجر تم کو پورا پورا ملے گا ذرہ برابر حق تلفی نہ کیجائیگی۔

تحلیل اجزاء مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ میں قوت سے کیا مراد ہے؟ عقبہ بن عامر کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ؐ نے ممبر پر تین مرتبہ فرمایا۔ قوت تیر اندازی ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد قلعہ گڑھی۔ ابن عباس رض کے نزدیک تیر چلانے اور جملہ ہتیار مراد ہیں۔ مجاہد و عکرمہ کہتے ہیں کہ نر گھوڑے قوت ہیں اور گھوڑیاں رباط الخیل۔ ارجح یہ ہے کہ قوت سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے جہاد میں مسلمانوں کو تقویت حاصل ہو خواہ کسی قسم کے ہتیار رہوں یا سامان رسد۔ باقی رہی بخاری کی حدیث تو وہ بطور تمثیل ہے کیونکہ حضور ؐ کے زمانہ میں تیر اندازی دشمن کی مدافعت کا سب سے بڑا ذریعہ تھی لیکن اس زمانہ میں تیر اندازی بیکار چیز ہے بلکہ بندوق، گن مشینیں، بحری بری اور ہوائی توپیں، ٹینک، بم وغیرہ آلات حرب ہیں لہذا اُن کی فراہمی لازم ہے۔

ابن عباس رض نے اس آیت سے استنباط کیا ہے کہ بیت المال کو خزانہ سے بھرا ہوا رکھنا ضروری ہے تاکہ دشمن سے مقابلہ کے وقت کام آئے لیکن افسوس کہ اس زمانہ میں محاصل ملکی اور مالی آمدنی کا مصرف اور مقصود ہی دوسرا

قرار پایا ہے۔ چند نفس پرور استبداد پسند اُمراء کی خواہشات نفس پر قربان کر دینا ہی محاصل ملکی کا اصل مقصد ہے نہ اس سے مسلمانوں کو فائدہ رسانی مقصود ہے نہ دشمنوں سے اسلام کی حفاظت پیش نظر ہے بلکہ جاہ و حشم بڑھانا عیاشی میں برباد کرنا اور غریب مزدوروں کا خون چوس کر اپنی آسائش کے لئے فلک بوس کوٹھیاں تعمیر کرنا ہی مآل سلطنت ہے۔ یہی نتیجۂ دولت ہے۔

مقصود بیان:۔ کفار کوئی تدبیر کریں اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتے۔ آیت میں پیشین گوئی ہے کہ بدر سے بھاگے ہوئے لوگ آئندہ مغلوب و ذلیل ہونگے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اگر آیت کو اہل بدر کے متعلق نہ کہا جائے تو مقصود یہ ہوگا کہ کافروں کو اگر تم فسخ معاہدہ کی اطلاع دیدو تب بھی کوئی ہرج نہ ہوگا۔ وہ کسی طرح ہزیمت ذلت وغیرہ سے بچ نہیں سکتے۔ عساکر اسلامیہ پر واجب ہے کہ بقدر امکان جتنا بھی ہو سکے سامان جنگ فراہم رکھیں تاکہ اس کے ذریعہ سے دشمنوں پر انکی دھاک بیٹھ جائے اور بوقت ضرورت آسانی سے مقابلہ کرکے اُن پر فتح حاصل کر سکیں۔ وغیرہ

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ

اور اگر وہ صلح کی طرف جھک جائیں تو تم بھی اُسکی طرف جھک جاؤ اور خدا پر

عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

بھروسہ رکھو بے شک وہ سنتا جانتا ہے

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ

اور اگر وہ تم کو دھوکا دینا چاہیں تو تمہارے لئے

حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ

خدا کافی ہے اُسی نے اپنی امداد اور

بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ بَيْنَ

مسلمانوں کے ذریعے سے تم کو قوت پہنچائی ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں

قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ

ایسی اُلفت پیدا کردی ہے کہ اگر تم روئے زمین کا کل سامان خرچ کر ڈالتے

جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ

تب بھی اُن کے دلوں کو باہم نہیں ملا سکتے تھے صرف

اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

اللہ ہی نے اُن میں الفت پیدا کردی بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ

اے نبی! تمہارے لئے اللہ اور وہ

اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۧ

مسلمان کافی ہیں جنہوں نے تمہاری پیروی کی

تفسیر یہ گذشتہ احکام کا تکملہ ہے یعنی اگر کفار تمہارے جنگی ساز و سامان کو دیکھ کر مرعوب ہو کر صلح یا اطاعت کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی بلا پس و پیش اُن سے صلح کر لو اور کچھ اندیشہ نہ کرو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ خوب جانتا اور سنتا ہے کہ کس مقصد سے اور کیا مشورہ کرکے کافروں نے صلح کی طرف میلان کیا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ دھوکہ بازی کریں اور پیام صلح صرف اس لئے بھیجیں کہ اپنا ساز و سامان درست کرلیں جنگی قوت بڑھالیں تو تم کچھ پرواہ نہ کرو تمہارا مددگار اللہ کافی ہے اُسی نے تمہاری نصرت کے ظاہری و باطنی اسباب پیدا کئے۔ باطنی اسباب تو مخفی ہیں اور ظاہری اسباب یہ پیدا کئے کہ مومنوں کو تمہاری نصرت و امداد کے لئے مقرر فرمایا، وجہ یہ کہ ان کے دلوں میں اسلام سے پہلے دیرینہ عداوت تھی اور اس حد تک کہ اگر تم روئے زمین کے کل خزانے ان میں میل و محبت پیدا کرنے کے لئے صرف کر ڈالتے تب بھی ان کا میل ناممکن تھا مگر اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔ آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تمہاری مدد کے لئے سب کو ایک سلک پر جمع کر دیا۔ اس ایتلاف کے اندر خدا کی حکمت مخفی ہے وہ باحکمت اور غالب ہے یعنی مسلمانوں کے اس ایتلاف سے مقصود یہ ہے کہ آئندہ اشاعت اسلام مسلمانوں کی حکومت اور ممالک کی فتوحات حاصل ہوں۔ یہ مقصد بغیر اتحاد مسلمین کے ناممکن تھا۔ اسلام سے قبل تقریباً ایک سو بیس سال سے برابر عرب میں کشت و خون کے ہنگامے بپا رہتے تھے۔ اونٹنی کے خون کے ایک قطرہ کے عوض ہزاروں لاکھوں انسانوں کا خون بے دریغ بہا دیا جاتا تھا، گھوڑوں کی دوڑ اور مسابقت پر برسوں برس بازار قتال گرم رہتا تھا۔ بکر و تغلب کی لڑائی چالیس سال جاری رہی۔ اوس و خزرج کی عداوت پُرانے زمانے سے پشت در پشت منتقل ہو کر آ رہی تھی لیکن آفتاب اسلام کے طلوع ہوتے ہی تمام تاریکیاں دور ہو گئیں۔ دیرینہ عداوتیں زائل ہو گئیں۔ دشمنوں کے دل بھائیوں کی طرح مل گئے۔ قبائل اوس و خزرج بھائی بھائی بن گئے اور سبھوں نے یک دل و یک جان ہو کر پرچم اسلام کو اطراف عالم کی سب اونچی چوٹیوں پر لہرا دیا یہ تھی اتحاد مسلمین کی غرض

اور یہ بھی اللہ کی مخفی حکمت ۔

مقصود بیان:۔ کفار کی مکاری اور دھوکہ بازی سے اندیشہ نہ کرنے کی ہدایت ، اس امر کا ضمنی ترشح کہ صلح بہر حال اچھی چیز ہے ۔ جہانتک ممکن ہو صلح کی طرف ہاتھ بڑھاؤ اگرچہ یہ معلوم ہو کہ کفار صلح کے پردہ میں مسلمانوں کو فریب دینا اور اپنی قوت کو فراہم کرنا چاہتے ہیں مگر پھر بھی اللہ کے بھروسہ پر صلح کر لینا چاہیے ۔ لیکن آپس کے تعاون و اتحاد کو قائم رکھنا چاہیے ۔ مسلمانوں میں کسی طرح تفرقہ اور پھوٹ نہ پڑنا چاہیے ۔ اس بات کی صراحت کہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد نعمتِ الٰہی ہے ۔ اتحاد کی بدولت یہ قوم دشمن پر غالب آسکتی ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ
اے نبی مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ
اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے

يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ
تو دو سَو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سے

مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
سو آدمی ہونگے تو ہزار کافروں پر غالب آجائینگے

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلْـٰٔنَ
کیونکہ وہ بے دانش لوگ ہیں اب

خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ
اللہ نے تم پر سہولت کردی اور اسے معلوم ہوگیا ہے کہ تم میں

ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ
کچھ کمزوری ہے تو اب اگر تم میں سے سَو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے

يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ
تو دو سَو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں گے

يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
تو وہ دو ہزار پر بحکم خدا غالب ہوں گے اور اللہ

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
ثابت قدم رہنے والوں کا حامی ہے

تفسیر آثار صحابہؓ کے مطالعہ سے ثابت ہے کہ ابتدائے اسلام میں لوگ بہت جری تھے ۔ ایک سو مسلمان ہزار کافروں کا مقابلہ کر لیتے تھے بلکہ کبھی دس آدمی دس ہزار کے لشکر پر حملہ کر دیتے تھے اور ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ کرتے تھے اُس وقت اُن کے دلوں میں ایمان اور امداد الٰہی کی کہربائی طاقت موجزن تھی اللہ نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ سہولت کے لئے ایک خاص حکم نازل فرما دیا اور تعداد کی خاص تعیین کر دی کہ اپنے سے دس گونہ دشمنوں کے سامنے سے فرار کرنا روا نہیں ۔ ہاں اگر کفار اس سے زائد ہوں تو جائز ہے کہ جان بچانے کے لئے مسلمان معرکہ سے پہلو تہی کریں ۔ لیکن اگر دس گونہ کافروں سے زائد کا مقابلہ بھی کرینگے تو ناجائز نہیں ۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد مسلمانوں کے صبر و استقامت میں ضعف پیدا ہوگیا تو لوگوں کو دس گونہ کافروں سے مقابلہ کا حکم بھی شاق گذرنے لگا ۔ ابن عباسؓ سے بطرق متعددہ یہی مروی ہے ۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور صرف دو گونہ کافروں سے مقابلہ کا وجوبی حکم باقی رہ گیا یعنی اگر مسلمان دس اور کافر بیس ہوں یا مسلمان سو اور کافر دو سو یا مسلمان ایک ہزار اور کافر دو ہزار تو ایسی صورت میں استقامت اور مقابلہ واجب ہے ۔ میدان جنگ سے منہ موڑنا کسی طرح جائز نہیں اور اگر کفار دوچند سے زائد ہوں تو مقابلہ سے ہٹ جانا جائز ہے ۔ ابن عباسؓ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تضعیف و تنصیف سے مراد صرف عرفی تنصیف و تضعیف ہے ٹھیک نصف مراد نہیں یعنی اگر مسلمان سَو کے لگ بھگ مثلاً ۹۷ یا ۹۸ یا ۹۹ ہوں اور کفار دو سَو ہوں یا کفار دو سَو پانچ ہوں اور مسلمان سَو ہوں تب بھی فرار جائز نہیں واللہ اعلم ۔ اخیر میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے یعنی جنگ میں صبر و استقامت لازم ہے کثرت و قلت کو اس میں زیادہ دخل نہیں ۔ جو لوگ جم کر یکدل ہو کر لڑینگے نصرت الٰہی اُن کے ساتھ ہوگی ۔

مقصود بیان:۔ جہاد کی ترغیب کا حکم ۔ اس امر کی صراحت کہ کافروں کی کثرت سے مسلمانوں کو مرعوب نہ ہونا چاہیے ۔ یہ اپنے سے دوگنی تعداد پر غالب آسکتے ہیں ، مگر صبر و استقلال لازم ہے بغیر جماؤ کے کامیابی ناممکن ہے ۔ اس بات کی بھی آیت میں صراحت کر دی گئی ہے کہ غلبہ و نصرت محض اللہ کے حکم پر موقوف ہے ۔ طاقت و تعداد موجب فتح نہیں لیکن اللہ اُسی قوم کو فتح و کامرانی کا حکم دیتا ہے جو ثابت القلب صابر ہو اور دشمن کے مقابلہ میں جم کر لڑے ۔ اس میں مسلمانوں کو ایک ضابطۂ فطرت کی تعلیم دی مقصود ہے کہ اللہ کا حکم خواہ مخواہ نہیں ہو جاتا بلکہ جو لوگ اپنی مدد خود کرتے ہیں یعنی دشمن کے مقابلہ میں متحد و صابر رہتے ہیں اُنہی کی فتح و نصرت کا اللہ

بھی حکم دیتا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى

نبی کے لئے مناسب نہ تھا کہ اُن کے پاس قیدی ہوتے

حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ

تاوقتیکہ وہ ملک میں (کافروں کو) خوب قتل نہ کرلیتے تم دنیا کا

عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ

سامان چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لئے آخرت کو چاہتا ہے

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ

اور اللہ زبردست وباحکمت ہے اگر ایک بات اللہ کی

مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ

طرف سے پہلے نہ لکھی جاچکی ہوتی تو اس مال لینے میں تم پر

عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ

بڑا عذاب آپڑتا مگراب جو تم لے چکے ہو اسکو حلال

حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ

پاکیزہ سمجھتے ہوئے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ ع

غفور رحیم ہے

تفسیر ان آیات کا سبب نزول عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر جماعت صحابہؓ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب بدر کی جنگ میں ستر قیدی گرفتار ہوکر آئے تو حضور اقدس ﷺ نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ ان قیدیوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ آپکی قوم کے لوگ ہیں ان سے توبہ کرائیے اور چھوڑ دیجئے شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی آپ کو مکہ سے نکالا مجھے اجازت دیجئے میں ان کی گردنیں اڑا دوں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ لوگ اس قابل ہیں کہ لکڑیوں کا ڈھیر کرکے اس میں رکھ کر ان کو پھونک دیا جائے۔ حضور ﷺ خاموش رہے اور اندر تشریف لے گئے۔ لوگوں نے اختلاف کرنا شروع کیا کسی نے ابوبکرؓ کی رائے کو پسند کیا۔ کسی نے عمرؓ کے قول کو اور کسی نے ابن رواحہؓ کے خیال کو۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور ﷺ برآمد ہوئے اور فرمایا اللہ بعض دلوں کو نرم کرتا ہے یہاں تک کہ وہ دودھ سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض دلوں کو سخت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر تمہاری مثال ابراہیمؑ کی ہے جبکہ انہوں نے کہا تھا فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ اے ابوبکر! تمہاری مثال عیسٰیؑ کی ہے جبکہ انہوں نے کہا إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ اے عمر تمہاری مثال موسٰیؑ کی ہے جبکہ انہوں نے کہا تھا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ اے عمر! تمہاری مثال نوحؑ کی ہے جبکہ انہوں نے کہا تھا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ تم لوگ اس وقت مفلس ہو لہذا ان قیدیوں میں سے کوئی رہا نہ ہوگا جب تک اپنا زرِ فدیہ (مالی معاوضہ) ادا نہ کرے ورنہ اسکی گردن ماردی جائیگی۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے زبان بڑھا کر عرض کیا یارسول اللہ! سوائے سہیل بن بیضاء کے کیونکہ وہ اسلام کا ذکر پہلے ہی کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے کچھ خاموشی کے بعد فرمایا ہاں سوائے سہیل بن بیضاء کے۔ غرض اُن قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا اور یہ شرط کرلی کہ آیندہ مسلمانوں سے نہ لڑیں۔ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ انصار عباسؓ کو قتل کرنا چاہتے تھے اور اُن کو قتل کی دھمکی بھی دی تھی۔ حضور ﷺ کو یہ اطلاع پہنچی تو فرمایا انصار کا ارادہ ہے کہ عباس کو قتل کردیں مجھے چچا عباس کے خیال سے رات کو نیند نہیں آئی۔ عمرؓ نے عرض کیا میں عباس کو لے آؤں؟ فرمایا ہاں عمر انصار کے پاس گئے اور کہا عباس کو چھوڑ دو انصار نے کہا نہیں چھوڑینگے۔ عمر نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ فرمائیں تب بھی؟ انصار نے کہا اگر حضور ﷺ کی منشا ہے تو لے جاؤ۔ حضرت عمرؓ عباسؓ کو لیکر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور راستہ میں اُن سے کہا عباس مسلمان ہو جاؤ۔ مجھے تمہارا مسلمان ہونا اپنے باپ خطاب کے مسلمان ہونے سے بھی زیادہ مرغوب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے مسلمان ہونے کی رغبت ہے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ فی کس چالیس اوقیہ (سونا) لیکر تمام قیدیوں کو رہا کردیا (البتہ تین آدمیوں کو قتل کیا) حضرت عباسؓ سے خود اُن کی ذات کا اور اُن کے بھتیجے عقیل برادر علی بن ابی طالب کا اور نوفل بن حارث کا تاوان لیا گیا۔ عباسؓ نے عرض کیا میں تو فقیر ہوگیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ سونا جو گھر رکھ کر آئے ہو کہاں ہے؟ چونکہ اُس سونے کی عباسؓ کے سوا کسی کو اطلاع نہ تھی اس لئے فرمان نبوی سنتے ہی آپ مسلمان ہوگئے مگر اس قول کی محققین نے تضعیف کی ہے۔

غرض اس فدیہ لیکر چھوڑنے پر اللہ کی طرف سے رسول پاک ؐ اور مسلمانوں کو عتاب آمیز لطیف خطاب ہوا۔ معتبر روایات میں آتا ہے کہ دوسرے روز حضرت عمر رضؓ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضور ؐ گرامی اور ابوبکر رضؓ رو رہے ہیں۔ رونے کا سبب دریافت کیا تو حضور ؐ نے فرمایا تیرے ساتھیوں کے لئے روتا ہوں کہ انہوں نے فدیہ لینا پسند کیا اور اب اُن کے حق میں مواخذہ اس سامنے والے درخت سے بھی زیادہ نزدیک پیش کیا گیا ہے یعنی آئندہ سال اس فدیہ لینے کی یہ سزا ہوگی کہ اتنے ہی آدمی جنگ میں شہید ہوں گے۔

تحقیق اجزاء حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ کا یہ مطلب ہے کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کر ڈالنا بہتر تھا اور فدیہ لیکر چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ یہ حکم بدر کے قیدیوں کے متعلق تھا۔ اور یہ حکم اگرچہ سخت تھا مگر مصلحت وقت کے مناسب تھا ایسے مصالح کو وہی خوب جانتے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں اور باوجود رحمدل اور مہذب ہونے کے ذرا سے قصور پر سپاہیوں کا کورٹ مارشل کر دیتے ہیں۔ لیکن جب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی اور مسلمان چھا گئے تو آیت فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً سے بالعوض اور بلاعوض قیدیوں کو چھوڑ دینے کی بھی اجازت دیدی گویا حکم قتل کی تعیین کو منسوخ کر دیا۔ مفسر سیوطی کا یہی قول ہے اسی بنا پر امام شافعی رحؒ اور امام احمد نے اختیار کیا ہے کہ جب کوئی حربی کافر قید ہو کر آئے تو امام المسلمین کو اختیار ہے کہ اُس کو قتل کر دے یا فدیہ لیکر چھوڑ دے یا بلاعوض رہا کر دے یا غلام بنا لے۔ ابن عمر رضؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحؒ کہتے ہیں کہ امام کے لئے دو باتوں میں سے ایک بات لازم ہے یا قتل کرنا یا غلام بنا کر رکھنا۔ رہی آیت فدیہ تو وہ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ سے منسوخ ہے کیونکہ سورۂ برات بعد کو نازل ہوئی جیسا کہ صحیحین کی اُس روایت سے ظاہر ہے جس کے راوی عثمان ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام رازی رحؒ کہتے ہیں کہ آیت فدیہ یہاں کی آیت کی ناسخ نہیں نہ دونوں کے مفہوم میں تضاد ہے بلکہ دونوں آیات موافق ہیں کیونکہ دونوں آیات کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے اثخان (یعنی قتل عام) ہو جانا ضروری ہے۔ اس کے بعد بالعوض یا بلاعوض چھوڑنے کا اختیار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کو عمومی قتل کرو کسی کو مت چھوڑو۔ اس کے بعد جو لوگ رہ جائیں اُن کو چھوڑنے کا بھی اختیار ہے۔ لیکن امام رازی رحؒ کی اس تاویل کو اہل تحقیق نے ضعیف قرار دیا ہے بلکہ صحیح اور بہترین تاویل یہ بیان کی ہے کہ حَتّٰی یُثْخِنَ میں حتّٰی غایت کے لئے ہے اور اثخان کا حقیقی مقصود یہ ہے کہ اسلام کی شوکت و قوت کا مظاہرہ ہو جائے گویا فدیہ لینے کی ممانعت اثخان تک ہے یعنی جب تک شوکت اسلام کا علی الاعلان مظاہرہ نہ ہو جائے فدیہ لینا ناجائز ہے۔

حاصل حکم یہ ہوا کہ فدیہ لیکر چھوڑ دینا نبی کے لئے جائز نہ تھا جب تک شوکت اسلام کا مظاہرہ نہ ہو جاتا۔ رہا شوکت اسلام کے مظاہرہ کے بعد کا حکم تو اس کو آیت فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً میں بیان کر دیا۔ یعنی شوکت اسلامی کے ظہور کے بعد بالعوض و بلاعوض قیدیوں کو چھوڑ دینا جائز ہے۔ میرے نزدیک بھی یہی تاویل بہتر و انسب ہے۔

وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے تمہارے لئے آخرت کو چاہا تھا مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ ارادۂ الٰہی کے خلاف ہونا محال ہے ممکن ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں کے لئے آخرت کو پسند فرمایا ہے اور چونکہ مسلمانوں نے ثواب آخرت کے حصول میں غلطی کی اور فدیہ لے لیا اس لئے عتاب ہوا۔ اس آیت سے بیضاوی نے استدلال کیا ہے کہ انبیاء بھی اجتہاد کرتے ہیں اور کبھی اجتہاد میں چوک جاتے ہیں لیکن بذریعۂ وحی اُن کو مطلع کر دیا جاتا ہے۔

لَوْلَا کِتٰبٌ الخ یعنی اگر اللہ کی سابقہ تحریر نہ ہو چکی ہوتی تو فدیہ لینے کی وجہ سے تم پر عذاب عظیم آجاتا۔ اللہ نے سابقہ تحریر یعنی لوح محفوظ میں کیا لکھا تھا؟ خدا ہی جانے کیا لکھا تھا لیکن علماء نے قرائن سے مختلف وضاحتیں کی ہیں (۱) لوح محفوظ میں اللہ نے یہ بات لکھدی تھی کہ جو مؤمن بندہ اجتہاد میں غلطی کرے اُس پر عذاب نہ ہوگا (۲) جس قوم کو کسی کام کے کرنے کی صریح ممانعت نہ ہوا اور وہ اُس کو کرلے تو ماخوذ نہ ہوگی (۳) اہل بدر جو فعل کریں بخشے جائیں گے اُن پر عذاب نہ ہوگا (۴) اس اُمت پر مال فدیہ حلال ہوگا۔ بہرحال آیت میں عذاب کی تنبیہ ہے اگرچہ وعید نہیں ہے۔

فَکُلُوْا الخ۔ جب آیت عتاب نازل ہوئی تو صحابہ نے بدر کے حاصل شدہ مال غنیمت اور فدیہ میں تصرف کرنے سے ہاتھ کھینچنا چاہا تو یہ اجازت نازل ہوئی اور مال غنیمت و زر فدیہ حاصل کرنے اور اُس میں ہر قسم کا جائز تصرف کرنے کو مباح قرار دے دیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ نبی کو زیبا نہیں کہ قیدیوں کو گرفتار کرے اور خوب قتل نہ کرے۔ مسلمانو! تم فدیہ کی طرف مائل ہو گئے جو دنیا کا فانی اسباب ہے اللہ تو تمہارے لئے آخرت کی بھلائی چاہتا ہے دنیا میں مفلس رہے تو کیا اور مالدار ہوئے تب کیا۔ وہ حکیم اور زبردست ہے۔ حکم قتل کی حکمت کو خوب جانتا ہے۔ اگر تقدیر الٰہی میں روز ازل ایک خاص حکم نہ لکھا گیا ہوتا تو اس فدیہ لینے پر تم کو عذاب عظیم ہوتا۔ خیر اب جو کچھ تم نے اُن سے لیا ہے یا مال غنیمت حاصل کیا ہے وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے کھاؤ پیو اللہ معاف کرنے والا ہے مگر آئندہ پرہیز رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو

مقصود بیان: تاوقتیکہ شوکت اسلام اور قوت اہل اسلام کا علی الاعلان مظاہرہ نہ ہو جائے اور کفار پر طاقت اسلامی کا رعب چھا جائے اُس وقت تک فدیہ لیکر قیدیوں کو چھوڑنے کی رسول پاک ؐ کو ممانعت

صحابہ اور رسول کو عتاب آمیز خطاب - اس بات کی صراحت کہ اہل ایمان کیلئے اللہ آخرت کی بھلائی چاہتا ہے (خواہ دنیا میں وہ دولتمند رہیں یا نادار) تقدیر الٰہی کے خلاف کچھ نہیں ہوتا فعل اگرچہ سزا کا مقتضی ہو مگر اگر تقدیر آلٰہی میں اُس کی سزا مقدر نہیں ہے تو آدمی ماخوذ نہیں ہوتا - لہذا معتزلہ کا یہ خیال غلط ہے کہ گناہ کا اثر بالکل ایسا ہی ہے جیسے زہر کا جس طرح زہر کھانے سے آدمی پر فوراً اثر ہوتا ہے ایسا ہی گناہ کا اثر بھی ہوتا ہے اور آدمی ہلاک ہوجاتا ہے بلکہ زہر ہو یا گناہ دونوں کا نتیجہ یعنی ہلاکت و تباہی بتقدیر الٰہی ہوتی ہے اگر اللہ نے اُس فعل یا زہر کا نتیجہ بصورت عذاب و ہلاکت مقرر کیا ہے تو ضرور ہوگا ورنہ اسباب کی تاثیر بالکل نہ ہوگی - انبیاء بھی اجتہاد کرتے ہیں - انبیاء کے اجتہاد میں کبھی چوک بھی ہوجاتی ہے جس کی اطلاع وحی کے ذریعے سے کردی جاتی ہے - لیکن اس سے ان کی عصمت میں کوئی خرابی نہیں آتی کیونکہ دینی مسائل میں کبھی وہ اجتہاد نہیں کرتے بلکہ محض وحی کے منتظر رہتے ہیں - بڑے بڑے صحابہ بھی معصوم نہ تھے بلکہ باقتضاء بشریت کبھی دنیوی مال کی طرف اُن کا میلان خاطر ہوجاتا تھا بشرطیکہ مال کی حرمت کا اُن کو علم نہ ہو - امتحان میں پڑنے کے لئے دلیری نہ کرنی چاہیے - بالآخر اسیران بدر کا زرِ معاوضہ مسلمانوں کے لئے حلال کردیا گیا تھا -

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ

اے نبی! جو قیدی تمہارے قبضہ میں ہیں اُن سے کہو

مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں کچھ نیکی معلوم ہوگی

خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ

تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عنایت کردیگا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

اور تم کو بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ

اور اگر وہ تم سے دغا کرنی چاہیں تو

خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ

تو اس سے پہلے بھی اللہ سے دغا کرچکے ہیں مگر اللہ نے اُن پر تم کو قابو دیدیا

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞

اور اللہ جاننے والا باحکمت ہے

تفسیر سبب نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ منجملہ اسیرانِ بدر کے حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہوکر آئے - قریش نے اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا اور چھڑا لیا - عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا - فرمایا تمہارے اسلام کا حال خدا جانے بظاہر تم ہم پر چڑھ کر آئے تھے - لہذا اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور عقیل بن ابی طالب بن عبد المطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کرو - عباسؓ نے عرض کیا اتنا میرے پاس کہاں ہے - ایک روایت میں ہے کہ عباسؓ نے رقم مقررہ ادا کردی اور کہا اے میرے بھتیجے تم نے مجھے ایسا مفلس کرکے چھوڑا کہ جیتی زندگی قریش کے سامنے ہاتھ پھیلا کر ٹکڑے مانگوں - حضورؐ نے فرمایا وہ مال کہاں گیا جو ام الفضل اور تم نے چپکے سے زمین میں گاڑا ہے اور تم نے ام الفضل سے کہا تھا کہ دیکھئے اس سفر میں کیا پیش آئے اگر میں نہ لوٹا تو یہ رقم مال میرے بچوں فضل اور عبد اللہ اور قثم کے واسطے ہے - عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اب میں یقینی طور پر سمجھ گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ میں نے آدھی رات کے وقت وہ مال گاڑھا تھا اور ام الفضل کے سوا کسی کو اطلاع نہ تھی - اب میں فدیہ دیتا ہوں لیکن بیس اوقیہ سونا جو میرے پاس تھا اور غنیمت کے وقت لوٹ لیا گیا وہ میرے حساب میں محسوب کرلیا جائے - حضورؐ نے فرمایا ہرگز نہیں وہ تو اللہ نے ہم کو عطا کیا ہے - اسی قصہ کے متعلق یہ آیاتؑ نازل ہوئیں - حضرت عباسؓ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت میرے ہی حق میں نازل ہوئی ہے اللہ نے اپنا وعدہ پورا کردیا - بیس اوقیہ سونے کی بجائے حالت اسلام میں اُس نے مجھے بیس غلام عطا کئے جو خود بھی بہت قیمتی ہیں گھٹیا غلام کی قیمت تقریباً بیس ہزار درہم ہے اور پھر ہر غلام میرے لئے کثیر مال تجارت لگا کر بیوپار کرتا ہے - پھر اس سب کے علاوہ آخرت میں میں اللہ سے مغفرت اور اجر جزیل کی امید رکھتا ہوں - متعدد طرق سے ثابت ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد حضرت عباسؓ بہت مالدار ہوگئے تھے - حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے پاس صوبہ بحرین سے کثیر مال آیا - نماز کے بعد حضورؐ نے اُس کو تقسیم کرنا شروع کیا جو سامنے آیا اُس کو دیتے - یہانتک کہ حضرت عباسؓ بھی آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی دیجئے - میں نے اپنا جان کا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا تھا - فرمایا لیلو - حضرت عباسؓ نے دونوں ہاتھوں سے رول کر اپنے کپڑے میں خوب بھرا اور اٹھا کر لے جانا چاہا مگر اٹھا نہ سکا - عرض کیا آپ کسی کو حکم دیدیں کہ وہ اٹھوا دے - حضورؐ نے مسکرا کر

فرمایا نہیں۔ عرض کیا آپ ہی اٹھوا دیں۔ فرمایا: میں اٹھواؤں۔ آخر عباسؓ نے اُس میں سے کچھ کم کر دیا اور بمشکل اٹھا کر لے چلے۔ حضورؐ اُن کی حرص کو تعجب کی نظر سے دیکھتے رہے اس کے بعد سب مال بانٹ دیا۔ آپؐ نے ایک درہم بھی وہاں باقی نہ رکھا اور اپنے گھر ایک درہم بھی نہ بھیجا تھا (رواہ البخاری وجماعۃ من ائمۃ الحدیث)۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے نبی تم بدر کے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں کہہ دو کہ جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس پر تم افسوس نہ کرو اگر تمہارے دل میں نیکی ہوگی اور ایمان لے آؤ گے اور سچے دل سے اسلام کے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھانے کا عہد کرو گے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اللہ اس سے بہتر تم کو عنایت کرے گا اور تمہارے قصور معاف کر دیگا اور اگر اے نبی وہ تم کو دھوکہ دینا چاہینگے اور پھر شرارت کرنے کا اُن کا ارادہ ہوگا اور عہد و پیمان کے خلاف اُن کے دلوں میں مکاری چھپی ہوگی تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے خود ذلیل ہوں گے پہلے بھی شرارت کر چکے ہیں اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہارے ہاتھوں گرفتار ہوئے دوبارہ ایسی حرکت کرینگے تو پھر ایسی سزا پائینگے خدا کے علم سے کوئی چیز خارج نہیں اُس کو ان کی نیتوں اور آئندہ ارادوں کا اب بھی علم ہے لیکن اُس کی حکمت و مصلحت ہے کہ ظاہر نہیں فرماتا اور کسی کا پردہ فاش نہیں کرتا۔

مقصود بیان: رسول پاکؐ کو قیدیوں کی طرف سے نڈر رہنے کا حکم۔ گرفتاران بدر کو نصیحت و تسلی آمیز ہدایت کہ گئے ہوئے مال کا افسوس نہ کرو۔ جو کچھ زبان سے کہو اُس پر عمل بھی کرو۔ آئندہ زندگی کو درست رکھو مسلمانوں کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ بلکہ سچے دل سے مسلمان ہو جاؤ تم کو اس سے بہتر مال مل جائیگا اور آخرت میں مغفرت بھی ہوگی ورنہ مکاری کروگے تو خود تباہ ہوگے۔ وغیرہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑا اور اپنے مال

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

سے راہِ خدا میں جہاد کیا

وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ

اور وہ مسلمان جنہوں نے ان کو جگہ دی اور انکی مدد کی یہ سب

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا

ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان تو لائے

وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم

مگر انہوں نے ہجرت نہ کی تاوقتیکہ وہ ہجرت نہ کریں تمہیں

مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ

اُن کی دوستی سے کوئی سروکار نہیں لیکن اگر دینی معاملہ میں

فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ

تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد دینی لازم ہے ہاں اُس قوم کے مقابلہ میں

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا

مدد دینی لازم نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہو اور اللہ

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے اور جو لوگ کافر ہیں

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ

وہ باہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم ایسا نہ کروگے

تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ۝

تو ملک میں بڑا فتنہ اور زبردست فساد ہوگا

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ نے چار طرح کے مسلمانوں کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کے واقعی مدحیہ صفات بھی الگ الگ بیان کر دیے ہیں۔ پھر پانچویں درجہ میں تمام دنیا کے مختلف مذاہب کے کفار کا ایک ہی فرقہ قرار دیا ہے (۱) وہ لوگ جو شروع میں حضورؐ پر ایمان لائے اور ہجرت کرکے آپ کے ساتھ یا آپ سے پہلے مدینہ میں آ کر بسنے لگے ان کے چار اوصاف بیان فرمائے۔ اول یہ کہ وہ اللہ اور ملائکہ اور قیامت اور انبیاء پر سچے دل سے ایمان لائے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی اور اُس کے رسول کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ترک وطن کیا وطن کو انہوں نے چھوڑا وطن نے ان کو چھوڑا تمام اعزا اقارب اہل و عیال بچوں سے منہ موڑا۔ اللہ اور اُس کے رسول سے رشتہ جوڑا۔ جلاوطنی کتنی سخت چیز ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن پر گذری ہے۔ قتل موت اکبر ہے اور جلاوطنی موت اصغر قتل کے بعد جلاوطنی سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں۔ تیسرا اور چوتھا وصف یہ ہے کہ راہ خدا میں انہوں نے جان مال قربان کر دیا سخت ترین معرکوں میں جانیں لڑا دیں مگر حضور اقدسؐ کا ساتھ نہ چھوڑا

مکہ کے اندر گھاٹی میں محصور ہوئے۔ تین سال ترک موالات کی تکلیف اٹھائی قوم نے حقہ پانی کلام سلام بند کر دیا مگر ان کی ہمتیں کمزور نہ پڑیں۔ غار ثور میں ساتھ رہے۔ جس مکان سے حضور نے ہجرت کی اُس مکان کے اندر حضور کی بجائے خود اپنی جان کو کافروں کے نرغہ میں پھنسایا۔ بدر، احد احزاب وغیرہ میں ساتھ رہے۔ مالی قربانیاں اس حد تک کیں کہ متعدد مرتبہ گھر میں کوئی چیز نہ چھوڑی۔ ہر چیز حضور کے قدموں میں لا کر ڈال دی۔ غرض تن من دھن کسی سے کبھی دریغ نہ کیا۔

(۲) وہ لوگ جنھوں نے مہاجرین اولین کو اپنے مکانوں میں جگہ دی باوجودیکہ خود تنگ حال تھے مگر اپنے معزز مہمانوں کی ہر طرح خاطر تواضع کی خود بھوکے مرے اہل وعیال کو بھوکا رکھا مگر مہمانوں کو تکلیف نہ ہونے دی۔ تمام دنیائے کفر کے خلاف مہاجرین کی مدد کی۔ دنیا اُن کے گھروں پر چڑھ کر گئی مگر انہوں نے کسی کی پرواہ نہ کی۔ اپنے اہل وعیال کی طرح مہاجرین کی حفاظت کی گویا انہوں نے بھی راہِ خدا میں جانیں لڑا دیں اور اسلام کی اعانت میں مالی قربانیاں کامل طور پر کیں۔

(۳) وہ گروہ جو فتح مکہ سے قبل مسلمان تو ہو گیا اللہ اور اُس کے رسول کی تصدیق تو کی، احکام شریعت کی تعمیل بھی کی مگر خاص وجوہ کے تحت ترک وطن نہ کر سکے۔ کچھ کافروں کے پنجہ میں گرفتار ہونے کے باعث مجبور رہے کوئی بیماری کے سبب حرکت نہ کر سکا۔ کسی کو اور قسم کے موانع روکے رہے۔

(۴) وہ مسلمان ہیں جو بعد میں مسلمان ہوئے اپنا وطن چھوڑ کر حضورؐ کی رفاقت اختیار کی۔ آخری جہادوں میں بھی شریک ہوتے۔

یہ چار قسم کے مسلمان ہوئے۔ ہر گروہ کے جدا جدا احکام بیان فرمائے اول الذکر دونوں قسموں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق دوست جان ومال بلکہ دین وایمان کے ساتھی ہیں ان کے اندر اتحاد، تعاون، تناصر، اور ولایت ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک ولایت سے مراد تعاون وتوارث ہے یعنی انصار ومہاجرین ایک دوسرے کے رفیق جان ومال اور دینی بھائی ہیں اور میراث میں ایک دوسرے کے حقدار ہیں۔ اس آیت کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخاۃ وبرادری کرا دی تھی۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بھائی بھائی بنا دیا تھا اور سلسلۂ توارث مہاجر وانصاری میں جاری کر دیا تھا بلکہ قریبی وارثوں سے بھی ان دینی بھائیوں کو میراث کا زیادہ مستحق قرار دیا تھا۔ جن انصاری کی مواخاۃ کسی مہاجر سے ہو گئی تو اُس نے اپنا نصف مال نصف جائداد دیدی یہاں تک کہ اگر دو بیویاں تھیں تو ایک بیوی کو طلاق دیکر اُس کا نکاح مہاجر سے کر دیا۔ لیکن آیت میراث کے نازل ہونے کے بعد انصار ومہاجرین کے توارث کا حکم منسوخ ہو گیا۔

تیسرے گروہ کا حکم بیان فرمایا کہ ان لوگوں کو حق موالات حاصل نہیں۔ دین میں اشتراک ضرور ہے۔ مذہبی تعاون بھی لازم ہے مگر مواخاۃ وموالات کا درجہ ان کو حاصل نہیں سلسلۂ توارث اُن سے جاری نہیں تاوقتیکہ وطن کو چھوڑ کر مہاجرین اولین کو ایمان اور ہجرت دو فضیلتیں حاصل تھیں اور ان کو صرف فضیلت ایمان حاصل ہے۔ ہجرت سے محروم ہیں لہذا دونوں گروہ مساوی مرتبہ کے نہیں ہو سکتے۔ ہاں اُن کی دینی اعانت ضرور ہے اگر وہ کفار کے مقابلہ میں مہاجرین وانصار سے مدد کے خواستگار ہوں تو اُن کی مدد کرنی لازم ہے بشرطیکہ اُن کی چڑھائی ایسے کافروں پر نہ ہو جن سے مہاجرین وانصار کا معاہدہ ہے کیونکہ اس صورت میں اگر اُن کی امداد کی جائے گی تو نقض عہد اور معاہدہ کی خلاف ورزی لازم آئیگی۔ چوتھی قسم کے مسلمانوں کا حکم آئندہ آیات میں آتا ہے۔ اب رہ گئے کفار تو ان کے متعلق فرمایا کہ ان میں باہم تعاون ہے یعنی اگرچہ یہ مختلف مذاہب کے پیرو ہیں اور مختلف عقائد رکھتے ہیں مگر مخالفتِ اسلام میں سب ایک دوسرے کے حلیف اور معاون ہیں۔ اسلام کے مقابلہ میں سب متحد ہیں۔ چنانچہ بنی قریظہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکوں سے اتحاد کر لیا اور اُن کی مدد کی باوجودیکہ یہودیت اور بت پرستی میں عقائد کے اعتبار سے اتنی ہی دوری تھی جتنی اسلام اور شرک میں لہذا مسلمانوں کو بھی باہم اتحاد تعاون اور تناصر کرنا چاہئے تاکہ مجموعی طاقت اور یگانگت سے کفر کا مقابلہ ہو سکے۔ ورنہ زمین فتنہ فساد بپا ہو جائے گا جس سے اسلام کو ضعف اور کفر کو قوت حاصل ہو گی۔

مقصود بیان :- مہاجرین سابقین اور انصار کے اوصاف کا خصوصی بیان اور اس بات کی صراحت کہ یہ لوگ قطعی مؤمن ہیں ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں۔ اس سے شیعہ اور خارجیوں کے عقیدہ کی تردید ہوتی ہے جنہوں نے خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کو خارج از ایمان قرار دے رکھا ہے اور برائے نام لفظ مسلم کا اُن پر اطلاق کرتے ہیں۔ تمام کفار کو موقعہ پڑنے پر ایک دوسرے کا معاون قرار دیا گیا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے اس زمانہ میں بھی تمام کفار خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا ہندو مسلمانوں کے مقابلہ میں یک زبان ہیں۔ آیت میں ضمنی ہدایت کی گئی ہے کہ جب دنیائے کفر تمہارے مقابلہ کے لئے یکجہت ہے تو تم کو بھی آپس میں اتحاد واتفاق رکھنا اور باہم تعاون کرنا لازم ہے ورنہ کفر کو غلبہ اور اسلام کو ضعف پیدا ہو جائے گا۔ اور پھر دنیا میں تباہی وبربادی پھیلے گی۔ اس سے مترشح ہوتا ہے

کہ اسلام پیام امن ہے اور کفر مرکز فساد اور محور ظلم۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑ آئے اور اللہ کی

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّ

راہ میں لڑے اور جنہوں نے اُن کو جگہ دی اور

نَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا

اُن کی مدد کی یہ سب سچے مسلمان ہیں

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَ

انہی کے لئے بخشش گناہ اور عزت کی روزی ہے اور

الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا

جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور وطن چھوڑا

وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ

اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی تم ہی میں داخل ہیں

وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ

اور اللہ کے حکم کے مطابق رشتہ دار

بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ

ایک دوسرے کے حق دار ہیں بلاشبہ اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ع

سب کچھ جانتا ہے

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ مہاجرین و انصار کے واقعی اوصاف مدحیہ پیرایہ میں بیان فرماتا ہے کہ وہ مومن جنہوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا اور وہ مومن جنہوں نے مہاجرین کو رہنے کو جگہ دی اُن کی مہمانی کی اور ہر طرح سے اُن کی امداد کی یعنی مہاجرین سابقین اور انصار واقعی پختہ مومن ہیں اُن کے ایمان میں قطعاً شبہ نہیں ہے اللہ کی طرف سے اُن کے لئے دو انعام مقرر ہیں اول تو یہ کہ اللہ نے اُن کے کل گناہ معاف فرما دیے۔ دوسرے یہ کہ اُن کے واسطے اجر جزیل

اور باعزت و باکرامت ثواب موجود ہے۔ رہے چوتھی قسم کے مسلمان یعنی وہ لوگ جو بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کر کے مہاجرین و انصار کے ساتھ مل کر جہاد کیا اُن کا شمار بھی مہاجرین و انصار میں ہے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا باہم کوئی رشتہ نہیں کچھ ایسے ہیں جو باہم رشتہ دار ہیں تو جو لوگ باہم رشتہ دار ہیں وہ ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں۔

بعد کو ایمان لانے سے کیا مراد ہے اس کے متعلق علماء کے خیالات مختلف ہیں۔ مفسر جلال نے کہا مہاجرین سابقین کے بعد بعض نے کہا غزوۂ بدر کے بعد بعض نے کہا اس آیت کے نزول کے بعد بعض نے کہا صلح حدیبیہ کے بعد۔ خازن میں ہے کہ اس سے دوسری ہجرت والے مراد ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی تھی جیسے خالد بن ولید وغیرہ۔ بہرحال بعد سے کچھ بھی مراد لی جائے مگر فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی شرط ضرور لگانی پڑے گی۔ کیونکہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا۔

ہجرت تین قسم کی ہوتی ہے۔ اول وہ ہجرت جو ابتدائے اسلام میں ہوئی جبکہ اسلام کی حالت کمزور تھی۔ دوسری وہ ہجرت جو صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے پہلے ہوئی۔ اول قسم کے مہاجرین مہاجرین سابقین کہلاتے ہیں۔ اور آیت وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الخ میں اسی ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام میں سب سے زیادہ اعزاز انہی کا ہے۔ دوسری ہجرت بھی ہجرت ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو قیامت تک باقی ہے یعنی اپنے وطن کو جو کفرستان میں واقع ہو چھوڑ کر کسی اسلامی ملک کی طرف ہمیشہ کے لئے چلا جانا۔ اس ہجرت کے دو حکم ہیں واجب اور مستحب۔ جس ملک میں غلبۂ کفر کی وجہ سے اسلامی فرائض و واجبات ادا کرنے کی روک ٹوک ہو وہاں سے ہجرت واجب ہے اور جہاں حدود اسلامی جاری نہوں فرائض و واجبات ادا کرنے کی روک ٹوک نہو وہاں سے ہجرت کر جانا مستحب ہے۔

وَأُولُو الْأَرْحَامِ الخ۔ اس آیت میں کتاب اللہ سے لوح محفوظ مراد ہے اور بقول ابن کثیر اولو الارحام سے تمام قرابتدار خواہ وہ ذوی الفروض ہوں یا اصطلاحی ذوی الارحام۔ اس آیت سے میراث کا وہ سلسلہ منسوخ کر دیا گیا جو گذشتہ آیات میں موالاۃ و مواخات کی وجہ سے قائم کیا گیا تھا۔ گویا یہ آیت میراث موالاۃ کی ناسخ ہے۔

مقصود بیان :- آیات میں عقد موالاۃ و مواخاۃ کا بھی حکم ہے اور اس کی بھی صراحت ہے کہ وہ آپس میں حقیقی قرابتداروں کی طرح ہیں، رہے دوسرے مسلمان وہ بھی اگرچہ دینی بھائی ہیں مگر اُن کا یہ مرتبہ نہیں البتہ دینی معاملات میں اُن کی امداد کرنی واجب ہے بشرطیکہ ذمی

کفار پر وہ چڑھائی نہ کریں۔ آیت سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ اہل اسلام کی امداد کے لئے بھی ذمی کفار سے عہد شکنی کرنی ناجائز ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں معاہدہ کی کتنی وقعت و اہمیت تھی۔ آیات کے اخیر میں قرابتداروں کا حق میراث مقدم رکھا گیا ہے اور میراث موالات کے حکم کو منسوخ کردیا ہے۔ شروع آیات سے لیکر آخر آیات تک پیام اتحاد فرمان اتفاق اور ہدایت تعاون لفظ لفظ سے مترشح ہے کاش علماء اس پر غور کریں۔

سُوۡرَةُ التَّوۡبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسۡعٌ وَعِشۡرُونَ آيَةً وَسِتَّ عَشَرَ رُكُوعًا

سورۂ توبہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۲۹ آیتیں ہیں اور ۱۶ رکوع ہیں

سورہ توبہ قرطبی کا قول ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے چنانچہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی۔ ابن زبیرؓ اور قتادہ سے بھی یونہی مروی ہے براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی وہ سورۂ برارت ہے (رواہ البخاری) لیکن ابن کثیر نے اس سورت کی آخری دو آیات کو مدنی نہیں قرار دیا ہے۔

اس سورت میں ۱۳۰ یا ۱۲۹ آیات ہیں یعنی اور مفہوم کے اعتبار سے اس سورت کے مختلف نام ہیں۔ توبہ۔ برارت۔ فاضحہ۔ بحوث۔ مبعثرہ۔ مشیرہ۔ مقشقشہ۔ مخزیہ۔ حافرہ۔ منکلہ۔ مدمدمہ۔ مشردہ منقرہ۔ چونکہ انفال کی آخری آیات میں معاہدین پر چڑھائی کرنے کی ممانعت تھی اور اس سورت میں تمام معاہدات کو ختم کردیا ہے اس لئے دونوں میں ایک حد تک مناسبت تھی لہذا لوح محفوظ میں دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ نہیں۔ جبرئیل بغیر بسم اللہ کے اس سورت کو لیکر نازل ہوئے (علامہ قشیری کا یہی قول ہے) اس کے علاوہ دونوں سورتوں کے مطالب میں بھی مناسبت تھی آیات باہم متشابہ تھیں اگرچہ ہر سورت بجائے خود مستقل تھی اور نزول میں بھی تاخر تقدم تھا ہجرت کے دوسرے سال انفال نازل ہوئی اور بقول ابن عباسؓ آٹھویں سال برارت اتری مگر چونکہ دونوں مفہوم کے لحاظ سے شدید الاتصال تھیں اس لئے لوح محفوظ میں ان دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں۔ قرآن پاک میں بھی اسکو بسم اللہ سے شروع نہ کرنے کی یہی وجہ ہے۔ اس کے علاوہ علماء وصحابہ نے ترک تسمیہ کے دیگر اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

(۱) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کاتبوں سے اس کے موقع پر لکھوا دیتے تھے چونکہ ان دونوں کا مضمون یکساں تھا اس لئے ہم نے دونوں کو ایک سورت سمجھ لیا مگر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں ایک سورت نہیں ہیں (رواہ الترمذی)

(۲) صحابہ کا اختلاف تھا بعض صحابی ان دونوں کو ایک ہی سورت کہتے تھے بعض دو ہونے کے قائل تھے اس لئے بسم اللہ نہ لکھی گئی مگر فصل کی علامت ظاہر کرنے کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی گئی (ابن عباسؓ) لیکن ابوالسعود نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ذکر تسمیہ اور ترک تسمیہ میں کسی کی رائے کو دخل نہیں یہ امر توقیفی ہے جہاں شارع نے واقف کردیا وہاں ویسا ہی کیا جائے گا بلکہ ترک تسمیہ کی صحیح ترین وجہ وہ ہے

(۳) جو حضرت علیؓ نے فرمائی تھی کہ بسم اللہ امان ہے اور سورۂ برارت نازل ہوئی تلوار کے ساتھ یعنی سورۂ برارت تو کفار سے امن دور کرنے کے لئے نازل ہوئی اور بسم اللہ موجب امن ہے لہذا شروع میں ذکر تسمیہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ عرب کا بھی یہی دستور تھا کہ جب کسی عہد کو توڑنے کا خط لکھتے تو امان آمیز الفاظ سے شروع نہیں کرتے تھے۔ خفاجی نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ سفیان بن عیینہ سے بھی یہی مروی ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى الَّذِيۡنَ

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کا قطع تعلق ہے

عَاهَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ؕ فَسِيۡحُوۡا

جن سے تم نے عہد کیا تھا پس (اے مشرکو)

فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّاعۡلَمُوۡۤا

ملک میں چار مہینے چل پھر لو اور جانے رہو

اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

کہ تم خدا کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ لامحالہ

مُخۡزِى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ

کافروں کو رسوا کرنے والا ہے اللہ اور اس کے رسول کی

وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَكۡبَرِ

طرف سے حج اکبر کے دن کافروں کو اطلاع دی جاتی ہے

اَنَّ اللّٰهَ بَرِىۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ

کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے

وَرَسُولُهُ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ

بیزار ہے پس اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور

إِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ

اگر رخ پھیر لوگے تو سمجھ رکھو کہ تم اللہ کو

مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا

کمزور نہیں کر سکتے اور کافروں کو تکلیف دہ عذاب کی

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ

خوش خبری سنا دو ہاں جن مشرکوں سے تم نے

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ

معاہدہ کیا ہو پھر انہوں نے (تکمیل معاہدہ میں) کوئی

شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا

کمی نہ کی ہو اور تمہارے خلاف کسی کو مدد نہ دی ہو

فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ

تو تم جبھی مدت مقررہ تک اُن کے معاہدہ کو پورا کرو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ فَإِذَا

اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے پھر جب

انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا

پناہ کے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو

الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

جہاں پاؤ قتل کرو

وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا

پکڑو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ

لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا

میں اُن کے لئے بیٹھو اس کے بعد اگر وہ توبہ کریں اور باقاعدہ

الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ

نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ أَحَدٌ

بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے اور اگر کوئی

مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ

مشرک تم سے پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دے دو

حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ

یہانتک کہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے اس کے بعد اُسکو اسکی امن کی جگہ

مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ

تک پہنچا دو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ

لَا يَعْلَمُونَ ۝ ع

جانتے نہیں ہیں

تفسیر

پہلے ہم اجمال کے ساتھ تفسیری مطلب بیان کرتے ہیں پھر تحقیق اجزاء اور اختلافی مسائل کی تفصیل کرینگے۔ لیکن سب سے اول مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سبب نزول بیان کر دیا جائے۔ جب آٹھویں سال مکہ فتح ہوگیا اور اسلام کی شوکت نمایاں ہوگئی تو بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے اور بہت سی قوموں نے دب کر مسلمانوں سے صلح کرلی اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں نہ کرنے کا عہد و پیمان کرلیا اور اقرار کرلیا کہ ہم آپ سے اور آپ کے اُن حلیفوں سے جن سے آپ کا معاہدہ ہوچکا ہے جنگ نہ کرینگے اور ضرورت ہوئی تو مدد بھی کریں گے۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن سے معاہدہ کرلیا تھا سنہ ۹ھ میں حضور اقدس کو اطلاع ملی کہ شاہ غسان اپنی جرار فوج لے کر حدود شام سے آگے بڑھ کر سرزمین حجاز میں داخل ہونا چاہتا ہے اور کفار عرب کے بھڑکانے سے اُس نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کی ہے اس لئے حضور والا نے مسلمانوں کی زبردست جمعیت جسکی تعداد تیس ہزار کہی جاتی ہے فراہم کی اور شام کی طرف مدافعت کے ارادہ سے تشریف لے گئے اور سرحد شام پر بمقام تبوک اقامت کی لیکن وہاں غسانی فوجیں نہ تھیں اس لئے چند روز کے قیام کے بعد وہاں سے واپس آگئے۔ ادھر منافقوں نے افواہیں اڑائیں

کہ اب مسلمان تباہ ہو جائینگے ملک غسان کی فوجوں کے مقابلہ میں ان کا ستیاناس ہو جائیگا۔ یہ افواہیں عرب میں چاروں طرف پھیل گئیں اور اُن کفار نے جن سے مسلمانوں کے معاہدے ہو گئے تھے بد عہدی کرنی شروع کر دی۔ صرف بنو ضمرہ اور بنو کنانہ اپنے معاہدہ پر قائم رہے تو یہ سورت نازل ہوئی جس میں معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والے کافروں اور منافقوں سے فسخ معاہدہ کا اعلان کیا ہے اور اُن چند مسلمانوں کو سرزنش کی گئی جو غزوۂ تبوک میں حضورؐ کے ساتھ نہ جا سکتے تھے۔

حاصل آیات یہ ہے کہ:۔ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے مشرکوں کو صاف جواب ہے کہ اب ہمارا تمہارا کوئی عہد باقی نہیں رہا صرف چار مہینے کی تم کو مہلت ہے۔ اس زمانہ میں جہاں چاہو چل پھر سکتے ہو۔ چار مہینے کے بعد کوئی عہد باقی نہ رہیگا۔ لہٰذا حج اکبر کے دن اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اعلان عام کر دیا جائے کہ اللہ اور اُس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے اب کسی قسم کی اُن کی رعایت نہیں کی جائے گی حرمت جنگ کے یہ چار ماہ گذرنے کے بعد مسلمانوں پر لازم ہے کہ مشرکوں کو جہاں پائیں قتل کریں گرفتار کریں محاصرہ کریں اُن کی تاک گھات میں کمین گاہوں میں بیٹھیں لیکن اگر مشرکین اپنے عقائد و افعال سے توبہ کر لیں توحید و رسالت وغیرہ کا اقرار کر لیں نماز پڑھنے لگیں زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر اُن کو مارنے یا گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں اُن کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ ہاں اس فسخ معاہدہ سے وہ کفار مستثنیٰ ہیں جن سے مسلمانوں نے معاہدہ کیا تھا اور (مسلمانوں کی غیبت میں) اُنہوں نے کسی طرح کی عہد شکنی نہیں کی اور مقررہ معاہدہ کی تکمیل میں کسی قسم کی کمی بھی نہیں کی اُن کی مدت معاہدہ پوری کرنی لازم ہے اُن کے لئے چار ماہ کا نوٹس نہیں ہے۔ اس کے بعد شبہ ہوتا تھا کہ جب کفار پر ایسی ہی مار دھاڑ رہیگی تو پھر اُن کو تبلیغ اسلام کس طرح کیجائیگی پیام ہدایت کیونکر پہنچایا جائیگا نہ وہ یہاں آئینگے نہ مسلمان وہاں جائینگے اس لئے آخر میں فرمادیا کہ اگر کوئی حربی تم سے امن کا خواہاں ہو اور پیام ہدایت سُننا چاہے تو اس کو اتنی مدت کے لئے امن دیدو کہ وہ آکر کلام الٰہی سُن لے اور اس کے بعد اُس کو اُس کی امن گاہ تک پہنچا دو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ناواقف اور بے وقوف لوگ ہیں۔ اتنی اُن میں سمجھ نہیں کہ غائبانہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر سوچ کر حق و باطل میں امتیاز کر سکیں لہٰذا کلام الٰہی سُننا اور رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حقانیت اسلام کے دلائل و براہین کو جاننا ضروری ہے اور یہ بغیر وقتی امن دہی کے ناممکن ہے۔

تحلیل اجزاء اور تحقیق مباحث

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ میں کون سے معاہدین مراد ہیں اور کس کو صاف جواب دیا گیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ اہل معاہدہ تین طرح کے تھے۔ ایک تو وہ جن سے معاہدہ کیا گیا اور کسی مدت کی تعیین نہیں کی گئی۔ دوسرے وہ جن کے معاہدہ کی مدت چار ماہ سے کم تھی۔ تیسرے وہ جن کے معاہدہ کی میعاد چار ماہ یا اس سے زائد تھی پھر ان ہر سہ اقسام میں کچھ وہ معاہد تھے جو اپنے معاہدہ پر قائم تھے اور کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے عہد شکنی کی تھی۔ ابن کثیر نے اختلافی اقوال نقل کرنے کے بعد کہا کہ حکم برارت اُن لوگوں سے ہوا جن کے معاہدہ کی کوئی مدت مقرر نہ تھی یا جن سے معاہدہ چار مہینے سے کم مدت کے لئے تھا۔ رہے وہ لوگ جن کی مدت معاہدہ چار ماہ سے زائد تھی اُن کے ساتھ معاہدہ اختتام مدت تک باقی رکھنے کا حکم ہوا فَاَتِمُّوْٓا سے اسی کا حکم دیا گیا حدیث میں بھی آیا ہے کہ من کان بینه و بین رسول اللہ عهد فعهده الی مدته یعنی جن لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہو گیا ہے اُن کے معاہدہ کی پابندی اختتام مدت تک کیجائیگی ابن جریر نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے۔

اب چار ماہ سے کون سے چار ماہ مراد ہیں؟ تو اگرچہ علی بن ابی طلحہ اور ضحاک وغیرہ کی روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہی چار ماہ مراد ہیں جن میں اہل عرب قتال و جدال کو ہمیشہ سے حرام سمجھتے چلے آئے تھے یعنی رجب۔ ذیقعدہ۔ ذی الحجہ۔ اور محرم اور ابن جریر نے اسی کو پسند کیا ہے مگر بیضاوی نے اس کو خلاف اجماع اور غلط قرار دیا ہے۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ چار ماہ مراد ہیں جن میں کفار کو چلنے پھرنے کی آزادی دی گئی تھی اور کسی قسم کا تعرض نہ کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا سیاق آیات اور نظم قرآنی کے یہی مناسب ہے۔ ابن عباس مجاہد، عمرو بن شعیب، ابن اسحاق، قتادہ، سُدی اور ابن زید وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ ائمہ اہل علم نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔

اِن چار ماہ کی ابتدا حج اکبر کے دن سے ہوئی اور اختتام دس ربیع الثانی پر ہوا۔

یوم حج اکبر سے کونسا دن مراد ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا یوم النحر ہے۔ بخاری نے ابو ہریرہؓ کا قول بھی یونہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے خطبۂ حجۃ الوداع کو روایت کرتے وقت باسناد صحیح مرفوعاً اسی کو روایت کیا ہے۔ ابن مسعود، ابن ابی اوفیٰ، مغیرہ بن شعبہ اور مجاہد و جماعت تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباس اور طاؤس وغیرہ نے کہا کہ یوم عرفہ مراد ہے۔ حسن بصری اور ابن سیرین کا قول ہے کہ حج اکبر کا دن فقط حج ابو بکرؓ و حج رسول اللہؐ کا دن تھا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ الخ بعض اہل تحقیق کہتے ہیں کہ سورۂ برارت کی بعض آیات فتح سے پہلے نازل ہوئیں اور بعض آیات بعد کو۔ یہ آیت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس قول

پر ان معاہدین سے مراد قریش ہونگے جنہوں نے بمقام حدیبیہ دس سال کے لئے رسول پاکؐ سے معاہدہ کیا تھا کہ ہم اس مدت میں باامن رہینگے مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہ کرینگے۔ لہذا خدا تعالیٰ نے فرمادیا کہ اگر وہ لوگ اپنے معاہدہ پر قائم رہیں کسی کی خلاف ورزی نہ کریں اور تمہارے خلاف کسی کو مدد بھی نہ دیں تو تم بھی معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرو مدت مقررہ امن کے ساتھ پوری کردو۔ لیکن اکثر محققین کا قول ہے کہ سورۂ براءت پوری فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی لہذا اس سے مراد قبائل بنو ضمرہ و بنو کنانہ ہونگے جو مسلمانوں کے تبوک کو جانے کے بعد بھی اپنے معاہدہ کے پابند رہے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ میں مشرکین کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن مخصوص بسنت ہے۔ مختلف صحیح احادیث میں حربی کافروں کی عورتوں بچوں اور ان ضعیف بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے جو لڑائی کے کام کے نہوں اسی طرح تارک الدنیا فقیر اور ایلچی بھی مستثنیٰ ہیں۔ ابن کثیر نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول پاکؐ چار تلواریں لیکر مبعوث ہوئے ایک تلوار تو مشرکین عرب کے لئے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمادیا فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ الآیۃ اور غالباً دوسری تلوار اہل کتاب کے لئے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ تیسری تلوار منافقوں کے لئے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ الآیۃ۔ چوتھی تلوار باغیوں کے لئے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ الآیۃ۔

وَاحْصُرُوْهُمْ کے معنی بعض لوگوں نے یہ بیان کئے ہیں کہ اُن کو حرم میں داخل ہونے سے روکو مگر صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اُن کا محاصرہ کرو اُن کو محبوس کرو اُن کے قلعوں اور امن گاہوں کو گھیرلو۔

فَاِنْ تَابُوْا الخ۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے یا زکوٰۃ نہیں دیتا اُس کی راہ نہیں چھوڑی جائے گی۔ (بیضاوی)

ابن کثیر نے کہا ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہانتک کہ وہ اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اُس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں (صحیحین) انس کی روایت اسی مفہوم کی ہے مگر اس سے بہت طویل ہے (بخاری) ابن مسعود کہتے ہیں کہ تم مامور ہو کہ نماز ٹھیک پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ جس نے زکوٰۃ نہ دی اُس نے نماز بھی نہیں پڑھی۔ صدیق اکبرؓ نے اس آیت پر اعتماد کرتے ہوئے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کیا تھا اور حضرت عمرؓ کے مشورہ کو بھی قبول نہ کیا تھا۔

آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ کا امتثالِ حکم

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو اقامتِ حج اور اعلانِ براءت کے لئے امیر الحاج بنا کر مکہ کو روانہ کیا۔ لیکن صدیق اکبرؓ کی روانگی کے بعد فرمایا اس بات کو میرے یا میرے کسی اہل بیت کے سوا کوئی نہیں پہنچائیگا (رواہ الترمذی) یعنی کسی اور کا پہنچانا مناسب نہیں۔ بات یہ تھی کہ اہل عرب اس قسم کے معاہدہ کے انعقاد یا فسخ معاہدہ کے معاملات میں یا تو صاحبِ معاملہ کے قول کا اعتبار کرتے تھے یا اُس کے کسی گھر والے کا اور حضرت ابو بکر اہل بیت میں داخل نہ تھے اور کافروں کو اُن کی عظمت و عزت کا مخصوص اندازہ نہ تھا اسلئے حضورؐ نے مذکورۂ بالا قول فرمایا اور پیچھے سے حضرت علیؓ کو اعلانِ براءت کے لئے روانہ فرمایا۔ راستہ میں حضرت علیؓ صدیق اکبرؓ سے جاملے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا امیر ہو کر آئے یا مامور بنکر؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا مامور بنکر۔ غرض مکہ پہنچے۔ حضرت علیؓ نے بروز نحر منیٰ میں جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر چار باتوں کا اعلان کردیا جنت میں کوئی کافر نہیں جائیگا اس سال کے بعد خانہ کعبہ میں کوئی مشرک نہ داخل ہو۔ کوئی شخص برہنہ طواف نہ کرے (جاہلیت میں برہنہ ہو کر طواف کرنے کا دستور تھا) جس کسی کا رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ تھا اُس کا معاہدہ تمام ہوگیا حضرت علیؓ نے اس اعلان سے قبل سورۂ براءت کی تیس یا چالیس اور بقول مجاہد تیرہ آیات پہلے تلاوت کی تھیں اور بعد کو بلند آواز سے پکار کر اعلان کیا تھا۔ بعض کافروں نے اس اعلان کا جواب دیا کہ اے علی اپنے بھائی سے کہدیجو کہ ہم نے خود معاہدہ کو پس پشت ڈالا۔ اب تلوار ہے یا تیر۔

مقصود بیان:۔ کفار کی عہد شکنی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فسخ معاہدہ کرنے کے اعلان کا حکم اور اس بات کی صراحت کہ کفار کتنا بھی نقض معاہدہ کریں اور کتنی بھی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کریں مگر خدا کے پنجہ سے چھوٹ نہیں سکتے۔ بالآخر مسلمان ان پر غالب آئینگے اور ان کو ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ شرک ہی بڑا گناہ ہے۔ اللہ اور اُس کا رسول اہل شرک سے بیزار ہیں خواہ مشرک کوئی ہوں۔ آیات میں مشرکوں کو توبہ کی تلقین بھی کی گئی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ مسلمان ہوجانا تمہارے

حق میں بہتر ہے۔ اس بات کی بھی صراحت ہے کہ اللہ نے جو فسخ معاہدہ کا حکم دیا ہے وہ ظلم پر مبنی نہیں ہے نہ یہ شکست معاہدہ ہے نہ تمام مشرکوں سے کئے ہوئے معاہدات کو ٹھکرایا ہے نہ اسلام جنگجو مذہب ہے بلکہ فسخ معاہدہ کا حکم صرف اُن لوگوں سے ہے جنہوں نے خود عہد شکنی کی۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف دوسری قوموں کو مدد دی اور خود تکمیل وعدہ میں قصور کیا۔ اس سے ضمنی طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ مشرکوں نے تو بغیر اعلانِ فسخ کے معاہدہ کی شکست کی مگر اسلام اتنا تنگ نظر اور پست حوصلہ مذہب نہیں کہ اعلان فسخ سے اندیشہ کرے اور چپکے چپکے بغیر اعلان کے معاہدہ کی خلاف ورزی شروع کر دے۔ آیات کی صراحت سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور بطریق مفہوم مخالف یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ نماز نہ پڑھیں یا زکوٰۃ نہ دیں اُن سے لڑنا اور جہاد کرنا لازم ہے خواہ وہ فرضیت سے انکار کریں یا نہ کریں۔ بسہولت تبلیغ احکام کے لئے اللہ نے مشرکوں کو قرآن سننے اور ہدایت یاب ہونے کے لئے مسلمانوں سے ملنے کی اجازت دیدی ہے اور مسلمانوں کو حکم دیدیا ہے کہ ان کو پناہ دو اور قرآن سُناؤ جب وہ کلام اللہ سُن چکیں تو اُن کو اپنے ٹھکانے پہنچا دو۔ وغیرہ

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ
الله اور اُس کے رسول کے نزدیک مشرکوں کا عہد

عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ
کس طرح رہ سکتا ہے مگر ہاں جن سے

عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا ہے

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا
تو جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم بھی اُن سے سیدھے

لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝
رہو بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا
صلح کیونکر رہ سکتی ہے حالانکہ اُن کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو نہ کسی

فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ
قرابت کا خیال رکھیں گے نہ کسی عہد کا وہ اپنی

بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ
زبانی گفتگو سے تم کو راضی کر رہے ہیں مگر اُن کے دل نہیں مانتے اُن میں سے اکثر

فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
بدکار ہیں اُنہوں نے آیاتِ خدا کے عوض

ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ
تھوڑے سے دام لے لئے اور راہِ خدا سے لوگوں کو روکا

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ
بلاشبہ بری حرکتیں ہیں جو وہ کر رہے ہیں کسی مسلمان

فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ
کے بارہ میں وہ نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں نہ عہد کا یہی

هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا
زیادتی کرنے والے ہیں پس اگر وہ توبہ کریں اور باقاعدہ

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ
نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے

فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
دینی بھائی ہیں اور ہم ناواقف لوگوں کے لئے احکام کھول کر

يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ
بیان کرتے ہیں اور اگر عہد کے بعد وہ اپنی قسمیں

بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ
توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ
تو کفر کے پیشواؤں سے لڑو بلاشبہ ان کی قسمیں کچھ بھی قابل اعتبار

لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ○

نہیں ہیں شاید وہ باز آجائیں

تفسیر گذشتہ آیات میں مشرکوں کے معاہدہ کو فسخ کردینے کا حکم تھا مگر وجہ فسخ کوئی نہیں بتائی گئی۔ ان آیات میں وجوہ فسخ بیان فرماتا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے قریب معاہدہ کیا تھا (یعنی قریش یا بنی کنانہ اور بنو ضمرہ) اُن کو چھوڑ کر دیگر مشرکوں سے جو معاہدہ کیا گیا تھا وہ اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک کیونکر باقی رہ سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم اسکو باقی نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ اُن میں چند ایک صفات قبیحہ اور عہد شکن عادات ہیں (۱) اُن کی یہ حالت ہے کہ اگر اُن کا دست رس ہو اور تم پر قابو چل جائے تو پھر نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کرینگے نہ عہد و میثاق کا۔ (۲) وہ تم کو خوش کرنے کے لئے زبانی چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں مگر اُن کے دل پھرے ہوئے ہیں اور اُن کے ارادوں میں کھوٹ ہے۔ (۳) اگرچہ کافر سب ہیں مگر اُن میں سے اکثر حالت کفر میں بھی اچھے عادات اور عمدہ اطوار نہیں رکھتے بلکہ بیشتر حصہ فاسق ہے (۴) انہوں نے دنیا کے حقیر فوائد کے عوض احکام الٰہی کو فروخت کر دیا یعنی اپنی ریاست و سرداری قائم رکھنے کے لئے احکام الٰہی کو نہ مانا اور دوسروں کو بھی راہ حق سے روکا۔ ممکن ہے اس سے یہودیوں کی طرف اشارہ ہو جنہوں نے رشوتیں لیکر تحریف کر دی تھی۔ (۵) نہ فقط تم سے ان کو بیر ہے بلکہ ہر مؤمن سے ان کو دشمنی ہے کسی ایماندار کے حق میں ان کو قرابت اور عہد و پیمان کا کوئی لحاظ نہیں رہتا (۶) زیادتی انہی کی طرف سے ہوئی یہی حد مقررہ سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ لہذا اللہ اور اللہ کا رسول بھی ان کے معاہدہ کو برقرار نہیں رکھتا اور فسخ معاہدہ کرتا ہے۔ لیکن یہ عہد شکن لوگ اگر مسلمان ہو جائیں اور مسلمانوں کی طرح اسلام کے فرائض ادا کرنے لگیں تو وہ دینی بھائی ہوگئے۔ اُن کے احکام مسلمانوں کی طرح ہیں۔ اب رہے وہ لوگ جن سے کعبے کے قریب یعنی بمقام حدیبیہ تم نے صلح کی تھی اور دس سال کیلئے معاہدہ کیا تھا تو ان کا معاہدہ بدستور باقی ہے بشرطیکہ وہ اپنے عہد پر قائم رہیں جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو اور اگر وہ شکست معاہدہ کر دیں اور دین اسلام پر طعنہ زنی کریں تو بس تلوار پکڑو۔ یہ سب کفر کے سرغنہ ہیں ان کو مارو۔ آئندہ کیسی ہی قسمیں کھاکر کے ساتھ عہد کریں ایک نہ سنو۔ ان کے عہد و میثاق کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ سزا اُن کو صرف اس لئے دو کہ دوسرے لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور معاہدہ کی خلاف ورزی سے باز آجائیں۔

ابن کثیر نے اسی جگہ سے استنباط کیا ہے کہ جو شخص حضور اقدس صلعم کی شان میں بدگوئی کرے یا کوئی عیب لگائے یا حضور کی کسی حالت پر طعنہ زنی کرے وہ واجب القتل ہے

أَئِمَّةَ الْكُفْرِ سے کون لوگ مراد ہیں؟ قتادہ نے ائمۃ الکفر کی مثال میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف وغیرہ مشرکین کے اسما بیان کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ائمۂ کفر تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ایک خارجی کی طرف سے گذرے اُس نے بطور طعن کے کہا یہ شخص بھی ائمۂ کفر میں سے ہے۔ سعد نے فرمایا بدبخت جھوٹے ہیں ایسا نہیں ہوں بلکہ میں نے تو ائمۂ کفر سے قتال کیا ہے (ابن مردویہ) حذیفہ رضہ سے مروی ہے کہ جو لوگ اس آیت سے مراد ہیں ابھی تک اُن سے قتال نہیں ہوا۔ حضرت علیؓ سے ایسا ہی مروی ہے۔ یعنی آئندہ آنے والے ہیں۔ مجاہد کی روایت ہے کہ ائمۂ کفر اہل فارس روم تھے۔ حسن بصری نے اہل دیلم کو مراد لیا ہے۔ صدیق اکبرؓ نے جب مسلمانوں کا لشکر ملک شام کی طرف بھیجا تو فرمایا عنقریب تم کو ایسے کافر لوگ ملینگے جن کے سروں کی چند یا منڈی ہوئی ہوگی اور آس پاس بال ہونگے پس شیطان کے قدمچہ پر تلواریں مارنا۔ قسم ہے اللہ کی اگر میں اُن میں سے ایک کو قتل کر ڈالوں تو وہ سب ستر کافروں کو قتل کرنے سے مجھے زیادہ پسند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ الآیہ (رواہ ابن ابی حاتم) یعنی وہ کفار جن کی صدیق اکبرؓ نے شناخت بتادی تھی بڑے مفسد تھے۔ اللہ اور اُس کے رسول کی شان میں گستاخ باتیں کہتے اور بہتان تراشیاں کیا کرتے تھے اور چونکہ وہ دولتمند تھے اس لئے کفر کو اُن سے بہت ترقی ہوتی تھی اور عام فساد پھیلتا تھا لیکن محققین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ائمۂ کفر سے خاص افراد مراد نہیں ہیں۔ قریش کے سرداران ہوں یا دیگر قبائل عرب کے یا اسرائیلیوں کے پیشوا یا بعد کو آنے والے سرداران کفر یہاں تک کہ اس زمانہ میں جو لوگ کفر کے سرغنہ مسلمانوں کے قطعی دشمن اسلام اور رسول اسلام پر طعن کرنے والے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ہر وقت کوشش کرنے والے ہیں وہ سب ائمۂ کفر ہیں اور سب کا ایک ہی حکم ہے۔

مقصود بیان:- اس بات کی صراحت کہ فسخ معاہدہ میں مسلمانوں کا کوئی قصور نہیں بلکہ کفار نے نقض عہد میں پیشدستی کی مگر مجبور تھے بس نہ چل سکا ورنہ ان کو عہد پیمان یا دوستی و قرابت کا لحاظ پاس نہ تھا اُن کو ہر مؤمن سے دشمنی ہے لہذا ایسی عہد شکن غدار قوم سے کسی طرح کا معاہدہ قائم رکھنا خلاف مصلحت اور پست حوصلگی ہے۔ آیات سے واضح طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ اسلام عدل و مساوات

کا علمبردار ہے۔ مسلمانوں کو اپنی طرف سے اقدام کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ مدافعانہ کارروائی کرنے کا حکم دیتا ہے یعنی جیسا معاملہ کفار تم سے کریں ویسا ہی تم اُن سے کرو۔ وہ پابندی عہد کریں تو تم بھی پابندی کرلو۔ وہ خلاف ورزی کریں تم بھی ایسا ہی کرو مگر پہلے اعلان نامہ فسخ کردو تاکہ کفار دھوکہ میں نہ رہیں۔ وغیرہ۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ

تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں

وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم

اور رسول کو نکال دینے کا ارادہ کیا اور انہوں نے ہی

بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ

پہلی مرتبہ تم سے چھیڑ شروع کی کیا تم اُن سے ڈرتے ہو

فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم

اگر تم ایماندار ہو تو (سمجھ لو کہ) اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم

مُّؤْمِنِينَ ○ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ

اُس سے ڈرو تم اُن سے لڑو تمہارے ہاتھوں سے

اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ

اللہ اُن کو سزا دے گا رسوا کرے گا اور تم کو اُن پر فتحیاب

عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ

کرے گا اور مسلمانوں کے دل ٹھنڈے کرے گا

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ

اور اُن کے دلوں کی جلن دور کرے گا اور جس شخص پر چاہتا ہے

اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

اللہ مہربانی فرماتا ہے اور اللہ دانا

حَكِيمٌ ○

و با حکمت ہے

تفسیر

جو لوگ کہتے ہیں کہ کل سورۂ براءت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اُن کے نزدیک ان آیات میں جن لوگوں سے لڑنے کی ترغیب دی گئی ہے اُن سے مراد خاندان قریظہ کے یہودی ہیں جنہوں نے آپس میں اسکیمیں بنائی تھیں کہ رسول اللہؐ کو مدینہ سے نکال دینا چاہیئے بلکہ بعض نے تو فریب سے قتل کردینے کا ارادہ بھی کیا تھا مگر خدا نے اُن کا فریب کھول دیا۔ ارادۂ قتل کی تفصیل کتب احادیث میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ متعدد مرتبہ عہد شکنی بھی کرچکے تھے۔ ایک مرتبہ معاہدہ کیا اور معاہدہ کے خلاف مشرکین کو امداد دینے کا وعدہ کیا پھر عذر معذرت کرکے وعدہ کیا اور وعدہ شکنی کرکے جنگ احزاب میں مشرکوں کو مدد دی۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں

لیکن اکثر محققین کے نزدیک آیات میں قریش کی بدعہدی کی طرف اشارہ ہے جب ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہؐ نے عمرہ کرنے کے لئے مکہ کا قصد کیا اور تقریباً سو آدمیوں کو ہمراہ لیکر روانہ ہوئے اور مکہ سے نو میل ورے بمقام حدیبیہ پہنچے تو کفار مکہ نے روک دیا اور مارنے مرنے کو تیار ہوگئے۔ حضور جنگ کے خواستگار نہ تھے بالآخر صلح ہوگئی معاہدہ قرار پایا عہدنامہ لکھا گیا جس کے چند دفعات یہ تھے مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے چلے جائیں۔ آئندہ سال آکر عمرہ کریں لیکن تین روز سے زائد مکہ میں نہ ٹھہریں۔ برہنہ ہتیار لیکر مکہ میں داخل ہوں۔ ہمارے اور ہمارے حلیفوں کے خلاف کوئی کارروائی دس سال تک نہ کریں۔ ہم بھی مسلمانوں پر چڑھائی نہ کرینگے اور نہ اُن قوموں کو ستائینگے جن کا معاہدہ مسلمانوں سے ہوگا۔ غرض حضور واپس تشریف لے آئے۔ کچھ ہی مدت کے بعد قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی جسکی صورت یہ ہوئی کہ اطراف مکہ میں بکر بن وائل کا خاندان آباد تھا اس خاندان کا قریش سے عہد و پیمان تھا گویا قبائل بکر قریش کے حلیف تھے انہی کے قریب قبیلۂ خزاعہ بھی رہتا تھا۔ قبیلۂ خزاعہ کا عہد و پیمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا گویا یہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ ایک تو خزاعہ نے عبدالمطلب جد رسول اللہؐ سے معاہدہ کیا تھا جسکو رسول پاکؐ نے قائم و برقرار رکھا تھا۔ دوسرے خود حضورؐ سے بھی اُن کا قول قرار ہوگیا تھا اور ہر دو فریق نے مصیبت کے وقت ایک دوسرے کی شرکت کا وعدہ کرلیا تھا۔ قبیلۂ بکر اور قبیلۂ خزاعہ میں دیرینہ عداوت تھی ایک بار قبیلۂ بکر کا ایک آدمی دف بجا بجا کر رسول پاکؐ کو کچھ بُرا کہہ رہا تھا۔ خزاعہ کے ایک شخص نے اُسکو منع کیا اُس نے نہ مانا۔ خزاعی نے اُس کا دف توڑ ڈالا۔ اُس نے اپنی قوم سے فریاد کی دونوں قبیلوں میں لڑائی شروع ہوگئی۔ قبیلۂ بکر نے قریش سے مدد طلب کی قریش کا اگرچہ مسلمانوں سے معاہدہ ہوچکا تھا لیکن اس خاندانہ

کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہ سرداران قریش نے بھیس بدل کر قبیلۂ بکر کے شریک ہو کر قبیلۂ خزاعہ پر شبخون مارا اس پر خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم مدینہ پہنچا اور دربار رسالت میں حاضر ہو کر منظوم فریاد پیش کی حضور کو سخت تکلیف ہوئی اور آپ نے قریش پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن قریش کی طرف سے مسلمانوں کو اندیشہ تھا اُس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جن میں چند باتیں ظاہر فرمائیں۔ کافروں نے سب سے پہلے عہد شکنی کی۔ دار الندوہ میں مشورہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر بدر ہونے پر مجبور کیا۔ سب سے اول چھیڑ اُنہی کی طرف سے ہوئی تمہارے ہاتھوں اللہ اُن کو ذلیل کرے گا اور تم کو فتحیاب کریگا۔ کوئی صورت خلاف ارادہ ایسی پیش آئے گی جس سے تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔ اُن میں سے وہ لوگ مسلمان ہو جائینگے جن کا مسلمان ہونا خدا کو منظور ہوگا۔ گویا مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دینے کے لئے تین گذشتہ اسباب جنگ ظاہر کئے اور تین باتوں کا آئندہ کے لئے وعدہ کیا سو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہجرت کے آٹھویں سال حضورؐ نے مکہ پر لشکر کشی کی کفار پر رعب چھا گیا۔ ابوسفیان نے حاضر ہو کر اہل مکہ کے لئے تجدید معاہدہ کرنا چاہا۔ مگر حضورؐ نے انکار کر دیا اور بالآخر نہایت شان شوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ سب لوگ عاجزانہ طور پر حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے سرداران مشرکین کی درخواست پر اُن کو امان دی لیکن ایک گروہ لڑائی پر اڑ گیا اور مارا گیا پھر حضورؐ نے خالد بن ولیدؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ اب کسی کو قتل نہ کرو حکم سننے میں قاصد کو کچھ غلطی ہوئی۔ اُس نے جا کر ایسے مشتبہ الفاظ کہے جن سے صراحتہً قتل سے دست کشی کا مفہوم نہ نکلتا تھا کچھ دیر بعد کو بھی قتال جاری رہا اور اس طرح بلا ارادہ اہل اسلام اور قبیلۂ خزاعہ والوں کے دل ٹھنڈے ہوئے۔ اس کے بعد اہل مکہ میں سے بعض حضرات مسلمان بھی ہو گئے۔ مثلاً ابوسفیان، معاویہ، عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور خدا تعالیٰ کی تینوں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ اس توضیح پر ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے مانا جائیگا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک صحیح بھی یہی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! تم ایسی قوم سے جہاد کیوں نہیں کرتے جس نے اپنے پختہ معاہدوں کو توڑا یعنی قبیلۂ خزاعہ پر شبخون مارا اور رسول اللہ کو شہر سے نکال دینے کا ارادہ کیا یعنی قتل کا ارادہ کیا جس سے بچنے کے لئے رسول اللہ نے وطن کو چھوڑا۔ اور انہوں نے ہی سب سے پہلے چھیڑ کی یعنی بلا قصور تم کو ایذا پہنچانے اور پیٹنے کرنے اور طرح طرح سے تکلیفیں دینے کی ابتدا اُنہی کی طرف سے ہوئی لہذا تم کو اس ظلم و فساد کی بیخ کنی کرنے اور ان سے لڑ کر عدل و انصاف پھیلانے میں کونسی بات مانع ہے۔ کیا تم کو ان سے ڈر لگتا ہے یعنی کیا تم کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ اُن کی طاقت زبردست ہے ہم کو اُن کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہوگی حالانکہ تم کو خوف تو بس خدا سے چاہئے یعنی اُسی کی طاقت سب سے بڑی ہے ان کی طاقت خدا کی طاقت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ لہذا اگر تمہارا ایمان پختہ ہے تو تم اُن سے ہرگز نہ ڈرو بلکہ اُن سے لڑو اللہ وعدہ کرتا ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے اُن کو برباد کرائیگا اُن کو رسوا کریگا تم کو اُن پر فتحیاب کرے گا اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کریگا پھر اُس کی ازلی مشیت میں جسکی قسمت میں ایمان و اسلام لکھا ہوگا اُس کو مسلمان ہونے کی توفیق دیگا اور اُس کی توبہ قبول کرے گا وہی اپنے اسرار و مصالح کو خوب جانتا ہے۔

مقصود بیان: مسلمانوں کو فتح کی ترغیب۔ اس امر کی صراحت کہ اگر تم قریش پر چڑھائی کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے اقدام نہ ہوگا بلکہ اپنے تحفظ و بقا کے لئے مدافعانہ کارروائی ہوگی کیونکہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی ابتدا قریش ہی کی طرف سے ہوئی شروع سے یہ تکلیفیں دیتے چلے آئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے شہر بدر کیا مسلمانوں کو انہوں نے ایذا رسانی پھر اسی پر بس نہ کیا بلکہ اب معاہدہ کے بعد خود ہی چھیڑ کی۔ آیات میں تین پیشین گوئیاں ہیں مسلمانوں کو فتحیاب کرنے کی اُن کے دل ٹھنڈا کرنے کی اہل مکہ میں سے بعض لوگوں کے مسلمان ہونے کی وغیرہ۔ آیات سے ضمنی طور پر مستنبط ہوتا ہے کہ اگر کفار کی طرف سے شکست معاہدہ ہو تو مسلمانوں کو بھی معاہدہ کی پابندی نہ کرنی چاہئے اور کفار کی طرف بڑھنا چاہئے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ
کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم یونہی چھوٹ جاؤ گے حالانکہ اللہ نے تم میں

اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا
سے ابھی تک اُن لوگوں کو ممتاز نہیں کیا جو جہاد کرتے ہیں اور اللہ

مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ
اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو چھوڑ کر اوروں کو دوست نہیں

وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ع ٨
بناتے ہیں اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کو اُس کی سب خبر ہے

کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل
بن عمرو وغیرہ سرداران قریش نے بھیس بدل کر قبیلۂ بکر کے شریک
ہو کر قبیلۂ خزاعہ پر شبخون مارا اس پر خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم
مدینہ پہنچا اور دربار رسالت میں حاضر ہو کر منظوم فریاد پیش کی حضور کو
سخت تکلیف ہوئی اور آپ نے قریش پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن
قریش کی طرف سے مسلمانوں کو اندیشہ تھا اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیات
نازل فرمائیں جن میں چند باتیں ظاہر فرمائیں کہ کافروں نے سب سے
پہلے عہد شکنی کی - دار الندوہ میں مشورہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم کو شہر بدر ہونے پر مجبور کیا۔ سب سے اول چھیڑ انہی کی طرف سے ہوئی
تمہارے ہاتھوں اللہ ان کو ذلیل کرے گا اور تم کو فتحیاب کریگا - کوئی
صورت خلاف ارادہ ایسی پیش آئے گی جس سے تمہارے دل ٹھنڈے
ہوں - ان میں سے وہ لوگ مسلمان ہو جائینگے جن کا مسلمان ہونا خدا
کو منظور ہوگا - گویا مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دینے کے لئے تین گذشتہ
اسباب جنگ ظاہر کئے اور تین باتوں کا آئندہ کے لئے وعدہ کیا سو
چنانچہ ایسا ہی ہوا - ہجرت کے آٹھویں سال حضورؐ نے مکہ پر لشکر کشی کی
کفار پر رعب چھا گیا - ابو سفیان نے حاضر ہو کر اہل مکہ کے لئے تجدید
معاہدہ کرنا چاہا - مگر حضورؐ نے انکار کر دیا اور بالآخر نہایت شان
شوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے سب لوگ عاجزانہ طور پر
حاضر ہوئے - حضورؐ نے سرداران مشرکین کی درخواست پر ان کو
امان دی لیکن ایک گروہ لڑائی پر اڑ گیا اور مارا گیا پھر حضورؐ نے خالد
بن ولیدؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ اب کسی کو قتل نہ کرو حکم سننے میں
قاصد کو کچھ غلطی ہوئی - اس نے جا کر ایسے مشتبہ الفاظ کہے جن سے
صراحۃً قتل سے دست کشی کا مفہوم نہ نکلتا تھا کچھ دیر بعد تک بھی قتال
جاری رہا اور اس طرح بلا ارادہ اہل اسلام اور قبیلۂ خزاعہ والوں
کے دل ٹھنڈے ہوئے - اس کے بعد اہل مکہ میں سے بعض حضرات
مسلمان بھی ہو گئے - مثلاً ابو سفیان، معاویہ، عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ
حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور خدا تعالیٰ کی تینوں پیشین گوئیاں پوری
ہوئیں - اس توضیح پر ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے مانا جائیگا - اکثر
مفسرین کے نزدیک صحیح بھی یہی ہے -

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! تم ایسی قوم سے جہاد کیوں نہیں
کرتے جس نے اپنے پختہ معاہدوں کو توڑا یعنی قبیلۂ خزاعہ پر شبخون
مارا اور رسول اللہ کو شہر سے نکال دینے کا ارادہ کیا یعنی قتل کا
ارادہ کیا جس سے بچنے کے لئے رسول اللہؐ نے وطن کو چھوڑا - اور انہوں
نے ہی سب سے پہلے چھیڑ کی یعنی بلا قصور تم کو ایذا پہنچانے مار پیٹ
کرنے اور طرح طرح سے تکلیفیں دینے کی ابتدا انہی کی طرف سے ہوئی
لہذا تم کو اس ظلم و فساد کی بیخ کنی کرنے اور ان سے لڑ کر عدل و انصاف
پھیلانے میں کونسی بات مانع ہے - کیا تم کو ان سے ڈر لگتا ہے یعنی کیا
تم کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان کی طاقت زبردست ہے ہم کو
ان کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہوگی حالانکہ تم کو خوف تو بس خدا سے
چاہئے یعنی اسی کی طاقت سب سے بڑی ہے ان کی طاقت خدا کی طاقت
کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں - لہذا اگر تمہارا ایمان پختہ ہے تو تم ان سے
ہرگز نہ ڈرو بلکہ ان سے لڑو اللہ وعدہ کرتا ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے
سے ان کو برباد کرائیگا ان کو رسوا کریگا تم کو ان پر فتحیاب کرے گا اور
مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کریگا پھر اس کی ازلی مشیت میں جسکی
قسمت میں ایمان و اسلام لکھا ہوگا اس کو مسلمان ہونے کی توفیق
دیگا اور اس کی توبہ قبول کرے گا وہی اپنے اسرار و مصالح کو خوب
جانتا ہے -

مقصود بیان: مسلمانوں کو فتح کی ترغیب - اس امر کی صراحت
کہ اگر تم قریش پر چڑھائی کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے اقدام نہ ہوگا بلکہ
اپنے تحفظ و بقا کے لئے مدافعانہ کارروائی ہوگی کیونکہ معاہدہ کی خلاف
ورزی کی ابتدا قریش ہی کی طرف سے ہوئی شروع سے یہ تکلیفیں دیتے
چلے آئے ہیں - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے شہر بدر کیا مسلمانوں
کو انہوں نے ایذا رسانی پھر اسی پر بس نہ کیا بلکہ اب معاہدہ کے بعد
خود ہی چھیڑ کی - آیات میں تین پیشین گوئیاں ہیں مسلمانوں کو فتحیاب کرنے
کی ان کے دل ٹھنڈا کرنے کی اہل مکہ میں سے بعض لوگوں کے مسلمان
ہونے کی وغیرہ - آیات سے ضمنی طور پر مستنبط ہوتا ہے کہ اگر کفار کی طرف
سے شکست معاہدہ ہو تو مسلمانوں کو بھی معاہدہ کی پابندی نہ کرنی چاہئے
اور کفار کی طرف بڑھنا چاہئے -

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم یونہی چھوٹ جاؤ گے حالانکہ اللہ نے تم میں

اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا

سے ابھی تک ان لوگوں کو ممتاز نہیں کیا جو جہاد کرتے ہیں اور اللہ

مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ

اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو چھوڑ کر اوروں کو دوست نہیں

وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ ع ۱۰ ۸

بناتے ہیں اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کو اس کی سب خبر ہے

تفسیر

اوپر آیات میں قتال و جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور کافروں کی طرف سے اسباب قتال کی ابتدا ظاہر کرنے کے بعد حکمت قتال یہ بیان کی تھی کہ اللہ کافروں کو ذلیل رسوا اور مغلوب کرنا چاہتا ہے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرنا مقصود ہے اسلئے تمہارے ہاتھوں سے اُن کو تباہ کرنے کا حکم دیا لیکن اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ کافروں کی ذلت رسوائی اور تباہی تو بغیر جہاد کے بھی ممکن تھی خدا تعالیٰ کچھ غیبی اسباب پیدا کر دیتا یا کافروں میں باہم جنگ و جدال کا سلسلہ قائم کر دیتا اور وہ خود ایک دوسرے کو تباہ کر دیتے مسلمانوں کو کشمکش میں ڈالنے اور مصائب جہاد میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس شبہ کو دفع کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ قتال سے مقصود فقط ذلت کفار ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی آزمائش بھی مقصود ہے اور اہل ایمان کا اہل نفاق سے امتیاز غرض ہے خواہ مخواہ یونہی بغیر امتحان و امتیاز کے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ابھی تک منفصل طور پر یہ ظاہر نہیں ہوا کہ مدعیان اسلام میں سے کون ہیں وہ لوگ جنہوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا اور رضا و رسول کی خوشنودی حاصل کی ہو اور گروہِ اسلام کو قوت پیدا کی ہو لہٰذا یہ ایک کسوٹی ہے تم ضرور اس پر کسے جاؤ گے جو اس پر کھرا نکلا وہی حقیقی ایماندار ہے ورنہ منافق ہے۔

مقصود بیان:- جہاد کا حکم محض اس لئے نہیں ہوا کہ کافر ذلیل و رسوا ہو جائیں بلکہ اس سے مقصود اہل اسلام کی آزمائش اور مومن و منافق کا امتیاز بھی ہے۔ جہاد سے پہلے اگرچہ خدا کو ہر ایک کی حالت معلوم تھی مگر عام طور پر نفاق و ایمان کا اظہار نہ ہوا تھا اسلئے جہاد کا وجوب ہوا۔ جو جہاد میں ثابت قدم رہے اور دل سے شریک قتال ہوئے وہ سچے مومن ہیں اور جنہوں نے مصائب جہاد برداشت کرنے سے گریز کیا وہ منافق ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف کافروں سے دوستی کرنا حرام ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ

مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں

شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ

اور اپنے اوپر کفر کی گواہی بھی دیتے جائیں انہی لوگوں کے اعمال اکارت

أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ إِنَّمَا يَعْمُرُ

ہو گئے اور یہی دوزخ میں ہمیشہ رہینگے اللہ کی مسجدیں تو صرف وہی

مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ

آباد کرتا ہے جو اللہ اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو نماز باقاعدہ

الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۖ فَعَسَىٰ

پڑھتا ہو زکوٰۃ دیتا ہو اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرتا ہو توقع ہے کہ

أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ

یہی لوگ کامیاب ہوں گے کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے

وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اُس شخص کی طرح قرار دیا ہے جو اللہ اور روز آخرت

وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ

پر ایمان رکھتا ہے اور راہ خدا میں جہاد کرتا ہے خدا کے نزدیک

عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

یہ برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت

الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا

نہیں کرتا جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑا

وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ

اور جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا

وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ

خدا کے نزدیک اُن کا مرتبہ بہت بڑا ہے

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ

اور وہی مراد پانے والے ہیں اُن کا رب اُن کو

رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ

اپنی رحمت و خوشنودی کی اور اُن گھنے باغوں

لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا

(میں) داخل ہونے کی خوشخبری دیتا ہے جن میں دائمی آرام ہوگا وہ ہمیشہ ان کے اندر

أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

رہیں گے بلاشبہ اللہ کے ہاں بڑا ثواب ہے

تفسیر

ان آیات کے سبب نزول میں مختلف قصے وارد ہیں مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو اُنہوں نے مشرکوں کے فضائل شمار کرنا شروع کئے اور کہنے لگے ہم لوگ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے ہیں ہم بھی نیکی کرنے میں مومنوں سے کم نہیں۔

ابن جریر نے بروایت محمد بن کعب قرظی بیان کیا ہے کہ ایک بار تین آدمی ایک جگہ جمع ہوئے۔ عثمان بن طلحہ۔ عباس رضی اور حضرت علی رضی۔ عثمان نے کہا مجھے یہ فضیلت حاصل ہے کہ کعبہ کی کنجی میرے پاس ہے۔ میں چاہوں تو کعبہ کے اندر سو بھی سکتا ہوں۔ عباس رضی نے کہا میں زمزم کا پانی حاجیوں کو پلاتا ہوں مجھے بھی کعبہ کے اندر سونے کا استحقاق ہے۔ حضرت علی رضی نے فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگ کیا کہتے ہو؟ میں نے لوگوں سے چند مہینے پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور میں صاحب جہاد بھی ہوں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ سدی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ رواہ عبدالرزاق باسناد وعن الحسن۔

نعمان بن بشیر انصاری رضی فرماتے ہیں میں چند صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں ممبر اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ صحابہ میں باہم گفتگو ہونے لگی کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ ایک نے کہا مسلمان ہونے کے بعد اگر میں حاجیوں کو پانی پلانے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں یعنی ایمان کے بعد سب سے بہتر عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے۔ دوسرے نے کہا نہیں بلکہ مسجد حرام کی تعمیر سب سے افضل عمل ہے۔ تیسرے نے کہا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس سے بھی بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی نے ان سب کو جھڑک دیا اور فرمایا رسول اللہ صلعم کے ممبر کے پاس شور مت مچاؤ۔ میں جمعہ پڑھ کر حضور گرامی صلعم کی خدمت میں حاضر ہونگا اور حضور صلعم سے اس کے متعلق دریافت کرونگا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی نے یہی کیا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ تا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ آیات نازل فرمائیں۔

قال ابن کثیر وقد رواہ مسلم وابوداؤد وابن جریر وابن مردویہ وابن ابی حاتم وابن حبان وغیرہم۔

خلاصہ یہ نکلا کہ ایام حج میں مکہ کے مشرک حاجیوں کو پانی پلایا کرتے تھے اور خانہ کعبہ کے متولی بھی تھے اور اُن کو اپنی ان نیکیوں پر اسلامی فضائل کے مقابلہ میں فخر تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں بعض اوقات اختلاف ہوا تھا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات نازل فرمائیں۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مساجد الٰہی کی تعمیر کرنا مشرکوں کا کام نہیں۔ کیونکہ ان کی جڑ ہی صحیح نہیں پھر عمدہ شاخیں اور اچھے پھل کیسے پیدا ہو سکتے ہیں وہ کفر کے مقر اور شرک کے مرتکب ہیں اور مساجد کی تعمیر (خواہ اس صورت سے ہو کہ اُن کی عمارت بنائی جائے خواہ اُن کی آراستگی کی جائے اُن کو روشن صاف اور خوبصورت رکھا جائے) خلوص اور ایمان پر مبنی ہے اور کافروں میں ایمان کی بُو بھی نہیں اس لئے ان کی ساری نیکیوں کو ان کے کفر نے برباد کر دیا اور ان کے اچھے کام کالعدم ہو گئے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہینگے۔ مساجد کی تعمیر اور اُن کو پُر رونق رکھنا تو صرف اُنہی لوگوں کا کام ہے جن کے عقائد اور اعمال درست ہوں اور دینی امور میں اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ یہ نیکیاں اُن کو سعادت کا راستہ بتانے والی ہیں اور یقینی امید ہے کہ ایسے ہی لوگ سیدھے راستہ پر ہیں۔ کیا کافروں کا حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو بنانا اُن لوگوں کے فعل کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کو اور روزِ آخرت کو مانتے اور راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ کیا یہ دونوں گروہ برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں جو لوگ اللہ کو مانتے ہیں راہ حق میں اُنہوں نے ترک وطن کیا ہے اور مولا کے راستہ میں جان مال سے لگے ہوئے ہیں اُن کا درجہ کہیں بڑا ہے بس یہی کامیاب و بامراد ہیں انہی کو اللہ اپنی رحمت و خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور انہی کو دوامی جنت ملے گی۔

تحلیل اجزاء

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ میں تعمیر سے مراد بطور عموم مجاز کے حقیقی عمارت بنانا اور مسجد کو پُر رونق رکھنا بہر طور اُس کو آباد کرنا ہے۔ بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ فرش سے مسجد کو آراستہ رکھنا، چراغ روشن کرنا ہمیشہ اُس میں یاد الٰہی کرنا علم شریعت پڑھنا پڑھانا اور ہر قسم کی دنیوی باتوں سے اُس کو خالی رکھنا سب کچھ تعمیر مسجد کی شاخیں ہیں اور آیت سب کو حاوی ہے۔

لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ میں اختیاری خوف کی نفی ہے اور دینی امور میں نہ ڈرنے کی تبلیغ ہے۔ رہا اضطراری خوف مثلاً شیر سے ڈرنا وغیرہ اس حکم کی مخالفت نہیں ہے۔

عَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا ابن عباس رضی کے نزدیک لفظ عسیٰ بمعنے تحقیق ہے یعنی اُن لوگوں کا ہدایت یافتہ ہونا یقینی اور قطعی ہے۔ میرے نزدیک عسیٰ کے لفظ کو استعمال کرنے میں ایک خاص نکتہ ہے۔ اس میں درحقیقت مشرکوں کی طمع کو روکنا اور اُن کو ملامت کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ صحیح عقائد رکھتے ہیں شرک اور کفر سے اُن کے خیالات پاک ہیں اور اعمال بھی اُن کے درست ہیں نماز پڑھتے زکوٰۃ دیتے اور راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں اُن کا حال تو نجاتِ آخرت کے متعلق امید کی حد سے آگے نہیں بڑھا پھر تم جو مشرک بداعمال ہونے کے کس برتے پر اپنے کو نجات یافتہ اور ہدایت یاب سمجھتے ہو۔ عسیٰ کا لفظ استعمال کرنے سے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کر دی کہ کبھی اپنے اعمال پر غرہ نہ کرنا۔ اللہ کی عظمت و جلال

کے مقابلہ میں مخلوق کو اپنے پندار و کردار پر غرور کرنا زیبا نہیں بلکہ ہمیشہ اپنی عاجزی اور فروتنی کو پیش نظر رکھ کر سربسجود رہنا ہی مناسب ہے۔

اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً الخ۔ چار امور اصلاح انسانی کے بنیادی پتھر ہیں۔ عقائد کی درستگی۔ بدنی فرائض کی ادائیگی۔ مالی حقوق کی ادائیگی اور چوتھے درجہ پر بدنی اور مالی ہر دو قسم کی قربانی۔ اول کی طرف خدا تعالیٰ نے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ سے اشارہ فرمایا۔ دوسرے نمبر کی طرف نماز پڑھنے سے اشارہ کیا تیسرے نمبر کی طرف زکوٰۃ دینے سے۔ چوتھے نمبر کی طرف ہجرت و جہاد کرنے سے۔ حاصل یہ نکلا کہ مسلمان کا عقیدہ بھی درست ہوتا ہے صرف بدنی فرائض بھی ادا کرتا صرف مالی حقوق بھی دیتا ہے اور اُن فرائض کی تکمیل سے بھی پیچھے نہیں ہٹتا جن کو ادا کرنے میں مالی اور بدنی قربانی کرنی پڑتی ہے پھر اس کا کافر سے مقابلہ ہی کیا اسکو اللہ کے ہاں جو اجر و مرتبہ حاصل ہوگا وہ کافر کو کسی طرح نہیں ہو سکتا اللہ کی رحمت اسی کے شامل حال ہو سکتی ہے اللہ کی خوشنودی اسی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی فوز عظیم کا مالک ہے اور یہی اجر جلیل کا مستحق ہے۔

مقصود بیان:۔ خواہ مخواہ فخر کرنے کی در پردہ ممانعت۔ مساجد کو تعمیر کرنے اُن کو آراستہ رکھنے اور ہر وقت اُن کو بھرپور رکھنے کی طرف ایماء۔ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی ترغیب بدنی اور مالی فرائض کو ادا کرنے کی ترغیب آمیز ہدایت ہجرت اور جہاد پر برانگیختگی۔ اس امر کی صراحت کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اگرچہ اچھا کام ہے مگر کافر کی کوئی نیکی مقبول نہیں اُس کا کفر سب نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ اُس کی نیکیاں اُسکو سعادت ابدی کا راستہ نہیں بتا سکتیں۔ کافروں کو کبھی فوز اور نجات حاصل نہ ہوگی۔ مسلمانوں سے قیامت کے دن خدا ناخوش نہ ہوگا۔ جنت ابدی چیز ہے کبھی اہل جنت کو جنت سے نہیں نکالا جائیگا وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ

مسلمانو! اپنے باپ بھائیوں کو

وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ

رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو

عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ

عزیز سمجھیں تم میں سے جو لوگ اُن کی رفاقت کریں گے

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ

وہی ظالم ہوں گے (اے محمدؐ) کہدو اگر

اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیبیاں

وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا

تمہاری برادری تمہارا کمایا ہوا مال

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ

اور وہ تجارت جس کے کساد کا تم اندیشہ کرتے ہو اور وہ مکانات

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

جن کو تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ

وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا

اُس کے رسول اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو حکم خدا

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

آنے تک منتظر رہو اور اللہ نافرمان لوگوں کو

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ع

ہدایت نہیں کرتا

تفسیر ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب مومنوں کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو بعض لوگوں کے بال بچے رونے چلانے اور اپنے سر پر ستوں سے لپٹنے اور کہنے لگے کہ ہم کو کیوں برباد کرتے ہو ہماری زندگی کا کیا سہارا ہے۔ اس پر وہ لوگ سست پڑ گئے اور کہنے لگے ہم مجبور ہیں ہجرت کرتے ہیں تو اپنے والدین بیوی بچے اور تمام اعزا اقارب سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے تجارت تباہ ہوتی ہے اور ہم برباد ہوتے ہیں اس لئے وطن چھوڑنا ہمارے لئے ناممکن ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ مقاتل کہتے ہیں کہ نو آدمی مرتد ہو کر کفار مکہ سے جا ملے تھے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اُن کے عزیز و اقارب کو اُن سے موالات کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اسباب نزول جزوی اور اعتبار عموم لفظ کا ہے۔ بات صرف یہ تھی کہ جب جہاد کا حکم ہوا تو

مسلمانوں کو بعض اوقات اپنے ماں باپ اولاد اور عزیزوں سے لڑنا پڑتا تھا جس سے باقتضائے بشری دل ہچکچاتا تھا۔ نیز ہجرت کا عمومی حکم ہوا تو اس سے بھی عزیزوں اور بھائی بندوں کو چھوڑنا پڑتا تھا اور تجارت تباہ ہوتی تھی۔ ان حالات کے پیش نظر آیات مذکورہ میں تنبیہ کی گئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! اگر تمہارے باپ بھائی کفر کو پسند کریں تو تم اُن سے دوستی قائم نہ رکھو ورنہ حقانیت سے ہٹ جاؤ گے۔ اسلام کے مقابلہ میں کفر کو پسند کرنا بڑی بے جا بات ہوگی اگر تم کو تمہارے اقارب، مال اور تجارت (جس کی تباہی کا تم کو اندیشہ ہے) اور مکانات اللہ سے اُس کے رسول سے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو ہجرت مت کرو اور دیکھو پھر خدا کیا کرتا ہے یعنی کچھ تمہاری ہجرت اور جہاد پر ہی موقوف نہیں ہے اللہ ویسے بھی اپنے دین کو غالب کرے گا اور تم دیکھ لوگے اور مکہ فتح ہو جائیگا اور تمام کفار مغلوب ہو جائیں گے اور مسلمان فتح یاب اور مالدار ہونگے اور پھر تم حسرت کروگے اور اپنی نافرمانی پر پچھتاؤ گے مگر بے سود ہوگا۔ جنہوں نے نافرمانی کی دل میں ٹھان لی ہو اللہ اُن کو ہدایت نہیں کرتا۔

تحلیل اجزاء

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ قرآن پاک میں مختلف مقامات میں کافروں کی موالات سے منع فرمایا ہے خواہ باپ بھائی ہوں لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ معاملات میں بھی موالات منع ہے اور ماں باپ کو نان نفقہ بھی نہ دیا جائے۔ یہ بات آیت سے مستفاد نہیں ہوتی۔ مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمان کا دل کافر سے نہ ملا ہوا ہو اور وہ کافروں کی طرفداری میں کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہو۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے والد جراح نے جب ابو عبیدہ کے سامنے بتوں کی بہت زیادہ تعریف کی اور بیٹے کو بُت پرستی کی طرف مائل کرنا چاہا تو ابو عبیدہ نے اُن کی تردید کی اور کوشش کی کہ کسی طرح وہ اُن کو اسلام سے نہ روکے مگر اُس نے نہ مانا تو ابو عبیدہؓ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور اس طور پر عدم موالات کا اظہار کیا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ الخ۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول اور احکامِ اسلام کی محبت مسلمان کے دل میں انتہائی درجہ پر ہونی چاہیئے۔ دنیا کا کوئی تعلق خواہ وہ فطری ہو یا غیر فطری مسلمان کو اللہ رسول اور اسلام کی محبت سے نہ روک سکے۔ لیکن اس محبت سے مراد اختیاری محبت ہے اضطراری محبت پر انسان مکلف نہیں ہے۔

امام احمد نے بروایت عبداللہ بن ہشام بیان کیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے ہم لوگ بھی حاضر تھے۔ عمرؓ نے عرض کیا خدا کی قسم یا رسول اللہ سوائے اپنی جان کے آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہ ہوگا جب تک اُس کو میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔ عمرؓ نے عرض کیا خدا کی قسم یا رسول اللہ اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں عمر اب تم پورے مؤمن ہوئے (رواہ البخاری) صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اُس خدا کی جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ میں اُس کو اُس کے والدین اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ میں بعض مفسرین کے نزدیک امر سے عذاب مراد ہے۔ جو لوگ مال و اقارب کی محبت میں پھنس کر ہجرت کرنے سے باز رہے تھے اُن کو (دنیوی یا اخروی) عذاب کی وعید ہے۔ لیکن بعض اہل تفسیر قائل ہیں کہ ان آیات کا نزول فتح مکہ سے قبل ہوا اور امر سے مراد فتح مکہ ہے اور اللہ ظاہر فرماتا ہے کہ تم یونہی منتظر رہو اللہ خود تمہاری امداد و ہجرت کے بعد مسلمانوں کو مکہ پر غالب کر دے گا۔

مقصود بیان:۔ کفار سے موالات کرنے کی ممانعت اور کافروں سے اندرونی تعلقات رکھنے کی بازداشت۔ اللہ اور اُس کے رسول اور فریضۂ اسلامی کی ادائیگی کی محبت کو تمام دنیا اور دنیوی تعلقات پر ترجیح دینے کی ہدایت۔ اس امر کی صراحت کہ جن لوگوں کو اللہ اور رسول کی محبت سے زیادہ اپنے والدین اولاد خاندان اور رشتہ داروں کی محبت ہو وہ نافرمان اور ظالم ہیں۔ ضمنی طور پر جہاد و ہجرت کی تبلیغ اور اس بات کی طرف اشارہ کہ عنقریب مسلمان غالب آئینگے۔ وغیرہ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ

بلاشبہ بہت سے موقعوں پر اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے

وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

خصوصاً حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ

لیکن وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور باوجود فراخ ہونے کے

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ

زمین تم پر تنگ ہو گئی اور پیٹھ پھیر کر تم بھاگ اٹھے

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

بالآخر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر

وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ

اور مومنوں پر (اپنی طرف سے) سکون خاطر نازل کیا اور فوجیں نازل کیں جو تم کو

تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَ

دکھائی نہ دیتی تھیں اور کافروں کو خوب سزا دی اور

ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۞ ثُمَّ يَتُوبُ

کافروں کی یہی سزا ہے اس کے بعد جس کو

اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ

چاہے خدا توبہ نصیب کرے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞

اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر

اوپر کی آیات میں جہاد و ہجرت کی ترغیب دی تھی اور آخر میں فرمایا تھا کہ اگر تم جہاد میں شرکت نہ کروگے اور اقرباء کی محبت میں پھنسے رہو تو منتظر ہو دیکھو خدا خود اپنا کام کرے گا یعنی مسلمانوں کو فتحیاب کرے گا۔ یہ آیات پہلی آیات سے مربوط ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم شرکت نہ کروگے تو نہ کرو تمہاری اعانت اور تعداد کی کثرت پر موقوف نہیں ہے فتح مکہ کا مدار تو غیبی امداد پر ہے اگرچہ ظاہری قوت نہ ہو۔ اور ظاہری شان شوکت اور اعداد کی کثرت کتنی بھی ہو مگر اللہ کی امداد نہ ہو تو کچھ نہیں ہوسکتا۔ دیکھ لو اللہ نے بہت سے معرکوں میں باوجود اسباب کی کمی اور قلت تعداد کے تم کو فتحیاب کیا۔ خصوصاً حنین کے دن کا واقعہ یاد کرو جہاں تمہارے پاس بہت کچھ سامان اور بڑا لشکر تھا جس پر تم کو ناز ہوا تھا باوجودیکہ تمہارے مخالف کم تھے لیکن وہاں تمہاری کثرت تمہارے کام نہ آئی آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا اور زمین باوجود فراخ ہونے کے تمہارے اوپر تنگ ہوگئی اور تم پشت پھیر کر بھاگ پڑے مگر پھر اللہ نے تمہاری مدد کی غیبی مدد بھیجی۔ تمہارے دلوں میں جرأت پیدا کی۔ تم کو ثبات قلب عطا کیا تمہاری اعانت کے لئے فرشتوں کی ایسی فوج نازل کی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی جس کے ذریعے سے کافروں کو سزا دلوائی اور بالآخر تمہاری فتح ہوئی اور پھر اللہ نے توبہ نصیب کی اُن مسلمانوں کو بھی جو جنگ سے منہ پھیر کر بھاگے تھے اور بعض اُن کافروں کو بھی جو اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے۔

حنین طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام۔ جب مکہ فتح ہوگیا تو حضور والا نے قبائل ہوازن و ثقیف کی شرارت مٹانے کو شنبہ کے دن ماہ شوال ۸ھ میں دس بارہ ہزار کی فوج لیکر اُن کی طرف کوچ کیا۔ مسلمانوں کی فوج میں تقریباً دو ہزار نومسلم بھی تھے جو تجربہ کار اور کارآزمودہ نہ تھے اور کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمان نہ ہوئے تھے صرف اس خیال سے مسلمانوں کے ساتھ ہو لئے تھے کہ کہیں ہوازن کو قریش پر فتح نہ ہوجائے اور اس سے قومی اور خاندانی ذلت ہو۔ ہوازن و ثقیف کو جب حضور کے کوچ کرنے کی اطلاع ملی تو وہ کہنے لگے محمدؐ نے مکہ کو فتح کرلیا وہاں کے لوگ جنگ سے ناآشنا تھے ہم سے لڑیں تو معلوم ہو جائے اُن کے حملہ سے پہلے ہی ہم اُن پر ٹوٹ پڑینگے۔ چنانچہ مالک بن عوف امیر ہوازن اور کنانہ بن عبد یالیل نے چار ہزار فوج جمع کی اور مسلمانوں کے راستہ میں تیر اندازوں کی جماعت کو پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپا کر بٹھا دیا۔ مسلمانوں کی فوج میں نومسلموں کے دستے آگے تھے جن کے ساتھ رسول اللہ ص تھے اور انصار و مہاجرین کی جمعیت بہت پیچھے تھی۔ پہلے مقابلہ پر ہی کافروں کو شکست ہوئی اور وہ دانستہ پسپا ہوگئے اور مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا اور مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ جب تیر اندازوں کی زد پر مسلمانوں کی فوج آگئی تو انہوں نے یک دم باڑ ماری اور بھاگتے ہوئے کفار بھی فوراً لوٹ پڑے۔ مسلمان اس غیبی اُفتاد سے حواس باختہ ہوگئے اور جدھر کو جس کا منہ اُٹھا بھاگ نکلا۔ حضور کے ساتھ نوے یا اس سے بھی کم قدیم جاں نثار رہ گئے باقی انصار و مہاجرین تو بہت پیچھے تھے۔ حضورؐ نے حضرت عباسؓ کے ذریعے انصار و مہاجرین کو آواز دلوائی فوراً سب آکر جمع ہوگئے اور تھوڑی دیر میں بھاگے ہوئے نومسلم بھی اکٹھے ہوگئے اُدھر مسلمانوں کی تعداد کو کافروں کی نظر میں زیادہ دکھانے کے لئے بحکم الٰہی فرشتے بھی آگئے۔ حضورؐ نے ایک مٹھی بھر کر خاک اور کنکریاں کافروں کی طرف پھینکیں جس سے وہ آنکھیں ملنے لگے اور کچھ نہ کچھ سب کی آنکھوں میں جا پڑا اور اس طرح کافروں کو ہزیمت ہوئی۔

تحلیل اجزاء

فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت سے معرکوں یا ایام حرب میں تمہاری مدد کی۔

صحیح بخاری وغیرہ میں رسول پاکؐ کے تمام غزوات کی شمار بروایت زید بن ارقم انیس (19) مذکور ہے۔ بریدہؓ کی روایت میں آنا زائد ہے کہ ان میں سے صرف آٹھ غزوات میں جنگ ہوئی۔ بعض کے نزدیک غزوات ستائیس اور بعوث سب ملاکر ستر تھے۔ بعض نے اسی بیان کئے ہیں۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ الخ مکہ اور طائف کے درمیان مکہ سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ایک وادی ہے جس کا نام حُنَیْن ہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور گرامیؐ کو اطلاع ملی کہ قبائل ہوازن نے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے لشکر جمع

کیا ہے تمام بنو ثقیف اور بنو جشم اور بنو سعد اور بنو ہلال اور بنو عمرو اور بنو عوف اُن کے ساتھ ہیں اور سب لوگوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر عورتوں بچوں اور تمام ساز و سامان کو ساتھ لے کر معاہدہ کیا تھا کہ کسی طرح میدان سے مُنہ نہ موڑیں گے۔ حضورؐ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو بارہ ہزار کی جماعت لیکر آپ بھی روانہ ہو گئے۔ انصار و مہاجرین اور دیگر قبائل دس ہزار تھے اور دو ہزار طلقاء تھے۔ طلقاء (یعنی فتح مکہ کے دن جن کو حضورؐ نے آزاد کیا تھا) کچھ نو مسلم تھے کچھ دل سے مسلمان بھی نہ ہوئے تھے اور کچھ ویسے ہی شریک ہو گئے تھے تاکہ قبیلۂ قریش کی ہوازن کے مقابلہ میں ذلت نہ ہو مسلمانوں کے لشکر کے بعض آدمی کہنے لگے کہ اب مدینہ اور مکہ والے ایک ہو گئے ہیں خوب فتح ہو گی۔ بعض آدمیوں نے کہا قلتِ تعداد کی وجہ سے جو ہم کو شکست ہوتی تھی اب وہ نہ ہو گی۔ حضورؐ کو یہ دونوں باتیں ناگوار ہوئیں کیونکہ ان سے فخر و تکبر کی بو ٹپکتی تھی۔ غرض وادیِ حنین میں پہنچے۔ قوم ہوازن نے اپنے تیر انداز گھاٹیوں میں چھپا دیئے تھے کچھ لوگ سامنے آئے مسلمان سواروں نے اُن پر حملہ کیا وہ فوراً اپنا مال اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے حملہ کرنے والے نو مسلم تھے صحابہ اور انصار بہت پیچھے تھے اس وقت تک نہیں پہنچے تھے۔ کافروں کو بھاگتا دیکھ کر فوراً مال پر ٹوٹ پڑے چند تجربہ کار آدمیوں نے منع بھی کیا مگر وہ نہ مانے۔ قوم ہوازن کے تیر اندازوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر گھاٹیوں میں تیر برسانے شروع کئے۔ مسلمانوں میں بھگدڑ پڑ گئی اور ایسے بھاگے کہ بعض نے تو مکہ پہنچ کر دم لیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر قائم رہے اُس روز حضور سفید خچر پر سوار تھے صحیحین میں براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ اُس روز حضور کی سفید خچر کی لگام ابو سفیان پکڑے ہوئے تھے اور عباسؓ لگام تھامے تھے۔ حضورؐ کے ساتھ تقریباً سو صحابی ثابت قدم رہے جن میں ابو بکرؓ، عمرؓ، عباسؓ، فضل بن عباس، علی، اسامہ بن زید، براء بن عازب اور ابن مسعود بھی تھے۔ حضور اُس وقت فرما رہے تھے:- انا النبی لا کذب- انا ابن عبد المطلب- اور لوگوں کو پکار پکار کر کہہ رہے تھے:- اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ! اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ! خدا کے بندو میری طرف آؤ! خدا کے بندو! میری طرف آؤ!- اس کے بعد آپ نے عباسؓ کو حکم دیا کہ اصحاب الشجرۃ یعنی بیعت رضوان والوں کو پکارو۔ حضرت عباسؓ نے آواز دی شروع کی۔ لوگوں نے فوراً لبیک کہی اور حضورؐ کی طرف بڑھے- ابن جریر نے بروایت عبد الرحمٰن بیان کیا ہے کہ ایک شخص جو اس روز مشرکوں کا ساتھی تھا ہم سے بیان کرتا تھا کہ جب ہمارا مقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں سے ہوا تو وہ اتنی دیر بھی نہ ٹھیرے جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے۔ ہم نے اُن کو بھگا دیا یہانتک کہ ہم رسول اللہ کے قریب تک پہنچ گئے۔ آپ سفید خچر پر سوار تھے اور آپ کے آس پاس گورے گورے خوبصورت لوگ موجود تھے۔ رسول اللہؐ نے ہم لوگوں کی طرف جھڑک کر فرمایا شَاہَتِ الْوُجُوْہُ اِرْجِعُوْا تمہارے چہرے ذلیل ہوں لوٹ جاؤ۔ یہ الفاظ سُن کر ہم نے فوراً بھاگنا شروع کیا اور وہ لوگ ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ جب عباسؓ کی آواز سُن لوگ لوٹے تو تیزی کے ساتھ حضورؐ میں حاضر ہوئے یہانتک کہ اگر کسی کا اونٹ تیزی سے نہ بڑھا تو وہ زرہ پھینک کر اونٹ پر سے کود پڑا اور دوڑتا ہوا خدمت میں حاضر ہو گیا- امام احمد نے روایت کی ہے کہ پھر شَاہَتِ الْوُجُوْہُ کہکر حضورؐ نے ایک مشت خاک کافروں پر پھینک ماری اور مشرکین بھاگے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضورؐ نے ایک مٹھی خاک لے کر مشرکوں پر ماری اور فرمایا شَاہَتِ الْوُجُوْہُ اِنْہَزِمُوْا وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔ چہرے خوار ہوں قسم ہے رب کعبہ کی اب بھاگے۔ مٹھی بھر خاک پھینکنا تھی کہ کافروں کی آنکھیں اور مُنہ ریت اور کنکریوں سے بھر گئے اور وہ بھاگ نکلے۔

ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ۔ جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اہل نفاق اور بعض مذبذب لوگوں نے کہا چلو اب زور ختم ہو گیا یہ شکست مکہ تک نہیں رُکتی۔

وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ مؤمنین سے مراد ابن مسعودؓ کے نزدیک وہ اسّی مسلمان ہیں جو حضور کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے میدان سے مُنہ نہ موڑا تھا۔

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا الخ۔ حنین کے معرکہ کے دن خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیجا تھا۔ مگر فرشتے لڑتے نہ تھے اور نہ مسلمانوں کو نظر آتے تھے صرف کافروں کو دکھائی دیتے تھے۔ شیبہ بن عثمان جو فتح مکہ کے نو مسلموں میں سے تھے کہتے ہیں کہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ جنگ حنین کے لئے نکلا تھا مگر اسلام کی وجہ سے نہیں نکلا تھا بلکہ صرف اس حمیت کی وجہ سے گیا تھا کہ کہیں ہوازن قریش پر غالب نہ ہو جائیں میں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ابلق گھوڑوں پر کچھ سوار نظر آ رہے ہیں۔ فرمایا شیبہ ان کو سوائے کافر کے کوئی نہیں دیکھتا ہے پھر میرے سینہ پر دست مبارک مار کر تین مرتبہ فرمایا الٰہی شیبہ کو ہدایت فرما۔ تیسری مرتبہ حضورؐ نے مذکورہ قول ختم نہ کیا تھا کہ میری عجیب کیفیت ہو گئی حضورؐ سے زیادہ محبوب کل مخلوق میں مجھے کوئی نظر ہی نہ آتا تھا۔ جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں میں جنگ حنین میں حضورؐ کے ساتھ تھا۔ لوگ لڑ رہے تھے اچانک میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ کملی آسمان سے زمین پر مؤمنوں اور مشرکوں کے درمیان گری اور اُس میں سے اتنی چیونٹیاں

نکلیں جن سے تمام وادی بھر گیا اور فوراً مشرکوں نے بھاگنا شروع کیا۔ ہم کو یقین ہو گیا کہ وہ ملائکہ تھے (رواہ ابن اسحاق)

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ عذاب سے مراد قتل اور قید ہونا اور مال کا لُوٹا جانا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کو ملا کر کل چھ ہزار قیدی تھے اور مالِ غنیمت اتنا ملا کہ کبھی اتنا نہ ملا تھا۔ صرف اونٹ بارہ ہزار تھے اور بکریوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ۔ اس سے مراد قبیلۂ ہوازن کا مسلمان ہونا ہے۔ جب ہوازن والوں کو شکست ہوئی تو جو لوگ مارے گئے۔ مارے گئے۔ اور جو گرفتار ہو گئے وہ گرفتار ہو گئے۔ باقی سب کے سب مسلمان ہو گئے اور جنگ سے بیس روز کے بعد خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ اس وقت مکہ کے قریب بمقام جعرانہ مقیم تھے۔ ہوازن والوں نے اپنے قیدیوں کی رہائی اور مالِ غنیمت کی واپسی کی درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا دونوں میں سے ایک چیز پسند کرلو۔ انہوں نے قیدیوں کو رہا کرانا منظور کیا۔ حضورؐ نے سب قیدیوں کو آزاد کردیا۔ مجاہدین کو مالِ غنیمت تقسیم کردیا۔ مکہ کے نو مسلموں سے بعض کو تالیفِ قلب کے لئے سو سو اونٹ دیئے۔ قبیلۂ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نضری کو بھی سو اونٹ دیئے اور اُس نے حضورؐ کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ کہا۔

مقصود بیان:۔ اسبابِ ظاہری پر نظر رکھنا اور اپنی طاقت پر ناز کرنا ناجائز ہے۔ ظاہری اسباب مؤثر نہیں۔ مؤثر درحقیقت غیبی طاقت ہے۔ اللہ اپنے خاص بندوں کی اعانت فرماتا ہے اور سخت مواقع میں اُن کے دلوں میں جرأت، ایمان میں استقلال اور ارادوں میں استقلال عطا فرما دیتا ہے۔

جنگِ حنین میں ابتدائً مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی اور شکست اس وجہ سے ہوئی تھی کہ اُن میں سے بعض لوگوں کو اپنی کثرت پر ناز تھا۔ آخر میں غیبی لشکر خدا تعالیٰ نے نازل کیا جو مسلمانوں کو نہیں دکھائی دیا۔ جنگِ حنین سے بھاگے ہوئے مسلمانوں اور ہزیمت خوردہ کافروں کی توبہ خدا تعالیٰ نے قبول فرمائی وغیرہ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ
مسلمانو! مشرک نرے

نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً
نہ جائیں اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو

فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ
تو عنقریب اگر خدا چاہیگا تو اپنے فضل سے تم کو دولت مند

اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
کردے گا بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے پاس بھی نہ آنے پائیں اندر داخل ہونا تو بجائے خود رہا کیونکہ یہ ناپاک اور گندے ہیں اور اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ ان کے آنے اور سالانہ میلہ لگانے سے تجارت کو فروغ ہوتا ہے اگر یہ نہ آئینگے تو تجارت تباہ ہو جائیگی ہماری ضرورتیں پوری نہ ہونگی اور ہم تباہ ہو جائینگے تو اس بات کا اندیشہ نہ کرو اللہ اگر چاہیگا تو اپنے فضل سے تم کو غنی بنا دیگا تمہارا فقر دور کردیگا۔ اُس کے علم و حکمت کا دائرہ بہت وسیع ہے وہ اپنے اس حکم کی مصلحت اور فوائد کو خوب جانتا ہے اور تمہارے افلاس کو دور کرنے کے جو طریقے اُس نے مقرر کر رکھے ہیں اُن سے بھی بخوبی واقف ہے۔ لہٰذا تم بے چون وچرا اس حکم کی تعمیل کرو اور کچھ اندیشہ نہ کرو۔

یہاں تین امور قابلِ تحقیق ہیں۔ مشرکوں کی نجاست کے کیا معنی ہیں؟ مسجد حرام سے کیا مراد ہے؟ اور مسلمانوں کو غنی بنا دینے کا کیا مطلب ہے؟

(۱) ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ مشرکین کے نجس العین ہونے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ سر تا پا مشرکین کتے اور سؤر کی طرح ہیں۔ ظاہریہ اور خصوصاً امامیہ فرقہ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن جمہورِ اسلام اور مذاہبِ اربعہ کے نزدیک مشرکین کی نجاست ظاہری نہیں کیونکہ رسول پاکؐ نے اُن کا کھانا مسلمانوں کے لئے پاک قرار دیا۔ اُن کے برتنوں میں کھایا بلکہ ایک یہودیہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جس میں اُس نے زہر ملا دیا تھا نوش فرمایا۔ ثمامہ بن اثال کو مسجد کے اندر ستون سے باندھا۔ وفد ثقیف کو مسجد میں ٹھہرایا۔ مشرکوں کی نجاست درحقیقت اعتقادی ہے کفر و شرک نے اُن کے عقائد کو ناپاک کردیا ہے۔ اور اگر نجاست ظاہری ہے بھی تو بقول قتادہ و معمر یہ مطلب ہوگا کہ مشرکوں کی باطنی خباثت و نجاست اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ گویا ان کا ظاہر بھی نجس ہو گیا۔

(۲) مسجد حرام کا اطلاق خانہ کعبہ پر بھی آتا ہے اور پورے حرم پر بھی۔ ابن عباسؓ، عطاء، سعید بن جبیر، مجاہد و امام شافعی کے نزدیک پورا حرم مراد ہے۔ یعنی بغیر امام کی اجازت کے مشرکوں کا حرم میں داخلہ ممنوع ہے۔ عام اہلِ علم کے نزدیک خاص کعبہ مراد ہے۔ بیضاوی نے امام ابو حنیفہؒ کا قول اس سے بھی اخص ذکر کیا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک مسجد حرام میں داخلۂ مشرکین کا مطلب یہ ہے کہ حج و عمرہ کے لئے نہ جائیں۔ صاحب کمالین

نے کسی قدر تعمیم کی ہے اور کہا ہے کہ امام کا مسلک یہ ہے کہ مشرکین کعبہ کے اندر زور و غلبہ کے ساتھ نہ جائیں نہ لغرض حج و عمرہ جائیں نہ ننگے طواف کرنے کے لئے جائیں - جابر بن عبد اللہ رضی صحابی نے حکم ممانعت سے مشرک خادم اور ذمی کافروں کو مستثنیٰ کر لیا ہے یعنی اگر مسلمان کا خادم کوئی مشرک ہو یا کوئی کافر ذمی ہو تو اُس کا داخلہ جائز ہے - یہ قول امام صاحب کی مسلک کی تائید کرتا ہے -

مشرکین سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک فقط بُت پرست ہیں کیونکہ اُس زمانہ میں یہی لوگ حرم میں جایا کرتے تھے - اکثر مفسرین کے نزدیک عام کفار مراد ہیں خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مجوسی یا بت پرست وغیرہ - شافعی کا بھی یہی قول ہے - اوزاعی نے ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے تمام عمال کو لکھ بھیجا تھا کہ مسلمانوں کی مسجدوں میں یہود و نصاریٰ نہ داخل ہوں - اس حکم کے بعد آیت مذکورہ لکھی تھی - رہی یہ بات کہ کعبہ کے علاوہ دیگر مساجد کا کیا حکم ہے؟ تو علماء مدینہ عام مساجد میں داخلہ کفار کو ممنوع قرار دیتے ہیں - عمر بن عبد العزیز کے قول سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے - امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں - لیکن شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک دیگر مساجد میں بضرورت کافروں کا داخل ہونا جائز ہے -

(۳) آیت میں حکم ہوا کہ اگر اللہ چاہیگا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا "اگر" کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ تم کو اللہ ہی کی طرف نظر رکھنی چاہئے اُس کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو نہ کسی سے آس لگاؤ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آئندہ سال یعنی ۱۰ھ میں مشرک حج کو نہ آئے - مسلمانوں کو تجارتی نقصان ہوا - ادھر اللہ نے بارش برسا دی جس سے غلہ کی پیداوار بہت زیادہ ہوئی یمن اور دیگر بلاد اسلامیہ سے رسد کا سامان بکثرت آیا پھر رفتہ رفتہ تھوڑے ہی مدت میں شام روم ایران اور دیگر ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے -

مقصود بیان: - کفار کے نجس ہونے کی صراحت - داخلۂ حرم کی ممانعت - اس امر کی طرف اشارہ کہ ان کا زور ٹوٹ گیا - آئندہ اُن کو اتنی طاقت ہی نہ ہو گی کہ کعبہ میں بارادۂ حج و طواف یا بغلبہ و قوت داخل ہو سکیں - مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے اور کفیل کارساز بنانے کی تلقین اور اُسی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھنے کی ہدایت وغیرہ -

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا

جو اہل کتاب اللہ اور روز قیامت پر

بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ

ایمان نہیں رکھتے اور اُن چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے

اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ

جن کو اللہ اور اُس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے

مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا

اُن سے لڑو تاوقتیکہ ذلیل ہو کر

الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝ ع ۵

اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں

تفسیر اوپر کی آیت میں مشرکوں کی حالت کا بیان اور اُن کا حکم مذکور تھا اب اہل کتاب کی طرف رجوع فرماتا ہے

مجاہد کا قول ہے کہ ان آیات میں اہل روم پر جہاد کرنے کا حکم ہے - اسی کے بعد حضور صلعم نے غزوۂ تبوک کے لئے سفر کیا - کلبی کے قول کے مطابق بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودیوں سے جہاد کرنے کا حکم ہوا لیکن آیت میں عموم ہے کوئی تخصیص نہیں - اہل کتاب سے مراد آیت میں فقط یہودی اور عیسائی ہیں - اگرچہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی نے مجوسیوں کے متعلق حضرت عمر رض سے کہا کہ حضور اقدس کا فرمان ہے سنوا بهم سنة اهل الكتاب اُن کے ساتھ اہل کتاب کا برتاؤ کرو -

آیت میں اہل کتاب کے عموماً چار قبیح اوصاف بیان کئے گئے - اُن کا اللہ پر ایمان نہیں - روز قیامت کو نہیں مانتے - اللہ اور اُس کے رسول صلعم نے جن چیزوں کو حرام کر دیا اُن کو حرام نہیں سمجھتے - دین حق کی پیروی نہیں کرتے ان قبیح اوصاف کی وجہ سے اللہ نے ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا تاکہ ذلت کے ساتھ ٹیکس ادا کریں اور مسلمانوں کی پُر امن رعایا بن کر رہیں یا مسلمان ہو جائیں - ہم تحلیل اجزاء اور تحقیق مبحث جُدا جُدا کرتے ہیں -

(۱) اہل کتاب کا اللہ پر ایمان نہیں - بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ اہل کتاب تو خدا کو مانتے تھے - ابن کثیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ ایمان لانا اس بات پر موقوف ہے کہ کسی نبی کو سچا جانیں اور کسی نبی کو سچا جاننے کے یہ معنی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سچا جانیں کیونکہ ہر نبی نے حضور کے متعلق بشارت صراحۃً دی ہے - پس اگر کسی نبی پر ایمان ہوتا تو ضرور محمد رسول اللہ صلعم کی تصدیق کرتے - معلوم ہوا کہ کسی نبی کو نہیں مانتے اپنی اپنی رائے پر چلتے ہیں اور خود اختراع کئے ہوئے صفات خدا تعالیٰ میں مانتے ہیں - باری تعالیٰ میں مختلف عیوب و نقائص ثابت کرتے ہیں گویا اُس خدا کو نہیں مانتے جو تمام عیوب سے پاک ہے بلکہ عیب دار فرضی خدا کو مانتے ہیں مفسر جلال نے بھی ایسا ہی مطلب بیان کیا ہے -

(۲) روز آخرت پر ان کا ایمان نہیں - اگرچہ روز قیامت کو ماننے کے

مدعی ہیں مگر درحقیقت قائل نہیں۔ ان کی قیامت بھی نرالی ہے نہ اُس میں ان سے حساب کتاب ہوگا نہ اُن پر عذاب بس کھڑے جنت میں جا بیٹھینگے بعض لوگوں نے اس سے بہتر توجیہ کی ہے کہ قیامت اُس دن کا نام ہے جس میں انسان کا جسمانی حشر ہوگا۔ لیکن اہل کتاب کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن بلکہ ہر شخص کے مرنے کے بعد اُس کا روحانی حشر ہوتا ہے یعنی اُس کی روح کو غیر مادی راحت و رنج اور تکلیف و مسرت کا احساس ہوتا ہے اُس کو تجرد کی لذت اور افتراقِ مادہ کا عذاب ہوتا ہے جنت میں کوئی مادی حالت نہیں سب تخیلی اور احساسی چیزیں ہیں نہ جہنم کوئی مادی چیز ہے وغیرہ ایسی قیامت کو ماننا مثل نہ ماننے کے ہے۔

(۳) اللہ اور اُس کے پیغمبر نے جن چیزوں کو حرام کر دیا اُن کو حرام نہیں سمجھتے۔ مثلاً اللہ نے یہودیوں پر چربی کھانا حرام کر دیا تھا مگر وہ پگھلا کر فروخت کر کے اُس کی قیمت کھایا کرتے تھے۔ احکامِ الٰہی کا اخفاء ممنوع تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بشارتیں مذکور تھیں اُن کو چھپاتے تھے۔ رشوت خواری اور تحریفِ کتاب کی ممانعت تھی مگر علماء نذر نیاز اور تحفے تحائف کی صورت میں برابر رشوت لیتے اور اُس کو حلال سمجھتے تھے اور کتاب میں برابر تحریف کرتے تھے چنانچہ انجیل کے مختلف نسخوں کا جب مقابلہ کیا گیا تو کئی لاکھ جگہ باہم فرق نکلا۔ پادری فنڈر نے اس کا خود اقرار کیا ہے اور اعجاز عیسوی میں اس کی بحث مفصل موجود ہے۔

(۴) دین حق کی پیروی نہیں کرتے یعنی اسلام کو حق نہیں جانتے اور اپنے اپنے مذہب کو ناقابل منسوخی خیال کرتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی ہر دو فرقے اسی کے قائل ہیں باوجودیکہ بہت سے احکام میں ان کو نسخ ماننا پڑتا ہے۔ مثلاً عیسائی توریت کو عہد عتیق اور انجیل کو عہد جدید کہتے ہیں اور احکام توریت کے وجوب کے قائل ہیں اور توریت میں حکم جہاد بڑی قوت کے ساتھ موجود ہے حالانکہ انجیل تلوار نکالنے کو بھی منع کرتی ہے اس کے باوجود ہٹ دھرمی سے مسلمانوں کے حکم جہاد پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ تمام اہل کتاب کے مشترک قبائح تھے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اہل کتاب سے لڑو کیونکہ یہ نہ خدا کو مانتے ہیں نہ روز قیامت کو نہ اللہ اور اُس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز کو حرام جانتے ہیں نہ دین حق کے پیرو ہیں۔ اُس وقت تک ان سے جہاد جاری رکھو کہ ذلت کے ساتھ ماتحت ہو کر یہ جزیہ ادا کرنے لگیں۔

جزیہ کی مقدار میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ عطاء یحییٰ بن آدم۔ ابوعبیدہ اور ابن جریر کہتے ہیں کہ شریعت نے جزیہ کی کوئی حد مقرر نہیں کی جیسا مناسب ہو ولیا کیا جائے۔ لیکن ابن جریر کے نزدیک کم از کم ایک دینار فی کس ہونا ضروری ہے۔ حضور والا نے اہل یمن و اہل بحرین سے جو جزیہ لیا تھا اُس کی کوئی خاص مقدار معین نہیں فرمائی تھی۔ لیکن شافعیؒ کے نزدیک اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعلیٰ حیثیت والے سے ۴۸ درم متوسط سے ۲۴ درم اور ادنیٰ حیثیت والے سے ۱۲ درم لئے جائیں۔

جزیہ کن لوگوں سے لیا جائے؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں مشرکین عرب سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا یا اُن کو مسلمان ہونا چاہیئے ورنہ جلا وطن۔ البتہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ باقی بیرون عرب ہر کافر ذمی سے جزیہ قابل قبول ہے۔ شافعیؒ کے نزدیک عرب اور بیرونِ عرب سوائے اہل کتاب کے کسی سے جزیہ قبول نہیں کیا جا سکتا۔ امام مالکؒ کے نزدیک تمام اصناف کفار سے جزیہ لیا جاتے خواہ وہ مشرک ہوں یا کتابی اور عرب کے رہنے والے ہوں یا بیرونِ عرب۔

مقصود بیان:۔ اہل کتاب سے جہاد کرنا فرض ہے۔ اہل کتاب نہ قیامت کو مانتے ہیں نہ خدا کو نہ محرماتِ الٰہیہ کے تابع ہیں نہ دین حق کے پیرو۔ اللہ کو اُس کے صفات کمالیہ کے ساتھ نہ ماننا گویا عدمِ ایمان کی برابر ہے۔ تمام اہل کتاب سے سالانہ ٹیکس اور خراج لینے کی شرط پر معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جزیہ کا تقرر اُس وقت ہوگا جب کافروں کو شرائط معاہدہ کی رو سے دبا کر صلح کی جائے۔ کوئی عالم یا پیر محرم و محلل نہیں ہو سکتا۔ تحریم و تحلیل صرف اللہ کا کام ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر خدا کا بیٹا تھا اور عیسائی

النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ

کہتے ہیں کہ مسیح ابن اللہ تھا یہ

قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ

اُن کی اپنی زبانی باتیں ہیں یہ بھی پہلے

قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ

کافروں کے قول کی ریس کرنے لگے

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۞ اتَّخَذُوا

ان کو خدا غارت کرے کہاں پھرے جا رہے ہیں انہوں نے

أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ

خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ اور مسیح

دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ

ابن مریم کو　خدا بنالیا　حالانکہ

مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ

اُن کو صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کی پرستش کریں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اس کے سوا کوئی معبود نہیں ان کی شرک انگیزیوں سے خدا پاک ہے

تفسیر آیت بالا میں تو یہودیوں کے مشترک صفات تھے۔ اس آیت میں ہر ایک کی حالت الگ الگ بیان کی ہے دیگر مشرکین کی ریس میں یہودی عزیر کو اور عیسائی مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہودیوں نے اپنے علماء کو اور عیسائیوں نے اپنے پادریوں کو اور مشائخ کو خدا بنا رکھا ہے۔ اب انفرادی عیوب سنئیے:۔

(۱) دوسرے مشرکوں کی ریس میں یہودی عزیر کو اور عیسائی مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں یعنی جس طرح بعض مشرکین نے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا۔ بعض نے دیوتاؤں کو محل الوہیت سمجھا کسی نے کسی طرح شرک کیا اور کسی نے کسی طرح۔ اہل کتاب نے اللہ کے بیٹے قرار دے لئے۔ بظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عام یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا مگر اوجہ یہ ہے کہ بعض یہودی اس کے قائل تھے بعض کے قول کو کل پر محمول کر دیا کیونکہ آج تک اس کی تردید نہیں کی۔ مدینہ کے بعض یہودیوں نے حضورؐ سے یہ بات کہی تھی اور ممکن ہے کہ نجران کے عیسائیوں سے مناظرہ کرتے وقت ایسا کہا ہو۔ رہے عیسائی تو اُن کے تو اکثر فرقے ابوت و بنوت کے قائل ہیں۔ سدی وغیرہ علماء نے عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب عمالقہ نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا اور علماء و رؤسا کو قید کیا اور توریت کے نسخے چن چن کر تلف کر ڈالے تو حضرت عزیر کو اس کا بڑا رنج ہوا آپ جنگل کو نکل گئے اور مدتوں روتے پھرے یہاں تک کہ پلکیں جھڑ گئیں۔ اتفاقاً کسی قبر پر کوئی بڑھیا واویلا کرتی دکھائی دی جو کہہ رہی تھی ہائے میرا کھانا کپڑا دینے والا۔ عزیر نے پوچھا تجھے کھانا کپڑا کون دیتا تھا؟ بڑھیا نے کہا اللہ۔ عزیر نے کہا پھر وہ تو حی وقیوم ہے تو روتی کیوں ہے؟ بڑھیا بولی پھر وہی علم وکتاب دینے والا ہے تم کیوں روتے ہو؟ اس پر عزیر متنبہ ہوئے۔ حکم الٰہی ہوا اغلال چشمہ پر جاؤ وہاں ایک بوڑھا آدمی ملے گا۔ عزیر نے حکم کی تعمیل کی اُس بوڑھے نے عزیر کے منہ میں کوئی سرخ چیز ڈالدی جس سے آپ کو پوری توریت حفظ ہوگئی واپس آئے اور توریت حفظ سنائی تو علماء نے وہ پارینہ نسخے توریت کے نکالے جو پہاڑوں میں دفن کر کے عمالقہ کے ہاتھوں سے بچائے تھے۔ عزیر کی یاد کا اُن نسخوں سے مقابلہ کیا تو صحیح پایا۔ اس سے بعض جاہل عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ آیت اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ الخ سے حضرت عزیر ہی مراد ہیں۔ جب آپ سو برس کے بعد مکرر زندہ ہو کر اپنی قوم میں پہنچے تو لوگوں کو اچنبا ہوا کوئی پہچان بھی نہ سکا اور بالآخر جب قرائن شواہد اور دلائل سے یقین ہوا تو بعض بے وقوف ابن اللہ کہنے لگے۔

رہی نصاریٰ کے عقیدہ کی بناء تو وہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسےٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ شیر خوارگی کی حالت میں کلام کیا اور ماں کی عصمت کی گواہی دی اور تبلیغ رسالت کی بھیڑ بڑے بڑے ہو کر مُردوں کو زندہ کیا۔ پرندوں میں روح پھونکی۔ بیماروں کو یک دم تندرست کیا اور خود شادی بھی نہ کی۔

اس کے علاوہ حضرت عیسیٰؑ نے بار بار اللہ کو آب یعنی باپ کا لفظ کہکر خطاب کیا اور مختلف دعاؤں میں یہ لفظ بولا اگرچہ آپ کا مقصود صرف محاورہ تھا تعظیم الٰہی تھی مگر عیسائی عام طور پر آپ کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔

(۲) انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو رَبّ بنا رکھا ہے اور اللہ کو چھوڑ دیا ہے یعنی اپنے علماء کو محرم اور محلل اور خدائی اوصاف کا مالک سمجھ لیا اگر ان کے مشائخ واحبار اللہ کی کتاب کے حکم کے خلاف بھی حکم دیتے ہیں تو وہ اُس کو حق سمجھ کر فوراً تعمیل کرتے ہیں۔

حضرت عدی بن حاتم طائیؓ کہتے ہیں کہ جب مجھے حضورؐ کی دعوت کی خبر پہنچی تو میں ملک شام کو بھاگ گیا۔ مدت کے بعد میری بہن قبیلہ بنی عنتر کے ساتھ گرفتار ہو کر خدمت عالی میں پہنچی۔ آپ نے حاتم طائی کی جود و سخا کو پسند کرتے ہوئے اُس کو آزاد کر دیا اور اس کی سفارش سے تمام قوم کو بھی رہا کر دیا وہ چھوٹ کر میرے پاس آئی اور اسلام کی خوبیاں حضورؐ کے اخلاق اور معدلت گستری ظاہر کر کے مجھے مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ میں چل کر مدینہ آیا۔ لوگوں میں میری آمد کا چرچا ہوگیا اُس وقت میری گردن میں چاندی کی صلیب پڑی تھی۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے یہ آیت پڑھی اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ میں نے عرض کیا انہوں نے رب تو نہیں بنایا اور علماء و مشائخ کی وہ پرستش تو نہیں کرتے۔ فرمایا ارے ضرور رب بنایا اُن کے علماء و مشائخ نے جو کچھ حرام کیا اُس کو حرام مان لیا اور جس چیز کو حلال کہا اُس کو حلال سمجھ لیا۔ یہی تو انکی پرستش ہوئی۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا عدی! اللہ اکبر کہنے میں تیرا کیا ہرج ہے؟ کیا تجھے اللہ سے بڑی کوئی اور چیز معلوم ہوتی ہے؟ تجھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے میں کیا خرابی نظر آتی ہے؟ کیا اللہ کے سوا کسی اور کو بھی معبود جانتا ہے؟ پھر مجھے اسلام کی دعوت دی اور میں سچے دل سے مسلمان ہوگیا الخ۔ ایک روایت میں حدیث کے آخر میں اتنا اور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا واضح رہے کہ وہ لوگ مشائخ و علماء کی عبادت بطور سجدہ وغیرہ کے نہیں کرتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ جب احبار و رہبان

کسی چیز کو حلال کردیتے تو اُسکو حلال جانتے اور جس کو حرام کردیتے تو اُس کو حرام سمجھتے (رواہ احمد وابن جریر وابن مردویہ وابن ابی حاتم وابوالشیخ وابن المنذر وابن حمید والترمذی والبیہقی) امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ فرماتے ہیں میں نے فقہاء کے مقلد بکثرت ایسے دیکھے ہیں کہ بعض مسائل میں میں نے اُن کو بہت آیات سُنائیں حالانکہ اُن کا مذہب ان آیات کے خلاف تھا اس لئے اُنہوں نے ان آیات کو قبول نہ کیا بلکہ اپنے فقہاء ومجتہدین ہی کا قول مانا اور میری طرف تعجب کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اگر تم غور کروگے تو تم کو نظر آئیگا کہ بہت سے دنیاداروں میں یہ بیماری پھیلی ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسلام میں بھی جو لوگ اپنے مشائخ وائمہ کو محلل محرم یا قاضی الحاجات جانتے ہیں اور اُن کی خلاف شریعت باتوں کو بھی مانتے ہیں وہ بھی اِتَّخَذُوْٓا الخ کی وعید میں داخل ہیں۔ ہاں مجتہدین کے اُن فتووں کو ماننے والے جو کتاب وسنّت سے استنباط کئے گئے ہوں اسمیں داخل نہیں ہوسکتے بلکہ ایسے مسائل میں اتباع مجتہد بعینہ اتباع قرآن ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہودی عزیر کو اور عیسائی مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور اپنی زبانی باتیں بناتے ہیں یہ درحقیقت گذشتہ کافروں کی ریس کرتے ہیں ان کو خدا غارت کرے کہاں بہکے جارہے ہیں۔ خلاف عقل ونقل بات پر اڑ گئے۔ پھر ان لوگوں نے اور بھی ستم ڈھایا۔ یہودیوں نے اپنے علماء کو اور عیسائیوں نے اپنے مشائخ کو خدا بنا رکھا ہے حالانکہ ان کو صرف ایک معبود کی پرستش کا حکم دیا گیا تھا مگر انہوں نے بکثرت معبود بنالیے۔ اللہ ان کی شرک انگیزیوں سے پاک ہے۔

مقصود بیان:۔ آیت میں مسلمانوں کو ضمنی تنبیہ ہے کہ کسی پیشوا کی تعظیم اللہ کی طرح کرنا، اُن کے افعال واقوال کو اگرچہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہوں تسلیم کرنا اور واجب العمل قرار دینا سخت ترین گمراہی اور شرک ہے گویا کورانہ تقلید حرام ہے۔ کتنا ہی بڑا امام اور صاحب معرفت شیخ ہو مگر اگر اُس کا فعل یا قول خلاف کتاب وسُنّت ہو تو واجب الترک ہے۔ آیات سے مستنبط ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کا نسخ نہ اجماع سے ہوسکتا ہے نہ قیاس مجتہد سے نہ مجتہد کا اختراع کیا ہوا مسئلہ اگر اُس کی اصل نہ ہو قابل قبول ہے۔ وغیرہ۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ
یہ اپنی پھونک سے اللہ کے نور کو بجھانا

بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ
چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو ضرور پورا کرکے

نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ
رہیگا اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اُسی نے

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ
اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ
تاکہ ہر دین پر اُس کو غالب کردے خواہ

الْمُشْرِكُوْنَ ۝
مشرکوں کو بُرا لگے

تفسیر اوپر کی آیات میں یہود ونصاریٰ کی گمراہی کا بیان تین طرح کیا گیا تھا۔ دین حق پر نہیں چلتے۔ انھوں نے مخلوق وخالق میں ابوّت وبنوّت کا رشتہ قائم رکھا ہے۔ اپنے علماء ومشائخ کو خدائی کا مجاز بنا رکھا ہے۔ گویا اہلِ کتاب متواتر تہ بتہ تین تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور کسی طرح اندھیرے سے رہائی نہیں پاتے۔ اب فرماتا ہے کہ ان میں فقط یہی خرابی نہیں کہ خود تاریکی میں ہیں بلکہ اللہ کے آفتاب ہدایت کے چراغ کو اپنی پھونکوں سے بجھانا اور دوسرے لوگوں کو بھی تاریکی میں رکھنا چاہتے ہیں خود گمراہ ہیں دوسروں کو بھی گمراہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ نے ان کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لئے جو قرآن نازل کیا اور رسول کو بھیجا اور رسول نے ان کو دعوت دی تو اُس سے یہ سرتابی کرتے ہیں بلکہ جھوٹ بہتان اور افترا باندھتے ہیں اور طرح طرح کی لغو باتیں کرتے ہیں تاکہ دین حق نہ پھیلے۔ مسلمانوں کو غلبہ وشوکت نہ نصیب ہو مگر اس سے کیا ہوتا ہے پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا۔ اللہ تو اپنے دین کی روشنی اطراف عالم میں پوری طور پر پھیلا کر رہیگا۔ شان اسلامی مشرق ومغرب میں جلوہ گر ہوگی خواہ ان کافروں کو ناگوار ہی ہو۔ دین اسلام تمام مذاہب پر غالب آکر رہیگا۔ اللہ نے اپنے رسول کو عقائد واعمال کی اصلاح کے اصول وقواعد لیکر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ اسلام کو تمام مذاہب پر غالب فرمادے خواہ یہ مشرک بُرا مانیں۔

یہ اشاعت وغلبۂ اسلام کی ایک زبردست پیشین گوئی ہے جسکے متعلق حضور اقدس صلعم نے بھی بار بار بلند آہنگی سے ارشاد فرمادیا تھا۔ صحیحین میں ہے حضور صلعم نے فرمایا اللہ نے میرے لئے زمین کے مشرق ومغرب کو تہ کیا اور عنقریب میری امت کا ملک وہاں تک پہنچیگا جہاں تک زمین کو میرے لئے تہ کیا گیا ہے۔ امام احمد قبیصہ بن مسعود کی مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ

حضورؐ نے فرمایا عنقریب تمہارے لئے زمین کے مشرقی و مغربی حصے کھولدئے جائینگے۔ لیکن ان ملکوں پر جو حاکم ہونگے وہ دوزخ میں جائینگے سوا اُن حاکموں کے جو اللہ سے ڈرتے رہے اور تقوی پر ثابت قدم رہے۔ عدی بن حاتم والی حدیث میں ہے کہ پھر حضورؐ نے مجھ سے فرمایا خبردار رہو مجھے معلوم ہے کہ جو خیال تم کو مسلمان ہونے سے روکتا ہے۔ تم اس خیال میں پڑے ہو کہ اس شخص پر ایمان لانے والے اور اسکی پیروی کرنے والے صرف کمزور اور غریب لوگ ہیں۔ عرب کے طاقتور لوگوں نے تو اس کو نہیں مانا بلکہ ٹھکرا دیا تو کیا تم نے حیرہ بھی دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا دیکھا نہیں مگر سُنا ہے فرمایا قسم ہے اُس خدا کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ اس امر یعنی اسلام کو پورا کریگا یہانتک کہ تنہا عورت بغیر کسی کو ساتھ لئے ہوئے حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کر جائیگی اور واللہ تم کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرکے تصرف میں لاؤ گے۔ میں نے عرض کیا کسریٰ بن ہرمز شاہ فارس کے خزانے؟ فرمایا ہاں کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کروگے اور واللہ ایسا ہوگا کہ مال خیرات کیا جائیگا مگر اُس کو کوئی قبول نہ کرے گا یعنی ہر شخص دولتمند ہوگا الخ (احمد)

مقصود بیان:- اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے عمومی تسلط کی زبردست پیشین گوئی۔ اس امر کی ضمنی صراحت کہ اگر دنیائے کفر مکمل اسلام کو مٹانے کی کوشش کرے گر مٹا نہ سکیگی۔ حق کی فتح ہمیشہ ہوتی ہے اسلام ہمیشہ اپنے براہین ودلائل کے ساتھ دیگر مذاہب پر غالب رہیگا عیسائی اور یہودی اسکو زیر کرنے کی کتنی بھی کوشش کریں مگر ہر کوشش بے سود ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ
مسلمانو! اکثر

الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ
علماء ومشائخ لوگوں کا مال

أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ
ناجائز طور پر کھاتے ہیں اور راہ خدا سے

عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ
لوگوں کو روکتے ہیں جو لوگ

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا
سونا چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور اُس کو راہِ خدا میں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ
خرچ نہیں کرتے اُن کو دردناک عذاب کی خوش خبری

أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ
سنادو جس روز کہ دوزخ کی آگ میں اُس کو تپا کر

جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ
اُس سے اُن کی پیشانیوں اور پہلوؤں

وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ
اور پیٹھوں پر داغ لگائے جائینگے اور کہا جائیگا کہ یہی وہ (مال) ہے جسکو تم نے

لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝
اپنے لئے جمع کیا تھا اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو

تفسیر اوپر کی آیت میں بیان تھا کہ عیسائی اور یہودی اپنے علماء ومشائخ کی کورانہ تقلید کرتے ہیں انہوں نے ان کو خدا بنا رکھا ہے۔ اب فرمانا چاہتا ہے کہ ان احبار ورہبان کی عجیب حالت ہے بظاہر تو عالم ودرویش تارک الدنیا سادھو بنے بیٹھے ہیں اور باطن میں عجب خباثت بھری ہے۔ ان میں سے اکثر کی حالت یہ ہے کہ طرح طرح سے لوگوں کا مال مارتے اور اُس کو جمع کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خود صرف کرنا نہیں جانتے یعنی عرس میلے اور تحفہ نذر کے بہانہ سے لوگوں سے رشوتیں لیتے ہیں اور کتاب الٰہی کے احکام والفاظ میں تحریف کرتے اپنے مطلب کے موافق توڑ مروڑ کرکے اُن کو بنالیتے ہیں مگر قیامت کے دن ایسے جمع کئے ہوئے مال کو تپا کر مُنہ اور پیٹھ پر داغ لگائے جائینگے۔

آیت وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الخ کی تفسیر میں علماء اسلام کا اختلاف ہے۔ معاویہ بن ابی سفیان کا قول ہے کہ اس سے عیسائی اور یہودی علماء ومشائخ ہی مراد ہیں جن کا تذکرہ متصل آیات میں ہوتا چلا آیا ہے اُن کی قبیح حالت کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ لوگ خود مال کے اتنے حریص ہیں مگر راہ خدا میں صرف نہیں کرتے خود کنجوسی کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمان مراد ہیں۔ سدی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ بیضاوی نے کہا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمانوں کو اہل کتاب کے رشوت خواروں کے ساتھ ملا کر بیان کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ بغیر زکوٰۃ کا روپیہ جمع کرنا بھی سخت ترین فعل ہے۔ ابن عباسؓ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر اسکی تعمیل بہت دشوار گذری حضرت عمرؓ نے

خدمت گرامی میں حاضر ہوکر مسلمانوں کی حالت کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ نے تم پر زکوٰۃ اسی لئے تو فرض کی ہے کہ اُسکو نکال کر بقیہ مال کو پاک رکھو (رواہ ابوداؤد وابویعلیٰ والبیہقی والحاکم وغیرہم مختلاً) تیسرا قول ابوذرؓ کا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب اور اہل اسلام دونوں کے حق میں نازل ہوئی۔ عموم لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے صحیح بھی یہی ہے کہ جو شخص مال جمع کرے اور اُس میں سے شرعی حق نکالے اُس پر مخصوص نوعیت کا عذاب ہوگا خواہ وہ کتابی ہو یا مسلمان یا کوئی اور۔

رہی یہ بات کہ کنز سے کیا مراد ہے تو اس کے متعلق حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں حاجت وضرورت سے زائد جو مال جمع کیا جائے وہ کنز ہے یعنی بس اپنی ضرورت کے لائق رکھنا تو جائز ہے ضرورت سے زائد جمع کرنا حرام ہے لیکن جمہور علماء (جس میں حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہؓ وغیرہ بھی داخل ہیں) کا مسلک ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دیدی جائے وہ کنز نہیں خواہ حاجت سے زیادہ کتنا ہی بڑا خزانہ ہو یہی صحیح بھی ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ نازل ہونے سے پہلے یہ حکم (یعنی حاجت سے زائد مال کو جمع نہ کرنے کا حکم) تھا۔ لیکن جب حکم زکوٰۃ نازل ہوا تو اللہ نے زکوٰۃ کو تطہیر مال کا سبب مقرر کردیا اب اگر میرے پاس کوہ احد کی برابر بھی سونا ہو تو مجھے کچھ ڈر نہیں میں اسکی زکوٰۃ دیدونگا اور اُس کو طاعت الٰہی میں خرچ کرونگا (رواہ البخاری واحمد والبیہقی وغیرہم)

مقصود بیان: یہودیوں اور عیسائیوں کے حالات شنیعہ ظاہر فرماکر در پردہ مسلمانوں کے اُن عالموں اور درویشوں کو تنبیہ جو اپنے مطلب کے لئے دین کے پیرایہ میں مال جمع کرنے کے لئے خلاف شرع باتیں نکالتے ہیں۔ یہ شیطانی گروہ اولیاء کرام کا روپ بدل کر درویشوں اور پیرزادوں کی صورت میں آکر وہ ڈھنگ رچاتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ کہیں عرس وسیلہ ہے، کہیں نذر نیاز کے حرام طریقے۔ پھر علماء سوء ان شیاطین الانس کے ان حرام افعال کی تاویلات کرتے اور ان پر علمی قلعی چڑھا کر راگ رنگ مجالس لہو ولعب کو جائز ثابت کرتے غیر محرم کا ناچ دیکھنے کو مباح کہتے ہیں اور عوام جاہل ذرا سی انوکھی بات دیکھ کر کرامت وولایت کے قائل ہوجاتے ہیں اور اپنے پیروں کی خلاف شرع باتوں کو وجوب وجواز پر محمول کرکے کہتے ہیں کہ یہ بزرگ ولی ہم سے زیادہ واقف ہیں جو وہ فرماتے ہیں وہ سب ٹھیک ہے ہماری اتنی سمجھ ہی نہیں کہ اُن کے احوال واقوال کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ ان سب کو آیات مذکورہ سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ

اللہ کے نزدیک بلاشبہ مہینوں کی تعداد بارہ

شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

ہے (یہ تعداد) اُس نے زمین وآسمان کے پیدا کرنے کے

وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ

دن کتاب اللہ میں لکھدی ہے) ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں - یہی

الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ

سیدھا دین ہے تم ان میں کمی بیشی کر کے اپنے اوپر

اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً

ظلم نہ کرو اور تمام مشرکوں سے لڑو

كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا

جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں اور جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ

کہ اللہ پرہیزگاروں کا حامی ہے مہینوں کا سرکا دینا تو

زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ

کفر میں زیادتی ہے جسکی وجہ سے کافر گمراہ ہوتے

كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا

ہیں ایک سال تو ایک مہینہ کو حلال سمجھتے ہیں اور دوسرے سال اسی مہینہ کو حرام سمجھتے

لِّيُوَاطِـُٔـوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا

گنتے ہیں تاکہ اُن مہینوں کی گنتی پوری کرلیں جن کو اللہ نے باحرمت قرار دیا ہے اور

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ

حرام کردہ مہینوں کو حلال بھی کرلیں انکی بداعمالیاں انکی نظروں میں زیبا بنادی گئی ہیں

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ع ۸

اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا

تفسیر اوپر کی آیات میں یہود ونصاریٰ کے علماء ومشایخ کی بیہودگیوں کا تذکرہ تھا اور اس بات کی صراحت کی گئی کہ اہل کتاب نے اپنے پیشواؤں کو خدائی اختیارات کا مجاز سمجھ رکھا ہے۔ اب ان آیات میں روئے سخن مشرکین کی طرف کیا جاتا ہے جس سے غرض یہ ہے کہ مشرکین بھی اہل کتاب سے اس معاملہ میں پیچھے نہیں۔ ان کے مقتدای اور سردار بھی بزعم خود

خدائی تصرفات سے بے بہرہ نہیں ہیں ۔ انھوں نے نسی کا رواج جاری کر رکھا ہے اور اللہ کے بارہ مہینوں میں کمی بیشی کرنے کا اپنے کو مختار سمجھ لیا ہے۔

عرب کی سرزمین عموماً ذرائع معاش سے خالی تھی اور اب بھی معاش کی وہاں کمی ہے نہ تو زراعت کے قابل زمین ہے سوا بعض حصوں کے کل جزیرہ نما ریگستانی ہے کوہستانی ہے بنجر ہے بیابان اور میدان ہے نہ کوسوں پانی کا پتہ نہ سبزہ کی نمود۔ نہ تجارت کا دائرہ کچھ وسیع ہے ملکی پیداوار ہی ایسا نہیں جسکا مبادلہ غیر ممالک سے بکثرت کیا جاسکے پھر تہذیب و تمدن نوشت و خواند اور دیگر اسباب ترقی سے دور جاہلیت میں عرب عموماً بے بہرہ تھے پڑھنا لکھنا عار جانتے تھے تہذیب اخلاق کو جرم سمجھتے تھے تو ظاہر ہے کہ جس ملک میں اسباب معاش کا فقدان اور موروثی فطری جہالت برسر عمل ہوگی اُس کے کیرکٹر کی کیا حالت ہوگی یہی وجہ تھی کہ عرب کی سرزمین انسانی خون سے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں لالہ زار بنی رہتی تھی اُن کی روزی کا مدار لوٹ کھسوٹ اور قتل و خوں ریزی پر تھا فطری جہالت اور سونے پر سہاگہ کا کام دیتی تھی عرب کا کوئی حصہ پُرامن تھا کوئی شخص آزادی کے ساتھ سال کے بارہ مہینے پھر چل نہ سکتا تھا بلکہ اپنی جگہ پر بھی ہر وقت ڈاکہ پڑ جانے کا اندیشہ رہتا تھا چونکہ قومی اور شخصی زندگی اس طرح ناممکن تھی اسلئے بعض سمجھدار آدمیوں نے دورِ اسماعیلی کے بعد سے یہ دستور قائم کر رکھا تھا کہ ہر سال چار ماہ کے لئے کل عرب قتل و خونریزی سے دستکش رہتے رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔ چنانچہ اس حکم کی نہایت سختی سے پابندی کیجاتی ان مہینوں کو ماہہائے حرام کہا جاتا اور اس زمانہ میں جو شخص جہاں چاہتا آزادی سے پھرتا چلتا تجارت کرتا۔ کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا مگر عربوں کے لئے باعتبار فطری جہالت کے بھی اور باعتبار اسباب معاش کے فقدان کے بھی اس حکم کی پابندی تھی بہت شاق۔ رجب کا مہینہ تو بخیر گذر جاتا لیکن ذیقعد، ذی الحجہ اور محرم کے تین ماہ مسلسل جنگ و غارتگری سے کنارہ کش رہنا اور امن سے گذار دینا اُن کے لئے ناقابل برداشت مصیبت تھی۔ اس مصیبت و تکلیف کا احساس کرکے بعض جاہل لیڈروں نے یہ دستور نکالا کہ محرم کے مہینہ کی حرمت ماہ صفر پر لے جاکر کبھی ڈال دیتے یعنی ماہ محرم میں قتل و غارتگری کو مکمل عرب کے لئے کسی سال حلال کر دیتے اور بجائے محرم کے ماہ صفر میں جنگ و جدال کو حرام قرار دیتے اس صورت سے تین ماہ کے تسلسل کی بجائے صرف دو ماہ کی مسلسل حرمت رہجاتی اس طریقہ کو نَسِیْءُ کہتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نسیٔ بمعنی لوند ہے یعنی جسطرح ہندوستان والے تیسرے سال یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اس سال دو ساون یا دو جیٹھ یا کوئی دوسرے دو مہینے ہیں کیونکہ فصلی حساب قمری ہوتا ہے اور حساب قمری میں ہر تیسرے سال ایک ماہ کی بیشی ہونی لازم ہے اسی طرح عرب کا حساب بھی چونکہ قمری تھا اور اُس میں بھی تیسرے سال ایک ماہ کی زیادتی ضروری تھی اور ہر سالانہ کام کا اُسی ماہ اور اُسی فصل میں آنا لازم سمجھا جاتا تھا اس لئے وہ تیسرے سال نسیٔ یعنی لوند کا حکم لگا دیتے تھے اور دو محرم یا دو صفر یا دو ذی الحجہ قرار دے لیتے تھے ۔ اسی کو نَسِیْءُ کہا جاتا تھا مگر یہ تفسیر غلط ہے۔ صحابہ اور بڑے بڑے مفسرین سے نَسِیْءُ کی تفسیر وہی منقول ہے جو ہم پہلے درج کرائے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کتاب الٰہی یعنی لوح محفوظ میں جس دن سے زمین و آسمان کئے گئے یعنی ابتدائے خلقت سے سال کے بارہ مہینے اللہ نے بنائے ہیں جن میں سے چار مہینے واجب الاحترام ہیں سو مسلمانو! ان میں زیادہ تر احتیاط کیا کرو ظلم نہ کرو یعنی خواہ مخواہ ان مہینوں میں لڑ کر خود اپنے کو تباہ نہ کرو یہ ناجائز ہے۔ ہاں اگر کفار تم سے لڑیں تو تم بھی اُن سے لڑو اور مہینہ کو ہٹا دینا کفر کی رسم ہے کسی سال لوند کے مہینے کو حرام اور کسی سال حلال قرار دیکر سال کے بارہ مہینے پورے کرنا اور ماہہائے حرام کی گنتی پوری کر لینا گمراہی کا کام ہے۔

بعض مفسرین نے نَسِیْءُ کی تفسیر دوم کو ترجیح دی ہے اُن کا قول ہے کہ سردی گرمی کے موسم کا لحاظ کرکے قمری مہینوں کو شمسی مہینوں کے مطابق کرتے تھے تاکہ حج موسم خاص میں آیا کرے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے جس سال حج کرایا یعنی ۹ھ میں اُس سال حج بجائے ذی الحجہ کے ذیقعد میں ہوا یعنی واقع میں وہ ذیقعد کا مہینہ تھا جسکو عام طور پر ذی الحجہ کہا جاتا تھا گویا ذی الحجہ کے اُس سال دو مہینے تھے اور پھر جس سال رسول پاک ؐ نے حج کیا یعنی حجۃ الوداع کے سال ہر قمری مہینہ اپنے اصلی موقع پر تھا۔ اسی لئے حضور ؐ نے فرمایا اِنَّ الزَّمَانَ اِسْتَدَارَ کَهَیْئَتِهٖ (بخاری) یعنی زمانہ گھوم کر اپنی اصلی جگہ پر آگیا۔

اکثر علماء کے نزدیک اسلام میں ان مہینوں کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہی ہر مہینے اور ہر زمانہ میں گناہ اور ظلم اور قتل و جنگ ممنوع ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کی زیادہ رعایت ہے اگر کافر اس زمانہ میں چڑھائی کریں تو بمجبوری مدافعت کرنی چاہئے ورنہ اپنی طرف سے اقدام نہ کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

مقصود بیان :۔ اس امر کی صراحت کہ اسلامی حساب چاند سے ہوتا ہے۔ سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ لوند بے حقیقت چیز ہے۔ ماہہائے حرام کی حرمت مسلمانوں پر لازم ہے بشرطیکہ کفار ان پر حملہ نہ کریں۔ اگر کفار حملہ کریں تو پھر قتال لازم ہے۔ نسیٔ کی رسم جہالت انگیز ہے بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہے مگر واقع میں خراب ہے اور شیطانی حرکت ہے۔ وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے

لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ

راہِ خدا میں چل نکلنے کو کہا جاتا ہے تو تم زمین پر

اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

ڈھئے جاتے ہو ۔ کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کو پسند

مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

ہو گئے حالانکہ آخرت کے مقابلہ دنیوی زندگی کا

فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ

عیش تو بہت تھوڑا ہے اگر تم جہاد کو نہ نکلوگے تو اللہ تم کو

عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ

دردناک سزا دیگا اور تمہاری بجائے ایک اور قوم کو لے آئیگا

وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ

اور تم خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکوگے اور خدا سب کچھ کر سکتا

قَدِیْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ

ہے اگر تم رسول کی مدد نہ کروگے تو نکرو اللہ نے تو اسکی مدد اسوقت بھی کی تھی

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ

جب کہ کافروں نے اُس کو نکالا تھا اور وہ دو میں کا دوسرا تھا

اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ

دونوں غار کے اندر تھے اور وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

کچھ فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اپنی طرف سے

سَکِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا

اُس پر سکون خاطر نازل فرمایا اور ایسی فوجوں سے اسکی مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا

وَجَعَلَ کَلِمَةَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی ؕ

اور کافروں کی بات نیچی کردی

وَکَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝

اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب و صاحب تدبیر ہے

تفسیر

سنہ ۹ ہجری میں غزوہ طائف سے واپس آکر حضور نے غزوہ تبوک کا ارادہ کیا۔ حضور کا قاعدہ تھا کہ اگر کہیں چڑھائی کرنے کا ارادہ ہوتا تو اصل مقصد کا اظہار نہ فرماتے بلکہ دو معنی الفاظ میں ارادہ کو ظاہر فرماتے تاکہ دشمن آپ کے ارادہ سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ لیکن تبوک چونکہ سرحد شام پر مدینہ سے دس منزل کے فاصلہ پر تھا اور آپ کو مکمل تیاری کرنی تھی اسلئے آپ نے صراحت ارادہ کا اعلان کردیا اور عام مسلمانوں کو ساتھ چلنے کا حکم ہوا۔ تبوک کو جانے کی وجہ یہ تھی کہ ملک شام سے ایک قافلہ نے آکر اطلاع دی تھی کہ ہرقل شاہ روم کو کفار اور دشمنان اسلام نے یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا اور اُن کے ملک میں قحط ہے لوگ پریشان اور بے سروسامان ہیں۔ ایسے وقت میں آسانی سے فتح ہوسکتی ہے۔ ہرقل نے یہ اطلاع پاکر اپنے کمانڈنگ افسر قباد کو چالیس ہزار فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا ہے اور عرب و عراق کے تمام نصرانی قبائل کو فوج کی مدد کے لئے مقرر کردیا ہے۔ لخم جذام عاملہ وغیرہ شاہی فوج کے مددگار ہیں۔ نیز شاہ غسان بھی فوجی اور مالی امداد کرنے پر تیار ہوچکا ہے۔ حضور والا نے یہ خبر پاکر مسلمانوں کو جہاد کیلئے آمادہ کیا اور تمام مسلم قبائل عرب میں نقیب و داعی بھیجدیئے اور سب کو جلد از جلد جمع ہوجانے کا حکم دیدیا۔ چونکہ اُس سال سخت کال تھا پھلوں کے پکنے کا زمانہ تھا سخت گرمی پڑرہی تھی سفر بھی دور کا تھا ساز و سامان کچھ نہ تھا انتہا تنگدستی تھی۔ دس دس مسلمانوں کے حصہ میں ایک ایک سواری آتی تھی۔ خوراک کیلئے جو اور جربا کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔ کوسوں پانی نہ تھا۔ ریگستان طے کرنا تھا اُس پر ہرقل جیسے قہار بادشاہ کا مقابلہ تھا اسلئے بعض لوگ خصوصًا منافق چلنے میں حیلے بہانے کرنے لگے اور پست ہمت ہوکر سست پڑگئے اُس پر یہ آیات نازل ہوئیں مگر پستی ہمت یا حیلہ تراشی عام مسلمانوں نے نہیں کی تھی۔ مسلمان تو شاید تین آدمی زائد رسول اللہ کی ہمرکابی سے نہیں رہے تھے البتہ منافقوں کو چونکہ شکست کا یقین تھا اور راستہ کی دشوار گذاری شاق تھی اسلئے وہ بالکل پست ہمت تھے اور حیلے بہانے کرتے تھے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

مسلمانو! جہاد کا حکم ملنے پر تم سست اور پست ہمت کیوں پڑگئے۔ کیا تم نے آخرت پر دنیوی زندگانی اور آرام طلبی کو ترجیح دے لی۔ دنیوی زندگانی اور اُس کا عیش و طرب تو بمقدار اور چند روزہ ہے۔ یاد رکھو اگر جہاد پر نہ جاؤگے تو اللہ کے سخت عذاب میں ماخوذ ہوگے اور تمہاری بجائے اللہ دوسری قوم کو اسلام کی حمایت کے لئے مقرر کردیگا۔ جہاد پر نہ جانے سے تم رسول اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکوگے اپنا ہی نقصان کروگے۔ تم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر ہم مدد نہ کرینگے تو رسول اللہ کی کوئی مدد نہ کریگا اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اُس نے اپنے رسول کی مدد اُسوقت بھی کی جبکہ کافروں نے اُس کو جلا وطن کردیا تھا اور وہ مع اپنے دوسرے ہمراہی کے جاکر غار ثور میں چھپ گیا تھا اور دو اُس کے ساتھی۔ پھر جب اُس کے اپنے رفیق کو رنجیدہ دیکھا تو اُس نے اپنے ساتھی سے کہا فکر نہ کرو یقینًا اللہ ہمارے ساتھ ہے کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ چنانچہ اپنی طرف سے اطمینان قلب اُس کو عطا کیا اور مختلف مقامات پر غیبی لشکر سے اُسکی امداد کی اور بالآخر

کافروں کی بات کو نیچا کر دکھایا تو کیا اب وہ خدا اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا۔ اللہ کا تو بول بالا ہے بہرحال بالا رہیگا۔ اُس کو ہر طرح کی طاقت ہے اور اُس کے علم و حکمت کا دائرہ بھی وسیع ہے پھر وہ امداد کرنے سے کسی طرح عاجز نہیں ہو سکتا۔

اِذْ اَخْرَجَهُ الخ میں خدا تعالیٰ نے ہجرت کا واقعہ مختصر طور پر بیان فرما کر مسلمانوں کو یقین دلایا ہے کہ اللہ بہرحال اپنے رسول کی مدد فرمائیگا۔ چونکہ آیات میں مُجمل طور پر ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس لئے ہم بھی صحیح بخاری سے مختصر طور پر یہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جب کافروں نے دارالندوہ میں رسول پاکؐ کو شہید کرنے کا مشورہ طے کر لیا تو بحکم الٰہی آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا ارادہ کیا اور اس راز سے صرف صدیق اکبرؓ کو مطلع کیا۔ صدیق اکبرؓ بھی ہمراہ چلنے کے خواستگار ہوئے۔ حضورؐ نے اُن کو اجازت دیدی۔ چنانچہ رات کو جب کافروں نے مکان کا محاصرہ کر لیا تو بحکم خدا آپ حضرت علیؓ کو اپنی جگہ لٹا کر دروازہ کھول کر چوکیداری کرنے والوں کے سروں پر خاک ڈالتے نکل گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ تھا۔ یہاں سے نکل کر ابو بکرؓ کے مکان پر پہنچے وہاں سے ابو بکرؓ کو ساتھ لیکر چل دیئے۔ کافروں کو جب صبح کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے چاروں طرف سوار دوڑا دیئے اور ہزار اونٹ انعام مقرر کر دیا۔ یہ دونوں بزرگ چلتے چلتے غار ثور پہنچے اور وہاں جا کر غار کے اندر آرام سے بیٹھ گئے۔ کفار نے پیچھا کیا۔ نشانِ قدم دیکھتے دیکھتے غار ثور کے دہانے پر پہنچے اندر سے کافروں کے پاؤں نظر آتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کو حضور اقدسؐ کا اندیشہ ہوا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کافر آ گئے۔ اگر نیچے جھک کر دیکھیں گے تو ہم دکھ جائیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا ابو بکر! اُن دو شخصوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔ تم کچھ فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کو اطمینان قلب حاصل ہوا اور تین شبانہ روز رہنے کے بعد وہاں سے مدینہ کو چل دیئے۔

مقصود بیان:۔ جہاد کا حکم ترغیب آمیز۔ دنیوی ساز و سامان کتنا ہی عظیم الشان ہو مگر آخرت کے مقابلہ میں حقیر بے مقدار ہے۔ مسلمان کو اس سے دل نہ لگانا چاہئے۔ اس امر کی صراحت کہ دینِ الٰہی کی کامیابی اور تبلیغ رسول اللہ کی ظفر و اشاعت کچھ موجودہ مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ جس سے چاہتا ہے اپنا کام لیتا ہے وہ بجائے موجودہ مسلمانوں کے دوسری قوموں سے بھی یہ کام لے سکتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت کی تصریح کہ جب حضورؐ کو دنیا نے چھوڑ دیا تب بھی حضرت ابو بکرؓ نے آپ کی معیت اختیار کی اور اپنی جان کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اگر کچھ فکر ہوئی تو حضورؐ کی نسبت۔ اُس پر حضورؐ نے تسلی دیدی۔ حضور اقدسؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو جو فہمائش کی تھی اُس سے توکل الیٰ اللہ ہر مصیبت کے وقت ذاتِ الٰہی پر بھروسہ کرنے کی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ اس بات کا بھی استخراج ہوتا ہے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور ہر شخص کے ساتھ موجود ہے یعنی ضمنی طور پر یہ امر بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ اپنے نیک بندوں کی مدد ہر کڑے وقت کرتا ہے۔ اس بات کی بھی صراحت ہے

کہ کافروں کو ہر موقعہ پر مسلمانوں کے مقابلہ میں بشرطیکہ مقابلہ کفر اور اسلام کا ہو نیچا دیکھنا پڑتا ہے اور ہمیشہ اللہ کا بول بالا رہتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہنا اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ممکن و واجب اور مخلوق و خالق کا اتحاد نہیں ہے اور یہ خیال غلط ہے کہ تمام عالم کا وجود بعینہ اللہ کا وجود ہے ورنہ معیت کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ معیت تعدد کو چاہتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا
ہلکے اور بھاری نکل کھڑے ہو اور راہ خدا میں

بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اپنے جان و مال سے جہاد کرو

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
اگر دانشمند ہو تو سمجھ لو کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا
اگر کچھ قریب الحصول فائدہ ہوتا اور متوسط درجہ کا سفر ہوتا

لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ
تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے مگر مسافت اُنہیں لمبی معلوم

الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ
ہوئی عنقریب یہ قسمیں کھائیں گے کہ اگر

اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ
ہم سے بن پڑتا تو ضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے یہ لوگ اپنی جانوں کو

اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ع
وبال میں ڈالتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں

تفسیر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تبوک کو جانے کا ارادہ کر لیا اور تیس یا چالیس یا ستر ہزار مسلمانوں کی عظیم الشان فوج جمع ہو گئی تو بہت سے منافقوں نے تخلف کے عذر پیش کرنے شروع کئے۔ کسی نے اپنی کمزوری ظاہر کی، کسی نے ناداری، کسی نے عیال کی کثرت، کسی نے اپنی حد سے زیادہ قرضداری، کسی نے اپنے کاروبار کی مشغولیت، غرض کہ ہر شخص نے حسب ذاتی اور بہانہ سازی شروع

کردی - اُس پر حکم عام ہوگیا اور یہ آیات نازل ہوئیں اور عمومی اعلان ہوگیا کہ کوئی حالت ہو کمزور ہو یا طاقتور مشغول ہو یا خالی - بوڑھے ہو یا جوان - تنگدستی ہو یا فراخی - چست ہو یا سست بہرحال جہاد کو چلو اور راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرو اور جانیں لڑا دو - یہ دنیا و دین میں تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کو اسکی بہتری کا علم ہو اور جہاد کا ثواب معلوم ہو تو ضرور اس حکم کی تعمیل کرو -

جب یہ حکم نازل ہوا تو حضورؐ سب کو ساتھ لیکر چل دیئے لیکن منافق پھر بھی ہر منزل پر بچھڑتے جاتے تھے اور حیلے بہانے کر کے اجازت لیکر واپس جارہے تھے کچھ لوگ پہلے ہی سے مدینہ میں رہ گئے تھے جن میں سے تین مخلص مسلمان بھی تھے - غرض حضور والاؐ تبوک پر پہنچے وہاں کچھ قیام کیا اور کچھ مدت کے بعد واپس ہوتے تو راستہ میں منافقوں کے حق میں مذکورۂ ذیل آیات نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اگر ان منافقوں کو مال غنیمت ہاتھ لگنے کا یقین ہوتا اور سفر بھی قریب کا ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے مگر سفر تھا دور کا اور مال غنیمت کے حصول کی قطعی امید نہ تھی اسلئے ساتھ نہ گئے بلکہ اُن کو تمہاری شکست کا یقین تھا اب مدینہ پہنچو گے تو اللہ کی قسمیں کھا کر عذر پیش کرینگے کہ حضور ہم میں طاقت نہ تھی ہم مجبور تھے - اگر مجبوری نہ ہوتی تو ضرور آپ کے ساتھ چلتے مگر اس دروغ بافی اور حیلہ تراشی اور جھوٹی قسمیں کھانے کا وبال اُنہی کو بھگتنا ہوگا - وہی اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہ کرینگے خدا کو خوب معلوم ہے کہ وہ جھوٹے ہیں -

تحلیل اجزاء

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا - خفت و ثقل کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے - ابن کثیر کا قول ہے خوشی ہو یا ناخوشی تنگدستی ہو یا فراخی ہو بہرحال جہاد کو نکلو - ابن عباس - عکرمہ - ابوصالح حسن بصری - مقاتل شعبی - زید بن اسلم وغیرہ کا قول ہے - جوان ہو یا بوڑھے جہاد کو نکلو مجاہد کا قول ہے جوان ہو یا بوڑھے - تونگر ہو یا مفلس - حکم ابن عتیبہ کا قول ہے خالی ہو یا مشغول - ابن جریر کہتے ہیں کہ عموم حالت مراد ہے یعنی ایسی حالت ہو جس میں جہاد آسان ہے یا ایسی حالت ہو جسمیں جہاد دشوار ہے - کمزور ہو یا طاقتور - بوڑھے ہو یا جوان - فقیر ہو یا تونگر بہرحال جہاد کو چلو یہی تفسیر سب سے بہتر ہے کیونکہ لفظ میں عموم ہے اسلئے بغیر کسی وجہ سے خصوص پر حمل نہیں کیا جا سکتا -

اس آیت میں جہاد کا عمومی حکم دیا لیکن جن لوگوں میں جہاد کی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں وہ عقلاً یا نقلاً مستثنیٰ ہیں مثلاً بچے اور غلام اور عورتیں شرعاً مکلف ہی نہیں ہیں یا بیمار لُنجے اور اپاہج اور زندہ بوڑھے جن میں چلنے کی طاقت ہی نہیں عقلاً بھی جہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے - اور بعض لوگوں کے نزدیک آیتِ لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی الخ کی رُو سے مخصوص بھی ہیں - لیکن بعض صحابہ نے آیت کو عموم پر ہی محمول کیا ہے - چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ نے آخری عمر میں سفر جہاد پر جانے کا ارادہ کیا - بیٹوں نے کہا آپ رسول اللہ صلعم کے ہمراہ صدیق اکبر رضی اللہ کے ہمراہ فاروق اعظم رضی اللہ کے ہمراہ بہت جہاد کر چکے اب آپ کا زمانہ نہیں ہم آپ کی طرف سے جہاد کرینگے - تو فرمایا نہیں مجھے بھی حکم ہے چنانچہ گئے جہاز میں انتقال ہوگیا - جنازہ نو روز تک جہاز میں رہا پھر ایک جزیرہ آیا تو وہاں دفن کیا گیا مگر کسی قسم کی بدبو پیدا نہ ہوئی تھی - مقداد بن اسود جب آخر عمر میں جہاد کو جانا چاہتے تھے تو بعض لوگوں نے کہا کہ اب آپ کو اللہ نے معذور کردیا اب کیوں ارادہ کرتے ہیں - فرمایا نہیں سورۂ بعوث میں ہم کو اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا کا حکم ہوا ہے -

لیکن جمہور کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ غیر مکلف اور ناقابل جہاد لوگ حکم سے مستثنیٰ ہیں باقی لوگوں کے واسطے عمومی حکم ہے اور فقط غزوۂ تبوک کے ساتھ ہی اس حکم کی خصوصیت نہیں اگرچہ نزول آیت تبوک ہی کے متعلق ہوا مگر ہر جہاد کے لئے اس حکم کا عموم ہے -

سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ الخ میں پیشین گوئی ہے کہ مدینہ پہنچو گے تو منافق آکر جھوٹی قسمیں کھائیں گے - چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی -

مقصودِ بیان :- جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کرنے کا عمومی حکم اس امر کی طرف اشارہ کہ انسان بعض احکام کے مصالح سے ناواقف ہوتا ہے اور اُس کو حکم کی تعمیل میں دشواری محسوس ہوتی ہے مگر واقع میں وہ حکم پُر حکمت اور مفید ہوتا ہے - منافق صرف دکھاوے اور فتنہ انگیزی کے لئے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے - آیت میں منافقوں کے متعلق پیشینگوئی ہے جو حرف بحرف سچی ہوئی -

عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی

(اے محمدؐ) اللہ نے تم کو معاف کیا تم نے اُن کو اجازت ہی کیوں دیدی

یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ

اس سے پہلے کہ سچوں کی سچائی تم پر ظاہر ہو جائے اور جھوٹوں کے

الْکٰذِبِیْنَ ۝ لَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ

جھوٹ سے تم واقف ہو جاؤ جو لوگ اللہ اور

یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ

روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اپنے

یُّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ

جان و مال سے جہاد (نہ) کرنے کی اجازت ہی نہ مانگیں گے

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ○ إِنَّمَا

اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے رخصت

يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

کے خواہاں وہی لوگ ہوں گے جن کا اللہ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ

اور روز قیامت پر ایمان نہیں اور اُن کے دل

قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ

شک میں پڑے ہیں اور وہ شک میں

يَتَرَدَّدُونَ ○ وَلَوْ أَرَادُوا

بھٹکے پھرتے ہیں اگر وہ نکلنا

الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِنْ

چاہتے تو کچھ ساماں اُس کے لئے تیار کرتے مگر

كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ

اُن کا اُٹھنا اللہ کو ناپسند ہوا اس لئے اس نے اُن کو ڈھیلا کر دیا اور کہدیا

اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ○ لَوْ خَرَجُوا

کہ بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو اگر وہ تمہارے ساتھ

فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا

نکلتے بھی تو بس تم میں خرابیاں ہی بڑھاتے اور تمہارے درمیان گھوڑے

خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيكُمْ

دوڑاتے اور تمہارا بگاڑ کرانے کی تلاش میں لگے رہتے تم میں

سَمَّاعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ○

بعض لوگ سُن بھی لیتے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ

انہوں نے پہلے بھی فساد ڈلوانا چاہا تھا اور

قَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتّٰى جَاءَ الْحَقُّ

تمہارے لئے تدبیروں کی اُلٹ پھیر کرتے رہے یہانتک کہ حق آپہنچا

وَظَهَرَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ○

اور اُن کی ناخوشی کے باوجود اللہ کا حکم غالب آیا

تفسیر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس ہوکر مدینہ پہنچے تو منافقوں نے آکر عذر پیش کرنے شروع کئے۔ حضورؐ نے اُن کے عذر بظاہر قبول فرمائے اور کچھ مواخذہ نہ کیا۔ اس کے علاوہ روانگی کے وقت اور اثنائے راہ میں بھی ساتھ نہ چلنے کی اجازت دے چکے تھے اس پر لطیف عتاب ہوا اور خفیف فروگذاشت پر بلاغت آمیز خفیف ناراضگی کے ساتھ صراحتِ عفو بھی فرمادی اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

خیر اب تو خدا نے تم کو معاف کر دیا لیکن تم نے اُن کو واپسی کی اجازت ہی پہلے سے کیوں دیدی تھی سچے اور جھوٹوں کی حالت کا انکشاف تو ہوجانے دیا ہوتا جو سچے مؤمن تھے وہ تم سے واپسی کی اجازت کے خواستگار ہی ہوئے تھے بلکہ اجازتِ واپسی تو اُن لوگوں نے چاہی تھی جن کا اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہ تھا اسلام کے متعلق اُن کے دلوں میں شک و تردد تھا پھر وہ تمہارے ساتھ ویسے ہی نہ جاتے خود ہی رہ جاتے اُنہوں نے نہ جانے کا پہلے سے پختہ ارادہ کر لیا تھا کیونکہ اگر ان کو جانا ہوتا تو جانے کا کچھ تو سامان پہلے سے کرتے۔ چونکہ اُن کے دلوں میں ایمان نہ تھا اور جانا نہ چاہتے تھے اسلئے اللہ کو بھی پسند نہ تھا کہ وہ اُٹھ کر تمہارے ساتھ جاتے۔ اللہ نے اسی بات کو مناسب سمجھا کہ وہ بیٹھے رہیں۔ اچھا اگر وہ چلے بھی جاتے تو وہاں جاکر کرتے کیا؟ جھوٹی خبریں اُڑاتے مسلمانوں میں فتنہ بپا کرنے کی کوشش کرتے مسلمانوں میں اُن کے جاسوس موجود ہیں جو مسلمانوں کی خبریں اُن کو پہنچاتے ہیں ان جاسوسوں کا علم اللہ کو ہے۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے فتنہ بپا کرنا چاہا تھا اور بہت جوڑ توڑ لگائے تھے مگر ان کی ایک نہ چلی اب بھی جاتے تو ایسا ہی کرتے۔

تحلیل اجزاء

عَفَا اللّٰهُ الخ کو اکثر مفسرین نے معافی آمیز عتاب قرار دیا ہے۔ عون۔ عمرو بن میمون۔ عطاء خراسانی اور سفیان بن عیینہ وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن قاضی عیاض نے شفاء میں اسکو عتاب نہیں کہا بلکہ زبان کا محاورہ قرار دیا ہے جس طرح اردو میں کہتے ہیں اچھا خیر اب جانے دو جو کچھ ہونا ہوگیا۔ قشیری نے اسی قول کو پسند کیا ہے میرے نزدیک بھی یہی بہتر ہے۔ امام رازی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الخ۔ مقصد یہ ہے کہ جھوٹے حیلے تراش کر اہل ایمان اجازت کے خواہاں نہیں۔ چنانچہ مہاجرین و انصار نے کہا تھا کہ ہم اجازت

نہیں چاہتے کیونکہ بار بار اللہ نے جہاد کی دعوت دی ہے۔ جب اس سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رض کو ساتھ نہ لے گئے اور اپنا قائم مقام مدینہ میں کرنے لگے تو حضرت علی رض پر یہ بات بہت تکلیف دہ اور شاق گذری۔ بالآخر حضور ص نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ جس طرح موسیٰ ع کے لئے ہارون ع تھے اُسی طرح تم میرے لئے ہو۔ اس فرمان پر بمشکل تمام حضرت علی رض رہنے پر رضامند ہوئے۔

مَا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا میں شبہہ کیا گیا ہے کہ کیا مسلمانوں میں پہلے سے فتنہ فساد تھا جس کی زیادتی منافقوں کے شمول سے ہو جاتی؟ ورنہ آیت کے کیا معنی؟ بیضاوی اور صاحب کشاف نے لفظ اِلَّا کو لٰکِنْ کے معنی میں لیا ہے یعنی اگر منافق شامل ہو جاتے تو مسلمانوں کے اندر کوئی قوت نہ زیادہ کرتے بلکہ فتنہ پیدا کرتے۔ لیکن خفاجی وغیرہ نے استثنا کو منقطع قرار دیا ہے یعنی تمہارے اندر کچھ زیادہ نہ کرتے سوا فتنہ پیدا کرنے کے۔ مطلب یہ ہے کہ جتنی حالتیں تمہاری تھیں وہ بدستور رہتیں مگر اُن حالتوں میں ایک جدید حالت یعنی فتنہ کا اضافہ ہو جاتا۔

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ - اس کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے بعض نے اس سے کمزور مسلمان مراد لئے ہیں۔ ابن کثیر نے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو منافقوں کے کلام کی تحسین اور اُن کی مدح سرائی کرتے تھے تاکہ منافقوں اور مسلمانوں میں باہم فوراً مخالفت بپا ہو جاتے لیکن مجاہد اور زید بن اسلم نے اس سے جاسوس مراد لئے ہیں۔ ہم نے بھی تفسیری مطلب میں جاسوس کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ - بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ احد کے دن بھی منافق پھر گئے تھے۔ ابن جریج نے کہا کہ تبوک سے واپسی میں رات کے وقت ایک گھاٹی میں بارہ منافق چھپ گئے تھے تاکہ حضور ص کو اچانک ضرر پہنچائیں لیکن جبرئیل ع نے آپ کو اطلاع دیدی تھی وہی لوگ مراد ہیں۔

قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ - جب حضور ص مدینہ میں تشریف لائے تو یہودی اور منافق سب ہی دشمن تھے اور مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے لیکن جب بدر کے روز مسلمانوں کو کھلی فتح حاصل ہو گئی تو عبداللہ بن اُبی نے کہا اب تو یہ کام چلا لہٰذا مصلحت یہی ہے کہ اس میں شریک ہو جاؤ چنانچہ بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے۔

مقصود بیان:- عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ سے رسول پاک ص کو تلطف آمیز خطاب ہے۔ آیات میں اس امر پر دلالت ہے کہ رسول پاک ص کبھی اپنے اجتہاد سے بھی کام کرتے تھے جیسے کہ منافقوں کو واپس ہو جانے کی اجازت حضور ص نے بغیر وحی کے دیدی تھی۔ تعمیل حکم الٰہی میں پختہ ایمان والے کبھی پس و پیش اور حیلہ تراشی نہیں کرتے۔ ہر کام بمشیتِ الٰہی ہوتا ہے۔ کفار و منافقین کا جنگ تبوک سے رہ جانا بھی بمشیتِ الٰہی تھا۔ منافقوں اور کافروں نے اسلام کے خلاف ہزار تدبیریں کیں مگر ایک نہ چلی اور بالآخر حق غالب ہو کر رہا۔ اس میں مسلمانوں کو تسکین دی گئی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا

ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے رخصت دیجئے بلا میں

تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ

نہ پھنسائیے بلا میں تو وہ خود ہی آ گرے

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝

دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے

تفسیر یہ آیت جد بن قیس کے متعلق نازل ہوئی۔ جد ایک منافق تھا اور خاندان بنو سلمہ کا سردار بھی تھا۔ ابن عباس مجاہد اور دیگر ائمۂ تفسیر نے آیت کی شان نزول اس طرح بیان کی ہے کہ جب مسلمانوں نے غزوۂ تبوک کا ارادہ کیا اور ساز و سامان درست کرنے لگے تو حضور اقدس ص نے جد بن قیس سے بھی ہمراہ چلنے اور جہاد میں شریک ہونے کو کہا۔ جد نے بطور بہانہ کے عرض کیا یا رسول اللہ میری قوم کو معلوم ہے کہ مجھے عورتوں کی طرف زیادہ میلان ہے اگر میں اہل روم کے مقابلہ پر گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکوں گا لہٰذا آپ مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں یعنی جہاد پر نہ لیجائیں میں آپ کو مالی امداد دونگا۔ ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ جد نے یہ بہانہ کیا تھا درحقیقت وہ منافق تھا۔ نفاق کے سوا عدم شرکت کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہ منافق بظاہر تو آپ سے فتنہ سے بچنے کی درخواست کرتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے خیر اندیش اور نیکوکار ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فتنہ میں خود پڑے ہوئے ہیں رسول کے حکم سے سرتابی اور فرمانِ الٰہی کو حیلہ بہانہ سے ٹال دینا زبردست فتنہ ہے جس میں یہ مبتلا ہیں۔ غرض یہ کہ دل میں کافر اور ظاہر میں مؤمن ہیں ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ جہنم کے اندر کافر بند ہوں گے ان کی کفر طرازیاں ایسی بہانہ سازیوں کی موجب ہیں اور یہ نفاق انگیزیاں دخول جہنم کا سبب ہیں اور چونکہ یہ نفاق انگیزیاں ان کو ہر وقت گھیرے ہوئے ہیں تو گویا جہنم ان کو محیط ہے۔

مقصود بیان:- دخول جہنم کا سبب کفر ہے۔ کافروں کو ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔ کافر قطعی جہنمی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں چون و چرا اور حیلہ سازیاں کرنا کفر ہے۔ لشکر اسلام

کی امداد اپنی جان سے کرنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی شرعی عذر نہو۔ وغیرہ۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ

اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو برا لگتا ہے اور

اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ

اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں ہم نے تو

اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا

اپنا کام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھان لیا تھا اور خوش خوش

وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ

واپس چلے جاتے ہیں تم (ان سے) کہدو کہ ہم کو تو بس وہی پہنچیگا

اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ

جو اللہ نے ہمارے لئے لکھدیا ہے وہی ہمارا کارساز ہے

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اور اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے

تفسیر یہ آیت گذشتہ آیت کا معنوی ثبوت ہے۔ سابق آیت میں منافقوں کے نفاق کی طرف ضمنی اشارات کئے تھے

اس آیت میں اُن کے علامات نفاق کی صراحت ہے اور پھر مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

حاصل فرمان یہ ہے کہ یہ لوگ قطعی منافق ہیں مسلمانوں کو جہاد وغیرہ میں کوئی خوشگوار امر پیش آتا ہے تو یہ رنجیدہ ہوجاتے ہیں ان کو قلبی تکلیف پہنچتی ہے اور اگر کوئی بُری بات پیش آجاتی ہے فتح نہیں ہوتی اور انتہا کامیابی نہیں ہوتی تو بس یہ شاداں و فرحاں گھر دل کو لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں اوہ ہم تو یہ پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے اسلئے ہم نے تو اپنے بچاؤ کی تدبیر کرلی تھی اور اپنا کام کرچکے تھے۔ اے رسول! تم ان سے کہدو کہ دُکھ سُکھ تو مقدر ہے جو تقدیر میں اللہ نے لکھدیا ہے وہ ہوکر رہیگا۔ اللہ ہی ہمارا ناصر حافظ اور مددگار ہے یعنی کسی تدبیر سے نہ کوئی نفع مل سکتا ہے نہ نقصان دور ہوسکتا ہے اسلئے اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

مقصود بیان: ۔ اہل اسلام کی مصیبت پر خوش ہونا نفاق ہے امر مقدر کسی احتیاط سے نہیں رکتا۔ نقل نہ تدبیر پر بھروسہ رکھنا کفر

ہے اگرچہ ہر کام کی تدبیر کرنی لازم ہے۔ اچھائی بُرائی اور دُکھ سکھ سب کچھ اللہ نے پہلے سے ہی مقرر کردیا ہے جو لامحالہ پہنچکر رہیگا۔ اللہ مسلمانوں کا حامی اور مددگار ہے۔ اُسی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى

تم کہدو کہ ہمارے حق میں تو تم دو بھلائیوں میں سے ایک کا

الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ

انتظار کرتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں

اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ

کہ اللہ اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے

عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا

تم پر کوئی عذاب ڈالے لہذا تم منتظر رہو

اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝ قُلْ اَنْفِقُوْا

ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں کہدو کہ تم خوشی

طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۖ

سے خرچ کرو یا ناخوشی سے قبول ہرگز نہ ہوگا

اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ

بلاشبہ تم نافرمان قوم ہو اور اُن کے

اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ

خرچ کی قبولیت سے مانع صرف یہ بات ہے کہ وہ

كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ

اللہ اور اُس کے رسول کو نہیں مانتے اور نماز کو

الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ

آتے ہیں تو الکسائے ہوئے اور اگر

اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝

خرچ کرتے ہیں تو بُرے دل سے

تفسیر یہ بھی سابق آیات کا ضمیمہ ہے۔ اوپر کی آیت میں تین مضمون بیان فرمائے تھے (۱) مسلمانوں کی مصیبت منافقوں کا خوش ہونا اور خوش ہوکر بطور شیخی کے یہ بات کہنا کہ ہم نے تو پہلے سے ہی اپنے بچاؤ کی تدبیر کرلی تھی ہم اس بات سے پہلے ہی واقف تھے (۲) مسلمانوں کی کامیابی و فتح پر منافقوں کا رنجیدہ ہونا (۳) مسلمانوں کو ہدایت اور اللہ پر بھروسہ رکھنے کی تلقین اور اس بات کی صراحت کہ اچھا برا دکھ سکھ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ مقدر کا لکھا پورا ہوتا ہے۔ اب ان آیات میں بیان فرماتا ہے کہ مسلمانوں کا ہر حالت میں فائدہ ہے اور منافقوں کا بہر صورت نقصان۔

اہل نفاق مسلمانوں کی مصیبت اور شکست سے خوش ہوتے ہیں اور اس کو مسلمانوں کا ضرر خیال کرتے اور اپنے بچ جانے کو اپنے لئے فائدہ جانتے ہیں مگر ان کا یہ خیال واقعہ کے خلاف ہے مسلمان کا کسی وقت نقصان نہیں ہوتا۔ لڑائی کا انجام مسلمانوں کے لئے بہرحال اچھا ہوتا ہے فتح پائی تو غازی ہوا ثواب کمایا۔ مارا گیا تو شہید ہوا۔ رہے منافق تو وہ بہرحال نقصان میں ہیں یا تو مسلمانوں کے ہاتھوں برباد ہوتے یا کسی غیبی مصیبت میں مبتلا ہوتے مرنا اور بچنا دونوں ان کے لئے ضرر رساں ہیں اور اس کی وجہ محض ان کا نفاق اور قلبی کفر اور اعمال کی ریاکاری ہے۔ نماز پڑھتے ہیں دکھاوٹ کی۔ ایمان اور اسلام کا اقرار کرتے ہیں تو دکھاوٹ کے لئے۔ باطن میں منکر اور ظاہر میں مقر۔ لہذا ایسے لوگوں کی طرف سے کسی قسم کی مالی امداد بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔ اگر یہ لوگ بطور خود بغیر مانگے کچھ دینگے تب بھی دکھاوٹ کے لئے اور مانگنے کے بعد بادل ناخواستہ کچھ دینگے تب بھی دکھاوٹ کے لئے۔ بہرحال ان کی ہر قسم کی مالی امداد مردود ہے۔

مقصود بیان: مسلمانوں کو جہاد کی مدلل ترغیب۔ اس بات کی طرف ایما کہ منافقین مسلمانوں کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جائیں۔ اس امر کی صراحت کہ ریاکاری اور نفاق کی کوئی عبادت اور کوئی مالی اعانت قبول نہیں ہوسکتی۔ وغیرہ۔

ہدایت خاص: بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اور وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ۔ یہ دونوں آیات باہم متضاد ہیں۔ پہلی آیت سے مترشح ہوتا ہے کہ اہل نفاق بخوشی خاطر کبھی کبھی صدقات و زکوٰۃ دیتے تھے۔ اور دوسری آیت بصراحت دلالت کرتی ہے کہ بغیر ناگواری اور مجبوری کے ایک پائی راہ خدا میں نہ دیتے تھے۔ لیکن یہ شبہ محض سطحی ہے گہری نظر کے بعد کوئی تضاد باقی نہیں رہتا کیونکہ اول آیت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ تم بخوشی مسلمانوں کی مالی امداد کرتے ہو تب بھی تمہاری امداد قابل قبول نہیں حالانکہ تمہارے اعمال ریاکاری پر مبنی ہیں۔ اقرار ایمان، نماز، جہاد وغیرہ سب دکھاوٹ کے لئے ہیں۔ تمہارے دلوں میں نفاق ہے پھر کس طرح یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ تمہاری مالی امداد خلوص پر مبنی ہے اور تم خوشی سے دے رہے ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا کا مطلب یہ ہے کہ تم بغیر مانگے دو یا طلب کے بعد بہرحال تمہاری امداد مردود ہے کیونکہ خلوص سے خالی ہے۔ مؤخر الذکر آیت اسی کی مؤید ہے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ
پس تم کو ان کا مال و اولاد تعجب میں نہ ڈالے

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا
بات یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے دنیوی زندگی میں اللہ ان کو

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ
عذاب دینا چاہتا ہے اور کفر کی حالت میں ان کی جانیں

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝
نکلنے کا (وہ خواستگار ہے)

تفسیر عموماً دنیا پرست طبقہ مرفہ الحال اور فارغ البال ہوتا ہے۔ سیدھے سادھے مسلمان ان کی دولتمندی اور آسودگی سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور بعض آدمی تو شبہ کرنے لگتے ہیں کہ یہ خدا کے مقبول بندے ہیں اور ہم پر خدا کا عتاب ہے ورنہ ہم اس قدر بے غم اور ہم اتنے بدحال کیوں ہوتے۔ رسول پاک ؐ کو اگرچہ اس طرح کا شبہ ہونا ممکن نہ تھا مگر عام مسلمان باقتضاء بشریت بچ نہ سکتے تھے ادھر منافق بھی اپنی مالداری پر مغرور ہوکر عام لوگوں پر رعب جمانا چاہتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ منافقوں کی دولتمندی اور کثرت اولاد درحقیقت رحمت نہیں بلکہ زحمت ہے۔ لوگ اسکو سکھ جانتے ہیں اور واقع میں یہ دکھ ہے کیونکہ اہل نفاق ثواب آخرت کے تو امیدوار ہی نہیں ان کے نزدیک جو کچھ ہے دنیا ہے۔ محنت مصیبت اور سخت تکالیف برداشت کرنے کے بعد مال جمع کرتے ہیں پھر اس میں سے بادل ناخواستہ زکوٰۃ ادا کرتے، صدقات دیتے اور مسلمانوں کی امداد کرتے ہیں جس سے ان کو قلبی تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی طرح اولاد کو پالتے کھلاتے پلاتے اور ہر طرح کی نگرانی کرتے ہیں لیکن اسی اولاد میں سے کچھ لوگ مرجاتے اور کچھ پختہ مسلمان ہوجاتے ہیں۔ اس بات سے بھی ان کے دل کو دکھ پہنچتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ مال و اولاد ان کے جیتے جی کے لئے عذاب ہے اور مسلمانوں

کی حالت ایسی نہیں وہ ہر تکلیف کو موجب رحمت اور باعث ثواب آخرت جانتے ہیں پھر یہ دُکھ فقط زندگی ہی کا نہیں ہے مرنے کے وقت ان کی روح مال و اولاد میں لٹکی رہتی ہے گویا موت بھی چین کی نصیب نہیں ہوتی۔ ایسی دولتمندی اور کثرت اولاد کو پسند کرنا اور مستحسن جاننا غلط ہے۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ سے مراد استدراج ہے یعنی باوجود معصیت کے اللہ تعالیٰ منافقوں کو نعمت پر نعمت عطا فرماتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ منافقین کو دنیا و آخرت میں دُکھ پہنچے۔ خطیب کا قول ہے کہ باوجود کفرانِ نعمت کے اگر کوئی شخص دولتمند اور کثیر الاولاد ہو تو اُس کے حق میں اس مالداری اور کثرت اولاد کو وبال و عذاب سمجھنا چاہئے۔

مقصود بیان:۔ اس بات کی صراحت کہ دنیوی عیش و تنعم اور کثرتِ اولاد موجبِ فضیلت نہیں اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مالدار آدمی خدا کا منظور نظر اور نادار شخص موردِ عتاب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں کبھی ہلاک کرنے اور عذاب ابدی پہنچانے کے لئے بھی عطا کرتا ہے۔ مال داری انسان کو کبھی تباہ کر دیتی ہے۔ مرتے وقت جان بھی مال میں اٹکی رہتی ہے ایسی مالداری قابلِ استحسان نہیں۔ وغیرہ۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَ

یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تم میں شامل ہیں حالانکہ

مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ۝

وہ تم میں شامل نہیں بلکہ ڈرپوک قوم ہے

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا

اگر اُن کو کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا گھس بیٹھنے کی کوئی جگہ مل جائے

لَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ۝

تو منہ پھیر کر باگیں اٹھائے ہوئے اسکی طرف دوڑ پڑیں

تفسیر منافقوں کو اندیشہ تھا کہ اگر اظہار اسلام نہ کرینگے تو مسلمان انکی حفاظت اور سرپرستی نہ کرینگے بلکہ دوسرے کافروں کی طرح سمجھینگے اور ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرینگے جیسا دیگر مشرکوں کے ساتھ کرتے ہیں اسی ڈر کی وجہ سے بظاہر مسلمان ہوگئے تھے نمازیں پڑھتے زکوٰۃ دیتے ارکانِ اسلامی کی پابندی کرتے تھے مگر دل میں مسلمانوں سے سخت نفرت کرتے اور اپنے بچاؤ کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ اسی مضمون کو آیت مذکورہ میں بیان فرمایا کہ اہلِ نفاق چونکہ تم سے ڈرتے ہیں اس لئے اللہ کی مضبوط پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم بھی تم میں سے ہیں جیسے تم مخلص مسلمان ہو ہم بھی سچے مسلم ہیں مگر واقع میں وہ مسلمان نہیں۔ ایسی باتیں تو صرف ڈر کی وجہ سے کہتے ہیں ورنہ اگر اُن کو کوئی پناہ کی جگہ یا بچاؤ کا کوئی اونچا نیچا مقام مل جائے تو فوراً بھاگ کر وہاں پناہ گیر ہو جائینگے اور تمہاری طرف رخ بھی نہ کرینگے۔

حدیث میں وارد ہے کہ جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا بستیوں کو اُجاڑ دیتا ہے۔ جھوٹی بات کہنے کو حدیث میں منافق کی علامت بتایا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ دورُخا آدمی سب سے بُرا آدمی ہے۔

مقصود بیان:۔ منافقوں کی بدترین حالت کا بیان۔ مسلمانوں کو درپردہ ہدایت کہ تم ان کی پختہ قسموں پر بھروسہ کر کے ان کو مخلص مؤمن نہ سمجھ لینا۔ یہ سخت ترین دشمن ہیں۔ ضمنی طور پر اہل اسلام کو نفاق اور دوغلے پن سے بچنے کی طرف اشارہ۔ وغیرہ۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۚ

ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو تقسیم خیرات کے بارہ میں تم پر طعن کرتے ہیں

فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا

اگر اُن کو خیرات میں سے دیدیا جائے تو راضی ہوتے ہیں اور نہ دیا جائے

مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ

تو ناخوش ہو جاتے ہیں اگر وہ اُسی پر

رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَ

راضی رہتے جو اللہ اور اُس کے رسول نے اُن کو دیا ہے اور

قَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ

کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے آگے کو اللہ اپنے فضل سے

مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللّٰهِ

اور اُس کا رسول ہم کو بہتیرا دے گا ہم تو اللہ ہی سے لَو لگائے

رَاغِبُونَ ۝ ع ۱۳ ۱۴

ہوئے ہیں تو کیا اچھا ہوتا

تفسیر ان آیات کا سبب نزول مختلف اہل تفسیر و روایت نے مختلف واقعات کو قرار دیا ہے۔ لیکن مآل سب کا ایک ہی ہے۔ ہم مختصر لکھتے ہیں:۔

بخاری، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ اور ابوالشیخ وغیرہ محدثین نے بروایت ابوسعید خدری رض بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ اتنے میں ذوالخویصرہ کا بیٹا (جس کا نام حرقوص تھا ابن کثیر نے یہی بیان کیا ہے لیکن مفسر حقانی نے حرقوص بن زہیر کہا ہے اور ذوالخویصرہ حرقوص کا لقب قرار دیا ہے) آیا اور عرض کیا یارسول اللہ انصاف سے تقسیم کیجئے۔ حضور صلعم نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں عدل نہیں کرتا تو اور کون عدل کرے گا۔ حضرت عمر رض نے عرض کیا یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس بے ادب کی گردن ماردوں۔ ارشاد فرمایا رہنے دو۔ اس سے ایسے لوگ پیدا ہونگے جن کی نمازوں کے سامنے تم لوگ اپنی نمازیں اور اوران کے روزوں کے سامنے تم لوگ اپنے روزے حقیر سمجھو گے۔ لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اسلام سے ایسے باہر ہونگے جیسے کمان سے تیر۔ لہذا اُن کو تم جہاں کہیں پانا قتل کر ڈالنا۔ زیر آسمان تمام مقتولوں سے وہ بدتر ہونگے۔ الحدیث۔ ابن مردویہ نے بروایت ابن مسعود رض بیان کیا ہے کہ جب حضور اقدس صلعم حنین کا مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو ایک شخص بولا یہ تقسیم اللہ کی رضا کے لئے نہیں ہوئی۔ حضور صلعم نے فرمایا اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے اُن کو اس سے زیادہ ایذا دی گئی مگر اُنہوں نے صبر کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن کثیر نے بروایت قتادہ بیان کیا کہ رسول پاک مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ ایک نومسلم بدوی آیا اور کہنے لگا محمد صلعم! اگر تم کو عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو واللہ تم نے عدل نہیں کیا۔ حضور صلعم نے فرمایا ارے تو پھر میرے سوا اور کون عدل کریگا۔ اس کے بعد حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا لوگو! اس سے اور اس جیسے دوسرے لوگوں سے پرہیز رکھنا۔ میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن کی تلاوت کرینگے مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔ جب یہ لوگ خروج کریں تو اُن کو قتل کر ڈالنا یہ حکم حضور صلعم نے تین مرتبہ فرمایا۔

واقعہ یہ تھا کہ حنین کا مال غنیمت تقسیم کرتے وقت حضور والا صلعم نے اہل مکہ کو زیادہ زیادہ دیکر اُن کی تالیف قلوب فرمائی تھی اس پر کچھ دنیا پرست بیدین منافقوں نے اعتراض کیا۔ بروایت کلبی جواظ نامی منافق بولا کہ لوگو! دیکھو تمہارا سردار بکریاں چرانے والوں کو مال غنیمت بانٹ رہا ہے اور عدل کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضور صلعم نے فرمایا او بے پدرا! کیا موسیٰ علیہ السلام چرواہا نہ تھا اور کیا داؤد علیہ السلام چرواہا نہ تھا۔ ابوبکر اصم نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضور اقدس صلعم نے ایک صحابی سے فرمایا تم فلاں شخص سے واقف ہو؟ صحابی نے عرض کیا حضور! مجھے اتنا معلوم ہے کہ آپ اپنی مجلس میں اُس کو اپنے قریب بٹھاتے اور بہت کچھ مال عطا فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ہاں وہ منافق ہے اُس کا نفاق دور کرنے کے لئے

مدارات کرتا ہوں اور یہ بھی غرض ہے کہ وہ اوروں کے دلوں میں فساد نہ ڈالے۔ الحدیث

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں منافقوں کی قبیح حالت کا اظہار کیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ بعض اہل نفاق تقسیم صدقات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اگر خواہش کے موافق ان کو مال دیدیا جائے تو راضی رہتے ہیں ورنہ ناراض ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ مناسب تو یہ تھا کہ اللہ اور رسول کے حکم پر راضی رہتے اور خدا اور رسول کی مرضی پر خوش ہوتے اور اللہ کی خوشنودی کو اپنا مرکز توجہ اور مآل زندگی قرار دیتے۔ بجائے مال کے اللہ کو اپنا کفیل اور کارساز جانتے اور اس بات کا یقین رکھتے کہ یہ مال بمقدار حقیر ہے اللہ اپنے فضل سے اور رسول اللہ صلعم اپنی عنایت سے آئندہ ہم کو بہت کچھ عطا کریں گے مگر اُنہوں نے ایسا نہ کیا اور مال حقیر کو غایت مقصود قرار دے لیا۔

مقصود بیان :- منافقوں کی حالت سقیمہ کا اظہار۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واعمال ومعاملات پر نکتہ چینی کرنے سے دربردہ بازداشت۔ اس امر کی صراحت کہ اللہ اور رسول پر بھروسہ رکھنا اور اُن کی مرضی پر راضی رہنا مسلمانوں کا اولین فرض ہے۔ اس بات کی بشارت وپیشین گوئی کہ آئندہ مال غنیمت بہت کچھ حاصل ہوگا اور مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہونگی۔ وغیرہ۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ
زکوٰۃ تو حق ہے صرف فقیروں کا محتاجوں کا

وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ
اور اُن کارکنوں کا جو خیرات پر تعینات ہوں اور اُن لوگوں کا جن کے دلوں کو

فِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ
ملانا غرض ہو اور بردوں کو آزاد کرانے کا اور قرضداروں کے قرضہ کی ادائیگی کا اور

اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ
راہ خدا میں صرف کرنے کا اور مسافروں کو دینے کا یہ حکم اللہ کا فرض کیا ہوا ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○
اور اللہ جاننے والا صاحب تدبیر ہے

تفسیر بعض کج اندیش گمان کر سکتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت اپنے اعزا اقارب اور خاص خاص دوستوں کو دینا چاہتے ہیں اسلئے منافقوں کو نہیں دیتے۔ اس آیت میں مصارف زکوٰۃ

وصدقات کی تفصیل بیان کرکے مذکورہ وہم باطل کا ازالہ فرما دیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نائب خدا ہیں اپنے اور اپنے اقارب کے لئے نہیں بلکہ جن کو شرعاً مال زکوٰۃ دینا چاہئے اُن کو دیتے ہیں۔ مصارف زکوٰۃ آٹھ ہیں:۔ فقراء۔ مساکین۔ زکوٰۃ وصول کرنے کے ملازم۔ وہ لوگ جن کی تالیف قلوب اسلامی نقطۂ نظر کے ماتحت مقصود ہو۔ قرضدار۔ غلاموں کی آزادی۔ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے۔ مسافر۔

چونکہ مصارفِ زکوٰۃ کے متعلق علماءِ تفسیر وفقہ کا بسیط اختلاف ہے اور بغیر تفصیل کے اصل بحث سمجھ میں نہیں آسکتا اس لئے بطور اختصار ہم ہر مصرف کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں:۔

نمبر (۱) و (۲) یعنی فقراء ومساکین۔ فقیر ومسکین کے معنی کی توضیح میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن سکیت۔ قتیبی۔ یونس بن حبیب کا قول ہے کہ فقیر کی حالت مسکین سے اچھی ہوتی ہے۔ ابوحنیفہؒ اور احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام لغت اصمعی۔ طحاوی۔ علماءِ کوفہ اور اکثر اصحاب شافعی کے نزدیک مسکین کی حالت فقیر سے اچھی ہوتی ہے۔ ابویوسف اور اصحاب مالک کے نزدیک دونوں کا درجہ مساوی ہے۔ ابن عباس۔ حسن بصری۔ عکرمہ اور مجاہد سے مروی ہے کہ فقیر وہ محتاج ہے جو عفیف ہو یعنی کسی سے سوال نہ کرے اور محتاج سائل کو مسکین کہتے ہیں۔ ابن جریر نے اسی روایت کو پسند کیا ہے لیکن حدیث لا تحل الصدقۃ سے مستنبط ہوتا ہے کہ فقیر اُس محتاج کو کہتے ہیں جو کمانے پر قادر نہ ہو۔ غالباً اسی بناء پر قتادہ نے فرمایا ہے کہ فقیر وہ محتاج ہے جو اپاہج ہو۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو لقمہ دو لقمہ یا ایک دو چھواروں کے لئے در بدر مارا پھرتا ہے کوئی اُس کو دیتا ہے کوئی لقمہ دو لقمہ دیکر ٹالدیتا ہے۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو بقدر ضرورت نہیں پاتا اور نہ اُس کے حال سے لوگ واقف ہوتے ہیں کہ کوئی اُس کو صدقہ دیدے اور نہ وہ کسی سے مانگتا ہے (الحدیث فی الصحیحین)

نمبر (۳) زکوٰۃ کا کام کرنے والے خواہ مالدار ہوں یا نہ ہوں بہرحال مستحق اجرت ہیں ان کی اجرت اموال صدقات میں سے دی جائیگی۔ عامل کا لفظ عام ہے خواہ زکوٰۃ وصول کرنے والا ہو یا کاتب یا عشر وصول کرنے والا یا محاسب یا خزانچی یا ارباب استحقاق کو پہچاننے والا۔

نمبر (۴) مؤلفۃ القلوب۔ ان میں مندرجہ ذیل اشخاص داخل ہیں:۔

(الف) وہ اشراف کفار جن کو مال دیکر اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو جس طرح صفوان بن امیہ کو غنیمت حنین میں سے حضور اقدسؐ نے کچھ مال عطا فرمایا تھا باوجودیکہ صفوان اُس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا۔ صفوان نے خود بیان کیا کہ حنین کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطیہ دیا باوجودیکہ اُس زمانہ میں میں حضورؐ سے بہت زیادہ نفرت کرتا تھا۔ اس کے بعد بھی برابر مجھ پر عطایا کی بارش رہی یہانتک کہ حضورؐ کی ذات گرامی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگئی (رواہ مسلم)

(ب) وہ ضعیف الاسلام اشخاص جن کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے کچھ دیا جائے جس طرح حضور والا نے طلقاءِ قریش کو بروز حنین سو سو اونٹ عطا فرمائے حدیث میں آتا ہے کہ میں بعض آدمیوں کو دیتا ہوں باوجودیکہ دوسرے لوگ مجھے اُن سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں کیونکہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اللہ اُن کو جہنم میں اوندھے منہ نہ ڈالدے۔

(ج) وہ لوگ جن کو مال دینے سے غرض یہ ہو کہ اُن کے اور قوم مسلمان ہوجائیں جس طرح حضور اقدسؐ نے عیینہ بن حصن۔ عباس بن مرداس اور اقرع بن حابس سرداران بنو تمیم کو عطا فرمایا تھا۔ اسی کے متعلق عباس نے یہ شعر کہا:۔

اتجعل نھبی و نھب العبید بین عیینۃ والاقرع

(د) وہ کفار جن کو کچھ مال دیا جائے اور وہ ایسے مقام کے رہنے والے ہوں جس کی سرحد دارالاسلام سے ملی ہوئی ہو اور اُن کو دینے سے مقصد یہ ہو کہ اہل اسلام اُن کی شرارت سے محفوظ رہیں۔

(ھ) وہ لوگ جن کو صرف اس لئے دیا جائے کہ وہ اُن لوگوں کو جاکر زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب دیں جو زکوٰۃ ادا نہ کرتے ہوں۔

مؤلفۃ القلوب کے اقسام بیان کرنے کے بعد ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ کیا اب بھی مال زکوٰۃ مؤلفۃ القلوب کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ مفسر سراج کا قول ہے کہ قسم اول کو اب کچھ نہ دیا جائیگا۔ اب اُن کی تالیف کی حاجت نہیں رہی۔ حضرت عمرؓ۔ عامر شعبی اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ ربانی بھی اسی کے قائل ہیں بعض حنفیہ نے اس پر اجماع ہونا بیان کیا ہے۔ لیکن اہل اسلام کی ایک بڑی جماعت جواز کی قائل ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک نمبر (الف) و (د) کو اب کچھ دینا جائز نہیں اور باقی اقسام کو دینا جائز ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ اول الذکر قسم کا منسوخ ہونا مجھے معلوم نہیں ہوا۔ اسی پر ماوردی نے فتویٰ دیا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کے تمام اقسام ساقط الحصہ ہیں۔

(۵) غلاموں کو آزاد کرانا یعنی جن غلاموں کو اُن کے مالکوں نے اس قسم کی کوئی تحریر دیدی ہو کہ اگر تم اس قدر روپیہ ہم کو دیدوگے تو آزاد ہو جاؤ گے اور غلاموں کو اُتنا مال میسر نہ آتا ہو تو ایسے لوگوں کو بدل کتابت اموالِ صدقات وزکوٰۃ سے دیکر غلاموں کو آزاد کرایا جائے۔ یہ تفسیر حسن بصری۔ مقاتل۔ عمر بن عبدالعزیز۔ سعید بن جبیر۔ نخعی۔ زہری۔ ابن زید۔ ابوموسیٰ اشعری۔ ابوحنیفہ۔ شافعی۔ لیث بن سعد اور اکثر فقہاء سے مروی ہے۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ احمد اور اسحاق وغیرہ کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ غلام وباندی کو خرید کر آزاد کیا جائے۔ محققین کا قول ہے کہ آیت دونوں قسموں کو شامل ہے۔ لہٰذا عمومی

مطلب مراد لینا اولیٰ ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ غلام و باندی مسلمان ہوں۔ بیضاوی نے فکّ رقاب کی ایک صورت یہ بھی بیان کی ہے کہ جو مسلمان کافروں کی قید میں ہوں اُن کا عوض کافروں کو دیکر رہا کرایا جائے۔

نمبر(۶) قرضداروں کو دینا۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔ کسی مسلمان نے کسی جائز کام کے لئے قرض لیا اور ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا یا گناہ کے کام کے لئے لیا تھا اور پھر توبہ کر چکا۔ یا مسلمانوں میں باہم صلح کرانے کے لئے قرض لیا اگرچہ خود بھی مالدار ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اموال زکوٰۃ و صدقات سے اُس کا قرض ادا کیا جائیگا۔ تفسیر سراج و معالم وغیرہ میں ہے کہ غارمین یعنی قرضداروں کی تین قسمیں ہیں:۔ ایک وہ جس نے اپنی ذاتی مصلحت سے قرض لیا۔ دوسرے وہ جس پر تاوان ضمانت وغیرہ پڑا۔ تیسرے وہ جس نے کسی فتنہ کو فرد کرنے کے لئے قرض لیا۔ اول الذکر صورت میں اگر جائز کام کے لئے لیا ہے اور ادا کرنے کی طاقت نہیں یا ناجائز کام کے لئے لیا تھا پھر توبہ کر لی اور ادا نہیں کر سکتا بہرحال اموال صدقات میں سے اُس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے اگرچہ وہ کما کر ادا کرنے پر قادر ہو۔ مکاتب غلام کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ؐ نے قبیصہ بن مخارق سے فرمایا سوال کرنا صرف تین قسم کے لوگوں کے لئے جائز ہے (۱) کسی نے کسی کا بار اٹھایا ہو (۲) وہ شخص جس کے مال پر کوئی آفت آئی ہو اور مال برباد ہو گیا ہو اس کے لئے بھی سوال کرنا حلال ہے یہانتک کہ قوام زندگی اس کو حاصل ہو جائے (۳) وہ شخص جس پر فاقہ ہو اور اُس کی قوم کے تین آدمی کہدیں کہ فلاں شخص فاقے کرتا ہے۔ ان اقسام کے علاوہ جس نے سوال کر کے کھایا اُس نے حرام کھایا (رواہ مسلم)

نمبر(۷) راہ خدا میں کوشش کرنے والے۔ جمہور کے نزدیک اس سے مراد غازی اور اہل جہاد ہیں اگرچہ یہ تونگر ہوں مگر اموال صدقات میں سے ان کو دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ ؒ اور صاحبین کے نزدیک غازی کو اموال صدقات میں سے اُس وقت دینا جائز ہے جب وہ فقیر یا منقطع عن الجہاد ہو۔ امام احمد و اسحاق نے حج کو بھی فی سبیل اللہ کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد حج و عمرہ کرنے والے ہیں۔

(۸) مسافر۔ مسافر خواہ تونگر ہو لیکن بالفعل اُس کے پاس اتنا نہ ہو کہ وطن تک پہنچ سکے اگرچہ اُس کو قرض مل سکتا ہو۔ بہرحال اموال صدقات میں سے اُس کو اتنا دیا جائیگا جس سے وہ گھر پہنچ سکے۔ امام مالک کہتے ہیں اگر تونگر مسافر کو وطن پہنچنے تک کا کرایہ وغیرہ قرض مل سکتا ہو تو اُس کو کچھ نہیں دیا جائیگا۔ امام محمد اور فقہائے عراق کے نزدیک ابن السبیل سے وہ حاجی مراد ہیں جن کے پاس سفر میں کچھ نہ رہا ہو۔ واللہ اعلم۔

چند مسائل و شرائط

مصارف صدقہ کے اقسام ثمانیہ میں شرط یہ ہے کہ لینے والا مسلمان ہو اور ہاشمی و مطلبی نہ ہو۔ آیت میں اگرچہ یہ شرط مذکور نہیں مگر احادیث نے تخصیص کر دی ہے۔ خود رسول پاک ؐ نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے صدقہ کا مال کبھی نہیں لیا اور فرمایا یہ لوگوں کا میل کچیل ہے محمدؐ اور آل محمدؐ کے لئے حلال نہیں۔ حسنینؓ میں سے کسی نے بمقتضائے طفولیت صدقہ کا کوئی چھوارہ مُنہ میں رکھ لیا تھا تو حضور والا ؐ نے کخ کخ کہہ کر اگلوا دیا تھا۔

اُن صورتوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جن کو ہم نے اوپر ذکر کر دیا مال صدقہ اُس شخص کو دیا جائیگا جو دولتمند نہ ہو اور کمائی کی قوت نہ رکھتا ہو۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ غنی اور کمائی کی طاقت رکھنے والے کے لئے صدقہ حلال نہیں (رواہ احمد و اہل السنن) ایک اور حدیث میں آتا ہے حضور ؐ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مالداروں سے صدقہ لیکر تمہارے محتاجوں کو تقسیم کروں۔ اہل صدقات کے مسلمان ہونے کی شرط بھی احادیث کی رو سے لگائی گئی ہے کیونکہ کفار سے جب زکوٰۃ و صدقات وصول نہیں کئے جاتے تو اُن کو دیئے بھی نہیں جا سکتے۔

اگر آٹھوں مصارف زکوٰۃ موجود ہوں تب بھی امام المسلمین کیلئے جائز ہے کہ چاہے آٹھوں اصناف کو تھوڑا تھوڑا دیدے یا بعض اصناف کو سب دیدے اور بعض کو کچھ نہ دے۔ حضرت عمرؓ۔ حذیفہؓ۔ ابن عباسؓ۔ ابو العالیہ سعید بن جبیرؓ۔ میمون ؒ۔ ابو حنیفہ ؒ۔ مالک ؒ اور احمد ؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے عام علماء کا یہی قول بیان کیا ہے۔ امام مالک نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ بقول ابن عبد البر اجماع صحابہ ہے۔

شافعی ؒ کے نزدیک کل اصناف کو تقسیم واجب ہے اور بصورت تعذر کم از کم تین اصناف کو دینا تو لازم ہی ہے۔

مقصود بیان:۔ منافقوں کے اُس شبہہ کا ازالہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعزا و اقارب کو مال غنیمت دیتے ہیں۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ منافق اہل استحقاق نہیں۔ گویا منافقوں کی طمع کی جڑ کاٹ دی۔ اس امر کی صراحت کہ مصارف صدقہ یہی اصناف ہیں ان کے علاوہ کسی اور کو دینا رسول کے اختیار میں بھی نہیں۔ اس سے در پردہ اس بات کیطرف بھی ایماء ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کی تقسیم بہ تجویز خود نہیں کرتے بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے مصارف مقرر ہیں اُنہی کو حضور ؐ دیتے ہیں۔ وغیرہ۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَ

انہی میں سے بعض لوگ نبی کو ایذا دیتے ہیں اور

يَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ

کہتے ہیں کہ یہ شخص کان ہے تم کہدو کہ تمہارے بھلے کیلئے کان

لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ

ہیں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کا یقین کرتے ہیں

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ

اور تم میں سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں اُن کیلئے رحمت ہیں اور جو لوگ

يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

رسولِ خدا کو ایذا دیتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے

تفسیر منافقوں کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی بدگوئی کرتی پس پشت ناشائستہ الفاظ زبان سے نکالتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے کچھ غیبت کی تو بعض لوگوں نے کہا ایسی باتیں نہ کرو ایسا نہو کہ اُن کو خبر پہنچ جائے۔ جلاس بن سوید یا نبتل بن حارث بولا کچھ ڈر نہیں اگر اُن سے کوئی جا کر کہدیگا تو ہم بھی جا کر قسم کھا کر انکار کرلینگے اُن کے تو فقط کان ہیں جیسا کسی نے کہدیا مان لیا کوئی ہماری شکایت کریگا وہ سُن کر یقین کر لینگے پھر ہم جا کر انکار کردینگے اُس کا یقین کرلیں گے۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:- اہل نفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں آپ کی غیبت کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں اُن کے تو فقط کان ہیں جو کچھ کہدو سُن لیتے ہیں۔ تم کیوں ڈرتے ہو۔ خدا تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ ہاں وہ کان ضرور ہیں مگر تمہاری بہتری اور بھلائی کے لئے ہیں شر اور فساد پیدا کرنے والی باتوں کو نہیں سنتے بلکہ بھلائی کی باتوں کو سنتے ہیں اللہ پر اُن کا ایمان ہے اور اہل ایمان کی باتوں کو سچ جانتے ہیں یعنی منافقوں کے قول کو جھوٹ سمجھتے ہیں لیکن شائستہ چشم پوشی کرتے ہیں تمہارے نفاق سے ناواقف نہیں ہیں۔ اور تم میں سے جو لوگ کامل الایمان اور صادق الاسلام ہو جاتے ہیں اُن کے لئے رحمت مجسّم ہیں۔ غرض یہ کہ تمہاری ذات سے اُن کو دشمنی نہیں بلکہ تمہارے نفاق و کفر سے ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہارا نفاق جاتا رہے اور تم سچے مسلمان ہو جاؤ۔

مقصود بیان:- منافقوں کو تنبیہ کہ تمہاری باتوں کا علم رسول اللہ کو ہو جاتا ہے لہذا بدگوئی سے باز رہو۔ اس امر کی صراحت کہ بہتری اور صلاح پیدا کرنے والی باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور فساد پھیلانے والی باتوں کو نہیں سُنتے۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ مسلمانوں کی بات کا یقین کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ؐ بھی مسلمان کی بات کو صحیح سمجھتے تھے۔ گویا اس امر پر تنبیہ ہے کہ مسلمان کو کبھی خلاف واقعہ کوئی جھوٹی بات نہ کہنی چاہئے۔ اس بات کی تصریح کہ مسلمانوں کے لئے رسول پاک رحمت مجسم تھے۔ حضور کو کسی کی ذات سے عناد نہ تھا بلکہ ہر مسلمان کے لئے آپ رحمت تھے اور کافروں کی اصلاح کے خواستگار تھے۔ وغیرہ۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ

تمہارے خوش کرنے کو تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ

حالانکہ اللہ اور اُس کا رسول رضامند رکھنے کا زیادہ حق دار ہے

إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ○ أَلَمْ يَعْلَمُوا

بشرطیکہ یہ مؤمن ہوں کیا ان کو معلوم نہیں

أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ

کہ جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اُس کے لئے

لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ

دوزخ کی آگ مخصوص ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیگا یہی

الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ○

بڑی رسوائی ہے

تفسیر ابن کثیر وغیرہ نے بروایت قتادہ وسدی بیان کیا ہے کہ منافقوں کی جماعت میں جلاس بن سوید و ودیعہ بن ثابت وغیرہ اہل نفاق نے ایک روز کہا واللہ ہمارے یہ لوگ تو بہت افضل و اشرف ہیں لیکن محمد جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہو تو ہم اس صورت میں گدھوں سے بھی بدتر ہونگے۔ اس گفتگو کے وقت ایک انصاری نوجوان عامر بن قیس بھی وہاں موجود تھے۔ لیکن ان کی کم عمری کو دیکھتے ہوئے منافقوں نے ان کا کچھ خیال نہ کیا۔ جب منافقوں کے ناشائستہ کلمات ان سے نہ سُنے گئے تو بولے واللہ جو کچھ محمدؐ کہتے ہیں وہ سچ ہے اور بلاشبہ تم لوگ گدھوں سے بھی بدتر ہو۔ پھر وہاں سے آکر حضور اقدس ؐ سے کل ماجرا عرض کردیا حضور نے منافقوں کو بلایا اور واقعہ دریافت کیا۔ منافق قسمیں کھاگئے کہ ہم نے ہرگز ایسا نہیں کہا اور جس نے کہا اُس پر اللہ کی لعنت ہو۔ حضور نے اُن کی اس قدر محکم قسموں کو تسلیم کرلیا اور عامر کی طرف کچھ التفات نہ کی۔ اسپر عامر شکستہ خاطر ہوگئے اور دعا مانگی پروردگار تو سچے کو سچا اور جھوٹے

جھوٹا ظاہر کردے۔ اُس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ممکن ہے کہ مذکورہ بالا آیات
اور ان آیات کی شانِ نزول متصل ہو اور ان دونوں آیات کا نزول بھی ساتھ
ہی ہوا کیونکہ دونوں قصے اور مطلب بہرحال مربوط ہیں۔ آیات کا مطلب
واضح ہے۔

مقصود بیان ۔منافقوں کی مخفی حالت کا اظہار۔ اُن کو خلوص
ایمان کی ترغیب۔ اللہ ورسول کی خوشنودی حاصل کرنے کی تعلیم۔ خدا ورسول
کی مخالفت کرنے پر عذاب کی وعید۔ معصیت خالق میں مخلوق کی رضا جوئی
کی ممانعت۔ وغیرہ

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ

منافق ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نازل

سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ

ہو کر اُن کی دلی باتوں کی خبر نہ دیدے تم کہدو

اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝

کہ اچھا ٹھٹھے کرتے رہو جس بات کا تم کو ڈر ہے اللہ اُسکو ظاہر کریگا

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا

اگر تم اُن سے کچھ دریافت کرو تو کہیں گے ہم تو صرف ایک

نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ

مشغلہ اور کھیل کر رہے تھے تم کہدو کہ کیا تم اللہ اور اُس کے

وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا

احکام اور اُس کے رسول کے ساتھ ہنسی کر رہے تھے بہانے

تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ

نہ بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ

اگر تم میں سے بعض کو ہم معاف بھی کر دیں تو ایک گروہ

طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ ع ۱۴

کو ضرور سزا دینگے کیونکہ وہ مجرم ہیں

تفسیر محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ جب حضور علیہ السلام مسلمانوں کی
جماعت لیکر تبوک کو تشریف لے جارہے تھے تو منافقوں
کی جماعت بھی ساتھ تھی۔ اثنائے راہ میں ودیعہ بن ثابت اور مخشی بن حمیر
وغیرہ منافقین نے آپس میں مسلمانوں کو ڈرانے اور سُنانے کے لئے کہنا
شروع کیا کہ کیا تم لوگ رومیوں کی بہادری اور دلیری ایسی ہی سمجھتے ہو جیسے
عرب آپس میں لڑتے ہیں واللہ ہم کو تو دکھ رہا ہے کہ کل کو لڑائی میں تم
لوگ اُن کی زنجیروں سے جکڑے پڑے ہو گے۔ مخشی بولا ارے مجھے اندیشہ
ہے کہ تمہاری اس گفتگو کے متعلق کہیں قرآن نہ نازل ہو اور مجھے تو یہ پسند ہے
کہ تم میں ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں مگر یہ باتیں نہ کرو۔ یہ لوگ اسی
خرافات میں مشغول تھے کہ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر
سے فرمایا جا کر قوم کی خبر لو وہ منافقوں کی آگ میں جلی جاتی ہے اور منافقوں سے
پوچھنا تم نے کیا باتیں کہی تھیں؟ اگر وہ انکار کریں تو کہنا۔ نہیں۔ تم نے ضرور
یہ باتیں کہی تھیں۔ چنانچہ عمار نے حکم کی تعمیل کی۔ اُس وقت وہ لوگ حضورؐ کی
خدمت میں حاضر ہوئے اور عذر کرنے لگے۔ بعض نے کہا حضور! ہم تو راستہ
کاٹنے کے لئے دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ مخشی بن حمیر جن کا نام بعض اہل تاریخ
نے جحش بن حمیر بھی کہا ہے سچے دل سے مسلمان ہو گئے اور دعا مانگی الٰہی
مجھے ایسی جگہ شہید کر کہ کسی کو میری قبر بھی نہ معلوم ہو۔ چنانچہ یہ جنگ یمامہ
میں شہید ہوئے اُن کی توبہ قبول ہوئی اور عبدالرحمٰن نام مشہور ہوا۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ستر
منافقوں کا ذکر اُن کے نام بنام کیا تھا پھر اُن کے نام ونسب کو منسوخ
کر دیا اور یہ مومنوں پر رحمت تھی کیونکہ ان کی اولاد میں مخلص مومن پیدا
ہونے والے تھے یعنی بنظر رحمت اُن کے نام منسوخ کر دیے تاکہ اُنکی اولاد
کو جو مخلص مومن تھی عار وشرم نہ رہے۔ باقی نزول کے وقت اُن کی جو رسوائی
اور فضیحت مقصود تھی وہ پوری ہو گئی۔ مسلمانوں کو بھی اُن کے حال سے آگاہی ہو گئی
حاصل ارشاد یہ ہے کہ منافقوں کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن میں کوئی
سورت ایسی نہ نازل ہو جائے جس سے اُن کی پول کھل جائے اور دلوں کی
نفاق آفرینی ظاہر ہو جائے۔ لہٰذا تم ان سے کہدو کہ تم یونہی اسلام اور
مسلمانوں کا مذاق اڑاتے رہو جس بات کا تم کو اندیشہ ہے اُس کو اللہ
ضرور ظاہر کر کے رہیگا۔ اس پیشین گوئی کا ظہور بار بار ہوتا رہا منافق جو
فتنہ انگیزی کی تدبیریں کرتے اُن کو اللہ اپنے رسول پر ظاہر کر دیتا چنانچہ
تبوک سے لوٹتے وقت رات میں بارہ منافقوں نے ایک گھاٹی پر توقف
کیا اور خفیہ مشورہ کر کے طے کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِدھر
سے گذرینگے تو ہم اچانک خفیہ طور پر اوپر سے پتھر لُڑھکا دینگے حضور اقدسؐ
کو وحی کے ذریعہ سے اس کا علم ہو گیا اور حذیفہؓ نے بتعمیل حکم نبویؐ
منافقوں کے اونٹوں کو مار کر راہ سے الگ ہٹا دیا مگر حضرت حذیفہؓ نے

کسی کو شناخت نہ کیا - پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام بنام ایک ایک کو بتلا دیا اور فرمایا ان کو قتل مت کرو یہ خلاف اخلاق اور موجب بدنامی ہے اللہ تعالیٰ ان کو دنبل کی بیماری سے ہلاک کرے گا - حدیث مسلم میں ہے کہ میری امت میں بارہ منافق ہیں جو جنت کی خوشبو نہ پائینگے جن میں سے آٹھ آدمیوں کے دونوں شانوں کے بیچ میں آگ کے شعلہ کی طرح دنبل نکلکر اُن کے سینے سے پھوٹیگا -

اس سے آگے آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم ان سے دریافت کروگے کہ تم میرا اور قرآن کا ذکر کرکے مذاق کیوں اُڑاتے تھے تو وہ کہینگے کہ ہم تو راستہ کاٹنے کے لئے دل لگی کی باتیں کرتے تھے مذاق اُڑانا ہمارا مقصد نہ تھا - تم اُن سے کہدو کہ کیا مذاق اڑانے کے لئے اللہ اور اُس کا رسول اور اللہ کی آیات ہی رہ گئی ہیں - اب تمہارا عذر پیش کرنا بیکار ہے - پہلے تم نے ایمان کا اظہار کیا تھا اگرچہ دل میں مذبذب تھے مگر اب تم نے کھلم کھلا اظہار کفر کیا - اسلئے اب کسی قسم کا عذر پیش کرنا کچھ سودمند نہیں - ابن کثیر نے بروایت عبداللہ بن عمر بیان کیا ہے کہ تبوک کو جاتے وقت ایک شخص نے کہا کہ میں نے تو ان قاریوں کی طرح کسی کو نہیں دیکھا جو کھانے میں سب سے بڑے پیٹ والے - بولنے میں کوتاہ زبان اور لڑائی میں بودے ہیں - اس پر ایک مؤمن بولا تو بڑا مفتری اور منافق معلوم ہوتا ہے - میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی اطلاع دونگا - چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی - حضرت عبداللہ رضؓ کہتے ہیں میں نے اُس منافق کو دیکھا تھا حضور ؐ کی اونٹنی کے آگے آگے ٹھوکریں کھاتا اور دوڑتا جا رہا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ ہم تو راہ کاٹنے کو دل لگی کی باتیں کرتے تھے -

اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ہم ان منافقوں کے ایک طائفہ کو معاف کردینگے اور دوسرا چونکہ مجرم ہے اسلئے اُس کو عذاب دینگے اول الذکر طائفہ سے مراد صرف مخشی بن حمیر ہے جس نے صدق دل سے توبہ کرلی تھی اور باقی بدستور نفاق پر قائم رہے -

مقصود بیان :- منافقوں کی پوشیدہ حالت اور مخفی گفتگو کا اظہار جس سے قرآن کا منزّل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے - اس امر کا بلند آہنگی کے ساتھ اعلان کہ اللہ تمہاری کل مخفی تدبیروں کو ظاہر کردیگا - اس امر پر تنبیہ کہ اللہ اور اُس کے رسول اور آیات الٰہی کا مذاق اُڑانا کفر ہے اگرچہ دل لگی کے لئے ہو - اس بات کی پیشینگوئی کہ بعض منافق صدق دل سے توبہ کرلینگے اور کچھ بدستور منافق رہینگے -

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی ایک چال

بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ

ہے بُرے کام کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور نیک کام سے

عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ

منع کرتے ہیں اور اپنی مٹھیاں بند کر لیتے ہیں

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

یہ لوگ اللہ کو بھول گئے اسلئے خدا نے بھی ان کو فراموش کر دیا اسمیں کچھ شک

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ

نہیں کہ منافق ہی نافرمان ہیں اللہ نے منافق مردوں

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

منافق عورتوں اور کافروں کے متعلق دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ

فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ

ہمیشہ رہینگے وہی اُن کو کافی ہے خدا نے اپنی رحمت سے اُن کو دور کر دیا ہے

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ○

اور اُن کے لئے دائمی عذاب ہے

تفسیر یہ آیات سابقہ کی تائید ہے - گذشتہ آیات میں منافقوں کے خصوصی حالات بیان فرمائے تھے اور یہ بھی بطور اجمال کے ذکر کیا تھا کہ وہ تم میں سے نہیں ہیں - اس کی تفصیل ان آیات میں ظاہر فرمائی - رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافق مردوں کی تعداد تین سو اور منافق عورتوں کی تعداد ایک سو چھہتر تھی -

آیات کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ہے (۱) منافق مرد ہوں یا عورتیں نفاق میں سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ایمان کوئی نہیں لائیگا مذہبی حالت سب کی یکساں ہے - کفر شرک اور اُن امور کے سب قائل ہیں جو عقل و شرع کی رو سے بُرے ہیں اور اچھی باتوں کے خود منکر بلکہ دوسروں کو بھی روکنے والے ہیں کار خیر میں کچھ صرف نہیں کرتے امور خیر میں خرچ کرنے سے مٹھیاں بند کئے رہتے ہیں - غرض عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات میں ان کی حالت مسلمانوں کے بالکل خلاف ہے - خدا اور اُس کے انتقام سے بالکل غافل ہو چکے گویا خدا کو بھول گئے اس لئے خدا نے بھی ان کو اپنے فضل و کرم سے محروم کر دیا گویا خدا بھی ان کو بھول گیا - درحقیقت ان کا نفاق ہی ان کی سرتابی اور نافرمانی کی علت ہے خدا نے ان کے لئے دوامی دوزخ مقرر کر دی اور ہمیشہ کے لئے اپنی رحمت سے محروم کر دیا -

(۲) منافق جو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں یہ قول ان کا بالکل غلط ہے منافق

مرد ہو یا عورت سب اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں بلکہ یہ سب ایک تھیلی کے بٹے ہیں کسی کی حالت اچھی نہیں۔

مقصود بیان: کافروں کا مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہیں۔ جو دل میں کافر ہو اگرچہ بظاہر اسلام کا اقرار کرے وہ مسلمان نہیں نہ وہ جمہور اسلام میں داخل سمجھا جا سکتا ہے۔ نفاق کی زبردست علامات تین ہیں (۱) بُری باتوں کا حکم دینا (۲) اچھی باتوں سے روکنا (۳) کار خیر میں خرچ کرنے سے کنجوسی کرنا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ظاہری اعمال قلبی حالت پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر کسی کے ظاہری اخلاق عادات اقوال و اعمال مسلمانوں کی طرح نہ ہوں تو اُس کو مسلم نہیں کہا جا سکتا بلکہ اُس کو منافق کہا جائیگا۔ کیونکہ نفاق کی علامات اُس کے اندر موجود ہیں۔ جو شخص بداعمالی میں جری اور نیکی کی طرف سے بالکل غافل ہو وہ گویا خدا کو بھول گیا۔ منافقوں کی نافرمانی کی علت اُن کا نفاق ہے۔ گویا جس کے اندر شائبۂ نفاق نہ ہو وہ نافرمان نہ ہوگا۔ منافق اور کفار ہمیشہ دوزخ میں رہینگے۔ اور دائرۂ رحمت میں کبھی داخل نہ ہوں گے۔ عورتیں بھی ایمان و اعمال صالحہ پر مکلف ہیں۔ وغیرہ۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ

تمہاری حالت بھی اُنہی لوگوں ایسی ہے جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے زور میں

قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ

بھی زیادہ تھے اور مال و اولاد بھی زیادہ رکھتے تھے

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ

وہ بھی اپنے حصے کے مزے اُڑا چکے سو تم بھی

بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اپنے حصے کے مزے اُن ہی کی طرح

بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ

اڑا چکے اور جیسے (بُری باتوں میں) وہ گھسے تم بھی ویسے ہی گھسے

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا دین میں اُن کے اعمال اکارت

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

گئے اور وہی نقصان میں رہے

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ

کیا ان لوگوں کو پہلی اقوام یعنی قوم

نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ

نوح عاد ثمود قوم ابراہیم

وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ

اور اہل مدین اور اُلٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والوں کی خبر نہیں پہنچی

اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ

اُن کے پاس اُنہی کے پیغمبر نشانیاں لیکر پہنچے تھے تو اللہ ایسا

اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا مگر وہ آپ ہی

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

اپنے اوپر ظلم کرتے تھے

تفسیر قرآن پاک بلکہ ہر بلاغت پناہ کلام کا طرز بیان اس طرح ہوتا ہے کہ اگر کسی کو نصیحت کرنی ہوتی ہے تو نرمی سے اُن کو باز داشت کی جاتی ہے۔ جن امور کی تلقین و ہدایت کرنی ہوتی ہے اُن کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اگر کچھ کج فہم اسپر نہیں مانتے اور اپنے اقوال و اعمال کو اچھا خیال کرتے ہیں تو اُن کے کرتوت کی خرابیاں بیان کی جاتی ہیں۔ ممکن ہے وہ اپنے افعال شنیعہ کی خرابیاں محسوس کر کے بداعمالی سے رُک جائیں۔

اس کے بعد اگر پھر بھی وہ ضد پر قائم رہتے ہیں تو اُن کے اعمال کا نتیجۂ بد ظاہر کیا جاتا ہے اور اُن قوموں کی حالت بیان کی جاتی ہے جن کے اعمال و اقوال اور عقائد ان کی طرح تھے اور چونکہ اُن کا نتیجہ خراب ہوا لامحالہ ان کا نتیجہ بھی خراب ہوگا کیونکہ ان کے حرکات بھی اُنہی کی طرح ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر بھی خدا تعالیٰ نے اوّل کافروں اور مشرکوں کو نرمی سے نصیحت کی پھر اُن کے افعال شنیعہ بیان فرمائے پھر بداعمالیوں کا نتیجۂ بد ظاہر کیا پھر اُن گذشتہ اقوام سے اِن کو تشبیہ دی جن کے حرکات و سکنات اِن کی طرح تھے پھر اُن اقوام کا نتیجہ اور مآل ظاہر کیا اور بالآخر ان کے تخم عمل کا بُرا پھل جو کچھ ہوگا وہ ظاہر فرمایا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

ان کافروں اور منافقوں کی حالت اُن قوموں کی طرح ہے جو ان سے پہلے گذر گئی ہیں۔ اُن کی قوت جسمانی۔ دولت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت ان سے

کہیں بڑھ چڑھ کر تھی۔ جب تک دنیا میں رہے اپنی قدرت و حوصلہ کے موافق انہوں نے خوب مزے اُڑائے۔ اسی طرح یہ بھی مزے اُڑاتے ہیں۔ اُنہوں نے آیاتِ الٰہی میں فکر و نظر چھوڑ کر باطل میں خوض و غور کیا۔ حق کو چھوڑ کر ناحق میں گھس پڑے یہ بھی اقرارِ توحید و رسالت اور اعمالِ صالحہ کو چھوڑ کر کفر، بیدینی اور افعالِ شنیعہ کے جوش زن سمندر میں گھس گئے۔ غرض یہ کہ جو اُن کا چلن تھا وہی ان کا چلن ہے جو ان کی حالت تھی وہی اِن کی حالت ہے اور نتیجۂ اعمال میں دونوں ایک جیسے ہیں اُن کا بھی کیا کرایا نابود اور ملیامیٹ ہو گیا۔ ان کا حاصل زندگی بھی برباد ہے انجام کار وہ بھی تباہ رہے یہ بھی تباہ ہونگے۔ قوم نوح، قوم ہود قوم صالح، قوم ابراہیم، قوم شعیب اور قوم لوط نے انبیاء کی تکذیب کی احکام الٰہی کو نہ مانا بالآخر تباہ ہوئے اور اپنے کرتوت سے تباہ ہوئے۔ اللہ نے بالکل اُن کی حق تلفی نہ کی۔ مآل کار ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رض کی روایت ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اُس خدا کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے پہلی قوموں کے چال چلن اور اُن کے راستہ پر چلوگے ایک گز یا ایک ہاتھ یا ایک بالشت کا فرق نہ ہوگا یہاں تک اُن کی پیروی کروگے کہ اگر کوئی اُن میں سے سیہی کے غار میں داخل ہوا تھا تو تم بھی سیہی کے غار میں گھسوگے۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ پہلی قوموں سے کیا اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) مراد ہیں؟ فرمایا اور کون۔

تحقیق الفاظ خلاق کے معنی اندازہ اور تقدیر ہے یہاں مراد وہ دنیوی حصہ ہے جو ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ مقدر ہے (ابن کثیر) لیکن حضرت ابو ہریرہ رض اور حسن بصری نے فرمایا کہ خلاق دین ہے اور آیت میں مراد شاید برتاؤ ہے یعنی اپنے دنیوی حصے یا خواہش نفس کے برتاؤ پر عیش اُڑاتے ہیں۔

قوم نوح۔ حضرت نوح کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ نے نو سو پچاس برس اپنی قوم کو احکام الٰہی پہنچائے توحید کی دعوت دی افعال ذمیمہ سے منع کیا مگر قوم نے نہ مانا اللہ نے اُن کو طوفان میں غرق کر دیا۔ تکذیب نبی کا یہ انجام ہوا۔

عاد۔ یہ حضرت ہود کی قوم تھی۔ بڑی طاقتور، قوی ہیکل، قد آور، اپنے زور اور تن آوری پر مغرور تھے۔ اللہ کے احکام کو نہیں مانتے تھے۔ حضرت ہود نے نصیحت کی۔ ڈرایا دھمکایا ثواب کی ترغیب دی مگر قوم نے ایک نہ سُنی۔ بالآخر ایک تیز آندھی نے سب کو پاش پاش کر دیا۔ ہستی سے نام و نشان بھی مٹ گیا صفحات تاریخ پر کہیں مفصل تذکرہ بھی نہیں ملتا۔

ثمود۔ یہ حضرت صالح کی قوم تھی اسی کو عاد ثانیہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی بڑے سرکش تھے۔ ان پر بھی عذاب الٰہی آیا۔ غیب سے ایک کڑکنا کی چیخ پیدا ہوئی جس سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور سب تباہ ہو گئے۔

قوم ابراہیم اس قوم کا بادشاہ نمرود بن کنعان تھا۔ بابل کا بڑا جبار سرکش اور ظالم انسان تھا۔ مچھروں کی فوج نے اس کو مع قوم کے غارت کیا۔

اصحاب مدین۔ یہ حضرت شعیب کی قوم تھی جو مدین میں رہتی تھی تجارت میں ناپنے تولنے کے وقت بے ایمانی کرتی تھی ان پر بھی عذاب الٰہی آیا بادل سے ابر سیاہ پیدا ہوا جس نے عالم کو گھٹا ٹوپ کر دیا۔ زمین میں زلزلہ آیا۔ بالآخر سب مر گئے۔

مؤتفکات۔ اُلٹی ہوئی بستیاں۔ یہ حضرت لوط کی قوم تھی۔ لواطت اور مداخلت بیجا میں مبتلا۔ طرح طرح کے معاصی میں منہمک۔ اللہ نے ان کی تمام بستیوں کو اُلٹ دیا سب تہ و بالا ہو گئے۔

مقصود بیان:۔ دورِ محمدی کے کفار و منافقین کی تشبیہ اقوام گذشتہ سے۔ اس بات کا ضمنی بیان کہ جسمانی بیش از بیش طاقت۔ دولت کی کثرت اور اولاد کی فراوانی عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتی بلکہ یہ خدا کی ڈھیل ہے۔ کچھ دنوں سرکش ظالم مزے اُڑا لیتے ہیں اور جتنا اُن کے مقدر میں ہے اُتنا عیش کرتے ہیں لیکن انجام کار اُن کی گرفت ہوتی ہے۔ در پردہ یہ بات بھی نکلتی ہے کہ لذات و خواہشات میں منہمک ہونا حق کو چھوڑ کر باطل پر اپنے تمام قوائے فکریہ کو صرف کرنا موجب تباہی ہے۔ کافر کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں سب بیکار اور نابود ہونگے۔ اللہ کے نزدیک سب مخلوق برابر ہے۔ وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا بلکہ انسان خود اپنے کو تباہ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ صرف بداعمالی کی پاداش دیتا ہے۔ وغیرہ۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے

اَوْلِيَاۤءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

رفیق ہیں نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں نماز کو باقاعدہ پڑھتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ

زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کو

وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰۤئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ

مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائیگا

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ

اسمیں شک نہیں کہ اللہ غالب اور صاحبِ تدبیر ہے مسلمان مردوں

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور مسلمان عورتوں سے اللہ نے اُن گھنے باغوں کا وعدہ کرلیا ہے جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ

اندر نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور

مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ

دوامی بہشت میں نفیس مکانوں کا بھی وعدہ کیا ہے

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ

اور اللہ کی تھوڑی سی خوشنودی ان سب سے بڑھ کر ہے یہی

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع ۹ ۱۵

بڑی کامیابی ہے

تفسیر قرآن پاک کا اسلوب بیان ہے کہ بروں کو نصیحت کرنے کے لئے اُن کے اعمال کا انجام اور نتیجہ ظاہر فرماتا ہے تاکہ نتیجہ پر غور کرکے وہ ڈر جائیں اور بدکرداری سے باز آجائیں۔ پھر اُن کے مقابل نیک طبقہ کا ذکر فرماتا ہے۔ اُن کے عقائد صحیحہ اور افعالِ حسنہ کے عمدہ نتائج ظاہر کرتا ہے تاکہ بدکرداروں کو اپنے افعال سے توبہ کرنے اور نیکی کرنے کی طرف رغبت ہو کیونکہ نصیحت کے صرف دو ہی طریقے ممکن ہیں ترہیب اور ترغیب ترہیب کی تکمیل اول صورت سے اور ترغیب کی تکمیل مؤخر الذکر صورت سے ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی خدا تعالیٰ نے پہلے کافروں اور منافقوں کی حالت اُن کے خصوصیات اور بالآخر نتیجۂ بد سے ظاہر فرمایا۔ اب اہلِ ایمان کی حالت خصوصیات اور نیک انجام کو بیان فرماتا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مؤمن مرد ہوں یا عورتیں سب باہم اقربا ہیں یعنی باعتبار حقانیت صداقت امر الٰہی کی اطاعت اور حکم رسول کی پیروی کے سب باہم محبت رکھتے ہیں دینی رشتہ سب کو جوڑے ہوئے ہے۔ سب ایک دوسرے کے مددگار غمخوار اور مونس و یار ہیں۔ حدیث صحیح وارد ہے کہ ایک مؤمن کے لئے دوسرا مؤمن ایسا ہے جیسے عمارت کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط بناتا ہے۔ یہ فرمانے کے وقت حضور صلعم نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا جال بنا کر بتایا۔ یعنی ہر مؤمن دوسرے مؤمن سے اس طرح وابستہ رہتا ہے جیسے کسی مکان کی اینٹیں یا انگلیوں کا جال۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ مؤمنوں کی باہمی شفقت و محبت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم کے اعضاء۔ ایک عضو میں درد ہوتا ہے تو تمام اعضاء میں بخار اور بیخوابی رہتی ہے اور سب کو درد ہوتا ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے مؤمنوں کے خصوصی اوصاف پانچ بیان فرمائے (۱) اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں یعنی جو امور عقل و شریعت کی رو سے اچھے ہیں اُن پر خود بھی کاربند ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اُن پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرتے ہیں (۲) بری باتوں سے منع کرتے ہیں یعنی شریعت و عقل نے جس چیز کو بُرا کہا اُس سے خود بھی باز رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں (۳) نماز کو ٹھیک وقت پر اعتدال ارکان اور پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں منافقوں کی طرح سستی گرانی اور بیدلی کے ساتھ نہیں پڑھتے (۴) زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یعنی غربا فقراء وغیرہ کی مالی امداد کا جو طریقہ شریعت نے مقرر کر دیا ہے اُس پر چلتے ہیں اور اہلِ حاجت کی حکمِ شرع کے موافق مدد کرتے ہیں (۵) اللہ اور رسول کے ہر حکم کو مانتے اور ہر فرمان کی تعمیل کرتے ہیں اپنی خواہش مرضی اور عقل کو دخل نہیں دیتے اور بغیر چون و چرا کرنے کے امتثالِ حکم کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں یہ پانچ اوصاف ہوں گے اللہ اُنہی پر رحم فرمائے گا۔ اپنی رحمت سے اُنکی مغفرت کر دیگا۔ بغیر کسی عذاب کے ابتدا ہی سے اُن کو دوامی جنتیں اور پاکیزہ خوشگوار مکانات رہنے کو عطا فرمائیگا۔ پھر ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ایک اور بڑی عنایت اُن پر ہوگی وہ یہ کہ اُن کو رضاءِ مولا حاصل ہوگی اور اُس کی خوشنودی کا سب سے چھوٹا حصہ بھی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو خطاب فرمائے گا۔ جنتی جواب دینگے لبیک وسعدیک۔ ارشاد ہوگا کیا تم خوش ہو گئے؟ اہل جنت عرض کرینگے پروردگار! ہم کس طرح راضی نہ ہوں گے۔ تو نے ہم کو وہ چیزیں عنایت فرمائیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہ دیں۔ ارشاد ہوگا کیا میں اس سے بہتر چیز تم کو عطا کروں؟ اہل جنت عرض کرینگے پروردگار! اس سے افضل اور کیا چیز ہے؟ ارشاد ہوگا میں اپنی رضامندی تم کو دیتا ہوں۔ اس کے بعد کبھی تم سے ناراض نہ ہونگا (رواہ البخاری ومسلم)

مقصود بیان:- اس امر کی صراحت کہ اہل ایمان باہم محبت اور شفقت رکھتے ہیں۔ گویا بطور مفہوم مخالف کے کہا جا سکتا ہے کہ جس مسلمان کو مسلمانوں سے ہمدردی نہ ہو وہ مسلمان ہی نہیں۔ مسلمانوں کے خصوصی اوصاف کا بیان اور اس بات کی طرف اشارہ کہ نماز پڑھنا زکوٰۃ دینا اچھی باتوں کا حکم دینا بُری باتوں سے منع کرنا فقط یہی ضروریات اسلام میں سے نہیں بلکہ خدا اور رسول کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دینا اور بغیر چون و چرا کے اُس پر عمل کرنا مسلمان کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے۔ آیات سے اس بات کا ضمنی استخراج ہوتا ہے کہ اسلام فقط قلبی اعتقاد ہی کا نام نہیں بلکہ نماز۔ زکوٰۃ تعمیل حکم الٰہی، پیروی رسول امور شرعی کے سامنے خمیدہ گردن ہو جانا سب ارکانِ اسلامی ہیں سَيَرْحَمُهُمْ کے لفظ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ کوئی شخص اعمال حسنہ اور

اور افعال خیر کی وجہ سے نجات نہیں پائیگا بلکہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے ایسے نیکوکار بندے کو معاف کر دے گا۔ گویا اُسکی نیک اعمالی موجب رحمت ہونگے اور رحمت موجب مغفرت۔ احادیث سے بھی یہی مضمون ثابت ہوتا ہے آیت میں صراحت ہے کہ اہلِ ایمان مرد ہوں یا عورتیں سب سے اللہ نے نجات و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ لوگ جنت میں ہمیشہ رہینگے لیکن سب سے بڑھ کر نعمت اُن کو اللہ کی رضامندی حاصل ہوگی۔ اللہ کی خوشنودی کا چھوٹا حصہ بھی تمام جنتوں سے بڑھ کر ہے۔ آیت میں زیادہ تلقین ہے کہ مسلمان اپنے ہر قول و عمل میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کو پیش نظر رکھے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو

وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ وَمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَـنَّمُ‌ؕ وَ

اور اُن پر سختی کرو اُن کا ٹھکانا جہنم ہے اور

بِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ‏ ۞ يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا

وہ بُری جگہ ہے وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے تو

قَالُوۡا ؕ وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡـكُفۡرِ وَ

نہیں کہا حالانکہ وہ کفر کی بات کہہ چکے ہیں اور

كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ وَهَمُّوۡا بِمَا

مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو چکے ہیں اور ایسی چیز کا ارادہ کر چکے ہیں

لَمۡ يَنَالُوۡا‌ ۚ وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ

جو اُن کو نہ مل سکی اور یہ سب کچھ اس بات کا بدلہ دیا کہ

اَغۡنٰٮهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ ۚ

اللہ اور اُس کے رسول نے بفضلِ خدا اُن کو دولت مند کر دیا

فَاِنۡ يَّتُوۡبُوۡا يَكُ خَيۡرًا لَّهُمۡ‌ ۚ وَ

سو اگر وہ توبہ کر لیں تو اُن کے حق میں بہتر ہے اور

اِنۡ يَّتَوَلَّوۡا يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا

اگر رُخ پھیر لیں تو اللہ اُن کو دنیا و آخرت میں

اَلِيۡمًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ ۚ وَمَا لَهُمۡ

دردناک سزا دے گا اور روئے زمین پر

فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ‏ ۞

اُن کا نہ کوئی حمایتی ہے نہ مددگار

تفسیر اوپر کی آیت میں منافقوں اور کافروں کے اعمال و نتائج بیان کر کے عذاب کی وعید کی تھی پھر مسلمانوں کے افعال و نیک انجام ظاہر کر کے اہل کفر کو اسلام کی طرف رغبت دلائی تھی۔ جب دونوں طریقوں سے اتمام حجت ہو گیا اور مخالفین اسلام اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو جہاد کا حکم دیتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ جہاد کے یہ معنی ہیں کہ اول زبان سے اُن کو نصیحت اور فہمایش کرو۔ اگر اس طرح فتنہ انگیزی سے باز نہ آئیں تو اور سختی کرو۔ اس پر بھی نہ رُکیں تو تلوار سے فتنہ کی بیخ کنی کرو۔ چونکہ منافقوں سے جہاد کرنے کے متعلق اقوال مختلف ہیں اس لئے ہم اُن کو علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔ اگرچہ جہاد کرنے کا صحیح مطلب ہم نے بیان کر دیا۔

حسن، قتادہ اور مجاہد کا قول ہے کہ منافقوں سے جہاد کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اُن کو شرعی سزا دی جائے۔ یعنی جب ایسا فعل کریں جس کی شرعاً حد اور سزا مقرر ہے تو بغیر رعایت کے اُن کو مقررہ سزا دی جائے مگر صاحب بیضاوی نے اس مطلب کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ مقررہ سزا دینے کا حکم تو منافق و مسلم سب کے لئے برابر ہے۔ ضحاک، مقاتل اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ کفار سے جہاد تلوار سے کیا جائے اور منافقوں سے زبانی کلام میں سختی اور درشتی کیجائے امام رازی کی یہی رائے ہے اور ابن عباس سے بھی یہی روایت ہے۔ ابن مسعودؓ نے اتنی بات زائد بیان کی ہے کہ ہاتھ سے روکے اور قدرت نہ ہو تو زبانی سختی کرے شیخ ابن جریر کہتے ہیں کہ منافق جب کھلم کھلا نفاق ظاہر کرے تو اُس پر تلوار سے جہاد کیا جائے۔ اسی کی تائید حضرت علیؓ کے اُس قول سے ہوتی ہے جس میں آپنے فرمایا کہ حضور اقدسؐ کو چار تلواریں عطا کی گئی تھیں۔ ایک تلوار مشرکوں کے لئے جسکا بیان آیت فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُـرُمُ میں ہے اور دوسری تلوار اہل کتاب کے لئے جس کا بیان آیت قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ میں ہے اور تیسری تلوار منافقوں کے لئے جس کا بیان آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ میں ہے اور چوتھی تلوار مسلمان باغیوں کے لئے جس کا بیان آیت فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ میں ہے۔

اس سے آگے خدائے بزرگ ارشاد فرماتا ہے کہ منافق اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کیا مگر وہ جھوٹے ہیں انہوں نے ضرور کفر کا کلمہ کہا اور اظہار اسلام کے بعد پھر کلمۂ کفر زبان سے نکالا۔ اس آیت کا مطلب واضح کرنے کیلئے

مختلف راویوں نے مختلف قصے نقل کئے ہیں کیونکہ آیت سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منافقوں نے کوئی کفریہ بات کہی تھی۔ وہ کیا تھی؟ اس کی تفصیل ذیل میں پڑھو۔

ابن کثیر نے بروایت قتادہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن اُبی کے بارہ میں نازل ہوئی۔ بمقام تبوک ایک انصاری کا جھگڑا قبیلۂ جُہینہ کے ایک آدمی سے ہوگیا۔ جہینی شخص نے انصاری پر اپنی فضیلت ظاہر کی اور شیخی ماری۔ عبداللہ بن اُبی بولا:۔ محمدؐ کی مثل ہم میں ایسی ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ اپنا کُتا پال پال کے موٹا کرو تاکہ وہ تم کو ہی کھا جائے۔ یعنی ہم نے ہی محمدؐ کو پالا وہی ہم کو کھاتا ہے۔ جس وقت ہم مدینہ پہنچینگے تو دیکھنا جو باعزت لوگ ہیں وہ ذلیلوں کو باہر نکال پھینکیں گے۔ اس منافق کے ان خبیث الفاظ کی اطلاع کسی نے حضور اقدسؐ سے جاکر کر دی۔ حضورؐ نے عبداللہ بن ابی کو طلب فرماکر دریافت کیا۔ عبداللہ صاف انکار کرگیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عبداللہ بن فضل نے بروایت انس بن مالک بیان کیا کہ ایک روز حضور والاؐ تقریر کر رہے تھے۔ ایک شخص بولا اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے بدتر ہوئے۔ حضرت زید بن ارقم بولے ہاں واللہ محمدؐ سچے ہیں اور تو ضرور گدھے سے بدتر ہے۔ جب حضورؐ کے سامنے اس واقعہ کا مرافعہ کیا گیا تو وہ منافق منکر ہوگیا۔ اس پر حضرت زید بن ارقم کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

محمد بن اسحاق نے بروایت حضرت کعب بن مالک انصاری بیان کیا۔ کعب کہتے ہیں (جب میں تبوک کو نہ جاسکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے اور کچھ لوگوں نے جھوٹی معذرتیں پیش کرنی شروع کر دیں تو) جن منافقوں کی عدم شرکت کی فضیحت کے متعلق قرآن نازل ہوا اُن میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو رسول اللہؐ کے ساتھ موجود تھے (اور پھر بھی قرآن میں اُن کی رسوائی ظاہر کی گئی) چنانچہ ایک منافق جُلاس بن سوید بن صامت بھی تھا۔ جُلاس نے عمیر بن سعد کی ماں سے نکاح کر لیا تھا اس لئے عمیر اُسکی زیر تربیت تھے۔ منافقوں کی رسوائی کی آیات سُن کر جُلاس بولا اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم لوگ گدھوں سے بدتر ہیں۔ عمیر بن سعد یہ بات سن کر بولے جُلاس اللہ کی قسم میں تمام لوگوں سے تجھے زیادہ چاہتا ہوں تیرے مجھ پر بہت احسان ہیں مجھے منظور نہیں کہ تجھے بُرائی پہنچے لیکن تو نے بات ایسی کہی جس کے چھپانے میں خیانت اور ظاہر کرنے میں تیری رسوائی ہے اور تیری طرف سے مجھے اپنی ہلاکت کا اندیشہ بھی ہے۔ تاہم مؤخرالذکر صورت میرے واسطے سہل ہے۔ اس کے بعد عمیر نے جاکر حضور اقدسؐ سے واقعہ عرض کر دیا۔ جُلاس نے جاکر قسمیں کھائیں کہ میں نے ایسا نہیں کہا اور عمیر کا دشمن ہوگیا اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی اس کے بعد جُلاس نے سچے دل سے توبہ کرلی (رواہ محمد بن اسحاق) عروہ بن زبیر کے نزدیک بھی آیت مذکورہ جُلاس کے حق میں نازل ہوئی۔ بہرحال آیت میں کچھ صراحت نہیں اور قصے متعدد واقع ہوئے۔ ہر ایک پر آیۃ کو محمول کیا جاسکتا ہے۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

منافقوں نے ایک بات کا ارادہ کیا تھا مگر اُس کو عمل نہ کر سکے۔

اس سے مراد بعض علماء کے نزدیک وہی عمیر کا قصہ ہے کہ عمیر نے جب واقعہ کا انکشاف کر دیا تو جلاس اُسکو قتل کرنے کے درپے ہوگیا لیکن قتل نہ کر سکا یہاں تک کہ خود مسلمان ہوگیا۔ س۔ی کہتے ہیں یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے عبداللہ بن ابی کے سر پر تاج حکومت رکھنا چاہا تھا مگر ایسا نہ کر سکے۔ اس قصہ کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر وغیرہ کہتے ہیں کہ تبوک سے واپسی میں بارہ منافقوں نے راستہ میں چھپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی تاریکی میں شہید کر ڈالنے کا ارادہ کیا اور عمار بن یاسر نے اُن کو مار کر بھگا دیا۔ اسی قصہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے (رواہ احمد والبیہقی) بہرحال یہاں بھی آیت میں صراحت نہیں اور قصے متعدد ہیں۔

اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ نازیبا حرکات احسان کے مقابلہ میں کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی کہ جسکا یہ انتقام لیتے بلکہ اللہ نے اور اُس کے رسول نے ان کو تونگر کر دیا پہلے نادار تھے اب مالدار ہوگئے۔ مالِ غنیمت کے حصے ان کو ملے۔ اس احسان کا انہوں نے یہ بدلہ دیا۔ چنانچہ جلاس بہت غریب آدمی تھا اس کا ایک غلام مارا گیا حضورؐ نے مقتول کے خونبہا کے بارہ ہزار درہم اسکو دلوائے جس سے وہ دولتمند ہوگیا مگر پھر بھی حضورؐ کی بُرائی کے درپے رہا۔

اس سے آگے فرماتا ہے کہ اب بھی اگر یہ سچی توبہ کرلیں تو ان کے لئے بہتر ہے ورنہ دنیا و آخرت میں ان کو سخت دُکھ اٹھانا پڑے گا۔ آخرت کا عذاب تو ہوگا ہی مگر دنیا میں بھی ان کمبختوں کو ایسا دُکھ پہنچا جس سے جاں بر نہ ہو سکے آتشیں پھوڑوں نے ان کو سوختہ کر دیا۔ نعوذ باللہ منہا۔

مقصود بیان:۔ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم اس امر کی صراحت کہ ان پر سختی کی جائے۔ اس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ دشمنانِ اسلام پر سختی کرنی چاہئے۔ آیت سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ جو شخص زبان سے اسلام کا اقرار کرے اگرچہ دل میں منافق ہو مگر ظاہری حکم اُس پر اسلام کا لگایا جائیگا کفار کی خفیہ تدبیروں کی صراحت۔ اس امر کی تصریح کہ منافق بڑے احسان فراموش تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ساتھ احسانات کئے مگر اُنہوں نے بھلائی کا بدلہ بدی سے دیا۔ گویا ضمنی تنبیہ اس بات پر بھی ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مال و دولت عنایت فرمائے وہ سرکشی چھوڑ دے اور حکمِ الٰہی کے سامنے سر جھکا دے۔ منافقوں کی توبہ مقبول ہے اللہ نے اُن کو ہر وقت باآسانی توبہ کرنے کا موقعہ عنایت کیا ہے۔ آیت میں منافقوں کے متعلق پیشین گوئی ہے کہ ان پر دنیوی عذاب بھی آئے گا۔ اور آخرت میں ان کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔

وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا

ان میں سے بعض لوگوں نے تو اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہم کو

مِن فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ

اپنے فضل سے عطا فرمائیگا تو ہم ضرور خیرات دینگے اور نیک

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُم مِّن

بن جائیں گے لیکن جب خدا نے ان کو اپنے

فَضْلِهٖ بَخِلُوا بِهٖ وَتَوَلَّوا وَّهُم

فضل سے عطا فرمایا تو لگے اُس میں بخل کرنے اور رخ پھیر کر

مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ

چلتے بنے نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے وعدہ خلافی کرنے

قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا

اور جھوٹ بولنے کے عوض نفاق اُس دن تک کے لئے قائم

اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

کردیا جبکہ وہ خدا سے ملیں گے

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ

کیا یہ واقف نہیں کہ اللہ اُن کے راز اور سرگوشی کو

نَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝

جانتا ہے اور وہ بلاشبہہ غیب کی باتوں سے خوب واقف ہے

تفسیر ابن جریر و ابن ابی حاتم نے بروایت حضرت ابوامامہ باہلی رضؓ بیان کیا کہ ایک مرتبہ ثعلبہ بن حاطب انصاری رضؓ نے خدمت گرامی میں عرض کیا یارسول اللہ! دعا فرمائیے کہ خدا تعالیٰ مجھے دولت عنایت فرمائے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اے ثعلبہ وہ تھوڑا مال جسکا تو شکر ادا کرے اُس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا شکریہ ادا کرنے کی تجھ میں طاقت نہو۔ ثعلبہ نے مکرر درخواست کی حضورؐ نے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ اللہ کے رسول کی طرح تیری حالت ہو۔ قسم ہے اُس خدا کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر میں چاہوں تو سونے چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں۔ ثعلبہ نے تیسری بار اصرار کیا اور عرض کیا قسم ہے اُس خدا کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا اگر آپ اللہ سے دعا کریں اور خدا تعالیٰ مجھے مالدار کردے تو میں ہر حقدار کو اُس کا حق ضرور پہنچاؤں گا۔ حضورؐ نے دعا فرمائی الٰہی ثعلبہ کو مال عطا فرما۔ چنانچہ ثعلبہ نے چند بکریاں لیں اور تھوڑی مدت میں اُن میں اتنی برکت اور کثرت ہوئی کہ ثعلبہ مدینہ میں نہ رہ سکا آبادی سے باہر اُس نے اپنا مسکن بنالیا۔ لیکن اب اُس نے فجر مغرب اور عشار کی جماعت چھوڑ دی۔ صرف ظہر و عصر کی جماعت میں آکر شریک ہوتا تھا اور کچھ دنوں کے بعد ظہر و عصر کی جماعت بھی چھوڑ دی صرف جمعہ کو آتا رہا۔ بکریوں کا بڑھاؤ برابر کیڑوں کی طرح جاری تھا۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد جمعہ سے بھی غیر حاضر ہوگیا اور آنے جانے والوں سے رسول اللہؐ کی حالت دریافت کرلیتا تھا۔
ایک روز حضورؐ نے فرمایا ثعلبہ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے واقعہ عرض کردیا۔ حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا ثعلبہ کی بربادی۔ پھر جب حکم الٰہی ہوا کہ صدقات و زکوٰۃ وصول کرو تو حضورؐ نے دو آدمی مقرر کئے اور مسلمانوں سے وصول صدقات کی تحریر اُن کو لکھدی اور دونوں سے فرمادیا کہ ثعلبہ کے اور فلاں سلمی شخص کے پاس بھی جانا اور مال صدقہ اُن سے لے آنا۔ حسب الحکم دونوں روانہ ہوکر ثعلبہ کے پاس پہنچے اور فرمان گرامی سُنا کر مال صدقہ طلب کیا۔ ثعلبہ بولا یہ تو بالکل جزیہ ہوا۔ جزیہ کا بھائی صدقہ ہے میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اچھا تم جاؤ۔ جب فارغ ہوجاؤ تو پھر آنا۔ دونوں صاحب چل دیے اور سلمی شخص کے پاس پہنچے۔ اُس کے پاس اونٹ تھے اُس نے بے چون وچرا کئے بہترین اونٹ صدقہ میں دیے۔ ہرچند محصلوں نے کہا ہم کو بہترین مال لینے کا حکم نہیں ہوا۔ ایسے عمدہ چھنٹے ہوئے اونٹ صدقہ میں دینا واجب نہیں مگر سلمی نے ایک نہ مانی اور بولا واجب نہ سہی میری خوشی اسی میں ہے۔ یہ سب صدقہ ہی کے لئے ہیں۔ غرض دونوں صاحب وہ اونٹ لیکر آئے۔ دوسرے مسلمانوں سے مقررہ زکوٰۃ وصول کی اور لوٹ کر ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ ثعلبہ نے پھر وہی پہلی بات کہی اور بالآخر کہدیا تم اس وقت جاؤ۔ میں اس کے متعلق غور کروں گا۔ دونوں حضرات لوٹ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی کچھ عرض بھی نہ کیا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا ثعلبہ کی بربادی اور سلمی شخص کو دعا دی۔ دونوں صاحبوں نے سلام کرکے واقعہ عرض کیا اسپر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ نزول آیات کے وقت حضورؐ کے پاس ثعلبہ کا ایک رشتہ دار موجود تھا اُس نے جاکر ثعلبہ کو اطلاع دی کہ تیرے حق میں یہ وعید نازل ہوئی ہے۔ ثعلبہ فوراً خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور مال صدقہ پیش کرکے قبول کرنے کا امیدوار ہوا۔ مگر حضورؐ نے فرمایا مجھے تیرا مال قبول کرنے کی ممانعت ہے۔ ثعلبہ بہت بدحال ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ سبب تیرا ہی کیا ہوا ہے۔ میں نے تجھے حکم دیا تھا تو نے نہ مانا۔ الحاصل ثعلبہ ناکام واپس چلا گیا۔ حضورؐ نے اپنی زندگی میں اُس کا صدقہ قبول نہ فرمایا

حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بھی قبول نہ کیا۔ خلافت عثمانی میں ثعلبہ کا انتقال ہوگیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ منافقوں میں سے بعض آدمی (ثعلبہ) اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ ہم کو مال عنایت کریگا تو ہم صدقہ دینگے اور دوسرے نیکوکاروں میں ہم بھی داخل ہوجائینگے یعنی ہم حق والوں کو اُن کا حق ادا کرینگے۔ اہلِ حاجت کی مدد کرینگے اور شرعی مقررہ حصہ دیتے رہینگے لیکن جب اللہ نے اُن کو مالدار کردیا تو اُن کے اندر دو وصف پیدا ہوگئے اول تو کنجوسی کرنے لگے گذشتہ عہد و پیمان بالکل بھلادیا۔ دوسرے حکمِ الٰہی سے مُنہ موڑکر چل دیئے کچھ پرواہ نہ کی کہ اللہ کا کیا حکم ہے۔ اس خلاف ورزی اور تکذیب کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے دلوں میں خلوص نہ رہا اللہ نے اُن کے سینوں میں نفاق قائم کردیا اور ایسا قائم کردیا کہ مرتے دم تک اُن کے دلوں میں قائم رہیگا زائل نہ ہوگا۔ کیا وہ واقف نہیں کہ اللہ اُن کی ہر حالت کو جانتا ہے ظاہر باطن یہانتک کہ راز اور سرگوشی کی باتیں بھی اللہ کو معلوم ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار باتیں ہیں جس شخص میں وہ چاروں ہونگی وہ پورا منافق ہے اور جس میں اُن میں کی کوئی ایک ہوگی اُس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ وہ چاروں یہ ہیں:۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جھگڑے کے وقت فحش بکے۔ وعدہ کرنے کے بعد اُس کی خلاف ورزی کرے۔ اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو اُس میں خیانت کرے (رواہ عبداللہ بن عمرو بن العاص) بعض روایتوں میں دوسری خصلت کا ذکر نہیں ہے۔

مقصود بیان:۔ کثرتِ مال اکثر موجب تباہی ہوجاتی ہے۔ تھوڑا مال بہتر ہے۔ جس مال کا صدقہ نہ دیا جائے وہ انسان کو برباد کردیتا ہے عہد کی خلاف ورزی اور جھوٹ بولنا نفاق کی علامات بلکہ اسبابِ نفاق ہیں۔ بخل کرنا اور احکامِ الٰہی سے سرتابی کرنا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ آیت میں اخبار عن الغیب کے ساتھ ساتھ پیشین گوئی بھی ہے کہ ثعلبہ کا نفاق مرتے دم تک نہ جائیگا اور یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ
یہی لوگ دل کھول کر خیرات کرنے والے مسلمانوں پر
الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ
اور اُن لوگوں پر جن کو مزدوری کے سوا کچھ میسّر نہیں
اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ
طعن کرتے ہیں اور اُن کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ نے بھی
اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○
اُن کو مذاق کی پاداش دی ان کے لئے دردناک عذاب ہے

تفسیر منافقوں کی عادات میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ مسلمانوں پر ہر وقت نکتہ چینی کرتے تھے۔ اگر کوئی مسلمان بخلوص خاطر کچھ زائد مال صدقہ میں دیتا تو وہ کہتے اس نے دکھانے اور ریاکرنے کے لئے دیا ہے اور کوئی غریب آدمی ہے زیادہ مال میسّر نہیں کوئی معمولی چیز بطور صدقہ اُس نے پیش کی تو اُس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو حضورؐ نے صدقہ دینے کے متعلق وعظ فرمایا۔ ایک شخص نے بکثرت مال خدمت گرامی میں لاکر حاضر کردیا اور عرض کیا جس صورت سے مناسب ہو اسکو تقسیم کردیجئے۔ منافق کہنے لگے اس شخص نے دکھانے کے لئے ایسا کیا ہے۔ ایک اور شخص نہایت تنگدست اور نادار تھے جن کا نام ابوعقیل تھا اُنہوں نے (مزدوری کرکے) ڈیڑھ سیر چھوارے خدمت گرامی میں بہ نیت صدقہ پیش کئے تو منافق کہنے لگے اللہ کو اس کے صدقہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی (بخاری و مسلم) ابوبکر، بزار وغیرہ نے بروایت ابی ہریرہ و ابن عباسؓ و مجاہد و ابن اسحاق بیان کیا ہے کہ اصحاب استطاعت میں سے عبدالرحمٰن بن عوف نے چار ہزار درہم اور عاصم بن عدی نے چار من کھجوریں بطور صدقہ پیش کی تھیں۔ منافق بولے۔ انہوں نے ریاکاری سے صدقہ دیا ہے۔ حالانکہ حضور اقدسؐ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے فرمایا تھا۔ خدا تیرے مال صدقہ میں برکت دے اور اُس مال میں بھی برکت دے جو تونے رکھ چھوڑا ہے۔ اُدھر ابوعقیل کا قصہ اور اُن پر طعن تو اوپر گذر ہی چکا ہے۔ بہرحال یہ حالت تھی کہ خدا نے آیت مذکورہ نازل کی۔

حضرت ابوالسلیل کہتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ بقیع کے جلسہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے جو شخص اللہ کے واسطے کچھ صدقہ دیگا میں خود قیامت کے دن اُس کا شاہد ہونگا۔ میں نے یہ فرمان سن کر اپنے عمامہ میں سے ایک یا دو (درہم) صدقہ دینے کی غرض سے کھولے لیکن فوراً انسانی خطرہ دل میں آیا (کہ یہ بہت حقیر رقم ہے) اسلئے عمامہ کی گرہ پھر باندھ لی۔ اتنے میں ایک سیاہ فام پستہ قد بدشکل آدمی ایسا آدمی میں نے بقیع میں دوسرا نہیں دیکھا اُس کے ساتھ ایک اونٹنی بھی تھی جس کی مثل خوبصورت اونٹنی میں نے نہیں دیکھی۔ اُس نے آکر کہا یا رسول اللہ! یہ صدقہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا بہت اچھا۔ ایک منافق نے اُس شخص پر کچھ نکتہ چینی کی اور کہنے لگا ایسا (بدشکل) آدمی اور اس نے ایسی خوبصورت اونٹنی دیدی۔ واللہ یہ اونٹنی تو اُس سے اچھی ہے۔ حضورؐ نے یہ کلام سن کر

فرمایا تو چھوٹا ہے۔ وہ شخص تجھ سے اور اس اونٹنی سے دونوں سے اچھا ہے۔ الحدیث (رواہ احمد) غرض منافق اہل اسلام کے صدقات پر اس طرح کی نکتہ چینی کیا کرتے تھے اُن کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ ان منافقوں کی عجب حالت ہے جو مسلمان دل کھول کر صدقہ دیتے ہیں اُن پر یہ طعن وطنز کرتے ہیں اور ایسی خیرات کو ریاکاری پر محمول کرتے ہیں اور جن لوگوں کو سواء محنت مزدوری کے اور کچھ توفیق نہیں اور وہ اپنی محنت کا پیسہ خیرات میں دیتے ہیں تو منافق اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ خدا ان کو ان کے مسخرہ پن کرنے کی سزا دیگا اور انہی کو مسخرہ بنائیگا اور آخرت میں تو المناک عذاب ان پر ہوگا ہی۔

مقصود بیان:۔ کسی مؤمن پر ناجائز طنز یا کسی کا مذاق اڑانا نفاق کی علامت ہے مسلمانوں کو اس سے پرہیز لازم ہے۔ صدقہ و خیرات ہو خواہ قلیل ہو یا کثیر اگر بخلوص نیت ہو تو مقبول ہے جس طرح دولتمندوں کا دل کھول کر راہِ خدا میں دینا قابل مدح ہے ویسے ہی غریب مزدوروں کا محنت مزدوری کرکے تھوڑی سی خیرات کرنی بھی قابل استحسان ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
(اے محمدؐ!) آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں (دونوں برابر ہیں)

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً
اگر ستر بار بھی آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں گے

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
تو اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا کیونکہ انہوں نے

كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ
اللہ اور اُس کے رسول کو نہیں مانا اور اللہ

لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ع
فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا

تفسیر: عبداللہ بن ابی بن سلول مدینہ کے منافقوں کا سردار تھا۔ بظاہر مؤمن ہوگیا تھا۔ لیکن باطن میں حضورؐ کی ایذا رسانی کے درپے رہتا تھا۔ اسی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ تم ہی نے محمدؐ کے پاس اُن کے ساتھیوں کو کھانا کپڑا دیکر جمع کر رکھا ہے ورنہ سب متفرق ہوجاتے۔ تبوک میں اسی نے کہا تھا کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو جو لوگ عزت دار ہیں وہ بے عزتوں کو نکال باہر کردینگے۔ غرض یہ پکا منافق تھا بظاہر مسلمانوں کی مدد کے لئے اس نے کچھ مال بھی دیا تھا اور گرفتارانِ بدر میں سے حضرت عباسؓ کو اس نے اپنی قمیص پہنائی تھی۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا عبداللہ جو خالص مؤمن تھا منافق نہ تھا خدمت گرامی میں حاضر ہوا باپ کے مرنے کی اطلاع دی اور باپ کے لئے مغفرت کی دعا کا طالب ہوا۔ حضورؐ نے اپنا پیراہن مبارک عبداللہ کو عنایت فرمایا تاکہ وہ اپنے باپ کی میت کو پہنائے اور دعاء مغفرت کا وعدہ فرمایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضورؐ نے اُس کے لئے دعاء مغفرت کی اور جنازہ کی نماز پڑھائی اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ آیۃ کا مورد اگرچہ خاص ہے مگر حکم عام ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ منافق درحقیقت کافر ہیں اور جو لوگ ازلی کافر ہیں جن کا کافر ہونا قطعی ہے اُن کو خدا تعالیٰ منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا ہے۔ لہٰذا اے نبی تم ان کے لئے کتنی ہی دعاء مغفرت کرو اللہ ان کو نہیں بخشے گا کیونکہ یہ اللہ اور اُس کے رسول کے منکر ہیں یعنی ان کی عدم مغفرت کی یہ وجہ نہیں کہ اللہ بخیل ہے یا تم میں کچھ قصور ہے بلکہ ان کا کفر خود عدم مغفرت کا موجب ہے۔

مقصود بیان:۔ منافق یا کافر کے لئے دعاء مغفرت نہ کرنی چاہئے یہ لوگ رحمت الٰہی سے محروم ہیں یہانتک کہ دعاء نبی بھی ان کے لئے مفید نہیں جو لوگ رسول اللہؐ کے منکر ہیں اگرچہ خدا کو مانتے ہیں وہ کافر ہیں۔ منافقوں پر اگرچہ بظاہر اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں جزیہ وغیرہ نہیں لیا جاتا مگر حقیقت خدا کے ہاں وہ کافر ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کا لفظ اسی طرف اشارہ کررہا ہے کہ اللہ بخیل نہیں۔ نہ اللہ کو کسی سے ذاتی دشمنی ہے بلکہ انسان کی بداعمالی خود اُس کو تباہ کرتی ہے۔ وغیرہ۔

تحقیق لفظی: سَبْعِيْنَ کے معنی کلام عرب میں ستر کے ہیں۔ لیکن عرف عام میں کثرت تعداد مراد ہوتی ہے اور یہاں بھی کثرت ہی مراد ہے حصر عدد مقصود نہیں۔ چونکہ حضور اقدسؐ اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق تھے اس لئے باوجود اس جاننے کے کہ کثرت تعداد مراد ہے پھر بھی آپ نے ایسے الفاظ فرمائے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید مخصوص عدد مراد ہے۔ جب عبداللہ بن ابی کے لئے دعاء مغفرت کرنے کی ممانعت میں یہ حکم نازل ہوا کہ اگر تم ستر مرتبہ ان کے لئے دعاء مغفرت کروگے تو اللہ پھر بھی ان کو ہرگز نہ بخشے گا تو حضورؐ نے فرمایا میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرونگا۔ یہ صرف محبت امت تھی۔ شیخ عکبری نے تبیان فی اعراب القرآن میں صراحت کی ہے کہ حضور اقدسؐ کا مذکورہ بیان ایک خاص اسلوب کلام کو حاوی ہے کیونکہ لفظ کو بظاہر ایسے معنی پر محمول کرنا جس کا احتمال تو ہو مگر یہ بات بھی معلوم ہو کہ یہ محتمل معنی یہاں مراد نہیں ہے ایک خاص بلاغت ہے جس طرح

قبعثری شاعر نے حجاج سے کہا تھا میں تجھے ادہم پر سوار کروں گا ادہم مشکی گھوڑے کو اور بیڑیوں کو کہتے ہیں۔ قبعثری واقف تھا کہ حجاج مجھے قید کی دھمکی دے رہا ہے اور ادہم سے مراد بیڑیاں ہیں لیکن حجاج کے غصہ کو فرو کرنے کے لئے اُس نے اُس کلام کے معنی بدل دیا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا میں آپ کی دھمکی کو نہیں سمجھا بلکہ آپ کے کلام کو بشارت انعام سمجھا ہوں چنانچہ جواب میں کہنے لگا آپ جیسے سردار مشکی گھوڑے پر اور سرنگ گھوڑے پر دونوں پر سوار کردیتے ہیں۔ گویا قبعثری نے ادہم کے معنی مشکی گھوڑے کے لئے باوجودیکہ واقف تھا کہ حجاج کی مراد بیڑیاں ہیں۔ اسی طرح حضور اقدس صلعم اگرچہ واقف تھے کہ لفظ سبعین سے خاص مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے لیکن پھر بھی حضور نے شفقت امت کی بنا پر فرمایا میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرونگا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ

جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے وہ اپنے بیٹھ رہنے سے برخلاف

رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا

رسول اللہ کے خوش ہوئے اور راہِ خدا میں اپنے مال و جان سے

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جہاد کرنا اُن کو برا لگا

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ

اور بولے کہ گرمی میں نہ کوچ کرو (اے نبی) تم کہدو کہ دوزخ

جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○

کی آگ بہت زیادہ گرم ہے کاش اُن کو سمجھ ہوتی

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا

اب اُن کو اپنے کرتوت کے عوض کم ہنسنا

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

اور زیادہ رونا چاہئے

تفسیر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ہمراہ لیکر افواج ہرقل کے مقابلہ کے ارادہ سے مقام تبوک علاقہ شام کو تشریف لے گئے تو منافقوں کی ایک جماعت حیلہ بہانہ کر کے پیچھے رہ گئی حضور صلعم کے ساتھ تبوک کو نہ گئی اور ایک دوسرے سے کہنے لگی گرمی سخت پڑرہی ہے۔ اس سخت گرمی میں کون جائے۔ چنانچہ رہ گئے اور جب حضور صلعم تشریف لیگئے تو پیچھے ہنسنے اور مذاق کرنے لگے کہ دیکھو ہم نے کیسا دھوکا دیا بعض روایات میں آیا ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت نے جھوٹ بول کر مدینہ میں رہ جانے کی حضور صلعم سے اجازت لے لی تھی اور عذر یہ تراشا تھا کہ اگر آپ کے ساتھ ہم بھی چلے جائینگے تو مدینہ خالی رہ جائیگا۔ شاہِ غسان اور بعض دیگر قبائل عرب کے حملہ کا اندیشہ ہے لہذا ہم کو یہیں چھوڑ جائیے یہ حیلہ تراش گروہ صرف منافقوں کا تھا۔ انہی کے بارہ میں آیات مذکورہ نازل ہوئیں تین خالص مؤمن بھی باقتضاء بشریت رہ گئے تھے مگر انہوں نے کوئی حیلہ تراشی نہیں کی بلکہ اپنا قصور ظاہر کیا۔ وہ لوگ یہاں مراد نہیں ہیں اُن کی مغفرت کی صراحت دوسری آیات میں موجود ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے منافقوں کی جو جماعت مدینہ میں رہ گئی تھی وہ اپنے حیلہ کی کامیابی اور چال چلنے پر خوش ہوئی اُس کو گوارا نہ ہوا کہ راہِ خدا میں جانی اور مالی قربانی کرے۔ بلکہ گرمی کی شدت کی وجہ سے اُنہوں نے باہم ایک دوسرے کو جہاد پر جانے سے منع کیا اور جب اُن کو مدینہ میں چھوڑ دیا گیا تو ہنسی اُڑانے لگے کھل کھلا کر ہنستے تھے اور شادان و شادماں تھے۔ اے نبی! تم ان سے کہدو کہ تم کو موسمی گرمی کا خیال ہوا حالانکہ دوزخ کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے کاش ان میں اتنی سمجھ ہوتی کہ تھوڑی دیر کی تکلیف کو اختیار کرتے اور ابدی نجات حاصل کرتے۔ مگر انہوں نے ابدی عذاب اختیار کیا اور تھوڑی دیر کی تکلیف برداشت نہ کی اب ان کو کچھ مدت کے لئے ہنسنے دو جیتے دم تک ہنس لیں آخرت میں ان کو بے انتہا ہمیشہ رونا پڑے گا اور یہ دوامی گریہ ان کی بداعمالی کی وجہ سے ہوگا یعنی خدا ظالم نہیں نہ اُس کو کسی سے عناد ہے بلکہ جو جیسا کریگا ویسا بھریگا۔ مختلف احادیث میں آتا ہے کہ مؤمن ہمیشہ ابتلاء میں رہتا ہے لیکن شکر اور صبر کرتا ہے اور گناہوں کا کفارہ دیکر پاک صاف مرتا ہے اور اپنے پروردگار کے سامنے جاتا ہے اور منافق کھجور کے درخت کی طرح کسی آندھی سے جھونک نہیں کھاتا یہانتک کہ ایک بار جڑ سے گر جاتا ہے۔

مقصود بیان: منافقوں کے نفاق اور مکاری کا اظہار۔ اس امر کی صراحت کہ اہلِ نفاق راہِ خدا میں قربانی کرنے کو پسند نہیں کرتے نہ مال خرچ کرنا چاہتے ہیں نہ جان کو دُکھ دیتے ہیں بلکہ موسمی گرمی بھی رضاءِ مولی کے لئے برداشت نہیں کرتے نہ مسلمانوں کی امداد کا ان کو خیال ہوتا ہے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کا کچھ لحاظ۔ بلکہ نفس کے بندے ہیں۔ احکامِ الٰہی کے مقابلہ میں خواہش نفس اُن کو زیادہ محبوب ہے خود بھی احکامِ خداوندی کی پیروی نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں گویا مسلمانوں کو ضمنی تنبیہ ہے کہ راہِ خدا میں مالی اور جانی قربانی

کرو۔ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مصائب برداشت کرو گرمی سردی کا خیال نہ کرو مسلمانوں کا ساتھ دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرو۔ احکامِ الٰہی کے مقابلہ میں نفسانی خواہشات کو ترک کرو۔ دنیا تمہارے لئے دار البکار ہے۔ اگر مصائب میں گرفتار ہو کر کچھ دنوں یہاں رو لوگے تو کچھ ہرج نہیں آخرت میں ہمیشہ ہنستے رہو گے۔ منافقوں کی طرح نہ بن جاؤ جو چند روزہ مسرت و شادمانی پر پھولے ہوئے ہیں اور مرنے کے بعد ہمیشہ ان کو روتا رہنا پڑے گا۔ وغیرہ۔

فَإِن رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ

اگر اُن کے کسی گروہ کی طرف تم کو خدا واپس لے جائے

فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا

اور وہ تم سے جہاد پر جانے کی اجازت مانگیں تو اُن سے کہدینا تم میرے ساتھ

مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا

کبھی نہ چلو گے اور نہ میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو گے

إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ

تم کو پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنا پسند آیا تھا

فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ○

لہذا اب پیچھے رہجانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو

تفسیر یہ بھی آیات سابقہ کا تکملہ ہے۔ اوپر کی آیات میں اُن منافقوں کو جو جہاد تبوک پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب نہیں گئے تھے عذاب کی دھمکی تھی۔ ان آیات میں بطور تنبیہ آئندہ شرکت جہاد کی ممانعت ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے نبی جب تم تبوک سے واپس مدینہ کو جاؤ اور پھر کوئی دوسرا سفر جہاد پیش آئے تو جو منافق تمہارے پاس تبوک کو نہیں گئے تھے اُن کی جماعت کو پھر کبھی ساتھ نہ لے جانا (یہ مطلب قتادہ نے بیان کیا ہے اور ایسے منافقوں کی تعداد بارہ کس ظاہر کی ہے) اگر وہ تم سے ہمرکاب چلنے کی اجازت مانگیں تو اُن سے کہدینا کہ تم میرے ساتھ کبھی نہ چلو گے اور چل کر کبھی کسی دشمن سے نہ لڑو گے یعنی میں تم کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ اول تو تم مُنہ سے کہہ رہے ہو دل میں نفاق ہے تم دل سے ساتھ چلنے پر راضی ہی نہیں ہو۔ اور اگر بالفرض چلے بھی جاؤ تو تمہارا جانا بیکار ہے تم وہاں پہونچکر دشمنانِ اسلام سے نہیں لڑو گے۔ لہذا جہاں اور لوگ پیچھے رہ جائینگے تم بھی وہیں رہو یعنی جس طرح ضعیف اور بوڑھے اور بیمار اور بچے اور عورتیں سب مدینہ میں رہ جائینگے۔ تم بھی انہی کے ساتھ رہجاؤ۔ کیونکہ تم نے پہلے بھی ہمارے ساتھ چلنا پسند نہیں کیا تھا۔ ابن عباسؓ کے نزدیک خَالِفِيْن سے مراد وہ لوگ جو غازیوں سے پیچھے رہے۔ ابن جریر نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ بعض مفسرین نے خالف کے معنی فاسد کے لئے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں۔ بیضاوی کے نزدیک عورتیں بچے اور کمزور مرد جن میں جہاد کی طاقت نہ ہو سب ہی داخل ہیں۔ اسی مطلب کو ہم نے پسند کیا ہے۔

مقصود بیان:۔ منافقوں کے مخصوص طبقہ کو یعنی اُن لوگوں کو جو نفاق پر جمے ہوئے تھے اور آئندہ اُن سے ترک نفاق کی امید نہ تھی۔ آئندہ شرکت جہاد کی ممانعت کی گئی ہے۔ امام رازی کہتے ہیں کہ آیت میں اس امر پر دلالت ہے کہ اگر کوئی مکر فریب اور نفاق میں مضبوط اور سخت ہو اور اسباب دغا پر مصر ہو تو ایسے آدمی سے ترک تعلق ضروری ہے اور اُس کی مصاحبت سے احتراز لازم ہے۔ وغیرہ۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا

اُن میں سے اگر کوئی مرجائے تو تم اُس کی نماز کبھی نہ پڑھو

وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَ

اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہو کیونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسول کا

رَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ○ وَلَا تُعْجِبْكَ

انکار کیا اور فاسق ہی مر گئے اور تم کو

أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ

ان کے مال و اولاد پر تعجب ہونا چاہئے ان کے ذریعے اللہ اُن کو

أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

دنیا میں سزا دینا اور کفر کی حالت میں

أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ○

ان کی جان نکالنا چاہتا ہے

تفسیر یہ آیت بھی عبداللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی۔ راویان حدیث کا اختلاف ہے کہ عبداللہ کے جنازہ کی نماز رسول پاک ؐ نے پڑھی تھی یا نہیں؟ ابن جریر نے حضرت انسؓ کی

روایت پیش کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جبرئیلؑ نے حضورؐ کو منع کردیا تھا اور حضورؐ نے اُس کی نماز نہیں پڑھی۔ لیکن بقول ابن کثیر اس روایت کی اسناد ضعیف ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایجاب کا قول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی مرگیا تو اُس کے جنازہ کی نماز کے لئے حضورؐ کو بلایا گیا۔ جب سرکار دوعالمؐ تشریف لے گئے اور نماز کو کھڑے ہوئے تو میں نے سامنے جاکر کھڑے ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اس دشمن خدا ابن ابی کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں جس نے فلاں روز یہ بات کہی تھی اور فلاں روز یہ بات۔ میں اُس کے منافقانہ افعال شمار کررہا تھا اور حضورؐ تبسم فرمارہے تھے یہانتک کہ جب میں نے بہت کہا تو فرمایا عمر! مجھے (اللہ کی طرف سے نماز پڑھنے نہ پڑھنے کا) اختیار دیا گیا ہے۔ پس میں نے (نماز پڑھنے کو) اختیار کرلیا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں ستر بار سے زائد استغفار کرونگا تو اسکی بخشش کردی جائیگی تو ضرور ایسا کرتا۔ پھر حضورؐ نے اُس کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ قبر پر کھڑے رہے یہانتک کہ دفن سے فراغت ہوئی۔ پھر اللہ کی قسم کچھ ہی دیر کے بعد یہ دونوں آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد وقت وفات تک حضور والاؐ کسی منافق کی قبر پر نہیں کھڑے ہوئے (رواہ احمد والترمذی وقال حسن صحیح وقد جاء نے الصحیحین بالفاظ متقاربۃ مفسرۃ ومجملۃ ویؤل الروایات علی معنی واحد صحاح ومسانید کی روایات سے ثابت ہے کہ ابن ابی نے مرض الموت میں حضورؐ کو بلوایا۔ آپ تشریف لے گئے اور فرمایا تجھے یہودیوں کی محبت نے ہلاک کیا۔ ابن ابی بولا میں نے آپ کو نماز وغیرہ کے لئے بلوایا ہے ملامت کرنے کے لئے نہیں بلوایا۔ گویا مرتے دم تک کم بخت منافق تھا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ ابن ابی کو جب قبر میں اُتارا جاچکا تھا تو اُس وقت حضورؐ پہنچے تھے اور قبر میں سے نکلواکر نماز پڑھی اور پیراہن مبارک پہنوایا تھا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ چونکہ اہل نفاق بے ایمان ہیں اور مرتے دم تک بے ایمان رہے ہیں یعنی توبہ نہیں کی تھی لہذا اے نبیؐ تم کبھی آئندہ ان کی نماز نہ پڑھنا اور نہ ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہونا۔ اس کے بعد والی آیت کا مطلب واضح ہے اور اوپر اسی سورت میں گذرچکا ہے۔

حافظ کی تفسیر میں ہے کہ اگر کسی شخص کی حالت معلوم نہ ہوتی اور اُس کا مخلص مؤمن یا منافق ہونے کی واقفیت نہ ہوتی اُس کی نماز حضرت عمرؓ نہ پڑھتے تھے تاوقتیکہ حضرت حذیفہؓ اُس کی نماز نہ پڑھ لیتے کیونکہ حضرت حذیفہؓ تعیین کے ساتھ منافقوں کو جانتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمادیا تھا۔

مقصود بیان (۲) :- کافروں اور منافقوں کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے لیکن تھا کہ یہ بات تحقیق کے ساتھ واقعی طور پر معلوم ہو کہ یہ شخص دل میں مؤمن نہ تھا اور مرتے دم تک بے ایمان رہا۔ کوئی دعا و استغفار کافروں اور منافقوں کے حق میں کارآمد نہیں۔ منافق کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنے کے حکم سے یہ امر مستنبط ہوتا ہے کہ مؤمن کی نماز ضرور پڑھی جائے اور اُس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔ یہ بات اُس کے لئے موجب کرامت ہے۔ کثرت مال و اولاد کفار و منافقین کے حق میں دنیا و دین کے وبال کا باعث ہے۔ مرتے وقت بھی چین سے ان کی جان نہیں نکلتی بلکہ مال و اولاد میں اٹکی رہتی ہے۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

اور جب کوئی سورت اس حکم کی اُترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ

وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ

اور اُس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو اُن میں سے

اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ

مقدور والے تم سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ جائیے تاکہ

مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ○ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا

بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہم رہ جائیں اُن کو پسند آیا کہ خانہ نشین

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور اُن کے دلوں پر مُہر کردی گئی

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○

اس لئے وہ نہیں سمجھتے

تفسیر ان آیات میں بھی منافقوں کی حیلہ تراشی، بے ایمانی، احکام الٰہی سے سرتابی اور نامعقول حماقت کو بیان کیا ہے اوپر کی آیات سے مستخرج ہوتا تھا کہ منافقوں کا اصل مقصود دنیوی لذائذ، مال کی کثرت، اولاد کی بہتات اور عیش و آسائش ہے۔ اسی مضمون کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب قرآن کا کوئی ٹکڑا مالی و جانی جہاد کا حکم لے کر نازل ہوا تو اچھے تندرست مالدار اور صاحب استطاعت منافق اجازت لینے آئے کہ ہم کو اُن لوگوں کے ساتھ رہنے دیجئے جو کمزور ضعیف یا بیمار یا زیادہ بوڑھے یا کم عمر تھے یا گویا انہوں نے

اُن لوگوں کے ساتھ رہ جانا پسند کیا جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونے سے معذور ہیں۔ بات یہ ہے کہ ایمان سے ان کے دل خالی ہیں۔ ان کے دلوں پر زنگ بلکہ پردہ بلکہ مہر آہی لگ چکی ہے۔ دانشمندی اور دینی سمجھ اور مآل کار کو سمجھنا ان سے بہت دور ہے۔ حاصل کلام یہ نکلا کہ یہ سزا جزا اور عذاب ثواب کا یقین ہی نہیں رکھتے۔ ان کا اللہ اور رسول پر ایمان ہی نہیں۔ پھر کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب جا کر جہاد کر سکتے ہیں۔

لفظی تحقیق سورۃ سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک یہی سورت براءۃ ہے۔ بعض کے نزدیک مطلق سورت مراد ہے۔ بعض کے نزدیک قرآن کا کوئی حصہ خواہ پوری سورت ہو یا چند آیات ہوں بشرطیکہ اُن کے اندر حکم جہاد ہو مراد ہے۔ یہی اولیٰ ہے۔

طَوْل کے معنی دسترس، قوت، فراخی، استطاعت وغیرہ ہیں

اُولُوا الطَّوْل سے وہ لوگ مراد ہیں جو تندرست بھی ہیں۔ مالدار بھی صاحب استطاعت بھی۔

قَاعِدِيْن سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے مثلاً زیادہ نحیف و کمزور ہوں یا بہت پیر فرتوت یا دیرینہ بیمار یا اپاہج لنگڑے لولے یا بچے یا عورتیں۔

خَوَالِف سے بھی یہی مراد ہے۔

مَعَ رَسُوْلِہٖ کہنے سے یہ مراد ہے کہ صرف انہی کو جہاد پر نہیں بھیجا جاتا ہے بلکہ رسول کے ہمرکاب جانے کا حکم ہوتا ہے اس لئے ان کو زیادہ اندیشہ کا موقع بھی نہیں کیونکہ اگر کوئی مصیبت آئے گی تو رسول پر بھی آئے گی۔

لَا يَفْقَهُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ ان میں دینی سمجھ نہیں۔ یہ اچھا برا نہیں جانتے۔ ان کو عذاب ثواب اور مآل کار کا اخروی یقین نہیں۔

مقصود بیان:۔ حکم الٰہی خصوصاً حکم جہاد سے گریز کرنے کیلئے حیلہ تراشی کرنا نفاق کی علامت ہے۔ جب انسان خود احکام الٰہی سے سرتابی کرتا رہتا ہے۔ تو اُس کے دل پر زنگ آجاتا ہے اور زنگ کے بعد پردہ پڑجاتا ہے اور کچھ مدت پردہ پڑا رہنے کے بعد اللہ کی طرف سے مہر لگ جاتی ہے اب خیر و شر کا امتیاز، حقانیت کا ادراک بالکل ناممکن ہو جاتا ہے۔ وغیرہ۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

لیکن رسول نے اور اُن کی معیت میں مسلمانوں نے

جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ

اپنے جان و مال سے جہاد کیا

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ

اور یہی انہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

کامیاب ہیں اللہ نے ان کے لئے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

گھنے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے اندر نہریں بہتی ہیں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع ۱۱ / ۹ / ۱۷

جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے

تفسیر حسن طینت، صدق نیت اور اپنے مولا کی رضا جوئی کے لئے جان و مال قربان کرنا ہی بندگی کی علامت ہے حکم الٰہی میں چون و چرا اور حیلہ بہانہ کرنا خلاف بندگی ہے۔ اوپر کی آیات میں سرتابی کرنے والوں اور حیلہ سازی کر کے حکم الٰہی سے منہ موڑنے والوں کا بیان اور اُن کے انجام بد کا تذکرہ تھا۔ اب یہاں اپنے مخلص فرماں بردار نیکوکار تابع حکم بندوں کا مدح کے پیرایہ میں تذکرہ اور اُن کے نیک انجام کا ذکر فرماتا ہے۔ رسول کے ساتھ اُن لوگوں کا بھی تذکرہ فرمایا اور اُس نیک طبقہ کو بھی شامل کر لیا جنہوں نے تمام احکام خداوندی کی تصدیق کی یہاں تک کہ کسی قسم کی مالی اور جانی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ جہاد کی دونوں قسموں میں حصہ لیا ایسے لوگوں کے لئے صراحت فرما دی کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اور خوبیاں ان ہی لوگوں کو ملیں گی اور کامیاب بھی یہی لوگ ہونگے خصوصاً آخرت میں جنت الٰہی ان کو نصیب ہوگی جو فی الحقیقت سب سے بڑی کامیابی ہے۔

مقصود بیان:۔ جہاد دو قسم کا ہوتا ہے۔ مال سے مدد کرنا اور راہِ خدا میں جان سے کوشش کرنا۔ مؤمن کے واسطے لازم ہے کہ حکم الٰہی کو اپنے تمام مال بلکہ جان پر بھی مقدم سمجھے خواہ کتنا ہی جانی مالی نقصان پہنچتا ہو مگر اللہ کی معصیت نہ کرے کامل مؤمنوں کو اللہ نے دین و دنیا کی خوبیاں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اور راہِ خدا میں بیدریغ قربانی کرتا ہے۔ اللہ علاوہ اجر آخرت کے دنیا میں بھی اُس کو سرخرو باعزت اور بلند رتبہ فرما دیتا ہے اور جو حکم الٰہی سے سرکشی کرتا ہے وہ اگرچہ بالفعل کامیاب نظر آئے مگر دنیا میں بھی اُس کو ذلت اور رسوائی نصیب ہوتی ہے۔ ... لمقاصد ان کو نقصان ذلالت

کررہا ہے کہ مؤمنوں کے علاوہ کوئی کامیاب و بامراد نہ ہوگا یعنی اُسکو حقیقی بہبودی حاصل نہ ہوگی

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ
اور بہانہ ساز دیہاتی آئے
لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا
تاکہ اُن کو اجازت مل جائے اور اللہ ورسول سے جھوٹ بولنے والے
اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ سَيُصِيبُ الَّذِينَ
بیٹھ رہے ان میں سے جو لوگ
كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝
کافر ہو گئے اُن کو عنقریب دردناک عذاب پہنچیگا

تفسیر ابن عباسؓ کے نزدیک مُعَذِّرُون سے وہ لوگ مراد ہیں جو سچے عذر والے تھے۔ اپنا عذر پیش کرنے اور اجازت لینے کے لئے رسول پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اللہ اور اُس کے رسولؐ سے مُنہ نہیں چھپایا، نہ لاپرواہی کے ساتھ بیٹھ رہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کچھ دیہاتی جو واقعی معذور تھے تبوک کے جہاد میں شرکت نہ کر سکتے تھے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہم کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی جائے۔ لیکن جو لوگ منافق تھے اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان نہیں رکھتے تھے نہ کسی قسم کا عذر پیش کرنے بھی نہ آئے اُن کو حکم رسولؐ کی کوئی پرواہ نہ تھی نہ حکم جہاد اُن کے نزدیک کچھ وقعت رکھتا تھا۔ اس لئے گھروں میں بغیر حصول اجازت اور بدون حاضری و اطلاع کے بیٹھ رہے ایسے کافروں کو سخت عذاب ہوگا۔

مجاہد، قتادہ، حسن بصری اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ قبیلۂ غفار کے کچھ آدمیوں نے آکر جہاد میں شریک نہ ہونے کی معذرت کی مگر اللہ نے انکی معذرت کو صحیح نہیں قرار دیا۔ مُعَذِّرُون سے یہی لوگ (مثلاً خفاف بن ایماء غفاری وغیرہ) مراد ہیں۔

بعض اہل تفسیر نے سبب نزول بنی غطفان اور بنی اسد کے چند آدمیوں کو قرار دیا جنہوں نے آکر منافقانہ عذر پیش کیا تھا کہ ہمارے اہل وعیال بہت زیادہ محتاج ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ معذرت صحیح نہ تھی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عامر بن طفیل نے آکر کہا تھا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ جہاد پر جائینگے تو قبیلہ طے کے دیہاتی آکر ہمارے گھربار اور اہل وعیال کو لوٹ لینگے۔ بہرحال ان تمام اسباب نزول کی بنا پر مُعَذِّرُون سے جھوٹے عذر پیش کرنے والے مراد ہوں گے اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ منافق تھے اور جہاد میں شرکت نہ کرنا چاہتے تھے اُن میں سے کچھ لوگوں نے تو عدم شرکت کی منافقانہ معذرت پیش کی اور بعض نے انتہائی لاپرواہی سے اس کی بھی کچھ ضرورت نہ سمجھی اور یونہی بیٹھ رہے۔

اہل تحقیق کہتے ہیں کہ مُعَذِّرُون کا لفظ عام ہے خواہ سچا عذر پیش کرنے والے ہوں یا جھوٹا سب کو شامل ہے۔ لہٰذا تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں۔ بیضاوی نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

مقصود بیان:- آدمی کا نفس جس بات کو عذر سمجھے وہ عذر نہیں سمجھا جائیگا جب تک کہ شرع اُسکو معذور نہ سمجھے۔ اگر عذر صحیح بھی ہو اور عام طور پر مسلمانوں کو جہاد پر جانا ہو تب بھی امام سے اجازت لے لینا چاہئے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى
البتہ کمزوروں اور بیماروں پر کوئی گناہ نہیں
وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ
اور نہ اُن پر کوئی گناہ ہے جن کو خرچ کرنے کو میسر
حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى
نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کی خیرخواہی کریں۔
الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ
نیکوکاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ غفور
رَّحِيمٌ ۝ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ
رحیم ہے اور نہ اُن لوگوں پر الزام ہے کہ جب وہ تمہارے پاس
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ
اس لئے آئے کہ تم اُن کو سواری دیدو تو تم نے کہا تمہارے سوار کرنے کو میرے پاس
عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ
کوئی سواری نہیں۔ یہ سن کر وہ واپس چلے گئے مگر اس غم میں اُن کی آنکھوں سے
الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ۝
آنسو جاری تھے کہ (راہ خدا میں) خرچ کرنے کے لئے اُن کے پاس کچھ نہیں ہے

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ

الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے تم سے رخصت مانگتے

وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ

ہیں اور خانہ نشین عورتوں کے ساتھ بیٹھ رہنے

الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ

کو پسند کرتے ہیں اور اُن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے

فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اس لئے اُن کو واقفیت نہیں

تفسیر ابن ابی حاتم نے بروایت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کیا۔ حضرت زید کہتے ہیں میں کاتب وحی تھا چنانچہ سورۂ براءۃ بھی لکھی تھی۔ میرے کان پر قلم رکھا تھا کہ جہاد کا حکم دیا گیا اور حضور اقدس ؐ وحی کے منتظر تھے اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں کیا کروں؟ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ الخ

ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں حضور اقدس ؐ نے عام حکم دیا کہ سب لوگ میرے ساتھ تبوک کے جہاد پر چلیں۔ صحابہ کی ایک جماعت جنہیں عبداللہ بن مغفل مزنی بھی تھے آئی۔ مجاہد کا قول ہے سات انصاری آئے۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے سات انصاری یہ تھے:۔ سالم بن عمیر۔ ابن عوف۔ علیہ بن زید۔ عبد الرحمن بن کعب۔ عمرو بن الحمام۔ عبد اللہ بن مغفل مزنی۔ حرمی بن عبد اللہ۔ عیاض بن ساریہ۔ بہرحال سات انصاریوں نے حاضر ہو کر درخواست کی ہم کو کسی طرح سواری عطا فرما دیجے۔ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا واللہ میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تم کو سوار کر سکوں۔ یہ جواب سن کر مذکورہ حضرات بہت غمگین اور پژمردہ خاطر ہوئے اُن کو سخت شاق گذرا کہ جہاد میں شرکت نہ کر سکیں اور زاد راہ اُن کے پاس موجود نہ تھا کہ خود انتظام کر لیتے۔ مجبوراً روتے ہوئے لوٹے۔ پس اللہ نے اُن کی شدت رغبت دیکھ کر اُن کو معذور رکھا اور اُن کے عذر کو قبول فرمایا اور محسنین میں داخل کر لیا

صحیحین میں مرفوعاً روایت ہے حضور اقدس ؐ نے فرمایا تھا لوگو تم مدینہ میں کچھ ایسے لوگوں کو بھی چھوڑ کر آئے ہو جو ہر وادی طے کرنے اور ہر راستہ میں چلنے کے وقت تمہارے ساتھ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور ہیں وہ مدینہ میں؟ فرمایا ہاں (تمہارے ساتھ آنے سے) اُن کو عذر مانع تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے وہ لوگ اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے جو تم میں ضعفاء ہیں اُنہی کی برکت سے تم کو رزق ملتا ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے جو صدق دل سے جہاد کا قصد رکھے وہ ثواب پائیگا اگرچہ اپنے بستر پر مرے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ چار قسم کے آدمی شرکت جہاد سے شرعاً معذور ہیں اور اُن کا عذر مقبول ہے (۱) ضعفاء یعنی وہ کمزور بوڑھے جو جہاد کو جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اہل تفسیر کے نزدیک انہی میں بچے اور عورتیں بھی داخل ہیں (۲) بیمار خواہ اُسکی بیماری استمراری ہو جیسے بخار وغیرہ کا مریض (۳) جن کے پاس زاد راہ نہ ہو یعنی اگرچہ تندرست طاقتور ہوں لیکن جہاد پر جانے کے لئے زاد راہ اور ضروری سامان نہو (۴) وہ لوگ جن کے پاس سواری نہ ہو اور رسول اللہ ؐ بھی اُن کو سواری نہ دے سکیں اور وہ شکستہ خاطر ہو کر روتے ہوئے گھروں کو لوٹ جائیں۔ یہ چاروں اقسام جہاد میں شریک ہونے کے مجاز ہیں مگر شرط یہ ہے کہ نیت صادق اور خلوص رکھتے ہوں اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں اللہ اور اُسکے رسول کے فرمانبردار ہوں۔ یہ سب لوگ محسنین میں داخل ہیں ان کو بھی مجاہدین کا اجر ملیگا رہے وہ لوگ جو ہٹے کٹے اور مالدار ہیں پھر بھی جہاد میں شریک نہونے کی اجازت چاہتے ہیں اور معذور طبقہ کے ساتھ مدینہ میں رہنا چاہتے ہیں۔ ان کے دلوں پر مُہر الٰہی ثبت ہے۔ ان کی حالت ناقابل اصلاح ہے۔

مقصود بیان:۔ صدق نیت اور خلوص ہر مؤمن کیلئے لازم ہے اگرچہ کام کی استطاعت حاصل نہو۔ اللہ اور رسول کی بقدر امکان خیر خواہی ہر مسلمان کا فرض ہے بغیر خیر خواہی کے کوئی عمل مقبول نہیں اور خیر خواہ معذور بھی فرمانبردار عامل کے حکم میں ہے۔ نیکوکاری فقط عمل ہی سے نہیں ہوتی بلکہ وہ صادق النیت جو عمل کرنے سے شرعاً معذور رہے نیکوکار ہے۔

دسواں پارہ ختم ہوا

گیارہواں پارہ شروع

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ

مسلمانو! جب تم اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو وہ عذر پیش

إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ

کرینگے (اے نبی) تم کہدینا تم بہانے نہ کرو ہم تمہارا یقین نہیں

لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَ

کرینگے ہم کو تمہاری خبریں اللہ بتا چکا ہے

سَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ

اللہ اور اُس کا رسول تمہارے کام ابھی دیکھے گا پھر

تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

تم کو اُس کے پاس لوٹ کر جانا پڑیگا جو باطن و ظاہر کا جاننے والا ہے

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ سَيَحْلِفُونَ

اُس وقت وہ تم کو بتادیگا کہ تم کیا کرتے تھے اب وہ تمہارے سامنے

بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا

اللہ کی قسمیں کھا جائینگے جبکہ تم اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تاکہ تم اُن سے

عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ

درگذر کرو لہذا تم اُن سے درگذر کرو واقعی وہ گندے ہیں

وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے یہ اُس کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا

وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائینگے تاکہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم اُن سے

عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝

راضی بھی ہو جاؤ تب بھی اللہ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا

تفسیر یہ ایک بلند آہنگ پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ تبوک سے واپس ہونے کے وقت راستہ ہی میں رسول اللہ صلعم کو اُن تمام واقعات سے مطلع فرما دیا جو مدینہ پہنچنے کے بعد اہل نفاق کی طرف سے بطور معذرت پیش آنے والے تھے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب تم لوگ تبوک سے لوٹ کر مدینہ پہونچوگے تو منافق قسمیں کھا کر تم کو راضی اور خوش کرنے کے لئے اپنی غیر حاضری کی حیلہ تراشی اور بہانہ سازی کرینگے تاکہ تم اُن کی گرفت نہ کرو اور چشم پوشی کرکے درگزر کرو سو تم ان کی گرفت نہ کرنا۔ درگذر کر لینا مگر اُن سے صاف طور پر کہدینا کہ اب تم ہمارے سامنے کوئی عذر پیش نہ کرو۔ تمہاری ہر قسم کی معذرت بیکار ہے۔ ہم تمہاری کسی قسم کی معذرت کا یقین نہیں کرینگے اللہ نے ہم کو تمہاری تمام خبریں بتادی ہیں۔ آئندہ اللہ اور اُس کا رسول تمہاری حالت اور کرتوت کو دیکھیگا۔ اس کے بعد تم کو اللہ کے سامنے جانا ہوگا جو ظاہر باطن سے واقف ہے وہاں سب قلعی کھل جائیگی۔ آیات کے آخری فقرہ میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم ان سے راضی بھی ہوجاؤ تب بھی خدا ان سے راضی نہ ہوگا یعنی اگر ان کی وجاہت، پُرزور قسمیں، آپس کے تعلقات، آئندہ کے لئے عہد و پیمان، ظاہری خلوص اور معاملات اسلامی سے پُر فریب دلچسپی تمہاری رضامندی کا موجب بن بھی جائیں تب بھی خدا کو یہ چیزیں دھوکہ نہیں دیسکیں وہ کسی طرح ان سے راضی نہیں ہوسکتا۔ ان کی روحیں، عقائد، اعمال، اقوال، افکار و خیالات سب ناپاک ہوچکے ہیں۔ گویا یہ مجسم ناپاکی ہیں جن کے پاک ہونے کی امید ہی نہیں۔ لہذا تم ان سے قطع تعلق کرلو۔ کوئی سروکار نہ رکھو۔

مقصود بیان: آئندہ واقعات کے متعلق پرزور صراحت اور مسلمانوں کو منافقوں سے محترز رہنے کی ہدایت۔ اس بات کا حکم کہ قطعی منافق کی حیلہ سازی سے کسی مسلمان کو دھوکہ نہ کھانا چاہئے اور اُس کی باتوں کا ہرگز یقین نہ کرنا چاہئے۔ اللہ عالم کل ہے اُس سے ظاہر باطن کوئی چیز مخفی نہیں۔ منافقوں کی قسمیں ناقابل اعتبار ہیں۔ اسلام اور شریعت طہارت ہے۔ کفر و بداعمالی گندگی ہے۔ منافق مجسم پلیدی ہیں۔ مسلمان چونکہ پاک ہے اس لئے اس کا ناپاک سے کچھ تعلق نہیں۔ منافقوں کی حماقت کی صراحت کہ یہ عجب بے وقوف ہیں مسلمانوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں باوجودیکہ خدا کو ناراض رکھتے ہیں۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر منافق اپنی ظاہری پُرفریب حالت دکھا کر کسی مسلمان

کو دھوکہ دے بھی دیں تب بھی اللہ کو فریب نہیں دے سکتے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ

گنوار کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں اور اسی قابل ہیں

اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى

کہ اُن احکام سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل

رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَمِنَ

کئے ہیں اور اللہ جاننے والا صاحب تدبیر ہے بعض

الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا

گنوار ایسے بھی ہیں جو راہِ خدا میں خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے ہیں

وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ

اور تم پر حوادث آنے کے منتظر رہتے ہیں اُن ہی پر

دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

گردش بد پڑے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اور بعض بادیہ نشین ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ

ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُسکو قربت الٰہی

عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا

اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ بناتے ہیں سُن لو واقعی وہ

قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ

ان کے لئے قربت کا ذریعہ ہے۔ عنقریب اُن کو اللہ اپنی رحمت میں

رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع ۱۲

داخل کرے گا بلاشبہہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر اوپر کی آیات میں عموماً اہلِ نفاق کا بیان تھا۔ شہری اور دیہاتی کی کوئی تفصیل نہ تھی۔ ان آیات میں خصوصیت کے ساتھ دیہاتیوں کا ذکر فرماتا ہے۔ عام قاعدہ ہے کہ آدمی جس قدر جاہل ہوگا جس قدر علماء اور عقلاء کی صحبت سے دور رہیگا اُتنا ہی گنوار اور شدید الخلق ہوگا اُس کی عقل پر جہالت کا زنگ چڑھا ہوگا۔ دماغ پر نادانی اور کفر کے پردے پڑے ہونگے اور دل پر گمراہی کی مہر ثبت ہوگی۔ دیہاتی عموماً دانشمندوں اور عقلمندوں سے میل جول کم رکھتے ہیں۔ دانا اور بینا لوگوں کی صحبت اُن کو میسر نہیں ہوتی اس لئے عام طور پر گمراہ اور سیاہ دل ہوتے ہیں۔ ہاں بعض دیہاتی سمجھدار بھی ہوتے ہیں۔ اہلِ علم کی صحبت سے مستفیض اور دانشمندوں کے اقوال و افعال سے خوشہ چین ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ جاہل طبقہ کے ساتھ رہتے ہیں مگر ان میں دانش و بینش کا مادہ تیار رہتا ہے۔ کسی صاحب نظر کے ادنیٰ التفات کی ضرورت ہوتی ہے اور اکسیر کے ملنے سے ان کی خاک بھی اکسیر بن جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کا بیان آیت مذکورہ میں کیا گیا ہے حاصل ارشاد یہ ہے کہ:- قوانین الٰہی اور سنت رسول اللہ صلعم سے بے بہرہ رہنے اور کفر و نفاق میں شدید ہونے کے سزاوار یہ دیہاتی عموماً ہوتے ہیں۔ دیہاتیوں میں سے بعض لوگ مثلاً اسد، غطفان اور تمیم کے قبائل کے اکثر افراد سخت منافق ہیں اگرچہ بظاہر مسلمانوں سے ملے ہوئے ہیں۔ احکام اسلامی کی ظاہری تعمیل بھی کرتے ہیں زکوٰۃ اور صدقات بھی دیتے ہیں مگر یہ سب ظاہری ہوتا ہے۔ صداقت اسلام اُن کے دلوں میں راسخ نہیں ہوئی۔ جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں تاوان اور ڈانڈ سمجھکر خرچ کرتے ہیں اور ہر وقت منتظر رہتے ہیں کہ مسلمان کسی گردش میں پھنس جائیں مگر ان کی امید پوری نہوگی بلکہ بربادی اور برائی کے چکر میں یہ خود ہی پھنسینگے۔ ہاں کچھ دیہاتی پکے خالص مؤمن بھی ہیں۔ مبدأ و معاد پر اُن کا ایمان ہے۔ جو کچھ کارِ خیر میں صرف کرتے ہیں اُسکو قربِ الٰہی اور دعائے رسول اللہ صلعم کے حصول کا ذریعہ قرار دیتے ہیں یعنی محض اس لئے دیتے ہیں کہ قربِ الٰہی حاصل ہو اور رسول اللہ صلعم کی دعا اُن کو نصیب ہو تو واقعی اُن کے یہ صدقات قربِ الٰہی کا ذریعہ بنینگے اُن کو اللہ اپنی رحمت میں داخل فرمائیگا اور غلطیاں معاف کر دیگا۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کہتے ہیں میرے باپ اپنی قوم کے صدقات کا مال لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ! حضور میرے لئے دعا فرمائیں حضور صلعم نے دعا کی:- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰٓى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى۔

مقصود بیان:- جہالت سے گریز کرنے کی طرف ایماء۔ اہل علم اور ارباب ہدایت کے ساتھ رہنے کی طرف ضمنی اشارہ۔ مسلمانوں کی بدخواہی سے ممانعت اور اس امر پر ضمنی تنبیہ کہ مسلمانوں کی بدخواہی کرنی نفاق ہے۔ یہ منافقوں کا کام ہے۔ کارِ خیر میں بخلوص خاطر صرف کرنے کی مدح اور تاوان کے طور پر صرف کرنے کی مذمت۔ اس امر کی طرف تلمیح کہ مؤمن کی کوشش یہ ہونی چاہئے

کہ قرب الٰہی حاصل ہو۔ قرب الٰہی کے حصول میں بڑی سے بڑی قربانی کرنی لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مومن کے لئے باعث نجات اور وسیلۂ فلاح دارین ہے۔ آیت سے اعمالِ حسنہ اور دعائے رسول م کا وسیلہ ہونا بھی وضوحًا ثابت ہوتا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ
اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین

وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ
و انصار اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ انکی پیروی کی

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ
اُن سے اللہ راضی اور وہ اللہ سے راضی اللہ نے

لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ
اُن کے لئے کھنے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے اندر نہریں بہتی ہیں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ
جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے

تفسیر اس آیت کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ ہم دونوں مطلب ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ بنائے اختلاف یہ ہے کہ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ میں لفظ مِنْ کا کیا مفہوم ہے؟ سعید بن مسیب وغیرہ کے نزدیک مِنْ تبعیض کے لئے ہے یعنی مہاجرین وانصار میں سے وہ بعض صحابی جو سابقین اولین تھے۔ محمد بن کعب وغیرہ کے نزدیک مِنْ بیانیہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ سابقین اولین یعنی کل صحابہ مہاجرین وانصار۔

پہلی تقدیر پر حاصل ارشاد یہ ہوگا کہ مہاجرین وانصار میں سے وہ لوگ جن کو سبقت و اولیت کا درجہ حاصل ہے اور ان کے علاوہ وہ لوگ جنہوں نے قول وعمل میں سابقین اولین کی پیروی کی خواہ یہ پیروی کرنے والے صحابی ہوں یا تابعی یا قیامت تک آنے والے مسلمان۔ ان سب لوگوں سے خدا خوش ہوگا اور وہ خدا سے خوش ہوں گے۔

دوسری تقدیر پر حاصل ارشاد اس طرح ہوگا کہ سابقین اولین یعنی کل مہاجرین وانصار اور اُن کے بعد آنے والے وہ مسلمان جنہوں نے انکی پیروی کی یہ سب لوگ مغفور ہیں۔ خدا ان سے خوش وہ خدا سے خوش۔

دونوں مطلبوں کا نتیجۂ اختلاف یہ ہوگا کہ پہلی تقدیر پر تو سابقین اولین میں صحابہ کا ایک خاص گروہ داخل ہوگا عام صحابی اُس گروہ میں داخل نہ ہونگے بلکہ وہ صحابی جنہوں نے قول وعمل میں سابقین اولین کی پیروی کی اور دور صحابہ کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو سابقین اولین کے پیرو رہے۔ یہ سب متبعین کا گروہ کہلائیگا اور امامت کا درجہ صرف اُس گروہ صحابہ کو حاصل ہوگا جس کو سبقت واولیت کا درجہ حاصل تھا۔ دوسری تقدیر پر عام صحابہ کو سابقین اولین کا اعزاز حاصل ہوگا اور سب امامت کے مرتبہ پر فائز ہوں گے اور دور صحابہ کے بعد آنے والے اشخاص کو اتباع کے دائرہ میں داخل کیا جائے گا۔ اگرچہ بقول ملا علی قاری بالاجماع رسول اللہ م کو دیکھنے والا مومن جس کو صحابی کہا جاتا ہے غوث قطب سے جس نے رسول اللہ کو نہ دیکھا ہو افضل ہے لیکن اگر سابقین اولین سے صحابہ کا خاص گروہ مراد لیا جائے تو اُس گروہ کی تعیین کرنی لازم ہے۔ سابقین اولین کے دو حصے تھے مہاجرین اور انصار۔ عطاء بن یسار وغیرہ کے نزدیک ہر دو گروہوں میں سے جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے وہی سابقین اولین تھے یعنی تین سو تیرہ نفوس۔ سعید وقتادہ وابن سیرین کہتے ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی وہ سابق کہلاتے۔ گویا ہجرت کے تقریبًا ڈیڑھ سال بعد تک والے صحابہ سابقین اولین تھے۔ یہ قول اول کے قریب ہے۔ کیونکہ جنگ بدر بھی ہجرت کے دوسرے سال واقع ہوئی تھی۔ شعبی کے نزدیک بیعت رضوان والے یعنی ۶ھ میں جب صلح حدیبیہ ہوئی تو اُس وقت تک کے تمام صحابہ سابقین اولین کا حکم رکھتے ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ انصار میں سے سات آدمی عقبۂ اولیٰ والے اور ستر آدمی عقبۂ ثانیہ والے اور مہاجرین میں سے وہ لوگ جنہوں نے ہجرت اولیٰ بھی کی تھی۔ واللہ اعلم۔ بہرحال آیت میں صراحت ہے کہ سابقین اولین کا اتباع لازم ہے۔ سابقین اور اُن کے متبعین سے خدا راضی ہو چکا۔

حدیث میں وارد ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کے پیچھے جاؤ گے راہ ہدایت مل جائیگی۔ ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ یہ آیت میری تمام امت کے واسطے ہے اور رضامندی کے بعد پھر ناراضی نہیں۔

مقصود بیان:۔ اس بات کی صراحت کہ سابقین اولین اہل ہجرت میں سے بھی تھے اور انصار میں سے بھی۔ صحابۂ کرام کی فضیلت کا اظہار اور اس امر کی ترغیب کہ قول وعمل میں صحابہ کی پیروی کرنی چاہئے۔ اس بات کی نقل کہ صحابہ کے طریقہ پر چلنے والا بھی دوامی جنتی ہے اور اللہ اُس سے ہمیشہ کیلئے راضی رہیگا۔ گویا صحابہ مشعل ہدایت ہیں جو اُن کی روشنی میں چلیگا وہ منزل مقصود پر پہونچ جائیگا۔ وغیرہ۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ
اور تمہارے گرد و نواح کے بعض گنوار منافق ہیں

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى

اور بعض اہل مدینہ بھی (منافق ہیں) یہ نفاق پر اڑ رہے

النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ

ہیں تم ان سے واقف نہیں ہو ہم اُن کو جانتے ہیں

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ

ہم اُن کو دوہری سزا دیں گے اور بالآخر

اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ○

بڑے عذاب کی طرف اُن کو لوٹا دیا جائیگا

تفسیر یہ آیت بھی منافقوں کی حالت بیان کرنے اور اُن کے افراد کی فی الجملہ تعیین کرنے کے لئے نازل ہوئی۔ قبائل اسلم، اشجع اور غفار مدینہ کے باہر آکر مقیم ہوئے تھے اُن میں سے بعض آدمی منافق تھے اسی طرح مدینہ کے اندر بھی بہتیرے آدمی بظاہر مسلم اور دل میں کافر تھے۔ ان سب کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول پاکؐ کو منافقوں کے حالات اور علامات تو معلوم تھے لیکن بعض کو تعیین کے ساتھ آپ نہیں جانتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے جبیر بن مطعم کے کان میں چپکے سے فرمایا تھا میرے ساتھیوں میں سے بعض منافق ہیں لیکن حضورؐ نے اُن کا پردہ فاش نہ کیا بلکہ حضرت حذیفہ کو بھی اُن کے ہمراہی منافقوں کا پردہ فاش کرنے سے منع فرمایا تھا لیکن کبھی حضورؐ نے نام بنام پکار کر منافقوں کو اپنی مجلس سے نکلوا دیا تھا اور اُن کو برسرعام رسوا کیا تھا۔ چنانچہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک بار جمعہ کے روز حضورؐ تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور فرمایا او فلاں تو منافق ہے نکل جا اے فلاں تو بھی نکل جا تو بھی منافق ہے۔ اسی طرح ۳۶ شخصوں کو نکلوا دیا حضرت عمرؓ مسجد سے فاصلہ پر تھے جس وقت یہ منافق نکل کر جا رہے تھے تو حضرت عمرؓ راستے میں آتے ہوئے ملے اور خیال کیا شاید نماز ہو گئی۔ شرم کے مارے اُن لوگوں سے چھپنے لگے اور منافقوں کو بھی اپنی مزید رسوائی کی شرم تھی اس لئے وہ بھی حضرت عمرؓ سے چھپے۔ جب حضرت عمرؓ مسجد میں پہنچے تو ایک صحابی نے مطلع کیا کہ اسناد جید (رواہ فی مسند احمد عن ابن مسعود مثل ذالک)

ابن عباسؓ کے قول پر دو مرتبہ عذاب دینے سے مراد ایک مرتبہ دنیا میں رسوائی اور دوبارہ عذاب قبر دینا ہے۔ اور عذاب عظیم سے مراد دوزخ کا عذاب ہے۔ قتادہ کہتے ہیں عذاب دنیا اور عذاب قبر مراد ہے واللہ اعلم

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مدینہ کے اندر اور باہر کچھ لوگ منافق موجود ہیں جن کو تعیین شخصی کے ساتھ تم نہیں جانتے وہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں عنقریب اُن کو دو عذاب دیے جائینگے اور پھر آخرت میں تو سب سے بڑا عذاب ہوگا ہی۔

مقصود بیان:۔ رسول پاکؐ کا بعض منافقوں سے بالتعیین واقف ہونا اور اکثر سے ناواقفیت۔ منافقوں کو دوبار عذاب دینے کی پیشینگوئی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفاق کا درجہ کفر سے بھی بُرا ہے۔ نفاق سے بچنے کی تعلیم۔ وغیرہ

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا

اور کچھ لوگ اور ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا ہے ایک نیک کام کو

عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ

دوسرے بُرے کام کے ساتھ ملا لیا ہے امید ہے کہ اللہ

اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اُن کی توبہ قبول فرمائے کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر جنگ تبوک کو نہ جانے والوں کے حق میں جب گذشتہ آیات وعید نازل ہوئیں تو حضرت ابولبابہ وغیرہ مخلص مؤمنوں نے اعتراف قصور کیا اور نادم ہو کر مسجد کے ستونوں سے اپنے آپ کو مضبوط بندھوا لیا اور کھانے پینے کا تہیہ کرلیا اور قسم کھالی کہ ہم نہ کھلینگے جب تک ہماری توبہ قبول نہ ہوگی اور حضور علیہ السلام خود اپنے ہاتھ سے نہ کھولینگے ورنہ یونہی مرجائینگے بغیر قبول توبہ کے ہم زندہ رہنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ یہ آیت قبول توبہ کے متعلق نازل ہوئی اور حضورؐ نے خود دست مبارک سے اُن کو کھولا (رواہ ابن عباسؓ) مفسرین کے نزدیک آیت کا مورد اگرچہ خاص ہے مگر حکم عام ہے ابو عثمان کہتے ہیں میرے نزدیک قرآن میں یہ آیت مؤمنوں کے لئے کمال امید گاہ ہے۔ (رواہ الطبرانی)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور اُن کے اعمال اچھے برے دونوں قسم کے ہیں تو اُن کی توبہ قبول ہونے کی امید ہے۔

مقصود بیان:۔ مؤمن گنہگاروں کو توبہ کرنے کی ترغیب۔ اس بات کی تصریح کہ خالی اعتراف گناہ سے توبہ متحقق نہیں ہوتی جب تک یہ عزم قوی نہ ہو کہ آئندہ ایسی حرکت نہ ہوگی اگرچہ پھر سرزد ہو جائے۔ آیت سے کرامیہ وغیرہ کا رد بھی ہو گیا جن کا قول ہے کہ گناہ کرنے سے آدمی مؤمن نہیں رہتا۔ وغیرہ۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ

اُن کو پاک صاف بنانے کے لئے ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ

وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ

وصل کرو۔ اور ان کو دعا دو

صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ

تمہاری دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے اور اللہ خوب سنتا

عَلِيمٌ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ

جانتا ہے کیا اُن کو نہیں معلوم ہو چکا کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ

ٱلتَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِۦ وَيَأْخُذُ ٱلصَّدَقَٰتِ

قبول کرتا ہے اور اُن کی زکاتیں لیتا ہے

وَأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ۝

اور اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

تفسیر جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے والے مخلص مومنوں کی توبہ جب قبول ہوگئی تو انہوں نے اپنا کل مال بطور صدقہ خدمت گرامی میں پیش کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ اسی مال نے ہم کو گناہ میں ڈالا اس کو قبول فرمالیجئے۔ اُس وقت آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔ اور حضورؐ نے ان کا تہائی مال بطور اجتہاد یا بمفہوم آیت قبول فرما کر فقرا اور اصحاب احتیاج کو تقسیم فرمادیا۔ آیت کا نزول اگرچہ خاص اشخاص کے متعلق ہے مگر حکم عام ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں کے اعمال مخلوط ہوں کچھ اچھے ہوں اور کچھ برے اور وہ توبہ کرنے کے بعد بطور کفارہ مال پیش کریں تو اُن کے مال میں سے کچھ حصہ بطور صدقہ لے لو تاکہ عموماً گناہوں سے بطفیل صدقہ اُن کی روحیں پاک صاف ہوجائیں اور اُن کے لئے استغفار و دعائے رحمت بھی کرو۔ کیونکہ تمہاری دعا اُن کے لئے سکون خاطر کا باعث اور سبب نزول رحمت ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے جس کے لئے دعاء رحمت کی اُس پر اُس کی اولاد پر اور اُس کی اولاد کی اولاد پر نزول رحمت ضرور ہوا یعنی تین پشت تک رسول اللہؐ کی دعا کا اثر رہا (رواہ احمد) ایک عورت نے عرض کیا حضورؐ میرے اور میرے شوہر کے لئے دعا فرمایئے۔ حضورؐ نے فرمایا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى زَوْجِكِ۔ ابواوفی نے جب اپنی قوم کی طرف سے مال صدقہ پیش کیا تو حضورؐ نے دعا دی اور فرمایا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى۔ (رواہ البخاری ومسلم)

اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے اور اُن کے صدقات کو مقبول فرماتا یعنی اُن کو صدقات کا کامل ثواب عطا فرماتا اور گناہوں کو دور کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ توبہ کرنے والے چونکہ منافق نہیں اس لئے اُن کی توبہ بھی قبول ہے اور امداد مسلمین کے لئے وہ جو مال پیش کریں وہ قابل منظوری ہے۔ البتہ منافقوں کا مال قابل قبول نہیں جس طرح اوپر کی آیت میں اسی صورت میں بیان کر دیا گیا۔

مقصود بیان:- گناہوں سے توبہ کرنا چاہئے۔ بطور کفارہ کچھ مال بھی مسلمانوں کی امداد کے لئے دینا چاہئے۔ یہ مومن ہونے کی علامت ہے۔ صدقہ دینے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ روح پاک اور گناہوں کی کدورت سے صاف ہوتا ہے۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام قربانی کا خواستگار ہے۔ جان کی قربانی ہو یا مال کی مخلص مومن کے لئے قربانی لازم ہے۔ توبہ اور قربانی علامت ایمان ہے۔ اگر جان کی قربانی کا موقعہ نہ ہو تو کم از کم مال کی قربانی ہی کرنی چاہئے۔ مِنْ اَمْوَالِهِمْ میں مِنْ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اسلام کے احکام انسانی زندگی کو تباہ کرنے والے اور آدمی کو محتاج قلاش کر دینے والے نہیں۔ وصول صدقات میں بھی کچھ مال لینا چاہئے کل مال نہ لینا چاہئے اگرچہ دینے والا بطیب خاطر دے۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دعا مسلمانوں کے حق میں مستجاب ہے کوئی دعا مردود نہیں ضمنی طور پر اس امر پر دلالت ہے کہ مسلمانوں کو رسول اللہؐ کی دعا کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے حضورؐ کی دعا فلاح دارین کا وسیلہ ہے۔ وغیرہ

وَقُلِ ٱعْمَلُوا۟ فَسَيَرَى ٱللَّهُ عَمَلَكُمْ وَ

کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ پھر آگے تمہارے اعمال کو اللہ اور اُس کا رسول

رَسُولُهُۥ وَٱلْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ

اور مسلمان دیکھینگے اور عنقریب تم کو لوٹ کر اُس کے پاس جانا ہوگا

إِلَىٰ عَٰلِمِ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ فَيُنَبِّئُكُم

جو باطن وظاہر کو جانتا ہے وہی تم کو جتا دے گا

بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

جو کچھ تم کر رہے تھے

تفسیر مجاہد کے نزدیک یہ کلام تہدید و وعید کے طور پر ہے اس صورت میں روئے سخن اُن پہلے منافقوں کی طرف ہوگا جو تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے اور جھوٹے عذر پیش کر دیئے تھے اور

توبہ نہ کی تھی اور اُن کے نفاق کی صراحت خدا تعالیٰ نے مختلف آیات میں کر دی
گویا اوّل اہل نفاق کا بیان تھا بیچ میں توبہ شعار مؤمنین کا بیان ہوا پھر
اول گروہ کی طرف روئے بیان کر دیا گیا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ کلام کا رُخ
عام متخلفین کی طرف پھیرا جائے خواہ وہ منافق ہوں یا توبہ کر نیوالے مسلمان
اس صورت میں کلام میں صرف تہدید نہ ہوگی بلکہ ترہیب کے ساتھ ترغیب
بھی ہوگی۔ منافقوں کے حق میں دھمکی ہوگی تو توبہ کرنے والے مؤمنوں کے
حق میں بشارت و ترغیب۔

آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ اے وہ لوگو جو جہاد تبوک میں بلا شرعی
عذر کے شریک نہ ہوئے اور پھر آکر معذرت کی بہر حال تم سب اپنی جگہ
پر عمل کئے جاؤ تمہارے آئندہ اعمال کو اللہ بھی دیکھیگا اور اُس کا رسول
بھی اور رسول اللہ کے ساتھی مؤمن بھی۔ خود ظاہر ہو جائیگا کہ تم اپنے
عذر میں سچے ہو یا جھوٹے۔ پھر مرنے کے بعد تم سب کو اللہ کے سامنے
جانا ہے وہ ظاہر باطن اور چھپے کھلے کو جانتا ہے اس لئے جو کچھ تم دنیا
میں کرتے ہو اُس کی سزا جزا تم کو وہ دیگا۔

اللہ کا علم تین طرح کا ہے۔ ایک وہ جو محض ذات الٰہی کے ساتھ
مخصوص ہے کسی نبی یا ولی کو اس سے واقفیت نہیں۔ ظاہر و باطن کو بطریق
اکمل جاننا حقیقت و کنہ سے واقف ہونا کل عالم کا علم ازلی قدیم میں
استحضار۔ یہ سب خصوصیت باری تعالیٰ کی ہے۔ دوسرا علم وہ ہے کہ
جس سے واقفیت بعض یا کل انبیاء کو بھی ہے اللہ نے انبیاء کو وہ
نور عطا فرمایا جس سے اُن کے دل پاکیزہ اور منور ہو گئے اور وہ بعض اعمال
خلائق سے بعیان و بیان واقف ہو گئے۔ اس میں ہر قسم کی وحی اور الہام
انبیاء داخل ہے۔ تیسرا علم وہ ہے جس سے انبیاء کے علاوہ اولیاء بھی
واقف ہیں۔ جس طرح انبیاء اللہ کے نور ذات سے بعض اشیاء کا علم
رکھتے ہیں اسی طرح اولیاء اور خاص خاص مؤمن نور صفات سے اشیاء
کو سمجھتے ہیں۔ یہ ہی کشف اولیاء ہے۔ اسی تیسری قسم کے علم کو آیت میں
بیان کیا ہے کہ منافقوں کے اعمال کو دیکھ کر اُن کی اندرونی حالت کو
جانچنا اور ایمان و عدم ایمان کو معلوم کرنا اللہ کا کام بھی ہے اور رسول اللہ
کا بھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مؤمن کی فراست سے بچو۔ اسی نور ذات
کو آیت اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ میں توسم سے تعبیر کیا گیا
ہے۔ رہی پہلی شق تو اُس کے متعلق سَتُرَدُّوْنَ الخ میں اشارہ کر دیا گیا
کہ تمہارے اندرونی و بیرونی اعمال عقائد اور نیتیں اور ارادے اللہ
سے تو مخفی ہو ہی نہیں سکتے وہ تو ظاہر باطن کا عالم ہے اور سزا جزا اسی
پر مرتب ہوگی مگر تمہاری ظاہری صفات اور بیرونی اعمال دیکھ کر رسول اللہ
اور مؤمن بھی تمہارے اندرون کا پتہ لگا لینگے۔

مقصود بیان۔ ترغیب و ترہیب۔ رسول اللہ اور خاص مؤمنوں
کے مخصوص علم کی صراحت اور اپنے خاص فیضان کی طرف اشارہ۔ اس امر
کی نص کہ اللہ سے کوئی چیز (باعتبار علم ازلی قدیم کے) مخفی نہیں۔ اس لئے
کوئی شخص اُس سے کوئی کام چھپا نہیں سکتا۔ سزا جزا کا ترتب اعمال پر
ہوگا اور اعمال سے واقفیت اللہ کو ہے۔ تو گویا اللہ کی واقفیت کی موجب
سزا جزا ہوگی اور چونکہ اللہ کی واقفیت میں غلطی ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا سزا جزا
میں غلطی ہونا بھی ناممکن ہے۔ وغیرہ۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا
اور کچھ لوگ اور بھی ہیں جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر ملتوی ہے خواہ
يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ
اُن کو سزا دے یا اُن پر توجہ فرمائے
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
اور اللہ دانا صاحب تدبیر ہے

تفسیر جو لوگ جنگ تبوک پر نہ گئے تھے اُن کے تین گروہ
تھے۔ اول گروہ منافقین۔ دوم وہ خالص مؤمن جو بغیر کسی
نفاق کے محض آسائش اور آرام طلبی کی وجہ سے شریک نہ ہوئے اور خدمت گرامی میں حاضر
ہو کر کچھ عذر معذرت معمولی کر کے سچے دل سے توبہ کر لی۔ سوم وہ لوگ جنہوں نے سچے دل سے
توبہ کر لی۔ مگر زبان سے معذرت کا کوئی لفظ نہ نکالا۔ منافقوں کا حکم شروع
سورت سے بیان ہوتا چلا آیا۔ اُس کے بعد متصل آیات میں اُن توبہ
کرنے والے مسلمانوں کا جنہوں نے ندامت کے ساتھ اعتراف قصور کیا
حکم مذکور ہو گیا۔ ایسے لوگوں میں حضرت ابو لبابہ بھی داخل تھے۔ تیسرے نمبر پر
صرف تین آدمی رہ گئے مرارہ بن ربیع۔ ہلال بن امیہ۔ کعب بن مالک۔
انہوں نے توبہ تو سچے دل سے کر لی۔ مگر زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔ بقول
ابن عباس و مجاہد و ضحاک و عکرمہ وغیرہ آیت کا نزول انہی کے حق میں ہوا

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے معاملہ میں تاخیر کر دی
گئی ہے نہ تو ابھی اُن کی توبہ قبول ہونے کی صراحت کی گئی ہے نہ عذاب دینے
کی۔ اللہ کو اختیار ہے کہ اُن کو اُن کے کئے کی سزا دے یا اُن کی توبہ قبول
فرمائے۔ اس آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان لوگوں کے معاملہ کو معلق چھوڑ دیا۔ گروہ اہل اسلام کو اُن سے سلام
کلام کرنے کی ممانعت کر دی۔ بیویوں کو کچھ دنوں کے لئے جدا ہو جانے کا
حکم دیدیا۔ ان تینوں کی توبہ قبول ہونے کی صراحت آئندہ آیت وَعَلَى
الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا الخ میں آئے گی۔

مقصود بیان:۔ اس امر کی صراحت کہ توبہ کو (باوجودیکہ خالص

دل سے ہی قبول کرنے نہ کرنے کا اللہ کو اختیار ہے اگرچہ رحمت الٰہی غضب الٰہی پر غالب ہے اور امید ہے کہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول ہو گی مگر اللہ پر واجب نہیں کہ اُن کی توبہ ضرور قبول کرے۔ اس بات کی ضمنی صراحت کہ اُن تینوں آدمیوں نے سچے دل سے توبہ کی تھی۔ کیونکہ اگر اوپرے دل سے کی ہوتی تو عدم قبول توبہ کی صراحت تعیین کے ساتھ کر دی جاتی۔ معاملہ کو معلق نہ چھوڑا جاتا۔ وغیرہ

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا
جن لوگوں نے تکلیف پہنچانے کفر کرنے

وَّکُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور اُن لوگوں کے گھات

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَ
لگانے کے لئے ایک مسجد بنا کر کھڑی کر دی ہے جو پہلے سے

رَسُوْلَہٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ
خدا اور اُس کے رسول سے لڑ رہے ہیں اور اب وہ قسمیں کھائینگے کہ سوائے

اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اِنَّہُمْ
بھلائی کے ہمارا کچھ مقصود نہ تھا خدا گواہ ہے کہ وہ یقیناً

لَکٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِیْہِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ
جھوٹے ہیں تم اُس مسجد میں ہرگز نہ کھڑے ہو البتہ جس مسجد

اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ
کی بنیاد اول دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے

اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ ؕ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ
وہ تمہارے نماز پڑھنے کے زیادہ لائق ہے اُس میں ایسے لوگ ہیں جو

اَنْ یَّتَطَہَّرُوْا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّہِّرِیْنَ ۝
خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ بھی خوب پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے

تفسیر ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف فرما ہونے سے پہلے خاندان خزرج میں ابو عامر نام کا ایک شخص تھا جو زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور جوگیوں سناسیوں کی طرح محنت و مشقت کرتا تھا۔ جاہل اُس کو بڑا خدا رسیدہ اور عابد زاہد جانتے تھے۔ جب حضور والا ترک وطن کے بعد مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور مسلمانوں کا ہجوم ہوا تو ابو عامر کو جلن پیدا ہوئی اور بدر میں جب حضورؐ کو فتح ہوئی تو کھلا دشمن بن گیا اور مشرکین مکہ سے ساز باز کر کے اُن کو مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ پھر جب جنگ اُحد میں مسلمانوں پر قدرے مصیبت پڑی تو وہ خوب خوش ہوا اور بالآخر جب مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہونی شروع ہو گئیں اور جنگ حنین میں قبائل ہوازن کو شکست ہوئی تو علی الاعلان اپنی صداقت و حقانیت کا قول کیا اور کہنے لگا میں ملّتِ ابراہیمی پر ہوں حضورؐ نے ہر چند سمجھایا بجھایا مگر اُس نے ایک نہ مانی اور بھاگ کر ملک شام کو چلا گیا۔ تاکہ وہاں رہ کر مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاری کرے اور جمعیت اسلامیہ کو شکست دینے کے لئے لشکر جمع کرے۔ اس کے بارہ چیلے مدینہ میں موجود تھے جو بظاہر مسلمان اور در پردہ منافق تھے۔ ابو عامر نے ان منافقوں کو پیام بھیجا کہ تم ایک مسجد بناؤ اور بظاہر مسلمانوں کی دلداری کرتے رہو مجھے قیصر روم نے فوج اور سامان دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ میں عنقریب فوج لیکر آتا ہوں میرے تمام خطوط اور قاصد اُسی مسجد کے پتہ پر پہنچا کرینگے۔ چنانچہ اس کے طرفداروں نے ایک مسجد تعمیر کی اور مسجد بن گئی تو حضورؐ کی خدمت میں عرض گذار ہوئے کہ حضورؐ وہاں نماز پڑھ کر ہمارے لئے برکت کی دعا فرما دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں اسوقت سفر تبوک کا ارادہ کر چکا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو لوٹ کر دیکھا جائیگا۔ چنانچہ حضورؐ تشریف لے گئے۔ ادھر منافقوں نے اس مسجد سے چار کام لینے شروع کر دیے (۱) مسجد قُبا والوں کو ضرر رسانی (۲) کفر کی اشاعت کو مسلمانوں کے مقابلہ میں اُنہوں نے مسجد تعمیر کی اور اُس سے مقصود مسلمانوں پر فخر کرنا اور اپنی قوت کا نمودار کرنا تھا گویا یہ مسجد کفر کا اڈّا اور مرکز تھی (۳) مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا۔ پہلے سب مسلمان مسجد قبا میں جمع ہوتے تھے اور سب یکدل تھے اب منافقوں نے اُن کے دو ٹکڑے کرنے چاہے ایک ٹکڑا مسجد قبا میں اور دوسرا اُن کی مسجد میں۔ اس تفریق سے اُن کو مسلمانوں میں اشاعت نفاق اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا موقعہ ملا (۴) ابو عامر خدا اور اُس کے رسول کا دشمن تھا۔ رسول اللہ صلعم سے مناظرہ بھی کر چکا تھا اور اسلام کے خلاف مشرکین عرب کو ابھار بھی چکا تھا اور اسلام کی بیخ کنی کے لئے ملک شام میں لشکر کشی کے لئے گیا ہوا تھا۔ اُس کے لئے ایک کمین گاہ منافقوں نے اس مسجد کو بنایا لیکن بالآخر تمام مبلغین نفاق ناکام ہوئے ابو عامر کا کوئی ساتھی نہ رہا۔ ملک شام میں وہ تنہا بے یار و مددگار مر گیا۔

حضورؐ نے اُسکو بد دُعا بھی یہی دی تھی کہ تنہا بے یار و مددگار مرے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن منافقوں نے مسلمانوں کی مسجد سے علیحدہ مسجد تعمیر کی تاکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں کفر کی اشاعت کریں اہل اسلام میں تفرقہ ڈالیں اور خدا و رسول کے دشمن کی کمینگاہ تیار کریں اور اس انتہائی نفاق آفرینی کے باوجود وہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اس تعمیر سے ہمارا مقصد محض نیکی ہے۔ مینہ بوندی اور جاڑے پالے میں کمزور مسکین مسلمانوں کو آرام پہنچانے کے لئے ہم نے یہ مسجد بنائی ہے۔ درحقیقت وہ جھوٹے ہیں۔ لہذا اے رسول تم اُن کی مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھنا۔ تمہاری نماز کے لئے تو وہی مسجد مناسب ہے جسکی بنا روز اول سے تقوٰی اور خدا ترسی پر رکھی گئی ہے مسجد تقوٰی سے مراد مسجد قبا ہے۔ کذا قال البخاری۔ ابن عباسؓ، حسن بصری ضحاک اور شعبی وغیرہم سے بھی یہی مروی ہے۔ بیضاوی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ صاحب کمالین نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ حضرت عمرؓ ابن عمرؓ، زید بن ثابت، ابوسعید خدری اور سعید بن مسیّب وغیرہم کے نزدیک مسجد نبوی مراد ہے۔ ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ مسجد تقوٰی کے متعلق دو شخصوں نے اختلاف کیا ایک نے کہا مسجد قبا ہے۔ دوسرے نے کہا مسجد رسول اللہؐ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا وہ میری مسجد ہے (رواہ احمد والترمذی وصححہ والنسائی ومسلم وغیرہم)

اس سے آگے مسجد تقوٰی کے تعمیر کرنے والوں اور اس میں عبادت کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:۔

اُس مسجد میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ بھی پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ یہ آیت اہل قبا کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں وہ لوگ پانی سے استنجا کیا کرتے تھے (رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ) ابن عباس سے مروی ہے جب یہ آیت اتری تو حضور اقدسؐ نے عویم بن ساعدہ سے دریافت کرایا کہ وہ کیا طہارت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری ثنا فرمائی ہے؟ عویمؓ نے عرض کیا ہم سوا اس کے اور کچھ نہیں جانتے کہ ہم میں سے ہر عورت مرد پانی سے استنجا کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا وہ (طہارت) یہی ہے (رواہ الطبرانی واحمد وابن خزیمۃ فی صحیحہ ورواہ ابن جریر عن خزیمۃ بن ثابت و احمد عن محمد بن عبد اللہ بن سلام)

چند مسائل ابن کثیر کہتے ہیں آیت میں دلیل ہے کہ وہ قدیمی مساجد جن کی بنیاد اول دن سے تقوی پر قائم کی گئی ہو اُن میں نماز پڑھنی مستحب ہے۔

اور ایسی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی بھی افضل ہے جو پرہیزگار اور عابد اور ظاہری باطنی نجاستوں سے پاک صاف رہتی ہو۔

تفسیر سراج میں ہے کہ جو مسجد شہرت دکھلاوٹ یا ریاکاری کے لئے بنائی جائے یا اللہ کی رضامندی کے حصول کے علاوہ اُس کی کوئی اور غرض ہو یا حرام یا مشکوک مال سے اُس کی تعمیر ہو اُس میں نماز پڑھنی حرام ہے۔

عطاء سے مروی ہے کہ جب اللہ نے فتوحات عنایت کیں تو حضرت عمرؓ نے گورنروں اور عاملوں کو لکھا کہ جا بجا مسجدیں بنواؤ مگر خیال رکھو کہ ایک ہی شہر میں ایسی دو مسجدیں مت بنوانا کہ ایک سے دوسری کو مضرت پہونچے۔

مقصود بیان:۔ جس مسجد یا عبادت گاہ کی تعمیر سے مقصد یہ ہو کہ عام مسلمانوں کو یا دوسری مسجد کے نمازیوں کو ضرر پہنچے یا اسلام کو نقصان اور کفر کو قوت حاصل ہو یا مسلمانوں میں تفرقہ اور پھوٹ پڑے یا اُس کو کافروں کی کمینگاہ بنانا غرض ہو بہرحال وہ عبادت گاہ قابل شکست ہے۔ بہت سی ظاہری نیکیاں بھی مضرت اسلامیہ کی باعث ہوتی ہے کیونکہ اُن کی بنا فساد پر ہوتی ہے۔ مسجد ضرار میں نماز پڑھنی حرام ہے۔ نماز اُس مسجد میں پڑھی جائے جسکی تعمیر محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے کی گئی ہو۔ شرک اور معاصی سے بچنا اور پرہیزگاری پر قائم کی ہوئی ہر چیز قابل مدح ہے۔ طہارت جسمانی ہو یا روحانی بہرحال مسلمان کیلئے ضروری اور اللہ کو پسند ہے۔ آیت میں ضمنی ہدایت ہے کہ مسلمانوں کو ریاکاری کی ہر چیز اور مسلمانوں کو ضرر پہونچانے کے ہر قول و عمل سے پرہیز رکھنا بلکہ اسکی مخالفت کرنی چاہیئے۔ یہانتک کہ جو عبادتگاہیں اس قسم کی ہوں اُن سے بھی قطع تعلق کر لینا لازم ہے۔ وغیرہ۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى

بھلا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف و خوشنودی پر

مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ

رکھی وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے

اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ

اپنی عمارت کی بنیاد ایسی گھاٹی کے کنارہ پر رکھی جو گرنے کو ہی ہو

هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَ

اور دوزخ میں اُس کو لے گرے اور

اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○

اللہ ظالم لوگوں کو سیدھا راستہ نہیں بتاتا

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً

جس عمارت کو انہوں نے بنایا ہے یہ ہمیشہ ان کے دلوں میں باعث شبہہ

فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ

(نفاق) بنی رہے گی تا وقتیکہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ع ۱۳

اور اللہ دانا صاحب تدبیر ہے

تفسیر مخلص اہل ایمان اور دو غلے منافقوں کی حالت اور ہر گروہ کا مآل کار خداوند تعالیٰ اس آیت میں مثال دیکر سمجھاتا ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں میں تمام عالم میں اس سے بڑھ کر کوئی مثال منافقوں کے حال کے مطابق نہیں پاتا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ دو قسم کے آدمی ہیں اور ہر ایک نے اپنی عمارت علیحدہ بنائی ہے ایک کے پیش نظر تو کفر و عصیان سے بچنا اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ اس نے عمارت محض اس لئے بنائی کہ کفر کی بیخ کنی ہو اور اللہ راضی ہو۔ دوسرے کی عمارت کی بنیاد فساد پر قائم ہے۔ اس نے گہرے گڈھے کے بالکل کمزور کنارہ پر اپنی عمارت کی نیو رکھی یعنی اس کی نیت میں نفاق و معصیت ہے۔ ظاہر ہے کہ اول شخص کی عمارت قوی اچھی اور افضل ہوگی اور دوسرے کی عمارت کمزور بودی اور گرجانے والی ہوگی۔ یہی حال مؤمن اور منافق کا ہے۔ مؤمن کی بنائی ہوئی مسجد چونکہ خلوص نیت پر مبنی ہے اس لئے افضل اور مقبول ہے اور منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد نفاق پر مبنی ہے۔ گویا وہ دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر بنائی گئی ہے جو بہت جلد گر جائیگی خود بھی جہنم رسید ہوگی اور اپنے بنانے والوں کو بھی اپنے ساتھ دوزخ میں لیجائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت قتادہ کی روایت ہے کہ مسجد ضرار کی عمارت مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ وہ (منافق) جہنم میں جا پڑے۔

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھا کہ مسجد ضرار سے دھواں نکلتا تھا (رواہ الحاکم و ابن جریر) ابن جریج کی روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے وہ مقام کھودا جہاں مسجد ضرار تھی تو وہاں سے دھواں نکلتا پایا۔ خلف بن یاسین کہتے ہیں وہ مسجد ضرار جس کا قرآن میں تذکرہ ہے میں نے دیکھا کہ اس میں سے ایک پتھر سے دھواں نکلتا تھا اور اب تو وہ گھورا ہے (رواہ ابن جریر) الغرض منافقوں کی اور ان کی مسجد کی معنوی تمثیل تو خدا تعالیٰ نے آیت میں دی ہی تھی اور مرنے کے بعد ان کا نتیجہ عمل ظاہر فرمایا ہی تھا مگر دنیا میں بھی مسجد کی تباہی اور آتش رسید ہونا دکھا دیا۔ جب مسجد ضرار بنانے والے منافقوں کی مراد پوری نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کا پردہ فاش کر دیا اور ان کا گرو ابو عامر خوار و ذلیل ہو کر مر گیا تو اب ان کو اپنی حالت کی بنا پر سخت اندیشہ ہوا کہ خدا جانے مسلمان ان کے ساتھ کیا سلوک کرینگے۔ لیکن اس اندیشہ اور خوف کے باوجود صداقت سے پھر بھی دور ہی رہے۔ دلوں سے نفاق نہ نکلا۔ اسی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وہ مسجد ضرار جو انہوں نے بنائی ہے مرتے دم تک ان کے دلوں میں مجسم نفاق اور از سر تا پا شک بنی رہیگی ان کے دلوں سے شک اور نفاق ہرگز نہ جائیگا۔ بغیر موت کے ان کے دلوں سے شک نہ نکلے گا۔

مقصود بیان:۔ مؤمن و منافق کے عمل کی ایک بیش بہا تمثیل اس امر کی صراحت کہ نفاق کی بنا دوزخ کے کنارہ پر ہے اور نہایت کمزور ہے عنقریب گر جائیگی اور دوزخ میں گرا دیگی۔ اس بات کی نص کہ منافقوں کے دل سے کبھی نفاق زائل نہ ہوگا۔ اس امر کی ترغیب کہ مؤمن کی بنا عمل محض تقویٰ اور اللہ کی رضامندی ہونی چاہیئے۔ وغیرہ۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں سے اُن کا

أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ

جان و مال اس قیمت پر خرید لیا کہ اُن کے لئے

الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

جنت ہے وہ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں

فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ

قتل بھی کرتے ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں اللہ کے ذمہ یہ وعدہ

حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَ

توریت اور انجیل اور قرآن میں پختہ

الْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ

ہو چکا اور اللہ سے زیادہ کون اپنے وعدہ کا پورا

اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي

ہے اب تم اپنے اس سودے پر جس کا معاملہ تم نے اللہ سے کیا ہے

بَايَعْتُم بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

خوشیاں مناؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے

تفسیر منافقوں کے مقابلہ میں اب خالص پختہ مؤمنوں کے اوصاف اور اُن کا نتیجۂ خیر بیان فرماتا ہے۔ یہ آیت صرف مجاہدین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام پختہ اہل ایمان کو شامل ہے۔ اسی لئے حسن بصری نے فرمایا تھا لوگو سچے کانوں سے سنو قسم ہے ذات پاک کی یہ خریداری محض نفع اور سراسر فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام مؤمنوں سے قیامت تک کیلئے سودا کر لیا۔ واللہ کوئی مؤمن اس بیع سے محروم نہیں رہا۔ ہجرت سے قبل جب لیلۃ العقبہ میں حضور اقدس نے انصار کے ایک گروہ سے بیعت لی تو انصار نے عرض کیا جو شرائط آپ کو منظور ہوں ہم سے لے لیجئے۔ فرمایا اللہ کے متعلق تو تم پر لازم ہے کہ اُس کی توحید پر قائم رہو شرک نہ کرو اور میری ذات کے لئے یہ شرط ہے کہ جس طرح اپنی جان مال کی حفاظت کرتے ہو ویسی ہی میری مدد کرو انصار نے عرض کیا اگر ہم اسکو منظور کرلیں تو ہم کو کیا معاوضہ ملیگا؟ فرمایا جنت۔ انصار بولے واللہ ہم نے بیع میں سراسر نفع پایا۔ اب ہم نہ بیع پھیرنے دینگے نہ خود پھیر ینگے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اللہ نے ایمان والوں سے ایک سودا کیا یعنی جسطرح بیع وشرا میں عوضین کا تبادلہ ہوتا ہے اسی طرح اللہ نے ایمان والوں سے عقد معاوضہ کیا۔ اہل ایمان اپنے جان ومال اللہ کے ہاتھ فروخت کریں اللہ اُس کے عوض اُن کو جنت عطا فرمائیگا۔ خریدنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی راہ میں جان ومال قربان کردیں۔ جو لوگ کلمۂ الٰہی کے مخالف ہیں اُن سے لڑیں۔ اگر قتل کا موقعہ آجائے تو ماریں اور مارے جائیں اس کی مخصوص قیمت اللہ بصورت جنت اُن کو عطا فرمائیگا۔ اللہ نے اپنے مختلف فرمانوں میں اس کا سچا وعدہ کرلیا ہے۔ توراۃ میں بھی انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی اور اللہ سے بڑھ کر وعدہ کا پورا کون ہوسکتا ہے۔ لہٰذا مؤمنوں کو اُن کی جانی ومالی قربانی کا معاوضہ ضرور ملیگا جو قیمت ٹھہر گئی وہ ضرور ادا کی جائے گی۔ کیسا عجیب اور عمدہ سودا ہے جس میں سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اللہ ہی نے جان مال عطا کیا اور پھر اپنے عطیہ کو خود ہی خرید لیا۔ اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔

اللہ نے توریت کے سفر استثناء کے ۲۸ ویں باب میں جو دہویں درس تک اس عقد معاوضہ کے مضمون کو بیان کیا ہے اور ۳۲ ویں دوسرے باب دوسرے درس کے اندر بھی یہی مفہوم ظاہر کیا ہے۔ انجیل متی کے اندر ۵ باب ۱۲ درس کا بھی یہی مطلب ہے اور قرآن میں تو جا بجا پکار پکار کر یہی فرمایا ہے۔

مقصود بیان: ایک عجیب عقد معاوضہ کا بیان جس میں بائع بھی عجیب ہے اور مشتری بھی عجیب۔ بیعہ بھی عجیب ہے اور قیمت بھی عجیب۔ بیچنے والے اہل ایمان۔ بیعہ جان ومال۔ خریدار خدا۔ قیمت جنت۔ بازار اسلام۔ راہ خدا میں جان ومال سے کوشش کرنے کی ترغیب خصوصاً جہاد کرنے پر برانگیختگی۔ اس امر کی صراحت کہ اللہ اپنے وعدہ سے خلاف نہیں کرتا ہے۔ گویا اللہ کی ذات کے لئے وعدہ کی خلاف ورزی شرعاً محال۔ اس امر کی صراحت کہ عقد معاوضہ کا یہ قاعدہ اللہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ صرف اسلام ہی نیا مذہب نہیں جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں کی مذہبی کتابیں بھی اس فرمان سے بھری ہوئی ہیں۔ وغیرہ۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ

یہی لوگ ہیں توبہ کرنے والے عبادت گزار حمد کرنے والے

السّٰٓئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے رکوع سجدہ کرنے والے

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ

نیک کام کا حکم دینے والے اور بُری بات سے

عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ

منع کرنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور مسلمانوں کو خوش خبری سنادو

تفسیر ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ اُنہی مؤمنوں کی مدح ہے جن کی جانوں اور مالوں کو اللہ نے خرید فرمایا۔ اس آیت میں نو صفات بطور مدح کے ذکر فرمائے۔ ہم آیت کا مختصر مطلب لکھنے کے بعد سابق ولاحق آیات ملا کر ذرا مفصل فوائد تحریر کریں گے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ قابل مدح وہ خالص مؤمن ہیں جو شرک ونفاق اور معصیت سے مُنہ موڑ کر اللہ سے رشتہ جوڑنے والے ہیں جو محض اللہ کی پرستش کرتے ہیں کسی غیر کو اُس کی ذات وصفات میں شریک نہیں کرتے۔ جو ہر حال میں اللہ کی ثنا وستائش کرتے۔ امر تقدیری پر رضامند

اور خوش رہتے اور ہر دُکھ سُکھ میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ جو روزوں کے ذریعہ اپنی خواہشات کے زور کو توڑتے اور نفس کے حملوں کا مقابلہ کرتے ہیں (یا یہ مطلب کہ) طلب علم جہاد اور ہجرت کے لئے ملک میں پھرتے ہیں۔ نمبر ۵ و ۶ جو خصوصیت کے ساتھ اللہ ہی کے سامنے رکوع کرتے یعنی اسی کے سامنے جھکتے اور اُسی کے سامنے سجدے میں گرتے ہیں یعنی شرعی نماز خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں۔ جو شرعی مامورات پر دوسروں کو بھی پابند بنانے کی عملی اور قولی کوشش کرتے ہیں۔ جو شرعی ممنوعات سے دوسروں کو بھی بقدر امکان روکتے ہیں۔ اگر قوت ہوتی ہے تو ہاتھ سے روکتے ہیں۔ اتنی قوت نہیں ہوتی تو زبان سے ہدایت کرتے ہیں اور یہ بھی ممکن نہیں ہوتا تو اپنی قلبی نفرت کا ہی حسب موقعہ اظہار کرتے ہیں اور دل سے ممنوعات کو بُرا جانتے ہیں۔ جو اللہ کے تمام مقررہ قوانین پر کاربند رہتے ہیں۔ اللہ نے جو حدیں مقرر کردی ہیں ہر چیز اور ہر حکم کا ایک خاص دائرہ رکھا ہے۔ اُس سے آگے نہیں بڑھتے۔ غرض یہ کہ عبادات معاملات اور خطرات میں حکم الٰہی سے تجاوز نہیں کرتے۔ ایسے کامل ایمان والوں کو حیات ابدی اور سعادت سرمدی کی بشارت دیدو۔

چند فوائد

(۱) ان آیات میں اللہ نے حق پرست گروہ کو اول مؤمن فرمایا پھر اُن کے آٹھ یا نو اوصاف ذکر فرمائے۔ چونکہ اللہ کی ہستی اور صفات کمالیہ کا اقرار اور دل سے عقیدہ رکھنا مسلمان کا اوّلین فرض ہے اس لئے ایمان کو سب سے پہلے بیان کیا اور چونکہ اللہ کی ذات و صفات کا حقیقی اقرار اُسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ شرک و نفاق کو چھوڑ کر کل باطل زنجیریں توڑ کر اللہ اور محض اللہ سے رشتہ جوڑا جائے۔ لہذا اس کو لفظ توبہ سے تعبیر فرمایا اور توبہ کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے جبکہ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرے ہر وقت عمل اور قول ہی سے اُس کی الوہیت و ربوبیت کا اقرار کرے اور اللہ کی عظمت و کبریائی کا عملی اعتراف کرے۔ اس مفہوم کو لفظ عَابِدُوْنَ سے ظاہر فرمایا پھر اعتراف عظمت اُس وقت تک صحیح نہیں مانا جائے گا جب تک تقدیر پر ایمان کامل نہ ہو۔ ہر نعمت و مصیبت کو اللہ کی مشیت کے تابع جانے کسی غیر کی طرف منسوب نہ کرے بلکہ اپنی عبادت کی توفیق بھی اُسی کی طرف سے سمجھے اور ہر حالت میں اس کی رضا پر راضی رہے مصیبت کو بھی راحت سمجھکر اللہ کی ثناء کا اظہار حرکات و سکنات اور گفتار و اطوار سے کرے۔ اس مضمون کو لفظ حَامِدُوْنَ سے بیان فرمایا پھر ثنار باری تعالیٰ کا گفتار و اطوار سے ظہور اور تقدیر الٰہی پر عملی رضا اُس وقت ممکن ہے جب نفسانی خواہشات کا زور ٹوٹا ہوا ہو، جذبات شیطانی مغلوب ہوں اور مادی قویٰ معتدل ہو جائیں۔ اس مطلب پر لفظ صَائِمُوْنَ دلالت کرتا ہے خواہش و ہوس کی شکست اور جذبات پر تسلط جب ہی ہوسکتا

جبکہ غیر اللہ کی طمع اور خوف نہ ہو۔ محترم انسانیت کو کسی مخلوق کے دروازہ پر ذلیل نہ کیا جائے۔ بس اللہ ہی سے لو لگی ہو اُسی کے سامنے سر جھکا ہو وہی مرکز عبادت ہو۔ اسی امر کا اظہار رَاكِعُوْنَ اور سَاجِدُوْنَ کے الفاظ سے کیا۔

یہاں تک تو اُن صفات کا بیان تھا جو براہ راست اللہ سے تعلق رکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے آگے اُن اوصاف کا اظہار فرمایا جن کا تعلق باہم انسانوں سے ہے۔ انسانوں کے معاملات و تعلقات کی دو ہی صورتیں ہیں اور بندوں کی خیر خواہی کی دو ہی شکلیں ممکن ہیں۔ اگر کسی کو کار خیر سے رکتا ہوا دیکھے تو اُسے اُس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دے خواہ ترغیب زبانی ہو یا قلمی یا عملی۔ اور اگر کسی کو کسی بُرے کام میں مبتلا دیکھے تو بقدر امکان اُس کے ارتکاب سے روکے خواہ زبان سے یا قلم سے یا ہاتھ سے۔ ان دونوں صفات کو لفظ اٰمِرُوْنَ اور نَاهُوْنَ سے بیان فرمایا۔ پھر سب کے آخر میں ایک نواں وصف بیان فرمایا جس کا تعلق نہ فقط حقوق اللہ سے ہے نہ فقط معاملات عباد سے بلکہ دونوں کو شامل ہے یعنی قوانین الٰہیہ اور ضوابط شریعت پر کاربند ہونا یعنی قرآن و حدیث پر عمل کرنا بدعات اعتقادی و عملی سے پرہیز رکھنا۔ بندوں کے ساتھ معاملات کرنے میں اُن ہدایات کی نگہداشت کرنا جو اللہ اور اُس کے رسول نے بیان کردی ہے

(۲) سیاحت کے لغوی معنی سیر کرنے کے ہیں اگرچہ صاحب قاموس نے ایک قید زائد لگادی ہے کہ اللہ کی عبادت کی نیت سے زمین پر پھرنے کو سیاحت کہتے ہیں مگر عام اہل لغت کے نزدیک یہ قید غلط ہے سیاحت ہر سیر کو کہتے ہیں خواہ ثواب و عبادت کی نیت سے ہو یا گناہ و فجور کے ارادہ سے۔

لفظ سَائِحُوْنَ سے آیت میں جمہور مفسرین کے نزدیک مراد روزہ دار ہیں۔ ابن کثیر نے ابن مسعود کا بھی یہی قول نقل کیا ہے بلکہ علی بن طلحہ کی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں سیاحت کا لفظ آیا ہے وہاں روزہ ہی مراد ہے۔ عوفی اور سعید بن مسیب بھی اسی کے قائل ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس اُمت کی سیاحت روزہ ہے (رواہ ابن جریر) مجاہد سعید بن جبیر عطاء خراسانی عبدالرحمن سلمی اور ضحاک وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ سائحین صائمین ہیں۔ (رواہ الحاکم)

لیکن ابن کثیر نے بحوالہ ابوداؤد بروایت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے سیاحت کی اجازت دیجے۔ فرمایا میری امت کی سیاحت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں (قد رواہ ابن ماجۃ و الحاکم و صححہ) یہ اجازت مانگنے والے عثمان بن مظعون تھے قد نص علیہ بعض الحفاظ۔

ابن مبارک نے بروایت ابن لہیعہ مرفوعًا بیان کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے میری امت کے لئے

سیاحت کی بجائے جہاد کو اور ہر بلندی پر تکبیر کہنے کو قائم کر دیا ہے ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سائحین سے مراد مجاہدین ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ سیاحت کرنے والوں سے مراد علم دین کے طالب ہیں (رواہ ابن ابی حاتم) عکرمہ نے یہ بھی فرمایا کہ بعض کم فہم سیاحت کا یہ مفہوم سمجھتے ہیں کہ جنگلوں اور پہاڑیوں میں سیر کرتا پھرے یہ اُن کی غلط فہمی ہے کیونکہ یہ امر مشروع نہیں۔

مقصود بیان:- اہل ایمان کے خصوصی اوصاف کا پیرایۂ مدح میں بیان اور تمام اہل اسلام کو در پردہ ان اوصاف کے حاصل کرنے کی ترغیب۔ اس امر پر ضمنی تنبیہ کہ جب تک مؤمن میں یہ اوصاف موجود نہ ہوں وہ مؤمن کامل نہیں ہو سکتا صرف زبانی اقرار یا اوپری دل سے توحید و رسالت و قیامت پر عقیدۂ ایمان کو کامل کرنے کے لئے کافی نہیں بلکہ مذکورۂ بالا نو اوصاف ایمان کے اجزاء یا کم از کم کمالِ ایمان کے شرائط ہیں۔ واللہ اعلم۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ

جبکہ یہ بات ظاہر ہو چکی کہ مشرک دوزخی ہیں تو اب

يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا

نبی اور مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے

اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ

دعاء مغفرت کریں خواہ وہ اُن کے

اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ وَمَا كَانَ

رشتہ دار ہی ہوں رہا

اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا

ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے دعاء مغفرت کرنا تو وہ صرف

عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا

اُس وعدہ کی وجہ سے تھا جو ابراہیم نے اس سے کیا تھا لیکن جب

تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ

ابراہیم پر کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُس سے قطع تعلق

مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○

کر لیا بلاشبہ ابراہیم بڑا نرم دل اور بردبار تھا

تفسیر

سورۂ برارت کے متعدد مقامات پر بیان فرمایا تھا کہ کافروں اور مشرکوں سے ترکِ موالات واجب ہے۔ یہاں مصرح فرما دیا کہ کافر خواہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہو اگر کفر پر مر جائے تو اُس کے لئے استغفار کرنا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ دینی تعلقات قائم رکھنا۔ حکمِ آیت تاقیامت تمام مؤمنوں کے لئے منصوص اور واجب ہے۔ آیت کے سبب نزول کے متعلق تین روایات ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ چند اسباب کے موجود ہونے کے بعد آیت کا نزول یکبارگی سب سے متعلق ہوا ہو کما قال الشیخ ابن حجر۔

سیوطیؒ نے اس آیت کا نزول دو مرتبہ اتقان میں تحریر کیا ہے ایک بار ہجرت سے پہلے مکہ میں ابوطالب کے انتقال کے بعد اور دوسری بار مدینہ میں۔ تینوں اسباب ہم ذیل میں مختصر لکھتے ہیں:-

(۱) ابن کثیر نے بروایت ابن مسیب بیان کیا کہ ابوطالب کے انتقال کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور فرمایا چچا اب تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دو۔ میں تمہاری مغفرت کے لئے اللہ کے سامنے اس کلمہ کو بطور حجت کے پیش کروں گا۔ اُس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ ابوطالب کے پاس موجود تھے کہنے لگے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے منہ موڑ لوگے؟ بعض روایات میں آیا ہے کہ ابوطالب نے کہا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مشرکین قریش مجھ پر ڈر جانے کا عیب لگائیں گے تو میں ضرور یہ کلمہ کہہ لیتا اور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔ غرض ابوطالب نے ملتِ عبدالمطلب پر ہونے کا اقرار کیا اور اور اسی حالت پر انتقال ہو گیا۔ حضورؐ نے فرمایا میں تمہارے لئے استغفار کروں گا جب تک مجھے ممانعت نہ کر دی جائے اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی (رواہ احمد و اصلہ فی الصحیحین)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو میں نے حضور اقدسؐ سے عرض کیا آپ کے بوڑھے گمراہ چچا کا انتقال ہو گیا۔ فرمایا دفن کر دو اور پھر میرے پاس آنے تک کوئی بات نہ کرنا۔ الحدیث (رواہ ابوداؤد)

اس شان نزول پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ ابوطالب کا انتقال ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوا اور یہ آیت مدنی ہے۔ اس اعتراض کو دور کرنے کے لئے ابن کثیر نے تکرار نزول کا قول اختیار کیا ہے اور ابن حجر نے تاخیر نزول کا۔ یعنی ابن کثیر کے نزدیک ایک مرتبہ یہ آیت مکہ میں ابوطالب کے انتقال کے بعد نازل ہوئی اور دوبارہ مدینہ میں۔ اور ابن حجر نے کہا کہ اگرچہ انتقال ابوطالب کا مکہ میں ہوا لیکن مدت کے بعد بمصلحت ممانعت استغفار کا یہ حکم مدینہ میں نازل ہوا۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) (تبوک کے بعد غزوۂ عسفان یا سفر عمرہ میں مکہ کے قریب ایک واقعہ پیش آیا) حضرت بریدہؓ کہتے ہیں ہم لوگ تقریباً ایک ہزار سوار حضورؐ کے

يَلُونَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ

کافروں سے لڑتے چلو اور لازم ہے کہ وہ تم میں

غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ○

سختی پائیں اور جانے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں کا حامی ہے

تفسیر اشاعتِ اسلام اور تبلیغ احکام اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک میدان صاف نہ ہو کوئی روک ٹوک کرنے والا نہو مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں اور فتنہ انگیزیاں کرنے کا دروازہ بند نہ کر دیا جائے۔ رسول پاک ؐ کے زمانہ میں مدینہ کے اندر اور باہر کچھ لوگ مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کی انتہائی کوشش کرتے تھے مدینہ کے یہودی اور دوسرے کفار ہر وقت مسلمانوں کی بیخ کنی کی تدبیروں میں سرگرم رہتے تھے۔ کبھی قبائل قریش کو مسلمانوں پر چڑھائی کرنے پر آمادہ کرتے کبھی قبیلۂ ہوازن کو بھڑکاتے۔ قریش کے قافلہ نے حارث غسانی بادشاہِ شام کو جاکر ورغلایا۔ حارث نے ہرقل شاہ روم کو آمادہ کیا۔ غرض مسلمانوں کے خلاف ایک عام لہر تھی جو اطراف ملک میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں آیت مذکورہ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اسلام کے خلاف سازشوں کی بیخ کنی کرو اور کافروں سے قتال کرو۔ اور جہاد میں ابتداء اُن لوگوں سے ہونی چاہیئے جو قریب ترین رہنے والے ہیں۔ قریب کے رہنے والوں سے مراد بعض علماء کے نزدیک بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی ہیں۔ بعض کے نزدیک شام کے عیسائی مراد ہیں لیکن چونکہ آیت میں کوئی تخصیص نہیں اس لئے آیت کو عموم ہی پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔ حضور ؐ نے اسی آیت کے موافق کفار سے جہاد کئے۔ پہلے اقارب کو تبلیغ اسلام کی پھر اہلِ حجاز کو پھر عام عرب کو پھر تبوک والوں پر چڑھائی کی۔ حضور کے خلفاء نے بھی اسی پر عمل کیا۔ عرب سے فارغ ہو کر ممالک شام، عراق وغیرہ ممالک کو فتح کیا اور کفر کی بستیوں میں اسلام کا جھنڈا گاڑا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! پہلے پاس کے رہنے والے کافروں سے جہاد کرو اور انتہائی جرأت، صبر، استقلال اور مضبوطی سے کرو مگر خواہش نفس اور دنیا طلبی کو اس قتال میں دخل نہ دو بلکہ تقویٰ قائم رکھو۔ اللہ کے واسطے جہاد کرو اور کفار کی کثرت اُن کے اسلحۂ جنگ کی بہتات اور قوت و شوکت کی فراوانی سے اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم شرک گناہ اور دنیا طلبی سے بچتے رہوگے اور باہمہ بے ہمہ کی تعلیم پر عمل کرتے رہوگے تو فتح تمہاری ہوگی۔ اللہ تمہارے ساتھ ہوگا کیونکہ اللہ اہل تقویٰ کی مدد کرتا ہے تم متقی

رہوگے تو تمہاری بھی مدد کرے گا۔

مقصود بیان: جہاد کا حکم۔ کفار کے مقابلہ میں جرأت صبر اور استقلال رکھنے کا امر۔ کافروں کی کثرت اور اُن کے ساز و سامان کی فراوانی سے اندیشہ نہ کرنے کی ضمنی تلقین۔ اور اس امر کی صراحت کہ مسلمان کے پیش نظر ہر وقت تقویٰ ہونا چاہیئے۔ اللہ اہل تقویٰ کی ہمیشہ مدد کرتا ہے خواہ اُن کے حریف کتنے ہی قوی ہوں۔ وغیرہ

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن

جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافق کہتے ہیں

يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ

تم میں سے کس کے ایمان میں اس سورت سے اضافہ ہوا

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا

جو ایمان رکھتے ہیں اُن کے ایمان میں اس سے اضافہ ہوتا ہے

وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ○ وَأَمَّا الَّذِينَ

اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا

دلوں میں مرض ہے ان میں اُس سے اور گندگی

إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ○

پر گندگی بڑھتی ہے اور کفر کی حالت میں ہی وہ مرجاتے ہیں

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال ایک بار یا دوبار

مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَ

اُن کی آزمائش کی جاتی ہے پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور

لَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ○

نہ نصیحت پکڑتے ہیں

تفسیر مفسر سراج و بیضاوی وغیرہ نے بیان کیا کہ جہاد دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو تلوار کے ذریعہ سے دوسرا برہان و حجت

سے۔ منافق چونکہ بظاہر اسلام کے مدعی تھے اسلئے اُن کے مقابلہ میں تلوار سے جہاد کا حکم نہ تھا لیکن برہانی جہاد ضروری تھا۔ منافق اپنی باطنی خیانت سے اہل ایمان کو راہ حق سے روکتے تھے اور طرح طرح کے شکوک مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے تھے تو اُن کے مقابلہ کے لئے جب تک اُن کی فریب کاریاں ظاہر نہ کر دی جائیں اور مسلمانوں کو اُن کی فتنہ پردازیوں کی اطلاع نہ دیدی جائے اُس وقت تک فساد کی جڑ نہیں کٹ سکتی۔ کیونکہ کھلا کافر اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے تھے جن کی بندش کے لئے جہاد کا حکم گذشتہ آیت میں دیا گیا ہے۔ منافق اندرونی طور پر مسلمانوں کو بہکا کر شجرۂ اسلام کی جڑ کاٹنے کی کوشش کرتے تھے اُن کی پول کھولنے کے لئے یہ آیتہ نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب قرآن پاک کا کوئی حصہ جدید نازل ہوتا تو منافق چونکہ خود مومن نہیں اسلئے بطور مذاق کے بھولے بھالے مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالنے کے لئے اُن سے کہتے ہیں کہ اگرچہ ہم بھی مومن ہیں مگر ان آیات کے نزول سے ہمارے ایمان و یقین میں تو کچھ اضافہ نہیں ہوا تم لوگ بتاؤ تم میں سے کس کے ایمان میں بیشی ہوئی۔ واقعی منافقوں کو آیات سے کوئی ایمانی فائدہ حاصل نہیں ہوتا مگر مسلمانوں کے ایمان میں ضرور افزونی ہوتی ہے اُن کے دلوں میں فرحت اور روحوں میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ یہ اپنے اپنے ظرف کا اختلاف ہے صحت و مرض کا اختلاف ہے قابلیت کا اختلاف ہے۔ جن کے دل صحیح ہیں جنکی روحیں سالم ہیں اُن کو غذاءِ آیات سے مزید قوت ایمانی حاصل ہوتی ہے اور یہ مقوی غذا اُن کے لئے مفرح اور کیف آور ہوتی ہے۔ لیکن جن کے دل بیمار ہیں روحیں مضمحل اور افسردہ ہیں فطری قوتیں نجس ہیں اُن کو اس پاکیزہ مفرح غذاء سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے اُن کے روحانی مرض میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ کفر کی خباثت میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اور مرتے دم تک یہ مرض پیچھا نہیں چھوڑتا۔ باوجودیکہ عبرت اور نصیحت دلانے کے لئے ہر سال اُن کی آزمائش کی جاتی ہے اور طرح طرح کی تکلیفوں سے اُن کو دوچار ہونا پڑتا ہے مگر دل سے حق کی طرف رجوع نہیں کرتے اور واقعات عبرت دیکھتے ہوتے بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

توضیح يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ کی تفسیر علماء نے مختلف طور پر کی ہے۔ مجاہد کے نزدیک سختی قحط اور گرسنگی مراد ہے۔ ابن عطیہ کے نزدیک مختلف بیماریاں۔ قتادہ نے کہا کہ ہر سال منافقوں کو مجبوری رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب دو ایک مرتبہ جہاد پر جانا ہوتا تھا۔ حضرت حذیفہؓ کا قول ہے کہ منافق ہر سال کوئی ایسا جھوٹ بولتے تھے جس سے کچھ لوگ دین سے پھر جاتے تھے (دو قدروی عن ابن سعید باسناد آخر) بعض کہتے ہیں کہ منافق ہر سال دو ایک بار نصیحت ہوتے تھے یا دو ایک بار ایمان کی طرف آکر پھر مرتد ہو جاتے تھے یا ہر سال دو ایک مرتبہ عہد شکنی کرتے تھے۔ بیضاوی کہتے ہیں کہ آیت میں چونکہ کوئی تخصیص نہیں اس لئے عموم معنی پر حمل کرنا اولیٰ ہے۔

مقصود بیان: قرآن سرچشمہ فیض اور آفتاب ہدایت ہے اُس کی نور پاشی یکساں ہے لیکن اختلاف قابلیت کی وجہ سے بعض کو فائدہ اور بعض کو نقصان پہنچتا ہے۔ خدایا قرآن کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ انسان کے خود روحانی امراض اور قلبی کثافتیں اُس کو تباہ کرتی ہیں۔ گویا آیت سے یہ امر مستنبط ہوتا ہے کہ قرآن سے جس شخص کو ہدایت حاصل نہ ہو بلکہ شکوک میں اضافہ ہوتا جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا دل بیمار ہے روح کثیف ہے دماغ پر زنگ چڑھ گیا ہے اور اُس کی قوتوں میں عفونت کا مادہ موجود ہے نور قرآنی سے اُن میں اور تعفن پیدا ہوتا ہے۔ آیت میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ تنگی معاش بیماری قحط سالی حکام کا تغلب اور ظلم غرض ہر تکلیف در حقیقت خدا کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے لیکن جو بدبخت ہیں اُن کو واقعات عبرت سے بھی کوئی تنبیہ حاصل نہیں ہوتا۔ بطور مفہوم مخالف مسلمانوں کو نصیحت ہے کہ ہر مصیبت کے وقت خدا کی طرف رجوع کریں اور صدق دل سے توبہ کریں۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو اُن میں سے ایک دوسرے کی

اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ

طرف دیکھتا ہے کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں ہے پھر

انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ

چل دیتے ہیں اللہ نے اُن کے دل پھیر دیے ہیں کیونکہ یہ لوگ

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝

سمجھ نہیں رکھتے

تفسیر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی تو آپ مسجد مبارک میں آکر بیٹھتے مسلمان چاروں طرف حلقہ کر لیتے حضور تلاوت فرماتے مسلمان سننے میں اس قدر غرق ہوتے کہ کسی کو دوسرے کی طرف توجہ کرنے کا خیال بھی نہ آتا۔ حسب معمول جب سورۂ براءت نازل ہوئی اور حضور نے مسجد میں تشریف لاکر تلاوت فرمائی اور اس میں منافقوں کی حالت کا کچا چٹھا کھول کر بیان کیا گیا تو منافقوں نے چپکے چپکے کھسکنا شروع کیا اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ آپس میں کہنے لگے دیکھو کوئی مسلمان تم کو دیکھتا تو نہیں ہے؟ لیکن مسلمانوں کو اُن کے

دیکھنے کا کب ہوش تھا وہ تو کلام الٰہی کے سننے میں ہمہ تن غرق تھے اسلئے منافقوں کو موقعہ ملا اور وہ چپکے چپکے چل دیئے اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی حاصل ارشاد یہ ہے کہ منافقوں کی عجیب حالت ہے جب قرآنی سورت نازل ہوتی ہے اور اُن کے سامنے برسرِ عام پڑھی جاتی ہے تو اُن کو اس کے سننے سے ایسی نفرت ہوتی ہے کہ وہاں بیٹھنا بھی گوارا نہیں ہوتا اور چونکہ کھلم کھلا اٹھ کر آنے سے نفاق کے اظہار کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں مسلمان ہم کو منافق نہ سمجھنے لگیں اسلئے آپس میں ایک دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو کہیں کوئی ہم کو دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ یہ کہنے کے بعد موقعہ کو غنیمت سمجھ کر منہ موڑ کر چل دیتے ہیں یا بمجبوری بیٹھے رہتے ہیں مگر بادلِ ناخواستہ۔ اُن کے دل حق کے سننے سے پھرے رہتے ہیں۔ چونکہ راہ حق اور سچی بات کو سمجھنے کی وہ کوشش نہیں کرتے اور نہ سمجھتے ہیں اس لئے اللہ بھی اُن کے دلوں کو حق سے پھیر دیتا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ بندوں کے دل اللہ کے دستِ قدرت میں ہیں جدھر اور جیسے چاہتا ہے موڑ دیتا ہے۔

مقصود بیان:۔ منافقوں کی حالتِ ذار کا بیان۔ اس بات کی طرف ایماء کہ بادلِ ناخواستہ بیٹھا رہنا منافقوں کے لئے سود مند نہیں ہوتا۔ در پردہ مسلمانوں کے ذوق شوق کی مدح کہ کلام حق کے سننے میں ایسے ڈوبے ہوتے ہیں کہ کسی اور طرف توجہ کرنے کا اُن کو خیال بھی نہیں ہوتا۔ کلام ربانی کی تلاوت کے وقت اُن کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ کون آیا اور کون گیا۔ اس بات کی صراحت کہ جو لوگ خود دانش و فقاہت حاصل کرنا نہیں چاہتے راہ حق کی طرف مائل نہیں ہوتے اس بے توجہی کی پاداش میں اللہ اُن کے دلوں کو بالکل سچائی کی طرف سے پھیر دیتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آچکا ہے

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

جس کو تمہاری تکلیف گذرتی ہے وہ تمہاری بھلائی کا حریص ہے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِنْ

اور ایمان والوں پر شفیق و مہربان ہے اسپر بھی اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

وہ روگردانی کریں تو (اے نبی) تم کہدو کہ مجھکو اللہ کافی ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ ع ۵ / ۱۶

اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

تفسیر تقریباً پوری سورت میں منافقوں کے قبائح اور شکوک و شبہات کا بیان کر کے اب نفاق کی اصل وجہ ضمناً بیان کر کے وہ وجوہ ظاہر فرماتا ہے جن پر غور کرنے کے بعد نفاق کا مادہ زائل ہو جائے۔ نفاق کا اصل مبدء یہ تھا کہ اہل نفاق رسول پاکؐ کے نشست برخاست کے اطوار گفتار رفتار انسانی معاشرت اور تمام خواب خور کے ضروریات اپنی طرح دیکھتے تھے اور اپنا مثل خیال کرتے تھے۔ اب باوجود معجزات اور خرقِ عادات دیکھنے کے اُن کو حضورؐ کی رسالت کا کسی طرح یقین نہ آتا تھا کبھی ایمان کی طرف کو مائل ہو جاتے پھر تھوڑی دیر کے بعد کوئی شک پیدا ہوتا اور نفاق کی طرف رجوع کر لیتے۔ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں حضور والاؐ کے چند خصائل پسندیدہ اور اخلاقِ حمیدہ ذکر فرما کر نبوت کو ثابت کیا ہے۔ ان آیات میں حسب ترتیب ذیل اوصاف کا تذکرہ ہے۔

(۱) لَقَدْ جَآءَكُمْ۔ یعنی یہودی اور عیسائی اور دیگر مذاہب و ملل والے جس نبی کے منتظر تھے اور رسول اللہؐ کے دعویٰ نبوت کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے یہ شبہہ اُن کا غلط ہے بلا شبہ یقیناً اللہ کا رسول آگیا اور یہ تم پر خدا کا بڑا احسان ہے کہ وہ براہ راست تمہارے پاس آیا ممکن تھا کہ کہیں دوسرے ملک میں پیدا ہوتا اور بالواسطہ اس کا اعلانِ رسالت تم تک پہنچتا لیکن تم پر یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ بلا واسطہ تمہارے پاس آیا۔ ایسی صورت میں اللہ کے احسان کا انکار اور رسول کی رسالت کی تکذیب خلاف دانش ہے۔

(۲) رَسُوْلٌ۔ یعنی جو رسول تمہارے پاس پہنچا وہ بڑا عظیم الشان ہے انبیاء تو اور قوموں میں بھی مبعوث ہوتے مگر ایسا عالی مرتبہ رسول کہیں مبعوث نہوا۔ اللہ کا یہ دوسرا احسان ہے کہ اُس نے سب سے زیادہ عظمت والا رسول تمہاری ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔

(۳) مِنْ اَنْفُسِكُمْ۔ اللہ کا تم پر یہ تیسرا احسان ہے کہ اُس نے تمہاری قوم اور ملک میں سے ہی اپنا رسول مبعوث فرمایا جو تمہارے لئے باعث فخر و عزت قرار پایا۔ ہو سکتا تھا کہ یہ شرف کسی اور قوم کو حاصل ہو جاتا مگر اللہ نے تم کو یہ شرف اپنی رحمت سے عطا فرمایا۔ تم میں سے مبعوث ہونے کا ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ اُس کے کل حالات سے تم واقف ہو۔ سچائی عفت اور کل چال چلن کا تم کو علم ہے کوئی غیر قوم کا ہوتا تو اُس کے ابتدائی احوال تم کو معلوم نہ ہوتے اب بھی اگر تم کو اُسکی نبوت میں شک باقی رہے تو یہ اللہ کی احسان فراموشی اور ناحق کوشی ہے۔

(۴) عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ - اللہ کا یہ چوتھا احسان ہے کہ اُس نے ایسا رسول مبعوث فرمایا جو تمہارا دلی درد مند اور خیر خواہ ہے وہ چیز جو تم کو تکلیف دہ اور ضرر رساں ہے اُس پر شاق و گراں ہے۔ کافروں کا کفر کرنا اللہ کی جناب میں گستاخانہ کلمات بکنا مشرکوں کا شرک کرنا منافقوں کا نفاق کرنا مفسدوں کا فساد پھیلانا متکبروں کا آیات الٰہی سے مُنہ موڑنا اور گناہگاروں کا گناہ کرنا سب اُس رسول پر گراں ہے۔ وہ چیز جو دنیا و دین میں تمہاری بربادی و ہلاکت کا باعث ہو اُس پر شاق ہے۔

(۵) حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ - اللہ کا یہ پانچواں احسان ہے کہ وہ رسول تمہارا شفیق رفیق ہے اُسکی شفقت کی یہ حالت ہے کہ گویا تمہاری بہبودی اور عافیت کی اُس کو حرص ہو گئی ہے۔ ہر نقل و حرکت میں اُسکو تمہارا فائدہ مدنظر ہے۔

(۶) بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ - اللہ کا یہ چھٹا احسان ہے کہ وہ رسول اگرچہ تمام کائناتِ انسانی کا خیر خواہ اور بہبودی طلب ہے مگر خصوصیت کے ساتھ وہ اہل ایمان پر مہربان اور رحیم و کریم ہے۔ ایمان کا فائدہ اگرچہ مؤمنوں کو پہنچتا ہے اور پہنچیگا مگر وہ رسول بھی مؤمنوں کا خاص طور پر ہمدرد غمخوار مونس اور مہربان ہے۔ مختلف حدیثوں میں حضورؐ کی رافت و رحمت کے واقعات مفصل مذکور ہیں۔ یتیموں مسکینوں فقیروں بیواؤں بیماروں غرض ہر بیکس و بےبس طبقہ کے ساتھ جو شفقت حضورؐ فرماتے تھے وہ اپنی نظیر خود ہی ہے۔

اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ان احسانات و انعامات کے باوجود بھی اگر یہ لوگ راہِ راست پر نہ آئیں تو اے نبی تم بھی ان کی پرواہ نہ کرو اور اُس اللہ پر کامل بھروسہ رکھو جو اپنی الوہیت ربوبیت اور عظمت و قدرت میں یگانہ اور بے ہمتا ہے۔

مقصود بیان: - اسباب نفاق کو زائل کرنے کے لئے مختلف وجوہ کا بیان۔ رسول پاکؐ کی عظمت اور علوِ مرتبہ کی صراحت۔ حضورؐ کے اوصاف کریمہ کی تفصیل۔ اللہ کے اوصاف سے متصف ہونے کی وضاحت۔ اس امر کی در پردہ تلقین کہ جب رسول باوجود اس قدر عظمت و شان کے تمہارا بہترین ہمدرد اور مونس و غمخوار ہے اور اُس کی مہربانی حرص کی حد تک پہنچ چکی ہے تو تمہارا بھی فرض ہے کہ اُس کی رسالت کی تصدیق اور اُس کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ اسی میں تمہاری بہبودی اور بھلائی ہے۔ آیت میں اول حضورؐ کی شفقت عامہ کا ذکر فرمایا پھر خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں پر حضورؐ کی رحمت و رافت کا تذکرہ کیا۔ گویا اس طرف اشارہ کیا کہ رسول اللہؐ کافروں کے کفر دور کرنے کی کوشش فرمانے والے صادقین پر رحمت گناہگاروں پر رافت نافرمانوں کی شفاعت اور اہلِ طاعت کے لئے دعا فرمانے والے ہیں دشمنوں سے انتقام ذاتی نہیں لیتے بلکہ اُن کی اصلاح حالات کی کوشش کرتے ہیں بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے بلکہ شفقت عامہ کو کام میں لاتے ہیں۔ وغیرہ

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعُ اٰيَاتٍ وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ یونس مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو نو آیتیں ہیں اور گیارہ رکوع ہیں

اس سورت میں ایک سو نو آیات ہیں۔ حسن بصری عطاء، عکرمہ اور جابر بن زید کے نزدیک کل سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے قبل نازل ہوئی لیکن فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ الخ صرف دو آیات مدنی ہیں۔ ابن عباس اور قتادہ کے نزدیک تین آیات مدنی ہیں۔ کلبی نے آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ کو بھی مدنی کہا ہے۔ قرطبی کا قول ہے کہ شروع سے لیکر چالیس آیات تک مکی ہے باقی مدنی۔

اس سورت میں حضرت یونس کا عظیم العبرت قصہ بیان فرمایا ہے اسلئے اس کا نام ہی سورۂ یونس ہو گیا۔ تمام صحابہ اس کو اسی نام سے موسوم کرتے تھے۔

اس سے پہلے وہ سورتیں تھیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ اس جگہ سے مکی سورتوں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ مدنی سورتوں میں بنیادی مسائل کم اور نکاح طلاق میراث حقوق جہاد سیاست اور معاملات کے متعلق احکام عموماً ہیں۔ مکی سورتوں میں عقائد و اصول کی عمومی تعلیم دی گئی ہے جس وقت حضور اقدسؐ نے اعلان رسالت فرمایا اُس وقت کل عالم جہالت و گمراہی کے سمندر میں غرق تھا۔ باطل عقائد اور بدکاریوں کی کالی گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں۔ نورِ فطرت گم تھا ہدایت و صداقت کی روشنی معدوم تھی عموماً دنیا میں اور خصوصاً عرب میں چند طبقات تھے جن کے عقائد مندرجۂ ذیل تھے:-

(۱) بعض لوگ خدا کی ہستی کے منکر تھے اُن کے نزدیک عالم کے لئے کسی واجب الوجود قدیم ازلی ابدی خالقِ مطلق کی ضرورت ہی نہ تھی دہر اور نیچر کو اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ کا موجد سمجھتے تھے۔ آج کل یہ خیال اہل مادہ میں ترقی پذیر ہے۔

(۲) بعض لوگ خدا کے قائل تھے واجب الوجود کی ہستی کو ضروری سمجھتے تھے مگر معبود واحد نہ جانتے تھے۔ طرح طرح سے شرک کرتے تھے۔ اپنے اپنے دیوتاؤں کو اُنہوں نے خدائی اختیارات دے رکھے تھے اللہ کی طرح اُن کی پرستش کرتے تھے۔ پیام الٰہی اور نبوت اُن کے نزدیک ضروری چیز نہ تھی۔ خالق ضرور خدا تھا مگر تصرفات اور احکام دوسروں کے جاری تھے۔ حکم الٰہی بندوں تک پہنچنا لازمی نہ خیال کیا جاتا تھا۔ قیامت اور حشر نشر کا عقیدہ اُن کے نزدیک لغو تھا عذاب ثواب کا تصور ہی نہ تھا۔

(۳) تیسرا گروہ خدا کا قائل تھا حشر اجساد کا بھی منکر نہ تھا۔ عام نبوت کی ضرورت کا بھی اس کو احساس تھا کچھ انبیاء اور بعض آسمانی کتابوں کی حقانیت کا بھی مقر تھا مگر حضور اقدسؐ کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ رسول پاکؐ کے

انسانی اطوار کو وہ مانع نبوت خیال کرتا تھا۔ حضورؐ کو امی اور نادار سمجھ کر اُن کے انکار و تعجب میں اور بھی اضافہ ہوتا تھا۔

ان تمام طبقات کے مجمل خیالات و عقائد کو ظاہر فرمانے کے بعد مکمل اور جامع تردید اس سورت میں کی گئی ہے ہم ہر ایک کی تفصیل آیات کے ذیل میں کریں گے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ
یہ پُر از حکمت کتاب کی آیتیں ہیں کیا لوگوں کو

لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ
اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے اُنہی میں سے ایک شخص کے پاس

مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ
بذریعہ وحی یہ حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان والوں کو خوشخبری

اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ
سناؤ کہ اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس سچا پایہ

رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا
ہے کافر کہتے ہیں کہ یہ شخص

لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝
کھلا ہوا جادوگر ہے

تفسیر چونکہ کفار کے عقائد کی تردید، خیالات کے ابطال، نبوت کے اثبات اور صداقت کے اعلان کیلئے سب سے پہلے ضروری تھا کہ قرآن کا کتاب اللہ ہونا ثابت کیا جائے اس لئے سب سے اول فرمایا۔ الٓرٰ۔ یعنی یہ قرآن اُنہی حروف سے مرکب ہے جن سے عام عربی کلام بنتا ہے۔ اگر یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا۔ اگر اس کی ترکیب قدرت بشری سے خارج نہ ہوتی تو عرب کے زبان آور شیریں بیان بھی ایسا کلام بنا لاتے لیکن باوجود مکرر سہ کرر اعلانِ مقابلہ کے کسی کو جرأت نہ ہوئی اور کوئی ایسا کلام نہ بنا سکا تو ظاہر ہے کہ یہ کتاب اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ قرآن کی یہ آیات جو نازل ہو چکیں یا ہو رہی ہیں یا آئندہ ہونگی ان میں فقط اعجازی بلاغت ہی نہیں فقط اتنی ہی بات نہیں کہ اس ترکیب کا کلام کوئی نہیں بنا سکتا بلکہ یہ کتاب حکیم ہے احکام ہیں اس کے اندر دین و دنیا کے اصلاح کے قوانین ہیں۔ عقائد عبادات معاملات سیاسیات حقوق اور مواریث کے مکمل ضوابط موجود ہیں اور ایسی عظیم الشان مکمل کتاب کے قواعد ہیں جو خود تنہا کتاب کہلانے کی مستحق ہے جس کے ہر مسئلہ اور ہر جزئیہ میں حکمت و دانش کے دریا موجزن ہیں اس کے باریک نکتوں اور دقیق مصالح تک عقل بشری کی رسائی بطور خود ناممکن ہے۔

ہم نے - تِلْكَ - کا اشارہ آیات قرآن کی طرف قرار دیکر تفسیری مطلب بیان کیا ہے جس طرح عام مفسرین نے کیا ہے لیکن مجاہد قتادہ اور حسن بصری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تِلْكَ سے اشارہ توریت انجیل زبور یعنی دیگر کتب آسمانی کی طرف ہے۔ اس تقدیر پر نہایت عمدہ مطلب یہ ہوگا کہ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک جتنے صحیفے اور کتابیں مختلف انبیاء پر نازل ہوئیں اُن سب کے عقائد و احکام اسی قرآن کا ایک حصہ ہیں۔ قرآن کے اصول و ضوابط سے دیگر الہامی کتب کے بنیادی مسائل سر مو اختلاف نہیں رکھتے بلکہ قرآن اُن سے زیادہ کامل اور پُر حکمت ہے اُن کی تکمیل و تائید کرنے والا اور اُن کے مقصد کو ثابت کرنے والا ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس کے الہامی ہونے کا انکار کیا جا سکے غرض یہاں تک تو قرآن کی صداقت اور منزل من اللہ ہونے اور در پردہ رسول اللہؐ کی حقانیت و سچائی کا بیان ہوا۔ اس سے آگے کافروں کے تعجب انگیز انکار کی تینوں شاخیں اور انکار کا نتیجہ ظاہر فرماتا اور اس پیرایہ میں ظاہر فرماتا ہے کہ خود وجوہ انکار پر غور کرنے سے انکار کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ کفار کو تصدیق سے مانع تین امور تھے۔ ایک تو اُن کو اس بات پر تعجب ہوتا تھا کہ بھلا آدمی کیونکر رسول ہو سکتا ہے کسی آدمی کو اللہ سے اتنا قرب ہو جائے کہ اُس کو رسول بنا دیا جائے یہ کس طرح ممکن ہے اگر نبی کا ہونا ہی ضروری تھا تو کسی فرشتہ یا جن کو نبی بنا کر بھیجا جاتا۔ دوسرا شبہہ یہ تھا کہ خیر اگر آدمی ہی کو نبی بنایا جاتا تو کسی غیر معمولی فوق البشریۃ آدمی کو بنایا جاتا۔ ہم میں سے ہی ایک معمولی آدمی کے پاس کس طرح اللہ کا پیام آسکتا ہے جو بالکل ہماری طرح پیدا ہوا جس کا کھانا پینا چلنا پھرنا سونا جاگنا ہماری مثل ہے وہ ہمارا ہی ایک فرد ہے۔ تیسرا شبہہ یہ تھا کہ خیر اگر ہمارے ہی کسی آدمی کا نبی ہونا ضروری تھا تو یہ جزا سزا کے احکام ثواب عذاب کا جھگڑا مابعد الموت کا قصہ حشر جسمانی کا قضیہ اور قیامت کا واقعہ اپنے اندر کیا ضرورت رکھتا ہے۔ غرض انہی اسباب و علل کے ماتحت کفار نے

تعجب انگیز پیرایہ میں حضورؐ کی نبوت کا انکار کر دیا لیکن قرآن ناطق اور دیگر معجزات جو معمولی انسانوں سے سرزد نہیں ہو سکتے حضورؐ کی صداقت کے روشن دلائل تھے اور جب کافروں نے نبوت کو ماننے سے انکار کر دیا تو لامحالہ ان معجزات کی کوئی توجیہ کرنی پڑی مجبوراً کہنے لگے ضرور یہ معجزات معمولی انسانوں سے صادر نہیں ہو سکتے فوق البشریت طاقت کی ضرورت ہے لہٰذا محمدؐ جادوگر ہیں یعنی اُن افعال کا صدور ان کے جادوگر ہونے کی خود دلیل ہے۔ چونکہ کافروں نے اپنے وہمی وسوسوں کو عقلی براہین سمجھ لیا تھا اسلئے حضورؐ کو کھلا ہوا جادوگر کہدیا۔ خدا تعالیٰ نے کافروں کے وجہ تعجب کو انکاری طرز میں بیان فرمایا جس کا مدعا یہ ہے کہ آدمیوں کیلئے آدمی کا ہی پیامبر ہونا ضروری ہے ورنہ غیر نوع کے افراد سے آدمی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ پھر ایسے آدمی کا نبی ہونا بجائے خود ثابت شدہ حقیقت ہے جس کے طور طریق اور ابتدائی حالات سے سب لوگ واقف ہوں۔ غیر ملک کا اجنبی آدمی زیادہ محل شکوک ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد غرض نبوت کی طرف اشارہ کیا کہ اخروی سزا جزا عذاب ثواب لازم ہے دنیوی اعمال و افعال کا نتیجہ ضروری ہے۔ نیک و بد اچھے اور بُرے برابر نہیں ہو سکتے عدالت و انصاف کے خلاف ہے کہ تمام مختلف افعال کا نتیجہ ایک جیسا ہو۔ غرض یہاں تک نبوت عامہ کی ضرورت حشر جسمانی اور سزا جزا کا وجوب رسول پاکؐ کی رسالت اور قرآن کی صداقت ثابت ہو گئی۔

تشبیہ قدم صدق کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ قدم اُس سامان کو کہتے ہیں جسکو مسافر قافلہ میں سے منزل گاہ پر پہلے بھیجدیتے ہیں۔ یہاں مراد وہ نیک اعمال ہیں جن کو اہل ایمان اپنی زندگی میں ہی پہلے سے توشۂ آخرت بنا کر بھیجدیتے ہیں (رواہ الحاکم عن ابی بن کعبؓ ابن عباس) ابن جریر کی روایت از مجاہد میں نماز روزہ زکوٰۃ تسبیح تہلیل وغیرہ اعمال مراد ہیں۔ ضحاک اور ربیع بن زید کا بھی یہی قول ہے علی بن طلحہ کی روایت کے بموجب وہ سعادت ازلی مراد ہے جو نیکوکار مؤمنوں کی تقدیر میں ازل سے مقرر ہو چکی ہے۔

مقصود بیان:۔ قرآن کی صداقت اور منزل من اللہ ہونے کا مجمل کامل ثبوت۔ نبوت عامہ کی ضرورت۔ آدمی کے نبی ہونے کا وجوب رسول پاکؐ کی رسالت کی دلیل۔ کفار کے وجہ تعجب کا بیان۔ اس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ جس بات کی بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہو سکتی اور آدمی لاجواب ہو جاتا ہے تو کسی غیبی طاقت کے اقرار کرنے پر مجبور ہوتا ہے لیکن اہل بصیرت اُسکو الہام وحی اور رسالت کہتے ہیں کوتاہ بین کج فہم اُسکو جادو کہنے لگتے ہیں وغیرہ

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بلاشبہ تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو

وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

اور زمین کو چھ دن کے (دور) میں پیدا کیا پھر عرش کا

عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِنْ

ارادہ کیا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اُس کی

شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

اجازت سے پہلے کوئی سفارش نہیں کر سکتا یہی اللہ تمہارا

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝

پروردگار ہے تو تم اُسکی عبادت کرو کیا تم غور نہیں کرتے

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللّٰهِ

اُسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اللہ کا وعدہ

حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

سچا ہے بلاشبہ وہی شروع میں پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کریگا

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تاکہ نیکوکار مسلمانوں کو انصاف سے

بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ

جزا دے اور کافروں کے لئے قرآن کے کفر کی پاداش میں کھولتا

مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا

ہوا پانی پینا اور دردناک عذاب

كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

مخصوص ہی ہے

تفسیر ان آیات میں تین فرقوں کے عقائد کا ابطال کیا ہے ایک وہ جو واجب الوجود کی ہستی کے منکر ہیں۔ دہر اور نیچر کو ہر چیز کا موجد جانتے ہیں اور موجد کے لئے فاعل مختار ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ دوسرا فرقہ وہ جو جزا سزا اور عذاب ثواب کو لغو خیال کرتا ہے حشر جسمانی کا نہ فقط منکر ہے بلکہ اسکو احمقانہ عقیدہ جانتا ہے۔ تیسرا وہ

مشرک طبقہ جو اللہ کے وجود کا تو قائل ہے مگر شرک فی الصفات کرتا ہے صفات الوہیت مخلوق میں مانتا ہے۔ اپنے دیوتاؤں اور جھوٹے معبودوں کو متصرف اور فاعل مختار جانتا ہے اور اُن کی غلط پرستش اسلئے کرتا ہے کہ وہ اللہ کے قرب کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں اور بارگاہ الٰہی میں سفارش کرینگے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔ تمام کائنات حادث ہے ناپید سے پیدا ہوئی عدم سے وجود میں آئی اور ہر حادث کے لئے محدث کا ہونا ہر موجود کیلئے موجد کا وجود لازم ہے پھر محدث و موجد بھی ایسا ہو جو قادر مطلق ہو فاعل غیر مختار نہو۔ اُسی کے دست قدرت میں ایجاد و ابقا کی رسی ہو۔ ایسا نہو کہ اضطراراً بغیر اختیار کے پیدا کر کے عضو معطل کی طرح بیٹھ رہا۔ تربیت و انتظام کا اُس سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ایسا موجد و محدث اللہ اور بس اللہ ہے وہ سب کا خالق ہے وہی مربی و وہی منتظم ہے۔ اُسکی صفات و ذات میں کوئی شریک نہیں۔ الوہیت و ربوبیت میں کوئی حصہ دار نہیں بلکہ اُس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش بھی نہ کر سکے گا۔ جب تمام ایجاد و ابقاء و تربیت کا تعلق محض اُسی اللہ کی ذات سے ہے تو لامحالہ صرف اُسی کی پرستش زیبا ہے۔ کس قدر عبرت انگیز اور نصیحت خیز ہے یہ امر کہ خالق مربی کو چھوڑ کر غیروں کی پرستش بامید شفاعت کی جائے اور غیر بھی وہ جن کو سفارش کا حق بھی نہیں۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ اللہ موجد مبقی اور مربی ہونے کے ساتھ امور معاد کا بھی مالک مختار ہے۔ آغاز سے بھی اُسی کا تعلق اور انجام بھی اُسی سے وابستہ۔ سب کو اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے وہی مرکز حقیقی ہے۔ وہی بحر ناپیدا کنار ہے۔ تمام قطرات اُسی کی طرف لوٹینگے اور بالآخر اُس کے پاس پہنچکر سب کو غرض تخلیق سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ ہستی یہ کائنات بیکار نہیں پیدا ہوئی۔ جو کوئی جیسا کرے گا ویسا آخرت میں بھریگا۔ سزا جزا عذاب ثواب ہر ایک کو برداشت کرنا ہوگا۔ اول وجود کا رنگ دوسرے وجود میں نمایاں ہوگا۔ اس عالم کے افعال کی جھلک اُس عالم میں نظر آئیگی۔ یہاں کے اعمال کا اثر وہاں نکلیگا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کے وعدے میں دروغ کا احتمال نہیں۔

مقصود بیان:۔ اللہ کے قادر مطلق اور رب مختار ہونے کا مدلل اعلان۔ وحدانیت ذاتی و صفاتی کا بیان و اثبات مصنوع سے صانع اور موجود سے موجد پر استدلال۔ اس امر کی صراحت کہ خدا کی الوہیت و ربوبیت میں کوئی شریک نہیں۔ اُس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ مبدأ و معاد سب اُسی کے دست قدرت میں ہے۔ اللہ کے وعدہ میں غلطی محال ہے۔ تخلیق عالم بے کار نہیں۔ اعمال کی جزا سزا انصاف کے ساتھ ملیگی۔ وغیرہ

تذییل | سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ کہتے ہیں جب آیت اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ الخ مکہ میں نازل ہوئی تو سواروں کے ایک بہت بڑے گروہ سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے دریافت کیا تم کون لوگ ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا ہم جن ہیں مدینہ سے آ رہے ہیں اور یہی آیۃ ہمارے سفر کا باعث ہے۔ (ابن ابی حاتم)

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً
وہی خدا ہے جس نے سورج کو چمکیلا

وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا
اور چاند کو روشن بنایا اور اُسکی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم کو

عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ
برسوں کی گنتی اور حساب معلوم ہو سکے اللہ نے

اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
ان سب کو بغیر مصلحت کے نہیں پیدا کیا وہ اپنے نشانہائے قدرت

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ
سمجھدار قوم کیلئے کھولکر بیان کرتا ہے رات و دن کے

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ
ایر پھیر میں اور ہر اُس چیز میں جو خدا نے آسمان و زمین

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝
میں پیدا کی ہے پرہیزگاری رکھنے والی قوم کیلئے ضرور نشانہائے قدرت ہیں

تفسیر | اوپر کی آیات میں آغاز و انجام اور مبدأ و معاد کو اپنے ہی دست قدرت میں بیان فرما کر منکرین حشر کی پُر اثر الفاظ میں تسکین کی تھی۔ اب کائنات کی پیدائش پر تبصرہ اور موجودات کی ہستی کی اصل غرض بیان فرما کر اپنی قدرت و کمال کے دلائل اپنے حیرت انگیز تصرفات سے ثابت کر کے امکان حشر بعد اثبات وجود و وحدانیت کا ثبوت اور شرک کی تردید فرماتا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اللہ ہی نے سورج و چاند میں روشنی پیدا کی یعنی مادہ کا فطری خاصہ کثافت و تاریکی ہے لیکن آفتاب و ماہتاب کے مادہ کو اُس نے روشن کیا اور ایسا روشن کیا کہ کامل روشنی بنا دیا جس سے تمام عالم روشن ہو جاتا ہے پھر آفتاب و ماہتاب میں سے

ہر ایک کے منازل سیر اور مقامات رفتار مقرر فرمائے اس نور بخشی اور تقدیر منازل کے دو فائدے ہیں۔ اول تو قدرتِ الٰہی کا مظاہرہ ہوتا ہے ان کے طلوع و غروب سے کائنات کی تصویر فنا اور مرقع حدوث سامنے آجاتا ہے۔ دوسرے فصول کا مبادلہ، سالوں کا آغاز و اختتام اور اوقات کا شمار معلوم ہوتا ہے۔ اہلِ بصیرت اور دانشمند طبقہ جانتا ہے کہ یہ آیات قدرت الٰہی ہیں، علامات حدوث عالم ہیں، آثار وجود واجب ہیں براہین وحدانیت ہیں اللہ نے ان کو بیکار نہیں پیدا کیا۔ یہ زندگی، صحت اور رزق کے اسباب ہیں لیکن سب حکمتِ الٰہی کے مسخر اور قدرت خداوندی کے تابع ہیں خود نہیں پیدا ہو گئے۔ خود بخود ان کا باضابطہ انتظام اور باقاعدہ طلوع و غروب نہیں ہوتا ہے نہ ان میں خود کوئی تاثیر و قدرت ہے۔ شب و روز کا اختلاف اور تمام کائنات ارضی و سماوی اپنے اندر خاص درس بصیرت رکھتی ہے مگر عبرت انہی لوگوں کے لئے جن کے عقائد صحیح اور اعمال شستہ ہیں۔ جو مخلوق سے نظر بچا کر خالق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں مصنوع سے صانع پر استدلال کرتے ہیں سب سے پہلے شرک سے بچتے ہیں پھر ہر قسم کے گناہ سے پرہیز کرتے ہیں پھر غیر اللہ سے قطعًا منہ موڑ کر اللہ ہی سے رشتہ جوڑتے ہیں۔ بس ایسے ہی لوگوں کو ہر چیز میں اللہ کی قدرت اور اس کی ہستی کا تماشا نظر آتا ہے۔

مقصود بیان:- مصنوع سے صانع پر استدلال۔ تنظیم عالم سے وحدانیت اور قدرتِ الٰہی کا اثبات۔ آفتاب و ماہتاب کی پیدائش کے اغراض کا بیان ہے۔ اس امر کی صراحت کہ عالم کی پیدائش بیکار نہیں بلکہ فائدہ اندوز اس سے وہی لوگ ہوتے ہیں جو اہلِ بصیرت اور متقی ہیں یعنی جن کی نظر مصنوعات پر مقصور و محدود نہیں بلکہ غیر اللہ کے خیال سے اپنے عقائد کو غیر اللہ کو دیکھنے سے اپنی نظر کو غیر اللہ کی تعظیم سے اپنے اعضاء کو اور غیر اللہ کے تصور سے اپنے احساس و وجدان کو بچاتے ہیں۔ وغیرہ

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا

جو لوگ ہم سے ملنے کے امیدوار نہیں اور دنیوی زندگی کو

بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ

پسند کرتے ہیں اور اسی میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ

هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ

ہماری قدرت کی نشانیوں سے غافل ہیں ایسے ہی لوگوں

مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

کے اعمال کی پاداش میں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور جو لوگ ایمان لائے نیکو کار ہیں

يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي

ان کے ایمان کی وجہ سے اللہ ان کو مقصود تک پہنچا دیگا اور

مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝

آسائش کے باغوں میں ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی

دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ

ان باغوں میں ان کی ندا سبحانک اللھم ہوگی اور باہم دعائے خیر

فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ

سلام ہوگا ان کی آخری بات یہ ہوگی کہ ہر ستایش کا استحقاق

لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ع ۱۰

اس اللہ کو ہے جو رب العالمین ہے۔

تفسیر اوپر کی آیات میں وجود واجب۔ وحدانیت ذاتی و صفاتی حشر نشر۔ اور مقصد تخلیق عالم بیان فرمایا تھا۔ ان آیات میں مقصد تخلیق کو پورا کرنے والوں اور اس سے خلاف ورزی کرنے والوں کی معادی جزا سزا کا بیان فرماتا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کائنات انسانی کے دو گروہ ہیں۔ اوّل وہ لوگ جن کی نظر صرف مادی دنیا اور اس کے عیش و طرب پر محدود ہے ان کے خیال میں شاخوں کا رجوع جڑ کی طرف اور قطرات کی واپسی سمندر کی جانب قطعًا لغو ہے۔ خدا کی طرف لوٹ کر جانا بیہودہ عقیدہ ہے۔ حشر نشر عذاب ثواب احمقانہ خیال ہے۔ دنیوی زندگی بس زندگی ہے۔ اس کا تنعم اور عیش ہی مقصود ازلی ہے یہ لوگ آیاتِ قدرت سے غافل ہیں مصنوع سے صانع پر موت سے اخروی زندگانی پر استدلال نہیں کرتے۔ مادی تغیرات پر غائر نظر نہیں ڈالتے۔ یہ گروہ کفار و منکرین کا ہے۔ کفر اور انہماک فی اللذات کی وجہ سے ان کی سزا جہنم ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اللہ کی توحید الوہیت ربوبیت تصرف کامل قدرت کاملہ اور خلق و تقدیر کا یقین رکھتا ہے۔ مصنوعات سے صانع پر استدلال کرتا ہے احکامِ الٰہی رسالت قیامت عذاب ثواب حشر نشر وغیرہ پر ایمان رکھتا ہے اور ایمان کے مطابق نیک عمل بھی کرتا ہے۔ اس کو آخرت میں عیش تو ملیگا ہی دنیا میں ایمان و ایقان کی وجہ سے حقیقت و اسرار کے پردے اس کی نظر

سے اٹھ جائینگے۔ نورِ عرفان اُس کی روح کو روشن کردیگا حقائق عالم کا اُس پر انکشاف ہوگا۔ کارخانۂ عالم کے سربستہ راز دل سے اسکو واقفیت حاصل ہوگی۔ راہِ حقیقت مل جائیگی اور وہ منزل مقصود پر پہنچ جائیگا۔

تنبیہ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ کی تفسیر ہم نے وہی کی ہے جو بیضاوی اور بعض دیگر محققین نے کی ہے گو بعض مشائخ نے دوسری تفسیریں کی ہیں۔ ابن جریر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ اُن کو ایک نور عطا کرے گا جس سے اُن کو راستہ مل جائے گا۔ ابن کثیر کا قول ہے کہ پل صراط پر نورِ ایمان کی وجہ سے وہ پار ہوجائینگے۔ قتادہ نے ایمان سے اعمالِ صالحہ مراد لئے ہیں۔

مقصود بیان:۔ یوم الآخرت پر ایمان رکھنا اسلام کا ضروری جزو ہے مومن کو انجام بین ہونا چاہئے۔ اُس کی نظر صرف دنیاوی زندگی پر محصور نہ ہونی چاہئے۔ آیاتِ قدرت سے غافل بنا رہنا اور تغیراتِ عالم سے فناءِ عالم اور حیات بعد الممات پر استدلال نہ کرنا مذموم ہے۔ نیکوکار اہلِ ایمان پر حقائقِ عالم اور معرفتِ الٰہی کا انکشاف ہوجاتا ہے۔ آغاز و انجام دونوں پر اللہ کو استحقاقِ حمد ہے۔ جن لوگوں کی نظری اور عملی قوتیں درست ہیں اُن کو آخرت میں جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی نعمتیں ملیں گی۔ وغیرہ۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ

لوگ جس طرح بھلائی کی فوری طلب کرتے ہیں اگر ویسی ہی جلدی اُن پر سختی

بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ

نازل کردیتا تو کبھی کی اُن کی اجل آپکی ہوتی مگر ہم اُن لوگوں کو

الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ

چھوڑے رکھتے ہیں جو ہم سے ملنے کے امیدوار نہیں ہیں تاکہ وہ اپنی سرکشی

يَعْمَهُونَ ○ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ

میں بھٹکتے رہیں جب انسان پر کوئی تکلیف آتی

الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ

ہے تو لیٹے بیٹھے کھڑے ہم کو پکارتا

قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ

ہے لیکن جب ہم اُس کی تکلیف دور کردیتے ہیں

مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ

تو مُنہ پھیر کر چل دیتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت میں نے پڑا اس نے

مَسَّهُ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ

ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ بات یہ ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو اُن کے کرتوت

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

یونہی آراستہ کرکے دکھائے جاتے ہیں

تفسیر شیخ ابن کثیر وغیرہ نے اس آیت کا سببِ نزول اگرچہ نہیں لکھا ہے مگر ابن جریر نے برنایت یا بدرایت شانِ نزول اس طرح بیان کی ہے کہ مشرکین مکہ نے جب آیاتِ بینات کی تکذیب کی اور قرآن مجید کو سحر کہا اور قرآن کی مسلسل وعیدوں کی پرواہ نہ کی اور کہنے لگے جس وعید کا تم بار بار تذکرہ کررہے ہو اُس کو فوراً لاؤ تو ان آیات کا نزول ہوا۔

تفصیلِ اجزاء تعجیل جلد دینا۔ استعجال جلد چاہنا شر سے مراد یا تو وہ عذاب ہے جس کی دھمکی کافروں کو دی جاتی تھی یا محض بدی کی سزا مراد ہے خیر سے مراد ہر بھلائی ہے۔

اوپر کی آیات میں عذابِ آخرت کی دھمکی دی گئی تھی اس پر شبہ ہوسکتا تھا کہ اب دنیا ہی میں خدا ہم کو کفر و انکار کی سزا کیوں نہیں دیتا قیامت تک کیوں ٹالتا ہے؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ خدا رحیم ہے اُس کی رحمت نہیں چاہتی کہ یہ لوگ یکدم فنا ہوجائیں اگر خدا لوگوں کی برائی کی سزا ایسی جلد دیدیا کرے جیسا وہ بھلائی کے لئے جلدی کیا کرتے ہیں تو ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکتا۔ مگر اس کی رحمت کاملہ غضب میں تعجیل کرنی نہیں چاہتی بلکہ منکروں اور کافروں کو وقتِ مقررہ تک ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ لیکن اس پر بھی وہ اپنی سرکشی و گردن تابی میں سرگرداں و حیراں پھرتے رہتے ہیں۔

بیضاوی وغیرہ مفسرین نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی درخواستِ خیر کو جس قدر جلد قبول فرماتا ہے اگر اتنی جلد درخواستِ سزا کو قبول فرماتا تو ان کا کام تمام ہوچکا ہوتا۔ مگر خدا ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ مدتِ مقررہ تک چھوڑے رکھتا ہے۔ جب مقررہ مدت پوری ہوجاتی ہے تو اس وقت ان کو ہلاک کرتا ہے یا موتِ طبعی بھیجتا ہے۔ لیکن اس تاخیر گرفت سے عذابِ آخرت نہیں ٹل سکتا۔

اس سے آگے فرماتا ہے کہ بدکار اور سرکش انسان کی بھی عجیب حالت

بے گناہ و سرکشی کے عوض جب اللہ اس کو دنیا میں کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے تو اُس وقت کھڑا بیٹھا اللہ کو پکارتا ہے اور جب مصیبت دور ہو جاتی ہے تو آنکھیں پھیر لیتا ہے گویا کبھی سابقہ ہی خدا سے نہ پڑا تھا وہی شرک و بدعت وہی سرکشی و گمراہی - چاہئے تو یہ تھا کہ راحت و مصیبت اور رنج و سکھ ہر حالت میں خدا کی طرف رجوع کرتا اور سچے دل سے توبہ کرتا مگر وہ راحت و چین میں غافل ہو جاتا ہے اور مصیبت و تکلیف میں گڑگڑاتا ہے - حد اعتدال پر قائم نہیں رہتا اور چونکہ بدکاری سے بظاہر اُسکو کوئی ضرر پہونچتا نظر نہیں آتا اسلئے بدکاری اور بھی اُس کی نگاہ میں کھب جاتی ہے - فسق و فجور اور شرک و کفر میں اور بھی تیز ہو جاتا ہے - شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ حال تو کافر مشرک اور بدعتی بے وقوف کا ہے - رہے وہ لوگ جن کو اللہ نے توفیق ہدایت عطا فرمائی ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں - اللہ نے خود فرما دیا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ - حدیث صحیح میں بھی آیا ہے کہ مومن کی حالت بھی کیسی اچھی ہے جو کچھ اللہ اُس کے حق میں حکم جاری فرماتا ہے وہ اُس کے لئے بہتری لئے ہوئے ہوتا ہے - اگر اُس کو ضرر پہنچتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے لہذا اُس کے لئے بھلائی ہوتی ہے اور اگر اُسکو نفع پہونچتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے تب بھی اُسکے لئے بھلائی ہوتی ہے مگر یہ بات سوائے مومن کے اور کسی کو نصیب نہیں - (الحدیث فی الصحیحین)

تنبیہ مجاہد نے آیت وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ الخ کو کفار مکہ کے متعلق نہیں کہا ہے بلکہ اُن تمام لوگوں کے متعلق کہا ہے جو انتہائی غصہ کی حالت میں مغلوب الحواس ہو کر اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہم کو ذلیل و خوار کر دے - ہمارے رزق و روزی میں برکت نہ دے ہم غارت ہو جائیں جوانی نصیب نہ ہو - بچے مر جائیں وغیرہ وغیرہ - اگر اللہ انکی یہ بددعا قبول فرمالے - جیسے بھلائی کی دعا قبول کرنے میں تعجیل فرماتا ہے تو ضرور ان کو تباہ و برباد کر دے -

مقصود بیان: - شر اور برائی کی دعا کرنا ممنوع ہے - اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے ورنہ یکدم عذاب بھیجکر سرکش انسانوں کو تباہ کر دیتا گو یا اُنکا گنہگاروں کے گناہ اگرچہ فوری ہلاکت کے متقاضی ہیں مگر اللہ کی رحمت اُن کو بچاتی ہے - مقررہ اجل سے پہلے کوئی ہلاک نہیں ہو سکتا - میعاد زندگی بہرحال پوری ہوتی ہے - اللہ کی ڈھیل سے کافر و سرکش آدمی ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے - سرکشی اور طغیان میں اور بھی بڑھتا چلا جاتا ہے - گویا تاخیر عذاب اُس کے لئے مزید تباہی کا باعث بن جاتی ہے - کافر و منکر سب مجبوری اضطراراً مصیبت کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں گویا وجدانی کا اقرار اور اُسکی قدرت کاملہ کا اعتراف فطری اور خلقی ہے - ہستی باری تعالیٰ کے منکر بھی مصیبت کے وقت اقرار کرنے اور اُس سے مدد مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں اگرچہ یہ منکروں کی استعانت وقتی ہوتی ہے اور اہل ایمان ہر وقت اللہ سے لو لگائے رہتا ہے - آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ انسان کو دکھ سکھ ہر حالت میں خدا کی طرف رجوع کرنا چاہئے - وغیرہ

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

یقیناً ہم تم سے پہلی قوموں کو جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور

لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اُن کے پاس اُن کے پیغمبر معجزات لے کر آئے

بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ

ہلاک کر چکے ہیں کیونکہ وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

ہم مجرم قوم کو یونہی سزا دیتے ہیں

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ

اُن کے بعد پھر ہم نے تم کو زمین میں

مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

جانشین کیا تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو

تفسیر بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں صرف کفار مکہ کو خطاب ہے مگر صحیح یہ ہے کہ تمام اہل مکہ کو خطاب ہے کفار ہوں یا مومن مگر مقصود خطاب صرف اہل مکہ ہی نہیں ہیں بلکہ روئے زمین کے کل انسانوں کی طرف روئے سخن ہے خواہ نزول کے وقت موجود ہوں یا آئندہ ہونے والے ہوں - ہلاک کرنے کی دو صورتیں ہیں باطنی اور ظاہری - باطنی ہلاکت تو یہ ہے کہ بظاہر اگرچہ آدمی صحیح تومند مرفہ الحال اور فارغ البال ہو مگر اُس کا دل مردہ ہو قوت فکریہ گمراہ ہو - اُسکو وہی تدبیر سوجھتی جو روحانی تباہی کا موجب ہے اُس کا باطن مسخ ہو چکا ہو نور ایمان کی جھلک بھی کسی وقت اُس کے دل پر نہ پڑتی ہو اور ظاہری ہلاکت کے معنی ہیں کہ تمام اسباب عیش اور سامان راحت فنا ہو جائے زندگی ہو جائے اہل و عیال اور مال و منال برباد ہو جائے نسل منقطع ہو جا

اور بالآخر ذلت کی موت آجائے۔ آیت میں دونوں طرح کی ہلاکت مراد ہے۔

حل ارشاد یہ ہے کہ کچھ کفار مکہ ہی پر منحصر نہیں ہے ان سے پہلے بھی ایسے بہت سے آدمی اور قومیں گذری ہیں جنہوں نے حقائق عبودیت کو نہیں پہچانا وساوس و شبہات کی پیروی کی۔ بارگاہ عظمت پر خلوص کے ساتھ سرافگندہ نہ ہوئے۔ پیغمبروں نے ہر چند سمجھایا اور واضح آیات اور کھلے کھلے نشانات دکھا کر راہ راست پر آنے کی دعوت دی لیکن اُنہوں نے ایک نہ سنی وہ ازلی گمراہ تھے۔ ایمان لائے نہ اسے ہی نہ سمجھے پھر کس طرح راہِ راست پر آتے۔ بالآخر جب اُنہوں نے حق کو نہ پہچانا اور صداقت کی تکذیب کی تو اللہ نے اُن کو ہلاک کر دیا اُن کا نام نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اونچے محل سر سبز باغ اور تمام سامان عیش خاک میں مل گیا اور ابدی بربادی نصیب ہوئی اور یہ بربادی صرف اُنہی کو نصیب نہوئی بلکہ عام ضابطۂ قدرت اور سنت الٰہی ہے کہ مجرموں کو ایسی ہی سزا دی جاتی ہے مقصود فطرت کے خلاف کام کرنیوالے یونہی تباہ ہوتے چلے آئے ہیں ان سب کے بعد تمہاری (یعنی امت محمدیہ کی) باری آئی اور تمہارے اعمال کے امتحان کا وقت آیا تم کو اللہ نے گذشتہ اقوام کا جانشین بنایا تاکہ تمہارے افعال و حرکات کی آزمائش ہو جائے۔ اگر تم نے ایمان و ایقان کے ساتھ اچھے کام کئے اور اپنے معبود کی عظمت و جلال کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی تو دوامی نجات نصیب ہوگی اور اگر توحید الٰہی کے منکر ہو کر دنیوی آسائش پر فریفتہ ہو کر اپنی رائے پر عمل کر کے مطمئن ہو کر بیٹھے رہے تو تم کو بھی ابدی ہلاکت سے دوچار ہونا پڑے گا۔

نکتہ كَيْفَ تَعْمَلُونَ کی تفسیر میں بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ لفظ كَيْفَ بتا رہا ہے کہ خود کسی فعل کی ذات قابل اعتبار اور مقبول عملی نہیں ہے مثلاً کوئی کافر نماز کے افعال ادا کرے اور ریا ہر نماز پڑھے تو ایسی نماز ناقابل اعتبار ہے۔ اعتبار در حقیقت کیفیت اور حسن باطن کا ہے ایمان کے ساتھ خالص عبادت کی نیت بغیر ریاکاری اور دکھاوٹ کے معتبر ہے ورنہ ظاہری صورت بے کار ہے۔

ایک سوال اللہ کا علم ازلی اور ابدی ہے اُس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ بندوں کی کل حالت اور ہر حالت کے کل کوائف خوب جانتا ہے پھر بندوں کی آزمائش کرنی اور امتحان کے بعد حقیقت اعمال کو معلوم کرنا اور جانچ کرنا اور فرماں برداری و نافرمانی کو دیکھ کر کافر و مومن کا امتیاز کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ کا کیا مطلب ہے؟

جواب اس شبہ کا حل دو طرح سے کیا گیا ہے:- (۱) لِنَنْظُرَ کا لفظ ڈرانے اور دھمکی دینے کے لئے ہے اگرچہ کل جزئیات اور تمام آنے والے واقعات سے واقف ہے مگر اس سے تہدید کرنی مقصود ہے کہ ہوشیار رہو اور نیک اعمال کئے جاؤ۔ جو لوگ فرماں برداری کی کوشش کرتے ہیں ہم اُن کے اعمال کو دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ گویا برے کاموں سے تہدید اور نیک اعمال کی ترغیب مقصود ہے (۲) لفظ لِنَنْظُرَ بطور استعارہ کے استعمال کیا گیا ہے یعنی جیسے کوئی امتحان کے لئے کسی کو مقرر کرتا ہے ایسا ہی تمہاری سمجھ کے لائق ہم نے معاملہ کیا ہے۔ حافظ ابن جریر نے ایک حسن حدیث اس جگہ نقل کی ہے چونکہ اُس حدیث کا تعلق آیت کے مفہوم کے ساتھ خاص طور پر ہے اسلئے ہم بھی اُس کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

حضرت عوف بن مالک رضؓ نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آسمان سے ایک رسی نیچے کو لٹکی حضور رسول اکرم صلعم اُس رسی کو پکڑ کر خوشی خوشی اوپر تشریف لے گئے رسی پھر دوبارہ لٹکائی گئی تو آپ اُس کو پکڑ کر چڑھ گئے۔ اسی سلسلہ میں میں نے دیکھا کہ لوگ ممبر کے آس پاس بیٹھے ہیں لیکن عمر تین ہاتھ سب سے آگے ہیں۔ اس خواب کے بیان کے وقت حضرت عمر رضؓ بھی موجود تھے کہنے لگے عوف! معاف کرو ہم کو اس خواب کے سننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت ابو بکر رضؓ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر رضؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے عوف کو بلا کر خواب بیان کرنے کی فرمائش کی۔ عوف نے کہا کیا آپ نے مجھے جھڑکا نہ تھا؟ فرمایا اُس وقت مجھے گوارا نہ تھا کہ تم رسول اللہ کے خلیفہ کو اُن کی وفات کی خبر سناؤ اس وجہ سے میں نے تم کو بیانِ خواب سے روکا تھا۔ غرض عوف نے خواب بیان کیا جب حضرت عمر رضؓ کے تین ہاتھ آگے ہونے کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا ایک ہاتھ تو یہ ہے کہ وہ خلیفہ ہوگا۔ دوسرا یہ ہے کہ اللہ کے معاملہ میں وہ کسی ملامتگر کی ملامت کرنے کی پرواہ نہ کریگا تیسرے ہاتھ سے مراد یہ ہے کہ وہ شہید ہوگا۔ اس کے بعد آیت ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ الخ تلاوت کر کے فرمایا اے عمر! تو خلیفہ تو ہو گیا اب دیکھنا ہے تو کیسے کام کرتا ہے۔ الحدیث۔

مقصود بیان:- گذشتہ اقوام کی تباہی صرف اُنکی ستم شعاری اور بدکاری کی وجہ سے ہوئی۔ اُن کو پیغمبروں نے سمجھایا معجزات اور دلائل و شواہد پیش کئے مگر انہوں نے نہ مانا۔ ایمان و کفر اور ہدایت و ضلالت ازلی چیز ہے۔ جس کے متعلق ازل میں بے ایمان ہونا مقرر ہو چکا وہ ہرگز ایمان نہیں لائے گا۔ ضابطۂ قدرت ہے کہ بدکار و مفسد تباہ کر دیے جاتے ہیں۔ امت محمدیہ اس زمین کی وارث بطور خلافت کے ہوئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کی بھی آزمائش کرنی مقصود ہے۔ اگر فرماں بردار مومن اور اطاعت شعار رہیں گے تو کامیاب اور سرخرو ہوں گے ورنہ گذشتہ اقوام کی طرح برباد ہو جائینگے۔ وغیرہ۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ

جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ

الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ

ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے سوا

بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ

کوئی دوسرا قرآن ہمارے پاس لاؤ یا اسی کو بدل ڈالو (اے نبی) کہدو کہ

مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ

مجھے اپنی طرف سے اس کو بدلنے کا اختیار نہیں

نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۚ

میں تو اسی کا تابع ہوں جو میرے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے

اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ

اگر میں اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر

یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا

رہتا ہے (اے نبی) کہدو کہ اگر خدا چاہتا تو میں اسکو

تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖؗ فَقَدْ

تمہارے سامنے نہ پڑھتا اور نہ تمہیں اللہ اس سے خبردار کرتا میں تو

لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا

اس سے پہلے بھی ایک زمانہ تک تم میں رہا کیا تم

تَعْقِلُوْنَ ○ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی

اتنا بھی نہیں سمجھتے اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جو اللہ پر

عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ

دروغ باندھے یا اسکی آیتوں کو جھٹلائے بلاشبہ مجرموں کا

الْمُجْرِمُوْنَ ○

تفسیر

قرآن پاک کی آیات متفرق اوقات میں نازل ہوتیں اور مختلف اصلاحی مضامین لیکر نازل ہوتیں۔ کچھ آیات سنکر تو کفار کچھ خاموش رہتے کیونکہ مضامین اُن کی طبائع کے موافق ہوتے لیکن اصولی آیات جو اُن کی خواہشات کے خلاف احکام نازل ہوتے تو اُن پر گراں گزرتا مثلاً غیر اللہ کی پرستش کی ممانعت، بتوں کی مذمت اور اُن کی معبودیت، غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت و تکفیر، دنیوی زندگانی پر عدم اطمینان کی تعلیم، حیات بعد الممات، حشر نشر، عذاب ثواب اور حساب کتاب کا عقیدہ، نیک اعمال کرنے کا حکم، اللہ کے صفات کمالیہ کا اظہار اور اسی قسم کے مضامین کی آیات اُن کو ناگوار ہوتیں۔ چونکہ اللہ کی عظمت و کبریائی سے جاہل تھے، مخلوق کو خود مختار جانتے تھے، راہ عقل چھوڑ کر کفر کی پابندی کرتے تھے، بجائے اسکے کہ خود کجروی ترک کردیں راہ مستقیم کو اپنے کجرو نفوس کی طرف موڑنا چاہتے تھے اور پیام الٰہی کو رسول اللہؐ کا ایجاد کردہ حکم یقین کرتے تھے، اسلئے اپنی خواہشات پر اڑکر آیات قرآنی میں تبدیل تغیر اور تحریف کے خواستگار تھے۔ چنانچہ بعض سرداران قریش نے متعدد مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ یا تو کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اسی میں تبدیلی کردیجئے جسمیں ہمارے معبودوں کی مذمت نہو، تو ہم ایمان لائینگے۔ اُس پر ان آیات کا نزول ہوا۔

ماحصل ارشاد یہ ہے کہ:- یہ کفار بھی عجیب جاہل ہیں۔ آیات الٰہی اور احکام قرآنی کو سنکر تبدیل یا تغیر کے طالب ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا تو اس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن ہی لے آؤ جس میں ہمارے عقیدہ کے خلاف باتیں نہوں یا اسی کو رہنے دو مگر اسمیں سے وہ باتیں نکال ڈالو جو ہماری خواہش کے مطابق نہیں ہیں۔ اے نبی تم ان سے کہدو کہ دوسرا قرآن لانا تو کیا معنی رکھتا ہے میں تو اپنی طرف سے اس قرآن میں بھی ذرہ برابر تغیر و تبدل نہیں کرسکتا کیونکہ میں نے اپنے نفس کی طرف سے کچھ پیش ہی نہیں کیا ہے۔ میں تو صرف اُنہی احکام و پیامات کا پیرو ہوں جو اللہ نے بذریعۂ وحی میرے پاس بھیجے ہیں مجھے کسی قسم کے تصرف کا حق ہی نہیں ہے اگر ذرہ برابر تبدیل کروں تو عذاب آخرت کا اندیشہ لگا ہوا ہے جو کچھ میں تم کو سناتا ہوں وہ اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہے۔ اگر خدا کی مشیت ہوتی تو میں کوئی آیت تمہارے سامنے تلاوت نہ کرتا اور نہ کسی حکم کی اطلاع دیتا۔ دیکھو اس سے پہلے مدت دراز تک (۴۰ سال) میں تم میں رہا۔ اتنا طویل عرصہ گذرا لیکن کوئی آیت کوئی شعر کوئی نظم کوئی نثر اور کوئی حکم نہیں سنایا اگر اپنی طرف سے میں بیان کرنے والا ہوتا تو اس سے پہلے کبھی کسی قسم کی کوئی آیت سنائی ہوتی۔ جب میری کل گذشتہ عمر ہر قسم کے دعوی سے خالی ہے تو پھر اب کس طرح اپنی طرف سے کلام بنا کر اللہ پر بہتان تراشی کرسکتا ہوں۔ تم دماغ سے ذرا سوچ سمجھ کر کام نہیں لیتے۔ اتنے بے عقل

ہو گئے۔ ذرا غور کرو کہ دو باتوں کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر باوجود رسول من اللہ نہ ہونے کے کوئی شخص دعوی کرے کہ یہ کلام اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوا ہے تو انجام کار وہ تباہ اور ناکام ہوگا اور اگر واقعی کوئی حکم یا پیام اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور کوئی شخص اس کی تکذیب کرے اور سچ نہ مانے تو وہ تباہ و برباد اور نامراد ہوگا۔ بہرحال مجرم کو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اب میں مدعی رسالت ہوں اور تم بلا وجہ منکر ہو تو آئندہ دیکھ لینا کہ فلاح اور کامیابی کس کو نصیب ہوتی ہے۔ اگر میں سچا ہونگا تو مجھے فتح حاصل ہوگی اور اگر تم حق پر ہوئے تو تم کامیاب ہو گئے۔ توریت و انجیل سے بھی قرآن کے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے اپنے مسلمان ہونے سے قبل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا جب حضور اقدس مدینہ میں تشریف لائے تو میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرۂ نورانی جھوٹوں کا نہیں ہو سکتا۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضور اقدس کے پاکیزہ اقوال آپ کی صدق رسالت کی روشن دلیل ہیں اور مسیلمہ اور سجاح اور اسود وغیرہ جھوٹے مدعیان نبوت نے جو شیطانی وحی کا اظہار کیا اور اللہ پر افترا باندھا اس کے جھوٹ اور افترا ہونے کا خود انہی کے متبعین نے اقرار کیا۔ چنانچہ عمرو بن العاص اور مسیلمہ کی باہم دوستی تھی۔ ایک مرتبہ عمرو بحالت کفر میں مسیلمہ کے پاس گئے۔ مسیلمہ نے پوچھا عمرو! آج کل تمہارے گروہ والے کی کیا خبر ہے؟ عمرو نے جواب دیا میں نے محمدؐ کے ساتھیوں سے ایک چھوٹی سی سورت سنی ہے جو عجیب عظمت والی ہے۔ مسیلمہ نے کہا وہ کونسی سورت ہے؟ عمرو نے سورہ کوثر پڑھ کر سنائی۔ مسیلمہ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولا عمرو! ایسی ہی ایک سورت مجھ پر نازل ہوئی ہے اور وہ یہ ہے:۔

یا دبر یا دبر انما انت اذنان وصدر۔ وسائرک حقر ونقر۔ کیوں کیسی ہے؟ عمرو نے جواب دیا واللہ میں تجھے کذاب جانتا ہوں۔

مقصود بیان:۔ اس بات کا اظہار کہ جو لوگ خواہش نفس کے بندے وجود الٰہی کے منکر اور قیامت کی تکذیب کرنے والے ہیں وہ پیام الٰہی کو اپنے ہوا و ہوس کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی حکم یا آیۃ ان کو اپنی خواہش کے خلاف نظر آتی ہے تو ناگوار گذرتی ہے اور اسکی تبدیل و تغیر کے خواستگار ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کی عظمت، رسولؐ کی صداقت اور مرتبۂ نبوت سے ناواقف ہیں۔ رسول پاکؐ اپنی طرف سے کوئی دینی حکم بیان نہیں فرماتے تھے صرف وحی کے تابع تھے اگر اجتہاد فرماتے تو اسکو وحی کی طرف منسوب نہ کرتے تھے۔ رسول پاکؐ کی زندگی پاکیزہ تھی۔ نبوت سے پہلے بھی آپ کی زندگی میں کوئی بات گرفت کے قابل نہ تھی اسی لئے حضور اپنی پوری زندگانی کو اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش فرماتے تھے۔ جھوٹے نبی کو اور سچے نبی کی تکذیب کرنے والوں کو کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی اگر کچھ دنوں کے واسطے کامیابی نظر بھی آئے تب بھی انجام کار تباہی سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔ وغیرہ۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُس چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ

يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ

انھیں نقصان پہنچا سکتی ہے نہ نفع اور کہتے ہیں

هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ

کہ اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہوں گے اے نبی کہدو

أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي

کہ کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جسے وہ نہیں جانتا

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ

نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک ہے

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَمَا كَانَ

اور ان کی شرک انگیزیوں سے برتر ہے اور لوگ تو

النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ

ایک ہی امت تھے مگر پھر وہ جدا جدا ہو گئے

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ

اگر ایک بات تمہارے پروردگار کی طرف سے نہ ہو چکی ہوتی

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

تو اُن کے باہمی اختلافی باتوں کا فیصلہ ہو چکا ہوتا

تفسیر

احکام الٰہی سے سرتابی کرنے اور اُن کو نہ ماننے کی دو وجہیں تھیں ایک تو خواہش نفس کی پیروی اور ہوا پرستی دوسری یہ کہ کفار مکہ کا عقیدہ تھا کہ دُنیا کی ہر مصیبت کو ہمارے معبود سفارش کرکے دور کرا دیتے ہیں، ہر کام کے دیوتا مختار ہیں۔ اگر بالفرض عذاب اور سزا کا جھگڑا ہوا بھی تو ہمارے یہ معبود شفاعت کرکے ہم کو رہا کرا لینگے۔ اس کے رد

ہیں اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔ اللہ کو چھوڑ کر کفار ایسے باطل اور بے حقیقت معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اگر ان کی پرستش کی جائے تو فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور پرستش نہ کی جائے تو ضرر نہیں دے سکتے پھر ان کی عبادت کسی خوف و رجا کی وجہ سے ہے۔ جب ان کا نزول کو اس کا کوئی جواب نہیں ملتا تو کہتے ہیں ہمارے یہ معبود اللہ سے ہماری سفارش کرتے ہیں یعنی دنیا میں جو مہم ہم کو پیش آتی ہے اس کو سفارش کر کے اللہ سے پورا کرا دیتے ہیں اور آخرت میں بھی شفاعت کرا کے ہم کو چھڑا لینگے۔ عرب کے مشرکوں کا بھی یہ عقیدہ تھا اور عیسائی بھی اسی کے قائل ہیں کہ مسیح ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گئے وہ باپ سے سفارش کر کے ہم کو عذاب سے بچا لینگے۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اللہ کے علم میں سفارشیوں کا وجود ہی نہیں اور اللہ کے احاطۂ علمی سے کوئی چیز خارج نہیں۔ پھر جب ایسے سفارشیوں کی ہستی کا علم آسمانوں و زمینوں میں کہیں خدا کو نہیں تو تم کہاں سے ایسے سفارشی لا سکتے ہو۔ یہ تمہارے خیالات فاسدہ ہیں۔ اللہ کے کارخانۂ قدرت میں ایسے سفارشی شریک نہیں ہو سکتے وہ شریکوں سے پاک اور برتر ہے اس کی مرضی و مشیت میں کسی کو دخل نہیں کفار عرب لاجواب ہو کر یہ کہا کرتے تھے کہ ہم اگر دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں اور مورتیوں کو پوجتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے قدیم سے یہی دستور تھا اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہارا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ آفرینش آدم سے لیکر مدت دراز تک سب لوگ فطرت کے موافق ایک ہی ملت اور ایک ہی گروہ یعنی موحد و مومن تھے لیکن کچھ مدت کے بعد فطرت الٰہیہ کے خلاف کجروؤں اور گمراہوں نے اہل توحید سے اختلاف کر کے بت پرستی اور گمراہی اختیار کر لی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت آدم سے لیکر حضرت نوح تک دس قرن گذرے۔ اس زمانہ میں سب ملت اسلام پر تھے اس کے بعد اختلاف واقع ہوا اور بعضوں نے غیر اللہ کی پرستش شروع کی بعض اہل آثر کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم کے وقت سے عمرو بن لحی کے زمانہ تک سب لوگ یعنی تمام اہل عرب ملت ابراہیمی پر تھے پھر عمرو نے بت پرستی ایجاد کی۔ بیضاوی نے کہا کہ زمانہ آدم سے لے کر قتل ہابیل یا زمانہ نوح تک سب لوگ دین حق پر تھے پھر کفر و شرک شروع ہوا۔ بہرحال حاصل کلام یہ ہے کہ بت پرستی قدیم نہیں ہے بلکہ توحید قدیم ہے۔ بت پرستی انسانی دماغ کی ایجاد ہے مگر خدا نے دنیا میں حق و باطل اور صدق و کذب کا فیصلہ کرنا نہ چاہا اس وجہ سے اختلاف باقی رہا۔ نوشتۂ ازلی یہ ہے کہ صدق و کذب کا امتیاز اور کامل انکشاف قیامت کے دن ہوگا۔ اگر یہ ازلی نوشتہ نہ ہوتا تو دنیا ہی میں فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اہل باطل کی بیخ کنی کر دی گئی ہوتی۔

مقصود بیان:۔ توحید الوہیت و ربوبیت کا پرزور دلیل کے ساتھ اثبات۔ اس بات کی طرف ایما کہ معبود میں اتنی قدرت ہونی چاہئے کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے تاکہ خوف و بیم کا مرکز بن سکے ورنہ خواہ مخواہ کی پرستش بے سود اور باطل ہے۔ اس امر کی صراحت کہ توحید قدیم ہے بت پرستی بعد کی ایجاد ہے۔ اس بات کی وضاحت کہ دنیا میں کفر و اسلام اور حق و باطل کا اختلاف نوشتۂ ازل کے موافق ہے۔ خدا تعالیٰ دنیا میں صدق و کذب کا کامل انکشاف اور آخری فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تاکہ تخلیق عالم کا مقصود اعلیٰ یعنی امتحان پورا ہو سکے۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ

یہ کہتے ہیں کہ تمہارے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں تم پر

مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ

نہ اُتارا گیا کہدو کہ غیب کی بات اللہ ہی جانے

فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ

تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں شامل ہوں

تفسیر رسول پاکؐ کے معجزات بینات تمام انبیاء سے زائد تھے۔ محسوس بھی اور معقول بھی۔ جاہلوں کے سمجھنے کے قابل بھی تھے اور اہل عقل کے لئے غور طلب بھی۔ درختوں کا اپنی جگہ سے ہٹ کر زمین پھاڑتے ہوئے آنا، پہاڑوں کا کلمۂ توحید پڑھنا، چاند کا ٹکڑے ہو جانا، اونٹ کا صاف زبان میں اظہار کرنا، جاندار اور بے جان کا حضورؐ کو سلام کرنا، ستون کا گریہ کرنا، انگلیوں سے فوارہ کا جاری ہونا اور اس سے ایک لشکر کا سیراب ہو جانا، زہریلے گوشت کا بولنا کہ میں زہر آلود ہوں پھر سب سے بڑھ کر قرآن کی بلاغت اور اُن ضوابط کا بیان جن کی تدوین سے دنیا بھر کی جمہوریتیں عاجز ہیں، آئندہ واقعات کو صحیح طور پر ظاہر کرنا اور گذشتہ تاریخی واقعات پر تبصرہ کرنا جس سے اہل تنقید بھی ششدر رہ جاتے ہیں۔ پھر حضورؐ کی معجزانہ عملی زندگی نبی طاقت لئے ہوئے، اخلاق وغیرہ یہ سب چیزیں فرداً فرداً بجائے خود معجزہ تھیں جو حق طلب اور جویائے حقیقت کی تسلی کے لئے کافی سے زیادہ مواد اپنے اندر رکھتی ہیں مگر کبر کی جوازی کافر اور معاند متعصب تھے وہ رسول پاکؐ کو مغلوب کرنے کی نیت سے اور اہل اتقار کے طبقہ میں فساد پھیلانے کے لئے بیہودہ طور پر معجزات طلب کرتے تھے کبھی کہتے یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے کبھی کہتے فرشتہ اتر کر ہم سے تمہاری صداقت کا اظہار کرے۔ غرض اسی قسم کی بے سروپا باتیں کرتے۔ ایک تو اس قسم کی فرمائشوں کی تکمیل ضابطۂ قدرت اور قانون نبوت کے خلاف تھی، کوئی نبی فرمائشی معجزات ہر وقت ظاہر نہیں کیا کرتا۔ دوسرے یہ کہ کل

طلب معجزات معاندانہ تھی۔ ظہورِ معجزہ کے بعد بھی ایمان لانے کی امید نہ تھی
ایمان نہ لانے پر عذاب کا آنا لازم تھا جس طرح معجزاتِ مطلوبہ دیکھنے کے
بعد گذشتہ اقوام پر عذاب نازل ہوئے اور حضور کو ساکنانِ حرم کی تباہی منظور
نہ تھی ایک تو حرم کے اندر عذاب کا نزول خلافِ آدابِ حرم تھا پھر کافروں
کی تباہی سے بعد اُن کی نسلیں منقطع ہو جاتیں تو آئندہ ایمان لانے والا کون
ہوتا جس طرح گذشتہ اقوام کی نسلیں منقطع ہو گئیں اسی طرح دورِ نبوی
کے کفار کی ہلاکت کے بعد آئندہ مسلمانوں کے پیدا ہونے کی امید جاتی رہتی
غرض انہی مصالح کے تحت حضور نے پُر حکمت انکار کر دیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔ کفار کہتے ہیں تم پر کوئی ایسی عظیم الشان علامت
نبوت اور نشانی کیوں نمودار نہیں ہوتی جس سے ہماری تسلی ہو جائے
اے نبی تم ان سے کہدو کہ مخلوق کی نظر سے جو چیزیں غائب ہیں اُن کا علم تو
اللہ ہی کو ہے کسی کو اُن کا اختیار نہیں اور معجزات بھی اسی سلسلہ کی ایک
کڑی ہیں لہذا وہ بھی خدا ہی کے اختیار میں ہیں چاہے ظاہر فرما دے
نہ چاہے نہ ظاہر فرمائے۔ میرا کام صرف احکام کا پہنچانا ہے۔ لہذا اگر
تم میری رسالت پر ایمان نہ لائے تو عذاب کے منتظر رہو۔ میں بھی تم پر عذاب
نازل ہونے کا منتظر ہوں۔

ابن جریر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے
قبضۂ قدرت میں تمام غیبی امور ہیں وہی ہر امر کا انجام جانتا ہے۔ اگر مطلوبہ
معجزات دیکھنے کے بغیر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ تو میرے اور اپنے حق میں
حکمِ الٰہی کا انتظار کرو دیکھو وہ کیا حکم دیتا ہے۔ ابن جریر کی توضیح کی بنا پر
اس آیت میں کافروں کو تہدید ہو گی کہ دیکھو عنقریب تم کو ذلت اور اسلام
کو فتح حاصل ہو گی۔

مقصود بیان:۔ فرمائشی معجزات کا ظہور ہر وقت نہیں ہوا کرتا۔
غیبی امور کا علم اور اُن پر تصرف صرف خدا کے قبضہ میں ہے۔
کافروں کو عذاب کی تہدید اور اسلام کے غلبہ کی درپردہ بشارت
اور انتظار کا حکم وغیرہ۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ
جب ہم تکلیف پہنچ چکنے کے بعد لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ
ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ
چکھاتے ہیں تو اُسی وقت وہ ہماری قدرتوں میں حیلے بنانے لگتے
ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ
ہیں تم کہدو کہ اللہ بہت جلد تدبیر کرنے والا ہے جو کچھ

رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝ هُوَ
تم حیلہ بازی کر رہے ہو ہمارے فرشتے اُسکو لکھ رہے ہیں وہی اللہ
الَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ
اُن کو خشکی اور تری میں پھراتا ہے
حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ
یہانتک کہ جب وہ کشتیوں میں ہوتے ہیں اور کشتیاں
بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا
اُن کو لیکر موافق ہوا کی مدد سے چلتی ہیں اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں تو یکدم
رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِن
تند ہوا کا جھونکا آ کر لگتا ہے اور ہر طرف سے لہریں
كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ
آتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ اُن کا گھراؤ ہو گیا
دَعَوُا۟ اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ
تو اُس وقت اللہ کو خلوصِ عبادت کے ساتھ پکارنے لگتے ہیں (اور کہتے ہیں)
أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّٰكِرِينَ ۝
کہ اگر تو نے ہم کو اس سے نجات دیدی تو ہم شکر ادا کرنیوالوں میں سے ہو جائینگے
فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى الْأَرْضِ
لیکن جب اللہ اُن کو بچا دیتا ہے تو زمین پر ناحق شرارت کرنے
بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ
لگتے ہیں لوگو! تمہاری شرارت کا وبال
عَلَىٰٓ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَٰعَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ
تمہاری ہی جانوں پر ہے دنیوی زندگی میں مزے اُڑا لو بالآخر
إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
ہماری ہی طرف تم کو لوٹنا ہے ہم تمہارے اعمال تم کو بتا دیں گے

تفسیر جب حضورؐ کی بددعا سے اہل مکہ ہفت سالہ قحط میں مبتلا ہوئے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بھوک کی وجہ سے لوگوں کو آسمان پر دھواں نظر آنے لگا مردار کی کھال اور درختوں کی چھال تک کھا گئے۔ تو ابوسفیان جیسے کچھ لوگ نادم ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر گڑگڑائے رحمۃ للعالمین کو ان پر رحم آیا۔ آپ نے دفع قحط کی دعا کی۔ اللہ نے وہ بلا دفع کی اور فراخی حاصل ہوئی۔ اُس وقت لازم تھا کہ کفر کو چھوڑ کر ایمان کی طرف رخ کرتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ جونہی قحط دفع ہوا اور روٹی ملنے لگی آیات الٰہی پر نکتہ چینی کی اور پوری زور سے کوشش کرنے لگے۔ رسول اللہؐ کی نبوت میں طعن اور جرح کرنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کی، قرآن کی امثال پر ناجائز گرفت شروع کر دی۔ غرض ہر ممکن صورت سے حضورؐ کو ایذا دیتے اور کلمۂ توحید کے بلند نہ ہونے کی کوشش کرتے۔ اُس وقت آیات مذکورہ کا نزول ہوا۔ آیات کا نزول اگرچہ صرف کفار مکہ کے حق میں ہوا ہے مگر حکم آیات میں وہ تمام احسان فراموش کافر داخل ہیں جو مصیبت کے وقت، تو اللہ کی طرف عارضی رجوع کر لیتے ہیں اور مصیبت دور ہونے پر وہی کفران نعمت کرتے ہیں چونکہ حکم عام ہے اسی لئے اہل تفسیر نے رحمت سے رفع قحط اور ضرآء سے قحط فقط مراد نہیں لیا ہے بلکہ دو طرح سے مطلب بیان کیا ہے۔ ضرّاء سے مراد ہر جسمانی مصیبت ہے مثلاً بیماری، وبا، قحط سالی، بے روزگاری، افلاس وغیرہ اور رحمت سے مراد جسمانی تکالیف کا ازالہ ہے مطلب ظاہر ہے کہ مصیبت پڑتی ہے تو کفار مجبور ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور تکالیف کا ازالہ کر دیا جاتا ہے تو آیات الٰہیہ کی تکذیب اور صداقت ربانیہ میں جرح قدح کرنے کی سینکڑوں تدبیریں کرنے لگتے ہیں۔ پیٹ بھرتا ہے مصیبت جاتی ہے تو دور کی سوجھنے لگتی ہے۔
دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضرّاء سے مراد عقل کی کمزوری، بچپن کی عمر، سادہ مزاجی اور کم سمجھی ہے اور رحمت سے مراد تدبر، دانائی، عقلمندی اور سن بلوغ ہے۔ انسان کی عمر جس وقت کم ہوتی ہے وہ کوتاہ بین کوتاہ فہم اور کوتاہ اندیش ہوتا ہے تو طبیعت سادہ اور پاکیزہ ہوتی ہے لیکن جونہی جوان ہوا دست و بازو میں توانائی آئی دماغ میں روشنی اور عقل میں تیزی پیدا ہوئی تو اب کارخانہ قدرت، ضوابط نیچر اور احکام الٰہیہ میں چون و چرا کرنے لگتا ہے۔
خدا تعالیٰ اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم ان کفران نعمت کرنے والوں سے کہہ دو کہ اللہ تمہارے اس مکر اور حیلہ تراشی کی سزا بہت جلد دیگا اسکو تمہاری یہ فریب کاری معلوم ہے، اس کے فرشتے تمہاری ان عیاریوں کو لکھ لیتے ہیں لامحالہ ان کی پاداش سے تم چھوٹ نہیں سکتے۔
اس سے آگے سرکش نافرمان کافران نعمت کے کفران کی ایک خاص صورت بیان فرماتا ہے جس کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد مذکورۂ بالا عام قاعدہ کی تصدیق ہوتی ہے۔
حاصل ارشاد یہ ہے: کہ اللہ نے خشکی اور دریا میں سفر کرنے کی توفیق دی اور اسی نے سفر کی طاقت اور اُس کے ذرائع بتائے۔ چنانچہ جب کشتیوں میں سوار ہو کر لوگ سفر کو نکلتے ہیں اور ہوا موافق ہوتی ہے تو کشتیاں خوب چلتی ہیں لیکن جب ہوا مخالف ہوتی تند جھونکے آنے لگے موجوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور غرق ہو جانے کا یقین ہو گیا تو اُس وقت ہوش حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ کوئی تدبیر نہیں سوجھتی مجبوراً قادر مطلق کی طرف دوڑتے ہیں اللہ سے نجات کی دعائیں کرتے ہیں شکر گزاری اور اطاعت شعاری کے وعدے کرتے ہیں اللہ کو رحم آجاتا ہے بیڑا پار لگ جاتا ہے کشتی منزل مقصود پر پہنچ جاتی ہے تو پھر وہی گریز کشتی اور سرتابی کرنے لگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے میں نے کیسی اچھی تدبیر کی کوئی کہتا ہے یہ میری تجربہ کاری کا نتیجہ ہے۔ اللہ کی طرف کسی کا خیال ہی نہیں جاتا۔ وہی کفران نعمت وہی فساد انگیزی اور وہی سابقہ فتنہ طرازی ہوتی ہے اللہ فرماتا ہے لوگو! اس شرارت، شرک انگیزی اور نافرمانی کا نتیجہ بد خود تم کو اٹھانا پڑیگا۔ تم خیال کرتے ہو کہ ہم خدا کو دھوکا دیکر کامیاب ہو گئے مال دولت صحت طاقت سب کچھ ہم کو حاصل ہو گیا اب کوئی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے یہ خیال تمہارا غلط ہے خوب یاد رکھو کہ دنیا کے جس عیش و طرب مال و منال اور اہل و عیال پر پھولے ہوئے ہو وہ چند روزہ ہے ناپائیدار ہے فانی ہے دنیوی زندگانی کے مزے عنقریب زائل ہو جانے والے ہیں کچھ دنوں عیش کر لو۔ آخر میں تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے۔ مرکز کی طرف ضرور لوٹو گے اُس وقت کئے کی سزا ملیگی۔ اعمال کی پاداش بھگتنی ہوگی اور معلوم ہوگا کہ بدکاری کا یہ نتیجہ ہے۔

مقصود بیان: - فارغ البالی اور فراخ حالی کے وقت انسان اور زیادہ سرکش ہو جاتا ہے اور خدا کو بالکل بھول جاتا ہے۔ اللہ کے پنجہ سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا کسی کی تدبیر اور مکاری اُس سے پیش نہیں جا سکتی۔ اللہ کے فرشتے انسان کی باطنی تدبیروں اور اندرونی جعلسازیوں کو بھی لکھ لیتے ہیں۔ بندوں کا اور اُن کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے۔ سیر و سفر کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔ بظاہر نتائج اسباب سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ کشتی کی سبک روی منزل مقصود پر پہنچاتی ہے اور اُس کی غرقابی تباہی پیدا کرتی ہے مگر درحقیقت ان تمام امور کا فاعل خدا ہے۔ انسان کی نظر ظاہر اسباب پر پڑتی ہے اسی وجہ سے وہ ظاہری اسباب کی موافقت سے شاداں و فرحاں اور مخالفت سے کبیدہ اور غمگین ہو جاتا ہے۔ انسان کی سرشت یہ ہے کہ شدت و سختی کے وقت مضطر ہو کر فقط اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مضطر کی دعا قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ کافر ہو۔ اللہ کی ناشکری اور نافرمانی کا نتیجہ خود انسان کے حق میں برا ہوتا ہے اگرچہ اپنے کو کامیاب جانتا ہے۔ دنیوی عیش چند روزہ ہے۔ آخرت میں ذرہ ذرہ کی سزا جزا ہوگی۔ وغیرہ

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ

بس دنیوی زندگی کی مثال تو اُس پانی کی سی ہے جس کو ہم نے

مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

اوپر سے آتا ہو جس کی وجہ سے زمین کا سبزہ مل جل کر نکلا ہو

مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰىٓ اِذَآ

جس کو آدمی اور جانور کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب

اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ

وہ زمین اپنا بناؤ سنگھار کر چکے اور اُس کے مالک

وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ لا

سمجھنے لگیں کہ وہ کھیتی اُن کے ہاتھ لگ گئی

اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا

تو یک دم رات کو یا دن کو اُس پر ہمارا حکم آ پہنچے اور ہم اُس کو

حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ

کاٹ کر ڈھیر کر دیں اور یہ معلوم ہو کہ کل وہ یہاں تھی ہی نہیں اسی طرح

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

ہم قدرت کی نشانیاں غور کرنے والی قوم کے لئے تفصیل بیان کرتے ہیں

تفسیر: اوپر کی آیت میں مجمل طور پر بتایا تھا کہ دنیوی زندگی ناپائیدار ہے جس مال و منال اور عیش و طرب پر انسان ریجھا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے کفرانِ نعمت اور اللہ سے غفلت کرتا ہے وہ فانی ہے۔ اسی کی تفصیل و توضیح ان آیات میں کی گئی ہے اور انسانی زندگی کو سبزہ کی زندگی سے تشبیہ دیکر فنائے حیات اور زوالِ قوت کا نقشہ اہلِ بصیرت کی آنکھوں میں کھینچا گیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب آبائے علویہ امہات سفلیہ میں تاثیر کرتے ہیں کائنات آسمانی کے اثر سے زمین سے بخارات اٹھتے ہیں اور پھر اُن میں انقلاب و استحالہ ہو کر پانی کی شکل میں اوپر سے بارش ہوتی ہے اور مسام زمین میں یہ پانی پہنچتا ہے مٹی اور پانی کا امتزاج ہوتا ہے اس اختلاط ملاپ سے سبزہ اُگتا ہے جسکو آدمی اور مویشی کھاتے ہیں زمین سرسبز ہو جاتی ہے کھیت لہلہانے لگتے ہیں غلہ کی بالیاں پک جاتی ہیں کاشتکار کو یقین ہو جاتا ہے کہ عنقریب کل پرسوں میں اس کو کاٹ لیگا اور اس پر قبضہ کر لیگا یک دم کوئی آندھی اولے بجلی وغیرہ ناگہانی مصیبت آتی ہے سرسبز اور لہلہاتے کھیت کو صاف کر دیتی ہے روئیدگی بالیدگی اور تمام سرسبزی فنا ہو جاتی ہے ہریالی کے بجائے خاک اُڑنے لگتی ہے بھوسہ کا تنکا تنکا ہوا میں منتشر ہو جاتا ہے اور کاشتکار حسرت کے ساتھ سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہی حال انسانی زندگی کا ہے مردانہ جوہر کا نزول ہوا، رحم نے اُس کو قبول کیا مردانی اور نسوانی جوہر کے اختلاط سے مادۂ حیات تیار ہوا چند روز کے بعد حسین و جمیل صورت پیدا ہوئی۔ رفتہ رفتہ بڑھتی گئی جوانِ رعنا بن گئی فصلِ جوانی کی بہار آئی پھول پھل آئے خوشہ چینی کا وقت آنے ہی کو تھا کہ یک دم بادِ تند چلی حوادث کا ہجوم ہوا ناگہانی مرض یا کسی اور مصیبت نے آگھیرا، اسبابِ عیش خاک میں مل گئے حسن و جوانی فنا ہو گئی چہرہ زرد پڑ گیا سبزۂ زندگانی خشک ہو گیا ایک ایک ریزہ ہو کر ہوا میں اُڑنے لگا پاؤں میں روندا جانے لگا خاک نے نکالا تھا پھر خاک میں مل گیا کوئی امید بر نہیں آئی داغِ حسرت سینہ میں رہا۔ اعزا اقارب مال و منال اہل و عیال دولت و جاہ حکومت و سطوت عزت و شوکت تباہ ہو گئے جس بے ثبات حسن، ناپائیدار جوانی، فانی عیش اور چند روزہ جاہ و حشم پر پھولا نہ سماتا تھا اُس کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ چشمِ بصیرت اور نورِ حقیقت کی ضرورت ہے دانشمند اور سوچنے والے انسان ایسی تمثیلات و تشبیہات سے عبرت اندوز ہو سکتے ہیں، آیاتِ قدرت اور آثارِ نیچر کو دیکھ کر خلاقِ عالم اور کارساز مطلق کی ہستی اور اُس کی قدرت کاملہ پر استدلال کر سکتے ہیں۔ بس قابلِ غور ہے اہل بصیرت کو اور ندائے تفکر ہے نکتہ رس دماغ رکھنے والوں کو۔

مقصود بیان:- انسانی زندگانی کو سبزہ کی زندگی سے تشبیہ دیکر زندگانی کی بے ثباتی کا چند وجوہ سے اثبات۔ پانی اور مٹی کے اختلاط سے سبزہ پیدا ہوتا ہے۔ مرد اور عورت کے جوہر کے امتزاج سے انسان بنتا ہے۔ سبزہ کے جمنے پیدا ہونے اور بڑھنے پر طرح طرح کی امیدیں اس سے وابستہ ہوتی ہیں۔ انسان کے حمل پیدائش اور تدریجی بالیدگی بھی دلکش ہوتی ہے۔ کبھی عین بہار کے وقت کسی ناگہانی مصیبت کی وجہ سے سبزہ سوکھ جاتا ہے، انسان بھی کبھی عالمِ جوانی میں کسی اتفاقی حادثہ یا مرض کی وجہ سے مر جاتا ہے۔ کبھی سبزہ اپنی عمرِ طبیعی کو پہنچ کر زرد پڑ جاتا اور خشک ہو جاتا ہے اُس کا بھوسہ بن جاتا ہے۔ بھوسہ ہوا میں اُڑ جاتا اور خاک میں مل جاتا ہے۔ انسان بھی بوڑھا ہو کر کمزور ہو جاتا اور بالآخر مر کر مٹی میں مل جاتا ہے، اس کا ذرہ ذرہ خاک ہو جاتا ہے، خاک ہوا میں اڑتی ہے وغیرہ۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسکو چاہتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ
چاہتا ہے سیدھا راستہ بتا دیتا ہے جن لوگوں نے

اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ
نیکی کی اُن کے لئے بھلائی بھی ہے اور کچھ زیادتی بھی اور اُن کے چہروں پر

وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
نہ سیاہی ہوگی نہ ذلت یہی لوگ

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
جنتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جن لوگوں نے

كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ
بُرے کام کئے اُن کو اُن کی بُرائی کی برابر سزا ملے گی

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
اور اُن پر ذلت چھا جائیگی اُن کو خدا سے کوئی بچانے والا

عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ
نہ ہوگا معلوم ہوگا کہ اُن کے چہرے اندھیری رات کے

قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
ٹکڑوں میں چھپا دیئے گئے ہیں یہی لوگ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر اوپر کی آیات میں دنیا کی بے ثباتی اور حیات انسانی کی ناپائیداری بیان کرکے اہل بصیرت کو دعوت فکر دی تھی اور جو لوگ اس زندگانی پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں خوش بیانی کے ساتھ اُن کی بیوقوفی کا اظہار کیا تھا۔ ان آیات میں بتانا چاہتا ہے کہ یہ عالم اگرچہ ناپائیدار ہے مگر بیکار نہیں۔ یہ کشت آخرت ہے۔ مرنے کے بعد وہ جنس کاٹنی ہے جو یہاں بوئی تھی۔ اصل رہنے کا مقام دار آخرت ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔ اگرچہ بیوقوف لوگ اس دنیا کو دار اقامت سمجھتے ہیں اور اسی کو مقصود اصلی جانتے ہیں مگر درحقیقت یہ عافیت اور سلامتی کا مقام نہیں ہے بلکہ دار نجات دوسرا ہے یہ اُس کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اللہ تمام انسانوں کو عام دعوت دے رہا ہے کہ ابدی نجات اور دائمی سلامتی کے گھر کی طرف آؤ۔ یہ دعوت اگرچہ عام ہے مگر اس پر لبیک کہنے والے اور ندائے الٰہی کو قبول کرنے والے وہی ہیں جن کو اللہ سیدھے راستے پر ڈال دینا چاہے (صراط مستقیم راہ اسلام ہے اور راہ اسلام میں بھی راستی کے درجات مختلف ہیں۔ عام مسلمانوں کا راستہ محض ایمان و یقین ہے۔ خاص اہل ایمان کی راہ عین الیقین ہے اور مخصوص محسنین کا طریقہ حق الیقین ہے۔ اول گروہ اہل برہان ہے۔ دوسرا کاشف اسلام اور اہل بیان ہے اور تیسرا صاحب عرفان اور اہل عیان ہے)۔ اس دنیا میں جو لوگ اچھا بیج بوئینگے آخرت میں اُن کو اچھا ثمرہ ملیگا اور اصل تخم سے کہیں زائد ملیگا۔ اُن کو عمر کی بربادی اور کوشش کے رائگاں ہونے کا نہ غم ہوگا۔ نہ دوسرے کاشتکاروں کے سامنے ذلت و رسوائی ہوگی۔ اللہ کے سامنے بھی معزز ہونگے اور بندوں کے سامنے بھی سرخرو۔ اور جن لوگوں نے ردی بیج بویا ہے اُن کے پھل اور پیداوار میں بھی اُتنی ہی خرابی ہوگی جتنی تخم میں تھی دوسرے کاشتکاروں کے سامنے بھی پیداوار اٹھاتے وقت ذلیل اور شرمندہ ہونگے اور اللہ کی نظر میں بھی رسوا۔

تنقیح مبحث حُسْنٰی سے مراد جنت اور زِیَادَۃٌ سے مراد جنت کے علاوہ دوسری نعمتیں ہیں۔

بعض مفسرین کے نزدیک حُسْنٰی سے مراد وہ ثواب ہے جو نیکیوں کی برابر ہوگا اور زِیَادَۃ سے مراد دس گونہ سے لیکر سات سو گونہ تک اجر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ زِیَادَۃ سے مراد مغفرت اور رضوان الٰہی ہے لیکن اکثر اہل تحقیق کے نزدیک حُسْنٰی سے مراد جنت اور زِیَادَۃ سے مراد دیدار الٰہی ہے۔ شیخ عکبری نے تبیان میں لکھا ہے کہ حضور اقدس نے اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ صحیح مسلم ابن ماجہ ترمذی اور مسند احمد میں بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ صدیق اکبرؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابن عباسؓ، سعید بن مسیبؒ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ابن سابط مجاہد، عکرمہ، عامر، عطاء، ضحاک، حسن بصری، قتادہ، سدی اور ابن اسحاق وغیرہ سے بھی یہی روایت ہے۔ اس کی تائید میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ اور یہ تفسیر تقریباً درجہ تواتر کو پہنچ گئی ہے۔ ابن جریر نے مختلف احادیث اسی کی تائید میں نقل کی ہیں۔

مقصود بیان:۔ آیت دلالت کر رہی ہے کہ دعوت عمومی اور ہے اور ہدایت خصوصی اور۔ گویا امر دعوت اور ہے اور ارادۂ ہدایت علیحدہ چیز ہے۔ عموم دعوت اظہار رحمت ہے اور خصوصی ہدایت اظہار حکم و قدرت۔ ہدایت خاص خدا کے دست قدرت میں ہے۔ جو شخص مرتے دم تک گمراہی پر اڑا رہا اُس کو ہدایت کرنا اللہ نے نہ چاہا بلکہ اس

کو نیکیوں کا بدلہ بھی ملے گا اور مزید انعامات سے بھی سرفراز ہونگے اور اُن کی عزت بھی کی جائیگی اور جنت میں ہمیشہ ابدالآباد تک رہینگے۔ بدکاروں کو صرف اُن کی بدی کا عوض ملے گا اُن پر زیادتی نہ ہوگی۔ اگر وہ کافر ہیں تو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور اُن کے مُنہ قیامت کے دن سیاہ ہو نگے اور وہ ذلیل بھی ہوں گے۔ وغیرہ

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ

اور جس دن کہ ہم ان سب کو جمع کر کے مشرکوں سے

لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ

کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر ٹھیرو

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ

اس کے بعد اُن میں باہم پھوٹ ڈالدینگے اُن کے شرکار کہینگے کہ تم

إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ○ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا

ہماری تو پرستش کرتے نہ تھے بس اللہ ہمارے تمہارے درمیان

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ

شہادت دینے کے لئے کافی ہے ہم تو تمہاری پرستش سے

لَغَافِلِينَ ○ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ

بالکل بے خبر تھے وہاں ہر شخص اپنے گذشتہ کئے ہوئے اعمال کو

مَا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ

جانچ لے گا اور سب کو اللہ کے پاس لوٹا کر بھیجا جائیگا جو اُن کا مالک

الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ ع ۱۰

حقیقی ہے اور جو کچھ وہ افترا بندی کیا کرتے تھے سب کھو جائے گی

تفسیر تحقیق اجزاء حشر کے لغوی معنی ہیں جمع کرنا۔ یہاں قبروں سے نکال کر میدان قیامت میں جمع کرنا مراد ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ حشر موت ہے۔ شاید مجاہد کی مراد اس تفسیر سے یہ ہے کہ حشر قیامت دور نہ سمجھو۔ جو مرگیا اُس کا حشر ہوگیا۔ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا سے عام مشرکین مراد ہیں، جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی اور کی پوجا کرتے ہیں خواہ فرشتوں کی

دیوتاؤں کی جنّات کی ارواح انبیاء و اولیاء کی یا عناصر و کواکب کی یا مورتیوں کی یا یونہی غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ہر کاروبار میں اُن کو پکارتے اور اُن کی نذر نیاز کرتے اور بھینٹ چڑھاتے ہیں یہ سب غیر اللہ کے پرستار ہیں بلکہ جو لوگ ہوا و ہوس، شہرت، دولت اور حکومت کے پجاری ہیں وہ بھی مشرک ہیں اُن سے بھی قیامت کے دن مذکورہ الفاظ کہے جائینگے۔

شُرَكَاؤُ سے مراد علامہ عکبری صاحب تبیان کے نزدیک بت ہیں جن کو مشرکین اپنے خیال میں روزی مال اور اولاد کا داتا سمجھتے تھے اور قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں اپنا سفارشی جانتے تھے۔ قیامت کے دن اللہ اُن کو گویائی عطا کر دیگا۔ رازی اور صاحب سراج کا قول ہے کہ اُن کو وقتی زندگی بھی عطا کر دیگا۔ بیضاوی نے بعض اہل تفسیر کا قول نقل کیا ہے کہ مسیح اور ملائکہ مراد ہیں۔ خطیب نے لکھا ہے کہ ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ کے سوا پوجی گئی خواہ شیطان ہو جن ہو آدمی ہو فرشتہ ہو یا بت ہو۔ یہی قول بہتر ہے اور تعمیم مقام کے بھی مناسب ہے۔

زَيَّلْنَا کے معنی ابن کثیر نے لکھے ہیں کہ ہم مشرکوں اور اُن کے معبودوں کو ممتاز کر دینگے۔ بیضاوی اور خطیب نے فَرَّقْنَا ترجمہ کیا ہے یعنی ہم مشرکوں اور اُن کے معبودوں کو جدا جدا کر دینگے۔ اُس روز عابد و معبود کی جگہ علیحدہ علیحدہ ہوگی اور ایک کا دوسرے سے رشتہ منقطع ہوجائے گا اور مشرکوں کی وہ امید پوری نہ ہوگی جو دنیا میں کیا کرتے تھے کہ یہ معبود قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں ہماری سفارش کرینگے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ :۔ قیامت کے دن سب کو جمع کر کے مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرمائیگا کہ تم اپنی جگہ ٹھیرو اور وہ باطل معبود جن کی تم پرستش کرتے تھے اور اپنے خیال میں اُن کو صفات و قدرت میں خدا کا شریک اور سفارشی جانتے تھے اپنی جگہ ٹھیریں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اُن معبودوں سے مشرکوں کا رشتہ اتصال منقطع کر دیگا اور دونوں گروہوں میں جدائی ہوجائیگی اور مشرکوں کا وہ زعم غلط ثابت ہوگا کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اور شرکار اپنی پاکدامنی اور برأت ظاہر کرنے کے لئے کہینگے اور اللہ کی قسمیں کھا کر خدا کو گواہ کرتے ہوئے کہینگے کہ تم ہماری پرستش ہرگز نہ کرتے (بلکہ اپنے وسوسوں اور نفسانی خواہشات کے پرستار تھے جس کو چاہا تم نے معبود و مسجود بنا لیا) ہم کو تو تمہاری پرستش کا پتہ بھی نہیں۔ جب مشرکین و شرکار کا باہمی فیصلہ اور انقطاعی مکالمہ ہوچکیگا اور اہل شرک کو سفارش کی امید باقی نہ رہیگی تو اعمال و افعال کی طرف رجوع ہوگا جس نے دنیا میں جیسا کیا ہے ویسا بھگتنا پڑیگا۔ جھوٹے معبود کافور ہو جائینگے ہر قسم کی بہتان تراشی اور شرک بندی زائل ہوجائیگی صرف ایک مولیٰ اور سچا مولیٰ رہ جائیگا اور اُس کی طرف۔ سے سزا جزا تجویز کی جائے گی۔

مقصودِ بیان: شرک کی پرزور تردید، مشرکوں کے زعمِ فاسد کی پرشوکت الفاظ میں بیخ کنی۔ اس امر کی صراحت کہ حشر سب لوگوں کا ہوگا معبودانِ باطل کا کوئی رشتہ مشرکوں سے نہ ہوگا۔ آیتوں سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جن دیوتاؤں پیروں فقیروں اور عناصر کو آپ کی پرستش پیجاری کرتے ہیں اُن کو انکی پوجا کا علم بھی نہیں چہ جائیکہ خوش ہونا اور مدد کرنا۔ اس امر کی صراحت کہ غیر اللہ کی پرستش درحقیقت اپنے نفس اور خواہش نفس کی پرستش ہے جس کو دل چاہا مسجود بنالیا۔ بالآخر ہر شخص کا رجوع اپنے اعمال کی طرف ہوگا جیسے اعمال ہونگے ویسی سزا دی جائیگی۔ مجموعۂ آیات سے مستنبط ہوتا ہے کہ شائبۂ شرک سے بھی پرہیز لازم ہے جس بات میں شرک کی آمیزش ہو اس سے بچا کتنا ضروری ہے۔ مشرکین کے حق میں شفاعت کی امید کا بھی انقطاع ہے نہ کہ گناہگار اہلِ توحید کے حق میں۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

(اے نبی) کہدو کہ آسمان و زمین سے تم کو کون رزق دیتا ہے؟

أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ

یا گوش و چشم کا کون مالک ہے؟ اور

مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

کون جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ

پیدا کرتا ہے؟ اور کون کام کی تدبیر کرتا ہے؟

فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝

لامحالہ وہ یہی کہینگے کہ اللہ ہی ایسا کرتا ہے تم کہدو کہ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں

فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ

یہی اللہ تمہارا سچا رب ہے اب حق کے بعد

الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ۝

بجز گمراہی کے کیا رہا تم کہاں سے پھیرے جاتے ہو

كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ

(اے محمد) تمہارے رب کا حکم یعنی یہ کہ فاسق ایمان نہیں لائیں گے

فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ هَلْ

اسی طرح ثابت ہوگیا (اے محمد) کہدو کیا

مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ

تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ابتداءً کسی چیز کو پیدا کرے پھر

يُعِيدُهُ ۚ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ

دوبارہ بھی (ایساہی) کرے تم کہدو کہ اللہ ہی ابتداءً پیدا کرتا ہے پھر وہی

يُعِيدُهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ هَلْ

دوبارہ پیدا کریگا تم کہاں سے پھیرے جاتے ہو پوچھو کیا

مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۚ

تمہارے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو راہِ حق دکھائے

قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۗ أَفَمَنْ يَهْدِي

کہدو کہ اللہ ہی راہ حق دکھاتا ہے تو کیا راہِ حق دکھانے والا

إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي

زیادہ قابلِ اتباع ہے یا وہ شخص جو بغیر ہدایت کرنے کے خود بھی

إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ ۖ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝

راہ نہیں پا سکتا تمہیں کیا ہوگیا کیسا انصاف کرتے ہو

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ

بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ محض اٹکل پر چلتے ہیں اور اٹکل

لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ

حق کے مقابل میں ہیچ ہے بلاشبہ اللہ

عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝

اُن کی حرکات سے واقف ہے

تفسیر: گذشتہ آیات میں حشر کا منظر دکھایا کہ شرک سے باز نہ آنے والوں کی اور ترغیبی شکل میں غیر اللہ کی پرستش

سے مبالغت فرمائی تھی۔ ان آیات میں اپنی الوہیت و وحدانیت کو اُن شواہد و براہین سے ثابت فرمایا ہے جو علمبرداران شرک کو بھی تسلیم تھے۔ الوہیت و وحدانیت کو ثابت کرنے کے لیے یہاں تین دلیلیں بیان کیں :۔ (۱) تخلیق و تربیت (۲) آغاز و انجام پر قدرت (۳) ہدایت کا اختیار۔ پہلی دلیل کی چار شاخیں ہیں :۔ تربیت جسمانی اور اس کے اسباب کی فراہمی۔ علمی اور ذہنی درستگی اور ادراکی سلسلہ کی ہر کڑی کی ہمواری۔ جاندار سے بیجان اور بیجان سے جاندار کی تخلیق یعنی تخلیق پر قدرت مطلق۔ یہ تین شاخیں تو عالم خلق سے تعلق رکھتی تھیں۔ چوتھی شاخ کا تعلق صرف عالم امر اور مجردات سے ہے یعنی تمام غیر مادی کائنات کا انتظام بھی اُسی کے دست قدرت میں ہے۔

اس دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ :۔ روزی کون دیتا ہے؟ آسمان اور زمین سے رزق کے اسباب کون پیدا کرتا ہے؟ بارش کرنا چاند سورج سے سردی گرمی پہنچانا ان میں اعتدال قائم رکھنا اور ان کے ذریعہ سے تمام زہریلے مواد کو دور کرنا غلہ میوہ زمین سے نکالنا درخت کا زمین اور ہوا سے اپنی غذا کھینچ کر نمو کرنا اور پھر پھل لانا اور اس پیداوار سے انسان و حیوان کے لیے روزی مہیا کرنا اگر خدا کا کام نہیں تو اور کس کا ہے۔

علمی اور ادراکی سلسلہ کی ہمواری مسموعات و مرئیات کے احساس کرنیوالی قوتوں کی درستگی سننے اور دیکھنے کی قوتیں عطا کرنا اور اُن کو صحیح رکھنا اگر خدا کی کارسازی نہیں تو اور کس کی ہے۔

مُردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مُردہ کو پیدا کرنا یعنی بے جان جوہر منویہ سے جاندار انسان و حیوان کو اور جاندار انسان و حیوان سے بیجان نطفہ کو بنانا یا زندہ دل مؤمن سے مُردہ دل کافر کو اور مُردہ روح کافر سے زندہ روح مسلم کو پیدا کرنا اگر اللہ کی خلاقی نہیں تو اور کس کی ہے۔ اس تخلیق کی قدرت مطلقہ کا سوا اللہ کے کون مالک ہے۔

عالم امر کا مدبر کون ہے اور غیر مادی کائنات کا سلسلۂ انتظام کس کے دست قدرت میں ہے۔ بارش بجلی کڑک آگ پانی ہوا مٹی اور تمام موجودات کے انتظام کے لیے مختلف کارکن فرشتوں کا تقرر کس نے کیا۔ انسانی تحفظ کے لیے لاکھوں غیبی مخلوق کا تعین کس کا مرہون منت ہے؟ ان تمام سوالات کا متفقہ اور مسلمہ جواب بس ایک ہی ہے۔ وہ یہ کہ یہ کل کارسازی اللہ کی ہے جب بالاتفاق اللہ کی یہ کارسازی مسلم ہے تو پھر غیر اللہ کی طرف توجہ کرنا خدا سے منہ موڑنا اور دوسروں سے رشتہ جوڑنا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیوں دوسروں سے تعلق توڑ کر اللہ سے سلسلہ نہیں جوڑتے۔ کیوں حق سے پھر کر باطل کی طرف دوڑتے ہو۔ بس پتے کی بات یہ ہے کہ اس قدر دلائل و براہین اور آثار قدرت دیکھنے اور اُن کو تسلیم کرنے کے بعد بھی جو یہ کفار دعوت الٰہی پر لبیک نہیں کہتے اور صداقت اسلام کو نہیں مانتے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان پر ازلی نوشتہ کی مار ہے۔ یہاں تک پہلی دلیل کا بیان تھا دوسری

دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ آغاز و انجام کا مختار مطلق ہے بغیر مادہ کے کل مادی کائنات کی تخلیق اُس نے کی۔ نیست سے ہست اور معدوم سے موجود کیا۔ بحر قدم سے فانی قطرات نکال کر خفائے عدم میں پھیلائے۔ اور ابدی کے مرکز سے زوال پذیر کرنیں منتشر کیں اور پھر سب کو لوٹا کر اپنی طرف بلا لیگا۔ تمام قطرات سمندر سے اور شعاعیں آفتاب سے جا ملینگی کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی ایسا ہے جو ان صفات کا مالک ہو؟ کیا وہ باطل اور فانی ہستیاں جن کو الوہیت و معبودیت میں اللہ سے ملاتے ہو فانی کو قدیم کا اور باطل کو حق کا مرتبہ دیتے ہو کوئی بھی اس خدائی، اس قدرت اور اس ہمہ گیر طاقت کا مالک ہے؟ اگر نہیں ہے تو پھر کیوں گمراہ ہوتے ہو۔ کیوں بہکے پھرتے ہو۔ سچ کو چھوڑ کر جھوٹ کی طرف اور راہ راست سے منہ موڑ کر کج مج پگڈنڈیوں پر مارے مارے پھرتے ہو۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

کفار کو یہ بات تو تسلیم تھی کہ تمام عالم کا خالق خدا ہے۔ لیکن محل نزاع یہ بات تھی کہ وہ حشر اجساد اور اعادۂ معدوم کے قائل نہ تھے۔ قیامت اور حیات ثانی کے منکر تھے پھر کیونکر طرز کلام وہ اختیار کیا جو اہل اقرار کے لئے مناسب تھا اور ایک اختلافی بات کو مسلمہ مسئلہ کے پیرایہ میں ظاہر کیا۔

ازالہ

جو بات مخالف کے نزدیک تسلیم نہو اور اُس کا ظہور اس حد تک پہنچ گیا ہو کہ تھوڑے غور کرنے کے بعد بھی اہل بصیرت کو یقین آسکتا ہو تو اہل بلاغت اُس کو بطور استفہام انکاری کے ذکر کرتے ہیں جس سے مخاطب کے دماغ کے باقی ماندہ شکوک کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ کفار اگرچہ اعادہ کے قائل نہ تھے اور حشر نشر کے منکر تھے لیکن جب روشن دلائل سے حشر کا ثبوت اس قدر ہو گیا کہ گویا حیات ثانی کا لزوم مثل بدیہی کے قرار پاگیا تو اُس کو بھی مسلمات میں سے قرار دیکر استفہام میں داخل کر دیا گیا۔

تیسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ہدایت کرنے والا ہے یعنی کل عالم کو اللہ ہی حق کا راستہ دکھاتا ہے۔ پتھروں کو درختوں کو کیڑوں مکوڑوں اور دوسرے چرندوں پرندوں درندوں کو اور سب سے بڑھ کر اُس نے انسانوں کو بقاءِ جسمانی اور بقاءِ نوعی کے بھی راستے بتا دیے اور روحانی و ادراکی سلامتی کی طرف بھی رہنمائی کی اُس کے سوا کون ہے جو پتھروں اور دوسرے جمادات کو یہ بات سکھاتا ہے کہ وہ اپنے صنفی اور نوعی ذرات کھینچکر اپنے اندر ملاتے ہیں اور پھر کس نے اُن کے اندر ایسی قوت عطا کی جو اُن کے ذرات کو پراگندگی و انتشار سے بچا کر یکجا سمیٹے ہوئے ہے۔ پتھر کے ذرات ہوا میں کیوں نہیں بکھر جاتے۔ سنگ خارا کے اندر سنگ مرمر میں سنگ مرمر یا قوت و نیلم کے ذرات کیوں نہیں گھس جاتے۔ یہ ہدایت

ان بیجان ذرات کو کس نے دی کہ وہ اپنے ہی ہم نوع ذرات کے ساتھ مل کر اپنے ہی نوع کا کوئی فرد تیار کرتے ہیں۔ درختوں کو کس نے بتایا کہ فضا اور سے ہوا کو اور مٹی کے اندر سے پانی کھاد وغیرہ کو جذب کریں۔ پھر ان کے اندر جو جاذبہ قوت ہے اسکو کس نے تعلیم دی کہ جذب کئے ہوئے اجزا کو اتنے زمانہ تک روکے رکھے کہ اُن میں تحلیل ہوکر نئی صورت کا کوئی جسم تیار ہو جائے۔ فضلات کو خارج کرنا اور جوہر اصلی کو برقرار رکھکر درخت کا جزو بنانا کس نے تلقین کیا۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ ایک کھاد ایک مٹی ایک ہوا سے صرف اختلاف جاذب کی وجہ سے مختلف نوع کے درخت پیدا ہوتے ہیں سیب کے درخت میں ایک ہی قسم کی غذا سیب کے درخت کی شکل قبول کرتی ہے اور وہی غذا انار کے درخت میں پہونچکر انار کے درخت کو بڑھاتی اور پرورش کرتی ہے۔ پھر ہر درخت اور ہر سبزہ کو ایسی جدا جدا قوت کس نے مرحمت کی کہ وہ اپنے ہی نوع کے مطابق رنگ، جسامت شکل اور پھل پیدا کرتی ہے یعنی کسی انار کے درخت کا رنگ سیب کے درخت کی طرح نہیں ہوتا۔ کوئی امرود کا درخت تاڑ کے درخت کی برابر نہیں پہنچتا۔ کسی سرو کے درخت کی شکل انار کے درخت کی طرح نہیں ہوتی اور کسی آم کے درخت میں بیر نہیں پیدا ہوتے یہ عرضی اور جوہری اختلافات ان کو کس نے سکھائے؟ پھر ہر کیڑے مکوڑے کو حصول رزق اور رہنے سہنے کا طریقہ کس نے بتایا پرندہ بندوق کو دیکھ کر کیسے یہ تصور قائم کرلیتا ہے کہ اس کے اندر سے ایک گولی نکلیگی اور میرے آکر لگیگی اور میں مرجاؤنگا لہذا اُڑ جانا چاہئے۔ دوستی دشمنی کے جذبات اور شہوت وغضب کی قوتیں جانوروں میں کس نے پیدا کیں؟ بقائے جسمانی و نوعی کے تمام قوانین ان کو کس نے پڑھائے؟ ان سے آگے انسانوں کے اندر تقدیمیہ کا سلسلہ کس نے قائم کیا۔ احساس شعور ادراک اور تعقل کس نے پیدا کیا؟ قوت عالمہ و عاملہ کے فرائض کی تلقین کس نے کی اور ان سب سے بڑھکر روح کائنات کے تصرفات مطلقہ کا اقرار اور تسخیر کی نگینیوں کا اعتراف کل کائنات کے ذرہ ذرہ کو کس نے تعلیم دیا؟ یہ سب کار فرمائی اللہ کی ہے۔ کیا فرضی شرکاء الوہیت میں سے کوئی بھی ایسا کر سکے۔ اُن کو تو خود بھی اپنا ہوش نہیں۔ وہ تو اپنے ہر فعل وعمل میں محتاج ہیں رہنمائی اور ہدایت تو بجائے خود رہی وہ خود دوسروں کے دست نگر ہیں۔ تو اب مقام غور ہے کہ وہ خدائے برتر جو ہادی مطلق ہے خدانیت نجات فطری اور سلامتی روح و نفس کا راستہ بتانے والا ہے۔ معبود مسجود اور رب ہونے کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے یا یہ مجبور بیکس بے بس مخلوق۔ ذرا بتلاؤ کہ جسکو ذرا بھی سمجھ ہے وہ ان دونوں میں سے کس کی پیروی کریگا نعوذباللہ اور نے عقل نہیں ہو پھر کیوں بے عقل بنتے ہو۔ کیونکہ ایسا فیصلہ کرتے ہو جو فطرت عالم کے خلاف ہے جس سے مخلوق کو خالق بے بس کو قادر اور ممکن فانی کو قدیم سرمدی کا ہم پلہ قرار دیتے ہو۔ اس سے آگے فرماتا ہے کہ ان میں سے اکثر

لوگ اپنے دماغی اختراعات کی پیروی کرنے والے ہیں اور دماغی تراش خراش حقائق واقعیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی یعنی کچھ لوگ تو اندھے اور بعضہم مقلد ہیں اُن کو اس بات کا بھی شعور نہیں کہ ہمارا کیا مسلک کیا طریقہ اور کیا مذہب ہے ہم کس کی پرستش کرتے ہیں اور پرستش کیا چیز ہوتی ہے۔ دوسرا فرقہ تو وہ بھی عقل وبصیرت سے بیگانہ ہے۔ وہمیات کو عقلیات اور ظنیات کو حقائق سمجھے بیٹھا ہے حقانیت و نفس الامر سے اُس کا کوئی سروکار نہیں۔ دماغ نے جو بات بھی بمشارکت وہم گھڑلی وہی اُس کے نزدیک حق اور واجب القبول ہے مگر حق کا حصول گمان وتخمین سے اور صداقت واقعیہ کا اخذ وہم وتخیل سے ناممکن ہے۔ حصول حق کے لئے روشن عقل فطری نور سلیم بصیرت الہام روحانی اور وحی ربانی کی ضرورت ہے۔ وہ حواس جو مادی کثافتوں میں آلودہ ہیں کیا حقانیت کا وجدان کرسکتے ہیں۔

مقصود بیان:- استدلالی اور برہانی شکل میں وحدانیت والوہیت کا اثبات۔ تخلیق وتربیت آغاز وانجام اور ہدایت ورہنمائی کے کل اختیارات کا مالک ظاہر کرکے ہر قسم کے شرک کی بیخ کنی۔ اس امر کی صراحت کہ مجبور وبیکس قابل معبودیت نہیں۔ خلاق مطلق اور قادر حقیقی ہی لائق الوہیت ہے۔ آیت میں صریح دلیل ہے اس بات پر کہ عقائد میں خالی گمان کافی نہیں بلکہ امر یقینی اور ادراک عقلی ہونا چاہئے۔ جملہ افعال کا خالق خدا ہے۔ راہ راست وہی ہے جو خدا نے بتائی ہو اور وہ راہ اسلام ہے۔ انسانی ہوش وحواس راہ حقیقت تلاش کرنے کے لئے کافی نہیں جب تک الہام الٰہی اور وحی ربانی نہ ہو۔ لہذا کافروں کا یہ گمان غلط ہے کہ ہم کو بھی معرفت الٰہی حاصل ہے۔ وغیرہ۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ

یہ قرآن ایسا نہیں کہ سوائے خدا کے کوئی اپنی طرف سے

دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ

بنا لے بلکہ یہ تو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق

يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

اور شریعت کی تفصیل ہے اس میں کوئی شک نہیں

مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ

یہ رب العالمین کی طرف سے ہے کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسکو خود

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ

بنالیا ہے۔ کہدو کہ اچھا تم اگر سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ

اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

اور اللہ کے علاوہ جس کو بلا سکو بلا لو

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ

بات صرف یہ ہے کہ جسکے سمجھنے پر ان کو قابو نہ ہوا اور جسکی حقیقت ان کے

تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(دماغ میں) نہ آئی اسکی تکذیب کرنے لگے اسی طرح ان سے پہلے والے بھی تکذیب کرتے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ○

رہے ہیں مگر دیکھ لو ظالموں کا انجام کیسا ہوا

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ اکثر کفار اپنے گمان اور دماغی ایجاد کی پیروی کرتے حقیقت اور نفس الامر سے اُن کا کچھ تعلق نہیں۔ کفار کا اختراع دماغی چند طور پر تھا۔ اللہ کی ذات وصفات کے متعلق، رسالت ونبوت کے متعلق، قیامت کے متعلق، قرآن کے متعلق، اول الذکر تینوں شقوق کی وضاحت پُر اثر بیان کے ساتھ کردی گئی۔ اب مؤخر الذکر کی وضاحت ان آیات میں بیان فرماتا ہے۔ قرآن کو وہ لوگ انسانی کلام جانتے تھے اسکی تردید چار صورتوں سے فرماتا ہے:۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے، پرورش پائی جوان ہوئے، درمیان عمر کو پہنچے، نہ کسی سے پڑھا نہ لکھا، نہ علماء سے میل جول کے مواقع میسر آئے، اس کے باوجود ایک ایسی کتاب پیش کی جس میں گذشتہ آسمانی کتابوں کے تمام اصول کی تائید ہے جو عقائد واصول احکام دوسری آسمانی کتابوں میں موجود ہیں وہ ہی اس میں موجود ہیں۔ اگر قرآن خدا کا کلام نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر تحصیل علم کئے اور بلا پڑھے لکھے اور بدون اختلاط علماء کے کیسے معلوم ہوگیا کہ سابقہ کتب میں بھی یہی احکام وعقائد بیان کئے گئے ہیں۔

(۲) اللہ نے اپنے بندوں کے واسطے جو احکام مقرر کردیے ہیں اُن کی پوری تفصیل قرآن میں ہے یعنی معنوی اعتبار سے بھی قرآن کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہے کیونکہ اس کے اندر جو تعلیم دی گئی وہ فطرت الٰہیہ اور قانون قدرت کے موافق ہے کوئی انسانی کتاب ایسی نہیں ہوسکتی کہ اُس کے کل مضامین مطابق قدرت اور قانون نیچر کے موافق ہوں۔ قرآن کے کل مضامین لوح محفوظ یعنی لوح فطرت کے مطابق ہیں۔

(۳) قرآن کے الفاظ، الفاظ کی ترکیب، کلام کی رفتار، احکام کی تفصیل، گذشتہ واقعات کے بیان، آئندہ امور کے متعلق پیشین گوئی، اللہ کی ذات وصفات کے متعلق عقیدہ، قیامت حشر نشر عذاب ثواب کے متعلق توضیح۔ غرض کل مضامین میں اہل بصیرت کو سر مو شک کی گنجائش نہیں۔ قرآن نے جو قواعد اصلاح مقرر کئے اُن سے بہتر قوانین آج تک دنیا کے عقلاء نہ پیش کرسکے۔ قرآن نے گذشتہ واقعات کی جو تفصیل کی اہل تاریخ اُس سے انکار نہ کرسکے۔ قرآن نے آئندہ امور کے متعلق جو پیشین گوئیاں کیں واقعات نے اُن کو صحیح ثابت کردیا۔ قرآن نے اصلاح بشری کے لئے جن باتوں کی تعلیم دی اہل عقل نے اُن کے اصلاحی ہونے کو تسلیم کیا۔ یہ تمام امور بتلاتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

(۴) قرآن دعوت مقابلہ دے رہا ہے۔ بلاغت کلام اور صحت مضامین کے لحاظ سے قرآن اپنے کو بے نظیر کہتا ہے اور الہامی ہونے کا مدعی ہے۔ جس کسی کو شک ہو وہ مقابلہ کے لئے تیار ہوجائے۔ اپنے تمام مددگاروں کو بلالے جہانتک ممکن ہو اپنے ہمنوا شعراء، بلغاء، زبان آوراور فلسفی دماغ رکھنے والے علماء کو جمع کرلے اور سب سے درخواست کرے کہ تبادلۂ خیال کے بعد بالاتفاق کوئی حصۂ کلام جو قرآن کی تین ہی آیات کی برابر ہو اسکی طرح بناکر لے آؤ۔ اگر قرآن انسانی کلام ہے تو تم بھی انسان ہو۔ فصاحت، بلاغت طلاقت کہانت اور شاعری کا دعوی ہے، قرآن کو بھی شاعری اور کہانت کہتے ہو، لہذا کوشش کرو کہ ایک ہی سورت بنالو۔ جب مقابلہ ناممکن ہے تو ہتھیار ڈالدو اور قائل ہوجاؤ کہ قرآن کی ساخت انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ اس سے آگے کفار کی حماقت پر ریمارک کرتا ہے جسکی توضیح یہ ہے کہ قرآن کے اندر دو چیزیں ہیں (۱) گذشتہ واقعات کا تاریخی بیان، سابقہ اقوام کی تباہی کا اظہار اور اُس سے عبرت اندوز ہونے کی دعوت۔ اللہ کی توحید ذاتی وصفاتی کی تفصیل۔ ضرورت رسالت کی تحقیق۔ وجود ملائکہ کا اثبات۔ اُن قوانین پر عمل کرنے کی تعلیم جو عالم میں امن پھیلانے اور فساد مٹانے کے ذمہ دار ہیں۔ فرائض انبیاء وحقوق عباد کی ادائیگی وغیرہ (۲) آئندہ امور کے متعلق پیشین گوئیاں خواہ اُن آئندہ امور کا تعلق دنیوی واقعات سے ہو جیسے فتوحات ملکیہ۔ یا بعد الموت سے ہو۔ کفار نے قرآن کو سننے کے ساتھ ہی بلاسوچے تکذیب کردی اور بالاتفاق پکار اٹھے غلط غلط۔ حالانکہ اُن کو سوچنا سمجھنا اور غور کرنا چاہئے تھا قرآنی حقائق وعلوم کی تحقیق کرنی چاہئے تھی معارف قرآنیہ کی تحصیل لازم تھی۔ اس کے بعد جو بھی فیصلہ کرتے وہ کرتے۔ پھر آئندہ واقعات کے متعلق پیشین گوئیوں کے جانچنے کا تو اُن کو موقع ہی نہ آیا تھا۔ باوجود موقع نہ آنے کے اُن کی بھی تکذیب کر بیٹھے۔ یہ انکی سراسر حماقت تھی۔ اُنھوں نے وہی رنگ ڈھنگ اختیار کیا جو اُن سے پہلے دوسری قومیں اختیار کرچکی تھیں، جو سلوک سابقہ اقوام نے اپنے زمانہ کے انبیاء سے کیا وہی کفار عرب نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ کیا بالکل اُنہی کے نقش قدم پر چلے۔ لہذا نتیجہ بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ جو نتیجہ سابقہ اقوام کا ہوا

وہی ان کا ہوگا۔ اُن کو برباد کر دیا گیا یہ بھی برباد کر دیے جائینگے۔ اُن کا نام نشان مٹ گیا ان کا بھی مٹ جائے گا۔ وہ دوامی جہنمی ہوئے یہ بھی ہمیشہ کے لئے جہنم رسید ہوں گے۔

مقصود بیان:۔ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا مدلل ثبوت۔ اس بات کی طرف اشارات کہ کسی کتاب کے الہامی ہونے کی جانچ کے لئے چار باتوں کو دیکھنا چاہئے (۱) اُس کے مضامین سالقہ کتب الٰہیہ کے مضامین کی اصولی تائید کرتے ہیں یا نہیں (۲) کتاب فطرت کے احکام و تعلیم کے مطابق اُسکی تعلیم ہے یا نہیں؟ قوانین نیچر کی خلاف ورزی کی گئی ہے یا نہیں؟ (۳) اصحاب بصیرت اور عقل سلیم رکھنے والے غور و فکر کے بعد اُس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ کیا تقلیدی تعصب کی پٹی آنکھوں سے کھول کر چشم دانا سے دیکھنے والے اُسکی صداقت و حقانیت کے قائل ہیں یا نہیں؟ (۴) اُس کتاب کی طرح کوئی کتاب الفاظ و معانی کے اعتبار سے پیش کرنا طاقت بشری سے بالاتر ہے یا نہیں؟ انسانی دماغ اور دماغ کی کل طاقتیں ایسی کتاب بنانے سے عاجز ہیں یا نہیں؟۔ اگر چاروں باتوں کا جواب اثبات میں ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کتاب آسمانی ہے۔ اور اگر جواب نفی میں ہو تو وہ کتاب الہامی نہیں ہے خود ساختہ ہے۔ قرآن ان چاروں علامات کا حامل ہے لہذا الہامی ہے۔ آخری آیت سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ قرآن کی صداقت و حقانیت جانچنے کے لئے پہلے اُس کو سمجھنا سوچنا اور اُس کے معارف و حقائق کو حاصل کرنا لازم ہے۔ وغیرہ۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ

ان میں سے بعض لوگ تو اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض لوگ

لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ؀ ع

ایمان نہ لائیں گے اور تمہارا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ

اب بھی اگر تمہاری تکذیب کئے چلے جائیں تو تم کہدو میرا کرنا میرے لئے اور تمہارا

عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَ

کرنا تمہارے لئے میرے کام کے تم ذمہ دار نہیں اور

اَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ؀ وَمِنْهُمْ مَّنْ

تمہارے کام کا میں ذمہ دار نہیں۔ ان میں سے بعض لوگ

يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ

سننے کے لئے تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے اگرچہ

كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ؀ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ

وہ نہ سمجھتے ہیں اور بعض لوگ ان میں سے تمہاری طرف

اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا

دیکھتے ہیں تو کیا تم اندھوں کو راہ دکھاؤ گے اگرچہ اُن کو

لَا يُبْصِرُوْنَ ؀ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ

سوجھتا نہ ہو بلاشبہ اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں

شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ؀

کرتا بلکہ لوگ ہی اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں

تفسیر ان آیات کی تفسیر مفسرین نے دو طرح کی ہے اول تو یہ کہ مِنْهُمْ میں هُمْ کی ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہے اور يُؤْمِنُ صیغہ مضارع بمعنی حال کے ہے اور ایمان سے مراد شرعی ایمان نہیں بلکہ صرف تصدیق قلبی اور یقین مراد ہے۔ دوسری تفسیر یہ کہ هُمْ سے اہل مکہ ہی مراد ہیں اور يُؤْمِنُ صیغہ مضارع بمعنی استقبال ہے اور ایمان سے شرعی ایمان مراد ہے۔ اس صورت میں پیشین گوئی ہوگی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

اول تفسیر کی بناء پر حاصل ارشاد یہ ہے کہ اہل مکہ میں سے بعض لوگ دل سے یقیناً رسول کو سچا جانتے ہیں لیکن محض عناد اور خاندانی دشمنی کی وجہ سے زبان سے صداقت کا اقرار نہیں کرتے۔ قرآن کی خبروں کا بارہا تجربہ کیا اور ان کی سچائی کو دیکھ کر دل سے معترف بھی ہوئے مگر سرکشی اور کینہ پروری نے زبانی تسلیم سے روک دیا۔ چنانچہ ابوجہل اسی شرم و عار سے انکار کرتا تھا کہ اگر ہم لوگ ایمان لے آئینگے تو بنی ہاشم کے تابع ہونا پڑیگا باوجودیکہ ہم اُن کی برابر تھے اور یہ اقرار کرتا تھا کہ بیشک محمدؐ سچے ہیں مگر ہم نے کوشش کر کے اُن کی برابری حاصل کر لی ہے۔ اب ہم بنی ہاشم کے تابع نہیں ہونگے۔ ہاں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دل سے ہی قرآن اور رسول کو سچا نہیں جانتے اپنی کج فہمی اور غباوت کی وجہ سے تکذیب کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں گروہ مفسد ہیں۔ ایک دیدہ دانستہ یقین کرتے ہوئے ظلمت کفر سے نور اسلام کو چھپانا چاہتا ہے اور دوسرا اپنی کوتاہ فہمی اور تاریکی دماغ کی وجہ سے شرک کا فساد اور کفر کی تباہی پھیلانے پر تلا ہوا ہے۔ اللہ ان مفسدوں کو خوب

فرماں بردار اور اطاعت شعار ہو۔ اہل تصوف نے بھی محبت و اطاعت کو مدار ولایت قرار دیا ہے۔ اسی آیت میں اولیاء کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے کہ جو لوگ اہل ایمان و تقویٰ ہیں وہ اولیاء اللہ ہیں۔ ایمان کے مختلف مراتب ہیں:۔ ایمان بالغیب، ایمان بالمعرفت، ایمان بالیقین ایمان بالحق۔ اسی طرح تقویٰ کے مدارج بھی غیر محصور ہیں۔ ابتدائی درجہ یہ ہے کہ مومن شرک سے پرہیز کرے اور انتہائی درجہ یہ کہ غیر اللہ سے منہ موڑ کر اپنے پرائے بلکہ اپنی ذات کو چھوڑ کر دنیا و مافیہا سے رشتہ توڑ کر محض اللہ سے تعلق جوڑے، دل اور روح پر محبت الٰہی کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ اللہ کی ذات و صفات میں محو ہو کر فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کے درجہ پر پہنچ جائے اس مختصر بیان سے واضح ہو گیا کہ ایمان و تقویٰ کے مراتب کے اختلاف سے اولیاء کے مراتب بھی متفاوت ہیں۔ ہر مومن بھی ولی ہے اور ایمان و تقویٰ کی انتہائی چوٹی پر پہنچنے والا بھی ولی ہے۔ ناقص و کامل اور ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق ہے لیکن ولایت کے ابتدائی درجہ پر فائز ہونے کے لئے بھی ایمان و اطاعت شرط ہے۔ اوپر والے درجات کا تو ذکر ہی کیا ہے کوئی شخص بغیر شرعی ایمان و عبادت کے ولی نہیں بن سکتا وہ جھوٹا ہے جو صوفیوں کو احکام شرع سے مستثنیٰ سمجھتا اور کہتا ہے کہ شریعت طریقت سے جدا چیز ہے ورحقیقت دونوں ایک ہی ہیں۔ آغاز کا نام شریعت اور ترقی کرتے کرتے انتہا پر پہنچنے کا نام طریقت حقیقت اور معرفت ہے۔

ابوالسعود کا قول ہے کہ تقویٰ کے مراتب متعدد ہیں۔ ابتدائی مرتبہ یہ ہے کہ شرک سے پرہیز کرے اگرچہ اُس سے گناہ سرزد ہو اور انتہائی درجہ یہ ہے کہ طاعت پر قائم ہو، گناہوں سے اجتناب کرے، شبہات سے دور رہے اور طریق سنت پر مستقیم ہو۔ یہاں آخری مرتبہ مراد ہے

ابو حنیفہؒ اور شافعی کا قول ہے کہ اگر علماء اولیاء نہیں تو پھر کوئی ولی نہیں۔ نووی نے کہا یہ اُن عالموں کا ذکر ہے جو علم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ قشیری کا قول ہے جس طرح نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح محفوظ ہونا ولی کی شرط ہے۔ پس جس پر شرع کا اعتراض ہو وہ فریب خوردہ اور فریب دہندہ ہے ولی نہیں۔ ولی وہی ہے جس کے افعال و اقوال شرع کے موافق ہوں۔ سعید بن جبیرؓ اور ابن عباسؓ نے فرمایا اولیاء الٰہی وہی بندے ہیں جن کے دیکھنے سے اللہ کی یاد آئے یہ پہچان اُن کی پیشانی اور آثار سے ہوتی ہے۔ ایک مرفوع حدیث بھی اسی مضمون کی ہے جسکو بزار نے روایت کیا ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے حضور اقدس ؐ نے فرمایا بعض بندے ایسے ہیں جن پر انبیاء و شہداء غبطہ کرینگے۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے بغیر مالی اور نسبی شرکت کے اللہ کے واسطے باہم محبت کی ہوگی اُن کے چہرے نورانی ہونگے اور نور کی کرسیوں پر وہ متمکن ہونگے۔ لوگوں کے خوف کے وقت اُن کو خوف نہ ہوگا اور لوگوں کے غم کے وقت اُن کو غم نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضور ؐ نے آیت اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ الخ تلاوت فرمائی (رواہ ابن جریر و صحح الحاکم و ابوداؤد و ابن ابی حاتم و البیہقی عن عمر بن الخطاب ایضاً وقال الحافظ اسنادہ جید) عمرو بن جموع سے مروی ہے کہ اُسی وقت بندہ کا ایمان خالص ہوتا ہے جب اللہ ہی کے واسطے محبت اور اسی کے واسطے بغض کرے۔ بندہ نے جب ایسا کیا تو اللہ کی طرف سے ولایت کا مستحق ہو گیا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں سے میرے اولیاء اور میری خلق میں سے میرے احباء وہ ہیں جو میری یاد میں رہتے ہیں اور اُن کی یاد کے وقت میں اُن کو یاد کرتا ہوں (رواہ احمد وغیرہ)

بُشریٰ اس سے مراد یا تو سچے خواب اور مکاشفات ہیں یا وہ خوشی مراد ہے جو موت کے وقت اولیاء کرام کو حاصل ہوتی ہے۔ اس قفس جسمانی سے اُن کی ارواح کو نجات ملتی ہے۔ محب و محبوب کا درمیانی حجاب اٹھ جاتا ہے، وصال حبیب کا وقت آجاتا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جب ابن ملجم نے نیزہ یا خنجر مارا تو بے ساختہ آپ نے فرمایا فزت ورب الکعبۃ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ پھر جب وفات کا وقت آیا اور محبوب حقیقی کے جمال باکمال کی ضیا پاشی شروع ہوئی تو فرمایا جاء الحبیب۔ کلام مجید ناطق ہے کہ مرنے کے وقت اولیاء کے سامنے خوبصورت فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں کچھ نہ ڈرو اپنے مہربان مالک کے رضوان میں چلو۔ یا اس سے مراد جنت کی وہ خوش خبری ہے جو پروردگار عالم نے اپنے اولیاء کو الہامی کتابوں میں دی ہے۔ قرآن پاک میں بھی آیا ہے يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ۔ وغیرہ

كَلِمٰتِ اللّٰهِ سے مراد وعدۂ الٰہی اور قانون قدرت ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔ جو لوگ اللہ کے دوست ہیں جنہوں نے تن من اللہ کی راہ میں قربان کر دیا ہے جن کو رضاء مولیٰ کے علاوہ کسی بات سے سروکار ہی نہیں، جن کی زندگی اور موت دشمنی اور دوستی سب اللہ ہی کے واسطے ہے۔ غرض جو لوگ اولیاء اللہ ہیں مرنے کے بعد اُن کو کسی آئندہ مصیبت کا خوف یا گذشتہ بات کا رنج نہ ہوگا۔ دنیا میں بھی اُن کی زندگی جذبات حزن و خوف سے پاک ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی وہ ان باتوں سے آزاد ہونگے اور صرف نجات آخرت ہی پر بس نہیں بلکہ دنیا و آخرت دونوں میں اُن کے لئے خصوصیت کے ساتھ نجات و کامرانی کی بشارت ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے یہ وعدہ الٰہی ہے جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔

مقصود بیان:۔ اولیاء کے معنی کی توضیح کہ جو لوگ ایماندار اور متقی ہیں وہی اولیاء اللہ ہیں۔ اولیاء کے مراتب کا بیان۔ اس امر کی صراحت کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اُس کا ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا میں

بھی شاد و بامراد رہتا ہے اور آخرت میں بھی بے خوف و مطمئن۔ اس امر کی کی تصریح کہ وعدۂ الٰہی کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔ اللہ کے قول میں کذب محال ہے، قانون قدرت اٹل ہے نیکی کا بدلہ بھی نیک ہونا لازم ہے۔ وغیرہ

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ

(اے محمدؐ) تم کو ان کی بات غم میں نہ ڈالے واقعی سارا غلبہ اللہ کو ہے

جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ أَلَا إِنَّ

وہی سنتا اور جانتا ہے خوب سن لو کہ

لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ

آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہیں وہ اللہ ہی کے ہیں

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ

جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر شریکوں کو پکارتے ہیں وہ کس کے پیچھے

اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ

پڑے ہوئے ہیں بس وہ تو اپنے خیال کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں

وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ هُوَ الَّذِي

اور نری انکلیں دوڑاتے ہیں اللہ وہی ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَ

رات کو تمہارے آرام کے لئے بنایا اور

النَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

دن کو روشن بنایا اس میں گوش (ہوش) رکھنے والوں

لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ۝

کے لئے نشانہائے قدرت ہیں

تفسیر مشرکین عرب توحید سے منہ موڑ کر صفات الٰہیہ میں دوسروں کو شریک قرار دیتے باری تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کرتے اور رسولِ برحق کو ساحر کاہن اور شاعر کہتے۔ سخت کلامی سے پیش آتے یہ تمام امور کفار کی تباہی اور ابدی بربادی کے اسباب تھے۔ حضور اقدسؐ رحمۃ للعالمین تھے۔ بندگانِ خدا کو تباہی کے غار میں گرتا دیکھکر سخت غمگین ہوتے۔ پھر باری تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں سن کر مزید رنجیدہ ہوتے اس لئے یہ آیتِ کریمہ حضورؐ کی تسلی دینے اور کفار کو ان کے باطل عقیدہ پر تنبیہ کرنے کے لئے نازل فرمائیں۔ جن کا ارشاد یہ ہے کہ:۔

کفار کو اپنی دولت قوت اور جاہ و جلال پر ناز ہے۔ یہ کمزور مسلمانوں کو ستانے اور اہل حق کی دل آزاری کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے متعلق مغرورانہ الفاظ زبان سے نکالتے ہیں۔ اے رسول آپ کو ان بیہودہ حرکات سے کچھ رنجیدہ نہ ہونا چاہئے۔ ان کی کوئی عزت حاصل نہیں۔ عزت اور غلبہ تو کامل طور پر اللہ ہی کو حاصل ہے۔ اور وہ آپ کا مددگار ہے۔ لامحالہ آپ کو ان پر غلبہ عطا کریگا اور ان کی سرکشیوں کی سزا دیگا۔ وہ ان کے تمام اقوال و اعمال کو سنتا اور جانتا ہے، اور ان کے انجام سے بھی واقف ہے۔ رہا کافروں کا یہ گمان کہ ان کے باطل معبود اور مصنوعی شرکاء الوہیت کچھ اختیار و قوت رکھتے ہیں اور نقصان نفع پہونچانے کی ان میں طاقت ہے۔ یہ محض باطل گمان ہے۔ کیونکہ کل عالم میں جو عظیم الشان و دانشمند کا شانہ ہے اور جو کمزور و بے عقل ہستیاں ہیں سب اللہ کی مملوک مخلوق مسخر اور مطیع حکم ہیں کسی کو سرتابی کی مجال نہیں پھر معبود و مسجود ہونے کا استحقاق سوائے خدا کے کسی اور کو کس طرح ہو سکتا ہے۔ درحقیقت شریک الوہیت کوئی ہے ہی نہیں محض ان کا گمان ہے برہان و دلیل سے منہ موڑ کر یہ لوگ فقط گمان وہم کے پیچھے پڑے ہیں گمان و تخمین قائم کرلیا کہ اللہ کے سوائے دوسرے معبود نفع نقصان پہونچا سکتے ہیں۔ لہذا ان کی پرستش کرنے لگے۔ یہ معبود پرستی نہ ہوئی بلکہ وہم پرستی ہوئی ان کو اتنا نہیں سوجھتا کہ رات اور دن تو اللہ نے بنائے سکون و چین کے لئے رات کو تاریک بنایا اور کام کاج کے لئے دن کو روشن پیدا کیا۔ گویا ایجاد کے علاوہ تربیت و ابقاء کا بھی اسی نے سر و سامان کیا۔ پھر ایسے قادر مربی خالق کو چھوڑ کر معتذر مربوب مخلوق کی پرستش کرنا کتنا احمقانہ فعل ہے

مقصود بیان:۔ عزت و غلبہ ہمیشہ حق و اہل حق کو حاصل ہوتا ہے۔ باطل پرستوں کی طرف سے دل آزاری اور ستم شعاری پر رنج نہ کرنا چاہئے کل عالم اللہ کا مملوک و مخلوق ہے۔ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ کا لفظ کہنے سے اس طرف اشارہ کیا کہ کفار بہت زیادہ احمق ہیں باوجود ذی ہوش اور صاحب دانش ہونے کے ایسی مخلوق کی پرستش کرتے ہیں جو بے عقل اور عاجز محض ہے۔ وہم و گمان کی پرستش حرام ہے۔ قابل اتباع وہی بات ہے جو عقلاً و نقلاً قطعی ہو۔ رات کی تاریکی سکون جسمانی و روحانی کا باعث ہے اور دن کی روشنی کاروبار اور ذرائع معاش کے حصول وغیرہ کے لئے مفید ہے گویا انسانی زندگی کا مدار سکون و حرکت پر ہے اور سکون و حرکت کے لئے شب و روز کا وجود لازم ہے۔ نور و ظلمت دونوں وجودی چیزیں ہیں یہ کہنا غلط ہے کہ ایک عدمی اور دوسرا وجودی ہے وغیرہ۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ

وہ کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنا رکھا ہے — وہ تو پاک

الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

بے نیاز ہے — جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اُسی کا

الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

ہے — تمہارے پاس اُس کی کچھ بھی دلیل نہیں

بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا

ہے — کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس سے

لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ

تم خود ناواقف ہو — (اے محمدؐ) کہہ دو کہ جو لوگ

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ

اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں — وہ کامیاب نہ ہوں گے

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

دنیا میں تھوڑے سے مزے اڑانا ہے پھر ان سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے

ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ

ہم اُن کے کفر کی پاداش میں — سخت عذاب کا

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ع ۱۳

مزہ چکھائیں گے

تفسیر — عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح نعوذ باللہ اللہ کے بیٹے تھے اسی طرح بعض مشرکین عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اب بھی عملی طور پر ہندو ازم دیوتاؤں اور دیویوں کا قائل ہے جن کے اندر خدا کا حلول کرنا تسلیم کیا جاتا ہے اور بعض لوگ تو عملی طور پر اُن کو خدا کی اولاد مانتے ہیں۔ اوپر کی آیت میں عام شرک کی تردید ہوئی اور دلائل کے ساتھ کی گئی آیات میں خاص طور پر ابوت و بنوت کے عقیدہ کی بیخ کنی فرماتا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:- اللہ تین صفات سے متصف ہے جن میں سے ہر ایک عقیدۂ ولادت کے استحالہ کے لئے کافی ہے (۱) اللہ کی ذات تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہے۔ ہر قسم کے عیب اور نقصان سے پاک ہے اُس کی ذات کی تکمیل کے لئے کسی حالت منتظرہ کی ضرورت نہیں اور بیٹے کا وجود خود دلالت کرتا ہے کہ ایک وقت میں باپ کا وجود تھا اور بیٹے کا نہ تھا۔ باپ بیٹے سے ہمیشہ مقدم ہوتا ہے۔ گویا ایک وقت میں باپ کو صاحب ولد نہیں کہا جاتا تھا جب اولاد ہو گئی تو صاحب ولد کہنا صحیح ہوا جس کا مدعا یہ ہوا کہ بعض تکمیلی صفات باپ میں پہلے موجود نہ تھیں وجود ولد کے بعد پیدا ہو گئیں اور اللہ کی شان میں کسی تکمیلی صفت کا عدم ماننا اُس کی ذات کی تنقیص ہے۔ حالانکہ اُس کی ذات ہر عیب و نقصان سے پاک ہے۔ پھر کس طرح اسکو صاحب اولاد قرار دیا جا سکتا ہے اور کیوں اُسکی ذات کو ناقص مانا جاتا ہے (۲) بیٹے کی ضرورت دو بناء پر ہوتی ہے ایک تو بقاء نوع کے لئے ایک شخص ہمیشہ زندہ اور قائم نہیں رہ سکتا بقاء شخصی محال ہے اب اگر سلسلۂ توالد و تناسل جاری نہ ہو تو کچھ زمانہ کے بعد نوع کا ہی خاتمہ ہو جائیگا۔ لامحالہ سلسلۂ نوعی کے بقاء کے لئے بیٹا بیٹی اور پھر اُن کی نسل در نسل کی ضرورت ہے دوسرے اُس وقت اولاد کی ضرورت ہوتی ہے جب باپ ضروریات کی تکمیل بذات خود نہ کر سکے۔ فرائض و مہمات کی ادائیگی کامل طور پر نہ کر سکے۔ کسی دستگیر اور معاون کا محتاج ہو۔ اللہ ان دونوں نوعیتوں سے بے نیاز ہے نہ تو اُسکو اپنی نوع کے بقاء کی ضرورت ہے کیونکہ وہاں نوع اور شخص ایک ہی ہیں اُس کی ذات کو فناء، عدم اور زوال کا احتمال ہی نہیں وہ ابدی سرمدی قدیم لم یزل ہے واجب الوجود ہے عدم کو اُسکی ذات کی طرف راستہ ہی نہیں مل سکتا لہذا اُس کو اولاد کی ضرورت نہیں۔ پھر وہ اپنی کارسازی اور خلاقی میں بے نیاز ہے۔ رزاقی، تربیت، ایجاد اور ابقاء میں کسی کا محتاج نہیں۔ تمام مشاغل الوہیت خود ہی سرانجام دیسکتا ہے اور دیتا ہے اور دیتا رہے گا اُسکو اولاد کی کیا ضرورت (۳) نتیجہ توالد یہ ہے کہ نوعی افراد کا اضافہ ہو جاتے ایک گھوڑے سے مختلف گھوڑے، ایک آدمی سے چند آدمی، ایک خاص نوع کے پرندہ سے اُسی نوع کے چند پرندے پیدا ہو جائیں لیکن اللہ کی شان میں اس بات کا احتمال بھی نہیں آسمان و زمین یعنی کل عالم میں اس کا ہم نوع ایک بھی نہیں۔ جو کچھ ہے اس کا مملوک مخلوق اور مسخر ہے۔ ہر اولاد باپ کی ہم نوع ہوتی ہے اور مملوک و مخلوق نہیں ہوتی۔ باپ بیٹے کا خالق نہیں ہوتا، بلکہ بیٹا اس کا جزو ہوتا ہے۔ اللہ ہر چیز کا مالک خالق اور حاکم مطلق ہے۔ پھر کیونکر کوئی مخلوق اُس سے رشتۂ تولد قائم کر سکتی ہے۔ اس سے آگے مطلب یہ ہے کہ یہ تو استحالۂ ولادت کے دلائل ہیں، تمہارے پاس اپنے عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے کیا دلیل ہے۔ اگر کوئی دلیل ہو تو پیش کرو۔ جب عقیدہ کا کوئی عقلی نقلی ثبوت نہیں تو کیوں اللہ پر بہتان تراشی کرتے ہو۔ جو بات نہیں جانتے اس کو کیوں اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو۔

اچھا ہی کی صداقت رسالت اور دعوی کی سچائی کا ایک اور واضح ثبوت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں ان کو دین دنیا میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اور رسول کو شبانہ روز بہبودی دکامرانی حاصل ہے تم دلائل و براہین قوت اور حجت میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے پھر کیوں اپنے عقیدہ پر اڑے ہوئے ہو اور کیوں تعلیم رسول کو سچ نہیں جانتے اب رہی یہ بات کہ تم دولتمند اور فارغ البال ہو اور مسلمان مفلس و نادار ہیں تو اس سے اپنی کامیابی نہ سمجھو کیونکہ یہ چند روزہ عیش و طرب ہے کچھ دنوں مزا اڑا لو آخر سب کو خدا کے سامنے پہونچکر اپنی کفر طرازیوں کی سخت ترین سزا بھگتنی ہے۔

مقصود بیان:- دستحالہ تو الدکی پر اثر دلائل کا بیان۔ ضرورت تو الد پر اجمالی تبصرہ۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ عقائد قائم کرنے کے لئے عقلی نقلی دلیل کی ضرورت ہے۔ اعتقادی امور میں تقلید کرنی ناجائز ہے جس قول و فعل پر شرعی دلیل نہ ہو وہ جہالت ہے آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اہل ایمان جن باتوں پر اعتقاد رکھتے ہوں اُن سب کا ثبوت قطعی دلائل سے ہونا چاہئے (کذا ذکرہ البیضاوی) اللہ پر دروغ بندی کرنیوالے کو فلاح آخرت نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ ظالم نہیں کہ کافروں کو خواہ مخواہ عذاب دے بلکہ اُن کے کفر کی پاداش میں اُن پر عذاب ہوگا۔ وغیرہ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ۘ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ

اور اُن کو نوح کا قصہ سُناؤ جبکہ نوح نے اپنی قوم سے کہا

يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي

اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا

وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ

اور آیات الٰہی کو سمجھانا ناگوار گذرا ہے تو میرا بھروسہ تو اللہ ہی پر

تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ

ہے تم سب اپنے کام کو اور شریکوں کو جمع کرلو

ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ

تاکہ پھر تمہارے کام میں تمہارے لئے کوئی اشتباہ نہ رہے پھر

اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝ فَإِنْ

میرے ساتھ سب کچھ کر گذرو اور مہلت نہ دو اسکے بعد بھی اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ

تم رخ پھیرے ہی رہو (تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی) کیونکہ میں نے تم سے کوئی

أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ

معاوضہ نہیں مانگا میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور فرمانبردار رہنے کا

مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ

مجھے حکم دیا گیا ہے۔ غرض لوگوں نے نوح کی تکذیب کی تو ہم نے اسکو

وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ

اور اس کے ساتھیوں کو کشتی میں بچا لیا اور اُن کو جانشین بنایا

وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی اُن کو غرق کردیا

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ۝

سو دیکھ لو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا اُن کا انجام کیسا ہوا

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَىٰ

پھر نوح کے بعد ہم نے اور پیغمبروں کو اُن کی قوموں کے پاس

قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا

بھیجا اور پیغمبر اُن کے پاس معجزات لے کر پہنچے مگر

كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ

یہ لوگ بھی اُس چیز کو ماننے والے نہ ہوئے جسکو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے

كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ۝

ہم حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر یونہی مہر کردیتے ہیں

تفسیر آیات سابقہ میں توحید رسالت نبوت اور قیامت کے مباحث روشن دلائل کے ساتھ بیان کرکے مخالفین کے شبہات کا ازالہ بہترین پیرایۂ کلام میں فرمایا تھا اب یہاں سے پند و نصائح کے ماتحت گذشتہ انبیاء اور اُن کی اقوام اور تبلیغ اسلام کا تذکرہ آتا ہے۔ مقاصد حسب ذیل ہیں:- (۱) گذشتہ واقعات سننے سے رسول پاک اور

صحابہ کو تسلی ہو اور تبلیغ و ایمان پر مزید پختگی پیدا ہو کر حاصل ہو کہ ہمیشہ سے کفار کا یہی دستور چلا آیا ہے کہ اہلِ حق کو بقدرِ امکان تکلیف دیتے رہے ہیں نیز کفارِ مکہ کو عبرت ہو کہ انبیاء کی اطاعت نہ کرنے اور اُن سے سرتابی کرنے کی وجہ سے گزشتہ اقوام تباہ ہو چکی ہیں شاید ہمارا بھی یہی حشر ہو (۲) ایک قسم کا کلام سنتے سنتے سننے والے کو کلام کا لطف و کیف اُتنا نہیں آتا جتنا اُس کے اندر ہوتا ہے۔ اسلوبِ بیان کی تبدیلی ضروری چیز ہے پہلے برہانی طریقہ تھا اب خطابی طریقہ ہے پہلے دعوتِ غور دی گئی تھی اب درسِ عبرت دینا مقصود ہے۔ (۳) گذشتہ انبیاء اور اُن کی اقوام کے مفصل واقعات و حالات بیان کر کے حضورِ اقدس کا اعجاز ظاہر کرنا مقصود ہے کہ باوجودیکہ آپ لکھے پڑھے نہیں نہ علماء سے میل جول اور معاشرت کا موقعہ ملا پھر بھی ہزاروں برس پہلے کے ایسے واقعات بیان کئے اور اُن سے ایسے بیش قیمت نتائج نکالے جو اصل سے سرِ مو متفاوت نہیں۔ اہلِ تاریخ اور گزشتہ الہامی کتابیں پڑھنے والے سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور کوشش کریں کہ بیانِ قرآن کی کوئی تغلیط کر سکیں یہ ناممکن ہے۔ ان آیات میں حضرت نوحؑ کے قصہ سے آغاز فرمایا۔

تحقیق اجزاء مَقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ مقام سے مراد یا تو وجود اور ہستی ہے یا بقاء طویل مراد ہے کیونکہ حضرت نوحؑ نے طوفان سے پہلے چھ سو برس تبلیغ فرمائی یا کھڑا ہو کر وعظ کہنا مراد ہے جس طرح کہ واعظوں کا قاعدہ ہے۔ آخری معنی کو اہلِ تفسیر نے ترجیح دی ہے۔

فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ یعنی پختہ ارادہ کر لو پورا سامان مہیا کر لو اُن معبودوں کو بھی اپنی حمایت کی دعوت دے لو جن کو تم نے اللہ کا شریک کر رکھا ہے آپس کا مشورہ پوشیدہ مت رکھو بلکہ خوب صاف صاف ارادہ مصمم کر لو اور پوری طاقت کے ساتھ میرے ہلاک کرنے کی کوشش کر لو۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ نوحؑ کو جب وعظ کہتے کہتے اور نصیحت کرتے کرتے طویل مدت گذر گئی اور کفار بھی تنگ آ کر ڈرانے دھمکانے لگے کہ ہم تم کو قتل کر ڈالیں گے ورنہ اپنے ان پند و نصائح سے باز آ جاؤ تو آپ نے فرمایا لوگو! اگر تم میری طویل نصائح سے تنگ آ گئے ہو اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو سب مل کر انتہائی کوشش کر دیکھو باہم مشورہ سے عزم کو پختہ کر لو کوئی بات اٹھا کر نہ رکھو اپنے شرکاء کو بھی حمایت کے لئے بلا لو خوب کھل کر ایک دوسرے کی مدد کرو اور سب مل کر مجھ پر چڑھائی کرو مجھے تمہاری کچھ پرواہ نہیں اگر اس پر بھی تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکے اور اسکے باوجود میری نصیحت سے منہ موڑا اور شرک نہ چھوڑا تو یہ تمہاری نادانی ہے کیونکہ میں تم سے وعظ و نصیحت کے کسی معاوضہ کا خواستگار نہیں نہ دولت و مال چاہتا ہوں نہ عزت و شہرت نہ جاہ و حکومت۔ بس اللہ ہی سے ثواب و معاوضہ کا خواستگار ہوں۔ اسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ اُس کے احکام کا مطیع رہوں اور فرماں پذیری و استقامت رکھوں اور اپنے نفس و ارادہ کو اُسی کے سپرد کر دوں چنانچہ میں نے اُسی کے حکم کی تعمیل کی ہے، اب نہ کسی سے کچھ خوف رہا نہ لالچ میرے بیم و رجا کا مرکز بس اُسی کی ذات ہے۔ غرض کافروں نے نہ مانا اللہ نے اُن کو غرق کر دیا۔ جو مومن تھے اُن کو تباہ شدگان کا جانشین بنایا۔ ڈوبے ہوؤں کی املاک و اراضی نجات یافتہ طبقہ کے ہاتھ میں آئیں اور انہیں سے نسلِ انسانی کی افزائش ہوئی اور خلافتِ الٰہیہ کا اعزاز انہی کو حاصل ہوا پھر کچھ مدت کے بعد کفر و شرک کی تاریکی پھیلنے لگی حق پر باطل غالب آنے لگا تو اظہارِ عدالت اور اعلانِ صداقت کے لئے ہود، صالحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، شعیبؑ وغیرہ انبیاء کو مبعوث کیا گیا۔ ہر نبی کو اُسی کی قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ انبیاء نے پہونچکر اپنی صداقت اور اپنے اقوال کی حقانیت کے بہت ثبوت پیش کئے مگر کافر جس بات کو ایک مرتبہ نہ مانتے تھے اُسکو ماننے والے ہی نہ تھے چونکہ انہوں نے راہِ حق سے تجاوز اور حدِ اعتدال سے باہر قدم رکھ دیا تھا اسلئے خدا نے اُن کے دلوں پر گمراہی کی مہر لگا دی اُن کی تقدیر میں سعادتِ ایمان ہی نہ تھی وہ ازلی کافر تھے۔ قانونِ قدرت ہی یہی ہے کہ جو ہدایت کا خواستگار نہ ہو اُس کو ہدایت نہیں کی جاتی بلکہ گمراہی کی مہر اُس کے دل پر لگا دی جاتی ہے۔

مقصودِ بیان:- کفار کو تباہی و بربادی کی دھمکی۔ اہلِ ایمان کو کافروں کی ایذا رسانی پر صبر کرنے کی تلقین اور اللہ پر بھروسہ رکھنے کی ہدایت۔ اس بات کا در پردہ حکم کہ اہلِ ایمان کو غیر اللہ سے نہ خوف کرنا چاہیئے نہ امید۔ مومن کو مرکزِ بیم و رجاء فقط ذاتِ الٰہی کو بنانا چاہیے۔ اپنے کل ارادے خواہشات یہانتک کہ خودی کو رضاءِ مولا کے سپرد کر دینا لازم ہے۔ اس امر کا ضمنی اظہار کہ بالآخر اہلِ حق غالب آتے ہیں باطل پرست برباد ہو جاتے ہیں۔ خلافتِ الٰہیہ کا استحقاق صرف اہلِ حق کو ہی ہے۔ آیت صراحۃً دلالت کر رہی ہے کہ مختلف انبیاء کو صرف اُنہی کی قوموں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا کوئی دعوت عالمگیر نہ تھی۔ جو لوگ خود ہدایت کے خواستگار نہیں ہوتے اور خود راہِ حق سے ہٹ کر اپنے اوپر زیادتی کرتے ہیں اللہ بھی اُنکی گمراہی پر مہر ثبت فرما دیتا ہے پھر اُن کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ تمام افعال اللہ کی قدرت و مشیت کے تابع ہیں بندہ کا ہر کسب کا خالق خدا ہے۔ وغیرہ

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ

اس کے بعد ہم نے موسیٰؑ و ہارونؑ کو فرعون اور اسکی قوم کے پاس

هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ بِاٰيٰتِنَا

اپنے نشانہائے قدرت دے کر بھیجا

فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝

مگر وہ تکبر کرنے لگے اور وہ تھے ہی گنہ گار

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا

غرض جب ہماری طرف سے اُن کے پاس حق بات پہونچ گئی تو

قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ قَالَ

کہنے لگے یہ تو یقیناً کھلا ہوا جادو ہے موسیٰ نے کہا

مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ

کیا جب حق بات تمہارے سامنے آگئی تو کیا تم ایسا کہتے ہو

أَسِحْرٌ هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ۝

کیا یہ جادو ہے جادوگروں کا تو بھلا نہیں ہوتا

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا

کہنے لگے کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اُس دین سے پھیر دو جس پر ہم نے

عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ

اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور تم دونوں کی سرداری ملک میں

فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ۝

ہو جائے ہم تم دونوں کا یقین نہیں کرنے کے

تفسیر حضرت نوح کے بعد مجمل طور پر دیگر انبیاء کا تذکرہ کیا تھا اب حضرت موسیٰ کا تذکرہ فرماتا ہے کیونکہ آپ صاحب شریعت عظیم المرتبہ رسول تھے۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کا قصہ متفرق مقامات میں مذکور ہے لیکن ہر موقعہ پر جدا نوعیت رکھتا ہے اور مقتضائے حال کے مطابق پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے۔ ہم ان آیات میں تفصیلی تبصرہ کرینگے۔ آغاز قصہ سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قصہ کے ضروریات مثلاً مصر، فرعون، ساحر، میدان مقابلہ وغیرہ کے تفصیلی حالات بیان کر دیئے جائیں تاکہ آیات کا مقصد کافی طور پر ذہن نشین ہو جائے۔

فرعون مصر اور موسیٰ فراعنۂ مصر بڑے شکوہ و طنطنہ کے فرماں روا ہوئے اور اتنی طویل فرماں روائی کی کہ شاید کسی اور خاندان کو نصیب نہ ہوئی ہو۔ یہ ضرور ہوتا رہا کہ کبھی مستقل آزاد بادشاہ رہے کبھی مقتدر فرماں رواؤں کے باجگذار بنتے رہے۔ حدودِ حکومت میں کبھی مختلف زمانوں میں کمی بیشی ہوتی رہی ان کا سلسلۂ نسب بنی اسرائیل کے نزدیک نوطا بن حام بن نوح تک پہونچتا ہے۔ رومی مورخ ہیروڈوٹس نے قبط بن لائق بن مصر بن منصر بن حام کی اولاد بتایا ہے۔ سہیلی نے قبطی بن کنعان بن حام کی نسل قرار دیا ہے علامہ مسعودی کے نزدیک بھی منصر ہی کی نسل سے تھے شروع میں فراعنۂ مصر کلدانیوں کے باجگذار رہتے۔ بابل کے نمرود ان کے حکمراں تھے۔ منصر کے بیٹے مصر نے مستقل حکومت قائم کی۔ اسی کے نام پر ملک کا نام ہی مصر ہو گیا ایک طرف یمن تک دوسری طرف مراکو تک علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔ مصر کے پوتے قبط کے نام سے قبطی قوم مشہور ہوئی جو آج تک مصر میں آٹھ فیصدی کے تناسب سے موجود ہے قبط کے وقت میں جنوبی عرب کے بلاد احقاف کے حکمراں شداد بن عاد نے جنوبی مصر پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر فرعون مالیق بن دار انس نے جو مسلم تھا قوم عاد سے پھر دوبارہ چھین لیا۔ کچھ مدت کے بعد حکومت مصر کے فرمانروا پھر مشرک ہو گئے کبھی حدیا الیس تدبر شاہزادیوں کے ہاتھ میں عنانِ حکومت پہونچی۔ کبھی دلیفہ جیسی کمزور عورتیں حکمراں ہوئیں۔ غرض نظم و نسق کی ابتری اور رعایا کی بے چینی کے بدولت ولید بن دومع عملیقی شاہ شام نے مصر کو فتح کر لیا ولید کے بعد اس کا بیٹا ریان حکمراں ہوا۔ اسی کے دور میں حضرت یوسف مبعوث ہوئے ریان مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد قابوس کی کافرانہ حکومت ہوئی۔ اس نے بنی اسرائیل کو مٹانے کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کے بیٹے کاشم نے اس مقصد کو پورا کرنے کی مزید کوشش کی۔ کاشم کے بیٹے لاہب نے بھی بنی اسرائیل کی بیخ کنی کا کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھا لاہب کے معزول ہونے کے بعد شاہی خاندان کی ایک عورت دلوکہ نامی حکمراں ہوئی۔ غرض بنی اسرائیل کی بربادی و تباہی کے درپے قابوس سے لے کر ولید بن مصعب کے زمانہ تک ہر فرعون مصر رہا اس ظلم و ستم شعاری کی پاداش میں اہل مصر پر مختلف عذاب آتے رہے۔ کبھی بخت نصر کی شکل میں آیا جس نے فرعون قومس کو قتل کر ڈالا۔ کبھی سکندر یونانی کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ اسی طرح رفتہ رفتہ عنانِ حکومت ولید بن مصعب کے ہاتھ میں آئی ولید بڑے جاہ و جلال کا بادشاہ تھا عقلمند اور فاضل بھی تھا۔ کامیاب حکمراں بھی تھا اس نے بڑے بڑے مضبوط اور شاندار قلعے تعمیر کئے اور شہر آباد کئے تھے۔ یوں تو شہر عین الشمس اور بلبیس بھی بہت عظیم الشان شہر تھے مگر پایۂ تخت ہونے کے اعتبار سے شہر منف کو جو عظمت و شہرت حاصل تھی وہ اور کسی شہر کو نہ تھی۔ یہ اتنا مہتم بالشان شہر تھا کہ جو شہر پناہ اس کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے تھی اس کے ستر دروازے تھے اس میں چار خوبصورت نہریں بھی جاری تھیں جو اس ہنرمندی اور کمال سے بنائی تھیں کہ چاروں فرعون کے تخت کے نیچے سے گذرتی تھیں فرعون کے محل میں کروڑوں

جواہر جڑے تھے اور اسی کے اندر بیٹھ کر وہ بزعم خود شہنشاہی نہیں خدائی کر رہا تھا۔ اس کے عہد میں دنیا کی کوئی سلطنت اس سے بڑی اور مقتدر نہ تھی مصری بالعموم صابئی مذہب تھے جو کلدانیوں سے انہوں نے حاصل کیا تھا۔ کلدانیوں کی طرح قبطیوں میں بھی سحر و ساحری کا بڑا چرچا تھا۔ بڑے بڑے صاحب کمال ساحر اور کاہن اور نجومی آباد تھے اور مختلف ستاروں کے ناموں پر بڑے بڑے مندر بنے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ اسرائیلی تھے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت یعقوبؑ کے درمیان تین پشت کا فرق ہے۔ موسیٰ بن عمران بن قاہت بن لاوی بن یعقوب۔ حضرت موسیٰؑ کی والدہ یوحانذ بن لاوی بن یعقوب کی دختر تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ عمران کے یہاں ۷۳ سال کی عمر میں ہارون اور ۸۰ سال کی عمر میں موسیٰ پیدا ہوئے اور عجب حیرت انگیز طریقہ پر پیدا ہوئے۔ چونکہ سورۂ بقر میں ہم لکھ آئے ہیں اسلئے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں۔ فرعون کے محل میں حضرت موسیٰؑ نے شاہزادوں کی طرح پرورش پائی وہیں جوان ہوئے۔ جوان ہو کر ایک قبطی کے قتل کی وجہ سے مصر سے فرار ہو کر مدین پہنچے۔ حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی صفورا سے نکاح کیا۔ دس سال وہاں قیام کرنے کے بعد عازم مصر ہوئے۔ راستہ میں کوہ سینا کے پاس تاج نبوت سے سرفراز ہوئے۔ فرعون کی دست درازی ظلم اور تکبر و استبداد حد سے بڑھ چکا تھا مشیت کو بنی اسرائیل کی نجات مقصود تھی۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں نوزائیدہ بچوں کو فرعون تہ تیغ کر چکا تھا۔ پانچ سال تک یہ سفاکانہ رسم جاری رہ چکی تھی ہمیشہ جوان بوڑھے اور نوجوان اسرائیلی مردوں اور عورتوں سے بیگار میں پہاڑوں کے پتھر ڈھلوائے جاتے تھے کافروں کی شامت اعمال تباہی کے کنارے آ لگی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کو خلعت نبوت سے سرفراز کر کے تبلیغ توحید کا حکم ہوا۔ اسرائیلیوں کی نجات اور فرعون کی تباہی پر مامور فرمایا ارشاد ہوا کہ مصر جا کر فرعون کو دعوت توحید دو۔ حضرت موسیٰؑ فوراً عازم مصر ہو گئے اُدھر حضرت ہارون کو بشارت مل گئی جنہوں نے شہر سے باہر نکل کر بھائی کا استقبال کیا۔ دونوں نے شہر منف میں فرعون کے محل کے دروازہ کے سامنے لوگوں کو دعوت توحید دینی شروع کر دی، فرعون تو خدا بنا بیٹھا تھا غضبناک ہو کر دونوں کو دربار میں طلب کیا۔ آپ نے بے باکانہ فرمایا، میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ مجھے اللہ نے یہ حکم دیکر بھیجا ہے کہ تم بنی اسرائیل کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ روانہ کر دو۔ فرعون نے بہت رد و کد کے بعد کہا رب العالمین کون؟ آپ نے فرمایا کل جہان کا پروردگار۔ فرعون نے کہا اگر کسی اور کو معبود قرار دو گے تو قید کر دونگا پھر وہیں پڑے رہو گے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس بینات رسالت بھی ہیں۔ فرعون نے گرج کر کہا اگر تو سچا ہے تو پیش کر۔ حضرت موسیٰ نے عصا اور ید بیضا کے معجزات دکھائے فرعون اور کل اشرافت سہم گیا اور تو کچھ بس نہ چلا بولے یہ بڑا جادوگر ہے کھلا ہوا جادو دکھاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کم بختو! یہ جادو نہیں معجزۂ رسالت ہے حق کو جادو نہ کہو، جادوگر کامیاب نہیں

ہوتے، ان کی زندگی خباثت سے پُر ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی دی ہوئی غیبی طاقت ہے کہنے لگے ہم تو کسی طرح یقین کرنے کے نہیں تم یقیناً جادوگر ہو اور جادو کے زور سے ملک پر تسلط و اقتدار جمانا چاہتے ہو، ہم اس طرح اپنے باپ دادا کا مذہب نہیں چھوڑینگے۔ غرض اسٹاف سے مشورہ کرنے کے بعد فرعون نے چاروں طرف سے جادوگروں کو بلایا۔ ارض کنعان، افریقہ اور بلاد مصر میں جادوگروں کا زور تھا ہر طرف سے جادوگروں کو طلب کیا گیا مقابلہ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ ایک میدان میں سب جمع ہوئے۔ لاکھوں تماشائی بھی طاغوتی اور رحمانی قوتوں کو دیکھنے آئے لیکن حضرت موسیٰ کے معجزہ کے سامنے کسی کے جادو کی پیش نہ گئی، مغلوب ہو کر ایمان لے آئے۔ فرعون کے آدمیوں کو بھی حضرت موسیٰؑ کی صداقت کا کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا لیکن فرعون کے ڈر کے مارے چند آدمیوں کے علاوہ کوئی ایمان نہ لایا۔ فرعون کی دست درازی پہلے ہی سے بہت تھی اب تو زچ ہو کر اس نے مزید ظلم ڈھانا شروع کر دیئے بنی اسرائیل بیکس اور بے بس تھے۔ مظالم سے تنگ ہو کر حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم پر ایک تو پہلے ہی سے مظالم ہو رہے تھے امید تھی کہ آپ کی وجہ سے نجات ہو جائے گی۔ مگر آپ کے خروج کے بعد تو ظلم کے پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑے۔ اب کیا کریں آپ نے ان کو تسلی دی۔ صبر اور توکل کی تلقین کی۔ نصرت الٰہی کا یقین دلایا۔ سب کے ایمان تازہ ہو گئے۔ جدید قول و قرار کیا۔ صدق دل سے اللہ پر توکل کیا۔ اور بارگاہ الٰہی میں نصرت و نجات کی دعا کی۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے بنی اسرائیل مشرکانہ رسوم پر چلنے لگے تھے۔ فرعون کے پرستار تھے۔ ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے کچھ ڈر کے مارے ایسا کرتے تھے بعض کے دل زنگ آلودہ ہو گئے۔ نبی کی بعثت کے بعد گمراہی اور ایسی کھلی گمراہی کیسے باقی رہ سکتی تھی اس لئے حکم ہوا اسرائیلیو غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دو۔ اللہ ہی کی عبادت کرو۔ لیکن کیسے کرو عبادت خانہ کوئی نہ تھا؟ آزاد نہ تھے۔ فرعون کا قہار تسلط تھا وہ کیسے اپنے سوا دوسرے کے سامنے سر جھکتا دیکھ سکتا حکم ہوا کہ شہر میں اپنے اپنے مکان ایسے بناؤ جو ایک دوسرے کے سامنے ہوں تمام محلوں سے سمٹ کر یکجا آباد ہو جاؤ۔ ضرورت کے وقت اتحادی طاقت کا بھی استعمال کر سکو گے، اور سب اپنے گھروں میں اللہ کی عبادت بھی کر سکو پھر کامیابی اور نجات لازم ہے خدا کامران و بامراد کریگا۔ افکار و غموم دفع کرنے کے لئے اور شاہد مراد سے ہم آغوش کرنے کے لئے نماز اکسیر اعظم ہے اللہ کی طرف توجہ کرو اہل ایمان کی مدد اللہ ہی کریگا۔ اس کے بعد جب بنی اسرائیل کی کشتی کنارہ لگنے کو آئی اور اہل حق کی نجات کا وقت قریب آ گیا تو قبطیوں پر بلاؤں کا نزول شروع ہوا۔ تین سال تک قحط پڑا پھر بارش ہوئی تو اس سے دریا میں بھیلی سیلاب عظیم آیا ستر ہزار قبطی مر گئے۔ مور، ملخ کھٹمل جوں اور مینڈکوں کی شکل میں عذاب الٰہی نمودار ہوا۔ پھر مصر کے ہر کنوئیں

تالاب ندی نہر اور دریا کا پانی قبطیوں کے واسطے خون ہو گیا لیکن اللہ اکبر سنگدلی ہو تو ایسی ہو اور ہوش پر پردے پڑے ہوں تو ایسے ہوں۔ فرعون پر ان بلاؤں کا کوئی واقعی اثر نہ پڑا۔ عذاب کو دفع کرنے کے لئے حضرت موسٰی سے استدعا کرتا جب عذاب جاتا رہتا تو پھر وہی سرکشی اور طغیان۔ بنی اسرائیل جان سے تنگ آ گئے۔ آخر تھے حضرت یعقوبؑ کی اولاد حضرت موسٰی سے کہنے لگے تم ہم کو طفل تسلیاں ابتک دیتے رہے اب ہم میں صبر کی تاب نہیں تمہاری وجہ سے تو اور ہم تباہ ہو گئے۔ حضرت موسٰی پیغمبر تھے اور جلیل القدر پیغمبر۔ جوش آ گیا اپنی قوم کی تباہی نہ دیکھی گئی۔ دونوں بھائیوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی اور قبطیوں کی بربادی و ہلاکت کی استدعا پیش کی۔ وحی ہوئی تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔ تم دونوں ایمان و یقین پر ثابت قدم اور عبادت و ورع پر پختہ رہو ان ناواقف جاہلوں کی راہ عمل ہرگز اختیار نہ کرنا ہم عذاب نازل کرتے ہیں۔ حجت تمام ہو چکی تھی۔ بیس سال تبلیغ کرتے گزر گئے تھے۔ قبطیوں کا ظلم حد سے بڑھ چکا تھا وقت آ گیا تھا کہ اگلی قوموں کی طرح یہ قوم بھی تباہ کر دی جائے۔ حضرت موسٰی پر وحی نازل ہوئی کہ اسرائیلیوں کو یہاں سے نکال کر شام کو لیجاؤ۔ چنانچہ ایک تاریخ مقرر کر دی گئی مکان تو ایک جگہ سب کے ہو ہی گئے تھے سب تیار ہو گئے پہلے قربانیاں کرائیں پھر ایک رات کے سناٹے میں سب نکل کر کھڑے ہوئے۔ طبری نے لکھا ہے کہ حضرت موسٰیؑ کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے علاوہ چھ لاکھ تیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے تھے۔ ابن خلدون نے اس تعداد کو مبالغہ پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ مصر میں اتنی تعداد بنی اسرائیل کی کہاں تھی۔ پھر چند صدیوں میں اسرائیلی نسل کی اتنی افزونی بھی خلاف درایت ہے۔ بہرحال جتنے بنی اسرائیل مصر میں تھے سب راتوں رات نکل کھڑے ہوئے۔ توریت میں لکھا ہے کہ چلتے وقت بنی اسرائیل نے قبطیوں کی عورتوں بچوں اور مواشی کو جس قدر ممکن ہوا قتل و غارت کیا اور چل دیے۔ صبح کو عید الفصح تھی اسکی خوشی میں کوئی قبطی بنی اسرائیل کا تعاقب بھی نہ کر سکا میلے اور دیگر رسوم عید سے فارغ ہو کر قبطیوں کا لشکر جمع ہوا۔ فرعون اُن کو لیکر اسرائیلیوں کے تعاقب میں چلا۔ بنی اسرائیل نکلنے کو تو نکل کھڑے ہوئے مگر تھے پریشان اور خوفزدہ۔ جب فرعون کا لشکر نمودار ہوا تو حواس بجا نہ رہے آگے ذخار دریا موجیں مار رہا تھا پیچھے فرعونی لشکر موجزن تھا۔ حضرت موسٰیؑ نے پانی پر اپنی لاٹھی ماری فوراً دریا خشک ہو گیا یا سمٹ گیا۔ بارہ راستے پیدا ہو گئے بنی اسرائیل دریا میں گھس گئے کسی کا دامن بھی تر نہ ہوا سب امن و امان سے پار اتر گئے۔ فرعون لشکر کو لیکر دریا پر پہنچا تو دریا کو خشک دیکھ کر خوفزدہ ہوا مگر مشیروں نے کہا دریا میں جزر و مد ہوتا ہے یہ جزر کا وقت ہے آپ بھی فوج کو داخل ہونے کا حکم دیدیں۔ قضا آئی تھی فرعون مع لشکر کے گھس پڑا۔ جب سب لشکر اندر داخل ہو گیا تو موج آئی سب کو برابر کر گئی

پانی سے آگ میں پہنچا دیا۔ پانی کی ایک لہر نے فرعون کی لاش کو باہر پھینک دیا تاکہ لوگوں کو فرعون کے ڈوبنے کا یقین ہو جائے اور فرعون کی لاش کو دیکھ کر فرعون کی خدائی کے نہ مرنے کا احتمال بھی نہ رہے اور آئندہ نسلیں بھی عذاب الٰہی اور پیغمبروں کی معجزانہ غیبی طاقت کا یقین کرتے ہوئے عبرت اندوز ہوں آج تک لندن کے شاہی عجائب خانہ میں فرعون کی لاش موجود ہے۔ جب بنی اسرائیل کو فرعون کے ہاتھ سے نجات پا جانے کا یقین ہو گیا اور اُس کا نظام سلطنت درہم برہم ہو گیا تو حضرت موسٰیؑ نے یوشع بن نون کی زیر سیادت ۲۴ ہزار اسرائیلیوں کو مصر پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجدیا۔ قبطیوں پر ہیبت تو چھا ہی گئی تھی کسی نے کچھ تعرض نہ کیا۔ حضرت یوشع اپنی طرف سے حاکم مقرر کر کے چلے آئے پھر سب ملکر کوہ طور کے دامن میں پہنچے۔ سجدہائے شکر ادا کئے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل نے مسلسل نافرمانیاں شروع کر دیں جنکی پاداش میں مبتلائے مصائب ہوتے رہے اور مدت کے بعد حضرت موسٰیؑ اور آپ کے خلفاء نے ملک شام اور ارض کنعان کو فتح کیا یروشلم پر قبضہ کیا بنی مواب اور بنی مدین جو کنعان کے زبردست خاندان تھے سب مسخر ہوئے عمالقہ کو شکست ہوئی۔

اب ہم آیات کی تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تحقیق اجزاء بھی کرینگے:۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ۔ حضرت موسٰیؑ مستقل نبی تھے اور حضرت ہارون اُن کے وزیر و مددگار۔ دین موسوی تھا ہارون موسٰی کے تابع تھے۔

مَلَا۟ئِهٖ۔ ملا سے مراد یا تو اشراف قوم ہیں یا عام قوم مراد ہے۔

جَآءَهُمُ الْحَقُّ۔ حق کے آنے سے مراد یہ ہے کہ معجزات واضحات سے حق کھل گیا تھا اور حضرت موسٰی کا مقابلہ ناممکن ہو گیا تھا۔

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ۔ یعنی ساحروں میں ایسی طاقت نہیں ہوتی کہ اُن کا مقابلہ ہی نہ کیا جا سکے۔ یہ قوت تو صرف معجزات میں ہے یا یہ مطلب کہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔ دنیا و دین میں اُن کو فلاح و بہبودی نصیب ہوتی ہمیشہ خوار خستہ اور خبیث رہتے ہیں پھر ایسا کیوں کہنے لگا تھا۔

وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ۔ یعنی ملک مصر میں تم دونوں کی حکومت ہو جائے اور ہم تمہارے تابع ہو جائیں۔

مقصود بیان:۔ ایک زمانہ میں ایک سے زائد نبی ہو سکتے ہیں لیکن ایک متبوع دوسرا تابع۔ حضرت موسٰیؑ و ہارون فرعون اور اسکی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ فرعون والے عادی مجرم تھے جو عادی مجرم ہو جاتا ہے اُس کے دماغ پر غرور اور تکبر کا پردہ پڑ جاتا ہے دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ حق و صداقت کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے

گذشتہ زمانے میں ہر مافوق العادت چیز کو لوگ سحر کہنے لگے تھے۔ سحر اور معجزہ میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔ ساحر کو فلاح نصیب نہیں ہوتی یعنی اس کی دنیوی زندگی حیشانہ گذرتی ہے۔ اور آخرت میں بھی تباہ ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سحر کرنا حرام ہے۔ فرعون کے طرفدار خیال کرتے تھے کہ موسیٰؑ و ہارونؑ سلطنت چھینا چاہتے ہیں۔ وغیرہ

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سٰحِرٍ
فرعون بولا میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو

عَلِيمٍ ○ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ
لے آؤ غرض جب جادوگر آگئے تو موسیٰ نے

مُّوسٰى أَلْقُوا مَآ أَنْتُمْ مُّلْقُونَ ○ فَلَمَّآ
کہا جو کچھ تم کو ڈالنا ہے ڈالو چنانچہ جب

أَلْقَوْا قَالَ مُوسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ
وہ ڈال چکے تو موسیٰ نے کہا یہ جو تم لائے ہو

السِّحْرُ إِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللّٰهَ
جادو ہے اللہ اس کو یقیناً بگاڑ دے گا کیونکہ بلاشبہ

لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ○ وَيُحِقُّ
مفسدوں کے کام کو اللہ درست نہیں رکھتا اور اللہ حق کو

اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ○ ع ۱۲
حق کر دکھائیگا اگرچہ مجرموں کو برا معلوم ہو

تفسیر — تحقیق اجزاء اور تفسیری مطالب

فرعون نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تھا۔ موسیٰؑ نے دعوت توحید دی۔ وہ عاجز ہو کر آپ کو جادوگر کہنے لگا۔ اور مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اپنے تمام فکری اور عملی قوی سے نبوت پر غلبہ پانے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ قصہ قرآن میں متعدد مقامات میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن پیرایہ بیان اور نتیجہ ہر جگہ مختلف نکالا ہے۔ حضرت نوحؑ کے قصے سے پہلے اسی سورت میں بیان کیا گیا تھا کہ کفار کو قیامت اور حشر و نشر کے متعلق شکوک و شبہات ہیں اور وہ کسی طرح رسول اللہؐ کی رسالت کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ یہاں فرعون کے انکار رسالت اور اس کی تمام نظری و عملی کوششوں کا تذکرہ ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جس طرح فرعون باوجود عظمت شان اور جلالت قدر کے نبی کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اور اللہ کا بول بالا ہو کر رہا۔ اسی طرح تم لوگ بھی رسول اللہؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے خود ہی ذلیل و برباد ہو گئے۔

بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ یعنی فرعون نے حکم دیا کہ جہاں تک مل سکیں بڑے بڑے ماہر فن جادوگروں کو بلاؤ۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اطراف ملک سے ہزاروں جادوگر جمع کئے گئے سمندر کے کنارے اسکندریہ کے میدان میں مقابلہ ہوا حضرت موسیٰ نے جرأت و دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جادوگروں کے ساحرانہ طاقت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فرمایا جو کچھ تم کو جادو کرنا ہے کرو۔ جادوگروں نے نظر بندیاں کیں طلسمی سانپ بنائے اور ان کو میدان میں چھوڑا۔

قَالَ مُوسٰى - یعنی حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں جادو یہ ہے جو تم نے کیا۔ جو میں نے کیا وہ جادو نہ تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابھی اللہ اسکو مٹا دیگا۔ بے حقیقت چیز یقیناً باطل ہوتی ہے۔ یہ دھوکہ دہی ہے جس سے دنیا میں تباہی پھیلتی ہے اور تباہ کاروں کے کرتوت نہیں پھلتے۔

مقصود بیان:- پیغمبر بیباک ہوتا ہے کسی جادو یا جادوگر سے نہیں ڈرتا۔ حضرت موسیٰ بڑے جری تھے۔ سحر بے حقیقت چیز ہے۔ صرف فریب اور دھوکہ دہی ہے۔ جادوگر مفسد ہے۔ کرامت کے مقابلہ میں جادوگر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ معجزہ اور کرامت افعال الٰہیہ حقہ میں سے ہیں اور سحر افعال باطلہ میں سے۔ حق باطل پر بالآخر غالب آتا ہے۔ وغیرہ

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوسٰى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ
پھر موسیٰ کی اُن کی قوم کے چند لڑکوں کے سوا کسی نے نہ مانا

عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَإِيْهِمْ
اور وہ بھی فرعون اور اُس کے حکام سے ڈرتے ہوئے

أَنْ يَّفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ
کہ کہیں فرعون اُن کو تکلیف نہ پہنچائے کیونکہ فرعون اُس ملک میں

فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ○
بڑا چڑھا تھا اور اُس نے ہاتھ چھوڑ رکھا تھا

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ
موسیٰ نے کہا اے میری قوم اگر تم خدا پر یقین رکھتے ہو

بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ۝

تو اُسی پر بھروسہ رکھو اگر تم فرماں بردار ہو

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

تو وہ بولے ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اے ہمارے رب ہم پر اس

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَنَجِّنَا

ظالم قوم کا زور نہ آزما اور اپنی

بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝

رحمت سے کافر قوم سے ہم کو بچا لے

تفسیر غرض ساحروں کی سحر افگنی کے بعد حضرت موسیٰؑ کی باری آئی۔ آپ نے عصا اور ید بیضا کا معجزہ دکھایا۔ جادوگر مغلوب ہو کر مسلمان ہو گئے۔ عام و خاص سب سہم گئے۔ کچھ کچھ موسیٰؑ کی صداقت کا سکہ اُن کے قلوب پر بیٹھ گیا۔ مگر فرعون اور اس کے اشراف سے ڈرتے تھے کہیں فرعون اُن پر سختی نہ کرے۔ کیونکہ بڑا جبار اور زبردست اور زبردست دولت والا بادشاہ تھا۔ اس سرزمین میں اُس کا بڑا اثر تھا اس لئے قبطیوں میں سوائے چند آدمیوں کے (فرعون کی بی بی آسیہ، شاہی خزانچی اور اس کی بیوی۔ اور بعض دوسرے افراد) اور کوئی ایمان نہ لایا اس واقعہ کے بعد فرعون نے مزید مظالم کے پہاڑ ڈھانا شروع کئے کوئی سختی اور تکلیف ایسی نہ تھی جو اسرائیلیوں سے اٹھا کر رکھی ہو آخر کو تنگ آ کر بنی اسرائیل نے یاس آمیز شکایت حضرت موسیٰؑ سے کی آپ نے اُن کو تسلی دی۔ اور فرمایا بھائیو اگر تم کو اللہ کی ہستی اور بے نظیر طاقت اور میری رسالت پر یقین ہے تو اُس پر بھروسہ رکھو۔ اور اس توکل کی تکمیل اُسی وقت ہو سکتی ہے جب تم اپنی جانیں مال اولاد اور کل جذبات و خواہشات کو اُسی کے سپرد کر کے بیچون وچرا اس کے حکم کے تابع ہو جاؤ بغیر توکل و تسلیم کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس تسلی آمیز پیام نے قوم کے مردہ دلوں میں نئی روح پھونک دی نسیم ہدایت نے ایمان کی افسردہ شاخ کو از سر نو سرسبز کر دیا۔ مخلص اہل مومن بولے یا نبی اللہ ہمارا بھروسہ تو محض اللہ ہی پر ہے۔ الٰہی اس ظالم قوم کو ہم پر مسلط نہ کر (کہ ذراور ی غن میں ہا) ان کافروں کے پنجہ سے ہم کو رہائی عطا کر۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی (کذا قال الطیبی)

مقصود بیان:- عام انسان مادی اور ظاہری طاقتوں سے مرعوب ہو کر مجبوراً حق کو چھوڑ دیتے ہیں۔ فرعون بڑا سرکش جبار اور سفاک بادشاہ تھا۔ مصر کی سرزمین میں اس سے بڑا آدمی کوئی نہ تھا بنی اسرائیل پر ظلم کرنے میں وہ حد سے بڑھ چکا تھا۔ اہل حق مد مقابل سے متاثر اگر کبھی مضطرب ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کے قدم کبھی راہ حق سے ڈگمگانے لگتے ہیں لیکن امام ہادی کی ادنےٰ تنبیہ پر پھر ہوشیار ہو کر راہ صداقت پر مستقیم ہو جاتے ہیں۔ توکل کا مرتبہ دعا سے مقدم ہے۔ دعا کرنے والے کو پہلے ذات الٰہی پر پورا بھروسہ کرنا چاہئے۔ ظالم اور سخت حکام کا تسلط کبھی رعایا کے لئے فتنہ اور عذاب ہے۔ وغیرہ

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِیْهِ

ہم نے موسیٰ کو اور اُس کے بھائی کے پاس وحی بھیجی

اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا

کہ مصر میں اپنی قوم کے لئے گھر بنائے رکھو

وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا

اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ کر لو اور پابندی سے

الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

نماز پڑھو اور ایمان والوں کو بشارت دے دو

تفسیر کسی ظالم طاقتور قوم سے مقابلہ کرنے اور طاغوتی قوتوں کو مٹانے کے لئے ظاہری تدبیروں کی بھی ضرورت ہے اور باطنی اصلاح نفس بھی لازم ہے۔ فرعون کی تباہ کاریاں اور ستم شعاریاں آسانی سے زائل ہونے والی نہ تھیں۔ یوں تو حق تعالیٰ قادر ہے اس کو کسی سبب اور ذریعہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن اُسی کا قانون ہے کہ بغیر اسباب کے کسی کام کی سرانجام دہی نہیں ہوتی۔ جادوگروں سے مقابلہ کے بعد فرعون اور مشتعل ہو گیا مصر میں اسرائیلیوں کے جتنے عبادت خانے تھے سب اس نے برباد کر دیئے تھے۔ لوگ ڈر کے مارے خفیہ عبادت کرتے تھے۔ باری تعالیٰ کو منظور تھا کہ اسرائیلیوں میں اجتماعی طاقت پیدا ہو۔ اور اتحادی قوت کے ساتھ وہ فرعون کا مقابلہ کریں۔ اس لئے ظاہری تدبیر تو یہ بتائی کہ مصر کے اندر اسرائیلیوں کے مکان ایک سو ہونے چاہئیں۔ دوسری تعلیم یہ تھی کہ اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھو اللہ سے مدد کی دعا کرو روحانی طاقت بڑھاؤ۔ عبادت الٰہی سے دلوں کو روشن بناؤ۔ اس کے بعد کامیابی لازم ہے۔ جو لوگ اہل ایمان ہیں ان کو فتح حاصل ہو گی۔

قِبْلَةً قبلہ سے مراد ابراہیمؑ۔ مجاہد۔ ابو مالک ربیع۔ ضحاک اور

زید بن اسلم کے نزدیک جا نماز ہے۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ اپنے گھروں کو نماز کی جگہ قرار دو۔ گھروں کے اندر نماز پڑھو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ گھروں میں مسجدیں بنا لو یعنی گھروں کے اندر نماز کی خاص جگہ مقرر کر لو جو قبلہ رخ ہو۔ رک: ارواہ عکرمۃ عن ابن عباس) ابن قیم نے تحقیق کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے لئے اس وقت قبلہ مقرر نہ ہوا تھا صرف اجتہاد پر تھا چنانچہ انہوں نے صخرۂ بیت المقدس اختیار کیا۔

وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ بیضاوی نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کو ابتداً ہی سے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا۔ و ہکذا قال مجاہد و ابراہیم وغیرہم

مقصود بیان: بنی اسرائیل ہر جگہ نماز نہ پڑھ سکتے تھے تعیین مسجد لازم تھی۔ طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ کرنے کے لئے حتی الامکان ظاہری تدبیروں کی بھی ضرورت ہے۔ اور روحانی روشنی کی بھی مصیبت کے وقت نماز کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ حضرت موسیٰ و ہارون مستقل نبی تھے۔ اسی لئے وحی اگرچہ موسیٰ اور ہارون دونوں کے پاس آئی مگر بشارت دینے کا حکم صرف حضرت موسیٰ ؑ کو ہوا۔ کامیابی کی بشارت صرف مومنوں کیلئے ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ

موسیٰ نے عرض کیا اے ہمارے رب تو نے دنیوی زندگانی میں

وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

فرعون اور اسکے سرداروں کو آرائش اور بکثرت دولت دے رکھی ہے

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا

تاکہ تیرے راستہ سے وہ لوگوں کو بہکائیں اے ہمارے رب

اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى

ان کے مال ملیامیٹ کر دے اور ان کے دلوں کو سخت

قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ

کر دے ایمان ہی نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب

الْاَلِيْمَ ○ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا

دیکھ لیں اللہ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی

فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ

تم مستقیم رہو اور نادانوں لوگوں کے راستہ پر

لَا يَعْلَمُوْنَ ○

نہ چلو

تفسیر جب بنی اسرائیل کی تکلیف کا زمانہ ختم ہونے کے قریب پہونچا۔ اور حضرت موسیٰ ؑ نے کافروں کو سمجھانے کی انتہا کر دی۔ لیکن جاہلوں نے موسوی دعوت کو خود غرضی اور نفسانی ہوس پر محمول کیا اور کہنے لگے تم ملک پر اقتدار قائم کرنا چاہتے ہو ایسا ہو نہیں سکتا۔ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ ادھر عام بنی اسرائیل کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ بالآخر مجبور ہو کر حضرت موسیٰ ؑ نے بددعا کی اور فرعون والوں کی تباہی کی استدعا پیش کی۔

اِنَّكَ اٰتَيْتَ دولت و عیش ہر فساد کی جڑ ہے اس سے انسان کور بصیرت ہو جاتا ہے۔ فرعون کی دولت اور اس کے امراء کا سامان حرب اس زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ کو انہوں کا جاہ و حشم اور اسباب عیش قبطیوں کے مقابلہ میں ناقابل ذکر تھا۔ حضرت موسیٰ ؑ نے بددعا کی کہ الٰہی تو نے جو ان کو آسائشیں پُر بہار زندگیاں اور راحت آفریں سامان طرب دے رکھا ہے۔ تبھی یہی وجہ ہے کہ یہ گمراہیاں پھیلا رہے ہیں۔ اور وہ راہ راست سے لوگوں کو بھٹکا رہے ہیں تو ان کے اموال کو برباد کر دے۔ طمس سے مراد ابن عباسؓ اور مجاہدؒ کے نزدیک ہلاک کرنا اور مٹانا ہے۔ ضحاک ابو العالیہ اور ربیع نے کہا کہ اس بددعا سے اللہ نے ان کے اموال کو پتھر بنا دیا قتادہ رہ کہتے ہیں ہم کو خبر ملی ہے کہ ان کی کھیتیاں پتھر ہو گئیں تھیں اگرچہ ان بزرگوں کے قول کے مطابق پتھر ہو جانا بھی قدرت الٰہیہ سے بعید نہیں۔ مگر جب تک صحیح روایت نہ ہو اس وقت تباہی کی کوئی خاص صورت متعین کرنا ناقابل یقین ہے۔ لہٰذا اطمس سے مطلق بربادی و تباہی مراد لینا ہی اولیٰ ہے۔

وَاشْدُدْ ابن عباسؓ کے نزدیک بندش کرنے سے مراد مہر لگا دینا ہے۔ یعنی ان کے دلوں پر ایسی گمراہی کی مہر لگا دے کہ آئندہ ایمان ہی نہ لا سکیں اور ایمان لائیں بھی تو ایسے وقت میں کہ ایمان مفید نہ ہو۔ عَذَابَ الْاَلِيْمَ سے مراد ابن عباس کے نزدیک ڈوبنے کا عذاب ہے سیاق آیات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ اگرچہ دعا کرنے والے صرف حضرت موسیٰ ؑ تھے۔ مگر حضرت ہارون ؑ نے آمین کہی تھی۔ اس لئے ایک کی دعا کو دونوں کی دعا قرار دیا۔ ابو العالیہ۔ ابو صالح۔ عکرمہ محمد بن کعب اور ربیع وغیرہ کی روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ہارون آمین کہتے جاتے تھے۔ ابن کثیر نے اس آیت سے یہ مسئلہ استخراج کیا۔

ہے کہ اگر نماز میں صرف امام سورۂ فاتحہ پڑھے اور مقتدی آمین کہیں تو قرأت امام کو قرأت مقتدی بھی قرار دیا جائیگا۔

فَاسْتَقِيمَا ابن عباس کے نزدیک حکم استقامت کا مطلب یہ ہے کہ میری فرماں برداری پر قائم رہو۔ بیضاوی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اتمام حجت دعوت توحید اور دعا پہ جمے رہو جلدی مت کرو۔ جو تم نے مانگا وہ ضرور ہونے والا ہے۔ لیکن اپنے وقت پر ہوگا۔

وَلَا تَتَّبِعَانِّ یعنی اُن جاہلوں کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ جو کارخانہ قدرت سے ناواقف ہیں۔ اور قانون فطرت کو نہیں جانتے۔ اور ہر دعویٰ کا فوری اثر چاہتے ہیں۔ اس میں بنی اسرائیل کو تنبیہ ہے کہ موسیٰ ؑ کی دعا قبول ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ فوری اثر پیدا ہوجائے چنانچہ ابن جریج کی روایت میں ہے کہ اس بددعا کے بعد فرعون چالیس سال زندہ رہا۔ لیکن محمد بن کعب وغیرہ اہل روایت نے صرف چالیس روز زندہ رہنا بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مقصود بیان:۔ دنیوی عیش وراحت اور کثرتِ مال تمام گمراہیوں کا سرچشمہ ہے۔ دلوں پر ایسی مہر لگادیتا کہ پھر راہِ راست پر آنے کا احتمال بھی نہ رہے۔ اللہ ہی کا کام ہے ورنہ حضرت موسیٰ ؑ ایسی دعا نہ کرتے۔ لیکن کا سبب بندہ ہے آدمی کی سرکشی اور حد سے بڑھی ہوئی نافرمانی اس گمراہی کا سبب بنجاتی ہے۔ آیت سے صاف واضح ہے کہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو۔ خواہ ولی ہو یا نبی اللہ کی فرمانبرداری پر استقامت ہر ایک کے لئے لازم ہے۔ اللہ کی مدد اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اللہ کے حکم پر قائم رہتا ہے۔ دعا کرنے کے بعد فوری اثر کا طالب ہونا جہالت ہے قبول دعا کے لئے فوری اثر لازم نہیں۔ جاہلوں کا اتباع کرنے سے باز رہنے کا تاکیدی حکم وغیرہ۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اُتار دیا

فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَّ

پھر فرعون نے اور اس کی فوجوں نے ظلم وزیادتی سے اُن کا

عَدْوًا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ

پیچھا کیا یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو لگا کہنے

آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ

کہ مجھے یقین ہوگیا سوا اُس معبود کے جسکو بنی اسرائیل مانتے ہیں

بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

اور کوئی معبود نہیں اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ

(ہم نے کہا) اب ایمان لایا حالانکہ اس سے پہلے نافرمان تھا اور مفسدوں میں

الْمُفْسِدِينَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ

شامل رہا آج ہم تیری لاش بچادیں گے

لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا

تاکہ بعد کو آنے والوں کے لئے نشانی ہو بلاشبہ بہت سے

مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ۝ ع ١٠

لوگ ہماری آیات قدرت سے غافل ہیں

تفسیر غرض حضرت موسیٰ ؑ کی دعا قبول ہوئی۔ وحی الٰہی ہوئی کہ سب اسرائیلیوں کو لے کر مملکتِ مصر سے نکل جاؤ حسب الحکم ایک رات کو حضرت موسیٰ ؑ تمام بنی اسرائیل کو لے کر چل دیئے۔ اور بحر قلزم یا بحر سوئز پر پہونچے۔

فَأَتْبَعَهُمْ فرعون نے بھی اپنا لشکر لے کر تعاقب کیا۔ بَغْيًا وَّعَدْوًا کے معنی بعض مفسرین نے یہ بیان کئے ہیں کہ فرعون قول وعمل دونوں میں حد سے بڑھ گیا تھا۔ عکرمہ نے فرمایا قرآن میں لفظ عَلَوْا اور عَتَوْا جس جگہ آیا ہے ہر جگہ سرکشی اور غرور کے معنی ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ غرور اور تکبر کے ساتھ فرعون نے تعاقب کیا اور آفتاب کے نکلنے کے وقت بنی اسرائیل تک پہونچ گیا اسرائیلی بہت پریشان ہوئے۔ حواس بجا نہ رہے۔ سامنے موج زن سمندر تھا پیچھے جرار لشکر تھا۔ مجرمانہ فرار کرکے آئے تھے۔ قبطیوں کے زیور بھی بقدر امکان ساتھ لے آئے تھے اور جہاں تک ہوسکا اُن کے بچوں اور مویشیوں کو بھی ہلاک کرچکے تھے۔ غرض اسی اضطرار میں حضرت موسیٰ سے بار بار پوچھنے لگے۔ اب کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا مجھے پروردگار نے اسی راہ چلنے کا حکم دیا ہے۔ بولے پھر تو ہم پکڑے گئے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ خود راہنمائی فرمائیگا۔ تم خوف زدہ نہ ہو۔ تھوڑی دیر میں دریا کے کنارے پہونچکر حسب وحی حضرت موسیٰ ؑ نے سمندر میں لاٹھی ماری۔ لاٹھی مارتے ہی دریا میں بارہ راستے پیدا ہوگئے پانی سمٹ

گیا۔ ہر خاندان ایک راستہ میں داخل ہو کر پار پہونچ گیا۔ قدرت الٰہی
سے پانی میں کچھ دریچے اور روشندان بھی کھلے رہے تھے کہ پانی کے
اُس پار سے ہر قبیلہ دوسرے کو دیکھتا جاتا تھا۔ اتنے میں فرعون بھی لشکر
لئے آپہونچا۔ اور کچھ پس وپیش اور مشورہ کے بعد دریا میں گھوڑا ڈال دیا
پانی بدستور خشک رہا۔ جب سب لشکر دریا میں داخل ہو گیا تو موجوں میں
تلاطم پیدا ہوا لشکر غرق ہو گیا۔ فرعون بھی غوطے کھانے لگا۔ جب اُس
کو یقین ہو گیا کہ اب غرق ہو کر موت سے نجات ناممکن ہے تو اضطراری
طور پر بولا مجھے یقین ہو گیا کہ اُس خدا کے علاوہ جس پر بنو اسرائیل ایمان
لائے ہیں اور کوئی معبود نہیں۔ میں بھی اسی پر ایمان لے آیا۔ اور اب میں
اسی کا فرماں پذیر ہوں۔ ندا ہوئی اس سے پہلے تمام عمر جب ایمان کا
موقع تھا تو ایمان نہ لایا اور فساد ہی پھیلاتا رہا اب جبکہ ایمان کا وقت
نہ رہا تو اضطراری طور پر ایمان لایا اور فرماں پذیر بننے کا اقرار کیا۔ شیخ
محی الدین ابن عربی کا قول ہے کہ آیت میں فرعون کا ایمان نہ قبول ہونے
کی صراحت نہیں۔ اور چونکہ اس نے ایمان کا اظہار تین الفاظ میں بطور
تاکید کیا اس لئے اس کا ایمان مقبول ہوا اور وہ مومن مرا مگر محققین نے
اس قول کی تردید کی ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے "یَقْدُمُ قَوْمَهٗ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الخ" نیز ایک اور جگہ آیا ہے جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ
فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ نجات کا مطلب حسن بصری کے نزدیک یہ ہے کہ ہم
تیری خالی لاش دریا کے باہر پھینک دیں گے۔ عبداللہ بن شداد نے کہا کہ
پوری لاش بغیر کسی کمی اور تغیر کے باہر پھینک دینگے۔ ابو صخر نے کہا کہ فرعون
اس وقت سونے کی زرہ پہنے ہوئے تھا۔ بدن سے مراد زرہ ہے یعنی
ہم تیری لاش مع زرہ کے باہر پھینک دینگے۔ ابن عباس رض نے فرمایا
کہ بعض اسرائیلیوں کو فرعون کے ڈوبنے کا یقین نہ آتا تھا۔ اس لئے
حکم ہوا کہ فرعون کی لاش مع زرہ کے باہر پھینک دے تاکہ بنی اسرائیل
ساحل پر اس کو مرا ہوا دیکھ لیں۔ بعض مفسرین نے لِمَنْ خَلْفَكَ
سے آئندہ قوم مراد لی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کی عبرت کے
لئے ہم تیری لاش بچالیں گے۔

بنی اسرائیل کی نجات کا واقعہ محرم کی دس تاریخ کو ہوا۔
اس لئے یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔

مقصود بیان:۔ اللہ زبردست کارساز اور غیبی طاقت
کا مالک ہے۔ نبی کے حکم سے سرکشی کا نتیجہ تباہی ہے۔ اِتَّبَعَ کا لفظ بقول
اصمعی دلالت کر رہا ہے کہ فرعون نے اسرائیلیوں کا پیچھا کیا تھا مگر
اُن کو پکڑ نہ سکا تھا۔ بَغْيًا وَّعَدْوًا کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں
کہ فرعون کے دماغ میں غرور وتکبر کا بھوت بیٹھا ہوا تھا اور بنی اسرائیل
کو روکنے کا اُسے حق نہ تھا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ اگر مظلوم
ظالم کے پنجہ سے نجات پانے کے لئے کوئی کوشش کرے تو اس کو حق ہے
اضطراری ایمان جبکہ آثار موت نمودار ہو گئے ہوں مقبول نہیں بنی اسرائیل
پر فرعون کی سطوت اور اُس کا رعب اسقدر چھایا ہوا تھا کہ ان کو فرعون
کی غرقابی کا یقین دلانے کے لئے لاش کو باہر پھینکا گیا۔ آیات میں رسول
پاک کی صداقت اور قرآن کے الہامی ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے
کہ حضور نے باوجود اُمّی ہونے کے ایسا مفصل واقعہ صحیح صحیح بیان فرمایا
کہ تمام علماء تاریخ بھی اُس کی صحت کے مقر ہیں۔ یہاں تک کہ مرتے وقت
فرعون نے جو الفاظ کہے تھے وہ بھی ظاہر فرما دیئے اور پھر اُس کا نتیجہ بھی ذکر کر دیا وغیرہ

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ
ہم نے بنی اسرائیل کو ایک نیک مقام میں

صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ
جگہ دی اور نفیس چیزیں کھانے کو دیں

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ
تو اُنہوں نے تا وقتیکہ اُن کے پاس علم نہ آیا اختلاف نہ کیا

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
قیامت کے دن تمہارا رب ان کے اختلافی امور کا

فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝
فیصلہ فرما دے گا

تفسیر: ان آیات میں غرق فرعون کے بعد کا واقعہ بیان کیا گیا
ہے۔ اور قبطیوں کی تباہی کے بعد جو انعامات اللہ نے
اسرائیلیوں پر کئے تھے اُن کے اظہار کی ابتدا یہاں سے کی گئی ہے۔
لیکن اسی آیت کے اختتام پر بنی اسرائیل کی انتہائی سرکشی وگمراہی کو
بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ جس سے خاص مقصد یہ ہے کہ اسرائیلی نافرمانی کا
خداوندی انعامات سے مقابلہ کر کے اہل نظر کو عبرت اندوزی کا موقعہ دیا جائے
مُبَوَّاَ صِدْقٍ سے مراد ابن جریر رض کے نزدیک مصر وشام
ہے کیونکہ بقول ابن جریر قبطیوں کی تباہی کے بعد حضرت موسٰی بنی اسرائیل
کو لے کر دوبارہ مصر گئے تھے۔ اور وہاں اسرائیلی حکومت قائم کی تھی۔
بیضاوی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ لیکن اکثر مفسرین اور اہل تاریخ
واپسی مصر کے قائل نہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک مقام صدق سے اردن
یا فلسطین یا یروشلم۔ یا فارس مراد ہے۔ آیت میں تینوں امور کو بیان فرمایا

ہے اسرائیلیوں کو خدا نے منازل صدق عطا فرمائے۔ اُن کو پاکیزہ
حلال یا لذیذ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔ علم حق اور شریعت الٰہیہ کے
حصول کے بعد بنی اسرائیل میں اختلاف اور تفرقہ ہوگیا۔ اور مختلف فرقے
بن گئے۔ نفقتہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قبطی ہلاک ہو گئے اُن کا آفتاب عروج
زوال پذیر ہوگیا۔ اسرائیلیوں کا اُن پر کامل اقتدار ہوگیا۔ شام ارض
کنعان اردن اور بعض حصص فارس پر بھی اُن کا تسلط ہو گیا۔ اور اسی
دور اقتدار میں سرکشی و طغیان کے عوض بنی اسرائیل عذاب الٰہی میں
گرفتار بھی ہوتے رہے۔ اور توبہ کے بعد اُن کی حالت درست ہوتی رہی
عمالقہ سے مقابلہ کرنے کے انکار کے عوض چالیس سال ایک بیابان
میں حیران و پریشان پھرنا پڑا۔ سب وہیں مر کھپ گئے نوجوانوں کو لیکر
یوشع بن نون وہاں سے نکلے بیت المقدس کو فتح کیا۔ مدت تک وہاں
بنی اسرائیل کی حکومت رہی۔ پھر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب
الٰہی بخت نصر شاہ بابل کی شکل میں نمودار ہوا۔ بخت نصر نے اُن کو خوب
قتل غارت اور اسیر کیا۔ مدت کے بعد پھر حکومت اُن کے ہاتھ آگئی پھر
حالت خراب ہوئی تو شاہان یونان کا ان پر تسلط ہوگیا۔ گمراہی زیادہ
پھیل گئی تو مسیح مبعوث ہوئے۔ اسرائیلیوں نے شاہ یونان کو قتل عیسیٰ
پر آمادہ کیا لیکن حضرت عیسیٰ محفوظ کر لئے گئے۔ دین عیسوی پھیلا چند
ہی دنوں کے بعد اسرائیلیوں نے شریعت عیسوی میں تبدیلی شروع
کر دی۔ رفتہ رفتہ تحریف ہوتی رہی۔ تقریباً ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین
فیلسوف نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اس نے کامل طور پر دین عیسوی
میں تغیر کر دیا گرجا گھروں میں تصویریں لٹکائیں۔ پرستش صلیب شروع
کی تثلیث و حلول کے عقیدہ کی بنیاد رکھی سور کا گوشت حلال کیا مشرق
کی جانب رخ کرکے نماز پڑھنے کی تعلیم دی۔ اپنے تحریفی عقائد پر علماء
سے دستخط کرائے اکثر نے بخوشی خاطر مہریں ثبت کیں بعض نے مجبوری
بعض بھاگ کر جنگلوں میں روپوش ہو گئے۔ غرض اس طرح شریعت
موسوی کی طرح تعلیم عیسوی بھی کچھ سے کچھ ہوگئی۔ اور اس تحریف و
تبدیل کے علمبردار علماء تھے۔ اللہ نے ہزاروں نعمتوں سے سرفراز
فرمایا۔ اور اس کے عوض بجائے شکر و قربانی پروردگار کے اسرائیلیوں
نے کفران نعمت کیا۔ ان کا یہ اصولی اختلاف قیامت تک ختم ہونے
والا نہیں۔ بس حشر کے بعد ہی حق و باطل اور صواب و خطا کا
فیصلہ کیا جائیگا۔

تنبیہ: صحیح احادیث میں آیا ہے کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے
ہوئے اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے مگر میری امت
کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ جن میں سے ایک جنتی اور باقی دوزخی
ہوں گے۔ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ وہ جنتی فرقہ کون ہے؟ فرمایا جس پر
میں اور میرے ساتھی ہیں۔ رواہ الحاکم والحدیث فی السنن والمسانید
آیت فَمَا اخْتَلَفُوا الخ کی تفسیر جو ہم نے بیان کی یہی اکثر مفسرین
نے بیان کی ہے اور اختلاف سے باہمی مذہبی تفرقہ مراد لیا ہے لیکن
بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ توریت
و انجیل میں رسول پاک کے اوصاف اخلاق اور علامات برابر پڑھتے
چلے آتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضور مبعوث ہوئے قرآن نازل ہوا
حضور سے متواتر معجزات سرزد ہوئے تو با وجود علم صادق کے
محض دنیا پرستی اور حصول زر کے سبب صداقت رسول سے انحراف
کرنے لگے۔ اور ایمان نہ لائے۔ اور سیکڑوں بے بنیاد حجتیں پیش
کرنی شروع کر دیں۔

مقصود بیان: بنی اسرائیل پر اللہ نے انعامات کئے۔ مگر
انہوں نے کفران نعمت کیا۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ اللہ جن
چیزوں کو حلال کرتا ہے وہ پاک اور ستھری ہوتی ہیں۔ گویا جن چیزوں
کے اندر خباثت اور نجاست ہوتی ہے وہی حرام کی جاتی ہیں۔ وغیرہ

فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ
پس اگر (بالفرض) تم اُس چیز میں شک کرتے ہو جو ہم نے تم پر نازل کی ہے
فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكَ
تو اُن لوگوں سے دریافت کر لو جو تم سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں
لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ
بلاشبہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس حق پہنچ چکا تم شک کرنے والوں
مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ
میں سے ہرگز نہ ہو اور نہ اُن لوگوں میں سے ہو جنہوں نے
كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝
اللہ کے آیات کی تکذیب کی ورنہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے
إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
بلاشبہ جن لوگوں پر تمہارے رب کا حکم ثابت ہو گیا ہے وہ
لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ
یقین نہ کریں گے تاوقتیکہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَلَوْلَا كَانَتْ

اگرچہ سارے معجزے، اُن کے پاس آموجود ہوں — پھر ایسی کوئی بستی

قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ

کیوں نہیں ہوئی کہ (عذاب دیکھنے کے بعد) ایمان لاتا اُسکو مفید ہوتا ہاں یونس کی

يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ

قوم — جب ایمان لے آئی تو ہم نے دنیوی زندگانی میں

الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝

ذلت کا عذاب اُن سے اٹھالیا — اور ایک مدت تک اُن کو فائدہ اٹھانے دیا

تفسیر ان آیات کی تفسیر سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض علماء کا ایک شبہہ (جو ان آیات پر ہے) اور اُس کا جواب بیان کردیا جائے۔

آیت میں رسولِ پاکؐ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو شک ہو اور قرآن کے بیان کردہ قصص کے متعلق خلاف واقع ہونے کا کوئی احتمال ہو تو علماء اہل کتاب سے پوچھ لو وہ بیان قرآنی کی تائید و تصدیق کرینگے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کو صداقت قرآن میں شک کس طرح ہوسکتا تھا۔ اگر آپ کو بھی وحی میں شک ہو یا مفہوم وحی میں خلاف واقع ہونے کا احتمال ہو تو دوسروں کو بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ اگر آپ کو بیانِ الٰہی میں شک ہوتا تو اہل کتاب سے پوچھنے کا بھی کیا نتیجہ؟ ان کی تصدیق سے بہرحال رسول اللہؐ کا شک دور نہیں ہوسکتا تھا۔

اس شبہہ کے ازالہ کی کئی صورتیں ہیں اور سب کا مدار تاویل پر ہے۔ (۱) خطاب رسول اللہؐ کو ہے اور آپ ہی کی طرف روئے سخن بھی ہے لیکن کلام کی بنا فرض پر ہے۔ یعنی اگر بالفرض آپ کو شک ہو تو اہلکتاب سے دریافت کرلو یہ قصص ان کی کتابوں میں بھی اسی طرح مذکور ہیں اور واقعی صحیح ہیں ان میں تحریف نہیں کی گئی ہے۔ قرآن اُن کی تصدیق کرتا ہے یہودیوں اور عیسائیوں نے اگرچہ اپنی کتابوں میں تحریف و تبدیل کرلی تھی۔ لیکن بالکل انقلاب نہ کیا تھا۔ کچھ اصل اور کچھ خود تراشیدہ الفاظ و مضامین ملاکر اپنے مذہب کی بنا ان پر رکھی تھی۔ لہٰذا جن مضامین کی صداقت کے متعلق قرآن ناطق ہو ان سے استشہاد صحیح ہے (۲) اس کلام سے رسول اللہؐ کو مزید اطمینانِ قلب عطا کرنا مقصود ہے۔ اسی لئے حضور نے ان آیات کے نزول کے بعد فرمایا۔ مجھے نہ کچھ شک ہے نہ میں کسی سے پوچھتا ہوں اسمیں امت کے لئے تصدیق کی پختگی اور ایقان کا استحکام مقصود ہے (۳) اگرچہ خطاب رسول اللہؐ کو ہی لیکن اس خطاب سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے سننے والوں کے دلوں میں بیانِ قرآنی کی صداقت جم جائے چنانچہ حضورؐ نے ایسا ہی کیا۔ ایک اور آیت میں بھی فرشتوں کو خطاب کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے وہ قول نقل کیا ہے جو قیامت کے دن فرمائیگا کہ اَهٰۤؤُلَاۤءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۔ فرشتے اس کے جواب میں عرض کرینگے سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ الخ۔ گویا پہلے کلام سے غرض یہ ہے کہ فرشتے جواب کی صراحت کردیں۔ اور اہل شرک کو مایوسی ہوجائے (۴) خطاب رسول اللہؐ کو ہے۔ مگر روئے سخن کفار کی طرف ہے۔ خصوصاً قریش مشارِ خطاب ہیں۔ کیونکہ ان کو اہل کتاب کے علم پر بڑا اعتماد تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کو ہی وہ عالم جانتے تھے مطلب یہ ہوا کہ اے رسول ان قریش سے کہدو کہ اگر تم کو ان واقعات میں شک ہو تو جاؤ اہل کتاب سے پوچھ لو وہ بھی ان کی تصدیق کریں گے۔

آیات کا تفسیری مطلب بیان کرنے سے قبل ہم حضرت یونسؑ کا مختصر قصہ بیان کرتے ہیں تاکہ آیت کے مطلب کی توضیح ہوجائے۔

یونس بن متیٰ جن کو عبرانی زبان میں یونہ کہا گیا ہے۔ ملکِ شام میں ۸۶۲ قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ اور یہودیوں کی ہدایت پر مامور ہوئے آپ کے زمانے میں چار انبیاء اور بھی تھے۔ اشعیا۔ عزریا۔ اموص۔ یوشلے بعض کے نزدیک یوشلے حضرت یونسؑ ہی کا نام ہے۔ آپ کو حکم ملا جاکر نینوا والوں کی ہدایت کرو۔ نینوا ملکِ شام سے مشرق کی طرف موصل کے قریب دریا دجلہ کے شرقی کنارہ پر ایک بہت بڑا شہر تھا۔ تہذیب و تمدن میں بابل منف اور بیت المقدس سے کم نہ تھا۔ حسب الحکم آپ نینوا کو چلدیے بعض اہل تاریخ کے نزدیک آپ نینوا نہ پہونچے بلکہ یافہ ہوتے ہوئے ترسیس علاقہ شام میں چلے گئے کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ خدا تعالیٰ بڑا مہربان ہے اتنی کثیر اور متمدن آبادی کو ہلاک نہ کریگا اور لوگ میری توہین کریں گے لیکن محققین کے نزدیک آپ نینوا ہو گئے۔ یہودیوں کو ہدایت کی لیکن وہ اپنی تہذیب اور دولت کے نشہ میں مست تھے ایک نہ سنی دیوانہ کہتے مذاق اڑاتے پھبتیاں کستے آوازے چست کرتے۔ لڑنے مرنے پر آمادہ ہوجاتے اور کوئی پرواہ نہ کرتے مجبور ہوکر آپ نے نزولِ عذاب کی دعا کی۔ دعا قبول ہوئی۔ آپ نے دوران تقریر میں چالیس یا تین روز کے بعد عذاب نازل ہونے کا اعلان کردیا۔ اور خود پہاڑ میں جا چھپے۔ چالیسویں یا تیسری صبح کو اُفق پر ایک ابر سُرخ نمودار ہوا۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے تمام آسمان پر محیط ہوگیا۔ اور چنگاریاں نکلنی شروع ہوئیں گرمی پھیلی۔ خون رگوں میں کھولنے لگا۔

لوگ علاماتِ عذاب دیکھکر گھبرا گئے۔ پریشان ہوکر حضرت یونس کی تلاش میں نکلے لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ مجبوراً بادشاہ سے لیکر بینوا نفیر تک سب جمع ہوکر توبہ کے لئے نکلے۔ اور ابر کے نیچے اکٹھے ہوکر ایسی عاجزی سے دعا کی اور اس قدر گڑگڑا کر توبہ کی کہ رحمتِ الٰہی جوش میں آگئی۔ چالیس یا تین شبانہ روز گریہ و زاری کرنے پر توبہ قبول ہوئی۔ چنگاریاں نکلنی موقوف ہوئیں۔ ابر چھٹ گیا۔ اور مطلع صاف ہوگیا۔ اکتالیسویں دن یا چونتیسویں دن حضرت یونسؑ قوم کی حالت کے تباہ ہونے اور عذاب کے نازل ہونے کا یقین کرکے ملاحظۂ حالات کے لئے واپس آرہے تھے راستہ میں ایک آدمی سے کیفیت دریافت کی۔ اس نے مفصل واقعہ کہدیا۔ نزولِ عذاب اور پھر اس کا مل جانا سب کچھ ظاہر کر دیا۔ آپ کبیدہ خاطر ہوگئے۔ اور خیال کیا اگر اب قوم والوں کے پاس جاؤں گا تو وہ میرا مذاق اڑائیں گے۔ اس لئے نینوا کی بجائے فرات کی طرف رخ کیا اور حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا۔ بڑے آدمیوں کی ادنیٰ بات پر بھی گرفت ہوجاتی ہے۔ فوراً عتاب الٰہی میں ماخوذ ہوئے۔ اور شکم ماہی میں گرفتار کردیئے گئے۔ باقی قصہ اپنے موقعہ پر آئیگا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔ اے کفارِ قریش ہمنے جو موسیٰ اور فرعون کا واقعہ بیان کیا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو تو جن لوگوں کے تبحر علمی کے تم قائل ہو۔ ان سے پوچھ دیکھو اہل کتاب کو تم خازن علم جانتے ہو۔ انہی سے دریافت کرلو۔ وہ بھی اس کی تصدیق کریں گے۔ لہٰذا تم قطعاً اس کی صداقت میں شک نہ کرو۔ ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو دیگر اہل تکذیب کا ہوا۔ جو نقصان ان کو اٹھانا پڑا تم کو بھی وہی اٹھانا ہوگا۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ جو ازلی گمراہ ہیں جن کی تقدیر میں جہنمی ہونا لکھا جاچکا وہ جبتک اپنی آنکھوں سے عذاب آخرت یا عذاب موت نہ دیکھ لیں ان کو کسی معجزہ یا دلیل قدرت یا برہانِ فطرت کا یقین نہ آئیگا مگر عذاب کے علامات اور یقینی آثار دیکھنے کے بعد ایمان لانا قابل قبول نہیں۔ سوائے قوم یونسؑ کے کسی آبادی کا اضطراری ایمان قبول نہ ہوا فقط یونسؑ کی امت تھے جب آثارِ عذاب دیکھکر سچی توبہ کی تو اللہ نے ان کو عذاب سے بچالیا۔ اور ایک مدّت تک وہ رہتے بستے رہے۔

مقصود بیان:۔ آیات سے اس بات کا استنباط ہوتا ہے کہ جن واقعات و قصص کو دوسری مذہبی کتابیں بیان کریں اور قرآنِ پاک ان کی تصدیق کرے تو وہ صحیح ہیں گویا دوسری مذہبی کتابوں کا بعض حصّہ اب تک بھی صحیح ہے۔ اگرچہ اکثر حصّہ میں تغیر و تبدل کرلیا گیا ہے۔

قرآنِ پاک نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ خواہ احکام و عقائد ہوں یا مواعظ و نصائح یا معجزات و خوارق یا واقعات و قصص۔ اس سے اس گروہ کے قول کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو کہتا ہے کہ قرآنی عقائد احکام اور قوانین وضوابط تو ضرور صحیح ہیں۔ مگر قصص و واقعات صرف دیگر تاریخی کتابوں کی طرح اہمیت رکھتے ہیں مفید یقین نہیں۔ علامات عذاب کے ظہور کے بعد ایمان لانا قابل قبول نہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ
اگر تمہارا رب چاہتا تو زمین کے سب آدمی

كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى
ایمان لے آتے۔ سو کیا تم لوگوں کو مجبور کرسکتے ہو کہ

يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ
وہ باایمان ہو جائیں حالانکہ بغیر حکم خدا کے ایمان لانا

تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ
کسی شخص کے اختیار میں نہیں اور اللہ ناسمجھ لوگوں پر

عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلِ انْظُرُوْا مَا
گندگی ڈالتا ہے (اے محمدؐ) کہدو کہ دیکھو آسمانوں میں

ذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ
اور زمین میں کیا کچھ ہے لیکن جو قوم نہیں مانتی

وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَهَلْ
اُس کے لئے نشانیاں اور دھمکیاں کچھ کام نہیں آتیں سو یہ

يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا
انہی لوگوں کے واقعات جیسے حالات کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ
گذر گئے (اے محمدؐ) کہدو کہ انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ
منتظر ہوں (لیکن نزول عذاب کے بعد) ہم اپنے رسولوں کو اور

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَۚ حَقًّا عَلَيْنَا

مسلمانوں کو بچا لیتے ہیں اسی طرح ہمارا ذمہ ہے

نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع

کہ ایمان والوں کو بچائیں گے

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ جو ازلی گمراہ ہیں اُن سے ایمان لانے کی امید نہیں۔ ان آیات میں بتانا چاہتا ہے کہ آیات قدرت و براہین فطرت دلائل قولی اور حجج عملی کو پیش کرنا صرف اتمام عذر کے لئے ہے۔ ورنہ بغیر اذن الٰہی کے کوئی ایمان نہیں لا سکتا۔ کوئی تسلی اور کوئی موعظت سودمند نہیں ہو سکتی۔ رسول خدا کو اگرچہ خواہش اور حرص ہے کہ کل دنیا مسلمان ہو جائے اور کفر کا نشان تک نہ رہے لیکن مشیت الٰہی کو بدل دینا طاقت رسول سے خارج ہے اگر خدا چاہتا تو سب کو مسلمان بنا دیتا لیکن بمصلحت اس نے ایسا نہیں کیا لہٰذا رسول اللہ کو بھی مشیت الٰہی کے تابع ہونا چاہئے۔ حضور سرور کائنات کی انتہائی خواہش تھی کہ تمام عرب آدمی مسلمان ہو جائیں لوگوں کے ایمان نہ لانے سے حضورؐ کو تکلیف اور اندوہ و ملال ہوتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے رسول کو تسلی عطا فرمائی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اگر اللہ کی مشیت ہوتی اور خدا چاہتا تو سب آدمی اہل ایمان ہو جاتے۔ کوئی شخص اللہ اور اس کی توحید کا منکر نہ رہتا۔ لیکن خدا نے ایسا نہ چاہا۔ لہٰذا تم کو بھی زبردستی مومن بنانے کی خواہش نہ چاہئے۔ اپنی خواہش کو اُس کی منشا کے موافق بنانا چاہئے۔ اللہ نے لوگوں کو عقل کر دی ہے۔ سوچنا ان کا کام ہے اس کے اذن کے بغیر کوئی مومن نہیں ہو سکتا یعنی جو عقل سلیم رکھتے ہیں نفسانیت اور عناد سے پاک ہیں۔ ان کو ہدایت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور جو بے سمجھ ہیں عقل سے صحیح کام نہیں لیتے۔ ان کے دلوں میں کفر و شرک کی گندگی بھری رہتی ہے۔ اس کلام سے شبہہ ہوتا تھا کہ پھر تبلیغ اور وعظ و پند بالکل بیکار ہے۔ ہدایت کے لئے عقل انسانی کافی ہے رسالت اور دعوت توحید کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس شبہہ کے ازالہ کے لئے فرماتا ہے کہ اے نبی تم عام دعوت، پند، اور اعلان کر دو کہ لوگو آسمان اور زمین اور ان کی موجودات کو نظر غور سے دیکھو عجائب قدرت کا مشاہدہ کرو مصنوع سے صانع کا مخلوق سے خالق کا استنباط عالم سے صاحب قدرت و ارادہ علیم کا خود بخود پتہ چل جائیگا۔ غرائب کائنات اللہ کی الوہیت وحدانیت اور فردانیت بتائیں گے لیکن یہ فائدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لانا چاہیں۔ عبرت اندوز نظر رکھتے ہوں۔ باقی جو لوگ کور بصیرت ہیں بحکم الٰہی وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ان کے لئے یہ تمام آیات و اصحاب ہر قسم کی وعید ہر طرح کی ہدایت اور ہر نوع کی دعوت بیکار ہے۔ خلاصہ ازالہ یہ نکلا کہ نوشتہ تقدیر کے موافق جن کی قسمت میں ایمان لانا ہے ان کے لئے آیات قدرت تبلیغ رسول اور ہدایت و توفیق کی ضرورت ہے۔ وہ عبرت اندوز دماغ رکھتے ہیں ان کی عقلیں سالم ہیں۔ لہٰذا ادنیٰ تحریک و تنبیہہ کے بعد راہ راست پر آجاتے ہیں۔ اور جو لوگ کج منش کج فہم اور کوتاہ بصیرت والے ہیں نوشتہ ازلی کے موافق ایمان سے محروم ہیں۔ اُن کے لئے ہر برہان دلیل ہر آیت اور ہر ثبوت بیکار ہے صرف اتمام عذر کے لئے ان کو دعوت ایمان دیدی جائے اور بس۔ اس سے آگے فرماتا ہے کہ یہ کفار جو محمد رسول اللہ کی تکذیب اور کفر پر اصرار کئے جا رہے ہیں اُن کے حالات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ گذشتہ کافروں کے نتائج بد کی طرح یہ بھی اپنے نتائج دیکھنے کے منتظر ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح سابق کفار نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی اور رسولوں کی ہلاکت کے منتظر رہے اسی طرح یہ بھی رسول خدا کی تکذیب کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی بربادی کے منتظر ہیں۔ اے رسول ان سے کہدو کہ اچھا تم بھی انتظار کرو میں بھی منتظر ہوں۔ دیکھو نتیجہ کس کے موافق رہتا ہے۔ بالآخر تم ہی ہلاک ہوگے۔ اور رسول خدا کا بال بیکا نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ کا یہ دستور ہے کہ جب کفار اور اہل ایمان کا مقابلہ ہوا تو اللہ نے کفار کو ہلاک کر دیا۔ اور انبیاء و مومنین کو بچا لیا یہی حال اب ہوگا۔

ایک شبہہ اور اُس کا ازالہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں اگر وہ چاہتے تو اپنے فضل و کرم کی بارش کر دے۔ اور چاہے تو عذاب دے۔ بہر حال عدل و انصاف ہے کسی کا اس پر کچھ وجوبی حق نہیں ہے لیکن اس آیت میں حَقًّا عَلَيْنَا فرمایا جس سے صاف طور پر نجات مومنین کا وجوب ثابت ہو رہا ہے۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے جس بات کا وجوبی وعدہ فرمایا ہے گویا اللہ نے اپنی طرف سے اور اپنے فضل سے یہ بات لکھدی ہے کہ ہم ضرور اہل ایمان کو نجات دینگے۔ یہی مضمون مختلف صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

مقصود بیان: اللہ کی مشیت و ارادہ پر کفر و ایمان موقوف ہے۔ انسان کا مومن و کافر اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اللہ کی مشیت نہیں کہ سب لوگ مومن بن جائیں۔ رسول پاک ﷺ کو توسیع اہل ایمان کی بہت زیادہ رغبت تھی۔ جبریہ مسلمان بنانا ناجائز ہے۔ اہل بصیرت ہی کو تمام آیات و دلائل سودمند ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ نظری نور سے بے بہرہ

ہیں۔ ان کو کسی عملی قولی اور برہانی دلیل سے فائدہ نہیں پہونچتا۔ اہل حق بالآخر غالب آتے ہیں۔ اور کفار کا انجام تباہی ہے۔ اللہ نے اپنی رحمت وکرم سے اہل ایمان کی نجات کا قطعی ضروری وعدہ فرمایا ہے۔ آخری آیت میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ عنقریب اسلام کو غلبہ اور فتح حاصل ہوگی۔ مسلمانوں کو کامرانی نصیب ہوگی اللہ کا بول بالا ہوگا اور رسول اللہ کا دین پھیل کر رہیگا۔ کفار کو شکست ہوگی۔ غلبۂ کفر لوٹ جائیگا۔ اور شرک کی دنیا تباہ ہوجائیگی۔ وغیرہ

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِن كُنتُمْ فِى شَكٍّ مِّن

تم کہدو کہ لوگو اگر میرے دین میں تم کو کوئی شک ہے

دِينِى فَلَآ أَعْبُدُ ٱلَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ

تب بھی میں خدا کے علاوہ اُن کو نہیں پوج سکتا جن کی تم پرستش

ٱللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ ٱللَّهَ ٱلَّذِى يَتَوَفَّىٰكُمْ وَأُمِرْتُ

کرتے ہو بلکہ میں تو اُسی اللہ کی پرستش کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کر لیتا ہے

أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ

مجھے تو حکم ملا ہے کہ ایمان والوں میں شامل رہوں اور حق کی طرف ہو کر دین کے

لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ۝

اپنی ذات کو قائم رکھو اور مشرک نہ ہو

وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَ

اور اللہ کے علاوہ اُس کو معبود نہ بناؤ جو نہ تم کو فائدہ پہنچا سکتا ہے

لَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ

نہ نقصان اگر تم نے ایسا کیا تو اُس وقت تم بھی

ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ

ظالموں میں شمار کئے جاؤ گے اگر اللہ تم کو تکلیف پہنچائے

فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ

تو سوا اُس کے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تمہارے حق میں وہ بھلائی چاہے

فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِۦ ۚ يُصِيبُ بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنْ

تو اُس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے

عِبَادِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ۝

اپنا فضل پہنچاتا ہے وہی غفور رحیم ہے

تفسیر ابتدائے سورت سے اس آیت تک خدا تعالیٰ نے انسان کی اصلیت، حقیقت مسائل توحید و معاد اور اُن کے دلائل بیان فرمائے تھے۔ اب یہاں اتمام عذر کے بعد آخری فیصلہ بطور نزل کے فرماتا ہے:-

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے نبی تمام لوگوں سے خواہ وہ مکہ کے ہوں یا مدینہ کے یا کہیں اور کے علی الاعلان کہدو کہ حجت الٰہی تمام ہوچکی۔ توحید و معاد پر عقلی و فطری دلائل کا بیان ہوچکا۔ اللہ کی الوہیت و ربوبیت اور حشر اجساد کا ثبوت کامل طور پر کردیا گیا۔ اب بھی اگر تمہاری کور باطنی تم کو یقین کی طرف نہیں آنے دیتی اور میرے دین کے مسائل توحید، رسالت، قیامت وغیرہ میں تم کو کچھ شک باقی ہے تو بس میرا تم سے کوئی تعلق و تعرض مذہبی نہیں۔ تم اللہ کو چھوڑ کر جاندار و بے جان مخلوق کی پرستش کرتے ہو۔ میں اللہ کے سوا کسی جاندار مخلوق کی بھی پوجا نہیں کرسکتا نہ مسیح کی نہ ملائکہ کی نہ انبیاء و جنات وغیرہ کی چہ جائیکہ بیجان کی بلکہ میری پرستش کا مرکز تو فقط ذات الٰہی ہے۔ تمام دنیا کو چھوڑ کر مخلوق سے رشتہ توڑ کر اُسی کی طرف متوجہ ہونے کا مجھے حکم ہے۔ کیونکہ وہی قاہر و متصرف ہے۔ زندگی اور موت اُسی کے قبضہ میں ہے۔ موت کلید آخرت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مارنے والا وہی ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کا بقا بھی اُسی کے دست قدرت میں ہے۔ اُس کے سوا کوئی نفع نقصان پہنچانے والا نہیں۔ اور جب کسی سے نفع کی امید اور ضرر کا اندیشہ نہیں تو کیوں اُس کی پرستش کی جائے۔ فائدہ اور نقصان تو اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ اگر وہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور نفع پہنچانا چاہے تو کوئی منع نہیں کرسکتا۔ لہذا وہی مستحق پرستش ہے اور میرا رخ اُسی کی طرف ہے۔ غیر اللہ کی پرستش کی حرمت فطری قانون ہے جس سے میں بھی مستثنیٰ نہیں۔ اگر بالفرض میں بھی ایسا کرنے لگوں تو میرا بھی یہی نتیجہ ہوگا جو دوسرے حق فراموشوں اور باطل پرستوں کا ہے۔

مقصود بیان: لطیف پیرایۂ بیان میں شرک کی ممانعت۔ محض اللہ کی پرستش کا حکم۔ اس بات کی صراحت کہ جان قبض کرنا اور نفع نقصان پہنچانا اللہ ہی کا کام ہے۔ ہر وقت دین کی طرف توجہ رکھنے اور باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف مائل ہوجانے کا امر۔ اس امر کی صراحت کہ شرک

سخت ترین جرم ہے۔ اگر بالفرض نبی سے سرزد ہو جائے تو نبوت، ایمان اعزاز سب کچھ ساقط کر کے نافرمانوں اور ناحق کوشوں کے زمرہ میں اسکو داخل کر دیا جائے۔ وغیرہ۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ

تم کہدو کہ لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس

مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ

حق آچکا اب جو کوئی ہدایت حاصل کرے وہ اپنے ہی لئے ہدایت

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

حاصل کرتا ہے اور جو گمراہ ہو جائے اسکی گمراہی کا وبال اسی پر ہے

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى

میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں اور اے محمد تم اسی پر چلو جو تمہارے پاس وحی

اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَ

بھیجی جاتی ہے اور صبر کرو یہانتک کہ اللہ خود فیصلہ کر دے

هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ع

وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

تفسیر اتمامِ حجت اور اتمامِ عذر کے بعد اب ان آیات میں بندوں پر الزام ثابت کر کے اپنے رسول کو اقامت تبلیغ وحی پر ثابت قدمی عطا فرماتا ہے:۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے رسول اعلانِ عام کر دو کہ اب حق آچکا رسول برحق اور قرآن صادق آگیا۔ حق و باطل کا فیصلہ ہو چکا۔ اسلام کے سوا کل مذاہب منسوخ ہو چکے جس کو ماننا ہے مانے۔ نہ ماننا ہے نہ مانے۔ مانیگا اپنا بھلا کریگا نہ مانیگا اپنا نقصان کریگا۔ رسول کا کام صرف پہنچا دینا اور احکام الٰہی کی اطلاع دینا ہے وہ کسی کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اس سے کسی کے کفر و اسلام کی بازپرس نہیں کی جائیگی۔ اس کے بعد رسول اللہ کو صبر کرنے وحی الٰہی پر چلنے اور غیبی انتظار کرنے کا حکم دیا ہے۔

مجاہد و ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ان آیات کا حکم آیت جہاد سے منسوخ ہو گیا ہے۔ ابن کثیر نے اس قول کی توجیہ میں فرمایا کہ مجاہد کی مراد اصطلاحی نسخ نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک خاص وقت تک رسول پاک کو حکم الٰہی صبر و تحمل کیا۔ اس کے بعد قتال و جہاد کا حکم ہوا تو جہاد کیا۔

پہنچاوی اور کشاف نے اس مقام پر ایک حدیث مرفوعاً بیان کی ہے جسکو ثعلبی واحدی اور ابن مردویہ نے بروایت ابی بن کعب نقل کیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سورہ یونس پڑھنے والوں کو ثواب قوم یونس کے اہل ایمان کی تعداد کی برابر ملتا ہے۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ ابن جوزی نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

مقصود بیان:۔ اس امر کی صراحت کہ نزول قرآن کے بعد اب کسی کو لاعلمی پر قائم رہنے اور باطل پرستی پر جمار ہنے کا موقعہ نہیں رہا۔ در پردہ اس بات کا بیان کہ حق وہی ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے اس لئے یہی حق ہے اس کے ہوتے ہوئے اب کوئی مذہب قابل قبول نہیں۔ مِنْ رَّبِّكَ کے لفظ سے اس طرف بھی ایما کر دیا کہ الٰہی مذہب کی ضرورت صرف اتمام حجت کے لئے ہے۔ انسانی عقل ایجاد مذہب کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ اس کے لئے وحی ربانی کی ضرورت ہے۔ اس امر کی بھی تصریح کر دی کہ رسول خدا صرف تبلیغ رسالت کے ذمہ دار ہیں کسی کے ماننے نہ ماننے کی ان سے بازپرس نہ ہوگی۔ آخر میں غیبی امداد حاصل ہونے کا بھی اجمالاً امیدوار فرما دیا اور صبر کرنے کا حکم دیکر یہ بات در پردہ ظاہر کر دی کہ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے اور محض اللہ کی طرف سے ہوتا ہے

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ ہود مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ۱۲۳ آیتیں اور ۱۰ رکوع ہیں

حسن بصری، عکرمہ، عطاء خراسانی، جابر، مجاہد، اور ابن زید کے نزدیک یہ سورت پوری کی پوری مکی ہے۔ ابن عباس اور قتادہ نے صرف آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ الخ کو مدنی قرار دیا۔ مقاتل کے نزدیک دو آیات مدنی ہیں۔ ایک آیت فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ الخ اور دوسری آیت وَاُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ الخ۔ حضرت ابی بن کعب کی روایت ہے حضور نے فرمایا جمعہ کے روز سورۂ ہود پڑھا کرو۔ (رواہ الدارمی وابوداؤد والبیہقی) طبرانی نے ایک حدیث نقل کی ہے جسکو ترمذی نے حسن قرار دیا ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یارسول اللہ حضور پر بڑھاپے کی سفیدی جلد آگئی۔ فرمایا مجھے ہود اور واقعہ اور مرسلات اور عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے سپید کر دیا۔

اس سورت میں ۱۲۲ یا ۱۲۳ آیات ہیں۔ اس میں عموماً قیامت حشر نشر جنت، دوزخ وغیرہ کے احوال کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کا نزول بھی اسی ہنگامہ میں ہوا جب جہالت و بت پرستی کا بازار گرم تھا اور خدا پرستی جرم تھی چونکہ اس میں حضرت ہود کا عبرت انگیز واقعہ بیان کیا گیا ہے اس لئے سورت کا نام ہی ہود قرار پا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ

الرا۔ یہ قرآن ایسی کتاب ہے جسکی آیتیں جانچ لی گئی ہیں پھر مفصل بیان

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

باخبر اللہ کی طرف سے اُن کو واضح کر دیا گیا ہے کہ سوا اللہ کے کسی کی پرستش

اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ

نہ کرو اُس کی طرف سے میں تم کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

اور اپنے رب سے معافی مانگو پھر اُسی کی طرف رجوع کرو

يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ

وہ تم کو ایک وقت معین تک اچھا فائدہ دے گا اور

يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا

ہر بزرگی والے کو اُس کی بزرگی کے موافق درجے دیگا اگر تم رخ پھیروگے

فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ

تو مجھے تمہارے متعلق بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اللہ کی طرف تم کو لوٹنا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا

خوب سن لو کہ یہ لوگ اپنے سینوں کو دوہرا کئے ڈالتے ہیں تاکہ (اپنی دلی باتیں)

مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ

اللہ سے چھپالیں۔ آگاہ رہو کہ جس وقت (سونے کے لئے) اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

تو اُس وقت بھی اللہ ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہوتا ہے وہ یقیناً دلوں کی باتیں جانتا ہے

تفسیر

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ الرٰ کے الف سے اللہ، لام سے جبرئیل اور را سے رسول مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سورت اللہ کی طرف سے بواسطہ جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔ لیکن اس قسم کی تاویلات محض قیاسی ہیں تحقیقی نہیں ہیں۔ حروف مقطعات کے اندر جو کچھ حقائق پوشیدہ ہیں اُن کا واقعی علم اللہ کے رسول ہی کو تھا۔ ہم کو اُس کی تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کلام الٰہی ہے اور رسول اللہ پر نازل ہوا ہے۔ روئے خطاب رسول کی طرف ہے۔ عام لوگوں کے سمجھنے کے لئے فلاح دارین کے قواعد و ضوابط احکام و اعمال کافی ہیں۔ کلام کا کچھ حصہ اور شاہی فرمانوں کا کچھ ٹکڑا ایسا ہوتا ہے جس کو صرف مخاطب ہی سمجھتا ہے کچھ رموز و تلمیحات ہوتے ہیں جن سے فائدہ پذیر وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس فرمان آتے ہیں۔

الرٰ کے بعد قرآن کے تین اوصاف بیان کئے۔ اسکی آیات محکم ہیں۔ اسکی آیات مفصل ہیں۔ اس کا نزول خدا کی طرف سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن ایک عظیم الشان کتاب ہے اتنی عظیم الشان جسکی مثال ناممکن ہے اسکی آیات مضبوط ہیں۔ صحیح دماغ رکھنے والے کو انتہائی غور و خوض کے بعد ان کے اندر کوئی خرابی اور خلل نظر نہیں آتا۔ تمام گذشتہ اخبار صحیح ہیں آئندہ واقعات کے متعلق پیشین گوئیاں سچی ہیں۔ جن قواعد و ضوابط کی قرآن نے تعلیم دی ہے وہ سعادت دارین کا سرچشمہ اور ناقابل نسخ ہیں۔ اس کے احکام تہذیب اخلاق سے لیکر سیاست ملک تک سب کے سب درست ہیں۔ نجات اخروی اور سعادت ابدی کے حصول کی جو شاہراہ اس نے قائم کی وہ عقلمندوں اور بصیرت والوں کے لئے دستور العمل ہے۔ اس پر مزید یہ کہ الفاظ کی شستگی اور شیرینی، عبارت کی رونق و سلامت اور طریق ادا کی بلاغت ناقابل انکار بلکہ معدوم النظیر ہے۔ ایسی جامع کتاب یقیناً اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے نہ یہ اوراق پارینہ کی طرح نرو خشک اور ہر قسم کے مزخرفات سے بھری ہوئی ہے نہ افراط و تفریط کی حامل ہے کہ دیگر آسمانی کتابوں کی طرح اسکے بیان کردہ قوانین و احکام قابل نسخ ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ قرآن کی آیات مفصل ہیں یعنی اگر مجموعی حالت کا لحاظ کیا جائے تو قرآنی آیات و قوانین حشو و زوائد سے پاک، اور افراط و تفریط سے شستہ ہیں اسلئے محکم اور ناقابل نسخ ہیں لیکن اگر مجموعی حالت کو دیکھنے کے بعد تفصیلی کیفیات کی طرف رجوع کیا جائے اور ہر قسم کی آیت پر جدا گانہ گہری نظر ڈالی جائے تب بھی اس کے اندر کوئی خرابی اور خلل معلوم نہ ہوگا اور بالآخر قائل ہونا پڑے گا کہ ان تمام آیات کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو حقائق اشیاء سے واقف اور کل کائنات و مصالح سے باخبر

کو جاننے والا ہے - اس کے بعد فرماتا ہے کہ آیات قرآنیہ میں تین امور کی تفصیلی تعلیم دی گئی ہے :- (۱) محض اللہ کی پرستش کرو (۲) اپنے پروردگار سے استغفار کرو (۳) اللہ کی طرف رجوع کرو - ظاہر ہے کہ قرآن کا اصل مقصد تعلیم شرک کی بیخ کنی ہے اور شرک کی سرچشمہ غیر اللہ کی عبادت ہے اسلئے توحید فی العبادت کا حکم سب سے پہلے دیا تاکہ شرک کا استیصال ہوجائے اور حکم بھی مدلل دیا - اول تو یہ فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو - اللہ کے معنی ہیں ذات جامع صفات کمالیہ - جب اللہ تمام صفات کمالیہ کا خزانہ ہے تو پھر اُس کے ہوتے ہوئے ایسی دوسری ہستیوں کی پرستش کرنی جو ذات وصفات کے لحاظ سے ناقص ہیں عقلاً درست نہیں - گویا اللہ کا اللہ ہونا ہی توحید فی العبادت کا موجب ہے اور اللہ کی الوہیت کے مقر کفار ومشرک بھی ہیں - لہذا اُن پر لازم ہے کہ اُسکی عبادت کریں - اس کے بعد جزا وسزا اور عذاب وثواب کی صراحت کردی یعنی یہ بات واضح کردی کہ مستحق عبادت وہی ذات ہونی چاہئے جو قادر مطلق ہو، متصرف حقیقی ہو - اعمال کا نتیجہ اُس کے دست قدرت میں ہو اور چونکہ اللہ کے سوا کوئی ہستی اعمال کے نتیجہ پر قادر نہیں لہذا اُسی کی عبادت کرو - اگر ایسا کروگے تو نتیجہ اچھا نکلیگا اور بصورت خلاف ورزی سزا دی جائیگی - توحید فی العبادت کے حکم کے بعد استغفار کا حکم دیا گیا اور استغفار کے بعد توبہ کا - استغفار کے معنی ہیں گناہوں کی مغفرت کا خواستگار ہونا اور توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا - جب تک کسی آئینہ کا زنگ صاف نہ کردیا جائے اُس پر جلاء ناممکن ہے - نفس سرکش جب گناہ کا ارتکاب ترک نہ کردے خلوص عبادت اور جلاءِ روحانی نہیں پیدا ہوسکتی پہلے تخلیہ کا مرتبہ ہے پھر تجلیہ کا اسلئے فرمادیا کہ پہلے گناہوں کو چھوڑدو گذشتہ خطائیں معاف کرالو، ہر قسم کی بُری بات کو ترک کرو پھر صفائی کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو دل سے بھی رجوع کرو، زبان سے بھی اور اعضاء جسمانی سے بھی - غرض یہ کہ پہلے ممنوعات سے باز رہو پھر اوامر کی تعمیل کرو - اس کے بعد اطاعت ونافرمانی کے جداجدا نتائج بھی بیان کردیئے - اطاعت وفرماں پذیری کا نتیجہ فلاح دارین ہے - دنیوی عافیت وعیش بھی نصیب ہوگا اور اخروی نجات بھی حاصل ہوگی - يُمَتِّعْكُمْ سے دنیوی کامرانی اور يُؤْتِ سے آخرت کی سعادت مراد ہے اور نافرمانی کا انجام آخرت کی تباہی ہے کیونکہ اللہ کے پاس جانا لازم ہے اور وہ ہر طرح کی سزا بھی دے سکتا ہے لہذا نافرمانی کی سزا بھی دیگا -

ایک شبہ اور اُسکا ازالہ

آیت يُمَتِّعْكُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے فرماں پذیر نیکوکار بندے ہیں اُن کو دنیوی کامرانی نصیب ہوتی ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات ایماندار نیکوکار نہایت تنگدست اور خستہ حال ہوتے ہیں - یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے ایمانداروں اور نیکوں سے عمومی حالت میں فراغ دستی عزت اور حکومت واستقلال کا وعدہ فرمایا ہے یعنی قومی حیثیت سے اُن کو عزت وقار اور عیش ودولت نصیب ہوتی ہے اگرچہ بعض افراد محض آزمائش کے لئے تنگی اور پستی میں رکھے جاتے ہیں لیکن جب افراد قوم عموماً سرکشی اور نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو قوم کی عزت حکومت وقار عیش وآرام سب کچھ زائل ہوجاتا ہے - توریت میں بھی مختلف مقامات پر اسکی تصریح کردی گئی ہے -

أَلَآ إِنَّهُمْ سے بِذَاتِ الصُّدُورِ تک - اس آیت کی شان نزول میں اہل تفسیر واصحاب روایت کا اختلاف ہے - بخاری نے بروایت ابن عباس بیان کیا کہ بعض لوگ رفع حاجت کے وقت خوب کپڑے اوڑھ لیتے اور خیال کرتے کہ اس طرح ہم خدا کی نظر سے محفوظ رہیں گے -

صاحب کمالین نے بیان کیا کہ یہ آیت ایک منافق کے حق میں نازل ہوئی جو رسول پاک کے حکم سے سرتابی کرتا پشت پھیر لیتا منہ چھپالیتا اور کپڑے لپیٹ لیتا تھا تاکہ حضور اُسکو نہ دیکھیں (رواہ ابن جریر عن عبداللہ ابن شداد بن الہاد) بیضاوی نے اس قول پر اعتراض کیا کہ آیت بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں منافقوں کا وجود ہی نہ تھا - صاحب کمالین نے جواب دیا ہے کہ مکہ میں بھی ایک منافق تھا جس کا نام اخنس بن شریق تھا - ابن کثیر نے اس آیت کی جو تفسیر بحوالہ ابن عباس بیان کی ہے اُس سے کسی خاص مورد کی تعیین نہیں ہوتی - ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سینہ دوہرا کرنے سے مراد ہے اللہ کی ہستی میں شک کرنا اور گناہ کا ارتکاب کرنا یعنی بعض لوگ اللہ کے وجود میں شک کرتے اور در پردہ چھپ کر گناہ کرتے اور یہ خیال کرتے کہ اللہ کو ہماری ان بدفعلیوں کی اطلاع ہی نہیں ہوسکتی - مجاہد اور حسن کا بھی یہی قول ہے - میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ شان نزول کی تعیین نہ کی جائے اور آیت کو باعتبار سیاق سابق کلام سے مربوط رکھا جائے -

شروع میں اللہ کی عبادت اُس سے استغفار اور توبہ کرنے کا حکم دیا تھا اس آیت سے لیکر خَلَقَ السَّمٰوٰتِ تک اللہ کے تین صفات ذکر فرماکر اُس کی معبودیت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

آیت کا حاصل یہ ہے کہ بعض لوگ خدا سے چھپنے کے لئے در پردہ بداعمالیاں کرتے ہیں یعنی دروازے بند کرکے کپڑوں میں لپٹ کر گناہ کرتے ہیں - دلوں میں نفاق وشک کی پرورش کرتے اور عداوت رسولؐ کو چھپا کر رکھتے ہیں حالانکہ یہ اُن کا محض گمان ہے - اللہ اُن کے دلوں کی حالت خوب جانتا ہے کوئی چیز اُس سے مخفی نہیں رہ سکتی - لہذا وہی معبود ہونے کا استحقاق بھی رکھتا ہے -

مقصود بیان : عظمت قرآنی کا اعلان - اس امر کی صراحت کہ قرآن کے پیش کردہ قوانین وضوابط ناقابل نسخ ہیں افراط وتفریط سے پاک ہیں اس کے بیان کردہ واقعات صحیح ہیں اس کے طریق ہدایت بالکل واضح ہیں، اس کی بلاغت فصاحت سلاست حلاوت اور طراوت معدوم المثال ہے - آیت میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ اللہ حقائق اشیاء سے واقف ہے - مصالح کائنات کو جانتا ہے لہذا اُس کے قوانین ضرور مبنی بر حقیقت اور پُر حکمت ہیں

آیات میں توحید پر قائم رہنے اور منہیات سے اجتناب کرنے اور اوامر کی تعمیل کرنے کی نہایت شستہ انداز میں تعلیم دی گئی ہے اور یہ بات بھی بتا دی کہ جو قومیں قوانین الٰہی پر چلتی ہیں ان کو دنیا میں بھی کامرانی حاصل ہوتی ہے اور دینی سعادت بھی نصیب ہوتی ہے۔ وغیرہ۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ
اور زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں

اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا
کہ اللہ کے ذمہ اس کی روزی نہیں وہ اس کے رہنے کی جگہ

وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝
اور اس کے سپرد خاک ہونے کے مقام کو جانتا ہے۔ سب لوح محفوظ میں موجود ہے

تفسیر یہ بھی اللہ کے معبود برحق ہونے کا ثبوت ہے۔ عمومی رزق کی کفالت اور احاطۂ علمی دونوں اس آیت میں بیان فرمائی ہیں۔

لفظ علی اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کو رزق دینا اللہ پر واجب ہے وجوب دو قسم کا ہوتا ہے۔ وجوب الزامی اور وجوب اختیاری۔ امام رازی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ پر مخلوق کو رزق دینا بطور اختیار واجب ہے یعنی اللہ نے اپنے تفضل و احسان سے تمام مخلوق کے رزق کی کفالت فرمائی ہے بعض مفسرین نے کہا کہ علی اللہ بمعنی من اللہ کے ہے۔ مجاہد کے قول سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ مستقر سے مراد زندگی میں ٹھیرنے اور رہنے کا ٹھکانا اور مستودع سے مراد مدفن ہے۔ ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ اگر تم میں سے کسی کی موت کسی زمین میں مقدر ہو تو وہاں جانے پر اس کو کوئی ضرورت مجبور کر دیگی یہاں تک کہ جب وہ انتہائی مقام پر پہنچ جائیگا تو وہاں اس کی روح قبض کی جائیگی اور قیامت کے روز زمین عرض کریگی یہ وہ ہے جو تو نے مجھے بطور ودیعت سپرد فرمایا تھا (رواہ الحاکم وصححہ) مجاہد ضحاک اور ابن عباس کا دوسرا قول ہے کہ مستقر سے مراد رحم مادر اور مستودع سے مراد پشت پدر ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک مستقر سے مراد سیرگاہ اور مستودع سے مراد خوابگاہ ہے۔ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ یا علم الٰہی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اللہ ہی تمام مخلوق چرند پرند درندہ وغیرہ کی روزی کا کفیل ہے وہی سب کو رزق عطا فرماتا اور رزق کے ذریعہ سے زندگی کو باقی رکھتا ہے اور وہی کل مخلوق کی ہر حالت کو جانتا ہے۔ حالت عدم اور حالت وجود کے تمام لوازم و مقتضیات و کیفیات سے وہی واقف ہے پھر کونسی وجہ کہ اس کے سوا دوسرے کی پرستش کی جائے اور اس کی ربوبیت و الوہیت میں کسی غیر کو شریک بنایا جائے۔

مقصود بیان: ہر جاندار کے رزق کا اللہ کفیل ہے۔ اللہ ہر جزئی کی ہر حالت کو بلا واسطہ جانتا ہے خواہ جزئیات مادیہ ہوں یا غیر مادیہ علم الٰہی کا تعلق ممکنات سے قبل از وجود ہوتا ہے۔ ہر جاندار کے مرنے کی جگہ اور دفن ہونے کا مقام مقرر ہے۔ اللہ کی لوح محفوظ میں ہر چیز کی پیدائش سے قبل کل معاد و ما کان مندرج ہے کسی کا استثناء نہیں ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ
اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو

سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ
چھ دن کے دورے میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَئِنْ قُلْتَ
تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرنیوالا ہے (اے محمد) اگر تم کہو

اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ
کہ مرنے کے بعد یقیناً تم سب زندہ کئے جاؤ گے تو کافر ضرور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ
کہیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا

مُّبِيْنٌ ۝ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ
جادو ہے اور اگر چند روز کے لئے ہم ان سے عذاب کو

اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ
ملتوی کر دیں تو کہیں گے کہ عذاب کو کیا چیز روک رہی ہے

اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ
خوب سن لو جس دن ان پر عذاب آئیگا تو ٹالے نہ ٹلے گا

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع ۱
اور وہی ان کو گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیت میں اپنی ربوبیت اور احاطۂ علمی سے اپنی الوہیت پر استدلال فرمایا تھا۔ اس آیت میں اپنی خلاقیت سے الوہیت

کو ثابت کرتا ہے اور اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرما کر حشر بعد الموت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

اس آیت کے چار حصے ہیں:- (۱) کل عالم کا چھ روز کے دور میں پیدا کرنا (۲) تخلیق عالم سے قبل عرش الٰہی کا پانی پر ہونا (۳) نیک و بد کی آزمائش کے لئے عالم کو خلق کرنا (۴) تاخیر عذاب کی وجہ۔ نمبر اول کی تشریح سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے اسکی تکرار غیر مفید ہے۔ نمبر دوم کی تحقیق سے قبل چند احادیث نقل کرنی ضروری ہیں جن سے اصل مقصد کی وضاحت ہوتی ہے۔ عمران بن حصین سے مروی ہے کہ ایک روز بنی تمیم اور اہل یمن خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور ؐ نے بنی تمیم سے فرمایا:- بنی تمیم تم بشارت قبول کرو۔ بنی تمیم نے جواب دیا حضور! آپ نے بشارت تو دیدی کچھ (مال بھی) دیجئے۔ حضور ؐ نے اہل یمن کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تم بشارت قبول کرو۔ یمن والوں نے کہا ہم نے بشارت قبول کی۔ لیکن یہ فرمائیے کہ سب سے پہلے کیا چیز تھی؟ ارشاد فرمایا ہر چیز سے پہلے اللہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں اس نے ہر چیز کا تذکرہ فرما دیا ہے۔ اس حدیث کو احمد مسلم اور بخاری نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے حضور اقدس ؐ نے ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال (یعنی ایک طویل مدت) پہلے مقادیر خلائق کو مقدر فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا (رواہ مسلم) ابو ہریرہ ابو رزین اور بعض دیگر صحابہ کی روایات سے بھی عرش کا پانی پر ہونا ثابت ہے مجاہد، ربیع بن انس، وہب ابن منبہ، ضمرہ، قتادہ وغیرہم علماء کا بھی یہی قول ہے۔

پانی پر عرش الٰہی تھا اسکو فلسفی دماغ رکھنے والے مشکل سے قبول کرینگے۔ بالاتفاق یہ امر مسلم ہے اور بعض احادیث سے بھی مترشح ہے کہ اس کائنات سے پہلے گیس اور ہوا تھی۔ ہوا نے آبی شکل اختیار کی۔ پانی پر عرش کے ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ پانی پر عرش سوار تھا بلکہ صرف فوقیت اور علو دکھانا مقصود ہے جس طرح موجودہ کائنات کے اوپر عرش ہے اسی طرح وجود کائنات سے قبل جب پانی ہی پانی تھا تو عرش پانی سے اوپر تھا اور پانی سے اوپر ہوا تھی گویا مبدأ تخلیق عرش الٰہی تھا جس نے ہوا کو پیدا کیا اور ہوا سے پانی بنایا۔ اب یہی یہ بات کہ عرش سے آیت میں کیا مراد ہے؟

عرش کے لغوی معنی ہیں بلندی اور رفعت۔ عرش الٰہی بھی سب سے بلند ہے اسی لئے اس کو عرش کہا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آیت میں لغوی معنی مراد ہوں (یعنی مبدأ تخلیق آب و ہوا محض تصرف اور قدرت الٰہی تھا۔ کائنات میں سے کوئی چیز اس وقت پیدا ہوئی تھی صرف ہوا اور پانی کی تخلیق ہوئی تھی اور یہ تخلیق بھی ایجادی شکل میں تھی۔ بغیر مادہ کے ہوئی تھی یعنی پانی اور ہوا کا مادہ بھی پہلے موجود نہ تھا اللہ نے اپنی رفعت شان اور علو قدرت سے انکے مادہ کو نیست سے ہست کیا اور ان کی صورت کو عدم سے وجود میں لایا۔ لفظ علیٰ

استیلاء اور غلبہ اور کامل تصرف کو ظاہر کر رہا ہے۔

(۳) اللہ نے تخلیق عالم صرف انسانوں کی آزمائش کے لئے کی کہ کون نیک ہے کون بد۔ کس کے اعمال سب سے اچھے ہیں کس کے اچھے اور کس کے برے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کو قبل تخلیق بھی اس کا کامل علم تھا اور آزمائش صرف علم حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے لہذا امتحان الٰہی بے سود ہے۔ صاحب بیضاوی نے اس شبہہ کا حل اس طرح کیا ہے کہ تمام عالم میں کل اسباب و مواد انسان کے وجود و معاش کے موجب اور اعمال کے نمونیات ہیں۔ وجود خالق پر ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ فطری الٰہی کے دلائل ہیں گویا ان کی تخلیق اس طرح ہوئی ہے جیسے آزمائش کے لئے ہونی چاہئے واقع میں اگرچہ اللہ کو کسی امتحان کی ضرورت نہیں مگر بظاہر تخلیق عالم امتحانی صورت پر دلالت کر رہی ہے۔ پھر نیکی اور بدی کے مختلف درجات ہیں کوئی سب سے برا کوئی سب سے اچھا۔ ادنیٰ اور اعلیٰ کے درمیان غیر محدود مراتب ہیں۔ تمام عالم کی فطرت بتا رہی ہے کہ انسان کو سب سے بہتر اعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور صحیح ترین عقیدہ رکھنا چاہئے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام عالم کی تخلیق بلا مادہ کے انسانی اعمال کو آزمانے کے لئے کی اور ظاہر ہے کہ جس موجد نے ایجاد بغیر مادہ کے اول مرتبہ کی وہ اعادہ بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کفار سے کہا جاتا ہے کہ تم کو دوبارہ مادی جسم کے ساتھ زندہ کیا جائیگا تو وہ اسکو جادو سے تعبیر کرتے اور سحر کی طرح بے حقیقت چیز جانتے ہیں اور منکر حشر کے لئے وعیدیں سن کر اپنی جہالت کی وجہ سے فوری عذاب نازل نہیں ہوتا تو عدم نزول کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔ حالانکہ وقت سے پہلے عذاب نہیں آ سکتا اور نہ مقررہ وقت پر آ جانے کے بعد ٹل سکتا ہے جب عذاب آجائیگا اس روز ان کو چاروں طرف سے استہزاء انگیزیوں کی سزا محیط ہو جائے گی۔

مقصود بیان:- خلاقیت اور قدرت کاملہ سے الوہیت پر استدلال اس امر کی طرف لطیف ایماء کہ جس خدا نے آسمان و زمین کو بغیر مادہ کے پیدا کیا وہ سب کو فنا کرنے کے بعد انسان کا اعادہ بھی کر سکتا ہے۔ تخلیق انسانی سے اصل غرض کی صراحت اور فلسفۂ قیامت کی جانب دقیق ایماء۔ اس امر کی تصریح کہ خطاب قرآنی کے مقابلہ میں کفار لاجواب ہو کر اس کو سحر سے تعبیر کرتے ہیں۔ تاخیر عذاب کی اصل وجہ کہ ہر امر کا ایک وقت معین ہے۔ وغیرہ

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ

اگر ہم اپنی طرف سے انسان کو نعمت کا مزہ چکھا کر پھر

نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ وَلَئِنْ

چھین لیتے ہیں تو بلاشبہ وہ ناامید و ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر

اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ

تکلیف پہنچنے کے بعد آرام کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہنے لگتا ہے

ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّیْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۙ

کہ سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں اور (اس وقت) وہ یقیناً خوب اترانا اور شیخی مارتا ہے

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ

ہاں جن لوگوں نے صبر کیا اور نیک کام کئے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

انہی کے لئے مغفرت اور اجر عظیم مخصوص ہے

تفسیر اس آیت کا مورد اگرچہ ولید بن مغیرہ یا عبداللہ بن امیہ مخزومی ہے مگر حکم عام ہے۔ کافر و مومن کا امتیازی اساسی فرق بیان فرمایا ہے اور سچے مومن و کافر کا نمایاں امتیاز ظاہر کر دیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ دکھ سکھ راحت و تکلیف تو آنے جانے والی چیزیں ہیں۔ دنیا میں کوئی اچھا برا آدمی ایسا نہیں جس پر عیش و مصیبت کا تبادلہ نہوتا ہو مگر نقطۂ نظر ہر ایک کا جدا جدا ہے۔ کسی کی نظر سبب پر محدود ہے کوئی اصل فاعل مسبب کو قرار دیتا ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر ان پر اللہ کی طرف سے تھوڑی سی راحت آئی اور پھر کسی وجہ سے اس آسائش کا زوال ہو گیا تو بس ناامید ہو جاتے اور طرح طرح سے خدا کا مقابلہ کرتے اور قول و عمل سے کفر کا اظہار کرتے ہیں۔ چونکہ ان کی نظر صرف حال کو دیکھتی ہے۔ ماضی و مآل ان کو سوجھائی نہیں دیتا اور راحت و عیش کو اپنا دوامی حق سمجھے ہوئے ہوتے ہیں اور دنیوی آسائش پر ایسے خوش ہوتے ہیں کہ اس آسائش کے زوال کو چھیننا اور کھینچنا تصور کرتے ہیں اسلئے موجودہ حالت کو دیکھ کر آل سے بھی ناامید ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی محیط کل قدرت کا عملی حتیٰ کہ قولی انکار کر کے کفر کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ اسی طرح اگر تکلیف کے بعد ان کو کچھ نعمت حاصل ہوتی ہے تو چونکہ ان کا منتہائے تصور صرف عالم حسی ہے لہذا اندر ونی اور عالم جاودانی سے غافل ہیں؛ اسلئے نعمت و راحت کے نشہ میں ایسے بھول جاتے ہیں کہ گذشتہ زمانہ کو بھول کر اور مستقبل کی طرف سے آنکھوں پر پردہ ڈال کر کہنے لگتے ہیں کہ اب ہمارا برا زمانہ گیا دوبارہ نہیں آئیگا۔ الغرض موجودہ عیش پر اترانے اور اکڑنے لگتے ہیں۔ یہ طبقہ کافروں کا ہے جن کی نظر صرف موجودہ حالت کو دیکھتی ہے۔ کارساز حقیقی تک نہیں پہنچتی۔ ہر موجودہ حالت کو وہ ناقابل زوال خیال کر لیتے ہیں لیکن انہی کے مقابلہ میں بعض اشخاص ایسے بھی ہیں جن کا دائرہ تعقل وسیع ہے ان کے تصور کی نگاہ غیر محدود ہے۔ وہ ہر چیز کا حقیقی فاعل اللہ کو جانتے ہیں اور دنیا کے ہر دکھ سکھ کو قابل زوال یقین کرتے ہیں نہ عیش میں پڑ کر اللہ کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں نہ دکھ میں مبتلا ہو کر مایوس ہو جاتے ہیں۔ ہر قسم کے دکھ سکھ اور عیش و راحت پر صبر کرتے ہیں اور کسی حالت میں نیکوکاری کو نہیں چھوڑتے ان کی اعتقادی اور عملی زندگی کو راحت و رنج کا تبادلہ برباد نہیں کر سکتا۔ یہ گروہ اہل حق کا ہے جو مغفرت الٰہی اور اجر جزیل کا مستحق ہے۔

مقصود بیان:۔ کفر و اسلام کے امتیازی فرق کا بیان۔ انسان کی طبعی حالت کا اظہار۔ اس بات کی ضمنی صراحت کہ دنیا کا ہر دکھ سکھ زوال پذیر ہے کسی کو بقاء حاصل نہیں۔ اسلئے مصیبت کے وقت راحت سے مایوسی یا راحت و آرام کے وقت مصیبت سے بیخوف ہو کر مغرور ہو جانا نہ چاہئے۔ ہر عیش و رنج کا فاعل اللہ کو سمجھنا چاہئے۔ کسی حالت میں بھی نیکوکاری کو ترک نہ کرنا چاہئے مایوس ہو جانا، اترانا اور فخر کرنا کفر کی علامت ہے۔ رنج پر صبر رکھنا، نعمت پر شکر کرنا اور دنیا کے دکھ سکھ میں پھنسکر نیکوکاری کو ترک نہ کرنا اہل حق کی نشانی ہے۔ وغیرہ۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

تو کیا جو وحی تمہارے پاس آتی ہے اس کا کچھ حصہ چھوڑ بیٹھو گے

وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ

اور تمہارا دل اس سے تنگ ہو جائیگا صرف اس وجہ سے کہ کافر کہتے ہیں کیوں

اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ

اس پر کوئی خزانہ نہ اترا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ نہ آیا

اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

تم تو صرف ڈرانے والے ہو اور اللہ ہر چیز کا

وَّكِيْلٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا

ذمہ وار ہے کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن نبی نے بنا لیا؟ کہدو کہ تم بھی

بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ

اس کی طرح دس خود ساختہ سورتیں بنا لو اور اللہ کے علاوہ جس کو

اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

بلا سکو بلا لو اگر تم سچے ہو

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ

پس اگر وہ مددگار تمہارا کہنا نہ کرسکیں تو جان لو کہ اللہ ہی کے حکم سے

بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

قرآن نازل کیا گیا ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

تو کیا اب بھی تم مسلمان ہوتے ہو

تفسیر رسولِ پاکؐ ہمیشہ غیر اللہ کی پرستش سے منع فرماتے اور اللہ کے علاوہ دوسرے باطل معبودوں کی عبادت سے نہایت سختی کے ساتھ روکتے اور کافروں کے خود ساختہ بتوں کی تحقیر و توہین فرماتے تھے۔ اپنی تعلیم کو الہامی تعلیم اور اپنے قول کو خدا کا قول ظاہر کرتے تھے اور اس کے ثبوت میں قرآن کی صداقت حقانیت اور اعجازی بلاغت کو پیش کرتے تھے۔ عبد اللہ بن امیہ مخزومی وغیرہ کفار کے دلوں پر چونکہ کفر کی مہریں لگ چکی تھیں اور اُن کی چشم عقل پر جہالت کے موٹے موٹے پردے پڑے تھے اسلئے وہ حضورؐ کے مقابلے میں بطور مناظرہ شرف رسالت و وحی کی توہین کے لئے کہا کرتے تھے کہ اگر تم اپنے قول و دعوے میں سچے ہو تو پھر اس قدر مفلس اور معمولی آدمیوں کی طرح غمزدہ و فکرمند کیوں ہو؟ کیوں غیب کا خزانہ تمہارے پاس نہیں آجاتا؟ کیوں تمہارے لئے پہاڑ کو سونے کا نہیں کر دیا جاتا کہ ہم کو بھی تمہاری رسالت کا یقین آجائے یا یہی صورت ہوجائے کہ کوئی فرشتہ اتر کر تمہاری تصدیق کرے اور ہمارے سامنے تمہاری حقانیت کی شہادت دے۔ جب ان مطلوبہ دلائل میں سے کوئی دلیل بھی تمہارے پاس نہیں تو پھر تم کو کیا حق ہے کہ اپنی تعلیم کو سچی تعلیم اور اپنے قول و عمل کو ہدایت کہو اور ہمارے بتوں کی تحقیر کرو۔ پھر کم بخت جاہل توہین وحی و رسالت پر ہی بس نہ کرتے بلکہ رسول پاکؐ کو مفتری اور کلام الٰہی کو خود ساختہ کلام کہتے تھے۔ بظاہر اسباب ایسے تھے کہ دھوکہ میں پھنس جانے والے انسان دھوکہ میں آسکتے تھے اور کوتاہ نظر رکھنے والے آدمی امید کرسکتے تھے کہ اب تو رسول اللہؐ بتوں کو برا بھلا نہیں کہینگے اس کے علاوہ کفار کی تیرہ باطنی جب مذکورہ حالت تک پہنچ چکی تھی تو اُن کو مزید پیام ہدایت پہنچانا بے سود تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے بطور جواب معترضین اپنے رسول کو تسلی دینے کے لئے آیات مذکورہ نازل فرمائیں۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کفار جو بطور استہزاء و تمسخر تم سے بار بار مہمل سوال کرتے ہیں اور بیہودہ سوالات کے جواب نہ ملنے پر بعض لوگوں کو یہ امید کرنے کا موقعہ ملتا ہے کہ اب تم وحی الٰہی کے کسی حصے کی تبلیغ ترک کردوگے یعنی اُن کے بتوں کی تحقیر سے اعراض کرنے لگوگے تو یہ خیال و امید غلط ہے تم کو تنگدل نہ ہونا چاہئے تم پیام الٰہی پہنچائے جاؤ۔ تمہارا کام صرف اندیشناک باتوں سے مطلع کرنا اور نتیجۂ بد کی خبر دینا ہے۔ کامیابی اور تاثیر کے تم ذمہ دار نہیں ہو۔ رہا کفار کا تم کو مفتری کہنا تو اس کا جواب علی الاعلان یہ ہے کہ کفار بھی اپنے تمام مددگاروں اور باطل معبودوں کو ملا کر سب کی اعانت سے قرآن کی طرح کچھ سورتیں بنا لائیں اور جب وہ ایسا نہیں کرسکتے اور قرآن کی طرح کوئی کلام نہیں پیش کرسکتے تو اُن کو یقین کرلینا چاہئے کہ قرآن کی وسعت ذہنی کا احاطہ انسانی علم نہیں کرسکتا، اس کا تعلق محض علم الٰہی سے ہے اُسی نے اپنے علم بے پایاں سے اسکو نازل فرمایا ہے اور وہی اعتقادی عملی اور قولی توحید کا حکم دے رہا ہے۔

ضروری توضیح مفسر سراج نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں جن دس سورتوں کی مثل بنا کر لانے کا چیلنج دیا ہے وہ مندرجۂ ذیل سورتیں ہیں:۔
بقرہ - ال عمران - نساء - مائدہ - انعام - اعراف - انفال - توبہ - یونس - ھود - لیکن بقول ابن کثیر اہل تحقیق کے نزدیک خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں عمومی دعوت زیادہ مناسب ہے۔

ایک بات یہ بھی جان لینی ضروری ہے کہ اس جگہ دس سورتیں بنا لانے کا چیلنج دیا۔ اور سورۂ بقرہ وغیرہ میں صرف ایک چھوٹی سورت پیش کرنے کی دعوت دی تھی۔ دونوں میں توافق کی صورت نزول میں تقدم و تاخر کے اعتبار سے ہے۔ سورۂ بقرہ مدنی ہے اُس کا نزول مؤخر ہے۔ سورۂ یونس اگرچہ مکی ہے مگر سورۂ ہود سے مؤخر ہے۔ گویا ترتیب اس طرح ہوئی کہ پہلے سورۂ ہود میں دس سورتیں پیش کرنے کی دعوت دی پھر سورۂ یونس میں ایک سورت بنا کر لانے کا چیلنج دیا پھر مدینہ میں پہنچنے کے بعد جب سورۂ بقرہ نازل ہوئی تو اُس میں بھی ایک ہی سورت بنا[illegible] کا حکم نازل ہوا (کذا قال الامام الرازی)

مقصود بیان:۔ رسول پاکؐ کو تسلی اور کفار کی طرف سے رسالت و وحی کا جو مذاق اُڑایا جاتا تھا اُس سے تنگدل نہ ہونے اور پیام الٰہی کی تبلیغ سے باز نہ رہنے کا حکم۔ کفار کی تیرہ باطنی اور کور دماغی کی صراحت اور اس بات کی وضاحت کہ یہ لوگ مشاہدہ پرست واقع ہوتے ہیں۔ قرآنی صداقت جامعیتِ اصول، طرزِ ادا، بلاغتِ معانی، فصاحتِ الفاظ وغیرہ اگرچہ اہلِ بصیرت کو اقرارِ حقانیت پر مجبور کرتی ہے مگر یہ لوگ بہت زیادہ کوتاہ نظر ہیں ان کو تو سچائی کی روشنی نظر نہیں آتی۔ آیت سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ اگرچہ دعوت و تبلیغ کی ناکامی کا یقین ہو پھر بھی اپنا فرض ادا کرنا لازم ہے وغیرہ۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا

جو لوگ دنیوی زندگانی اور اُس کی رونق چاہتے ہیں

نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا

ہم اُن کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دیدیتے ہیں اور وہ یہاں

لَا یُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ

نقصان میں نہیں رہتے یہی لوگ ہیں کہ سوا سے آگ کے اُن کیلئے

فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا

آخرت میں کچھ نہ ہوگا اور دنیا میں جو کچھ انہوں نے کیا کرایا ہوگا

فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○

وہ ملیامیٹ ہوجائیگا اور جو کچھ وہ کرتے تھے نابود ہوگا

تفسیر انس بن مالک اور حسن بصری کے نزدیک اس آیت کا نزول یہود و نصاریٰ کے حق میں ہوا۔ مجاہد کے نزدیک عام ریاکاروں کے حق میں۔ بعض کے نزدیک منافقین کے بارہ میں آیت مذکورہ نازل ہوئی اور بقول مفسر سراج کے اکثر علماء کے نزدیک عام اہل کفر مراد ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا جس نے طلب دنیا کے لئے کوئی نیک کام کیا تو اللہ اُسکو دنیا ہی میں اُس کا ثواب عطا فرما دیتا ہے لیکن آخرت میں اُسکو کوئی ثواب نہ ملیگا۔ ضحاک وغیرہ سے بھی یہی قول مروی ہے۔ آیت کو عموم پر محمول کرنا میرے نزدیک اولیٰ ہے کیونکہ عام طور پر کچھ سمجھدار اہل کفر حجت پیش کیا کرتے تھے کہ اتباع قرآن اور اسلام کی کیا ضرورت ہے۔ مسافروں کو کھانا کھلانا، یتیموں کی پرورش کرنی بھوکوں اور ناداروں کی خبر گیری کرنی، راستوں پر کنوئیں کھدوانے اور سایہ دار درخت لگانے بہت سے نیک کام ہم کرتے ہیں اور اُن کا مقبول ہونا بھی آثار سے ثابت ہے۔ ہم ایسے کاموں کی وجہ سے دنیا میں خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ اولاد و مال میں برکت امن و تندرستی نصیب ہوتی ہے۔ سو یہی بات کافی ہے۔ اسکا جواب آیت میں دیا گیا ہے۔ (کذا قال العلامۃ المحقق عبدالحق)

یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ آیت میں صرف ارادہ کا ذکر ہے لیکن محض ارادہ مقصود نہیں بلکہ اصل غرض عمل خیر بارادۂ دنیا ہے۔

قرطبی نے اکثر علماء کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ آیت مطلق ہے جس طرح آیات وَمَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا الخ اور وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا مطلق ہیں لیکن ان سب کی تقیید سورۂ سبحان الذی کی اس آیت میں کردی گئی ہے۔ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ الخ۔ گویا ثواب دنیوی عطا کرنا بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ لازم نہیں اور آخرت میں تو بہرحال ایسے لوگوں کو کوئی اجر نہیں ملے گا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں نیک کام کرتے ہیں لیکن اس نیکی سے اُن کا اصل مطمح نظر صرف زینت دنیا ہوتی ہے چاہتے ہیں کہ نیک مشہور ہو جائیں، لوگ اُن کی عزت کریں۔ چندہ دینے والوں کی فہرست میں سب سے پہلے اُن کا نام ہو یا مال و اولاد کی کثرت حاصل ہو یا اور کوئی دنیوی فائدہ حاصل ہو۔ اللہ چونکہ منصف ہے کسی کی نیکی ضائع نہیں فرماتا اسلئے فقط دنیا میں اُن کی نیکی کا پورا پورا اجر عطا فرما دیتا ہے۔ شہرت، عزت، اولاد و مال کی کثرت سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ اُن کا منتہائے نظر آخرت نہیں ہوتی اور نہ آخرت کو وہ کوئی واقعی چیز جانتے ہیں اور نہ اُن کے اعمال آخرت کے قائل ہوتے ہیں، نہ ایمان و اخلاص کا کوئی شائبہ اُنکی نیکی میں شامل ہوتا ہے اس لئے اجر آخرت کا کوئی حصہ اُن کو نہیں ملے گا۔ دنیا میں جو کچھ نیکی کی کرائی ہے وہ یہیں رہ جائیگی آخرت میں کوئی چیز کام نہ آئے گی بس دوزخ ہی نصیب ہوگی۔

ایک صحیح حدیث میں ریاکاری کو چھوٹا شرک فرمایا ہے ایک اور حدیث میں ریاکار طلبگار دنیا عالموں اور حافظوں کو بھی دوزخی ظاہر فرمایا ہے کیونکہ طلب علم سے ان لوگوں کا مقصود بھی شہرت و عزت و دولت کا حصول ہوتا ہے۔

مقصود بیان:۔ اُس الحاد پرست طبقہ کی تردید جو عملی نیکی ہی کو مدار سعادت جانتا ہے۔ ایمان اخلاص اور اسلام اُس کے نزدیک ضروری نہیں اور نہ آخرت پر اُس کا یقین ہے نہ اتباع نبی اُس کے نزدیک لازم ہے۔ اس امر کی صراحت کہ منتہائے خیر حصول دنیا کو قرار دینا آخرت میں مفید نہ ہوگا۔ ہاں نیکی فی نفسہ اچھی چیز ہے آخرت میں کوئی بدلہ نہ ملے گا تو دنیا میں ضرور بھرپور ثواب ملیگا اللہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا در پردہ مسلمانوں کو ریاکاری سے سخت بازداشت اور اس امر کی ضمنی تلقین کہ تم کو ہر عمل کی اصل غرض سعادت آخرت کو قرار دینا چاہئے۔ اپنے ارادوں اور نیتوں کو دنیوی مفاد کے حصول میں محدود نہ رکھو۔ وغیرہ۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَیَتْلُوْهُ

پس کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف روشن دلیل پر ہو اور اُس کے ساتھ

شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓی

خدا کی طرف سے گواہ بھی ہو (وہ گمراہ کی طرح ہوسکتا ہے) اور قرآن سے پہلے موسیٰ کی

اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

کتاب پیشوا اور رحمت تھی یہی لوگ اُس پر ایمان رکھتے ہیں

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ

اور سب فرقوں میں سے جو کوئی اس کا منکر ہو تو دوزخ اس کا وعدہ گاہ ہے

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

(اے مخاطب) اس قرآن کی طرف سے تو شبہ میں نہ ہو بلاشبہ یہ تیرے رب کی طرف سے برحق ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے

تفسیر اس آیت کا مصداق بعض مفسرین نے حضرت حمزہؓ کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے بعض نے مؤمنین اہل کتاب کی طرف اشارہ ظاہر کیا ہے۔ لیکن اکثر کے نزدیک حکم میں عموم ہے۔ ہر مؤمن مخلص اس کا مصداق ہے آیت میں انکار بصورت استفہام بیان کیا ہے۔ غرض اہل ایمان و اہل کفر کا موازنہ کرکے اہل ایمان کو سعادت و نجات کا حامل قرار دیا ہے کیونکہ ان کے ایمان کے ثبوت کے لئے تین براہین موجود ہیں۔ بیّنہ۔ شاہد من اللہ۔ اور توریت۔ بیّنہ سے مراد کیا ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ قابل ترجیح قول یہ ہے کہ اس سے عقل اور نور فطرت مراد ہے۔ وہ دل کی آنکھ جو حق و باطل میں تمیز کرتی اور قرآن کے احکام و مضامین کو حق کے موافق جانتی ہے کلام الٰہیہ کا کوئی جزئیہ اور کوئی عقیدہ اسکو خلاف عقل و خلاف واقع نظر نہیں آتا۔ یہی نور فطرت اقرار توحید و رسالت اور صداقت اسلام و ایمان کی واضح دلیل ہے۔ ہاں جن لوگوں نے اس دل کی آنکھ پر نابت پرستی اور شرک و ضلالت کے پردے ڈال لئے ان کو کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ قرآن پاک میں اسی بیّنہ کو دوسرے مقام پر فطرۃ اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ صحیحین میں بروایت ابو ہریرہؓ مروی ہے كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ الخ۔ صحیح مسلم میں بروایت عیاض بن حمار منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو حق کی طرف مائل پیدا کیا لیکن پھر شیاطین ان کے پاس آئے اور ان کے دین سے ان کو بہکا دیا۔ سنن و مسانید میں بکثرت مروی ہے کہ ہر بچہ اسی ملت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی زبان کھلے اور وہ اپنا عقیدہ بیان کرے۔

شَاهِدٌ مِّنْهُ یعنی جانب اللہ۔ ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابو العالیہ، ضحاک ابراہیم نخعی اور سدی وغیرہم نے کہا کہ شاہد سے مراد جبرئیل ہیں۔ حضرت علی اور حسن بصری کی روایت ہے کہ حضورؐ کی ذات گرامی مراد ہے۔ دونوں قولوں کے معنی قریب قریب ہیں۔ فرض رسالت دونوں نے ادا کیا منجانب اللہ دونوں نے شہادت دی۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضورؐ تک پیام الٰہی پہنچایا اور حضورؐ نے امت تک۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا قریش میں سے ہر ایک کے حق میں قرآن کا کوئی حصہ ضرور نازل ہوا ہے۔ کسی نے عرض کیا آپ کے حق میں کیا نازل ہوا؟ فرمایا کیا سورۂ ہود میں تو آیت اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ الخ نہیں پڑھتا۔ پس حضور اقدس بیّنہ ہیں اور میں شاہد ہوں۔ اخرجہ ابو نعیم و ابن ابی حاتم۔ ابن عساکر کی روایت میں حضرت علی کا شاہد ہونا مرفوع بھی وارد ہے۔ لیکن ابن کثیر نے ان دونوں روایتوں کی تضعیف کی ہے اور کہا ہے اس کا کہنے والا کوئی ثابت نہیں۔ میرے نزدیک بیّنہ سے نور فطرت و عقل اور شاہد سے قرآن و وحی مراد ہے۔ اور یہی قول اہل تحقیق نے قابل ترجیح قرار دیا ہے۔

كِتَابُ مُوْسٰى یعنی توراۃ۔ چونکہ توراۃ نے حضور اقدسؐ کی رسالت عامہ اور ختم نبوت کی شہادت دی ہے اور بقول زجاج کے حضورؐ کا حلیہ اور شمائل بھی اس میں مفصل مذکور ہیں۔ پھر اصول توریت و قرآن میں کوئی فرق بھی نہیں۔ حضور والا کی ذات اور قرآن و اسلام کے متعلق اس میں پیشین گوئیاں بھی موجود ہیں اس لئے حقانیت قرآن کی تصدیق اس سے بدرجہ اتم ہوتی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ دو فریق ہیں۔ ایک تو وہ جس کے پاس اپنے عقیدہ اور عمل کے ثبوت کے لئے تین دلیلیں موجود ہیں۔ اس کا عقیدہ اور عمل فطرت کے بھی مطابق ہے اور قرآن کے بھی اور توریت کے بھی عقل و نقل دونوں اسکے واسطے شاہد عادل ہیں۔ دوسرا وہ جس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلا حق و صداقت کا حامل ہے۔ دوسرا گمراہی تباہی کے غار میں سرنگوں۔ پہلا گروہ اہل ایمان کا ہے اور دوسرا گروہ کفار کا۔ پہلا قرآن و رسول کو سچا جانتا ہے اور دوسرا غلط و دروغ۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی گروہ اور کسی مذہب والا ہو اگر وہ رسول اللہؐ کی تصدیق نہ کریگا بلکہ انکار کریگا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت ابو موسیٰ اشعری مرفوع حدیث وارد ہے کہ اس امت کا کوئی شخص ہو یہودی ہو یا عیسائی اگر اس کو میری رسالت کی اطلاع مل جائے اور وہ ایمان نہ لائے تو بیشک وہ دوزخی ہوگا سعید بن جبیر فرماتے ہیں میں جب کوئی حدیث سنتا تو اس کا مصداق قرآن پاک میں ضرور پاتا۔ چنانچہ جب مجھے ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت کردہ مذکورہ حدیث پہنچی تو میں نے قرآن میں اس کا مصداق تلاش کیا۔ تلاش کے بعد مجھے مذکورہ آیت سے حدیث مذکور کی تصدیق ہوگئی۔ اس سے آگے قرآن کی حقانیت میں شک کرنے کی ممانعت اور اہل باطل کے گروہ کی کثرت کا اظہار ہے۔ قرآن کی حقانیت میں رسول اللہؐ کو تو کوئی شک ہو سکتا ہی نہ تھا اس لئے اگرچہ خطاب بظاہر رسول پاکؐ کو ہے مگر روئے سخن امت کی طرف ہے۔

مقصود بیان:۔ اسلام کی حقانیت و صداقت کی تینوں دلائل کا بیان اس بات کا ضمنی اظہار کہ قواعد اسلام اور مضامین قرآن اور عقائد اہل اسلام خواہ ان کا تعلق مغیبات سے ہو یا قیامت و دوزخ و جنت سے۔ بہرحال اسلام کا کوئی حصہ خلاف عقل نہیں ہے۔ اس امر کی صراحت کہ بغیر تصدیق رسولؐ کے نجات ناممکن ہے خواہ بجائے خود کوئی توحید خالص کا دعویٰ کرے۔ وغیرہ

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر دروغ بندی کرے

أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ

ان لوگوں کو اُن کے رب کے حضور میں پیش کیا جائیگا اور گواہ کہیں گے

هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا

کہ انہی لوگوں نے اپنے رب پر دروغ بندی کی تھی سُن لو

لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ

خدا کی لعنت ہے اُن ظالموں پر جو

يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا

راہِ خدا سے روکتے ہیں اور اُس میں کجی

عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝

ڈھونڈتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ

یہ لوگ زمین میں (امر الٰہی کو) کمزور نہیں کر سکتے

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ

اور نہ اُن کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی ہے

يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا

اُن کو سزا دوگنی دی جائے گی یہ

يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝

نہ سُن سکتے تھے نہ دیکھ سکتے تھے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان خود کیا اور ان کی

عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ لَا جَرَمَ

گذشتہ افترا بندی سب غائب ہو گئی لا محالہ

أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ۝

آخرت میں یہی لوگ زیادہ نقصان اٹھانیوالے ہونگے

تفسیر

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے کافروں کی مذمتیں بیان فرمائیں جن میں سے بعض کا تعلق دنیوی حیات سے ہے اور بعض کا آخرت سے اور مقدم الذکر مؤخر الذکر کی علت ہے۔ ہم تفصیل وار تفسیر کرتے ہیں

(۱) کفار مکہ جھوٹے بھی تھے اور افترا پرداز بھی۔ اُن کا دروغ قولی بھی تھا اور عملی بھی اور اعتقادی بھی۔ بتوں کو اپنا شفیع سمجھتے اور اسی بناء پر اُن کی پرستش کرتے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے۔ قرآن کو کلام بشر کہتے۔ اپنے مذہب کی بہت باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے اور دعویٰ کرتے کہ ان باتوں کو کرنے کا امر اللہ نے ہم کو حکم دیا ہے۔ قیامت کے منکر تھے۔ حشر نشر عذاب ثواب وغیرہ کو ڈھکوسلا خیال کرتے تھے۔ صفاتِ الوہیت میں اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک کرتے تھے لہٰذا ارشاد ہوا کہ ایسے لوگوں سے زیادہ بیجا حرکت کرنیوالا حق ناشناس و تباہ حال کون ہو سکتا ہے جو عقائد اعمال اور اقوال میں افترا پرداز اور کاذب ہوں

(۲) قیامت کے دن رسوائی اور ذلت کے ساتھ ایسے لوگوں کو بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جائیگا کیونکہ وہی ان کا رب ہے اسی نے پیدا کیا اور تدریجی ترقی دیکر حد کمال تک پہنچایا۔ لہٰذا محاسبہ کا اُسی کو حق ہے۔

(۳) ایسے ظالموں کی افترا پردازی اور دروغ تراشی کی شہادت بڑے بڑے گواہ دینگے۔ وہ گواہ کون ہونگے؟ مجاہد کے نزدیک نیکی اور بدی کو لکھنے والے فرشتے مراد ہیں۔ مقاتل کے نزدیک عام انسان بغیر تعیین و تخصیص کے۔ ابن عباس کے نزدیک انبیاء و مرسلین۔ قتادہ کے قول کے موافق عام خلائق خواہ انسان ہوں یا کوئی دوسری مخلوق۔ گویا علی الاعلان شہادت دی جائیگی میرے نزدیک اگر مجرم کے خود ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء مراد لئے جائیں تو احادیث و قرآن کے مضامین کے موافق ہوگا۔

(۴) جب شہادت کی تکمیل ہو جائیگی اور جرم ثابت ہو جائیگا تو بارگاہ الٰہی سے ندا ہوگی ان ظالموں کو ہماری رحمت سے دوری ہو یہ کسی طرح رحمت الٰہیہ سے مستفید ہونے کے سزاوار نہیں۔ لہٰذا ان پر پھٹکار ہو اور دھتکار کر ان کو رحمت سے دور کر دو۔ ایسا کیوں ہوگا؟ اسلئے کہ:۔

(۵) یہ دوسروں کو راہِ حق سے روکتے تھے۔ رہنمائی تو بجائے خود رہی سیدھا راستہ چلنے والوں کو بہکاتے تھے جس طرح آج کل پادری، آریہ، قادیانی اور اسلام کے بہت سے علماء و مشائخ اور سرکار پرست کاسہ لیس کیا کرتے ہیں۔

(۶) پھر دوسروں کو گمراہ بنانے کے ساتھ خود بھی کجرو تھے۔ کجروی ہی کو پسند کرتے تھے اور راہِ راست چھوڑ کر کجراہی کی ہی تلاش میں رہتے تھے۔

(۷) یہ دنیوی زندگانی کو ہی اصل حیات سمجھتے تھے۔ آخرت کے منکر تھے

یعنی وجود قیامت کاہی ان کو انکار تھا۔ جنت دوزخ، حشر نشر، حساب کتاب اور اجر و عقاب تو در کنار رہے۔

(۸) دنیا میں اگرچہ ان کو اپنی قوت، شوکت، عزت، حکومت، جتھے اور کثرت اولاد و مال پر غرہ تھا مگر اللہ کی گرفت سے یہ کسی طرح باہر نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر اللہ ان کی گرفت کرتا تو ان کا کوئی حامی اُن کو بچا نہیں سکتا تھا۔ ان کے فرضی معبود بالکل عاجز تھے، کسی میں ان کی حمایت کرنے کی قوت نہ تھی۔

(۹) ان کے گوش حق نیوش نہ تھے۔ صداقت و حقانیت کے سننے سے بہرے تھے۔ نہ حق کی بات اُن کو سوجھائی دیتی تھی۔ گویا بہرے بھی تھے اور اندھے بھی۔

(۱۰) لامحالہ ان پر دو چند عذاب ہوگا۔ ایک تو گمراہ ہونے کا۔ دوسرا گمراہ کرنے کا۔

(۱۱) چونکہ انہوں نے دنیا میں ایسے اعمال و اقوال کا ارتکاب کیا اور ایسی سیاہ راہ زندگی پر گامزن ہوئے جو خلاف حق تھی۔ نقصان کو نفع سمجھکر اختیار کیا۔ زیان کو سود اور ہلاکت کو عافیت سمجھا۔ لہذا آخرت میں یہ برباد ذلیل اور ہلاک ہونگے اور انکی جتنی افترا پردازیاں تھیں سب کو بھول جائینگے۔

مقصود بیان:۔ اللہ پر دروغ تراشی اور افترا کرنا سب سے زیادہ بے جا حرکت ہے۔ جو حکم اللہ نے نہیں دیا اُس کو اللہ کی طرف منسوب کرنا بدترین ظلم ہے۔ لہذا مسلمانوں کو احکام شریعت کے بیان کرنے میں انتہائی احتیاط کرنی چاہئے۔ قیامت کے دن فرشتے یا انبیاء و مرسلین یا علماء یا ہم عام مخلوق یا خود انسانی اعضاء انسان کی بدکرداری کی شہادت دینگے۔ کوئی کافر مشرک رحمت الٰہی سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ کجروی اور اغوا دونو علیحدہ علیحدہ مستقل جرم ہیں لہذا ان میں سے ہر ایک کی مستقل سزا دیجائیگی گویا در پردہ ایما اس طرف ہے کہ گمراہی اگرچہ بجائے تو دبری چیز ہے مگر گمراہ کنی مزید تباہی پیدا کرنیوالی ہے۔ اللہ کی گرفت سے کوئی باہر نہیں ہو سکتا۔ خواہ کتنا ہی عظیم الشان پرشکوہ بادشاہ ہو یا کثیر المال تاجر یا فولادی بازو رکھنے والا پیلتن پہلوان۔ قیامت کے دن جب مصائب کا سامنا ہوگا تو انسان اپنے تمام دماغ زائیدہ باطل خیالات کو بھول جائیگا۔ اُس وقت کوئی کچھ کام نہ آئیگا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

ہاں جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے

وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کی تو وہی جنتی

الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ مَثَلُ

ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ان دونوں

الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ

گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا بینا

وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ

اور سُننوا کیا یہ دونوں حالت میں برابر ہو سکتے ہیں؟

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ ع ۲

تم غور نہیں کرتے

تفسیر اوپر کی آیات میں کفار کے افعال شنیعہ اور نتائج بد کا ذکر تھا ان آیات کے ابتدائی حصہ میں اہل ایمان کی مدحیہ حالت کا بیان اور عمدہ نتیجہ کا اظہار کیا ہے اور موخر الذکر حصہ میں کفار و مومنین کی حالت تمثیلی انداز میں بیان کی ہے تاکہ ایک ذہنی چیز محسوس کی شکل میں آجائے اور عقلی مفہوم کا حسی نقشہ کھنچکر سامعین کے دماغوں میں ثبت ہوجائے

حصہ اول کا حاصل یہ ہے کہ دوامی طور پر جنت کے مالک وہی لوگ ہیں جن میں یہ تین صفات موجود ہوں:۔(۱) وہ مومن ہوں اللہ کی توحید تمام انبیاء کی رسالت اور قیامت کو مع اُسکی تفصیلات کے مانتے ہوں۔ فرائض دینیہ کے منکر نہ ہوں۔ قضا و قدر اور فرشتوں کے وجود کے قائل ہوں وغیرہ۔ (۲) نیکوکار ہوں۔ وہ امور جن کو کرنے سے عقل و شرع روکتی ہے اور جن کا ارتکاب دنیا میں بجائے صلاح کے فساد پیدا کرتا ہے ایسے امور کو وہ ترک کرتے ہوں اور جن امور سے عالم کی اصلاح و خیر وابستہ ہے اُنکو اختیار کرتے ہوں (۳) اللہ سے ڈرتے ہوں متقی ہوں اُسی کے سامنے خشوع خضوع کرتے ہوں۔ عبادت اور نیکی ریاکاری سے نہیں بلکہ خدا کے ڈر سے کرتے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جو لوگ قولاً عملاً اور اعتقاداً نیکوکار اور حق پرست ہوں وہی اہل نجات اور حامل سعادت ہیں۔ اُنہی کو دوامی راحت نصیب ہوگی۔

موخر الذکر ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ کافر اندھے اور بہرے کی طرح ہے جسکو نہ کچھ سنائی دیتا ہے نہ وہ کچھ دیکھ سکتا ہے اُسکو نہیں معلوم کہ دنیا کے اندر صوتی کیفیت اور لونی و شکلی خوبی کیا ہوتی ہے۔ اچھی بری آواز خوبصورتی بدصورتی۔ خوش رنگی اور بدرنگی۔ دید وزیبی اور باصرہ سوزی کیا چیز ہوتی ہے۔ یہی حال کافر کا ہے اُسکو نہیں معلوم کہ حق و ناحق صادق و کاذب کیا چیزیں ہیں۔ اُس کے کان حق کی شنوائی سے بہرے ہیں اور اُس کی آنکھیں صداقت کو دیکھنے سے اندھی ہیں۔ رہا مسلمان تو وہ آنکھوں والا ہے اُس کے گوش ہوش کھلے ہوئے ہیں۔ وہ ہر چیز کو سنتا اور دیکھتا ہے۔ حق و ناحق کو پہچانتا اور صادق و کاذب میں تمیز کرتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ کافر و مومن برابر نہیں ہو سکتے دونوں کے شرف و مرتبہ میں بڑا فرق ہے۔ بینا و نابینا اور سامع و غیر سامع

میں مساوات نہیں ہو سکتی۔

مقصود بیان:- اہل سعادت کے صفات ثلثہ کا بیان اور اس امر کی طرف لطیف ایماء کہ مسلمان کے لئے عمل صالح کے ساتھ ایمان اور فروتنی وخشوع بھی لازم ہے۔ محسوس پیرایہ بیان میں کفار و مؤمنین کی حالت کی تصویر کشی اور بلیغ طرز ادا میں تبلیغ اسلامی وغیرہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ فَقَالَ

ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس (یہ کہنے کو) بھیجا

اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا

کہ میں تم کو صاف صاف ڈرانے والا ہوں تم اللہ کے سوا کسی کی پرستش

اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ

نہ کرو مجھے تمہارے متعلق تکلیف دہ دن کے عذاب کا

یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اندیشہ ہے تو نوح کی قوم میں سے کافر سردار

مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

بولے ہم تو تم کو اپنی طرح آدمی جانتے ہیں

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا

اور ہمارے خیال میں تو تمہارے پیرو بجز اُن لوگوں کے جو ہم میں ذلیل ہیں

بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ

اور کوئی ہوا نہیں اور وہ بھی سرسری نظر سے اور ہمیں اپنے اوپر تم لوگوں کی

فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ۝

کوئی بڑائی بھی نظر نہیں آتی بلکہ ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں

تفسیر مذکورہ بالا آیات میں ترغیب ترہیب۔ کفار و اہل ایمان کی تفصیل اور اسلام کی تبلیغ بلیغ ترین طرز ادا کے ساتھ کیگئی تھی۔ چونکہ تبلیغ ودعایت کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ نافرمانوں اور سرکشوں کا نتیجہ بد ظاہر کیا جائے تاکہ اُن کے عبرت ناک حالات پڑھنے کے بعد حاضرین و مخاطبین کو نصیحت ہو اور وہ سرتابی چھوڑ دیں۔ اسی مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر مختلف قصص بیان فرمائے ہیں بلکہ بعض قصص کو تو چار چار پانچ پانچ مقام پر قدرے تطویل یا اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کہیں مفصل کہیں مختصر لیکن مقتضائے حال کا لحاظ رکھا ہے۔ ہر موقعہ پر اُتنا ہی قصہ بیان کیا ہے جتنی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود تکرار اعادہ کے جدید لذت اور نیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ حسب معمول قرآنی یہاں بھی چند قصوں کو مفصل ذکر کیا ہے اور ابتدا حضرت نوح ؑ کے قصہ سے کی ہے کیونکہ نوح آدم ثانی تھے آپ سے دوبارہ نسل انسانی پھیلی۔ اس کے علاوہ آپ کا قصہ تھا بھی اپنی نوعیت اور عبرت انگیزی میں یکتا۔

حضرت نوح کا قصہ توراۃ میں بھی مفصل آیا ہے۔ مگر بعض مقامات پر بیان قرآن سے کچھ مختلف ہے۔ تفسیر آیات کے وقت ہم جا بجا اختلاف اور اُسکے مواقع کا تذکرہ کریں گے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب حضرت نوح ؑ نے قوم میں شرک اور بد اعمالی کو پھیلتے دیکھا تو شروع میں توحید و نیکی کی طرف راغب کیا اور اہل توحید کی نجات آخرت اور دوامی سعادت کا ذکر کیا۔ جب کسی طرح کی ترغیب مفید نہ ہوئی تو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ کیونکہ انسان فطرتاً حصول منفعت سے زیادہ دفع مضرت کا خواستگار ہوتا ہے۔ خوف کا مرتبہ طمع سے بڑھ کر ہے۔ طمع اختیاری ہوتی ہے اور خوف مجبور کن۔ غرض تبشیر و ترغیب جب بے سود ثابت ہوئی تو مجبوراً انذار و ترہیب کی طرف آپ مائل ہوئے اور انذار بھی دو عذابوں سے۔ عذاب دنیا یعنی طوفان سے اور عذاب آخرت یعنی دوزخ سے۔ مگر قوم نے ایک نہ سنی۔ سرچشمہ کفر ہمیشہ غرور ہوتا ہے۔ غرور ہی انکار کا اصل مرکز ہے اور غرور کا سبب دولت و مال ہے۔ اس لئے غریبوں نے تو کسی قدر آپ کی نہمائش کا اثر لیا۔ مگر دولتمند طبقہ پر کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ بجائے فرماں پذیری کے سرداران قوم اور مالدار لوگ کھلم کھلا انکار کر گئے اور نہ صرف انکار بلکہ تین شبہے بھی حضرت نوح کی رسالت پر ظاہر کئے۔ اوّل تو یہ کہ تم فرشتہ نہیں کوئی اور غیبی مخلوق نہیں ہماری طرح انسان ہو کوئی غیبی پردہ طاقت تمہارے ساتھ نہیں۔ پھر کیا وجہ کہ تم رسالت کا دعویٰ کرتے ہو۔ دوسرے یہ کہ تمہاری پیروی کرنیوالے اور تمہارا ساتھ دینے والے صرف نچلے طبقہ کے لوگ ہیں۔ کوئی باوجاہت بھلا آدمی تمہارے گروہ میں داخل نہیں۔ پھر ہم تمہارا ساتھ دیکر اور تمہارا قول مان کر کیوں ذلیل ہوں۔ اس کے علاوہ نچلے طبقہ نے بھی بلغیر سوچے سمجھے اور بلا تامل کیے تمہاری پیروی اختیار کی ہے۔ اُن میں اول تو بصیرت ہی اتنی نہیں کہ اچھے بُرے اور صحیح غلط کی تمیز کر سکیں اور جو کچھ سمجھ ہے بھی تو اُس سے اُنہوں نے کام نہیں لیا۔ تیسرے یہ کہ تم کو اور تمہاری جماعت کو ہم پر کیا فضیلت حاصل ہے۔ تم ہماری طرح دولتمند نہیں۔ تمہارے اندر ہماری ایسی تہذیب نہیں۔ ہمارے ایسے آداب معاشرت نہیں۔ پھر کس طرح اعلیٰ ادنیٰ کی پیروی کر سکتا ہے۔

مقصود بیان عام طور پر جاہل طبقہ معیار فضیلت دولتمندی کو قرار دیتا

ہے۔ انکار وکفر کی اصل جڑ یہی دولتمندی ہے۔ کوتاہ فہم لوگ ہمیشہ سے یہ سمجھتے چلے آئے ہیں کہ مقتدا اور پیشوا کو کسی اور غیبی مخلوق کا فرد ہونا چاہئے انسان نہ ہونا چاہئے۔ اور اس کے ساتھ خفیہ طاقت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر اس کا مالدار ہونا بھی لازم ہے۔ غریب ملا کی اذان کو بھی غلط کہا جاتا ہے آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ حق کی طرف میلان کرنے والے زیادہ تر غریب ہی لوگ ہوتے ہیں اور معیار فضیلت دولت نہیں۔ بلکہ حق پرستی ہے حضرت نوح ؑ نے کفار کے تینوں شبہات کا ازالہ انتہائی حسن کلام کے ساتھ کیا اور فرمایا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ

نوح نے کہا اے میری قوم دیکھو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر

مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ

قائم ہوں اور اُس نے اپنی طرف سے مجھکو رحمت عطا کردی

فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ

اور تم کو وہ نہ سوجھی تو کیا ہم اسکو تمہارے سر منڈھ دیں حالانکہ تم

لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ

اس سے بیزار ہو اے میری قوم میں اس پر تم سے مال کا بھی تو خواستگار

مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا

نہیں ہوں میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمے ہے اور جو

بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا

لوگ ایمان لے آئے میں اُن کو نکال بھی نہیں سکتا بلاشبہ وہ اپنے رب سے

رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝

ملنے والے ہیں مگر بات یہ ہے کہ میرے خیال میں تم نادان قوم ہو

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ

اے میری قوم اگر میں اُن کو نکال دوں تو اللہ کے مقابلہ میں میری کون مدد کریگا

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ

کیا تم غور نہیں کرتے میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس

خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ

اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں نہ میں اپنے آپ کو

اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ

فرشتہ کہتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ جو لوگ تمہاری آنکھوں میں حقیر

اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ

ہیں اُن کو اللہ بھلائی عطا نہ کریگا جو کچھ

اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْٓ اِذًا

اُن کے دلوں میں ہے اللہ ہی اسکو خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں

لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

تو میں ظالم ہوں

تفسیر (۱) تم کہتے ہو کہ میں تمہاری طرح انسان ہوں پھر تم کو خدا نے کیوں رسول بنایا؟ تو بیشک یہ صحیح ہے کہ میں انسان ہوں مجھے نبوت کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں لیکن یہ اللہ کی عنایت اور رحمت ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔ اُس نے مجھے راہ راست دکھائی معجزات اور نبوت عطا کی تم کو کھلا ہوا سیدھا راستہ اور واضح معجزات بھی نہ سوجھیں تو میرا اس میں کیا قصور۔ میں زبردستی حقانیت وراستی کو تمہارے سر تو ڈال نہیں سکتا۔ رہی یہ بات کہ شاید تم خیال کرو نوح نبوت وہدایت کا دعوی کر کے ہماری دولت چھین کر مالدار بننا چاہتا ہے۔ تو یاد رکھو کہ میں بالکل مال کا تم سے خواستگار نہیں ہوں تم سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں چاہتا اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اُسی سے اجر کا طالب ہوں۔

(۲) تم کہتے ہو کہ غریب وکمزور طبقہ نے میرا ساتھ دیا اور وہی میرے ساتھ ہے اور تم اُن سے اختلاط گوارا نہیں کرتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ لوگ مؤمن ہوگئے۔ میری رسالت کا انہوں نے اقرار کرلیا اور اپنے پچھلے عقائد چھوڑ دیئے اور میرے گروہ میں داخل ہوگئے اور یہ یقینی بات ہے کہ ان کو بھی ایک روز خدا کے سامنے جانا ہے ان کے لئے بھی عذاب وثواب اور نجات وہلاکت مقرر ہے تو پھر ان کو میں کس طرح اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں۔ یہ تمہاری نادانی ہے کہ تم ان کو انسانیت سے خارج سمجھتے ہو۔ یہ بھی انسان ہیں اور انسانوں کی طرح مکلف ہیں۔ اگر میں ان کو اپنے پاس سے علیحدہ کردونگا تو غضب الٰہی نازل ہوگا اور اللہ کی ناراضگی سے پھر مجھے کون بچائیگا تم ان کو ذلیل جانتے ہو اور تمہاری آنکھیں ان کو ذلیل

دیکھتی ہیں تو یہ تمہاری غلطی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اللہ ان کو کبھی دنیا و آخرت میں کوئی خیر عطا نہیں کریگا۔ مجھے کیا معلوم کہ اُن کے دلوں کی کیا حالت ہے ان کے دلوں میں ایمان ہے یا نہیں۔ بظاہر تو یہ مؤمن ہیں اور مؤمن ہونا ان کے استحقاقِ خیر کی دلیل ہے پھر تمہاری طرح میں ان کو کس طرح ذلیل سمجھکر اپنے پاس سے دور کر سکتا ہوں۔

(۳) رہی میری فضیلت تو ظاہر ہے کہ مجھے نہ فرشتہ ہونے کا دعوٰی ہے نہ غیب دانی کا نہ میں مدعی ہوں کہ میرے پاس اللہ کے غیبی خزانے موجود ہیں یعنی تمہارا یہ خیال ہی غلط ہے کہ نبی کو فرشتہ یا غیب داں ہونا چاہئے اور یہ ضروری ہے کہ رسول کے پاس دولت کے انبار لگے ہوں اور وہ مالدار طبقہ میں پیدا ہو۔

مقصود بیان: کھلی ہوئی حقانیت بھی کور بصیرت اشخاص کو نہیں سوجھتی۔ ہدایت و ضلالت اللہ کا کام ہے۔ انسان کا خود اس معاملہ میں ارادہ ہونا ضروری ہے۔ نبی کا کام نہیں کہ زبردستی کسی کو راہ راست پر کھینچ لائے۔ نبوت وہبی چیز ہے اختیاری نہیں۔ جاہلوں کے جواب میں حلم اور بردباری سے کام لینا اخلاقِ نبی ہے۔ نبی کسی مال و حکومت کا خواستگار نہیں ہوتا۔ غریب طبقہ اگر مؤمن ہو گیا ہو تو اُس مالدار طبقہ سے بہتر ہے جو کافر ہو۔ مؤمن غریب ہی انبیاء کی صحبت کا زیادہ مستحق ہے۔ دولت و افلاس کو معیار رفعت و پستی قرار دینا نادانی ہے۔ نبی نہ فرشتہ ہوتا ہے نہ غیب داں نہ خزائنِ قدرت کا مالک۔ معیار سعادت ایمان ہے جو دلوں کے اندر ہوتا ہے۔ اور دلوں کی حالت اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ وغیرہ۔

قَالُوا يٰنُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ

قوم والے بولے نوح تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت

جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ

جھگڑا کیا اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کی دھمکی دے رہے ہو

الصّٰدِقِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ

اُس کو لے آؤ نوح نے کہا اگر اللہ چاہیگا تو اُس کو

اللّٰهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝

لے آویگا اور تمہارا قابو نہیں چل سکتا

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ

اگر اللہ تم کو بے راہ چلانا چاہے تو میں کتنی بھی تم کو نصیحت کرنا چاہوں

لَكُمْ إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ ۚ

مگر بے سود ہوگی

هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

وہی تمہارا رب ہے اور اُسی کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہے

تفسیر آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ جب کفار حضرت نوح کے پرشوکت جواب سے خاموش ہو گئے اور کچھ جواب دیتے نہ بن پڑی تو ہٹ اور ضد پر اتر آئے۔ اور جاہلانہ طور سے کہنے لگے نوح تم بڑے جھگڑالو ہو۔ تم نے توحید نبوت اور معاد کے متعلق جھگڑے کو بڑا طول دیا اب مزید سوال جواب کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ تم سے ہو سکے کر دکھاؤ۔ تم ہم کو ناگہانی آفت کے آنے سے ڈراتے ہو۔ اگر سچے ہو تو وہ موعودہ آفت ہمارے سر پر لے آؤ۔ حضرت نوح نے فرمایا لوگو عذاب اور آفت کا لانے والا تو اللہ ہی ہے۔ جب خدا اپنا عذاب بھیجے گا تو تمہارا کوئی قابو اُس کے مقابلہ میں نہ چل سکیگا۔ میں نے تم کو نصیحت کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم ازلی گمراہ ہو۔ اگر اللہ ہی کو یہ منظور ہے کہ تم گمراہ رہو تو میں کتنی بھی خیرخواہی کرنی چاہوں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تمہاری ضلالت و ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ وہی تمہارے مبدا و معاد کا مالک ہے۔

مقصود بیان: کفر و ایمان بارادۂ الٰہی ہے۔ اللہ کسی کے کفر کو گوارہ نہیں فرماتا۔ لیکن اس کی مشیت کے بغیر بندہ مؤمن ہو بھی نہیں سکتا مؤمن بنانا اور کفر کے دائرہ سے نکالنا نبی کی قدرت سے بھی خارج ہے جب انسان دلائل کے مقابلہ میں لاجواب ہو جاتا ہے تو جاہلانہ ہٹ پر اُتر آتا ہے۔ نبی اُمت کا خیرخواہ ہوتا ہے اگرچہ لوگ اُسکو خیرخواہ نہیں سمجھتے

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ

(اے محمد) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے قرآن کو خود بنا لیا ہے تم کہدو کہ اگر میں نے خود بنا کر

فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تُجْرِمُونَ ۝

دروغ بندی کی ہے تو میرا جرم میرے ذمے ہے مگر تمہارے جرم سے میں بری الذمہ ہوں

تفسیر مقاتل کے نزدیک یہ کلام حضرت نوح کے قصہ میں بطور جملۂ معترضہ کے آگیا ہے۔ کفار مکہ کے حق میں نازل ہوا ہے اور روئے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے۔ ابن کثیر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ امام رازی کے نزدیک حضرت نوح کے قول کا تکملہ ہے کیونکہ دوران قصۂ نوح میں کفار مکہ کی حالت کا

بیان اور رسول پاکؐ کو خطاب فرمانا اصول بیان کے خلاف ہے مطلب ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ نے بطور اتمام حجت فرمایا لوگو! اگر میں سچا ہوں اور تم میری تکذیب کررہے ہو تو لامحالہ تم کو اسکی سزا ملیگی اور اگر میں نے افترا بندی اور دروغ تراشی کی ہے تو اُس کا وبال مجھ پر پڑیگا تم پر اُس کا وبال نہ آئیگا۔ پھر خواہ مخواہ میری تکذیب کرتے ہو۔

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن

اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی تھی کہ تمہاری قوم میں سے سوا اُن لوگوں

قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا

کے جو ایمان لاچکے ہیں اور لوگ ہرگز ایمان نہ لائینگے لہذا تم انکی حرکات

كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا

کا غم نہ کرو اور ہمارے سامنے ہمارے حکم کے مطابق

وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا

کشتی بناؤ اور ظالموں کے بارہ میں مجھ سے بات نہ کرو

إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ

کیونکہ اُن کو ضرور غرق کیا جائیگا نوحؑ کشتی بنا رہے تھے

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا

اور جب کبھی اُن کی طرف سے اُن کی قوم کے کچھ سردار گذرتے تھے تو اُن کا

مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ

مذاق اُڑاتے تھے نوحؑ کہتے تھے اگر تم اب ہم پر ہنستے ہو تو جس طرح تم ہمارا

مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ

مذاق اُڑا رہے ہو ہم بھی ضرور تمہارا مذاق اُڑائینگے آگے تم کو معلوم ہوجائیگا

مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ

کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آنے گا اور دوامی

عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

عذاب نازل ہوگا

تفسیر جب اتمام حجت ہوچکا اور کوئی نصیحت سودمند نہ ہوئی تو حضرت نوحؑ کی قوم کی تباہی کا بڑا غم ہوا وحی آئی نوحؑ ان لوگوں کے کرتوت کا کچھ غم نہ کرو۔ جو لوگ ایمان لے آئے لے آئے۔ آئندہ کوئی ایمان نہیں لائیگا تبلیغ ختم کردو اور ہماری وحی و علم کے مطابق کشتی بنانا شروع کردو۔ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کنعان کے متعلق عرض کیا تو ارشاد ہوا نوحؑ کسی ظالم حق ناشناس کے متعلق کچھ نہ کہو۔ ہر ظالم کے ڈوبنے کا قطعی مبرم حکم ہوچکا۔ غرض حضرت نوحؑ نے کشتی بنانی شروع کی اور بروایت ابن عباسؓ دو سال تک بناتے رہے کشتی کتنی لمبی چوڑی اور کتنی اونچی تھی؟ اور کس لکڑی کی تھی؟ اسکی تفصیل اسرائیلی لٹریچر میں مختلف طور پر آئی ہے اور چونکہ کوئی قول یقینی نہیں اسلئے ہم کو اُس کے ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں بہرحال حضرت نوحؑ جس وقت کشتی بناتے تھے تو کور باطن کافر آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے نوحؑ ابتک تم پیغمبر تھے اب بڑھئی ہوگئے کیسے دیوانے ہو پانی کہاں ہے۔ دریا سے دور خشکی میں ناؤ کیسے چلیگی۔ حضرت نے جواب دیا اب تو تم ہم سے مذاق کررہے ہو کیونکہ حقیقت تمہاری نظروں سے اوجھل ہے عنقریب ہم تمہارا مذاق اڑائیں گے تم کو کچھ ہی زمانے کے بعد معلوم ہوجائیگا کہ دوامی اور لازوال عذاب کس پر نازل ہوتا ہے۔ محمد بن اسحاق نے بروایت عبید بن عمیر لیثی بیان کیا ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم آپ کو بہت زیادہ تکلیفیں دیتی۔ لیکن آپ معاف فرمادیتے۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے پروردگار یہ لوگ نادان ہیں ان کو معاف فرمادے۔ جب قوم کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور حضرت پر سختیاں بہت زیادہ ہونے لگیں تو بارگاہ خداوندی میں شکایت کی اور قوم کے حق میں بددعا کی اس وقت عذاب کا حکم ہوا اور حضرت نوحؑ کے پاس مذکورہ بالا وحی نازل ہوئی۔

مقصود بیان: ظالموں اور حق ناشناسوں پر رحم کھانا اور ان کی تباہی کا غم کرنا نہ چاہیئے۔ حضرت نوحؑ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا کہ آئندہ کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ نوحؑ نے بعض کافروں کی نجات کی خواستگاری کی تھی لیکن منظور نہ ہوئی۔ اور اہل ظلم کے لئے دعا کرنے کی ممانعت کردی گئی۔ ظاہر پرست کور باطن اور حقیقت ناشناس ہوتے ہیں اس لئے اہل حق و معرفت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وغیرہ

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے کہا

احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

کہ سوائے اُن لوگوں کے جن کو غرق ہونے کا پہلے حکم ہوچکا ہے

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

ہر قسم میں سے دو دو کو نر و مادہ اور اپنے گھر والے اور مسلمان

وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝

سوار کر لو نوح کی معیت میں سوار چند آدمیوں کے کوئی ایمان نہ لایا تھا

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ

نوح نے کہا کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام ہے اس کا چلنا اور

مُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَ

ٹھہرنا میرا رب بلاشبہ غفور رحیم ہے

هِىَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَ

کشتی ان کو پہاڑوں کی طرح لہروں میں لئے جا رہی تھی اس وقت

نَادٰي نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ

نوح کا بیٹا ایک کنارے پر تھا نوح نے اس کو آواز دیکر کہا

يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ

بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا کافروں کے ساتھ نہ رہ

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ

وہ بولا میں پہاڑ کی پناہ لے لونگا وہ مجھے پانی سے

الْمَاۗءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ

بچا لے گا نوح نے کہا آج خدا کے قہر سے کوئی بچانے والا

اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا

نہیں ہاں جس پر خدا خود رحم کرے (وہی بچ سکتا ہے) اتنے میں دونوں کے درمیان

الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝ وَقِيْلَ

موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں پہنچ گیا اور حکم دیا گیا

يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَاۗءَكِ وَيٰسَمَاۗءُ اَقْلِعِيْ وَ

اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان تھم جا پھر

غِيْضَ الْمَاۗءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ

پانی سکھا دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا جودی پر کشتی

عَلَي الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگ دور ہوں

تفسیر

آیات کا مطلب واضح ہے۔ ہم تحقیق اجزا کے لئے چند امور ذکر کرتے ہیں:۔

(۱) تَنُّوْر کے معنی میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک تنور کے معنی ہیں روئے زمین۔ توراۃ میں بھی کل سطح زمین سے پانی کے ابلنے کا تذکر ہے۔ امام رازی نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ابن عباس، عکرمہ، زہری اور ابن عیینہ کی یہی روایت ہے۔ تَنُّوْر کشتی کے اس وسطی نشیبی حصہ کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ یہ قول حسن بصری کا ہے۔ تَنُّوْر کے معنی ہیں طلوع فجر یعنی جب نور کا تڑکا ہو گیا۔ یہ قول حضرت علی کا ہے۔ تَنُّوْر سے مراد کوفہ کی مسجد ہے یعنی جہاں اب مسجد کوفہ ہے وہ مقام مراد ہے۔ یہ قول مجاہد کا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ تنور کا مقام کوفہ کے اندر داخل ہونے والے کے دائیں جانب باب کندہ کے متصل واقع ہے شعبی قسم کھا کر کہتے تھے کہ ناحیہ کوفہ ہی سے تنور ابلا تھا۔ تَنُّوْر اونچی زمین یا مرتفع مقام کو کہتے ہیں یہ قول قتادہ کا ہے۔ تَنُّوْر اس چشمہ کا نام ہے جسکو عین الوردہ کہا جاتا ہے اور جو ملک شام کے ایک جزیرہ میں واقع ہے۔ ہکذا روی عن عکرمہ ومقاتل۔ تَنُّوْر سے یہی روٹی پکانے کا تنور مراد ہے۔ قالہ عطیہ و حسن واکثر المفسرین۔ نحاس نے فرمایا مذکورہ اقوال میں باہم اختلاف نہیں کیونکہ پانی ضرور روٹی پکانے کے تنور سے نکلنا شروع ہوا۔ آگ کے مقام سے پانی کا نکلنا کرشمۂ قدرت اور معجزۂ نوح تھا۔ اس کے بعد تمام روئے زمین سے پانی ابلنا شروع ہوا اور آسمان سے بھی جھما جھم برسنے لگا۔ قرآن میں آیا ہے فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا ہو سکتا ہے کہ فجر کے وقت ابلنا شروع ہوا ہو اور سب سے زیادہ طوفان عین الورد سے پیدا ہوا ہو۔ میرے نزدیک بھی تنور کے حقیقی معنی مراد لینا اولیٰ ہے۔

(۲) نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو آواز دیکر کشتی میں سوار ہونے کو کہا مگر وہ سوار نہ ہوا۔ اور ڈوب گیا۔ اس کا نام مفسرین اہل اسلام نے کنعان بتایا ہے اور کنعان کی ماں کا نام راعلہ لکھا ہے اور تشریح کی ہے کہ راعلہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ غرق ہو گئی کیونکہ وہ بھی کافرہ تھی۔ لیکن توراۃ کے سفر پیدائش میں لکھا ہے کہ نوح کے صرف تین بیٹے تھے۔ حام۔ سام۔ یافث اور ان تینوں نے کشتی میں سوار ہو کر طوفان سے نجات پائی۔ البتہ کنعان حام کا بیٹا اور نوح کا پوتا

تھا جو غرق ہوا۔ میرے نزدیک تورات کی تصریح صرف اختراعی ہے اور قرآن کا بیان صحیح ہے کیونکہ تورات کی صراحتیں خود باہم مختلف ہیں۔ تورات کے ۹ باب میں ہے کہ حام نے اپنے باپ نوح کو بحالت مخموری خیمہ کے اندر برہنہ پایا جس پر سام اور یافث نے اس پر کپڑا ڈھانک دیا۔ ۱۸ تا ۲۳۔ پھر ۲۴ میں ہے کہ جب نوح شراب کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم کیا تب وہ بولا کہ کنعان ملعون ہو وہ اپنے بھائیوں کے غلام کا غلام ہوگا۔ ۲۶۔ پھر بولا سام کا خدا مبارک اور کنعان اس کا غلام ہوگا۔ ۲۷۔ خدا یافث کو پھیلائے اور وہ سام کے ڈیروں میں رہے اور کنعان اس کا غلام ہو۔ اب سوچنا چاہئے کہ چھوٹے بیٹے سے کون مراد ہے۔ حام یا کنعان؟ اگر حام نے برہنگی دیکھی تو کنعان غریب کا کیا قصور ہے جو اس پر لعنت کی گئی اور سام کو حام کا غلام کیوں بنایا گیا۔ اگر کنعان کو حام کا بیٹا قرار دیا جائے اور حام کے لئے نوح نے بددعا کی اس لئے کنعان بھی ملعون قرار پایا تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ کنعان کے تین بھائی اور بھی تھے۔ مصر، فوط اور کوش پھر فقط کنعان ہی کیوں ملعون قرار پایا۔ اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھوٹے بیٹے سے کنعان ہی مراد ہے اور یہی تصریح تفسیر اہل اسلام کے مطابق ہے۔

(۳) قرآن پاک نے جودی پہاڑ پر کشتی کا ٹھہرنا ظاہر کیا ہے۔ مگر تورات کے سفر پیدائش باب ۷، درس ۴ میں صراحت ہے کہ اراراط پر کشتی ٹھہری اس کی تحقیق پادری سیتھر نے لغات بائبل کے صفحہ ۷۰ و ۷۱ پر کی ہے۔ کہتے ہیں اراراط سرزمین آرمینیہ کا ایک صوبہ ہے۔ رہی یہ بات کہ آرمینیا کے کس پہاڑ پر کشتی ٹھہری؟ تو سکندر کے زمانے میں بروسس نے صراحت کردی ہے کہ کوہستان کردستان میں جودی نام ایک پہاڑ ہے جو آرمینیہ کے جنوبی جانب ہے۔ اسی پہاڑ پر کشتی ٹھہری۔ یہاں ایک خانقاہ بھی تعمیر ہوئی تھی جو کشتی کی خانقاہ کہلاتی تھی۔ ۷۷۶ء میں بجلی نے اسکو نابود کردیا لیکن شمال کی جانب ایک اور پہاڑ ہے جس کو یورپین اراراط اور آرمینی ماسیس اور ترک اگری داغ کہتے ہیں اور اہل فارس کوہ نوح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ولیم پنک اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں کہ شہر اروان جو کبھی آرمینیہ کا پائے تخت تھا اور اب ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے اس کے پاس کوہ اراراط واقع ہے جس پر کشتی ٹھہری تھی۔ صاحب مراصد نے جودی کا محل وقوع علاقہ موصل دجلہ کے شرقی جانب قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا صراحات سے ثابت ہوتا ہے کہ کوہ اراراط اور کوہ جودی کا سلسلہ ملتا ہے اور اراراط آرمینیہ کا ایک حصہ ہے کوہستان اراراط کا سلسلہ کردستان کے پہاڑوں سے ملتا ہے اراراط اور کوہستان جارجیہ کو ملانے والا جودی ہے۔ جودی پر قیام کے بعد جب پانی خشک ہوگیا تو حضرت نوح اہل و عیال کو لے کر علاقہ آرمینیہ کے ایک گاؤں میں آکر رہے۔ اس گاؤں کا نام ارگوری مشہور ہے ۱۸۴۰ء میں آتش فشانی اور زلزلہ کی وجہ سے یہ گاؤں تباہ ہوگیا۔

(۴) طوفان تمام سطح زمین پر آیا تھا یا کسی خاص ملک میں اس کے متعلق اہل تاریخ کا اختلاف ہے۔ ابن خلدون وغیرہ نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ طوفان نوح کل روئے زمین پر آیا تھا اور کشتی میں بیٹھنے والوں کے علاوہ تمام دنیا کی آبادی تباہ ہوگئی تھی۔ پھر کشتی والوں میں سے سوائے نسل نوح کے اور لوگ لاولد مرگئے۔ تمام زمین پر نوح کی ہی نسل پھیلی۔ اسی لئے آپ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے ابن اثیر نے کامل میں لکھا ہے کہ مجوسی عموماً طوفان نوح سے انکار کرتے ہیں ہاں بعض مجوسی اقرار کرتے ہیں تو وہ بھی فقط ملک بابل میں طوفان آنے کے قائل ہیں۔ کیومرث کی اولاد مشرق میں رہا کرتی تھی وہاں تک طوفان نہیں پہونچا اسی طرح اہل ہند۔ ایرانی اور چینی اس طوفان کا اقرار نہیں کرتے۔ بعض اہل فارس کہتے ہیں کہ طوفان ضرور آیا تھا مگر عام نہ تھا عقبہ حلوان سے آگے نہیں بڑھا۔ مقریزی نے خطط میں لکھا ہے کہ تمام اہل کتاب خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ اولاد آدم کا بقاء صرف حضرت نوح کی نسل سے ہوا۔ مگر مصری۔ ایرانی، ہندی اور چینی طوفان کے قطعاً منکر ہیں۔ ہاں بعض قائل ہیں تو وہ بھی اتنے کہ ملک بابل اور اس سے غربی حصوں میں طوفان آیا تھا۔ اہل فارس کے نزدیک کیومرث آدم اول تھا جو مشرقی ملکوں میں رہتا تھا۔ اس کی اولاد طوفان سے غرق نہیں ہوئی۔

مقصود بیان: امر الٰہی کے مقابلہ میں کل دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ آگ سے پانی نکال کر خدا تعالیٰ اپنے امر سے کل دنیا کو تباہ کرسکتا ہے۔ سرکشی اور کفر کا نتیجہ سوائے تباہی اور کچھ نہیں۔ نبی کی نافرمانی موجب بربادی ہے۔ نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ حضرت نوح کو حکم تھا کہ پرندوں درندوں اور چرندوں کی ہر نوع کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کرلو۔ نجات پانے والے صرف اہل کشتی ہی تھے۔ اللہ کا نام لیکر کام کرنا برکت سعادت اور نجات کا باعث ہے۔ محسوس پرست انسان مخلوق کو اپنا پشت پناہ خیال کرتا ہے جس طرح کنعان نے پہاڑ پر بھروسہ کیا۔ پیمبرزادگی بغیر توحید و فرماں برداری کے بے سود ہے۔ نسب موجب نجات نہیں بلکہ عمل باعث عافیت ہے۔ آسمان و زمین سب حکم الٰہی کے تابع ہیں۔ اس قصہ میں ان مسلمانوں کے لئے درس بصیرت ہے جو ایک اللہ کو چھوڑ کر نام نہاد فقیروں سے مدد چاہتے اور در بدر جبیں سائی کرتے پھرتے ہیں۔ باوجودیکہ امر الٰہی سے کوئی بچانے والا نہیں۔ ہاں اسی سے رحم کی التجا کی جائے تو امید ہے کہ نجات ہو جائے۔ وغیرہ۔

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ

نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب! میرا

ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ

بیٹا بھی میری اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے

وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ○ قَالَ یٰنُوْحُ

تو سب سے بڑا حاکم ہے اللہ نے فرمایا نوح

اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ج اِنَّهٗ عَمَلٌ

وہ تیری اہل میں سے نہیں ہے اُس کے عمل

غَیْرُ صَالِحٍ ق فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ

اچھے نہیں ہیں جس بات کا تجھے علم نہیں اُسکے متعلق

بِهٖ عِلْمٌ ط اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ

سوال نہ کر میں تجھے نصیحت کرتا ہوں تاکہ نادانوں میں

مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ

شامل نہ ہو نوح نے عرض کیا پروردگار جس بات

بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ط

سے میں ناواقف ہوں اسکے متعلق سوال کرنے سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں

وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ

اگر تو مجھے نہ بخشیگا اور مجھ پر رحم نہ کریگا تو میں خسارہ میں پڑ جاؤں گا

تفسیر اللہ نے حضرت نوحؑ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تیری اہل کو غرق نہیں کروں گا۔ کنعان باپ کے حکم کے باوجود کشتی میں نہ بیٹھا۔ حضرت نے ہرچند فہمائش کی مگر اس نے ایک نہ مانی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک موج آئی حضرت نوح کے اور کنعان کے درمیان حائل ہوگئی۔ اور وہ ڈوبنے لگا۔ باپ کا دل بیتاب ہوگیا۔ اللہ کا وعدہ یاد آیا پکار اٹھے پروردگار تیرا وعدہ سچا ہے۔ تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا تھا میرا بیٹا میرے اہل میں داخل ہے۔ اس کو بچا دے حکم ہوا نوح بیوقوف نہ بنو تمہارے اہل میں وہ لوگ داخل ہیں جو تمہارے پیرو ہوں جن کے کرتوت اچھے ہوں۔ یہ تمہارے اہل میں داخل بھی نہیں۔ جس چیز کا تم کو علم نہیں اس کے متعلق آیندہ درخواست بھی نہ کرنا حضرت نے یہ عتاب آمیز حکم سنتے ہی توبہ کی۔ معافی چاہی۔ اپنے قصور کا اعتراف کیا کنعان غرق ہوگیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کنعان حضرت نوح کا بیٹا نہ تھا بلکہ حرامی تھا۔ اسی لئے اس کو نوح کی اہل میں سے نہیں قرار دیا گیا۔ مگر یہ غلط ہے نوح کے اہل میں سے نہ قرار دینے کی وجہ صرف خرابیٔ عمل ہے۔ خرابیٔ عمل سے نسبی رشتہ منقطع نہیں ہوتا۔ حضرت نوح کی نظر نسبی رشتہ پر تھی مگر مدارِ نجات چونکہ اعمال تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے کنعان کو اہلِ نوح میں شمار نہیں کیا۔ رہا حرامی ہونا تو اس کے ثبوت کی ضرورت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے تصریح کر دی ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے زنا نہیں کیا پھر کیونکر کنعان کو حرامی قرار دیا جاسکتا ہے۔

مقصود بیان:۔ مدارِ سعادت عمل ہے نسبی رشتہ کوئی چیز نہیں۔ قربت نسب سے نہیں بلکہ عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ وعدۂ الٰہی میں دروغ ناممکن ہے نسبی محبت اضطراری چیز ہے جس سے انبیاء بھی خالی نہیں۔ اگر بیٹے کے اعمال بھی خلافِ شرع ہوں تو اس سے قطع تعلق کر لینا چاہئے۔ خلافِ شرع کوئی دعا نہ کرنی چاہئے۔ اولاد سے محبت و عداوت بھی محض اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔ جہالت بُری بلا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو مقامِ جاہلین سے دور فرما دیا ہے۔ حضرت نوحؑ سے اجتہادی غلطی ہوئی اور اجتہادی غلطی بھی علم کے بعد موجب توبہ ہے۔ چنانچہ حضرت نوح نے بھی اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کی اور خدا تعالیٰ نے اُن پر برکتیں نازل فرمائیں۔

قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ

حکم ہوا نوح ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اترو تم پر اور اُن

عَلَیْكَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ط وَاُمَمٌ

جماعتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں برکتیں شامل ہیں اور دوسرے (کافر)

سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ

فرقوں کو (کچھ مدت تک) ہم مزہ اڑانے دینگے پھر ہماری طرف سے اُن کو دردناک

اَلِیْمٌ ○ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ

عذاب پہنچیگا (اے محمد) یہ غیب کی چند خبریں ہم تم کو بھیج رہے

اِلَیْكَ ج مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ

ہیں اس سے پہلے تم اور تمہاری قوم ان سے واقف

مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ

نہ بھی — صبر کرو — انجام بخیر

لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ۴۹ ع ۴

پرہیزگاروں کا ہی ہوتا ہے

تفسیر طوفان کم ہوا کشتی ٹھیری۔ زمین خشک ہوئی۔ حضرت نوحؑ کو اترنے کا حکم ہوا۔ حضرت نوحؑ کو اندیشہ ہوا کہ پانی کی وجہ سے ہر طرف عفونت پھیل گئی ہے اُتر کر کہیں قیام کیا جاتے تو بیمار ہونے کا اندیشہ ہے۔ پھر کھانے پینے کو کہاں سے آئیگا۔ زمین کی کل پیداوار فنا ہوگئی۔ ارشاد ہوا نوح اس کا اندیشہ نہ کرو۔ ہماری طرف سے سلامتی، جسمانی عافیت اور رزق کی برکت تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو حاصل ہوگی اور فقط رزق کی برکت ہی نہیں بلکہ مختلف برکتیں نصیب ہونگی۔ افعال واعمال میں برکت عمر میں برکت، زندگی میں برکت، روحانی برکت، آخرت کی برکت اور بالآخر دائمی نجات۔ البتہ کچھ قومیں ایسی بھی ہونگی جن کو دنیا میں عیش وآرام اور راحت چین ملیگا۔ کچھ زمانہ تک وہ مزہ اڑائیں گے اور بالآخر انجام بُرا ہوگا اُخروی سعادت نصیب نہ ہوگی۔

اس کے بعد رسولِ پاک ؐ کو خطاب کرتے ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے:۔ اے نبی یہ واقعات جو ہم نے بیان کئے ان سے نہ تم واقف تھے نہ تمہاری قوم والے۔ ہم نے تم کو اطلاع دی جس طرح نوحؑ نے کافروں کی اذیت پر صبر کیا اور آخر میں اُن کو غلبہ حاصل ہوا اسی طرح تم بھی کفار کی ایذا رسانی پر صبر کرو انجام کار تم ہی کامیاب ہوگے۔ اہلِ تقویٰ کا نتیجہ ہی اچھا رہتا ہے۔

مقصود بیان:۔ قانونِ قدرت ہے کہ پھول کے ساتھ کانٹا، خیر کے ساتھ شر اور اچھے کے ساتھ بُرا لگا رہتا ہے۔ اللہ نے پہلے ہی حضرت نوحؑ کو بتا دیا تھا کہ اگرچہ اس وقت تمام کفار تباہ ہوگئے۔ لیکن آئندہ قانونِ قدرت کے مطابق کچھ قومیں شریر اور بدکار بھی ضرور ہونگی جن کو دنیوی زندگانی میں عیش وراحت عطا کی جائیگی مگر انجام کار عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن پاک کے اندر گذشتہ واقعات کی صحیح تفصیل اعجازی ہے۔ اہلِ شرک کی ایذا رسانی پر صبر کرنا انبیاء کا شیوہ ہے۔ انجام کار کامیابی اہلِ تقویٰ کو حاصل ہوتی ہے۔ آیت میں مسلمانوں کے لئے ایک پیام نصیحت ہے کہ اہلِ باطل کے ظاہری غلبہ سے خوف زدہ ہو کر حق کے دامن کو نہ چھوڑنا چاہئے۔ آخر میں فتح اہلِ حق کی ہی ہوگی۔ وغیرہ۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ

اور ہم نے عاد کی طرف اُن کے قومی بھائی ہودؑ کو بھیجا ہودؑ نے کہا اے میری قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ

اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔـلُكُمْ

تم سب دروغ بافی کرتے ہو اے میری قوم میں تم سے اسکی

عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ

کوئی اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اُس خدا کے ذمہ ہے جس نے

فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ

مجھے پیدا کیا ہے کیا تم سمجھتے نہیں ہو اے میری قوم

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

اپنے رب سے توبہ استغفار کرو

يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ

وہ ابر باراں تم پر بھیجدے گا اور

يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا

قوت پر قوت تمہاری بڑھادے گا تم مجرم بن کر

مُجْرِمِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ

رخ نہ پھیرو قوم والے بولے ہود تم ہمارے پاس کوئی دلیل لیکر

وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ

نہیں آئے تمہارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ

اور نہ ہم تمہارا یقین کرنے والے ہیں ہماری رائے میں

اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ ۭ

تو تم کو ہمارے کسی معبود نے بری طرح جھپٹ لیا ہے

قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ

ہود نے کہا میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں

بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِهِ فَكِيدُونِي

کہ میں اُن سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کو چھوڑ کر شریک ٹھیراتے ہو اب تم سب ملکر

جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ

تدبیریں کر ڈالو اور مجھے مہلت نہ دو میرا بھروسہ

عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ

اُسی اللہ پر ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے ہر جاندار کی چوٹی

إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ

اُسی کے دست قدرت میں ہے میرا رب

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ

سیدھے راستہ پر ہے اس پر بھی اگر تم رُخ پھیرے رہو

أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَ

تو جو پیام دے کر مجھے بھیجا گیا ہے وہ میں تم کو پہنچا چکا میرا

يَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ

رب تمہاری بجائے کسی دوسری قوم کو قائم کردیگا اور تم اُس کا کچھ

شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝

نہ بگاڑ سکو گے میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے

تفسیر یہ واقعہ قوم عاد کا ہے۔ عاد دو قوموں کا نام ہے۔ عادِ اوّل اور عادِ ثانی۔ عادِ اوّل سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے اور حضرت نوحؑ سے آٹھ سو برس بعد ان کا دور تھا۔ ان کا مسکن ملک یمن تھا۔ یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں انہوں نے ایک قصر تعمیر کیا تھا جس کا نام غمدان تھا۔ بقول صاحب قاموس قصر غمدان ہفت منزلہ تھا اور ہر منزل کی بلندی چالیس گز تھی۔ یہ قصر حضرت عثمانؓ کی خلافت تک کچھ باقی تھا۔ حضرت ہودؑ عادِ اوّل ہی کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے عادِ ثانی کا بادشاہ شدّاد مشہور تھا۔ لقمان بھی اسی میں سے تھے۔ حضرت صالحؑ کو اسی کی ہدایت کیلئے مقرر کیا گیا تھا۔ علامہ ابن سعید نے لکھا ہے کہ شداد بن ملاد بن شدّاد بن عاد نے حدود ملک کو بہت وسیع کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ قبط بن مصر کے ہاتھ سے جنوبی مصر کو بھی چھین کر ممالک یمن میں شامل کر کے قبط کو اپنا باجگذار بنا لیا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب (جنوبی عرب میں) قوم عاد نے سرکشی شروع کر دی اور اُن کی شرک سازی حد سے بڑھ گئی تو اُنہی کی قوم میں سے ہود کو خدا تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لئے انتخاب کیا۔ حضرت ہودؑ نے توحید کی تبلیغ پُر زور دلائل کے ساتھ کی۔ شرک کی تردید بلیغ طرز میں کی۔ اور کافروں کا جو عموماً خیال ہوتا ہے کہ نبی کا مقصود نبوّت کے دعوی سے شاید حکومت و دولت کا حصول ہے اس خیال کا بھی ازالہ کیا۔ اور چونکہ قوم عاد کاشتکار تھی باغ اور کھیتی عموماً اُن کے ذرائع معاش تھے۔ اور بقول ضحاک تین سال سے بارش نہ ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت ہود نے خشک سالی کو نتیجہ نافرمانی قرار دیتے ہوئے استغفار و اطاعت کی ترغیب دیکر قحط سالی دور ہونے کا لالچ بھی دیا۔ پھر بقول عکرمہ قوم عاد کی نسل میں بھی کمی ہو گئی تھی۔ تیس سال سے پیدائش کی بہت قلّت تھی پیغمبر نے بشرط فرماں پذیری کثرت اولاد کا بھی وعدہ کیا لیکن سرکش قوم نہ ماننے والی تھی نہ مانی۔ بجائے اطاعت کے پیغمبر کو مجنون اور مخبوط الحواس قرار دیا اور بولے ہمارے کسی دیوتا نے ناراض ہو کر تجھے پاگل بنا دیا ہے۔ ہم تیرے کہنے سے اپنے دیوتاؤں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ حضرت ہودؑ نے کافروں کے کفر سے اظہار برأت کرتے ہوئے انتہائی جرأت کے ساتھ اعلان کر دیا کہ تم کیا اور تمہارے دیوتا کیا تم میں جتنی طاقت ہے سب صرف کر ڈالو اور بغیر کسی رعایت و مہلت کے میرے ضرر پہنچانے کی کوشش کرو۔ میرا بھروسہ محض اللہ پر ہے اسی کے دست قدرت میں کل دنیا اور اہل دنیا کے تصرفات ہیں۔ اس کے بعد دھمکی بھی دی کہ اگر تم میرا کہا نہ مانو گے تو برباد کر دیئے جاؤ گے سطح زمین کو تمہارے ناپاک وجود سے اللہ خالی کر دیگا۔ کافروں سے اللہ کا کوئی تعلق نہیں۔ تمہاری بجائے وہ دوسری قوموں کو اسی زمین پر آباد کر دیگا۔ اُس کی زد سے تم باہر نہیں ہو الخ۔

مقصود بیان: لفظ اَخَاهُمْ کہنے سے اس طرف ایماء ہے کہ ہود کوئی غیر نہ تھے جن کا چال چلن عاد کو معلوم نہ ہو بلکہ اُنہی میں سے تھے۔ نبی کا کام تبلیغ توحید ہے۔ توحید کے ساتھ اصلاح اعمال کا بھی وہ حکم دیتا ہے۔ حضرت ہود نے بھی دونوں باتوں کی نصیحت کی۔ در پردہ اس امر کا بھی اظہار ہے کہ مال و دولت کی کمی خشک سالی اور اولاد کی قلت گو بظاہر کسی سبب کے تحت معلوم ہو لیکن اسکی حقیقی وجہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ جب اللہ کسی کو مردود کرتا ہے تو وہ اپنی رائے اور گمان کو تمام حکمت الٰہیہ پر محیط خیال کرنے لگتا ہے۔ خدا رسیدہ انسان دنیا کی کسی طاقت و شوکت سے نہیں ڈرتا اُس کا بھروسہ فقط ذات الٰہی پر ہوتا ہے اس میں ضمناً مسلمانوں کو نصیحت ہے کہ اظہار حق میں کسی کی طاقت و جبروت سے نہ ڈرو۔ بلکہ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ رکھو۔ تم کو کسی کی

مخالفت اور مخالفانہ طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی - وغیرہ -

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ

جب اُن پر ہمارا عذاب آ پہنچا تو ہود کو اور ہود کے ساتھی مسلمانوں کو

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ

اپنی رحمت سے ہم نے اُس سے بچا لیا اور بڑے

مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ

سخت عذاب سے نجات دی یہی قوم عاد تھی

جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ

جس نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا اور اُس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَ

اور ہر سرکش مخالف کے کہنے پر چلے نتیجہ یہ ہوا

اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ

کہ اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی اُن کے پیچھے لعنت

الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ

لگا دی گئی خوب سن لو عاد نے اپنے رب کا انکار کیا

اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝ ع

آگاہ ہو کہ ہود کی قوم عاد پر لعنت

تفسیر سرکشوں کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو قہر الٰہی جوش میں آیا آندھی کا ایک زبردست طوفان اٹھا جس نے کل آبادی کو تہ و بالا کر دیا - ہزاروں لاکھوں لاشوں کے انبار گلی کوچوں میں لگ گئے مکانوں کے اندر دب گئے - ہوا سے اڑ کر پہاڑوں اور درختوں سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے - رسول پاک کے زمانہ تک اُن کے کھنڈر اور آثار موجود تھے سر راہ سے گذرنے والے عرب اُن کو دیکھتے اور جانتے تھے - حضرت ہود کو اُن کی جماعت سمیت خدا نے بچا لیا -

ایک شبہ کا ازالہ ہود کی قوم میں سوائے حضرت ہود کے اور کوئی پیغمبر نہ ہوا پھر اُن کی تباہی کو رسولوں کی نافرمانی کا نتیجہ کیوں قرار دیا - اور عَصَوْا رُسُلَهٗ کیوں فرمایا یہ ایک شبہ ہے جس کا جواب دو طرح دیا گیا ہے - اول یہ کہ پیغمبر و نبیت پر ایمان لانا اس شرط پر موقوف ہے کہ اس سے پہلے کے تمام پیغمبروں کو مانا جائے - قوم ہود نہ فقط حضرت ہود ؑ کی تکذیب کرتی تھی بلکہ آپ سے پہلے کے کسی پیغمبر کو نہیں مانتی تھی - نہ نوح کو نہ ادریس ؑ و شیث ؑ وغیرہم کو دوسرا جواب یہ ہے کہ تمام پیغمبر فرض رسالت اور اصول پیغمبری میں یکساں ہیں - اس لئے اگر ایک پیغمبر کا بھی انکار کر دیا جائے تو باوجود دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کے ایسے شخص کو عموماً پیغمبروں کا منکر قرار دیا جائیگا - قوم ہود نے حضرت ہود ؑ کا انکار کیا تو گویا کل پیغمبروں کا انکار کیا - کیونکہ دوسرے پیغمبروں نے ہود ؑ کی رسالت کی تصدیق کی - اور جب پیغمبروں کی رسالت کی تصدیق کو نہ مانا تو گویا اُن کی بھی تکذیب کی -

مقصود بیان: نجات محض رحمت الٰہی ہے کسی استحقاق پر مبنی نہیں ہے حضرت ہود ؑ کو اُن کی جماعت سمیت خدا نے نجات دی مگر محض اپنے رحم و کرم سے لفظ بِرَحْمَةٍ میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو اپنے اعمال و افعال پر خواہ کیسے ہی نیک ہوں کچھ گھمنڈ نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ دنیوی نجات افعال پر مبنی ہے نہ اخروی سعادت یہ تو فضل الٰہی ہے - وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہے نجات عطا فرمائے ظالم مغرور سرکش اور سر بلند کافروں اور فاسقوں کی بات نہ ماننی چاہئے - وغیرہ

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ

اور ثمود کے قومی بھائی صالح کو ہم نے اُن کے پاس بھیجا صالح نے کہا اے میری قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ

اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ

اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین پر آباد

فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ

کیا تم اُس سے توبہ استغفار کرو میرا

رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ

رب قریب اور دعا قبول کرنیوالا ہے قوم والے بولے صالح

كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ

اس سے پہلے تو ہم کو تم سے امیدیں تھیں کیا جس چیز کی

اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ

ہمارے باپ دادا پرستش کرتے رہے ہیں اُنکی پرستش سے تم ہم کو منع کرتے ہو اور جس چیز کی

مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○

عبادت کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو ہم کو اس میں ایسا شک ہے کہ دل نہیں ٹھیرتا

تفسیر عادِ ثانیہ جس کا نام ثمود ہے بڑی پُر جبروت قوم تھی۔ جنوبی مصر تک اس کا تسلط ہوگیا تھا۔ تمدن بھی اس کا اپنا تھا۔ شداد الیسا بادشاہ اسی قوم میں ہوا۔ لقمان ایسے دانشمند بھی اسی میں تھے۔ حضرت صالح کو خلعتِ رسالت سے آراستہ فرما کر اس جابر قوم کی ہدایت کے لئے مقرر فرمایا صالح اور ہود میں دو سو سال کا فرق تھا حضرت صالح کی عمر دو سو اسی سال کی ہوئی۔ قوم ثمود مقام حجر کی رہنے والی تھی۔ حجر ایک علاقہ تھا جسکا محل وقوع شام و مدینہ کے درمیان پہاڑی حصہ تھا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ قوم ثمود شرک اور بداعمالی میں مبتلا ہوگئی توحید الوہیت و ربوبیت کو چھوڑ بیٹھی تو اللہ نے اس کی ہدایت کے لئے اُسی میں سے ایک مخصوص فرد کو منتخب فرمایا جس کا نام صالح تھا حضرت صالح نے واحد و یکتا اللہ کی عبادت کی ترغیب دی۔ اور فرمایا اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس سرزمین میں تم کو آباد کیا (بالقول ضحاک) تمہاری عمریں دراز کیں۔ الغرض تمہاری ایجاد اور ابقا اسی کے دست قدرت میں ہے لہٰذا اسی کی طرف رجوع کرو۔ نافرمان قوم نے جواب دیا صالح ہم کو تم سے اس سے قبل بڑی بڑی امیدیں لگی ہوئی تھیں۔ خیال تھا کہ تم قوم کی اصلاح کرو گے دنیا میں ہمارے کام آؤ گے۔ ہمارے مندروں کا تحفظ کرو گے اور تم الٹے ہماری تباہی کے درپے ہوگئے بھلا تمہارے کہنے سے ہم آباء و اجداد کے دین کو کیسے چھوڑ دیں اور کسطرح اپنے اسلاف کے معبودوں سے منہ موڑ لیں تمہاری دعوت کی حقانیت کا ہمکو یقین نہیں،

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ

صالح نے کہا اے میری قوم دیکھو تو میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر

مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ

قائم ہوں اور اُس نے اپنی رحمت مجھکو عطا کی ہے اب اگر

يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا

میں اُس کی نافرمانی کروں تو اللہ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا

تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ○ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ

تم تو میری نقصان رسانی میں اضافہ ہی کررہے ہو اے میری قوم یہ

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ

اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانِ قدرت ہے اللہ کی زمین پر اسکو کھانے

اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

پھرنے دو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ تم پر

عَذَابٌ قَرِيْبٌ ○ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ

قریبی عذاب آپہونچے گا الغرض قوم والوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے

تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ

صالح نے کہا اب تین دن تک اپنے گھر میں مزے کرلو یہ

وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ○ فَلَمَّا جَآءَ

وعدہ جھوٹا نہیں ہے بالآخر جب ہمارا عذاب

اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

آپہنچا تو اپنی مہربانی سے ہم نے صالح کو اور اُس کے ساتھی

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۭ

مسلمانوں کو بچالیا اور اُس دن کی رسوائی سے (محفوظ رکھا)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ○ وَاَخَذَ

بیشک تمہارا رب قوی اور غالب ہے اور اُن

الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

ظالموں کو ایک چیخ نے پکڑ لیا جس کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں

جٰثِمِيْنَ ○ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ

اوندھے منہ گر کر (مرگئے) معلوم ہوتا تھا کہ ان گھروں میں وہ رہتے ہی نہ تھے آگاہ ہو

ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ○ ع

کہ ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا سن لو ثمود پر لعنت ہو۔

تفسیر حضرت صالح نے فرمایا بھائیو اللہ نے مجھے معجزات اور نبوت محض اپنے کرم سے بغیر کسی استحقاق کے عطا کی میرے

پاس اپنی نبوت کے ثبوت کی واضح نشانی موجود ہے کیا اس پر بھی تم کو شک ہی رہیگا۔ ایسی صورت میں اگر میں تمہارا قول مان لوں اور تبلیغ کو ترک کردوں تو ایک تو تم تباہ ہو پھر میں بھی تباہ ہوجاؤں گا نقصان پر نقصان ہوگا۔ دیکھو اللہ کی بھیجی ہوئی مخصوص طور پر یہ اونٹنی بطور معجزہ تمہارے سامنے ہے (اونٹنی کی مفصل حالت کا بیان سورۂ اعراف میں گذر چکا ہے) چونکہ اونٹنی سے ڈر کر قوم ثمود کے مویشی بھاگ گئے تھے پھر اونٹنی سب جانوروں کا چارہ بھی کھا جاتی تھی اس لئے لوگوں نے اسکو روکنا چاہا۔ حضرت صالحؑ نے فرمایا دیکھو ایسا نہ کرنا کوئی تکلیف اسکو نہ پہنچاؤ ورنہ عنقریب عذابِ الٰہی آجائیگا۔ لوگوں نے پیغمبر کی نصیحت نہ مانی کمینگاہ میں چھپ کر ایک کمبخت نے اونٹنی کے تیر مارا۔ دوسرے نے کوچیں کاٹ ڈالیں اوروں نے مل کر تکا بوٹی کرلی۔ حضرت صالحؑ کو علم ہوا دوڑے آئے۔ اونٹنی کی پارہ پارہ ہیئت دیکھ کر رونے لگے۔ قوم نے مذاق اڑایا۔ بولے اب وہ موعودہ عذاب کہاں گیا؟ صالحؑ نے فرمایا اچھا اب اس دارِ دنیا میں تین روز سے زیادہ تمہاری زندگی نہیں (تمہارے چہرے اوّل روز زرد۔ دوسرے روز سرخ اور تیسرے روز سیاہ ہوجائیں گے چوتھے روز عذاب آجائیگا) یہی ہوا چوتھا روز شروع ہوتے ہی آسمان و زمین سے ایک گونج پیدا ہوئی۔ تھوڑی دیر میں شیر دلوں کے بھی دل پھٹ گئے۔ گھروں کے اندر مرے کے مرے رہ گئے صالحؑ اور اُن کے ساتھیوں کو صرف نجات ملی اور وہ بھی بغیر استحقاق کے محض اللہ کے فضل و کرم سے۔

مقصودِ بیان :- حضرت صالح صرف اپنی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اللہ کی الوہیت کی دلیل اُس کی ربوبیت ہے۔ قوم کے مقابلہ میں یہی حضرت صالحؑ نے فرمایا۔ چونکہ اللہ رب ہے اسلئے توبہ بھی قبول فرمالیتا ہے۔ سب آدمی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ یعنی غالب عنصر مٹی ہے۔ آیت دلالت کر رہی ہے کہ حضرت صالحؑ نبوت سے پہلے بھی نیک قوم کے ہمدرد اور غریب پرور تھے جب ہی تو قوم کے نزدیک امیدگاہ اور مرجع آرزو بنے ہوئے تھے۔ تقلید پرستی انسان کی آنکھوں کو اندھا کردیتی ہے آباؤ اجداد کے رسم ورواج کے مقابلہ میں آدمی اُس شفیق ناصح کی خیرخواہی سے بھی سرتابی کرتا ہے جسکی نیکی اور بہی خواہی مسلم الثبوت ہوتی ہے۔ غیر محسوس خدا کی پرستش میں محسوس پرستوں کو ہمیشہ شکوک ہوتے ہیں۔ نبوت رحمتِ الٰہی ہے کسبی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود بہت زیادہ ظاہر پرست قوم تھی اسی وجہ سے اونٹنی کی شکل میں معجزہ اُن کے لئے پیش کیا گیا۔ آیات کے اندر اہل ایمان کے لئے خزانۂ نصیحت موجود ہے کہ اہلِ حق کا اتباع لازم ہے سرکشی اور طغیان سے عذاب الٰہی آتا ہے بدکرداروں کو جہاں تک ممکن ہو نصیحت کی جائے۔ ایمان اور نیکوکاری دنیوی اور اخروی نجات کا سبب ہے مگر محض اللہ کے فضل و کرم سے بغیر کسی ایجاب و استحقاق کے وغیرہ

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى

اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر پہونچے

قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ

اور بولے سلام کہا سلام (پھر) تھوڑی دیر میں ابراہیم

بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ

ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے لیکن جب دیکھا کہ اُن فرشتوں کے ہاتھ کھانے کی طرف

اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا

نہیں بڑھتے تو متوحش ہوئے اور دل میں اُن سے ڈرے۔ فرشتوں نے کہا

لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَ

آپ اندیشہ نہ کریں ہم کو قوم لوطؑ کی جانب بھیجا گیا ہے اُس وقت

امْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ

ابراہیم کی بیوی کھڑی تھی وہ ہنس پڑی ہم نے اُس کو اسحاق کی

وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى

اور اسحاق کے بعد یعقوب کے پیدا ہونے کی بشارت دی وہ بولی ہائیں

ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا

کیا میرے بچہ ہوگا حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں واقعی یہ

لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

عجیب بات ہے فرشتے بولے کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ

گھر والو تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں

اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

بلاشبہ وہ سزاوارِ حمد اور بزرگی والا ہے

تفسیر اس مقام پر حضرت ابراہیم کا قصہ مستقل طور پر نہیں بلکہ حضرت لوطؑ کے قصہ کے ذیل میں بیان فرمایا ہے اسی لئے طرزِ بیان

مستقل نہیں اختیار فرمایا۔ حضرت نوحؑ سے ۲۶۴۰ برس بعد حضرت ابراہیم ملک بابل میں مبعوث ہوئے۔ اُس زمانہ میں کلدانیوں کا بہت زور تھا شاہ نمرود ابن کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا مفصل قصہ پہلے گذر چکا اعادہ فضول ہے۔ آپ نے کفار کے مقابلہ کے بعد فلسطین اور اطرافِ شام میں سکونت اختیار کی ۱۷۵ برس دنیا میں رہے۔ آپ کے صاحبزادہ اسحاقؑ کی عمر ۱۸۰ سال کی ہوئی اور حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کی عمر ۱۴۷ سال کی۔ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے یا بھانجے تھے اور بابل سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ لوطؑ بھی پیغمبر تھے مگر حضرت ابراہیمؑ کے تابع۔ حضرت لوطؑ کی قوم لواطت کے مرض میں مبتلا تھی۔ آپ نے نصیحت کی نہ مانی تو عذاب کے فرشتے انسانی شکل میں نازل ہوئے لیکن قوم لوط کو تباہ کرنے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کی طرف آئے۔ آپ اُس وقت باہر کھڑے تھے۔ سرشت میں مہمان نوازی تھی اس لئے گھر میں لائے۔ کھانا سامنے رکھا۔ مگر آدمی نما فرشتوں نے ہاتھ نہ بڑھایا۔ آپ نے اُس وقت تک نہ پہچانا تھا۔ بمقتضائے بشریت ملکی دستور کے مطابق دل میں اندیشہ پیدا ہوا کہ شاید یہ لوگ دشمن ہیں کسی بدی کے ارادہ سے آئے ہیں اسی وجہ سے میرا کھانا نہیں چاہتے۔ اُس وقت فرشتوں نے واقعہ کا اظہار کیا۔ حضرت سارہ بھی موجود تھیں۔ حضرت لوطؑ اور اُن کے ساتھیوں کی نجات کی خبر سُن کر ہنس پڑیں۔ فرشتوں نے اُن کو ایک سعادتمند ذی شان لڑکا ہونے کی بشارت دی اور نہ فقط لڑکا ہونے کی بلکہ پوتا ہونے کی بھی حضرت سارہ کو تعجب ہوا۔ پیرانہ سالی میں اولاد کا ہونا بھی واقعی عجیب ہے فرشتوں نے قدرتِ الٰہی کا حوالہ دیتے ہوئے تعجب رفع کر دیا۔ فرشتوں کی تعداد کتنی تھی؟ اس میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے۔ عطاء کے قول پر عزت جبرئیل میکائیل اور اسرافیل تھے۔ ضحاک نے نو کی تعداد ظاہر کی ہے سدی نے گیارہ اور مقاتل نے بارہ۔ محمد بن کعب کے نزدیک آٹھ تھے بہر حال بالاتفاق جبرئیل ضرور تھے۔ باقی مطلب ظاہر ہے۔

مسئلے آدابِ سلام میں مذکور ہے کہ چھوٹا بڑے کو، کھڑا بیٹھے کو اور آنے والا کھڑے کو سلام کرے۔ چنانچہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو سلام کیا۔ لیکن جملہ فعلیہ استعمال کیا۔ حضرت ابراہیم نے سلام کا جواب دیا مگر جملہ اسمیہ استعمال کیا اور ظاہر ہے جملہ اسمیہ کسی زمانہ کا محتاج نہیں اور فعل کے لئے اقترانِ زمانہ ضروری ہے لہٰذا حضرت ابراہیم کا سلام فرشتوں کے سلام سے احسن ہوا۔ یہی قرآن کا حکم ہے۔

مقصودِ بیان: ۔ ہر آدمی کو سلام کرنا چاہئے خواہ جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ فرشتے آدمی کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ نبی اور ولی بعض غیبی مخلوق کو نہ پہچان سکیں۔ مہمان نوازی انبیاء کا شیوہ ہے۔ انسان فطرۃً خواہ کتنا ہی عظیم المرتبہ ہو، خلافِ معمول چیز کے ظہور پر تعجب کیا کرتا ہے چنانچہ حضرت سارہ کو بڑھاپے میں اولاد کی بشارت سُن کر تعجب ہوا۔ اللہ ہر طرح قادر ہے۔ ظاہری اسباب نہ ہونے کی حالت میں بھی اپنی رحمت سے نواز سکتا ہے۔ نیک اولاد بھی اللہ کی رحمت ہے۔ حضرت ابراہیم کا سارا گھر بابرکت تھا۔ آیات میں در پردہ ایماء ہے کہ اللہ کی رحمت سے کسی وقت مایوس نہ ہونا چاہئے نیکی کی کوشش کرتی چاہئے اور خدا سے ہر وقت دعا کرتے رہنا لازم ہے۔ وہ قادر برتر ہے دعا قبول فرماتا ہے۔ وغیرہ۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ

غرض جب ابراہیم کا ڈر جاتا رہا اور خوشخبری

الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ

پہنچ گئی تو وہ قوم لوط کے بارہ میں ہم سے جھگڑنے لگے بلاشبہ ابراہیم

لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ۝ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ

بردبار نرم دل (ہماری طرف) رجوع کرنے والے تھے (ہم نے کہا) ابراہیم یہ بات

عَنْ هَٰذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَ

چھوڑ دو تمہارے رب کا حکم آ پہونچا اُن پر

إِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ۝

اٹل عذاب آنے والا ہے

تفسیر فرشتوں کے اظہار سے حضرت ابراہیمؑ کی جھجک دور ہوئی اور قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کی وعید سُنی تو چونکہ آپ فطرۃً نرم خو واقع ہوئے تھے کسی خطاکار کو فوری سزا دینی پسند نہیں کرتے تھے اور ہر معاملہ میں خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اسلئے امید ہوئی کہ شاید میری سفارش سے اللہ اس عذاب کو ٹال دے اور قوم لوط کو ہدایت یاب ہونے کا موقعہ مل جائے۔ اس امید کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرشتوں سے جھگڑا کرنے لگے اور سفارش پر اڑ گئے۔ فرشتوں نے کہا ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ضرور برباد کر کے چھوڑیں گے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اگر وہاں پچاس مسلمان ہوں تب بھی کیا تم اُن کو تباہ کر دو گے؟ فرشتوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر چالیس ہوں؟ فرشتوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر بیس ہوں؟ فرشتوں نے کہا تب بھی نہیں۔ دس اور پانچ کے جواب میں بھی فرشتوں نے عذاب نازل کرنے سے انکار کیا تو آپ نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ لوط تو ضرور مومن کامل ہے فرمایا اگر ایک مومن ہو تب کیا کرو گے؟ فرشتوں نے کہا تب بھی ہلاک نہ کریں گے۔ فرمایا تو وہاں لوط

موجود ہے۔ فرشتوں نے کہا ہم کو معلوم ہے کہ وہاں کون کون اہل ایمان ہے، ہم سب مومنوں کو بچا لینگے صرف کافروں کو تباہ کردینگے۔ آپ اب اس بارے میں کچھ نہ فرمائیے جو عذاب آنا تھا آچکا اب لوٹایا نہیں جا سکتا۔

مقصود بیان: پیغمبروں کو بھی کبھی باقتضاء بشری، دشمنوں کی دشمنی کی جھجک ہوتی ہے اگرچہ اُن کا کامل یقین ہوتا ہے کہ سوا خدا کے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ حضرت ابراہیم فطرۃً رحیم مہربان نرم دل بردبار اور مخلص واقع ہوئے تھے۔ پیغمبروں کی سفارش گناہگاروں کے حق میں جائز ہے۔ حضرت ابراہیم کا مجادلہ جہالت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مقام انبساط پر پہنچنے کی وجہ سے تھا اسی لئے آپ نے گناہگاروں کے حال پر شفقت فرماتے ہوئے سفارش فرمائی۔ جلیل الشان پیغمبر کی درخواست بھی کبھی قبول نہیں کی جاتی۔ قضاء مبرم کسی طرح نہیں پلٹ سکتی۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو اُن کی وجہ سے لوط

وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ

غمگین اور تنگ دل ہوئے اور بولے یہ بڑا سخت

عَصِيبٌ ۝ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ

دن ہے اور لوط کے پاس اُن کی قوم دوڑتی ہوئی

إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ

آئی۔ اس سے پہلے یہ لوگ بدکاریاں کیا کرتے تھے

قَالَ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ

لوط نے کہا اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں نہایت پاک دامن ہیں

لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي

تمہارے لئے موجود ہیں تم اللہ سے ڈرو مہمانوں کے حق میں مجھے رسوا نہ کرو

أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ۝ قَالُوا لَقَدْ

کیا تم میں سے کوئی بھی بھلا مانس نہیں ہے، قوم والے بولے

عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ

تم خوب واقف ہو کہ ہم کو تمہاری بیٹیوں کی کوئی حاجت نہیں

وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۝

اور جو ہماری غرض ہے اُس کو بھی خوب جانتے ہو

تفسیر حضرت ابراہیمؑ سے گفتگو کرنے کے بعد فرشتے سدوم کی آبادی کی طرف چلے۔ چار فرسنگ کا فصل تھا۔ نہر سدوم پر پہنچے۔ حضرت لوطؑ کی بیٹی پانی بھر رہی تھی۔ لڑکی سے دریافت کیا کہ مسافروں کے ٹھیرنے کا کوئی ٹھکانا بھی یہاں ہے؟ لڑکی نے حضرت لوطؑ سے آکر واقعہ بیان کیا۔ حضرت لوطؑ جاکر پوشیدہ طور پر اُن کو گھر لائے مگر بہت دل تنگ تھے۔ اندیشہ تھا کہ اگر قوم والوں کو خبر ہوگئی تو سخت رسوائی اٹھانی پڑیگی وہ کمبخت اپنی خصلت سے باز نہ آئیں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ لوطؑ کی بیوی نے اپنے مہمانوں کے حسن کی تعریف قوم والوں سے کی اور اُن کو بلوایا۔ لوگ آکر حضرت لوطؑ کے مکان پر جمع ہوگئے۔ اس سے آگے مطلب ظاہر ہے۔ دو باتیں بیان کرنا ضروری ہیں:۔

(۱) حضرت لوطؑ کی اپنی لڑکیاں تھیں۔ جن کو قوم والوں کے نکاح میں دینا چاہتے تھے۔ یا قوم کی لڑکیاں تھیں؟ اول قول عام مفسرین کا ہے ظاہر آیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس صورت میں ایک شبہ ہوتا ہے کہ قوم کافر تھی پھر کس طرح حضرت لوطؑ نے اپنی بیٹیوں کا نکاح ان سے کرنا گوارا کیا۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ آپ کو قوم کی ہدایت مقصود تھی نجاست کفر و لواطت سے پاک کرنا غرض تھا۔ ہوسکتا ہے بلکہ اغلب ہے کہ آپ نے فرمایا ہو لوگو! کفر چھوڑ دو مسلمان ہوجاؤ اور لواطت سے توبہ کرو میری لڑکیوں سے نکاح کرلو۔ یہ فعل واقعی تمہارے لئے کامل ترین طہارت کا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اُس وقت کی شریعت میں مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے جائز ہو لیکن قوی ترین قول مجاہد کا ہے کہ لوطؑ کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ چونکہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے اسلئے حضرت لوطؑ نے قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں قرار دیا۔ ابن کثیر نے قتادہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ اس قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر حضرت لوطؑ کی بیٹیاں تسلیم بھی کرلی جائیں تو وہ چند ہونگی اور قوم والوں کی تعداد بہت تھی چند لڑکیوں کا سینکڑوں کے ساتھ نکاح کیسے ہوسکتا تھا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے شفقت پیغمبری سے قوم کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں قرار دیا تھا۔

(۲) حضرت لوطؑ نے فرمایا هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ۔ یعنی یہ لڑکیاں تمہارے لئے بہت پاک ہیں۔ شبہ ہوتا ہے کہ کیا فعل لواطت بھی پاک تھا کہ حضرت لوطؑ نے سلسلۂ ازدواجی کو اُس کے مقابلہ میں پاکیزہ تر فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لوط کی قوم والے لواطت کو پاک عمل سمجھتے تھے۔ حضرت لوطؑ اُن کو سمجھانا چاہتے تھے کہ کم بختو اپنی جہالت اور بیہودگی سے کچھ کبھی سمجھو لڑکوں سے فعل بد کو پاک جانو یا نا پاک پھر بھی اتنا ضرور ہے

کہ لواطت سے جماع زیادہ پاک فعل ہے۔ پھر صحیح بات کیوں نہیں مانتے۔

مقصود بیان:۔ کسی کے مہمانوں کی رسوائی درحقیقت میزبان کی رسوائی ہے۔ مہمان نوازی پیغمبرانہ شیوہ ہے۔ امردنما فرشتوں کو مہمان رکھنے سے حضرت لوط پریشان اور تنگدل ضرور ہوئے تھے۔ حضرت لوط نے شروع میں فرشتوں کو نہیں پہچانا تھا۔ لواطت نجس فعل ہے پیغمبر امت کا باپ ہوتا ہے۔ ازلی بدبختوں کو دانشمندی کی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ وغیرہ

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی

لوط نے کہا کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا کسی زبردست

رُکْنٍ شَدِیْدٍ ۝ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ

سہارے کی پناہ مل جاتی مہمانوں نے کہا لوط ہم تمہارے رب کے فرشتے

رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَهْلِکَ

ہیں ان لوگوں کی رسائی تم پر نہ ہوسکیگی تم کچھ رات رہے سے

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ

اپنے گھروالوں کو لے جاؤ اور تم میں سے کوئی مڑکر نہ دیکھے

اِلَّا امْرَاَتَکَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ

ہاں تمہاری بیوی (ضرور مڑکر دیکھیگی) اس پر بھی وہی عذاب آئیگا جو ان پر آئیگا

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ

ان کا وقت مقرر صبح ہے کیا صبح قریب نہیں

بِقَرِیْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا

ہے غرض جب ہمارا عذاب آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو

سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَۃً مِّنْ

زیر و زبر کر دیا کنکریلے پتھر اُن پر تہ بتہ

سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَۃً عِنْدَ

برسائے جن پر خدا کی طرف سے نشان کردیے گئے

رَبِّکَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ۝ ع ۱۵

تھے اور وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں ہے

تفسیر جب لوطؑ کی بیوی نے چھت پر چڑھ کر یا باہر نکل کر خوبصورت مہمانوں کے آنے کی اطلاع قوم کو پہنچادی اور قوم والے دوڑتے آئے تو حضرت لوطؑ نے دروازہ بند کرلیا اور خود دروازہ کے باہر لوگوں کو سمجھانے اور روکنے لگے۔ لوگوں نے ایک نہ مانی۔ دروازہ نہ کھلا تو دیواروں پر سے چڑھنے لگے۔ حضرت لوطؑ مضطرب ہوکر کہنے لگے کاش مجھ میں بذات خود تمہاری مدافعت کی قوت ہوتی یا میرا خاندان یہاں موجود ہوتا کہ تم کو دور کرسکتا۔ وجہ یہ تھی کہ سدوم کے باشندے اگرچہ تعداد میں چار لاکھ تھے مگر حضرت لوط کا رشتہ دار کوئی نہ تھا۔

امام نووی نے رکن شدید سے ذات الٰہی مراد لی ہے۔ مگر یہ تفسیر غلط ہے۔ سیاق آیات کے بھی خلاف ہے اور حدیث کے بھی۔ ابوہریرہ کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور اقدسؐ نے حضرت لوطؑ کے اس قول کو قابل استغفار قرار دیا تھا اور فرمایا تھا یرحم اللہ لوطا ان کان یاوی الی رکن شدید۔ اگر ذات الٰہی مراد لی جائے تو پھر قابل استغفار اس قول کو کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے۔

عذاب کا وقت آیا تو فرشتوں نے کل بستی کی زمین بالکل الٹ دی ہر ٹکڑے کو زیر و زبر کردیا۔ یہ پانچ بستیاں تھیں۔ سب سے بڑی آبادی سدوم کی تھی کل بستیوں کو مؤتفکات کہا جاتا ہے۔ زیر و زبر کرنے کے بعد اُس سرزمین پر پتھر یا کنکر یا اینٹوں کی بارش ہوئی۔ حسن بصری اور سدی کا قول ہے کہ ہر پتھر پر مہر سی لگی تھی۔ قتادہ عکرمہ اور فراء کا قول ہے کہ ہر پتھر پر سرخ و سیاہ لکیریں تھیں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ پتھروں پر ایک خاص نشانی تھی جس سے واضح طور پر شناخت ہوسکتی تھی کہ یہ زمین کے پتھر نہیں ہیں۔ آیات کا مطلب واضح ہے۔

مقصود بیان:۔ جسمانی طاقت بھی عجیب چیز ہے۔ حضرت لوط کے مکاشفات کا سلسلہ اُس وقت بند تھا اسی لئے فرشتوں کو نہ پہچان سکے اور ظاہری اسباب کی طرف نظر دوڑائی۔ جسمانی قوت اور خاندانی طاقت کی تمنا کی۔ آیت سے زیر پردہ یہ امر مستنبط ہوتا ہے کہ نزول عذاب کا وقت صبح کا تھا۔ گویا رحمت اور عذاب دونوں عموماً صبح کے قریب نازل ہوتے ہیں۔ بدکاروں کی تباہی کو منہ موڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہو مقام عذاب سے جلد از جلد بھاگنا لازم ہے۔ لواطت سخت ترین جرم ہے جسکی سزا بھی بہت اہم ہے۔ کم از کم پتھروں سے مارنا اور ہلاک کرنا چاہئے۔ موجودہ مسلمانوں کے لئے قصۂ لوط میں درس عبرت پوشیدہ ہے قوم لوطؑ کی بستیوں کو الٹ دینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی وضع فطرت کے خلاف عمل کرتے تھے۔ لواطت عکس فطرت ہے۔ لہذا خدا نے بھی دنیا ہی میں اُن کی آبادیوں کو اُلٹ دیا۔ وغیرہ۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ

اور اہل مدین کی جانب ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا شعیبؑ نے کہا اے میری قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ

اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تم کو (اس وقت)

اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

آسودہ دیکھ رہا ہوں مگر ایک احاطہ کن دن کے عذاب سے

يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ

اندیشہ کر رہا ہوں اے میری قوم انصاف سے

وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

پوری ناپ تول کیا کرو اور لوگوں کی چیزیں

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

کم نہ دیا کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۵

اگر تم ایماندار ہو (تو سمجھ لو) اللہ کا حلال نفع تمہارے لئے بہتر ہے

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝

اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں

تفسیر یہ پانچواں واقعہ قوم مدین کا ہے۔ مدین قوم کا بھی نام ہے اور شہر کا بھی اور حضرت ابراہیم کے صاحبزادہ کا بھی۔ مقریزی نے خطط میں لکھا ہے کہ قوم مدین مدیان بن ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ مدیان کی بیوی قنطورا بنت یقطان کنعانیہ تھی بحر قلزم کے کنارے تبوک کے محاذی چھ منزل کے فاصلہ پر قوم مدین آباد ہوئی تھی۔ اس بستی کو مدین کہا جاتا تھا۔ ابن کثیر نے بیان کیا کہ مدین عرب کا ایک قبیلہ تھا جو حجاز و شام کے درمیان آباد تھا۔ انہی کے مسکن کو مدین کہا جاتا تھا ابن کثیر نے بیان کیا کہ مدین عرب کا ایک قبیلہ تھا جو حجاز و شام کے درمیان آباد تھا۔ انہی کے مسکن کو مدین کہا جاتا تھا۔ بہرحال جب اس قوم کی بدکاری حد سے بڑھ گئی شرک فسق فجور رہزنی اور ناپ تول میں کمی کرنے کی یہ قوم خوگر ہوئی اور اللہ کی آباد زمین تباہی و فساد سے کبھر گئی تو انہی میں سے خدا نے حضرت شعیبؑ کو نبی بنا کر اصلاح پر مامور فرمایا۔ حضرت شعیبؑ نے توحید کا اعلان کیا شرک سے منع کیا۔ ناپ تول پورا پورا کرنے کی ہدایت کی۔ رہزنی اور تباہ کاری کی مخالفت کی۔ یہ بھی فرمایا کہ اس وقت تم لوگ خوش حال اور آسودہ ہو تم کو اس بے ایمانی کی ضرورت نہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں عذاب الٰہی نہ نازل ہو جائے لیکن قوم پر کوئی اثر نہ ہوا۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ

قوم والوں نے کہا شعیب کیا تمہاری نماز تم کو یہ بات سکھاتی ہے کہ

نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ

ہم اُن چیزوں کی عبادت چھوڑ بیٹھیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں یا

اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ

اپنے مال میں حسب منشا تصرف نہ کر سکیں تم ہی تو بڑے بردبار

الرَّشِيْدُ ۝

نیک چلن ہو

تفسیر توحید اور اصلاح عمل کی ہدایت سے سرتابی کی۔ توحید کے مقابلہ میں قدیمی رسم و رواج کو ترجیح دی اور آبائی دستور العمل کو ترک کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔ ناپ تول میں کمی کرنے کو جائز تصرف مالی سمجھے اور اس کی بندش کو حقوق تجارت کی بندش خیال کیا اور (بقول ابن عباسؓ مزاحیہ لہجہ میں) بولے کیا تمہاری نماز ہم کو یہ بات سکھاتی ہے کہ ہم اُن چیزوں کی عبادت چھوڑ بیٹھیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں یا اپنے مال میں حسب منشا تصرف نہ کر سکیں تم تو بڑے نیک اور سیدھے سادھے آدمی ہو تجارتی رنگ سے واقف نہیں۔

مقصود بیان: حضرت شعیبؑ نے اصلاح عمل سے پہلے توحید کی تبلیغ کی اور درستگی عمل کو ایمان پر مشروط کیا۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شرعی طور پر کوئی نیکی بغیر ایمان و توحید کے قابل قبول نہیں۔ جن لوگوں کے دماغ مسخ ہو جاتے ہیں اور دلوں پر زنگ آ جاتا ہے وہ اصلاحی عادلانہ قوانین کو آزادی کی بندش سمجھتے ہیں۔ قوم شعیب

نے بھی صحیح وزن وپیمائش کی ہدایت کو تجارتی آزادی کے لئے روک سمجھا
رسم ورواج اور باپ دادا کا دستور العمل انسان کو عقل وبصیرت کی بات
سے روکتا ہے۔ قانونِ عدل کے خلاف کام کرنا زمین پر تباہی پھیلانے کا
سبب ہے۔ آیت وَلَا تَعْثَوْا سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ آیت سے یہ
بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قوم شعیبؑ مرفہ الحال تھی۔ پورے قصہ سے یہ امر بھی
مستفاد ہوتا ہے کہ نبی کا کام فقط عقائد اور عبادات کی ہی اصلاح نہیں
بلکہ سوشل اور کمرشل اصلاح کے قوانین قائم کرنا اور اُن پر کاربند
ہونے کی ہدایت کرنا بھی فرائض نبوت میں سے ہے۔ وغیرہ۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ

شعیب نے کہا اے میری قوم میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر

مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ

قائم ہوں اسی نے مجھکو اپنی طرف سے اچھی روزی عطا کی ہے

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ

اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف خود وہ کام کروں جس سے تم کو منع کرتا ہوں

عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ

میں تو بقدر امکان درستگی حالت ہی چاہتا ہوں

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ

اور مجھے توفیق صرف اللہ ہی کے فضل سے ہے اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور

اِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں اے میری قوم میری مخالفت کہیں تمہارے لئے

شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ

اس بات کی باعث نہ ہو جائے کہ جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح

قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ

پر عذاب آپڑا تھا تم پر بھی ویسے ہی آپڑے

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ○ وَ

اور لوط کی قوم بھی تم سے دور نہیں ہے

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ

اپنے رب سے توبہ استغفار کرو

رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ○

میرا رب مہربان اور بڑی محبت کرنے والا ہے

تفسیر کسی ریفارمر اور مصلح کے پیام ہدایت کے متعلق بد باطن
کور بصیرت طبقہ کو چار قسم کے شبہات ہوا کرتے ہیں۔ اول تو
یہ کہ یہ شخص ہماری طرح ہے اس میں کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ ہم کو
ہدایت کرتا ہے بلا وجہ ہمارے آباء واجداد کے دستور العمل کو ترک کراتا
اور سب کے مقابلہ میں اپنی صداقت کا اعلان کرتا ہے۔ دوئم یہ کہ اس نے
رہبری اور لیڈری کا جامہ صرف کھانے پینے کے لئے پہنا ہے ہم سے
نذرانے اور تحائف وصول کرنا چاہتا ہے اور بغیر محنت کے ہماری
گاڑھی کمائی پر ہاتھ صاف کرنے کا خواستگار ہے۔ سوئم یہ کہ اس کی
عملی زندگی خود ہی قول کے مطابق نہیں۔ ممبر اور اسٹیج پر کھڑے ہو کر جن
باتوں سے ہم کو روکتا ہے خلوت خانہ خاص میں اُن ہی کا ارتکاب کرتا ہے
پھر ہم اس کے قول کو کیوں مانیں ہم کو تو نمونۂ عمل کی ضرورت ہے نہ کہ
منافق رہنما کی۔ چہارم یہ کہ اگر دو چار دس بیس آدمیوں نے اسکی اصلاحی
تحریک کو مان بھی لیا تب بھی کیا ہوگا کوئی نتیجہ نہ نکلیگا۔ لاکھوں کروڑوں
آدمیوں کو یہ کیسے راہ راست پر لا سکتا ہے۔ نقار خانہ میں طوطی کی
آواز کون سنتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کے قول پر بھی کفار کی طرف سے یہی
شبہات ہوتے تھے اس لئے آپ نے تفصیل وار سب کے جوابات
دیدیے پہلے شبہ کے جواب میں فرمایا برادران قوم تم میری ظاہری حالت
دیکھ کر اور قومی نسبی تعلقات کو پیش نظر رکھکر میرے قول کی صداقت
میں شک نہ کرو۔ پروردگار نے مجھے حجت واضحہ روشن دلیل اور برہان
نمایاں عطا فرمائی ہے۔ میرے پاس غیب سے وحی آتی ہے تم مجھے بیوقوف
اور سیدھا سادہ آدمی سمجھتے ہو یہ تمہاری غلطی ہے جو بصیرت وبینائی مجھے
حاصل ہے وہ تم کو حاصل نہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف سے مجھے نور یقین اور علم
وہبی میسر ہے اس لئے میں اپنی صداقت کا اعلان کر رہا ہوں۔ دوسرے
شبہ کے جواب میں فرمایا مجھے پروردگار نے خزانۂ غیب سے رزق وسیع
عطا فرمایا ہے۔ فراخ دست اور مرفہ الحال بنایا ہے مجھے تمہارے مال
کی کوئی ضرورت نہیں نہ تم سے مجھے کوئی لالچ ہے۔ تیسرے شبہ کے
جواب میں فرمایا میرا چال چلن تمہارے سامنے ہے اگر میں تم کو ٹیڑھا
راستہ دکھاتا تو خود اُس پر نہ چلتا میں ایسا نہیں ہوں کہ خود چھپکر یا علانیہ
ایک کام کروں اور تم کو اُس سے منع کروں میرا ظاہر و باطن ایک ہے

جس چیز کے باطل ہونے کا اعلان کرتا ہوں اُس سے خود بھی پرہیز کرتا ہوں اور اپنی زندگی کو تمہارے لئے نمونۂ عمل بناتا ہوں۔ چوتھے شبہ کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ میرا اعتماد تو محض ذاتِ الٰہی پر ہے مبدأ اور معاد پر مجھے کامل یقین ہے جہاں تک میرے امکان میں ہے اصلاح کی کوشش کرنا میرا فرض ہے اور کوشش کی کامیابی اور ناکامیابی بھی اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ کثرت و قلت کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں نہ کثرت سے مجھے خوف ہے نہ قلت کی طرف خاص میلان۔ اپنا فرض ادا کرنا مقصود ہے اور چونکہ محض ذاتِ الٰہی پر بھروسہ ہے اگرچہ کوشش محدود ہے اسلئے عام اصلاح کی یقینی امید ہے نہ کسی کی موافقت پر تکیہ ہے نہ مخالفت کا خوف مطمحِ امید صرف ذاتِ واحد ہے۔ اس سے آگے صرف ترہیبی اور ترغیبی کلام ہے۔

مقصود بیان:۔ کسی کی ظاہری مساوات دیکھ کر اُس کے باطن کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ اہلِ باطن اپنی بیرونی حالت دوسرے معمولی آدمیوں کی طرح رکھتے ہیں لیکن اُن کے دل نورِ ازلی سے روشن اور اُن کے دماغ علومِ یقینیہ کے مسکن ہوتے ہیں۔ جو حقائق اور اصلاحی امور پیغمبر کو دکھتے ہیں وہ دوسروں کو دکھائی نہیں دیتے۔ رہنما کو لالچ اور خوف سے آزاد ہونا چاہیئے۔ پیٹ پال لیڈر اور تن پرور پیر ہدایت نہیں کر سکتے اُن کو قوم کا راہنما بننے کا کوئی حق نہیں ہے۔ رہبری کا کوئی معاوضہ جائز نہیں ریفارمر کی عملی زندگی بھی قول کے مطابق ہونی چاہیئے۔ خود بیکار عمل ہو اور دوسروں کے لئے رہنما۔ راہ یاب ہو تو رہبر نہیں ہو سکتا۔ منہ سے کہنا اور ہاتھ سے اُس کے خلاف کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ بقدرِ امکان اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مگر مرکزِ امید ذاتِ باری تعالیٰ کو ہی سمجھنا چاہیئے۔ بغیر توفیقِ الٰہی کے کوئی کوشش نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی اگر کوشش محدود بھی ہو گی بھروسہ اللہ کی ذات پر ہو تو کامیابی کا یقین رکھنا چاہیئے۔ زیرِ بحث آیت میں ایماء اس طرف بھی ہے کہ اندھا دھند توکل درست نہیں۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر اور زبان کاٹ کر گوشہ نشین ہو جانا اور پھر اللہ پر بھروسہ رکھنا کسی طرح روا نہیں کوشش شرط ہے جہاں تک ممکن ہو کوشش کی جائے۔ لیکن آغاز و انجام کا مالک اللہ ہی کو جاننا چاہیئے۔ دنیوی طاقت پر بھروسہ یا اُس سے خوف حق بین نظر والے کے لئے جائز نہیں۔ وغیرہ

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ

قوم والے بولے اے شعیب ہم تمہاری باتوں کا بہتیرا حصہ نہیں سمجھتے

وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

اور ہم اپنے اندر تم کو کمزور جانتے ہیں اگر تمہاری برادری نہ ہوتی

لَرَجَمْنٰكَ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ قَالَ

تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے اور تم ہمارے نزدیک باعزت نہیں ہو شعیب نے کہا

يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ

اے میری قوم کیا میری برادری تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے

وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ

اور اللہ کو تم نے پس پشت ڈال دیا جو کچھ

رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

تم کر رہے ہو میرا رب اُس کو گھیرے ہوئے ہے

تفسیر باطل پرست کور دانش طبقہ کو جب کوئی دانش و عقل کا جواب بن نہیں پڑتا تو وہ جہالت پر اُتر آتا ہے اور بصیرت آمیز مناظرہ سے بھاگ کر مجادلہ پر پہنچ جاتا ہے۔ قوم شعیب نے بھی ایسا ہی کیا پیغمبر کے پُر حکمت بلیغ کلام کا مقابلہ جب دلائل سے نہ کر سکے تو جاہلانہ طرزِ گفتگو اختیار کیا۔ بولے شعیب تیری بکواس کا بیشتر حصہ لایعنی ہے۔ تیری یہ بیہودہ گوئی ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ تیرے خاندان والے ہمارے ساتھ ہیں تو تن تنہا بے یار و مددگار ہے۔ تیرے خاندان کا خیال ہے کیونکہ وہ ہمارا دوست اور ہمارا ساتھی ہے ورنہ اب تک ہم نے پتھروں کی مار سے تیرا ڈھیر کر دیا ہوتا۔ ہم تیری طاقت سے مرعوب نہیں صرف تیرے کنبہ والوں کا پاس لحاظ ہے۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا برادرانِ قوم تم بھی عجیب کوتاہ فہم ہو تمہارے نزدیک میرے کنبہ والے اللہ سے زیادہ باعزت اور طاقتور ہیں تم نے کنبہ والوں کا تو پاس لحاظ کیا اور اللہ کی کل قدرت و طاقت اور عزت و اکرام کو پس پشت ڈال دیا۔ یاد رکھو کہ اللہ کی گرفت سے چھوٹ نہیں سکتے۔ تمہارے کرتوت کا خدا کو پورا علم ہے۔

حضرت علیؑ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ قسم ہے اُس خدائے برتر کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں قوم شعیب نے جلالِ الٰہی سے تو خوف نہیں کیا بلکہ پیغمبر کے کنبہ والوں سے ڈرے

نحاس اور زجاج کے قول کے مطابق ضعیف کے معنی نابینا کے ہیں کیونکہ حضرت شعیب کثرتِ گریہ سے نابینا ہو گئے تھے۔ سعید بن جبیر اور شداد بن اوس کی روایت کردہ احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ (اخرجہ ابن عساکر و الواحدی) لیکن عام مفسرین نے اس معنی کو غلط قرار دیا ہے۔ علی بن عیسیٰ۔ بیضاوی سیوطی۔ ابن کثیر۔ رازی اور دیگر محققین کے نزدیک ضعیف کے وہی معنی مراد ہیں جو عام متبادر ہیں۔

مقصود بیان :- کور دانش طبقہ دلائل سے عاجز ہو کر جاہلانہ حرکات اور متفسدانہ دستور کو اختیار کرنے لگتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کا طرز خطابت نہایت بلیغ اور پُر حکمت تھا۔ پوری قوم کو کوئی جواب بن نہیں پڑتا تھا۔ کوتاہ فہم لوگوں کی نظر ظاہری تعلقات اور بیرونی اسباب پر ہوتی ہے اُن کی روحانی بینائی زائل ہو چکتی ہے اسلئے باطنی حقائق سے واقف نہیں ہوتے۔ چند افراد کی طاقت خدا کی طاقت سے بڑھ کر سمجھتے ہیں بلکہ خدا کا نام اور اُسکی جلالی صفات کا نشان اُن کے دلوں سے محو ہوتا ہے۔ خالق کے رشتہ سے زیادہ مخلوق کے رشتہ کا اُن کو پاس لحاظ ہوتا ہے آیت سے ضمنی طور پر یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ اللہ کے حقوق کے مقابلہ میں مخلوق کے کسی تعلق کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے اور نہ خدا کی طاقت کے مقابلہ میں مخلوق کی طاقت کو سمجھنا چاہیئے۔ وغیرہ۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ

اے میری قوم تم بھی اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں بھی کر رہا ہوں

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

عنقریب جان لوگے کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آئے گا

وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَّارْتَقِبُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ

اور کون جھوٹا ہے تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ

رَقِيْبٌ ○ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا

منتظر ہوں غرض جب ہمارا عذاب آپہنچا تو ہم نے اپنے فضل سے شعیب کو

وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ

اور اُس کے ہمراہی مسلمانوں کو بچا لیا اور

اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا

اُن ظالموں کو ایک چیخ نے پکڑ لیا جس کی وجہ سے وہ

فِیْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا

اپنے گھروں میں اوندھے ہو کر گر پڑے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کبھی وہاں

فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ○ ع

رہتے ہی نہ تھے خوب سن لو جس طرح ثمود پر پھٹکار پڑی ویسے ہی مدین والوں پر لعنت

تفسیر جب حضرت شعیبؑ کو یقین ہو گیا کہ یہ قوم اپنی بداعمالیوں پر قائم رہیگی اور آباؤ اجداد کے مسلک سے نہ ہٹیگی تو اظہار برارت اور تنبیہ و وعید کے طور پر فرمایا لوگو جب نہیں مانتے تو جو کچھ تمہارا دل چاہے کئے جاؤ میں جو کچھ کر رہا ہوں اُس پر قائم رہونگا۔ چونکہ قوم نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم تمہاری بہت سی باتوں کو نہیں سمجھتے۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ تمہارے خاندان کا پاس لحاظ ہے ورنہ تمہاری کیا حقیقت تھی اب تک سنگسار کر بھی کر دیا ہوتا اس لئے آپ نے فرمایا میری طاقت اور کمزوری کا علم اور اپنے افعال کا نتیجہ بد ابھی چند روز میں تم پر ظاہر ہو جائیگا اس سے آگے مطلب صاف ہے۔

خاص نوٹ سورۂ اعراف وعنکبوت میں مذکور ہے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ یعنی قوم شعیب پر زلزلہ آیا اور اس جگہ مذکور ہے کہ سخت چیخ کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے۔ ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن واقع میں توافق ہے کیونکہ زلزلہ ضرور آیا تھا اور زلزلہ کے ساتھ ایک غیبی کرخت گرجدار آواز بھی تھی جسکی وجہ سے جو جس جگہ تھا وہیں مرا رہ گیا۔ ہل بھی نہ سکا۔

ایک امر یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ قوم شعیب اور اصحاب الایکہ دونوں ایک ہی قوم تھے۔ اصحاب الایکہ پر آسمان سے آگ برسی تھی جسکو عذاب ظلہ کہا جاتا ہے اور قوم شعیب زلزلہ اور رجفہ کے عذاب میں مبتلا ہوئی۔ اس بنا پر اصحاب الایکہ قوم شعیب نہیں قرار پا سکتے۔ لیکن یہ بھی کسی قدر کوتاہ فہمی ہے کیونکہ خاص شہر مدین کے رہنے والے تو زلزلہ اور رجفہ سے ہلاک ہوئے تھے اور شہر کے چاروں طرف رہنے والے اصحاب الایکہ کہلاتے تھے اُن پر عذاب الظلہ آیا تھا۔ لیکن تھے دونوں گروہ حضرت شعیبؑ کی امت کے۔

مقصود بیان :- آیت میں دیر زدہ ہدایت ہے کہ بدکاروں کی بدکاریاں دیکھ کر اُن کو انتہائی ممانعت کی جائے اگر وہ کسی طرح نہ مانیں تو اُن سے اظہار برارت کر دیا جائے۔ ناپ تول میں کمی کرنی سخت ترین عذاب کا سبب ہے۔ اس سے بڑی بڑی قومیں ہلاک ہو گئی ہیں۔ عذاب صرف ظالموں پر ہوتا ہے۔ اہل عدل کو خدا تعالیٰ اپنی رحمت و کرم کی وجہ سے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ وغیرہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ

ہم نے موسیٰ کو اپنے معجزات اور واضح دلیلیں دیکر فرعون

مُّبِيْنٍ ○ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْا

اور اُس کے حکام کے پاس بھیجا تھا مگر فرعون کے کہنے پر

چنانچہ گذشتہ اقوام کو انہی اسباب کی بناء پر اللہ نے تباہ کر دیا۔ ہاں وہ تھوڑے سے افراد جو صلاح و اصلاح پر قائم رہے تھے اللہ نے اُن کو بچا لیا۔ جیسے لوطؑ ابراہیمؑ موسیٰؑ ہارونؑ شعیبؑ صالحؑ اور نوحؑ وغیرہم کو بچا لیا۔ اور ان کی تباہ کار قوموں کو برباد کر دیا۔ جب تک لوگ قانون اصلاح کے پابند رہتے ہیں دنیا میں امن قائم رکھتے ہیں۔ تباہی نہیں پھیلاتے خدا ان کو برباد نہیں کرتا جب وہ سرکشی اور فتنہ و فساد کرنے لگتے ہیں خدا ان کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔

اب شبہ ہو سکتا تھا کہ پھر گناہ گار بداطوار اور ستم شعار طبقہ کو خدا نے پیدا ہی کیوں کیا۔ اور پیدا کیا تھا تو ان کی کلا یا کیوں نہ پلٹ دی کیوں سب کو ہدایت و اصلاح کے ایک نقطہ پر جمع نہ کر دیا۔ حق و باطل اور خیر و شر کا تفرقہ آپس میں جاری ہی کیوں کیا۔ اور جاری کیا تھا تو باقی کیوں رکھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مشیت ہی یوں ہے۔ ورنہ نہ گمراہ ہوتے نہ یہ پھوٹ پڑتی۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے تہدیدی لہجہ میں فرماتا ہے کہ ہاں اگر خدا چاہتا ایسا سب کچھ کر سکتا تھا۔ سب لوگ مرکز حق پر آجاتے اور اختلاف مٹ جاتا۔ لیکن اس کی مشیت ایسی نہ ہوئی دوزخ بھی اسی نے پیدا کی اور ازلی فیصلہ کہ کچھ لوگ جنتی ہیں اور کچھ دوزخی ہمیشہ سے یہی دستور چلا آیا ہے کہ کچھ لوگ دین حق سے الگ ہو گئے۔ راہ راست چھوڑ بیٹھے۔ طریق انبیاء سے اختلاف کرنے لگے۔ فرقے فرقے بن گئے۔ اور جن لوگوں پر خدا کا فضل تھا جن پر رحم ہو اس نے رحم کو چاہا وہ طریق انبیاء پر قائم رہے انہوں نے تعلیم رسول سے سرمو اختلاف نہ کیا۔ پہلا گروہ دوزخی اور دوسرا جنتی ہے۔ حقیقت تخلیق کا تو مقصود ہی یہ تھا کہ لوگ دائرہ رحم میں آجائیں جماعت سے الگ نہ ہوں اور طریق انبیاء کو نہ چھوڑیں۔ مگر لوگوں نے ایسا نہ کیا۔ اور قبل از تخلیق جو ازلی فیصلہ ہو چکا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

ایک تائیدی حدیث

ابن فتح البیان سے ایک حدیث کو نقل کرتا ہوں جس کو ابو داؤد اور ترمذی نے بروایت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا یہود کا تفرقہ اکہتر یا بہتر فرقوں میں ہو گیا۔ اور نصاریٰ کا بہتر فرقوں میں۔ مگر عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔

ابو معاویہ کی روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا آگاہ رہو کہ تم سے پہلے اہل کتاب تو بہتر فرقوں تک تقسیم ہو گئے تھے۔ مگر اس امت کے فرقے تہتر ہو جائیں گے جن میں سے بہتر دوزخ میں اور ایک جنت میں ہو گا۔ اور وہ فرقہ جماعت ہوگا۔ شیخ حافظ نے مستدرک سے جو روایت نقل کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ایک فرقہ کس حالت پر ہو گا۔ فرمایا جس حالت پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

ایک شبہ۔ آیت وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ صاف بتا رہی ہے کہ اللہ نے لوگوں کو اختلاف اور تفرقہ کے لئے ہی پیدا کیا۔ حالانکہ دوسری آیت میں مذکور ہے کہ اللہ نے اپنی معرفت کے لئے سب کو پیدا کیا اس سے معلوم ہوا کہ حق پرستی اور سنت انبیاء پر چلنے کے لئے سب لوگ پیدا کئے گئے ہیں نہ کہ تفرقہ اور اختلاف کے لئے۔

شبہ کا ازالہ

ذلک کا مشار الیہ اختلاف نہیں بلکہ رحمت ہے مطلب یہ ہے کہ مقصود تخلیق تو صرف یہ تھا کہ سنت انبیاء پر چل کر لوگ دائرہ رحمت میں داخل ہو جائیں مگر بجائے جماعتی نقطہ پر جمع ہونے کے وہ مرکز کو چھوڑ بیٹھے۔ اور لگے آپس میں لڑنے جھگڑنے عکرمہ نے جو روایت بیان کی ہے اس میں یہی مطلب مذکور ہے۔ مجاہد ضحاک۔ قتادہ اور عطاء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے چنانچہ عطاء کے پاس دو آدمی کچھ مذہبی جھگڑا لے کر آئے۔ آپ نے فرمایا تم نے بہت جھگڑا پھیلایا ہے۔ ایک شخص بولا ہم کو اسی واسطے پیدا کیا گیا ہے۔ عطاء نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو وہ شخص کہنے لگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ عطاء نے کہا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جھگڑے اور اختلاف کے لئے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جماعت اور رحمت کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ (رواہ ابن وہب باسنادہ)

مقصود بیان:۔ اگر لوگ فسق و فجور اور بداعمالی میں مبتلا ہوں تو اہل حق کا فرض ہے کہ ہر ممکن صورت سے ان کو منع کریں۔ ورنہ جو عذاب ان پر نازل ہو گا وہی اس خاموش گروہ پر بھی ہو گا۔ زمین پر تباہی اور فساد پھیلانا حکم الٰہی کے خلاف ہے۔ گویا اس سے اس طرف ایماء ہے کہ عدالت الٰہیہ کو دنیا میں پھیلانے کی انتہائی کوشش کرنی چاہئے اور قوانین ظلم کی بیخ کنی کرنی لازم ہے۔ عیش پرستی اور بادۂ راحت سے سرشاری انسان کو باطل پرست بنا دیتی ہے۔ ظالم گروہ اسی راہ پر چلتا ہے جس سے اس کی عیش پرستی میں فرق نہ آئے۔ جب تک اہل ملک قوانین و اصلاح اور ضوابط عدل کے پابند رہتے ہیں اللہ ان کو برباد نہیں کرتا جب حق و انصاف کو چھوڑ کر فساد و تباہی کی اشاعت کرنے لگتے ہیں۔ تو خدا ان کو غارت کر دیتا ہے اس میں موجودہ مسلمانوں کے لئے درس بصیرت ہے۔ ان کی موجودہ ذلت و نکبت کا اصل سبب ہی یہ ہے کہ قوانین اصلاح اور ضوابط عدل کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ جب تک شریعت کے بتائے ہوئے اصول کی پیروی نہیں کریں گے یونہی پستی اور تباہی کے غار میں پڑے رہیں گے۔ اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو سب لوگ دین حق اور راہ مستقیم پر آجاتے۔ مگر پھر حق و باطل کا امتیاز جاتا رہتا۔ ہمیشہ سے عالم کا یہی دستور رہا ہے کہ کچھ لوگ اہل حق اور کچھ باطل پرست ہوتے ہیں یہ دستور ہمیشہ جاری رہیگا۔ گویا دینی تفرقہ اور اختلاف قانون ازلی کے مطابق ہے تخلیق کی اصل غرض صرف یہ تھی کہ لوگ جماعت کی طرف آئیں

اور اختلاف نہ کریں۔ وغیرہ

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ

(اے محمدؐ) ہم انبیاء کے یہ سارے قصے تم سے بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے

بِهِۦ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ ٱلْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ

تمہارے دل کو تقویت دیں اور تمہارے پاس ان قصوں میں حق بات اور

وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

مسلمانوں کے لئے وعظ و نصیحت کی چیز پہنچی جو لوگ ایمان نہیں لاتے تم اُن سے

ٱعْمَلُوا۟ عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَٰمِلُونَ ۝ وَ

کہدو کہ تم اپنی جگہ اپنے عمل کرو ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور

ٱنتَظِرُوٓا۟ إِنَّا مُنتَظِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ غَيْبُ

منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں اور آسمان و زمین کا

ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ ٱلْأَمْرُ كُلُّهُۥ

علم غیب اللہ ہی کو ہے اُسی کی طرف سارا کام لوٹایا جاتا ہے

فَٱعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَٰفِلٍ

لہذا تم اُس کی عبادت کرو اور اُس پر بھروسہ رکھو۔ تمہارا رب تمہارے

عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ ۱۰ ع

اعمال سے بے خبر نہیں ہے

تفسیر یہ آیات پوری سورت کا نچوڑ ہیں۔ ماحصل ارشاد یہ ہے کہ کفار و مشرکین قرآن کے مبینہ قصوں کو اوراق پارینہ کی داستانیں کہتے ہیں۔ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ ہم نے بیان قصص میں دو فائدے ملحوظ رکھے ہیں۔ اول تو یہ کہ کفار کی سرکشی نافرمانی اور استہزاء کو دیکھ کر تمہارے دل میں جو کبیدگی طبیعت میں اضمحلال اور رو مارش میں مایوسی پیدا ہوتی ہے گذشتہ انبیاء کے حالات ان کی تبلیغی کوششیں اور ان کی قوموں کی سرکشی و نافرمانی کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ کبیدگی زائل ہو جائے طبیعت میں سکون دماغ میں اطمینان اور دل میں ثبات پیدا ہو جائے۔ اور کفار کی ہر سرتابی و نافرمانی پر صبر کرو۔ دوسرے یہ کہ چونکہ ان تمام قصص حق و باطل کا امتیاز اور صداقت و کذب کا تفرقہ کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اصل حقانیت واضح ہو جاتی ہے۔ اور اصل حقانیت کے سمجھ میں آنے کے بعد اہل ایمان کو عملی اصلاح کا موقعہ ملتا ہے۔ اور ان کو حیات عاملہ کی درستگی کے لئے ایک درس حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا تم اہل کفر کی تشنیع سے کشیدہ نہ ہو۔ بلکہ ان سے کہدو کہ تم اپنے مرکز پر قائم رہو۔ ہم اپنا کام کئے جائیں گے۔ تم بھی اپنے مرکز پر قائم رہو۔ ہم اپنا کام کئے جائیں گے۔ تم بھی اپنے ثمرات عمل کے منتظر رہو۔ ہم بھی اپنے حاصل کوشش کے منتظر ہیں۔ نتیجہ خود سامنے آجائے گا۔

اس سے آگے خدا تعالیٰ نے نہایت مختصر جامع الفاظ میں تعلیم الٰہی کا خلاصہ اور اسلام کا نچوڑ اپنے رسول کو خطاب کرتے ہوئے عام مسلمانوں کے لئے پیش فرمایا ہے جس کے تین ٹکڑے ہیں۔ اول کا تعلق اصلاح عقائد سے ہے۔ دوسرے کا تعلق تقویٰ اور طہارت سے اور تیسرے کا تعلق معرفت و حقیقت سے۔ اول نمبر کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ تمام جہان میں جو چیز مخلوق کی نظر سے غائب ہے اس کا باطنی اور حقیقی علم محض اللہ کو ہی ہے اس کے سوا اور کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔ یہ اللہ کی مخصوص صفت کاملہ ہے۔ پھر مرکز کل بھی وہی ہے تمام قطرات اسی بحر ناپیدا کنار کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہی مرجع کل ہے۔ یہ اس کی قدرت کاملہ ہے۔ جب یہ دونوں کمال اسی کو حاصل ہیں۔ لہذا اس کے ہی سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اور اسی کی عبادت کی جائے مال سے بھی اعضاء بدنیہ سے بھی اور دل و جان سے بھی۔ یہ دوسرا درجہ تقویٰ طہارت اور بیرونی درستگی ہے۔ اس کے بعد تیسرے درجے کے متعلق فرماتا ہے کہ اس کی عبادت کرنے کے یہ معنی نہیں کہ پھر غیر کی طرف رجوع کیا جائے۔ یا مرکز بیم و رجا کسی اور کو قرار دیا جائے نہیں بلکہ اسی پر کامل بھروسہ رکھا جائے۔ اسباب کو اسباب سمجھتے ہوئے تمام اسباب کی باگ اللہ ہی کے ہاتھ میں سمجھی جائے۔ اور اسی کو مرکز تمنا بنایا جائے۔ یہ آخری درجہ ہے اس درجہ میں آدمی کو پہنچ کر حق الیقین حاصل ہوتا ہے۔ اس سے آگے نوع انسان کے لئے کوئی اور مقام نہیں۔

مقصود بیان :۔ قصص انبیاء کے بیان سے جو اصل غرض ہے اس کا اظہار۔ آیت سے یہ بات در پردہ واضح ہوتی ہے کہ عبرت اندوزی کے لئے صحیح قصص بیان کرنا ناجائز نہیں بلکہ سنت انبیاء اور طریقہ قرآنی ہے۔ اس سے اصل مدعا کی تبلیغ میں کافی مدد ملتی ہے۔ لیکن غلط قصص بیان کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ علم غیب صرف اللہ ہی کو ہے۔ یعنی علم مخلوق کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ خواہ کوئی ولی ہو یا نبی یہاں تک کہ سرور انبیاء کو اللہ کے مخصوص خزانہ غیب کا پتہ نہیں۔ جتنا خدا نے دیا مل گیا۔ باقی کا علم کچھ نہیں جس طرح مرکز کل ہونا اللہ کی مخصوص شان ہے۔ اسی طرح عالم الغیب ہونا بھی خاص صفت ہے۔ کمالیہ ہے مرکز بیم و رجاء اللہ ہی ہے۔ اسی پر توکل رکھنا لازم ہے۔ لیکن اسباب کو چھوڑ دینا بھی

حماقت ہے۔ ہاں اسباب کو سبب اور آثار کو مؤثر سمجھنا خلاف توکل بلکہ خلاف اسلام ہے۔ اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ وغیرہ

سورۃ یوسف مکیۃ وھی مائۃ واحد عشرۃ آیۃ واثنا عشر رکوعا

سورۃ یوسف مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو گیارہ آیتیں ہیں اور بارہ رکوع ہیں

اس سورت میں کل ایک سو گیارہ ۱۱۱ آیات ایک ہزار نو سو چھیانوے ۱۹۹۶ کلمات اور سات ہزار ایک سو چھتر ۷۱۷۶ حروف ہیں۔ بعض اہل روایت کا خیال ہے کہ ہجرت کے وقت مکہ اور مدینہ کے درمیان اس کا نزول ہوا۔ ابن عباس اور قتادہ رض کے قول کے بموجب چار آیات کے علاوہ باقی سورت مکی ہے لیکن اکثر محققین کی رائے ہے کہ کل سورت مکی ہے۔ حافظ اور قرطبی نے اسی پر جزم کیا ہے۔ مفسر سراج نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ سبب نزول میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رض کی روایت ہے کہ حضور ؐ سے یہودیوں نے سوال کیا۔ آپ ہم سے یعقوب اور اُن کی اولاد کا حال بیان کریں اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ سورت چونکہ بالاجماع مکی ہے۔ اس لئے یہودیوں کے سوال کرنے پر نزول سورت کی کوئی وجہ نہیں۔ اسی بنا پر دیگر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے مکہ کے کافروں سے کہلا بھیجا کہ محمد ؐ جو عاد و ثمود کے حالات بیان کرتا ہے یہ کچھ مشکل بات نہیں۔ عرب کے مشہور واقعات ہیں ہاں اس سے یہ پوچھو کہ یعقوب کی اولاد مصر میں کیوں گئی تھی۔ اور یوسف ؑ اور اس کے بھائیوں میں کیا معاملہ گذرا۔ اور یوسف ؑ مصر کیوں پہونچا۔ یہ باتیں بجز مورخین اہل کتاب کے ان پڑھ آدمی خصوصاً مکہ کا رہنے والا کہ جہاں ان باتوں سے کان بھی آشنا نہیں ہرگز نہ بتلا سکیگا۔ چنانچہ اہل مکہ نے حضرت ؐ سے حسب ہدایت یہود سوال کیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

ابن جریر و حاکم نے بروایت سعد ابن ابی وقاص اور صرف ابن جریر نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ حضور ؐ پر قرآن نازل ہوا تو ایک مدت تک آپ لوگوں کو سناتے رہے صحابہ نے عرض کیا۔ حضور ؐ ہم امیدوار ہیں کہ گذشتہ اقوام کے کچھ حالات آپ بیان فرما دیتے تو آیات الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الخ نازل ہوئیں۔ پھر صحابہ نے حدیث کی آرزو کی تو آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا الخ نازل ہوئی

عون بن عبداللہ کی مرسل روایت کے آخر میں ہے کہ صحابہ نے حدیث چاہی تو اللہ نے ان کو احسن الحدیث کی راہ بتلائی اور قصہ کی خواستگاری کی تو احسن القصص کا راستہ بتا دیا۔ سعید بن جبیر کی روایت کے آخر میں ہے کہ صحابہ نے خدمت گرامی میں عرض کیا حضور ؐ گذشتہ لوگوں کے حالات بیان فرمائیے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

حافظ ابن عساکر مختلف روایت کی باہمی تائید سے اس روایت کی تفضیلت میں حضور اقدس ؐ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ اپنے باندی غلاموں کو یہ سورت سکھاؤ کیونکہ جو مسلمان اسکو پڑھیگا یا سکھائیگا تو اللہ تعالیٰ اس کی سکرات موت کو آسان کر دیگا اور اس کو ایسی قوت عطا فرما دیگا کہ وہ پھر کسی مسلمان پر حسد نہ کریگا یعنی اسکی حالت قابل رشک ہو جائیگی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ

یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں ۔ ہم نے اسکو عربی زبان

قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ نَحْنُ نَقُصُّ

کا قرآن اُتارا ہے ۔ تاکہ تم سمجھ سکو ۔ ہم وحی کے ذریعہ سے

عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ

قرآن تمہارے پاس بھیجکر ۔ ایک عمدہ قصہ ۔ تم سے

اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ

بیان کرتے ہیں ۔ اگرچہ تم اس سے ۔ بالکل

لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○

بے خبر تھے

تفسیر تفسیر آیات سے قبل ہم پورا قصہ حقانی سے اخذ کر کے لکھتے ہیں اس میں کچھ اقتباس اسلامی کتب کا ہے۔ اور کچھ اہل کتاب کی کتابوں کا اور کچھ موجودہ زمانے کی تحقیقات کا۔ اختلافی نوٹ ہر آیت کی تفسیر کے موقعہ پر لکھا جائیگا۔

حاران سے کوچ کر کے حضرت ابراہیم ملک کنعان میں جبرون کے پاس مقیم ہوئے۔ آپ کی رہائش خیموں میں تھی۔ اسحاق بھی اسی جگہ سکونت پذیر تھے۔ آپ کے بڑے صاحبزادہ عیص کوہ شعیر میں جا بسے اور یعقوب اپنے باپ کی وصیت کے بموجب حاران سے چلکر اپنے حقیقی ماموں نحور کے بیٹے لابن کے ہاں گئے۔ نحور کی دو بیٹیاں تھیں لیاہ جس کی آنکھیں چوندھی تھیں اور چھوٹی راحل یا راحیل جو بہت خوبصورت تھی یعقوب کو راحل پسند آئی سات برس تک۔ لابن کی بکریاں چرائیں آخر راحل سے نکاح ٹھیر گیا لیکن نکاح کی صبح کو اپنے پاس بجائے راحل

کے لیاہ کو پایا۔ ماموں سے شکایت کی تو ایک ہفتہ کے بعد ماموں نے راحیل سے بھی نکاح کر دیا۔ لیاہ کے جہیز میں ایک لونڈی زلفہ بھی آئی تھی حضرت یعقوبؑ کی اولاد بترتیب ذیل ہوئی۔ لیاہ کے بطن سے روبن پھر سفون۔ پھر لاوی پھر لیوادہ۔ پھر انسکار پھر زبلون پیدا ہوئے زلفہ کے بطن سے جد اور آشر پیدا ہوئے۔ اور راحیل کے شکم سے یوسفؑ اور پھر بن یمین ہوئے راحیل کے جہیز میں جو بلہ نامی جو لونڈی آئی تھی اس کے بطن سے دان اور نفتالی ہوئے۔ یہ کل بارہ ۱۲ بیٹے ہوئے بیس برس کے بعد یعقوبؑ اپنے اہل و عیال کو لے کر کنعان میں آ گئے اور سیلون نامی گاؤں میں سکونت پذیر ہو گئے سیلون سنجل اور نابلس کے وسط میں واقع تھا۔ نابلس کا قدیم نام سکم تھا یہ بیت المقدس سے تیس میل اور سرنا سے سات میل پر واقع ہے۔ اسی کے قریب وہ ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر وہ کنواں ہے جس میں بھائیوں نے یوسف کو ڈالا تھا۔ اسی کے قریب ایک احاطہ کے اندر یوسفؑ اور یعقوب کی قبریں ہیں یوسفؑ کی عمر سترہ برس کی تھی اور آپ راحیل متوفیہ کی یادگار تھے اور حسن میں بھی سب سے ممتاز تھے۔ والد کو آپ سے سب اولاد سے زیادہ محبت تھی۔ ایک روز آپ نے خواب دیکھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ صبح کو باپ سے خواب کہا باپ علم نبوت سے واقف تھے فوراً یوسف کو منع کر دیا کہ اپنے بھائیوں سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ بتقضاء کمسنی یوسف نے باوجود ممانعت کے خواب کا تذکرہ کر دیا۔ بھائیوں کو رشک پیدا ہوا۔ یعقوب کی تمام اولاد نابلس کی وادی میں بھیڑ بکریاں چرایا کرتی تھی۔ ایک روز وہاں پہنچکر سب نے یوسفؑ کے قتل کر ڈالنے کا ارادہ کیا۔ مگر سب سے بڑے بھائی روبن نے مخالفت کی۔ اور کہا خونریزی نہ کرو۔ اس کو ایک کنوئیں میں ڈالدو۔ چنانچہ یوسف کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈالدیا۔ اور خود جاکر کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ اتنے میں اسماعیلیوں کا ایک قافلہ آتا دکھائی دیا۔ جو جلعاد سے گرم مصالحہ مر اور روغن بلسان لاد کر مصر لیجانا چاہتا تھا قافلہ نے آکر ڈیرا کیا اور کنوئیں پر پانی لینے کے لئے کسی کو بھیجا۔ جونہی اس شخص نے کنوئیں میں ڈول ڈالا یوسف نے ڈول پکڑ لیا۔ رسی اوپر کھینچی تو آپ اوپر نکل آئے۔ قافلہ کو خبر کی تو اہل قافلہ نے یوسف کو چھپا لیا بھائیوں کو بھی برآمدگی کی اطلاع مل گئی تھی۔ ان کا بھی خفیہ آدمی لگا ہوا تھا۔ روبن فوراً کنوئیں پر پہونچا۔ لیکن یوسف کو نہ پایا۔ پھر یہودا کی صلاح سے سب نے بالاتفاق یوسف کو قافلہ والوں کے ہاتھ بیس درم کو بیچ ڈالا۔ اور جو کرتہ یوسف کا اتار لیا تھا اس کو بکری کے بچہ کے خون سے رنگین کر کے باپ کے پاس شام کو لے آئے۔ اور کہدیا کہ بھیڑیئے نے یوسف کو پھاڑ ڈالا۔ اور اپنے قول کے ثبوت میں خون آلود کرتہ

پیش کیا۔ حضرت یعقوب نے فرمایا اس میں کچھ سازش ہے وہ کیسا بھیڑیا تھا کہ یوسف کو تو پھاڑ کر کھا گیا اور پیرہن کسی جگہ سے نہ پھٹا۔ خیر اللہ مالک ہے اب مجھے رونے کے سوا کچھ کام نہیں۔ قبر تک روتا جاؤں گا۔ اُدھر قافلہ والوں نے مصر پہونچکر نوطیفار یا پوتیار کے ہاتھ یوسف کو فروخت کر دیا۔ اور گراں ترین قیمت وصول کی۔ پوتیار امیر کبیر اور مصر کی حکومت کا وزیر اعظم تھا۔ اسی کا لقب عزیز تھا عزیز نے یوسف کو لے جاکر اپنے گھر بار اور تمام کارخانوں کا مختار کر دیا۔ اور اپنی بیوی کو ان کی عزت و توقیر کی تاکید کی۔ یوسف پیکر نور اور مجسمہ جمال تھے۔ عزیز کی بیوی زلیخا ان پر ریجھ گئی۔ اور ایسی فریفتہ ہوئی کہ عزت و ناموس کی بھی پرواہ نہ کی۔ اور طرح طرح سے یوسف کو فریب دیا۔ ترغیب دی اور وصل کی خواستگار رہی۔ پیغمبر ہونے والا انسان پہلے سے ہی معصوم ہوتا ہے۔ یوسف نہ مانے مجبوراً زلیخا ایک روز تخلیہ پاکر پیراہن پکڑ کر سر ہو گئی۔ یوسف پیراہن کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگے پیچھے یہ بھی بھاگی۔ دروازہ پر عزیز آتا ہوا ملا عورت تمثال مکر ہے۔ فوراً زلیخا نے یہ بات بنائی اور الٹا یوسف پر الزام رکھا کہ یہ مجھے برا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے شور مچایا تو پیراہن میرے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا۔ عزیز نے یوسف کو ملامت کی۔ یوسف نے انکار کیا۔ زلیخا کے گھر والوں میں سے ایک شیر خوار بچہ نے بقدرت الٰہی شہادت دی کہ اگر کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہو تو یہ سچی ہے۔ اور اگر پیچھے کا دامن پھٹا ہوا ہے تو یوسف سچا ہے۔ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ عزیز کو یوسف کی صداقت ظاہر ہو گئی زلیخا کو ملامت کی یوسف کو تسلی دی اور اخفاء معاملہ کی ہدایت کر دی عشق اور مشک چھپائے سے نہیں چھپتا۔ رفتہ رفتہ مصر کی امیر زادیوں اور شہزادیوں کو خبر پہونچ گئی۔ سب نے زلیخا کو آڑے ہاتھوں لیا کہ اپنے غلام سے منہ کالا کرنا چاہتی ہے۔ زلیخا نے اپنی مجبوری اور برائت کے اظہار کے لئے ایک روز سب عورتوں کو دعوت کی۔ کھانے کے بعد پھل سامنے آئے زلیخا نے سب عورتوں کے ہاتھوں میں ایک ایک پھل اور اس کے کاٹنے کے لئے ایک ایک چھری دیدی اُدھر یوسفؑ کو بناسنوار کر ایک جگہ چھپا رکھا تھا اور کہدیا تھا کہ جب میں اشارہ کروں تو تم فوراً ان عورتوں کے سامنے سے گذرنا۔ جونہی عورتوں نے ترنج اور چھریاں ہاتھوں میں لیں زلیخا نے یوسف کو اشارہ کیا وہ برآمد ہوئے۔ عورتیں دیکھکر ششدر رہ گئیں۔ ہوش حواس درست نہ رہے۔ اور بجائے ترنج کے چھریوں سے ہاتھ کاٹ لئے اس وقت زلیخا نے طعن کے طور پر کہا کیوں وہ اب تمہاری ملامت و سرزنش کہاں یہی تو وہ شخص ہے جس کے عشق پر مجھے ملامت کرتی تھیں۔ اس کے بعد بولی اگر اب بھی یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو سخت ذلیل ہوگا۔ میں اسے جیل

بھجوا دوں گی وہاں اس کو یہ عیش و آرام یاد ہوگا۔ یوسف بولے مجھے اس نعمت سے قید پسند ہے۔ زلیخا کا دل تو نہ چاہتا تھا مگر تمام لالچ کے ذرائع ختم ہو چکے تھے۔ خیال کیا کہ شاید تکلیف اٹھا کر یہ راہ راست پر آجائے۔ یہ سوچ کر عزیز سے کہا کہ تمام مصر کی عورتیں مجھے بدنام کرتی ہیں اس کو دفع کرنے کی صرف ایک شکل ہے۔ کہ یوسف کو قید کر دیجئے تو یہ ہوگا نہ میری بدنامی ہوگی۔ اور گذشتہ بدنامی بھی ڈھل جائیگی۔ عزیز کو یوسف کی صداقت تو ظاہر ہو چکی تھی مگر بدنامی کو رفع کرنے کے لئے اس نے یوسف کو جیل بھجوا دیا۔ اسی دوران میں دو اور شخص جیل میں پہونچے ایک شاہی ساقی دوسرا خاص خانساماں۔ ان دونوں پر بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کرنے کا الزام تھا۔ ایک روز ان دونوں نے خواب دیکھا اور چونکہ یوسف جیلخانہ میں نیک اور پاکدامن مشہور ہو گئے تھے۔ اس لئے ہر ایک نے اپنا اپنا خواب آپ سے بیان کیا۔ ساقی نے کہا میں نے ایک انگور کا درخت دیکھا۔ اس کی تین شاخیں نکلیں۔ ہر شاخ میں پھل پھول آئے اور اس کے گچھوں میں انگور آئے۔ فرعون کا خاص پیالہ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اس میں انگوروں کو نچوڑا۔ اور فرعون کے ہاتھ میں دیا۔ دوسرے نے کہا میں نے دیکھا کہ میرے سر پر تین خوان روٹیوں کے ہیں۔ اوپر کے خوان میں سے پرندے جھپٹے مار کر روٹیاں لئے جا رہے ہیں۔ یوسف نے تعبیر دینے سے پہلے اعلان توحید کیا۔ دین حق کی ہدایت کی اور چند نصیحتوں کے بعد فرمایا تین خوشوں سے مراد تین دن ہیں۔ تین روز کے بعد ساقی اپنے سابقہ عہدہ پر بحال ہو جائیگا۔ اور دوسرے سے فرمایا تین خوانوں سے بھی مراد تین روز ہیں۔ تین روز کے بعد تجھے سولی دیدی جائیگی۔ اور پرندے تیرے سر کا بھیجا کھائیں گے۔ چنانچہ تین روز کے بعد ساقی کو پہلے عہدہ پر مامور کیا گیا۔ اور خانساماں کو پھانسی دیدی گئی۔ یوسف نے ساقی سے کہدیا تھا کہ جب تو فرعون کے دربار میں پہونچے تو میرا حال کہدینا کہ ایک غریب پردیسی جس کو بھائیوں نے غلام بنا کر بیچا۔ پھر مصر میں آکر وہ تیرے عزیز کے ہاتھ فروخت ہوا۔ اس کو عزیز کی بیوی نے تہمت لگا کر قید کرا دیا ہے وہ بےقصور ہے اس کو چھوڑ دیا جائے۔ جس کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اس کو مشکل بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ذرا سی بات پر گرفت کر لی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ اس کا خاص بندہ دوسروں سے التجا کرے۔ حکم ہوا کہ دوسروں سے درخواست کرنے کی پاداش میں ابھی اتنی ہی اور قید بھگتو گے۔ چنانچہ ساقی جب بحال ہو کر سابقہ خدمت پر پہونچا تو اس کو یوسف ؑ کی یاد بھی نہ رہی۔ چند سال کے بعد فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ وہ لب دریا کھڑا ہے دریا کے اندر سے سات موٹی خوبصورت گائیں نکلیں اور نیستان میں چرنے لگیں۔ اس کے بعد اور سات گائیں دبلی بدنما دریا سے برآمد ہوئیں اور گھاٹ پر آکر کھڑی ہوئیں۔ اور ان موٹی گایوں کو کھا گئیں۔ یہ ہیبتناک خواب دیکھ کر فرعون کی آنکھ کھل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر سو گیا دوبارہ خواب میں دیکھا کہ ایک ٹہنی میں سات بالیاں سرسبز دانوں سے بھری ہوئی نکلیں۔ اور ان کے بعد سات بالیاں اور نمودار ہوئیں۔ جو خشک اور پتلی تھیں۔ خشک بالیاں سبز بالیوں کو لپیٹ گئیں۔ اور ان کو کھا گئیں۔ غرض صبح کو فرعون جاگا۔ اور مصر کے تمام کاہنوں اور نجومیوں اور دانشمندوں کو جمع کر کے خواب کی تعبیر دریافت کی۔ سب نے بالاتفاق کہا یہ ذہنی واہی خیالات ہیں۔ ہم ان کی تعبیر نہیں دیتے اس وقت بحکم الٰہی ساقی کو حضرت یوسف ؑ کی یاد ہوئی۔ فرعون سے فوراً عرض کیا جب میں اور خانساماں قیدخانہ میں تھے تو ہم نے وہاں ایک خواب دیکھا تھا۔ وہاں یوسف نامی ایک عبرانی جوان بھی قید تھا۔ اس نے ہماری خوابوں کی تعبیر دی تھی۔ اور جیسی تعبیر دی تھی ویسا ہی ہوا اگر حکم ہو تو قیدخانہ جا کر اُس سے پوچھ کر آؤں۔ حسب الحکم ساقی یوسف کے پاس آیا اور بادشاہ کا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ایک ہی خواب ہے خدا تعالیٰ نے اس کو دو بار دیکھایا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ہونے والا ہے فیصلہ الٰہی ہو چکا ہے۔ وہ موٹی سات گائیں اور سات سبز بالیاں ارزانی کے سات سال ہیں۔ ان سالوں میں خوب بارش، خوب پیداوار اور خوب ارزانی ہوگی۔ اور وہ سات دبلی گائیں اور سات خشک بالیاں قحط کے سات سال ہیں۔ ارزانی کی ہفت سالہ مدت کے بعد ہفت سالہ قحط پڑیگا جو گذشتہ ارزانی کے زمانہ کے تمام اندوختہ کو کھا جائیگا۔ فرعون کو چاہئے کہ وہ ایک ہوشیار آدمی دیہات کے بند و بست کے واسطے مقرر کرے تاکہ تحصیلداروں کے ذریعہ سے ارزانی کے زمانہ میں کم سے کم ضروری خوراک کے علاوہ تمام غلہ جمع کر لیا جائے اور پھر قحط کے زمانہ میں اس اندوختہ کو صرف کیا جائے۔ اور چونکہ سات سال تک غلہ کی بقاء مشکل ہے گھن کے کھا جانے اور گل جانے کا اندیشہ ہے اس لئے بالیوں میں ہی دانے محفوظ رکھے جائیں۔ جب ہفت سالہ قحط گذر جائیگا تو بارش ہوگی اور خوب پیداوار ہوگی۔ ساقی نے واپس آکر فرعون سے بیان کیا اُس نے سن کر بہت پسند کیا اور تمام ارکان نے تائید و تحسین کی۔ فرعون ملاقات کا مشتاق ہوا اور خاص ہرکارہ کو یوسف کے بلانے کے لئے بھیجا۔ آپ نے فرمایا رہائی سے قبل میرے اُس جرم کی تحقیق کر لو جس کی پاداش میں مجھے قید کیا گیا ہے۔ مصر کی امیرزادیوں سے دریافت کر لیا جائے کہ اُن کے سامنے عزیز کی بیوی نے مجھے بلایا تھا اور اُن کے ہاتھ چھری سے کٹ گئے تھے ان سے دریافت کرنے پر حقیقت ظاہر ہو جائیگی۔

چنانچہ بادشاہ نے مصر کی امیرزادیوں کو بلایا اور سب سے دریافت کیا

سنے اور خود عزیز کی بیوی نے یوسف کی پاکدامنی کا اقرار کیا۔ آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا میں اس بات سے کچھ اپنا تفاخر نہیں چاہتا۔ میں بھی انسان ہوں۔ میرے ساتھ بھی نفس ہے۔ لیکن اللہ جسکو چاہتا ہے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ غرض آپ فرعون کے پاس گئے۔ فرعون نے آپ کے حسن صورت اور خداداد لیاقت سے سلیقہ انتظام کا اندازہ کرلیا اور فریفتہ ہوگیا اور کہنے لگا میں نے تجھے اپنی کل رعایا کا مختار کیا۔ بجز تخت نشینی کے اور کوئی مرتبہ تجھ سے باقی نہیں رکھا۔ اب تو میرا نائب اور مختار کل ہے جو چاہے کر۔ اس کے بعد اپنی انگشتری آپ کو پہنا دی۔ آپ نے ملک کا پورا انتظام اور قحط سے مقابلہ کرنے کا بندوبست کیا۔ حضرت یوسفؑ نے سات برس تک خوب کاشت کرائی اور جتنی پیداوار ہوئی اسکو سوائے ضروری مصارف کے سب کو خرید کر جمع کرا دیا۔ آٹھویں سال قحط شروع ہوا۔ بارش نہ ہوئی۔ مصر اور شام اور کنعان وغیرہ کے لوگ چیخ اٹھے تو یوسفؑ نے مناسب نرخ مقرر کرکے دیسی اور پردیسی سب کو اسی بھاؤ غلہ دینا شروع کردیا۔ البتہ پردیسی کو ایک اونٹ سے زیادہ دینے کا حکم نہ تھا۔ پہلے ہی سال قحط زدہ مخلوق کی کل نقدی خرچ ہوگئی۔ دوسرے سال زیور اور جواہر کے عوض غلہ خرید کر کھایا۔ تیسرے سال چوپائے اور مویشی فروخت کئے۔ چوتھے سال باندی غلام بیچے۔ پانچویں سال تمام جائداد و مکانات فروخت کئے۔ چھٹے سال اولاد کو بیچا اور ساتویں سال تمام اہل مصر اپنے آپ کو فروخت کرکے یوسف کے غلام ہوگئے۔ جس ملک میں یوسف غلام ہوکر آئے تھے اسی ملک کے باشندے یوسف کے غلام ہوگئے۔ اس ہفت سالہ قحط کا اثر چونکہ دور دور پہنچ گیا تھا اس لئے کنعان بھی اس سے نہ بچ سکا نیز یہ شہرت بھی چاروں طرف پھیل گئی کہ مصر میں سلطنت کی طرف سے سستی قیمت پر غلہ فروخت ہوتا ہے۔ چنانچہ یوسف کے دسوں بھائی بنیامین کو باپ کے پاس چھوڑ کر غلہ لینے مصر آئے۔ مدت دراز گذر چکی تھی اور کسی کو یوسف کی حالت کے انقلاب کا واہمہ بھی نہ تھا اسلئے کسی نے یوسف کو نہ پہچانا مگر آپ نے پہچان لیا۔ مگر ناواقف بن کر پوچھا تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ شاید جاسوس ہو۔ اس ملک کی خراب حالت دریافت کرنے آئے ہو؟ بھائیوں نے کہا نہیں ہم جاسوس نہیں بلکہ آپ کے غلام ہیں۔ ایک ہی باپ کے بارہ بیٹے تھے۔ ایک کھو گیا۔ ایک کو باپ کی تسلی کے لئے چھوڑ آئے ہیں اور دس حاضر ہیں۔ کنعان کے رہنے والے ہیں غلہ لینے آئے ہیں۔ آپ نے دس اونٹ غلہ سے بھروا دیے۔ بھائیوں نے کہا ہمارا گیارھواں بھائی بھی ہے جو باپ کے پاس گھر رہ گیا ہے اس کا بھی حصہ دیدیجئے۔ یوسف نے کہا یہ بات تو خلاف ضابطہ ہے۔ ہاں اگر سچے ہو تو یہ بات ہوسکتی ہے کہ تم اپنے ایک بھائی کو یہیں میرے پاس چھوڑ جاؤ باقی غلہ لے کر چلے جاؤ اور پھر اپنے چھوٹے بھائی کو لیکر آؤ۔ یوسف چونکہ خود اپنے بھائی سے ملنا چاہتے تھے اس لئے اس کی تدبیریں کیں۔ اول تو اپنی مہمان نوازی ظاہر کرکے وعدہ کیا کہ اگر اب کی مرتبہ بھائی کو لیکر آئے تو ایسی ہی خاطر پھر کی جائے گی۔ دوسرے دھمکی بھی دی کہ اگر نہ لائے تو میں سمجھونگا جھوٹے ہو اور تمہارا حصہ بھی آئندہ سوخت ہو جائیگا۔ تیسرے جو کچھ غلہ کی قیمت (کچھ درہم یا چمڑہ کا سامان وغیرہ) بھائیوں نے پیش کی تھی وہ بھی ان کے اسباب میں چھپا کر غلہ کے ساتھ اونٹوں پر لدوا دی تاکہ گھر پہونچکر جب ان کو غلہ کے اندر اپنا سامان ملے تو نبی زادگی کے اقتضا اور دیانت و ایمانداری کے زیر اثر واپس لانے پر مجبور ہوں۔ غرض شمعون کو یوسف کے پاس چھوڑ گیا۔ باقی بھائی لوٹ کر باپ کے پاس آئے۔ کل سرگذشت بیان کی اور بنیامین کو ساتھ بھیجنے کی درخواست بھی کی۔ حضرت یعقوبؑ کو کیفیت سن کر رنج ہوا۔ بولے میرا بیٹا تمہارے ساتھ جائیگا اس کا بھائی مرگیا، وہ اکیلا رہ گیا۔ اگر راستہ میں اسپر کچھ آفت آئی تو تم میرے بڑھاپے کے بالوں کو غم کے ساتھ گور میں اتاروگے۔ کچھ زمانہ اسی میں گذر گیا لایا ہوا غلہ ختم ہوگیا تو یعقوب سے پھر باصرار استدعا کی۔ آپ نے فرمایا اچھا تو پختہ قول قسم کرو اللہ کو ضامن بناؤ کہ جب تک تم خود نہ گھر جاؤ اسکو چھوڑ کر نہ آؤ گے۔ یہوداہ نے کہا میں ضامن ہوتا ہوں۔ آپ مجھ سے لینا۔ اگر واپس لاکر اس کو آپ کے پاس نہ بٹھا دوں تو ابد تک اس کا گناہ مجھپر ہے۔ حضرت نے قول قرار لے کر بنیامین کو ساتھ کردیا جو نقدی اور سامان غلہ کے بوروں میں ملا تھا اس کو بھی واپس لے جانے کا حکم دیا۔ کچھ میوے، گرم مصالحہ، شہد اور روغن بلسان بطور ہدیہ ساتھ کیا اور چونکہ سب بھائی تندرست، حسین اور قوی تھے اس لئے نظر بد کے خوف سے صرف شفقت پدری کے تحت فرمایا کہ ایک دروازے سے سب ملکر ساتھ نہ داخل ہونا۔ اگرچہ یعقوب خوب جانتے تھے کہ تقدیر الٰہی کو کوئی تدبیر پلٹ نہیں سکتی پھر بھی عالم اسباب کا لحاظ کرتے ہوئے شفقت پدری کا اظہار فرمایا۔ جب سب بھائی مصر پہونچے گذشتہ قیمت اور ہدایا تحائف جو کچھ ساتھ لائے تھے شاہی ملاحظہ میں پیش کی۔ بنیامین کو دیکھ کر کہا کیا تمہارا چھوٹا بھائی یہی ہے؟ اس کے بعد فرمایا اے میرے فرزند! خدا تجھ پر مہربان ہے۔ کہنے کو یہ لفظ کہدیا مگر دل بھر آیا ضبط نہ ہوسکا۔ خلوت خانے میں تشریف لے گئے اور خوب روئے۔ کھانا کھلانے کا وقت آیا دسترخوان چنا گیا اور دو دو بھائیوں کو ساتھ بٹھایا گیا۔ بنیامین اکیلا رہ گیا اور یوسف کو یاد کرکے رونے لگا۔ یوسف نے کہا بنیامین کیوں روتا ہے۔ اپنے بھائی یوسف کی بجائے مجھے سمجھ لے کیا یہ بات تجھے پسند نہیں؟ بنیامین نے کہا آپ کو بھائی کہنا میرا فخر ہے۔ مگر آپ میرے باپ یعقوب اور ماں راحیل سے پیدا نہیں ہوئے۔ حقیقی بھائی یوسف کی آگ کیونکر بجھے؟ یوسف سے یہ سن کر ضبط نہ ہوسکا رو دیئے اور بے تاب ہوکر چہرہ سے حجاب ہٹا دیا اور بولے تیرا بھائی یوسف میں ہی ہوں بنیامین لپٹ گیا۔ یوسف نے اخفاء راز کی تاکید کردی اور بنیامین کو روکنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ایک شاہی چاندی کا پیالہ بنیامین کے بورے

کے اندر رکھوا دیا۔ جب وہ سب غلہ لیکر روانہ ہوگئے تو پیچھے سے آدمی دوڑایا کہ تم ہمارا پیالہ لے گئے ہو۔ انہوں نے انکار کیا۔ یوسف نے کہا اگر کسی کے سامان میں پیالہ نکل آئے تو اُس کی کیا سزا ہوگی؟ بھائیوں نے جواب دیا ہم چور نہیں دیکھئے ہم نے اپنے اونٹوں کے مُنہ پر جالی لگا رکھی ہے تاکہ کسی کے باغ یا کھیت کا نقصان نہ کریں۔ ہمارا خاندان نبوت کا خاندان ہے اگر ہم میں سے کسی کے سامان میں شاہی پیالہ نکل آئے تو اُس چور کی سزا بس یہی ہے کہ اُسکو غلام بنا لیا جائے۔ حضرت یوسفؑ نے سامان کی تلاشی شروع کرائی۔ ہوتے ہوتے بنیامین کے اسباب میں پیالہ ملا۔ بھائیوں نے بنیامین کو سرزنش شروع کی اور بولے انہی پر منحصر نہیں۔ اس کا بھائی اس سے پہلے چوری کر چکا تھا۔ یہودا چونکہ باپ سے اپنی ضمانت دیکر لایا تھا اس لئے یوسفؑ سے کہنے لگے ہمارا باپ بوڑھا ہے وہ سن کر مر جائیگا اسکی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو آپ رکھ لیجئے۔ یوسفؑ نے جواب دیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ چوری کوئی کرے اور سزا بھگتے کوئی دوسرا۔ پھر سب بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ روبین نے کہا میں تو یہاں سے نہیں جا سکتا تا وقتیکہ براہِ راست اللہ کا حکم میرے پاس نہ آجائے یا باپ کی اجازت ہو۔ تم جاکر والد سے ماجرا بیان کردو اور کہدو کہ ہم نے اپنے علم کے مطابق ضمانت کی تھی۔ غیب کا علم ہم کو نہ تھا۔ آپ کے بیٹے نے چوری کی اور پکڑا گیا ہمارا اس میں کچھ قصور نہیں۔ یہ لوگ کنعان گئے۔ خبر سنائی حضرت یعقوبؑ کو انتہائی صدمہ ہوا۔ روتے روتے آنکھیں سفید اور بے نور ہوگئیں۔ مگر صبر کے سوا چارہ کیا تھا۔ بیٹوں پوتوں نے کہا کب تک آپ اپنی جان دُکھینگے۔ یوسف کی یاد آپ کے دل سے جاتی ہی نہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ یاد آپ کی جان لیوا نہ بن جائے۔ حضرت نے فرمایا میں تم کو تو کچھ تکلیف نہیں دیتا اللہ ہی کے سامنے اپنے رنج و حزن کا اظہار کرتا ہوں اور چونکہ حضرت کو بفراست یا بنورِ نبوت یقین تھا کہ یوسف کی گذشتہ خواب کا پورا ہونا لازم ہے بھائیوں سمیت اُس کا زندہ رہنا ضرور ہے اسلئے فرمایا اللہ نے جو علم مجھے عطا فرمایا ہے وہ تم کو نہیں دیا۔ تم کو نہیں معلوم کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ ناامیدی کافروں کا شیوہ ہے۔ پھر مصر جاؤ اور دونوں بھائیوں کی تلاش کرو۔ حسب الحکم اولادِ یعقوب پھر مصر پہنچی۔ عزیز کے دربار میں حاضری دی۔ باپ کا سلام کہا جو کچھ کھوٹے سکے ساتھ لائے تھے وہ بھی پیش کئے اور چشم پوشی کا احسان کے طالب ہوئے اپنی گرسنگی اور نسل یعقوب کی شکستہ حالی بھی ظاہر کی اور آخر میں باپ کا پیام بھی پہنچایا کہ اے عزیز! میرا ایک بیٹا تو پہلے گم ہو چکا اُس کا چھوٹا بھائی رہ گیا تھا اُس کو آپ نے روک لیا رحم فرما کر اُس کو چھوڑ دیجئے تاکہ میری تسلی ہو۔ اختتام عرضداشت کے وقت یہ بھی کہا کہ ہمارے باپ نے کہدیا ہے کہ اگر بنیامین کو نہ چھوڑوگے تو ایسی بددعا کرونگا جس کا اثر تمہاری سات نسلوں تک باقی رہیگا۔

یوسف پیام یعقوبؑ سُن کر ڈر گئے اور اپنے کنبہ کی خستہ حالی دیکھ کر کچھ نہ کرسکے۔ بولے کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے اپنے بھائی یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا؟ یوسف کا نام سن کر یہ چکرائے کہ عزیز مصر کو یوسف سے کیا واسطہ۔ اس کو اسکی حالت کا کیا علم؟ پھر غور کیا تو کچھ کچھ پہچانا بھی اس لئے بول پڑے کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو؟ حضرت یوسفؑ نے جواب دیا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ سب نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ یوسفؑ نے خطا معاف کی۔ یہ خبر مصر میں مشہور ہوگئی۔ فرعون کو پہونچی۔ اُس نے یوسف سے اُن کے تمام خاندان کو بلانے کی درخواست کی۔ یوسفؑ نے اپنا کرتہ بھائیوں کو دیا۔ بڑا ساز و سامان درست کرکے روانہ کرنا چاہا اور کہدیا کہ میرے باپ کے مُنہ پر یہ کُرتہ جاکر ڈال دینا وہ بینا ہو جائینگے اور یہ بھی کہا کہ اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ۔ قافلہ مصر سے چل دیا۔ جب کنعان تین روز کی مسافت پر رہ گیا تو حضرت یعقوبؑ کو پیراہن یوسف کی بو محسوس ہوئی پوتوں سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے دیوانہ بنایا۔ دو تین روز کے بعد یہودا کرتہ لیکر پہنچ گیا اور جاتے ہی باپ کے چہرہ پر ڈالا فوراً آنکھیں روشن ہوگئیں۔ یہودا نے یوسف اور بنیامین کی خیریت اور مصر میں یوسف کا جاہ و جلال بیان کیا۔ سب بیٹے باپ کے قدموں پر گر پڑے اور عرض کیا ہمارا قصور اللہ سے معاف کرا دیجئے۔ ہم خطاوار ہیں یعقوب نے کہا عنقریب اللہ سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کرونگا اور وہ ضرور بخشدیگا۔ اس کے بعد حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں پوتوں وغیرہ کی ستر اشخاص کی جماعت لیکر مصر کو چل دئے چند منزل پہلے سے یہودا کو یوسف کے پاس بھیجدیا۔ یوسف شاہانہ ٹھاٹ کے ساتھ استقبال کو آئے اور باپ کو لیجا کر اپنے محل میں فروکش کیا اور اپنے تخت پر اپنے باپ اور سوتیلی ماں کو بٹھایا سامنے گیارہ بھائی بیٹھے سب نے آداب وزارت ادا کئے اور تعظیماً جھک گئے۔ یوسف نے کہا آج میرے اُس خواب کی تعبیر پوری ہوئی جو بچپن میں دیکھا تھا۔ پھر حضرت یعقوبؑ کو فرعون سے ملوایا۔ اُس نے ایک قطعۂ اراضی حوالی شہر میں اولادِ اسرائیل کے ساتھ مخصوص کردیا۔ جس کا نام رعمسیس تھا مصر میں تشریف لاتے کے وقت حضرت یعقوبؑ کی عمر ۱۳۰ سال کی تھی۔ بقول اہل کتاب سترہ ۱۷ سال یہاں قیام رہا اور ۱۴۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت یوسفؑ کو وصیت کی کہ مجھے مصر میں دفن نہ کرنا۔ میں اپنے باپ دادا کے گورستان میں سوؤنگا۔ مرنے سے کچھ دیر پہلے اپنی اولاد کو بلا کر توحید اور ملت ابراہیمیہ پر قائم رہنے کی نصیحت کی اور ہر بیٹے کو اُس کے مناسب دعاءِ برکت دی۔ پھر ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگئے۔ حضرت یوسف نے کیمیاوی ترکیب سے میت کو محفوظ رکھا۔ مصر کے بڑے لوگوں کا دستور

ہی یہ تھا- فرعون کا اسٹاف اور عمائد شہر اور خاندان یعقوب جنازہ کو لیکر
کنعان آئے- یہاں پہنچکر خاندانی قبرستان میں دفن کیا- حضرت یوسف
وزارت پر قائم رہے- آپ کے دو صاحبزادے تھے افرائیم اور منشی
یا منشیا- جب ایک سو بیس برس کا سن ہوگیا تو ایک رات خواب دیکھا کہ
ایک نہایت پُرفضا مقام ہے وہاں چند کرسیاں رکھی ہیں- ابراہیمؑ،
اسحاقؑ، یعقوبؑ اور راحیل مختلف کرسیوں پر بیٹھے ہیں- یعقوب اور
راحیل رو کر یوسف سے لپٹ گئے اور بولے فرزند کب تک اپنی راہ
دکھائیگا ہم تیرے مشتاق ہیں اب آجا- آنکھ کھلی تو روح پر ایک کیفیت
طاری تھی- عالم قدس میں اپنے بزرگوں سے ملنے کی بیقراری تھی- تمام دنیا
کے لذائذ فانیہ سے یک لخت دل سرد ہوگیا- بیدار ہوتے ہی بارگاہ الٰہی میں
دعا کی کہ پروردگار! مجھے سلف صالحین سے ملا دے- دعا قبول ہوئی-
وقت وفات بھائیوں سے وصیت کی کہ ایک بار پھر تم کو ملک شام جانا
ہے- یہاں تم اور تمہاری اولاد کچھ زمانہ کے بعد رہ سکیگی، تمہاری زندگی میں
ہجرت کرنی پڑے اور یا تمہاری اولاد کی زندگی میں یا نسل اسرائیلی میں
کسی کی موجودگی میں ایسا واقعہ پیش آئے تو میری میت بھی ساتھ لیجانا
وصیت کے بعد وفات ہوگئی، مصر میں ماتم بپا ہوگیا- لاش کو کیمیاوی
ترکیب سے خوشبودار کر کے سنگ مرمر کے تابوت میں بند کر کے سپرد خاک
کردیا گیا- آپ کی وفات کے بعد قوم بنی اسرائیل مصر میں رہتے رہے
مصریوں میں ویسے ہی جذبہ وطنی زور پر ہوتا ہے- مزید یہاں کئی سو برس
کے بعد جب فرعون موسیٰ کا زمانہ آیا تو جذبہ وطنی کے ساتھ اختلاف دینی
بھی ہوگیا- بنی اسرائیل حقوق شہریت سے محروم کر دیئے گئے طرح طرح
کے مصائب ان پر ٹوٹ پڑے- بادشاہ سے لیکر ادنیٰ مزدور تک سب
ان کے مخالف بن گئے- یہ ترک وطن پر مجبور ہوئے مگر فرعون کو کھٹکا لگا
ہوا تھا کہ اگر یہ ہجرت کر کے شام کو چلے گئے تو وہاں کی حکومت (جو مصر
کی حریف تھی اور مدت سے مصر پر اس کا دانت تھا) سے ملکر کہیں مصر پر
حملہ نہ کریں اس لئے ہر ممکن دباؤ سے روکتا رہا- بالآخر خدا نے موسیٰؑ کو
مبعوث فرمایا اور فرعون پر غالب کیا آپ بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر
مصر سے شام کو چلے اس وقت حضرت یوسفؑ کی ہڈیاں بھی ساتھ لے
لیں- موسیٰ راستہ ہی میں فوت ہوگئے- بنی اسرائیل ہڈیوں کو لے کر
کنعان پہنچے اور نابلس کے قریب دفن کیا-

زلیخا کے متعلق آسمانی کتب خاموش ہیں مگر اہل سیرت نے لکھا
ہے کہ یوسفؑ کی زلیخا سے شادی ہوئی تھی- دو بیٹے اور ایک بیٹی
بھی پیدا ہوئی تھی-

بیان قصہ کے دوران میں جو نصیحت انگیز عبرت خیز واقعات ہیں
تفسیری مطالب بیان کرنے کے وقت ہم ان کو بیان کرینگے-

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں- ارشاد ہوتا ہے کہ یہ سورۂ یوسف
قرآن مبین کی آیات ہیں- ان سے قرآن کی حقانیت، صداقت اور
منزل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے- ایسے واقعات جو جزیرۂ عرب کے
نہیں بلکہ بیرون عرب کے ہیں اور حال کے نہیں بلکہ ہزاروں برس پہلے
کے ہیں اور جن کا علم بجز علماء اہل کتاب اور خاص خاص مورخین کے عام لوگوں کو نہیں
ایک امی ان پڑھ مکہ کا باشندہ کس خوبی سلاست اور صداقت کے ساتھ بیان
کر رہا ہے- اگر یہ غیب کا الہام نہیں تو اور کیا ہے- ان آیات اور نشانیوں کی
صداقت دیکھ کر پورے قرآن کی حقانیت کا یقین کر لینا چاہئے اور خوب سمجھ
لینا چاہئے کہ قرآن اللہ کی واضح اور روشن کتاب ہے- حق و باطل اور حرام و
حلال میں امتیاز کرنے والی اور اچھے برے راستہ کو بتلانے والی ہے خود ساختہ
نہیں- رہی یہ بات کہ جب یہ آسمانی کتاب ہے تو عربی زبان میں کیوں نازل
کی گئی- دوسری زبانوں پر عربی کو کیوں ترجیح دی گئی تو اسکی وجہ ظاہر ہے-
ایک تو صاحب کتاب عرب ہے پھر جس ملک میں پیدا ہوا اسکے باشندوں کی
زبان عربی ہے اور پھر عربی زبان بھی الفاظ مبادی اور مشتقات کے اعتبار سے
طویل الذیل ہے- اگر کسی اور زبان میں نازل کی جاتی تو کافی طور پر سمجھ میں
کیسے آتی- کھلے طور پر فہمایش تو عربی زبان میں ہی ہو سکتی تھی- لہذا تمہارے
سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کے لئے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا گیا-

اس کے بعد فرماتا ہے کہ چونکہ ہم نے یہ قرآن بذریعہ وحی تم پر نازل کیا (اور
قرآن تمام آسمانی کتابوں میں اکمل، افضل اور اعلیٰ ہے) اس لئے قصہ بھی
وہ بیان کرتے ہیں جو تمام قصوں سے مورد تفصیل اور نتیجہ کے اعتبار سے
اچھا ہے- ظاہر ہے کہ دنیا میں افضل گروہ انبیاء کا ہے- پھر کسی نبی کو ابتدا
سے انتہا سے اور آغاز عمر سے آخری حصہ عمر تک (ایسے واقعات اور گوناگوں
انقلابات سے واسطہ نہیں پڑا جیسا حضرت یوسفؑ کو پڑا لہذا عجیب
ترین قصہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو یوسف کا ہے- اس کے اندر تفریح خاطر
حسن و عشق کی کرشمہ سازیوں کا تذکرہ بھی ہے- تصویر انقلاب بھی ہے نبی کی
عصمت اور عظمت کا اظہار بھی ہے- قدرت الٰہی کی ہمہ گیری کا بیان بھی ہے
اور مسلمانوں کے لئے درس بصیرت بھی ہے- بادشاہوں سے لیکر غلاموں
تک کے واقعات و معاملات، عورتوں کی مکاری، دشمنوں کی ایذا رسانی
پر صبر، قدرت ہوتے ہوئے درگذر، حبیب و محب کے اشارات و حالات
سب کچھ مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے-

اس کے بعد فرماتا ہے اے نبی تم وحی اور نزول قرآن سے پہلے اس
قصہ سے واقف بھی نہ تھے- یعنی یہ قرآن قطعی طور پر الہامی اور آسمانی
ہے- تمہارا ساختہ نہیں- تم کو کسی نے یہ قصہ نہیں بتایا یا کسی کو شک کرنا
چاہئے کہ رسول خود اپنی طرف سے بیان کر رہے ہیں یا کسی کتابی عالم سے
پوچھ کر ظاہر کرتے ہیں-

تفسیر آیات کا تفسیری مطلب بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند امور کی تحقیق کرلی جائے

(۱) عزیز کی بیوی نے یوسف کو پھسلایا اور وصل کی طرف مائل کیا جب یہ حربہ کارگر نہ ہوا تو دروازے مضبوطی کے ساتھ بند کردیے اور زبردستی کرنی چاہی - لفظ ھَیْتَ بقول حسن بصری سریانی ہے اور سدی کے نزدیک قبطی ہے - اور بخاری نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حورانی ہے لیکن دیگر بڑے تابعین و صحابہ نے تصریح کی ہے کہ یہ لفظ عربی ہے۔

(۲) یوسف ؑ نے زبردستی کا بھی کوئی اثر نہ لیا اور خدا کی پناہ مانگی اور فرمایا میں ایسی بے جا حرکت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں - وہی میرا پروردگار ہے - اسی نے میری عزت و آرام میں اضافہ فرمایا اور قید سے نکال کر اس مرتبہ پر پہنچایا - بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یوسف ؑ نے عزیز مصر کو اپنا رب قرار دیا اور عزیز ہی کے متعلق فرمایا اَحْسَنَ مَثْوَایَ - لیکن اگرچہ یہ قول شرعاً درست ہے کیونکہ رب سے رب حقیقی مراد نہیں بلکہ مربی اور سرپرست مراد ہے مگر یوسف ؑ کی شان کو دیکھتے ہوئے سوءِ ادب پر مبنی ہے، یوسف نبی تھے اور نبی سوائے خدا کے کسی دوسرے کو اپنا مجازی رب نہیں کہہ سکتا۔

(۳) زلیخا نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف ؑ نے زلیخا کا ارادہ کیا کس چیز کا ارادہ کیا؟ کیا مقصد تھا؟ ارادہ کا کیا مطلب ہے؟ اس کے متعلق چند قول ہیں:- ۱ زلیخا نے وصل یوسف ؑ کا ارادہ کیا اور یوسف ؑ نے بھی زلیخا کے وصل کا پختہ ارادہ کرلیا - مبادی سے درجۂ اوسط پر پہنچے اور قریب قربت پہنچنے کو تھے کہ برہانِ الٰہی کو دیکھا اور زنا سے باز رہے - اس قول کی تائید میں مختلف تابعین و صحابہ کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں لیکن اصول روایت کے لحاظ سے سب غلط یا کمزور ہیں - ابن کثیر نے اسی بنا پر کسی قول کو نقل نہیں کیا - ہم بھی نہیں بیان کرتے - رازی نے بھی ان روایات کے ثبوت سے انکار کیا ہے - اور چونکہ اس قول پر نبی کی تنقیص لازم آتی ہے اور آیت کی صراحت کے بھی خلاف ہے اسلئے ہمارے نزدیک یہ مطلب صحیح نہیں - ۲ ارادہ کرنے کے یہ معنی کہ دل میں عزم کرلیا، سوچا غور کیا، خواہش غالب آئی، ابھی ابتدائی حرکت کا صدور بھی نہ ہوا تھا کہ برہان رب دیکھنے کے بعد عزم فسخ کردیا - اس قول پر بھی قلبی زنا ثابت ہوتا ہے جس سے انبیاء کی شان پاک ہے - ۳ زلیخا نے یوسف سے وصال چاہا اور یوسف ؑ نے بھاگنے کا قصد کیا - یہ قول معنی کے اعتبار سے اگرچہ صحیح ہے مگر کلام عربی میں تحریف اور عرب کے محاورہ کے خلاف ہے - اسلئے ضعیف ہے - ۴ آیت وَهَمَّ بِهَا جزاءِ مقدم ہے - لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ شرط مؤخر ہے - مطلب یہ ہے کہ اگر یوسف اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھ لیتا تو قصد کر ہی چکا تھا - حاصل یہ کہ چونکہ اس نے برہانِ الٰہی کو دیکھ لیا - اس لئے قصد ہی نہ کیا - یہ قول ابو عبید کا ہے جسکو ابو حاتم نے روایت کیا ہے - اس مطلب میں اگرچہ تنقیص انبیاء لازم نہیں آتی مگر عربی محاورہ کے خلاف ہے - ابن کثیر نے اس کو محل تامل قرار دیا ہے - ۵ یوسف ؑ نے زلیخا کا قصد ضرور کیا - ھَمَّ کے لغوی معنی قصد ہی کرنے کے ہیں لیکن قصد سے وہ مراد نہیں ہے جو کوتاہ اندیش ملا یا یورپ کے یہودیوں کی اختراع دماغی پر اعتبار کرکے بیان کی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یوسف ؑ نے باقتضاءِ بشری اس عورت کی اضطراری خواہش کی بات یہ ہے کہ قصد اور خواہش کی دو قسمیں ہیں - ایک اختیاری دوسری غیر اختیاری - اختیاری خواہش کا مطلب بالکل ظاہر ہے جس طرح عام طور پر بالارادہ کام کئے جاتے ہیں اور اختیار کو اُن میں دخل ہوتا ہے غیر اختیاری خواہش وہ ہوتی ہے کہ خود بخود بمقتضاءِ خلقت کسی طرف طبعی میلان ہوجائے اور دل جھک جائے - مثلاً خوبصورت چیز دیکھ کر اس کو پسند کرنا، بدصورت سے نفرت کرنا ترشی کھاتے دیکھ کر منہ سے پانی جاری ہوجانا - حضرت یوسف ؑ کا قصہ اسی طرح کا تھا - امام بغوی نے معالم التنزیل میں بعض محققین کا قول نقل کیا ہے کہ قصد یوسف ؑ سے مراد خطراتِ نفس ہیں - اس سے مراد بھی وہی غیر اختیاری رغبت ہے - امام رازی ؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح سخت گرمی میں روزہ دار سرد پانی دیکھتا ہے اور خود بخود اسکی طبیعت پانی کی طرف مائل ہوجاتی ہے لیکن پھر وہ اپنے اختیار سے روزہ میں پانی پینے کو خلافِ شریعت جان کر طبیعت کو روکتا ہے یا کوئی نوجوان تندرست آدمی کسی حسین دلکش عورت کو دیکھتا ہے تو اس کی اسکی طرف طبعی رغبت ہوتی ہے مگر وہ اپنی عقل کو کام میں لاکر نتائج دنیوی و اخروی پر غور کرکے نفس سے جہاد کرتا اور طبیعت کو روکتا ہے - اسی طرح یوسف ؑ بھی آدمی تھے - طبعی غیر اختیاری میلان اُن کو ہوا لیکن عقل و نبوت کی روشنی میں وہ اس تاریک راستہ پر چلنے سے بچ گئے - بیضاوی نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے کہ یہاں قصد سے مراد ہے طبیعت کا میلان کرنا، شہوت و عقل میں مقابلہ کرنا - ثعلب نے بیان کیا ہے کہ یوسف ؑ نے جو قصد کیا وہ بغیر عزم تھا - یہ قصد محض نفس کے خطرات تھے - آپ قوت سے فعل میں لانا اُن کو نہ چاہتے تھے - یہی مطلب میرے نزدیک حق ہے اور افسوس ہے اردو اور فارسی کے اُن مفسرین پر جنھوں نے بیہودہ روایات کو صحیح جان کر اس آیت کے مطلب میں دھوکا کھایا - خدا اُن کو معاف فرمائے - دیکھو اس کے آگے خدا تعالیٰ نے خود فرما دیا لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ - شیخ ابو السعود نے اس آیت کا صاف مطلب اس خوبی سے بیان کیا کہ ہمارا مدعا بغیر کسی شبہہ کے ثابت ہوجاتا ہے - فرماتے ہیں اگر یوسف ؑ نے بدی کا ارادہ کیا ہوتا اور برہان الٰہی اُس بدی سے یوسف ؑ کو بچایا جاتا تو اس طرح کلام ہونا چاہئے کہ یوسف نے ارادہ کرلیا تھا اگر وہ برہان رب کو نہ دیکھتا تو مرتکب ہوجاتا - ہم نے اُسکو اپنی طرف سے برہان دکھائی تاکہ اُسکو بدی سے بچالیں - خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا - بلکہ یوں فرمایا کہ ہم نے یوسف ؑ کو برہان دکھائی تاکہ اُس کی

طرف سے بدی کو پھیر دیں۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ بدی نے اسکی جانب بڑھنے کا ارادہ کیا مگر اُس کی اختیاری خواہش اس کے خلاف تھی ہم نے اسکو برہان دکھائی تاکہ اُس کے پاس بدی کو پہنچنے ہی نہ دیں۔

(۴) بُرْھَانَ رَبِّہٖ میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ جن لوگوں نے علماء سلف پر اتہام لگایا اور اُن سے صحیح و غلط روایات نقل کی ہیں اُنہوں نے بُرْھَانَ کے معنی کی توضیح اس طرح کی ہے کہ حضرت یوسف ؑ نے فعل قبیح کا ارادہ کر لیا اور قریب تھا کہ واقع ہو جائے مگر غیب سے ممانعت کی آواز سنی اُس پر بھی باز نہ آئے تو دوبارہ وہی آواز سنی پھر تیسری بار سنی۔ آخر میں حضرت یعقوبؑ کی صورت دیکھی کہ آپ دانتوں میں انگلی دبائے کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر یوسفؑ بھاگے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یوسفؑ کو مکان کی چھت یا دیوار پر ممانعت کے کچھ جملے نظر آئے بعض کا قول ہے کہ بحکم الٰہی جبرئیل نازل ہوئے اور انہوں نے آکر یوسفؑ کو منع کیا۔ ہمارے نزدیک بُرْھَان سے وہی روحانی روشنی اور عقلی بازداشت مراد ہے جو قوت شہوانی پر غالب آجایا کرتی ہے۔ خطرۂ نفس پیدا ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے الہام عقلی کے ذریعہ اپنے خاص بندہ کو اس فعل کے نتائج بد سے آگاہ فرما دیتا ہے اور پھر وہ بندہ فعل بد سے رُک جاتا ہے یوسف کے لئے اگرچہ غیر اختیاری کشش کا سرمایہ کافی موجود تھا، ہر چیز اشتہا انگیز تھی۔ مگر نورِ نبوت اور عقلی معرفت ارتکاب قبیح سے مانع آئی

آیات کا واضح مطلب یہ ہے کہ زلیخا نے ہر چند بہکایا دھمکایا دروازے مقفل کر دیے لیکن یوسفؑ نہ مانے۔ بجائے ماننے کے زلیخا کو بھی اس خواہش سے روکا اور فرمایا خدا کا یا عزیز کا مجھ پر یہ احسان ہے اور میں ایسی کھلی خیانت کروں مجھ سے یہ بے جا حرکت نہیں ہو سکتی۔ بیجا حرکت کرنے والوں کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ زلیخا نے نہ مانا وصل کا پختہ ارادہ کر چکی تھی اور با اقتضاء بشریت یوسفؑ کو بھی غیر اختیاری خواہش ہو گئی تھی۔ مگر فطری برہان الٰہی اور عقلی نور سامنے آیا۔ یوسفؑ نے اسکو دیکھا اور فعل بد سے محفوظ رہا۔ یہ صرف اللہ کا فضل تھا کہ ہر بُرائی کے حملہ کو یوسف کی طرف سے خدا نے دفع کر دیا۔ کیونکہ تقدیر ازلی میں یوسف خدا کا خالص مخلص اور برگزیدہ بندہ تھا۔ نوشتۂ تقدیر کے خلاف کس طرح ہونا ممکن تھا۔

مقصود بیان:۔ امیر ہو یا غریب بادشاہ ہو یا فقیر نفسانی جال ہے۔ سوا اللہ کے خاص بندوں کے بہت کم لوگ محفوظ رہتے ہیں۔ زلیخا نے یوسفؑ کو بہکایا تھا دروازہ بھی مکمل طور پر بند کر دیا تھا تالیف اور ریجھانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی مگر یوسف نے زنا کا ارادہ نہیں کیا۔ آیت میں در پردہ اس بات کی تمام مسلمانوں کو تلقین ہے کہ محسن کشی اچھی نہیں ہوتی۔ محسن کوئی ہو اُس کا احسان ماننا لازمۂ اسلام ہے۔ امانت میں خیانت خصوصاً محسن کی آبروریزی بہت بُرا فعل ہے۔ اللہ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں مصیبت کے وقت

اللہ اُنکی کارسازی کرتا ہے۔ باوجود تمام اسباب شیطنت کے جمع ہو جانے کے پھر بھی شیطان اُن پر مسلط نہیں ہو سکتا۔ سعید ہونا ازلی حکم ہے جو بدل نہیں سکتا۔ وغیرہ۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ

اور دونوں دروازہ کی طرف دوڑے عورت نے یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ دیا

وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا

اور عورت کا شوہر دروازہ کے پاس دونوں کو ملا۔ عورت بولی جو شخص تیری بیوی

جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ

سے بدکاری کا ارادہ کرے اُسکی سزا سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ اُسکو قید کر دیا جائے

أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ

یا کوئی اذیت ناک سزا ہو یوسف نے کہا اسی نے مجھے بہکایا تھا

نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ

اور عورت کے خاندان میں سے ایک شخص نے گواہی بھی دی کہ اگر

قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ

یوسف کا کرتہ سامنے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف

مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ

جھوٹا ہے اور اگر اُس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا

مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا ہے

فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ

لیکن جب دیکھا تو کرتہ پیچھے سے پھٹا نظر آیا عزیز بولا یہ تم عورتوں کا

مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝

فریب ہے بلاشبہ تمہارا فریب بڑا ہے

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرِي

یوسف تم اس بات کو جانے دو اور اے عورت تو اپنے قصور کی

لِذَنۡۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنۡتِ مِنَ الۡخٰطِـئِيۡنَ ۝ ع ۹ ۱۳

معافی مانگ | تو | تھی | مجرم | تھی

تفسیر خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کا کہنا نہ مانا اور فتنہ سے بچنے کے لئے بھاگے تو زلیخا اُن کے پیچھے پکڑنے کو دوڑی۔ کعب احبار نے بعض احبار یہود سے نقل کیا ہے کہ سات دروازے تھے اور سب مقفل تھے۔ یوسف جس دروازہ تک پہنچتے بحکم الٰہی وہ کھل جاتا۔ غرض آخری دروازہ پر پہنچے۔ زلیخا نے کرتہ کا دامن پیچھے سے پکڑ کر کھینچا۔ کپڑے کا ٹکڑا ہاتھ میں آ گیا۔ یوسف نکل گئے۔ دروازہ پر عزیز مصر شاہی اسٹاف کے ایک آدمی کے ساتھ آ ملا۔ عورت کو اپنی رسوائی کا اندیشہ ہوا فوراً بات بنالی۔ مگر یہ بھی خیال تھا کہ کہیں غیرت میں آ کر عزیز قتل یوسف علیہ السلام کا حکم نہ دیدے اسلئے بولی جس نے تیری بیوی پر بری نیت ڈالی ہو اُس کی سزا سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ کچھ مدت اُس کو قید میں رکھا جائے یا کوئی سخت جسمانی سزا دی جائے۔ گویا یوسف علیہ السلام کو قتل سے بچانے کے لئے سزا بھی خود تجویز کر دی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی برأت کا اظہار کیا۔ زلیخا کو اس جرم کا مرتکب قرار دیا مگر انتہائی شرم کے مارے زلیخا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نہیں فرمایا بلکہ غائبانہ ضمیر کے ساتھ فرمایا اُسی نے مجھے اغوا کیا تھا میرا اس میں کیا قصور ہے۔ عزیز شش و پنج میں ہوا کہ کیا فیصلہ کرے زلیخا مشتعلہ چہرے آنچ سنگھار کئے ہوئے ہے یوسف علیہ السلام کے کرتہ کا دامن ہاتھ میں ہے پھر کس طرح یوسف علیہ السلام کو جھوٹا کہے۔ پھر یہ بھی جانتا ہے کہ حرم شاہی کے اندر سیکڑوں نوکروں اور ماماؤں کی موجودگی میں ایک غلام کی یہ ہمت ہو سکتی نہیں کہ حرم شاہی پر نظر بد ڈالے۔ اُدھر زلیخا بیوی ہے۔ غلام کے مقابلہ میں بیوی کی تکذیب کس طرح ممکن ہے۔ غرض تحقیقات شروع کی۔ زلیخا کے گھر کے ہی ایک شخص نے یوسف کی برأت اور زلیخا کے جرم کی شہادت دی۔ یہ شاہد کون تھا؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس، حسن بصری، ضحاک، سعید بن جبیر، ہلال بن یساف اور ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ وہ گہوارہ کا بچہ تھا بلکہ ایک حدیث صحیح اس کے متعلق ابن جریر نے نقل کی ہے جس میں تھا اُن لڑکوں کے جنہوں نے شیر خوارگی کی حالت میں کلام کیا ہے شاہد یوسف کو بھی شمار کیا ہے۔ لیکن مجاہد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی داڑھی والا مرد تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ہرنی نے شہادت دی تھی یا کوئی غیبی آواز آئی تھی لیکن موخر الذکر تمام روایات کمزور ہیں۔ صحیح اول ہی قول ہے۔ مِنۡ اَهۡلِهَا کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے اور ایک مرفوع حدیث بھی اسی کی مؤید ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ عزیز کے ساتھ شاہی اسٹاف کا جو آدمی تھا پہلے اُس نے شہادت دی ہو اور ممکن ہو کہ غیبی آواز بھی آئی ہو یا ہرنی بولی ہو مگر عزیز کے نزدیک قابلِ اعتبار تو شہادت

تھی وہ شیر خوار بچہ کی تھی۔

مقصود بیان:- آیات بتا رہی ہیں کہ عورتوں کا فتنہ اور اُن کی مکاری زبردست بلا ہے۔ زلیخا نے فوری طور پر ایسی بات گھڑی جس کو سوچنے کیلئے کافی دیر کی ضرورت تھی۔ نیک بندہ اگر نیکی پر قائم رہے تو غیب سے اُس کی مدد کے سامان ہو جاتے ہیں۔ شیر خوار بچہ کا گویا کر دینا خدا کے نزدیک کوئی بڑا کام نہیں۔ اُس نے یوسف کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے بچہ کو گویا کر دیا۔ گویا اس میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ صداقت و حقانیت پر قائم رہو۔ کسی لالچ یا خوف سے سچائی کو ہاتھ سے نہ جانے دو اللہ غیب سے تمہاری مدد کریگا۔

وَقَالَ نِسۡوَةٌ فِى الۡمَدِيۡنَةِ امۡرَاَتُ الۡعَزِيۡزِ

شہر میں کچھ عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو پھسلا کر

تُرَاوِدُ فَتٰٮهَا عَنۡ نَّـفۡسِهٖ ۚ قَدۡ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ

کار برآری چاہتی ہے اُس کے دل میں وہ غلام جگہ پکڑ گیا ہے

اِنَّا لَـنَرٰٮهَا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ‏ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتۡ

ہم خیال کرتے ہیں کہ عورت کھلی ہوئی غلطی میں ہے عزیز کی عورت نے جب

بِمَكۡرِهِنَّ اَرۡسَلَتۡ اِلَيۡهِنَّ وَاَعۡتَدَتۡ لَهُنَّ

اُن کی غلطی سنی تو اُن کو بلوا بھیجا اور اُن کے لئے ایک مجلس

مُتَّكَـاً وَّاٰتَتۡ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنۡهُنَّ سِكِّيۡنًا وَّ

آراستہ کی اور اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور

قَالَتِ اخۡرُجۡ عَلَيۡهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيۡنَهٗۤ اَكۡبَرۡنَهٗ

بولی یوسف! ان کے سامنے نکل کر آ جاؤ۔ عورتوں نے جب یوسف کو دیکھا تو حسن

وَقَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ وَقُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا

بشریت سے بڑھ کر پایا اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاشا للہ! یہ

هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ‏ ۝

آدمی نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے

قَالَتۡ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىۡ لُمۡتُنَّنِىۡ فِيۡهِ ؕ وَ

عزیز کی عورت بولی تو یہی وہ شخص ہے جس کے بارہ میں تم نے مجھے طعنے دیئے

لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ

میں نے واقعی اس کو پھسلایا تھا مگر یہ بچا رہا اگر

لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ

میرے حکم کے مطابق یہ نہ کریگا تو ضرور اسکو قید کر دیا جائیگا اور ضرور

الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ

بے عزت ہوگا یوسف نے کہا پروردگار یہ عورتیں

اِلَیَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ

جس چیز کی مجھے دعوت دے رہی ہیں اُس سے تو مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اگر تو

عَنِّیْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ

مجھے اُن کا فریب رفع نہ کریگا تو میں اُنکی طرف مائل ہوجاؤں گا اور جاہل

الْجٰهِلِيْنَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ

بن جاؤں گا یوسف کی دعا اُس کے رب نے قبول کی اُن عورتوں کے

عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

فریب کو یوسف سے دفع کر دیا کیونکہ وہ سننے والا جاننے والا ہے

تفسیر یوسف نے اگرچہ اس واقعہ کا اظہار کسی سے نہیں کیا لیکن عشق کو چھپایا نہیں جاسکتا مصر کی عورتوں کو اطلاع مل گئی کہ زلیخا کو یوسف سے عشق ہے۔ کچھ امیر زادیاں جن کی سرگروہ ساقی طباخ، منصرم اصطبل، جیلر اور شاہی حاجب کی بیویاں تھیں باہم کہنے لگیں سنا ہے کہ زلیخا اپنے غلام پر دل وجان سے عاشق ہے اور ہر طرح اُسکو ترغیب دیتی ہے مگر وہ قابو میں نہیں آتا۔ ہمارے نزدیک تو زلیخا کی یہ انتہائی غلطی ہے، عشق کا بھوت اُس پر بُری طرح سوار ہے وہ تو دیوانی ہوگئی ہے۔ ان عورتوں کا مقصود اس قول سے یہ تھا کہ انکشافِ حالت ہوجائے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ آخر وہ کیسا آدمی ہے کہ زلیخا باوجود بے مثل حسین ہونے کے اُس کے عشق میں دیوانی ہوئی جاتی ہے۔ زلیخا کو اس بات کی اطلاع مل گئی فوراً اُس نے ایک زنانہ مجلس آراستہ کی۔ یوسفؑ کو ایک جگہ چھپا دیا۔ سب عورتوں کی دعوت کی۔ ہر ایک کے ہاتھ میں پھل کاٹنے کے لئے ایک چھری دیدی اُدھر زلیخا کا اشارہ پاکر یوسف خلوت خانہ سے برآمد ہوئے اِدھر عورتوں کے ہوش پراگندہ ہوگئے اور بولیں حاشا کلّا یہ آدمی نہیں فرشتہ ہے نور مجسم ہے۔ چونکہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ فرشتہ نہایت نورانی مخلوق ہے۔ ممکن ہے اُس زمانہ میں بھی یہ خیال عام ہو اس لئے عورتوں نے حضرت یوسفؑ کے آدمی ہونے سے انکار کیا اور فرشتہ کہا۔ بعض مفسرین نے یہ مطلب بھی لکھا ہے کہ عورتوں نے کہا حاشا یہ شخص غلام نہیں، غلام ایسی دلفریب شکل کے مالک نہیں ہوتے۔ یہ تو کوئی معزز بادشاہ ہے۔ گویا اس صورت میں مَلَكٌ کا ترجمہ بادشاہ ہوگا۔ عورتوں نے مذکورہ الفاظ زبان سے بے ساختہ کہے اُدھر چھری ترنج پر چھوڑ چکی تھیں لیکن ترنج کٹنے کی بجائے ہاتھ کٹ گئے۔ ایسا ہوتا بھی ہے کہ جب انسان کسی وجہ سے انتہائی جوش یا مدہوشی میں ہوتا ہے تو جسمانی تکلیف کا اس کو احساس بھی نہیں رہتا۔ زلیخا کو موقعہ مل گیا اُس نے فوراً کہا ہاں یہ وہی شخص ہے جسکی چاہت میں میں گرفتار ہوں۔ اسی کے متعلق تم نے مجھ پر طعن کئے تھے۔ حسن صورت کے معائنہ میں جب سب عورتوں کو زلیخا نے شریک کرلیا اور سب نے اعتراف کرلیا اور زلیخا کو معذور سمجھا تو اس کے بعد یوسف کے حسن سیرت کو بیان کیا۔ کہنے لگی ہاں میں نے ہی اس کو اغوا کیا تھا۔ لیکن اس نے نہ مانا مجھسے بچا رہا۔ لیکن اب میں صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا تو ذلیل ہوگا اور جیل میں بھر دیا جائیگا۔ زلیخا نے جب ہر قسم کی ترغیب اور لالچ کی انتہا کر دی تو اب دھمکی اور ترہیب پر اُتر آئی کہ شاید اسی طرح کار برآری ہوجائے۔ لیکن جس کو خدا بچاتا ہے اور جو ازلاً معصوم ہوتا ہے اُس پر کوئی داؤں چل نہیں سکتا۔ حضرت یوسفؑ اپنے نفس کو بچاتے بچاتے تنگ آگئے تھے اُدھر عورتیں بھی زلیخا کی طرفداری میں یک زبان ہوگئی تھیں۔ مجبوراً آپ نے تمام عیش وعشرت میں لات ماری۔ خون نبوت جوش میں آیا اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کی پروردگارا یہ عورتیں مکار ہیں۔ زلیخا اصل طلب گار ہے اور دوسری عورتیں سفارشی ہیں۔ گویا بواعث جرم سب ہیں مجھے ان کے پنجہ سے نجات دے۔ میں جیل کو اس فعل شنیع پر ترجیح دیتا ہوں اور قید کو جانا پسند کرتا ہوں۔ اگر ایسے وقت میں تو میری مدد نہ کریگا اور ان کی مکاری کو دفع نہ کریگا تو شاید میں بھی نادانوں کا ایسا کام کر بیٹھوں اور اُنہی کے زمرہ میں میرا بھی شمار ہوجائے۔ خدا نے حضرت یوسفؑ کی دُعا قبول فرمالی۔ علماء نے لکھا ہے کہ امتحانِ مصائب پر آدمی کو دلیر نہ ہونا چاہئے۔ اگر یوسف قید خانہ کی التجا نہ کرتے تو بلا جیل کے عورتوں کے مکر سے رہائی مل جاتی لیکن طول مدت سے گھبرا کر آپ نے قید ہوجانے کو ہی پسند کیا۔

مقصود بیان: مصر کی عورتوں نے زلیخا پر طعن و تشنیع مکاری کے تحت کی تھی وہ خود یوسفؑ کو دیکھنے کی خواہشمند تھیں۔ حسن صورت اور شکل کی نظر فریبی انسان کے حواس کو مختل اور ہوش کو پراگندہ کر دیتی ہے اُس کو اپنے تن من کا ہوش نہیں رہتا۔ زلیخا نے حضرت یوسف کی پاکدامنی کی شہادت دی تھی۔ اللہ کے خالص بندے اُن اسباب عیش و

ذرائع راحت کو جو دوامی تباہی کا باعث اور معصیت الٰہی کا سبب ہوتے ہیں ٹھکرا کر مصائب و تکالیف کو پسند کرتے ہیں اُن کے نزدیک لذائذ گناہ سے آلام فرمان پذیری قابل ترجیح ہوتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو در پردہ نصیحت ہے کہ وہ دنیوی شوکت وجاہ اور لذت و نعمت جو اخروی تباہی کا سبب ہو ہرگز اختیار نہ کریں بلکہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ فاقہ مرنے قید ہونے اور گوناگون تکالیف برداشت کرنے کو قابل ترجیح سمجھیں۔ کسی عیش و عشرت کے پُر فریب جال میں نہ پھنسیں۔ آخری آیات بتا رہی ہیں کہ بُرائی کو دور رکھنے والا اور انسان کی عصمت کو بچانے والا بس اللہ ہی ہے۔ کافر ہو یا مؤمن سب کے کل امور اُسی کے دست قدرت میں ہیں۔ گناہ کرنا جاہل کا کام ہے اگرچہ دنیوی علوم میں وہ کتنا ہی ماہر ہو کتنا ہی عقلمند مشہور ہو مگر اللہ کا نافرمان جاہل ہی ہوتا ہے

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ

پھر نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد بھی اُن لوگوں کی رائے ہوئی کہ یوسف کو

لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ؏

ایک مدت کے لئے قید کر دیں۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ

یوسف کے ساتھ دو جوان اور بھی قیدخانے میں داخل ہوئے (ایک روز) ایک شخص نے

اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ

کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ شراب نچوڑ رہا ہوں دوسرے نے کہا

اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں

تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا

اور اُس میں سے پرندے کھا رہے ہیں ہماری نظر میں تم نیک آدمی ہو

نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا

ہمیں اس کی تعبیر بتا دو یوسف نے کہا جو کھانا تم کو ملتا ہے

طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ

اُس کے آنے سے پہلے پہلے میں تم کو اُس کی تعبیر بتا دوں گا

قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ

یہ منجملہ اُن باتوں کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے سکھائی ہیں

اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

کیونکہ میں نے ایسی قوم کا دین چھوڑ رکھا ہے جن کا اللہ پر ایمان نہیں ہے

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ وَاتَّبَعْتُ

اور نہ آخرت کو وہ مانتے ہیں اور اپنے

مِلَّةَ اٰبَاۗءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

باپ دادا ابراہیم اسحاق اور یعقوب کے دین پر میں چلتا ہوں

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

ہمیں کسی طرح شایاں نہیں کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک قرار دیں

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَي النَّاسِ

ہم پر اور سب لوگوں پر یہ اللہ کا فضل ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ○

مگر اکثر لوگ احسان نہیں مانتے

تفسیر زلیخا نے عزیز سے کہا یہ عبرانی مجھے پبلک میں رسوا کرتا پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ زلیخا نے مجھے بلایا تھا اور خود پاک دامن بنتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو اُس وقت تک جیلخانے میں رکھا جائے کہ یہ تذکرہ مٹ جائے۔ عزیز کو یوسف کی پاکدامنی شہادت کے ذریعے معلوم ہو چکی تھی لیکن غیرت اور آبرو کے تحفظ کے لئے اُس نے انصاف کو قربان کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مشیران کار سے پوچھا تو اُنھوں نے بھی قید کر دینے کا مشورہ دیا۔ بالآخر قید کو بھیج دیا۔ جس زمانے میں یوسف جیلخانہ گئے اُسی دوران میں اور دو آدمی اور بھی شاہی معتوب ہو کر قید ہوئے تھے۔ بقول قتادہ ایک ساقی تھا دوسرا باورچی یا منتظم مطبخ۔ محمد بن اسحاق نے ساقی کا نام بندا اور باورچی کا نام مجلت لکھا ہے۔ شیخ سدی نے بیان کیا ہے کہ ان دونوں پر بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کرنے کا الزام تھا چونکہ حضرت یوسف جیل خانہ میں مشہور ہو گئے تھے عبادت زہد پرہیزگاری خوش خلقی مروت وغیرہ صفات حسنہ میں جیل خانہ کے اندر آپ کا نظیر نہ تھا۔ اس لئے ان دونوں قیدیوں کو آپ سے خاص تعلق ہو گیا تھا۔ ہر دم آپ ہی کا دم

بھرتے تھے۔ حضرت نے فرمایا اللہ تم کو برکت دے مگر جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے میرے لئے اُس کی محبت مزید تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ پھوپھی نے مجھے پیار کیا تو مجھے ضرر پہنچا۔ باپ نے محبت کی تو مجھے تکلیف اٹھانی پڑی زلیخا نے محبت کی تو جیل خانہ نصیب ہوا۔ دونوں قیدیوں نے کہا حضرت ہماری محبت اختیاری نہیں ہم مجبور ہیں۔ الغرض ایک شب دونوں نے خواب دیکھا یا جھوٹا خواب بنا کر لائے تاکہ یوسف کی صداقت کی آزمائش کریں آپ نے تعبیر خواب سے پہلے اُس احسان کا اظہار فرمایا جو اللہ نے آپ کے حال پر فرمایا اپنی قوت قدسیہ اور روحانیت کو بھی بیان کیا۔ پھر انتہائی خوش اسلوبی سے دین حق کی تبلیغ اور توحید الٰہی کی تعلیم بھی دی اور ضمناً اس بات پر روشنی ڈالی کہ یہ علم خدا داد مجھے اسلئے عطا ہوا ہے کہ میں خالص موحد اور دین حق کا پیرو ہوں۔

مقصود بیان:- عزیز اور اُس کے اشراف والوں نے مشورہ کرنے کے بعد بمصلحت حضرت یوسفؑ کو قید کیا تھا۔ یوسفؑ جیل خانہ کے اندر بھی نیکوکار ہی رہے نہ شاہی محلات کا عیش اُن کو بدکار بنا سکا نہ جیل خانہ کے مصائب و شدائد۔ مسلمانوں کے لئے اس کے اندر سرمایۂ عبرت پوشیدہ ہے کہ توحید عصمت اور اصلاح عمل ایسی چیز ہے کہ نہ دنیا کی کوئی عشرت و رفاہیت اس کا مقابلہ کر سکتی ہے نہ شدید ترین تکلیف۔ لہٰذا نیکی کی طرف میلان اور بدی سے ہر حالت میں گریز مسلمان کا شعار ہونا چاہئے۔ مقولۂ اِنَّا نَرٰىكَ نقل کرنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نیکوکاری عجیب چیز ہے۔ موافق مخالف اور دشمن دوست سب نیک آدمی کے گرویدہ ہوتے ہیں۔ آغاز میں چاہے دشمنی کریں مذہبی مخالف ہوں مگر انجام کار حقانیت کا اقرار کرنا ہی پڑتا ہے۔ اپنے واقعی کمال کو بمصلحت وقت بغیر کسی فخر کے ظاہر کرنا جائز ہے جس طرح حضرت یوسفؑ نے کیا۔ مسلمان کا فرض ہے کہ انتہائی مصیبت میں گرفتار ہونے کے باوجود دین حق اور توحید الٰہی کی تبلیغ سے غافل نہ ہو جسطرح حضرت یوسفؑ جیلخانہ کے اندر بھی اعلانِ حقانیت سے غافل نہ رہے لیکن طریقۂ تبلیغ عاقلانہ ہو۔ دانشمندی کے ساتھ غیر محسوس طور پر مخاطب کے ذہن کو آہستہ آہستہ حق کی طرف کھینچے جیسے حضرت یوسفؑ نے کیا۔ اپنی صداقت اسرار الٰہیہ سے واقفیت اور دین حق پر استقامت کو فخریہ لہجہ میں نہ بیان کرے۔ بلکہ اگر کہیں بطور اظہار واقعہ کے بیان کرنا ہی ہو تو کہے کہ یہ محض اللہ کا فضل ہے ورنہ میں کیا اور میری طاقت کیا۔ حضرت یوسف نے بھی اپنے فضائل دینی اور کمالات روحانی کا اظہار کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ محض اللہ کی مہربانی ہے۔ وغیرہ

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ

اے میرے رفیقان جیل — کیا — متفرق — معبود

خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ

بہتر ہیں — یا اکیلا — باجبروت اللہ — تم اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ

صرف ناموں کی پرستش کرتے ہو جو تمہارے — اور تمہارے باپ دادا کے

اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

خود ساختہ ہیں — اللہ نے اُن کی دلیل نہیں نازل فرمائی

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ

حالانکہ حکومت سوائے اللہ کے کسی کی نہیں اسی نے حکم دیا کہ اسکے سوا کسی کی پرستش

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

نہ کرو یہی سیدھا مذہب ہے — لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ناواقف ہیں

تفسیر حضرت یوسفؑ تبلیغ کے طریقے کے ماہر تھے اور کیوں نہ ہوتے نبی تھے۔ نبی کے بیٹے اور نبی کے پوتے پر پوتے تھے۔ آپ نے ایسا نہیں کیا کہ دونوں قیدیوں کے باطل دیوتاؤں کو گالیاں دینے لگتے یا اُن کے اعتقادیات کی توہین کرتے بلکہ پہلے اپنے کمالات کا اظہار کیا پھر کمالات کا اصل سبب عقیدۂ توحید اور دین حق کی پابندی کو قرار دیا اس سے درپردہ دین کفر اور عقیدۂ شرک کا ابطال ہوا۔ پھر فرمایا ذرا غور کرو کہ معبود سینکڑوں ہیں کوئی چیچک کو دفع کرنے والا ہے کوئی پانی برسانیوالا کوئی ہوا چلانے والا کوئی دھوپ اور روشنی دینے والا۔ لیکن ان کے باوجود ایک معبود ایسا ہے جس کے قبضہ میں عالم کی ہر چیز یہاں تک کہ تمہاری ہستی بھی ہے تو پھر خود ہی غور کرو کہ دربدر ٹھوکریں کھانی اور ہر دیوتا کے سامنے جھکنا بہتر ہے یا اُس یگانہ بے ہمتا خدا کے سامنے جو سب پر غالب اور سب سے زبردست ہے۔ اس کے بعد آپ صاف مطلب پر اُتر آئے اور فرمایا یہ جتنے دیوتا تم نے بنا رکھے ہیں یہ سب بے حقیقت ہیں ان میں کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں۔ تم نے اور تمہارے اسلاف نے بس نام گھڑ لیئے ہیں جن کا مسمّیٰ معدوم ہے۔ ان کی الوہیت و ربوبیت کی عقلی دلیل تو ہو ہی نہیں سکتی۔ رہی نقل مذہبی تو وہ بھی مفقود ہے۔ اللہ نے ان کی خدائی کی کوئی دلیل و حجت نازل نہیں فرمائی۔ حقانیت و بطلان یا صدق و کذب کا فیصلہ کرنے والا سوا خدا

کے اور کوئی نہیں اور خدا نے ان کی حقانیت کی شہادت نہیں دی تو پھر ان کی کیوں پرستش کرتے ہو۔ محض اللہ کی پرستش کرو۔ اُس کا یہی حکم ہے۔

خاص نکتہ آیت اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ سے خوارج نے تقرر کے مسئلہ تحکیم و پنچ بنانے کی ممانعت پر استدلال کیا ہے اور روافض نے بھی خلافت کو منصوص قرار دینے اور اجماع کے ممنوع ہونے پر اسی آیت سے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر یہ ہر دو فریق کی غلط فہمی ہے۔ تحکیم اور پنچ بنانا ممنوع ہے اور ضرور ممنوع ہے مگر اُس وقت جبکہ پنچایت خلاف قانون الٰہی ہو اور احکام شرعیہ کو پس پشت ڈال کر فیصلہ کرے بالکل تحکیم کی ممانعت پر تو آیت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح حرمت اجماع اور تنصیص خلافت پر بھی اس سے استدلال ممنوع ہے۔ اگر اجماع آیات قرآنیہ کے خلاف ہو تو ضرور واجب الترک ہے لیکن اگر کسی مختلف فیہ حکم میں جسکی حرمت و حلت ظاہری آیات و احادیث سے نکلتی ہو یا احادیث میں تعارض و تناقض نظر آتا ہو یا بظاہر آیات میں باہم اختلاف محسوس ہوتا ہو اجماع اہل علم ہو جائے تو کونسی قباحت لازم آتی ہے۔ یہ تو خود حکم الٰہی کی اشاعت ہے۔ حاکم اور شارع تو بہرحال خدا ہے لیکن اُس کے حکم کو سمجھنے والے تو انسان ہیں۔ اگر عقلمند انسانوں کا اُس کے کسی خاص حکم پر انتہائی غور و خوض کے بعد اجماع ہو جائے تو کیا برائی ہے۔ حدیث میں تو صاف طور پر آیا ہے لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ۔ جب کسی زمانہ کے اہل الرائے اور اصحاب بصیرت نے باہم تبادلہ خیالات کے بعد کسی حکم الٰہی کا کوئی خاص مطلب سمجھ لیا اور سب نے اتفاق کر لیا کہ کلام الٰہی کا یہی مطلب ہے یا احادیث رسول میں فلاں مقدم فلاں مؤخر فلاں ناسخ اور فلاں منسوخ ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے اجماع کی مخالفت شرعاً کس طرح جائز ہے۔ اکثر ارباب فہم کی مخالفت تو سوائے کوتاہ فہم کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ سائنس کی تحقیقات اور آثار قدیمہ کے انکشافات تو نہیں کہ ہر شخص اپنی بد التحقیق کرے۔ یہ تو مسائل شرعیہ اور احکام نقلیہ ہیں۔ دین الٰہی کلام عربی میں ہے۔ عربی کلام نا فہم ہے۔ ایسی حالت میں کل علماء حق کی مخالفت اور قرن اول کے کل جلیل القدر صحابہ کی کمیٹی کی تردید احمقانہ فعل نہیں تو اور کیا ہے۔

مقصود بیان: حضرت یوسف کے طریقہ تبلیغ کو ظاہر فرما کر اہل اسلام کو در پردہ تلقین کہ عقائد حقہ اور دین حق کی تبلیغ احمقانہ طور پر نہ کرو بلکہ دلائل اور براہین کے ساتھ کرو اور دلائل کو بھی اس طرح بیان کرو کہ مخاطب کے ذہن میں جم جائیں اور اپنے عقائد کے خلاف سن کر بھی اُس کو ناگوار نہ ہو۔ آیت اِنِ الْحُكْمُ بتا رہی ہے کہ شارع اور حاکم بس اللہ ہی ہے۔ عالم کا نظم درست رکھنے کے لئے قانون عدل کو نازل کرنا اُسی کا کام ہے۔ یہ آیت آج کل کے مسلمان مجسٹریٹوں، ججوں اور بلیڈروں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو ہر بات کیا انگریزی ضابطہ فوجداری یا ضابطہ دیوانی کی تلاش کرتے ہیں اور احکام الٰہیہ کو ادنیٰ التفات نظر کا بھی مستحق نہیں سمجھتے۔ وغیرہ

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ

اے میرے رفیقان جیل تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب

خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ

پلائے گا اور دوسرے کو سولی دی جائیگی اور پرندے اُسکے سر کو

مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝

نوچ کر کھائینگے جس بات کی تم تحقیق چاہتے تھے اُس کا فیصلہ ہو چکا

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا

یوسف نے اُس شخص سے کہا جو اُس کے خیال میں رہا ہونے والا تھا

اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ

کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کر دینا لیکن شیطان نے آقا سے ذکر کرنا

ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝ ۱۵ ع

اُس کو فراموش کر دیا اس وجہ سے یوسف قید خانہ میں کئی سال رہا

تفسیر ہو سکتا تھا کہ حضرت یوسفؑ خواب کی تعبیر سوال کے اختتام کے وقت بیان کرنی شروع کر دیتے لیکن آپ نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ پہلے تبلیغ توحید کی۔ پھر خواب کی تعبیر شروع کی۔ وجہ یہ تھی کہ طباخ کا خواب ہلاکت آفرین تھا۔ تین روز کے بعد اُس کی موت مقدر تھی اگر پہلے سے تعبیر دیدیتے تو وہ پھر توحید اور دین حق کی کوئی بات نہ سنتا۔ موت کا غم اُس پر مسلط ہو جاتا اور بالآخر بے ایمان مرتا۔ حضرت کو یہ منظور نہ تھا اسلئے پہلے احکام حق پہنچائے پھر تعبیر دینی شروع کی تعبیر سننے کے بعد (بروایت ابن کثیر بحوالہ قول ابن مسعود و مجاہد و عبد الرحمٰن بن زید) دونوں قیدیوں نے کہا کہ ہم نے تو یونہی جھوٹی بات بنائی تھی کوئی خواب نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو (تمہارا مقصود رہائی کے متعلق دریافت کرنا تھا تو) اللہ کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا (خواب دیکھنے نہ دیکھنے کو اس میں کوئی دخل نہیں) میرے نزدیک ابن کثیر کی روایت نہایت ضعیف ہے۔ اکثر اہل تحقیق نے اسکی تضعیف کی ہے۔ لہذا صحیح یہی ہے کہ قیدیوں نے واقعی خواب دیکھا تھا۔ غرض تعبیر خواب کے بعد حضرت یوسفؑ نے ساقی سے کہا کہ تو جب فرعون کے پاس پہونچے تو میرا بھی تذکرہ کرنا اور بے قصور ہونا ظاہر کرنا۔ حضرت یوسفؑ نے خود ہی جیل کی درخواست کی تھی اور قید ہونے کی بارگاہ الٰہی میں دعا کی تھی مگر قید کی مصیبت سے اتنے تنگ آ گئے تھے کہ خدا سے دعا کرنے کی بجائے ساقی

سے سفارش کے خواستگار ہوئے۔ یہ بات مرتبۂ نبوت کے خلاف تھی کہ اللہ کو یہ امر پسند نہ آیا کہ اُس کا خاص بندہ دوسروں سے التجا کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساقی کو مدت تک یوسفؑ کی یاد ہی نہ آئی۔

امام رازی نے فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یوسفؑ نے ساقی سے درخواست سفارش کی۔ شیطان نے اُس وقت اللہ کی یاد سے اُن کو غافل کردیا جس کا پھل یہ ملا کہ چند سال مزید جیل میں رہنا پڑا ساقی کی رہائی تک پانچ سال گذرے تھے۔ اس کے بعد تین یا پانچ یا سات سال اور گذارنے پڑے۔ کل میعاد قید آٹھ یا دس یا بارہ سال کی ہوئی۔ وہب بن منبہ کے قول کے بموجب سات سال اور ضحاک (از ابن عباس) کی روایت بارہ سال قید میں رہے۔ واللہ اعلم

مقصود بیان:۔ آیت قُضِيَ الْاَمْرُ الخ بتارہی ہے کہ خواب صرف ذریعۂ علم ہے خود مؤثر نہیں۔ جو کچھ ہونا ہوتا ہے اُس کا فیصلہ پہلے سے اللہ کی طرف سے ہوجاتا ہے جس کا علم خواب کے ذریعہ سے آدمی کو ہوتا ہے اور خدا کے خاص بندوں کو دوسرے انکشافی ذرائع سے بھی معلوم ہوجاتا ہے جس طرح حضرت یوسفؑ کو معلوم ہوگیا۔ خاص بندوں کی معمولی لغزش بھی قابلِ گرفت ہوتی ہے۔ جن کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اُن کی گرفت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ محض ساقی سے سفارش کرانے پر حضرت یوسفؑ کو مزید قید میں رہنا پڑا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ

(بالآخر) بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں

يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ

جن کو سات دبلی گائیں کھا جاتی ہیں اور سات سبز بالیاں

خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ

ہیں اور دوسری (سات) خشک بالیاں ہیں اے اہلِ دربار اگر تم خواب کی

فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ

تعبیر دیا کرتے ہو تو میری خواب کی تعبیر دو

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ

درباری والے بولے یہ تو پریشان خیالات ہیں اور ہم خیالات کی

الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ

تعبیر نہیں جانتے

تفسیر بیضاوی نے ان آیات کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ شاہِ مصر نے خواب میں دیکھا کہ ایک خشک نہر سے موٹی تازی سات گائیں نکلیں اور اسی نہر سے سات دبلی گائیں برآمد ہوئیں دبلی گائیں موٹی گائیوں کو کھا گئیں۔ اسی طرح سات سبز اور سات خشک بالیاں دیکھیں یہ خواب دیکھ کر بادشاہ خوف زدہ ہوگیا۔ اشراف والوں سے تعبیر دریافت کی۔ انہوں نے اس خواب کو خواب پریشان بتایا اور تعبیر دینے سے انکار کردیا۔ انتہیٰ۔ عام طور پر خواب کی حالت میں بھی دماغ اپنا کام کرتا رہتا ہے خواہ صحیح یا غلط۔ بیداری کی حالت میں جو صورتیں آدمی کے خیال میں جمع ہوجاتی ہیں اُنہی کو خواب کی حالت میں وہ الٹ پلٹ کیا کرتا ہے۔ اگر دماغ یا معدہ میں کوئی فاسد مادہ ہوتا ہے تو اُس کی کیفیت عجیب طرح سے نظر آتی ہے مثلاً کسی کو نزلہ زکام ہے یا دماغ میں بلغم بڑھ گیا ہے تو خواب میں دیکھتا ہے کہ دریا میں تیر رہا ہوں یا بارش ہو رہی ہے یا طوفان آرہا ہے یا کوئی شراب پی کر یا کوئی تیز چیز کھا کر سویا اور صفرا میں حرکت پیدا ہوئی تو خواب میں دیکھتا ہے کہ آگ جل رہی ہے یا ہوا میں اُڑا جا رہا ہوں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب معدہ اور دماغ اصلی حالت پر ہے۔ قوت متخیلہ نفس ناطقہ کے افعال میں دخل بھی نہیں دے رہی ہے۔ قوت متصرفہ کی کارگذاری بھی درست ہے تو انسانی دماغ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ نفس ناطقہ کی توجہ عالم قدس کی طرف ہوتی ہے۔ آئندہ پیش ہونے والے واقعات کی جو کیفیت وہاں نقش ہوتی ہے نفس اُسکو دیکھتا اور سمجھتا ہے پھر کبھی تو بالکل اصل کیفیت منفصل طور پر دماغی حواس کو بتا دیتا ہے جیسا کہ صریح خواب میں ہوتا ہے اور کبھی عالم قدس کے معلومات کے مناسب مادی اشیاء کو تلاش کرکے اور موزون مادی لباس پہنا کے دماغ کے سامنے پیش کرتا ہے یہ خواب قابل تاویل اور محتاج تعبیر ہوتا ہے۔ جس وقت آدمی بیدار ہوتا ہے تو اُس کے دماغ میں اصل واقعات تو ہوتے نہیں البتہ اُن واقعات کے مناسب صورتیں اور مادی جامے ہوتے ہیں جن کا تعبیری علم ہر شخص کو نہیں ہوسکتا خاص خاص علم رکھنے والے واقف ہوتے ہیں مثلاً زبیدہ نے خواب دیکھا کہ بے انتہا آدمی مجھ سے قربت کر رہے ہیں بظاہر خواب نہایت مکروہ ہے مگر اہلِ تعبیر نے تفسیر کی کہ تم کوئی ایسا کارِ خیر کروگی جس سے ہمیشہ کثرت لوگ فیض یاب ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ زبیدہ نے ایک نہر کھدوائی اور آج تک عرب کے مختلف اطراف کے رہنے والے اُس سے سیراب ہوتے ہیں اور اب تک یہ خیر جاری باقی ہے۔ فرعون کے خواب کو کاہنوں اور نجومیوں نے خواب پریشان کہا کیونکہ اصل حقیقت سے وہ آگاہ نہ تھے لیکن بادشاہوں کے خواب لطافت معدہ اور لطافت دماغ کی وجہ سے اکثر صحیح ہوتے ہیں چنانچہ یہ خواب بھی صحیح تھا۔

رحیم اور محافظ تو اللہ ہی ہے آدمی کی رحمت و شفقت اور نگہداشت حفاظت ظاہری ہے یہی تؤتون موثقا الخ سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص سے اس کی صداقت پر پختہ قسم اور پابندی ضمانت بھی صحیح ہے۔ اللہ علی ما نقول وکیل کا مضمون دلالت کر رہا ہے کہ ہر بات پر اللہ کو گواہ کرنا صحیح ہے اور عظمت کبریائی کی نگہداشت سب سے اعلیٰ ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو نظر بد سے بچنے کی جو تدبیر بتائی اس سے مسلمانوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہئے اور علم و عقل کے امکانی اسباب پر کاربند ہونا لازم ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یقین رکھنا چاہئے کہ مدبر و مؤثر اور فاعل حقیقی محض ذات الٰہی ہے اُسی کے تصرفات عالم میں جاری ہیں کوئی تدبیر اُس کے حکم کو بدل نہیں سکتی مگر کورانہ توکل اور اسباب کو بالکل ترک کر دینا بھی خلاف عقل و شرع ہے۔ وغیرہ۔

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ

الحاصل وہ باپ کی ہدایت کے موافق داخل ہوئے

مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِلَّا

مگر یہ فعل اللہ کے حکم سے بالکل نہیں بچا سکتا تھا صرف

حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ

یعقوب کے دل میں ایک خطرہ تھا جسکو انہوں نے پورا کر لیا مگر وہ بلاشبہہ

لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ

صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے اُن کو تعلیم دی تھی اور اکثر

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ ع

لوگ ناواقف ہیں

تفسیر آیات کا مطلب صاف ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی حسب ہدایت والد مصر میں گئے لیکن والد نے شفقت پدری کے اقتضا کو پورا کیا تھا۔ نہ واقع میں اُن کو حقیقت معلوم تھی۔ امام نخعی نے بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب کو معلوم تھا کہ عزیز مصر میرا بیٹا یوسف ہے لیکن آپ کو اجازت نہ تھی کہ اس راز کو ظاہر کریں۔ اس روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انبیاء و اولیاء کو کچھ باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جن کو ظاہر کرنے کی اُن کو اجازت نہیں ہوتی خواہ قطعاً چھپانے کی تاکید ہوتی ہے یا صریح بیان کی اجازت نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود ان کا ظاہری برتاؤ ایسا ہوتا ہے کہ گویا بالکل واقف نہیں ہیں۔

آیت وانہ لذو علم لما علمنٰہ کی تفسیر میں بعض واقفان اسرار نے بیان کیا ہے کہ علوم پانچ طرح کے ہوتے ہیں:- (۱) دنیا حاصل کرنے کے لئے تجارت صنعت و حرفت وغیرہ (۲) انتظام دنیوی کے لئے کل قوانین سیاست اور ضوابط انتظام اس میں داخل ہیں (۳) وہ علم جو موجب زینت ہے طبیعت میں جولانی اور تحقیقات عالم کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ تمام علوم طبعیہ و الٰہیہ اسی میں داخل ہیں۔ (۴) وہ علم جس سے زہد عبادت مجاہدہ خطرات نفس سے بچاؤ اور اوامر و نواہی کی واقفیت ہو جائے۔ یہ ظاہری شرائع کا علم ہے (۵) وہ علم جو آزادی اور انقطاع کے لائق ہو اور شاہد مقصود سے ہم کنار کر دے۔ یہ شریعت کا مغز ہے لیکن اس میں دھوکہ اور غلطی بہت ہو جاتی ہے صحت و غلطی کو جانچنے کا معیار ظاہر شریعت کی مطابقت و عدم مطابقت ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے جس علم کی صراحت خدا تعالیٰ نے فرمائی اُس سے علم کا یہ آخری مرتبہ مراد ہے جو محض عطیہ ربانی ہے

مقصود بیان:- آیات بتا رہی ہیں کہ صرف ظاہری اطمینان کے لئے تدبیر کرنی اگرچہ ناجائز نہیں مگر حقیقت پر نظر رکھنی لازم ہے۔ اکثر لوگ اپنی ہیکموں اور تدبیروں پر مغرور ہو جاتے ہیں اور کارخانہ قدرت کے اندرونی حقیقی کارساز سے غافل ہوتے ہیں۔ اہل معصیت کو ایسا نہ ہونا چاہئے۔ وغیرہ۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ

جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی

قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا

اور کہا میں بلاشبہہ تیرا بھائی ہوں جو حرکات یہ کرتے رہے ہیں

كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

تو اُن سے رنجیدہ نہ ہو

تفسیر درمیانی قصہ کلام پاک میں نہیں بیان کیا۔ کھانے پر دو دو بھائیوں کو ساتھ بٹھانا اور بن یامین کا تنہا رہ جانا اور یوسف کا اس کو اپنے ساتھ یہ کہہ کر بٹھانا کہ تم مجھے اپنے بھائیوں کی بجائے سمجھو اور پھر بنیامین کا یوسف سے اپنے بھائیوں کی سرد مہری کی شکایت کرنا اور حقیقی بھائی کو پر حسرت لہجہ میں یاد کرنا کچھ نہیں بیان کیا گیا۔ سراج و معالم میں تفسیر آیات کے ذیل میں مفصل واقعہ موجود ہے۔ ہم بھی ابتدا میں لکھ آئے ہیں دوبارہ لکھنا موجب طوالت ہے۔ یہاں یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ اگر یوسف بنیامین کو اچانک اطلاع دیتے تو شادی مرگ ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے بتدریج آگاہ کیا۔ پھر یہ آزمائش بھی مقصود تھی کہ بھائیوں کا برتاؤ بن یامین کیساتھ کیسا ہے۔ واقعی وہ اس کو اپنا چھوٹا بھائی جانتے ہیں یا وہی سوتیلے کا برتاؤ کرتے ہیں جب سب بھائی دو دو ہو کر بیٹھ گئے اور بن یامین کو تنہا چھوڑ دیا۔ تو ان کی محبت کی حقیقت بھی آشکارا ہو گئی۔

مقصود بیان: آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سب سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی اطلاع بن یامین ہی کو دی۔ بن یامین کو کچھ شک ہوا تو مؤکد طور پر فرمایا میں درحقیقت تیرا بھائی ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ یوسف کے اس برتاؤ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آدمی فطرتاً حقیقی بھائی سے جتنی محبت رکھتا ہے اتنی غیر حقیقی سے نہیں رکھتا۔ گویا نسب کا قرب، بعد محبت کی زیادتی و کمی کا سبب ہے۔ وغیرہ۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ

پھر جب اُن کا سامان تیار کر دیا تو ایک کٹورا اپنے بھائی کی خورجین

فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا

میں رکھوا دیا اور منادی نے ندا دی کہ

الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ○ قَالُوا وَأَقْبَلُوا

قافلہ والو تم ضرور چور ہو وہ اُن کی طرف منہ کر کے

عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ○ قَالُوا نَفْقِدُ

بولے تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے انہوں نے کہا شاہی پیانہ

صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ

ہم کو نہیں ملتا جو شخص اُس کو لائیگا اُسکو ایک بار شتر کا ملیگا

وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ○ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُم

اور میں اُس کا ضامن ہوں یہ بولے تم کو معلوم ہے کہ

مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ○

ہم اس ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے اور نہ ہم کبھی چور رہے

تفسیر مفصل قصہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ ان آیات میں بھی کچھ اختصار کے ساتھ اُسی کا بیان ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ وہ برتن جو بنیامین کے کجاوہ میں چھپایا گیا تھا۔ ابن اسحاق اور اکثر علماء کے قول کے بموجب چاندی کا تھا۔ بعض نے سونے کا ہونا ظاہر کیا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں چاندی کا تھا اور اُس کو غلہ ناپنے کا پیمانہ بنا دیا گیا تھا اور مرصع بجواہر تھا۔ ابن زید کا قول ہے کہ وہ پانی پینے کا کٹورا تھا۔ مگر اُس وقت اُس سے غلہ ناپا جاتا تھا۔ ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ صُوَاعَ الْمَلِكِ چاندی کا تھا اُس سے پانی پیتے تھے اور اتنا تھا جتنا عرب میں مکوک ہوتا ہے۔ اور حضرت عباس کے پاس اسلام سے پہلے ایسا ہی پیالہ تھا۔ ان تمام روایات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سقایہ اور صواع ایک ہی چیز تھی۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ منادی نے قافلہ والوں کو ندا دی کہ تم چور ہو کیا محض شبہ کی بناء پر کسی کو چور کہنا جائز ہے اور پھر حضرت یوسف کو تو معلوم تھا کہ بنیامین کے کجاوہ میں پیالہ میں نے خود پوشیدہ کرایا ہے۔ ایسی صورت میں تو کسی پر چوری کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ رازی نے اس کا جواب دیا ہے کہ جب پیالہ گم ہو گیا تو حضرت یوسف نے خود آدمی بھیج کر کہلوایا کہ پیالہ قافلہ والوں میں سے کسی کے پاس ہو گا۔ یا خود شاہی خادموں کا اُدھر خیال گیا۔ بہرحال آدمی دوڑا اور اُس نے بغیر اجازت یوسف کے یہ الفاظ کہہ کر قافلہ والوں کو پکارا۔ آپ نے نہ اجازت دی اور نہ رضامندی ظاہر کی۔ قرآن میں صرف اتنا مذکور ہے کہ یوسف نے پیالہ پوشیدہ کرا دیا یہ نہیں ہے کہ آواز بھی خود لگوائی۔

مقصود بیان:۔ بادشاہ کا فرض ہے کہ رعایا کے فقر و فاقہ کی خبر گیری رکھے اور نہ فقط اپنی رعایا کی بلکہ اُس کی سلطنت میں آنے والا کوئی مسافر بھی بھوکا نہ مرے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ مسافروں کے اہل و عیال کے لئے کچھ سہارۂ معاش اُن کے ساتھ کر دے جس طرح حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیا۔ اگر حسن تدبیر سے کوئی لطیف حیلہ کیا جائے جس سے کسی کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو بلکہ فائدہ پہنچانا ہو تو جائز ہے۔ جیسا حضرت یوسف نے بنیامین کے کجاوہ میں پیالہ پوشیدہ کرا دیا تھا۔ چور کو دریافت کرنے کے لئے مشتبہ لوگوں کی تلاشی جائز ہے اور تلاش کے لئے کسی خاص شخص کو مامور کرنا بھی درست ہے۔ اگر کوئی شخص واقعی مجرم ہو اور اُس کے اس جرم کا انکشاف نہ ہو سکے تو اغلب ہے کہ اسی قسم کے کسی اور جرم میں وہ مشتبہ قرار دیا جائے اگرچہ اُس نے یہ دوسرا جرم نہ کیا ہو۔ جس طرح برادران یوسف نے یوسف کو بطور سرقہ فروخت کر دیا اور اُن کا جرم ابتداء میں نہ کھلا لیکن شاہی پیمانہ چوری ہونے پر اُن کو سارق کہا گیا باوجودیکہ سارق نہ تھے۔ یہ جرم اول کی فطرتی سزا تھی۔ حصول وصال اور نیل سعادت کے بعد دنیا کی ہر ملامت و سرزنش اور ہر بدترین خطاب، آدمی کو ہیچ معلوم ہوتا ہے اُس پر کسی لعن و تشنیع اور سزا کے الفاظ کا اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ بنیامین کو جب بھائی کا وصال حاصل ہو گیا تو دوسرے بھائیوں کی سرزنش و نکوہش اور شاہی آدمیوں کا اُن کو سارق کہنا کوئی چیز اُن کی ناگواری کا باعث نہ بنی۔ اس میں ایماء ہے اس بات کی طرف کہ جو لوگ قرب الٰہی میں پہونچ جاتے ہیں اور اُن کو لذت وصال حاصل ہو جاتی ہے اُن کو دنیا کے نابینا اور بدباطن لوگ کچھ بھی کہیں مکار یا ہوس پرست یا مجنون و دیوانہ کے لقب سے یاد کریں مگر اُن کو اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ وغیرہ

قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِن كُنتُمْ كَاذِبِينَ ○

شاہی آدمیوں نے کہا اگر تم جھوٹے ہو تو چور کی کیا سزا ہے؟

قَالُوا جَزَاؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ

انہوں نے کہا سزا یہ ہے کہ جس کی خورجین میں پیمانہ پایا جائے وہی شخص

جَزَاؤُهُ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ○

اُس کا عوض ہے ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ

پھر یوسف نے اپنے بھائی کی خورجین سے پہلے اُن کی خورجینوں کی تلاشی شروع کی

اسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَاءِ أَخِيهِ ۚ كَذَٰلِكَ

اور بعد کو وہ پیمانہ اپنے بھائی کی خورجین سے نکال لیا ہم نے

كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ

یوسف کو یہ تدبیر بتائی تھی کیونکہ شاہی قانون میں وہ اپنے بھائی

فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ

کو نہ لے سکتا تھا ہاں اگر مشیتِ خدا ہوتی تو خیر

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ

ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر

ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ○

جاننے والے سے بڑھ کر جاننے والا ہے

تفسیر جب منادی کی ندا سن کر بھائیوں نے اپنی برأت ظاہر کی اور بولے ہم اہلِ تقویٰ ہیں مفسد نہیں ہیں چوری ہمارا شیوہ نہیں ہے تو شاہی چوبداروں نے کہا اگر تمہاری چوری ثابت ہو جائے تو تم کیا سزا تجویز کرتے ہو؟ اہلِ قافلہ نے کہا جس کے سامان میں پیمانہ برآمد ہو جائے اُس کو غلام بنا لیا جائے۔ چور کو سزا دینے کا ہمارے ہاں یہی دستور ہے۔ قانونِ مصر میں اگرچہ چور کو غلام بنانے کی سزا نہ تھی مگر برادرانِ یوسف نے اپنی شریعت کے مطابق یہ سزا تجویز کی گویا چوری سے اپنا بری ہونا نہایت بے باکی سے ظاہر کیا۔ غرض تفتیش شروع کی گئی۔ سب سے پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی۔ آخر میں بنیامین کا سامان کھولا اُس میں پیمانہ برآمد ہوا نتیجہ میں وہ سزا تجویز کی گئی جو اہلِ قافلہ نے خود بیان کی تھی اور بنیامین کو روک لیا گیا آیت كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ کے ذیل میں ابن اعرابی نے کہا کہ کید کے

معنی ہیں تدبیر کرنا خواہ کسی حق مقصد کے لئے ہو یا باطل کے لئے۔ یوسف نے جو تدبیر کی وہ حق مقصد کے لئے تھی۔ تفسیر سراج میں ہے کہ مخلوق کا کید تو حیلہ اور مکر ہوتا ہے اور اللہ کا کید تدبیرِ حق کا نام ہے۔

مقصودِ بیان:- آیات سے ثابت ہے کہ کسی کا حق ضائع کرنے کے بغیر حیلہ اور تدبیر کرنا جائز ہے۔ قانونِ مصر میں چور کی سزا غلامی نہ تھی بنیامین کو روکنے کی تدبیر حضرت یوسف کو الہام سے معلوم ہوئی۔ حضرت یوسف کو اپنے بھائیوں پر بہت زیادہ فضیلت حاصل تھی۔ معیارِ فضیلت علم ہے اور بھائی بھی عالم تھے مگر یوسف سب سے زیادہ عالم تھے۔ دنیا میں کسی کو کمالِ علمی حاصل نہیں ہر عالم سے بڑھ کر عالم ہوتا ہے۔

قَالُوا إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ

یہ لوگ کہنے لگے اگر اس نے چوری کی تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی

مِن قَبْلُ ۚ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ

چوری کر چکا ہے یوسف نے اپنے دل میں اس بات کو چھپا رکھا

وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ أَنتُمْ شَرٌّ

اُن پر ظاہر نہ کیا اور بولے تم بُرے درجے کے

مَّكَانًا ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ○

آدمی ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اُس کو اللہ خوب جانتا ہے

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا

یہ بولے اے عزیز! اس کا ایک

شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۖ إِنَّا

بوڑھا باپ ہے اس لئے اسکی بجائے ہم میں سے کسی کو پکڑ لیجئے ہم

نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ○ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ

جانتے ہیں آپ بھلائی کرنے والے ہیں یوسف نے کہا خدا بچائے

أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ

کہ ہم سوا اُس کے جس کے پاس ہم کو اپنا سامان ملا ہے اور کسی کو پکڑیں

إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ ○ ع

اگر ایسا کریں گے تو ہم ظالم ہوں گے

تفسیر

پہلے تو برادران یوسف نے نہایت بے باکی سے کہا تھا کہ جس کے پاس پیمانہ برآمد ہو اُس کو گرفتار کر کے غلام بنا لیں لیکن جب بنیامین کے سامان میں برآمد ہوا تو شرمندہ ہوئے تو بنیامین کو طعن و سرزنش کرنے کے بعد عزیز سے کہا بے قصوری اور بنیامین کا سوتیلا پن ظاہر کرنے کے لئے غصہ میں آ کر کہا یوسف اگر یہ شخص اب چوری کرتا ہے کچھ تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا (ماجایا) بھائی بھی چوری کر چکا تھا۔ سعید بن جبیر نے بروایت قتادہ بیان کیا ہے کہ یوسف نے اپنے نانا کا بت چرا کر توڑ ڈالا تھا۔ محمد بن اسحاق نے بروایت مجاہد بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب کی ایک بڑی بہن تھی اور اولاد ابراہیم کا دستور تھا کہ حضرت ابراہیم کی کمر کا پٹکا (جو بہت متبرک سمجھا جاتا تھا) بڑی اولاد کو ملا کرتا تھا خواہ لڑکا ہو یا لڑکی چنانچہ یہ پٹکا حضرت اسحاق کے توسط سے حضرت یعقوب کی بڑی بہن کو ملا تھا پھوپھی نے یوسف کو گود لے لیا تھا۔ یعقوب کو یوسف کی جدائی کی تکلیف ہوئی تو وہ بہن کے پاس یوسف کو لینے گئے۔ بہن کو یہ بات منظور نہ تھی اُنہوں نے یوسف کو روکنے کی ایک تدبیر کی۔ حضرت اسحاق کا پٹکا چھپا کر یوسف کی کمر میں باندھ دیا۔ جب حضرت یعقوب یوسف کو لیجانے لگے تو بہن نے وہی پٹکا تلاش کیا۔ ہوتے ہوتے یوسف کے پاس برآمد ہوا۔ یعقوب مجبور ہو گئے کیونکہ شریعت کا دستور یہی تھا کہ جس کے پاس چوری کا مال برآمد ہو اُس کو صاحب مال روک سکتا تھا۔ بہن نے یوسف کو روک لیا۔ برادران یوسف نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا۔ مجاہد نے یہ قصہ اسرائیلیوں کی کتابوں سے اخذ کر کے بیان کیا ہے واللہ اعلم صحیح ہے یا غلط۔ تفسیر سراج میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت یوسف نے گھر کی ایک مرغی پکڑ کر فقیر کو دیدی تھی۔ وہب کا قول ہے کہ دسترخوان کا کھانا چھپا کر آپ فقیروں کو دیدیتے تھے۔ ابن انباری کہتے ہیں کہ ان کیوں واقعات میں سے کوئی فعل بھی سرقہ نہیں تھا مگر بھائیوں نے غصہ میں عار دلانے کے لئے اُس کو سرقہ قرار دیا۔ بہرحال یوسف کو بھائیوں کی زبان سے حسد آمیز تہمت آمیز کلام سُن کر بھی غصہ نہ آیا۔ آپ نے دل ہی دل میں کہا تم نے تو اس سے بھی بڑھ کر خیرات کی تھی یعنی اس نے پیمانہ چرایا۔ یا اس کے بھائی نے پٹکا چرایا تھا تو تم نے زندہ آدمی کو چرا کر غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ جب سب بھائی مجبور ہوئے اور دیکھا کہ یہاں کسی طرح دال گلتی نظر نہیں آتی تو عاجزانہ طرز میں کہنے لگے جناب والا اس کا باپ بہت بوڑھا ہے اُس کی اس سے اُنس ہے مہربانی فرما کر اس کو چھوڑ دیجئے اور اس کی بجائے ہم میں سے کسی ایک کو روک لیجئے۔ یوسف نے جواب دیا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہم تو اُسی کو پکڑیں گے جس کے پاس ہمارا مال برآمد ہوا ہے دوسرے کو پکڑنا تو قطعاً ظلم ہے۔

زمخشری اور بیضاوی نے کہا ہے کہ یوسف کی اصل مراد یہ تھی کہ اللہ نے بذریعہ وحی مجھے حکم دیا ہے کہ جس کے پاس پیمانہ برآمد ہو اُس کو گرفتار کر لوں۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنا ظلم ہے۔ ابن عادل نے لباب میں بیان کیا ہے کہ گویا اللہ نے یوسف کو اس بات کا حکم دیا تھا اور کسی مراعات کرنے سے جو بنیامین کی رہائی کے متعلق ہو منع کر دیا تھا۔

مقصود بیان:- امام رازی نے بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ جب حاسد اپنے حسد سے کوئی فعل کرتا ہے تو باوجود تکمیل فعل کے پھر بھی اس کے دل میں محسود کی طرف سے آگ جلتی رہتی ہے۔ دیکھو بھائیوں نے یوسف کو صرف حسد کی بنا پر کنوئیں میں ڈالا پھر غلام بنا کر فروخت کیا مگر حسد کی آگ نہ بجھی۔ مدت دراز کے بعد بھی طعن آمیز جملہ کہہ گذرے۔ پھر حضرت یوسف کی عالی ہمتی اور عاقلانہ حکومت بھی دیکھنی چاہئے کہ اپنے منہ پر جھوٹی تہمت سنتے ہیں اور زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ سچ ہے ہر شخص کا حوصلہ جدا ہے۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اس کے اندر مسلمانوں کو درس دیا گیا ہے کہ حاسدوں کی حسد کی پرواہ نہ کریں اور اُن کی دریدہ دہنی کا مقابلہ بیہودہ گوئی سے نہ کریں۔ خواص شامی نے اپنے وعظ میں اس قصہ کے ذیل میں فرمایا تھا کہ اس واقعہ میں تنبیہ ہے اس بات پر کہ نصیحت کرنے والا لوگوں کی زبان درازی برداشت کرے جو محض جہالت اور تہمت ہو گی جو زبان سے [illegible]

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ

غرض جب یہ نا امید ہو گئے تو مشورہ کرنے کیلئے الگ ہو بیٹھے — بڑا

كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ

بولا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے — تم سے

عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا

خدا کا پختہ قول قرار لے لیا تھا — اور اس سے پہلے تم

فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ

یوسف کے بارہ میں تقصیر کر چکے ہو — میں تو ہرگز اس ملک سے نہیں ٹلوں گا

حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي

تا وقتیکہ میرے باپ مجھ کو اجازت نہ دیں یا خدا حکم نہ دیدے

وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝ ارْجِعُوا إِلَىٰ أَبِيكُمْ

وہی بہترین حکم دینے والا ہے — تم لوگ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر جاؤ

فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا

اور ان سے کہو کہ ابا تمہارے بیٹے نے — چوری کی — اور ہم نے

شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ○

وہی کہا تھا جس کی ہم کو خبر تھی غیب کی باتوں کے ہم نگراں نہ تھے

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي

جس بستی میں ہم تھے اس سے اور جس قافلہ میں ہم آئے ہیں اس سے

أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ○

پوچھ لو اور ہم بلاشبہ سچے ہیں

تفسیر آیات کا مطلب صاف ہے۔ چند امور تشریح طلب ہیں:۔

(۱) بڑے بھائی سے کونسا بھائی مراد ہے؟ بیضاوی، معالم اور اکثر تفسیر والوں نے روبیل مراد لیا ہے۔ مفسر سراج نے کہا کہ شاید عقل میں بڑا مقصود ہو جو شمعون تھا۔ ابن کثیر کے نزدیک یہودا مراد ہے۔ اسی نے قتل یوسفؑ سے بھائیوں کو روکا تھا۔

(۲) بڑے بھائی نے کہا میں تو یہاں سے ہٹ نہیں سکتا جب تک باپ اجازت نہ دیں یا اللہ مجھے حکم نہ دے۔ اہل ظاہر نے اس سے استخراج کیا کہ یوسفؑ کے بھائی بھی پیغمبر تھے ورنہ براہ راست اللہ کے حکم دینے کے کیا معنی۔ میرے نزدیک یہ غلط فہمی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بڑے بھائی نے کہا یا تو باپ اپنی طرف سے بغیر وحی کے مجھے اجازت دیں اور مجھے معذور سمجھیں یا اللہ اُن پر وحی نازل فرمائے جس سے ہماری بے قصوری ثابت ہو۔ ان دو باتوں کے بغیر میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔

(۳) بیضاوی نے اس موقع پر ایک روایت نقل کی ہے کہ برادرانِ یوسفؑ نے جب بنیامین کی رہائی کے لئے اصرار کیا اور عزیز مصر نے کسی طرح نہ چھوڑا تو سب کو غصہ آیا۔ غصہ کے مارے روبیل کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بولا اے عزیز قسم ہے خدا کی یا تو ہمارے بھائی کو چھوڑ دے یا میں ایسی چیخ ماروں گا کہ حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے۔ یوسفؑ نے اپنے چھوٹے بچے کو حکم دیا کہ چپکے سے جا کر روبیل کو ہاتھ سے چھو دے۔ بچے نے حکم کی تعمیل کی۔ روبیل کا غصہ فوراً فرو ہو گیا کیونکہ اولاد اسرائیل کا دستور رہی یہ تھا کہ جب کسی کو غصہ آتا اور نسل یعقوب کا کوئی فرد اُن کو ہاتھ لگا دیتا تو غصہ زائل ہو جاتا۔ روبیل بولا یہاں تخم یعقوبؑ سے کوئی شخص ضرور ہے۔ تفسیر سراج وغیرہ میں یہ روایت مفصل مذکور ہے۔ مگر محض غلط اور اسرائیلیوں کی تصنیف کردہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے صاف فرما دیا تھا کہ یہودی بہتان تراش قوم ہے۔ بات یہ تھی کہ بنی ہاشم میں پیدائشی اثر یہ چلا آتا تھا کہ غصہ کے وقت اگر اُن کے خاندان کا کوئی آدمی ان کی پشت پر ہاتھ لگا دیتا تو غصہ دور ہو جاتا تھا۔ حضرت عباس کا یہ حال تو مشہور ہی ہے یہودیوں نے بنی ہاشم کی یہ حالت سُن کر اپنے اسلاف کی طرف اسکو منسوب کر دیا جس طرح عیسائیوں نے جب مسیح کو ابن اللہ کہا تو اُن کی ریس میں یہودیوں نے بھی عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دے لیا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مقصود بیان: عقلمند اور ذی شعور مجرم کو تنہائی کے وقت اپنے قصور کا اعتراف ہوتا ہے جس طرح برادران یوسفؑ نے تخلیہ کے وقت حضرت یوسفؑ کے متعلق اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ آیت وَمَا شَهِدْنَا الخ بتا رہی ہے کہ شہادت کی بنا علم پر ہے۔ وقوع کے مطابق یا غیر مطابق ہونے کا شہادت سے تعلق نہیں کیونکہ غیب کا علم خدا کو ہے۔ مگر شہادت کے وقت اپنے علم کا اظہار کر دینا چاہیے۔ کفالت کو شہادت کہنا صحیح ہے۔ اولاد یعقوب نے بنیامین کی ذمہ داری لی تھی اسی کو شہادت سے تعبیر کیا۔ کسی بدیہی واقعہ کے متعلق اہل کفر کو بھی شاہد بنانا صحیح ہے۔ وغیرہ

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ

یعقوبؑ نے کہا۔ نہیں۔ تمہارے دلوں نے یہ بات بنائی ہے

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي

خیر اب تو صبر ہی اچھا ہے امید ہے کہ اُن سب کو اللہ میرے پاس

بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○

لے آئے گا وہی بلاشبہ واقف اور مصلحت بین ہے

وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ

یعقوب نے اُن کی طرف سے مُنہ پھیر لیا اور کہا یوسف پر افسوس ہے

وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ○

اور رنج کے مارے (روتے روتے) انکی آنکھیں سفید پڑ گئیں دل گھٹنے لگا

قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّىٰ

بیٹے بولے بخدا تم سدا یوسف کی یاد کرتے رہو گے۔ یہاں تک

تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ○

کہ بیمار پڑ جاؤ گے یا مر جاؤ گے

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ

یعقوبؑ نے کہا۔ میں اپنے رنج و غم کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

اور وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

تفسیر بڑے بھائی کو چھوڑ کر باقی نو بھائی کنعان کو گئے اور حضرت یعقوب کو واقعہ کی اطلاع دی۔ باپ نے (بہ تفسیر بیضاوی) جواب دیا تم غلط کہتے ہو۔ بات صرف یہ ہے کہ یہ تمہاری کارستانی ہے کہ قانون مصر کے خلاف شریعت ابراہیمی کا فتویٰ دیکر بنیامین کو گرفتار کرایا اگر تم ایسی بات نہ کہتے تو ہرگز بنیامین گرفتار نہ ہوتا۔ خیر اب تو صبر کرنا ہی مناسب ہے اور صبر جمیل ہی میرے لئے بہتر ہے۔ امید ہے کہ عنقریب اُن (تینوں) کو اللہ مجھسے ملائیگا یہ الفاظ آپ نے بنور الٰہی مکاشفہ کے ذریعہ سے فرمائے تھے۔ پھر فرمایا اللہ ہی کو پورا علم ہے کہ واقعہ کیا ہوا۔ اور وہی اپنی مصلحتوں سے واقف ہے یعنی وہی واقف ہے کہ اس سرگذشت میں کیا اسرار ہیں۔ اس کے بعد لڑکوں کی طرف زیادہ التفات نہ کی اور خلق سے مُنہ موڑ کر خالق کی طرف توجہ کر کے کہا آہ یوسف۔ بس آہ کے سوا کوئی اور لفظ زبان سے نہ نکالا۔ دم گھوٹتے رہے۔ مخلوق سے کوئی شکایت نہ کی۔ رنج کو اندر ہی اندر پی جاتے (قتادہ و ضحاک) ہاں اتنی بات ضرور ہوگئی کہ (روتے روتے) غم کے مارے آنکھیں سفید پڑ گئیں۔ بروایت مقاتل چھ سال تک نابینا رہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آنکھوں کا نور کم ہوگیا تھا۔ شاید طبقہ عنبیہ یا ثقبۃ النور میں پانی اتر آیا ہو۔ باپ کی آہ و بکا کی کثرت دیکھ کر فقط بیٹوں نے یا بیٹوں اور پوتوں نے کہا آپ تو یوسف کو (تنا یاد کرتے ہیں کہ کسی وقت یوسف کی یاد جاتی ہی نہیں۔ اگر یہی حال رہا تو آپ ادھ مرے ہو جائینگے یا مر ہی جائیں تو بعید نہیں۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا لڑکو! میں تم سے کچھ نہیں کہتا۔ اپنی پریشانی اور رنج کا اپنے اللہ سے شکوہ کرتا ہوں۔ مجھے بعلم نبوت معاملاتِ الٰہی کا جو علم ہے اُس سے تم ناواقف ہو یعنی تم اپنے فعل پر میرے فعل کو قیاس مت کرو۔ میں اللہ کی رحمت و حکمت سے جتنا واقف ہوں اُتنے تم واقف نہیں۔ میرا رونا بھی حکمت پر مبنی ہے۔

مقصود بیان:۔ نبی کے دل میں جو نور فراست چمکتا ہے وہ عام مؤمنوں کے قلبی نور سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔ مصیبت کے وقت مسلمان پر لازم ہے کہ دنیا سے مُنہ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جس طرح حضرت یعقوب نے کیا۔ زیادہ ہائے ہوا اور واویلا کرنا آدابِ ایمان کے خلاف ہے۔ اگر اضطراری آہ نکل جائے تو کچھ حرج نہیں۔ اپنی مصیبت اور کلفت کو دربدر بیان کرتے پھرنا اہل تقویٰ کا کام نہیں بلکہ مؤمن پر لازم ہے کہ جو کچھ شکوہ شکایت کرنا ہو وہ اپنے رب سے کرے نبی کو جو علم الٰہی ہوتا ہے وہ عام لوگوں کو نہیں ہوتا۔ درد اور دکھ کے وقت اضطراری رونا جائز ہے۔ وغیرہ

مسئلہ گریہ کی تحقیق کم فہم حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب باوجود نبی ہونے کے بیٹے کے فراق میں روئے اور ایسے روئے کہ آنکھیں بے نور ہوگئیں۔ یہ امر خلاف شانِ نبوت ہے اور شریعت اسلامیہ میں بھی ناجائز ہے۔ میں اس مسئلہ کو ذرا تحقیق سے بیان کرتا ہوں۔ آیات احادیث اور اقوال صحابہ و علماء سے ثابت ہے کہ کفار چونکہ آخرت کے قائل نہیں اس لئے مصیبت پڑنے پر وہ بدحواس ہو جاتے ہیں۔ قلب میں صبر کی صلاحیت زائل ہو جاتی ہے۔ انتہائی اضطراب اور بے چینی سے واویلا اور جزع فزع کرتے ہیں۔ چونکہ ایسی بدحواسی دلالت کرتی ہے کہ یہ شخص ارادۂ الٰہی پر قائم نہیں بلکہ مرضی مولا کا منکر ہے اس لئے اس قسم کا جزع فزع کرنا قطعًا حرام ہے خواہ کوئی روئے یا نہ روئے۔ آنکھوں سے آنسو نکلیں یا نہ نکلیں۔ اسی کے متعلق فرمایا ہے کہ نوحہ کرنا جاہلیت کی رسم ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں عورتیں باہم مل کر یا تنہا تنہا گریبان پھاڑتیں منہ اور بال نوچتیں پچھاڑیں کھاتیں اور مجالس نوحہ منعقد کرتیں بین کرنے والی کچھ پیشہ ور عورتیں مقرر تھیں۔ جو لوگ دولتمند تھے وہ اپنی میت پر زور دار نوحہ کرانے کے لئے اُن عورتوں کو مدعو کرتے اور جتنی رقم اُن کو ملتی اُسی کے مطابق وہ بین کرتی تھیں۔ ایسا نوحہ بالکل حرام ہے۔ بربارِ رقت قلب کے تحت آنسو بہنا، سکون کے ساتھ رونا یہ جائز ہے۔ حضور کے صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال ہوا تو سرکار کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ .... فرمایا ابن عوف یہ نرم دلی ہے دل غمگین ہوتا ہے اور آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور ہم صرف وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا رب خوش ہو۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے بیشک غمگین ہیں۔ (مسلم و بخاری) جب حضرت زینب کی صاحبزادی کا وقت وفات آیا تو انھوں نے حضور کو بلایا۔ دو مرتبہ کے بلانے پر آپ تشریف لیگئے۔ صاحبزادی اُس وقت دم توڑ رہی تھیں۔ حضور رونے لگے ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ روتے ہیں؟ فرمایا میرا رونا شفقت کا ہے (بخاری) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ کاشانہ نبوت میں کسی کا انتقال ہوا۔ عورتوں نے رونا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو جھڑکا اور منع کیا۔ حضورؐ نے فرمایا عمر ان کو رہنے دو۔ دل کو صدمہ پہنچا ہے۔ آنکھ آنسو بھر لاتی ہے اور زمانہ قریب ہے (النسائی) حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ عثمان بن مظعون کی میت کو حضورؐ نے بوسہ دیا اُس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے (ترمذی و ابوداؤد) حضور گرامی کا وقت وفات آیا تو سیدہ زہراؓ نے کہا وَاكَرْبُ اَبَتَاهُ ہائے میرے باپ کی تکلیف۔ حضور نے فرمایا لختِ جگر آج کے بعد تیرے باپ پر کبھی کرب نہ ہوگا۔ جب حضور اندر پردہ پوش ہوگئے تو جناب سیدہ روئیں اور فرمایا یَا اَبَتَاهُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ يَا اَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ يَا اَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرِيْلَ نَنْعَاهُ۔ جب حضور کو سپرد خاک کر دیا گیا تو سیدہ پاک نے فرمایا انس تم لوگوں کے دل نے کیسے گوارا کیا کہ تم نے حضور پر مٹی ڈالدی۔

یہ تو جواز گریہ کی احادیث ذکر کی گئیں۔ اب ذرا اُس نوحہ کے متعلق بھی ارشادات نبوی دیکھئے جسکو ممنوع قرار دیا ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو آپ نے ارادہ کیا کہ ایسا پیٹنا ڈالونگی جو یادگار رہے۔ ایک اور عورت بھی آپ کی شریک ہونے کو آئی۔ اتنے میں حضور والا تشریف فرما ہوئے اور فرمایا اری تو چاہتی ہے کہ جس گھر سے اللہ نے شیطان کو نکالا ہے (یعنی اسلام آنے سے کفر بھاگا ہے) پھر اُسی گھر میں شیطان کو داخل کرے۔ ام المؤمنین یہ سن کر باز رہیں (مسلم) حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب اور زید بن حارثہ اور ابن رواحہ کی شہادت کی خبر آئی تو حضور مسجد میں بیٹھے تھے اور آپ پر حزن و ملال ظاہر تھا۔ اتنے میں کسی شخص نے جعفر کی عورتوں کا رونا بیان کیا۔ حضور ؐ نے منع کرایا۔ اُس نے دوبارہ آکر بیان کیا۔ آپ نے پھر منع کرایا۔ تیسری بار اُس نے پھر کہا کہ وہ نہیں مانتیں۔ فرمایا تو اُن کے منہ میں خاک بھر دے (رواہ اصحاب الصحاح) حضرت عمرؓ کی وفات کے قریب صہیبؓ روتے آئے اور کہنے لگے میرے بھائی میرے سرتاج بھائی۔ حضرت عمرؓ نے اسی حالت میں فرمایا صہیب تم پر روتے ہو؟ حضور ؐ نے تو فرمایا تھا کہ پسماندوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے اسی طرح دوسری احادیث میں بھی میت پر رونے کی ممانعت وارد ہے۔ مگر اس سے مراد یہی نوحہ ہے جسکی رسم جاہلیت میں تھی یعنی جزع فزع کرنا کپڑے پھاڑنا منہ پیٹنا، بال نوچنا، پچھاڑیں کھانا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا گریہ محض رقت قلب اور اندرونی حزن کے ماتحت تھا نوحہ نہ تھا۔ آیت وَهُوَ كَظِيمٌ صاف بتا رہی ہے کہ آپ رنج کو گھونٹتے رہتے۔ تاسف کے علاوہ کوئی حرف بھی منہ سے نہ نکالتے فقط آنکھوں سے آنسو بہاتے اور اپنی مصیبت رفع ہونے کی اللہ سے دعا کرتے۔ دل میں ناامیدی کو آنے نہ دیتے۔ کافروں کی طرح رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہوتے بلکہ بیٹوں سے بھی آپ نے فرمایا تھا مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم عطا ہوا ہے جس سے تم واقف نہیں ہو۔

يَبَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَ

بیٹو! جاؤ یوسف کی اور اُس کے بھائی کی

أَخِيهِ وَلَا تَايْئَسُوا مِنْ رَّوْحِ اللهِ إِنَّهُ

تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اللہ کی

لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَفِرُونَ ۝

رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں

تفسیر میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اُس کے بھائی کی تلاش ذرا ہوشیاری اور بیداری احساس سے کرو۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہو۔

ناامیدی اہل ایمان کا شیوہ نہیں محض کافروں کی خصلت ہے۔ ان آیات میں سابقہ آیت کا بیان ہے۔ پہلے مجمل طور پر أَعْلَمُ مِنَ اللهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ فرمایا تھا۔ یہاں اُس کی کسی قدر تفصیل کردی مگر راز سے مکمل آگاہ پھر بھی نہ کیا۔ کیونکہ یہ علم الٰہی میں خیانت تھی، اسرار قدرت کی پردہ دری تھی۔ اللہ کے کارخانہ میں دخل تھا۔ در پردہ حکم دیدیا کہ اب تک تمہارے حواس پر پردہ پڑا تھا۔ ذرا اس پردہ کو ہٹاؤ اور یوسف کو پہچانو۔ اُس کے ساتھ بنیامین بھی ہے۔ گویا فی الجملہ آپ نے تعیین کردی کہ کہیں اور جگہ جانے کی ضرورت نہیں ہے مصر ہی کو جاؤ اور بنیامین کے پاس جاؤ جہاں بنیامین ملیگا وہیں یوسف بھی ملیگا۔ بڑے بیٹے کو تلاش کرنے کا حکم نہ دیا کیونکہ وہ اپنی مرضی سے مصر میں ٹھیرا تھا اور معمولی اذن پانے کے بعد آسکتا تھا۔ اللہ اکبر قدرت الٰہی کی عجیب ہے اُس کے سربستہ رازوں کو کون سمجھ سکتا ہے۔ اگر کسی کو کچھ اطلاع ہو بھی جاتی ہے تو مجال نہیں کہ دم مار سکے اور کسی طرح اُسکو ظاہر کر سکے۔ حضرت یعقوب نے چاہ کنعان میں یوسف کی تلاش نہ کرائی۔ زلیخا کے محل میں نہ کرائی۔ مصر کے جیل خانہ میں نہ کرائی۔ کیونکہ اُس وقت تک اجازت نہ تھی۔ اب وقت آیا حکمت الٰہیہ کا اقتضاء ہوا تو تخت شاہی پر یوسف کو ڈھونڈا جاتا ہے اور اور کسی تدبیر سے تلاش کی جاتی ہے کہ جنھوں نے یوسف کو کھویا تھا مشیت الٰہی کے خلاف اپنی برتری اور بہتری کی تدبیر کی تھی اُنہی سے یوسف کی تلاش کرائی جاتی ہے اور گم کرنے والوں کو ڈھونڈنے پر مامور کیا جاتا ہے۔

مقصود بیان:۔ آیات دلالت کر رہی ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کی زندگی کا اور مصر میں موجود ہونے کا پورا علم تھا۔ مگر آپ صراحۃً ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ در پردہ ایماء کے طور پر ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یوسف کی جستجو کرو۔ امید ہے کہ خدا سب کو ملا دیگا۔ گویا ان آیات سے اس طرف اشارہ ہے کہ واقفان اسرار اظہار کے مجاز نہیں جب اور جس قدر اذن الٰہی ہوتا ہے اُسی وقت اور اُسی قدر اظہار کرتے ہیں حکمت الٰہی کا پردہ فاش نہیں کرتے۔ در پردہ امت مسلمہ کو ہدایت ہے کہ تم میں سے جو کوئی صفات غیبیہ سے واقف ہوجائے تو بدون اجازت اُن کا اظہار نہ کرے۔ یہ آداب عرفان کے خلاف ہے۔ آیت میں صاف حکم دیا گیا ہے کہ رحمت الٰہی سے کسی وقت مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اگرچہ کامیابی کا ظاہری سبب کوئی بھی نہو مگر مسبب الاسباب پر نظر رکھنی لازم ہے۔ وہ اسباب پیدا کر سکتا ہے۔ آخر میں اسکی بھی صراحت ہے کہ کافر ہی رحمت الٰہیہ سے مایوس ہوتے ہیں یعنی اُن کا اعتقاد چونکہ اللہ کی غیبی طاقت پر نہیں ہوتا اُن کی نظر ظاہری اسباب پر منحصر ہوتی ہے اس لئے جہاں ظاہری اسباب کا فقدان ہوا اور اُن پر مایوسی چھائی وغیرہ۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام کارخانۂ قدرت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ظاہری ذرائع مؤثر نہیں۔ مؤثر فقط قدرت باری ہے۔ اُسی کی رحمت پر سب کچھ موقوف ہے۔ اس سے اُن فرقوں کے عقیدے کی بھی تردید ہوتی ہے جو انسان کو مختار مطلق

ہیں اور ذات اسباب آدمی کو قرار دیتے ہیں - گویا اُن کو رحمت الٰہیہ کا یقین نہیں اور نہ قدرت خداوندی پر اُن کا ایمان ہے - وغیرہ -

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ

غرض جب یہ سب یوسف کے پاس پہنچے تو کہنے لگے اے عزیز

مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ

ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر بڑی سختی ہے ہم ناقص پونجی

مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ

لائے ہیں آپ ہم کو پوری بھرتی دیدیجئے اور ہم پر خیرات

عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ○

کیجئے اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے

قَالَ هَلْ عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ

یوسف نے کہا کیا تم واقف ہو کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ

وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ ○ قَالُوا

کیا کیا جب تم نادان تھے بھائی بولے

أَإِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ

کیا واقع میں آپ ہی یوسف ہیں ؟ یوسف نے کہا میں یوسف ہوں

وَهَٰذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ

اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا جو شخص

مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ

ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکوں کا اجر

أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ○ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ

برباد نہیں کرتا بھائیوں نے کہا خدا کی قسم بلاشبہ اللہ نے تم کو

اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ ○ قَالَ

ہمارے اوپر برتری عطا کی ہے اور بلاشبہ ہم ہی خطاوار تھے یوسف نے کہا

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ

آج تم پر کوئی الزام نہیں خدا تم کو معاف کرے

وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ○ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي

وہی بہترین مہربان ہے میرے اس کرتہ کو لے کر جاؤ

هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ

اور میرے باپ کے چہرہ پر جا کر ڈال دو تاکہ وہ بینا

بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ○ ع

ہو جائیں اور میرے پاس اپنے سب گھر والوں کو لے آؤ

تفسیر باپ کے حکم کے مطابق بیٹے مصر کو گئے - اس مرتبہ غلہ لانا مقصود نہ تھا بلکہ یوسف کی تلاش اصل غرض تھی - مادۂ حسد زائل ہو چکا تھا - کارخانۂ قدرت کے سربستہ راز کے انکشاف کا وقت قریب آگیا تھا مگر پھر بھی عالم اسباب پر نظر کرتے ہوئے تحصیل معاش کا بہانہ کیا اور اپنے حقیر سرمایہ کو لے کر عزیز مصر کے دربار میں پہنچے اور انتہائی عاجزی کے ساتھ اپنے اہل و عیال کے فقر و فاقہ کا اظہار کیا (بقول ابن اسحاق) یوسف کے آنسو بھر آئے ضبط نہ ہو سکا - اذن الٰہی بھی ہو چکا تھا - آپ نے حقیقت ظاہر کر دی اور فرمایا یاد کرو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا - لیکن اُس وقت تم لوگ نادان تھے تم نے نادانی سے ایسی ناشائستہ حرکات کا ارتکاب کیا - آخری فقرہ فرما کر حضرت یوسف نے بھائیوں کو زیادہ شرمندہ کرنا نہ چاہا بلکہ اُن کے زمانۂ جہالت کا ذکر کر کے ایک عذر بیان کر دیا کہ تم نے جو کچھ کیا نادانی سے کیا - پھر بھائیوں کے استفسار کا ایجاب میں جواب دیتے ہوئے اپنی حکومت عزت اور برتری کی اصل وجہ یعنی الہام الٰہی کو بھی ظاہر کر دیا اور یہ انعام جس بنا پر ہوا اُس کو بھی بیان کر دیا کہ جو شخص ممنوعات الٰہیہ سے پرہیز رکھتا ہے اور اوامر خداوندی پر کاربند رہتا ہے اللہ اُس کو خالص نیکو کاروں کے زمرہ میں داخل فرما لیتا ہے اور نیکو کاروں کی کوشش رائگاں نہیں جاتی یہی قانون قدرت ہے - برادران یوسف اپنی خطا پر نادم تو پہلے ہی تھے مگر کھلم کھلا اقرار کا موقعہ نہیں آیا تھا - یوسف کی تقریر سن کر اور اُن کی عظمت دیکھ کر اب یوسف کی فضیلت اور اپنے قصور کا اعتراف کیا - اور یہ ظاہر ہے کہ اعتراف قصور کے بعد بلند حوصلہ ہستیاں انتقامی کارروائی نہیں کرتی ہیں - حضرت یوسف نے بھی فطری اور وہبی علو ہمت سے کام لیکر سب کو معاف کر دیا - لیکن آداب نبوت کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی طرف سے مغفرت کا اظہار نہیں کیا بلکہ مغفرت الٰہی کی دعا کی - بات یہ تھی کہ بھائیوں کے قصور

الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ اور یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا الخ ضرور مدنی ہونگی۔ اور اگر سورت کو مدنی کہا جائے تو آیاتِ ذیل مکی ہونگی۔ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ دو آیت تک۔ اور بقول بعض آیت هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ - اَلَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ بھی مدنی ہے۔

عام اہل تفسیر کے نزدیک پوری سورت میں ۴۳ آیات ہیں اور بیضاوی میں ایک قول کے بموجب ۴۵ کی بھی صراحت کی ہے۔ تفسیر سراج میں ہے کہ اس کے کلمات ۸۵۵ - اور حروف ۳۵۰۷ ہیں۔

جابر بن زید کہتے تھے کہ مرنے کے وقت سورۂ رعد پڑھنی بہتر ہے اس سے نزع کی سختی میں کمی اور موت کی تکلیف میں آسانی ہوجاتی ہے اور دنیا سے کوچ کرنے کا زیادہ افسوس نہیں ہوتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ

یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا

رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ

وہ حق ہے مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے

تفسیر مشرکین مکہ اور عام کفار کا خیال تھا کہ قرآن کلام الٰہی نہیں بلکہ حضور اقدس ﷺ کا تراشیدہ دماغ تھا۔ اس خیال کو قرآن پاک میں جابجا خدا تعالیٰ نے دور فرمایا۔ یہاں بھی اسی کا ازالہ کیا گیا۔ مقاتل نے ان آیات کے نزول کا سبب یہی بیان کیا ہے۔

کِتَاب سے مراد کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ اور اسی وجہ سے مطلب میں بھی اختلاف ہوگیا ہے۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ اور وَالَّذِیْ سے جملہ مستقل علیحدہ ہے۔ یہ قول سیوطی کا بھی ہے اور اسی کو ابن عباسؓ کا قول بیان کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سورۂ رعد میں جو آیات مذکور ہیں وہ قرآن مجید کی آیات ہیں۔ یہ انسانی ساخت کی ممنون نہیں نہ جدید تراشیدہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا پروردگار کی طرف سے جو کچھ بھی تم پر اُتارا گیا وہ سب حق ہے۔ دماغی اختراع کو اُس میں دخل نہیں۔

مجاہد و قتادہ کا قول ہے کہ کتاب سے مراد کتب سابقہ ہیں۔ ابن کثیر نے اسی کو پسند کیا ہے اور بظاہر بغوی کا بھی یہی مختار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آیات بلاشبہ توراۃ و انجیل و قرآن تینوں آسمانی کتابیں ہیں اور سب باہم موافق ہیں مضمون میں اختلاف نہیں۔

میرے نزدیک جمہور کا قول بہتر ہے۔ چونکہ اس سورت میں عموماً کفار کے عقائد کی تردید کی گئی ہے اور آثارِ ربوبیت دکھا کر الوہیت و توحید کو ثابت کیا ہے اور قطعی طور پر ماورا ماورا ادراک اور بالاتر طبیعت اشیاء کے متعلق فیصلہ کردیا ہے۔ پھر دورانِ بیان میں اصلاحِ عمل کی تبلیغ اور صفواً لطف قدرت کا بیان بھی کیا ہے اسلئے کفار کو اپنے ہزاروں برس کے فرسودہ عقائد کی بیخ کنی دیکھتے ہوئے شبہ ہوسکتا تھا کہ محمد ﷺ کو ہمارے قدیمی مسلمات کے ابطال کا کیا حق ہے؟ بنا بریں شروع ہی میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ سورۂ رعد کی آیات قرآن مجید کی آیات ہیں۔ اسکے بعد پھر بھی شبہ ہوسکتا تھا کہ اگر قرآن کی آیات ہیں تو کیا کمال ہے۔ قرآن کو ہمارے بزرگوں کی تحقیقات اور اعتقادیات کے مقابلہ میں اپنی حقانیت کے اعلان کرنے کا کس طرح حق پیدا ہوا؟ تو فرمایا قرآن پورا قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب ضرور حق ہے۔ لہٰذا قرآن اور قرآن کی کل آیات حق ہیں سچی ہیں واقعی ہیں (تمہارے بزرگوں کے خود تراشیدہ عقائد غلط اور اختراعی مسلمات باطل ہیں) لیکن اس کے باوجود بہت سے آدمی قرآن کو حق نہیں مانتے اس کو کتاب الٰہی نہیں جانتے (اور اپنے موروثی بوسیدہ عقائد پر قائم ہیں) اہل ایمان کا گروہ بہت کم ہے۔

مقصود بیان:۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ الٓمّٓرٰ میں الف سے انا اور لام سے اللہ اور میم سے اَعْلَمُ اور رے سے اَرٰی کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ ہوئے کہ میں اللہ ہوں جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ یا یوں کہو الف سے الوہیت، لام سے اللہ، میم سے محمد اور رے سے رسالت کی طرف اشارہ ہے یعنی الوہیت اللہ ہی کے لئے ہے اور محمد اُس کے رسول ہیں۔ اہل عقل نے حروف مقطعہ سے دوسرے مضامین کی طرف بھی اشارہ مراد لیا ہے۔ مگر یہ سب علمی موشگافیاں ہیں۔ واللہ اعلم۔ ان مقطعات سے اصل مراد کیا ہے؟ آیات مذکورہ میں قرآن کی حقانیت اور تصریحات قرآن کی صداقت ظاہر فرمائی ہے اور کفار کے عقائد کا برہان ازالہ فرمایا ہے۔ اور دونوں کی دلائل بیان فرمائی ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ

اللہ وہی ہے جس نے آسمان بغیر ستونوں کے اونچے بنائے

تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ

تم دیکھتے ہی ہو پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی

سورج و چاند کو کام میں لگا لیا ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ

وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اور نشانہائے قدرت مفصل بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے

رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ

رب سے ملنے کا یقین کرو اُسی نے زمین کو بچھایا

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهٰرًا ۚ وَمِنْ

اور اُس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں اور

كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

ہر میوہ کی دو دو قسمیں نر و مادہ زمین میں پیدا کیں

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ

وہی رات کو دن سے چھپالیتا ہے غور کرنے والی قوم کے لئے

لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ

اس میں نشانہائے قدرت ہیں اور زمین میں کچھ ٹکڑے

مُّتَجٰوِرٰتٌ وَجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ

باہم پاس پاس ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتی ہے اور کھجوروں کے درخت

صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقٰى بِمَاءٍ وَاحِدٍ

کچھ جڑ ملے ہوئے اور کچھ بغیر ملے ہوئے اور سب ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں

وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ

اور ہم مزے میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

اس میں سمجھدار قوم کے لئے نشانہائے قدرت ہیں

تفسیر اوپر کی آیات میں قرآن کو الہامی کتاب فرما کر اسکی حقانیت کی صراحت کی تھی - ان آیات میں صاف ربوبیت یا الوہیت کو مفصل بیان فرما کر اللہ کی توحید، عظمت اور قدرت کو ثابت فرماتا ہے - کیونکہ نزول قرآن کے مقصد کی ایک شاخ اصلاح عقیدہ بھی ہے اور عقیدہ کی اصلاح اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک طبعیات اور ماوراء طبعیات کا متصرف حقیقی اور مالک مختار خدا کو نہ ثابت کیا جائے اور نہ مانا جائے - ہم خلاصۂ مطلب سے قبل آیات کا تجزیہ کر کے ہر ٹکڑے کی ضروری تحقیق کرتے ہیں -

(۱) اللہ نے آسمانوں کو بغیر مرئی اور محسوس ستونوں کے بلند کیا - اہل کتاب کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ستون پر قائم ہے لیکن ستون ہماری نظروں کے سامنے نہیں - ابن کثیر نے اس مہمل قول کو ابن عباس مجاہد قتادہ اور حسن بصری وغیرہ کی طرف منسوب کر کے دونوں کو باہم ضم کر دیا - مفسر معالم نے بھی فی الجملہ اسکی تائید کی - لیکن واقع میں اہل کتاب کا یہ قول غلط کیا، قابل توجہ بھی نہیں، انتہائی مضحکہ انگیز ہے - رہی مجاہد وغیرہ کی روایت تو اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی آسمانوں کا ستونوں پر قائم ہونا اُس سے ثابت نہیں - کیونکہ ان جلیل القدر علماء کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے قیام کے لئے کوئی مادی ستون نہیں یا تو قانون جذب کے ماتحت قائم ہیں یا اللہ کی غیبی طاقت نے کوئی اور مخفی سبب ان کی بقاء کا بنا دیا ہے جو ہم کو آنکھوں سے نہیں دکھ سکتا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوہ قاف پر آسمان کا ستون کھڑا ہے اور اُسپر قیام سموات ہے

(۲) اللہ عرش پر مستوی ہے، اس کی تحقیق ہم سورۂ بقر میں کر چکے ہیں - خلاصہ یہ کہ معتزلہ کے نزدیک استواء کے معنی غلبۂ قدرت اور تسلط تدبیر کے ہیں یا متوجہ ہونے کے ہیں - اور اہل سنت کے نزدیک استواء اپنے حقیقی معنی پر ہے اور اللہ کی پوشیدہ ناقابل فہم صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے نہ تو وہ استواء مراد ہے جو عوارض جسم میں سے ہے اور جس کا فرقۂ مجسمہ قائل ہے اور جس سے اللہ کا جسم ہونا لازم آتا ہے - نہ غلبہ و تسلط مراد ہے - بلکہ استواء الٰہی کی کیفیت ہی جدا ہے جو ادراکِ مخلوق سے خارج ہے جس طرح دیگر صفاتِ الٰہیہ کا کما حقہٗ علم ناممکن ہے -

(۳) چاند اور سورج سب فرمانِ الٰہی کے تابع ہیں اور سب کی رفتار مقدار مقرر پر ہے - یعنی مقررہ رفتار سے نہ کوئی آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے ہٹتا ہے سورج چاند سے یا چاند سورج سے پہلے نہیں ہو سکتا - ہر ایک کی چال کے منازل اور درجات مقرر ہیں - قیامت تک اسی چال سے دونوں چلینگے -

(۴) اللہ امر کی تدبیر کرتا ہے یعنی امر عالم کی تدبیر فرماتا ہے - انتظام عالم کو عرش سے فرش تک درست رکھتا ہے یا اپنے امر کی تدبیر کرتا ہے جس حکمت پر نظام قائم ہے اُسی کے مطابق عالم کو چلاتا ہے - یا یہ مطلب کہ عالم امر یعنی عالم ارواح کی تدبیر کرتا ہے - اوپر کی آیات میں عظیم الشان مادی کائنات کی تخلیق کا ذکر تھا اور عالم اجسام کا وجود دستِ قدرت میں ظاہر کیا تھا - اس آیت میں عالم ارواح کی تخلیق و تدبیر کا کامل اختیار اپنے واسطے بیان فرمایا -

(۵) اللہ صاف صاف نشانیاں بیان فرماتا ہے تاکہ اُن کو دیکھ کر آدمیوں کو اللہ کے پاس جانے کا یقین ہو جائے - یعنی عالمِ اجسام و عالم ارواح کی تخلیق اور پھر اُن کا انتظام اور ایک قانون کے ماتحت سب کی رفتار بتا رہی ہے کہ ان

سب کا موجد، قادر، مختار، منتظم ایک ہی اللہ ہے جو اسی کے دستِ قدرت میں تمام جہان کی عنان تصرف ہے۔ وہ ہر چیز کو مقررہ زندگی دیتا اور پھر اُس سے مستعار یعنی لباس حیات لے لیتا ہے اور پھر دوبارہ زندگی عطا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں انسان کو دوبارہ زندہ کرنا اور اپنے سامنے بلانا کیا مشکل کام ہے۔

(۶) اللہ نے زمین بچھائی اُس پر پہاڑوں کی میخیں قائم کیں اور دریا، ندی نالے جاری کئے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے زمین کو بچھایا۔ خواہ سطحی شکل میں۔ یا کروی شکل میں۔ اگر زمین کی شکل سطحی مانی جائے تب توجہات کشش میں یگانگت ہمواری اور یکسانی نہ ہوگی کسی جانب کشش زائد ہوگی کسی جانب کم۔ اور اگر زمین کی اصل شکل گول مانی جائے تو ضرور ہر طرف یکساں کشش ہوگی اور قوت کشش کے ماتحت زمین اپنی جگہ قائم رہیگی (خواہ ساکن ہو یا حرکت وضعی کرتی رہے۔ بہرحال اپنی جگہ قائم رہیگی) لیکن کرۂ زمین کی ذاتی حالت یکساں نہیں ہے۔ کہیں خشکی زیادہ ہے۔ کہیں پانی زیادہ ہے کسی جانب پانی اوپر چڑھ آیا ہے۔ کہیں مٹی ابھر آئی ہے۔ پانی کی وجہ سے سکڑ نہ زمین کی اصل شکل بدل گئی ہے۔ لامحالہ قوت وضعف کے لحاظ سے کشش کی طاقت میں بھی اختلاف ہوجانا لازم ہے۔ پھر زمین کا اپنی جگہ پر بقا کس طرح ممکن ہے۔ خدا تعالیٰ نے زمین کو پیدا کرنے اور بچھانے ـــ پھیلانے کے بعد جذب کی حالت کو درست رکھنے اور زمین کو اپنی جگہ برقرار رکھنے کے لئے مختلف اطراف میں اپنی حکمت بالغہ کے ماتحت پہاڑوں کی میخیں قائم کیں تاکہ زمین میں اضطرابی حرکت نہ پیدا ہو اور زمین پر رہنے والی مخلوق زندہ رہ سکے۔

(۷) اللہ نے طرح طرح کے پھل پیدا کئے اور ہر قسم کے پھل کو دو طرح کا بنایا یعنی کسی کو شیریں اور کسی کو ترش۔ کسی کو سیاہ اور کسی کو سفید کسی کو چھوٹا اور کسی کو بڑا بنایا۔ پھر ہر نوع کے پھل کی دو صنفیں پیدا کیں نر اور مادہ۔ کھجور، پپیتہ، یوکلپٹس وغیرہ میں نر و مادہ ہونا تو ہر جاہل بھی جانتا ہے لیکن تحقیقات طبعیات کے علمبردار خصوصیت سے واقف ہیں کہ عالم میں کوئی پھول اور کوئی پھل ایسا نہیں جس میں دونوں صنفیں نر و مادہ نہ پائی جاتی ہوں۔ موجودہ سائنس بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ عالم میں کسی سبزہ اور کسی پھل کی پیداوار بغیر تلقیح کے نہیں ہوسکتی اور تلقیح کے واسطے نر و مادہ دونوں کی ضرورت ہے۔

(۸) اللہ نے شب و روز کا سلسلہ قائم کیا۔ دن کی روشنی کو رات کی تاریکی سے وہی چھپاتا ہے۔ یعنی تاریکی نام ہے روشنی نہ ہونے کا۔ آفتاب غروب ہوا روشنی معدوم ہوئی، اندھیرا پھیلا، حرکت کی بجائے عالم پر سکون چھا گیا۔ وجود پر عدم طاری ہوا ہستی کی جگہ نیستی نے لے لی اور بیدار کائنات خواب میں چلی گئی۔

(۹) یہ تمام تصرفات اور انتظامات اسلئے کئے تاکہ اہل بصیرت غور سے ان کا مطالعہ کریں۔ آیات قدرت سے اللہ کی توحید الوہیت اور ربوبیت کا یقین کریں عالم کے قانون توارث، قانون تغیر، قانون بقاء اور قانون وجود و عدم کو پھیں گہری نظر سے دیکھنے کے بعد غور کریں۔ غور کرکے ان تمام انتظامات کو اتفاقی اتصال و انفصال کا نتیجہ نہ قرار دیں۔ بلکہ اس سے اللہ کی قدرت، صنعت، اختیار، علم، ارادہ، حکمت اور ہمہ گیری کو سمجھیں۔ اُس کو خالق، موجد، علیم و بصیر اور وحدہٗ لاشریک جانیں۔

(۱۰) زمین ایک ہے لیکن اُس کے ٹکڑے مختلف ہیں۔ باوجودیکہ باہم متصل ہیں۔ مگر خاصیت، کیفیت، مزاج اور قابلیت میں جدا جدا ہیں۔ کوئی ٹکڑا شور ہے، کوئی قابل زراعت، کوئی سخت، کوئی نرم، کوئی سیاہ، کوئی سرخ، کوئی زرد، کوئی سفید۔ ایک ٹکڑا پتھریلا ہے تو دوسرا ریتیلا۔ اور تیسرا چکنی مٹی کا کسی ٹکڑے کا آدھا حصہ خراب ہے اور آدھا اچھا۔ (ابن عباس، مجاہد، سعید اور ضحاک وغیرہ سے یہی تفسیر مروی ہے) غرض باوجود مادہ کی یکسانی کے خواص جدا جدا ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ صرف اللہ کی قدرت، علم، حکمت اور اختیار و ارادہ کے سبب سے۔

(۱۱) زمین پر مختلف اقسام کے درخت ہیں۔ باغ ہیں، طرح طرح کی کھیتیاں ہیں۔ ایک جڑ سے دو شاخہ نکلتا ہے۔ کبھی تنہ ایک ہوتا ہے اور آگے چل کر دو شاخیں ہوجاتی ہیں ہر شاخ کی شکل جدا، رنگ علیحدہ اور ضخامت مختلف ہے۔ پھلوں کی مقدار، نوعیت اور کیفیت میں بھی فرق ہے۔ کوئی خوشبودار اور لذیذ ہے کوئی بدبودار اور بدمزہ۔ لذیذ ہونے میں بھی درجات کا اختلاف ہے۔ باوجودیکہ غذا سب کی ایک ہے۔ ایک ہی پانی سے سب کو سیراب کیا جاتا ہے۔ زمین بھی ایک ہی ہے۔ پھر اتنی کھلی ہوئی بیگانگی کیوں ہے؟ محض اللہ کی مشیت اور اسکی ہمہ گیر طاقت کی وجہ سے۔

(۱۲) یہ سب براہین قدرت ہیں، دلائل ربوبیت ہیں، شواہد صنعت ہیں آثار الوہیت ہیں۔ لیکن کوتاہ فہم کور بصیرت اور کند ذہن رکھنے والوں کے لئے نہیں۔ بلکہ ہوش حواس بصیرت و دانش رکھنے والوں کے لئے۔ اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں سمجھتے ہیں سوچتے ہیں غور کرتے ہیں اور مصنوعات سے صانع پر استدلال کرتے اور آثار سے مؤثر تک پہنچتے ہیں۔

کل آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عظیم الشان عرش اور اونچے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کرنے والا آفتاب و ماہتاب، مقررہ رفتار اور معین وقت تک چلانے والا۔ عالم کا انتظام کرنے والا۔ زمین کو پھیلا کر اُس پر پہاڑوں کی میخیں قائم کرنے والا اور دریاؤں کو بہانے والا ہر قسم کے پھل پھول، کھیتی باڑی پیدا کرنے والا، رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو ڈھانکنے والا۔ ایک مادہ اور ایک قوام کی زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر ٹکڑے کو دوسرے سے مختلف بنانے والا اور ایک ہی پانی سے قسم قسم کے درخت اور جدا جدا مزہ کے پھل پیدا کرنے والا محض اللہ ہی ہے۔ لہٰذا وہی لائق پرستش و الوہیت ہے۔

اہل باطن کے لئے چند اشارات

تفسیری مطالب تو ہم نے بیان کر دیا لیکن اہل باطن کے لئے کچھ رموز و اشارات بھی ظاہر کرتے ہیں جن سے اہل ذوق ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ پاک باطن والے کہتے ہیں کہ انسانی ارواح آسمان میں بشری

قلوب عرش ہیں - ستون مادہ ہے - شمس و قمر معرفت و علم ہیں - تدبیر امر سے مراد ہے بشریت کی تکمیل بصفات ملکوتی - تفصیل آیات سے مراد ہے تفصیل معارف بانوار یقین - مطلب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے ارواح کو بغیر مادہ کے پیدا کیا جو ازل سے ابد تک بقاء و قدم باقی ہیں - پھر قلوب انسانی پر اپنے انوار تجلی کا ظہور کیا - معرفت اور علم کو قلب سے روح تک جاری کیا - قلب سے روح تک جو مسافت ہے یہی معرفت و علم کے لئے اجل مقرر ہے - معرفت و علم (چاند سورج) میں قبض و بسط (طلوع و غروب) ہوتا رہتا ہے - اسی معرفت و علم کی رفتار عالم عقل میں بانوار مشاہدات ہوتی رہتی ہے - اللہ ہی انسانیت کی تکمیل کرتا ہے - یعنے انسان کے اندر ملکوتی صفات پیدا کرتا ہے - وہی اپنی آیات یعنی معارف کی تفصیل انوار یقین کے موافق کرتا ہے - جہاں نور ایمان زائد ہے وہاں معرفت زائد ہے جہاں ایمان کی روشنی کم ہے وہاں معرفت بھی کم ہے - اللہ نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ صرف اسلئے کہ انسان کو ملکوتی بصیرت کے ذریعے سے معرفت کا مشاہدہ اور صفات الٰہیہ کی تجلی حاصل ہو جائے اور حصول معرفت و تجلی صفات کے بعد اہل یقین کے درجہ تک اُس کی رسائی ہو جائے۔

ابن عطاء کا قول ہے کہ تدبیر امور تقدیر ازلی کے موافق ہے - اور تفصیل آیات قضاء الٰہی کی رفتار کا نام ہے - اس سے انسان کو اپنی مجبوری کا یقین ہو جاتا ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ ہی تمام امور اور ان کے تمام احوال کو مقرر فرماتا اور پھر اُس تقریر کے موافق جاری فرماتا ہے۔

اہل بصیرت کہتے ہیں کہ زمین سے مراد مادہ ہے - پہاڑوں سے مراد جسمانی صورتیں ہیں - انہار سے مراد نوعی صورتیں ہیں - ثمرات سے مختلف احوال و مدارج مراد ہیں - مطلب یہ کہ اللہ نے ایک مادہ پیدا کیا - مادہ کو باقی رکھنے کے لئے صور جسمیہ پیدا کیں - صور جسمیہ اور مادہ کے اختلاط سے جسم بنا - پھر اجسام کا باہم نوعی اختلاف مختلف نوعی صورتوں کی وجہ سے ہوا - اور انہی نوعی صورتوں کے اختلاف کا نتیجہ مختلف کیفیات حالات رنگ اور بو کی شکل میں ظاہر ہوا۔

مقصود بیان:- عالم اجسام و عالم ارواح کا خلاق مطلق اور ان کا انتظام کرنے والا اللہ ہی ہے - موجد بھی وہی ہے اور مربی بھی وہی - لہذا معبود بھی اُسی کو ہونا چاہئے - چاند اور سورج فرمان الٰہی کے تابع ہیں - ان کی سیرگاہ اور وقت رفتار اور انتہاء رفتار مقرر ہے - زمین کا ہر عمل نر و مادہ ہوتا ہے - زمین ایک ہے اُس کے ٹکڑے جدا جدا ہیں لیکن متصل ہیں - باوجود اتصال کے خاصیات و کیفیات میں مختلف ہیں - اسی بناء پر جو پھل پھول یا درخت زمین سے پیدا ہوتے ہیں وہ اگرچہ پانی سے ہی غذا حاصل کرتے ہیں - مگر کیفیات شکل اور مزہ میں مختلف ہوتے ہیں سادی اور فاعل قوتوں کے اتحاد کے باوجود نتائج و کیفیات کا اختلاف دلالت کر رہا ہے کہ ہر چیز کی تخلیق ایک فعال مطلق کے ہاتھ میں ہے جو مختار و حکیم ہے - جیسا چاہتا ہے کرتا ہے - اور جب تخلیق کی باگ اسی کے دست قدرت میں ہے تو وہی لائق پرستش بھی ہے - آیات میں دعوت دی گئی ہے کہ مصنوعات اور آیات قدرت میں غور و فکر کرو سوچو سمجھو اور نتیجہ پر پہنچو - عقل و تدبر سے کام لو - اثر سے مؤثر تک اور نتیجۂ فعل سے فاعل پر استدلال کرو - گویا اس سے در پردہ اس طرف اشارہ ہے کہ قابل غور مصنوعات کے حالات ہیں - صانع کے متعلق غور کرنا اور عقلی گھوڑے دوڑانا عبث فعل ہے - وہاں عقل کی رسائی نہیں - لہذا ذات الٰہی کے متعلق کچھ نہ سوچ مظاہر قدرت کو دیکھ کر صفات الٰہیہ کا فی الجملہ علم حاصل کرنا اہل ایمان کا خاصہ ہے - وہ قومیں گمراہ ہیں جو ذات الٰہی کا تجزیہ کرتی ہیں - اُسکی ذات کے متعلق کوئی ریمارک کرنا گمراہی ہے - اس کی حقیقت تک پہنچنا ناممکن ہے - وغیرہ۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا

اور اگر تم تعجب کرو تو (زیادہ) عجیب اُن کا قول ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے

ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

تو کیا پھر ہم از سر نو پیدا ہوں گے — یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ

اپنے رب کا انکار کیا — انہی کی گردنوں میں طوق

اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

ہوں گے — اور یہی — دوزخی ہوں گے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

جس کے اندر وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان فرمایا تھا کہ صنائع قدرت اور آثار وحدانیت سے انہی لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے جو عقل و فہم سے کام لیتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان کا نور ہے جو غور و فکر کے اثر سے مؤثر تک پہنچتے ہیں - ان آیات میں اُن بد باطن سیاہ دل کافروں کا بیان ہے جو مظاہر قدرت کی طرف سے چشم بصیرت بند کر لیتے ہیں اور باوجود شواہد ظاہرہ کے اللہ کی توحید و خلاقی کو نہیں مانتے - چونکہ حضور اقدس توحید کے سمندر میں مستغرق تھے - شواہد ملکوت و جبروت مشاہدہ کرتے اور تمام نشانہائے قدرت میں اللہ کی وحدانیت و قدرت کا معائنہ فرماتے تھے اس لئے بد باطن کور چشم کافروں کے حال پر آپ کو تعجب ہوتا تھا - حضور کو ایک اچنبا تھا کہ باوجود اس قدر واضح آیات اور کھلی ہوئی بینات کے کافر کس طرح اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت میں شک کرتے ہیں اور کیوں اپنی آنکھوں سے میرے قول کی صداقت کو نہیں دیکھتے - آفتاب کا انکار کس طرح ممکن ہے - خدا تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی تم کو ان کی حالت پر تعجب ہوتا ہے لیکن اس سے زیادہ تعجب انگیز تو ان کا انکار معاد ہے

یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مرکر مٹی ہوگئے تو از سر نو تخلیق ہماری کس طرح ممکن ہے (یعنی وحدانیت ذات تو پھر کسی قدر خفی چیز ہے۔ خدا کی خلاقی صفت تو بالکل واضح ترین بدیہیات میں سے ہے۔ کل عالم اجسام و عالم ارواح کا خالق جب وہی ہے تو مٹی سے دوبارہ انسان کو پیدا کرنا کیا مشکل کام ہے) اس کے بعد فرماتا ہے یہی لوگ کافر اور اللہ کے منکر ہیں (خدا کو عاجز سمجھتے ہیں گویا خدا کو ہی نہیں مانتے) ان کی سزا دوامی جہنم ہے۔

مسئلہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ بعض گناہگار مومن بھی دوزخ میں جائینگے۔ لیکن بقدر مشیت الٰہی کے عذاب اٹھا کر جہنم سے رہا کر دیئے جائینگے اور نہر حیات میں غوطہ دیکر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ بعض مومن گنہگار کی دوزخ سے رہائی انبیاء، صلحاء اور ملائکہ کی شفاعت سے ہوگی۔ بہر حال ہمیشہ کے لئے دوزخ میں کوئی گنہگار مومن نہ رہیگا۔ غیر منقطع عذاب صرف کافروں پر ہوگا

مقصود بیان:- انکار ذات کی بہ نسبت انکار صفات زیادہ عجیب ہے خصوصاً معاد جسمانی کا انکار تو اللہ میں عجز پیدا کرتا ہے۔ ذات و صفات کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ ذات الٰہی میں ایسی صفات ماننا جس سے اس کی تنقیص لازم آئے یا کسی کمالی صفت کا انکار کرنا دونوں موجب کفر ہیں۔ حشر جسمانی کا انکار کفر ہے۔ کافر ہمیشہ دوزخ میں رہینگے یعنی جو کافر ہوگا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا ہو سکتا ہے کہ کچھ مدت کے لئے دوزخ میں بھیجدیا جائے اور پھر سزا اٹھا کر یا دوران میعاد میں کسی سبب سے رہائی پا جائے۔ وغیرہ۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ

(اے نبی) یہ لوگ بھلائی سے پہلے تم سے برائی طلب کرتے ہیں

وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ

حالانکہ ان سے پہلے بہت سے واقعات گذر چکے ہیں اور تمہارا رب

لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ

لوگوں کو باوجود ان کے ستمگار ہونے کے معاف کرتا ہے اور

رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ

تمہارا رب سخت عذاب والا بھی ہے

تفسیر قرآن پاک کا طرز تبلیغ بھی عجیب ہے۔ انکار قیامت کو گذشتہ آیت میں تعجب انگیز پیرایہ بیان میں ظاہر فرما کر تنبیہ کی تھی کہ باوجود قیامت اس قدر بدیہی اور کھلا ہوا ہے کہ اس کا انکار نا ممکن ہے۔ اب پیر نضر بن حارث وغیرہ کہا کرتے تھے کہ اگر تمہارا دین حق ہے اور قیامت ضرور آنی ہے اور عذاب ثواب لازم ہے تو پھر تاخیر کیوں ہے؟ جو کل ہونا ہے وہ آج ہی ہو جائے تاکہ ہم کو بھی یقین ہو جائے۔ اس قول کی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقین آنے اور عبرت حاصل کرنے کے لئے گذشتہ اقوام کی مثالیں کافی ہیں۔ غیر معدود نظیریں گذر چکی ہیں۔ سابق انبیاء کی منکر قوموں پر دنیا ہی میں عذاب نازل ہو چکا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا عذاب اب بھی نازل کر سکتا ہے لیکن خود نہیں کرتا۔ باوجود شرک و کفر اور معصیت کے اپنی رحمت عامہ کی وجہ سے اب مواخذہ نہیں کرتا اس نے ڈھیل دے رکھی ہے۔ موت تک مہلت ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ کبھی گرفت نہ کریگا۔ مواخذہ ضرور کریگا اس کا اخروی عذاب بہت سخت ہے۔

مَثُلٰت کے معنی میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ ابن انباری کا قول ہے مثلات وہ عذاب ہیں جن کا اثر سزا یافتہ اشخاص یا اقوام میں بعد کو بھی بطور عیب باقی رہے۔ قتادہ اور ابن عباس نے اس کا ترجمہ عقوبات کیا ہے۔ یعنی گذشتہ امتوں پر جو عذاب نازل ہو چکے ہیں وہ سب مثلات ہیں۔ میری نظر میں وہ نصیحت انگیز عبرت خیز انواع عذاب جو دوسروں کو شرک و معصیت سے روک دینے کا باعث ہوں مثلات کے ذیل میں داخل ہیں۔

ایک شبہہ آیت اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ الخ دلالت کر رہی ہے کہ مشرکین بھی قابل مغفرت ہیں اور وہ بھی غفران الٰہی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ازالہ ابن عباس نے اس شبہہ کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ مشرکین کے لئے بھی مغفرت کرنے والا ہے۔ بشرطیکہ وہ مرتے وقت توبہ کرلیں لیکن یہ جواب ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ توبہ کرنے کے بعد مشرک مشرک ہی نہیں رہتا۔ مقاتل کا جواب اس سے بہتر ہے کہ: مغفرت کی دو صورتیں ہیں ایک عمومی دوسری خصوصی۔ دنیا میں آدمی کیسا ہی گناہ کرے۔ فسق و فجور، کفر و شرک وغیرہ۔ مگر خدا تعالیٰ قبل از وقت اس کی گرفت نہیں کرتا موت تک ڈھیل دیتا رہتا ہے اور آخر وقت تک درگذر فرماتا ہے۔ یہ عمومی مغفرت ہے جس سے فائدہ اندوز مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔ اگر خدا تعالیٰ کی یہ عمومی مغفرت نہ ہوتی تو سطح زمین پر کوئی جاندار زندہ نہ بچتا۔ دوسری آیت میں ہے لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ رہی خصوصیت مغفرت وہ آخرت میں ہوگی اور اہل ایمان کے ساتھ مخصوص ہے۔ میرے نزدیک سادہ جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مغفرت الٰہی کا عموم معلوم ہوتا ہے۔ مومن ہو مشرک ہو کوئی بھی ہو اگر بغیر توبہ کے مرجائے تو اس کی مغفرت ہو سکتی ہے۔ لیکن دوسری آیات (جن کا نزول اس آیت کے بعد ہے) بتا رہی ہیں کہ مشرک کی مغفرت کبھی نہ ہوگی۔ لہذا آیت کا عموم مخصوص البعض ہو گیا۔ اور اس کے ذیل میں صرف اہل ایمان ہی داخل رہے۔ یہ جواب اس صورت میں ہوگا جب مغفرت سے اخروی مغفرت مراد لی جائے۔ اور اگر دنیوی مغفرت مراد لی جائے جیسا کہ سیاق آیات سے معلوم ہوتا ہے تو

مقابل کا جواب بہترین ہے۔

مقصود بیان:- آیت میں در پردہ ہدایت ہے کہ زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہیئے جتنی بھی مہلت ہے اُس میں نیکی کی بیش از بیش کوشش کرنی لازم ہے۔ گذشتہ تاریخ سے سبق لینا ضروری ہے۔ اللہ کی رحمت عام ہے۔ باوجود سرکشی اور نافرمانی کے اُس کی دنیوی رحمت میں کمی نہیں ہوتی۔ آخری آیات میں بیم ورجا کا مظاہرہ ہے اور فی الجملہ ضمناً اشارہ ہے کہ بیم ورجا کے درمیان ہی ایمان کا مرتبہ ہے۔ وغیرہ۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ

کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے

عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ

کوئی کھلا ہوا معجزہ کیوں نہیں اُتارا گیا (اے محمدؐ) تم تو صرف ڈرانیوالے ہو

وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ ع

اور ہر قوم کا ایک ہادی ہوا ہے

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى وَمَا تَغِيضُ

اللہ جانتا ہے اُس چیز کو جو ہر مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوتی ہے اور پیٹ کے

الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۗ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ

گھٹنے بڑھنے سے بھی واقف ہے اور ہر چیز اُسکے نزدیک اندازہ

بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

سے ہے وہ ظاہر باطن کو جاننے والا

الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ۝

سب سے بڑا اور عالی شان ہے

تفسیر خدا تعالیٰ نے اپنے رسول پاکؐ پر اس قدر کثیر آیات و معجزات کا نزول فرمایا کہ اُن کے بیان کے لئے ضخیم مجلدات کی ضرورت ہے۔ آنکھوں والوں کو معجزات دکھائی دیئے۔ آیات باہرات نظر آئیں۔ ایمان میں ترقی اور یقین میں اضافہ ہوتا گیا۔ لیکن کوتاہ نظر محسوس پرست طبقہ کو شرک کی تاریکی ڈھانکے ہوئے تھی۔ اُس کو حق کی روشنی کیسے سوجھتی۔ معجزات کی کثیر مقدار بھی اُس کی ہدایت کے لئے کافی نہ ہوئی۔ محض عناد سے روزانہ نئے نئے معجزات کی فرمائش اس کا شیوہ ہوگیا۔ یہ معاندگروہ

کبھی معاندانہ طرز میں کہتا کوہ صفا کو سونے کا کردو۔ مکہ کو کشادہ کردو۔ یہاں سے پہاڑ ہٹ جائیں۔ سبزہ زار اور نہریں ہوجائیں۔ کبھی کہتا غیبی خزانے ہم پر کیوں نہیں اترتے۔ فرشتہ نازل ہو کر تمہاری صداقت کی شہادت کیوں نہیں دیتا۔ حضور رسالتمآبؐ نے ان کور باطن کافروں کے وعدہ پر نظر فرما کر چاہا کہ اُن کی تکمیل عرضداشت کے لئے دعا کریں۔ مگر بذریعۂ وحی حکم ہوگیا کہ ہدایت و ایمان مقدر ہے اسباب پر منحصر نہیں ہے۔ اگلی قوموں نے اسی طرح اصرار کے ساتھ معجزات مانگے لیکن پھر ایمان نہ لائے۔ تقدیر غالب ہوئی۔ آخرکار عذاب میں تاخیر نہوئی یہی قانون الٰہی ہے۔ حضور یہ فرمان سن کر دعا کرنے سے باز رہے اور التجا کی کہ ان کو ہلاک نہ کیا جائے۔ میں ہدایت کرنے کی کوشش کرونگا۔ جب اس تیرہ باطن طبقہ کے لئے عقل و بصیرت کی کوئی نشانی کافی نہوئی تو قدیمی معاندانہ رنگ میں بولے آخر کیا بات ہے کہ تمہارے اوپر کوئی نشانی (یعنی ایسی محسوس نشانی جو ہماری ہدایت کے لئے کافی ہو) نہیں اُتاری جاتی۔ خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ محمدؐ تمہارا کام محض عذاب الٰہی سے ڈرانے کا ہے۔ ہر قوم کا ایک راہنما ہوتا ہے۔ ہر امت کے لئے ایک پیغمبر ہوا ہے تم بھی رہنما ہو۔ عذاب سے ڈرانے والے یعنی ایمان کی طرف بلانے والے ہو (سینہ چیر کر ایمان داخل کر دینا اور منزل مقصود پر پہنچا دینا تمہارا کام نہیں یہ کام اللہ کا ہے) بیضاوی نے آیات مذکورہ کی تفسیر میں کہا کہ خدا تعالیٰ نے خاص وحی کے ذریعے سے جن آیات کو رسول اللہؐ پر نازل فرمایا اہل کفر اُن کو شمار میں نہ لائے اور ایسے معجزات کے طالب ہوئے جیسے موسیٰ وعیسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ اس پر حکم ہوا کہ تم کو صرف انذار و ترہیب کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تم سے پہلے اور پیغمبر بھی بھیجے گئے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ مناسب حال کوئی ایسا معجزہ دکھاؤ جس سے صحت نبوت کا ثبوت ہوجائے۔ یہ لازم نہیں کہ جو کچھ کفار ہٹ کریں اُس کو پیش کرو۔ امام رازی نے اس تفسیر کو پسند کیا ہے

آیت لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کے مطلب میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ کے نزدیک ہادی سے مراد ہے راہ راست کی طرف بلانے والا۔ مجاہد کے نزدیک ہادی سے نبی مراد ہے۔ سعید بن جبیر، ضحاک و مجاہد وغیرہ نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ تم فقط منذر ہو اور اللہ ہر قوم کا ہادی ہے۔ یعنی تم ہادی نہیں ہو۔

میرے نزدیک آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اے رسول تم فقط منذر ہو عذاب الٰہی سے ڈرانا تمہارا کام ہے اور تم ہی ہر قوم کے ہادی ہو۔ ہر گروہ کو راہ راست دکھانا اور اللہ کی طرف بلانا بھی تمہارا کام ہے۔ گویا منذر اور ہادی دونوں صفتیں رسول کی بیان کی گئیں۔ عکرمہ اور ابوالضحیٰ کا بھی یہی قول ہے۔

جب آیت مذکورہ میں بیان کردیا کہ نبی کا کام صرف رہنمائی ہے۔ منزل پر پہنچانا اللہ کا کام ہے تو اس سے آگے خدا تعالیٰ کے وہ خصوصی اوصاف بیان کئے جن سے اُس کے علم کی ہمہ گیری عمومی تسلط و جلالت شان ظاہر ہوتی ہے۔ ان آیات کے تین حصے ہیں (۱) ہر مادہ کے رحم کے اندر جو حمل ہوتا ہے اللہ اُس سے خوب واقف ہے اور قطعی طور پر اُسی کو علم ہے کہ وہ حمل نر ہے یا مادہ (سیوطی)

خوبصورت ہے یا بدصورت، جنتی ہے یا دوزخی اسکی عمر زیادہ ہے یا کم (ابن کثیر) صحیحین میں ابن مسعود کی مرفوع روایت منقول ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے کہ حالت حمل میں جب آدمی گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں ہوتا ہے اس وقت ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے اُس کا رزق، اُسکی عمر، اس کے اعمال یعنی جنتی یا دوزخی ہونا اور اُس کا نر یا مادہ ہونا لکھ لیتا ہے (۲) رحم کی کمی بیشی کو بھی اللہ ہی جانتا ہے یعنی مدت حمل کی صحیح مقدار سے اللہ ہی واقف ہوتا ہے کہ بچہ کتنے زمانہ میں پیدا ہوگا پورے نو مہینے میں یا اس سے کم یا اس سے زیادہ۔ (بعض علماء نے اس سے خون حیض کی کمی بیشی مراد لی ہے) اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ (۳) اللہ کے نزدیک ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے جس سے بڑھاؤ گھٹاؤ نہیں ہو سکتا۔ ہر چیز کی مقدار، عمر، حجم، خوبصورتی، بدصورتی، اچھائی بُرائی، غرض ہر حالت، ہر کیفیت اور ہر نوعیت مقدر ہے۔ اُس کو ظاہر باطن اور غیب و حضور کا علم ہے۔ کوئی چیز اُس کے علمی احاطہ سے خارج نہیں۔ لہذا اُس نے اپنے علم کے بموجب کل چیز کا مخصوص اندازہ کر لیا اور وہی مخصوص اندازہ اُس کے لئے مقرر فرما دیا۔ صحیح حدیث میں تقدیر خیر و شر پر یقین کرنے کو مدار ایمان قرار دیا ہے حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے جب معبد جہنی کا یہ قول نقل کیا گیا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے بلکہ بندہ کے افعال کے نتیجہ کا نام تقدیر ہے۔ تو آپ نے فرمایا تم اُن لوگوں سے بوقت ملاقات کہدینا کہ میرا اُن سے اور اُن کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قسم ہے اللہ کی اگر اُن میں سے کسی کے پاس کوہ احد کی برابر سونا ہو اور وہ اُس کو خیرات کرے تو اللہ اُس کو قبول نہ فرمائیگا جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لائیگا (رواہ اصحاب الصحاح)

مقصود بیان :- ازلی بدبختوں کو کوئی نشان معرفت مفید نہیں ہوتا وہ ہمیشہ مزید نشانیاں طلب کرتے رہتے ہیں۔ محسوس پرست دماغ رکھنے والے عقل و بصیرت سے کورے رہتے ہیں۔ وہ محسوس جاہلانہ معجزہ چاہتے رہتے ہیں اور ایسے ہی معجزہ کو معیار نبوت جانتے ہیں۔ رسول اللہ ؐ کے قبضہ میں نہ تھا کہ کسی کو مؤمن بنا سکتے۔ آپ کا کام صرف تبلیغ تھا۔ مقصود تک پہنچانا اللہ کے بس میں ہے۔ یہ آیت اُن عالم نما جاہلوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو غیر اللہ مرادیں مانگتے اور بیڑا پار کرنے والے جانتے ہیں۔ شکم مادر کے اندر بچہ کے کل حال کا قطعی علم اللہ ہی کو ہوتا ہے۔ اگرچہ ظنی اور تخمینی علم ڈاکٹروں، حکیموں اور دیگر تجربہ کاروں کو بھی قرائن سے ہو جاتا ہے۔ مگر ان کا یہ علم یقینی اور قطعی نہیں ہوتا صرف فنی مہارت کے تحت ہوتا ہے۔ ہر چیز کی ہر حالت ہر کیفیت اور ہر مدت مقرر ہے۔ تقدیر ازلی ہر چیز کو محیط ہے نتیجہ عمل کا نام تقدیر نہیں بلکہ باعث عمل کا نام تقدیر ہے۔ وغیرہ۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ

برابر ہے تم میں سے جو چپکے سے بات کہے اور جو چلا کر

بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ

کہے اور جو رات میں چھپا رہے اور جو دن میں

بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ

چلنے والا ہو انسان کے آگے پیچھے نگہبان

وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ

فرشتے ہوتے ہیں جو بحکم خدا اُس کی حفاظت کرتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تاوقتیکہ وہ اپنی اندرونی حالت

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا

نہ بدلیں اگر اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنی چاہتا ہے

فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝

تو وہ ٹل نہیں سکتی اور سوائے خدا کے اُن کا کوئی مددگار نہیں ہوتا

تفسیر ایک بار جناب رسول پاک ؐ مع صحابہ کے مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ عامر بن طفیل شاعر اور اربد بن ربیعہ حاضر خدمت ہوئے۔ عامر حسین بہت تھا مگر کانا تھا۔ لوگ اسکی طرف تکنے لگے۔ عامر نے سامنے آ کر کھڑے ہو کر عرض کیا محمد! اگر میں تم کو مان لوں تو مجھکو کیا ملے گا؟ حضور نے فرمایا جو دوسرے مسلمانوں کو ملتا ہے ملیگا وہی تم کو ملیگا۔ عامر بولا اگر اپنے بعد جانشینی کی دستاویز لکھدو تو مسلمان ہو جاؤں۔ حضور ؐ نے فرمایا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے حق تعالیٰ جس سے چاہے کام لے۔ عامر نے کہا اچھا یہ نہیں تو ملک کی تقسیم کر لو صحرائی حصہ میرا اور سکنائی آپ کا۔ حضور نے فرمایا یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ عامر نے کہا پھر کیا۔ حضور ؐ نے فرمایا گھوڑے دے سکتا ہوں اس شرط پر کہ جہاد کیا کرو۔ عامر نے کہا اچھا خلوت میں چل کر کچھ بات سن لیجئے۔ حضور ؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور باتیں ہونے لگیں۔ عامر نے اپنے رفیق اربد کو پہلے سمجھا رکھا تھا کہ جس وقت میں باتوں میں مشغول کروں تو پیچھے سے تلوار چلا دینا۔ چنانچہ اربد پیچھے سے آیا اور تلوار سونتی مگر وہ بالشت بھر نکل کر نیام میں پھنس گئی۔ حضور ؐ نے پیچھے رخ کیا تو اربد کو تلوار نکالنے کی کوشش میں پایا۔ اُس وقت بارگاہ الٰہی میں دعا کی الٰہی یہ دونوں تیرے حوالے جس طرح چاہے میرا بدلہ لے۔ چنانچہ اربد پر تو بجلی گری اور وہ جل کر سوختہ ہو گیا باوجودیکہ ابر تھا نہ غبار۔ کھلا آسمان تھا اور عامر یہ کہکر بھاگ گیا کہ محمد! اپنے رب سے بددعا کر کے میرے دوست کو

تو ہلاک کرا دیا۔ دیکھو میں بھی کیسا جرار لشکر لے کر آتا ہوں۔ یہ کہکر قبیلۂ بنی سلول کی ایک عورت کے ہاں جا کر ٹھیرا۔ صبح ہوتی تو روانگی کی تیاری کی۔ دفعۃً کان کی جڑ میں درد اور سوزش ہوئی اور طاعون کی گلٹی برآمد ہوئی۔ زندگی سے مایوس ہوگیا۔ غصہ میں بھرا ہوا جنگل کی طرف بھاگا اور چلایا اے موت جلد آ۔ اگر محمدؐ کو اور تجھے دیکھ پاؤں تو نیزہ مارے بغیر نہ رہوں۔ یہ کہکر گستاخانہ شعر پڑھے دفعۃً غیبی طمانچہ ایسا لگا کہ زمین پر گر گیا۔ آخر پھر اُٹھا اور گھوڑے پر چڑھا۔ اسی حالت میں دم نکل گیا۔ اسی واقعہ کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا۔ اس شان نزول کو پیش نظر رکھتے ہوئے لَهٗ کی ضمیر رسول پاکؐ کی طرف راجع ہوگی۔ ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔ معالم میں آیت کی شان نزول بھی یہی مذکور ہے لیکن حکم کو عمومی قرار دیا ہے۔ عام مفسرین نے ان آیات کو عام آدمیوں کے حالات کے متعلق قرار دیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ چھپا کر کوئی بات کرے یا آواز سے چلا کر۔ خدا کے نزدیک سب برابر ہے اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ رات کی تاریکی میں چھپ کر کام کرنے والا اور دن میں علی الاعلان کرانے والا دونوں برابر ہیں۔ غرض یہ کہ اللہ سمیع و بصیر ہے۔ اس کی سماعت میں اخفاء اور جاہر سے فرق نہیں پڑتا چپکے چپکے باتیں کرنا اور چلا کر کرنا دونوں اُس کے نزدیک برابر ہیں۔ اسی طرح اُس کی بصارت و نظر میں یکسانی ہے۔ دن کی روشنی میں کوئی کام کیا جائے یا رات کی تاریکی میں تنہائی کے اندر چھپ کر۔ بہرحال وہ دیکھتا ہے۔ اُس کے دیکھنے کیلئے رخ جہت مقابلہ اور روشنی کی ضرورت نہیں۔ اس سے آگے فرماتا ہے کہ ہر انسان کی حفاظت کے لئے بحکم خدا کچھ فرشتے مقرر ہیں جو انسان کے آگے پیچھے ہر وقت لگے رہتے ہیں اور اُن کا باہم تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔

معقبات سے کون سے فرشتے مراد ہیں؟ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ شیخ حافظ کا قول ہے کہ ان سے مراد چار فرشتے ہیں۔ ایک آگے رہتا ہے ایک پیچھے۔ ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف۔ آگے پیچھے والے فرشتے انسان کو مکروہات و مصائب سے بچاتے ہیں اور دائیں بائیں والے اچھے بُرے اعمال لکھتے ہیں۔ ان چاروں کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ دن کے فرشتے اور ہیں رات کے اور۔

مجاہد کا قول ہے کہ ہر آدمی کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے جو خواب و بیداری میں جن و انس، سانپ بچھو اور دوسرے کیڑوں مکوڑوں کے ضرر سے آدمی کو بچاتا رہتا ہے الا ماشاء اللہ۔ سعید بن جبیر نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آدمی کی حفاظت فرشتے اسی طرح آگے پیچھے سے کرتے رہتے ہیں جس طرح بادشاہ کا باڈی گارڈ حفاظت کرتا ہے۔

بعض احادیث میں نگہبان فرشتوں کی تعداد ستر ہزار فی آدمی بیان کی گئی ہے۔ بعض میں دس فرشتے بیان کئے گئے ہیں۔ بہرحال معقبات سے اعمال لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے دونوں طرح کے فرشتے مراد ہیں جن کا صبح شام تبادلہ ہوتا رہتا ہے تعداد کتنی ہی ہو۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ایک عام ضابطۂ قدرت بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے ظاہری باطنی احوال کو درست رکھنے اور اُس کی حفاظت کرنے کے لئے غیب سے اسباب فراہم کر دیئے ہیں۔ کفر و ایمان اور معصیت و طاعت سے اس عمومی انعام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مگر انسان جب خود اپنی حالت بدل دیتا ہے اور اُس نعمتِ الٰہی کو بگاڑ دیتا ہے جو خدا تعالیٰ نے اُسکو عطا کی ہوتی ہے تو پھر اللہ بھی اُس کی حالت کو خراب کر دیتا ہے اور اُس سے اپنی نعمت چھین لیتا ہے۔ اُس وقت فرشتے اُس کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں کوئی اُس کا محافظ، نگہبان اور حامی نہیں رہتا اور بارادۂ الٰہی اُس کی حالت تباہ ہو جاتی ہے۔

مقصود بیان:۔ اللہ کے احاطۂ علمی سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اُس کے سننے میں آواز کی شدت و ضعف سے فرق نہیں آتا۔ نہ اُس کا دیکھنا روشنی جہت اور مقابلہ کا محتاج ہے۔ گویا آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ سمیع، بصیر، مادہ اور عوارض مادہ سے پاک ہے۔ اُس کے دیکھنے سننے کی کیفیت ہی کچھ اور ہے۔ انسان کی حفاظت کے لئے کچھ غیبی فرشتے ہر وقت مقرر رہتے ہیں اور اُن کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ جب تک انسان خود اپنی حالت نہ بگاڑے اللہ اُس کو برباد نہیں کرتا۔ جب وہ خود اسباب ہلاکت فراہم کرتا ہے تو اللہ بھی اپنی نعمت اُس سے چھین لیتا ہے۔ اس آیت میں موجودہ دور کے مسلمانوں کے لئے خزائن عبرت پوشیدہ ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ بربادی خود آوردہ ہے۔ ان کے اندر ظلم کوشی اور حق فراموشی کے وہ عیوب موجود ہیں کہ اگر اُن کو دور کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو اللہ اپنی نعمت ان سے بالکل چھین لیگا۔ اب تک ان کی حکومت عزت دولت اور قوت فنا ہوئی ہے آئندہ ان کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائیگا۔ کاش ہمارے علماء مشائخ اور لیڈر اس آیت سے سبق لیں اور قوم کی ہر تباہی کو تقدیر الٰہی پر محول کرنے کی بجائے اپنے اعمال کو اس کا کفیل قرار دیں۔ شہرت مال اور نام آوری کی ہوس کو ترک کر کے خلوص کے ساتھ قوم کے افعال و اعمال کی اصلاح کی کوشش کریں۔ وغیرہ

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ

وہی تم کو ڈرانے اور امید دلانے کو بجلی دکھاتا ہے اور وہی

یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ

بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے اور رعد اُسکی تعریف کے ساتھ

بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَ

اُسکی پاکی بیان کرتا ہے اور فرشتے اُس کے خوف سے (اُسکی حمد کرتے ہیں) اور

مخلوق کے فرائض کی تفصیل کے ساتھ بیان سوشل اور تمدنی اور نفسانی اصلاح کرتا ہے۔ پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اُن کی جگہ سے ہٹا کر زمین کشادہ کر دینا یا قبروں سے مُردوں کو اکھاڑنا اس کا کام نہیں۔ قرآن خزانۂ علوم ہے۔ کنز معارف ہے۔ مجموعۂ قوانین ہے۔ سرچشمۂ ہدایت ہے۔ مسمریزم کی کتاب یا جادو کا دفتر نہیں۔ جب کور بصیرت طبقہ کو قرآنی غرض کا ہی علم نہیں اور مقصدِ رسالت ہی کی طرف توجہ نہیں تو پھر ایسے بیہودہ سوالات پورے کرنے کے بعد ان کی ہدایت ناممکن ہے۔ آخری آیات میں آیندہ کے واقعات کی خبر بھی دیدی گئی کہ عنقریب مکہ اور اطراف مکہ فتح ہوگا۔ اس پیشین گوئی میں ایک خاص رمز اس طرف بھی ہے کہ دنیا میں دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں عقلمند اور بے وقوف۔ سمجھدار اور بصیرت کوش اور متعصب جاہل۔ اہل بصیرت کے لئے تو قرآن سرچشمۂ صد ہدایت ہے۔ رسولِ پاکؐ کی شخصیت اُن کے لئے صداقت مجسم ہے لیکن کوتاہ فہم متعصب جاہل روحانی طاقت اور عقل کی روشنی اور قواعد و ضوابط کی راستی کے قائل نہیں ہوتے۔ اُن کے لئے تو مادی طاقت کا تسلط۔ ظاہری شوکت و سطوت اور غلبہ و حکومت کی ضرورت ہوتی ہے وہ حقانیت و صداقت کو دلائل کی روشنی میں نہیں دیکھتے بلکہ ظاہری جلال و شکوہ اور دنیوی عروج و غلبہ کو باعث صداقت جانتے ہیں ایسے بدفہموں کے لئے تلوار کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ عنقریب مسلمانوں کی تلوار بھی اُن کے سروں پر آنیوالی ہے

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ

بہتیرے پیغمبروں کی تم سے پہلے بھی ہنسی اڑائی جا چکی ہے چنانچہ کافروں

لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ

کو ہم نے مہلت دی مگر پھر اُن کو دھر پکڑا تو دیکھو میرا عذاب

عِقَابِ ۝ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ

کیسا تھا بھلا جو ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو (اُن کو بے سزا

بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ

چھوڑ دے گا) انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں تم پوچھو اُن کے نام تو لو

أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ

یا تم اللہ کو وہ بات جتاتے ہو جس کو زمین میں (کہیں) وہ نہیں جانتا یا

بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

اوپری باتیں بناتے ہو۔ نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ کافروں کی فریبکاریاں

مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَنْ

اُن کے لئے آراستہ کر دی گئی ہیں اور اُن کو راہ راست سے روک دیا گیا ہے اور جس

يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ

شخص کو اللہ گمراہ چھوڑ دے تو اُس کا کوئی ہادی نہیں اُن کے لئے عذاب ہے

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ

دنیوی زندگانی میں بھی اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے

وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ

اور اُن کو اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں جس جنت کا پرہیزگاروں سے

الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ

وعدہ کیا گیا ہے اُسکی صفت یہ ہے کہ اُس کے اندر نہریں بہتی ہونگی

أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ

اُسکے پھل اور سایہ لازوال ہوگا یہ پرہیزگاروں کا انجام

اتَّقَوْا ۖ وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ۝

ہوگا اور کافروں کا انجام آگ ہے

تفسیر

جب آدمی کی عقل تاریک ہو جاتی ہے اور خالی حواس رہ جاتے ہیں تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ فہم و دانش نام فقط حواس کے احساس کا ہے۔ لہذا جن چیزوں کو وہ حواس سے سمجھ سکتا ہے اُن کا تو اقرار کر لیتا ہے اور جہاں تک حواس کی رسائی نہیں ہوتی اور اُن کو سمجھنے کے لئے عقل کی ضرورت پڑتی ہے اُن کا وہ انکار کر دیتا ہے۔ کافروں کی عقل چونکہ تاریکی کے پردوں میں ہوتی ہے اور صرف حواس روشن ہوتے ہیں اس لئے وہ امر آخرت رسالت وحی اور دیگر غیبی امور کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ ان امور کو سمجھنا عقل کی روشنی پر موقوف ہے اور چونکہ اللہ کی صنعتِ تخلیق اور ایجاد کی صنعتیں مصنوعات و مخلوقات کے مطالعہ سے ظاہر ہو جاتی ہیں اور مصنوعات کا مطالعہ حواس کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور کافروں کے حواس درست ہیں اسلئے وہ ان اوصاف کا انکار نہیں کرتے مگر اس میں بھی فی الجملہ خرابی واقع ہو جاتی ہے کیونکہ اُن کے پیش نظر دنیوی حکومت و انتظام کا سلسلہ ہوتا ہے۔ اسی ظاہری سلسلہ پر وہ کارخانۂ قدرت کے انتظام کو بھی قیاس کرتے ہیں اور جس طرح دنیوی بادشاہوں کیلئے وزراء عمال حکومت اور کارکن ہوتے ہیں اور سب ملکر

حکومت میں بادشاہ کے شریک ہوتے ہیں اسی طرح وہ اللہ کو بھی ایک بادشاہ کی حیثیت سے زیادہ وقیع نہیں سمجھتے - اسباب ظاہری کو مؤثر جانتے اور مختلف اولیاء، انبیاء، ملائک اور دیوتاؤں کو اللہ کا شریک حکومت اور عمال و کارکن سمجھتے ہیں - خدا تعالیٰ ان آیات میں کفار کے اس قیاس اور شرک آفریں رائے کی تردید کرتا اور رسول پاکؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ :-

اے رسول ! تم سے پہلے بھی پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا ہے - یعنی کافروں نے عقل کی تاریکی کی وجہ سے غیبی امور کا انکار کیا اور وحی و رسالت کا مذاق اڑایا ہے اُن کی نظر میں رسالت ایک مضحکہ انگیز چیز تھی - اُن کے حواس کی رسائی وحی خداوندی تک نہ تھی اور اللہ بھی اُن کو ڈھیل دیتا رہا خوب ناز و نعمت اور عیش و نشاط کے دروازے اُن پر کھول دیے مگر انجام کار اُن کی گرفت ہوئی اور سخت گرفت ہوئی - اس کے بعد مخلوق پر خالق کو قیاس کرنے کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ (۱) جو خدا ہر شخص کے اندرونی و بیرونی اعمال سے واقف ہو اُس کو ناواقف محتاج مطلق مخلوق پر قیاس کرنا کس طرح صحیح ہے - (۲) اللہ کی حکومت و الوہیت میں ایسے افراد کو شریک سمجھنا جن کے نام بھی نہیں معلوم حقیقت و واقعیت تو درکنار - کس قدر غلط عقیدہ ہے - نام لینے سے خود واضح ہو جائیگا کہ یہ نام یا تو بتوں کے ہیں اور محض فرضی ہیں یا اللہ کی مخلوق میں سے آدمیوں یا جنوں یا فرشتوں کے گھڑے ہیں - اور ظاہر ہے کہ مخلوق خالق کے ساتھ الوہیت میں شریک نہیں ہو سکتی - (۳) خدا کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان مشرکوں کا علم اللہ کے علم سے بھی زائد ہے کیونکہ اللہ کو اپنا کوئی شریک معلوم نہیں اور یہ لوگ شریک کا وجود ثابت کرتے ہیں تو گویا علم الٰہی سے بڑھ کر اپنی واقفیت ثابت کرتے ہیں - اور یہ بات بالکل احمقانہ ہے - کوئی سمجھدار آدمی اس کو مان نہیں سکتا (۴) یا یوں کہنا چاہئے کہ اللہ کا کوئی شریک تو ان کو بھی معلوم نہیں مگر (رسوم کی پچ کرتے ہوئے) یہ اوپری باتیں بناتے ہیں تو اوپری باتیں بنانے سے شریک کا وجود ثابت نہیں ہو سکتا - اس لئے آگے مشرکوں کے شرک کی اصل وجہ بیان فرماتا ہے کہ بس بات صرف اتنی ہے کہ ان کی فریب کاری ان کی نظروں میں کھُب گئی - یعنی غیر اللہ کی پرستش اور شرک اگرچہ ان کے لئے مفید اور نتیجہ خیز نہیں اور نہ اس کا کوئی عقلی ثبوت ہے مگر آباؤ اجداد کی رسم ہے اور چونکہ اس کی ناشائستہ حرکات اور فاسد خیالات موروثی ہیں پشت در پشت سے چلے آتے ہیں اور تمام برادری والے اس میں مبتلا ہیں - اس لئے یہ لوگ اُن کو چھوڑنا نہیں چاہتے بلکہ دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے ہیں - گویا ہدایت نہ پانا ہی ان کی قسمت میں ہی نہیں ہے اور جو چیز قسمت میں نہیں وہ کس طرح ان کو مل سکتی ہے اس لئے گمراہ ہیں اور گمراہ رہیں گے - اس کا نتیجہ آخرت میں بھی ان کے لئے بُرا ہوگا اور دنیا میں بھی خراب ہوگا - آخرت کی سزا تو بہت ہی سخت ہے دنیوی سزا بھی ان کو طرح طرح سے ملیگی مثلاً قحط، وبا، گرانی، گرفتاری، بال بچوں کی تباہی، شکستہ حالی، پریشانی شیرازۂ قوم کی پراگندگی وغیرہ - اس سے آگے مطلب عیاں ہے -

مقصود بیان :- رسول پاکؐ کو تسلی اور اس امر کی فی الجملہ صراحت کہ تاریک عقل والے چونکہ رسالت و وحی کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے اسلئے ہمیشہ سے پیغمبروں کا مذاق اُڑاتے آتے ہیں - شرک فی الالوہیت کی مدلل بیخ کنی - رسوم قبیحہ سے باز رہنے کی در پردہ مخصوص ہدایت اور اس امر کی طرف ایما کہ آدمی کو حق سے روکنے والی چیز درحقیقت آباؤ اجداد کی کورانہ تقلید ہے - اس بدترین فعل کو آدمی قابل استحسان سمجھتا ہے اور گمراہ ہوتا ہے - بلکہ دوسروں کو بھی تقلید کے پُر فریب جال میں پھنسا کر عقل و بصیرت کی روشنی سے محروم کر دیتا ہے - اس بات کی صراحت کہ جسکو اللہ گمراہ چھوڑ دیتا ہے اُس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا خواہ نبی ہو یا ولی یا کوئی اور - آیت میں کافروں کو دنیوی عذاب کی بھی دھمکی دی گئی ہے کہ اگر رسول پاکؐ سے یونہی سرکشی کرتے رہے تو دنیا میں بھی خراب خستہ ہونگے - چنانچہ یہ پیشین گوئی بدرجۂ اکمل پوری ہوئی - حضورؐ کی زندگی ہی میں بڑے بڑے سرداران کفر قتل خوار اور ذلیل ہوئے اور کچھ مدت کے بعد تو سرزمین عرب کفر کے نام سے بھی پاک ہو گئی - آیت میں اس امر کی بھی صراحت ہے کہ جنت کے پھل اور وہاں کا سایہ ناقابل زوال اور لازوال ہے - یعنی جنت کا جب کوئی پھل توڑا جائے گا فوراً اُس کی جگہ اُسی قسم کا دوسرا پھل نمودار ہو جائے گا اور اُس پھل کا نوعی سلسلہ قائم رہیگا - سایہ بھی ہمیشہ رہے گا یعنی وہاں دھوپ نہ ہوگی - کیونکہ دھوپ ہی تکلیف کی چیز ہے - البتہ روشنی ہوگی اور جملہ راحت کے سامان مہیا ہوں گے - وغیرہ

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس قرآن سے خوش ہوتے ہیں

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ

جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور بعض گروہ بعض کا انکار کرتے ہیں

بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ

تم کہدو کہ مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں

وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝

اور اُس کا شریک نہ بناؤں اُسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی جانب میرا رجوع ہے

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ

اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی میں خاص حکم (لیکر) اُتارا اب اگر

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ

علم آچکنے کے بعد بھی تم اُن کی خواہشات پر

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝

چلو گے تو اللہ سے نہ تمہارا کوئی حمایتی ہوگا نہ بچانے والا

تفسیر گذشتہ آیات میں شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کیا تھا۔ چونکہ اہل کتاب توحید کے مدعی تھے اور آسمانی مذہب کا اپنے فرقہ کو حامل سمجھتے تھے اور بظاہر قیامت اور حشر و نشر وغیرہ کا بھی اقرار کرتے تھے اسی لئے ان آیات میں اہل کتاب کے احوال ہی کا بیان کیا گیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کا ایمان واقعی طور پر اپنی مذہبی کتابوں پر بھی تھا اور قرآن کو بھی وہ سچی آسمانی کتاب جانتے تھے اور اُس کے کل احکام کو مانتے تھے۔ ان کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں۔ یہودی گروہ میں سے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ کا نام لیا جاتا ہے اور عیسائیوں میں سے چالیس نجران کے۔ آٹھ یمن کے اور بتیس ۳۲ حبش کے بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ گروہ اہل ایمان کا تھا جسکو دوگنا ثواب ملنے کی حدیث میں صراحت موجود ہے۔ لیکن کتابی اہل ایمان کے خلاف اکثر لوگ ایسے تھے کہ رسالت و وحی کے طریقہ سے تو انکار نہ کرتے تھے اپنی مذہبی کتابوں کو بھی مانتے تھے مگر حضور ﷺ کی رسالت کے قائل نہ تھے اور اُن کی مذہبی کتابوں میں حضور اقدس ﷺ کے جو احوال مذکور تھے اُن میں طرح طرح کی تحریفیں اور تبدیلیاں کرتے تھے اور قرآن نے جن احکام میں کتب سابقہ سے اختلاف کیا ہے اُن کو بھی تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس قسم کے مختلف گروہ تھے۔ ایک پارٹی کعب بن اشرف کی تھی۔ دوسری سید کی تیسری عاقب کی وغیرہ۔ ان دونوں گروہوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے ان آیات میں تصریح فرمائی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ فی الحقیقت اپنی آسمانی کتاب کو مانتے ہیں وہ تو نزول قرآن سے مسرور ہیں۔ قرآن کے ہر حکم پر اُن کا ایمان ہے اور وہ ہر آیت کو سبب ہدایت جان کر خوش ہوتے ہیں لیکن انہی اہل کتاب میں سے کچھ لوگ قرآن کے بعض حصوں کو نہیں مانتے اور اُن احکام کا انکار کرتے ہیں جو اُن کی خواہش کے خلاف ہیں۔ تم اُن کو سمجھا دو کہ توحید و عدم شرک میں تو میں تم سے متفق ہوں۔ جس توحید کا تمہاری کتابوں میں حکم ہے اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ رہے احکام تو زمانہ کے اختلاف سے احوال مختلف ہوتے ہیں اور اختلاف احوال احکام کے اختلاف کا مقتضی ہے۔ اختلاف احوال ہی کا اقتضاء ہے کہ جہاں پہلی کتابیں سریانی اور عبرانی زبانوں میں اُتاری گئیں اُن کی بجائے قرآن خالص عربی میں نازل کیا گیا اور خاص احکام اُتارے گئے۔ اسکے انکار کی عقلاً کوئی وجہ نہیں۔

مقصود بیان: تمام آسمانی الہامی مذاہب توحید و عدم شرک کی تعلیم میں برابر ہیں۔ یہ بنیادی عقیدہ ہے جسکی ہدایت ہر آسمانی کتاب میں کی گئی ہے۔ مگر احکام جزئیہ ہر کتاب کے مختلف ہیں اور زبانیں بھی جدا جدا ہیں۔ اور اس اختلاف کی وجہ محض اختلاف احوال ہے۔ مذہب الٰہی انسانی خواہش کا تابع نہیں ہوتا۔ نہ انسانی میلان خاطر سے اُس میں تغیر کیا جا سکتا ہے۔ ان الفاظ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اُن جاہل علماء اور ناواقف مشائخ کو جنہوں نے دین کو لہو و لعب اور بازیچۂ اطفال قرار دے رکھا ہے جس طرح دل چاہتا ہے آیات و احادیث کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور دین میں طرح طرح کی بدعتیں پیدا کرتے ہیں۔ کہیں رقص و سرود کے جلسے ہیں اور اُن کو ذریعۂ معرفت خیال کیا جاتا ہے کہیں حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کو کمال علمی کا مظاہرہ سمجھا جاتا ہے۔ (اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا

ہم نے تم سے پہلے بھی بہتیرے رسول بھیجے تھے اور اُن کو

لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ

بیویاں اور اولاد بھی دی تھی اور کسی رسول کی طاقت نہ تھی

اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ

کہ بغیر خدا کے حکم کے کوئی معجزہ پیش کر سکتا ہر مدت کی

كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ

لکھت ہے اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے (اور جو چاہتا ہے) برقرار رکھتا ہے

وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝

اُسی کے پاس اصل کتاب ہے

تفسیر عرب کے مشرک اور مکہ کے کافر حضور اقدس ﷺ کی نبوت پر طرح طرح کے شبہات کیا کرتے تھے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں رسول بنا کر بھیجے اُس کو فرشتوں کی مانند

دنیا کی باتوں سے پاک ہونا چاہئے (حقانی) بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے تھے کہ انسان کو پیغمبر ہونا ہی نہ چاہئے۔ فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنا چاہئے (ابن کثیر) یہ کیسے نبی ہیں جن کے بیوی بچے ہیں۔ کھاتے پیتے، دنیا کے کاروبار کرتے اور بازار سے خرید فروخت کرتے ہیں۔ پھر ایک بیوی پر قناعت نہیں۔ بلکہ متعدد بیویاں ہیں (رسولِ پاک کے تعددِ ازواج پر آج کل کے آریہ بھی اعتراض کرتے ہیں)۔ کافروں کا ایک شبہہ یہ بھی تھا کہ آپ ہمارے کہنے کے مطابق معجزات کیوں نہیں دکھاتے۔ آپ کیسے پیغمبر ہیں کہ اتنا اختیار بھی آپ کو نہیں ہے۔ ایک شبہہ یہ بھی تھا کہ جس عذابِ اخروی اور مصیبت دنیوی کی آپ ہم کو دھمکی دیتے ہیں اُن کو ابھی کیوں نہیں لاتے تاخیر کیوں ہے۔ ایک شبہہ یہ بھی تھا کہ تم جو کچھ تعلیم دے رہے ہو اگر یہ حکم خدا کا ہے تو پھر کچھ زمانہ کے بعد اس کو منسوخ کیوں کر دیتے ہو؟ پھر جب سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے تو تم کو کوئی اختیار ہی نہیں۔ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ ان تمام شبہات کا ترتیب وار جواب ان آیات میں دیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ ابراہیم کے وقت سے اس وقت تک مختلف انبیاء آدمی تھے۔ سب عورت ہی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ کھاتے پیتے بازاروں میں چلتے پھرتے اور خرید فروخت کرتے تھے۔ کیا اُن کے بیوی بچے نہ تھے۔ کیا اُن کو عورتوں اور بچوں سے رغبت نہ تھی۔ آدمی کا جوڑا تو مقتضائے بشریت میں سے ہے اور انبیاء بھی بشر ہونے کے لحاظ سے مقتضائے بشریت سے پاک نہیں ہوتے۔ رہا فرمائشی معجزہ کا ظہور تو معجزات اور انبیاء کھیلنے اور مذاق اُڑانے کے لئے نہیں ہوتے پیغمبروں کو اظہارِ معجزات کا کوئی ذاتی اختیار نہیں بلکہ درخواست معجزہ بھی اُن کے اختیار سے خارج ہے۔ ہاں اللہ جب چاہتا ہے اپنے رسول کے ہاتھ پر معجزہ کا ظہور کرتا ہے۔ اور جب اُس کی مصلحت نہیں ہوتی معجزہ کا ظہور نہیں ہوتا۔ تمام واقعات لوح محفوظ میں درج ہیں اور ہر بات کا ایک مقررہ وقت لکھا ہوا ہے۔ جلدی کرنے سے کوئی کام وقت سے پہلے نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا میں ہر چیز کے لئے سبب مقرر ہے۔ کوئی سبب خفی ہے۔ کوئی ظاہر۔ پھر سبب کی تاثیر کا بھی ایک اندازہ ہے جس کو اثر کہتے ہیں۔ مگر سبب پیدا کرنے اور اُس میں خاص اثر رکھنے سے خدا معطل نہیں ہوا۔ بلکہ مختار ہے۔ جب چاہے کسی کی دعا وغیرہ سے اُس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے۔ اور جب چاہے اُسکی تاثیر ویسی ہی رکھے۔ دیکھو آدمی کبھی کنکری کے مارے مر جاتا ہے اور کبھی گولی کھا کر بھی بچ رہتا ہے اور ہر چیز کا اندازہ اللہ کے علم میں ہے وہ ہرگز بدل نہیں سکتا۔ جو حکم خدا کی مرضی سے بدلتا رہتا ہے اُس کو تقدیر معلق کہتے ہیں۔ اور جس حکم کے ناقابلِ تغیر ہونے کی صراحت ہو وہ تقدیر مبرم ہے۔ لہذا عذاب اور سزا کا بھی ایک وقت مقرر ہے وقت سے پہلے نہیں آسکتا اور ہر شریعت اور ہر حکم کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ وقت ہی کے موافق شرائع اور احکام نازل ہوتے ہیں۔ خدا تعالےٰ مالک ہے مصلحتِ وقت کے مناسب جس شریعت اور جس حکم کو چاہے منسوخ فرما دے اور جس کو چاہے برقرار رکھے مدت، وقت، ترمیم و تنسیخ سب کچھ لوح محفوظ میں موجود ہے۔ اس سے علم الٰہی کا تغیر لازم نہیں آتا۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ کے تغیرات اور ان تغیرات کے مطابق شرائع و احکام کا تغیر علم الٰہی میں ہے۔

بعض صحابہ و تابعین سے مروی ہے کہ محو و اثبات میں ہر شے کے مٹانے اور باقی رکھنے کی طرف اشارہ ہے یہاں تک کہ قبول دعا کے بعد عمر میں کمی بیشی، اور رزق میں زیادتی کمی اور سعادت و شقاوت کا تبادل بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی کی عمر مقدر دس برس کی تھی خدا تعالیٰ اُس کو بیس برس کی بھی کر دیتا ہے۔ کسی کی تقدیر میں رزق کم تھا اُس کا رزق بڑھا دیتا ہے۔ کسی شخص کے مقدر میں شقی ہونا لکھا تھا مگر وہ مومن صالح ہونے کے بعد سعید ہو جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تمام تبدیلیاں قضاءِ معلق میں ہو سکتی ہیں قضاءِ مبرم میں نہیں ہو سکتیں۔ یعنی اُنہی چیزوں میں اور اُسی وقت ہو سکتی ہے جن کی تبدیلی کے متعلق لوح محفوظ یا علم الٰہی میں صراحت کر دی گئی ہو اور یہ لکھ دیا گیا ہو کہ فلاں شخص کی عمر رزق اس قدر ہے اور پھر وہ فلاں عمل کریگا تو اُسکی عمر رزق میں اس قدر اضافہ یا کمی کر دی جائے گی۔ یا فلاں شخص شقی ہوگا لیکن آخر وقت ایمان و عمل صالح کی وجہ سے سعید ہو جائے گا۔ گویا چیزوں کا محو و اثبات بھی لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ قضاءِ مبرم نہیں ٹلتی۔

میرے نزدیک اگرچہ آیت یَمْحُوا اللّٰہُ الخ عام ہے کسی خاص چیز کے محو و اثبات کی اس میں صراحت نہیں مگر سیاق آیت بتا رہا ہے کہ شرائع اور احکام کی ترمیم تبدیل اور نسخ کی طرف اس سے خصوصی اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مقصود بیان: ۔ سلسلۂ انبیاء آغاز آفرینش آدم سے چلا آتا ہے۔ بہت سے انبیاء کے بیوی بچے تھے۔ لفظ ازواج دلالت کر رہا ہے کہ اقتضاءِ زوجیت علائق بشری میں سے ہے شان نبوت کے منافی نہیں۔ آیت مَا كَانَ بتا رہی ہے کہ اظہار معجزہ کسی نبی کی اختیاری چیز نہیں بغیر حکم الٰہی صدور معجزہ ناممکن ہے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت کی جا سکتی ہے کہ جب اظہار معجزہ انبیاء کے اختیار میں نہیں تو اظہارِ کرامت بھی اولیاء کے اختیار سے خارج ہے۔ جب تک اذنِ الٰہی نہ ہو کسی ولی سے کرامت سرزد نہیں ہو سکتی۔ اسی آیت سے فرمائشی معجزات کے عدم صدور کی وجہ بھی ظاہر ہوتی ہے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ خلاف وقت کسی چیز کا ظہور نہیں ہوتا۔ ہر تقدیری حکم کا ایک وقت مقرر ہے۔ تقدیر معلق میں ترمیم نسخ

ہوسکتی ہے مگر یہ ترمیم و تنسیخ بھی لوح محفوظ میں موجود ہے۔ نسخ شرائع کی اصل وجہ پر بھی اس سے روشنی پڑتی ہے۔

اہل بصیرت کیلئے چند نکات

انبیاء کو ازواج و اولاد عطا کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ عارف باللہ ہوتے ہیں اُن کو دنیا کا کوئی شغل ادائے فرض سے مانع نہیں ہوسکتا باوجود معاملات دنیوی میں مشغول ہونے کے ایک ہی ذات سے ان لوگوں کی لَو لگی رہتی ہے۔ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ سے یہ مقصود ہے کہ اہلِ باطن اور مخلص مؤمن کوئی مجاہدہ و ریاضت کشف و کرامت کے لئے نہ کریں۔ بغیر حکمِ الٰہی کسی ریاضت سے کرامت کا ظہور نہیں ہوتا۔ تمام امور مقدر ہیں۔ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ میں اس طرف اشارہ ہے کہ برگزیدہ بندے مراتب و درجات کو وقت سے پہلے نہیں پاسکتے۔ لہذا استقامت لازم ہے اور مایوسی کفر ہے۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ

جو وعدہ ہم ان سے کرتے ہیں اگر اُس کا کچھ حصہ تم کو دکھا دیں یا (بغیر دکھائے)

نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا

تمہاری روح قبض کرلیں بہرحال تمہارے ذمہ پیام پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ

الْحِسَابُ ○ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ

حساب ہے۔ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہم سب طرف سے

نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ

زمین کو گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ حکم دیتا ہے

لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○

اُسکے حکم کو کوئی پیچھے ڈال نہیں سکتا وہ جلد حساب لینے والا ہے

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ

ان سے پہلے لوگ بھی فریب کرچکے ہیں مگر سب تدبیریں اللہ ہی کے ہاتھ

جَمِيعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَ

میں ہیں ہر شخص جو کچھ کرتا ہے اللہ اُس سے واقف ہے اور

سَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ○ وَيَقُولُ

کافروں کو عنقریب علم ہوجائیگا کہ انجام بخیر کس کا ہے کافر

الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

کہتے ہیں کہ تم پیغمبر نہیں ہو تم کہدو کہ اللہ

شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ

اور وہ لوگ جن کو کتاب کا علم ہے میرے تمہارے درمیان شہادت

عِلْمُ الْكِتٰبِ ○ ع ۶

دینے کو کافی ہیں

تفسیر

یہ آیات سابقہ کا تتمہ ہے۔ گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ کسی رسول کو اظہارِ معجزہ اور نزول عذاب کا کوئی ذاتی اختیار نہیں اللہ کی مشیت و اذن پر موقوف ہے۔ اسی مضمون کی تائید میں ان آیات کا نزول ہوا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جس سزا اور عذاب اور بربادئی کفار کا وعدہ کیا گیا ہے وہ رسول کی زندگی میں ہوجائے یا اُن کی وفات کے بعد بہرحال رسول کے مراتب میں نہ اول الذکر کی وجہ سے کوئی اضافہ ہوتا ہے نہ مؤخر الذکر کی وجہ سے کوئی کمی۔ رسول کا کام تو پیام الٰہی کو پہنچا دینا ہے۔ ہدایت و وعدہ وعید جو کچھ ہو اللہ کی طرف سے وہ پہنچانے والے ہیں۔ وعدہ وعید کو پورا کرنا اُن کا کام نہیں۔ نہ لوگوں کے ماننے نہ ماننے سے اُن کا تعلق ہے۔ حساب کرنا اور سرکشی کی صورت میں گرفت کرنا تو اللہ کا کام ہے۔ اس کے بعد کافروں کی طرف روئے سخن فرماتا ہے کہ کیا اب بھی کافروں کو اپنی بربادی میں کچھ شک ہے؟ کیا اُن کو نہیں دکھتا کہ سرزمین کفر ہر طرف سے کم ہوتی چلی آرہی ہے۔ چاروں طرف سے اسلام کو غلبہ ہو رہا ہے۔ کفر کی طاقت ٹوٹ رہی ہے۔ اللہ کا قطعی فیصلہ ہوچکا کہ کفر ملیامیٹ ہوکر رہیگا اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اللہ کے حکم کو کوئی پلٹ نہیں سکتا۔ رہی یہ بات کہ پھر تاخیر کیوں ہے؟ تو یہ اللہ کی مخصوص مصلحت ہے۔ کفر کی تباہی کی تاخیر سے اہل کفر اللہ کے وعدہ کی تکذیب پر استدلال کرتے ہیں اور کرتے چلے آتے ہیں مگر ہر حکمت و تدبیر کو اللہ خوب جانتا ہے۔ اس تاخیر کے اندر بھی اسکی مصلحت مضمر ہے۔ نتیجۂ کفر عنقریب معلوم ہوجائے گا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جنگ بدر میں جب کافروں کو شکست ہوئی اور بہت سے مشرکوں کی لاشیں قتل کئے جانے کے بعد کنوئیں میں پھینکی گئیں تو اختتامِ جنگ پر حضور گرامی ﷺ نے لاشوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا وہ تو ہم نے پالیا اور تم کو جو وعید دی تھی کیا تم نے بھی اُس کو درحقیقت پالیا؟ اس حدیث کی بناء پر عُقْبَى الدَّار سے فتح و کامرانی بھی مراد ہوسکتی ہے۔ اگرچہ اکثر مفسرین نے نتیجۂ آخرت

مراد لیا ہے مگر عموم اولیٰ ہے - اس سے آگے کفار کے انکار رسالت کو نقل کرکے فرماتا ہے کہ ثبوتِ رسالت کے لئے دو شہادتیں کافی ہیں - اول تو اللہ کی شہادت - قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ محمدؐ اللہ کے سچے رسول ہیں دوم اہلِ کتاب کی شہادت - اہل کتاب سے کون اشخاص مراد ہیں؟ اسکے متعلق علماء کا اختلاف ہے - حضرت جندب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا لیکن اس صورت میں یا تو اس آیت کو مدنی ماننا ہوگا یا یہ کہنا ہوگا کہ حضرت عبداللہ ہجرت سے قبل مسلمان ہو گئے تھے - حدیث الاحبار میں صراحت ہے کہ ہجرت سے قبل حضرت عبداللہ ایمان لا چکے تھے - نیز دلائل النبوۃ میں امام ابونعیم اصفہانی نے یوسف بن عبداللہ بن سلام کی روایت بیان کی ہے کہ ایک روز میرے باپ نے علماء یہود سے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ اب کی مرتبہ اپنے دادا ابراہیم و اسمٰعیل کی مسجد یعنی کعبے میں جاکر عید کروں - چنانچہ حضرت عبداللہ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ پہونچے - وہاں دیکھا کہ لوگ حج کرکے واپس ہو رہے ہیں اور جناب رسول اللہؐ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں - حضورؐ نے عبداللہ کو دیکھ کر فرمایا کیا تم عبداللہ بن سلام ہو؟ عبداللہ نے جواب دیا جی ہاں - حضورؐ نے قسم دیکر فرمایا عبداللہ سچ بتا کیا تو میرا تذکرہ تورات میں نہیں پاتا؟ عبداللہ نے کہا آپ پروردگار کے کچھ اوصاف بیان فرمائیے - حضورؐ نے سورۂ اخلاص پڑھ دی - عبداللہ نے فوراً کلمۂ توحید و رسالت پڑھا اور مدینہ واپس آئے - لیکن اپنے اسلام کو مخفی رکھا یہاں تک کہ حضورؐ انورؐ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے - اُس وقت عبداللہ کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے تھے خوشی میں اوپر سے کود پڑے الخ - اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ہجرت سے قبل مسلمان ہو گئے تھے -

اکثر مفسرین نے عام علمائے اہل کتاب مراد لئے ہیں جن میں سے حضرت عبداللہ بن سلام بھی تھے - ابن عباس کا بھی یہی قول ہے - قتادہ نے فرمایا علمائے اہل کتاب میں سے عبداللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری ہیں گویا خدا تعالیٰ نے مشرکین مکہ سے فرمایا کہ اگر تم کو محمدؐ کی رسالت کی تصدیق نہیں ہے تو تورات و انجیل کے عالموں سے دریافت کرلو - وہ انبیائے سابقین کی نبوت اور محمدؐ کے حالات، صفات حلیہ اور دیگر امتیازی علامات کے متعلق شہادت دینگے - تم اگر ناواقف ہو تو واقف کاروں کی شہادت کو مانو - العرض رسالت محمدی کو ثابت کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے عقل و نقل دونوں کی شہادت پیش کی - عقلی شہادت تو یہ کہ قرآن خود رسالت کو ثابت کر رہا ہے اسی پر غور کرو، عقل و دانش سے کام لو اور سمجھو کہ رسول کے علاوہ کیا کوئی اور بھی ایسی جامع بلیغ کتاب پیش کر سکتا ہے؟ (اللہ کی شہادت سے یہی مراد ہے) اور نقلی شہادت حاصل کرنے کے لئے اہل کتاب سے دریافت کرنے کا حکم دیا - سورۂ رعد اس آیت پر ختم ہوگئی - پوری سورت کا خلاصہ یہ ہے

اللہ کی ذات و صفات کا بیان - مکارم اخلاق کی تعلیم، دنیا و آخرت کے متعلق مختلف نصائح - سعید وہ ہے جس نے تعلیم رسول پر عمل کیا - شقی وہ ہے جس نے اُس سے روگردانی کی - استقامت اصل ہے - موت تک حلت ہے - دنیا امتحان گاہ ہے - جہالت دوامی موت ہے اور علم ہی زندگی ہے -

مقصود بیان :- رسول پاکؐ کا کام صرف تبلیغ ہے - اندرونی اعمال کا محاسبہ خدا تعالیٰ کرنے والا ہے - یہ ضروری نہیں کہ حضورؐ نے مسلمانوں سے جو وعدے فرمائے تھے یا کافروں کو جو دھمکیاں دی تھیں وہ حضورؐ کی زندگی ہی میں پوری ہو جائیں - مسلمانوں کی فتح اور کافروں کی شکست کی تکمیل حضور اقدسؐ کی وفات کے بعد بھی ہوئی - آیت اَوَلَمْ يَرَوْا بتا رہی ہے کہ کسی قسم کی فتح ہو یک دم انقلابی شکل میں اُسکی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ آہستہ آہستہ تدریجاً ہوتی ہے - اسلام کو کفر پر غلبہ ہوا مگر رفتہ رفتہ ممالک کفر میں کمی آتی گئی اور تسلط اسلام بڑھتا گیا - یہی آیت دلالت کر رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کو جو کچھ کرنا مقصود ہوتا ہے اور جو بات ہونے والی ہوتی ہے اُسکے آثار ویسے ہی ظہور پذیر ہوتے جاتے ہیں - اہل عقل اُن آثار و علامات کو دیکھ کر اصل نتیجہ پر پہونچ جاتے ہیں اور بے وقوف اپنی جہالت میں گمن رہتا ہے - آیت فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ بتا رہی ہے کہ انسانی تدبیر کے نتیجہ کو الٹ دینا اللہ کے قبضہ میں ہے - اُس کے مصالح اور حکمتوں کی طاقت غیر محدود ہے - سَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ الخ کے الفاظ میں کافروں کو دھمکی ہے کہ انجام کار تم کو شکست ذلت رسوائی اور عذاب آخرت سے دوچار ہونا پڑے گا اور مسلمانوں کو غلبہ حکومت سطوت اور دوامی نجات حاصل ہوگی - آخری آیت میں سبق دیا ہے کہ کسی مدعا کو ثابت کرنے کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں یا تو شہادت فطرت اور عقلی تدبر و تفکر یا علماء کے قول کی تقلید - رسول پاکؐ مظہر حق اور جلوہ گاہ حقیقت ہیں - اُن کی ذات و صفات پر غور کرنے کے بعد خود انکی صداقت واضح ہو جاتی ہے - اور اگر کسی کور باطن کو اُن کے چہرہ پر جلوۂ حق نظر نہ آئے تو وہ دیگر علماء سے دریافت کرکے تصدیق کرلے - وغیرہ -

سورۂ ابراہیم مکیہ ہے اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں

سورۂ ابراہیم مکہ میں نازل ہوئی - اس میں باون آیتیں ہیں اور سات رکوع ہیں

حضرت زبیر، جابر بن زید، قتادہ، عکرمہ، حسن بصری، ابن کثیر، مفسر سراج اور بیضاوی وغیرہم کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے - سیوطی کے نزدیک دو آیات یعنی اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ الخ کو مستثنیٰ کیا ہے - بعض نے بجائے دو کے اُن تین آیات کا استثناء کیا ہے جن میں مقتولین بدر کا ذکر ہے - ابن عباس نے صرف اُن دو آیات کا

استثنا کیا ہے جن میں جنگ بدر کے مشرک مقتولوں کا بیان کیا گیا ہے۔ حسب صراحت بیضاوی کل آیات ۵۱ ہیں بعض کے نزدیک ۵۰ یا ۵۲ یا ۵۴ یا ۵۵ ہیں۔ کلمات کی تعداد ۸۳۱ - اور حروف کا شمار تین ہزار چار سو چونتیس ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ

یہ قرآن ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تم پر اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى

سے نکال کر روشنی کی طرف اُن کے رب کے حکم سے لاؤ یعنی اُس زبردست

صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ

قابل حمد اللہ کے راستے کی طرف لاؤ جو کائنات

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ

سماوی وارضی کا مالک ہے اور اُن

لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ الَّذِيْنَ

کافروں کے لئے سخت عذاب سے تباہی ہے جو

يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

دنیوی زندگانی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب سمجھتے ہیں

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا

اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اُس میں کجی

عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ

ڈھونڈتے ہیں۔ یہی لوگ ایک طویل گمراہی میں ہیں

تفسیر اگرچہ عالم انسانی کی ہدایت کے لئے سطح زمین پر ہزاروں انبیاء بھیجے گئے لیکن موجودہ تینوں آسمانی مذاہب کا مرجع حضرت ابراہیمؑ کی ذات ہے۔ یہودی اور عیسائی اور مسلمان سب کے سب اپنے گروہ کو ملت ابراہیمی کا پیرو بتاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ خالص موحد اور صالح مومن اور حق پرست اصحاب یقین میں سے تھے۔ ایمان و ایقان کی آخری چوٹی پر آپ پہنچ چکے تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے اولوالعزم تھے اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں عدنانی عرب ہیں اور حضرت اسحاقؑ کی نسل سے تمام اولادِ اسرائیل ہے۔ جب امتداد زمانہ کی وجہ سے بنی اسرائیل گمراہ ہوئے تو مختلف انبیاء اُن کی ہدایت کے لئے آتے رہے مگر عرب کی ہدایت کے لئے حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد کوئی نبی نہیں پیدا ہوا۔ لیکن یاد رہے کہ اولادِ اسمٰعیلؑ ہو یا اولادِ اسحاقؑ سب اصل کے اعتبار سے سامی ہیں۔ رہی آرین اور تورانی نسل تو ان کو شریعت اسلامیہ نے اہل کتاب قرار نہیں دیا۔ تاہم اتنا یقینی ہے کہ اُن کی ہدایت کے لئے بھی مختلف اوقات میں مختلف پیغمبر مبعوث ہوتے ہونگے اور اُن پیغمبروں پر پیام الٰہی بصورت صحیفہ نازل ہوا ہوگا۔ رسول پاکؐ کی بعثت سے قبل تمام عالم کفر وضلالت کی تاریکی میں گھر چکا تھا۔ اولادِ اسمٰعیلؑ میں سے بیشتر افراد بت پرست ستارہ پرست اور شیطان پرست تھے۔ اسرائیلیوں کے دو فرقے تھے یہودی اور عیسائی۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ کی تعلیم کو فراموش کر دیا تھا۔ توحید کی بجائے شرک، حق پرستی کی جگہ ہوا پرستی، اور اصلاح عالم کے عوض افساد عالم کا بیڑہ انہوں نے اٹھا لیا تھا۔ مدعی توحید تھے مگر اُن کی توحید شرک آمیز تھی۔ اُن میں کا ایک فرقہ حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہنے لگا تھا۔ تورات میں جابجا حسب خواہش تغیرات کر لئے تھے۔ کہیں عبارت بدل ڈالی تھی اور اکثر جگہ معانی میں تحریف کرنے لگے تھے۔ اُن کے علماء حرام وحلال کے مالک اور خود شارع بن بیٹھے تھے۔ مختلف انبیاءؑ اُن کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے۔ مگر انہوں نے بہتوں کو قتل کر ڈالا۔ بالآخر حضرت عیسیٰؑ بھیجے گئے۔ کچھ لوگوں نے آپ کی تعلیم کو مانا اور اکثر نے مخالفت کی۔ عیسائی فرقہ کچھ زمانہ تک توصیح توحید پر رہا۔ لیکن پھر ایسا راہ راست سے ہٹا کہ اصل مسلک کو بھی بھول گیا۔ حقانی علماء کو چن چن کر قتل کیا گیا اور تین سو برس کے بعد تو تثلیث، الوہیت مسیح، اور صلیب پرستی نے ایسا رواج پایا کہ بت پرست اقوام بھی اُن سے پیچھے رہ گئیں۔ رہیں آرین اور تورانی نسلیں تو ان کی سکونت ایران، چین، ہندوستان، سیام اور مغربی ممالک میں تھی۔ ان کی حالت بھی ناقابل ذکر ہو گئی تھی۔ کفر و الحاد کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس نے ان کے اندر پرورش نہ پائی ہو اور پھر پرورش پاکر بارآور نہ ہوئی ہو اور پھر بارآور ہو کر عظیم الشان درخت کی شکل نہ اختیار کر لی ہو۔ بت پرستی، عناصر پرستی، کواکب پرستی، ملائکہ پرستی۔ غرض ہر طرح کی غیر اللہ پرستی ان میں متمکن اور شائع ہو گئی تھی۔ یہ وقت تھا اور یہ ہمہ گیر تاریکی تھی جس نے دلوں کی روشنی، روحوں کا نور اور فطرت کی شعاعوں کو بجھا دیا تھا۔ آفتاب حق کی کرنیں، باطل کی گھٹاؤں میں روپوش ہو گئی تھیں کہ خدا تعالیٰ نے آفتاب زمین یعنی معمورۂ ہستی کے وسط سے محمد رسول اللہؐ

کو مبعوث فرماکر کتاب ہدایت دیکر مامور فرمایا کہ اس آفتاب عالمتاب (یعنی قرآن پاک) کی روشنی سے دنیا کو منور کردو۔ لوگوں کو کفر و الحاد، ظلم استبداد، عدم مساوات اور افراط و تفریط کی تاریکی سے نکال کر توحید، عدل، مساوات اور ایمان و صلاح کی روشنی کی طرف لاؤ۔ سب کو راہِ حق دکھاؤ۔ اللہ کی طرف بلاؤ۔ کیونکہ وہی آسمان و زمین کا موجد، مربی، اور قائم رکھنے والا ہے۔ اُسی کے دستِ قدرت میں ان کا وجود ہے۔ کسی غیر کو اُس کے مقابلہ میں الوہیت و ربوبیت کا استحقاق نہیں ہو سکتا۔ یہی راہِ نور اور صراطِ مستقیم ہے۔ اب جو لوگ اس کا انکار کرینگے، راہِ نور پر پردہ ڈالنا چاہینگے راہِ تاریک سے نور کے راستے کی طرف نہ آئینگے۔ جن کے آثار و علامات یہ ہونگے کہ (۱) آخرت کی حقیقی زندگی پر وہ دنیوی عارضی زندگی کو ترجیح دیں گے اُن کے پیشِ نظر محض دنیوی عیش و طرب اور نعمت و راحت ہوگی۔ آخرت کی راحت و تکلیف کا اُن کو عقیدۃً یا عملاً انکار ہوگا۔ غرض یہ کہ وہ دنیا پر شیفتہ و فریفتہ ہونگے (۲) اور خود ہی گمراہ نہونگے بلکہ دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکینگے۔ کبھی دنیوی لالچ دیکر، کبھی تقلیدِ آباء کی تعلیم دے کر، کبھی کوئی شیطانی کرشمہ دکھا کر، کبھی اپنی جھوٹی کرامت اور غلط کشف دکھا کر اور کبھی اپنی باطل رائے اور انتہائی عقل کی جھوٹی روشنی نمودار کرکے لوگوں کو سیدھے راستہ سے بھٹکائینگے (۳) اور راہِ حق کو اپنی نفسانی خواہش سے ٹیڑھا کرنا چاہینگے۔ اپنی اغراض و خیالات و خواہشات کے مطابق احکامِ شریعت کو کرنا چاہینگے۔ اپنے مقصد کے موافق قرآن میں تاویل، تحریف اور تبدیل و تغیر کریں گے۔ ایسے لوگ کج فطرت، کور بصیرت اور تاریک روح والے ہیں۔ ان کی گمراہی بہت لمبی ہے۔ ان کی سزا بس دوزخ ہے۔

مقصودِ بیان:۔ تمام مخلوق تاریکی کے تہ برتہ پردوں میں ہے اور اللہ کا نور بالکل ظاہر ہے (انتہائے ظہور کی وجہ سے آنکھوں میں مادی نور رکھنے والے اُس کو نہیں دیکھ سکتے) لِتُخْرِجَ کا لفظ دلالت کر رہا ہے کہ راہِ حق ہی روشن راہ ہے اور تمام راستے تاریک ہیں۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ سے اس طرف اشارہ ہے کہ رسول پاک اور دیگر ہادی سب کے سب رہنما ہیں۔ کسی کو منزلِ مقصود پر پہنچانے کی طاقت نہیں جب تک اللہ کا اذن نہ ہو کوئی رہنما ہدایت نہیں کر سکتا۔ قلوب میں ترقیاتی اور فہم و درایت سب اللہ کی مشیت و اجازت سے ہوتی ہے۔ کسی کو اس کا اختیار نہیں۔ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ الخ اس جانب ایماء ہے کہ اللہ کو استحقاق الوہیت بے وجہ اور بلا سبب نہیں۔ جب تمام مخلوق اُسی کے دستِ قدرت میں ہے تو بلا شبہ وہی مستحق الوہیت ہے پھر وہی غالب بھی ہے۔ اُس سے زیادہ کوئی صاحبِ قوت بھی نہیں۔ اس کے علاوہ اُس کی ذات و صفات تمام عیوب و نقائص سے پاک اور ہر قسم کی ستائش کے قابل ہیں۔ لہٰذا وہی ربوبیت کا مستحق ہے آیات میں کافروں کے تین اوصاف بیان کرنے سے اس مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان کے پیشِ نظر محض حیاتِ اخروی ہونی چاہیئے۔ دنیوی زندگانی اُس کا اصل مطمحِ نظر نہ بننی چاہیئے۔ پھر اُس کو نہ صرف خود راہِ راست پر مستقیم ہونا چاہیئے بلکہ دوسروں کا رہنما بھی ہونا چاہیئے۔ جہاں تک ممکن ہو حق کی تبلیغ کرے۔ پھر راہ پیمائی اور راہ نمائی میں خواہشِ نفس کو دخیل نہ بنانا چاہیئے۔ اللہ کے احکام کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے۔ وغیرہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

اور ہم نے ہر رسول کو اسکی قومی زبان ہی میں (پیام پہنچانے کے لئے) بھیجا

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ

تاکہ لوگوں سے کھول کر (احکام) بیان کرے اسکے بعد اللہ جسکو چاہے گمراہ چھوڑدے

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور جسکو چاہے ہدایت کرے وہی غالب اور مصلحت بین ہے

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان کیا تھا کہ قرآن پاک کا نزول اسلئے ہوا ہے کہ لوگ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجائیں۔ لیکن یہ غرض اُسی وقت پوری ہو سکتی تھی کہ قرآن براہ راست جس قوم میں نازل ہوا ہے وہ اُس کے مطالب و معانی سمجھ سکے۔ اگر اُس کی زبان کو چھوڑ کر دوسری زبان میں نازل ہوتا تو اُس قوم کو مطلب کے سمجھنے میں بڑی دشواری ہوتی۔ چنانچہ اسی مصلحت کو پیشِ نظر رکھ کر قرآن کو عربی میں نازل فرمایا بلکہ اس آیت میں بطریق عموم فرما دیا کہ ہر نبی کو ہم نے اُسکی قومی زبان میں پیامِ ہدایت دیکر بھیجا تاکہ واضح طور پر کھلم کھلا قوم والوں کو پیامِ الٰہی سمجھا سکے اور اُن کو ہدایت حاصل ہو سکے۔ لیکن جو لوگ کور باطن اور ازلی بدبخت ہیں اُن کی تاریکی کو کوئی مشعلِ ہدایت دور نہیں کر سکتی۔ آفتاب سے اُن کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوتی ہے۔ ابرِ رحمت کے برسنے سے اُن کے گھورے سے مزید تعفن پیدا ہوتا ہے اس لئے آگے ارشاد فرماتا ہے کہ ہدایت و گمراہی تو اللہ کے قبضہ میں ہے یعنی رسول اور کتاب فقط ذریعۂ ہدایت اور ابرِ رحمت ہیں۔ گمراہ چھوڑنا یا راہ یاب کرنا اللہ کا کام ہے۔ اللہ جسکو چاہتا ہے گمراہ چھوڑ دیتا ہے۔ فیضِ قدسی سے اُسکو فائدہ نہیں پہنچتا اور جسکو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے۔

ایک شبہہ جب قرآن کی زبان عربی بلکہ قریشی ہے اور یہ زبان اس لئے اختیار کی گئی ہے کہ عرب والوں کی سمجھ میں خوب آسکے اور حضور اقدس کھول کھول کر اُن کے سامنے بیان کر سکیں تو ظاہر ہے کہ آپ کی بعثت بھی صرف عرب کے لئے تھی عمومی بعثت نہ تھی۔ ورنہ قومی زبان میں نازل ہونے کی یہ حکمت و مصلحت کس طرح پوری ہو سکتی ہے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ

اور تم میری فریاد کو پہونچ سکتے ہو اس سے پہلے جو تم نے مجھے

اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

شریک بنایا تھا میں اُسکو نہیں مانتا کیونکہ ظالموں کے لئے

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ

دردناک عذاب ہے اور جو لوگ مؤمن

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور نیکوکار ہوں گے اُن کو جنتوں میں داخل کیا جائے گا

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ

جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی اُن میں وہ بحکم پروردگار ہمیشہ

رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝

رہیں گے اُن کی دعائے خیر وہاں سلام ہوگی

تفسیر ان آیات میں کفار کی اُس حسرت و یاس کا تذکرہ کیا ہے جو میدان حشر میں جمع ہونے یا دوزخ میں داخل ہونے کے بعد پیدا ہوگی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ دنیا میں دو طبقوں کے کافر ہیں پیشوا اور پیرو۔ رہنما اور متبع - امام اور مقلد - دولتمند طاقتور اور کمزور مفلس۔ مؤخر الذکر طبقہ اول طبقہ کا تابع ہے۔ پہلے گروہ نے دوسرے گروہ کو بھی گمراہ کر رکھا ہے اور ان دونوں کو گمراہ کرنے والا شیطان ہے۔ طرح طرح سے وسوسے پیدا کرتا اور قسم قسم سے الجھاتا ہے۔ وہمی دلائل دماغ میں ٹھونس کر توحید رسالت اور قیامت کا انکار کراتا ہے۔ جب قیامت ہوگی اور حق و باطل کا فیصلہ ہوگا اور کافروں کو مایوسی ہوگی تو کمزور طبقہ اپنے پیشواؤں سے کہیگا ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے جیسا تم کہتے تھے ہم کرتے تھے جس راہ پر تم ہم کو چلنے کا حکم دیتے تھے اُسی پر ہم چلتے تھے۔ اب اگر تم ہماری مدد کر سکتے ہو تو کرو۔ عذاب الٰہی میں کچھ تخفیف ہی کرا دو بڑے طبقے والے جواب دینگے ہمارا کچھ قصور نہیں ہم نے دانستہ تم کو گمراہ نہیں کیا۔ جس راہ پر ہم خود چلے تھے اُسی راہ پر تم کو چلایا تھا مگر ہم خود گم کردہ راہ تھے۔ اللہ تعالیٰ اگر ہم کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا تو ہم تم کو اُسی راہ پر چلنے کا حکم دیتے۔ مگر اب کیا کیا جائے ہر کوشش بے سود ہے۔ ہم صبر کریں یا نہ کریں عذاب الٰہی سے تو چھٹکارا ناممکن ہے۔ جب بڑا طبقہ کورا جواب دیگا تو ڈھلی بگڑی شیطان پر آپڑیگی اور ہر ایک اس کو نکوہش و سرزنش کرے گا کہ تو نے ہم سب کو تباہ کیا اُس وقت یہ پیر مغاں جواب دیگا سنو اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ لیکن میرا کام تھا فقط کہنا میں نے زبردستی تو کچھ کی نہ تھی۔ میں نے فقط تم کو ایک راستے پر چلنے کی دعوت دی تھی تم نے اپنی مرضی سے میرا کہا مانا لہذا مجھے لعن طعن کرنا بیجا ہے۔ خود اپنے کو ملامت کرو کہ کیوں تم نے میرا کہا مانا اور کیوں دعوت حق کو قبول نہ کیا۔ اب نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو۔ تم نے دنیا میں مجھے اللہ کا شریک قرار دیا تھا۔ اور میری پرستش کرتے تھے میں اس سے منکر ہوں۔ یہ حال تو کافروں کا ہوگا ان کے مقابلے میں اہل ایمان نہایت عیش و آرام میں ہوں گے۔ اور دوامی عزت و راحت ان کو بحکم الٰہی نصیب ہوگی۔

ایک شبہہ جب آیات میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ ماضی کا صیغہ ہے قیامت کے دن ہوگا پھر ماضی کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا

حل اس شبہ کے دو جواب ہیں (۱) مخلوق کے علم میں زمانہ کی تفصیل اور ماضی مضارع کا امتیاز ہے۔ مگر اللہ کا علم مقید بزمانہ نہیں اُس کا علم اس وقت ازل و ابد دونوں کو محیط ہے۔ نہ وہاں ماضی ہے نہ مستقبل۔ جو چیز ہمارے علم کے لحاظ سے آئندہ ہونے والی ہے وہ اللہ کے علم میں ابھی موجود ہے بلکہ وہاں آئندہ اور ابھی کا کوئی امتیاز ہی نہیں۔ لہذا واقعات قیامت جو ہمارے علم کے اعتبار سے ہونے والے ہیں اللہ کے علم میں بالفعل موجود ہیں۔ یہ حال تو اللہ تعالیٰ کے عام علم کا ہے۔ ہاں اللہ کے علم کی ایک مخصوص قسم ہے جو مستقبل کے واقعات ظہور پذیر ہونے پر اُسی وقت ہوتی ہے۔ مگر یہ قسم چونکہ صدور واقعات پر مبنی ہے اس لئے حادث ہے اور علم عام جو محیط کل ہے جس میں ماضی و مستقبل کا کوئی امتیاز نہیں ہے جو حاضر و غائب سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ قدیم ہے ازل و ابد دونوں سے خارج ہے۔ (۲) چونکہ قیامت کے مذکورہ واقعات علم الٰہی میں موجود ہیں اس لئے ناقابل تغیر ہیں اُن کا ظہور قیامت کے دن ضرور ہوگا اور عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ مستقبل کی جس چیز کا وقوع قطعی اور یقینی ہو اُس کو بلفظ ماضی بیان کر دیتے ہیں۔ اس لئے آیت میں ماضی کا لفظ استعمال کیا گیا۔

مقصود بیان:- کافروں کی اُس حسرت و یاس کی تصویر کشی

جو قیامت کے دن اُن کی ہوگی - آیات دلالت کر رہی ہیں کہ کورانہ تقلید کرنے والے اور نادان فقط جاہل جو کسی شیطان کے کہنے سے غلط راہ پر چلنے لگتے ہیں جرم سے بری نہیں ہو سکتے - جس وقت اُن کے پیشوا جہنم میں جائینگے تو وہ نہ بچینگے اس لئے آدمی کو خود حق ناحق اور صحیح و غلط کا امتیاز کرنا چاہئے - فقط کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے کام نہیں چل سکتا قیامت کے دن جسطرح ملائکہ سے انسان کلام کریگا اسی طرح شیطان سے بھی براہ راست گفتگو کر سکے گا - شیطان کو بذاتِ خود کوئی اختیار نہیں نہ کسی کو کسی امر پر مجبور کر سکتا ہے اُسکا کام صرف اغوا کرنا اور بہکانا ہے - وغیرہ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً

(اے محمدؐ) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان کی کہ پاکیزہ

طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ

کلمہ اُس پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہو

وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ○ تُؤْتِي أُكُلَهَا

اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں بحکم خدا ہر وقت

كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ

پھل دیتا ہو اور اللہ لوگوں کے سامنے

الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ○

مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ سوچیں

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ

اور ناپاک بات کی مثال اُس گندے درخت کی طرح ہے

اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ

کہ جس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہو اور اُسکو ٹھیراؤ نہ ہو

تفسیر گذشتہ آیات میں خدا تعالیٰ نے نیکوں اور بدوں کے احوال اور قیامت کے دن ہر فرقہ کی جو کیفیت ہوگا اسکو مفصل بیان فرمایا تھا - ان آیات میں دونوں کے احوال کی مزید تشریح کے لئے محسوسات میں دو مثالیں بیان فرماتا ہے:-

کلمۂ طیبہ سے مراد بحکم حدیث لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے - ایک حدیث میں کلمۂ توحید و تکبیر کلمۂ تسبیح اور کلمۂ تحمید کو کلمۂ طیبہ قرار دیا گیا ہے

طیّب درخت سے مراد کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھجور کا درخت ہے - بعض احادیث سے انگور کا درخت ظاہر ہوتا ہے - لیکن صحیح یہ ہے کہ دنیا کے درختوں میں کوئی درخت ایسا ہو یا نہ ہو بہرحال شجرۂ طیبہ وہ ہے جس میں مذکورہ چاروں اوصاف موجود ہوں

اسی طرح کلمۂ خبیثہ سے کلمۂ شرک مراد ہے اور شجرۂ خبیثہ سے تھوہر کا درخت یا کوئی اور درخت جس کے اندر مذکورہ صفت ہو مراد ہے۔

حاصل تمثیل یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ اُس درخت کی طرح ہے جس میں چار اوصاف ہوں (۱) شکل صورت، لذت، خوشبو، نفع، سایہ اور پھل پھول کے لحاظ سے عمدہ ہو (۲) اسکی جڑ زمین کے اندر خوب جمی ہوئی ہو - سوتے اور مواد پائدار ہوں کہ آندھیوں کا بھی مقابلہ کر سکے (۳) اُس کی شاخیں اونچیاں خوب بلند اور پھیلی ہوئی ہوں (۴) اُس میں پھل ہمیشہ آتے ہوں - وہ ہر وقت رہتے ہوں کسی وقت خالی نہ رہتا ہو - ایسا درخت بہترین درخت ہوتا ہے ایسے ہی درخت کی طرح کلمۂ طیبہ بھی ہوتا ہے - اس کے اندر بھی چاروں اوصاف موجود ہیں (۱) اس کے اندر جو لذت و کیف ہے وہ اصحاب ذوق سے پوچھو دنیا کی بہترین مادی غذا میں وہ کیف نہیں ہو سکتا جو اس میں ہے - کیونکہ ہر مادی لذت چند منٹ کی ہوتی ہے - حلق سے اترتے ہی لذت معدوم ہو جاتی ہے مگر مطالعہ توحید و تحمید کرنے والوں کی روحوں کو جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ لامحدود اور ناقابل زوال ہوتی ہے - وہ استغراقی کیفیت اور صفاتِ باری تعالیٰ میں کھو جانے کا مزہ جو کلمۂ طیبہ پر غور کرنے والوں کو میسر ہوتا ہے دنیا بھر کے ارباب کیف کو نصیب نہیں ہوتا (۲) کلمۂ طیبہ کلمۂ حق ہے اور حق کی جڑیں مضبوط ہیں - یہ کلمۂ صداقت ہے اور صداقت ناقابل زوال - یہ کلمۂ نور ہے اور نور کی بنیاد نفوس قدسیہ میں ثبت ہوتی ہے جسکو ہوا و ہوس کا کوئی جھونکا اور شیطانی وسوسوں کی کوئی آندھی اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی۔

(۳) کلمۂ طیبہ کی شاخیں بہت بلند ہیں - عالم قدس تک اس کی شاخوں کی رسائی ہے - اعمال صالحہ اور اقوالِ صادقہ اسکی شاخیں ہیں اور ان شاخوں کو روزانہ صبح شام آسمانوں کے فرشتے اٹھا کر دربار الٰہی تک لے جاتے ہیں - ایمان و یقین اور حقیقت و معرفت تک پہنچنا اسکی شاخیں ہیں جو ہوائے الٰہی میں پھیلی ہوئی ہیں - الغرض کل جہان اسی پاک کلمہ کی شاخوں کے زیر سایہ ہے (۴) اس میں ہر وقت پھل آتے رہتے ہیں - کلمۂ طیبہ کا پھل ہر وقت دنیا میں بھی اچھا ملتا ہے اور آخرت میں بھی اچھا ملے گا - رزق میں برکت، عزت، دولت، حکومت اور عروج و ترقی اس کے مادی پھل ہیں - الہامات انسانیہ، مختلف مکاشفات، حقائق عالم کا علم، اسرار سربستہ کی معرفت اور انوار تجلی کا وقتاً فوقتاً ظہور اس کے روحانی پھل ہیں - اور انوار تجلی کا وقتاً فوقتاً ظہور اس کے روحانی پھل پھر آخرت میں جنت میں داخل ہونا، وہاں کی لذتیں حاصل ہونا،

نورِ الٰہی میں ڈوب جانا اور دیدارِ باری تعالیٰ کی روشنی میں گم ہو جانا یہ اسکے اخروی پھل ہیں۔ نہ دنیا میں کسی وقت یہ ثمر آوری سے خالی رہتا ہے نہ آخرت میں کبھی اس کے پھل ختم ہوں گے۔ یہ تو کلمہ طیبہ کی مثال تھی رہا کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ شرک تو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بدشکل درخت ہو جس میں نہ زیادہ سرسبزی ہو نہ اچھے پھل ہوں نہ خوشبو ہو نہ اچھا مزہ ہو نہ اُس کا سایہ ہو نہ کوئی اور فائدہ۔ پھر اُس کی جڑ بھی اوپر ہی رکھی ہو جمی ہوئی نہ ہو۔ ہوا کے کمزور جھونکے سے جڑ سے گر پڑے۔ یہی حالت کلمہ شرک کی ہے نہ اس سے دُنیا میں کوئی فائدہ نہ دین میں نہ اس کے پھلوں میں کوئی لذت نہ پتوں میں سایہ۔ کمزور اتنا ہے کہ جب کافر پر ذرا مصیبت پڑی بس اُس نے ہر باطل معبود کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رُخ کیا اور شرک کا پورا درخت جڑ سے زمین پر آرہا۔ اور چونکہ اس کی جڑ ہی کو ثبات نہیں تو شاخیں کہاں سے آئینگی۔ اس کی شاخوں کی کوئی حقیقت نہیں نہ مشرک کے اعمال کی بارگاہِ الٰہی تک پہونچ ہے کیونکہ تمام اعمال بغیر اصل کے ہوتے ہیں۔

مقصودِ بیان:۔ کلمہ توحید اپنے ثمرات و نتائج کے لحاظ سے پاک عمدہ بارآور درخت کی طرح ہے۔ جو شخص صحیح طور پر کلمہ توحید پڑھتا اُس کا اقرار کرتا اور دل سے تصدیق کرتا ہے اُس پر ہر چیز کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ سربستہ اسرار اور حقائق معرفت کے پوشیدہ راز اُس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ اسی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو۔ کلمہ شرک تمام معاصی و خباثت کی جڑ ہے۔ شرک کا عقیدہ رکھتے ہوئے کوئی نیکی مقبول نہیں ہو سکتی۔ ہر نیکی کی جڑ اقرار توحید ہے۔ بغیر بیج کے شاخیں نہیں پیدا ہو سکتیں۔ شرک و معصیت کو پائیداری نہیں۔ توحید و عمل صالح ہی پائیدار ہے۔ قرآن پاک میں بیان مثل صرف سمجھانے اور غور کرنے کی تعلیم دینے کے لئے کیا گیا ہے تاکہ آدمی غیر محسوس کو محسوس کی شکل میں دیکھ کر صحیح طور پر سمجھ سکے وغیرہ۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ
ایمان داروں کو — دنیوی زندگانی میں بھی اور آخرت میں بھی

الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ
اللہ پکی بات پر — قائم — رکھتا ہے

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝
اور ظالموں کو گمراہ چھوڑ دیتا ہے — اور جو چاہتا ہے کرتا ہے

تفسیر ان آیات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب مؤمن پر دنیوی مصائب و آلام آتے ہیں اور ایسی تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو ایمان کو ہلا دینے والی ہیں تو خدا تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے اُسکو ایمان و اقرارِ توحید پر قائم رکھتا ہے اور قبر میں بھی منکر نکیر کے سوال کے وقت ایمان پر قائم رکھیگا بشرطیکہ بندہ مؤمن ہو اور دنیا سے باایمان گیا ہو۔ رہے کافر ناحق شناس سو اُن کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے انکی مدد نہیں فرماتا۔ خدا تعالیٰ ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس ترجیحی سلوک کی کیا وجہ باوجودیکہ مخلوق ہونے کے اعتبار سے کافر و مؤمن سب برابر ہیں تو اسکی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ وہ مختار ہے جیسی اسکی مشیت ہوتی ہے ویسا کرتا ہے اپنی مصلحت کو وہی خوب جانتا ہے۔

آخرت سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک وقت حساب ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص سے حساب میں مواخذہ کیا گیا وہ ہلاک ہوا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک قبر کے اندر منکر نکیر کے سوالات کے صحیح جوابات دینا مراد ہے۔ یہی صحیح ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلعم نے بھی آخرت سے مراد قبر ہی قرار دی تھی (ابن مردویہ) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس امت کا امتحان قبروں میں ہوگا میں ضعیف عورت ہوں میرا کیا حال ہوگا حضور صلعم نے آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الخ تلاوت فرمائی (رواہ البزار) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھیر جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اُس کے لئے دعاء تثبیت کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جائیگا (رواہ ابوداؤد) حضرت براء بن عازب کی روایت ہے حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا جب مؤمن سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ شہادت دیتا ہے لا الٰہ الا اللہ و محمد رسول اللہ۔ یہی مضمون ہے آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ کا (رواہ البخاری و المسلم وغیر واحد من الائمۃ) ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ آخرت سے قبر مراد ہے۔

مقصودِ بیان:۔ جو لوگ دنیا میں اہلِ ایمان ہیں اُن کے ثبات ایمان کے لئے اللہ بھی مدد فرماتا ہے۔ دنیوی مصائب اور قبر کی ہیبت ناک تکلیف کے وقت اللہ ہی اہلِ ایمان کو ایمان پر قائم رکھنے والا ہے۔ آیت وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ چونکہ کافر حق ناشناس ہوتا ہے اسلئے خدا بھی اُس کو گم کردہ راہ چھوڑ دیتا ہے۔ آیات میں اس جانب بھی ایماء ہے کہ ایمان داروں کو اپنے ایمان پر غرہ نہ ہونا چاہئے۔ معلوم نہیں امتحان دنیا اور احوال

کے وقت کیا پیش آئے۔ بلکہ اللہ سے ایمان پر ثابت رہنے کی دعا کرنی چاہئے۔ وغیرہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کے عوض

كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝

ناشکری کی اور اپنی قوم کو تباہی خانہ یعنی جہنم میں اُتار دیا

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝

جس کے اندر وہ سب داخل ہوں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ

اُنہوں نے اللہ کے شریک قرار دیئے تاکہ لوگوں کو راہ خدا سے

سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ

گمراہ کر دیں تم کہدو کہ مزے اڑالو آخرکار تو جہنم کی طرف تم کو

اِلَى النَّارِ ۝ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جانا ہی ہے میرے ایماندار بندوں سے کہدو

يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

کہ پابندی سے نماز پڑھیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

کچھ پوشیدہ اور ظاہر راہِ خدا میں خرچ کریں قبل اسکے کہ وہ دن آجائے

يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝

جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی

تفسیر ان آیات کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں کفار کی [illegible] اور اُن کی گمراہ کنی اور ہلاکت انگیزی کا بیان ہے۔ اور دوسرے حصہ میں مسلمانوں کو نماز کی پابندی رکھنے اور راہ خدا میں خیرات کرنے کی ہدایت ہے۔ پہلے حصہ کی شان نزول کے متعلق مختلف مضامین کی مختلف روایات آئی ہیں۔ ہم خلاصہ کے ساتھ چند روایات درج ذیل کرتے ہیں۔

عوفی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیات جبلہ بن ایہم غسانی اور اُس کے ساتھ والے عربوں کے متعلق نازل ہوئی تھیں جو بھاگ کر روم کو چلے گئے تھے اور عیسائی ہو گئے تھے۔ بخاری اور نسائی نے ابن عباسؓ کا جو قول نقل کیا ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار قریش کے حق میں ان آیات کا نزول ہوا۔ ابن کثیر نے مؤخر الذکر روایت کو ترجیح دی ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان آیات کا نزول اُن کفار قریش کے حق میں ہوا جو بدر کے دن لشکر چڑھا کر لائے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منافقین قریش مراد ہیں۔ تیسری روایت میں ہے کہ عبداللہ بن الکوا نے کھڑے ہو کر آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا الخ کے متعلق حضرت علیؓ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ مشرکین قریش تھے جن کے پاس اللہ کی طرف سے نعمت ایمان آئی تھی مگر انہوں نے اُس نعمت کو کفر سے بدل لیا اور اپنی قوم کو خانہ ہلاکت و بربادی میں ڈالا۔

مسلم مستوفی نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اَلَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا سے قریش کے سب سے زیادہ سرکش دو گروہ مراد ہیں بنو مغیرہ اور بنو امیہ۔ بنی مغیرہ نے تو بدر کے دن اپنی قوم کو مقام ہلاکت یعنی جہنم میں داخل کر دیا اور بنی امیہ نے احد کے روز اپنی قوم کو جہنم رسید کیا۔ بدر کے روز قریش کا سردار اعظم ابوجہل تھا اور احد کے دن ابوسفیانؓ (سدی) ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ بنی مغیرہ تو بدر کے روز ہلاک کر دیئے گئے۔ رہے بنی امیہ تو ان کو ایک خاص وقت تک باقی رکھا گیا سفیان ثوری نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اَلَّذِيْنَ بَدَّلُوْا سے قریش کے دو فاجر ترین گروہ مراد ہیں۔ ایک بنی مغیرہ۔ دوسرا بنی امیہ۔ بنی مغیرہ کے لئے تو بدر کے دن ہی کافی ثابت ہوا۔ رہے بنی امیہ تو ان کو چند روزہ زندگانی عطا کی گئی۔ بہرحال سبب نزول کوئی خاص گروہ ہو منشاء حکم عام ہے۔ معانی قرآن عموماً (باستثناء بعض) کسی وقت اور کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اگر وقت نزول مصداق موجود تھا تو اُس کو بیان کر دیا جاتا ہے مگر حکم کو عام رکھا جاتا ہے۔ اور اگر اس وقت مصداق موجود نہ تھا تو آئندہ کے لئے عمومی حکم باقی رہتا ہے۔

مقصود بیان:- ایمان بھی اللہ کی [illegible] الشان نعمت ہے یعنی الناس کا خدا پر کوئی واجب حق نہیں کہ اُس کے عوض خدا تعالیٰ اُس کو ایمان عطا کرے اور نہ کسی کے ایمان لانے کا خدا پر احسان ہو سکتا ہے۔ بلکہ آدمی کو توفیقِ ایمان دینا محض اللہ کا کرم ہے۔ جو لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ احسان فراموش ہیں۔ کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔ اللہ کے راستہ سے بھٹکانا بڑا جرم ہے۔ صفات الٰہیہ کے ساتھ کسی دوسرے کو متصف جاننا شرک ہے۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ

اعتدال ارکان کے ساتھ صحیح طور پر نماز پڑھیں اور راہ خدا میں زکوٰۃ و صدقات دیتے رہیں۔ زکوٰۃ و صدقات علانیہ بھی دئیے جا سکتے ہیں اور پوشیدہ طور پر بھی۔ علماء حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کو علانیہ ادا کرنا افضل ہے۔ اہل تحقیق کہتے ہیں کہ اگر نیت خالص ہو اور ریاکاری کا اندیشہ نہ ہو تو خفیہ اور علانیہ دونوں طرح سے دینا برابر ہے۔ نماز و زکوٰۃ کا حکم دینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ فقط اعتقاد کی درستگی اور قلبی اعتقاد ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ بدنی عبادت و ریاضت اور برادران ملت کی پرورش و ہمدردی بھی مؤمن کے لئے لازم ہے۔ پس گمراہ ہیں وہ لوگ جو فرائض دینیہ سے اپنے کو مستثنیٰ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ اب ہم ایمان و یقین کے اُس درجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ نماز روزہ کی ہم کو ضرورت نہیں رہی ہے۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ برادران ملت کی خبرگیری اصحاب استطاعت پر ہر حالت میں فرض ہے۔

اللہ الذی خلق السموات والارض

اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا

وانزل من السماء ماء فاخرج بہ

اور اوپر سے پانی برسایا پھر اُس سے تمہارے کھانے کے لئے

من الثمرات رزقا لکم وسخر لکم

پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تمہارا تابع

الفلک لتجری فی البحر بامرہ و

بنایا تاکہ بحکم خدا دریا میں چلیں اور

سخر لکم الانہر ۝ وسخر لکم الشمس

نہروں کو تمہارے تابع کر دیا اور سورج اور چاند کو تمہارے کام

والقمر دائبین وسخر لکم الیل

پر لگا دیا جو چلتے رہتے ہیں اور رات و دن کو تمہارے

والنہار ۝ واتکم من کل ما

کام پر لگا دیا اور جو کچھ تم نے اُس سے مانگا کچھ نہ کچھ

سالتموہ وان تعدوا نعمت اللہ

اُس نے دیا اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو گے

لا تحصوہا ان الانسان لظلوم کفار ۝ ع

تو گن نہ سکو گے بلاشبہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان کیا تھا کہ بعض حق ناشناس کافروں نے اللہ کی دی ہوئی نعمت کو ٹھکرا دیا اور اُس کے عوض کفر کو اختیار کیا۔ ان آیات میں بتا دیا جاتا ہے کہ اللہ کی نعمت فقط ایمان ہی نہیں بلکہ اتنی تعداد میں ہے کہ کتنا ہی شمار کرو مگر گن نہ سکو۔ ایمان و توحید تو ایک روحانی نعمت ہے جو محسوس پرستوں کو بمشکل دکھائی دیتی ہے۔ خدا کی تو محسوس نعمتیں لاتناہی ہیں۔ مثلاً اُس نے آسمانوں اور زمینوں کو تمہارے فائدہ کے لئے بنایا۔ بادلوں سے مینہ برسایا۔ پھر بارش کے پانی سے تمہارے لئے طرح طرح کی چیزیں پیدا کیں جن میں سے کوئی کھانے اور پینے کے کام میں آتی ہے۔ کوئی پہننے اوڑھنے اور بچھانے کے اور کوئی دیگر ضروریات و لوازم زندگی کے سرانجام دینے اور اسباب آرائش کی فراہمی کے لئے۔ پھر پانی پر سفر کرنے کے لئے کشتی جہاز وغیرہ بنانا سکھایا۔ ایسی تدبیریں بتائیں کہ کشتیاں پانی میں غرق نہ ہوں۔ پھر نہروں کو تمہارے بس میں کر دیا۔ جدھر چاہتے ہو لے جاتے ہو۔ اُن سے طرح طرح کے کام لیتے ہو۔ آب پاشی کرتے ہو۔ چکیاں چلاتے ہو۔ بجلی بنا کر اُس سے بکثرت سامانِ ضرورت و عیش فراہم کرتے ہو۔ پھر چاند سورج کو تمہارے فوائد کے لئے ایک خاص چال سے چلایا۔ اگر اُن کی چال بگڑ جائے تو انتظام عالم بگڑ جائے نہ پھلوں میں پختگی آئے نہ کھیتیاں پکیں۔ نہ سمندروں میں مدوجزر ہو۔ نہ عالم کو گرمی و خنکی میسر آئے۔ نہ زمین کی رطوبتیں خشک ہوں۔ بکثرت بیماریاں پھیل جائیں۔ بارش بالکل نہ ہو۔ وغیرہ۔ پھر رات اور دن کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ رات اپنے وقت پر آتی ہے اور دن اپنے وقت پر۔ رات میں بھی تمہارے سامانِ زندگی کی فراہمی ہوتی ہے اور دن میں بھی بقاء حیات کی تکمیل۔ پھر یہ تو کھلی ہوئی نعمتیں ہیں۔ انہی پر کیا حصر ہے تم نے جو کچھ اپنی زبان یا حال سے مانگا اور جن چیزوں کی تمہاری بقاء زندگی کی ضرورت ہوئی وہ سب خدا نے تم کو عطا کیں۔ ہر اڑے وقت پر تمہاری مدد کی۔ پھر محسوس نعمتوں کے علاوہ نیم محسوس اور غیر محسوس انعامات اس قدر ہیں کہ شمار کرو تو گن نہ سکو۔ لیکن آدمی بڑا ظالم۔ حق ناشناس اور ناشکرا ہے۔ اول تو نعمت دینے والے کو پہچانتا ہی نہیں غافل ہے۔ دوسرے منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف جھکتا ہے اُنہی کو نعمت دینے والا خیال کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ نے عقل علم استعداد اور جمال و کمال عطا کیا۔ مگر کافروں نے عقل کو غباوت سے علم کو جہالت سے، استعداد ایمان کو قبول شرک سے اور جمال روح کو

گناہوں کی بدصورتی سے بدل لیا اس سے بڑھ کر ناشکرا پن اور حق ناشناسی اور اپنے نفس پر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے

مقصود بیان :- اللہ کی بعض محسوس نعمتوں کی صراحت اور غیر محسوس نعمتوں کی طرف بالاجمال اشارہ - اس بات کی تصریح کہ کافر انسان کافر نعمت اور حق ناشناس ہوتا ہے - دینے والے کو چھوڑ کر نہ دینے والے کی طرف جھکتا ہے - اہل باطن نے آیات کے ظاہری معنی کی حقانیت کے اعتراف کے باوجود بطور اشارہ کچھ باطنی معنی کا بھی استنباط کیا ہے جن کو اہل بصیرت کی دعوت ذوق کے لئے ہم مجمل طور پر لکھتے ہیں۔

آسمانوں سے اشارہ ارواح کی طرف اور زمین سے اشارہ اجسام کی طرف ہے - بادل سے پانی برسانے کا یہ مطلب ہے کہ فیاض عالم نے اپنے فیض قدسی کے چھینٹے اس کائنات کو بھی عطا کئے ہیں جن سے انسان کی روحانی و عقلی پرورش کے لئے طرح طرح کی معرفت انگیز اور علم آفرین غذائیں پیدا ہوتی ہیں۔ کشتیاں یعنی آدمی کی شہوانی اور غضبی قوتیں جو قوت عقلیہ کی سواریاں ہیں اس بحر ہستی میں بحکم الٰہی چل رہی ہیں قوت عقلیہ اُن پر سوار ہے اور اس بحر ہستی کو طے کر رہی ہے - اسی بنا پر اہل اخلاق کہتے ہیں کہ عقل راکب اور یہ دونوں قوتیں مرکب ہیں مرکب کو اتنا مطلق العنان بھی نہ چھوڑ دو کہ کہیں غار میں گر پڑے یا درخت سے ٹکرا جائے یا کھائی خندق میں پھنس جائے اور نہ ان کو اتنا تنگ کرو کہ مارتے مارتے راستہ میں ہی فنا کر دو اور پھر شہسوار عقل راستہ میں سواری کے مرنے کی وجہ سے منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے نہروں سے مراد فکر و ذکر کی نہریں - انہی نہروں سے معرفت و محبت کے چشمے ابلتے ہیں اور پھر ان چشموں کے پانی سے حکمت و شوق اور صدق و اخلاص کی شادابی حاصل ہوتی ہے - شمس و قمر سے اشارہ ہے نور ایمان، نور معرفت، نور یقین، نور توحید، نور محبت و شوق، اور نور ہدایت و توفیق کی طرف - یہ ایسے آفتاب و ماہتاب ہیں جن سے عالم انسانی کا ذرہ ذرہ جگمگانے لگتا ہے - مشاہدۂ ذات و صفات ان کی شعاعیں ہیں اور ارواح و عقول کے افق سے ان کا طلوع ہوتا ہے - رات و دن سے اشارہ ہے تاریکی نفس اور روشنی قلب کی طرف - اوّل محل امتحان ہے اور دوسرا مقام عرفان قہر الٰہی رات ہے جو جہالت کے پردہ میں انسان کو پوشیدہ کر دیتی ہے اور لطف الٰہی دن ہے جس سے ظہور معرفت ہوتا ہے - شب عذاب پردۂ حجاب ہے اور کشف حجاب روز روشن ہے جس سے روح پر جمال الٰہی کا پرتو پڑتا ہے - انسان ظالم اور کافر نعمت ہے یعنی اللہ نے اس کو بحر توحید میں غرق کیا لیکن جب ابھرا تو خودی کا دعویٰ کرنے لگا - انتہائی حق ناشناسی ہے کہ قدم سے حدوث کو نسبت دیتا ہے - قدم کو نہ پایا تو ظالم نے اپنی نادانی سے خودی کا جال بنایا - اس سے بڑھ کر کون ظلم ہوگا کہ محل عبودیت میں ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس شہر کو

الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ

امن کی جگہ بنانا اور مجھے اور میری اولاد کو

نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ

بت پرستی سے بچانا اے میرے رب ان بتوں نے

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ

بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے جو شخص میری پیروی کریگا وہ تو

مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ

میرا ہے اور جو میرا کہنا نہ مانے گا تو تو غفور

رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ

رحیم ہے اے میرے رب میں نے اپنی اولاد تیرے معزز گھر کے

بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ

پاس بسائی ہے — جہاں کھیتی نہیں ہے

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـئِدَةً

تاکہ وہ پابندی سے نماز پڑھیں لہذا تو لوگوں کے دل

مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ

ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو میوے

مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝

کھانے کو دے تاکہ یہ شکر کریں

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ

اے ہمارے رب ہم جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں تو اس سے واقف ہے

وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ ع

اور کوئی چیز نہ زمین میں نہ آسمان میں اللہ سے چھپی نہیں ہے۔ اُس اللہ کا شکر ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے اسمٰعیل و اسحاق عطا فرمائے۔ بلاشک میرا رب دعا کو سننے والا ہے۔ اے میرے رب مجھے اور میری کچھ اولاد کو نماز کا پابند رکھ۔ اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے رب جس روز حساب بپا ہوگا مجھے اور میرے والدین کو اور ایمان داروں کو تو بخش دینا۔

تفسیر

مشرکینِ مکہ مدعی تھے کہ ہم اپنے دادا ابراہیمؑ کے دین پر ہیں اور محمدؐ اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے پھر گئے ہیں ہم ان کا کہا کیوں مانیں اور کیوں ان کے بہکانے سے ملتِ ابراہیمی کو ترک کریں۔ خداوند تعالیٰ ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ کی چند دعائیں نقل فرماتا ہے تاکہ مشرکوں کو معلوم ہو جائے کہ صرف ملتِ ابراہیمی پر چلنے کا مدعی ہونا کافی نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا پیرو درحقیقت وہی شخص ہے جو اُن کی تعلیم پر عمل کرے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلے اور چونکہ محمدؐ اصولِ ابراہیمی کے پیرو ہیں اس لئے وہی ملتِ ابراہیمی پر ہیں اور مشرکین اُن کے دین سے پھرے ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ جب حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ ہاجرہ کو مکہ کے بیابان میں چھوڑ کر چلے اور دل میں اہل و عیال کی حفاظت کا رنج تھا اُس وقت خانہ کعبہ کے فرسودہ نشانات کے سامنے کھڑے ہو کر بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی (ابن کثیر) بعض مفسرین کا قول ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی مدد سے کعبہ کی تعمیر کی اور آدمؑ کی قائم کردہ بنیادوں پر اُس کی دیواروں کو اٹھایا اُس وقت یہ دعا کی تھی سب سے پہلے آپ نے التجا کی (۱) پروردگار اس شہر کو مقامِ امن بنا دے۔ یعنی اس زمین کو آباد کر دے اور یہاں قتل و غارت کو حرام کر دے۔ چنانچہ مکہ آباد ہوا اور قتل و غارت یہاں تک کہ وحوش و طیور کا شکار اور موذی جانوروں کا قتل اور سبزہ و درخت کا قطع کرنا بھی حرم کے اندر ممنوع قرار پایا۔ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے لیکر اب تک یہی ناقابلِ شکست قانون جاری ہے۔ دورِ جاہلیت میں بھی کسی نے اس قانون کو منسوخ نہیں کیا۔ بعض مفسرین نے مقامِ امن سے محفوظ مقام مراد لیا ہے یعنی ایسا مقام جسکو کوئی ظالم جابر منہدم نہ کر سکے چنانچہ عمارت کعبہ ایسی ہی محترم ہے کہ کوئی شخص آج تک اُس کو منہدم نہ کر سکا۔ رسول اللہؐ سے پہلے ابرہہ شاہِ یمن نے مکہ پر لشکر کشی کی۔ ہاتھیوں کی ایک جماعت بھی ساتھ لایا۔ تاکہ کعبہ کو ڈھاوے مگر غیبی طاقت نے اسکو برباد کر دیا اور کعبہ محفوظ رہا (۱) حضرت ابراہیمؑ کو قانونِ قدرت معلوم تھا کہ پھول کے ساتھ کانٹا اور خیر کے ساتھ شر کا وجود لازم ہے ہدایت کے بعد گمراہی کا دور ضرور آتا ہے کبھی صداقت کی روشنی باطل کے اندھیرے میں عارضی طور پر چھپ جاتی ہے اس لئے دعا کی پروردگار مجھے اور میری اولاد کو شرک سے محفوظ رکھنا یعنی اولاد تو کل نسل ہوتی ہے اس لئے آگے فرمایا میری آل اور میرا آدمی وہی ہے جو میرا پیرو ہو۔ جو میرا پیرو نہ ہو وہ میرا نہیں۔ چونکہ حضرت ابراہیم انتہائی رحیم تھے اسلئے نافرمانوں کے متعلق بھی اظہارِ بیزاری صراحۃً نہیں کیا بلکہ فرمایا پروردگارا جو میرا نافرمان ہے تو اُس کو معاف کرنے والا ہے (اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کو اپنی مخلوق کا کامل اختیار ہے چاہے کافروں اور مشرکوں کو بخش دے لیکن اُس نے فرما دیا ہے کہ میں مشرک کافر اور منافق نہیں بخشوں گا۔ اس لئے ہم جانتے ہیں کہ وہ ان کو نہیں بخشے گا۔ مگر اُس کی قدرت و اختیار ویسا ہی ہے۔ اسی بنا پر خلیل اللہؑ نے خدا تعالیٰ کے اعلیٰ اوصاف یعنی غفور رحیم ہونے کا ذکر کیا اور یہ نہ فرمایا کہ تو نافرمان کو سزا دینا (۳) سرزمین مکہ کے چاروں طرف دُور دور تک چٹیل ریگستان خشک پہاڑیاں اور بے آب و گیاہ میدان تھا۔ خلیل اللہؑ نے بحکمِ الٰہی وہاں حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ ہاجرہ کو چھوڑا تو باقتضاءِ بشری دو خیال پیدا ہوئے۔ اول تو یہ کہ یہاں دور تک کوئی آدمی نہیں ان کا دل گھبرائیگا وحشت ہوگی۔ ان کے انس خاطر

کا کیا سامان ہے۔ دوسرے یہ کہ اس لق ودق بیابان میں یہ کھانے پینے کیا اسلئے دعا کی پروردگار! میں نے تیری عبادت اور کعبہ کو آباد رکھنے کیلئے اپنے بعض اہل وعیال کو یہاں بسا دیا ہے مگر تو ہی ان کی سرپرستی کرنا۔ کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور کھانے کے لئے ان کو پھل اور غلہ وغیرہ عطا فرما۔ چنانچہ یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ سرزمین عرب کے تمام آدمی کھیچ کھیچ کر حج کرنے کے لئے کعبہ کو آنے لگے اور مکہ سے کچھ فاصلہ پر خدا تعالیٰ نے طائف کی زمین ایسی کردی کہ وہاں ہر طرح کے پھل پیدا ہونے لگے اور مکہ میں آنے لگے۔

ابن عباس مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم نے کچھ آدمیوں کے دلوں کو مائل کرنے کی دعا کی تھی۔ اگر کچھ کا لفظ نہ کہتے تو مشرق مغرب کے تمام انسان یہاں تک کہ یہودی اور عیسائی بھی کعبہ کی طرف جھک پڑتے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے علم الٰہی کی ہمہ گیری بیان کرکے اُن انعامات الٰہی کا تذکرہ کیا جو خاص طور پر بغیر ظاہری اسباب کے خدا تعالیٰ نے اُن کو عطا کئے تھے اور آخر میں اپنی ذات اور اولاد کے لئے نماز کی پابندی کی دعا کی اور پھر اپنے اور اپنے والدین کے لئے مغفرت کی استدعا کی۔

ایک شبہ حضرت ابراہیمؑ جلیل القدر پیغمبر اور راز دار شریعت تھے اور آپ کا باپ آذر کافر تھا پھر کیوں کافر کے لئے دعاء مغفرت کی اور کیوں رشتۂ نسبی کو رشتۂ الٰہی پر ترجیح دی؟

وہم کا ازالہ (۱) طلب مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار! میرے والدین کو اس قابل بنادے کہ وہ تیری مغفرت کے اہل ہوسکیں یعنی اُن کو مسلمان کردے (۲) اُس وقت تک حضرت ابراہیمؑ کو قطعی طور پر معلوم نہ ہوا تھا کہ باپ ازلی کافر ہے کبھی راہ راست پر نہیں آسکتا۔ اسی لئے شفقت پدری کے پیش نظر دعائے مغفرت کی لیکن جب معلوم ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن اور ازلی کافر ہے تو پھر اظہار بیزاری کیا اور کبھی نام نہ لیا۔

مقصود بیان: حضرت ابراہیمؑ ہی کی دعا کا اثر ہے کہ آج تک کہیں حرم کے اندر قتل و غارت اور ہر قسم کا شکار یہاں تک کہ درختوں کو کاٹنا بھی اُٹھانا بھی ممنوع ہے۔ بت پرستی انسان کی گمراہی کا ظاہری سبب ہے۔ درحقیقت کسی نبی یا ولی کی اولاد اور آل وہی شخص ہے جو اس کا پیرو ہو۔ رشتۂ نسبی کوئی چیز نہیں۔ مکہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں کھیتی نہ ہوتی تھی۔ لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ نماز کی پابندی سے کوئی مدعیٔ ایمان مستثنیٰ نہیں ہوسکتا خواہ وہ ایمان کی انتہائی چوٹی پر پہنچ گیا ہو اس سے عبرت پکڑنا چاہئے اُن جاہل صوفیوں کو اور اُن ضعیف الاعتقاد عوام کو جو بعض بے دین رندوں کو ولی اللہ یقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز ایمان کو پختہ کرنے اور یقین کو حاصل کرنے کے لئے پڑھی جاتی ہے فلاں شخص کمال الیقین کے درجہ پر پہنچ گیا ہے اس لئے اُس کو نماز روزہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابراہیم کے دونوں صاحبزادے اسمٰعیل و اسحاق پیرانہ سالی میں بغیر ظاہری اسباب کے پیدا ہوئے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ بغیر ظاہری اسباب کے بھی ہر طرح قادر ہے اور رحمت الٰہی سے کسی کو مایوس نہ ہونا چاہئے۔ خواہ اسباب پیش نظر ہوں یا نہ ہوں امیدوار رہنا لازم ہے۔ ہاں نیکی صلاح اور تقویٰ ضروری چیزیں ہیں۔ نیکوں کو اللہ ضرور نوازتا ہے۔ آیت رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ الخ دلالت کررہی ہے کہ نیکی کی توفیق اور اُس پر استقامت بھی محض اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ بھلائی اور اُس کی توفیق دونوں چیزیں انسانی اختیار سے خارج ہیں۔ اسی آیت میں حضرت ابراہیمؑ نے وَمِنْ ذُرِّيَّتِي فرمایا یعنی میری بعض اولاد کو بھی نماز کا پابند بنادے۔ چونکہ آپ واقف تھے کہ کل نسل کا پابند نماز ہونا اور اللہ کا فرماں پذیر ہونا قانون قدرت کے خلاف ہے۔ مشیت الٰہی یونہی ہے کہ دنیا میں کل آدمی نہ نیک ہوں نہ بد بلکہ کچھ فرماں بردار اور کچھ اصحاب معصیت ہونے لازم ہیں اس لئے آپ نے بھی دعا میں اس قانون الٰہی کو پیش نظر رکھا اور بعض اولاد کے عبادت گزار ہونے کی دعا کی۔ آخری آیت بتا رہی ہے کہ دعا میں ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھنی ضروری ہے۔ سب سے پہلے انسان اپنی ذات کے لئے دعا کرے پھر قریب ترین تعلق رکھنے والوں کے۔ اس کے بعد پھر عام اہل ایمان کیلئے حضرت ابراہیمؑ معصوم نبی تھے اور نبی لامحالہ مغفور ہوتا ہے۔ پھر بھی آپ نے اپنے لئے دعائے مغفرت کی۔ اس سے دو باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ اول تو یہ کہ آدمی کتنا ہی کامل الایمان اور مقرب بارگاہ ہو۔ کیسا ہی عظیم الشان مرسل ہو مگر اُس کو قہر الٰہی کا خوف رکھنا چاہئے اپنے ایمان اور صلاح پر بھروسہ نہ رکھنا چاہئے۔ معلوم نہیں پل بھر میں کیا ہوجائے دوسرے اس طرف بھی ایما ہے کہ کسی شخص کی مغفرت اُس کے اعمال کی وجہ سے نہ ہوگی۔ اسی مضمون کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ سے فرمایا تھا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی بناء پر نہ بخشا جائے گا یعنی کسی شخص کی نیکیاں جنت میں داخل ہونے کے لئے سبب اصلی اور علت موجبہ نہ ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا حضور کیا آپ کا بھی یہی حال ہے؟ فرمایا ہاں میرا بھی یہی حال ہے۔ مگر اُس وقت میں مغفور ہوں گا جب اللہ کی رحمت مجھے ڈھانک لیگی۔ گویا اللہ کی رحمت مغفرت کا اصل سبب ہے۔ اعمال اور ایمان آدمی کو فقط مغفرت کا اہل بنانے میں دخل رکھتے ہیں یعنی ان سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوجاتی ہے اور اللہ کی خوشنودی انسان کو دوامی نجات اور فائز المرامی عطا کرتی ہے وغیرہ۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ

(اے مخاطب) ظالم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اُن سے تو اللہ کو بے خبر نہ خیال کرنا

اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ

بات صرف اتنی ہے کہ اللہ اُس دن تک اُن کو مہلت دیے ہوئے ہے جس میں آنکھیں کھٹی رہ جائیں گی

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ

اور سر جھکائے دوڑتے ہوں گے — ان کی طرف پھر

اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ○

اُن کی نظر نہ لوٹے گی — اور حواس باختہ ہوں گے

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ

(اے محمد) لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جس میں ان پر عذاب آپہنچے گا

فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى

تب ظالم کہیں گے — اے ہمارے رب ہم کو تھوڑی سی مدت کی

اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ

مہلت دیدے — تاکہ ہم تیرا حکم مان لیں اور پیغمبروں کا اتباع کر لیں

اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ

(اُن کو جواب ملیگا) کیا تم قسمیں نہ کھایا کرتے تھے کہ ہم کو کسی طرح

مِّنْ زَوَالٍ ۙ○ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ

زوال نہیں — حالانکہ تمہاری سکونت اُن لوگوں کے مکانوں میں تھی

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا

جنہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور تم پر کھل چکا تھا کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیا

بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ○ وَقَدْ مَكَرُوْا

معاملہ کیا اور ہم نے تمہارے سامنے مثالیں بیان کردی تھیں — اُن لوگوں نے

مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ

اپنا داؤ کیا — مگر اُن کا داؤں خدا کے پاس موجود ہے — اگرچہ

مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ○

اُن کی تدبیر ایسی تھی جس سے پہاڑ بھی ٹل جاتے

تفسیر یہ خطاب رسول پاک ؐ کو ہے اور عجیب لرزہ انگیز خطاب ہے ان آیات کا اصلی رُخ اُن لوگوں کی طرف ہے جو اگرچہ بالفعل کافر و نافرمان ہیں مگر اُن کا نورِ فطرت بالکل بجھا نہیں ہے اُن کے لئے سعادت ازلی جاری ہو چکی ہے تاکہ ان آیات کو سُن کر وہ ہوشیار ہو جائیں۔ اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور دل پگھل جائیں اور جس طرح بھاگا ہوا غلام شام کو پھر آقا کی طرف ندامت کے ساتھ لوٹتا ہے اسی طرح وہ بھی اللہ کی طرف رجوع کریں۔

آدمی کی آنکھوں پر ایک امتحانی پردہ پڑا ہوا ہے۔ دنیا کی نعمتوں کے علاوہ اُس کو آخرت کی کوئی بہبودی آنکھوں سے نہیں دِکھتی۔ کافروں کی فراخ دستی اور ناز و نعمت کو دیکھ کر اہلِ نفاق گمان کرتے ہیں کہ اگر یہ لوگ حق پر نہ ہوتے اور مردودِ بارگاہ ہوتے تو یہ نعمتیں اُن کو کیوں عطا کی جاتیں کیوں ان کو مرفّہ الحال فارغ البال عیش و عشرت سے ہمکنار اور جاہ و جلال بردوش چھوڑا جاتا۔ اس شبہہ کو زائل فرماتا ہے کہ اے نورِ ازلی سے حصہ پانے والو یہ ہرگز گمان نہ کرو کہ ان بے دین حق ناشناس کافروں کی بداعمالیوں سے خدا واقف نہیں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے انکی ہر حرکت سے واقف ہے۔ مگر اُس نے خود ان کو ڈھیل دے رکھی ہے جیتے دم تک ان کو مہلت ہے۔ مرنے کے بعد جب قبروں سے اٹھیں گے تو اُس وقت ہکا بکا آنکھیں پھاڑے تکتے رہ جائیں گے۔ دل ٹھکانے سے نہ ہونگے۔ کلیجے مُنہ کو آئینگے۔ جب عذابِ الٰہی قیامت کے دن یا مرنے کے وقت سامنے آئے گا تو اُس وقت انتہائی حسرت سے دنیا میں واپس جانے اور پیغمبروں کی ہدایت پر چلنے کی آرزو کرینگے۔ لیکن اُس وقت کوئی آرزو سود مند نہ ہوگی اور صاف جواب دیدیا جائیگا کہ دنیا میں تم تو قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہمارا یہ دنیوی عیش و نشاط ناقابلِ زوال ہے۔ ہم کو آخرت میں کبھی جانا ہی نہ ہوگا۔ پھر تم جن لوگوں کی بستیوں میں رہتے تھے وہ قوت و تدبیر میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ جب اُن پر تم سے پہلے تباہی آگئی اور وہ نہ رہے تو تم نے کیوں نہ سمجھا کہ ہم بھی نہ رہینگے اس کے علاوہ طرح طرح کی نظیریں اور مثالیں دیکر ہم نے تمہیں سمجھایا مگر پھر بھی تم نہ سمجھے۔

آیت وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ علی بن طلحہ نے ابن عباس کا قول نیز قتادہ اور ضحاک نے بیان کیا ہے کہ زوال جبال سے مراد ہے پہاڑوں کا پھٹ جانا یعنی کلمۂ شرک ایسا سخت تھا کہ اُس سے پہاڑ پھٹ جاتے تو تعجب نہ تھا

گویا اُن کا مکر سراسر شرک تھا اور شرک الٰہی اس قدر نا سزا حرکت ہے کہ اُس کو پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

حسن بصری نے کہا کہ اُن کا مکر بے حقیقت تھا۔ اُس میں ایسی طاقت نہ تھی جس سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں یعنی صداقت و حقانیت مثل پہاڑوں کے تھی جن پر اُن کی مکاری سے کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا۔

حضرت علی رض حضرت عمر رض حضرت ابن مسعود رض اور حضرت ابی بن کعب رض نے کَانَ کی بجائے کَادَ پڑھا ہے یعنی اُن کی مکاری اتنی قوی تھی کہ اُس کی وجہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے تو تعجب نہ تھا۔ شیخ ابن جریر نے کَادَ نہیں پڑھا بلکہ کَانَ ہی پڑھا اور مطلب وہی بیان کیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

مقصود بیان:- میمون بن مہران نے کہا کہ آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ الخ میں وعید ہے ظالم کے لئے اور تسکین ہے مظلوم کے لئے۔ آخری آیات سے یہ مضمون مستنبط ہوتا ہے کہ سائنس اور طبعیات کی مہارت سے کارخانۂ قدرت میں تبدیل ناممکن ہے خواہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہلا دیے جائیں مگر احاطۂ قدرت سے خارج ہونا محال ہے۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حق کے مقابلہ میں کوئی تدبیر و مکر خواہ کتنا ہی بڑا ہو مفید نہیں ہو سکتا یہ بھی ایما ہے کہ صداقت مثل پہاڑ کے ہے جو کسی باطل تدبیر سے اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتی

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ط

(اے مخاطب) تو یہ نہ سمجھنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا ہے

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ

بلاشبہ اللہ زبردست اور انتقام لینے والا ہے جس روز کہ اس

الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا

زمین کے بدلے دوسری زمین اور آسمانوں کے بدلے (دوسرے آسمان) ہونگے اور

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

خدائے واحد باجبروت کے سامنے لوگ پیش ہونگے اور اُس روز مجرموں کو تم

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝

زنجیروں میں جکڑا ہوا پاؤ گے

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى

اُن کے کپڑے روغن چیڑ کے ہوں گے اور اُن کے

وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ

چہروں کو آگ چھپائے ہوئے ہوگی (یہ بات اس لئے ہوگی کہ) ہر شخص کو اُسکے کئے کا بدلہ

مَّا كَسَبَتْ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

اللہ دے گا بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَ

لوگوں کو یہ صرف خبر کر دینی ہے اور (یہ مقصد بھی ہے کہ) اس سے اُنکو ڈرایا جائے اور

لِيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ

اُن کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ایک ہی ہے اور عقل والے

اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ع ۱۱ ۱۹

نصیحت پکڑیں

تفسیر وجود قیامت پر چار شبہات کئے جا سکتے ہیں (۱) اللہ نے جو قیامت کے متعلق مختلف مقامات پر صراحت کی ہے کیا اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ نیکی کی ترغیب دینے کے لئے خدا نے قیامت کی دھمکیاں دی ہوں اور واقع میں قیامت نہ ہو۔ اس کا جواب خدا تعالیٰ نے اس طرح دیا کہ اللہ نے اپنے پیغمبروں سے جو وعدہ فرما لیا اُس کا خلاف ناممکن ہے۔ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کریگا اہل ایمان کو جنت میں داخل کرنے کا اور کافروں کو دوزخ میں جھونکنے کا جو وعدہ وہ کر چکا ہے اُس کی خلاف ورزی ناممکن ہے (۲) کیا اللہ ایسا کر بھی سکتا ہے کیا نیست سے ہست اور معدوم سے موجود کرنا ممکن ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا اللہ غالب ہے وہ زبردست اور قاہر ہے ہر طرح سے انتقام لے سکتا ہے۔ نیست سے ہست کرنا اُس کے لئے دشوار نہیں۔ وہ اس زمین اور اس آسمان کو قطعًا تبدیل کر دے گا۔ ان کے حالات کیفیات اور تمام اوصاف بدل دیگا بلکہ ان کی ذات بھی باقی نہ رہے گی۔ جس مادہ کے یہ اب بنے ہوئے ہیں وہ مادہ بھی بدل جائیگا۔ صرف اللہ یکتا قہار باقی رہ جائے گا۔ اُسی کے سامنے سب لوگ اپنی قبروں سے نکل کر آئینگے اور ایک صاف ہموار میدان میں جمع ہوں گے۔ اُس روز کافر مشرک اور منافق اپنی بداعمالیوں کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے اور گناہوں کا لباس پہنے حاضر ہونگے۔ اُن کے چہروں پر کفر و شرک کی آگ چھائی ہوئی ہوگی۔

اہل تفسیر نے کہا ہے کہ انسان کے ملکات رذیلہ اور بُری خصلتیں

قیامت کے دن اُس کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں بن جائینگی اور جس طرح انسان کے بدن کو لباس ڈھانکے رہتا ہے اسی طرح اُس کی بداعمالیاں قیامت کے دن بدترین لباس کی شکل اختیار کرلینگی اور وہ لباس بھی ایسا ہوگا جس میں آتشی شعلہ قبول کرنے کی زیادہ قابلیت ہوگی۔

قطران ایک قسم کا سیاہ تیل بدبودار ہوتا ہے جو مٹی کے تیل کی طرح چشمہ سے نکلتا ہے۔ بعض لوگ اُسکو رال کہتے ہیں۔ قتادہ نے کہا قطران میں آگ بہت جلد لگ جاتی ہے۔ ابن عباس رضؓ نے فرمایا پگھلاتے ہوئے سخت ترین گرم تانبے کو قطران کہا جاتا ہے۔ عکرمہ سعید اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ ایک روایت میں قتادہ سے بھی یہی منقول ہے۔

تبدیل ارض وسماء کی تحقیق

صحیحین میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک سفید ستھری زمین پر لوگوں کو جمع کیا جائیگا۔ سہل بن سعد کی روایت میں ہے کہ جس زمین پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا وہ میدہ کی روٹی کی طرح صاف ہوگی۔ اُس میں (ٹیلہ وغیرہ کا) کوئی نشان نہ ہوگا۔ ابن مسعود رضؓ کی روایت ہے کہ اس زمین کے عوض دوسری زمین ہوگی جو چاندی کی طرح صاف سفید ہوگی نہ اُس پر خون بہایا گیا ہوگا نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا۔ اتنی شفاف ہوگی کہ نظر اُس کے پار جائیگی اور پکارنے والے کی آواز سنائی دے گی (رواہ ابن جریر) حضرت زید کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلعم نے تبدیل ارض کے متعلق صحابہ سے فرمایا وہ زمین چاندی کی طرح صاف سفید ہوگی اس کے بعد حضور نے یہودی علماء کو طلب فرمایا اور اُن سے تبدیل ارض کی کیفیت دریافت فرمائی۔ علماء یہود نے کہا اُس روز زمین میدہ کی روٹی کی طرح سفید ہوگی (ابن جریر) حضرت علی ابن عباس انس بن مالک اور مجاہد سے بھی زمین کا چاندی کی طرح ہونا مروی ہے۔ ایک روایت میں تانبے کی زمین ہونا بھی مروی ہے۔ ابن مسعود رضؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ زمین و سمندر سب آگ کے ہونگے۔ صحیحین میں حضرت ابوسعید کی مرفوع روایت ہے کہ زمین اُس دن ایک روٹی ہوگی جس کو پروردگار اپنی قدرت سے لوٹ پوٹ کریگا اور جنت میں داخل ہونے سے قبل اہل جنت کی مہمانی میں عطا فرمائیگا۔

حضرت علی رضؓ سے مروی ہے کہ آسمان سونے کے ہوں گے۔ ابن مسعود وغیرہ کی روایت ہے کہ آسمان باغوں کی طرح ہوں گے۔

صحیح یہ ہے کہ حشر کے اوقات و حالات مختلف ہیں واقعی کیفیات بالکل مخفی ہیں۔ زمین کی ذاتی وصفاتی تبدیلیاں اُس روز کئی بار ہوں گی نفخ صور اور قیام محشر کے اوقات میں زمین صاف سفید ہوگی نہ اُس میں کوئی بلندی پستی ہوگی نہ خوں ریزی اور گناہ کا کوئی اثر ہوگا۔ پھر جب منافق جہنم کے پل پر ہوگی تو کفار کے لئے زمین آگ اور تانبے کی ہوجائے گی۔

اور مومنوں کے لئے مثل روٹی کے۔ واللہ اعلم۔

(۳) تیسرا شبہ یہ ہوسکتا تھا کہ آخر قیامت ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کا جواب دیا کہ قیامت کا ہونا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو اُن کے اعمال کی جزا سزا مل سکے۔ یعنی اللہ کی عدالت کا مقتضا یہ ہے کہ انسان کو اُس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ ملے اور دنیا اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ اول تو یہ دار عمل ہے دار جزا کوئی دوسرا ہونا چاہئے دوسرے یہ کہ یہاں نہ سزا کامل ہے نہ جزا کامل۔ کیونکہ دنیا کی ہر راحت میں کچھ نہ کچھ تلخی ضرور ملی ہوئی ہے اور ہر تکلیف میں راحت کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور آمیختہ ہے۔ خالص راحت اور محض تکلیف کا یہاں نام نہیں اس لئے کوئی اور جگہ فیصلہ کی مقرر ہونی چاہئے وہی روز قیامت اور میدان حشر ہے۔

(۴) اس روز بیشمار مخلوق ہوگی حضرت آدم ؑ سے لیکر آخری دم تک کے تمام انسان جمع ہونگے۔ سب کے حساب کتاب کے لئے غیر متناہی وقت اور زائد سے زائد مدت کی ضرورت ہے۔ قیامت کے ایک دن کے اندر سب کا حساب کتاب ہوکر فیصلہ کیسے ہوجائے گا؟ اس کے جواب میں فرمایا اللہ حساب بہت جلد لے لیگا۔ ایک وقت میں ہر شخص کا حساب ہوجائیگا۔

اس سے آگے عقائد و اعمال کی اصلاح کے متعلق چند تبلیغی کلمات فرماکر سورت کو تمام کردیا۔

مقصود بیان:۔ اللہ کے وعدہ کا دروغ ہونا محال ہے۔ خدا اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اس آیت سے امکان کذب کا مسئلہ جو ہندوستان میں جاہل علماء کا ذریعہ معاش بنا ہوا ہے اور جس نے ہندوستان کے اندر شیرازۂ اسلام کو پارہ پارہ کردیا ہے حل ہوگیا۔ اللہ ہر طرح قادر اور صاحب انتقام ہے مگر اُس کے اندر جذبۂ انتقام نہیں۔ یہ نفس و نفسانیت کے خواص میں سے ہے بلکہ اُس کا انتقام عدالت پر مبنی ہے۔ انتقام کی غرض اور صورت یہ ہے کہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا اچھا بُرا پھل مل جائے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ قیامت کے دن یہ زمین و آسمان نہ ہونگے نہ قیامت میں زمین و آسمان کے یہ حالات وکیفیات ہونگے۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن پاک صرف عرب ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ عام انسان خواہ کہیں کے رہنے والے ہوں۔ اس کی ہدایات پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ وغیرہ۔

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ حجر مکہ میں نازل ہوئی اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ ابن عباس رضؓ اور ابن زبیر کا یہی قول ہے۔ قرطبی نے نقل کیا ہے اس سورت میں ننانوے آیات، ۶۶۴ کلمات اور ۲۹۰۰ حروف ہیں۔ مدینہ منورہ اور ملک شام کے درمیان ایک وادی

ہے جس کا نام حجر ہے۔ تبوک کو جاتے ہوئے حضور اقدس مع لشکر کے ادھر سے گذرے تھے۔ یہاں عہد قدیم میں ایک قوم آباد تھی جس کا نام حجر ہے
تبوک کو جاتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مع لشکر کے ادھر سے گذرے تھے۔ یہاں عہد قدیم میں ایک قوم آباد تھی جس کا نام ثمود تھا۔ اس قوم کے آدمی بہت قدآور ہوتے تھے اور پہاڑوں کے اندر پتھروں کو تراش کر سکونت کے لئے مکان بناتے تھے۔ حضرت صالحؑ کو انہی کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ چونکہ اس سورت میں حجر والوں کا تذکرہ ہے۔ اس لئے سورت کا نام ہی حجر ہو گیا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝

یہ آیتیں کتاب اور روشن قرآن کی ہیں

تفسیر حضرت قتادہ اور بعض دیگر علماء کے نزدیک کتاب سے مراد گذشتہ آسمانی کتابیں ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں وہ تمام اصول و ضوابط موجود ہیں جو گذشتہ آسمانی کتابوں میں بیان کئے گئے تھے اس لئے قرآن پاک کی آیات درحقیقت گذشتہ کتابوں کی آیات ہیں۔ کوئی جدید ضابطہ نہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ کتاب سے مراد بھی قرآن پاک ہے اور قرآن مبین کا عطف تفسیری ہے لیکن اکثر مفسرین قائل ہیں کہ کتاب سے ام الکتاب یعنی لوح محفوظ مراد ہے۔ قرآن کی آیات اور ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے اسلئے یہ آیات لوح محفوظ کی بھی آیات ہیں اور قرآن کی بھی۔ قرآن کے مبین ہونے کے دو معنی ہیں (۱) قرآن حق و باطل میں امتیاز کرنے والا، معاش و معاد اور اعمال و عقائد کے تمام ضروری قواعد و احکام واضح طور پر بیان کرنے والا ہے۔ سیدھا اور ٹیڑھا راستہ اس کے پڑھنے سے کھل جاتا ہے اس لئے یہ مبین ہے (۲) قرآن میں انہی قواعد و ضوابط کا بیان ہے جو گذشتہ الہامی کتابوں میں بیان کئے گئے تھے قوانین فطرت کا بیان جو شریعت الٰہیہ کا اصل محور ہے اس میں کیا گیا ہے۔ مقصود آیت بالکل واضح ہے۔ آغاز سورت میں صراحت کر دی کہ یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف کردہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جن اصول کا ان میں اظہار کیا گیا ہے وہ وہی اصول ہیں جو گذشتہ آسمانی کتابوں میں بیان کئے گئے تھے۔ اگر یہ آیات زائیدہ دماغ ہوتیں تو گذشتہ کتابوں کے مطابق کیونکر ہو سکتیں۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝

کسی وقت کافر بہتیری آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے

ذَرْهُمْ یَاْكُلُوْا وَ یَتَمَتَّعُوْا وَ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝

(اب تو) ان کو رہنے دو کہ کھالیں مزے اڑا لیں اور امید ان کو غافل بنائے رکھے عنقریب ان کو معلوم ہو جائیگا

وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ۝

اور ہم نے جو بستی بھی غارت کی تو اس کا لکھا ضرور مقرر تھا کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے

تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف کفار برسرپیکار تھے۔ ہر وقت دین توحید کی مخالفت پر کمربستہ رہتے تھے اور چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی فوری مواخذہ نہ کیا جاتا تھا اس لئے اس مہلت پر وہ اور زیادہ مستعد ہو کر کہتے تھے کہ اگر تم لوگ حق پر ہو اور ہم ناحق پر ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا ان آیات میں کفار کے اس قول کا جواب دیا ہے اور جواب کے تین حصے کر دیے ہیں۔ اول کافروں کے اس حسرت زدہ کا ذکر فرمایا جو عموماً مرنے کے وقت یا مرنے کے بعد وہ کیا کرتے ہیں۔ دوئم وہ عیش و عشرت جس پر کور باطن گروہ پھولا نہیں سماتا اس کی بے ثباتی دکھا کر نتیجہ بد سے وعید و تہدید کی۔ سوئم عذاب نازل نہ ہونے کی اصل وجہ آخر میں بیان فرما دی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کفار کو خداداد عیش و عشرت پر غرہ ہو کر اطمینان سے نہ بیٹھ رہنا چاہیئے۔ یہ تمام آرام و آسائش اور کھانے پینے کے مزے چند روزہ ہیں۔ کچھ ہی مدت کے بعد نتیجہ سامنے آجائیگا۔ اور جب عذاب کے علامات سامنے آجائینگی۔ خواہ مرنے کے وقت یا مرنے کے بعد۔ اس وقت حسرت ہوگی کہ کاش ہم مسلمان ہو گئے ہوتے لیکن اس وقت کوئی حسرت مفید نہ ہوگی۔ رہی یہ بات کہ عذاب فوراً کیوں نازل

نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر قوم پر جب اللہ کی طرف سے بربادی آتی ہے۔ ہر تباہی کا ایک مقرر وقت لکھا ہوا پہلے سے موجود ہے اُس سے آگے پیچھے ہونا ناممکن ہے۔ تاخیر والتواء سے عدم عذاب پر استدلال کرنا غلط ہے۔

ایک ضروری تحقیق کافروں کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ یہ خواہش بقول ابن کثیر مرنے کے وقت جب علامات عذاب سامنے آجاتی ہیں تب بھی ہر کافر کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی جبکہ ادنیٰ ایمان رکھنے والے مسلمانوں کو دوزخ سے نجات دی جائیگی اور کافروں کو رہائی نہ ملے گی۔ اس وقت بھی کفار کو یہی حسرت ہوگی۔ بیہقی نے بعث میں اور ابن مبارک نے زہد میں اور بعض دیگر اہل حدیث نے اسی مضمون کے مختلف اقوال اور مختلف احادیث نقل کی ہیں۔ حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے حضور اقدس ؐ نے فرمایا کلمہ توحید پڑھنے والے لوگوں میں سے کچھ لوگ اپنے گناہوں کی سزا میں دوزخ میں داخل کئے جائینگے۔ اہل شرک اُن سے کہیں گے تم کو لا الہ الا اللہ نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا؟ اُس وقت اللہ پاک مشرکوں پر غضب فرمائے گا۔ اہل توحید کو نکال کر نہر حیات میں ڈالیگا۔ اُس وقت اہل کفر اسلام کی تمنا کرینگے (رواہ الطبرانی) اسی روایت کی تائید میں ابن عباسؓ اور انس بن مالک وغیرہ کی روایات بھی ہیں۔

پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ کفار کی طرف سے اسلام کی جو تمنا کی جائیگی اُس کا انحصار کسی ایک حالت یا ایک وقت پر نہیں ہے بلکہ قیامت کے مختلف احوال ہوں گے۔ جب کافروں پر عذاب کی سختی ہوگی۔ کوئی صورت رہائی کی نظر نہ آئے گی، اور وہ مسلمانوں کو آرام میں دیکھیں گے اس وقت اُن کی یہی آرزو ہوگی اسی لئے آیت کے آغاز میں لفظ رُبَمَا جو کثرت کے معنی پر دلالت کرتا ہے استعمال کیا گیا۔

مقصود بیان:۔ کفار کی حسرتناک آرزو کا بیان۔ اس امر کی صراحت کہ دنیوی عیش و آرام اور ہر قسم کی ہوا بندی بے سود ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ عذاب کی تاخیر سے عدم عذاب پر استدلال نہ کرنا چاہئے۔ اس امر کی طرف لطیف ایماء کہ بے وقت حسرت و آرزو ہیچ ہے۔ علامات عذاب ظاہر ہونے کے بعد ایمان لانا قابل قبول نہیں۔ وغیرہ

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ
کافر کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اُتارا گیا

الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ لَوْ مَا تَأْتِينَا
ہے تو بلاشک دیوانہ ہے اگر تو سچا ہے تو

بِالْمَلَائِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝
ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا

مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا
حالانکہ ہمارا دستور نہیں کہ بغیر کام ٹھہرائے فرشتوں کو نازل کریں

كَانُوا إِذًا مُّنظَرِينَ ۝ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
اُس وقت پھر ان کو مہلت نہ دی جائیگی بلاشبہ ہم ہی نے قرآن کو

الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝
نازل کیا اور ہم ہی یقیناً اُس کے نگہبان ہیں

تفسیر کفار مکہ معاند اور جاہل معاند تھے۔ اُن کو رسول پاکؐ سے نہ فقط عناد تھا بلکہ عناد کے ساتھ وہ اپنی جہالت کا مظاہرہ بھی کرتے تھے۔ جو لوگ کسی قدر فہم رکھتے تھے وہ قرآن کی معجز عبارت کو سن کر رسول پاکؐ کو شاعر کاہن یا ساحر کہتے تھے۔ کیونکہ اُن کی کوتاہ نظر میں بشریت سے مافوق صرف تین طاقتیں تھیں سحر یا کہانت یا شاعری۔ لیکن جو لوگ بالکل ہی کودن تھے اُن کو جب بلاغت قرآنی کا کوئی جواب بن نہ پڑتا تو وہ حضورؐ کو دیوانہ یا جن رسیدہ کہنے لگتے تھے اور پھر صرف اس جاہلانہ بیہودگی پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ اپنی جہالت کو عالمانہ طرز مناظرہ سمجھتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر سچے ہو تو اپنی تصدیق کے لئے یا ہم پر عذاب نازل کرنے کے لئے فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ۔ اس وقت ہم تمہارے قول کو سچ مانینگے۔ اس بیہودگی کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرشتوں کو تو ہم آخری فیصلہ کے لئے اُتارا کرتے ہیں (یعنی شہادت و تصدیق کے لئے فرشتے نہیں اترا کرتے۔ کیونکہ اگر وہ کسی نبی کے قول کی تصدیق کرینگے اور شہادت دینگے تو انسانی شکل میں رونما ہو کر اور انسانی شکل میں ظہور کرلینے کے بعد معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ فرشتہ ہے یا انسان لہٰذا تصدیق نبی کے لئے فرشتوں کا نزول بے کار ہے۔ رہا نزول عذاب کے لئے فرشتوں کا آنا تو ایسا ہوتا ہے مرنے کے وقت یا عذاب نازل کرنے کے لئے فرشتے اترتے ہیں) مگر پھر راہ راست پر آنے اور ایمان لانے کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ فرشتۂ عذاب یا ملک الموت کے نزول کے بعد کسی قول و فعل کی مہلت نہیں ہوسکتی۔

چونکہ کفار نے حضورؐ کو دیوانہ بھی کہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ قرآن گویا دیوانہ کی بڑ ہے اس کے جواب میں فرماتا ہے قرآن دیوانہ کی بڑ نہیں

پیامِ نصیحت ہے بلکہ مجسم خیر و شر کا تذکرہ ہے۔ ہدایت و گمراہی کی پوری یاد داشت ہے۔ واقعات زندگی اور احوال مابعد الموت کا کچا چٹھا ہے اور پھر یہ تذکرہ بھی کسی انسانی دماغ کا خود ساختہ اور عقل بشری کا تراشیدہ نہیں بلکہ اللہ کا ہی نازل کردہ ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے ہر قسم کے تغیر تحریف اور تبدیل سے محفوظ ہے۔ زمانہ کا دست برد اور قوموں کا انقلاب اس کی ایک آیت میں ترمیم نہیں کر سکتا۔ دیوانہ کی بڑ ایسی نہیں ہوا کرتی

مقصود بیان:۔ کفار مکہ کی جہالت و معاندت کا اظہار۔ اس بات کی طرف لطیف اشارہ کہ رسول پاکؐ کو دیوانہ کہنے والے خود عقل سے کورے ہیں۔ اس امر کی صراحت کہ کسی نبی کی تصدیق کے لئے فرشتے نہیں اُترا کرتے ہیں بلکہ ہلاکت عامہ یا قبض روح کے لئے یا پیام الٰہی کو رسول تک پہنچانے کے لئے اُترا کرتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کہ مقررہ موت یا عذاب نازل ہونے کے بعد پھر توبہ و استغفار کا موقع باقی نہیں رہتا۔ قرآن کے لئے لفظ ذکر کا استعمال بتا رہا ہے کہ کلام پاک موت و زندگی کا تذکرہ مکمل نصیحت اور اصلاح عقائد و اعمال کی پوری یادداشت ہے۔ آخر میں ایک زبردست پیشین گوئی ہے کہ قرآن کی کسی آیت میں قیامت تک کسی طرح کی تغیر ترمیم اور تبدیلی نہیں ہو سکتی اس سے فرقۂ شیعہ کے اُس قول کا بطلان ظاہر ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ موجودہ قرآن مصحف عثمانی ہے اور عثمان نے اس میں بعض سورتیں کم کر دی ہیں اس لئے یہ قرآن ناقص ہے۔ کچھ بیانات اور بھی ہیں جن کو مہدی لے کر آئیں گے۔ وغیرہ۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي شِيَعِ

ہم اگلے گروہوں میں تم سے پہلے بھی پیغمبر

الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ

بھیج چکے ہیں لیکن اُن کے پاس جو کوئی رسول جاتا تھا

إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ كَذَٰلِكَ

وہ اس کی ہنسی ہی اُڑاتے تھے اسی طرح

نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَا يُؤْمِنُونَ

ہم گنہگاروں کے دلوں میں مسخراپن کرنے کو جگہ دیتے ہیں یہ لوگ ایمان نہیں

بِهِ ۚ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَوْ

لائیں گے اگلوں کی رسم بھی (یوں ہی) ہوتی چلی آئی ہے اگر

فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ

ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ سارے دن

يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا

اسمیں چڑھتے رہیں تب بھی یہی کہیں گے کہ ہو نہو ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے

بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝ ع

بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے

تفسیر خدا تعالیٰ ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا اور کافروں کی کور باطنی کا اظہار فرماتا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ فقط کفار ہی پر منحصر نہیں بلکہ گذشتہ اقوام کا بھی یہی دستور رہا ہے کہ جہاں کوئی نبی ادائے رسالت کے لئے ان کے پاس بھیجا گیا اور اُس نے نصیحت کرنی شروع کی فوراً بد طینت کافر اُس کا مذاق اُڑانے لگے اور چونکہ اُن کے دلوں کے اندر نور ایمان نہ تھا اور اعمال و اقوال میں صلاح و خیر نہ تھی عقائد و اطوار دونوں تباہ ہو چکے تھے اس لئے استہزاء انبیاء کو وہ مجرمانہ فعل نہیں خیال کرتے تھے بلکہ اپنی بیہودہ حرکات کو بنظر استحسان دیکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ قانون قدرت سے دریافت کرو۔ آخری ثمرہ ہلاکت بربادی اور تباہی کے سوا اور کچھ پیدا نہ ہوا۔ اس سے آگے پھر اصل مطلب کی طرف رجوع فرماتا ہے کہ کفار مکہ تو فقط فرشتوں کے نزول کے خواہشمند ہیں۔ نزول ملائکہ کیا اگر آسمان کا دروازہ بھی کھول دیا جائے اور فرشتے نہیں بلکہ یہ خود سیڑھی لگا کر چڑھ کر وہاں کی کل کیفیت کا معائنہ کریں تب بھی اس کشائش نظر کو نظر بندی پر محمول کرینگے اور کہدینگے ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کی سرشت ہی ایمان و بصیرت سے خالی ہے

مقصود بیان:۔ اس امر کا اظہار کہ پہلی امتوں میں بھی پیغمبر آتے رہے اور اُن کا مذاق اُڑایا گیا اس سے حضورؐ کو تسکین دی جاتی ہے کہ آپ بددل نہ ہوں۔ع

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا

اور ہم نے آسمان میں کچھ برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کے لئے

لِلنَّاظِرِينَ ۝ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ

اُن کو آراستہ کیا ہے اور ہر شیطان مردود سے اُن کو محفوظ

رَّجِيمٍ ۝ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ

رکھا ہے ہاں جو چوری سے سُن بھاگتا ہے اُس کے پیچھے

شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ○ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا
چمکتا ہوا انگارا لگتا ہے اور زمین کو ہم نے پھیلایا
وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا
اور اُس میں پہاڑوں کے لنگر ڈالے اور اُس میں ہر چیز
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○ وَجَعَلْنَا لَكُمْ
مناسب اُگائی اور تمہارے لئے
فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ○
نیز اُن کے لئے جن کو تم روزی نہیں دیتے اُنہیں روزی کے سامان بنا دیئے
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ
اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے پاس سب کے خزانے ہیں
وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ وَاَرْسَلْنَا
اور ہم اُس کو مقررہ اندازہ پر اتارتے ہیں اور ہم نے (ابر کو)
الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
بھر دینے والی ہوائیں بھیجیں پھر اوپر سے پانی اتارا
فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ○
اور وہ پانی تم کو پلایا حالانکہ تم پانی کے خزانچی نہیں ہو
وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ○
ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں
وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ
اور بیشک ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور
لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّكَ
پچھلوں کو بھی جانتے ہیں تمہارا پروردگار بلاشبہ
هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○ ع۲
اُن کو جمع کرے گا وہ یقیناً مصلحت بین اور واقف کار ہے

تفسیر

گذشتہ آیات میں مسئلہ نبوت کا اثبات فرمایا تھا یہاں سے دلائل توحید کا بیان ہے۔ چونکہ نبوت کا ثبوت بغیر ثبوت توحید کے نہیں ہو سکتا اور توحید کے ثبوت کے لئے علاوہ دلائل عقلی کے مشاہدۂ فطرت بھی شاہد ہے اس لئے ان آیات میں عقلی دلائل کو چھوڑ کر اُن واضح براہین کی طرف رجوع کیا ہے جن کا اقرار کرنے پر ہر محسوس پرست کم مجبور ہے۔ کوتاہ نظر انسان اپنے کو بعض چیزوں کا خالق اور فاعل مختار سمجھتا ہے کیونکہ حقیقت و مجاز اور ملکیت و عاریت میں اُس کو امتیاز نہیں ہوتا۔ لیکن کائنات الٰہیہ کی اکثر چیزیں ایسی ہیں جہاں ہر معاند بھی خاموش رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اُس کا دعویٰ انانیت جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔ آیاتِ مذکورہ میں دلائلِ توحید کا بیان ترتیب وار کیا ہے۔ اول کائنات سماوی کا بیان پھر زمین کی حالت کا اظہار۔ اس کے بعد زمین میں نباتات کا پیدا کرنا اور اسباب معیشت قائم کرنا۔ پھر نباتات کے پیدا ہونے کا اصل سبب یعنی پانی برسانا اور پانی برسنے کی تدبیر کرنا پھر دنیا کے فنا ہونے کی صراحت اور اپنی قدرت کی ہمہ گیری کی وضاحت اور سب سے آخر میں حشر انسانی کا تذکرہ۔ یہ سب کچھ ایسی حکیمانہ عبارات اور معجزانہ طرز ادا کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ایک طرف بڑے بڑے پُرمغز علماء انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور دوسری طرف جاہل اور معاند مخاطب کو بھی سوائے تسلیم کے کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ہم ذیل میں ہر دلیل کو جدا جدا بیان کرتے ہیں:۔

۱ (الف) اللہ نے آسمان پر برج بنائے۔ برج سے مراد اینٹ پتھر اور مٹی چونہ کے برج نہیں ہیں بلکہ سبعہ سیارہ کے منازلِ سیر مراد ہیں۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ آسمان میں بارہ بُرج ہیں۔ حمل ثور جوزا سرطان اسد سنبلہ میزان عقرب قوس جدی دلو حوت ماہرین علوم فلکیہ کا قول ہے کہ حمل قوس اور اسد کی طبیعت آتشی ہے ثور سنبلہ اور جدی کی طبیعت خاکی ہے۔ جوزا دلو اور میزان کی طبیعت ہوائی ہے۔ سرطان عقرب اور حوت کی طبیعت آبی ہے۔ پھر مجموعہ بروج کو اٹھائیس منازل پر تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر برج میں ۲½ منزل ہے۔ حمل و عقرب مریخ کا سیرگاہ ہے۔ ثور و میزان زہرہ کا۔ جوزا و سنبلہ عطارد کا۔ سرطان قمر کا۔ اسد شمس کا۔ قوس و حوت مشتری کا اور جدی و دلو زحل کا۔ پھر ہر برج کے تیس حصے ہیں ہر حصہ کو درجہ کہتے ہیں۔ گویا بارہ بروج کے ۳۶۰ درجات ہوئے۔ آفتاب سال بھر میں ایک بار ان کا دورہ کرتا ہے اور قمر اٹھائیس دن میں دورہ پورا کرتا ہے۔ اب ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ آسمان کی طبیعت ایک ہے۔ صورت نوعیہ ایک ہے اور طبیعت بھی بسیط ہے۔ اُس کے اندر ایسے مختلف الطبائع بروج کا پایا جانا اور جداگانہ تاثیرات کے سیاروں کا سیر کرنا اگر قدرت الٰہی نہیں

تو اور کس طرح ہے۔

(ب) اللہ نے آسمان کو ستاروں سے مزین کیا (کذا قال قتادۃ و مجاہد) چونکہ آسمان کی طبیعت بسیط ہے اس لئے اُس کی اصل شکل اور طبعی رنگ سادہ ہے۔ اللہ نے اُس کی سادگی دور کرنے اور زینت پیدا کرنے کے لئے مختلف الاشکال اور مختلف الالوان ستاروں سے اُسکو سجایا کسی ستارہ کی روشنی سرد، کسی کی گرم، کسی کی شفاف، کسی کی سفید، اور کسی کی سرخی و سبزی مائل بنائی ہے۔ بے انتہا الوان و اشکال کے قمقمے پیدا کئے۔ سادہ اور بسیط آسمان پر اُس کی طبعی اقتضاء کے خلاف اس طرح ستاروں سے مزین کرنا قدرت کی آیات باہرات میں سے ہے۔

(ج) اللہ نے آسمانوں کے اسرار کی حفاظت کے لئے بھی انتظام فرمایا حضرت ابوہریرہؓ کی صحیح روایت ہے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آسمان پر بارگاہِ الٰہی سے کوئی حکم فرشتوں کو صادر ہوتا ہے تو کلامِ الٰہی کی ہیبت سے فرشتے اپنے پروں کو عاجزی سے ڈال دیتے ہیں کچھ دیر کے بعد جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتا ہے پروردگار نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتا ہے جو کچھ فرمایا حق فرمایا۔ اسی حالت میں زنجیر کی کڑیوں کی طرح شیطانوں کی مسلسل قطار زمین سے آسمان تک لگی ہوتی ہے اور فرشتوں کے قول کی طرف کان لگائے ہوتے ہیں۔ سب سے اوپر والا شیطان اگر کچھ سن پاتا ہے تو اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے ماتحت کو یہاں تک کہ وہ خبر زمین تک آجاتی ہے اور آخری شیطان وہ بات کسی کاہن یا ساحر کو بتا دیتا ہے۔ کاہن اُس ایک بات میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے۔ جب کاہن کی بتائی ہوئی بات ہو جاتی ہے تو اُس کے مرید و معتقد کہتے ہیں دیکھو فلاں روز استاد نے یہ بات کہی تھی چنانچہ وہ ہو گئی۔ حالانکہ یہ بات وہی ہوتی ہے جو شیطان سن بھاگا تھا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بات اُڑانے سے پہلے چوری سے سننے والے شیطان پر دہکتا انگارہ پڑتا ہے اور وہ کچھ سننے سے قبل ہی بھاگتا ہے یا کچھ سن کر بھاگتا ہے مگر اپنے ماتحت ساتھی کو بتانے سے قبل جل جاتا ہے (رواہ البخاری)

خاص ہدایت

فلاسفہ کہتے ہیں کہ کائنات فضائی میں سے بعض کی پیدائش اجزائے بخاریہ سے ہوتی ہے اور بعض کی اجزائے دخانیہ سے۔ پھر ان میں سے بعض کے اندر اشتعال، شدتِ حرکت اور رگڑ سے پیدا ہوتا ہے اور بعض کے اندر کرۂ نار کی لپیٹ سے سوختہ ہو جانے کے سبب سے۔ شریعت آلہیہ چونکہ حقائق عالم نہیں بیان کرتی۔ اس لئے اُس نے کائنات فضائی کی ماہیت سے کوئی بحث نہیں کی نہ ترکیبی اجزاء بتائے نہ تحلیلی۔ اس لئے ممکن ہے ماہرین طبعیات کی تحقیقات صحیح ہو۔ قرآن کے پیش نظر صرف موجودات کے فوائد اور مصالح کا بیان ہے۔ چنانچہ اس آیت میں بھی شہاب کے ٹوٹ کر گرنے کا اندرونی سبب اور فائدہ اور علت غائی بیان فرمائی حقیقت و ماہیت کا کچھ اظہار نہ کیا بلکہ اہل علم کی تحقیقات کے لئے اسکو چھوڑ دیا اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحقیقات فلاسفہ اور بیان قرآن میں کچھ اختلاف و تباین نہیں بلکہ شرع اور عقل میں سے ہر ایک کا مسلک جدا اور مقصود تحقیق علیحدہ ہے۔

بعض اشخاص کا خیال ہے کہ شہاب اُس ستارہ کو کہتے ہیں جو ٹوٹ کر گرتا ہے مگر یہ صرف عامیانہ تخیل ہے۔ شہاب ستارہ نہیں بلکہ انگارہ ہے جو اجزائے دخانیہ کے اشتعال سے پیدا ہوتا ہے۔ اردو میں کوتاہ دامنی کی وجہ سے اس کے ترجمہ کے لئے کوئی ایک لفظ اب تک نہیں وضع کیا گیا اس لئے مجبوراً شہاب کا ترجمہ ٹوٹنے والا ستارہ کر لیا جاتا ہے۔

نمبر۲ (الف) زمین کی اصل شکل گول ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اسکو پھیلایا اور اس قابل بنا دیا کہ اُس پر مخلوق بس سکے۔ یہ بھی محض اللہ کی کارسازی ہے کسی کی صنعت و فعل کو اس میں دخل نہیں۔

(ب) ابتدائے پیدائش میں زمین غیر متمکن تھی ثابت اور غیر متزلزل نہ تھی۔ خدا تعالیٰ نے اُس پر پہاڑ کی میخیں قائم کیں یا یوں کہا جائے کہ پیدائش زمین کے بعد کثرت بارش کی وجہ سے اونچے اونچے ٹیلے پیدا ہو کر جم گئے اور انہی کو پہاڑ کہا جاتا ہے۔ بہرحال زمین کے ثقل میں توازن پیدا ہوا اور تزلزل جاتا رہا۔

(ج) زمین یا پہاڑوں میں خدا تعالیٰ نے ہر چیز متناسب اور صحیح اندازہ کے ساتھ پیدا کی۔ ہزاروں اقسام کی جڑی بوٹیاں ہیں معدنیات ہیں، قیمتی پتھر ہیں۔ مختلف سبزیاں ہیں۔ بکثرت دوائیں ہیں۔ لیکن اُن میں سے کوئی چیز غیر مفید اور اللہ کے علمی وزن سے خارج نہیں۔

(د) آدمیوں اور دیگر جانوروں کی زندگی بسر کرنے کا سامان خدا تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا۔ غلہ پھل پھول۔ روئی۔ اون۔ گوشت۔ سبزی اور دیگر اسباب حیات مہیا فرمائے۔

نمبر۳ جب انسان اور دیگر حیوانات کو خدا تعالیٰ نے اس زمین پر پیدا کیا تو اُن کو باقی رکھنے کے ذرائع بھی مہیا کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ طبعی رطوبت و حرارت جس پر جاندار کی زندگی موقوف ہے ہر وقت تحلیل پذیر ہے تو جب تک تحلیل شدہ اجزاء کا بدل نہ فراہم ہوگا زندگی کا باقی رہنا محال ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ہر جاندار کی بقاء حیات کے لئے روزی کے سامان پیدا کئے اور جتنا حصہ جس حیوان کی معاش کے لئے ضروری تھا وہ اُس کو عطا کیا۔ اگرچہ اُس کے

غیب کے خزانے لامحدود ہیں مگر بقدر ضرورت اور باندازۂ مناسب
ہی نے ہر چیز کی زندگی قائم رکھنے کے لئے اپنے غیبی خزانہ کا ایک حصہ
نازل فرمایا۔ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں
ایک تو یہ کہ اللہ نے صرف تمہاری ہی نہیں بلکہ تمام جانوروں کی روزی
کے سامان مہیا کر دیے۔ دوسرا یہ کہ تمہاری روزی پیدا کی اور تمہارے
ہی نفع کے لئے وہ جانور پیدا کئے جن کو تم روزی نہیں دیتے بلکہ روزی
تو خدا ہی دیتا ہے اور کام تمہارے آتے ہیں۔

مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد چوپائے ہیں۔ ابن جریر نے
فرمایا اس میں باندیاں اور غلام بھی داخل ہیں۔ میرے نزدیک
انسانوں کے علاوہ تمام جانور اس میں شامل ہیں، خواہ چوپائے ہوں
یا دوپائے یا ہزار پائے۔ کیڑے مکوڑے۔ پتنگے۔ تمام حشرات
الارض آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

(۴) اللہ ایسی ہوائیں چلاتا ہے جو سمندروں سے بخارات اٹھا کر
اوپر لے جاتی اور سرد طبقہ میں پہنچاتی ہیں وہاں اُن میں سردی لگتی
ہے تو وہی بخارات پانی کی شکل اختیار کر کے نیچے ٹپکتے ہیں جس کو
بارش کہا جاتا ہے۔ پس گویا ہوا ہی بادلوں کو پانی سے بار بردار
اور بوجھل کر دیتی ہے یا پانی برسا کر درختوں کو پھل پھول سے بار
بردار بنا دیتی ہے۔ بارش کا یہ غیبی خزانہ انسان کی طاقت میں نہیں
نہ اس سرچشمۂ قدرت پر انسان قبضہ کر سکتا ہے۔ بارش کا کیا نتیجہ ہے
تو علاوہ ہر چیز کی روئیدگی اور سرسبزی کے بالکل کھلا ہوا فائدہ یہ ہے
کہ اگر بارش نہ ہو تو پینے کے لئے پانی کہاں سے آئے۔ کنوئیں تالاب
اور نہریں خشک ہو جائیں اور انسان پیاسا مر جائے۔ پھر بارش بھی
ہو مگر پانی شور ہو پینے کے قابل نہ ہو تب بھی بقاء زندگی محال ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہوا کو بھیجتا
ہے وہ آسمان سے پانی اٹھاتی اور بار بردار ہوتی ہے اور سحاب کی
چال چلتی ہے یہاں تک کہ جیسے دودھیاری اونٹنی کے دودھ کا
سیلان ہوتا ہے اسی طرح مینہ برساتی ہے۔ ابن عباس۔ ابراہیم
نخعی اور قتادہ وغیرہ سے یہی قول مروی ہے۔ بظاہر اس روایت سے
معلوم ہوتا ہے کہ پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ مگر یہ مفہوم خلاف
واقعہ ہے۔ بات یہ ہے کہ دنیا میں جو چیز پیدا ہوتی ہے اُس کا حکم
آسمان سے فرشتوں کی معرفت یا اُس غیبی مخلوق کے ذریعہ سے اس
دنیا میں جاری ہوتا ہے جو اس حکم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے
بارش کا نازل ہونا۔ ابر کا آنا۔ ہواؤں کا چلنا۔ سمندروں سے بخارات
کا اٹھنا ہر ایک بامر الٰہی ہے اور ہر چیز کا حکم فرشتوں کی معرفت آسمان
سے جاری ہوتا ہے شریعت اسلامیہ اسباب ظاہری کا انکار نہیں کرتی۔
مگر اسباب کا مؤثر حکم الٰہی کو قرار دیتی ہے۔ اسی بنا پر ابن عباس و
ابن مسعود وغیرہما نے فرمایا کہ ہوا آسمان سے پانی اٹھاتی ہے۔

(۵) ہر چیز کا مادہ خدا تعالیٰ نے پیدا کیا پھر اُس کو صورت عطا کی
صورت اور مادہ کے ملنے سے اُس چیز کو زندگی ملی۔ کچھ زمانہ تک
زندگی قائم رہی پھر صورت کو مادہ سے جدا کیا اور بالآخر مادہ کو بھی
فنا کر دیا۔ یہ سب اللہ کی کارسازی ہے۔ انسانی تصرف اور صنعت کو
اس میں دخل نہیں۔ کوئی عقلمند آج تک ایسا نہ کر سکا کہ کسی چیز کے
مادہ کو بناتا یا موجودہ مادہ کو اسکی صورت پہناتا۔۔۔۔۔
یا کسی مادہ کی اصلی صورت کو زائل کر سکتا پھر جس طرح ہستی سے پہلے
خدا مالک تھا ہستی کے بعد بھی خدا ہی مالک ہے گو چند روز کے لئے
بظاہر عاریۃً دوسرے نظر آتے ہیں مگر حقیقی مالک منفرد خدا ہی ہے

(۶) انسان مرجاتا ہے فنا ہو جاتا ہے اس کے اجزائے اصلیہ پراگندہ
ہو جاتے ہیں۔ کچھ ذرات خاک میں کچھ ہوا میں اور کچھ پانی میں مل
جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کو گذشتہ آئندہ سب کا علم ہے اسکو
ہر ایک کے اجزاء اصلیہ اور انکے مقامات معلوم ہیں اور ان کو
جمع کرنے کی اس کو قدرت بھی ہے اس لئے قیامت کے دن
سب کو اکٹھا کرے گا۔ اور پھر از سر نو ترکیب دیکر زندہ انسان بنادیگا
کیوں زندہ کریگا اس کی حکمت وہی خوب جانتا ہے۔

سبحان اللہ کس ترتیب سے دلائل توحید و ربوبیت کو بیان فرمایا
جس سے مبدء و معاد کے بڑے بڑے عظیم الشان مسائل حل ہوگئے
بیان توحید کے ضمن میں کائنات ارضی و سماوی کے تغیرات۔ تغیرات کی
حقیقت و حکمت موت و حیات کی کشمکش کی کیفیت اور آخر میں ضرورت معاد کی وضاحت کی

مقصود بیان:۔ بالائی اور زیریں اور درمیانی کائنات کی تخلیق کیفیت
تخلیق اور مصلحت تخلیق پر غور کرنے کی دعوت عامہ۔ آسمان، زمین، ہوا،
پانی، پہاڑ، ابر، درخت، سبزہ، چرند، پرند، درند اور انسانوں کی
پیدائش، بقاء، فناء اور اعادہ کی مفصل کیفیت بیان فرمانے کے
بعد اللہ کی قدرت وکارسازی کی ہمہ گیری، اُسکی الوہیت کاملہ اور
ربوبیت عامہ کا اظہار اور آخر میں حشر جسمانی کا عقلی اثبات، پھر لفظ
حکیم سے غرض معاد کی طرف لطیف اشارہ وغیرہ۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ

اور ہم نے انسان کو خمیر کی ہوئی خشک

مِنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ

مٹی سے بنایا اور اس سے پہلے جنات کو

مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ وَاِذْ قَالَ

آگ کی لو سے بنایا اور (یاد کرو) جب تمہارے

رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ

رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر کو

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا

خمیر کی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں جب

سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

میں اُسکو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ

تو تم اُسکے سامنے سجدہ میں گر پڑنا چنانچہ سب کے سب

كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

فرشتوں نے سجدہ کیا ابلیس نے

اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ

سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کر دیا اللہ نے فرمایا

يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ

ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ

بولا میں ایسا نہیں کہ اُس بشر کو سجدہ کروں جس کو تو نے

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○

خمیر کی ہوئی خشک مٹی سے بنایا ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ○

اللہ نے فرمایا تو یہاں سے نکل جا تو قطعی مردود ہے

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ○

اور بے شک تجھ پر روز جزا تک لعنت

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

بولا پروردگار مجھے اُس دن تک کی مہلت دے جس دن کہ مُردوں کو جلا کر اٹھایا جائیگا

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○ اِلٰى يَوْمِ

فرمایا اچھا تجھے وقت مقرر کے دن تک مہلت دی گئی (دینے)

الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○ قَالَ رَبِّ بِمَآ

(قیامت کے دن تک) بولا پروردگار چونکہ تو نے

اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ

مجھے گمراہ کر ہی دیا ہے اب میں ان سب کو زمین میں بہاریں دکھاؤں گا

وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ

اور سب کو بہکاؤں گا ہاں جو تیرے

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ

چنے ہوئے بندے ہیں (وہ نہ بہکیں گے) اللہ نے فرمایا یہ مجھ تک

عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ○ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ

پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے واقعی جو میرے بندے ہیں

لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ

اُن پر تیرا کچھ زور نہیں ہاں جو گمراہ تیرے پیچھے

مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ

ہو لئے (اُن کو تو بہکا سکتا ہے) اور ان سب کا ٹھکانا

اَجْمَعِيْنَ ○ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ

دوزخ ہے جس کے سات دروازے ہیں اور ہر

بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ○ ع

دروازہ (سے داخل ہونے کے لئے) ان کافروں کا الگ الگ ایک حصہ مقرر

تفسیر حضرت آدمؑ کی تخلیق کا سلسلہ اور فرشتوں کو سجدۂ آدم کا حکم اور شیطان کا انکار، ان تمام واقعات کا بیان

کامل طور پر سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ اس لئے ان آیات کے مطلب کا اعادہ ہم موجب طوالت سمجھتے ہیں۔ ہاں بعض آیات کے ذیل میں تحقیقی نکات بیان کرنے ضروری ہیں:۔

(۱) حضرت آدمؑ کی ساخت میں اگرچہ ہوا آگ اور پانی کے اجزاء بھی شامل تھے مگر چونکہ خاک کا حصہ زیادہ تھا اس لئے تعمیر آدم کا اصل مادہ خاک کو قرار دیا۔ قرآن پاک میں مختلف مواقع پر مختلف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ کہیں تُرَاب (خاک) کہیں طِین (کیچڑ) کہیں طِینٍ لَّازِبٍ (چپکنے والی کیچڑ) کہیں حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (سڑی ہوئی کیچڑ) اور کہیں صَلْصَال (کھنکھناتی ہوئی پختہ مٹی) اور ایک جگہ صلصال کو فخّار یعنی ٹھیکرے سے بھی تشبیہ دی گئی ہے۔
ان تمام تصریحات میں مابہ الاتحاد یہ بات ہے کہ حضرت آدمؑ کو مٹی سے بنایا گیا۔ لیکن مٹی پر مختلف دور گذرنے سے مختلف حالات طاری ہوتے رہے۔ شروع میں معمولی خاک تھی پھر پانی ملایا گیا تو کیچڑ بن گئی۔ پھر کچھ مدت پڑی رہی تو چیپ پیدا ہوگیا۔ پھر زیادہ مدت گذرنے پر وہ سڑ گئی اور آخر میں بالکل خشک صلصال بن گئی۔ پھر صلصال میں مزید پختگی پیدا ہوئی تو وہ ٹھیکرے کی طرح ہو گئی۔

(۲) جنات کی پیدائش کس چیز سے ہوئی؟ قرآن پاک میں اس کے لئے دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ نارِ سموم یعنی وہ آگ جو دھواں نہ ہونے کی وجہ سے گرم ہوا اور لو کی طرح تھی۔ دوسرا لفظ مَارِجٍ آیا ہے یعنی آگ کا بھڑکتا شعلہ۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ جنات کی تخلیق شفاف آگ سے ہوئی ہے۔ گویا فرشتے اور انسان کے درمیان جن کا وجہ ہے جن کی خلقت نہ انسان کی طرح کثیف مادہ سے ہوئی ہے نہ فرشتہ کی طرح نور مجرد سے۔ بلکہ بغیر دھویں کی آگ سے ہوئی ہے۔ چونکہ ہر چیز اپنی لطافت کی وجہ سے مختلف اشکال کو بآسانی قبول کر سکتی اور بسہولت ترک کر سکتی ہے۔ مثلاً پانی مٹی سے لطیف ہے۔ اس لئے جس برتن میں ڈالا جائے اسی کی شکل قبول کر لیتا ہے۔ پانی سے زیادہ لطیف ہوا ہے اور ہوا سے زیادہ لطیف آگ ہے۔ اس لئے جس مخلوق کی تخلیق صاف شفاف آگ سے ہوئی اس میں تغیر اشکال کی زیادہ قابلیت ہے اور چونکہ جنات کو قوت ارادہ بھی عطا کی گئی ہے اس لئے وہ ہر شکل کو آسانی کے ساتھ اختیار کر لیتے ہیں اور پھر آسانی کے ساتھ اس کو چھوڑ بھی دیتے ہیں۔ بیضاوی نے صراحت کی ہے کہ بظاہر جنات کی تخلیق فقط آگ سے نہیں ہے بلکہ آگ کا جز ان کی پیدائش میں غالب ہے جس طرح آدمی کے تخلیقی مادہ میں خاک کا عنصر غالب ہے اور چونکہ آگ کو آدمی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ آگ ہر رنگ سے خالی ہے۔ اسی لئے جنات بھی نظر نہیں آتے۔ البتہ اس وقت دکھائی دے سکتے ہیں جب اپنی اصل شکل چھوڑ کر کسی دوسری کثیف شکل میں رونما ہوں۔

جَانّ سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق جمہور مفسرین کا قول ہے کہ تمام جنات کے باپ کا نام جَانّ ہے۔ جَانّ کے معنی لغت میں چھپانے والے کے ہیں۔ چونکہ جنات نظر سے مخفی ہیں اسلئے ان کو جَانّ کہا جاتا ہے۔ قتادہ اور حسن بصری وغیرہما کے نزدیک جان اور ابلیس ایک ہی ہیں۔ جمہور کے قول کی بنا پر اولاد جانّ میں جو کافر سرکش ہیں ان کو شیاطین کہا جاتا ہے جن کا سرچشمہ ابلیس ہے۔
بہرحال آیت سے اتنا ثابت ہے کہ نوع جن انسانوں کے علاوہ ایک متعین خارجی مخلوق ہے جس کی تخلیق حضرت آدمؑ کی پیدائش سے قبل ہوئی ہے اور جس کا قوام خلقت آدمی کے تخلیقی مادہ سے جدا ہے۔ رہے دیگر حیوانات تو ظاہر ہے کہ ہر ایک کی نوع جدا جدا ہے اور ہر نوع کا کوئی خاص مبدأ ہوگا۔ لیکن ان کی پیدائش انسان سے پہلے ہوئی یا بعد کو؟ اس کی صراحت کسی عبارت قرآنی یا احادیث نبوی میں نہیں ہے۔

(۳) اللہ نے اپنی روح آدم میں پھونکی۔ شیخ ابوالسعود نے بیان کیا کہ نفخ روح ایک تمثیل ہے۔ یعنی وہاں نہ پھونک تھی اور نہ کوئی ایسی چیز جس میں پھونکا جائے اور نہ روح پھونکنے کی چیز ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے ایک قابل حیات جسم میں زندگی پیدا کرنے کی تعبیر نفخ روح سے کی۔ نیشاپوری نے لکھا ہے کہ مِنْ رُّوْحِیْ میں روح کی نسبت اپنی طرف کرنا باجماع امت آدم کی عزت و بزرگی کے لئے ہے یعنی یہ بتانا مقصود ہے کہ میں نے آدم کو علاوہ اس خاکی پتلے کے ایک اور چیز بھی عطا کی ہے جو خصوصیت کے ساتھ میری ہے اور مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور گروہ ملائکہ یا امت جن کو وہ چیز نہیں عطا کی گئی۔ فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا۔ یہ سجدہ صرف رکوع کی حد تک تھا یا عرفی سجدہ۔ پھر تعظیمی سجدہ تھا یا سجدۂ عبادت؟ یا سجدۂ تحیت؟ اور آدم میں شان الٰہی کا پرتو جھلک رہا تھا اس وجہ سے فرشتوں نے سجدہ کیا یا آدم قبلۂ سجود تھے اور مسجود لہ ذات باری تعالیٰ؟ ان تمام مباحث کی تفصیل ہم سورۂ بقرہ میں کر چکے ہیں۔

(۴) جب ابلیس حقیقت امر کو نہ سمجھ سکا اور امر الٰہی کے مقابلہ میں اپنی رائے کے گھوڑے دوڑانے شروع کئے اور حکم کو خلاف عقل سمجھ کر آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا باوجودیکہ جو فضیلت باعتبار خلقت خدا تعالیٰ نے آدم کو دی تھی وہ نہ ابلیس کو میسر تھی نہ فرشتوں کو اور یہی نفخ روح کی فضیلت باعث امر الٰہی تھی مگر ظاہر پرست ناواقف تھا حقیقت امر کے سمجھنے سے قاصر رہا اور باطن کو

چھوڑ کر ظاہری قوام تخلیق کو وجہ ترجیح قرار دینے لگا تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا یہاں سے نکلجا تو مردود بارگاہ ہوگیا۔ کہاں سے نکلنے کا حکم ہوا؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ جنت سے نکلنے کا حکم ہوا۔ بعض کے نزدیک گروہ ملائکہ سے۔ لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک آسمان سے نکل جانے کا حکم ہوا۔ ابلیس چونکہ بڑا مکار تھا اس لئے روز حشر تک زندہ رہنے کی استدعا کی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر وقت حشر تک زندہ رکھنے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا تو پھر موت کبھی نہ آئے گی کیونکہ حشر کے بعد تو موت آ ہی نہیں سکتی خدا تعالیٰ اعلم الماکرین ہے اس نے حشر تک تو مہلت نہ دی۔ البتہ ابتدا رقیامت یعنی نفخۂ اول تک مہلت عطا فرمادی اور فرمادیا اچھا تجھے وقت معلوم یعنی فنائے عالم کے دن تک مہلت ہے۔ شیطان کو چونکہ علم تھا کہ آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے لامحالہ اس کو زمین پر آباد کیا جائیگا۔ اس لئے قسم کھا کر بولا پروردگار! چونکہ تو نے مجھے آدم کی وجہ سے گمراہ کرکے مردود بارگاہ کردیا ہے اسلئے میں بھی اولاد آدم کی نظر فریبی دلکشی اور گمراہی کے سامان فراہم کرنے میں کمی نہ کرونگا اور سب کو بہکا دوں گا۔ ہاں تیرے مخلص بندے میری دسترس سے باہر ہونگے۔ آثار میں آیا ہے کہ جب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا زمانہ تھا تو گروہ شیاطین پریشان اور ناکام ہوکر ابلیس کے پاس واپس جاکر کہتے تھے کہ وہ لوگ تو عجیب حالت رکھتے ہیں۔ ہم ہرچند ان کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ہم کو کچھ نہیں ملتا بلکہ اللہ کی طرف سے ان کو مزید خیر حاصل ہوجاتی ہے۔ ابلیس ان سے کہتا صبر کرو آئندہ ان کی مہار تمہارے قبضہ میں ہوگی۔ جب تابعین کا دور آیا تو ذریات شیطانی نے ابلیس سے جاکر کہا یہ بھی عجیب آدمی ہیں۔ ہم انتہائی کوشش کے بعد ان سے کچھ پاتے ہیں۔ مگر وہ فوراً توبہ و استغفار کرکے گذشتہ کی تلافی کرلیتے ہیں۔ ابلیس نے جواب دیا صبر کرو۔ عنقریب ایسے لوگ ہوں گے جن سے تم راضی ہوگے۔

(۴) شیطان کو جب راندۂ درگاہ بنادیا گیا اور نفخۂ اولیٰ کے وقت تک اس کو زندگی دیدی گئی اور اس نے آدمیوں کو گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھایا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا تو گمراہ کسی کو نہیں کرسکتا بات یہ ہے کہ جو راہ مستقیم ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ میرے مخلص بندوں پر تو تیرا کچھ قابو نہ چلیگا۔ ہاں جو لوگ خود ہی تیری پیروی کرینگے وہ ضرور گمراہ ہوں گے۔ شیخ ابوالسعود نے کہا کہ شیطان نے راہ مستقیم پر بیٹھ کر لوگوں کو ہر طرف سے بہکانے کا دعویٰ کیا تھا۔ پس ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رد فرمادیا کہ جو راہ میں نے لوگوں کے لئے مقرر فرمادی ہے وہ مستقیم ہے جو اس پر چلیگا وہ تیرے خطرہ سے بے خوف رہیگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ راہ مستقیم کے دائیں بائیں کثرت شیطان کی راہیں ہیں۔

(۵) جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازہ میں داخل ہونے کے لئے آدمیوں کا ایک حصہ مقرر ہے۔ ابن عباس، عکرمہ، ضحاک اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک سات دروازوں سے مراد سات طبقات اور درکات ہیں۔ ابن جریر نے سات طبقات کو بترتیب ذیل بیان کیا۔ جہنم۔ لظیٰ۔ حطمہ۔ سعیر۔ سقر۔ جحیم۔ ہاویہ۔ قتادہ نے قسم کھا کر کہا کہ کفر و شرک و معاصی کے مراتب مختلف ہیں۔ اسی بنا پر دوزخ میں ان کے منازل مختلف ہیں۔ بعض مفسرین نے بیان کیا کہ انسانی بدن کے اعضائے عاملہ سات ہیں۔ آنکھ کان زبان پیٹ فرج ہاتھ پاؤں انہی سے انسان گناہ کرتا ہے۔ رہا دل۔ تو دل سے اگر گناہ کی نیت کی جائے مگر عمل اس کے مطابق نہ کیا جائے تو کوئی مؤاخذہ نہیں۔ اس لئے کیفیت قلبی قابل اعتبار نہیں۔ ہر عضو سے گناہ کرنے کی سزا علیحدہ ہے۔ لہٰذا سات اعضاء سے گناہ کرنے کی پاداش میں سات قسم کی سزائیں ہوئیں اور ہر سزا کا گھر جدا ہے۔ لہٰذا سات قیدخانے ہوئے البتہ اگر کسی کار خیر کی نیت کی اور اسکو عملی صورت میں نہ لایا تو از روئے حدیث اس کا بھی کسی قدر ثواب ملے گا۔ اس لئے جنت کے آٹھ دروازے ہونے ضروری ہیں۔

مقصود بیان: جن کی تخلیق صاف شفاف آگ سے ہوئی ہے اور انسان کی تخلیق مٹی سے۔ پس وہ لوگ غلطی پر ہیں جو انسان کی شہوانی و غضبی قوتوں کو ہی شیطان اور جن قرار دیتے ہیں اور انسان کے علاوہ جن کو مستقل نوع نہیں یقین کرتے۔ ملائکہ کی پیدائش باجماع امت نور مجرد سے ہوئی اور جن کی تخلیق شفاف آگ سے اسی بنا پر یہ دونوں اپنی اصلی شکل میں عام آدمیوں کو دکھائی نہیں دے سکتے۔ اللہ نے ایسی مخلوق پیدا کرنی چاہی جو عام طور پر دکھائی دیں اس کا نام بشر رکھا۔ یعنی وہ لوگ جو باہم مباشر ملاقی اور ظاہر ہوں۔ لفظ رُوحِیْ انسان کی عظمت پر دلالت کررہا ہے۔ شیطان کا سجدہ سے انکار کرنا اور مردود ہونا بتارہا ہے کہ امر الٰہی کی تعمیل لازم ہے۔ چون و چرا کرنا اور وجہ امر دریافت کرنا خلاف دانش ہے۔ ہرچند کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا بظاہر خلاف عقل تھا مگر چونکہ امر الٰہی تھا اس لئے اسکی تعمیل واجب تھی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ امر الٰہی خلاف عقل نہیں ہوا کرتا گو بظاہر سمجھ میں نہ آئے۔ آدم میں پرتو الٰہی ضو فگن تھا اور روح ابدی جاوہ نما تھی۔ لہٰذا حکم کی تعمیل ضروری تھی

اس واقعہ سے اُن خوش دماغ لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو احکام الٰہیہ کو خلاف عقل سمجھکر بلند آہنگی سے اُن کا انکار کرتے ہیں اور ہر جگہ اپنی ناقص عقل کو جولاں دیتے ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی حکم الٰہی عقل کے خلاف نہیں ہوتا مگر یہ ضروری نہیں کہ اُس کی مصلحت ہر کس و ناکس سمجھ جائے۔ واقفان دین اور عالمانِ شرع ہی کسی قدر حکم الٰہی کی مصلحت بتا سکتے ہیں۔ وہی رازدار حکمت ہیں اسلیئے جو حکم شرع اپنی عقل کے خلاف معلوم ہو اُس کو ترک کر دینا خلاف عقل ہے۔

آیات کا آخری حصہ دلالت کر رہا ہے کہ اللہ کا راستہ سیدھا ہے یعنی جو قانون اپنے انبیاء کے معرفت خدا تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں وہی شاہراہ مستقیم ہیں۔ اُن کے علاوہ جو راستہ بھی اختیار کیا جائیگا وہ شیطان کا راستہ ہے۔ اس سے جاہل صوفیہ کو نصیحت حاصل کرنی چاہیئے جو احکام شریعت سے اپنے آپ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شریعت جدا ہے اور طریقت جدا۔ اگر ان کے قول پر طریقت کو شریعت سے جدا تسلیم کر لیا جائے اور دونوں کو متباین قرار دیدیا جائے تو طریقت یقیناً قابل ترک ہے۔ کیونکہ شریعت تو راہ مستقیم ہے اور راہ مستقیم صرف ایک ہوتی ہے۔ لہذا طریقت ٹیڑھا راستہ ہے جو یقیناً شیطانی راستہ ہے۔ وغیرہ۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ۝

پرہیزگار لوگ بلاشبہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے

اُدْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِينَ ۝ وَنَزَعْنَا

(اُن سے کہا جائیگا) کہ امن و سلامتی کے ساتھ اندر داخل ہو اور اُن کے

مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا

سینوں میں باہم جو کشیدگیاں ہوں گی ہم اُن کو دور کرکے بھائی بھائی بنادیں گے

عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِينَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا

اور وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہونگے اُن کو وہاں کوئی تکلیف

نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۝

نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ أَنِّيْٓ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

میرے بندوں کو اطلاع دیدو کہ میں غفور رحیم ہوں

وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ

اور میرا عذاب دردناک ہے

تفسیر گذشتہ دو رکوع میں ثبوت توحید کے مختلف براہین بیان کیئے تھے اور اثبات توحید کے ضمن میں انسانوں کی ہدایت کے لیئے آدمؑ کی تخلیق اور شیطان کی سرکشی کا قصہ بیان فرما کر دار آخرت کی کیفیت ظاہر کرکے شیطان کی پیروی کرنے والوں کی پاداش کی صراحت کی تھی سرکش اور نافرمانوں کی سزا کی صراحت کے بعد مناسب تھا کہ نیک اور فرماں بردار بندوں کی جزاء خیر کو بیان کر دیا جائے اس لیئے یہاں سے اہل تقویٰ کے حسن عمل کے ثواب کی تصریح فرمائی۔

آیت وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ الخ کے شانِ نزول میں اختلاف ہے۔ سعید بن منصور نے اپنی تفسیر میں حضرت ابوامامہ باہلی کی روایت کردہ حدیث نقل کی ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے قبل ہر مؤمن کے دل سے خدا تعالیٰ کینہ کو نکال ڈالیگا الخ اس مضمون کی تائید حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے ہوتی ہے کہ حضور گرامیؐ نے فرمایا دوزخ سے رہائی پا کر اہل ایمان ایک پُل پر روکے جائینگے جو جنت و دوزخ کے درمیان ہوگا وہاں اُن کے آپس کے اُن حقوق کا انصاف کیا جائیگا جو دنیا میں اُن کے درمیان تھی۔ پھر جب وہ پاک ہو جائینگے تو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔ ان دونوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مورد نزول خاص نہیں ہے۔

سفیان ثوری نے ابو صالح تابعی سے روایت کی کہ آیت مذکورہ میں جن لوگوں کو اِخْوَانًا کہا گیا ہے وہ گیارہ ہیں۔ دس عشرہ مبشرہ اور گیارہویں عبداللہ بن مسعودؓ۔ سفیان بن عیینہ نے باسناد خود حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت اہل بدر کے حق میں نازل ہوئی ہو سکتا ہے کہ آیت کا نزول اہل بدر کے حق میں ہو مگر حکم بہرحال عام ہے۔ کوئی مؤمن آپس کا حق چکائے بغیر اور دلوں کا کینہ زائل ہونے سے قبل جنت میں نہ جائے گا۔ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عثمانؓ کے متعلق حضرت علیؓ کے مختلف اقوال مروی ہیں۔ جن میں آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ہم اُن بندوں میں داخل ہونگے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ الخ۔ گویا ان اقوال میں آپ نے مورد نزول کی تعیین نہیں فرمائی۔ اور اگر تعیین تسلیم بھی کر لی جائے تو عموم حکم کا انکار نہیں فرمایا۔ اور اصول تفسیر کا ضابطہ ہے کہ اگر مورد خاص

بھی ہو تب بھی عموم علت کے پیش نظر حکم میں عموم ہوتا ہے۔

اب ہم تفسیری مطلب بیان کرتے ہیں۔ جب حقوق اللہ اور حقوق العباد کا فیصلہ ہو چکے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں متقی تھے یعنی جو کفر و شرک سے بچتے رہے تھے اُن کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔ لیکن ہر عظیم ترین لذت کو دو چیزیں مکدر کر دیتی ہیں۔ ایک تو لذت و راحت کے ساتھ کسی اذیت تکلیف مرض یا کسی ناگوار خاطر بات کا ظاہر ہونا۔ دوسرے زوال اور فنائے نعمت کا اندیشہ۔ خدا تعالیٰ نے پہلے اندیشہ کا ازالہ آیت لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ سے فرما دیا اور دوسرے خوف کو آیت وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ سے دور کر دیا۔ آخری آیت میں اللہ نے اپنی صفت رحمت و غضب کو ظاہر فرما کر گویا یہ بتا دیا کہ عذاب کی بھی مجھ میں کامل قدرت ہے مگر میں غفور رحیم بھی ہوں۔ بندوں سے علاوہ شرک کے جو چھوٹے بڑے گناہ ہو جاتے ہیں اُن کو سزا دینے سے پہلے یا ناقص سزا دینے کے بعد معاف کر دوں گا۔

مقصود بیان :۔ دخول جنت کے لئے شرک سے بچنا ضروری ہے۔ لفظ متقین میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اہلِ ایمان کے دلوں میں سے وہ رنجشیں دور کر دی جائینگی جو دنیاوی معاملات میں اُن میں ہوئی ہونگی۔ جنت اور جنتیوں کی ہمیشگی۔ اللہ کی صفت غضب بھی کامل ہے اور صفت رحمت بھی۔ مگر رحمت کا پہلو قوی ہے کیونکہ عذاب تو بغیر جرم کے نہو گا اور رحمت باوجود خطا کے بھی ہوگی یعنی گناہ معاف کر کے تو رحمت میں چھپا لیا جائیگا مگر ایمان کو مٹا کر دوزخ میں ڈالا جائیگا

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ○
اُن کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سُناؤ

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ
کہ جب وہ ابراہیم کے گھر میں گئے تو سلام کیا ابراہیم نے کہا

إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ○ قَالُوا لَا تَوْجَلْ
ہم تم سے ڈرتے ہیں بولے تم خوف نہ کرو

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ○ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي
ہم تم کو ایک عالم فرزند کی بشارت دیتے ہیں ابراہیم نے کہا بڑھاپا

عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ○
آنے کے بعد بھی کیا تم مجھے بشارت دیتے ہو اب کاہے کی بشارت دیتے ہو

قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ
مہمان بولے ہم نے تمہیں سچی بشارت دی ہے تم ناامید

الْقَانِطِينَ ○ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ
نہ ہو ابراہیم نے کہا پروردگار کی رحمت سے

رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ○ قَالَ
گمراہ ہی ناامید ہوتے ہیں ابراہیم نے کہا

فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ○ قَالُوا
فرشتو! تم کو کیا مہم درپیش ہے؟ بولے

إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ○
ہم کو ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے

إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ○
باستثنا خاندان لوط کے۔ لوط کے سارے گھر والوں کو سوائے اُسکی بیوی

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ○
کے ہم ضرور بچا لینگے ہم نے لوط کی بیوی کو ضرور رہجانے والوں میں سے مقرر کر دیا

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ○ قَالَ
غرض جب خاندان والوں کے پاس فرشتے پہونچے تو لوط نے کہا

إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ○ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ
تم لوگ اجنبی ہو فرشتے بولے ہم تمہارے پاس وہ

بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ○ وَأَتَيْنَاكَ
عذاب لیکر آئے ہیں جسمیں یہ لوگ شک کرتے تھے اور تمہارے پاس

بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ○ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ
سچا وعدہ لیکر آئے ہیں اور ہم یقینی سچے ہیں لہذا تم کچھ رات رہے سے

بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَ
اپنے لوگوں کو لیکر نکل جاؤ اور تم (خود) اُن کے پیچھے چلو اور

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَّامْضُوا حَيْثُ
تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں تم کو حکم ملا ہے

تُؤْمَرُوْنَ ○ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذٰلِكَ الْأَمْرَ
وہاں چلے جاؤ اور ہم نے لوط کے پاس وحی بھیجی

أَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ○
کہ صبح ہوتے ہوتے اُن کی جڑ کاٹ دی جائے گی

وَجَآءَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○
اور شہر کے لوگ خوشیاں کرتے آئے

قَالَ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ○
لوط نے کہا یہ میرے مہمان ہیں تم مجھے فضیحت نہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ○ قَالُوْٓا
اور اللہ سے ڈرتے رہو مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بولے

أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ قَالَ
کیا ہم نے تم کو دنیا بھر کی حمایت سے منع نہیں کر دیا ہے۔ لوط نے کہا

هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○ لَعَمْرُكَ
یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تم کرنا ہی (تو ان سے نکاح کر لو) (اے محمدؐ) قسم ہے

إِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ فَأَخَذَتْهُمُ
تمہاری جان کی وہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش تھے پھر ان کو ایک ہولناک

الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ○ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا
آواز نے روشنی ہوتے ہوتے پکڑ لیا اور ہم نے اُس بستی کو زیر و زبر

سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً
کر ڈالا اور اُن پر کنکر کے پتھر

مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
برسائے اس میں تاڑ جانے والوں کے لئے

لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ○ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ○
نشانیاں ہیں اور وہ بستی شارع کے کنارے پر واقع ہے

إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○
یقیناً اس میں ایمان داروں کے لئے عبرت کی نشانی ہے

تفسیر

اوپر کی آیات کے آخر حصوں میں بیان کیا گیا تھا کہ اللہ کی رحمت کا امیدوار اور اُس کے غضب سے ترساں رہنا چاہیئے۔ یہ بھی یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ رحیم ہے اور اس پر بھی ایمان لازم ہے کہ اُس کا عذاب سخت ہے۔ ان آیات میں حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس آئے اُن کو پیرانہ سالی میں اولاد کی بشارت دی۔ ظاہری اسباب تولید منقطع ہو چکے تھے۔ مگر رحمت الٰہی کا دروازہ بند نہ ہوا تھا اسلئے فیضانِ غیب ہوا اور حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ لیکن یہی فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے اور اُن کی قوم پر عذاب الٰہی نازل کیا۔ رحمت اور عذاب کے نازل ہونے کا ذریعہ ایک ہے۔ مگر محل مختلف ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی نیکی اور پرہیزگاری جاذب رحمت الٰہی ہوئی اور قوم لوط کی سرکشی و نافرمانی موجب تباہی بنی۔ یہ دونوں قصے پہلے بھی گذر چکے مگر یہاں مکرر بیان کرنے سے مسلمانوں کو درس عبرت دینا مقصود ہے کہ دیکھو متقی بندوں کو خدا تعالیٰ کس طرح اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ اہل تقوی کو بھی خوف ہوتا ہے۔ مگر اس خوف کا انجام فضل و بشارت ہے۔ اور جو لوگ محض نڈر ہوتے ہیں اُن کا انجام تباہی و بربادی ہے۔ ان آیات میں دونوں قصے مجمل بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری آیات میں ان کی تفصیل آئی ہے۔ ہم قصہ کی تکرار غیر مفید سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں صرف آیات کی تفسیر توضیح اور ربط کے لئے ترتیباً تشریح کرنی چاہتے ہیں۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ جنگل سے تلاش کر کے مہمانوں کو لاتے تھے۔ ایک روز خیمہ کے اندر فرشتے کہ بارہ نو خیز حسین لڑکے آئے۔ حضرتؑ نے اُن کو ٹھہرایا۔ حسب دستور بچھڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت تل کر مہمانوں کے لئے لائے۔ فرشتوں نے کھانے سے دست کشی کی۔ حضرت ابراہیمؑ کو اُن سے خوف معلوم ہوا۔ مفسرین نے خوف کے دو سبب بیان کئے ہیں۔ اول یہ کہ اُس زمانہ میں دستور تھا کہ کوئی شخص اگر کسی سے دل میں دشمنی رکھتا تھا تو اُس کے گھر کا کھانا نہ کھاتا تھا۔ لڑکوں نے جب حضرت ابراہیمؑ کا پیش کردہ کھانا نہ کھایا تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ شاید یہ دشمن ہیں

ضرر پہنچانا چاہتے ہیں اس لئے میرے گھر کا کھانا نہیں کھاتے۔ مگر یہ وجہ کچھ کمزور ہے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ جلیل القدر پیغمبر تھے آپ ایقان و ایمان کے اُس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ بہت سے پیغمبروں کی رسائی وہاں تک نہیں ہوئی اور مومن کامل سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کو کیوں خوف ہوا جو نمرود کے ایسے سفاک اور طاقتور بادشاہ سے نہ ڈرا ہو وہ معمولی لڑکوں کی ضرر رسانی سے ترساں ہو جائے یہ امر ناقابل فہم ہے۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لڑکوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیمؑ نے غور سے دیکھا اور غور کرنے کے بعد نور فراست سمجھ گئے کہ یہ فرشتے ہیں عذاب نازل کرنے آئے ہیں۔ اس تخیل کے پیدا ہوتے ہی عذاب الٰہی سے ڈر گئے اور فرمایا ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ فرشتوں نے تسلی کی اور کہا ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں آپ اندیشہ نہ کریں ہم آپ کو لڑکا پیدا ہونے کی خوش خبری دینے آئے ہیں۔ اُس وقت آپ کو اطمینان حاصل ہوا۔ مگر اُن لڑکوں نے چونکہ خود اپنی زبان سے بیان نہ کیا تھا کہ ہم فرشتے ہیں اس لئے اُنکی ظاہری شکل دیکھ کر مزید اطمینان حاصل کرنے کے لیے آپ نے فرمایا میں تو بوڑھا ہو چکا۔ اب اولاد کی بشارت کا کون موقع ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا ہم نے آپ کی بشارت تو سچی اور واقعی دی ہے اسباب ظاہری اور پیرانہ سالی کو دیکھ کر آپ رحمت الٰہی سے نا امید نہ ہوں۔ اُس وقت حضرت ابراہیمؑ کو یقین ہوا کہ یہ فرشتے ہیں۔ فوراً بولے۔ نہیں۔ میں نا امید تو ہو نہیں سکتا۔ نا امیدی تو اُن لوگوں کا شیوہ ہے جو حقیقت سے ناواقف ہوں۔ یہ فرمانے کے بعد بھی آپ نے غور کیا کہ اگر فقط بشارت ہی دینی تھی تو خواب الہام وحی وغیرہ اور ذرائع بھی ہو سکتے تھے۔ اور اگر فرشتہ ہی کی معرفت خبر پہنچانی ضروری تھی تو ایک فرشتہ کافی تھا یہ جماعت کیوں بھیجی گئی۔ جماعت کے آنے کا مقصد کچھ اور ہی ہے۔ تصورات کا یہ پورا سلسلہ قائم کرنے کے بعد فرمایا بہ سبب کچھ ٹھیک لیکن اے پیغمبران الٰہی آپ کے آنے کی وجہ تو بتایئے؟ اس سوال پر فرشتوں نے اپنے آنے کی اصل وجہ بیان کی۔

(۲) حضرت لوطؑ سدوم میں مقیم تھے۔ سدوم کے چاروں طرف اور مضافات و بلاد بھی تھے۔ سدوم میں ہی عذاب کے فرشتے آئے حضرت لوطؑ اور آپ کی دو صاحبزادیاں محفوظ رہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ چند افراد اور بچ گئے ہوں جو ایمان لے آئے ہوں اور جن کو آل لوط میں داخل فرمایا گیا ہو۔ کیونکہ آل لوط سے فقط لوطؑ کا گھر ہی مراد نہیں بلکہ وہ تمام اشخاص آل لوط کے ذیل میں داخل ہیں جو حضرت لوطؑ کے پیرو تھے۔ یہاں سے حضرت لوطؑ اپنے ساتھیوں کو لیکر شبا شب چل کر حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچ گئے یا مصر چلے گئے۔

(۳) اس جگہ قرآن پاک میں قصہ لوطؑ کو ترتیب واقعات کے ساتھ نہیں بیان کیا۔ واقعات کے بیان میں تقدیم تاخیر کردی گئی ہے۔ خوبصورت نوعمر لڑکوں کو مہمان دیکھ کر حضرت لوطؑ کو اپنی اور اپنے مہمانوں کی رسوائی کا اندیشہ ہونا ابتدائی واقعہ ہے۔ اس کے بعد قوم والوں کا شاداں اور فرحاں آنا اور مہمانوں پر دست درازی کی خواہش کرنا اور حضرت لوطؑ کا اُن کو سمجھانا اور اُن کا ترش جواب دینا اور پھر لوطؑ کا استمالت کرنا دوسرا واقعہ ہے پھر حضرت لوطؑ کو تسلی دینا اور فرشتوں کی زبانی کل کیفیات کا ظاہر ہونا تیسرا واقعہ ہے۔ ان آیات میں تیسرے واقعہ کو دوسرے واقعہ سے مقدم کردیا گیا ہے۔ مگر دوسرے مقامات پر اسکی تفصیل آئی ہے۔

(۴) حضرت لوطؑ نے اپنی لڑکیاں پیش کیں یہ قوم کی لڑکیوں کو اپنی لڑکیاں قرار دیکر اُن سے نکاح کر لینے کی ترغیب دی۔ یہ بات تفصیل ہم دوسرے مقامات پر بیان کر چکے ہیں۔ مزید اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(۵) لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ۔ یعنی اے محمدؐ تیری عمر یا تیری زندگی کی قسم قوم لوطؑ بہت زیادہ اپنی شہوت اور سرمستی و سرشاری میں اندھی تھی۔ قاضی ثناء اللہ نے صراحت کی ہے کہ صحابہ تابعین سلف محدثین اور ائمہ و علماء کا اجماع ہے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حیات محمدؐ کی قسم کھائی ہے۔ ابن الجوزا نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ذات محمدی سے زیادہ اشرف و اکرم خدا تعالیٰ نے کسی اور کو نہیں پیدا کیا۔ میں نے نہیں سنا کہ سوا محمدؐ کے اللہ نے کسی اور کی زندگی کی قسم کھائی بقولہ لعمرک الآیۃ (رواہ ابن جریر) ابن مردویہ نے ابن عباسؓ کا قول مرفوعاً روایت کیا کہ سوا محمد کے اللہ نے کسی کی حیات کی قسم نہیں کھائی فی قولہ لعمرک الآیۃ شیخ سیوطی نے درمنثور میں بھی اس روایت کو نقل کیا ہے شیخ ابوبکر ابن العربی نے لکھا ہے مفسرین کا اجماع ہے کہ محمدؐ کی حیات کی قسم خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کی تشریف و تکریم اور اعزاز و مرتبت کے اظہار کے لئے کھائی ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

ابن کثیر ابن عربی اور دیگر علماء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں حیات محمدی کی قسم خدا تعالیٰ

نے صرف اعزاز و تکریم کے لئے کھائی ہے لیکن یہ قول بے ثبوت ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جسکی قسم کھائی جائے وہ معزز و مشرف ہی ہو دیکھو قرآن میں التین، زیتون، عصر، چاشت، رات اور آفتاب وغیرہ کی قسمیں کھائی ہیں تو کیا ان سب کی عزت افزائی مقصود ہے یا یہ چیزیں اشرف الکائنات ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن چیزوں کی قسم کھائی جائے اُن کا مشرف و معزز ہونا ضروری ہے۔ جب تک قسم کھانے والے کی نظر میں کوئی چیز قابل عزت و مکرمت نہ ہو کسی زبان میں اسکی قسم کوئی نہیں کھاتا (صورت استہزاء اس سے مستثنیٰ ہے) لیکن معزز و مکرم ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اشرف الکائنات ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنی نوع میں اشرف ہو۔ انجیر اور زیتون پھلوں میں عظمت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ عصر و چاشت اوقات میں ممتاز ہیں۔ سورج ہر قسم کی روشنی پیدا کرنے والی چیزوں سے زیادہ روشن ہے۔ اس طرح رسول پاک محمدؐ تمام فرشتوں اور انسانوں میں بزرگ و برتر ہیں۔ حضورؐ سے زیادہ بارگاہ الٰہی کا تقرب کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

(۶) اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ۔ متوسمین سے مراد مجاہد کے نزدیک وہ اہل فراست ہیں جن کے دلوں کے اندر نور الٰہی چمکتا ہے اور اس نور کی روشنی میں وہ پوشیدہ واقعات کو دیکھتے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے حضور اقدسؐ نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو۔ وہ اللہ کے نور (کی روشنی میں) دیکھتا ہے۔ پھر حضورؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اخرجہ البخاری فی التاریخ والترمذی و ابن مردویہ وغیرہم۔ قتادہ نے متوسمین کا ترجمہ اہل عبرت کیا ہے۔ بعض علماء نے غور و خوض کرنے والا طبقہ مراد لیا ہے جو واقعات میں نظر و فکر کر کے صحیح استدلال قائم کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو لوگوں کو توسم (علامات) سے پہچان لیتے ہیں۔ یہاں یہ نکتہ سمجھ لینا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے متوسمین کے ساتھ آیات کا لفظ استعمال کیا اور مومنین کے ساتھ فقط لفظ آیت۔ بات یہ ہے کہ عام مومنین اگرچہ عبرت اندوز نظر اور ہدایت آگین نور بصیرت رکھتے ہیں لیکن خاص اہل ایمان کو جو نور باطن عطا کیا گیا ہے وہاں تک عوام کی رسائی نہیں۔ اسلئے واقعات عبرت اور نیز گبھائے قدرت کے اندر اسرار الٰہیہ کا انکشاف اور رموز سربستہ کا ظہور متوسمین کے قلب پر جتنا ہوتا ہے اتنا عام مومنوں پر نہیں ہوتا۔ اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر فرمایا کہ واقعہ لوط و ابراہیمؑ کے اندر مومنین کے لئے اگرچہ نشان قدرت موجود ہے لیکن اہل توسم کے لئے گوناگوں آیات حکمت و علامات یقین مضمر ہیں۔

(۷) اَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ قتادہ کے نزدیک مقیم کے معنی ہیں - کشادہ اور واضح۔ مجاہد کے قول پر وہ راستہ مراد ہے جس پر علامات و نشانات قائم کر دیے گئے ہوں۔ حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ مدینہ سے شام کو جانے والے لوگوں کو راستہ کے دائیں طرف کچھ اُلٹی ہوئی بستیاں ملتی ہیں۔ یہی قوم لوط کی بستیاں تھیں۔ میں کہتا ہوں کہ عرب کے شمال اور شام کے جنوب میں ایک جھیل ہے جس کا پانی شور ہے۔ اس جھیل کو بحیرۂ مردار کہا جاتا ہے۔ اس کے کنارے سدوم اور عمورہ وغیرہ قوم لوط کی بستیاں تھیں۔ انہی آبادیوں پر عذاب الٰہی نازل ہوا تھا۔

مقصود بیان:- انبیاء کے پاس کبھی فرشتے بشری شکل میں بھی آتے ہیں اور پیام الٰہی پہونچاتے ہیں لیکن بشری شکل میں نمودار ہونے کے بعد بھی خصوصیات بشری سے پاک ہوتے ہیں۔ انبیاء کو ہر وقت مکاشفہ نہیں ہوتا بعض اوقات جب انبیاء مادی تعلقات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُس وقت انکشاف اسرار نہیں ہوتا چنانچہ فرشتے جب حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کے پاس بصورت انسانی پہونچے تو ابتدا میں دونوں بزرگ اصلی حقیقت کو پہچان سکے لیکن اس کے باوجود ہر حالت میں اہل باطن کا نور فراست بہت روشن ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم نے نور فراست سے اس قدر ضرور پہچان لیا کہ فرشتوں کے آنے کی غرض ضرور عذاب الٰہی کا نزول ہے اس لیے آپ نے فرمایا ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے اور بشارت اولاد کے بعد بھی فرمایا اصلی بات بتاؤ آنے کی وجہ حقیقی کیا ہے۔ اہل نظر اگرچہ تمام واقعات عالم کو حقیقۃً واحد حقیقی کی قدرت ہی سے وابستہ سمجھتے ہیں اور کارساز حقیقی کو ہر تغیر تصرف اور عمل کا مختار و قادر جانتے ہیں مگر عالم اسباب میں رہنے کی وجہ سے وہ کل واقعات قدرت کو اسباب کی زنجیروں سے جکڑا ہوا یقین رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگرچہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے مگر ہر چیز کا اسی نے ایک سبب بھی بنایا ہے ہر نتیجہ کو اسباب سے وابستہ کیا ہے۔ اسی بنا پر جب فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو اولاد کی بشارت دی تو آپ نے ازراہ تعجب (نہ ازراہ انکار) اپنی پیرانہ سالی کو پیش کیا اور فرمایا میں بوڑھا ہو چکا۔ اب تم کیا مجھے اولاد کی خوشخبری دیتے ہو لیکن اہل باطن کو چونکہ یہ بات دکھتی ہے کہ اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والا اور مبادی سے نتائج کو وابستہ کرنے والا اس بات پر بھی قادر ہے کہ بغیر سبب نتیجہ پیدا کر دے خصوصاً فرماں بردار بندوں کے لئے وہ اپنے عمومی ضابطہ کو کبھی توڑ دیتا ہے اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں۔ ناامید تو وہی لوگ

ہوتے ہیں جو حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ ہیں واقف رموز ہوں۔ رحمت بلا
کا انکار نہیں کرسکتا۔ آیت فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ الخ بتا رہی ہے کہ اہل کا اطلاق
بیوی بچوں پر تو ہوتا ہی ہے مگر دیگر پیروی کرنے والوں پر بھی کبھی ہوجاتا ہے
چنانچہ جب حضرت لوط کو حکم ہوا کہ اس بستی سے نکل جاؤ اور آگے آگے اپنے
اہل کو کر دو ان کے پیچھے خود چلو اور منہ پھیر کر پیچھے نہ دیکھو تو اس جگہ
لفظ اَدْبَارَهُمْ میں جمع کی ضمیر استعمال کی۔ حالانکہ حضرت لوط کی صرف
دو لڑکیاں تھیں لڑکا کوئی نہ تھا بیوی ساتھ نہ تھی۔ دو لڑکیوں کی
طرف جمع کی ضمیر راجع نہیں ہوسکتی معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اور بھی تھے خواہ
وہ خادم ہوں یا قوم کے بعض افراد جو حضرت لوط پر ایمان لے آئے تھے
لفظ وَاتَّبِعْ دلالت کر رہا ہے کہ امام قوم کے لئے لازم ہے کہ
سب کو سمیٹ کر لے چلے تاکہ کوئی کمزور یا بیچ بوڑھا بچہ بیمار وغیرہ
رہ نہ جائے۔ حضور اقدس بھی جب لشکر کے ساتھ تشریف لیجاتے تو
قلب لشکر میں نہ چلتے بلکہ دائیں بائیں کنارہ پر چلتے تاکہ سب کی حالت
کا معائنہ کرتے جائیں۔ اس آیت کی ضمنی مفہوم سے ضرب پڑ رہی ہے
شاہان عجم کے دستور پر جو قلب میں خود رہتے ہیں اور تمام ہمراہیوں
کو اپنے جلو میں چلاتے ہیں۔

آیت وَلَا يَلْتَفِتْ الخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں
انسان کو ہمہ تن غرق ہو جانا چاہئے۔ چون و چرا اور چگونگی کرنا خلاف
بندگی ہے۔ جدھر کو جانے کا حکم ہوا۔ جو کچھ کرنے کا امر ہو اسکی تعمیل
بلا تاخیر و تامل واجب ہے۔ اس آیت سے ایک اشارہ اس طرف
بھی ہے کہ نزول عذاب کی کیفیت دیکھنا اور منزل عذاب میں ٹھہرنا
جائز ہے۔ نزول عذاب کو دیکھنے سے یا طبیعت میں رقت پیدا ہوگی
اور بعض اقارب کی ہلاکت پر رحم آئیگا یا طبیعت خوش ہوگی۔ بہرحال
اعداء الٰہی کی تباہی پر رحم کھانا یا نزول عذاب کو اپنے لئے باعث
تفریح سمجھنا دونوں جائز نہیں۔ آیت لَعَمْرُكَ الخ دو باتوں پر
دلالت کر رہی ہے۔ رسول پاک کی عظمت شان اور اعزاز و تکریم
بھی اس سے معلوم ہوتی ہے اور اس بات پر بھی روشنی پڑ رہی ہے
کہ جسمانی طاقت عیش و طرب، دولت و مرتبت، عزت، حکومت
وغیرہ کا نشہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ اس کو بدمستی کے وقت
نتیجہ کی اچھائی برائی کچھ نہیں سوجھتی۔

ہدایت خاص

بعض اہل ظاہر کہتے ہیں کہ عذاب الٰہی سلسلۂ اسباب سے خارج ہو
سابقہ اقوام پارینہ پر عذاب آیا وہ بغیر اسباب کے آیا۔ مگر ان کا یہ
قول محض دعویٰ ہے اس پر کوئی دلیل نہیں۔ اسباب دو قسم کے
ہوتے ہیں ظاہر اور پوشیدہ۔ پوشیدہ اسباب ہلاکت تو کفر و معصیت
اور تمرد و سرکشی ہیں اور ظاہری اسباب مختلف ذرائع مثلاً زلزلہ طوفان
آب و باد کسی ظالم حکومت کی سفاکی، امراض عامہ وغیرہ ہر قوم کا
پوشیدہ اسباب کے تحت ہلاک و برباد ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ مگر ظاہری
اسباب بھی اُن کی تباہی کا ذریعہ ضرور بنے۔ مثلاً قوم لوط کے کفر و
معصیت کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اُن پر مادی عذاب مسلط کیا
اُن فرشتوں کو مامور کیا گیا جو کائنات ارضی پر موکل تھے۔ موکل فرشتوں
نے نزول عذاب کا انتظام کیا۔ شکم زمین کے اندر جو آتش گیر اور زہریلے
مواد پیدا کرنے والی چیزیں تھیں اُن کو بروئے کار لائے۔ زلزلہ
آیا، زمین پھٹی، گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی۔ پہاڑوں کے ٹکڑے اڑ گئے
کل طبقہ الٹ گیا۔ پتھر جل جل کر کھنگر بن گئے۔ پارہ پارہ ہو کر
اُڑے۔ اُڑ کر گرے اور کل بستیاں تباہ ہوگئیں۔ لیکن جن لوگوں
کی نجات مقصود تھی اُن کو پہلے سے اطلاع دیدی گئی وہ بچ کر نکل گئے

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝

اور بیشک ایکہ کے رہنے والے بھی ظالم تھے

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝

ہم نے اُن سے بھی انتقام لیا یہ دونوں بستیاں کھلے شارع عام پر واقع ہیں

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور حجر والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝

اور اُن کو ہم نے نشانیاں دی تھیں مگر وہ اُن سے روگرداں رہے

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝

اور وہ دلجمعی سے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝

اُن کو بھی صبح ہوتے ہوتے ایک چنگھاڑ نے پکڑ لیا

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

اور جو کچھ وہ کماتے تھے اُن کے بالکل کام نہ آیا

تفسیر

گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم و حضرت لوط کا قصہ بیان فرمایا تھا تاکہ بصیرت اندوز نظر رکھنے والے غور کریں
کہ اللہ اپنے نیک بندوں کو بغیر ظاہری اسباب کے بھی نوازتا ہے اور

تباہ کار سرکش کافر باوجود ظاہری اسباب نہ ہونے کے بھی تباہ کر دیے جاتے ہیں۔ ان آیات میں حضرت شعیب اور حضرت صالح کی اقوام کا ذکر کرکے گذشتہ مقصود کی در پردہ تبلیغ فرمائی۔

ضحاک و قتادہ کہتے ہیں کہ اَلْاَیْکَۃ کے معنی ہیں گنجان گھنے درخت۔ باجماع مفسرین یہ حضرت شعیب کی قوم تھی۔ ابن مردویہ اور ابن عساکر نے بروایت ابن عمرو مرفوعاً بیان کیا کہ اہل مدین اور اصحاب الایکہ جدا جدا قومیں تھیں۔ دونوں کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔

اصحاب الایکہ اور اہل مدین دونوں ظالم تھے۔ مشرک بھی تھے۔ رہزنی بھی کرتے تھے اور ناپ تول میں بے ایمانی بھی کرتے تھے۔ حضرت شعیبؑ نے اُن کو سمجھایا نہ مانا۔ سرکشی اور تکذیب کی تو عذاب نازل ہوا۔ سات روز سخت گرمی پڑی دم گھٹنے لگے۔ جانیں لبوں پر آگئیں۔ آٹھویں روز ابر کا ایک ٹکڑا اٹھا۔ لوگوں کو بارش کی امید ہوئی۔ بامید بارش جنگل کو چل دیے لیکن مینہ کی بجائے ابر سے آگ کے شعلے برسے۔ سب جلکر خاکستر ہو گئے۔ مدینہ سے شام کو جانے والے سڑک کے دائیں جانب تباہ کار قوم کے آثار دیکھتے ہیں۔ اللہ نے یہ سزا اُن کی بدکاری کی پاداش میں دی۔ اگرچہ خدا تعالیٰ جذبۂ انتقام سے پاک ہے۔ نفس و نفسانیات اور نفسانی قوتوں کا وہاں دخل نہیں لیکن نزول عذاب چونکہ ظاہر میں بصورت انتقام ہوا تھا اسلئے مجازاً اسکے لئے اِنْتَقَمْنَا کا لفظ استعمال کیا گیا۔

اَصْحَابِ الْحِجْر سے مراد قوم ثمود ہے۔ عرب کو بحیثیت تاریخ و زمانہ تین دوروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اول دور عرب عاد یہ۔ عرب بائدہ کا کہلاتا ہے۔ عرب بائدہ کے مختلف قبائل تھے۔ عاد و ثمود طسم، جدیس، جرہم اولیٰ وغیرہ۔ اس دور کے مفصل احوال نہ توراۃ میں ملتے ہیں نہ تاریخ میں۔ صرف عاد و ثمود کے مختصر احوال کہیں کہیں نظر آتے ہیں تو وہ بھی غیر مربوط۔ دوسرا دور قحطانی عربوں کا تھا۔ قحطان کو توراۃ میں یقطان کہا گیا ہے۔ سام بن نوح کی اولاد میں ایک شخص عابر تھا۔ عابر کا بیٹا قحطان تھا۔ قحطان کی سکونت یمن میں تھی۔ یمن سے اسکی نسل پھیلی اور حجاز تہامہ شام عراق وغیرہ میں منتشر ہوئی۔ قحطان ہی کی آخری شاخ میں جرہم ثانی کا قبیلہ تھا جو معاش کی جستجو میں وادی مکہ میں پہنچے تھے۔ اسی خاندان کی لڑکی سے حضرت اسمٰعیل کی شادی ہوئی تھی۔ تیسرا دور بنی اسمٰعیل کا ہے۔ اس دور کو عرب مستعربہ کا دور کہا جاتا ہے۔ عرب مستعربہ کی ہی نسل میں سے قریش تھے۔ اب ہم اصل مدعا پر آتے ہیں۔ قوم ثمود جو عرب بائدہ کی ایک شاخ

تھی غیر متمدن اور غیر ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے اس زمانہ کی طرح اینٹ مٹی پتھر کے مکان بنا کر نہیں رہتی تھی بلکہ پہاڑوں میں غار کھود کر اور بھٹ بنا کر رہتی تھی۔ قد بھی اُن کے بہت دراز تھے بقول ابن جریر مدینہ اور شام کے درمیان وادی حجر اور وادی قریٰ میں ان کی سکونت رہی تھی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت صالح کو نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے تکذیب کی اور معجزہ طلب کیا۔ اونٹنی بطور معجزہ پہاڑ سے پیدا ہوئی۔ مفصل قصہ ہم سورۂ اعراف میں لکھ چکے ہیں۔ مکرر لکھنا موجب طوالت ہے بالآخر عذاب الٰہی آیا۔ اول ایک زلزلہ پیدا ہوا جسکو قرآن پاک میں ایک جگہ رَجْفَہ کہا گیا ہے۔ پھر سخت ترین چیخ اور دھماکہ ہوا سب مر گئے۔ قوم ثمود کے کچھ افراد مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے اپنی لبتی الگ بنا لی تھی اُن کا کنواں بھی علیحدہ تھا۔ غزوۂ تبوک کو جاتے وقت جب حضور اقدسؐ کا گذر وادی حجر کی طرف سے ہوا تو حضورؐ نے سر نیچا کر لیا اور سواری کو تیز کر دیا اور صحابہ سے فرمایا جو بستی عذاب الٰہی سے ہلاک کر دی گئی ہے اسکی طرف مت جاؤ اور اُدھر سے گذرو تو روتے ہوئے۔ اگر رونا نہ آئے تو خوف الٰہی سے روتی شکل بنا لو تاکہ وہ عذاب جو اُن پر آیا تھا کہیں تم پر نہ آجائے۔ قوم ثمود کے کنوئیں سے بعض صحابہ نے پانی بھر کر اس سے آٹا گوندھا اور ہانڈیاں پکائی تھیں۔ حضورؐ نے ہانڈیاں اُلٹوا دیں اور آٹا اونٹوں کو کھلوا دیا اور آگے بڑھ کر وہاں قیام کیا جہاں حضرت صالح اور اُن کے مؤمن ساتھی رہتے تھے۔ وہیں سے پانی بھرا اور استعمال کیا۔

مقصود بیان: ۔ حق اللہ اور حق العباد دونوں کا تلف کرنا ظلم کہلاتا ہے۔ قوم شعیب مشرک بھی تھی۔ رہزن بھی تھی اور ناپ تول میں بے ایمانی بھی کرتی تھی۔ انہی تینوں وجوہ سے اسکو ظالم فرمایا عذاب الٰہی کو انتقام کہا جا سکتا ہے۔ فَانْتَقَمْنَا کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کا عذاب بلاوجہ نہیں آتا بلکہ اعمال کی پاداش ہوتی ہے۔ ایک پیغمبر کی تکذیب درحقیقت کل پیغمبروں کی تکذیب ہے اس لئے قوم صالح کے متعلق فرمایا کہ اُس نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ باوجودیکہ اُس نے صرف حضرت صالح کی تکذیب کی تھی۔ اللہ کی نشانیوں سے عبرت حاصل نہ کرنا اور آیات قدرت پر غور و خوض نہ کرنا اور اُن سے صحیح نتیجہ اخذ نہ کرنا ہی اعراض اور روگردانی ہے۔ نشانہائے قدرت کو آنکھوں سے دیکھنا کافی نہیں بلکہ نور بصیرت سے دیکھنا لازم ہے۔ قوم ثمود نے آیات قدرت کو آنکھوں سے دیکھا مگر نور بصیرت سے نہ دیکھا۔ گویا روگردانی کی۔ اس میں مسلمانوں کے لئے

در پردہ پیام ہدایت ہے کہ تم کو بھی اقوام کے عروج و زوال اور واقعات عالم کو نظر عبرت کوش اور بصیرت افروز نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ

ہم نے آسمان و زمین اور اُن کی درمیانی چیزیں

مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ

مصلحت ہی سے پیدا کی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ قیامت

لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝

آنے والی ہے لہٰذا تم ان سے بحسن اسلوب درگذر کرو

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝

بلاشبہ تمہارا پروردگار پیدا کرنے والا واقف کار ہے

تفسیر گذشتہ انبیاء اور اُن کی اقوام کے احوال سُنکر منکران حق کے دماغوں میں تین طرح کے اوہام پیدا ہو سکتے تھے اور ہوتے بھی ہیں۔

(۱) یہ تو آسمان و زمین کے حوادث ہیں اتفاقات ہیں اقوام کا عروج و زوال زمانہ کا تاریخ ہے۔ ترقی کے بعد تنزل، شادابی کے بعد خشکی اور آبادی کے بعد بربادی اضطراری چیزیں ہیں ان میں نافرمانی اور فرمانبرداری کو کچھ دخل نہیں۔ اس وہم کا ازالہ فرماتا ہے کہ حوادث و تغیرات کو اتفاق کہنا غلط ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق خلاف مصلحت نہیں۔ اللہ نے ان کو بے کار نہیں پیدا کیا ہر ایک کی پیدایش کے نتائج و مصالح ہیں۔ دنیا میں ہلاکت و بقاء عروج و زوال آبادی و بربادی مصلحت و حکمت کے تحت ہوتی ہے قانون قدرت کے ذیل میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ ہر فعل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے اچھے فعل کا اچھا نتیجہ اور بُرے عمل کا بُرا نتیجہ۔

(۲) دوسرا شبہہ یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ اچھا اگر یہ سب کچھ افعال و اعمال کا ہی نتیجہ ہے۔ دنیا کی تعمیر و تخریب اتفاقی نہیں بلکہ نیکی و بدی، نافرمانی و فرمان پذیری ہی کے تحت ہوتی ہے تو بس نتیجہ حاصل ہو چکا جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ ہر کام کا نتیجہ اسی زندگی میں مل گیا آئندہ زندگی کی ضرورت نہیں۔ اور اگر آئندہ زندگی تسلیم بھی کر لی جائے تو وہ اسی دنیا میں ہوگی۔ مرنے کے بعد انسان اپنے اعمال کے مطابق دوسرا جنم لیگا اور یونہی تناسخ و آواگون کا سلسلہ جاری رہیگا۔ اس کا جواب دیتا ہے کہ دنیا تو کامل طور پر محل ثواب و عذاب ہے نہ فقط دار العمل۔ نافرمانوں کی بربادی تو صرف عبرت حاصل کرانے کے لئے ہوتی ہے ورنہ جزا سزا کا تو ایک اور وقت معین ہے۔ اس لئے کہ عمل کا زمانہ ختم ہونے کے بعد نتیجہ کا دور آنا چاہئے۔ دنیا کے اوقات، عمل کے اوقات ہیں۔ ان میں کل اعمال کی جزا سزا خلاف دانش ہے اسکے لئے تو ایک اور وقت ہونا چاہئے اور وہ وقت ضرور آئیگا۔

(۳) کفار چونکہ عجلت پسند تھے جزا سزا اور عذاب ثواب فوراً چاہتے تھے اور جب فوری بازپرس نہ ملتی تھی۔ قیامت پر ہر عوض کو موقوف رکھا جاتا تھا تو قیامت کا مذاق اڑاتے تھے کیسی قیامت کیسا دار آخرت۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں تو کہتے ہیں بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ آدمی کی خاک ہو جائے۔ خاک کے ذرات منتشر ہو جائیں اور پھر تمام ذرات کو جمع کر کے دوبارہ انسان کو بنا لیا جائے۔ ذرات کہاں کہاں گئے۔ پانی میں ملے۔ ہوا میں اُڑے۔ مٹی میں شامل ہوئے۔ کس کو معلوم کس کے پاس اس کا حساب ہے۔ کون اُن کو جمع کر سکتا ہے؟ اس کے جواب میں اولاً رسول پاک کو تسلی دیتا ہے کہ ان کی بیہودہ گوئی سے آپ چشم پوشی اور درگذر کریں۔ ایسے نادان احمقوں کی کسی بات کا اثر نہ لیں خوش خلقی اور تحمل سے کام لیں۔ اس کے بعد اصل شبہ کو دفع فرماتا ہے کہ اللہ یقیناً خالق ہے وہ ہر طرح کی تخلیق کر سکتا ہے اُسی کو ہر چیز کا علم ہے وہ خوب واقف ہے کہ ذرات خاکی کہاں کہاں ہیں۔ کس طرح اُن کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ وہی سب کو جمع کریگا وہی دوبارہ پیدا کریگا۔

نوٹ:۔ آیت فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ کی تفسیر میں مجاہد و عکرمہ وغیرہ نے کہا کہ یہ حکم اُس وقت تک کے لئے تھا جبکہ جہاد کا وجوب نہ ہوا تھا۔ عام علماء کہتے ہیں کہ آیت جہاد میں اور اس آیت میں کوئی تعارض ہی نہیں۔ کیونکہ اس آیت میں رضاء الٰہی کے موافق خوش خلقی برتنے کا حکم دیا گیا ہے اور جہاد بھی رضاء الٰہی کی ایک شاخ ہے۔

مقصود بیان:۔ آیات قدرت اور تغیرات ارضی و سماوی پر غور کرنے کی در پردہ دعوت اُن لوگوں کو جو عبرت کوش نظر اور نصیحت آگین بصیرت رکھتے ہیں۔ قیامت کی حقانیت کی صراحت اور حروف تاکیدی سے ضرورت قیامت کی طرف اشارہ۔ مناسب چشم پوشی اور موقعہ کے مطابق درگذر کرنے کا حکم وغیرہ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ

ہم نے تم کو سبع مثانی (سورۂ حمد) اور قرآن عظیم

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ○ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ
عطا کیا ہے اور جن چیزوں سے ان لوگوں کو

اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ
بہرہ مند کیا ہے تم اُن پر اپنی نظر نہ ڈوراؤ اور

لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ
اُن کا غم نہ کرو اور اپنے بازو مسلمانوں کے لئے

لِلْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا
جھکا دو اور کہدو کہ میں

النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ○
کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں

تفسیر سبع مثانی اور قرآن عظیم سے کیا مراد ہے؟ علماء وصحابہ کا اس میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک وغیرہم کا خیال ہے کہ سبع مثانی سے مراد ہیں سات طویل سورتیں۔ یعنی سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف، یونس۔ اور قرآن عظیم سے مراد ہے باقی قرآن۔ یا قرآن سے پورا قرآن مراد ہے اور سبع مثانی سے سبع طوال۔ اور یہ ساتوں سورتیں بھی قرآن عظیم کا جزء ہیں شعبہ نے کہا چونکہ ان سورتوں میں فرائض، حدود، قصص اور احکام مکرر بیان فرمائے ہیں اس لئے ان کو مثانی (مکرر) فرمایا۔ ابن عباس نے فرمایا ان سورتوں میں امثال، اخبار اور مضامین عبرت کو مکرر بیان فرمایا ہے۔ سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ بجائے یونس کے انفال و برأۃ ملاکر ایک سورت ہے۔ اس قول پر بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور انفال و برأت یہ سات سورتیں ہوگئیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت موسیٰ کو ان میں سے دو یا چھ سورتیں دی گئی تھیں مگر ساتوں کا مجموعہ سوا حضورؐ کے کسی اور پیغمبر کو نہیں عطا کیا گیا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ سبع مثانی سے مراد مذکورۂ بالا سات طویل سورتیں ہیں اور قرآن عظیم سے مراد بھی یہی سورتیں ہیں۔

حضرت علی، حضرت عمر، نخعی، عبداللہ بن عبید بن ابی ملیکہ شہر بن حوشب، حسن بصری، قتادہ وغیرہم کا قول ہے اور ابن مسعود وابن عباسؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جس کی سات آیات ہیں پہلی آیت بسم اللہ ہے اور قرآن عظیم سے مراد بھی یہی سورت ہے۔ حضرت ابوسعید بن معلی کی روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا حضور اقدس تشریف فرما ہوئے۔ مجھے آواز دی میں نماز ختم کرکے خدمت میں حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا تو میرے پاس کیوں نہ آیا؟ میں نے نماز میں مشغول ہونا ظاہر کیا۔ فرمایا کیا خدا تعالیٰ نے نہیں فرما دیا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ پھر فرمایا مسجد میں جانے سے قبل میں تجھے ایک عظیم الشان سورت بتاؤں گا۔ بالآخر جب حضور مسجد سے تشریف لیجانے لگے تو میں نے یاد دہانی کی۔ فرمایا (ہاں) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے حضور اقدس نے ارشاد فرمایا ام القرآن ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے (رواہ البخاری فی صحیحہ) ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سبع مثانی اور قرآن عظیم دونوں ایک ہی سورت کے نام ہیں اور وہ سورۂ فاتحہ ہے میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اور قرآن عظیم سے مراد باقی قرآن لیکن چونکہ بقول حسن بصری وحسب تصریحات علمائے تفسیر سورۂ حمد پورے قرآن کا نچوڑ ہے اور خلاصہ ہے اس قول پر تمام علماء کے اقوال میں مطابقت ہوجائے گی۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

ایک شبہ کیا جاتا ہے کہ یہ سورت (یعنی حجر) مکی ہے۔ اور سبع مثانی سے اگر سات طویل سورتیں مراد لی جائیں تو اُن میں سے اکثر مدنی ہیں۔ اور سورۂ فاتحہ مراد لی جائے تو وہ بھی قوی روایت کے بموجب مدنی ہے۔ پھر یہ کہاں تک صحیح ہے کہ جو سورتیں آئندہ نازل ہونے والی تھیں اُن کے متعلق پیشتر سے ہی کہدیا گیا کہ ہم نے تمکو عطا کردیں۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ترتیب نزول قابل اعتبار نہیں جیسا موقعہ ہوا اور جو ضرورت پیش آئی اُسی کے مطابق آیات واحکام کا نزول ہوا۔ اصل میں قابل اعتبار لوح محفوظ یا علم الٰہی کی ترتیب ہے اور علم الٰہی میں سورۃ الحمد یا سبع طوال اس سورت سے مقدم تھیں۔ اسی لئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے مسلمانو! (خطاب اگرچہ رسول اللہ کو ہے مگر روئے خطاب ہر مؤمن کی طرف ہے) تم کا فروں کے جفت در جفت مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو ان کے ایسے مال کی تمنا نہ کرو۔ کیونکہ ہم نے تم کو سرچشمۂ ہدایت اور مخزن تونگری دیدیا ہے۔ قرآن پاک اور خصوصًا قرآن کی وہ مخصوص سورتیں جن کو سبع مثانی کہا جاتا ہے تم کو عطا کی ہیں۔ کافروں کے تمام مال ومنال سے

قرآن کی ہدایات کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔

ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت میں دوسرے کے مال پر نظر ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس آیت کی وجہ نزول حضرت ابورافعؓ نے اس طرح بیان کی ہے ایک روز حضور اقدس ﷺ کے پاس کچھ مہمان آئے حضور ﷺ کے پاس اُن کی میزبانی کے لئے کچھ نہ تھا۔ مجھے حکم دیا کہ فلاں یہودی سے جاکر کہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ تم سے آٹا قرض طلب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ رجب کا چاند دیکھنے پر (قیمت) ادا کر دوں گا۔ میں نے یہودی سے جاکر کہا۔ اُس نے جواب دیا جب تک کوئی چیز گرو نہ رکھو میں نہیں دے سکتا۔ میں نے واپس آکر خدمت گرامی میں جواب عرض کر دیا۔ ارشاد فرمایا ہاں یہ تو قطعی بات ہے کہ وہ (خدا) جو آسمان و زمین میں ہے میں اُس کا امین ہوں۔ اگر وہ قرض دیدیتا تو میں (مقررہ وقت پر) ضرور ادا کرتا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (رواہ ابن ابی حاتم باسنادہ)

اس کے بعد فرماتا ہے کہ ان کافروں کی تباہی کا غم نہ کرو بلکہ مسلمانوں سے ہمدردی شفقت اور نرمی کرو یعنی اے نبی آپ کا کام سنانا سمجھانا اور برے بھلے کی خبر دیدینا ہے۔ جو لوگ راہ راست پر آجائیں اُن سے آپ ہمدردی کریں اور جو سرکشی کریں اُن کا غم نہ کریں تباہ ہوتے ہیں ہو جائیں۔ آپ کو اسکی فکر نہ کرنی چاہیئے

مقصود بیان :- دنیاداروں کی کثرت مال کی کوئی پرواہ نہ کرنا چاہیئے اُن کی دولتمندی کو دیکھ کر لالچ اور آرزو کو دل میں بھی نہ آنے دینا چاہیئے۔ روحانی سعادت اور قرآنی ہدایت مادی دولت سے کہیں وزنی ہے۔ ہمدردی اور شفقت کا انحصار محض مسلمانوں سے ہونا چاہیئے جو لوگ دشمن دین ہیں اُن کی ہمدردی خلاف شرع ہے۔ وغیرہ۔

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ

جسطرح ہم نے اُن لوگوں پر (عذاب) نازل کیا تھا جنہوں نے (کتاب الٰہی کے)

جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۚ فَوَرَبِّكَ

ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تو قسم ہے تمہارے رب کی

لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا

ہم ضرور ان سب سے ان کے اعمال کی باز پرس

يَعْمَلُوْنَ ۚ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ

کریں گے پس جو کچھ تم کو حکم دیا جارہا ہے اسکو کھول کر سنا دو

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ اِنَّا كَفَيْنٰكَ

اور مشرکوں سے اعراض کر لو تمہاری طرف سے

الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ

ان ہنسی اُڑانے والوں کو کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود

مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

قرار دیتے ہیں اُن کو آگے معلوم ہو جائے گا

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ

ہم کو معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تمہارے دل میں کبیدگی

بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

پیدا ہوتی ہے سو تم اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ وَاعْبُدْ رَبَّكَ

اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ اور وقت مرگ

حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۧ

آنے تک اپنے رب کی عبادت کرو

تفسیر مُقْتَسِمِيْنَ سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کے متعلق مختلف روایات اور متعدد اقوال ہیں:-

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کوئی بیرونی قافلہ مکہ میں آتا تو آپ شہر کے باہر تشریف لے جاکر اہل قافلہ سے ملتے اُن کو تبلیغ اسلام کرتے اور احکام الٰہی سناتے ایک مرتبہ موسم حج میں مکہ کے بارہ کفار (ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل، حارث بن قیس، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبد المطلب وغیرہ) نے باہم مشورہ کیا کہ مکہ کے بارہ راستے جدا جدا روک کر کھڑے ہو جاؤ۔ جو شخص بیرونی آئے اُسکو اسلام کی طرف سے متنفر کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مختلف اشخاص راستوں کے دہانوں پر کھڑے ہو گئے۔ جو شخص بیرونی اُدھر سے گذرتا اُسکو روکتے۔ رسول اللہ کے پاس جانے سے منع کرتے۔ کوئی حضورؐ کو کاہن کہتا کوئی کذاب کوئی شاعر اور کوئی جادوگر۔ ولید بن مغیرہ سب کا سردار تھا۔ یہ کعبہ کے دروازہ پر جاکر بیٹھ گیا اور جو شخص آکر راستہ والے

شیطان کی گفتگو اس کے سامنے نقل کرتا تو یہ اس کی تصدیق کرتا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجنبی لوگ حضورؐ کے پاس جانے سے رک گئے اور مکہ کے کافروں نے سرکار رعالی کا مذاق اُڑایا اور استہزاء کے طور پر قرآن کو بانٹنے لگے۔ کوئی کہتا مائدہ میں لونگا عنکبوت تجھے دونگا۔ کوئی کہتا آل عمران میری ہے بقرہ تیری ہے۔ انہی لوگوں کے حق میں ان آیات کا نزول ہوا۔

(۲) ابن عباس، مجاہد، حسن، ضحاک، عکرمہ، سعید بن جبیر اور بعض دیگر اکابر سے مروی ہے کہ مقتسمین سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے قرآن کے بعض حصوں کو مانا تھا اور بعض کو نہ مانا تھا۔ گویا قرآن کے حصے بخرے کر لئے تھے۔ یا قرآن سے انجیل و توراۃ مراد ہیں۔ علماء اہل کتاب نے توراۃ و انجیل کے وہ احکام جو اُن کے مطلب کے موافق تھے تسلیم کئے تھے۔ اُنہی کو لوگوں پر ظاہر بھی کرتے تھے اور جو آیات خواہش کے خلاف تھیں اُن کو چھپا لیتے یا بدل ڈالتے تھے یا مطلب اُلٹا بیان کرتے تھے۔ بہرحال کتب الٰہیہ کو انہوں نے پارہ پارہ کر دیا۔

اب ہم آیات کا تفسیری مطلب بیان کرتے ہیں:۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے ان کافروں کے لئے ایسا ہی عذاب مقرر کیا ہے جیسا اُن مقتسمین پر نازل کیا جنہوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر رکھا تھا۔ یعنی جن مقتسمین نے قرآن کی سورتوں کو بطور استہزاء ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا اور عنکبوت، مائدہ، آل عمران، البقرہ وغیرہ کا مذاق اڑاتے تھے۔ یا جن اہل کتاب نے اپنی مذہبی کتابوں کے بعض حصوں کو مانا اور بعض کو نہ مانا اور اس طرح اُن کتابوں کا شیرازہ منتشر کیا ان لوگوں کے لئے ہم نے عذاب نازل کیا۔ اسی طرح موجودہ کافروں میں سے اُن لوگوں کو ہم دُکھ کی مار دینگے جو تمہارا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ہم ان کے اعمال کی ان سے ضرور باز پرس کرینگے۔ انس بن مالکؓ کی روایت ہے حضورؐ نے آیت لَنَسْئَلَنَّهُمْ الخ کے متعلق فرمایا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے متعلق باز پرس ہوگی یعنی اعمال سے آیت میں توحید مراد ہے (رواہ الترمذی و ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن المنذر مرفوعًا و موقوفًا) ابن عمرؓ نے فرمایا کلمۂ توحید کی باز پرس سب سے ہوگی ابن عباسؓ نے فرمایا ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھی جن کے حرکات و سکنات توحید کے منکر تھے اور دوسروں کو بھی انہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنے سے روکا تھا اُن سے توحید کی باز پرس ہوگی اگر آیت کو عمومی اقوال و احوال پر محمول کیا جائے تب بھی مطلب میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اب حکم الٰہی کو علی الاعلان ظاہر کر دو یعنی کسی سے ڈرنے اور جھجکنے کی ضرورت نہیں۔ وقت آگیا ہے کہ احکام الٰہی کی تبلیغ بر سر عام کرو مشرکوں کا کچھ خیال مت کرو۔ ان کے استہزاء وغیرہ سے دلتنگ مت ہو۔ ابن عباسؓ کے قول سے ثابت ہے کہ اس آیت کے نزول سے قبل حضور اقدسؐ (موقع اور وقت کو دیکھ کر) چپکے چپکے تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ مصالح وقتی کے پیش نظر تبلیغ میں کمی بیشی فرماتے تھے) لیکن اس آیت کے نزول کے بعد حضورؐ اور حضور کے صحابہؓ علی الاعلان احکام الٰہی کا اظہار کرنے لگے۔ چونکہ ابتداء میں مسلمانوں کی حالت بہت ہی کمزور تھی اور تعداد بھی کالعدم تھی اسلئے حضورؐ کو اندیشہ تھا کہ اگر علی الاعلان توحید کا اظہار کیا گیا تو کفار میں سے عام لوگ مذاق اڑائینگے اور مجموعی طاقت کے ساتھ کمزور مسلمانوں کو دُکھ پہنچائیں گے اور بعض بیچاروں میں اذیت کفار کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اسلئے حضورؐ چپکے چپکے تبلیغ کو ہی مناسب خیال فرماتے تھے اور علی الاعلان اظہار کے لئے وقت خاص اور حکم خاص کے منتظر تھے۔ چنانچہ جب حکم اظہار مل گیا تو آپ نے علی رؤس الاشہاد تبلیغ شروع کر دی۔

اس سے آگے رسول پاکؐ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ تمہاری طرف سے ان ہنسی مذاق کرنے والوں کے لئے ہم کافی ہیں۔ عنقریب ان کو اپنی حرکات کے نتائج معلوم ہو جائینگے یہ دنیوی و اخروی عذاب کی دھمکی ہے چنانچہ یہ وعید پوری بھی ہوئی۔ اسود بن عبد یغوث استسقاء سے مرا۔ ولید بن مغیرہ کے ٹخنہ کے پاس زخم کا نشان تھا وہ اچھا ہو کر پھر پھول گیا اور پھر نکلا اور اسی تکلیف سے یہ مرگیا۔ عاص بن وائل کے تلوے میں کانٹا چبھ گیا اور اسی سے اُس کا انتقال ہوگیا۔ حارث بن قیس کے سر میں پیپ پڑ گئی اور وہ مر گیا (عروہ کی روایت میں حارث بن طلاطلہ ہے اور سعید بن جبیر کی روایت میں حارث بن غیطل اور عکرمہ کی روایت میں حارث بن قیس۔ درحقیقت حارث کے باپ کا نام قیس اور ماں کا نام غیطلہ یا طلاطلہ تھا) اسود بن المطلب یعنی ابو زمعہ اندھا ہو کر مرا۔ عام اہل تفسیر کا قول ہے کہ آیت میں یہی پانچوں سرداران کفر مراد ہیں مگر شعبی نے سات کا تذکرہ کیا ہے۔

چونکہ کفار کے استہزاء اور پیام حق کا مذاق اڑانے سے حضور اقدسؐ دلگیر ہو جاتے تھے اس لئے آگے بطور تسلی فرماتا ہے:

ہم واقف ہیں کہ ان کے استہزائیہ اقوال سے تم دلگیر ہو جاتے ہو مگر آپ کو کچھ فکر نہ کرنی چاہئے۔ بلکہ ان کے خیالات کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے وہ پاک پروردگار ہے

سی کی یا کی پر نظر کرو گے تو یہ انکار دور ہو جائیں گے۔

یقین سے مراد باجماع مفسرین موت ہے۔ بخاری نے بروایت سالم بن عبد اللہ بن عمر بیان کیا کہ یقین موت ہے۔ مجاہد، حسن قتادہ، عبد الرحمٰن بن زید وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔ بعض جاہل صوفیہ نے یقین سے مراد معرفت لی ہے۔ یعنی جب تک معرفت حاصل نہ ہو عبادت کرو۔ معرفت کے حصول کے بعد عبادت کی ضرورت نہیں۔ گویا عارف باللہ فرائض عبادت سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے اور حصول معرفت کے بعد وجوب عبادت ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر یہ انتہائی بے دینی اور جہالت ہے۔ اجماع مفسرین کے خلاف ہے حصولِ عرفان کے بعد تو نیو دیں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ فرائض کا سقوط ہونا تو بجائے خود رہا۔

مقصود بیان:- کل احکام الٰہی کو سچا ماننا فرض ہے۔ بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا کفر ہے۔ رسول پاک کی توہین کرنی اور ہنسی اڑانی موجب عذاب ہے۔ آدمی کی افتاد طبع ہی اس طور پر ہے کہ کلمۂ حق کو سننا گوارا نہیں کرتا بلکہ اپنے تخیلات، عقائد رسم و رواج اور عادات واطوار کو حق سمجھتا ہے۔ نیک اور سنجیدہ اقوال کی ہنسی اڑاتا ہے۔ عظیم الشان نبی بھی ان کی زبان درازیوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ لہذا موجودہ دور کے ان مسلمانوں پر بھی لازم ہے جو علم اصلاح بلند کرتے ہیں اور قوم کی حالت درست کرنی چاہتے ہیں کہ جاہلوں کی طعن تشنیع نکوہش و خوردہ گیری کی پرواہ نہ کریں بلکہ اصلاح کی کوشش کئے جائیں۔ آخری آیات سے واضح ہے کہ ہجوم انکار کے وقت عبادت کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اس سے سکون روح حاصل ہو جاتا ہے اور غموم و ہموم کی گھٹا چھٹ جاتی ہے۔ انسان جب تک زندہ ہے عبادت رہی واجب ہے اور اسی طریقہ سے واجب ہے جس طریقہ سے شریعت نے تعلیم دی ہے۔

سُوۡرَةُ النَّحۡلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشۡرُوۡنَ اٰيَةً وَّسِتَّ عَشَرَ رُكُوۡعًا

سورۂ نحل مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۲۸ آیتیں اور ۱۶ رکوع ہیں

اس سورت کا نام سورۂ نِعَم بھی ہے کیونکہ اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ اس میں بکثرت ہے۔ آغاز میں ہی گوناگون نعمتوں کا بیان کیا گیا ہے اس میں سولہ رکوع - ۱۲۸ آیات ۱۸۰۰ کلمات اور ۷۶۹۴ حروف ہیں۔

حسن بصری، عطاء، عکرمہ اور جابر کے قول کے موافق یہ پوری سورت مکی ہے۔ ابو زبیر اور ابن عباس نے آخر کی تین آیات یعنے

وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ سے تَعۡلَمُوۡنَ تک مستثنیٰ کی ہیں اور صراحت کی ہے کہ یہ آیات کو واحد سے واپسی کے وقت نازل ہوئیں۔ قتادہ نے پانچ آیات کا استثناء کیا ہے۔ یعنی آیت وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا فِى اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا اور ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا اور وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا سے آخر سورت تک۔ مقاتل نے ان پانچ کے ساتھ آیت مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ الخ اور ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرۡيَةً الخ کو بھی مکی ہونے سے خارج کیا ہے۔ بعض لوگ پوری سورت کو مدنی کہتے ہیں مگر یہ ضعیف قول ہے چونکہ شہد کی مکھی کا تذکرہ کرکے اللہ کی عظمت و کبریائی کو ثابت فرمایا ہے اسلئے اس سورت کا نام ہی سورۂ نحل ہو گیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ سُبۡحٰنَهٗ

اللہ کا حکم آپہنچا تم اس کی جلدی مت مچاؤ وہ پاک ہے

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝ يُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ

اور ان کی شرک انگیزیوں سے بالاتر ہے وہ اپنے بندوں میں سے

بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ

جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کو وحی دے کر

مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ

بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) آگاہ کردو کہ سوائے میرے

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ۝

کوئی معبود نہیں لہذا تم مجھ سے ڈرو

تفسیر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کو بار بار عذاب الٰہی اور روز قیامت سے ڈراتے تھے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ عنقریب دنیا میں ہی تم پر عذاب آنے والا ہے۔ علمبرداران کفر کو بھلا یقین کیوں آنے لگا تھا وہ کہتے محمد تم جس عذاب دنیا اور روز قیامت سے ہم کو ڈراتے ہو وہ کہاں ہے ابھی تو نہیں آیا اگر سچے ہو تو جلد سے جلد لاؤ ہم بھی دیکھیں کیا ہوتا ہے کافروں کا دوسرا قول یہ بھی تھا کہ اگر عذاب قیامت آ بھی گیا تو ہمارا کیا بگڑے گا

ہمارے ہزاروں سفارشی ہیں بکثرت دیوتاؤں کی ہم پرستش کرتے ہیں بھینٹ چڑھاتے ہیں نذریں دیتے ہیں وہ ہم کو عذاب سے بچا لینگے - اُن کا تیسرا قول یہ بھی تھا کہ اگر بالفرض ہم تم کو ہم سچا بھی مان لیں تو اس کی وجہ بتاؤ کہ فرشتے ہمارے پاس کیوں نہیں آتے ؟ ہم کو براہ راست عذاب کی اطلاع کیوں نہیں دی جاتی - تم کو ہم پر کیا ترجیح ہے کہ تمہارے پاس فرشتے اللہ کا پیام لیکر آتے ہیں اور ہمارے پاس نہیں آتے ؟ ان تینوں باتوں کا جواب مذکورہ آیات میں دیا گیا ہے -

حاصل ارشاد یہ ہے کہ عذاب الٰہی تم پر عالم غیب میں آچکا - خدا کا قطعی فیصلہ ہو چکا کہ تم پر عذاب آئیگا - یعنی قیامت کا آنا اور تم پر عذاب ہونا اتنا یقینی اور قطعی ہے کہ اُسکو آیا ہوا ہی سمجھو - یہ پہلے قول کا جواب ہو گیا رہا دیوتاؤں کا سفارشی ہونا اور باطل معبودوں کا عذاب الٰہی سے بچا لینا تو یہ ناممکن ہے - کیونکہ اللہ اپنی الوہیت ربوبیت کمال قدرت اور ہمہ گیر طاقت میں ہر طرح کے شرک سے پاک ہے - اُس کی ذات اور صفات کمالیہ میں اُس کا کوئی شریک نہیں - وہ مختار کل ہے - اُس کے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا - یہ دوسری بات کا جواب ہو گیا - اب رہی تیسری بات تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا ہر کس و ناکس کے پاس اپنے فرشتے نہیں بھیجا کرتا - جس میں تبلیغ اور دعوت توحید کی قابلیت ہوتی ہے اُنہی کے پاس فرشتے کلام الٰہی لیکر بحکم خدا آتے ہیں اور اُنہی کو نبی بنایا جاتا ہے -

تحقیق اجزاء اَتٰیٓ ماضی کا صیغہ ہے اور اَمْرُ اللّٰهِ سے مراد ابن کثیر کے نزدیک روز قیامت ہے اور عام مفسرین کے نزدیک عذاب خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں - بہرحال روز قیامت مراد ہو یا مطلقاً عذاب کوئی بھی نزول آیات کے وقت تک کا نزول نہ ہوا تھا - پھر ماضی کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ روز قیامت یا عذاب الٰہی عالم غیب میں آچکا تھا اور اللہ کا قطعی فیصلہ ہو چکا تھا کہ ایسا ضرور ہو گا اس لئے یقینی اور عنقریب ہونے والے امر کو بلفظ ماضی بالاغت آمیز طرز بیان کے ساتھ ظاہر کر دیا چنانچہ کتب صحاح میں مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضور گرامی نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر فرمایا قیامت میرے ساتھ یوں متصل ہے

مَلٰٓئِکَہ سے مراد حضرت جبرئیل ہیں - عظمت جبرئیل کا لحاظ کرتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا - کما قال ابن عباس۔

رُوْح سے مراد وحی ہے - وجہ یہ ہے کہ ہر جاندار کی زندگی روح ہے - کسی شخص کی جسمانی بقاء بغیر روح کے نہیں ہو سکتی - اسی طرح عقلی روحانی اور نورانی بقاء بھی بغیر وحی الٰہی اور قانون خداوندی کے ناممکن ہے عقل انسانی اور داخلی حواس انسان کو راہ اعتدال صحیح طور پر نہیں بتا سکتے ہمیشہ علوم کسبیہ میں غلطیاں ہوتی ہیں - آراء بشری کا اجتماع بھی کامل ہدایت اور بہرطور

اعتدال کا حامل نہیں ہوتا اس لئے قانون الٰہی اور وحی خداوندی کی ضرورت پڑی - خدا چونکہ گذشتہ موجودہ اور آئندہ کے تمام احوال سے واقف ہے وہ ہر قوم ہر ملک اور ہر طبقہ و زمانہ کی ضروریات کو جانتا ہے اُس کو کامل علم ہے کہ کون عقیدہ و عمل نوع بشر کو تباہ کرنے والا ہے اور کون نجات دلانے والا ہے اس لئے بغیر وحی الٰہی اور کتب سماوی کے دماغی تراشیدہ قوانین اور خود ساختہ ضوابط نجات کافی نہیں ہو سکتے - وحی اور آسمانی کتاب ہی نجات و فلاح کی واحد کفیل ہے - اُسی سے ابدی زندگی حاصل ہوتی ہے - وہی اس مادی کائنات کی جان اور نظام عالم کی روح ہے - وہی سرچشمہ حیات اور آفتاب جہان ہے - جو لوگ وحی ربانی سے مستفید نہیں ہوتے وہ نہ صرف اندھیرے میں ہیں بلکہ مُردہ ہیں۔

مقصود بیان :- آغاز آیت میں لطیف اشارہ ہے اس طرف کہ قیامت اتنی قریب ہے کہ اس کو آیا ہوا سمجھو - یہ یقین رکھو کہ عنقریب وقت عمل فوت ہوا جاتا ہے اس لئے جو کچھ کرنا ہے کر لو - پیام الٰہی اور آسمانی کتابیں عالم بشری کے لئے روح حیات اور سرچشمۂ زندگی ہیں - اس کائنات کی بقاء بغیر قوانین الٰہیہ کے ناممکن ہے - لفظ یُنَزِّلُ سے اس طرف اشارہ ہے کہ پیام الٰہی کا دفعۃً اور ایک دم نازل ہو جانا کافی نہیں بلکہ ضروریات زمانہ اور حوائج طبقات کی چگونگی کا لحاظ کرتے ہوئے رفتہ رفتہ تدریجی احکام خداوندی کا نازل ہونا ضروری ہے - عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ نبوت کسبی نہیں جو زہد و عبادت اور تقوی و ریاضت سے حاصل ہو جائے - بلکہ محض عطیۂ الٰہیہ ہے - اللہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے - مگر نبی میں عبودیت خصوصی کا ہونا ضروری ہے - کسی بددین مغرور مشرک کو نبوت نہیں ملا کرتی - اَنْ اَنْذِرُوْٓا سے غرض بعثت کا اظہار مقصود ہے کہ نبی کو بھیجنا احکام و قوانین کا نازل کرنا صرف دو مقاصد کے لئے ہے - عقیدہ کی اصلاح ہو جائے اور عمل درست ہو جائیں - اللہ کی توحید کا عقیدہ لوگوں کے دلوں میں جم جائے اور وہ بد اعمالی چھوڑ کر خدا سے ڈرنے لگیں - گویا انسان کی نظری اور عملی قوتوں کی اصلاح مقصود نبوت ہے - مجموعہ آیات کا مقصد یہ ہے کہ اللہ ایک ہے - ہر طرح کے شرک سے پاک ہے - مختار کل ہے - جسکو چاہتا ہے نبی بناتا ہے - مگر نبی میں عبودیت شرط ہے - وہ اپنے بندوں پر اس قدر مہربان ہے کہ اُن کے عقیدہ و عمل کی اصلاح کے لئے اُس نے قوانین بھیجے - کتابیں نازل کیں - فرشتوں کے ذریعہ سے منوا لینا قصد کیا - اس پر بھی اگر کوئی گمراہ نہ مانے تو نتیجہ برداشت کرنے کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے جو بہت قریب ہے -

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت سے پیدا کیا

عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن

اُن کی شرک انگیزیوں سے بالاتر ہے۔ اُس نے آدمی کو نطفہ سے

نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَالْأَنْعَامَ

پیدا کیا مگر وہ یکایک کھلم کھلا جھگڑنے لگا اور اسی نے چوپایوں کو

خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا

پیدا کیا تمہارے لئے اُن میں جاڑے کا سامان اور بہت سے فائدے ہیں اور اُن میں سے

تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ

تم کھاتے ہو اور جب شام کو جنگل سے اُن کو لاتے ہو اور چرانے کو

وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ

لیجاتے ہو تو تمہارے لئے اُن سے رونق ہوتی ہے اور وہ ایسی بستیوں تک تمہارا سامان

بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ

اٹھا لے جاتے ہیں کہ جہاں تک تم بغیر جان کاہی کے نہیں پہنچ سکتے ہو

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَ

واقعی تمہارا رب بڑا شفیق و مہربان ہے اور گھوڑے اور

الْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً

خچر اور گدھے بھی اُس نے تمہاری سواری اور زیبائش کے لئے پیدا کئے

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ

اور وہ اُن چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن سے تم ناواقف ہو اور اللہ تک کوئی راہ

السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ وَلَوْ شَاءَ

سیدھی پہنچتی ہے اور کوئی راستہ ٹیڑھا بھی ہے اور اگر وہ چاہتا

لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ ع

تو تم سب کو ہدایت کر دیتا

تفسیر اوپر کی آیت میں بیان کیا تھا کہ اللہ ... وہ اپنی وحی اپنے انبیاء رسل کے پاس بھیجتا ہے ...

نبوت دو چیزیں ہیں اصلاح توحید اور اصلاح اعمال۔ ان آیات سے لیکر دوسرے رکوع تک توحید کا اثبات فرماتا ہے جس کے ذیل میں ضرورت نبوت پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے۔ توحید کے دلائل کا بیان چند طور پر کیا گیا ہے اور ہر نوع ایک طرز خاص کی حامل ہے۔

(۱) اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک اندازہ پر پوری حکمت و قوت کے ساتھ بنایا۔ اُن کی ہیئت صورت کیفیت کمیت مزاج خواص سب کچھ ویسے ہی رکھے جیسے ہونے چاہئے تھے۔ پھر ان کو رائگاں نہیں بنایا۔ ان کی تخلیق کسی خاص مقصد کی مظہر ہے۔ طبقات سماوی و ارضی کا تعدد اور ہر طبقہ کی جدا جدا کیفیت و خاصیت اپنے اندر مخصوص فوائد رکھتی ہے۔ کیا کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے اس طرح کی کوئی چیز بنائی ہو یا اس کے بنانے میں دخل دیا ہو۔ جب اللہ کے سوا کوئی اور خالق نہیں تو لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک اور بے ہمتا ہے۔

(۲) اللہ نے انسان کو ایک بے مقدار ذلیل بوند سے بنایا۔ نطفہ تھا اُس کا خون بنا۔ خون کا لوتھڑا اور لوتھڑے کا جسم تیار ہوا۔ پھر جسم کے اندرونی و بیرونی اعضاء کی تشکیل ہوئی۔ ہر عضو کو اُس کے مقام پر رکھا ظاہری اور باطنی حواس پیدا کئے۔ عقل کی روشنی سے اُس کے دماغ کو منور کیا اور روح حیات پھونک کر جیتا جاگتا انسان بنا ڈالا۔ پھر یہی لایعقل جامد بے حس اور بے جان مادہ سے بنا ہوا انسان اپنی تخلیق اور کیفیت تخلیق کو بھول کر اللہ کی کارسازی وحدانیت ربوبیت یہاں تک کہ اُس کی ہستی میں جھگڑنے لگا۔ کسی نے خدا کو مجبور محض جانا۔ کسی نے ایک کی بجائے متعدد خدا بنا لئے اور کسی نے یہاں تک رسائی کی کہ اللہ کے وجود ہی کا انکار کر دیا۔ کیا انسان کی مادی اور علمی تخلیق۔ ایجاد اور ترقی اپنی زبان فطرت سے اللہ کی وحدانیت ہمہ گیر طاقت اور بے ہمتا و لاشریک ذات پر شہادت نہیں دے رہی ہے۔ کیا انسان کو بنانے والا علم عطا کرنے والا اور علم میں ترقی دینے والا کوئی اور بھی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ جھگڑا کیوں ہے۔

مفسر معالم وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ابی بن خلف کے حق میں ہوا جو قریش کا ایک بڑا سردار تھا اور جنگ احد میں حضور اقدس کے دست مبارک کا ایک برچھا خفیف طور پر اس کے لگا تھا لیکن اسی خفیف زخم کی تکلیف سے بطن رابغ میں پہنچ کر اس کا انتقال ہو گیا یہ کہا کرتا تھا کہ جب ہڈیاں بوسیدہ فرسودہ اور ریزہ ریزہ ہو گئیں تو پھر ان کو کون زندہ کر سکتا ہے۔ مگر میں نے اس سبب نزول کا ذکر کیا ہے ... اہل تفسیر نے دوسری روایات متعلق آیت مذکورہ کا نزول بیان کیا ہے۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ... خاص شخص ... [illegible]

حکم میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ جو شخص قدرت الٰہی کا انکار یا وحدانیت و ربوبیت میں شبہہ اور تخلیق ثانی کے متعلق شک کریگا وہ عموم حکم میں داخل ہوگا۔

(۳) اللہ نے بھیڑیں بکریاں گائیں اور اونٹ وغیرہ مویشی بنائے اور انسان کے فائدے کے لئے بنائے۔ موٹے موٹے چار فوائد تو ہر شخص جانتا ہے مثلاً بھیڑ اور اونٹ وغیرہ کے اُون سے سردی سے بچنے کے لئے لباس تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت منافع ہیں۔ ان کا دودھ پیا جاتا ہے گوشت کھایا جاتا ہے۔ چربی علاوہ کھانے کے دوسرے کاموں میں آتی ہے۔ پھر ایک نمایاں فائدہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس مویشی بکثرت ہوتے ہیں تو اُس کو ایک خاص امتیاز اور عزت حاصل ہوتی ہے صبح کو اُس کے جانور جنگل کو چرنے جاتے ہیں شام کو واپس آتے ہیں۔ چرواہے اُن کو لاتے اور لے جاتے ہیں۔ مالک سربراہ اپنی چوپال میں بیٹھا دیکھتا ہوتا ہے اور خاص شان رکھتا ہے (ہندوستان کے دیہات اور عرب کے پورے ملک میں مذکورہ منظر دیکھا جاتا ہے۔ البتہ شہروں کے اندر رہنے والے کثرت آبادی اور جگہ کی کمی کی وجہ سے بکثرت مویشی نہیں پال سکتے اور نہ مویشیوں کی کثرت اُن کے نزدیک کوئی قابلِ امتیاز خصوصیت ہے نہ اس کو وہ دولتمندی اور سرمایہ داری کا مظاہرہ خیال کرتے ہیں۔ مگر دیہاتی اور غیر متمدن آبادیوں کے رہنے والوں سے پوچھو جن کے رہنے کے لئے نہ فلک بوس کوٹھیاں ہیں نہ سفر کرنے کے لئے موٹر اور ہوائی جہاز نہ بیمہ میسری نوٹوں کے بند کرنے کے لئے لوہے کی الماریاں اور صندوق۔ لیکن اس کے باوجود چوپایوں کا گوشت کھانے دودھ پینے اور اُن کے اُون سے گرم لباس بنائے جانے کا مہذب دنیا والے بھی انکار نہیں کر سکتے) چوتھا فائدہ یہ ہے کہ مویشی باربرداری کے کام آتے ہیں اونٹ وغیرہ کے ذریعہ سے آدمی اپنا اسباب تجارت یا سامانِ ضرورت لاد کر ایسے ایسے مقامات پر پہنچ جاتا ہے جہاں پیادہ چلنے اور سر پر بوجھ اٹھا کر لے جانے یا کسی اور ترکیب سے پہنچنے میں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے (اس زمانہ میں اگرچہ موٹریں بسیں اور لوڈنگ کاریں نکل آئی ہیں مگر نرم اور ریتلی زمینوں میں اب بھی یہ زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوتیں۔ وہاں اونٹ اور اس جیسے دوسرے جانور ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔)

(۴) اللہ نے گھوڑے گدھے خچر بھی تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کئے۔ اُن کے نمایاں فائدے دو ہیں۔ تمہاری سواری کے کام آتے ہیں اور ان سے تمہاری شان شوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ گھوڑوں اور خچروں سے تو اس زمانہ میں بھی دونوں فوائد وابستہ ہیں اگر گدھے پر سوار ہونے کا رواج متروک ہو چکا ہے۔ حضور اقدس کے زمانہ میں ملک عرب میں شرفاء گدھوں کو بھی سواری کے کام میں لاتے تھے اور اس کو عار نہ سمجھتے تھے۔ ممکن ہے بعض ممالک میں اب بھی گدھے کی سواری کا رواج ہو۔ اگر اللہ ان جانوروں کو پیدا نہ کرتا یا پیدا کرتا اور سواری کے قابل جسمانی ساخت اُن کو نہ دیتا تو ظاہر ہے کہ یہ فوائد انسان کو حاصل نہ ہوتے۔ اس کے بعد اجمالاً اشارہ اُن جانوروں اور سواریوں کی طرف بھی کر دیا جن پر سوار ہونے کا اُس زمانے میں عرب میں رواج نہ تھا یا نزولِ قرآن کے وقت تک اُن کی ایجاد ہی نہ ہوئی تھی۔ مثلاً ہاتھی، ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ۔

مذکورۂ بالا چاروں دلائل توحید کو ثابت کرنے کے لئے بیان کئے گئے لیکن فی الجملہ نبوت کا ثبوت بھی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب خلاق عالم سوا خدا کے اور کوئی نہیں اور بقاءِ جسمانی میں بھی انسان اللہ ہی کا محتاج ہے بلکہ معمولی جسمانی آسائش کا سامان بھی اُس کو اللہ ہی دیتا ہے اور اللہ ہی نے دیا ہے تو کس قدر بعید از عقل و عدل ہوتی یہ بات کہ خدا تعالیٰ انسانی عقلوں کو مطلق العنان، حواس کو بے مہار اور عملی قوتوں کو آزاد چھوڑ دیتا انسان کی علمی و عملی اصلاح کے لئے قوانین نہ بتاتا اور ضوابط نہ بھیجتا۔ اسی مطلب کی صراحت آئندہ آیت میں فرمائی کہ اللہ تک پہنچنے کے راستے مختلف ہو سکتے ہیں۔ کوئی سیدھا کوئی ٹیڑھا۔ سیدھا راستہ اللہ تک بسہولت پہنچا دیگا۔ ٹیڑھا راستہ یا تو کبھی نہ پہنچائے گا یا پہنچائیگا تو پیچ در پیچ کے بعد۔ جہاں خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا پرورش کیا۔ اُسکی بدنی بقاء و آسائش کے سامان بنائے وہاں یہ بھی لازم تھا کہ اصل مقصد یعنی اپنی بارگاہ قدس تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بھی بتا دیتا اور یہ رہنمائی بغیر انبیاء کے ناممکن تھی۔ اس لئے نبوت، وحی اور احکام الٰہیہ کا نزول لازم قرار پایا۔ اب رہی یہ بات کہ اللہ کو احکام نازل کرنے اور انبیاء کو مبعوث فرمانے ہی کی کیا ضرورت تھی۔ وہ سب کو بلاواسطہ ہدایت کر دیتا کوئی گمراہ ہی نہ رہتا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ ہاں بیشک وہ قادر ہے۔ اُس کی مشیت ہوتی تو کوئی گمراہ ہی نہ ہوتا (مگر انسانی اختیار کا مقتضا یہ تھا کہ صرف رہنمائی کر دی جائے۔ راستے پر چلنا نہ چلنا انسانی اختیار پر چھوڑ دیا۔)

چند مسائل

اللہ نے گھوڑے کو سواری کے لئے پیدا کیا ہے لہٰذا اسے کہا ہے کہ گھوڑوں کی دوڑ جائز ہے اگر اس میں جوا نہ ہو۔ اگر تیسرا آدمی دو سواروں سے بطور انعام کہے کہ جو شخص آگے نکل جائے گا اُس کو فلاں چیز انعام دونگا تو یہ جائز ہے گھوڑے باعث تجمل بھی ہیں مگر فخر نہیں ہوتا ... اور نمائش کے لئے تو ہر قسم کی دولت اور اسباب دولت ناجائز ہے ... بنا بریں ... حدیث میں آیا ہے کہ جس نے فخر و نمائش کیلئے گھوڑے پالے تو وہ اُس کے لئے وبال ہوں گے۔ زینت ...

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدا نے ان کو آدمیوں کے باہم تفاخر کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ گھوڑے گدھے خچر ہم نے اس لئے پیدا کئے کہ تم اُن پر سوار ہو اور اُن کو ہم نے زینت بنایا۔ یوں نہیں فرمایا کہ ان جانوروں کو ہم نے اس لئے پیدا کیا کہ تم باہم ان کو زینت کا سبب بناؤ۔ فطرتاً زینت ہونے اور زینت بنانے میں بڑا فرق ہے ستھرائی صفائی پاکیزگی جائز ہے مگر آرائش زیبائش غرور و تمکنت کے اظہار کے لئے حرام ہے۔ چونکہ گدھوں اور خچروں کے ساتھ خدا تعالیٰ نے گھوڑوں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور خچر و گدھے کا گوشت بالاتفاق حرام ہے اس لئے ابوحنیفہ رہ، مالک رح، اوزاعی رح، مجاہد رح اور ابوعبیدہ وغیرہ نے گھوڑے کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔

ابن عباس رضؓ نے بھی فرمایا کہ مذکورۃ الصدر انعام تو کھانے کے لئے ہیں اور مؤخر الذکر جانور سواری کے لئے۔

ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے خالد بن ولید رضؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضورؐ نے خیل، بغال اور حمیر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے

مقصود بیان:- توحید کا صراحۃً اور نبوت و رسالت کا ضمناً ثبوت عمومی اور خصوصی دلائل کی تفصیل، انعامات الٰہیہ کا تذکرہ اور اس بات کی طرف لطیف اشارہ کہ تخلیق عالم کی غرض محض ذات انسانی ہے اس ضابطۂ قرآنی کی جانب بھی فی الجملہ اشارہ کہ مقصد قرآن یہ نہیں کہ عالم کی تحلیلی و ترکیبی حقیقت اور کیمیکل اجزا بیان کرے بلکہ اصل مقصد فزیکل ہے۔ قرآن لِم اور ماہیت نہیں بیان کرتا بلکہ اس کے دلائل مرتبہ ہوتے ہیں یعنی کائنات کے فوائد اور مصالح بیان کرتا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ کائنات کے لئے بہت سی چیزیں پیدا کی ہیں اور آئندہ ایسی چیزیں پیدا کرے گا جو اُس کے علم میں ہیں۔ وغیرہ۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
اُسی نے آسمان سے پانی اُتارا

لَكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ
جس میں سے کچھ تو تم پیتے ہو اور کچھ حصہ سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن کو

تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ
تم چراتے ہو وہ پانی تمہارے لئے کھیتی اور

الزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ
زیتون اور کھجوروں کے درخت اور انگور اور

كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے اس میں غور کرنے والی قوم کے لئے واقعی

يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
نشان قدرت ہے اُس نے رات کو اور دن کو سورج کو اور چاند کو

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ
تمہارے کام پر چلایا اور ستارے بھی اُس کے حکم کے

بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
تابع ہیں واقعی سمجھدار قوم کے لئے اس میں نشانہائے

يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ
قدرت ہیں اور جو کچھ تمہارے لئے زمین میں پیدا کیا

مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
اُس کی رنگتیں مختلف ہیں اس میں بھی واقعی سوچنے والی قوم

لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝
کے لئے نشان قدرت ہے

تفسیر (۵) تخلیق انسانی وحیوانی سے الوہیت پر استدلال کر لینے کے بعد نباتات سے استدلال فرماتا ہے۔ نباتات اور سبزہ کی پیدائش پانی سے ہوتی ہے اور پانی کے لئے برسات ہونی ضروری ہے کیونکہ برسات نہ ہو تو کنوئیں نہریں تالاب اور چشمے بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ پانی آسمان سے آتا ہے یا ابر سے برستا ہے طبعیات کے ماہر تو شق ثانی ہی کے قائل ہیں۔ اُن کا قول ہے کہ دریاؤں سے بخارات اُٹھ کر جب ہوا کے سرد طبقہ میں پہنچتے ہیں اور وہاں پہنچکر سرد ہو جاتے ہیں تو پانی کی شکل اختیار کر کے نیچے ٹپکتے ہیں۔ اسی کو مینہ کہا جاتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی نظر مادی اسباب سے بلند ہے۔ اس لئے وہ مادی اسباب کا تو منکر نہیں مگر ساتھ ہی سارا اصل سبب حکم الٰہی کو قرار دیتا ہے اور حکم الٰہی آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اس لئے شق اول کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ پانی سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اول تو انسان، حیوان، پرند چرند وغیرہ کے پینے کے کام آتا ہے۔ دوم جانوروں کا چارہ بھی اسی سے

جو بیلدار نہ ہو
پیدا ہوتا ہے۔ عام اہل لغت کے نزدیک شجر اس پودہ کو کہتے ہیں جس کی ڈنڈی ہو۔ اور نجم اس پودہ کو کہتے ہیں جسکی بیل زمین پر پھیلی ہو ڈنڈی پر اس کا قیام نہ ہو۔ لیکن زجاج کا قول ہے کہ جو چیز زمین سے اُگے وہ سب شجر کہلاتی ہے۔ سویم کھیتیاں بھی پانی ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ چہارم ہر قسم کے پھل مثلاً زیتون کھجور اور انگور وغیرہ کی پیدائش بھی پانی ہی پر موقوف ہے۔ نظر و فکر اور غور و خوض کرنے والوں کے لئے اس سلسلۂ تنظیم میں قدرت و الوہیت کے قوی ترین دلائل موجود ہیں۔ تمام بصیرت ہے کہ انسان و حیوان کے بدن کی اصلی رطوبت چونکہ نقل و حرکت کی وجہ سے ہر وقت تحلیل ہوتی رہتی ہے اس لئے اگر تحلیل شدہ رطوبت کا عوض اسکو نہ پہنچتا رہے تو چند روز میں فنا ہو جانا یقینی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کی بقا کے لئے سمندروں سے بخارات اٹھائے۔ اُن کا پانی بنایا اور پانی ہر جگہ برسایا تاکہ جاندار مخلوق اس کو پئے پلائے اور زندہ رہ سکے۔ اگر خدا سمندروں سے بخارات نہ اٹھاتا تو ہر جگہ پانی کیسے پہنچتا پھر فقط رطوبت طبعیہ کی امداد ہی کافی نہ تھی بلکہ انسان کی طبعی حرارت چونکہ ہر وقت صرف ہوتی ہے اگر اسکو مددگار اور عوض نہ ملے تو چند ہی دن میں انسان مر جائے اس لئے ہر شخص کے لئے غذا کی فراہمی بھی ضروری تھی۔ غذا دو قسم کی ہے نباتی یا حیوانی۔ نباتی غذا میں ہر قسم کا غلہ، مختلف پھل، ہر طرح کی سبزی وغیرہ داخل ہے۔ اور حیوانی غذا گوشت دودھ، دہی مکھن وغیرہ ہے۔ اللہ نے مینہ برسا کر ہر طرح کی سبزی پھل پھول غلہ وغیرہ پیدا کیا جسکو براہ راست انسان نے اپنی غذا بنایا اور اسی سے حیوان کی بھی پرورش ہوئی اور پھر حیوان سے انسان کی غذا بنی۔ یہ تمام اسباب انسان کی پرورش اور بقا کے لئے فراہم کئے۔ لیکن اس کو سمجھنے کے لئے بصیرت کوش دماغ کی ضرورت ہے۔

(۶) انسانی پرورش و بقا کے لئے فقط پانی ہی کافی نہ تھا کیونکہ پانی سے اگرچہ سبزہ پیدا ہوتا اور سبزہ سے حیوانی و انسانی پرورش ہوتی ہے مگر اول تو فقط پانی سبزہ کی پرورش کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ پانی محض مرطوب عنصر ہے اور فقط رطوبت بغیر حرارت کے نشو و نما نہیں کر سکتی۔ لامحالہ تخلیق، تربیت اور نشو و نما کے لئے حرارت کی بھی ضرورت ہوئی اور حرارت پیدا ہوتی ہے آفتاب ماہتاب اور دیگر ستاروں کی روشنی سے۔ گویا نباتی پرورش کے لئے جس طرح پانی ضروری ہے اُسی طرح چاند سورج اور دوسر ستاروں کا وجود بھی لازم ہے۔ اس کے علاوہ اگر مان بھی لیا جائے کہ سبزہ کی پیدائش صرف پانی سے ہو جاتی ہے اور چاند سورج وغیرہ کی اس کے لئے ضرورت نہیں تب بھی انسان محض نباتی و حیوانی غذا سے زندہ نہیں رہ سکتا اس کے لئے کاروبار کی تکمیل، حرکت و سکون کی تنظیم، سردی و گرمی کا حصول تاریکی و روشنی کا تبادل، فصلوں کا انقلاب اور دیگر اسباب معیشت کی فراہمی ضروری ہے۔ اس کے لئے خدا تعالیٰ نے بالائی مخلوق کو پیدا کیا۔ چاند سورج بنائے۔ تمام ستاروں کو انسان کے کام پر لگایا۔ یہ تمام دلائل قدرت ہیں براہین الوہیت ہیں، آثار ربوبیت ہیں اور علامات توحید ہیں مگر انہی لوگوں کے لئے جن کو فہم و دانائی کا کوئی حصہ ملا ہے۔ جو عقل و بصیرت رکھتے ہیں، جو سمجھتے سوچتے اور غور و خوض کرتے ہیں۔

(۷) نباتات سے استدلال کرنے کے بعد اب معدنیات سے ثبوت الوہیت فرماتا ہے۔ اللہ نے انسان کے فائدہ کے لئے زمین میں طرح طرح اور رنگ رنگ کی چیزیں پیدا کیں۔ ہر قسم کے پتھر، جواہر، سونا چاندی، تانبا، لوہا، کوئلہ، گندک اور گوناگون دوائیاں زمین ہی سے نکالیں جن سے انسانی زندگی وابستہ ہے۔ اور ہر چیز براہ راست یا بالواسطہ آدمی کے کام آتی ہے۔ کوئی دوا ہے کوئی غذا کوئی سامان زینت کوئی سبب تمول۔ مگر اس کو سمجھنے کے لئے روشن دماغ کی ضرورت ہے

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ
اُس نے سمندر کو تابع حکم بنایا تاکہ تم اُس میں سے

لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً
تازہ گوشت کھاؤ اور زیور نکالو

تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ
جس کو تم پہنتے ہو تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو پھاڑتی دریا میں

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝
چلی جاتی ہیں مناسب ہے کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور شکر ادا کرو

وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ
اُس نے زمین میں پہاڑوں کو جما دیا تاکہ زمین تم کو لیکر نہ جھکے

وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَ
اور نہریں اور راستے بنائے تاکہ تم کو راہ مل جائے اور

عَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝ أَفَمَنْ
بہتیری نشانیاں بنائیں اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں جو

يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝
پیدا کرتا ہے کیا اُس کی طرح ہو جائیگا جو پیدا نہیں کر سکتا کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو گے تو گن نہ سکو گے بلاشبہہ

اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝

اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر (۸) اللہ کی الوہیت کاملہ اور وحدانیت بے ہمتا کے دلائل میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اُس نے انسانوں کے کام پر سمندر کو لگا دیا۔ سمندر کس مادہ سے بنا؟ کیسے بنا؟ کب بنا؟ کسی کو اس کا علم نہیں۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ بنا اور زمین کے تین حصوں کو چھپائے ہوئے ہے۔ زمین کا چوتھائی حصہ پانی سے اُبھرا ہوا ہے جس پر پہاڑ، ریگستان بیابان، جنگل اور انسان و حیوان کی بستی ہے۔ سمندر کا پانی کہیں آلات پیمائش سے ناپا جا سکتا ہے اور کہیں بے انتہا ہے۔ عظیم الشان سمندروں کے اندر خدا تعالیٰ نے بکثرت جانور پیدا کئے۔ جن میں قابل خصوصیت مچھلی ہے۔ مچھلی کا تازہ گوشت انسان کھاتا ہے۔ پھر سمندر ہی سے موتی، مونگا اور سیپ برآمد ہوتی ہے جسکو غیر مسلم مرد اور مسلمان عورتیں بطور زیور استعمال کرتی ہیں۔ مزید براں سمندر میں کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں ایسے جلیل الشان پانی کو چیرتے چلے جاتے ہیں۔ جہاز پر سفر کرنے والے طلب معاش اور بغرض کاروبار کے لئے ہدھر چاہتے ہیں جاتے ہیں۔ ہزاروں میل لمبے اور بیسیوں میل گہرے سمندر کو طے کر لیتے ہیں۔ ہزاروں ٹن وزنی جہازوں کا بوجھ پانی اٹھاتا ہے اور انسان صحیح سلامت منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ اگر اللہ کا وجود نہیں یا اُس کا کوئی اور شریک ہے تو اُس کا بھی ایسا ہی عمل اور اسی طرح کی تخلیق ہونی چاہیئے۔

چند مسائل تَحۡمًا طَرِيًّا سے مراد مچھلی ہے۔ اسی بناء پر امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے گوشت کھانے کی قسم کھائی اور پھر مچھلی کھا لی تو اُس کی قسم ٹوٹ گئی۔ لیکن علماء حنفیہ و شافعیہ کے اقوال کے بموجب قسم نہ ٹوٹے گی۔ کیونکہ قسم کا مدار قسم کھانے والے کی نیت پر ہوتا ہے اور عموماً اہل عرف گوشت اُسی کو سمجھتے ہیں جس کی پیدائش خون سے ہوتی ہے۔ لہذا مچھلی گوشت نہیں۔

موتی، مونگا وغیرہ زیور میں داخل ہیں۔ لہذا ان کی زکوٰۃ بھی لازم ہے اور مردوں کے لئے ان کو پہننا حرام ہے۔

لفظ تَلۡبَسُوۡنَهَا میں خطاب مردوں کو ہے کیونکہ جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ شاید موتی کا زیور پہننا مردوں کے لئے جائز ہے۔ لیکن یہ شبہہ بے اصل ہے۔ کیونکہ تَلۡبَسُوۡنَهَا میں افرادِ انسانی کو خطاب ہے جن میں عورتیں بھی داخل ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ عورتیں پہنتی ہیں اور تمہارے لئے پہنتی ہیں۔

(۹) اللہ کی کیسی قدرت باہرہ ہے کہ زمین کو وزنی اور سخت بنانے کے لئے اُس نے پہاڑوں کی میخیں قائم کیں۔ جا بجا دریا جاری فرمائے۔ ہر حصہ میں راستے بنائے۔ مسافروں کی آمد و رفت کے لئے راستوں کی شناخت کی علامات مقرر فرمائیں۔ پھر راستے اور سمت معلوم کرنے کے لئے ستاروں کا طلوع غروب اور مطلع و مغرب معین فرمایا۔ بیابان جنگلوں میں نہ سمت کا پتہ چلتا ہے نہ راستہ کا۔ بادیہ گرد ستاروں سے سمت کی شناخت کرتے ہیں یہ تمام کی تمام اللہ کی نعمتیں ہیں۔

آخر میں فرماتا ہے کہ دیکھو اور غور کرو کہ جو خالق کل ہے کیا اُس کی طرح کوئی چیز ہو سکتی ہے؟ قوت تخلیق نہ رکھنے والے خلاق بے ہمتا کے ساتھ الوہیت و ربوبیت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ فقط مذکورہ بالا نعمتیں ہی خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نہیں ہیں بلکہ اُس کی نعمتیں تو حد حساب اور احاطۂ فہم سے بھی خارج ہیں۔

ایک شبہہ اور اُس کا ازالہ زمین پر پہاڑوں کی میخیں اللہ نے قائم کیں تاکہ پہاڑوں کے دباؤ سے نہ ہل سکے کیونکہ جس طرح خالی کشتی ادھر اُدھر ہلا کرتی ہے اور جب اُس میں کچھ بوجھ پتھر وغیرہ ڈال دیے جاتے ہیں تو اُس کا اضطراب جاتا رہتا ہے۔ یہی حال زمین کا تھا۔ پھر جب خدا نے پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا تو ہلنے سے رک گئی۔

اس ظاہری مطلب پر چند اعتراض کئے جاتے ہیں (۱) جس طرح پانی اپنی جگہ پر میل طبعی کی وجہ سے ٹھیرا ہوا ہے تو زمین کو بدرجۂ اولیٰ اپنے طبعی حیز پر ٹھہرنا چاہیئے۔ کیونکہ زمین پانی سے زیادہ وزنی ہے کشتی سے تشبیہ دینا غلط ہے کشتی پانی پر ہوتی ہے۔ مگر زمین پانی پر نہیں بلکہ پانی کے وسط میں ہے۔ (۲) اگر باوجود اس جسامت اور ثقل کے زمین کی طبیعت میں سکون نہ تھا تو پہاڑ بھی تو زمین ہی کے اجزاء ہیں۔ پہاڑوں کی طبیعت میں سکون کہاں سے آگیا۔ (۳) پھر یہ بھی ثابت کرنا ضروری ہے کہ پہاڑوں کی تخلیق زمین کے بعد ہوئی ہے پہلے زمین لرزاں تھی۔ پہاڑوں کے قائم ہونے سے اُس کا اضطراب دور ہو گیا۔ (۴) طبقات الارض کے ماہرین اور حقائق کائنات کا اس زمانہ میں اس امر پر اجماع ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے اور سرعت و تیزی کی وجہ سے اُس کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ پھر یہ قرآنی صراحت کس طرح پر صحیح تسلیم کی جا سکتی ہے؟

ان سب اعتراضات کا جواب بالکل صاف ہے۔ درحقیقت آیت کی غلط تشریح کرنے سے یہ اعتراضات پیدا ہوئے ہیں۔ قرآن کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اگر زمین کو ہلکا بناتا تو اُس کو دائرہ اور حیز میں قرار نہ ہوتا بلکہ ادھر اُدھر ہلتی جلتی اور اضطراب ہوتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ

نے اُس کے اندر بعض اجزاء ایسے رکھے جن کے وزن اور ثقل کی وجہ سے زمین میں اضطراب نہیں ہو سکتا۔ انہی وزنی اجزاء کا نام پہاڑ ہے۔ گویا زمین کی ساخت ہوا کی ساخت کی طرح نہیں کہ اِدھر اُدھر حرکت کرتی رہے بلکہ پانی سے بھی زیادہ ثقل اس میں پیدا کیا۔ اس تقریر سے علاوہ مذکورۃ الصدر تینوں اعتراضات کے حل ہونے کے چوتھا اعتراض بھی رفع ہو گیا۔ کیونکہ دَورِ حاضر کے ماہرین زمین کے اندر اپنی اور مکانی حرکت کے تو قائل ہی نہیں نہ وہ زمین میں اضطراب تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کا یہ نظریہ ہرگز نہیں کہ زمین اپنا دائرہ اور حیز چھوڑ کر انتقالِ مکانی کرتی ہے بلکہ وہ زمین میں دَوری حرکت مانتے ہیں اور دَوری حرکت اضطرابی حرکت نہیں کہلاتی اور نہ اس سے سطح پر رہنے والے مضطرب التحرکات ہو سکتے ہیں

مقصود بیان :- پانی کے مختلف فوائد کا بیان۔ ایک قسم کے پانی سے مختلف اقسام کے پھل پھول اور رنگا رنگ کی سبزیاں پیدا ہونے کا تذکرہ فرما کر اپنی الوہیت اور قدرتِ کاملہ پر واضح استدلال اور غور و خوض کی دعوت۔ کائنات سماوی کو انسانی فائدہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بِأَمْرِهٖ کے لفظ سے اس طرف لطیف ایما ہے کہ آثارِ علویہ اور مخلوقات سماویہ میں از خود کوئی تاثیر نہیں نہ ان کی نظم رفتار طبعی اور اتفاقی ہے بلکہ سب کے سب حکمِ الٰہی کے تابع ہیں معدنیات وغیرہ کا اگرچہ مادہ ایک ہے۔ مگر نوعیت اور رنگ میں اختلاف ہے۔ اس کے اندر عقلاء کے لئے درسِ بصیرت ہے۔ سمندر بھی انسان کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بحری سفر کی صراحۃً اجازت بلکہ ضمناً تبلیغ۔ تجارت اور کسب معاش کی فی الجملہ ہدایت۔ آخر میں معبودیت اور الوہیت کے ثبوت کی وضاحت اور معیارِ الوہیت کا تذکرہ یعنی جو خالق و موجد ہے اُسی کو معبود و اِلٰہ بھی ہونا چاہیئے۔ جو خالق نہیں وہ قابلِ الوہیت نہیں۔ سب سے آخر میں اس بات کی تصریح کہ اللہ کی نعمتیں ناقابلِ حصر اور خارج از حساب ہیں اور چونکہ ہر نعمت کا شکریہ عقلاً واجب ہے۔ اس لئے غیر متناہی اور نامحدود شکریہ ضروری ہے۔ مگر اللہ غفور رحیم ہے۔ اُس نے ناقابلِ برداشت امر کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ خارج از وسعت امور سے درگذر فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○

تمہارے چھپے ہوئے باطن سے اللہ واقف ہے

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور اللہ کو چھوڑ کر کہ جن کی عبادت کرتے ہیں

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○

وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود مخلوق ہیں

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

بے جان مُردے ہیں اُن کو خبر نہیں

اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○

کہ کب اُن کو اٹھایا جائے گا

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا

تمہارا معبود ایک معبود ہے اور جن لوگوں کو

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ

آخرت کا یقین نہیں اُن کے دل انکاری ہیں

وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ

اور وہ مغرور ہیں کوئی شک نہیں کہ اللہ

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ○

اُن کے باطن و ظاہر سے واقف ہے

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ○

وہ مغروروں کو پسند نہیں کرتا

تفسیر
گذشتہ آیات میں اللہ کی الوہیت و توحید پر آثارِ قدرت کو پیش کر کے استدلال کرنے کے بعد تخلیق و عدمِ تخلیق کو معیارِ الوہیت قرار دیا تھا۔ ان آیات میں گذشتہ معیار کی کسی قدر تشریح کرنے کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کے مستحق عبادت نہ ہونے کی مزید دو دلیلیں بیان فرماتا ہے۔ گذشتہ معیار کی تشریح تو اس طرح فرمائی کہ معبود کو خالقِ اشیاء ہونا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ غیر اللہ خود مخلوق ہے خالق ہونا تو درکنار۔ وہ خود دائرہ مخلوقیت سے نہیں نکل سکتا۔ اس لئے سوا اُس ذاتِ مقدس کے جس نے سب کو پیدا کیا کوئی مستحق عبادت نہیں ہو سکتا۔ استحقاق الوہیت کی مزید دو دلیلوں میں سے پہلی دلیل یہ بیان فرمائی کہ جن باطل اور غیر مستحق معبودوں کی کافروں نے پرستش شروع کر دی ہے وہ سب بے جان ہیں خواہ دائماً بے جان ہیں جیسے پتھر

کی مورتیاں، درخت، پانی وغیرہ یا بالفعل بے جان ہیں جیسے گذشتہ سرداران قوم، اولیاء، بزرگان سلف وغیرہم۔ یا آئندہ مر کر بے جان ہونے والے ہیں جیسے جنات اور فرشتے۔ بہرحال جو چیز موت و فنا سے کسی وقت متصف ہو وہ معبود کس طرح ہو سکتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ معبود وہی ہوگا جو عالم کامل ہو، اُس کے علم سے کوئی کلی یا جزئی خارج نہ ہو۔ اور ان تمام فرضی معبودوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دوبارہ حشر کب ہوگا۔ ہاں اللہ ہر ظاہر و باطن سے واقف ہے پس ان کا محشور ہونا اور مر کر دوبارہ پیدا ہونا ان کے قادر نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور قیامت سے ناواقف ہونا جہالت پر دلالت کر رہا ہے۔ لہٰذا عاجز اور جاہل کسی طرح معبودیت اور الوہیت کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ اس مکمل بیان کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ ایک ہی ہے۔

عموماً کفار مکہ ان دلائل صادقہ کو سن کر لاجواب ہو جاتے اور دل میں صحیح سمجھتے تھے۔ مگر قومی رسم و رواج، آباء و اجداد کی تقلید، فطری جہالت اور خاندانی تعصب حضور علیہ السلام کا حکم ماننے سے روکتا تھا۔ خصوصاً قریش کے دلوں میں تو سخت ترین تکبر بیٹھا ہوا تھا۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ کی خاندانی کدورتیں، شرف و فضل میں قدیم مقابلہ، ہر ایک کا بجائے خود فوقیت و سرداری کا دعوٰی اور پھر اس پر کورانہ تقلید اور ہوا پرستی، ان تمام اسباب نے اُن کے سر غرور کو جھکنے نہ دیا۔ محض نفسانیت اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کہتے تھے ارے اس رسول نے تو تمام دیوتاؤں کی بجائے ایک اِلٰہ کو ٹھہرا دیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہماری ہڈیاں مرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو جائیں اور پھر از سر نو مکمل ہو کر ہم پیدا کر دیئے جائیں۔ اسی کے متعلق خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ منکرین قیامت کے دل منکر ہیں۔ اور اس انکار کی وجہ کوئی عقلی یا نقلی نہیں ہے نہ ان کے پاس کوئی دلیل اور ثبوت ہے۔ صرف نفسانیت اور تکبر اس کا باعث ہے۔

تفسیری اختلاف

وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے۔ تمام مفسرین کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ بتوں کو معلوم نہیں قیامت کب ہوگی۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بتوں کو معلوم نہیں ہمارا حشر کب ہوگا۔ اس قول کی بنا پر متفرع ہوتا ہے کہ بتوں کا بھی حشر ہوگا۔ آیت إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اس مطلب کی مؤید ہے۔ احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ بتوں کو معلوم نہیں کہ ان کی پرستش کرنے والوں کا حشر کب ہوگا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ عَلٰی يُخْلَقُونَ پر کلام ختم ہو گیا اور أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ سے بتوں کا نہیں بلکہ بت پرستوں کی حالت کا

اظہار مقصود ہے کہ بتوں کی پوجا کرنے والے اگرچہ بظاہر زندہ دکھائی دیتے ہیں مگر جسمانی زندگی کے علاوہ روحانی زندگی ان کو نصیب نہیں۔ ان کی روحیں اور دل اور عقلیں مردہ ہیں۔ ان کو حشر و بعث کا یقین نہیں۔

مقصود بیان:- تخلیق، علم کامل اور حیاتِ حقیقی معیارِ الوہیت ہے جو خالق نہ ہو یا جاہل ہو یا حقیقی زندگی اس کو حاصل نہ ہو وہ معبود ہونے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ سے اس امر کی صراحت کرنی مقصود ہے کہ غرورِ نفس اور ہوا پرستی انکار کا اصل باعث ہے۔ آخر میں اللہ کے عالم کل ہونے کی وضاحت فرما دی جس سے فلاسفۂ یونان اور بعض ان فرقہائے اسلام کی تردید ہوتی ہے جو قائل ہیں کہ اللہ کو کلیات کا تو علم کامل ہے اور جزئیات مادیہ کا علم تفصیلی نہیں بلکہ من حیث الکل ہے۔ آخری آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ غرور کسی طرح کا ہو مذہبی عقائد و اعمال میں ہو یا دنیوی مشاغل و معاملات میں۔ بہرحال اللہ کو پسند نہیں۔ وغیرہ۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۙ

جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا؟

قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۙ لِيَحْمِلُوا

تو کہتے ہیں اگلوں کی کہانیاں ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے

أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ

کہ قیامت کے دن یہ اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اور کچھ بار

أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ

اُن لوگوں کا بھی اٹھائیں گے جن کو بلا تحقیق گمراہ کرتے رہے

أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ۝

یاد رکھو جس بوجھ کو یہ اٹھائیں گے وہ بہت بُرا ہے۔

تفسیر جب ناواقف انجان مسافر موسم حج میں مکہ آ کر کفار مکہ سے بغرض تحقیق دریافت کرتے کہ محمد جو مدعی نبوت ہیں اور قرآن کو کلام الٰہی بتاتے ہیں اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ تو ولید بن مغیرہ یا نضر بن حارث یا ان کا کوئی چیلہ جواب دیا کرتا کہ اس میں تو گذشتہ اقوام و اشخاص کی داستانیں ہیں اور کہانیاں اور رکھا کیا ہے کہ ہم اس کو خدا کا نازل کردہ احکام تسلیم کریں۔ ایسے افسانے تو ہمارے پاس بھی بہتیرے موجود ہیں۔ بات یہ تھی کہ نضر بن حارث بغرض تجارت ایران اور بابل وغیرہ کو جایا کرتا تھا اور وہاں سے رستم و اسفندیار کی داستانیں لا کر

عرب کو سناتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ میری داستان قرآن سے زیادہ دلچسپ ہے۔ اسی سوال وجواب کو آیت میں بیان کیا ہے۔

بعض مفسرین نے قالوا اساطیر الاولین کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قرآن درحقیقت گزشتہ مذاہب کی نقل ہے۔ پچھلے زمانے کے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا محمد صلعم نے بھی اُن کی دیکھا دیکھی نقل شروع کردی۔ ہم افسانۂ ماضی کی نقل کو کلام اللہ کس طرح مان سکتے ہیں۔

آیت لیحملوا الخ میں اُس سزا کا بیان ہے جو قیامت کے دن کفار کو برداشت کرنی ہوگی۔ چونکہ کفار مکہ خود بھی گمراہ تھے اور آنے والے مسافروں کو بھی اسلام سے روکتے تھے اس لئے ضلال واضلال گمراہی اور گمراہ کنی دونوں جرموں کے مرتکب تھے اور دونوں کا وبال ان کو برداشت کرنا ہوگا۔ لیکن اس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ جب کفار مکہ یا کوئی گمراہ کرنے والا گمراہ ہونے والے کا وبال برداشت کرلیگا تو اصل گمراہ ہونے والا بری ہو جائے گا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ بلکہ گمراہ کرنے والوں کی دوہری سزا کا اظہار مقصود ہے کہ ایک تو خود گمراہ ہونے کا وبال ان پر ہوگا دوسرا گمراہ کرنے کا۔ رہا اُن لوگوں کے فعل کا نتیجہ جو بہکانے سے گمراہ ہوئے وہ اپنی سزا خود برداشت کرینگے اُن کا بار کوئی دور نہیں کرسکتا۔ دوسری آیت میں صاف صراحت ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی کوئی شخص کسی کا بار اپنے اوپر اٹھا کر اُس کو بری نہیں کرسکتا۔ صحیح حدیث میں آیا ہے حضور نے ارشاد فرمایا جس شخص نے دعوت ہدایت دی اُس کو پیروی کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا۔ مگر پیروی کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جس نے دعوت گمراہی دی تو اُس پر اپنا عذاب ہوگا اور اُن لوگوں کا بھی عذاب ہوگا جنھوں نے اس کی پیروی کی۔ مگر پیروی کرنے والوں کے عذاب میں کچھ تخفیف نہ ہوگی۔ دوسری حدیث میں ہے جس نے گمراہی کا طریقہ نکالا اُس پر اپنا وبال بھی ہوگا اور اُن لوگوں کے گناہ کا بھی وبال ہوگا جو اُس طریقہ پر چلنے والے ہیں۔ لیکن اُس راہ پر چلنے والوں کے مقررہ عذاب میں بھی اس سے کچھ کمی نہ ہوگی۔

یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ کا مطلب صاحب کشاف وبیضاوی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جو لوگ ناواقف اور انجان ہیں اور اپنے گمراہ ہونے کا بھی اُن کو علم نہیں اُن کو یہ گمراہ کرتے ہیں۔ اس تقریر پر بغیر علم کا تعلق ضمیر مفعول یعنی هُمْ سے ہے میرے نزدیک مناسب مطلب یہ ہے کہ بغیر علم کو فاعل کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے یعنی گمراہ کرنے والے کافر انجان مسافروں کو بلا دلیل اور بغیر کسی عقلی نقلی ثبوت کے گمراہ کرتے ہیں۔ اسلام سے روکنے اور رسول اللہ کی تکذیب کرنے کی کوئی عقلی یا شرعی دلیل ان کے پاس نہیں۔ خواہ مخواہ اپنی جہالت و نادانی سے مسافروں کو بہکاتے ہیں۔

مقصود بیان:۔ اُن کافروں کی کور باطنی کا بیان جن کا نور فطرت بجھ چکا تھا اور قرآن کے بیان کردہ قصص میں جو خزانۂ ہدایت پوشیدہ ہیں اُن کو وہ نظر نہ آتے تھے۔ اُن کے نزدیک پارینہ غلط حکایات اور قرآنی تشریحات میں کوئی فرق نہ تھا۔ اس آیت سے در پردہ اُن مسلمانوں کو تنبیہ ملنی چاہیئے جو قرآن پاک کے اندر موسیٰ عیسیٰ ابراہیم اور دیگر انبیاء کے قصے مکرر دیکھ کر نہایت آسانی سے کہدیا کرتے ہیں کہ کیا بار بار ایک ہی قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن کیا کوئی داستان کی کتاب ہے۔ درحقیقت یہ اُن کی کوتاہ فہمی ہے۔ قرآن داستان نہیں پیام ہدایت ہے۔ ہر جگہ جو قصہ بیان کیا گیا ہے اور جتنا بیان کیا گیا ہے اُتنا بیان کرنا ضروری تھا۔ بیان قصہ سے ترہیب وترغیب، نیکوں اور بدوں کے نتائج کا اظہار، قانون قدرت کی تصریح، مطالعۂ تاریخ سے اخذ نتیجہ کا حکم اور بعض دوسرے اسباق ہدایت کا درس مقصود ہوتا ہے۔ آیات کے آخر حصہ میں یہ بھی ظاہر کردیا گیا ہے کہ جس طرح گمراہی بُری چیز ہے۔ اسی طرح گمراہ کرنا بھی بُرا فعل ہے۔ گمراہ کرنے والوں پر گمراہ ہونے والوں کے جرم کا وبال بھی ہوتا ہے۔ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ گمراہ کرنے والوں کو گمراہ ہونے والوں سے کہیں زیادہ سزا اٹھانی اور عذاب بھگتنا ہوگا۔ کیونکہ ان کے گمراہ کرنے سے جتنے لوگ گمراہ ہوں گے اُن سب کا وبال ان کو بھگتنا پڑے گا۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ

ان سے پہلے لوگ بھی دغابازی کر چکے ہیں مگر اللہ کے حکم نے

بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

اُن کی عمارتوں کو جڑوں سے آلیا اور اوپر سے اُن پر

السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ

چھت گر پڑی اور ایسی طرف سے اُن پر عذاب آیا

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ ثُمَّ يَوْمَ

کہ اُن کو خبر بھی نہ تھی پھر قیامت کے

الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ

دن وہ اُن کو رسوا کرے گا اور فرمائیگا اب میرے وہ شریک کہاں ہیں

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ

جن کے بارہ میں تم (مسلمانوں سے) جھگڑتے تھے جن لوگوں کو علم

اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَ

دیا گیا تھا وہ کہیں گے کہ آج رسوائی اور

السُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ

خرابی کافروں پر ہے

تفسیر کفار مکہ کو اپنی خاندانی وجاہت، قومی عزت، جسمانی طاقت، قبائلی قوت، اور مالی کثرت پر غرور تھا۔ اللہ کے رسول کے احکام کو وہ پائے استحقار سے ٹھکراتے تھے اور اپنی جہالت میں مست تھے اور چونکہ عذاب میں تاخیر تھی اس لئے ان کی سرکشی وطغیان میں مزید اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا اور عذاب الٰہی کی گرفت سے وہ اپنے کو خارج سمجھنے لگے تھے۔ ان آیات میں کافروں کے غرور کا ازالہ اور تاخیر عذاب کی وجہ سے نڈر ہو کر بیٹھے رہنے پر تنبیہ کرنی مقصود ہے۔

ابن کثیر نے بروایت عوفی از ابن عباس اور ابن ابی حاتم نے بروایت ... از ابن عباس بیان کیا ہے اور اکثر مفسرین نے اسکی تائید کی ہے کہ اس آیت میں نمرود اور اس کے ساتھی مراد ہیں جنہوں نے ہزار گز اونچا منارہ بنایا تھا تاکہ رب السموات سے جنگ کر سکیں اور منارہ پر چڑھ کر آسمان کی طرف تیر پھینکتے تھے مگر انجام کیا ہوا بنایا بنایا گھر جڑ بنیاد سے تباہ ہو گیا تمام فوج والے وہیں دب کر مر گئے۔ جس جگہ کو امن کا مقام سمجھا تھا وہی ان کی ہلاکت و بربادی کا ذریعہ بنا بعض مفسرین کا قول ہے کہ منارہ طوفان نوح کے بہت بعد شہر بابل میں بحکم نمرود بنایا گیا تھا مگر وہ منارہ بخت نصر کی فوج پر گرا اور فوج دب گئی۔ یہ قول سیاق و سباق کے خلاف ہے۔

اہل تحقیق کا قول ہے کہ آیت کا ظاہری ترجمہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ محاورہ کی بات ہے کسی شخص کا منصوبہ اگر پورا نہ ہو سکے اور اسکی اسکیم برباد ہو جائے تو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اس کا چنا چنایا گھر گر پڑا۔ نمرود اور قوم نمرود نے بھی حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ کی کافی تیاریاں کیں لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ جو اسکیم بنایا وہ الٹی اُن کو نقصان پہنچا گئی۔ بالآخر اُن کی کوئی مکاری پیش نہ گئی عظیم الشان سلطنت، جلیل المرتبہ تمدن اور رفیع الدرجہ تہذیب تباہ ہو گئی۔ گویا بنا بنایا گھر گر گیا۔ کشاف و بیضاوی نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔

ایک نکتہ اللہ تعالیٰ نے لفظ لَا يَشْعُرُوْنَ سے عجیب نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ شعور نام ہے حواس سے ادراک کرنے کا۔ احساس اور شعور ایک ہی چیز ہے لیکن علم کا درجہ بلند ہے۔ شرعی اصطلاح میں علم و یقین مترادف الفاظ ہیں۔ گویا جہاں شعور کی حد ختم ہوتی ہے وہاں علم کی حد شروع ہوتی ہے۔ جہاں حواس باطنہ کی رسائی نہیں ہوتی وہاں عقل سے کام لیا جاتا ہے۔ دیکھنے سننے سونگھنے چکھنے اور چھونے کی چیزوں کا ادراک حواس کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ ان کے احساس کو شعور کہا جاتا ہے لیکن جو چیزیں ان پانچوں اقسام سے خارج ہیں وہاں حواس کام نہیں دیتے عقل کام دیتی ہے۔ قوم نمرود کی علمی قوت اور نظری طاقت تو یقیناً آفت رسیدہ تھی اس لئے اُن کو اپنے عقائد و اعمال کی خرابی کا ادراک ہو نہیں سکتا تھا اور اُس عذاب کو وہ جان بھی نہ سکتے تھے جو حواس کی رسائی سے باہر تھا۔ مگر جہاں اُن کے حواس کی رسائی تھی اُس کو بھی وہ نہیں سمجھتے تھے۔ گویا غفلت کا پردہ نہ فقط اُن کی عقل پر پڑا ہوا تھا بلکہ حواس بھی ماؤف تھے۔ محسوس عذاب بھی اُن کو نہ سوجھتا تھا۔ یا یہ مطلب ہے کہ عذاب الٰہی ایسے طریقہ سے اُن پر آیا جو محسوسات سے خارج تھا۔ عبرت نظر اور عقلی قوت سے سمجھا جا سکتا تھا اور چونکہ وہ کور باطن تھے محض مادی حواس رکھتے تھے اس لئے وہ طریقۂ عذاب کو نہ سمجھ سکتے تھے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ گذشتہ مغرور کافروں کو باوجود اُنکی انتہائی طاقت اور بیش از بیش مکاری کے خدا تعالیٰ نے دنیا میں بھی برباد کیا اور قیامت کے دن بھی اُن کو رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بطور توبیخ و تذلیل خدا تعالیٰ اُن سے فرمائیگا آج وہ کہاں ہیں جن کو دنیا میں تم نے میری الوہیت و ربوبیت کا شریک سمجھ رکھا تھا اور اہل صلاح سے تم اُن کے معاملہ میں منازعات اور جھگڑے کیا کرتے تھے۔ آج اُن کو اپنی مدد کے لئے بلاؤ۔ ایک تو خدا کی طرف سے ان کی یہ تذلیل ہوگی اس پر مزید یہ کہ بطور طعن و تشنیع کے اہل علم یعنی انبیاء اولیاء صلحاء عام مومنین اور ملائکہ اُن سے کہینگے آج عذاب اور رسوائی اُن کا فروں کے لئے مخصوص ہے۔ گویا ایک تو واقعی عذاب اور ذلت ہوگی اور اس پر طرہ یہ کہ جن مومنوں کو دنیا میں وہ ذلیل سمجھتے تھے اُس روز وہی اہل ایمان ان پر طعن کرینگے عذاب کی تکلیف اور طعن کی ذلت و رسوائی اُن کو برداشت کرنی پڑیگی۔

مقصود بیان :- تمرد و سرکشی باعث تباہی ہے۔ تاخیر عذاب کیوجہ سے بیباک نہ ہو جانا چاہئے۔ طاقت میں بدمست ہو کر انسان اپنے حواس بھی کھو بیٹھتا ہے۔ پھر ... سمجھ بوجھ بھی اُس کو ... سجھائی نہیں دیتا۔ قیامت کے دن اہل ایمان کافروں کے خلاف شہادت دینگے

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪

جن کی روحیں فرشتوں نے ایسی حالت میں قبض کی تھیں کہ وہ خود اپنے حق میں ستم کر رہے تھے

فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ۚ

اُس وقت وہ صلح کا پیغام ڈالینگے کہ ہم تو کچھ بُرائی نہ کرتے تھے

بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

ہاں ہاں اللہ تمہارے کرتوت سے خوب واقف ہے

فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ

اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جن کے اندر ہمیشہ ہمیشہ رہوگے

فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝

وہ غرور کرنے والوں کا بُرا ٹھکانا ہے

تفسیر یہ آیات سابق سے مربوط ہیں یعنی قیامت کے دن رسوائی اور ذلت اُن مغرور کافروں کی ہوگی جو مرتے دم تک کفر پر جمے رہے - آثار موت ظاہر ہونے سے پہلے جتنا وقت گذارا شرک وکفر پر گذارا ۔ لیکن مرنے کے بعد اُن کو کچھ بن نہ پڑے۔ تا جس شرک کا دنیا میں جوش خروش سے اقرار کرتے تھے اُس سے صاف مکر جائینگے اور نہ فقط شرک سے انکار کرینگے بلکہ ہر بدی کے اعتراف سے گریز کرینگے ۔ مگر یہ انکار فضول ہوگا ملائکہ شہادت دینگے کہ تم جھوٹے ہو۔ اللہ تمہاری بداعمالی سے خوب واقف ہے - پھر جہنم کے اندر مختلف دروازوں سے داخل ہونے کا حکم ہوگا اور ہر ایک چھوٹا بڑا مغرور کافر اپنے اپنے کفر وتکبر کی حیثیت کے موافق دوزخ کے جدا جدا طبقوں میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جائے گا۔

نوٹ :- بعض علماء کا قول ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص جھوٹ نہ بول سکیگا خواہ کافر ہو یا مومن - بدکار یا نیکوکار - اس قول پر آیت میں تاویل کرنی ہوگی اور کفار کے انکار کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس طرح کہا جائیگا کہ کافروں کا کفر اگرچہ واقعی ہے مگر اُن کو اپنی بداعمالی کا یقین نہیں اور نہ وہ اپنے مسلک کو خلاف حق سمجھتے ہیں اس لئے قیامت کے دن بھی اُن کا انکار اُن کے خیال واعتقاد کے بموجب صحیح ہوگا۔

مقصود بیان :- قبض روح کے وقت تک شرک وکفر پر قائم رہنا نجات سے محروم کر دیتا ہے - دوسرے اس سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ جو لوگ مرنے یا آثار موت ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کرلیں تو اُن کی توبہ قابل قبول ہے - وغیرہ۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ

اور (جب) پرہیزگاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا

قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ

تو وہ کہتے ہیں اچھی چیز (نازل کی) جن لوگوں نے دنیا میں بھلائی کی اُن

الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ

کے لئے بھلائی ہے اور دارِ آخرت تو بہت ہی بہتر ہے

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ

اور پرہیزگاروں کا واقعی اچھا گھر ہے یعنی دوامی جنتیں ہیں

يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ

جن کے اندر وہ داخل ہوں گے اُن میں نہریں جاری ہیں

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي

جو کچھ وہ چاہیں گے اُن کو وہاں ملے گا اللہ اُن پرہیزگاروں کو

اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ

ایسا ہی صلہ دیتا ہے جن کی روحیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں

طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا

کہ وہ پاک و صاف ہوتے ہیں فرشتے اُن سے کہتے ہیں السلام علیکم اپنے (نیک)

الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

اعمال کے صلہ میں جنت میں داخل ہو

تفسیر گذشتہ آیات میں کافروں کا احمقانہ قول، جاہلانہ عقائد اور بداعمالی کا تذکرہ کرکے اُن کے نتائج بد کو بیان فرمایا تھا چونکہ ہدایت وتبلیغ کی تکمیل صرف تنبیہ اور ترہیب سے نہیں ہوتی بلکہ ترغیب وتبشیر بھی لازم ہے - اس لئے ان آیات میں اُن پاکباز مومن مسلمانوں کے اجر کو بیان فرماتا ہے جو مرتے دم تک مومن رہتے ہیں قبض روح کے وقت تک اُن کے دل کفر وشرک کی آلائشوں سے پاک صاف دنیوی میل کچیل سے ستھرے اور شوق دیدار الٰہی سے مخمور ہوتے ہیں - ان کے ثواب کے تین درجات ہیں - اول تو دنیا میں ہی ان کو عزت ملتا ہے عزت، حکومت، تسلط، فراخ دستی، خوش حالی، دشمنوں پر فتحیابی وغیرہ غرض ہر قسم کی بھلائی اُن کو نصیب ہوتی ہے - دویم قبض روح کے وقت اللہ کے مقرب فرشتے اُن کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ خوش خلقی اور تہذیب کے ساتھ اُن کی

موالنست کرتے اور دعا سلامتی دیتے ہیں۔ سوئم دوامی جنت حاصل ہوتی ہے جس کے اندر اُن کی تمام خواہشات کی تکمیل کی جاتی ہے۔ لباس طعام، سکونت، جنسی لوازم اور دیگر محسوس خواہشات تو پوری ہی کیجاتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی وہ جو کچھ چاہتے ہیں اُن کو دیا جاتا ہے لیکن اجر الٰہی حاصل کرنے کے لئے تقویٰ کی ضرورت ہے۔ متقیوں کو یہ نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ جس قدر تقویٰ ہوگا اُسی قدر اجر ملے گا۔ شرک و کفر سے تقویٰ، کبیرہ گناہوں سے تقویٰ، تمام معاصی سے تقویٰ، ہر اُس چیز سے تقویٰ جو یادِ الٰہی سے غافل کرنے والی ہے۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر غیر اللہ کے خیال سے تقویٰ اور آخر میں ذاتِ الٰہی یا صفات خداوندی میں کامل استغراق اور اپنی ہستی کو بھی فراموش کر دینا۔ یہ تمام مراتب تقویٰ ہیں۔ آدمی جس مرتبہ میں ہوگا ویسا ہی اُس کو اجر ملے گا۔ مُتَّقِیْنَ کا لفظ عام ہے تمام مراتب کو شامل ہے

تشریح اجزاء

اَحْسَنُوْا۔ قتادہ نے اسکی تفسیر میں فرمایا مُحْسِنْ وہ لوگ ہیں جو اللہ کو، اللہ کی کتابوں کو اور اُس کے رسولوں کو مانتے ہیں۔ خود اطاعت کرتے ہیں اور دوسروں کو اطاعتِ الٰہی پر آمادہ کرتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں احسان کی تفسیر حضور ﷺ نے خود فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا احسان (کا درجہ) یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو کم از کم اتنا ہونا چاہیئے کہ تم کو یہ یقین ہو کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ اس کی تفسیر میں کرجی نے فرمایا کہ متقی مؤمنوں کو فرشتے بشارت دیتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی ناگوار خاطر امر تمہارے سامنے نہ آئیگا۔ سیوطی نے درمنثور میں امام مالک، ابن جریر اور بیہقی وغیرہم کی روایت کردہ ایک حدیث بیان کی ہے کہ جب کوئی مؤمن بندہ مرنے لگتا ہے تو فرشتہ اُس سے کہتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا وَلِیَّ اللّٰہِ تجھ پر اللہ سلام بھیجتا ہے۔

مقصود بیان:- اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کو اچھا اور مفید ہی کہیں۔ اس آیت سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اُس تعلیم یافتہ کور باطن طبقہ کو جو دماغی روشنی کا مدعی ہے اور شریعت کے بعض منصوص احکام کو عملاً منسوخ مانتا ہے اور کہتا ہے ہاں یہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ضرور مناسب اور اچھے تھے۔ مگر اس روشنی کے زمانہ میں اس قسم کے قوانین وحشیانہ ہیں۔ زنا کی شرعی سزا، قتل عمد کا قصاص، قوانین سود اور بعض دیگر احکام اُس کی نظر میں قابل استہزا اور ضرر رساں ہیں۔ لفظ حَسَنَۃٌ دلالت کر رہا ہے کہ جو لوگ خدا سے رشتہ جوڑ لیتے ہیں اُن کو خدا تعالیٰ دنیا میں بھی ہر قسم کی خوبی اور بھلائی عطا فرماتا ہے۔ حکومت، عیش، خوشحالی، کامرانی، فتحیابی اور عمومی عزت نصیب ہوتی ہے۔ مَا یَشَآؤُنَ کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ جنت میں ہر خواہش پوری کی جائیگی۔ بات یہ ہے کہ انسانی تخیل میں عموماً جو نعمتیں آسکتی تھیں وہ تو قرآن نے مجمل طور پر بیان کر دیں۔ اچھا کھانا، اچھا لباس، اعلیٰ مسکن، بہترین خدام، جنسی اقتضاءات کو پورا کرنے کے اعلیٰ ذرائع۔ لیکن خواہشات کا تنوع اور مرغوبات کی رنگا رنگی تفصیلی حصر سے مانع تھی۔ ہر شخص اور ہر قوم کا مرغوب طبع جدا ہے ہر ایک کی تفصیل ناممکن ہے۔ اس لئے مجمل طور پر فرما دیا کہ جو خواہش ہوگی پوری کی جائے گی۔ کَذٰلِکَ یَجْزِی اللّٰہُ الخ سے ضابطۂ الٰہیہ کا بیان مقصود ہے کہ قانون قدرت اور عادت الٰہیہ ہی اس طور پر جاری ہے کہ اہل تقویٰ کو نوازا جاتا ہے۔ اگرچہ نیک اعمال موجب مغفرت نہیں۔ مغفرت محض مشیت الٰہیہ پر موقوف ہے۔ لیکن اُسکی مشیت کا قانون یہی ہے کہ نیکوں ہی کی مغفرت کی جاتی ہے اور بدکار اکثر نجات سے محروم رہتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الخ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ گذشتہ زندگی کیسی ہی گذری ہو مرنے کے وقت کا اعتبار ہے۔ خاتمہ کی حالت قابل توجہ ہے۔ آثار موت ظاہر ہونے سے پہلے جو شخص مؤمن رہا وہ مؤمن ہے۔ وغیرہ۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
کیا یہ کافر اسی بات کے منتظر ہیں کہ اُن پر فرشتے آموجود ہوں

اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ
یا تمہارے رب کا عذاب آپہنچے اسی طرح ان کے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ
اگلوں نے بھی کیا تھا اُن پر اللہ نے ظلم نہیں کیا

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ
بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے اس کے بعد اُن کے

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا
اعمال کی بُرائیاں اُن کو پہنچ گئیں اور جس عذاب کی وہ

كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع
ہنسی اُڑاتے تھے وہی اُن پر اُلٹ پڑا

تفسیر

مکہ کے کافر ہٹ کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنی صداقت کے ثبوت میں جو معجزات ظاہر فرمائے اُن کی تصدیق نہ کی۔ توحید اور رسالت کا جو حکم دیا اُسکو نہ مانا اور بالآخر

تین شبہات وارد کیے - پہلا شبہ تو یہ تھا کہ فرشتے تمہارے پاس کیوں آتے ہیں؟ ہمیں کیا معلوم کہ تم سچے ہو یا جھوٹے - جو فرشتے تمہارے پاس آتے ہیں ہمارے پاس کیوں نہیں آتے اور ہم سے تمہاری سچائی نہیں بیان کرتے؟ اس شبہ کا جواب ان آیات میں دیا گیا ہے باقی دونوں شبہات کی تفصیل اور ان کے جواب آیندہ آیات میں آتے ہیں -

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کافروں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا انتظار ہے یا تو اللہ کے فرشتے ان کے پاس پہنچیں یا عذاب الٰہی آجائے - مگر یہ بات کوئی نئی نہیں ہے - اس سے پہلے بھی کفار و مشرکین کا یہی خیال تھا - آخرکار اپنی بداعمالی کا نتیجہ بد ان کو بھگتنا پڑا -

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ملائکہ سے موت کے فرشتے مراد ہیں یعنی کافروں کی طبیعتیں حیلہ جو اور بہانہ طلب واقع ہوئی ہیں جب تک ظاہری طور پر کھلم کھلا کوئی مجبور کن امر ان پر مسلط نہ ہو جائے اس وقت تک یہ ایمان نہیں لائیں گے - تاخیر عذاب اور زندگی کی مہلت کی ان کو قدر نہیں بلکہ موت کے فرشتے اگر ان کے پاس پہنچ جائیں اور ان کی جانیں قبض کرنے لگیں یا کسی اور طرح سے عذاب الٰہی ان پر آجائے تو مانیں گے - بس ایسے وقت کا انکو انتظار ہے - لیکن ایسے وقت کا انتظار لاحاصل ہے -

ایک شبہہ اور اُس کا ازالہ

آیت کی مؤخرالذکر تشریح پر ایک شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ کافروں کو نہ تو اپنے مرنے کا انتظار تھا نہ عذاب الٰہی کے نزول کا - انتظار کسی قابل شوق چیز کا ہوتا ہے - اُن کو اپنی ہلاکت کا شوق نہ تھا - پھر هَلْ يَنظُرُونَ کے ظاہری معنی کس طرح صحیح ہو سکتے ہیں - رہی یہ بات کہ وہ نزول عذاب کا تقاضا کرتے تھے تو یہ استہزا تھا اُن کو عذاب کا یقین ہی نہ تھا -

اس شبہہ کا ازالہ قواعد بلاغت کے پیش نظر کیا گیا ہے - اہل زبان کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی اقرار یا انکار کے آثار ظاہر ہوں اور وہ تمام علامات مخاطب میں پائی جائیں جن کی بنا پر اقرار یا انکار ہو سکتا ہے تو باوجودیکہ مخاطب مقر یا منکر نہیں ہوتا مگر آثار و علامات کے مقتضا کے ماتحت اسکو مقر یا منکر قرار دیتے ہوئے اس طرح اُس سے کلام کیا جاتا ہے جیسے کسی مقر یا منکر سے ہوتا ہے - مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ قرآن پاک کی صداقت میں تمام کافروں کو گوناگوں شبہات اور شکوک ہوتے ہیں - لیکن کافروں ہی کی فطرت میں ایسے دلائل و براہین موجود ہیں کہ اگر وہ ذرا غور سے کام لیں تو تمام شکوک زائل ہو جائیں اسلئے کافروں کے شکوک کو ہیچ سمجھتے ہوئے سورۂ بقرہ کے آغاز میں فرمایا لَا رَيْبَ فِيهِ یعنی قرآن میں کوئی شک نہیں - یا مثلاً کوئی شخص اپنے دشمنوں میں بغیر ہتھیار کے خالی ہاتھ جائے تو کوئی شخص اُس سے کہے بھائی وہاں تمہارے بہت دشمن ہیں دیکھو اس شخص نے دشمنوں کی موجودگی سے انکار نہ کیا تھا مگر خالی ہاتھ دشمنوں میں جانا دلالت

کر رہا تھا کہ اُس کو وجود اعداء سے انکار ہے اس لئے اُس کو تنبیہ کی گئی - یہی صورت یہاں ہے - کافروں کو موت اور نزول عذاب کا انتظار تو نہ تھا لیکن باوجود کثرت معجزات اور وضوح دلائل کے ایمان نہ لانا اور ٹال مٹول کرنا دلالت کر رہا تھا کہ اُن کو کسی مجبور کن طاقت کی زبردستی کارفرمائی کا انتظار ہے - موت کا وقت آنے کے منتظر ہیں یا نزول عذاب کے طلبگار - اُن کے حالات بتا رہے ہیں کہ ابھی اُن کو ایمان اور عمل خیر کی ضرورت نہیں - ان کی نظر میں ضرورت کا وقت اگر ہو سکتا ہے تو یا موت کا یا نزول عذاب کا -

مقصود بیان :- قانون قدرت اور ضابطۂ الٰہیہ ہے کہ عذاب آخرت کے علاوہ دنیوی بربادی و تباہی بھی انسانی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے - بدکاری کا وبال دنیا میں ہی برداشت کرنا ہوتا ہے - خدا ظالم نہیں - کسی کی حق تلفی نہیں کرتا - بلکہ آدمی کی بداعمالیاں عذاب کی صورت میں اسکو خود گھیر لیتی ہیں - وغیرہ

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا
مشرک کہتے ہیں کہ اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا

عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا
اُس کے سوا کسی چیز کی پرستش

آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن
نہ کرتے اور نہ اُس کے بدون حکم ہم کسی چیز کو

شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ
حرام کہتے ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝
پس رسولوں پر سوا کھول کر پیام پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ
ہم ہر قوم میں ایک رسول بھیج کر یہ کہلا چکے ہیں کہ اللہ کی

اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ
عبادت کرو اور بتوں سے بچو

فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ
تو اُن میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دیدی اور بعض پر گمراہی

عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

ثابت ہوگئی　ذرا چل پھر کر ملک میں دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اِنْ تَحْرِصْ

کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا (اے محمد) اگر اُن کو ہدایت

عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ

پر لانے کی حرص بھی کرو تب بھی اللہ جس کو گمراہ چھوڑ دیتا ہے اُسکو ہدایت نہیں کرتا

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

اور نہ اُن کا کوئی مددگار رہے

تفسیر اہل شرک اپنی حقانیت اور رسول پاک کی نبوت کے انکار کے لئے مذکورۂ بالا شبہ کے علاوہ دو شبہات اور بھی وارد کرتے تھے۔ لیکن دونوں شبہات کا استنباط ایک ہی دلیل سے تھا نہایت پُر زور طریقہ سے بطور استہزاء (بر قول امام رازی) کہا کرتے تھے کہ یہ امر تم کو تسلیم ہے کہ خدا کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ کیونکہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے اسلاف کبھی بت پرستی نہ کرتے اور نہ اُن اُمور کو حلال قرار دیتے جن کو تم اور تم جیسے دیگر اشخاص حرام قرار دیتے ہیں۔ اگر ہمارا مسلک حق اور خدا کی مرضی کے موافق نہ ہوتا تو چونکہ وہ مختار کل اور مالک ہے اس لئے یہ افعال ہم سے صادر ہی نہ ہونے دیتا۔ پس جب ہم اُس کے اختیار و ارادہ سے ایک کام کر رہے ہیں تو اُس کو خدا کی ناراضگی کا سبب بتانا غلط ہے۔ اس کے علاوہ اگر خدا چاہتا تو بغیر رسول کے بھیجے ہوئے ہم کو راہ یاب کر دیتا اور ہم نیکوکار ہو جاتے۔ پیغمبر کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ان دونوں شبہات کا جواب ظاہر ہے۔ پہلی صورت میں بندۂ عاجز و کم عقل کا اپنے مربی و قادر خدا کے افعال پر اعتراض لازم آتا ہے۔ پھر ارادۂ خداوندی اور رضائے خداوندی میں فرق نہ کرنا اس شبہہ کا اصل منشاء ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں اعمال و افعال گوناگوں ہو رہے ہیں۔ پس یہ تو ممکن ہے کہ دو مختلف کام ایک ارادہ سے ہوں۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ دو متضاد کاموں پر رضا بھی ہو جائے۔ مزید براں اگر خدا اپنی مرضی پر لوگوں کو مجبور کرتا اور خلاف مرضی کوئی کام نہ ہونے دیتا تو انسانی اختیار سلب ہو جاتا۔ امتحان ختم ہو جاتا۔ نیک بد، خیر شر اور حق و باطل کی تمیز اُٹھ جاتی اور چونکہ کفار کا مقصود اس کلام سے حق تعالیٰ کی مشیت کو ثابت کرنا نہ تھا بلکہ نبوت کا انکار اور مجبوری کا استہزاء کر کے اُن کی دل آزادی اور اپنی آزادروی پر کٹ حجتی کے ساتھ قائم رہنا تھا۔ اس لئے اس شبہہ کے جواب سے بحث نہیں فرمائی۔ البتہ دوسرے شبہہ کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا اور ضرورت نبوت کی صراحت فرما دی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ انسان مجبور نہیں مختار ہے اور اس کو غرض تکلیف پر قائم رکھنا ہے۔ اس لئے پیغمبروں کا ہونا ضروری ہے تاکہ اللہ کے احکام اُن کی معرفت بندوں تک پہنچ سکیں۔ انبیاء کا کام یہ ہے کہ جو حکم خدا کی طرف سے اُن کے پاس آئے، عام لوگوں تک اُن کو پہنچا دیں چنانچہ ہر قوم میں خدا نے پیغمبر بھیجا اور حکم دیدیا کہ توحید پر قائم رہو بت پرستی چھوڑ دو۔ اب جس کی قسمت میں ہدایت تھی وہ راہ یاب ہو گیا اور جس پر گمراہی کی مُہر لگ چکی تھی وہ گمراہ رہا۔ خلاصہ یہ کہ اگر مشرکوں کی مراد یہ ہے کہ خدا نے شرک کو مشروع کر دیا ہے تو یہ غلط ہے۔ باجماع انبیاء و رسل اُس نے شرک کی سخت ممانعت فرما دی ہے۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ اللہ نے اپنی مشیت سے ہر چیز کو پیدا کیا ہے تو یہ صحیح ہے۔ لیکن اس سے کافروں کا مطلب نہیں نکلتا کیونکہ شرک اور بد اعمالی کا نتیجہ بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ دوزخ بھی اُسی نے بنائی ہے۔ خلق اور رضا میں فرق ہے۔ تخلیق سے شرعی ممانعت نہ ہونے پر استدلال کرنا غلط ہے۔ تکذیب انبیاء کرنے والوں کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ ملک شام اور اطراف عالم میں چل پھر کر دیکھ لو۔

آخر میں اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپ کتنی بھی کوشش اور رغبت خاطر سے ان کو راہ پر لانا چاہیں مگر بے سود ہے اللہ کے علم میں جنکی گمراہی موجود ہے وہ راہ پر نہیں آ سکتا۔ ازلی گمراہوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

مقصود بیان: مشرکین کے شبہات کا ازالہ۔ ضرورت نبوت پر استدلال۔ غرض رسالت کی صراحت۔ مشیت و رضا کے فرق کی طرف ایماء۔ اس امر کی تصریح کہ ہر قوم میں ایک نبی آ چکا ہے۔ ضابطۂ رسالت کوئی جدید نہیں۔ اس بات کی وضاحت کہ تمام انبیاء ایک ہی مقصد کے حامل تھے۔ ہدایت و گمراہی اللہ کے اختیار میں ہے۔ نبی کا کام صرف تبلیغ ہے، نبی مختار کل نہیں ہوتا اور نہ کافر کو زبردستی مؤمن بنانا نبی کی قدرت میں ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا

اور وہ اللہ کی بہت سخت　قسمیں کھاتے ہیں　کہ جو

يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا

مر جائے گا اللہ اُس کو نہیں اٹھائیگا　ضرور اٹھائیگا اسپر یہ وعدہ

عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑪

لازم ہے ۔ مگر بہتیرے آدمی ناواقف ہیں

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ

(اٹھانے کی غرض یہ ہے) لوگوں پر وہ بات ظاہر کرے جسمیں وہ اختلاف

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝

کرتے تھے اور کافروں کو معلوم ہو جائے کہ واقعی وہ جھوٹے تھے

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ

جب ہم کسی چیز (کو پیدا کرنے) کا ارادہ کرتے ہیں تو بس کہدیتے ہیں

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ع

ہوجا وہ ہو جاتی ہے

تفسیر قریش کا قاعدہ تھا کہ اکثر باتوں پر اپنے آباؤ اجداد یا اولاد یا بتوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے لیکن اگر کوئی سخت قسم کھانی ہوتی تو اللہ کی قسم کھاتے اور اللہ کو شاہد بنا کر کہتے کہ مُردے دوبارہ زندہ نہ ہوں گے۔ انکار حشر کی کوئی وجہ سوا گمان و قیاس کے اُن کے پاس نہ تھی۔ اُن کو بوسیدہ اور فرسودہ ہڈیوں کا زندہ ہو کر اُٹھنا تعجب انگیز معلوم ہوتا تھا۔ ابو العالیہ کی روایت میں ہے کہ کسی مسلمان کا کسی قریشی کافر پر کچھ روپیہ قرض تھا مسلمان نے مطالبہ کیا۔ کافر نے انکار کیا۔ گفتگو کا رد و بدل ہوا مسلمان نے دوران گفتگو میں کہا مجھے بروز قیامت خدا سے ایسی ایسی امیدیں ہیں۔ کافر نے کہا ہائیں تجھے خیال ہے کہ گل سڑ جانے کے بعد تو پھر زندہ ہوگا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں ایسا ہرگز نہوگا۔ صحیحین میں اتنا زائد ہے کہ اس کافر نے کہا اچھا جب میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں (اور لامحالہ میرے پاس وہاں میرا مال تو ہوگا) اُس وقت تیرا قرضہ ادا کر دوں گا) اسی پر ان آیات کا نزول ہوا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ انکار قیامت بے بنیاد ہے۔ وجود قیامت کا مقتضی موجود ہے اور کوئی عقلی استحالہ بھی نہیں۔ ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ریزہ ریزہ ہڈیوں کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کرینگے۔ وجود قیامت کا فائدہ یہ ہے کہ دنیا میں اکثر باتوں کا اکثر لوگوں کو شبہ رہتا ہے بکثرت آدمی کسی قابل وثوق نتیجہ پر نہیں پہنچتے اور باہم اختلاف کرتے ہیں۔ کوئی اللہ کو مانتا ہے کوئی نہیں مانتا۔ اگرچہ دلائل معجزات اور عقل سلیم کی شہادت سے یہیں سب کچھ فیصلہ ہو گیا۔ مگر پھر بھی بہت لوگ عناداً نہیں مانتے اور نخوت و تکبر سے اپنا عقیدہ اور خیال نہیں چھوڑتے اس لئے دوسرے جہان کا ہونا ضروری ہے تاکہ جھگڑے چکا کر سچ اور جھوٹ پیدا کر دکھایا جائے اور سزا جزا دے کر حق و باطل متیقن بنا دیا جائے۔ رہا یہ شبہ کہ ریزہ ریزہ ہڈیاں کس طرح جمع کی جائیں گی؟ اور کس طرح اُن کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا؟ تو اللہ کے لئے یہ بات کچھ دشوار نہیں۔ اُسکو کسی چیز کے پیدا کرنے کے لئے مادہ کی بھی ضرورت نہیں اور جب مادہ موجود ہو تو اُس کی پراگندگی دور کر کے جمع کر لینا اور اُس میں جان ڈال دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ تخلیق اشیاء کے لئے محض اُس کا ارادہ اور مشیت کافی ہے۔ جہاں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا وہ چیز پیدا ہو گئی۔ لہذا قیامت کے وقوع سے جب کوئی مانع نہیں اور مقتضی موجود ہے تو پھر اُس کا وقوع کیوں نہ ہو۔

مقصود بیان:۔ وعدۂ الٰہی میں تکذیب نہیں ہو سکتی۔ حشر جسمانی حق ہے۔ حشر جسمانی کے مقتضی کا بیان۔ اللہ کو تخلیق اشیاء کے لئے کسی مادہ اور مدت کی ضرورت نہیں۔ اُس کے حکم کی تاثیر بغیر مادہ کے ہوتی ہے اور زمانی نہیں بلکہ آنی ہوتی ہے۔ فقط اُس کا ارادہ اور فعلی مشیت ہی تخلیق کے لئے کافی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

جن لوگوں نے مظلوم ہونے کے بعد گھر چھوڑے

ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط

ہم ضرور اُن کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ لا

اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے کاش وہ جانتے ہوتے

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

(یہ وہی لوگ ہیں) جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں

تفسیر ان آیات کے سبب نزول میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن چھ راسخ الایمان صحابہ کے حق میں نازل ہوئی ہے جن کو کفار قریش غلام سمجھ کر سخت ترین تکالیف دیا کرتے تھے۔ ان میں خبابؓ، بلالؓ، صہیبؓ اور عمارؓ بھی تھے۔ ان لوگوں نے تنگ آکر مدینہ کو ہجرت کی تھی۔

بعض کا قول ہے کہ ابوجندل بن سہیلؓ وغیرہ کے حق میں آیت کا نزول ہوا جن کے باپ اور خاندان والے کافر تھے وہ مرتد بنانے کے لئے طرح طرح سے ان کو تکلیفیں دیتے تھے۔ مارا [illegible]

برداشت کئے - قوی قول یہ ہے کہ آیت کا نزول اُن اشخاص کے حق میں ہوا جنھوں نے ملک حبش کو ہجرت کی تھی - اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وطن چھوڑا ؛ اہل وعیال کو خیرباد کہا ، مال وجائداد سے دستبردار ہوئے ، سفر کی صعوبت اٹھائی اور موت سے منہ موڑا - یہ کل اسی یا بیاسی آدمی تھے جن میں حضرت عثمان رض آپ کی بیوی یعنی صاحبزادی حضرت رقیہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب وغیرہ بھی تھے - توضیح مقام یہ ہے کہ ہجرت کے معنی ہیں چھوڑ دینا - شریعت میں اس سے مراد ہوتی ہے اپنے اہل وعیال مال ومتاع اور گھربار کو چھوڑ کر ایسے مقام پر چلا جانا جہاں اسلام کے احکام بخوبی آسانی کے ساتھ بلا روک ٹوک انجام دیے جا سکیں حضور اقدس ﷺ کے ابتدائی زمانہ میں مکہ کفرستان تھا - احکام اسلامیہ پر عمل کرنے کی آزادی نہ تھی - طرح طرح سے مسلمان ستائے جاتے تھے اسلئے حضور اقدس ﷺ نے کچھ مسلمانوں کو حکم دیا کہ حبش کو چلے جاؤ - وہاں کا بادشاہ نجاشی تم کو پناہ دیگا - چنانچہ مسلمانوں کی ایک جماعت مکہ چھوڑ کر چلی گئی - پھر روز بروز مصائب وتکالیف اور کافروں کی طرف سے ایذا رسانی میں اضافہ ہوتا گیا تو حضور ﷺ نے مدینہ کو ہجرت کر جانے کی اجازت دی اور خود بھی ایک روز حضرت ابوبکر رض کو ساتھ لے کر راتوں رات اُٹھ کھڑے ہوئے اور تمام مال ومتاع اور گھربار چھوڑ کر مدینہ کو تشریف لے گئے اور مدینہ پہنچکر اعلان عام فرمادیا کہ جہاں کہیں جو مسلمان ہو اور اُس کے بس میں ہو تو مدینہ کو چلا آئے - فتح مکہ سے پہلے پہلے یہ حکم جاری رہا - لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور مسلمانوں کی حکومت وہاں ہو گئی اور اسلامی قوانین پر عمل کرنے میں مزاحمت کا خطرہ نہ رہا تو حضور ﷺ نے فرمادیا : لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ یعنی فتح مکہ کے بعد اب ہجرت کا وجوب نہ رہا البتہ جہاد کا حکم باقی رہا - لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا - ہاں صرف مدینہ کو ہجرت کرنے کا وجوب جاتا رہا - باقی حکم ہجرت بدستور باقی ہے - جہاں فرائض وواجبات میں مزاحمت ہوتی ہو ، حکومت وقت یا برادران وطن اسلامی قوانین پر عمل کرنے سے روکتے ہوں اور مسلمانوں کا جان ومال محفوظ نہ ہو اور نہ دفع کی طاقت ہو تو وہاں سے ہجرت کر جانا اور کہیں پاکستان میں امن کی جگہ جا کر رہنا ضروری ہے آیت میں بھی کوئی تخصیص نہیں ، مورد اگرچہ مخصوص ہے - سبب نزول بھی خاص ہے - مگر حکم عام ہے -

آیت میں ہجرت کی دو شرطیں بیان فرمائیں (۱) راہ خدا میں ہجرت ہو - ہجرت سے مقصود محض رضائے الٰہی کا حصول ہو - کوئی دنیوی طمع دامن گیر نہ ہو - صحیحین کی مشہور حدیث ہے اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ الخ یعنی اعمال کا مدار نیتوں پر ہے - جو شخص اللہ ورسول کے لئے ہجرت کرتا ہے تو اُس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہو گی - اور جو شخص مال کے حصول یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے کرتا ہے تو اُس کی جو نیت ہو گی اُسی کی طرف اُس کی ہجرت ہو گی -

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مظلوم ہونے کے بعد اُس کی ہجرت ہو - ظلم کا لفظ عام ہے جسمانی ہو یا مالی ہو - مذہبی ہو یا اور کسی طرح کا ہو بہرحال کافروں کی طرف سے جس پر ظلم ہوتا ہو - انہی دونوں شرطوں کی طرف لفظ صَبَرُوْا اور يَتَوَكَّلُوْنَ سے اشارہ فرمایا - مراد یہ ہے کہ جب کفار کا ظلم انتہا کو پہونچ جائے اور صبر کرتے کرتے آدمی تنگ آجائے تو ہجرت کرنے کا ارادہ کرے - پھر ہجرت کرنے کے وقت خالص دل سے اللہ پر بھروسہ ہو - اُسی کی خوشنودی پیش نظر ہو - گویا اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ تشریح ہے وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کی -

مہاجرین مخلصین کے لئے دو طرح کا اجر بیان فرمایا دنیوی اور اخروی ظاہر ہے کہ جب انسان عیش وآرام سکون وچین گھربار اور اہل وعیال کو ترک کر کے وادی صعوبت میں قدم رکھتا ہے تو اُس کے دل میں فطری طور پر باقتضائے بشری خطرہ ہونا چاہیئے کہ خدا جانے اب میں جہاں جا رہا ہوں وہاں مجھے ٹھکانا ملیگا یا نہیں - کن کن مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا - پھر یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ کہیں میری یہ محنت برباد نہ جائے - دنیوی آسائش کو چھوڑ رہا ہوں کہیں خدا اس عمل کو مردود نہ فرمادے اس لئے دونوں خطرات کا دفع کرنا ضروری تھا - پہلے خطرہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا ہم دنیا میں ان کو حیران وسرگردان نہ رہنے دینگے بلکہ اچھی طرح اُن کو ٹھکانا دینگے - ہر طرح کی عافیت وبھلائی عطا کرینگے - دوسرے توہم کے ازالہ کے لئے فرمایا - آخرت کا اجر بہترین ہے - حیات جاودانی سرور ابدی اور نعمت غیر فانی ان کو ملے گی -

میں کہتا ہوں کہ ہجرت تین قسم کی ہوتی ہے (۱) ہجرت متعارف جس کا بیان سطور بالا میں ہو گیا (۲) اُن باتوں کو ترک کر دینا جو شرعاً ممنوع ہیں - حدیث صحیح میں وارد ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مہاجر کون شخص ہوتا ہے ؟ فرمایا جو شخص ہر اُس بات کو چھوڑ دے جسکی ممانعت اللہ نے فرمائی ہے وہ مہاجر ہے - یہ ہجرت پہلی قسم سے زیادہ عام ہے دارالاسلام میں اپنے گھر بیٹھ کر بھی اس ہجرت کا ثواب پا سکتا ہے - بشرطیکہ ممنوعات کو ترک کر دے - (۳) آدمی اللہ کے سوا کسی غیر کا طالب ہی نہ ہو اور سوائے اللہ کے ارادہ کے کسی دوسرے کی مشیت پر نہ چلے یہاں تک کہ اپنے نفس کی خواہش بلکہ اُس کی لذت بھی ترک کر دے - یہ قسم بلند مرتبہ رکھنے والے اہل تقویٰ کے ساتھ مخصوص ہے جو آخرت کی لذت وعیش کی آرزو میں دنیا کی تمام مرغوبات کو چھوڑ دیتے ہیں - خواہ وہ مرغوبات شرعاً حرام ہوں یا حلال - شریعت نے

اگرچہ جائز لذت کے حصول کی اجازت دیدی ہے مگر وہ نفسانی خواہشات سے صرف آخرت کی تمنا میں کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔ حدیث اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ الخ میں اسی قسم کی طرف اشارہ ہے۔ لفظ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ تمام اقسام کو شامل ہے خواہ ہجرت فی سبیل اللہ ہو یا فی حب اللہ یا فی دین اللہ یا فی صفات اللہ یا فی ذات اللہ یا فی امر اللہ۔

مقصود بیان:- ترک ممنوعات کی طرف لطیف ایماء۔ لفظ فی اللہ سے ہجرت کی نیت محض اللہ کے واسطے کرنے کی ہدایت۔ لفظ صبروا سے اس امر کی طرف اشارہ کہ دین پر استقامت اور تمام مصائب کی برداشت اجر جزیل کے حصول کا موجب ہے۔ نیز اس سے یہ امر بھی مترشح ہوتا ہے کہ ممنوعات سے نفس کو روکنا اور اوامر پر پابند رکھنا مؤمنین مخلصین کا شعار ہونا چاہئے۔ عَلٰی رَبِّهِمْ الخ کے الفاظ ہدایت کر رہے ہیں کہ اللہ سے بدگمانی نہ کرنی چاہئے اور کسی تکلیف کا اندیشہ نہ پیدا کرنا چاہئے بلکہ مآل کار اللہ کے سپرد کرکے اُسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صعوبتیں برداشت کرتے ہیں خدا تعالیٰ دنیا میں بھی اُن کو عافیت، سکون، راحت، عزت وغیرہ عطا فرماتا ہے اور ہر طرح کی بھلائی عنایت کرتا ہے۔ وغیرہ

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيْ

تم سے پہلے بھی ہم نے آدمی بھیجے تھے جن کے پاس ہم وحی بھیجا

إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ

کرتے تھے اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے

لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَ

پوچھ دیکھو (ہم نے اُن کو) دلیلیں اور کتابیں دیکر بھیجا اور

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ

ہم نے تم پر قرآن اُتارا تاکہ لوگوں سے وہ احکام بیان کرو

مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

جو اُن پر نازل کئے گئے ہیں شاید وہ دھیان کریں

تفسیر ابن کثیر نے بروایت ضحاک از ابن عباس بیان کیا ہے کہ جب حضور صلعم کی نبوت کا اعلان ہوا تو کفار عرب نے انکار کیا۔ اُن کو اپنی جہالت کے سبب نبوت اور بشریت میں منافات نظر آتی تھی۔ اسی بنا پر قریش نے کہا تھا کہ اللہ کی شان اس سے برتر و اعلیٰ ہے کہ کسی آدمی کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجے۔ اگر اُسکو رسول بھیجنا ہوتا تو کم از کم کسی فرشتے کو رسول بناتا۔ گویا حضور اقدس کی نبوت ہی کا انکار انہوں نے نہ کیا بلکہ انسان کے نبی ہونے کو ہی خلاف درایت سمجھا۔ چونکہ یہ بات کفار کی کج فہمی پر مبنی تھی اس لئے اُن کے خیال کی تردید میں اس آیت کا نزول ہوا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:- آدمیوں کے واسطے پیغمبر بھی آدمی ہی ہونے چاہئیں۔ زائد سے زائد یہ کہ کامل عقل والے ہونے ضرور ہیں تو خدا تعالیٰ نے ابتک کسی فرشتہ وغیرہ کو نبی بنا کر آدمی کی ہدایت کے لئے نہیں بھیجا آدمیوں کو ہی نبی بنایا اور آدمیوں میں سے بھی صرف مردوں کو (یعنی عورتیں چونکہ مردوں کی بہ نسبت کم عقل ہوتی ہیں اسلئے عورتوں کو بھی نبی نہیں بنایا) اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر قرآن اور قول رسول کا تم کو یقین نہیں تو دوسرے اہل کتاب سے دریافت کرلو۔ سب کے سب تو جھوٹ نہیں بولینگے آدمی کا نبی ہونا تو اُن کو بھی مسلم ہے جب تمام اہل مذاہب کا اس پر اتفاق ہے تو پھر تم کیوں رسول خدا کی تکذیب کرتے ہو۔ جس طرح ہم نے دوسرے انبیاء کو اپنی کتابیں اور معجزات دیکر بھیجا تھا اسی طرح محمد صلعم پر قرآن نازل فرمایا۔ کیونکہ احکام کا بیان اور قوانین الٰہیہ کی تشریح و تفصیل تو ضروری تھی اور یہ ممکن نہ تھا کہ ہر شخص کے پاس علیحدہ علیحدہ پیام بھیجا جاتا لا محالہ نبی کے پاس ایک یادداشت یعنی قرآن بھیجا تاکہ وہ یادداشت عام لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کردی جائے۔ ممکن ہے کہ جو لوگ خود راہ راست پر نہیں چل سکتے ہیں وہ قرآن کے احکام، قوانین، طرز ادا اور بلاغت پر غور کریں اور ہدایت یاب ہوجائیں۔

نوٹ:- اہل ذکر سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اہل تورات یعنی یہودی مراد ہیں۔ زجاج کا قول ہے کہ عام اہل کتاب مراد ہیں۔ مجاہد و اعمش کی روایت میں ابن عباس کا بھی یہی قول منقول ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اہل ذکر سے اہل قرآن یعنی علماء اسلام مراد ہیں۔ امام باقر نے فرمایا اہل ذکر ہم لوگ ہیں یعنے علمائے قرآن۔

آیت سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں (۱) آیت میں حضور اقدس صلعم کو حکم دیا ہے کہ تم کھول کر صاف صاف قرآنی احکام کو لوگوں کے سامنے بیان کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلعم کا قول و فعل حجت شرعیہ ہے اوقات نماز اور عدد رکعات وغیرہ گویا قرآنی حکم ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن اکثر جگہ مجمل احکام بیان کرتا ہے لہذا اُسکے بیان کے لئے حدیث کی ضرورت ہے۔ اسی بناء پر علماء کا اتفاق ہے کہ آیۂ مجمل پر حدیث مبین مقدم ہے (۲) یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی کو کوئی بات خصوصاً شرعی مسئلہ معلوم نہ ہو تو جاننے والے سے اُس کو دریافت

کرلینا چاہئے اور دریافت کرنے میں کسی کی خصوصیت نہیں۔ ہر جاننے والے سے دریافت کرسکتا ہے۔ خواہ وہ آیات قرآنی، احادیث رسولؐ۔ آثارِ صحابہؓ اور اقوالِ تابعین کا عالم ہو اور اُن کو سامنے رکھکر جواب دے یا قرآن وحدیث اور اقوال سلف میں مسئلہ صاف نہ ملنے کی وجہ سے قرآن وحدیث سے استنباط کرکے جواب دے۔ اصولِ فقہ میں علماء نے اس بات کو طے کردیا ہے کہ اول قرآن سے پھر احادیث سے پھر اجماع صحابہ سے مسائل شرعیہ میں حجت پکڑنی چاہئے۔ لیکن اگر کوئی مسئلہ صراحۃً قرآن وحدیث میں نہ ملے اور نہ اجماع سے ثابت ہو تو پھر استنباط کی ضرورت ہے۔ استنباط خود حضور اقدسؐ اور صحابۂ کرامؓ اور ائمۂ سلف نے کیا ہے۔ استنباط ایک ضروری چیز ہے ورنہ قرآن تَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ نہیں ہوسکتا۔ ہاں استنباط کے اُن شرائط کو پیش نظر رکھنا ضرور ہے جو اصولِ فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔ اسی استنباط کو قیاس کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص استنباط نہ کرسکتا ہو اور شروط قیاس متحقق نہوں تو کسی مستنبط یعنی مجتہد سے پوچھ کر یا اُس کا قول کسی عالم سے بدیانت کرکے عمل کرنا چاہئے اسی کو تقلید شرعی کہتے ہیں۔

مقصودِ بیان:۔ رسول پاکؐ کی نبوت کوئی انوکھی اور نئی نہ تھی بلکہ جسطرح اور انبیاء ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے خدا نے حضورؐ کو بھیجا۔ کوئی فرشتہ یا یا عورت یا جن انسانوں کی ہدایت کے لئے نبی بناکر نہیں بھیجا گیا۔ [illegible] یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دیگر اہل کتاب کا قول قابلِ حجت ہے یا اُن کی مذہبی کتابیں بلاتحریف موجود ہیں۔ بلکہ اس سے مقصود یہ نکلتا ہے کہ جن مسائل میں اہل کتاب اہل اسلام سے مختلف نہ ہوں اُن مسائل میں اہل کتاب کا قول قابلِ حجت ہے۔ آیت سے تقلید عام کا وجوب بھی ظاہر ہوتا ہے۔ رسول پاکؐ کا قول اور فعل قابلِ حجت بلکہ واجب العمل ہے۔ حضورؐ کا مفصل فرمان درحقیقت مجمل قرآن کی شرح ہے اس لئے مجمل آیت پر بحیثیت اجمال جس طرح عمل کرنا واجب ہے اسی طرح حضور اقدسؐ کے متواتر مفصل فرمان پر عمل ضرور ہے لِتُبَيِّنَ کا لفظ صاف بتارہا ہے کہ حضور اقدسؐ کے اعمال و اقوال مُبَيِّن قرآن تھے۔ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ سے ابن عباسؓ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جو معجزات اور ہدایات دیگر انبیاء کو عطا ہوئے تھے وہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت کئے گئے۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ يَتَفَكَّرُوۡنَ کے لفظ میں دعوت غور ہے کہ قرآن کے قوانین، احکام اور طرزِ ادا پر غور وخوض کرنا ضروری ہے۔ صحیح غور کے بعد توحید ورسالت کے اقرار اور احکام قرآن کے برحق ہونے پر ہر صحیح الفہم انسان پہنچ سکتا ہے۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيۡنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ

جو لوگ بُری تدبیریں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے نڈر ہوگئے ہیں کہ

يَّخۡسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ يَاۡتِيَهُمُ

اللہ اُن کو زمین میں دھنسا دے گا یا ایسی طرف سے اُن پر

الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝ اَوۡ

عذاب آجائیگا جس کی اُن کو خبر بھی نہ ہو یا

يَاۡخُذَهُمۡ فِىۡ تَقَلُّبِهِمۡ فَمَا هُمۡ

چلتے پھرتے اُن کی گرفت کرلے گا پھر اُن کا قابو

بِمُعۡجِزِيۡنَ ۝ اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ

نہ چل سکے گا یا ڈراکر اُن کو دھر پکڑے گا

فَاِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝ اَوَلَمۡ يَرَوۡا

تمہارا رب واقعی بڑا شفیق و مہربان ہے کیا انہوں نے اللہ کی

اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ يَّتَفَيَّؤُا

پیدا کی ہوئی چیزوں کی طرف نہیں دیکھا کہ اُس کے سائے

ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا

دائیں بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں

لِّلّٰهِ وَهُمۡ دٰخِرُوۡنَ ۝ وَلِلّٰهِ يَسۡجُدُ مَا

اور وہ عاجزی کرنے والے ہوتے ہیں جو جاندار آسمانوں میں

فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّةٍ وَّ

اور زمین میں ہے وہ نیز فرشتے اللہ ہی کو سجدہ کرتے

الۡمَلٰٓئِكَةُ وَهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝ يَخَافُوۡنَ

ہیں اور سرکشی نہیں کرتے اپنے اُس رب سے

رَبَّهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ وَيَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ ۝

ڈرتے ہیں جو اُن کے اوپر غالب ہے اور جو حکم اُن کو دیا جاتا ہے اسکی تعمیل کرتے ہیں

تفسیر اسلام کے خلاف مکر و فریب کرنے والے اپنی تدبیروں کو کارگر سمجھنے والے اور اسلام کو ہٹانے کے لئے ان ہتھک

کوشش کرنے والے ہر وقت اپنی طاغوتی مجلسا زیوں میں منہمک رہتے تھے اور نتائج کی طرف سے غافل ہو کر اپنی دماغ آرائیوں کو الٰہی قوت کے مقابلہ میں بر سر کار لاتے تھے۔ ایسے گمراہ مغرور افراد کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ کیا ان کو چار باتوں میں سے کسی کا خطرہ نہ رہا کیا ان کے پاس ان چاروں خطرات و مہلکات سے بچنے کی طاقت ہے:- (۱) ہو سکتا ہے کہ اللہ اُن کو زمین میں دھنسا دے زمین پھٹ جائے اُلٹ جائے اور وہ نیچے دب جائیں اندر گھس جائیں۔ گذشتہ تاریخ دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ بکثرت افراد خدا کے اس عذاب میں ماخوذ ہوئے ہیں۔ (۲) یا کوئی ناگہانی عذاب غیر محسوس طور پر آجائے اور ایسی جگہ سے آجائے جسکی خبر بھی نہ ہو مثلاً آسمان سے انگارے اور چنگاریاں برسنے لگیں یا اولے اور بڑے بڑے گولے اوپر سے گریں یا تند آندھی یا طوفان بارش آجائے جس سے یہ سرکش تباہ و برباد ہو جائیں۔ مختلف اقوام ان غیبی عذابوں سے برباد ہو چکی ہیں۔ پھر یہ کیوں مطمئن اور بے باک ہیں۔ (۳) یا حالت سفر میں خدا تعالیٰ ان کو ہلاک اور مبتلائے عذاب کرے۔ کیونکہ جو وطن میں ہلاک ہو سکتا ہے وہ سفر میں بھی ہلاک ہو سکتا ہے۔ وطن میں دوست احباب اعزہ اقارب اور تمام ہمدرد جمع ہوتے ہیں دیکھ بھال اور خدمت کر سکتے ہیں۔ مگر پردیس میں عموماً کوئی غمگسار یار نہیں ہوتا سفر کی موت سخت ہوتی ہے۔ تَقَلُّب کے معنی ہیں انقلاب تبدیل تغیر۔ وضع حالت اور شکل کا بدلنا۔ آمد و رفت کرنا۔ تدبیروں کا مختلف ہونا کروٹ بدلنا۔ وغیرہ۔ اہل تفسیر نے آیت کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حصول معاش کے لئے جو سفر کیا جاتا تھا ذکر کیا جاتا ہے۔ تقلب سے یہی مراد ہے۔ سدی وغیرہ نے مطلق سفر مراد لیا ہے۔ مجاہد ضحاک اور قتادہ وغیرہم نے فرمایا کہ رات دن کا انقلاب مراد ہے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسباب عیش اور سامان راحت کی تبدیل مراد ہے۔ بعض کا قول ہے کہ سوتے میں کروٹیں لینی مراد ہیں جبکہ آدمی نہایت چین وسکون کی حالت میں ہوتا ہے۔ آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ رات دن کا انقلاب ہو یا حصول معاش کے لئے ملک ملک کا سفر اور عیش کی دنیا میں آمد و رفت ہو یا سکون کی حالت میں خواب راحت ہو، اطمینان چین کے ساتھ طرح طرح کی تدبیریں سوچنے میں انہماک ہو۔ بہر حال خدا تعالیٰ ہر وقت ہی گرفت کر سکتا ہے۔ اُس کے قابو سے کوئی بھی کسی وقت باہر نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بے باکی کیوں ہے۔ وہ کونسی طاقت ہے جو اللہ کی گرفت سے بچا سکتی ہے۔ (۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ناگہانی بلا نازل نہ کرے بلکہ پہلے علامات و آثار نمایاں ہوں۔ مرنے سے پہلے لوگوں میں بے چینی خوف اور ہراس پیدا ہو پھر رفتہ رفتہ سب کو ہلاک کرنے مثلاً قحط پڑ جائے وبا پھیل جائے دشمنوں کا تسلط آہستہ آہستہ قائم ہو جائے اور اس طرح تدریجاً سب قوم ہلاک ہو جائے۔ ابن کثیر کے نزدیک تَخَوُّف کے معنی ہیں

ڈرانا یعنی خدا یہ بھی کر سکتا ہے کہ مختلف اسباب ہلاکت طاری فرما کر اول ڈرائے اور ڈرانے کے بعد سب کو ہلاک کرے۔ چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اگر میں چاہوں تو ایسی گرفت کروں کہ ایک کی موت سے دوسرا خائف ہو جائے۔ مجاہد ضحاک وقتادہ وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے عام مفسرین نے تَخَوُّف کے معنی تَنَقُّص کے بیان کئے ہیں یعنی رفتہ رفتہ جان و مال کی کمی کرنا اور آہستہ آہستہ سب کو ہلاک کر دینا۔ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ برسر منبر حضرت عمرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور حاضرین سے تفسیر دریافت کی۔ سب خاموش رہے مگر بنو ہذیل کا ایک بوڑھا آدمی بولا کہ ہماری زبان میں تخوف کے معنی تنقص کے ہیں۔ الغرض خدا تعالیٰ ارضی و سماوی اور فضائی آفتوں میں مبتلا کر کے ناگہاں ہلاک کر سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آثار و علامات نمودار کرنے کے بعد آہستہ آہستہ ہلاک و برباد کرے مگر اپنی مہربانی اور کرم سے ایسا نہیں کرتا ورنہ قدرت اُس کو ہر طرح حاصل ہے۔ اس سے آگے اپنی قدرت کاملہ اور جبروت باہرہ کے آثار بیان فرما کر تمام موجودات و کائنات کا فرمان پذیر اور مطیع حکم ہونا بیان فرماتا ہے کہ دیکھو مخلوق میں دو طرح کی چیزیں ہیں اصل اور سایہ پھر اصل اشیاء میں دو نوعیت رکھنے والی مخلوق ہے کچھ انسان سے نیچے درجہ کی کچھ اوپر کے درجہ کی۔ تمام وہ حیوانات جو جان رکھتے ہیں اور زمین پر متحرک ہیں اور تمام وہ فرشتے جو انسان سے بالاتر ہیں سب کے سب اللہ کے حکم کے مسخر ہیں کوئی سرکشی نہیں کر سکتا۔ سب ہی خدا کے سامنے سربسجود ہیں۔

تحقیق زہری کا قول ہے کہ تَفَیُّؤُ الظِّلَال آخر دن کے سایہ کے ڈھلنے کو کہتے ہیں۔ لیکن یہاں عام مفہوم مراد ہے۔ موسم گرمی سردی آفتاب و ماہتاب کے عروج و زوال، خط استواء کے قرب و بعد اختلاف مطلع و مغرب کی وجہ سے صبح و شام کے تفاوت کے سبب سایہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب پڑتا ہے اور گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔

سجدہ سے کیا مراد ہے؟ فرشتوں کا سجدہ کرنا تو بالکل بدیہی بات ہے حقیقی سجدہ فرمان پذیری مسخر حکم ہونا اور اطاعت امر سب کچھ فرشتوں میں موجود ہے۔ رہا دیگر اشیاء کا سجدہ کرنا تو ظاہر ہے کہ حقیقی معنی مراد نہیں زجاج نے کہا کہ ہر چیز کی پیدائش اطاعت الٰہی پر ہے یہی اُس کا سجدہ ہے مجاہد نے کہا جب سورج جھکتا ہے تو ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے (یعنی اُس کا سایہ پڑتا ہے) اور سایہ پڑنا ہی ہر چیز کا سجدہ ہے) قتادہ ضحاک وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ مجاہد نے تو دوسری روایت میں صراحت کر دی ہے کہ ہر چیز کا سجدہ اُس کا سایہ ہے۔ ابو غالب شیبانی نے کہا کہ سمندر کی موجیں اسکی تسبیح و صلوٰۃ ہے۔ میرے نزدیک زجاج کا قول قوی ہے۔ ہر چیز اللہ کے حکم کی مطیع ہے۔ ہر شئی اپنی پیدائش اور نظم خاص پر چلنے کے لحاظ سے قانون الٰہی سے سرتابی نہیں کر سکتی سرتابی نہ کرنا قانون الٰہی پر چلنا۔ اور

نظام قدرت کا تابع ہونا اسی کو سجدہ سے تعبیر فرمایا

مقصود بیان:- سرکش کافروں اور نافرمان مسلمانوں کو اپنی ہمہ گیر طاقت اور محیط کل قدرت سے ڈرا کر راہِ راست پر چلنے کی ضمنی تبلیغ - اس امر کی صراحت کہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے کوئی چیز خارج نہیں مگر اُس نے اپنی مہربانی کی وجہ سے آزاد چھوڑ دیا ہے - تمام مخلوق کا سجدہ ریز اور مطیع حکم ہونا بیان فرماکر در پردہ اس امر پر تنبیہ کہ غافل انسان اپنے کو طاقتور اور ذی فہم سمجھتا ہے اور خدا سے سرکشی کرتا ہے حالانکہ اُس کی سرشت بھی عام قانون قدرت کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کے حکم کی مسخر اور فرمان پذیر ہے - گویا انسان کی خدا سے سرکشی اپنی فطرت سے سرکشی ہے -

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ

اللہ نے فرمایا کہ دو معبود قرار نہ دو

اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝

معبود تو وہی ایک معبود ہے مجھ ہی سے ڈرو

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ

جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اُسی کا ہے اور ہمیشہ

الدِّيْنُ وَاصِبًا اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝

عبادت اُسی کو سزاوار ہے کیا اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرتے ہو

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا

حالانکہ تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے پھر تم کو جب

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا

کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی سے فریاد کرتے ہو اور جب وہ

كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ

تمہاری تکلیف دور کردیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کا شریک

يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا

قرار دینے لگتا ہے تاکہ ہماری دی ہوئی نعمت کی ناشکری کرے تو اب مزے اڑالو

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

آئندہ معلوم ہوجائے گا

تفسیر

مذکورۂ بالا آیات میں خدا تعالیٰ نے اپنی توحید الوہیت و ربوبیت کو دلائل فطرت سے ثابت کیا تھا اور فرمایا تھا کہ ہر چیز اپنی فطرت کے لحاظ سے مطیع حکم الٰہی ہے - دلائل فطرت کو سمجھنا نظر و فکر اور غور و خوض پر موقوف ہے - جو لوگ اصحاب مشاہدہ ہیں اور جن میں اللہ نے فطری طاقت امانت رکھی ہے وہ لوگ سوچ سمجھ کر حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں اور مصنوعات سے صانع پر استدلال کر سکتے ہیں - لیکن جو نور عقل سے کورے ہیں جن کو خود راہِ مستقیم تلاش کر کے حقیقت تک رسائی کرنے کی قوت نہیں اُن کی ہدایت کے لئے انبیاء مرسلین مبلّغین واعظین اور مختلف پیامبر دنیا میں آئے - اللہ کی کتابیں اور فرمان لائے - طرح طرح سے سمجھایا اور حق و باطل میں فرق کر دکھایا - گذشتہ آیات میں چونکہ دلائل فطرت پر غور کرنے کی ہدایت فرمائی تھی ان آیات میں اپنا وہ حکم نقل فرماتا ہے جو مختلف انبیاء کی زبانی بندوں تک اُس نے بھیجا تھا تاکہ عاقل و بیوقوف ارباب بصیرت اور کوتاہ فہم کوئی فرقہ بھی راہ یاب ہونے سے محروم نہ رہ جائے - اصحاب دانش مطالعہ فطرت کرنے کے بعد حقیقت پر پہنچ جائیں اور کم سمجھ آدمی نقلی احکام و ہدایات سے فائدہ اٹھا کر توحید کے قائل ہوجائیں -

حاصل ارشاد یہ ہے کہ ہم نے پیغمبروں کی معرفت اور اپنی کتابوں کی وساطت سے خالص توحید کا پیام دنیا والوں تک بھیجدیا، خفیف شرک کرنے کی بھی ممانعت کردی اور توحید الوہیت و ربوبیت کا حصر اپنی ذات کے لئے قرار دیا لہذا اعتقاد، اعمال اور اقوال میں شرک سے پرہیز کرنا اور بصورت خلاف ورزی عذاب سے ڈرنا اور اللہ کی ناراضی سے خوف کرنا ہر شخص پر فرض ہے -

اسی کے بعد توحید الوہیت کی کھلی ہوئی دو دلیلیں بیان فرماتا ہے جن سے غیر اللہ کی الوہیت کی نفی اور وحدانیت الٰہیہ کا ثبوت ہوتا ہے - پہلی دلیل تو یہ ہے کہ اللہ وہی ہو سکتا ہے جو دنیا کی ہر چیز کا خالق مالک اور مطلق حکمراں ہو - اُس کے قبضہ و تصرف سے کوئی شے باہر نہ ہو، ہر چیز دوامی طور پر اُس کی فرماں پذیر اور مطیع حکم ہو لا محالہ جو چیز مخلوق ہو خالق نہ ہو مملوک ہو مالک نہ ہو، محکوم ہو حاکم نہ ہو، مطیع حکم ہو مطاع نہ ہو، وہ کسی طرح الوہیت کا استحقاق نہیں رکھتی - چونکہ زمین آسمان کی ہر چیز کا مالک خالق حاکم اور متصرف خدا ہی ہے - ہر چیز اُسی کی مخلوق مملوک محکوم اور مطیع امر ہے لہذا اُس کے سوا کوئی بھی الوہیت کا مستحق نہیں - دوسری دلیل یہ ہے کہ الوہیت و معبودیت کا حق اُسی کو پہنچتا ہے جس کے ہاتھ میں نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت ہو عابد کو کچھ دے سکے، اُس کی مصیبت دفع کر سکے اور ضرر پہنچا سکے - اور چونکہ ہر چیز خدا دیتا ہے وہی تکلیف دفع کرتا ہے سخت مصائب میں بے ساختہ تم اُسی کی طرف رجوع کرتے ہو پھر شرک کرنا اور دوسروں کو معبود بنانا سراسر حماقت اور موجب وبال ہے چند روزہ مزے اڑا کر رہنے کے بعد اس کا عذاب بھگتو گے -

مقصود بیان بر کوتاہ فہم اور بے بصیرت طبقہ کے لئے توحید کی نقلی دلیل کا اظہار - پھر توحید کا بدیہی اور واضح ثبوت اور ضمنی طور پر اس امر کی ہدایت کہ نفع نقصان پہنچانے کی طاقت صرف خدا ہی کو ہے - اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ غیر اللہ سے نہ طمع رکھے نہ خوف بلکہ مرکز بیم و رجا ذاتِ الٰہی کو ہی قرار دے -

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا

وہ ہماری دی ہوئی روزی میں جاہل معبودوں کا ایک حصہ مقرر

رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ

کرتے ہیں خدا کی قسم تم سے اس افترا بندی کی ضرور

تَفْتَرُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ

باز پرس ہوگی یہ اللہ کے لئے بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور اپنے لئے

وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ

وہ چیز قرار دیتے ہیں جسکی اُن کو رغبت ہو حالانکہ اللہ پاک ہے جب اُنہیں سے کسی کو

بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ

بیٹی کی خوشخبری سُنائی جاتی ہے تو اُس کا منہ کالا پڑجاتا ہے اور وہ

كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ

غم سے گھٹنے لگتا ہے بری بشارت کی عار سے لوگوں سے چھپتا

مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ

پھرتا ہے (سوچتا ہے) کہ ذلت قبول کرکے اُسکو لئے رہے یا مٹی میں

فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِيْنَ

دبا دے سُن لو یہ بہت بُرا حکم کرتے ہیں جو لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کی بُری حالت ہے اور اللہ کے لئے

الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ع ۱۳

صفت اعلیٰ ہے وہی غالب مصلحت بین ہے

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ

اگر اللہ لوگوں کے ظلم پر اُن کی پکڑ کرے تو زمین پر

عَلَيْهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى

کسی جاندار کو نہ چھوڑے لیکن ایک وقت مقرر تک اُن کو

اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

مہلت دیتا ہے جب اُن کا وقت مقرر آپہنچا تو گھڑی بھر نہ پیچھے

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ

ہٹ سکینگے نہ آگے بڑھ سکیں گے اللہ کے لئے وہ چیز تجویز

لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ

کرتے ہیں جسکو خود پسند نہیں کرتے اور اُن کی زبانیں دروغ بیانی

الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ

کرتی ہیں کہ ہمارے لئے بھلائی ہے بلاشک ان کے

لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝

لئے آگ ہے اور وہ پیش رو ہیں

تفسیر مشرکین عرب مختلف دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کرتے تھے - انہوں نے ہر ایک کا فرضی نام بھی رکھ چھوڑا تھا اور کارخانۂ قدرت میں دخل دینے کی ایک مخصوص نوعیت بھی ہر ایک کے لئے جدا جدا مقرر کر رکھی تھی - کسی کو بارش کی دیوی کہتے، کسی کو کھیتی کا دیوتا، کسی کو روشنی کا مالک اور کسی کو حسن و جمال کی مالکہ - لیکن ان فرضی معبودوں کی اصل حقیقت سے وہ قطعًا ناواقف تھے اُن کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ فرضی نام جن کو باپ دادا سے سنتے چلے آئے ہیں کیا ان کی کچھ حقیقت بھی تھی اور ان کا واقعی اقتدار بھی کچھ ہے یا نہیں اور ہے تو کس طرح ہے - انہی فرضی معبودوں کے نام پر بھینٹ چڑھاتے، نذر نیاز ان کے سامنے پیش کرتے، مال و اولاد اور کھیتیوں میں ان کے حصے مقرر کرتے، کوئی جانور یا کوئی بیٹا اُن کے نام سے نامزد کر دیتے، اُن کے نام پر سانڈھ چھوڑتے - بنو خزاعہ اور بنو کنانہ کا دوسرا عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جو مختلف کاموں پر مقرر ہیں، ان غیر مرئی دیویوں کو کارخانۂ قدرت میں دخل ہے جو کچھ چاہتی ہیں کرتی ہیں - یونان کا علم الاصنام بھی اسی

خرافات سے بھرا ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ مختلف ستاروں کو مختلف تصرفات و انتظامات کی دیویاں قرار دیتے تھے اور عرب کے مشرک وہی اقتدار فرشتوں کا تسلیم کرتے تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ہندوستان کی کالی دیوی، موہنی دیوی اور سبز پری کا عقیدہ بھی اسی طرح کی خرافات پر مبنی ہے۔ کافروں کا تیسرا قول یہ بھی تھا کہ اول تو مرنے کے بعد دوبارہ زندگی نہ ہوگی اور ہوئی بھی تو ہم کو اللہ کے ہاں بڑا رتبہ ملے گا۔ ہمارے ہزاروں معبود ہمارے سفارشی ہونگے ان تینوں بیہودہ اقوال کی تردید میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

پہلے قول کا ابطال دو طرح فرمایا۔ برہانی اور تنبیہی۔ برہانی ابطال تو یہ ہے کہ جن چیزوں کی حقیقت کا علم نہیں اُن کے اقتدار سے واقفیت نہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ آیا اُن کا وجود واقعی تھا یا فرضی نام ہیں نہ اس کا علم کہ یہ معبود ہیں کس نوع کے۔ مزید براں روزی رزق یا اور کسی قسم کی چیز ان کی دی ہوئی نہیں ہر چیز خدا نے دی پرائی مجہول الحقیقت نامعلوم الکیفیت اور غیر شناختہ وجود والے فرضی ناموں کے لئے کھیتی مویشی اور مال و اولاد میں حصہ مقرر کرنا اور ان کے ناموں کی بھینٹ چڑھانا سراسر حماقت ہے تنبیہی بازداشت اس طرح فرمائی کہ غیر اللہ کا حصہ خداداد نعمتوں میں مقرر کرنا اور اس کا عقیدہ رکھنا محض افترا اور دروغ ہے جس کی بازپرس یقینی ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ سے دوسرے عقیدہ کی تردید فرمائی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے والے مشرکوں کی عجیب حالت ہے اگر اپنی بیٹی پیدا ہونے کی خبر سُن پاتے ہیں تو رنج کے مارے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹتے ہیں۔ عار اور ناخوشی کے سبب لوگوں سے چھپے چھپے پھرتے ہیں، دل میں پیچ و تاب کھا کر منصوبے باندھتے ہیں کہ اب کیا کریں یا تو عار و ذلت برداشت کریں یعنی آئندہ دوسروں کو اپنا داماد بنائیں اور دوسروں کے سامنے نگاہ نیچی کرنی پڑے یا بیٹی کو زمین میں زندہ دفن کر دیں۔ غرض اپنے لئے تو بیٹی ہونے کے نام سے اتنی ذلت کا احساس اور دل تنگی کا اظہار کرتے ہیں اور اللہ کے لئے ایسے فراخ دل واقع ہوئے ہیں کہ فرشتوں کو اُس کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ سبحان اللہ کیسی حماقت در حماقت ہے۔ اول تو پاک پروردگار کے لئے اولاد کی تجویز انتہائی بے عقلی گستاخی اور کفر ہے۔ اولاد کی ضرورت اُسکو ہوتی ہے جو اپنی ذات سے ناقص اور حادث و محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے پھر اُسکو اولاد کی کیا ضرورت۔ پھر فرشتوں کو مؤنث اعتقاد کرنا مزید جہل عقیدہ ہے۔ پھر ان کو بیٹیاں قرار دینا اہمال در اہمال ہے۔ کیا خدا تعالیٰ ان مجبور ذلیل ترین کافروں سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

اس سے آگے تیسرے قول کی تردید سے پہلے فرماتا ہے کہ جن لوگوں کا آخرت پر ایمان نہیں اُن کی حالت بہت ہی بُری ہے۔ اُن کو اگر تشبیہ دی جائے تو مشبہ بہ کا بدترین ہونا ضروری ہے اور وجہ تشبیہ بھی بدترین ہونی لازم ہے نتیجہ یہ کہ کافرین قیامت کے عقائد اقوال و اعمال خبیث ترین ہیں۔ البتہ خدا تعالیٰ کے اوصاف جمیلہ اور صفات کمالیہ ہیں۔ ابن عباس نے وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ کی تفسیر میں فرمایا کہ کوئی چیز اُسکی مثل نہیں۔ ابن عباس کی مراد یہ ہے کہ عدیم المثال ہونا ہی اللہ کی اعلیٰ مثل اور اکمل صفت ہے۔ یہ شبہ ہرگز نہ کرنا چاہئے کہ کوئی چیز اللہ کی مثال ہو سکتی ہے۔ وہ ہر بُری اچھی مثال سے پاک ہے۔

یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ جب شرک و کفر ایسی مکروہ چیزیں ہیں اور مشرکوں سے خدا کو انتہائی نفرت و بغض ہے تو پھر ان کے وجود سے صفحۂ ہستی کو کیوں پاک نہیں کر دیتا۔ کیوں کافروں کو فنا کر کے اُن کی جگہ نیکوں کو آباد نہیں فرماتا۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے فرماتا ہے کہ اگر کفار و مشرکین کے کفر و شرک پر حق تعالیٰ فوراً دنیا ہی میں گرفت فرمائے تو ساری دنیا ہلاک ہو جائے کوئی جاندار باقی نہ رہے کیونکہ ظالم و نافرمان تو اپنی معصیت و بدکاری کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں اور نیک بندے اس وجہ سے مر جائیں کہ دنیا دار امتحان ہے۔ شر نہ ہو تو خیر کی شناخت کیسے ہو۔ تاریکی معدوم ہو جائے تو نور سے کیا فائدہ۔ دنیا کو پیدا کرنے سے مقصود تو مجموعہ کی آبادی ہے۔ کفر و اسلام اور معصیت و فرماں برداری کا جوڑ ہے اور چونکہ دوسری مخلوق انسان کے فائدہ کے لئے بنائی گئی ہے اسلئے انسان کو فنا کرنے کی صورت میں باقی کا وجود بیکار ہے۔ لامحالہ اگر کافروں اور بدکاروں کی گرفت فوراً کر لی جائے تو عالم تہ و بالا اور درہم برہم ہو جائے۔ مگر اللہ کا فضل ہے کہ وہ فوراً گرفت نہیں کرتا وقت موت تک مہلت دیتا رہتا ہے تاکہ توبہ کی گنجایش باقی رہے۔ ہاں جب وقت مقرر آجائیگا تو پھر تقدیم تاخیر نہ ہوگی۔

ایک وہم اور اُس کا ازالہ

خدا تعالیٰ عادل ہے ظالم نہیں اور یہ بھی یقینی ہے کہ کچھ لوگ نیک ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک کے کرتوت کا وبال دوسرے پر نہیں پڑ سکتا پھر اس قول کے کیا معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ لوگوں کی گرفت اُن کے ظلم کی وجہ سے فوراً فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو باقی نہ چھوڑتا کیا غیر مجرموں کو بھی مجرموں کے ساتھ ہلاک کر دیتا۔ کیا یہ انصاف کے خلاف نہیں ہے؟

اس شبہ کا ازالہ تین طرح کیا گیا ہے۔ اول شق وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی بندہ سے کما حقہ عبادت ہو ہی نہیں سکتی۔ تمام عمر ذکر فکر اور شکر و عبادت میں صرف کر دی جائے مگر اللہ کی نعمتیں اس قدر ہیں کہ اُن کا شکر بھی کافی طور پر ادا نہیں ہو سکتا۔ ہر منٹ میں تندرست جوان آدمی پچیس مرتبہ سانس لیتا ہے۔ ہر سانس اللہ کی دی ہوئی

ایک نعمت ہے اور ہر نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ لہذا ہر سنٹ میں بیسیوں مرتبہ شکر ادا کرنا لازم ہے لیکن کوئی انسان ایسا نہیں کرسکتا نتیجہ بالکل صاف ہے کہ کسی بندہ سے کما حقہٗ عبادت ہو ہی نہیں سکتی اسلئے سب مجرم ہوتے کوئی معصوم نہ ہوا۔ زائد سے زائد یہ کہ بالارادہ مرتکب معصیت بعض آدمی نہیں ہوتے۔ لیکن اس سے واقعی جرم کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر مجرموں کے جرموں کا مواخذہ فوری ہوجائے تو کثرت اشرار کے ساتھ بعض نیک آدمی بھی ہلاک ہوجائینگے۔ مگر دونوں گروہوں کی ہلاکت میں مآل کے اعتبار سے فرق ہے۔ ظالم گروہ کے لئے تو عذاب و نکال ہے اور نیک طبقہ کے لئے رحمت و ثواب کا سبب ہے۔ اول گروہ کو ہلاک کرنے کے بعد دوزخ میں بھیجا جائیگا اور دوسرے گروہ کو جنت میں مزید اجر عطا ہوگا۔ مختلف صحیح احادیث میں بھی اسی مضمون کی تائید وارد ہوئی ہے۔ تیسرے قول کی تردید خدا تعالیٰ نے آیت لَا جَرَمَ الخ سے فرمادی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کفار باوجود شرک کرنے کے اپنی ہٹ دھرمی کے سبب زبان سے یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ اگر آخرت کوئی چیز ہے تو ہمارے لیے وہاں بھی ہر طرح کی خوش حالی ہوگی۔ یہ اُن کی خام خیالی ہے۔ یہ لوگ دوزخیوں کے پیش رو بن کر آگے چلیں گے اور سب سے پہلے دوزخ میں پڑینگے اور نہ فقط داخل ہونگے بلکہ وہاں چھوڑ دیے جائیں گے۔

مقصود بیان:- کفار عرب کے عقائد ثلثہ کی پُرزور تردید۔ اول آیۃ سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کے نام کی نذر نیاز بھینٹ قربانی، کوئی جانور چھوڑنا وغیرہ وغیرہ سب کچھ حرام ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اُس کمزور عقیدہ کے مسلم طبقہ کو جو شیخ سدو کا بکرا میراجی کے کونڈے، کالو پہلوان کے گنگنے اور بعض دوسری شرک آمیز حرکتیں کرتا ہے کسی شئ کو غیر اللہ کے نام پر نامزد کرنا حرام اور شرک ہے بلکہ اُس شی کو بھی حرام بنا دیتا ہے۔ ہاں اگر کوئی چیز اللہ کے نام کی کردی جائے فاتحہ نذر نیاز خدا کے واسطے کی جائے تو اُس کا ثواب خواہ اپنے لئے مخصوص کرلے یا کسی دوسرے زندہ مُردے کو بخش دے یہ فعل جائز ہے۔ لفظ سُبْحٰنَهٗ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اولاد ہونا احتیاج و حدوث پر دلالت کرتا ہے اور خدا تعالیٰ ہر احتیاج و حدوث سے پاک ہے۔ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ سے عرب کے اُس جاہلانہ دستور کی طرف اشارہ ہے جس کا رواج اسلام سے قبل بعض جاہل قبائل میں تھا کہ اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اُس کو زندہ دفن کردیتے اور یہ خیال کرتے کہ اگر یہ جوان ہوگئی تو اسکی کہیں شادی کرنی ہوگی اور دوسرا شخص ہمارا داماد بنے گا اور ہم کو عار و ذلت اٹھانی پڑے گی۔ آیت وَلَوْ یُؤَاخِذُ الخ صاف دلالت کررہی ہے کہ انسان ضعیف البنیان کی حالت پر خدا تعالیٰ بہت مہربان ہے۔

اس کے افعال کا تقاضا تو یہی تھا کہ اسکو تباہ کردیا جاتا اور اس کے ناپاک وجود سے زمین کو صاف کردیا جاتا۔ مگر مصلحت الٰہی اور حکمت ربانی نے وقت موت تک مہلت دے رکھی ہے۔ آیت فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ الخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اقوام و افراد کی موت کا وقت کسی طرح ٹالے نہیں ٹل سکتا کوئی طاقت زوال و ہلاکت کو روک نہیں سکتی۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ

(اے محمد) خدا کی قسم تم سے پہلے بھی ہم نے امتوں کے پاس پیغمبر بھیجے

فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ

مگر شیطان نے اُن کے اعمال اُن کو آراستہ کر دکھائے سو وہی

وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

آج اُن کا رفیق ہے اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ

ہم نے تم پر کتاب صرف اس لئے اُتاری ہے کہ ان کے سامنے وہ باتیں

لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى

بیان کردو جن میں یہ اختلاف کررہے ہیں اور ایماندار

وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

قوم کے لئے وہ (کتاب) ہدایت و رحمت ہے

تفسیر اثبات توحید سے قبل بیان فرمایا تھا کہ ہم نے گزشتہ زمانہ میں بھی آدمیوں کو پیغمبر بناکر بھیجا تھا فرشتوں کو نبی نہیں بنایا تھا۔ پیغمبروں کا کیا کام تھا تبلیغ توحید، اشاعت عدل اور اصلاح خلق۔ گویا قانون نبوت قدیم سے چلا آیا ہے۔ نبوت کوئی نئی چیز نہیں۔ اسی مضمون کی تائید ان آیات میں فرمائی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے محمد آپ سے پہلے بھی اقوام و امم کی ہدایت کے لئے ہم نے انبیاء بھیجے۔ خیر و شر، نیک و بد اور حق و باطل کی انھوں نے تفریق کی۔ مگر جو لوگ شیطانی پھندوں میں گرفتار تھے وہ اغواء شیطانی اپنے (غلط اور باطل) اعمال کو حق سمجھتے رہے اور ہدایت یاب نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ گمراہ کرنے والا اور گمراہ ہونے والے دونوں سخت عذاب میں مبتلا ہونگے۔ بعثت محمدی کے زمانہ میں بھی شیطان نے لوگوں کو گمراہ کیا، اُن کی بداعمالیاں اُن کی نظر میں قابل استحسان قرار دیں کفار مکہ

اپنے ہر عمل وفعل کو اچھا سمجھنے لگے۔ انجام کار شیطان کی زیر سرپرستی آ گئے
اس لئے مآل میں دونوں عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ قرآن
پاک کو نازل کرنے کے دو مقصد ہیں۔ ایک مقصد عام ہے اور دوسرے
مقصد سے بہرہ ور صرف اہل ایمان ہی ہیں۔ دنیا میں عام طور پر طبائع
افکار خیالات اور دماغ جدا جدا ہیں۔ ایک شخص ایک بات کو حق کہتا ہے
دوسرا اسی بات کو ناحق بتاتا ہے، ایک فعل یا ایک عقیدہ ایک کی نظر
میں صحیح ہے۔ دوسرے کی نظر میں وہی فعل وعقیدہ غلط ہے۔ اسطرح
کا اختلاف اور تضاد ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے۔ اسلئے حق وباطل، خیر و
شر، حسن وقبح اور صحیح وغلط کا فیصلہ کرنے کے لئے بیان الٰہی اور
قانون خداوندی کی ضرورت ہوئی۔ جب عقل انسانی بالاتفاق صحیح نتیجہ پر
پہنچنے سے قاصر ہے تو کتاب الٰہی کا فیصلہ لازم ہے۔ لیکن کتاب الٰہی جزوی
اور انفرادی واقعات کو تفصیلاً تو بیان نہیں کرسکتی۔ واقعات غیر محدود
ہیں تفصیلی مسائل غیر متناہی ہیں اس لئے اجمالاً قانون کی شکل میں اس نے
صراحت کردی۔ اس قانون کا انطباق اجمال کی تشریح اور ابہام کی توضیح
رسول کا کام ہے۔ رسول نے کتاب الٰہی کے ذریعہ حق کو باطل سے خیر کو
شر سے اور صحیح کو غلط سے جدا کردیا اور دوامی طور پر عقل وافکار کے
اختلافات کی بیخ کنی کردی۔ یہ مقصد تو عمومی تھا رہا خصوصی مقصد تو ظاہر ہے
کہ جو کور باطن بد طینت اور تیرہ دروں ہیں وہ کیوں قرآنی فیصلہ کو صحیح سمجھیں گے
اُن کی عقل سلیم نہیں۔ دانش وفہم میں روشنی نہیں پھر کس طرح اُن کو آفتاب
ہدایت کی روشنی نظر آسکتی ہے، فائدہ اٹھانے والا گروہ صرف اہل ایمان
کا ہے۔ راہ راست پر آنے والے قوانین الٰہیہ پر کاربند رہنے والے اور
ضوابط شریعت پر چلنے والے مؤمنین ہیں اسلئے کتاب الٰہی انہی کے لئے
مجسم ہدایت اور پیکر رحمت ثابت ہوگی۔

مقصود بیان: عمومی نبوت کا اظہار اور رضا لطیفہ الٰہیہ کی توضیح شیطان
کی طرف تزئین کی نسبت، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان سبب گمراہی ہے
اغواء کرنا شیطان کا کام ہے اگرچہ خالق سب کا خدا ہی ہے۔ اس بات کی طرف
اشارہ کہ جو لوگ شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں وہ باغواء شیطانی
اپنی بداعمالیوں کو بھی اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ خیر وشر کا امتیاز کرنے والی
قوت اُن کی مفقود ہو جاتی ہے اور نور فطرت بجھ جاتا ہے۔ آخر میں اس
امر کی صراحت کہ کتاب الٰہی کا نزول ضروری تھا مگر کتاب کی توضیح
تشریح اور تفصیل کرنے کے لئے رسول کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس سے
ثابت ہوتا ہے کہ فرمان رسول کتاب الٰہی کے مخالف نہیں ہوسکتا یہ
ہماری عقل کا قصور ہے کہ ہم بعض احادیث کو قرآن کے خلاف سمجھتے ہیں
ورنہ صراحت قرآنی اور فرمان رسول دونوں ایک ہی ہیں صرف اجمال و
تفصیل اور ابہام و توضیح کا فرق ہے۔ آخر میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ کتاب الٰہی

سے فائدہ اٹھانے والے صرف اہل ایمان ہی ہیں کیونکہ یہی قوانین شرع پر چلنے والے
ہیں لامحالہ انہی کو رحمت الٰہی اپنی آغوش میں لے لیگی۔ وغیرہ۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ
اللہ ہی اوپر سے پانی برساتا ہے اور زمین کے خشک ہونے کے بعد
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
اُس کو پانی سے تروتازہ کرتا ہے سننے والے لوگوں کے لئے
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝
اس میں یقیناً نشان قدرت ہے
وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ
اور چوپایوں میں بھی تم کو غور درکار ہے اُن کے
مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ
پیٹوں کے اندر سے گوبر اور خون کے درمیان سے نکال کر ہم تم کو
لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ وَمِنْ
خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہوتا ہے اور
ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ
کھجوروں اور انگوروں سے شراب
مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
بناتے ہو اور نیز عمدہ روزی ہے اس میں بھی
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰى رَبُّكَ
سمجھدار قوم کے لئے نشان قدرت ہے تمہارے رب نے شہد کی
اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
مکھیوں کے دل میں ڈالا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان
وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ
عمارتوں میں جو لوگ اونچی اونچی بناتے ہیں گھر بنالو پھر ہر طرح کے

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ

پھلوں سے (عرق) پی کر　　اپنے رب کے صاف راستوں پر

ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ

چلو　شہد کی مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں کی پینے کی چیز

اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ

نکلتی ہے　جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے　　اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

غور کرنے والی قوم کے لئے نشان قدرت ہے

تفسیر قرآن پاک کا قاعدہ ہے کہ مصنوعات سے صانع پر، مخلوقات سے خالق پر اور آثار سے مؤثر پر استدلال کرتا ہے۔ نیرنگئ عالم دکھا کر تغیرات کے اصل سبب کا پتہ دیتا ہے۔ طبعیات کے حالات اور کیفیات کا اظہار کرکے یا تو الٰہیات کے دو اہم ترین مسائل یعنی معاد اور نبوت پر روشنی ڈالتا ہے یا اصلاح عقائد و اعمال کے قوانین کی تعلیم دیتا ہے۔ کتاب اللہ کے یہی پانچ اصول ہیں۔ توحید، رسالت، قیامت، اصلاح عقائد، درستگی اعمال و اقوال۔ قرآن میں گذشتہ اقوام اور اُن کے انبیاء کے تمام قصے، آئندہ واقعات کی تصریحات اور تمام مسائل طبعیہ کے بیان کی اصلی غرض۔ یہی اصول پنجگانہ ہیں۔ آیات مذکورہ میں بھی اپنی قدرت قاہرہ اور حشر جسمانی پر چار چیزوں کی تخلیق کو پیش کرکے استدلال کیا ہے۔

(۱) زمین خشک ہوتی ہے جسکو مُردہ کہا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اوپر سے مینھ برساتا ہے، زمین فیضان سماوی کو قبول کرتی ہے، مُردہ سے زندہ ہوجاتی ہے، مختلف سبزیاں بوٹیاں درخت پھل پھول اُس پر نمودار ہوجاتے ہیں، گوش ہوش رکھنے والوں کے لئے زمین کی موت و زندگی کے اندر قدرت الٰہیہ اور حشر جسمانی کے نشانات مخفی ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک سال زمین برسات میں ہری بھری ہوتی ہے۔ سیکڑوں سبزیاں اور بوٹیاں لہلہاتی ہیں، درختوں میں پھل پھول آتے ہیں پھر موسم خزاں میں سب خشک ہو کر نیست نابود ہوجاتی ہیں۔ دوسرے سال برسات میں پھر وہی زندگی زمین کو عطا ہوتی ہے۔ یہی حال انسان کا ہے، یہ زمین ان کا کھیت ہے، قدرت نے انسانی ذرے اس کھیت میں بوئے ہیں ان پودوں کے نشو و نما اور زندگی کا زمانہ بجائے ایک سال کے ایک منٹ سے لیکر سیکڑوں برس تک ہے۔ کوئی شخص پیدا ہونے کے بعد تھوڑی دیر زندہ رہتا ہے، کوئی سیکڑوں برس جیتا ہے پھر موت کی خزاں آجاتی ہے ہر پودہ اپنے مقرر وقت پر سوکھ جاتا ہے لیکن جب دوسری فصل آئیگی اور دوبارہ زندگی کا زمانہ آئیگا تو پھراز سر نو تمام پودے لہلہانے لگیں گے۔

آیت کے مضمون کی تقریر اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ جس طرح آسمان سے بارش نازل ہوکر زمین کو زندگی عطا کرتی ہے اسی طرح قرآن پاک بھی فیض روحانی ہے جو مومنوں کے دلوں پر برستا ہے اُن کو زندگی عطا کرتا ہے ہدایت و رحمت کے گل بوٹے اور پھل دار درخت اُن میں پیدا ہوتے ہیں۔

(۲) خدا تعالیٰ نے چوپائے پیدا کئے۔ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اونٹنی وغیرہ غذا کھاتی ہیں۔ غذا پیٹ کے اندر پہنچکر ہضم ہوتی ہے ہضم ہوکر عمدہ جوہر الگ اور فضلہ الگ ہوجاتا ہے۔ جو غذا کھاتے ہیں اُس میں اچھے اور بُرے دونوں حصے مخلوط ہوتے ہیں مگر پیٹ میں پہنچکر دونوں حصے جدا جدا ہوجاتے ہیں۔ عمدہ جوہر سے خون جو زندگی کا اصل سبب بنتا ہے اور خون رگوں میں دوڑ کر تھنوں میں آتا ہے یہاں آکر اُس کا رنگ سفید پڑجاتا ہے اسی کو دودھ کہا جاتا ہے جو نہایت خوش مزہ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ اب ذرا غور کا مقام ہے کہ غذا کے اندر عمدہ جوہر یعنی خون اور بیکار حصہ یعنی فضلہ دونوں مخلوط تھے۔ خدا تعالیٰ نے اس مخلوط غذا سے پیٹ کے اندر کس طرح خالص خوشگوار دودھ کو علیحدہ کرکے پستانوں میں پہنچا کر انسانوں کو پلایا۔ انسانی حشر کی بھی یہی صورت ہے۔ آدمی مرکر مٹی میں مل جاتا ہے۔ اس کی خاک ہوا میں اُڑجاتی ہے یا دریا میں بہجاتی ہے مگر جو خدا گوبر اور غذائی جوہر کے مخلوط قوام سے خالص دودھ کو علیحدہ کرتا ہے وہی انسان کی خاک کو دریا، ہوا اور زمین سے چھانٹ کر علیحدہ کرکے دوبارہ زندگی عطا کردیگا اور جس طرح وہ مختلف رنگ کی گھاس پات غلہ بھوسہ گوشت اور پھل سے دودھ بناتا اور اُسکو سفید شکل اور خوشگوار مزہ عنایت کرتا ہے، اسی طرح وہ انسانی خاک کو بشری شکل احساس کرنے کی قوت اور ادراک کرنے کی سمجھ بھی دوبارہ عطا کرے گا۔

(۳) اللہ نے طرح طرح کے پھل اور میوے پیدا کئے جن میں سے نہایت لطیف خوش مزہ اور مرغوب طبائع انگور اور کھجور ہیں۔ یہ پھل زمین کھاد پانی اور ہوا سے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے کچھ تو ویسے ہی کھائے جاتے ہیں اور کچھ شراب شربت اور دوسری چیزیں بنانے کے کام آتے ہیں۔ غور کرو کہ ان کا مادہ شکل رنگ خاصیت مزہ بو قوام مقدار اور کیفیت اصل میں کیا تھی اور پھر خدا تعالیٰ نے اُس کو کیا بنادیا نہ اصلی شکل رہی نہ وہ رنگ و بو نہ وہ خاصیت و کیفیت نہ وہ ذائقہ اور قوام۔ ناپاک سے پاک بدمزہ سے خوش مزہ اور بدرنگ سے خوش رنگ بنایا۔ کھاد پانی ہوا سے خوشگوار شربت اور بہترین غذا تیار کی۔ سمجھدار انسان اس سے اصل نتیجہ تک پہونچ سکتے ہیں عقل والے ہی حقیقت دریافت کرسکتے ہیں،

جب ایسے اہم تغیرات اور نادر ترین انقلابات خدا تعالیٰ کرتا رہتا ہے تو کیا انسانی مادہ سے دوبارہ انسان کی تخلیق نہیں کرسکتا۔ کیا کھاد، پانی اور ہوا کو انگور کی شکل مزہ اور رنگت و خاصیت عطا کرنے سے انسانی مادہ کو دوبارہ انسانی شکل عطا کرنا زیادہ دشوار ہے ؟ کلّا۔

عام مفسرین کے نزدیک سکر بمعنے مسکر (نشہ آور) ہے۔ اور چونکہ نشہ آور چیز حرام ہے اور خدا تعالیٰ نے بطور انعام و احسان اس جگہ تذکرہ فرمایا ہے اور حرام چیز کو بطور احسان و انعام ذکر نہیں کیا جاسکتا اسلئے امام اعظم کے نزدیک آیت میں سکر سے مراد نبیذ ہے نبیذ اس عرق انگور یا شربت کھجور کو کہتے ہیں جس کو جوش دیکر دو حصے خشک کر دیا جاتا ہے اور ایک حصہ باقی رہتا ہے۔ اس میں نشہ نہیں ہوتا۔ گویا یہ ایک طرح کا بے کیف شربت ہوتا ہے۔ عام مفسرین کہتے ہیں کہ سکر سے مراد شراب ہی ہے۔ آیت مکی ہے اور خطاب قریش مکہ کو ہے اور مکہ میں شراب حرام نہ ہوئی تھی مدینہ میں پہنچکر حرام ہوئی۔ نزول آیت کے وقت تک بلکہ مدینہ پہنچنے اور شراب کے حرام ہونے کے وقت تک شراب کو دودھ کی طرح لطیف اور عمدہ غذا سمجھا جاتا تھا۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے اس آیت میں دودھ کے تذکرہ کے بعد شراب کا تذکرہ بطور انعام و احسان فرمایا۔ ہاں جب مدینہ میں پہنچکر شراب حرام کردی گئی تو اس وقت اس آیت کا جوازی حکم منسوخ ہوگیا۔

ابو عبیدہ جو امام لغت ہیں کہتے ہیں کہ سکر کے معنی ہیں طعم یعنی کھانے کی چیز۔ ابن جریر نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ سکر سے مراد نشہ آور چیز نہیں بلکہ وہ چیز ہے جسکو بطور طعام استعمال کیا جاتا ہو اس تشریح کی بنا پر سکر اور رزق حسن دونوں لفظوں سے ایک ہی معنی مراد ہونگے۔ فرق صرف عموم و خصوص کا ہوگا۔ سکر عام ہوگا اور رزق حسن خاص

(۴) پینے کی چیزیں عموماً چار ہی ہیں پانی، دودھ، شربت اور شہد اول الذکر تینوں چیزوں کا تذکرہ ہوچکا۔ چوتھی چیز سے یہاں استدلال کیا جاتا ہے۔ شہد چھال کی مکھی سے پیدا ہوتا ہے۔ چھال کی مکھی مختلف پھولوں سے رس چوس کر ہضم کرتی ہے۔ اُس کے معدہ میں یہی رس ہضم ہوکر شہد کی شکل میں خارج ہوتا ہے۔ اب خدا اللہ کی قدرت پر غور کرنا چاہیئے سب سے پہلے اُس نے شہد کی مکھی کو فطری طور پر یہ بات تعلیم کی کہ وہ پہاڑوں میں درختوں میں اونچے مکانوں میں چھتوں میں اور دوسرے بلند مقاموں میں اپنا گھر بنائے تاکہ زمین سے جو بخارات اور ردی قاذورات خارج ہوتے رہتے ہیں وہ شہد کو خراب نہ کرسکیں پھر گھر بھی بنائے تو کیسے خوبصورت اور ہندسی پیمانہ کے موافق کہ دنیا کے بڑے سے بڑا انجینیئر بھی اُن کی پیمائش میں فرق ثابت نہیں کرسکتا۔ شہد کی مکھیوں کی تمام کھڑیاں مسدس شکل کی ہوتی ہیں۔ ہر ضلع دوسرے کے برابر ہوتا ہے اگر مثلث یا مربع ہوتا تو جگہ خالی رہ جاتی۔ پھر ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں سے رس چوسنے کی تعلیم دی گئی۔ جائے غور ہے کہ پھل مختلف خاصیات اور مختلف رنگ اور مختلف مزہ کے ہوتے ہیں۔ خوشگوار، ناگوار، شیریں، تلخ، سرخ، سبز، زرد، سفید وغیرہ۔ لیکن شہد کی مکھی خوشگوار پھلوں کا شیریں عرق ہی چوستی ہے اور شہد کا رنگ جو مقرر ہے وہی ہوتا ہے اُس میں تفاوت نہیں ہوتا۔ اس کے بعد چھتے کے اندر آنے جانے کے جو راستے مقرر ہیں انہی سے داخل ہونے اور نکلنے کا الہام ہوا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو راستہ اندر داخل ہونے کا ہے اُس سے مکھی باہر آئے یا نکلنے کے راستے سے اندر داخل ہو۔ بعض علماء نے ذُلُلاً کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سوراخوں کے اندر داخل ہونا اور اُن سے نکلنا اللہ ہی نے بتایا یعنی سمٹ کر پر سمیٹ کر داخل اور خارج ہونا سکھایا۔ بعض نے یہ معنی بیان کئے کہ اللہ نے مکھیوں کو اپنے فرماں روا اور حاکم کا مطیع ہونا سکھایا۔ شہد کی مکھیوں کا ایک سردار ہوتا ہے جسکو عربی میں یعسوب کہتے ہیں۔ یہ قد اور دانش کے اعتبار سے سب میں بڑا ہوتا ہے۔ کچھ مکھیاں بطور خادم چھتہ کے دروازوں پر مقرر ہوتی ہیں جو داخل ہونے والی ہر مکھی کو سونگھ کر اندر گھسنے دیتی ہیں۔ اگر کسی گندی چیز پر بیٹھ کر مکھی رس چوس کر آتی ہے تو اُس کو مار کر نکال دیتی ہیں اندر داخل نہیں ہونے دیتیں۔ یہ سب کچھ القاء فطری اور الہام کے ماتحت ہوتا ہے۔ ان تمام تیاریوں کے بعد شہد بنتا ہے، شہد کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ اختلاف سن اور اختلاف نسل سے شہد کے رنگ میں اختلاف ہوجاتا ہے۔ خفاجی کا قول ہے کہ نوجوان مکھی سے سفید اور کامل جوان سے زرد اور بوڑھی سے سرخ شہد پیدا ہوتا ہے بعض لوگ اختلاف غذا کو بھی شہد کے رنگ کے اختلاف کا سبب خیال کرتے ہیں۔ غور و فکر کے قابل ہے یہ امر کہ جس خدا نے لایعقل مکھیوں کو اس قدر تعلیم دیکر ہزاروں تغیرات و انقلابات کے بعد شہد تیار کرنا سکھایا اور پھلوں پھولوں کے عرق کو شہد کی مکھیوں کے معدہ میں پہنچا کر ایک شیریں اور لطیف جوہر بنایا کیا وہ انسان کی خاک کو دوبارہ انسانی شکل نہیں دے سکتا؟ بلٰی۔

آخری آیت یعنی فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ کی تفسیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ مجاہد، فراء اور ابن کیسان کے نزدیک قرآن پاک کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی قرآن امراض روحانی کے لئے شفاء ہے۔ لیکن جمہور مفسرین کا قول ہے کہ اگرچہ قرآن شفاء کامل ہے مگر اس موقع پر ضمیر کو قرآن کی طرف راجع کرنا سیاق عبارت کے خلاف ہے لہٰذا شہد ہی کی طرف ضمیر راجع ہے۔ اسکی تائید میں بکثرت احادیث بھی وارد ہیں۔ بخاری نے بروایت ابن عباسؓ حضورؐ کا فرمان نقل کیا ہے جس میں شہد کو شفاء قرار دیا ہے۔ بخاری میں بروایت جابر بن عبداللہ جو حدیث شہد کے متعلق وارد ہوئی ہے اُس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن محل نزاع یہ امر

رہتا ہے کہ کیا شہد سے تمام امراض کو شفا حاصل ہوتی ہے۔ یا بعض کو۔ قرآن و احادیث میں چونکہ کوئی قید وارد نہیں ہوئی اس لئے بعض علماء نے ہر قسم کے مرض کی دوا شہد کو قرار دیا۔ لیکن یہ بھی صراحت کر دی کہ ترکیب استعمال صحیح طور پر معلوم نہ ہونے کی وجہ سے فائدہ ظاہر نہیں ہوتا اور بعض امراض شہد سے ترقی کر جاتے ہیں اگر طریقہ استعمال اور مقدار صحیح معلوم ہو تو ہر مرض شہد سے دور ہو جاتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ شہد صرف بلغمی امراض میں مفید ہے۔ صفراوی یا دموی امراض کا ازالہ اس سے نہیں ہوتا۔ احادیث میں کل امراض کے لئے شفا ہونے کا تذکرہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

مقصود بیان: - اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح پانی کو آسمان سے برسا کر زمین کی زندگی کا سبب بنایا اسی طرح قرآن پاک کو آسمان سے نازل فرما کر جاہل مردہ دلوں کی زندگی کا ذریعہ قرار دیا تاکہ دل کے کانوں سے سننے والے زندہ ہو جائیں لیکن جس طرح پتھریلی زمین پانی جذب ہی نہیں کرتی پانی کا ریلا ادھر سے آتا ہے ادھر بہہ جاتا ہے اسی طرح کور باطن غافل دل والے قرآن سے کوئی اثر نہیں لیتے اور جس طرح گندہ اور بودار زمینوں میں پانی برسنے سے مزید تعفن پھیلتا ہے اسی طرح بد باطن کج فہم اور عنادی طبیعت والوں کے دلوں میں قرآن کے سننے سے مزید گمراہی و بدکاری کی ضد بڑھتی ہے۔ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ میں اس طرف ایماء ہے کہ انگور اور کھجور کا عرق لذیذ غذا اور مفید شربت ہے مگر جب اس میں سڑاند پیدا ہو جائے اور نشہ آور ہو جائے تو یہی عقل کو زائل بھی کر دیتا ہے۔ اسی طرح قرآنی ہدایات ہیں۔ اگر صحیح طور پر عقل سلیم کے ساتھ ان پر عمل کیا جائے تاویلیں اور تحریفیں چھوڑ کر دماغ آرائی اور خود رو دیدہ ی کو ترک کر کے صاف صاف قوانین پر عمل کیا جائے تو دینی اور دنیوی سعادت حاصل ہوتی ہے لیکن اگر علمی زور میں آ کر حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنایا۔ آیاتِ قرآنی میں لفظی یا معنوی تحریف کر دی تو اصل سے ہٹ کر کج راہی اختیار کی تو دنیا اور دین کی تباہی لازم ہے۔ لفظ یعقلون میں شاید اس طرف بھی خفی ترین اشارہ ہے کہ شراب عقل کو زائل کرنے والی چیز ہے۔ اور اہل اسلام کے لئے اس کا استعمال زیبا نہیں۔ لفظ اوحیٰ بتا رہا ہے کہ شرعاً وحی کا استعمال صرف انبیاء کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ دوسری مخلوق کے لئے بھی یہ لفظ مستعمل ہے۔ اگرچہ انبیاء کو چھوڑ کر دوسرے انسانوں یا جانوروں کو جو وحی ہوتی ہے وہ قولی نہیں ہوتی بلکہ الہامی یا فطری ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ انبیاء کے سوا اور انسانوں یا جانوروں کے پاس وحی فرشتے کے ذریعہ سے نہیں آتی براہ راست الہام یا القاء ہوتا ہے۔ انبیاء کو الہام و القاء بھی ہوتا ہے اور فرشتہ کی وساطت سے پیام بھی آتا ہے۔ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ کے عنوان سے غور و خوض کی دعوت

دینی مقصود ہے اور یہ ہدایت کرنی ہے کہ خدا تعالیٰ بندوں کی پرورش و بقاء کے سامان کس قدر طویل اسباب کی فراہمی کے بعد مہیا فرماتا ہے عالم طبعیات میں غور کرنا اور اس سے نتائج اخذ کرنا اور پھر قدرت الٰہیہ پر استدلال کرنا اور حشر اجساد کو دنیوی تغیرات و انقلابات پر قیاس کرنا اہل ایمان کا شیوہ ہونا چاہئے۔ عالم مفکر کو بصیرت و نظر سے کام لیکر تخلیق کائنات کو اخروی زندگی کے ثبوت میں پیش کرنا چاہئے تفکر، عقل اور سمع سے اس طرف اشارہ ہے کہ عقل کا کام غور کرنا ہے مگر خالی غور و فکر کافی نہیں بلکہ احکام الٰہی کو سننا اور ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ

اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا وہی تم کو موت دیتا ہے پھر تم میں سے

مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا

بعض آدمی نکمی عمر تک پہنچائے جاتے ہیں تاکہ جان بوجھ لینے کے

يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ

بعد کچھ نہ جان سکے بلاشبہ اللہ جاننے والا قادر ہے

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ

اور اللہ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں زیادتی عطا کی ہے

فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ

تو جن لوگوں کو روزی میں برتری عطا کی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے

عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ

غلاموں کو دینے والے نہیں تاکہ وہ روزی میں ان کے برابر

سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَ

نہ ہو جائیں کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں

اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے بیبیاں بنائیں

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ

اور تمہاری بیبیوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے

حَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ
پیدا کئے اور پاک چیزیں تمہیں کھانے کو دیں تو کیا یہ لوگ
يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝
باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں
وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ
اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو
لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
آسمان و زمین میں سے کچھ بھی ان کو روزی دینے کا اختیار نہیں
شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝
رکھتی ہیں اور نہ اُن میں طاقت ہے

تفسیر ان آیات میں مندرجۂ ذیل مضامین کا بیان ہے تخلیق انسانی۔ موت، تغیرات جسمانی و دماغی، تفاوت معاش اور اس کی حکمت، اہل و عیال اور عمدہ روزی۔ ان مضامین کے بیان سے دو نتائج کا بتانا مقصود ہے۔ اول اللہ کے احسانات و انعامات کا تذکرہ کر کے توحید ربوبیت کی صراحت اور اُس کی قدرت قاہرہ کو بیان کر کے توحید الوہیت کا اثبات۔ دوم تصرفات کاملہ اور محیط کل علم و حکمت کی وضاحت کر کے حشر جسمانی کا مدلل ثبوت۔ ہم ترتیب وار مفصل تفسیر کرتے ہیں:۔

(۱) اللہ نے سب کو پیدا کیا۔ کس چیز سے پیدا کیا؟ کیسے پیدا کیا؟ کتنے تغیرات اور استحالات ہوئے؟ انسان کہاں سے آیا اور شکم مادر کے اندر کس قدر مدارج ترقی طے کر کے عالم شہود میں آیا۔ اس پر غور کرنے سے خدا کی عظیم الشان قدرت اور بے مثال حکمت کا ادنیٰ پرتو دکھائی دیتا ہے۔ طبیعت اور مادہ کا بے شعور ہونا اور پھر اس پر شعوری کیفیات کا طاری ہونا اللہ کی ہمہ گیر طاقت کا اظہار ہے۔

(۲) جب انسان مدارج زندگی طے کر چکتا ہے اور جسمی قوتوں میں اضمحلال آ جاتا ہے تو طبعی موت طاری ہو جاتی ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے بچے اور جوان، کامل جوان اور میانہ عمر کے آدمی بھی مر جاتے ہیں۔ کیسے مرتے ہیں، کیوں مرتے ہیں، موت کا کیا مفہوم ہے؟ کوئی آج تک اس کو حل کر سکا۔ پھر موت سے بچنے کی کیا تدبیر ہے، موت کے فرشتے کو کیسے روکا جا سکتا ہے۔ کوئی دانشمند اور فلاسفر کوئی نہ بتا سکا۔ اس سے بھی اللہ کی محیط کل عظمت اور پر جبروت قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔

(۳) بعض آدمی بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں حواس میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے، وسواس بڑھ جاتا ہے، تندرستی اور جوانی کے زمانہ میں جو علمی ذخیرہ دماغ میں جمع کیا تھا سب فنا ہو جاتا ہے، اچھا خاصا انسان انتہائی عمر تک ترقی کرنے کے بعد پھر بچہ بن جاتا ہے۔ کس نے علمی ترقی دی؟ کیسے دی؟ پھر کیسے سلب کر لی؟ یہ سب مظاہر قدرت اور نیرنگیہائے فطرت ہیں۔ لب کشائی اور دماغ کی رسائی کی گنجائش نہیں۔ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اہل علم نے انسانی عمر کے چار حصے کئے ہیں۔ پہلا حصہ ۳۳ برس تک ہے۔ یہ سن نمو اور جسمانی ترقی کا ہوتا ہے۔ پھر ۳۳ سے ۴۰ تک وقوف کا سن ہے اس میں نہ ترقی ہوتی ہے نہ تنزل مگر عقل کامل ہو جاتی ہے ۴۰ سے ۶۰ تک کہولت کا زمانہ ہے۔ اس میں انحطاط اور قوت کا زوال ہونے لگتا ہے مگر بہت آہستہ۔ اشغال جسمانی و دماغی سے انسان مجبور نہیں ہوتا۔ چوتھا حصہ ساٹھ سے اوپر کا ہے۔

ابن کثیر اور مفسر معالم نے حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ ارذل العمر سے مراد پچھتر سال کی عمر ہے۔ قتادہ سے نوے برس مروی ہیں۔ میرے نزدیک سال اور مدت کی تعیین نہ کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ صحت مرض، اعضاء کی ساخت اور جسم کی طاقت و کمزوری کے تفاوت سے بڑھاپا مقدم مؤخر ہوتا رہتا ہے۔ کوئی ساٹھ برس میں پیر فرتوت ہو جاتا ہے، کسی کی قوت نوے برس تک قائم رہتی ہے۔ لہٰذا ارذل العمر سے عمر کا وہ آخر حصہ مراد ہے جس میں انسان کی جسمانی و دماغی قوتیں جواب دیدیتی ہیں، حواس میں اختلال قوت حافظہ پر نسیان کا تسلط اور قوت واہمہ میں وسواس پیدا ہو جاتا ہے یہ انسانی عمر کا سب سے زیادہ ناکارہ حصہ ہے۔ مختلف احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ہرم (انتہائی پیرانہ سالی) اور ارذل العمر سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ کتب صحاح میں اس قسم کی احادیث مروی ہیں۔

(۴) وَاللّٰهُ فَضَّلَ الخ۔ اس آیت کی تفسیر مفسرین نے دو طرح کی ہے ابن عباس اور مجاہد وغیرہ سے اس طرح مروی ہے کہ اللہ نے دنیا کا انتظام اختلاف احوال پر مبنی کیا ہے کسی کو امیر بنایا، کسی کو غریب کسی کو آقا کسی کو غلام۔ اور عام طور پر اہل کفر اس بات کو گوارا نہیں کرتے کہ اپنے کھانے پہننے میں اپنے غلاموں اور زیر دستوں کو برابر کا شریک کر لیں اُن کو خود اپنے مرتبہ کا خیال اور اپنی بڑائی کا لحاظ رہتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ بطور الزام مشرکوں سے فرماتا ہے کہ جب مالک و مملوک میں تمہارے نزدیک بھی مساوات ممکن نہیں اور تم خود اسکو گوارا نہیں کرتے تو پھر بھلا اللہ کے زیر دست بندوں کو اُس کا شریک کس قاعدہ سے قرار دیتے ہو؟ یہ تو اللہ کے احسان کا صریح انکار ہے کہ دوسرے تو خدا اور اُس کے

ساتھ برابر کا حقدار سمجھو دوسروں کو۔ عام جمہور مفسرین نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اللہ نے دولت و مال میں کمی و بیشی رکھی ہے کسی کو مال زیادہ دیا کسی کو کم، مالک ہو یا مملوک ہر ایک اپنے مقدر کا بحکم الٰہی کھاتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ جس کو زیادہ دیا گیا ہے وہ اپنے مقدر کا رزق دوسرے کو دیدے۔ مخلوق و مرزوق ہونے میں دونوں برابر ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ کے احسان کا شکر نہیں کرتے۔ اس مطلب کی تائید حضرت عمر بن خطاب کے اس خطبے سے ہوتی ہے جسمیں آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو یہ الفاظ لکھے تھے تم اپنے رزق پر قناعت رکھنا۔ اللہ نے دنیا میں بعض کو بعض پر رزق میں زیادتی اسلئے دی ہے کہ آزمائش ہو جائے جسکو رزق زائد دیا ہے اس کا امتحان مقصود ہے کہ وہ اللہ کا شکر اور اللہ کے حقوق ادا کرتا ہے یا نہیں (رواہ ابن کثیر عن ابن ابی حاتم عن حسن البصری)

(۵) اللہ کے احسانات علاوہ تخلیق نشوونما اور ترقی جسمانی و روحانی کے اور بہت ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اقتضاء جنسی کی تکمیل قلبی سکون کے حصول، خانہ داری کے انتظام، مال کی حفاظت اور بچوں کی نگہداشت، غرض یہ کہ تمہارے بہت سے فائدوں کے لئے خدا تعالیٰ نے تم کو بیویاں عطا کیں۔ اگر عورت نہ ہوتی تو مرد کا وجود کیسے ہوتا دلی الفت کیسے حاصل ہوتا اور دیگر اندرونی فوائد کیسے حاصل ہوتے۔ پھر غیر نوع اور اجنبی نوع کی بیویاں نہیں دیں۔ بلکہ انسانی نوع کی تمہاری ہی نسل میں سے عطا کیں تاکہ موانست کامل طور پر حاصل ہو۔ پھر بیویاں دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بیٹے پوتے اور نواسے بھی دیئے تاکہ آڑے وقت میں وہ تمہارے کام آسکیں۔ حَفَدَةً کے لغوی معنی ہیں خدام کیونکہ حفد کے معنی ہیں خدمت کرنا۔ ابن عباس، عکرمہ، حسن بصری، ضحاک ابن زید اور سعید بن جبیر کے نزدیک حفدہ سے مراد پوتے پوتیاں ہیں ابن عباس کا ایک قول یہ بھی ہے کہ حفدہ میں صلبی بیٹے بھی داخل ہیں بعض علماء کے نزدیک نواسے اور نواسیاں بھی اس میں داخل ہیں۔

ابن مسعود، مسروق، ابوالضحیٰ، ابراہیم نخعی، مجاہد اور قرطبی کے نزدیک حفدہ سے مراد ہیں داماد اور خسر۔ صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ حفدہ سے لغوی معنی یعنی خدام مراد ہیں۔ خواہ بیٹے بیٹیاں ہوں یا پوتے پوتیاں یا نواسے نواسیاں یا داماد و خسر یا نوکر خدام و غلام۔

(۶) بقائے حیات کے لئے رزق ضروری تھا۔ رزق دو طرح کا ہو سکتا ہے پاک اور ناپاک۔ پاک رزق کی بھی دو قسمیں ہیں حرام اور حلال۔ مثلاً سنکھیا پاک ہے مگر حرام ہے۔ مٹی پاک ہے مگر اس کا کھانا ناجائز ہے۔ خدا تعالیٰ نے نباتات حیات پاک روزی میں سے مخصوص قسم یعنی حلال ... عطا فرمایا ہیں۔

اللہ کے یہ تمام احسانات ہیں کیا ان کے ہوتے ہوئے دوسروں کو اس کی ربوبیت و الوہیت میں شریک کرنا جائز ہے۔ غلط بات کا یقین کرنا مثلاً یہ کہنا کہ فلاں بزرگ یا دیوتا نے ہم کو بیٹا بیٹی یا مال عطا کیا اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرنا یعنی اللہ کی دی ہوئی نعمت کو غیروں کی طرف منسوب کرنا ظلم اور ناحق شناسی نہیں تو اور کیا ہے۔ بھلا ایسی بے بس بے کس چیزوں کی قولی اور عملی پرستش کرنی جن میں نہ خود کچھ طاقت ہے نہ دوسرے کو وہ کچھ دے سکتے ہیں حماقت و باطل پرستی نہیں تو اسکو اور کیا کہا جا سکتا ہے

مقصود بیان: تخلیق، حیات اور ممات تینوں خدا کے قبضہ میں ہیں اس بات کو ظاہر کرنے سے یہ مقصود ہے کہ طاقت الٰہی محیط کل ہے اس کے تصرف و اختیار سے کوئی چیز خارج نہیں۔ رزق کی کمی بیشی کی صراحت کرنے سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ انتظام عالم تفاوت معاش پر مبنی ہے رزق و مال کی مساوات سے نظام عالم درہم برہم ہو جائیگا نہ کوئی خادم رہیگا نہ مخدوم نہ آقا نہ نوکر نہ پیشوں کا اختلاف باقی رہیگا نہ کوئی محنت کریگا اسلئے تنظیم عالم کی بقا کے لئے تفاوت رزق ضروری ہے۔ ہاں یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ استحقاق رزق سب کو برابر ہے کسی کو اپنے خادم یا غلام سے اچھا پہننے اور اچھا کھانے کا حق نہیں ہے۔ املاک اور تصرفات میں اگرچہ تفاوت اور کمی بیشی ہے مگر فوائد حاصل کرنے کا سب کو برابر حق ہے۔ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ سے اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ کے لفظ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بیوی کا سب سے بڑا فائدہ بقاء نسل ہے دیگر فوائد تابع ہیں اصلی غرض اولاد ہے۔ مِنَ الطَّيِّبَاتِ میں لفظ مِنْ جو بعضیت پر دلالت کر رہا ہے یہ ظاہر کر رہا ہے کہ تمام پاکیزہ چیزیں حلال نہیں ہیں بلکہ بعض حلال ہیں اور بعض حرام۔ آخر آیت سے ظاہر ہے کہ خداداد نعمت کو غیر کی طرف منسوب کرنا کفران ...

فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ
سو تم اللہ کی مثالیں نہ گھڑو — بلاشبہ اللہ تو جانتا ہے

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا
اور تم ناواقف ہو — اللہ نے ایک مثال بیان کی ہے

عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَمَنْ
ایک تو غلام ہے جو پرائے بس میں ہے کسی چیز کا اسکو اختیار نہیں اور

رَزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ
(دوسرا) وہ شخص ہے جسکو ہم نے اپنی طرف سے عمدہ روزی عطا کی ہے وہ اسمیں سے

مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ

چھپے کھلے خرچ کرتا ہے کیا یہ برابر ہو سکتے ہیں۔ ہر تعریف

لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ

اللہ کو زیبا ہے بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر بے علم ہیں اللہ نے

اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ

ایک (اور) مثال بیان فرمائی ہے دو آدمی ہیں ایک تو گونگا ہے کچھ نہیں

عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا

کر سکتا اور اپنے آقا پر بار ہے آقا

يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ

جہاں اُسکو بھیجتا ہے کچھ بہتری کر کے نہیں لاتا کیا یہ

هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ

اور وہ شخص برابر ہو سکتا ہے جو انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور وہ

عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ۧ

خود بھی سیدھے راستہ پر ہے

تفسیر اہلِ شرک غیر اللہ کی پرستش اور دیوتاؤں سے منتیں اور مرادیں مانگنے کے ثبوت میں شیطانی قیاسی اور طاغوتی وسواس سے کام لیتے اور عوام کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے اپنے مطلب کی ایک مثال گھڑ کر کہا کرتے تھے کہ اللہ کی مثال ایسی ہے جیسے دنیوی بادشاہ۔ بادشاہ تک ہر کس و ناکس کی رسائی نہیں ہوتی اور نہ اس سے براہِ راست ہر شخص اپنی حاجت طلب کر سکتا ہے اسلئے بادشاہ اپنے نائب اور عمال حکومت مقرر کر دیتا ہے اور بہت کچھ اختیارات اُن کو دیدیتا ہے تاکہ عام رعایا اُن کی طرف اپنی حاجات و ضروریات کو پورا کرانے کے لئے رجوع کرے اور وہ عطا کردہ اختیارات سے یا تو خود رعایا کی حاجت پوری کر دیں یا بادشاہ تک عرض پہنچا دیں پھر حاکم کے پیشکاروں کو حاکم کی مرضی میں اور وزیروں کو بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل ہوتا ہے وہ جسکی عرضی چاہتے ہیں منظور کرا دیتے ہیں اس لئے اُن کو راضی رکھنا بادشاہ کی رضامندی سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ کی عظمت شان تو دنیا کے تمام بادشاہوں سے بڑھ چڑھ کر ہے پھر ہماری وہاں تک رسائی تو قطعاً ناممکن ہے۔ ہمارے بزرگ اور دیوتا کارخانۂ قدرت کے اہل کار ہیں ان کو خدا تعالیٰ نے کافی اختیارات دے رکھے ہیں اور جن باتوں کا ان کو اختیار نہیں اُس میں سفارش کر سکتے ہیں اور منظور بھی کرا سکتے ہیں کیونکہ بارگاہِ خداوندی میں اُن کی کامل رسائی ہے اسلئے ان کی خوشنودی حاصل کرنی اور عبادت کرنی اور ان سے مرادیں مانگنی بہت زیادہ اہم فرض ہے۔ یہ عقیدہ اور مثال چونکہ بالکل لغو تھا خالق کو مخلوق پر قادر کو مجبور پر اور عالم کل کو جاہل پر قیاس کرنا صراحتًہ باطل ہے بادشاہ اپنی مجبوری اور کمزوری اور محیط کل علم نہ ہونے کی وجہ سے وزراء اور والیوں کا دست نگر ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ قادر مطلق اور عالم کل ہے اُس کو اس سلسلۂ نیابت کی کیا ضرورت ہے اس لئے اس قول کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد حسب تفسیر قتادہ یہ ہے کہ اللہ صمد، لم یلد، لم یولد ہے اُس کی مثال ناممکن ہے۔ جس چیز سے تم اُسکو تشبیہ دیتے ہو وہ کامل طور پر تمہاری مثل بھی نہیں ہے بلکہ ایک تصویرِ خیالی ہے جو تمہارے دماغ کی پیداوار ہے وہ اللہ کی مثل کس طرح ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اللہ کی مشابہت و مماثلت کا خیال بھی مت کرو۔ اس سے آگے فرماتا ہے کہ اللہ اپنی عظمت شان اور بے مثال ہونے کو جانتا ہے۔ تم اُسکی حقیقت، واقعی حالت اور حقیقی صفات سے ناواقف ہو۔ لہٰذا ناواقفیت و جہالت کے ہوتے ہوئے تشبیہ و تمثیل دینا قطعًا ناجائز ہے۔ اس کے بعد دو مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے آگے تمام مخلوق عاجز اور بے بس ہے اُس کے حکم بغیر کوئی ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ مشرکین دو طرح کے تھے۔ ایک گروہ تو وہ تھا جو اپنے دیوتاؤں، غیبی شیطانوں، پوشیدہ روحوں اور گذشتہ خیالی بزرگوں کی پرستش کرتا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو بے جان بتوں درختوں اور پتھروں کی پوجا کرتا تھا۔ اوّل گروہ کے معبودوں کی مثال اول تمثیل میں ظاہر فرمائی اور دوم گروہ کے معبودوں کی بیکسی کی تصویر کشی دوم تمثیل میں کی پہلی تمثیل کا حاصل یہ ہے کہ فرض کرو دو شخص ہیں ایک تو غلام ہے اور غلام بھی وہ جو مملوک ہے مختار ہے کاروبار تجارت کی آقا کی طرف سے اُسکو اجازت نہیں نہ مدبر ہے نہ مکاتب۔ مزید براں وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا ہے خانہ داری لین دین یا تجارت کے کاروبار کا اُسکو ڈھب بھی نہیں ہے دوسرا شخص وہ ہے جو خود مختار صاحب قدرت مبصر تجربہ کار ہوشیار ہے مالدار بھی ہے اپنے مال میں ہر طرح تصرف بھی کر سکتا ہے جسکو جتنا چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے دیتا ہے کوئی اُس سے باز پرس کرنے والا نہیں یہ دونوں شخص قدرت و احتیاج میں برابر نہیں ہو سکتے اول محتاج ہے اور دوسرا قادر مختار۔ اول دوسرے کا دست نگر ہے اور دوسرا اول

کا سرپرست - یہ تو انسانوں میں نمایاں تفاوت نظر آرہا ہے - پھر وہ بیکس بے بس مخلوق جو ذات و سرشت کے لحاظ سے محتاج و حادث ہے جس کے پاس خود کوئی چیز نہیں نہ اُس کو موجودات عالم میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا اختیار ہے نہ اپنی ذات و حالات پر اُس کو کوئی قدرت ہے اُسکو اُس قادر مختار خدا کا ہم پلہ قرار دینا جو فاعل ذی اختیار ہے جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے جسکو جتنا چاہے دے نہ چاہے نہ دے کس قدر حماقت ہے۔

غرض یہ کہ محسوسات میں اگر دیکھا جائے تو باہم تفاوت عظیم ہے باوجودیکہ دونوں مخلوق ہیں فرق اعتباری ہے تو پھر خالق و مخلوق کیسے برابر ہوسکتے ہیں جن کا تفاوت ذاتی اور حقیقی ہے - اِس کے بعد فرماتا ہے الحمد للّٰہ کہ یہ اتنی بدیہی اور کھلی ہوئی توضیح ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر اس وضاحت کے باوجود اکثر مشرکین اس قدر جاہل واقع ہوئے ہیں کہ اکثر کو اس نمایاں تفاوت کا بھی پتہ نہیں - دوسری تمثیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دو شخص ہیں - ایک گونگا نکما ہے جس کام کو بھیجو بگاڑ کر آتا ہے کوئی کام ٹھیک کر ہی نہیں کرسکتا - دوسرا شخص وہ ہے جو دانشمند سمجھدار اور ہوشیار ہے خود بھی سیدھی چال چلتا ہے اور دوسروں کو بھی صحیح اعتدال پر چلنے کا مشورہ دیتا ہے - ان دونوں میں مساوات کس طرح ہوسکتی ہے - چنانچہ مورتیاں پتھر درخت اور تمام بے جان چیزیں جن کی پرستش کفار کرتے ہیں وہ گونگے شخص کی طرح ہیں جو کچھ کر ہی نہیں سکتے اور مؤخر الذکر شخص سے مراد خدائے قادر و حکیم ہے۔

ایک شبہہ اور اُس کا ازالہ

یہاں ایک شبہہ کیا جاتا ہے کہ ابھی آیت فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ میں خدا تعالیٰ نے اللہ کی تمثیل و تشبیہ کی ممانعت فرمائی ہے اور پھر خود ہی اپنی تمثیل کے لئے دو مثالیں بیان فرمادیں - بظاہر دونوں میں تناقض نظر آتا ہے - اس کے علاوہ دونوں تمثیلیں بھی ناقص معلوم ہوتی ہیں کافروں کے دیوتاؤں اور باطل معبودوں کو اگر بے کس بے بس غلام یا نکمے گونگے ناقابل عمل شخص سے تشبیہ دیدی جائے تو خیر شاید تاویل کے بعد تشبیہ کامل ہوجائے - لیکن خدائے قادر و قیوم کو جو واجب قدیم فاعل مختار اور خلاق کل ہے کسی انسان سے تشبیہ دینی خواہ وہ انسان کیسا ہی مالدار خود مختار اور مطلق العنان ہو باری تعالیٰ کی توہین ہے - کفار مکہ اللہ کو بادشاہ سے تشبیہ دیتے تھے تو اُس کی تردید میں آیت نازل ہوئی - یہاں معمولی خود مختار مالدار انسان سے تشبیہ دی گئی تو جائز سمجھی جاتی ہے - یہ کیا معمہ ہے۔

شبہہ کی اول شق کا ازالہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ کفار مکہ کا مقصود تمثیل سے یہ تھا کہ خدا کو محتاج ثابت کریں جسطرح بادشاہ اپنے عمال اور کارندوں کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح وہ اللہ کو بھی محتاج ثابت کرنا چاہتے تھے چونکہ وجہ شبہ (احتیاج) مشبہ میں موجود نہ تھی اسلئے تشبیہ و تمثیل ممکن ہی نہ تھی - اگر وہ عظمت الٰہی کو ثابت کرنے کے لئے تمثیل دیتے تو کوئی ہرج نہ تھا مگر اُن کا مقصود تو اظہار عظمت الٰہی سے یہ تھا کہ اپنے بزرگوں دیوتاؤں اور معبودوں کو کارخانۂ قدرت کے دخیل کار قرار دیں اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر اُنہوں نے اللہ کو دنیوی بادشاہوں سے تشبیہ دی تھی دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ قواعد بلاغت اور اصول عقل کی رو سے مشبہ اور مشبہ بہ میں فی الجملہ وجہ شبہ کا اشتراک کافی ہوتا ہے - یہ ضروری نہیں کہ تمام اوصاف و حالات و لوازم میں اشتراک ہو - مثلاً آدمی کو شیر سے تشبیہ دی جاتی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ شیر کی مکمل شجاعت اُس آدمی میں موجود ہو یا شیر کا منہ گول، گردن پر بڑے بڑے بال، چار پنجے اور ٹیڑھی دم ہوتی ہے تو اُس آدمی کی بھی بالکل یہی حالت ہو بلکہ اگر اُس میں شجاعت و دلیری کا نمایاں حصہ موجود ہے تو اُس کو شیر سے تشبیہ دی جاسکتی ہے - یہی حالت مذکورۂ بالا دونوں مثالوں کی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ خدا خالق ہے اور انسان مخلوق - جس اختیار اور تصرف کا خدا مالک ہے وہ بندوں میں نہیں پایا جاسکتا - پھر اُس کی قدرت بھی کامل ہے اور بندوں کی قدرت ناقص - لیکن اس فرق کے باوجود وجہ شبہ صرف قدرت و عجز ہے - دکھانا یہ مقصود ہے کہ بعض انسان صاحب اختیار متصرف مالک اور صاحب قدرت ہوتے ہیں، اُن کی رائے اور سمجھ درست ہوتی ہے خود بھی سیدھے راستہ پر چلتے ہیں دوسروں کو راہ حق پر چلنے کا مشورہ دیتے ہیں اور کچھ آدمی بالکل ان کے برعکس ہوتے ہیں - مؤخر الذکر طبقہ مجبور بیکس غیر مہتدی اور گمراہ ہوتا ہے اور اول گروہ ہادی مہتدی اور صاحب تصرف ہوتا ہے - بس یہی حالت فی الجملہ معبود حق اور باطل معبودوں کی سمجھ لینی چاہئے - معبود برحق فاعل مختار اور قادر مطلق العنان ہے - خود بھی راہ حق پر ہے اور دوسروں کو بھی سیدھے راستہ پر چلنے کی ہدایت فرماتا ہے - رہے باطل معبود تو وہ نہ خود مختار ہیں نہ قادر نہ خود سیدھے راستہ پر ہیں نہ دوسروں کو سیدھا راستہ بتا سکتے ہیں۔

آیات مذکورہ کی تشریح ہم نے مجاہد کی تفسیر کے مطابق کی ہے لیکن ابن کثیر نے بروایت عوفی از ابن عباس جو تفسیر نقل کی ہے اُس سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں تمثیلیں حق و باطل معبودوں کی قدرت و کمزوری ظاہر کرنے کے لئے نہیں ہیں بلکہ ان میں کافر و مؤمن کی حالت کا بیان ہے قتادہ کا بھی یہی قول ہے - ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو پسند کیا ہے۔

عطاء خراسانی کا قول ہے کہ تمثیل اول میں ابوجہل اور حضرت ابوبکر صدیق کی حالت کا بیان ہے - ابوجہل کو مملوک غلام ممنوع التجارت سے تشبیہ دی ہے اور حضرت ابوبکرؓ کو خود مختار متصرف کل امیر سے اور دوم تمثیل میں اسید بن ابی العیص اور حضرت عثمان کی حالت کا اظہار ہے - اسید حضرت عثمان کا غلام تھا اور گونگا تھا کوئی کام ٹھیک نہ کرتا تھا اور

حضرت عثمان رضؓ کو صدقات و خیرات سے روکتا تھا - ابن جریر نے بروایت ابن عباسؓ اس کی صراحت کی ہے -

مقصود بیان :- اللہ کی ذات و صفات کے ایسی تمثیل و تشبیہ دینے کی ممانعت جس سے ذات مقدس میں کوئی عیب یا نقصان لازم آتا ہو - اس امر کی صراحت کہ قادر و عاجز ، احمق و دانا برابر نہیں ہو سکتے - در پردہ اس بات کی طرف اشارہ کہ کفار جن معبودوں کو پکارتے ہیں بھینٹ چڑھاتے ہیں نذر نیاز مانتے ہیں ، اور بعض چیزوں کا اُن کو مختار جانتے ہیں یہ بالکل لغو اور بے بنیاد عقیدہ ہے - غیر اللہ سے استمداد کسی طرح جائز نہیں - وغیرہ -

وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ

آسمانوں اور زمین کی چھپی باتوں کا اللہ ہی کو علم ہے اور

مَآ اَمْرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ

قیامت کا معاملہ تو پلک جھپکنے کی طرح بلکہ

ھُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

اس سے بھی زیادہ قریب ہے بلاشبہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر گذشتہ دونوں مثالوں میں کافروں کے معبودوں کی کمزوری اور عاجزی ظاہر فرما کر اپنی الوہیت و وحدانیت کو ثابت فرمایا تھا - ان آیات میں اپنی الوہیت کی ایک اور خصوصیت بیان کرتا ہے وہ یہ کہ اللہ ہی کو اُن تمام چیزوں کا علم ہے جن کی واقفیت مخلوق کو نہیں - منجملہ غیبی چیزوں کے روز قیامت بھی ہے - قیامت کب ہوگی کیسے ہوگی ؟ اس کا علم خدا ہی کو ہے - ہاں اتنی بات اُس نے بتا دی کہ قیامت بہت جلد آئیگی - بس ایسا سمجھ لو جیسے پلک جھپکائی اور آئی یا اس سے بھی زیادہ قریب سمجھ لو - ایام اور اوقات کی تعیین کا مدار آفتاب یا زمین کے دورہ پر ہے اور چونکہ حرکت شمس یا دورۂ زمین کی ایک خاص حد مقرر ہے اختتام دنیا پر ان کا دورہ ختم ہو جائے گا - پھر حشر جسمانی کے ایام کتنا زمانہ ہوگا ؟ ظاہر ہے کہ اُسکی کوئی حد نہیں - اُس کے مقابلہ میں انتہا پذیر چیز کا درجہ اور مقدار بہت ہی کمزور ہے اسلئے ایام دنیا کے اختتام کو پلک جھپکنے سے تعبیر کیا - در اصل تعیین مقدار مقصود نہیں بلکہ اوقات دنیا کی اوقات مابعد القیامت کے مقابلہ میں قلت و کمزوری ظاہر کرنی مقصود ہے -

زجاج وغیرہ مفسرین نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آیت میں کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے - اختتام دنیا کا وہ ہولناک دن جسکی خطرناکی معمولی توہم پرستوں کے دماغوں کی رسائی سے بھی خارج ہے اللہ کے نزدیک کچھ مشکل نہیں - جب قیامت کا مقرر وقت آجائیگا تو پھر اتنی بھی دیر نہ لگیگی جتنی پلک جھپکنے میں لگتی ہے - خدا ہر طرح قادر ہے - وہ لمحہ بھر میں عالم کو درہم برہم کر دیگا - میرے نزدیک یہی مطلب صحیح ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے - گویا آیات میں قیامت کے قرب و بعد کے بیان سے کوئی بحث نہیں بلکہ اللہ کی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہے - علم غیب اور قدرت کا کمال دونوں اللہ کی خصوصیات ہیں - کافروں کے باطل معبود نہ تو علم رکھتے ہیں نہ قدرت اس لئے اُن کو استحقاق الوہیت نہیں -

غیب کا مفہوم کیا ہے ؟

علم کے مراتب و درجات مختلف ہیں - بعض آدمی اسقدر کور دانش ہوتے ہیں کہ اُن کو محسوس چیزوں کا بھی علم نہیں ہوتا - بعض کو محسوسات ظاہری کا علم ہوتا ہے مگر غور اور تدبر سے وہ کورے ہوتے ہیں - اس سے آگے بڑھ کر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ احساس تخیل اور توہم تینوں مدارج طے کر کے تعقل کی حد میں داخل ہوتے ہیں اشیاء طبعیہ کی حقیقت خاصیت اور کیفیت پر غور کر کے طرح طرح کی تدبیروں سے مفید خلائق چیزیں ایجاد کرتے ہیں - طبعیاتی گتھیاں سلجھاتے ہیں ، مادیات میں انقلاب رد و بدل اور تغیر پیدا کر کے ایسی چیزیں برسر کار لاتے ہیں کہ دنیا محو حیرت رہ جاتی ہے لیکن ان کی نظر مادیات پر محدود رہتی ہے - فوق الطبعیات تک ان کے ادراک کی رسائی نہیں ہوتی - اس سے آگے بڑھ کر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی نظر مادیات سے اوپر پہنچتی ہے - مادیات کے تمام تغیرات کو وہ ایک زبردست قہار قوت کے تابع سمجھتے ہیں - اسباب کو مسبب کے زیر اثر جانتے ہیں - لیکن ان سے بھی اوپر کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی عقل بالملکہ انتہائی روشن ہوتی ہے ، قوت قدسیہ اُن کی روحوں پر پرتو ڈالتی ہے - مادیات و سبعیات کے اندر غیبی تصرفات اُن کو آنکھوں سے دکھتے ہیں - حقائق غیب کی اُلجھی ہوئی گتھیاں اُن کی علمی قوت سے سلجھ جاتی ہیں - عالم قدس کی غیبی مخلوق سے اُن کی گفتگو ہوتی ہے - مادی حواس اور بدنی تعلقات سے تھوڑی دیر کے لئے علیحدہ ہو کر اُس روشنی کا مطالعہ کرتے ہیں جو مادیات و روحانیات کے ذرہ ذرہ پر پرتو فگن ہے لیکن ہر وقت اُن کی ایک حالت نہیں رہتی کبھی معمولی انسانوں کی طرح وہ حواس کی دنیا میں رہتے ہیں اور کبھی ماوراء الحواس پہنچ جاتے ہیں ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اس حد پر پہنچ کر مخلوق کے علم کی انتہا ہے - یہ آخری سرحد ہے جہاں تک انسانی ادراک کی رسائی ہوتی ہے - لیکن حقیقت ہنوز سربستہ رہتی ہے - اسرار حقیقیہ ابھی تک پردۂ خفا میں رہتے ہیں راز درون پردہ کی اطلاع اس طبقہ کو بھی نہیں ہوتی - بالآخر اقرار کرنا

پڑتا ہے ما عرفناک حق معرفتک - حدیث صحیح میں آتا ہے کہ تمام مخلوق کے علم کی نسبت علم الٰہی سے ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر نکالے اور سوئی کے ناکہ پر کچھ نمی رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ سوئی کے ناکہ پر جو نمی ہوگی سمندر کے مقابلہ میں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کہاں بحر ناپیدا کنار کہاں بے مقدار سوئی کے ناکہ کی غیر محسوس نمی - اسی طرح علم الٰہی کے مقابلہ میں تمام خلائق کا علم بے مقدار اور ناقابل توازن ہے۔

مذکورۂ بالا عبارت میں علم کے جتنے مراتب اور علماء کے جتنے درجات بیان کئے گئے اس پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر اوپر والا طبقہ نیچے والے طبقہ سے زیادہ عالم ہوتا ہے اسکو وہ علم ہوتا ہے جو زیرین طبقہ والے کی نظر سے غائب اور مخفی ہوتا ہے - اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر شخص عالم الغیب ہے یعنی اسکو وہ علم ہے جو نیچے والے طبقہ کی دماغی رسائی سے خارج ہے - اور چونکہ مخلوقات اور کائنات ارضی و سماوی میں سب سے زیادہ روشن روح حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی - اس لئے سب سے بڑھ کر آپ کو علم بھی تھا - دوزخ، جنت ملائکہ ارواح غیب اور صفات الٰہی کے بعض خاص جلوے حضور نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ حقائق و اسرار جو تمام مخلوق کی نظر سے غائب تھے حضور کی قدسی قوت پر اُن کا انکشاف تھا اور آپ عالم الغیب تھے۔ مگر پھر بھی مخلوق کا علم انتہائی چوٹی پر پہنچنے کے بعد اسرار سربستہ کے انکشاف سے قاصر ہے - وہ سربستہ خزانے جو ذات الٰہی کے ساتھ مخصوص ہیں اُن کا علم حضور کو بھی نہ تھا جیب لے اندر نا متناہی راز مخفی تھے - جہاں تک حضور کے ادراک کی رسائی بھی نہ ہوئی - اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ آپ عالم الغیب نہ تھے بلکہ عالم الغیب محض ذات الٰہی ہے اس کے رازوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَكْفُرُ بِمَا وَرَآءَهٗ - اسی مرتبہ پر پہنچ کر بڑے سے بڑا عالم اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہے اور اسی درجہ میں داخل ہو کر عارفین کاملین يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے قابل صد مدح وصف سے متصف ہوتے ہیں۔

روز قیامت کی تعیین اور اس کے مقررہ وقت کا ذاتی علم سوائے خدا کے کسی کو بھی نہیں:- حدیث جبرئیل میں (بروایت بخاری و مسلم) اس کی صراحت موجود ہے کہ جب جبرئیل نے بشکل بشری آکر حضور اقدس سے قیامت کا صحیح وقت اور مقررہ مدت دریافت کی تو حضور نے قیامت کے آثار علامات تو بتا دیے مگر معین وقت نہ بتایا اپنی لاعلمی ظاہر کی اور فرمایا اس کا علم سائل سے زیادہ مجھے نہیں یعنی جس طرح تم کو قیامت کی تعیین کا علم نہیں اسی طرح میں بھی ناواقف ہوں۔

مقصود بیان:- اس بات کی صراحت کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے یعنی مخلوق کا علم محدود ہے یعنی سربستہ اسرار تک اُن کی رسائی نہیں۔ اس امر کی توضیح کہ عالم کو درہم برہم کرنا اور قیامت لو بپا کرنا اللہ کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہیں لمحہ بھر میں سب کچھ کر سکتا

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے ایسی حالت میں نکالا

لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور تمہارے کان آنکھیں

وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اَلَمْ يَرَوْا

اور دل بنائے تاکہ تم شکر کرو کیا انھوں نے پرندوں

اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا

کو نہیں دیکھا جو فضا کی ہوا میں مسخر ہیں اُن کو

يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اللہ ہی تو روکتا ہے بلاشبہ ایمانداروں کے لئے اس میں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ

نشان قدرت ہے اللہ نے تمہارے لئے

مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ

تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور چوپایوں کی کھالوں سے بھی

الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ

تمہارے لئے گھر بنائے جو سفر و حضر کے زمانے میں تم کو ہلکے

وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا

معلوم ہوتے ہیں اور چوپایوں کے اون اور روئیں

وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○

اور بالوں سے سامان آرائش و برتنے کی چیزیں ایک وقت خاص تک کے لئے بنائیں

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ

اللہ نے تمہارے فائدے کے لئے اپنی مخلوقات کے سائے بنائے اور تمہارے لئے

مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ

پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لئے ایسے کرتے بھی بنائے

تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ

جو گرمی سے تم کو بچاتے ہیں اور ایسے کرتے بھی بنائے جو لڑائی میں تم کو بچاتے ہیں

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝

اسی طرح اللہ اپنی نعمت تم کو پوری دیتا ہے تاکہ تم اطاعت کرو

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

(اے نبی) اب بھی اگر وہ روگردانی کریں تو زیادہ پرواہ نہ کرو) تمہارے ذمہ صرف پیام

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا

یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے کے بعد انکار کرتے ہیں

وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ع

ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں

تفسیر اوپر کی آیات میں الوہیت و وحدانیت کے ثبوت میں اپنے دو خصوصی اوصاف کا تذکرہ فرمایا تھا۔ علم اور قدرت۔ ان آیات میں تیسری خصوصی صفت اور بیان فرماتا ہے جس سے احاطۂ قدرت اور ہمہ گیر تسخیر کا مظاہرہ تو ہوتا ہی ہے مگر ساتھ ساتھ انعام و احسان کے عموم کے ذیل میں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی بذات خود بے نیاز نہیں ہے۔ ہر ایک اپنے وجود، بقاءِ وجود اور آرام و آسائش کے اسباب فراہم کرنے میں اللہ کا محتاج ہے۔ ہم نمبروار تفسیر کرتے ہیں:۔

(۱) آدمی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے آنکھیں بند ہوتی ہیں، کانوں میں شنوائی کی قوت نہیں ہوتی، سمجھ اور دانش مفقود ہوتی ہے، نہ کچھ دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے، گویا علم کے تینوں ذرائع معدوم ہوتے ہیں، ہم اس بحث پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنی چاہتے ہیں۔

یونان کا ایک مشہور یوروپین منطقی گذرا ہے اُس نے علم کی تعریف میں ایک نظریہ پیش کیا ہے جس کا نام استقراء ہے۔ اس نظریہ کا اساس [illegible] ہے کہ جس چیز کا یقین دیکھنے سننے اور عقل کی شہادت سے حاصل ہو وہی علم ہے۔ اس کے علاوہ سب جہل اور اوہام ہیں۔

قرآن نے بھی انہی تینوں چیزوں کو ذریعۂ علم قرار دیا۔ حضور اقدس صلعم کو خطاب کرتے ہوئے صاف طور پر فرما دیا لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ کان، آنکھ اور قلبِ سلیم سے کام نہ لینا ایسی بڑی غلطی اور گمراہی ہے جو [illegible] اوہام و قیاسات اور تقلید [illegible] کا مجموعہ بنا دیتی ہے۔ فؤاد کا ترجمہ عربی زبان میں قلب ہے اور عرب کی اصطلاح میں سمجھ، فہم و ادراک کا مجموعہ اور اسی ذریعے سے سب تعقل ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے فؤاد کا صحیح ترجمہ قلب سلیم ہی ہو سکتا ہے جس میں فہم بھی داخل ہے [illegible]

رجوع کرتے ہیں۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ وقت پیدائش تم بالکل جاہل تھے۔ تمہارے پاس کوئی ذریعۂ علم صحیح طور پر نہ تھا۔ پھر خدا تعالیٰ نے تم کو علم کے ذرائع عطا کئے۔ سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھیں اور دل سمجھنے کے لئے دیئے تاکہ تم اس کی اس امتیازی بخشش کا شکر ادا کرو۔ کیونکہ یہ انعامات ایسے ہیں جو تم کو دیگر حیوانات سے ممتاز کر دیتے ہیں۔ اگر ان کے صحیح فرائض ادا نہ کرو گے تو تمہارا شمار بھی اسفل طبقہ میں ہوگا۔ ابن کثیر نے اَفْئِدَة کا ترجمہ دماغ اور عقل کیا ہے۔

(۲) دیکھنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ پرندے ایسے ہی گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنے ہوئے ہیں جن سے آدمی اور دوسرے چرندے درندے بنے ہیں زمین ان سب کا مرکزِ ثقل ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ دیگر حیوانوں کی طرح یہ بھی زمین سے اوپر نہ اُڑ سکتے اور ثقل کی وجہ سے نیچے گر پڑتے۔ مگر یہ خدا کی قدرت ہے کہ پرندے وسطِ ہوا میں معلق اڑتے پھرتے ہیں۔ اللہ نے ہوا کو اُن کا مسخر بنا دیا ہے اہلِ بصیرت کے لئے اس میں اللہ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں موجود ہیں۔ یوں تو ہر شخص پرندوں کو اڑتا دیکھتا ہے مگر جن لوگوں کو نورِ فطرت نصیب ہوا ہے وہ مادیات سے بالاتر مسبب الاسباب کو دیکھ کر ذات و صفات میں اللہ کو واحد یکتا یقین کرتے ہیں۔

(۳) اللہ نے انسان کو فقط پیدا ہی نہیں کیا بلکہ ذرائع علم بھی عطا کئے اور نہ فقط علم و یقین کے ذرائع عطا کئے بلکہ مادی زندگی کو باقی رکھنے اور آسائش کے ساتھ گذارنے کے اسباب بھی فراہم کر دیے۔ مثلاً مستقل رہنے کے لئے مکانات سفر حضر کے لئے ڈیرے خیمے جن کو ساتھ لیکر جانا سہل ہوتا ہے۔ بھیڑوں، اونٹوں اور بکریوں کے بالوں سے تیار کیا ہوا سامان، گرمی سے محفوظ رکھنے کے لئے لباس۔ لڑائی میں کام آنے والی زرہ، درخت پہاڑ اور دوسری سایہ دار چیزیں جن کے سائے میں آرام ملتا ہے، بڑے بڑے پہاڑ جن کے غاروں کے اندر چھپ کر دشمنوں سے بچاؤ ہوتا ہے۔ یہ تمام نعمتیں پوری پوری اللہ نے عطا کیں تاکہ سرکش انسان اللہ کے ان احسانات و انعامات کو دیکھ کر اُس کے سامنے جھک جائے اور جس خدا نے اس کی حفاظت اور آسائش کے لئے ایسا سامان مہیا فرمایا ہے اُس کے سامنے سرِ نیاز رکھے۔

اسلام کا مفہوم اسلام کے لغوی معنی متعدد ہیں:۔ کسی کو اپنا کام سپرد کر دینا، طالبِ صلح ہونا، کسی امر یا خصومت کو چھوڑ دینا۔ اِسلام لفظ سِلم سے مشتق ہے۔ سِلم کے معنی ہیں عافیت کی زندگی بسر کرنا، باہمی محبت اور صلح سے رہنا، عزت و تکریم اور محبت و اخلاق کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ پیش آنا (لسان العرب) اسلام کے معنی خاص اطاعت کے بھی ہیں۔ حکم حاکم پر کاربند ہونا، اس کی منع کردہ باتوں سے باز رہنا اور حاکم پر کوئی اعتراض نہ کرنا یہ بھی اسلام کا مفہوم ہے۔ (اقرب الموارد و مجمع البحار) اسلام کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے خدا کا ظاہری اور باطنی طور پر فرمانبردار اور مطیع ہو جائے۔ اپنا رُخ خالص خدا

کی طرف کر لے، تن من دھن کسی کی پرواہ نہ کرے اور سب کو خوشنودی خدا کے حصول کے لئے قربان کرنے کو تیار ہو جائے۔ یہی معنی آیت میں مراد ہیں۔

اس سے آگے خدا تعالیٰ اپنے رسول کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر ان نعمتوں اور احسانوں کو دیکھتے ہوئے بھی یہ کافر نہ مانیں تو آپ کچھ پرواہ نہ کریں۔ آپ کا کام فقط یہ ہے کہ حکم الٰہی کو صاف صاف کھول کر پہنچا دیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ تمام انعامات اللہ کی طرف سے ہیں مگر الوہیت و معبودیت میں دوسروں کو اللہ کا شریک قرار دیکر گویا اللہ کی ربوبیت کا بھی عملی انکار کر رہے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے بروایت مجاہد بیان کیا ہے کہ ایک دیہاتی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سرکار عالی نے اُس کو ایمان کی ترغیب دی اللہ کے احسان جتلائے اور وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ سے سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَأْسَکُمْ تک ایک ایک آیت پڑھ کر سنائی۔ دیہاتی تمام احسانات کا اقرار کرتا گیا۔ لیکن جب حضور وَ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ پر پہنچے تو وہ منہ موڑ کر چلتا بنا۔ اُس وقت یَعْرِفُوْنَ سے اَلْکٰفِرُوْنَ تک یہ آیت نازل ہوئی۔

مقصود بیان:۔ آغاز آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فقط تخلیق ہی نہیں کی بلکہ اُس کو روحانی زندگی بھی عطا کی۔ کیونکہ روح کی زندگی علم پر موقوف ہے اور حصول علم کے صرف تین ذرائع ہیں آنکھ، کان اور دل۔ گویا در پردہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ ان تینوں اعضاء کو صحیح طور پر کام میں نہیں لاتے وہ درحقیقت مُردہ ہیں۔ لفظ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ دلالت کر رہا ہے اس امر پر کہ دنیا کی ہر شے اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ انسان اُس سے جائز فوائد اُٹھا کر اپنی ہستی کو اللہ کے سپرد کر دے اپنی مرضی اور ارادہ کو اُس کی مرضی میں اپنی خواہشات کو اُسکی مشیت میں اور اپنی ذات کو اُسکی صفات میں فنا کر دے وغیرہ

تنبیہ متمدن شہروں اور ترقی یافتہ بستیوں کے رہنے والے شاید ان آیات کو پڑھنے کے بعد خیال کریں کہ پہاڑوں اور غاروں میں چھپنے کے مقامات اور سفری ڈیرے خیمے کو نسی عظیم الشان چیزیں تھیں جن کا تذکرہ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں بطور احسان و انعام کیا ہے۔ بھیڑ بکری کے بالوں سے بنے ہوئے کپڑے اپنے اندر کونسی اہمیت رکھتے تھے جن کا بیان صراحۃً اس زور کے ساتھ کیا گیا۔ اگر احسانات کا تذکرہ ہی مقصود تھا تو فلک بوس مرمریں کوٹھیاں رہنے کے لئے، زربفت کمخواب اور حریر کے کپڑے پہننے کے لئے باد پیما موٹر سواری کے لئے ریلیں اور ہوائی جہاز سفر کرنے کے لئے زمین دوز شاندار قلعے دشمن سے بچنے کے لئے وغیرہ وغیرہ کیا مذکورہ نعمتوں کے مقابلہ میں حقیر تھیں جن کا تذکرہ بالکل نہ کیا گیا لیکن ان معترضوں کو غور کرنا چاہئے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں ان چیزوں کی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ دنیا نے زیادہ منازل ترقی طے نہیں کی تھیں۔ اس کے علاوہ مخاطب عرب تھے اور عرب جاہل ترین وحشی قوم تھی، تمدن کی اُن کو ہوا بھی نہ لگی تھی خانہ بدوشی کی زندگی گذارتے تھے۔ قیام کے ساتھ مستقل سکونت سے واقف نہ تھے۔ شاندار کوٹھیاں قلعے موٹریں ہوائی جہاز، زربفت اطلس کمخواب وغیرہ اُنہوں نے دیکھے نہ تھے۔ اُنہی کے مناسب حال جن نعمتوں کا تذکرہ موزوں تھا خدا تعالیٰ نے کر دیا کیونکہ اذل درجہ کی چیزیں بقائے زندگی اور آرام و عیش کے اسباب فراہم کرنے میں جب کامل طور پر دخیل ہیں تو اعلیٰ درجہ کی نعمتیں بطریق افضل سکون بخش راحت رساں اور مفید عام ہونگی پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابتدائی اسباب تمدن کا تذکرہ کیا ہے بلند ترین ذرائع راحت کا تو حصر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ہر زمانہ میں سامانِ عیش بیش از بیش ہوتا چلا جا رہا ہے۔ قرآن صرف اصول ذکر کرتا ہے شاخوں سے بحث نہیں کرتا۔ لباس مکان سایہ دشمن سے حفاظت یہ چاروں چیزیں غذا کو چھوڑتے ہوئے اصول مدنیت ہیں۔ انہی پر ابتدائی سادہ زندگی موقوف ہے۔ لہٰذا انہی چیزوں کو عرب قوم کے سامنے بطور احسان و انعام پیش کیا گیا۔

وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا

جس دن ہر ایک امت میں سے ہم ایک گواہ لاکر کھڑا کر دیں گے

ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَلَا هُمْ

اُس وقت کافروں کو معذرت کرنے کی اجازت دی جائیگی اور نہ اُن سے

یُسْتَعْتَبُوْنَ ○ وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا

توبہ مانگی جائے گی اور جب ظالم عذاب کو

الْعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ

دیکھ لیں گے تو پھر نہ عذاب میں ان پر کمی ہوگی نہ ان کو

یُنْظَرُوْنَ ○ وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا

مہلت دی جائیگی جب مشرک (اپنے اختراعی) شریکوں کو

شُرَکَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا

دیکھیں گے تو کہیں گے پروردگار یہی ہمارے وہ شریک ہیں

الَّذِیْنَ کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ فَاَلْقَوْا

جن کی پرستش ہم تجھے چھوڑ کر کیا کرتے تھے تب وہ شریک اُن سے

إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ وَأَلْقَوْا

کہیں گے کہ تم قطعی جھوٹے ہو۔ اُس روز

إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُم

اللہ کے سامنے اطاعت کو پیش کریں گے اور جو کچھ وہ افترا بندی

مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ الَّذِينَ كَفَرُوا

کرتے تھے سب گمی گذری ہو جائیگی جن لوگوں نے کفر کیا

وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ

اور راہِ خدا سے روکا چونکہ وہ فساد کیا کرتے تھے

عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝

اس پاداش میں ہم اُن کے لئے عذاب پر عذاب بڑھائینگے

تفسیر قرآن پاک کا دستور ہے کہ ہر ایک خطاب میں تبلیغ و موعظت کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں فرماتا۔ ہر طریقہ سے توحید و رسالت کے اقرار کی طرف مائل کرنا کار خیر کا حکم دینا اور ارتکاب معصیت سے روکتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر بھی اثبات توحید امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے شرح میں برہانی طریقہ اختیار کیا عقلی اور نقلی دلائل کو بیان کیا پھر اقناعی طرز اختیار کیا۔ مختلف احسانات و انعامات کا تذکرہ کر کے توحید کی طرف مائل اور قلبی عملی و زبانی شکر گذاری پر آمادہ کیا اب آخر میں تنبیہ و وعید ترہیب و توبیخ کا رنگ اختیار کر کے اہتمام تبلیغ فرماتا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ قیامت کے دن مزاحمت دعوت کے مقابلہ میں شہادت دینے کے لئے اُسی اُمت کے نبی اور نشین نم کو پیش کیا جائیگا اگرچہ اللہ کو ضرورت نہیں کہ کوئی شہادت پیش کرے۔ مگر چونکہ وہ ارحم الراحمین ہے ظالم نہیں۔ اتمام حجت کے لئے انبیاء وغیرہ انبیا کی شہادت پیش فرمائے گا۔ انبیاء کہینگے کہ ہم نے اُن کو تیرا حکم پہنچا دیا مگر انہوں نے نہ مانا شرک و معصیت میں مبتلا رہے اس وقت کافروں کو کسی بات کی اجازت نہ دی جائیگی۔ خطیب وغیرہ نے تفسیر میں کہا ہے کہ کافروں کو زیادہ یاوہ گوئی یا دنیا میں واپس جا کر عمل خیر کرنے کی یا گواہوں سے جرح کرنے کی یا جھوٹا عذر پیش کرنے کی اجازت نہ دی جائیگی اور جب وہ دنیا میں واپس جانے کی درخواست کرینگے تو یہ درخواست بھی قبول نہ ہوگی اور جب میدان حشر میں لا کر کھڑے کیے جائینگے اور عذاب الٰہی سامنے نمودار ہوگا اُس وقت مایوس ہو کر یہ خواہش کرینگے کچھ مہلت کے طالب ہونگے تاکہ نیکی کر کے رہائی پا سکیں اور بدرجہ مجبوری تخفیف عذاب کے آرزومند ہونگے مگر دونوں میں سے ایک خواہش بھی پوری نہ کی جائیگی۔ جب کوئی چارہ کار نہ رہیگا تو جن معبودوں کی پرستش کرتے تھے اور جن کو اللہ کی الوہیت و ربوبیت میں شریک بنا رکھا تھا اُن کو سامنے دیکھ کر کہینگے پروردگار اصل گمراہ کرنے والے یہ ہیں تجھے چھوڑ کر ہم ان کو پکارتے تھے۔ بقول ابو مسلم اصفہانی مشرکین اس قول سے اپنے عذاب کو اُن معبودوں پر ڈالنا چاہینگے جن کو شریک الوہیت بنا رکھا تھا لیکن وہ لوگ مشرکوں کے قول کو رد کر دینگے اور اپنی براءت کا اظہار کرینگے۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ وغیرہ انبیاء و اولیاء جن کو اہل شرک اللہ کی الوہیت کا شریک قرار دیتے ہیں قیامت کے دن وہ ان سے بیزار ہوں گے کوئی ساتھی نہ ہوگا۔ بالآخر جب کوئی رہائی کی شکل نہ رہیگی تو بارگاہ خداوندی میں سر ڈال دینگے اور دوزخ میں بھیج دیے جائینگے۔ یہ تو اُن لوگوں کی حالت کا تذکرہ تھا جو خود گمراہ اور مشرک تھے۔ لیکن وہ لوگ جو گمراہ بھی تھے اور گمراہ کن بھی خود بھی کافر تھے اور دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے اور کفر پر آمادہ کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو دوگنی سزا ملیگی ایک تو گمراہ ہونے کی دوسرے گمراہ کرنے کی۔

مقصود بیان: کفر و شرک سے تنبیہی لہجہ میں باز داشت۔ اس امر کی صراحت کہ قیامت کے دن کافروں کو کوئی سفارشی نہ ملیگا۔ وہ انبیاء و اولیاء یا شیاطین و ارواح خبیثہ جن کی پرستش کفار دنیا میں کرتے ہیں قیامت کے دن ان سے بے تعلقی کا اظہار کرینگے۔ دنیا میں واپس جانے کی مہلت بھی نہ ملے گی۔ قیامت کے دن نیکی کرنے کی اجازت بھی نہ ہوگی انشرکے گواہوں کی شہادت رد کرنے اور اُن پر جرح کرنے کا اذن بھی نہ ہوگا۔ آیت زِدْنَاهُمْ الخ سے ابن کثیر نے استخراج کیا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے عذاب کے بھی مدرجات ہونگے۔ سب کافروں کو ایک ہی طرح کا عذاب نہ ہوگا کسی کا عذاب سخت ترین ہوگا۔ کسی کا اُس سے کم اور کسی کا اُس سے کم۔ اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ کفار فقط ایمان ہی کے مکلف نہیں بلکہ عمل صالح کے بھی مکلف ہیں۔ بدکار کافروں کا عذاب نیکوکار کافروں سے زیادہ ہوگا۔ اگرچہ کافروں کی نیکیاں مستوجب ثواب نہ ہوں گی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ بدکار کافروں سے نیکوکار کافر پھر بھی کسی قدر کم سزایاب ہونگے آیت کا آخری حصہ بتا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ عادل ہے ظالم نہیں۔ کافروں کے حق میں بھی وہ ظلم نہیں کرے گا۔ بلکہ انہی کو اعمال کا خمیازہ خود برداشت کرنا ہوگا۔ ورنہ خدا تو جذبۂ انتقام سے پاک ہے۔ وغیرہ۔۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم
جس روز ہر گروہ میں سے ایک گواہ انہی میں کا اُن کے خلاف ہم لا کر
مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ
کھڑا کر دیں گے اور (اے محمد) تم کو ان سب پر گواہ بنا کر پیش
هَٰؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا
کرینگے (تو وہ وقت عجب ہولناک ہوگا) ہم نے تیرے کتاب نازل کی ہے جس میں
لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ ع ۱۲
ہر چیز کی وضاحت ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے ہدایت و رحمت و بشارت ہے

تفسیر جب ہر امت کا نبی اور جانشین اپنی امت کے کافروں کے کفر پر شہادت دیگا اور اپنے فریضۂ تبلیغ کو ادا کرنے کا اظہار کریگا تو کافر منکر ہو جائینگے اور کہینگے یہ غلط کہتے ہیں ہم کو انہوں نے تیرا حکم نہیں پہنچایا اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کی تصدیق اور کافروں کی تکذیب فرمائینگے۔ دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے کہ انبیاء کی تصدیق امت محمدیہ کے نیک آدمی کرینگے کیونکہ قرآن پاک کی صراحت سے اُن کو معلوم ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو دعوت توحید دی تھی اور پھر امت محمدیہ کی تصدیق خود حضور اقدس بنفس نفیس فرمائینگے دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں صرف اتنی بات ہے کہ اس آیت میں امت محمدیہ کی تصدیق کا ذکر نہیں کیا اور چونکہ حضور اقدس صلعم کی تصدیق کا فائدہ انبیاء ہی کو پہنچتا ہے اسلئے امت محمدیہ کا درمیانی تذکرہ ساقط کر کے اس طرح فرما دیا کہ انبیاء کی تصدیق محمد کرینگے۔

اس سے آگے قرآن پاک کے تین خصوصی اوصاف بیان فرمائے۔ قرآن میں ہر ضروری چیز کا بیان ہے۔ قرآن مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔ قرآن میں ہر ضروری چیز کا بیان ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ بعض اہل تفسیر کہتے ہیں اس سے دنیوی مسائل مراد نہیں بلکہ دینی احکام مراد ہیں۔ قرآن میں تمام دینی احکام یا اُن کے ضوابط موجود ہیں۔ کچھ احکام تو قرآن نے بیان کر دیئے اور کچھ مسائل رسول پاک نے ضوابط قرآنی کو سامنے رکھ کر بیان فرما دیئے اور جو ان سے بھی باقی رہے وہ مجتہدین و ائمہ نے ظاہر کر دیا لیکن چونکہ سب مسائل کا استنباط قرآن کے بیان کردہ ضوابط و قوانین سے ہی ہے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ قرآن میں ہر مسئلہ کا بیان ہے۔ مجتہد کا قیاس بھی اختراعی نہیں ہوتا بلکہ اصول قرآن سے ماخوذ ہوتا ہے۔ کوئی نے فرمایا ہر چیز کا بیان قرآن میں اس طرح ہے کہ یا تو حکم قرآن میں مذکور ہے یا حدیث پر حوالہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا یعنی خود قرآن ہی نے فرما دیا کہ رسول جس بات کے کرنے کا تم کو حکم دیں اُس کو کرو اور جس کام سے منع کریں اُس کو مت کرو۔ اس بناء پر بنص قرآنی رسول کے قول و عمل سے استدلال بھی قرآن ہی کا حکم ہے۔ اور یا اجماع امت پر حوالہ ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ یعنی خود قرآن ہی نے فرما دیا کہ جو شخص جماعت اسلامیہ کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلے گا ہم اس کی اختیار کردہ راہ پر اُس کو لگا دیں گے اور دوزخ میں ڈالدینگے اس سے ثابت ہوا کہ بنص قرآنی اجماع امت سے استدلال بھی قرآن کا ہی حکم ہے اور یا قیاس پر حوالہ ہے لیکن قیاس وہی صحیح ہوگا جو اصول ثلاثہ سے مستنبط ہو یہ تفسیر تو اس صورت میں ہوگی جب تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ سے ہر دینی فروعی مسئلہ کی وضاحت مراد لی جائے لیکن ابن مسعود فرماتے ہیں کہ قرآن میں ہر چیز کا صاف بیان موجود ہے۔ مگر ہمارا علم اس سے قاصر ہے۔ دوسری روایت میں فرمایا جو کوئی علم چاہے قرآن میں تلاش کرے اس میں گذشتہ اور آیندہ سب کا علم ہے ابن کثیر نے ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن میں ہر چیز اور ہر علم کا بیان کیا گیا ہے۔ ان اقوال سے صاف ظاہر ہے کہ ابن مسعود کے نزدیک ہر دنیوی اور دینی مسائل کی توضیح قرآن میں موجود ہے مگر یہ ہماری علمی استعداد کا قصور ہے کہ ہم دنیا کے بکثرت مسائل قرآن سے سمجھ نہیں سکتے میرے نزدیک ابن مسعود کی تشریح ہی زیادہ قوی ہے۔

اس سے آگے کتاب اللہ کی تین صفات کا بیان ہے مسلمانوں کے لئے قرآن ہدایت نامہ ہے اگرچہ قرآنی ہدایات عام ہیں لیکن چونکہ اس سے فائدہ اٹھانے والے صرف مسلمان ہی ہیں اس لئے انہیں کے لئے مخصوص ہدایت نامہ ہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ جب مسلمان قرآنی ہدایات پر چلینگے تو رحمت الٰہی ان پر چھا جائیگی دنیا اور دین کی سختیاں ان سے دور ہو جائینگی اور جب ہدایت قرآنی پر چلنے سے ہدایت الٰہی کا حصول ہوگا تو ظاہر ہے کہ قرآن دوامی نجات کی بشارت بھی ضرور ہی ہوگا۔

چند مسائل استنباطی

(۱) قاضی کا کمال عدل یہ ہے کہ اگر مدعا علیہ گواہ طلب کرے اور قاضی کو صحیح واقعہ معلوم بھی ہو یہاں تک کہ اس کے سامنے گذرا ہو تب بھی فریق ثانی سے گواہ طلب کرے (۲) گواہ کی تعدیل کرنے والا یعنی یہ ظاہر کرنے والا کہ گواہ ثقہ اور قابل اعتبار ہیں اگر ایک ہی ہو تو کافی ہے (۳) تعدیل بھی ایک طرح کی گواہی ہے (۴) گواہی بغیر معائنہ کے صحیح ہے بشرطیکہ ایسے ذرائع سے علم ہوا ہو جو واقعہ کے یقین کو معائنہ کی حد تک پہونچا دیں (۵) شہادت علی الشہادت یعنی گواہ کی گواہی پر گواہی دینی صحیح ہے (۶) حاکم کو چاہیئے کہ فیصلہ کے وقت فریقین میں سے کسی کی رعایت نہ کرے اگرچہ ایک انتہائی عالی مرتبہ اور دوسرا بہت ہی

ذلیل پست درجہ کا ہو(۲) قاضی محض اپنے علم پر فیصلہ نہ کرے۔

مقصود بیان:۔ تمام انبیاء بروز قیامت اپنی اپنی امت کے کافروں کے خلاف شہادت دینگے اور انبیاء کی تصدیق ہمارے سرور کائنات علیہ التحیات فرمائینگے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس تنہا با شرکت غیرے جس شرف وفضل کے مالک ہیں وہ بارگاہ الٰہی میں کسی کو حاصل نہیں۔ آپ شفیع المذنبین ہونے کے علاوہ انبیاء کے لئے بھی رحمت ہیں۔ قیامت کے دن سخت آڑے وقت میں حضور ہی کی شہادت کی بنا پر انبیاء کو خلاصی ملیگی۔ قرآن پاک میں ہر چیز اور ہر ضروری مسئلہ کی وضاحت موجود ہے خواہ مسئلہ دینی ہو یا دنیوی۔ قرآن ایک دستور العمل اور ہدایت نامہ ہے جو اس پر چلے گا وہ دوامی نجات کا مستحق ہوگا۔ وغیرہ۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

اللہ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا بھلائی کرنے کا

وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ

اور قرابت داروں کو دینے کا اور منع فرماتا ہے بیحیائی کی باتوں سے

وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○

ناشائستہ حرکت سے اور زیادتی کرنے سے تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو

تفسیر امام احمد نے بروایت ابن عباس آیت کی شان نزول اس طرح بیان کی ہے کہ ایک روز حضور اقدس کا شانہ نبوت کے سامنے بیٹھے تھے ادھر سے عثمان بن مظعون کا گذر ہوا حضور نے فرمایا عثمان کیا یہاں نہ بیٹھو گے؟ عثمان نے جواب دیا بہت اچھا یہ کہکر عثمان آکر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے کچھ دیر کے بعد حضور والا نے آسمان کی طرف آہستہ آہستہ نظر اٹھائی اور برابر نظر جمائے رہے پھر نیچے کی طرف آہستہ آہستہ جھکاتے لائے اور دائیں جانب زمین پر لاکر نگاہ ٹھیرا دی اور ایک خاص حالت طاری ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کچھ سن رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حالت جاتی رہی اور دوبارہ نظر اٹھانی شروع کی۔ آسمان تک ٹھیک پہنچانے کے بعد عثمان کی طرف توجہ فرمائی اور باتیں کرنے لگے۔ عثمان نے عرض کیا آج میں نے آپ کی ایسی حالت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ فرمایا ہاں میرے پاس میرے رب کا فرستادہ آیا تھا۔ عثمان نے عرض کیا یعنی اللہ کا قاصد؟ فرمایا ہاں۔ عثمان نے پوچھا کیا پیغام لایا؟ حضور نے یہ پوری آیت تلاوت فرمائی۔ عثمان پر رقت طاری ہوئی۔ فوراً نور ایمان دل میں متمکن ہوگیا اور مسلمان ہوگئے (ابن کثیر نے اس روایت کی سند کو جید اور حسن کہا ہے)

ولید بن مغیرہ جو سخت ترین کافر تھا اس آیت کو سن کر متحیر ہوگیا اور بولا میرے بھتیجے محمدؐ اسے پھر پڑھو اس میں تو ایسی لذت ہے کہ دل میں بیٹھی جارہی ہے اور یقین دلا رہی ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے کتاب معرفۃ الصحابہ میں بیان کیا ہے کہ بعثت اقدس کی خبر جب اکثم بن صیفی کو پہنچی تو اس نے خدمت گرامی میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ یہ شخص مشہور سردار قوم دانشمند اور بڑا حکیم دانا تھا۔ قوم نے کہا آپ ہرگز ایسا ارادہ نہ کریں یہ آپ کی توہین ہے آپ تمام کا بنے سردار ہیں۔ اکثم نے کہا اچھا تو میری طرف سے کوئی شخص میرا پیغام لے کر وہاں جائے۔ فوراً دو آدمی اٹھ کھڑے ہوئے اور خدمت والا میں حاضر ہوکر عرض کیا ہم اکثم کے ایلچی ہیں اکثم نے دریافت کیا ہے کہ آپ کون ہیں اور آپ کے پاس کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا میرے متعلق دریافت کرتے ہو تو میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ اور رہا یہ کہ میرے پاس کیا ہے تو میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں پھر حضور نے یہ پوری آیت تلاوت فرمادی۔ قاصدوں نے مکرر پڑھنے کی التجا کی تو آپ نے کئی بار پڑھ دی۔ قاصدوں نے یاد کرلی اور واپس جاکر اکثم سے کہا ہم نے اُن کا نسب دریافت کیا تو انہوں نے کسی بڑائی کا اظہار نہیں کیا۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ اُن کا نسب قریش میں سب سے زیادہ شریف اور پاکیزہ ہے۔ پھر انہوں نے ہم کو چند کلمات سنائے جو ہم نے یاد کرلئے یہ کہکر آیت مذکورہ اکثم کو سنائی۔ اکثم نے کہا میں سمجھ گیا وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور برے خصائل سے منع کرتے ہیں لہذا تم اس کی پیروی میں پیش قدمی کرو کے سر بن جاؤ مخالفت کرکے دُم نہ بنو۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں خیر وشر کے بیان میں یہ آیت سب سے زیادہ جامع ہے (کذا فی المعالم) ابن مسعود کا بھی یہی قول ہے (رواہ الحاکم فی المستدرک)

حاصل تفسیر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس بلیغ آیت میں تین کام کرنے اور تین کام نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم ترتیب وار تفصیل کرتے ہیں۔

(۱) **عَدْل** - عدل کسے کہتے ہیں؟ عام طور پر عدل کا ترجمہ انصاف کیا جاتا ہے۔ تفسیر میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے عدل سے مراد ہے کلمۂ توحید کا دل سے اعتراف اور زبان سے اقرار۔ بعض کا قول ہے کہ عدل نام ہے ادائے فرائض کا۔ سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں اس مقام پر عدل سے مراد یہ ہے کہ جو کام اللہ کے واسطے کیا جائے اُس میں ظاہر وباطن یکساں ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اخلاق کی اعلیٰ ترین صنف کا نام عدل ہے۔ انسان کو خدا تعالیٰ نے تین قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک قوت شہوانیہ یا بہیمیہ جس کے ذریعہ سے انسان کھانے پینے پہننے تعلقات صنفی قائم کرنے مال جمع کرنے اور اسی قسم کے دوسرے مرغوبات کے حصول کی خواہش کرتا ہے۔ قوت شہوانیہ کے تین درجے ہیں: حد سے زیادتی۔ مثلاً حرام حلال کا امتیاز اٹھ جانا ضرورت سے زائد مال کی ہوس کرنا مطلق العنان شتر بے مہار ہوجانا۔ قوت کو بالکل

مُردہ کردینا بقائے بدنی کے لئے جتنے کھانے پینے اور پہننے کی شرعی ضرورت ہے اُسکو بھی ترک کردینا، تعلق جنسی اگرچہ حلال ہو اور قدرت بھی ہو مگر منقطع کردینا ترک دنیا کرکے بن باسی اور سنیاسی بن جانا وغیرہ وغیرہ - یہ دونوں درجے مذموم ہیں - اگر منزل مقصود تک پہنچنا غرض ہو تو جس طرح گھوڑے کو بلا لگام سرپٹ چھوڑ دینا بُرا ہے کہ چاہے خندق میں گرے یا کسی درخت سے ٹکرائے یا دریا میں کود جائے یا پہاڑ سے لڑھک جائے، اسی طرح راستہ میں گھوڑے کو ذبح کردینا اور لق دق بیابان یا دشوار گذار راستہ میں پیادہ پا ہوجانا بھی ممنوع ہے - نہ پہلی صورت میں منزل ہاتھ آسکتی ہے نہ دوسرے طریقہ سے بائز المرام ہونا نصیب ہو سکتا ہے - ہاں درمیانی درجہ صحیح ہے گھوڑے کو قابو میں رکھنا مناسب دانہ گھاس دینا وقت پر چلنا وقت پر آرام کرنا باقاعدہ سواری لینا اس طریقہ سے منزل پر آدمی پہنچ سکتا ہے، قوت شہوانیہ کے درمیانی درجہ کا نام عفت ہے - قرب الٰہی تک پہنچنا اور نجات ابدی حاصل کرنا ہر انسان کا اصل مقصد ہونا چاہیئے - اس مقصد کے حصول کے لئے بقائے نوعی و بقائے شخصی ضروری ہے - اگر قوت شہوانیہ کو اعتدال سے زائد خود مختار کردیا جائے اور حلال حرام کا فرق اٹھا دیا جائے چوری اور جائز کمائی میں کوئی امتیاز نہ سمجھا جائے، اپنی بیوی اور اجنبی عورت میں کوئی تفاوت نہ قائم رکھا جائے تو عقل مغلوب ہوجاتی ہے اور آدمی اچھا خاصہ چوپایہ بلکہ اس سے بدتر ہوجاتا ہے - اور اگر اس قوت کو بالکل مُردہ کردیا جائے جائز اور حلال چیزوں سے بھی ضروری فائدہ اٹھانا ترک کردیا جائے تو بدنی قوام کمزور ہوتے ہوتے فنا ہوجاتا ہے، حصول خیر اور اعمال صالحہ کی تمام قوت ضائع ہوجاتی ہے اور انجام کار خسران نصیب ہوتا ہے -

دوسری قوت غضبی یا سبعی ہے - اس کا کام ہے عزت کا حصول جاہ کی طلب، حکومت و تسلط کی خواہش، اپنے نفس اہل و عیال اقارب احباب اور قوم کی دشمنوں سے حفاظت میدان کارزار میں دلیرانہ مقابلہ کرکے دشمنوں کو مغلوب کرکے بہادری اور نیک نامی کا مظاہرہ وغیرہ وغیرہ - اس قوت کے بھی تین درجات ہیں - (۱) قوت کو بے باک بے روک ٹوک بغیر کسی بندش کے خود مختار چھوڑ دینا، محل اور بے محل کا خیال نہ رکھنا موقع بے موقع غصہ آجانا، بات بات پر قتل کرنا، سفاک خون ریز بن جانا ناجائز حکومت و تسلط کی خواہش کرنا بے قصور بندگان خدا کو ستانا، بے دریغ ظلم کرنا وغیرہ یہ پہلو افراط کا ہے اور سخت مذموم ہے - اس سے آدمی آدمیت سے خارج ہوکر درندہ بن جاتا ہے، دنیا میں تباہی پھیلاتا ہے، امن عالم کو برباد کردیتا ہے، مخلوق کی عافیت کھو دیتا ہے اور نظام عالم کو درہم برہم کرڈالنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے (۲) اس قوت کو بالکل ساقط کردینا جائز اور ضروری مواقع پر بھی حمیت سے کام نہ لینا، اتنا عافیت طلب ہوجانا کہ دشمن ملک کو برباد کردیں، قوم کو تباہ کردیں، اعزا احباب اور اہل و عیال کی آبروریزی کریں مگر دل میں حمیت نہ پیدا ہو - باوجود قوت مدافعت کے گوشہ گیر اور عزلت نشین ہوجائے - غارتگر مال و منال لوٹ لیں، گھر بار تباہ کردیں مگر بیٹھا دیکھتا رہے، باطل کے خلاف آواز نہ اٹھائے، ناحق کے سامنے سر تسلیم خم کردے - یہ درجہ انتہائی بزدلی بے غیرتی اور نامردی کا ہے - اس درجہ میں پہنچکر آدمی بالکل عضو معطل بن جاتا ہے - اس کا وجود اپنے اور اپنی قوم کے لئے بالکل ناکارہ ہوتا ہے، وہ کوئی کام فائدہ رساں نہیں کرسکتا ہے لیکن لیکن دونوں درجوں کے درمیان ایک اعتدالی درجہ بھی ہے جس میں رہ کر آدمی اپنے ملک وطن قوم اور اہل و عیال کو سفاک غارتگروں کے پنجہ سے محفوظ اور بے رحم اغیار کے دست برد سے مامون رکھتا ہے - حصول مرتبہ کی ضروری کوشش کرتا ہے، عزت و نیک نامی حاصل کرتا ہے، خلق خدا کی خدمت کرتا ہے، مظلوموں کا انصاف ظالموں سے دلاتا ہے، بیکسوں یتیموں ناداروں اور بے زبان پبلک کی حمایت کرتا ہے، بڑی بڑی ظالم حکومتوں سے ٹکرا کر ان کو پاش پاش کردیتا ہے - اس درمیانی درجہ کا نام شجاعت ہے -

تیسری قوت عقلی یا ملکی ہے - اس کا کام ہے سوچنا سمجھنا علوم و معارف حاصل کرنا، حقائق عالم میں غور کرکے صحیح نتائج پر پہنچنا، طرح طرح کی ایجادیں کرکے خلق خدا کو فائدہ پہنچانا، طبعیات مابعد الطبعیات الٰہیات خصوصًا اللہ کی ذات صفات، انبیاء کی رسالت، حشر بعد الممات اور ملائکہ وغیرہ کے متعلق صحیح عقائد قائم کرنا وغیرہ وغیرہ - اس قوت کے بھی تین پہلو ہیں - اول پہلو افراط کا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان سب سے بڑا مکار دھوکہ باز فریبی جعلساز شعبدہ باز بن جاتا ہے، عقائد حقہ کا مذاق اڑاتا ہے، اس کی نظر مادیات پر مقصور ہوتی ہے، مادیات سے اوپر کی چیزوں کو وہ دھوکہ اور جھوٹا توہم جانتا ہے، ایسی ایسی اسکیمیں بناتا ہے جس سے خلق خدا کو نقصان پہنچائے امن عالم کو تباہ کردے مستحقین کو ان کے حق سے اپنے علمی زور کی بناء پر محروم کردے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنادے، یہ پہلو سخت مذموم ہے - دوسرا پہلو تفریط ہے - اس مرتبہ میں پہنچکر آدمی حصول معارف کی کوشش نہیں کرتا، اُس کی قوت علمیہ کا چراغ بجھ جاتا ہے، دل کی روشنی مٹ جاتی ہے، بصیرت معدوم ہوجاتی ہے گوش ہوش اور حواس کی آنکھوں پر پردے پڑجاتے ہیں، غفلت اور جہالت کی مہر دماغ پر لگ جاتی ہے، کند ذہن ہوجاتا ہے، مآل اور نتیجہ کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہیں کرتا، وہ کبھی اپنے ذہن کو اللہ کی ذات صفات اور حقائق عالم کے صحیح نتائج تک پہنچنے کی تکلیف ہی نہیں دیتا -
أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ -

اُن دونوں درجوں کے درمیان تیسرا درجہ اعتدال کا ہے۔ اس مرتبے میں آدمی کے عقائد صحیح، بصیرت روشن اور دماغ پُر نور ہوتا ہے۔ مبدء فیاض سے غیبی تعلق ہوتا ہے، روح میں جلاء اور صفائی ہوتی ہے۔ مراقبہ اور نظر و فکر سے کام لیتا رہتا ہے۔ اس مرتبہ کا نام حکمت و دانش ہے۔

اب اگر مذکورۂ بالا تینوں قوتوں میں اعتدال قائم رکھا جائے، قوت شہوانیہ عفت کے دائرہ کے اندر ہو، قوت غضبیہ شجاعت کی حامل ہو اور قوت عقلیہ کا شعار حکمت و دانش ہو تو تینوں کے مجموعہ سے ایک چوتھی صفت پیدا ہوتی ہے جسکو عدالت یا عدل کہا جاتا ہے۔ عدالت کا ترجمہ جن لوگوں نے انصاف کیا ہے وہ نہایت بلیغ ترجمہ ہے۔ ہر قوت کے افراط و تفریط کے درمیانی درجہ کا نام انصاف ہے۔ اسی لئے اللہ نے عدل کا حکم دیا تاکہ عدالت کے ذریعہ کمزور انسان قرب الٰہی تک پہنچ جائے اور سعادت ابدی حاصل کرلے۔ عدالت کے سب سے بڑے علمبردار حضور گرامی علیہ التحیات والتسلیم تھے۔ کتب صحاح میں مذکور ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت کسی منافق نے کہا محمد انصاف کرو حق تلفی نہ کرو۔ حضور ؐ نے فرمایا افسوس اگر میں عدل نہ کروں تو اور کون عدل کرسکتا ہے مجھ سے زیادہ عدل کا حقدار اور کون ہوسکتا ہے۔

(۲) اِحْسَان۔ احسان کے تفسیری معنی میں بھی اختلاف ہے ابن عباس کے نزدیک ادائے فرض و واجبات کا نام احسان ہے۔ بعض کے نزدیک صرف ادائے نوافل کا نام احسان ہے۔ بعض کے نزدیک احسان کی تفسیر اخلاص ہے لیکن ان سب سے زیادہ قوی تفسیر وہ ہے جو صحیح حدیث میں آئی ہے حضور ؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت (اس یقین اور ادب کے ساتھ) کرو کہ گویا اُس کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ مرتبہ نصیب نہ ہو تو کم از کم اتنا خیال رکھو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تو عبادات میں احسان کرنے کے معنی ہیں اور معاملات میں احسان یہ ہے کہ اپنے حقوق اور انتقام سے دست کش ہو جائے۔ غیر کو استحقاق سے زائد نفع پہنچائے۔ حدیث میں آتا ہے جو تجھے گالی دے تو اُس کو دعا دے جو تجھ سے رشتہ توڑے تو اُس سے محبت جوڑ۔

(۳) قرابتدار کو اُس کا حق دینا۔ یہ لفظ بہت عام ہے کیا چیز دی جائے؟ کب دی جائے؟ بطریق وجوب دی جائے یا بطریق استحباب؟ کس کس کو دی جائے؟ ہر مفہوم اس میں داخل ہے۔ جتنا رشتہ داری میں قرب ہو اُتنی ہی اُسکی پاسداری ضروری ہے۔ اگر کسی کو نان نفقہ کی ضرورت ہے تو اُس کی ضرورت پوری کی جائے۔ اگر وہ قرضدار ہے اور ادائے قرض سے مجبور تو اُس کا قرض ادا کیا جائے۔ اگر کچھ بھی ممکن نہ ہو تو مہلت، خندہ پیشانی سے گفتگو، مساوات کا برتاؤ اور وقت پر ہمدردی ہی کی جائے۔ اقارب میں باہم ہدیے تحفے بھیجنے

کی رسم بھی اسی ذیل میں داخل ہے۔ بہرحال ہر وہ چیز جو الفت یا محبت کا باعث ہو سب کنبہ پروری کے دائرہ کے اندر داخل ہے۔

(۴) و (۵) فَحْشَاء اور مُنْکَر۔ فحشاء ہر اُس بدی اور معصیت کو کہتے ہیں جو پوشیدہ نہ رہے بالکل ظاہر ہوجائے۔ اور منکر وہ معصیت ہے جو پوشیدہ رہ جائے اُس کا اظہار نہ ہو۔ بعض کے نزدیک قوت شہوانیہ کے گناہوں اور خرابیوں کا نام فحش ہے اور قوت غضبیہ کے گناہوں کا نام منکر ہے۔

(۶) بَغْی بھی ممنوع ہے۔ یہ ایک عام لفظ ہے جو عدل کے مقابل ہے۔ کسی نے اس کا ترجمہ تکبر، کسی نے کینہ، کسی نے ظلم اور کسی نے تجاوز عن الحد کیا ہے۔ آخری ترجمہ مفہوم سے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ کے درمیانی درجہ کو چھوڑ کر باقی افراط و تفریط کے دونوں کناروں کا نام بغی ہے۔ حد شرع سے بڑھ کر قوت شہوانیہ و غضبیہ کو مطلق العنان چھوڑ دینا بھی بغی ہے۔ اسی طرح شرعی جواز سے گھٹ کر شہوانیہ و غضبیہ قوتوں کو مردہ کردینا بھی بغی ہے۔ خلاصہ یہ کہ عدل جس طرح تمام نیکیوں کو شامل ہے اسی طرح بغی میں تمام بُرائیاں اور گناہ داخل ہیں۔

مقصود بیان:۔ اسلام نہایت پاکیزہ صاف ستھرا مذہب ہے اس کے احکام فطرت کے مطابق امن عالم کے کفیل اور فساد و تباہی کی بیخ کنی کرنے والے ہیں۔ اہل نظر کے لئے یہ آیت خزانۂ حکمت ہے۔ وغیرہ۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ

اور جب باہم معاہدہ کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو

وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا

اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ

کیونکہ تم اللہ کو اپنا ضامن مقرر کرچکے ہوتے ہو جو کچھ

اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا

تم کرتے ہو اللہ بلاشبہ اُسکو جانتا ہے اور اُس عورت

كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ

کی طرح نہ ہو جو اپنا کاتا ہوا سوت مضبوط بٹنے کے بعد ٹکڑے

اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ

کرڈالتی ہے کیا تم اپنی قسموں کو باہم فساد کا سبب بناتے ہو

اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ

تاکہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ

اس سے بس اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے اور قیامت کے دن

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

تمہارے سامنے وہ باتیں ضرور کھول دیگا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے

تفسیر ایک جماعت نے مکہ میں حضور اقدس صلعم سے ایمان پر قائم رہنے کا قول و قرار کیا تھا اور قسمیں کھائی تھیں لیکن جب ظاہری طور پر قریش کا غلبہ اور مسلمانوں کا ضعف دیکھا تو جو لوگ ضعیف الایمان تھے اُن کے دلوں میں شیطان نے وسوسے ڈالے اور عہد توڑ دینے اور گمراہ کرنا چاہا اُن کو طریق سنا پر ثابت قدم رکھنے کے متعلق یہ ہدایت آمیز حکم نازل ہوا۔ اس سے عمومی طور پر معاہدہ اور قسم کے پورا کرنے کی تعلیم بھی ثابت ہوتی ہے۔ مورد اگرچہ مخصوص ہے لیکن حکم میں ہر معاہدہ اور حلف کی پابندی پوری کرنے کا عموم ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب تم نے کسی عہد کا پورا کرنا اپنے ذمہ لیا ہے تو اس کو پورا کرو خصوصاً جبکہ اللہ کا نام لیکر قسم بھی کھائی اور اس طرح اُس عہد کو مستحکم کرلیا اور خدا کو گواہ و ضامن بھی بنالیا تو پھر بدعہدی میں اپنی بے اعتباری کے علاوہ حق تعالیٰ کے نام کی بے ادبی بھی ہے اور دوسرا مادہ فساد بھی ہے۔ تم اُس بے وقوف عورت کی طرح نہ بن جاؤ جو سوت کات کر پھر اُسکو کھول ڈالتی ہے اور اپنی ساری محنت برباد کردیتی ہے۔ عبداللہ بن کثیر اور سدی سے بروایت ابن عباس رض بیان کیا ہے کہ مکہ میں ایک مشہور بے وقوف عورت رہتی تھی جس کا نام ریطہ بنت سعد بن تیم تھا۔ اس کا دستور تھا کہ صبح سے دوپہر تک خود بھی سوت کاتتی اور اپنی باندیوں سے بھی کتواتی اور دوپہر کے بعد کاتے ہوئے سوت کو پھر کھلوا ڈالتی اور دوپہر تک کی محنت برباد کردیتی۔ مجاہد، قتادہ اور ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد عہد شکن شخص کی مثال بیان کرنا ہے گویا عہد شکن آدمی اس عورت کی طرح ہے جو سوت کات کر پھر اسکو کھول ڈالے کوئی خاص عورت مراد نہیں ہے۔ ابن کثیر نے کہا یہی انسب ہے خواہ مکہ میں کوئی ایسی بے وقوف عورت ہو یا نہ ہو بہرحال مراد تمثیل ہے۔ کرخی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ باہمی اصلاح کی بجائے تم قسموں کے ذریعہ آپس میں فساد پھیلانا چاہتے ہو لیکن قسمیں کھانے سے تمہاری مراد عہد کا استحکام نہیں ہوتا بلکہ یہ مقصود ہوتا ہے کہ تمہاری قسموں سے مطمئن ہو کر دوسرا آدمی دھوکا کھا جائے۔ تمہاری عہد شکنی کا اصل مبنا یہ ہے کہ تعداد اور جاہ و مال میں کفار کو بڑھے چڑھے نظر آتے ہیں اور مسلمان فقر و افلاس میں مبتلا ہیں لیکن یاد رکھو کہ یہ تمہاری آزمائش ہے۔ تمہارے ایمان کے استحکام کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ مجاہد کی روایت ہے کہ ایام جاہلیت میں قریش کا دستور تھا کہ جب اپنے معاہدین و حلیفوں کی قلت و کمزوری دیکھتے اور دشمنوں کی کثرت و قوت نظر آتی تو اپنے ہم عہد لوگوں سے عہد توڑ کر دشمنوں سے مل جاتے اس آیت میں اسی کی ممانعت ہے۔ میں کہتا ہوں ایام جاہلیت میں قریش عہد و امانت کے بہت پابند تھے۔ حلیفوں سے بدعہدی کرنا اُن کا شیوہ نہ تھا۔ حضور اقدس صلعم نے غزوۂ احد میں خود فرمادیا تھا کہ قریش عہد و امانت کے آدمی ہیں لیکن جب کفر پر اصرار اور اسلام کی مخالفت پر قریش نے کمر باندھ لی تو اُن کے اخلاق بگڑ گئے۔ شاید مجاہد کی مراد اسی زمانہ کی حالت ہو ورنہ قریش بدعہدی سے محفوظ تھے اس لئے آیت کا اصل منشا اُن مسلمانوں کو عہد بیعت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کرنی ہے جو کفار کی کثرت و دولت دیکھ کر اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے اسلام سے انحراف کرنے کا وسوسہ دل میں لاتے تھے۔

مقصود بیان:- آیت میں ہر عہد کی پابندی خصوصاً عہد بیعت کی حفاظت کی ہدایت ہے۔ اس بات کی طرف بھی ایما ہے کہ معاہدات کی خلاف ورزی کرنے سے دنیا میں امن نہیں فساد پھیلتا ہے۔ اس مضمون کی بھی صراحت ہے کہ کفار کی شوکت و کثرت اور جاہ و مال کی زیادتی مسلمانوں کی آزمائش کے لئے ہے کہ کون ایمان پر پختہ رہتا ہے اور کون حریف کی ظاہری طاقت کو دیکھ کر مرعوب ہوتا اور مسلمانوں کی جماعت سے ٹوٹ جاتا ہے۔ وغیرہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک امت بنا دیتا

وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ

مگر بات یہ ہے کہ جسکو چاہتا ہے وہ گمراہ چھوڑ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْــَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

ہدایت کرتا ہے اور تمہارے اعمال کی تم سے ضرور باز پرس ہوگی

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ

اور اپنی قسموں کو باہمی دھوکہ کا ذریعہ نہ بناؤ

فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا

ورنہ تمہارا قدم جم جانے کے بعد پھسل جائیگا اور چونکہ تم نے

السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

راہِ خدا سے روکا تھا اس لئے عذاب کا مزہ چکھو گے

وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوْا

اور تمہیں سخت عذاب ہوگا اللہ کے قرار کے عوض

بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ

حقیر مول نہ حاصل کرو کیونکہ جو چیز اللہ کے پاس ہے

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا

وہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو جو کچھ

عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ

تمہارے پاس ہے وہ فنا ہوجائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہیگا

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ

جن لوگوں نے صبر کیا ہے ہم اُن کو اُن کا ثواب

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ

اُن کے بہترین اعمال کے صلہ میں ضرور عطا کرینگے جس نے بحالت

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ

ایمان کوئی نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہم اُسکو پاکیزہ زندگی

حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ

عطا کریں گے اور اُن کے بہترین اعمال کے صلہ میں

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اُن کو اجر عطا کریں گے

تفسیر دنیا میں مختلف عقائد مختلف مذاہب اور مختلف اعمال کے آدمی ہیں۔ ہر شخص اپنے عقیدہ کو حق اور دوسرے کو باطل جانتا ہے۔ لیکن واقع میں نہ سب حق پر ہیں نہ سب باطل پر حق و باطل کا ساتھ ساتھ رہنا اور خیر و شر کا دوش بدوش چلنا قانونِ الٰہی کے مطابق ہے۔ اگر دنیا میں سب حق پر ہوجائیں اور شر کا وجود عالم سے مٹ جائے تو نظم دُنیا درہم برہم ہوجائے۔ اچھائی برائی کا امتیاز نہ رہے آدمی مرفوع القلم ہوجائے، دنیا دار الامتحان نہ رہے۔ انسانی ارادہ مختار نہ رہے مجبور ہوجائے اور پھر قیامت کے دن کسی سے بازپرس نہ ہوسکے اسی لئے آیات مذکورہ میں خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک گروہ کردیتا۔ سب کا مذہب اور عقیدہ ایک ہوجاتا مگر حق و باطل کا یہ اختلاف بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ گمراہی اور ہدایت تو اُسی کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے وہ ہدایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ چھوڑ دیتا ہے۔ ہدایت و گمراہی کو اختیار کرنا آدمی کا کام ہے۔ اسی لئے قیامت کے دن سب سے بازپرس ہوگی۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض قبائل پُرفریب بیعت کرتے تھے۔ اُن کے دلوں میں ایمان نہ ہوتا تھا۔ زبان سے تو اقرار کرلیتے تھے مگر دل میں دغا ہوتی تھی اُن کی تہدید کے لئے مکرر تہدید آمیز حکم دیا کہ دیکھو اگر قدم جمانے کے بعد تم لغزش کھاؤ گے اور عہد و پیمان توڑو گے اور اسلام سے انحراف کرو گے تو تم پر آخرت میں جو سخت عذاب ہوگا وہ ہوگا، دنیا میں بھی اپنے کئے کا سخت مزہ چکھو گے تمہارے دیکھا دیکھی دوسرے بھی بیعت شکست کریں گے اور تم سے بدعہدی سیکھ کر اوروں کو بھی عہد شکنی کی جرأت ہوگی اس لئے گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا وبال تم پر ہوگا۔

یہ وعید پوری ہوئی۔ جن کفار نے حضور کے ساتھ دغا کی تھی وہ بُری موت مرے اور اُن کا عبرت خیز انجام ہوا۔

قریش مکہ کمزور ایمان رکھنے والے مسلمانوں کو لالچ دینے اور کہتے تھے کہ اگر پھر ہمارا دین قبول کرلو گے تو ہم امیر بنا دینگے۔ ان مسلمانوں کے دلوں میں چونکہ ایمان کو خود ہی ضعف تھا اس پر لالچ مزید ہوا پھر کفار مکہ کی ایذا رسانی سے بہ تنگ آگئے تھے اس لئے ایمان میں تزلزل پیدا ہونے لگا اس پر وَلَا تَشْتَرُوْا سے آخر تک آیات کا نزول ہوا جن میں عہد الٰہی کو دنیوی مال کے عوض فروخت کرنے اور معاہدۂ بیعت کی خلاف ورزی کرنے کی ممانعت فرمادی اور جذبۂ طمع کی بیخ کنی اس طرح فرمائی کہ دنیوی مال اگرچہ بیش از بیش ہو مگر فنا پذیر ہے آخر نہ رہیگا۔ انسان دنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہے دنیا بے ثبات ہے البتہ آخرت کا ثواب دائمی ہے اُس کو فنا نہیں رہا۔ شدائد و مصائب کا ہجوم تو آخرت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے اُس کو برداشت کرنا جان و مال کا نقصان اٹھانا اور ہر سختی پر صبر کرنا نیکوکاروں کا شیوہ ہے اس لئے صبر سے کام لیکر ایمان پر پختہ رہنا چاہئے۔

اس کے بعد مَنْ عَمِلَ الخ سے عام عادلانہ ضابطہ بیان فرماتا ہے کہ مرد ہو یا عورت ہر ایک کو بشرط ایمان ہم خوشگوار پاکیزہ زندگی عطا کرینگے اور نیک اعمال کی بہترین جزا دینگے۔ حیٰوۃ طَیِّبَۃ سے کیا مراد ہے؟ اسکی تعیین میں صحابہؓ و تابعین کا اختلاف ہے۔ ابن عباس، سعید بن جبیر، ضحاک اور عطاء خراسانی کا قول ہے کہ دنیا میں رزق حلال نصیب ہونا اور آخرت میں اعمالِ صالحہ کی عمدہ جزا پانا حیات طیبہ ہے۔ حضرت علی، حسن بصری، عکرمہ اور وہب بن منبہ کا قول ہے کہ قناعت سے بسر کرنا حیات طیبہ ہے کیونکہ دولت کی فراوانی اگر موجب قناعت نہیں تو سکون روح میسر نہ ہوگا اور طلب جاہ و مال میں دل بے چین رہیگا اور کسی نعمت کا مزہ نصیب نہ ہوگا۔ امام جعفر صادق کا قول ہے کہ اطاعتِ الٰہی میں عمر بسر کرنا حیات طیبہ ہے۔ مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ جنت کے علاوہ کہیں خوشگوار زندگی نہیں مل سکتی۔ سہل تستری کہتے ہیں اپنی جملہ تدابیر کو خدا کے سپرد کرکے راحت سے گذارنا حیات طیبہ ہے۔ شیخ ابن کثیر کا قول ہے کہ ان سب کے مجموعہ کا نام پاکیزہ زندگی ہے عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث میں آیا ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا جو مسلمان ہوگیا اور بقدر ضرورت اس کو رزق مل گیا اور اللہ نے اس کو قناعت عطا فرما دی وہ کامیاب ہوگیا (رواہ الترمذی والمسلم والنسائی)

میرے نزدیک دنیوی حیات طیبہ کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ دشمنوں سے امن ہو، عزت و شوکت کے ساتھ زندگی گذرے، کسی کافر کا محکوم نہ ہو بقدر ضرورت رزق میسر ہو، دل میں قناعت ہو اور عمر اطاعت الٰہی میں بسر ہو۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں حیات طیبہ نہیں ہو سکتی اور آخرت کی حیات طیبہ تو دوامی نجات ہی ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

کیا خدا ظالم ہے کہ اُس نے اہل ایمان کے اجر کا تو وعدہ کیا اور غیر مسلموں کی نیکیوں کے ثواب کا کوئی تذکرہ نہ فرمایا باوجودیکہ کفار بھی صدقات خیرات حسن معاملات وفائے عہد سچائی خوش خلقی وغیرہ وغیرہ نیکیاں کرتے ہیں۔ کیا ان کی نیکیاں بیکار ہیں؟۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کفار کو آخرت کا تو یقین ہی نہیں یا تو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کے قائل ہی نہیں یا قائل ہیں تو وہ بھی اسی دنیا میں دوبارہ آنے اور آواگون کے چکر میں پھنسنے کے اور اگر روز قیامت کے قائل بھی ہیں تو اُن عقائد کے ساتھ جو کسی نقل و عقل سے ثابت نہیں اس لئے آخرت کے اجر سے تو وہ قطعًا محروم ہیں رہا نیکیوں کا صلہ تو وہ دنیا ہی میں اُن کو مل جاتا ہے اور اس طرح قانون فطرت کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اسی مضمون کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو امام احمد نے بروایت انس بن مالک نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا اللہ اہل ایمان کی حق تلفی نہیں فرماتا اُن کی نیکی کا عوض دُنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں بھی عطا فرمائے گا باقی کافروں کی نیکیوں کا عوض دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے آخرت میں کافروں کی کوئی نیکی ہی نہ ہوگی کہ اُس کا عوض ملے (رواہ مسلم فی صحیحہ)

مقصود بیان:- اختلاف مذاہب بھی مشیت الٰہی کے تحت ہے گمراہی اور ہدایت اللہ کے قبضہ میں ہیں لیکن انسان کو بھی مختار بنایا گیا ہے اسی وجہ سے اعمال کی بازپرس ہوگی۔ پُر فریب قسمیں کھانا اور قسمیں کھانے کے بعد عہد شکنی کرنا ممنوع ہے۔ گمراہ کرنے والے پر گمراہی اور گمراہ کنی دونوں کا وبال پڑتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ بدی کی بنیاد ڈالنے والا اُن تمام خرابیوں کا ذمہ دار ہے جو بدی کے پھیلنے سے پیدا ہوتی ہوں۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی ہر بڑی نعمت ہیچ اور متاع بے مقدار ہے۔ دنیوی فائدہ کے لئے اگرچہ وہ فائدہ کتنا ہی عظیم الشان ہو عہد سے پھر جانا حرام ہے۔ مصائب پر صبر کرکے ایمان کو مستحکم رکھنے والے اجر عظیم کے مستحق ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو تلقین ہے کہ اسلام کے راستہ میں کیسی ہی تکلیفیں اٹھانی پڑیں مگر اُن کی پرواہ نہ کرنی چاہئے۔ انتہائی جرأت سے سب کو برداشت کرنا چاہئے۔ وغیرہ۔

مسائل قسم کی ضروری تنقیح

یہ بات بالاجماع ثابت ہے کہ قسم اگرچہ سچی ہو مگر بکثرت قسمیں کھانے کا عادی ہونا ممنوع ہے۔ ہاں ضرورت کے وقت قسم کھانی جائز ہے۔ قسم دو قسم کی ہوتی ہے کسی کار خیر کو انجام دینے نیکی کرنے اور مخلوق خدا میں اصلاح کرانے کے لئے۔ دوسری دو قسم جو ارتکاب معصیت اور کسی کا بد کرنے سے متعلق ہو۔ اوّل صورت بہرحال جائز ہے اگر کسی مسلمان کی سرپرستی زید کے ذمہ تھی، نان نفقہ کا یہی کفیل تھا۔ مگر کسی وجہ سے قسم کھا بیٹھا کہ اب میں اسکی سرپرستی نہ کروں گا تو قسم توڑ کر اُس کی سرپرستی کرنی چاہئے۔ یا دو مسلمانوں میں جھگڑا تھا اُس نے جھوٹی قسم کھا کر باہم صفائی کرا دی تو جائز ہے کوئی گناہ نہ ہوگا البتہ کفارہ دینا لازم ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب سطح کی کفالت و سرپرستی اٹھا دینے کی قسم کھائی تو پھر بامر نبوی قسم توڑ کر کفارہ دیدیا اور سطح کا نان نفقہ بدستور جاری رکھا حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی نے کسی بات کی قسم کھائی مگر دوسری بات جس کے ارتکاب سے قسم ٹوٹتی ہے پہلی سے بہتر ہے تو اُس کو قسم کا کفارہ دیکر ثانی بات اختیار کرنی چاہئے۔ ثانی بات یہ ہے نیکی کی محافظت اور قسم کی مشروع نگہداشت یہی ہے

اگر گناہ کے کام پر اڑا رہے اور قسم کے پیچھے پڑا رہے تو یہ فعل حرام پر استمرار ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔ لہذا فعل حرام کو ترک کر کے قسم کا کفارہ دیدینا ہی مشروع ہے۔ رہی دوسری قسم تو اس کی خلاف ورزی کسی طرح جائز نہیں مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں کبھی پرایا مال نہ کھاؤں گا اب اگر کھائے گا تو گناہگار ہو گا۔ پرایا مال کھانا ویسے ہی ناجائز تھا اور جب قسم کھا کر عہد کر لیا تو مزید استحکام ہو گیا اسی طرح اگر کسی نے کار خیر کرنے پر قسم کھائی مثلاً یہ کہا کہ میں والدین کے لئے روزانہ ایک بار استغفار کروں گا اور کسی دن بھول گیا تو کفارہ لازم ہو گا۔ اور اگر قصداً ترک کیا تو گناہگار رہے گا۔ مفصل بحث فقہ کی کتابوں میں پڑھنی چاہئے۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ

(اے محمد!) جب تم قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے

بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ إِنَّهُ

اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو کیونکہ

لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ

شیطان کا زور اُن لوگوں پر نہیں چلتا جو

آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝

ایمان لائے ہیں اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں

إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ

اُس کا زور تو صرف اُن لوگوں پر ہے جو اُس سے تعلق رکھتے ہیں

وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝

اور اُن لوگوں پر ہے جو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں

تفسیر اس آیت کا تعلق پہلی آیات سے ہے۔ کس طرح کا ہے؟ اس کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے متصل آیت میں نیک کام کرنے کی ترغیب دی گئی۔ قرآن کی تلاوت نیکیوں کا سرچشمہ ہے پھر تلاوت قرآن کے وقت شیطان اپنی تمام طاغوتی طاقتوں کو ساتھ لے کر اعتراض کرتا اور وسوسے ڈالتا ہے اس لئے اس آیت میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ اکثر اہل تفسیر کی رائے ہے کہ چند آیات سے پہلے فرمایا تھا نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ یعنی ہم نے قرآن نازل کیا الخ تو ظاہر ہے کہ قرآن کے دو ہی فائدے ہیں یا تو نماز اور بیرون نماز میں حصول برکت کے لئے تلاوت کی جائے یا احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لئے پڑھا جائے لامحالہ پڑھنا ضروری ہے اور تلاوت قرآن سے شیطان کو دکھ پہنچتا ہے کیونکہ قرآن ہی تمام قوانین اسلام اور ہر فلاح و بہبود کا سرچشمہ ہے اس لئے شیطان اپنی پوری طاقت کے ساتھ قرآن پڑھنے والے کو بہکاتا ہے اسی بنا پر تعوذ کا حکم دیا۔ میرے نزدیک ثانی شق بہتر ہے اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے بعید ہے مگر معنی کا ارتباط قوی ہے۔

اس آیت میں اگرچہ خطاب حضور اقدس کو ہے مگر مراد خطاب تمام امت ہے کیونکہ رسول پاک تو محفوظ من اللہ تھے۔ شیطان آپ کے پاس بھی نہ آ سکتا تھا اس لئے مقصود خطاب تمام اہل اسلام ہیں۔ جب حضور اقدس کو خطاب کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے شیطان سے بچ کر اللہ کی پناہ میں آنے کا حکم دیا باوجودیکہ حضور کو اغوائے شیطانی کا اندیشہ بھی نہ تھا تو پھر عام مسلمان جو معصوم اور محفوظ من اللہ نہیں ہیں ضرور شیطان سے بچنے کی تدبیر کرنے کے مکلف ہیں۔ اسی نکتہ کو پیش نظر رکھ کر عام طور پر قرآن پاک میں رسول پاک کو خطاب کیا گیا اگرچہ روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے۔

شیطان کیا چیز ہے اور اُس سے شرع میں کیا مُراد ہے؟

باجماع مفسرین و صحابہ کرام شیطان ابلیس کو کہا جاتا ہے۔ ابلیس قوم جن میں سے ایک فرد یا ابوالجن کا نام ہے۔ حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود بارگاہ ہوا۔ اُسی وقت سے اولاد آدم سے اس کو دشمنی ہو گئی۔ لیکن یاد رہے کہ ابلیس کے علاوہ اور بھی بہت شیاطین ہیں (۱) وہ آدمی بھی شیطان ہے جو دوسروں کو گمراہ ہونے کی ترغیب دیتا ہے یا زبردستی گمراہ کرتا ہے (۲) انسان کے اندر جو تینوں قوتیں خدا تعالیٰ نے ودیعت رکھی ہیں، اور جن کا بیان آیت إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ کے ذیل میں گذر چکا ہے وہ بھی شیطان ہیں۔ اگر راہ اعتدال سے ہٹ کر افراط و تفریط کی طرف مائل ہو جائیں۔ اس کی تائید مختلف احادیث سے ہوتی ہے قوت غضبیہ کے جوش کو حضور نے شیطان فرمایا تھا اعوذ باللہ پڑھنے کو اس کے دفع کرنے کا علاج بتایا تھا۔

اعوذ پڑھنے کا حکم مستحب ہے یا واجب؟

عطاء و ثوری کے نزدیک

حکم وجوبی ہے - ابن کثیر نے مستحب ہونا لکھا ہے - ابن جریر نے استحباب پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے - مگر یہ امام ابن جریر کا تسامح ہے کیونکہ شیطان سے بچاؤ کرنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنا تو واجب کیا فرض ہے - اس کے بغیر کوئی مسلمان ہی نہیں ہو سکتا - جس قدر یہ جذبہ کمزور ہوگا اسی قدر ایمان میں ضعف ہوگا - اجتناب عن الشیطان مسلمان کا اصل مذہب ہے - رہی یہ بات کہ شرعی الفاظ زبان سے نکالنا بھی واجب ہیں یا نہیں؟ تو ظاہر ہے کہ زبان سے نکالنا لازم نہیں - اصل چیز رجوع قلب ہے جس طرح نماز کی نیت کے الفاظ زبان سے کہنا واجب نہیں مسنون یا مستحب ہیں اسی طرح زبان سے تعوذ کے عربی الفاظ کہنا ضروری نہیں نہ علماء اس کے وجوب کے قائل ہیں - اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ نزاع صرف لفظی ہے بالاختلاف دل سے اللہ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے اور الفاظ ادا کرنے مستحب ہیں۔

اعوذ کس وقت پڑھی جائے؟

آیت کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ جب تم قرآن پڑھو تو استعاذہ کرو یعنی قرآن کی تلاوت کر چکو تو بعد کو اعوذ پڑھ لیا کرو - اسی ظاہری مطلب پر خیال کرتے ہوئے ابو ہریرہ، امام مالک، داؤد ظاہری، حمزہ، ابو حاتم سیستانی، محمد بن سیرین اور ابراہیم نخعی وغیرہ نے فرمایا کہ قرأت ختم کرنے کے بعد تعوذ پڑھنی چاہئے (صرح بہ النووی فی شرح المہذب) لیکن زجاج کا قول ہے کہ قرأت سے مراد ارادۂ قرأت ہے اور یہی عربی زبان کا بلکہ ہر زبان کا محاورہ ہے - مثلاً کہا جاتا ہے اِذَا اَكَلْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ یعنی جب کھانا چاہو تو بسم اللہ پڑھ لیا کرو - یا قرآن میں آیا ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الخ یعنی جب نماز پڑھنی چاہو تو وضو کر لیا کرو - ظاہر ہے کہ نماز سے قبل وضو شروع ہے نہ کہ نماز کے بعد - یہی قول جمہور کا ہے اور روایت و دانش کے مطابق ہے۔

کیا ہر رکعت کے شروع میں تعوذ پڑھی جائے یا فقط ابتدائے نماز میں ایک مرتبہ پڑھ لینا کافی ہے؟

اول مذہب امام شافعی کا ہے شافعی کا قول ہے کہ ہر رکعت مستقل قرأت ہے اس لئے ہر رکعت میں جب قرآن پڑھا جائے تو اعوذ کہنا چاہئے - دوسرا قول امام اعظم کا ہے امام اعظم کے نزدیک تمام رکعات کا مجموعہ ایک ہی قرأت ہے - متعدد قرأتیں نہیں ہیں اس لئے پہلی رکعت میں قرأت شروع کرتے وقت ایک مرتبہ اعوذ پڑھ لینا کافی ہے - پھر شافعی کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں کو اعوذ پڑھنا چاہئے - مگر امام اعظم کے نزدیک چونکہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے قائم مقام ہے اس لئے امام کی تعوذ کافی ہے۔

چونکہ آیت میں انتہائی زور کے ساتھ شیطان سے بچ کر اللہ کی پناہ میں داخل ہونے اور اعوذ پڑھنے کا حکم دیا تھا اس لئے شبہ ہوتا تھا کہ شیطان بھی کوئی ایسی عظیم الشان ہستی ہے جو نعوذ باللہ خدا کی حریف اور مدمقابل ہو سکتی ہے - اس وہم کو دور کرنے کے لئے شیطان کی طاقت کی کیفیت اور مقدار بیان فرما دی اور ظاہر فرما دیا کہ شیطان کا زور ایک قسم کے آدمیوں پر ہرگز نہیں چل سکتا اور ایک قسم کے آدمی شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہوتے ہیں - شیطان پر غالب رہنے والا تو وہ گروہ ہے جو ایماندار ہو اور محض اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہو اور مغلوب گروہ وہ ہے جو شیطان کا رفیق ہو اور شیطان کو الوہیت و ربوبیت میں اللہ کا شریک جانتا ہو - ہم ذیل میں اس مطلب کی تشریح کرتے ہیں۔

ہر انسان کو دنیا میں دو ضرورتیں ہر وقت رہتی ہیں - زندگی کے آخر لمحہ تک ان دونوں باتوں سے چھٹکارا نصیب نہیں ہو سکتا (۱) اپنی بدنی حیات اور مادی زندگی کو باقی رکھنے کے لئے ضروری غذا اور لباس اور ہوا پانی وغیرہ کی فراہمی ضروری ہے - ترک غذا کے بعد کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا - ہوا کے بغیر سانس نہیں لے سکتا - پانی کے بغیر بدن میں رطوبت اور تری باقی نہیں رہ سکتی - لباس یا کسی قسم کے ستر کے بغیر سردی گرمی سے بچاؤ نہیں ہو سکتا - تمام عمر انسان انہی کی جستجو اور فراہمی میں لگا رہتا ہے - اللہ کے جو نیک بندے ہیں اور نفسانی ہوس سے خالی ہیں وہ ضروری مقدار پر قناعت کرتے ہیں اور جن کی چشم آز ہر وقت کھلی ہوتی ہے وہ کسی مقدار پر اکتفا نہیں کرتے - بہرحال ضروریات زندگی کی طلب سے کوئی نیک و بد خالی نہیں - لیکن طلب میں فرق ہے - بلند نظر اور روشن بصیرت رکھنے والا اسباب معیشت کو فراہم کرتا ہے - مگر کسی سبب کو کارساز نہیں جانتا - زراعت، تجارت، صنعت، حرفت، جنگ، صلح سب کاموں میں مشغول رہتا ہے مگر کسی پیشہ یا کسی شخص یا کسی اندرونی و بیرونی کوشش کو رزاق حقیقی نہیں جانتا - اس کی نظر مادیات اور اسباب کے سلسلہ سے آگے بڑھ کر ایک غیبی طاقت اور ہمہ گیر قوت پر جا کر ٹھہرتی ہے - وہ مسبب الاسباب اللہ ہی کو مانتا ہے - ابر سے پانی برستا ہے اور وہ دیکھتا ہے زمین سے سبزہ اگتا ہے وہ جانتا ہے ہل جوتنے سے زمین نرم ہو کر تخم پذیری اور روئیدگی کے قابل ہو جاتی ہے، وہ اس کو مانتا ہے محنت کرنے سے مزدوری ملتی ہے اس کو اس کا یقین ہے لیکن ان میں سے کسی کو وہ فاعل حقیقی اور مؤثر خود مختار نہیں مانتا، تمام طاقتوں اور قوتوں کا مرجع خالق اور خود مختار مؤثر ذات باری کو سمجھتا ہے لیکن اس طبقہ کے خلاف دوسرا طبقہ بھی ہے جس کی نظر بیت ہے اس کی نگاہ اسباب کے پار نہیں جاتی، وہ ظاہری ذرائع ہی کو حقیقی مؤثر سمجھتا ہے، بخارات سے ابر کی پیدائش جانتا ہے اور اس طرح جانتا ہے کہ بخارات ابر کے خالق ہیں، ستاروں کی تاثیر انقلاب فصول پر پڑتی ہے اور اس طرح

پڑتی ہے کہ ستاروں کی رفتار کسی بالادست مؤثر سے قطعاً بے نیاز ہے اُسکی روزی کھیتی یا بیوپار یا ملازمت وغیرہ پر موقوف ہوتی ہے اور ایسی موقوف ہوتی ہے کہ معاش کی ظاہری تباہی دیکھ کر وہ قطعاً مایوس ہو جاتا ہے اور اپنی بربادی و نامرادی کا یقین کر لیتا ہے (۲) دشمنوں سے حفاظت کے بغیر اور موذی جانوروں سے بچنے کی تدبیر کے بدون کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہر شخص اپنی بدنی حفاظت میں سرگرم ہے بلکہ دفع ضرر اور مقابلۂ اعداء پر ہر فرد فطرتاً اور طبعاً مجبور ہے۔ بیرونی ایذا رساں طاقتوں کا مقابلہ انسانی طبیعت خود بخود کرتی ہے۔ اگر کوئی شخص تلوار مارنے کے لئے اٹھائے تو جس شخص پر اٹھائے اُس کا ہاتھ سر کو بچانے کے لئے خواہ مخواہ بلا ارادہ اوپر کو اٹھ جاتا ہے۔ بہر حال دشمنوں سے اپنے جان مال قوم وطن اور ملک کی حفاظت کی تدبیر کرنی فطرت کا اقتضا ہے۔ اس فطری مقتضا کو پورا کرنے کے متعلق دو قسم کے آدمیوں کے دو ہی طرح کے عقائد ہیں۔ دانشمند اور بلند حوصلہ انسان تیغ تلوار کو مارنے اور دشمن کو دفع کرنے کا آلہ سمجھتا ہے۔ ہمدردوں اور بہی خواہوں کی کثرت کو بظاہر نظر دفع اعداء کے لئے مفید سمجھتا ہے۔ دولتمندی اور بدنی صحت وقوت کو دشمنوں سے مقابلہ کرنے کا ہتیار جانتا ہے عقل و نظر اور خوش تدبیری کو حق و باطل میں فرق کرنے کا ذریعہ یقین کرتا ہے۔ لیکن با ایں ہمہ وہ ان میں سے کسی کو فاعل حقیقی اور محافظ مطلق تسلیم نہیں کرتا۔ کارساز و مددگار منعم و مؤثر محض ذات الٰہی کو جانتا ہے۔ لیکن کور دانش کوتاہ فہم اور پست دماغ کا آدمی تمام اسباب کو حقیقی مسبب جانتا ہے اُس کو اپنے مال و دولت اور اقارب و احباب کی کثرت پر بھروسہ اور غرور ہوتا ہے، خلوص نسب اور شرف آبائی پر فخر ہوتا ہے، جسمانی تندرستی اور صحت پر ناز ہوتا ہے۔ ظاہری جاہ و جلال اور شوکت و سطوت پر کامل اعتبار و وثوق ہوتا ہے، وہ اپنے ظاہری سرپرستوں اور حاکموں کو حقیقی معین و مددگار جانتا ہے بلکہ اس طبقہ میں سے بعض ذلیل ترین فہم رکھنے والے تو موہومی معبودوں اور خیالی دیوتاؤں کو اپنا پشت پناہ اور قوتِ بازو سمجھتے ہیں۔ دونوں قسم کے آدمیوں میں سے اول الذکر گروہ تو اہلِ ایمان کا ہے جن کو نہ اللہ کے سوا کسی سے حقیقی امید و طمع ہوتی ہے نہ سوا خدا کے کسی سے ضرر کا اندیشہ۔ وہ ہر امید و خوف کے وقت اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور ظاہری اسباب کی فراہمی میں مشغول رہتے ہوئے بھی اعتماد اعانت اور توکل اللہ ہی پر ہوتا ہے اور ہر دو قسموں میں سے مؤخر الذکر گروہ کے دماغ میں اللہ کا کوئی خیال و مفہوم نہیں ہوتا۔ وہ ظاہری بادشاہوں حاکموں اور سرپرستوں کو اصلی کرتا دھرتا جانتے ہیں۔ اپنی کوشش کو حقیقی مؤثر سمجھتے ہیں۔ بلکہ فرضی دیوتاؤں کو اپنا مددگار خیال کرتے ہیں یہی شیطان کی دوستی اور الوہیت و ربوبیت میں اللہ کے ساتھ غیر کو شریک بنانے کا مفہوم ہے۔

مقصود بیان:- دربارۂ تلاوتِ قرآن کی ہدایت اور اس امر کی صراحت کہ تلاوت قرآن کرنے سے پہلے تعوذ کرنا لازم ہے۔ اس بات کا ناقابل نسخ حکم کہ شیطان سے بچاؤ کے لئے اللہ کی پناہ میں آنا ضروری ہے۔ گفتار و رفتار اطوار عبادات معاملات غرض زندگی کے ہر شعبہ میں بلکہ موت اور مابعد الموت کے اوقات میں بھی اللہ اور فقط اللہ پر بھروسہ رکھنے کی ضمنی ہدایت اور اس امر کی تصریح کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے یعنی اپنی خواہش ارادہ اور ذات کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اُس پر شیطان کا قابو نہیں چلتا یعنی اُس کا ہر قول و عمل پاک اور لوجہ اللہ ہوتا ہے۔ اُس کی ہر نقل و حرکت بامر الٰہی ہوتی ہے اور جو لوگ غیر اللہ پر نظر رکھتے ہیں بیم و رجا کا مرکز اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو بنائے ہیں وہ شیطان کے دوست ہوتے ہیں اور شیطان کا اُنہی پر تسلط ہوتا ہے۔ ضمنی طور پر اس امر کی تلقین مسلمانوں کو کرنی مقصود ہے کہ غیر اللہ کا رشتہ توڑ کر بیرونی اعتماد و بھروسہ چھوڑ کر اللہ ہی سے تعلق جوڑو اور اُسی سے امید و خوف رکھو۔ ہر راحت و نعمت کے اُسی سے طلب گار رہو۔ اور ہر مصیبت کو دفع کرنے کے لئے اُسی کو پکارو۔ وغیرہ۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَّاللّٰهُ

جب ہم ایک آیت کی بجائے دوسری آیت کو بدلتے ہیں تو کافر

أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ

کہتے ہیں کہ (محمد) تم تو نرے مفتری ہو حالانکہ اللہ جو کچھ اُتارتا ہے

مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○

اُسکو خوب جانتا ہے بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر بے علم ہیں

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ

کہدو کہ اُس کو تمہارے پروردگار کے حکم سے جبرئیل نے سچائی کے ساتھ

بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى

نازل کیا ہے تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور یہ

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِينَ ○ وَلَقَدْ نَعْلَمُ

مسلمانوں کے لئے ہدایت و بشارت ہے ہم جانتے ہیں

أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ

کہ وہ کہتے ہیں ان کو تو آدمی سکھا دیا کرتا ہے

لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ

حالانکہ جس شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں اُس کی زبان تو عجمی ہے

وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ○ إِنَّ

اور یہ خالص عربی زبان ہے بات یہ ہے کہ

لَا يُؤْمِنُونَ بِآيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيهِمُ

جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے اُن کو اللہ ہدایت

اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ إِنَّمَا يَفْتَرِي

نہیں دیتا اور اُن کے لئے دردناک عذاب مخصوص ہے دروغ بندی

الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيٰتِ

تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جن کا اللہ کی آیتوں پر ایمان

اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰذِبُونَ ○

نہیں ہوتا اور وہی جھوٹے ہوتے ہیں

تفسیر

اللہ علیم و حکیم ہے۔ وہ اپنی مخلوق اور اپنے احکام کے مصالح سے بخوبی واقف ہے۔ عرب کی قوم جاہل اور سرکش تھی کتاب اللہ کے احکام تو کیا کسی دنیوی حاکم کے زیر اثر بھی کبھی نہ رہے تھے اور نہ کسی بادشاہ کی اطاعت کے خوگر تھے لیکن مقدر ہو چکا تھا کہ چشمۂ رحمت مکہ کی خشک بے آب و گیاہ زمین سے اُبلے اور پھیل کر اطراف عالم کو سیراب کرے۔ چنانچہ آفتاب ہدایت چمکا اُس کی ابتدائی کرنیں مکہ پر پڑیں احکام الٰہی نازل ہونے شروع ہوئے۔ لیکن سرکش جاہل قوم کے دیرینہ رسم و رواج اور موروثی خصائل بد کو ترک کرانا آسان کام نہ تھا۔ کوئی اُستاد اگر اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا ہے تو اُن کی عمر و استعداد اور ذہانت و محنت کے مطابق دیتا ہے۔ ہر لڑکے کی عمر و استعداد و ذہانت کے موافق اُس کی تعلیم بدلتا جاتا ہے۔ ابتدا میں جو تعلیم دیتا ہے وہ دس پانچ سال کے بعد مفید نہیں رہتی۔ اسی طرح طبیب جب مریض کا علاج شروع کرتا ہے تو اُس کے مرض کی نوعیت درجۂ مرض مریض کی جسمانی قوت مزاج عمر وغیرہ سب کا لحاظ رکھتا ہے اور وقتاً فوقتاً دوا در علاج بدلتا رہتا ہے۔ یہ تو ایک لڑکے یا ایک مریض کا انفرادی معاملہ ہے لیکن جہاں قواعد کلیہ اور ضوابط عامہ بنانا ہوں پوری قوم بلکہ تمام ملک بلکہ کل دنیا کے مریضوں کا علاج ایک ہی نسخہ سے کرنا ہو اور کل دنیا کے نونہالوں کو ایک ہی سبق دے کر عالم بنانا ہو وہاں درس و علاج میں تبدیل و تغیر لازم ترین ہے۔ خدا تعالیٰ چونکہ حکیم و علیم ہے اُس نے اسلام کے ابتدائی دور میں جن قوانین و احکام کا اجرا مناسب سمجھا کر دیا۔ پھر جب قوم کی حالت کسی قدر سُدھر گئی تو اُنہی قوانین میں قدرے ترمیم کر دی خواہ اُن کو مشکل بنا دیا یا پہلے سے آسان کر دیا جیسا حکمت کا مقتضا تھا ویسا کیا۔ مثلاً آغاز اسلام میں کھانے پینے اور ذاتی ضروریات سے جو کھانا کپڑا مال نقد وغیرہ باقی رہتا اُسکو اپنے پاس رکھنا ناجائز تھا اور کل مال کو امداد اہل اسلام میں صرف کرنا واجب تھا۔ لیکن جب اسلام ترقی کرتا گیا مسلمانوں کی اجتماعی حالت پہلے سے کسی قدر درست ہو گئی۔ زیادہ مالی دشواری بھی نہ رہی اُس وقت حکم میں آسانی کر دی گئی۔ بجائے کل مال صدقہ کرنے کے کل مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کی شکل میں ادا کرنا لازم قرار پایا اس کے خلاف حرمت شراب کا مسئلہ ہے۔ چونکہ پوری قوم شراب خوار تھی اور نشہ کا یکدم ترک کر دینا آسان نہ تھا اس لئے اس کی حرمت میں تدریج کا لحاظ رکھا گیا۔ شروع میں مذمت اور تنفر کے مضامین نازل ہوئے۔ پھر شراب پی کر نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہوئی اور رفتہ رفتہ قطعی طور پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی۔

اس ترمیم و تنسیخ کو دیکھ کر کفار مکہ نے بطور طعن کہنا شروع کیا کہ محمد تمسخر کرتے ہیں آج ایک کام کرنے کو کہتے ہیں اور کل اُس کی ممانعت کر دیتے ہیں۔ جو چاہتے ہیں از خود بنا کر لا کر سنا دیتے ہیں اور خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کافروں کے اس قول کی تردید میں خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ آیات کے احکام میں نسخ و ترمیم دیکھ کر کافر کہتے ہیں کہ محمد تم خود بنا کر لاتے ہو اور منسوب کر دیتے ہو خدا کی طرف۔ ان کا یہ قول غلط ہے۔ اللہ اپنے نازل کردہ احکام کی مصالح کو بخوبی جانتا ہے یہ لوگ کیا جانیں۔ در حقیقت اُس اللہ کی طرف سے جو مربی ہے جبرئیل اس قرآن کو صحیح طور پر حقانیت کے ساتھ لائے ہیں اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں نہ کذب و افترا کو دخل ہے۔ رہا نسخ کا فائدہ تو منجملہ دیگر فوائد کے کھلا ہوا فائدہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں نور ایمان متمکن ہے اُن کا ایمان اور قوانین شریعت کی پابندی اس ترمیم و نسخ کی وجہ سے پختہ اور راسخ ہو جاتی ہے۔ اگر یکدم احکام نازل کر دیئے جاتے

تو ممکن تھا اُن کے ایمان میں تزلزل پیدا ہو جاتا۔ کیونکہ اُن سے آبائی رسم و رواج کے خلاف فوری احکام کی یک دم تعمیل نہ ہو سکتی تھی۔ دوسرے یہ بھی مقصود تھا کہ قرآن سے لوگوں کو ہدایت ہو اور ہدایت بغیر تدریجی ترمیم و تنسیخ کے ممکن نہ تھی۔ طبائع اور عادات کے خلاف یکدم حکم سن کر ممکن تھا لوگ متنفر ہو جائیں اور بجائے ہدایت کے گمراہی میں پڑ جائیں۔ تیسرے یہ بھی غرض تھی کہ وہ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنی جان مال یہاں تک کہ خواہشات نفسانی کو اللہ کے حکم کے تابع بنا دیا ہے اُن کو دینی نجات کی خوشخبری بھی پہنچ جائے اگر نسخ نہ ہوتا تو اُن کا مسلم مخلص ہونا کیسے ظاہر ہوتا یہ کیسے واضح ہوتا کہ وہ اللہ کے ہر حکم کو ہر وقت ماننے والے ہیں لیکن اس فائدہ کو سمجھنے کے لئے نور ایمان اور ضیاء اسلام کی دل میں ضرورت ہے جس کے دل میں زنگ اور کدورت بھری ہوئی ہے اور روح میں کفر بیٹھا ہوا ہے اُسکو یہ فائدہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس کے آگے وَلَقَدْ نَعْلَمُ الخ سے ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مکہ میں بعض رومی اور فارسی غلام بھی تھے جن کو صاف طور پر فصیح عربی میں بات چیت کرنی بھی نہ آتی تھی البتہ عیسائی یا مجوسی مذہب سے اُن کو کسی قدر واقفیت ضرور تھی خواہ سُن سُنا کر یا کتابیں پڑھ کر۔ مکہ کے جاہلوں میں وہی عالم سمجھے جاتے تھے۔ اُدھر ان میں کا نادار یہ غلام کبھی کبھی حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتے تھے اور حضور بھی اُن کے پاس گاہے گاہے تبلیغ کے لئے تشریف لیجاتے تھے۔ قریش نے جب نکتہ چینی کا کوئی اور موقعہ نہ ملا اور قرآن کے اعجاز کے مقابلہ میں لاجواب ہوتے تو کہنے لگے یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ فلاں غلام محمدؐ کو سکھا جاتا ہے۔ اور پھر یہ خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ابن کثیر نے بروایت عکرمہ کی قتادہ بیان کیا ہے کہ اس متہم غلام کا نام یعیش تھا۔ ابن جریر نے بروایت ابن عباس بلعام آہنگر کہا ہے۔ بعض مفسرین نے ابو میسرہ نصرانی نام بتایا ہے۔ کسی نے عداس کہا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ دو غلام تھے جو تلواریں بنانے کا پیشہ کرتے تھے ایک کا نام جبر اور دوسرے کا نام یسار تھا۔ زہری نے بروایت سعید بن مسیب ذکر کیا ہے کہ ایک مشرک مسلمان ہو کر کاتب وحی مقرر ہوا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد مرتد ہو کر بیہودہ بکنے لگا۔ یہیں سے کفار قریش نے بھی طعنہ زنی شروع کر دی۔ بعض اہل روایت کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی کی طرف تصنیف قرآن کو کفار منسوب کرتے تھے شیخ نحاس نے کہا کہ یہ اقوال باہم متناقض نظر آتے ہیں مگر واقع میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے متفرق اشخاص نے مختلف غلاموں کی طرف تالیف قرآن کو منسوب کیا ہو اور کفار میں خود کسی خاص شخص پر اتفاق رائے نہ ہو۔ میرے نزدیک بھی نحاس کا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ کفار مکہ تعلیم یافتہ نہ تھے۔ قول کے صدق و کذب اور تحقیق و تنقیح سے اُن کو سروکار نہ تھا۔ جو مُنہ پر آیا کہدیا۔ شروع میں بقول زہری اُس مرتد نے اتہام لگایا جو کاتب وحی مقرر ہو گیا تھا پھر جس کو خبر پہنچی گئی اُس نے اپنی رائے کے مطابق نام تجویز کر لیا۔ اس قول کی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص کی طرف یہ لوگ قرآن کو منسوب کرتے ہیں اُسکی اپنی زبان تو عجمی ہے عربی سے وہ صحیح طور پر واقف بھی نہیں اور قرآن کی زبان تمام فصیح عربی ہے ناواقف آدمی جو خود زبان پر قدرت نہیں رکھتا وہ کس طرح ایسا بلیغ کلام بنا سکتا ہے۔ مگر جن لوگوں کے دلوں میں جوہر ایمان نہ ہو جو صداقت و حقانیت کی کھلی ہوئی نشانیاں دیکھ کر بھی سچ نہ جانتے ہوں اور اپنی کٹ حجتی پر قائم ہوں اُن کو اللہ ہدایت نہیں فرماتا۔ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی ایک دلیل تو یہ بیان کی تھی کہ قرآن کی زبان فصیح عربی ہے اور جن لوگوں کی طرف قرآن کو منسوب کیا جاتا ہے اُن کی زبان عجمی ہے۔ دوسری دلیل ذرا اس سے باریک بیان کرتا ہے۔ فرماتا ہے:۔

بہتان تراشی اور دروغ بافی تو وہ لوگ کرتے ہیں جن کو آیات الٰہی پر ایمان نہیں ہوتا یعنی جو اللہ کی الوہیت و ربوبیت کے قائل نہیں ہوتے اور جو احکام الٰہی سے سرتابی کرتے ہیں اور آدمیوں سے باہمی معاملات میں جھوٹ بولتے دغا فریب کرتے اور بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور چونکہ رسول اللہ نے نبوت سے پہلے کبھی جھوٹ نہیں بولے کسی کی امانت میں خیانت نہیں کی کسی سے فریب نہیں کیا یہاں تک کہ قوم کی طرف سے صادق امین کے معزز لقب سے مشہور ہوتے تو پھر خدا پر وہ بہتان کیسے باندھ سکتے ہیں جو کلام اللہ نے نہیں نازل کیا اُس کو کلام الٰہی کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کمزور ترین جھوٹ نہ بولنے والا ایسی عظیم الشان دروغ بافی کس طرح کر سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ کفار خود جھوٹے ہیں جو صادق امین کو مفتری و کذاب خیال کرتے ہیں۔

مقصود بیان:۔ نسخ احکام کا جواز اور نسخ کی حکمت کی طرف ضمنی اشارہ۔ نسخ کے فوائد ثلاثہ کی صراحت۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کی واضح اور دقیق دو دلیلوں کا بیان۔ اس بات کی ضمنی صراحت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیوی معاملات میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس امر کی تنصیص کہ جو لوگ خود ایمان لانا نہ چاہیں اور ہٹ دھرمی پر قائم رہیں وہ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔ لفظ نَزَّلَ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن یک دم نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا حسب موقعہ اور اقتضاء مصلحت کے مطابق نازل ہوتا رہا۔ یعنی اگر یک دم کل نازل ہو جاتا تو نسخ کی گنجائش نہ رہتی۔ رفتہ رفتہ نازل کرنے سے مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کو پختہ کرنا مقصود رہے۔ وغیرہ۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا

جو لوگ ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کریں باستثناء

مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

اُن لوگوں کے جن کو مجبور کیا گیا ہو مگر اُن کا دل ایمان پر برقرار ہو

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا

ہاں جو لوگ دل کھول کر کافر ہوئے

فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

تو اُن پر اللہ کا غضب ہے اور اُن کے لئے بڑا

عَظِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ

عذاب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے دنیا کی زندگی کو

الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا اور اللہ کافر قوم کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ

ہدایت نہیں دیتا یہی وہ لوگ ہیں جن کے

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ

دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ لَا جَرَمَ

اور یہی لوگ غافل ہیں بلاشبہ

اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

آخرت میں یہی نقصان اٹھائیں گے

تفسیر

ابن عباس کی روایت ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو صحابہ سے فرمایا چلو میرے ساتھ ہجرت کرو جس میں طاقت ہو وہ آخر رات تک ٹھیرا رہے اور طاقت توقف نہ ہو تو شروع رات ہی میں چل دے۔ لیکن جس وقت تم کو معلوم ہو کہ میں کہیں مستقل طور پر مقیم ہو گیا تو میرے پاس چلے آنا

غرض حضور ﷺ نے مکہ چھوڑا کچھ مسلمان منتشر ہوئے۔ کفار کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے بلال، عمار بن یاسر، خباب، یاسر اور اُن کی بیوی سمیہ اور ابو فکیہہ وغیرہم کو گرفتار کر لیا۔ ابو جہل نے ان غریبوں کو سخت ایذائیں پہنچانی شروع کیں۔ حضرت بلالؓ دھوپ میں گرم ریت پر لٹاتا۔ لوہے کی گرم تپتی ہوئی زرہ سینہ پر رکھ دیتا اور کہتا اب کہو خدا ایک ہے یا دو۔ لیکن خدا کا راسخ الایمان بندہ پہاڑوں سے زیادہ پائیدار ایمان رکھنے والا بندہ زبان سے اَحَدٌ اَحَدٌ کی ہی صدا نکالتا۔ حضرت خباب کو باندھ کر کانٹوں میں گھسیٹا جاتا۔ حضرت عمار کو طرح طرح سے ایذائیں دی جاتیں۔ یہاں تک کہ آپ کے والد یاسر اور والدہ سمیہ کو تو انتہائی بیرحمی و بیدردی سے شہید ہی کر دیا۔ مگر ان اللہ کے بندوں نے اُف نہ کی۔ حضرت عمار کمزور اور بہت ضعیف تھے۔ ایمان اگرچہ پہاڑوں سے بھی زیادہ پختہ تھا۔ مگر بدنی ضعف سے مجبور تھے۔ آپ سے تکالیف و شدائد کی برداشت نہ ہو سکی مجبور ہو کر کلمۂ کفر زبان سے نکال دیا بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ بادلِ ناخواستہ زبان سے نکالے تھے اور بتوں کی تعریف کی تھی۔ بہرحال موقعہ پا کر جب مکہ چھوڑا اور خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو ہر ایک نے اپنا واقعہ عرض کیا۔ اُدھر لوگوں نے عمار کے متعلق بُری رائے قائم کی۔ اور کافر ہو جانے کا چرچا کرنے لگے۔ حضور اقدس ﷺ نے عمار سے پوچھا اُس وقت (کلمۂ کفر زبان سے کہنے کے وقت) تیرے دل کی کیا حالت تھی؟ عمار نے عرض کیا ایمان پر مطمئن تھا۔ فرمایا عمار از سرتا پا نورِ ایمان سے منور ہے۔ اس کے گوشت پوست میں اسلام سرایت کئے ہوئے ہے۔ اُس وقت عمار رو رہے تھے۔ حضور رسالت ﷺ نے تسلی دیکر خود دست مبارک سے آنکھوں سے آنسو پونچھے اور فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اگر پھر ایسا اتفاق ہو تو پھر تقیہ کیجیو۔ اللہ کی دی ہوئی اجازت ہے۔ ایسے جان جوکھوں کے موقعہ پر تقیہ کرنا جائز ہے۔ عمار کے اطمینان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

چند مسائل

ائمہ حنفیہ کے نزدیک ایمان قلب کا فعل ہے۔ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ اس قول کی واضح دلیل ہے۔ رہا زبان سے اقرار اور اعضائے جسمانی سے اسلام کے مطابق عمل تو وہ صرف اس لئے ہے کہ اُس کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ کیا جائے۔ جزیہ ادا کرنا نہ پڑے مسلمہ عورت سے نکاح صحیح ہو۔ اُس کے جنازہ کی نماز پڑھی جا۔ وغیرہ وغیرہ۔ گویا جو شخص دل سے ضروریاتِ اسلام کا یقین رکھتا ہے اور زبان سے اقرار نہیں کرتا وہ عند اللہ مومن ہوگا۔ اگرچہ ظاہر شرع میں اُس پر اسلام کے احکام

جاری نہ ہونگے ۔ مگر یہ مسئلہ ذرا تفصیل طلب ہے ۔ ایمان اگرچہ قلبی تصدیق کا نام ہے ۔ مگر زبان سے اقرار اور اعضاء سے ایمان کے موافق عمل کرنا ضروری شرائط میں سے ۔ اگر کوئی شخص بغیر جانی خطرہ کے زبان سے اقرار نہیں کرتا اور اعضائے جسمانی سے اسلام کے خلاف عمل کرتا ہے تو خواہ اس کے دل کی کیفیت کچھ بھی ہو وہ مرتد ہوگا ۔ ہاں اگر جان جانے کا اندیشہ بلکہ یقین ہوا اور اُس وقت زبان سے کلمۂ کفر نکال بیٹھے تو جائز ہے مرتد نہ ہوگا بشرطیکہ وہ اپنی نیت کی صحت کا اظہار کرے

کس قسم کی مجبوری واکراہ میں تقیہ کرنا جائز ہے ؟

خطرہ دو طرح کا ہوتا ہے کوئی عضو کاٹنے اور جان جانے کا یا مال ضائع ہونے اور جسمانی تکالیف وشدائد میں مبتلا ہونے کا ۔ صحیح قول یہ ہے کہ اگر جان جانے کا یقین ہو اور ڈرانے دھمکانے والے میں جان لینے کی قدرت بھی ہو خواہ صاحب تسلط حاکم ہو یا کوئی ہو بہرحال ایسے اڑے وقت میں ظاہری طور پر زبان سے کلمۂ کفر نکالنا اور احکام اسلامیہ کے خلاف کسی عمل کا اظہار کرنا جائز ہے ۔ لیکن اگر ضروریات اسلام کا اعتراف قائم رکھنے سے مال کے برباد ہونے کا یقین ہو یا قید ہو جانے کوڑے پڑنے اور دوسری جسمانی تکالیف اٹھانے کا اندیشہ ہو تو کسی طرح زبان سے بھی کلمۂ کفر کہنا جائز نہیں ۔ حسن بصری ، شافعی ، اوزاعی اور سحنون وغیرہم کا قول ہے کہ تلف جان کے خطرہ کے وقت زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی اجازت ہے مگر فعل کفر جائز نہیں ۔ مثلاً اگر کوئی کافر بتوں کو سجدہ کرائے ورنہ مار ڈالنے کی دھمکی دے تو اگرچہ قتل ہو جانے کا یقین ہو مگر بتوں کو سجدہ کرنا جائز نہیں ۔ جمہور کا قول وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا اور اسی پر فتویٰ ہے ۔

ایک ضروری نکتہ

خطرۂ جان کے وقت کلمۂ کفر کا زبان پر لانا اگرچہ جائز ہے مگر اولیٰ وافضل یہ ہے کہ تکالیف پر صبر کرے اور جان دیدے ۔ کیونکہ کلمۂ کفر کا جواز استحباب یا وجوب کو نہیں چاہتا ۔ سچے ایمان رکھنے والے صحابہ وتابعین نے ایمان قائم رکھا ۔ اقرار توحید پر جمے رہے ضروریات دین کا اعتراف برقرار رکھا اور جان دیدی ۔ حضرت یاسر حضرت سمیۃ اور بعض دیگر اہل مشاہدہ راہ خدا میں کافروں کے ہاتھوں سے شہید ہوگئے مگر جان بچانے کے لئے کوئی لفظ خلاف دین زبان سے نہ نکالا ۔ رحمہم اللہ ۔

اب ہم آیت کے تفسیری مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں عام دستور ہے کہ انسان جب احکام الٰہی سے سرکشی کرتا ہے تو اس کے دل میں قدرے زنگ پیدا ہو جاتا ہے ۔ اگر گناہ کرنے کے بعد توبہ کرلی تو یہ زنگ دور ہو کر نور ایمان پھر چمکنے لگتا ہے ۔ اور توبہ نہ کی ۔ گناہوں پر استمرار رکھا تو دل پر گناہوں کی گھٹا چھا جاتی ہے لیکن چونکہ ابھی تک یہ گناہ ومعصیت کو اچھا نہیں سمجھتا ۔ کرتا ہے مگر برا سمجھ کر ۔ استمرار علی المعاصی رکھتا ہے مگر گناہ کو گناہ جانتے ہوئے ایسی حالت میں اصلاح ودرستگی کی امید باقی ہوتی ہے ۔ اگر توبہ کرلے گا تو معصیت کی گھٹا چھٹ جائے گی اور آفتاب ایمان پھر چمکنے لگے گا ۔ لیکن اسکے آگے بڑھ کر جب بلاروک ٹوک گناہ کرنے لگے گناہ کو گناہ نہ جانے حرام حلال کا امتیاز اُس کے عقیدے سے زائل ہو جائے ۔ عقائد کفر کے لئے اُس کا سینہ کھل جائے اور عقائد اسلامیہ سے اُس کے دل میں تنگی پیدا ہوتی ہو اور وہ دل سے نور ایمان سے نفرت کرنے لگے تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اُس کے پیش نظر حشر نشر ، عذاب ثواب ، حساب کتاب کچھ نہیں ہوتا ۔ دنیوی زندگانی ہی اُسکو زندگانی نظر آتی ہے ۔ آخرت کی زندگی مضحکہ انگیز تخیل معلوم ہوتا ہے ۔ ایسے آدمی کے دل میں سمجھنے سوچنے کی قوت نہیں رہتی ۔ نور بصیرت معدوم اور مادۂ اصلاح پذیری مفقود ہو جاتا ہے ۔ کانوں سے حق بات نہیں سُنائی دیتی ۔ آنکھوں سے صداقت نہیں دکھائی دیتی ۔ یہ غفلت کا درجہ ہے ۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ علم نام ہے دل سے سمجھنے آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کا ۔ جب گوش ہوش بند ہوگئے ۔ آنکھوں پر جہالت کا پردہ پڑ گیا اور دل میں دانش وفقاہت نہ رہی تو اچھا خاصا آدمی حیوان مطلق ہو گیا ۔ ایسے وقت میں توبہ کی امید بھی ساقط ہو جاتی ہے اور بالآخر غضب الٰہی میں مبتلا ہو کر ایسا آدمی دائمی خسارہ اٹھاتا ہے ۔ اسی مطلب کی طرف آیات میں اشارات ہیں ۔

مقصود بیان : - جان تلف ہونے کے یقین کے وقت کلمۂ کفر کو زبان پر لانے کی اجازت بشرطیکہ دل میں ایمان جما ہوا ہو اور کفریہ لفظ کہنے کے وقت اطمینان ویقین راسخ ہو ۔ اسلام سے مرتد ہونے والے اور اسلام کے دائرہ میں داخل نہ ہونے والے لایعقل حیوان ہیں ۔ نہ سمجھنے کے لئے اُن کے پاس دل ہیں ۔ نہ پیام حق سُننے کے لئے کان ۔ نہ صداقت کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ۔ اس سے مسلمانوں کو در پردہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ اہل ارتداد اور کفار کی حالت کو دیکھ کر عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ اسلام اور ضروریات اسلام سے متنفر کرنے والے بے عقل جانوروں کی طرح ہو کر غضب الٰہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ دقیق ترین اشارہ اس طرف بھی ہے کہ مسلمان کا مرکز توجہ صرف آخرت ہونی چاہیئے ۔ دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا مسلمان کا شیوہ نہیں ۔ وغیرہ

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ

جن لوگوں نے ایذا پانے کے بعد ہجرت کی

بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا

پھر جہاد کیا اور صبر کیا

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

تو ان اعمال کے بعد تمہارا رب ان کے لئے ضرور بخشنے والا اور مہربان ہے

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ

جس روز کہ ہر شخص اپنی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا

نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ

اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور

هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

ان پر ظلم نہ ہوگا

تفسیر

عام اہل تفسیر کا خیال ہے کہ یہ آیات گذشتہ آیات کی تتمہ ہیں۔ جن لوگوں کا ان آیات میں تذکرہ ہے اُن سے مراد صہیب، عمار بن یاسر، بلال، عامر بن فہیرہ، ابو فکیہہ اور وہ فقراء صحابہ ہیں جن کو کفار مکہ سخت ایذائیں دیتے تھے۔ اور موقع پاکر یہ لوگ معہ اہل وعیال ہجرت کرکے مدینہ آ گئے۔ جہادوں میں شریک ہوتے اور ہر مصیبت پر صبر کیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان آیات کا نزول ابو جندل بن سہیل، ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عبد اللہ بن ابی اسید اور ابو جہل کے رضاعی بھائی عیاش بن ربیعہ وغیرہم کے متعلق ہوا۔ جب کفار مکہ کو ان حضرات کے اسلام کی اطلاع ہوئی تو کم بختوں نے ان بیچاروں کو سخت تکلیفیں دینی شروع کیں۔ مجبوراً ان غریبوں کو کفار کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے صورۃً اُن کی موافقت کرنی پڑی۔ کچھ دنوں کے بعد مطمئن ہو گئے اور موقع ہاتھ لگا تو مکہ چھوڑ دیا۔ ہجرت کرکے مدینہ میں آ گئے۔ پھر مختلف جہادوں میں شریک ہوئے اور مصائب وتکالیف میں نہایت پختگی سے ثابت قدم رہے۔ گذشتہ آیات میں جن لوگوں کا بیان تھا وہ کسی شرعی جرم کے مرتکب نہ ہوئے تھے۔ وقتی بات تھی۔ جان بچانے کے لئے ان میں سے کسی شخص نے زبان سے کلمۂ کفر کہدیا اور دل میں ایمان کو قائم رکھا۔ لیکن جن لوگوں کا تذکرہ ان آیات میں ہے وہ شرعاً مجرم تھے۔ دلوں میں ایمان اگرچہ ان کے بھی راسخ تھا۔ مگر کچھ دنوں تک بظاہر کفار کے ساتھ انھوں نے موافقت رکھی تھی۔ گویا پہلے گروہ کا تقیہ بہت قلیل مدت کے لئے تھا۔ اور فقط جان بچانے کے لئے تھا۔ اور اس گروہ کا تقیہ زیادہ مدت تک رہا۔ اور نہ فقط جان محفوظ رکھنے کے لئے تھا بلکہ اہل وعیال اور مال کی حفاظت کے لئے بھی تھا اور چونکہ تلف جان کے خطرہ کے علاوہ دیگر مصائب سے بچنے کے لئے کفار کی موافقت جائز نہیں اس لئے اس گروہ اور اُس گروہ کی حالت میں بڑا فرق تھا۔ اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ ثُمَّ کا استعمال فرمایا اور گذشتہ غلطی کو معاف کرنے کا اعلان کردیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں کو سخت شدائد وتکالیف اٹھانی پڑیں اور تکالیف سے تنگ آکر انھوں نے ترک وطن کیا اور پھر راہ خدا میں جہاد کیا اور اسلام کا بول بالا کرنے کی کوشش میں جو مصائب نمودار ہوئیں سب پر صبر کیا تو اللہ غفور رحیم ہے۔ اُن کی غلطی کو اللہ معاف کردیگا۔

فتنہ، جہاد، ہجرت اور صبر کی ضروری تنقیح

فتنہ کے ہزاروں اقسام ہیں سب سے بڑھ کر فتنہ یہ ہے کہ کفرستان میں سکونت ہو جہاں فرائض اسلام ادا کرنے کی اجازت نہ ہو۔ یا رزق حلال نہ ملے اور بلا ارتکاب معصیت کے نہ ملے۔ اس سے نیچے کے درجہ میں فتنہ کی سیکڑوں صورتیں ہیں۔ مثلاً اولاد زیادہ اور آمدنی کم ہو، معاش کا دروازہ تنگ ہو، جسمانی امراض میں مبتلا ہو۔ مال واولاد کی ہلاکت تکلیف دہ ہو۔ نیک کام کرنے اور بُرا کام نہ کرنے کی تبلیغ نہ کرسکے۔ وغیرہ وغیرہ۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں (۱) اس نیت سے کفار سے لڑنا کہ توحید الٰہی کی اشاعت ہو، فساد کی بیخ کنی ہو، دنیا میں عام امن پھیل جائے کوئی کسی پر ظلم نہ کرسکے اور مخلوق الٰہی چین سے زندگی بسر کرے۔

(۲) اللہ کی فرماں برداری میں اپنے نفس سے جنگ کرنا، خواہشات کو قربان کردینا، ہر کام اللہ کے واسطے کرنا، رضاء مولیٰ کے حصول کے لئے اپنے ارادہ کو فنا کردینا اور تسلیم کے درجہ میں پہنچکر اپنی ذات کو معدوم کردینا ہی جہاد اکبر ہے۔

ہجرت کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) دار الکفر سے دار الاسلام میں اس ارادہ سے چلا جانا کہ وہاں فرائض الٰہیہ کو آزادی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ خواہ مکہ سے مدینہ کو ہجرت ہو یا کسی اور کفرستان سے اسلامی ملک میں۔ حدیث میں آیا ہے انا بریٔ من مسلم بین ظہرانی المشرکین یعنی جو مسلمان کافروں میں رہتا ہو حضور نے فرمایا میں اُس سے بیزار ہوں (رواہ الطبرانی) (۲) تمام ممنوعات ومکروہات کو چھوڑ دینا۔ یہاں تک کہ اپنی انانیت و مرضی کو بھی ترک کردینا۔

حضور اقدسؐ سے دریافت کیا گیا کونسی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا ان
تھجر ما کرہ ربک یعنی جو بات تیرے پروردگار کو ناگوار ہو اُسکو
ترک کر دینا بہترین ہجرت ہے۔ دریافت کیا گیا حضور مہاجر کون ہے؟
فرمایا من ھجر ما نھی اللہ عنہ یعنی جس نے ممنوعات الٰہی کو
ترک کر دیا وہی مہاجر ہے۔ اس قسم کی ہجرت میں انتقال مکانی کی
ضرورت نہیں۔ ہر جگہ اور ہر وقت کوشش کرنے والے کو یہ ہجرت
نصیب ہو سکتی ہے۔

صبر کے بھی دو معنی ہیں (۱) اُن شدائد و مصائب کو بخوشی
برداشت کرنا جو راہ خدا میں پیش آئیں (۲) اُن حدود پر اپنے
نفس کو روکنا جہاں اللہ نے رکنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ گویا
حد شریعت سے تجاوز نہ کرنے کا نام صبر ہے۔ خواہ نفس کو کتنی ہی
تکلیف ہو۔ یہ صبر پہلے صبر سے زیادہ عام اور اہم ہے۔ آیت میں
جہاد، ہجرت اور صبر کی کوئی خاص قسم بیان نہیں فرمائی۔ اس لئے
ہر قسم اس کے ذیل میں داخل ہے۔

اس سے آگے فرماتا ہے کہ مجاہدین مہاجرین کی غلطی کو اللہ
ضرور معاف فرمانے والا ہے اور معافی کا ثمرہ اُن کو ایسے دن
ملیگا جب کوئی کسی کے کام نہ آئیگا سب اپنے اپنے نفس کی فکر میں
ہونگے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص پر اس کے ہاتھ پاؤں گواہ ہونگے
حدیث میں آیا ہے کہ آخر آدمی اپنے اعضاء سے کہیگا کہ تم بجتو
تمہاری طرف سے تو میں جھگڑتا تھا۔ یہاں ایک شبہ پیدا ہو سکتا
تھا کہ خدا تعالیٰ عادل ہے ظلم نہیں کرتا۔ مگر کسی کے قصور کو معاف
کر دینا بھی تو ظلم ہے اس سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔
مجرم کے جرم سے درگذر کرنا نیکوں کی حق تلفی کے مرادف ہے۔
اس شبہہ کو دفع کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ کسی کی حق تلفی نہیں
کی جائیگی۔ بدی کے عوض عذاب بڑھایا نہ جائیگا۔ اسی طرح نیکی
کا ثواب کم نہ کیا جائیگا۔ رہا درمیانی درجہ یعنی بدی کے عوض عذاب
معاف کر دینا تو یہ کسی کی حق تلفی نہیں بلکہ اللہ کی رحمت ہے

مقصود بیان:۔ عموماً مصائب کی برداشت، ہجرت، جہاد
صبر کی ترغیب۔ اُن ضعفاء اسلام کی فی الجملہ مدح جنھوں نے
اپنے اسلام کو محفوظ رکھنے اور توحید کو پھیلانے کے لئے گھر بار، وطن
ملک، خاندان سب کو ترک کیا۔ یہاں تک کہ نفسانی خواہشات کو
چھوڑا۔ تن من دھن سے کوشش کی اور حدود شریعت کی پابندی
اختیار کی ضمنی طور پر اس امر کی طرف اشارہ کہ مسلمان پر جو مصائب
آتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے اسلئے اُن کو
بخوشی برداشت کرنا اور دین پر ثابت قدم رہنا چاہئے۔ وغیرہ۔

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ
اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے — ایک بستی تھی

اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا
جو امن چین میں تھی — اس کا رزق اس کے پاس بافراغت

مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ
ہر جگہ سے چلا آتا تھا — لیکن اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ
تو اس کے کرتوت کی وجہ سے اللہ نے اس کو — بھوک

الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝
اور خوف کا لباس چکھایا

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ
ان کے پاس ایک پیغمبر ان ہی میں کا آیا مگر انھوں نے اسکو جھٹلایا

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝
تو عذاب نے اُن کو آ کر پکڑ لیا — کیونکہ وہ ظالم تھے

تفسیر | قریہ سے کونسا قریہ مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے۔ بیضاوی قرطبی اور زمخشری وغیرہ
کے نزدیک کوئی خاص قریہ مراد نہیں ہے۔ جس قریہ کے اوصاف
ایسے ہوں جو آیت میں مذکور ہیں اُس پر مثل کا انطباق ہو سکتا ہے
ابن عباس اور عوفی کے نزدیک مکہ مراد ہے اور اہل مکہ کے حق میں
ہی آیت کا نزول ہوا ہے۔ دراصل اختلاف اس بات میں ہے کہ
یہ آیت مدنی ہے یا مکی۔ جو لوگ مدنی ہونے کے قائل ہیں اُن کے
نزدیک قریہ سے مکہ مراد ہے۔ اور اہل مدینہ کو مکہ والوں کا قصہ
سنا کر ہدایت کی گئی ہے کہ تم اُن کی طرح نہ ہو جانا۔ اور جن
لوگوں کے نزدیک آیت مکی ہے اُن کے نزدیک قریہ سے مکہ مراد
نہیں۔ بلکہ بطور تمثیل اہل مکہ کو تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ اگر تمہاری بھی
یہی حالت رہی تو جس طرح گذشتہ ممالک کو اُن کی ناشکری اور تکذیب
کی وجہ سے ہلاک کر دیا اسی طرح تم کو بھی برباد کر دیا جائے گا۔
حاصل ارشاد یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں بعض بستیاں ایسی تھیں

کہ اُن کے رہنے والوں کو اطمینان وچین کے ساتھ بافراغت ہرطرف سے آسائش کی روزی ملتی تھی۔ لیکن جب انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ اُس کی ربوبیت میں دوسروں کو شریک بنایا اور جونبی اُن کی ہدایت پر مامور ہوتے اُن کی تکذیب کی تو خدا تعالیٰ نے ان کو برباد کردیا۔ دشمن کا خوف اور فقر و فاقہ کی تکلیف ہروقت چاروں طرف سے اُن کو محیط ہوگئی۔ ایسا حال بہتیری بستیوں کا ہوا ہے مگر یہاں اہل مکہ پر اس حالت کا انطباق ہوتا ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اہل مکہ بافراغت زندگی بسر کرتے تھے۔ عام ملک عرب میں تجارت کمیاب تھی۔ مگر مکہ والے بڑے بڑے تاجر تھے۔ ملک میں عمومی طور پر امن مفقود تھی۔ ہروقت خوں ریزی ہوتی تھی مگر مکہ والے اس سے بے خوف تھے۔ لیکن انہوں نے اللہ کی الوہیت و ربوبیت میں دوسرے باطل دیوتاؤں اور جھوٹے معبودوں کو شریک کیا تو اُن کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ نے حضور اقدس کو مبعوث فرمایا مگر انھوں نے ایک نہ سُنی۔ حضور کی نبوت کی تکذیب کی۔ بالآخر قحط سالی کی سخت بلا میں پورے سات برس تک مبتلا رہے۔ اور چونکہ روز بروز اسلام کا غلبہ نظر آرہا تھا اس لئے ہروقت مسلمانوں کا خوف سینہ پر سوار رہتا تھا۔

مقصود بیان: - خدا تعالیٰ ظالم نہیں رحیم ہے۔ بندوں کو باوجود معصیت کے فارغ بالی کے ساتھ نعمت عطا فرماتا ہے۔ لیکن جب مخلوق احسان کا بدلہ ناشکری سے کرتی ہے تو اُس سے نعمت چھین لی جاتی ہے۔ اس قانون میں مسلمانوں کو درپردہ تنبیہ ہے کہ عنقریب خدا تعالیٰ تم کو اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ تمہارا فرض ہے کہ شکر ادا کرو۔ اگر ناشکری کروگے تو ہر نعمت تم سے چھین لی جائیگی اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہوجاؤگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمانوں کو انتہائی ترقی ملی۔ پھر ناشکری اور باہم جنگ وجدال اور فساد کی وجہ سے چھین لی گئی۔ اب دنیا میں سب سے زیادہ مفلس قوم مسلمان ہے اور سب سے زیادہ دشمنوں کا خطرہ بھی انہی کو ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ص

تم خدا دادہ رزق میں سے حلال پاک کھاؤ

وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ

اور اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو تو اللہ کا

تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ

شکر کرو اللہ نے تم پر صرف مُردار

وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ

اور خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جس پر غیر اللہ کا نام

اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا

پکارا گیا ہو حرام کیا ہے مگر ہاں جو شخص مجبور ہو لیکن نہ عدول حکمی کرنیوالا ہو

عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَلَا تَقُولُوا

نہ حد سے بڑھنے والا تو اللہ غفور رحیم ہے تم لوگ

لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا

اپنی زبانوں کی دروغ بافی سے یہ بات نہ کہو کہ یہ

حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ

حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ پر جھوٹی تہمت

الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ

لگاتے ہو جو لوگ اللہ پر دروغ بندی

الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ص

کرتے ہیں اُن کا بھلا نہیں ہوتا تھوڑا سا فائدہ ہوتا ہے

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

مگر اُن کے لئے عذاب دردناک ہے

تفسیر | اوپر کی آیات میں کفار کو نعمت دینا پھر اُن کی ناشکری کرنا اور ناشکری کے سبب نعمت کا زائل ہوجانا بیان فرمایا تھا۔ ان آیات میں امت محمدیہ کو خطاب کرکے بطور احسان اپنی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر چار باتوں کی خاص ہدایت فرماتا ہے (۱) شتر بے مہار نہ بن جاؤ کہ حرام حلال کا امتیاز اٹھا دو اور جو سامنے آجائے کھا جاؤ یہ افراط ہے (۲) اپنی طرف سے تحلیل وتحریم نہ کرو۔ ایسا ہرگز نہ کرو کہ خود ساختہ تحریم وتحلیل کو خدا کی طرف غلط منسوب کرکے لوگوں کو دھوکہ دو (۳) اللہ کی نعمتوں کو کھاؤ پیو مگر شکر بھی ساتھ ساتھ کرو یعنی دوسرے کو

رب نہ جانو۔ ربوبیت میں کسی دوسرے کو اللہ کا شریک نہ کرو۔ اللہ کے سوا کسی غیر کے نام پر نہ تو جانور کو ذبح کرو نہ کسی جانور کو نامزد کرو۔ یہ سب ناشکری کے اقسام ہیں (۴) خدا نے جن جانوروں کو حرام کر دیا ہے اُن کو نہ کھاؤ۔

ہم ذیل میں کسی قدر تفصیل کرنا چاہتے ہیں۔ دنیا میں دو قسم کی چیزیں ہیں مضر اور مفید۔ مثلاً گائے کا گوشت بکری کا گوشت اور سور کا گوشت سور کا گوشت غیر مفید ہے۔ گائے کا گوشت مفید ہے اور بکری کا گوشت اس سے زیادہ مفید ہے۔ بکری کے گوشت میں ۷۶ فی صدی مائیت ہے اور باقی روغنی اور پنیری اجزاء ہیں۔ گائے کے گوشت میں ۷۲ فی صدی مائیت اور باقی روغنی حصہ ہے۔ سور کے گوشت میں ۹۴ فی صدی مائیت اور ۶ فی صدی روغن ہے۔ اسی طرح وہ تمام چیزیں جو حد سے زیادہ درجہ میں گرم یا سرد یا تر یا خشک ہیں وہ سب عموماً صحت کو تباہ کرنے والی ہیں۔ سنکھیا وغیرہ اسی قسم کی چیزوں میں داخل ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں تمام غیر مفید چیزوں کا کھانا حرام کر دیا گیا۔ پھر حلال چیزوں میں بھی دو قسمیں تھیں ایک تو وہ جو واقعی حلال ہیں مگر کسی خارجی وجہ سے اُن میں حرمت پیدا کر لی گئی ہو۔ مثلاً گائے کا گوشت حلال ہے۔ مگر غیر اللہ کے نام پر اگر کوئی گائے ذبح کی جائے تو اُس کا گوشت حرام ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو فی الواقع بھی حلال ہو اور خارجی حرمت سے بھی پاک ہو۔ سیال یا بستہ خون حرام ہے۔ اس سے جسمانی ضرر پیدا ہوتے ہیں۔ مردار میں سمیت ہوتی ہے۔ خون اندر بند ہو کر زہر پھیلا دیتا ہے۔ رگوں سے خارج نہیں ہوتا اس لئے حرام ہے۔ شراب خانہ خراب کے نقصانات تو اب بالکل نمایاں ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ علاوہ ہوش حواس کی بربادی کے جگر کی خرابی پھیپھڑوں کی تباہی خون کا احتراق مالیخولیا صرع سکتہ اور نسل سے محرومی۔ یہ تمام نتائج بد اس متعفن عرق کے ہیں غیر اللہ کا نام جس جانور پر پکارا جائے اور اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے نام پر نامزد کر دیا جائے تو خارجی حرمت پیدا ہو جاتی ہے اسی بناء پر ان چیزوں کو شریعت نے حرام کر دیا۔ جو لوگ کوتاہ فہم ہیں وہ تعجب کرتے ہیں کہ اسلام جو عقل کے مطابق ہونے کا دعوٰی کرتا ہے اُس میں بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام کیوں کر دیا ہے؟ درحقیقت یہ اُن کی کم علمی ہے۔ اگر کیمیکل تحلیل کی جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ جن چیزوں میں اسلام کے نزدیک واقعی حرمت ہے۔ وہ انسانی صحت کو نقصان پہنچانی والی ہیں۔ اب ہم آیات کا تجزیہ کر کے تشریح کرتے ہیں۔

فَكُلُوْا میں خطاب کس کو ہے؟ ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کو ہے کیونکہ احکام شرعیہ کو ماننے کے مکلف مسلمان ہی ہیں۔ وہ کفار جو سرے سے ایمان ہی نہیں رکھتے ان کو احکام اسلامی پر مکلف کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ کفار کو خطاب ہے کیونکہ مسلمان اپنی طرف سے تحلیل و تحریم نہیں کرتے تھے بلکہ کفار عرب کرتے تھے۔ سائبہ اور بحیرہ وغیرہ جانور وہی بنا کر چھوڑتے تھے۔

حَلٰلًا طَيِّبًا میں طَيِّبًا کی قید کی کیا ضرورت تھی؟ اور طیب و غیر طیب کی کیا تشریح ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے احادیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ مختصر یہ کہ ناپاکی اور گندگی دو قسم کی ہوتی ہے جسمانی اور روحانی۔ جسمانی ناپاکی تو یہ کہ وہ چیز گندی ہو۔ شستہ طبیعت رکھنے والے اس سے نفرت کرتے ہوں۔ مثلاً خون لہو پیشاب۔ سور کا گوشت۔ ہر قسم کے درندے۔ پنجوں اور چنگل سے شکار کرنیوالے پرندے زمین کے کیڑے مکوڑے وغیرہ۔ بہرحال جسمانی نجاست رکھنے والی چیزوں کو کھانے سے چونکہ اخلاق عادات اور صحت جسمانی پر برا اثر پڑتا ہے اسلئے ان کو کھانا حرام کر دیا گیا۔ روحانی نجاست کے یہ معنی ہیں کہ بظاہر تو اُس میں ناپاکی کا کوئی اثر نہ ہو مگر اندرونی اور باطنی طور پر اہل عقل کے نزدیک وہ روح کو تاریک کر دینے والی ہو۔ مثلاً وہ چیزیں یا جانور جن کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑا یا ذبح کیا گیا ہو۔ طَيِّبًا کی قید نے ہر قسم کی جسمانی نجاست رکھنے والی چیزوں کو کھانے کی ممانعت کر دی۔

مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کی تشریح کے متعلق اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ عام اہل قرآن کہتے ہیں کہ جس جانور کو ذبح کرنے کے وقت خدا کے علاوہ کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ یعنی خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اُس کی حرمت کی صراحت اس آیت میں ہے۔ لیکن ہمارے شیخ الشیوخ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں اس کا مفہوم مطلق لکھا ہے یعنی جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو خواہ ذبح کے وقت لیا گیا ہو یا ذبح سے پہلے کسی نام پر نامزد کر دیا گیا ہو۔ میرے نزدیک یہی تفسیر صحیح ہے۔ کیونکہ کوئی آیت یا حدیث تخصیص کرنے والی موجود نہیں۔ پھر اہلال (پکارنا) سے ذبح کے وقت اہلال مراد لینا نسخ آیت ہے جو اپنی رائے سے جائز نہیں۔ بلکہ اگر شاہ صاحب کے بیان کردہ مطلب سے بھی زیادہ عموم لیا جائے تو اور بھی مناسب ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو اور خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے نام پر نامزد کر دیا گیا ہو اُس کا کھانا اور استعمال کرنا قطعی حرام ہے مثلاً مدار صاحب کا بکرا۔ خواجہ صاحب کے کونڈے۔ کسی شیطان خبیث یا بت پر چڑھائے ہوئے نذرانے۔ قبروں پر چڑھائے ہوئے مانڈے وغیرہ سب کا کھانا اور استعمال کرنا حرام ہے۔

چند فقہی مسائل

(۱) اگر ذبح کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام ملا دیا جائے

تو ذبیحہ حرام ہے (۲) نظام نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اس بات پر اجماع علماء نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنے ذبیحہ سے اللہ کے سوا دوسرے کا قرب حاصل کرنا چاہے وہ مرتد ہو جائے گا اور اُس کا ذبیحہ حرام ہوگا حدیث میں آیا ہے ملعون ہے وہ شخص جس نے اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا۔ (۳) اگر کسی جانور کو غیر اللہ کے نام پر نامزد کیا مگر پھر ذبح سے پہلے توبہ کر لی اور اللہ کے نام پر اُس کو ذبح کر دیا تو ذبیحہ حلال ہے۔

مقصود بیان:۔ رَزَقَکُمُ اللّٰہُ کے ساتھ حَلٰلًا طَیِّبًا کا لفظ بتا رہا ہے کہ جو حرام ہے وہ بھی رزق ہے ورنہ حلال کی قید بیکار ہے۔ اس سے فرقۂ معتزلہ کے اُس قول کی تردید نکلتی ہے جس میں اُنھوں نے حرام ہونے کو رزق سے خارج کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ نے حلال ہی کو رزق بنایا ہے۔ تفصیل کے واسطے علم کلام کی کتابوں میں دیکھو۔ لفظ اِنَّمَا حصر پر دلالت کر رہا ہے یعنی حرام یہی چار چیزیں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے سوا اور سب چیزیں حلال ہیں۔ کیونکہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی اُن چیزوں میں سے جس کو اہل عرب حلال اور پاک خیال کرتے تھے یہ چار چیزیں حرام ہیں رہے دوسرے ممنوعات مثلاً چوری، زنا، رشوت، خیانت، غبن وغیرہ کی کمائی، نجاسات غلیظہ یعنی پیشاب پاخانہ وغیرہ اور درندے یا شکاری پرندے انکی حرمت قرآن پاک کی دوسری آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔ آیت فَمَنِ اضْطُرَّ الخ دلالت کر رہی ہے کہ اگر بھوک سے ہلاکت یا سخت بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو یا کوئی اور سخت ترین مجبوری ہو تو بقدر بقائے زندگی حرام چیز کا کھا لینا جائز ہے، لیکن ضرورت زندگی یا اندیشۂ مرض کی حاجت سے آگے بڑھنا اور اس سے زیادہ کھانا کسی طرح جائز نہیں۔ آیت وَلَا تَقُوْلُوْا میں صراحت ہے کہ انسان بغیر امر الٰہی اپنی طرف سے حلال و حرام کرنے کا مجاز نہیں تحریم و تحلیل اللہ کا فعل ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا

یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جو

قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا

ہم کو پہلے بتا چکے ہم نے

ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ

جن لوگوں نے نادانستہ گناہ کیا

ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا

پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور حالت درست کر لی

اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ع ۱۵ ۹ ۲۱

تو ان باتوں کے بعد تمہارا رب ضرور اُن کو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے

تفسیر آیات مذکورہ میں اُن چیزوں کی تفصیل تھی جن کا کھانا امت اسلامیہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے خیال ہو سکتا تھا کہ حرمت کی علت ہے نجاست اور نجاست یا جسمانی ہوتی ہے یا روحانی۔ جن چیزوں میں نجاست جسمانی یا روحانی تھی خدا تعالیٰ نے اُن کو حرام کر دیا لیکن گذشتہ اقوام کے لئے بعض ایسی چیزیں حرام کر دی گئی تھیں جو مسلمانوں کے لئے حرام نہیں کی گئیں۔ مثلاً یہودیوں پر کھُر والے جانور اور گائے بکری کی چربی حرام تھی۔ ظاہر ہے کہ تحریم کی علت یا تو نجاست نہیں۔ یا بعض نجس اور گندی چیزیں بھی مسلمانوں کے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔ اس شبہ کا ازالہ ان آیات میں فرماتا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ تحریم تین قسم کی ہے۔ قسم اول تو اُن چیزوں کی تحریم ہے جو نجس اور مضرت رساں ہیں۔ صحت جسمانی اخلاق یا عقائد کو تباہ کرنے والی ہیں۔ قسم دوئم وہ عارضی تحریم ہے جو گھنٹہ پھر یا دن بھر تک جاری رہتی ہے اور مقرر وقت کے بعد پھر اصلی حالت آ جاتی ہے۔ اس تحریم کی علت نجاست نہیں بلکہ یہ ایک قسم کی ریاضت اور ورزش ہوتی ہے۔ چند گھنٹوں تک نفس کے زور کو توڑنا مقصود ہوتا ہے۔ انسانی خواہشات کو کمزور کر کے روحانی قوت پیدا کرنے کی غرض ہوتی ہے۔ مثلاً فرض روزہ کی حالت میں ہر قسم کا کھانا پینا حرام ہے تاکہ دن بھر نفس اپنی خواہشات اور مرغوبات کو ترک کرے اور مادّی قوتوں کی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی ٹوٹ جائے قسم سوئم وہ تحریم ہے کہ معصیت اور سرکشی کی سزا میں خدا تعالیٰ بعض چیزوں کو کھانے یا استعمال کرنے سے منع فرما دے۔ اس تحریم کی علت بھی نجاست نہیں ہوتی بلکہ افراد یا اقوام کی سرتابی اور حدود شرعیہ سے طغیان سخت حکم نازل ہونے کا باعث ہوتا ہے پہلی دونوں قسمیں اُمت اسلامیہ کے لئے ہیں۔ اللہ نے اپنی مہربانی سے ہر مضرت رساں ناپاک چیز سے ان کو روک دیا اور عارضی ریاضت

کے لئے ایک ماہ کے روزے مقرر فرما دیئے۔ تحریم کی آخری قسم یہودیوں کیلئے تھی۔ یہودیوں نے جب احکام الٰہی سے انتہائی سرکشی کی۔ کتاب الٰہی اور فرمان نبوی کی پرواہ نہ کرتے ہوتے اپنی جہالت و بربریت کے اقتضاء کے موافق عمل کرتے رہے تو خدا تعالیٰ نے اپنی بعض نعمتوں سے اُن کو حکماً محروم کردیا اور سزا دینے کے لئے بعض حلال چیزیں ان پر حرام کر دیں۔ اس قسم کے محرمات کی تفصیل سورۂ انعام میں گزر چکی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہودیوں پر جو چیزیں حرام کردی گئی تھیں اُن کا ذکر سورۂ انعام میں ہم کر چکے ہیں۔ یہودیوں کے لئے ان چیزوں کی حرمت بطور سزا کے تھی۔ چونکہ اُنھوں نے کفران نعمت کیا تھا۔ احکام الٰہی کے مقابلہ میں خود رائی اور سرکشی کرتے تھے۔ اس لئے ہم نے بھی اُن کی تکلیف بڑھا دی۔ یہ اضافۂ تکلیف ہماری طرف سے ظلم نہ تھا بلکہ اُن کے کرتوت کی پاداش تھی۔ یہاں ایک وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ جب یہودیوں کی سرکشی و معصیت سے خدا تعالیٰ نے درگذر نہ فرمائی اور دنیا ہی میں اُن پر سختی کردی تو پھر مسلمان گنا ہگاروں کو یقیناً معافی سے مایوس ہو جانا چاہئے۔ اُن کے گناہوں کی پاداش ملنی بھی یقینی ہے۔ اس شبہہ کے ازالے کے لئے ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ سے رَحِيْم تک پوری آیت نازل فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ نادانستہ گناہ کر بیٹھیں اور پھر سچے دل سے توبہ کرلیں اور اخلاص سے توبہ کرنے کی علامت یہ ہے کہ دوبارہ وہ گناہ نہ کریں بلکہ اعمال درست کرلیں تو خدا چونکہ غفور رحیم ہے اس لئے اُن کی توبہ قبول فرمائیگا اور مواخذہ نہ کرے گا۔

آیت مذکورہ میں تین امور قابل تنقیح ہیں (۱) نادانی سے کئے ہوئے گناہ کی توبہ قبول ہوسکتی ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص قصداً گناہ کرے تو اُس کی توبہ ناقابل قبول ہے۔ حالانکہ آیت وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ الخ صاف بتا رہی ہے کہ اگر کسی نے جان کر بھی بُرائی کی ہے اور مرنے سے پہلے توبہ کرلی تو وہ بھی مقبول ہے۔ جمہور علماء کا اتفاق بھی اس امر پر ہے کہ گناہ قصداً ہو یا بلا قصد۔ ہر ایک کی سچی توبہ مقبول ہوتی ہے۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ ہر طرح کا گناہ سچی توبہ کے بعد معاف ہوجاتا ہے۔ اور آیت کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ کوئی گناہ بغیر نادانی کے نہیں ہوتا۔ گناہ کرنا ہی نادان کا کام ہے۔ عقلمند عقل رکھتے ہوئے گناہ نہیں کرسکتا۔ جو علماء گناہ کرتے ہیں گناہ کا ارتکاب کرتے وقت اُن کی عقل و علم پر غفلت و جہالت کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ بظاہر دنیا اُن کو عالم جانتی ہے۔ مگر وقت عمل میں وہ جاہل ہوتے ہیں۔ اس لئے قصد اور غیر قصد کا سوال ہی آیت سے پیدا نہیں ہوتا۔ شیخ الشیوخ حضرت سہل نے نکات قرآنی کے ذیل میں اسی مطلب کی صراحت کی ہے۔

(۲) لغت میں توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا اور لوٹنا۔ بندہ اگر اپنے گناہ سے لوٹ جائے اور رجوع کرلے تو اُس کو تائب کہا جاتا ہے۔ اللہ اگر ناراضی سے رضامندی کی طرف اور عذاب سے ثواب کی جانب رجوع فرمالے تو اُس کو تواب کہتے ہیں۔ توبہ کا اظہار قول و فعل سے ہوتا ہے۔ مگر در اصل دل سے توبہ ہوتی ہے۔ گویا دل سے گناہ نہ کرنے کا عہد کیا جائے اور اعمال و اقوال سے اُس کا مظاہرہ کیا جائے تو ایسے شخص کو تائب کہا جاتا ہے۔ کبھی اظہار کا موقعہ نہیں ملتا مثلاً دل سے توبہ کرنے کے بعد ناگہانی طور پر کوئی شخص فوراً مر جائے تو اگرچہ اُسکو اپنی توبہ کے ظاہر کرنے کا وقت نہ ملا۔ مگر عند اللہ وہ تائب قرار پائے گا۔

(۳) توبہ کے بعد اصلاح عمل بشرط قدرت ضروری ہے۔ توبہ کرنے والے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی حالت کی اصلاح کرلے۔ اگر کفر سے توبہ کی ہے تو پھر کبھی شرک خفی و جلی کے پاس بھی نہ جائے۔ معصیت سے توبہ کی ہے تو پھر اُس گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ اصلاح کا باب بہت وسیع ہے۔ قول فعل اعتقاد ہر ایک کی اصلاح کو یہ لفظ شامل ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، حقوق الٰہی ہوں یا حقوق عباد، یا اپنے نفس کے حقوق، سب کے اندر اصلاحی جذبہ کارفرما ہونا چاہئے۔

مقصود بیان:۔ یہودیوں پر بعض چیزوں کی حرمت بطور سزا کے تھی۔ گناہ کرنا نادانوں کا کام ہے۔ ہر قسم کا گناہ توبہ کے بعد معاف ہوسکتا ہے۔ آیت میں توبہ اور اصلاح کی ترغیب صراحةً ہے۔ اور اس امر کا ضمنی تذکرہ ہے کہ اسلام اصلاحی مذہب ہے ہر قسم کی اصلاح کو پسند کرتا ہے۔ امن عام کو تباہ کرنے والی اور دنیا میں فساد کرنے والی باتوں سے روکتا ہے۔ وغیرہ۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ

بے شک ابراہیم پیشوا اللہ کے فرماں بردار اور

حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

حق کے طرف دار تھے مشرکین میں سے نہ تھے

شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ

اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ نے اُن کو انتخاب کرلیا تھا اور

إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ

سیدھی راہ پر چلایا تھا ہم نے اُن کو

مثلاً پتھر لوہا وغیرہ تب بھی (نوعی) انقلاب کرلینے کے بعد خدا تعالیٰ دوبارہ تم کو زندہ کردیگا۔ رہا دوسرا شبہہ کہ قیامت، کب ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تم عاجز ہوکر اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی کی طرف دوڑوگے اور سمجھوگے کہ دنیا میں یا قبر میں ہم بہت ہی کم ٹھیرے تھے اُس وقت قیامت ہوگی مطلب یہ کہ اس وقت تو انسان مختار ہے مجبور نہیں، یہ دار عمل ہے دار جزا نہیں جب خدا تعالیٰ انسانی اختیارات کو سلب کرلیگا اور ہر منکر و مقر اعتراف و اقرار پر مجبور ہوکر اپنا ملجا و ماویٰ اللہ ہی کو سمجھیگا اور دنیوی زندگی اُس کو بہت ہی قلیل نظر آئیگی۔ وہ وقت قیامت کا ہوگا۔ یہ تو روز قیامت کی کیفیت کا بیان ہوا رہا تعیین کا سوال تو تعیین ناممکن ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ مختار مطلق ہے۔ مجبور نہیں جب وہ چاہیگا تم کو قبروں سے بلالیگا اُس کا اس کا اختیار ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ قیامت قریب ہے۔

خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ کی تفسیر میں ابن عباس، سعید بن جبیر، ابو صالح، حسن، ضحاک اور امام مالک وغیرہ نے فرمایا کہ اس سے مراد موت ہے یعنی اگر تم لوہا یا پتھر بن جاؤ یا اس سے بھی آگے بڑھ کر موت مجسم ہوجاؤ تب بھی خدا تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کرے گا۔

مقصود بیان: حشر جسمانی حق ہے۔ خلاق اول کے لئے تخلیق ثانوی دشوار نہیں۔ خدا تعالیٰ انواع میں بھی انقلاب کرسکتا ہے۔ اس سے فلاسفہ یونان کے اُس نظریہ کا ابطال ہوگیا جس کا مدعا یہ ہے کہ انواع میں باہم انقلاب و تبادل ناممکن ہے۔ قیامت کا معین وقت نہیں بتایا جاسکتا۔ ہاں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ عنقریب قیامت ہوگی۔ قیامت نام ہے صرف اتنی بات کا کہ اللہ تمام مُردوں کو قبروں سے طلب فرمائیگا۔ اور سب لوگ فوراً خوفزدہ ہوکر حمد الٰہی پڑھتے ہوئے میدان میں جمع ہوجائینگے۔ قیامت کے دن دنیوی زندگی اور قیام قبر کا وقت بھی کم معلوم ہوگا۔ کم کی کوئی مقدار آیت میں نہیں بیان فرمائی۔ البتہ قَلِيْلًا کی تنوین تحقیر و تنقیص کے لئے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی کم مقدار معلوم ہوگی۔ آیات میں مسلمانوں کو فی الجملہ تنبیہ ہے اس بات کی کہ قیامت کو دور نہ سمجھو معلوم نہیں کب ہوجائے۔ خدا کے نزدیک اس عالم کو تباہ کرنا کچھ دشوار نہیں۔ بس اُس کی ایک طلب تمام امور کو طے کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قیامت کے دن تو چار و ناچار اللہ کی الوہیت و وحدانیت کا اقرار اور حمد الٰہی کا قول کرنا پڑے گا پھر کیا وجہ ہے کہ تم دنیا کو قید خانہ سمجھتے ہوئے دعوت الٰہیہ پر لبیک کہتے ہوئے اور حمد الٰہی کرتے ہوئے خدا کی طرف نہیں دوڑتے۔ لیکن لو جس نے اللہ کی آواز کو سن لیا وہ خدا کی طرف دوڑا۔ اور جو آواز دعوت سننے سے محروم رہا وہ کیا لبیک کہیگا۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ۭ

اور کہدے میرے بندوں سے کہ کہیں وہ بات جو بہت اچھی ہو

إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ إِنَّ

بیشک شیطان وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے درمیان یقیناً

الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا

شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۭ إِنْ يَّشَأْ يَرْحَمْكُمْ

تمہارا پروردگار تم کو خوب جانتا ہے اگر چاہے تم پر رحم فرمائے

أَوْ إِنْ يَّشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ

یا اگر چاہے تم کو سزا دے (اے محمدؐ) ہم نے تم کو

عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ

ان پر نگراں بناکر نہیں بھیجا ہے اور تمہارا پروردگار خوب واقف ہے ان سے

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا

جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور بے شک ہم نے

بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا

بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور داؤد کو

دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝

ہم نے زبور دی تھی

تفسیر محققین اہل تفسیر کے نزدیک يَقُوْلُوْا کا فاعل عِبَادِيْ ہے اور عِبَاد سے مراد صرف مومنین ہیں۔ عِبَادِيْ سے اہل ایمان مراد ہیں اس پر اتفاق کرتے ہوئے آیات کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ نے حکم دیا کہ کافروں سے اچھی بات کہیں اور نرم کلامی سے پیش آئیں۔ خازن اور معالم نے بروایت کلبی بیان کیا ہے کہ جب مشرکوں نے مسلمانوں پر چاروں طرف سے یورش کی اور مسلمان سخت ترین ایذائیں اٹھاتے اٹھاتے تنگ آگئے تو خدمت گرامی میں حاضر ہوکر عرض کیا حضور اب ہم کو بھی کافروں سے مقابلہ کی اجازت دیدیجے۔ ہم بھی مُنہ توڑ کر جواب دینا چاہتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے ابھی تک جہاد کا حکم نہیں ہوا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو حکم ملا کہ کافروں سے نرمی کرو۔ گفتگو میں سختی نہ کرو۔ کافروں کی جہالت

وحماقت پر نہ جاؤ اُن کی باتوں کا بدلہ دوگے تو سب وشتم، درشتی کلام اور اشتعال کے سبب شیطانی فساد اور جھگڑے پڑینگے۔ اگر کافروں میں سے کوئی راہ راست پر آنے کا ارادہ رکھتا بھی ہوگا تو ضد کرکے گمراہی پر جم جائیگا۔ اور ہدایت وگمراہی چونکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے سختی کے برتاؤ سے کوئی فائدہ بھی نہیں۔ بعض علماء روایت کا قول ہے کہ آیۃ کا نزول حضرت عمرؓ کے حق میں ہوا۔ آپ کو کسی کافر نے بُرا کہا جس پر عفو ودرگذر کا حکم نازل ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ باہم نرم الفاظ اور نرم لہجہ میں گفتگو کریں۔ پاکیزہ الفاظ بولیں۔ درشت کلام نہ کہیں کیونکہ شیطان مفسد موجود ہے کہیں الفاظ کی ناگواری کی وجہ سے شیطان ایک دوسرے کو بھڑکا کر مزید فتنہ وفساد نہ پیدا کرادے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یَقُوْلُوْا میں فقط قول ہی مراد نہیں بلا عمل بھی مراد ہے یعنی مسلمانوں پر لازم ہے کہ باہمی مکالمات ومعاملات میں طریقہ حسن اختیار کریں۔ ایسی حرکت کوئی نہ کریں جس سے دوسرے کو ناگواری پیدا ہو۔ امام احمد نے بروایت حضرت ابوہریرہ بیان کیا ہے کہ حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی طرف ہتیار سے اشارہ نہ کرے۔ کیونکہ اُس کو نہیں معلوم کہ شاید شیطان ہتیار کو اُس کے ہاتھ سے گرادے اور یہ شخص (مسلمان کو قتل کرنے کی وجہ سے) دوزخ کے گڑھے میں جا گرے۔ حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا ہے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اُسپر ظلم کرے نہ اُس کو بے مدد چھوڑے۔ پھر حضورؐ نے سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تقوی یہ ہوتا ہے۔ جن دو شخصوں نے اللہ کے واسطے محبت کی پھر (کسی وجہ سے) جدائی ہوگئی اور دونوں میں سے کسی نے دوسرے کا راز ظاہر کردیا تو ظاہر کرنے والا بدتر ہے۔ ظاہر کرنے والا بدتر ہے۔ ظاہر کرنے والا بدتر ہے (رواہ احمد)

حاصل ارشاد مؤخر الذکر دونوں صورتوں پر یہ ہے کہ رسول اللہؐ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے مسلمانو، اور کافروں کی ہدایت کا ذمہ آپ پر نہیں ہے، مسلمانوں کو چاہیئے کہ باہم اچھا سلوک رکھیں کوئی کسی کو بُرا نہ کہے کیونکہ معلوم نہیں کون ناجی ہے اور کون ناری۔ اللہ ہی کو حالات کا پورا علم ہے وہ چاہیگا رحم فرمائیگا چاہیگا عذاب دیگا۔ شیطان انسان کا دشمن موجود ہے آپس کی بدسلوکی سے اُس کو فساد کرانے کا موقعہ مل جائیگا۔

اس سے آگے وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِى السَّمٰوٰتِ الخ میں یہ بتانا غرض ہے کہ نبوت کا استحقاق کسی مادی طاقت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ آسمان وزمین میں رہنے والوں کی فطری صلاحیت واستعداد کی بناپر یہ فیضان ہوتا ہے اور اس صلاحیت کا علم خدا تعالی کو خوب ہے وہ جیسی اور جس میں قابلیت دیکھتا ہے ویسا ہی فیض اُسکو پہنچاتا ہے۔ اسکی استعداد وقابلیت کے اختلاف کی بنا پر انبیاء میں فرق مراتب ہے۔ کوئی کسی درجہ کا ہے کوئی کسی درجہ کا کسی کو سلطنت اور بادشاہت دونوں عطا ہوئی ہیں۔ دیکھیے داؤدؑ کو اللہ نے اپنی کتاب زبور عطا فرمائی تھی اِس کو پڑھو جس میں لکھا ہے کہ زمین کے وارث وہی سب لوگ ہونگے جو اہل اور قابل ہونگے۔

آیت کی شان نزول بعض اہل تفسیر نے اس طرح بیان کی ہے کہ جس زمانہ میں حضور اقدسؐ کے پند ومواعظ کا چرچا مکہ کے گھر گھر میں ہورہا تھا یہودیوں کے بہکانے سے کفار مکہ نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا کہ خدا نے لوگوں کی ہدایت کے لئے ابوطالب کے یتیم بچہ کو ہی انتخاب کیا اور اس کے ساتھ ننگے بھوکے لوگوں کو لگا دیا ان میں ہم سے زیادہ کونسی فضیلت تھی جو ان پر کتاب اُتاری اور نبی بنایا۔ اس واہی گفتگو کے جواب میں آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔

حضرت داؤدؑ کو زبور دینے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیوں کیا

کتابیں تو اور پیغمبروں کو بھی عطا ہوئی تھیں

حضرت داؤدؑ کی خصوصیت ذکر کے تین اسباب ہیں (۱) اہل عرب پڑھے لکھے نہ تھے۔ نظر وفکر سے بھی کورے تھے، کتاب وعلم سے تقریبًا محروم تھے علمی باتیں یہودیوں سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اہل کتاب پر اُن کا کافی اعتماد تھا۔ یہودی ہمیشہ سے فتنہ انگیز اور سیسہ کار واقع ہوئے ہیں۔ کفار مکہ سے کہا کرتے تھے کہ موسٰی کے بعد کوئی نبی نہیں آیا نہ آسکتا ہے اور توریت کے بعد دوسری کتاب بھی نہیں آسکتی۔ نبوت عیسٰی اور انجیل کے الہامی کتاب ہونے کے بھی یہ لوگ قائل نہ تھے۔ مگر داؤدؑ کو نبی مانتے اور زبور کو کتاب الہی جانتے تھے۔ اس لئے خدا نے عیسٰی اور انجیل کا تذکرہ چھوڑکر اُنہی کے مسلمہ عقیدے کو پیش کرتے ہوئے الزامی جواب دینے کیلئے حضرت داؤدؑ اور زبور کا تذکرہ فرمایا (۲) آیت میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ فطری صلاحیت کی بناپر نبوت کا فیضان ہوتا ہے، جسمانی طاقت، مال کی کثرت، اولاد کی فراوانی اور خاندان کی نجابت سے اس فیضان کے حصول کا استحقاق نہیں پیدا ہوتا اور چونکہ یہی بات زبور میں بھی مذکور تھی اس لئے دعوی کی تائید میں زبور داؤدؑ کا تذکرہ فرمایا۔ (۳) کفار کے پیش نظر یہ بات تھی کہ نبوت کا استحقاق، مال کی کثرت اور دنیوی عزت وحکومت سے پیدا ہوتا ہے۔ معیار فضیلت صرف دنیوی تفوق ہے۔ اس نظریہ کو رد کرنے کے لئے فرمایا کہ دیکھو داؤدؑ کو ہم نے زبور عطا فرمائی تھی یعنی یہی اُن کے شرف ومجد کا سبب تھا۔ اگرچہ وہ دنیوی بادشاہ بھی تھے مگر حکومت وشاہی اُن کے لئے موجب فضیلت نہ تھی۔

ایک سوال

رسول پاکؐ نے فرمایا ہے کہ انبیاء میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ لیکن قرآن کی آیت بصراحت ناطق ہے کہ انبیاء کے مراتب میں خدا نے فرق رکھا ہے

اسی بناء پر اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ اشرف الرسل حضور اقدس ہیں۔ پھر چار عظیم الشان انبیاء (نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ) کا درجہ ہے۔

جواب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نفسانی ہوا و ہوس اور ذاتی و قومی تعصب کی بناء پر بغیر تفصیل شرعی کے انبیاء میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ کسی شخص کے کہنے اور حمایت کرنے سے کوئی نبی افضل نہیں ہو سکتا نہ کسی نبی کا مرتبہ کم ہو سکتا ہے۔ یہ تو خداداد اعزاز ہے۔ انبیاء میں باہم واقعی تفاضل تو اس آیت کے علاوہ دوسری آیات سے بھی ثابت ہے (ابن کثیر) مصنف فتح البیان نے تفاضل انبیا کا انکار حدیث مذکور کی بناء پر کیا ہے۔ مگر ہم نے حدیث کا صحیح مطلب بیان کر دیا جس سے مصنف مذکور کے قول کا رد کافی طور پر ہو گیا اور جمہور اسلام کے عقیدہ کا ثبوت آیات کی روشنی میں تو بالکل واضح ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مقصود بیان:۔ مسلمانوں کو باہم حسن سلوک اور نرمی گفتار رکھنے کا حکم اور کافروں سے بھی رواداری کرنے کا امر۔ نبوت کا استحقاق فطری صلاحیتوں کی بناء پر ہوتا ہے۔ کسب کو اس میں دخل نہیں۔ بلاواسطہ عطیۂ الٰہی ہے۔ انبیاء میں باہم تفاضل تھا۔ کسی کا مرتبہ کم اور کسی کا زائد تھا۔ حضرت داؤدؑ پر زبور نازل ہوئی تھی۔ زبور علاوہ توریت کے ایک مستقل کتاب تھی (اگرچہ زبور کے احکام تائیدی تھے تاسیسی نہ تھے) رسول پاکؐ امت کی فرمان پذیری کے ذمہ دار نہیں۔ آپ کا کام صرف پیام پہنچانا اور ہدایت کرنا تھا۔ ماننا نہ ماننا امت کا کام ہے۔ وغیرہ

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

کہدو کہ انہیں کو پکارو جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر اللہ کا شریک سمجھتے ہو

فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ

وہ تمہاری تکلیف دور کرنے کا نہ اختیار رکھتے ہیں

وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

اور نہ بدلنے کا — جن کی یہ کافر پرستش کرتے ہیں وہ خود

يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ

اپنے رب تک پہونچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ اُن میں سے

اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ

کون زیادہ مقرب ہو اور اُس کی رحمت کے امیدوار رہیں اور اُس کے عذاب سے

عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا

ڈرتے ہیں — تمہارے رب کا عذاب واقعی ڈرنے کی چیز ہے

تفسیر تفسیر معالم میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین سخت قحط میں مبتلا ہوئے یہانتک کہ کتے مار کھائے ہر چند اپنے معبودوں سے فریاد کی کچھ کارگر نہ ہوئی۔ بالآخر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن کثیر نے بروایت عوفی از ابن عباسؓ بیان کیا کہ اہل شرک میں سے بعض ملائکہ کی الوہیت کے اور بعض عزیر کی الوہیت کے قائل تھے لہذا اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ سے ملائکہ اور مسیح اور عزیر ہی مراد ہیں۔

بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ جنات کی پرستش کرتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد وہ جنات تو مسلمان ہو گئے اور پرستاران جن بدستور باطل پرستی میں مشغول رہے۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے ابن مسعود کے قول کو ترجیح دی ہے اور باعتبار روایت یہی قوی بھی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن معبودوں کو تم نے بزعم خود معبود سمجھ رکھا ہے مصیبت کے وقت اُن کو پکار دیکھو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ تمہاری مصیبت دور نہیں کر سکتے بلکہ ٹال بھی نہیں سکتے۔ وہ بیچارے خود تو قرب الٰہی کے خواستگار ہیں اور اس کے لئے وسائل (اعمال صالحہ۔ ابن کثیر) تلاش کرتے ہیں۔ خود معبود ہونا یا تمہاری شفاعت کرنا تو درکنار ہر وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے اور اُس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔ کیونکہ عذاب الٰہی واقعی خوفناک اور واجب الاجتناب چیز ہے۔ تو جب اُن کی یہ کیفیت ہے کہ مجبور محض ہیں۔ خدا کے محتاج ہیں اور خود اپنی نجات سے مطمئن نہیں تو پھر وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ بلکہ وہ تم سے خوش ہی کیسے ہو سکتے ہیں۔ تمہارے اعمال و عقائد تو اُن کی دشمنی کا سبب ہیں۔ بعض علماء نے وسیلہ سے اعمال صالحہ نہیں مراد لئے بلکہ مقربین بارگاہ مراد لئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ تو خود اپنی نجات کا وسیلہ بنانے کے لئے کسی مقرب ترین بندہ کے خواستگار ہیں۔ پھر تمہاری مدد کیا کر سکتے ہیں۔

مقصود بیان:۔ نفی شرک کی الزامی دلیل کا بیان۔ اس بات کی ضمنی صراحت کہ معبود کو خود مختار اور دوسروں کی تکلیف دور کرنے پر قادر ہونا چاہئے۔ ذیلی طور پر اس امر کی طرف ایماء کہ بارگاہ الٰہی تک پہنچنے کے لئے وسیلہ کی ضرورت ہے۔ وسیلہ خواہ عمل صالح ہو یا کوئی خدا کا مقرب بندہ۔ آخری آیات میں صراحت ہے کہ اللہ کے نیک بندے دو صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ اُن کو رحمت کی امید اور عذاب کا خوف لگا رہتا ہے وہ اپنے نیک اعمال پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ وغیرہ۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا
کوئی بستی ایسی نہیں جس کو قیامت سے پہلے ہم تباہ

قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا
نہ کردیں یا سخت عذاب

عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ
نہ دیں یہ بات لوح محفوظ میں

مَسْطُوْرًا ○ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ
لکھی ہوئی ہے اور نشانیاں بھیجنے سے ہم کو سوا اس کے

بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ
کوئی وجہ مانع نہ ہوئی کہ اگلے لوگوں نے اُن کو جھٹلایا

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا
اور ہم نے ثمود کو اونٹنی بطور نشانی کے دی تھی مگر انہوں نے اس پر ظلم کیا

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ○
اور ہم محض ڈرانے کو نشانیاں بھیجا کرتے ہیں

تفسیر حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے بروایت حضرت زبیر بن عوام بیان کیا کہ جب اقارب کو تبلیغ کرنے کا حکم ہوا تو حضور اقدس ؐ نے کوہ ابو قبیس پر چڑھ کر آواز دی اے آل عبد مناف میں تم کو ڈراتا ہوں قریش فوراً آ کر جمع ہو گئے (اس خیال سے کہ شاید پہاڑی کے دوسری طرف کوئی دشمن چڑھ آیا جو مکہ کو لوٹنا چاہتا ہے) حضور اقدس ؐ نے اُن کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ کفار قریش بولے تم نبی ہو تمہارے پاس وحی آتی ہے سلیمان پیغمبر کی تابع تو ہوا تھی اور پہاڑ بھی مسخر تھے۔ موسیٰ کے زیر حکم سمندر ہو گیا تھا عیسیٰ مردہ کو زندہ کر دیتے تھے۔ تم نبی ہو تو اللہ سے دعا کرو کہ یہ پہاڑ ہمارے سامنے سے ہٹ جائے، نہریں جاری ہو جائیں تاکہ ہم کھیت تیار کر کے اُس میں کھیتی کریں۔ یا یہ دعا کرو کہ اللہ ہمارے مُردوں کو زندہ کر دے کہ ہم اُن سے باتیں کریں اور وہ تمہارا نبی ہونا ہم کو بتا دیں۔ اگر یہ بھی نہیں تو یہ ہی دعا کرو کہ اللہ اس پہاڑی کو جس پر تم کھڑے ہو سونے کا کر دے تاکہ اُس کے ٹکڑے کر کے ہم اپنے کام میں لائیں اور جاڑے گرمی کے سفر کی راحت مل جائے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہم ابھی حضورؐ کے پاس ہی تھے کہ وحی نازل ہوئی جب وحی ختم ہو گیا تو حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم نے جو کچھ مانگا وہ اللہ نے مجھے دیدیا۔ اگر میں چاہوں تو ہو جائے لیکن اللہ نے مجھے دو باتوں کا اختیار دیا ہے یا تو تم باب رحمت سے داخل ہو جاؤ۔ لہٰذا جو کوئی جھکائیگا وہ مؤمن ہو جائیگا۔ اور یا جو تم مانگتے ہو وہی ہو جائیگا مگر در رحمت نہ پاؤ گے اور کوئی مسلمان نہ ہوگا۔ میں نے دونوں میں سے باب رحمت کو اختیار کر لیا۔ لہٰذا تم میں سے بعض لوگ ایمان لے آئینگے۔ مجھے میرے رب نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ تمہاری خواہش کے مطابق اگر کام ہو جائے اور پھر تم کافر رہے تو تم پر ایسا سخت عذاب آئیگا جو دنیا میں کسی پر نہ آیا ہوگا۔ اُس وقت آیت وَمَا مَنَعَنَآ الخ نازل ہوئی اس روایت کو قدرے تغیر الفاظ و اختصار کے ساتھ ابن عباس وغیرہ صحابہ کی وساطت سے دیگر ائمہ حدیث نے بھی بیان کیا ہے۔

اوپر کی آیات میں خدا تعالیٰ نے اہل حق کی حالت بیان فرمائی تھی کہ وہ امید و بیم کے درمیان ہوتے ہیں۔ اب اُن معاند کافروں کی حالت بیان فرماتا ہے جن کی قسمت میں آغاز سے ہی خدا نے کفر لکھدیا ہے اور لوح محفوظ میں اُن کی تباہی لکھی جا چکی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ قیامت سے پہلے ہر بستی کو خدا تعالیٰ یا تو اُن کے اعمال کی پاداش میں صفحۂ ہستی سے مٹا دیگا یا باقی رکھیگا تو کم از کم سخت عذاب مسلط فرمائیگا۔ طرح طرح کے مصائب و آفات میں وہ مبتلا ہونگے۔ یہ لوح محفوظ کا قطعی حکم ہے۔ (لہٰذا اہل مکہ کو بھی ہوشیار رہنا چاہیے کہ اُن کو بالکل برباد کر دیا جائے۔ اور بالکل ہلاک نہ کیا گیا تو سخت مصائب اُن پر نازل ہونگی چنانچہ سخت ترین قحط میں اہل مکہ مبتلا رہے) رہا فرمائشی معجزات کا پورا کرنا تو ہم اُن کو پورا کر سکتے ہیں۔ مگر وجہ مانع صرف یہ ہے کہ انبیاء سابقین سے بھی اُن کی امتوں کے کافروں نے ایسے ہی معجزات طلب کئے تھے اور جب اُن کی خواہش پوری کر دی گئی۔ مثلاً ثمود نے صالح سے فرمائش کی کہ پہاڑ سے گابھن اونٹنی پیدا کر دو اور اونٹنی پیدا کر دی گئی تو پھر بھی انہوں نے کفر نہ چھوڑا چنانچہ اونٹنی کو ستایا۔ بالآخر ہم نے اُن قوموں کو ہلاک کر دیا۔ اب اگر یہ بھی فرمائشیں پوری ہونے کے بعد بدستور کفر کئے جائینگے تو اُن کو بھی تباہ کر دیا جائیگا (اور رسول اللہ ؐ کا پاس خاطر کرتے ہوئے ان کو تباہ کرنا مقصود نہیں ہے) بات یہ ہے کہ آیات الٰہیہ کا ظہور تو صرف ڈرانے کے لئے ہوتا ہے۔ فرمائشیں پوری کرنے کے لئے نہیں ہوتا۔

مقصود بیان: دنیا کی ہر بستی قیامت سے پہلے اُجاڑ ہو جائیگی یا کم از کم مختلف مصائب و حوادث میں گرفتار ضرور ہوگی۔ لوح محفوظ کا لکھا ضرور پورا ہوگا۔ فرمائشی معجزات ظاہر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کو منظور نہیں کہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر یہ امت تباہ ہو کیونکہ ظہور معجزات مطلوبہ کے بعد کفر کرنے کی پاداش سوا تباہی کے اور کچھ نہیں۔ آیات الٰہیہ جو مختلف

حوادث و مصائب (قحط، فتنۂ عامہ، جابر حکومت کا تسلط، زلزلہ وغیرہ) کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کا منشا یہ ہے کہ لوگ ڈر کر اللہ کی طرف رجوع کریں۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو اس آیت سے سبق لینا چاہئے۔ آیات الٰہیہ کا بکثرت ظہور ہوگیا اور ہو رہا ہے۔ آسمان سے جو بجلی گرتی ہے وہ مسلمانوں پر گرتی ہے۔ کاش یہ خدا کی طرف دوڑیں اور خلاف شرع احکام سے توبہ کر کے قرآن کے حکم پر چلیں۔ مگر آہ یہ امید موہوم ہے۔ مسلمانوں کی حالت امید اصلاح سے کہیں زیادہ خراب ہو چکی ہے۔ واللہ الہادی وھو المعین۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ

(اے نبی) جب ہم نے تم سے کہا تھا کہ تمہارا پروردگار لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا

(اسکو یاد کرو) اور جو خواب ہم نے تم کو دکھایا تھا وہ محض لوگوں کی

فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي

آزمائش بنایا تھا (اسی طرح) وہ درخت جس کی مذمت قرآن میں

الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ

کی گئی ہے (آزمائش کے لئے تھا) ہم اُن کو ڈراتے ہیں تو اُنکی

اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝۶۰ ع

سرشرارت میں اور زیادتی ہی ہوتی ہے

تفسیر ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری، مسروق، ابراہیم نخعی، قتادہ، عبدالرحمن بن زید اور اکثر علماء تفسیر کے نزدیک رُءْیَا سے مراد سیر معراج ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا رُءْیَا سے مراد خواب نہیں بلکہ مشاہدۂ چشم ہے۔ گویا رُءْیَا بمعنی رؤیت بصر ہے۔ شجرہ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے۔ شب معراج میں حضور نے ملاحظہ فرمایا کہ زقوم کا درخت جہنم کی جڑ سے اُگا ہے (کذا قال ابن عباس والمسروق والحسن) جب مشرکین مکہ کی خواہش کے مطابق اظہار معجزات سے صاف انکار کر دیا گیا تو وہ اور بھی دلیر ہو گئے اور کہنے لگے اب تو ہم تمہاری نبوت مان ہی نہیں سکتے۔ چاروں طرف سے لے دے شروع کر دی۔ اور ہر طرف سے یورش ہونے لگی اور طے کر لیا کہ رسول اللہ صلعم کو دغا نہ کہنے دینگے۔ حضور علیہ السلام کو باقتضاء بشری کبیدگی خاطر ہوئی۔ اس کبیدگی کو دور کرنے اور تسلی دینے کے لئے آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب ہم آپ سے کہہ چکے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کے قابو سے باہر نہیں۔ قدرت الٰہی سب کو محیط ہے۔ کوئی شخص ضرر پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اب آپ کو کسی سے خوف نہ کرنا چاہئے۔ فرض تبلیغ ادا کئے جاؤ۔ بے خوف ہو کر اللہ کے احکام بیان کرو۔ کچھ اندیشہ نہ کرو۔

جب حضور صلعم کو معراج ہوئی اور صبح کو لوگوں کو اس کا علم ہوا تو بدباطن کفار مذاق اڑانے لگے اور بولے ایک رات میں بیت المقدس کو آنے جانے کا دعوٰی کس قدر جھوٹ ہے۔ جب معجزات مطلوبہ کا اظہار نہ کر سکے تو لگے باتیں بنانے۔ واقعۂ معراج کو سن کر بعض ضعیف الایمان مسلمان بھی اسلام سے پھر گئے۔ لیکن جو صحیح روحیں رکھتے تھے جن کے ایمان پختہ تھے انھوں نے تصدیق کی اور ایمان پر نہ فقط یہ کہ ثابت قدم رہے بلکہ اُن کے ایمان میں مزید استحکام و اضافہ ہوا۔ غرض معراج کا واقعہ کھرے کھوٹے کو جانچنے کے لئے ایک کسوٹی بن گیا جس پر مؤمن و غیر مؤمن کی حالت صحیح طور پر کھل گئی (فتنہ کے معنی ہیں آگ میں سونے کو ڈال کر تپانا تاکہ میل دور ہو جائے اور اصل کندن نکل آئے۔ یہی صورت واقعۂ معراج کی ہوئی۔ واقعۂ معراج کی آگ میں سبھوں کے ایمان گرے۔ کوئی تو صاف ہونے کے بعد کندن کی طرح چمکا۔ اور جو اصلاً خبیث تھا وہ سیاہ ہو گیا) معراج میں حضور علیہ السلام نے درخت زقوم کو دوزخ کے اندر بھی دیکھا تھا۔ منجملہ کیفیت معراج کے یہ واقعہ جب بیان فرمایا تو ابو جہل ایسے خبیث النفس آدمی مذاق اڑانے لگے اور بولے کہیں درخت بھی آگ میں رہ سکتے ہیں؟ کہاں درخت کی سبزی اور کہاں آگ کی خشکی اور گرمی۔ بیوقوفوں کو اتنا بھی معلوم نہ ہو سکا کہ نباتات تو بجائے خود رہے بعض حیوانات آگ میں ہی پیدا ہوتے آگ میں ہی پرورش پاتے اور آگ میں ہی رہتے ہیں۔ مثلاً سمندر جانور آگ ہی میں رہتا ہے۔ زقوم کا درخت تو بالکل گرم خشک مزاج رکھتا ہے۔ اس کی گرمی خشکی تیسرے یا چوتھے درجہ کی ہے۔ اس کا مزاج آگ کے مناسب ہے اس لئے آگ میں باقی رہنا عقل کے خلاف نہیں۔ اس کے علاوہ دوزخ کی آگ کو دنیا کی آگ پر اور دوزخ کے زقوم کو دنیا کے زقوم پر قیاس کرنا بھی لغو ہے۔ دوزخ اور دوزخ کی پیداوار کی خاصیت، نوعیت اور کیفیت ناقابل بیان ہے۔ جہاں ناقابلِ تصور اور ناممکن التخیل عذاب کی کیفیت سمجھانی ہوتی ہے تو تمثیل دیکر سمجھائی جاتی ہے۔ عناصر میں سب سے زیادہ گرم آگ ہے اور درختوں میں سب سے ناقابلِ اکل درخت زقوم ہے اسلئے آگ اور زقوم کا تذکرہ بطور تمثیل ہے۔ معلوم نہیں کہ دوزخ کی آگ اور دوزخ کے زقوم کی کیا کیفیت ہو گی۔ مگر کور باطن کافروں کی سمجھ میں یہ بات کس طرح آنے والی تھی۔ وہ حرف گیر اور عیب چین تھے اسلئے زقوم کا لفظ سنتے ہی اپنی کج فہمی سے پھانس کا بانس بنا لیا اور لگے اعتراض کرنے۔

ایک شبہ آیت میں شجرہ سے اگر زقوم مراد ہے تو اسکو ملعونہ کیوں کہا گیا۔ قرآن میں تو کسی جگہ اس پر لعنت نہیں کی گئی۔ اور درخت کے ملعون ہونے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں؟

ازالہ (۱) درخت پر لعنت کے کوئی معنی نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایسے خبیث درخت کو کھانے والے ملعون ہیں۔ (۲) عرب ہر ضرر رساں کھانے کو ملعون کہتے ہیں۔ درخت زقوم بھی کامل مضر ہے اس لئے اسکو ملعون کہا گیا (۳) لغت میں لعن کے معنی ہیں دور کرنا۔ درخت زقوم بھی چونکہ اچھے صفات و خواص سے بہت دور ہے۔ کھایا جائے تو آنتیں کاٹ دے۔ منہ میں چھالے ڈال دے۔ بھوک کو فائدہ نہ پہنچائے اسلئے اُس کو ملعون کہا گیا۔

خلاصہ ارشاد یہ ہے کہ کافروں کی یورش سے آپ خوف زدہ نہوں یہ ہماری گرفت اور قابو سے باہر نہیں آپ کو ضرر نہ پہنچا سکینگے۔ رہی واقعات معراج کی تکذیب تو اس سے بھی کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ واقعات معراج کو ہم نے جانچنے اور پرکھنے کا معیار بنایا ہے۔ کھرے کھوٹے کی کیفیت تصدیق و تکذیب سے کھل جاتی ہے۔ جو کھوٹے ہیں اُن کو جتنا عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اُتنا ہی اُن کی سرکشی و نافرمانی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ڈرانے کا منشا تو یہ تھا کہ ناشائستہ حرکات سے باز آ جاتے مگر اللہ کے احاطۂ قدرت سے باہر کس طرح ہو سکتے ہیں۔

مقصود بیان:۔ کوئی شخص اللہ کے قابو سے باہر نہیں۔ اللہ کی طرف سے امتحان بہت سخت ہوتا ہے۔ شریعت کے وہ مسائل اور رسول پاک صلعم کے وہ فرمان جو بظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ (اگرچہ واقع میں عقل کے خلاف نہیں) وہ محض آزمائشی ہیں یہ جانچنا مقصود ہے کہ کون نبی کی عصمت اور فطری صداقت پر ایمان لاتا ہے اور کون کون اپنی رائے کو دخل دیکر انکار کرتا ہے اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اُن مسلمانوں کو جو اصول قرآنی اور فرامین رسول صلعم کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ اگر اُن کی رائے کے مطابق ہوئے تو مان لئے اور مخالف ہوئے تو ٹھکرا دیئے۔ اس کا نام انھوں نے مسائل اسلام کی عقل سے مطابقت رکھا ہے۔ حالانکہ وہ کیا اور اُن کی رائے کیا۔ اول تو سونا تولنے کے کانٹے میں پہاڑ نہیں تولا جا سکتا۔ انسانی کثیف دانش اصول اسلامیہ کی تہ تک نہیں پہونچ سکتی اور پہونچنا ممکن بھی ہے تو عقل سلیم کا نہ کہ ہر وہمی تخیل کو معقولات و حقائق کے مرتبہ پر پہنچانے والے کا۔ ہر شخص کی عقل وہمیات سے کس طرح پاک ہو سکتی ہے۔ فن طب کی مہارت کے بغیر اصول طب کو ہر بازاری آدمی کیسے سمجھ سکتا ہے انجنیئری کے نظریات قلی کیا جان سکتا ہے۔ عقل سلیم صرف نبی یا علمائے حق کی ہوتی ہے وہ ہی اصول شریعت کے حقائق سمجھتے ہیں اور کامل ایمان رکھتے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ

تو سوا ابلیس کے اوروں نے سجدہ کیا وہ بولا کیا میں اُس شخص کو سجدہ کروں

خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا

جسکو تو نے مٹی سے بنایا (پھر) کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ وہی شخص ہے

الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى

جس کو تو نے مجھ پر بزرگی عطا کی ہے اگر تو مجھ کو روز قیامت تک

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا

مہلت دے تو سوائے چند لوگوں کے میں اسکی اولاد کو پامال

قَلِيْلًا ۞ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

کر ڈالوں گا اللہ نے فرمایا چلا جا اُن میں سے جو تیرے کہے پر چلے گا

فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۞

تو تم سب کی پوری پوری سزا جہنم ہوگی

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ

اور اُن میں سے جس پر تیرا قابو چلے تو اُس کو اپنی آواز سے بہکالے

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَ

اور اُن پر اپنے سوار و پیادے کھینچ لا اور

شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ

اُن کی مال و اولاد میں ساجھا کرلے اور اُن کو وعدے دے

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۞

اور شیطان اُن سے دغا بازی ہی کا وعدہ کرتا ہے

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ

میرے بندوں پر تیرا قابو نہیں

وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۞

اور تمہارا رب ہی ذمہ داری کے لئے کافی ہے

تفسیر حضرت آدم کی تخلیق اور ابلیس کے انکار سجود کا قصہ قرآن پاک میں سات جگہ مذکور ہے۔ بقرہ - اعراف - حجر - بنی اسرائیل - کہف - طٰہٰ - صٓ - ان تمام سورتوں میں مختلف مقاصد کے تحت جداگانہ پیرائہ بیان کے ساتھ واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہیں مختصر کہیں مفصل۔ الفاظ میں حسب اختلاف موقع قدرے تغیر ہے۔ قصہ کا خلاصہ مکرر ذکر کرنا بے سود ہے خصوصیات مقامی کو ہم ترتیب وار ذکر کرتے ہیں۔

اِلَّا قَلِيْلًا انبیاء، شہداء، صالحین اور کامل اہل ایمان ہمیشہ طاغوتی گروہ سے تعداد میں کم رہے ہیں اور کم رہینگے اور شیطان کو اس بات کا علم تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آدم کی فطرت میں خدا تعالیٰ نے تین قوتیں ودیعت رکھی ہیں ایک روحانی اور دو مادی۔ پھر تینوں قوتوں کے دونوں پہلو یعنی افراط و تفریط گمراہی کے پہلو ہیں۔ صرف اعتدال کا راستہ صلاح و عافیت کا ہے اس لئے اُس نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ قلیل تعداد تو ضرور میرے دائرۂ اقتدار سے خارج رہیگی مگر اکثر کو میں گمراہ کروں گا۔

اِذْهَبْ خدا تعالیٰ نے ابلیس کو اجازت دیدی۔ اِذْهَبْ امر کا صیغہ ہے عربی زبان میں صیغۂ امر کا استعمال مختلف مواقع پر ہوتا ہے۔ کہیں امر وجوب کے لئے آتا ہے کہیں اجازت اور اباحت کے لئے۔ کہیں تہدید اور تنبیہ کیلئے وغیرہ۔ یہاں اجازت تہدید کے لئے ہے۔

بِصَوْتِكَ - شیطان کی آواز کیا ہے۔ مجاہد کا قول ہے جس قدر شہوت انگیز آوازیں، نغمے اور ترانے ہیں، نامحرم عورتوں کے زیور کی جھنکار، سریلے باجے اور لہو آگین مزامیر سب شیطانی آوازیں ہیں۔

ابن عباس اور قتادہ نے فرمایا جو شخص اللہ کی نافرمانی کی طرف دعوت دے وہ شیطانی داعی ہے۔ گویا ابن عباس کے نزدیک صرف اندرونی خطرات اور وسوسے ہی شیطان کی آوازیں نہیں بلکہ آدمیوں کے حلق سے بھی شیطان کی آواز نکلتی ہے۔ ہر گمراہی کی دعوت شیطانی دعوت ہے۔ شیخ ابن جریر نے اسی توجیہ کو پسند کیا ہے۔

بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ - ابن عباس رضؓ نے فرمایا جو شخص اللہ کی نافرمانی کی طرف چلے خواہ سوار یا پیادہ وہ شیطانی سواروں اور پیادوں میں سے ہے۔ (معالم و سراج بروایت ابو دنؓ) بعض احادیث سے ثابت ہے کہ شیطان کا بھی لشکر ہے۔ اس تقدیر پر احتمال ہے کہ شیطانی ذریات کے سوار اور پیادے واقعی مراد ہوں۔ امام رازی نے فرمایا یہ کلام بطور ضرب المثل ہے حقیقی لشکر مراد نہیں۔ یعنی اپنے تمام اسباب مکر اور سامان اغوا کو لے کر نوع آدم پر حملہ کرنا۔ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ کلام بطور تمثیل ہے۔ اگر کسی بادشاہ یا سپہ سالار کو کسی بستی پر حملہ کرنا ہوتا ہے تو اُس کا انتہائی حملہ یہی ہوتا ہے کہ اپنی تمام فوج اور کل طاقت کو لیکر یورش کر دے اور حریف کو سخت ترین آوازوں سے ڈرائے دھمکائے۔ خدا تعالیٰ نے بھی ابلیس کو آواز دیدی کہ اپنی کل طاغوتی طاقتوں کو لیکر حملہ آور ہو اور کوئی کمی نہ رکھے چھوڑے۔

فِي الْاَمْوَالِ - ابن عباس و مجاہد نے فرمایا گناہ کے کاموں میں مال کو صرف کرنا شرکت شیطانی ہے۔ عطاء خراسانی کا قول ہے سود شرکت شیطانی ہے۔ حسن بصری اور قتادہ نے کہا ناجائز ذرائع سے مال کو حاصل کرنا اور حرام راستوں میں خرچ کرنا شرکت شیطانی ہے۔ شیخ ابن جریر نے تمام اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا آیت کریمہ سب اقوال کو شامل ہے کسی خاص نوع کی تخصیص نہیں۔ گناہوں کے کاموں میں صرف کرنا، فضول خرچ کرنا، اچھے کاموں میں صرف کرنے سے روکنا، بُرے طور سے مال لینا، چوری سے، غصب سے، سود سے، غبن اور رشوت وغیرہ سے یہ تمام انواع شرکت شیطانی کے اقسام ہیں۔

وَالْاَوْلَادِ - زنا سے اولاد حاصل کرنا شرکت شیطانی ہے۔ اولاد کے بُرے نام رکھنا۔ اُس کے کان ناک چھیدنا، سر پر غیر اللہ کے نام کی چوٹی چھوڑنا، بیڑیاں پہنانا، اپنی اولاد کو اللہ کے سوا کسی کے نام کا کر دینا، بھینٹ چڑھانا، مار ڈالنا، بُرے کام سکھانا وغیرہ سب اقسام شیطانی شرکت کے ہیں۔

وَعِدْهُمْ - شیطانی وعدے کیا ہیں؟ دل میں ناجائز خواہشات کا پیدا ہونا، دنیا کی طرف رغبت بے جا ہونا، آخرت سے منہ موڑ کر دنیوی عیش پر ریجھنا، یہ سب شیطانی وعدے اور دھوکہ کی ٹٹیاں ہیں۔ نہ کامل طور پر کوئی دنیوی ارمانوں کو پا سکا ہے نہ پا سکیگا ؎

چشم تنگ حرص دنیا دار را یا قناعت پُر کند یا خاک گور

نیک بندے ہوا و ہوس میں نہیں پھنستے۔ شیطانی تسلط اُن پر نہیں ہو سکتا اُن کو دنیا کی خواہش اُتنی ہوتی ہے جتنی آخرت میں اُن کے لئے مفید ہو۔ باقی کو ہیچ پوچ جانتے ہیں۔ وہ ہر کام میں اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اُسی کو اپنا کارساز جانتے ہیں۔

مقصود بیان:- شیطان انسان کا قوی ترین دشمن ہے اور ہر وقت اپنی پوری طاقت کے ساتھ گھات میں لگا ہوا ہے۔ شیطان تا قیامت باقی ہے۔ آدم کو گمراہ کرنے کا شیطان نے دعویٰ نہ کیا۔ کیونکہ آپ اُس قلیل تعداد میں داخل تھے جن پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکتا۔ صرف اولاد آدم کو گمراہ کرنے کا دعویٰ کیا۔ انسانوں میں سے ایک گروہ شیطانی اغواء سے پاک رہتا ہے جسکو معصوم کہا جاتا ہے یہ گروہ انبیاء اور خاص خاص پاکباز بندوں کا ہے۔ شیطان کا بھی اپنا خاص لشکر ہے۔ ناجائز ذرائع سے مال کا حصول اور حرام طریقہ سے صرف کرنا شیطان کی شرکت مالی ہے۔ اولاد میں بھی شیطان شریک ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان کو اولاد کے نام کام تعلیم تربیت اور پیدائش کے معاملہ میں اُس راستہ پر ڈالتا ہے جو خلاف شریعت ہوتا ہے۔ لہذا اولاد کی پیدائش، وجہ پیدائش، نام کام تربیت اور تعلیم اسی طرح سے ہونی لازم ہے جو جائز ہے۔

آخری آیت میں اللہ کی کارسازی پر بھروسہ رکھنے کی درپردہ تلقین ہے۔ وغیرہ

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ
تمہارا رب وہی ہے جو دریا میں کشتیاں چلاتا ہے

لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ
تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کرو وہ بلاشبہ تم پر

رَحِيمًا ۝ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ
مہربان ہے جب دریا میں تم پر مصیبت آتی ہے

ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا
تو بجز خدا کے وہ (معبود) گئے گذرے ہو جاتے ہیں جن کی تم پرستش کرتے تھے

نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ
اور جب وہ بچا کر تم کو خشکی میں لے آتا ہے تو اسکی طرف سے روگرداں ہو جاتے ہو اور

الْإِنسَانُ كَفُورًا ۝ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ
انسان بڑا ناشکرا ہے کیا تم کو اس بات کا ڈر نہیں رہا کہ خشکی کے

بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ
حصہ میں خدا تم کو دھنسا دے یا تم پر آندھی

حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۝
بھیجدے پھر تم کو اپنا کوئی کارساز نہ ملے گا

أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ
یا تم کو اس کا اندیشہ نہ رہا کہ دوبارہ پھر وہ تم کو دریا میں لیجائے گا

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ
اور تمہاری ناشکری کی سزا میں ہوا کا ایک سخت جھونکا بھیجکر تم کو

فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ
غرق کردے گا پھر تم کو اپنی طرف سے ہم پر کوئی دعویٰ

عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۝ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ
کرنے والا بھی نہ ملے گا ہم نے اولاد آدم کو عزت دی

وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم
اور خشکی و تری میں اُن کو سواری دی اور پاکیزہ چیزیں

مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ
اُن کو عطا کیں اور اپنی پیدا کی ہوئی کثیر مخلوق پر

مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝ ع
اُن کو فضیلت دی

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ کی قدرت کی ہمہ گیری اور انسان کی کفران شعاری اور غفلت کوشی کا بیان ہے۔ گذشتہ آیت میں بتایا تھا کہ درحقیقت اللہ ہی کارساز ہے باقی تمام اسباب حیلے بہانے ہیں کسی کو قدرت کے کارخانے میں دخل نہیں۔ اللہ کی کارسازی کے ثبوت کے لئے بطور تمثیل بیان فرماتا ہے کہ انسان طلب معاش، تجارت، ملکی فتوحات، یا دوسرے کاروبار کے لئے بحری سفر کرتا ہے۔ سمندر میں پہونچکر ہوا میں تلاطم، موجوں میں رست خیز اور پانی میں طوفان آتا ہے ہوا مخالف چلتی ہے۔ جس وقت سطح سمندر پر کشتیاں اور جہاز رواں ہوتے ہیں اُس وقت انسان کو خدا کی قدرت یاد نہیں آتی۔ وہ نہیں سمجھتا کہ کشتی باوجود وزنی ہونے کے تہ آب کیوں نہیں ہو جاتی۔ لیکن جب مصیبت کا وقت آتا ہے اور ہلاکت آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے، نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اُس وقت تمام دیوتاؤں، پیروں، بتوں اور باطل معبودوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ گڑگڑاتا ہے آہ و زاری کرتا ہے اور اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ کیسا غافل انسان ہے۔ خیر خدا خدا کر کے جب جہاز کنارے لگتا ہے۔ ساحل مراد پر پہونچتا ہے تو پھر انسان خواب غفلت میں سرشار ہو جاتا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف دوڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ انسان کی جہالت اور غفلت پر تنبیہ کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ دریا سے نجات پانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدا کی گرفت سے بھی آزادی مل جاتی ہے۔ کیا خدا دریا سے نجات دینے کے بعد خشکی میں زمین کے اندر نہیں دھنسا سکتا یا ہوا کا زبردست طوفان بھیجکر آسمان سے پتھر اُوپر برسا کر تباہ نہیں کر سکتا۔ یا سمندر میں دوبارہ لیجا کر ہوا کا طوفان بھیجکر ہلاک نہیں کر سکتا خدا کے نزدیک ان میں سے کون بات دشوار ہے اور کون اُس کے مقابلہ میں دعویٰ کر سکتا ہے۔

صحیح روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز جب عکرمہ بن ابی جہل اپنی جان بچانے کے لئے بھاگے اور جہاز پر سوار ہوکر حبشہ میں جانا چاہا تو راستہ میں طوفان آیا۔ موجوں کا تلاطم، پانی کی طغیانی، رات کی تاریکی اور ہوا کا زور جہاز کو ڈگمگانے لگا۔ جب نجات کی کوئی سبیل نہ رہی تو جہاز کے کپتان نے مسافروں کو حکم دیا کہ یہ وقت محض دعا کا ہے۔ دنیوی خیالات دلوں سے نکال دو اور اللہ کے سامنے سربسجود ہوکر گڑگڑاؤ۔ مسافروں نے انتہائی عاجزی سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ بحکم خدا طوفان اتھلا اور جہاز صحیح سالم منزل مراد پر پہنچ گیا۔ عکرمہ فرماتے ہیں میں نے اپنے دل میں غور کیا کہ اگر سمندر میں سوا اللہ کے اور کوئی مدد نہیں کرسکتا تو سمندر سے باہر بھی وہی کارساز ہے اُس کے سوا کوئی حامی نہیں۔ اس لئے اب اگر میں عافیت کے ساتھ مکہ پہونچ گیا تو اپنا ہاتھ رسول پاکؐ کے ہاتھ میں دیدونگا۔ چنانچہ جب میں واپس آیا تو سیدھا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا (ذکرہ الامام ابن کثیر فی تفسیرہ)

ایک شبہ

کیا ہر انسان ناشکر ہوتا ہے؟

ازالہ

نہیں ہر انسان ناشکر نہیں ہوتا۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ عورت سے مرد قوی ہوتا ہے تو یہ ضرور نہیں کہ ہر عورت سے ہر مرد قوی ہو۔ بہت سی عورتیں بہت سے مردوں سے قوی ہوتی ہیں۔ اسی طرح عمومی طور پر انسان ناشکرا ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان ناشکر ہو۔ جسکو خدا محفوظ و معصوم رکھتا ہے وہ شکر گذار مؤمن ہوتا ہے۔

اس سے آگے اُن چار انعامات کا تذکرہ فرماتا ہے جو اولاد آدمؑ کو خصوصیت کے ساتھ عطا ہوئے ہیں۔

(۱) اللہ نے آدمی کو جسم، علم، عقل، صورت، اعضاء کی ساخت ذریعۂ حصول معاش اور رہنے سہنے کے طریقوں کے اعتبار سے عزت عطا فرمائی۔ یہ عزت نہ فرشتوں کو حاصل ہے نہ کسی اور مخلوق کو۔

(۲) خشکی اور سمندر میں سفر کرنے کے لئے سواریاں عطا فرمائیں۔ خشکی میں اس کے مناسب اور پانی میں اُس کے لائق جدا جدا قسم کی سواری دی۔ گھوڑا، ہاتھی، اونٹ، ریل گاڑی، موٹر، تانگہ، کشتی ناؤ دخانی اور ہوائی جہاز وغیرہ سب اُسی کے انعامات ہیں۔

(۳) جو عمدہ عمدہ غذائیں دوائیں فواکہ غلّے دودھ دہی مکھن پنیر گھی اور زمین کی مختلف پیداوار انسان کو کھانے کے لئے عطا فرمائی وہ کسی مخلوق کو نہیں دی

(۴) عناصر سے لیکر ملائکہ تک جو ترتیب انواع و اجناس ہے باعتبار نوع کے سب پر انسان کو فضیلت عطا کی لیکن افراد کے اعتبار سے مخلوق کے بیشتر حصہ سے زیادہ انسان کو مکرم بنایا۔ جمادات میں قوت نمو نہیں۔ انسان کو قوت نامیہ عطا ہوئی۔ نباتات میں نمو ہے مگر حس نہیں۔ انسان میں قوت حس بھی کامل طور پر ہے۔ حیوانوں میں حس ہے مگر دانش و فکر کی قوت نہیں۔ انسان میں عقل بھی ہے۔ رہے ملائکہ تو اُن کے عام گروہ سے نوع انسان کے بعض افراد یعنی انبیاء، اولیاء اور صلحاء افضل ہیں۔ اگرچہ عام آدمی کو فرشتوں پر شرف حاصل نہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ ہم نے بہت سی مخلوق پر انسان کو فضیلت عطا کی۔

مقصود بیان: صنائع قدرت اور بدائع حکمت کو پیش کرکے الوہیت و وحدانیت پر استدلال۔ اس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ سفر خصوصاً بحری سفر حصول معاش کا ذریعہ ہے۔ اس امر کا اظہار کہ سخت مصیبت اور لاعلاج تکلیف کے وقت انسان اپنی فطرت اول پر آجاتا ہے اور اضطراری طور پر خدا کو پکارتا ہے لیکن جب اضطرار دور ہوجاتا ہے اور ہوش و حواس اختیار کے دائرہ کے اندر آجاتے ہیں تو پھر شیطانی جال میں پھنسکر خدا کو بھول جاتا ہے اور عقل پر غفلت کے پردے پڑجاتے ہیں۔ گویا ان آیات میں یہ تعلیم دینی مقصود ہے کہ دانشمند انسان وہ ہے جو دکھ سکھ دونوں میں خدا کو یاد کرے۔ دکھ میں یاد کرنا اور سکھ میں بھول جانا عقل کے خلاف ہے۔ انعامات چہارگانہ کا ذکر کرکے اس بات کی طرف ایماء کہ خدا تعالیٰ انسان پر بہت زیادہ مہربان ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ براہ راست انسان کا علاقہ اس سے رہے۔ مگر انسان خود انسانیت کبریٰ کی تذلیل کرتا اور خدا کو چھوڑکر اپنے سے کم درجہ والی مخلوق کو معبود بناتا پھرتا ہے۔ عَلٰی کَثِیْرٍ کا لفظ بتارہا ہے کہ عام انسانوں کو تمام مخلوق پر فضیلت نہیں عطا کی گئی۔ بلکہ بیشتر کائنات پر شرف عطا ہوا ہے۔ وغیرہ۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۚ

جس روز ہم سب لوگوں کو اُن کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے

فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ

اُس روز جن لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا وہ لوگ

يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

اپنے اعمال نامہ کو پڑھینگے اور تاگے برابر اُن کی حق تلفی نہ ہوگی

وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ

اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی

اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

اندھا اور گم کردہ راہ ہوگا

تفسیر جسکی پیروی کی جائے اُس کو امام کہتے ہیں - نبی امت کا امام ہے - بادشاہ رعیت کا امام ہے - وہ کتاب جس پر کوئی قوم عمل کرے اُس قوم کی امام ہے ، نماز پڑھانے والا نمازیوں کا امام ہے - مذہبی لیڈر اُس مذہب والوں کا امام ہے - انسان کا دلی ارادہ جو کسی اچھے بُرے کام کا محرک ہو وہ بھی امام ہے - اسی طرح ہر بدکاری کا امام ہوتا ہے - آیت میں امام سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں :- (۱) امام ام کی جمع ہے - قیامت کے دن ہر شخص کو اس کی ماں کے نام کے ساتھ پکارا جائیگا - یہ قول محمد بن کعب قرظی کی طرف منسوب ہے - ابن عادل نے کہا امام اُم کی جمع نہیں ہے زمخشری نے تردید کی تائید کی ہے۔ (۲) امام سے مراد صاحب مذہب ہے یعنی ہر شخص کو اُس عالم کا نام لیکر پکارا جائیگا جسکی وہ پیروی کرتا تھا - مثلاً کہا جائیگا کہ فلاں عالم کے پیرو کہاں ہیں بلاؤ - اس قول کو ابو عبیدہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے - قرطبی کا بھی یہی مسلک ہے - (۳) ابن عباس کا قول ہے کہ امام سے مراد ہے ہدایت و گمراہی کا پیشوا - مثلاً کہا جائیگا اے امت محمدیہ اے امت فرعون (۴) امام سے مراد معبود ہے (۵) امام سے ہر زمانہ کا امام مراد ہے خواہ وہ نبی ہو یا جانشین نبی - اس قول کی نسبت حضرت علی کی طرف کی گئی ہے۔ (۶) ابو ہریرہ مجاہد اور قتادہ وغیرہم کا قول ہے کہ امام سے مراد اُس دور کا نبی ہے - ہر شخص اور ہر قوم کو اُس کے نبی کا نام لیکر پکارا جائیگا مثلاً کہا جائیگا اے امت عیسیٰ اے امت موسیٰ اے امت محمد - رہے وہ لوگ جو نبی کے منکر اور شیطان کے پیرو تھے - اُن کو منکرین نبی کے گروہ میں شامل کرکے پکارا جائیگا - مثلاً کہا جائیگا اے منکرین محمد! اے منکرین موسیٰ یا یوں کہا جائے کہ امت سے مراد ہے امتِ دعوت نہ کہ امتِ اجابت - اسلئے ہر امت کو خواہ وہ کافر ہو یا مؤمن اُسی دور کے نبی کے نام کے ساتھ پکارا جائیگا (۷) ابن زید کا قول ہے ہر آسمانی کتاب امام ہے - قیامت کے دن پکارا جائیگا اے اہل تورات - اے اہل انجیل - اے اہل قرآن - یہی قول ضحاک کا ہے - (۸) امام سے مراد نامۂ اعمال ہے - ابو العالیہ اور حسن بصری کا یہی قول ہے - ایک روایت میں ابن عباس اور ضحاک کے نزدیک بھی یہی مراد ہے - یعنی ہر شخص اُس کے اعمالنامے سمیت بلایا جائیگا - ابن جریر نے ساتویں قول کو اور ابن کثیر نے آٹھویں قول کو اختیار کیا ہے - ارجح نمبر ہشتم ہے - نامہائے اعمال تو تمام آدمی پڑھینگے دائیں ہاتھ میں لینے والے بھی اور بائیں ہاتھ میں لینے والے بھی - مگر بائیں ہاتھ میں لینے والوں کا نامۂ اعمال چونکہ بدکاریوں سے پُر ہوگا اسلئے وہ با دل ناخواستہ پڑھینگے - اور دائیں ہاتھ میں لینے والے خوشی خوشی پڑھینگے - اور خوشی سے پڑھنا ہی درحقیقت پڑھنا ہے - اس لئے پڑھنے کے لئے دائیں ہاتھ میں لینے والوں کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ فرمایا -

اس سے آگے فرماتا ہے کہ دنیا میں جو اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا - یعنی آثار قدرت ، براہین وحدانیت ، دلائل الوہیت اور شواہد ربوبیت جسکو دنیا میں نہیں سوجھتے ، تغیرات عالم ، نظام فطرت اور قوانین طبیعت سے جو شخص اللہ کی الوہیت و توحید پر استدلال نہیں کر سکتا اور کھلی ہوئی راہ حق کو چھوڑ کر اندھا دھند گمراہی کے غاروں میں گرتا ہے اُس کو آخرت میں راہ جنت دکھائی نہ دیگی - خوشی اور حیات ابدی کا منہ نہ دیکھ سکے گا۔

ابن عباس نے آخرت میں اندھا ہونے کا یہ مطلب بیان کیا کہ : وہ آخرت کو نہیں دیکھ سکتا - چنانچہ آیت مذکورہ کا جب مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے پہلے کی آیت پڑھو - سائل نے رَبُّكُمُ الَّذِىْ سے پوری آیت پڑھی - فرمایا آیات کو معائنہ کرنے کے بعد جو شخص (عقل کا) اندھا رہا وہ آخرت کی طرف سے بھی اندھا ہوگا - کیونکہ آخرت کا تو (ابھی) معائنہ بھی نہیں کیا - اگر یہ روایت صحت کی حد کو پہونچ جائے تو اس تفسیر کو فوائد آیات میں سے شمار کرنا اولیٰ ہے - اصل تفسیری مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کردیا - وعلیہ الجمہور -

مقصود بیان :- قیامت کے دن نامہائے اعمال کا تقسیم ہونا حق ہے - بعض لوگوں کو دائیں ہاتھ میں اور بعض لوگوں کو بائیں ہاتھ میں دینا ہونگے ، دائیں ہاتھ میں لینے والے خوش ہونگے - دنیا میں جسکی عقل نابینا ہو وہ اندھا ہے - کور دماغ کور چشم سے بدتر ہے - روحانیت کی آنکھ بدن کی آنکھ سے افضل ہے - اس لئے جسکی چشم بصیرت کور ہوگی وہ آخرت میں نور سعادت کو دیکھنے سے محروم رہے گا - وغیرہ -

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِىْٓ

ان لوگوں کی قریبی کوشش تھی کہ تم کو اس قرآن سے بہکا دیں جو وحی کے

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ

ذریعہ سے ہم نے تم کو بھیجا ہے تاکہ اُس کو چھوڑ کر تم ہم پر دروغ بندی کردو

وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ

اُس وقت وہ تم کو اپنا دوست بنا لیتے اور اگر ہم تم کو

ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ

ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم کچھ اُن کی طرف مائل

شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ

ہو جاتے اس وقت یقیناً ہم تم کو زندگی کا دگنا عذاب

الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ

اور موت کا دوگنا عذاب چکھاتے پھر تم کو ہمارے مقابلہ میں

لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ وَإِن كَادُوا

اپنا کوئی مددگار نہ ملتا یہ لوگ (مدینہ کی) سرزمین سے

لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ

تم کو گھبرا کر نکالنے ہی لگے تھے

مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا

مگر اس وقت وہ بھی تمہارے پیچھے کم مدت ہی

قَلِيلًا ۝ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا

رہنے پاتے تم سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے ان کا

قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا

یہی قاعدہ رہا اور تم ہمارے قاعدہ میں

تَحْوِيلًا ۝ ع

تغیر نہ پاؤ گے

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ

آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک

غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ

پابندی سے نماز پڑھا کرو اور فجر کی نماز پڑھو بیشک

قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ

فجر کی نماز کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کچھ رات رہے

فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ

تہجد پڑھا کرو - یہ زیادتی خاص تمہارے لئے ہے عنقریب تمہارا پروردگار

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝ وَقُل رَّبِّ

تم کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا اور کہو میرے پروردگار

أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي

مجھے اچھی طرح داخل کر اور اچھی طرح

مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ

نکال اور اپنے پاس سے مجھے ایک مدد دینے والی

سُلْطَانًا نَّصِيرًا ۝

قوت عنایت فرما

تفسیر

عطاء خراسانی نے بروایت ابن عباس رض بیان کیا کہ قبائل ثقیف کا ڈیپوٹیشن حاضر خدمت ہوا۔ ہم حضور سے بیعت کرنے حاضر ہوئے ہیں لیکن تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ہمارے لئے نماز سے رکوع ساقط کردیا جائے۔ نماز میں ہم کو جھکنا نہ پڑے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ہمارے بتوں کو کوئی اور نہ توڑے ہم خود ہی توڑ دینگے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ہمارے لات وعزیٰ ایک سال تک باقی رکھے جائیں ان کو ایک سال کے بعد ہم توڑینگے لیکن دوران سال میں ہم ان کی پرستش نہیں کرینگے۔ حضور صلعم نے اول وآخر شرط سے انکار کردیا اور درمیانی شرط کو مان لیا۔ ایک روایت میں چوتھی شرط بھی مذکور ہے۔ وفد ثقیف نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ مکہ کی طرح ہماری وادی کو بھی حرم بنا دیں۔ ہماری وادی کے تمام چرند پرند اور درخت محفوظ قرار دیئے جائیں۔ حضور صلعم نے اس سے بھی انکار کردیا۔ اور زیادہ بک بک سے تنگ آکر خاموش ہو رہے۔ اہل ثقیف سمجھے کہ شاید حضور ہمارے مطالبات پر غور کر رہے ہیں اس لئے مزید خوشامد آمیز باتیں کرنے لگے۔ بالآخر حضرت عمر رض نے ڈانٹ کر سب کو خاموش کیا اور آیت مذکورہ کا نزول ہوا (معالم و سراج)

سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ کفار قریش نے حضور اقدس صلعم کو حجر اسود کے چھونے سے روک دیا اور بولے جب تک ہمارے بتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ گے ہم سنگ اسود کو نہ چھونے دینگے۔ ممکن تھا کہ حضور صلعم کے دل میں خیال پیدا ہو جاتا کہ بتوں کو چھونے میں کیا حرج ہے۔ حجر اسود کو بوسہ دینے کا تو موقعہ ملیگا۔ اس لئے آیت میں ممانعت کا حکم نازل فرمادیا۔

ابن عباس کی روایت ہے کہ ابوجہل، امیہ بن خلف اور بعض دوسرے سرداران قریش نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا اگر آپ ہمارے بتوں کو صرف ہاتھ لگا دینگے تو ہم آپ کے مذہب میں داخل ہو جائینگے۔

حضورؐ نے نرمی سے اُن کو سمجھانا شروع کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کذا روی عن جابر بن عبداللہ۔

جبیر بن نفیرؓ کی روایت ہے کہ قریش نے خدمت اقدس میں عرض کیا اگر آپ کو ہمارے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے تو ان رذیل غلاموں کو اپنے پاس سے الگ کر دو تاکہ ہم لوگ آپ کے پاس آ سکیں۔ حضور اقدسؐ مشورہ کے بعد کچھ مائل ہوئے تھے کہ آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔

یہ تمام مذکورہ واقعات آیت کے نزول کے اسباب ہیں چونکہ نبی کا دینی فعل وحی کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے اگر حضور اقدسؐ کفار کی خواہش پوری کر دیتے تو لوگ حضورؐ کے اس فعل کو خدا کا فعل سمجھتے اور واقع میں غلط انتساب ہوتا جس کو قرآنی الفاظ میں افترا کہا گیا ہے۔

یاد رہے کہ آیت میں کافروں کی مکاری اور چالاکی کی قوت بیان کرنا مقصود ہے۔ حضورؐ کا میلان طبع ظاہر کرنا مقصود نہیں۔

حاصل اس ارشاد (وَاِنْ كَادُوْا سے عَلَيْنَا نَصِيْرًا تک) یہ ہے کہ کافروں کی عیاری اس قدر زبردست تھی کہ اگر آپ وحی قرآنی کو چھوڑ کر اُس پر عمل کر لیتے تو دونوں جہان کی سعادت کھو بیٹھتے۔ مگر تائید الٰہی اور عصمت غیبی نے آپ کی دستگیری کی اور اُنکی چالاکیوں کی طرف مائل بھی نہ ہونے دیا۔ ورنہ قوت مکر کو دیکھتے ہوئے میلان طبع ہو جانا دشوار نہ تھا۔

مقصود بیان:۔ اللہ کی طرف کسی چیز کا غلط انتساب افترا ہے خواہ وہ کوئی نبی ہی کرے۔ نبی کو ہر وقت تائید غیبی حاصل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے نبی معصوم رہتا ہے ورنہ باقتضاء بشریت کجراہی کی طرف میلان ہو جانا ناممکن نہیں ہے۔ قوم کا لیڈر اگر غلط رہنمائی کرے تو اُس پر دُنیا و دین میں دوہرا عذاب ہوگا۔ وغیرہ

(وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ سے تَحْوِيْلًا تک)

جب یہودیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ میں رہنا ناگوار گذرا تو بولے محمد! اکثر نبی ملک شام میں آئے ہیں اگر تم بھی انبیاء کی اس مقدس سرزمین میں جا بسو تو ہم تم کو سچا نبی مان لیں۔ حضورؐ کو یہودیوں کے کہنے کا کچھ خیال پیدا ہوا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور کچھ ہی زمانہ کے بعد یہودیوں کا خاندان قریظہ مقتول اور دوسرا خاندان نضیر جلا وطن ہوا۔

باعتبار اصول روایت اس قصہ کی اسناد میں ابن کثیر نے شبہات وارد کئے ہیں۔ اگر روایت صحیح مان لی جائے اور درایت کو بھی دخل دیا جائے تب یہ آیت مدنی ہوگی مکی نہ ہوگی۔ حالانکہ پوری سورت مکی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ کفار مکہ نے دار الندوہ میں جمع ہو کر حضور اقدسؐ کو مکہ سے جبرًا نکالنے کا مشورہ کیا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ جملہ مشرکین عرب مراد ہیں جو حضورؐ کو اس غرض سے سخت تکالیف اور ایذائیں دیتے تھے کہ کسی طرح آپ دل برداشتہ ہو کر ملک عرب ہی چھوڑ دیں اور کہیں دوسرے ملک میں جا بسیں۔ ورنہ کم سے کم مکہ ضرور چھوڑ دیں مگر آپ استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ آخر ہجرت کا حکم ہوا۔ اور باامن و اطمینان آپ نے مدینہ کو مسکن بنایا۔ دوسرے سال جنگ بدر کا واقعہ ہوا اور حضورؐ کو مکہ سے نکالنے کا مشورہ کرنے والے سرداران کفر جنگ میں مارے گئے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہودی یا کفار مکہ آپ کو وطن (مکہ یا مدینہ) کی سرزمین سے نکال دینا چاہتے تھے۔ اگر وہ ایسا کر لیتے تو اُن کو بھی وطن میں زیادہ رہنا نصیب نہ ہوتا کیونکہ گذشتہ پیغمبروں کے متعلق بھی خدا تعالیٰ کا یہی دستور العمل رہا ہے۔ یعنی جب کافروں نے پیغمبر وقت کو ایذائیں دیکر جلا وطن کیا تو اُن کو بھی چین سے رہنا نصیب نہ ہوا اور پیغمبر کے جانے کے بعد عذاب میں مبتلا ہوئے۔

مقصود بیان:۔ کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خارج البلد کرنے کی ہر امکانی کوشش کی تھی مگر وقت مقررہ سے پہلے کچھ نہ کر سکے۔ جب اسلامی ضروریات کے پیش نظر مشیت الٰہی ہوئی تو حضورؐ نے ترک وطن کیا۔ کافروں کے خوف سے نہیں کیا۔ پیغمبر کو وطن سے نکالنے والے کبھی سرسبز نہ ہوئے۔ چنانچہ وہ کفار جو دار الندوہ میں جمع ہو کر رسول پاکؐ کو نکالنے کا مشورہ کرتے تھے تھوڑی مدت میں سب کے سب غارت ہو گئے۔ آخری آیت بتا رہی ہے کہ قانون قدرت اور ضابطۂ الٰہی میں کبھی شخصی یا قومی ترمیم و تغییر نہیں ہوتی۔ اس صراحت سے یہ بات ضمناً معلوم ہوتی ہے کہ وہ جھوٹے مدعیان تصوف جو بعض چیزوں کو اپنے لئے خصوصیت کے ساتھ جائز بنا لیتے ہیں غلطی پر ہیں۔ قرآن نے جس چیز کو حلال کر دیا وہ ہمیشہ کے لئے سب کے واسطے حلال ہے اور جس چیز کو حرام کر دیا وہ قیامت تک سب کے لئے حرام ہے۔ خصوصیات افراد کو اس میں دخل نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ نبی کی ذات کے لئے کچھ مخصوص احکام ہوں جن کا خصوصی حکم وحی کے ذریعے سے پیغمبر کو دیا گیا ہو۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کو ذبح اسماعیل کا حکم دیا گیا۔ یا رسول اللہؐ کے لئے نو بیویاں اجتماعی صورت میں حلال کر دی گئیں۔ یا مال صدقہ کا کھانا حضورؐ کے لئے حرام کر دیا گیا۔ یا تہجد کی نماز فرض کر دی گئی۔ وغیرہ۔

(اَقِمِ الصَّلٰوةَ سے سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا تک)

گذشتہ آیات میں عقائد معاد، نبوت اور مختلف معاشرتی اخلاقی اور تمدنی احکام کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا۔ صرف عبادات کی توضیح کوئی باقی تھی۔ عبادات میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے اسی کو عماد دین

کہا گیا ہے۔ اس لئے نماز کی فرضیت کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان آیات
میں بیان فرمائی۔ اس کے علاوہ آیت مذکورہ بالا میں رسول اللہ ﷺ کو
خارج البلد کرنے کا ناپاک ارادہ اور اجتماعی مشورہ ظاہر فرمایا تھا۔
قوی دشمنوں کا جتھا اور پھر پورے جتھے کا ایذا رسانی پر اجتماع یقیناً
ہر شخص کے لئے باعث خطرہ ہو سکتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ بھی فطرت بشری
سے خالی نہ تھے اسلئے ممکن تھا کہ کفار کی یورش سے آپ کو اندیشہ پیدا
ہو جاتا اور دل میں کچھ گھبراہٹ ہوتی۔ بنا بریں نماز کا حکم دیا۔ کیونکہ
نماز ہر خوف و ہراس کو دور کر دیتی ہے۔ مناجات الٰہی سے تمام طاغوتی
طاقتوں کا ڈر زائل ہو جاتا ہے تشویش دماغی دور ہو کر روح میں سکون
اور دل میں اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ تمام اسباب سے نظر ہٹ کر ذات مسبب
پر جم جاتی ہے اسی لئے صحیح الاسناد حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی دشوار کام
پیش آ جاتا تو حضور والا نماز کی طرف رجوع فرماتے۔ ہم آیات کا تفسیری مطلب
بیان کرنے سے پہلے تکمیل اجزا اکر کے ہر جز کی تنقیح کرتے ہیں تا کہ تفسیری معنی کے
سمجھنے میں سہولت ہو جائے۔

(۱) أَقِمِ الصَّلٰوةَ - یہ حکم وجوبی ہے۔ باجماع مفسرین اس سے نماز
پنجگانہ مراد ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمارے اور مشرکوں کے درمیان
فرق (یعنی کھلی ہوئی حد فاصل) نماز ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے قصداً
نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ کفر تنبیہی ہے یعنی
کفر سے قریب ہو گیا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کفر حقیقی ہے۔ قصداً تارک صلوٰۃ
سے آدمی مرتد واجب القتل ہو جاتا ہے۔

(۲) لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ - دلوک کے لغوی معنی ہیں ہٹ جانا۔ ڈھل جانا۔
وقت زوال اور وقت غروب کے آفتاب کو عرب دالکہ کہتے ہیں (بقول
ازہری) اس لئے کہ ان دونوں وقتوں میں آفتاب ایک حالت سے دوسری
حالت کی طرف ٹل جاتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ دلوک شمس کا
وہ وقت ہے جب آفتاب غروب ہو جائے یا زرد پڑ جائے یا ایک طرف
کو جھک جائے یا ٹھیک خط نصف النہار سے اتر جائے۔ لغوی معنی کے
اختلاف کی وجہ سے تفسیری مراد میں بھی تابعین و صحابہ کا اختلاف ہے
ابن مسعود، نخعی، مقاتل، ضحاک، سدی، مجاہد، اور ابن زید وغیرہ
کے نزدیک آیت میں دلوک سے مراد غروب آفتاب ہے۔ واحدی نے
بسیط میں حضرت علیؓ کی طرف بھی اس قول کو منسوب کیا ہے۔ لیکن ابن عباسؓ
ابن عمرؓ جابر بن عبد اللہ، ابو برزہ اسلمی صحابی اور دیگر اکابر تابعین و علماء
کا قول ہے کہ دلوک سے وقت زوال مراد ہے۔ جمہور کا بھی یہی مسلک ہے
ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ایک روایت میں ابن مسعودؓ ضحاک
اور مجاہد کا بھی یہی قول منقول ہے۔ اس قول کا استشہاد دو حدیثوں سے
کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اتانی جبرئیل لدلوک
الشمس حین زالت فصلی بی الظہر - جبرئیل دلوک آفتاب یعنی زوال
کے وقت میرے پاس آئے اور مجھے ظہر کی نماز پڑھائی ظاہر ہے کہ ظہر کی نماز
غروب آفتاب کے وقت نہیں ہوتی۔ پھر حضور نے دلوک کی تشریح زوال
سے خود ہی فرما دی۔ دوسری حدیث حضرت جابر سے مروی ہے۔ جابر فرماتے
ہیں میں نے رسول پاک ﷺ اور صحابہ کی دعوت کی۔ حضور کھانے سے فارغ ہو کر
زوال آفتاب کے وقت میرے گھر سے چلے اور باہر نکل کر آواز دی ابو بکر
نکلو یہ آفتاب کے دلوک کا وقت ہے۔ جمہور کے مسلک پر زوال آفتاب
سے رات کی تاریکی چھا جانے تک چار نمازوں کا حکم ہوا۔ ظہر، عصر،
مغرب، عشاء۔ ابن عادل اور امام رازی نے اسکی صراحت کر دی ہے۔

(۳) وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ - اس سے صبح کی نماز مراد ہے۔ عشاء اور فجر کی
نماز میں نیز فجر اور ظہر کی نماز میں چونکہ کافی فصل ہوتا ہے پھر فجر کی نماز
میں جاذبیت، اہمیت اور انتقال حالت کے ہمہ گیر تاثرات ہوتے ہیں۔
اس لئے نماز صبح کو مستقل طور پر بیان فرمایا۔ اس طرح سے پانچوں نمازوں
کا حکم ہو گیا۔ جیسے سنت متواترہ سے برابر عملدرآمد ہو رہا ہے۔ عقلی طور
پر بھی پنجگانہ فرائض کا ثبوت مکمل ہو سکتا ہے جو تفصیل طلب ہے۔ مختصر
یہ کہ اگرچہ ہر آن و ہر سیکنڈ عالم میں تغیر اور انقلاب ہوتا رہتا ہے کوئی لمحہ
تبدیل حالات و کیفیات سے خالی نہیں لیکن نمایاں اور محسوس تغیر صرف
پانچ ہی وقت ہوتا ہے جس کو ہر عامی اور بے پڑھا لکھا آدمی بھی جانتا اور
محسوس کرتا ہے۔ ایک تو زوال آفتاب کے وقت جب آفتاب اپنا انتہائی
عروج ختم کر چکتا ہے۔ دوسرا اس وقت جب آفتاب کی تمازت و حدت
میں نمایاں کمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ تیسرا اس وقت جب آفتاب
غروب ہو جاتا ہے اور رات کی تاریکی مشرق سے پھیلنے لگتی ہے۔ چوتھا
اس وقت جب رات کی تاریکی تمام عالم پر کافی طور پر مسلط ہو جاتی ہے
اور سکون جسمانی و روحانی کا وقت آ جاتا ہے۔ پانچواں اس وقت جب
آفتاب کی آمد کی ہراول فوج یعنی صبح صادق کی روشنی افق پر نمودار ہو جاتی
ہے۔ یہ پانچوں اوقات واضح تغیرات کے ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان اوقات
میں عبادت الٰہی (بطور سنت متواترہ) فرض ہے۔

(۴) اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا - مشہود وہ شی اور وہ آدمی
جس کے پاس لوگ جمع ہوں۔ صبح کی نماز میں دن اور رات کے فرشتے جمع
ہوتے ہیں۔ رات کے فرشتے جو انسان کے اعمال کے نگراں اور اس کے
محافظ ہیں جاتے ہیں اور دن کے آتے ہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ جماعت فجر
کے حاضرین کے متعلق اللہ کے پاس جا کر فرشتے شہادت دیتے ہیں۔ دونوں
مطلب کی تائید احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔
حافظ ابن کثیر نے ابن مسعودؓ و ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ
نماز فجر میں رات و دن کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔

بخاری نے مرفوعًا بیان کیا کہ جماعت کی نماز انفرادی نماز سے پچیس درجہ افضل ہے
اور فجر کی نماز میں شب و روز کے ملائکہ جمع ہوتے ہیں۔ اگر اس کا ثبوت چاہتے
ہو تو اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا پڑھو۔ یہ آخری فقرہ حضرت ابوہریرہؓ کا ہے۔
احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم
حاکم، بیہقی اور ابن مردویہ وغیرہ نے اسی مضمون کی مرفوع حدیث نقل کی ہے۔
صحیحین میں ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رات و دن کے
ملائکہ علی التعاقب آتے ہیں۔ نماز فجر اور نماز عصر میں دونوں گروہوں کا اجتماع
ہوتا ہے۔ رات والے فرشتے جب صعود کرتے ہیں تو خداتعالیٰ باوجود کامل
طور پر جاننے کے فرشتوں سے دریافت کرتا ہے کہ میرے بندوں کو تم نے کس
حال پر چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں پروردگار! جب ہم اُن کے پاس گئے تھے
اُس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم نے اُن کو چھوڑا تب بھی وہ
نماز میں تھے۔ اس حدیث سے دونوں باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ نماز
فجر میں شب و روز کے ملائکہ جمع ہوتے ہیں۔ دوئم یہ کہ رات کے فرشتے
بارگاہِ الٰہی میں جا کر حاضرین صلوٰۃ فجر کے متعلق شہادت دیتے ہیں۔ گویا
مشہود کے دونوں معنی صحیح ہوگئے۔

(۵) وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ۔ ابوعبیدہ اور ابن الاعرابی نے کہا
ہجود لغات اضداد میں سے ہے۔ اس کے معنی خواب اور بیداری دونوں
ہیں۔ ازہری کا قول ہے ہجود کے اصل معنی خواب کے ہیں لیکن باب تفعّل میں
لا کر ترک خواب کے معنی ہوجاتے ہیں۔ جیسے اِثم گناہ کرنا اور تَاَثُّم
گناہ کو ترک کرنا۔ اسی طرح ہجود سونا اور تہجّد خواب کو ترک کرنا۔ نماز
تہجد کے لئے شروع رات میں سونا ضروری ہے۔ سو کر اٹھنے کے بعد نماز
تہجد ہوتی ہے۔ یہ قول مجاہد، علقمہ اور اسود کا ہے۔ واحدی نے کہا رات
کو نفل نماز پڑھنا یعنی سو کر اٹھنے کے بعد ہو یا رات بھر نہ سوئے، تہجد ہے
باتفاق جمہور علماء نماز تہجد کا وقت آدھی رات کے بعد سے صبح صادق تک
ہوتا ہے خواہ ابتدائی نصف میں سوجائے یا نہ سوئے۔

رسول پاکؐ تہجد کی نماز ہمیشہ پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے قول سے
ثابت ہے کہ رمضان و غیر رمضان میں حضورؐ کی تہجد کی نماز گیارہ رکعت سے
سے زائد نہ ہوتی تھی۔ چار چار نفلوں کی نیت باندھتے تھے اور تین وتر
پڑھتے تھے۔ دو دو رکعت کی نیت باندھنے کا بھی بعض احادیث صحیحہ سے
ثبوت ملتا ہے۔ زید بن خالد جہنی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ
تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔

(۶) نَافِلَةً لَّكَ۔ کیا نماز تہجد واجب تھی؟ اس کے متعلق علماء
کا اختلاف ہے۔ صحیح فیصلہ یہ ہے کہ آغاز اسلام میں (سورۂ مزمل کی
صراحت کے بموجب) سب پر تہجد کی نماز واجب تھی تو نَافِلَةً لَّكَ کا
کیا مطلب ہے؟ اس کی توضیح اس طرح کی گئی ہے کہ نافلہ سے نفل اصطلاحی
مراد نہیں۔ بلکہ نافلہ کا ترجمہ ہے زائدہ یعنی تہجد کی نماز فرائض پنجگانہ پر زائد
ہے۔ خواہ یہ زیادتی بطور استحباب ہو یا بطور وجوب حضور اقدسؐ کے لئے
یہ زیادتی بطور وجوب تھی اور عام امت کے لئے بطور نفل۔ ابن عباس، عام
شوافع و احناف اور ابن جریر وغیرہ کا یہی قول ہے۔ صحیح مسلم، سنن بیہقی،
اور طبرانی کی معجم اوسط کی روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس وقت
ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ تہجد کی نماز پڑھیں۔ تہجد کی نماز آپ کے لئے بطور
وجوب مزید مقرر کی گئی ہے۔ لیکن واحدی اور مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ تہجد
کی نماز حضور کے لئے بھی نفل ہی تھی۔ وجوب جس طرح عام امت سے ساقط
ہوگیا، اسی طرح حضورؐ سے بھی ساقط ہوگیا۔ مسند امام احمد میں ابوامامہ
باہلیؓ کی جو روایت موجود ہے اس سے اسکی تائید ہوتی ہے۔ رہی یہ بات
کہ جب رسول پاکؐ کے لئے بھی تہجد کی نماز نفل تھی تو پھر تخصیص کی کیا وجہ
اس کی توجیہ واحدی نے اس طرح کی ہے کہ تہجد کی نماز سے حضورؐ کے مراتب
کی بلندی اور زیادتی مقصود تھی۔ گناہوں کی معافی کے لئے تہجد کے نوافل تھے
کیونکہ حضورؐ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیئے گئے تھے۔ اسی لئے
جب بکثرت قیام شبینہ کی وجہ سے حضورؐ کے قدموں پر ورم آگیا اور صحابہ
نے عرض کیا حضورؐ کیوں اس قدر ریاضت کرتے ہیں آپ کے تو اگلے پچھلے
سب گناہ خداتعالیٰ نے معاف کر دیئے ہیں۔ تو حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا
کہ قیام شب مجھ پر واجب ہے بلکہ فرمایا میں (اس بات کا شکر ادا کرنا
چاہتا ہوں) کیا میں شکرگزار بندہ نہ ہوں۔ ہاں امت کے لئے تہجد کی
نماز اگرچہ نفل ہے۔ مگر گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔ اس سے گناہوں
کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ غرض حضورؐ کے لئے یہ نماز خصوصیت کے ساتھ زائد
تھی۔ یعنی کفارۂ ذنوب کا سبب نہ تھی بلکہ رفع درجات اور ازدیاد مراتب
کا ذریعہ تھی اور ہمارے لئے زائد نہیں۔ یعنی گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔

(۷) مقامِ محمود۔ پسندیدہ مقام یعنی مقام شفاعت یا وہ مقام
جہاں حضورؐ کو قیامت کے دن لواء الحمد عطا کیا جائے گا۔ ابن کثیر نے
حضور والا کی گیارہ خصوصیات ذکر کی ہیں جو قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی
سرکار عالی سے حضورؐ کو عطا کی جائیں گی۔ (۱) سب سے پہلے زمین سے حضورؐ ہی
برآمد ہونگے (۲) میدان محشر میں سوار ہوکر چلینگے۔ (۳) آپ کے
دست مبارک میں لواء الحمد ہوگا اور تمام انبیاء زیر سایہ ہوں گے۔
(۴) حوض کوثر کا اختیار آپ ہی کو ہوگا (۵) شفاعت کبریٰ کا حق آپ
ہی کو ہوگا۔ (۶) آپ ایسے لوگوں کی شفاعت کرینگے جن کو دوزخ میں لیجانے
کا حکم ہوچکا ہوگا اور حضورؐ کی شفاعت سے اُن کو دوزخ سے واپس
کردیا جائیگا۔ (۷) ہر نبی کی امت سے پہلے آپ کی امت کا فیصلہ ہوگا
(۸) سب سے پہلے پل صراط پر آپ ہی عبور کریں گے۔ (۹) جنت میں
سب سے پہلے آپ ہی داخل ہونگے (۱۰) مقام وسیلہ آپ ہی کو عطا ہوگا

(۱۱) سب امتوں سے پہلے آپ ہی کی امت جنت میں داخل ہوگی۔

اس آیت میں صرف مقام محمود کا تذکرہ ہے جس کے متعلق کتب احادیث میں صحیح الاسناد روایات بکثرت موجود ہیں۔ اختلافی الفاظ کو چھوڑتے ہوئے ہم خلاصہ لکھتے ہیں۔ قیامت کی سختی، ہولناکی اور شدت تکالیف سے گھبرا کر لوگ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت عیسٰی تک تمام بڑے بڑے انبیاء کے پاس جائینگے اور امداد کے خواستگار ہونگے۔ مگر ہر شخص نفسی نفسی کہتا ہوا اعانت سے انکار کریگا اور اپنی کمزوری کو بطور معذرت پیش کریگا۔ بالآخر حضور اقدسؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کرینگے۔ حضور رسالمآب بیکسوں کی حامی، مصیبت زدوں کے دستگیر ہیں درخواست قبول کرلینگے اور فرمائینگے ہاں الحمد للہ آج یہ میرا ہی کام ہے۔ اس کے بعد سربسجود ہو کر دیر تک اللہ کی حمد وثنا اور گنہگاروں کے لئے دعا کرتے رہیں گے۔ حکم ہوگا محمد سر اٹھاؤ کہو آج تمہارا کہنا سُنا جائیگا۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائیگی۔ مانگو جو مانگو گے تم کو دیا جائیگا۔ حضورؐ گنہگاروں کی معافی کی التجا کرینگے۔ گناہگاروں کی ایک مقرر تعداد کو دوزخ سے رہائی مل جائیگی۔ دوبارہ سجدہ میں گر کر مزید درخواست کرینگے۔ پھر ایک مقررہ تعداد دوزخ سے خلاصی پائیگی تیسری بار پھر سربسجود ہو کر التجا کریں گے تو سوائے کفار و مشرکین کے سب کو دوزخ سے نکال لیا جائیگا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز پابندی سے اعتدال ارکان کے ساتھ پڑھو خاص کر فجر کی نماز تو بہت اہم ہے۔ کیونکہ فجر کی نماز میں شبانہ روز کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ فجر کی نماز کے علاوہ باقی چار نمازوں کے اوقات زوال آفتاب سے لیکر رات کی تاریکی کے چھا جانے کے وقت تک ہیں۔ اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھا کرو۔ یہ نماز تمہارے لئے زائد ہے۔ اس زیادتی کی وجہ یہ ہے کہ عنقریب مقام محمود میں تم کو شفاعت کرنے کے لئے کھڑا کیا جائیگا (اور اس مقام کے حصول کے لئے شب کا سوز وگداز ضروری ہے)

سکون روحانی اور اطمینان قلبی کے حصول کی تدبیر جب بتا چکا تو اس سے آگے اُس امر مقدر کے متعلق دعا کرنے کی تلقین کی جو کفار کی قوت سے نہیں بلکہ اسلامی مصالح کے پیش نظر ہونا ضروری تھا۔ بمشیت الٰہی مکہ چھوڑنا اور مدینہ میں سکونت رکھنا ضروری تھا۔ اسلام کی ترقی اور اشاعت بظاہر اسباب اسی پر موقوف تھی۔ مکہ وسط حجاز میں تھا۔ جزیرۂ عرب کے باہر کہیں بیٹھ کر تبلیغ اسلام کرنی دشواری سے خالی نہ تھی۔ مدینہ شام سے کسی قدر قریب تھا۔ یہاں سے وفود روانہ کرنا اور اشاعت اسلام کرنا نسبتاً سہل تھا اسلئے بہ نسبت مکہ کے مدینہ کی سکونت قابل ترجیح تھی۔ لیکن ترک وطن بھی آسان کام نہیں۔ بہت سے لوگ وطن ترک کرتے ہیں لیکن کہیں حصول مال کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ کہیں حکومت وتسلط کا عاطفہ برسرکار آتا ہے کہیں انتقام کا داعیہ ہیجان انگیز ہوتا ہے۔ اور یہ سب نفسانی جذبات ہوتے ہیں جو پیغمبر کے لئے کسی طرح زیبا نہیں۔ نبی کی زندگی تو دعوت حق کے لئے وقف ہونی ضروری ہے۔ دینوی اغراض ومقاصد سے اُس کا مطمح نظر بہت بلند ہونا لازم ہے۔ اس لئے سچائی کے ساتھ ترک وطن کی دعا کرنے کی تعلیم دی۔ پھر جہاں جانا تھا وہاں کے لوگ چشم دیدبان بنے ہوئے تھے۔ بچہ بچہ مشتاق قدوم تھا۔ عورتیں اور بچیاں آنکھوں کو فرش راہ بنانے کے لئے تیار تھیں۔ بہادروں کی کافی جماعت حمایت پر آمادہ تھی۔ معاہدہ ہوچکا تھا اس لئے ممکن تھا کہ کفار مکہ کی ظالمانہ یورش اور بے رحمانہ برتاؤ سے رہائی کے وقت مدینہ والوں کی شفقت و حمایت کا انسانی تخیل پیدا ہوتا اور حضور والا باقتضاء بشری ظاہری اسباب کی سازگاری پر بھروسہ کرنے کا تصور قائم کرلیتے۔ اس لئے مدینہ میں خلوص نیت اور سچائی کے ساتھ داخل ہونے کی دعا کی تلقین فرمائی اور فرمادیا قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ الخ۔ پھر مدینہ کی سرحدیں اُن عظیم سلطنتوں کی حدود سے ملتی تھیں جو اُس زمانے میں مشرق ومغرب کی سب سے زیادہ پرجلال وباجبروت سلطنتیں تھیں یعنی حکومت ایران اور دولت روم۔ اور رسول اللہؐ کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا کرنا اور مانع ہونا ان حکومتوں کی طرف سے یقینی امر تھا۔ اسلام کا سیلاب مدینہ میں رُکنے والا نہ تھا۔ اس کا بہاؤ فارس وروم کی طرف بھی ہونا لازم تھا۔ مگر ان ممالک کی حکومتوں نے بند بھی ایسے سخت باندھ رکھے تھے کہ کوہ افگن طوفان بھی اُن کو نہ توڑ سکتا تھا۔ اس لئے قوت وشوکت اور غیبی امداد کے حصول کے لئے دعا کرنے کا بھی حکم دیا اور فرمادیا وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط

تم کہدو کہ حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ وَنُنَزِّلُ

بیشک باطل نابود ہونے والا ہی تھا ہم قرآن کی

مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ

وہ آیتیں نازل کرتے ہیں جو ایمان داروں کے لئے شفاء

لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا

اور رحمت ہے اور ظالموں کے نقصان میں تو اور اضافہ ہی ہوتا ہے

تفسیر

جب تینوں طرح کی دعاؤں کی تلقین فرما چکا اور حضور ؐ نے بھی حکم الٰہی کی تعمیل نہایت خلوص کے ساتھ کرلی تو نتیجہ بالکل صاف تھا۔ خلوص سے دعا اور وہ بھی معصوم پیغمبر کے سوز دروں سے نکلی ہوئی دعا کس طرح ضائع جاسکتی تھی۔ زبان مبارک سے الفاظ کا نکلنا تھا کہ اُدھر اجابت و قبولیت منتظر کھڑی تھی۔ سچائی کے ساتھ مکہ کو چھوڑا سچائی کے ساتھ مدینے میں داخل ہوئے۔ غیبی امداد بھی دوش بدوش چلنے لگی جس کے آخری نتیجہ کا اعلان کرنے کا بھی حکم ہوگیا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ الخ یعنی اب اعلان کردو کہ کفر و بدکاری، سفاکی و ستم رانی کا زمانہ جاتا رہا۔ مظلوم انسانیت کی قربانی کا دور ختم ہوگیا۔ بشریت کبریٰ کی تذلیل کا عہد گذر گیا اور حق و صداقت کے غلبہ و ظہور کا وقت آگیا۔ باطل کی تاریکی مٹ گئی اور سچائی کی روشنی نکل آئی۔ بیمار روحیں تھیں بیمار دل تھے۔ معاشرت و اخلاق تمدنیت و سیاست ہر چیز بیمار تھی یہاں تک کہ انسان کی نورانی فطرت بیمار ہوچکی تھی۔ پھر بیماروں میں دو گروہ تھے ایک گروہ صحت کا خواستگار تھا۔ علاج کا طالب تھا۔ حاذق طبیب کا جویاں تھا۔ نسخۂ شفا کی اسکو جستجو تھی۔ دوسرا گروہ غفلت شعار تھا اُس کو اپنی بیماری بیماری نہ معلوم ہوتی تھی۔ مرض کا احساس بھی فوت ہوچکا تھا۔ پھر طبیب، نسخۂ شفا اور علاج کی اُسکو کیا ضرورت ہوتی۔ یہ طبقہ اُن حق ناشناس تباہ کار لوگوں کا تھا جو عدم احساس مرض اور علاج نہ کرنے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کررہے تھے اور دوسرے اشخاص کے دماغوں سے بھی بیماری کا احساس دور کرنا چاہتے تھے۔ نسخۂ شفا آیا طبیب حاذق رحمت مجسم بنکر نمودار ہوا۔ رسول پاک ؐ نے تمام امراض کو دور کرنے کے لئے کتاب الٰہی کو پیش کردیا۔ جو لوگ نسخۂ شفا کے طلبگار تھے اور طبیب کامل کے جویاں تھے وہ دوڑے، ہاتھوں ہاتھ نسخہ کو لیا، سر پر رکھا، حرز جاں بنایا، نسخہ میں لکھی ہوئی دوائیں استعمال کیں اور بتایا ہوا پرہیز رکھا، شفاء کامل ہوگئی ابدی ہلاکت سے بچاؤ ہوگیا، دوامی زندگی نصیب ہوئی۔ اور مؤخر الذکر بدنصیب ظالم گروہ طبیب سے لڑنے لگا۔ ناواقف اور جاہل تھا۔ مگر طبیب کی تشخیص اور تجویز پر حرف گیری اور نکتہ چینی کے درپے ہوگیا۔ طبیب نے جو دوا کھانے کو بتائی وہ نہ کھائی۔ جو غذا تجویز کی اُس کی مخالفت کی۔ جن چیزوں سے پرہیز کی ہدایت کی اُن سے پرہیز نہ رکھا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا، بیماری میں اضافہ ہوگیا۔ بجائے نفع کے نقصان بڑھتا گیا۔ بالآخر ابدی ہلاکت نے آگھیرا۔ اور دوامی موت نصیب ہوئی۔ یہی مطلب ہے آیت وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ الخ کا۔

ضروری تنقیح

مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد مدینہ اور مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مراد مکہ ہے۔ ابن عباس، قتادہ اور حسن بصری کا یہی قول ہے۔ ابن کثیر نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔ ہم نے بھی اسی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے تفسیر کی ہے۔ لیکن تفسیر معالم و سراج میں ضحاک کا ایک قول نقل کیا ہے کہ مُدْخَلَ صِدْقٍ سے بھی مکہ ہی مراد ہے۔ اس تقدیر پر دعا کا مطلب یہ ہوگا کہ پروردگار مجھے خوبی سچائی اور حسن نیت کے ساتھ مکہ سے نکال اور پھر دوبارہ خوبی اور سچائی کے ساتھ مکہ میں داخل فرما گویا اس سے فتح مکہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ عوفی کی روایت میں ہے کہ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ سے ادخال قبر اور اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ سے بعث بعد الموت مراد ہے۔ یعنی پروردگار مجھے خوبی کے ساتھ قبر میں پہونچا اور اچھائی کے ساتھ قیامت کے دن قبر سے نکال۔ مجاہد نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ پروردگار تو نے تبلیغ رسالت اور اشاعت اسلام کا جو کام میرے سپرد فرمایا ہے اُس کو ادا کرنے کی اچھی توفیق عنایت کر اور فریضۂ رسالت میں بخوبی داخل فرما۔ پھر دنیا سے مجھے ایسی حالت میں نکال کہ میں اپنا فرض بخیر و خوبی ادا کرچکا ہوں۔ بعض نے ادخال سے غار ثور میں داخل کرنا، اور اخراج سے غار ثور سے نکالنا مراد لیا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ادخال جنت اور اخراج از مکہ مراد ہے۔

ایک شبہہ اور اُس کا ازالہ

اس سورت کی آٹھ آیات مکی نہیں ہیں جن میں سے ایک آیت رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ الخ بھی ہے۔ پھر ہجرت سے پہلے اس کا نزول نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ادخال مدینہ اور اخراج از مکہ مراد لینا قطعاً غلط ہے۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ اول تو بعض مفسرین کے نزدیک کل سورت بغیر کسی استثناء کے مکی ہے۔ مدنی کوئی آیت نہیں۔ دوسرے یہ کہ مدنی وہ آیات کہلاتی ہیں جو مکہ سے ہجرت کرجانے اور مکہ کو چھوڑنے کے بعد نازل ہوئی ہیں خواہ مکہ اور مدینہ کے درمیان یا مدینہ پہونچکر اس لئے ممکن ہے کہ مکہ سے روانگی کے فوراً بعد یا وسط راہ میں یا مدینہ کے قریب پہنچکر اس آیت کا نزول ہوا ہو اور حکم ہجرت اس سے پہلے ہوگیا ہو۔

نوٹ:۔ مجاہد کے نزدیک سُلْطَانًا نَّصِيْرًا سے حجت قاہرہ اور دلیل غالب مراد ہے۔ مادی طاقت مراد نہیں۔ لیکن قتادہ اور حسن بصری کا وہی قول ہے جس کے مطابق ہم نے تفسیر کی ہے۔ ابن جریر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ ابن کثیر نے اسی کو پسند کیا ہے۔

مقصود بیان:۔ پنجگانہ نماز فرض ہے۔ فجر کی نماز اپنے اندر خاص اہمیت اور جاذبیت رکھتی ہے۔ نماز فجر میں شبانہ روز کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ رات کے کچھ حصے میں نماز تہجد پڑھنی سنت جاریہ ہے رسول پاک ؐ کے لئے نماز تہجد واجب تھی۔ مگر حضور ؐ کی یہ نماز ترقی مراتب کا ذریعہ تھی، کفارۂ ذنوب کا سبب نہ تھی۔ شب کا سوز و گداز، اور رات کی عبادت بہت فضیلت رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضور اقدس ؐ کو مقام محمود یعنی مقام شفاعت عطا فرمایا ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ زندگی، موت

تفسیر ان آیات میں تین مسائل کا حل کیا ہے۔ الوہیت، نبوت اور حشر آخرت۔ گذشتہ آیات میں آسمان و زمین کی تخلیق سے بعثت آخرت پر استدلال کیا تھا۔ فی الجملہ اسکی تائید ان آیات سے ہوتی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ انسان اپنی جبلت، سرشت اور طبیعت کے اعتبار سے بخل پسند واقع ہوا ہے (اگرچہ بعض لوگ طبعًا فیاض بھی ہوتے ہیں مگر آدمی کی عمومی حالت بخل پرستی پر مبنی ہے۔ اسی فطری کنجوسی کو بعض لوگ ناجائز طور پر مآل اندیشی اور انجام بینی کہتے ہیں) اگر اللہ کی رحمت کے مادی روحانی مالی اور علمی خزانے انسان کے بس میں ہوتے تو وہ باقتضاء فطرت خداداد خزانوں میں سے صرف کرتا اور دوسروں کو دینا بند کر دیتا اور جہاں تک ممکن ہوتا اپنی طبیعت کو روکتا اور خیال کرتا کہ شاید اس فیاضی کے سبب مجھے افلاس و ناداری سے دوچار ہونا پڑ جائے یعنی اگر خدا تعالیٰ آدمی کے قبضہ میں اپنے مادی اور مالی خزانوں کی کنجیاں دیدیتا تو باندیشۂ فقر وہ مال کسی کو نہ دیتا۔ اگر تخلیق و ایجاد کی غیبی قوتیں اس کو مل جاتیں اور مخلوق کے پیدا کرنے پر اس کو اختیار ہوتا تو وہ پیدا کرنے میں کنجوسی سے کام لیتا اور یہ خطرہ کرتا کہ کہیں پیدا کرتے کرتے تخلیقی خزانہ ختم نہ ہو جائے۔ اگر نبوت کرامت اور معرفت کا ذخیرہ اسکو عطا کر دیا جاتا تو کسی کو نبی بنانے اور علم عطا کرنے میں اس کو پس و پیش ہوتا۔ پھر اگر حشر آخرت اور ثواب عاقبت پر کہیں اس کا تصرف ہو جاتا تو وہ دوبارہ کسی کو پیدا کرتے کرتے ڈرتا کہ کہیں ثواب و اجر کا اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔ غرض بخل پسند انسان ہمیشہ چون و چرا اور لیت و لعل میں رہتا۔ فیاضی اور فراخ حوصلگی سے کام نہ لیتا اور اللہ کے بے پایاں خزائن کا مالک ہوتے ہوئے بھی اُس کو فقر و افلاس کا اندیشہ لگا رہتا۔ لیکن اللہ فیاض ہے۔ اُس کے خزائن رحمت میں کوئی کمی نہیں۔ سرکش کافروں اور جفاکار نافرمانوں کو بھی وہ فراخی کے ساتھ تمام سامان عیش عطا کرتا ہے۔ زمین آسمان، کائنات سماوی و ارضی اور کل موجودات اُس کی فیاضی کا اظہار کر رہی ہیں اُس نے اپنی ذاتی فیاضی سے بغیر کسی ذاتی غرض کے عالم کو بنایا۔ زمین پر انسان کو بسایا۔ اُس کی بقاء زندگی کے کل سامان فراہم فرمائے پھر روحانی سعادت اور ابدی نجات دینے کے لئے قوانین و ضوابط نازل فرمائے۔ کتابیں صحیفے اور انبیاء بھیجے۔

دیکھو فرعون اور اُس کی سرکش قوم کو خدا نے کتنا عروج دیا۔ مادی خزانوں کے دروازے اُن کے لئے کھول دیے۔ پھر اُس کا فیض اسی حد پر بند نہ ہو گیا۔ بلکہ اہل کفر کو ہدایت کرنے اور بنی اسرائیل کو کافروں کے پنجہ سے رہا کر کے باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے اُس نے موسیٰ کو مبعوث فرمایا اور حق و باطل کا امتیاز ظاہر کرنے کے لئے اُن کو کھلی ہوئی نو نشانیاں عطا کیں۔ موسیٰ نے وہ نشانیاں پیش کیں۔ فرعون نے انکار کیا۔ وہ کور بصیرت تھا۔ بصیرت انگیز آیات سے بھی اُسکو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم :: چشمۂ آفتاب را چہ گناہ :: بجائے اقرار حق کے موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کے استیصال کی فکر میں ہو گیا۔ بالآخر خدا نے فرعون کو غارت کیا۔ بنی اسرائیل کو ارض مصر کا مالک کیا اور نہ فقط ارض مصر بلکہ ملک شام بھی سکونت کے لئے اُن کو دیدیا اور صاف طور پر کہدیا کہ (دنیا کے کسی حصہ میں تم رہو کتنے ہی منتشر اور پراگندہ ہو گے) قیامت آئیگی تو تم سب کو سمیٹ کر بلا لیا جائیگا۔

آیات مذکورہ میں چند امور بحث طلب ہیں :-

نو آیات سے کونسی نو آیات مراد ہیں؟ احکام مراد ہیں یا معجزات۔ بعض علماء تفسیر کا خیال ہے کہ نو احکام مراد ہیں۔ اس قول کی تائید اُس روایت سے ہوتی ہے جسکو امام احمد نے باسناد عبداللہ بن سلمہ حضرت صفوان بن عسال صحابی سے نقل کیا ہے۔ صفوان کہتے ہیں کہ دو یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ آیت وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ سے کونسی نو نشانیاں مراد ہیں؟ حضور نے فرمایا نو آیات یہ تھیں :- (۱) شرک مت کرو (۲) چوری نہ کرو (۳) زنا سے بچو (۴) کبھی کو ناحق قتل نہ کرو (۵) جادو مت کرو۔ (۶) سود مت کھاؤ (۷) کسی بے گناہ کو سزا دلوانے حاکم کے پاس مت لے جاؤ (۸) کسی پاک دامن بی بی پر زنا کی تہمت مت لگاؤ (۹) جہاد میں دشمن سے نہ بھاگو۔ اور تمہارے لئے خصوصیت کے ساتھ (دسویں بات) یہ بھی تھی کہ سنیچر کے دن کی عظمت قائم رکھو الخ۔ رواہ ابن جریر فی تفسیرہ وابن ماجہ والنسائی وقد رواہ الترمذی وقال حسن صحیح۔

ناقدین نے چونکہ عبداللہ بن سلمہ کو ضعیف الحافظہ کہا ہے اس لئے شیخ ابن کثیر نے اس روایت پر اعتماد نہیں کیا اور روایت کی کمزوری کے علاوہ درایت کے خلاف بھی اس کو قرار دیا ہے کیونکہ یہ احکام تو وہی ہیں جن کو وصایا توریت کہا جاتا ہے اور جن کی تعلیم حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو دی تھی۔ فرعون کے مقابلہ میں ان احکام کو پیش کرنے سے حضرت موسیٰؑ کی نبوت ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے آیات سے مراد معجزات ہیں ابن عباس، حسن بصری، قتادہ، عکرمہ، مجاہد اور شعبی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ معجزات کی تعیین میں قدرے اختلاف ہے۔ ابن عباس اور حسن بصری وغیرہ نے بعض معجزات کی تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مندرجۂ ذیل معجزات مراد ہیں :- عصا کا سانپ بن جانا اور جادوگروں کی تمام رسیوں کو نگل لینا۔ ہاتھ کے چھالے کا اس قدر روشن ہو جانا کہ دیکھنے والوں کی نگاہ نہ ٹھیر سکتی تھی۔ زبان کی گرہ کھول کر لکنت دور کر دینا۔ سمندر کا پھٹ جانا اور بنی اسرائیل کے گذرنے

کے لئے خشک راستے بن جانا۔ طوفان بارش، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور آخر میں قبطیوں کے لئے ہر قسم کے پانی کا خون بن جانا۔

(۲) اسْكُنُوا الْأَرْضَ۔ ارض سے کونسی زمین مراد ہے؟ وہ جو اہل تاریخ قائل ہیں کہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر مصر پہنچے یا یہ کہ بنی اسرائیل سب کے سب مصر سے چلے نہیں آئے بلکہ کچھ وہیں رہ گئے تھے تو اُن کے نزدیک مصر کا ملک مراد ہے۔ لیکن اہل تفسیر نے سرزمین شام مراد لی ہے۔ کیونکہ تاریخ صحیح طور پر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل سب کے سب مصر سے چلے آئے تھے اور حضرت موسیٰؑ دوبارہ بنی اسرائیل کو لیکر مصر واپس نہیں گئے۔

(۳) وَعْدُ الْآخِرَةِ۔ بعض مفسرین کہتے ہیں۔ اس سے دوسرا وعدہ مراد ہے جس کا ذکر اول سورت میں تھا کہ تم دوبارہ سرکشی کروگے اور دوبارہ تم پر آفت آئیگی۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ بربادی کے بعد ہم تم کو پھر ایک جگہ جمع کرینگے۔ چنانچہ بابل کی اسیری کے بعد پھر بنی اسرائیل مجتمع ہوئے اور پھر دوبارہ برباد ہوئے۔ اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ یہ کلام مسئلہ حشر کے متعلق ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جب حیات ثانیہ کا وقت آئیگا تو تمام اگلے پچھلے لوگوں کو ہم سمیٹ کر جمع کرینگے۔

یہاں حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ نقل کرنے سے الوہیت، نبوت عامہ اور حشر جسمانی کے اظہار و ثبوت کے علاوہ یہ بات بھی بیان کرنی مقصود ہے کہ محمدؐ کوئی نئے نبی نہیں کہ اُن کی نبوت کو تسلیم کرنے میں تم کو پس و پیش ہو۔ ان سے پہلے موسیٰ جیسے جلیل القدر نبی بھی آچکے ہیں اور جس طرح تم ان سے معجزات کے طلبگار رہو۔ اسی طرح اہل مصر نے موسیٰؑ سے معجزات طلب کئے تھے۔ مگر تمہاری درخواست معجزات محض عناد و سرکشی پر مبنی ہے۔ اگر حق جوئی کے لئے ہوتی تو جس طرح موسیٰ کے ہاتھ پر معجزات کا ظہور ہوا تھا ویسا ہی تمہاری خواہش کے مطابق محمدؐ کے ہاتھ سے معجزات ظاہر ہوجاتے۔ پھر تم جو محمدؐ کا مقابلہ کررہے ہو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ فرعون اور اُس کے ساتھیوں نے موسیٰ کا بھی مقابلہ کیا تھا۔ مگر انجام کار سب غرق ہو گئے اور بنی اسرائیل کو اُن کی سرزمین کی حکومت عطا کی گئی۔ اسی طرح تم کو بھی غارت کردیا جائیگا اور مسلمانوں کو تمہاری بستیوں کی حکومت دیدی جائیگی اور جس طرح فرعونیوں سے چشمۂ نبوت بند نہ ہوسکا اسی طرح تم محمدؐ کی نبوت کو روک نہیں سکتے۔

چونکہ حضرت موسیٰؑ کو حضور اقدسؐ سے کامل مشابہت تھی جیسا کہ خود حضرت موسیٰؑ نے پیشین گوئی کردی تھی۔ (دیکھو توریت سفر استثناء باب۱۸) اسلئے حضور اقدسؐ کی نبوت کو ثابت کرنے اور کافروں کو غارت کرنے کی تنبیہ کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا۔ اس کے علاوہ اہل مکہ یہودیوں کو اہل علم اور آسمانی کتاب کا حامل سمجھتے تھے

اور انہی کے مشورہ کو مذہبی اختلافی مسئلہ کا حل جانتے تھے۔ اسلئے علی الاعلان فرمادیا کہ بنی اسرائیل سے اس قول کی صداقت معلوم کردیکھو۔ فَاسْئَلْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ میں خطاب اگرچہ رسول اللہؐ کو ہے مگر روئے خطاب اُن لوگوں کی طرف ہے جن کو قرآن پاک کی صراحت اور حضورؐ کی نبوت میں شک واقع ہو۔

مقصود بیان:۔ انسان فطرتاً پست حوصلہ اور ضعیف الاعتقاد واقع ہوا ہے۔ خزائن بے پایاں کا مالک ہوتے ہوئے بھی اس کو افلاس و فقر کا اندیشہ رہنا مقتضائے فطرت ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو حضورؐ سے کسی قدر مشابہت تھی۔ آیات میں حضور اقدسؐ کے غلبہ اور مسلمانوں کی کامیابی کی درپردہ بشارت دینی مقصود ہے اور فتح مکہ کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ کور بصیرت لوگوں کو پیام حق واہی تباہی باتیں معلوم ہوتا ہے اور علمبردار صداقت کو وہ سحرزدہ (یا مجنون) خیال کرتے ہیں جیسا کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو کہا۔ اگر کفر و عصیان کی تمام علامات موجود ہوں اور راہ راست پر آنے کی امید نہ ہو تو اُس کو ملعون یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ اپنے خیال کے مطابق کہنا درست ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی ہدایت سے ناامید ہوکر فرمایا۔ فاراد الخ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ دنیوی جاہ و جلال اور شوکت و سطوت کے مالک اللہ کے نیک بندوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ مگر خدا اپنے نیک بندوں کا ساتھ دیتا ہے اور مغروروں کے جاہ و جلال کو خاک میں ملاکر انجام کار اُن کو تباہ کردیتا ہے۔ آیت اسْكُنُوا الْأَرْضَ بتا رہی ہے کہ حاملان صلاح اور نیکوکار بندے تباہ کاروں کے جانشین کئے جاتے ہیں۔ بدکاروں کی حکومت و شوکت چھین کر اُن لوگوں کو دی جاتی ہے جو امن عالم کے لئے زیادہ مفید اور مفاد عام کے لئے زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔ وغیرہ۔

وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَآ

اور سچائی کے ساتھ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور وہ برحق اترا ہے اور

أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝

تم کو صرف خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لئے بھیجا ہے

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ

اور قرآن کو ہم نے بتفریق اتارا تاکہ تم لوگوں کو ٹھیر ٹھیر کر

عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا ۝ قُلْ

سناؤ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اُسکو رفتہ رفتہ اتارا کہدو

اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

کہ تم قرآن کو مانو یا نہ مانو جن لوگوں کو اس سے پہلے

اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

علم عطا کیا گیا ہے اُن کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا ہے

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّيَقُوْلُوْنَ

تو وہ واقعی ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں

سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا

ہمارا رب پاک ہے ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہوتا ہے

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ

وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور

يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝

قرآن سے اُن کی رقت قلب بڑھ جاتی ہے

تفسیر کفار مکہ قرآن پاک کی سلاست بلاغت اور جامعیت سے جب مبہوت ہوئے اور کوئی جواب نہ بن پڑا تو مختلف لوگوں نے مختلف باتیں کہنی شروع کیں۔ کسی نے کہا محمدؐ شاعر ہیں خود بنا لیتے ہیں۔ کسی نے کہا یمامہ کا رہنے والا الرحمٰن نامی شخص سکھا دیتا ہے کسی نے کہا عجمی غلام جبر لوہاری کا کام کرتا ہے وہ تلقین کرتا ہے۔ کوئی بولا محمدؐ کاہن ہیں۔ کوئی شیطان یا جن یا ہمزاد تابع ہے وہ آکر تعلیم دیتا ہے۔ کسی نے بکا اس کی محمد ساحر ہیں جادو کے زور سے ایسا کلام بناتے ہیں۔ ان سب تراشیدہ خرافات کی تردید کے لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کو حق کے ساتھ ہم نے نازل کیا اور حق کا حامل ہوکر وہ نازل ہوا یعنی اس کو نازل کرنے والے ہم ہی ہیں نہ کسی شیطان یا جن کو اس میں دخل ہے نہ کسی انسان کی ساخت کو پھر حکمت حقہ اور مصلحت نافعہ کے تحت ہم نے اسکو اتارا ہے۔ جیسی ہماری حکمت تھی ویسے ہی نازل کیا کسی کی خواہش و فرمائش کے زیر اثر نہیں اتارا۔ اور اتارا بھی کس کی معرفت اور کس پر؟ ایسے فرشتے کی معرفت جو غلطی نسیان اور خود سازی سے پاک ہے۔ مجسم حق ہے اور رسولِ امین پر جو دروغ بافی غلط بیانی اور اختراع و دماغی سے بالاتر ہے مجسم حق ہے۔ پھر قرآن جن عقائد، احکام واقعات، قصص اور پیشین گوئیوں کو لیکر نازل ہوا وہ سب حق ہیں

ایسی صورت میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ رسول کا کام صرف تبلیغ ہے خواہ بصورت ترغیب ہو یا بشکل ترہیب۔ رسولؐ کو صرف اسلئے بھیجا کہ نیکوکار با عمل بندوں کو نجات ابدی اور سعادت سرمدی کی بشارت دیں اور نافرمان بدکردار کافروں کو ابدی ہلاکت سے ڈرائیں یعنی قرآن کی ساخت میں رسولؐ کی قوت فکریہ، بلاغت بشریہ اور اقتضائیات انسانیہ کو دخل نہیں صرف تبشیر و تنذیر ان کا کام ہے۔

قرآن کی صداقت میں کفار مکہ کو ایک اور شبہہ بھی تھا جس کو اس زمانہ میں بڑے بڑے آریہ مہاشے اور لاٹ پادری پوپ بڑے زور شور کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ قرآن مجموعی طور پر یکدم کیوں نہ نازل ہوا تھوڑا تھوڑا حسب موقعہ کیوں اترا۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول پاکؐ نے جیسا وقت تھا اور جو واقعہ پیش آیا اسی کے مطابق چند آیتیں اپنی طرف سے بنا لیں۔ اگر توریت کی طرح لکھا لکھایا یکدم نازل ہوتا تو یہ شبہہ نہ پیدا ہو سکتا۔ اس کے جواب کے لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تدریجاً نزول کی وجہ مصلحت تبلیغ ہے لوگوں کے سامنے تھوڑا تھوڑا پڑھنے میں سہولت ہوتی ہے۔ یعنی اگر یکدم نازل ہوتا تو اصل فائدہ سمجھنا اور عمل کرنا دشوار ہو جاتا۔ عرب کے صحرائی نہ پڑھے نہ لکھے، کوتاہ فہم، اہل دانش اور ارباب علم کی صحبت سے محروم ہمیشہ سے قدامت پرستی اور آبائی رسم و رواج کے شیدائی وہ پوری کتاب کو یکدم کیسے سمجھتے اور کیسے عمل کرتے۔ ایک ایک حکم کے نازل کرنے میں سمجھنا اور عمل کرنا سہل ہو گیا۔ رفتہ رفتہ بری عادتیں چھوٹ گئیں آہستہ آہستہ غلط عقائد زائل ہو گئے۔ یکدم نزول سے دفعی انقلاب و ہیجان ہو جاتا جس پر کوئی بھی آمادہ نہ ہوتا۔ اللہ کی یہی مصلحت، حکمت اور شفقت علی العباد تھی جو تدریجاً نزول کی باعث ہوئی۔

اس سے آگے فرماتا ہے اب تم قرآن کو سچا مانو یا نہ مانو تم کو اختیار ہے یعنی خدا اور اس کے رسولؐ کی کوئی غرض نہیں کہ تم ایمان لاؤ گے تو خدا رسولؐ کو فائدہ پہنچیگا۔ انکار کروگے تو اُن کا نقصان ہو جائیگا اللہ کی شفقت علی العباد متقضی تھی کہ اپنا ہدایت نامہ آہستہ آہستہ انسانی حالات کے مطابق نازل فرما دے اُس نے نازل فرما دیا۔ رسولؐ کا کام تھا ہدایت نامہ کو پہنچانا، پڑھ کر سنانا، مطلب سمجھانا فرماں برداروں کو خوشخبری دینا اور نافرمانوں کو ڈرانا۔ یہ کام بھی پورا ہو گیا۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے، نفع نقصان تمہارا ہے۔ مانو نہ مانو تمہیں اختیار ہے۔

اس سے آگے عمومی ترغیب اسلام کے لئے اُن اہل کتاب کی تعریف بیان فرمائی ہے جو قرآنی آیات سن کر اللہ کے وعدوں کی تصدیق کرتے اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے ہیں

اور کلام ربانی سے اُن کے دلوں میں ایسی رقت پیدا ہوتی ہے کہ اللہ کی رحمت اپنے گناہ اور قرآن کی شیریں بیانی دیکھ کر روتے ہیں۔ آیت میں اگرچہ عام اہل کتاب کے متعلق صراحت ہے کسی خاص فرد یا قبیلہ کی تخصیص نہیں۔ لیکن چونکہ تمام اہل کتاب کی یہ حالت نہیں۔ لاکھوں عیسائی اور یہودی قرآن سُن کر کوئی اثر نہ لیتے تھے، رقت طاری ہونا اور گریہ وزاری کرنا تو بجائے خود رہا۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مخصوص لوگوں کی حالت کا اظہار مقصود ہے اہل تفسیر نے صراحت کی ہے کہ آیت میں حضرت نجاشی شاہ حبش اور اُن کے بعض مؤمن ساتھیوں کی حالت کا اظہار فرمایا ہے جن کو حضرت جعفرؓ نے جب سورۂ مریم کی کچھ آیات سُنائیں تو اُن کے دل نرم پڑ گئے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بے اختیار سجدہ میں گر گئے۔

بعض علماء تفسیر کا خیال ہے کہ آیت کا نزول زید بن عمرو بن نفیل سلمان فارسی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کے متعلق ہوا جو کتب سابقہ کی تصریحات کے سبب نبی آخرالزماں کے منتظر تھے۔ اور جب حضورؐ کے مبعوث ہونے کی خبر اُن کو ملی تو بے اختیار جھک گئے اور کلام الٰہی کو سُن کر رونے لگے۔ یا یوں کہا جائے کہ کوئی خاص شخص مراد نہیں اور نہ تمام اہل کتاب مراد ہیں۔ بلکہ اہل کتاب میں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی روحانیت میں ازل سے علم ادراک اور معرفت کے جواہر پوشیدہ تھے جن کے دلوں میں آیات الٰہیہ کو سنتے ہی رقت اور جوش پیدا ہوتا ہے اور فوراً سجدہ میں گر کر اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور آیات تبشیر و تنذیر سن کر کہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار کے تمام وعدے وعید سچے ہیں۔

نوٹ: آیت وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا کی تلاوت کے وقت علماء کے نزدیک سجدہ کرنا واجب ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی صحیح روایت ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کے خوف سے رویا وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا جب تک دودھ تھنوں میں واپس نہیں جا سکتا۔ اسی طرح اللہ کے خوف سے رونے والا جہنم میں نہیں جا سکتا۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا جو آنکھ اللہ کے خوف سے روئے اور جو آنکھ جہاد میں رات کو لشکر اسلام کی نگہبانی کرے اُس کو آگ نہ چھوئے گی (رواہ الترمذی)

مقصود بیان :- قرآن مع الفاظ و معانی کے اللہ نے نازل فرمایا نہ اُس کے نزول میں غلطی و سہو ہے، نہ لانے والے نے غلطی کی، نہ رسول اللہؐ سے غلطی و نسیان کا احتمال ہے۔ بلکہ کلام برحق کلام نازل کرنیوالا برحق۔ جو لایا وہ برحق۔ جس پر اُترا وہ برحق۔ رسول اللہؐ کے تصرف و اختیار کو قرآن میں دخل نہیں۔ رسول کا کام صرف تبلیغ ہے۔ ماننا نہ ماننا امت کا کام ہے۔ کسی کے ماننے نہ ماننے سے رسول پاکؐ کے فرض تبلیغ کی ادائیگی میں کمی بیشی یا نفع نقصان پیدا نہیں ہو جاتا۔ قرآن کو تدریجاً نازل کرنے کی حکمت صرف یہ ہے کہ امت کو یاد کرنے یا در کھنے، سمجھنے اور عمل کرنے میں سہولت ہو۔ اللہ کے خوف سے رونا، سجدہ میں پڑ کر گریہ وزاری کرنا اللہ کے وعدوں کو سچا جاننا، اُن کی سچائی کا اقرار کرنا اور اللہ کی پاکی بیان کرنا قابل مدح عمل ہے۔ سعیدانِ ازلی کا عجز و انکسار اور تضرع و خشوع آیات قرآنی کو سُن کر بڑھتا ہے۔ یعنی جو لوگ ازلی کم نصیب ہیں اُن کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ نفع اُنہی لوگوں کو ہوتا ہے جو روزِ ازل سے خوش نصیب ہیں۔ وغیرہ۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط

کہدو کہ تم اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو

اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ج

جس نام سے پکارو گے اُس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا

(اے محمدؐ) تم اپنی نماز نہ بہت چلا کر پڑھو نہ بہت چپکے چپکے

وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ○ وَقُلِ

بلکہ اس کا درمیانی طریقہ اختیار کرو اور کہدو

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا

کہ ہر تعریف اُسی اللہ کو زیبا ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے

وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَ

نہ سلطنت میں اُس کا کوئی شریک ہے

لَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ

نہ کمزوری کے سبب اُس کا کوئی مددگار ہے

وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝١١١ ع ١٢

اور اُس کی خوب بڑائی بیان کرو

تفسیر ابن عباسؓ اور مجاہد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یَا اَللّٰهُ یَا رَحْمٰنُ کہا کرتے تھے۔ ایک مشرک نے سُنا تو کہا محمدؐ ہم کو تو دو معبودوں کو پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود دو کو پکارتے ہیں۔ (اس پر

آیت مذکورہ نازل ہوئی (ذکرہ ابن جریر فی تفسیرہ و محی السنہ فی المعالم وصاحب السراج) سراج و معالم میں اس مشرک کا نام ابوجہل بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ حضور دعا کرتے وقت یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ کہا کرتے تھے الخ۔ اس شان نزول کی بناء پر آیت مکی ہوگی۔ لیکن بعض مفسرین نے بروایت ابن عباس لکھا ہے کہ قرآن پاک میں اَلرَّحْمٰن کا لفظ بہت کم آیا تھا اور توریت میں بکثرت موجود تھا۔ اہل کتاب میں سے جب بعض لوگ مثلاً عبد اللہ بن سلام اور ابن یامین وغیرہما مسلمان ہوئے تو انہوں نے دعا کے وقت لفظ رحمٰن استعمال کرنے کی خواہش کی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس روایت کی بنا پر آیت مدنی ہوگی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ دعا میں لفظ اَللّٰہ استعمال کرو یا رحمٰن کا لفظ کہکر خدا کو پکارو۔ دونوں جائز ہیں۔ نہ لفظ اَللّٰہ بُرا ہے نہ رحمٰن بُرا ہے بلکہ انہی دو پر حصر نہیں۔ اللہ کے اور بھی بہت نام ہیں جو سب اچھے اچھے ہیں۔ ترمذی نے خدا تعالیٰ کے ننانوے نام ذکر کئے ہیں۔

اَللّٰہُ اَلرَّحْمٰنُ اَلرَّحِیْمُ اَلْمَلِکُ اَلْقُدُّوْسُ
اَلسَّلَامُ اَلْمُؤْمِنُ اَلْمُھَیْمِنُ اَلْعَزِیْزُ اَلْجَبَّارُ
اَلْمُتَکَبِّرُ اَلْخَالِقُ اَلْبَارِئُ اَلْمُصَوِّرُ اَلْغَفَّارُ
اَلْقَھَّارُ اَلْوَھَّابُ اَلرَّزَّاقُ اَلْفَتَّاحُ اَلْعَلِیْمُ
اَلْقَابِضُ اَلْبَاسِطُ اَلْخَافِضُ اَلرَّافِعُ اَلْمُذِلُّ
اَلسَّمِیْعُ اَلْبَصِیْرُ اَلْحَکَمُ اَلْعَدْلُ اَللَّطِیْفُ
اَلْخَبِیْرُ اَلْحَلِیْمُ اَلْعَظِیْمُ اَلْغَفُوْرُ اَلشَّکُوْرُ
اَلْعَلِیُّ اَلْکَبِیْرُ اَلْحَفِیْظُ اَلْمُقِیْتُ اَلْحَسِیْبُ
اَلْجَلِیْلُ اَلْکَرِیْمُ اَلرَّقِیْبُ اَلْمُجِیْبُ اَلْوَاسِعُ
اَلْوَدُوْدُ اَلْمَجِیْدُ اَلْبَاعِثُ اَلْحَقُّ اَلشَّھِیْدُ
اَلْوَکِیْلُ اَلْقَوِیُّ اَلْمَتِیْنُ اَلْوَلِیُّ اَلْحَمِیْدُ
اَلْمُحْصِیْ اَلْمُبْدِئُ اَلْمُعِیْدُ اَلْمُحْیِیْ اَلْحَیُّ
اَلْقَیُّوْمُ اَلْوَاجِدُ اَلْمَاجِدُ اَلْوَاحِدُ اَلصَّمَدُ
اَلْقَادِرُ اَلْمُقْتَدِرُ اَلْمُقَدِّمُ اَلْمُؤَخِّرُ اَلْاَوَّلُ
اَلْاٰخِرُ اَلظَّاھِرُ اَلْبَاطِنُ اَلْوَالِیُّ اَلْمُتَعَالِیْ
اَلْبَرُّ اَلتَّوَّابُ اَلْمُنْعِمُ اَلْعَفُوُّ اَلرَّءُوْفُ
اَلْمُقْسِطُ اَلْجَامِعُ اَلْغَنِیُّ اَلْمُغْنِیْ اَلضَّارُّ
اَلنَّافِعُ اَلنُّوْرُ اَلْھَادِیْ اَلْبَدِیْعُ اَلْبَاقِیْ
اَلْوَارِثُ اَلرَّشِیْدُ اَلصَّبُوْرُ اَلسَّتَّارُ مَالِکُ الْمُلْکِ
ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

اسماء کی یہ فہرست ہم نے بروایت ترمذی لکھی ہے۔ بعض نام قرآن میں ان کے علاوہ بھی آئے ہیں۔ مثلاً رَبّ۔ مُبِیْن۔ چونکہ بصراحت حدیث اللہ کے ننانوے ہی نام ہیں۔ اس لئے ترمذی کے بیان کردہ اسماء میں ممکن ہے کوئی ردوبدل ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اَللّٰہ اور رحمٰن کی بجائے رَبّ اور مُبِیْن کو داخل کر لیا جائے۔

تحقیق مقام

انسان فطرتاً محسوس پرست واقع ہوا ہے جن لوگوں کو نور بصیرت کا کوئی حصہ ملا ہے وہ اس محسوس پرستی کو چھوڑ کر آگے قدم بڑھانا چاہتے ہیں لیکن وہ غیبی طاقت جس کو نہ دیکھا جا سکتا ہے نہ وہ ہاتھوں سے چھونے کی چیز ہے اُسکی پرستش کرنی اور اُس کو پکارنا بغیر کسی تعبیری لفظ کے ناممکن ہے اسی لئے ایسے الفاظ کی ضرورت ہے جن سے عابد اپنے معبود کو پکار سکے اور خدا کی صفات کا اظہار زبان سے کیا جا سکے۔ لیکن انسان مادی ماحول رکھنے کی وجہ سے مادی تخیل میں گرفتار ہے۔ اُس کو اگر معبود کے صفات کا بیان کرنا ہوتا ہے تو وہی الفاظ استعمال کرتا ہے جن سے اُس کے اپنے بہترین صفات کا اظہار ہو سکتا ہو۔ مگر درحقیقت خدا تعالیٰ کے لئے انسانی صفات سے متصف ہونا باعث عیب ہے۔ اُس کا ذاتی اور صفاتی تقدس ہر انسانی تخیل اور مادی قیاس سے بالاتر ہے اس لئے اللہ کی ذات و صفات پر جو اسماء و الفاظ دلالت کرتے ہوں اُن کی صراحت شریعت کی زبان سے ضروری ہے۔ طبعزاد یا مستلذ الفاظ خواہ کتنے ہی تنزہ اور تقدس کو پیش نظر رکھ کر وضع کئے ہوں مگر اُن کا اطلاق بغیر شرعی اجازت و صراحت کے خدا تعالیٰ پر ناجائز ہے۔ علماء نے اسی بناء پر کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی شریعت نے اللہ کے جس قدر نام ظاہر کر دیے ہیں انہی سے اللہ کو موسوم کیا جائے۔ اپنی طرف سے جدید اسماء وضع کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر عربی زبان کے ناموں کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کیا جائے تو مفہوم و معنی کی مطابقت بقدر امکان ضروری ہے۔ جیسے اللہ کا ترجمہ خدا کیا جاتا ہے۔ لفظ خدا سے اگرچہ پورا مفہوم اللہ کا ادا نہیں ہوتا۔ مگر بقدر امکان ترجمہ ہوتا ہے۔ اسلئے ایسے ترجمہ کی اجازت ہے

اللہ کے نام تین طرح کے ہیں

ایک تو اسم ذات جس کو عَلَم کہا جاتا ہے۔ عَلَم صرف اللہ ہے۔ اسم ذات میں کسی صفت کا لحاظ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ زندہ اور موجود ہونے کا بھی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ مثلاً زید ایک شخص کا نام ہے۔ اس بات کا کوئی لحاظ نہیں کہ وہ شخص اب بھی موجود ہے زندہ ہے یا نہیں نہ اُس کی کسی دوسری حالت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ عالم جاہل، سخی بخیل، شجاع بزدل، نیکوکار بدکار، عقلمند بے وقوف یہ تمام صفات مفہوم ذات سے زائد ہیں۔ لفظ زید میں ان کا کوئی لحاظ نہیں

دوسرے وہ نام ہیں جو صفاتی ہیں یعنی صفت کے صیغے ہیں جن کا استعمال
اللہ کے سوا دوسروں کے لئے بھی ہوتا ہے اگرچہ مقدار صفت میں فرق ہوتا ہے
مگر نفس صفت کا مفہوم مشترک ہوتا ہے۔ مثلاً حیّ اللہ کا صفتی نام ہے۔ زید بھی
حی ہے اللہ بھی حی ہے۔ مگر اللہ کی حیات اور زید کی حیات میں بڑا فرق ہے
یا ظاہر باطن وغیرہ اسمائے صفتی ہیں۔ مخلوق و خالق دونوں پر ان کا اطلاق
ہوتا ہے۔ اگرچہ مخلوق کا ظہور و بطون اللہ کے ظہور و بطون سے بالکل جدا ہے
تیسرے وہ نام ہیں جو اصل مفہوم اور وضع کے اعتبار سے توصیفی ہیں۔ مگر شرعی
تخصیص کی وجہ سے وہ اسم ذات کی طرح بن گئے ہیں۔ یعنی ایک ذات کے علاوہ
دوسروں پر ان کا اطلاق صحیح نہیں۔ مثلاً رحمٰن ہے۔ رحمٰن کا اصلی مفہوم کے
اعتبار سے تو مخلوق پر بھی اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ مگر شریعت نے چونکہ ذات
باری تعالیٰ کے ساتھ اسکو مخصوص کر دیا ہے۔ اس لئے یہ اسم ذات کی طرح
مخصوص ہو گیا۔ چونکہ اللہ کی ذات کو بغیر کسی صفتی مفہوم کے لحاظ کئے ہوئے سمجھنا
ناممکن ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے جہاں اسم ذات کو دعا میں استعمال کرنے
کی اجازت دیدی اور قرآن میں بھی جا بجا تذکرہ فرما دیا وہاں اسمائے صفات
کے ساتھ بھی خدا کو پکارنے کا جواز ظاہر فرما دیا اور صاف طور پر فرما دیا کہ
اللہ کے جتنے نام ہیں وہ سب اچھے اچھے ہیں۔ خصوصاً لفظ رحمٰن جو
رحمت کی کثرت اور قوت پر دلالت کرتا ہے اللہ کے صفتی ناموں میں مخلوق
کے استعمال کے لئے سب سے مناسب اور موزوں نام ہے صفت
رحمت کی ہی مخلوق محتاج ہے اور یہی صفت اُن تمام اوصاف کو جامع
ہے جن کی احتیاج مخلوق کو ہے۔ مگر جاہل کو بصیرت اس حقیقت سے
واقف نہ تھے۔ اس لئے لفظ رحمٰن سُن کر اعتراض کرنے لگے۔

اس سے آگے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ الخ میں نماز کو بہت زیادہ چلا کر
اور بہت چپکے چپکے پڑھنے کی ممانعت فرما دی اور درمیانی آواز سے
پڑھنے کا حکم دیا۔

آیت کے سبب نزول، مقام نزول اور مراد نزول میں اختلاف
ہے۔ ترمذی نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ حضور اقدسؐ مکہ میں
پوشیدہ رہتے تھے مگر جب صحابہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو قرآن کو
بلند آواز سے پڑھتے تھے جس کو سن کر کفار مکہ قرآن کو، قرآن کے بھیجنے والے
کو اور حضور اقدسؐ کو گالیاں دیتے تھے۔ یہ روایت بخاری میں بھی
موجود ہے۔ محمد بن اسحاق نے باسناد عکرمہ ابن عباسؓ کی روایت
نقل کی ہے کہ حضور اقدسؐ جب نماز میں قرآن پاک بلند آواز سے
پڑھتے تو کافروں کو چونکہ قرآن کے سننے سے نفرت تھی اس لئے وہ
ادھر اُدھر منتشر ہو جاتے۔ اور اگر کوئی شخص حضورؐ کی زبان مبارک
سے قرآن کا وہ حصہ سننا چاہتا جو آپ نماز میں پڑھتے تھے تو مشرکوں
کے خوف سے چوری چھپے سے سُن لیتا۔ اگر کوئی کافر سامنے پڑھتا تو
اُن کی خوف سے بیچارہ یونہی چلا جاتا قرآن نہ سُن سکتا۔ اس پر آیت
مذکورہ نازل ہوئی۔

ان دونوں اسباب نزول سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت
کا نزول مکہ میں ہوا۔ اور صلوٰۃ سے نماز ہی مراد ہے۔ اور جہر
و اخفاء کی ممانعت نماز کی قرأت ہی میں ہے۔ عکرمہ حسن بصری اور
قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی تائید ابن جریر کی اُس روایت سے
بھی ہوتی ہے جو باسناد محمد بن سیرین بیان کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ
قرأت نماز میں آواز بہت پست رکھتے اور حضرت عمرؓ بہت چلا کر
پڑھتے۔ حضرت ابو بکرؓ سے پست آواز سے پڑھنے کا سبب دریافت
کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں اللہ سے مناجات (خطاب) کرتا ہوں
اور وہ میری حاجت کو جانتا ہے۔ (اسلئے چلا کر پڑھنے کی کیا ضرورت)
حضرت عمرؓ سے چلا کر پڑھنے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں
شیطان کو بھگاتا اور اونگھتے کو جگاتا ہوں۔ اس کے بعد جب آیۃ
وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ الخ نازل ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ سے حضورؐ نے
فرمایا آواز کچھ اونچی رکھا کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا تم آواز کو
کسی قدر نیچا رکھو۔ آیت کے مکی ہونے پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ مکہ میں تو
فرائض مقررہ بھی نہ ہوئے تھے۔ ہاں ہجرت سے ایک سال پہلے معراج
میں تعیین تعداد ہوئی تھی۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے مفسرین نے
جواب دیا ہے کہ رات کی نماز پہلے سے مقرر تھی اور مذکورہ بالا کل
کیفیت تہجد ہی کی نماز کی تھی۔

اول الذکر شان نزول کے موافق آیت کا مطلب اس طرح ہوگا
کہ نماز میں قرأت نہ اتنی بلند آواز سے کیا کرو کہ مشرکوں کو بدگوئی کا موقعہ
مل سکے۔ نہ اتنی پست آواز سے پڑھا کرو کہ ساتھیوں کو بھی نہ سُنائی
دے بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کرو۔ ابن عباسؓ نے فرمایا یہ حکم مکہ میں
تھا۔ ہجرت کے بعد ساقط ہو گیا اور ہر طرح پڑھنے کی اجازت ہو گئی۔
مؤخر شان نزول کے لحاظ سے مطلب اس طرح ہوگا کہ نماز میں
قرأت قرآن نہ اتنی بلند آواز سے کیا کرو کہ مشرکوں کو بدگوئی کا موقعہ
مل سکے نہ اتنی پست آواز سے پڑھا کرو کہ ساتھیوں کو بھی نہ سنائی دے
بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کرو۔ ابن عباسؓ نے فرمایا یہ حکم مکہ میں تھا
ہجرت کے بعد ساقط ہو گیا اور ہر طرح پڑھنے کی اجازت ہو گئی۔
مؤخر شان نزول کے لحاظ سے مطلب اس طرح ہوگا کہ بلا ضرورت
قرآن چلا کر نہ کیا کرو تاکہ مشرک منتشر نہ ہو جائیں اور اتنا چپکے سے
بھی نہ پڑھا کرو کہ چوری چھپے سے سُننے والے بھی نہ سُن سکیں۔
بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول دعا
کے متعلق ہے (گویا صلوٰۃ سے دعا مراد ہے) ابن جریر نے بروایت

عکرمہ، ابن عباس کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ موطا میں حضرت عائشہ رضی کی روایت سے بھی یہی ثابت ہے۔ مجاہد، سعید بن جبیر، ابو عیاض، مکحول اور عروہ بن زبیر سے بھی یہی قول مروی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا دونوں قولوں میں خلاف نہیں کیونکہ دعا سے وہی دعا مراد ہے جو نماز کے اندر ہوتی ہے۔ ابن مردویہ نے اس کی تائید میں حضرت ابوہریرہ رضی کی روایت بھی نقل کی ہے۔

ابن جریر نے باسناد صحیح حضرت عائشہ رضہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول تشہد کے بارہ میں ہے۔ محمد بن سیرین سے بھی یہی قول منقول ہے۔ اس قول میں اور مذکورہ دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ تشہد نماز میں ہی پڑھا جاتا ہے۔

ابن عباس کا ایک قول بروایت علی بن ابی طلحہ مروی ہے کہ آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو علانیہ ظاہر کرنے کے لئے بھی نہ پڑھو اور لوگوں کے خوف سے ترک بھی مت کرو۔ حسن بصری سے یہ مطلب مروی ہے کہ ظاہر میں نماز کو بناوٹ کے ساتھ نہ پڑھو اور نہ باطن میں اس کو خراب کرو۔ عوف و قتادہ بھی یہی قول مروی ہے۔ عبدالرحمن بن زید نے کہا کہ اہل کتاب نماز چپکے چپکے پڑھتے تھے۔ لیکن اُن کا پادری جب کوئی لفظ چلا کر کہتا تو سب یک آواز ہو کر زور سے اسی لفظ کا اعادہ کرتے۔ اللہ نے آیت مذکورہ میں مسلمانوں کو پادری کی طرح چلانے سے بھی منع کیا اور پادری کی اقتدار کرنے والوں کی طرح چپکے چپکے پڑھنے کی بھی ممانعت کر دی۔ مؤخرالذکر تینوں اقوال مرجوح ہیں راجح وہی مطلب اور سبب نزول ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا۔ جب توحید الوہیت، نبوت، حشر نشر وغیرہ کی تفصیل ختم کر دی تو سورت کے آخر میں وحدانیت کاملہ کے اظہار کے لئے یہودیوں عیسائیوں، عرب کے مشرکوں اور مجوسیوں کے شرک آگین عقیدہ کی مجمل تردید فرماتا ہے تاکہ اسلامی توحید اور غیر اسلامی توحید میں فرق نمایاں ہو جائے۔ یہودی اور عیسائی بھی زبان سے اللہ کو ایک کہتے ہیں مگر عزیر اور مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دیکر شرک کے غار میں گر پڑتے ہیں۔ اسی طرح عرب کے بعض قبائل زبان سے مدعی توحید تھے مگر ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ عام عرب خدا کو مالک الملک اور مختار کل جانتے تھے۔ مگر یہ بھی کہتے تھے کہ الوہیت و معبودیت میں اس کے کچھ شریک ہیں لیکن وہ اللہ کے زیر فرمان ہیں۔ چنانچہ طواف کے وقت عموماً کہا کرتے تھے لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ۔ فرقہ صابیہ اور فرقہ مجوس کا عقیدہ تھا کہ اگر اللہ کے مددگار نہ ہوتے تو وہ عاجز ہو جاتا۔ چونکہ یہ تمام عقائد شرک آمیز تھے اس لئے قل الحمد للہ سے آخر تک ان سب کی تردید فرما دی اور ظاہر کر دیا کہ خدا کی نہ کوئی اولاد ہے نہ کوئی شریک ہے نہ اس کو کسی مددگار کی ضرورت ہے۔ مسند احمد میں بروایت معاذ جہنی منقول ہے حضورؐ نے فرمایا قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سے وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا تک آیت الشریفات (ہر قسم کا رنج و غم دفع کرنے کے لئے مفید ہے) بنی ہاشم میں جب کوئی لڑکا صاف بولنے لگتا تو حضورؐ اُس کو یہ آیت لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا تک سکھا دیتے تھے (رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ) ابن جریر نے بیان کیا کہ اپنے آدمیوں میں سے ہر چھوٹے بڑے کو پوری آیت تعلیم دیتے تھے۔

مقصود بیان: اللہ کے نام ذاتی بھی ہیں اور صفاتی بھی۔ ذاتی و صفاتی دونوں قسم کے نام لیکر دعا کرنی جائز ہے۔ نماز کو درمیانی آواز سے پڑھنا چاہئے نہ اتنی اونچی آواز کرنی چاہئے کہ تمام میں شور مچ جائے نہ اتنی پست آواز سے پڑھی جائے کہ قریب کے مقتدی بھی نہ سن سکیں۔ خدا محتاج نہیں کہ اُس کو اولاد کی ضرورت ہو۔ مجبور نہیں کہ شریک کا دست نگر ہو۔ عاجز نہیں کہ مددگار کا حاجتمند ہو بلکہ سب سے بالا اعلیٰ اور اولیٰ ہے اور ہر قسم کا ستائش کا مستحق وغیرہ

سورۃ الکہف مکیۃ وہی مائۃ وعشر آیات واثنا عشر رکوعا

سورۂ کہف مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو دس آیتیں و بارہ رکوع ہیں

قرطبی، ابن عباس ابن زبیر بلکہ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورت پوری کی پوری مکی ہے کوئی آیت مستثنیٰ نہیں لیکن بعض علماء نے آغاز سے صَعِيْدًا جُرُزًا تک چند آیات کو مدنی قرار دیا ہے۔ حسب صراحت ابن کثیر اول قول اصح ہے۔

اس سورت میں ۱۲ رکوع ۱۲۰ آیات ۱۲۰۸ یا ۱۵۷۷ کلمات اور ۶۶۲۰ یا ۶۳۶۰ حروف ہیں۔ اس سورت کے خواص و فضائل احادیث میں بکثرت مروی ہیں۔ صحیحین میں حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ ایک رات ایک صحابی (اُسید بن حضیر) اپنے گھر میں سورۂ کہف پڑھ رہے تھے۔ ایک گھوڑا بھی قریب ہی بندھا تھا۔ سورۂ کہف پڑھنے کے دوران میں گھوڑا بدکنے لگا۔ صحابی نے منہ اٹھا کر دیکھا تو ایک نور بصورت ابر سایہ افگن نظر آیا۔ صبح کو قصۂ شبینہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اس کو پڑھا کرو۔ یہ سکینہ (نور اطمینان) تھا جو پڑھنے سے نازل ہوا تھا۔

امام احمد نے بروایت ابوالدرداء رضہ بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں حفظ کیں وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہا (وقد رواہ مسلم فی صحیحہ و ابوداؤد والنسائی) ترمذی کی روایت تین آیات کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ

ہر تعریف اُسی اللہ کو زیبا ہے جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل کی

الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ قَيِّمًا

اور اُس میں کچھ بھی کجی نہ رکھی بلکہ مستقیم بنایا

لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَ

تاکہ اللہ کی طرف والے سخت عذاب سے ڈرائے اور

يُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

اُن مسلمانوں کو جو نیک کام کرتے ہیں

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ○

اس بات کی بشارت دے کہ اُن کے لئے اچھا اجر ہے

مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ○ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ

جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ کہتے ہیں

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ○ مَا لَهُمْ بِهٖ

کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اُن کو ڈرائے اس کا نہ اُن کو

مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً

کچھ علم ہے نہ اُن کے باپ دادا کو بڑی ہی سخت بات

تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ

اُن کے منہ سے نکلتی ہے یہ لوگ

اِلَّا كَذِبًا ○

نرا جھوٹ بلتے ہیں

تفسیر انسان پر اللہ کے غیر محدود احسانات ہیں۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نا ممکن ہے۔ مادی جسمانی نعمتیں لاکھوں ہیں ہوش حواس شعور اور عقل اُسی کا عطیہ ہے۔ شعور اور عقل کا کام ہے بُرے بھلے اور صحیح غلط میں امتیاز کرنا لیکن تصرفات عقل وہم کی آمیزش سے پاک نہیں ہوتے۔ کبھی اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا، خیر کو شر اور شر کو خیر آدمی سمجھنے لگتا ہے۔ مادی زندگی میں بھی اُس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ معاشرت، اخلاق، تمدن، سیاست غرض زندگی کے ہر شعبہ کے قوانین و ضوابط کی ترتیب و تاسیس دماغ ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے لیکن ان قوانین کی واقعی تصحیح و تغلیط آسان کام نہیں۔ ایک شخص ایک قانون کو واجب العمل اور مفید سمجھتا ہے۔ دوسرا شخص اُسی قانون کو واجب الترک اور مضر جانتا ہے۔ قوموں کے رسم و رواج جدا جدا ہیں۔ دماغی افتاد الگ الگ ہے۔ سوچنے کی قوتیں مختلف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی چھوٹی سی چھوٹی چیز پر بھی انسانی افکار و خیالات کا اتفاق نہیں ہو سکا اس لئے صحیح غلط کو پہچاننے کا معیار ہر شخص کی عقل کو تو قرار نہیں دیا جا سکتا ہاں اُس عقل کو معیار تمیز قرار دیا جا سکتا ہے جو کدورت وہم سے پاک، ہوا و ہوس کی آمیزش سے صاف، قومی ملکی خاندانی اور شخصی اغراض و رسوم سے منزہ ہو اور اُس کا واقعی نور اُس زمانے کے تمام اہل دانش کی دماغی روشنیوں سے زائد اور سب کے تجلیات افکار پر غالب ہو ایسی عقل سوا انبیاء و مرسلین کے اور کسی کی ہو نہیں سکتی۔ انبیاء کی قوت تمیزی اور دانش مکمل نور ہی نور ہوتی ہے۔ ہر وقت مبدء فیاض سے اُن کے حواس وجدانیات اور عقول پر قدسی فیضان ہوتا رہتا ہے۔ اسی فیضان کو شریعت کے عرف میں وحی الہام اور القاء کہا جاتا ہے۔ چونکہ نبی کی دانش از سرتا پا نور ہی نور ہوتی ہے اس لئے اخذ فیض میں کبھی غلطی نہیں کرتی اور دوسرے انسانوں کی طرح ترتیب افکار اور تاسیس قوانین میں راستی سے نہیں ہٹتی۔ مبدء فیاض اور بارگاہ قدس سے جو فیضان تدریجاً ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ جو قوانین ضوابط اور احکام وحی کے ذریعے سے آتے ہیں اُن کے مجموعہ کو آسمانی کتاب اور الہامی ہدایت نامہ کہا جاتا ہے۔ یہ ضوابط و قواعد دماغی اختراع و ایجاد کے منت کش نہیں ہوتے بلکہ غیبی فیضان کا نتیجہ ہوتے ہیں اسی لئے ہر غلطی سے پاک ہوتے ہیں۔ اُن میں کجی اور افراط و تفریط نہیں ہوتی۔ کسی طرف جھکاؤ نہیں ہوتا بلکہ حق سے باطل کی طرف میلان کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سب سے بلند مرتبہ اُس مجموعۂ قوانین کا ہے جو نبی کی وساطت سے مخلوق تک پہنچتا ہے۔ اگر یہ کتاب الٰہی نہ ہوتی تو انسانی آبادی اپنے افکار و خیالات کے اختلاف، پراگندگی اور تفرق کی وجہ سے کبھی ایک نتیجہ نہیں پہنچ سکتی اور ہمیشہ کے لئے

اندھوں کی طرح اِدھر اُدھر تباہی کے غاروں میں گرتی رہتی۔ باوجود تلاش جستجو کے اُسکو خالص صداقت سے ہمکنار ہونا کبھی نصیب ہوتا اور پریشان دماغ رکھنے والا بھولا انسان کبھی سیدھے راستے پر نہ چل سکتا کیونکہ راہِ راست کا تعین ہی نہ ہوسکتا۔

وجوہ مذکورۂ بالا کی بنا پر سورۂ کہف کا آغاز حمد الٰہی سے کیا اور استحقاق حمد کا سبب اُس نعمتِ کاملہ کو قرار دیا جو تمام نعمتوں سے بالاتر ہے یعنی رسول پاک پر اُس کتاب مقدس کا نازل ہونا جو ہر غلطی کجی افراط و تفریط اور مادی طبعی رجحانات و میلانات سے پاک ہے۔ عطایاءِ الٰہیہ میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ احسان اس قابل ہے کہ بطریق وجوب اللہ کی حمد کی جائے حاصل ارشاد یہ ہے کہ مستحق حمد ہے وہ اللہ جس نے مخصوص بندے پر ایک کتاب نازل فرمائی جو ہر غلطی سے پاک ہے اُس میں کسی قسم کی کوئی کجی اور جھکاؤ نہیں ہے۔ وہ انسانوں کے لئے ایک مکمل ناقابلِ ترمیم دستور العمل اور ہدایت نامہ ہے جس خاص بندہ پر خدا نے اپنی کتاب اُتاری اُسکو حکم دیا کہ کتاب کے بیان کردہ نظریات، عقائد اور مسائل کو جو لوگ سچا جانیں اور اچھے کام کریں اُن کو دوامی نجات اور ابدی راحت کی بشارت دیدو اور جو لوگ راہ توحید سے ہٹ کر شرک کے غاروں میں گر رہے ہیں خصوصًا وہ کثیر گروہ جو خدا کو صاحب اولاد یعنی عاجز کمزور اور مددگار کا محتاج جانتا ہے اُن سے کہدو کہ تم کو عالم غیب کی باتوں کا کوئی علم نہیں تم اور تمہارے اسلاف اپنی نادانی اور جہالت کے سبب ایسی بات منہ سے نکالتے ہو جو محض افترا اور خالص بہتان ہے۔

مقصود بیان:۔ ہر طرح کی ستائش و حمد اللہ کو سزاوار ہے کتاب الٰہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ قرآن پاک ہر غلطی اور کجی سے پاک ہے اس میں افراط و تفریط نہیں۔ یہ راہِ اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ رسول پاک صلعم کا کام صرف یہ ہے کہ اہل حق کو دوامی نجات کی بشارت دیں اور بد شرکوں کو بدی عذاب سے ڈرائیں۔ یعنی نبی کا فریضہ محض تبلیغ احکام ہے اللہ ہر شرک سے پاک ہے۔ خصوصًا کدورت اولاد سے تو بالکل ہی منزہ ہے کسی کو خدا کی اولاد قرار دینا محض جہالت اور نادانی ہے۔ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ میں ایک زبردست زد ہے اُن کافروں پر جو خدا کو صاحب اولاد کہتے ہیں وہ یہ کہ عقیدہ کی بنا علم و یقین پر ہونی چاہئے لیکن یہ لوگ کورے جاہل ہیں۔ صرف اسلاف کی تقلید سے انہوں نے اپنا یہ عقیدہ قائم کر رکھا ہے مگر اُن کے اسلاف بھی نادان تھے اُن کے عقیدہ کی بنا بھی علم پر نہ تھی۔ حالانکہ عقائد کا مدار حقائق علمی پر ہونا چاہئے۔ تقلیدِ آباء سے تعمیر عقائد نہیں ہوسکتی اور چونکہ ان کے عقائد کی تعمیر تقلید اسلاف پر ہے اس لئے بالکل نادان ہیں۔

سورۂ کہف کا سببِ نزول

آیت قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کے ذیل میں ہم اصحاب کہف کے قصے کو بیان کرنے کا سبب کسی قدر لکھ آئے ہیں۔ اس جگہ کسی قدر مفصّل لکھنا ضروری ہے۔ محمد بن اسحاق نے بطریق عکرمہ ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ کے یہودی عالموں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے حالات دریافت کرنے بھیجا کیونکہ قریش مکہ اہل کتاب کو ہی خازن علم سمجھتے تھے۔ نمائندوں نے جاکر یہودیوں سے حضور اقدسؐ کے متعلق دریافت کیا علمائے یہود نے ان نمائندوں کو تین سوال تلقین کئے۔ ایک سوال روح کے متعلق تھا۔ دوسرا ذوالقرنین کے متعلق۔ تیسرا اصحاب کہف کے متعلق قاصد واپس آئے۔ قریش کو یہودیوں کا قول بتایا۔ قریش نے حضور اقدسؐ سے تینوں سوالات کئے۔ آپ نے دوسرے روز بتانے کا وعدہ فرمایا چونکہ انشاء اللہ نہیں کہا تھا اس لئے پندرہ روز (یا چالیس روز) وحی نہ آئی حضورؐ بہت کبیدہ خاطر ہوئے۔ قریش کا سخت تقاضہ ہوا۔ بالآخر وحی آئی۔ سوال روح کے متعلق تو جواب ملا اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ الخ۔ ذوالقرنین کے متعلق استفسار کا جواب آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ الخ میں دیدیا گیا اور اصحاب کہف کی تفصیل اس سورت میں کردی گئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انشاء اللہ کہنے کا بھی حکم دیدیا گیا۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ

(اے محمدؐ) اگر یہ لوگ اس کلام کو نہ مانیں گے تو شاید تم

اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝

اُن کے پیچھے اپنی جان دے دو گے اس غم میں

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً

جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اُس کو زمین کی زینت بنایا ہے

لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝

تاکہ آزمائش کرلیں کہ کون سب سے اچھے کام کرتا ہے

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝

زمین پر جو کچھ ہے ہم بلا شبہہ اُس کو چٹیل میدان کردیں گے

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت بنکر آئے تھے چشمۂ فیض کل دنیا کی سیرابی کے لئے جاری تھا۔ آفتاب نبوت کی کرنیں کائناتِ انسانی کے چپہ چپہ

پر پڑ رہی تھیں لیکن ازلی بدبختوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ حضور والا نے اپنا فرض ادا کیا۔ ایمان و اطاعت پر جنت کی بشارت اور کفر و سرکشی پر دوزخ کی دھمکی دی لیکن سرمدی کافر اپنی کفر طرازیوں سے باز نہ آئے۔ حضور کو اقارب کے جہنم میں جانے کا جو کچھ صدمہ ہونا تھا وہ تو ہوا ہی مگر رحمت مجسم کو غیروں کا عذاب میں ماخوذ ہونا بھی گوارا نہ تھا۔ تکذیب اور سرکشی کرتے تھے تو دشمن، مگر رنج اور تکلیف ہوتی تھی حضور کو اور ایسی تکلیف ہوتی تھی کہ دنیا میں کسی کو اپنی ذات کے نقصان کی بھی اتنی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ ہر وقت اعداء کی ابدی ہلاکت کا رنج گھیرے رہتا تھا۔ چنانچہ ایک بار یک زبان ہو کر عتبہ، شیبہ، ابوجہل، نضر بن حارث، اُمیہ ابن خلف، عاص بن وائل، اسود بن مطلب اور ابوالبختری وغیرہ نے حضور کی تکذیب کی اور قرآن کا انکار کیا اور حضور کو اُن کے حسرتناک انجام کا سخت اندوہ ہوا۔ اعداء دین کی ہلاکت و بربادی پر رسول پاک کا اس قدر اندوہ رحمتِ عالم کو گوارا نہ ہوا اور آیات مذکورہ نازل ہوئیں حاصل ارشاد یہ ہے کہ آپ کافروں کے کفر کا زیادہ غم نہ کیجیے ایسا نہ ہو کہ یہ غم نصیب دشمنان آپ کی جان کو نقصان پہنچائیں۔ دنیا تو آزمائش کی جگہ ہے۔ اس میں کافر اور مومن سب ہی پیدا ہوتے اور رہتے ہیں۔ اس عالم کو ہم نے ہر طرح کی پھل پھلواری سے اسی لئے سجا رکھا ہے کہ جانچ لیں کون اس کی ہریالی پر جھک کر آخرت سے غافل ہوتا ہے اور کون اس سرسبز باغ میں سامان آخرت فراہم کرتا ہے۔ آخرکار ایک دن ہم سب کو نیست نابود کر کے اس زمین کو چٹیل میدان بنا دینگے جس میں پتہ تک بھی نہ ہوگا اور اس وقت سب کو اُن کے اعمال کی جزا سزا دیں گے (ابو سعید خدری کہتے ہیں روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "دنیا شیریں خوشگوار سبزہ زار ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو اس میں خلیفہ کرنے والا ہے اور یہ آزمائش کرنے والا ہے کہ تم کیسے عمل کرو گے پس تم دنیا سے پرہیز کرنا خصوصاً عورتوں (کی دنیا) سے کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں سے پھیلا تھا (رواہ مسلم)

اختلافی نوٹ

ابن کثیر نے زینت سے مرعام لی ہے اور صراحت کی ہے کہ زمین کی زینت جمادات، نباتات اور تمام حیوان ہیں خواہ انسان ہوں یا دوسرے جانور۔ بعض مفسرین کے نزدیک صرف آدمی مراد ہیں۔ یہ ہی زمین کی زینت ہیں۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ علماء دین اور مردان خدا مراد ہیں۔ یہی زمین کی زینت ہیں۔ سعید بن جبیر اور حسن بصری کا بھی یہی قول مروی ہے۔ امام رازی نے فرمایا جس طرح آسمان کی زینت ستارے ہیں اسی طرح زمین کی زینت ہر وہ چیز ہے جس سے روئے زمین پر خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ ابن کثیر اور امام رازی کے اقوال قریب المفہوم ہیں، وہی مراد لینا اولیٰ ہے۔

تفسیری احتمال

ایماندار نیکوکار لوگوں کے دلوں میں اکثر ایک شبہ پیدا ہوتا ہے اور آج کل تو سطحی نظر رکھنے والے اس شبہ کا شکار ہو کر حق پرستی اور صداقت سے پہلو تہی کرنے لگے ہیں۔ وہ یہ کہ جو لوگ قیامت کے قائل ہیں نہ عذاب ثواب کے نہ جنت دوزخ کے بلکہ خدا کے بھی منکر ہیں اور اگر واجب الوجود کی ہستی کا اقرار کرتے بھی ہیں تو صراحتہً شرک بھی کرتے ہیں۔ کوئی مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیتا ہے اور صلیب کے آگے سجدہ ریزیاں کرتا ہے۔ کوئی فرضی دیوتاؤں کی فرضی مورتیوں کے سامنے ڈنڈوت کرتا ہے۔ کوئی آفتاب اور ستاروں کے آگے سربسجود ہوتا ہے۔ باوجود اس سرکشی اور نافرمانی کے یہ لوگ خوش عیش، خوش نصیب اور خوش حال ہیں۔ دولت، حشمت، حکومت، عزت، سلطنت سب کچھ ان کا ہے۔ بدھ مت کے شیفتہ ہندوازم کے علمبردار اور صلیب کے حامل سب ہی مسرت و خوشحالی سے ہمکنار ہیں لیکن تباہ کار خستہ حال اور مصیبت زدہ ہیں تو مسلمان۔ وہ مسلمان جو توحید کے علمبردار، دین الٰہی کے پرستار اور شریعت غرا کے خدمتگار ہیں۔ ان کی خدا پرستی ان کو تباہ کئے ہوئے ہے۔

برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

پھر مسلمانوں میں بھی وہ طبقہ خوشحال ہے جو خدا کا باغی رسول سے سرکشی کرنے والا، نماز روزہ کو جہالت کا تمغہ سمجھنے والا، جنت دوزخ اور عذاب ثواب کا مذاق اُڑانے والا ہے اور عملاً شراب خوار، بدکردار، زناکار، مکار، فریبی، جعلساز، منافق اور ڈپلومیٹ ہے۔ کیا خدا کو نیک طینت، فرماں بردار اور خوش اطوار مسلمانوں سے دشمنی ہے یا کلمہ توحید زبان سے نکالنا خدا کی دشمنی کا سبب ہے۔ غیروں سے یگانگت اور اپنوں سے بیگانگی، دوستوں پر جفا کاری اور دشمنوں سے رازداری، یہ کہاں کا شیوۂ انصاف ہے۔ غرض اسی قسم کے شبہات عام کیا اچھے اچھے تعلیم یافتہ دیندار لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اور جس سے ہوشیار مسلمان بھی گمراہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس شبہہ کو دور کرنے کے لئے ایمانداروں کو تسلی دیتے ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ روئے زمین کی کل بہار چند روزہ ہے۔ یہ تمام آرائش اور سجاوٹ فانی ہے۔ فانی کا اعتبار ہی کیا۔ یعنی یہ وجہ امتیاز اور سبب تفاخر نہیں ہو سکتی نہ یہ دوستی دشمنی اور عزت و ذلت کا معیار قرار پا سکتی ہے۔ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ اچھوں بروں کی آزمائش ہو جائے نیکوکاروں اور بدکاروں کی تفصیل اور ان کا باہم امتیاز ہو جائے عزت و ذلت کا معیار تو آخرت ہے۔

اَصحاب کہف کا قصّہ

آیات کی تفسیر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

اصحاب کہف کا مختصر قصہ لکھ دیا جائے جو محمد بن اسحاق بن یسار، ابن کثیر، گبن، ولیم میور وغیرہ مورخین اسلام و جرج کی تصریحات سے ثابت ہے۔

شہر افسوس یا افسس جس کو عربی میں طرطوس کہتے ہیں۔ ایشیائے کوچک کا ایک شہر ہے۔ اس میں ارتمیس دیوی کا ایک مندر تھا جس کا شمار عجائبات عالم میں ہوتا تھا۔ سکندر رومی کی شب ولادت میں کسی شخص نے اس کو جلا دیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد پھر اس کی تعمیر کی گئی۔ اس شہر سے تین میل کے فاصلہ پر وہ پہاڑ ہے جس کے غار میں اصحاب کہف غائب ہوئے تھے۔ یہ غار کئی میل لمبا ہے۔ اس کی کئی شاخیں اور ہیبت ناک درے ہیں۔

شاہان روم کا پایہ تخت، ملک اٹلی میں شہر روم تھا۔ فیلیپس کے عہد کے بعد ۲۴۹ء میں ڈیشیش یعنی دقیانوس بادشاہ ہوا۔ اس زمانہ کے قیاصرۂ روم عموماً بت پرست تھے۔ عام بت پرستی کا رواج تھا۔ خصوصاً جوپٹر کی عبادت تو فرض قطعی تھی۔ جو کوئی انکار کرتا اس کو طرح طرح کے عذاب دیکر قتل کیا جاتا تھا۔ اصحاب کہف کی فراری کا واقعہ ۲۴۹ء یا ۲۶۲ء میں ہوا۔ تین سو برس یہ خواب کی حالت میں رہے۔ ۵۴۹ء میں یعنی رسول پاکؐ کی ولادت مبارکہ سے تقریباً ۲۰ سال پہلے بیدروس قیصر روم ہوا یہ دیندار بادشاہ تھا اسی کے زمانہ میں اصحاب کہف نے بیدار ہو کر اپنے آدمی کو کچھ کھانے پینے کا سامان لینے کے لئے شہر میں بھیجا تھا اور اسی کے دور میں اصحاب کہف کے غار کے دہانہ پر کتبہ لگایا گیا تھا۔

حشو و زوائد حذف کرنے کے بعد ہم اب اصل قصہ لکھتے ہیں۔ دقیانوس شاہ روم اگرچہ نصرانی مذہب رکھتا تھا مگر حضرت کے دور کو ڈھائی سو برس کا عرصہ گذر چکا تھا اور دین عیسوی بگڑ بگڑا کر کچھ سے کچھ ہو گیا تھا۔ توحید کی بجائے بت پرستی کا عام رواج تھا۔ بادشاہ بھی بت پرستی کی طرف جھک گیا تھا اور چونکہ طبعاً ظالم و جفا کار تھا اسلئے رعایا کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ بتوں کے ناموں پر بھینٹ چڑھوا تا تھا اور جو انکار کرتا تھا اس کو قسم قسم کی تکلیفیں دیکر قتل کرا دیتا تھا۔ کسی کو آگ میں جلوا دیتا تھا۔ یہ سفاک ظالم بادشاہ شہر شہر گشت لگاتا سینکڑوں کو بت پرست بناتا اور ہزاروں اہل توحید کو تہ تیغ کرتا ہوا شہر افسوس یعنی طرطوس میں بھی آنکلا۔ اہل ایمان اپنا دین بچانے کے لئے شہر سے بھاگے اور سرکاری سپاہیوں نے گرفتار کرنا شروع کیا، کوئی مارا گیا، کسی نے توحید سے بیزاری کا اعلان کیا اور بادشاہ کے حکم سے بت پرستی اختیار کر لی۔ امرائے شہر کے چند لڑکے جو نوجوان تھے اور جن کے دلوں میں نور ایمان پیوست ہو چکا تھا اور جو عام قوم اور حاکم وقت کی حالت دیکھ کر تنگ آ گئے تھے، اپنے اپنے گھروں سے انفرادی طور پر نکلے اور ہر شخص اپنی جان اور دین بچانے کے لئے اعزا و اقارب مال و منال اور گھر بار چھوڑ کر چل دیا اور ایک جگہ پناہ لینے کے لئے بیٹھ گیا

حسن اتفاق دوسرا تیسرا چوتھا غرض ہر ایک اسی خیال کے تحت گھر سے نکلا اور جہاں پہلا نوجوان آکر بیٹھا تھا وہیں سب جمع ہو گئے اور سب نے ڈرتے ڈرتے اپنا حال دوسرے سے کہا ادھر سرکاری آدمی تلاش میں تھے۔ سراغ لگاتے لگاتے سب کو گرفتار کر کے دقیانوس کے سامنے لے گئے۔ دقیانوس نے بت پرستی کی ترغیب دی مکسلمینا جو سب میں بڑے تھے آگے بڑھے اور بولے ہم مالک زمین و آسمان کو چھوڑ کر کسی کی پرستش نہیں کر سکتے۔ ہم سے کفر و شرک کی امید نہ رکھو۔ ہم ہر دکھ سہنے کے لئے تیار ہیں۔ ساتھیوں نے بھی اس قول کی تائید کی اور توحید پر اتفاق ظاہر کیا۔ بادشاہ نے ان کی یہ جرأت دیکھ کر امیرانہ لباس اتروا لیا اور بولا تمہاری نوجوانی اور حسن پر ترس آتا ہے اس لئے چند روز کی مہلت دیتا ہوں تاکہ ہوش و حواس درست ہو جائیں اور عقل ٹھکانے پر آجائے۔ چنانچہ ان علمبرداران توحید کو چند روز کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ بادشاہ خود شہر افسوس سے چلا گیا۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بادشاہ کی واپسی پر وہی فتنہ ہوگا جب گھر بار اور قوم کو چھوڑا ہے اور بت پرستی سے روگردانی کی ہے تو بہتر ہے کہ یہاں سے نکل چلو اور کسی غار میں چھپ رہو۔ مشورہ کے بعد سب نے اپنے اپنے گھروں سے کچھ نقد کچھ سامان ساتھ لیا اور شہر سے تین میل کے فاصلے پر کوہ بنجلوس میں ایک بڑے غار کے اندر جا چھپے۔ وہاں سجدہ میں گر پڑے۔ حق تعالیٰ سے زاری کی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی بے چینی اور تشویش رفع کرنے کے لئے ان کے دماغوں پر ایسا نیند کا پردہ ڈالا کہ سب سو گئے۔ دقیانوس واپس آیا۔ ہر طرف تلاش کرایا کہیں پتہ نہ چلا۔ اصحاب کہف کے جاتے وقت ایک کتا بھی ساتھ ہو لیا تھا جو شکار یا کسی دوسری جائز مصلحت کے لئے تھا۔ وہ غار کی دہلیز پر بیٹھ گیا اور خواب و بیداری میں اس کا حال بھی انہی جیسا ہوا۔ تین صدیاں یونہی گذر گئیں۔ تخت روم پر کئی بادشاہ بدلے۔ ملکی رسوم و رواج میں تغیر عظیم پیدا ہو گیا یہاں تک کہ ایک نیک و دیندار عیسائی بادشاہ جس کا نام بیدروس تھا والی ملک ہوا (ابن کثیر، مفسر سراج اور محی السنۃ نے تندوسیس نام لکھا ہے۔ اور حیوٰۃ الحیوان میں تاودوسیوس بتایا ہے۔) اور لوگوں کو ایمان کی طرف بلایا۔ چونکہ مذہبی تحریف و تغیر کو صدیاں ہو چکی تھیں اسلئے بہت سے لوگ اصلاح پر نہ آئے بدستور کفر و شرک پر قائم رہے اور آبائی مذہب نہ چھوڑا۔ بالآخر بادشاہ نے دعا کی کہ پروردگار کوئی ایسی علامت ظاہر فرما جس سے لوگوں کو مر کر دوبارہ پیدا ہونے کا یقین آجائے۔ دعا قبول ہوئی۔ اور قمری حساب سے پورے تین سو نو برس کے بعد یعنی ۵۴۹ء میں اصحاب کہف کی آنکھ کھلی۔ جس وقت غار میں سوئے تھے اس وقت آفتاب قریب غروب تھا اور بیداری کا بھی قریب قریب وہی وقت تھا اور پھر نیند بھر سو بھی لئے تھے۔ اس لئے وہ کہنے لگے کہ تقریباً پورے دن ہم سوئے ہوں گے

اور چونکہ بھوک کی بھی خواہش تھی پھر یہ بھی فکر تھا کہ خدا جانے ہمارے بھاگنے کے بعد کیا فیصلہ ہوا اس لئے تملیخا کو بھیجا گیا تاکہ سرکاری آدمیوں کی نظروں سے بچتے بچاتے اپنی خوش تدبیری کے ساتھ شہر میں جائیں اور تحقیق کر کے کھانا لائیں کہ کہیں حرام ذبیحہ تو نہیں ہے۔ تملیخا دقیانوسی سکہ لیکر شہر کے دروازہ پر پہنچے تو شہر کا دروازہ بدلا ہوا نظر آیا۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا نہ وہ بازار ہے نہ وہ شہر ہے نہ وہ آدمی ہیں نہ قدیم عمارتیں ہیں نہ وہ طرزِ معاشرت ہے۔ یا تو کوئی عیسیٰؑ کا نام لیوا نہ تھا یا اب بہتیرے آدمی نمازیں پڑھتے اور صورت شباہت سے نیکوکار نظر آتے ہیں۔ یہ تغیر دیکھ کر حیران ہو کر ایک ایک کا منہ تکنے لگے۔ شہر کا نام پوچھا تو افسوس معلوم ہوا۔ غرض اُسی حیرانی میں ایک دوکان سے سودا خریدنے کے لئے سکہ نکالا۔ جو کاندار پرانا سکہ دیکھ کر متعجب ہوا اور شبہہ ہوا کہ اُن کو کہیں گڑھا ہوا دفینہ ملا ہے۔ رشدہ رشدہ چاروں طرف سے آدمی جمع ہونے لگے۔ عوام تو جانوروں کی خاصیت رکھتے ہی ہیں بھیڑ ہو گئی حاکم وقت سے بھی کسی نے تذکرہ کر دیا۔ بیدروس نے طلب کیا۔ انہوں نے جا کر پورا واقعہ کہہ دیا۔ آخر سب غار تک آئے اور تملیخا غار میں داخل ہو کر غائب ہو گئے۔ خدا جانے دوبارہ سو گئے یا وفات پا گئے۔ بادشاہ نے پتھر یا سیسے کی لوح کا کتبہ غار کے دہانے پر لگوا دیا۔ اب ہم آیات کی تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بقیہ مضامین ہر آیت کے تحت بیان کریں گے جو اپنے موقع اور محل پر ظاہر ہوں گے۔

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَ

(اے محمد) کیا تم نے سمجھا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم والے

الرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۝

ہماری نشانیوں میں سے عجیب چیز تھے

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا

جب چند جوان اس غار میں جا بیٹھے اور بولے

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَ

اے ہمارے رب ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہم کو

هَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلَىٰ

ہمارے کام میں کامیابی (راہ یابی) مرحمت کر پس ہم نے کئی برس تک

آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا

غار کے اندر اُن کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈالے رکھا

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ

پھر ان کو اٹھایا تاکہ صاف معلوم ہو جائے کہ دونوں گروہوں میں

أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ۝ ع ۱۲

سے ٹھیرنے کی مدت کس نے خوب یاد رکھی

تفسیر یہودیوں نے کفار مکہ کو جو تین سوال تلقین کئے تھے وہ اُن کی نظر میں نہایت عجیب تھے۔ کسی شخص کا مشرق سے مغرب تک سفر کرنا اُس زمانہ میں عجیب ترین بات تھی۔ روح کی حقیقت کے متعلق سوال بھی کچھ کم عظمت نہیں رکھتا پھر سب سے بالا اصحاب کہف کا واقعہ تھا۔ تین سو برس تک آدمی کا سوتا رہنا کس قدر تعجب خیز اور حیرت آفریں امر تھا۔ یہودی تو پھر اہل کتاب تھے اور علم و معرفت کا دعویٰ رکھتے تھے۔ جب مذکورہ تینوں امور اُن کی نظر میں تعجب انگیز تھے تو مکہ کے کافر جن کو علم و معرفت کی ہوا بھی نہ لگی تھی واقعات عالم سے قطعاً نابلد تھے تاریخ سے کوئی بہرہ اُن کو نہ ملا تھا اُن کو کیوں تعجب نہ ہوتا۔ حالانکہ اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ تعجب انگیز ہمارا علاماتِ قدرت موجود ہیں۔ تخلیق کائنات ذرہ سے لیکر آفتاب تک اپنے اندر حیرت و تعجب کے بے پایاں ذخائر رکھتی ہے۔ چشم تخیر ور کی ضرورت ہے۔ دیدہ بینا لازم ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ کہف و رقیم والوں کا قصہ تم کو عجیب معلوم ہوتا ہے حالانکہ دوسری علاماتِ قدرت اور نشانہائے فطرت کے مقابلہ میں اس قصہ میں کوئی اچنبھا نہیں ہے۔

حَسِبْتَ میں خطاب رسول اللہ صلعم کو ہے لیکن سائل رسول پاک نہ تھے۔ نہ حضورؐ کو اصحاب کہف کے قصہ سے کوئی تعجب تھا۔ آپ تو اس سے کہیں زیادہ حیرت آفریں مناظرِ قدرت ہر وقت دیکھتے تھے۔ اس لئے مفسرین نے کہا ہے کہ روئے خطاب سوال کرنے والوں کی طرف ہے۔ سائلوں میں سے ہر شخص کو مخاطب کر کے جواب دینا تو دشوار تھا اس لئے کافروں پر تعریض کرتے ہوئے حضورؐ کو خطاب فرمایا۔ اردو میں بھی یہ محاورہ بکثرت مستعمل ہے۔

کہف بڑے غار کو کہتے ہیں۔ ابن کثیر نے اس کی صراحت کی ہے۔ حیات الحیوان میں کہف کا نام حزم لکھا ہے۔ عطیہ، قتادہ، عوفی وغیرہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ رقیم اصحاب کہف کے مکانات کا نام ہے۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ کعب کے نزدیک رقیم اُس قریہ کا نام ہے

جہاں اصحاب کہف رہتے تھے۔ ابن جریج کی روایت میں رقیم اس پہاڑ کا نام ظاہر کیا گیا ہے جس میں غار تھا۔ ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ پہاڑ کا نام بنجلوس تھا۔ شعیب جبائی نے بھی پہاڑ کا نام بنجلوس ہی لکھا ہے۔ لیکن حیات الحیوان میں منجلوس لکھا ہے ابن عباسؓ کا قول بطریق علی بن ابی طلحہ یہ ہے کہ رقیم کے معنی ہیں "کتبہ"۔ سعید بن جبیر نے کہا رقیم پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا حال لکھ کر غار پر رکھا تھا۔ عبدالرحمٰن بن زید کا بھی یہی قول ہے۔ ابن کثیر اور ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ مفسر سراج نے لکھا ہے کہ رقیم سیسہ کی لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا حال لکھا تھا۔ محی السنہ نے تفسیر معالم میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

تفسیر سراج میں یہ بھی لکھا ہے کہ اصحاب رقیم ایک اور قوم تھی۔ مگر یہ قطعاً غلط ہے۔ سبب نزول اور بیان قرآنی اس کے منافی ہے نہ کفار نے اصحاب کہف کے علاوہ اور کسی قوم کی حالت دریافت کی تھی۔ نہ قرآن نے اُن کی تفصیل بیان کی۔

اس سے آگے اصحاب کہف کا قصہ مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ شاہ دقیانوس کے ظلم سے تنگ آکر اپنا دین و ایمان بچانے کے لئے چند نوجوان بھاگ کھڑے ہوتے (یہ نوجوان طرطوس یا افسوس یا افسس کے رہنے والے تھے) فرہاد مرزا نے اپنے جغرافیہ کے صفحہ ۲۳۴ پر لکھا ہے کہ ایشیاء کوچک کے مغربی سمت میں ازمیر سے جنوبی جانب تخمیناً ۳۷ میل کے فاصلہ پر شہر افسس واقع تھا۔ افسس کو اس زمانہ میں یازلوک کہتے ہیں۔ لارڈ ولیم میور نے تاریخ کلیسیا کے چھٹے باب میں صفحہ ۴۴۲ پر لکھا ہے کہ افسس کے رہنے والے سات جوان ڈیشیش کے ظلم کی سختی سے شہر چھوڑ کر پاس ہی کسی غار میں چھپے تھے اور وہاں نو سو تک برابر سوتے رہے۔ (الخ) اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ پروردگار اپنی طرف سے ہم پر رحمت نازل فرما اور توحید و ہدایت پر ہم کو ثابت قدم رکھ اور انجام بخیر کر۔ اللہ تعالےٰ نے دعا قبول فرمائی اور گہری نیند سے اُن کو سلا دیا۔

نوٹ:- سِنِیْنَ عَدَدًا کا یہ مطلب نہیں کہ صرف چند سال کے لئے اُن کو سلا دیا۔ عَدَدًا سے مراد قلت نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے بہت برسوں تک جن کی تعداد اللہ کے نزدیک مقرر تھی اُن کو سلا دیا (ابن کثیر) اس کے بعد فرماتا ہے کہ مدت کے بعد ہم نے اُن کو بیدار کیا تاکہ تفصیلی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ مدت خواب میں اختلاف کرنے والے دو گروہوں میں کون صحیح حساب پر ہے اور کس کو ٹھیک مدت معلوم ہے۔ مدت خواب میں اختلاف کرنے سے یا تو وہ اختلاف مراد ہے جو بیدار ہونے کے بعد اصحاب کہف میں خود آپس میں تھا۔ کوئی ایک روز اور کوئی ایک روز سے کم کہتا تھا۔ یا وہ اختلاف مراد ہے جو اُس زمانہ کے لوگوں میں تھا۔ کوئی دو سو برس اور کوئی تین سو برس کہتا تھا۔ یہ اختلاف اب تک اسلامی اور عیسائی مورخوں میں موجود ہے۔ مسلمان مورخ تین سو برس اور عیسائی مورخ دو سو برس کہتے ہیں۔

مقصود بیان:- اَمْ حَسِبْتَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ گو تعجب خیز ہے مگر آیاتِ قدرت اور شواہد فطرت اس قصہ سے کہیں زیادہ حیرت آفریں ہیں۔ فَقَالُوْا سے یہ تعلیم دینی مقصود ہے کہ جو شخص دنیوی جور و ستم اور کفر و شرک سے بھاگ کر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اُس کو سب سے پہلے اللہ سے نزول رحمت کی دعا اور انجام بخیر ہونے کی التجا کرنی ضروری ہے۔ فَضَرَبْنَا الخ سے اس بات کی طرف لطیف ایماء ہے کہ جو قوم اللہ کی ہو جاتی ہے اور تضرع و زاری کے ساتھ اللہ سے دعا کرتی ہے خداوند تعالیٰ اُس کی بہبودی اور عافیت کے اسباب خود فراہم کر دیتا ہے اور کوئی قہار و جابر حکومت بھی اُس کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت کے کرشمے گوناگوں ہیں۔ فطرت کی نیرنگی کا ایک ہی نتیجہ نہیں ہوتا۔ اصحاب کہف پر خواب کو مسلط کرنے سے ایک طرف تو اُن کی عافیت اور نجات مقصود تھی۔ دوسری طرف یہ بھی غرض تھی کہ کامل آزمائش ہو جائے۔ مؤمن و کافر اصحاب قیاس اور ارباب یقین کی تمیز و وضاحت ہو جائے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ

ہم تم سے اُن کا ٹھیک ٹھیک حال بیان کرتے ہیں

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ

وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے اُن کو زیادہ

هُدًى ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ

ہدایت دی تھی اور ایمان پر اُن کے دلوں کو مضبوط کر دیا تھا جب

[1] ولیم میور نے مدت خواب نو سو برس لکھی ہے یہ اس کی تاریخ دانی کا قصور ہے۔ اس مصنف نے بیان قرآنی کو مبالغہ آمیز کہا ہے حالانکہ تعصب کی عینک اگر اتار کر دیکھا جاتے تو مصنف مذکور کا بیان غلط ہے کیونکہ سنہ ۲۴۹ء میں دقیانوس شاہ اطلی تھا اور اسی کے زمانہ کا یہ واقعہ ہے۔ پھر سنہ ۵۴۹ء میں بیادوس قیصر تھا اس کے زمانہ میں اصحاب کہف نے اپنا آدمی کھانا لینے کو بھیجا اور واقعہ کا انکشاف ہوا۔ ظاہر ہے کہ سنہ ۲۴۹ء سے سنہ ۵۴۹ء بحساب شمسی تین سو برس اور بحساب قمری تین سو نو برس ہوئے۔ اہل اسلام کا حساب قمری ہے اسلئے تین سو نو برس کی انہوں نے صراحت کی ہے ولیم کی تاریخ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی ۱۲

فَقَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا ہمارا رب آسمان و زمین کا

وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ

مالک ہے ہم اس کو چھوڑ کر کسی معبود کو ہرگز نہ پکاریں گے

اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ هٰٓؤُلَآءِ

ورنہ بعید از عقل بات کے مرتکب ہوں گے یہ جو

قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ط

ہماری قوم ہے انہوں نے اس کو چھوڑ کر معبود قرار دے رکھے ہیں

لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ط

یہ اُن کی خدائی پر کیوں کوئی واضح دلیل نہیں پیش کرتے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

اس شخص سے بڑھ کر ناحق کوش کون ہوگا جس نے اللہ پر دروغ بندی

كَذِبًا ۝ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا

کی ہو جب تم ان (کافروں) سے اور ان چیزوں سے

يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى

جن کی اللہ کے علاوہ یہ عبادت کرتے ہیں الگ ہوگئے تو اب غار میں چل کر

الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ

بیٹھ رہو تاکہ تم پر تمہارا رب اپنی رحمت کشادہ کردے

وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝

اور تمہارے کام میں آرام کا سامان مہیا کردے

تفسیر مجمل قصہ بیان کرنے کے بعد بیان سے تفصیل شروع فرمائی۔ بادشاہ دقیانوس کا شہر افسوس میں داخل ہونا، بت پرستی کو پھیلانا، اہل ایمان کو سخت تکلیفیں دینا، قتل کرنا۔ ان تمام واقعات کو قرآن نے نہیں بیان فرمایا۔ اس کے بجائے نتیجہ ظاہر کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اصحاب کہف چند نوجوان تھے (مجاہد نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ ان میں سے بعض کے کانوں میں بالے بھی پڑے تھے۔ بعض مفسروں نے کہا کہ وہ سب امیرزادے تھے بلکہ ایک تو وزیر کا بیٹا تھا) پروردگار پر سب کا ایمان تھا جب وہ دل سے مؤمن ہو چکے تھے تو اللہ نے اُن کو مزید ہدایت اور ایمان پر استقلال عطا فرمایا (بادشاہ نے اُن کو گرفتار کرایا۔ حاضر دربار ہوئے تو بادشاہ نے بُت پرستی کی ترغیب دی۔ اُنہوں نے جواب میں) کہا ہمارا رب وہ ہے جو آسمان اور زمین کا موجد مربی اور باقی رکھنے والا ہے۔ اُس کو چھوڑ کر ہم کسی کو معبود نہیں بنا سکتے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین کا اس امر پر اجماع ہے کہ اصحاب کہف امیرزادے تھے۔ اُن کی قوم کا دستور تھا کہ سال میں ایک مرتبہ تیوہار کے دن شہر سے باہر میلہ لگاتے، اپنے اپنے بتوں کی پوجا کرتے اور قربانیاں اور تمام بھینٹ چڑھاتے تھے۔ حسب دستور میلہ ہوا۔ اصحاب کہف بھی میلہ میں شریک ہوئے اور قوم کو بُت پرستی میں مبتلا دیکھا۔ یہ لوگ مختلف خاندانوں کے افراد تھے اور باہم شناسا نہ تھے۔ لیکن ہر ایک بجائے خود بت پرستی سے متنفر تھا۔ جب ہر ایک نے اپنے خاندان کو مورتی کی پوجا کرتے دیکھا تو خاندان والوں سے علیحدہ ہوگیا اور ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گیا۔ حسن اتفاق بحکم الٰہی دوسرا شخص بھی اپنے بت پرست خاندان سے علیحدہ ہو کر اسی درخت کے نیچے آ بیٹھا۔ اسی طرح سب لوگ توحید کو دل میں چھپائے اور بت پرستی کے خلاف اپنے سینہ کے اندر جذبہ لئے ایک ہی درخت کے زیر سایہ اکٹھے ہوگئے لیکن ہر ایک اپنے عقیدہ اور خیال کو دوسرے سے چھپائے ہوئے تھا۔ بالآخر ایک شخص بولا بھائیو! کوئی خاص سبب ضرور ہے کہ تم لوگ اپنے خاندانوں سے جدا ہو کر یہاں آ کر بیٹھے ہو مناسب ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو رازدار سمجھتے ہوئے اپنے اندرونی خیالات کا اظہار کرو۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر جواب دیا بھائیو! میں نے اپنی قوم کو پتھروں کے سامنے سر جھکاتے دیکھا مجھے یہ امر باطل معلوم ہوا۔ عبادت کے لائق تو وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ اس شخص کی جرأت دیکھ کر ہر ایک نے اپنا ایمان ظاہر کر دیا اور سب متفق الرائے ہوگئے اور ایک عبادتخانہ تعمیر کر لیا۔ کچھ زمانہ کے بعد اس واقعہ کی اطلاع بادشاہ کو ہوئی۔ اُس نے بلایا۔ یہ لوگ سر دربار پہنچے اور نہایت بے باکی سے اظہار حقانیت کیا۔ اور اپنے خاندانوں کے عقائد کی تردید کرتے ہوئے بولے اگر یہ لوگ حق پر ہیں تو کیوں اپنے عقیدہ کا واضح ثبوت نہیں پیش کرتے کیا خدا نے ان کو مورتی کی پرستش کا حکم دیا ہے یا یہ خود ساختہ کارروائی ہے۔ خود ساختہ عقیدہ تو بے بنیاد اور باطل ہے اور اگر اللہ کی طرف یہ اپنے عقیدہ اور عمل کو منسوب کرتے ہیں تو محض بہتان ہے اور خدا پر بہتان تراشی سے بڑھ کر اور کیا ناحق شناسی کی بات ہو سکتی ہے ابن کثیر نے لکھا ہے اہل توحید کا یہ جواب سن کر دقیانوس نے اُن کو ڈرایا دھمکایا، امیرانہ لباس اُتروا لیا اور سوچنے سمجھنے کیلئے کچھ زمانہ کی مہلت دی۔ یہ لوگ نکل آئے۔ اور ایک جگہ بیٹھ کر بولے بھائیو! جب تم لوگ ...

قوم اور اُس کی بُت پرستی سے کنارہ کش ہو گئے ہو تو چلو کسی غار میں پناہ گزین ہو جائیں۔ یقین کامل ہے کہ خدا تعالےٰ وہاں تم پر مصیبت نہ ڈالے گا اور کارسازی فرمائے گا۔ چونکہ اصحاب کہف کو اللہ پر کامل ایمان تھا اس لئے یقین کے ساتھ عافیت و نجات پا جانے کا انہوں نے اظہار کیا۔

مقصود بیان:۔ آیت نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ صاف دلالت کر رہی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کا تذکرہ کرنا اہل ایمان کا شیوہ ہے مگر تذکرہ کو سچائی اور تحقیق کے ساتھ بیان کرنا لازم ہے۔ افراط تفریط اور جھوٹا مبالغہ کسی طرح جائز نہیں۔ آیت وَزِدْنَاهُمْ هُدًى بتا رہی ہے کہ جو لوگ راہ خدا کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پروردگار پر ایمان رکھتے ہیں اللہ اُن کو ہدایت کرتا مزید ہدایت عطا کرتا اور ہدایت پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگرچہ نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی مگر ایمان کی شاخوں میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ اطمینان قلب، دل میں استقامت، ایمان پر ثبات، یہ تمام امور نفس ایمان سے زائد ہیں جو رفتہ رفتہ حاصل ہوتے ہیں۔ اس آیت سے امام بخاری اور بعض دیگر ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں زیادتی کمی ہوتی ہے۔ مگر صحیح وہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا اور اسی پر آیت دلالت کرتی ہے امام بخاری وغیرہ کا استدلال صحیح نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ رحؒ کا مسلک صحیح ہے کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ فرعی زیادتی اور نقصان ممکن ہے، آیت إِذْ قَامُوا فَقَالُوا صراحتہً یہ تعلیم دے رہی ہے کہ مسلمان کو اظہار حقانیت و اعلان صداقت میں بیباک ہونا چاہیئے۔ کسی پُرجبروت طاقت سے مرعوب نہ ہونا چاہیئے۔ لَوْلَا يَأْتُونَ الخ سے یہ بات واضح ہے کہ شرک اور غیر اللہ کی پرستش کا کوئی واضح ثبوت ممکن نہیں اور جس بات کا ثبوت ممکن نہیں اور جس بات کا ثبوت نہ ہو وہ واجب الترک ہے۔ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ الخ سے یہ تلقین کرنی مقصود ہے کہ اپنی طرف سے شرعی مسائل یا عقائد کا فیصلہ کرنا اور اُس فیصلہ کو بغیر کسی ثبوت کے اللہ کی طرف منسوب کرنا انتہائی حق ناشناسی ہے۔ آیت يَنشُرْ لَكُمْ رَبُّكُم مِّن رَّحْمَتِهِ سے اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان کے کمال اور انتہائی یقین کے وقت اللہ پر پورا بھروسہ رکھنا اور نجات و عافیت کا قطعی اعلان کرنا صحیح ہے۔ اللہ اپنے خاص بندوں کو تباہ نہیں ہونے دیتا۔ وغیرہ۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ

(اے مخاطب) جب آفتاب نکلتا تو اُن کے غار سے دائیں

عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا

طرف کو بچ کر نکلتا نظر آتا اور جب

غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ

ڈوبتا تو اُن سے بائیں جانب کتراجاتا اور وہ

فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ

غار کی کشادہ جگہ میں ہیں یہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے

مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن

جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے

يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝

وہ گمراہ چھوڑ دے تم کو اُس کا کوئی رفیق ہادی نہ ملے گا

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَ

(اے مخاطب) تو اصحاب کہف کو بیدار خیال کرتا حالانکہ وہ سوتے تھے

نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ

ہم اُن کو دائیں بائیں کروٹ دلا دیتے تھے

وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ

اُن کا کتا اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے غار کے دہانے میں موجود تھا

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا

(اے مخاطب) اگر تو اُن کو جھانک کر دیکھتا تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلتا

وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝

اور اُن کی طرف سے تیرے اندر دہشت سما جاتی

تفسیر لفظ تَرَى مِنْ آيَاتِ اللَّهِ تک صرف اتنا مطلب بیان فرمایا ہے کہ اصحاب کہف ایسی جگہ غار کے اندر سوتے ہیں کہ طلوع آفتاب کے وقت یعنی زوال سے قبل دھوپ اُن کے دائیں طرف سے ہو کر گذر جاتی ہے اور زوال کے بعد پچھلے پہر بائیں طرف رہتی ہے۔ غرض اُن پر دھوپ نہیں آتی۔ ابن کثیر نے فرمایا وہ غار شمال رویہ ہے۔ لیکن مکان کا رُخ کسی طرف ہو اتنے زمانہ تک بغیر تغیر اور تعفن کے انسانی بدن کا بقا ضرور کرشمۂ قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ یعنی اُن کا بقا، عجائبات قدرت میں سے ہے۔ زجاج نے کہا کہ غار کا رُخ شمال کی طرف ہونا آیت سے نہیں معلوم ہوتا

نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی سایہ کے نیچے ہیں جسکی وجہ سے اُن پر دھوپ نہیں پہنچتی بلکہ فِیْ فَجْوَۃٍ کا لفظ تو صاف بتا رہا ہے کہ وہ کھُلے میدان یا صاف جگہ میں ہیں جہاں کسی چیز کا سایہ نہیں لیکن خدا تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اُن پر دھوپ نہیں آنے دیتا۔ اسی کرشمۂ قدرت کی طرف اشارہ کرنے کیلئے فرمایا کہ یہ یعنی باوجود کھُلے میدان میں سونے کے دھوپ کا اُن پر نہ آنا اور عروج و زوال کے وقت آفتاب کا کترا جانا اللہ کے نشانہائے قدرت میں سے ایک نشان ہے۔ لیکن چونکہ ظاہری نظر رکھنے والے کور بصیرت انسان جو قیاس تراشیوں کو اعلیٰ ترین حجت سمجھتے ہیں کبھی اس امر کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے کہ ایک چیز کھلے میدان میں پڑی ہو اور پھر اُس پر دھوپ نہ آئے اور بغیر تغیّر کے صدہا سال باقی رہے۔ اس لئے ایسے گمراہ فرقے کو تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ جس کو خدا ہدایت فرماتا ہے درحقیقت وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسکو وہ گمراہ چھوڑ دے اُس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ یعنی انسان اپنی قیاس تراشیوں اور دماغ کی جولانیوں سے ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا عقل انسانی راہ حقیقت پانے سے قاصر ہے بشری دانش ظاہری اسباب کی جستجو میں لگی رہتی ہے۔ باطنی اسباب اُس کو نظر نہیں آتے۔ اسی لئے راہ حقیقت نہیں ملتی۔ اس سے آگے اصحابِ کہف کے خوابیدہ ہونے کی صراحت فرمائی۔ چونکہ اُن کی آنکھیں بیدار آدمیوں کی آنکھوں کی طرح کھُلی ہوئی ہیں جن کو دیکھ کر بیدار ہونے کا شبہہ ہوتا تھا۔
اس لئے وضاحت فرما دی کہ واقع میں وہ خوابیدہ ہیں اگرچہ دیکھنے والے اُن کو بیدار سمجھیں۔ اس سے آگے سطحِ عقل اور کوتاہ رس قیاس رکھنے والوں کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے فرماتا ہے کہ ہم دائیں بائیں اُن کو کروٹیں دلاتے ہیں (جن سے اُن کی بدنی حالت خراب نہیں ہونے پاتی اور دونوں کروٹوں پر ہوا لگتی رہتی ہے) یہ صرف ظاہر بیں نظر رکھنے والوں کے شبہات کو دور کرنے کے لئے فرمایا ورنہ خدا تعالیٰ بغیر کروٹ دلائے بھی اصلی حالت پر قائم رکھ سکتا ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بعض سلف سے مروی ہے کہ سال میں دو مرتبہ اُن کو کروٹ دلائی جاتی تھی۔ سراج و معالم میں بروایت ابوہریرہؓ اسی کی صراحت ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ نو برس میں ایک کروٹ اور نو برس میں دوسری کروٹ لیتے تھے بعض مفسرین نے سال بھر میں صرف عاشورا کے دن کروٹ بدلنا ظاہر کیا ہے (میرے نزدیک یہ تمام روایات صیہونیوں کی کتابوں کی ہیں۔ صحیح وہی ہے جو امام رازی نے فرمایا کہ کروٹوں کی تعیین اور تقدیر میں عقل کو دخل نہیں اور قرآن میں اللہ نے اُس کا کوئی اندازہ نہیں بتایا نہ حضور اقدس صلعم نے حادیث میں اس کے متعلق کچھ فرمایا۔ لہذا تعیین لغو ہے۔
اس کے بعد فرماتا ہے کہ اسی حالت میں اُن کا کتا بازو پھیلائے غار کی دہلیز پر پڑا ہے اور یہ مجموعی حالت کچھ ایسی ہیبتناک اور وحشت

آفرین ہے کہ ہر وہ شخص جو اُن کو جھانک کر دیکھے ڈر کے مارے مُنہ پھیر کر بھاگنے پر مجبور ہو جائے۔ (آنکھیں کھُلی ہوئیں، ناخن بڑھے ہوئے۔ سر اور ڈاڑھی کے بال لمبے لمبے تنگ اور تاریک مکان وہ بھی پہاڑ کا غار۔ یہ اسباب عجیب ہیبت خیز ہیں) اِطَّلَعْتَ اور وَلَّيْتَ کے صیغے خطاب کے ہیں اور رسول پاک صلعم مخاطب ہیں۔ مگر روئے خطاب ہر شخص کی طرف عمومی ہے۔ حضور صلعم کی ذات مخصوص نہیں۔ یہ طرز ادا صرف محاورہ ہے اس لئے غیر مسلم متعصب طبقہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رسول اسلامی نعوذ باللہ ڈرپوک اور بزدل تھے کہ اصحاب کہف کو ڈر کے مارے دیکھنے کی بھی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ روئے خطاب حضور صلعم کی طرف نہیں ہے۔
ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ کُتّا اُن کے ساتھ شکار کا تھا بعض علماء کا قول ہے کہ بادشاہ کے باورچی کا تھا۔ کسی نے چرواہے کا کُتّا بیان کیا ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہو۔ اتنا آیت سے ثابت ہے کہ ایک کُتّا ضرور تھا۔ ابن عساکر نے حسن بصری رح کا قول بیان کیا ہے کہ اُس کُتّے کا نام قطمیر تھا۔ مجاہد نے قطمورا نام بتایا ہے۔

مقصود بیان :- اللہ اپنے بعض نیک بندوں کی جسمانی ساخت کو کبھی خراب نہیں ہونے دیتا۔ چنانچہ اصحاب کہف کے اجسام ہر طرح سے محفوظ ہیں۔ اللہ کی قدرت کے کرشمے غیر محدود ہیں۔ عقل بشری کی رسائی وہاں تک نہیں۔ آیت مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ میں اس طرف ترغیب ہے کہ قول الٰہی میں جس بات کی صراحت آگئی ہو وہ عقل میں آئے یا نہ آئے اُس پر یقین رکھنا لازم ہے۔ آخر میں اصحاب کہف کے منظر کا ہیبتناک ہونا ظاہر فرمایا

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ
اسی طرح ہم نے اُن کو جگا اٹھایا تاکہ وہ باہم پوچھ کچھ کریں
قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۚ قَالُوْا
اُن میں سے ایک نے کہا تم کتنی دیر ٹھیرے ہو گے بولے
لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوْا
ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم ٹھیرے ہونگے (پھر) کہنے لگے
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۚ فَابْعَثُوْٓا
تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کتنے ٹھیرے ہوگے اچھا اب
اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ
یہ سکہ لیکر کسی کو شہر میں بھیجو

فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ

اور وہ دیکھے کہ سب سے عمدہ کھانا کونسا ہے پھر تمہارے کھانے کو کچھ لے آئے

بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ

مگر اس کو تدبیر سے جانا چاہیئے کسی کو تمہاری خبر

بِكُمْ أَحَدًا ۝ إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا

نہ ہونے دے کیونکہ اگر ان لوگوں کو تمہاری اطلاع

عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي

ہوجائے گی اور ان کا تم پر قابو چل جائیگا تو وہ تم کو پتھروں سے مار ڈالینگے یا اپنے

مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ۝ وَ

مذہب میں لوٹا لینگے اور اس وقت تمہارا کبھلا نہ ہوگا

كَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ

ہم نے اسی طرح لوگوں کو ان پر مطلع کردیا تاکہ ان کو معلوم ہوجائے

وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ

کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں

فِيهَا ۚ إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ

ہے جب وہ لوگ آپس میں اپنے معاملے میں جھگڑ رہے تھے

فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۖ رَبُّهُمْ

اور کہہ رہے تھے کہ اصحاب کہف (کے غار) پر ایک عمارت بنادو ان کا رب

أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا

ان کے حال سے خوب واقف ہے جو لوگ ان باتوں میں غالب آئے وہ

عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا

بولے کہ ہم ان پر ایک مسجد بنائیں گے

تفسیر اصحاب کہف کے خواب کو جب تین سو نو برس گذر گئے اور بیں دوس بادشاہ کا زمانہ آیا تو بیدروس نے شرک کو مٹانے

اور توحید کو پھیلانے کی کوشش کی عذاب حشر سے لوگوں کو ڈرایا۔ سینکڑوں برس کے موروثی عقائد یک دم کیسے بدل سکتے تھے۔ لوگ دل سے بت پرستی کی طرف مائل تھے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ان کو کسی طرح یقین نہ آتا تھا۔ مؤمن طبقہ ہرچند ان کو سمجھاتا مگر ان کے شبہات زائل نہ ہوتے تھے۔ بالآخر بادشاہ نے اللہ سے دعا کی کہ مرنے کے بعد زندہ ہوکر اٹھنے کی کوئی شافی دلیل غیب سے ظاہر فرما دے۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی۔ حسن اتفاق کسی نے غار کی دیوار کو مکان بنانے کے لئے گرایا۔ اور غار کا منہ کھل گیا۔ ادھر دیوار گری ادھر خدا نے سونے والوں کو بیدار کردیا۔ آیات مذکورہ میں خدا تعالیٰ نے تین مطالب ظاہر فرمائے ہیں

(۱) جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اصحاب کہف کو مدت دراز تک بغیر کسی تغیر کے محفوظ رکھا اسی طرح کمال قدرت کے اظہار کے لئے ان کو بیدار کیا۔ بیدار ہونے کے بعد انہوں نے باہم پوچھنا شروع کیا۔ یہاں سوئے ہوئے کتنا وقت ہوا؟ دوسروں نے جواب دیا ایک دن یا کچھ کم۔ کیونکہ سونے والے کو تخمینی مدت معلوم ہوا کرتی ہے۔ غار کے اندر صبح کے وقت (یا قریب غروب) داخل ہوئے تھے، بیدار ہوئے تو پچھلا پہر تھا۔ اس لئے ایک دن کا تخمینہ قائم کیا لیکن جب سر کے بال اور ناخن بڑھے دیکھے تو زیادہ مدت کا اندازہ کیا اور بولے خدا ہی خوب جانتا ہے کہ ہم کتنا سوئے۔ اس وقت تک بھی سینکڑوں برس تک سونے کا ان کو علم نہ تھا اور یہی سمجھ رہے تھے کہ دقیانوس شہر میں واپس آگیا ہوگا۔ ہماری تلاش میں سرکاری آدمی گھوم رہے ہونگے لیکن بھوک، پیاس بھی معلوم ہو رہی تھی۔ کھانے پینے کا سامان موجود نہ تھا۔ اس لئے دقیانوسی سکہ دیکر ایک آدمی (تملیخا) کو بھیجا اور تاکید کردی کہ خوش تدبیری سے چھپتے چھپاتے جانا اور دانشمندی کے ساتھ کھانے پینے کا حلال سامان خرید کرنا۔ ایسا نہ ہو کسی کو سن گن معلوم ہوجائے اور شاہی آدمی ہم کو پکڑ لیں۔ کیونکہ گرفتار کرنے کے بعد یا تو ہم کو بت پرستی اختیار کرنے پر مجبور کرینگے یا مار ڈالینگے (اول الذکر صورت میں آخرت تباہ ہوگی اور مؤخر الذکر شکل میں زندگی سے ہاتھ دھونا پڑینگے) بہرحال اطلاع کے بعد خرابی ہی خرابی ہے کوئی فلاح کی صورت نظر نہ آئے گی۔

اس کے بعد کا قصہ یعنی تملیخا کا شہر کو جانا، شہر کی عمارت، طرز معاشرت، بازار اور مذہبی کیفیت کا متغیر نظر آنا، دکان پر پہنچکر سکہ دینا، دقیانوسی سکہ دیکھ کر لوگوں کا تعجب کرنا، شدہ شدہ حاکم وقت تک اطلاع پہنچنا، تملیخا کا حاضر دربار ہونا اور واقعہ بیان کرنا اور پھر لوگوں کو اپنے ساتھ لانا یہ تمام واقعہ آیات میں مذکور نہیں ہے۔ کتب تفسیر میں مفصل مذکور ہے۔

(۲) قرآن پاک قصص و روایات کی کتاب نہیں۔ اس کا مقصد تاریخی افسانے اور کہانیاں بیان کرنا نہیں ہے۔ جتنے قصے اس میں مذکور ہیں سب کی غرض ہدایت و اصلاح ہے۔ کہیں اعمال کی درستگی اور کہیں عقائد کی راستی پیش نظر ہوتی ہے اصحاب کہف کو تین سو برس تک خواب میں رکھنا اور پھر بیدار کرنا اور ان کا قصہ بیان کرنا اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ عقیدہ کی درستگی ہو جائے۔ بیدا روس کے زمانہ میں جو لوگ حیوٰۃ بعد الممات کے منکر تھے اُن کی آنکھیں کھل جائیں اور یقین ہو جائے کہ جب خدا تین سو برس کے بعد بھی خواب سے اٹھا سکتا ہے تو مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانا کون مشکل کام ہے۔ موت اور خواب دونوں باہم مشابہ ہیں۔ اَلنَّوْمُ اَخُوالْمَوْت مشہور مقولہ ہے۔ حواس کا تعطل اور بیرونی زندگی کا فقدان دونوں میں ہوتا ہے۔ روح سیالی دونوں میں بدن سے خارج ہو جاتی ہے۔ فرق رہتا ہے تو صرف روح حیات بخش کے تعلق و عدم تعلق کا۔ پھر رسول پاک کے زمانہ میں اس قصہ کو قرآن میں بیان کرنا بھی اسی نقطۂ نظر کے تحت تھا کہ کفار کو وجود قیامت کا یقین ہو جائے۔

(۳) بادشاہ وقت مع اسٹاف کے تملیخا کے ساتھ غار پر پہنچا اور اندر داخل ہوا یا نہ ہوا بہر حال تملیخا اپنے ساتھیوں سے جا ملے اور اصحاب کہف غائب ہو گئے۔ خواہ وفات پا گئے یا دوبارہ سو گئے تو اس وقت غار کیا منہ بند کر دینے کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہوا۔ باتفاق رائے یہ بات طے ہوئی کہ اصحاب کہف کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ اللہ اُن کی حالت سے بخوبی واقف ہے۔ لیکن یادگار کے طور پر کوئی نشانی یا علامت قائم کر دی جائے۔ یہیں غار کے منہ پر کوئی عمارت بنا دی جائے تاکہ دروازہ بھی بند ہو جائے اور یادگار بھی قائم رہے۔ اس کے بعد عمارت کی نوعیت میں اختلاف ہوا کہ کس قسم کی عمارت بنائی جائے۔ ہر گروہ نے اپنی رائے ظاہر کی۔ شاہی اسٹاف چونکہ طاقتور اور حکمراں تھا اس لئے اُس نے تجویز کیا کہ یہاں ایک عبادت خانہ بنا دو تاکہ لوگ یہاں نمازیں پڑھیں اور برکت نازل ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ باہمی نزاع اس بات میں تھا کہ قیامت کے دن انسان کا حشر کس طرح ہوگا۔ کوئی صرف حشر ارواح کا قائل تھا۔ کوئی ارواح مع ابدان کی بعثت کا عقیدہ رکھتا تھا۔ یا یہ مراد ہے کہ جب وہ غار میں دوبارہ غائب ہو گئے تو لوگوں میں اختلاف ہوا۔ کسی نے کہا دوبارہ سو گئے۔ کسی نے کہا وفات پا گئے۔

مقصود بیان: اللہ کو قدرت ہے کہ صدہا سال کی مدت پلک جھپکاتے میں ختم کر دے اور معلوم بھی نہ ہو کہ کتنی مدت گذری۔ اس میں لطیف اشارہ ہے اس طرف کہ اللہ کے نیک بندوں کو مرنے کے بعد سے لیکر قیامت تک کی مدت بہت ہی قلیل معلوم ہوگی۔ قیامت کے دن اٹھنے کے بعد اُن کو اپنے خواب کی مدت برسوں یا مہینوں کی نہیں بلکہ چند ساعت کی برابر نظر آئیگی۔ آیت فَلْيَنْظُرْ دلالت کر رہی ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ جب انسان مادی زندگی میں آئے تو اُس کو معاش کی فراہمی ضروری ہے۔ خواہ تقویٰ اور ایمان کی انتہائی چوٹی پر پہنچا ہوا ہو لیکن رزق حلال کی طلب چاہئے۔ حرام کا ترک لازم ہے۔ وَلْيَتَلَطَّفْ کا لفظ تعلیم دے رہا ہے کہ اگرچہ نیک بندوں کی حفاظت کا سامان غیب ہو جاتا ہے مگر ظاہری تدبیر ضرور اختیار کرنی چاہئے۔ خود آگ میں کودنا اور تقدیر پر ماندھا بھروسہ رکھنا کسی طرح جائز نہیں۔ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ الخ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کفار پر لازم ہے کہ حیات بعد الممات کو ملنے پر قیاس کریں جس طرح سونے کے بعد جاگ اٹھنا بقدرت الٰہیہ ہوتا ہے اسی طرح قیامت کے دن از سر نو زندگی عطا فرما کر اٹھایا جائیگا۔ ایک دقیق اشارہ اس جانب ہے کہ اللہ عادی افعال کے خلاف بھی کر سکتا ہے لیکن اُس کا کوئی فعل بغیر کسی خاص نتیجہ کے نہیں ہوتا اور نتیجہ صرف اصلاح عباد ہوتا ہے۔ آیت اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ اس مفہوم پر دلالت کر رہی ہے کہ نیک لوگوں کی یادگاریں قائم کرنے کا رواج پہلے ہی سے ہے لیکن جو اللہ کے خاص بندے ہیں وہ عام یادگاروں کو چھوڑ کر ایسی یادگار بناتے ہیں جس سے علاوہ اثر قدیم ہونے کے زندوں کے واسطے بھی فائدہ بھی ہو اور رحمت الٰہیہ کا نزول ہر وقت ہوتا رہے۔ وغیرہ۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ
لوگ کہتے ہیں کہ وہ تین ہیں چوتھا کتا ہے اور (بعض)
يَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا
کہتے ہیں کہ وہ پانچ ہیں چھٹا کتا ہے یہ سب بے دیکھے
بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ
تیر چلاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ سات ہیں آٹھواں
كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا
کتا ہے (اے محمدؐ!) تم کہدو میرا رب اُن کی تعداد سے بخوبی واقف ہے
يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۟ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا
تھوڑے ہی آدمی اُن کو جانتے ہیں تم اُن کے بارہ میں صرف سرسری
مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا
گفتگو کرو اور ان کے بارہ میں ان لوگوں میں سے کسی سے نہ پوچھو

تفسیر اصحاب کہف کا قصہ ضروری قصہ بیان کرنے کے بعد اُن کی تعداد کی صحت کی طرف ایما فرماتا ہے۔ اہل کتاب میں اُن کی تعداد میں پہلے سے اختلاف چلا آتا تھا۔ نجران کے عیسائی قائل تھے کہ اصحاب کہف تین تھے۔ یہودی نیز عرب کے بعض نصاریٰ چھ ہونے کے قائل تھے اور بعض (عیسائی) سات ہونے کے بھی قائل تھے۔ پہلے دونوں قولوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یہ سب بے تکی باتیں اور غیبی تیر اندازیاں ہیں۔ لہٰذا قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ لیکن تیسرے قول کے متعلق رجماً بالغیب نہیں فرمایا۔ اسی لئے اہلِ اسلام اس کے قائل ہیں اور چونکہ اصحابِ کہف کی صحیح تعداد کا علم مخصوصاتِ الٰہیہ میں سے نہ تھا خدا تعالیٰ نے خود فرما دیا کہ اُن کی تعداد کو کم لوگ جانتے ہیں۔ اسی لئے ابن عباسؓ نے فرمایا میں بھی اُن قلیل اہلِ علم میں سے ہوں اُن کی تعداد سات تھی۔ عکرمہ قتادہ، عطاء خراسانی وغیرہ نے ابن عباسؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے بھی سات ہی کی صراحت فرمائی ہے۔ لارڈ ولیم میور نے بھی اپنی کتاب تاریخ کلیسیا کے صفحہ ۲۴۶ پر اصحاب کہف کی تعداد سات ہی لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے عیسائی بھی اہل اسلام کی تحقیقات کو حق سمجھتے تھے۔ رہی یہ بات کہ نام کیا کیا تھے تو حضرت علیؓ نے اُن کے اسماء یہ بتائے تھے۔ یملیخا۔ مکشلمینا۔ مشلینیا۔ یہ تینوں بادشاہ کے دائیں طرف والے تھے۔ مرنوش۔ برنوش، شاذ نوش، یہ تینوں بادشاہ کے بائیں طرف والے تھے اور ساتواں ایک چرواہا تھا جس کا نام کشفطوس تھا) بیضاوی۔ خطیب نے بحوالہ ابن عباس یہ نام بتائے مکسلمینا۔ تمیخا۔ مرطونس۔ بینونس۔ ذونواتس۔ کشفیططیونس سامینیا امام رازی نے بجائے یملیخا کے تملیخا لکھا ہے اور باقی اسماء وہی ہیں جو بیضاوی نے لکھے ہیں۔ تفسیر خازن میں یہ نام ہیں۔ تملیخا۔ مکسلمینا مرطونس۔ بینونس۔ ساریبنونس۔ ذونواس۔ اور ساتواں کشفیططنونس کتے کا نام قطمیر یا قطمورا تھا۔

اس سے آگے فرماتا ہے کہ اصحاب کہف کے متعلق اہل کتاب سے دریافت نہ کرو اور نہ ان سے ان کی بابت زائد جھگڑا کرو۔ یعنی یہ صرف تاریخی قصہ ہے شرعی عقیدہ نہیں ہے۔ اگر اہل کتاب جھوٹ کہتے ہیں تو کہہ دو زیادہ جھگڑے کی ضرورت نہیں۔

مقصود بیان:۔ آخری آیت یعنی سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ دلالت کر رہی ہے کہ یہی تعداد ٹھیک ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق رجماً بالغیب نہیں فرمایا۔ اِلَّا قَلِيْلٌ کا لفظ بتا رہا ہے کہ بعض خاص آدمیوں کو بھی اُن کی صحیح تعداد معلوم ہے۔ جو مسائل شرعی نہ ہوں جن سے اصلاحِ عقیدہ اور درستگی اعمال وابستہ نہ ہو اُن میں جھگڑا کرنا نازیبا ہے۔ ممکن ہے کہ فریق مخالف کوئی بات صحیح کہتا ہو اور نادانستگی میں اس کی تکذیب ہو جائے یا غلط کہتا ہو اور تصدیق کر دی جائے۔ لیکن اس سے تاریخی اور علمی مباحث کی تحقیق کی ممانعت مستنبط نہیں ہوتی۔ اس کی ہر وقت اجازت ہے حکم مذکور صرف اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق ہے۔ اہل کتاب اس کو علمی اور مذہبی مسئلہ سمجھے ہوئے تھے اور کوئی اعجوبۂ روزگار واقعہ جانتے تھے۔ اس کی تعجب انگیزی کو کم کرنے کے لئے جھگڑا کرنے کی ممانعت فرما دی تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ تعداد یا نوعیت قصہ میں اختلاف کوئی مہتم بالشان امر نہیں جس میں مشغول رہ کر خواہ مخواہ وقت ضائع کیا جائے۔ وغیرہ۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ

اور بغیر انشاء اللہ کہے کسی کام کے متعلق یہ نہ کہو کہ میں کل

غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

اس کو کر دوں گا۔ اور اگر (انشاء اللہ کہنا) بھول جاؤ تو

اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ

جب (خیال آجائے) اللہ کی یاد کر لیا کرو اور کہہ دو کہ امید ہے میرا رب

رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ وَ

اس سے زیادہ بھلائی کی مجھے ہدایت کر دے اصحاب کہف

لَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ

اپنے غار میں تین سو سال رہے

وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

اور نو اور۔ تم کہہ دو اللہ ہی خوب واقف ہے

لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کتنے رہے اُسی کو آسمانوں کا اور زمین کا علم غیب ہے

اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ

وہ کیسا کچھ دیکھنے والا اور کیسا ہی اچھا سننے والا ہے اس کے سوا ان لوگوں کا

وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝

کوئی کارساز نہیں وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا

تفسیر کفار مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جب روح اور

ذوالقرنین اور اصحاب کہف کا حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میں کل بتاؤنگا انشاء اللہ نہیں فرمایا۔ اس پر بارہ یا پندرہ یا چالیس روز وحی نہ آئی حضور کو بے چینی ہوئی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی کام کرنے کا وعدہ بغیر انشاء اللہ کہے مت کیا کرو۔ یہ حکم عمومی ہے ہر مسلمان کو اسکی تعمیل کرنی چاہئے۔

بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بغیر اجازت الٰہی کے کسی کام کو کرنے کا وعدہ نہ کیا کرو۔ اس صورت میں حکم عام نہ ہوگا بلکہ رسول پاکؐ کے لئے خصوصی حکم مانا جائیگا۔ کیونکہ وحی الٰہی رسول اللہؐ کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں آتی۔ پھر اجازت الٰہی کس طرح معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہدایت فرماتا ہے کہ اگر انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جس وقت یاد آئے کہہ لیا کرو۔ شافعیؒ نے یہاں سے یہ بات نکالی ہے کہ اگر کسی بات کی قسم کھائی اور عرصہ کے بعد انشاء اللہ کہہ لیا اور پھر قسم کے خلاف کیا تو قسم شکن نہ مانا جائیگا۔ مگر تمام اہل فقہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کے ساتھ ملاکر انشاء اللہ کہیگا تو قابل اعتبار ہے۔ قسم کے خلاف ورزی سے حانث نہ ہوگا۔ اور فوراً ملاکر نہیں کہا ہے تو حانث ہوگا۔

اصحاب کہف کا مفصل قصہ سن کر کفار مکہ کو تعجب ہوا تھا تو ان کا تعجب دور کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ اے نبی تم ان سے کہہ دو کہ مجھے تو اس سے بھی بہتر اور زیادہ ہدایت آفریں خبروں کی امید اللہ کی طرف سے ہے یعنی قیامت، حشر نشر، جنت، دوزخ، ملائکہ، گذشتہ انبیاء کے حالات اللہ کی ذات و صفات کا علم اور آیات قدرت کی بصیرت افروز تحقیقات اصحاب کہف کے قصہ سے کہیں زیادہ ہدایت آفریں ہے۔

اس سے آگے اصحاب کہف کی مدت خواب تین سو نو برس ظاہر فرما کر مختلف فیہ مسئلہ کا فیصلہ کر دیا اور اپنے فیصلہ کو قابل وثوق اور واجب الیقین ثابت کرنے کے لئے فرمایا کہ چونکہ آسمان و زمین کا مخفی علم سوا خدا کے اور کوئی نہیں جانتا اور وہ اپنی علمی خصوصیات میں کسی کو شریک کرنا بھی پسند نہیں کرتا اس لئے اصحاب کہف کے متعلق اس کا جو فیصلہ ہے وہی صحیح ہے۔ اسی کو ان کی مدت خواب کا صحیح علم ہو سکتا ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ تین سو نو برس کی مدت جو خدا تعالیٰ نے بیان فرمائی وہ بطور حکایت بیان فرمائی۔ گویا یہ کہنا مقصود ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ تین سو نو برس سوتے رہے اپنا فیصلہ ظاہر کرنا مقصود نہیں اسی لئے فرما دیا کہ ان کی مدت خواب کا خدا ہی کو پورا علم ہے وہی دانا بینا ہے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔

مقصود بیان: بغیر انشاء اللہ کہے کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کا وعدہ کرنا جائز نہیں۔ اگر وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنا بھول جائے تو جس وقت یاد آجائے بطور تبرک کہہ لیا کرے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس سے وعدہ میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور وعدہ کی

خلاف ورزی کرنے سے اس صورت میں حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ بعد از وقت انشاء اللہ کہنا صرف موجب تبرک ہے۔ اصل وعدہ پر اثر انداز نہیں۔ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ الآیہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ آیات الٰہیہ کا مطالعہ قصص و قصہ و کی خبریں، حشر و نشر کے احوال، ذات و صفات کے عقائد کی تعلیم اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ ہدایت آگین اور بصیرت افزا ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ

اور تم اپنے پروردگار کی کتاب جو وحی کے ذریعہ سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے پڑھ کر سنا

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ

اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور تم کو اس کے سوا کوئی جائے پناہ

مُلْتَحَدًا ○ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ

نہیں ملے گی (اے نبی) اپنی ذات کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھو جو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ

اس کی خوشنودی چاہتے ہیں تمہاری نظر ان کی طرف سے نہ پھرے

تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ

کہیں دنیوی زندگی کی آرائش کی خواہش کرنے لگو اور اس شخص کا کہنا مت

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ

جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد کی طرف سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی

هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○ وَقُلِ

خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اس کا کام حد سے گذرا ہوا ہے اور کہہ دو

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ

کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آگیا۔ اب جو چاہے مانے

وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ

جو چاہے نہ مانے ہم نے ظالموں کے لئے آگ

نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا

جیتیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو گھیر لینگی اور اگر وہ فریاد کرینگے

يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ

تو فریادرسی ایسے پانی سے کی جائیگی جو پگھلے ہوئے پانی کی طرح ہوگا وہ ان کے

بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ۝

چہروں کو جھلس دیگا۔ کیسا برا پانی ہے اور دوزخ کیسی بری جگہ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہم

لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ

نیکوکاروں کے ثواب کو برباد نہ کرینگے انہی کے لئے

لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ

دوامی جنتیں ہیں جن کے اندر نہریں بہتی ہونگی

الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ

اہل جنت کو جنت کے اندر سونے کے کنگن پہنائے جائینگے

ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ

اور ریشم و اطلس کے سبز کپڑے وہ پہنیں گے

وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ

وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے

نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ۧ

کیا اچھا ثواب ہوگا اور جنت آرام کی اچھی جگہ ہے

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ نے چند احکام نازل فرمائے ہیں (۱) تبلیغ وحی کا التزام اور عدم تحریف قرآن کی صراحت۔ (۲) مخلص ایماندار نیکوکاروں کے ساتھ رہنے کا حکم اور ان کی طرف سے روگردانی کی ممانعت (۳) بدسرشت دل بستہ نفس پرست کافروں کا کہنا ماننے سے باز داشت (۴) ایمان یا کفر کو اختیار کرنے کا اعلان (۵) کافروں اور نیکوں کی جزا سزا کا بیان۔

تفسیری مطلب بیان کرنے سے قبل ہم آیات کا سبب نزول لکھتے ہیں بیہقی نے بروایت سلمان فارسی بیان کیا کہ حضور اقدسؐ کو بعض اسلامی اغراض کے تحت عیینہ بن حصن فزاری، اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس وغیرہ سرداروں کی تالیف قلوب اور خاطرداری منظور تھی۔ سرداران مذکور نے ایک روز حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کیا اچھا ہو کہ آپ صدر مجلس میں بیٹھیں اور اُن لوگوں سے جن کے کپڑوں میں بدبو آتی ہے اور بالوں میں خاک اُڑتی ہے الگ ہو جائیں۔ اگر آپ ایسا کرینگے تو ہم لوگ آپ کے پاس آکر بیٹھیں گے باتیں کرینگے اور قرآنی احکام اخذ کرینگے۔ اُس وقت اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ سے آخر تک آیات کا نزول ہوا۔ کفار نے ابوذر اور سلمان جیسے فقراءِ مسلمین سے اظہار تنفر کیا تھا اور ان کی غریبانہ معاشرت کو مکروہ جانتے ہوئے حضور والاؐ سے مذکورہ درخواست کی تھی۔ ابوالشیخ نے اس روایت میں اتنا اور بیان کیا ہے کہ نزول آیات کے بعد حضور والاؐ اُن لوگوں کی تلاش میں نکلے جن کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ کاشانۂ نبوت سے باہر آکر ملاحظہ فرمایا کہ کچھ لوگ مسجد کے اندر ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔ ارشاد فرمایا الحمد للہ کہ میرے انتقال سے قبل خدا تعالیٰ نے ایسے آدمی فراہم کر دیے جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔

اگر اس سبب نزول کو صحیح مان لیا جائے تو آیت کو مستثنیٰ کرنا پڑیگا کیونکہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے اور سورت مکی ہے۔

ابن کثیر نے آیات کو بھی مکی کہا ہے اور سبب نزول میں بیان کیا ہے کہ اشراف قریش نے حضور اقدسؐ سے عرض کیا تھا کہ ہمارے ساتھ تنہا آکر بیٹھا کیجئے۔ بلال، عمار، صہیب، خباب اور ابن مسعود جیسے ذلیل لوگوں کو مجلس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیجئے۔ بلکہ ان کے لئے کوئی علیحدہ جلسہ کیجئے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ الخ نازل فرمائی جس کا مفاد یہ تھا کہ کمزور نیکوکار عبادت گذار مسلمانوں کو مجلس سے خارج نہ کرو۔ اور اسی قصہ کے متعلق آیت وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الخ نازل فرمائی جس میں عبادت گذار اطاعت شعار مخلص مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔ ہمارے نزدیک مؤخر الذکر سبب نزول ارجح ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں جو حکم نازل ہوا وہ واجب الاتباع اور لازم التبلیغ ہے کسی کے کہنے سننے اور خواہش کرنے سے اس کے احکام منسوخ نہیں ہو سکتے نہ بدلے جا سکتے ہیں (اگر نسخ ہوتا بھی ہے تو اللہ خود بحکمت و مشیت نسخ کرتا ہے اُس کے سوا کوئی منسوخ نہیں کر سکتا نہ بدل سکتا ہے) لہٰذا آپ اس کے کل احکام بغیر کسی کی رعایت و رواداری کے

امت کو سنا ئیے اور ان ذاکر شاغل کامل مومنوں کے ساتھ رہو جو ذات الٰہی
کے طالب ہیں ان سے روگردانی نہ کرو اور دولتمند غافل القلب نفس پرست
کافروں کی طرف میلان خاطر نہ کرو۔ کیونکہ دنیوی جمال و کمال سے
اسلام کی رونق نہیں۔ بلکہ عام اعلان کردو کہ دین حق اللہ کی طرف سے
آگیا جس کا دل چاہے مانے نہ دل چاہے نہ مانے۔ کسی کی رعایت نہیں
کی جاسکتی نہ کسی پر جبر ہے۔ نیکوکار مومنوں کو اجر عظیم ملیگا اور بدکار
کافروں کو ابدی ہلاکت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اب ہم تفسیر اجزاء
کرتے ہیں:۔

(۱) رسول پاک صلعم اگرچہ احکام قرآنی پر پورا پورا عمل کرتے تھے
لیکن کافر سرداروں کے مسلمان ہونے کی خواہش حضور صلعم کو بہت زیادہ
تھی۔ اس لئے ان کی بعض درخواستوں کی تکمیل کا خیال حضور کے دل
میں پیدا ہوگیا تھا۔ چونکہ ان کی درخواست قبول کرنے میں احکام الٰہی
کی تبلیغ میں کوتاہی کا اندیشہ تھا۔ اس لئے واضح طور پر فرمادیا کہ اللہ کی
کتاب کا ہر حکم لوگوں تک پہنچاؤ، پڑھ کر سناؤ۔ اس کے احکام کو کوئی بدل نہیں سکتا۔
یہاں ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ احکام الٰہی کی تبدیل تو باجماع اہل
سنت ہوئی ہے کتنے ہی احکام کو قرآن نے خود منسوخ کردیا۔ پھر نہ بدل سکنے
کے کیا معنی۔ اس شبہہ کا ازالہ اس طرح کیا گیا ہے کہ بہ سیاق آیات
مُبَدِّل سے ناسخ مراد نہیں نسخ تو احکام میں ہوا ہے۔ مگر نسخ کرنے والا
بھی تو خدا ہی ہے نسخ بھی ایک حکم الٰہی ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ کسی کی
خواہش اور رواداری سے احکام کو نہیں بدلا جاسکتا اور اللہ کے سوا
کوئی اور بدل سکنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

(۲) صبح شام دعا کرنے سے مراد یا تو ہر وقت یاد الٰہی کرنا ہے
جن کا آغاز صبح سے اور رات کا آغاز شام سے ہوتا ہے اور یہی دو وقت
فرشتوں کے تبادلہ کے ہیں۔ اس لئے غداۃ و عشی بول کر تمام اوقات
مراد لئے۔ یا فجر و مغرب کی نمازیں مراد ہیں۔ ابن عباس اور ابن عمر کے
نزدیک پنجگانہ نمازیں مراد ہیں۔ غداۃ سے اشارہ دن کی تینوں نمازوں
کی طرف اور عشی سے رات کی دونوں نمازوں کی طرف ہے۔

(۳) حضور صلعم دل سے تو کبھی دنیوی مال و متاع کی طرف راغب
تھے نہیں نہ دنیوی شان و شکوہ آپ کے خیالات کو اپنی طرف جذب کرسکتا
تھا۔ بلکہ عمومی ہدایت کی حضور کو انتہائی رغبت تھی اس لئے جہاں تک
ممکن ہوتا آپ لوگوں کو مسلمان کرنے کی تدبیریں کرتے اور ان کے سامنے
آسان سے آسان طریقے پیش کرتے لیکن جن لوگوں کی سرشت بگڑی ہوئی
تھی، جن کے دلوں پر غفلت و جہالت کے پردے پڑے تھے جن کی مادی
قوتیں روحانی قوت پر کامل تسلط رکھتی تھیں جو شاہ راہ عقل کو چھوڑ کر نفسانی
خواہشات کی پگڈنڈیوں پر گامزن تھے ان سے اسلام کی امید ہی
نہیں ہوسکتی۔ ان کا راہ راست پر آنا ہی ناممکن تھا۔ اس لئے عام طور
پر حکم دیا۔ یا کہ ایسے بدلیت کافروں کی رعایت مت کرو اور ان کی کسی
درخواست کو قبول نہ کرو۔ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ سے بعض مفسرین
کے نزدیک امیہ بن خلف اور بعض کے نزدیک عیینہ بن حصن فزاری کی طرف اشارہ ہے

(۴) اللہ نے انسان کو خود مختار پیدا کیا ہے مجبور نہیں کیا۔ انسان کو
اگرچہ تخلیق و ایجاد پر قدرت عطا نہیں کی۔ مگر ارتکاب و کسب کا اختیار
ضرور دیا ہے۔ خیر و شر حسن و قبیح اور ہدایت و ضلالت کا پسند کرنا انسان
کا کام ہے اسی لئے صاف اعلان کردیا کہ کتاب حق کے نزول اور رسول
برحق کی بعثت کے بعد عام اجازت ہے جس کا دل چاہے ایمان لائے اور
جس کا دل چاہے کافر رہے نہ تو کسی پر جبر ہے نہ کسی کی مرضی و مشیت کو
احکام کی ترمیم و تنسیخ اور تغییر میں دخل ہے۔

(۵) انسان کو خدا تعالیٰ نے تین قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ روحانیہ،
شہوانیہ اور غضبیہ۔ تینوں قوتوں کا مطمح نظر جدا جدا ہے ہر ایک کا مقصد
علیحدہ ہے۔ ایک کی جو غایت ہے دوسری قوت کے لئے وہ باعث کیف و
لذت نہیں۔ روحانی سعادت کا احساس انسان کی مادی قوتیں نہیں کرسکتیں
اور مادی خواہشات کی تکمیل سے روح مجرد کو لذت حاصل نہیں ہوسکتی۔ انسان
کی دوبارہ زندگی باوجود جسمانی ہونے کے خدا جانے کس کیفیت و حالت کی
حامل ہوگی اور یہ بھی نہیں معلوم کہ کن قوتوں سے انسان کے بدن کی ترکیب
ہوگی۔ آخرت کی جو نعمتیں یا سزائیں ہونگی ان کی پوری کیفیت کیت حالت
اور عوارض کا بھی علم نہیں ہوسکتا۔ جو چیز آنکھ سے دیکھی نہ ہو، کان سے
سنی نہ ہو، ناک سے سونگھی نہ ہو، ہاتھ سے چھوئی نہ ہو، زبان سے چکھی نہ ہو
اور دماغ میں کبھی اس کا تصور نہ آیا ہو اس کی حالت کا بیان کس طرح ممکن
ہے اور بیان بھی اگر ممکن ہو تو انسانی تخیل و ادراک کی وہاں رسائی کس
طرح ہو۔ غیر محسوس اور غیر مدرک کیفیت کس طرح سمجھ میں آئے۔ اگر سمجھانے
کی کوئی صورت ممکن ہے تو صرف یہ کہ ان مقدس نعمتوں اور خارج از تصور
عذابوں کے نام وہی رکھ دیے جائیں جن کو انسان اپنے ماحول میں دیکھنے
سننے اور سمجھنے کا عادی ہے۔ واقع میں اگرچہ آخرت کی جزا سزا ایسی نہ ہوگی
جیسی ہم دنیا میں دیکھنے اور سننے کے عادی ہیں مگر اس کو سمجھنے کی بجز اس
یہی صورت ہے کہ اس کا نام کیفیت اور حالت اسی تحسین و تلذذ و تعبیر
کے ماتحت ظاہر کیا جائے جس کے ہم خوگر ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے
اجر آخرت اور عذاب عاقبت کی تعبیر انہی الفاظ میں کی جن کو سننے کے
ہم عادی تھے۔ ہم بہترین غذا، بہترین شربت، اعلیٰ ترین مکان، اعلیٰ
ترین لباس، فرماں بردار و دلکش خادم، کامیاب ترین خود مختار حکومت
اور جنسی تعلقات کی تکمیل کے لئے حسین ترین عورتوں کے طلبگار ہیں۔ یہ
تمام شہوانی اور غضبی قوتوں کے اقتضائیات ہیں۔ لیکن کیف روحانی اور

اذیت عقلی اس سے جدا چیز ہے۔ اسی طرح جسمانی تکالیف کے تمام اسباب آگ، سانپ، بچھو وغیرہ، بدترین، متعفن، نجس، بدمزہ اور غیر مفید غذائیں، ہیبت ناک ہیئت، قوی ہیکل، خبیث الطبع، عذاب دینے والے یہ سب چیزیں مادی قوتوں کے مکروہات میں سے ہیں اور عقلی عذاب، جہالت، غفلت اور قرب الٰہی سے دوری ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں اور دوسرے مختلف مقامات پر آخرت کی جزا سزا کو ہمارے مانوس الفاظ میں بیان فرما دیا اور ہمارے ماحول کے پیش نظر ترہیب و ترغیب دیکر عقیدہ و عمل کی اصلاح فرمائی۔ یہی حقیقت ہے جو ہر جگہ جنت و دوزخ کے ذکر میں کارفرما ہے اور یہی مقصد ہے جس کے اظہار کے لئے ہمارا ماحول پیرایہ بیان جا بجا اختیار فرمایا ہے۔

مقصود بیان:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ احکام کا وجوب۔ اس امر کی صراحت کہ احکام الٰہی کسی کی خواہش سے بدلے نہیں جا سکتے۔ نیکوکار، عبادت گذار بندوں کی صحبت میں رہنے کی ہدایت۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ سے اس بات کی لطیف ایماء کہ مسلمان پر رضاء مولا کی جستجو لازم ہے۔ وہ لوگ جو رضائے الٰہی کے طالب ہوں خواہ ظاہری حالت ان کی کتنی ہی خستہ ہو مگر قابل عظمت ہیں۔ لہو ولعب میں منہمک رہ کر یاد خدا سے غافل رہنے والے نفس پرست کتنے ہی دولتمند یا وجاہت اور پرشکوہ ہوں مگر ناقابل صحبت اور ممنوع المعاشرت ہیں۔ اسلام پر مجبور کرنا یا کسی بڑے آدمی کے خیال سے مؤمن فقراء کی طرف سے روگردانی کرنا جائز نہیں۔ وغیرہ۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا
ان کے سامنے ایک مثال بیان کرو دو آدمی ہیں ایک کے تو
لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّ
انگوروں کے دو باغ ہیں جن کے
حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ؕ
گردا گرد کھجوروں کا باڑھ ہم نے لگا دیا ہے اور دونوں باغوں کے درمیان کھیتی اگا دی
كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ
اور دونوں باغ پھلوں سے لدے ہوئے ہیں میوے میں
مِّنْهُ شَيْـًٔا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّ
کوئی کمی نہیں اور دونوں کے درمیان ہم نے نہر بھی جاری کر دی اور

كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ
باغ والے کو بہتیرے پھل ملتے ہیں (ایک دن) دوران گفتگو میں اس نے اپنے ساتھی
يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ
سے کہا میں تجھ سے زیادہ مال دار اور جتھے میں غالب
نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ
ہوں اس ناحق کوشی کی حالت میں وہ اپنے باغ میں گیا
لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ
تو بولا میرا گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو
اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً
اور مجھے یہ بھی خیال نہیں کہ قیامت بپا ہوگی
وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا
اور اگر مجھے اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا بھی پڑا تو اس باغ سے بہتر
مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ
وہاں پاؤں گا اس کے ساتھی نے اس کو جواب دیتے
يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ
ہوئے کہا کیا تو اس خدا کا منکر ہو گیا جس نے تجھے مٹی سے
مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ
بنایا پھر نطفہ سے پھر تجھے پورا آدمی
رَجُلًا ۝ؕ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ
بنا دیا لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے میں اپنے رب کا
بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ
کسی کو شریک نہیں کرتا اور جب تو اپنے باغ میں آیا تھا تو تو نے
قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ
ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کیوں نہیں کہا

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝

اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ تجھ سے مال و اولاد میں کم ہوں

فَعَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

تو کیا عجب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کر دے

وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ

اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیجدے جس کی وجہ سے وہ

صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا

چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا اُس کا پانی خشک ہو جائے

فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ

پھر تو اُس کو کسی طرح طلب بھی نہ کر سکے - غرض اُس کے پھل (آفت میں)

فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا

گھیر لئے گئے تو وہ اُس لاگت پر ہاتھ ملنے لگا جو اُس نے باغ میں لگائی تھی

وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ

اور باغ اپنی ٹٹیوں پر گر پڑا اور وہ شخص کہنے لگا

يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّىْٓ اَحَدًا ۝ وَ

کاش میں اپنے رب کا کسی کو شریک نہ بناتا اُس کی

لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کوئی جماعت ایسی نہ ہوئی جو اللہ کے سوا اُس کی مدد کرتی

وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ؕ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ

اور نہ وہ خود انتقام لے سکا اُس وقت سب اختیار خدائے برحق ہی کا ہے

لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝۴۴ ع

کو ہے وہی بہترین ثواب اور بدلا دینے والا ہے

تفسیر ابن کثیر، بیضاوی، محی السنۃ اور مفسر سراج وغیرہم نے لکھا ہے کہ گذشتہ آیات میں اُن مشرکین کی حالت کا بیان کیا تھا جو مال کی وسعت، اولاد کی کثرت اور دنیوی عزت و شوکت

پر نازاں تھے - مالی فراخی کو سرمایۂ افتخار جانتے اور جسمانی عیش و راحت کو لازوال سمجھتے تھے - فقراء صحابہ افلاس کے سبب اُن کی نظروں میں حقیر اور قابلِ نفرت تھے - اور بے کس بے بس مخلص مومن اُن کے نزدیک ذلیل تھے - لیکن انجام کار مغرور متکبر طبقہ تباہ ہوا - سب عیش و آرام اور دولت و ثروت خاک میں مل گئی - دنیا بھی برباد ہوئی اور دین میں بھی روسیاہی نصیب ہوئی - اور وہ طبقہ جو مالدار کافروں کی نظروں میں ذلیل و حقیر تھا اُس کو خدا تعالیٰ نے دنیوی عروج اور دینی فلاح عطا فرمائی دنیا میں بھی عزت شوکت حکومت اور دولت مرحمت کی اور اجر آخرت بھی عنایت کیا - ان دونوں گروہوں کی تمثیل کے لئے دو آدمیوں کا قصہ بیان فرمایا - یہ دو آدمی صرف فرضی تھے جن کا تذکرہ محض تشبیہ و تمثیل کے لئے کیا گیا یا واقعی ایسے صفات کے دو شخص تھے؟ اس کے متعلق اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے - بعض مفسرین کا قول ہے کہ جن دو شخصوں کی حالت سے تشبیہ دی ہے اُن میں سے ایک ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد بن یالیل تھے اور دوسرا اُن کا بھائی اسود بن عبد الاسد تھا - بعض مفسرین نے بحوالہ ابن عباس بیان کیا کہ یہ دو اسرائیلیوں کی مثال ہے جن میں سے ایک کا نام یہودا (اور بقول مقاتل تملیخا) تھا - دوسرے کا نام قطروس یا فرطوس (اور بقول وہب قطفیر) تھا - اول الذکر مومن اور آخر الذکر کافر تھا - عطا خراسانی نے دونوں کا قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ دونوں بھائی باہم شریک تھے - دونوں کے پاس چار چار ہزار دینار تھے - فرطوس نے ایک ہزار میں زمین خریدی - ایک ہزار صرف کر کے باغ لگایا - ایک ہزار خرچ کر کے شاندار نکاح کیا اور ایک ہزار سے باندی غلام اور عیش و تنعم کا سامان فراہم کیا - یہودا جب اپنے ساتھی کو خرچ کرتے دیکھتے تو خود بھی اُسی قدر خیرات کر دیتے اور یہ کہہ کر مساکین و فقراء کو تقسیم کر دیتے کہ الٰہی میرے رفیق نے فانی زمین خریدی میں تجھ سے بہشت کی زمین خریدتا ہوں - میرے ساتھی نے باغ لگایا ہے میں تجھ سے جنت چاہتا ہوں - میرے شریک نے دنیا کی عورت سے شادی کی ہے میں تجھ سے حورِ بہشتی کا طلبگار ہوں - میرے بھائی نے ناپائیدار خدم و حشم اور فانی اسباب عیش و طرب خریدا ہے میں تجھ سے لازوال ابدی نعمتوں کا خواستگار ہوں - اس کے بعد یہودا کو فرطوس اپنا باغ دکھانے لے گیا جس کا مفصل قصہ آیات میں مذکور ہے -

اس قصہ میں مسلمانوں کو تسلی دینی مقصود ہے کہ ناداری کا غم نہ کریں اور کافروں کو تنبیہ کرنی غرض ہے کہ دنیوی جاہ و حشم اور عیش و نعم پر مغرور نہ ہوں یہ ناپائیدار چیزیں ہیں - اب ہم آیات کا تجزیہ کر کے جدا جدا تشریح کرتے ہیں -

وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا - ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کسی درخت میں کمی نہیں